دروس البلاغہ

(مکمل کتاب: از مقدمہ فصاحت تا علم المعانی، علم البیان اور علم البدیع)

صوتی دروس، حل عبارت، اشعار کی تشریح اور بلاغی نکات کا مرتب علمی مسودہ (۱۸۸ اسباق)

افادات و تدریس:

حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ

جامعہ محمد موسیٰ روحانی بازی، رائے ونڈ لاہور

طالبِ دعا و مرتب:

محمد ساجد اکرم

جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

التماسِ دعا و ایصالِ ثواب

اس علمی خدمت سے استفادہ کرنے والے تمام معزز اساتذہ، علماء اور طلبۂ کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ مرتب کی والدۂ مرحومہ اور ہمشیرۂ مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں:

« یا اللہ! ان کی چھوٹی بڑی تمام لغزشوں کو معاف فرما، ان کی قبروں کو نور سے منور کر، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرما۔ نیز میرے تمام علمی محسنین اور اساتذہ کے درجات بلند فرما۔ آمین! »

طالبِ دعا و مرتب:

محمد ساجد اکرم

جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

مختصر فہرستِ فنون، ابواب واسباقِ دروس البلاغہ

(مطلوبہ فن، باب، مبحث یا سبق پر کلک کر کے براہِ راست اس صفحے پر پہنچیں)

شمار	فن / باب / حصہ	شامل اہم ابواب ومباحث	اسباق	صفحہ
۱	تمہید واعجازِ قرآن	ابتدائی دعا، تعارفِ کتاب ومصنفین، اعجازِ قرآن کے چھ اقوال، سبعہ معلقات اور قرآنی لطائف	۱تا۳	۲
۲	مقدمہ: الفصاحۃ والبلاغۃ	وجہِ حصر، تنافر، مخالفتِ قیاس، غرابت، ضعفِ تالیف، تعقیدِ لفظی ومعنوی، بلاغتِ کلام و متکلم	۴تا۱۶	۹
۳	الفن الأول: علم المعانی (۱)	تعریفِ علمِ معانی، الباب الأول: الخبر والإنشاء، اضربِ خبر، امر، نہی، استفہام، تمنی ونداء	۱۷تا۳۴	۷۷
۴	علم المعانی (ابواب ۲ تا ۴)	الباب الثانی: الذکر والحذف، الباب الثالث: التقدیم والتأخیر، الباب الرابع: التعریف والتنکیر (اقسامِ معرفہ ونکرہ)	۳۵تا۴۸	۱۹۲
۵	علم المعانی (ابواب ۵ تا ۸ وخاتمہ)	الاطلاق والتقیید، القصر، الوصل والفصل، الایجاز والاطناب والمساواۃ، خلافِ مقتضائے ظاہر والتفات	۴۹تا۶۵	۳۰۰
۶	الفن الثانی: علم البیان	ارکانِ تشبیہ، اقسامِ تشبیہ، اغراضِ تشبیہ، مجازِ لغوی، استعارہ (مصرحہ، مکنیہ، اصلیہ، تبعیہ، مرشحہ)، مجازِ مرکب وعقلی، کنایہ	۶۶تا۷۴	۴۳۹
۷	الفن الثالث: علم البدیع (معنویہ)	توریہ، ایہام، طباق، مقابلہ، تدبیج، ادماج، مراعاۃ النظیر، استخدام، استطراد، جمع، تفریق، تقسیم، لف ونشر، مبالغہ، تجرید، حسنِ تعلیل	۷۵تا۸۱	۵۱۵
۸	محسناتِ لفظیہ وخاتمۂ کتاب	تشابہ الاطراف، جناسِ تام، جناسِ غیر تام، تصدیر، سجع، مقلوب، عکس، تشریع، سرقاتِ شعریہ، اقتباس، تضمین، عقد وحل، تلمیح، حسنِ تخلص وانتہاء	۸۲تا۸۸	۵۶۳

کلک ایبل اشاریۂ ابواب ومباحثِ دروس البلاغہ (مع نمبرِ سبق وصفحہ)

باب / مبحث کا عنوان	سبق	صفحہ	باب / مبحث کا عنوان	سبق	صفحہ
تعارفِ کتاب، اعجاز قرآن اور سبعہ معلقات	۱–۳	۲	توابع (نعت، تاکید، عطفِ بیان، بدل، عطفِ نسق) سے تقیید	۵۳–۵۴	۳۳۴
مقدمہ: تعریفِ فصاحت، تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس وغرابت	۴–۷	۱۰	الباب السادس: قصرِ حقیقی واضافی اور طرقِ قصر	۵۵	۳۴۸
فصاحتِ کلام: تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف اور مرجعِ ضمیر	۸–۹	۳۱	الباب السابع: وصل بالواؤ کے دو اور فصل کے پانچ مقامات	۵۶–۵۸	۳۵۵
تعقیدِ لفظی ومعنوی اور مجاز وکنایہ کا فرق	۱۰–۱۲	۴۳	الباب الثامن: مساوات، ایجاز (قصر وحذف) اور اقسامِ اطناب	۵۹–۶۲	۳۸۰
بلاغتِ کلام ومتکلم، مقتضائے حال اور چھ معیارات	۱۳–۱۶	۵۹	خاتمۂ علمِ معانی: خلافِ مقتضائے ظاہر، التفات واسلوبِ حکیم	۶۳–۶۵	۴۱۲
علم المعانی: تعریف، خبر وانشاء، مسند الیہ اور مسند	۱۷–۲۱	۷۸	علم البیان: تشبیہ کے ارکان، اقسام اور اغراضِ تشبیہ	۶۶–۶۹	۴۴۰
جملہ فعلیہ واسمیہ (حدوث وثبوت)، اغراض اور اضربِ خبر	۲۲–۲۵	۱۰۸	استعارہ (مصرحہ، مکنیہ، اصلیہ، تبعیہ، مرشحہ) اور مجازِ مرسل	۷۰–۷۲	۴۷۴
انشائے طلبی: امر اور نہی کے صیغے اور مجازی معانی	۲۶–۲۸	۱۳۲	مجازِ مرکب، استعارہ تمثیلیہ، مجازِ عقلی اور اقسامِ کنایہ	۷۳–۷۴	۴۹۷
بحثِ استفہام (ہمزہ، ہل، ما، من، متیٰ وغیرہ) اور مجازی معانی	۲۹–۳۲	۱۵۲	علم البدیع (محسناتِ معنویہ): توریہ، طباق، مقابلہ، ادماج، مراعاۃ	۷۵–۷۶	۵۱۶
بحثِ تمنی (فرقِ تمنی وترجی) اور بحثِ نداء	۳۳–۳۴	۱۷۶	استخدام، استطراد، افتنان، جمع، تفریق، تقسیم، طی ونشر، مبالغہ	۷۷–۷۹	۵۲۹
الباب الثانی: دواعیِ ذکر اور دواعیِ حذفِ مسند الیہ ومسند	۳۵–۳۸	۱۹۳	تاکید المدح والذم، تجرید، حسنِ تعلیل، مشاکلہ، مزاوجہ، عکس	۸۰–۸۱	۵۵۱
الباب الثالث: دواعیِ تقدیم، عمومِ سلب اور سلبِ عموم	۳۹–۴۰	۲۱۸	محسناتِ لفظیہ: تشابہ الاطراف، جناسِ تام وغیر تام اور تصدیر	۸۲–۸۳	۵۶۴
الباب الرابع: ضمیر، علم، اسمِ اشارہ اور موصول کے نکات	۴۱–۴۴	۲۳۵	سجع (مطرف، متوازی، مرصع)، مقلوب، عکس، تشریع، موازبہ، اکتلاف	۸۴–۸۵	۵۷۸
معرف باللام، مضاف الی المعرفہ، منادیٰ اور دواعیِ تنکیر	۴۵–۴۸	۲۶۹	خاتمۂ بدیع: سرقاتِ شعریہ، اقتباس، تضمین، عقد وحل اور تلمیح	۸۵–۸۷	۵۸۴
الباب الخامس (اطلاق وتقیید): مفاعیل، نواسخ، شرط (إن، إذا، لو) اور نفی (اسباق ۴۹–۵۲، ص ۳۰۱)			حسنِ ابتداء، تخلص وانتہاء: براعۃ الاستہلال، براعۃ الطلب ودعائے ختم (اسباق ۸۷–۸۸، ص ۵۹۶)		

«کتاب کے آخر میں مکمل تفصیلی فہرستِ اسباق وذیلی عناوین (صفحہ ۶۰۷) پر جانے کے لیے یہاں کلک کریں»

سبق نمبر ۱: افتتاحِ درس: مسنون دعائیں اور متنِ دروس البلاغہ کی ابتدائی تلاوت برائے برکت

مقدمہ وتمہید کتاب ــــ بتاریخ: ۱۹ ستمبر ۲۰۱۲ء

ابتدائی مسنون دعائیں اور خطبہ

اچھا آیئے بھئی شروع میں دعا پڑھ لیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ، وَبِكَ نَسْتَعِينُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذِهِ الْعُلُومَ وَلَا تُعَسِّرْهَا وَتَمِّمْهَا بِالْخَيْرِ، وَبِكَ نَسْتَعِينُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ، وَبِكَ نَسْتَعِينُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

اللَّهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَنَا وَقُلُوبَنَا۔ اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا وَاشْرَحْ صُدُورَنَا۔ اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا، اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا، اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا بِبَرَكَةِ سُنَّةِ رَسُولِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اللَّهُمَّ أَصْلِحْ قُلُوبَنَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ يَا عَزِيزُ يَا لَطِيفُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ أَحْيَا سُنَّةَ رَسُولِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ وَحُبَّ نَبِيِّكَ وَحُبَّ الْقُرْآنِ وَحُبَّ الْإِسْلَامِ وَحُبَّ الصَّحَابَةِ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ يَا مُنَوِّرَ الْقُلُوبِ، يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ، يَا شَافِيَ الْأَمْرَاضِ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا كَرِيمُ يَا لَطِيفُ، يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيمُ، يَا سَتَّارُ يَا غَفَّارُ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

اللَّهُمَّ يَسِّرْ لَنَا هٰذِهِ الْعُلُومَ وَلَا تُعَسِّرْهَا وَتَمِّمْهَا بِالْخَيْرِ۔ اللَّهُمَّ وَفِّقْنَا لِمُطَالَعَةِ هٰذِهِ الْعُلُومِ۔ اللَّهُمَّ يَسِّرْ لَنَا أَسْرَارَهَا وَفَوَائِدَهَا وَأَحْكَامَهَا۔ اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا فَلَا مُنَوِّرَ إِلَّا أَنْتَ، وَاشْرَحْ صُدُورَنَا فَلَا شَارِحَ إِلَّا أَنْتَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الصَّائِمِينَ الْمُصَلِّينَ الشَّاكِرِينَ الذَّاكِرِينَ الْمُحْسِنِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ۔ رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا

عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا۔ رَبَّنَا زِدْنَا حُبًّا لَكَ وَلِرَسُولِكَ وَلِصَحَابَةِ رَسُولِكَ۔ رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا۔ اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُبُورَنَا، اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُبُورَنَا، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ يَا اللهُ، يَا اللهُ، يَا اللهُ، يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيمُ، يَا غَفَّارُ يَا سَتَّارُ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ أَحْيَا سُنَّةَ نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ آمِينَ، آمِينَ، آمِينَ، ثُمَّ آمِينَ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

■ متنِ دروس البلاغہ کی ابتدائی تلاوت برائے برکت

اچھا بھئی اب کوئی طالب علم تھوڑی سی عبارت بھی پڑھ لے کتاب کی بھئی۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُورِ، يُقَالُ: أَفْصَحَ الصَّبِيُّ فِي مَنْطِقِهِ إِذَا بَانَ وَظَهَرَ كَلَامُهُ۔ وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ۔ فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوفِ وَمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ وَالْغَرَابَةِ۔ فَتَنَافُرُ الْحُرُوفِ وَصْفٌ فِي الْكَلِمَةِ يُوجِبُ ثِقَلَهَا عَلَى اللِّسَانِ وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهَا، نَحْوُ الظَّشِّ لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ، وَالْهُعْخُعِ لِنَبَاتٍ تَرْعَاهُ الْإِبِلُ، وَالنُّقَاخِ لِلْمَاءِ الْعَذْبِ الصَّافِي، وَالْمُسْتَشْزِرِ لِلْمَفْتُولِ۔

چلیے بس بھئی، اب کل ان شاء اللہ سبق کو باقاعدہ شروع کریں گے۔ آج بدھ کا دن تھا، ابتدا ہو گئی، دعا ہو گئی۔

سبق نمبر ۲: تعارفِ کتاب و مصنفین اور اعجازِ قرآن کے متعلق علمائے امت کے پانچ اقوال

مقدمہ و تمہیدِ کتاب ــــ بتاریخ: ۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ کتاب « دروس البلاغہ » اور اس کے مصنفین کا تعارف

اچھا بھئی ہم دُرُوسُ الْبَلَاغَةِ کتاب شروع کرنے والے ہیں۔ یاد رکھیے دُرُوسُ الْبَلَاغَةِ کے بارے میں کہ یہ آج سے تقریباً سو سال قبل بعض مصری علماء، اہلِ علم حضرات نے ابتدائی درجات کے طلباء کے لیے عربی قواعد کی کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا بھئی۔ ابتدائی درجات کے طلباء کے لیے عربی قواعد کی کچھ کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، بڑی کتابوں ہی سے اخذ کرتے ہوئے ابتدائی درجات کے طلباء کے لیے وہ عربی زبان میں انہوں نے چند کتابیں تیار کیں بھئی۔ اور یہ دُرُوسُ الْبَلَاغَةِ بھی اسی سلسلے میں فنِ بلاغت کے اندر انہوں نے لکھی۔ اور آج کل مصر کے اندر بھی وہ کتابیں عربی قواعد کی جو ہیں وہ ابتدائی درجات کے طلباء کو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، اور یہ دُرُوسُ الْبَلَاغَةِ یہاں پر بھی مدارس کے نصاب میں داخل کی گئی ہے بھئی۔

یہ کتاب کے جو مصنف، ان کے نام کتاب پر دیے ہوئے ہیں آپ کے: حِفْنِي نَاصِف، مُحَمَّد دِيَاب، سُلْطَان مُحَمَّد، مُصْطَفٰى طَمُوم بھئی۔ یہ کچھ اہلِ علم حضرات علماء تھے جنہوں نے مل کر یہ کتابیں لکھیں بھئی۔ تو بڑی پیاری اور مفید کتاب لکھی۔ اور علمِ بلاغت کے اندر ہے یہ کتاب، تو شروع میں علمِ بلاغت کے بارے میں مختصراً ایک بحث لکھ لیجیے بھئی۔ جی، ایک ابتدا میں ایک بحث لکھ لیجیے۔

■ اعجازِ قرآن کے متعلق علمائے کرام کے اقوال کا بیان

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر تیئس سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ قرآنِ کریم سرورِ کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا وہ معجزہ ہے جو آج بھی زندہ ہے۔ آگے الگ سطر میں لکھیے: اس بات میں تو علماء کا اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم پیغمبر عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کا معجزہ ہے، لیکن قرآن کس اعتبار سے مُعْجِز ہے، اس سلسلہ میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔

■ قولِ اول و ثانی: ذکرِ مغیبات اور اسلوبِ بیان کا اعجاز

قولِ اول: بعض علماء لکھتے ہیں کہ قرآن مُعْجِز ہے ذکرِ مغیبات کی وجہ سے، یعنی اس میں غیب کی خبریں دی گئیں، اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں غیب کی خبریں دی گئی ہوں اور وہ حرف بہ حرف پوری ہوں۔

قولِ ثانی: بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے اپنے اسلوبِ بیان کی وجہ سے۔ اسلوبِ بیان بھئی اندازِ بیان۔ قرآن کا انداز بڑا عجیب ہے؛ کہیں جنت کا تذکرہ ہوتا ہے تو ساتھ ہی جہنم کا ذکر آجاتا ہے، کہیں کوئی واقعہ ذکر ہوتا ہے تو کہیں نصیحتیں آجاتی ہیں، کہیں دعا کا ذکر ہوتا ہے تو کہیں نعمتیں گنوائی جاتی ہیں، اور کسی کتاب کا یہ انداز نہیں۔

■ قولِ ثالث، رابع و خامس: تاثیر، عدمِ خَلَق اور عجائباتِ قرآن

قولِ ثالث: بعض علماء لکھتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے اپنی تاثیر کے اعتبار سے۔ تاثیر ثا کے ساتھ ہے بھئی، ثا ہے، تاثیر کے اعتبار سے۔ قرآن بہت جلدی دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ قرآن کا معنی ناعجیب، عجیب اثر ہے، عجیب اثر بھئی۔ آپ واقعات پڑھیں، نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قرآن پڑھتے اور وہ مشرکینِ مکہ میں سے کوئی سنتا، فوراً مسلمان ہو جاتا بھئی۔ اور کیسے اثر انداز، اثر نہ پڑتا جب کہ کتاب قرآن ہو اور پڑھنے والی ذات نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ہو۔ روایات میں آتا ہے بھئی کہ جو آپ کے، حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سخت ترین مخالف بھی تھے وہ بھی رات کے وقت حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ جب بیت اللہ کے پاس قرآن پڑھا

کرتے تھے نوافل میں، نمازوں میں، تو وہ چھپ کر سننے آیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ابو جہل کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ بھی آکر چھپ کر سنا کرتا تھا، اس قرآن میں اتنی لذت اللہ نے رکھی، لیکن وہ الگ بات ہے ضد کی وجہ سے، سرکشی کی وجہ سے وہ اس کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ تو بہر حال قرآن کے اندر اللہ نے، یہ تو وہ واقعہ میں ذکر کر رہا تھا حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا، ویسے قرآن کے اندر اللہ نے عجیب اثر رکھا ہے، کسی کتاب کے اندر وہ اثر نہیں بھئی، کسی کتاب میں۔

اتنا عجیب اثر کہ غیر مسلم بھی جب اس کو سنتے ہیں، اگرچہ ان کو سمجھ میں نہیں آتا، عربی کا ایک لفظ وہ نہ جانتے ہوں، دنیا کی کسی بھی زبان سے، کسی بھی قوم سے ان کا تعلق ہو، ان کے سامنے قرآن پڑھا جائے تو ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور واضح طور پر وہ اس کو محسوس کرتے ہیں بھئی، واضح طور پر۔ یہ چند سال قبل کا واقعہ ہے جس کا ذکر اخبارات میں بھی آیا کہ روس کے اندر محفلِ قرأت منعقد ہوئی، مصر کے کوئی قاری شاید قاری عبد الباسط یا کون سے قاری تھے، ان کو بلوایا گیا تھا اور ایک بہت بڑے ہال کے اندر بھئی انہوں نے تلاوت کی اور سامنے ہزاروں کا مجمع جس میں ان کے بڑے بڑے لوگ بھی شامل، حتیٰ کہ وزراء بھی اس میں شامل تھے سننے والوں کے اندر بھئی۔ اور وہ غیر مسلم تھے، چند ایک مسلمان ہوں گے باقی غیر مسلم تھے، لیکن مصر کے قاری کو سننے آئے تھے کہ مشہور قاری آرہے ہیں یہاں پر۔ تو قاری نے تلاوت کی بھئی، اور جتنے غیر مسلم بیٹھے ہوئے تھے سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے قرآن سنتے ہوئے۔ اتنا عجیب اثر، اتنا عجیب اثر!

آگے لکھیے بھئی، قولِ رابع: بعض علماء لکھتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے باعتبار عدمِ خَلَق۔ خا، لام، قاف دو نقطوں والا، لام پر فتحہ ہے بھئی، خَلْق۔ خَلْق کا معنی پیدا کرنا اور خَلَق جو ہے، خَلَق کا معنی پرانا ہونا۔ تو بعض علماء لکھتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے باعتبار عدمِ خَلَق کے، یعنی اسے جتنی مرتبہ بھی پڑھا جائے یہ پرانا نہیں ہوتا، یعنی اس کے پڑھنے سے جی نہیں بھرتا۔ یہ قولِ رابع سمجھ میں آیا بھئی؟ اور کوئی بھی کتاب ہو اور کتنی ہی بہترین کیوں نہ ہو، ایک دو مرتبہ پڑھنے کے بعد اسے دوبارہ پڑھنے کو جی نہیں کرتا۔

قولِ خامس: بعض علماء لکھتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے عجائبات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے۔ قرآن عجائبات پر مشتمل ہے، اس کی اب تک ہزاروں لاکھوں تفاسیر لکھی جا چکیں مگر اس کے عجائبات ختم ہونے میں نہیں آرہے۔ ہر آنے والا مفسر نئے نئے نکات بیان کرتا ہے جن سے پچھلی تفاسیر خالی ہوتی ہیں۔ اور قرآن کے عجائبات ختم بھی کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ یہ خالقِ ارض و سماء کی کتاب ہے۔ اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ۔ قاف دو نقطوں والا، ضاد اور یا، لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

چلیے بھئی باقی بحث کل لکھیں گے۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳: فصاحت وبلاغتِ قرآن کا اعجاز، عربوں کے سبعہ معلقات اور قرآنی بلاغت کی مثالیں

مقدمہ وتمہیدِ کتاب ــــ بتاریخ: ۲۳ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ قولِ سادس: فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے اعجازِ قرآن

جی آگے لکھیے بھئی۔ کتنے قول ہو چکے؟ پانچ۔

قولِ سادس: جمہور علماء کے نزدیک قرآن اپنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ یعنی قرآن کا معیار فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے اتنا اونچا ہے، اتنا اعلیٰ ہے کہ کوئی اور کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، کہ اور کوئی کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تو قرآن جیسا فصیح وبلیغ کلام لانے سے ساری مخلوقات عاجز ہیں، تو اس اعتبار سے یہ معجزہ ہے۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ جمہور کے نزدیک قرآن کس اعتبار سے مُعْجِز ہے؟ فصاحت وبلاغت۔ اتنا فصیح وبلیغ کلام ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، کوئی انسانی کلام بھئی، کوئی کسی مخلوق کا کلام بھئی، کوئی اس جیسا کلام بنا ہی نہیں سکتا بھئی۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کا مقابلہ کرنے کی بھی کوشش کی۔ ایران جسے فارس کہا جاتا تھا، یہاں کا سینکڑوں سال قبل کی بات ہے، یہاں کا ایک بہت بڑا ادیب تھا بھئی، بہت بڑا، نام اس وقت میرے ذہن میں نہیں، بڑا مشہور واقعہ ہے کہ بہت شہرت تھی کہ اس جیسا ادیب کوئی نہیں۔ اس نے کہا میں قرآن جیسا کلام بناتا ہوں، مجھے یوں کرو سارے اسباب دو بھئی، مجھے کھانے پینے، خرچے وغیرہ اور ضروریات سے بے فکر کر دو، مجھے میری یہ ضروریات پوری کرو تو میں تمہیں چھ مہینے میں قرآن جیسی کتاب لکھ دوں گا۔

چنانچہ اس کے لیے بادشاہ کی طرف سے مراعات وغیرہ اور انتظام کیا گیا، ساری ضروریات اس کی پوری ہوئیں، خوب دولت وغیرہ دی گئی، اور وہ، اس نے قرآن کا مقابل تیار کرنا شروع کر دیا بھئی۔ چھ ماہ تک وہ ایک کمرے میں بند کوشش کرتا رہا، کرتا رہا۔ چھ ماہ بعد جب پوچھا گیا تو کہتے ہیں کمرے میں اس کے پاس کاغذوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا جنہیں وہ لکھ لکھ کر پھاڑ کر پھینکتا رہا۔ پوچھا کتنا کام ہوا، کتاب تیار ہو گئی؟ کہتے ہیں نہیں، ابھی تک تو میں ایک جملہ بھی قرآن کے مقابلے میں نہیں لکھ سکا، ایک جملہ! میں جو بھی اپنا جملہ لکھتا ہوں، پھر جب میں اس کا قرآن سے موازنہ کرتا ہوں تو مجھے اتنا خراب معلوم ہوتا ہے اس کو میں پھاڑ کر پھینک دیتا ہوں، نیا جملہ تیار کرتا ہوں۔ تو چھ مہینے تک وہ ایک قرآن کی آیت کے مقابل ایک جملہ اپنا نہیں لکھ سکا بھئی۔ قرآن کی فصاحت وبلاغت اتنی اونچی ہے کہ انسان کیا تمام مخلوقات بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتیں۔

■ عربوں کی فصاحت وبلاغت اور سبعہ معلقات کا تذکرہ

آگے لکھیے بھئی، الگ سطر لکھیے گا بھئی: قرآن جب نازل ہوا تو عربوں کی فصاحت وبلاغت اپنے عروج پر تھی۔ عربوں کو اپنی فصاحت وبلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ عربوں کے علاوہ باقی تمام دنیا والوں کو عجم کہا کرتے تھے۔ عجم، عین، جیم، میم بھئی، عجم کہا کرتے تھے۔ عجم کا معنیٰ ہے گونگے، یعنی جو بات نہ کر سکے۔ باقی تمام دنیا کو عجم کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا کلام اتنا اونچا اور اعلیٰ اور بہترین ہوتا ہے، اتنا اعلیٰ، اونچا اور بہترین ہے کہ اس کے مقابلے میں باقی تمام دنیا والوں کا کلام لاکلام کی طرح ہے، یعنی ان کے کلام کی کوئی حیثیت ہی نہیں، اور ہماری فصاحت وبلاغت کے سامنے یہ لوگ، باقی دنیا والے گونگوں کی طرح ہیں۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ ایک شخص بات کرنے والا ہے، دوسرا گونگا ہے، کلام میں دونوں کا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ گونگا بیچارہ تو ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا، مقابلہ کیا کرے گا؟ تو عرب کا بھی یہ کہنا تھا کہ ہمارا کلام اتنا اعلیٰ ہے، باقی کا تو مقابلہ، تقابل کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے یہاں پر، ہمارا اتنا فصیح وبلیغ اور عمدہ کلام تھا بھئی۔ اور یہ واقعی حقیقت بھی تھی، بڑی فصاحت وبلاغت ان کے کلام میں تھی۔

جی آگے لکھیے بھئی: عربوں کو اپنی فصاحت وبلاغت پر اتنا گھمنڈ تھا کہ انہوں نے اپنے مشہور شعراء کے قصیدے بیت اللہ کے اندر لٹکا رکھے تھے، تاکہ باقی دنیا میں سے کوئی بھی شخص، باقی دنیا والوں میں سے کوئی بھی شخص حج یا تجارت یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ آئے، حج، تجارت یا کسی اور مقصد کی وجہ سے مکہ مکرمہ آئے تو یہ قصائد بھی اس کے، قصیدے بھی اس کے سامنے آجائیں اور وہ ذرا ہماری فصاحت وبلاغت کے شاہکار کلام کو ملاحظہ کر لے۔ یہ مشہور قصیدے سبعہ معلقات کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ قصیدے سبعہ معلقات، میم، عین، لام، قاف دو نقطوں والا، الف، تا، سبعہ معلقات کے نام سے مشہور ہیں۔

سات قصیدے لٹکائے بھئی بڑے بڑے مشہور شعراء کے، انتہائی فصیح وبلیغ کلام تھا، اس کو انہوں نے بیت اللہ کے اندر لٹکا رکھا تا کہ جو بھی دنیا میں سے آئے ذرا دیکھے، ہماری فصاحت وبلاغت کو دیکھے، ہمارا کلام کتنا فصیح وبلیغ ہے، ہمارے شعراء کے اشعار کو ذرا دیکھے۔ تو، اور واقعی انسان حیران ہوتا ہے ان کی فصاحت وبلاغت دیکھ کر بھئی! اتنا فصیح وبلیغ کلام، تشبیہات، استعارات وغیرہ یہ چیزیں، اور حیران رہ جاتا ہے انسان بھئی۔

مثال کے طور پر بھئی، امرؤالقیس ان کا مشہور ایک شاعر، اس کا ایک، اس کا بھی قصیدہ تھا اور اس میں اس کی ذرا ایک تشبیہ سنیں، کیسی کیسی وہ تشبیہات وہ دیتے ہیں بھئی۔ امرؤالقیس اپنے گھوڑے کی تعریف کر رہا ہے، اور گھوڑے کی تعریف کر رہا ہے۔ اور گھوڑے ان کے ہاں یعنی خوبصورت نازک سے یہ گھوڑے پسندیدہ نہیں، ان کے ہاں وہ جنگجو لوگ تھے بھئی، تو ان کے ہاں جو گھوڑا جتنا بدشکل ہوتا وہ اتنا ہی زیادہ معروف ہوتا۔ بدشکل ہونے سے مراد یہ نہیں کہ شکل بری ہوتی، معنیٰ یہ جس پر زخم، زخموں کے نشان لگے ہوئے ہیں، کہیں تیروں، تیر کا نشان لگا ہے، کہیں نیزے کا نشان لگا ہے، کیونکہ یہ نشان بتلاتے تھے کہ معلوم ہوا یہ شخص اس گھوڑے کے ساتھ جنگوں میں شرکت کرتا رہا ہے اور کوئی معمولی آدمی نہیں ہے، بڑی جرات اور بہادر، بڑا بہادر انسان ہے، بڑی جرات والا انسان ہے بھئی۔ تو وہ جتنا زیادہ گھوڑے پر وہ نشانات وغیرہ ہوتے اتنا ہی زیادہ اس کو کمال سمجھا جاتا تھا۔

اب امرؤالقیس اپنے گھوڑے کی تعریف کر رہا ہے بھئی، گھوڑے کی تعریف، اور اس کی دہشت کو بیان کر رہا ہے کہ میرا گھوڑا کتنا دہشت ناک ہے۔ کہتا ہے کہ میرا گھوڑا جب میدانِ جنگ کے اندر آگے بڑھتا ہے تو دشمنوں کی صفوں کی صفیں الٹ دیتا ہے، وہ جدھر کا رخ کرتا ہے وہ لوگ گھبرا کر، گھبرا جاتے ہیں اور ہر طرف وہ تباہی پھیلا دیتا ہے میرا گھوڑا۔ اور عجیب تشبیہ اب سنو آگے، کہتا ہے میرا گھوڑا جب میدانِ جنگ میں آگے بڑھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے پہاڑ کی چوٹی سے ایک بڑی سی چٹان لڑھکتی ہوئی نیچے کو آرہی ہے۔

اب آپ ذرا تصور کریں، پہاڑ کی چوٹی سے ایک بڑی سی چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہو بھئی، اور نیچے کوئی انسان کھڑا ہو، کتنا خوفناک منظر ہوگا بھئی، کتنا خوفناک! کوئی مقابلے کی صورت ہے مجھے بتائیں بھئی؟ کوئی مقابلے کی صورت ہی نہیں ہے۔ اور آپ کو تو شاید تجربہ نہ ہوا ہو، مجھے اس صورتِ حال کا کچھ تجربہ ہوا ہے بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے زندگی بچالی جہاں بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی اسی طرح پہاڑ کے اوپر سے۔ تو تشبیہ اس کی سنیں، کہہ رہا ہے کہ پہاڑ کے اوپر سے چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے بھئی۔ اب ایک بڑی سی چٹان چوٹی سے لڑھکتی ہوئی، اچھلتی ہوئی بجلی کی رفتار سے، وہ کتنی رفتار سے آرہی ہوگی! اور نیچے جو انسان کھڑا ہوتا ہے وہ جس طرف کو، اب اس کے پاس چند لمحے ہیں، وہ جس طرف کو بھی قدم اٹھاتا ہے لگتا ہے ادھر کو آرہی ہے وہ۔ چند لمحوں کے اندر وہ کوئی صورت ہی بچنے کی نہیں رہتی، بڑا ہی خوفناک، بڑی ہی عجیب تشبیہ اس نے بیان کر دی بھئی، انسان حیران رہ جاتا ہے بھئی۔ تو عربوں کو اللہ نے عجیب فصاحت وبلاغت دی تھی بھئی۔

اسی طرح صحابہ کی تشبیہات سنیں، انسان حیران رہ جاتا ہے بھئی صحابہ کی، عجیب مبارک اور پیاری تشبیہات بھئی۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مرض الموت میں گرفتار ہوئے بھئی، بیمار ہیں، بیماری کی وجہ سے نماز کے لیے تشریف نہیں لاسکتے، کبھی ہمت ہو جائے تو تشریف لے آتے ہیں۔ تو ایک صحابی بیان فرماتے ہیں، صحابہ جنہیں نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ایسی محبت تھی، ایسی محبت تھی جس کی مثال پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شان میں گستاخانہ لفظ کہنے پر جنہوں نے اپنے ماں باپ، بھائیوں سب کی گردنیں اڑادیں بھئی! نقصان پہنچانا نہیں، صرف حضور کی شان میں گستاخی کرنے والے میں وہ پھر اپنے رشتہ دار غیر کو نہیں دیکھتے تھے، اس کی گردن تن سے جدا کر دیتے تھے بھئی۔ اتنی عجیب محبت اللہ نے ان کو نصیب فرمائی تھی۔

تو صحابہ، ایک صحابی فرماتے ہیں، صحابہ مسجد میں انتظار کر رہے ہیں، حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بیمار ہیں، صحابہ سخت بے چین ہیں کیونکہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات سے ان کو والہانہ محبت تھی۔ اب انتظار میں ہیں، نماز کا وقت ہے، تمام صحابہ مسجد میں جمع ہیں، منتظر ہیں کہ شاید حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی طبیعت کچھ بہتر ہو، آپ تشریف لے آئیں اور ہمیں نماز پڑھادیں۔ تو ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے گھر کا پردہ اٹھایا اور مسجد کی طرف جھانکا۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے گھر کا دروازہ مسجد کے اندر ہی تھا۔ گھر کا پردہ اٹھایا اور سرورِ کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مسجد کے اندر جھانکا، اور پھر آپ نے پردہ واپس گرادیا۔ اشارہ تھا کہ معلوم ہوا تشریف نہیں لاسکے، نہیں لاسکتے، طبیعت اتنی زیادہ خراب آپ کی، بیماری اتنی زیادہ تھی۔ تو صحابی کی تشبیہ سنیں بھئی، عجیب مبارک اور پیاری تشبیہ! کہتے ہیں حضور سرورِ کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پردہ ہٹایا اور مسجد کے اندر جھانکا، حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا چہرۂ انور یوں چمک رہا تھا جیسے قرآن کا ورق ہوتا ہے بھئی! کتنی پیاری تشبیہ ہے بھئی، قرآن کا ورق کتنا مبارک اور منور ہے! صحابی کیا فرماتے ہیں؟ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا چہرۂ انور قرآن کے ورق کی طرح چمک رہا تھا۔ تو یہ عربوں کی فصاحت وبلاغت بھئی۔

جی آگے لکھیے بھئی، الگ سطر: اپنی فصاحت وبلاغت پر فخر کرنے والے ان عربوں کے پاس جب نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قرآن لے کر آئے تو وہ عرب قرآن کی فصاحت وبلاغت دیکھ کر حیران رہ گئے بھئی۔ قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کے پاس ایک بڑا ہی آسان راستہ تھا کہ وہ قرآن جیسا کلام بنا کر لے آتے، لیکن انہوں نے کبھی قرآن کے مقابلے میں کلام لانے کی کوشش ہی نہ کی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ قرآن جیسا کلام بنا ہی نہیں سکتے۔ اس کے بجائے انہوں نے انتہائی مشکل راستے یعنی تلوار کو اختیار کیا، کہ تلوار کے زور پر قرآن کا راستہ روکا جائے، اور اس میں بھی اللہ نے انہیں ناکام ونامراد فرمایا۔

■ قرآنی لطائف کے فہم میں علمِ بلاغت کی اہمیت اور تین علوم میں انحصار

الگ سطر میں لکھیے: قرآن کی فصاحت وبلاغت کا پتہ علمِ بلاغت سے چلے گا۔ مثال کے طور پر قرآن میں ہے: إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ۔ خَاطِئِينَ، طا ہے بھئی طا، خطا سے، مِنَ الْخَاطِئِينَ۔ تو بظاہر یہاں پر مِنَ الْخَاطِئَاتِ ہونا چاہیے، یعنی مؤنث کا صیغہ، کیونکہ ما قبل میں مؤنث کے صیغے ہیں، کیونکہ اس سے پہلے مؤنث کے صیغے ہیں۔ تو یہاں پر مِنَ الْخَاطِئَاتِ کی بجائے مِنَ الْخَاطِئِينَ کیوں ذکر کیا گیا؟ اس کی وجہ علمِ بلاغت بتلائے گا، یعنی اس کا پتہ علمِ بلاغت سے چلے گا۔

نیز اسی طرح قرآن میں ہے: وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ۔ قَانِتِينَ میں قاف دو نقطوں والا ہے، پھر نون ہے، تا ہے دو نقطوں والی، یا، نون، مِنَ الْقَانِتِينَ۔ یہاں پر بھی بظاہر مِنَ الْقَانِتَاتِ ہونا چاہیے کیونکہ پیچھے مؤنث کے صیغے ہیں، تو یہاں پر مِنَ الْقَانِتَاتِ کی بجائے مِنَ الْقَانِتِينَ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کا پتہ بھی علمِ بلاغت ہی سے چلے گا۔

الگ سطر: نیز اسی طرح قرآن میں ہے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ۔ يَسْأَلُونَكَ عَنْ الْأَهِلَّةِ، الْأَهِلَّة لکھنا آتا ہے بھئی؟ الف، پھر لام الف، پھر ہا دو آنکھوں والی، لام اور تا بھئی گول تا، اور لام پر شد ہے، الْأَهِلَّةِ۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ۔ صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ نے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے چاند کے بارے میں پوچھا کہ یہ مہینے کے شروع میں باریک ہوتا ہے اور پھر بڑا ہوتا چلا جاتا ہے اور مہینے کے آخر میں پھر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اسی بات کو قرآن میں ذکر کیا گیا: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ۔ أَهِلَّة جمع ہے هِلَال کی۔ مہینے کے ابتدائی تین دنوں میں جو باریک چاند ہوتا ہے اسے هِلَال کہتے ہیں۔ آگے قرآن میں ان کے سوال کا جواب دیا گیا: قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ، کہ اے پیغمبر آپ فرما دیجیے چاند کے ذریعے لوگ وقت معلوم کرتے ہیں، یعنی دنوں اور مہینوں کا حساب رکھتے ہیں۔ تو صحابہ نے اپنے سوال میں چاند کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ پوچھی تھی اور جواب میں چاند کے چھوٹے بڑے ہونے کے فائدے ذکر کیے گئے۔ تو بظاہر جواب سوال کے مطابق نہیں۔ تقریر بھی سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟ انہوں نے پوچھا تھا کہ چھوٹا بڑا کیوں ہوتا ہے، وہ نہیں بتلایا گیا بلکہ اس کے فائدے ذکر کیے گئے، تو بظاہر جواب کیا ہے؟ سوال کے مطابق نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا پتہ بھی علمِ بلاغت ہی سے چلے گا۔

نیز الگ سطر لکھیے بھئی: نیز اسی طرح قرآن میں ہے: يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ۔ أَنْفَقْتُمْ، الف، نون، فا، قاف دو نقطوں والا، تا، میم۔ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ، قاف دو نقطوں والا ہے اس میں، وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى، يَتَامَى کیسے لکھیں گے؟ آخر میں میم اور یا ہے، یا کے اوپر کھڑی زبر، یتیم کی جمع، وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ جب اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تو صحابۂ کرام نے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے پوچھا: مَاذَا يُنْفِقُونَ، کہ وہ اللہ کے راستے میں کیا خرچ کریں؟ تو انہیں جواب میں بتلایا گیا کہ اپنے والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ تو سوال تھا کہ کیا خرچ کریں اور جواب میں بتلایا گیا کہ کن پر خرچ کریں۔ تو بظاہر یہاں بھی جواب سوال کے مطابق نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ علمِ بلاغت سے پتہ چلے گا۔

الگ سطر لکھیے: نیز اسی طرح قرآن میں ہے: وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي، طا ہے اس کے اندر طا بھئی، فَطَرَنِي، طا، ظا نہیں، فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ تو یہاں پر بھی بظاہر تُرْجَعُونَ کے بجائے أُرْجَعُ، الف، را، جیم، عین، أُرْجَعُ، اعراب لگالیں اس پر بھئی، أُرْجَعُ ہونا چاہیے، یعنی میں اسی کی طرف لوٹایا جاؤں گا، کیونکہ ما قبل، کیونکہ اس سے پہلے واحد متکلم کے صیغے ہیں، تو تُرْجَعُونَ کی جگہ بھی واحد متکلم کا صیغہ ہونا چاہیے۔ پھر یہاں تُرْجَعُونَ کیوں لایا گیا؟ یہ تفصیل علمِ بلاغت بتلائے گا۔

آگے الگ سطر لکھیے بھئی، الگ سطر: علمِ بلاغت تین علوم کا مجموعہ ہے: علمِ معانی، علمِ بیان اور علمِ بدیع۔ با، دال، یا، عین، علمِ بدیع۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ

فصاحتِ کلمہ، فصاحتِ کلام، فصاحتِ متکلم، بلاغتِ کلام (مطابقتِ مقتضائے حال) اور بلاغتِ متکلم کا بیان (اسباق ۴ تا ۱۶)

سبق نمبر ۴: مقدمۃ الکتاب: ترتیبِ کتاب کی وجہ حصر اور علومِ بلاغت ثلاثہ (معانی، بیان، بدیع) کا تعارف

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۵ــــ بتاریخ: ۲۴ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ۔ الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُورِ، يُقَالُ: أَفْصَحَ الصَّبِيُّ فِي مَنْطِقِهِ إِذَا بَانَ وَظَهَرَ كَلَامُهُ۔ وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا کہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کو جاننے کے لیے علم بلاغت کا سیکھنا ضروری ہے۔ تو اس کتاب میں علم بلاغت کے بارے میں ہمیں بتلائیں گے، علم بلاغت ہم پڑھیں گے۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا کہ علم بلاغت دراصل تین علوم کا مجموعہ ہے بھئی، تین علوم کا: علم معانی، علم بیان اور علم بدیع بھئی، علم بدیع۔ تو یہ علومِ بلاغت اب اس کتاب کے اندر بیان ہوں گے بھئی۔ تو شروع میں مصنف جو ہیں وہ مقدمہ لے کر آئے بھئی: مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ۔

مقدمہ، کتاب کے شروع میں چند ضروری باتیں جن سے آگے کتاب میں فائدہ حاصل ہو، اس کا سمجھنا آسان ہو جائے، وہ چند باتیں اکٹھی کی جاتی ہیں کتاب کے شروع میں۔ تو دیکھیے بھئی اب: مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ، أَيْ هٰذِهِ مُقَدِّمَةٌ، تو یہ خبر ہے کس کی؟ مبتدائے محذوف۔ تو هٰذِهِ مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ، یہ مقدمہ ہے فصاحت وبلاغت میں، یعنی فصاحت وبلاغت کے بیان میں، أَيْ فِي بَيَانِ الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ، ہاں جس میں فصاحت وبلاغت کی تعریف کریں گے، ان کی، ان کو بیان کریں گے۔ تو پہلی ترکیب کے مطابق مُقَدِّمَةٌ مرفوع ہے بنابر خبر ہونے کے۔ یا اس کو منصوب پڑھیں: مُقَدِّمَةً، أَيْ اِقْرَأْ مُقَدِّمَةً فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ، تو یہ مفعول بنے گا اِقْرَأْ کے لیے، کہ آپ فصاحت وبلاغت کے بیان میں مقدمے کو پڑھیے۔

یاد رکھیے اس کتاب کے اندر ایک مقدمہ ہو گا جو آپ کے سامنے ہے، اور پھر اس کے بعد تین علوم آئیں گے بھئی۔ سب سے پہلے یہ مقدمہ ہے، پھر فنِ اول آئے گا، پھر فنِ ثانی آئے گا اور پھر فنِ ثالث آئے گا۔ آخر میں خاتمہ بھی ہے بھئی، خاتمہ کا عنوان بھی آئے گا، لیکن یاد رکھنا وہ خاتمہ کوئی الگ نہیں، وہ وہی فنِ ثالث کا حصہ ہے۔ تو گویا کتاب کے کل چار، چار چیزیں ہیں یوں کہیں کتاب کے اندر بھئی: مقدمہ، اور فنِ اول علم معانی، فنِ ثانی ہو گا علم بیان، اور فنِ ثالث کیا ہو گا؟ علم بدیع۔ تو مصنفین حضرات نے اس کتاب کو مرتب کیا ایک مقدمے اور تین فنون پر بھئی، تین علوم پر، چار چیزیں ذکر کیں۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ حصر لکھ لیجیے بھئی، مختصراً اشارات کی صورت میں لکھیے، اب تفصیلی لکھوانے کا وقت نہیں ہے: کہ مصنفین حضرات نے کتاب کو ایک مقدمے اور تین فنون پر مرتب کیا، وجہ اس کی یہ کہ کتاب میں جو کچھ ذکر ہو گا وہ یا تو مقاصد کی قبیل سے ہو گا یا مقاصد کی قبیل سے نہیں ہو گا۔ اس فن میں، بلکہ یہ لکھیں، کیا لکھا دوبارہ پڑھیں اس کتاب میں؟ ہاں، وہ یا تو اس فن میں، اس فن میں مقاصد کی قبیل سے ہو گا، وہ یا تو اس فن میں یعنی فنِ بلاغت میں مقاصد کی قبیل سے، مقاصد کی قسم میں سے ہو گا یا مقاصد کی قسم میں سے نہیں۔ اگر مقاصد کی قبیل سے نہ ہو، اگر مقاصد کی قبیل لکھ لیں یا قسم لکھ لیں، اگر مقاصد کی قسم میں سے نہ ہو تو وہ مقدمہ ہے۔ اور اگر اس فن میں مقاصد کی قبیل سے ہو تو پھر مقصد یا تو معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا ہو گا، یا تعقیدِ معنوی سے بچنا ہو گا۔ تعقید بھئی تا، عین، قاف دو نقطوں والا، یا اور دال۔ یا تعقیدِ معنوی سے بچنا ہو گا مقصد، یا ان کے علاوہ مقصد ہو گا۔ اگر معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا مقصود ہو تو اس کا بیان علم معانی میں ہو گا۔ اور اگر تعقیدِ معنوی سے بچنا مقصود ہو تو اس کی تفصیل علم بیان میں ذکر ہو گی۔ اور اگر ان کے علاوہ مقصود ہو تو اس کا بیان علم بدیع میں آئے گا۔ لکھ لیا بھئی؟

جی، اب ویسے بھی اس بات کو ذرا سمجھ لیں، الفاظ سے شاید آپ کو ذرا مشکل ہونے کا شبہ ہو گا، بڑی آسان سی بات ہے بھئی۔ میں نے بتایا اس کتاب کو مصنفین نے مرتب کیا، کتنی چیزیں ذکر کیں؟ چار چیزیں ذکر کیں: ایک مقدمہ ہے، پھر علم معانی ہے، پھر علم بیان ہے اور پھر علم بدیع ہے۔ یہ چار چیزوں میں کیوں بند کیا؟ چار عنوانات میں کیوں ساری چیزوں کو بند کیا؟ وجہ اس کی یہ بھئی کہ جو کچھ وہ ذکر کریں گے وہ یا تو اس فن کے مقاصد میں سے ہو گا یا مقاصد میں سے نہیں ہو گا۔ اگر مقاصد میں سے ہے اس فن کے اندر، وہ مقصود ہے وہ چیز جس کو وہ ذکر کریں گے، تو وہ تو تین علوم آ گئے: علم معانی، علم بیان اور علم بدیع۔ جو کچھ مقصود ہے وہ ان تین کے اندر آ جائے گا۔ کچھ غیر مقصود چیزیں بھی وہ بیان کریں گے ساتھ جو اس فن کے اندر مقصود نہیں، اور وہ جو غیر مقصود چیزیں ہیں وہ مقدمے کے اندر ذکر کر دیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو مقدمے میں وہ کچھ ضروری قیمتی باتیں ذکر کریں گے جس سے آگے ان فنون میں آسانی ہو جائے گی، لیکن بہر حال وہ چیزیں مقصود نہیں ہیں، تو ان کو علیحدہ سے ذکر کیا، کس کے اندر؟ مقدمے کے اندر۔ تو گویا اس کتاب میں جو کچھ ذکر کریں گے یا وہ مقاصد کی قبیل سے ہو گا یا مقاصد کی قبیل سے نہیں ہو گا۔ مقاصد کی قبیل سے نہیں ہے تو کس میں ذکر کریں گے؟ مقدمے میں۔ اور اگر مقاصد کی قبیل سے ہے تو مقاصد تین ہی ہو سکتے ہیں یہاں پر: اولاً کیا؟ معنیٰ مراد کی ادائیگی میں سے، میں غلطی سے بچنا مقصد ہو گا، یا تعقیدِ معنوی سے بچنا مقصد ہو گا، یا ان کے علاوہ مقصد ہو گا بھئی۔ تو اگر معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا مقصد ہو، اس کی تفصیل کہاں آئے گی؟ علم معانی میں۔ تعقیدِ معنوی سے بچنا مقصد ہو، اس کا بیان کہاں ہو گا؟ علم بیان میں۔ اور ان کے علاوہ کوئی چیز ہے لیکن ہے مقصود اس فن کے اندر، اس کا ذکر پھر کہاں ہو گا؟ اس کا ذکر علم بدیع میں ہو گا بھئی۔ سمجھ میں آیا؟

تو دو قسم کی چیزیں آئیں گی یہاں پر: کچھ چیزیں جو اس فن میں باقاعدہ مقصود ہیں، ضروری ہیں بھئی، فن ہی ان پر مشتمل ہے، اور کچھ چیزیں کیا ہیں؟ غیر مقصود۔ غیر مقصود کہاں ذکر ہوئیں؟ مقدمے میں۔ اور مقصود کہاں ذکر ہوئے؟ تین علوم میں۔ ان میں پھر کس طرح تفصیل ہے؟ علم معانی میں کیا بیان ہو گا؟ معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا۔ اور علم بیان میں کیا ہو گا؟ کہ تعقیدِ معنوی سے کیسے بچیں۔ اور ان کے علاوہ کوئی چیز ہے لیکن ہے مقصود اس فن کے اندر، اس کا ذکر کہاں ہو گا؟ علم بدیع میں بھئی۔ تو علم بدیع میں کچھ چیزیں ذکر ہوں گی جن سے، بھئی ہم فصاحت و بلاغت پڑھ رہے ہیں، تو علم بدیع میں کچھ ایسی چیزیں ذکر ہوں گی جن سے کلام کے اندر مزید حسن پیدا ہوتا ہے، کلام میں مزید خوبصورتی پیدا ہوتی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

اب یہاں دو چیزیں آئیں بھئی، یہ جو ابھی تک آپ جس پر پریشان ہو رہے ہوں گے۔ علم معانی میں کیا ذکر ہو گا؟ معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا۔ معنیٰ مراد کس کو کہتے ہیں؟ یاد رکھو، مراد کیا ترجمہ ہے؟ مراد جس کا ارادہ کیا جائے، جس چیز کا ارادہ کیا جائے، تو وہ مراد ہے بھئی۔ آپ کسی سے بھی کوئی بات کرتے ہیں، آپ کا کوئی مقصد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا مقصد؟ کوئی مقصد ہوتا ہے، وہ مقصد وہ ہے معنیٰ مراد۔ وہ کیا ہے؟ معنیٰ مراد۔ اور اس معنیٰ مراد کو آپ کئی طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں، کئی طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اولاً اس کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا ضروری ہے، بعض طریقوں میں کچھ غلطی آئے گی، بعض طریقے میں غلطی سے بچ کر آپ اس کو ادا کر سکتے ہیں۔ تو علم معانی آپ کو بتلائے گا، سکھائے گا کہ کس طرح معنیٰ مراد کی ادا، ادا کرنے میں آپ نے غلطی سے بچنا ہے۔

مثلاً بھئی، مثال سے وضاحت ہو گی۔ میں آپ کو ایک بات بتلانا چاہتا ہوں کہ زید کھڑا ہے۔ کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ زید کھڑا ہے۔ یہ ہے معنیٰ مراد جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ جب میں آپ سے بات کروں گا تو میرا مقصد کیا ہو گا؟ آپ کو کیا بتلاؤں؟ زید کھڑا ہے۔ اس کے لیے میں کئی قسم کا کلام لا سکتا ہوں: میں کہہ سکتا ہوں قَامَ زَيْدٌ، آپ سمجھ گئے یا نہیں؟ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، آپ سمجھ گئے یا نہیں؟ وہی بات اب بھی سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب بھی وہی بات آپ سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، اب بھی وہی بات ہے۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ۔

تو دیکھو معنیٰ مراد وہی ہے۔ کیا تھا معنیٰ مراد؟ میں آپ کو کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ کہ زید کھڑا ہے۔ اس، یہ جو میری مراد ہے معنیٰ، جو میرا مقصود ہے، جو میرا مقصد ہے آپ کو سمجھانا، آپ کو بتلانا اور خبر دینا، یہ ہے معنیٰ مراد۔ اور اس معنیٰ مراد کو کئی طریقوں سے ادا کیا جا سکتا ہے، لیکن بعض طریقے ایک موقع پر استعمال کرنا صحیح ہوں گے، بعض طریقے غلط ہوں گے۔ علم معانی آپ کو بتلائے گا کہ دیکھو یہ ایسے موقع پر اس طرح کے لفظ لانا، یہاں پر زَيْدٌ قَائِمٌ کہنا ہے یا یہاں پر وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ کہنا ہے، یہ آپ کو علم معانی بتلائے گا بھئی۔

■ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

اگر ایک مقام ہے وہاں آپ کو کہنا چاہیے زَيْدٌ قَائِمٌ، اور آپ کہہ دیتے ہیں إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، تو یہ إِنَّ بیکار لائے یا نہیں لائے؟ جب بات زَيْدٌ قَائِمٌ سے ہو سکتی تھی، إِنَّ لانے کی کیا ضرورت ہے بھئی؟ اور اسی طرح ایک مقام ہے وہاں پر زَيْدٌ قَائِمٌ سے کام چل سکتا ہے، میں آپ کو کہہ دوں زَيْدٌ قَائِمٌ آپ بات سمجھ جائیں گے، لیکن وہاں پر میں آپ کو کہتا ہوں وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، میں نے غلطی کی یا نہیں کی؟ موقع تو تھا کہنا چاہیے تھا زَيْدٌ قَائِمٌ، قسم اٹھانے کی، إِنَّ لانے کی، لام وغیرہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تو یہ اگر آپ ایسا کرتے ہیں، قسم بھی لے آتے ہیں، إِنَّ وغیرہ بھی لے آتے ہیں اور ان کی ضرورت کوئی نہیں، یہ آپ نے غلطی کی، آپ کا کلام بلاغت سے نکل گیا، ختم۔

مثلاً ایک آدمی ہے میرے سامنے، میں اس کو کیا خبر دینا چاہتا ہوں؟ قیامِ زید۔ تو میں اس کو کیا کہتا ہوں مثلاً؟ اس کے ذہن میں انکار ہے۔ اس کو قیامِ زید کی خبر مل چکی ہے پہلے بھی، لیکن وہ تسلیم ہی نہیں کر رہا کہ نہیں بھئی۔ تو اب جب میں اس کو یہ بات بتلاؤں، قیامِ زید کی خبر دوں گا، تو میں اس کو یہ کہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں، یہ بات تو اس کو پہلے بھی معلوم ہے، اسی کو تو وہ تسلیم نہیں کر رہا۔ تو لہٰذا اب مجھے کیا کرنا پڑے گا؟ کلام کے اندر تاکید لانا پڑے گی۔ کیا کرنا پڑے گی؟ تاکید لانا پڑے گی۔ اب میں اس سے کہوں گا إِنَّ زَيْدًا، یقیناً زید کھڑا ہے! وہ کہہ رہا ہے نہیں، میں کیا کہوں گا؟ إِنَّ زَيْدًا، یقیناً زید کھڑا ہے۔ یا اگر اس کا انکار زیادہ ہے تو میں تاکید زیادہ لے کر آؤں گا: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ۔ اگر بہت انکار ہے پھر میں کہوں گا وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، کہ واللہ زید کھڑا ہے! دیکھو یہ قسم کہاں اٹھائی جاتی ہے؟ آپ ہر جگہ پر قسم اٹھاتے ہیں؟ کہاں پر اٹھاتے ہیں؟ جب کوئی انکار کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا بلاغت آپ بھی، بلاغت کے ماہر ہیں، ہاں لیکن علمی اعتبار سے آپ نے اس کو ابھی پڑھا نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ وہی تو ہے عام بول چال کے اندر جو باتیں ہوتی ہیں، کس طریقے سے کہاں پر کیا کیا جاتا ہے، یہ وہی چیزیں ہیں، وہی اصول ہیں، علماء نے ان کو مرتب کر کے کتابی صورت دے دی بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو آپ اس کے سامنے قسم اٹھائیں گے اب جب اس کا انکار شدید ہو۔ لیکن ایک آپ کا ساتھی ویسے ہی کھڑا تھا اور آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ۔ وہ یہ تو میں مثال دے رہا ہوں، کوئی بات آپ اس طرح قسمیں اٹھا کر اس کے سامنے ذکر کریں گے اور اس کا ذہن خالی ہے، نہ اس کے ذہن میں اس چیز کے بارے میں کوئی شک وشبہ تھا نہ اس کے بارے میں انکار تھا، تو وہ آپ کی بات سن کے حیران ہو گا، بھئی یہ تاکیدات کیوں لے کر آئے ہو؟ یہ قسمیں کیوں؟ میں نے کب انکار کیا ہے اس بات کا؟ وہ کہے گا یا نہیں آپ سے بھئی؟ کہ بھئی میں نے انکار کب کیا ہے، کیوں قسم اٹھا رہے ہو؟

تو یہ جو معنیٰ مراد ہے اس کی ادائیگی میں کیا ہو؟ غلطی سے بچنا۔ تو یہ تو خیر آگیا مقتضائے حال کے مطابق کلام نہ ہوا، بہر حال یہ بھی غلطی۔ اور اسی طرح کہاں پر ہم نے إِنَّ لانا ہے، کہاں إِنَّ نہیں لانا، کہاں پر ہم نے مبتدا کو اسم کی صورت میں ذکر کرنا ہے، کہاں پر اس کو ضمیر کی صورت میں ذکر کرنا ہے، کہاں پر اس کو اسمِ موصول کی صورت میں ذکر کرنا ہے، کہاں اس کو اسمِ اشارہ وغیرہ کی صورت میں ذکر کرنا ہے، اس کا پتہ علمِ معانی سے چلے گا بھئی۔

تو علمِ معانی میں کیا بیان ہو گا؟ معنیٰ مراد کی ادائیگی میں، آپ اس کو زبان سے ادا کریں گے یا نہیں بھئی؟ جی، اس معنیٰ مراد کی ادائیگی میں کیا کرنا؟ غلطی سے بچنا۔ تو دیکھو میرا مقصد تھا جیسے میں نے مثال ذکر کی، میں آپ کو کیا خبر دینا چاہتا ہوں؟ زید کھڑا ہے۔ تو یہ ہوا معنیٰ مراد، یعنی یہ میرا مقصود معنیٰ ہے جو میں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں، اور اس معنیٰ مراد کو میں لفظوں کے ساتھ ادا کروں گا، کوئی لفظ زبان سے بولوں گا تو آپ تک بات پہنچے گی ورنہ تو میرے ذہن میں ہی رہے گی۔ تو یہ جو معنیٰ مراد ہے اس کو ادا کرنے میں غلطی سے کون سا علم بچائے گا؟ علمِ معانی۔ علمِ معانی بتلائے گا آپ کو کہ یہاں پر آپ نے جملہ فعلیہ لانا ہے یا جملہ اسمیہ لانا ہے، یا آپ نے کیا کرنا ہے؟ إِنَّ وغیرہ لانا ہے، ساتھ لام، لام لے کر آنا ہے، یا آپ نے قسم لانی ہے، یہ آپ کو علمِ معانی بتلائے گا بھئی، علمِ معانی۔ تو علمِ معانی معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچاتا ہے بھئی، معنیٰ مراد کی ادائیگی میں۔

علمِ معانی یہ بڑی نحو ہے، وہ چھوٹی نحو تھی، یہ بڑی نحو ہے۔ یہ آپ کو یہ نہیں بتائے گا کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے، مبتدا مرفوع ہوتا ہے، بلکہ آپ کو یہ بتائے گا کہ فاعل کو آپ زَيْدٌ کی صورت میں بھی لا سکتے ہیں، فاعل کو آپ هُوَ کی صورت میں بھی لا سکتے ہیں، فاعل کو آپ الَّذِي کی صورت میں بھی لا سکتے ہیں، فاعل کو آپ هٰذَا کی صورت میں بھی لا سکتے ہیں۔ تو کہاں پر فاعل کو آپ نے زَيْدٌ کی صورت میں لانا ہے، کہاں پر آپ نے فاعل کو هُوَ کی صورت میں لانا ہے، کہاں آپ نے فاعل کو الَّذِي کی صورت میں لانا ہے، کہاں پر فاعل کو آپ نے هٰذَا کی صورت میں لانا ہے، یہ آپ کو کون بتائے گا؟ علمِ معانی بتلائے گا۔ آپ کہہ سکتے ہیں زَيْدٌ قَائِمٌ، آپ کہہ سکتے ہیں هُوَ قَائِمٌ، آپ کہہ سکتے ہیں هٰذَا قَائِمٌ۔ اب کہاں زَيْدٌ قَائِمٌ کہنا ہے، کہاں هُوَ قَائِمٌ کہنا ہے، کہاں هٰذَا قَائِمٌ کہنا ہے؟ حالانکہ سب کا معنیٰ ایک ہی ہے۔ آپ دیکھیے زَيْدٌ قَائِمٌ، دوسرے کو کیا سمجھ میں آئی کہ زید کھڑا ہے۔ اب آپ زید کا نام نہیں لیتے، صرف اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ دیتے ہیں هُوَ قَائِمٌ، تو بھی بات وہ سمجھ گیا یا نہیں سمجھ گیا؟ آپ اشارہ کر دیتے ہیں هٰذَا قَائِمٌ، تو بھی یہی بات اس کو سمجھ میں آرہی ہے۔ لیکن کہاں پر زَيْدٌ قَائِمٌ کہنا ہے، کہاں هُوَ قَائِمٌ کہنا ہے، کہاں هٰذَا قَائِمٌ وغیرہ کہنا ہے، یہ کس سے پتہ چلے گا؟ علمِ معانی سے پتہ چلے گا۔ تو علمِ معانی کیا ہے دراصل؟ بڑی نحو ہے، جو آپ کو رفع، نصب، جر وغیرہ کے بارے میں نہیں بتلائے گا بلکہ یہ بتلائے گا کہ کہاں اسمِ اشارہ استعمال کرنا ہے، کہاں ضمیر استعمال کرنی ہے، کہاں عَلَم وغیرہ استعمال کرنا ہے، یہ ساری تفصیلات اس کے اندر آئیں گی بھئی۔

تو یہ معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا، اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ علمِ معانی یعنی فنِ اول سے۔ اور تعقیدِ معنوی سے بچنا اگر مقصود ہو تو اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ فنِ ثانی یعنی علمِ بیان سے۔ تعقید کہتے ہیں پیچیدگی کو بھئی، کلام کا مشکل ہونا، کلام کا مشکل ہونا۔ کلام مشکل ہو بھئی، معنیٰ سمجھ میں ہی نہ آئے بھئی، یہ ہے تعقیدِ معنوی۔ آپ کے سامنے ایک شخص نے کلام کیا، آپ کو اس کا معنیٰ ہی سمجھ میں نہ آیا، یہ کیا ہے؟ تعقیدِ معنوی ہے بھئی، تعقیدِ معنوی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

جیسے بھئی، جیسے ایک نواب صاحب تھے اور بڑی اونچے درجے کی اردو بولا کرتے تھے۔ خاص طور پر ہندوستان کے لوگ، وہ تو ان کی اردو بڑی فصیح و بلیغ بھئی۔ ہمیں عام سی بات کرنے کے لیے بھی الفاظ ڈھونڈنا پڑتے ہیں، اور وہ ایسی مسجع و مقفیٰ عبارتوں کے اندر چھوٹی سی بات بھی اتنے دلنشیں انداز میں کہتے ہیں کہ سیدھی دل پر اثر کرتی ہے بھئی۔ تو وہاں کے ایک نواب صاحب تھے بھئی۔ ایک سال بارش نہیں ہوئی، نواب صاحب کی بڑی زمینیں تھیں، اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے فصلوں کو بڑا نقصان ہوا۔ اب اس بات پر نواب صاحب بڑے افسردہ تھے۔ تو اسی افسردگی کے عالم میں ملازم جو خدمت میں مصروف تھا، آپ اس سے یہی بات کہنا چاہتے ہیں کہ اس سال ہمارے کھیتوں

میں بارش نہیں ہوئی۔ لیکن نواب صاحب کی اردو بڑی اونچی تھی بھئی، وہ کیا کہتے ہیں؟ «امسال ہماری کشتِ زار میں تقاطرِ امطار نہیں ہوا۔» اب وہ ملازم کے تو سر کے اوپر سے گزر گئی بات کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں نواب صاحب! تو اس کے لیے اس کلام میں کیا تھی؟ تعقید تھی، اسے سمجھ ہی نہیں آیا کیا کہنا چاہتے ہیں نواب صاحب: «امسال ہماری کشتِ زار میں تقاطرِ امطار نہیں ہوا۔» تو یہ ہے تعقید بھئی۔

اور تیسرا پھر علمِ بدیع ہے، اس کے اندر پھر یہ بیان ہوتا ہے کہ کلام میں مزید کیسے حسن پیدا کیا جائے۔ کلام غلطی سے بھی، معنیٰ مراد کی ادائیگی میں انسان غلطی سے بھی بچ جائے، کلام میں تعقید بھی نہ ہو، اب اور حسن پیدا کرنا ہے کلام کے اندر، وہ کس طرح پیدا کریں گے؟ وہ پھر علمِ بدیع کے اندر بتلایا جاتا ہے بھئی۔ جیسے مثال کے طور پر دو مقابل اور ضد چیزوں کو کلام میں اکٹھا کر دیا جائے، اس سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے: دن کے ساتھ رات کا ذکر کر دے، سردی کے ساتھ گرمی کا ذکر کر دے، صبح کے ساتھ شام کا ذکر کر دیں، امیری کے ساتھ غریبی کا ذکر کر دیں، اس سے کلام میں کیا پیدا ہو جاتا ہے؟ حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ آپ کو وہاں بتلائیں گے صنعتیں بھئی علمِ بدیع کے اندر، اس کو صنعتِ طباق کہتے ہیں، صنعتِ طباق۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا۔ قَلِيل کے مقابلے میں کیا ذکر ہے؟ كَثِير۔ اور ضَحِك کے مقابلے میں بُكَاء، رونے کا، ہنسنے کے مقابلے میں رونے کا ذکر وہاں موجود ہے بھئی۔ تو یہ ہے صنعتِ طباق بھئی، اس سے کلام میں بے انتہا حسن بڑھ جاتا ہے بھئی۔

تو اگر مقصود معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا ہو تو وہ کیا ہے، کس سے پتہ چلے گا؟ فنِ اول یعنی علمِ معانی سے۔ اور اگر تعقیدِ معنوی سے بچنا مقصود ہو تو وہ علمِ بیان، فنِ ثانی سے۔ اور اگر اس کے علاوہ ہو تو وہ فنِ ثالث ہے بھئی۔

■ قولہ: «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ...» کی تشریح

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵: فصاحت کا لغوی و اصطلاحی معنی اور کلمہ، کلام و متکلم کی فصاحت کی تقسیم

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۵ــــ بتاریخ: ۲۵ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ. الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُورِ، يُقَالُ: أَفْصَحَ الصَّبِيُّ فِي مَنْطِقِهِ إِذَا بَانَ وَظَهَرَ كَلَامُهُ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں میں نے آپ کو بتلایا کہ مصنفین نے اپنی اس کتاب کو مرتب کیا ایک مقدمے اور تین فنون پر، تین فنون پر، اور وجہِ حصر بیان کی تھی بھئی کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ میں نے بتلایا تھا اس لیے کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ مذکور ہے یا تو وہ مقاصد کی قبیل سے ہو گا یا مقاصد کی قبیل سے نہیں ہو گا۔ اگر وہ مقاصد کی قبیل سے نہیں ہے تو وہ مقدمہ ہے۔ اور اگر وہ مقاصد کی قبیل سے ہے تو پھر اس کے اندر غرض اور مقصد جو ہو گا وہ معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا ہو گا، یا تعقیدِ معنوی سے بچنا ہو گا، یا اس کے علاوہ غرض ہو گی کوئی۔ اگر معنیٰ مراد کی ادائیگی میں غلطی سے بچنا مقصد ہو تو یہ فنِ اول یعنی عِلْمُ الْمَعَانِي ہے، اگر تعقیدِ معنوی سے بچنا مقصد ہو تو یہ فنِ ثانی ہے، اور اگر اس کے علاوہ مقصد ہے تو وہ فنِ ثالث ہے۔

تو یاد رکھیے فنِ ثالث کے اندر وہ چیزیں ذکر ہوں گی جن سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ مختلف قسم کی صنعتیں ذکر ہوں گی جس سے کلام میں کیا پیدا ہوتا ہے؟ حسن پیدا ہوتا ہے۔

مُقَدِّمَة کا لفظ آیا بھئی۔ یاد رکھیے یہ مُقَدِّمَة کا لفظ یہ ماخوذ ہے مُقَدِّمَةُ الْجَيْشِ سے۔ مُقَدِّمَةُ الْجَيْشِ لشکر کے اگلے حصے کو کہتے ہیں۔ جَيْش کہتے ہیں لشکر کو، تو مُقَدِّمَةُ الْجَيْشِ لشکر کا جو اگلا حصہ ہے۔ قدیم زمانے میں یاد رکھیے عموماً لشکر کے پانچ حصے ہوا کرتے تھے، پانچ حصے: جو حصہ دائیں طرف، دائیں طرف ہوتا اس کو مَيْمَنَة کہتے تھے، جو بائیں طرف ہوتا اس کو مَيْسَرَة کہتے تھے، جو حصہ پیچھے ہوتا تھا اس کو سَاقَة کہتے تھے، قاف دو نقطوں والا، سَاقَة، اور جو حصہ آگے ہوتا اس کو مُقَدِّمَة کہتے تھے، اور جو حصہ بیچ میں ہوتا اسے قَلْب کہا جاتا تھا، قَلْب بھئی۔ تو کتنے حصے ہوتے تھے لشکر کے؟ پانچ: مَيْمَنَة، مَيْسَرَة، سَاقَة، مُقَدِّمَة اور قَلْب، تو یہ پانچ۔ تو یہ مُقَدِّمَة کا لفظ اس مُقَدِّمَةُ الْجَيْشِ سے ماخوذ ہے۔ جیسے وہ لشکر کے آگے ہوتا تھا، اسی طرح یہ حصہ بھی باقی کتاب سے مقدم ہوتا ہے، پہلے ہوتا ہے۔

تو یہ مُقَدِّمَة بمعنیٰ مُتَقَدِّمَة کے ہوا۔ یہ مُقَدِّمَة کس معنیٰ میں؟ مُتَقَدِّمَة۔ اس لیے کیونکہ قَدَّمَ يُقَدِّمُ تَقْدِيمٌ کے معنیٰ ہوتے ہیں آگے کرنا، تو مُقَدِّمَةٌ اسمِ فاعل آیا، کیا معنیٰ ہوا؟ آگے کرنے والا۔ تو یہ مقدمہ مقاصد کو آگے کرتا ہے اپنے سے یا خود ان پر پہلے آگے آجاتا ہے؟ خود پہلے آتا ہے! تو معلوم ہوا یہ آگے کرنے والا نہیں ہے بلکہ مُتَقَدِّمَةٌ آگے ہونے والا ہے، یہ خود کیا ہے ان سے؟ آگے ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی معنیٰ کی؟ تو معلوم ہوا یہ مُقَدِّمَةٌ کس معنیٰ میں ہے؟ مُتَقَدِّمَة۔ مُتَقَدِّمَة کا معنیٰ ہے آگے ہونے والا، تو یہ بھی کیا ہے خود؟ آگے ہے بھئی۔ اور کلامِ عرب میں اس طرح ہوتا رہتا ہے، ایک لفظ ایک باب کا اور دوسرے باب کے معنیٰ میں وہ استعمال ہو جاتا ہے بھئی۔ تو یہ مُقَدِّمَةٌ کس معنیٰ میں ہوا؟ مُتَقَدِّمَةٌ کے معنیٰ میں ہوا۔

یا یہ مُقَدِّمَةٌ اپنے ہی معنیٰ میں ہے: آگے کرنے والا۔ تو بھئی اس پر اشکال آتا ہے یہ تو آگے ہونے والا ہے، آگے کرنے والا نہیں۔ جواب: کہ یہ اپنے پڑھنے والے کو مقاصد کے سمجھنے میں آگے کرنے والا ہے، اور جو اس کو پڑھ لے گا وہ جلدی بات کو سمجھ جائے گا بھئی۔ تو اب مُقَدِّمَةٌ کس معنیٰ میں ہوا؟ مُقَدِّمَة ہی کے معنیٰ میں، آگے کرنے والا ہے۔ کس کو آگے کرتا ہے؟ اپنے پڑھنے والے کو مقاصد کے سمجھنے میں آگے کر دیتا ہے، وہ جلدی بات سمجھ لیتا ہے۔ جی، تقریر سمجھ میں آئی یہاں تک بھئی؟ یا تو

مُقَدِّمَةٌ کس معنیٰ میں ہے؟ مُتَقَدِّمَة، خود آگے ہے اس لیے مُتَقَدِّمَةٌ کے معنیٰ میں۔ یا اگر اس کو اپنے ہی معنیٰ میں رکھیں: آگے کرنے والا، تو کس کو یہ آگے کرنے والا ہے؟ مقاصد کو تو آگے نہیں کرنے والا، پھر کس کو آگے کرنے والا ہے؟ اپنے پڑھنے والے کو آگے کرنے والا ہے، اس کو جلدی آگے مقاصد سمجھ میں آجائیں گے بھئی۔

تو یہ مقدمہ ہے فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ، اور اس میں کیا بیان کریں گے؟ فصاحت وبلاغت کا معنیٰ بیان کریں گے بھئی، فصاحت وبلاغت کا۔ تو کہتے ہیں: الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُورِ۔ أَنْبَأَ يُنْبِئُ إِنْبَاءً کے معنیٰ ہوتے ہیں خبر دینے کے، بتلانے کے۔ الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ، اللُّغَة، لغت کسے کہتے ہیں؟ زبان کو، زبان۔ اللُّغَة، الف لام آیا بھئی، معلوم ہوا کوئی خاص زبان مراد ہے۔ کون سی زبان مراد ہے؟ کس زبان میں فصاحت کے قواعد ہم پڑھ رہے ہیں؟ عربی زبان کے فصاحت کے قواعد یہاں ذکر ہوں گے بھئی، اگرچہ اور زبانوں میں بھی یہ قوانین جاری ہوتے ہیں لیکن یہاں پر ہم عربی زبان کے اعتبار سے بالخصوص پڑھ رہے ہیں تاکہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کو جان سکیں بھئی۔ تو اللُّغَة سے کیا مراد ہے؟ عربی، عربی زبان بھئی۔

■ قولہ: «الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ» کی تشریح

تو کہتے ہیں الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ، فصاحت کا لفظ عربی زبان میں تُنْبِئُ، وہ خبر دیتا ہے، وہ بتلاتا ہے عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُورِ، کس کی خبر دیتا ہے؟ بیان اور ظہور کی۔ بیان اور ظہور کا ایک معنیٰ ہے، یہ عطفِ تفسیری ہے بھئی۔ یہ جو ظہور کا عطف ہوا بیان پر، یہ عطف کون سا ہے؟ عطفِ تفسیری۔ عطفِ تفسیری جانتے ہو یا نہیں جانتے بھئی؟ جس میں معطوف وہ معنیٰ بیان کر دیتا ہے معطوف علیہ کا۔ بیان کا کیا معنیٰ؟ کس نے بیان کر دیا؟ ظہور نے۔ بیان کا کیا معنیٰ ہے؟ ظہور اس کا معنیٰ ہے بھئی، تو دونوں کا ایک معنیٰ ہے بھئی۔ بیان معطوف علیہ ہے اور ظہور کا اس پر عطف ہے وہ معطوف ہے، اور یہ عطفِ تفسیری ہے، دونوں کا ایک معنیٰ ہے۔ بیان اور ظہور کا کیا ہے؟ ایک ہی معنیٰ ہے، تو یہ کون سا عطف ہوا؟ عطفِ تفسیری۔

عطفِ تفسیری کسے کہتے ہیں؟ ماقبل والا کون؟ معطوف علیہ۔ مابعد والا؟ معطوف۔ تو جہاں معطوف، کون ہے معطوف؟ بعد میں جو آرہا ہے، جہاں معطوف کے ذریعے معطوف علیہ کا معنیٰ بیان کر دیا جائے، ذکر کر دیا جائے، اس کو عطفِ تفسیری کہتے ہیں۔ بیان کا کیا معنیٰ؟ آگے بتلا دیا: ظہور بھئی، ظاہر ہونا۔ بیان کا کیا معنیٰ؟ ظاہر ہونا۔ تو یہ ظہور دراصل اسی بیان کے معنیٰ کو ظاہر کر رہا ہے بھئی، اسی کے معنیٰ کو بیان کر رہا ہے، اس کا معنیٰ بتلا رہا ہے۔ بات سب کو سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ عطفِ تفسیری کس کو کہتے ہیں؟ جہاں معطوف کس کا معنیٰ بیان کرے؟ معطوف علیہ یعنی جو ماقبل میں آیا اس کا معنیٰ بیان کرے۔ یہاں لفظ آیا بیان، اس کا کیا معنیٰ ہے؟ آگے عطفِ تفسیری کے ذریعے اس کا معنیٰ بیان کر دیا، بتلا دیا۔ کیا معنیٰ ہے بیان کا؟ ظہور۔ کیا معنیٰ ظہور؟ ظاہر ہونا۔

تو فصاحت فِي اللُّغَةِ عربی زبان کے اندر وہ ظہور کی خبر دیتی ہے۔ بھئی یاد رکھیے فصاحت کا، فصاحت کے عربی زبان میں کئی معانی آتے ہیں۔ فصاحت کا معنیٰ ظہور نہیں ہے۔ ظاہر ہونا، ظہور کا معنیٰ ظاہر ہونا، تو فصاحت کا معنیٰ ظاہر ہونا نہیں ہے، اس فصاحت کے کئی معانی آتے ہیں عربی زبان میں، لیکن ان سب معانی کے اندر ظہور ملحوظ ہے، ظاہر ہونا ملحوظ ہے۔ مثلاً دیکھیے: دودھ کے اوپر سے جھاگ اور بالائی ختم ہو جائے تو کہتے ہیں فَصُحَ اللَّبَنُ، فَصُحَ اللَّبَنُ۔ اور یہاں بھی ظاہر ہونے کا معنیٰ ہے، بالائی اور جھاگ ختم ہو گی تو دودھ کیا ہو جائے گا؟ ظاہر ہو جائے گا۔

اسی طرح کوئی آدمی صاف گفتگو کرنے لگے، واضح اور، واضح گفتگو کرنے لگے، مثلاً کوئی غیر عرب ہے عربی زبان میں واضح بات کرنے لگے تو کیا کہتے ہیں؟ فَصُحَ الرَّجُلُ، وہ آدمی صاف بات چیت کرنے لگا۔ یا بچہ جب وہ ذرا بڑا ہوا، زبان، بات چیت، الفاظ سارے سیکھ لیے، اب واضح بات کرنے لگا تو کیا کہتے ہیں؟ فَصُحَ الصَّبِيُّ۔ کیا معنیٰ؟ بچہ صاف بولنے لگا ہے، صاف باتیں کرنے لگا ہے۔ اب یہاں فَصُحَ کا لفظ آیا، لیکن یہاں بھی ظاہر ہونے کا معنیٰ ملحوظ ہے کہ اس کی باتیں کیا ہو گئی ہیں؟ خوب اب ظاہر ہو گئی ہیں، واضح ہو گئی ہیں، سمجھ میں آجاتی ہیں، ہر بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے۔

یا اسی طرح صبح ہو، روشنی ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں أَفْصَحَ الصُّبْحُ، صبح ہو گئی۔ اور اس کے اندر بھی کون سا معنیٰ ملحوظ ہے؟ ظاہر، کیونکہ جب صبح ہو گی تو ہر چیز کیا ہو جائے گی؟ یا صبح ظاہر ہو گئی یوں کہیں، صبح ظاہر ہو گئی، یا ہر چیز کیا ہو جاتی ہے؟ روشنی ہوتی ہے تو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔ تو فصاحت کا اپنا معنیٰ ظاہر ہونا نہیں، اس کے کئی معانی آتے ہیں لیکن ہر معنیٰ کے اندر کیا ملحوظ ہے؟ ظاہر ہونا ملحوظ ہے۔ اسی لیے کہا، یہ نہیں کہا کہ فصاحت کا معنیٰ بیان اور ظہور ہے، بلکہ کیا کہا؟ الْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُورِ، کہ فصاحت عربی زبان میں وہ خبر دیتی ہے کس چیز کا؟ ظہور اور بیان کا، کی خبر دیتی ہے، یعنی اس کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ظہور یا بیان ہوا ہے کسی قسم کا۔

يُقَالُ: أَفْصَحَ الصَّبِيُّ فِي مَنْطِقِهِ، کہا جاتا ہے أَفْصَحَ الصَّبِيُّ فِي مَنْطِقِهِ کہ فصیح ہو گیا بچہ فِي مَنْطِقِهِ اپنی بول چال میں، اپنی بات چیت میں۔ بچہ اپنی بات چیت میں، اپنی بول چال میں فصیح ہو گیا۔ یہ کب کہتے ہیں؟ إِذَا بَانَ وَظَهَرَ كَلَامُهُ، یہ پھر عطفِ تفسیری آیا، بَانَ کا معنیٰ کس کے ذریعے کر دیا گیا؟ ظَهَرَ کے ذریعے، بَانَ کے معنیٰ ظاہر ہونے کے، إِذَا بَانَ وَظَهَرَ كَلَامُهُ جس وقت اس کا کلام ظاہر ہو جائے بھئی، ظاہر ہو جائے۔

■ قولہ: «وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ...» کی تشریح

وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ۔ وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ، یہ عبارت کیسے پڑھیں گے بھئی؟ پڑھیے بھئی: وَتَقَعُ فِي الْاِصْطِلَاحِ۔ نہیں بھئی! وَتَقَعُ فِي الْاِصْطِلَاحِ یہ عام رائج غلطی ہے بھئی۔ اِصْطِلَاح کون سا باب ہے؟ بابِ افتعال۔ اور بابِ افتعال کا ہمزہ وصلی ہے یا اصلی ہے؟ وصلی ہے۔ اور ہمزۂ وصل کے بارے میں آپ ضابطہ پڑھ چکے ہیں کہ درجِ عبارت میں ہمزۂ وصل گر جاتا ہے۔ درجِ عبارت میں ہمزۂ وصل گر جاتا ہے۔ تو یہ ہمارے ہاں رائج غلطیوں میں سے ہے، رائج غلطی، آپ کسی سے بھی یہ پڑھوائیں گے یہ عبارت اسی طرح پڑھے گا: وَتَقَعُ فِي الْاِصْطِلَاحِ، وہ ہمزۂ وصلی پڑھے گا۔ حالانکہ صاحبِ کافیہ جنہوں نے کافیہ جیسی عظیم کتاب نحو کے اندر لکھی، اسی طرح صرف کے اندر انہوں نے ایک عظیم کتاب شافیہ لکھی بھئی، اس کے اندر وہ فرماتے ہیں: وَإِثْبَاتُهَا وَصْلًا لَحْنٌ، ہمزۂ وصل کو ثابت رکھنا وَصْلًا وصل کی حالت میں لَحْنٌ یہ کیا ہے؟ غلطی ہے۔ تو یہ سب علماء کے نزدیک اسی طرح ہے، ہمزۂ وصل کو اگر درجِ عبارت میں برقرار رکھا جائے گا تو یہ غلطی ہے، اور باقاعدہ میں نے حوالہ بھی دے دیا شافیہ کا بھئی۔ لیکن آپ جہاں بھی سنیں گے عموماً اسی طرح سنیں گے فِي الْاِصْطِلَاحِ، ہمزۂ وصل کو برقرار رکھتے ہیں، حالانکہ اس کو گرنا چاہیے۔

تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ جی؟ الف لام آگیا شروع میں، الف لام کا ہمزہ بھی وصلی وہ بھی گر گیا، لام ساکن، صاد بھی ساکن، تو لام کو اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، تو لِصْطِلَاحِ۔ کیا پڑھیں؟ لِصْطِلَاحِ، لام کو کسرہ دے کر صاد سے ملائیں گے: لِصْطِلَاحِ۔ اچھا، اب پیچھے فِي کو کیسے پڑھیں گے؟ وَتَقَعُ فِيلِصْطِلَاحِ؟ نہیں، یوں نہیں۔ یہ تو میں نے آپ کو ضابطہ بتا دیا ہر جگہ آسانی سے آپ لگاتے جائیں گے: ہمزۂ وصل کو گرا دینا اور لام کو کسرہ دے دینا۔ لیکن اب پچھلے حرف، لفظ کو ملانا کیسے ہے وہ ذرا مشکل ہے، لیکن ایک دفعہ سمجھ جائیں گے ان شاء اللہ پھر غلطی نہیں ہوگی بھئی۔

بھئی فِي کو جب کسی لفظ سے ہم ملاتے ہیں تو کیسے پڑھتے ہیں؟ فِي الدَّارِ، اس کو ذرا ملا کر پڑھو: فِالدَّارِ، فِالدَّارِ۔ معلوم ہوا یا گر گئی۔ یا گری یا نہیں بھئی؟ جی، یا گر گئی۔ اچھا دوسرا لفظ لے آؤ اِسْلَام، الْإِسْلَام، اس کے ساتھ فِي کو ملاؤ: فِي الْإِسْلَامِ۔ إِسْلَام کا ہمزہ تو اصلی ہے وہ نہیں گرے گا بھئی، بابِ افعال ہے۔ فِي الْإِسْلَامِ، اسی طرح پڑھیں گے نا؟ کہ یا کو برقرار رکھیں گے؟ یا کو برقرار رکھیں گے تو یوں پڑھیں گے: فِيلْإِسْلَامِ۔ کوئی فِيلْإِسْلَامِ پڑھتا ہے یا فِي الْإِسْلَامِ پڑھتا ہے؟ تو دیکھو جب بھی فِي کو اگلے ساکن سے ملاتے ہیں تو یا گر جاتی ہے۔ یا گر جاتی ہے۔ یہاں بھی اسی طرح کرنا ہے، یا کو گرا دیں۔

بھئی یا کو کیوں گرائیں؟ آگے تو لام کے نیچے کسرہ آرہا ہے، یا کو تو وہاں گراتے ہیں جہاں اگلا ساکن ہو! فِي الْإِسْلَامِ، یہ یا کو کیوں گرایا؟ کیونکہ آگے لام بھی ساکن تھا، دو ساکن تو نہیں آسکتے تھے یہاں پر، لہٰذا یا کو گرا دیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر بھی، یہاں پر یا کو کیوں گرائیں گے؟ وجہ یہ کہ لام فِي الِاصْطِلَاحِ، لام کے نیچے اگرچہ ہم نے کسرہ دے دیا لیکن یہ کسرہ اس کی مستقل حرکت ہے یا عارضی حرکت دی؟ عارضی حرکت، اور عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا ابھی بھی یوں سمجھیں گے لام ساکن ہے، اور جب لام ساکن ہو تو یا کو کیا کرتے ہیں؟ گرا دیتے ہیں۔ گویا صرف فا کے نیچے کسرہ پڑھیں گے، یہ کسرہ ہی بتلا رہا ہے یہاں پر یا موجود تھی۔

تو اب کیسے پڑھیں گے؟ لام کے نیچے تو کسرہ پڑھنا ہی ہے، وہ تو میں نے بتا دیا لِصْطِلَاحِ میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی، ماقبل کی اب بات سمجھا رہا تھا۔ فِي نہیں پڑھنا بلکہ کیا پڑھنا ہے؟ فِ، فِ، صرف فا کے نیچے کسرہ پڑھیں: فِلِصْطِلَاحِ، فِلِصْطِلَاحِ۔ کیسے پڑھیں گے؟ فِلِصْطِلَاحِ، فِلِصْطِلَاحِ۔ تو دیکھیے تیزی سے آپ پڑھیں گے کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ آپ نے فِي الْاِصْطِلَاحِ پڑھا یا فِلِصْطِلَاحِ پڑھا بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اگر یہاں مِنْ ہوتا پھر کیسے پڑھتے؟ جی، وہی الْإِسْلَام کے ساتھ ذرا جوڑ کے بتاؤ: مِنَ الْإِسْلَامِ۔ معلوم ہوا نون پر کیا پڑھتے ہو؟ فتحہ۔ تو وہی یہاں صورت بتا دو، بنا دو بھئی: مِنَ... پھر وہی! بھئی لِصْطِلَاحِ تو بن چکا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی، اس سے ماقبل کی حرکت اب ہم کر رہے ہیں کہ کس طرح اس کو پڑھنا ہے بھئی۔ مِنَ الْ... پھر لام کو ساکن دوبارہ کر دیا! مِنَ لِصْطِلَاحِ، مِنَ الِاصْطِلَاحِ، مِنَ الِاصْطِلَاحِ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو کسی حرف ماقبل والے کو کیسے پڑھنا ہے وہ ذرا مشکل ہے، اس کو کسی اور ساکن کے ساتھ جوڑ کر دیکھو کس طرح وہ جڑتا ہے۔ فِي کو ہم نے لام ساکن سے جوڑا فِالْ بنا تھا، معلوم ہوا یا گر جاتی تھی، فا کے نیچے صرف کسرہ رہ جاتا تھا، یہاں بھی ہم نے اسی طرح پڑھا: فِي الِاصْطِلَاحِ۔ اور مِنْ کو ساکن سے ذرا ملاؤ، کیا بنا؟ مِنَ الْ۔ اچھا عَلَى آجائے پھر کیسے پڑھو گے؟ اسلام کے ساتھ، الْإِسْلَام کے ساتھ ملاؤ عَلَى کو: عَلَى الْ، عَلَى الْ۔ معلوم ہوا وہ الف عَلَى، الف گر چکا ہے، گرا یا نہیں؟ صرف لام پر فتحہ رہ گیا ہے۔ وہی فتحہ یہاں پڑھو، کیسے پڑھیں گے؟ عَلَى الِاصْطِلَاحِ، عَلَى الِاصْطِلَاحِ۔

طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ نئی بات تھی اس لیے میں نے تفصیل سے آپ کو سمجھائی، اور ہر جگہ اسی طرح پڑھو بھئی۔ لام کے نیچے تو کسرہ ہی ہے لیکن ماقبل کے اعتبار سے گویا لام ابھی بھی ساکن ہے۔ گویا، حقیقتاً آپ تو حرکت دے چکے ہیں لیکن گویا ابھی بھی ماقبل کے لیے وہ کیا ہے؟ ساکن، اور ساکن کے اعتبار سے پچھلے حرف کو بنا لو وہ کیسے پڑھا جائے گا، پھر اس کو لام کے نیچے کسرہ ہی پڑھو اور ماقبل کو اس کے مطابق بنا کر پڑھ لیجیے بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

■ قولہ: «وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ...» کی تشریح

وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ۔ اور یہ فصاحت واقع ہوتی ہے اصطلاح میں وَصْفًا، کیا واقع ہوتی ہے؟ وصف واقع، یعنی صفت واقع ہوتی ہے لِلْكَلِمَةِ کس کی؟ کلمہ کی۔ وَالْكَلَامِ اور کلام کی۔ وَالْمُتَكَلِّمِ اور متکلم کی۔ یہاں سے بتلا رہے ہیں کہ یہ فصاحت جو ہے یہ کلمہ کی بھی صفت بنتی ہے، کلام کی بھی صفت بنتی ہے اور متکلم کی بھی صفت بنتی ہے۔ کلمہ کی صفت بھی فصاحت بنتی ہے بھئی، عربی زبان میں کہتے ہیں هٰذِهِ كَلِمَةٌ فَصِيحَةٌ۔ فَصِيحَةٌ کس کی صفت آئی؟ كَلِمَةٌ کی۔ اسی طرح کوئی کلام فصیح ہو تو عرب کہتے ہیں هٰذَا كَلَامٌ فَصِيحٌ، یہ کلام کیا ہے؟ فصیح ہے، تو کس کی صفت آئی فصیح؟ کلام کی۔ یا کوئی قصیدہ ہو، نظم ہو، تو کہتے ہیں هٰذِهِ قَصِيدَةٌ فَصِيحَةٌ، تو یہ فَصِيحَة کس کی صفت آئی؟ قَصِيدَة، اور قصیدہ کیا ہے؟ کلام ہے بھئی، کلام۔ تو یہ فصاحت کلمہ کی بھی صفت بنتی ہے اور کلام کی بھی اور متکلم۔ کوئی متکلم فصیح بات کرنے والا ہو تو کہتے ہیں هٰذَا مُتَكَلِّمٌ فَصِيحٌ، تو یہ فَصِيح کس کی صفت بنتی ہے؟ متکلم کی۔

کلمے کی صفت بنتی ہے، کیا معنیٰ؟ کسی کلمے کے بارے میں عرب کہتے ہیں هٰذِهِ الْكَلِمَةُ فَصِيحَةٌ یا هٰذَا اللَّفْظُ فَصِيحٌ، دیکھو یہ کلمہ پر اس فصاحت کا اطلاق کر رہے ہیں، اور کلام کے بارے میں بھی کہتے ہیں هٰذَا الْكَلَامُ فَصِيحٌ یا هٰذِهِ الْقَصِيدَةُ فَصِيحَةٌ، اور متکلم کے بارے میں بھی کہتے ہیں هٰذَا الْمُتَكَلِّمُ فَصِيحٌ یا هٰذَا الرَّجُلُ فَصِيحٌ، اور رَجُل کون ہوتا ہے؟ وہ کلام ہے یا کلمہ ہے؟ وہ تو متکلم ہوا کرتا ہے، معلوم ہوا فصاحت متکلم کی بھی صفت بنتی ہے، کلام کی بھی اور کلمے کی بھی۔ تو یہ فصاحت معلوم ہوا کلمہ کی بھی صفت بنتی ہے، کلام کی بھی صفت بنتی ہے اور متکلم کی بھی۔

یہ دراصل تقسیم کر رہے ہیں بھئی فصاحت کی کہ یہ تین قسم پر ہے: کلمہ بھی فصیح ہو سکتا ہے، کلام بھی فصیح ہو سکتا ہے، متکلم بھی فصیح ہو سکتا ہے۔ تو یہ تقسیم کر رہے ہیں بھئی، تقسیم۔ کس کی تقسیم کر رہے ہیں؟ فصاحت کی۔ اشکال ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کتاب! پہلے چیز کی تعریف کی جاتی ہے پھر اس کی تقسیم کی جاتی ہے۔ پہلے تعریف کریں، اس کی پہچان تو کروائیں یہ چیز کیا ہے، پھر آگے اس کے افراد بھی ہمیں بتلا دینا۔ جیسے صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں کافیہ کے شروع میں؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، پہلے کلمہ کی تعریف کی اور پھر آگے بتلایا: وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، اور یہ کیا ہے؟ اسم ہے، فعل ہے اور حرف ہے۔ پہلے کلمہ کی پہچان کروادی پھر اس کی تقسیم کی، اس کے افراد بتلائے کہ یہ تین قسم پر ہو سکتی ہے: اسم بھی کلمہ ہو سکتا ہے، فعل بھی اور حرف بھی۔ تو آپ کو بھی پہلے فصاحت کی تعریف کرنی چاہیے، آپ نے تو ہمیں صرف اتنا بتایا فصاحت کس کی خبر دیتی ہے؟ ظہور کا، یہ فصاحت کی تعریف تو نہیں، یہ تو صرف... تو آپ نے فصاحت کی تعریف نہیں کی اور اس کی تقسیم شروع کر دی۔

تو جواب یہ کہ یہاں کوئی مشترک تعریف ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ جس میں یہ فصاحتِ کلام، فصاحتِ کلمہ اور فصاحتِ متکلم تینوں اس کے اندر داخل ہو جاتے، کوئی ایسی تعریف ممکن ہی نہیں تھی بھئی۔ وہاں تو ممکن تھی کافیہ کے اندر، کیا تعریف کی کلمہ کی؟ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اسم بھی اس میں آ گیا، اسم بھی لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ ہے۔ فعل بھی اس کے اندر آ گیا، لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ ہے۔ حرف بھی اس کے اندر آ گیا، تو وہ ایک ایسی تعریف تھی وہ تینوں اس کے اندر داخل ہو جاتے تھے۔ لیکن یہاں کوئی ایسی تعریف ہو ہی نہیں سکتی، کوئی ایک مشترکہ مفہوم ہے ہی نہیں، تینوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں! کلمہ کے اندر فصاحت وہ اور چیز ہے، کلام کے اندر فصاحت اور چیز ہے، متکلم کے اندر فصاحت اور چیز ہے، یہ بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، کوئی ایک تعریف ان کی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے پہلے تقسیم کر دی اور پھر ہر ایک کی الگ الگ کیا کریں گے؟ تعریف کریں گے بھئی۔

یہ اسی طرح ہے، آپ نے ہمیں مثال دی صاحبِ کافیہ کی کہ انہوں نے شروع میں تعریف کی ہے پھر کیا کی ہے؟ تقسیم۔ آگے ہی چلیں ذرا کافیہ کے اندر مستثنیٰ کی بحث آتی ہے تو پہلے وہ تقسیم کرتے ہیں پھر اس کے بعد کیا کرتے ہیں؟ تعریف کرتے ہیں کہ مستثنیٰ دو قسم پر ہے: ایک متصل اور ایک منقطع، متصل اس کو کہتے ہیں منقطع اس کو کہتے ہیں۔ تو وہاں جیسے وہاں ایک مشترک مفہوم نہیں ہو سکتا تھا تو مجبوراً پہلے تقسیم کی پھر اس کے بعد ہر ایک کی الگ تعریف، تو یہاں پر بھی پہلے تقسیم کر دی اب ہر ایک کی کیا کریں گے؟ الگ الگ تعریف کریں گے۔

اچھا بھئی یہ پیچھے آیا بھئی: وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ، کہ اصطلاح کے اندر فصاحت کلمے، کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے۔ کیا کہا؟ ہاں، اصطلاح کے اندر بنتی ہے۔ بھئی اصطلاح درست نہیں ہے بھئی، یہاں یہ فِي الِاصْطِلَاحِ کا لفظ یا تو ہونا ہی نہیں چاہیے یا فِي الْأَصْلِ ہونا چاہیے، وَتَقَعُ فِي الْأَصْلِ۔ عربی زبان کے اندر بھئی، عرب جو ہیں یہ جو میں نے بتلایا کہ کہتے ہیں هٰذِهِ كَلِمَةٌ فَصِيحَةٌ، هٰذَا كَلَامٌ فَصِيحٌ اور هٰذَا مُتَكَلِّمٌ فَصِيحٌ، یہ کلامِ عرب میں اس طرح ہے بھئی۔ کس کے اندر؟ کلامِ عرب۔ یہ کوئی الگ خاص اصطلاح نہیں ہے کسی خاص علم والوں وغیرہ کی بلکہ کلامِ عرب کے اندر ہی اس طرح ہے کہ عرب کیا کرتے ہیں؟ فصاحت کے ساتھ کلمے کو بھی موصوف کرتے ہیں، کلام کو بھی موصوف کرتے ہیں اور متکلم کو بھی موصوف کرتے ہیں۔ تو یہ فِي الِاصْطِلَاحِ کا لفظ یہاں نہیں ہونا چاہیے یا پھر فِي الْأَصْلِ کا لفظ ہونا چاہیے کہ کس کے اندر؟ اصل میں، یعنی عربی زبان، اصل سے کیا مراد ہے؟ لغت بھئی، وہی عربی زبان کے اندر یہ صفت بنتی ہے کلمے کی بھی، کلام کی بھی اور متکلم کی بھی۔ یا یوں کہہ لیں کہ چونکہ عربی زبان میں یہ کلمے، کلام اور متکلم تینوں کی صفت بنتی ہے اس لیے اصطلاحِ علمِ بلاغت کے اندر بھی یہ کیا ہے؟ تینوں کی صفت بنے گی بھئی۔

■ قولہ: «فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ...» کی تشریح

تو آگے دیکھیے کہتے ہیں: فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوفِ وَمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ وَالْغَرَابَةِ۔ اب ہر ایک کی الگ الگ تعریف کرنے لگے ہیں، سب سے پہلے فصاحتِ کلمہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ فصاحت کی کتنی قسمیں آئیں؟ تین: فصاحتِ کلمہ، فصاحتِ کلام اور فصاحتِ متکلم۔ تو سب سے پہلے فصاحتِ کلمہ کو ذکر کر رہے ہیں۔ سوال پیدا ہوا کہ آپ نے ہمیں بتلا دیا فصاحت تین قسم پر ہے: فصاحت فی الکلمہ، فصاحت فی الکلام اور فصاحت فی المتکلم۔ اب آگے جب ہر ایک کو بیان کرنے لگے ہیں تو آپ نے فصاحتِ کلمہ کو کیوں مقدم کیا؟ پہلے فصاحتِ کلام کو بیان کر دیتے یا فصاحتِ متکلم کو بیان کر دیتے، آپ نے فصاحتِ کلمہ کو کیوں مقدم کیا؟

جواب آسان ہے بھئی کہ چونکہ فصاحتِ کلمہ موقوف علیہ ہے اور فصاحتِ کلام اور متکلم موقوف ہیں، اور موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے۔ فصاحتِ کلام تبھی سمجھ آئے گی جب فصاحتِ کلمہ کا پتہ ہو۔ کیونکہ کلامِ فصیح اس کی آگے تعریف کریں گے، بتائیں گے آپ کو کلامِ فصیح کس کو کہتے ہیں؟ وہ بتائیں گے جس میں یہ عیب بھی نہ ہو، یہ عیب بھی نہ ہو، یہ عیب... تو جہ ہے بھئی؟ کس کی تعریف کر رہا ہوں میں؟ کلامِ فصیح کی: جس میں یہ عیب بھی نہ ہو، یہ بھی نہ ہو، یہ بھی نہ ہو اور اس کے تمام کلمات بھی فصیح ہوں! تمام کلمات بھی فصیح ہوں، یہ کس کے اندر آرہا ہے؟ کلامِ فصیح کی تعریف میں آرہا ہے کہ کلمات فصیح ہوں، تو کلماتِ فصیح کا آپ کو پہلے سے پتہ ہونا چاہیے یا نہیں؟ ورنہ آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ فصاحت فی الکلام کس چیز کا نام ہے۔

اور آسان مثال سے چلیے سمجھیے: متکلم کسے کہتے ہیں؟ کلام کرنے والا۔ اگر آپ کو کلام کی تعریف نہیں آتی تو متکلم کی تعریف آئے گی؟ آپ کو فرض کریں کلام کا پتہ ہی نہیں، میں آپ کو کہتا ہوں متکلم کلام کرنے والا ہوتا ہے، آپ فوراً کہیں گے کلام کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ آپ کو کلام کا ابھی پتہ نہیں۔ معلوم ہوا متکلم کا تب ہی آپ کو پتہ چلے گا جب پہلے کس کا پتہ ہو؟ کلام کا۔ معلوم ہوا اس سے پہلے کلام کا علم ہونا چاہیے۔ اچھا، کلام کسے کہتے ہیں؟ جو کم از کم دو کلموں سے مل کر بنے اور ان میں اسناد پایا جائے۔ کلام کسے کہتے ہیں؟ جو دو کلموں سے مل کر بنے اور اس میں اسناد پایا جائے، دو کلموں سے مل کر بنے! اب آپ کو کلموں کا پتہ ہی نہیں ہے تو کلام سمجھ میں آئے گا آپ کو؟ آپ فوراً کہیں گے بھئی کلمہ کس کو کہتے ہیں؟ معلوم ہوا کلام کو سمجھنے سے پہلے کس کا سمجھنا ضروری؟ کلمے کا، کیونکہ کلام کہتے ہی کس کو ہیں جو کس سے بنا ہو؟ دو کلموں سے! اب جیسے ہی میں کہوں گا کلام وہ ہے جو دو کلموں سے بنا ہو آپ فوراً کہیں گے کلمہ تو ہم نے پڑھا نہیں یہ کس کو کہتے ہیں؟ تو آپ کو پہلے سے علم ہونا چاہیے۔

لہٰذا سب سے پہلے کلمہ کو سمجھایا جاتا ہے، پھر اس کے بعد کس کو سمجھایا جائے گا؟ کلام کو سمجھایا جائے گا۔ کلمہ سمجھ میں آجائے گا، اب کلام کے اندر کلمہ کا لفظ آئے گا بھی آپ کو پہلے سے پتہ ہو گا تو آپ کو کلام کا بھی پتہ چل جائے گا۔ پھر متکلم کی تعریف آئے گی تو متکلم کے اندر کیا لفظ آئے گا؟ کلام، اور وہ بھی آپ کو پتہ چل چکا ہے تو وہ بھی آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔ معلوم ہوا متکلم کا سمجھنا موقوف ہے کس پر؟ کلام پر، اور کلام کا سمجھنا موقوف ہے کس پر؟ کلمہ پر۔ تو کلام ہوا موقوف، کس پر موقوف ہے اس کا سمجھنا؟ کلمہ پر، اور کلمہ ہوا موقوف علیہ۔ تو کون مقدم ہوتا ہے؟ موقوف علیہ، پہلے اس کو سمجھا جاتا ہے اس کے بعد کس کو سمجھا جاتا ہے؟ موقوف کو۔ اور اچھا، کلام اور متکلم ان میں سے کون موقوف ہے؟ متکلم کا سمجھنا موقوف ہے کس پر؟ کلام پر۔ تو کلام ہوا موقوف علیہ اور متکلم ہوا موقوف۔ پہلے کس کو لائیں گے؟ موقوف علیہ کو پہلے لایا جائے گا اور موقوف کو بعد میں لایا جائے گا۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: ایک ہے فصاحت فی الکلمہ، ایک ہے فصاحت فی الکلام، ایک ہے فصاحت فی المتکلم۔ فصاحتِ کلمہ کا پتہ ہو گا تو فصاحت فی الکلام بھی سمجھ میں آئے گی، فصاحت فی الکلام کا پتہ ہو گا تو فصاحت فی المتکلم بھی سمجھ میں آئے گی۔ اسی لیے فصاحت فی الکلمہ کو پہلے سمجھائیں گے، فصاحتِ کلام کو اس کے بعد سمجھائیں گے، اور فصاحت فی المتکلم کو اس کے بعد سمجھائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اس لیے یہاں پر انہوں نے فصاحتِ کلمہ کو مقدم کیا۔

یہ اسی طرح ہے جیسے یہاں فصاحت اور بلاغت دو چیزیں مقدمے میں ذکر کرنی تھیں انہوں نے، لیکن ان فصاحت اور بلاغت میں سے کس کو شروع کر دیا؟ فصاحت کو پہلے سمجھانا شروع کر دیا، بلاغت آگے جا کر آپ کو سمجھائیں گے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے بلاغت پہلے کیوں نہیں سمجھائی؟ فصاحت بعد میں سمجھا دیتے اور بلاغت پہلے! تو جواب یہی ہے کہ بلاغت کو سمجھنے کے لیے فصاحت کا سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ بلاغت کی تعریف میں فصاحت کا لفظ آئے گا۔ تو آپ کو پہلے سے کیا پتہ ہونا چاہیے؟ فصاحت کا پتہ ہونا چاہیے۔ تو لہٰذا بلاغت ہوئی موقوف اور فصاحت ہوئی موقوف علیہ، اور موقوف علیہ مقدم ہوتا ہے، اسی وجہ سے یہاں پر بھی انہوں نے فصاحت کو مقدم کیا اور پہلے اس کا ذکر شروع کیا بھئی۔

■ قولہ: «فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ» کی تشریح

جی تو اب سب سے پہلے فصاحتِ کلمہ کو بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں: فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ، پس کلمے کی فصاحت، کلمے کا فصیح ہونا جو ہے سَلَامَتُهَا وہ کلمے کا سالم ہونا ہے مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوفِ۔ تین عیبوں سے کلمے کا پاک ہونا ضروری، کلمہ سالم ہونا چاہیے کس چیز سے؟ تین عیوب۔ کون سے عیوب؟ مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوفِ، تنافرِ حروف، پہلا عیب کیا ہے؟ تنافرِ حروف۔ وَمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ، دوسرا عیب کیا ہے؟ مخالفتِ قیاس۔ اور تیسرا عیب ہے غرابت۔ کلمہ فصیح وہ ہے جب وہ سالم ہو، وہ سلامت ہو ان تین عیبوں سے: تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس اور غرابت۔ ان تین عیبوں سے کلمہ جب سلامت ہو گا، محفوظ ہو گا تو اس کو کیا کہیں گے ہم؟ کلمۂ فصیحہ کہیں گے بھئی، کلمۂ

فصیحہ۔ تین عیب اس میں نہ ہوں بھئی، تین عیب۔

یہ تین عیبوں سے خالی ہونا ضروری ہے بھئی۔ وجہ یہ کہ یہاں تین چیزیں ہیں ہر کلمے کے اندر: ایک اس کا مادہ ہے، ایک اس کی صورت ہوتی ہے، اور ایک پھر اس کی اپنے معنیٰ پر دلالت ہوا کرتی ہے۔ جیسے عِلْم کا لفظ، مادہ اس کا کیا ہے؟ عین، لام، میم، یہ ہے اس کا مادہ۔ پھر عین، لام، میم جڑے آپس میں، عین کے نیچے کسرہ آیا، لام ساکن ہوا، تو ایک صورت بن گئی۔ اور صورتیں بھی بن سکتی تھیں یا نہیں؟ عَلِمَ یَعْلَمُ وغیرہ کتنی صورتیں ہیں! سمجھ میں آیا؟ تو ایک مخصوص صورت بن گئی بھئی، یہ کیا کہلاتی ہے؟ صیغہ۔ کیا کہلاتی ہے؟ صیغہ۔ ایک ہے مادہ، ایک ہے صیغہ۔ پھر اس عِلْم کے لفظ نے اپنے معنیٰ پر دلالت بھی کی، عِلْم کہتے ہی اس کا معنیٰ آپ کو سمجھ میں آگیا۔ جیسے میں زید کہتا ہوں، مثلاً زید آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام ہے، میں جیسے ہی کہوں گا زید فوراً اس کی صورت آپ کے ذہن میں آجائے گی کہ اس زید کی بات ہونے لگی ہے۔ تو یہ کیا ہے؟ زید لفظ کی اپنے معنیٰ پر دلالت ہے۔ لفظِ زید نے کس پر دلالت کی؟ اپنے معنیٰ پر۔ دلالت کس کو کہتے ہیں بھئی؟ ایک چیز سے دوسری چیز کا پتہ چل جانا، یہ ہے دلالت، یہ ہے دلالت۔ میں نے تو لفظ بولا، آپ کے ذہن میں صورت آگئی بھئی، تو یہ اس صورت پر اس لفظ نے کیا کی؟ دلالت کی۔

تو لہٰذا ایک ہے کلمے کا مادہ، ایک ہے کلمے کی صورت یعنی صیغہ، اور ایک ہے کلمے کی دلالت اپنے معنیٰ پر۔ تین چیزیں سمجھ میں آگئیں؟ توجہ ہے بھئی؟ میں تکرار کے انداز میں پڑھا رہا ہوں تاکہ تکرار بھی ہو جائے آپ کا۔ کتنی چیزیں ہیں یہاں پر؟ تین۔ اول کیا ہے؟ کلمے کا مادہ۔ دوسری چیز؟ اس کی صورت ہے یعنی صیغہ۔ اور تیسری چیز؟ اپنے معنیٰ پر دلالت۔ اگر کلمے کے مادہ کے اندر کوئی عیب پایا جائے اس کو کہتے ہیں تنافرِ حروف۔ اگر کلمے کی جو صورت ہے یعنی صیغہ ہے اس میں کوئی عیب پایا جائے اس کو کہتے ہیں مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ۔ اور اگر اس کی دلالت علی المعنیٰ میں کوئی عیب پایا جائے تو اس کو کہتے ہیں غرابت۔ کیا کہتے ہیں؟ غرابت۔ تو کلمہ فصیح تب ہوگا جب نہ اس کے مادے میں کوئی عیب ہو، نہ اس کی صورت میں کوئی عیب ہو، نہ اس کے اپنے معنیٰ پر دلالت کرنے میں کوئی عیب ہو بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اسی لیے کہا کہ فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ کلمے کا فصیح ہونا جو ہے سَلَامَتُهَا اس کا سلامت ہونا ہے مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوفِ وَمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ وَالْغَرَابَةِ تنافرِ حروف سے اور مخالفتِ قیاس سے اور غرابت سے۔

آسان لفظوں میں ابھی سمجھ لیجیے آگے بھی تفصیلی بات وہ خود بیان کریں گے: تنافرِ حروف کون سا عیب ہے؟ مادے میں جو عیب ہے، یعنی ایسے حروف جمع ہو جاتے ہیں کلمے میں کہ زبان پر اس لفظ کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔ جیسے آگے لفظ آرہا ہے هُعْخُعٌ، یہ کسی گھاس یا پودے کا نام ہے، هُعْخُعٌ۔ کتنا ثقیل لفظ ہے بھئی! سارے حروفِ حلقی جمع ہو گئے اس کے اندر بھئی۔ تو یہ ثقیل، تو یہ کس کے اندر عیب آیا بھئی؟ مادے کے اندر۔

کبھی عیب جو ہے وہ صورت میں ہوگا، یعنی کلمہ صرفی قانون کے خلاف ہوگا۔ کلمہ کیا ہوگا؟ صرفی قانون کے خلاف۔ آپ نے صرف میں پڑھا ہے، سارے قوانین پڑھے ہیں کہ کس طرح صورت بنتی ہے کلمے کی، اور وہ تو علماء نے باقاعدہ اس کے قوانین جو ہیں وہ مدون کیے، تو اگر اس صرفی قانون کے خلاف ہو کلمہ تو یہ کیا ہے؟ مخالفتِ قیاس ہے۔

اور اگر دلالت علی المعنیٰ میں خرابی ہو، یعنی ایک لفظ بولا، معنیٰ سمجھ میں ہی نہیں آرہا کسی کو بھئی! لفظ کو بولتے ہی کیا ہونا چاہیے؟ ہر ایک کو معنیٰ سمجھ میں آجانا چاہیے۔ ہاں، لیکن آپ نے لفظ بولا کسی کو معنیٰ ہی سمجھ میں نہیں آرہا، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ غرابت، یہ غرابت ہے، یہ اپنے معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا، ورنہ تو اس کے بولتے ہی فوراً جیسے زید کا لفظ بولتے ہی فوراً زید کی صورت آپ کے ذہن میں آگئی تھی، اسی طرح اس لفظ کو بولتے ہی فوراً اس کا معنیٰ ذہن میں آنا چاہیے تھا لیکن آیا نہیں، معلوم ہوا یہ اپنے معنیٰ پر صحیح طریقے سے دلالت نہیں کر رہا، خرابی ہے کچھ بھئی۔

■ قولہ: «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ...» کی تشریح

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶: فصاحتِ کلمہ کی شرائط: تنافرِ حروف اور مخالفتِ قیاس کی تعریف و امثلہ

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۵ــــ بتاریخ: ۲۶ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَتَنَافُرُ الْحُرُوفِ وَصْفٌ فِي الْكَلِمَةِ يُوجِبُ ثِقَلَهَا عَلَى اللِّسَانِ وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهَا، نَحْوُ الظَّشِّ لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ، وَالْهُعْخُعِ لِنَبَاتٍ تَرْعَاهُ الْإِبِلُ، وَالنُّقَاخِ لِلْمَاءِ الْعَذْبِ الصَّافِي، وَالْمُسْتَشْزِرِ لِلْمَفْتُولِ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں آپ نے فصاحت کے بارے میں پڑھا تھا کہ فصاحت کے کئی معانی آتے ہیں، البتہ ہر معنٰی کے اندر ظہور پایا جائے گا۔ کیا پایا جائے گا؟ ظہور پایا جائے گا، ظہور کی خبر وہ دے گا۔ اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فصاحت یہ صفت بنتی ہے کلمے کی بھی، کلام کی بھی اور متکلم کی بھی۔ جی، اور پھر اس کے بعد فصاحت فی الکلمہ جو ہے اس کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا کہ فصاحتِ کلمہ جو ہے وہ اس کلمے کا سالم ہونا ہے، اس کا سلامت ہونا ہے تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس اور غرابت سے۔ یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو کہ تین عیب کلمے میں نہیں ہوں گے تو وہ کلمہ فصیح ہو گا۔ اور وہ تین عیوب کیا ہیں؟ جی، یَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ وہ تین عیوب کیا تھے؟ نمبر ایک: تنافرِ حروف، نمبر دو: مخالفتِ قیاس، نمبر تین: غرابت۔

اور یہ تین ہی عیب کیوں ذکر کیے، چار یا پانچ کیوں نہیں ذکر کیے جن کا نہ ہونا ضروری؟ تو اس کی تفصیل بھی بیان ہو گئی تھی کہ کلمے کے اندر تین چیزیں ہوتی ہیں بھئی: ایک اس کا مادہ ہوتا ہے، ایک اس کی صورت یعنی صیغہ ہوتا ہے، اور ایک اس کی اپنے معنٰی پر دلالت ہوتی ہے۔ تو اگر مادے کے اندر کوئی عیب پایا جائے تو یہ تنافرِ حروف ہو گا، اور اگر صورت یعنی صیغے کے اندر کوئی عیب پایا جائے تو یہ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ ہے، اور اگر اپنے معنٰی پر دلالت کرنے کے اندر عیب پایا جائے تو پھر یہ کیا ہے؟ غرابت ہے بھئی، غرابت۔ تو اسی لیے تین عیوب ذکر کیے کہ وہ کلمے میں نہیں ہونے چاہئیں۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر: فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوفِ وَمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ وَالْغَرَابَةِ۔ تو کلمے کا فصیح ہونا وہ اس کا سالم ہونا ہے تنافرِ حروف سے اور مخالفتِ قیاس سے اور غرابت سے۔ آسان لفظوں میں میں نے آپ کو تفصیل بتلا دی تھی کہ تنافرِ حروف کسے کہتے ہیں؟ کہ کلمے میں ایسے حروف جمع ہو جائیں جس کی وجہ سے زبان پر اس لفظ کی ادائیگی ثقیل ہو جائے، مشکل ہو جائے بھئی۔ اور مخالفتِ قیاس کا آسان معنٰی میں نے بتلایا تھا، کیا معنٰی ہے؟ کہ صرفی قانون کے خلاف ہو کلمہ بھئی۔ اور غرابت کا معنٰی میں نے بتلایا تھا، کیا معنٰی ہے؟ کہ کلمے کا معنٰی کا پتہ نہیں چلتا بھئی۔ کلمہ، کلمے کو تو اپنے معنٰی پر دلالت کرنی چاہیے بھئی، جیسے ہی ایک لفظ بولا جائے سننے والے کو اس کا معنٰی سمجھ میں آنا چاہیے، لیکن اگر معنٰی سمجھ میں نہیں آ رہا تو معلوم ہوا اس کے اندر کیا ہے؟ غرابت ہے بھئی، یہ اپنے معنٰی پر دلالت نہیں کر رہا۔

جی، یہ میں نے تفصیل بیان کر دی تھی، اب دیکھیے صاحبِ کتاب بھی ہر ایک کی تعریف کریں گے: فَتَنَافُرُ الْحُرُوفِ وَصْفٌ فِي الْكَلِمَةِ، پس تنافرِ حروف جو ہے وَصْفٌ فِي الْكَلِمَةِ یہ ایسا وصف ہے کلمے کے اندر يُوجِبُ ثِقَلَهَا۔ يُوجِبُ أَيْ يُثْبِتُ۔ يُوجِبُ، يُثْبِتُ کے معنٰی میں عام استعمال ہوتا رہتا ہے کتابوں کے اندر بھئی، تو یہاں بھی يُثْبِتُ کے معنٰی میں ہے۔ تو تنافرِ حروف ایسا وصف ہے کلمہ کے اندر جو ثابت کرتا ہے، يُوجِبُ أَيْ يُثْبِتُ، جو کیا کرتا ہے؟ یہ ایسا وصف ہے جو ثابت کرتا ہے، کیا چیز ثابت کرتا ہے؟ آگے مفعول آ رہا ہے: ثِقَلَهَا عَلَى اللِّسَانِ، ہا ضمیر راجع ہے کلمہ کو، ثِقَلَ الْكَلِمَةِ عَلَى اللِّسَانِ، کلمے کا ثقیل ہونا، بوجھ ہونا عَلَى اللِّسَانِ کس پر؟ زبان پر، کہ کلمے کی ادائیگی زبان پر بوجھ محسوس ہوتی ہے، آسانی اور روانی سے وہ کلمہ ادا نہیں ہوتا بھئی۔

تو کہتے ہیں تنافرِ حروف ایسا وصف ہے کلمہ کے اندر يُوجِبُ ثِقَلَهَا عَلَى اللِّسَانِ جو اس کلمے کے ثقیل ہونے کو ثابت کرتا ہے زبان پر، وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهَا۔ یاد رکھیے یہ عطفِ تفسیری ہے۔ عطفِ تفسیری کی بات پہلے بھی گزر چکی بھئی: واؤ سے جو ماقبل ہو وہ کیا ہے؟ معطوف علیہ، اور واؤ کے بعد جو ہو وہ؟ معطوف۔ تو معطوف بعد میں

آتا ہے، اور اگر وہ معنیٰ بیان کر رہا ہو کس کا؟ معطوف علیہ کا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ تفسیری کہتے ہیں بھئی۔ تو یہاں پر بھی وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهَا یہ تفسیر بیان کر رہا ہے ثِقَل عَلَى اللِّسَانِ کی۔ زبان پر بوجھ ہو جاتا ہے وہ لفظ، کیا معنیٰ بوجھ ہو جاتا ہے بھئی؟ خود بتلا رہے ہیں: عُسْرَ النُّطْقِ بِهَا۔ عُسْر کہتے ہیں مشکل ہونا، دشوار ہونا، اور نُطق کہتے ہیں بولنے کو، تکلم کو۔ بِهَا، ہا ضمیر اسی کلمہ کو راجع، عُسْرَ النُّطْقِ بِهَا اس کلمے پر تکلم دشوار ہو جاتا ہے، اس کلمے پر تکلم دشوار ہو جاتا ہے یعنی اس کو بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دیکھیے یہ تفسیر کر دی۔

پیچھے کیا آیا تھا؟ کہ تنافرِ حروف ایسا وصف ہے جو کلمے کے زبان پر ثقیل ہونے کو ثابت کرتا ہے، زبان پر وہ ثقیل ہوتا ہے بھئی۔ زبان پر ثقیل ہونے کا کیا معنیٰ؟ آگے بتایا کہ اس کو بولنا مشکل ہو جاتا ہے، اس پر تکلم دشوار ہوتا ہے، زبان پر ثقیل ہونے کا یہ معنیٰ ہے بھئی۔ روانی سے، آسانی سے وہ ادا نہیں ہوتا بھئی۔ معنیٰ سمجھ میں آ گیا بھئی؟ عُسْر کا کیا معنیٰ؟ دشواری۔ اور نُطق کا معنیٰ؟ بولنا، تو تکلم یعنی، تو اس کلمے پر تکلم دشوار ہو جاتا ہے۔ اب دیکھیے پورا ترجمہ سارے کا: پس تنافرِ حروف ایسا وصف ہے کلمے کے اندر جو ثابت کرتا ہے اس کلمے کے زبان پر ثقیل ہونے کو اور اس کے ساتھ تکلم کے دشوار ہونے کو۔

■ قولہ: «نَحْوُ الظَّشِّ لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ» کی تشریح

نَحْوُ الظَّشِّ لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ۔ اب مثالیں ذکر کر رہے ہیں، کچھ ایسے لفظ لے کر آئے جن کے اندر تنافرِ حروف ہے۔ پہلی مثال ظَشٌّ ہے بھئی، لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ۔ خَشِن کا معنیٰ سخت بھئی، کھردری۔ سخت جگہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کے لیے ایک لفظ ظَشٌّ ہے عربی میں، لیکن اس کے اندر تنافرِ حروف ہے بھئی۔

وَالْهُعْخُعِ لِنَبَاتٍ تَرْعَاهُ الْإِبِلُ۔ هُعْخُعٌ بھئی، یہ نَبَات۔ نَبَات کہتے ہیں بھئی زمین سے اگنے والی چیز، گھاس ہو، پودا ہو، درخت ہو، ان سب کو نَبَات کہتے ہیں لیکن یہاں مراد گھاس یا کچھ پودے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَالْهُعْخُعِ لِنَبَاتٍ تَرْعَاهُ الْإِبِلُ، اور هُعْخُعٌ ایسے پودے یا گھاس کے لیے تَرْعَاهُ الْإِبِلُ جس کو اونٹ چرتے ہیں۔ إِبِل اونٹ، تَرْعَى کے معنیٰ چرنے کے۔ کوئی گھاس ہے جس کو اونٹ چرتے ہیں تو اس کا ایک نام کیا ہے؟ هُعْخُعٌ، اور یہ لفظ کیا ہے؟ اس میں تنافرِ حروف ہے۔

وَالثُّقَاخِ، یہ آپ کی کتابوں میں حاہے یا خا بھئی؟ حا؟ حا نہیں بھئی، خا ہونی چاہیے، خا۔ وَالثُّقَاخِ لِلْمَاءِ الْعَذْبِ الصَّافِي۔ ثُقَاخ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں الْمَاءُ الْعَذْبُ بھئی، میٹھا پانی۔ الْمَاءُ الْعَذْبُ میٹھا پانی۔ شربت نہ سمجھ لینا بھئی، یہ عام پانی جو خوشگوار ذائقے والا ہو۔ بعض علاقوں کا پانی بڑا کڑوا یا عجیب قسم کے مختلف ذائقے ہوتے ہیں، تو جہاں کا پانی خوشگوار ہو تو اس پانی کو کیا کہتے ہیں؟ الْمَاءُ الْعَذْبُ کہتے ہیں۔ الصَّافِي صاف ستھرا بھئی۔ وَالثُّقَاخِ لِلْمَاءِ الْعَذْبِ الصَّافِي، اور ثُقَاخ صاف میٹھے، ہاں صاف میٹھے پانی کے لیے یہ ایک لفظ ہے ثُقَاخ، اور یہ تنافرِ حروف کی مثال ہے بھئی۔

وَالْمُسْتَشْزِرِ لِلْمَفْتُولِ۔ مُسْتَشْزِر، مُسْتَشْزِر لِلْمَفْتُولِ بٹے ہوئے کے لیے۔ کس کے لیے؟ بٹے ہوئے کے لیے۔ ہاں، مَفْتُول کا معنیٰ ہے بٹا ہوا، بل دیا ہوا، بل دار بھئی۔ رسی نہیں ہوتی بھئی؟ آپ نے دیکھی ہے رسی کو کس طرح تیار کیا جاتا ہے، اس کے میں وہ جو دھاگے وغیرہ ہیں ان کو بل دیا جاتا ہے تو وہ مَفْتُول ہوئے، بل دار بھئی جن کو بل دیا ہو۔ تو مُسْتَشْزِر کا کیا معنیٰ؟ بل دار بھئی، بل والے، بل دیے ہوئے۔

تو یہ ہر ایک کے ساتھ اس کا معنیٰ بھی بیان کر رہے ہیں: ظَشٌّ لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ، ظَشٌّ کا لفظ ہے کس کے لیے ہے؟ سخت جگہ کے لیے۔ هُعْخُعٌ یہ کس کے لیے ہے؟ ایسے پودے کے لیے یا ایسے گھاس کے لیے جس کو اونٹ چرتے ہیں۔ اور ثُقَاخ یہ ایسے پانی کے لیے جو میٹھا صاف ستھرا ہو۔ وَالْمُسْتَشْزِرِ یہ کس کے لیے؟ بٹے ہوئے کے لیے۔ تو یہ ساری ظَشٌّ، هُعْخُعٌ، ثُقَاخ اور مُسْتَشْزِر یہ مثالیں ہیں ان لفظوں کی جن میں تنافرِ حروف ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی سب کو بھئی؟

تو، اور پھر اس کے اندر تنافر مختلف قسم کا ہے: کسی میں تنافر کم ہے، کسی میں تنافر زیادہ ہے، جیسے هُعْخُعٌ، اس میں انتہا درجے کا تنافر ہے بھئی، ایسے سارے ایسے حروف جمع ہو گئے جن کا مخرج ایک ہی ہے، حلق سے ادا ہوتے ہیں یہ سارے، تو اس میں انتہا درجے کا ثقل ہے۔ هُعْخُعٌ، بعض علماء نے اس کو میں دونوں جگہ کسرہ نقل کیا ہے: هِعْخِعٌ۔ وہ کیا کہتے ہیں یہ کیا لفظ ہے؟ هِعْخِعٌ۔

اچھا یہاں تک تو بات ہو گئی بھئی کہ تنافرِ حروف کسے کہیں گے؟ کلمے میں ایسے حروف جمع ہو جائیں جس کی وجہ سے زبان پر اس کی ادائیگی ثقیل ہو جائے۔ اب اس کے لیے ضابطہ چاہیے بھئی، کوئی ضابطہ اس کے لیے ہونا چاہیے جس سے ہمیں پہچان ہو جایا کرے، پتہ چل جایا کرے کہ اس وقت کلمے میں کیا ہے؟ تنافرِ حروف ہے، تنافرِ حروف ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے مولانا کہ اس کے لیے کوئی ضابطہ نہیں ہے! اس کے لیے کوئی ضابطہ نہیں ہے، ذوق آپ کو بتلائے گا کہ اس کلمے کے اندر اس وقت تنافرِ حروف ہے۔ آپ کا ذوق ہی بتلا دے گا کہ زبان پر کلمہ صحیح طور پر روانی سے، سلاست سے اور نرمی سے ادا نہیں ہو رہا بھئی، نرمی سے ادا نہیں ہو رہا۔

بات سمجھ میں آئی بھئی؟ تو تنافرِ حروف کا پتہ کس سے چلے گا؟ ذوق سے چلے گا، ذوق۔ اور ذوق کسے کہتے ہیں؟ ذوق یاد رکھیے یہ ایک صلاحیت ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بعض انسانوں کو عطا ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ اچھی اور ردی چیز میں فرق کر لیتا ہے فوراً بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ مختلف قسم کے ذوق ہوتے ہیں، مثلاً بعض کو شاعری کا ذوق اللہ نے دیا ہوتا ہے، فطرتاً اس کے اندر شاعری کا ذوق ہوتا ہے اور اسی پہ پھر وہ جب محنت کرتا ہے تو بہت بڑا شاعر بن جاتا ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی کس سے پتہ چلے گا؟ ذوق سے بھئی، ذوق سے، ذوق بتلائے گا۔ اور میں نے بتلایا ذوق ایک صلاحیت کا نام ہے جس کے ذریعے صحیح اور ردی چیز میں انسان فرق کر لیتا ہے، وہ چیز جیسے اس کے سامنے

آتی ہے اس کا ذوق اسے خود ہی بتلا دیتا ہے، کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، فوراً ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں کچھ خرابی ہے بھئی، اس چیز میں کچھ خرابی ہے۔

یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ جس کو اللہ نے ذوق دیا ہو اس کو خود بخود پتہ چل جائے گا وہ لفظ۔ آپ کی اور میری بات نہیں ہو رہی بھئی، ہمارے لیے تو یہ لفظ کیا اس سے بھی مشکل لفظ ہو ہم بڑے آرام سے اس کو ادا کر لیتے ہیں بھئی! انگریزی وغیرہ کتنی زبانوں کے لفظ ہیں آپ بڑے آرام سے ادا کر لیتے ہیں، آپ کو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ تو یہ عرب کی بات ہو رہی ہے، اور عرب بھی عَرَبُ الْعَرْبَاءِ جو خالص عرب ہیں بھئی، عربِ عرباء، خالص عرب، ان کی بات ہو رہی ہے۔ تو ذوق ایک فطری صلاحیت ہے جو اللہ تعالیٰ بعض انسانوں کو نصیب فرماتے ہیں، اور مختلف چیزوں، مختلف قسم کا ذوق جس کے ذریعے وہ کسی چیز میں عمدہ اور ردی کا فوراً ہی ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ کیا چیز عمدہ ہے اور کیا ردی ہے، یہ ایک فطری صلاحیت ان میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہوتی ہے اور مختلف قسم کے، مختلف چیزوں کے ذوق اللہ نے لوگوں کو نصیب فرمائے ہوتے ہیں۔ تو تنافرِ حروف کا پتہ کس سے چلے گا؟ ذوق سے چلے گا۔

■ قولہ: «وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ...» کی تشریح

وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ عَلَى الْقَانُونِ الصَّرْفِيِّ۔ اب مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ کی بات آئی بھئی۔ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ آسان لفظوں میں میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی کس کو کہتے ہیں؟ کہ کلمے کا صرفی قانون کے خلاف ہونا، یہ ہے مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ۔ اب وہی بیان کر رہے ہیں: وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ اور مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ جو ہے كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ کلمے کا جاری نہ ہونا۔ كَوْنُ الْكَلِمَةِ کلمے کا ہونا غَيْرَ جَارِيَةٍ کہ وہ جاری نہ ہو، غَيْرَ نفی کے لیے آیا کہ وہ جاری نہ ہو عَلَى الْقَانُونِ الصَّرْفِيِّ صرفی قانون پر۔ یعنی کلمے کا صرفی قانون پر جاری نہ ہونا یہ کیا ہے؟ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ ہے بھئی، کلمہ صرفی قانون کے مطابق نہ ہو بھئی۔

لیکن یاد رکھیے یہ انہوں نے آسان لفظوں میں آپ کے لیے بیان کیا۔ اصل اعتبار صرفی قانون کا نہیں ہے، عربوں کے استعمال کی بات ہے بھئی، عربوں کے استعمال کی۔ یا یوں کہیں واضع کی وضع کے خلاف ہو کلمہ تو یہ ہے مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ۔ تو جو بھی کلمہ آپ کے سامنے آئے اور وہ صرفی قانون کے خلاف ہو آپ فوراً اس پر حکم لگا دیں کہ اس میں تو مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ ہے؟ نہیں بھئی، ایسا نہیں ہے۔ بعض اوقات آپ نے علمِ صرف میں پڑھا ہے بھئی، قانون ذکر ہوتا ہے اور قانون کے بعد بتلاتے ہیں کہ یہ کلمہ شاذ ہے، یہ قانون سے خارج ہے، قانون کے دائرے میں نہیں آتا۔ علمِ صرف میں پڑھا یا نہیں پڑھا آپ نے؟ قوانین کے بعد عموماً وہ مثال کوئی نہ کوئی ذکر کرتے ہیں کہ یہ کلمہ شاذ ہے، یعنی قانون کی گرفت میں نہیں ہے۔

تو اس کا کیا معنیٰ ہوتا ہے، وہ کلمہ غلط ہے؟ نہیں نہیں، اس کا یہ معنیٰ نہیں ہوتا۔ شاذ ہونے کا معنیٰ یہ کہ عرب اس کو استعمال کرتے ہیں، اسی طرح کرتے ہیں اور یہ اسی طرح صحیح ہے، لیکن قانون کے دائرے میں نہیں آرہا۔ ہم نے کوشش کی تھی قانون ایسا بنائیں کہ کلامِ عرب کے سارے اس جیسے لفظ اس قانون کے اندر داخل ہو جائیں، یہ قانون ان کا احاطہ کر لے، لیکن ہم پوری کوشش کے باوجود ایسا قانون نہیں بنا سکے، جتنی بھی ہم نے کوشش کی باقی سارے لفظ تو اس کے اندر داخل ہو گئے لیکن یہ والا یا یہ والا لفظ ابھی بھی قانون سے باہر ہے بھئی۔

جیسے مثال بھئی: صرف کا ایک قانون ہے کہ بابِ فَتَحَ سے جو بھی لفظ آئے گا، جو بھی کلمہ آئے گا اس کا عین یا لام کلمہ حرفِ حلقی ہونا ضروری ہے۔ بابِ فَتَحَ سے جو بھی صیغہ آئے گا اس کا عین یا لام کا حرفِ حلقی ہونا ضروری ہے: فَتَحَ، لام کی جگہ کیا ہے؟ حا، حرفِ حلقی۔ مَنَعَ، لام کی جگہ کیا ہے یہاں پر مَنَعَ میں؟ عین ہے، حرفِ حلقی ہے۔ تو یہ بابِ فَتَحَ سے ہیں۔ تو بابِ فَتَحَ کے اندر عین یا لام کا حرفِ حلقی ہونا ضروری، لیکن وہیں پر آپ کو پھر بتاتے ہیں: أَبَى يَأْبَى شاذ ہے۔ أَبَى يَأْبَى شاذ ہے۔ أَبَى يَأْبَى کا معنیٰ ہے انکار کرنا، انکار کرنا۔ اب أَبَى يَأْبَى وہی بابِ فَتَحَ سے ہے، لیکن اس کے اندر عین کی جگہ ہے با، اور لام کی جگہ ہے یا جو کس سے بدل جاتی ہے؟ الف سے۔ تو با یہ بھی حرفِ حلقی نہیں، یا وہ بھی حرفِ حلقی نہیں۔ تو اب یہ کلمہ قانون کے دائرے میں تو نہیں آرہا لیکن استعمال کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، تمام عرب اس کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ کلمہ صحیح ہے البتہ قانون کے اندر داخل نہیں ہو رہا، استعمال کے اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے، فصیح کلمہ ہے بھئی، فصیح کلمہ ہے۔

اسی طرح ورنہ دیکھ لو بھئی: عَوِرَ يَعْوَرُ، عَوِرَ يَعْوَرُ، یہ صرفی قانون کے خلاف ہے لیکن واضع کی وضع کے مطابق ہے، واضع نے اس کو وضع ہی اس طرح کیا ہے: عَوِرَ۔ ورنہ تو ضابطہ لگنا چاہیے: واؤ متحرک ما قبل فتحہ، اس واؤ کو کس سے بدلنا چاہیے؟ الف سے۔ يَعْوَرُ، یہاں پر بھی واؤ کا فتحہ ما قبل کو نقل کر کے واؤ کو کس سے بدلنا چاہیے؟ الف سے۔ لیکن یہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے عربی میں: عَوِرَ يَعْوَرُ۔ تو یہ صرفی قانون کے تو خلاف ہے لیکن واضع نے وضع ہی اسی طرح کیا، لہٰذا یہ مخالفتِ قیاس اس کے اندر نہیں ہے بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو لہٰذا یہاں جو ذکر آیا کہ کلمہ صرفی قانون کے خلاف ہو بھئی، کیا معنیٰ صرفی قانون کے خلاف ہونے کا؟ مراد کیا ہے اس سے؟ واضع کی وضع کے خلاف ہو، یا یوں کہیں عربوں کے استعمال کے خلاف ہو بھئی، عرب اس طرح استعمال نہ کرتے ہوں۔ اگر استعمال کرتے ہیں پھر چاہے صرفی قانون کے خلاف ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ کیا ہے؟ فصیح ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ واضع کی وضع کے خلاف ہو یعنی واضع نے اس کو اس طرح، بنانے والے نے اس کو اس طرح نہ بنایا ہو۔ جیسے دو حرف ایک جنس کے آئیں تو ان میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام۔ مثلاً لفظ ہے أَجَلُّ، أَجَلُّ، لام مشدد بھئی، أَجَلُّ۔ اب اس أَجَلُّ کو اگر اس میں ادغام ختم کیا جائے اور یوں پڑھا جائے: أَجْلَلُ، اب

یہ واضع کی وضع کے خلاف ہوا، اب یہ عربوں کے استعمال کے خلاف ہوا، صرفی قانون کے بھی خلاف اور واضع کی وضع، بنانے والے نے کس طرح بنایا تھا؟ لام میں ادغام کیا تھا، لیکن یہاں پر کوئی ادغام کو توڑ دیتا ہے تو یہ واضع کی وضع کے خلاف، اور عربوں کے استعمال کے بھی خلاف، عرب بھی اس کو شد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں یعنی ادغام کے ساتھ، بغیر ادغام کے نہیں۔ تو یہ أَجْلَلْ کیا ہو جائے گا؟ یہ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ ہے اس کے اندر بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟

■ قولہ: «وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ...» کی تشریح

وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ عَلَى الْقَانُونِ الصَّرْفِيِّ۔ غَيْرَ بتلایا میں نے کس لیے آرہا ہے یہاں پر؟ نفی کے لیے۔ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ کلمے کا جاری نہ ہونا عَلَى الْقَانُونِ الصَّرْفِيِّ صرفی قانون پر۔ كَجَمْعِ بُوقٍ عَلَى بُوقَاتٍ، جیسے بُوقٌ کی جمع ہے بُوقَاتٌ فِي قَوْلِ الْمُتَنَبِّي متنبی شاعر کے اس قول کے اندر بھئی۔ یہ شعر آگے آرہا ہے: فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ، فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ لَهَا وَطُبُولُ۔ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ ہونا چاہیے بھئی، اگر فتحہ ہے یہ غلط لگا ہے، سَيْفًا لِدَوْلَةٍ، فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ لَهَا وَطُبُولُ۔

اب یہاں دیکھیے اس شعر کے اندر متنبی بُوقٌ کی جمع بُوقَاتٌ اس نے ذکر کی ہے متنبی نے۔ حالانکہ بُوقٌ کی جمع عرب بُوقَاتٌ نہیں استعمال کرتے بلکہ اس کی جمع یا تو أَبْوَاقٌ لاتے ہیں یا بَوَائِقُ بھئی۔ أَبْوَاقٌ یا بَوَائِقُ۔ أَبْوَاقٌ ہے جمع قلت اور بَوَائِقُ کیا ہے؟ جمع کثرت۔ جمع قلت جس کا اطلاق کتنے پر ہو؟ تین سے لے کر نو یا بعض کے نزدیک دس تک، یہ ہے جمع قلت۔ اور دس سے اوپر جمع کے لیے کیا آئے گا؟ جمع کثرت۔ تو جمع قلت کے لیے أَبْوَاقٌ استعمال کرتے ہیں عرب اور جمع کثرت کے لیے بَوَائِقُ، لیکن متنبی نے کیا لفظ ذکر کر دیا؟ بُوقٌ کے بجائے بُوقَاتٌ، تو یہ عربوں کے استعمال کے خلاف ہوا بھئی، صرفی قانون کے خلاف ہوا۔ بُوقٌ کی جمع صرفی قانون کے مطابق بھی أَبْوَاقٌ آنی چاہیے تھی، بُوقَاتٌ نہیں بھئی۔ تو یہ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ ہے یہاں پر۔ کس لفظ کے اندر؟ بُوقَاتٌ کے اندر۔

كَجَمْعِ بُوقٍ عَلَى بُوقَاتٍ فِي قَوْلِ الْمُتَنَبِّي جیسے کہ بُوقٌ کی جمع بُوقَاتٌ پر متنبی کے قول میں: فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ، فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ لَهَا وَطُبُولُ۔ شعر کا ترجمہ سمجھ لیجیے: فَإِنْ يَكُ، يَكُ اصل میں تھا يَكُنْ بھئی، يَكُنْ، فَإِنْ يَكُنْ۔ وہی كَانَ يَكُونُ، اس پر إِنْ آیا، إِنْ جزم دیتا ہے تو يَكُونُ میں نون ساکن ہو گیا: يَكُونْ۔ واؤ بھی ساکن، نون بھی ساکن، اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا، اول حرفِ مدہ تھا اس کو گرا دیا، کیا بن گیا؟ يَكُنْ، إِنْ يَكُنْ۔ اور پھر بعض اوقات یوں کرتے ہیں کہ پھر آخر سے نون کو بھی خِلَافُ الْقِيَاسِ گرا دیتے ہیں، حذف کر دیتے ہیں تخفیف کے لیے تاکہ لفظ ہلکا ہو جائے زبان پر۔ حروف زیادہ ہوں تو لفظ آسانی سے ادا ہوتا ہے کہ حروف کم ہوں تو آسانی سے ادا ہوتا ہے؟ حروف کم ہوں، تو حروف کو کم کرنے کے لیے، تخفیف کے لیے اس نون کو بھی گرا دیتے ہیں خِلَافُ الْقِيَاسِ۔ تو یہ کیا بن گیا؟ فَإِنْ يَكُ۔

بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ۔ بَعْضُ النَّاسِ بعض لوگ، اس سے مراد شاعر کا ممدوح ہے جس کی مدح کرتے ہوئے، تعریف کرتے ہوئے، وہ بادشاہ جس کی شاعر تعریف کر رہا ہے اس کی طرف اشارہ ہے بَعْضُ النَّاسِ کے ذریعے، بعض لوگ۔ کون لوگ مراد ہیں؟ وہ بادشاہ جس کی شاعر کیا کر رہا ہے؟ تعریف کر رہا ہے، وہ مراد ہے یہاں اس سے۔ سَيْف تلوار آپ جانتے ہیں، دَوْلَة، لِدَوْلَةٍ لام جارہ ہے، دَوْلَة مملکت کو کہتے ہیں، حکومت کو بھئی، بادشاہت کو۔ فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ، بُوقَاتٌ جیسے اوپر انہوں نے بتلایا یہ جمع ہے بُوقٌ کی، اور بُوقٌ کہتے ہیں بگل کو، بگل۔ بگل اور بڑا باجا بھئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ بُوقٌ کہتے ہیں بھئی۔ بڑا باجا، باجے کی قسم کی ایک چیز جو جنگوں وغیرہ میں بجائی جاتی ہے بھئی، بگل۔ اور طُبُول جمع ہے طَبْلٌ کی، طَبْلٌ، اور طَبْلٌ کہتے ہیں ڈھول کو بھئی، نقارے کو، نقارے کو۔

فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ، فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ لَهَا وَطُبُولُ۔ اگر ہیں بَعْضُ النَّاسِ بعض لوگ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ حکومت کے لیے، مملکت کے لیے تلوار، اگر بعض لوگ مملکت کے لیے کیا ہیں؟ تلوار ہیں، فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ لَهَا وَطُبُولُ تو لوگوں میں اس کے لیے بگل اور ڈھول ہیں، بگل اور نقارے ہیں، بگل اور نقارے ہیں۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ میرا ممدوح جس کی میں تعریف کر رہا ہوں وہ بڑا عظیم بادشاہ ہے اور دشمن وغیرہ کوئی بھی اس مملکت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھتا ہے تو یہ بادشاہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کو ختم کر دیتا ہے، اور یہ بادشاہ مملکت کی حفاظت کے لیے تلوار ہے، تلوار ہے۔ بادشاہ کا لقب بھی سَيْفُ الدَّوْلَةِ تھا بھئی۔ کیا تھا؟ سَيْفُ الدَّوْلَةِ، مملکت کی تلوار بھئی۔ اسی لفظ کو شاعر نے شعر میں بھی استعمال کیا ہے لیکن لغوی اعتبار سے الگ الگ بھئی لفظ کر دیا اس نے۔

تو سَيْفُ الدَّوْلَةِ جو ہے وہ اگر مملکت کی حفاظت کے لیے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور ان کو ختم کر دیتا ہے اور اتنا عظیم کام سرانجام دیتا ہے، پوری مملکت کی اور لوگوں کی حفاظت کرتا ہے، تو لوگوں میں بھی اس کے لیے بگل اور نقارے ہیں، یعنی یہ بات لوگوں پر بھی چھپی نہیں رہتی، لوگ جیسے بھئی باجے اور ڈھول کی آواز دور تک پہنچتی ہے اسی طرح بعض لوگ جو ہیں وہ پھر اس کے، اس کارنامے کو پوری مملکت کے گوشے گوشے میں ہر ایک تک پہنچا دیتے ہیں بھئی۔ شعراء اس کی مدح میں اشعار کہتے ہیں، لوگ اس کی تعریف کے اندر تقاریر کرتے ہیں اور اس کی مدح بیان کی جاتی ہے، یہ مراد ہے بگل اور باجے ہیں کہ یعنی کہ اس کے کارناموں کو ہر شخص بیان کرتا ہے، وہ پھر کسی پر چھپے نہیں رہتے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا بھئی؟ فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ اگر بعض لوگ جو ہیں وہ مملکت کے لیے تلوار ہیں فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ لَهَا وَطُبُولُ تو لوگوں میں اس کے لیے بگل اور نقارے ہیں، یعنی جو اس کے کارنامے کو پھیلا دیتے ہیں، سب تک یہ بات پہنچ جاتی ہے۔

■ قولہ: «فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ» کی تشریح

بعضوں نے تو شعر کا یہ ترجمہ کیا۔ بعضوں نے شعر کا دوسرا ترجمہ کیا، وہ کہتے ہیں: فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ اگر بعض لوگ وہ مملکت کے لیے تلوار ہیں، مملکت کے لیے کیا ہیں؟ تلوار ہیں یعنی اس کے حقدار ہیں، اس کی حفاظت کر سکتے ہیں، فَفِي النَّاسِ بُوقَاتٌ لَهَا وَطُبُولُ تو لوگوں میں جو ہیں وہ اس کے لیے، اس مملکت کے لیے بگل اور نقارے ہیں۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ میرا ممدوح تو بہت عظیم بادشاہ ہے، وہ اس مملکت کے لیے تلوار کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے، اور باقی بادشاہ جو اس کے مقابلے میں ہیں وہ ڈھول اور باجوں کی طرح ہیں جن کا شور تو ہوتا ہے لیکن طاقت وغیرہ ان کی کچھ نہیں ہے بھئی۔ إِذِ الْقِيَاسُ فِي جَمْعِهِ لِلْقِلَّةِ أَبْوَاقٌ، اس لیے کیونکہ قیاس جو ہے اس کی جمع قلت کے اندر أَبْوَاقٌ ہے۔ بُوقٌ کے اندر قیاس کیا ہے؟ کہ اس کی جمع قلت کیا آنی چاہیے؟ جمع قلت أَبْوَاقٌ آنی چاہیے بھئی، یعنی صرفی قانون یہ بتلاتا ہے۔

وَكَمَوْدَدَةٍ فِي قَوْلِهِ، اور جیسے مَوْدَدَةٌ کا لفظ اس قول کے اندر شاعر کے: إِنَّ بَنِيَّ لَلِئَامٌ زَهَدَهْ، مَا لِيَ فِي صُدُورِهِمْ مِنْ مَوْدَدَهْ۔ إِنَّ بَنِيَّ لَلِئَامٌ زَهَدَهْ۔ اچھا بھئی یہاں دیکھیے: مَوَدَّةٌ، مودت کا لفظ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں، مودت کا کیا معنیٰ ہے؟ محبت۔ لیکن یہاں پر شاعر نے کیا کیا؟ مَوَدَّةٌ کے اندر تو دال میں ادغام ہے، شاعر نے ادغام کو ختم کر دیا، دونوں دال الگ الگ کر دیے، اور کیا، مَوَدَّةٌ کو کیا بنا دیا لفظ؟ مَوْدَدَةٌ بنا دیا۔ تو یہ اس کے اندر مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ ہے۔ صرفی قانون کے مطابق دو حرف ایک جنس کے ہوں اور دوسرا متحرک ہو تو پھر کیا کرتے ہیں؟ ادغام کرتے ہیں، لیکن یہاں پر اس نے ادغام نہیں کیا بھئی، تو یہ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ کی مثال ہے۔

اب یہ کسی شاعر کا شعر ہے اور غالباً اس کے بیٹے جو ہیں وہ اس کا کچھ خیال وغیرہ نہیں رکھتے تھے اور کوئی تکلیف وغیرہ پہنچائی ہو گی تو اب وہ شاعر ان کے بارے میں کہہ رہا ہے: إِنَّ بَنِيَّ، اس میں یا متکلم کی آئی بھئی، بے شک میرے بیٹے۔ بَنُونَ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اور آخر میں یا متکلم کی آ گئی: بَنُوِيَ، پھر واؤ اور یا اکٹھے ہوئے تو واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا اور ما قبل کسرہ دے دیا، کیا بن گیا؟ بَنِيَّ۔ بے شک میرے بیٹے جو ہیں لَلِئَامٌ، یہ لام پہلا تاکید کے لیے ہے، لِئَامٌ یہ جمع ہے لَئِيمٌ کی۔ لَئِيمٌ کہتے ہیں کمینے کو، کنجوس کو، گھٹیا کو۔ إِنَّ بَنِيَّ لَلِئَامٌ بے شک میرے بیٹے جو ہیں وہ گھٹیا ہیں، کمینے ہیں۔ زَهَدَهْ، زَهَدَةٌ یہ جمع ہے زَاهِدٌ کی، زَاهِدٌ۔ زَاهِدٌ کا تو ایک معروف معنیٰ ہے جو آپ جانتے ہیں: جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ زاہد۔ لیکن زاہد کا ایک معنیٰ جو ہے وہ بد اخلاق اور بد مزاج کے بھی آتے ہیں بھئی۔ زاہد کا کیا معنیٰ ہے ایک؟ بد اخلاق اور بد مزاج بھئی، ضَيِّقُ الْخُلُقِ بھئی۔ یہاں وہی معنیٰ مراد ہے، تو یہ زَهَدَةٌ جمع ہوئی زَاهِدٌ کی اور معنیٰ یہاں پر کیا ہے؟ بد اخلاق اور بد مزاج۔ إِنَّ بَنِيَّ لَلِئَامٌ زَهَدَهْ بے شک میرے بیٹے جو ہیں وہ کمینے ہیں، بد اخلاق ہیں، مَا لِيَ فِي صُدُورِهِمْ مِنْ مَوْدَدَهْ، مَا لِيَ نہیں ہے میرے لیے، مَا نفی کے لیے آیا، نہیں ہے میرے لیے فِي صُدُورِهِمْ ان کے سینوں میں مِنْ مَوْدَدَهْ کوئی محبت۔ ان کے سینوں میں میرے لیے کوئی محبت نہیں ہے، وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔

وَالْقِيَاسُ مَوَدَّةٌ بِالْإِدْغَامِ، اور قیاس کیا ہے کہ یہ لفظ مَوْدَدَةٌ فکِ ادغام کے ساتھ نہ ہو بلکہ کس کے ساتھ ہو؟ ادغام کے ساتھ مَوَدَّةٌ ہونا چاہیے۔ وَالْقِيَاسُ مَوَدَّةٌ بِالْإِدْغَامِ اور قیاس یہ کہ مَوَدَّةٌ ہونا چاہیے ادغام کے ساتھ۔

جی یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر۷: غرابتِ کلمہ کی اقسام، فصاحتِ کلام کی تعریف اور تنافرِ کلمات کی مثالیں

دروس البلاغہ صفحہ:۱۶ــــ بتاریخ:۲۷ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالْغَرَابَةُ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنَى، نَحْوُ تَكَأْكَأَ بِمَعْنَى اجْتَمَعَ، وَافْرَنْقَعَ بِمَعْنَى انْصَرَفَ، وَاطْلَخَمَّ بِمَعْنَى اشْتَدَّ. وَفَصَاحَةُ الْكَلَامِ سَلَامَتُهُ مِنْ تَنَافُرِ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً، وَمِنْ ضَعْفِ التَّأْلِيفِ، وَمِنَ التَّعْقِيدِ، مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

آج ہم غرابت کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھامُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ اور تنافرِ حروف کے بارے میں۔ تو فصاحتِ کلمہ کی بات چل رہی ہے اور آپ نے پڑھا کہ کلمہ فصیح تب ہو گا جب اس میں تین عیب نہ پائے جائیں: ایک تنافرِ حروف، اور ایک مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ، اور تیسرا غرابت۔ جی، تو یہ آج تیسرا عیب جس سے کلمے کا خالی ہونا ضروری ہے فصیح ہونے کے لیے، وہ غرابت اس کے بارے میں ہم پڑھیں گے۔

میں آسان لفظوں میں معنیٰ بیان کر چکا ہوں بھئی۔ غرابت کسے کہتے ہیں؟ کلمے کی دلالت اپنے معنیٰ پر نہ ہو، واضح نہ ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں:وَالْغَرَابَةُ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنَى، غرابت جو ہے وہ کلمے کاغَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنَى ہونا ہے، یعنی کلمے کا معنیٰ ظاہر نہ ہو، کلمے کے معنیٰ کا ظاہر نہ ہونا۔غَيْرَ نفی کے لیے آیا۔وَالْغَرَابَةُ اور غرابت جو ہے كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنَى کلمے کاظَاهِرُ الْمَعْنَى نہ ہونا، یعنی اس کا معنیٰ ظاہر نہ ہو۔

نَحْوُ تَكَأْكَأَ بِمَعْنَى اجْتَمَعَ، جیسے تَكَأْكَأَ کا لفظ یہ اجْتَمَعَ کے معنیٰ میں ہے، جمع ہونے کے، اکٹھے ہونے کے۔تَكَأْكَأَ کا کیا معنیٰ؟ جمع ہونا۔وَافْرَنْقَعَ اور اسی طرح افْرَنْقَعَ لفظ ہے بھئی، یہ بِمَعْنَى انْصَرَفَ ہے، انْصَرَفَ کے معنیٰ میں ہے بھئی، انْصَرَفَ۔ انْصَرَفَ کے معنیٰ کیا ہیں؟ پلٹنے کے، پھر جانے کے، پلٹ جانے کے۔وَاطْلَخَمَّ اور تیسرا لفظ جو غرابت کی مثال اطْلَخَمَّ ہے، بِمَعْنَى اشْتَدَّ، اس کے معنیٰ اشْتَدَّ، سخت ہونا، قوت والا ہونا بھئی۔ تو اس کے لیے ایک لفظ اطْلَخَمَّ آتا ہے اور یہ کلمہ غریب ہے۔ تو تین مثالیں ذکر کر دیں غرابت کی:تَكَأْكَأَ، افْرَنْقَعَ اور اطْلَخَمَّ۔ تو یہ کلمات سب غریب ہیں یعنی ان کے معنیٰ ظاہر نہیں ہیں بھئی۔

اور ظاہر نہ ہونا معنیٰ کا یہ ہمارے اور آپ کے اعتبار سے نہیں ہے! یہ خالص عربوں کے اعتبار سے ہے، عَرَبُ الْعَرْبَاءِ جو ہیں خالص عرب ہیں ان کو بھی اس کلمے کے، یہ کلمات ان کے سامنے آئیں تو ان کو ان کے معنیٰ کا پتہ نہ چلے، معلوم ہوا ان کے اندر کیا ہے؟ غرابت ہے بھئی، غرابت ہے۔ تو آپ کی اور میری بات نہیں ہو رہی، میرے اور آپ کے لیے تو عربی کا ہر لفظ ہی غریب ہو گا، ہمیں اس کا معنیٰ دیکھنے کے لیے لغت وغیرہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، معنیٰ کا پتہ نہیں چلے گا۔ تو غرابت تب کہ خالص عرب جن کی زبان ہے، اصل عرب جو ہیں ان کو بھی لفظ کے معنیٰ کا پتہ نہ چلے تو معلوم ہوا کلمے میں کیا ہے؟ غرابت ہے بھئی، اس کی اپنے معنیٰ پر دلالت واضح نہیں ہے۔ اگر یہ اپنے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہوتا تو خالص عربوں کو ضرور اس کے معنیٰ کا پتہ چل جاتا بھئی، لیکن ان کو بھی پتہ نہیں چلا، معلوم ہوا اس میں کیا ہے؟ غرابت ہے، غرابت۔

اور پھر یاد رکھیے غرابت دو قسم پر ہے بھئی، دو قسم پر ہے: ایک غرابت کی قسم یہ کہ جس میں خالص عربوں کو لغت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ خالص عربوں کو بھی اس کا معنیٰ جاننے کے لیے کس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے؟ لغت کی طرف، وہ لغت کی کتابوں میں دیکھیں گے کہ اس لفظ کا کیا معنیٰ ہے تو وہاں ان کو وہ لفظ مل جائے گا۔ کیونکہ وہ لفظ ہے تو عربی ہی، لیکن اتنا قَلِيلُ الِاسْتِعْمَالِ ہے، اتنا تھوڑا استعمال ہوتا ہے کہ خالص عربوں کو بھی وہ بعض اوقات اس کے معنیٰ کا علم نہیں ہوتا۔ تو لفظ تو عربی ہی ہے لیکن بہت قَلِيلُ الِاسْتِعْمَالِ ہوتا ہے۔ تو یہ پہلی قسم ہے کلمۂ غریب کی جس کے میں عربوں کو بھی کس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے؟ لغت کی کتابوں کی طرف۔

اور غرابت کی دوسری قسم جس میں لغت کی کتابوں کی طرف بھی رجوع نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کلمہ لغت کی کتابوں میں ملتا ہی نہیں، عربوں نے وہ کبھی وہ لفظ استعمال ہی نہیں کیا بھئی۔ تو یہ دوسری قسم ہے غرابت کی بھئی۔ پہلی قسم جس میں وہ کس کی طرف رجوع کریں؟ لغت کی طرف، اور دوسری قسم جس میں لغت کی کتابوں کی طرف بھی رجوع نہیں ہو سکتا کیونکہ لغت کی کتابوں میں بھی وہ لفظ نہیں ملتا بھئی۔ تو یہ دو قسمیں ہوئیں غرابت کی بھئی۔ اور یہ بھی میں نے بتلادیا کہ میری اور آپ کی بات نہیں، ہمارے لیے تو ہر کلمہ کیا ہو گا؟ غریب، ہمیں ہر کلمے کا معنیٰ جاننے کے لیے کس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے؟ لغت کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے بھئی، تو یہ خالص عربوں کی بات ہو رہی ہے۔

تو یہاں لفظ آیا تَكَأْكَأْتُمْ اور افْرَنْقَعَ۔ جاحظ بھئی عربی زبان کا بہت بڑا ادیب گزرا ہے بھئی، جاحظ۔ حتیٰ کہ لغتِ عربی کے چوٹی کے چند نام، چوٹی کے چند ادیبوں کے نام جمع کیے جائیں، چار پانچ دس نام جمع کیے جائیں تو جاحظ کا نام ان میں شامل ہو گا بھئی، اتنا بڑا ادیب تھا عربی زبان کا بھئی۔ لیکن تھے بڑے بدصورت بھئی، شکل بڑی خوفناک شکل تھی، کہتے ہیں آنکھیں بہت باہر کو نکلی ہوئیں اور ہونٹ بڑے موٹے اور بڑی خوفناک صورت تھی بھئی۔ لیکن اس شکل وصورت کے باوجود اللہ نے ان کو ایسا فضل وکمال نصیب فرمایا کہ سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود آج بھی ان کا نام کتابوں کے اندر زندہ ہے بھئی، اور ادبِ عربی کے اندر وہ اماموں کے اندر ان کا نام شمار ہوتا ہے۔ میں نے بتایا چوٹی کے چند نام نکالو تو ان کے اندر جاحظ کا نام ضرور شامل ہو گا بھئی، اتنے بڑے ادیب تھے۔ معلوم ہوا شکل وصورت، لباس وغیرہ، دولت، ان چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اصل چیز انسان کے کمالات اور اوصاف ہیں جو اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کے نام کو دنیا میں باقی رکھتے ہیں بھئی۔

تو یہ جاحظ بڑا، بہت بڑا ادیب تھا اور شکل وصورت بڑی خوفناک تھی میں نے بتایا۔ یہ کہتے ہیں کہ مجھے کبھی کسی نے دھوکہ نہیں دیا سوائے ایک عورت کے، ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا۔ کہتے ہیں میں بیٹھا ہوا تھا، مطالعے وغیرہ کے اندر مصروف تھا کہ مجھے بتایا گیا کوئی عورت آئی ہے اور وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے اور آپ ہی اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ جاحظ نے اجازت دی آنے کی تو عورت نے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیے، میری ضرورت آپ کے سوا اور کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ تو بڑی منت سماجت وغیرہ کی تو جاحظ تیار ہوئے، اس کے ساتھ چل پڑے بھئی۔ کہتے ہیں وہ عورت شہر کی گلیوں میں، مختلف گلیوں سے ہوتی ہوئی بالآخر ایک دکان کے اندر داخل ہوئی، میں بھی اس کے پیچھے دکان میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے دکاندار کے سامنے کھڑا کیا اور کہتی ہے: «اس جیسا!» میری طرف اشارہ کر کے کیا کہا؟ «اس جیسا!» یہ کہا اور نکل کے چلی گئی۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیا کہا اس نے، کیا ہوا؟ میں نے دکاندار سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ میں بت ساز ہوں، بت بناتا ہوں، مورتیاں وغیرہ بناتا ہوں، اور یہ عورت میرے پاس بڑے عرصے سے آرہی تھی اور کہتی تھی مجھے شیطان کا بت بنادو۔ تو میں نے اس کو کہا بھئی مجھے تو شیطان کی شکل وصورت کا نہیں پتہ میں کیسے تمہیں بنادوں؟ تو وہ تمہیں آج لے آئی کہ اس جیسا بنادو بھئی! تو ان کی صورت چونکہ بری تھی، خوفناک تھی اس لیے وہ ان کو لے آئی، میں نے بتایا آنکھیں بڑی ان کی باہر، آنکھوں کے ڈیلے باہر کو نکلے ہوئے، ہونٹ موٹے۔

اسی طرح یہ بادشاہ کے دربار میں آتے جاتے تھے، بڑے علماء میں سے تھے تو بادشاہ کے دربار میں ان کو آنے جانے کی عام اجازت تھی۔ تو ایک مرتبہ یہ بادشاہ کے دربار میں گئے تو بادشاہ نے کہا: «اے جاحظ! آج تمہیں انعام نہ دیں؟» جاحظ نے کہا: «کیوں نہیں حضور!» تو بادشاہ نے کہا وہ میری فلاں باندی کو لے کر آؤ۔ تو وہ بادشاہ کی باندی کو ایک کو لے آئے، انتہائی حسین وجمیل باندی تھی۔ بادشاہ نے کہا: «اے جاحظ! یہ باندی جاؤ آج میں نے تمہیں بخش دی، آج سے تم اس کے مالک ہو۔» اب باندی انتہائی حسین وجمیل، اس نے جب جاحظ کی طرف دیکھا تو زور زور سے رونا شروع کر دیا، چیخیں مار مار کر رونے لگی، اور چپ کروا رہے ہیں اور خاموش ہی نہیں ہو رہی! بڑی دیر تک روتی رہی، روتی رہی۔ آخر بادشاہ نے کہا کہ بھئی جاحظ یہ تو رو رہی ہے، یوں کرو چلو اس کی جگہ اگر میں تمہیں کوئی اور چیز دے دوں کیا تم یہ واپس کرنے کو تیار ہو؟ تو جاحظ نے کہا: «کیوں نہیں حضور!» چنانچہ بادشاہ نے پھر ان کو کوئی اور ہدیہ وغیرہ دے دیا اور پھر باندی کو اندر محل کے اندر بھیجنے کا حکم دے دیا۔

باندی چلی گئی تو بادشاہ جاحظ کو کہنے لگا کہ یہ باندی جو ہے اس کی کسی بات، کوئی بات مجھے بری لگی تھی تو میں اس کو تھوڑی سی سزا دینا چاہتا تھا، اسی لیے اس کو میں نے کافی دیر تک رونے دیا، فوراً نہیں واپس بھجوایا۔ جاحظ نے کہا: «بادشاہ سلامت! اگر یہ بات تھی تو آپ نے مجھے پہلے بتانا تھا، میں تو جب آپ کے پاس آتا ہوں بڑا تیار ہو کر آتا ہوں، پگڑی باندھتا ہوں، بال سنوارتا ہوں، کپڑے پہنتا ہوں، اگر سزا دینی تھی تو مجھے بتاتے میں ویسے ہی اٹھ کر آتا، پھر صحیح سزا اس کو ملتی بھئی!» سمجھ میں آیا بھئی؟ معلوم ہوا کہ زندہ دل لوگ تھے مولانا، زندہ دل، پرواہ بھی نہیں کرتے تھے اس بات کی کہ میری شکل وصورت معمولی ہے، ساری توجہ انہوں نے کس طرف رکھی؟ علم کی طرف رکھی اور علم نے ان کو بڑے اونچے مقام پر پہنچادیا۔

اچھا، بات جاحظ کی اس لیے میں نے ذکر کی بھئی کہ یہ تَكَأْكَأْتُمْ اور افْرَنْقَعَ کے لفظ آئے ہیں اور اس کے بارے میں جاحظ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے بھئی۔ جاحظ کہتے ہیں بصرہ کے اندر ایک آدمی تھا جس کا نام ابو علقمہ تھا، ابو علقمہ۔ اور وہ بصرہ کے اندر ایک گلی میں کہیں جارہا تھا تو اس کو مرگی کا دورہ پڑ گیا بھئی، اللہ ہم سب کی اس مرض سے حفاظت فرمائے۔ تو اس کو مرگی کا دورہ پڑا اور وہ وہیں گر گیا اور لوگ سارے اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے کہ کیا ہوا ہے۔ تو جب اس کو ہوش آیا تھوڑی دیر بعد تو لوگوں کا ہجوم اپنے ارد گرد دیکھا تو بولا: مَا لَكُمْ تَكَأْكَأْتُمْ عَلَيَّ كَمَا تَتَكَأْكَأُونَ عَلَى ذِي جِنَّةٍ؟ اِفْرَنْقِعُوا عَنِّي! مَا لَكُمْ تَكَأْكَأْتُمْ عَلَيَّ كَمَا تَتَكَأْكَأُونَ عَلَى ذِي جِنَّةٍ؟ اِفْرَنْقِعُوا عَنِّي!

■ قولہ: «مَا لَكُمْ» کی تشریح

اب یہ لفظ اس نے، کلام کہا، معنیٰ کیا تھا؟ مَا لَكُمْ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے تَكَأْكَأْتُمْ عَلَيَّ کہ تم مجھ پر جمع ہو، سارے اکٹھے ہوئے ہو، كَمَا تَتَكَأْكَأُونَ جیسے تم لوگ جمع ہوتے ہو عَلَى ذِي جِنَّةٍ جنون والے پر، جیسے تم جمع ہوتے ہو کسی جنون والے یعنی کسی پاگل پر بھئی۔ ذِي جِنَّةٍ، ذُو مَالٍ کا لفظ بھئی، ذُو مَالٍ، اسی کا ذُو حالتِ جری میں کیا آیا؟ ذِي، اور جِنَّةٌ جنون کو کہتے ہیں بھئی، ذِي جِنَّةٍ جنون والا جیسے ذُو مَالٍ مال والا۔ اِفْرَنْقِعُوا عَنِّي مجھ سے دور ہو جاؤ! افْرَنْقَعَ کے کیا معنیٰ ہیں؟ انْصَرَفَ، دور ہو جاؤ، مجھ سے پلٹ جاؤ۔ تو یہ لفظ اس نے کہا بھئی، کس نے کہا؟ ابو علقمہ نے: مَا لَكُمْ تَكَأْكَأْتُمْ عَلَيَّ كَمَا تَتَكَأْكَأُونَ عَلَى ذِي جِنَّةٍ؟ اِفْرَنْقِعُوا عَنِّي! یہ اب کلمے تو اس نے کہے لیکن یہ تَكَأْكَأَ کا لفظ آیا، افْرَنْقَعَ کا لفظ آیا، ابھی آپ نے پڑھا ان کے اندر کیا ہے؟ غرابت ہے، خالص عربوں کو بھی ان کے معنیٰ کا عام پتہ نہیں چلتا بھئی۔ تو وہ لوگ سمجھ رہے تھے اس کو کوئی جنات وغیرہ اس پر آئے ہیں، تو کہنے لگے بھئی اس کا جن تو ہندی زبان میں باتیں کر رہا ہے! اب حالانکہ عربی کے الفاظ تھے لیکن ان کو سمجھ میں نہیں آئے بھئی، تو کیا کہنے لگے؟ ہندی زبان میں اس کا جن باتیں کر رہا ہے۔ تو یہ واقعہ ذکر کیا ہے جاحظ نے بھئی۔ تو جاحظ کا ذکر آیا اس لیے میں نے آپ کو یہ مزید ایک دو واقعات اس کے سنا دیے بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی: وَفَصَاحَةُ الْكَلَامِ سَلَامَتُهُ مِنْ تَنَافُرِ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً، وَمِنْ ضَعْفِ التَّأْلِيفِ، وَمِنَ التَّعْقِيدِ، مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ۔ اور فصاحتِ کلام جو ہے وہ سَلَامَتُهُ، وہ اس کلام کا سلامت ہونا ہے، اس کا سالم ہونا ہے مِنْ تَنَافُرِ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً۔ کس چیز سے سلامت ہو وہ کلام؟ تنافرِ کلمات سے۔ مُجْتَمِعَةً یہ حال ہے الْكَلِمَاتِ سے، اس حال میں کہ وہ کلمات اکٹھے ہوں۔ تو یعنی وہ کلمات جو اکٹھے ہیں ان کے تنافر سے کلام سلامت ہونا چاہیے۔ وہ کلمات جو کلام کے اندر کیا ہیں؟ اکٹھے ہیں، تو وہ جو مجتمع کلمات ہیں ان کے تنافر، ان میں تنافر نہیں ہونا چاہیے بھئی۔

کلام کلمات سے بنے گا اور اگر وہ کلمات، بھئی دیکھیے ایک کلام ہے اس کے لیے کم از کم کتنے کلمات چاہئیں؟ دو۔ تو یہ کلمات ان میں تنافر نہیں ہونا چاہیے چاہے یہ دونوں فصیح ہی کیوں نہ ہوں۔ مثلاً دو کلمے آئے، یا تین آئے، یا چار آئے، ان چار سے مل کر کیا بن رہا ہے؟ کلام بن رہا ہے، ایک پورا جملہ بن رہا ہے۔ تو پہلی شرط یہ ہے کہ ان کلمات کے اندر تنافر نہ ہو اکٹھے ہونے کی حالت میں۔ مُجْتَمِعَةً کس حالت میں؟ اکٹھے ہونے کی حالت میں۔ اب یہ چاروں اکٹھے ہیں یا نہیں بھئی کلام کے اندر؟ اکٹھے ہیں، تو اس اکٹھے ہونے کی حالت میں ان کلمات کے اندر تنافر نہیں ہونا چاہیے۔ کیا معنیٰ تنافر؟ وہی پیچھے بات گزر چکی کہ زبان پر ان کی ادائیگی کیا ہو جائے؟ ثقیل ہو جائے، تو یہ ہے تنافرِ کلمات۔ مثلاً یہ چار کلمات آئے: پہلا کلمہ بھی فصیح، دوسرا بھی فصیح، تیسرا بھی فصیح، چوتھا بھی فصیح، کلمات سارے فصیح ہیں لیکن جب اکٹھے ہو گئے اب ان کی ادائیگی زبان پر دشوار ہو گئی۔ تو یہ کلمات اکٹھے ہونے کی حالت میں ان میں کیا پایا جا رہا ہے؟ تنافر پایا جا رہا ہے، یہ ہے تَنَافُرُ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً اکٹھے ہونے کی حالت میں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کلمات بے شک سارے فصیح ہوں کلام کے اندر، لیکن اگر ان کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے زبان پر ثقل آتا ہو تو یہ کیا کہلائے گا؟ تنافرِ کلمات، تنافرِ کلمات۔

وَمِنْ ضَعْفِ التَّأْلِيفِ، اور کلام کا سالم ہونا ضعفِ تالیف سے۔ ضعفِ تالیف کہتے ہیں کلام کا مشہور نحوی قانون کے خلاف ہونا۔ کلام کا مشہور نحوی قانون کے خلاف ہونا، یہ ہے ضعفِ تالیف بھئی، ضعفِ تالیف۔ وہاں پر کیا تھا کلمے کے اندر؟ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ، وہ تھا صرفی قانون کے خلاف ہونا، اور یہاں پر چونکہ کلام ہے، کلام کے اندر لفظ ایک دوسرے کے ساتھ جڑیں گے، پورا جملہ بنے گا، تو یہ ان میں جو ترکیب کے اعتبار سے لفظ اس طرح جڑنے چاہئیں کہ ان میں کسی مشہور نحوی قانون کی مخالفت نہیں ہونی چاہیے بھئی۔ اگر مشہور نحوی قانون کے خلاف ان کو ترتیب دی اور جوڑا تو اس کلام میں کیا آ جائے گا، کون سا عیب؟ ضعفِ تالیف۔ تالیف کا معنیٰ جوڑنا، اکٹھا کرنا۔ ضعف کس کو کہتے ہیں؟ کمزوری کو۔ تو اچھے طریقے سے جوڑا یا کمزور طریقے سے جوڑا؟ کمزور طریقے سے جوڑا، اور کمزور طریقے سے جوڑنے کی فصاحت میں گنجائش نہیں ہے بھئی۔ تو جب آپ نے فصیح کلام کرنا ہے تو اس کے لیے اس کو اچھے اور عمدہ طریقے سے لفظوں کو آپس میں ان کی ترکیب، ترتیب اچھی ہونی چاہیے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

اور تیسرا عیب وَمِنَ التَّعْقِيدِ، کلامِ فصیح کے لیے اس کو سالم ہونا چاہیے تعقید سے۔ تعقید بھئی اسے کہتے ہیں کہ کلام کی اپنے معنیٰ مراد پر دلالت واضح نہ ہو۔ کلمے میں کیا گزرا تھا فصاحتِ کلمہ میں؟ تیسرا عیب کیا ذکر ہوا تھا جس سے خالی ہونا چاہیے؟ غرابت۔ غرابت کا کیا معنیٰ تھا؟ کہ کلمہ اپنے معنیٰ پر دلالت اس کی واضح نہ ہو، واضح نہیں ہے، وہ اپنے معنیٰ پر دلالت صحیح طرح نہیں کر رہا۔ یہاں بھی اسی طرح ہے، ہاں البتہ یہاں اس کو تعقید کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ تعقید۔ اور یہاں معنیٰ مراد، مراد کا لفظ لے کر آنا بھئی: کلام کی دلالت اپنے معنیٰ مراد پر واضح نہ ہو بھئی، معنیٰ مراد پر، کہ اس سے کیا مراد ہے، کیا کہنا چاہتا ہے کہنے والا بھئی اس جملے کے ذریعے یہ پتہ نہ چل رہا ہو تو کیا کہیں گے کلام میں کیا ہے؟ تعقید ہے، اس کی دلالت اپنے معنیٰ مراد پر واضح نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آئی؟ کلمے میں کیا تھا غرابت کے اندر؟ کلمے کی دلالت اپنے معنیٰ پر واضح نہ ہو۔ لیکن یہاں کیا کہیں گے کلام کے اندر؟ کلام کی دلالت اپنے معنیٰ مراد پر واضح نہ ہو بھئی۔ بھئی معنیٰ مراد یہیں سمجھ لو اب: بھئی ایک ہوتا ہے معنیٰ لغوی، ایک ہوتا ہے معنیٰ مراد۔ معنیٰ لغوی زبان کے اعتبار سے جو ایک ایک لفظ کا مطلب ہو وہ ہے معنیٰ لغوی۔ اور ایک معنیٰ مراد جس کا ارادہ کیا ہو آپ نے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں، میرا ایک ساتھی ہے بڑا بہادر ہے، مثلاً زید نام ہے اس کا، وہ آیا، جیسے ہی آیا میں نے کہا: «شیر آ گیا!» آپ بھی کہتے ہیں یا نہیں؟ بہادر ساتھی آئے کیا کہتے ہیں آپ؟ «شیر آ گیا!» اب اس کا ایک ہے لغوی معنیٰ، شیر آنے کا لغوی کیا معنیٰ؟ شیر وہ جو ایک درندہ ہے جنگلی وہ آ گیا، حالانکہ وہ مراد ہے؟ نہیں! مراد کیا ہے آپ کی؟ بہادر آدمی آ گیا ہے! تو دیکھو معنیٰ لغوی کیا ہے؟ وہ جنگلی درندہ آ گیا ہے، اور معنیٰ مراد کیا ہے؟ بہادر آدمی

آیا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ ہے کلام کے اندر استعارات، مثالیں وغیرہ اس طرح کی چیزیں اور لفظ ہوتے ہیں، بعض اوقات ان کا لغوی معنیٰ تو سب کو پتہ ہوتا ہے لیکن مراد کیا ہے، یہ کہنے والا جس نے اس معنیٰ کا ارادہ کیا ہے اس کا ہمیں پتہ نہیں چلتا، تو پھر کیا کہتے ہیں؟ یہ اس کلام کے اندر کیا ہے؟ تعقید ہے۔ لغوی معنیٰ پتہ ہو گا، وہاں جتنے لفظ آرہے ہیں آپ کو ایک ایک لفظ کے معنیٰ کا پتہ ہو گا، لیکن کہنے والا کہنا کیا چاہتا ہے، کیا بات کہنا چاہتا ہے، کیا پیغام دے رہا ہے اس جملے کے اندر وہ ہمیں پتہ نہیں چلتا، تو اس کو کیا کہتے ہیں پھر؟ تعقید کہتے ہیں۔ تو کلام کے فصیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر تعقید بھی نہ ہو، اس کا معنیٰ مراد واضح ہونا چاہیے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ علم بلاغت اور فصاحت آپ پڑھ رہے ہیں بھئی، بڑا پر لطف فن ہے اگر اچھی طرح اور شوق سے اس کو سیکھیں بھئی۔

تو فصاحتِ کلام جو ہے، کلام فصیح کب ہو گا؟ اس کے لیے ضروری ہے وہ تین عیبوں سے سالم ہو، تین عیبوں سے خالی ہو، تین عیب اس میں نہیں ہونے چاہئیں: نمبر ایک تنافرِ کلمات، نمبر دو ضعفِ تالیف، اور نمبر تین تعقید بھئی۔ تو تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف اور تعقید یہ تین عیب نہ ہوں، یہ تین چیزیں نہیں ہونی چاہئیں، نہیں ہونی چاہئیں، اور ایک چوتھی چیز ہے وہ ہونی چاہیے پھر کلام فصیح کہلائے گا۔ وہ کیا؟ وہ آگے ذکر کر رہے ہیں: مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ، ساتھ اس کے کلمات کے فصیح ہونے کے، کہ اس کلام کے سارے کلمات کیا ہونے چاہئیں؟ فصیح ہونے چاہئیں بھئی۔ ایک بھی کلمہ غیر فصیح آگیا تو وہ کلام فصاحت سے خارج ہو جائے گا بھئی۔ تو تین چیزوں کا نہ ہونا ضروری، کون کون سی تین چیزیں؟ تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف اور تعقید، یہ نہیں ہونی چاہئیں، اور چوتھی چیز ہونی چاہیے وہ کیا ہے؟ فصاحتِ کلمات، یعنی اس کے سارے کلمات کیا ہونے چاہئیں؟ فصیح ہونے چاہئیں بھئی، سارے کلمات۔

■ قولہ: «مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ» کی تشریح

تو مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ یہ حال واقع ہو رہا ہے، حال واقع ہو رہا ہے۔ مُجْتَمِعَةً یہ بھی حال تھا: تنافرِ کلمات، کلمات کے اکٹھے ہونے کی حالت میں کیا ہو؟ تنافر۔ ترجمہ سمجھ میں آیا کہ نہیں آیا بھئی؟ میں اس لیے بار بار کر رہا ہوں بھئی، یہ مُجْتَمِعَةً حال واقع ہے کس سے؟ کلمات سے، کہ تنافرِ کلمات ان کلمات کے اکٹھے ہونے کی حالت میں یہ عیب نہ ہو، اس سے وہ سالم ہو، اور ضعفِ تالیف سے سالم ہو، اور تعقید سے سالم ہو، مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ اس حال میں کہ وہ کلام اپنے کلمات کی فصاحت کے ساتھ ہو یعنی اس کے سارے کلمات کس قسم کے ہوں؟ فصیح ہوں۔ تو مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ یہ حال واقع ہو رہا ہے سَلَامَتُهُ کی ہا ضمیر سے، اور سَلَامَتُهُ کی ہا ضمیر کلام کو راجع ہے: سَلَامَتُهُ أَيْ سَلَامَةُ الْكَلَامِ، کلام کا سلامت ہونا اس حال میں کہ مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ ساتھ اس کے کلمات کے فصیح ہونے کے بھئی، فصیح ہونے کے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو تَنَافُرِ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً کیا معنیٰ کیا میں نے؟ کلام کو سالم ہونا چاہیے کس سے؟ کلمات کے اکٹھے ہونے کی حالت میں تنافر سے، اکٹھے ہونے کی حالت میں تنافر سے، تو اکٹھے ہونے کی حالت میں ان میں تنافر نہیں ہونا چاہیے۔

فَالتَّنَافُرُ وَصْفٌ فِي الْكَلَامِ يُوجِبُ ثِقَلَهُ عَلَى اللِّسَانِ وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهِ۔ جی، پس تنافر جو ہے وہ وصف ہے کلام کے اندر، ایسا وصف ہے کلام کے اندر يُوجِبُ أَيْ يُثْبِتُ، ایسا وصف ہے کلام میں جو ثابت کرتا ہے ثِقَلَهُ عَلَى اللِّسَانِ اس کلام کا زبان پر ثقیل ہونا، وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهِ یہ کیا ہے؟ عطفِ تفسیری ہے۔ تو زبان پر ثقیل ہونے کا کیا معنیٰ؟ اس پر بولنا مشکل ہو، دشوار ہو، اس پر تکلم مشکل ہو۔ عطفِ تفسیری یاد ہے کہ بھول گئے بھئی؟ کس کو کہتے ہیں؟ جس میں معطوف معطوف علیہ کا معنیٰ بیان کرے۔ وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهِ یہ کس کا معنیٰ بیان کر رہا ہے؟ ثِقَلَهُ عَلَى اللِّسَانِ، زبان پر ثقل کو ثابت کرتا ہے۔ بھئی زبان پر ثقیل ہونے کا کیا معنیٰ؟ آگے تفصیل کر دی کہ اس پر تکلم کیا ہوتا ہے؟ دشوار ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَالتَّنَافُرُ وَصْفٌ فِي الْكَلَامِ يُوجِبُ ثِقَلَهُ عَلَى اللِّسَانِ وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهِ۔

یاد رکھیے یہ وَصْفٌ موصوف ہے، يُوجِبُ یہ صفت ہے اس کی۔ یہ کیا ہے؟ صفت۔ اور یہ بات شاید گزشتہ اسباق میں کبھی میں نے بیان کیا ہو کہ نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو وَصْفٌ ہے نکرہ، وَصْفٌ کیا ہے؟ نکرہ، اور آگے آرہا ہے يُوجِبُ، فعل آیا، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو نکرہ کے بعد نکرہ آگیا، اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ آپس میں عموماً کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کہ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لے آؤ۔ تو موصوف کون ہے؟ وَصْفٌ، اس سے پہلے کیا لفظ لے آؤ؟ «ایسا»۔ اب دیکھیے ترجمہ: فَالتَّنَافُرُ وَصْفٌ فِي الْكَلَامِ پس تنافر جو ہے وہ ایسا وصف ہے کلام میں يُوجِبُ ثِقَلَهُ عَلَى اللِّسَانِ جو ثابت کرتا ہے اس کلام کے ثقیل ہونے کو زبان پر وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهِ اور اس پر تکلم کے دشوار ہونے کو۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟

نَحْوُ، مثال کے طور پر: فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ۔ یہ ایک مصرع، یہ الگ ہے۔ وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ۔ یہ دوسرا مصرع۔ یہ شعر نہ سمجھ لینا پورا بھئی، یہ ایک شعر نہیں ہے! فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ یہ الگ مصرع ہے کسی اور شعر کا، وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ یہ کسی اور شعر کا مصرع ہے بھئی۔ اب دیکھیے فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ، رَفْعٌ کا لفظ آیا یہ فصیح کلمہ ہے، عَرْشٌ کا لفظ آیا یہ فصیح کلمہ ہے، الشَّرْعُ کا لفظ آیا یہ

فصیح کلمات ہیں، لیکن جب یہ اکٹھے ہوئے تو اکٹھے ہونے کی حالت میں ان میں تنافر آ گیا، اب زبان پر ان کی ادائیگی ثقیل ہو گئی۔ ان میں سے ہر کلمہ خود فصیح کلمہ ہے لیکن جب اکٹھے ہوئے تو اس حالت میں زبان پر ان کی ادائیگی کیا ہو گئی؟ ثقیل۔ فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ بھئی اس کی زبان پر ثقل آتا ہے ادا کرتے ہوئے۔ اور کس وجہ سے یہ ثقل آیا؟ کیا ان کلموں کے اندر کوئی عیب پایا جا رہا ہے؟ نہیں، بلکہ کس وجہ سے عیب آ رہا ہے؟ اکٹھے ہونے کی وجہ سے اب زبان پر ادائیگی دشوار ہو رہی ہے بھئی۔

تو یہاں تنافرِ کلمات ہے، اور تنافرِ کلمات کا پتہ کس سے چلے گا؟ یہ بات پیچھے بیان ہو چکی، جیسے تنافرِ حروف کا پتہ کس سے چلتا تھا؟ ذوق سے، ذوق بتلاتا تھا۔ اور ذوق میں نے بتلایا تھا کہ انسان کے اندر ایک صلاحیت اور قوت اللہ نے رکھی ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ اچھی اور ردی چیز، اچھی اور خراب چیز کے درمیان فرق کر لیتا ہے بھئی فوراً ہی۔ تو یہاں پر بھی یہ تنافرِ کلمات کا پتہ کس سے چلے گا؟ ذوق سے پتہ چلے گا بھئی، ذوق۔ اور ذوق آپ کا میرا ذوق نہیں مراد بھئی، خالص عربوں کا ذوق مراد ہے۔ ہم تو بڑے مشکل سے مشکل لفظ بھی اردو میں آپ بولتے ہیں اور زبانوں کے، کبھی بوجھ محسوس ہوتا ہے؟ انگریزی کے لفظ تو عام ہی استعمال ہوتے ہیں، کوئی بوجھ محسوس، پتہ بھی نہیں چلتا بھئی۔ تو یہ خالص عربوں کی بات ہو رہی ہے، وہ جب ان لفظ کو، اس لفظ کو ادا کرتے ہیں تو ان کا ذوق فوراً ان کو بتلا دیتا ہے کہ زبان پر اس جملے کی ادائیگی اب آسانی اور نرمی سے نہیں ہو رہی، معلوم ہوا کچھ ثقل آ رہا ہے۔ پھر یہ ثقل مختلف قسم کا ہو سکتا ہے: کسی میں ثقل تھوڑا ہو گا، کسی میں ثقل زیادہ، جیسے وہاں پر هُعْخُعٌ کے اندر انتہا درجے کا ثقل تھا اور باقی لفظوں میں اس سے کم، یہاں پر بھی اسی طرح ہو گا، کسی میں ثقل زیادہ ہو گا کسی میں ثقل کم ہو گا۔

تو کہتے ہیں فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ۔ رَفْع کا معنیٰ اونچا کرنا، عَرْش کہتے ہیں تخت کو، شَرْع شریعت بھئی، شَرْع کس کو کہتے ہیں؟ شریعت بھئی۔ فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ شریعت کے تخت کو بلند کرنے میں مِثْلُكَ تیرے جیسے لوگ جو ہیں يَشْرَعُ۔ يَشْرَعُ کے مختلف معانی آتے ہیں جو بھی آپ یہاں مناسب سمجھیں کر سکتے ہیں: شریعت کے تخت کو اونچا کرنے میں تیرے جیسے لوگ شروع ہو جاتے ہیں۔ شَرَعَ يَشْرَعُ کا ایک معنیٰ کیا ہے؟ شروع کرنا۔ شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے کہ تم جیسے بڑے لوگ کیا کرتے ہیں؟ وہ شریعت کے تخت کو اونچا کرنے کے کام میں لگ جاتے ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ دین کی سربلندی ہو ہر مقام پر بھئی، دین کی۔ یا شَرَعَ يَشْرَعُ کے ایک معنیٰ ہیں حق کو ظاہر کرنا اور باطل کو مٹا دینا، یہ بھی ترجمہ کر سکتے ہیں: شریعت کے تخت کو اونچا کرنے کے سلسلے میں تیرے جیسے لوگ يَشْرَعُ وہ کیا کرتے ہیں؟ حق کو ظاہر کرتے ہیں، باطل کو مٹاتے ہیں۔ حق کو ظاہر کرنا اور باطل کو مٹانا۔ تو شریعت کے تخت کو اونچا کرنے کے سلسلے میں تیرے جیسے لوگ کیا کرتے ہیں؟ حق کو ظاہر کرتے ہیں، یعنی ہر معاملے میں حق ہی پر رہتے ہیں چاہے اپنا ذاتی نقصان ہی کیوں نہ ہو رہا ہو، کس لیے؟ مقصد کیا ہوتا ہے کہ ہر حال میں دین سربلند رہے، ہماری ذاتی خواہشات اور وغیرہ جو ہیں ان پر دین کو کبھی بھی ترجیح نہیں دیتے بلکہ دین کو ہمیشہ مقدم رکھتے ہیں۔ معنیٰ سمجھ میں آیا بھئی؟

■ قولہ: «وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ» کی تشریح

وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ۔ اور نہیں ہے قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ، حَرْب کی، حَرْب ایک آدمی کا نام ہے بھئی، حَرْب۔ اور مراد ہیں حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ جو والد ہیں ابوسفیان رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے اور دادا ہیں کاتبِ وحی حضرت معاویہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے بھئی۔ تو یہ حَرْب سے کون مراد ہے؟ حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ جو حضرت ابوسفیان کے والد اور حضرت معاویہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا کے دادا تھے بھئی، ان کا نام حَرْب تھا۔ حرب کی قبر کے قریب نہیں ہے، وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ، حرب کی، سارے مضاف مضاف الیہ ہیں ترجمہ آخر سے ہو گا بھئی، حرب کی قبر کے قریب نہیں ہے قَبْرُ کوئی قبر۔ حرب کی قبر کے پاس کوئی قبر نہیں ہے، کوئی قبر نہیں ہے۔ اور نیچے حاشیے میں پہلا مصرع بھی دیا ہوا ہے: وَقَبْرُ حَرْبٍ بِمَكَانٍ قَفْرٍ، اور حرب کی قبر بِمَكَانٍ قَفْرٍ، قَفْر کہتے ہیں ایسی جگہ جہاں گھاس پودے وغیرہ کچھ نہ ہو، بالکل بے آب و گیاہ میدان ہو، جگہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَفْر کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں حرب کی قبر پانی اور سبزے سے خالی جگہ کے اندر ہے جہاں نہ پانی ہے نہ سبزہ وغیرہ ہے، وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ اور نہیں ہے حرب کی قبر کے قریب کوئی اور قبر، اس کی قبر ویرانے میں ہے جہاں اور کوئی قبر نہیں۔

تو دیکھیے یہاں پر قُرْبَ یہ لفظ خود فصیح ہے، قَبْرِ یہ لفظ بھی کیا ہے؟ فصیح ہے، حَرْبٍ یہ لفظ بھی فصیح ہے، لیکن جب یہ سارے اکٹھے ہو گئے اب زبان پر اس کی ادائیگی ثقیل ہو گئی: وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ، روانی سے ادا کرنا مشکل ہو گیا، اس کلام کے اندر ثقل آ گیا۔ تو یہ کون سا عیب ہے، کیا کہلاتا ہے؟ تنافرِ کلمات کہلاتا ہے، تنافرِ کلمات بھئی۔ تو دیکھیے ان میں سے ہر کلمہ خود تو فصیح ہے لیکن اکٹھے ہونے کی حالت میں ان کے اندر کیا آ گیا؟ تنافر آ گیا، تنافر۔

اور میں نے بتلایا یہ حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ کے بارے میں شعر ہے، اور کہتے ہیں یہ شعر جنات کا ہے بھئی، جنات نے یہ شعر کہا بعض جنوں نے۔ اور یہ حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ کے بارے میں آتا ہے کہ یہ کہیں جا رہا تھا سفر کے اندر تھا اور وہاں کوئی سانپ اس کو نظر آیا بھئی، تو اس سانپ کو اس نے مار ڈالا، اس کو مار ڈالا یا اس کو کہیں زخمی کر دیا، اور وہ سانپ دراصل جن تھا بھئی۔ تو وہ جن تھا، کیونکہ یہ جنات وغیرہ جو ہیں عموماً سانپ کی صورت میں ہوتے ہیں، اسی لیے کہتے ہیں اگر کوئی سانپ آئے تو اس کو مارنے سے پہلے تین دفعہ اس کو یہ کہہ دینا چاہیے کہ اگر تو جن ہے تو یہاں سے چلا جا ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ تو وہ جن تھا بھئی، اور پھر ان جنات نے حملہ کیا اور حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ کو قتل کر دیا۔ تو وہ سفر کے اندر، صحرا کے اندر، ویرانے کے اندر وہاں ان کو قتل کیا اور وہیں ان کی قبر بنی، اور پھر اسی پر انہوں نے یہ شعر کہا کہ حرب کی قبر جو ہے ایسی جگہ پر ہے جہاں نہ پانی ہے اور نہ سبزہ ہے اور اس کی قبر کے آس پاس کوئی اور قبر بھی نہیں ہے بھئی، نہیں ہے۔ تو جنات عموماً کس کی صورت میں ہوتے ہیں؟ سانپ کی صورت میں، لہٰذا

ان کو مارتے ہوئے، اس سے پہلے ان کو متنبہ کر دے کہ اگر جن ہے تو یہاں سے چلا جائے، چلا جائے۔

چنانچہ بھئی حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَهُ اللّٰهُ کے بھائی شاہ اہل اللہ رَحِمَهُ اللّٰهُ جو بڑے نیک انسان تھے، بڑے ولی اللہ انسان تھے، وہ انہوں نے ایک مرتبہ ایک سانپ کو قتل کر دیا، سانپ کو قتل کر دیا۔ اور پھر کہتے ہیں میں پھر دن کے وقت گھر پر سو رہا تھا تو کوئی ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں بادشاہ کا سپاہی ہوں، بادشاہ نے مجھے بھیجا ہے، آپ کو طلب کیا ہے، ابھی چلیے میرے ساتھ۔ کہتے ہیں میں اس کے ساتھ چل پڑا، وہ مجھے مختلف گلیوں سے لے جاتا ہوا بالآخر شہر سے باہر لے گیا، میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں۔ پھر وہ ایک غار کے اندر داخل ہوا، میں بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔ دیکھا تو ایک بڑا دربار لگا ہوا ہے، جنات کا بادشاہ بیٹھا ہوا ہے، سینکڑوں جنات جمع ہیں اور اپنے اپنے مقدمات اس بادشاہ کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور وہ بادشاہ ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے ہر قسم کے مقدمے کا، وہ فیصلے کرتا جا رہا ہے۔ اور ایک طرف ایک جن جو ہے وہ مرا ہوا پڑا ہے بھئی۔ تو مجھے بھی یہ آدمی لے گیا، اس کے پاس کھڑا کر دیا۔ یہ جو سپاہی تھا یہ بھی دراصل جن تھا بھئی جو انہیں لینے آیا تھا انسانی صورت میں۔

تو پھر وہ جنات نے جن کا جن مرا ہوا پڑا تھا، انہوں نے اپنا مقدمہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے کہا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگے اس آدمی نے، میری طرف اشارہ کیا، اس آدمی نے ہمارے اس جن کو قتل کر ڈالا ہے، آپ ہمیں انصاف دلائیے، اس نے ظلم کیا ہمارے ساتھی کو ختم کر دیا۔ تو کہتے ہیں بادشاہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس کو کیوں قتل کیا؟ تو میں نے جواب میں کہا کہ میں نے تو کسی جن کو نہیں قتل کیا، ایک سانپ تھا اس کو میں نے قتل کیا تھا لیکن اسے بھی میں نے کہہ دیا تھا اگر جن ہو تو یہاں سے چلے جاؤ، اور حدیث میں آتا ہے نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنا حلیہ بدل لیا ہو اور اسے پھر کوئی قتل کر دے تو قتل کرنے والے پر کوئی خون بہا نہیں آئے گا۔ اس جن نے اپنی صورت بدل لی تھی، سانپ کی شکل میں تھا، مجھے تو علم نہیں تھا کہ یہ جن ہے، تو میں نے تین مرتبہ اس کو یہ کہا بھی اور پھر بھی وہ نہیں گیا۔ تو حدیث یہ ذکر کر دی کہ جس نے اپنا حلیہ بدل لیا ہو اور پھر اسے قتل کوئی کر دے تو قاتل پر کوئی خون بہا وغیرہ نہیں ہے۔ تو اس جن نے اپنی صورت بدلی ہوئی تھی، مجھے تو علم نہیں تھا کہ یہ سانپ نہیں ہے بلکہ جن ہے۔

کہتے ہیں جب میں نے یہ حدیث ذکر کی، حدیث ذکر کی، تو بادشاہ کے ساتھ ایک بہت بڑا اور بہت بوڑھا جن بیٹھا ہوا تھا، سر کو جھکایا ہوا تھا۔ جب میں نے یہ حدیث روایت کی تو اس جن نے اپنا سر اٹھایا، میری طرف دیکھا اور کہنے لگا: «اے بادشاہ سلامت! یہ آدمی سچ کہہ رہا ہے، جب سرورِ کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ حدیث ذکر فرمائی تھی، یہ بات آپ نے بیان کی تھی تو اس وقت میں بھی حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر تھا۔» معلوم ہوا وہ جن صحابی تھا بھئی، صحابی! تو جنات کی عمریں بڑی طویل ہوتی ہیں بھئی۔ چنانچہ پھر جنات کے بادشاہ نے پھر مجھے چھوڑ دیا، جانے دیا، کچھ بھی نہیں کہا بھئی۔

■ قولہ: «حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ» کی تشریح

تو یہ شعر کس کے بارے میں ہے؟ حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ کے بارے میں بھئی۔ اس سلسلے میں ایک دو اور بھی واقعات ہیں کہ یہ کس طرح واقعہ پیش آیا تھا اور کس طرح ان کو جنات نے قتل کیا، وہ ان شاء اللہ بھئی آج وقت کافی ہو گیا ہے، کل کے، اگلے سبق میں میں ان شاء اللہ بیان کروں گا بھئی۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸: تنافرِ کلمات کے شواہد، ضعفِ تالیف کی تعریف اور مرجعِ ضمیر کے مقدم ہونے کی اقسام

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۷ــــ بتاریخ: ۲۹ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

كَرِيمٌ مَتَى أَمْدَحْهُ أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى مَعِي وَإِذَا مَا لُمْتُهُ لُمْتُهُ وَحْدِي۔ وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ جَارٍ عَلَى الْقَانُونِ النَّحْوِيِّ الْمَشْهُورِ كَالْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

بھئی علمِ بلاغت ہم پڑھ رہے ہیں اور آپ نے پڑھا کہ یہ دراصل تین علوم کا مجموعہ ہے: علمِ معانی، علمِ بیان اور علمِ بدیع بھئی۔ سب سے پہلے مقدمہ میں فصاحت کے بارے میں مصنفین نے ہمیں بتلانا شروع کیا اور بتلایا تھا کہ فصاحت جو ہے اس کے عربی زبان میں کئی معانی آتے ہیں، لیکن ہر معنٰی کے اندر ظہور پایا جائے گا، یعنی ہر معنٰی میں ظہور پر دلالت ہو گی۔ اور یہ فصاحت جو ہے یہ کلمہ کی بھی صفت بنتی ہے، کلام کی بھی صفت بنتی ہے اور متکلم کی بھی صفت بنتی ہے۔

پھر اس کے بعد فصاحت فی الکلمہ کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا، اور آپ نے پڑھا کہ کلمہ فصیح تب ہو گا جب وہ تین عیبوں سے خالی ہو: نمبر ایک کیا تھا؟ تنافرِ حروف، نمبر دو مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ، اور نمبر تین غرابت بھئی۔ یہ تین عیب کسی کلمے میں نہ پائے جائیں تو اس کو فصیح کلمہ کہیں گے بھئی۔ اور پھر ان عیبوں کی تفصیل بتلائی تھی کہ تنافرِ حروف کسے کہتے ہیں؟ کہ کلمے کے اندر ایسے حروف جمع ہو جائیں جس کی وجہ سے اس کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہو جائے، مشکل ہو جائے بھئی، نرمی اور روانی سے وہ ادا نہ ہو سکے، تو یہ ہے تنافرِ حروف۔

دوسرا عیب جس سے کلمے کا خالی ہونا ضروری وہ تھا مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ۔ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ کا کیا معنٰی تھا؟ کہ کلمہ صرفی قانون کے خلاف ہو۔ میں نے بتلایا تھا کہ اس سے کیا مراد ہے کہ کلمہ واضع کی وضع کے خلاف ہو یا یوں کہیں عربوں کے استعمال کے خلاف ہو، تو یہ ہے مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ۔ جیسے أَجَلُّ، أَجَلُّ لام کی تشدید کے ساتھ، اگر اس میں کوئی فکِ ادغام کرے اور أَجْلَلُ پڑھے تو یہ اس نے کس طرح استعمال کیا کلمے کو؟ واضع کی وضع کے خلاف، یا یوں کہیں عربوں کے استعمال کے خلاف، تو یہ کلمہ فصیح نہیں ہے بھئی، أَجْلَلُ۔

اور تیسرا عیب جو کلمے میں نہیں ہونا چاہیے وہ غرابت ہے بھئی۔ اور غرابت کس کو کہتے ہیں؟ کہ کلمے کا معنٰی ظاہر نہ ہو، یعنی کلمہ اپنے معنٰی پر دلالت نہ کرے بھئی۔ ہونا تو یہ چاہیے کلمہ بولتے ہی اس کا معنٰی سمجھ میں آنا چاہیے۔ اور بات ہماری نہیں چل رہی، عَرَبُ الْعَرْبَاءِ خالص عربوں کی بات چل رہی ہے کیونکہ کلامِ عرب کے ہم یہ قوانین پڑھ رہے ہیں بھئی۔ ایک عربی کلمہ خالص عربوں کے سامنے آتا ہے اور انہیں اس لفظ کے معنٰی کا پتہ نہیں چلتا، معلوم ہوا اس کلمے میں کیا ہے؟ غرابت والا عیب پایا جا رہا ہے، یہ اپنے معنٰی پر صحیح دلالت نہیں کر رہا۔ پھر غرابت آپ نے پڑھا کہ دو قسم پر ہے: بعض کلمے ایسے ہوں گے کہ ان کا معنٰی جاننے کے لیے خالص عربوں کو بھی لغت کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، اس لیے کیونکہ وہ کلمہ ہے تو عربی لیکن اتنا قلیل استعمال ہوتا ہے کہ عام خالص عربوں کو بھی اس کے معنٰی کا پتہ نہیں چلتا۔ اور دوسری غرابت کی قسم یہ کہ لغت کی کتابوں میں بھی وہ کلمہ نہیں ملتا کیونکہ عربوں نے کبھی وہ کلمہ اس سے پہلے استعمال ہی نہیں کیا بھئی۔

پھر اس کے بعد فصاحت فی الکلام کی بحث ہم نے شروع کی تھی۔ مصنفین رَحِمَهُمُ اللهُ نے آپ کو بتلایا کہ فصاحت فی الکلام یعنی کلام میں، کلام کے فصیح ہونے کے لیے اس کا بھی تین عیوب سے خالی ہونا ضروری ہے: نمبر ایک تنافرِ کلمات، نمبر دو ضعفِ تالیف، نمبر تین تعقید۔ یہ تین عیب نہیں ہونے چاہئیں کلام میں، اور ایک چوتھی چیز ہے وہ ہونی چاہیے، وہ کیا؟ مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ، اس کے سارے کلمات فصیح ہونے چاہئیں بھئی۔ تو تین عیب نہ ہوں اور ایک چوتھی چیز ہے وہ ہونی چاہیے۔ تین عیب

کون کون سے؟ تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف اور تعقید۔ تنافرِ کلمات کس کو کہتے تھے؟ کہ ایسے کلمے جمع ہو جائیں کلام کے اندر کہ جن میں سے ہر کلمہ ویسے تو خود فصیح ہے لیکن جب وہ اکٹھے ہو گئے تو اب ان کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہو گئی، دشوار ہو گئی، تو یہ ہے تنافرِ کلمات۔ اور ضعفِ تالیف میں نے بتلایا تھا کہ کلام مشہور نحوی قانون کے خلاف ہو بھئی ترکیب اس کی۔ اور تعقید کہ کلام کی دلالت اپنے معنیٰ مراد پر واضح نہ ہو بھئی، اپنے معنیٰ مراد پر کلام کی دلالت واضح نہ ہو۔

تو گزشتہ سبق کے آخر میں ہم تنافرِ کلمات کی مثالیں پڑھ رہے تھے۔ ایک مثال ذکر کی انہوں نے: فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ۔ اب دیکھیے رَفْعٌ، عَرْشٌ اور شَرْعٌ یہ تین لفظ، ان میں سے ہر کلمہ فصیح ہے، ہر لفظ فصیح ہے، لیکن جب اکٹھے ہو گئے تو اب زبان پر اس کلام کی ادائیگی دشوار ہو گئی، مشکل ہو گئی، تو یہ کلام کیا ہوا؟ فصاحت سے خارج ہو گیا، اس میں عیب آ گیا تنافرِ کلمات کا۔ اور دوسری مثال ذکر کی تھی: وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ۔ یہاں پر بھی قُرْبَ، قَبْرِ، حَرْبٍ یہ لفظ اکٹھے ہوئے، اب ان میں سے ہر لفظ فصیح ہے لیکن جب اکٹھے ہوئے تو اب زبان پر ان کی ادائیگی مشکل ہو گئی تو تنافرِ کلمات کا عیب آیا اور یہ کلام کیا ہوا؟ فصاحت سے خارج ہوا، فصاحت سے نکل گیا۔

■ قولہ: «حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ» کی تشریح

اس شعر کی تفصیل بیان ہو رہی تھی۔ میں نے بتلایا کہ کہتے ہیں یہ جنات کا شعر ہے بھئی، اور یہ جنات نے حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ کے بارے میں کہا، اور حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ یہ والد ہیں حضرت ابوسفیان رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے اور دادا ہیں کاتبِ وحی حضرت معاویہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ کہیں سفر میں جا رہے تھے اور کہیں کوئی جن وغیرہ جو تھا سانپ کی صورت میں تھا، انہوں نے اس کو قتل کر دیا یا زخمی کر دیا، تو جنات نے بدلے کے طور پر ان پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر ڈالا، تو وہیں جنگل میں ویرانے کے اندر ان کی قبر بنی اور جنات نے یہ شعر کہا بھئی کہ حرب کی قبر کہاں پر ہے؟ بِمَكَانٍ قَفْرٍ بے آب و گیاہ جگہ پر ہے جہاں نہ پانی ہے نہ سبزہ ہے، اور وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ اور نہیں ہے حرب کی قبر کے قریب کوئی اور قبر، بالکل ویرانے میں اس کی قبر ہے۔ یہ تو ایک مختصر واقعہ تھا بھئی۔

اس سلسلے میں بعض کتابوں میں تفصیلی واقعہ درج ہے کہ حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ جو تھے یہ کسی سفر سے واپس آ رہے تھے، سوقِ عکاظ، عکاظ مقام پر ایک میلہ لگتا تھا بہت مشہور میلہ عربوں کے اندر، تو وہ سوقِ عکاظ سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ایک مقام پر انہوں نے کچھ جھاڑیاں وغیرہ دیکھیں بھئی۔ تو کوئی خاص قسم کی عمدہ جھاڑیاں ہوں گی تو یہ ساتھیوں سے کہنے لگے کہ بھئی یوں کرتے ہیں، مشورہ کیا کہ اگر ان پودوں کو ہم جلا دیں جھاڑیوں کو اور ان کی جڑیں نکال کر لے جائیں تو ہمارے بڑے کام آئیں گی۔ چنانچہ انہوں نے وہ جھاڑیوں کو آگ لگا دی تاکہ جھاڑیاں ختم ہو جائیں تو پھر ان کی جڑیں ہم نکال لیں گے۔ کہتے ہیں جب جھاڑیوں کو انہوں نے آگ لگا دی، آہستہ آہستہ آگ پھیلنے لگی تو جھاڑیوں میں سے سسکیوں کی آوازیں آنے لگیں بھئی! پھر آہستہ آہستہ وہ سسکیاں بڑھنے لگیں اور چیخ و پکار شروع ہو گئی بھئی، وہ جھاڑیاں دراصل جنات کا مسکن تھا بھئی۔ تو چیخ و پکار شروع ہو گئی، آہ و فغاں شروع ہو گئی، لوگ رو رہے ہیں، چیخ و پکار کر رہے ہیں، اور پھر اس جھاڑیوں میں سے سفید سفید رنگ کے سانپ نکلنے لگے اور جھاڑیوں کے گرد فضا میں اڑتے ہوئے چکر لگانے لگے بھئی۔ اور پھر جنات کا یہ مسکن چونکہ انہوں نے جلا دیا تھا تو پھر جنات نے ان پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر دیا کہ انہوں نے ہمارا مسکن جلایا ہے، تو وہیں ویرانے میں ان کی قبر بنی اور وہیں پر ان کو دفنایا گیا بھئی۔

اسی طرح اسی قسم کا ایک اور ذرا مختلف واقعہ ہے، تاریخ ابنِ کثیر میں بھی لکھا ہے بھئی۔ تاریخ ابنِ کثیر میں جلد دو صفحہ ستائیس پر لکھا ہے کہ یہ ایک سفر پر جا رہے تھے حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ بھئی، اور بھی بہت سے ساتھی ہمراہ تھے، بڑا قافلہ تھا، سفر پر جا رہے ہیں۔ تو حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ نے کسی سانپ کو قتل کر دیا اور وہ سانپ جن تھا۔ جب اس کو قتل کر دیا، تھوڑا سا آگے چلے تو پیچھے ایک جنیہ عورت ظاہر ہوئی بھئی جو ان لوگوں کو برا بھلا کہہ رہی تھی، اور پھر اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی، خوب برا بھلا کہنے کے بعد اس نے زور سے اپنی لاٹھی زمین پر ماری بھئی۔ یہ بڑا قافلہ تھا ان کے پاس سینکڑوں اونٹ تھے بھئی، جیسے ہی اس نے اپنی لاٹھی زور سے زمین پر ماری سارے اونٹ بدک گئے بھئی، جس کا جس طرف کو منہ ہوا بھاگ نکلا بھئی! بڑی تعداد میں اونٹ تھے، یہ لوگ تو عجیب مصیبت میں پڑ گئے، بڑی مشکل سے اونٹوں کو پھر پکڑا اکٹھا کر کے چل پڑے۔ تھوڑا سا ہی دور گئے تھے پھر وہی عورت ظاہر ہوئی، پھر ان لوگوں کو برا بھلا کہنے لگی اور پھر اس نے زور سے لاٹھی اپنی زمین پر ماری، پھر سارے اونٹ بدک گئے ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ انہوں نے پھر اونٹوں کو بڑی مشکل سے اکٹھا کیا، تھوڑا سا ہی چلے تھے کہ پھر دوبارہ وہ ظاہر ہوئی اسی طرح اور برا بھلا کہا، زور سے لاٹھی ماری، اونٹ پھر بدک کر بھاگ نکلے۔ تو وہ جب جمع کرتے کچھ چلتے وہ پھر ظاہر ہوتی۔ اب یہ لوگ عجیب مصیبت میں پڑ گئے کہ کریں تو کیا کریں بھئی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، عذاب میں پڑ گئے یہ سارے لوگ بھئی۔

خیر شام کے قریب دور ان کو ایک جگہ آگ جلتی ہوئی نظر آئی، تو یہ اس آگ کی طرف گئے کہ شاید کوئی مدد کرنے والا مل جائے، کوئی صورت ایسی ہو جائے کہ اس تکلیف اور پریشانی سے ہماری جان چھوٹ جائے۔ اس آگ کے قریب گئے تو وہاں ایک بہت بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا اور شاید غالباً وہ بھی جن تھا بھئی۔ تو وہ اس کے پاس گئے اور اس کے سامنے سارا ماجرا سنایا کہ اس اس طرح ہوا ہے، اب ہم عجیب مصیبت میں پھنس گئے ہیں، جان ہماری نہیں چھوٹ رہی، کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی کیسے اس سے پیچھا چھڑائیں اس جنیہ عورت سے۔ تو اس نے کہا اس بوڑھے نے کہ اس دفعہ جب وہ عورت ظاہر ہو تو تم کہہ دینا: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ تو اس دفعہ جب وہ جنیہ عورت ظاہر ہو تو تم بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کہہ دینا۔ چنانچہ اس مرتبہ جب وہ عورت ظاہر ہوئی تو انہوں نے ان میں جو أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ ایک بڑا مشہور شاعر اور سردار

گزرا ہے عرب کا، تو اس نے زور سے کہا: بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ۔ بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ کہتے ہی وہ عورت جنیہ بھاگ گئی بھئی۔ لیکن پھر مڑ کر جنات نے حملہ کیا اور وہ حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ جس نے اس سانپ کو قتل کیا تھا اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے بعد پھر نہیں آئے بھئی۔ تو یہ حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ اس کی قبر جو ہے وہیں پرویرانے میں بنی اور پھر اس پر انہوں نے یہ شعر کہا بھئی۔ تو بعض کہتے ہیں یہ جنات کا شعر ہے بھئی۔

■ قولہ: «كَرِيمٌ مَتَى أَمْدَحْهُ أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى...» کی تشریح

اب آگے دیکھیے کتاب پر بھئی: كَرِيمٌ مَتَى أَمْدَحْهُ أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى مَعِي وَإِذَا مَا لُمْتُهُ لُمْتُهُ وَحْدِي۔ كَرِيمٌ، شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے، مدح بیان کر رہا ہے۔ كَرِيمٌ کا یاد رکھیے عربی میں یہ لفظ آئے تو اس کے معنیٰ سخی کے بھی کرنا صحیح، اسی طرح اس کے معنیٰ معزز کے بھی ہیں بھئی، معزز۔ كَرِيمٌ وہ ایسا سخی ہے یا یوں کہیں وہ ایسا معزز ہے مَتَى أَمْدَحْهُ جب میں اس کی مدح کرتا ہوں، وہ ایسا سخی آدمی ہے کہ جب میں اس کی مدح کرتا ہوں أَمْدَحْهُ تو میں اس کی مدح کرتا ہوں وَالْوَرَى مَعِي۔ وَرَى کہتے ہیں مخلوق کو بھئی۔ کس کو کہتے ہیں؟ مخلوق، مخلوق۔ تو میں اس کی مدح کرتا ہوں وَالْوَرَى مَعِي اس حال میں کہ مخلوق میرے ساتھ ہوتی ہے، یعنی وہ بھی مدح کے اندر میرا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ اتنا سخی آدمی ہے میں جب بھی اس کی مدح کرنے لگتا ہوں، تعریف کرنے لگتا ہوں تو سارے لوگ میرے ساتھ اس کی تعریف شروع کر دیتے ہیں، کیونکہ اس کی سخاوت اتنی عام ہے کہ صرف مجھی کو فائدہ نہیں ہوا بلکہ سارے لوگوں تک اس کے فائدے پہنچتے رہتے ہیں، اس کی سخاوت پہنچتی رہتی ہے، لہٰذا جب میں تعریف کرنے لگتا ہوں تو سارے لوگ بھی کیا کرتے ہیں اس کی تعریف شروع کر دیتے ہیں۔

وَإِذَا مَا لُمْتُهُ، اور جب میں اس کو ملامت کرتا ہوں، لُمْتُ، لَامَ يَلُومُ سے متکلم کا صیغہ ہے، وَإِذَا مَا لُمْتُهُ اور جب میں اس کو ملامت کرتا ہوں یعنی کسی بات پر اگر میں ناراض ہو جاؤں، شاعر کہتا ہے اگر میں کسی بات پر اس ممدوح سے ناراض ہو جاؤں اور اس کو برا بھلا کہنے لگوں تو لُمْتُهُ وَحْدِي تو میں اکیلا ہی اس کو ملامت کرتا ہوں، یعنی ملامت کرنے میں میرے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوتا، اس لیے کیونکہ کسی کو تکلیف اس سے پہنچی ہی نہیں ہے تو کیوں کوئی اس کی ملامت کرے گا؟ تعریف کا موقع آتا ہے تو سارے تعریف شروع کر دیتے ہیں وہ لوگوں میں اتنا محبوب ہے، لیکن برائی کرو تو کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا، ہر ایک اس سے محبت کرتا ہے، اس کی تعریف کرتا ہے۔ معنیٰ شعر کا سمجھ میں آگیا؟

ترکیب بھی ذرا سمجھ لیجیے بھئی: كَرِيمٌ، مَتَى أَمْدَحْهُ یہ ہے شرط۔ توجہ رکھنا بھئی ترکیب پر: مَتَى أَمْدَحْهُ یہ کیا ہے؟ شرط۔ اور اگلا أَمْدَحْهُ جو ہے یہ جزا ہے: أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى مَعِي یہ کیا ہے؟ جزا۔ مَتَى أَمْدَحْهُ یہ ہے شرط، أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى مَعِي یہ ہے جزا۔ ترجمہ کیسے ہوگا؟ مَتَى أَمْدَحْهُ جب میں اس کی تعریف کرتا ہوں، آگے جزا آگئی: أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى مَعِي تو میں اس کی تعریف کرتا ہوں اس حال میں کہ مخلوق مَعِي میرے ساتھ ہوتی ہے۔ اور الْوَرَى مَعِي میں یاد رکھیے الْوَرَى ہے مبتدا اور مَعِي ہے اس کی خبر، یہ جملہ اسمیہ یہ حال بن رہا ہے بھئی۔ وَإِذَا مَا لُمْتُهُ یہاں پر بھی اسی طرح، یہ لُمْتُهُ اول جو ہے یہ شرط میں آرہا ہے: وَإِذَا مَا لُمْتُهُ یہ ہے شرط، اور جب میں اس کو ملامت کرتا ہوں۔ آگے جو لُمْتُ دوسرا آرہا ہے یہ ہے جزا: لُمْتُهُ وَحْدِي تو میں اکیلا اس کو ملامت کرتا ہوں۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟

كَرِيمٌ، اب دوبارہ دیکھیے: كَرِيمٌ مَتَى أَمْدَحْهُ أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى مَعِي وَإِذَا مَا لُمْتُهُ لُمْتُهُ وَحْدِي۔ وہ ایسا سخی ہے کہ جب میں اس کی مدح کرتا ہوں تو میں مدح کرتا ہوں اس حال میں کہ مخلوق میرے ساتھ ہوتی ہے یعنی مدح کرنے میں، وَإِذَا مَا لُمْتُهُ لُمْتُهُ وَحْدِي اور جب میں اس کو ملامت کرتا ہوں لُمْتُهُ وَحْدِي تو میں اس کو ملامت کرتا ہوں اس حال میں کہ میں اکیلا ہوتا ہوں۔ یہ تو تھا شعر کا معنیٰ اور مفہوم بھئی۔

اور یہ شعر مثال ہے تنافرِ کلمات کی، تنافرِ کلمات۔ اب دیکھیے تنافرِ کلمات کس وجہ سے آرہا ہے، کون سے کلمات کی وجہ سے؟ یہ جو أَمْدَحْهُ آیا بھئی، أَمْدَحْهُ، اس کلمے کے اندر حا اور ہا جمع ہیں بھئی، حا اور ہا۔ اور حا اور ہا کے جمع ہونے سے کلمے میں معمولی سا ثقل آجاتا ہے، معمولی سا ثقل آجاتا ہے، لیکن کلمہ ابھی بھی فصاحت سے خارج نہیں! معمولی سا ثقل آیا لیکن فصاحت سے خارج نہیں۔ تو صرف حا اور ہا کے اجتماع کی وجہ سے یہ کلمہ فصاحت سے خارج نہیں ہوتا۔ قرآن میں بھی حا اور ہا جمع ہوئے ہیں، تو اگر یہ کہا جائے یہ کلمہ فصاحت سے خارج ہو جاتا ہے تو اس کا تو معنیٰ یہ ہوگا کہ قرآن غیر فصیح کلمے پر مشتمل ہے، حالانکہ قرآن میں کوئی ایک کلمہ بھی غیر فصیح نہیں ہے، غیر فصیح نہیں ہے بھئی۔ قرآن میں ہے: وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، تو حا اور ہا اکٹھے ہو رہے ہیں بھئی۔ تو معلوم ہوا حا اور ہا کا جمع ہونا یہ فصاحت میں مخل نہیں یعنی فصاحت سے کلمے کو نہیں نکالتا، تھوڑا سا ثقل آجاتا ہے لیکن کلمہ پھر بھی کیا ہے بہر حال؟ فصیح۔ لیکن یہ جو دوبارہ أَمْدَحْهُ آیا، اب ثقل دگنا ہو گیا اور اب اس نے فصاحت سے کلام کو نکال دیا! تو ایک أَمْدَحْهُ ہوتا تو خیر تھی لیکن جب دو آئے تو اب ثقل کتنا ہو گیا؟ دگنا ہو گیا، دگنا ہونے کی وجہ سے اب یہ کلام کیا ہوا؟ فصاحت سے خارج ہو گیا۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ تو یہ تنافرِ کلمات کی تیسری مثال انہوں نے ذکر کی بھئی۔

■ قولہ: «وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ...» کی تشریح

آگے دیکھیے بھئی: وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ جَارٍ عَلَى الْقَانُونِ النَّحْوِيِّ الْمَشْهُورِ كَالْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً۔ بھئی ضعفِ

تالیف تعریف میں بیان کر چکا ہوں۔ ضعفِ تالیف کسے کہتے ہیں؟ کہ کلام کا مشہور نحوی قانون کے مطابق نہ ہونا، اس کے خلاف ہونا۔ کلام کا مشہور نحوی قانون کے خلاف ہونا۔ تفصیل یاد رکھیے: مشہور نحوی قانون کی بات کی میں نے بھئی، مشہور نحوی قانون کی۔ ایک ہے متفق علیہ قانون، مجمع علیہ قانون جس پر سارے بڑے نحوی متفق ہیں، اس کی بات نہیں ہو رہی اس کے خلاف ہو کلام! کیونکہ اگر کلام متفق علیہ قانون کے خلاف ہوا پھر تو وہ کلام ہی فاسد ہے، فصاحت اور غیر فصاحت تو چھوڑو بالکل کلام ہی کیا ہے؟ فاسد ہے، درست نہیں ہے بھئی۔ تو مجمع علیہ قانون کے خلاف ہو تو فصاحت تو کیا، درست ہونے سے بھی کلام نکل جائے گا بھئی۔

تو یہاں کس قانون کی بات ہو رہی ہے؟ مشہور۔ مشہور نحوی قانون کا معنٰی یہ ہے کہ جس میں اکثر نحوی کہتے ہیں کہ یہ اسی طرح ہے، ہاں چند ایک، ایک دو تین نے کیا کی ہو اس کی مخالفت بھی کی ہو، اکثر کا یعنی اس میں اتفاق ہو نحویوں کا کہ یہ بات اسی طرح ہے، اس کو کیا کہیں گے؟ مشہور نحوی قانون، اور ایک دو بڑے نحوی اس کے خلاف ہوں بھئی، ایک دو۔ اور اگر سارے اکٹھے ہوں کسی قانون کے بارے میں وہ کس قسم کا قانون ہے؟ متفق علیہ۔ اور اگر ایک دو مخالف ہوں تو یہ کس قسم کا قانون ہے؟ مشہور۔ اور یہاں کون سے قانون کی بات ہو رہی ہے؟ مشہور نحوی قانون کہ اس کے خلاف کلام ہو تو فصاحت سے نکل جائے گا، اگرچہ کلام پھر بھی ٹھیک ہے کیونکہ گنجائش تو ہے، چند نحویوں نے تو کہا ہے اس طرح کہنا ٹھیک ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ جیسے کہ اِضْمَار قَبْلَ الذِّکْرِ ہے بھئی۔

بھئی نحوی بات آئی: یاد رکھیے ضمیریں آپ نے پڑھا ہے کہ تین قسم کی ہیں: متکلم کی ضمیر ہو گی، یا مخاطب کی ضمیر ہو گی، یا غائب کی۔ اور یاد رکھو متکلم ہے بات کرنے والا، مخاطب جس سے بات کی جائے، اور غائب جس کے بارے میں بات کی جائے۔ تو یہ متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا کیونکہ متکلم بات کرنے والا ہے۔ میں اب آپ کے سامنے تقریر کر رہا ہوں، میں متکلم ہوں۔ میں کون ہوں؟ متکلم۔ تو متکلم میں کسی کو اپنی ذات کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے؟ نہیں، اپنی ذات کے بارے میں کیا شبہ؟ اور آپ لوگ میرے مخاطب ہیں، مجھے آپ لوگوں کے بارے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟ آپ لوگ ہیں مخاطب بھئی، اس میں کیا شک ہو گا بھئی، آپ لوگ میرے سامنے بیٹھے ہیں میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔ تو میں ہوا متکلم، آپ ہوئے مخاطب۔

ہاں غائب کے بارے میں جب میں بات کروں میں هُوَ کی ضمیر لے کر آؤں گا یا هُمَا لے کر آؤں گا، هِيَ وغیرہ بھئی۔ اب هُوَ کی ضمیر، بھئی هُوَ کے ذریعے تو انسان کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، کسی اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، هُوَ کا کیا معنٰی؟ «وہ»۔ تو اس کے لیے تعیین ہونی چاہیے۔ اگر انسان کی طرف بھی اشارہ ہے، کون مراد ہے؟ زید مراد ہے، عمرو مراد ہے، بکر مراد ہے، کون مراد ہے؟ تو غائب کی ضمیر کے لیے مرجع چاہیے۔ متکلم کی ضمیر کے لیے بھی مرجع کی ضرورت نہیں، مخاطب کی ضمیر میں بھی مرجع کی ضرورت نہیں، لیکن غائب کی ضمیر کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مرجع ہونا چاہیے بھئی۔

تو غائب کی ضمیر ہمیشہ وہاں آئے گی جہاں مرجع مقدم ہو۔ غائب کی ضمیر کے لیے مرجع کا مقدم ہونا ضروری۔ غائب کی ضمیر کے لیے مرجع کا مقدم ہونا ضروری۔ اور یہ مقدم ہونا کبھی لَفْظًا ہو گا، کبھی مَعْنًی ہو گا، کبھی حُکْمًا ہو گا۔ یہ مقدم ہونا مرجع کا کبھی لَفْظًا ہو گا، کبھی مَعْنًی ہو گا اور کبھی حُکْمًا ہو گا۔ پھر لَفْظًا کے اندر دو قسمیں ہیں: یا حَقِيقَةً ہو گا یا تَقْدِيرًا ہو گا۔ تو کل چار صورتیں بن گئیں۔ اولاً کتنی بھئی؟ غائب کی ضمیر کے لیے مرجع کا مقدم ہونا ضروری ہے، اور یہ مرجع کا مقدم ہونا کتنی قسم پر ہو گا؟ تین قسم پر بھئی دیکھیے: یہ پہلی قسم کیا ہے؟ مرجع لَفْظًا مقدم ہو گا، دوسری صورت مَعْنًی مقدم ہو گا، تیسری صورت حُکْمًا مقدم ہو گا۔ پھر یہ جو پہلی قسم ہے لَفْظًا، اس کے اندر دو صورتیں ہیں: لَفْظًا حَقِيقَةً مقدم ہو گا یا تَقْدِيرًا مقدم ہو گا۔ تو اس میں دو صورتیں بن گئیں اور دو وہ مَعْنًی اور حُکْمًا والی، کل کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار صورتیں ہو گئیں بھئی، چار صورتیں۔

بات سمجھ میں آئی؟ مشکل تو نہیں ہے؟ آسان سی بات ہے: غائب کی ضمیر کے لیے مرجع کا مقدم ہونا ضروری، اور مقدم ہونے کی کتنی صورتیں؟ تین: نمبر ایک لَفْظًا، نمبر دو مَعْنًی، نمبر تین حُکْمًا۔ لَفْظًا کے اندر پھر کتنی قسمیں؟ دو قسمیں: یا لَفْظًا حَقِيقَةً ہو گا یا لَفْظًا تَقْدِيرًا ہو گا بھئی۔ اب ان سب کی مثالیں بھی یاد رکھتے جاؤ بھئی۔ ضمیر آئے گی غائب کی اور اس کا مرجع مقدم ہو گا لَفْظًا حَقِيقَةً۔ چار قسمیں بن گئیں نا، اب چار کے نام یاد رکھنا: پہلے ہے مرجع مقدم ہو گا لَفْظًا حَقِيقَةً، پھر مثال آئے گی مرجع مقدم ہو گا لَفْظًا تَقْدِيرًا، پھر مثال آئے گی مرجع مقدم ہو گا مَعْنًی، پھر مثال آئے گی مرجع مقدم ہو گا حُکْمًا۔ تو چاروں کی مثالیں بھی ہم کر لیں گے بھئی۔

■ قولہ: «لَفْظًا حَقِيقَةً۔ لَفْظًا حَقِيقَةً» کی تشریح

پہلا کیا؟ مرجع مقدم ہو لَفْظًا حَقِيقَةً۔ لَفْظًا حَقِيقَةً۔ دیکھیے بھئی: ضَرَبَ زَيْدٌ غُلَامَهُ۔ ضَرَبَ زَيْدٌ غُلَامَهُ، زید نے پٹائی کی غُلَامَهُ اپنے غلام کی۔ اب یہ غُلَامَهُ کے ساتھ ہا ضمیر غائب کی آئی اور یہ ضمیر راجع ہے لفظِ زید کو۔ کس کو؟ لفظِ زید کو۔ یہ بھئی جو میں مثالیں لکھوا رہا ہوں یہ اپنے سامنے لکھتے جانا بھئی، جلدی حل ہوتا چلا جائے گا بھئی۔ جلدی لکھیے بھئی، یہ چیز آپ کو ہر جگہ کام آئے گی بھئی، ہر کتاب میں آپ کو کام آئے گی۔ اوپر لکھ لیجیے: مرجع مقدم ہو لَفْظًا حَقِيقَةً۔ نمبر ایک، دے دیا اس کو ایک نمبر بھئی؟ ایک نمبر کیا ہے؟ مرجع مقدم ہو لَفْظًا حَقِيقَةً۔ مثال اس کی آگے لکھیے: ضَرَبَ زَيْدٌ غُلَامَهُ۔ لکھ لیا بھئی؟

اب اس پہ نظر رکھو، دیکھو ترجمہ کیا ہے؟ زید نے پٹائی کی اپنے غلام کی۔ یہ غُلَامَهُ کے ساتھ کون سی ضمیر آئی؟ جی، غائب کی ضمیر۔ اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو راجع ہے۔ اور زید ضمیر پر مقدم ہے یا نہیں؟ پہلے آیا نا، مقدم ہے۔ اور لفظوں میں آیا تو لَفْظًا ہے، اور حَقِيقَةً مقدم ہے یا...؟ حَقِيقَةً نہیں مقدم؟ حَقِيقَةً مقدم ہے! آپ نے پہلے زید پر تلفظ کیا یا نہیں کیا؟ جی، تو مرجع لفظوں میں آیا، آپ اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ لَفْظًا کا کیا معنٰی؟ جس پر کیا کیا جائے؟ تلفظ کیا جائے۔ تو تلفظ

کیا آپ نے لفظِ زید پر، اور حَقِيقَةً یہ پہلے ہا ضمیر سے پہلے آیا یا نہیں آیا؟ حَقِيقَةً پہلے یہ آیا ہے بھئی، غُلَامَهُ تو ہا ضمیر تو آخر میں جا کر آئی ہے، زید کا لفظ حَقِيقَةً مقدم ہے اس پر لَفْظًا بھئی۔ تو یہ کس کی مثال ہوئی؟ مرجع مقدم ہو لَفْظًا حَقِيقَةً۔ لَفْظًا کا کیا معنیٰ؟ کہ اس مرجع پر کیا ہو؟ تلفظ ہے با قاعدہ، زید پر آپ نے کیا کیا ہے با قاعدہ؟ تلفظ کیا ہے، اور حَقِيقَةً یہ مقدم ہے بھئی۔

جی، دوسری قسم لکھیے بھئی: مرجع مقدم ہو لَفْظًا تَقْدِيرًا۔ بھئی پچھلی مثال میں نے لکھوائی تھی، کیا لکھوائی؟ ضَرَبَ زَيْدٌ غُلَامَهُ۔ زَيْدٌ پہ تنوین ضرور ڈالنا پتہ چلے یہ فاعل ہے بھئی، پیش، اور غُلَامَهُ میم پر زبر ضرور لکھیے پتہ چلے یہ مفعول ہے۔ اب دوسری مثال بِعَيْنِهِ یہی مثال، یہی اعراب، صرف غُلَامَهُ کو زید پر مقدم کر دیں: ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ۔ اب دیکھیے بھئی: ضَرَبَ ترکیب دیکھو بھئی، ضَرَبَ فعل، غُلَامَهُ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں بھئی، اور یہ کیا بن رہا ہے جملے میں، فاعل بن رہا ہے یا مفعول بن رہا ہے؟ مفعول ہے، تو یہ مقدم ہے۔ اور زَيْدٌ فاعل ہے یہ مؤخر ہے بھئی۔ اب یہ غُلَامَهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ اور زید پر تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے آپ؟ تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ ہے۔ لیکن زید ضمیر پر مقدم ہے یا مؤخر ہے؟ مؤخر ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے، ظاہر کے اعتبار سے تو مؤخر ہے، لیکن تَقْدِيرًا یہ مقدم ہے بھئی! تَقْدِيرًا کیا ہے؟ مقدم۔ کیوں مقدم ہے؟ یا یوں کہو دوسرے لفظوں میں: رُتْبَةً یہ مقدم ہے! رُتْبَةً کیا ہے؟ مقدم۔ کیوں مقدم ہے؟ وجہ یہ کہ زید یہ فاعل ہے اور فعل کے فوراً بعد فاعل آنا چاہیے بھئی۔ تو زید لفظوں میں مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے اس کا مقام کہاں تھا؟ غُلَامَهُ سے پہلے، ضَرَبَ کے فوراً بعد اور غُلَامَهُ سے پہلے۔ تو رتبے کے اعتبار سے گویا زید کا وہ مقام ہے، زید کا وہ مقام ہے۔ تو یہاں صرف لفظوں میں مؤخر ہے زید، رتبے کے اعتبار سے مؤخر نہیں ہے، اس کے اعتبار سے تو وہ کہاں ہے؟ ضَرَبَ کے بعد ہے اور غُلَامَهُ سے پہلے۔ تو رتبے کے اعتبار سے وہ مقدم ہے، اور جب رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے تو مرجع کو کیا ہونا چاہیے تھا؟ مقدم، تو یہ بھی کیا ہے رتبے کے اعتبار سے؟ مقدم ہے، لہٰذا یہ ترکیب صحیح ہے بھئی، یہ ترکیب کیا ہے؟ صحیح ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہ لَفْظًا تَقْدِيرًا کی مثال ہے کہ زید لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن ہم نے کیا فرض، تَقْدِيرًا کا معنیٰ فرض کرنا، ہم نے کیا فرض کر لیا یہ کہاں پر ہے اس وقت؟ غُلَامَهُ سے پہلے۔ کیوں فرض کیا؟ کیونکہ یہ فاعل ہے اس کا رتبہ یہ مفعول پر مقدم ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مثال ہوئی کہ مرجع مقدم ہو لَفْظًا تَقْدِيرًا۔

تیسری قسم ہے کہ مرجع مقدم ہو مَعْنًى۔ جیسے: اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى۔ دوسری مثال لکھیے: وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ۔ سُدُس، سین، دال، سین، السُّدُسُ۔ اگلی قسم ہے کہ مرجع مقدم ہو حُكْمًا۔ اس کی مثال لکھیے: ضمیرِ شان، جیسے إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اور ضمیرِ قصہ، قاف دو نقطوں والا، صاد اور گول تا بھئی، ضمیرِ قصہ، جیسے إِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ۔ نیز اسی طرح قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ لکھ لیا بھئی؟ ہاں، بس اب لکھنا بند کریں بھئی، بس اب بات کو سمجھ لیں۔

اب تک یہ بات بیان ہوئی کہ غائب کی ضمیر کے لیے ہمیشہ مرجع چاہیے اور مرجع بھی مقدم ہونا چاہیے اور اس کے مقدم ہونے کی چار صورتیں ہیں بھئی: یا تو لَفْظًا مقدم ہو گا حَقِيقَةً، یا لَفْظًا مقدم ہو گا تَقْدِيرًا یا یوں کہیں رُتْبَةً مقدم ہو گا، رُتْبَةً، یا مرجع کیا ہو گا مقدم ہو گا مَعْنًى، یا مرجع مقدم ہو گا حُكْمًا۔ لَفْظًا تَقْدِيرًا اور لَفْظًا حَقِيقَةً کی مثالیں گزر گئیں بھئی۔

اب مرجع کبھی مقدم ہوتا ہے مَعْنًى، معنیٰ کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ معنیٰ کے اعتبار سے۔ جیسے اس کی مثال میں نے آپ کو لکھوائی: اِعْدِلُوا۔ اِعْدِلُوا امر ہے، کیا معنیٰ؟ تم لوگ عدل کرو! اللہ قرآن میں کیا فرماتے ہیں؟ اِعْدِلُوا تم لوگ عدل کرو، هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اب یہ هُوَ ضمیر عدل کو راجع ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے پیچھے تو عدل کا کہیں ذکر نہیں آیا! اِعْدِلُوا وہ تو فعل ہے بھئی۔ کیا ہے؟ فعل ہے۔ بات عدل کی چل رہی ہے، لفظِ عدل پیچھے آیا ہے؟ نہیں۔ تو پیچھے عدل کا لفظ نہیں آیا تو یہاں جواب کیا دیتے ہیں؟ کہ مرجع مَعْنًى مقدم ہے بھئی، یعنی معنیٰ کے اعتبار سے مقدم ہے۔ یعنی اِعْدِلُوا بھئی، اِعْدِلُوا فعل ہے اور ہر فعل کے اندر مصدر کا معنیٰ پایا جاتا ہے بھئی۔ اِعْدِلُوا کیا معنیٰ؟ عدل کرو! دیکھو عدل آرہا ہے یا نہیں آیا بھئی؟ تو ہر فعل کے اندر کون سا معنیٰ پایا جاتا ہے؟ مصدری معنیٰ پایا جاتا ہے، تو گویا اِعْدِلُوا کے ضمن میں عدل گزر چکا، عدل مقدم ہو چکا، تو یہاں مرجع مَعْنًى مقدم ہے۔ مرجع کیا ہے؟ مَعْنًى۔

■ قولہ: «وَلِأَبَوَيْهِ۔ أَبَوَيْهِ» کی تشریح

یا اسی طرح جیسے دوسری مثال ہے: وَلِأَبَوَيْهِ۔ أَبَوَيْهِ ہا ضمیر راجع ہے میت کو: اور میت کے والدین جو ہیں ان کے لیے۔ مسئلہ میراث کا چل رہا ہے قرآن میں، اللہ فرماتے ہیں، اللہ کیا فرماتے ہیں؟ وَلِأَبَوَيْهِ اور اس میت کے جو والدین ہیں لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، میراث میں سے ان کو کتنا ملے گا؟ چھٹا حصہ ملے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے وَلِأَبَوَيْهِ ہا ضمیر تو میت کو راجع ہے اور پیچھے تو میت کا لفظ نہیں گزرا! پیچھے تو میت کا لفظ نہیں گزرا۔ تو جواب یہ کہ یہاں میت کا ذکر معنوی اعتبار سے گزر چکا، اس لیے کیونکہ بات چل رہی ہے میراث کی، اور میراث وہیں پر تقسیم ہوتی ہے جہاں کیا ہو؟ پہلے کوئی میت ہو بھئی، کسی کا انتقال ہوا ہو بھئی۔ تو یہاں میت لفظوں میں نہیں لیکن معنوی اعتبار سے گویا کہ میت کا پہلے ہی ذکر ہو چکا۔ جب میراث کی بات شروع ہوئی تو گویا کس کا ذکر آگیا؟ میت کا گویا آگیا ذکر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی ہم کہیں گے یہ مرجع یہاں پر مقدم ہے مَعْنًى یعنی معنوی طور پر۔

یا اسی طرح آپ کتابوں میں دیکھتے ہیں، نحو کی کتاب میں پڑھتے پڑھتے اچانک کوئی غائب کی ضمیر آجائے گی، شرح میں آپ دیکھیں گے شرح والا لکھے گا کہ یہ ضمیر نحویوں کو راجع ہے۔ کس کو راجع ہے؟ نحویوں کو راجع ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی پیچھے تو نحوی کا کوئی لفظ ہی نہیں آیا، نحو کی کتاب تو ٹھیک ہے لیکن نحویوں کا ذکر تو نہیں آیا

پیچھے! تو جواب وہ دیتے ہیں کہ بھئی آپ کس چیز کی کتاب پڑھ رہے ہیں؟ نحو کی، تو جب نحو کی کتاب پڑھ رہے ہیں تو گویا معنوی طور پر کس کا ذکر ہو گیا؟ علمائے نحو کا ذکر ہو چکا ہے بھئی، کیونکہ یہ مسائل کس نے لکھے ہیں؟ علمائے نحو ہی نے۔ یا عربی زبان کی کوئی بات چل رہی ہوتی ہے، اچانک وہاں غائب کی ضمیر آ جاتی ہے اور وہ پھر آپ کو بتلاتے ہیں کہ یہ غائب کی ضمیر عربوں کو راجع ہے۔ کن کو راجع ہے؟ عربوں کو۔ سوال پیدا ہوتا ہے بھئی یہاں تو کہیں عربوں کا ذکر نہیں آیا! تو جواب دیتے ہیں کہ بھئی بات کس کی چل رہی ہے؟ عربی کی، جب عربی کی بات چل رہی ہے تو گویا مَعْنًی عربوں کا ذکر مقدم ہو چکا۔ تو یہ کس کی مثالیں ہوئیں ساری؟ مَعْنًی کی، کہ جہاں ضمیر کا مرجع مقدم ہو گا مَعْنًی، مقدم ہو چکا ہے بھئی۔

آگے چوتھی قسم کیا ہے کہ ضمیر کا مرجع مقدم ہو حُکْمًا۔ حُکْمًا بھئی۔ چلیے بس کرتے ہیں، بس بھئی، باقی کل کر لیں گے ان شاء اللہ۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹: ضمیرِ شان و قصہ، اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً اور قصۂ سنمار و خورنق

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۸ ــــ بتاریخ: ۳۰ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ جَارٍ عَلَى الْقَانُونِ النَّحْوِيِّ الْمَشْهُورِ كَالْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً فِي قَوْلِهِ: جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغَيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ضعفِ تالیف کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ ضعفِ تالیف اس کو کہتے ہیں کہ کلام مشہور نحوی قانون کے خلاف ہو بھئی، مشہور نحوی قانون کے مطابق نہ ہو۔ میں نے یہاں تفصیل ذکر کی تھی کہ ایک مشہور قانون ہے اور ایک متفق علیہ قانون ہے۔ متفق علیہ قانون تو وہ ہے جس پر سارے بڑے نحوی حضرات کا اتفاق ہو کہ یہ بات اسی طرح ہے، اور اس کے خلاف اگر کوئی کرتا ہے تو اس کا کلام فصاحت سے کیا خارج ہونا ہے وہ تو کلام ہی سرے سے فاسد ہے! وہاں فصاحت اور غیر فصاحت کی بات ہی نہیں، وہ تو کلام ہی کیا ہے سرے سے؟ فاسد ہے، غلط ہے، درست نہیں ہے بھئی۔

ہاں البتہ اگر کوئی شخص عربی کلام کرتا ہے اور مشہور نحوی قانون کی مخالفت کرتا ہے، مشہور نحوی قانون کا کیا معنیٰ تھا؟ کہ جس میں اکثر نحویوں کا اتفاق ہو، ایک دو چار اگر بڑے نحوی مخالف بھی ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اکثر اس طرف ہیں، وہ اکثر یہی کہتے ہیں کہ یہ بات اسی طرح ہے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مشہور نحوی قانون۔ تو اگر کلام مشہور نحوی قانون کے خلاف ہو، اس کے مطابق نہ ہو تو کلام فصاحت سے نکل جائے گا کیونکہ اس کے اندر ضعفِ تالیف والا عیب آگیا۔ ضعفِ تالیف کس کو کہتے تھے؟ کہ کلام مشہور نحوی قانون پر جاری نہ ہو، اس کے خلاف ہو بھئی۔

جیسے اس کی مثال انہوں نے ذکر کی تھی: كَالْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً۔ یہاں میں نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ ضمیریں تین قسم پر ہیں بھئی: کچھ متکلم کی ضمیریں ہیں، کچھ مخاطب کی ضمیریں ہیں، اور کچھ غائب کی۔ متکلم بات کرنے والا، لہٰذا متکلم جو شخص آدمی بات کر رہا ہے اس کو اپنی ذات کے بارے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں، وہاں کسی مرجع وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ جب میں تقریر کر رہا ہوں اور « میں » یوں کہہ رہا ہوں، دیکھو « میں » کا لفظ استعمال کر رہا ہوں، اس « میں » کے اندر کوئی شبہ ہو سکتا ہے اس سے کون مراد ہے؟ أَنَا، أَنَا کہتا ہوں میں، تو یہ أَنَا کے اندر شبہ نہیں ہو سکتا، نہ مجھے کوئی شبہ ہے نہ سننے والے کو شبہ ہوتا ہے، اس کو پتہ ہے یہ کس کی بات کر رہا ہے؟ یہ شخص اپنی بات کر رہا ہے۔

اور جب میں کہتا ہوں أَنْتَ یا أَنْتُمَا یا أَنْتُمْ تو اس میں بھی سننے والے اور کہنے والے کو کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں بھئی، کیونکہ أَنْتَ وہ جو ایک سامنے موجود ہے، اگر دو ہیں تو وہ أَنْتُمَا وہ دو مراد ہیں، اگر زیادہ ہیں تو أَنْتُمْ مراد ہو گا وغیرہ، وہ أَنْتُمْ سے وہ لوگ مراد ہوں گے۔ تو متکلم میں بھی کوئی اشتباہ نہیں، مخاطب میں بھی کوئی اشتباہ نہیں۔ ہاں هُوَ، هُمَا، هُمْ ان سے کون مراد ہیں؟ هُوَ کی ضمیر اس سے تو کوئی بھی مراد ہو سکتا ہے: زید ہے، عمرو ہے، بکر ہے، خالد ہے، کون ہے؟ اس کے لیے مرجع چاہیے بھئی، تعیین ہو جائے کہ کون مراد ہے۔

معلوم ہوا غائب کی ضمیر کے لیے ہمیشہ مرجع چاہیے، مرجع، اور مرجع کو مقدم ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے بھئی، تاکہ جب هُوَ یا ہاؤ غیرہ ضمیر آئے تو فوراً پتہ چل سکے کہ اس سے کون مراد ہے، کس کی طرف یہ ضمیر لوٹ رہی ہے۔ تو غائب کی ضمیر کے لیے مرجع چاہیے اور وہ مرجع بھی کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے بھئی، مقدم ہونا چاہیے۔

پھر یہ جو مقدم ہونا ہے میں نے بتلایا تھا یہ تین قسم پر ہے بھئی: مرجع کیا ہو گا؟ مرجع، یہ جو میں نے کہا تھا نا کہ لَفْظًا ہو گا یا مَعْنًی ہو گا یا حُکْمًا ہو گا، یہ مرجع کی صورتیں نہیں ہیں: مرجع لَفْظًا ہو گا، مرجع مَعْنًی ہو گا، مرجع حُکْمًا ہو گا! نہیں، ایسا نہیں ہے، یہ مقدم ہونے کی صورتیں ہیں! یہ مقدم ہونا یہ لَفْظًا ہو گا، یا یہ مقدم ہونا مَعْنًی ہو گا، یا مقدم ہونا کیسے ہو گا؟ حُکْمًا ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مرجع کا مقدم ہونا ضروری ہے بھئی، مرجع تو چاہیے ہی چاہیے ہر حال میں، اس کے بغیر تو پتہ ہی نہیں چلے گا کبھی بھی! صرف مرجع ہی نہیں چاہیے اس کا مقدم ہونا بھی ضروری ہے، اور یہ مقدم ہونا اس کی تین صورتیں ہیں: یا یہ مقدم ہو گا لَفْظًا، یا یہ مقدم ہو گا مَعْنًی، یا یہ مقدم ہو گا حُکْمًا، مقدم ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ لَفْظًا، مَعْنًی، حُکْمًا یہ مرجع کی صورتیں ہیں یا مقدم ہونے کی صورتیں ہیں؟ مقدم ہونے کی صورتیں ہیں بھئی۔

■ قولہ: «لَفْظًا حَقِيقَةً» کی تشریح

پہلی صورت کیا تھی کہ مرجع مقدم ہو گا لَفْظًا۔ اس میں میں نے بتلایا تھا دو صورتیں ہیں: مقدم لَفْظًا حَقِيقَةً ہو گا یا مقدم لَفْظًا تَقْدِيرًا، یا یوں کہیں لَفْظًا تو ہے ہی، لَفْظًا کا کیا معنٰی؟ تلفظ جس پر ہو رہا ہے، تلفظ ہو رہا ہے بھئی۔ تو حَقِيقَةً پہلے اس پر تلفظ ہو رہا ہے، پہلے وہ گزرا ہے۔ اور کبھی حَقِيقَةً اس پر پہلے تلفظ نہیں ہے، یعنی اس کا تقدم حَقِيقَةً نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر لفظوں میں تو بعد میں آرہا ہے لیکن تَقْدِيرًا، رتبے کے اعتبار سے وہ مقدم ہی ہے بھئی۔ جیسے اس کی میں نے مثال ذکر کی تھی بھئی، مثال: ضَرَبَ زَيْدٌ غُلَامَهُ۔ ضَرَبَ زَيْدٌ غُلَامَهُ، اب یہ غُلَامَهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ اور زید لفظوں میں ہے، اس پر ہم نے تلفظ کیا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، اور مقدم ہے، حَقِيقَةً کیا ہے ضمیر پر؟ مقدم ہے۔ تو اس کو کیا کہیں گے؟ کہ مرجع مقدم ہے لَفْظًا حَقِيقَةً، لَفْظًا حَقِيقَةً۔

اب اسی کے اندر ذرا اس کی ترتیب بدل دیں، کیا کہیں؟ ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ۔ اب دیکھیے بھئی: یہ غُلَامَهُ کی ہا ضمیر زید کو راجع اور زید کا لفظ تو مؤخر ہے بھئی، مؤخر ہے۔ لیکن یہاں کہتے ہیں بھئی، نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ زید کا لفظ اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کیا ہے؟ مؤخر ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، رتبے کے اعتبار سے، کیونکہ زید کیا بن رہا ہے؟ فاعل، اور غُلَامَهُ کیا ہے؟ مفعول، اور فعل کے فوراً بعد فاعل چاہیے ہوتا ہے، فعل آتے ہی سب سے پہلے کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا کہ جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہوتا ہے۔ تو زید لفظوں میں اگرچہ اس وقت مؤخر ہے اور غُلَامَهُ لفظوں کے اندر اس وقت مقدم ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے گویا کلام یوں ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ غُلَامَهُ۔ رتبے کے اعتبار سے زید کیا ہے غُلَامَهُ پر؟ مقدم ہے بھئی۔ تو یہ اسی کو کہیں گے لَفْظًا تَقْدِيرًا، تَقْدِيرًا مقدم ہے، یا یوں کہیں دوسرے لفظوں میں: رُتْبَةً مقدم ہے!

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لَفْظًا تَقْدِيرًا مقدم ہونا اور رُتْبَةً مقدم ہونا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، ایک ہی چیز ہے بھئی، ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ کبھی اسی کو کس سے تعبیر کر دیتے ہیں؟ کہ لَفْظًا تَقْدِيرًا مقدم ہے، اور کبھی اسی کو کس سے تعبیر کر دیتے ہیں؟ رُتْبَةً مقدم ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیا مثال ذکر کی اس کی میں نے؟ ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ۔ تو زید اگرچہ لفظوں میں مؤخر لیکن دراصل فاعل ہے اور غُلَامَهُ یہ مفعول ہے اور پہلے کس کا درجہ ہوتا ہے؟ فاعل کا۔ تو رتبے کے اعتبار سے گویا زید کا مقام غُلَامَهُ سے پہلے اور غُلَامَهُ کا مقام زید کے بعد ہے۔ تو غُلَامَهُ کا مقام جب زید کے بعد ہے تو ضمیر بعد میں ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ اور زید پہلے ہو گیا، اور ضمیر لوٹ بھی کس کو رہی تھی؟ زید کو۔ تو گویا یہاں پر تَقْدِيرًا زید کا لفظ کیا ہے؟ مقدم ہے، تَقْدِيرًا کیا ہے؟ مقدم ہے یعنی رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے۔

اس کے بعد بات آئی تھی کہ کبھی مرجع جو ہے وہ مَعْنًی مقدم ہو گا، جیسے اس کی مثال میں نے ذکر کی: اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى۔ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ عدل کو۔ عدل کا تو لفظ پیچھے گزرا ہی نہیں، لفظوں میں ہے ہی نہیں! ہاں اِعْدِلُوا کے ضمن میں کیا لفظ آیا؟ عدل، اس کے ضمن، اس کے معنٰی، کیونکہ اِعْدِلُوا فعل ہے اور فعل کے اندر مصدر کا معنٰی پایا جاتا ہے، فعل کے اندر مصدر ہوتا ہے: ضَرَبَ کے اندر ضَرْبٌ والا معنٰی ہے، اِعْدِلُوا کے اندر عَدْلٌ والا معنٰی ہے، عدل کرو۔ تو کیا کہیں گے مرجع کیا ہے؟ مَعْنًی مقدم ہے یہاں پر بھئی، مَعْنًی مقدم ہے، مقدم ہے معنوی اعتبار سے، معنٰی کے اعتبار سے۔

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ۔ وَلِأَبَوَيْهِ، أَبَوَيْهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ میت کو۔ میت کا تو لفظ پیچھے گزرا ہی نہیں! تو جواب کیا دیتے ہیں کہ یہاں مرجع مَعْنًی مقدم ہے، اس لیے کیونکہ میراث کی بات چل رہی ہے اور میراث وہیں ہوتی ہے جہاں پر کوئی میت ہو، کسی کا انتقال ہوا ہو، تو میراث کا ذکر شروع ہوتے ہی گویا کس کا ذکر آچکا اور گزر چکا؟ میت کا ذکر گزر چکا۔ تو یہ مقدم ہے مرجع مَعْنًی یہاں پر۔

تیسری قسم تھی کہ مرجع مقدم ہو حُکْمًا، حُکْمًا۔ اور یہ جیسے اس کی مثال ہے ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ۔ ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ آپ نحو میں پڑھ چکے ہیں: ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے، آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ کیا ہوتی ہے؟ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے، آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے، اس کا معنٰی بیان کرتا ہے۔ تو اس کو ضمیرِ، اگر مذکر کی ضمیر ہو تو ضمیرِ شان کہتے ہیں، مؤنث کی ہو تو ضمیرِ قصہ کہتے ہیں۔ چیز ایک ہی ہے، بس نام ذرا الگ الگ کر دیے: مذکر کے لیے ضمیرِ شان، مؤنث کے لیے لفظ کیا لائے؟ ضمیرِ قصہ۔

■ قولہ: «إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

مثلاً میں کہتا ہوں: إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ ترکیب بھی آتی ہے یا نہیں بھئی؟ إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، یہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ ایک اسم کا اور ایک خبر کا، اسم کو یہ نصب دیتا ہے خبر کو رفع۔ اس کے ساتھ ہا ضمیر آئی، ہا ضمیر آئی، یہ ہے إِنَّ کا اسم۔ اب إِنَّهُ یہ کیا دیتا ہے إِنَّ؟ نصب۔ آپ یہ نہ کہیں إِنَّهُ ہا پر تو ہم پیش پڑھ رہے ہیں! بھئی ہا ضمیر ہے، ضمیر مبنیات میں سے ہے اور بنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، اعراب معرب پر ظاہر ہوگا۔ تو یہ تو کیا ہے؟ مبنی ہے۔ تو پھر اس پر پیش کیوں پڑھ رہے ہیں؟ بھئی یہ اس کی حرکت ہے! یہ کیا ہے اس کی؟ اس کی اپنی حرکت ہے، یہ کوئی اعراب نہیں، یہ کوئی إِنَّ نے پیش نہیں دیا اس کو۔ تو إِنَّهُ یہ ہا ضمیر اس کا اسم۔

آگے زَيْدٌ پھر آیا مبتدا، قَائِمٌ اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر پھر یہ پورا جملہ یہ خبر ہوئی إِنَّ کی۔ آپ نے پڑھا ہے خبر کبھی مفرد ہوتی ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ، قَائِمٌ کیا ہے؟ مفرد۔ اور کبھی پورا جملہ خبر ہوتی ہے جیسے ابھی مثال میں آپ نے دیکھا: إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ ہا کیا ہے؟ إِنَّ کا اسم، اور زَيْدٌ قَائِمٌ یہ پھر پورا جملہ ہے، اور کون سا جملہ ہے؟ جملہ اسمیہ، جملہ اسمیہ میں کیا ہوتے ہیں؟ ایک مبتدا ہوتا ہے ایک خبر، تو زَيْدٌ ہے مبتدا، قَائِمٌ ہے اس کی خبر، یہ مبتدا خبر مل کر پورا جملہ بنا اور پھر یہ کیا بن گیا؟ خبر بن گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جی تو یہ اب آپ سے کوئی پوچھے اس کا کیا ترجمہ ہوگا؟ اس کا ترجمہ یوں کریں گے: إِنَّهُ بے شک، ہا ضمیر ضمیرِ شان ہے، شان یہ ہے، شان کا معنٰی حال، حال، حالت، حالت یہ ہے، حال یہ ہے زَيْدٌ قَائِمٌ کہ زید کھڑا ہے۔ بے شک حال یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ اب آپ سے کوئی پوچھے اس کا، ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ آپ کہیں گے بھئی یہ ضمیرِ شان ہے! ضمیرِ شان کسے کہتے ہیں؟ آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ یہ جو آگے جملہ آرہا ہے نا زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ اسی ضمیر کی تفسیر بیان کر رہا ہے، ضمیر سے یہی مراد ہے، ضمیر سے یہی مراد، یہی حالت مراد ہے، یہی حال مراد ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

گویا میں نے جب کہا إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ، میں نے ذہن کے اندر زَيْدٌ قَائِمٌ کا تصور کیا، کیا کیا؟ تصور کیا، اور پھر إِنَّهُ یہ ہا ضمیر میں نے اس کی طرف لوٹا دی وہ جو چیز میرے ذہن میں موجود تھی۔ کس میں موجود تھی؟ ذہن میں، ذہن میں جو چیز موجود تھی یہ ہا ضمیر میں نے اس کو لوٹا دی، اور پھر چونکہ سننے والے کو تو پتہ نہیں ہے لہٰذا فوراً ہی آگے میں اس پورے جملے کو بھی اٹھا کر لے آیا تاکہ فوراً ہی اس کی تفسیر آجائے، اس کو بھی معنٰی کا پتہ چل جائے کہ یہ ہا ضمیر سے کیا مراد ہے، کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کو بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ إِنَّهُ میں کیا ہے؟ ضمیرِ شان۔ شان کا کیا معنٰی؟ حال اور حالت۔ کیا ترجمہ کریں گے؟ بے شک شان یہ ہے، حال یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔

اگر اسی میں میں یوں کہوں: إِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ۔ اب یہ کیا ہے؟ یہ ضمیرِ قصہ، وہی چیز ہے لیکن صرف مؤنث کی ہے اس لیے اس کو کیا کہیں گے؟ ضمیرِ قصہ۔ قصہ یہ ہے، جیسے وہاں تھا حال یہ ہے، کیا قصہ ہے؟ زَيْنَبُ قَائِمَةٌ زینب کھڑی ہے۔ تو دیکھو یہ ہا ضمیر کی تفسیر کون کر رہا ہے؟ آگے آنے والا جملہ زَيْنَبُ قَائِمَةٌ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

اور یاد رکھیے یہ کیوں کیا جاتا ہے؟ یہاں مرجع لفظوں میں مؤخر ہے آپ دیکھ رہے ہیں: ہا ضمیر پہلے آئی، آگے کس کو لوٹ رہی تھی زَيْدٌ قَائِمٌ کو وہ بعد میں آیا؛ إِنَّهَا ہا ضمیر پہلے آئی، زَيْنَبُ قَائِمَةٌ اس کو لوٹ رہی تھی اور یہ بعد میں آیا، یہی اس کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔ تو ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ دراصل یہاں ایک نکتہ مقصود ہوتا ہے، نکتہ۔ نکتہ کہتے ہیں کاف، چھوٹے کاف کے ساتھ باریک اور گہری بات بھئی۔ تو یہاں وہ کیا نکتہ ہے، کیا گہری بات ہے؟ بھئی یہاں پر دراصل مقصد جو ہے بات کو سننے والے کے ذہن میں اچھی طرح بٹھانا ہوتا ہے۔ میں نے کہا إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ، شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ بھئی یہ میں ضمیرِ شان کیوں لایا، میرا مقصد کیا ہے؟ تو یاد رکھیے میرا مقصد یہ ہے کہ یہ جو میں بات آپ کو کہنے لگا ہوں نا زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ آپ کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔

■ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

اگر میں ویسے کہہ دوں: زَيْدٌ قَائِمٌ، بات اب بھی وہی تھی۔ یا یوں کہوں: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب بھی بات وہی تھی۔ اور إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ، اب بھی بات وہی، لیکن فرق پڑ گیا کہ إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ کی صورت میں بات آپ کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی اور إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کے اندر بات آپ کے ذہن میں اتنی اچھی طرح نہیں بیٹھے گی بھئی، احتمال ہے کہ شاید اتنی اچھی طرح آپ کے ذہن میں یہ بات نہ بیٹھے۔ وجہ یہ: میں جب آپ کو کہتا ہوں إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، تو میں آپ سے جب بات کر رہا ہوتا ہوں آپ کے ذہن میں کوئی طلب نہیں ہوتی کہ یہ والی بات مجھے بتلائے۔ ہاں جس بات کی آپ کے ذہن میں طلب ہوگی کہ یہ بات بتاؤ بھئی جلدی جلدی، وہ بات آپ پوری توجہ سے سنیں گے کیونکہ آپ کے اپنے دل میں طلب ہے یہ والی بات بتلائے بھئی!

تو بغیر طلب کے جب بھی کوئی بات آئے گی وہ ہو سکتا ہے آپ توجہ ہی نہ کریں، لیکن طلب جب ذہن میں ہوگی تو پھر آپ پوری توجہ کریں گے۔ ایسا ہی ہوتا ہے یا نہیں بھئی؟ بغیر طلب کے بات آئے تو کبھی انسان کی توجہ ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، لیکن طلب کے ساتھ بات آرہی ہو، دل میں طلب ہو پتہ چلے اس بات کا، وہاں پر بات اچھی طرح ذہن میں، آپ پوری طرح متوجہ ہو کر سنیں گے کیونکہ آپ کے اپنے دل میں طلب ہے کہ اس بات کا پتہ چلنا چاہیے بھئی۔ تو لہٰذا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ یہاں کوئی طلب میں نے آپ کے دل میں پیدا نہیں کی اور ہو سکتا ہے آپ کی توجہ نہ رہے اور بات آپ اچھی طرح آپ کے ذہن میں نہ بیٹھے۔ ہو سکتا ہے توجہ ہو بھی آپ کی، لیکن یہ بھی تو

احتمال ہے ہو سکتا ہے آپ کی توجہ نہ ہو بھئی۔

لیکن جب میں نے کہا: إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ، تو جیسے ہی میں نے کہا إِنَّهُ، غائب کی ضمیر آئی! آپ کی اتنی توجہ نہیں تھی لیکن جیسے ہی غائب کی ضمیر آئی آپ کی آنکھیں کھل گئیں، کان کھڑے ہو گئے، ذہن متوجہ ہو گیا: بھئی غائب کی ضمیر آئی ہے، مرجع تو پیچھے کوئی گزرا نہیں ہے! مرجع تو کوئی پیچھے نہیں گزرا، اس ضمیر کا کیا معنیٰ؟ آپ کے دل میں طلب پیدا ہو گئی، اور طلب کے ساتھ ہی آگے آ گیا زَيْدٌ قَائِمٌ، تو وہ بات اچھی طرح آپ کے دل میں، ذہن میں بیٹھ جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر کیا نکتہ مقصود ہوتا ہے یہ ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ میں؟ کہ سامع کے ذہن میں بات اچھی طرح بیٹھ جائے، کہیں غفلت میں ویسے ہی نہ بات گزر جائے، وہ غافل ہو۔ تو پہلے ایک مبہم ضمیر لائی جاتی ہے، پہلے اجمال لاتے ہیں، اجمال جس کے اندر تفصیل نہ ہو، پورا پتہ نہ ہو۔ پہلے اجمال لاتے ہیں: إِنَّهُ، آپ نے کہا بھئی یہ ضمیر کس کو راجع ہے، کون مراد ہے؟ آگے ساتھ ہی تفصیل آ گئی، اور اجمال کے بعد جب تفصیل آتی ہے تو پھر بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ ہے ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ۔ تو یہاں پر ضمیر لاتے ہی پہلے ہیں، یہاں مرجع پیچھے کہیں گزرا ہی نہیں ہوتا، اور مرجع بعد میں لاتے ہیں جان بوجھ کر کیونکہ مقصد کیا ہوتا ہے؟ سننے والے کے ذہن میں بات کو اچھی طرح بٹھانا مقصد ہوتا ہے، یہ نکتہ۔ تو اس نکتے کی وجہ سے یہاں ضمیر ہمیشہ مرجع سے پہلے آئے گی، مرجع ہمیشہ بعد میں آئے گا۔ تو اب نحویوں کا تو قانون ٹوٹ رہا ہے! نحویوں نے تو قانون بنایا تھا ہمیشہ مرجع پہلے آنا چاہیے، ضمیر بعد میں آنی چاہیے۔ لیکن یہاں پر چونکہ مجبوری ہے، یہاں تو آنا ہی ضمیر نے پہلے ہے کیونکہ وہ نکتہ مقصود ہے، تو پھر نحویوں نے اس کو اپنے قانون میں داخل کرنے کے لیے کیا کہا؟ کہ یہاں مرجع مقدم ہے حُكْمًا! مرجع کیا ہے؟ مقدم ہے۔

نحویوں نے کیا قانون بنایا تھا کہ مرجع کو کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے۔ کیا قانون بنایا تھا؟ مرجع کو ہر حال میں مقدم ہونا چاہیے، اور یہ مقدم کبھی لَفْظًا ہو گا، کبھی مَعْنًى ہو گا۔ لیکن یہاں ان چیزوں میں آ کر دیکھا، یاد رکھیے یہ ضمیرِ شان میں بھی اس طرح ہو گا، یہ کوئی چھ جگہیں ہیں جہاں پر ضمیر پہلے آتی ہے اور مرجع بعد میں آتا ہے اور وہاں مقصد یہی ہوتا ہے کہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے بھئی، اجمال کے بعد تاکہ تفصیل آئے اس کی بھئی۔ چھ جگہیں ہیں: مثلاً نِعْمَ کے اندر ایسا ہوتا ہے، نِعْمَ رَجُلًا، اور اسی طرح تنازعِ فعلین کے باب میں ہوتا ہے، اور اسی طرح یہ ضمیرِ شان میں ہے، اسی طرح رُبَّ کے اندر ہوتا ہے، یا اسی طرح وہ جو مرجع ہوتا ہے وہ بدل واقع ہو رہا ہو ضمیر سے، ضمیر مبدل منہ ہو اور وہ کیا ہو اس سے؟ بدل واقع ہو رہا ہو، یا اسی طرح چھٹی جگہ کہ جہاں پر مبتدا کی تفسیر خبر بیان کر رہی ہو، مبتدا کی تفسیر خبر۔ تو یہ چھ جگہیں ہیں بہر حال جہاں پر اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ ہوتا ہے بھئی۔

تو نحویوں نے تو قانون بنایا تھا کہ مرجع کو مقدم ہونا چاہیے ہر حال کے اندر تاکہ پتہ چلے ضمیر سے کیا مراد ہے، چاہے وہ مرجع مقدم ہو گا کبھی کیا؟ لَفْظًا مقدم ہو گا، کبھی مَعْنًى مقدم ہو گا۔ لیکن یہ جو پانچ چھ جگہیں آئیں یہاں تو ہمیشہ ضمیر پہلے آتی ہے اور مرجع بعد میں آتا ہے! تو انہوں نے اپنے قانون کے اندر یوں کہیں اس کو داخل کرنے کے لیے، اپنے قانون کو بچانے کے لیے یہاں پھر وہ یوں کہتے ہیں کہ مرجع مقدم ہے حُكْمًا۔ مرجع کیا ہے؟ مقدم ہے حُكْمًا۔ حُكْمًا کا کیا معنیٰ؟ یعنی یہ حکم لگا دیا گیا کہ مرجع مقدم ہے! حقیقت میں کوئی مقدم ہے مرجع؟ نہیں، لیکن یہ حکم ہم نے لگا دیا بس۔ کیونکہ یہاں مرجع مقدم ہو ہی نہیں سکتا، یہاں مجبوری ہے، یہاں وہ نکتہ ہے کہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھانی ہے، اور بات اچھی طرح ذہن میں تبھی بیٹھے گی جب پہلے اجمال آئے بعد میں اس کی کیا آئے؟ تفصیل آئے، اور اس کی وہ یہی صورت ہے کہ ضمیر پہلے آنی چاہیے اس کی تفصیل بعد میں آنی چاہیے۔ تو لہٰذا یہاں یہ نکتہ مقصود ہے، تو لہٰذا یہاں یوں کہتے ہیں کہ مرجع مقدم ہے حُكْمًا۔ حُكْمًا کا کیا معنیٰ بتلایا میں نے؟ حکم لگایا گیا، حقیقت میں مرجع مقدم نہیں ہے بھئی، حکم لگایا گیا۔ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، هُوَ شان یہ ہے، کیا شان ہے؟ فوراً ہی، مرجع پیچھے تھا نہیں، اب ذہن پوری طرح متوجہ ہوا، ساتھ ہی آ گیا: اللّٰهُ أَحَدٌ، اللہ ایک ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

■ قولہ: «لَفْظًا حَقِيقَةً» کی تشریح

تو کل گویا یہاں پر چار صورتیں ہو گئیں بھئی مرجع کے مقدم ہونے کی: مرجع مقدم ہو گا لَفْظًا حَقِيقَةً، یا لَفْظًا تَقْدِيرًا، یا مرجع مقدم ہو گا مَعْنًى، یا مرجع مقدم ہو گا حُكْمًا بھئی، حُكْمًا۔ اب اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص یوں کہے: ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا۔ کیا کہتا ہے؟ ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا۔ غُلَامُهُ ہے فاعل، زَيْدًا ہے مفعول۔ اور فاعل مقدم ہونا چاہیے یا مفعول مقدم ہونا چاہیے؟ فاعل، تو غُلَامُهُ فاعل ہے وہ مقدم بھی ہے، اور زَيْدًا مفعول ہے اس کو کیا ہونا چاہیے؟ مؤخر، لفظوں میں بھی یہ مؤخر ہے۔ اب غُلَامُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ تو زید دیکھو مفعول ہے اور تو یہ اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ ہوا۔ یہ کیا ہوا؟ اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ، اِضْمَار یعنی ضمیر لانا قَبْلَ الذِّكْرِ أَيْ قَبْلَ ذِكْرِ الْمَرْجِعِ، مرجع کے ذکر سے پہلے کس کو لے آنا؟ ضمیر کو لے آنا۔ یہاں پر ضمیر مرجع کے ذکر سے پہلے آ گئی اور زید لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے کیونکہ مفعول ہے بھئی، فاعل ہوتا تو ہم اس کو غلام سے پہلے فرض کر لیتے لیکن یہ تو فاعل بھی نہیں ہے۔

تو یہ اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ ہوا لَفْظًا بھی اور رُتْبَةً بھی! صرف لَفْظًا ہوتا پھر تو ٹھیک تھا، جیسے کس میں تھا؟ ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ، اس میں صرف کیا تھا؟ صرف لفظوں کے اعتبار سے مؤخر تھا زید کا، لیکن رتبے کے اعتبار سے کیا تھا؟ مقدم تھا۔ لیکن ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا یہاں پر لفظوں کے اعتبار سے بھی زید کا لفظ مؤخر، رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے کیونکہ مفعول واقع ہو رہا ہے۔ تو یہاں ہر حال میں اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ ہی ہے، کوئی تاویل اب آپ نہیں کر سکتے! آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے رتبے

کے اعتبار سے مقدم ہے، آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے یہ معنوی کے اندر داخل ہے، آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے یہ حُکْمًا ہے کیونکہ حُکْمًا تو چھ جگہ پر ہے ان کے علاوہ تو نہیں ہے بھئی۔

تو لہٰذا یہ کیا ہوا؟ اِضْمَار قَبْلَ الذِّکْرِ۔ تو یہ مشہور نحوی قانون کی مخالفت ہو گئی اس کلام کے اندر، لہٰذا یہ فصاحت سے خارج ہوا۔ فاسد تو نہیں کہیں گے کیونکہ دو چار نحویوں نے اجازت تو دی ہے بڑے نحویوں نے کہ اس طرح بھی جائز ہے، ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا کہنا بھی جائز ہے، تو لہٰذا یہ تو ہم نہیں کہیں گے کہ کلام ہی فاسد ہے۔ ہاں البتہ فصاحت سے خارج ہو گیا، تمام تقریباً تقریباً یہ دو تین کو چھوڑ کر باقی سارے بڑے بڑے ائمۂ نحو فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنا درست نہیں ہے۔ تو یہ مشہور نحوی قانون ہوا اور اس کی مخالفت ہوئی تو یہ کلام فصاحت سے نکل گیا بھئی، اب اس کو فصیح نہیں کہیں گے۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھئی: وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ جَارٍ عَلَى الْقَانُونِ النَّحْوِيِّ الْمَشْهُورِ، اور ضعفِ تالیف کلام کا مشہور نحوی قانون پر جاری نہ ہونا ہے۔ غَيْرَ کس لیے آیا؟ نفی کے لیے، مشہور نحوی قانون پر جاری نہ ہونا ہے۔ كَالْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً، جیسے کہ ضمیر کا لانا قَبْلَ الذِّكْرِ أَيْ ذِكْرِ الْمَرْجِعِ، ضمیر کو لانا مرجع کے ذکر سے پہلے ہی لَفْظًا وَرُتْبَةً، جی لَفْظًا بھی اور رُتْبَةً بھی، فِي قَوْلِهِ کسی شاعر کے اس قول کے اندر: جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغَيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ۔

جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغَيْلَانِ، بدلہ دیا بَنُوهُ، ہا ضمیر راجع ہے ابو الغیلان کو جو أَبَا الْغَيْلَانِ آگے آرہا ہے بھئی، یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ اور أَبَا الْغَيْلَانِ یہ لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر! بَنُوهُ یہ فاعل بن رہا ہے جَزَى کے لیے۔ بَنُوهُ کیا ہے؟ فاعل ہے کیونکہ یہ واؤ کے ساتھ آرہا ہے۔ بَنُونَ تھا نا، بَنُونَ، بیٹے، مُسْلِمُونَ کی طرح حالتِ رفعی میں کس کے ساتھ آئے گا؟ واؤ کے ساتھ، حالتِ نصبی جری میں کس کے ساتھ آئے گا؟ مُسْلِمِينَ، بَنِينَ وہاں یا کی صورت میں آئے گا بھئی۔ یہ کس کے ساتھ آیا بَنُو؟ واؤ کے ساتھ، معلوم ہوا یہ مرفوع ہے، اور فعل کے بعد مرفوع آئے وہ کون ہوتا ہے؟ فاعل۔ تو یہ بَنُوهُ کیا ہے جَزَى کے لیے؟ فاعل۔ اور آگے ہے أَبَا الْغَيْلَانِ، یہ أَبَا منصوب آیا کیونکہ یہ کس میں سے ہے؟ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے متکلم، اور اس کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ حالتِ رفعی میں واؤ کے ساتھ، حالتِ نصبی میں الف، حالتِ جری میں یا کے ساتھ۔ تو یہاں کس کے ساتھ آیا؟ الف کے ساتھ، معلوم ہوا یہ منصوب یہ مفعول ہے بھئی۔ اب بَنُوهُ یہ فاعل اور أَبَا الْغَيْلَانِ یہ مفعول۔ بَنُوهُ کی ہا ضمیر راجع ہے أَبَا الْغَيْلَانِ کو، اور أَبَا الْغَيْلَانِ لفظوں میں مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے کیونکہ مفعول ہے۔ تو لہٰذا یہ اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ ہوا۔ یہ کیا ہوا؟ اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ۔ تو یہ مشہور نحوی قانون کی مخالفت پائی گئی اس کلام کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اسی کی طرح ہے: ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا، ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا کی طرح ہی ہے بالکل یہ جو ابھی تفصیل میں نے بیان کی۔

تو جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغَيْلَانِ۔ ابو الغیلان یہ ایک آدمی کی کنیت ہے بھئی، نام ہے، اور یہ کوئی شخص تھا اس کے بیٹوں نے اس کے ساتھ، اس کو تکلیف وغیرہ دی، اس کا خیال نہیں رکھا، حالانکہ اس نے ان کی اچھی پرورش کی تھی، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا ہمیشہ بھئی۔ تو شاعر کہتا ہے جَزَى، جَزَى کا معنیٰ بدلہ دینا، بدلہ دیا بَنُوهُ ابو الغیلان کے بیٹوں نے، کس کو بدلہ دیا؟ أَبَا الْغَيْلَانِ، ابو الغیلان یعنی اپنے والد کو بدلہ دیا عَنْ كِبَرٍ، عَنْ بمعنیٰ بَعْدَ کے ہے أَيْ بَعْدَ كِبَرٍ بڑھاپے کے بعد۔ كِبَر کا معنیٰ بڑا ہونا یعنی بڑا ہو جانے کے بعد یعنی بوڑھا ہو جانے کے بعد۔ ابو الغیلان کے بیٹوں نے اس کو بدلہ دیا بوڑھا ہو جانے کے بعد وَحُسْنِ فِعْلٍ، اس کا عطف كِبَرٍ پر ہے أَيْ بَعْدَ حُسْنِ فِعْلٍ اچھے فعل کے بعد۔ ابو الغیلان نے تو خود ان کے ساتھ کیا کیا تھا؟ اچھا فعل کیا تھا، ہمیشہ ان کا خیال رکھا تھا، اچھی پرورش کی تھی، لیکن جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس کے بوڑھا ہو جانے اور اس کے اچھے افعال کے بعد اس کے بیٹوں نے اس کو بدلہ دیا كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ جیسا کہ بدلہ دیا جاتا ہے کس کو؟ سِنِمَّار کو۔ سِنِمَّار، سین کے نیچے بھی کسرہ، نون کے نیچے بھی کسرہ اور میم مشدد ہے: سِنِمَّارُ، سِنِمَّارُ۔ بدلہ دیا ابو الغیلان کو اس کے بیٹوں نے اس کے بوڑھا ہو جانے اور اس کے اچھے فعل کے بعد كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ جیسے کہ بدلہ دیا جاتا ہے سِنِمَّار کو۔

سِنِمَّار یاد رکھیے یہ آپ کے حاشیے میں تفصیل انہوں نے دی ہوئی ہے کہ یہ ایک رومی آدمی تھا جو تعمیرات کا بڑا ماہر تھا بھئی، یوں کہیں آج کے زمانے میں انجینئر تھا بھئی، بڑا ماہر انجینئر تھا، نام کیا تھا؟ سِنِمَّار، اور کہاں کا رہنے والا تھا؟ روم کا، روم کا یعنی انگریز تھا۔ کیا تھا؟ انگریز۔ تو یہ ایک انگریز تھا اور روم کا رہنے والا اور بہت ماہر، ماہرِ تعمیرات تھا۔ تو اس کی شہرت جو کوفہ کا بادشاہ تھا بھئی، نُعْمَانِ أَكْبَر انہوں نے آگے نام دیا ہوا ہے، یہ نُعْمَانُ بْنُ امْرِئِ الْقَيْسِ تھا بھئی، نُعْمَانُ بْنُ امْرِئِ الْقَيْسِ اس بادشاہ کا نام، نُعْمَانِ أَكْبَر یہ کہلاتا تھا اور کوفہ کا بادشاہ تھا۔ اس کو شہرت پہنچی، اس کو بلوایا اور کہا کہ میں اپنے لیے ایک محل بنوانا چاہتا ہوں یہاں، ایک ایسا محل جسے لوگ دیکھ کر حیران رہ جائیں اور اس کا حسن و جمال سب کو حیرت میں ڈال دے اور ایک عظیم محل ہو۔

چنانچہ اس نے اس کے لیے کام شروع کر دیا بھئی، اور کہتے ہیں بیس سال لگے بھئی اس محل کو مکمل ہونے میں! اور بڑا زبردست اس کو، زبردست محل بنایا کہ جو اس کو دیکھتا تھا تو دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا کہ اتنا حسین و جمیل محل بنایا ہے اس نے۔ جب محل بن کر مکمل ہو گیا اب وہ بادشاہ کو دکھانے کے لیے لایا۔ بادشاہ نے بھی دیکھا اس کو بڑا پسند آیا بھئی کہ بہت زبردست چیز بنائی ہے، یہ ایسا تو کسی کا محل نہیں ہو گا۔ پھر خیال آیا یہ نہ ہو یہ ایسا ہی محل یہ کسی اور کو نہ بنا کر دے! چنانچہ حکم دیا اور پھر اس سِنِمَّار کو محل کے اوپر سے ہی گرا کر قتل کر دیا گیا بھئی۔

تو ہونا تو یہ چاہیے تھا اس نے اس کے لیے اتنا اچھا محل بنایا تھا کہ جیسی اس کی خواہش تھی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بنایا تھا، اتنا احسان اس نے کیا تھا، اسے بڑے انعامات

وغیرہ دیتا، لیکن اس نے کیا کیا اس کے ساتھ؟ اس کو، اس کی زندگی ہی ختم کر دی، اس کو قتل کر دیا۔ تو بعض لوگ ایسے دنیا میں بھئی، یہ دنیا عجیب چیز ہے، دنیا عجیب چیز ہے، انسان حیران رہتا ہے انسان اس کے لیے کیا کچھ کر گزرتا ہے! صرف اس لیے کہ کوئی کہیں کسی اور کے لیے ایسا نہ بنادے، بس ایک ذہن میں خیال آگیا اور اس خیال پر اس نے اس کو قتل کر دیا۔

■ قولہ: «جَزَاهُ جَزَاءَ سِنِمَّارٍ» کی تشریح

تو عربی میں کہتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ احسان کرے اور وہ بدلے میں اس کے ساتھ برائی کرے تو عربی میں کہتے ہیں: جَزَاهُ جَزَاءَ سِنِمَّارٍ، اس نے اس کو سِنِمَّار جیسا بدلہ دیا جیسا بادشاہ نے کس کے ساتھ کیا تھا؟ سِنِمَّار۔ اور یہ محل جو تھا کہتے ہیں جو بنایا، یہ دیکھیے یہ بھی حاشیے میں دیا ہوا ہے: بَنَى الْخَوَرْنَقَ، خَوَرْنَق محل کو، وَهُوَ قَصْرٌ یہ محل کا نام تھا بھئی، خَوَرْنَق۔ خا پر بھی فتحہ، واؤ پر بھی فتحہ اور را ساکن ہے، نون پر بھی فتحہ: خَوَرْنَق۔ تو کوئی بہت احسان کے بعد کسی کے ساتھ برائی کرے تو عربی میں کہتے ہیں: جَزَاهُ جَزَاءَ سِنِمَّارٍ۔

اب دیکھیے شعر پر: كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ جیسے کہ بدلہ دیا جاتا ہے سِنِمَّار کو۔ جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغَيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ، بدلہ دیا ابو الغیلان کے بیٹوں نے اس کو اس کے بڑھاپے کے بعد اور اس کے اچھے فعل کے بعد جیسے کہ بدلہ دیا جاتا ہے سِنِمَّار کو، یعنی احسان کے بعد کیا کیا اس کے بیٹوں نے؟ اس کے ساتھ برا سلوک کیا والد کے ساتھ بھئی۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰: تعقید کی تعریف، معنیٰ لغوی و مرادی کا فرق اور تعقیدِ لفظی کی تحقیق و مثال

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۹ــــ بتاریخ: ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالتَّعْقِيدُ أَنْ يَكُونَ الْكَلَامُ خَفِيَّ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ. وَالْخَفَاءُ إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ بِسَبَبِ تَقْدِيمٍ أَوْ تَأْخِيرٍ أَوْ فَصْلٍ، وَيُسَمَّى تَعْقِيدًا لَفْظِيًّا، كَقَوْلِ الْمُتَنَبِّي: جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ دَلَائِلُ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

بحث چل رہی ہے فصاحتِ کلام کی بھئی۔ سب سے پہلے آپ نے فصاحتِ کلمہ کے بارے میں پڑھا کہ کلمۂ فصیح وہ ہوگا جو تین عیبوں سے خالی ہو: تنافرِ حروف، مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ اور غرابت بھئی۔ تنافرِ حروف اس کو کہتے تھے کہ کلمے میں ایسے حروف جمع ہو جائیں جس کی وجہ سے اس کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہو جائے۔ اور دوسرا عیب جس سے کلمے کا خالی ہونا ضروری تھا فصاحت کے لیے وہ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ ہے بھئی۔ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ کہتے تھے کہ کلمہ صرفی قانون کے خلاف ہو، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں جو واضع کی وضع کے خلاف ہو یا عربوں کے استعمال کے خلاف ہو بھئی۔ تو اگر کلمہ جو ہے عربوں کے استعمال کے خلاف ہو تو وہ غیر فصیح ہوگا۔ اسی طرح تیسرا عیب جس سے کلمے کا خالی ہونا ضروری تھا فصاحت کے لیے وہ غرابت ہے۔ غرابت اس کو کہتے تھے کہ کلمے کی دلالت اپنے معنیٰ پر واضح نہ ہو، یعنی کلمہ بولنے سے اس کا معنیٰ خالص عربوں کو بھی سمجھ میں نہیں آتا بھئی، تو معلوم ہوا یہ جو عربی کلمہ ہے یہ فصیح نہیں ہے ورنہ خالص عربوں کو تو کم از کم اس کا معنیٰ ضرور سمجھ میں آتا۔

اس کے بعد فصاحتِ کلام کی بحث شروع ہوئی تھی۔ فصاحتِ کلام میں بھی آپ نے پڑھا کہ کلامِ فصیح وہ ہوگا جو تین عیبوں سے خالی ہو، تین چیزیں اس میں نہ ہوں اور ایک چیز کا ہونا ضروری تھا اس میں۔ تین عیب جن کا نہ ہونا ضروری کلامِ فصیح کے اندر: نمبر ایک تنافرِ کلمات بھئی، نمبر دو ضعفِ تالیف، اور نمبر تین تعقید بھئی۔ تنافرِ کلمات اس کو کہتے تھے کہ کلام کے اندر ایسے کلمات جمع ہو گئے جس کی وجہ سے زبان پر اس کلام کی ادائیگی دشوار ہو گئی، ثقیل ہو گئی۔ اگرچہ ان میں سے ہر کلمہ فصیح ہے لیکن اکٹھے ہونے کی وجہ سے اب ان کی زبان پر ادائیگی ثقیل ہو جائے، یہ ہے تنافرِ کلمات۔ اور ضعفِ تالیف اس کو کہتے تھے کہ کلام مشہور نحوی قانون کے خلاف ہو بھئی، جیسے اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً، ضمیر کو لانا مرجع کے ذکر سے پہلے ہی لَفْظًا بھی اور رُتْبَةً بھی۔

جی، میں نے بتلایا تھا کہ ایک متفق علیہ قانون ہے، ایک مشہور نحوی قانون ہے۔ متفق علیہ قانون تو وہ ہے جس پر سارے بڑے نحوی حضرات کا اتفاق ہو کہ یہ بات اسی طرح ہے۔ تو متفق علیہ قانون کے خلاف ہو کلام تو وہ سرے سے ہی فاسد ہو گا بھئی، وہاں فصاحت اور غیر فصاحت کی بات ہی نہیں ہو گی، وہ کلام ہی فاسد ہے۔ کلام صحیح ہو تو پھر فصیح ہے یا فصیح نہیں وہ بعد میں دیکھا جاتا ہے۔ تو اگر متفق علیہ قانون کے خلاف ہو کلام تو وہ کلام ہی فاسد ہو گا، درست نہیں ہو گا۔ مشہور نحوی قانون میں نے بتلایا جس میں اکثر بڑے نحوی حضرات کی رائے ہو کہ یہ مسئلہ اسی طرح ہے، ایک دو یا تین کی مخالفت جب ہو جائے گی تو پھر یہ متفق علیہ نہیں رہے گا بلکہ کیا کہلائے گا؟ مشہور نحوی قانون بھئی۔ اور مشہور نحوی قانون کے خلاف ہو اگر کلام تو وہ فاسد تو نہیں، صحیح تو پھر بھی رہے گا۔ کیوں صحیح رہے گا؟ کیونکہ ایک دو نحویوں کی رائے تو ہے کہ اس طرح کرنا ٹھیک ہے، تو کلام صحیح تو ہو گا، لیکن چونکہ اکثر نحویوں کی رائے کے خلاف ہوا، مشہور نحوی قانون کے خلاف ہوا کلام، تو اس لیے وہ فصاحت سے نکل جائے گا بھئی، فصیح نہ رہے گا۔ تو یہ ہے ضعفِ تالیف۔ ضعف کمزوری، تالیف جوڑنا، گویا لفظوں کو ایسی ترتیب سے جوڑا ہے کہ وہ ترتیب اور وہ ترکیب کمزور ہے، کمزور ہے۔

اور پھر یہاں پر میں نے تفصیل ذکر کی تھی کہ ضمیر جو ہے اس کے لیے مرجع کا ہونا ضروری اور یہ مرجع مقدم ہونا چاہیے۔ پھر یہ مقدم ہونا مرجع کا یہ کبھی لَفْظًا حَقِيقَةً ہو گا، کبھی لَفْظًا تَقْدِيرًا ہو گا، کبھی مَعْنًى ہو گا اور کبھی حُكْمًا ہو گا۔ اور پھر اس کی مثال بھی گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھ لی بھئی: جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغَيْلَانِ۔ یہاں بَنُوهُ فاعل ہے اور أَبَا الْغَيْلَانِ یہ مفعول ہے۔ تو بَنُوهُ فاعل ہے اور اس کے اندر ضمیر ہے ہا ضمیر جو راجع ہے أَبَا الْغَيْلَانِ کو۔ تو ضمیر پہلے آئی اور مرجع بعد میں۔ فعل کے فوراً بعد کس کا درجہ ہوتا ہے؟ اس کے فوراً بعد فاعل آنا چاہیے پھر مفعول آنا چاہیے۔ تو یہاں پر أَبَا الْغَيْلَانِ جس کو ضمیر راجع ہے وہ لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر۔ اگر یہ رتبے کے اعتبار سے مقدم ہوتا پھر تو چلو بات چل جاتی، ہم کیا کہتے کہ مرجع مقدم ہے رُتْبَةً، لیکن یہاں پر اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ ہے لَفْظًا بھی اور رُتْبَةً بھی، ضمیر لائی گئی مرجع کے ذکر سے پہلے لَفْظًا بھی ضمیر پہلے اور رتبے کے اعتبار سے بھی کیا ہے؟ پہلے ہے، یعنی مرجع لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے بھئی، اور تو یہ مشہور نحوی قانون کی مخالفت ہوئی بھئی اس میں۔

آج کے سبق میں ہم تعقید کے بارے میں پڑھیں گے۔ فرماتے ہیں: وَالتَّعْقِيدُ أَنْ يَكُونَ الْكَلَامُ خَفِيَّ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ۔ تعقید کا معنیٰ بھئی میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ تعقید کسے کہتے ہیں؟ کلام کی دلالت معنیٰ مراد پر واضح نہ ہو بھئی، کلام سے معنیٰ مراد سمجھ میں نہ آتا ہو، یہ تعقید ہے۔ کلام تو ایسا ہونا چاہیے کہ اس کے سنتے ہی، اس کے پڑھتے ہی فوراً معنیٰ مراد سمجھ میں آجانا چاہیے۔ لیکن اگر سمجھ میں نہیں آتا، معنیٰ مراد اس سے واضح نہیں ہے تو یہ تعقید ہے بھئی، تعقید۔

یہاں لفظ آیا معنیٰ مراد بھئی، اس کے بارے میں اگرچہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں پھر سمجھ لیجیے: ایک ہوتا ہے معنیٰ لغوی اور ایک ہوتا ہے معنیٰ مراد بھئی۔ معنیٰ لغوی وہ ہے کہ ہر لفظ جس معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا تھا اسی معنیٰ پر دلالت کرے بھئی، اس پر اس کی دلالت واضح ہو بھئی۔ اور معنیٰ مراد، مُرَاد اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، وہ معنیٰ مراد جس کا ارادہ کیا جائے۔ مراد کا کیا ترجمہ ہے؟ جس کا ارادہ کیا گیا ہو۔ تو کلام کا ایک ہوتا ہے معنیٰ لغوی یعنی وہ لغت کے اعتبار سے ہر ہر لفظ اپنے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہوتا ہے، پورا کلام اس لغوی معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، اور ایک ہوتا ہے معنیٰ مراد جو کہنے والے کا ارادہ ہوتا ہے۔ تو معنیٰ لغوی اور معنیٰ مراد یہ دو چیزیں ہیں بھئی، دو چیزیں ہیں۔

مثلاً آپ کا ایک ساتھی ہے اور وہ کمرے میں آیا، جیسے ہی وہ آیا آپ نے کہا: «شیر آگیا!» شیر آگیا۔ اب اس کلام کا لغوی معنیٰ تو کیا ہے؟ شیر کس کا نام ہے؟ ایک جنگلی درندے کا نام ہے، تو لغوی معنیٰ ہوا جنگلی درندہ آگیا ہے۔ لیکن کیا آپ کا یہ ارادہ ہے اس کلام سے؟ نہیں! آپ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ بہادر آدمی آگیا ہے! تو دیکھیے معنیٰ مراد کیا ہوا آپ کا؟ بہادر آدمی آگیا ہے، یہ ہے معنیٰ مراد۔ معنیٰ لغوی کیا تھا؟ شیر آیا ہے یعنی وہ جنگلی درندہ آیا ہے، اور معنیٰ مراد کیا ہے؟ بہادر آدمی آیا ہے بھئی، بہادر آدمی آیا ہے۔ تو ایک ہوتا ہے معنیٰ لغوی جو لغت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور ایک ہوتا ہے معنیٰ مراد جس کا ارادہ کیا جائے اس کلام کے ذریعے۔

اس کی ایک اور مثال: آپ کا ساتھی آیا، آپ نے کہا: «حاتم طائی آگیا ہے!» حاتم طائی۔ اب اس کلام کا لغوی معنیٰ کیا ہے؟ وہ جو عرب میں ایک آدمی گزرا تھا، حاتم طائی کس کا نام رکھا گیا تھا؟ عرب میں ایک سخی آدمی گزرا تھا اس کا نام تھا حاتم طائی بھئی، حاتم طائی۔ تو کلام کا لغوی معنیٰ ہوا وہ جو آدمی جس کا نام حاتم طائی تھا وہ آگیا ہے، حالانکہ اس کو تو مرے ہوئے سینکڑوں سال گزر چکے ہیں! تو معلوم ہوا یہاں لغوی معنیٰ مراد نہیں بلکہ کیا مراد ہے؟ سخی آدمی آگیا ہے! تو حاتم طائی بول کر آپ نے سخی آدمی کے معنیٰ کا ارادہ کیا۔ تو دیکھیے یہ ہے معنیٰ مراد۔ تو معنیٰ مراد کیا ہوا کہ سخی آدمی آگیا ہے۔

اتنی بات اب آپ سمجھ گئے کہ ایک معنیٰ لغوی ہوتا ہے اور ایک معنیٰ مراد۔ اس میں پھر تفصیل یاد رکھیے: کبھی کبھار لغوی معنیٰ اور معنیٰ مراد دونوں ایک ہی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار لغوی معنیٰ اور معنیٰ مراد ایک ہی ہوں گے اور کبھی لغوی معنیٰ الگ ہو گا اور معنیٰ مراد الگ ہو گا۔ لغوی معنیٰ اور معنیٰ مراد ایک ہی ہو، مثلاً آپ کا ساتھی آیا، آپ نے کہا: «بہادر آدمی آگیا ہے!» کیا کہا آپ نے؟ بہادر آدمی آگیا ہے۔ لغوی معنیٰ کیا؟ آپ کو سمجھ میں آرہا ہے کہ بہادر آدمی آیا ہے۔ مراد بھی کیا ہے؟ مراد بھی یہی معنیٰ ہے کہ بہادر آدمی آیا ہے! تو دیکھیے یہاں پر لغوی معنیٰ اور معنیٰ مراد ایک ہی ہے۔ لیکن جب آپ نے کہا: «شیر آگیا ہے!» تو یہاں پر لغوی معنیٰ اور ہے اور معنیٰ مراد اور ہے۔ اسی طرح جب آپ نے کہا: «حاتم طائی آگیا ہے!» تو لغوی معنیٰ اور ہے اور معنیٰ مراد اور ہے بھئی۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو گویا یہاں پر دو معنیٰ ہوئے: ایک لغوی معنیٰ اور ایک معنیٰ مراد بھئی، معنیٰ مراد۔ تو کلام کو سنتے ہی سب سے پہلے ذہن میں اس کا لغوی معنیٰ آتا ہے اور پھر اس لغوی معنیٰ سے ذہن منتقل ہوتا ہے معنیٰ مراد کی طرف۔ کلام کو بولتے ہی دوسرا شخص جیسے ہی اس کو سنے گا، جیسے ہی اس کو پڑھے گا سب سے پہلے فوراً اس کے ذہن میں کیا آئے گا؟ لغوی معنیٰ، اور پھر اس لغوی معنیٰ سے ذہن کس کی طرف منتقل ہو جائے گا؟ معنیٰ مراد کی طرف اور اس کو بھی سمجھ لے گا۔ جیسے ہی میں نے کہا: «شیر آگیا ہے!» اولاً آپ کے ذہن میں لغوی معنیٰ آیا اور پھر اس لغوی معنیٰ سے آپ کا ذہن کس کی طرف منتقل ہوا؟ معنیٰ مراد کی طرف بھئی۔ اور جتنا ظہور ہو گا یہاں پر اتنی ہی تیزی سے ذہن منتقل ہو گا معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف بھئی۔ کس سے؟ معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف۔ ذہن میں سب سے پہلے بھئی ہر لفظ اپنے اپنے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، تو ہر لفظ کا اپنا معنیٰ ہے وہ فوراً سمجھ میں آئے گا اور پھر ذہن منتقل ہو جائے گا کس کی طرف؟ معنیٰ مراد کی طرف۔

تو یہ جو ذہن منتقل ہوتا ہے معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف، اس انتقال میں کسی قسم کا کوئی مانع یا خفا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر یہاں کوئی مانع آگیا، کوئی رکاوٹ آگئی، کوئی خلل اور خرابی آگئی تو ذہن منتقل نہیں ہو گا معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف، اور اس کو تعقید کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تعقید۔ تو تعقید کس چیز کا نام ہے؟ کہ ذہن کے معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف منتقل ہونے میں کیا ہو؟ خلل ہو، کوئی خرابی ہو۔ یہ خرابی اگر پائی جائے کلام میں کہ جہاں پر ذہن معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف منتقل نہیں ہوتا تو یہ خلل اور خرابی یہ تعقید کہلائے گی بھئی، تعقید کہلائے گی۔ ایسی خرابی آگئی، ایسا مانع آگیا کہ ذہن منتقل ہی نہیں ہو رہا، تو دیکھو جب ذہن منتقل نہیں ہو گا تو معنیٰ مراد

آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا! معنیٰ لغوی تو سمجھ میں آرہا ہے، ایک ایک لفظ کا معنیٰ واضح ہو گا، لیکن معنیٰ مراد سمجھ میں نہیں آئے گا بھئی آپ کو۔ یہ کس کی وجہ سے، خلل کہاں پر آیا؟ معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف جو انتقال ہے، منتقل ہونا ہے، یہاں اس میں کوئی خرابی ہے، کوئی خلل ہے۔

یہ خرابی اور خلل یاد رکھیے پھر دو قسم پر ہے: کبھی خلل اور خرابی لفظوں کے اندر ہو گی اس کلام ہی کے اندر، اس کے لفظوں میں خرابی ہو گی، اور کبھی خرابی معنیٰ کے اندر ہو گی۔ اگر خرابی لفظوں کے اندر ہو تو یہ تعقیدِ لفظی کہلاتی ہے، اور اگر خرابی معنیٰ کے اندر ہو تو پھر یہ تعقیدِ معنوی کہلاتی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟

■ قولہ: «وَالتَّعْقِيدُ أَنْ يَكُونَ الْكَلَامُ خَفِيَّ...» کی تشریح

کہتے ہیں: وَالتَّعْقِيدُ أَنْ يَكُونَ الْكَلَامُ خَفِيَّ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ، اور تعقید یہ ہے کہ کلام جو ہے وہ خَفِيُّ الدَّلَالَةِ ہو معنیٰ مراد پر۔ ترجمے پہ نظر رکھنا: کلام کی جو دلالت ہے عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ کس پر؟ معنیٰ مراد پر، ہاں تو یہ جو دلالت عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ ہے اس میں خفا ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں وَالتَّعْقِيدُ أَنْ يَكُونَ الْكَلَامُ خَفِيَّ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ تعقید جو ہے وہ کلام کا معنیٰ مراد پر خَفِيُّ الدَّلَالَةِ ہونا ہے، کلام کا معنیٰ مراد پر خَفِيُّ الدَّلَالَةِ ہونا ہے یعنی معنیٰ مراد پر اس کی دلالت خفی ہو گی، اس میں پوشیدگی ہو گی۔

وَالْخَفَاءُ إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ، اور یہ خفا یا تو لفظ کی جانب سے ہو گا بِسَبَبِ تَقْدِيمٍ أَوْ تَأْخِيرٍ أَوْ فَصْلٍ۔ وَالْخَفَاءُ إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ یہاں سے تعقیدِ لفظی کو اب بیان کر رہے ہیں کہ یہ خفا یا تو لفظ کی جانب سے ہو گا یعنی لفظوں کے اندر ہی کچھ ایسی خرابی ہے جس کی وجہ سے ذہن معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف جلدی منتقل نہیں ہوتا بھئی۔ لفظوں کے اندر خرابی کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟ چند ایک انہوں نے ذکر کر دیں بھئی: بعض اوقات یہ خرابی ہو گی کہ ایک لفظ کو مقدم ہونا چاہیے تھا دوسرے کو مؤخر ہونا چاہیے تھا لیکن کہنے والے نے اس کا عکس کر دیا، جس کو مقدم ہونا چاہیے تھا اس کو مؤخر کر دیا اور جس کو مؤخر ہونا چاہیے تھا اس کو مقدم کر دیا۔ کبھی کبھار یہ خرابی اسی طرح فصل کی وجہ سے ہو گی۔ فصل کا معنیٰ جدائی کرنا، الگ کرنا۔ بھئی موصوف کے فوراً بعد صفت آنی چاہیے، تو اگر وہ درمیان میں کوئی اور لفظ لے آیا، صفت کو موصوف سے جدا کر دیا تو یہ بھی خلل پیدا کرے گی معنیٰ مراد کے سمجھنے میں۔ اسی طرح مبتدا کے فوراً بعد خبر آنی چاہیے، اگر مبتدا اور خبر کے درمیان آپ اور لفظ لے آتے ہیں تو اس کی وجہ سے بھی کلام میں کیا آئے گا؟ معنیٰ مراد کے سمجھنے میں خلل آئے گا بھئی۔

اسی طرح ایک جگہ ایک لفظ کو ذکر کرنا ہے، ذکر کرنا چاہیے، اور بات کرنے والا اس لفظ کو حذف کر دیتا ہے اور کوئی اور قرینہ وغیرہ بھی نہیں ہوتا واضح جس سے اس محذوف کا پتہ چل رہا ہو، تو یہ بھی کیا ہے؟ اس کی وجہ سے بھی خرابی آئے گی۔ یا اسی طرح ایک مقام تو اسم کا ہے لیکن کہنے والا اس مقام پر ضمیر کو لے آتا ہے۔ تو یہ مختلف قسم کی خرابیاں جن کی وجہ سے لفظوں ہی میں کیا آتا ہے؟ لفظوں ہی میں خلل آیا: آپ نے لفظوں میں ہی تقدیم و تاخیر کر دی، یا لفظوں کے اندر بھئی موصوف صفت اور مبتدا خبر میں فصل کر دیا، یا لفظوں کے اندر آپ نے ایک چیز کو حذف کر دیا، یا لفظوں کے اندر ایک قسم کا لفظ ذکر ہونا چاہیے تھا آپ نے دوسری قسم کا لفظ ذکر کر دیا بھئی۔ تو یہ سارے اسباب ہیں جن کی وجہ سے لفظوں میں خلل آیا بھئی کہ اب وہ معنیٰ مراد پر صحیح طور پر دلالت نہیں کر رہے بھئی۔

یہ معنیٰ ہے: وَالْخَفَاءُ إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ اور یہ خفا جو ہے یا تو لفظ کی جانب سے ہو گا بِسَبَبِ تَقْدِيمٍ أَوْ تَأْخِيرٍ أَوْ فَصْلٍ تقدیم یا تاخیر یا فصل کی وجہ سے، وَيُسَمَّى تَعْقِيدًا لَفْظِيًّا اور اس کو تعقیدِ لفظی کہتے ہیں، كَقَوْلِ الْمُتَنَبِّي جیسے کہ متنبی کا قول ہے، متنبی مشہور شاعر گزرا ہے بھئی، اس کا یہ شعر اس کے اندر تعقیدِ لفظی ہے بھئی۔ کیا ہے؟ تعقیدِ لفظی۔ اور تعقیدِ لفظی ابھی بتایا کہ جہاں تعقید پائی جائے کہ کلام کا معنیٰ مراد سمجھ میں نہ آرہا ہو، اور لفظی کیا معنیٰ؟ کہ خلل اور خرابی کہاں پر ہے؟ لفظوں کے اندر ہے بھئی، اگر معنیٰ کے اندر ہوتی تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تعقیدِ معنوی کہتے ہیں۔ تو یہ تعقیدِ لفظی کی مثال ہے۔

اب دیکھیے ذرا شعر پر نظر رکھیے بھئی: جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ دَلَائِلُ۔ جَفَخَتْ، جَفَخَ کا معنیٰ ہے فخر کرنا، فخر کرنا۔ آگے لفظ آیا شِيَمٌ، شِيَمٌ۔ شِيَمٌ جمع ہے شِيمَةٌ کی، شِيمَةٌ۔ شِيمَةٌ کہتے ہیں عادت اور طبیعت کو، عادت اور طبیعت۔ آگے ایک لفظ آرہا ہے الْحَسَبِ، سین کے فتحہ کے ساتھ۔ الْحَسَبُ، حَسَبٌ یاد رکھیے خاندانی شرافت کو کہتے ہیں، خاندانی شرافت، خاندان کا معزز ہونا، یہ ہے حَسَبٌ۔ آپ بھی سنتے ہیں بھئی کوئی بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہو تو کہتے ہیں فلاں کا حسب و نسب بڑا اعلیٰ ہے بھئی۔ الْأَغَرِّ بھئی، الْأَغَرُّ یہ صفت مشبہ ہے بھئی غَرَّ يَغَرُّ غَرَرًا وَغَرَارَةً سے۔ غَرَّ يَغَرُّ غَرَرًا وَغَرَارَةً کا معنیٰ ہے روشن چہرے یا پیشانی والا ہونا، اسی طرح اس کا معنیٰ ہے معزز ہونا اور بلند کردار والا ہونا، معزز ہونا اور بلند کردار والا ہونا۔ تو أَغَرُّ صفت مشبہ ہے بھئی، صفت مشبہ، روشن چہرے والا یا روشن پیشانی والا یا معزز جو بھی ترجمہ آپ کر لیں۔ اور اسی سے غُرَّةٌ بھی ہے، غُرَّةٌ۔ غُرَّةٌ گھوڑے کی پیشانی پر عموماً سفید رنگ کا نشان ہوتا ہے بھئی، سفید بال ہوتے ہیں، اس کو غُرَّةٌ کہتے ہیں بھئی، غُرَّةٌ، تو یہ اسی سے ہے یہ أَغَرُّ بھئی۔ دَلَائِلُ آیا آگے لفظ بھئی، دَلَائِلُ جمع ہے دَلَالَةٌ کی بھئی، دَلَالَةٌ، اور دلالت کہتے ہیں رہنمائی کرنا، رہنمائی کرنا۔ تو یہاں دَلَائِلُ بمعنیٰ علامتوں کے ہے، علامتیں، نشانیاں۔ لکھ لیا بھئی؟

اب دیکھیے شعر پر نظر رکھیے: جَفَخَتْ فخر کرتی ہیں، جَفَخَتْ فعل آیا اور فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ تو یاد رکھیے اگلے مصرعے کے اندر جو شروع میں پہلا لفظ آرہا ہے شِيَمٌ، یہ فاعل ہے جَفَخَتْ کا: فخر کرتی ہیں عادتیں! شِيَمٌ عادتیں، فخر کرتی ہیں عادتیں۔ تو دیکھیے یہ پہلا سبب ہے تعقید کا بھئی کہ فعل اور فاعل کے درمیان

فصل کر دیا، درمیان میں وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا لے آئے بھئی۔ نیز دوسرا سبب خلل کا: بِهِمْ جو آیا پہلے مصرعے کے آخر میں یہ اسی جَفَخَتْ سے متعلق ہے۔ پہلے مصرعے کے آخر میں جو بِهِمْ آیا یہ اسی جَفَخَتْ سے متعلق ہے اور درمیان میں وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا لے آئے، حالانکہ پہلے بِهِمْ کو لانا چاہیے تھا۔ تو یہ دوسرا سبب ہوا کس چیز کا؟ تعقید کا بھئی۔ ایک سبب کہ فاعل اور فعل میں فصل کر دیا، اسی طرح جار مجرور اور اس کے متعلق میں کیا کر دیا؟ فصل کر دیا۔

■ قولہ: «وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا» کی تشریح

وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا یہ حال ہے شِيَمٌ سے۔ یہ حال ہے شِيَمٌ سے۔ آگے بھئی دیکھیے: دَلَائِلُ یہ صفت ہے شِيَمٌ کی، تو شِيَمٌ ہوا موصوف، دَلَائِلُ ہوئی اس کی صفت، اور موصوف صفت کے درمیان فصل لے آئے بھئی، شاعر نے فصل کر دیا، تو یہ بھی تعقید کا سبب ہے بھئی، تعقید کا سبب ہے جس کی وجہ سے کلام کی اپنے معنیٰ مراد پر دلالت واضح نہیں۔

اب ترجمہ سنیے بھئی: جَفَخَتْ بِهِمْ فخر کرتی ہیں ان پر شِيَمٌ عادتیں، جَفَخَتْ بِهِمْ فخر کرتی ہیں ان پر عادتیں۔ آگے صفت آ رہی ہے شِيَمٌ کی: دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ، اس کا تعلق دَلَائِلُ سے ہے۔ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ یہ جار مجرور ہے، اس کا تعلق کس سے ہے؟ دَلَائِلُ سے: جو نشانیاں ہیں عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ، کیا ترجمہ کریں گے؟ نشانیاں کس چیز پر؟ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ روشن خاندانی شرافت پر! روشن خاندانی شرافت پر۔ نشانیاں ہیں کس پر؟ روشن خاندانی شرافت پر بھئی۔ تو یہ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ اس کا تعلق دَلَائِلُ سے ہے اور اس کو مؤخر ہونا چاہیے تھا دَلَائِلُ پر لیکن اس کو مقدم کر دیا جس کی وجہ سے تعقید آئی بھئی، یہ بھی اسبابِ تعقید میں سے ہے۔ اگرچہ ایسا جائز ہے، بھئی بعض اوقات ایک چیز جائز ہوتی ہے لیکن اس کی وجہ سے، اس کے ارتکاب سے تعقید بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کئی چیزیں اکٹھی ہو گئیں دیکھیں یہاں پر: فعل اور فاعل میں فصل کیا، فعل اور اس کے متعلق میں فصل کیا، موصوف صفت کے اندر فصل کیا، اور اسی طرح جار مجرور اور اس کے متعلق میں ترتیب بدل دی، جار مجرور کو مقدم ذکر کر دیا اور متعلق کو بعد میں ذکر کیا بھئی۔ تو یہ سب چیزیں جمع ہوئیں جس کی وجہ سے کلام میں تعقید آ گئی بھئی۔

تو ایسی نشانیاں جو نشانیاں ہیں کس چیز پر نشانیاں ہیں؟ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ روشن خاندانی شرافت پر۔ اب شِيَمٌ موصوف اور دَلَائِلُ ہے اس کی صفت میں نے بتلایا، دَلَائِلُ۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا طریقہ میں ذکر کر چکا کہ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لے آؤ۔ اب ترجمہ دیکھیے شِيَمٌ، پہلے ترتیب بھی دے لیں: شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ، دَلَائِلُ کو ذرا اٹھا کر شِيَمٌ کے بعد لے آئیں تاکہ موصوف صفت اکٹھے ہو جائیں۔ شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ ایسی عادتیں جو نشانیاں ہیں روشن خاندانی شرافت پر! ایسی عادتیں جو نشانیاں ہیں روشن خاندانی شرافت پر۔ اب پھر ترجمہ دیکھیے، وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا ذرا اس کو ختم کر دو تھوڑی دیر کے لیے: جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ، فخر کرتی ہیں ان پر شِيَمٌ ایسی عادتیں جو نشانیاں ہیں عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ روشن خاندانی شرافت پر، جو نشانیاں ہیں روشن خاندانی شرافت پر۔

وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا یہ حال ہے بھئی شِيَمٌ سے، اور اس کو اس پر مقدم کر دیا: اس حال میں کہ هُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا کہ وہ فخر نہیں کرتے بِهَا، ہا ضمیر راجع ہے شِيَمٌ کو۔ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ شِيَمٌ کو: اس حال میں کہ وہ ان عادتوں پر فخر نہیں کرتے۔ تو یہ بھی تعقید کا ایک سبب ہے: ہا ضمیر پہلے آ گئی اور شِيَمٌ کیا ہے؟ بعد میں مرجع آیا۔ اگرچہ یہ رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے بھئی شِيَمٌ، کیونکہ شِيَمٌ کا مقام کہاں پر ہے؟ جَفَخَتْ کے بعد ہے یہ فاعل ہے اس کے لیے، تو رتبے کے اعتبار سے اگرچہ شِيَمٌ مقدم ہے لیکن بہر حال لفظوں کے اعتبار سے تو مؤخر ہے۔ یہ اگرچہ ترکیب بالکل صحیح ہے، اِضْمَار قَبْلَ الذِّكْرِ صرف لَفْظًا ہے رُتْبَةً نہیں، رتبے کے اعتبار سے کلام بالکل صحیح ہے، لیکن بہر حال جائز چیز کی وجہ سے بھی بعض اوقات تعقید بڑھ جاتی ہے میں نے بتلایا۔ اور چیزیں بھی تھیں ان کی وجہ سے خلل آ رہا تھا تو اس کی وجہ سے بھی کیا آیا؟ کچھ نہ کچھ کلام میں خلل آ گیا، خلل آ گیا بھئی۔ اس حال میں کہ وہ فخر نہیں کرتے ان عادتوں پر۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟

دیکھیے جو ترتیب میں نے آپ کو بتلائی وہی ترتیب نیچے صاحبِ کتاب بھی ذکر کر رہے ہیں: فَإِنَّ تَقْدِيرَهُ، پس بے شک جو ہے اس کلام کی تقدیر جو ہے یعنی اس کلام کی اصل جو ہے وہ یوں ہے: جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ، دیکھو جار مجرور کو جَفَخَتْ سے متعلق تھا جوڑ دیا انہوں نے، شِيَمٌ کو بھی لے آئے ساتھ، اور دَلَائِلُ کیا تھی شِيَمٌ کی صفت اس کو شِيَمٌ کے ساتھ جوڑ دیا، اور عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ یہ کس سے متعلق تھے دَلَائِلُ سے تو اس کو مؤخر ہونا چاہیے تھا اس کو انہوں نے مؤخر کر دیا، آخر میں اب حال آنا چاہیے تھا وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا اس کو آخر میں لے گئے بھئی۔ اب ترجمہ دیکھیے اسی سے: جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ فخر کرتی ہیں ان پر ایسی عادتیں جو علامتیں ہیں روشن خاندانی شرافت پر اس حال میں کہ وہ ان عادتوں پر فخر نہیں کرتے۔

شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے اور مدح کر رہا ہے کہ وہ لوگ بہت معزز لوگ ہیں، بڑے اونچے لوگ ہیں، وہ اتنے اونچے لوگ ہیں کہ بڑی بڑی عادات جن پر لوگ فخر کیا کرتے ہیں وہ عادتیں ان پر فخر کرتی ہیں! بھئی بعض عادات وہ لوگوں کے اندر بڑی عمدہ شمار ہوتی ہیں، مثلاً جیسے سخاوت کا وصف ہے بھئی، سخاوت بھئی، تو ان عادتوں کو دیکھ کر ہی لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس شخص میں اتنی اعلیٰ صفات اور عادات ہیں معلوم ہوتا ہے یہ کسی عام خاندان سے تعلق نہیں رکھتا، کسی بڑے ہی معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ تو عادتوں کے ذریعے خاندان کا پتہ چلتا ہے، وہ عادتیں علامت ہوتی ہیں، نشانی ہوتی ہیں کس چیز پر؟ خاندان کے معزز ہونے پر، اور لوگ اس قسم کی عادات پر فخر کرتے ہیں۔ تو میں نے بتایا کچھ عادتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جس سے خاندان کی عظمت کا، خاندان کے معزز ہونے کا پتہ چلتا ہے بھئی، پتہ چلتا ہے۔ اور یہ صفات لوگوں کے نزدیک

بڑی پسندیدہ ہوتی ہیں اور جو ان صفات سے موصوف ہوتے ہیں وہ ان پر فخر کرتے ہیں بھئی، فخر کرتے ہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے تمام لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں بھئی، تمام لوگ ان کو پسند کرتے ہیں۔

لیکن شاعر کیا کہتا ہے؟ شاعر عجیب بات کہہ رہا ہے، دیکھو تو سہی کہ کیسے تعریف کر رہا ہے بھئی! وہ عادتیں جس پر لوگ فخر کرتے ہیں، شاعر کہتا ہے میں جن لوگوں کی مدح کر رہا ہوں یہ عادتیں ان لوگوں پر فخر کرتی ہیں کہ ہمیں ان لوگوں نے اپنایا ہوا ہے! لوگ ان عادتوں پہ فخر کرتے ہیں کسی کو حاصل ہو جائیں یہ عادات بھئی، یہ صفات حاصل ہو جائیں، لیکن شاعر کیا کہہ رہا ہے؟ وہ لوگ اتنے اونچے ہیں کہ ان عادتوں پر کیا فخر کرنا ہے انہوں نے، یہ عادتیں خود فخر کرتی ہیں کہ ہمیں ان جیسے بڑے لوگوں نے اپنایا ہوا ہے، یہ ہمارے لیے کتنی فخر کی بات ہے ان باعظمت لوگوں نے ہمیں اپنایا ہوا ہے! عجیب تعریف کر رہا ہے۔ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا اس حال میں کہ وہ ان پر فخر نہیں کرتے، وہ اتنے بڑے لوگ، اتنے معزز لوگ ہیں وہ ان عادتوں کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں جن پر لوگ فخر کرتے ہیں، وہ ان عادتوں کی پرواہ ہی نہیں کرتے، ہاں یہ عادتیں جو ہیں کیا ہیں اس بات پر فخر کرتی ہیں کہ ان جیسے لوگوں نے ہمیں اپنایا ہوا ہے بھئی۔ معنیٰ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو کیسی عرب کے عجیب اشعار ہوتے ہیں، انسان حیران رہ جاتا ہے بھئی۔

■ قولہ: «جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ...» کی تشریح

جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ دَلَائِلُ۔ فخر کرتی ہیں ان پر ایسی عادتیں جو نشانیاں ہیں روشن خاندانی شرافت پر اس حال میں کہ وہ ان عادتوں پر فخر نہیں کرتے، وہ ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے، وہ اتنے بڑے لوگ ہیں انہیں ان عادتوں کی بھی پرواہ ہی نہیں ہے، ان کو اللہ نے پہلے ہی ایسا مقام اور ایسی عزت نصیب فرمائی ہے۔ فَإِنَّ تَقْدِيرَهُ پس بے شک کلام کی تقدیر یعنی کلام کی اصل جو ہے وہ یوں ہے: جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا، فخر کرتی ہیں ان پر ایسی عادتیں جو علامتیں ہیں روشن خاندانی شرافت پر وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا اس حال میں کہ وہ ان عادتوں پر فخر نہیں کرتے۔

یہاں تک بات ساری سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ بات ہوئی آج تعقید کی۔ تعقید اس کو کہتے ہیں کہ کلام کی دلالت معنیٰ مراد پر واضح نہ ہو، اس کے اندر خفا ہو، اور پھر یہ خفا جو ہے یہ خلل اور خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ذہن معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف منتقل نہیں ہوتا جلدی بھئی، اور یا منتقل ہی نہیں ہوتا سرے سے۔ تو یہ معنیٰ لغوی سے معنیٰ مراد کی طرف جو ذہن منتقل نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ کہ وہاں کوئی خلل اور خرابی ہوتی ہے۔ یہ خلل اور خرابی اگر لفظوں کی وجہ سے ہو، مثلاً لفظوں میں تقدیم اور تاخیر کر دی گئی ہے، فصل کر دیا گیا ہے، حذف کر دیا گیا ہے، ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ ذکر کر دیا گیا ہے تو یہ تعقیدِ لفظی کہلائے گی۔ اور اگر معنیٰ کی وجہ سے یہ خلل آئے کہ معنیٰ مراد سمجھ میں نہ آئے تو یہ کیا ہے؟ تعقیدِ معنوی ہے بھئی۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱: تعقیدِ معنوی کی تعریف اور مجاز و کنایہ کا بنیادی فرق و شرائط

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۹ــــ بتاریخ: ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى بِسَبَبِ اسْتِعْمَالِ مَجَازَاتٍ وَكِنَايَاتٍ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا، وَيُسَمَّى تَعْقِيدًا مَعْنَوِيًّا، نَحْوُ قَوْلِكَ: نَشَرَ الْمَلِكُ أَلْسِنَتَهُ فِي الْمَدِينَةِ، مُرِيدًا جَوَاسِيسَهُ، وَالصَّوَابُ: نَشَرَ عُيُونَهُ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے تعقید کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ آپ نے پڑھا تھا کہ تعقید یہ ہے کہ کلام کی دلالت اپنے معنی مراد پر خفی ہو، اس کے اندر خفا ہو بھئی، یعنی کلام واضح طور پر معنی مراد پر دلالت نہ کر رہا ہو، تو یہ کیا ہے؟ تعقید ہے۔ اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ معنی دو قسم کا ہے: ایک معنی لغوی ہے اور ایک معنی مرادی ہے۔ معنی لغوی تو وہ تو ہر لفظ کا جو اپنا معنی ہے جس پر وہ دلالت کر رہا ہے، اس اعتبار سے جو کلام کا معنی بنتا ہو وہ معنی لغوی کہلاتا ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں: میں نے شیر دیکھا۔ تو اس شیر کا کیا معنی ہے؟ جنگلی درندہ۔ تو یہ لغوی معنی ہوا: میں نے جنگلی درندہ دیکھا۔ لیکن اگر شیر بہادر آدمی کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، اگر آپ بہادر آدمی کا ارادہ کرتے ہیں، تو لغوی معنی تو ہوا میں نے شیر دیکھا یعنی میں نے جنگلی درندہ دیکھا، اور معنی مرادی کیا ہو جائے گا کہ میں نے بہادر آدمی دیکھا۔ تو یہ ہے معنی مرادی۔

تو جب بھی کسی شخص کے سامنے کوئی کلام آتا ہے، کسی کلام کو وہ سنتا ہے یا کسی کتاب وغیرہ میں پڑھتا ہے، تو سب سے پہلے اس کلام کا لغوی معنی ذہن میں آتا ہے، اور پھر اس لغوی معنی سے ذہن منتقل ہوتا ہے معنی مراد کی طرف، جس کا اس کہنے والے نے ارادہ کیا ہوتا ہے اس کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ تو کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ یہ جو ذہن کا انتقال ہے معنی لغوی سے معنی مرادی کی طرف، اس کے اندر کوئی خلل اور یہاں کوئی خلل اور خرابی ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ انتقال نہیں ہوتا، ذہن منتقل نہیں ہوتا معنی مرادی کی طرف اور وہ سمجھ میں نہیں آتا، یا منتقل تو ہوتا ہے ذہن لیکن اس میں بڑی آہستہ اور بڑی دیر سے منتقل ہوتا ہے، فوراً منتقل نہیں ہوتا۔ حالانکہ کسی کلام سے سنتے ہی فوراً ذہن کو کس کی طرف منتقل ہونا چاہیے؟ معنی مراد کی طرف۔ تو اگر ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا معنی مراد کی طرف یا منتقل دیر سے ہوتا ہے تو یہ تعقید ہے، معلوم ہوا کچھ خرابی ہے، کچھ خلل ہے جس کی وجہ سے ذہن فوراً معنی مراد تک نہیں پہنچ رہا۔

پھر یہ خرابی لفظوں میں بھی ہو سکتی ہے اور معنی کے اندر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ خرابی لفظوں میں ہو، مثلاً کہ لفظوں میں کیا خرابی ہو سکتی ہے؟ تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے، کسی لفظ کو مقدم ہونا چاہیے تھا اس کو مؤخر کر دیا گیا ہے، کسی کو مؤخر ہونا چاہیے تھا اس کو مقدم کر دیا گیا ہے۔ کبھی ایسا کیا ہو گا کہ فصل کیا ہو گا، دو چیزوں کو اکٹھا ہونا چاہیے تھا ان کو جدا کر کے بیچ میں کوئی اور لفظ ذکر کر دیا، تو یہ بھی خلل کا باعث ہو گا۔ اسی طرح کہیں مقام اسم کا ہو گا وہاں ضمیر ذکر کر دی گئی ہو گی، یا اسی طرح کسی لفظ کو ذکر ہونا چاہیے تھا لیکن کہنے والا اس کو حذف کر دیتا ہے اور کوئی قرینہ وغیرہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس سے اس کا فوراً پتہ چل سکے، تو یہ سب اسباب ہیں تعقید لفظی کے بھئی۔ ان کی وجہ سے لفظوں میں یعنی اس ترکیب کے اندر یہ جو لفظ آپس میں جوڑے ہیں، یہ جو تقدیم و تاخیر کی، یہ جو فصل کیا، یہ جو حذف وغیرہ کیا، ان کی وجہ سے یہ خرابی آئی اور معنی مراد کی طرف ذہن منتقل نہ ہوا۔ تو یہ خرابی کس کے اندر آئی؟ لفظوں میں آئی، ترکیب کے اندر آئی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تعقید لفظی۔ اور اس کی مثال آپ نے کل وہ شعر پڑھا تھا: جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ دَلَائِلُ۔ تو یہاں دیکھیے کئی چیزیں جمع ہو گئی تھیں، تقدیم و تاخیر بھی تھی اور اسی طرح فصل بھی تھا وغیرہ، جن کی وجہ سے تعقید آئی بھئی۔

آج ہم تعقید معنوی کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ تعقید معنوی بھی جس میں خلل ہے کہ ذہن معنی مراد تک نہیں پہنچتا، یا پہنچتا ہے تو دیر سے پہنچتا ہے، لیکن لفظوں میں خرابی نہیں۔ جب لفظوں میں خرابی نہیں تو معلوم ہوا خرابی کہاں پر ہے؟ معنی کے اندر خرابی ہے بھئی، کیونکہ دو ہی چیزیں ہیں یہاں پر: یا لفظ ہے یا معنی۔ تو معلوم ہوا خرابی

معنی کے اندر ہے تو یہ تعقید معنوی کہلائے گی۔

تو دیکھیے کتاب پر بتلا رہے ہیں: وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى، یا معنی کی جہت سے ہو گا یہ خلل بھئی۔ پیچھے آیا تھا: وَالْخَفَاءُ إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ، کہ کلام کی دلالت معنی مراد پر خفی ہو گی، وَالْخَفَاءُ إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ اور وہ خفا یا تو کس جانب سے ہو گا؟ لفظ کی جانب سے ہو گا، وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى یا کس جانب سے ہو گا؟ معنی کی جانب سے ہو گا۔ تو وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى کا عطف إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ پر ہے بھئی۔ وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى اور یا وہ خفا جو ہو گا معنی کی جانب سے ہو گا، بِسَبَبِ اسْتِعْمَالِ مَجَازَاتٍ وَكِنَايَاتٍ بوجہ استعمال کرنے مجازات اور کنایات کے۔ کیا استعمال کرنے کی وجہ سے؟ مجازات اور کنایات استعمال کرنے کی وجہ سے۔ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا، لَا يُفْهَمُ یہ فعل آیا بھئی، اور میں نے ضابطہ ذکر کیا ہے کہ نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے عموماً صفت بنتا ہے۔ کس کے بعد فعل آئے؟ نکرہ کے بعد۔ تو پھر وہ نکرہ موصوف بنے گا اور یہ فعل اس کی صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کریں گے کہ موصوف سے پہلے، صفت سے پہلے نہیں بلکہ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں گے۔ اب دیکھیے یہاں ترکیب کیسے ہے: مَجَازَاتٍ یہ ہے معطوف علیہ، وَ حرف عطف، كِنَايَاتٍ یہ ہے معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ موصوف ہوا، اور لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا یہ کیا ہوئی اس کی صفت۔ تو کیسے ترجمہ کریں گے؟ ایسے مجازات، شاباش، ایسے مجازات اور کنایات استعمال کرنے کی وجہ سے کہ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا کہ مفہوم نہیں ہوتی مراد بِهَا ان کنایات و مجازات کی وجہ سے۔ هَا ضمیر یہ مجازات و کنایات کو راجع ہے، کہ سمجھ میں نہیں آتی مراد، اس کلام کی مراد، اس کلام سے جو مراد ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا بِهَا ان مجازات اور کنایات کی وجہ سے بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟ اب ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى اور وہ خفا جو ہے یا تو وہ معنی کی جہت سے ہو گا، معنی کی جانب سے ہو گا، بِسَبَبِ اسْتِعْمَالِ مَجَازَاتٍ وَكِنَايَاتٍ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا بوجہ استعمال کرنے ایسے مجازات اور کنایات کو کہ سمجھ میں نہیں آتی مراد ان کی وجہ سے، ان کے سبب سے ان کی مراد سمجھ میں نہیں آتی۔

اچھا، بھئی دیکھیے یہاں دو لفظ ہیں: مَجَازَات اور كِنَايَات۔ مجاز اور کنایہ۔ مجاز: لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا یہ مجاز کہلاتا ہے۔ بھئی ایک لفظ ہے اس کو جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے، یعنی مقرر کیا گیا ہے، جیسے اردو میں شیر کا لفظ کس معنی کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ وہ جنگلی درندے کے لیے یہ وضع کیا گیا ہے یعنی مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہے وضع، کسی لفظ کو کسی معنی کے لیے مقرر کر دینا یہ کیا ہے؟ وضع۔ اسی طرح ناموں میں بھی وضع ہوتی ہے، کسی کا بیٹا پیدا ہوتا ہے وہ اس کا نام زید مثلاً رکھ دیتا ہے، تو اس نے لفظ زید کو، اس نام کو اس بیٹے کے لیے مقرر کر دیا، یہ ہے وضع۔ تو اب جب بھی زید بولیں گے اس کا یہ بیٹا سمجھ میں آئے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ جیسے آپ لوگوں کے نام آپ کے لیے وضع ہیں، جس ساتھی کا آپ نام لیتے ہیں وہی سمجھ جاتا ہے کہ میری بات ہو رہی ہے کسی دوسرے کی بات نہیں ہو رہی، تو یہ ہے وضع بھئی۔

تو اسی طرح اردو میں اب شیر کا لفظ وضع ہے جنگلی درندے کے لیے، تو یہ اس کا معنی موضوع لہ ہوا۔ جنگلی درندہ کیا ہوا شیر کا؟ معنی موضوع لہ، وہ معنی جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے، اس کو مقرر کیا گیا ہے، اس کو خاص کیا گیا ہے، تو یہ ہوا معنی موضوع لہ۔ اور اسی لفظ شیر کو بول کر آپ اس سے بہادر آدمی بھی مراد لیتے ہیں، لیکن بہادر آدمی کے لیے تو یہ لفظ وضع نہیں ہے۔ تو جب اس سے آپ بہادر آدمی معنی مراد لیتے ہیں تو آپ نے لفظ سے معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ کیا۔ آپ نے لفظ سے معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ کیا، آپ غیر موضوع لہ معنی کے اندر لفظ کو استعمال کر رہے ہیں۔ اور اگر اسی شیر کو شیر کے معنی میں ہی رکھیں، مثلاً میں کہتا ہوں: میں نے جنگل میں شیر دیکھا۔ اب اس شیر سے کیا مراد ہے؟ جنگلی درندہ۔ تو یہ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہو رہا ہے یا غیر موضوع لہ میں؟ معنی موضوع لہ میں استعمال ہو رہا ہے۔ اور اسی شیر سے اگر میں کیا مراد لے لوں؟ بہادر آدمی مراد لے لوں، تو اس صورت میں یہ کس معنی میں استعمال ہوا؟ معنی غیر موضوع لہ کے اندر استعمال ہوا۔ تو مجاز میں یاد رکھیے، لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا جائے تو یہ ہے مجاز بھئی۔ یہ کیا ہے؟ مجاز۔ میں نے کہا: شیر آ گیا، یا میں کہتا ہوں: میں نے شیر دیکھا، اور مراد لیا بہادر آدمی، تو یہ مجاز ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ مجاز۔ کیوں مجاز ہے؟ کیونکہ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کر لیا۔ اور اگر میں کہتا ہوں میں نے شیر دیکھا اور اس سے جنگلی درندہ مراد لوں تو اب یہ مجاز ہے؟ نہیں، یہ مجاز نہیں۔ لیکن اگر اسی شیر سے میں کیا مراد لوں، بہادر آدمی مراد لوں تو اب یہ کیا ہے؟ مجاز ہے کہ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا بھئی۔ یہ ہوتا ہے مجاز بھئی۔

اور ایک ہے کنایہ بھئی۔ کنایہ یاد رکھنا بھئی، کنایہ کہتے ہیں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ ایک لفظ آپ نے بولا، لیکن آپ کا ارادہ اس کے اس معنی کا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ جو لازم ہے جو چیز اس کا ارادہ، اس معنی کا آپ نے ارادہ کر لیا۔ دیکھو مثال سے بات واضح ہو گی: زید لمبے قد والا ہے، زید کا قد لمبا ہے۔ اب میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتا ہوں: زید لمبے قد والا ہے، یا یوں کہتا ہوں میں: زید کا قد لمبا ہے۔ اور اسی بات کو میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں: زید لمبی قمیص والا ہے، اس کی قمیص لمبی ہے، یا یوں بھی کہہ سکتا ہوں: زید کی قمیص لمبی ہے۔ زید کا قد لمبا ہے یہی معنی میں ادا کر رہا ہوں لیکن کس طرح کہتا ہوں آپ کو؟ زید کی قمیص لمبی ہے۔ اب قمیص سے قمیص ہی کا ارادہ ہو پھر تو یہ ہے معنی لغوی ہی، لیکن میں کس چیز کا ارادہ کر رہا ہوں؟ لمبے قد کا ارادہ کر رہا ہوں۔ اور یہاں تعلق کیا ہے لمبی قمیص اور لمبے قد میں؟ کہ یہ لمبا قد لمبی قمیص کے ساتھ لازم ہے، جب قمیص لمبی ہے تو لازم ہے کہ اس کا قد بھی کیا ہو گا؟ لمبا۔ جس کا قد لمبا ہو وہی لمبی قمیص پہنتا ہے نہ کہ وہ جس کا قد چھوٹا ہو۔ تو دیکھو میں نے ملزوم ذکر کیا اور ارادہ لازم کا کیا، ذکر قمیص کو کیا اور لمبی قمیص کے ساتھ کیا لازم ہے؟ قد کا لمبا ہونا، تو یہ میں نے ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا، اس کو کہتے ہیں کنایہ۔

دوسری مثال دیکھ لیں۔ عربی میں کہتے ہیں بھئی کہ فلاں کی حمائل لمبی ہے، ح م ائ ل، فلاں کی حمائل لمبی ہے، اور مقصد وہی ہوتا ہے کہنے کا جو ابھی بیان ہوا: فلاں کا

قد لمبا ہے۔ حمائل کا کیا معنی؟ بھئی قدیم زمانے میں جو تلوار اپنے پاس رکھتے تھے جب، تو اس تلوار کو چمڑے سے باندھ کر کندھے سے لٹکایا جاتا تھا۔ تو یہ جو چمڑا جس کے ساتھ تلوار کو لٹکایا جاتا اس کو حمائل کہتے ہیں، اردو میں کیا کہتے ہیں؟ حمائل کہتے ہیں۔ جیسے آج کل بندوق کو بھی کس سے لٹکایا جاتا ہے بندوق وغیرہ؟ چمڑے کے ساتھ کندھے سے لٹکاتے ہیں، اسی طرح تلوار کو بھی کندھے سے چمڑے کے ساتھ لٹکایا جاتا تھا اور وہ چمڑا اس کو اردو میں حمائل کہتے ہیں۔ اور اس میں بھی یہ بات ظاہر ہے جس کا قد لمبا ہو گا اس کی حمائل لمبی ہو گی، جس کا قد چھوٹا ہو گا اس کی حمائل چھوٹی ہو گی۔ اب میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ زید لمبے قد والا ہے، تو اگر سیدھے لفظوں میں کہہ دوں تو پھر کوئی کنایہ نہیں کہ زید لمبے قد والا ہے، آپ بات سمجھ گئے۔ لیکن اسی کو اگر میں کنایہ کے رنگ میں ذکر کرنا چاہوں تو کیا کہوں گا؟ زید کی حمائل لمبی ہے، یا یوں کہوں گا: زید لمبی حمائل والا ہے۔ اور ارادہ کس معنی کا ہے؟ بھئی اگر حمائل ہی کا ارادہ کروں تو پھر کچھ کنایہ نہیں ہے، لیکن میں حمائل کا ارادہ کیا ہے، لفظ حمائل کا بول رہا ہوں لیکن حمائل کا ارادہ نہیں بلکہ کس چیز کا ارادہ ہے؟ لمبے قد کا، پھر کنایہ بنے گا۔ تو لمبی حمائل کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے، تو ملزوم بول کر میں نے کس کا ارادہ کیا؟ لازم کا ارادہ کیا۔

آپ کہیں گے اس کا فائدہ کیا ہے؟ بھئی سیدھی سی بات یہ کر دو زید کا قد لمبا ہے بجائے اس کے یہ کہو کہ زید کی حمائل لمبی ہے، فائدہ کیا ہوا؟ بھئی بہت فائدہ ہے بلاغت کے اعتبار سے آپ دیکھیں بھئی۔ جب میں کہوں زید کا قد لمبا ہے، یہ تو سیدھی سی بات ہے یہ تو ہر ایک کر دے گا، ہر ایک اسی طرح بات کرتا ہے۔ لیکن جب میں کہتا ہوں زید لمبی قمیص والا ہے یا زید لمبی حمائل والا ہے، اب اسی بات کو، اسی معنی کو میں نے کنائے کے ساتھ ادا کیا، کنائے کے رنگ میں ادا کیا تو بات کا لطف ہی بڑھ گیا، اور صرف بات نہیں آئی، بات کے ساتھ اس کی دلیل بھی آگئی۔ وہ معنی کے ساتھ ساتھ اس کی دلیل بھی آگئی۔ اور ایک دعوی بغیر دلیل کے ہو اور ایک دعوی دلیل کے ساتھ ہو، کون سا مضبوط ہو گا؟ جو دعوی دلیل کے ساتھ ہو۔ جب میں نے کہا زید لمبے قد والا ہے تو اس بات میں کوئی دلیل نہیں۔ لیکن جب میں نے کہا زید لمبی قمیص والا ہے اور ارادہ کس کا کیا؟ قد کا، تو بات ہوئی کہ زید کا قد لمبا ہے اور ساتھ دلیل بھی آگئی۔ کیا دلیل ہے؟ اس کی قمیص لمبی ہے بھئی، یا اس کی حمائل لمبی ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا قد لمبا ہے۔ تو کنائے کے اندر دلیل بھی ساتھ آجاتی ہے دعوی کے بھئی، تو بات کا لطف ہی بڑھ جاتا ہے بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو مجاز کسے کہتے ہیں؟ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا یہ مجاز کہلاتا ہے، اور کنایہ کسے کہتے ہیں؟ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ اب ہم دونوں میں فرق کیسے کریں گے؟ دونوں بالکل ایک جیسے ہیں: میں نے کہا شیر آیا اور مراد کون لیا؟ بہادر آدمی، تو یہ بھی لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا۔ اور میں نے کہا زید کی قمیص لمبی ہے اور ارادہ کس کا کیا؟ قمیص کا ارادہ نہیں کیا، لمبے قد کا ارادہ کیا، تو یہاں بھی قمیص کا لفظ کس میں استعمال ہو گیا؟ معنی غیر موضوع لہ میں۔ بول قمیص رہا ہوں ارادہ قد کا ہے تو لفظ کس میں استعمال ہو رہا ہے، موضوع لہ میں یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں۔ تو دونوں میں معنی غیر موضوع لہ مراد ہوتا ہے، پھر فرق کیسے کریں گے ہم دونوں میں؟ تو فرق یاد رکھنا بھئی۔ مجاز اور کنائے میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مجاز کے اندر معنی موضوع لہ مراد لینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ مجاز میں معنی موضوع لہ کا ارادہ ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا، وہ معنی موضوع لہ وہاں مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے دیکھیے میں نے کیا مثال ذکر کی تھی مجاز کی؟ آپ کا ساتھی آیا کمرے کے اندر، آپ نے کہا: شیر آگیا ہے۔ کیا معنی، کس چیز کا ارادہ کیا؟ بہادر، کہ بہادر آدمی آگیا۔ تو لفظ کس معنی میں استعمال ہوا؟ غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا، تو یہ کیا ہوا؟ مجاز ہوا۔ اور مجاز کا کنائے سے فرق میں نے کیا ذکر کیا کہ مجاز کے اندر معنی موضوع لہ کا ارادہ صحیح نہیں ہوتا، معنی موضوع لہ وہاں مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے یہاں پر آپ دیکھیں یہ مجاز تھا، اب آپ اس سے معنی موضوع لہ کا ذرا ارادہ کریں۔ میں نے کہا تھا: شیر آگیا۔ کیا معنی آیا، کون آیا؟ معنی موضوع لہ کا ارادہ کریں ذرا: جنگلی درندہ آگیا ہے۔ جنگلی درندے والا یہاں معنی بنتا ہے؟ کون آیا کمرے میں؟ آپ کا ساتھی آیا ہے، انسان آیا ہے، جنگلی درندہ تو آیا ہی نہیں ہے، تو یہاں معنی موضوع لہ کا ارادہ درست بنتا ہی نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو مجاز کے اندر معنی موضوع لہ کا ارادہ ہو ہی نہیں سکتا، وہ درست بنے گا ہی نہیں، جیسے میں نے مثال ذکر کر دی کہ شیر آیا سے اب بہادر آدمی ہی یہاں مراد آپ لے سکتے ہیں، جنگلی درندہ مراد نہیں لے سکتے کیونکہ کون آیا ہے اصل میں؟ انسان آیا ہے، بہادر آدمی ہی تو آیا ہے، جنگلی درندہ تو آیا ہی نہیں ہے یہاں پر، تو لہذا وہ معنی مراد ہی نہیں لے سکتے۔

جبکہ کنایہ کے اندر معنی موضوع لہ کا ارادہ بھی درست ہوتا ہے۔ کنائے میں اس کا ارادہ بھی کیا جا سکتا ہے، وہ بھی درست بنے گا۔ جیسے میں نے کہا تھا: زید لمبی قمیص والا ہے، اور ارادہ کس معنی کا کیا؟ لمبے قد والا ہے۔ تو لمبے قد والے معنی کا ارادہ بھی صحیح، اور حقیقی معنی یعنی معنی موضوع لہ کا ارادہ بھی صحیح۔ میرا ارادہ ہوتا ہے میں اس وقت کیا مراد لیتا ہوں؟ زید لمبی قمیص والا ہے، میں قمیص سے قمیص ہی مراد لیتا ہوں۔ درست ہے بات یا غلط؟ ابھی بھی درست ہے، زید لمبی قمیص والا ہے، زید لمبی حمائل والا ہے، ابھی بھی بات درست ہے۔ تو چاہے لمبا قد مراد لیں چاہے حمائل اور قمیص مراد لیں ان لفظوں سے، جو بھی مراد لے لیں گے بات صحیح ہو جائے گی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ کیا فرق ہوا مجاز اور کنایہ میں؟ مجاز میں معنی موضوع لہ کا ارادہ صحیح نہیں ہوتا، جبکہ کنائے میں معنی موضوع لہ کا ارادہ بھی صحیح ہو گا بھئی۔ یہ فرق ہے دونوں میں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى بِسَبَبِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى بِسَبَبِ اسْتِعْمَالِ مَجَازَاتٍ وَكِنَايَاتٍ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا، یا وہ خفا جو ہے وہ معنی کی جانب سے ہو گا بوجہ استعمال کرنے ایسے مجازات اور کنایات کو کہ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا کہ سمجھ میں نہیں آتی مراد ان سے، ان کی جو مراد ہے وہ سمجھ نہیں آتی۔ تو یہ لَا يُفْهَمُ صفت ہوئی۔ تو یہ مجاز اور

کنایہ بھئی ان سے کلام میں بڑا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے کلام میں بڑا حسن پیدا ہو جاتا ہے مجازات اور کنایات سے۔ ایک بات ہے آپ سیدھے لفظوں میں کہیں، سیدھے لفظوں سے تو ہر ایک بات کر تا ہے، آپ اس کے لیے مجاز و غیرہ استعمال کرتے ہیں، آپ کنایات استعمال کرتے ہیں تو بات کا لطف ہی بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے بھئی۔ لیکن بعض اوقات مجاز اور کنایات ایسے استعمال کر لیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے معنی مراد تک ذہن جلدی نہیں منتقل ہوتا، یا سرے سے منتقل ہی نہیں ہوتا معنی مراد کی طرف۔ تو یہاں اس قسم کے مجازات اور کنایات ہیں، اسی لیے کہا: ایسے مجازات اور کنایات لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا کہ ان کی وجہ سے مراد جو ہے وہ سمجھ میں نہیں آتی بھئی، ایسے مجازات اور کنایات۔

صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ میں نے کہا شیر آیا ہے، پہلے آپ کے ذہن میں معنی لغوی آیا اور پھر اس سے ذہن منتقل ہوا کس کی طرف؟ معنی مراد کی طرف۔ میں نے کہا زید لمبی حمائل والا ہے، آپ کے ذہن میں پہلے حمائل کا معنی موضوع لہ آیا، لغوی معنی، اور پھر اس سے ذہن منتقل ہوا معنی مراد کی طرف بھئی۔ تو یہاں بھی انتقال ہو گا بھئی معنی مراد کی طرف۔ اب یہ جو انتقال ہے یہاں پر تعقید کی بات چل رہی ہے نا، یہاں اس انتقال میں کوئی خلل اور خرابی ہو گی، ذہن منتقل نہیں ہو گا۔ وہ خلل اور خرابی کیا ہے؟ معنی کے اندر ہے، یعنی وہاں قرینوں کے اندر خفا ہو گا۔ کس کے اندر؟ وہاں قرینوں میں خفا ہو گا جس کی وجہ سے خلل آئے گا۔ قرینہ جانتے ہو یا نہیں جانتے؟ ہمیشہ یاد رکھنا، لکھ لیں بھئی اس کی تعریف، جگہ جگہ کتابوں میں قرینے کا لفظ آتا ہے آپ کو اس کا معنی آنا چاہیے بھئی: اَلْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ۔ جلدی لکھیے بھئی: اَلْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ، أَشَارَ يُشِيرُ کے معنی اشارہ کرنا، يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ۔ لکھ لیا بھئی؟ ہاں یہ تعریف آپ کو ہر وقت یاد ہونی چاہیے اور انہی عربی لفظوں کے ساتھ بھئی: اَلْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ۔ معنی آپ کو سمجھ میں آرہا ہے لیکن سمجھ لیجیے پھر بھی۔ بس بھئی میری طرف دیکھیے اب لکھنا بند کیجیے۔ اَلْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ: قرینہ وہ امر ہے، وہ چیز ہے يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ جو مطلوب اور مقصود کی طرف اشارہ کرے۔ قرینہ وہ چیز ہے جو کس کی طرف اشارہ کرے؟ جو مقصود ہے، جو مقصد ہے اس کی طرف جو بھی چیز اشارہ کرے اس کو قرینہ کہا جاتا ہے۔

اور قرینہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے، لفظوں میں کوئی چیز آپ کو بتا دے گی کہ یہ والا معنی مراد نہیں ہے یہ والا معنی مراد ہے، اس کو کہیں گے قرینہ لفظیہ۔ کیا کہیں گے؟ قرینہ لفظیہ۔ بھئی میں شیر کا لفظ بولتا ہوں اور اس سے بہادر آدمی مراد لیتا ہوں، اب میری مراد شیر سے درندہ نہیں ہے بلکہ بہادر آدمی ہے اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے۔ میرا اس سے کیا مقصد ہے؟ بہادر آدمی۔ بھئی میرے دل میں تو یہ بات واضح ہے، لیکن کرنا تو یہ کلام میں نے آپ کے سامنے ہے، آپ کو بھی یہ بات سمجھ آجانی چاہیے کہ شیر بول کر کیا ارادہ ہے میرا؟ بہادر آدمی۔ اور ویسے تو آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گی یہ بات کہ شیر کا لفظ بول رہا ہے، آپ تو یہی سمجھیں گے شیر سے کیا مراد ہے؟ شیر۔ تو کوئی قرینہ وہاں چاہیے، کوئی چیز چاہیے جو آپ سننے والے کو بھی بتلا دے کہ یہاں پر شیر سے درندہ نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے۔ تو جو بھی ایسی چیز ہوئی جس نے آپ کے لیے اشارہ کر دیا کس کی طرف؟ مطلوب کی طرف، جو اس کلام کی غرض تھی اس کی طرف کیا کر دیا؟ اشارہ کر دیا، اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ کہیں گے۔ اور یہ قرینہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے، اسی طرح قرینہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے، حال وغیرہ کوئی حالت بتلا دے گی۔

جیسے دیکھیے آپ کا ساتھی کمرے میں آیا، اور میں نے کہا: شیر آگیا۔ آپ کیا سمجھے؟ بہادر آدمی آگیا ہے۔ اب یہاں پر دیکھیے میں نے تو صرف اتنا کہا: شیر آگیا، لیکن آپ سمجھ گئے شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر۔ کس سے پتہ چلا؟ کوئی قرینہ چاہیے، ویسے نہیں پتہ چلے گا کہ اس کہنے والے کی مراد بہادر آدمی ہے، شیر کا ارادہ اس کا نہیں ہے، کوئی قرینہ ضرور چاہیے۔ اب وہ قرینہ یہاں پر کیا قرینہ ہے؟ اس کا حال، حالت جو ہے۔ اندر جنگلی درندہ آیا ہے یا انسان آیا ہے؟ انسان۔ یہ حالت آپ کو بتلا رہی ہے، یہ قرینہ ہے کہ یہاں شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی بھئی۔ ورنہ مطلقاً آپ یہ جملہ سنیں: شیر آگیا، آپ تعیین نہیں کر سکتے کہ اس سے بہادر آدمی مراد ہے، آپ تو کیا سمجھیں گے؟ جنگلی درندہ ہی آیا ہے۔ تو اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے ہوتا ہے جو بتلاتا ہے کہ معنی موضوع لہ مراد نہیں ہے بلکہ معنی غیر موضوع لہ یہاں پر مراد ہے بھئی۔ تو یہاں دیکھو وہ جو آپ کا ساتھی کمرے میں آیا تھا یہ حالت بتلا رہی ہے جس حالت میں آپ موجود ہیں وہ اندر آرہا ہے کہ بھئی یہاں تو کوئی جنگلی درندہ نہیں آیا، یہاں تو کون کمرے میں آیا ہے؟ انسان آیا ہے۔ اس قرینے نے آپ کو بتلا دیا کہ یہاں بہادر آدمی مراد ہے جنگلی درندہ مراد نہیں، تو یہ قرینہ حالیہ ہو گیا۔

یا اسی طرح کبھی قرینہ لفظوں کے اندر ہو گا، قرینہ لفظوں میں ہو گا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: میں نے آج ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا، میں نے آج ایک شیر کو بندوق چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب آپ کیا سمجھے؟ شیر سے جنگلی درندہ مراد ہے یا بہادر آدمی؟ بہادر آدمی۔ کیسے پتہ چلا آپ کو؟ یہ تیر چلانا اور بندوق چلانا یہ تو وہ جنگلی درندہ یہ کام نہیں کر سکتا بھئی، تو ان لفظوں نے آپ کو بتلا دیا کہ شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ یہ قرینہ لفظیہ ہوا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ قرینہ کسے کہتے ہیں؟ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ، کوئی بھی چیز جو مطلوب اور مقصود کی طرف اشارہ کر دے اسے کیا کہتے ہیں؟ قرینہ کہتے ہیں۔ وہ حالت وغیرہ بھی ہو سکتی ہے اور لفظ وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں بھئی، تو قرینہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے اور حالیہ بھی ہو سکتا ہے۔

تو یہ جو مجازات اور کنایات، یاد رکھیے مجاز اور کنایہ میں ہر جگہ خفا نہیں ہو گا۔ مجاز اور کنایہ دونوں میں جو بھی لفظ بولا گیا اس کا معنی موضوع لہ مراد نہیں ہوتا بلکہ معنی غیر موضوع لہ۔ تو معنی موضوع لہ سے یعنی معنی لغوی سے ذہن پھر منتقل ہوتا ہے اس معنی غیر موضوع لہ یعنی معنی مراد کی طرف، ذہن منتقل ہوتا ہے۔ اس ذہن کا معنی لغوی سے معنی مراد کی طرف، یا یوں کہیں معنی موضوع لہ سے ذہن کا منتقل ہونا کس کی طرف؟ غیر موضوع لہ کی طرف جو مراد ہے، اس کے اندر کوئی خلل آتا ہے، اور وہ خلل کیا ہوتا ہے کہ قرینے جو ہوتے ہیں وہ قرینے ان میں خفا ہوتا ہے۔ قرینے جو وہاں پر ہوتے ہیں ان قرینوں میں کیا ہوتا ہے؟ خفا، وہ قرینے پوری طرح ظاہر نہیں ہوتے۔ اگر

قرینے پوری طرح ظاہر ہوں تو فوراً آپ بات سمجھ جائیں گے، پھر ذہن کے انتقال میں کوئی وقت نہیں لگے گا بھئی۔ جیسے ہی ساتھی اندر آیا میں نے کہا: شیر آیا ہے، آپ فوراً ایک لمحے میں سمجھ گئے کہ کون آیا ہے؟ بہادر آدمی آیا ہے، کیونکہ یہاں پر قرینہ بالکل واضح ہے، ظاہر ہے بھئی۔ میں نے کہا: میں نے ایک شیر کو بندوق چلاتے ہوئے دیکھا، آپ سنتے ہی سمجھ گئے کہ شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی، ذہن فوراً معنی مراد کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ قرینے کے اندر کوئی خفا نہیں ہے۔ لیکن اگر اسی قرینے میں کچھ خفا آجائے تو پھر انتقال میں بھی اسی طرح مشکل پیش آجائے گی، رکاوٹ آجائے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ یہ جو ذہن معنی لغوی سے منتقل ہوتا ہے معنی مراد کی طرف، یہ کس کی وجہ سے ہو گا، کن کو دیکھتے ہوئے ہو گا؟ قرینوں کو۔ اور انہی قرینوں کے اندر خفا ہو، جب خفا ہو آپ کی توجہ ان کی طرف نہیں جائے گی، جب ان کی طرف آپ کی توجہ نہیں جائے گی تو ذہن بھی معنی مراد کی طرف منتقل نہیں ہو گا بھئی۔ تو قرینوں کے اندر خفا آجاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟

■ قولہ: «وَيُسَمَّى تَعْقِيدًا مَعْنَوِيًّا» کی تشریح

وَيُسَمَّى تَعْقِيدًا مَعْنَوِيًّا، اور اس کو تعقید معنوی کہتے ہیں۔ اس تعقید کی قسم کو کیا کہتے ہیں؟ تعقید معنوی کہتے ہیں۔ نَحْوُ قَوْلِكَ، مثال کے طور پر جیسے کہ آپ کا قول: نَشَرَ الْمَلِكُ أَلْسِنَتَهُ فِي الْمَدِينَةِ۔ نَشَرَ پھیلا دیں، الْمَلِكُ بادشاہ نے، أَلْسِنَتَهُ، أَلْسِنَة جمع ہے لِسَان کی، زبان کو کہتے ہیں، پھیلا دیں بادشاہ نے اپنی زبانیں، هُ ضمیر مَلِك کو راجع ہے، پھیلا دیں بادشاہ نے اپنی زبانیں فِي الْمَدِينَةِ شہر میں۔ بادشاہ نے اس شہر کے اندر اپنی زبانیں پھیلا دیں، مُرِيدًا جَوَاسِيسَهُ، اس حال میں کہ آپ ارادہ کرنے والے ہیں، مُرِید کا کیا معنی؟ ارادہ کرنے والا، اس حال میں کہ آپ ارادہ کرنے والے ہیں جَوَاسِيسَهُ اس بادشاہ کے جاسوسوں کا، جَوَاسِيس جمع ہے جَاسُوس کی۔ تو آپ نے ذکر کیا زبانوں کو اور مراد لیے جاسوس۔ مراد کیا لیے؟ جاسوس۔ تو سننے والے کو نہیں پتہ چلے گا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے، کیا کہنا چاہتا ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں: بادشاہ نے اس شہر کے اندر اپنی زبانیں پھیلا دیں۔ کیا آپ کے ذہن میں فوراً جاسوسوں کا خیال آیا؟ نہیں۔ لیکن اس کی بجائے اگر میں یوں کہوں: اس شہر میں بادشاہ نے اپنی آنکھیں پھیلا دی ہیں، یا اس میں اپنے کان پھیلا دیے ہیں، آپ سنتے ہی سمجھ گئے کہ کون مراد ہیں؟ جاسوس، کیونکہ جاسوسی کا تعلق زبان سے نہیں بلکہ زیادہ تعلق کس سے ہے؟ آنکھوں اور کانوں سے ہے۔ تو یہاں پر أَلْسِنَة بول کر جاسوس کا ارادہ کیا گیا اور یہ اس کا معنی موضوع لہ ہے یا غیر موضوع لہ؟ غیر موضوع لہ ہے۔ تو یہاں پر معنی لغوی ہوا زبانیں، معنی مراد ہوا جاسوس، لیکن اس زبان سے جاسوس کے معنی کی طرف ذہن فوراً منتقل نہیں ہوتا کیونکہ قرینہ خفی ہے۔ کس طرح خفی ہے قرینہ؟ کیونکہ جاسوس کے ساتھ زبان کا زیادہ تعلق نہیں، جاسوسی کے لیے تو کیا چیز ضروری ہے؟ آنکھیں اور کان ضروری ہیں، تو ان کا زیادہ تعلق ہے، وہ لفظ ہوتا تو آپ فوراً سمجھ جاتے لیکن زبانوں کا ایسا کوئی خاص تعلق نہیں ہے جاسوس کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دیکھیے یہاں قرینہ خفی ہوا۔ اسی لیے کہتے ہیں: وَالصَّوَابُ نَشَرَ عُيُونَهُ، درست یہ ہے کہ نَشَرَ عُيُونَهُ اس بادشاہ نے پھیلا دیں عُيُونَهُ اپنی آنکھیں۔ یوں کہا جائے تو پھر صحیح ہے اور ذہن فوراً کس کی طرف منتقل ہو جائے گا؟ جاسوسوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

کنایہ کے اندر پیچھے آپ نے فرمایا تھا کہ کنایہ استعمال کرنے کا فائدہ ہے کہ بات جو ہے دلیل کے ساتھ ہوتی ہے، مجاز کو استعمال کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ مجاز سے کلام میں بڑا حسن آجاتا ہے بھئی، بہت زیادہ کلام میں حسن آتا ہے۔ ایک بات سیدھے لفظوں میں کہنا، سیدھے لفظوں میں تو ہر ایک کر لے گا بھئی، لیکن اسی بات کو دوسرے رنگ میں کہنا کہ سننے والے کو اس کی لذت محسوس ہوتی ہے بھئی۔ اب آپ ایک سیدھی بات کرتے ہیں: زید بہادر آدمی ہے، اور ایک آپ اس کے لیے مجاز کو استعمال کرتے ہیں کہ زید تو شیر ہے شیر بھئی، اس بات کا لطف ہی بڑھ جاتا ہے۔ یہ تو ایک مثال میں نے ویسے ذکر کی، مجاز وغیرہ کہ ان سے کلام کا بڑا حسن بڑھ جاتا ہے، ان کا بڑا لطف بڑھ جاتا ہے بھئی، بات کا رنگ ڈھنگ ہی بدل جاتا ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲: تعقیدِ معنوی کے شواہد اور کنایہ میں وسائط کے خفا کی تفصیلی تحلیل

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۰ ــــ بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَقَوْلِهِ: سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوا وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ لِتَجْمُدَا، حَيْثُ كَنَى بِالْجُمُودِ عَنِ السُّرُورِ مَعَ أَنَّ الْجُمُودَ يُكْنَى بِهِ عَنِ الْبُخْلِ وَقْتَ الْبُكَاءِ. وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِكَلَامٍ فَصِيحٍ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ.

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

ہم تعقید کے بارے میں پڑھ رہے تھے، اور تعقید میں نے آپ کو بتلایا اسے کہتے ہیں کہ کلام کی دلالت معنی مراد پر واضح نہ ہو بھئی۔ کلام کا ایک لغوی معنی ہوتا ہے اور ایک مرادی معنی۔ لغوی معنی تو وہ ہے جو ایک ایک لفظ اپنے لغوی معنی جو اس کا اس زبان کے اعتبار سے، عربی زبان کے اعتبار سے اس کا جو معنی سمجھ میں آئے اور پھر پورے کلام کا جو معنی بنے وہ کیا کہلاتا ہے؟ لغوی معنی۔ اور ایک ہے مرادی معنی جس کا اس کلام سے ارادہ کیا جائے بھئی، کہنے والا جو اس سے ارادہ کرے وہ ہے مرادی معنی۔ اور میں نے بتلایا کہ کبھی مرادی معنی اور لغوی معنی ایک ہی ہو گا، جیسے میں کہتا ہوں: زید بہادر آدمی ہے۔ تو یہاں لغوی معنی کیا ہے کہ زید جو بات میں آپ سے کہہ رہا ہوں سیدھی آپ کو سمجھ میں آرہی ہے، یہ لغوی معنی، اور مراد بھی یہی ہے، میں کہنا بھی یہی چاہتا ہوں کہ زید بہادر آدمی ہے، تو یہاں لغوی اور مرادی معنی ایک ہوا۔ اور کبھی کبھار لغوی اور مرادی معنی الگ الگ ہوتے ہیں، جیسے میں آپ سے کہتا ہوں: میں نے شیر دیکھا۔ اب یہاں لغوی معنی تو ہے جنگلی درندہ دیکھا، لیکن میری مراد کیا ہے اس سے؟ بہادر آدمی، تو میں نے بہادر آدمی دیکھا یہ اس کا مرادی معنی ہوا۔

تو کلام سے سب سے پہلے اس کا لغوی معنی سمجھ میں آتا ہے، وہ پہلے ذہن میں آتا ہے، اور پھر ذہن اس لغوی معنی سے منتقل ہوتا ہے مرادی معنی کی طرف۔ کس کی طرف؟ مرادی معنی کی طرف۔ اور یہ خود بخود انتقال نہیں ہو گا، میں نے بتلایا تھا کہ یہاں قرینے ہوتے ہیں۔ کیا ہوتے ہیں؟ قرینے، وہ بتلاتے ہیں کہ یہاں لغوی معنی کا ارادہ نہیں کیا گیا بلکہ دوسرے معنی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ تو ان قرینوں کے ذریعے رہنمائی ہوتی ہے مرادی معنی کی طرف۔ تو اگر کلام ایسا ہے کہ کلام کو سنتے ہی فوراً ذہن لغوی معنی سے مرادی معنی کی طرف منتقل ہو جائے تو کہیں گے کہ کلام میں تعقید نہیں ہے، اس کا مرادی معنی فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔ لیکن اگر کلام ایسا ہے کہ جہاں پر ذہن لغوی معنی سے مرادی معنی کی طرف فوراً منتقل نہیں ہوتا، یا منتقل تو ہوتا ہے لیکن بڑی دیر سے منتقل ہوتا ہے، تو کہیں گے کہ اس کلام کے اندر تعقید ہے، یہ اپنے مرادی معنی پر واضح طور پر دلالت نہیں کر رہا، ورنہ اگر اس کی دلالت واضح ہوتی تو اس کو تو سنتے ہی فوراً مرادی معنی ذہن میں آجانا چاہیے تھا، لیکن ذہن اس کی طرف منتقل ہی نہیں ہوتا، معلوم ہوا کچھ خلل ہے یا خرابی ہے۔ اور یہ خلل اور خرابی یا تو لفظوں کے اندر ہو گی، اس ترکیب کے اندر وہ جو لفظ جوڑے ہیں، مقدم و مؤخر کیے ہیں، یا ان میں فصل وغیرہ کیا ہے یا حذف کیا ہے، اس وجہ سے ہو گا تو پھر یہ تعقید کیا کہلائے گی؟ لفظی۔ اور اگر خلل لفظوں کے اندر نہ ہو، معنی کے اندر ہو تو پھر یہ کیا کہلائے گی؟ تعقید معنوی کہلائے گی۔

تو گزشتہ سبق میں ہم تعقید معنوی کے بارے میں پڑھ رہے تھے، اور اس کی مثال ذکر کی تھی کہ مثال کے طور پر کوئی شخص ایسے مجازات و کنایات استعمال کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے مراد سمجھ میں نہیں آتی، تو یہ تعقید معنوی ہے۔ میں نے بتایا تھا ایک ہے مجاز، ایک ہے کنایہ۔ مجاز کے اندر بھی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، اور کنایہ کے اندر بھی لفظ جو ہے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے۔ موضوع لہ اور غیر موضوع لہ معنی بھئی یہ بھی میں نے بتلایا تھا: جس معنی کے لیے لفظ کو کسی زبان میں مقرر کیا گیا ہو وہ اس کا معنی لغوی ہے۔ شیر کا لفظ اردو زبان میں جنگلی درندے کے لیے متعین ہے، تو جنگلی درندہ جو ہے، وہ جو مخصوص متعین جنگلی درندہ ہے وہ اس کا لغوی

معنی ہوا بھئی، اور وہ معنی موضوع لہ ہے جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے، مقرر کیا گیا ہے، متعین کیا گیا ہے۔ اور اگر اس شیر کے لفظ سے میں بہادر آدمی مراد لیتا ہوں تو بہادر آدمی کے لیے تو اس کو مقرر نہیں کیا گیا تھا لیکن آپ اس کا ارادہ کر رہے ہیں، تو یہ جو ہے معنی غیر موضوع لہ ہوا اس کا بھئی۔ شیر کا معنی کیا کریں؟ بہادر آدمی، یہ اس کا کون سا معنی ہے؟ غیر موضوع لہ۔ تو مجاز کے اندر بھی لفظ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، کنایہ کے اندر بھی لفظ کس میں استعمال ہوتا ہے؟ معنی غیر موضوع لہ میں بھئی۔

اور کنایہ میں نے بتلایا تھا کہ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ اور پھر فرق بھی دونوں میں بتلایا تھا کہ مجاز کے اندر بھی لفظ سے معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے، کنائے کے اندر بھی لفظ سے غیر موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے، پھر دونوں میں فرق کیسے کریں گے؟ کہ مجاز کے اندر معنی موضوع لہ کا ارادہ اس مقام پر ٹھیک ہو گا ہی نہیں، بنے گا ہی نہیں، اور کنائے کے اندر اگر اسی موقع پر اگر کون سے معنی کا ارادہ ہو؟ معنی موضوع لہ کا ارادہ کیا جائے تو اس صورت میں بھی کلام صحیح ہو جائے گا بھئی۔ مجاز کی مثال جیسے: میں نے شیر کو بندوق چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب یہاں پر شیر سے بہادر آدمی ہی کا معنی کرنا پڑے گا اس کا، اگر شیر سے وہ جنگلی درندے والا معنی کرتے ہیں وہ بنتا ہی نہیں کیونکہ جنگلی درندہ تو بندوق نہیں چلا سکتا بھئی۔ لیکن اس کے مقابلے میں کنایہ ہے، مثلاً میں نے کہا: زید لمبی حمائل والا ہے، اور میری مراد کیا ہے؟ زید لمبے قد والا ہے، تو میں نے ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا۔ لیکن اگر میں معنی موضوع لہ کا ارادہ کروں یہاں پر، معنی موضوع لہ کیا ہو گا؟ وہی کہ لمبی حمائل والا ہے، تو میری مراد بھی یہی ہو، میں اس کی حمائل کے بارے میں بتلا رہا ہوں کہ وہ لمبی ہے، تو وہ معنی بھی یہاں پر صحیح بنتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ فرق تھا مجاز اور کنائے میں بھئی۔

اور یہ معنی یہاں پر، معنی مراد سمجھ میں نہیں آئے گا بھئی کیونکہ وہ قرینے خفی ہوں گے، اور میں نے بتایا تھا قرینہ کس کو کہتے ہیں؟ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ، وہ چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کر دے اسے قرینہ کہتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا: میں نے ایک شیر کو بندوق چلاتے ہوئے دیکھا۔ تو شیر کا لفظ بول کر اس سے میں نے کس معنی کا ارادہ کیا؟ بہادر آدمی۔ تو یہ بہادر آدمی کا جو ہے یہ ہوا میرا مقصود، اور اس مقصود کی طرف کوئی چیز اشارہ کرنے والی ہو۔ صرف بولنے والے کے ارادے سے کچھ نہیں ہو گا، سننے والے کو بھی تو سمجھ میں آنا چاہیے، اس کے لیے جو بھی چیز اس بات کی طرف اشارہ کر دے، اس کو بتلا دے کہ یہاں شیر کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی، اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ کہیں گے، تو جو بھی چیز مقصود کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔ اور یہاں پر وہ لفظ اشارہ کر رہے ہیں: بندوق کا چلانا بھئی۔ یہ بندوق کا چلانا یہ بتلا رہا ہے کہ شیر سے بہادر آدمی مراد ہے، جنگلی درندہ مراد نہیں ہے۔ تو جو بھی چیز مقصود کی طرف اشارہ کر رہی ہو وہ قرینہ کہلاتی ہے۔

اور اس کی ایک مثال انہوں نے ذکر کی بھئی کہ نَشَرَ الْمَلِكُ أَلْسِنَتَهُ فِي الْمَدِينَةِ، پھیلا دیں بادشاہ نے اپنی زبانیں شہر کے اندر، اور آپ کا اس قول کے ذریعے ارادہ کس کا ہے، زبان بول کر کیا مراد ہے؟ جاسوس۔ تو یہاں پر اس کلام کے اندر تعقید ہے کیونکہ زبان کا لفظ سننے سے جاسوس کے معنی کی طرف ذہن فوراً منتقل نہیں ہوتا، اس سے جاسوس سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں اس کی جگہ اگر کیا ہوتا؟ آنکھیں پھیلا دیں یا کان پھیلا دیے، ہاں اس سے ذہن منتقل ہو جاتا کس کی طرف؟ جاسوس کی طرف بھئی۔

■ قولہ: «وَقَوْلِهِ سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ...» کی تشریح

آج ہم اس کی دوسری مثال پڑھیں گے: وَقَوْلِهِ سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ۔ وَقَوْلِهِ میں نے قَوْلِ کو مجرور پڑھا بھئی کیونکہ اس کا عطف ہے پیچھے جو آیا تھا نَحْوُ قَوْلِكَ، تو یہ جو قَوْلِكَ آیا اس پر عطف ہے، اور یہ قَوْلِكَ تو مجرور تھا مضاف الیہ تھا نَحْوُ کے لیے، تو لہٰذا یہ وَقَوْلِهِ یہ بھی کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا، یہ بھی نَحْوُ کے لیے مضاف الیہ ہے بھئی۔ اور وَقَوْلِهِ اور کسی شاعر کا یہ قول بھئی: سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوا وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ لِتَجْمُدَا۔

سَأَطْلُبُ، بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ فعل مضارع پر جب سِین یا سَوْفَ داخل ہو جائے تو وہ اس کو مستقبل کے معنی میں کر دے گا۔ مضارع میں دو معنی ہوتے ہیں: حال والا معنی بھی اور استقبال بھی۔ ایک وقت میں ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے لیکن استعمال دونوں میں سے جس کے لیے بھی چاہیں آپ کر سکتے ہیں۔ لیکن جب استعمال کریں گے تو اس وقت کسی ایک معنی میں استعمال کریں گے، یا حال مراد ہو گا یا استقبال۔ تو معلوم ہوا مضارع سے دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن آپ نے پڑھا جب اس پر سِین یا سَوْفَ داخل ہو جائے پھر یہ کس کے ساتھ خاص ہو جائے گا؟ مستقبل کے ساتھ خاص ہو جائے گا۔ تو سَأَطْلُبُ سے یہ نہ سمجھیے کہ اب یہ سَأَطْلُبُ مستقبل کے ساتھ خاص ہو گیا کہ میں طلب کروں گا، مستقبل والا ترجمہ کریں، نہیں۔ یاد رکھیے یہ سِین تاکید کے لیے ہے، یہ وہ استقبال والا سِین نہیں ہے، مستقبل والا سِین نہیں ہے، بلکہ یہ تاکید کے لیے ہے تاکید پیدا کرنے کے لیے، اور أَطْلُبُ یہ حال ہی کے معنی میں ہے، أَطْلُبُ میں طلب کر رہا ہوں بھئی، حال والا ترجمہ کریں گے۔

بُعْدَ الدَّارِ، اس گھر کی دوری کو، میں طلب کر رہا ہوں اس گھر کی، الدَّارِ سے کوئی خاص گھر مراد ہے الف لام اس پر داخل ہوا، میں طلب کر رہا ہوں اس گھر کی دوری کو۔ کس گھر کی؟ یاد رکھیے الدَّارِ اس کے اندر یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے۔ یہاں ایک مضاف الیہ موجود تھا اس کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں الف لام شروع میں لے آئے بھئی۔ تو یہ اصل میں تھا دَارِي، یا متکلم کی جو مضاف الیہ تھی وہ آخر میں موجود تھی: میرا گھر، دَارِي میرا گھر۔ پھر اس یا کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض شروع میں کیا لے آئے؟ الف لام لے آئے تو کیا بن گیا؟ الدَّارُ۔ یہ بعض نحویوں کا مذہب ہے بھئی۔ تفصیل یاد رکھیے علمائے نحو کے اس سلسلے میں دو مذاہب ہیں: دونوں گروہ یہ کہتے ہیں کہ دَار بول کر دَارِي مراد ہے یہاں پر، دَار بول کر دَارِي مراد ہے، کوئی اور گھر نہیں مراد، متکلم کا اپنا گھر مراد ہے۔ لیکن کس طرح مراد ہے؟ وہ اس میں فرق کرتے ہیں۔ ایک گروہ کا قول میں نے ذکر کر دیا، ایک گروہ والے کیا کہتے ہیں کہ یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے، یہ اصل میں کیا تھا دَارِي، پھر یا کو حذف کر

کے دَار کے شروع میں کیا لے آئے؟ الف لام، تو یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے۔ دوسرے گروہ والے کہتے ہیں نہیں، الف لام کبھی مضاف الیہ کا عوض نہیں ہوتا۔ پھر وہ کس طرح بتلاتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں یہ الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ کیا کیا جاتا ہے؟ اشارہ۔ تو الدَّارِ کا کیا معنی ہوا؟ وہ گھر، کوئی مخصوص گھر ہے اس کی طرف اشارہ ہے الف لام کے ذریعے۔ الف لام کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ اشارہ، تو کوئی مخصوص گھر ہے، اور کون سا گھر ہے؟ وہ کہتے ہیں دَارِي، متکلم کا اپنا گھر ہے بھئی، دَارِي کی طرف اشارہ ہے، متکلم کے گھر کی طرف اشارہ ہے۔ تو پہلے گروہ والے بھی کہتے ہیں الدَّارِ سے دَارِي مراد ہے، دوسرے گروہ والے بھی کہتے ہیں الدَّارِ سے دَارِي مراد ہے، ہاں تقریر الگ الگ کرتے ہیں: پہلے گروہ والے کیا کہتے ہیں؟ الف لام عوض ہے اس یا کی جگہ آیا ہے، دوسرے گروہ والے کہتے ہیں یا کی جگہ نہیں آیا بلکہ الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے دَارِي کی طرف کہ دَار سے ہر دَار نہیں مراد بلکہ دَارِي مراد ہے، تو اس کی طرف اشارہ ہے بھئی۔

تو شاعر کہتا ہے: سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ، میں طلب کر رہا ہوں بُعْدَ الدَّارِ کس چیز کو؟ اپنے گھر کے دور ہونے کو عَنْكُمْ تم سے۔ اے میرے مخاطب، میں تم لوگوں سے اپنے گھر کی دوری کو طلب کر رہا ہوں کہ میرا گھر تم لوگوں سے دور ہو جائے لِتَقْرُبُوا تاکہ تم لوگ قریب ہو جاؤ، یعنی تم لوگ میرے قریب ہو جاؤ۔ میں اپنے گھر کی دوری کو طلب کر رہا ہوں تاکہ تم لوگ میرے قریب ہو جاؤ۔ وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ، سَكَبَ يَسْكُبُ کے معنی ہوتے ہیں بہانا، آنسو بہانا۔ وَتَسْكُبُ اور بہا رہی ہیں عَيْنَايَ، یہ اصل میں کیا تھا؟ عَيْنَانِ، یہ فاعل ہے، تثنیہ کا صیغہ ہے، عَيْنٌ کی تثنیہ کیا آئے گی؟ عَيْنَانِ۔ اور پھر اس کی اضافت ہوئی یا ضمیر کی طرف، اور وہ تثنیہ کا نون آپ نے پڑھا اضافت میں گر جاتا ہے تو کیا رہ گیا؟ عَيْنَايَ، اور بہا رہی ہیں میری دو آنکھیں، یہ فاعل ہے عَيْنَايَ تَسْكُبُ کے لیے، بہا رہی ہیں میری دو آنکھیں الدُّمُوعَ آنسوؤں کو۔ دُمُوع دَمْعٌ کی جمع ہے، آنسو کو کہتے ہیں۔ اور بہا رہی ہیں میری دونوں آنکھیں آنسو لِتَجْمُدَا۔ تَجْمُدَا جُمُود سے ہے، جُمُود یعنی خشک ہو جانا، کسی چیز کا سوکھ جانا، خشک ہو جانا۔ اور میری دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں لِتَجْمُدَا، دیکھیے آخر میں الف آیا تثنیہ کا صیغہ ہے، تاکہ دونوں خشک ہو جائیں، سوکھ جائیں۔ کس کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے؟ عَيْنَايَ کی طرف، تاکہ میری دونوں آنکھیں سوکھ جائیں، خشک ہو جائیں۔

ترجمہ دوبارہ دیکھیے: سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوا وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ لِتَجْمُدَا۔ میں طلب کر رہا ہوں اپنے گھر کی دوری کو عَنْكُمْ تم سے، لِتَقْرُبُوا تاکہ تم لوگ قریب ہو جاؤ، وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ اور بہا رہی ہیں میری دونوں آنکھیں آنسو، لِتَجْمُدَا تاکہ یہ خشک ہو جائیں۔ یہ تو لفظوں کا ترجمہ ہوا۔ یاد رکھیے خشک ہونے سے مراد ہے خوش ہو جانا، خوشی کا حاصل ہو جانا۔ آنکھوں کے خشک ہونے سے کیا مراد ہے شاعر کی؟ خوش ہو جانا، خوشی کا حاصل ہو جانا۔ تو شاعر کہتا ہے میں تم لوگوں سے اپنے گھر کی دوری کو طلب کر رہا ہوں کہ میرا گھر تم لوگوں سے دور ہو جائے لِتَقْرُبُوا تاکہ تم لوگ قریب ہو جاؤ میرے، اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں لِتَجْمُدَا تاکہ یہ خشک ہو جائیں یعنی انہیں خوشی حاصل ہو جائے، یعنی میں خوش ہو جاؤں۔ مراد کیا ہے؟ میری آنکھیں خوش ہوں گی یعنی میں خوش ہوں گا۔ تو میں اپنے گھر کی دوری کو تم لوگوں سے طلب کر رہا ہوں تاکہ تم لوگ میرے قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں تاکہ مجھے خوشی حاصل ہو جائے، میں خوش ہو جاؤں۔

شاعر کہنا یہ چاہتا ہے بھئی، شعر کا مفہوم اور تشریح یہ ہے: شاعر یہ کہنا چاہتا ہے دنیا میں کسی حالت کو بقا نہیں ہے۔ آج کوئی خوش ہے تو کل غمگین ہے، اور آج کوئی غمگین ہے تو کل وہ خوش ہو گا۔ آج کوئی مالدار ہے تو کل غریب ہو گا، اور آج کوئی غریب ہے تو وہ کل امیر۔ دنیا میں احوال ایک جیسے نہیں رہتے، بدلتے رہتے ہیں۔ امیر جو ہے وہ غریب بن جاتا ہے اور غریب کیا ہے؟ امیر بن جاتا ہے، آپ بھی دیکھتے ہیں۔ اور اسی طرح کوئی شخص کبھی خوش ہوتا ہے تو دوسرے دن ہی آپ اسے دیکھتے ہیں غمزدہ بیٹھا ہوتا ہے، یا ایک دن وہ غمزدہ بیٹھا ہے اگلے دن آپ اس کو خوش دیکھیں گے۔ تو یہ دنیا جو ہے اس کے اندر احوال ایک جیسے نہیں، احوال بدلتے رہتے ہیں کیونکہ یہاں کسی حالت کو بقا نہیں ہے بھئی۔ تو شاعر کہتا ہے کہ آج اگر میں اپنے احباب، اپنے جو محبین ہیں ان لوگوں کے ساتھ کو اختیار کر لوں، ان کے ساتھ رہنے کو، ان کے قرب کو میں اگر اختیار کر لوں تو قرب بھی ایک حالت ہے۔ آج میں قرب کو اختیار کروں گا تو یہ قرب ایک حالت ہے اور کسی حالت کو بقا نہیں ہے، تو یہ قرب کل کس سے بدل جائے گا؟ یقینا بعد سے بدلے گا بھئی کیونکہ کسی حالت کو بقا نہیں۔ تو اس وقت اگر میں قرب کو اختیار کر لوں اور خوشی کو اختیار کر لوں تو کل اس قرب کے بعد بعد آئے گا، اور بعد کی صورت میں غم آئے گا بھئی، اور خوشی کے بعد غم برداشت کے قابل نہیں ہوتا بھئی۔ لہذا آج میں قرب کو اختیار نہیں کرتا، آج بلکہ میں بعد کو اختیار کرتا ہوں، اور آج جب میں بعد کو اختیار کروں گا تو بعد بھی ایک حالت ہے اور دنیا میں کسی حالت کو بقا نہیں، تو جب آج میں بعد کو اختیار کروں گا تو کل یقینا قرب حاصل ہو گا، اور قرب کے اندر خوشی ہے، تو آج بعد یعنی غم کو میں اختیار کروں گا تو کل پھر کیا ہو گا اس کے بعد مجھے خوشی حاصل ہو گی، اور غم کے بعد خوشی کی لذت بہت بڑھ جاتی ہے بھئی۔ تو اس وقت شاعر کہتا ہے میں قرب کو نہیں بلکہ کس کو اختیار کر رہا ہوں؟ بعد کو اختیار کر رہا ہوں تاکہ کل کیا حاصل ہو جائے؟ خوشی حاصل ہو جائے بھئی۔ اور نیز اس لیے بھی کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، اس وقت اگر میں صبر کروں گا، غم کو اختیار کر لوں گا صبر کے ساتھ تو کل پھر ہمیشہ کی خوشی مجھے حاصل ہو جائے گی بھئی۔

■ قولہ: «سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ» کی تشریح

معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ یہی بات شاعر کہہ رہا ہے: سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ، میں طلب کر رہا ہوں اپنے گھر کی دوری کو تم سے لِتَقْرُبُوا تاکہ تم کل کیا ہو جاؤ؟ قریب ہو جاؤ، وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ اور میری دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اس وقت یعنی میں غم کو اختیار میں نے کیا ہوا ہے لِتَجْمُدَا تاکہ کل وہ سوکھ جائیں، خشک ہو جائیں یعنی مجھے خوشی حاصل ہو جائے بھئی۔ شعر کا مفہوم اور معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یہاں دیکھیے شاعر نے دوسرے مصرعے کے اندر دو کنائے کیے: پہلا کنایہ ہے تَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ، میری دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، یہ کنایہ ہے غم سے۔ یہ کنایہ ہے کس سے؟ غم سے۔ بھئی آنکھوں کا آنسو بہانا اس کے ساتھ غم لازم ہے، آنکھوں سے آنسو کب بہتے ہیں عموما؟ جب انسان غمزدہ ہوتا ہے، تو ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا، یہ ہوا کنایہ اولی۔ تو آنکھوں سے آنسوؤں کے بہنے کو ذکر کیا اور ارادہ کس چیز کا کیا؟ غم کا کہ میں غم کو اختیار کر رہا ہوں، میں غمزدہ ہوں اس وقت۔ یہ پہلا کنایہ ہے اور اس میں شاعر اپنے مقصد میں کامیاب رہا کہ اس آنکھوں سے آنسوؤں کے بہنے کی بات سنتے ہی ذہن سمجھ جاتا ہے کہ یہ شخص غمزدہ ہے۔ اس کو سنتے ہی ذہن کیا سمجھ جاتا ہے؟ کہ یہ شخص غمزدہ ہے بھئی۔ معنی تو تھا آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا لیکن یہ مراد نہیں، مراد اس کی کیا ہے؟ غم، کہ وہ غمزدہ ہے۔ اور یہ پہلا کنایہ، اور اس میں کسی قسم کی تعقید نہیں، سنتے ہی ذہن فورا معنی مراد یعنی غم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ شخص غمزدہ ہے بھئی۔

دوسرا کنایہ کیا شاعر نے لِتَجْمُدَا میں بھئی، تاکہ یہ دونوں آنکھیں کیا ہو جائیں؟ خشک ہو جائیں، یہ ہے کنایہ ثانیہ۔ خشک ہو جائیں اور مراد کیا ہے اس سے شاعر کی؟ خوشی کا حاصل ہونا۔ اور اس کنائے کے اندر تعقید ہے بھئی: آنکھوں کے خشک ہونے سے ذہن خوشی کی طرف منتقل نہیں ہوتا، ذہن میں خوشی کا معنی نہیں آتا بلکہ غم ہی کی حالت کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے بھئی۔ بھئی انسان پر جب بڑے غم آتے ہیں، آپ اردو میں بھی سنتے ہیں کوئی شخص کہتا ہے کہ اتنے غم آئے مجھ پر، اتنی تکالیف آئیں کہ روتے روتے اب تو آنکھیں بھی خشک ہو گئی ہیں۔ آنکھیں بھی خشک ہو گئی ہیں، اس کا کیا معنی ہوتا ہے کہ کیا خوشی آ گئی ہے؟ نہیں، معنی یہ ہوتا ہے کہ اتنے غم آئے کہ اب غم تو ہے لیکن میری آنکھیں آنسو بہانے میں بھی اب بخل کرنے لگی ہیں بھئی۔ اتنے آنسو انہوں نے بہا دیے کہ اب وہ آنسو بہانے میں بھی کیا کر رہی ہیں؟ بخل اور کنجوسی کر رہی ہیں، اب وہ آنسو بھی نہیں بہا رہیں۔ تو حالت اب بھی غم ہی کی ہے لیکن میری آنکھیں، یہ وقت تو رونے ہی کا ہے لیکن اس وقت اب میری آنکھیں آنسو بہانے میں بخل کر رہی ہیں۔ تو دیکھیے آنکھوں کے خشک ہونے سے ذہن خوشی کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ اس بات کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ شاید حالت اب بھی غم والی ہے اور رونے کا وقت ہی ہے لیکن آنکھیں بخل کر رہی ہیں بھئی، تو غم ہی کی حالت ہے گویا، خوشی نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو آنکھوں کے خشک ہونے سے ذہن خوشی کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو اس کنائے میں تعقید ہے، معنی مراد سمجھ میں نہیں آتا، شاعر کی مراد تو ہے خوشی لیکن اس خوشی کی طرف تو ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا، ذہن تو کس کی طرف منتقل ہوتا ہے؟ غم ہی کی حالت کی طرف کہ آنکھیں بخل کر رہی ہیں، غم ہی کی حالت ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

تو اس میں تعقید ہے، خلل ہے۔ تعقید کیوں ہے، کس اعتبار سے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہاں معنی لغوی اور معنی مراد کے درمیان واسطے زیادہ آ گئے۔ ایک معنی لغوی تھا، لِتَجْمُدَا کا معنی لغوی کیا؟ خشک ہو جانا، اور معنی مرادی کیا ہے شاعر کا؟ خوش ہو جانا۔ ان دونوں معانی کے درمیان واسطے آ گئے اور واسطے زیادہ آنے کی وجہ سے ذہن اس تک پہنچ نہیں رہا۔ کس طرح زیادہ واسطے آئے؟ دیکھیے بھئی یہ لکھ لیجیے بلکہ اپنی کتاب پر بھئی: آنکھوں کے خشک ہو جانے سے اولا ذہن منتقل ہوا آنسوؤں کے رک جانے کی طرف، پھر اس سے منتقل ہو گا ذہن غم نہ ہونے کی طرف، اور غم نہ ہونے سے ذہن منتقل ہو گا خوشی کی طرف جو مراد ہے شاعر کی۔ لکھ لیا بھئی؟ آنکھوں کے خشک ہونے سے ذہن منتقل ہو گا آنسوؤں کے ختم ہو جانے کی طرف، اور آنسوؤں کے ختم ہو جانے سے ذہن منتقل ہو گا غم کے نہ ہونے کی طرف، اور غم کے نہ ہونے سے ذہن منتقل ہو گا خوشی کی طرف بھئی۔

اب ادھر دیکھیے بھئی لکھنا بند کیجیے بھئی۔ تو یہاں دیکھیے ذکر ہے آنکھوں کا خشک ہونا اور معنی مراد ہے خوشی کا حاصل ہو جانا، بیچ میں دو واسطے آ گئے۔ کتنے واسطے آ گئے؟ دو واسطے آ گئے۔ دیکھیے یہ ہے معنی لغوی: آنکھوں کا خشک ہونا، اور یہ آخر میں ہے معنی مراد۔ ذہن نے منتقل ہونا ہے اس معنی لغوی سے معنی مراد کی طرف، لیکن درمیان میں واسطے آ گئے بھئی زیادہ واسطے۔ اس آنکھوں کے خشک ہو جانے سے ذہن فورا خوشی کی طرف منتقل ہو ہی نہیں سکتا، درمیان میں واسطے ہیں۔ کس طرح؟ آنکھوں کے خشک ہو جانے سے اولا ذہن منتقل ہوا: آنکھیں خشک ہیں معلوم ہوا آنسو ختم ہیں، آنسو بند ہیں بھئی، پہلے اس کی طرف منتقل ہوا۔ پھر اس سے منتقل ہوا: آنسو بند ہیں معلوم ہوا غم نہیں ہے۔ غم نہیں ہے اس سے پھر ذہن منتقل ہوا خوشی کی طرف: جب غم نہیں ہے تو یقینا کیا ہے؟ خوشی۔ تو دیکھیے جمود یعنی خشک ہونا اور سرور جو مرادی معنی تھا، جمود اور سرور کے درمیان دو واسطے آ گئے: جمود سے ذہن منتقل ہوا انقطاعِ دموع کی طرف کہ آنسو نہیں ہیں، اور انقطاعِ دموع سے ذہن منتقل ہوا فقد غم کی طرف کہ غم نہیں ہے بھئی، اور فقد غم سے ذہن منتقل ہوا سرور کی طرف بھئی۔ درمیان میں کتنے واسطے آئے؟ دو واسطے آئے بھئی۔ تو دو واسطے آنے کی وجہ سے اب ذہن جو ہے فورا اور جلدی منتقل نہیں ہوتا معنی مراد کی طرف۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس میں شاعر سے غلطی ہوئی اس کنائے کے اندر، اس سے فورا معنی مراد یعنی خوشی والا معنی سمجھ میں نہیں آتا بھئی۔

تو جب بھی واسطے بڑھیں وہ عموما جو ہیں اس کی وجہ سے معنی مراد میں خفا آتا چلا جائے گا، ذہن جلدی اس کی طرف منتقل نہیں ہو گا بھئی۔ لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ واسطے جب بھی زیادہ ہوں ذہن منتقل نہ ہو۔ بھئی بعض اوقات واسطے زیادہ ہوتے ہیں لیکن بڑے ظاہر ہوتے ہیں، جب ظاہر ہوں تو ذہن فورا منتقل ہو جائے گا معنی مراد کی طرف۔ یہاں پر واسطے بھی دو ہیں اور پھر ان میں خفا بھی ہے، پوری طرح ظاہر نہیں ہیں اس لیے ذہن پوری طرح منتقل نہیں ہوا خوشی کی طرف۔ بعض اوقات واسطے زیادہ ہوں گے لیکن ظاہر ہوں گے، خوب واضح ہوں گے تو ذہن فورا منتقل ہو جائے گا۔ جیسے عربی میں کہتے ہیں جب کوئی شخص بڑا سخی ہو تو کہتے ہیں: فُلَانٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ، رماد بھئی رَمَاد۔ مثلا زید بڑا سخی ہے تو ایک آدمی کہتا ہے: زَيْدٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ۔ رَمَاد کہتے ہیں راکھ کو بھئی، زید بڑی راکھ والا ہے، اور مراد اس سے سخاوت ہوتی ہے۔ اور عرب اس کو سنتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے کہ وہ آدمی بڑا سخی ہے بھئی۔ جیسے میں نے کہا تھا: شیر آ گیا، بہادر آدمی آیا تھا، میں نے کہا شیر آ گیا آپ فورا سمجھ گئے کہ

کون آیا ہے؟ بہادر۔ تو اسی طرح عربوں کے سامنے کہیں: فُلَانٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ، وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ کیا مراد ہے کہ وہ بڑا سخی ہے۔ تو كَثِيرُ الرَّمَادِ ایک اس کا لغوی معنی وہ کیا ہے؟ زیادہ راکھ والا۔ لیکن مراد کیا ہے؟ سخی۔ تو زیادہ راکھ والا ہونا اور سخاوت ان کے درمیان بہت سے واسطے ہیں لیکن پھر بھی ذہن فوراً زیادہ راکھ سے سخاوت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کس طرح بہت سے واسطے ہیں؟ دیکھیے بھئی: زیادہ راکھ ہونے سے ذہن فوراً منتقل ہوا اس بات کی طرف کہ معلوم ہوا اس شخص کے ہاں لکڑیاں زیادہ جلتی ہیں۔ اور زیادہ لکڑیاں جلنے سے فوراً منتقل ہوا: زیادہ لکڑیاں جلتی ہیں معلوم ہوا اس کے ہاں کھانا زیادہ پکتا ہے، اس کی طرف منتقل ہوا کھانا زیادہ پکنے کی طرف۔ اور کھانا زیادہ پکنے سے ذہن منتقل ہوا: کھانا زیادہ پکتا ہے معلوم ہوا مہمان زیادہ آتے ہیں، اس کی طرف منتقل ہوا۔ اور زیادہ مہمان آنے سے منتقل ہوا ذہن سخاوت کی طرف: معلوم ہوا یہ سخی آدمی ہے جبھی اس کے ہاں مہمان زیادہ آتے ہیں، اگر یہ بخیل آدمی ہوتا تو کوئی ایک دفعہ آنے کے بعد دوبارہ کبھی اس کے گھر نہ آتا بھئی، معلوم ہوا کہ یہ شخص کیا ہے؟ سخی ہے۔ تو دیکھیے کتنے واسطے بیچ میں آ گئے: زیادہ راکھ سے ذہن منتقل ہوا زیادہ لکڑی جلنے کی طرف، اور زیادہ لکڑی جلنے سے منتقل ہوا ذہن زیادہ کھانا پکنے کی طرف، اور زیادہ کھانا پکنے سے ذہن منتقل ہوا زیادہ مہمانوں کی طرف، اور زیادہ مہمانوں سے ذہن منتقل ہوا کس کی طرف؟ سخاوت کی طرف۔ تو یہاں دیکھو تین واسطے بیچ میں آ گئے لیکن پھر بھی ذہن فوراً منتقل ہو گیا اس لیے کیونکہ یہ واسطے کیا ہیں؟ خوب ظاہر ہیں، ان میں کسی قسم کا خفا نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

اردو میں تعقید کی مثال بھئی: ایک شاعر کہتا ہے: مگس کو باغ میں جانے نہ دینا، کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا۔ دیکھیے سنتے ہی معنی سمجھ میں نہیں آتا کیا کہنا چاہتا ہے شاعر۔ مگس کہتے ہیں شہد کی مکھی کو۔ شاعر کہتا ہے شہد کی مکھی کو باغ میں نہ جانے دینا، کہیں ناحق پروانے کا، یہ جو پروانے جو آگ پر آتے ہیں پتنگے وغیرہ، کہ ناحق پروانے کا خون ہو جائے گا، وہ بے چارہ مارا جائے گا۔ اب شاعر کیا کہنا چاہتا ہے پتہ نہیں چل رہا، یہ ہے تعقید بھئی۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے شہد کی مکھی کو باغ میں نہ جانے دو اس لیے کیونکہ یہ باغ کے اندر جائے گی تو وہاں یہ پھولوں کا رس چوسے گی اور پھر اپنا چھتہ بنائے گی اور اس پھولوں کے رس سے اس چھتے کے اندر شہد بنائے گی۔ جب اس چھتے کے اندر شہد ہو گا انسان اس کو دیکھے گا تو وہ آ کر اس شہد کو اتارے گا۔ جب اس شہد اور چھتے کو وہ اتار لے گا تو شہد تو اس میں سے نکال کر انسان استعمال کر لے گا کھا لے گا، لیکن جو چھتہ بچ جائے گا اس سے وہ موم بنائے گا اور اس موم سے پھر وہ موم بتی بنا لے گا، اور موم بتی کو جب وہ جلائے گا اور روشن کرے گا تو آگ ہو گی اور پروانے آگ کے پاس آتے ہیں، تو وہ پروانے آئیں گے اور اس آگ پر جل کر بے چارے مر جائیں گے۔ اس لیے شہد کی مکھی کو باغ ہی میں نہ جانے دو تاکہ نہ موم بتی بنے اور نہ پروانے جلیں۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو دیکھو کتنے واسطے بیچ میں آ گئے بھئی: مگس کو باغ میں جانے نہ دینا، کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا۔

اسی طرح ایک اور مثال ہے تعقید کی اردو میں بھئی: میری لیلی کو کر دیا مجنوں، اے سکندر میں تجھ کو کیا کوسوں۔ کوسوں یعنی کیا برا بھلا کہوں تجھے۔ شاعر کیا کہہ رہا ہے کہ اے سکندر تو نے میری لیلی کو مجنوں بنا دیا ہے تو میں تجھ کو کیا کوسوں، کیا برا بھلا کہوں اب میں تجھے۔ یہ تو ہوا لغوی معنی۔ کہنا کیا چاہتا ہے، شاعر کی مراد کیا ہے وہ سمجھ میں نہیں آتی۔ دراصل یہ سکندر بادشاہ جو گزرا ہے کہتے ہیں یہ آئینہ جس میں آپ اپنی صورت دیکھتے ہیں شیشہ، یہ آئینہ جو ہے یہ سکندر نے ایجاد کیا تھا، اس نے بنایا تھا بھئی، اس کی طرف نسبت مشہور ہے۔ تو شاعر کہتا ہے کہ اے سکندر میں تھا عاشق، میں تھا مجنوں اور جو میری معشوقہ تھی وہ لیلی ہے۔ لیلی کون تھی بھئی؟ معشوقہ تھی نا، اور عاشق کون تھا؟ مجنوں۔ تو میں مجنوں تھا اور وہ جو تھی معشوقہ تھی یعنی وہ میری لیلی تھی۔ لیکن اے سکندر تو نے شیشہ آئینہ بنا دیا، ایک دن میری معشوقہ کے ہاتھ آئینہ آ گیا، اس نے آئینے کے اندر اپنی صورت دیکھی تو اپنے بے انتہا حسن و جمال کو دیکھ کر وہ خود ہی اپنی عاشق بن گئی بھئی۔ خود ہی کیا بن گئی؟ اپنی عاشق بن گئی اور اپنی صورت سے اسے محبت ہو گئی، تو پہلے تو تھی وہ معشوقہ لیلی، اب وہ عاشق بن گئی مجنوں بن گئی، اپنی عاشق بن گئی، اور اے سکندر یہ سارا کچھ تیری وجہ سے ہوا، اب میں تجھے کیا برا بھلا کہوں، تیری وجہ سے کتنا مسئلہ خراب ہو گیا بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ میری لیلی کو کر دیا مجنوں، اے سکندر میں تجھ کو کیا کوسوں۔ یہ اردو میں دو مثالیں بھئی۔

بھئی شعر کا میں نے کیا ترجمہ کیا تھا؟ شاعر کیا کہنا چاہتا تھا کہ دنیا میں کسی حالت کو بقا نہیں، میں اس وقت غم کو اختیار کر رہا ہوں تاکہ بعد میں مجھے ہمیشہ کی خوشی حاصل ہو کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، کیونکہ کسی حالت کو بقا نہیں، حالتیں بدلتی رہتی ہیں: آج غم اختیار کروں گا کل خوشی ملے گی، اور غم کے بعد خوشی کی لذت بے انتہا ہوتی ہے۔ اگر آج میں خوشی کو اختیار کر لوں تو غم مل جائے گا کل، اور خوشی کے بعد تو غم برداشت کے قابل نہیں ہوتا بھئی۔ یہ پہلا معنی تھا شعر کا۔ بعضوں نے اس شعر کا اور ترجمہ کیا، وہ ترجمہ یہ ہے: شاعر یہ کہتا ہے کہ زمانہ اور یہ جو لوگ ہیں یہ سارے میرے رقیب ہیں، میرے مخالف ہیں بھئی۔ میں جو بھی کام کرنے لگتا ہوں یہ ہر میرے کام کے اندر رکاوٹ ڈالتے ہیں میرے مقصد کے اندر، ان کی کوشش ہوتی ہے میں اپنے مقصد میں کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوں، یہ سارے کیا ہیں میرے رقیب ہیں، میرے مخالف ہیں۔ اور ہر وقت یہ مجھے تکلیف دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، یہ مجھے میرے کسی مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیتے، ہر جگہ رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ لہٰذا آج سے اب میں دوسری ترکیب اختیار کرتا ہوں: میرا جو مقصد ہو گا میں اس کا جو عکس اور اس کی جو ضد ہو گی اس کا اظہار کروں گا اور یوں دکھلاؤں گا جیسے میرا مقصد تو یہ ہے۔ جیسے مثلاً اگر میرا مقصد خوشی ہے تو میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میرا مقصد خوشی ہے کہ مجھے خوشی مل جائے اس لیے کیونکہ پھر باقی لوگ اور زمانہ میرے کام میں رکاوٹ ڈالیں گے، مجھے خوشی نہیں حاصل ہونے دیں گے۔ تو میں ان کے سامنے یوں ظاہر کروں گا جیسے میرا مقصد غم ہے کہ مجھے کیا حاصل ہو جائے؟ غم۔ تو وہ دیکھیں گے اس کا مقصد تو غم ہے، تو اب وہ میرے ہر کام میں ہر مقصد میں رکاوٹ بنتے ہیں تو وہ غم کے اندر رکاوٹ بن جائیں گے اور مجھے تکلیف نہیں دیں گے کہ کسی طرح اس کو غم نہ ملے، یہ غم لینا چاہتا ہے ہم اس کو غم نہیں لینے دیں گے۔ اور جب غم نہیں لینے دیں گے تو مجھے کیا حاصل ہو جائے گی؟ خوشی، اور وہی تو دراصل میرا مقصد ہو گا جسے میں نے چھپا کر دل میں رکھا تھا بھئی، تو اس طرح میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ چنانچہ یہی بات کہہ رہا ہے: سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوا، میں تم سے اپنے گھر کی

دوری کو طلب کر رہا ہوں، یہ بظاہر میں کر رہا ہوں تا کہ یہ زمانہ اور رقیب دوری نہ ہونے دیں لِتَقْرُبُوا تو تم کیا ہو جاؤ گے؟ قریب ہو جاؤ۔ وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں یعنی کس کا اظہار ہے؟ غم کا کہ غم مجھے بڑا محبوب ہے، میں ان کو یہ دکھا رہا ہوں، تو وہ کوشش کریں گے کہ نہیں بھئی اب اس کا مقصود غم ہے تو اور غم مجھے نہیں دیں گے، تکالیف نہیں دیں گے کہ یہ غم کو پسند کر رہا ہے، تو اس سے لِتَجْمُدَا میری آنکھیں خشک ہوں گی یعنی مجھے خوشی حاصل ہو گی۔

دوسرا ترجمہ جو میں نے کیا اسی کو کسی نے اردو شعر میں ادا کیا ہے: مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی، آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ۔ شاعر کہتا ہے: مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی، ہجر جدائی، یار محبوب۔ شاعر کہتا ہے میری دعا کے اندر اثر نہیں ہے، قبولیت نہیں ہے بھئی، اثر کو میری دعا کے ساتھ مخالفت ہے اور اس میں قبولیت اسی وجہ سے نہیں۔ چنانچہ میں اپنے محبوب سے ملاقات کی دعا کرتا ہوں لیکن میری دعا میں چونکہ اثر نہیں ہے تو اس لیے میری ملاقات نہیں ہوتی اس سے۔ اب میں اس کا عکس کروں گا کہ اب کیا دعا کروں گا؟ اب محبوب سے جدائی کی دعا کروں گا، اور اثر کو تو میری دعا کے ساتھ دشمنی ہے، وہ سمجھے گا کہ شاید اس کا مقصد کیا ہے؟ محبوب سے دور ہونا چاہتا ہے۔ جب محبوب سے دور ہونا چاہتا ہے تو پھر یہ دور ہونے کی دعا قبول نہیں ہو گی، اور جب دور ہونے کی دعا قبول نہیں ہو گی تو پھر یقینا کیا ہو گا؟ اس کا عکس ہو گا اور میرا مقصد حاصل ہو جائے گا، محبوب سے ملاقات ہو جائے گی بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی، آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ۔

تو شاعر نے یہاں پر بھئی دو کنائے کیے: کنایہ اولی جو ہے آنسو بہانا، اس کو کنایہ کیا غم سے اور یہ کنایہ صحیح ہے اس سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اور دوسرا کنایہ کیا شاعر نے لِتَجْمُدَا کے اندر کہ جمود سے کس چیز سے کنایہ کیا؟ سرور اور خوشی سے، اور اس کے اندر تعقید ہے اس کے معنی کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ جمود یعنی آنکھوں کے خشک ہونے سے ذہن جو ہے وہ خوشی اور سرور کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ ذہن منتقل ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ وقت تو اب بھی غم ہی کا ہے لیکن آنکھیں آنسو بہانے میں بخل سے کام لے رہی ہیں۔ وقت تو بکا کا ہی ہے، رونے کا ہی ہے لیکن آنکھیں کیا کر رہی ہیں؟ آنسو بہانے میں بخل کر رہی ہیں، آنسو نہیں بہا رہیں بھئی۔ جیسے میں نے ذکر کیا کہ اردو میں بھی کہتے ہیں کہ اب تو آنسو بھی خشک ہو گئے ہیں، تو وہاں پر بھی دیکھیے آنسوؤں کا خشک ہونا یہ ذکر ہوتا ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ غم ختم ہو گیا اور خوشی آ گئی ہے، بلکہ یہ بھی کون سی حالت ہوتی ہے؟ غم ہی کی حالت ہوتی ہے، رونے ہی کا وقت ہوتا ہے لیکن آنکھیں آنسو بہانے میں بخل کرنے لگتی ہیں بھئی۔

■ قولہ: «حَيْثُ كَنَى بِالْجُمُودِ عَنِ السُّرُورِ» کی تشریح

دیکھیے یہی بات بتلا رہے ہیں: حَيْثُ كَنَى بِالْجُمُودِ عَنِ السُّرُورِ، اس حیثیت سے، كَنَى يَكْنِي کے معنی کنایہ کرنا، کہ شاعر نے کنایہ کیا بِالْجُمُودِ جمود کے ساتھ جو لِتَجْمُدَا کا لفظ آیا، تو یہ جمود کا لفظ جو اس نے استعمال کیا اس کے ذریعے اس نے کنایہ کیا عَنِ السُّرُورِ کس چیز سے؟ خوشی سے، اور اس میں تعقید ہے۔ مَعَ أَنَّ الْجُمُودَ يُكْنَى بِهِ عَنِ الْبُخْلِ وَقْتَ الْبُكَاءِ، باوجود اس کے کہ جمود جو ہے اس کے ذریعے کنایہ کیا جاتا ہے بخل سے وَقْتَ الْبُكَاءِ روتے وقت۔ جب روتے وقت آنکھیں کیا کریں؟ بخل کریں، تو اس کا کنایہ جمود کے ساتھ کیا جاتا ہے، جمود کے ساتھ اس کو ذکر کیا جاتا ہے بھئی۔ تو یہ وقت تو رونے کا ہی ہوتا ہے، وَقْتَ الْبُكَاءِ وقت کیا ہوتا ہے؟ رونے کا، لیکن اس وقت بخل کرتی ہیں آنکھیں آنسوؤں کے بہانے سے بھئی۔ تو ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ حَيْثُ كَنَى بِالْجُمُودِ عَنِ السُّرُورِ اس حیثیت سے کہ شاعر نے کنایہ کیا جمود کے ذریعے سرور سے، خوشی سے، مَعَ أَنَّ الْجُمُودَ يُكْنَى بِهِ عَنِ الْبُخْلِ وَقْتَ الْبُكَاءِ باوجود اس کے کہ جمود جو ہے اس کے ذریعے کنایہ کیا جاتا ہے عَنِ الْبُخْلِ وَقْتَ الْبُكَاءِ روتے وقت بخل کرنے سے یعنی آنکھوں کے آنسو بہانے میں بخل کرنے سے، اور وقت کون سا ہوتا ہے؟ رونے ہی کا، تو اس سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳: فصاحتِ متکلم کی تعریف (ملکہ اور کیفیت کا فرق) اور بلاغت کا لغوی واصطلاحی معنی

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۰ ــــ بتاریخ: ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِكَلَامٍ فَصِيحٍ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ۔ وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ الْوُصُولُ وَالِانْتِهَاءُ، يُقَالُ: بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهُ إِذَا وَصَلَ إِلَيْهِ، وَبَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِينَةَ إِذَا انْتَهَى إِلَيْهَا، وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

فصاحت کی بحث چل رہی ہے۔ آپ نے پڑھا فصاحت جو ہے یہ کلمہ کی بھی صفت بنتی ہے، کلام کی بھی صفت بنتی ہے اور متکلم کی بھی صفت بنتی ہے۔ اور فصاحت فی الکلمہ کے بارے میں پھر آپ نے پڑھا کہ فصاحت فی الکلمہ یہ ہے کہ کلمہ تین عیبوں سے خالی ہو بھئی: تنافر حروف، مخالفت القیاس اور غرابت۔ اور کلام فصیح وہ ہے جو تین عیبوں سے خالی ہو اور ایک چوتھی چیز اس میں ہونی چاہیے۔ تین عیب جس سے کلام فصیح کا خالی ہونا ضروری ہے وہ کون کون سے آپ نے پڑھے؟ تنافر کلمات، ضعف تالیف اور تعقید بھئی۔ تو فصاحت کلمہ کی بحث بھی مکمل ہوئی، فصاحت کلام کی بحث بھی مکمل ہوئی، آج ہم فصاحت متکلم کے بارے میں پڑھیں گے کہ متکلم میں فصاحت کا کیا معنی بھئی، متکلم فصیح کس کو کہیں گے، شاعر فصیح کس کو کہیں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ، اور متکلم کا فصیح ہونا جو ہے مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا، مَلَكَةٌ میم پر بھی فتحہ، لام پر بھی فتحہ بھئی، مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِكَلَامٍ فَصِيحٍ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ۔ فصاحت فی المتکلم جو ہے وہ نام ہے مَلَكَةٌ ایسے ملکے کا کہ يَقْتَدِرُ بِهَا۔ بھئی مَلَكَة لفظ آیا۔ یاد رکھیے کسی انسان کو جو ابتدا صفت حاصل ہوتی ہے وہ حال ہوتی ہے، حال کے درجے میں بھئی۔ کس درجے میں؟ حال کے درجے میں۔ کوئی صفت، کوئی چیز سیکھتا ہے ابتدا وہ حال کے درجے میں ہے، اور اگر وہ اس میں محنت کرے تو وہ چیز اس کے نفس کے ساتھ پختہ ہو جاتی ہے، وہ وصف اس کی ذات کے ساتھ پکا ہو جاتا ہے، پھر اس چیز کی اسے صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو یہ جو وصف اسے پختہ طور پر حاصل ہو گیا یہ ملکہ کہلاتا ہے۔ کیا کہلاتا ہے؟ ملکہ۔ تو ابتدا جو نفس کو صفت حاصل ہوتی ہے وہ کس درجے میں ہوتی ہے؟ حال کے درجے میں۔ اور محنت نہیں کرے گا تو یہ حال کے درجے میں ہے، اور حَالَ يَحُولُ حَوْلًا اس کا معنی بدل جانا، یہ صفت بھی گزر جائے گی، ختم ہو جائے گی بھئی، اس چیز کی صلاحیت اس میں نہ رہے گی۔

دیکھیے مثلاً مثال کے طور پر آپ علم بلاغت پڑھ رہے ہیں بھئی۔ اب یہ کتاب جب آپ پڑھ رہے ہیں، پوری کر لیں گے تو آپ میں بھی اس کتاب کو دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی، دوسروں کو اب آپ سمجھا سکتے ہیں۔ جب آپ نے اس کو پڑھ لیا تو کوئی آپ سے پوچھتا ہے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اس کو وہ مقام سمجھا سکتے ہیں کتاب کا جو بھی مقام آپ سے کوئی پوچھتا ہے بھئی۔ تو یہ آپ کو وصف حاصل ہو گیا کہ اب آپ اس کتاب کو کیا کر سکتے ہیں؟ پوچھنے پر بتلا سکتے ہیں، حل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ صفت جو آپ کو حاصل ہوئی یہ حال کے درجے میں ہے۔ اگر آپ اس کا تکرار نہیں کریں گے، محنت نہیں کریں گے تو چند دن یہ صفت رہے گی، پھر حَالَ يَحُولُ حَوْلًا بدل جائے گی، گزر جائے گی بھئی۔ کچھ عرصہ گزرا اور آپ نے اس کی طرف دوبارہ توجہ کی ہی نہیں تو بس ختم بھئی، پھر اس کے بعد کوئی پوچھے گا تو اب آپ کو پھر شروحات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، حل کریں گے پھر جا کر آپ کچھ سمجھا سکیں گے۔

لیکن اگر اسی کتاب پر آپ نے خوب پھر محنت کر لی سمجھنے کے بعد بھئی، خوب اس کا تکرار کرتے رہے، خوب پختہ اور ازبر کر لیا، زبردست محنت کی تو یہ کتاب جو ہے اس کو سمجھانے کی پختہ صفت آپ کو حاصل ہو جائے گی بھئی۔ اب یہ وصف آپ سے زائل نہیں ہو گا۔ جب آپ نے خوب اچھی طرح اس کو ازبر کر لیا تو اب آپ کتاب کو

رکھ بھی دیں، زندگی بھر جب بھی کوئی آپ سے پوچھے گا آپ نے اتنی محنت کی تھی، اتنا بہترین طریقے سے اس کو سیکھ لیا تھا کہ اب زندگی میں جب بھی کوئی آپ سے کوئی جگہ، مقام پوچھتا ہے کہ اس کا کیا معنی ہے، آپ میں صلاحیت ہوگی آپ فوراً اس کو بتلا دیں گے کہ اس کا یہ معنی ہے، یہ کتاب والا یہ بات کر رہا ہے۔ تو دیکھیے یہ وصف اب آپ کے نفس کے ساتھ پختہ ہو گیا، پکا ہو گیا، اب یہ جدا نہیں ہوتا۔ تو یہ جو وصف پکا ہو جائے اس کو کہتے ہیں ملکہ بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ ملکہ۔ ابتدا حال تھا اب کیا بن گیا؟ ملکہ بن گیا، یعنی اردو میں آسان لفظوں میں کہیے صلاحیت اور مہارت بھئی۔ اب آپ میں صلاحیت پیدا ہو گئی، آپ جب بھی کوئی پوچھے آپ اس کے سامنے اس کو بیان کر سکتے ہیں۔ اب آپ کتاب بند کر کے بھی رکھ دیں لیکن آپ کی یہ صلاحیت ختم نہیں ہوتی، یہ آپ کے ساتھ ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا جیسے اس کی مثال دیکھیں طالب علم آٹھ سال پڑھتا ہے درس نظامی کی کتابیں، سارا کچھ وہ سمجھ لیتا ہے اچھی طرح۔ اب آٹھ سال کے بعد یہ علوم جو اس نے سیکھ لیے دوسرے کو بھی سکھا سکتا ہے، یہ اس میں وصف پیدا ہو گیا۔ لیکن یہ وصف ابتدا حال کے درجے میں ہے۔ اگر وہ ان کتابوں کو چھوڑ دے گا، اور کاموں میں دنیا کے مشغول ہو جائے گا تو پھر آہستہ آہستہ کچھ ہی عرصے بعد یہ صفت ختم ہو جائے گی بھئی، گزر گئی بھئی، حال تھا گزر گیا بھئی۔ اب اس کے بعد اس کے لیے پڑھانا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن اگر دورہ حدیث کرنے کے بعد، آٹھ سال پڑھنے کے بعد پھر وہ ان علوم کو پڑھانا بھی شروع کر دیتا ہے اور آٹھ دس سال پڑھاتا رہتا ہے مسلسل بھئی، تو آٹھ دس سال جب پڑھائے گا تو اب وہ جو وصف حال کے درجے میں تھا اب ملکہ بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ ملکہ۔ وصف پختہ ہو گیا، اب اس کے بعد اب یہ کتابیں نہ بھی پڑھائے لیکن اس میں ملکہ آگیا، صلاحیت آگئی، اس کو مہارت حاصل ہو گئی۔ اب جب کبھی کوئی اس کے پاس آئے کہ مجھے یہ پڑھا دیں یا کچھ، تو وہ آسانی سے اس کو پڑھا سکے گا کیونکہ وہ وصف کیا ہو چکا؟ پختہ ہو گیا بھئی۔ تو ابتدا جو نفس کو وصف حاصل ہو وہ کس درجے میں ہے؟ حال کے درجے میں، اور یہی وصف جب پختہ ہو جائے تو یہ کیا کہلاتا ہے؟ ملکہ کہلاتا ہے بھئی۔ اردو میں کیا کہیں گے اس کو؟ صلاحیت کہ اس میں اس کام کی صلاحیت ہے، ملکہ ہے بھئی۔

جیسے آپ دیکھتے ہیں بھئی دنیا کے اندر بھی کوئی شخص کسی کام کو سیکھتا ہے تو تھوڑا سا سیکھے اور پھر چھوڑ دے تو بھول جاتا ہے بھئی، کوئی بھی ہنر وہ سیکھنے لگا ہے، کوئی بھی کام وہ کرنے لگا ہے۔ لیکن جب وہ اس ہنر کے ساتھ لگا رہے، محنت کرتا رہے تو کچھ عرصے میں ہی اس کو اس ہنر میں مہارت حاصل ہو جاتی ہے، اور پھر اس کے بعد اگر وہ چھوڑ بھی دے، بعد میں کافی عرصے بعد بھی پھر شروع کرے لیکن اس میں وہ مہارت جو تھی وہ اس سے اب ختم نہیں ہوئی بھئی۔ مہارت ایک مرتبہ جب آگئی تو پھر جدا نہیں ہو گی اور وہ پھر اس کام کو اسی طرح بہترین طریقے سے سرانجام دے سکے گا۔ جتنے بھی ہنر ہیں آپ دیکھ لیں بھئی: کوئی چیز بنانے کا ہنر ہے، ٹھیک کرنے کا ہنر ہے وغیرہ، تو یہ چیزیں ابتدا ان کو سیکھا یہ کس درجے میں؟ حال کے درجے میں، اور جب اسی میں وہ محنت کر کے ان میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو یہی وصف کیا بن جاتا ہے؟ ملکہ بن جاتا ہے بھئی۔ تو ملکہ کس چیز کا نام ہے؟ صلاحیت اور مہارت یعنی پختہ وصف جو نفس سے پھر جدا نہیں ہوتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ ہے ملکہ۔

■ قولہ: «وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ» کی تشریح

تو فصاحت فی المتکلم کی تعریف کر رہے ہیں بھئی، کہتے ہیں: وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ، اور متکلم میں فصاحت جو ہے مَلَكَةٌ وہ ایسا پکا وصف ہے، ایسی پختہ صفت ہے يَقْتَدِرُ بِهَا کہ وہ متکلم قادر ہوتا ہے بِهَا اس وصف کے، اس ملکے کے ذریعے عَلَى التَّعْبِيرِ کس چیز پر؟ تعبیر کرنے پر، تعبیر کا معنی ادا کرنا، عَنِ الْمَقْصُودِ کس سے؟ مقصود سے، کہ مقصود سے تعبیر پر وہ قادر ہو جاتا ہے یعنی مقصود کو تعبیر کر سکتا ہے بِكَلَامٍ فَصِيحٍ کس کے ساتھ؟ کلام فصیح کے ساتھ، فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ جس غرض میں بھی ہو۔ بھئی ملکہ ویسے تو صلاحیت اور مہارت کا نام ہے لیکن ہم یہاں ہر ملکے کی بات نہیں کر رہے، کون سے ملکے کی بات ہو رہی ہے؟ فصاحت فی المتکلم کی بات ہو رہی ہے۔ متکلم میں فصاحت کس چیز کا نام ہے، کسے کہتے ہیں متکلم فصیح؟ بتلایا کہ متکلم فصیح وہ ہے جس کے اندر ایسی پکی صفت ہو، ایسی پختہ صفت ہو کہ اس صفت کی وجہ سے وہ قادر ہے اس بات پر، اس میں قدرت ہے اس بات کی کہ وہ اپنے مقصود کو تعبیر کر سکے۔ مقصود کا کیا معنی؟ جو بات دوسرے کو پہنچانا چاہتا ہے، جو ادا کرنا چاہتا ہے، تو وہ جو مقصود ہے اس کا اس کو وہ تعبیر کر سکے۔ کیا معنی تعبیر کرنے کا؟ ادا کرنا۔ اس مقصود کو، اس معنی کو وہ ادا کر سکے کس کے ساتھ؟ بِكَلَامٍ فَصِيحٍ کلام فصیح کے ساتھ۔

تو اب ادھر دیکھیے بھئی، متکلم فصیح وہ ہے جو اپنی ہر غرض، اپنے ہر مقصد کو یعنی جو معنی وہ دوسرے کو پہنچانا چاہتا ہے، ہر اس معنی کو وہ فصیح کلام کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہو۔ متکلم فصیح کسے کہیں گے؟ جو اپنے مقصود کو، جو بھی مقصود ہو اس کا، جس غرض کے سلسلے میں بھی ہو، وہ اس مقصود کو فصیح کلام کے ساتھ تعبیر کر سکے اور ادا کر سکے تو اس کو کیا کہیں گے؟ متکلم فصیح کہیں گے۔ تو متکلم فصیح وہ ہے جس نے جو بات بھی کسی کو کہنی ہو اس میں صلاحیت ہو کہ وہ کس کے ساتھ ادا کر سکے اس کو؟ فصیح کلام کے ساتھ، اس کو متکلم فصیح کہیں گے۔ تو فصاحت فی المتکلم یہ ملکے کا نام ہے۔ کس چیز کا نام ہے؟ ملکے کا نام ہے کہ جس کے ذریعے وہ کلام فصیح کے ساتھ اپنے مقصود کو اور اپنی غرض کو ادا کر سکے، جو معنی دوسرے تک پہنچانا چاہتا ہے اس کو فصیح لفظوں کے ساتھ ادا کر سکے۔

بالفعل فصیح کلام کرنا نہیں ضروری بھئی۔ بالفعل فصیح کلام کرنا ضروری نہیں کہ وہ آپ کے سامنے کچھ فصیح کلام کرے گا تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟ متکلم فصیح کہیں گے۔ نہیں، ایک آدمی ساری زندگی بولتا ہی نہیں، خاموش رہتا ہے، لیکن اس میں صلاحیت ہے کہ وہ جب بھی جس مقصد کو بھی ادا کرنا چاہے تو کس کے ساتھ ادا کر سکتا ہے؟ کلام فصیح کے ساتھ ادا کر سکتا ہے، تو اس کو بس متکلم فصیح کہیں گے۔ چاہے اس نے ساری عمر ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہ کیا ہو، لیکن اس میں کیا ہے؟ صلاحیت ہے، وہ کیا کر

سکتا ہے؟ اپنے مقصد کو فصیح کلام کے ساتھ ادا کر سکتا ہے، بس جب اس میں صلاحیت ہے تو اس کو متکلم فصیح کہیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ فصاحت فی المتکلم جو ہے وہ ملکے کا نام ہے، اس میں بالفعل فصیح کلام کرنے کی قید نہیں ہے بھئی۔

لہذا ایک آدمی ہے اس میں یہ ملکہ تو نہیں ہے، صلاحیت تو نہیں ہے کہ وہ ہر معنی کو ادا کر سکے فصیح کلام کے ساتھ، لیکن ایک دن اس نے تقریر کی بھئی، کلام کیا اور بڑا ہی فصیح و بلیغ کلام کیا، تو آپ کیا اس کو متکلم فصیح کہیں گے؟ جی نہیں۔ ایک مرتبہ، دو مرتبہ، دس مرتبہ فصیح کلام کرنے سے کوئی متکلم فصیح نہیں بنتا، بلکہ متکلم فصیح میں صلاحیت ہونی چاہیے یعنی وہ پختہ ملکہ، پختہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ جب بھی اپنے جس معنی کو بھی ادا کرنا چاہے اس کو فصیح کلام کے ساتھ ادا کر سکے بھئی۔ بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ معلوم ہوا اس میں بالفعل کلام فصیح کی قید نہیں ہے، ہاں اس میں صلاحیت ہونی چاہیے، جس مقام پر بھی جس قسم کے بھی کلام کی ضرورت ہے وہ فصیح کلام وہاں پر کر سکے بھئی: چاہے کسی کی تعریف کرنی ہے، چاہے کسی کی مذمت کرنی ہے، چاہے کسی بھی قسم کا معنی ادا کرنا ہے، ہر مقام پر وہ کیا کر سکے؟ فصیح کلام کرنے کی اس میں صلاحیت ہو، بس اس کو کیا کہیں گے؟ متکلم فصیح کہیں گے بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ اب دیکھیے دوبارہ کتاب پر: وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِكَلَامٍ فَصِيحٍ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ۔ اور فصاحت فی المتکلم جو ہے مَلَكَةٌ وہ ایسا ملکہ ہے۔ مَلَكَةٌ نکرہ آیا، نکرہ کے بعد يَقْتَدِرُ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموما اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے، پوری بات کیا کریں، موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ تو فصاحت فی المتکلم جو ہے وہ ایسا ملکہ ہے، ایسی پختہ صفت ہے، ایسی پکی صفت ہے کہ يَقْتَدِرُ بِهَا کہ متکلم قادر ہوتا ہے بِهَا اس صفت کی وجہ سے، اس ملکے کی وجہ سے عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ کہ وہ مقصود سے تعبیر کر سکتا ہے یعنی اس کو ادا کر سکتا ہے بِكَلَامٍ فَصِيحٍ کس چیز کے ساتھ؟ کلام فصیح کے ساتھ۔ اور کسی ایک موقع پر یا ایک محل پر یا کسی خاص قسم کا کلام نہیں بھئی کہ ایک آدمی ہے وہ صرف مدح کے سلسلے میں ہمیشہ فصیح کلام کرنے پر قادر ہے، جب بھی کسی کی تعریف کرنی ہے وہ کیا کر سکتا ہے؟ فصیح کلام، باقی ہر موقع پر نہیں کر سکتا لیکن مدح کے اندر وہ جب بھی اس سلسلے میں بات کرتا ہے بڑا فصیح کلام کرتا ہے، تو اس کی وجہ سے بھی اس کو فصیح نہیں کہیں گے، بلکہ ہر غرض کو جب وہ کس سے ادا کرنے پر قادر ہو؟ فصیح کلام کے ساتھ، پھر اس کو کیا کہیں گے؟ متکلم فصیح کہیں گے۔ اسی لیے کہا: فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ، جس غرض میں بھی ہو، صرف مدح میں نہیں، صرف مذمت میں نہیں، بلکہ جس غرض میں بھی ہو یعنی ہر غرض کے اندر وہ کلام فصیح کے ساتھ اپنا معنی ادا کر سکے تو اس کو کیا کہیں گے؟ متکلم فصیح کہیں گے بھئی۔

وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ۔ فصاحت کی بحث مکمل ہوئی بھئی۔ آپ نے فصاحت کلمہ کو بھی پڑھ لیا، فصاحت کلام بھی آپ نے پڑھ لیا، اور فصاحت فی المتکلم بھی آپ جان گئے بھئی۔ اب دیکھیے متکلم فصیح کس کو کہیں گے؟ جس میں کلام فصیح کرنے کی صلاحیت ہو۔ دیکھو تعریف میں کس کی کر رہا ہوں؟ متکلم فصیح کی، اور تعریف کے اندر لفظ آ رہا ہے جو کیا کر سکے؟ کلام فصیح۔ دیکھو کلام فصیح کی تعریف میں آ رہا ہے، معلوم ہوا یہ کلام فصیح کا آپ کو پہلے سے پتہ ہونا چاہیے، پھر ہی آپ کو متکلم فصیح سمجھ میں آئے گا بھئی۔ اسی لیے کلام فصیح کو اس سے پہلے ذکر کیا بھئی۔ اور کلام فصیح کے اندر اس کی تعریف میں آپ نے پڑھا تھا کہ اس میں تین عیب نہ ہوں اور اس کلام کے سارے کلمات کیا ہوں؟ فصیح۔ تو وہاں کلمہ فصیح کا لفظ آ رہا تھا کلام کی تعریف میں، معلوم ہوا کلام فصیح تبھی آپ کو سمجھ میں آئے گا جب آپ کو کس کا پتہ ہو؟ کلمہ فصیح کا۔ اسی لیے کلام فصیح پر کلمہ فصیح کا بیان کیا کیا تھا انہوں نے؟ مقدم کیا تھا، جیسا کہ شروع میں ذکر ہوا تھا، اعتراض ہوا تھا کہ فصاحت کلمہ کو کیوں مقدم کیا ہے، تو جواب وہاں پر بھی یہی گزرا تھا کہ فصاحت کلام کے اندر فصاحت کلمہ ملحوظ ہے، اور فصاحت متکلم کے اندر فصاحت کلام ملحوظ ہے۔ تو لہذا فصاحت متکلم پر فصاحت کلام کو پہلے کرنا پڑے گا، اور فصاحت کلام کے اندر فصاحت کلمہ ملحوظ ہے تو فصاحت کلام سے پہلے فصاحت کلمہ کو ذکر کرنا پڑے گا، اسی لیے انہوں نے فصاحت کلمہ کو مقدم کیا اور اس کے بعد فصاحت کلام کو لائے اور سب سے آخر میں فصاحت متکلم کو لے کر آئے بھئی۔

■ قولہ: «وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ» کی تشریح

وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ، جی فصاحت کا بیان مکمل ہوا اب بلاغت کے بارے میں آپ کو بتلائیں گے بھئی کہ بلاغت کسے کہتے ہیں۔ سب سے پہلے بلاغت کا لغوی معنی بیان کر رہے ہیں کہ عربی زبان میں بلاغت کا کیا معنی ہے۔ فصاحت کا معنی تو بیان کیا تھا کہ فصاحت کے کئی معانی آتے ہیں لیکن ہر معنی کے اندر ظہور پایا جائے گا، ہر معنی کے اندر ظہور پر دلالت ہو گی بھئی۔ اب بلاغت کے بارے میں بتلانے لگے ہیں کہ اس کا کیا معنی ہے، کہتے ہیں: وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ، اور بلاغت جو ہے عربی زبان میں۔ فِي اللُّغَةِ عربی زبان میں، اللُّغَةِ میں الف لام اس کے ذریعے اشارہ ہے ہر زبان کی طرف نہیں بلکہ کس کی طرف اشارہ ہے؟ لغت عربی کی طرف اشارہ ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ اور بلاغت جو ہے عربی زبان میں الْوُصُولُ وَالِانْتِهَاءُ۔ الْوُصُولُ بھئی، وُصُول اور اِنْتِهَاء: وُصُول ہے معطوف علیہ اور الْإِنْتِهَاءُ یہ ہے معطوف، اور یاد رکھیے یہ عطف تفسیری ہے۔ عطف تفسیری میں پہلے بیان کر چکا جہاں معطوف معنی بیان کرتا ہے کس کا؟ معطوف علیہ کا۔ معطوف علیہ کون؟ وُصُول۔ وُصُول کا کیا معنی؟ اِنْتِهَاء، پہنچنا۔ تو وُصُول اور اِنْتِهَاء کا ایک معنی ہے بھئی: پہنچنا۔ اور پڑھیں گے اس کو کیسے؟ الْوُصُولُ وَالِانْتِهَاءُ۔ اِنْتِهَاء کا ہمزہ وصلی ہے وہ

گر جائے گا، الْإِنْتِهَاءِ الف لام کا ہمزہ بھی وصلی یہ بھی گر جائے گا، تو لام بھی ساکن نون بھی ساکن تو لام کو کسرہ دے دیں گے: لِنْتِهَاءِ، اور ما قبل میں واؤ پر فتحہ: وَالِانْتِهَاءِ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ بات پہلے بھی ذکر ہو چکی بھئی، اور یہ رائج غلطیوں میں سے ہے اور عموماً ہر ایک اس کو کس طرح پڑھتا ہے؟ وَالْإِنْتِهَاءِ، حالانکہ اِنْتِهَاء کا ہمزہ وصلی ہے اور اس کو درج عبارت میں پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں بلاغت جو ہے عربی زبان میں الْوُصُولُ وَالِانْتِهَاءُ وہ پہنچنا ہے، یعنی اس کا معنی کیا ہے؟ پہنچنا۔ يُقَالُ عربی زبان میں کہتے ہیں: بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهُ۔ عربی زبان میں یوں کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهُ۔ کب؟ إِذَا وَصَلَ إِلَيْهِ جب وہ اس مراد تک پہنچ جائے۔ جب کوئی شخص اپنی مراد کو پہنچ جائے تو عربی میں کہتے ہیں: بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهُ، پہنچ گیا فلاں اپنی مراد کو۔ تو دیکھا بَلَغَ پہنچنے کے معنی میں آیا بھئی۔ وَبَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِينَةَ، اور عربی میں کہتے ہیں: بَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِينَةَ۔ رَكْب کہتے ہیں سواروں کی جماعت بھئی، دس یا دس سے زیادہ سواروں کی جو جماعت ہو اس کو رَكْب کہتے ہیں۔ رَاكِب کا کیا معنی؟ سوار۔ تو یہ رَكْب جو ہے یہ اسم جمع ہے بھئی۔ اسم جمع اسے کہتے ہیں جو جمع کا صیغہ تو نہ ہو لیکن معنی جمع والا ادا کرے۔ تو رَكْب یہ رَاكِب کی جمع نہیں ہے، یہ اسم جمع ہے۔ کیا ہے؟ اسم جمع ہے، یہ خود جمع نہیں لیکن معنی جمع والا ادا کر رہا ہے، کیا معنی ہے؟ دس یا دس سے زیادہ سوار جو ہیں۔ تو دیکھیے تین سے زیادہ ہوئے تو جمع بن گئی بھئی، تو یہ دس پر دلالت کرتا ہے، دس یا دس سے زیادہ پر، تو معنی تو اس کا جمع والا ہے لیکن صیغہ جمع کا نہیں ہے بھئی۔ الرَّكْبُ بھئی، تو یہ دس یا دس سے زیادہ سواروں کی جو جماعت ہو اس کو رَكْبٌ کہتے ہیں، یعنی قافلہ کہیں۔ کیا معنی؟ قافلہ۔ اور عربی میں کہتے ہیں: بَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِينَةَ۔ کب کہتے ہیں؟ إِذَا انْتَهَى إِلَيْهَا، جب، اِنْتَهَى کا کیا معنی؟ پہنچنا، جب پہنچ جائے وہ قافلہ إِلَيْهَا، هَا ضمیر راجع ہے مَدِينَة کو، شہر کو، جب قافلہ شہر پہنچ جائے تو کہتے ہیں: بَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِينَةَ، قافلہ شہر پہنچ گیا۔ تو دیکھیے بَلَغَ معلوم ہوا کس معنی میں استعمال کرتے ہیں؟ پہنچنے کے معنی میں بھئی۔

وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ، دیکھیے یہاں کیسے پڑھیں گے؟ وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ، فِـلِصْطِلَاحِ۔ اور عموماً اس کو پڑھا کیسے جاتا ہے؟ فِي الْإِصْطِلَاحِ، حالانکہ یہ درست نہیں بھئی۔ اِصْطِلَاح کا ہمزہ بھی وصلی، الْإِصْطِلَاح الف لام کا ہمزہ بھی وصلی، تو لام بھی ساکن صاد بھی ساکن، لام کو کسرہ دے دیا: لِصْطِلَاحِ، اور فا کو ما قبل والے کی وہ صورت بنا لیتے ہیں جو ملنے کی صورت میں تھی۔ ملاتے ہوئے کیا تھا؟ فِي الْ، معلوم ہوا یا گر گئی تھی، صرف فا کے نیچے کسرہ تھا، تو اب بھی اسی طرح صرف فا کے نیچے کسرہ پڑھ دیں گے، یا کو نہیں پڑھیں گے: فِي الِاصْطِلَاحِ۔ لیکن سننے والے کو پتہ بھی نہیں چلے گا، وہ سمجھے گا شاید فِي الْإِصْطِلَاحِ پڑھا ہے حالانکہ فِي الْإِصْطِلَاحِ پڑھنا غلط بھئی۔ آپ نے کیا پڑھا؟ فِي الِاصْطِلَاحِ۔

وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ، اور اصطلاح میں یہ واقع ہوتا ہے وصف کلام اور متکلم کا، یعنی بلاغت اصطلاح کے اندر کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے۔ بھئی فصاحت میں تو آپ نے پڑھا تھا کہ فصاحت کلمے کی بھی صفت بنتی ہے، کلام کی بھی اور متکلم کی بھی۔ لیکن بلاغت یاد رکھیے وہ صرف کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے۔ کوئی کلام ہو تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کلام بلیغ ہے، یہ قصیدہ بڑا بلیغ ہے۔ اور متکلم کے بارے میں بھی کہتے ہیں: یہ متکلم بڑا بلیغ ہے، یہ شاعر بڑا بلیغ ہے، یہ مقرر بڑا بلیغ ہے۔ لیکن کلمے کے بارے میں کبھی نہیں کہتے کہ یہ کلمہ بلیغہ ہے بھئی۔ یہ کلمہ کیا ہے؟ بلیغہ ہے، یہ نہیں کہتے۔ اس کی کیا وجہ ہے، یہ کلمے کی صفت کیوں نہیں بنتا؟ وجہ یہ کہ ہم نے عربوں سے کبھی نہیں سنا۔ فصاحت تو عرب کلمہ کی صفت بناتے ہیں، عرب کہتے ہیں یہ کلمہ فصیح ہے، یہ کلام فصیح ہے، یہ متکلم فصیح ہے، لیکن بلاغت کے سلسلے میں وہ کلام کی صفت تو بناتے ہیں بلاغت کو، متکلم کی صفت تو بناتے ہیں، لیکن کبھی ہم نے عربوں سے نہیں سنا کہ انہوں نے کسی کلمے کو کیا کہا ہو؟ بلیغ کہا ہو بھئی، کسی لفظ کو بلیغ کہا ہو، بلکہ وہ ہمیشہ بلیغ کا لفظ کس کے لیے استعمال کرتے ہیں؟ کلام کے لیے یا متکلم کے لیے۔ شاعر ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں: شَاعِرٌ بَلِيغٌ، تو دیکھو شاعر متکلم ہے، بات کرنے والا ہے۔ کلام ہو تو کہتے ہیں: كَلَامٌ بَلِيغٌ، کوئی قصیدہ ہوتا ہے کہتے ہیں یہ قصیدہ بڑا بلیغ ہے، تو قصیدہ بھی وہ کلمہ ہوتا ہے یا کلام ہوتا ہے؟ کلام ہوتا ہے بھئی۔ تو اس کو کلام اور متکلم کی صفت بناتے ہیں اور کلمہ کی صفت نہیں بناتے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دلیل کیا ہوئی؟ عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے۔ اور اس کی وجہ وہ آگے آپ کو سمجھ میں آجائے گی کہ بلاغت کلام کے اندر مقتضائے حال کے ساتھ مطابقت ملحوظ ہوتی ہے، اور مقتضائے حال کے ساتھ مطابقت یہ کلام کے اندر تو ہو سکتی ہے، کلمہ کے اندر نہیں ہو سکتی بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴: بلاغتِ کلام کی تعریف: مطابقتِ مقتضائے حال، حال (مقام) اور مقتضیٰ (اعتبارِ مناسب) کی تحقیق

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۱ــــ بتاریخ: ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى الْحَالِ مَعَ فَصَاحَتِهِ۔ وَالْحَالُ وَيُسَمَّى بِالْمَقَامِ هُوَ الْأَمْرُ الْحَامِلُ لِلْمُتَكَلِّمِ عَلَى أَنْ يُورِدَ عِبَارَتَهُ عَلَى صُورَةٍ مَخْصُوصَةٍ۔ وَالْمُقْتَضَى وَيُسَمَّى الِاعْتِبَارَ الْمُنَاسِبَ هُوَ الصُّورَةُ الْمَخْصُوصَةُ الَّتِي تُورَدُ عَلَيْهَا الْعِبَارَةُ۔

گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں آپ نے فصاحت متکلم کے بارے میں پڑھا تھا کہ متکلم فصیح اس کو کہتے ہیں جس کو ایسا ملکہ حاصل ہو کہ جس کے ذریعے وہ اپنے ہر مقصود کو کلام فصیح کے ساتھ ادا کر سکے چاہے جو بھی اس کی غرض ہو بھئی۔ جو بھی غرض ہو اس کو وہ کس کے ساتھ ادا کر سکے؟ کلام فصیح کے ساتھ۔ ہر غرض کو ادا کر سکے، یہ نہیں کہ کوئی مخصوص کلام کی قسم تو وہ فصیح طریقے سے ادا کر سکے باقی نہ کر سکے تو اس کو متکلم فصیح نہیں کہیں گے۔ مثلا جیسے شاعر ہے بھئی، وہ مخصوص قسم کے مثلا مدح وغیرہ کے شعر تو اچھے اور فصیح طریقے سے کہہ سکتا ہے لیکن باقی قسمیں ہیں اشعار کی ان میں وہ فصاحت نہیں ہے تو اس کو شاعر فصیح نہیں کہیں گے بھئی۔

اس کے بعد ہم نے بلاغت کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھئی کہ بلاغت جو ہے وہ عربی زبان میں اس کا معنی پہنچنے کے ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنے مقصود تک پہنچ جائے تو عربی میں کہتے ہیں: بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهُ، وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ تو دیکھو بَلَغَ کا لفظ لے کر آتا ہے اور کس معنی کی ادائیگی کے لیے؟ پہنچنے کے معنی کے۔ اسی طرح عربی میں کہتے ہیں جب قافلہ شہر پہنچ جائے تو کہتے ہیں: بَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِينَةَ، معلوم ہوا بَلَغَ کس معنی کے لیے استعمال کیا؟ پہنچنے کے معنی کے لیے۔ تو عربی زبان میں بلاغت کے معنی پہنچنے کے ہیں بھئی۔ اور اصطلاح کے اندر آپ نے پڑھا یہ کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے بلاغت بھئی، یعنی کلمہ کی صفت نہیں بنتی بلاغت۔ اور وجہ کیا؟ دلیل میں نے ذکر کر دی تھی کیونکہ عربوں سے ہم نے نہیں سنا۔ عرب کلام کو بھی بلیغ کہہ دیتے ہیں، متکلم کو بھی بلیغ کہہ دیتے ہیں، لیکن کبھی ہم نے یہ نہیں سنا کہ عربوں نے کسی کلمے کو بلیغ کہا ہو بھئی۔ معلوم ہوا یہ صرف کس کی صفت بنتی ہے؟ کلام اور متکلم کی۔ اور جب عربی زبان میں یہ صرف کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے تو علم بلاغت کی اصطلاح کے اندر بھی یہ صرف کس کی صفت بنے گی؟ کلام اور متکلم ہی کی صفت بنے گی بھئی۔

اب آگے کتاب پر دیکھیے: فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى الْحَالِ مَعَ فَصَاحَتِهِ۔ اب بلاغت کی اصطلاحی تعریف کر رہے ہیں۔ ایک تو اس کا معنی تھا، عربی زبان میں بلاغت کا کیا معنی؟ پہنچنا۔ بلاغت کی اب اصطلاحی تعریف کہ وہ کسے کہتے ہیں، اور سب سے پہلے بلاغت کلام کو بیان کر رہے ہیں بھئی۔ یہاں بھی اسی طرح اشکال ہوتا ہے کہ پہلے بلاغت کی اصطلاحی تعریف ہونی چاہیے تھی، پھر اس کی تقسیم ہونی چاہیے تھی: بلاغت کلام اور بلاغت متکلم۔ لیکن ابتدا ہی بلاغت کلام کی تعریف شروع کر دی، معلوم ہوا اس کا بھی کوئی ایسا مشترک مفہوم نہیں جس کے اندر بلاغت کلام بھی داخل ہو جائے اور بلاغت متکلم بھی، تو کوئی ایک تعریف ہو ہی نہیں سکتی تھی اس لیے براہ راست کیا کر دی؟ تقسیم۔ اور اس میں پھر بلاغت کلام کو مقدم کیا۔ کیوں مقدم کیا؟ یہاں بھی وہی جواب: کیونکہ متکلم بلیغ کی تعریف میں کلام بلیغ کا لفظ آئے گا۔ تو کلام بلیغ کا پہلے سے پتہ ہو گا تو متکلم بلیغ کا پتہ چلے گا، اسی لیے کیا کیا؟ بلاغت کلام کو مقدم کیا تاکہ یہ سمجھ جائیں، آگے آئے گا متکلم بلیغ کسے کہتے ہیں اس کے اندر کیا آئے گا لفظ؟

کلام بلیغ۔ تو کلام بلیغ آپ نے پڑھا ہو گا، سمجھا ہو گا تو وہاں آپ کو سمجھ میں بات آئے گی، متکلم کی تعریف سمجھ میں آئے گی۔ اگر یہ مقدم نہ ہوا تو آپ کو وہ تعریف ہی سمجھ میں نہیں آئے گی، اس لیے اس کو مقدم کیا بھئی۔ تفصیل پیچھے گزر چکی بھئی، اسی طرح یہاں بھی جواب ہے۔

اب بلاغت کلام کہتے کسے ہیں؟ کہتے ہیں: فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ، کلام کا بلیغ ہونا جو ہے مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى الْحَالِ، مُطَابَقَتُهُ کی ہُ ضمیر راجع ہے کلام کو، مُطَابَقَتُهُ اس کلام کا مطابق ہونا لِمُقْتَضَى الْحَالِ مقتضائے حال کے۔ کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا مَعَ فَصَاحَتِهِ۔ مَعَ فَصَاحَتِهِ اس میں بھی ہِ ضمیر اسی کلام کو راجع ہے بھئی، مَعَ فَصَاحَتِهِ أَيْ مَعَ فَصَاحَةِ الْكَلَامِ، اور یہ حال واقع ہو رہا ہے مُطَابَقَتُهُ کی ہُ ضمیر سے: اس حال میں کہ وہ کلام کیا ہو؟ فصیح ہو، مَعَ فَصَاحَتِهِ اس کی فصاحت کے ساتھ یعنی اس حال میں کہ وہ کلام کیا ہو؟ فصیح ہو بھئی۔

آسان لفظوں میں یوں کہیے بھئی: آپ کا کلام فصیح بھی ہو اور موقع محل کے مطابق بھی ہو، اس کو کہیں گے بلاغت۔ کسے کہیں گے؟ کلام فصیح بھی ہو، یہ شرط ہے اس کے اندر، کلام کا فصیح ہونا ضروری ہے ورنہ بلاغت نہیں آئے گی، غیر فصیح کلام ہو تو بلاغت کی بات ہی نہیں آئے گی وہاں پر، یہ شرط ہے اس کے لیے کہ کلام کس قسم کا ہو؟ فصیح ہو۔ معلوم ہوا فصیح کلام ہو، اس میں وہ تین عیب جو ہم نے ذکر کیے تھے وہ نہیں ہونے چاہئیں، اور اس کا ہر کلمہ کیا ہونا چاہیے؟ وہ بھی فصیح یعنی اس میں جو کلمے کے اندر تین عیب آئے تھے وہ بھی نہیں ہونے چاہئیں۔ ان سب چیزوں سے خالی ہو تو پھر کلام فصیح ہو گا، اور یہ کلام فصیح آپ کا موقع محل کے مطابق ہو، جہاں پر بات کرنے لگے ہیں اس موقع کے مطابق آپ کلام کریں، تو اس کو کہتے ہیں کہ آپ کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ کس کے مطابق ہے؟ مقتضائے حال کے مطابق۔

جیسے دیکھیے بھئی ذہین آدمی ہے، اس کے سامنے بڑی لمبی تقریر کی ضرورت نہیں، اس کے سامنے مختصر بات بھی کر دو وہ بات سمجھ جائے گا۔ تو اب ذہین آدمی کے سامنے آپ مختصر کلام کریں، یہ کس قسم کا کلام کیا آپ نے؟ مقتضائے حال کے مطابق، موقع محل کے مطابق۔ کس کے مطابق کیا؟ موقع محل کے مطابق آپ نے کلام کیا، اور یہ کلام بھی فصیح تھا اور موقع محل کے مطابق مختصر بھی کیا، اس کو کیا کہیں گے؟ کلام بلیغ کہیں گے۔ ایک آدمی کا ذہن کمزور ہے، اس کو کوئی بات آپ سمجھانا چاہتے ہیں تو مختصر بات چاہیے یا تفصیل کے ساتھ بیان ہونا چاہیے؟ تفصیل کے ساتھ۔ جب اس کا ذہن کمزور ہے وہ لمبی بات چاہے گا، لمبی بات کی جائے تاکہ بات اس کو اچھی طرح پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ تو آپ فصیح کلام بھی کرتے ہیں اور کلام کس سے کر رہے ہیں؟ کمزور ذہن والے سے، تو کلام آپ کا فصیح بھی ہے اور لمبا بھی ہے تفصیل کے ساتھ، تو یہ آپ کا فصیح کلام موقع محل کے مطابق ہوا۔ اس کو کیا کہیں گے؟ کلام بلیغ کہیں گے۔ فصیح ہونا بھی ضروری اور موقع محل کے مطابق ہونا بھی ضروری۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو آسان لفظوں میں بلاغت کسے کہتے ہیں؟ موقع محل کے مطابق کلام کرنا اس حال میں کہ وہ کلام کیا ہو؟ فصیح ہو بھئی، فصیح ہونا ضروری ہے۔

معلوم ہوا ہر بلیغ کلام اس کا فصیح ہونا ضروری ہے۔ بلیغ تو وہ ہے نا جو موقع محل کے مطابق ہے اور ساتھ شرط تھی کہ کلام کس طرح کا ہونا چاہیے؟ فصیح۔ معلوم ہوا ہر بلیغ کلام کیا ہو گا ہمیشہ؟ فصیح ہو گا۔ فصیح نہیں تو پھر تو بلیغ ہی نہیں کہیں گے اس کو کیونکہ ہم نے شرط لگا دی کہ بلاغت کی تعریف کے اندر قید آگئی۔ تو ہر بلیغ کلام اس کا فصیح ہونا ضروری ہے، لیکن اس کا عکس نہیں ہے: ہر فصیح کلام کا بلیغ ہونا ضروری ہے؟ نہیں۔ پیچھے فصاحت کلام کی تعریف پڑھی تھی آپ نے، وہاں کوئی بلاغت کی تعریف تھی، موقع محل کے مطابق ہونا ضروری تھا؟ نہیں تھا۔ تو فصاحت کے اندر بلاغت کی قید نہیں لیکن بلاغت کے اندر فصاحت کی قید ہے۔ معلوم ہوا بلیغ تبھی ہو گا کلام جب وہ فصیح بھی ہو، لیکن فصیح کلام کے اندر بلاغت کی شرط نہیں، معلوم ہوا فصیح کلام کے لیے بلیغ ہونا ضروری نہیں۔ آپ کا کلام فصیح ہے اب چاہے موقع کے مطابق نہ ہو، کہیں گے اس کو فصیح کلام ہی۔ ہاں اگر موقع کے مطابق نہیں ہے تو کہیں گے بلیغ نہیں ہے، فصیح ہے لیکن بلیغ نہیں ہے۔ بلیغ تو کب ہو گا؟ جب فصیح بھی ہو اور موقع محل کے مطابق بھی ہو: جہاں لمبی بات چاہیے وہاں لمبی بات کریں، جہاں چھوٹی بات چاہیے وہاں چھوٹی اور مختصر بات کریں تو پھر کہتے ہیں موقع محل کے مطابق ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ معلوم ہوا ہر بلیغ کلام وہ فصیح بھی ہو گا، لیکن ہر فصیح کلام کا بلیغ ہونا ضروری نہیں ہے، ہو سکتا ہے بلیغ بھی ہو، ہو سکتا ہے بلیغ نہ ہو، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا فصیح وہ رہے گا بھئی۔ تو ہر بلیغ کلام فصیح ہے لیکن ہر فصیح کلام کا بلیغ ہونا ضروری نہیں ہے بھئی۔

بھئی دیکھیے میں آپ کو قیام زید کی خبر دینا چاہتا ہوں، بتلانا چاہتا ہوں کہ زید کھڑا ہے۔ اس خبر دینے کے مختلف طریقے ہیں، مختلف لفظوں کے ساتھ میں آپ کو یہ خبر دے سکتا ہوں۔ میں آپ سے کہہ سکتا ہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں: وَاللَّهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ۔ تو دیکھو کتنی صورتیں ہیں اسی کو ادا کرنے کی۔ اسی طرح میں کہہ سکتا ہوں: قَامَ زَيْدٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو قیام زید کی خبر دینے کے مختلف طریقے ہیں۔ اسی طرح کوئی بھی آپ کسی سے بات کرنا چاہیں اس بات کرنے کے مختلف طریقے ہیں، اس کے لیے مختلف الفاظ آپ استعمال کر سکتے ہیں جیسے میں نے ابھی ذکر کر دیا، ایک مثال دے دی۔ میں بات کیا بتلانا چاہتا تھا آپ کو؟ زید کے قیام کی، کھڑے ہونے کی۔ یہ تو ایک مثال ذکر کی، کوئی بھی بات آپ دنیا کی لے لیں جب دوسرے سے کرنی ہے اس میں مختلف لفظ آپ استعمال کر سکتے ہیں بھئی۔ تو یہاں پر میں قَامَ زَيْدٌ بھی کہہ سکتا ہوں، زَيْدٌ قَائِمٌ بھی کہہ سکتا ہوں، إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ بھی، إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ بھی، اور وَاللَّهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ بھی۔

اب جس کو میں یہ بات سنانا چاہتا ہوں، جس سے میں یہ بات کرنا چاہتا ہوں وہ تین حال میں سے کوئی ایک حال اس کا ضرور ہو گا بھئی، تین احوال میں سے: یا تو اس بات

کے بارے میں اس کا ذہن بالکل خالی ہو گا، پہلے یہ بات اس کے ذہن میں نہیں تھی اب آپ نے آکر اس کو کہا زَيْدٌ قَائِمٌ۔ ایک یہ صورت کہ اس کا ذہن خالی ہو، کس چیز سے؟ اس بات سے خالی ہو، دنیا کی ہر چیز سے خالی نہ ہو بلکہ جو میں کلام کرنے لگا ہوں اس بارے میں یہ بات اس کے ذہن میں پہلے سے تھی ہی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے یہ بات تو تھی اس کے ذہن میں لیکن اس کو شک تھا اس بارے میں کہ پتہ نہیں زید کھڑا ہے یا کھڑا نہیں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے اس بات کا اس کو پتہ ہے لیکن وہ اس کو تسلیم ہی نہیں کر رہا، انکار کر رہا ہے بھئی۔ تو تین حالتوں میں سے ایک حالت ضرور ہو گی: یا اس کا ذہن اس بات کے بارے میں خالی ہو گا، یا اس بات کے بارے میں اس کے ذہن میں تردد ہو گا، شک ہو گا، یا اس بات کے بارے میں اس کے ذہن میں انکار ہو گا، وہ اسے تسلیم ہی نہیں کر رہا بھئی۔ تو مخاطب تین حال ان میں سے کوئی ایک ضرور ہو گا: یا وہ خالی الذہن ہو گا، یا وہ متردد ہو گا، یا وہ منکر ہو گا۔ کس چیز میں متردد ہے یا کس چیز کا منکر ہے؟ ہر چیز کا منکر نہیں، ہر چیز میں متردد نہیں، جو بات میں کہنے لگا ہوں اس میں اس کو یا تردد ہو گا، یا اس کا ذہن خالی ہو گا، یا اس بات کے بارے میں اس کے ذہن میں انکار ہو گا۔

بھئی آپ کا ساتھی ہے ایک بات مان ہی نہیں رہا، تو آپ اس کے سامنے وہ بات مضبوط طریقے سے کرنا چاہتے ہیں تو کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ جی قسم اٹھا کر آپ اس کو کہتے ہیں۔ آپ نے اس کو کہا تھا زید کھڑا ہے، وہ کہہ رہا ہے نہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا، مثلاً یہ تو میں مثال دے رہا ہوں کوئی اور بات کوئی بھی ہو، کوئی خبر آپ نے اس کو آکر دی، جو بھی خبر دیتے ہیں اس کے ذہن میں انکار ہے وہ تسلیم ہی نہیں کر رہا۔ تو جب تسلیم وہ بات کو نہ کر رہا ہو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ قسم اٹھاتے ہیں اس کے سامنے۔ معلوم ہوا آپ کلام کا ایک خاص انداز، لفظوں کا ایک خاص انداز اختیار کرتے ہیں: خبر ابھی بھی وہی دے رہے ہیں، صرف کس چیز کا اضافہ کر دیا؟ قسم کا تاکہ بات زوردار ہو جائے کیونکہ قسم کی وجہ سے بات میں بڑا زور آجاتا ہے، مضبوط بات ہو جاتی ہے بھئی۔ آپ ایسا کرتے ہیں یا نہیں کرتے بھئی؟ آپ کو بھی معلوم ہوا منکر کے سامنے کلام مضبوط کرنا ہے، ہلکا پھلکا کلام نہیں کرنا، وہ ہلکی پھلکی بات ہی کا تو انکار کر رہا ہے، اب اس کو قائل کرنا ہے تو قسم کھانا پڑے گی۔

تو معلوم ہوا مخاطب جو ہے وہ یا تو خالی الذہن ہو گا، یا متردد ہو گا، یا منکر ہو گا۔ اگر مخاطب خالی الذہن ہے اور آپ اس کو قیام زید کی خبر دینا چاہتے ہیں تو یاد رکھیے ایسا کلام لے کر آئیں جس میں تاکید نہ ہو، کیونکہ تاکید کی یہاں ضرورت ہی نہیں ہے، اس کے ذہن میں تردد یا انکار ہے ہی نہیں۔ بغیر تاکید کے اس کے سامنے کلام لے کر آؤ اور کہو: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ کیا کہو؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اگر آپ اس کو آکر کہتے ہیں: وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، وہ فوراً کہے گا بھئی یہ قسم اٹھانے کی کیا ضرورت ہے، یہ إِنَّ تاکیدات لانے کی کیا ضرورت ہے، میں نے کب انکار کیا ہے اس بات کا؟ آپ کبھی کسی کے سامنے قسم اٹھاتے ہیں وہ کہتا ہے یا نہیں کہتا: بھئی قسم اٹھانے کی کیا ضرورت تھی، میں نے کب اس بات سے انکار کیا ہے؟ معلوم ہوا قسم ہر جگہ نہیں اٹھائی جاتی، موقع محل دیکھا جائے گا۔

تو لہٰذا اگر مخاطب کے ذہن میں وہ بات پہلے سے موجود نہیں، وہ خالی الذہن ہے، نہ اس کے ذہن میں تردد ہے نہ انکار ہے، تو یہ موقع محل ایسا ہے جہاں تاکید کو نہیں لانا چاہیے۔ اب آپ کو اس کو زَيْدٌ قَائِمٌ کے ساتھ کلام ذکر کرنا چاہیے یا قَامَ زَيْدٌ کہنا چاہیے۔ اگر آپ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کہتے ہیں تو آپ یہ إِنَّ زائد لے آئے، اس کی ضرورت تھی یہاں پر؟ نہیں۔ تو کلام آپ کا موقع محل کے مطابق ہوا یا غیر مطابق ہوا؟ غیر مطابق، آپ کا کلام بلاغت سے خارج ہو گیا۔ بے شک فصیح کلمہ زَيْد کا لفظ بھی فصیح تھا، قَائِمٌ کا لفظ بھی فصیح تھا، لیکن فصیح تو ہے کلام آپ کا لیکن بلیغ نہیں، موقع محل کے مطابق نہیں۔ موقع محل کے مطابق کلام کیا جائے تو پھر وہ بلیغ کہلائے گا۔ تو یہاں خالی الذہن کے سامنے تاکید کی ضرورت نہیں تھی اور آپ تاکید لے آئے، تو آپ کی تاکید تو ضائع گئی بھئی، تو یہ آپ کا کلام بلیغ نہیں۔ لہٰذا خالی الذہن کے سامنے میں کہتا ہوں: قَامَ زَيْدٌ، بغیر تاکید کے ہے کلام، موقع محل کے مطابق ہے یا نہیں ہے بھئی؟ موقع محل کے مطابق ہے تو یہ کلام بلیغ ہے۔ یا میں کہتا ہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ کلام بھی کیا ہے؟ موقع محل کے مطابق ہے تو یہ کلام بلیغ ہے بھئی۔

متردد ہو، اگر دوسرے کو اس بارے میں شک ہو، یہ خبر اس کو پہنچی تو ہے لیکن شک ہے کہ پتہ نہیں یہ خبر سچی ہے یا سچی نہیں ہے، تو اگر مخاطب متردد ہو تو مستحسن ہے، پسندیدہ ہے اس کے سامنے ایک تاکید لے آؤ۔ کیا کرو؟ ایک تاکید لے آؤ۔ پسندیدہ ہے، واجب نہیں ہے لیکن پسندیدہ ہے کہ اس کے سامنے چونکہ شک ہے، بات تو پہلے بھی پہنچ چکی ہے اس کو کہ زید کھڑا ہے لیکن اس کو شک ہے، اب تھوڑا سا کلام میں زور تو لے کر آؤ تاکہ اس کا شک زائل ہو جائے۔ تو پسندیدہ کیا ہے؟ متردد کے سامنے ایک تاکید لے آؤ، تھوڑا سا تاکید والا کلام لے آؤ۔ تو لہٰذا آپ کے ذہن میں قیام زید کے بارے میں شک تھا، آپ کو کسی نے بتایا تو تھا لیکن آپ متردد ہیں کہ پتہ نہیں یہ خبر سچی ہے یا نہیں، اب میں آپ کے سامنے کس طرح کہوں گا؟ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب تاکید میں لے آیا۔ لیکن اگر میں صرف یہ کہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ، تو یہ میں نے پسندیدہ کام نہیں کیا بھئی۔ پسندیدہ کلام کا طریقہ کیا تھا؟ کہ اس کے سامنے ایک تاکید لے آؤ متردد کے سامنے، تھوڑی سی کلام میں تاکید لے آؤ۔

اور اگر منکر ہو، اس کے سامنے تاکید کا لانا واجب ہے۔ آپ کو قیام زید کی خبر دی ہے ایک ساتھی نے لیکن آپ نہیں تسلیم کر رہے اس بات کو کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، آپ انکار کر رہے ہیں۔ اب میں آپ کے سامنے کہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ کوئی تاکید لایا میں کلام میں؟ کوئی تاکید نہیں لایا، لہٰذا میرا یہ کلام بالکل ردی اور بے کار ہے آپ کے سامنے۔ یہ کلام بلاغت سے خارج ہے کیونکہ اس میں تاکید نہیں، موقع محل تو کیسا تھا کہ کس طرح کا کلام لے کر آؤ؟ تاکید والا۔ تو یہ کلام بلاغت سے خارج ہوا، موقع محل کے مطابق ہو گا تو بلیغ ہے ورنہ بلیغ نہیں ہے بھئی۔ لہٰذا اب آپ کے ذہن میں انکار ہے تو مجھے کس طرح کا کلام کرنا چاہیے؟ تاکید والا، یوں کہنا چاہیے: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ یہ تو اس وقت میں کہوں گا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ جب آپ کے ذہن میں تھوڑا انکار ہے۔ جتنا انکار شدید بڑھا ہوا ہو اسی کے بقدر تاکیدات لانا، اس سے کلام کا رتبہ بڑھ کر کلام اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا اگر پوری مطابقت آگئی اس کی بھئی۔

■ قولہ: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» کی تشریح

اچھا یہ تو تھا مثلا آپ کا انکار تھوڑا سا تھا، تو میں کہوں گا: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ اگر آپ کے ذہن میں انکار زیادہ تھا تو پھر میں تاکید بڑھا کر کہوں گا: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، اب یہ اس پہلے کلام سے بھی زیادہ زور والا کلام ہوا۔ اگر اس سے بھی زیادہ انکار تھا آپ کے ذہن میں تو پھر میں کہوں گا: وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ بھئی۔ جملہ اسمیہ بھی آ گیا، إِنَّ بھی آ گیا، لام بھی آ گیا، قسم بھی آ گئی، تو دیکھو چار تاکیدات کے ساتھ کلام ہو گیا۔ تو لہذا خالی الذہن کے سامنے کس قسم کا کلام کیا جائے گا، تاکید والا یا بغیر تاکید کے؟ بغیر تاکید کے۔ متردد کے سامنے کس طرح کا کلام کیا جائے گا؟ مستحسن ہے کہ اس میں ایک تاکید ہو، تھوڑی سی تاکید ہو کلام کے اندر۔ اور منکر کے سامنے؟ تاکید کا لانا واجب ہے، اور پھر جس درجے کا انکار ہو اسی درجے کی تاکید بھی ہونی چاہیے: تھوڑا انکار ہے تھوڑی تاکید سے کام چل جائے گا، زیادہ انکار ہے تو زیادہ تاکید لانا پڑے گی بھئی۔

اب دیکھیے کتاب پر بھئی: فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ، کلام کا بلیغ ہونا یہ کسے کہتے ہیں؟ مُطَابَقَتُهُ کلام کا مطابق ہونا لِمُقْتَضَى الْحَالِ کس کے ساتھ؟ مقتضائے حال کے ساتھ مَعَ فَصَاحَتِهِ أَيْ مَعَ فَصَاحَةِ الْكَلَامِ، ساتھ اس کلام کے فصیح ہونے کے۔ یعنی کلام فصیح ہو اور وہ مطابق ہو مقتضائے حال کے تو اس کلام کو کیا کہیں گے؟ کلام بلیغ کہیں گے۔ تو یہاں لفظ آیا مقتضائے حال۔ آسان لفظوں میں میں نے کیا کہا تھا؟ موقع محل کے مطابق کلام کرنا تو یہ کیا ہے؟ بلاغت ہے۔

اب اس مقتضائے حال کو اچھی طرح سمجھ لیں بھئی۔ بھئی دیکھیے میرے سامنے جو مخاطب ہے، یہاں بلکہ ایک دو لفظ سمجھ لیں: ایک ہوتا ہے مُخَاطَب، ایک ہے مُخَاطِب۔ مُخَاطَب جس سے بات کی جائے، جو سامنے موجود ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُخَاطَب۔ اور مُخَاطِب اسم فاعل کا جو صیغہ ہے، یاد رکھیے اس کا معنی ہے خطاب کرنے والا یعنی وہ متکلم۔ تو متکلم اور مُخَاطِب کا ایک معنی ہے۔ جیسے اس وقت میں آپ سے بات کر رہا ہوں تو میں ہوا متکلم یا دوسرے لفظوں میں کیا ہوں؟ مُخَاطِب ہوں، اور آپ لوگ ہیں مُخَاطَب بھئی۔ اور یہ جو کلام میں آپ کی طرف متوجہ ہو کر کر رہا ہوں اس کو کہتے ہیں خطاب۔ کیا کہتے ہیں؟ خطاب کہتے ہیں، وہ کلام جو غیر کی طرف متوجہ ہو کر کیا جائے اس کو خطاب کہا جاتا ہے بھئی۔

تو اب دیکھیے میرے سامنے ایک مخاطب ہے، جو بات میں کرنا چاہتا ہوں اس کے بارے میں یا تو وہ خالی الذہن ہو گا، یا متردد ہو گا، یا منکر ہو گا۔ تو یہ مخاطب کا خالی الذہن ہونا یہ حال ہے۔ کیا ہے؟ حال ہے اس وقت۔ اور یہ حال تقاضا کرتا ہے کس قسم کا کلام یہاں ہونا چاہیے؟ بغیر تاکید کے۔ مخاطب میرے سامنے بیٹھا جو ہے مثلا وہ متردد ہے اس بات کے بارے میں، تو یہ تردد اس کا حال ہے۔ تردد کیا ہے؟ حال۔ یہ حال کیا تقاضا کرتا ہے، کس طرح کا کلام یہاں ہونا چاہیے؟ کہ ایک تاکید کا لانا پسندیدہ ہے۔ اور اگر مخاطب منکر ہے، یہ کس قسم کے کلام کا تقاضا کرتا ہے؟ کہ تاکید کا لانا واجب ہے بھئی، ایسا کلام لے کر آؤ۔ تو یہ جو مخاطب کے احوال ہیں یا یوں کہیں موقع محل جو ہے، اس کو کہتے ہیں حال بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ حال کہتے ہیں۔ اور اسی کا دوسرا نام آگے آپ کو بتائیں گے: مقام بھی ہے۔ حال کا دوسرا نام کیا ہے؟ مقام بھی ہے۔ تو یہ متردد ہونا مخاطب کا یہ ایک حال ہے یا یوں کہیں ایک مقام ہے۔ مخاطب کا منکر ہونا یہ حال ہے۔ اور یہ حال تقاضا کرتا ہے کہ فلاں قسم کا کلام لے کر آؤ۔ یہ حال کیا کرتا ہے؟ تقاضا کرتا ہے، یہ حال کہہ لیں یا مقام کہہ لیں دونوں لفظ اس کے لیے استعمال ہوتے ہیں، یہ حال تقاضا کرے گا کہ اس طرح کا کلام لانا ہے۔ تو حال ہو گا مقتضی، تقاضا کرنے والا۔ کون تقاضا کرے گا؟ حال یا مقام۔ جس قسم کا موقع محل ہے وہ تقاضا کرے گا کہ اس طرح کا کلام یہاں ہونا چاہیے، تو وہ حال یا مقام کیا ہو گا؟ مقتضی، تقاضا کرنے والا۔ اور کس چیز کا تقاضا کرے گا؟ خاص قسم کے کلام کا کہ تاکید مثلا ہونی چاہیے یا تاکید نہیں ہونی چاہیے۔ تو جس چیز کا وہ تقاضا کر رہا ہے، جس قسم کے کلام کا وہ ہوا مقتضی، مقتضائے حال، مقتضائے مقام بھئی۔ تو مقتضی کون؟ وہ حال یا مقام، اور مقتضی جس قسم کے وہ کلام کا تقاضا کر رہا ہو، تو وہ ہوا مقتضائے حال یا مقتضائے مقام۔

تو مثلا مخاطب ہے منکر، اس کا حال کیا ہوا؟ منکر ہونا۔ اس حال نے کس چیز کا تقاضا کیا، کس قسم کا کلام لاؤ؟ جس میں تاکید ہو۔ تو مقتضائے حال ہوا تاکید والا کلام، اور میں نے بھی اس موقع پر تاکید استعمال کی اور کہا: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، تو میرا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہے بھئی۔ جیسا حال تقاضا کر رہا تھا میں ویسا ہی کلام لے کر آیا تو یہ کیا ہوا میرا کلام؟ مقتضائے حال کے مطابق ہوا بھئی، اس کو کہتے ہیں بلاغت بھئی۔ جیسا حال تقاضا کر رہا ہو اسی کے مطابق کلام ہو۔ تو حال ہوتا ہے مقتضی، تقاضا کرنے والا، اور جس قسم کے کلام کا تقاضا کرے وہ کیا ہے؟ مقتضائے حال کہ مثلا تاکید لاؤ یا تاکید نہ لاؤ، اور کلام اس کے مطابق ہو تو اس کو کیا کہیں گے؟ بلاغت کہیں گے۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھئی؟

■ قولہ: «فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى الْحَالِ مَعَ فَصَاحَتِهِ، تو بلاغت فی الکلام جو ہے وہ اس کلام کا مطابق ہونا ہے مقتضائے حال کے، ساتھ اس کلام کے فصیح ہونے کے۔ وَالْحَالُ وَيُسَمَّى بِالْمَقَامِ، اب حال اور مقام کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ میں نے کیا کہا تھا؟ حال یا مقام کا ایک معنی ہے۔ حال کہتے ہیں زمانے کے اعتبار سے اور مقام کہتے ہیں محل کے اعتبار سے، جگہ کے اعتبار سے۔ جب بھی میرے سامنے ایک مخاطب ہے، میں اس سے بات کرنے لگا ہوں، تو اگر منکر ہے میرے سامنے میں اس سے کلام کرنے لگا ہوں تو یہ زمانہ کیا تقاضا کر رہا ہے، کس قسم کا کلام ہونا چاہیے؟ تاکید والا۔ تو زمانے کے اعتبار سے اس کو حال کہیں گے، اس کا منکر ہونا کیا ہے؟ حال۔ اور محل اور جگہ کے اعتبار سے یہ مقام کس قسم کا ہے، یہ جگہ کس قسم کی ہے، مجھے کس طرح کا کلام کرنا چاہیے؟ تاکید والا۔ تو زمانے کے اعتبار سے اسے حال

کہیں گے اور محل کے اعتبار سے اس کو مقام کہیں گے، تو دونوں کا معنی ایک ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَالْحَالُ وَيُسَمَّى بِالْمَقَامِ، اور حال اور اس کو موسوم کیا جاتا ہے مقام کے ساتھ، یعنی اس کو مقام بھی کہتے ہیں، وہ کسے کہتے ہیں؟ آگے تعریف کر رہے ہیں: هُوَ الْأَمْرُ الْحَامِلُ لِلْمُتَكَلِّمِ، وہ چیز ہے، الْحَامِلُ حامل کا معنی ابھارنے والا، وہ چیز ہے جو ابھارنے والی ہے متکلم کو عَلَى أَنْ يُورِدَ عِبَارَتَهُ، أَوْرَدَ يُورِدُ کے معنی ہوتے ہیں لانے کے۔ کس بات پر ابھار رہی ہے؟ وہ چیز جو متکلم کو ابھارتی ہے اس بات پر کہ أَنْ يُورِدَ عِبَارَتَهُ کہ وہ لے کر آئے اپنی عبارت عَلَى صُورَةٍ مَخْصُوصَةٍ ایک مخصوص صورت پر، یہ ہے حال بھئی۔ بھئی دیکھیے مخاطب میرے سامنے منکر تھا، تو اس مخاطب کا منکر ہونا یہ حال اور مقام ہے۔ اس حال اور اس مقام نے مجھ سے تقاضا کیا اور مجھے ابھارا کہ ایک مخصوص صورت پر اپنی عبارت لے کر آنا۔ کس صورت پر لے کر آنا؟ تاکید کے ساتھ لے کر آنا اپنی عبارت بھئی۔ یہ مجھے کس نے ابھارا، کس چیز نے اس بات پر تیار کیا کہ مجھے تاکید یہاں لانی چاہیے؟ اس کے منکر ہونے نے۔ تو یہ منکر ہونا حال اور مقام تھا، اس نے مجھے ابھارا کہ کس طرح کا کلام کرنا؟ تاکید والا کرنا، بغیر تاکید والا نہیں کرنا ورنہ بے کار ہے، ردی ہے بھئی۔ تو یہ جو اس کا منکر ہونا یہ ہے حال اور مقام، یہ تقاضا کرتا ہے۔ حال اور مقام ہے مقتضی، اور مخصوص صورت جس کا وہ تقاضا کرتا ہے وہ ہے مقتضائے حال یا مقتضائے مقام بھئی۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟

تو کہتے ہیں: وَالْحَالُ وَيُسَمَّى بِالْمَقَامِ، اور حال اور اس کو مقام کہتے ہیں هُوَ الْأَمْرُ الْحَامِلُ لِلْمُتَكَلِّمِ وہ چیز جو ابھارنے والی ہے متکلم کو عَلَى أَنْ يُورِدَ عِبَارَتَهُ اس بات پر کہ وہ لے کر آئے اپنی عبارت عَلَى صُورَةٍ مَخْصُوصَةٍ ایک مخصوص صورت پر۔ یہ ہے حال اور مقام بھئی جو مخصوص صورت کا تقاضا کرتا ہے کہ اس طرح کا کلام لے کر آنا۔ میرے سامنے مخاطب خالی الذہن ہے، یہ حال اور مقام ہے بھئی۔ یہ کیا تقاضا کرتا ہے خالی الذہن ہونا؟ کہ میں اپنے کلام کو ایک مخصوص صورت پر لے کر آؤں، کس صورت پر، تاکید ہونی چاہیے یا نہیں ہونی چاہیے؟ تاکید نہیں ہونی چاہیے کیونکہ خالی الذہن ہے بھئی۔

وَالْمُقْتَضَى وَيُسَمَّى الِاعْتِبَارَ الْمُنَاسِبَ، اور مقتضی یعنی مقتضائے حال اور اس کو اعتبار مناسب بھی کہتے ہیں۔ حال کا دوسرا نام کیا تھا؟ مقام، اور مقتضی کا دوسرا نام کیا ہے؟ اعتبار مناسب۔ کہتے ہیں: هُوَ الصُّورَةُ الْمَخْصُوصَةُ الَّتِي تُورَدُ عَلَيْهَا الْعِبَارَةُ، وہ مخصوص صورت ہے جس پر لائی جاتی ہے عبارت۔ هُوَ الصُّورَةُ الْمَخْصُوصَةُ وہ مخصوص صورت ہے الَّتِي تُورَدُ عَلَيْهَا کہ لائی جاتی ہے اس پر الْعِبَارَةُ اس مخصوص صورت پر عبارت۔ وہ مخصوص صورت جس پر عبارت لائی جائے اس کو کہتے ہیں مقتضی۔ میرے سامنے مثلاً کون تھا؟ منکر۔ تو اس کا منکر ہونا یہ کیا ہے؟ حال اور مقام، اور یہ ہے مقتضی، یہ تقاضا کرتا ہے مجھ سے۔ کیا تقاضا کرتا ہے، میں کس طرح کا کلام لاؤں اس منکر کے سامنے؟ تاکید والا، ایک مخصوص صورت پر کلام کو لے کر آؤں یعنی تاکید والا کلام لے کر آؤں۔ اور اگر مخاطب میرے سامنے خالی الذہن ہے، اس کا خالی الذہن ہونا یہ ہے حال، یہ کیا تقاضا کرتا ہے؟ بغیر تاکید کے۔ تو اس نے ایک مخصوص صورت کے کلام کا تقاضا کیا، وہ مخصوص صورت کیا ہے؟ مقتضی، اور دوسرا نام کیا ہے؟ اعتبار مناسب بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو حال اور مقام ہوئے مقتضی، تقاضا کر رہے ہیں۔ بھئی یہ کتاب والے مشکل لفظ استعمال انہوں نے کیے، بات آپ کو سمجھ میں آگئی یا نہیں آگئی؟ موقع محل کے مطابق بات کرنا یہ کیا چیز ہے؟ یہ بلاغت ہے۔ وہ جو موقع محل ہے وہ ہے حال، اور جس قسم کے کلام کا اس نے تقاضا کیا وہ کیا ہے؟ مقتضائے حال، یعنی وہ تقاضا کرے گا اپنے کلام میں تاکید لانی ہے یا تاکید نہیں لانی، وہ ہے تاکید کا لانا یا نہ لانا جس کا اس نے تقاضا کیا، جس چیز کا بھی وہ تقاضا کرے وہ ہے مقتضائے حال بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ معنی ہے: هُوَ الصُّورَةُ الْمَخْصُوصَةُ الَّتِي تُورَدُ عَلَيْهَا الْعِبَارَةُ، اور مقتضی اور اس کو اعتبار مناسب کہتے ہیں وہ مخصوص صورت ہے جس پر لائی جاتی ہے عبارت۔

مَثَلًا، مثال کے طور پر الْمَدْحُ حَالٌ۔ بھئی ایک آدمی ہے آپ اس کی تعریف کرنا چاہتے ہیں، اس کو خوش کرنا چاہتے ہیں، مدح کرنا چاہتے ہیں، تو یہ موقع محل ہوا مدح والا، تعریف والا۔ اور تعریف جب کرنے لگے ہیں اور اس کو خوش کرنا چاہتے ہیں تو کیا کرنا چاہیے؟ ایک چھوٹا سا جملہ کہہ دینا چاہیے یا آرام سے تسلی سے اس کی تعریف ہونی چاہیے بھئی؟ تسلی سے کئی لفظوں کے ساتھ ذرا لمبا کلام ہو بھئی، بڑی مختصر سے تو پتہ بھی نہیں چلے گا گزر جائے گی۔ اور آپ کا مقصد کیا ہے مدح کرکے؟ اس کو خوش کرنا ہے، یا اس نے کوئی مثلاً اسلام کی خدمات کی ہیں تو اس کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتے ہیں، تو مختصر کلام ہونا چاہیے یا ذرا لمبا کلام ہونا چاہیے؟ ذرا لمبا کلام ہونا چاہیے۔ تو مدح ہوا حال، مدح اور تعریف کیا ہے؟ حال۔ یہ حال آپ سے کیا تقاضا کرتا ہے، کس طرح کا کلام ہو؟ لمبا کلام ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب دو لفظ آگے اور آرہے ہیں وہ بھی یہیں سمجھ لیجیے: ایجاز اور اطناب۔ آگے لفظ آرہے ہیں بھئی کتاب کے اندر بھی اطناب اور ایجاز۔ اطناب کہتے ہیں لمبا کلام کرنا۔ بھئی یہ آگے کتاب میں بھی آجائے گا، آسان لفظوں میں سمجھ لیجیے: تین لفظ ہیں بلکہ یہاں پر: ایجاز، اطناب، مساوات۔ ایجاز کا معنی ہوتا ہے مختصر کلام ہو اور معنی زیادہ ہو۔ کلام مختصر ہو، لفظ تھوڑے ہوں، معنی زیادہ ہو اس کو کیا کہیں گے؟ ایجاز۔ اور اگر لفظ اور معنی برابر ہوں تو اس کو کہتے ہیں مساوات۔ مساوات کا معنی برابری بھئی۔ اور اطناب جس میں لفظ زیادہ ہوں اور معنی تھوڑا ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اطناب کہتے ہیں۔ ایجاز جس میں لفظ تھوڑے ہوں معنی زیادہ ہو، اور مساوات جس میں لفظ اور معنی برابر ہوں، اور اطناب جس میں لفظ زیادہ ہوں اور معنی تھوڑا ہو بھئی۔ یہ آسان لفظوں میں میں نے بیان کیا۔

■ قولہ: «قَامَ زَيْدٌ» کی تشریح

بھئی دیکھیے میں آپ کو بتلانا چاہتا تھا کہ زید کھڑا ہے، اور آپ خالی الذہن ہیں، مجھے کیا کہنا چاہیے آپ کے سامنے؟ قَامَ زَيْدٌ یا مجھے کیا کہنا چاہیے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، بغیر

تاکید کے کلام کرنا چاہیے۔ اور قیام زید کی خبر جب میں نے دی زَيْدٌ قَائِمٌ کتنے لفظوں سے بات پوری ہوگئی؟ دو لفظوں سے۔ معلوم ہوا یہ بات جو میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں دو لفظوں سے پوری ہو سکتی ہے، لیکن میں آگے ایک دو لفظ اور بڑھا دیتا ہوں اس کے اندر۔ تو بات دو لفظوں سے پوری ہو سکتی تھی میں نے تین یا چار استعمال کر لیے، اس کو کیا کہیں گے؟ اطناب کہیں گے۔ مثلاً میں زَيْدٌ قَائِمٌ کی بجائے کہتا ہوں: زَيْدٌ الْعَالِمُ قَائِمٌ، وہ زید جو عالم ہے وہ کھڑا ہے۔ تو میں نے لفظ بڑھا دیے یا نہیں بڑھائے بھئی؟ بڑھا دیے بھئی، تو یہ ہے اطناب۔

اور یاد رکھیے ایک ہے اطناب، آگے آئے گی بات، ایک ہے تطویل۔ طویل کا معنی لمبی چیز ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ طویل۔ اسی کے شروع میں تا دو نقطوں والی ملائیں: تطویل، مصدر بھئی۔ تطویل کا معنی بات کو لمبا کرنا۔ تو اطناب میں بھی بات لمبی ہوتی ہے، تطویل میں بھی بات لمبی ہوتی ہے، لیکن اطناب کے اندر جو لفظ زائد لے کر آئے ہیں ان کا کوئی فائدہ ہوتا ہے، وہ بے کار نہیں ہوتے، اور تطویل میں وہ لفظ بے کار ہو گا، ردی ہو گا بھئی۔ جو لفظ بڑھایا اس کا کوئی اور فائدہ ہے ہی نہیں وہ کیا کہلائے گی؟ تطویل، اور جو لفظ بڑھائے ہیں اگر ان کا فائدہ ہے اس کو کیا کہیں گے؟ اطناب۔ میں نے آپ سے کہا: زَيْدٌ الْعَالِمُ قَائِمٌ۔ کہنا کیا چاہیے تھا مجھے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ میں نے ایک لفظ بڑھا دیا الْعَالِمُ کا، لیکن اس لفظ کا فائدہ ہے یا یہ بے کار لفظ ہے؟ فائدہ ہے، اس سے آپ کو اتنا بھی پتہ چل گیا کہ وہ زید جس کی میں بات کر رہا ہوں وہ عالم ہے، غیر عالم نہیں ہے بھئی، تو فائدہ ہوا دیکھا۔ تو اگر لفظ کا فائدہ ہو جس کو بڑھایا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اطناب، اور اگر بے فائدہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تطویل۔ لہٰذا مدح کے مقام پر کیا ہونا چاہیے، کلام مختصر ہونا چاہیے یا لمبا ہونا چاہیے؟ لمبا ہونا چاہیے۔ تو مدح ہے ایک حال اور یہ تقاضا کرتا ہے اطناب کا یا ایجاز کا؟ اطناب کا۔ مدح کس چیز کا تقاضا کرتی ہے؟ اطناب کا۔ ایک آدمی میرے سامنے ذہین ہے، یہ ذہین ہونا حال ہے۔ تو یہ حال کیا تقاضا کرتا ہے، کلام میں ایجاز ہونا چاہیے یا اطناب ہونا چاہیے؟ ایجاز۔ ذہین آدمی ہے میرے سامنے، میں اس سے کلام کرنا چاہتا ہوں تو یہ موقع محل اور یہ حال کیا تقاضا کرتا ہے؟ ایجاز کا تقاضا کرتا ہے، تو دیکھو یہاں مقتضائے حال ایجاز ہے۔

دیکھیے اب کتاب پر: مَثَلًا الْمدْحُ حَالٌ يَدْعُو لِإِيرَادِ الْعِبَارَةِ عَلَى صُورَةِ الْإِطْنَابِ۔ بھئی حال کیا کرتا تھا؟ تقاضا کرتا ہے نا کہ اس طرح کا کلام لانا، تو اسی تقاضے کو یہ دعوت دینے کے لفظ سے اب ذکر کریں گے۔ مثال کے طور پر الْمدْحُ حَالٌ يَدْعُو لِإِيرَادِ الْعِبَارَةِ عَلَى صُورَةِ الْإِطْنَابِ: مدح ایسا حال ہے، حَالٌ نکرہ آیا اس کے بعد يَدْعُو فعل آیا، مدح ایسا حال ہے يَدْعُو جو دعوت دیتا ہے یعنی ابھارتا ہے، تیار کرتا ہے، جو دعوت دیتا ہے لِإِيرَادِ الْعِبَارَةِ، أَوْرَدَ يُورِدُ إِيرَاد کا کیا معنی؟ لانا، لِإِيرَادِ الْعِبَارَةِ عَلَى صُورَةِ الْإِطْنَابِ اطناب کی صورت میں عبارت کے لانے کی۔ مدح ایک ایسا حال ہے جو دعوت دیتا ہے اطناب کی صورت میں عبارت کے لانے کی کہ اطناب کی صورت میں عبارت لے کر آؤ۔ وَذَكَاءُ الْمُخَاطَبِ حَالٌ، اور مخاطب کا ذہین ہونا حَالٌ یہ ایسا حال ہے يَدْعُو لِإِيرَادِهَا عَلَى صُورَةِ الْإِيجَازِ جو دعوت دیتا ہے اس عبارت کو لانے کی ایجاز کی صورت پر۔ مخاطب کا ذہین ہونا ایک حال ہے اور یہ دعوت دیتا ہے کہ کلام کو، عبارت کو کس صورت پر لے کر آؤ؟ ایجاز کی صورت پر لے کر آؤ۔ فَكُلٌّ مِنَ الْمدْحِ وَالذَّكَاءِ حَالٌ، پس ہر ایک جو ہے مدح اور ذکاء میں سے یہ حال ہے، وَكُلٌّ مِنَ الْإِطْنَابِ وَالْإِيجَازِ مُقْتَضًى اور ہر ایک جو ہے اطناب اور ایجاز میں سے یہ مقتضی ہے جس کا اس حال نے کیا کیا تھا؟ تقاضا کیا تھا۔ وَإِيرَادُ الْكَلَامِ عَلَى صُورَةِ الْإِطْنَابِ وَالْإِيجَازِ مُطَابَقَةٌ لِلْمُقْتَضَى، اور لانا کلام کو اطناب اور ایجاز کی صورت پر یہ مُطَابَقَةٌ لِلْمُقْتَضَى یہ اس کلام کا مطابق ہونا ہے کس کے ساتھ؟ مقتضی کے ساتھ۔ مخاطب تھا ذہین، یہ حال کیا تقاضا کر رہا ہے، کس طرح کا کلام لاؤ؟ مختصر کلام، اور میں نے بھی مختصر کلام کیا تو یہ میرا کلام کیا ہوا؟ مقتضائے حال کے مطابق ہوا۔ مدح کا مقام تھا، یہ حال کیا تقاضا کرتا ہے؟ کہ لمبا کلام لے کر آؤں، میں نے بھی لمبا کلام کیا تو میں اپنے کلام کو لمبی عبارت میں لے کر آیا، تو میرا کلام کیا ہوا؟ مقتضائے حال کے مطابق۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ وَإِيرَادُ الْكَلَامِ عَلَى صُورَةِ الْإِطْنَابِ وَالْإِيجَازِ مُطَابَقَةٌ لِلْمُقْتَضَى، اور لانا کلام کو اطناب اور ایجاز کی صورت پر یہ مطابق ہونا ہے مقتضائے حال کے ساتھ بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو بلاغت کسے کہتے ہیں؟ کلام کا موقع محل کے مطابق ہونا۔ سبق اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

ایک چھوٹی سی بات بھی سمجھ لیں: ایک ہے نفس بلاغت، ایک ہے کمال بلاغت۔ کمال بلاغت یہ ہے کہ موقع محل کے عین مطابق کلام لایا جائے، یہ ہے کمال بلاغت بھئی، کامل درجے کی بلاغت ہے۔ یاد رکھیے یہ تو میں نے بطور مثال کے سمجھایا کہ مخاطب یا منکر ہو گا، یا خالی الذہن ہو گا، یا متردد ہو گا۔ ایک ایک محل پر بہت سے احوال ہوتے ہیں۔ یہ تو ایک حال تھا کہ منکر ہے، متردد ہے یا خالی الذہن۔ اسی طرح ذہین ہے یا کند ذہن ہے، یہ بھی حال اسی موقع پر ہو گا یا نہیں؟ اس کی بھی رعایت رکھنا پڑے گی۔ تو بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اور ان سب کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے بھئی۔ تو یہ انسانی بس سے باہر ہے کہ ایسا کلام کرے جو سو فی صد تمام مقتضیات احوال کے مطابق ہو، کیونکہ انسان کو سارے احوال کا پتہ ہی نہیں چل سکتا۔ کچھ ایک دو تین پر تو نظر ہو جائے گی اس کی لیکن ساروں کا پتہ چل سکتا ہے؟ نہیں بھئی، ساری چیزوں کا اس کو پتہ چل ہی نہیں سکتا۔

تو پورے تمام احوال کے مطابق ہو کلام یہ ہے کمال بلاغت بھئی، اور ایک ہے نفس بلاغت: نفس مطابقت آجائے، چاہے تھوڑی ہو لیکن مطابقت آجائے بھئی۔ لہٰذا ایک آدمی ہے اس کے ذہن میں سخت انکار ہے، تو مجھے اس کے سامنے کلام کس طرح کا کرنا چاہیے؟ خوب تاکید والا کلام بھئی کیونکہ انکار بڑا سخت ہے۔ لہٰذا اس کے سامنے میں کہتا ہوں: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ میں ایک ہی تاکید لایا۔ تو یہ اس کے انکار کے مطابق ہے؟ نہیں، انکار تو بڑا سخت ہے۔ لیکن نفس مطابقت آگئی یا نہیں آگئی؟ تاکید تو آگئی بہر حال کلام میں، تو نفس مطابقت تو آئی کمال مطابقت نہیں آئی۔ لیکن اگر میں ایک تاکید اور بڑھا دوں: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، اب مطابقت بڑھ گئی۔ مثلاً چاہیے تین تاکیدات تھیں، میں پہلے صرف ایک لایا تھا تو نفس مطابقت تو آئی تھی پوری مطابقت نہیں تھی۔ پھر میں دو لے آیا، اب مطابقت بڑھ گئی۔ پھر میں تین لے آیا: وَاللَّهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، اب کیا ہو گا؟ پوری مطابقت آگئی بھئی، کلام میں کامل درجے کی بلاغت آگئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ، باقی کل پڑھیں گے بھئی۔

سبق نمبر ۱۵: نفسِ بلاغت اور کمالِ بلاغت کے مراتب اور بلاغتِ متکلم کی تعریف

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۲ــــ بتاریخ: ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِكَلَامٍ بَلِيغٍ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ. وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ، وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ بِالصَّرْفِ، وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ وَالتَّعْقِيدُ اللَّفْظِيُّ بِالنَّحْوِ، وَالْغَرَابَةُ بِكَثْرَةِ الِاطِّلَاعِ عَلَى كَلَامِ الْعَرَبِ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم بلاغت کے بارے میں پڑھ رہے تھے، بلاغت کی اصطلاحی تعریف آئی تھی کہ بلاغت کسے کہتے ہیں؟ وہ کلام فصیح کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا ہے۔ کلام فصیح کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا ہے۔ تو بلاغت کے اندر کلام کے فصیح ہونے کی شرط بھی ہے، اور اصل کیا ہے بلاغت؟ کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا، یعنی جس قسم کا موقع محل ہے اسی طرح کا کلام کوئی ذکر کرے اس موقع پر تو کہتے ہیں اس کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہے، یعنی یہ جو حال اور یہ جو مقام جس قسم کے کلام کا تقاضا کر رہا تھا اس نے بھی ویسا ہی کلام ذکر کیا ہے بھئی۔ اور کلام فصیح بھی ہو تو پھر اس کلام کو کہتے ہیں یہ کلام بلیغ ہے۔ تو بلاغت کے اندر فصاحت کی شرط موجود ہے۔ تو ہر کلام بلیغ جو ہے وہ فصیح ضرور ہو گا، لیکن ہر فصیح کلام کا بلیغ ہونا ضروری نہیں۔ آپ ایک فصیح کلام کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں تو یہ آپ کا کلام فصیح تو کہلائے گا، لیکن جب تک یہ موقع محل کے مطابق نہ ہو اس کو بلیغ نہیں کہیں گے۔ تو اگر مطابق ہوا موقع محل کے تو اس کو بلیغ کہیں گے، اور اگر مطابق نہ ہوا تو پھر اس کو صرف فصیح کلام تو کہیں گے لیکن بلیغ نہیں کہیں گے۔

اور پھر اس کے بعد آپ نے یہ بھی پڑھا کہ حال کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے بتلایا تھا کہ حال اور مقام، حال کے لیے دو سرا لفظ کیا استعمال ہوتا ہے؟ مقام، یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ البتہ حال میں زمانے کی رعایت ملحوظ ہے اور مقام میں محل اور جگہ کی رعایت ملحوظ ہے۔ تو وہ چیز جو آپ سے تقاضا کرے کہ اس قسم کا کلام لاؤ، وہ چیز ہے حال۔ وہ چیز کیا ہے؟ حال اور مقام بھئی، جو آپ سے کیا تقاضا کرے؟ کہ مخصوص قسم کا کلام لاؤ۔ مثلاً مخاطب اگر ذہین ہے، اس کا ذہین ہونا یہ ایک چیز ہے جس نے آپ سے تقاضا کیا کہ لمبا کلام کرو یا مختصر کلام کرو؟ مختصر کلام کرو۔ تو یہ چیز جس نے آپ سے ایک مخصوص قسم پر کلام کے لانے کا تقاضا کیا اس کو کہتے ہیں حال اور مقام۔ حال زمانے کے اعتبار سے، یعنی یہ جو زمانہ ہے، کون سا زمانہ جس میں آپ کس سے بات کر رہے ہیں؟ مخاطب ذہین ہے، اس میں کیسا کلام لاؤ؟ مختصر۔ اور اگر مخاطب کمزور ذہن والا ہے اس سے آپ بات کر رہے ہیں تو یہ زمانہ آپ سے، یہ حال آپ سے کیا تقاضا کرتا ہے، کس طرح کا کلام لاؤ؟ ذرا لمبا مفصل کلام لے کر آؤ بھئی۔ تو یہ ہے حال یہ جو تقاضا کرتا ہے۔ تو زمانے کے اعتبار سے اس کو حال کہتے ہیں اور محل کے اعتبار سے اس کو مقام کہتے ہیں، دونوں ایک ہی چیز ہیں بھئی۔

اور اس کے بعد پھر آپ نے مقتضائے حال کے بارے میں پڑھا، اس کا دوسرا نام انہوں نے بتایا اعتبار مناسب ہے۔ اعتبار مناسب اور مقتضائے حال: بھئی وہ مخصوص صورت جس کا حال تقاضا کرے وہ کیا ہے؟ مقتضائے حال۔ حال ہوا مقتضی، تقاضا کرنے والا، اور جس مخصوص صورت کا اس نے تقاضا کیا اس کو کیا کہتے ہیں؟ مقتضائے حال، اور دوسرا نام کیا ہے؟ اعتبار مناسب۔ مثلاً مخاطب کا ذہین ہونا یہ حال تقاضا کرتا ہے کہ کس طرح کا کلام لاؤ؟ مختصر۔ تو مختصر کلام وہ ہے مقتضائے حال، حال اس کا تقاضا کر رہا ہے۔ منکر ہے آپ کے سامنے کہ آپ جو بات کر رہے ہیں اس کا وہ انکار کر رہا ہے، اسے تسلیم نہیں کر رہا، تو یہ جو منکر ہونا ہے مخاطب کا یہ ہے حال۔ یہ آپ سے تقاضا کرتا ہے کس طرح کا کلام لے کر آؤ؟ تاکید والا، زوردار کلام لاؤ بھئی، ہلکی پھلکی بات نہیں یہاں کام دے گی کیونکہ ہلکی پھلکی بات ہی کا تو وہ انکار کر رہا ہے، تو آپ ذرا مضبوط اور زوردار کلام لے کر آؤ۔ تو اب آپ اس میں تاکید لے کر آتے ہیں، تو یہ تاکید کیا تھی؟ مقتضائے حال، حال نے اس کا تقاضا کیا تھا۔ اور پھر آپ تاکید کلام کے اندر لے بھی آتے ہیں:

حال نے کس چیز کا تقاضا کیا؟ تاکید کا، اور آپ تاکید لے آئے اپنے کلام کے اندر، تو آپ کا کلام مطابق ہو گیا کس کے؟ مقتضائے حال کے، اور یہی بلاغت ہے بھئی کہ آپ کا کلام کیا ہو؟ مطابق ہو مقتضائے حال کے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

اس کے بعد کل آخر میں ایک چھوٹی سی بات آپ کے سامنے ذکر کر رہا تھا کہ یاد رکھو ایک ہے نفس بلاغت، ایک ہے کمال بلاغت۔ نفس بلاغت جو ہے نفس مطابقت سے آئے گی اور کمال بلاغت کمال مطابقت سے آئے گی۔ نفس بلاغت نفس مطابقت سے آئے گی اور کمال بلاغت کس سے آئے گی؟ کمال مطابقت سے۔ یعنی نفس مطابقت آ جائے، کسی درجے میں بھی مطابقت آ جائے تو کلام آپ کا بلیغ ہے۔ آپ کے کلام کی مطابقت آ جائے کس کے ساتھ؟ مقتضائے حال کے ساتھ، تو بس نفس مطابقت آگئی، چاہے تھوڑی سی ہی آئی لیکن مطابقت آگئی یا نہیں آگئی؟ مطابقت آگئی، تو کہیں گے کلام میں نفس بلاغت موجود ہے یعنی کلام بلیغ ہے۔ لیکن جوں جوں مطابقت بڑھتی جائے گی کلام کا رتبہ بلاغت میں بڑھتا جائے گا، کلام کا حسن بڑھتا جائے گا۔ اور جتنی جتنی مطابقت کلام میں کم ہوتی جائے گی بلاغت میں کلام کا رتبہ گرتا جائے گا اور حسن کم ہوتا چلا جائے گا۔ تو ایک ہے نفس مطابقت: کسی درجے میں بھی مطابقت آ جائے کیا کہتے ہیں؟ نفس مطابقت آگئی۔ اور ایک ہے کمال مطابقت: کامل درجے کی مطابقت، جیسا کلام چاہیے تھا آپ نے بالکل ویسا ہی کلام کیا بھئی۔ کامل درجے کی مطابقت ہے، یہ ہے اعلیٰ ترین درجے کا حسن کلام کے اندر ہو گا اس موقع پر کہ جیسا چاہیے تھا بالکل ویسا آپ نے کلام کیا۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ تو نفس بلاغت کس سے آئے گی؟ نفس مطابقت سے، اور کمال بلاغت کس سے آئے گی؟ کمال مطابقت سے۔ اور کلام کا حسن بڑھتا ہے جوں جوں مطابقت بڑھتی ہے اور کلام کا حسن کم ہوتا ہے جوں جوں مطابقت کم ہوتی ہے بھئی۔

مثلاً دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی: میرے سامنے ایک بات کا منکر بیٹھا ہے جو میں اس سے کرنے لگا ہوں بات، اس کا انکار کر رہا ہے۔ ہر بات کا انکار نہیں، اور دس باتوں کا انکار اس کے ذہن میں موجود ہو ہم اسے منکر نہیں کہیں گے، میں جو بات کر رہا ہوں اس کے اعتبار سے بھئی وہ اس کا انکار کر رہا ہے یا نہیں کر رہا؟ تو جو بات میں اس سے کرنے لگا ہوں وہ اس کا انکار کر رہا ہے تو مخاطب کیا ہوا؟ منکر۔ اس کو قیام زید کی خبر مل چکی ہے لیکن اس نے اس کو رد کر دیا ہے، تسلیم ہی نہیں کر رہا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا زید کھڑا ہو۔ یہ تو مثال ہے کوئی بھی بات ہو، تو اب میں اسے یہ خبر دینا چاہتا ہوں۔ اس خبر دینے کی میں نے کل بھی ذکر کیا کئی صورتیں ہیں، بہت سی صورتیں ہیں، دو چار میں نے ذکر کر دی تھیں بھئی: مثلاً میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں قَامَ زَيْدٌ، اس کے اندر کوئی تاکید نہیں۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، اس کے اندر ایک تاکید آگئی۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

بھئی زَيْدٌ قَائِمٌ میں ایک تاکید آگئی کیونکہ جملہ اسمیہ ہے بھئی۔ اب آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہو گا کہ کل میں نے جو ذکر کیا تھا اس میں زَيْدٌ قَائِمٌ میں میں نے کہا تھا کوئی تاکید نہیں۔ یاد رکھیے یہاں تاکید ہے لیکن وہ معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے، یعنی آپ کے اعتبار پر موقوف ہے: آپ تاکید کا اعتبار کرتے ہیں تو ہے، نہیں کرتے تو نہیں ہے۔ آپ اس کو تاکید کا اعتبار کرتے ہیں تو تاکید ہے، آپ نہیں اعتبار کرتے تو تاکید نہیں۔ تو وہ معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے: اعتبار کریں گے تو تاکید ہے، آپ نہیں مانتے تاکید، اعتبار نہیں کرتے تو تاکید نہیں۔ تو جملہ اسمیہ کے اندر تاکید ہوتی ہے لیکن یہ کس کے اعتبار پر موقوف؟ جو اعتبار کرنے والا ہے وہ اعتبار کرے گا تو تاکید ہے، اعتبار نہیں کرے گا تو تاکید نہیں۔

اور تاکید اس میں کیسے ہے؟ کیونکہ اس کے اندر اسناد دو دفعہ آیا، اور ایک چیز ایک دفعہ ہو تو اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے یا دو دفعہ ہو تو زیادہ قوت ہوتی ہے؟ دو دفعہ ہو تو زیادہ قوت ہو گی یقینی بات ہے، اس میں زور پیدا ہو گا۔ تو یہاں پر بھی اسناد کے اندر تاکید ہے، دو دفعہ اسناد آیا۔ کس طرح؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کیسے ترکیب ہو گی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے، دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل معروف یا فعل مجہول آ جائے اور آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ جب بھی فعل آئے گا فوراً کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا۔ ضَرَبَ جب بھی آئے گا یہ چاہے گا آگے فاعل آنا چاہیے: تو اگر آگے زَيْدٌ آیا تو ٹھیک ہے وہ فاعل بنے گا، آگے زَيْدٌ نہ ہوا تو اسی کے اندر آپ ضمیر مانتے ہیں هُوَ ضمیر ہے کیونکہ فاعل اس کے لیے ضرور چاہیے بھئی۔ فعل مجہول ہو تو اس کے لیے نائب فاعل چاہیے: ضُرِبَ عَمْرٌو، عَمْرٌو ہے یہ اس کا نائب فاعل، لیکن اگر آگے عَمْرٌو نہیں آیا تو پھر اسی کے اندر کیا کرتے ہیں؟ ضمیر مان لیتے ہیں کیونکہ فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے بھئی۔ اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ہمیشہ یاد رکھنا ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے: قَائِمٌ، ضَارِبٌ، مَضْرُوبٌ وغیرہ بھئی۔

■ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح

اسم فاعل کے صیغے ہیں: ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہوتا ہے اسم فاعل۔ دونوں میں فرق کا پتہ ہے بھئی؟ فاعل وہ جس کو فعل رفع دیتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، تو فعل یا صفت کا صیغہ جس کو رفع دے وہ اس کا فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے۔ اور اسم فاعل اور اسم مفعول وہ جو مخصوص صیغے آپ نے پڑھے ہیں گردان میں: ضَارِبٌ یہ اسم فاعل ہے، یہ فاعل نہیں بلکہ کیا ہے؟ اسم فاعل۔ مَضْرُوبٌ یہ کیا ہے؟ اسم مفعول ہے، یہ مفعول نہیں۔ فاعل وہ جس کو فعل یا شبہ فعل رفع دے، اور مفعول وہ جس کو فعل یا شبہ فعل نصب دے۔ لیکن اسم فاعل اور اسم مفعول وہ مخصوص صیغے ہیں جو آپ نے گردانوں میں پڑھے ہیں: ضَارِبٌ کیا ہے؟ اسم فاعل ہے فاعل نہیں، مَضْرُوبٌ کیا ہے؟ اسم مفعول ہے مفعول نہیں بھئی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

تو یہ جو صیغے ہیں صفت والے: اسم فاعل کا صیغہ ہوا، اسم مفعول کا صیغہ ہوا، صفت مشبہ ہوتی ہے جو شَرِیفٌ کَرِیمٌ بھئی، اسم تفضیل کے جو صیغے ہیں أَضْرَبُ أَمْنَعُ وغیرہ، اسی طرح مبالغے کے صیغے ہیں، یہ صیغے صفت کے صیغے ہیں۔ اور جیسے فعل عمل کرتا تھا یہ بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں: ان کا فعل فاعل کو رفع دیتا تھا صرف تو یہ بھی کیا کریں گے؟ فاعل کو رفع دیں گے۔ اگر ان کا فعل فاعل کو رفع دیتا تھا اور مفعول کو نصب بھی دیتا تھا تو یہ بھی اسی طرح کریں گے: یہ اپنے فاعل کو رفع دیں گے اور مفعول کو نصب۔ ہاں فرق صرف اتنا ہے: ضَرَبَ کے بعد زَیْدٌ آیا تو ضَرَبَ فعل تھا، اس نے زَیْدٌ کو رفع دیا، یہ اپنے مرفوع یعنی اپنے فاعل کے ساتھ مل کر جملہ بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ جملہ۔ اور صفت کے صیغے مثلاً ضَارِبٌ ہے، ضَارِبٌ صفت کا صیغہ ہے اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، آگے کسی کو رفع نہیں دے رہا تو اسی کے اندر ضمیر ہو گی تو یہ اس کو رفع دے گا۔ اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنتا تھا لیکن صفت کا صیغہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ شبہ جملہ۔ جملے کے مشابہ تو ہے لیکن جملہ نہیں، ہے مفرد ہی بھئی، بات پوری نہیں: ضَرَبَ زَیْدٌ سے بات پوری ہو گئی زید نے پٹائی کی، لیکن ضَارِبٌ پٹائی کرنے والا، بات پوری نہیں کہ اس کو کیا ہوا، یہ بات آگے ذکر ہی نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے بھئی۔

تو اب ترکیب میں بتلا رہا تھا کہ زَیْدٌ قَائِمٌ کے اندر تاکید ہے: جب آپ اس کا اعتبار کریں تو تاکید ہے، اعتبار نہ کریں تو تاکید نہیں۔ اعتبار کریں تو اس میں تاکید ہے وہ کس طرح؟ میں نے بتلایا تھا کہ یہاں اسناد دو دفعہ آرہا ہے۔ کس طرح؟ زَیْدٌ مرفوع لفظاً ہوا مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً ہوا صیغہ اسم فاعل، اور اسم فاعل کے آتے ہی فوراً کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، اور آگے تو کوئی لفظ ہے ہی نہیں تو اسی کے اندر ضمیر ہے هُوَ جو اس کا فاعل ہے۔ اسم فاعل کا اسناد ہوا هُوَ ضمیر کی طرف، وہ اس کے لیے فاعل بھئی۔ اسم فاعل قَائِمٌ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی زَیْدٌ کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟ کیا ترکیب ہوئی؟ زَیْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کی؟ مبتدا زَیْدٌ کے لیے، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ تو دیکھو اسناد دو دفعہ آیا: پہلے قَائِمٌ کا اسناد ہوا هُوَ ضمیر کی طرف، پھر هُوَ ضمیر کے ساتھ یہ مل کر شبہ جملہ بنا پھر اس کا اسناد ہوا زَیْدٌ کی طرف۔ تو کتنی دفعہ اسناد آیا؟ دو دفعہ اسناد آیا بھئی، تو اس کی وجہ سے اس میں تاکید ہے بھئی۔ لیکن یہ تاکید معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے: وہ اس کا اعتبار کرے تو ہے، وہ اعتبار نہ کرے تو تاکید نہیں ہے۔

بھئی جب اس کے اندر اسناد دو دفعہ ہے تو پھر تو تاکید ہے ہی ہے اس کے اندر، ہر حال میں تاکید ہونی چاہیے، لیکن میں نے کیا کہا یہ کس کے اعتبار پر موقوف ہے؟ معتبر کے اعتبار پر۔ بھئی یہ کیا بات ہوئی؟ جب اسناد دو دفعہ ہے تو کہنا چاہیے اس میں تاکید ہے، اعتبار کا کیا معنی؟ بھئی دراصل جیسے قَائِمٌ کی مشابہت جملے کے ساتھ ہے، ضَرَبَ زَیْدٌ کے ساتھ یا یوں کہیں قَامَ، قَائِمٌ کی مشابہت ہے قَامَ زَیْدٌ کے ساتھ کہ قَامَ کے لیے فاعل چاہیے تھا، قَائِمٌ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کی مشابہت اس کے ساتھ جیسے ہے جس کی وجہ سے تاکید ہم نے کہی کہ اسناد دو دفعہ آرہا ہے، اسی طرح اس قَائِمٌ کی مشابہت مفرد کے ساتھ بھی ہے: أَنَا رَجُلٌ، أَنْتَ رَجُلٌ، هُوَ رَجُلٌ۔ دیکھو رَجُلٌ میں کوئی تبدیلی آرہی ہے؟ أَنَا کے لیے بھی خبر آئی رَجُلٌ، أَنْتَ کے لیے بھی آئی رَجُلٌ، هُوَ کے لیے بھی آئی رَجُلٌ، تبدیلی اس میں کوئی نہیں آرہی بھئی، حالانکہ فعل کا فاعل بدلتا ہے تو صورت بدلتی ہے یا نہیں؟ میں نے پٹائی کی تو کہوں گا ضَرَبْتُ، زید نے پٹائی کی تو کہوں گا ضَرَبَ زَیْدٌ، تو نے پٹائی کی تو کہوں گا ضَرَبْتَ، فعل کی صورت بدلتی ہے لیکن اس کی صورت نہیں بدل رہی بھئی، تو مفرد کے ساتھ بھی اس کی مشابہت ہے بھئی، یعنی وہ مفرد جس میں ضمیر نہیں تھی، رَجُلٌ میں کوئی ضمیر نہیں۔

تو قَائِمٌ کی مشابہت قَامَ کے ساتھ بھی ہے: کس اعتبار سے قَامَ کے ساتھ مشابہت ہے؟ جیسے قَامَ کے لیے فاعل چاہیے تھا قَائِمٌ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور اسی قَائِمٌ کی مشابہت رَجُلٌ یعنی وہ لفظ جو ضمیر سے خالی ہے، رَجُلٌ کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں، اس کے ساتھ بھی قَائِمٌ کی مشابہت ہے: کس اعتبار سے مشابہت؟ کہ جیسے وہ خالی عن الضمیر لفظ یعنی رَجُلٌ نہ مخاطب کے لیے بدلتا تھا نہ غائب کے لیے نہ متکلم کے لیے، سب کے لیے ایک ہی جیسا رہتا تھا: أَنَا رَجُلٌ، أَنْتَ رَجُلٌ، هُوَ رَجُلٌ، دیکھو رَجُلٌ بدل ہی نہیں رہا، اسی طرح قَائِمٌ بھی نہیں بدل رہا: أَنَا قَائِمٌ، أَنْتَ قَائِمٌ، هُوَ قَائِمٌ۔ تو لہٰذا اس کی جیسے فعل کے ساتھ مشابہت ہے جس میں ضمیر ہے، اسی طرح قَائِمٌ کی مشابہت رَجُلٌ یعنی اس اسم کے ساتھ بھی ہے جو خالی عن الضمیر ہو، تو دونوں کے ساتھ اس کی مشابہت ہے۔ تو لہٰذا اس وجہ سے اس میں تاکید کا کبھی اعتبار کرتے ہیں کبھی تاکید کا اعتبار نہیں کرتے، یہ معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے بھئی۔ أَنَا رَجُلٌ اس میں تو کوئی اسناد دو دفعہ نہیں ہے کیونکہ رَجُلٌ میں ضمیر ہی نہیں ہے: أَنَا مبتدا، رَجُلٌ اس کی خبر۔ یہاں آپ یہ نہیں کہتے رَجُلٌ کے لیے فاعل چاہیے کہ پھر ضمیر نکالنی پڑے گی، تو أَنَا رَجُلٌ کے اندر کوئی تاکید ہے دوسری؟ اس میں تاکید نہیں۔ کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ اس میں اسناد دو دفعہ نہیں ہے، لیکن أَنَا قَائِمٌ کے اندر اسناد دو دفعہ ہے تو اس میں تاکید ہے۔ تو اس لیے بس چونکہ دونوں جہتیں ہیں اس کے اندر تو یہ معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے: اگر کہنے والا اس میں تاکید کا اعتبار کرے تو تاکید ہے، اگر وہ اعتبار نہیں کرتا تو تاکید نہیں۔

اچھا یہ تو میں نے اور تفصیل بیان کی۔ بات شروع ہوئی تھی: میرے سامنے ایک شخص ہے اور وہ قیام زید کا انکار کر رہا ہے اور میں نے اس کے سامنے یہ خبر ذکر کرنی ہے قیام زید والی۔ تو اس کا انکار ہوا حال بھئی، اور یہ حال تقاضا کر رہا ہے کہ کس قسم کا کلام لاؤں؟ تاکید والا۔ تو مقتضائے حال ہوا کلام مؤکد، تاکید والا کلام۔ مقتضائے حال کیا ہوا؟ تاکید والا کلام یہاں چلے گا، بغیر تاکید کے کلام لانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا اس آدمی کے سامنے جو قیام زید کا منکر ہے میں کہوں: قَامَ زَیْدٌ، جملہ فعلیہ لے کر آؤں، قَامَ فعل زَیْدٌ اس کا فاعل، تو اگر میں اس کے سامنے قَامَ زَیْدٌ کہوں تو یہ کلام بالکل لغو ہے، بے کار ہے، ردی ہے، دیوار پر مار دینے کے قابل ہے، اس کا یہاں کوئی فائدہ ہی

نہیں، بالکل ردی ہے یہاں پر۔ قَامَ زَيْدٌ ہی کا تو وہ انکار کر رہا ہے، وہ مان نہیں رہا، یہ بات تو اس کو پہلے بھی مل چکی ہے تو قَامَ زَيْدٌ کہنے کا کوئی فائدہ ہو گا؟ کوئی فائدہ نہیں، اسی کا انکار کر رہا ہے۔

■ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

تو لہذا یہاں کلام مؤکد لانا پڑے گا۔ تو اب میں اس کے سامنے کہتا ہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ، تاکید والا کلام لے آیا جملہ اسمیہ، جیسے میں نے ابھی تفصیل بیان کی تو اس میں تاکید ہے۔ تو میں جملہ اسمیہ لے آیا، اب دیکھیے کلام میں تاکید ہے تو مطابقت آگئی یا نہیں آئی بھئی؟ مطابقت آگئی۔ مقتضائے حال بھی کیا تھا، کس طرح کا کلام لاؤں؟ تاکید والا، اور میں لایا بھی کس طرح کا کلام؟ تاکید والا۔ تو یہ دیکھو کلام کی مطابقت ہو گئی مقتضائے حال کے ساتھ، تو نفس مطابقت آگئی۔ لیکن اس آدمی کا انکار اتنا شدید ہے کہ کم از کم چار تاکیدات مجھے لانی چاہیے تھیں، اتنا زبردست وہ انکار کر رہا ہے بات کا، لیکن میں کتنی تاکید لے کر آیا؟ ایک لایا، جملہ اسمیہ ہے صرف ایک تاکید لایا۔ تو میرا کلام مقتضائے حال کے ساتھ اس کی مطابقت تو ہے لیکن کامل مطابقت نہیں، پوری مطابقت نہیں، لیکن نفس مطابقت ہے یا نہیں بھئی؟ کلام مؤکد تو ہے تو نفس مطابقت موجود ہے، کسی نہ کسی درجے میں مطابقت ہے۔

اب میں اس کے اندر ایک تاکید اور اگر بڑھاؤں اور یوں کہوں: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب دو تاکیدیں آگئیں کلام میں: ایک جملہ اسمیہ اور دوسرا إِنَّ۔ دو تاکیدات آگئیں کلام کے اندر، اور چاہیے کتنی تھیں؟ چار۔ تو دیکھو مطابقت بڑھ گئی، جتنی چاہیے تھیں اس کے ہم قریب ہو گئے تو مطابقت کیا ہوئی؟ بڑھ گئی، تو بلاغت میں کلام کا درجہ بڑھ گیا، کلام کا حسن بڑھ گیا بھئی۔ میں ایک اور اگر تاکید استعمال کر کے یوں کہوں: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، اب تین تاکیدات آگئیں: جملہ اسمیہ بھی ہے، إِنَّ بھی ہے، لام بھی ہے بھئی، تین تاکیدات آگئیں، اور چاہیے کتنی تھیں؟ چار۔ تو ہم اس کے اور قریب ہو گئے، مطابقت اور بڑھ گئی، تو بلاغت میں کلام کا درجہ اور بڑھ گیا بھئی، تو کلام کا حسن اور بڑھ گیا بھئی کیونکہ کلام کا حسن کس سے آتا ہے؟ مطابقت سے آتا ہے۔ پھر اس کے بعد اب میں چار تاکیدات لاتا ہوں اور یوں کہتا ہوں: وَاللَّهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ۔ اب چار تاکیدات: جملہ اسمیہ بھی ہے، إِنَّ بھی ہے، لام بھی ہے، تین تاکیدات، اور قسم بھی لے آیا، چار تاکیدات۔ تو چاہیے بھی کتنی تھیں؟ چار، اور میں نے بھی کتنی استعمال کیں؟ چار۔ تو کمال مطابقت آگئی بھئی، کامل درجے کا میرا کلام مطابق ہوا کس کے ساتھ؟ مقتضائے حال کے ساتھ۔ تو میرا کلام کامل طور پر مطابق ہو گیا مقتضائے حال کے، تو کلام اپنے حسن میں انتہا درجے کو پہنچ گیا بھئی، بلاغت میں کلام انتہا درجے کو پہنچ گیا کیونکہ جتنی مطابقت بڑھتی جائے گی اتنا ہی کلام کا حسن بڑھتا جائے گا۔

تو اس شخص کے سامنے میں کہوں: وَاللَّهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ، تو میرا کلام بلاغت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اگر میں ایک تاکید کم کر دوں: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ کہوں، تو بلاغت میں کلام کا درجہ گر گیا۔ میں ایک اور تاکید کم کر دوں: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کہوں، لام ختم کر دیا تو اور کلام کا رتبہ گر گیا۔ میں صرف زَيْدٌ قَائِمٌ کہوں تو بلاغت میں کلام کا اور مرتبہ گر گیا۔ اور اگر میں کہہ دوں: قَامَ زَيْدٌ، تو نفس مطابقت بھی ختم ہو گئی، اب یہ کلام بلیغ ہی نہیں ہے سرے سے کیونکہ یہ مقتضائے حال کے مطابق نہیں ہے بھئی، اور بالکل ردی کلام ہو گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو ایک ہے نفس مطابقت، ایک ہے کمال مطابقت۔ نفس مطابقت سے نفس بلاغت آئے گی اور کمال مطابقت سے کمال بلاغت آئے گی بھئی۔

تو جیسا موقع ہو ہو بہو بعینہ اس کے مطابق کلام کرنا یہ ہے کمال درجے کی بلاغت بھئی، اور یاد رکھیے یہ انسانی بس سے باہر ہے۔ یہ انسانی بس سے باہر ہے کیونکہ ایک ہی مقام پر بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اور ان سب کی رعایت رکھنا، ان سب کو اولا تو کوئی جان ہی نہیں سکتا: مجھے کیا پتہ ہے کہ میرا مخاطب اس کے لیے تین تاکیدات چاہئیں یا چار چاہئیں یا دو چاہئیں؟ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اتنا تو مجھے پتہ ہے انکار کر رہا ہے، لیکن کتنا انکار کر رہا ہے، تھوڑا کر رہا ہے، متوسط کر رہا ہے، سخت درجے کا کر رہا ہے یہ پورے طور پر پتہ نہیں چل سکتا۔ اسی طرح ایک ہی چیز یہ تو میں نے بطور مثال ذکر کیا، بہت سی چیزوں کی رعایت رکھنا پڑتی ہے اور ان ساروں کا اولا تو انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا، اور اگر پتہ چل بھی جائے پھر بھی ایسا کلام کرنا کہ عین ان سب کے مطابق ہو جائے یہ انسانی بس سے ہی باہر ہے بھئی کہ بعینہ موقع محل کے مطابق وہ کلام کرے۔ ہاں نفس مطابقت ہوتی ہے، کچھ زیادہ بھی ہوتی ہے مطابقت، لیکن کامل درجے کی مطابقت وہ انسانی بس سے باہر ہے۔ جبکہ قرآن جو ہے وہ بلاغت کے اعلی ترین درجے پر ہے بھئی، اس درجے پر ہے جو انسانی بس سے باہر ہے: جس موقع پر جیسا کلام چاہیے قرآن کے اندر ویسا ہی کلام آیا بھئی، ہر چیز کی اس میں رعایت کی گئی کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ عربوں نے کبھی قرآن کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی، انہوں نے قرآن جیسا کلام بنانے کی کوشش ہی نہیں کی کیونکہ وہ جانتے تھے یہ ہمارے بس کی بات ہی نہیں ہے بھئی، وہ بھی اس کے حسن کو جانتے تھے کلام کا جو حسن تھا، خوبصورتی تھی بھئی۔ تو قرآن بلاغت کے اعلی ترین درجے پر ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس کرتے ہیں بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶: اعجازِ قرآن کے مراتب اور عیوبِ فصاحت وبلاغت کو پہچاننے کے چھ معیارات

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۲ ــــ بتاریخ: ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِكَلَامٍ بَلِيغٍ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ. وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ، وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ بِالصَّرْفِ، وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ وَالتَّعْقِيدُ اللَّفْظِيُّ بِالنَّحْوِ.

گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں بلاغت کی بحث چل رہی تھی۔ آپ نے پڑھا عربی زبان میں بلاغت کا معنی پہنچنے کے ہوتا ہے بھئی، اور اصطلاح کے اندر بلاغت اس کو کہتے ہیں کہ کلام جو ہے وہ مقتضائے حال کے مطابق ہو اس حال میں کہ کلام فصیح بھی ہو بھئی۔ کلام فصیح ہو اور فصاحت کے ساتھ وہ مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو تو یہ ہے کلام بلیغ۔ یعنی موقع محل جس قسم کے کلام کا تقاضا کرتا ہے آپ بھی ویسا ہی کلام لے آئے تو آپ کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہوا۔ اور اس میں شرط تھی کلام فصیح ہونا چاہیے، تو آپ کا کلام موقع محل کے مطابق بھی ہوا اور اگر فصیح بھی تھا تو اب دونوں باتیں پوری ہو گئیں، تو اب آپ کے اس کلام کو کلام بلیغ کہیں گے بھئی۔

پھر یہ بھی بیان ہوا تھا کہ ایک ہے نفس بلاغت، ایک ہے کمال بلاغت بھئی۔ نفس بلاغت نفس مطابقت سے آئے گی اور کمال بلاغت کمال مطابقت سے آئے گی بھئی۔ اور جتنی جتنی مطابقت بڑھتی جائے گی کلام کی مقتضائے حال کے ساتھ، تو جتنی مطابقت زیادہ ہو گی کلام کی بلاغت کے اعتبار سے اس کا مقام اتنا ہی اونچا ہو گا بھئی۔ اور جتنی مطابقت کم ہو گی بلاغت کے اعتبار سے کلام کا رتبہ کم ہو گا بھئی۔ اور یہ بھی آپ کو میں نے بتایا کہ قرآن جو ہے فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہے بھئی۔ یعنی کسی موقع کے لیے کوئی بات جو کہی جا سکے، اس موقع پر قرآن نے جو جو بھی موقع تھا، جو جو لفظ اور جو جو تعبیر استعمال کی اور جو طریقہ اختیار کیا، اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں بھئی۔ اس سے بہتر نہیں، بہترین طریقہ ہر چیز کے لیے، ہر چیز میں۔

تو لہٰذا قرآن کا مقابلہ کرنا یہ انسانی بس سے باہر ہے۔ اسی لیے قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کہا جاتا ہے، معجزہ ہے۔ معجزہ کا کیا معنی؟ جو سب کو عاجز کر دے۔ تو قرآن بھی سب کو عاجز کر دینے والا ہے، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے قرآن میں بار بار چیلنج دیا گیا اہل مکہ اور عرب کو: عرب جو اپنے آپ کو فصیح وبلیغ کہتے تھے اور دوسرے سارے دنیا والوں کو عجم کہتے تھے یعنی یہ گونگے ہیں، ہماری زبان اتنی فصیح وبلیغ واعلیٰ ہے کہ ہمارے کلام کے مقابلے میں یہ لوگ کیا ہیں گویا گونگے ہیں، ان کا کلام لاکلام ہے اس کا تو کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔ لیکن جب قرآن آیا، بار بار چیلنج ہوا لیکن وہ کبھی بھی، انہوں نے قرآن کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کی بھئی۔

عجیب بھئی، قرآن کو سنتے ہی وہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ انسان کے بس سے ہی باہر ہے، اتنا عمدہ، اتنا اعلیٰ کلام۔ حتی کہ روایات میں آتا ہے کہ جب سورہ کوثر نازل ہوئی جو قرآن کی سب سے چھوٹی سورت ہے، صرف تین آیتوں پر مشتمل ہے، صرف تین آیتیں چھوٹی سی، چند چند لفظ ہیں اس میں بھئی: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ. تو یہ سورت کسی نے لکھ کر بیت اللہ کے اندر لٹکا دی بھئی۔ تو بیت اللہ کے اندر یہ سورت لکھی ہوئی لٹک رہی ہے، اور کیا لکھا ہوا ہے؟ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ. وہ عرب پڑھ رہے تھے اس کو، حیران ہوتے تھے، ایک نے اس کے نیچے آ کر لکھ دیا: مَا هَذَا كَلَامَ الْبَشَرِ. یہ بشر، یہ انسان کا کلام ہی نہیں ہے۔ تو اندازہ لگائیے بھئی، ایک چھوٹی سی سورت بھئی، وہ خود اعتراف کر رہے ہیں انسانی بس سے ہی باہر ہے بھئی۔ تو دیکھو سب کے آخر میں را آ رہی تھی بھئی، لکھنے والے نے بھی اسی انداز کا کلام ذکر کیا: مَا هَذَا كَلَامَ الْبَشَرِ، یہ انسانی کلام نہیں ہے بھئی۔

اور قرآن کی اتنی لذت: روایات میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیت اللہ کے پاس جب عبادت میں مشغول ہوتے، سب لوگ جب سو جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں عبادت میں مشغول ہوتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے تھے جتنا حصہ قرآن کا نازل ہو چکا، اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ تو جو بڑے بڑے

مشرکین کے سردار تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے، حتی کہ ابو جہل تک کے بارے میں آتا ہے وہ چھپ کر آتے تھے اور اس قرآن کو سنا کرتے تھے بھئی۔ اور کیسے اس کلام میں لذت نہ ہو جبکہ یہ خالق ارض وسما کا کلام ہے، اور پھر اس کو پڑھنے والی زبان سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ تو وہ بھی آکر سنتے تھے، ان کو بھی پتہ تھا کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، انسانی بس سے ہی باہر ہے کہ اتنا حسین وجمیل کلام وہ بنائے بھئی۔ لیکن بس ضد پر اڑے ہوئے تھے، ضد تھی، یہ ضد انسان کو، یہ تعصب انسان کو تباہ کر دیتا ہے: وہ حق کو جانتا بھی ہے لیکن ضد میں آکر حق کی طرف آتا ہی نہیں۔ تو یہ نہیں کہ وہ مشرکین جانتے نہیں تھے بھئی، وہ بھی جانتے تھے، سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا، لیکن ضد تھی، ہٹ دھرمی تھی: ابو جہل سخت ترین دشمن ہے لیکن راتوں کو قرآن سننے کے لیے آتا بھئی، تو صرف ضد کی وجہ سے، تعصب کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے بھئی۔

تو بلاغت کلام کس کو کہتے ہیں؟ کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو اور کلام کیا ہو، شرط ہے کہ وہ فصیح بھی ہونا چاہیے۔ آج ہم بلاغت متکلم کے بارے میں پڑھیں گے: وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ بِكَلَامٍ بَلِيغٍ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ۔ اور بلاغت فی المتکلم جو ہے مَلَكَةٌ وہ ایسا ملکہ ہے، ایسا پختہ وصف ہے۔ میں نے بتایا تھا انسان کو جو ابتدا وصف حاصل ہو وہ حال کے درجے میں ہوتا ہے: آتا ہے، وصف حاصل ہوا اور گزر جاتا ہے۔ لیکن اسی وصف میں اگر وہ محنت کرے تو یہ وصف اس کے ساتھ پختہ ہو جاتا ہے، تو اب یہ کیا کہلائے گا؟ ملکہ کہلائے گا۔ آسان لفظوں میں میں نے بتلایا تھا ملکہ کہتے ہیں صلاحیت اور مہارت کو بھئی۔ ایک کام آپ سیکھ رہے ہیں، تھوڑا سا سیکھیں گے اور چھوڑ دیں گے تو بھول جائیں گے، لیکن اگر آپ اس میں محنت کرتے رہتے ہیں تو ایک وقت آتا ہے کہ آپ میں اس کام کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، آپ کو پوری مہارت ہو جاتی ہے اس کام کی، اب آپ چھوڑ بھی دیں اب یہ صلاحیت آپ سے جدا نہیں ہوتی، مہارت آپ کے پاس ہی ہے بھئی۔ تو یہ ہے ملکہ بھئی۔ تو بتلایا یہ بلاغت فی المتکلم یہ ملکے کا نام ہے: ایک دفعہ، دو دفعہ، دس دفعہ کوئی بلیغ کلام کر لے جو مقتضائے حال کے مطابق ہے تو اس کو رجل بلیغ نہیں کہیں گے، بلکہ جب تک اس میں پختہ صلاحیت نہ ہو کہ وہ اپنے ہر کلام کو کس صورت میں؟ کلام بلیغ کی صورت میں ادا نہ کر سکے اس کو رجل بلیغ نہیں کہیں گے بھئی۔

■ قولہ: «وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا۔ مَلَكَةٌ نکرہ آیا اور اس کے بعد يَقْتَدِرُ فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کریں تو کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں بلاغت فی المتکلم جو ہے ایسا ملکہ ہے يَقْتَدِرُ بِهَا کہ قادر ہوتا ہے بِهَا أَيْ بِسَبَبِهَا اس ملکے کی وجہ سے، اس کی وجہ سے قادر ہوتا ہے وہ متکلم عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ کہ وہ اپنے مقصود سے تعبیر کر سکے یعنی اس کو ادا کر سکے بِكَلَامٍ بَلِيغٍ کس کے ساتھ؟ کلام بلیغ کے ساتھ، کہ وہ اپنے مقصود کو تعبیر کر سکے کلام بلیغ کے ساتھ اس ملکے کے ذریعے، فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ جس غرض میں بھی ہو۔ ایک مخصوص قسم کا کلام نہیں بلکہ اپنی ہر غرض، ہر قسم کا معنی، چاہے وہ کسی کی تعریف کرنا چاہتا ہے، چاہے کسی کی مذمت کرنا چاہتا ہے، چاہے کسی کو حکم دینا چاہتا ہے، چاہے کسی کو روکنا چاہتا ہے، جس قسم کا بھی کلام ہو وہ اس کو کیا کر سکے؟ کلام بلیغ کے ساتھ اس کو ادا کر سکے اس غرض کو، تو اس آدمی کو متکلم بلیغ کہیں گے، رجل بلیغ کہیں گے، شاعر بلیغ کہیں گے بھئی۔ تو شاعر بلیغ جو بلیغ کلام کے ساتھ ہر قسم کے شعر کہہ سکے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو ایک دو دفعہ کی بات نہیں، اور یہ ملکے کا نام ہے، بالفعل بلیغ کلام کرنا ضروری نہیں۔ ایک آدمی میں صلاحیت ہے لیکن خاموش بیٹھا ہے، بولتا ہی نہیں، تو آپ یہ نہ کہیں اب یہ رجل بلیغ نہیں۔ صلاحیت تو ہے، بس ہم نے بھی صلاحیت کی بات کی تھی کہ اس میں صلاحیت ہونی چاہیے، جب صلاحیت ہے تو اس آدمی کو کیا کہیں گے؟ رجل بلیغ، اگرچہ وہ زبان سے ایک لفظ نہ کہے۔ تو کہتے ہیں: وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُودِ۔ تعبیر کا لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے، تعبیر کا کیا معنی ہے؟ ادا کرنا۔ تو بلاغت فی المتکلم ایسے ملکے کا نام ہے کہ قادر ہوتا ہے اس کی وجہ سے متکلم اپنے مقصود کو تعبیر کرنے پر بِكَلَامٍ بَلِيغٍ کلام بلیغ کے ساتھ فِي أَيِّ غَرَضٍ كَانَ جس غرض میں بھی ہو۔

وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ بِالصَّرْفِ۔ یہاں سے اب بتلا رہے ہیں کہ پیچھے ہم نے بہت سی چیزیں ذکر کر دیں، تو کس چیز کو کس علم کے ذریعے جانا جائے گا، اور یہ علم بیان اور علم معانی کی ضرورت کیوں پیش آئی جو آگے آنے والے ہیں۔ علم بیان اور علم معانی کی ضرورت کیوں پیش آئی وہ بیان کرنے لگے ہیں، اور یہ بھی بیان کریں گے کہ بلاغت سیکھنے والے کو بلاغت سیکھنے کے لیے کن کن علوم میں اس کو مہارت ہونی چاہیے۔ بھئی دیکھیے پیچھے بہت سی چیزیں آئیں کہ کلام بلیغ کو پہچاننے کے لیے آپ کو ان سب کی پہچان ہونی چاہیے۔ کلام بلیغ کس کو کہتے ہیں؟ کہ کلام فصیح ہو اور مقتضائے حال کے مطابق ہو۔ اچھا کلام فصیح آیا لفظ، وہ کس کو کہتے تھے؟ جس میں تین عیب نہ ہوں اور اس کے تمام کلمات کیا ہوں؟ فصیح۔ تو کلمات فصیح کا لفظ آگیا۔ کلمہ فصیح کس کو کہتے ہیں؟ جس میں تین عیب نہ ہوں۔ تو دیکھو شروع سے جہاں سے بات چلی تھی وہاں تک جو جو چیزیں آئیں ان کو ہم دیکھیں گے۔

سب سے پہلے فصاحت کلمہ: فصاحت کلمہ کے لیے کتنے عیوب سے اس کا خالی ہونا ضروری تھا؟ تین عیب۔ کون کون سے؟ تنافر حروف، مخالفت القیاس اور غرابت، تین عیب بھئی ان سے خالی ہونا ضروری۔ اچھا بھئی ذرا ان کو ترتیب دے لیتے ہیں۔ چلیے اچھا بھئی آپ لوگوں کے پاس میں امانت رکھوا رہا ہوں آپ نے ابھی واپس کرنی ہے

بھئی۔ آپ کے پاس تنافر حروف امانت رکھوادی، ٹھیک ہے بھئی؟ دوسرا عیب کس سے خالی ہونا ضروری تھا؟ مخالفت القیاس۔ ہاں بھئی آپ کے پاس مخالفت القیاس ہے یہ امانت ہے ابھی آپ سے واپس لیں گے۔ اگلا عیب کون سا تھا بھئی؟ غرابت، بھئی آپ کے پاس ہے بھئی غرابت۔ یہ تو ہو گئے کلمہ فصیح میں۔ آگے چلیے کیا آیا تھا اگلی تعریف؟ کلام فصیح آیا تھا۔ کلام فصیح میں اس کے سارے کلمات فصیح ہونے چاہئیں، اور اس کے لیے یہ تین چیزوں کی ضرورت تھی یہ جو ابھی میں نے امانت رکھوائیں بھئی۔ ہاں باقی اور کن چیزوں سے کلام فصیح کا خالی ہونا ضروری تھا؟ تنافر کلمات، بھئی آپ کے پاس ہے بھئی آپ رکھیں۔ اگلا کون سا عیب تھا جس سے خالی ہونا ضروری تھا؟ ضعف تالیف، وہ آپ کے پاس امانت ہے بھئی۔ اگلا عیب کون سا؟ تعقید۔ تعقید دو قسم کی تھی آپ نے پڑھا: کبھی تعقید لفظی ہو گی، کبھی تعقید معنوی ہو گی۔ تو تعقید لفظی آپ کے پاس امانت ہے بھئی، اور تعقید معنوی آپ کے پاس امانت ہے بھئی۔ اور آگے کیا پڑھا تھا اس کے بعد؟ یہ تو فصاحت کلام ہوئی، آگے فصاحت متکلم اس میں کوئی چیز نئی نہیں آئی۔ آگے کیا آئی؟ بلاغت کلام۔ بلاغت کلام کس کو کہتے تھے؟ کہ کلام فصیح ہو اور مقتضائے حال کے مطابق ہو بھئی۔ تو یہ مقتضائے حال کے مطابق ہونا یہ ایک نئی چیز آگئی، یہ آپ کے پاس امانت ہے بھئی۔ یہ کتنے ساتھی ہو گئے جن کے پاس امانتیں ہیں؟ نو ساتھی ہو گئے بھئی جن کے پاس امانتیں ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب دیکھیں گے ہم کہ کون سی چیز کا پتہ کیسے چلتا ہے۔ بھئی اب دیکھتے جایئے: آپ کے پاس کیا ہے بھئی؟ تنافر حروف ہے ان کے پاس۔ تنافر حروف کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ ذوق سے پتہ چلتا ہے بھئی۔ یہ ذوق آپ کے پاس امانت ہے بھئی، یہ دوسرے ساتھی کے پاس ذوق میں نے امانت رکھوادیا بھئی۔ اگلا عیب بھئی ساتھی کے پاس کیا رکھوایا تھا؟ مخالفت القیاس۔ مخالفت القیاس کس کو کہتے تھے؟ کہ کلمہ صرفی قانون کے خلاف ہو۔ معلوم ہوا اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ علم صرف سے، یہ علم صرف آپ کے پاس امانت ہے بھئی۔ آگے بھئی غرابت ان کے پاس تھی بھئی امانت۔ اب اس غرابت کا پتہ کس سے چلے گا؟ غرابت کہتے کس کو تھے؟ کہ لفظ کی دلالت اپنے معنی پر واضح نہ ہو، لفظ کے معنی کا پتہ ہی نہیں چل رہا۔ معلوم ہوا لفظ کے معنی کا انسان کو پتہ ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ پتہ ہونا چاہیے بھئی، اور اس کا پتہ کس سے چلتا ہے لفظ کے معنی کا پتہ؟ لغت سے، آپ لغت اٹھاتے ہیں بھئی، ڈکشنری عربی کی اٹھاتے ہیں اس میں دیکھتے ہیں تو لفظوں کے معنی کا وہاں سے پتہ چلتا ہے۔ تو غرابت کا پتہ کس سے چلے گا؟ علم لغت سے، بھئی لغت آپ کے پاس امانت آگئی بھئی علم لغت۔

اچھا آگے آپ کے پاس کون سا عیب تھا بھئی؟ تنافر کلمات: ایسے کلمات جمع ہو گئے جن کی وجہ سے لفظ زبان پر ثقیل ہوا۔ اس کا پتہ کس سے چلتا تھا؟ اس کا پتہ بھی تو ذوق سے ہی چلتا تھا، اور ذوق تو میں امانت رکھوا چکا ہوں، اسی سے اس کا پتہ لگ جائے گا بھئی۔ آگے آپ کے پاس کون سی چیز تھی بھئی؟ ضعف تالیف: کلام کا مشہور نحوی قانون کے خلاف ہونا۔ تو اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ اس کا پتہ علم نحو سے چلے گا، تو علم نحو آپ کے پاس امانت ہو گیا بھئی۔ آگے کون سا عیب تھا؟ تعقید لفظی: لفظوں کی وجہ سے معنی سمجھ میں نہیں آرہا، معنی مراد بھئی۔ اس کا پتہ بھی کس سے چلے گا؟ اس کا پتہ بھی علم نحو سے چلے گا کہ آپ کیا کرتے ہیں، بہت سی چیزیں کہیں ذکر چاہیے تھا وہاں آپ نے حذف کر دیا، ایک کو مقدم ہونا چاہیے تھا آپ نے اس کو مؤخر کر دیا ہے، اور اسی طرح کہیں اسم لانا چاہیے تھا آپ ضمیر لے آئے ہیں، اور کیا چیز تھی مثلا؟ موصوف صفت کو ملا ہونا چاہیے تھا آپ نے ان میں فصل کر دیا ہے، یہ چیزیں تھیں۔ ان کا پتہ بھی کس سے چلتا ہے؟ علم نحو سے ہی پتہ چلتا ہے، علم نحو میں ان کے پاس امانت رکھوا چکا ہوں۔

آگے کون سی چیز ہے؟ تعقید معنوی۔ یاد رکھیے یہ ایک چیز رہ گئی۔ دوسری آپ کے پاس کیا چیز رہ گئی؟ کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا، یہ دو چیزیں رہ گئیں۔ ان کا پتہ نہ صرف سے چل رہا ہے، نہ نحو سے، نہ علم لغت سے، نہ ذوق وغیرہ کسی چیز سے پتہ نہیں چل رہا۔ تو ان دو کے لیے ہمیں باقاعدہ دو علوم بنانے پڑے۔ کیا کرنے پڑے؟ دو علوم۔ ایک رہ گیا تھا تعقید معنوی: یاد رکھیے اس کا بیان علم بیان میں آئے گا۔ اس کی تفصیل کہاں آئے گی؟ علم بیان میں۔ تو علم بیان کی ضرورت اس لیے پڑی کیونکہ یہاں پر تعقید معنوی کا پتہ اس سے چلے گا اور کوئی علم نہیں جس سے تعقید معنوی کا پتہ چلے۔ اور دوسری کیا چیز تھی بھئی آپ کے پاس؟ مقتضائے حال کے مطابق ہونا۔ اس کا پتہ بھی ان علوم میں سے کسی علم سے نہیں چلتا تو اس کے لیے ہمیں علم معانی کی ضرورت پڑی۔ کس کی ضرورت پڑی؟ علم معانی کی۔ بھئی چیزیں پوری ہو گئیں یا کسی کے پاس اور بھی امانت تھی کوئی عیب وغیرہ یا کوئی چیز؟ پوری ہو گئیں، دیکھا۔ تو علم معانی اور علم بیان کی ضرورت کیوں ہے آپ کو وجہ سمجھ میں آگئی کہ ایک یہ ہمیں تعقید معنوی کا پتہ چلے گا اور کسی سے پتہ ہی نہیں چل رہا تو ایک علم اس کے لیے باقاعدہ بنانا پڑا، اور مقتضائے حال کے مطابق ہونا اس کا پتہ بھی کسی اور علم سے نہیں چل رہا تھا تو اس کے لیے کون سا علم بنانا پڑا؟ علم معانی بنانا پڑا بھئی۔

تو بھئی علم بیان یہ آپ کے پاس امانت بھئی، اور علم معانی آپ کے پاس امانت بھئی۔ اب دیکھیے یہ جن جن چیزوں کی ضرورت تھی یہ الگ میں نے طلبہ کے پاس امانت کے طور پر رکھوائیں۔ اب دیکھتے ہیں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے بلاغت کو سمجھنے کے لیے: سب سے پہلے بھئی کیا رکھوایا آپ کے پاس؟ ذوق۔ ذوق ہونا چاہیے، صحیح ذوق ہونا چاہیے، درست اور صحیح ذوق والا ہو انسان بھئی، اگر ذوق صحیح نہیں تو پھر کام نہیں چلے گا یہاں پر۔ بھئی آپ کے پاس کیا رکھوایا؟ علم الصرف۔ ذوق بھی صحیح ہو، علم صرف میں بھی مہارت ہو، علم صرف جاننے والا ہو۔ آپ کے پاس آگے کیا رکھوایا تھا؟ علم لغت، علم لغت کو بھی جاننے والا ہو کہ کون سا لفظ کس معنی کے لیے وضع ہے۔ آگے بھئی علم نحو بھی ہونا چاہیے اس کے پاس، اس سے تعقید لفظی کا بھی پتہ چلے گا اور ضعف تالیف کا بھی۔ آگے بھئی علم بیان بھی اور علم معانی بھی، یہ ساری چیزیں بلاغت کے اندر ضروری ہیں، ان تمام علوم کا جاننا بھئی۔ تفصیل سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ» کی تشریح

اب دیکھیے کتاب پر: وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ، اور جانا جائے گا تنافر کو ذوق سے۔ تنافر کا پتہ کس سے چلے گا؟ ذوق سے۔ اور صاحب کتاب نے تنافر حروف نہیں کہا، تنافر کلمات نہیں کہا، التَّنَافُرُ کہہ دیا یعنی ہر طرح کا تنافر چاہے وہ تنافر حروف ہے چاہے وہ تنافر کلمات، دونوں کا پتہ ذوق سے چلے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ اور جانا جائے گا تنافر کو ذوق سے، وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ بِالصَّرْفِ اور مخالفت القیاس کو علم صرف سے، وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ وَالتَّعْقِيدُ اللَّفْظِيُّ بِالنَّحْوِ اور ضعف تالیف اور تعقید لفظی کو جانا جائے گا علم نحو سے۔ کس سے؟ علم نحو سے۔ ان سب کا عطف پیچھے وہ جو تنافر آیا تھا يُعْرَفُ التَّنَافُرُ، آگے ہے وَيُعْرَفُ ضَعْفُ التَّأْلِيفِ، جانا جائے گا ضعف تالیف اور تعقید لفظی کو بِالنَّحْوِ۔

وَالْغَرَابَةُ بِكَثْرَةِ الِاطِّلَاعِ عَلَى كَلَامِ الْعَرَبِ، اور غرابت کو جانا جائے گا بِكَثْرَةِ الِاطِّلَاعِ کہ کلام عرب پر کثرت اطلاع ہو، انسان کثیر الاطلاع ہو کس پر؟ کلام عرب پر، کلام عرب کو خوب جاننے والا ہو، خوب مطالعہ کیا ہو کتابوں کا، کلام عرب کا، اس سب کا مطالعہ کیا ہو بھئی۔ انہوں نے کیا ذکر کیا، غرابت کا پتہ کس سے چلے گا؟ کہ کلام عرب پر انسان کثیر الاطلاع ہو۔ جب خوب کلام عرب کا آپ نے شعر وشاعری، ان کے کلام وغیرہ ہر چیز کا خوب مطالعہ کیا ہو گا تو آپ کو پتہ لگ جائے گا کہ یہ عرب یہ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں اپنے کلام میں عام طور پر، اور ان کے علاوہ جو ہیں ان میں غرابت ہے، جو انہوں نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا تو معلوم ہوا وہ کلمہ کیا ہے؟ غریب ہے، اس کے اندر غرابت ہے، تو کثرت اطلاع ہونی چاہیے۔ اور میں نے کیا بتلایا تھا غرابت کا پتہ کس سے چلے گا؟ علم لغت سے۔ بھئی علم لغت بھی آگے خود بھی یہ بیان کریں گے: آپ کلام عرب پر کثیر الاطلاع ہوں تو اس میں علم لغت کی ضرورت پڑے گی یا نہیں؟ آپ کو قدم قدم پر عربی سیکھنے کے لیے دیکھنا پڑے گا لغت میں کہ یہ لفظ کلام میں لا رہے ہیں اس کا کیا معنی ہے، یہ والا لفظ لا رہے ہیں اس کا کیا معنی ہے، تو وہ علم لغت کی بھی ضرورت پڑے گی اس میں بھئی۔ تو کثیر الاطلاع بنیں گے ہی تب جب آپ کو علم لغت کا پتہ ہو، ہر لفظ کے معنی کا پتہ ہو گا تو ان کے کلام کو سمجھیں گے ورنہ تو سمجھ میں ہی نہیں آئے گا۔ تو علم لغت کا بھی علم ہو آپ کو اور کثیر الاطلاع بھی ہوں۔ کیوں کثیر الاطلاع ہوں؟ غرابت کس کو کہتے تھے؟ ایسا لفظ کلام میں لانا جو مانوس نہیں، عربوں کو بھی اس کے معنی کا پتہ نہیں چلتا، معلوم ہوا عرب کبھی اس طرح کا لفظ استعمال کرتے ہی نہیں۔ تو جب آپ کو ان کے سارے کلام کا مطالعہ ہو گا تو آپ کو لفظ سامنے آتے ہی پتہ لگ جائے گا کہ عربوں نے تو کبھی یہ لفظ استعمال کیا ہی نہیں، معلوم ہوا اس میں کیا ہے؟ غرابت ہے، تو کثیر الاطلاع ہونا بھی ضروری ہے۔

یہ معنی ہے: وَالْغَرَابَةُ بِكَثْرَةِ الِاطِّلَاعِ عَلَى كَلَامِ الْعَرَبِ، اور غرابت کو جانا جائے گا کلام عرب پر کثرت اطلاع سے، وَالتَّعْقِيدُ الْمَعْنَوِيُّ بِالْبَيَانِ اور تعقید معنوی کو کس سے جانا جائے گا؟ علم بیان سے، وَالْأَحْوَالُ وَمُقْتَضَيَاتُهَا بِالْمَعَانِي اور احوال اور مقتضائے احوال جو ہیں ان کو کس سے جانا جائے گا؟ علم معانی سے۔ مُقْتَضَيَاتُهَا، هَا ضمیر احوال کو راجع ہے: احوال اور مقتضیات احوال، مُقْتَضَيَات جمع ہے مُقْتَضًى کی بھئی، تو احوال اور مقتضیات احوال جو ہیں ان کو جانا جائے گا علم معانی سے۔ فَوَجَبَ عَلَى طَالِبِ الْبَلَاغَةِ، پس واجب ہوا علم بلاغت کے طالب پر، جو طالب علم علم بلاغت سیکھنا چاہتا ہے اس پر واجب ہے، کیا چیز واجب ہے؟ مَعْرِفَةُ اللُّغَةِ کس کا جاننا؟ علم لغت کا جاننا یعنی کون سا لفظ کس معنی کے لیے وضع ہے، وَالصَّرْفِ اور علم صرف کا جاننا، وَالنَّحْوِ اور علم نحو کا جاننا، وَالْمَعَانِي اور علم معانی کا جاننا، وَالْبَيَانِ اور علم بیان کا جاننا، مَعَ كَوْنِهِ سَلِيمَ الذَّوْقِ ساتھ اس کے سلیم الذوق ہونے کے، یعنی وہ طالب علم کیا ہونا چاہیے؟ سلیم الذوق، سلیم کا معنی درست، صحیح، سلیم الذوق درست ذوق والا ہو، ذوق میں کوئی خرابی نہ ہو، ساتھ اس کے درست ذوق والا ہونے کے، كَثِيرَ الِاطِّلَاعِ اور کیا ہونے کے؟ کثیر الاطلاع ہو وہ عَلَى كَلَامِ الْعَرَبِ کس پر؟ کلام العرب پر، تو وہ کثیر الاطلاع بھی ہونا چاہیے بھئی۔

بھئی یہ لفظ آیا: بِكَثْرَةِ الِاطِّلَاعِ، وَالْغَرَابَةُ بِكَثْرَةِ الِاطِّلَاعِ۔ دیکھیے کیسے پڑھیں گے؟ بِكَثْرَةِ لِطِّلَاعِ، لام کے نیچے کسرہ آ جائے گا: بِكَثْرَةِ الِاطِّلَاعِ۔ لیکن عموماً پڑھتے کیسے ہیں؟ بِكَثْرَةِ الْإِطِّلَاعِ، حالانکہ ہمزہ وصلی گرنا چاہیے۔ اسی طرح نیچے آیا: كَثِيرَ الِاطِّلَاعِ، كَثِيرَ راپر اسی طرح فتحہ رہے گا اور لِطِّلَاعِ: كَثِيرَ الِاطِّلَاعِ۔ اچھا بھئی سبق اچھی طرح سمجھ میں آ گیا بھئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْفَنُّ الْأَوَّلُ: عِلْمُ الْمَعَانِي — اَلْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الْخَبَرِ وَالْإِنْشَاءِ

علمِ معانی کی تعریف و انحصار، مسند الیہ و مسند، جملہ فعلیہ و اسمیہ، اضربِ خبر اور انشائے طلبی کی پانچ اقسام (اسباق ۱۷ تا ۳۴)

سبق نمبر ۱۷: الفن الأول (علم المعاني): علمِ معانی کی تعریف، موضوع اور آٹھ ابواب وخاتمہ میں انحصار کی دلیل

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۳ــــ بتاریخ: ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

عِلْمُ الْمَعَانِي هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِي بِهَا يُطَابِقُ مُقْتَضَى الْحَالِ، فَتَخْتَلِفُ صُوَرُ الْكَلَامِ لِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ، مِثَالُ ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

آج ہم علم معانی شروع کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے علم معانی کی تعریف آپ کو بتلا رہے ہیں: هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَحْوَالُ اللَّفْظِ، وہ ایسا علم ہے کہ جانا جاتا ہے اس کے ذریعے لفظ عربی کے احوال کو۔ وہ ایسا علم ہے، بھئی دیکھیے عِلْمٌ نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد يُعْرَفُ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت، اور ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے کیا لے آتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ۔ تو کہتے ہیں: هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ وہ ایسا علم ہے کہ جانا جاتا ہے بِهِ، ہِ ضمیر علم کو راجع، اس کے ذریعے، وہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعے جانا جاتا ہے، کس چیز کو جانا جاتا ہے؟ أَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ لفظ عربی کے احوال کو، الَّتِي بِهَا يُطَابِقُ مُقْتَضَى الْحَالِ۔

بھئی دیکھیے لفظ عربی کے بہت سے احوال ہیں: مثلاً آپ صرف میں پڑھتے ہیں کہ دو حرف ایک جنس کے آئیں تو ان کا آپس میں ادغام کیا جاتا ہے، چنانچہ مَدَّ اصل میں کیا تھا؟ مَدَدَ، دو دال آئے ایک جنس کے، ان کا آپس میں ادغام کیا گیا تو مَدَّ ہوا۔ اسی طرح تعلیل ہوتی ہے: آپ کو بتاتے ہیں قَالَ اصل میں قَوَلَ تھا، اور قانون ہے واؤ یا یا متحرک ہو اور ما قبل فتحہ ہو تو اس کو الف سے بدلتے ہیں تو قَالَ ہوا۔ تو یہ ادغام، تعلیل وغیرہ یہ کیا ہیں؟ یہ بھی لفظ عربی کے احوال ہیں، لیکن ان کی بحث یہاں نہیں ہوگی، اس کی بحث علم صرف میں ہوتی ہے۔ اسی طرح لفظ عربی کا ایک حال یہ بھی ہے کہ کبھی اس کے آخر میں رفع آتا ہے، کبھی نصب آتا ہے، کبھی جر آتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، زَيْدٌ پر کیا آیا؟ رفع۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا، زَيْدًا پر کیا آیا؟ نصب آیا۔ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، زَيْدٍ پر کیا آیا؟ جر آیا۔ تو رفع، نصب، جر یہ بھی لفظ عربی کے احوال ہیں لیکن ان سے بھی یہاں بحث نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی بحث آپ علم نحو میں پڑھتے ہیں۔ اسی طرح علم بدیع بھئی اس کے اندر کچھ محسنات ذکر ہوتے ہیں، کچھ چیزیں جن سے کلام میں مزید حسن پیدا ہوتا ہے۔ کیا پیدا ہوتا ہے؟ مزید حسن پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی لفظ عربی کے احوال میں سے ہے کہ وہ کس طرح مقتضائے حال کے مطابق ہوگا۔ تو لفظ عربی کے بہت سے احوال ہیں جیسے میں نے ذکر کر دیا: مثلاً ادغام، تعلیل وغیرہ یہ بھی لفظ عربی کے احوال میں سے، رفع نصب یا جر آئے گا یہ بھی لفظ عربی کے احوال ہیں، کس طرح مقتضائے حال کے مطابق ہوگا یہ بھی لفظ عربی کے احوال ہیں، اور مزید حسن کلام میں کیسے پیدا ہوگا، مختلف صنعتیں جن سے کلام میں مزید حسن پیدا ہوتا ہے یہ بھی لفظ عربی کے احوال بھئی۔ تو اس طرح لفظ عربی کے بہت سے احوال ہیں لیکن یہاں آپ کو بتائیں گے باقی احوال سے یہاں بحث نہیں کریں گے، صرف ان احوال سے بحث کریں گے جن کے ذریعے لفظ عربی مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ لفظ عربی کس کے مطابق ہوتا ہے؟ مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے۔

دیکھیے یہی بتلا رہے ہیں: هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ، وہ ایسا علم ہے کہ جانا جاتا ہے اس کے ذریعے لفظ عربی کے احوال کو، الَّتِي وہ احوال بِهَا، هَا ضمیر راجع ہے احوال کو، کہ ان احوال کی وجہ سے يُطَابِقُ مطابق ہو جاتا ہے، ضمیر اس کی راجع ہے لفظ کو، وہ لفظ جو ہے کیا ہے؟ مطابق ہو جاتا ہے مُقْتَضَى الْحَالِ کس کے؟ مقتضائے حال کے۔ تو يُطَابِقُ مطابق ہوتا ہے، کون مطابق ہوتا ہے، ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ اللَّفْظ جو پیچھے آیا بھئی، تو یہ ضمیر اس کو لوٹ رہی ہے۔ تو معلوم

ہوا علم معانی وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے لفظ عربی کے ان احوال کو جانا جاتا ہے جن کے ذریعے وہ لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اس میں وہ احوال ذکر ہوں گے اور احوال ذکر نہیں ہوں گے بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی: میرے سامنے منکر ہے، تو اس کے سامنے مجھے کلام کس قسم کا ذکر کرنا چاہیے؟ تاکید والا۔ اگر میرے سامنے خالی الذہن ہے تو مجھے کس قسم کا کلام کرنا چاہیے؟ بغیر تاکید کے۔ اگر میرے سامنے متردد ہے تو پھر مجھے کس طرح کا کلام کرنا چاہیے؟ تاکید لانا مستحسن ہے، پسندیدہ ہے۔ اگر میرے سامنے ذہین ہے تو مجھے کس طرح کا کلام کرنا چاہیے؟ مختصر کلام کرنا چاہیے۔ اور اگر میرے سامنے کمزور ذہن والا ہے تو مجھے کس طرح کا کلام کرنا چاہیے؟ لمبا کلام کرنا چاہیے۔ اگر میں کسی کی مدح کر رہا ہوں، تعریف کر رہا ہوں تو مجھے کس طرح کا کلام کرنا چاہیے؟ لمبا کلام۔ تو یہ لفظ عربی کے وہ احوال ہیں جن سے لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہو جاتا ہے، ان کے بارے میں بحث ہو گی یہاں پر۔ یہاں پر آپ کو وہ چیزیں بتائیں گے جن سے لفظ کیا ہو گا؟ مقتضائے حال کے مطابق ہو جائے گا کہ کس موقع پر کس قسم کا کلام آپ کو کرنا چاہیے، یہ آپ کو بتائیں گے بھئی۔ یہ لفظ کن موقعوں پر استعمال ہوتا ہے، آپ کو بتاتے جائیں گے بھئی کہ یہ لفظ ان ان موقعوں پر استعمال ہوتا ہے، یہ لفظ ان ان موقعوں پر استعمال ہوتا ہے بھئی۔

■ قولہ: «عِلْمُ الْمَعَانِي هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: عِلْمُ الْمَعَانِي هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِي بِهَا يُطَابِقُ مُقْتَضَى الْحَالِ، علم معانی وہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعے جانا جاتا ہے لفظ عربی کے ان احوال کو کہ جن کے ذریعے وہ لفظ مطابق ہو جاتا ہے مقتضائے حال کے، فَتَخْتَلِفُ صُوَرُ الْكَلَامِ لِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ پس مختلف ہوتی ہیں، صُوَر جمع ہے صُورَةٌ کی، پس مختلف ہو جاتی ہیں کلام کی صورتیں لِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ احوال کے اختلاف کی وجہ سے۔ پس مختلف ہوتی ہیں کلام کی صورتیں احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ بھئی احوال جب مختلف ہیں تو ان کا مقتضی بھی الگ الگ ہو گا، اور ہر مقتضی کے مطابق کلام لائیں گے تو وہ کلام بھی کیا ہو گا؟ الگ الگ قسم کا ہو گا بھئی۔ تو چونکہ احوال بہت زیادہ بھئی، تو کلام بھی اسی کے مطابق مختلف ہوں گے ایک دوسرے سے بھئی۔ احوال چونکہ مختلف ہیں، یا یوں کہیں احوال بدلتے ہیں تو کلام کی صورتیں بدلتی ہیں۔ تو ترجمہ کیا کیا؟ فَتَخْتَلِفُ صُوَرُ الْكَلَامِ بدلتی ہیں یا یوں کہیں مختلف ہوتی ہیں، ایک ہی بات ہے، بدلتی ہیں کلام کی صورتیں لِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ احوال کے بدلنے سے بھئی۔ کلام کی صورتیں بدلتی ہیں احوال کے بدلنے سے: احوال بدلتے ہیں تو کلام کی صورتیں بھی بدلتی ہیں بھئی۔

مِثَالُ ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى، اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے: وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔ وَأَنَّا اور ہم لَا نَدْرِي ہم نہیں جانتے أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ، شَرٌّ تکلیف بھئی، نقصان، أَشَرٌّ أُرِيدَ کیا، ہمزہ استفہام کے لیے ہے، کیا شر کا ارادہ کیا گیا ہے بِمَنْ فِي الْأَرْضِ ان کے ساتھ جو زمین میں ہیں، أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ یا ارادہ فرمایا ہے ان کے ساتھ ان کے پروردگار نے رَشَدًا ہدایت کا۔ یا ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے۔ بھئی ترجمہ سمجھ میں آیا؟ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا: اور ہم نہیں جانتے کیا نقصان کا ارادہ کیا گیا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو زمین میں ہیں یا ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے۔

اب دیکھیے یہاں پر ذرا آیت پہ نظر رکھیں: درمیان میں آیت کے أَمْ آرہا ہے۔ أَمْ سے ماقبل ذرا نظر ڈالیں اور أَمْ کے مابعد کلام کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ أَمْ سے ماقبل دیکھیے أُرِيدَ آیا، اور أُرِيدَ کون سا فعل ہے، فعل معروف ہے یا فعل مجہول ہے؟ یہ فعل مجہول ہے، یعنی اس کے فاعل کا ذکر نہیں۔ تو یہ ہوا یہاں پر فعل ارادہ مبنی للمجہول بھئی۔ فعل ارادہ کیا ہوا یہاں پر؟ مبنی للمجہول، یعنی اس کی بنا کی گئی ہے مجہول فاعل کے لیے، اس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا بھئی۔ اور اس کے بعد أَمْ کے بعد دیکھیں أَرَادَ، یہ فعل معروف ہے اور رَبُّهُمْ اس کے لیے فاعل ہے، تو أَمْ کے بعد فعل معروف لایا گیا یعنی مبنی للمعلوم لایا گیا فعل ارادہ أَمْ کے بعد۔ تو أَمْ سے پہلے ہوا فعل ارادہ مبنی للمجہول اور أَمْ کے بعد ہوا فعل ارادہ مبنی للمعلوم، یعنی أَمْ سے پہلے ہے فعل مجہول آسان لفظوں میں، اور أَمْ کے بعد کیا ہے؟ فعل معروف ہے۔ تو یہ الگ الگ انداز اپنایا گیا بھئی: أَمْ سے ماقبل مجہول والا انداز اپنایا گیا، أَمْ کے مابعد معروف والا انداز اپنایا گیا۔

وجہ اس کی کیا ہے، کس چیز نے اس بات کا تقاضا کیا؟ تو یاد رکھیے چونکہ أَمْ سے پہلے شر کا ذکر آرہا ہے، اور أَمْ کے بعد جو ہے ہدایت یعنی خیر کی بات آرہی ہے۔ ویسے تو سب کچھ کرنے والی اللہ ہی کی ذات ہے: کسی کو نفع پہنچے، کوئی ہدایت پر آئے، یہ سب کرنے والی ذات کون سی؟ اللہ تعالی کی۔ اور اگر کسی کو تباہ و برباد بھی کیا جاتا ہے، نقصان بھی پہنچتا ہے یہ کس کے ارادے سے؟ اللہ تعالی کے ارادے سے۔ اگر اللہ نہ چاہیں، ساری دنیا بھی مل جائے کسی کو ایک ذرہ نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور اللہ نہ چاہیں تو ساری دنیا بھی مل جائے تو کسی کو ایک ذرہ نفع نہیں پہنچا سکتی۔ تو ہر چیز اللہ کی قدرت میں، اللہ کے اختیار میں ہے بھئی: کسی قوم کو دنیا کے اندر عروج نصیب فرماتے ہیں تو کسی قوم کی دنیا کے اندر تباہی و بربادی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، تو یہ سب کچھ کرنے والی اللہ تعالی کی ذات ہیں۔ لیکن شر کی نسبت اللہ کی طرف کرنا بے ادبی ہے بھئی۔ نقصان کی نسبت اللہ کی طرف کرنا بے ادبی ہے: خیر کی نسبت، اچھی چیز کی نسبت تو اللہ کی طرف کی جاتی ہے لیکن شر کی نسبت اللہ کی طرف کرنا بے ادبی ہے بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو بات یہ ذکر ہو رہی ہے کہ خیر جو ہے اس کی نسبت تو اللہ کی طرف کی جاتی ہے، اور کسی کو نقصان دینا ہے، کسی کو تباہ و برباد کرنا ہے یہ سب اللہ ہی کے

ارادے سے ہوتا ہے لیکن اس نقصان کی نسبت اللہ کی طرف کرنا بے ادبی ہے۔ تو چونکہ آیت کے اندر ما قبل کے اندر شر اور نقصان کا ذکر تھا اس لیے وہاں پر فعل مجہول لایا گیا۔ اگر فعل معروف لایا جاتا تو پھر کیا ہوتا؟ أَرَادَ، أَشَرٌّ أَرَادَ شر کا ارادہ کیا، کس نے کیا؟ فاعل کا بھی ذکر کرنا پڑتا، اور کس نے نقصان کا ارادہ کیا؟ رَبُّهُمْ ان کے پروردگار نے۔ تو اس صورت میں شر کی نسبت، نقصان کی نسبت کس کی طرف ہو جاتی؟ اللہ کی طرف۔ اگرچہ کرنے والے تو اللہ ہی ہیں لیکن یہ نسبت کرنا اللہ کی طرف یہ بے ادبی کی بات ہے۔ تو اس وجہ سے ما قبل میں فعل مجہول کو ذکر کیا گیا، اور فعل مجہول وہ فعل ہوتا ہے جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو اب دیکھیے ترجمہ ہو گیا: أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ، کیا شر کا ارادہ، نقصان کا ارادہ کیا گیا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو زمین میں ہیں؟ کس نے کیا؟ یہ ذکر ہی نہیں کیونکہ فعل مجہول میں فاعل کا ذکر ہی نہیں کیا جاتا بھئی۔ تو یہاں چونکہ شر کی نسبت تھی ما قبل میں اس لیے فعل مجہول لایا گیا تا کہ اللہ کی طرف نسبت کرنا لازم نہ آئے بھئی، لفظوں کے اندر اللہ کی طرف نسبت کرنا لازم نہ آئے، اگرچہ میں نے بتایا کرنے والی سب کچھ اللہ ہی کی ذات ہے۔

اور اس کے بعد آگے چونکہ أَمْ کے مابعد رَشَد، ہدایت اور راہ راست پر لانے کا ذکر تھا تو اس لیے وہاں پر فعل معروف کو لایا گیا، اور فعل معروف کے لیے تو فاعل چاہیے ہوتا ہے تو آگے رَبُّهُمْ فاعل کو ذکر کیا گیا کہ کس نے ارادہ کیا ہے ہدایت کا؟ ان کے پروردگار نے، کہ یا ارادہ کیا ہے ان کے ساتھ ان کے رب نے، ان کے پروردگار نے ہدایت کا بھئی۔ تو ما قبل کا مقتضی اور تھا، مابعد کا مقتضی اور تھا: ما قبل میں شر کی نسبت تھی اس کا مقتضی یہ تھا کہ فاعل کو ذکر نہ کیا جائے، اور مابعد کے اندر خیر کی نسبت تھی تو وہاں پر مقتضی کیا تھا کہ نسبت فاعل کی طرف کی جائے بھئی، اللہ کی طرف کی جائے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دیکھیے مقتضی بدلا تو کلام کی صورت بدل گئی بھئی۔

■ قولہ: «فَإِنَّ مَا قَبْلَ أَمْ صُورَةٌ مِنَ الْكَلَامِ...» کی تشریح

اب دیکھیے بھئی: فَإِنَّ مَا قَبْلَ أَمْ صُورَةٌ مِنَ الْكَلَامِ تُخَالِفُ صُورَةَ مَا بَعْدَهَا، پس أَمْ سے ما قبل جو ہے صُورَةٌ مِنَ الْكَلَامِ کلام کی صورت ہے تُخَالِفُ صُورَةَ مَا بَعْدَهَا جو مخالف ہے اس کے مابعد کی صورت کے۔ فَإِنَّ مَا قَبْلَ أَمْ پس بے شک أَمْ سے پہلے، أَمْ سے ما قبل صُورَةٌ مِنَ الْكَلَامِ کلام کی ایسی صورت ہے، دیکھو آگے تُخَالِفُ آرہا ہے یہ صُورَةٌ کی صفت ہے بھئی۔ فَإِنَّ مَا قَبْلَ أَمْ پس بے شک أَمْ سے پہلے کلام کی ایسی صورت ہے تُخَالِفُ صُورَةَ مَا بَعْدَهَا جو مخالف ہے أَمْ کے مابعد کی صورت کے۔ مَا بَعْدَهَا، هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ أَمْ کو، اور أَمْ کیا ہے؟ حرف، اور حروف عربی میں عموماً مؤنث استعمال ہوتے ہیں تو مؤنث ضمیر اس کو لوٹائی: مَا بَعْدَهَا أَيْ مَا بَعْدَ أَمْ۔ اور أَمْ کے مابعد کی صورت وہ مخالف ہے أَمْ کے ما قبل کی صورت کے۔

لِأَنَّ الْأُولَى فِيهَا فِعْلُ الْإِرَادَةِ مَبْنِيٌّ لِلْمَجْهُولِ، اس لیے کیونکہ پہلی صورت جو ہے اس میں ارادے کا جو فعل ہے وہ مبنی للمجہول ہے یعنی اس کی بنا مجہول کے لیے ہے یعنی فعل مجہول ہے۔ وَالثَّانِيَةَ فِيهَا، وَالثَّانِيَةَ منصوب پڑھنا بھئی، اس کا عطف الْأُولَى پر ہے اور الْأُولَى پر أَنَّ داخل ہوا تھا، أَنَّ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے، تو اس لیے الثَّانِيَةَ منصوب ہو گا۔ اور دوسری صورت جو ہے اس میں فعل ارادہ کس قسم کا ہے؟ مَبْنِيٌّ لِلْمَعْلُومِ ہے یعنی فعل معلوم ہے۔ اب یہ کس وجہ سے ہے وہ بیان کرنے لگے ہیں کہ حال چونکہ ان کا الگ الگ ہے: وَالْحَالُ الدَّاعِي لِذَلِكَ۔ بھئی حال کیا ہوتا ہے؟ وہ تقاضا کرنے والا ہوتا ہے، اور جس چیز کا تقاضا کرے اس کو کیا کہتے تھے؟ مقتضائے حال۔ تو تقاضا کون کرتا تھا؟ حال، یعنی دعوت کون دیتا تھا اس چیز کی؟ حال دعوت دیتا تھا یعنی تقاضا کرتا تھا۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: وَالْحَالُ الدَّاعِي لِذَلِكَ اور وہ حال جو دعوت دینے والا ہے اس بات کی طرف، کس بات کی طرف؟ کہ أَمْ سے ما قبل فعل مجہول ہونا چاہیے اور أَمْ کے مابعد فعل معروف، وہ حال جو دعوت دینے والا ہے اس بات کی طرف وہ نِسْبَةُ الْخَيْرِ إِلَيْهِ سُبْحَانَهُ فِي الثَّانِيَةِ وہ خیر کی نسبت ہے اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف فِي الثَّانِيَةِ کس میں؟ دوسری صورت میں، وَمَنْعُ نِسْبَةِ الشَّرِّ إِلَيْهِ فِي الْأُولَى اور شر کی نسبت کا منع کرنا ہے پہلی صورت میں کہ شر کی نسبت نہ ہو جائے اللہ کی طرف بھئی۔ سب کو پوری بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

اس آیت کا شان نزول اور واقعہ: یاد رکھیے یہ بعض جنات نے کہا تھا۔ کس نے کہا تھا؟ بعض جنات نے بھئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے، آپ کو نبوت ملنے اور آپ کو بھیجنے سے پہلے شیاطین اور جنات نے آسمانوں میں ٹھکانے بنا رکھے تھے، وہ نیچے سے اوپر جاتے، وہاں جگہیں بنائی ہوئی تھیں وہاں بیٹھ جاتے اور اوپر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے چھپ کر بھئی۔ اب اللہ تعالی کی طرف سے کوئی حکم نازل ہوتا تو وہ فرشتے آپس میں اس کے بارے میں باتیں کرتے کہ اللہ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا ہے، اس حکم کو نافذ کرنا ہے۔ بھئی جیسے دنیا کے اندر ایک حکومت ہوتی ہے اور حکومت کی طرف سے، بادشاہ کی طرف سے ایک حکم نامہ جاری ہوتا ہے اور پھر وہ محکموں کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ متعلقہ محکمے کیا کرتے ہیں؟ اس حکم کو پورے ملک میں نافذ کر دیتے ہیں، اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی نے بھی ایک عظیم الشان حکومت اور سلطنت بنائی ہوئی ہے جس کے اندر فرشتے ہیں جو اللہ کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں۔

اللہ کی طرف سے احکامات دیے جاتے ہیں کہ دنیا میں اس طرح کر دیا جائے، اگلے ایک ہزار سال تک کے احکامات فرشتوں کو دے دیے جاتے ہیں کہ مثلاً فلاں قوم جو ہے دنیا کے اندر وہ اس وقت عروج پر ہے لیکن اس کو تباہ کر دو، ختم کر دو، دوسری قوم کے بارے میں بڑی مظلوم ہوتی ہے اللہ کی طرف سے کسی وجہ سے حکم آجاتا ہے، حکمتیں تو اللہ ہی خوب جانتے ہیں، اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں حکم آجاتا ہے ان کو عروج دینا ہے دنیا کے اندر، ان کو بادشاہی دینی ہے، ان کو حکومت دینی ہے وغیرہ۔ تو یہ ویسے بطور مثال کے میں نے ذکر کیا، جو جو جس جس قسم کے بھی حکم اور فیصلے ہوتے ہیں اگلے ایک ہزار سال میں جو کچھ دنیا کے اندر اللہ کو مقصود ہوتا ہے وہ فیصلے فرشتوں

کے حوالے کر دیے جاتے ہیں بھئی۔ اگرچہ اللہ اس نظام کے محتاج نہیں، لیکن ایک سلطنت کی طرح ایک عظیم الشان نظام اللہ نے بنا رکھا ہے بھئی اپنی عظمت دکھلانے کے لیے کہ میری عظیم بادشاہی ہے، عظیم حکومت ہے، اگرچہ اللہ ان چیزوں کے محتاج نہیں۔

تو اس عظیم نظام کے تحت جب اللہ کی طرف سے کوئی حکم نازل ہوتا، فرشتوں کے حوالے حکم کر دیا جاتا کہ یہ یہ چیزیں دنیا کے اندر نافذ کر دو، اس طرح کر دو دنیا کے اندر، وہ فرشتے پھر آپس میں آسمان پر باتیں کرتے کہ اللہ کی طرف سے فلاں حکم نازل ہوا ہے یا فلاں حکم نازل ہوا ہے۔ وہ شیاطین اور جنات چھپ کر بیٹھے ہوتے، وہ ان فرشتوں کی باتیں سن لیتے، اور پھر وہاں سے نیچے آتے اور نیچے جو جادوگر اور کاہن وغیرہ جو اس طرح کے لوگ ہوتے تھے وہ جنات وہ جو بات سنی ہوتی اس میں بہت سا جھوٹ ملا کر اپنی طرف سے بھی باتیں بنا کر وہ ان کو بتا دیتے۔ اب وہ جو کاہن اور جادوگر ہوتے تھے وہ پھر لوگوں کو وہ باتیں اس میں مزید اپنی طرف سے جھوٹ اور چیزیں ملا کر لوگوں کو سناتے۔ اب بہت سی باتیں تو جھوٹی ہوتیں لیکن وہ ایک آدھی بات جو فرشتوں سے سنی ہوتی وہ سچی وہ بھی تو انہی میں ہوتی تھی، چنانچہ جب اس جیسا واقعہ دنیا میں پیش آجاتا تو وہ کاہن اور جادوگر اور لوگوں پر رعب جماتے کہ دیکھا میں نے کہا نہیں تھا کہ ایسا ہونے والا ہے اور ایسا ہی ہوا، تو لوگ ان کے اور معتقد ہو جاتے بھئی۔ تو یہ شیاطین اور جنات اس طرح باتیں سن کر نیچے آتے تھے بھئی۔

لیکن جب خاتم النبیین، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا زمانہ قریب آیا، قرآن کا نزول شروع ہونے والا تھا، تو اس وقت جو ہے اللہ کی طرف سے سخت احکامات آگئے، آسمانوں پر پہرے بڑھا دیے گئے اور جنات کی آمد و رفت کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ آسمانوں پر شدید پہرے بٹھا دیے گئے، جنات کی آمد و رفت کا سلسلہ روک دیا گیا: اب کوئی جنات اور شیاطین اوپر جا کر وہاں باتیں سننے کی کوشش کرتے تو فرشتے ان کو مار بھگاتے، وہاں ان کو بیٹھنے کا موقع، باتیں سننے کا موقع ہی نہ ملتا۔ اور اگر کوئی ایک آدھ ان میں سے چھپ کر کوئی بات سننے میں کامیاب ہو بھی جاتا اور سن کر نکلنے لگتا تو ایک آگ کا گولہ اس کے پیچھے لپکتا اور اس کو جلا کر راکھ کر دیتا تھا بھئی۔ تو چونکہ یہ خاتم النبیین کا زمانہ تھا، ان کی بعثت کا زمانہ تھا تو آسمانوں پر بڑی سختی کر دی گئی کہ اب جنات اور شیاطین یہاں سے باتیں نہ لے جا سکیں بھئی۔

تو شیاطین نے جب یہ معاملہ دیکھا تو بڑے پریشان ہوئے کہ یہ کیا ہوا ہے، کس وجہ سے، کیا معاملہ پیش آیا کہ آسمانوں پر ہمارے جانے کو روک دیا گیا، بند کر دیا گیا؟ تو انہوں نے کہا کوئی بڑی بات ضرور ہوئی ہے، ذرا پتہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں شیاطین اور جنات کی بہت بڑی میٹنگ ہوئی بھئی اور وہ شیاطین اس میں اکٹھے ہوئے کہ کیا ماجرہ ہوا، اب ہمارا آسمانوں پر جانا کیوں بند کر دیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ضرور کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے۔ چنانچہ بہت سی جماعتیں جنات کی بنا دی گئیں کہ جاؤ دنیا کے اندر پھیل جاؤ، ایک ایک کونے کا چکر لگاؤ، پتہ کرو یہ ہوا کیا ہے جس وجہ سے اتنی سختی ہو گئی بھئی۔ چنانچہ جنات کی جماعتیں پوری دنیا کے اندر پھیل گئیں، اس تلاش میں ہیں، اس جستجو میں ہیں کہ یہ ہوا کیا ہے، کس وجہ سے اتنی سختی کر دی گئی بھئی۔

ایسے ہی جنات کی ایک جماعت بطن نخلہ ایک وادی ہے وہاں سے گزر رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کو دعوت دینے کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے، بطن نخلہ وادی کے اندر فجر کا وقت ہے، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی جماعت کروا رہے ہیں، چند ایک صحابہ ہمراہ ہیں وہ ساتھ پیچھے نماز میں مصروف ہیں، تو ایک جنات کی جماعت وہاں سے گزری۔ قرآن کا اعجاز دیکھو بھئی، قرآن کی فصاحت و بلاغت دیکھو، قرآن کا لطف دیکھو بھئی، اور پھر بالخصوص جب تلاوت ہو قرآن کی اور تلاوت کرنے والی ذات ہو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی، تو اس میں کتنا اثر ہو گا، اس میں کتنا سوز ہو گا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے ہیں فجر کی نماز میں، وہ جنات کی ایک جماعت وہاں سے گزری: پانچ یا سات یا نو جنات تھے، مختلف روایات ہیں بھئی۔ تو وہ جنات وہاں سے گزر رہے تھے تو تلاوت کی آواز کانوں میں پڑی تو وہ رک گئے وہیں پر بھئی۔ تھوڑی سی تلاوت سنی تو آپس میں کہنے لگے یقیناً یہ ہے وہ چیز جس کی وجہ سے ہمارے اوپر سختی کر دی گئی ہے اور آسمانوں پر ہمارا جانا بند کر دیا گیا ہے بھئی۔ تو چند آیتیں سننے سے ہی ان کو پتہ چل گیا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ وہ جنات پھر وہیں پر ایمان لے آئے بھئی، مسلمان ہو گئے اور پھر واپس اپنی قوم میں مبلغ بن کر گئے، دعوت دینے گئے بھئی کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ، اللہ کے پیغمبر تشریف لائے ہیں اور قرآن جیسی عظیم کتاب اپنے ہمراہ لائے ہیں بھئی۔

تو ان جنات نے اس موقع پر جب قرآن کو سنا اور اس پر ایمان لے کر آئے، اس موقع پر انہوں نے چند باتیں کیں، ان باتوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نقل فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور بتلایا کہ جنات نے قرآن سنا ہے اور انہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں بھئی۔ تو ان کی جو باتیں قرآن میں ذکر ہوئیں ان میں ایک یہ جملہ بھی ہے: وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔ وہ جنات کہتے ہیں بھئی کہ ہمارے اوپر جو سختی کی گئی، ہمارا آسمانوں پر جانا بند کر دیا گیا، وَأَنَّا لَا نَدْرِي اور ہم نہیں جانتے أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ کیا نقصان کا ارادہ کیا گیا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو زمین میں ہیں أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا یا ارادہ فرمایا ہے ان کے ساتھ ان کے پروردگار نے ہدایت کا۔ تو یہ ان کا کلام ہے ان جنات کا بھئی، انہوں نے کہا۔

اب اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک معنی تو یہ، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ہم نہیں جانتے تھے کہ ماجرہ کیا ہے، یہ سختی کیوں بڑھائی گئی، کیا زمین والوں پر کوئی تباہی و بربادی آنے والی ہے، ان کے نقصان کا ارادہ کیا گیا ہے، یا ان کے لیے ان کے رب نے ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے؟ ہمیں پتہ نہیں تھا یہ سختی کس لیے کی گئی ہے، اب ہمیں پتہ چل گیا کہ اللہ کے پیغمبر تشریف لائے ہیں، اللہ کا کلام لے کر آئے ہیں۔ معنی سمجھ میں آیا؟ یا تو جنات کے کہنے کا یہ مطلب تھا کہ ہم پہلے نہیں جانتے تھے کہ کیا نقصان، تباہی و بربادی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ہدایت کا، اب تو ہمیں پتہ چل گیا: پیغمبر آئے ہیں معلوم ہوا ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے اللہ نے بھئی، اللہ سب لوگوں کو کیا کرنا چاہتے ہیں؟ ہدایت پر لانا چاہتے ہیں۔

یا تو یہ معنی، یا اس کلام کا یہ معنی کہ ہمیں یہ تو پتہ چل گیا کہ یہ پیغمبر تشریف لائے ہیں اس لیے سختیاں بڑھادی گئیں، پہرے بڑھا دیے گئے، لیکن ہمیں پتہ نہیں اب آگے کیا ہو گا: کیا زمین والوں کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا ہے یا ان کے پروردگار نے ہدایت کا ارادہ کیا ہے؟ تباہی کے ارادے کا کیا معنی؟ معنی یہ کہ اللہ کے پیغمبر آگئے ہیں، اللہ کا کلام لے کر آئے ہیں، اگر دنیا والے نہیں مانیں گے تو یقینا اللہ کا عذاب ان پر آئے گا اور ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اور اگر یہ پیغمبر کی دعوت کو مان لیں گے تو کس پر آ جائیں گے؟ راہ راست پر آ جائیں گے اور اللہ کی رضا ان کو حاصل ہو جائے گی۔ تو ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ کس وجہ سے ہے، اب تو ہمیں پتہ چل گیا یہ کس وجہ سے ہے، یہ پہرے کیوں بڑھائے گئے؟ اس پیغمبر کی وجہ سے اور یہ جو اللہ کا کلام لے کر آئے ہیں، لیکن ہمیں نہیں پتہ یہ پیغمبر جو آئے ہیں اور کلام لے کر آئے ہیں اس کے ذریعے دنیا والے ہدایت پر آئیں گے یا تباہی سے دوچار ہوں گے انکار کرنے کی وجہ سے، یہ ہمیں نہیں پتہ بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

تو ایک صورت میں گویا اس جملے کا تعلق ماضی کے ساتھ ہے، اور دوسری صورت میں جملے کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے۔ کس کے ساتھ ہے؟ مستقبل کے ساتھ۔ بھئی جنات نے کلام کیا، دو احتمال: ہو سکتا ہے انہوں نے یہ بات ماضی کے حوالے سے کی ہو کہ ابھی تک تو ہمیں پتہ نہیں تھا کہ اتنی سختیاں کیوں کر دی گئی ہیں، زمین والوں کے ساتھ کوئی نقصان ان کو دینے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کو ان کا پروردگار ہدایت دینا چاہتا ہے، ہمیں ابھی تک پتہ نہیں تھا، اب ہمیں پتہ لگ گیا: ہم نے پیغمبر کو دیکھ لیا، ہم نے تلاوت سن لی، اللہ کے کلام کو ان کی زبان سے سن لیا، معلوم ہوا پیغمبر تشریف لائے ہیں، اللہ لوگوں کو ہدایت دینا چاہتے ہیں، ہدایت پر لانا چاہتے ہیں، تو ان کے ساتھ خیر، انعام اور فضل کا معاملہ فرمانے والے ہیں۔ پہلے تو ہمیں پتہ نہیں تھا اب ہمیں پتہ چل گیا، تو کس سے تعلق ہے اس جملے کا؟ ماضی کے ساتھ کہ پہلے ہمیں پتہ نہیں تھا اب ہمیں پتہ چل گیا۔

اور دوسرا احتمال یہ کہ ہو سکتا ہے یہ مستقبل کے بارے میں وہ کہہ رہے ہوں جنات بھئی کہ سختیاں کیوں تھیں یہ تو ہمیں پتہ چل گیا کہ یہ پیغمبر تشریف لائے ہیں اس لیے سختیاں تھیں، لیکن اب آگے کیا ہو گا، کیا ان کے ساتھ زمین والوں کے ساتھ نقصان کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے، آگے مستقبل میں ہمیں پتہ نہیں ہے: یہ پیغمبر تو آگئے ہیں، اگر دنیا والے ان کا انکار کریں گے، ان پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس کا معنی ہے دنیا والوں کے ساتھ نقصان کا ارادہ کیا گیا ہے کیونکہ جب وہ پیغمبر کی بات نہیں مانیں گے، ان پر ایمان نہیں لائیں گے تو یقینا غضب الٰہی کا شکار ہوں گے اور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ پیغمبر کی بات مان لیتے ہیں اور ان پر ایمان لے آتے ہیں تو اس صورت میں پھر یقینا یہ لوگ کامیاب و کامران ہوں گے اور اللہ کے مزید فضل و انعام کے مستحق بن جائیں گے بھئی۔ تو اس صورت میں اس کا تعلق کس سے ہے؟ مستقبل سے ہے کہ مستقبل میں ابھی ہمیں پتہ نہیں کہ لوگ اس پیغمبر کی بات مانتے ہیں یا نہیں مانتے بھئی۔ پہلی صورت میں ماضی کے ساتھ تعلق تھا ترجمے کا کہ ابھی تک ہمیں نہیں پتہ تھا اب پتہ چل گیا کہ پیغمبر آئے ہیں معلوم ہوا اللہ نے ہدایت کا معاملہ فرمایا ہے، دوسرے کے مطابق ترجمہ مستقبل والا ہے کہ ہمیں یہ تو پتہ لگ گیا سختیاں اس وجہ سے تھیں کہ یہ پیغمبر تشریف لائے ہیں لیکن آگے کیا ہونے والا ہے یہ ابھی ہمیں پتہ نہیں کہ لوگ ان پر ایمان لائیں گے یا نہیں لائیں گے: ایمان لائیں گے تو مزید فضل و انعام کے مستحق، اور اگر ایمان نہیں لاتے تو پھر تباہی سے دوچار ہوں گے بھئی۔ معنی اچھی طرح سب کو سمجھ میں آ گیا بھئی؟ تو یہ دو مفہوم بھئی اس کلام کے۔

■ قولہ: «وَيَنْحَصِرُ الْكَلَامُ عَلَى هَذَا الْعِلْمِ...» کی تشریح

جی اب کتاب پر دیکھیے: وَيَنْحَصِرُ الْكَلَامُ عَلَى هَذَا الْعِلْمِ فِي ثَمَانِيَةِ أَبْوَابٍ وَخَاتِمَةٍ، اور بندے کلام اس علم پر یعنی اس علم میں آٹھ ابواب اور ایک خاتمے پر۔ یعنی اس کتاب میں مصنف کیا کریں گے؟ اس علم کے اندر آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ ذکر فرمائیں گے، یہ علم ان آٹھ ابواب اور ایک خاتمے پر بند ہے یعنی یہی چیزیں اس کے اندر ذکر ہیں بھئی۔ بھئی اچھی طرح سبق حل ہو گیا؟

سوال: أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ میں ابھی آپ نے کہا تھا کہ شر کی جو نسبت ہے وہ اللہ کی طرف بے ادبی کرنے کے لیے نہیں کی گئی، تو اس کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟

بھئی کرنے والی اللہ ہی کی ذات ہے، لیکن لفظوں میں یہ کہنا کہ اللہ نے نقصان کا ارادہ کیا ہے یہ بے ادبی ہے۔ کرنے والی تو ہر چیز اللہ ہی کی قدرت میں ہے بھئی، سب کچھ کرنے والی اللہ ہی کی ذات ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو سب کچھ کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے، اگر یوں کہا جائے: أَشَرٌّ أَرَادَ رَبُّهُمْ، کیا ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ نقصان کا ارادہ فرمایا، بات پھر بھی ٹھیک ہے، غلط تو نہیں ہے بات لیکن بے ادبی ہے۔ کیا ہے؟ بے ادبی۔ تو کرنے والی ذات تو اللہ ہی کی ہے لیکن یہ بے ادبی ہے کہ نسبت کس کی طرف کی جائے؟ اللہ کی طرف۔ تو پسندیدہ امور کی نسبت تو اللہ کی طرف کی جاتی ہے، ناپسندیدہ امور کی نسبت اللہ کی طرف کرنا بے ادبی ہے بھئی۔ تو دیکھو جنات بھی کتنے باادب تھے بھئی: شر کی، نقصان کی بات آئی تو اللہ کی طرف نسبت نہیں فرمائی، اور خیر کی بات آئی تو اللہ کی طرف نسبت کی انہوں نے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸: الباب الأول في الخبر والإنشاء: کلام کا خبر وانشاء میں انحصار اور صدق وکذبِ خبر کی تحقیق

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۴ــــ بتاریخ: ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الْخَبَرِ وَالْإِنْشَاءِ۔ كُلُّ كَلَامٍ فَهُوَ إِمَّا خَبَرٌ أَوْ إِنْشَاءٌ۔ وَالْخَبَرُ مَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ إِنَّهُ صَادِقٌ فِيهِ أَوْ كَاذِبٌ، كَسَافَرَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ مُقِيمٌ۔ وَالْإِنْشَاءُ مَا لَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ ذَلِكَ، كَسَافِرْ يَا مُحَمَّدُ وَأَقِمْ يَا عَلِيُّ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا کہ یہ علم جو ہے اس کے اندر آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ ذکر ہو گا بھئی، آٹھ ابواب ذکر ہوں گے اور ایک خاتمہ ذکر ہو گا۔ تو آج یہ پہلا باب شروع ہو رہا ہے، اور انہوں نے بتلایا: الْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الْخَبَرِ وَالْإِنْشَاءِ، کہ پہلا باب جو ہے خبر اور انشا کے بارے میں ہے یعنی ان کے بیان میں ہے۔ تو الْبَابُ الْأَوَّلُ فِي بَيَانِ الْخَبَرِ وَالْإِنْشَاءِ: پہلا باب ہے خبر اور انشا کے بیان میں۔

بھئی یاد رکھیے جو بھی کلام کیا جائے یا تو وہ خبر کی قبیل سے ہو گا یا انشا کی قبیل سے ہو گا۔ تو دو ہی صورتیں ہیں: یا کلام کیا ہو گا؟ خبر، یا کلام کیا ہو گا؟ انشا۔ خبر جس میں کسی چیز کی خبر دی جائے، بات بتلائی جائے اور اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے، اس کو کیا کہیں گے؟ خبر۔ کسی چیز کے بارے میں کوئی اطلاع دی جائے، کوئی بات بتلائی جائے اور اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے تو یہ کیا ہے؟ خبر ہے بھئی۔ تو خبر کی پہچان ہی اسی سے ہو گی کہ کلام آپ کے سامنے آئے اور آپ اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے یہ کلام کس قسم سے ہے؟ خبر کی قسم سے ہے بھئی۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ انشا ہے بھئی۔

مثلاً بھئی آگے آپ کو یہ بتلائیں گے بھئی: اگر آپ کا کلام واقعے کے مطابق ہو تو آپ کو کہیں گے آپ سچے ہیں اور آپ کا کلام سچا ہے۔ مثلاً زید کھڑا ہے اور آپ کہتے ہیں: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ خارج اور واقعے میں بھی زید کھڑا ہے اور آپ نے کلام بھی کیا کہا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو دیکھیے آپ کا کلام واقعے اور خارج کے مطابق ہوا تو آپ کا کلام سچا ہے اور آپ سچے ہیں۔ اور اگر آپ نے تو کہا زَيْدٌ قَائِمٌ اور واقعے کے اندر زید کھڑا نہیں تھا بلکہ بیٹھا ہوا تھا، تو آپ کا کلام واقعے کے مطابق نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں آپ کا کلام کاذب ہے بھئی اور بات کرنے والا بھی کیا ہے؟ کاذب ہوا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو خبر کے اندر جو ہے اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے، جبکہ انشا ایسا نہیں بھئی۔

انشا کا معنی وجود دینا بھئی، پیدا کرنا، کسی چیز کو وجود دینا أَنْشَأَ يُنْشِئُ إِنْشَاءً کا معنی۔ اور انشا کے اندر جو کلام کا مدلول ہے اس کو وجود دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ انشا میں کیا کیا جاتا ہے؟ کلام کا جو مدلول ہے، کلام کا جو معنی ہے اس کو وجود دینے کا ارادہ ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: اِضْرِبْ زَيْدًا۔ آپ دیکھیے اِضْرِبْ امر آیا، اور امر آپ نے پڑھا ہے کس قسم میں سے ہے، خبر ہے یا انشا ہے؟ انشا ہے۔ اِضْرِبْ زَيْدًا: آپ زید کی پٹائی کریں۔ اب اس کے کہنے والے کو کوئی سچا یا جھوٹا کہہ سکتا ہے؟ نہیں، اس میں تو کوئی خبر دی ہی نہیں گئی، کس بنا پر اس کو سچا یا جھوٹا کہیں؟ وہ تو صرف کیا کر رہا ہے؟ طلب کر رہا ہے زید کی پٹائی کو: اِضْرِبْ زَيْدًا۔ تو یہاں اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا بھئی۔

آپ اپنے ارد گرد و پیش پر نظر ڈالیں: کوئی اس طرح کا کلام کرے، کبھی کسی نے اس کو کہا یہ جھوٹ بول رہا ہے یا یہ سچ بول رہا ہے؟ باقی چیزوں میں آپ کہتے ہیں یہ آدمی سچ بول رہا ہے، یہ آدمی جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن اس قسم کا جملہ ہو اس میں کبھی کوئی یہ کہے گا ہی نہیں کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ اور بات کے حوالے سے آپ اس کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ جو جملہ اس نے مثلاً کہا: اِضْرِبْ زَيْدًا آپ زید کی پٹائی کیجیے، اس جملے میں اس کو کوئی بھی سچا یا جھوٹا نہیں کہے گا کیونکہ سچا یا جھوٹا ہونے کا اس

سے تعلق ہی نہیں ہے۔ سچا یا جھوٹا تو کب کہا جاتا ہے؟ جب کوئی اطلاع دی جائے، کوئی بات بتلائی جائے، وہ بات اگر واقعے کے مطابق ہوگی تو اس کو کیا کہیں گے؟ سچا ہے، اگر واقعے کے مطابق نہیں تو اس میں کیا کہا جائے گا؟ یہ جھوٹا ہے۔ لیکن اِضْرِبْ زَيْدًا اس کے اندر تو کوئی اطلاع ہی نہیں دی گئی، کوئی بات ہی نہیں بتلائی گئی، بلکہ اس میں تو کیا مطالبہ کیا جارہا ہے؟ زید کی پٹائی کا، اس میں تو مطالبہ کیا جارہا ہے ایک چیز کا، لہٰذا اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہیں گے۔ تو خبر جو ہے وہ ہے کہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکے۔

اور انشا جو ہے میں نے بتلایا: انشا میں جو کلام کا مدلول ہوتا ہے اس کو وجود دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ کیا لفظ کہے میں نے؟ کلام کا جو معنی اور مدلول ہوتا ہے اس کو وجود دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ بھئی یہاں اِضْرِبْ زَيْدًا کا کیا معنی ہے؟ زید کی پٹائی کرو۔ تو یہ جو زید کی پٹائی ہے اس کو وجود دینے کا ارادہ ہے آپ کا، آپ کا کیا مقصد ہے کہ زید کی پٹائی کی جائے۔ تو دیکھو زید کی پٹائی، کلام اس پر دلالت کررہا ہے یا نہیں کررہا؟ کررہا ہے۔ تو اس کو وجود دینے کا ارادہ کیا گیا ہے بھئی، کہ یہ جو میں نے کہا: زید کی پٹائی کرو، اس کو کیا کرو؟ وجود دے دو، یعنی خارج میں واقعی اس کی کیا کردو؟ پٹائی کردو۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح کہ انشا میں کیا ہوتا ہے؟ کلام کا جو معنی اور مدلول ہوتا ہے اس کو وجود دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے، کہنے والے کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو وجود دے دیا جائے، ایسا کردیا جائے بھئی۔

■ قولہ: «لَا تَضْرِبْ زَيْدًا» کی تشریح

صورت سمجھ میں آگئی؟ مثلاً آپ کہتے ہیں: لَا تَضْرِبْ زَيْدًا، منع کرتے ہیں لَا تَضْرِبْ زَيْدًا۔ اب یہ خبر نہیں، اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا کیا معنی ہے لَا تَضْرِبْ زَيْدًا؟ زید کی پٹائی مت کرو۔ تو اب یہاں کلام کا مدلول کیا ہے؟ زید کی پٹائی سے روکنا، زید کی پٹائی کو چھوڑنا، اس کو ترک کرنا یہ اس کا مدلول ہے اور اس کو وجود دینے کا آپ نے ارادہ کیا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں، کلام کرنے والا کیا چاہتا ہے؟ کہ زید کی پٹائی کا چھوڑنا جو ہے، اس کا ترک اس کو وجود دے دیا جائے یعنی خارج میں زید کی پٹائی چھوڑ دی جائے، اس کی پٹائی نہ کی جائے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

یا اسی طرح ہے اور دیکھیے بھئی: يَا زَيْدُ، یہ کیا ہے؟ انشا ہے، ندا ہے نا۔ آپ نے پڑھا ہے ندا بھی کس قسم میں سے ہے؟ انشا کی قسموں میں سے ہے۔ کوئی شخص کہے: يَا زَيْدُ اے زید، کبھی کسی نے کہا یہ جھوٹ بول رہا ہے؟ یہ تو ندا دے رہا ہے، اس میں کوئی بات تو کر ہی نہیں رہا وہ، وہ تو صرف ندا دے رہا ہے تو یہ بھی انشا ہے، اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جاسکتا۔ اب يَا زَيْدُ، کیا مقصد ہے آپ کے اس کلام کے لانے کا؟ ندا کیوں دی جاتی ہے؟ دوسرے کو متوجہ کرنے کے لیے، اس کو بلانے کے لیے۔ تو یہاں پر بھی کیا مقصود ہے يَا زَيْدُ کے اندر؟ کہ زید کا متوجہ ہونا اس کو وجود دیا جائے یعنی زید کو کیا کرنا چاہیے؟ میری طرف متوجہ ہو جانا چاہیے، آپ اس بات کا مطالبہ کررہے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ انشا ہے بھئی، انشا کے اندر کلام کے مدلول کو وجود دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

تو یہ ندا بھی کس کی قسموں میں سے ہے؟ انشا کی قسموں میں سے۔ اسی طرح قسم ہے بھئی: وَاللّٰهِ۔ کیا معنی وَاللّٰهِ کا؟ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں۔ یہ قسم ہے اور اس کے کہنے والے کو کوئی کبھی سچا یا جھوٹا کہتا ہے؟ وَاللّٰهِ قسم اٹھانے والے کو کبھی سچا یا جھوٹا نہیں کہا جاتا۔ یہاں ایک قیمتی بات آپ کو بتلاؤں: ایک ہے ندا، ایک ہے جواب ندا۔ اسی طرح ایک ہے قسم، ایک ہے جواب قسم۔ بھئی آپ نے علی کو ندا دی، آپ نے زید کو ندا دی: يَا زَيْدُ، تو اسی پر خاموش ہو جائیں گے یا آگے بھی کوئی بات کریں گے، کوئی مقصد ہوگا آپ کا؟ آگے کوئی مقصد ہوگا وہ بات کریں گے۔ یاد رکھیں وہ جو آگے بات کریں گے وہ ہے جواب ندا، اور ندا صرف کتنی تھی؟ يَا زَيْدُ، یہ ہے صرف ندا، اور آگے جو کچھ بھی کہیں وہ ہے جواب ندا۔ تو جواب ندا اور چیز، ندا اور چیز۔ جو آپ نے نحو کے اندر پڑھا ہے کہ ندا کس کی قسموں میں سے ہے؟ انشا، یہ صرف پہلا حصہ يَا زَيْدُ یہ ہے ندا۔ اس کے اعتبار سے کسی کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جاسکتا۔

آگے جواب ندا، وہ تو خبر بھی ہو سکتی ہے، وہ تو انشا بھی ہو سکتا ہے، وہ تو الگ جملہ ہوگا۔ مثلاً دیکھیے بھئی آگے میں جواب ندا لاؤں گا اور وہ جملہ خبریہ ہوگا، اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکے گا: يَا زَيْدُ جَاءَ عَمْرٌو، اے زید عمرو آگیا ہے۔ اب جَاءَ عَمْرٌو یہ کیا ہے؟ جواب ندا۔ اور اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں یا نہیں کہہ سکتے؟ کہہ سکتے ہیں: جَاءَ عَمْرٌو اگر عمرو آیا ہے تو آپ کا کلام سچا اور آپ سچے، اور اگر جَاءَ عَمْرٌو یہ کلام واقعے کے مطابق نہ ہو، واقعے میں عمرو نہیں آیا اور آپ نے تو کہا ہے جَاءَ عَمْرٌو، تو یہ آپ کا کلام واقعے کے مطابق نہیں، تو لہٰذا اس کو کیا کہا جائے گا؟ کلام کاذب کہا جائے گا، اور بات کرنے والے کو بھی کیا کہا جائے گا؟ کاذب کہا جائے گا بھئی۔ تو دیکھیے يَا زَيْدُ جَاءَ عَمْرٌو، تو جَاءَ عَمْرٌو ہے جواب ندا اور اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے، تو جواب ندا اور چیز، ندا اور چیز۔

اچھا اب دیکھیے جواب ندا کی میں مثال ذکر کروں گا اور جواب ندا جملہ انشائیہ ہوگا: يَا زَيْدُ اِضْرِبْ عَمْرًا، اے زید عمرو کی پٹائی کر۔ اب اِضْرِبْ عَمْرًا یہ کیا ہے؟ جملہ انشائیہ کیونکہ امر ہے، حکم دیا جارہا ہے۔ تو جواب ندا یاد رکھیے ہمیشہ وہ اور چیز ہے اور ندا اور چیز ہے، اور نحو کی کتابوں میں جو آپ پڑھتے ہیں کہ ندا انشا کی قسم ہے، تو آپ کے سامنے ایک جملہ ہے: يَا زَيْدُ جَاءَ عَمْرٌو، کس حصے کو کہیں گے انشا؟ يَا زَيْدُ، صرف ندا کو۔ اور یہ ہے جو نحو کی کتابوں میں لکھا ہوتا ہے کہ ندا انشا کی قسم ہے، تو جواب ندا مراد نہیں۔ جواب ندا تو اور چیز ہے، وہ تو جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ انشائیہ بھی: اگر جملہ خبریہ ہے تو کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں اس کے اعتبار سے، اور اگر وہ بھی جملہ انشائیہ ہے تو پھر اس میں بھی سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ تو ندا اور چیز، جواب ندا اور چیز۔ لیکن ہمارے ہاں رائج غلطیوں میں سے ہے: جب بھی ترکیب کی جاتی ہے یہ پہلے حصے کو کہتے ہیں ندا، دوسرے کو کیا کہتے ہیں؟ جواب ندا، دونوں کو ملا کر کہتے ہیں جملہ ندائیہ انشائیہ ہوا۔ حالانکہ جو نحو میں انشا ہے وہ یہ سارا جملہ ہوتا ہے یا صرف پہلا حصہ؟

پہلا حصہ۔ تو یہ رائج غلطیوں میں سے ہے، سارے کو انشائیہ نہیں کہہ سکتے بھئی، صرف پہلا حصہ جو ہے وہ ہے ندا اور اس کو انشا کہیں گے، باقی جواب ندا الگ چیز ہے اس میں پھر غور کریں وہ انشا ہے یا خبر ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح قسم بھئی: آپ نے پڑھا ہے قسم بھی انشا کی قسموں میں سے ہے نحو کی کتابوں میں پڑھا ہو گا کہ قسم کس قسم میں سے ہے؟ انشا۔ اب قسم میں یاد رکھیے وَاللّٰهِ یا اسی طرح بِاللّٰهِ یاتَاللّٰهِ، جس طرح بھی قسم آجائے عربی کے اندر، تو یہ جو پہلا حصہ ہے وَاللّٰهِ یہ ہے قسم۔ اس کے اعتبار سے کسی کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا، یہ ہے انشا یہ پہلا حصہ وَاللّٰهِ، اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کوئی بھی نہیں کہتا اور نہ کہہ سکتا ہے۔ ہاں آگے جواب قسم آئے گا، جواب قسم اور چیز ہے بھئی: اس کے کہنے والے کو تو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے اگر وہ جملہ خبر یہ ہے، اور اگر وہ بھی مثلاً جملہ انشائیہ ہے تو اس کے کہنے والے کو بھی پھر سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ تو قسم اور چیز، جواب قسم اور چیز۔

آپ بھی تو دیکھتے ہیں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں: آپ نے پڑھا ہے کہ قسم کس قسم میں سے ہے؟ انشا، اور انشا کس کو کہتے ہیں؟ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جا سکے۔ لیکن آپ تو کہتے ہیں، ایک آدمی قسم اٹھا کے ایک بات کرتا ہے آپ کہتے ہیں کہ یہ سچ بول رہا ہے اس نے قسم اٹھالی ہے، آپ کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ اس نے قسم اٹھائی ہے یہ سچ بول رہا ہے، یا کبھی آپ کہتے ہیں کہ قسم اٹھانے کے باوجود یہ کیا کر رہا ہے؟ جھوٹ بول رہا ہے، کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ دیکھا، تو یہ کس اعتبار سے؟ یہ وہ وَاللّٰهِ کے اعتبار سے نہیں کہتے آپ، وہ جو آگے جواب قسم ہوتا ہے اس کے اعتبار سے آپ اس کو سچا یا جھوٹا کہہ رہے ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوا جواب قسم اور چیز ہے، اس کا انشا ہونا ضروری نہیں ہے ورنہ آپ سچا یا جھوٹا کیسے کہہ سکتے تھے اس کو بھئی؟ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو ہمارے ہاں رائج غلطیوں میں سے ہے: ندا کے ساتھ جواب ندا کو ملایا جاتا ہے اور پھر کہتے ہیں یہ سارا جملہ ندائیہ انشائیہ ہوا۔ یوں نہیں کہنا چاہیے بلکہ صرف کہنا چاہیے جملہ ندائیہ ہوا۔ کیا ہوا؟ جملہ ندائیہ۔ انشا صرف کون سا حصہ ہے اس میں سے؟ پہلا حصہ۔ دوسرا انشا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی ہو سکتا ہے، جو جملہ ہے اس میں آپ غور کریں گے۔ اسی طرح ہمارے ہاں رائج یہ ہے جملہ قسمیہ آتا ہے، قسم کو جواب قسم کے ساتھ ملاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہوا۔ حالانکہ یہ سارا انشائیہ ہے؟ نہیں، انشا تو صرف پہلا حصہ ہے، تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں جملہ قسمیہ ہوا، لیکن انشائیہ کی قید ساتھ نہیں بڑھا سکتے کیونکہ انشا صرف پہلا حصہ ہے، دوسرے حصے کا تو پتہ ہی نہیں ہو سکتا ہے وہ انشا نہ ہو وہ کیا ہو؟ خبر ہو بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو معلوم ہوا نحو کی کتابوں میں جو آتا ہے کہ قسم انشا کی قسم ہے اس سے صرف کون سا حصہ مراد ہوتا ہے؟ پہلا حصہ یعنی وَاللّٰهِ۔ اور نحو میں آپ پڑھتے ہیں کہ ندا انشا کی قسموں میں سے ہے اس سے صرف کون سا حصہ مراد ہوتا ہے؟ صرف پہلا حصہ یَا زَيْدُ یہ مراد ہوتا ہے بھئی۔

تو حاصل بحث کیا ہوا؟ خبر وہ ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے، اور انشا وہ ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جا سکے۔ پھر خبر کے اندر آپ کو بتلائیں گے یہ کہ اگر خبر واقعے اور خارج کے مطابق ہے تو اس کا کہنے والا سچا اور وہ خبر بھی سچی، اور اگر خبر واقعے کے مطابق نہیں تو پھر یہ خبر کاذب ہے اور اس کا کہنے والا بھی کاذب ہے، جھوٹا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ مثالیں میں نے مثال ذکر کر دی: زَيْدٌ قَائِمٌ آپ نے کہا، اگر واقعے کے اندر واقعی زید کھڑا ہے تو پھر آپ کا یہ کلام کیا ہے؟ واقعے کے مطابق ہے، تو یہ کلام بھی صادق اور بات کرنے والا بھی صادق۔ اور اگر آپ نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ اور واقعے کے اندر اور خارج میں زید بیٹھا ہوا ہے، تو آپ کا کلام واقعے کے مطابق نہ ہوا، لہٰذا یہ کلام بھی کاذب اور اس کلام کا کرنے والا بھی کیا کہلائے گا؟ کاذب کہلائے گا بھئی۔ جبکہ انشا میں ایسا نہیں، اس کے کہنے والے کو کبھی بھی سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا بھئی۔

■ قولہ: «كُلُّ كَلَامٍ فَهُوَ إِمَّا خَبَرٌ أَوْ...» کی تشریح

دیکھیے کتاب پر یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: كُلُّ كَلَامٍ فَهُوَ إِمَّا خَبَرٌ أَوْ إِنْشَاءٌ، ہر کلام جو ہے تو وہ یا تو خبر ہو گا یا انشا۔ وَالْخَبَرُ مَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ إِنَّهُ صَادِقٌ فِيهِ أَوْ كَاذِبٌ، اور خبر جو ہے مَا وہ کلام ہے، مَا سے کیا مراد ہے؟ کلام بھئی، اور وہ خبر جو ہے وہ کلام ہے يَصِحُّ کہ صحیح ہو أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ یہ کہ کہا جائے اس کے کہنے والے کو، یعنی خبر وہ کلام ہے کہ اس کے کہنے والے کو یہ کہنا صحیح ہو إِنَّهُ صَادِقٌ فِيهِ کہ وہ اس کلام میں صادق ہے أَوْ كَاذِبٌ یا اس میں کاذب ہے، یعنی اس کے کہنے والے کو صادق یا کاذب کہا جا سکے بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟

كَسَافَرَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ مُقِيمٌ۔ اب دیکھیے سَافَرَ مُحَمَّدٌ: آپ کا مثلاً ایک ساتھی ہے اس کا نام محمد ہے، آپ کہتے ہیں، اب دوسرے ساتھی کو بتلاتے ہیں: سَافَرَ مُحَمَّدٌ، محمد سفر پر گیا ہے، محمد نے سفر کیا ہے یعنی سفر پر گیا ہے۔ اب اگر خارج میں اور واقعے کے اندر واقعی وہ آپ کا ساتھی جو محمد ہے وہ سفر پر گیا ہوا ہے تو آپ کا یہ کلام واقعے کے مطابق ہے، تو اس صورت میں بات کرنے والے کو کیا کہیں گے؟ صادق، اور یہ کلام بھی کس قسم کا؟ صادق ہوا۔ اور اگر وہ آپ کا ساتھی جو ہے وہ سفر پر نہیں گیا ہوا اور آپ تو کہہ رہے ہیں سَافَرَ مُحَمَّدٌ، تو آپ کا یہ کلام واقعے کے مطابق نہیں، لہٰذا یہ کلام بھی کیا ہوا؟ کاذب، اور اس کا کہنے والا بھی کیا کہلائے گا؟ کاذب بھئی۔ تو دیکھا سَافَرَ مُحَمَّدٌ ایسا کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔

وَعَلِيٌّ مُقِيمٌ، علی مقیم ہے یعنی مسافر نہیں ہے۔ اب دیکھیے یہاں بھی اسی طرح: آپ نے اپنے ساتھی سے کہا علی مقیم ہے یعنی مسافر نہیں ہے، اگر آپ کا یہ کلام واقعے کے مطابق ہو تو کلام سچا، اگر واقعے کے مطابق نہیں تو کلام جھوٹا۔ تو یہ ایسا کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے: واقعے کے مطابق ہے تو سچا، واقعے کے

مطابق نہیں تو جھوٹا ہے بھئی۔

اچھا بھئی اس کو پڑھیں گے کیسے؟ یاد رکھیے بھئی عَلِيٌّ آخر میں کیا آرہا ہے؟ نون ساکن، عَلِيٌّ یہ نون تنوین ہے نا، عَلِيٌّ مُقِيمٌ، سب اسی طرح پڑھیں گے عَلِيٌّ مُقِيمٌ، یوں نہیں پڑھیں گے اس کو بھئی: عَلِيٌّ مُقِيمٌ (عَلِيُّم مُقِيمٌ)، عَلِيٌّ کے آخر میں بھی میم آئے گا نون نہیں۔ بھئی یہ کیوں، اس کی کیا وجہ ہے؟ بھئی آپ صرف کے اندر ضابطہ پڑھ چکے ہیں، توجہ سے سنئا ضابطہ یہ جگہ جگہ آپ کو عبارتوں میں کام دے گا۔ صرف میں ضابطہ پڑھا ہے کہ نون ساکن کے بعد اگر حروف یرملون (يَرْمِلُونَ) میں سے کوئی بھی آجائے: پہلے کون آیا؟ نون ساکن، پھر کیا آیا؟ حروف یرملون میں سے: یا، را، میم، لام، واؤ، نون، ان میں سے کوئی بھی آجائے کس کے بعد آئے؟ نون ساکن کے بعد، تو اس نون ساکن کو اسی بعد والے حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کر دیا جائے گا۔ بھئی نون ساکن آیا اور اس کے بعد یا آگئی، یا اس کے بعد را آگئی، یا میم آیا، یا لام، یا واؤ، یا نون، تو نون ساکن کے بعد ان میں سے کوئی حرف آگیا تو اس نون کو بھی بدل دیں گے اسی حرف سے جو اس نون کے بعد آرہا ہے، وہ کون سا حرف ہے؟ یا، را، میم، لام، واؤ اور نون، اسی سے بدل کر اس میں ادغام کر دیں گے بھئی۔

یہاں پر بھی دیکھیے عَلِيٌّ کے آخر میں کیا آیا؟ نون ساکن، تو نون ساکن آگیا کلام میں، اور آگے آیا مُقِيمٌ، شروع میں کیا ہے؟ میم ہے، تو نون ساکن کے بعد کیا آیا؟ میم آیا، اور میم کس میں سے ہے؟ حروف یرملون: یا، را، میم، دیکھو اس میں میم بھی ہے۔ تو میم سے پہلے نون ساکن آگیا، اور میم سے پہلے نون ساکن آئے تو اس نون کو بھی کیا کریں گے؟ اسی کی جنس سے بدل دیں گے، اس نون کو بھی میم کر کے میم میں ادغام۔ اگر یہاں پر یا ہوتی تو اس نون کو یا کر کے یا میں ادغام کرتے۔ اگر یہاں پر لام ہوتا میم کی جگہ تو اس نون کو لام کر کے لام میں ادغام۔ تو بس یرملون میں سے جو بھی حرف آجائے اور اس سے پہلے نون ساکن ہو تو نون ساکن کو اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں کیا کر دیا جاتا ہے؟ ادغام کر دیا جاتا ہے، تو عَلِيٌّ مُقِيمٌ ہو گیا بھئی۔ عبارت سمجھ میں آئی بھئی؟

اسی طرح مثال ہے بھئی: زَيْدٌ رَجُلٌ۔ دیکھو سب اسی طرح پڑھتے ہیں حالانکہ اس طرح نہیں پڑھا جائے گا بلکہ زَيْدٌ رَجُلٌ (زَيْدُر رَجُلٌ)، را مشدد ہو جائے گی، نون بیچ میں سے ختم ہوا۔ یہ کیسے ہوا؟ زَيْدٌ اس کے آخر میں کیا تھا؟ نون ساکن تنوین والا، اور رَجُلٌ کے شروع میں کیا؟ را، تو را سے پہلے نون ساکن آگیا، اور را کس میں سے ہے؟ یرملون: یا، را، دیکھو را اس میں سے ہے۔ تو اس سے پہلے نون ساکن آیا تو اس نون ساکن کو بھی کیا کریں گے؟ اسی را کی جنس سے بدل دیں گے اور پھر را کا را میں ادغام، تو نون ختم ہوا اور را مشدد ہو گئی۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ زَيْدٌ رَجُلٌ (زَيْدُر رَجُلٌ)۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَالْخَبَرُ مَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ مَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ إِنَّهُ صَادِقٌ فِيهِ أَوْ كَاذِبٌ، اور خبر وہ کلام ہے کہ صحیح ہو کہ کہا جا سکے اس کے کہنے والے کو کہ وہ اس کلام کے اندر صادق ہے أَوْ كَاذِبٌ یا اس میں کاذب ہے، جھوٹا ہے، كَسَافَرَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ مُقِيمٌ۔ دیکھیے سَافَرَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ مُقِيمٌ، واؤ بھی مشدد میں پڑھ رہا ہوں۔ کیوں پڑھ رہا ہوں؟ وہی یرملون، دیکھو مُحَمَّدٌ آخر میں کیا آیا؟ نون ساکن، اس کے بعد کیا آیا؟ واؤ، اور واؤ یرملون: یا، را، میم، لام، واؤ، نون، دیکھو واؤ بھی انہی میں سے ہے۔ تو واؤ سے پہلے کیا آیا؟ نون ساکن، اس نون کو بھی واؤ کر کے واؤ میں کیا کر دیا گیا؟ ادغام، تو کیا بن گیا؟ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ مُقِيمٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَالْإِنْشَاءُ مَا لَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ ذَلِكَ، اور انشاء وہ کلام ہے کہ صحیح نہ ہو کہ کہا جا سکے اس کے کہنے والے کو ذَلِكَ یہ چیز، اس کو یہ بات نہ کہی جا سکے۔ کون سی بات؟ جو اوپر گزری کہ وہ صادق ہے یا کاذب ہے بھئی۔ تو انشاء وہ کلام ہے لَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ ذَلِكَ کہ صحیح نہ ہو اس کے کہنے والے کو یہ بات کہنا، كَسَافِرْ يَا مُحَمَّدُ وَأَقِمْ يَا عَلِيُّ، جیسے کہ مثال ذکر کر رہے ہیں ناکاف کے ساتھ: كَسَافِرْ يَا مُحَمَّدُ۔ سَافِرْ کون سا صیغہ ہے؟ امر کا، سفر کر اے محمد۔ تو یہ سَافِرْ یہ امر ہے بھئی، اور امر کس قسم میں سے ہے؟ انشا۔ اے محمد سفر کرو، سفر پر نکلو، کوئی اس کہنے والے کو جھوٹا یا سچا کہہ سکتا ہے؟ نہیں بھئی۔ اسی طرح يَا مُحَمَّدُ دوسرا اسی کلام کا جو حصہ ہے ندا ہے، اور ندا بھی کس قسم میں سے ہے؟ انشا۔ وَأَقِمْ يَا عَلِيُّ، اور مقیم ہو جاؤ اے علی، یعنی سفر چھوڑ دو، مقیم ہو جاؤ۔ تو یہ أَقِمْ امر آیا، امر کس قسم میں سے ہے؟ انشا ہے، اور دوسرا حصہ اسی کلام کا يَا عَلِيُّ یہ ندا ہے۔

وَالْمُرَادُ بِصِدْقِ الْخَبَرِ مُطَابَقَتُهُ لِلْوَاقِعِ وَبِكَذِبِهِ عَدَمُ مُطَابَقَتِهِ لَهُ۔ بھئی میں نے آپ کو بتایا خبر کو سچا کب کہیں گے، خبر سچی کب ہوتی ہے؟ جب وہ واقعے کے مطابق ہو، اور اگر خبر واقعے کے مطابق نہ ہو تو وہ خبر کیا ہے؟ جھوٹی ہے۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: وَالْمُرَادُ بِصِدْقِ الْخَبَرِ اور خبر کے سچا ہونے سے مراد جو ہے مُطَابَقَتُهُ لِلْوَاقِعِ وہ اس خبر کا مطابق ہونا ہے واقعے کے، وَبِكَذِبِهِ عَدَمُ مُطَابَقَتِهِ لَهُ، بِكَذِبِهِ أَيْ بِكَذِبِ الْخَبَرِ اور خبر کے جھوٹا ہونے سے مراد جو ہے عَدَمُ مُطَابَقَتِهِ وہ اس خبر کا مطابق نہ ہونا ہے لَهُ أَيْ لِلْوَاقِعِ کس کے؟ واقعے کے۔ تو خبر واقعے کے مطابق ہے تو وہ سچی ہے، اگر خبر واقعے کے مطابق نہیں تو وہ جھوٹی ہے بھئی۔

فَجُمْلَةُ عَلِيٌّ مُقِيمٌ إِنْ كَانَتِ النِّسْبَةُ الْمَفْهُومَةُ مِنْهَا مُطَابِقَةً لِمَا فِي الْخَارِجِ فَصِدْقٌ وَإِلَّا فَكَذِبٌ۔ پس یہ جو جملہ ہے عَلِيٌّ مُقِيمٌ، إِنْ كَانَتِ النِّسْبَةُ الْمَفْهُومَةُ، اچھا بھئی یہاں نسبت کا ذکر آیا۔ نسبت کو سمجھ لیجیے بھئی توجہ سے: یاد رکھیے نسبت تین قسم کی ہے۔ کتنی قسم کی؟ تین قسم کی ہے نسبت: ایک

نسبت کلامی، ایک نسبت ذہنی، ایک نسبت خارجی۔ آسان سی بات ہے بھئی: ایک نسبت کلامی ہے، ایک نسبت ذہنی ہے اور ایک نسبت خارجی ہے۔ نسبت کلامی وہ نسبت جو کلام کے اندر پائی جائے، نسبت ذہنی وہ نسبت جو ذہن میں پائی جائے، نسبت خارجی وہ نسبت جو کس میں پائی جائے؟ خارج میں پائی جائے، آسان سی بات ہے۔

دیکھیے میں نے آپ کے سامنے ایک جملہ کہا: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ دیکھیے اب اس جملے کے اندر نسبت ہے: زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر۔ تو خبر کا اسناد ہوتا ہے، خبر کی نسبت ہوتی ہے کس کی طرف؟ مبتدا کی طرف۔ تو یہ قَائِمٌ کا حکم میں کس پر لگا رہا ہوں؟ زید پر لگا رہا ہوں، تو یہ قَائِمٌ کی نسبت زید کی طرف ہے، یہ ہے نسبت کلامی، کلام کے اندر جو نسبت پائی جاتی ہے یہ نسبت کلامی۔ یا اسی طرح جملہ فعلیہ لے لیں: قَامَ زَيْدٌ، قَامَ فعل زَيْدٌ اس کا فاعل، تو قَامَ کا اسناد ہوا کس کی طرف؟ زید کی طرف، یعنی یوں کہیں قَامَ کی نسبت ہوئی کس کی طرف؟ زید کی طرف بھئی۔ تو نسبت کلام میں ضرور ہوگی کیونکہ کلام ہوتا ہی وہ ہے جس کے اندر اسناد پایا جائے، جس کے اندر نسبت پائی جائے۔ صرف لفظ زید ہو، میں کہتا ہوں زید، بات آپ کو پوری سمجھ میں آئی؟ آپ کہیں گے بھئی کیا ہوا زید کو، بات تو پوری کریں۔ میں نے صرف کیا کہا تھا؟ زید، اور بات میں نے کی ہی نہیں، لیکن جب میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ اب آپ کو پوری بات سمجھ میں آگئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اکیلا میں قَائِمٌ کہوں پھر بھی آپ کو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو نسبت کلام کے اندر ہمیشہ پائی جائے گی دو لفظوں کے اندر، اور نسبت ہوگی تو کلام بنے گا۔ تو یہ جو نسبت کلام کے اندر پائی جارہی ہے یہ ہے نسبت کلامی۔ یہ جو ایک لفظ کا اسناد ہوا ہے، ایک لفظ کی نسبت ہوئی ہے دوسرے لفظ کی طرف یہ کیا ہے؟ نسبت کلامی ہے۔

تو میں نے کیا کلام کیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، اور اس کلام میں ایک نسبت پائی جارہی ہے: کس کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ قَائِمٌ کی نسبت کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو یہ کیا ہوئی؟ نسبت کلامی۔ اور آپ جب کوئی کلام کرتے ہیں تو پہلے اس کو ذہن میں لاتے ہیں، سوچتے ہیں پھر کرتے ہیں یا خود بخود ہی زبان پہ لفظ آجاتے ہیں؟ پہلے بات ذہن میں آتی ہے پھر زبان پر آتی ہے۔ تو پہلے یہ نسبت آپ کے ذہن میں آئی، آپ نے اس کا تصور کیا، تو یہ نسبت جو ذہن میں آپ نے قیام کی نسبت کس کی طرف کی؟ زید کی طرف، یہ ہے نسبت ذہنی۔ کلام میں آپ نے کیا کیا ہے؟ قیام کی نسبت کس کی طرف کی ہے؟ زید کی طرف۔ تو پہلے ذہن کے اندر اس کا تصور کیا ہوگا اس بات کا اور ذہن کے اندر آپ نے قیام کی نسبت کس کی طرف کی ہوگی؟ زید کی طرف، یہ ہے نسبت ذہنی، اور پھر آپ نے زبان پر بھی کہا زَيْدٌ قَائِمٌ، کلام کے اندر بھی آپ کلام بھی لے آئے نسبت والا۔ تو ذہن میں جو قیام کی نسبت زید کی طرف کی گئی یہ ہے نسبت ذہنی بھئی، اور کلام کے اندر یہی نسبت جو پائی جارہی ہے وہ کیا ہے؟ نسبت کلامی ہے بھئی۔

تو بس نسبت کلامی اور نسبت ذہنی میں فرق صرف اعتباری ہے۔ نسبت کلامی اور نسبت ذہنی میں فرق صرف اعتباری ہے: یہی نسبت بایں لحاظ کہ کلام میں موجود ہے یہ نسبت کلامی کہلائے گی، اور یہی نسبت بایں لحاظ کہ ذہن میں موجود ہے یہ نسبت ذہنی کہلائے گی بھئی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ نسبت کلامی اور نسبت ذہنی میں فرق کیا ہے صرف؟ صرف اعتباری ہے، ایک ہی چیز ہیں دونوں، صرف اعتباری فرق ہے: یہی نسبت اگر اس کو اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ یہ کلام میں پائی جارہی ہے تو اس کو کہیں گے نسبت کلامی، اور اس اعتبار سے اس پر نظر کی جائے کہ یہ نسبت ذہن میں بھی پائی جارہی ہے اسی کو کیا کہیں گے؟ نسبت ذہنی کہیں گے۔ تو نسبت ذہنی اور نسبت کلامی میں فرق صرف اعتباری ہے: وہی نسبت بایں لحاظ کہ کلام میں موجود ہے وہ نسبت کلامی، اور وہی نسبت بایں لحاظ کہ ذہن کے اندر موجود ہے وہ نسبت ذہنی ہے بھئی۔

تیسری نسبت ہے نسبت خارجی۔ بھئی اب کلام کو چھوڑ دیں، ذرا خارج پہ نظر کریں: خارج میں زید کھڑا ہے یا بیٹھا ہے؟ فرض کریں وہ کھڑا ہے، تو خارج میں زید کے لیے قیام ثابت ہے یا نہیں؟ ثابت ہے، بس یہ ہے نسبت خارجی: خارج میں قیام کی جو نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف وہ ہے نسبت خارجی۔ اور اگر خارج میں زید بیٹھا ہوا ہے، تو اب بتایئے خارج میں قیام کی نسبت زید کے لیے ثابت ہے یا نہیں؟ نہیں، وہ بیٹھا ہوا ہے تو قیام کی نسبت اس کے لیے ثابت نہیں، یہ ہے نسبت خارجی۔

بھئی نسبت کی بات کر رہا ہوں نا: نسبت جو ہے اس میں کسی چیز کا اثبات بھی ہو سکتا ہے، نفی بھی ہو سکتی ہے۔ کبھی نفی والی نسبت ہوگی کبھی کون سی نسبت ہوگی؟ اثبات والی۔ میں کہتا ہوں: زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ۔ اب میں کیا کر رہا ہوں، کلام ہے یا نہیں یہ؟ کلام کر رہا ہوں، لیکن اس میں زید کے لیے قیام کا اثبات کر رہا ہوں یا نفی کر رہا ہوں؟ نفی۔ تو نسبت تو ابھی بھی ہے لیکن پہلے کون سی نسبت تھی؟ اثبات تھا، اب کیا ہے؟ نفی والی نسبت ہے۔ اسی طرح خارج میں بھی زید اگر کھڑا ہے تو زید کے لیے قیام کی نسبت یعنی قیام اس کے لیے ثابت ہے، اور اگر زید بیٹھا ہوا ہے تو زید سے قیام کی نفی ہے، تو یہ نفی والی نسبت اس کے لیے ثابت ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آئی بھئی؟

تو معلوم ہوا نسبت کلامی وہ نسبت ہے جو کس کے اندر ہو؟ کلام کے اندر۔ نسبت ذہنی وہ نسبت ہے جو کس کے اندر ہو؟ ذہن کے اندر۔ اور نسبت خارجی وہ نسبت ہے جو کس میں ہو؟ خارج کے اندر ہو بھئی۔ خارج میں وہ چیز اس شخص کے لیے ثابت ہے تو کہیں گے اثبات والی نسبت ہے اس کی طرف، اور اگر وہ چیز اس کے لیے ثابت نہیں تو کیا کہیں گے؟ نفی والی نسبت ہے۔ نسبت تو ہوگی لیکن اثبات والی ہوگی یا نفی والی ہوگی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

بہر حال ہیں تو یہ تین قسم کی نسبتیں، لیکن یہاں ہم بحث کریں گے صرف نسبت کلامی اور نسبت خارجی سے۔ کس سے بحث کریں گے؟ نسبت کلامی کون سی جو کس میں ہو؟ کلام میں، نسبت خارجی کون سی؟ جو خارج میں۔ بس اب دیکھیے بھئی کتاب میں آپ کو بتائیں گے کہ نسبت کلامی اگر نسبت خارجی کے مطابق ہو تو آپ کا کلام صادق ہے، سچا ہے، اور اگر نسبت کلامی نسبت خارجی کے مطابق نہ ہو تو آپ کا کلام کیا ہے؟ کاذب۔ دیکھیے میں نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ، اس میں کون سی نسبت ہے؟ نسبت کلامی، اور نسبت کلامی میں زید کے لیے قیام کا اثبات ہے یا نفی؟ اثبات۔ تو یہ ہوئی نسبت کلامی: زید کے لیے قیام کا اثبات ہے۔ اور خارج میں دیکھیں، اگر خارج میں بھی زید کھڑا ہے، اس کے لیے قیام ثابت ہے تو وہ نسبت خارجی ہوئی۔ تو یہ میری جو نسبت کلامی ہے جو میں نے زبان سے لفظ ادا کیے زَيْدٌ قَائِمٌ، ان کی نسبت اس خارجی نسبت کے مطابق ہوگئی، تو یہ ہے صدق خبر بھئی۔ اور اگر میں نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ اور خارج میں تو زید بیٹھا ہوا ہے، تو میری نسبت کلامی نسبت خارجی کے مطابق نہیں: میں نے تو کلام کے اندر زید کے لیے

قیام کا اثبات کیا ہے اور خارج میں تو زید سے قیام کی نفی ہے، تو میری نسبت کلامی اس نسبت خارجی کے مطابق نہیں، یہ ہے کذب خبر، خبر کا جھوٹا ہونا، خبر جھوٹی ہے معلوم ہوا۔

بات سمجھ میں آئی؟ وہی بات جو تھی آسان سی اسی کو ذرا علمی رنگ میں، منطقی انداز میں ذکر کیا جارہا ہے۔ آسان لفظوں میں میں نے بتایا تھا آپ کا کلام اگر خارج کے مطابق ہو تو کلام کیا ہے؟ سچا، اور اگر آپ کا کلام خارج کے مطابق نہیں تو کلام کیا ہے؟ جھوٹا۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں: آپ کی نسبت کلامی اگر نسبت خارجی کے مطابق ہے تو یہ کیا ہے؟ کلام سچا، یہ ہے صدق خبر، اور اگر آپ کی نسبت کلامی نسبت خارجی کے مطابق نہیں تو یہ کیا ہے؟ کذب خبر ہے، یہ کلام کاذب ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟ آسان سی بات ہے۔

■ قولہ: «فَجُمْلَةُ عَلِيٌّ مُقِيمٌ» کی تشریح

تو کہتے ہیں: فَجُمْلَةُ عَلِيٌّ مُقِيمٌ، تو یہ جو جملہ ہے عَلِيٌّ مُقِيمٌ کہ علی مقیم ہے، مسافر نہیں ہے بلکہ مقیم ہے، إِنْ كَانَتِ النِّسْبَةُ الْمَفْهُومَةُ مِنْهَا اگر وہ نسبت جو مفہوم ہو رہی ہے، سمجھ میں آرہی ہے اس جملے سے مُطَابِقَةً یہ نسبت کیا ہو؟ مطابق ہو لِمَا، مَا سے مراد نسبت ہے، اس نسبت کے فِي الْخَارِجِ جو کس میں ہے؟ خارج میں ہے۔ یہ نسبت کلامی جو ہے اگر مطابق ہے اس نسبت کے جو خارج میں ہے فَصِدْقٌ تو پھر یہ صدق ہے، وَإِلَّا فَكَذِبٌ ورنہ یہ جھوٹ ہے، اگر یہ اس کے مطابق نہیں تو یہ جھوٹ ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹: نسبتِ کلامیہ، ذہنیہ وخارجیہ کا فرق اور جملے کے دو ارکان: مسند الیہ اور مسند

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۵ ــــ بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ وَمَحْكُومٌ بِهِ وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَدًا إِلَيْهِ كَالْفَاعِلِ وَنَائِبِهِ وَالْمُبْتَدَأِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ وَيُسَمَّى الثَّانِي مُسْنَدًا كَالْفِعْلِ وَالْمُبْتَدَأِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ۔

گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے خبر اور انشاء کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور آپ نے پڑھا تھا کہ ہر کلام یا تو وہ خبر ہو گا یا انشاء۔ دو ہی قسم کا کلام ہے، یا خبر ہو گا یا انشاء۔ اور خبر وہ ہے کہ اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے، اور انشاء وہ ہے کہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جا سکے۔ اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ صدق خبر سے مراد یہ ہے کہ خبر واقعے اور خارج کے مطابق ہو، اور کذب خبر کا معنی یہ ہے کہ خبر واقعے کے اور خارج کے مطابق نہ ہو بھئی۔

پھر آپ نے نسبت کے بارے میں بھی پڑھا تھا کہ نسبت جو ہے وہ تین قسم پر ہے: ایک نسبت کلامی، ایک نسبت ذہنی، اور ایک نسبت خارجی۔ وہ نسبت جو کلام میں پائی جائے وہ نسبت کلامی ہے۔ اور وہ نسبت جو ذہن میں موجود ہے، ذہن میں جو ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے ثابت کیا گیا یا نفی کی گئی اور جو اسناد کیا گیا وہ نسبت ہے اور ذہن میں ہے تو اس کا نام کیا ہے؟ نسبت ذہنی۔ اور تیسری قسم جو ہے وہ نسبت خارجی ہے بھئی۔ تو آپ نے زَيْدٌ قَائِمٌ کہا، یہ کلام ہے، اس کے اندر جو نسبت ہے وہ نسبت کلامی۔ اور ذہن کے اندر جو آپ نے زَيْدٌ قَائِمٌ کا تصور کیا اور ذہن میں جو قَائِمٌ کی نسبت کی زید کی طرف یہ نسبت ذہنی ہے۔ اور خارج میں زید کے لیے قیام ثابت ہو گا یا ثابت نہیں، تو جو بھی صورت ہو گی وہ نسبت خارجی ہے۔ وہ کیا ہے؟ نسبت خارجی ہے۔

تو خارج میں بھی زید کے لیے قیام کا کیا ہو گا؟ ایک وقت میں یا تو اثبات ہو گا یا نفی۔ تو یہ جو قیام کی زید کی طرف نسبت ہے یہ نسبت خارجی ہے، جو بھی ہو چاہے نفی کی صورت میں ہو چاہے اثبات کی صورت میں ہو، جو بھی ہو لیکن ہے خارج کے اعتبار سے۔ خارج میں اگر قیام زید کے لیے ثابت ہے، زید کھڑا ہے، تو یہ ہے نسبت خارجی کہ زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ اور زید کے لیے اگر خارج میں قیام کی نفی ہے تو اس وقت قیام کی زید سے نفی ہو رہی ہے خارج کے اندر، یہ ہے نسبت خارجی بھئی۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا کہ نسبت کلامی اور نسبت ذہنی میں فرق صرف اعتباری ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ میں نے زبان سے کہا تو یہ نسبت بایں لحاظ کہ یہ اس کلام کے اندر ہے، ان لفظوں کے اندر ہے، یہ نسبت کلامی۔ اور یہی نسبت بایں لحاظ کہ یہ ذہن میں موجود ہے تو یہ کیا ہے؟ نسبت ذہنی۔

تو نسبت کلامی اور چیز، نسبت خارجی اور چیز۔ میں زبان سے کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، کیا میرے اس کہنے سے زید پہ کوئی اثر پڑے گا؟ اس کے لیے قیام خارج میں ثابت ہو جائے گا؟ جی؟ نہیں۔ یہ نسبت کلامی ہے، میں زبان سے دس مرتبہ میں کہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، وہ بیٹھا ہوا ہے تو بیٹھا ہی ہوا ہے ہر حال میں، کوئی اثر پڑا اس پر؟ نہیں۔ خارج کے اعتبار سے زید کے لیے قیام ثابت نہیں، لیکن میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو نسبت کلامی اور، کلام میں میں بے شک زید کے لیے قیام ثابت کر رہا ہوں لیکن واقع میں اور خارج میں زید کے لیے قیام ثابت نہیں ہے اور میرے اس کلام سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اگر قیام خارج میں ثابت تھا تو ثابت رہے گا، یہ میرے کلام کی وجہ سے نہیں ثابت ہوا، وہ خارج میں ہی کھڑا تھا تو اس کے لیے قیام ثابت تھا۔ اور اب میں اگر کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ اور وہ کھڑا نہیں ہے بیٹھا ہوا ہے تو بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ میرے کہنے سے اس کے لیے قیام نہیں ثابت ہو جائے گا بلکہ خارج میں تو کیا ہے؟ قیام کی نفی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

ہاں بس اب صرف صدق اور کذب کو دیکھا جائے گا۔ اگر میں نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ اور وہ خارج میں بھی وہ واقعی کھڑا ہے تو نسبت کلامی کس کے مطابق ہو گئی؟ نسبت خارجی کے۔ تو یہ ہے صدق خبر بھئی، خبر سچی ہے، خبر کا سچا ہونا۔ اور اگر میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ اور زید تو خارج میں بیٹھا ہوا ہے تو نسبت کلامی نسبت خبری کے مطابق نہیں۔

کلام میں زید کے لیے قیام ثابت ہے اور خارج میں زید سے قیام کی نفی ہے، تو دونوں ایک دوسرے کے مطابق نہ ہوئے۔ تو میری نسبت کلامی نسبت خارجی کے مطابق نہ ہوئی، تو یہ ہے کذب خبر بھئی۔ یہ کیا ہے؟ کذب خبر، خبر کا جھوٹا ہونا۔

آج آپ کو بتلا رہے ہیں وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ۔ بھئی اس کو پڑھنا کیسے ہے توجہ سے سننا: وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ۔ اصل میں کیا تھا؟ وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ۔ جُمْلَةٍ کے آخر میں تنوین آرہی تھی، اور تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نون ساکن کا۔ تو وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ آخر میں آیا نون ساکن، اور آگے آیا رُكْنَانِ را، اور را کس میں سے ہے؟ حروف یَرْمِلُونَ میں سے۔ تو را سے پہلے کیا آگیا؟ نون ساکن۔ تو اس نون کو بھی را کر کے را میں ادغام کیا گیا تو کیا بن گیا؟ وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ، را مشدد ہو گئی نون ختم ہوا۔ وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ، اور ہر جملے کے دو رکن ہیں بھئی۔ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ وَمَحْكُومٌ بِهِ، ایک مَحْكُومٌ عَلَيْهِ ہے اور دوسرا مَحْكُومٌ بِهِ ہے بھئی۔ یا یوں کہو دوسرے لفظوں میں آگے یہ بھی بتائیں گے، ایک ہے مسند الیہ، دوسرا ہے مسند بھئی۔ ایک مسند الیہ اور دوسرا مسند بھئی۔

■ قولہ: «مَحْكُومٌ عَلَيْهِ» کی تشریح

مَحْكُومٌ عَلَيْهِ، ترجمے پہ ہی غور کر لو۔ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ، محکوم کا کیا معنی؟ حکم لگایا ہوا۔ عَلَيْهِ اس پر، وہ چیز جس پر کیا کیا گیا ہے؟ حکم لگایا گیا ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، میں نے کیا کیا؟ زید پر کس چیز کا حکم لگایا؟ قیام کا حکم لگایا کہ زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ اگر میں کہوں زَيْدٌ جَالِسٌ، اب میں نے زید کے لیے کیا ثابت کیا؟ بیٹھنے کو، جلوس کو ثابت کیا۔ تو زید پر گویا میں نے حکم لگایا جلوس کا، بیٹھنے کا بھئی۔ تو یہ جس پر حکم لگایا جائے وہ ہے مَحْكُومٌ عَلَيْهِ، اور جس چیز کا حکم لگایا گیا وہ ہے مَحْكُومٌ بِهِ بھئی۔ وہ کیا ہے؟ مَحْكُومٌ بِهِ بھئی۔

وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَدًا إِلَيْهِ۔ مُسْنَدًا ہے آپ کی کتابوں میں؟ مُسْنَدًا کے ساتھ الف جڑا ہوا ہے لکھا ہوا؟ الف ہونا چاہیے بھئی۔ یہ مُسْنَدًا یہ مفعول ہے يُسَمَّى کے لیے۔ وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَدًا إِلَيْهِ، الف ساتھ لگائیں اور دال پر دو زبر لکھیں بھئی۔ وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَدًا إِلَيْهِ كَالْفَاعِلِ وَنَائِبِهِ وَالْمُبْتَدَأِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ۔ تو آپ نے پڑھا کلام کے دو رکن ہیں، ایک رکن، ایک جزو مَحْكُومٌ عَلَيْهِ ہے اور دوسرا جز کیا ہے؟ مَحْكُومٌ بِهِ۔ وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ اور اول کو، کون اول کون؟ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ ہے۔ تو وہ جو اول یعنی مَحْكُومٌ عَلَيْهِ ہے اس کو مسند الیہ کہتے ہیں۔ اب اس کی مثالیں ذکر کر رہے ہیں مسند الیہ کی: كَالْفَاعِلِ جیسے فاعل، فاعل مسند الیہ ہوتا ہے، وَنَائِبِهِ اور نائب الفاعل، وَالْمُبْتَدَأِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ اور وہ مبتدا الَّذِي لَهُ خَبَرٌ کہ جس کی خبر ہوتی ہے، وہ مبتدا جس کی خبر ہوتی ہے۔ تو تین مثالیں ذکر کر دیں مسند الیہ کی: فاعل، نائب الفاعل، اور وہ مبتدا جس کی خبر ہوتی ہے۔ وَيُسَمَّى الثَّانِي مُسْنَدًا اور دوسرے کو مسند کہتے ہیں، دوسرا کون بھئی؟ ہاں مَحْكُومٌ بِهِ شاباش۔ كَالْفِعْلِ جیسے کہ فعل ہے، وَالْمُبْتَدَأِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ وہ مبتدا جو اکتفا کرنے والا ہے بِمَرْفُوعِهِ اپنے مرفوع پر۔ وہ مبتدا جو اکتفا کرنے والا ہے اپنے مرفوع پر بھئی۔

اچھا اب یہاں دو باتیں آئیں۔ ایک تو انہوں نے کہا وہ مبتدا جس کی خبر ہوتی ہے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں ہر مبتدا کے لیے کیا آتی ہے؟ خبر آتی ہے۔ آگے ایک اور قسم بیان کی وَالْمُبْتَدَأِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ، وہ مبتدا جو اکتفا کرنے والا ہے اپنے مرفوع پر۔ یہ اگرچہ آپ پڑھ چکے ہیں لیکن شاید آپ کے ذہن میں نہ ہو بھئی، اس لیے پوری تفصیل میں بیان کر دیتا ہوں تو طویل نحوی بحث کرنا پڑے گی بھئی۔ اور خوب توجہ سے بیٹھنا، نحوی باتیں ذکر ہوں گی جو آپ کو ترکیب میں بے انتہا کام آئیں گی بھئی۔ تو اب ترکیب آپ کو کروانی پڑے گی صرف یہ سمجھانے کے لیے وَالْمُبْتَدَأِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ سے کیا مراد ہے، کیا کہنا چاہتے ہیں بھئی۔

بھئی دیکھیے، یہ جو مبتدا ہے نا الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ وہ مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں ہوتی۔ وہ مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں ہوتی۔ پیچھے کہا وَالْمُبْتَدَأِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ وہ مبتدا جس کی خبر ہوتی ہے، اسی سے پتا چل گیا معلوم ہوا مبتدا کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ پتا چل گیا یا نہیں بھئی؟ جب کہا وہ مبتدا جس کی خبر ہوتی ہے، معلوم ہوا وہ والا مبتدا نہیں مراد جس کی خبر نہیں ہوتی، معلوم ہوا وہ بھی ایک قسم ہے مبتدا کی بھئی۔ تو اب میں طویل بحث کروں گا نحوی بھئی، اور آپ نے اس کو خوب توجہ سے سننا ہے، اس سے آپ کو ترکیب میں بے انتہا فائدہ ہو گا، بے انتہا۔

بھئی جملہ خبریہ سے کرتے ہیں، جملہ خبریہ کے ذریعے سمجھاؤں گا آپ کو بھئی۔ آسان لفظوں میں بھئی دیکھیے انہوں نے آپ کو کہا کہ کلام کے دو رکن ہیں، ایک مَحْكُومٌ بِهِ ہے اور ایک مَحْكُومٌ عَلَيْهِ ہے۔ چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ ہو، اس کے اندر دو جز ہوتے ہیں، ایک مَحْكُومٌ عَلَيْهِ اور ایک مَحْكُومٌ بِهِ۔ دوسرے لفظوں میں ایک مسند الیہ ہوتا ہے، ایک مسند ہوتا ہے بھئی۔ کیسے پتا چلے گا کہ کون سا جز مسند الیہ ہے اور کون سا مسند ہے؟ آسان طریقہ یاد رکھنا، آسان طریقہ۔ جملہ فعلیہ ہو یا جملہ اسمیہ، جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہوتا ہے مسند الیہ یعنی مَحْكُومٌ عَلَيْهِ، اور جو بات کی جائے وہ ہوتی ہے مسند یعنی کہ مَحْكُومٌ بِهِ۔ کیا کہا میں نے؟ جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہوتا ہے مَحْكُومٌ عَلَيْهِ اور مسند الیہ، اور جو بات کی جائے وہ ہوتی ہے مسند اور مَحْكُومٌ بِهِ بھئی۔ چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ ہو۔

زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہے۔ میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں۔ معلوم ہوا زید ہے مَحْكُومٌ عَلَيْهِ اور مسند الیہ۔ اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہے، یعنی اس پر کھڑے ہونے کا حکم لگایا۔ یہ کیا ہے؟ مسند، اور دوسرے لفظوں میں کیا ہے؟ مَحْكُومٌ بِهِ۔ تو معلوم ہوا زَيْدٌ قَائِمٌ میں مسند الیہ کون؟ زید، جس کے بارے میں بات کی۔ اور کیا بات کی؟ قَائِمٌ، تو یہ کیا ہے؟ مسند ہے یعنی مَحْكُومٌ بِهِ ہے بھئی۔ جملہ فعلیہ میں دیکھ لیں: قَامَ زَيْدٌ۔ زید کھڑا ہوا۔ کس کے بارے میں بات کی؟ زید

کے بارے میں۔ تو زید ہوا مسند الیہ، مَحْکُومٌ عَلَیْہِ۔ اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہوا، تو یہ کیا ہے؟ مسند۔ معلوم ہوا قَامَ زَیْدٌ، کون مسند الیہ؟ زید، اور مسند کون؟ قَامَ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہوتا ہے مسند الیہ، اور جو بات کی جائے وہ کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے، چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ ہو بھئی۔

■ قولہ: «ضَرَبَ زَیْدٌ» کی تشریح

اب آپ مجھے بتایئے بھئی: ضَرَبَ زَیْدٌ، مسند الیہ کون؟ زَیْدٌ۔ اور مسند کیا؟ ضَرَبَ۔ آپ کو کیسے پتا چلا؟ ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے پٹائی کی، کس کے بارے میں بات کی گئی؟ زید کے بارے میں، وہ مسند الیہ ہے بھئی۔ اور کیا بات کی؟ کہ اس نے پٹائی کی ہے، تو یہ ضَرَبَ کیا ہے؟ مسند ہے بھئی۔ ہمیشہ اس طرح اس کو سمجھ لو بھئی۔

تو میں نے آپ کو بتایا جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہوتا ہے مسند الیہ اور جو بات کی جائے وہ ہوتی ہے مسند۔ زَیْدٌ قَائِمٌ، کون ہے مسند الیہ؟ کس کے بارے میں بات کی؟ زید، تو زَیْدٌ یہ ہے مسند الیہ۔ اور قَائِمٌ کیا ہے؟ مسند۔ اور جملہ کون سا ہے یہ، جملہ اسمیہ ہے جملہ فعلیہ ہے؟ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اور معلوم ہوا زید ہے مسند الیہ، اور جملہ اسمیہ میں جو مسند الیہ ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مبتدا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ مبتدا۔ اور جو مسند ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ خبر۔ معلوم ہوا زَیْدٌ مبتدا ہے اور قَائِمٌ کیا ہے؟ خبر ہے۔

اور جملہ فعلیہ کے اندر قَامَ زَیْدٌ زید کھڑا ہوا، کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، تو زید ہوا مسند الیہ۔ اور کھڑا ہوا، یہ کیا ہے؟ یہ مسند۔ تو قَامَ زَیْدٌ، معلوم ہوا قَامَ کیا ہے؟ فعل تو ہے، ابھی جو مسند اور مسند الیہ میں سے کیا ہے؟ قَامَ مسند ہے۔ معلوم ہوا فعل مسند ہوتا ہے ہمیشہ۔ فعل کیا ہوتا ہے؟ مسند۔ اور آگے زَیْدٌ کیا ہے اس کا؟ فاعل ہے اس کا، تو معلوم ہوا فاعل کیا ہوتا ہے؟ وہ مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو مبتدا ابھی ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ اور فاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ اسی طرح نائب الفاعل جو ہے وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ ہوتا ہے بھئی، مسند الیہ ہوتا ہے نائب الفاعل۔ مثلاً میں کہتا ہوں ضُرِبَ عَمْرٌو، عمرو کی پٹائی کی گئی۔ کس کے بارے میں بات کی؟ عمرو، تو عمرو ہوا مسند الیہ۔ اور کیا بات کی؟ اس کی پٹائی کی گئی، تو معلوم ہوا یہ ہے مسند۔ تو ضُرِبَ کیا ہوا؟ فعل تو ہے، کیا ہوا؟ یہ ہے مسند۔ اور عَمْرٌو نائب الفاعل کیا ہے؟ مسند الیہ ہے۔ معلوم ہوا نائب الفاعل کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔

تو آپ کو یہ پتا چل گیا مبتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ فاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ نائب الفاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی بات کی جاتی ہے۔ اور مبتدا کے ساتھ دوسرا حصہ کیا کہلاتا ہے؟ خبر، وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ مسند ہوتا ہے۔ اور اسی طرح فاعل کے ساتھ کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل کس چیز کا ہو گا؟ فعل وغیرہ کا، تو وہ فعل کیا ہوتا ہے؟ فاعل جب مسند الیہ ہوا تو دوسرا جز فعل رہ گیا، وہ کیا ہو گا؟ وہ مسند ہو گا۔ نائب الفاعل جب مسند الیہ ہے تو کس چیز کا نائب الفاعل ہے؟ فعل کا ہے نا، تو وہ فعل کیا ہو گا؟ مسند۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ مبتدا کیا ہے؟ مسند الیہ، اور خبر کیا ہے؟ مسند ہے۔ اور فعل اور فاعل میں سے فاعل کیا ہے؟ مسند الیہ، اور فعل کیا ہے؟ مسند ہے۔ فعل اور نائب الفاعل میں سے نائب الفاعل کیا ہے؟ مسند الیہ، اور فعل کیا ہے؟ مسند ہے۔ اچھی طرح پہچان ہو گئی؟

اب آپ مجھے بتائیں گے کہ جملہ میں آپ کے سامنے کہوں آپ بتا سکتے ہیں مسند کیا ہے اور مسند الیہ کیا ہے؟ جی؟ اچھا بتایئے، میں آپ کے سامنے ایک جملہ بولتا ہوں: وہ کتاب جو آپ پڑھ رہے تھے میری ہے۔ آپ جو کتاب پڑھ رہے تھے وہ میری ہے۔ کس کے بارے میں بات کی؟ جی؟ صرف کتاب؟ پوری چیز پہچان اس کی کرواؤ: وہ کتاب جو آپ پڑھ رہے تھے، اس کتاب کے بارے میں میں بات کر رہا ہوں۔ یہ سارا اس کو جملہ نہ سمجھنا، آپ بعض اوقات جملے کے آخر میں تھا یا ہے آئے گا آپ سمجھیں گے شاید جملہ پورا ہو گیا، حالانکہ یہ جملہ پورا نہیں۔ میں آپ سے کہتا ہوں: بھئی ابھی آپ جو کتاب پڑھ رہے تھے، یہ کہہ کے میں چپ ہو گیا۔ ابھی آپ جو کتاب پڑھ رہے تھے، آپ کہیں گے بھئی بات تو پوری کرو کیا کرنا ہے اس کو؟ واپس لینا چاہتے ہیں یا میں اپنے پاس رکھوں، آپ بتائیں تو سہی۔ بات پوری تھی میری؟ نہیں۔ ابھی جو آپ کتاب پڑھ رہے تھے، بات پوری نہیں۔ اب آگے جب میں کہوں گا وہ میری ہے، اب بات پوری ہو گئی۔

وہ جو میں نے اتنا لمبا کلام کیا ابھی جو آپ کتاب پڑھ رہے تھے، یہ تو میں صرف آپ کو کتاب کی پہچان کروا رہا تھا کہ دوسری یا تیسری کتاب نہیں مراد بلکہ کون سی کتاب مراد ہے؟ وہ جو آپ پڑھ رہے تھے، وہ میری ہے، یہ میں نے حکم لگا دیا اس پر۔ تو کبھی مبتدا بڑا لمبا ہو گا، اس کی پہچان کروانا ہوتی ہے، آپ کو اور چیزوں کا پتا ہی نہیں۔ زید کا تو ایک نام تھا چھوٹا سا، زید میں نے کہا آپ فوراً سمجھ گئے کہ فلاں ہمارا ساتھی جس کا نام زید ہے وہ مراد ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ بعض اوقات چیز کا نام پتا ہی نہیں ہوتا یا نام ہوتا ہی نہیں، تو اس کی پہچان کروانے کے لیے کبھی کلام لمبا کرنا پڑتا ہے، پھر اس کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔

■ قولہ: «زَیْدٌ عَالِمٌ» کی تشریح

مثلاً دیکھیے زید کے بارے میں میں کہتا ہوں: زید عالم ہے، زَیْدٌ عَالِمٌ، کتنا مختصر کلام ہے۔ کیونکہ مبتدا ابھی لمبا ہو سکتا ہے خبر بھی لمبی ہو سکتی ہے، وہ آپ نے غور کرنا ہے اس کے اندر کہ کس پر حکم لگایا جا رہا ہے، کس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے وہ ہو گا مبتدا، اور جو بات کی جا رہی ہے وہ کیا ہے؟ خبر ہو گی، یہ ہے جملہ اسمیہ میں۔ اور اگر جملہ فعلیہ ہو تو جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے وہ ہے فاعل یا نائب فاعل، اور جو بات کی جا رہی ہے وہ کیا ہے؟ فعل ہے بھئی یعنی مسند ہے۔

اب دیکھیے میں اس سے بھی لمبا مبتدا لاتا ہوں: کل آپ نے جس آدمی کو میرے ساتھ مسجد میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا وہ عالم ہے۔ کل آپ نے جس آدمی کو میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، دیکھو سارا، کل کو ہٹا دو: جس آدمی کو آپ نے میرے ساتھ مسجد میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، بات پوری ہو گئی؟ نہیں۔ آگے بات آئے گی، بات تو ابھی ہوئی ہی نہیں یہ تو میں نے اس آدمی کی پہچان کروائی ہے، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ یہ تو میں نے اس آدمی کی پہچان کروائی ہے کیونکہ آپ کو اس کے نام کا پتا ہی نہیں، ہو سکتا ہے مجھے پتا ہو میں ذکر بھی کروں تو آپ کو پتا چلے گا؟ کیونکہ آپ کو نام کا پتا ہی نہیں ہے، آپ نے اس کو صرف دیکھا ہی تھا اور تو آپ جانتے ہی نہیں اس کے بارے میں۔ تو اب میں پہچان کروا رہا ہوں آپ کو: جس آدمی کو آپ نے میرے ساتھ مسجد میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، پہچان ہو گئی آپ کو، ذہن میں آ گیا ہاں وہ آدمی۔ لیکن بات کیا؟ بات تو آئی ہی نہیں ابھی۔

تو وہ آدمی جس کو آپ نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، دیکھو تھا بھی آ گیا۔ تو یہ تھا، تھے اور ہے، ہیں وغیرہ ان سے دھوکے میں نہیں پڑنا بھئی کہ شاید جملہ پورا ہو گیا، نہیں نہیں ایسا ضروری نہیں ہے۔ زید کھڑا تھا، زید عالم ہے، یہ تو ٹھیک ہے جملہ پورا ہو رہا ہے، لیکن جہاں بھی تھا وغیرہ آ جائے یا ہے آ جائے اور آپ کہہ دیں فوراً آنکھیں بند کر کے جی جملہ مکمل ہو گیا، ایسا نہیں ہے بھئی۔ جیسے ابھی دیکھو میں نے اتنا لمبا کلام کیا: جس آدمی کو آپ نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، تھا آ گیا لیکن کلام پورا نہیں۔ اس سے صرف وہ آدمی آپ کے ذہن میں آیا ہے، بات تو میں نے بتائی ہی نہیں اس کے بارے میں۔ آگے میں کہتا ہوں وہ عالم ہے، اب بات آپ کو سمجھ میں آ گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو مبتدا کیا ہوا؟ جس آدمی کو آپ نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، یہ سارا مبتدا، اس آدمی کے بارے میں میں بات کرنے لگا ہوں۔ کیا بات کرنے لگا ہوں؟ وہ عالم ہے، یہ خبر آ گئی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اس طرح بس غور کیا کرو ہر جملے کے اندر کس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے اور کیا بات کی جا رہی ہے۔ جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے وہ ہو گا مسند الیہ، اور جو بات کی جا رہی ہے وہ کیا ہو گی؟ مسند۔ پھر دیکھو کہ جملہ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ ہو تو جو مسند الیہ آپ کو سمجھ میں آیا جس کے بارے میں بات کی گئی اس کو کہہ دو یہ مبتدا ہے، اور جو بات کی گئی اس کو کیا کہہ دو؟ خبر کہہ دو۔ اور اگر جملہ فعلیہ ہے تو جس کے بارے میں بات کی گئی اس کو فاعل کہیں گے اگر فعل معروف ہو ساتھ، اور نائب الفاعل کہیں گے اگر فعل مجہول ہو، اور فعل جو ساتھ ہو گا وہ مسند ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آئی بھئی؟ جی ترکیب بڑی آسان ہے، ترکیب اچھی طرح سیکھ لیں ہر کتاب کی لذت ہی بڑھ جاتی ہے بھئی، ہر کتاب کی۔

اچھا اور کوئی مثال کریں اس کی بھئی۔ مثلاً دوسری مثال بھئی: کتاب کے صفحہ نمبر اکیس پر جو واقعہ آپ کے سامنے آیا وہ بڑا عبرت انگیز ہے۔ بات سمجھ میں آئی کس کے بارے میں بات کی گئی؟ کتاب کے صفحہ نمبر اکیس پر جو واقعہ آپ کے سامنے آیا، یہ ہے مسند الیہ۔ وہ بڑا عبرت انگیز ہے، یہ ہے خبر۔ یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ اب کوئی کلام آئے آپ اس میں مسند الیہ اور مسند کو پہچان سکتے ہیں یا نہیں بھئی؟ ہاں ان شاء اللہ تھوڑا سا آپ غور کریں گے آپ کو خود پہچان ہو جائے گی بھئی۔

تو مبتدا تو دراصل وہ ایک آدھا لفظ ہی ہو گا۔ وہ آدمی جسے آپ نے کل میرے ساتھ مسجد میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، تو اس میں مبتدا تو صرف ویسے ہے وہ آدمی، لیکن یہ جو ساتھ صفت اور پہچان آ رہی ہے یہ بھی مبتدا سے ہی متعلق ہوتی ہے اس لیے میں نے اس سارے کو مبتدا کہا۔ تو وہ آدمی عالم ہے، پورا جملہ کیا تھا؟ وہ آدمی جسے آپ نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا وہ عالم ہے، تو اس میں سے دراصل مبتدا تو صرف کتنا ہے؟ وہ آدمی، ہاں یہ ہے مبتدا، اور عالم ہے یہ کیا ہے؟ خبر۔ لیکن مبتدا کے ساتھ جتنی لمبی بات کی یہ مبتدا کے ساتھ ہی جڑ جاتی ہے اس کی صفت وغیرہ یا کچھ بنے گی یعنی اس میں شامل ہو گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ ہاں تو اس کے بس دو حصے کرو آپ کو اتنا پتا چل جائے گا یہ مسند الیہ والا حصہ ہے، یہ کون سا حصہ ہے؟ مسند والا حصہ ہے بھئی۔

اچھا اب یاد رکھیے بھئی اتنا تو آپ کو پتا چل گیا کہ مسند الیہ وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور مسند وہ ہے جو بات کی جائے۔ اچھا ایک اور مثال اس کی حل کریں بھئی، آپ مجھے بتائیے کیا مسند الیہ ہے اور کیا مسند ہے: میں نے زید کی پٹائی کی۔ کس کے بارے میں بات کی میں نے؟ إِنَّا لِلّٰهِ! یاد رکھو یہ دھوکے میں نہ پڑ جانا، آپ کہیں گے زید کے بارے میں بات کی، نہیں نہیں۔ یاد رکھیے میں نے اپنے بارے میں بات کی ہے، میں نے کیا کیا ہے؟ پٹائی کی ہے، اور کس کی کی ہے؟ زید کی۔ تو زید مفعول واقع ہو رہا ہے، متکلم خود میں یہ ہے فاعل، یہ ہے مسند الیہ۔ اور کیا بات کی ہے اپنے بارے میں اس نے؟ پٹائی کرنے کی، وہ ہے مسند۔ تو میں نے زید کی پٹائی کی ہے، یہ کبھی بھی نہ کہنا زید کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ ہاں زید کے ساتھ تعلق تو ضرور ہے بات کا لیکن اصل میں میں اپنے بارے میں بات کر رہا ہوں کہ میں نے کون سا کام سرانجام دیا ہے؟ پٹائی کرنے والا۔ تو متکلم ہو گا مسند الیہ، اور کیا بات کی میں نے اپنے بارے میں؟ پٹائی کرنے کی، تو پٹائی کرنا ہوا مسند بھئی۔ پٹائی کرنا کیا ہوا؟ مسند۔

اب آپ کہیں گے کہ یہ تو عجیب مسئلہ ہو گیا اب ہم پہچانیں گے کیسے؟ بھئی آسان سی بات ہے یاد رکھو۔ مفعول جو آئے گا نا کلام کے اندر اس سے پہلے اردو میں نے کا لفظ آئے گا عموماً۔ کیا آئے گا؟ ہاں نے۔ میں نے زید کی پٹائی کی ہے، تو زید سے پہلے کیا لفظ آیا؟ نے۔ تو بس یہ پہچان ہے، نے پہلے آ جائے جس سے معلوم ہوا اس کی بات نہیں ہو رہی، وہ مفعول وغیرہ ہے۔ وہ کیا ہے؟ مفعول ہے۔ تو میں نے زید کی پٹائی کی، تو زید سے پہلے اردو ترجمے میں کیا آیا؟ نے کا لفظ۔ اس نے نے کیا بتایا کہ زید کیا ہے؟ مفعول ہے بھئی معلوم ہوا، اس پر پٹائی واقع ہوئی ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا، دیکھا؟ ضَرَبْتُ۔ اب آپ سے کوئی پوچھے اس کے اندر مسند الیہ کون، مسند کون؟ آپ کو پتا چل گیا کس کے بارے میں بات کی متکلم نے؟ اپنے بارے میں۔ معلوم ہوا یہ تاضمیر جو ہے یہ ہے فاعل، مسند الیہ ہے۔ اور یہ ضَرَبَ کیا ہے ساتھ جو جڑا ہوا ہے؟ یہ فعل ہے۔ اور آگے زَيْدًا اس پر نصب پڑھیں گے کیونکہ وہ کیا بن رہا ہے؟ مفعول واقع ہو رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

بس یہ تو یاد رکھنا بھئی اتنا تو پتا چل گیا۔ یہ اب میں چونکہ اردو کی مثالیں دے رہا ہوں اس لیے آپ تھوڑا سا پریشان ہو جاتے ہیں کہ جملہ فعلیہ ہے یا جملہ اسمیہ، عربی میں تو آپ کے سامنے کلام ہو گا۔ اس کو پہلے تو یہ دیکھ لینا کہ جملہ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ ہے۔ جملہ اسمیہ ہے تو اس میں آپ کو ایک چاہیے مبتدا، ایک کیا چاہیے؟ خبر۔ کس کو مبتدا بنانا ہے کس کو خبر بنانا ہے، اگر ویسے پتا نہیں چلتا تو اس طریقے سے غور کر لینا: کس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے وہ کیا ہو گا؟ مبتدا، اور جو بات کی جا رہی ہے وہ کیا ہو گی؟ خبر ہو گی۔ اور جملہ فعلیہ کے اندر تو معاملہ آسان ہو گیا آپ کو پتا چل گیا کہ جو بات کی جاتی ہے وہ ہے فعل وہ ہے مسند، اور جس کے بارے میں بات کی جاتی ہے وہ ہوتا ہے فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے بھئی۔ اور یہ بھی آپ کو پتا ہے کہ مبتدا پر بھی رفع پڑھتے ہیں، خبر پر بھی کیا پڑھتے ہیں؟ رفع، فاعل پر بھی کیا پڑھتے ہیں؟ رفع، نائب الفاعل پر بھی کیا پڑھتے ہیں؟ رفع پڑھتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو کچھ اندازہ آپ کو عربی کے لفظوں سے ہی ہو جائے گا، کچھ آپ اس طریقے سے ذرا اس میں غور کر لینا تو اور بات ذہن میں واضح ہو جائے گی بھئی۔

■ قولہ: «فِي الدَّارِ رَجُلٌ» کی تشریح

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ میں کیا کہتا ہوں؟ فِي الدَّارِ رَجُلٌ، اس گھر میں کوئی آدمی ہے۔ اب آپ مجھے بتایئے فِي الدَّارِ رَجُلٌ، ترجمہ بھی سمجھ میں آ گیا اس گھر میں کوئی آدمی ہے، کیا ترکیب ہو گی؟ یہاں اس گھر میں کوئی آدمی ہے یہ تو اردو کے لفظ ہیں، ذرا عربی پہ بھی نظر رکھنا بھئی۔ فِي الدَّارِ رَجُلٌ، یہ الدَّارِ اس کو مبتدا کبھی بھی نہ سمجھ لینا، اس پر فِي داخل ہو رہا ہے بھئی حرف جر۔ جس پہ حروف جارہ داخل ہو جائیں طے ہو گیا یہ تو مبتدا بن ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ تو مجرور ہے، مبتدا تو ہمیشہ مرفوع ہوا کرتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ ہاں یہ جار مجرور ہیں اور جار مجرور متعلق ہوتے ہیں کسی سے، تو یہ کس سے متعلق ہوں گے؟ مثلاً ثَابِتٌ سے، آسان ہے ثَابِتٌ ہر جگہ نکال لیں، ثَابِتٌ سے متعلق۔ تو گویا ثَابِتٌ فِي الدَّارِ یہاں آ گیا۔ کیا آ گیا؟ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔

اب بتایئے، ثَابِتٌ تو ہم نے نکالا جملے میں کیا تھا؟ فِي الدَّارِ رَجُلٌ، اس گھر میں کوئی آدمی ہے۔ بات پوری ہے یا ادھوری ہے بھئی؟ بات پوری ہے اس گھر میں کوئی آدمی ہے۔ اور دو ہی اسم ہیں یہاں پر، ایک الدَّارِ تھا اور ایک رَجُلٌ تھا۔ الدَّارِ مبتدا بن سکتا ہے؟ وہ نہیں بن سکتا، تو معلوم ہوا کون بنے گا؟ رَجُلٌ ہی مبتدا بنے گا۔ اور فِي الدَّارِ متعلق ہو جاتا ہے ثَابِتٌ سے اور یہ کیا بن جائے گا؟ خبر مقدم۔ یہ کیا بن جائے گا؟ خبر مقدم بنے گا۔ تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا جار مجرور کبھی بھی مبتدا واقع نہیں ہو سکتے، خبر تو بن سکتے ہیں لیکن مبتدا نہیں۔ تو فِي الدَّارِ رَجُلٌ، فِي الدَّارِ آتے ہی آپ کو پتا چل گیا کہ یہ تو جار مجرور ہے اور جار مجرور تو کبھی مبتدا نہیں بن سکتا تو یہ کیا بنے گا؟ خبر مقدم۔ اور رَجُلٌ کیا بنے گا؟ مبتدائے مؤخر بنے گا بھئی۔

تو یہ علامتیں ہیں کچھ اس سے بھی آپ کو فائدہ ہو گا ذہن میں۔ یہ تو نہیں کہ اس سے ساری مثالیں آپ کی فوراً حل ہوتی چلی جائیں گی جو میں نے نشانیاں ذکر کیں، لیکن اس سے آپ کو آسانی بڑی ہو جائے گی جلدی سے آپ پہچان سکیں گے۔ پھر باقی باتوں کو بھی ساتھ ذہن میں رکھو گے ترکیب فوراً حل ہوتی چلی جائے گی۔ ترکیب بڑی آسان ہے بھئی۔ ترکیب کا مقصد کیا ہے؟ ایک تو اس سے ترکیب کے بدلنے سے معنی بدلتا ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ ترکیب سے ترجمہ واضح ہوتا ہے اور نیز اعراب کا پتا چلتا ہے، اعراب کا۔ جب میں نے کہا یہ مبتدا ہے، مبتدا کہتے ہی آپ کو پتا چل گیا اس پہ کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ رفع۔ میں نے جیسے ہی کہا یہ فاعل ہے، آپ کو سنتے ہی پتا چل گیا کیا پڑھنا ہے؟ اس پہ بھی رفع پڑھنا ہے۔ میں نے کہا یہ مفعول بہ ہے، سنتے ہی آپ کو پتا چل گیا اس پر کیا پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے۔ تو بس عبارت کا حل بڑا آسان ہوتا ہے، ایک ایک لفظ کو دیکھتے جاؤ اور غور کر کے طے کرتے جاؤ یہ کیا ہے، یہ مبتدا ہے یا خبر ہے یا فاعل ہے یا مفعول ہے یا اس پہ حرف جر داخل ہو رہا ہے، تو جو جو اعراب ہے اس پر لگاتے جائیں اور پھر اس کو روانی سے پڑھ دیں ساری عبارت حل ہو جاتی ہے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ ہاں یہ تھوڑی سی مشق کی ضرورت ہوتی ہے بڑی جلدی آسانی سے حل ہو جاتی ہے عبارت بھئی۔

خلاصہ کلام کیا ہوا؟ کہ ہر جملے کے دو رکن ہیں، ایک کو مَحْكُومٌ عَلَيْهِ یا دوسرے لفظوں میں مسند الیہ کہتے ہیں، اور دوسرے جز کو مَحْكُومٌ بِهِ اور دوسرے لفظوں میں مسند کہتے ہیں۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہو گا مسند الیہ، اور جو بات کی جائے وہ ہو گی مسند بھئی۔ اور جملہ اسمیہ ہو تو اس میں مسند الیہ جو جز واقع ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مبتدا، اور جو حصہ مسند ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ خبر۔ اور اگر جملہ فعلیہ ہو تو مسند الیہ کا کیا نام ہے؟ فاعل یا نائب الفاعل، اور مسند کا کیا نام ہے؟ فعل۔ معلوم ہوا فعل اس کے لیے فاعل بھی آ سکتا ہے اور نائب الفاعل بھی۔ فعل معروف کے لیے فاعل آئے گا اور فعل مجہول کے لیے نائب الفاعل آئے گا۔

یاد رکھنا ہمیشہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل آ جائے، فعل معروف اور اس کے لیے فاعل نہ آئے، یا فعل مجہول آئے اور اس کے لیے نائب الفاعل نہ آئے۔ فعل جب بھی آئے گا وہ فوراً فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ اگر فعل معروف ہے تو وہ فاعل کا تقاضا کرے گا، اگر فعل مجہول ہے تو نائب الفاعل کا تقاضا کرے گا۔ اور جو اس کا فاعل یا نائب فاعل ہو گا اس پر رفع آئے گا۔ اس پر کیا آئے گا؟ رفع آئے گا، وہ مرفوع ہو گا بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ وَالْمُبْتَدَأُ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ، جی اس کو سمجھانے کے لیے یہ نحوی بحث شروع کی لیکن ابھی ہم نصف میں بھی نہیں پہنچے، سمجھ میں آیا بھئی؟ ابھی بڑی طویل بحث ہے اور یہ ساری باتیں اگر آپ کے ذہن میں اچھی طرح ہوئیں تو خوب آسانی سے یہ آپ کو سمجھ میں آ جائے گا اور ترکیب میں بھی ازحد فائدہ ہو گا بھئی، ازحد فائدہ۔ چلیے بس، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰: مسند الیہ اور مسند کے مواقع اور جملہ فعلیہ واسمیہ کی عملی نحوی ترکیب کے ضوابط

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۵ــــ بتاریخ: ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ وَمَحْكُومٌ بِهِ وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَدًا إِلَيْهِ كَالْفَاعِلِ وَنَائِبِهِ وَالْمُبْتَدَأِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ وَيُسَمَّى الثَّانِي مُسْنَدًا كَالْفِعْلِ وَالْمُبْتَدَأِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

وَالْمُبْتَدَأِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ، وہ مبتدا جو اکتفا کرنے والا ہے اپنے مرفوع پر۔ اس سے کیا مراد ہے اس کو میں بیان کر رہا تھا اور اس کا پتا تب ہی چلے گا آپ کو جب کچھ ترکیب آپ کو آتی ہو، تو ترکیب سے متعلقہ بحث شروع ہوئی تھی۔ اور کل آپ نے پڑھا کہ وہ جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہوتا ہے مسند الیہ، اور جو بات کی جائے وہ ہے مسند بھئی۔ تو جس کے بارے میں بات کی جائے وہ مسند الیہ ہو گا، اگر جملہ اسمیہ میں ہے تو اسے مبتدا کہیں گے، اور اگر وہ جملہ فعلیہ میں ہے تو اسے فاعل یا نائب الفاعل کہیں گے بھئی۔

آپ جانتے ہیں فعل دو قسم پر ہے: ایک فعل معروف ہے اور ایک فعل مجہول ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ ضَرَبَ کیا ہے؟ فعل معروف۔ اور ضُرِبَ عَمْرٌو، یہ ضُرِبَ کیا ہے؟ فعل مجہول بھئی۔ یاد رکھیے فعل جب بھی آئے وہ اپنے لیے فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے اور آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے بھئی۔ تو فعل معروف ہمیشہ فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور فعل مجہول ہمیشہ نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ تو فعل جب بھی عبارت میں آجائے آپ نے سب سے پہلے کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اگر فعل معروف ہے تو فاعل کو تلاش کریں، اور اگر فعل مجہول ہے تو کس کو تلاش کریں؟ نائب فاعل کو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے بھئی۔ تو جب بھی جملے میں فعل آئے آپ نے فوراً آگے اس کے لیے فاعل کو تلاش کرنا ہے اگر یہ فعل معروف ہو، اور نائب الفاعل کو تلاش کرنا ہے اگر فعل مجہول ہو۔

تو دیکھیے ترکیب کیسے ہو گی: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا بھئی۔ ضُرِبَ عَمْرٌو، ضُرِبَ فعل، عَمْرٌو مرفوع لفظاً اس کا نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا بھئی۔ فعل کبھی بھی فاعل یا نائب فاعل کے بغیر نہیں آسکتا، اور یہ فاعل یا نائب فاعل اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر بھی ہو سکتا ہے۔ فعل کے آتے ہی ہمیں کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، اور یہ فاعل یا نائب فاعل اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر بھی ہو سکتی ہے۔

ضمیریں تو آپ جانتے ہیں بھئی۔ اب اسم ظاہر کا لفظ آیا، آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ اسم ظاہر کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھیے اسم ظاہر اسم ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ جو ضمیر نہیں اور اسم ہے وہ اسم ظاہر ہو گا۔ زَيْدٌ ضمیر ہے؟ جی؟ یہ ضمیر نہیں، تو کیا کہیں گے اسے؟ اسم ظاہر کہیں گے۔ ضَرْبٌ مصدر ہے، ضمیر ہے یہ؟ ضمیر نہیں، تو اسے کیا کہیں گے؟ اسم ظاہر کہیں گے۔ كِتَابٌ یہ کیا ہے، ضمیر ہے؟ ضمیر نہیں، تو معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ تو جو بھی اسم ہو اگر وہ ضمیر نہیں تو پھر کیا کہلائے گا؟ اسم ظاہر کہلائے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ تو فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور یہ اس کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے بھئی۔

مثلاً میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ، آپ نے کیا ترکیب کی؟ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ لیکن اگر یہ آگے زَيْدٌ نہ ہوتا، ضَرَبَ ہوتا، تو پھر کیا ترکیب کرتے؟ ضَرَبَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل بھئی مرفوع محلاً۔ بھئی یہ کیوں؟ یہ هُوَ ضمیر ہم نے کیوں نکالی؟ کیونکہ ضَرَبَ

فعل آگیا تھا، اور جب فعل آئے، فعل معروف ہو تو اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل ضرور چاہیے۔ اور آگے تو کوئی لفظ ہے نہیں اور فاعل تو ضرور چاہیے، تو اسی کے اندر ضمیر نکالتے ہیں بھئی۔ اسی کے اندر کیا کرتے ہیں؟ ضمیر نکالتے ہیں۔ تو ضَرَبَ کے آگے اگر زَیْدٌ وغیرہ کوئی اسم ظاہر اس کا فاعل آرہا ہے تو پھر اس کے اندر ضمیر نہیں نکالیں گے۔ اور اگر آگے کوئی اسم ظاہر اس کا فاعل نہیں آرہا فعل معروف کا تو پھر اسی کے اندر کیا کریں گے؟ ضمیر نکالیں گے جو اس کا فاعل ہو گی بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ لہٰذا ضُرِبَ عَمْرٌو فعل مجہول ہے تو عَمْرٌو کو آپ نے کیا بنایا؟ نائب فاعل۔ لیکن اگر یہ عَمْرٌو نہ ہوتا صرف ضُرِبَ ہوتا تو پھر کیا کرتے؟ ضُرِبَ فعل، ھُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا نائب فاعل۔ یہ ھُوَ ضمیر کیوں نکالی آپ نے نائب فاعل کی؟ کیونکہ فعل مجہول کے آتے ہی ہمیں فوراً کیا چاہیے؟ نائب فاعل، آگے تو کوئی لفظ ہے نہیں تو اسی کے اندر پھر ضمیر نکالتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو دونوں میں سے فاعل یا نائب فاعل ایک ہی ہو گا۔ یا تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر ہو گی، جب ضمیر ہے تو آگے پھر کوئی اسم ظاہر نہیں ہو گا جو اس کا فاعل یا نائب فاعل بنے۔ اور اگر اسم ظاہر آگے آرہا ہے تو پھر فعل کے اندر ضمیر نہیں نکالیں گے کیونکہ ایک فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے، چاہے وہ اسم ظاہر آجائے آگے۔ آگے اسم ظاہر آئے تو فعل کے اندر ضمیر نہیں ہو گی، اور اگر آگے اسم ظاہر نہیں آتا تو پھر اسی فعل میں کیا کرتے ہیں؟ ضمیر نکالتے ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ فعل جب بھی آئے گا کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا۔ فعل معروف فاعل کا، فعل مجہول نائب فاعل کا۔ اور ان کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ اور جب آگے اسم ظاہر فاعل یا نائب فاعل آجائے تو فعل کے اندر ضمیر نہیں ہو گی، اور اگر اسی کے اندر ضمیر ہے تو پھر آگے اسم ظاہر اس کا فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا۔ ایک فاعل یا نائب فاعل چاہیے، تو چاہے وہ ضمیر سے بات پوری ہو جائے چاہے اسم ظاہر کے ذریعے پوری ہو جائے، تو پھر دوسری چیز وہ فاعل یا نائب فاعل نہیں بنے گی بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ، ضَرَبَتَا،...» کی تشریح

اب ایک تیسری بات یاد رکھیے کہ مثلاً ماضی کے اندر چودہ صیغے آپ نے پڑھے بھئی: ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ، ضَرَبَتَا، ضَرَبْنَ، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتُمَا، ضَرَبْتُمْ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُمَا، ضَرَبْتُنَّ، ضَرَبْتُ، ضَرَبْنَا۔ ان چودہ صیغوں میں سے یاد رکھیے جو پہلا اور چوتھا صیغہ ہے، یعنی واحد مذکر غائب کا صیغہ ضَرَبَ اور چوتھا صیغہ جو ہے ضَرَبَتْ واحد مؤنث غائب کا صیغہ بھئی، یہ دو صیغے جو ہیں ان میں یہ ضابطہ جاری ہو گا جو میں نے ابھی بیان کیا کہ ان کا فاعل اسم ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی۔ ضَرَبَ پہلا صیغہ ہے، اس کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے، اور اگر ضمیر نہیں تو پھر آگے کیا ہو گا؟ اسم ظاہر۔ ضَرَبَتْ کے اندر ھِيَ ضمیر بھی ہو سکتی ہے، اور آگے مثلاً زَیْنَبُ، ضَرَبَتْ زَیْنَبُ، وہ اسم ظاہر بھی اس کا فاعل، فعل معروف ہے تو فاعل آئے گا فعل مجہول ہے تو نائب فاعل آئے گا۔ تو پہلا اور چوتھا صیغہ ماضی کے اندر، ان کا فاعل یا نائب فاعل وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ جبکہ باقی جو بارہ صیغے ہیں ان سب میں ضمیر فاعل ہو گی بھئی، ان میں اسم ظاہر نہیں۔

ان کے ساتھ ضمیریں ملی ہوئی ہیں، دیکھو پہلا تھا ضَرَبَ اور چوتھا کیا ہے؟ ضَرَبَتْ، ان کی تو میں نے بات کر دی۔ ان کے علاوہ باقی دیکھو، دوسرا صیغہ کیا ہے؟ ضَرَبَا، دیکھو اس کے ساتھ یہ الف ضمیر جڑی ہوئی ہے۔ ضَرَبُوا، اس کے ساتھ کیا جڑی ہوئی ہے؟ واؤ ضمیر جڑی ہوئی ہے۔ بھئی ضَرَبَ کے ساتھ کوئی آگے ضمیر تھی؟ ضاد، را، با یہ تو فعل کا مادہ ہے، آگے کوئی الف، واؤ، نون وغیرہ کوئی چیز جڑی ہوئی ہے؟ کوئی نہیں جڑی ہوئی، تو لہٰذا وہاں پر ہم کہتے تھے ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ کیا ہے؟ چھپی ہوئی ہے، کیونکہ ضاد، را، با یہ تو فعل کا مادہ ہے، یہ تو ضَرْبٌ سے بن رہا ہے فعل بھئی، تو یہ اس کا مادہ ہے، ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ اسی طرح ضَرَبَتْ، اس کے اندر بھی یاد رکھنا یہ تا ضمیر نہیں ہے، یہ تا تانیث کی علامت ہے۔ یہ صرف اتنا بتا رہی ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی مؤنث کی طرف ہے۔ کس کی طرف ہے؟ مؤنث کی طرف۔ یہ فعل صفت ہے کسی مؤنث کی، کسی مؤنث نے یہ فعل سرانجام دیا ہے بھئی، یہ بات بتلا رہی ہے تا بس۔

اور باقی جو صیغے ہیں ان کے اندر دیکھتے جاؤ۔ دوسرا صیغہ کیا تھا؟ ضَرَبَا، دیکھو ضاد، را، با کے بعد الف آگیا۔ یاد رکھیے یہ الف ہے تثنیہ کی ضمیر، اور کون سا تثنیہ؟ تثنیہ مذکر غائب، جو صیغہ ہو اس کے مطابق بتا دیا کرو کہ یہ فلاں ضمیر ہے۔ ضَرَبَا کون سا صیغہ ہے؟ تثنیہ مذکر غائب، تو یہ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ہے۔ ضَرَبُوا اس کے آخر میں کیا آیا؟ واؤ، یہ واؤ جمع مذکر غائب کی ضمیر ہے۔ اگلا چوتھا ضَرَبَتْ تو ہو گیا۔ آگے ضَرَبَتَا، اس میں یاد رکھیے ضاد، را، با یہ تو فعل کا ہے، تا وہی اوپر ضَرَبَتْ والی تانیث والی تا ہے، آگے ایک الف آگیا۔ یہ الف تثنیہ مؤنث غائب کی ضمیر ہے۔ ضَرَبَا میں جو الف تھا وہ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر تھی، اور ضَرَبَتَا میں جو الف ہے یہ کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مؤنث غائب کی ضمیر ہے۔ آگے آیا ضَرَبْنَ، اس کے اندر دیکھو یہ نون کیا ہے؟ یہ ضمیر ہے، تو دیکھو فاعل ساتھ جڑے ہوئے ہیں، سب کے ساتھ فاعل ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

آگے کیا ہے؟ ضَرَبْتَ اس کے اندر تا ضمیر ہے، ضَرَبْتُمَا دیکھو تُمَا ضمیر، ضَرَبْتُمْ اس کے اندر تُمْ ضمیر آگئی، ضَرَبْتِ اس کے اندر بھی تا ضمیر آئی بھئی۔ پھر ضَرَبْتُمَا اس میں بھی تُمَا ضمیر، اس کے بعد ضَرَبْتُنَّ اس میں تُنَّ ضمیر، آگے ضَرَبْتُ آیا بھئی، ضَرَبْتُ کے اندر بھی تا ضمیر۔ تو تین طرح کی تا آرہی ہے آخر میں: ایک تو تا ساکن تھی ضَرَبَتْ، وہ ضمیر نہیں تھی وہ کیا تھی؟ تانیث کی علامت۔ باقی ضَرَبْتَ اس کے اندر بھی تا، ضَرَبْتِ اس کے اندر بھی تا، ضَرَبْتُ اس کے اندر بھی تا۔ یاد رکھیے بھئی یہ جو تا آرہی ہے ان کے آخر میں یہ ضمیر ہے بھئی۔ اور پھر یہ نہ کہنا ضَرَبْتِ کے اندر تِ ضمیر ہے، ضَرَبْتُ کے اندر تُ ضمیر ہے، لوگ اسی طرح بولتے

ہیں عموماً طلبہ بھی اسی طرح کرتے ہیں، نہیں بھئی اس طرح نہیں کہنا۔ بلکہ الف، با، تا، ثا حروف تہجی کے اندر یہ جو ضَرَبْتَ کے آخر میں حرف آرہا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تا کہتے ہیں۔ الف، با، تا، یہ تا ہے، ضَرَبْتَ کے آخر میں تا، ضَرَبْتِ کے آخر میں تا، ضَرَبْتُ کے آخر میں تا، ہاں اس طرح بتانا ہے آپ نے۔ تو یہ تا ضمیر ہے، تا کیا ہے؟ ضمیر ہے۔ اور ضَرَبْنَا اس کے اندر کیا ضمیر ہے؟ نَا ضمیر۔ تو دیکھو سب کے ساتھ ضمیریں جڑی ہوئی ہیں۔

تو یہ جو باقی بارہ صیغے ہیں، کل چودہ صیغے تھے، پہلا اور چوتھا ان میں فاعل اسم ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی، اور ان دو میں ضمیر ہمیشہ اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے کیونکہ آپ نے دیکھ لیا کوئی حرف ساتھ ضمیر والا جڑا نہیں ہوا، کوئی ضمیر ساتھ جڑی نہیں ہوئی پہلے میں اور چوتھے میں۔ پہلے میں ضاد، را، با کے بعد کوئی حرف ہے ہی نہیں، ضَرَبَتْ میں تا ہے لیکن وہ تا ضمیر نہیں ہے میں نے بتایا وہ کیا ہے؟ تانیث کی علامت۔ تو ساتھ تو کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں، معلوم ہوا اگر ہوگی تو کہاں ہوگی؟ اندر ہی چھپی ہوئی ہوگی۔ اور باقی جتنے بارہ صیغے ہیں ان سب کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہے بھئی۔ ان سب کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہے اور آپ نے پڑھا ہے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور ان سب کے ساتھ تو ضمیر جڑی ہوئی ہے۔ جب ضمیر جڑی ہوئی ہے تو فاعل یا نائب فاعل تو ایک چاہیے تھا، معلوم ہوا اب آگے اسم ظاہر ان کا فاعل یا نائب فاعل نہیں آسکتا۔ یہی ضمیر کیا ہوگی؟ اگر معروف کا صیغہ ہے تو یہ ضمیر کیا ہوگی؟ فاعل کی، اگر مجہول کا صیغہ ہے تو یہ کون سی ضمیر ہوگی؟ نائب فاعل ہوگی بھئی، آگے اسم ظاہر کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

تو بارہ صیغے ماضی کے ایسے ہیں، فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، اور میں نے بتایا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، یہ صرف پہلے اور چوتھے صیغے میں ہے۔ باقی بارہ میں فاعل ہمیشہ ضمیر ہوگی، وہاں اسم ظاہر کی طرف جانے کی بھی نہیں ضرورت، تلاش کرنے کی ہی نہیں ضرورت۔ بھئی دیکھیے آپ کے سامنے ایک فعل آتا ہے، سب سے پہلے اس کے لیے کیا تلاش کرو؟ فاعل یا نائب فاعل تلاش کرو۔ تو پہلا اور چوتھا صیغہ ہو تو پھر آگے تلاش کرو اگلے لفظوں کے اندر کہیں فاعل تو نہیں آرہا اسم ظاہر، ان میں سے اگر کوئی فاعل اسم ظاہر آرہا ہے تو اس کو اس کا فاعل یا نائب فاعل بنادو۔ لیکن اگر پہلے چوتھے صیغے کے علاوہ باقی بارہ صیغے ہیں تو پھر آگے جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، یہ صیغے کے ساتھ ہی کیا جڑی ہوئی ہے؟ ضمیر جڑی ہوئی ہوگی یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہوگی۔

فعل مضارع میں بھی اسی طرح ہے یاد رکھنا، پہلا اور چوتھا صیغہ جو ہے یَضْرِبُ اور تَضْرِبُ، ان دو کے اندر فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے، جبکہ باقی بارہ صیغے جو ہیں ان میں فاعل ہمیشہ ضمیر ہوگی۔ کیا ہوگی؟ ضمیر۔ پھر ان میں آپ خود غور کر لینا اگر آگے کوئی حرف جڑا ہوا ہے تو معلوم ہوا یہ ضمیر ہے یہ فاعل ہے، اگر آگے کوئی حرف نہیں جڑا ہوا ان بارہ کے اندر تو وہ پھر ضمیر اندر ہی چھپی ہوئی ہوگی۔ بارہ صیغوں کے اندر فاعل ہمیشہ کیا ہوگا؟ ضمیر۔ وہ بارہ صیغوں کے اندر پھر آپ مضارع کے اندر غور کر لینا، مثلاً تَضْرِبُ۔ تَضْرِبُ واحد مؤنث غائب کا صیغہ بھی ہے اور واحد مذکر حاضر کا صیغہ بھی ہے، تو واحد مذکر حاضر کی میں بات کر رہا ہوں یعنی ساتواں صیغہ جو ہے تَضْرِبُ۔ اب دیکھیے تا یہ شروع میں جو آئی یہ تو علامت مضارع ہے، یہ تو شروع میں آئی یہ فاعل نہیں ہو سکتی۔ فاعل کبھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا فعل کے بعد آتا ہے، اور یہ تا تو ضاد، را، با پر کیا ہے؟ مقدم، یہ صرف علامت مضارع ہے یہ فاعل نہیں۔ آگے دیکھیے تا تو گزر گئی، ضاد، را، با آگے رہ گئے۔ ضاد، را، با کے بعد کوئی حرف ہے؟ نہیں، ضاد، را، با تو فعل کا مادہ ہے، معلوم ہوا ضمیر آگے جڑی ہوئی نہیں۔ پھر؟ کہتے ہیں اسی کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہے، کیونکہ یہ ان دو میں سے ہے یا بارہ صیغوں میں سے ہے؟ بارہ صیغوں میں سے ہے، اور بارہ میں تو فاعل ہمیشہ کیا آتا ہے؟ ضمیر ہی ہوتی ہے، تو آگے ضمیر جڑی تو نہیں ہوئی معلوم ہوا پھر کیا ہوگی؟ اسی کے اندر چھپی ہوئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ فعل معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، فعل مجہول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ پھر ان میں غور کرو پہلا اور چوتھا صیغہ تو نہیں، اگر پہلا یا چوتھا صیغہ ہے تو فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ لیکن اگر پہلے اور چوتھے صیغے کے علاوہ باقی بارہ صیغوں میں سے کوئی بھی صیغہ ہے، چاہے فعل مضارع کا ہے چاہے ماضی کا ہے، اس میں ضمیر ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ہوگی، وہاں اسم ظاہر کو تلاش کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ خلاصہ کیا ہوا؟ کوئی فعل کبھی بھی فاعل یا نائب فاعل کے بغیر نہیں آسکتا۔ اور دو صیغے ایسے ہیں جن میں فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، وہ کون سے صیغے ہیں؟ پہلا اور چوتھا، یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کا۔ باقی بارہ صیغوں کے اندر فاعل ہمیشہ کیا ہوگی؟ ضمیر ہوگی، وہاں اسم ظاہر کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب یاد رکھیے ایک قیمتی ضابطہ: یہ دو صیغے ہیں ضَرَبَ اور ضَرَبَتْ، ان کا فاعل آگے اسم ظاہر آسکتا ہے، ضمیر بھی ہو سکتی ہے ان کے اندر اور اسم ظاہر بھی۔ آگے اسم ظاہر نہ ہو تو پھر کیا کرتے ہیں؟ انہی کے اندر ضمیر نکالیں گے۔ اگر آگے اسم ظاہر ہے پھر ان کے اندر ضمیر نہیں نکالیں گے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، اب ضَرَبَ میں ضمیر ہے؟ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ ایک فاعل چاہیے تھا آگے کون آگیا؟ اسم ظاہر آگیا، تو اب ضمیر نہیں۔ اور اگر زید نہ ہوتا پھر اسی کے اندر کیا ہوتی؟ هُوَ ضمیر۔ ضَرَبَتْ زَيْنَبُ، ضَرَبَتْ میں ضمیر ہے؟ جی؟ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ ایک فاعل یا نائب فاعل چاہیے تھا وہ آگے آچکا، اب اس کے اندر ضمیر نہیں۔ اگر وہ آگے نہ ہوتا پھر کیا تھا؟ اس میں هِيَ کی ضمیر ہوتی بھئی۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو بس یہ دو، جب بھی کوئی صیغہ ہے کسی بھی باب سے ہو، بس پہلا اور چوتھا صیغہ ہے تو پھر آگے جملے میں تلاش کرو کہیں اس کا فاعل اسم ظاہر تو کوئی نہیں آرہا جس کو یہ رفع دے رہا ہو، فاعل کو فعل کیا کرتا ہے؟ رفع دیتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو اگر آگے کوئی اسم ظاہر نہیں تو سمجھ جاؤ اسی کے اندر ضمیر ہے۔ اور اگر پہلے چوتھے صیغے کے علاوہ کوئی صیغہ عبارت میں آتا ہے پھر تو معاملہ اور آسان ہو گیا، پھر آگے بھی تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اسی کے اندر ضمیر چھپی ہوگی یا ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہوگی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا بھئی: فعل کا فاعل جب بھی اسم ظاہر آئے گا فعل ہمیشہ مفرد رہے گا۔ بھئی جو ابھی میں نے باتیں بیان کیں اسی سے آپ کو پتا چل گیا۔ پہلا اور چوتھا صیغہ کون سا ہے؟ واحد مذکر غائب، دوسرا بھی کیا ہے؟ واحد مؤنث غائب۔ تو دیکھو یہ دونوں تو مفرد کے صیغے ہیں، اور صرف انہی کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے اور کسی کا فاعل اسم ظاہر آ ہی نہیں سکتا، اور یہ دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ کون سے صیغے ہیں؟ مفرد کے۔ معلوم ہوا کہ فاعل جب آگے اسم ظاہر آئے گا جب بھی آجائے، فاعل کیا ہو؟ جب بھی اسم ظاہر ہو، فعل ہمیشہ مفرد رہے گا کیونکہ وہ انہی دو صیغوں میں سے ہو گا اور یہ دونوں صیغے تو مفرد کے ہیں۔ معلوم ہوا فاعل جب بھی اسم ظاہر ہو گا فعل کیا ہو گا ہمیشہ؟ مفرد ہو گا بھئی۔

■ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح

صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا دیکھیے بھئی میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں زید نے پٹائی کی، کیا کہوں گا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ میں آپ سے کہتا ہوں وہ دو جو زید ہیں انہوں نے پٹائی کی، آگے الزَّيْدَانِ کو فاعل بنانا ہے۔ کیا بنانا ہے؟ الزَّيْدَانِ کو۔ تو ضَرَبَ اسی طرح مفرد رہے گا: ضَرَبَ الزَّيْدَانِ۔ اس کو ضَرَبَا الف نہیں ساتھ لانا، کیونکہ اگر الف لائیں گے تو فاعل تو وہ بن جائے گا، آپ تو الزَّيْدَانِ کو فاعل بنانا چاہتے ہیں لہٰذا اس کو ضَرَبَ ہی رکھو۔ معلوم ہوا دیکھو الزَّيْدَانِ خود تثنیہ ہے، خود کیا ہے؟ تثنیہ ہے، لیکن اسم ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ اسم ظاہر ہے، اور اسم ظاہر جب بھی فاعل ہو گا فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو ضَرَبَ ہی آئے گا۔ اچھا اس کو ذرا جمع لے آؤ الزَّيْدُونَ، فعل پھر بھی مفرد رہے گا: ضَرَبَ الزَّيْدُونَ، اس طرح پڑھیں گے بھئی ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔ فاعل آگے جب اسم ظاہر ہو آپ نے یہ نہیں دیکھنا یہ مفرد ہے، یہ تثنیہ ہے، یہ جمع ہے، بس اتنا آپ کو پتا ہے فاعل ہے تو اسم ظاہر، بس فعل کو مفرد رکھیں گے ہمیشہ اس کے لیے۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ اسی طرح فعل مجہول میں ہے: مثلاً ضُرِبَ زَيْدٌ، ضُرِبَ الزَّيْدَانِ، ضُرِبَ الزَّيْدُونَ۔

صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو کیا آپ کو نئے ضابطے کا کیا پتا چلا؟ کہ صرف دو صیغوں کے اندر فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے اور وہ پہلا اور چوتھا ہیں، اور دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ معلوم ہوا فاعل یا نائب فاعل جب بھی اسم ظاہر ہو گا فعل ہمیشہ مفرد رہے گا کیونکہ وہ انہی پہلے یا چوتھے صیغے میں سے ہو گا اور پہلا اور چوتھا دونوں صیغے تو کیا ہیں؟ مفرد کے ہیں۔ تو فاعل یا نائب فاعل جب بھی اسم ظاہر آئے گا فعل ہمیشہ مفرد رہے گا، وہ پہلا صیغہ ہو گا مذکر کے لیے اور اگر مؤنث ہو تو اس کے لیے چوتھا صیغہ ہو گا بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب یاد رکھنا جیسے فعل معروف کبھی بغیر فاعل کے نہیں آسکتا اور فعل مجہول کبھی نائب فاعل کے بغیر نہیں آسکتا، اسی طرح جو صفت کے صیغے ہیں، اس فعل سے جو صفت کے صیغے بنیں گے وہ بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کریں گے۔ بھئی جس طرح فعل جب بھی آئے گا وہ ہمیشہ کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا، جو صفت کے صیغے ان سے بنتے ہیں وہ بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کریں گے، وہ بالکل اسی طرح عمل کریں گے جس طرح یہ فعل عمل کرتا تھا۔ صفت کے صیغوں سے کیا مراد ہے؟ صفت کے صیغوں سے مراد ہے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسی طرح اسم تفضیل ہے، مبالغے کے صیغے وغیرہ بھئی۔ کون کون سے صیغے؟ بھئی اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، مبالغے کے صیغے وغیرہ بھئی۔

بھئی ایک ہے فاعل، ایک ہے اسم فاعل۔ میں نے فاعل نہیں کہا، میں نے کہا صفت کا صیغہ کون سا ہے؟ اسم فاعل۔ بھئی فاعل تو یہ زَيْدٌ تھا، ضَرَبَ زَيْدٌ، اس کو فاعل آپ نے کیوں کہا؟ کیونکہ اس کو ضَرَبَ نے رفع دیا ہے۔ کیا کیا ہے؟ رفع دیا ہے۔ تو جس لفظ کو فعل رفع دیتا ہے وہ ہوتا ہے فاعل، اور اسم فاعل وہ مخصوص وزن جو آپ نے گردان میں پڑھا: ضَارِبٌ، مَانِعٌ، مُسْتَخْرِجٌ، مُكْرِمٌ، وہ جو گردانوں میں خاص وزن پڑھا تھا وہ ہے اسم فاعل۔ اور ایک ہوتا ہے مفعول جس کو فعل نصب دیتا ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول۔ کیوں مفعول ہے؟ اس کو ضَرَبْتُ فعل نے نصب دیا، تو یہ ہے مفعول۔ اور ایک ہوتا ہے اسم مفعول، وہ مخصوص وزن کا نام ہے جو آپ نے گردان میں پڑھا: مَضْرُوبٌ، مَمْنُوعٌ، مَنْصُورٌ، مُسْتَخْرَجٌ، مُكْرَمٌ، یہ وہ جو گردان میں پڑھا۔ تو وہ جو گردانوں میں مخصوص وزن آئے تھے ان کو کہیں گے اسم فاعل یا اسم مفعول، لیکن فعل جس کو رفع یا نصب دے ان کو اسم فاعل یا اسم مفعول نہیں کہتے ان کو کہتے ہیں فاعل یا مفعول بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب فرق سمجھ میں آیا فاعل اور اسم فاعل، اور مفعول اور اسم مفعول میں؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل رفع دیتا ہے۔ اور اسم فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص وزن جو آپ نے گردانوں میں پڑھا ضَارِبٌ، مَانِعٌ وغیرہ۔ اور مفعول کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل نصب دیتا ہے۔ اور اسم مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص وزن۔ تو یہ جو اسم فاعل ہے ضَارِبٌ، مَانِعٌ یہ صفت کا صیغہ۔ اسی طرح اسم مفعول جو ہے مَضْرُوبٌ، مَنْصُورٌ وغیرہ یہ بھی کیا ہے؟ صفت کا صیغہ بھئی۔ اسی طرح صفت مشبہ ہے بھئی، مثلاً آپ مشہور وزن جو سب سے ہے فَعِيلٌ وزن پر، شَرِيفٌ یہ کیا ہے؟ صفت مشبہ، كَرِيمٌ یہ کیا ہے؟ صفت مشبہ۔ بَخِيلٌ صفت مشبہ۔ اور بھی اوزان آپ نے پڑھے ہیں، مختلف اوزان علم الصیغہ وغیرہ میں پڑھے ہوں گے حَسَنٌ وغیرہ بھئی، یہ صفت مشبہ ہیں بھئی، یہ بھی صفت کا صیغہ۔ اسی طرح مبالغے کے صیغے: ضَرَّابٌ یہ کیا ہے؟ یہ بھی صفت کا صیغہ ہے، اسی اسم فاعل میں کیا کیا گیا ہے؟ مبالغہ کیا گیا ہے۔ ضَرَّابٌ کا کیا معنی؟ خوب پٹائی کرنے والا۔ ضَارِبٌ کا معنی تھا پٹائی کرنے والا، اور ضَرَّابٌ کا کیا معنی؟ خوب پٹائی کرنے والا۔ اسی طرح اسم تفضیل ہے: أَضْرَبُ، یہ بھی کیا ہے؟ صفت کا صیغہ ہے۔

تو یاد رکھیے جیسے فعل جب بھی آئے گا وہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل معروف یا فعل مجہول تو آجائے اور آگے اس کا فاعل یا نائب

فاعل نہ آئے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں جو اس فعل سے بنتے ہیں وہ بھی اسی کی طرح عمل کرتے ہیں جیسے عمل فعل کرتا تھا۔ یعنی فعل مثلاً اگر صرف فاعل کو رفع دیتا تھا یا نائب فاعل کو، تو اس سے آگے بننے والا صفت کا صیغہ بھی فاعل یا نائب فاعل کو کیا کرے گا؟ رفع دے گا۔ اور فعل اگر متعدی تھا، آپ نے پڑھا ہے ایک فعل لازم ہے ایک فعل متعدی ہے۔ فعل لازم جس میں فاعل پر بات پوری ہو جائے: فَرَّ زَيْدٌ، زید بھاگا، اب اس کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔ اور ایک ہے فعل متعدی: ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ بھئی پٹائی کے لیے کوئی مضروب چاہیے یا نہیں چاہیے؟ بغیر کسی مضروب کے کبھی پٹائی پائی جا سکتی ہے؟ نہیں۔ تو معلوم ہوا یہ فعل متعدی ہے اس کے لیے مفعول بھی چاہیے۔ تو معلوم ہوا ضَرَبَ فعل فاعل کو رفع دیتا ہے تو اس کے لیے ایک مفعول بھی چاہیے جس کو یہ نصب دے۔ تو اس سے بننے والا صفت کا صیغہ جو ہے وہ بھی اسی طرح ایک فاعل کو رفع دے گا تو مفعول وغیرہ کو کیا کرے گا؟ نصب دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو جس فعل سے صفت کا صیغہ بنتا ہے وہ صفت کا صیغہ اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے۔ فعل اگر صرف فاعل کو رفع دیتا تھا تو صفت کا صیغہ بھی صرف فاعل کو رفع دے گا۔ فعل اگر فاعل کو رفع دیتا تھا اور مفعول وغیرہ کو نصب دیتا تھا تو صفت کا صیغہ بھی بعینہ اسی طرح کرے گا، فاعل کو رفع دے گا اور مفعول کو نصب۔ اور فعل اگر نائب الفاعل کو رفع دیتا تھا یعنی فعل مجہول تھا تو اس سے بننے والا صفت کا صیغہ بھی نائب الفاعل کو کیا کرے گا؟ رفع دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی اچھی طرح؟ فعل کے لیے کیا چاہیے ہمیشہ؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اسی طرح اس صفت کے صیغوں کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اور میں نے بتا دیے صفت کے صیغے کون کون سے ہیں: اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مبالغے کے صیغے وغیرہ بھئی۔

اور فعل کے اندر آپ نے پڑھا کہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح صفت کے صیغے بھی عمل کریں گے، ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل تو ضرور چاہیے لیکن وہ فاعل یا نائب فاعل انہی کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے جس پر وہ عمل کریں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن جب آگے اسم ظاہر فاعل یا نائب فاعل ہو گا تو فعل کے اندر ضمیر نہیں ہوتی تھی، صفت کے صیغے میں بھی پھر ضمیر نہیں ہو گی۔ اور اگر آگے اسم ظاہر فاعل یا نائب فاعل نہیں ہے تو پھر فعل کے اندر کیا ہوتی تھی؟ ضمیر، تو صفت کے صیغے میں بھی اسی طرح ضمیر ہو گی بھئی۔

■ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا دیکھیے ترکیب کیسے کریں گے: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ آپ ابھی تک یہ ترکیب کرتے تھے زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ اس کی خبر۔ یاد رکھیے یہ پوری ترکیب نہیں ہے حالانکہ ترکیب پوری کروانی چاہیے بھئی۔ یہاں ترکیب یوں ہو گی: زَيْدٌ مرفوع لفظاً ہے مبتدا۔ قَائِمٌ یہ صیغہ اسم فاعل آگیا، صفت والا صیغہ آگیا۔ یہاں اگر فعل ہوتا تو فعل کے لیے آپ فوراً کیا تلاش کرتے؟ فاعل۔ زَيْدٌ قَامَ، زَيْدٌ مبتدا، یہ قَامَ کے لیے فاعل نہیں بن سکتا۔ کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ یہ قَامَ پر مقدم ہے اور فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ تو قَامَ کے بعد فاعل آ سکتا ہے، اور قَامَ کے بعد ہم نے دیکھا زَيْدٌ قَامَ، قَامَ کے بعد تو آگے کوئی لفظ ہی نہیں ہے، معلوم ہوا اسی کے اندر کیا ہے؟ ضمیر، کیونکہ فعل جب بھی آئے گا اس کے لیے فاعل چاہیے یا نائب فاعل، فعل معروف ہے تو فاعل چاہیے، فعل مجہول ہے تو نائب فاعل۔ تو قَامَ کے آگے تو کوئی فاعل نہیں اسم ظاہر بھئی، پھر کیا کریں گے؟ اسی کے اندر ضمیر نکالیں گے هُوَ ضمیر، جو کہ اس صیغے کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ یہ زَيْدٌ جس کے ساتھ قَامَ کو آپ جوڑ رہے ہیں اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر اب یہ خبر ہوئی زَيْدٌ کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھئی؟

زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا، کیا ترکیب کریں گے؟ زَيْدٌ مبتدا، ضَرَبَ فعل، آگے ہے عَمْرًا وہ تو فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ اس پر کیا آ رہا ہے؟ نصب۔ تو پھر ضَرَبَ کے اندر ہی هُوَ ضمیر ہے جو کس کو راجع؟ زید کو راجع ہے، تو وہ فاعل ہے، اور عَمْرًا اس کے لیے مفعول۔ ضَرَبَ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کی؟ زید کی خبر ہوئی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ معلوم ہوا جب بھی فعل آتا ہے فوراً کس کو تلاش کرتے ہیں؟ فاعل یا نائب فاعل کو۔ اسی طرح جب صفت کا صیغہ آجائے تو ہمیشہ اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل تلاش کرو بھئی۔

زَيْدٌ قَائِمٌ میں بتا رہا تھا آپ کو، جی کیا ترکیب کریں گے؟ زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، اس کے لیے اب کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ آگے کوئی اسم ظاہر ہے؟ نہیں، تو اسی کے اندر کیا ہو گی ضمیر؟ هُوَ ضمیر اس کا فاعل۔ اور اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر، اب جملہ نہ کہنا کیونکہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے لیکن صفت کا صیغہ قَائِمٌ یہ تو مفرد ہے، اس کو پھر کہتے ہیں شبہ جملہ۔ کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ، جملے کے مشابہ ہے یعنی فعل کے مشابہ ہے جیسے اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے تھا اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل۔ تو اسم فاعل قَائِمٌ اپنے فاعل هُوَ ضمیر سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ زَيْدٌ کی خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے؟

آگے بتائیے ترکیب مجھے: زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا۔ زَيْدٌ مبتدا، ضَارِبٌ صیغہ اسم فاعل، آگے عَمْرًا پر تو نصب پڑھ رہے ہیں وہ تو فاعل نہیں، معلوم ہوا اسی کے اندر کیا ہے؟ هُوَ ضمیر۔ تو هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، اور عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول ہے۔ ضَارِبٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کی؟ زید کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو ضَرَبَ عَمْرًا تھا پہلے، اب آیا ضَارِبٌ عَمْرًا بھئی۔ اس نے بالکل اسی کی طرح عمل کیا یا نہیں کیا؟ ضَرَبَ نے ایک فاعل کو رفع دیا تھا ایک مفعول کو نصب، ضَارِبٌ نے بھی ایک فاعل کو رفع دیا ایک مفعول کو نصب دیا بھئی۔ بالکل اسی کی طرح یہ عمل کرتے ہیں صفت کے صیغے۔

دوسری مثال: زَيْدٌ ضُرِبَ، کیا ترکیب کرتے تھے؟ زَيْدٌ مبتدا، ضُرِبَ فعل مجہول، اس کے اندر هُوَ ضمیر نائب الفاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ تو ضُرِبَ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر کیا ہوئی؟ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھا اسی ضُرِبَ سے صفت کا صیغہ بنتا ہے مَضْرُوبٌ۔ اسم فاعل بنتا ہے معروف فعل سے، اسم مفعول بنتا ہے مجہول سے۔ تو لہٰذا اسم فاعل کے لیے تو ہمیں فاعل چاہیے ہوتا تھا، لیکن اسم مفعول یہ کس سے بنا ہے؟ فعل مجہول سے، اور فعل مجہول کے لیے کیا چاہیے ہوتا تھا؟ نائب الفاعل، تو اسم مفعول کے لیے بھی نائب الفاعل چاہیے۔ اسم فاعل کے لیے کیا چاہیے ہمیشہ؟ فاعل، اور اسم مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے۔ تو زَيْدٌ مَضْرُوبٌ، زَيْدٌ مبتدا، مَضْرُوبٌ صیغہ اسم مفعول، آگے هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا نائب فاعل جو زید کو راجع، اسم مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

ترکیب سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ جی تو ہمیشہ جب بھی فعل آئے اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل تلاش کرو۔ فعل معروف ہے تو فاعل تلاش کرو، فعل مجہول ہے تو نائب فاعل۔ اسی طرح جب بھی صفت کے صیغے آجائیں تو ان کے لیے بھی کیا تلاش کرو؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اگر اسم فاعل ہے تو اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اسم مفعول ہے تو اس کے لیے نائب فاعل چاہیے بھئی۔ اسی طرح صفت مشبہ كَرِيمٌ، اس کے اندر بھی هُوَ ضمیر ہوگی، اس کے لیے بھی فاعل چاہیے۔ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے بھئی۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا فعل کا فاعل اسم ظاہر بھی آسکتا ہے ضمیر بھی آسکتی ہے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی کیا ہے؟ فاعل اسم ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی۔

■ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ» کی تشریح

اب آپ مجھے بتایئے، ترکیب کیجیے: زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ۔ آرام سے: زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، آگے أَبُوهُ آرہا ہے۔ أَبُوهُ کے ساتھ ہا ضمیر جڑی ہوئی ہے، یہ آپس میں تو مضاف مضاف الیہ ہیں، لیکن مضاف أَبُو کا لفظ یہ اس وقت کون سی حالت میں ہے؟ منصوب ہے، مجرور ہے یا مرفوع ہے؟ مرفوع ہے! آپ کو اگر وہ سولہ قسمیں یاد ہوں معرب کی سولہ قسمیں، ان میں ایک اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے المتکلم، أَبٌ، أَخٌ وغیرہ پڑھا تھا یا نہیں؟ اس کا رفع کس سے آتا تھا؟ واؤ سے، فتحہ کس سے آتا تھا؟ الف سے، اور کسرہ کس سے آتا تھا؟ یا سے۔ تو رفع، نصب، جر: رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، اور جر یا کے ساتھ۔ تو یہاں پر أَبُو کے ساتھ کیا آیا؟ واؤ، معلوم ہوا یہ حالت رفعی میں ہے، مرفوع ہے۔ تو اس کو کس نے رفع دیا بھئی؟ خبر تو قَائِمٌ ہے، پھر اس کو کس نے رفع دیا؟ آپ کیا جواب دیں گے؟ ہاں یہ قَائِمٌ کے لیے فاعل ہے۔ قَائِمٌ کے لیے کیا چاہیے تھا؟ صفت کا صیغہ تھا نا، اس کے لیے فاعل چاہیے یا نہیں؟ اور اسم فاعل کا فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسم ظاہر بھی آسکتا ہے، تو یہاں یہ أَبُوهُ اسم ظاہر یہ فاعل ہے کس کا؟ قَائِمٌ کا۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر۔

ترجمہ کیسے کریں گے؟ قَائِمٌ أَبُوهُ، پہلے قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر تھی وہ کس کو لوٹ رہی تھی؟ زید کو، معلوم ہوا قائم کون ہے کھڑا کون ہے؟ زید ہے۔ اور اب ہے قَائِمٌ أَبُوهُ، اب کون قائم ہے؟ ہاں اس کا والد، قَائِمٌ أَبُوهُ۔ تو ترجمہ یوں ہوگا: زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، زید کہ کھڑا ہے اس کا والد، یعنی زید کے والد کھڑے ہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں پر دیکھو یہ أَبُوهُ کو رفع کس نے دیا؟ قَائِمٌ نے۔ تو اگر یہ أَبُوهُ نہ ہوتا تو فاعل تو ہمیں پھر بھی چاہیے تھا، پھر قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر نکالتے۔ لیکن اب آگے أَبُوهُ اسم ظاہر خود آگیا اور قَائِمٌ نے اس کو رفع دے دیا، جب اس کو رفع دے دیا اب قَائِمٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے بھئی، کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک چاہیے ہوتا ہے دو یا تین نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھئی، خلاصہ سبق یہ ہوا: آپ نے پڑھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اسم ظاہر صرف پہلے اور چوتھے صیغے میں آئے گا، پہلے اور چوتھے، اور پہلا اور چوتھا صیغہ تو مفرد کا ہے، معلوم ہوا فاعل یا نائب فاعل جب بھی اسم ظاہر ہوگا فعل ہمیشہ مفرد آئے گا۔ چاہے وہ اسم ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، ہمیں اس سے بحث نہیں، لیکن جب اسم ظاہر فاعل یا نائب فاعل ہوگا تو فعل ہمیشہ کیا ہوگا؟ مفرد۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔ آگے اسم ظاہر چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہے تو اسم ظاہر، اور جب اسم ظاہر فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے تو فعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مفرد ہوتا ہے بھئی۔ کیا ہوتا ہے؟ مفرد ہوتا ہے۔

اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ صفت کے صیغے بھی فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ اگر یہ فعل معروف سے بنے ہوں تو یہ فاعل کا تقاضا کریں گے، اگر فعل مجہول سے بنے ہوں تو یہ نائب فاعل کا تقاضا کریں گے۔ صفت کے صیغے میں نے آپ کو بتایا اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفت مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے، مبالغے کے صیغے ہیں وغیرہ بھئی۔ تو اسم فاعل یہ فعل معروف سے بنتا ہے لہٰذا اس کے لیے فاعل چاہیے، اور وہ اس کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اسم مفعول جو ہے وہ فعل مجہول سے بنتا ہے لہٰذا اس کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے، اور وہ اس کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ صفت مشبہ کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے بھئی۔ تو اسم فاعل کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، اسم مفعول کے لیے ہمیشہ نائب الفاعل چاہیے، اور صفت مشبہ کے لیے فاعل، اسی طرح اسم تفضیل کے لیے بھی فاعل چاہیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو صفت کے صیغے آپ ہمیشہ ترکیب کے بغیر گزر جاتے ہیں: زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ مبتدا قَائِمٌ خبر، حالانکہ یہ ترکیب پوری نہیں۔ آج آپ نے پڑھ لیا ترکیب پوری کیسے ہو گی: زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل اس کے اندر هُوَ ضمیر اس کا فاعل، پھر اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر کیا بنے گا؟ خبر بنے گا بھئی، پھر مبتدا

خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا صفت کے صیغے بالکل اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں، فعل اگر صرف فاعل یا نائب فاعل کو رفع دے رہا تھا تو یہ بھی فاعل یا نائب فاعل ہی کو رفع دیں گے، اور اگر وہ مفعول کو نصب بھی دے سکتا ہے تو یہ بھی مفعول کو نصب بھی دے سکتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۱: مبتدائے مکتفی بمرفوعہ (صفت بعد از نفی واستفہام) کی شرائط، تراکیب اور متعلقاتِ فعل

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۵ــــ بتاریخ: ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ وَمَحْكُومٌ بِهِ، وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَداً إِلَيْهِ كَالْفَاعِلِ وَنَائِبِهِ وَالْمُبْتَدَإِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ، وَيُسَمَّى الثَّانِي مُسْنَداً كَالْفِعْلِ وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہماری بحث چل رہی تھی وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ کے بارے میں اور بڑی طویل بحث چل رہی ہے نحوی، جس میں ترکیب کی ضروری باتیں میں نے آپ کے سامنے ذکر کیں کہ وہ باتیں آپ کے ذہن میں اچھی طرح حاضر ہوں گی تو یہ بات آپ کو سمجھ میں آئے گی۔ اب تک جو باتیں آپ نے پڑھیں ان کا خلاصہ یہ کہ آپ نے پڑھا کہ کلام کے اندر ایک مسند الیہ ہوتا ہے ایک مسند ہوتا ہے۔ مسند الیہ کا دوسرا نام محکوم علیہ ہے اور مسند کا دوسرا نام کیا ہے؟ محکوم بہ ہے بھئی۔ آسان لفظوں میں میں نے بتلایا تھا یوں کہیے جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہے مسند الیہ اور جو بات کی جائے وہ ہے مسند بھئی۔ اور پھر آپ نے یہ پڑھا کہ جملہ دو قسم پر ہے، ایک جملہ اسمیہ ہے ایک جملہ فعلیہ ہے۔ جملہ اسمیہ کے اندر جو مسند الیہ ہوتا ہے اس کو مبتدا کہتے ہیں اور جو مسند ہوتا ہے اس کو خبر کہتے ہیں۔ اور جملہ فعلیہ کے اندر جو مسند الیہ ہوتا ہے وہ کسے کہتے ہیں؟ فاعل یا نائب فاعل کو، اور فعل جو ہوتا ہے وہ مسند ہوتا ہے۔

پھر اس کے بعد میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے اور اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ لہٰذا عبارت میں جب بھی فعل آجائے تو سب سے پہلے اس کے فاعل یا نائب فاعل کو تلاش کیجیے بھئی۔ اگر وہ فعل معروف ہوگا تو اس کے لیے فاعل چاہیے اور اگر فعل مجہول ہوگا تو اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے۔ پھر آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اور بتلایا تھا اسم ظاہر یہ اسم ضمیر کے مقابلے میں ہے، تو جو بھی اسم ہے لیکن ضمیر نہیں وہ کیا ہے؟ اسم ظاہر ہے بھئی۔

تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، اب ضَرَبَ کے اندر ضمیر نہیں، کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ اس کے لیے اسم ظاہر ایک فاعل یا نائب فاعل آگے آرہا ہے، اور ایک فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے، دو یا تین کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا جب آگے اسم ظاہر فاعل آگیا، فعل نے اس کو رفع دے دیا۔ بھئی فعل نے دراصل رفع دینا ہے۔ ایک لفظ کو اس نے کیا کرنا ہے؟ رفع ضرور دینا ہے۔ فعل معروف ہو گا وہ ایک کو رفع دے گا اور جس کو رفع دے گا اس کو اس کا فاعل کہیں گے۔ فعل مجہول نے رفع ضرور دینا ہے اور وہ جس کو رفع دے گا اس کو اس کا نائب الفاعل کہیں گے۔ تو فعل جب بھی آئے گا کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، کیونکہ اس نے ایک کو رفع دینا ہے اور وہی فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی یہاں تک بھئی؟ تو فعل کے لیے ایک مرفوع اسم ضرور چاہیے چاہے وہ ضمیر کی صورت میں ہو چاہے اسم ظاہر کی صورت میں ہو۔

تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ پھر اس میں تھوڑی سی تفصیل میں نے بتلائی تھی کہ پہلا اور چوتھا صیغہ جو ہے یعنی واحد مذکر غائب کا اور واحد مؤنث غائب، یہ دو صیغے ایسے ہیں جن میں فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے۔ باقی جو بارہ صیغے ہیں ان میں فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ ضمیر ہو گی۔ اب بات اور آسان ہو گئی کیونکہ کلام میں جملے میں جب بھی فعل آئے آپ نے کیا تلاش کرنا ہے اس کے لیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ تو پہلے فوراً ہی اس میں غور کر لو یہ بارہ صیغوں میں سے ہے یا ان دو صیغوں

میں سے ہے۔ اگر بارہ صیغوں میں سے ہے تو آگے لفظوں میں غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اسی لفظ کے اندر یا اس کے ساتھ ضمیر لگی ہوئی ہو گی فاعل یا نائب فاعل کی۔ اگر کس میں سے ہوا؟ بارہ صیغوں میں سے، پھر آگے لفظوں میں غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن اگر وہ دو صیغوں میں سے ہوا، پہلا صیغہ ہوا یا چوتھا صیغہ، اس کا فاعل یا نائب فاعل وہ اس کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسم ظاہر بھی۔ یہ دو صیغے آجائیں تو پھر آپ اگلے لفظوں میں جملے کے غور کیجیے کہ کوئی اس کا فاعل یا نائب فاعل تو نہیں بن رہا۔ اگر بن رہا ہو تو ٹھیک، اس پر رفع آجائے گا۔ اگر آگے کوئی نہیں، فاعل یا نائب فاعل تو ہمیں ہر حال میں چاہیے، پھر کیا کرتے ہیں؟ اسی فعل کے اندر کیا نکال لیتے ہیں؟ ضمیر نکال لیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

معلوم ہوا صرف دو صیغے ایسے ہیں جن کا فاعل اسم ظاہر آ سکتا ہے اور کوئی صیغہ نہیں۔ پہلا اور چوتھا۔ اور یہ پہلا بھی مفرد کا صیغہ، واحد مذکر غائب، دیکھو واحد کا۔ اور چوتھا بھی کیا ہے؟ واحد مؤنث غائب، یہ بھی واحد کا صیغہ ہے، مفرد کا ہے۔ اور ان کے لیے فاعل اسم ظاہر آ سکتا ہے اور کسی کے لیے نہیں۔ معلوم ہوا انہی کے لیے اسم ظاہر آگے فاعل آئے گا اور وہ اسم ظاہر چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، جو بھی ہو ہے تو اسم ظاہر۔ اور جب اسم ظاہر ہے تو اس کے لیے فعل کون سا صرف ذکر ہو سکتا ہے؟ پہلا یا چوتھا، اور وہ تو دونوں مفرد کے ہیں۔ معلوم ہوا فاعل جب بھی اسم ظاہر ہو گا فعل ہمیشہ مفرد رہے گا کیونکہ یہ دونوں صیغے کس کے ہیں؟ مفرد کے ہیں۔ لہٰذا آپ کہتے ہیں قَامَ زَيْدٌ، فاعل کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ قَامَ کے اندر ضمیر ہے اب؟ نہیں۔ اگر زَيْدٌ نہ ہوتا تو پھر قَامَ میں کیا تھی؟ ضمیر تھی۔ اچھا میں زید کے بجائے فاعل الزَّيْدَانِ تثنیہ لاتا ہوں تو بھی قَامَ اسی طرح رہے گا، قَامَ الزَّيْدَانِ۔ اگر میں جمع لے آؤں قَامَ الزَّيْدُونَ، پھر بھی یہ اسی طرح مفرد رہے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسم ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، فعل ہمیشہ کیا رہے گا؟ مفرد رہے گا بھئی۔

اس کے بعد آپ کو یہ بتلایا تھا جیسے فعل عمل کرتا ہے اسی طرح ان سے بننے والے صفت کے صیغے بھی عمل کرتے ہیں۔ یعنی جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری، اس کے بغیر نہیں آسکتا فعل، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری۔ اگرچہ آج تک آپ نے کبھی ایسا ترکیب میں کیا نہیں، آپ کو بتایا نہیں گیا، لیکن اب آپ سمجھ گئے کہ ہمیشہ جب بھی صفت کا صیغہ آئے گا ہم نے اس کے لیے کیا تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ جیسے فعل کے لیے ہم فاعل یا نائب فاعل تلاش کرتے تھے، فعل کے آتے ہی باقی سب کام چھوڑ کر کس کو دیکھتے تھے؟ فاعل یا نائب فاعل، اسی طرح صفت کا صیغہ آئے تو سب سے پہلے اس کے لیے کیا تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل تلاش کرنا ہے۔ اگر آگے کوئی اسم ظاہر آرہا ہے اور اس کو یہ رفع دے رہے ہیں تو اس کو فاعل یا نائب فاعل بناؤ۔ اگر آگے کوئی اسم ظاہر نہیں تو اسی کے اندر کیا کرنا پڑے گی؟ ضمیر نکالنا پڑے گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اور فعل جیسے مفعول وغیرہ کو نصب دیتا تھا، یہ صفت کے صیغے بھی بالکل اپنے فعل جیسا عمل کریں گے، جس فعل سے بنے ہوں گے اسی جیسا عمل کریں گے۔ اگر فعل صرف فاعل کو رفع دیتا تھا، مفعول اس کے لیے آتا ہی نہیں تھا، تو اس سے جو صفت کا صیغہ بنا ہو گا وہ بھی صرف فاعل کو رفع دے گا، مفعول اس کے لیے نہیں آسکتا۔ اور اگر فعل فاعل کو رفع دیتا تھا اور آگے مفعول بھی چاہتا تھا، اس کو نصب بھی دیتا تھا، تو صفت کا صیغہ بھی بالکل اسی طرح عمل کرے گا، اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ ایک فاعل تو ایک مفعول چاہیے اس کے لیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور فعل میں آپ نے یہ پڑھا کہ وہ ضمیر کو بھی رفع دے سکتا ہے اسم ظاہر کو بھی۔ یہ بھی ضمیر کو بھی رفع دے سکتے ہیں صفت کے صیغے اور اسم ظاہر کو بھی رفع دے سکتے ہیں۔ اور فعل میں آپ نے پڑھا کہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل جب اسم ظاہر آجائے تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں، ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔ صفت کے صیغے میں بھی بالکل اسی طرح ہے، جب اس کا فاعل اسم ظاہر آئے گا تو صفت کا صیغہ ہمیشہ مفرد ہو گا، تثنیہ یا جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر صفت کا صیغہ تثنیہ یا جمع ہے تو پھر یہ آگے اسم ظاہر کو رفع نہیں دے سکتا بھئی۔ جیسے فعل کے آگے اگر اسم ظاہر آجائے تو فعل اگر مفرد ہے تو پھر ہو سکتا ہے یہ اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو، لیکن اگر فعل تثنیہ یا جمع ہے تو پھر یہ اسم ظاہر کو رفع نہیں دے سکتا، اسی کے اندر ضمیر ہو گی بھئی۔

■ قولہ: «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبَا» کی تشریح

لہٰذا آپ سے کوئی ترکیب پوچھے ضَرَبَا الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبَا تثنیہ کا صیغہ، الزَّيْدَانِ۔ کیا ترکیب ہو گی؟ شاباش، ضَرَبَا فعل بافاعل، اس کے اندر الف ضمیر فاعل کی بھئی۔ آپ نے الزَّيْدَانِ کو کیوں نہیں فاعل بنایا؟ کیونکہ فعل مفرد نہیں ہے، الزَّيْدَانِ تو جبھی فاعل یا نائب فاعل بنتا جب فعل کیا ہوتا؟ مفرد ہوتا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو ہمیشہ اسی طرح یاد رکھنا بھئی کہ فعل جب آگے اسم ظاہر کو آپ نے فاعل یا نائب فاعل بنانا ہے تو پہلے دیکھ لو فعل مفرد کا صیغہ ہے اور پہلے اور چوتھے صیغے میں سے کوئی ہے تو پھر اس کو آپ بنا سکتے ہیں اگلے اسم ظاہر کو فاعل یا نائب فاعل، ورنہ نہیں بنا سکتے۔ اور صفت کے صیغوں میں بھی اسی طرح، یہ بھی جب اسم ظاہر کو رفع دے رہے ہوں گے تو اس وقت کیا ہوں گے؟ مفرد۔ اور اگر یہ تثنیہ یا جمع ہیں تو پھر آگے اسم ظاہر کو رفع نہیں دے سکتے۔ لہٰذا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ، آپ سے کوئی ترکیب پوچھے، کیا ترکیب کریں گے؟ قَائِمَانِ صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُمَا ضمیر فاعل۔ آگے الزَّيْدَانِ کو کیوں نہیں فاعل بنایا؟ کیونکہ وہ اسم ظاہر ہے اور وہ اس کے لیے فاعل بننے کے لیے ضروری تھا یہ قَائِمَانِ نہ ہوتا، مفرد ہوتا، قَائِمٌ ہوتا۔ کیا ہوتا؟ قَائِمٌ ہوتا پھر تو یہ اس کے لیے نائب فاعل یا فاعل بن سکتا تھا لیکن اس وقت یہ تثنیہ ہے تو اس کے لیے وہ نہیں بن سکتا۔

پھر کیا کرتے ہیں؟ قَائِمَانِ صیغہ اسم فاعل، هُمَا ضمیر اس کے اندر فاعل جو راجع کس کو؟ زید کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، اور الزَّيْدَانِ

اس کے لیے مبتدا مؤخر۔ آپ کہیں گے قَائِمَانِ کے اندر هُمَا ضمیر آئی اور وہ ضمیر لوٹ رہی ہے الزَّيْدَانِ کی طرف تو مرجع مؤخر ہو گیا۔ مرجع کیا ہوا؟ مؤخر ہو گیا۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے بھئی کہ الزَّيْدَانِ لفظوں میں اگرچہ مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے، پہلے مبتدا آتا ہے پھر کون آتی ہے؟ خبر آتی ہے۔ تو قَائِمَانِ اگرچہ لفظوں میں مقدم لیکن رتبے کے اعتبار سے الزَّيْدَانِ سے مؤخر ہے، تو گویا اس وقت بھی الزَّيْدَانِ اس پر مقدم ہے۔ جب اس پر مقدم ہے تو هُمَا ضمیر لوٹانا صحیح ہے یا صحیح نہیں بھئی؟ صحیح ہے بھئی۔ تو یہ رتبتاً وہ مقدم ہے اس لیے یہ درست ہے بھئی۔

اور صفت کے صیغے کون کون سے ہیں بتلایا تھا میں نے، اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے۔ ایک ہوتا ہے فاعل ایک ہوتا ہے اسم فاعل، دونوں میں فرق یاد ہے بھئی؟ فاعل جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ فاعل کس کو کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا ہاں، پہلے میں نے کل بتایا تھا جس کو فعل رفع دے، اب میں بتا رہا ہوں جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ جی اب میں آپ کو بتا رہا ہوں جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے کیونکہ ابھی تک آپ کو پتہ نہیں تھا کہ صفت کا صیغہ بھی رفع دیتا ہے۔ اب آپ کو پتہ چل گیا کہ اس کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل، معلوم ہوا جیسے فعل رفع دے سکتا ہے صفت کا صیغہ بھی رفع دے سکتا ہے۔ تو فاعل وہ ہے جس کو فعل نے رفع دیا ہو یا جس کو صفت کے صیغے نے رفع دیا ہو، وہ ہے فاعل۔ اور اسم فاعل کیا ہے؟ وہ مخصوص وزن جو گردانوں میں آپ نے پڑھا ضَارِبٌ وغیرہ بھئی۔ اور ایک ہے اسم مفعول اور ایک ہے مفعول۔ مفعول وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ کیا کرے؟ نصب دے۔ اور اسم مفعول جو ہے وہ کس چیز کا نام ہے؟ وہ مخصوص وزن جو آپ نے گردانوں میں پڑھا مَضْرُوبٌ، مَمْنُوعٌ وغیرہ بھئی۔

اچھا توصفت کے صیغے کون کون سے ہیں؟ اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور مبالغے کے صیغے، یہ صفت کے صیغے ہیں۔ ان سب کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ کس کے لیے فاعل چاہیے کس کے لیے نائب فاعل میں نے بتایا تھا، اسم فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسم مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل۔ صفت مشبہ، كَرِيمٌ، شَرِيفٌ، حَسَنٌ وغیرہ، ان کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسم تفضیل کے لیے بھی فاعل چاہیے بھئی، اور مبالغے کے صیغے جو ہیں ان کے لیے بھی فاعل چاہیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہاں تک بات آپ کو سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟

اچھا اب ذرا کتاب پر نظر رکھیے بھئی۔ وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ، اور ہر جملے کے دو رکن ہوتے ہیں، مَحْكُومٌ عَلَيْهِ وَمَحْكُومٌ بِهِ، ایک محکوم علیہ ہوتا ہے اور دوسرا محکوم بہ۔ وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَداً إِلَيْهِ، اور پہلے کو، پہلے سے کون مراد ہے؟ محکوم علیہ بھئی، اس کو مُسْنَداً إِلَيْهِ، اس کو مسند الیہ کہتے ہیں۔ كَالْفَاعِلِ وَنَائِبِهِ، جیسے کہ فاعل ہے اور نائب الفاعل ہے۔ بھئی فاعل ابھی بتایا کیا بنتا ہے؟ مسند الیہ۔ نائب الفاعل کیا بنتا ہے؟ مسند الیہ۔ وَالْمُبْتَدَإِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ، اور وہ مبتدا جس کی خبر ہوتی ہے، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ کیا ہے؟ مبتدا۔ قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ تو دیکھو زَيْدٌ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر موجود ہے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ وَيُسَمَّى الثَّانِي مُسْنَداً، اور دوسرے رکن کو کیا کہتے ہیں؟ دوسرے رکن کو مسند کہتے ہیں۔ كَالْفِعْلِ جیسے فعل ہے۔ بھئی فاعل اور نائب فاعل وہ تو مسند الیہ تھے اور فعل چاہے معروف ہو یا مجہول وہ کیا ہوتا ہے؟ مسند ہوتا ہے۔ وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ، اور وہ مبتدا جو اکتفا کرنے والا ہے اپنے مرفوع پر۔

یہ بات اب رہ گئی بھئی، باقی سارا آپ کو سمجھ میں آگیا بھئی۔ بھئی دیکھیے یہ مبتدا کی قسم ثانی ہے۔ مبتدا کی قسم ثانی ہے۔ دیکھو یہ کس کی مثال ذکر کر رہے ہیں؟ دوسرے رکن کو کیا کہتے ہیں؟ مسند۔ مبتدا کی یہ قسم مسند ہوتی ہے۔ پہلی قسم تو مسند الیہ تھی۔ کیا تھی؟ مسند الیہ۔ یہ مبتدا کی قسم مسند ہوتی ہے بھئی، مسند الیہ نہیں ہوتی۔ اور اس کے لیے خبر نہیں آتی بھئی، تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر نہیں ہوتی بھئی۔ اور یہ کون سا مبتدا ہے؟ اس کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ صیغہ صفت کا ہو۔ پہلی شرط کیا؟ صیغہ صفت کا ہو۔ اور دوسری شرط حرف استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہو۔ بس بھئی ادھر توجہ کیجیے، نہ لکھیے بھئی ابھی، بس میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں وہ ان شاء اللہ آپ بعد میں اشارات لکھ لیجیے گا۔ مبتدا کی دوسری قسم مسند ہوتی ہے اور اس کی تین شرطیں علمائے نحو نے بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ صیغہ صفت کا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ صیغہ حرف استفہام یا حرف نفی کے بعد آئے۔ کس کے بعد آئے؟ حرف استفہام یا حرف نفی کے۔ پہلی شرط کیا، صیغہ کون سا ہو؟ صفت کا، مثلاً قَائِمٌ۔ قَائِمٌ صیغہ کون سا ہے؟ صفت کا ہے، اسم فاعل ہے۔ دوسری شرط حرف استفہام یا حرف نفی کے بعد آئے۔ حرف استفہام کے بعد مثلاً شروع میں ہمزہ استفہام لے آؤ، أَقَائِمٌ، یا حرف نفی لے آؤ، مَا قَائِمٌ۔ أَقَائِمٌ يامَا قَائِمٌ، یہ دوسری شرط۔ تیسری شرط اس صفت کے صیغے نے کسی اسم ظاہر کو رفع دیا ہو بھئی، کسی اسم ظاہر کو یہ رفع دے رہا ہو بھئی۔ کیا کر رہا ہو؟ کسی اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔ بس تین شرطیں ہیں، تو یہ مبتدا کی قسم ثانی بن جائے گی۔

پہلی شرط کیا، صیغہ کون سا ہو؟ صفت کا۔ دوسری شرط کہ کس کے بعد آئے؟ حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد آئے۔ تیسری شرط یہ کیا کر رہا ہو؟ اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو، کیونکہ آپ نے پڑھا صفت کے صیغے بھی کس کی طرح عمل کرتے ہیں؟ فعل کی طرح عمل کرتے ہیں۔ بس یہ تین شرطیں پوری ہوں گی تو یہ جو صفت کا صیغہ ہے یہ مبتدا کی قسم ثانی ہو گا۔ کیا ہو گا؟ مبتدا کی قسم ثانی ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ تین شرطیں یاد رہیں گی؟ ہاں، اب دیکھیے مثال سے اس کو سمجھتے ہیں۔

■ قولہ: «قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ» کی تشریح

سب سے پہلے دیکھو ابھی میں نے آپ کے سامنے ایک ترکیب ذکر کی تھی قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ۔ جی کیا ترکیب کی تھی؟ قَائِمَانِ صیغہ اسم فاعل۔ جی آگے الزَّيْدَانِ

اس کے لیے فاعل بنے گا؟ نہیں۔ کیوں نہیں بنے گا؟ ضمیر فاعل ہے۔ آپ کو کیسے پتہ چلا ضمیر ہے؟ شاباش، قَائِمَانِ اگر اس الزَّيْدَانِ کو رفع دے رہا ہوتا تو یہ قَائِمَانِ نہ ہوتا بلکہ قَائِمٌ ہوتا، مفرد کا صیغہ ہوتا۔ تو جب یہ تثنیہ آ گیا آپ کو پتہ چل گیا یہ اسم ظاہر کو رفع نہیں دے رہا۔ تو قَائِمَانِ کے اندر ہی هُمَا ضمیر آپ نے نکال لی، وہ اس کے لیے فاعل۔ قَائِمَانِ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم اور الزَّيْدَانِ کیا ہے؟ مبتدا مؤخر ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ دوسری ترکیب کیجیے، الزَّيْدَانِ قَائِمَانِ۔ کیا ترکیب کریں گے؟ الزَّيْدَانِ مبتدا، قَائِمَانِ صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُمَا ضمیر فاعل جو راجع کس کو؟ الزَّيْدَانِ کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ۔

دیکھا اس سے آپ کو اتنا پتہ چل گیا آپ کے پاس جب بھی دو اسم ہوں اور ان سے مل کر جملہ پورا ہو رہا ہو، تو جو نکرہ تھا اس کو آپ خبر بناتے ہیں اور جو معرفہ ہوتا ہے آپ اسے مبتدا بناتے ہیں، کیونکہ مبتدا میں اصل تھا وہ معرفہ ہو اور خبر میں اصل کیا ہے وہ نکرہ ہو۔ تو دیکھو قَائِمَانِ کو میں نے مقدم کیا، قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ۔ قَائِمَانِ نکرہ تھا، الف لام اس پر داخل ہے؟ نہیں۔ یہ اسم اشارہ ہے؟ نہیں۔ یہ اسم موصول ہے؟ نہیں۔ یہ مضاف ہو رہا ہے کسی اسم کی طرف؟ نہیں۔ تو معرفہ کی ساری قسموں کا آپ اس پر غور کریں یہ ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو یہ نکرہ ہے۔ اور الزَّيْدَانِ نکرہ ہے یا معرفہ ہے؟ معرفہ۔ تو الزَّيْدَانِ مؤخر تھا، قَائِمَانِ مقدم تھا، لیکن آپ نے نکرہ جو تھا اس کو خبر مقدم بنا دیا اور معرفہ کو کیا بنا دیا؟ مبتدا۔ میں نے دوسری صورت ذکر کی الزَّيْدَانِ قَائِمَانِ، اب بھی آپ نے الزَّيْدَانِ جو معرفہ تھا اس کو مبتدا بنایا اور قَائِمَانِ جو نکرہ تھا اس کو کیا بنایا؟ خبر بنایا۔ معلوم ہوا آپ کے پاس جب بھی کوئی کلام آپ کے سامنے آئے اور دو لفظوں سے مل کر بن رہا ہے اور ایک ان میں سے معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، جملہ اسمیہ ہے، تو آپ کیا کرتے ہیں ہمیشہ؟ معرفہ کو مبتدا بناتے ہیں اور نکرہ کو کیا بناتے ہیں؟ خبر بناتے ہیں بھئی۔

اب یہ دو تین جملے ذرا اپنے سامنے لکھیے بھئی۔ الف لکھیے اور اس پر ہمزہ لکھیے، یہ ہمزہ استفہام ہے۔ آگے قَائِمُونَ لکھیے اس کے ساتھ۔ کیا بن گیا؟ أَقَائِمُونَ، شروع میں ہمزہ استفہام ہے، أَقَائِمُونَ۔ آگے لکھیے الزَّيْدُونَ۔ لکھ لیا بھئی؟ اچھا اب اس کی ذرا ترکیب کیجیے بھئی۔ بس باقی وہی ترکیب ہو گی، شروع میں صرف کیا ہے ہمزہ استفہام ہے، اور استفہام آپ نے پڑھا جملہ وہ خبر یہ نہیں ہوتا بلکہ انشاء کی قسم ہے۔ کس کی قسم ہے؟ انشاء کی۔ باقی وہی ترکیب، صرف اس میں اتنا بتا دینا کہ شروع میں کیا ہے ہمزہ استفہام، اور آخر میں یہ کہہ دینا جملہ خبر یہ نہیں بلکہ جملہ انشائیہ بن گیا بھئی۔ جی اب ترکیب کیجیے۔ ہمزہ استفہام، قَائِمُونَ صیغہ اسم فاعل، الزَّيْدُونَ اس کے لیے فاعل؟ جی، کیوں نہیں بناتے اس کو فاعل اس قَائِمُونَ کے لیے؟ جمع کا صیغہ ہے تو پھر؟ شاباش، دیکھا یہ بات میں آپ کو سمجھانا چاہتا تھا، ماشاء اللہ آپ سب کے ذہنوں میں آ گئی ہے بات۔ یہ الزَّيْدُونَ قَائِمُونَ کے لیے فاعل نہیں بن سکتا۔ کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ قَائِمُونَ جمع کا صیغہ ہے۔ اگر یہ الزَّيْدُونَ کو آپ فاعل بناتے ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ اس کو رفع دے رہا ہے، اور وہ رفع تبھی دیتا جب وہ کیا ہوتا؟ مفرد ہوتا، وہ تو مفرد نہیں۔ لہٰذا اب اسی کے اندر معلوم ہوا قَائِمُونَ کے اندر هُمْ ضمیر ہے جو اس کا کیا ہے؟ فاعل ہے۔ اور وہ هُمْ ضمیر راجع ہے الزَّيْدُونَ کو۔ تو قَائِمُونَ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، اور الزَّيْدُونَ کیا ہے؟ مبتدا مؤخر۔ مبتدا اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھئی اچھی طرح؟

اب دیکھیے یہاں وہ شرطیں پوری ہیں یا نہیں۔ کیا شرطیں تھیں؟ صیغہ صفت۔ اچھا یہ یاد رکھنا جو میں نے کہا نا صیغہ صفت کا ہو اور رفع دے رہا ہو کس کو؟ اسم ظاہر کو۔ یہ جو مبتدا کی قسم ثانی ہے اس میں ہر صفت مراد نہیں ہے، صفت سے مراد صرف چار چیزیں ہیں۔ صفت کے صیغے تو میں نے کئی آپ کو بتا دیے لیکن ان میں سے چار مراد ہیں۔ نمبر ایک اسم فاعل، نمبر دو اسم مفعول، نمبر تین صفت مشبہ، یہ تین اور ایک اسم منسوب مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ منسوب سین کے ساتھ، اسم منسوب۔ یہ نئی چیز آ گئی۔ یاد رکھیے یہ اسم منسوب بھی صفت کا صیغہ ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ صفت کا۔ بھئی یہ کہتے کس کو ہیں؟ آسان سی بات ہے بھئی۔ آپ بھی پڑھتے ہیں، لاہور شہر کا نام ہے، اب آپ اس کے ساتھ یائے مشدد ملاتے ہیں اور کہتے ہیں لَاهُورِيٌّ۔ لَاهُورِيٌّ کا کیا معنی؟ لاہور والا۔ پاکستان، اس کے ساتھ یائے مشدد ملاتے ہیں، کیا معنی پاکستانی کا؟ پاکستان والا۔ تو بس یاد رکھو جس اسم کے ساتھ یہ یا نسبت والی ملالی جائے اس کو کہتے ہیں اسم منسوب، اس کی نسبت کی گئی ہے۔ لاہور والا لاہور کی طرف منسوب ہے، پاکستان کی طرف یہ منسوب ہے، تو اس کی نسبت کی گئی ہے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسم منسوب۔ تو لَاهُورِيٌّ کیا ہے؟ اسم منسوب ہے۔ پاکستانی کیا ہے؟ یہ اسم منسوب۔ اور منسوب کون سا وزن ہے؟ مفعول وزن ہے، اور اسم مفعول کے لیے کیا چاہیے ہوتی ہے؟ نائب فاعل۔ ہاں تو یہ اسم مفعول کی طرح اور اس کے لیے نائب فاعل چاہیے ہوتا تھا تو اس کے لیے بھی نائب الفاعل چاہیے۔ تو ہمیشہ لَاهُورِيٌّ آ جائے تو آپ سمجھ جائیں اس کے اندر ایک ضمیر ہے جو اس کا نائب الفاعل ہے۔ پاکستانی آ جائے تو آپ سمجھ گئے یہ اسم منسوب ہے اور اسم منسوب کے لیے تو کیا چاہیے ہوتا ہے؟ نائب الفاعل، تو وہ اسی کے اندر عموماً کیا ہو گی؟ ضمیر چھپی ہوئی، جیسے صفت کے صیغوں میں ہوتا تھا اسی طرح بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو بعض اس کی تاویل مُنْتَسِبٌ اسم فاعل بناتے ہیں لیکن زیادہ رائج اور شائع اور آسان یہ ہے کہ اس کو اسم منسوب کہا جائے اور اس کے اندر نائب الفاعل کی ضمیر نکالی جائے۔

تو یہاں جو انہوں نے کہا، تین شرطیں ذکر کیں مبتدا کی قسم ثانی کے اندر، صیغہ صفت کا ہو، حرف استفہام یا حرف نفی کے بعد ہو اور اس نے کسی اسم ظاہر کو کیا کیا ہو؟ رفع بھی دیا ہو۔ تو انہوں نے جو کہا صیغہ صفت کا ہو پہلی شرط ذکر کی، اس سے صفت کے سارے صیغے مراد ہیں یا صرف چار مراد ہیں؟ چار صیغے مراد ہیں۔ نمبر ایک اسم فاعل، نمبر دو اسم مفعول، نمبر تین صفت مشبہ، نمبر چار اسم منسوب بھئی۔ یہ چار میں سے کوئی ایک ہونا چاہیے، ان کے علاوہ نہیں ہونا چاہیے بھئی۔

تو دیکھیے یہ جو آپ نے جملہ لکھا أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ، دیکھیے اس کے اندر وہ ساری شرطیں پوری ہیں یا نہیں۔ پہلی شرط صیغہ صفت کا ہو، قَائِمُونَ صفت کا صیغہ آیا یا نہیں آیا بھئی؟ آ گیا۔ دوسری شرط حرف استفہام یا حرف نفی کے بعد ہو، وہ شرط بھی پوری ہے یا نہیں؟ وہ بھی شرط پوری ہے۔ تیسری شرط اس نے اسم ظاہر کو رفع دیا ہو، یہ

شرط پوری ہے یہاں پر آپ غور کریں؟ جی؟ نہیں، یہ شرط پوری نہیں ہے، یہ اسم ظاہر کو رفع نہیں دے رہا، معلوم ہوا یہ مراد نہیں ہے۔ اس جملے میں آپ نے کس کو خبر بنایا؟ قَائِمُونَ کو، اور کس کو مبتدا بنایا؟ الزَّيْدُونَ کو بھئی۔ تو گویا الزَّيْدُونَ پر قَائِمُونَ کا حکم لگاتے ہوئے سوال کیا جارہا ہے۔ تو لہٰذا یہ وہ پہلی قسم ہی ہے، الزَّيْدُونَ ہے مبتدا اور قَائِمُونَ اس کی خبر مقدم ہے، تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر موجود ہے۔ یہ تو وہ پہلی قسم ہوا، اس کی تو ہم بات نہیں کر رہے بھئی، دوسری قسم کی بات کر رہے ہیں۔

■ قولہ: «أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ» کی تشریح

لہٰذا ایک دوسری مثال اپنے سامنے اب لکھو بھئی۔ ہمزہ اسی طرح ڈالنا ہے، أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ۔ اب اس میں ذرا ترکیب کریں گے بھئی ہم۔ ہمزہ استفہام۔ دیکھیے آپ کے سامنے دو اسم ہیں، قَائِمٌ ہے نکرہ، الزَّيْدُونَ کیا ہے؟ معرفہ۔ آپ ہمیشہ کیا کرتے ہیں جو نکرہ ہوتا ہے اس کو خبر بناتے ہیں اور جو معرفہ ہوتا ہے اس کو مبتدا بناتے ہیں۔ اس طرح کے جب جملے آئے نحویوں نے کوشش کی تو بات بنی نہیں۔ قَائِمٌ کو خبر بنانے کی کوشش کی، الزَّيْدُونَ کو مبتدا بنانے کی کوشش کی، جیسے ابھی پچھلے جملے میں تھا قَائِمُونَ کو آپ نے کیا بنایا تھا؟ خبر مقدم، اور الزَّيْدُونَ کو کیا بنایا تھا؟ مبتدا۔ یہاں بھی نحویوں نے اسی طرح کوشش کی کہ قَائِمٌ کو خبر مقدم بنادیں، الزَّيْدُونَ کو مبتدا مؤخر بنادیں، لیکن بات بنتی نہیں تھی۔ مجبور ہو کر نحویوں کو ایک اور مبتدا کی قسم بنانا پڑی، بتانا پڑی کہ مبتدا کی ایک اور قسم بھی ہے اور وہ یہ والی ہے جو اب آپ کے سامنے مثال آئی۔

دیکھیے شرطیں پوری ہیں یا نہیں، سب سے پہلے ترکیب کرتے ہیں۔ ہمزہ استفہام، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل۔ پہلے پرانی ترکیب ذرا کریں کہ جب دو اسم ہوں ایک معرفہ ہو ایک نکرہ ہو تو کس کو مبتدا بناتے ہیں؟ معرفہ کو، اور کس کو خبر بناتے ہیں؟ نکرہ کو۔ ہم ذرا پہلے وہ کوشش کرتے ہیں کہ بنتے ہیں یا نہیں بنتے۔ قَائِمٌ نکرہ ہے تو اس کو خبر مقدم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ ضمیر ہم نے نکال لی اور وہ هُوَ ضمیر راجع کس کو؟ الزَّيْدُونَ کو، اور اس کو ہم بنانا چاہتے ہیں مبتدا مؤخر۔ لیکن مسئلہ اب یہ پیش آیا کہ قَائِمٌ کے اندر ضمیر ہے هُوَ مفرد کی، اور آگے مرجع الزَّيْدُونَ وہ تو جمع ہے، وہ ضمیر تو الزَّيْدُونَ کو راجع ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے لیے تو ہمیں هُمْ ضمیر چاہیے۔ کون سی چاہیے؟ هُمْ ضمیر چاہیے یا نہیں چاہیے؟ ضمیر اور مرجع میں کیا ہوتی ہے؟ مطابقت۔ تو یہاں هُوَ ضمیر ہے اور ادھر مرجع جمع مذکر ہے تو ہمیں هُمْ چاہیے، لیکن هُمْ یہاں آ نہیں سکتی کیونکہ صیغہ کون سا ہے؟ مفرد کا ہے، تو مفرد کے صیغے میں تو مفرد کی ضمیر ہو سکتی ہے جمع کی ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا مجبور ہوئے، یہ خبر مقدم بن ہی نہیں سکتی۔ ہُمْ ہوتی تو بات بن جاتی، اس کو خبر مقدم بناتے اور الزَّيْدُونَ کو کیا بناتے؟ مبتدا مؤخر بنالیتے۔

تو پھر اب کیا کہنا پڑا کہ قَائِمٌ هُوَ کو رفع نہیں دے رہا بلکہ کس کو رفع دے رہا ہے؟ الزَّيْدُونَ کو۔ کس کو؟ الزَّيْدُونَ کو۔ تو ترکیب دوبارہ سنیں، ہمزہ استفہام، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، الزَّيْدُونَ مرفوع لفظاً اس کا فاعل ہے بھئی۔ اور قَائِمٌ الزَّيْدُونَ کو رفع دے سکتا ہے یا نہیں دے سکتا؟ دے سکتا ہے۔ کس طرح آپ کو پتہ چلا؟ ہاں شاباش، جب اسم ظاہر فاعل آئے تو صفت کا صیغہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مفرد، اور یہاں پر بھی قَائِمٌ مفرد ہے، معلوم ہوا یہ رفع دے رہا ہے الزَّيْدُونَ کو۔ کیا کر رہا ہے؟ رفع دے رہا ہے۔ تو الزَّيْدُونَ اس کے لیے فاعل ہوا۔ آگے کوئی لفظ ہے؟ الزَّيْدُونَ کے بعد کوئی لفظ ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ تو یہ الزَّيْدُونَ تو اس کے لیے فاعل بن گیا۔ تو یہ قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر، یہ تو اپنے فاعل سے مل کر جملہ نہیں بنتا۔ لیکن یہاں مجبور ہوئے یہ کہنے پر نحوی کہ الزَّيْدُونَ یہ قَائِمٌ کے لیے کیا ہے؟ فاعل، اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ قَائِمٌ رفع دے رہا ہے بھئی۔

بھئی مبتدا خبر کے اندر عامل کیا ہوتا ہے، رفع کون دیتا ہے؟ آپ نے کافیہ وغیرہ میں پڑھا ہوگا، بھئی مبتدا کے اندر عامل معنوی ہوتا ہے، لفظوں میں نہیں ہوتا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کو تو ضَرَبَ رفع دے رہا ہے، اور ضَرَبَ لفظ ہے یا نہیں؟ لفظ ہے، آپ اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ تو یہاں پر زید فاعل ہے اور ضَرَبَ اس کے لیے عامل ہے، تو یہ معلوم ہوا مبتدا نہیں کیونکہ مبتدا میں تو عامل کون ہوتا ہے؟ معنوی ہوتا ہے، لفظوں میں کوئی نہیں ہوتا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ یہاں عامل معنوی ہے بھئی، یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ قَائِمٌ کے اندر عامل کون؟ وہ خبر ہے، اس کے اندر بھی عامل معنوی ہے بھئی۔ تو مبتدا کی تعریف ذرا کریں آپ کو پوری بات سمجھ میں آئے گی۔ مبتدا کی تعریف نحوی کیا کرتے ہیں؟ وہ اسم جس پر کوئی حکم لگایا گیا ہو۔ زید پر حکم لگا رہے ہیں یا نہیں؟ اس پر قیام کا حکم۔ تو مبتدا وہ ہے جس پر حکم لگایا گیا ہو، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو جس کی طرف اسناد کیا گیا ہو، اور وہ عامل لفظی سے خالی ہو۔ یہ ہے مبتدا کی تعریف۔ مبتدا کسے کہتے ہیں؟ جو مسند الیہ بن رہا ہو اور عامل لفظی سے خالی ہو۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کے اندر یہ زَيْدٌ اس تعریف پر پورا اترتا ہے۔ زَيْدٌ کی طرف کس چیز کا اسناد کیا گیا؟ قَائِمٌ کا۔ اور زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ لفظوں کے اندر کوئی چیز نہیں جو زید کو رفع دے رہی ہو۔ ضَرَبَ زَيْدٌ جملہ فعلیہ کے اندر تو ضَرَبَ رفع دے رہا تھا، لیکن یہاں کوئی ایسا لفظ ہے؟ یہاں کوئی ایسا لفظ ہی نہیں، تو یہاں عامل معنوی ہے، معنی کے اعتبار سے ہے، لفظوں میں یہاں کوئی عامل نہیں۔ تو مبتدا کسے کہتے ہیں؟ جو مسند الیہ ہوتا ہے اور عامل لفظی سے خالی ہوتا ہے۔

یہاں پر اب دیکھیے أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ، یہ جو جملہ میں نے لکھوایا، اس کے اندر الزَّيْدُونَ اس کو رفع کس نے دیا؟ قَائِمٌ نے، تو یہ مبتدا نہیں بن سکتا کیونکہ مبتدا میں تو کوئی عامل لفظی نہیں ہوتا، یہاں تو عامل لفظی قَائِمٌ وہ رفع دے رہا ہے۔ تو مجبور ہوئے نحوی یہ کہنے پر کہ یہاں مبتدا کی ایک اور قسم ثانی ان کو بنانا پڑی اور وہ انہوں نے قَائِمٌ کو بنایا۔ کس کو بنایا؟ قَائِمٌ کو۔ بھئی الزَّيْدُونَ کو نہیں مبتدا بنا سکتے، وہ تو قَائِمٌ کے لیے فاعل ہے، اس کو تو قَائِمٌ رفع دے رہا ہے۔ تو یہ قَائِمٌ کے لیے فاعل ہوا اور یہ قائم مقام خبر کے ہے الزَّيْدُونَ۔ توجہ ہے بھئی ادھر؟ یہ الزَّيْدُونَ کس کے قائم مقام ہے؟ خبر کے قائم مقام ہے، خبر نہیں کیونکہ خبر تو یہ ہے ہی نہیں اصل میں تو یہ فاعل ہے لیکن اس کا قائم مقام ہے، اس جیسا کام کر رہا ہے یہ یہاں پر۔ تو اصل میں یہاں پر ہے مبتدا قَائِمٌ بھئی۔ اور یہ الزَّيْدُونَ اس کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے، ہاں البتہ خبر

کے قائم مقام ہے، خبر جیسا کام کر رہا ہے، اس سے بات پوری ہو رہی ہے۔

صفت کا صیغہ تو اپنے فاعل سے ملتا ہے بات پوری ہوتی ہے؟ صرف قَائِمٌ میں کہوں جملہ پورا ہوا؟ قَائِمٌ اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنتا تھا یا شبہ جملہ بنتا تھا؟ شبہ جملہ بنتا ہے، وہ مفرد ہوتا ہے وہ جملہ نہیں ہوتا، اس میں بات پوری نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں پر بات پوری ہے، أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ، کیا وہ سب زید کھڑے ہیں؟ بات پوری ہے بھئی، پورا جملہ ہے۔ لیکن دیکھا جائے تو قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل رہا ہے تو اس کو مفرد ہونا چاہیے تھا، لیکن بات پھر بھی پوری ہے یہاں پر، تو کہنا پڑا کہ یہ الزَّيْدُونَ اس کو رفع تو قَائِمٌ نے دیا، یہ خبر تو نہیں یا یہ مبتدا تو نہیں لیکن یہ خبر کے قائم مقام ہے۔ کس کے قائم مقام ہے؟ خبر کے قائم مقام ہے بھئی۔ اصل میں تو کیا ہے؟ فاعل ہے لیکن کس کے قائم مقام ہے؟ خبر کے قائم مقام ہے، خبر جیسا کام کر رہا ہے، بات پوری ہو رہی ہے اس کی وجہ سے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو لہذا یہاں اب دیکھیے، پہلے ترکیب تو پوری کریں، تو قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ ہوا مبتدا، اور الزَّيْدُونَ وہی اس کے قائم مقام خبر کے ہے بھئی، بس یہ ترکیب۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟ قَائِمٌ کو کیا بنایا؟ مبتدا۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں۔ الزَّيْدُونَ اس کی خبر نہیں ہے، ویسے ہم کہہ رہے ہیں خبر کے قائم مقام ہے، دراصل تو الزَّيْدُونَ خود اسی کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے بھئی۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے یہ قَائِمٌ جس کی خبر کوئی نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ الزَّيْدُونَ یہ دراصل اس کی خبر نہیں ہے، ہاں خبر کے ہم نے قائم مقام کہہ دیا بھئی کیونکہ خبر تو چاہیے ہوتی ہے لیکن حقیقت میں یہ خبر نہیں اس کی۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر نہیں ہے بھئی۔

اب وہ شرطیں دیکھیے ساری شرطیں یہاں پوری ہیں یا نہیں۔ پہلی شرط کیا تھی مبتدا کی قسم ثانی کے اندر؟ صیغہ صفت کا ہو۔ یہ قَائِمٌ صیغہ صفت کا ہے یا نہیں؟ ہے، بات کس کی کر رہے ہیں مبتدا کی یا خبر کی؟ مبتدا کی قسم ثانی، تو یہ قَائِمٌ صیغہ صفت کا ہے۔ دوسری شرط حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد ہو، وہ شرط پوری ہو رہی ہے یا نہیں بھئی؟ وہ بھی شرط پوری ہے، ہمزہ استفہام کے بعد آرہا ہے۔ تیسری شرط وہ اسم ظاہر کو رفع بھی دے، وہ شرط پوری ہے یا پوری نہیں؟ جی؟ وہ شرط بھی پوری، الزَّيْدُونَ کو کون رفع دے رہا ہے؟ قَائِمٌ رفع دے رہا ہے۔ تو تینوں شرطیں پوری، تو لہذا یہ جو صفت کا صیغہ ہے قَائِمٌ یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے یہ ایسا مبتدا ہے جس نے اکتفا کر لیا ہے اپنے مرفوع پر۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ یہ ایسا مبتدا ہے جس نے اکتفا کر لیا ہے اپنے مرفوع پر، یعنی اس کی خبر ہے ہی نہیں۔ الزَّيْدُونَ اس کو رفع کس نے دیا تھا؟ قَائِمٌ نے، تو یہ اسی کا مرفوع ہے، اسی کا رفع دیا ہوا ہے۔ تو یہ مبتدا ہے قَائِمٌ ایسا جو کس پر اکتفا کر رہا ہے؟ اپنے مرفوع پر اکتفا کر رہا ہے، یعنی اس کی خبر کوئی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی یا نہیں آئی سب کو؟ یہ ایسا مبتدا ہے جس نے کس پر اکتفا کر لیا ہے؟ اپنے مرفوع پر۔ اپنے مرفوع سے کیا مراد ہے؟ جس کو اس نے رفع دیا ہے بھئی۔ توجہ ہے بھئی سبق کی طرف؟ جس کو اس نے رفع دیا ہے بھئی۔

■ قولہ: «وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ» کی تشریح

یہاں تک سب کو بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کتاب میں دیکھیے، وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ، اور وہ مبتدا جو اکتفا کرنے والا ہے اپنے مرفوع پر۔ یہ دوسری قسم ہے مبتدا کی بھئی۔ اور یہ مسند ہے یا مسند الیہ ہے ذرا غور کریں جملے پر أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ؟ مسند ہے، کیا ہے؟ مسند ہے۔ مسند الیہ تو الزَّيْدُونَ ہے بھئی۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ کو آپ کیا کہتے تھے؟ مسند، اور جس کو رفع دیتا تھا وہ کیا ہوتا تھا؟ مسند الیہ۔ تو دیکھیے یہاں آپ قَائِمٌ پر زَيْدُونَ کا حکم نہیں لگا رہے بلکہ الزَّيْدُونَ پر کس چیز کا حکم لگا رہے ہیں؟ قیام کا حکم لگا رہے ہیں کہ وہ زید کھڑے ہیں، اس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ تو یہ مبتدا کی پہلی قسم تو تھی مسند الیہ اور یہ دوسری قسم کیا ہے؟ مسند ہے کیونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے نا اور صفت کا صیغہ کیا کرتا ہے، اس کا اسناد کیا جاتا ہے، یہ مسند ہوتا ہے۔ تو مبتدا کی یہ قسم مسند ہے، پہلی قسم مسند الیہ تھی یہ دوسری قسم کیا ہے؟ مسند ہے بھئی۔ اسی لیے مبتدا کی قسم اول کو مسند الیہ کی مثالوں میں ذکر کیا، وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَداً إِلَيْهِ، اور اس میں کہا تھا وَالْمُبْتَدَإِ الَّذِي لَهُ خَبَرٌ کیونکہ مبتدا کی وہ قسم کیا ہوتی ہے؟ مسند الیہ۔ اور یہ دوسری قسم کو وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ اس کو مسند کی مثالوں میں ذکر کیا، کیا کہا اس سے پیچھے؟ وَيُسَمَّى الثَّانِي مُسْنَداً كَالْفِعْلِ وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا مبتدا کی قسم اول کیا ہوتی ہے؟ مسند الیہ، اور مبتدا کی قسم ثانی کیا ہوتی ہے؟ مسند کیونکہ وہ صفت کا صیغہ ہے بھئی، اور اس کی تین شرطیں ہیں، وہ حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو، صیغہ صفت کا ہو اور اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔

لہذا ایک اور ترکیب اپنے سامنے لکھیے بھئی۔ أَقَائِمٌ زَيْدٌ، ہمزہ استفہام شروع میں اور پھر قَائِمٌ، أَقَائِمٌ زَيْدٌ۔ لکھ لیا بھئی؟ جی ترکیب کرتے ہیں توجہ رکھنا بھئی ذرا۔ ہمزہ استفہام، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ جی آگے ہاں یہ کہہ رہے ہیں زَيْدٌ اس کا فاعل، وہ کہہ رہے ہیں اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے، دونوں ترکیبیں کر کے دیکھتے ہیں۔ قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر اس کا فاعل اور وہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ راجع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ هُوَ بھی مفرد مذکر، زید بھی کیا؟ مفرد، ضمیر مرجع میں مطابقت، لہذا یہ اس کو راجع ہو سکتی ہے۔ تو قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم اور زَيْدٌ کیا ہے؟ مبتدا مؤخر۔ مبتدا مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ ترکیب صحیح ہوئی یا نہیں ہوئی؟ ترکیب صحیح ہو گئی۔

آپ نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فاعل بنایا، ذرا وہ ترکیب کر کے دیکھتے ہیں۔ ہمزہ استفہام، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ تو اسم ظاہر فاعل آگیا۔ اور اسم ظاہر فاعل کب بن سکتا ہے جب صفت کا صیغہ کیا ہو؟ مفرد ہو۔ تو قَائِمٌ مفرد ہے یا نہیں؟ مفرد ہے۔ تو لہذا یہ زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہوا اور یہ قائم مقام کس کے؟ خبر

کے ہوا۔ تو اب دیکھیے یہاں وہ تینوں شرطیں پوری ہیں۔ یہ مبتدا کی قسم ثانی بن رہا ہے اس صورت میں۔ پہلی جو میں نے ترکیب کی اس میں یہ زَيْدٌ مبتدا تھا اور وہ مبتدا کی قسم اول تھا، اور یہ جو دوسری ترکیب کی جس میں زَيْدٌ کو فاعل بنادیا اس میں قَائِمٌ کیا ہے؟ مبتدا کی قسم ثانی۔ ذرا اس کی شرطیں بھی دیکھ لو، کس کے بعد آیا؟ حرف استفہام کے بعد آیا۔ دوسری شرط صیغہ کون سا ہو؟ صفت، وہ بھی پوری۔ تیسری شرط اسم ظاہر کو رفع دے، وہ شرط بھی پوری۔ معلوم ہوا یہاں دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ آپ چاہیں تو قَائِمٌ کو خبر بنائیں اور زَيْدٌ کو مبتدا مؤخر یعنی مبتدا کی قسم اول بنادیں، اور آپ چاہیں تو کیا کر دیں؟ قَائِمٌ کو مبتدا کی قسم ثانی بنادیں، أَيِ الْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ، وہ مبتدا جو کس پر اکتفا کرنے والا ہے؟ اپنے مرفوع پر، یعنی جس کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

تو دیکھا یہ وہ طویل بحث تھی، میں نے آغاز میں بتایا تھا کہ عام طور پر مبتدا کے لیے خبر آتی ہے لیکن ایک مبتدا کی قسم وہ ہے جس کے لیے خبر نہیں آتی، تو یہ ایسا مبتدا ہے کیونکہ آگے جو اسم ظاہر ہوتا ہے اس کو تو اس اسم نے رفع دیا ہے، وہ تو اس کی خبر نہیں بن سکتا بھئی، وہ تو اسی کا مرفوع ہے، اسی کا فاعل ہے یا نائب فاعل ہوگا جو بھی صیغہ ہو اس کے مطابق بھئی۔ تو وہ خبر نہیں، تو یہ ایسا مبتدا جس کی خبر کوئی نہیں بھئی۔ اچھی طرح سب کو بات سمجھ میں آئی؟ یہ الْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ پر اتنی لمبی تقریر کرنا پڑی۔ یہ ترکیب کی جو باتیں میں نے بتادیں ان کو یاد رکھنا یہ جگہ جگہ آپ کو کام دیں گی، خصوصاً یہ کہ فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فعل یا صفت کا صیغہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مفرد ہوتا ہے۔ تثنیہ یا جمع فعل آجائے تو پھر آگے اسم ظاہر اس کا فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا۔ اور یہ بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ ہم نے فاعل یا نائب فاعل کو تلاش کرنا ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۲: الکلام علی الخبر: جملہ فعلیہ کا افادۂ حدوث و تجدد اور استمرارِ تجددی کی تحقیق

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۵ ــــ بتاریخ: ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْكَلَامُ عَلَى الْخَبَرِ. الْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوِ اسْمِيَّةً. فَالْأُولَى مَوْضُوعَةٌ لِإِفَادَةِ الْحُدُوثِ فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ مَعَ الِاخْتِصَارِ، وَقَدْ تُفِيدُ الِاسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِيَّ بِالْقَرَائِنِ إِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعاً، كَقَوْلِ طَرِيفٍ: أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

الْكَلَامُ عَلَى الْخَبَرِ، خبر پر کلام، یعنی خبر کے بارے میں کلام بھئی۔ آپ نے پڑھا تھا کہ علم معانی جو ہے وہ آٹھ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے اور پھر اس کے بعد پہلا باب شروع ہوا تھا خبر اور انشاء کے بارے میں۔ سب سے پہلے چند باتیں خبر اور انشاء دونوں کے بارے میں انہوں نے بتائیں، اب اس کے بعد خبر کو علیحدہ ذکر کر رہے ہیں اور اس کے بعد انشاء کو علیحدہ ذکر کریں گے بھئی۔ تو سب سے پہلے خبر کے بارے میں بتلا رہے ہیں الْكَلَامُ عَلَى الْخَبَرِ، خبر پر کلام، یعنی خبر کے بارے میں کلام۔ الْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوِ اسْمِيَّةً، خبر یا تو وہ جملہ فعلیہ ہو گی یا جملہ اسمیہ۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ جملہ دو قسم پر ہے، ایک جملہ فعلیہ ہے اور ایک جملہ اسمیہ۔ جملہ فعلیہ وہ ہے جس کے اندر مسند فعل ہوتا ہے اور مسند الیہ اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل آتا ہے بھئی۔ اور جملہ اسمیہ جس کے اندر ایک مبتدا ہوتا ہے اور ایک اس کی خبر ہوتی ہے بھئی۔

یاد رکھیے یہ جو جملہ فعلیہ ہے اس کو وضع کیا گیا ہے حدوث کے لیے۔ یہ کون سا معنی ادا کرتا ہے؟ حدوث والا معنی ادا کرتا ہے۔ حدوث کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز اس کا پہلے وجود نہ ہو اور پھر اس کا وجود پایا جائے تو اس کو کہتے ہیں حدوث بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ حدوث کہتے ہیں۔ دیکھیے مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ تو دیکھو یہ پٹائی زمانہ ماضی میں ہوئی لیکن اس زمانے میں جس میں یہ پٹائی ہوئی اس سے پچھلے زمانے کے اندر وہ پٹائی نہیں تھی، اس کا وجود ہی نہیں تھا، اور پھر اس سے اگلے زمانے میں اس کا وجود پایا گیا۔ تو پہلے ایک چیز نہ ہو اور پھر پائی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ حدوث بھئی۔ اسی کو تجدد بھی کہتے ہیں۔ حدوث اور تجدد کا ایک معنی بھئی۔ حدوث کا کیا معنی؟ کسی چیز کا ہونا، پہلے نہ ہو اور پھر پائی جائے تو اس کو کہتے ہیں حدوث۔ تجدد کا بھی یہی معنی، ایک چیز کا ہونا، پہلے چیز نہ ہو اور پھر پائی جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حدوث اور تجدد کہتے ہیں۔ تو جملہ فعلیہ جو ہے یہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے، یعنی ایک چیز کا ہونا اس میں بتلایا جاتا ہے کہ پہلے نہیں تھی اور پھر اس کا وجود پایا گیا یا اس کا وجود پایا جائے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ ہے حدوث بھئی۔

اور جملہ اسمیہ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے ثبوت کے لیے۔ کس کے لیے؟ ثبوت کے لیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ جملہ اسمیہ ہے، اور جملہ اسمیہ کس چیز کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ ثبوت کے لیے۔ دیکھیے اس جملے کے اندر زید پر میں قَائِمٌ کا حکم لگا رہا ہوں، یعنی قیام کو ثابت کر رہا ہوں کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ تو دیکھو اس میں ثبوت ہے زید کے لیے کس چیز کا؟ قیام کا۔ تو جملہ اسمیہ جو ہے وہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کے لیے کیا ثابت ہے؟ قیام ثابت ہے، کھڑا ہونا ثابت ہے بھئی۔ تو جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر، اور جملہ اسمیہ کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ ثبوت پر، ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے۔ پہلے تھی یا پہلے نہیں تھی اس سے بحث نہیں۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، اس نے صرف اتنا بتایا کہ زید کے لیے قیام ثابت ہے بھئی۔ پہلے تھا یا پہلے نہیں تھا اس کو اس نے ذکر ہی نہیں کیا، صرف کیا بتلایا؟ زید کے لیے قیام ثابت ہے۔

اور جملہ فعلیہ ایک چیز کے ہونے کو بتلاتا ہے، اور ہونا کب ہو گا ایک چیز کا؟ جب پہلے نہ ہو۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ کس زمانے میں کی ہے؟ زمانہ ماضی میں، لیکن جس زمانے میں بھی کی پٹائی اس سے پچھلے زمانے میں یہ پٹائی تھی؟ یہ نہیں تھی، پھر پائی گئی تو یہ پٹائی ہوئی اور اس کا وجود آیا بھئی۔ مستقبل کا فعل لے لو، يَضْرِبُ زَيْدٌ، زید کیا کرے گا؟ زید پٹائی کرے گا۔ دیکھو معلوم ہوا ابھی ضرب کا وجود نہیں ہے، پھر ضرب آئے گی، یہ پائی جائے گی بھئی، تو ضرب ہو گی بھئی۔ تو دیکھو جملہ فعلیہ کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر، ایک چیز کے ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور جملہ اسمیہ صرف کیا بتلاتا ہے؟ کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے، اس میں ہونے کا یا نہ ہونے کا ذکر نہیں ہوتا، اس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے کیا ہو گا؟ ثبوت ہو گا یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی ہو گی بھئی۔

تو یہاں تک خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جملہ فعلیہ کو وضع کیا گیا ہے۔ وضع کا معنی جانتے ہو بھئی؟ مقرر کرنا۔ جیسے بھئی ایک شخص کا بیٹا ہوتا ہے اور وہ اس کا نام زید رکھ دیتا ہے، تو دیکھو اس نے لفظ زید کو اپنے اس بیٹے کے لیے مقرر کر دیا۔ وہ کوئی بھی نام رکھ سکتا تھا لیکن اس نے مثلاً کیا رکھا؟ زید، اب اس کے بیٹے کو سارے کیا کہیں گے؟ زید کہیں گے۔ تو اسی طرح یہ جو جملہ فعلیہ ہے اس کو مقرر کیا گیا، اس کو بنایا گیا کس مقصد کے لیے؟ حدوث اور تجدد کے معنی کا فائدہ دینے کے لیے۔ اور جملہ اسمیہ کو کس لیے وضع کیا گیا؟ ثبوت کے معنی کا فائدہ دینے کے لیے۔ ثبوت کا کیا معنی؟ کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے، یعنی جو مسند ہے وہ مسند الیہ کے لیے ثابت ہے بھئی۔

پھر یاد رکھیے یہ جملہ فعلیہ جو ہے اس کے ساتھ کبھی کوئی قرینہ مل جاتا ہے تو پھر یہ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے جبکہ فعل جو ہے وہ فعل مضارع ہو۔ آپ جانتے ہیں فعل ماضی بھی ہو سکتا ہے مضارع بھی ہو سکتا ہے، اور بات خبر کی چل رہی ہے امر اور نہی کی بات نہیں کیونکہ وہ تو کس کی قسم میں سے ہیں؟ انشاء کی قسم میں سے ہیں۔ تو جملہ فعلیہ یا تو اس میں کیا آئے گا؟ فعل مضارع ہو گا یا کیا ہو گا؟ فعل ماضی۔ اگر فعل مضارع ہو اور پھر ساتھ کوئی قرینہ بھی بعض اوقات مل جاتا ہے تو وہ جو جملہ ہے وہ حدوث کے ساتھ ساتھ استمرار کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ تو جملہ فعلیہ وضع ہے حدوث اور تجدد کے لیے، لیکن اگر کبھی اس کے ساتھ کوئی قرینہ مل جائے تو یہ حدوث اور تجدد کے ساتھ ساتھ استمرار کا بھی فائدہ دے گا۔ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ استمرار کا بھی فائدہ دے گا بھئی جبکہ فعل مضارع ہو بھئی۔ تو جملہ فعلیہ جب فعل مضارع ہو اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ بھی مل جائے تو کبھی کبھار پھر وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ استمرار کا۔ استمرار کا معنی ہے ایک چیز کا مسلسل ہونا۔ بھئی پہلے استمرار نہیں تھا، ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ دیکھو اس میں مسلسل ہونے کا ذکر نہیں ہے، زید نے یہ پٹائی کی ہے اور کس زمانے میں کی ہے؟ زمانہ ماضی میں، تو اس سے پہلے پٹائی کا وجود نہیں تھا، پھر پٹائی ہوئی، پٹائی کا وجود پایا گیا اور پھر ختم بھی ہو گئی، گزر بھی گئی۔ تو اس میں استمرار نہیں۔

■ قولہ: «الْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُ» کی تشریح

لیکن اگر فعل مضارع ہو اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ بھی مل جائے، قرینہ کسے کہتے تھے؟ ہاں شاباش، الْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ، قرینہ وہ چیز ہے جو مطلوب کی طرف اشارہ کر دے۔ تو مثلاً آپ ایک فعل مضارع لے کر آئے ہیں اور وہاں پر کوئی بھی چیز ہو جو یہ بتلا دے کہ اس فعل مضارع کے اندر استمرار ہے تو اس کو قرینہ کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ اس کو قرینہ کہیں گے بھئی۔ تو استمرار کہتے ہیں ایک چیز کا بار بار ہونا، مسلسل ہونا۔ یہی پٹائی زید اب اگر مسلسل کرتا جا رہا ہے تو اس کو کہیں گے استمرار۔ کیا کہیں گے؟ استمرار کہیں گے۔ استمرار کا گویا کیا معنی ہوا؟ مسلسل بھئی، تسلسل کے ساتھ ایک چیز کا ہونا، بار بار ہوتے رہنا ایک چیز کا یہ ہے استمرار بھئی۔ تو خلاصہ کلام کیا ہوا؟ جملہ فعلیہ کس چیز کے لیے وضع ہے؟ حدوث اور تجدد کے لیے، اور کبھی کبھار یہ استمرار کا بھی فائدہ دے گا جبکہ فعل کون سا ہو؟ فعل مضارع ہو بھئی۔ اور استمرار کا کیا معنی ہے؟ مسلسل ہونا، ایک چیز کا بار بار ہونا بھئی، ہوتے رہنا یہ ہے استمرار بھئی۔

اس کے مقابلے میں دوسرا جملہ اسمیہ تھا۔ جملہ اسمیہ کس چیز کے لیے وضع ہے؟ ثبوت کے لیے وضع ہے، وہ یہ بتلاتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، کیا معنی؟ زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ زَيْدٌ عَالِمٌ، کیا معنی؟ زید کے لیے عالم ہونا ثابت ہے، اس کے لیے علم ثابت ہے بھئی۔ تو جملہ اسمیہ صرف ثبوت کا فائدہ دیتا ہے، لیکن کبھی اس کے ساتھ اگر قرینہ مل جائے تو وہ ثبوت کے ساتھ ساتھ دوام کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ کس چیز کا؟ دوام کا۔ جملہ فعلیہ جب فعل مضارع ہو اور قرینہ مل جائے تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ استمرار، اور جملہ اسمیہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ مل جائے تو وہ ثبوت کے ساتھ ساتھ دوام کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ دوام کا معنی بھی ہمیشہ بھئی، ہمیشہ ہونا۔

مثلاً دیکھیے بھئی میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ طَوِيلُ الْقَامَةِ، زید لمبے قد والا ہے۔ یہ کون سا جملہ ہے زَيْدٌ طَوِيلُ الْقَامَةِ؟ جملہ اسمیہ ہے، اور جملہ اسمیہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ ثبوت کا۔ تو اس میں بھی زید کے لیے ثابت کیا گیا لمبے قد کو، زید کیا ہے؟ لمبے قد والا ہے۔ لیکن ایک قرینہ ساتھ مل گیا اور اس نے یہاں دوام کا بھی فائدہ دیا، کیونکہ آپ جانتے ہیں ایک آدمی کا قد لمبا ہو تو وہ قد ہمیشہ اس کا لمبا ہی رہتا ہے یا قد کبھی چھوٹا ہو جاتا ہے کبھی لمبا ہو جاتا ہے؟ ہمیشہ ہی لمبا رہتا ہے۔ معلوم ہوا طَوِيلُ الْقَامَةِ یہ صفت جو زید کے لیے ثابت کی گئی یہ ایسی صفت ہے جب کسی انسان کو حاصل ہوتی ہے تو پھر یہ اس سے جدا نہیں ہوتی بھئی، ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے بھئی۔ تو یہ قرینہ خارجیہ اس نے دوام کا بھی فائدہ دے دیا، بتلا دیا کہ یہ صفت طَوِيلُ الْقَامَةِ جو ہے زید کے لیے ثابت ہے اور کس طریقے پر ثابت ہے؟ دوام کے طریقے پر کہ وہ ہمیشہ اس کا قد کیا ہے؟ دائماً اس کا قد طویل ہی ہے بھئی۔ بات مثال سے سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو جملہ فعلیہ جو ہے وہ وضع ہے کس چیز کے لیے؟ حدوث اور تجدد۔ حدوث اور تجدد کا کیا معنی ہے؟ ایک چیز کا ہونا، ایک چیز کا پایا جانا جو پہلے نہیں تھی اب پائی جائے۔

اور حدوث اور تجدد میں نے بتلایا دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اور جملہ فعلیہ کے ساتھ جب کوئی قرینہ مل جائے تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ استمرار کا کیا معنی؟ مسلسل ہونا ایک چیز کا بھئی۔ اور جملہ اسمیہ جو ہے وہ کس چیز کے لیے وضع ہے؟ ثبوت کے لیے وضع ہے، اور اس کے ساتھ جب کوئی قرینہ مل جائے وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ وہ دوام کا فائدہ دیتا ہے بھئی۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ میں نے کہا، اس کے اندر دوام پر کوئی قرینہ نہیں ہے کہ یہ قیام ہر وقت زید کے لیے ثابت ہے، ایسا نہیں ہے۔ لیکن زَيْدٌ طَوِيلُ الْقَامَةِ یہ جملہ جو ہے اس کے اندر ایک قرینہ خارجیہ آیا اس نے ہمیں بتایا کہ یہ صفت جب انسان کو حاصل ہوتی ہے پھر دائماً اس کے ساتھ رہتی ہے، موت تک اسی کے ساتھ ہے، اس سے جدا نہیں ہوتی بھئی۔ اس قرینہ خارجیہ نے ہمیں بتلایا کہ یہاں طَوِيلُ الْقَامَةِ ہونے کا ثبوت جو ہے زید کے لیے یہ کس طریقے پر ہے؟ دوام کے طریقے پر ہے، وہ دائماً طَوِيلُ الْقَامَةِ ہے بھئی۔ یہ ہے قرینہ بھئی اور یہ ہے دوام بھئی۔

تو دو لفظ آ گئے، ایک آیا دوام ایک آیا استمرار۔ دونوں میں فرق سمجھ لیجیے۔ بھئی آسان لفظوں میں دوام کا کیا معنی؟ ہمیشہ، استمرار کا بھی وہی معنی مسلسل یا ہمیشہ کہو۔ لیکن فرق ہے ان دونوں میں۔ بھئی زید کے لیے طَوِيلُ الْقَامَةِ ہونا ثابت ہے دوام کے طریقے پر، یعنی دائماً اس کے ساتھ یہ لمبا قد ہے، ایسا نہیں کہ وہ جدا ہوتا ہے پھر آ جاتا ہے، جدا ہوتا ہے پھر طَوِيلُ الْقَامَةِ ہو جاتا ہے، ایسا نہیں۔ لیکن استمرار میں بار بار حدوث پایا جاتا ہے، بار بار ایک چیز کا ہونا۔ مثلاً ضرب کے اندر استمرار کیا ہو گا؟ زید مثلاً ایک آدمی کی مسلسل پٹائی کرتا جا رہا ہے، اب آپ کہیں گے زَيْدٌ يَضْرِبُ، زید پٹائی کر رہا ہے اور کس طریقے پر ہے؟ استمرار کے طریقے پر ہے۔ دیکھو پٹائی کسے کہتے ہیں؟ مثلاً زید نے سوٹی کے ساتھ کسی چیز کے ساتھ دوسرے کو ضرب لگائی، آپ کہیں گے ضرب واقع ہوئی، ضَرَبَ زَيْدٌ۔ ضرب پہلے نہیں تھی، پائی گئی اور پھر ختم بھی ہو گئی، یہ ہے حدوث۔ پھر وہ دوسری ضرب لگاتا ہے، یہ دوسری ضرب بھی پہلے نہیں تھی، ہوئی اور پھر ختم ہو گئی، اس کا حدوث ہوا۔ پھر تیسری ضرب لگاتا ہے، وہ تیسری ضرب ہوئی اور پھر وہ ختم بھی ہو گئی۔ پھر چوتھی ضرب لگاتا ہے، یہ ضرب ہوئی اور پھر ختم بھی ہو گئی۔ تو استمرار کے اندر ایک چیز کا بار بار ہونا پایا جاتا ہے، دوام نہیں ہوتا اس کے اندر۔ دوام تو کیا ہے؟ مسلسل ایک چیز ثابت ہے، جدائی ہے ہی نہیں وہاں پر، لیکن استمرار میں کیا ہے؟ بار بار ہوتی چلی جا رہی ہے وہی چیز بھئی۔ زید طَوِيلُ الْقَامَةِ ہے وہاں ایسا نہیں ہے کہ طَوِيلُ الْقَامَةِ ہے پھر ختم ہوا، پھر طَوِيلُ الْقَامَةِ ہے پھر ختم ہوا، بار بار طَوِيلُ الْقَامَةِ ہوتا جا رہا ہے، ایسا ہے وہاں پر؟ نہیں، وہاں دوام ہے یعنی ہمیشہ ہے، ہر وقت ہے، وہاں ہونا نہیں ہے، وہاں مسلسل ثبوت ہے زید کے لیے۔ تو استمرار اور دوام میں فرق سمجھ میں آیا بھئی؟ استمرار میں کیا ہو گا؟ ایک چیز بار بار ہو گی، جبکہ دوام کے اندر بار بار ہونا نہیں بلکہ مسلسل ثبوت ہو گا، دائماً کیا ہو گا؟ ثبوت ہو گا، تو یہ دونوں میں فرق ہے۔

لیکن یاد رکھیے یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی عام طور پر استعمال ہو جاتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوں آپ بہر حال سمجھ گئے۔ تو کوئی موقع ہے استمرار کا، وہ کہنے والا دوام کہہ دیتا ہے، آپ سمجھ جائیں گے کہ یہ جملہ فعلیہ ہے، جملہ فعلیہ میں تو دوام نہیں ہوتا اس میں تو کیا ہوتا ہے؟ استمرار، لیکن اس نے لفظ دوام ذکر کیا معلوم ہوا دوام بول کر کیا مراد ہے؟ استمرار مراد ہے۔ اور کبھی جملہ اسمیہ ہو گا اس کے ساتھ دوام کا لفظ آنا چاہیے لیکن وہ کیا کہہ دے گا؟ استمرار کہہ دے گا، لیکن آپ سمجھ گئے کہ یہ تو جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ میں تو استمرار نہیں ہوتا، معلوم ہوا استمرار سے کیا مراد ہے؟ دوام مراد ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور پھر استمرار مثلاً دونوں کے لیے استعمال ہو رہا ہے، پھر دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ فعل کے لیے بھی استمرار کا لفظ بول دیتے ہیں جملہ اسمیہ میں بھی استمرار کا لفظ بول دیتے ہیں، لیکن فعل کے لیے استمرار ہو تو اس کو استمرار تجددی کہتے ہیں۔ فعل کے لیے استمرار ہو تو وہ کون سا استمرار ہے؟ استمرار تجددی۔ تجدد کا کیا معنی تھا؟ ہونا ایک چیز کا، پہلے نہیں تھی اور پھر پائی گئی، ایک چیز کا ہونا اور پایا جانا، تو استمرار تجددی کا کیا معنی ہوا؟ ایک چیز کا مسلسل ہوتے رہنا بھئی، یہ ہے استمرار تجددی۔ اور دوسرے کو پھر کہتے ہیں جو جملہ اسمیہ کے ساتھ کبھی استمرار استعمال کر لیں تو اسے کہتے ہیں استمرار ثبوتی۔ کیا کہتے ہیں؟ استمرار ثبوتی، کہ ایک چیز تسلسل کے ساتھ ہے لیکن یہ تسلسل تجدد والا ہے یا ثبوت والا ہے؟ ثبوت والا ہے بھئی۔ تو جملہ اسمیہ کے لیے کیا کہیں گے؟ استمرار ثبوتی، اور جملہ فعلیہ کے لیے کیا کہیں گے؟ استمرار تجددی کہیں گے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

خلاصہ کلام پھر سنیں بھئی۔ جملہ فعلیہ کس کے لیے وضع ہے؟ حدوث اور تجدد۔ حدوث اور تجدد کا کیا معنی؟ ایک چیز کا ہونا۔ اور جملہ اسمیہ کس لیے وضع ہے؟ ثبوت کے لیے کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے۔ اور جملہ فعلیہ کے ساتھ جب وہ فعل مضارع ہو اور کبھی کوئی قرینہ ساتھ مل جائے تو وہ حدوث کے ساتھ ساتھ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ استمرار کا بھی۔ استمرار کا کیا معنی؟ ایک چیز کا بار بار ہونا، مسلسل ہونا۔ اور جملہ اسمیہ وہ ثبوت کے لیے ہے لیکن کبھی کوئی قرینہ مل جائے تو وہ ثبوت کے ساتھ ساتھ دوام کا بھی فائدہ دیتا ہے، اور دوام کا کیا معنی؟ ہمیشہ ثبوت ہے اس چیز کا بھئی۔

■ قولہ: «الْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جُمْلَةً...» کی تشریح

دیکھیے اب یہی بات بیان کریں گے بھئی۔ کہتے ہیں الْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوِ اسْمِيَّةً، خبر یا تو وہ جملہ فعلیہ ہو گی یا جملہ اسمیہ۔ فَالْأُولَى مَوْضُوعَةٌ لِإِفَادَةِ الْحُدُوثِ، فَالْأُولَى أَيْ فَالْجُمْلَةُ الْأُولَى، پہلی قسم کون سی ہے جملے کی؟ جملہ فعلیہ۔ تو وہ جو پہلا جملہ ہے یعنی جملہ فعلیہ، مَوْضُوعَةٌ اس کو وضع کیا گیا ہے یعنی مقرر کیا گیا ہے لِإِفَادَةِ الْحُدُوثِ۔ افادہ کا معنی ہے فائدہ دینا، لِإِفَادَةِ الْحُدُوثِ حدوث کا فائدہ دینے کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ کس

میں؟ کسی مخصوص زمانے میں۔ بھئی فعل آپ جانتے ہیں فعل کے اندر زمانے والا معنی بھی پایا جاتا ہے، صیغہ دیکھتے ہی آپ کو پتہ چل جاتا ہے۔ ضَرَبَ، کون سا زمانہ پایا گیا؟ ماضی کا زمانہ۔ یَضْرِبُ، اس کے اندر کون سا؟ مضارع، اس میں حال یا استقبال والا معنی ہے۔ تو یہ جملہ فعلیہ ہی کی بات ہو رہی ہے تو اس میں زمانہ ساتھ آئے گا۔ تو کہتے ہیں پہلا جملہ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے حدوث کا فائدہ دینے کے لیے فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ مخصوص زمانے کے اندر، کہ وہ حدوث کس میں ہوا ہے؟ مخصوص زمانے میں۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ ہے تو یہ ماضی کے زمانے میں ہے، یَضْرِبُ زَيْدٌ ہے تو یہ حال یا استقبال کے زمانے میں ہے۔ مَعَ الِاخْتِصَارِ، ساتھ اختصار کے۔ کہ پہلا جملہ جملہ فعلیہ وہ وضع کیا گیا ہے کہ وہ حدوث کا فائدہ دیتا ہے مخصوص زمانے میں مَعَ الِاخْتِصَارِ ساتھ اختصار کے، یعنی بات بھی مختصر ہوتی ہے۔

بھئی دیکھیے میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ کتنے لفظ ہیں اس جملے میں؟ دو لفظ، ضَرَبَ اور زَيْدٌ۔ لیکن زمانے کا آپ کو خود بخود پتہ چل رہا ہے، معلوم ہوا یہ ضرب کس زمانے میں ہوئی ہے؟ ماضی کے زمانے میں۔ تو دو لفظوں سے بات پوری ہو گئی اور زمانے کا بھی پتہ چل گیا۔ اور یہی بات اگر آپ جملہ اسمیہ میں کہنا چاہتے ہیں تو یوں کہیں گے زَيْدٌ ضَارِبٌ فِي الْمَاضِي۔ تو دیکھو کتنے لفظ آئے؟ چار لفظ آ گئے، زَيْدٌ، ضَارِبٌ اور فِي اور الْمَاضِي۔ چار لفظ آ گئے، بلکہ ضَارِبٌ کے اندر اگر ضمیر کا بھی اعتبار کریں تو پھر پانچ لفظ بن گئے دیکھیے بھئی۔ ان سے وہی بات جو ضَرَبَ زَيْدٌ کے دو لفظوں نے ادا کی تھی وہی بات چار پانچ لفظوں نے ادا کی جملہ اسمیہ میں۔ تو کس کے اندر اختصار زیادہ ہے؟ جملہ فعلیہ کے اندر بات مختصر ہوتی ہے، اس میں اختصار زیادہ ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے مَعَ الِاخْتِصَارِ کا بھئی کہ اختصار ہوتا ہے کلام کے اندر، مخصوص زمانہ بھی پایا جاتا ہے، فعل کی صورت سے ہی صیغے سے ہی آپ کو زمانے کا پتہ چل جاتا ہے۔ اگر میں مثلاً کہتا ہوں یَضْرِبُ زَيْدٌ، زید پٹائی کر رہا ہے اس وقت بھئی، زمانہ حال مراد لیتا ہوں، زید پٹائی کر رہا ہے یا پٹائی کرتا ہے۔ اسی بات کو اگر میں جملہ اسمیہ میں کہوں کس طرح کہوں گا؟ زَيْدٌ ضَارِبٌ فِي الْحَالِ، زید پٹائی کر رہا ہے زمانہ حال میں۔ تو دیکھو یَضْرِبُ زَيْدٌ مختصر کلام اور زَيْدٌ ضَارِبٌ فِي الْحَالِ طویل کلام۔ یا اسی طرح مستقبل کی بات کر لو، یَضْرِبُ زَيْدٌ میں مستقبل زمانہ مراد لیتا ہوں کہ زید پٹائی کرے گا، اور یہی بات جملہ اسمیہ سے کہنا چاہتا ہوں تو کیسے کہوں گا؟ زَيْدٌ ضَارِبٌ فِي الْمُسْتَقْبَلِ۔ تو دیکھو کتنی لمبی بات کرنا پڑے گی، تو اختصار کس کے اندر ہے؟ جملہ فعلیہ میں ہے۔

تو کہتے ہیں فَالْأُولٰى مَوْضُوعَةٌ لِإِفَادَةِ الْحُدُوثِ فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ مَعَ الِاخْتِصَارِ، تو پہلا جملہ جو ہے یعنی جملہ فعلیہ اس کو وضع کیا گیا ہے حدوث کا فائدہ دینے کے لیے مخصوص زمانے میں مَعَ الِاخْتِصَارِ ساتھ اختصار کے۔ وَقَدْ تُفِيدُ الِاسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِيَّ بِالْقَرَائِنِ، اور کبھی کبھار یہ جملہ فعلیہ فائدہ دیتا ہے کس چیز کا؟ استمرار تجددی کا۔ کیا معنی استمرار تجددی؟ ایک چیز کا مسلسل ہونا۔ تو یہ استمرار تجددی کا فائدہ دیتا ہے بِالْقَرَائِنِ، کس کی وجہ سے؟ قرینوں کی وجہ سے، إِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعاً جبکہ فعل کون سا ہو؟ فعل مضارع ہو۔ ماضی ہو پھر وہ استمرار کا فائدہ نہیں دے گا، ہاں مضارع ہو اور ساتھ کوئی قرینہ بھی مل جائے تو وہ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ استمرار کا فائدہ دے گا۔ كَقَوْلِ طَرِيفٍ جیسے طریف شاعر کا قول، اس کا یہ شعر بھئی، أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ۔

أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ، وَرَدَ کے معنی ہوتے ہیں آنے کے، آنا۔ عُكَاظَ ایک جگہ ہے، ایک جگہ کا نام ہے عرب میں جو طائف اور مکہ کے درمیان ہے، اسے کیا کہتے ہیں؟ عُكَاظَ بھئی۔ اچھا بھئی عُكَاظَ کا ذکر آیا، یاد رکھیے میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے بھئی۔ اور یہاں پر عربوں کا مشہور و معروف میلہ اور بازار سُوقُ عُكَاظَ لگا کرتا تھا بھئی۔ سُوق عربی میں بازار کو کہتے ہیں، تو عرب کے اندر بھئی قدیم زمانے کے اندر کئی مقامات پر سال کے دوران مختلف قسم کے بازار اور میلے لگتے تھے بھئی، اور ان میں دس میلے سب سے مشہور تھے، پھر ان دس میں بھی سب سے زیادہ شہرت سُوقُ عُكَاظَ کو تھی بھئی۔ تو یہ عربوں کا سب سے بڑا اور سب سے مشہور میلہ ہوتا، بازار ہوتا جس کے اندر عرب تجارتی امور کے لیے اکٹھے ہوتے۔ ہر طرح کی تجارت اس میں ہوتی تھی، چمڑے کی تجارت ہوتی، جانوروں کی تجارت ہوتی، کپڑوں کی تجارت ہوتی، غلاموں اور باندیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی، تو ہر طرح کی تجارت اس میں کرتے تھے بھئی۔ اور یہ ذوالقعدہ کے آغاز سے لے کر بیس ذوالقعدہ تک یہ میلہ لگتا تھا بھئی۔ یکم ذوالقعدہ سے لے کر بیس ذوالقعدہ تک یعنی تقریباً بیس دن تک یہ میلہ جاری رہتا تھا بھئی۔

اور ذوالقعدہ اشہر حرم میں سے ہے، حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ چار مہینے ایسے تھے جن کا عرب بے انتہا احترام کرتے تھے، وہ کون کون سے؟ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ یہ چار مہینے حرمت والے، عرب والے ان کا بے انتہا احترام کرتے تھے بھئی اور شریعت میں بھی ان کے احترام کو باقی رکھا گیا بھئی۔ تو عرب ان مہینوں کا اتنا زیادہ احترام کرتے تھے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، حتی کہ وہ لوگ کہ جن کے ہاں کسی کو قتل کرنا معمولی سی بات تھی، قتل و غارت اس پر تو وہ لوگ فخر کیا کرتے تھے، ان مہینوں کے اندر اگر کسی کے باپ کا یا بیٹے کا قاتل بھی اس کے سامنے آ جاتا تھا تو وہ اس کو بھی ہاتھ نہیں لگاتا تھا کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے، اس کے اندر کسی پر ہاتھ نہیں اٹھانا بھئی۔ اتنا زیادہ وہ ان مہینوں کا احترام کرتے تھے۔ تو یہ جو سُوقُ عُكَاظَ تھا یہ عُكَاظَ مقام پر لگا کرتا تھا اور چونکہ حرمت والے مہینوں میں تھا، اور ویسے باقی مہینوں کے اندر تو اور بازار وغیرہ جو لگا کرتے تھے ان میں ڈاکوؤں وغیرہ کا خطرہ لگا رہتا، لوگوں کو سفر کر کے آنا پڑتا، راستے میں خطرات ہوتے ہر قسم کے، تو اس وجہ سے ان کی اتنی مقبولیت نہیں تھی جتنی سُوقُ عُكَاظَ کی تھی کیونکہ یہ حرمت والے مہینے میں تھا، اس میں ہر شخص آزادی سے آتا تھا اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا تھا بھئی۔

تو یہ سُوقُ عُكَاظَ جو ہے اشہر حرم کے اندر لگا کرتا تھا اور چونکہ اس کے اندر کسی قسم کا خوف وغیرہ نہیں ہوتا تھا، لوگ آزادانہ اس کے اندر آتے تھے تو لہٰذا یہ عرب کے اندر سب سے زیادہ مقبول تھا، سب سے بڑا یہ ان کا بازار لگتا تھا۔ اور پھر صرف یہ بازار اور تجارتی امور نہیں بلکہ یہاں پر ہر طرح کے لوگ آتے اور اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے بھئی۔ شعراء، بڑے بڑے شعراء جو ہیں قبیلوں کے وہ اپنا اپنا کلام لے کر آتے اور اس کو یہاں پر پیش کرتے تھے بھئی۔ چنانچہ شعراء کے مقابلے ہوتے بھئی اور پھر

ان میں سے فیصلہ کرنے والے اچھے اور عمدہ اشعار کو منتخب کرتے اور ردی اشعار کو رد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس بازار کا عربوں کی زبان کی نشو ونما میں بھی بہت زیادہ اثر تھا، عربی زبان کو اس سے بے انتہا فائدہ ہوا اور وہ ترقی کرتی چلی گئی بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور پھر شعراء آتے ہر طرح کا کلام پیش کیا کرتے تھے، حتی کہ جو مشہور سَبْعَہ مُعَلَّقَات، سات قصیدے بھئی عربوں کے، آپ ان شاء اللہ اگلے سال یا غالباً اس سے اگلے سال آپ ان کو پڑھیں گے، عرب کے سات مشہور و معروف قصیدے جو عرب کی فصاحت و بلاغت کا شاہکار تھے ان کو بھی اسی بازار کے اندر ایک مخصوص حصے میں لٹکایا گیا تھا تاکہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ عربوں کی فصاحت و بلاغت کس درجے کی ہے بھئی۔ اور ان قصیدوں کی فصاحت و بلاغت آج تک مسلم ہے بھئی اور ہر ایک اس کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ قصیدے فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں بھئی۔ تو وہ سَبْعَہ مُعَلَّقَات بھی اسی بازار کے ایک مخصوص حصے میں لٹکائے گئے تھے۔

تو شعراء کے درمیان بھی مقابلے ہوتے بھئی۔ اور عرب چونکہ ان کو اللہ نے حافظہ بڑا قوی دیا تھا اور ویسے بھی انسان جو ہیں وہ شعر کے اندر جو کلام ہوتا ہے اس کو ان کا ذہن بڑی جلدی قبول کر لیتا ہے، تو شعراء کے درمیان مقابلے ہوتے اور عمدہ اور اعلی اشعار جو تھے وہ دنوں کے اندر پورے عرب میں پھیل جایا کرتے تھے۔ شاعر کا وہ لوگ بے انتہا احترام کرتے تھے، شاعر کسی قوم کا بے تاج بادشاہ ہوا کرتا تھا بھئی، سارے قوم والے اس کا بے انتہا احترام کرتے تھے اور پھر وہ شعراء جمع ہوتے یہاں پر اپنے اپنے قصیدے اور اشعار کہتے۔ ہر شاعر اپنی قوم کے فخر کی باتیں بیان کرتا کہ ہمارے تو یہ یہ کمالات ہیں، ہمارا یہ کمال ہے، ہم اتنے بہادر لوگ ہیں، اتنے جنگجو لوگ ہیں وغیرہ، اس قسم کی صفات وہ اپنی اپنی قوم کی بیان کرتے اور اپنی قوم کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے، اور پھر وہ اشعار پورے عرب میں مشہور ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے شعراء کا بے انتہا احترام کرتے۔ اسی طرح خطیبوں کے مقابلے بھی ہوتے، خطیب بھی جمع ہوتے ہر ہر قبیلے والے اور ان کے درمیان بھی مقابلے ہوتے، لیکن شعر کا چرچا نثر کی بنسبت زیادہ تھا بھئی۔

▪ قولہ: «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کی تشریح

اسی بازار میں حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے متبنی حضرت زید ابن حارثہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو اسی بازار سے خریدا گیا تھا حضرت خدیجہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کے لیے۔ ان کو غلام بنا کر کسی نے بیچا، وہ حضرت خدیجہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کے لیے خریدا گیا اور پھر بعد میں انہوں نے وہ غلام جو تھا حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کو تحفے کے طور پر دے دیا اور پھر حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ نے ان کو اپنا بیٹا قرار دے دیا، چنانچہ وہ زید ابن محمد کے نام سے مشہور ہوئے بھئی، حضرت زید ابن حارثہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بھئی۔ تو یہ بڑا مشہور و معروف بازار تھا عرب کا بھئی۔ اور یہ ظہور اسلام کے بعد بھی تقریباً سوا سو سال تک لگتا رہا بھئی۔ ایک سو انتیس ہجری میں کہتے ہیں پھر خوارج نے حملے وغیرہ کیے، اس کے بعد پھر یہ منعقد نہ ہوا بھئی۔

سُوقُ عُكَاظَ کے منعقد کرنے میں قریش کا بھی بڑا دخل تھا لیکن اس کے نگران اعلی اور منتظم جو تھے وہ بَنُو تَمِيم والے ہوتے تھے۔ بَنُو تَمِيم عرب کا ایک مشہور و معروف اور بہت بڑا قبیلہ ہے، تو وہ اس کے نگران اعلی ہوتے تھے اور بَنُو تَمِيم کے رئیس کی مجلس بڑی محترم اور عزت والی ہوتی تھی بھئی۔ اور لوگوں کے درمیان وہاں پر جو جھگڑے وغیرہ ہوتے، جس قسم کا بھی جھگڑا ہوتا چاہے قیمتوں وغیرہ کے اندر جھگڑا ہوتا یا اور کوئی جھگڑا ہوتا تو فیصلے کے لیے اس کے پاس آتے اور یہ جو بھی فیصلہ کرتا سارے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے بھئی، اسے تسلیم کر لیتے تھے۔ تو اس کی مجلس نہایت محترم اور عزت والی شمار ہوتی تھی بھئی۔ تو یہ بَنُو تَمِيم جو تھے وہ اس کے نگران اعلی تھے اس سُوقُ عُكَاظَ کے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۳: استمرارِ تجدد کے شواہد اور جملہ اسمیہ کا افادۂ ثبوت واستمرارِ ثبوتی

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۵ــــ بتاریخ: ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ۔ وَالثَّانِيَةُ مَوْضُوعَةٌ لِمُجَرَّدِ ثُبُوتِ الْمُسْنَدِ لِلْمُسْنَدِ إِلَيْهِ نَحْوُ الشَّمْسُ مُضِيئَةٌ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں کلام شروع ہوا تھا خبر کے بارے میں۔ آپ نے پڑھا کہ خبر وہ یا تو جملہ فعلیہ ہوگی یا جملہ اسمیہ ہوگی۔ جملہ فعلیہ جو ہے وہ وضع ہے حدوث اور تجدد کے لیے۔ حدوث اور تجدد کا ایک ہی معنی ہے۔ حدوث اور تجدد کا معنی ہے ہونا، کسی چیز کا ہونا۔ یعنی پہلے نہ ہو اور پھر ہو تو اس کو کہتے ہیں حدوث اور اسی کو کہتے ہیں تجدد بھئی۔

تو پہلا جملہ جو جملہ فعلیہ ہے وہ وضع ہے حدوث اور تجدد کے، یعنی حدوث اور تجدد کا فائدہ دیتا ہے اور کسی مخصوص زمانے کے اندر وہ حدوث ہوتا ہے، یا ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں۔ اور اختصار بھی ہوتا ہے، وہاں زمانے کے لیے کوئی الگ لفظ لانے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ فعل کا صیغہ دیکھتے ہی زمانے کا پتہ چل جاتا ہے۔ تو جملہ فعلیہ جو ہے وہ وضع ہے حدوث کے لیے۔ اور فعل آپ نے پڑھا ہے دو قسم پر ہے، ایک فعل ماضی اور ایک فعل مضارع جو خبر میں آتے ہیں۔ تو ان دو میں سے اگر جملہ فعلیہ فعل مضارع سے بن رہا ہو، اس کے ساتھ پھر کبھی قرینہ بھی مل جاتا ہے تو وہ حدوث کے ساتھ ساتھ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے۔ حدوث کا کیا معنی تھا؟ ہونا۔ استمرار کا معنی؟ مسلسل ہونا، بار بار ہونا بھئی۔

اور جملہ اسمیہ جو ہے وہ وضع ہے ثبوت کے لیے۔ وہ اتنا بتاتا ہے کہ ایک چیز کے لیے دوسری چیز ثابت ہے، یعنی مسند الیہ کے لیے مسند ثابت ہے بھئی۔ پہلے تھا یا پہلے نہیں تھا، اس کا پتہ اس سے نہیں چلتا بھئی۔ مثلاً آپ نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ، اس جملے سے صرف اتنا پتہ چلا کہ زید کے لیے قیام کا ثبوت ہے بھئی۔ زید کے لیے قیام کا ثبوت ہے۔ تو اس میں ہونا نہ ہونا یہ ذکر نہیں ہوتا۔ اور جملہ اسمیہ کے ساتھ کبھی قرینہ مل جائے تو پھر وہ دوام کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ مسند جو ہے مسند الیہ کے لیے دائماً ثابت ہے، ہمیشہ ثابت ہے بھئی۔ جیسے اس کی مثال میں نے ذکر کی تھی، آپ کہتے ہیں زَيْدٌ طَوِيلُ الْقَامَةِ، زید لمبے قد والا ہے۔ اب یہ جملہ اسمیہ ہے، اس نے ثبوت کا فائدہ دیا اور ساتھ ساتھ دوام کا بھی فائدہ دیا ایک قرینہ خارجیہ کی وجہ سے۔ اور وہ قرینہ خارجیہ کیا ہے؟ کہ لمبا قد جب کسی کا ہو تو وہ اس کے ساتھ دائماً رہتا ہے، اس سے جدا نہیں ہوتا۔ تو یہ تھا قرینہ خارجیہ، اس سے پتہ چلا کہ یہاں دوام بھی ہے۔

اور یہ بھی میں نے بتایا تھا کہ استمرار اور دوام ایک دوسرے کی جگہ بھی بعض اوقات استعمال ہو جاتے ہیں، تو استمرار ہی کا لفظ دوام کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ پھر ان میں فرق یوں کرتے ہیں کہ وہ استمرار جو حدوث کے اندر تھا اس کو استمرار تجددی کہتے ہیں، یعنی جملہ فعلیہ کے اندر جو استمرار آیا اس کو کیا کہتے ہیں؟ استمرار تجددی۔ اور جملہ اسمیہ کے اندر جو دوام تھا اس کے لیے استمرار کا لفظ استعمال کیا تو اس سے مراد ہوتا ہے استمرار ثبوتی۔ استمرار ثبوتی، یعنی وہ دوام کے معنی میں ہے۔

تو اب مثال ہم کل پڑھ رہے تھے بھئی، أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ۔ اور شعر کے اندر عُكَاظَ لفظ آیا تھا۔ میں نے تفصیل بیان کر دی کہ یہ عربوں کے اندر سُوقُ عُكَاظَ جو ہے ایک بہت بڑا ان کا تجارتی بازار اور تجارتی میلہ لگتا تھا۔ اور اس میں عرب صرف تجارت وغیرہ نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے اور اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ پہلوان بھی آتے وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے، تلوار چلانے کے ماہر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے، تیر انداز اپنے فن کا مظاہرہ کرتے، شاعر قوموں کے جمع ہوتے وہ اپنے اپنے اشعار پیش کرتے، اپنا کلام پیش کرتے بھئی۔ خطیب جمع ہوتے مختلف قوموں کے، ان کے درمیان بھی مقابلے ہوتے کہ کون بڑا خطیب

ہے، کون زیادہ فصیح وبلیغ ہے۔ نثر کے بھی مقابلے ہوتے، نظم کے بھی مقابلے ہوتے، لیکن میں نے بتایا نظم کا چرچا زیادہ تھا، اس کی شہرت زیادہ تھی۔ اور ویسے بھی جو اشعار ہیں، اشعار کے اندر جو بات کہی جائے وہ ذہن اس کی طرف جلدی متوجہ ہوتا ہے اور اس کو جلدی قبول کرتا ہے اور وہ انسان پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

تو یہاں پر مختلف قسم کے شعراء، مختلف قبیلوں کے شعراء اپنا اپنا کلام پیش کرتے تھے اور اس کلام میں سے پھر ردی اشعار کو رد کر دیا جاتا، عمدہ اور اعلی اشعار کو منتخب کیا جاتا تھا کہ اس شاعر کا کلام تو بڑا عمدہ اور اعلی ہے۔ اور وہ سَبْعَہ مُعَلَّقَات جو ان شاء اللہ اگلے سال آپ پڑھیں گے، سات مشہور ومعروف قصیدے عرب کے، عرب کی فصاحت وبلاغت کا جو شاہکار ہیں وہ بھی اسی بازار کے ایک حصے میں لٹکائے گئے تھے۔ یہیں پر ان کو وہ منتخب کیا گیا تھا اور ان کی فصاحت وبلاغت آج تک مسلم ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کا انتخاب بھی، ان بازار والوں کا جو انتخاب بھی تھا وہ بڑا مستند تھا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہ انہوں نے وہاں لٹکا کر رکھے تھے کہ لوگ دیکھیں ہاں عرب کی فصاحت و بلاغت کو بھئی، وہ سات قصیدے۔

■ قولہ: «بَنُو تَمِيم» کی تشریح

اور اس بازار کے نگران اعلی بَنُو تَمِيم والے تھے، اور بَنِي تَمِيم والوں کے رئیس کی مجلس بڑی معزز ومحترم ہوتی تھی اور وہ جو فیصلہ کر دیا کرتا تھا سب اس کو تسلیم کرتے تھے بھئی۔ اور یہ بازار، زیادہ شہرت اس کی اس لیے تھی کیونکہ یہ اشہر حرم میں منعقد ہوتا تھا تو لوگ بے فکر اور بے خوف ہو کر اس میں شرکت کرتے تھے۔ نہ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ، نہ یہاں پر ڈاکوؤں کا خطرہ، تو اس کی بڑی شہرت تھی اور سارے عرب میں سب سے بڑا میلہ اور بازار ان کا یہ لگتا تھا اور تقریباً بیس دن تک یہ جاری رہتا تھا، ذوالقعدہ کے آغاز سے لے کر تقریباً بیس ذوالقعدہ تک بھئی۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھی جب ان کو نبوت عطا کی گئی، جب ان کو بھیجا گیا تو پھر نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھی یہاں بعض اوقات دعوت وتبلیغ کے لیے، اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ اور بعض نے لکھا کہ وہ جو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْنِ نَخْلَہ کے اندر جو قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے اور کچھ جنات نے سنا تھا اور وہ ایمان لے آئے تھے، وہ واقعہ بھی سُوقُ عُكَاظَ سے واپسی پر پیش آیا تھا۔ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہاں سے تشریف لا رہے تھے؟ سُوقُ عُكَاظَ سے تشریف لا رہے تھے بھئی۔ تو یہ بڑا مشہور ومعروف بازار تھا ان کا اور میں نے بتایا تمام عرب والے اس میں آتے تھے کیونکہ کسی قسم کا خوف اور خطرہ نہیں ہوتا تھا اشہر حرم کی وجہ سے بھئی۔

تو یہ ایک شاعر دیکھیے، اب اسی عُكَاظَ کا ذکر آیا شاعر کے شعر میں، تفصیل میں نے بیان کر دی۔ تو شاعر کہتا ہے أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ. أَوَكُلَّمَا، یہ ہمزہ ہے استفہام کے لیے۔ ہمزہ کس لیے ہے؟ استفہام، سوال پوچھنے کے لیے۔ واؤ عاطفہ ہے۔ اور معطوف علیہ محذوف ہے بھئی۔ اگلے جملے کا جس جملے پر عطف ہے وہ جملہ یہاں پر کیا ہے؟ محذوف ہے اور وہ پھر موقع محل کے مطابق نکال لیتے ہیں، موقع کے جو مطابق مناسب بنتا ہو اس کے، جیسے یہ حاشیے میں انہوں نے آپ کے دیا ہوا ہے کہ یہ واؤ سے پہلے جملہ کیا مقدر ہے کہ معطوف علیہ جملہ وہ أَحَضَرَتِ الْعَرَبُ فِي عُكَاظَ. ہمزہ تو یہی استفہام والا اور حَضَرَتِ الْعَرَبُ فِي عُكَاظَ. کیا آ گئے ہیں تمام عرب والے عُكَاظَ کے اندر؟ شاعر کیا کہہ رہا ہے؟ کیا حاضر ہو گئے ہیں تمام عرب والے عُكَاظَ مقام میں؟ وَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ، اور جب بھی وَرَدَتْ، وَرَدَتْ کا معنی ہے آنا، قَبِيلَةٌ آگے اس کا فاعل ہے اور عُكَاظَ اس جگہ کا نام۔ اور جب بھی آتا ہے عُكَاظَ مقام پر کوئی قبیلہ، بَعَثُوا وہ بھیجتے ہیں إِلَيَّ میری طرف عَرِيفَهُمْ اپنے سردار کو۔

عَرِيفُ الْقَوْمِ بھئی، عَرِيفُ الْقَوْمِ اس آدمی کو کہا جاتا تھا جو اس قوم اور اس قبیلے والوں کے امور کا نگران ہوتا تھا۔ ان کے تمام امور کا نگران ہوتا اور منتظم ہوتا تھا، تو یعنی سردار جو ان کا ہوتا تھا جسے سب جانتے کہ یہ آدمی ہے فلاں قبیلے کا منتظم اعلی بھئی۔ تو اس کو کیا کہتے تھے؟ عَرِيف کہتے ہیں، یعنی کسی قوم کا جو منتظم ہے اور نگران ہے یا یوں کہیں جو ان کا سردار ہے بھئی۔ تو بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ، تو وہ بھیجتے ہیں میری طرف عَرِيفَهُمْ اپنے سردار کو۔ يَتَوَسَّمُ، تَوَسُّم کہتے ہیں کسی چیز میں غور وفکر کر کے نشانیوں اور علامتوں کے ذریعے پہچاننا بھئی۔ کسی چیز میں غور وفکر کر کے نشانیوں کے ذریعے پہچاننا یہ ہے تَوَسُّم بھئی۔ تو شاعر کہتا ہے بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ، وہ بھیجتے ہیں میری طرف اپنے سردار کو، يَتَوَسَّمُ وہ پہچاننے کی کوشش کرتا ہے، یعنی چہروں میں غور وفکر کر کے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ چہروں میں غور وفکر کرتا ہے۔ چہروں میں غور وفکر کر کے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔

اب دوبارہ ترجمہ سنیے۔ کیا عرب والے عُكَاظَ مقام پر آ گئے؟ اور کیا جب بھی عُكَاظَ مقام پر کوئی قبیلہ آتا ہے تو وہ اپنے سردار کو بھیجتے ہیں کہ وہ چہروں کے ذریعے پہچانے بھئی، کہ وہ تَوَسُّم کرے، وہ چہروں میں غور وفکر کر کے پہچانے؟ یہ سوال ہے نا، استفہام ہے شروع کے اندر۔ اور یہ استفہام، استفہام تقریری ہے۔ استفہام تقریری وہ ہوتا ہے جس کا جواب ہاں میں ہو بھئی۔ جواب کس میں ہو؟ ہاں میں، کہ ہاں واقعی ایسا ہے۔ آپ بھی اس طرح کرتے ہیں اپنی عام بول چال کے اندر بھئی، بعض اوقات آپ سوال کرتے ہیں، مقصد دوسرے سے ہاں کہلوانا ہوتی ہے، اس بات کو پوچھنا نہیں ہوتا بلکہ دوسرے سے اقرار کروانا ہوتا ہے کہ واقعی ایسا ہے۔ واقعی کیا ہے؟ ایسا ہے بھئی۔ مثلاً آپ نے ایک ساتھی کی مدد کی ہے، اب آپ اس کو کہتے ہیں کسی موقع پر، کیا میں نے آپ کی مدد کی ہے؟ کیا مقصد ہوتا ہے، اس سے پوچھنا مقصد ہوتا ہے یا اس سے اقرار کروانا مقصد ہوتا ہے؟ اقرار کروانا مقصد ہوتا ہے۔ تو آپ بھی اگر غور کریں اپنے کلام کے اندر مختلف مواقع پر کبھی سوال پوچھتے ہیں لیکن مقصد سوال پوچھنا نہیں ہوتا بلکہ مقصد دوسرے سے اقرار کروانا ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی استفہام تقریری ہے، شاعر سوال نہیں پوچھ رہا بلکہ دوسروں سے کیا کر رہا ہے؟ اقرار کروانا چاہتا ہے کہ واقعی ایسا ہے

کہ عرب والے سارے، سوال کیا تھا؟ کیا عرب والے سارے حاضر ہو گئے؟ یعنی اقرار کروا رہا ہے، واقعی کیا ہے سارے عرب والے حاضر ہو گئے ہیں۔ اور کیا جب بھی کوئی قبیلہ عُکَاظَ مقام پر آتا ہے تو کیا وہ اپنے سردار کو بھیجتے ہیں کہ وہ چہروں کے اندر غور وفکر کرے؟ یعنی واقعی ایسا ہے، وہ بھیجتے ہیں اور وہ چہروں میں غور وفکر کرتا ہے بھئی۔

تو شاعر دراصل اپنی یہاں پر بہادری اور جرات کو بیان کر رہا ہے۔ میں نے بتلایا یہ سُوقُ عُکَاظَ جو منعقد ہوتا تھا اشہر حرم میں ہوتا تھا اور اس کے اندر تمام لوگ بے خوف وخطر شریک ہوتے تھے اور ان مہینوں کی عرب اتنی حرمت اور ان کا اتنا احترام کرتے تھے حتی کہ کسی کے سامنے اس کے باپ کا قاتل بھی آجاتا تھا تو وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا ان مہینوں کے احترام کی وجہ سے۔ تو چنانچہ قاتل وغیرہ جو ہوتے وہ بھی ان میں شریک ہوتے تھے لیکن یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے چھپائے رکھتے تھے تاکہ سارے مجھے نہ پہچان لیں۔ اپنے چہرے چھپائے۔ بھئی دیکھیے ایک شخص ایک قبیلے کا ہے، ایک قبیلہ یہاں رہتا ہے، مثلاً دوسرا قبیلہ کئی میل دور ان کی رہائش ہو گی۔ اب اس قبیلے والے اس قبیلے والے ہر ہر آدمی کو پہچانتے ہیں؟ نہیں۔ اپنے قبیلے والوں کو تو آدمی سب کو جانتا ہے، دوسرے قبیلے والے سب کو تو نہیں جانتا۔ ہاں دو چار ہوں گے اس قوم کے اندر جو ان میں سے کئیوں کو پہچانتے ہوں لیکن سارے تو نہیں جانتے۔ اب مثلاً اس قبیلے والا اس قبیلے والے کسی آدمی کو قتل کر دے، تو پتہ تو سب کو چل گیا فلاں نام کا آدمی ہے اس نے قتل کیا ہے، لیکن کیا ان سب نے اس کی شکل دیکھی ہوئی ہے؟ نہیں، سب اس کو نہیں جانتے۔ وہ سامنے بھی کسی کے کہیں پر آئے گا تو وہ ضروری نہیں کہ دوسرا اس کو پہچان لے بھئی۔ تو قاتل اپنے چہرے چھپائے رکھتے تھے کہ اگر چہرے کھلے ہوں گے تو سارے مخالف قبیلے والے جن کا میں نے قتل کیا ہے وہ سارے میرے چہرے کو دیکھ لیں گے۔ ابھی تو مجھے کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ حرمت والے مہینے ہیں لیکن بعد میں تو سب نے مجھے پہچان لیا ہو گا، پھر تو میرے لیے خطرہ بڑھ جائے گا کہ سب سے بچتا پھروں بھئی۔ تو وہ کیا کرتے تھے؟ اپنے چہروں کو چھپائے پھرتے تھے۔ تو مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ اس وقت انہیں خوف ہوتا تھا، اس وقت تو کوئی خوف نہیں لیکن مہینوں کے بعد بھی تو وقت آنے والا ہے، تو یہ نہ ہو کہ مجھے سارے پہچانیں اور پھر جو کوئی مجھے پائے گا وہ تو یقیناً میرے قتل کی کوشش کرے گا۔

تو شاعر اپنی جرات اور بہادری بیان کر رہا ہے کہ میں اتنا بہادر اور جری آدمی ہوں کہ ہر قبیلے والے آدمیوں کو میں نے قتل کیا ہوا ہے۔ سارے قبیلے جو ہیں ان سب میں میں نے کوئی نہ کوئی قتل کیا ہوا ہے، میں اتنی جرات والا ہوں۔ قتل پر تو یہ لوگ فخر کیا کرتے تھے، اپنی جرات اور بہادری سمجھتے تھے۔ تو شاعر کہتا ہے میں اتنی جرات والا ہوں کہ ہر قبیلے کے آدمی کو میں نے قتل کیا ہوا ہے، اور اس وقت سُوقُ عُکَاظَ کے اندر قاتل تو چہرے چھپائے پھر رہے ہیں لیکن میری جرات کا یہ عالم ہے کہ میں نے اپنا چہرہ بھی نہیں چھپایا ہوا اور کھلے عام پھر رہا ہوں۔ چنانچہ جو بھی قبیلے والے آتے ہیں وہ اپنے سردار کو بھیجتے ہیں، وہ آکر چہروں میں غور وفکر کرتا ہے، مجھے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کون سا ہے وہ آدمی جس نے ہمارے آدمی کو قتل کیا تھا، تاکہ پھر باقی سب کو بھی بتا دے کہ یہ ہے وہ آدمی، اس کو پہچان لو، اس پر پھر نظر رکھنا بعد میں بھئی۔ تو وہ ہر قبیلے والوں کا چونکہ میں نے قتل کیا ہوا ہے لہذا ان کا ہر ایک کا سردار آکر کیا کرتا ہے؟ میری تلاش میں رہتا ہے اور مجھے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے اور چہروں کے اندر غور وفکر کرتا ہے تاکہ پہچان لے مجھے بھئی۔ تو یہ جو قاتل کو وہ پہچاننا چاہتے ہیں تو کیا ایک ہی چہرے پر غور وفکر کر کے وہ پہچان لیں گے یا سارے آدمیوں پر غور کریں گے بھئی؟ سارے آدمیوں میں غور کریں گے بار بار تاکہ پہچان لیں کہ کون سا والا آدمی ہے جس نے ہمارے آدمی کو قتل کیا تھا بھئی۔

تو مقام استشہاد یہ يَتَوَسَّمُ ہے۔ يَتَوَسَّمُ فعل مضارع ہے بھئی، اور فعل مضارع جملہ فعلیہ بناتا ہے اس سے، اور جملہ فعلیہ جب فعل مضارع ہو تو اس کے اندر جب کبھی کوئی قرینہ ساتھ مل جائے تو وہ کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ مقام استشہاد ہے۔ یہاں جو يَتَوَسَّمُ آیا یہ استمرار پر دلالت کر رہا ہے بھئی۔ کس پر؟ استمرار پر دلالت کر رہا ہے۔ کیوں؟ ابھی تو میں نے بتایا بھئی کہ کیا وہ صرف ایک چہرے میں غور کرتے ہیں؟ يَتَوَسَّمُ کا تو معنی ہے غور وفکر کر کے چیز کو پہچاننا، چہرے وغیرہ کو نشانیوں کے ذریعے پہچاننا۔ تو ایک چہرے میں بھی غور کر لے تو تَوَسُّم پایا گیا یا نہیں پایا گیا؟ تَوَسُّم پایا گیا۔ لیکن کیا یہاں وہ ایک چہرے میں غور کرتے ہیں یا سارے چہروں میں غور کرتے ہیں؟ سارے۔ اور کیا ایک ہی دفعہ غور کرتے ہیں یا بار بار آکر غور کرتے ہیں، دیکھتے ہیں جب تک قاتل مل نہ جائے اس وقت تک وہ غور وفکر کرتے رہتے ہیں؟ جب تک قاتل مل نہ جائے اس وقت تک وہ غور وفکر کرتے رہتے ہیں، تو معلوم ہوا یہ جو يَتَوَسَّمُ آرہا ہے اس کے اندر استمرار ہے۔ صرف حدوث نہیں ہے بلکہ حدوث تو ہو گا ایک مرتبہ غور کر لیں بس حدوث ہو گیا، تَوَسُّم پایا گیا، چہرے میں غور وفکر کر لیا، لیکن یہ تو کیا ہے؟ استمرار پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ مقام استشہاد ہے۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ یہ دلیل ہے دیکھو کہ کبھی کبھی فعل مضارع کس لیے آتا ہے؟ استمرار کا بھی فائدہ دیتا ہے، جیسے یہاں پر فعل مضارع استمرار کا فائدہ دے رہا ہے کہ وہ اپنے سردار کو بھیجتے ہیں، يَتَوَسَّمُ وہ بار بار غور وفکر کر کے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ بار بار غور وفکر کرتا ہے، مسلسل غور وفکر کر کے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ مفہوم اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگیا بھئی؟

■ قولہ: «أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بَعَثُوا...» کی تشریح

جی تو شاعر کہتا ہے أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ۔ کیا سارے عرب والے عُکَاظَ مقام پر حاضر ہو گئے اور کیا جب بھی کوئی قبیلہ عُکَاظَ مقام پر آتا ہے تو وہ بھیجتے ہیں اپنے سردار کو، يَتَوَسَّمُ کہ وہ چہروں کے اندر غور وفکر کر کے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے؟ یہ ہے استفہام لیکن مقصد کیا ہے؟ اقرار کروانا کہ واقعی ایسا ہے بھئی۔ دوسروں سے بھی اقرار کروانا چاہتا ہے کہ واقعی بات ایسی ہی ہے، میں نے سب کے قتل کیے ہوئے ہیں اور سب میری تلاش میں اور جستجو

میں بار بار مسلسل لگے ہوئے ہیں بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ يَتَوَسَّمُ یہ محل استشہاد ہے، اس کو ذکر کرنا مقصود ہے بطور مثال کے۔ اس میں آپ دیکھیے اس میں استمرار ہے۔ یہ استمرار، یہ میں نے تشریح کی اس لیے نہیں استمرار اس کے اندر آیا کہ میں اس کا ترجمہ یہ کر رہا ہوں وہ بار بار تَوَسُّم کرتے ہیں، آپ خود بھی اس میں غور کریں بھئی کہ جب وہ اس کو پہچاننے کی کوشش کریں گے تو ایک دفعہ تَوَسُّم کر لیں گے یا بار بار اور مسلسل تَوَسُّم کریں گے؟ بار بار اور مسلسل تَوَسُّم کریں گے بھئی، یہ اس لفظ سے خود ہی سمجھ میں آرہا ہے بھئی۔ میری تشریح سے نہیں اس کا تعلق کہ میں نے تشریح کر دی اس لیے آپ کو اس میں استمرار سمجھ میں آیا، بلکہ خود ہی سمجھ میں آرہا ہے کہ جب وہ اس کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں تو کس طریقے سے پہچان رہے ہیں؟ بار بار اور سارے چہروں کے اندر غور کریں گے، بار بار غور و فکر کرتے رہیں گے جب تک پہچان نہیں لیتے بھئی۔ تو یہاں یہ يَتَوَسَّمُ استمرار تجددی کا فائدہ دے رہا ہے بھئی۔

وَالثَّانِيَةُ مَوْضُوعَةٌ لِمُجَرَّدِ ثُبُوتِ الْمُسْنَدِ لِلْمُسْنَدِ إِلَيْهِ۔ جی دوسری قسم کیا تھی جملے کی؟ جملہ اسمیہ۔ اور وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ ثبوت کا۔ کس کا ثبوت کس کے لیے؟ خبر کا ثبوت مبتدا کے لیے، یا یوں کہیں مسند کا ثبوت مسند الیہ کے لیے۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں، وَالثَّانِيَةُ اور دوسرا جملہ یعنی جملہ اسمیہ جو ہے، مَوْضُوعَةٌ اس کو وضع کیا گیا ہے لِمُجَرَّدِ ثُبُوتِ الْمُسْنَدِ لِلْمُسْنَدِ إِلَيْهِ۔ مُجَرَّد یعنی محض، صرف۔ صرف مسند کا ثبوت مسند الیہ کے لیے، صرف اس کے لیے وضع کیا گیا۔ دوسرا جملہ اسمیہ جو ہے اس کو صرف مسند کا جو ثبوت ہے مسند الیہ کے لیے اس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر الشَّمْسُ مُضِيئَةٌ، سورج چمکدار ہے، سورج روشن ہے۔ تو دیکھیے یہاں شَمْس پر مُضِيئَةٌ کا حکم لگایا گیا کہ سورج روشن ہے، سورج چمکدار ہے، یعنی شَمْس جو مسند الیہ ہے اس کے لیے چمکدار ہونے کی صفت ثابت ہے بھئی۔ تو اس میں صرف مسند الیہ کے لیے مسند کا ثبوت ہے۔

وَقَدْ تُفِيدُ الِاسْتِمْرَارَ بِالْقَرَائِنِ، اور کبھی یہ جملہ اسمیہ جو ہے یہ استمرار کا فائدہ دیتا ہے قرائن کی وجہ سے۔ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ استمرار۔ یہاں استمرار سے کیا مراد ہے؟ دوام ہے۔ تو اس کے لیے لفظ استمرار آیا، معلوم ہوا یہ استمرار کی کون سی قسم ہے بھئی؟ استمرار ثبوتی۔ یہ تو کبھی کبھار یہ جملہ اسمیہ فائدہ دیتا ہے استمرار ثبوتی کا بِالْقَرَائِنِ قرائن کی وجہ سے، إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي خَبَرِهَا فِعْلٌ جبکہ اس کی خبر کے اندر، اس جملے کی خبر میں فعل نہ ہو۔ یہ شرط لگادی۔

مثلاً میں نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ، ترکیب کیا کی تھی؟ زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل جو زید کو راجع، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ تو یہ جو خبر ہے یہ جملہ ہے یا شبہ جملہ ہے؟ شبہ جملہ۔ لیکن کبھی کبھار خبر جملہ بھی ہو سکتی ہے، پھر وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ جیسے یہیں پر زَيْدٌ قَائِمٌ کے بجائے میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَامَ۔ اب بھی اسی کی طرح کی ترکیب ہے، زَيْدٌ مبتدا، قَامَ فعل۔ فعل آتے ہی کیا چاہیے؟ فاعل۔ اور زید تو مبتدا ہے وہ تو فعل پر مقدم ہے، وہ تو فاعل بن ہی نہیں سکتا، فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آسکتا ہے اس پر مقدم نہیں۔ تو پھر فاعل تو چاہیے، پھر کیا کریں گے؟ آگے کوئی اسم تو ہے نہیں تو اسی کے اندر کیا کریں گے؟ ضمیر نکالیں گے۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر جو راجع کس کو؟ زید کو۔ قَامَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ کیا ہوئی؟ خبر۔ تو دیکھا یہاں پر مسند الیہ یعنی مبتدا کی خبر جملہ ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ میں مبتدا کی خبر مفرد تھی اور زَيْدٌ قَامَ کے اندر مبتدا کی خبر کیا ہے؟ جملہ ہے، اور جملہ بھی کون سا ہے؟ جملہ فعلیہ ہے۔ کہتے ہیں جملہ اسمیہ دوام کا فائدہ دیتا ہے کبھی قرینہ خارجیہ کی وجہ سے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی جو خبر ہے وہ فعل نہ ہو۔ اور زَيْدٌ قَامَ میں تو کیا ہے؟ فعل ہے۔ تو فعل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ فعل ابھی آپ پڑھ چکے ہیں وہ حدوث کے لیے وضع ہے۔ کس لیے وضع ہے؟ حدوث کے لیے، اور ہم یہاں بات کر رہے ہیں دوام کی بات کر رہے ہیں بھئی، دوام، ثبوت بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ تو لہٰذا فعل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ فعل تو حدوث کے لیے ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں کبھی کبھار یہ جملہ اسمیہ جو ہے استمرار کا فائدہ دیتا ہے بِالْقَرَائِنِ قرائن کی وجہ سے إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي خَبَرِهَا فِعْلٌ جبکہ نہ ہو اس جملے کی خبر میں فعل۔ نَحْوُ مثال کے طور پر الْعِلْمُ نَافِعٌ، علم نفع دینے والا ہے۔ علم کیا ہے؟ نفع دینے والا ہے۔ دیکھیے الْعِلْمُ ہے مبتدا اور نَافِعٌ کیا ہے اس کی؟ خبر ہے بھئی۔ اب یہ علم پر نافع ہونے کا، نفع والا، فائدے والا ہونے کا حکم لگایا گیا۔ اور یہ فائدے والا ہونا علم کا، کیا یہ کبھی کبھار ہوتا ہے یا ہمیشہ ہی علم فائدہ دیتا ہے؟ ہمیشہ ہی علم کیا ہے؟ فائدہ دیتا ہے۔ ایسا نہیں کہ علم کبھی تو فائدہ دے کبھی فائدہ ہی نہ دے بھئی، ایسا نہیں بلکہ علم کیا ہے ہمیشہ فائدہ ہی دینے والا ہوتا ہے۔ تو دیکھیے یہاں دوام بھی آگیا۔ ثبوت کے ساتھ ساتھ کیا آیا؟ دوام، کہ علم دائماً نفع دینے والا ہے۔ دائماً۔ کیونکہ خارج میں بھی آپ نے دیکھا ہے جس آدمی کے پاس علم ہوتا ہے اس کو علم سے ہمیشہ فائدہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کو علم سے ہمیشہ فائدہ ہوتا رہتا ہے، معلوم ہوا یہ جو صفت ہے علم کے لیے نافع ہونے کی یہ صرف ثبوت کے طریقے پر نہیں ہے بلکہ دوام کے طریقے پر ہے بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «الْعِلْمُ نَافِعٌ» کی تشریح

تو انہوں نے مثال ذکر کر دی بھئی اس جملے کی، جملہ اسمیہ جس کے اندر استمرار ثبوتی پایا جا رہا ہے، الْعِلْمُ نَافِعٌ۔ اور میں نے ایک دوسری مثال بھی ذکر کی تھی زَيْدٌ طَوِيلُ الْقَامَةِ بھئی، تو دیکھو یہ جملہ جو ہے یہ ثبوت کے ساتھ ساتھ دوام پر بھی دلالت کر رہا ہے قرینہ خارجیہ کی وجہ سے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ

أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۴: اغراضِ خبر: فائدۂ خبر اور لازمِ فائدۂ خبر اور ان کے علاوہ مجازی اغراض (استرحام، تحسر، فخر)

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۶ــــ بتاریخ: ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ أَنْ يُلْقى لِإِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ الْحُكْمَ الَّذِي تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ كَمَا فِي قَوْلِنَا حَضَرَ الْأَمِيرُ، أَوْ لِإِفَادَةِ أَنَّ الْمُتَكَلِّمَ عَالِمٌ بِهِ نَحْوُ أَنْتَ حَضَرْتَ أَمْسِ۔ وَيُسَمَّى الْحُكْمُ فَائِدَةَ الْخَبَرِ، وَكَوْنُ الْمُتَكَلِّمِ عَالِماً بِهِ لَازِمَ الْفَائِدَةِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ أَنْ يُلْقى لِإِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ الْحُكْمَ الَّذِي تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ۔ یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ خبر کے اندر اصل یہ ہے أَنْ يُلْقى کہ وہ لائی جائے لِإِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ تاکہ فائدہ دے مخاطب کو الْحُكْمَ الَّذِي تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ اس حکم کا جس کو وہ جملہ متضمن ہے، یعنی جس پر وہ جملہ مشتمل ہے۔ بھئی خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ اس لیے لائی جاتی ہے تاکہ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دے جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے بھئی۔ آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ اصل خبر کے اندر جو ہے وہ اس بات کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے۔

مثلاً آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کا ساتھی آپ سے آکر کہتا ہے جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، کہ حضرت امیر المؤمنین تشریف لے آئے ہیں۔ تو اس نے آکر کیا خبر دی آپ کو؟ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ یہ خبر ہے یا انشاء ہے؟ خبر ہے۔ اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ یہ اس فائدے کو دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس پر یہ جملہ مشتمل ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جملہ کس بات پر مشتمل ہے، اس میں آپ کو کیا بتایا جا رہا ہے؟ امیر المؤمنین کا آنا، اس میں کیا بتلایا جا رہا ہے؟ امیر المؤمنین کا آنا آپ کو بتلایا جا رہا ہے۔ تو یہ وہ حکم ہے جس پر یہ خبر مشتمل ہے، یعنی مَجِيئَتِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ۔ یہ خبر کس حکم پر مشتمل ہے؟ مَجِيئَتِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، امیر المؤمنین کی آمد بھئی، ان کا آنا۔ تو خبر جو ہے وہ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس پر وہ مشتمل ہوتی ہے۔ تو آپ کو اس سے کیا پتہ چلا؟ آپ کو کس بات کا پتہ چلا؟ امیر المؤمنین کے آنے کا۔ کس چیز کا پتہ چلا؟ امیر المؤمنین کے آنے کا۔ یہ ہے وہ حکم جس پر خبر مشتمل تھی، یعنی یوں آسان لفظوں میں کہیں جو بات بتلائی جائے۔ حکم سے کیا مراد ہے؟ جو بات بتلائی گئی ہے اس کلام کے اندر، خبر وہی بتلانے کے لیے لائی جاتی ہے بھئی۔

آپ کا دوسرا ساتھی آیا، اس نے آپ سے آکر کہا زید سفر پر گیا ہے۔ آپ کو فائدہ ہوا یا نہیں؟ بات کا پتہ چلا یا نہیں؟ پتہ چلا۔ کس بات کا پتہ چلا؟ زید کے سفر پر جانے کا۔ یہ ہے وہ حکم جس پر یہ خبر مشتمل تھی۔ یہ خبر کس حکم پر مشتمل تھی؟ زید کے سفر پر جانے کا ذکر تھا اس میں، یعنی یہ ہے وہ حکم جس پر یہ خبر مشتمل۔ سمجھ میں آیا بھئی حکم کسے کہتے ہیں؟ بھئی دیکھیے نا، جب میں نے کہا جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، جَاءَ ہے مسند اور أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ کیا ہے؟ مسند الیہ۔ اور جملے کے اندر کیا کیا جاتا ہے؟ مسند کا حکم لگایا جاتا ہے کس پر؟ مسند الیہ پر۔ تو یہاں پر بھی مَجِيئَت کا حکم لگایا گیا کس پر؟ امیر المؤمنین پر۔ تو یہ ہے وہ حکم خبر کا بھئی، یعنی یہ خبر کس حکم پر مشتمل ہے؟ مَجِيئَتِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ پر۔ جیسے اردو میں میں نے مثالیں ذکر کر دیں کہ ایک آدمی آکر آپ سے کہتا ہے امیر المؤمنین تشریف لے آئے ہیں، تو کس حکم پر یہ خبر مشتمل تھی، اس میں کیا بتلایا جا رہا ہے؟ امیر المؤمنین کا آنا، یا یوں کہیں امیر المؤمنین کی آمد۔ یہ وہی لفظ ہے جو میں عربی میں ادا کر رہا تھا، مَجِيئَتِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، امیر المؤمنین کا آنا۔

دوسرا جملہ مثلاً میں نے کہا زید سفر پر چلا گیا ہے۔ اس سے آپ کو کس بات کا علم ہوا؟ زید کے سفر پر جانے کا۔ تو اب عربی میں میں کہوں سَافَرَ زَيْدٌ۔ جب ایک ساتھی نے آپ سے آکر کہا کہ زید سفر پر گیا ہے، آپ کو کس بات کا علم ہوا؟ زید کے سفر پر جانے کا۔ تو زید کا سفر پر جانا یہ وہ حکم ہے جو اس خبر کے اندر بیان کیا جارہا ہے، اس جملے کے اندر کیا کیا جارہا ہے؟ بیان کیا جارہا ہے۔ خبر سے وہ مبتدا والی خبر نہ سمجھنا، یہ پورا جملہ کیا ہے؟ خبر ہے، یعنی جو انشاء کے مقابلے میں آئے وہ خبر ہم پڑھ رہے ہیں بھئی۔ یہ پورا جملہ کیا ہے؟ خبر۔ اور اس جملے میں کیا خبر دی گئی آپ کو؟ زید کے سفر پر جانے کی۔ تو زید کا سفر پر جانا یہ وہ حکم ہے جس پر یہ خبر مشتمل تھی۔ اسی کو عربی لفظوں میں کہیں تو کیسے ادا کریں گے؟ سَافَرَ زَيْدٌ تو جملہ تھا، زید کا سفر پر جانا، دیکھو جانا یہ مصدر کے آخر میں آتا ہے، مصدر بناؤ اس سے بھئی، یعنی مُسَافَرَةُ زَيْدٍ۔ تو یہ خبر سَافَرَ زَيْدٌ، یہ خبر جو آپ کو دی گئی یہ کس حکم پر مشتمل ہے؟ سَافَرَ يُسَافِرُ مُسَافَرَةً، مُسَافَرَةِ زَيْدٍ پر۔ کس پر؟ مُسَافَرَةِ زَيْدٍ پر، اس سے مصدر بنالیا، زید کے سفر کرنے پر، سفر پر جانے پر۔

اور کوئی مثال بنالیں بھئی، قَامَ زَيْدٌ یا زَيْدٌ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ ہے مسند الیہ اور قَائِمٌ ہے مسند بھئی۔ تو بتایئے بھئی ایک ساتھی نے آکر آپ سے کہا زید کھڑا ہے، آپ کو کس بات کا پتہ چلا؟ زید کے کھڑے ہونے کا۔ زید کا کھڑا ہونا یہ وہ حکم ہے جس پر یہ خبر مشتمل تھی۔ زید کا کھڑا ہونا، اسی کا اب عربی میں ترجمہ کرلیں، کیا ہوگا؟ قِيَامُ زَيْدٍ۔ اس خبر میں کیا حکم بتلایا گیا؟ قِيَامُ زَيْدٍ، ہاں تو قِيَامُ زَيْدٍ کے حکم پر یہ خبر مشتمل ہے۔ اور کوئی مثال کرلیں بھئی، ضَرَبْتُ زَيْداً فِي الدَّارِ۔ میں نے زید کی پٹائی کی اس گھر میں۔ اب دیکھیے اس میں آپ کو کیا بتلایا گیا، کس بات کا پتہ چلا اس خبر سے آپ کو؟ زید کی اس گھر میں پٹائی ہونا۔ سارے لفظوں کو بیچ میں لے آئیں بس مصدر بنادیں، زید کی اس گھر میں پٹائی ہونے کا آپ کو پتہ چلا۔ عربی میں اسی کو ادا کریں گے تو کیا کہیں گے؟ ضُرِبَ زَيْدٌ فِي الدَّارِ کہ یہ خبر کس حکم پر مشتمل ہے، کس طرح کہیں گے عربی میں؟ ضَرْبُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ۔ کیا کہیں گے؟ ہاں، ضَرْبُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ، عربی اعراب بھی لگالیں ضَرْبُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ۔ یہ خبر کس حکم پر مشتمل ہے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ پر مشتمل ہے۔

تو آپ کو پتہ لگ گیا بھئی خبر جو ہے اس کے ذریعے انسان کو کسی بات کا پتہ چلتا ہے اور خبر کے اندر اصل بھی یہی ہے کہ اس کو کس مقصد کے لیے لایا جائے؟ کہ مخاطب کو اس حکم کا پتہ چل جائے جو اس خبر کے اندر ہے بھئی۔ کیا فائدہ ہے خبر کے لانے کا؟ آپ بھی کسی سے جب بات کرتے ہیں، کوئی جملہ اس کے سامنے کہتے ہیں تو عموماً کیا مقصد ہوتا ہے؟ اس جملے کے اندر جو حکم ہوتا ہے وہ اس کو بتلانا مقصد ہوتا ہے، اس کو فائدہ دینا مقصد ہوتا ہے کہ اس کو پتہ چل جائے بھئی۔ تو کتاب میں انہوں نے کیا بتایا کہ اصل خبر میں کیا ہے کہ وہ لائی جائے لِإِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ الْحُكْمَ کہ وہ فائدہ دے مخاطب کو اس حکم کا الَّذِي تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ جس کو وہ جملہ متضمن ہے، یعنی جو جملے کے اندر ہے، یعنی وہ جملہ جس پر مشتمل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ کوئی بھی خبر لائی جاتی ہے عموماً مقصد کیا ہوتا ہے وہ بات بتلانا جو جملے کے اندر ہوتی ہے، وہ بات بتلانا مقصد ہوتی ہے بھئی۔

اور کوئی مثال بنالیں بھئی، اردو میں کوئی بنائیں بھئی۔ مثلاً آپ سارے بیٹھے ہوئے تھے، زید آیا اور اس نے آکر اونچی آواز میں سب سے کہا کہ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہورہی ہیں بھئی۔ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہورہی ہیں۔ دیکھو آپ کو ایک بات کا پتہ چلا جو اس سے پہلے آپ کو پتہ نہیں تھی بھئی، اور وہ کیا بات؟ پوری بات کریں، ہاں اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیوں کے ہونے کا آپ کو پتہ چلا۔ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیوں کے ہونے کا پتہ چلا۔ تو دیکھا یہ جو بات ہے جس کا آپ کو پتہ چلا، یہ وہ حکم ہے جو اس خبر کے اندر تھا بھئی۔ یہ وہ حکم ہے جو کس کے اندر تھا؟ اس خبر کے اندر تھا بھئی۔ تو دیکھو آپ کو اس خبر کا فائدہ حاصل ہوا، یعنی آپ کو اس کا علم ہوا، آپ کو پہلے پتہ نہیں تھا۔ تو فائدہ علم ہوا یا نہیں ہوا بھئی؟ فائدہ علم ہوا آپ کو۔ اس کو کہتے ہیں فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ کیا کہتے ہیں؟ اس کو فَائِدَةُ الْخَبَرِ کہتے ہیں، یعنی وہ بات جو خبر سے معلوم ہو اس کو کہتے ہیں فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ اس نے آکر کہا اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہورہی ہیں، آپ کو کس بات کا پتہ چلا؟ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیوں کے ہونے کا پتہ چلا، یہ ہے فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ یہ کیا ہے؟ یہ ہے فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ تو وہ حکم جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے، اس حکم کا جو مخاطب کو فائدہ ہوا اس کو کیا کہتے ہیں؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ تو خبر میں اصل بھی کیا ہے، کس مقصد کے لیے لائی جائے وہ؟ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے جس پر وہ خبر مشتمل ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ آسان لفظوں میں میں نے کیا بتلایا؟ وہ بات بتلانے کے لیے جس پر یہ خبر مشتمل ہے بھئی، جو اس میں بتلائی جارہی ہے۔

توجہ سے سننا بھئی، خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے بھئی۔ اب جب زید نے آکر آپ سب کے سامنے اونچی آواز میں کہہ دیا کہ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہورہی ہیں، اس سے ایک تو آپ کو اس بات کا پتہ چلا، کون سی بات کا؟ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیوں کے ہونے کا پتہ چلا۔ ایک اور بات کا بھی آپ کو پتہ چلا، وہ کیا؟ کہ زید کو بھی اس بات کا پتہ ہے، جبھی تو وہ آپ کو بتارہا ہے، اس کو آپ سے پہلے پتہ چلا تو اس نے آکر آپ کو خبر دی۔ تو معلوم ہوا زید بھی اس حکم پر واقف ہے۔ کس حکم پر؟ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیوں کے ہونے پر وہ بھی واقف ہے۔ یا ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ واقف نہ ہو، اسے پتہ نہ ہو اور آپ کو وہ کہہ رہا ہو؟ جب بھی کوئی کسی کو خبر دے گا یقیناً اس کو پہلے اس کا علم ہوگا بھئی۔ اس کو پہلے علم ہوگا۔

■ قولہ: «فَائِدَةُ الْخَبَرِ» کی تشریح

تو آپ کو ایک تو فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہوا، اس حکم کا پتہ چلا جس پر یہ خبر مشتمل تھی۔ دوسرا کس چیز کا پتہ چلا؟ زید کو بھی اس بات کا پتہ ہے، زید اس بات پر عالم ہے، یعنی یوں کہیں زید کے عالم ہونے کا پتہ چلا۔ کس چیز پر عالم ہونے کا؟ تمام چیزوں پر عالم ہونا مراد نہیں، اس خبر پر وہ عالم ہے یعنی اس کو وہ جانتا ہے۔ اس خبر پر وہ خود بھی واقف ہے جبھی تو وہ آکر آپ کو بتلا رہا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے، زید بھی اب آکر بیٹھ گیا۔ اس نے آپ کو بات بتلادی اور پھر وہ آپ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آپ کا ساتھی آتا ہے اور آکر آپ کے پاس بیٹھا اور آپ سے کہنے لگا کہ بھئی یہ زید کو بتاؤ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ آپ اس کو فوراً جواب میں کیا کہیں گے؟ کہ بھئی زید کو تو پتہ ہے۔ دیکھا، زید نے تو نہیں یہ لفظ کہے تھے کہ مجھے پتہ ہے، لیکن آپ کو خود بخود اس کے خبر بتانے سے پتہ چل گیا تھا کہ اس کو اس بات کا علم ہے، جبھی تو اب آپ نے اس ساتھی کو کہا کہ زید کو علم ہے۔ زید نے تو یہ لفظ کہے ہی نہیں تھے مجھے علم ہے، لیکن آپ کو خبر سنتے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ خبر بتانے والے کو بھی اس بات کا علم ہے۔ اس کو کہتے ہیں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ کیا کہتے ہیں؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔

تو خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے۔ یا کبھی مقصد یہ ہوتا ہے کہ متکلم صرف یہ بتلانے کے لیے خبر لاتا ہے کہ مجھے اس خبر کا علم ہے۔ مجھے اس خبر کا علم ہے۔ بھئی دیکھیے آپ بھی اس طرح کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھار آپ خبر لاتے ہیں فَائِدَةُ الْخَبَرِ دینے کے لیے، دوسرے کو آپ کیا دینا چاہتے ہیں؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ، یعنی وہ بات بتلانا چاہتے ہیں۔ اور کبھی آپ کو بات بتلانا آپ کا مقصد نہیں ہوتا، آپ دوسرے کو صرف یہ بتلانے کے لیے خبر لاتے ہیں کہ مجھے بھی اس بات کا پتہ چل چکا ہے، مجھے بھی اس کا علم ہے بھئی۔ ایسا کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ دوسرے کے سامنے کبھی آپ بات کرتے ہیں، وہ بات بتلانا اس کو مقصد نہیں ہوتا کیونکہ وہ بات تو اس کو پہلے سے پتہ ہوتی ہے، لیکن آپ وہی جملہ اس کے سامنے پھر دہراتے ہیں، مقصد کیا ہوتا ہے؟ یہ بتانے کے لیے کہ مجھے بھی اس بات کا علم ہے بھئی۔ مثلاً زید نے ایک بات آپ سے چھپا کر رکھی تھی، اب اس کو علم بھی ہے اور اس نے چھپا کر بھی رکھی ہے۔ آپ کو وہ خبر گھومتے گھومتے مل گئی بھئی۔ اب آپ کو وہ خبر جب ملی تو اب آپ زید کے سامنے جا کر وہی بات اس سے کرتے ہیں، لیکن مقصد کیا ہوتا ہے، اس کو وہ بات بتلانا مقصد ہوتا ہے؟ نہیں، وہ تو اس کو پتہ ہی ہے، اسی نے تو چھپا کر رکھا تھا اس بات کو۔ آپ کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ زید کو یہ بتلانا کہ مجھے اس بات کا پتہ چل چکا ہے، میں اس بات پر عالم ہوں۔ میں کیا ہوں؟ عالم ہوں۔

تو خبر کے اندر یاد رکھیے، توجہ ہے پوری سبق کی طرف؟ خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس حکم پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے، یا مخاطب کو یہ بتلانے کے لیے لائی جاتی ہے وہ خبر کہ خبر دینے والے کو بھی اس بات کا پتہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینا جس پر وہ خبر مشتمل ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ مخاطب کو وہ بات بتلانا جس پر وہ خبر مشتمل ہے یہ کیا کہلاتا ہے؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ اور مخاطب کو اس بات کا بھی پتہ چلنا کہ بتانے والا بھی اس بات پر عالم ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی سب کو؟ سمجھ میں آ گئی بات بھئی؟ تو اس کو لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کہتے ہیں۔

بھئی اس کو لازم کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کیونکہ یہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے ساتھ لازم ہے۔ یہ کیا ہے؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے ساتھ لازم ہے۔ جہاں بھی فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہو گا ساتھ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ضرور ہو گا۔ یعنی جہاں آپ کو کسی بات کا پتہ چلے گا وہاں یہ بھی ضرور پتہ چلے گا کہ یہ بتانے والا بھی اس بات پر عالم ہے، اس کو بھی اس بات کا پتہ ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فَائِدَةُ الْخَبَرِ آئے اور ساتھ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ نہ آئے۔ وہ خود بخود آپ کو بات بتلانے والے کے بتلانے سے ہی فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مجھے بتلا رہا ہے، معلوم ہوا اس کو اس بات کا علم ہے بھئی۔ تو جہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہوتا ہے وہاں ساتھ کیا ہو گا؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کیا چیز ہے؟ کہ خبر دینے والے کو بھی اس بات کا علم ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف بھئی؟ مجھے آوازیں کم آ رہی ہیں، میں تکرار کروا رہا ہوں، دس دفعہ میرا خیال ہے میں یہ جملے دہرا چکا ہوں آپ کے فائدے کے لیے۔ خاموش نہ بیٹھا کریں، مجھے جواب دیا کریں کہ آپ کو بات سمجھ میں آئی یا سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ خاموش بیٹھے رہتے ہیں میں سمجھتا ہوں بات سمجھ میں نہیں آئی کسی کو، میں پھر اس کو دہراتا ہوں۔ بات سمجھ میں آیا کرے تو بتایا کریں، پتہ چلے کہ آپ کو بات سمجھ میں آ گئی۔

فَائِدَةُ الْخَبَرِ کسے کہتے ہیں؟ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینا جس پر وہ خبر مشتمل ہے۔ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کسے کہتے ہیں؟ مخاطب کو یہ بتلانا کہ مجھے بھی اس بات کا علم ہے، چاہے بتلانا مقصد ہو یا نہ ہو لیکن اس کو یہ پتہ چل جائے گا کہ بات بتلانے والے کو خود بھی اس بات کا پتہ ہے، اس کو کہتے ہیں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ تو خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے لائی جائے گی یا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کے لیے لائی جائے گی۔ یعنی واضح لفظوں میں یوں کہو تفصیل کے ساتھ کہ خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ یہ مخاطب کو یا تو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے، یا مخاطب کو اس بات کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے کہ بات کرنے والا اس خبر پر عالم ہے، وہ اس کو جانتا ہے بھئی۔ اب مجھے بتایئے آپ کا ساتھی آیا، اس نے آکر آپ سے کہا مہمان آگئے ہیں۔ یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کیا ہے؟ مہمانوں کا آنا، یہ ہے فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کیا ہے؟ ہاں یہ جو خبر لانے والا ہے اس کو بھی پتہ ہے کہ مہمان آگئے ہیں، اس کو پتہ ہے جبھی تو ہمیں بتلا رہا ہے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو یہ ہے لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔

تو خبر کے اندر اصل کیا ہے وہ کس لیے لائی جاتی ہے؟ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے، یا مخاطب کو اس بات کا فائدہ دینے کے لیے

کہ متکلم اس خبر پر عالم ہے، وہ اس کو جاننے والا ہے۔ یا مختصراً یوں کہیے خبر لانے میں اصل کیا ہے، کس مقصد کے لیے لائی جاتی ہے؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ دینے کے لیے یا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ دینے کے لیے۔ تو اس کو میں نے بتلایا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے ساتھ لازم ہے۔ جہاں بھی فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہو گا وہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ضرور ہو گا، لیکن جہاں بھی لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہو وہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا ہونا ضروری نہیں۔ جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی، زید آیا اس نے آکر آپ سب کو بتایا کہ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ زید بھی آکر آپ کے ساتھ بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک دوسرا ساتھی آپ کا آیا اور اس نے بھی یوں ہی کہا کہ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ اب آپ مجھے بتایئے فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہے یہاں پر؟ کیا آپ کو کوئی نئی بات معلوم ہوئی جو آپ کو پہلے معلوم نہیں تھی؟ نہیں۔ تو یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ نہیں، ہاں کیا ہے؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہے، آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ یہ جو بات اب لے کر آیا ہے اور اب بات کر رہا ہے اس کو بھی معلوم ہوا چھٹیوں کا پتہ چل چکا ہے، یہ بھی اس بات پر عالم ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو جہاں بھی فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہو گا وہاں کیا ضرور ہو گا؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ اس کے ساتھ ضرور ہو گا، لیکن لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ جہاں پر ہو وہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا ہونا ضروری نہیں۔ اسی لیے اس کو لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کہتے ہیں کہ یہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے ساتھ لازم ہے، اس سے جدا نہیں ہوتا بھئی۔

■ قولہ: «وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ أَنْ يُلْقَى...» کی تشریح

جی اب ذرا کتاب پر دیکھیے۔ وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ أَنْ يُلْقَى لِإِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ الْحُكْمَ الَّذِي تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ، اور اصل خبر کے اندر یہ ہے کہ وہ لائی جائے لِإِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ مخاطب کو فائدہ دینے کے لیے۔ کس چیز کا فائدہ دینے کے لیے؟ الْحُكْمَ الَّذِي تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ، اس حکم کا جس کو وہ جملہ متضمن ہے۔ كَمَا فِي قَوْلِنَا جیسے ہمارے اس قول کے اندر حَضَرَ الْأَمِيرُ، امیر حاضر ہو گئے، امیر تشریف لے آئے۔ امیر یہ اردو والا امیر نہیں ہے بھئی جس کے معنی مالدار کے ہوتے ہیں، بلکہ عربی میں امیر کس کو کہتے ہیں؟ سردار کو بھئی، رئیس کو، سربراہ کو بھئی۔ تو امیر تشریف لے آئے ہیں۔ أَوْ لِإِفَادَةِ أَنَّ الْمُتَكَلِّمَ عَالِمٌ بِهِ، یا اس بات کا فائدہ دینے کے لیے خبر لائی جاتی ہے کہ متکلم یعنی جو بات کرنے والا ہے وہ بھی اس خبر پر عالم ہے، وہ بھی اس خبر پر واقف ہے، اسے بھی اس بات کا پتہ ہے، یہ بتلانے کے لیے خبر لائی جاتی ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر أَنْتَ حَضَرْتَ أَمْسِ۔ أَمْسِ کا معنی گزشتہ کل۔ أَنْتَ حَضَرْتَ آپ حاضر ہوئے تھے أَمْسِ گزشتہ کل میں۔ آپ گزشتہ کل حاضر ہوئے تھے، آپ گزشتہ کل حاضر تھے۔

بھئی آپ کل سبق میں آئے تھے، اور آپ کو خود اس بات کا پتہ ہے یا نہیں کہ آپ آئے تھے؟ یقیناً جب آپ خود آئے تھے تو سب سے زیادہ علم ہی آپ کو ہے، سمجھ میں آئی بات؟ تو آپ کو اپنے ہی آنے کا پتہ نہ ہو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، تو انہوں نے ایسی مثال ذکر کی جس میں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا احتمال ہی نہیں۔ اب وہ ساتھی جب آپ سے کہہ رہا ہے آپ کل آئے تھے، تو آپ ہی کی تو بات کر رہا ہے اور یقینی طور پر آپ کو اپنی بات کا تو پتہ ہے کہ آپ آئے تھے۔ تو یہاں پر فَائِدَةُ الْخَبَرِ نہیں، فَائِدَةُ الْخَبَرِ یہاں پر مقصد نہیں ہے کیونکہ آپ ہی کے آنے کے بارے میں وہ آپ کو بتلائے، ایک نئی بات بتلائے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، یہ تو آپ کی اپنی بات ہے، آپ کو سب سے زیادہ پتہ ہے اپنے بارے میں کہ آپ آئے تھے بھئی۔ تو اب اس نے آکر آپ سے کہا آپ کل آئے تھے، تو یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ تو نہیں، آپ کو کوئی نئی بات تو معلوم نہیں ہوئی اور نہ اس کا یہ بتلانے کا مقصد ہے کہ آپ کو نئی بات بتلائے، بلکہ وہ یہ جملہ کیوں کہہ رہا ہے، کیا بتلانا چاہتا ہے؟ کہ مجھے بھی پتہ چل چکا ہے، میں بھی عالم ہوں اس بات پر کہ آپ کل آئے تھے۔ تو یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ نہیں لیکن کیا ہے؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہے۔ نَحْوُ أَنْتَ حَضَرْتَ أَمْسِ، کل آپ حاضر تھے۔ وَيُسَمَّى الْحُكْمُ فَائِدَةَ الْخَبَرِ، اور وہ حکم جس پر وہ خبر مشتمل تھی بھئی اس حکم کو جو ہے کہتے ہیں فَائِدَةَ الْخَبَرِ، اس حکم کو فَائِدَةُ الْخَبَرِ کہتے ہیں۔ وَكَوْنُ الْمُتَكَلِّمِ عَالِماً بِهِ اور متکلم کا اس خبر پر عالم ہونا اس کو لَازِمَ الْفَائِدَةِ، اس کو لَازِمُ الْفَائِدَه کہتے ہیں، یعنی یوں کہیں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ کیا کہتے ہیں؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھئی۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی کہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کسے کہتے ہیں؟ آسان لفظوں میں اردو میں مجھے بتایئے فَائِدَةُ الْخَبَرِ کسے کہتے ہیں؟ مخاطب کو وہ بات بتلانا جو اس جملے کے اندر ہے یہ کیا ہے؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ اور مخاطب کو یہ بتلانا کہ مجھے بھی اس بات کا علم ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کہتے ہیں بھئی۔

وَقَدْ يُلْقَى الْخَبَرُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى، اور کبھی کبھار خبر لائی جاتی ہے دوسری غرضوں کے لیے، دوسرے مقاصد کے لیے۔ بھئی خبر کے اندر اصل تو یہی ہے وہ اسی مقصد کے لیے لائی جائے تاکہ دوسرے کو فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہو یا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہو۔ اصل تو یہی ہے۔ اصل کیا ہے؟ خبر کس لیے ہو؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے، یا کس لیے ہو؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کے لیے۔ لیکن کبھی کبھار خبر لائی جاتی ہے اور وہاں کوئی اور غرض مقصود ہوتی ہے، نہ وہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا فائدہ دینا مقصود ہوتا ہے اور نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ وہاں مقصود ہوتا ہے بھئی۔

مثلاً آپ بھی ایسا کرتے ہیں لیکن آپ نے کبھی توجہ نہیں کی اس کی طرف بھئی۔ اب علم بلاغت سے آپ کو پتہ چلے گا کہ ہم بھی اس طرح کرتے رہتے ہیں، کبھی کبھار خبر لانے کا مقصد کیا ہوتا ہے دوسرے کو بات بتلانا مقصد ہوتا ہے، یعنی فَائِدَةُ الْخَبَرِ مقصود ہوتا ہے، کبھی دوسرے کو یہ بتلانا مقصد ہوتا ہے کہ مجھے اس بات کا پتہ ہے، وہ کیا ہے؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ اور کبھی کبھار آپ بھی خبر لاتے ہیں، جملہ بولتے ہیں لیکن مقصد نہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہوتا ہے اور نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ مثلاً دیکھیے آپ سارے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے اور زید نے آکر کیا اطلاع دی کہ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ زید نے اطلاع دے دی، ساتھی آپ وہی بیٹھے ہوئے ہیں۔

تھوڑی دیر گزری آپ بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کے بیٹھے ہوئے ساتھیوں میں سے اب ایک ساتھی اونچی آواز میں کہتا ہے اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ اب نہ یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ مقصود، نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ مقصود ہے۔ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کیوں نہیں مقصود؟ کیونکہ اسے بھی پتہ ہے سب کو اس بات کا پتہ ہے، اور نیز لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ دینا بھی مقصود نہیں کہ مجھے بھی اس بات کا پتہ چل چکا ہے میں بھی اس بات پر واقف ہوں، کیوں؟ کیونکہ سب کے سامنے آکر زید نے کہا تھا، آپ کو بھی پتہ ہے، جتنے بیٹھے ہوئے ساتھی ہیں سب کو اس بات کا علم ہے بھئی۔ اس کے بولنے سے نہ آپ کو فَائِدَةُ الْخَبَرِ حاصل ہوا اور نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ، کیونکہ یہ دونوں چیزیں آپ کو پہلے سے حاصل ہیں۔ پھر اس کے خبر لانے کا مقصد کیا ہے؟ دراصل وہ اپنی اس خوشی کا اظہار کرنا چاہتا ہے جو چھپائے نہیں چھپ رہی اس سے بھئی۔ چھپائے نہیں چھپ رہی، اسی لیے اس نے کہا کہ اگلے ہفتے سے بیس دن کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ تو آپ بھی کرتے ہیں یا نہیں اس طرح بھئی؟ خوشی کے اندر ایک بات خوشی کی ہوتی ہے، پتہ ہے میرے ساتھ والے کو پتہ ہے لیکن پھر بھی آپ اس کے سامنے وہی جملہ بولتے ہیں، کیا مقصد ہوتا ہے آپ کے بولنے کا؟ آپ اپنی اس خوشی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ تو یہاں جو خبر لائی گئی نہ یہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے ہے، نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کے لیے ہے، بلکہ یہاں کیا مقصد ہے؟ خوشی کا اظہار ہے، آپ اپنی خوشی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ میں نہایت خوش ہوں اس خبر سے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ معلوم ہوا آپ بھی ایسا کرتے رہتے ہیں کہ خبر کبھی کبھار لاتے ہیں اور مقصد نہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہوتا ہے اور نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ مقصد ہوتا ہے۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں وَقَدْ يُلْقَى الْخَبَرُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرٰى، اور کبھی خبر لائی جاتی ہے دوسری غرضوں کے لیے، كَالِاسْتِرْحَامِ فِي قَوْلِ مُوسٰى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ۔ اِسْتِرْحَام کا معنی ہے رحم طلب کرنا۔ رحم اور مہربانی کو طلب کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول میں، رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ۔ رَبِّ اے میرے پروردگار، إِنِّي بے شک میں فَقِيرٌ محتاج ہوں۔ رَبِّ إِنِّي فَقِيرٌ، اے میرے پروردگار بے شک میں محتاج ہوں، لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ اس چیز کا جو آپ میری طرف نازل فرمائیں مِنْ خَيْرٍ یعنی کہ خیر، جو بھلائی ہے۔ آپ میری طرف جو بھلائی بھی نازل فرمائیں اور مجھے عطا فرمائیں میں اس کا کیا ہوں؟ محتاج ہوں۔ اے اللہ، دیکھیے بھئی یہ تو میں نے سمجھانے کے لیے إِنِّي کے ساتھ فَقِيرٌ کو جوڑا کہ یہ اس کی خبر ہے إِنَّ کی، کہ میں محتاج ہوں کس چیز کا؟ لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ وہ جو آپ میری طرف نازل فرمائیں، مِنْ خَيْرٍ یہ بیان ہے مَا أَنْزَلْتَ کا، یعنی کہ خیر۔ کس چیز کو نازل فرمائیں میری طرف؟ خیر اور بھلائی۔ جو بھلائی آپ میری طرف نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔

اب دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ فرما رہے ہیں، کیا مقصد ہے اس کے لیے، کس کی طرف رخ کلام ہے بھئی، کس سے فرما رہے ہیں وہ؟ اللہ سے فرما رہے ہیں۔ تو یہاں کیا مقصد ہے، فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا ہے مقصد؟ اللہ کو ایک بات بتلانا چاہتے ہوں جس کا اللہ کو علم نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے بھئی؟ اللہ تو ہر چیز کو جاننے والے ہیں، اللہ کو ہر چیز کا علم ہے، تو یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ غرض ہو ہی نہیں سکتی۔ اچھا فَائِدَةُ الْخَبَرِ تو غرض نہیں، لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ غرض ہو گی، اللہ کو یہ بتلانا چاہتے ہوں کہ مجھے اس بات کا علم ہے؟ جی؟ نہیں، اللہ تو ہر چیز کو جاننے والے ہیں بھئی۔ تو یہاں نہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ غرض ہے نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ غرض ہے، بلکہ غرض کیا ہے؟ اللہ کی رحمت اور مہربانی کو طلب کرنا ہے، اس مقصد کے لیے یہ فرما رہے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

▪ قولہ: «وَإِظْهَارِ الضَّعْفِ فِي قَوْلِ زَكَرِيَّا...» کی تشریح

وَإِظْهَارِ الضَّعْفِ فِي قَوْلِ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ، اور کمزوری کا اظہار جیسے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے قول میں ہے، اس مقصد کے لیے کبھی لایا جاتا ہے خبر کو۔ کیا فرماتے ہیں؟ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي۔ رَبِّ اے میرے پروردگار، إِنِّي بے شک میں وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي۔ وَهْن کمزور ہونا۔ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي کمزور ہو گئی ہیں ہڈیاں مجھ سے یعنی میری۔ میری ہڈیاں کیا ہو گئی ہیں؟ کمزور ہو گئی ہیں، یعنی میں بوڑھا ہو گیا ہوں، کمزور ہو گیا ہوں، ضعیف ہو گیا ہوں۔ اب بتایئے بھئی حضرت زکریا علیہ السلام اللہ سے فرما رہے ہیں رَبِّ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، یہاں مقصد کیا ہے؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہے، یہ بتلانا چاہتے ہیں اللہ کو کہ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور اللہ کو پہلے سے علم نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے بھئی؟ نہیں، معلوم ہوا یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ غرض نہیں۔ اچھا یہ بتلانا چاہتے ہوں کہ مجھے اس بات کا علم ہے، یعنی لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بتلانا مقصد ہے کہ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں؟ جی؟ نہیں، اللہ کو تو ہر چیز کا علم۔ پھر کیا مقصد ہے یہاں پر؟ اپنے ضعف کا اظہار کر رہے ہیں۔ نہ یہاں ان کا مقصد فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہے نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہے، صرف کیا کر رہے ہیں؟ اپنے ضعف کا، اپنی کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں بھئی۔

اوپر کیا آیا تھا؟ كَالِاسْتِرْحَامِ وَإِظْهَارِ الضَّعْفِ، اس کو مجرور پڑھنا بھئی، اِسْتِرْحَام پر عطف ہے۔ آگے کیا آرہا ہے؟ وَإِظْهَارِ التَّحَسُّرِ، اور حسرت کا اظہار کرنا، غم کا اظہار کرنا فِي قَوْلِ امْرَأَةِ عِمْرَانَ جیسے کہ امْرَأَةِ عِمْرَانَ کے قول میں۔ امْرَأَةُ عِمْرَانَ بھئی، عمران حضرت مریم کے والد کا نام، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران، تو یہاں حضرت مریم کے والد مراد ہیں۔ تو ان کی بیوی نے منت مانی تھی، حاملہ تھیں امْرَأَةُ عِمْرَانَ بھئی، وہ حاملہ تھیں تو انہوں نے منت مانی کہ اے اللہ یہ جو میرے پیٹ میں حمل ہے یہ میں آپ کے راستے میں اس کو آزاد کرتی ہوں کہ لڑکا ہو۔ اور اللہ کے راستے میں آزاد کرنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ دنیاوی کاموں وغیرہ میں مشغول نہیں رہے گا بلکہ یہ بیت المقدس کی خدمت کرتا رہے گا اور ہر وقت آپ کی عبادت وغیرہ ہی میں مشغول رہے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آئی بھئی؟ تو یہ انہوں نے منت مانی تھی لیکن جب جنم دیا تو بیٹی پیدا ہوئیں بھئی، حضرت مریم پیدا ہوئیں۔ اور تو اس وقت وہ کہنے لگیں رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثٰى، کہ اے

میرے پروردگار میں نے تو اس کو بیٹی جنم دیا ہے۔ میں نے تو کس کو جنم دیا ہے؟ بیٹی کو جنم دیا ہے۔ آگے اللہ فرماتے ہیں وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ، اور اللہ خوب جانتے ہیں اس چیز کو جس کو اس نے جنم دیا۔ انہوں نے یوں کہا کہ اے اللہ میں نے تو اس بیٹی کو جنم دیا، اللہ تو خوب واقف ہیں جس چیز کو انہوں نے جنم دیا۔

تو دیکھیے یہاں پر وہ فرمارہی ہیں کہ میں نے بیٹی کو جنم دیا ہے، اب یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ مقصد ہے؟ کیا اللہ کو یہ بتلانا مقصد ہے کہ میں نے بیٹی کو جنم دیا اور اللہ کو پہلے سے اس بات کا علم نہ ہو؟ نہیں، معلوم ہوا یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ مقصد نہیں۔ اچھا کیا یہ مقصد ہے اللہ کو یہ بتلانا مقصد ہو کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ میں نے کس کو جنم دیا ہے؟ نہیں، تو یہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھی مقصد نہیں اور فَائِدَةُ الْخَبَرِ بھی مقصد نہیں، بلکہ صرف غم اور افسوس کا اظہار ہے کیونکہ انہوں نے تو کیا منت مانی تھی کہ بیٹا ہو گا تو اس کو اللہ کے راستے میں آزاد کریں گی، اور بیٹی پیدا ہوئی، اب بیٹی تو اس طرح کا کام نہیں کر سکتی تو اس وجہ سے وہ غم اور افسوس کا اظہار کر رہی تھیں۔ چنانچہ آگے اللہ فرماتے ہیں وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ اور اللہ خوب جاننے والے ہیں جس کو انہوں نے جنم دیا بھئی۔ تو اس کے اندر یہ اظہار تحسر جو ہے یا یوں کہیں امْرَأَةِ عِمْرَانَ کا قول یہاں پر صرف یہ ہے رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى، یہ صرف ان کا کلام ہے، باقی وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ یہ اللہ کا کلام ہے بھئی، اللہ فرمارہے ہیں کہ اللہ خوب جاننے والے ہیں جس کو انہوں نے جنم دیا تھا بھئی۔ تو یہ جو آیا رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى اس کے اندر حسرت کا، افسوس کا، غم کا اظہار ہے بھئی، نہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ مقصود اور نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ مقصود کیونکہ اللہ ہر بات جاننے والے ہیں۔ تو یہ صرف غم اور افسوس کے اظہار کے لیے انہوں نے یہ جملہ کہا بھئی۔

وَإِظْهَارِ الْفَرَحِ بِمُقْبِلٍ وَالشَّمَاتَةِ بِمُدْبِرٍ فِي قَوْلِكَ۔ آپ کی کتابوں میں فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى تو نہیں بھئی؟ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى نہیں ہونا چاہیے بھئی اگر کسی کتاب میں ہے۔ یہ اصل کتاب کے اندر بھی جو اصل نسخے ہیں ان کے اندر بھی فِي قَوْلِكَ ہے بھئی، اور فِي قَوْلِكَ ہی ہونا چاہیے، فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى یہاں نہیں ہونا چاہیے بھئی۔ وَإِظْهَارِ الْفَرَحِ بِمُقْبِلٍ، فَرَحٌ کہتے ہیں خوشی کو، مُقْبِل کہتے ہیں آنے والی چیز، آنے والا۔ مُدْبِر کہتے ہیں جانے والا۔ مُدْبِر کسے کہتے ہیں؟ جانے والا۔ تو فَرَحٌ کا معنی ہے خوشی، شَمَاتَة کا معنی بھی ہے خوشی بھئی۔ لیکن یاد رکھیے شَمَاتَة وہ خوشی ہے جو کسی مخالف اور کسی دشمن کی مصیبت پر ہو، وہ خوشی اسے کیا کہتے ہیں؟ شَمَاتَة کہتے ہیں۔ عام خوشی نہیں بلکہ کون سی خوشی؟ جو کسی مخالف یا دشمن کی مصیبت اور تکلیف پر جو خوشی ہو اس کو شَمَاتَة کہتے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَإِظْهَارِ الْفَرَحِ بِمُقْبِلٍ وَالشَّمَاتَةِ بِمُدْبِرٍ فِي قَوْلِكَ۔ بھئی دیکھیے کسی مقام پر اہل اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور اہل باطل کو شکست ہوئی تو آپ اس موقع پر کہتے ہیں جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ اہل اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور اہل باطل کو شکست ہوئی تو اس موقع پر آپ کہتے ہیں جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، حق آگیا وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور باطل فنا ہو گیا، ہلاک ہو گیا۔ حق سے مراد ہے اسلام اور باطل سے مراد کفر وغیرہ، شرک۔ تو حق آگیا اور باطل مٹ گیا، یعنی اسلام آگیا اور باطل فنا ہوا، ہلاک ہوا۔ تو اب یہ آپ کلام کہتے ہیں اور کس موقع پر کہا آپ نے؟ جب اہل اسلام کو فتح ہوئی اور اہل باطل کو شکست ہوئی۔ تو دیکھیے یہ کلام لانے کا مقصد کیا ہے؟ آپ خوشی کا اظہار کرتے ہیں آنے والی چیز پر اور وہ آنے والی چیز کیا ہے؟ اسلام۔ اور آپ خوشی کا اظہار کر رہے ہیں پلٹ جانے والی چیز پر اور وہ کیا ہے؟ کفر بھئی۔ تو کفر کے پلٹ جانے اور اس کے ہلاک و برباد ہونے پر اور اسلام کی آمد پر آپ خوشی کا اظہار کر رہے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہاں یہ قَوْلِكَ ہونا چاہیے بھئی، آپ کا قول۔ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى یہاں درست بتا ہی نہیں بھئی، آپ خود بھی غور کر لیں، آنے والی چیز پر خوشی کا اظہار اور پلٹ جانے والی چیز پر یعنی جانے والی چیز پر خوشی کا اظہار، کیا اللہ کے کلام میں جو آیا اس کا تو معنی پھر یہ بنے گا کہ اللہ اسلام کے آنے پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور کفر کے فنا ہونے پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں بھئی، حالانکہ اللہ کی تو قدرت میں ہے ہر چیز بھئی، اللہ تعالیٰ تو چاہیں تو سارے کفر کو ہی نیست و نابود کر دیں اور ختم فرما دیں۔ تو یہاں یہ معنی بتا ہی نہیں کہ اللہ خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ حتی کہ قرآن میں بھی آپ غور کر لیں تو قرآن میں بھی اس سے پہلے قُلْ کا لفظ آیا ہے، قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، آپ یعنی اس خوشی کا اظہار کیجیے کہ اسلام آگیا اور کفر مٹ گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں فِي قَوْلِكَ ہونا چاہیے بھئی اور اصل نسخوں کے اندر اسی طرح ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں نہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ مقصود ہے نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ مقصود ہے۔ اہل اسلام کو فتح ہوئی ہے اور کفار کو شکست ہوئی ہے، سب کو پتہ ہے، جس سے آپ بات کر رہے ہیں اس کو بھی اس بات کا پتہ کہ اسلام والوں کو فتح ہوئی ہے اور کفر والوں کو شکست ہوئی ہے، لیکن اس کے سامنے پھر بھی آپ کہتے ہیں جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ نہ یہاں آپ کا مقصد فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہے اور نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہے کیونکہ سب کو اس بات کا پتہ ہے، تو آپ کا در اصل مقصد کیا ہے اپنے اس قول کے اندر؟ آنے والی چیز پر خوشی کا اظہار اور جانے والی اور فنا ہونے والی چیز پر خوشی کا اظہار ہے بھئی۔

■ قولہ: «وَإِظْهَارِ السُّرُورِ فِي قَوْلِكَ» کی تشریح

وَإِظْهَارِ السُّرُورِ فِي قَوْلِكَ، اور خوشی کا اظہار آپ کے اس قول کے اندر أَخَذْتُ جَائِزَةَ التَّقَدُّمِ۔ جَائِزَة کہتے ہیں انعام کو، تَقَدُّم آگے ہونا۔ میں نے آگے ہونے کا انعام لیا، یا یوں کہیں اول آنے کا انعام لیا میں نے۔ میں نے کس چیز کا انعام لیا؟ اول آنے کا، دوسروں سے آگے نکلنے کا انعام میں نے لیا، یعنی میں دوسروں سے آگے نکلا اور پھر مجھے انعام ملا۔ آپ یہ کہتے ہیں لِمَنْ يَعْلَمُ ذٰلِكَ اس شخص سے جو اس بات کو جانتا ہے۔ آپ کو انعام ملا ہے، آپ کا ساتھی جو آپ کے ساتھ کھڑا ہے اس کو بھی پتہ ہے کہ آپ کو انعام ملا ہے۔ تو یہاں پر آپ کہتے ہیں میں نے اول آنے کا انعام لیا، فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہے یہاں مقصد؟ نہیں، اس کو بھی علم ہے اس بات کا، تو فَائِدَةُ الْخَبَرِ غرض نہیں۔ اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھی یہاں غرض نہیں، آپ اسے یہ نہیں بتلانا چاہتے کہ میں نے انعام لیا ہے مجھے علم ہے، کیونکہ جب لیا ہی آپ نے ہے تو

آپ ہی تو لینے والے ہیں بھئی اور پھر کس کو علم ہو گا بھئی؟ تو فَائِدَةُ الْخَبَرِ بھی یہاں مقصد نہیں اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھی مقصد نہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں آپ کے ساتھی کو پہلے سے ہی پتہ ہیں، پھر بھی آپ اس کو کہتے ہیں پہلے نمبر کا انعام میں نے لیا ہے، کیا مقصد ہے؟ صرف اپنی خوشی بتلانا چاہتے ہیں بھئی۔

وَالتَّوْبِيخِ فِي قَوْلِكَ لِلْعَاثِرِ، اور ڈانٹ ڈپٹ آپ کے اس قول میں لِلْعَاثِرِ۔ عَاثِر کہتے ہیں ٹھوکر کھانے والا، پھسلنے والا، جو پھسل جائے، ٹھوکر کھا کر گر پڑے اسے کیا کہتے ہیں؟ عَاثِر۔ ایک ساتھی ہے آپ کا، آپ چل رہے ہیں اور وہ ٹھوکر کھا کر یا پھسل کر گر جاتا ہے، آپ اسے ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں الشَّمْسُ طَالِعَةٌ، سورج نکلا ہوا ہے۔ کیا کہتے ہیں؟ سورج نکلا ہوا ہے، مطلب کیسے ٹھوکر کھالی، کس طرح پھسل کر گر گئے، نیچے دیکھتے کیوں نہیں راستے کی طرف بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ اب آپ بتایئے سورج نکلا ہوا ہے یہ اس کو پتہ ہے یا نہیں؟ پتہ ہے۔ اور سورج کے نکلنے کا آپ کو یعنی بتلانے والے کو علم ہے یہ بھی اس کو پتہ ہے یا نہیں؟ جب خود ہی دیکھ رہا ہے سورج نکلا ہوا ہے اسے پتہ ہے سب کو اس بات کا علم ہے۔ تو آپ اپنے عالم ہونے کے بارے میں بتلائیں یہ نہیں ہو سکتا یہاں پر کیونکہ یہ تو ظاہر سی بات ہے بھئی۔ اور آپ اس کو سورج نکلنے کا بتائیں، بھئی وہ خود دیکھ رہا ہے، معلوم ہوا یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ بھی مقصد نہیں اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھی مقصد نہیں۔ مقصد کیا ہے؟ اس کو ڈانٹ رہے ہیں آپ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۵: اضربِ خبر (ابتدائی، طلبی، انکاری) اور ادواتِ تاکیدِ خبر کا مفصل بیان

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۷ــــ بتاریخ: ۴ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

أَضْرُبُ الْخَبَرِ۔ حَيْثُ كَانَ قَصْدُ الْمُخْبِرِ بِخَبَرِهِ إِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ يَنْبَغِي أَنْ يَقْتَصِرَ مِنَ الْكَلَامِ عَلٰى قَدْرِ الْحَاجَةِ حَذَراً مِنَ اللَّغْوِ، فَإِنْ كَانَ الْمُخَاطَبُ خَالِيَ الذِّهْنِ مِنَ الْحُكْمِ أُلْقِيَ إِلَيْهِ الْخَبَرُ مُجَرَّداً عَنِ التَّأْكِيدِ، نَحْوُ أَخُوكَ قَادِمٌ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

ہم نے علم معانی پڑھنا شروع کیا تھا۔ آپ نے پڑھا علم معانی جو ہے وہ لفظ عربی کے ان احوال کو جاننے کا نام ہے جن سے وہ لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے، یعنی موقع محل جس قسم کے الفاظ کا تقاضا کر رہا ہے اس کا پتہ ہمیں کس سے چلے گا؟ علم معانی سے بھئی۔ پھر اس کے بعد علم معانی کے اندر انہوں نے بتلایا تھا کہ آٹھ ابواب ہوں گے بھئی اور ایک خاتمہ۔ اور پہلا باب پھر شروع کیا تھا خبر اور انشاء کے بارے میں۔ خبر کے بارے میں آپ نے پڑھا وہ کلام کہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے، اور انشاء وہ کلام جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جا سکے۔ اور صدق خبر آپ نے پڑھا تھا خبر کا سچا ہونا۔ صدق خبر کس کو کہتے ہیں؟ کہ خبر واقع کے اور خارج کے مطابق ہو۔ ایک شخص نے آپ کے سامنے کوئی بات کہی اور وہ بات خارج اور واقع کے مطابق ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ صدق خبر، خبر کا سچا ہونا۔ اور یہ خبر کیا کہلائے گی؟ خبر صادق کہلائے گی کہ یہ خبر سچی ہے۔ اور اگر خبر واقع کے مطابق نہ ہو تو اس کو کذب خبر کہتے ہیں، خبر کا جھوٹا ہونا۔ اور اس قسم کی خبر جو واقع کے مطابق نہ ہو وہ کیا کہلاتی ہے؟ وہ خبر کاذب کہلاتی ہے بھئی۔

تو بات خبر کی چل رہی ہے بھئی۔ خبر سے مراد پورا جملہ، جملہ خبریہ مراد ہے۔ ایک مبتدا کی بھی خبر ہوتی ہے وہ مراد نہیں ہے، مبتدا کی خبر تو صرف مسند ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ صرف مسند ہوتی ہے، مبتدا ہوتا ہے مسند الیہ جس پر حکم لگایا گیا، اور کیا حکم لگایا گیا؟ وہ خبر والا، تو خبر ہے مسند۔ اس خبر کی بات نہیں ہو رہی، یہ وہ خبر ہے جو انشاء کے مقابلے میں ہے۔ اور انشاء بھی کیا ہوتا ہے؟ جملہ، اور خبر سے بھی کیا مراد ہے؟ جملہ خبریہ۔ پھر یہ جملہ خبریہ آپ نے پڑھا دو قسم پر ہے، یا جملہ اسمیہ ہو گا یا جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ جس میں ایک مبتدا ہوتا ہے ایک اس کی خبر ہوتی ہے، اور جملہ فعلیہ جس میں فعل اور اس کا فاعل یا نائب فاعل ہو گا بھئی۔ تو جملہ خبریہ یا یوں کہیں خبر جو ہے، خبر دو قسم کی ہوئی، یا وہ جملہ اسمیہ ہو گی یا جملہ فعلیہ۔

ان میں سے پھر جملہ فعلیہ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے حدوث اور تجدد کے لیے۔ حدوث اور تجدد یہ دونوں لفظ جو ہیں ان کا ایک ہی معنی ہے، اسی لیے میں دونوں بار بار ذکر کر رہا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں بات اچھی طرح بیٹھ جائے بھئی۔ حدوث کا معنی ہے ہونا، کسی چیز کا ہونا، پہلے نہ ہو اور پھر ہو جائے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ حدوث۔ اور تجدد کا بھی کیا معنی ہے؟ ہونا، ایک چیز پہلے نہ ہو اور پھر ہو، تو یہ ہے حدوث اور تجدد۔ تو جملہ فعلیہ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے حدوث اور تجدد کے لیے، وہ یہ بتلاتا ہے کہ ایک چیز پہلے نہیں تھی اور پھر ہوئی، پھر پائی گئی۔ اور جملہ اسمیہ جو ہے وہ ثبوت کے لیے وضع ہے، یعنی اس میں صرف یہ بتلایا جاتا ہے کہ مبتدا کے لیے یہ چیز ثابت ہے، یا یوں کہیں ایک چیز کے لیے دوسری چیز ثابت ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، تو دیکھو اس میں صرف اتنا بتلایا گیا کہ زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ پہلے تھا یا نہیں تھا یہ ذکر ہی نہیں اس کے اندر، بعد میں ہو گا یا نہیں ہو گا یہ ذکر ہی نہیں ہے، صرف اتنا بتلایا گیا کہ زید کے لیے اس وقت کیا ثابت ہے؟ قیام ثابت ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اگر آپ کہتے ہیں قَامَ زَيْدٌ، زید کھڑا ہوا، اس نے کیا بتلایا؟ کہ پہلے نہیں تھا پھر زید کھڑا ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس میں ہے ہونا ایک چیز کا۔ تو جملہ فعلیہ میں حدوث اور تجدد ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ میں ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت۔

پھر جملہ فعلیہ اگر وہ فعل مضارع ہو اور اس کے ساتھ کبھی کوئی قرینہ مل جاتا ہے تو وہ حدوث کے ساتھ ساتھ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے۔ استمرار کا معنی ہے ایک چیز کا مسلسل ہونا، بار بار ہونا، یہ ہے استمرار بھئی۔ اور دوسری طرف جملہ اسمیہ اس کے ساتھ کبھی کوئی قرینہ مل جاتا ہے تو وہ ثبوت کے ساتھ ساتھ دوام پر بھی دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ دوام پر بھی۔ اور قرینہ کا لفظ آیا، قرینہ کسے کہتے ہیں میں آپ کو بتلا چکا ہوں بھئی، کسے کہتے ہیں؟ اَلْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ۔ یہ تعریف ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونی چاہیے بھئی، ہر وقت۔ یہ تو آپ کو ہر جگہ کتابوں میں جگہ جگہ قرینے کا لفظ آتا ہے۔ کوئی بھی چیز جو مقصود کی طرف اور مطلوب کی طرف اشارہ کر رہی ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ قرینہ کہتے ہیں۔

پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو یہ بتلایا بھئی کہ اصل خبر کے اندر یہ ہے کہ وہ مخاطب کو اس حکم کا فائدہ دینے کے لیے لائی جاتی ہے جس پر وہ خبر مشتمل ہوتی ہے، یا خبر اس لیے لائی جاتی ہے کہ مخاطب کو اس بات کا فائدہ دے کہ خبر لانے والا اس بات پر عالم ہے۔ بھئی دیکھیے آپ کے سامنے آکر کوئی شخص کلام کرتا ہے، مثلاً اس نے آپ سے آکر کہا جَاءَ زَيْدٌ، زید آگیا ہے۔ اس سے آپ کو دو فائدے حاصل ہوئے، ایک تو فائدہ یہ کہ آپ کو زید کے آنے کا پتہ چلا، پہلے آپ کو علم نہیں تھا اب آپ کو کیا پتہ چل گیا؟ زید کے آنے کا پتہ چل گیا۔ نیز ایک اور فائدہ بھی ہوا اور وہ کیا؟ کہ یہ جو خبر لانے والا ہے اس کو بھی پتہ ہے کہ زید آگیا ہے۔ تو خبر جب کسی کے سامنے ذکر کی جائے تو اس سے سننے والے کو اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے اور اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ لانے والا اس خبر پر مطلع ہے، اس کو اس بات کا پتہ ہے۔ تو خبر سے یہ جو بات کا پتہ چلا اس کو کہتے ہیں فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ کیا کہتے ہیں؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ، جو نئی بات جس کا آپ کو فائدہ ہوا، جس کا آپ کو پتہ چلا۔ اور یہ بھی ساتھ پتہ چلا کہ خبر لانے والے کو بھی اس بات کا پتہ ہے، اس کو کہتے ہیں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ کیا کہتے ہیں؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ بھئی اس نے تو یہ نہیں کہا کہ مجھے بھی اس بات کا پتہ ہے، اس نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ زید آگیا ہے، لیکن خود بخود آپ کو کیا پتہ چل گیا؟ یہ خبر لانے والے کو بھی زید کے آنے کا پتہ ہے جبھی تو وہ مجھے آکر اطلاع دے رہا ہے۔ تو یہ اس کے عالم ہونے کا بھی پتہ چلا آپ کو۔ عالم ہونا کیا معنی، دنیا کی ہر چیز پر عالم ہونے کا پتہ چلا یا اس بات پر جو وہ ذکر کر رہا ہے اس بات پر اس کے عالم ہونے کا پتہ چلا؟ اس بات پر آپ کو اس کے عالم ہونے کا پتہ چلا بھئی۔ تو اس کو کہتے ہیں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔

اس کو لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے ساتھ لازم ہے۔ جہاں بھی فَائِدَةُ الْخَبَرِ پایا جائے گا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ضرور ہوگا۔ یعنی جہاں بھی آپ کے سامنے کوئی بات کرے اور آپ کو اس بات کا پہلے پتہ نہ تھا، جیسے آپ کو اس بات کا پتہ چل رہا ہے اس کے کہنے سے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چل رہا ہے آپ کو کہ جو بات کر رہا ہے اس کو بھی اس بات کا علم ہے۔ تو جہاں بھی فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہوتا ہے وہاں ساتھ کیا ہوتا ہے؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ، اسی لیے اس کو لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کے ساتھ لازم ہے۔ لیکن اس کا عکس نہیں ہے، جہاں بھی لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہو وہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا ہونا ضروری نہیں۔ جہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہو وہاں تو لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کا ہونا ضروری، لیکن جہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہو وہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً دیکھیے آپ سے ایک شخص نے آکر کہہ دیا کہ زید آگیا ہے، اب آپ کو اس بات کا پتہ چل گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کا ایک اور ساتھی آیا اس نے بھی یہی جملہ آپ کے سامنے کہا زید آگیا ہے۔ اب بتائیے یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہے؟ نہیں، کیونکہ یہ فائدہ تو آپ کو پہلے ہی حاصل ہو چکا، آپ کو پہلے ہی پتہ چل چکا۔ ہاں البتہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہے یہاں پر، آپ کو علم ہو گیا کہ یہ جو اب خبر لے کر آیا ہے معلوم ہوا اس کو بھی پتہ ہے زید کے آنے کا بھئی۔ تو دیکھو یہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ تو ہے لیکن فَائِدَةُ الْخَبَرِ نہیں۔

■ قولہ: «فَائِدَةُ الْخَبَرِ» کی تشریح

تو خبر کے اندر اصل یہی ہے کہ یا تو وہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے لائی جائے، جملہ خبریہ جب بھی کسی کے سامنے ذکر کیا جائے تو اس کا مقصد کیا ہوگا، اصل کیا ہے اس کے اندر؟ یا تو دوسرے کو وہ بات بتلانا مقصد ہوگا، یا کیا مقصد ہوگا؟ اپنے عالم ہونے کے بارے میں آپ اسے بتلانا چاہتے ہیں کہ میں اس بات پر واقف ہوں، میں اس بات پر عالم ہوں بھئی۔ تو جملہ خبریہ یعنی خبر جب بھی کسی کے سامنے پیش کی جائے اصل اس کے اندر یہی ہے یا تو وہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے ہوگی یا کس لیے ہوگی؟ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کے لیے۔ اصل یہ ہے، ہونا اس کے لیے اس کو چاہیے، لیکن کبھی کبھار اور غرضوں کے لیے بھی اس کو لایا جاتا ہے۔ مثلاً جیسے آپ کو امتحان میں انعام ملا، آپ اول آئے تو آپ کو انعام ملا، اب آپ کو بھی پتہ ہے کیونکہ انعام آپ ہی کو تو ملا ہے، اور آپ کی ساری جماعت کو بھی پتہ ہے کہ آپ کو انعام ملا ہے۔ اب آپ ان کے سامنے کہتے ہیں میں امتحان میں اول آیا ہوں، مجھے امتحان میں انعام ملا ہے۔ بھئی یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ غرض نہیں کیونکہ یہ تو سب کو پتہ ہے۔ اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھی غرض نہیں کہ آپ ان کو یہ بتلانا چاہتے ہوں کہ مجھے علم ہے، بھئی آپ ہی کو تو انعام ملا ہے یہ تو سب کو پتہ ہے آپ کے تو علم میں ہے۔ تو یہاں نہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ مقصود نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ مقصود، بلکہ مقصد کیا ہے؟ آپ خوشی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں دوسروں کے سامنے بھئی کہ میں اس بات پر بڑا خوش ہوں بھئی۔ تو خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے لائی جائے یا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کے لیے، لیکن کبھی کبھار اور غرضوں کے لیے بھی وہ خبر لائی جاتی ہے بھئی اور اس کی بہت سی مثالیں بھی کتاب میں ذکر کیں انہوں نے۔

آج خبر کی قسمیں آپ کو بتلا رہے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں أَضْرُبُ الْخَبَرِ۔ أَضْرُب جمع ہے ضَرْب کی۔ ضَرْب کا معنی ہے قسم اور نوع۔ تو أَضْرُبُ الْخَبَرِ کا کیا معنی ہوا؟ خبر کی قسمیں، خبر کی انواع بھئی۔ جی دیکھیے بھئی کتاب پر، أَضْرُبُ الْخَبَرِ خبر کی قسمیں، حَيْثُ كَانَ قَصْدُ الْمُخْبِرِ بِخَبَرِهِ إِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ۔

مُخْبِر خبر دینے والا، خبر لانے والا۔ حَيْثُ كَانَ قَصْدُ الْمُخْبِرِ بِخَبَرِهِ إِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ، اس حیثیت سے کہ مخبر جو ہوتا ہے اس کا ارادہ اپنی خبر کے ذریعے إِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ مخاطب کو فائدہ دینا ہوتا ہے۔ مخبر کا اپنی خبر کے ذریعے کیا ارادہ ہوتا ہے؟ مخاطب، مُخَاطِب نہ کہیں مُخَاطَب بھئی۔ مُخَاطِب وہ تو خود متکلم ہے، وہ مخبر خود مُخَاطِب ہے۔ تو حَيْثُ كَانَ قَصْدُ الْمُخْبِرِ بِخَبَرِهِ إِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ اس حیثیت سے کہ مخبر جو ہوتا ہے اس کا ارادہ اپنی خبر کے ذریعے إِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ مخاطب کو فائدہ دینا ہوتا ہے، يَنْبَغِي أَنْ يَقْتَصِرَ مِنَ الْكَلَامِ عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ تو مناسب یہ ہے أَنْ يَقْتَصِرَ کہ وہ اکتفا کرے مِنَ الْكَلَامِ عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ ضرورت کے بقدر کلام پر۔ وہ کیا کرے؟ اکتفا کرے کلام پر عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ بقدر ضرورت۔

بھئی کوئی آدمی جب دوسرے کے سامنے خبر لاتا ہے، اس کے سامنے جملہ خبر یہ کہتا ہے تو اس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ مخاطب کو فائدہ دینا ہوتا ہے۔ تو مناسب یہ ہے کہ اتنا ہی کلام لے کر آئے، اتنے ہی کلام پر اکتفا کرے جتنے کی ضرورت ہے۔ نہ تو وہ کلام ضرورت سے زائد ہو نہ ضرورت سے کم ہو۔ اگر ضرورت سے زائد ہوا کلام تو وہ بیکار چلا جائے گا بھئی۔ اور اگر ضرورت سے وہ کلام کم ہوا پھر تو ضرورت ہی پوری نہیں ہو رہی تو بھی کلام بیکار ہوا، دوسرے کو تو کوئی فائدہ نہ ہوا اس کلام کے سننے کا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو متکلم یا مخبر جب بھی کسی کے سامنے کوئی خبر لاتا ہے اس کا مقصد مخاطب کو اس خبر کا فائدہ دینا ہوتا ہے، تو مناسب یہ ہے کہ وہ ضرورت کے بقدر ہی کلام لے کر آئے، نہ ضرورت سے زائد ہو اور نہ ضرورت سے کم۔ ضرورت سے زائد ہوا تو وہ لفظ کیا چلے جائیں گے؟ لغو چلے جائیں گے، بیکار چلے جائیں گے جو لفظ ضرورت سے زائد ہیں۔ اور اگر ضرورت سے کلام کم ہوا تو بھی کلام بیکار ہے، ضرورت ہی نہیں اس سے پوری ہو رہی تو بالکل بیکار کلام ہوا بھئی۔

تو یہی بات کر رہے ہیں، يَنْبَغِي أَنْ يَقْتَصِرَ مِنَ الْكَلَامِ عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ مناسب یہ ہے کہ وہ مخبر جو ہے وہ اکتفا کرے کلام پر عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ بقدر ضرورت پر، حَذَراً مِنَ اللَّغْوِ۔ لَغْو کا معنی ہے بیکار، حَذَراً کا معنی ہے بچنا۔ یہ مفعول لہ واقع ہو رہا ہے حَذَراً بھئی۔ مفعول لہ وہ مصدر جو ما قبل فعل کی علت بیان کرتا ہے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيباً، میں نے اس کی پٹائی کی، کس لیے پٹائی کی؟ تَأْدِيباً ادب سکھانے کے لیے۔ تو دیکھو پٹائی کی علت کا پتہ چل گیا، تو یہ تَأْدِيباً ایسا مصدر ہے جو ما قبل فعل کی علت بیان کر رہا ہے اور اس کو مفعول لہ کہتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی حَذَراً جو ہے مفعول لہ ہے، یہ علت بیان کر رہا ہے۔ بھئی بقدر ضرورت کلام پر اکتفا کیوں کرنا چاہیے، اس کی علت کیا ہے، وجہ کیا ہے، کیوں بقدر ضرورت کلام پر اکتفا کرے؟ کہتے ہیں حَذَراً مِنَ اللَّغْوِ تاکہ لغو سے بچ جائے، بیکار کلام لانے سے بچ جائے۔ تو کہتے ہیں يَنْبَغِي أَنْ يَقْتَصِرَ مِنَ الْكَلَامِ عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ حَذَراً مِنَ اللَّغْوِ، مناسب یہ ہے کہ مخبر جو ہے اکتفا کرے بقدر ضرورت کلام پر حَذَراً مِنَ اللَّغْوِ لغو سے بچنے کے لیے۔

فَإِنْ كَانَ الْمُخَاطَبُ خَالِيَ الذِّهْنِ مِنَ الْحُكْمِ۔ بھئی یہ بات میں پہلے بھی آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں کہ مخاطب جو ہے جس کے سامنے آپ کوئی کلام لاتے ہیں، کچھ کہنا اسے چاہتے ہیں، اس کی تین حالتیں ہوں گی۔ یا تو وہ خالی الذہن ہو گا اس بات کے بارے میں، یا وہ اس بات کے بارے میں متردد ہو گا یعنی اسے شک ہو گا، یا وہ اس بات کا منکر ہو گا یعنی انکار کرنے والا ہو گا۔ تو اگر وہ مخاطب خالی الذہن ہے تو پھر اس کے سامنے تاکید نہ لائی جائے بھئی، کیونکہ اگر آپ کلام کے اندر تاکید لائیں گے تو وہ تاکید بیکار چلی جائے گی بھئی، ضائع ہو جائے گی، آپ کا کلام لغو چیز پر مشتمل ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ بھی ایسا کرتے ہیں اگرچہ آپ نے آج تک کبھی غور نہیں کیا۔ بھئی آپ کبھی کبھار قسم اٹھاتے ہیں یا نہیں اٹھاتے؟ قسم اٹھاتے ہیں، لیکن یہ ہر کلام کے اندر قسم کیوں نہیں اٹھاتے آپ، کبھی کبھار کیوں اٹھاتے ہیں؟ وجہ یہ کہ آپ موقع محل کو دیکھتے ہیں، آپ دیکھتے ہیں ایک آدمی ایک بات نہیں مان رہا تو پھر آپ قسم اٹھاتے ہیں۔ دیکھا، منکر کے سامنے آپ قسم اٹھاتے ہیں ہر ایک کے سامنے قسم نہیں اٹھاتے۔ تو قسم سے کلام میں تاکید پیدا ہوتی ہے، تو لہٰذا آپ بھی جہاں موقع تاکید کا ہوتا ہے وہاں یہ قسم والی تاکید لاتے ہیں، جہاں موقع نہیں ہوتا وہاں یہ تاکید نہیں لے کر آتے بھئی۔ تو لہٰذا خالی الذہن کے سامنے تاکید کلام کے اندر نہیں ہونی چاہیے بھئی۔

انہوں نے کہا اگر مخاطب کیا ہو؟ خالی الذہن ہو۔ خَالِيَ الذِّهْنِ نہ پڑھنا اس کو بھئی، یا پر ضمہ نہیں آتا عربی کلام کے اندر بھئی۔ ضمہ اعرابی یا پر نہیں آتا بھئی، قَاضِي، خَالِي، دیکھو قَاضِي کی طرح ہے۔ اور قَاضِي کا اعراب آپ نے کیا پڑھا؟ حالت رفعی اور جری میں ضمہ اور کسرہ تقدیری ہے اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی ہے۔ جَاءَنِي الْقَاضِي، دیکھو قَاضِيْ نہیں کہا بلکہ جَاءَنِي الْقَاضِي۔ رَأَيْتُ الْقَاضِيَ، فتحہ آرہا ہے۔ مَرَرْتُ بِالْقَاضِي، دیکھو بِالْقَاضِي یا کے نیچے کسرہ نہیں بھئی۔ تو ضمہ بھی تقدیری اور کسرہ بھی تقدیری اور فتحہ لفظی ہے۔ تو یہ خَالِي کا لفظ بھی اسی کی طرح ہے، اور یہاں چونکہ یہ كَانَ کی خبر بن رہا ہے اس لیے میں نے خَالِيَ الذِّهْنِ پڑھا بھئی، كَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔

تو انہوں نے کہا مخاطب خالی الذہن ہو بھئی۔ بھئی خالی الذہن ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اس کے ذہن میں کچھ بھی نہ ہو، ذہن بالکل ہر چیز سے خالی ہو، بلکہ مراد یہ ہے جو بات آپ اس کے سامنے کر رہے ہیں اس سے اس کا ذہن خالی ہو بھئی، یعنی اس بات کے بارے میں نہ اس کے ذہن میں شک ہو اور نہ انکار ہو۔ مثلاً آپ نے کیا کہنا ہے مخاطب کو کہ زید آگیا ہے، تو یہ زید کے آنے کے بارے میں اس کا ذہن خالی ہو گا یا اس کے ذہن میں شک ہو گا یا اس کے ذہن میں انکار ہو گا۔ اگر اس کے ذہن میں تردد بھی نہیں اور انکار بھی نہیں تو کیا کہیں گے؟ وہ خالی الذہن ہے، لہٰذا اب تاکید نہ لے کر آئیں بھئی، یہاں تاکید لانا بیکار ہو گا۔ چنانچہ اگر آپ نے اس کے سامنے کہہ بھی دیا وَاللّٰهِ زید آگیا ہے، وہ فوراً کہے گا بھئی قسم اٹھانے کی کیا ضرورت ہے، تاکیدات لانے کی کیا ضرورت ہے، میں نے کب اس بات کا انکار کیا ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو مخاطب یا تو وہ جو بات آپ اس کے سامنے کرنا چاہتے ہیں اس بات سے اس کا ذہن خالی ہو گا، یا اس بات کے بارے میں اس کے ذہن میں متردد ہو گا، یا اس بات کے بارے میں اس کے ذہن میں انکار ہو گا۔ تو مخاطب کا تین احوال میں سے کوئی ایک حال ضرور ہو گا، یا وہ اس بات کے بارے میں خالی الذہن ہو گا، یا کیا ہو گا؟ شک ہو گا یعنی

متردد ہو گا اس بارے میں، یا کیا ہو گا؟ منکر ہو گا، پہلے بھی یہ خبر اس کو ملی ہے لیکن وہ اس کا انکار کر رہا ہے، اس کو تسلیم نہیں کر رہا بھئی۔ تو اگر مخاطب خالی الذہن ہو تو اس کے سامنے تاکیدات نہ لائیں بھئی۔ اگر تاکیدات لائیں گے تو یہ آپ بلاوجہ زائد چیز کلام کے اندر لے آئے اور یہ آپ کی تاکیدات لغو اور بیکار چلی جائیں گی اور آپ کا کلام بلاغت سے خارج ہو جائے گا۔ اب آپ کا کلام بلیغ رہا ہی نہیں، بلاغت سے خارج ہو گیا کیونکہ موقع ہی نہیں تھا تاکید لانے کا پھر آپ کیوں تاکید لے کر آئے؟ بلاغت تو کس چیز کا نام تھا؟ موقع محل کے مطابق کلام کرنا، تو آپ تاکید لے آئے تو یہ تو مقام ہی نہیں تھا تاکید والا، تو آپ نے موقع محل کے مطابق کلام نہیں کیا تو آپ کا کلام بلیغ بھی نہ رہا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو معلوم ہوا خالی الذہن کے سامنے تاکید نہیں لائیں گے۔ اور اگر مخاطب متردد ہے، اس کو اس بات کے بارے میں شک ہے کہ پتہ نہیں زید آیا ہے یا زید نہیں آیا، تو اب بہتر ہے اس کے سامنے ایک تاکید لے آئیں بھئی۔ تو متردد کے سامنے ایک تاکید کا لانا بہتر ہے بھئی۔ اور اگر انکار کرنے والا ہے پھر تاکید کا لانا واجب ہے۔ مثلاً مخاطب کو یہ بات پہلے بھی پہنچی، کسی نے بتایا اس کو کہ زید آگیا ہے، وہ کہتا ہے نہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا زید آجائے، وہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کر رہا۔ اب آپ اس کے سامنے بغیر تاکید کے کلام کریں اور یوں کہیں جَاءَ زَيْدٌ، تو یہ کلام آپ کا بالکل لغو ہے، بیکار ہے بھئی کیونکہ موقع محل کے مطابق نہیں۔ موقع محل تو کیا ہے؟ وہ منکر ہے، منکر کے سامنے کیسا کلام ہونا چاہیے؟ تاکید والا۔ بھئی وہ انکار کر رہا ہے اور پھر آپ کہہ رہے ہیں جَاءَ زَيْدٌ، بھئی اسی جَاءَ زَيْدٌ کا تو وہ پہلے بھی انکار کر رہا تھا تو کوئی فائدہ ہوا آپ کا اس کے سامنے جَاءَ زَيْدٌ کہنے کا؟ کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا اس کے سامنے اب تاکید کے ساتھ کلام لاؤ اور کہو إِنَّ زَيْداً جَاءَ، یا قَائِمٌ کی بنالیں إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ۔ اور پھر جتنا انکار ہو گا اسی کے بقدر تاکیدات لے کر آئیں گے بھئی۔ اگر انکار ضعیف ہے، تھوڑا سا انکار ہے تو ایک تاکید کا لانا کافی ہے۔ اور اگر انکار قوی ہے بھئی تو پھر تاکید ذرا بڑھا دیں اور یوں کہیں إِنَّ زَيْداً لَقَائِمٌ بھئی۔ اور اگر انکار اشد ہے، خوب سخت انکار کر رہا ہے تو پھر اور تاکیدات لے آؤ اور کیا کہو؟ وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْداً لَقَائِمٌ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «فَإِنْ كَانَ الْمُخَاطَبُ خَالِيَ الذِّهْنِ مِنَ...» کی تشریح

جی یہی بات اب بیان کر رہے ہیں دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ الْمُخَاطَبُ خَالِيَ الذِّهْنِ مِنَ الْحُكْمِ، پس اگر مخاطب جو ہے وہ خالی الذہن ہو یعنی اس کا ذہن خالی ہو مِنَ الْحُكْمِ، دیکھا مِنَ الْحُكْمِ اس حکم سے، اس بات سے جو اس کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ تو مخاطب اگر اس کا ذہن اس بات سے خالی ہو أُلْقِيَ إِلَيْهِ الْخَبَرُ تو لائی جائے اس کے سامنے وہ خبر مُجَرَّداً عَنِ التَّأْكِيدِ اس حال میں کہ وہ خبر تاکید سے خالی ہو۔ نَحْوُ أَخُوكَ قَادِمٌ، آپ ایک شخص کو بتلانا چاہتے ہیں اس کا بھائی آگیا ہے اور وہ خالی الذہن ہے، یعنی اپنے بھائی کے آنے کے بارے میں نہ اس کے ذہن میں تردد ہے اور نہ انکار ہے تو وہ خالی الذہن ہوا۔ اب اس کے سامنے یہ جملہ کیسے کہیں گے؟ أَخُوكَ قَادِمٌ۔ قُدُوم کا معنی ہوتا ہے آنا، تو أَخُوكَ قَادِمٌ آپ کا بھائی آنے والا ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں آپ کا بھائی آرہا ہے۔

بھئی میں نے عبارت پڑھی أُلْقِيَ إِلَيْهِ الْخَبَرُ، اگر مخاطب خالی الذہن ہو تو اس کے سامنے خبر لائی جائے یا اس کے سامنے خبر پیش کی جائے مُجَرَّداً عَنِ التَّأْكِيدِ اس حال میں کہ وہ خبر کیا ہو؟ تاکید سے خالی ہو۔ تو چاہیں تو اس کو أُلْقِيَ فعل مجہول پڑھیں اور الْخَبَرُ پھر اس کا نائب فاعل ہو جائے گا، کیا پیش کی جائے؟ وہ خبر پیش کی جائے اس کے سامنے۔ اور چاہیں تو آپ اس کو معروف کا صیغہ پڑھ لیں أَلْقَى إِلَيْهِ، اور اس صورت میں الْخَبَرَ اس کو منصوب پڑھیں یہ مفعول بنے گا أَلْقَى کے لیے۔ اور أَلْقَى کے اندر ضمیر ہو گی جو لوٹ جائے گی مخبر کو۔ کس کو لوٹے گی؟ مخبر کو۔ تو پھر ترجمہ کیسے ہو گا؟ أَلْقَى إِلَيْهِ الْخَبَرَ، وہ مخبر لائے اس کے سامنے وہ خبر مُجَرَّداً عَنِ التَّأْكِيدِ اس حال میں کہ وہ خبر کیا ہو؟ تاکید سے خالی ہو۔ تو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں آپ جیسے پڑھنا چاہیں اس کو بھئی، أَلْقَى إِلَيْهِ الْخَبَرَ یا أُلْقِيَ إِلَيْهِ الْخَبَرُ۔

وَإِنْ كَانَ مُتَرَدِّداً فِيهِ، اور اگر وہ مخاطب جو ہے وہ اس خبر میں متردد ہے، طَالِباً لِمَعْرِفَتِهِ طلب کرنے والا ہے اس کے جاننے کو۔ اگر وہ مخاطب کیا ہے اس خبر کے بارے میں؟ متردد ہے، یعنی اس کو اس خبر کے بارے میں شک ہے۔ آگے کتاب میں طَالِباً لِمَعْرِفَتِهِ یہ لفظ بھی بڑھا دیا۔ یہ کوئی قید نہیں ہے جس کے ذریعے کسی چیز سے احتراز کیا جا رہا ہے، بلکہ یہ انسانی عادت ہے اور طبیعت ہے جب اس کو کسی بات کے بارے میں شک ہوتا ہے تو ذہن میں طلب پیدا ہوتی ہے کہ پتہ چلے بات کیا ہے۔ مثلاً آپ کے ذہن میں شک ہے کہ پتہ نہیں زید آیا ہے یا زید نہیں آیا، آپ کو پتہ ہی نہیں ابھی تک کہ زید آیا ہے یا زید نہیں آیا تو خود ہی دل میں طلب پیدا ہو گی کہ پتہ تو چلے، پتہ کرتے ہیں بھئی کہ زید آیا ہے یا زید نہیں آیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جہاں تردد آئے گا وہاں پر ذہن میں خود بخود طلب بھی آجاتی ہے کہ بات کا پتہ چل جائے۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ كَانَ مُتَرَدِّداً فِيهِ طَالِباً لِمَعْرِفَتِهِ، اور اگر وہ مخاطب اس خبر کے بارے میں، اس حکم کے بارے میں متردد ہے، طَالِباً لِمَعْرِفَتِهِ طلب کرنے والا ہے اس کے جاننے کو، حَسُنَ تَوْكِيدُهُ تو بہتر ہے، اچھی ہے تَوْكِيدُهُ اس خبر کی تاکید کہ اس کی تاکید لے آؤ۔ نَحْوُ إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ۔ بھئی پہلے کیا تھا؟ أَخُوكَ قَادِمٌ بغیر تاکید کے، أَخُوكَ مبتدا اور قَادِمٌ اس کی خبر۔ اب إِنَّ لے آئے إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ۔ إِنَّ نے کیا کیا؟ أَخُوكَ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے، رفع کس کے ساتھ تھا؟ واؤ کے ساتھ، اب إِنَّ آیا تو نصب آئے گا، نصب کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ بے شک آپ کا بھائی آرہا ہے۔

تو متردد کے سامنے تاکید کا لانا اچھا ہے، بہتر ہے۔ بھئی اچھا کہا، بہتر کہا، اگرچہ یہ بھی ضروری ہے۔ علم بلاغت کے اعتبار سے یہ ضروری ہی ہے کہ کیا کرنا چاہیے آپ کو؟ متردد کے سامنے ایک تاکید لانا چاہیے، لیکن اس کو اچھے کے ساتھ تعبیر کیا واجب نہیں کہا۔ وجہ اس کی یہ کہ اگر آپ تاکید نہ بھی لائیں، متردد ہے اور اس کے سامنے آپ اسے کہتے ہیں أَخُوكَ قَادِمٌ تو بھی اگرچہ آپ نے اچھا عمل نہیں کیا لیکن آپ کا کلام بلاغت سے خارج ابھی بھی نہیں، کلام کو پھر بھی کیا کہیں گے؟ بلیغ کہیں گے، لیکن بہتر

کیا تھا، کیا کرنا چاہیے تھا آپ کو؟ تاکید لانا چاہیے تھی۔ تو اسی لیے یہاں واجب نہیں کہا حَسَن کہا اس کو کہ اگر تاکید لے آئے تو اچھی بات ہے۔

وَإِنْ كَانَ مُنْكِراً، اور اگر وہ مخاطب اس حکم کا منکر ہے وَجَبَ تَوْكِيدُهُ بِمُؤَكِّدٍ أَوْ مُؤَكِّدَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ حَسَبَ دَرَجَةِ الْإِنْكَارِ، تو واجب ہے تَوْكِيدُهُ اس خبر کی تاکید لانا بِمُؤَكِّدٍ۔ مُؤَكِّد اسم فاعل کا صیغہ ہے، وہ چیز جو کلام میں تاکید پیدا کرے۔ مُؤَكِّد تاکید کرنے والا، وہ لفظ، وہ چیز جو کلام میں کیا پیدا کرے؟ تاکید، اس کو مؤکد کہیں گے۔ وہی جس کو ہم تاکید کہہ رہے ہیں وہی کیا ہے؟ مؤکد ہے۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ كَانَ مُنْكِراً اور اگر مخاطب منکر ہو وَجَبَ تَوْكِيدُهُ تو واجب ہے اس خبر کی تاکید لانا بِمُؤَكِّدٍ ایک مؤکد یعنی ایک تاکید کے ساتھ اس کو مؤکد کرنا، أَوْ مُؤَكِّدَيْنِ یا کتنی تاکیدیں لانا؟ دو تاکیدیں، أَوْ أَكْثَرَ یا دو سے زیادہ، حَسَبَ دَرَجَةِ الْإِنْكَارِ انکار کے درجے کے بقدر۔ یعنی جتنا انکار ہو اسی کے بقدر تاکیدات لے آؤ۔ اگر تھوڑا انکار ہے تو ایک تاکید، متوسط درجے کا انکار ہے تو دو تاکیدیں، اور اگر اس سے بھی زیادہ انکار ہے تو اور بھی تاکیدات لے آؤ۔ نَحْوُ إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ، دیکھیے انکار تھوڑا ہے تو إِنَّ کے ساتھ ایک تاکید لے آئے إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ۔ أَوْ إِنَّهُ لَقَادِمٌ، إِنَّهُ کی ہا ضمیر أَخَاكَ کو راجع بھئی، تو اس کی جگہ ذرا أَخَاكَ اٹھا کر لے آئیں، إِنَّ أَخَاكَ لَقَادِمٌ۔ أَوْ وَاللهِ إِنَّهُ لَقَادِمٌ، یہاں بھی ہا ضمیر کس کو راجع؟ أَخَاكَ کو، تو لہٰذا یہاں پر بھی ذرا اس کو اٹھا کر لے آئیں، وَاللهِ إِنَّ أَخَاكَ لَقَادِمٌ۔ تو دیکھو تین قسم کے جملے ذکر کر دیے: إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ، إِنَّ أَخَاكَ لَقَادِمٌ اور وَاللهِ إِنَّ أَخَاكَ لَقَادِمٌ۔ تو یہ انکار کے درجے کے بقدر تاکیدات لے کر آئیں گے آپ کلام کے اندر بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی اچھی طرح؟

تو خلاصہ کلام کیا ہوا کہ خالی الذہن کے سامنے تاکید نہ لائی جائے، متردد کے سامنے ایک تاکید کا لانا بہتر ہے اور منکر کے سامنے تاکید کا لانا واجب ہے بھئی۔ تو اس اعتبار سے کلام گویا تین قسم کا ہو گیا: ایک وہ کلام جو خالی الذہن کے سامنے کیا جائے، ایک وہ کلام جو متردد کے سامنے کیا جائے اور ایک وہ کلام جو کس کے سامنے کیا جائے؟ منکر کے سامنے کیا جائے۔ تو تین قسم کے کلام ہوئے تو ان تینوں کا الگ الگ نام ہے۔ وہ کلام جو خالی الذہن کے سامنے کیا جائے اسے کہتے ہیں ابتدائی، کلام ابتدائی۔ اور وہ کلام جو متردد کے سامنے کیا جائے اسے کہتے ہیں کلام طلبی۔ اور وہ کلام جو منکر کے سامنے کیا جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ کلام انکاری۔ کتنی قسمیں ہو گئیں؟ تین۔ اور ان کے نام کیا ہیں؟ خالی الذہن کے سامنے جو کلام ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ ابتدائی۔ جو متردد کے سامنے ہو اسے؟ طلبی۔ اور جو منکر کے سامنے ہو؟ انکاری۔

نام سے بھی پتہ چل رہا ہے بھئی۔ ابتدائی کیوں کہتے ہیں؟ ابتدا شروع کو کہتے ہیں نا، تو ابتدائی کلام ہے، یعنی اس کلام سے پہلے تردد اور انکار نہیں۔ کلام طلبی نام سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ اس کلام سے پہلے کیا ہے؟ طلب ہے، اور طلب کہاں آتی ہے؟ جہاں شک ہوتا ہے۔ اور تیسرے کلام کا نام ہے کلام انکاری، کیوں اسے کلام انکاری کہتے ہیں؟ کیونکہ اس سے پہلے کیا ہے؟ انکار ہے، مخاطب کا انکار موجود ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ جو مخاطب کا متردد ہونا ہے اور اس کا منکر ہونا، اس کا جس طرح بھی آپ کو پتہ چل جائے، بعض اوقات مخاطب اپنی زبان سے کہہ دے گا کہ مجھے اس بارے میں شک ہے یا میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا، انکار لفظوں میں کہہ دے گا۔ بعض اوقات لفظوں سے نہ کہے اس کی حالت آپ کو بتلا دے گی کہ اس کو اس بات کے بارے میں شک ہے یا وہ اس بات کا انکار کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «فَالْخَبَرُ بِالنِّسْبَةِ لِخُلُوِّهِ مِنَ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں فَالْخَبَرُ بِالنِّسْبَةِ لِخُلُوِّهِ مِنَ التَّوْكِيدِ وَاشْتِمَالِهِ عَلَيْهِ، پس خبر جو ہے، ترجمے پر نظر رکھنا بھئی، فَالْخَبَرُ بِالنِّسْبَةِ لِخُلُوِّهِ مِنَ التَّوْكِيدِ پس خبر جو ہے تاکید سے خالی ہونے کی نسبت سے، ترجمہ آخر سے میں نے کیا، وَاشْتِمَالِهِ عَلَيْهِ اور تاکید پر مشتمل ہونے کی نسبت سے ثَلَاثَةُ أَضْرُبٍ کتنی قسم پر ہے؟ تین قسم پر ہے۔ تو وَاشْتِمَالِهِ یہ ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ خبر کو۔ عَلَيْهِ یہ ہا ضمیر تو کید کو لوٹ رہی ہے، تو کید یعنی وہی تاکید بھئی۔ تو خبر جو ہے تاکید سے خالی ہونے اور تاکید پر مشتمل ہونے کی نسبت سے ثَلَاثَةُ أَضْرُبٍ تین قسم پر ہے كَمَا رَأَيْتَ جیسے آپ نے دیکھا بھئی۔ وَيُسَمَّى الضَّرْبُ الْأَوَّلُ ابْتِدَائِيّاً، اور پہلی قسم کو جو ہے وہ ابتدائی کہتے ہیں خبر کی، وَالثَّانِي طَلَبِيّاً اور دوسری قسم کو طلبی کہتے ہیں، وَالثَّالِثُ إِنْكَارِيّاً اور تیسری قسم کو انکاری کہتے ہیں۔

وَيَكُونُ التَّوْكِيدُ بِإِنَّ وَأَنَّ وَلَامِ الِابْتِدَاءِ وَأَحْرُفِ التَّنْبِيهِ۔ اچھا اب یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ کن کن چیزوں کے ذریعے خبر میں تاکید لائی جا سکتی ہے، کن کن چیزوں کے ذریعے خبر میں تاکید لائی جاتی ہے۔ بھئی علم معانی پڑھ رہے ہیں، علم معانی کے ذریعے کس چیز کا پتہ چلتا ہے؟ کہ لفظ کو مقتضائے حال کے مطابق کیسے کیا جائے۔ تو اب آپ کے سامنے بات آئی منکر کی اور متردد کی اور آپ نے کیا پڑھا؟ متردد کے سامنے تاکید کا لانا اچھا ہے اور منکر کے سامنے تاکید کا لانا واجب ہے۔ اب یہ تاکید لائیں گے کیسے، وہ اصل مقصد جو تھا بتانے کا وہ اب آیا بھئی کہ تاکید کیسے لے کر آئیں گے کہ آپ منکر کے سامنے کلام کرنے لگے ہو تو یہ جو ہم آگے تاکیدات ذکر کر رہے ہیں ان میں سے کوئی ایک استعمال کر لینا، آپ کا کلام کیا ہو جائے گا؟ مقتضائے حال کے مطابق ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟

تو کہتے ہیں وَيَكُونُ التَّوْكِيدُ بِإِنَّ وَأَنَّ، اور تاکید جو ہے وہ إِنَّ کے ذریعے ہو گی اور أَنَّ کے ذریعے۔ إِنَّ کے ذریعے بھئی آپ جانتے ہیں إِنَّ کیا کرتا ہے؟ کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہے۔ اسی پر اگر إِنَّ لے آئیں کیسے پڑھیں گے؟ إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ، یقیناً زید کھڑا ہے یا یوں کہیں بے شک زید کھڑا ہے۔ تو دیکھیے کلام میں تاکید آگئی، تو اس إِنَّ سے تاکید آتی ہے کلام میں۔ وَأَنَّ اور أَنَّ ہے۔ بھئی انہوں نے أَنَّ کو ذکر کیا لیکن اکثر علماء وہ أَنَّ کو یہاں ذکر نہیں کرتے۔ وجہ یہ کہ یہاں بات چل رہی ہے خبر کی، اور خبر سے کیا مراد ہے میں نے کیا بتلایا شروع میں؟ جملہ خبر یہ مراد ہے، وہ مبتدا کی خبر مراد نہیں ہے بلکہ جملہ خبر یہ۔ تو یہاں وہ تاکیدات بتانی چاہئیں جو پورے جملے کے اندر تاکید پیدا کریں۔ اور یہ أَنَّ تو پورے جملے پر جب داخل ہوتا ہے اس کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، اس کو جملہ رہنے ہی نہیں دیتا بھئی۔

أَنَّ کیا کرتا ہے؟ جب کسی جملے پر داخل ہوتا ہے اس کو جملہ رہنے ہی نہیں دیتا بلکہ کس حکم میں کر دیتا ہے؟ مفرد کے۔ تو أَنَّ نے تو اس کو مفرد کے حکم میں کر دیا، اس نے تو اس کو جملہ رہنے ہی نہیں دیا، تاکید کا پیدا کرنا تو بعد کی بات ہے پہلے جملہ تو رہنا چاہیے اس کے بعد دیکھیں تاکید ہے یا تاکید نہیں۔ لیکن أَنَّ نے تو کیا کیا؟ جملے کو ہی اٹھا کر کیا بنا دیا؟ مفرد بنا دیا، تو یہ تو جملہ ہی نہ رہا اور ہماری بحث تو جملے کے اندر چل رہی ہے بھئی۔

أَنَّ مفرد کے حکم میں کس طرح کرتا ہے آپ نے نحو میں پڑھا ہو گا، پھر میں آپ کے سامنے دہرا دیتا ہوں تاکہ ذہن میں بات تازہ ہو جائے بھئی۔ بھئی دیکھیے میں نے ابھی کہا زَيْدٌ قَائِمٌ، ترجمہ کیا کیا آپ نے؟ زید کھڑا ہے۔ اسی پر پہلے ذرا إِنَّ لے آؤ، إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ، کیا ترجمہ کیا؟ بے شک زید کھڑا ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں یقیناً زید کھڑا ہے۔ دیکھو اب بھی جملہ ہے، بات پوری ہے۔ لیکن اسی پر اگر آپ أَنَّ لے آئیں، أَنَّ زَيْداً قَائِمٌ، اب کوئی آپ سے پوچھے اس کا ترجمہ کریں تو اس کا ترجمہ کریں گے زید کا کھڑا ہونا۔ أَنَّ زَيْداً قَائِمٌ، زید کا کھڑا ہونا۔ یہ بات پوری ہے یا ادھوری ہے؟ جس کے سامنے آپ یوں کہیں زید کا کھڑا ہونا، وہ کہے گا بھئی کیا ہوا، بات تو پوری کریں آپ بات کیوں نہیں پوری کر رہے، کہے گا یا نہیں کہے گا؟ زید کا کھڑا ہونا، یعنی قِيَامُ زَيْدٍ۔ اس کے سامنے گویا آپ نے کیا کہا؟ قِيَامُ زَيْدٍ، زید کا قیام۔ وہ کہے گا بھئی بات تو پوری کریں زید کے قیام کو کیا ہوا، اچھا ہے، برا ہے، کیا ہے؟ تو وہ بات پوری نہیں بھئی۔ تو یہ أَنَّ نے کیا کیا؟ اس جملے کو کس کے حکم میں کر دیا؟ مفرد کے۔ اب اس کا جملے والا اگر کسی نے ترجمہ کیا تو وہ غلط کر رہا ہے، جملے والا ترجمہ کر ہی نہیں سکتے کیونکہ جملہ یہ رہا ہی نہیں، أَنَّ نے اس کو کیا بنا دیا؟ مفرد بنا دیا۔

اچھا طریقہ کیا ہے؟ بھئی طریقہ بڑا آسان ہے کہ خبر کا مصدر بناؤ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، اس پر کیا آیا تھا؟ أَنَّ، أَنَّ زَيْداً قَائِمٌ۔ خبر کیا ہے أَنَّ کی؟ قَائِمٌ۔ اس قَائِمٌ کا مصدر بناؤ، قِيَام۔ اس قِيَام کی اضافت کر دو أَنَّ کے اسم کی طرف، قِيَامُ زَيْدٍ۔ تو أَنَّ زَيْداً قَائِمٌ اس کا بعینہ ترجمہ وہی ہے جو قِيَامُ زَيْدٍ کا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ دوسرے لفظوں میں وہ جو آپ نے پڑھا تھا خبر جس حکم پر مشتمل ہوتی ہے، جو حکم ہوتا ہے اس کے اندر، حکم مصدر بناتے تھے یا نہیں ہم بھئی؟ مصدر بناتے تھے اگر آپ کے ذہن میں ہو میں نے بتلایا تھا طریقہ بھئی۔ مثلاً بھئی میں نے آپ سے کہا زید آ گیا ہے، اب کوئی آپ سے پوچھے اس خبر میں کیا حکم بتلایا گیا، آپ کو کس بات کا پتہ چلا، آپ کیا کہیں گے؟ زید کا آنا، زید کے آنے کا پتہ چلا۔ دیکھو زید کا آنا، مصدر ہے یا نہیں؟ اردو میں مصدر کے آخر میں نا آتا ہے، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، تو یہاں بھی آپ نے کیا کہا؟ زید کا آنا۔ یہ مصدر بنا لو، یہ أَنَّ کام کرتا ہے کہ وہ مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے۔ زید کا آنا، اب ذرا اس کو عربی میں لے جائیں، قُدُومُ زَيْدٍ یا مَجِيئَةُ زَيْدٍ۔ تو مَجِيئَةُ زَيْدٍ پورا جملہ ہے یا نامکمل ہے بھئی؟ نامکمل، جملے کا ایک جزو تو ہو سکتا ہے یہ پورا جملہ یہ ہے ہی نہیں۔

اسی طرح دیکھو کوئی بھی آپ مصدر بنا سکتے ہیں۔ مثلاً وہ گزشتہ مثال کر لیں، آپ کے ساتھی نے آپ سے آ کر کہا کہ اگلے ہفتے سے دس دن کی چھٹی ہو رہی ہے۔ آپ کو کس بات کا پتہ چلا؟ پورے جملے کو بنائیں ذرا مصدر بنائیں بھئی: اگلے ہفتے سے دس دن کی چھٹیوں کے ہونے کا۔ تو اگلے ہفتے سے دس دن کی چھٹیوں کا ہونا، دیکھو مصدر ہے۔ أَنَّ بھی بالکل اسی طرح کرتا ہے، وہ پورے جملے کو اٹھا کر کیا کر دیتا ہے؟ مصدر بنا دیتا ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟ اردو کے اندر آپ آسانی سے کر سکتے ہیں کہ اس کا مصدر بنا لیا جائے بھئی۔ عربی میں بھی میں نے طریقہ سکھا دیا کہ خبر جو أَنَّ کی خبر ہے اس کا مصدر بناؤ اور اس کو أَنَّ کے اسم کی طرف اس کی اضافت کر دو، جیسے مثال میں نے ذکر کر دی أَنَّ زَيْداً قَائِمٌ تو کیا کہیں گے؟ قِيَامُ زَيْدٍ کے معنی میں ہے یہ بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں ہم وہ تاکیدات کر رہے ہیں جو پورے جملے کے اندر تاکید پیدا کریں، تو یہاں أَنَّ کا ذکر نہیں ہونا چاہیے بھئی کیونکہ أَنَّ تو کیا کرتا ہے جملے کو جملہ رہنے ہی نہیں دیتا بلکہ اس کو کس حکم میں کر دیتا ہے؟ مفرد کے۔

■ قولہ: «وَلَامِ الِابْتِدَاءِ» کی تشریح

وَلَامِ الِابْتِدَاءِ، اور لام ابتدا بھئی۔ یہ جو ابھی آپ نے اوپر لام پڑھا بھئی وَإِنَّهُ لَقَادِمٌ، یہ جو لام ہے یہ جو جملے میں تاکید پیدا کرتا ہے اس کو لام ابتدا کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ لام ابتدا، یہ بھی تاکید پیدا کرتا ہے جملے میں۔ وَأَحْرُفِ التَّنْبِيهِ، اور تنبیہ کے جو حروف ہیں بھئی۔ حروف تنبیہ آپ نے نحو میں پڑھے ہیں أَلَا، أَمَا وغیرہ بھئی، اور هَا۔ بھئی هٰذِهِ، یہ هٰذِهِ میں هَا کیا ہے؟ هَا حرف تنبیہ ہے۔ يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ، یہ هَا کون سی ہے درمیان میں؟ یہ هَا کیا ہے؟ تنبیہ کی ہے، تو یہ بھی کلام میں تاکید پیدا کرتے ہیں بھئی۔ جملے پر جب یہ داخل ہوں گے جملے میں تاکید پیدا کریں گے۔ وَالْقَسَمِ، اور قسم ہے اس کے ذریعے بھی تاکید ہوتی ہے، وَاللّٰهِ إِنَّ زَيْداً لَقَادِمٌ۔ وَنُونَيِ التَّأْكِيدِ، اصل میں تھا نُونَيْنِ التَّأْكِيدِ، پھر نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ تاکید کے جو دو نون ہیں، کون سے دو نون بھئی؟ نون خفیفہ اور نون ثقیلہ، وہ بھی تاکید پیدا کرتے ہیں جملے میں۔

وَالْحُرُوفِ الزَّائِدَةِ، اور جو حروف زائدہ ہیں بھئی۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے بعض اوقات عبارت کے اندر کوئی حروف آتے ہیں، آپ کے اساتذہ آپ کو بتلاتے ہیں یا وہاں حاشیے وغیرہ میں یا بین السطور لکھا ہوتا ہے کہ یہ حرف کیا ہے؟ زائد ہے بھئی۔ تو یاد رکھیے یہ جو حروف زائدہ ہوتے ہیں یہ بالکل بیکار نہیں ہوتے بھئی۔ یہ حروف زائدہ بیکار نہیں بلکہ یہ اس کلام میں، اس جملے میں تاکید پیدا کرتے ہیں اور نیز اس کے اندر حسن پیدا کر دیتے ہیں۔ اس حرف کے بغیر بھی وہ جملہ پورا تھا، صحیح تھا لیکن اس حرف نے کیا کام کیا؟ ایک تو اس جملے میں تاکید پیدا کر دی، دوسرا اس کے حسن کو بڑھا دیا بھئی۔ پہلے اتنا حسن نہیں تھا کلام میں، اب حرف زائد کی وجہ سے کیا ہوا؟ کلام کا حسن بڑھ گیا۔ جیسے لَيْسَ کی خبر پر با داخل کرتے ہیں۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں مثلاً لَيْسَ الْحَجَرُ إِنْسَاناً، پتھر انسان نہیں ہے۔ تو لَيْسَ کی خبر إِنْسَاناً دیکھو منصوب آئی۔ اسی إِنْسَاناً پر با بھی داخل کر سکتے ہیں، لَيْسَ الْحَجَرُ بِإِنْسَانٍ۔ یہ با زائدہ ہے۔ یہ با کیا ہے؟ زائدہ۔ اب آپ سے کوئی پوچھے بھئی یہ تو با زائدہ ہے اس کا کیا فائدہ ہوا، آپ

جواب میں کیا کہیں گے؟ اس نے ایک تو کلام میں حسن پیدا کیا اور دوسرا کلام کے اندر تاکید پیدا کر دی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

پھر ان کو حروف زائدہ کیوں کہتے ہیں؟ تاکید پیدا کی یا نہیں کی اس نے؟ کی، اور حسن بھی پیدا کیا، پھر زائد کیوں کہتے ہیں؟ بھئی زائد اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہا۔ ہونا تو یہ چاہیے ہر لفظ اپنے معنی کا فائدہ دے، اور آپ نے کہیں پڑھا کلام عرب میں بھئی نحو وغیرہ کی کتابوں میں کہ باتاکید کے لیے وضع کی گئی ہے؟ بلکہ شرح مائۃ عامل وغیرہ میں آپ نے کیا پڑھا، باکس لیے ہے؟ الصاق کے لیے، دو چیزوں کو ملانے کے لیے۔ ضَرَبْتُ زَيْداً بِالْعَصَا، میں نے زید کی پٹائی کی کس چیز کے ساتھ؟ لاٹھی کے ساتھ۔ یہ ضرب لاٹھی کے ساتھ ملی ہوئی ہے، ویسے ضرب نہیں ہے بلکہ کون سی ضرب ہے؟ لاٹھی کے ساتھ۔ یہ لاٹھی کو ضرب کے ساتھ کس نے جوڑا؟ بانے۔ کس نے جوڑا؟ بانے۔ باد و چیزوں کو ملانے کا کام کرتی ہے تو اس کے لیے وضع ہے۔ لیکن لَيْسَ الْحَجَرُ بِإِنْسَانٍ، یہاں پر اب یہ جو با آئی یہ الصاق کا فائدہ نہیں دے رہی۔ تاکید بھی پیدا کر رہی ہے، حسن بھی پیدا کر رہی ہے لیکن جو اس کا اپنا معنی ہے الصاق والا اس کا فائدہ دے رہی ہے؟ نہیں، اس لیے اس کو ہم زائد کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ زائد۔ تو ہونا تو یہ چاہیے تھا یہ اپنے معنی کا فائدہ دے لیکن یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہی اس لیے کہتے ہیں یہ زائد ہے۔ چنانچہ اس کو اگر کلام سے نکال بھی دیں گے تو کلام پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہاں صرف یہ ہے تاکید اب اس میں نہ رہے گی، ہاں اس کا حسن کم ہو جائے گا لیکن بات اب بھی پوری ہے۔ لَيْسَ الْحَجَرُ إِنْسَاناً، بات ابھی بھی پوری ہے، نامکمل نہیں ہے بھئی۔

یہ معنی ہے وَالْحُرُوفِ الزَّائِدَةِ، ان کے ذریعے بھی تاکید آتی ہے۔ وَالتَّكْرِيرِ، تَكْرِير اور تکرار دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے۔ تَكْرِير یعنی تکرار۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے نحو کے اندر بعض اوقات ایک لفظ کا تکرار کرتے ہیں، تاکید پڑھی ہے یا نہیں بھئی نحو کے اندر؟ آپ نے پڑھا ہے تاکید دو قسم پر ہے، ایک لفظی ایک معنوی۔ لفظی اسی لفظ کو دوبارہ لے آئیں اور معنوی وہ آٹھ نو لفظوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، دیکھو اسی زید کا تکرار کیا، تو اول کو کہتے ہیں مؤکد، ثانی کو کہتے ہیں تاکید۔ یا جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، یہ كُلُّهُمْ بھی کیا ہے؟ قوم کے لیے تاکید ہے، اس نے کیا بتلایا؟ کہ سارے قوم والے آئے ہیں کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہا بھئی، تو یہ تاکید معنوی ہے۔ وہی لفظ دوبارہ آئے تو اس کو کہتے ہیں تاکید لفظی، اور كُلٌّ، أَجْمَعُ، أَبْتَعُ وغیرہ کے ساتھ آئے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تاکید معنوی کہتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں وہ تَكْرِير یہ وہ تاکید مراد ہے، لیکن یہ وہ تاکید نہیں بھئی، وہ تو صرف اس لفظ کے اندر تاکید پیدا کرتی ہے مسند یا مسند الیہ جو بھی جزو ہوا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، زید ثانی نے پورے جملے میں تاکید پیدا کی یا اول والے زید میں تاکید پیدا کی؟ صرف لفظ زید میں تاکید پیدا کی اس نے۔ ہم یہاں جو چیزیں جملے میں تاکید پیدا کرتی ہیں ان کی بات پڑھ رہے ہیں، تو یہاں تکرار سے مراد اس لفظ کا تکرار نہیں ہے وہ ایک جزو کا، بلکہ پورے جملے کا تکرار ہو۔ مثلاً یوں کہے کوئی آپ سے جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ زَيْدٌ، دیکھو پورا جملہ ہی دوبارہ اس نے دہرایا۔ یہ اس نے کیا فائدہ دیا؟ تاکید پیدا کر دی۔ جب اس نے پہلی مرتبہ کہا جَاءَ زَيْدٌ، اس کے ذہن میں خیال آیا کہ زید تو بہت بڑا آدمی ہے، ہو سکتا ہے یہ سننے والا یقین ہی نہ کرے کہ زید آیا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ جَاءَنِي زَيْدٌ، یا دوسری مثال بنائیں جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ اب وہ صرف جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ کہے، میرے پاس کون تشریف لائے؟ امیر المؤمنین، تو ذہن میں خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ سننے والا اس بات کو مانے ہی نہ، امیر المؤمنین تو بڑی عظیم شخصیت ہیں وہ کیسے میرے پاس تشریف لا سکتے ہیں، تو اس نے دوبارہ اسی جملے کو ذکر کیا۔ تو اس کلام میں کیا پیدا ہو گئی؟ تاکید پیدا ہو گئی بھئی۔ تو لہٰذا تَكْرِير سے مراد کیا ہے؟ وہی تکرار، اسی لفظ کو دوبارہ ذکر کرنا، اور صرف وہ ایک لفظ مراد ہے یا پورے جملے کا تکرار مراد ہے؟ ہم یہاں کس کی بات کر رہے ہیں؟ خبر، اور خبر کیا ہوتا ہے؟ خبر جملہ ہوتی ہے، تو لہٰذا یہاں وہ پورے جملے کا تکرار مراد ہے۔

وَقَدْ، اور کبھی کبھار تاکید کس کے ذریعے لاتے ہیں؟ قَدْ کے ذریعے۔ يَضْرِبُ زَيْدٌ، زید پٹائی کرے گا، اور قَدْ يَضْرِبُ زَيْدٌ تحقیق زید پٹائی کرے گا بھئی، تو یہ تاکید۔ وَأَمَّا الشَّرْطِيَّةِ، اور اسی طرح أَمَّا شرطیہ جو ہے وہ بھی تاکید پیدا کرتا ہے، أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ بھئی۔ تو یہ بھی تاکید پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح یاد رکھیے بھئی جملہ اسمیہ اس میں بھی تاکید ہوتی ہے میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ قَامَ زَيْدٌ اس میں تاکید نہیں لیکن زَيْدٌ قَائِمٌ میں تاکید ہے کیونکہ اسناد دو دفعہ آیا۔ زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ اس کی خبر۔ اس قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، تو قَائِمٌ کا پہلے اسناد ہوا هُوَ ضمیر کی طرف، پھر یہ اس کے ساتھ مل کر شبہ جملہ ہو کر پھر اس قَائِمٌ کا دوبارہ اسناد کس کی طرف ہوا؟ زَيْدٌ کی طرف ہوا۔ تو لہٰذا دو دفعہ اسناد آیا اور دو دفعہ اسناد آیا تو کیا آگئی؟ تاکید آگئی۔ تو جملہ اسمیہ میں بھی تاکید ہوتی ہے۔

اسی طرح کبھی فاعل معنوی کو مقدم کرتے ہیں جیسے جَاءَ زَيْدٌ اس کے بجائے آپ یوں کہیں زَيْدٌ جَاءَ، تو اس سے بھی کیا آئے گی کلام میں؟ تاکید، وہی بات زَيْدٌ جَاءَ دو دفعہ اسناد آیا۔ زَيْدٌ مبتدا، جَاءَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ تو دو دفعہ اسناد آگیا تو اس سے کیا آتی ہے کلام میں؟ تاکید۔ اسی طرح إِنَّمَا جو ہے اس کے ذریعے کبھی کلام میں تاکید آتی ہے۔ اسی طرح ضمیر فصل بھئی، آپ نے پڑھا کبھی مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں کیا لاتے ہیں؟ ضمیر کی صورت کا صیغہ لاتے ہیں جس کو فصل کہتے ہیں۔ دیکھو زَيْدٌ الْقَائِمُ، اب بظاہر دیکھتے ہی یہ شبہ پڑتا ہے زید بھی معرفہ الْقَائِمُ بھی معرفہ، یہ شاید آپس میں موصوف صفت ہیں۔ لیکن آپ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ اس کی خبر ہے یعنی زید کھڑا ہے پورا جملہ ہے، تو درمیان میں پھر هُوَ بڑھا دیتے ہیں، زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ۔ اس هُوَ نے بتلایا کہ الْقَائِمُ زید کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ اس کی خبر ہے۔ کیا ہے اس کی؟ خبر ہے۔ تو یہ ضمیر فصل وغیرہ ان کے ذریعے بھی کلام میں تاکید پیدا ہوتی ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۶: الکلام علی الإنشاء: انشائے طلبی و غیر طلبی اور امر کے چار صیغے و معانیِ مجاز (دعا، التماس)

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۹ ــــ بتاریخ: ۵ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْكَلَامُ عَلَى الْإِنْشَاءِ۔ الْإِنْشَاءُ إِمَّا طَلَبِيٌّ أَوْ غَيْرُ طَلَبِيٍّ، فَالطَّلَبِيُّ مَا يَسْتَدْعِي مَطْلُوباً غَيْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ، وَغَيْرُ الطَّلَبِيِّ مَا لَيْسَ كَذٰلِكَ۔ وَالْأَوَّلُ يَكُونُ بِخَمْسَةِ أَشْيَاءَ: الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ وَالِاسْتِفْهَامُ وَالتَّمَنِّي وَالنِّدَاءُ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

خبر کی بحث مکمل ہوئی، اب انشاء کے بارے میں آپ کو تفصیل بتلائیں گے بھئی۔ انشاء کی تعریف پیچھے گزر چکی کہ انشاء وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جاسکے۔ اب آگے تقسیم کر رہے ہیں انشاء کی کہ انشاء دو قسم پر ہو گا، طلبی ہو گا یا غیر طلبی ہو گا۔ نام سے ہی معنی کا پتہ چل رہا ہے۔ انشاء طلبی وہ جس کے اندر طلب ہو بھئی، کسی چیز کی طلب ہو۔ اور انشاء غیر طلبی جس کے اندر کسی چیز کی طلب نہ ہو، ہے تو انشاء لیکن اس میں طلب نہیں ہے تو وہ انشاء غیر طلبی ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں الْكَلَامُ عَلَى الْإِنْشَاءِ، انشاء پر کلام، یعنی انشاء کے بارے میں کلام۔ الْإِنْشَاءُ إِمَّا طَلَبِيٌّ أَوْ غَيْرُ طَلَبِيٍّ، انشاء یا تو وہ طلبی ہو گا یا غیر طلبی ہو گا۔ فَالطَّلَبِيُّ مَا يَسْتَدْعِي مَطْلُوباً غَيْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ۔ اب طلبی اور غیر طلبی کسے کہتے ہیں وہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں فَالطَّلَبِيُّ تو انشاء طلبی جو ہے مَا وہ انشاء ہے يَسْتَدْعِي مَطْلُوباً تقاضا کرتا ہے، اِسْتِدْعَاء کا معنی تقاضا کرنا، چاہنا۔ مَا يَسْتَدْعِي مَطْلُوباً جو تقاضا کرتا ہے، جو چاہتا ہے مَطْلُوباً ایسا مطلوب غَيْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو۔ انشاء طلبی وہ ہے جو ایسے مطلوب کا تقاضا کرے جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو۔ تو انشاء طلبی کی انہوں نے کیا تعریف کی؟ مَا يَسْتَدْعِي مَطْلُوباً جو تقاضا کرے مطلوب کا، اور مطلوب کی آگے صفت ذکر کر دی کہ غَيْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ کہ وہ طلب کے وقت حاصل نہ ہو۔ کیونکہ حقیقت کے اندر طلب کہتے ہی اس چیز کو ہیں ایسی چیز کا ارادہ کرنا جو انسان کو حاصل نہ ہو بھئی۔ یہ ہے طلب کا حقیقی معنی بھئی۔ تو اس میں بھی مطلوب کا تقاضا ہو گا اور وہ مطلوب اس قسم کا ہو گا جو طلب کے وقت حاصل نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں مَا يَسْتَدْعِي مَطْلُوباً غَيْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ، جو تقاضا کرے ایسے مطلوب کا جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو۔ وَغَيْرُ الطَّلَبِيِّ مَا لَيْسَ كَذٰلِكَ، اور انشاء غیر طلبی وہ ہے جو ایسا نہ ہو، یعنی جس میں مطلوب کا تقاضا نہ ہو بھئی۔

وَالْأَوَّلُ يَكُونُ بِخَمْسَةِ أَشْيَاءَ، اور پہلی قسم یعنی انشاء طلبی يَكُونُ بِخَمْسَةِ أَشْيَاءَ وہ پانچ چیزوں کے ساتھ ہو گا بھئی۔ وہ انشاء کتنی چیزوں کے ساتھ ہو گا؟ پانچ چیزیں ہیں: الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ وَالِاسْتِفْهَامُ وَالتَّمَنِّي وَالنِّدَاءُ۔ امر، نہی، استفہام، تمنی اور ندا۔ بھئی دیکھیے امر، امر کے اندر بھی ایک چیز کی طلب ہوتی ہے۔ آپ کسی سے مثلاً کہتے ہیں اِضْرِبْ زَيْداً، زید کی پٹائی کرو۔ تو آپ کیا کر رہے ہیں؟ ضرب زید کو طلب کر رہے ہیں کہ مخاطب کیا کرے؟ زید کی پٹائی کرے۔ تو دیکھو اس میں ضرب کی طلب ہے بھئی۔ نہی، نہی کے اندر کسی چیز سے روکا جاتا ہے، تو آپ کہیں گے اس میں تو روکا جاتا ہے اس میں طلب نہیں۔ لیکن آپ اصول کی کتابوں میں پڑھ چکے ہوں گے بھئی کہ نہی کے اندر بھی طلب ہے، لیکن امر میں تھی طلب کسی چیز کے کرنے کی اور نہی میں جو طلب ہوتی ہے وہ کسی چیز کے چھوڑنے کی طلب ہوتی ہے، ترک فعل کی طلب ہوتی ہے۔ مثلاً آپ کسی سے کہتے ہیں لَا تَضْرِبْ زَيْداً، آپ زید کی پٹائی نہ کیجیے۔ تو اب آپ کس چیز کو طلب کر رہے ہیں، ضرب کو یا ترک ضرب کو؟ ترک ضرب کو، ضرب کے چھوڑنے کو طلب کر رہے ہیں کہ مخاطب کیا کرے؟ زید کی پٹائی نہ کرے۔ تو ہے اس میں بھی طلب، نہی کے اندر بھی طلب ہے بھئی، ہم انشاء طلبی کی قسمیں پڑھ رہے ہیں، لیکن اس کے اندر فعل کی طلب نہیں بلکہ ترک فعل کی طلب ہے بھئی۔

وَالِاسْتِفْهَامُ، اور تیسری قسم جو ہے استفہام ہے بھئی۔ استفہام میں بھی آپ جانتے ہیں کسی چیز کی طلب ہوتی ہے، آپ کسی سے کوئی سوال پوچھتے ہیں تو سوال میں بھی کیا ہوتی ہے؟ اس کے جواب کی طلب ہوتی ہے بھئی۔ وَالتَّمَنِّي، تمنا کے اندر بھی طلب ہوتی ہے کسی چیز کی۔ کوئی بھی ایسی چیز جس کا انسان کے لیے حصول ناممکن ہو یا انتہائی مشکل ہو، اس کی طلب کا انسان اظہار کرے، اس کو ذکر کرے تو یہ ہے تمنی بھئی۔ بعض اوقات وہ چیز ممکن ہی نہیں ہوتی، مثلاً بوڑھا شخص کہے لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُودُ، کاش کہ جوانی لوٹ آئے۔ اب دیکھیے اس کے اندر بھی طلب ہے لیکن طلب کس چیز کی ہے؟ جوانی کی جس کا لوٹنا ممکن نہیں ہے بھئی۔ اور اسی طرح مثلاً کوئی بڑا ہی غریب آدمی ہے اور وہ کثیر مال کی تمنا کرتا ہے بھئی۔ اب کثیر مال کا اسے حاصل ہونا ناممکن تو نہیں لیکن بڑا مشکل ہے بھئی، تو یہ بھی تمنا ہے بھئی۔

اس کے ساتھ ایک اور قسم ہے جسے ترجی کہتے ہیں آپ نے پڑھا ہوگا بھئی۔ تو ترجی جو ہے اس میں کسی ایسی چیز کی طلب ہوتی ہے جس کے حصول کی توقع ہوتی ہے، امید ہوتی ہے۔ تمنا کے اندر وہ چیز جو ہے یا تو اس کا حصول ممکن ہی نہیں ہوگا یا ممکن تو ہے لیکن بڑا ہی مشکل ہے، لیکن ترجی کے اندر اس چیز کا حصول ممکن ہوتا ہے، اس کی توقع ہوتی ہے بھئی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ترجی کہتے ہیں بھئی۔ تو یہاں پر صاحب کتاب نے ترجی کو ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ دوسرے علماء وہ ترجی کو ذکر کرتے ہیں، وہ چھٹی قسم پھر بناتے ہیں ترجی بھئی۔ اور بعض علماء نے پھر یہاں یہ کہا کہ اس تمنی ہی کے اندر ترجی بھی داخل ہے بھئی۔ وَالنِّدَاءُ، اور پانچویں قسم ہے ندا۔ مثلاً آپ کسی کو ندا دیتے ہیں يَا زَيْدُ، تو اس میں بھی طلب ہے۔ ندا کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، تو ندا کے اندر بھی طلب ہوتی ہے، آپ مخاطب کی توجہ کو کیا کر رہے ہیں؟ طلب کر رہے ہیں بھئی۔

اور پھر یاد رکھیے یہاں پر یہ جو عبارت آئی الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ وَالِاسْتِفْهَامُ وَالتَّمَنِّي وَالنِّدَاءُ، ان پر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، جر بھی پڑھ سکتے ہیں بھئی۔ چاہیں تو نصب پڑھ لیں الْأَمْرَ وَالنَّهْيَ وَالِاسْتِفْهَامَ وَالتَّمَنِّيَ وَالنِّدَاءَ، اور چاہیں تو اس پر جر پڑھیں الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ وَالتَّمَنِّي وَالنِّدَاءِ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اگر اس پر رفع پڑھیں الْأَمْرُ، تو یاد رکھیے اس صورت میں یہ خبر ہیں مبتدا محذوف کی۔ مبتدا محذوف چاہے سب کے لیے ایک ہی نکال لیں هِيَ مبتدا، اور ضمیر راجع یہ خَمْسَةِ أَشْيَاءَ کو بھئی، وہ پانچ چیزیں کون کون سی ہیں؟ هِيَ یہ ہیں الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ وَالِاسْتِفْهَامُ۔ یا چاہیں تو ہر ایک کے لیے مبتدا الگ نکال لیں: أَحَدُهَا الْأَمْرُ، وَثَانِيهَا النَّهْيُ، وَثَالِثُهَا الِاسْتِفْهَامُ، وَرَابِعُهَا التَّمَنِّي، وَخَامِسُهَا النِّدَاءُ۔ تو چاہے ہر ایک کے لیے مبتدا الگ نکال لیں چاہے ایک ہی مبتدا نکال لیں اور ان کو معطوف معطوف علیہ بنا کر اس کی خبر بنا دیں بھئی۔ تو یہ تو وجہ ہوئی رفع پڑھنے کی۔

آپ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں یہاں پر، اس صورت میں اس کو مفعول بنائیں فعل محذوف کے لیے أَعْنِي۔ یا یوں کہیں یہاں مصنفین کئی ہیں تو نَعْنِي جمع کا صیغہ نکال لیں جمع متکلم کا، کہ انشاء طلبی وہ پانچ چیزوں سے ہوگا، نَعْنِي الْأَمْرَ ہماری مراد ہے امر، نہی، استفہام، تمنی اور ندا۔ تو یہ نَعْنِي فعل، اس کے اندر نَحْنُ ضمیر فاعل کی، ہماری مراد یہ ہے، اور آگے یہ مفعول بن جائیں گے، منصوب بنیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور آپ چاہیں تو اس پر جر پڑھیں الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ۔ جر ہونے کی صورت میں اس کو بدل بنائیں خَمْسَةِ أَشْيَاءَ سے۔ اور آپ نے پڑھا ہے بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو خَمْسَةِ أَشْيَاءَ یہ ہوا مبدل منہ اور الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ وَالتَّمَنِّي وَالنِّدَاءِ یہ کیا ہوا؟ بدل ہوا، اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے تو یہاں تینوں قسم کے اعراب آپ پڑھ سکتے ہیں۔

■ قولہ: «أَمَّا الْأَمْرُ فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ» کی تشریح

أَمَّا الْأَمْرُ فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ۔ اب ان میں سے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کریں گے بھئی۔ أَمَّا الْأَمْرُ باقی امر جو ہے فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلَى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ وہ فعل کو طلب کرنا ہے استعلاء کے طریقے پر۔ اِسْتِعْلَاء کا معنی ہے اونچا سمجھنا، بڑا سمجھنا۔ کسی سے کوئی فعل طلب کیا جائے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے، اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہوئے تو یہ ہے استعلاء بھئی، طلب فعل عَلَى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ۔

بھئی یہیں پر دو اور چیزیں بھی سمجھ لیں۔ ایک ہے امر، ایک ہے دعا اور اسی طرح ایک ہے التماس، تین چیزیں ہیں یہاں پر: امر، دعا اور التماس۔ امر کے اندر بھی طلب فعل ہے، دعا کے اندر بھی طلب فعل ہے، التماس کے اندر بھی طلب فعل ہے۔ لیکن یہ طلب فعل اگر استعلاء کے طریقے پر ہو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے ہو تو اس کو امر کہتے ہیں۔ اور اگر یہی طلب فعل عاجزی کے طریقے پر ہو اپنے آپ کو ادنی سمجھتے ہوئے تو اس کو دعا کہتے ہیں۔ اور اگر یہی طلب فعل برابری کے طریقے پر ہو اپنے آپ کو اس کے برابر سمجھتے ہوئے، نہ اس سے اعلی سمجھ رہے ہیں نہ اس سے ادنی، تو اس کو التماس کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ التماس کہتے ہیں۔

بھئی دیکھیے آگے مثالیں بھی اس کی آجائیں گی۔ آقا اپنے غلام سے کہتا ہے کہ پانی لے آؤ، تو یہ حکم دے رہا ہے اور کس طریقے پر ہے؟ عَلَى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے کیونکہ دوسرا اس کا غلام ہے بھئی، تو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے ایک چیز اس سے طلب کر رہا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ امر۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، اے اللہ میری مغفرت فرما دیجیے۔ اب اِغْفِرْ صیغہ تو امر کا ہے لیکن آپ لوگ اس کو کیا کہتے ہیں؟ دعا کہتے ہیں۔ کیوں دعا کہتے ہیں؟ کیونکہ یہاں طلب فعل ہے عاجزی کے طریقے پر، اپنے آپ کو ادنی سمجھتے ہوئے فعل کی طلب ہے اس دعا کے اندر بھئی۔ اور ایک ہے طلب فعل برابری کے طریقے پر اس کو التماس کہتے ہیں، جیسے آپ اپنے کسی ساتھی کو کہتے ہیں کہ بھئی یہ کتاب مجھے دے دیجیے۔ اب آپ یہ طلب فعل کر رہے ہیں لیکن یہ نہ استعلاء کے طریقے پر ہے نہ عاجزی کے طریقے پر ہے

بلکہ برابری کے طریقے پر ہے تو اس کو التماس کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ التماس، اردو میں اس کو یوں کہیں درخواست کہیں گے، درخواست کر رہے ہیں یا یوں کہیں گزارش کر رہے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو امر کے اندر البتہ استعلاء ضروری ہے۔ امر اسی کو کہیں گے جو عَلٰی وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ ہو بھئی، استعلاء کے طریقے پر اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے۔

تو کہتے ہیں أَمَّا الْأَمْرُ فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ، امر جو ہے وہ فعل کو طلب کرنا ہے استعلاء کے طریقے پر اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے، وَلَهُ أَرْبَعُ صِيَغٍ اور اس کے چار صیغے ہیں۔ امر کے کتنے صیغے ہیں؟ چار صیغے ہیں بھئی وہ بیان کریں گے۔ فِعْلُ الْأَمْرِ ایک تو فعل امر ہے نَحْوُ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔ فعل امر بھئی، آپ نے امر کی قسمیں پڑھی ہیں صرف و نحو کے اندر۔ امر دو قسم پر ہے: ایک امر ہے بے لام یعنی بغیر لام کے، اور ایک امر ہے بالام یعنی لام کے ساتھ بھئی۔ اِضْرِبْ، یہ کون سا امر ہے؟ بغیر لام کے، یہ بھی صیغہ امر۔ اور ایک ہے بالام، لام کے ساتھ امر کے صیغے آتے ہیں، وہ کون سے ہیں؟ مثلاً لِيَضْرِبْ چاہیے کہ وہ پٹائی کرے، لِأَضْرِبْ چاہیے کہ میں پٹائی کروں، لِتُضْرَبْ چاہیے کہ تمہاری پٹائی کی جائے وغیرہ، یہ کیا ہیں؟ بالام بھئی۔

تو آپ نے صرف وغیرہ میں پڑھا کہ امر کے صیغے دو ہی ہیں: ایک اِضْرِبْ اور ایک لِيَضْرِبْ، یعنی ایک بے لام، لام کے بغیر اور ایک بالام یعنی لام کے ساتھ بھئی۔ تو صرف اور نحو میں جب آپ پڑھیں گے تو وہاں پر آپ کو صرف امر کے یہی دو صیغے بتائے جائیں گے۔ لیکن یہاں پر یہ بیان کر رہے ہیں وَلَهُ أَرْبَعُ صِيَغٍ کہ اس کے چار صیغے ہیں۔ تو یہاں یہ بات یاد رکھنا کہ ایک اصطلاح ہے علم صرف اور علم نحو والوں کی اور ایک اصطلاح ہے علم بلاغت اور علم اصول فقہ والوں کی۔ علمائے نحو اور صرف کے نزدیک امر کے صرف دو صیغے ہیں: ایک بے لام اور ایک بالام، یعنی ایک اِضْرِبْ اور ایک لِيَضْرِبْ بھئی، دو صیغے ہیں۔ یہ کس کے نزدیک؟ علمائے صرف اور علمائے نحو کے نزدیک۔ جبکہ علمائے بلاغت اور علمائے اصول فقہ جو ہیں ان کے نزدیک امر کے چار صیغے ہیں بھئی جو یہاں بیان کریں گے۔

بھئی کیا وجہ ہے یہ فرق کیوں ہے، ان کے نزدیک دو صیغے کیوں ان کے نزدیک چار صیغے کیوں؟ وجہ یہ کہ علمائے صرف و نحو جو ہیں وہ لفظوں سے بحث کرتے ہیں۔ صرف کے اندر آپ دیکھتے ہیں کہ ایک لفظ کس طرح دوسرے لفظ سے بنایا جاتا ہے، کس طرح گردان چلتی ہے، کس طرح صیغے بنائے جاتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور اسی طرح نحو کے اندر کس لفظ پر رفع پڑھنا ہے، کس پر نصب پڑھنا ہے، کس پر جر پڑھنا ہے، تو وہاں بات ہوتی ہے لفظوں کی، وہ لفظوں سے بحث کرتے ہیں۔ اور لفظوں کے اعتبار سے کلام عرب میں صرف دو لفظ ہیں جو طلب فعل کے لیے وضع ہیں۔ کلام عرب میں کتنی قسم کے لفظ ہیں؟ دو قسم کے لفظ ہیں جو طلب فعل کے لیے وضع ہیں، جن کو وضع ہی طلب فعل کے لیے کیا گیا ہے: ایک وہ اِضْرِبْ یعنی امر بے لام اور ایک لِيَضْرِبْ یعنی امر بالام، یہ دو قسم کے صیغے ہیں۔ تو چونکہ یہ دو صیغے ہی طلب فعل کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور علمائے صرف اور نحو بھی بحث کرتے ہیں لفظوں سے اور بات چل رہی ہے امر کی جس کے اندر کیا ہو؟ طلب فعل ہو، تو وہ صرف انہی دو کو امر کہتے ہیں کیونکہ انہی دو کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ طلب فعل کے لیے۔ امر کسے کہتے ہیں جس میں کیا ہو؟ طلب فعل ہو، اور طلب فعل کے لیے کتنے صیغے وضع ہیں؟ یہ دو قسم کے صیغے وضع ہیں تو انہی دو کو وہ امر کہتے ہیں، باقی صیغے طلب فعل کے لیے وضع ہی نہیں ہیں لہذا وہ ان کو امر بھی نہیں کہتے۔

جبکہ علم بلاغت اور علم اصول فقہ والے یہ بحث کرتے ہیں معنی سے۔ وہ بحث کرتے تھے لفظوں سے، یہ بحث کس سے کرتے ہیں؟ معنی سے۔ تو یہ ہر اس صیغے کو امر کہیں گے جس میں طلب فعل والا معنی آجائے۔ جس میں کون سا معنی آجائے؟ طلب فعل والا معنی آتا ہے اس کو وہ امر کہیں گے بھئی۔ چنانچہ بھئی اسم فعل ہے ایک قسم، اسم فعل جو ہوتا تو اسم ہے لیکن معنی فعل والا ادا کرتا ہے، آپ نے نحو میں پڑھا ہے بھئی۔ اسم فعل کس کو کہتے ہیں؟ جو ہے تو اسم لیکن معنی کس کا ادا کر رہا ہے؟ فعل والا۔ اور یہ اسم فعل آپ نے پڑھا ہے کبھی فعل ماضی کے معنی میں ہوتا ہے کبھی فعل امر کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو یہ معنی کس کا ادا کر رہا ہے؟ فعل امر والا معنی ادا کر رہا ہے۔ امر ہے تو نہیں لیکن معنی کس کا ادا کر رہا ہے؟ امر والا معنی ادا کر رہا ہے، اس لیے چونکہ دیکھو معنی امر والا آگیا تو لہذا علمائے بلاغت اور علمائے اصول فقہ کے نزدیک یہ بھی کیا ہوا؟ امر ہوا کیونکہ یہ امر والا معنی ادا کر رہا ہے اور یہ بھی بحث کرتے ہیں معنی سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح بعض اوقات مصدر جو ہوتا ہے وہ امر کے قائم مقام ہو جاتا ہے، فعل امر کو حذف کر لیا جاتا ہے اور اس کی جگہ مصدر کو اس کا قائم مقام کر دیا جاتا ہے بھئی۔ بھئی دیکھیے آپ کہتے ہیں ضَرْبَتْ زَيْداً ضَرْباً۔ یہ ضَرْباً کیا ہے؟ مفعول مطلق ہے۔ مفعول مطلق وہ مصدر جو ما قبل فعل کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو ضَرْباً مصدر ہے جو ما قبل فعل یعنی ضَرَبْتُ ہی کے معنی میں ہے، وہاں بھی ضرب کا ذکر ضَرْباً کے اندر بھی ضرب ہی کا ذکر۔ تو مفعول مطلق وہ مصدر جو ما قبل فعل کے معنی میں ہوتا ہے، اور اس کی بحث کافیہ میں آپ نے پڑھی ہوگی، آپ کو یاد ہوگا بعض اوقات یہ جو مفعول مطلق ہے اس کے عامل وہ جو اس کا فعل ہے اس کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ اس جملے میں تو میں نے ذکر کیا ضَرَبْتُ ضَرْباً، ضَرَبْتُ ساتھ ذکر ہے ضَرْباً کے، لیکن بعض اوقات اس کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے جیسے شُكْراً۔ آپ عرب سے جب بھی بات کریں گے وہ آپ کا شکریہ ادا کرے گا تو شُكْراً کہے گا صرف۔ یہ دراصل مفعول مطلق ہے بھئی، شَكَرْتُ شُكْراً کبھی بھی کسی عرب سے آپ نہیں سنیں گے بھئی۔ تو شَكَرْتُ کا حذف کرنا واجب ہے۔ اگر واجب نہ ہوتا ہم کسی عرب سے تو سن لیتے وہ یوں کہتا شَكَرْتُ شُكْراً، لیکن ہم جب بھی سنتے ہیں کیا سنتے ہیں ان سے؟ شُكْراً، اور یہ تو ہے مفعول مطلق۔ معلوم ہوا یہ ایسا مفعول مطلق ہے جس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، گویا یہ مفعول مطلق اس فعل کے قائم مقام ہو گیا۔

■ قولہ: «سَعْياً فِي الْخَيْرِ» کی تشریح

تو اسی طرح ہے بھئی سَعْياً، آگے کتاب میں مثال آجائے گی سَعْياً فِي الْخَيْرِ، عرب کہتے ہیں بھئی ایک دوسرے سے سَعْياً فِي الْخَيْرِ بھئی۔ اصل میں ہے اِسْعَ سَعْياً فِي الْخَيْرِ۔ اِسْعَ فعل امر، سعی کرنا کوشش کرنا، کوشش کرو فِي الْخَيْرِ کس کے اندر؟ بھلائی کے کام میں کوشش کرو، نیکی کے اندر کوشش کرو بھئی۔ لیکن عرب کبھی بھی یوں نہیں کہیں گے اِسْعَ سَعْياً فِي الْخَيْرِ بلکہ وہ صرف کیا کہیں گے؟ سَعْياً فِي الْخَيْرِ، ہمیشہ اسی طرح کہیں گے۔ معلوم ہوا سَعْياً کو اِسْعَ فعل امر کا قائم مقام کر دیا گیا۔ کیا کر دیا گیا؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ ہاں تو سَعْياً فِي الْخَيْرِ کیا ترجمہ ہے؟ اردو میں ترجمہ کیجیے، ہاں تم خیر میں کوشش کرو۔ دیکھو طلب فعل ہے، امر والا ترجمہ ہے۔ تو ہے تو یہ مصدر سَعْياً، مفعول مطلق ہے لیکن معنی کس کا ادا کر رہا ہے؟ امر والا معنی ادا کر رہا ہے، لہذا علم بلاغت والے اور علم اصول فقہ والوں کے نزدیک اس کو بھی کیا کہیں گے؟ امر ہی کہیں گے اگرچہ یہ امر نہیں یہ تو مصدر ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو ایک اصطلاح ہے کس کی؟ علمائے صرف اور علمائے نحو کی، اور ایک اصطلاح ہے علمائے بلاغت اور علمائے اصول فقہ کی۔ تو علمائے صرف اور نحو کے نزدیک امر جو ہے وہ صرف دو صیغے ہیں امر کے: ایک امر بے لام اور ایک امر بالام، یعنی اِضْرِبْ اور لِيَضْرِبْ، کیونکہ صرفی اور نحوی لفظوں سے بحث کرتے ہیں اور لفظوں کے اعتبار سے صرف یہی دو قسم کے لفظ ہیں جن کو طلب فعل کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ جبکہ علمائے بلاغت اور علمائے اصول فقہ وہ بحث کرتے ہیں معنی سے، تو وہ لفظوں کو نہیں دیکھیں گے وہ معنی کو دیکھیں گے، جہاں بھی امر والا معنی آئے گا وہ کہیں گے یہ امر ہے۔ لہذا اسم فعل وہ تو سرے سے فعل ہی نہیں ہے لیکن معنی کس کا ادا کر رہا ہے؟ فعل امر والا، تو اس کو بھی وہ کہیں گے یہ امر ہے۔ اسی طرح مفعول مطلق بعض جگہ وہ فعل امر والا معنی ادا کرتا ہے یعنی اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے تو اس کو بھی وہ کیا کہیں گے؟ امر ہے۔ تو ان کے نزدیک گویا صیغے کتنے ہو گئے؟ چار ہو گئے: ایک امر بے لام، ایک امر بالام، اور اسی طرح اسم فعل جو امر کے معنی میں ہو، اور اسی طرح وہ مفعول مطلق جو کس معنی میں ہو؟ امر کے معنی میں ہو، اس کے قائم مقام ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں وَلَهُ أَرْبَعُ صِيَغٍ اور اس کے چار صیغے ہیں یعنی امر کے: فِعْلُ الْأَمْرِ ایک تو فعل امر ہے وہی بے لام بھئی، نَحْوُ مثال کے طور پر خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ، پکڑ لو کتاب کو مضبوطی سے، قوت کے ساتھ۔ اللہ فرما رہے ہیں کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، مضبوطی سے پکڑ لو۔ تو خُذْ امر آیا، اور یہ بے لام ہے یا بالام ہے؟ بے لام ہے، یہ اس کی مثال آگئی۔ وَالْمُضَارِعُ الْمَقْرُونُ بِاللَّامِ، دوسرا صیغہ اس کا جو ہے وہ فعل مضارع جو ملا ہوا ہو لام کے ساتھ، نَحْوُ مثال کے طور پر لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ۔ لِيُنْفِقْ چاہیے کہ خرچ کرے ذُو سَعَةٍ، سَعَة کہتے ہیں گنجائش کو، ذُو سَعَةٍ گنجائش والا مِنْ سَعَتِهِ اپنی گنجائش میں سے۔ چاہیے کہ خرچ کرے گنجائش والا اپنی گنجائش میں سے، یعنی اپنی گنجائش کے بقدر خرچ کرے۔

اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جو بچے ہوتے ہیں ان کا خرچہ، ان کا نفقہ وغیرہ یہ والد کے ذمے ہوتا ہے۔ ان کا خرچہ کس کے ذمے ہے؟ والد کے بھئی، بیوی کے ذمے نہیں ہے، ماں کے ذمے نہیں ہے بچوں کا خرچہ بلکہ کس کے ذمے ہے؟ والد کے ذمے ہے۔ اور اللہ فرما رہے ہیں لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ، چاہیے کہ گنجائش والا اپنی گنجائش کے بقدر خرچ کرے، یعنی جتنا اللہ نے مال دیا ہے، اگر مال زیادہ دیا ہے تو ان پر بھی کھلے طور پر خرچ کرنا چاہیے، اگر ہاتھ تنگ ہے تو اس کے بقدر ان پر خرچ کرو لیکن خرچ کرنا ذمہ داری ہے کس کی؟ والد کی۔ تو معنی سمجھ میں آیا؟ گنجائش والا اپنی گنجائش کے بقدر خرچ کرے بھئی، جتنی گنجائش ہے اس کے بقدر خرچ کرے، مال تھوڑا ہے تو اس کے مطابق خرچ کرے، گنجائش زیادہ ہے مال زیادہ ہے تو ان پر اچھے طریقے سے خرچ کرے، ان کو اچھا کھلائے اچھا پلائے۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو بہر حال محل استشہاد ہے یہاں پر لِيُنْفِقْ۔ یہ کون سا امر ہے؟ بالام، یہ وہی مضارع مقرون باللام بھئی۔

وَاسْمُ فِعْلِ الْأَمْرِ، اور امر کا اسم فعل بھئی۔ میں نے بتایا اسم فعل وہ ہوتا تو اسم ہے لیکن معنی کس کا ادا کرتا ہے؟ فعل کا۔ پھر یہ فعل جس کا معنی ادا کر رہا ہے کبھی یہ فعل ماضی کا معنی ادا کرے گا اور کبھی فعل امر کا معنی ادا کرے گا۔ یہاں ہماری امر کی بحث چل رہی ہے اس لیے صرف اسی کو بیان کیا جو کون سا معنی ادا کر رہا ہے؟ امر والا۔ اسی لیے کہا وَاسْمُ فِعْلِ الْأَمْرِ اور امر کا اسم فعل، نَحْوُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ اب اس میں دیکھیے یہ حَيَّ آیا، یہ اسم فعل ہے، اور حَيَّ کے معنی ہیں جلدی آؤ، جلدی کرو۔ عَلَى الْفَلَاحِ، فَلَاح کہتے ہیں خیر کو، بھلائی کو۔ بھلائی کی طرف، کامیابی کی طرف جلدی کرو۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کا کیا معنی؟ کامیابی کی طرف جلدی آؤ، بھلائی کی طرف جلدی آؤ۔ تو یہ حَيَّ اسم فعل ہے اور امر کے معنی میں ہے، جلدی آؤ، جلدی کرو۔

وَالْمَصْدَرُ النَّائِبُ عَنْ فِعْلِ الْأَمْرِ، اور وہ مصدر جو نائب ہو فعل امر سے، یعنی اس کا قائم مقام ہو جیسے سَعْياً فِي الْخَيْرِ۔ اصل میں کیا تھا؟ اِسْعَ سَعْياً فِي الْخَيْرِ۔ اِسْعَ فعل امر تھا یہاں پر لیکن اس کو حذف کرنا واجب اور یہ سَعْياً کیا بن جاتا ہے؟ اس کا قائم مقام۔ تو اس کو حذف کر کے اس کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا، جب اس کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے اب اصل کو ذکر نہیں کر سکتے کیونکہ اس کو کیا کر دیا گیا؟ اس کا قائم مقام۔ تو یہ مصدر نائب ہے یعنی اس کا قائم مقام ہے اس فعل امر کا، جیسے سَعْياً فِي الْخَيْرِ کوشش کرو تم بھلائی میں۔

■ قولہ: «وَقَدْ تَخْرُجُ صِيَغُ الْأَمْرِ» کی تشریح

وَقَدْ تَخْرُجُ صِيَغُ الْأَمْرِ۔ بھئی پیچھے امر کا حقیقی معنی تو بیان کر دیا کہ امر کا حقیقی معنی کیا ہے؟ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ، طلب فعل کس طریقے پر؟ استعلاء کے طریقے پر، اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے، اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہوئے یہ کیا ہے؟ امر کا حقیقی معنی۔ لیکن کہتے ہیں کبھی کبھار یہ امر کا صیغہ اپنے معنی اصلی سے نکل جاتا ہے دوسرے معانی کی طرف اور ان کا پتہ سیاق کلام اور قرائن احوال سے چلتا ہے بھئی۔ کس سے چلتا ہے؟ سیاق کلام، کلام کا چلاؤ بتلاتا ہے کہ یہاں امر کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بھئی۔ یا اسی طرح قرائن احوال، کوئی حال کا قرینہ ہوتا ہے وہ بتلاتا ہے جیسے اس شخص کا حال بھئی۔ میں نے بتلایا تھا قرینہ کسے کہتے ہیں؟ الْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ، قرینہ وہ چیز ہے جو کس کی طرف اشارہ کرے؟ مطلوب کی طرف اشارہ کرے، جس سے مطلوب کا پتہ چل جائے بھئی۔

اور میں نے بتایا تھا یہ قرینہ جو ہے یہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے قرینہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے۔ کبھی لفظوں سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ والا معنی یہاں مراد ہے، کبھی لفظ سے تو پتہ نہیں چل رہا لیکن حالت سے پتہ چل جاتا ہے، اس کا حال بتلا دیتا ہے کہ یہاں یہ والا معنی مراد ہے۔ جیسے آپ کا ساتھی آیا کمرے میں اور آپ نے کہا شیر آ گیا۔ کیا کہا؟ شیر آ گیا۔ اب یہاں پر لفظوں سے تو پتہ نہیں چل رہا، کسی کے سامنے کہیں ویسے شیر آ گیا تو وہ اس سے جنگلی درندے کا معنی ہی لے گا۔ لیکن اس وقت حالت بتلا رہی ہے کہ اس سے بہادر انسان مراد ہے کیونکہ آیا کون ہے اس وقت یہاں پر، شیر آیا ہے یا آپ کا ساتھی آیا ہے؟ ساتھی آیا ہے، یہ ساتھی کا آنا یہ حالت بتلا رہی ہے کہ یہاں شیر کس معنی میں ہے؟ بہادر آدمی کے معنی میں، تو یہ قرینہ ہوا۔ اس قرینے نے آپ کو بتلایا کہ لفظ شیر کس معنی کے اندر ہے؟ بہادر آدمی کے معنی میں ہے۔ اور کبھی کبھار قرینہ لفظیہ ہوتا ہے، لفظ آپ کو بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ اس معنی میں ہے، اس کو قرینہ لفظیہ کہتے ہیں۔ جیسے میں کہتا ہوں میں نے آج ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب آپ فوراً سمجھ گئے شیر سے کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ کیسے پتہ چلا؟ یہ تیر چلانے کا جو لفظ ساتھ آیا اس لفظ نے بتلایا کیونکہ تیر جنگلی درندہ تو نہیں چلا سکتا بلکہ کون چلاتا ہے؟ انسان چلاتا ہے، تو اس سے آپ کو پتہ چلا کہ یہاں شیر سے بہادر آدمی والا معنی ہے۔ تو قرینہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے اور قرینہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے۔

تو یہاں بھی یہی بات بیان کریں گے کہ وہ سیاق کلام، کلام کا چلاؤ بتلائے گا یعنی لفظوں وغیرہ سے پتہ چل جائے گا، یا کبھی کبھار وہ قرینہ حال ہو گا کوئی حال بتلائے گا کہ یہاں طلب فعل استعلاء کے طریقے پر نہیں۔ بھئی دیکھیے بات یہ چل رہی ہے نا کہ امر کا حقیقی معنی کیا ہے؟ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ، طلب فعل کرنا کس طریقے پر؟ استعلاء، اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے کسی سے فعل طلب کرنا یہ ہے امر۔ لیکن اگر کسی مقام پر امر کا صیغہ آپ لے آتے ہیں لیکن استعلاء کے طریقے پر نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے کہ یہ امر نہیں ہے۔ جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی آپ کہتے ہیں اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، اے اللہ میری مغفرت فرما دیجیے۔ اب اِغْفِرْ یہ تو صیغہ امر کا ہے لیکن کوئی بھی اس کو امر نہیں کہتا بلکہ اس کو کیا کہتے ہیں؟ دعا کہتے ہیں، کیونکہ یہاں پر یہ قرینہ حالیہ وغیرہ پتہ لگ گیا، انسان کی حالت عاجزی سے اللہ کے سامنے رو رہا ہے، گڑگڑا رہا ہے، یہ حالت ہی بتلا رہی ہے اس کی کہ یہ کس طریقے پر طلب فعل ہے؟ عاجزی کے طریقے پر ہے، استعلاء کے طریقے پر نہیں ہے۔

دیکھیے اب کتاب پر، وَقَدْ تَخْرُجُ صِيَغُ الْأَمْرِ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ إِلٰى مَعَانٍ أُخَرَ۔ تَخْرُجُ پڑھیے گا بھئی اس کو۔ وَقَدْ تَخْرُجُ صِيَغُ الْأَمْرِ اور کبھی نکل جاتے ہیں امر کے صیغے عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ اپنے معنی اصلی سے إِلٰى مَعَانٍ أُخَرَ کس طرف نکل جاتے ہیں؟ دوسرے معانی کی طرف۔ معنی اصلی کیا تھا؟ طلب فعل عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ۔ اور اس سے نکل جاتے ہیں دوسرے معانی کی طرف، یعنی ان میں طلب فعل ہو گا لیکن استعلاء نہیں یا اور معنی۔ تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ وَقَرَائِنِ الْأَحْوَالِ، دوسرے ایسے معانی کی طرف تُفْهَمُ۔ بھئی دیکھیے میں نے بتلایا تھا نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کی صفت بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اب مَعَانٍ نکرہ آیا، أُخَرَ یہ اس کی ایک صفت آئی اور تُفْهَمُ یہ پھر فعل آیا، فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ، اور جملہ بھی کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو یہ بھی اس کی صفت ہے۔ إِلٰى مَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ، تو وہ نکل جاتا ہے ایسے دوسرے معانی کی طرف جو مفہوم ہوتے ہیں، جو سمجھ میں آتے ہیں سیاق کلام سے اور قرائن احوال سے، حال کے قرینوں سے۔

كَالدُّعَاءِ جیسے کہ دعا ہے نَحْوُ مثال کے طور پر رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ۔ أَوْزَعَ کے معنی ہوتے ہیں توفیق دینا بھئی۔ رَبِّ أَوْزِعْنِي اے میرے پروردگار أَوْزِعْنِي آپ مجھے توفیق دیجیے أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ کہ میں شکر ادا کروں آپ کی نعمت کا۔ اے میرے پروردگار آپ مجھے توفیق دیجیے کہ میں آپ کی نعمت کا شکر ادا کروں بھئی۔ اب دیکھیے أَوْزِعْ صیغہ امر کا ہے لیکن طلب فعل یہاں عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ ہے یا عاجزی کے طریقے پر ہے؟ عاجزی کے، اس لیے اس کو امر نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ دعا۔ صیغہ تو امر ہی کا ہے لیکن کہیں گے کیا اس کو؟ دعا۔ تو یہ دیکھو اپنے معنی اصلی سے نکل گیا، اس میں استعلاء کے طریقے پر طلب فعل نہیں ہے بلکہ عاجزی کے طریقے پر ہے۔

وَالِالْتِمَاسِ، اور جیسے کہ التماس ہے كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُسَاوِيكَ أَعْطِنِي الْكِتَابَ، جیسے کہ آپ کا قول لِمَنْ اس شخص سے يُسَاوِيكَ جو آپ کے برابر ہے۔ اپنے برابر والے سے آپ کا یہ کہنا أَعْطِنِي الْكِتَابَ، أَعْطِنِي مجھے دے دیجیے الْكِتَابَ وہ کتاب۔ وہ کتاب مجھے دے دیجیے۔ تو یہاں پر بھی طلب فعل ہے لیکن کس طریقے پر ہے؟ برابری کے طریقے پر۔ تو استعلاء ہے؟ نہیں، استعلاء نہیں، جب استعلاء ہو گا تو برابری نہیں، برابری ہے تو استعلاء نہیں۔ تو یہ برابری کے طریقے پر ہے تو یہ اپنے اصلی معنی سے نکل گیا اس لیے اس کو التماس کہتے ہیں۔ اچھا چلیے بس کرتے ہیں، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۷: صیغۂ امر کے مجازی معانی: تمنی، ارشاد، تہدید، تعجیز، اہانت، تسویہ اور قصۂ جنگِ بسوس

دروس البلاغہ صفحہ: ۳۰ــــ بتاریخ: ۶ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالتَّمَنِّي نَحْوُ: أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي بِصُبْحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ۔ وَالْإِرْشَادِ نَحْوُ: إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ۔ وَالتَّهْدِيدِ نَحْوُ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے انشاء کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ آپ نے پڑھا کہ انشاء دو قسم پر ہے، یا تو وہ طلبی ہو گا یا غیر طلبی ہو گا۔ انشاء طلبی وہ ہے جو ایسے مطلوب کا تقاضا کرے جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو بھئی۔ اس لیے کیونکہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ طلب حقیقت میں کہتے ہی اس کو ہیں کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرنا، یہ کیا ہے؟ طلب ہے۔ اور کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ انسان تبھی کرتا ہے جب وہ چیز اس کے پاس نہ ہو، اس کو حاصل نہ ہو۔ اگر ایک چیز حاصل ہے تو پھر تو اس کی تحصیل نہیں ہو سکتی بھئی۔ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرنا، تو حاصل کرنے کا معنی ہی یہ ہوا کہ وہ چیز معلوم ہوا آپ کے پاس نہیں ہے۔ ایک چیز آپ کے پاس ہو پھر اس کے حاصل کرنے کا ارادہ کریں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جی تو اسی لیے انہوں نے کہا کہ ایسا مطلوب جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو بھئی۔ اور غیر طلبی انشاء وہ ہے جو ایسا نہ ہو، جس میں یعنی مطلوب غیر حاصل کا تقاضا نہ ہو، جیسے مثلاً قسم ہے بھئی۔ اب قسم کیا ہے؟ وَاللّٰهِ، کہ میں قسم کھاتا ہوں اللہ کی۔ اب دیکھیے اس کے اندر کسی قسم کی طلب وغیرہ نہیں ہے، تو یہ کیا ہے؟ انشاء غیر طلبی ہے۔ یا افعال مدح وذم وغیرہ ہیں بھئی، کسی کی انسان تعریف کرتا ہے جیسے مثلاً کہتا ہے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، زید کتنا اچھا آدمی ہے۔ تو اب اس میں کسی قسم کی طلب نہیں تو یہ انشاء غیر طلبی ہے۔

پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ انشاء طلبی جو ہے وہ پانچ چیزوں کے ساتھ ہو گا بھئی: امر، نہی، استفہام، تمنی اور ندا۔ اس کے بعد امر کی تفصیل بیان کرنا شروع کی تھی اور بتلایا تھا کہ امر وہ کسی فعل کو طلب کرنا ہے استعلاء کے طریقے پر، اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے اور اونچا سمجھتے ہوئے۔ اور اس کے چار صیغے ہیں۔ یہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ انہوں نے چار صیغے اس لیے کہا کیونکہ یہ ہم علم بلاغت کی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ علمائے صرف اور نحو کی کتابیں آپ دیکھیں گے تو وہاں آپ کو ملے گا کہ امر کے دو صیغے ہیں: ایک بے لام اور ایک بالام۔ ایک مثلاً اِضْرِبْ جیسے صیغے ہیں جن میں لام نہیں آتا، اور ایک جو ہے لِيَضْرِبْ جیسے صیغے ہیں جن کے شروع میں کیا آتا ہے؟ لام آتا ہے۔ تو وہاں آپ کو یہی بتلائیں گے کہ امر کے دو ہی صیغے ہیں، نحو کے اندر بھی یہی بتلائیں گے اور صرف میں بھی۔ لیکن یہ علم بلاغت ہے اور علم بلاغت والے ہر اس لفظ کو امر کہتے ہیں جس کا معنی امر والا ہو۔ کیونکہ یہ بحث معنی سے کرتے ہیں تو جب امر والا معنی آ جائے تو وہ کہتے ہیں یہ امر ہے چاہے وہ امر کا صیغہ نہ ہو بھئی۔

تو علمائے صرف اور نحو وہ بحث کرتے ہیں لفظوں سے اور لفظوں کے اعتبار سے تو صرف یہی دو قسم کے جو صیغے ہیں یہ طلب فعل کے لیے وضع ہیں بھئی۔ جبکہ علمائے اصول یعنی علمائے اصول فقہ اور علمائے بلاغت وہ بحث کرتے ہیں معنی سے تو وہ ہر اس لفظ کو امر کہیں گے جس کا معنی امر والا ہو۔ تو لہٰذا ان کے نزدیک اسم فعل جو ہے جو امر کے معنی میں ہو وہ بھی کیا ہے؟ امر ہے۔ اسی طرح وہ مصدر جسے فعل امر کا قائم مقام کر دیا گیا ہو جیسے سَعْياً فِي الْخَيْرِ، یہ بھی کیا ہے علمائے بلاغت کے نزدیک؟ امر ہی ہے بھئی۔

اس کے بعد انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار امر کا صیغہ اپنے معنی اصلی سے نکل جاتا ہے دوسرے معانی کی طرف جن کا پتہ سیاق کلام سے اور قرائن احوال سے چلتا ہے۔ سیاق کلام یعنی کلام کا چلاؤ، کلام کا چلنا بتا دیتا ہے کہ یہاں پر صیغہ تو امر کا آیا ہے لیکن امر والا معنی مراد نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جیسے بھئی ایک شخص دعا

کر رہا ہے اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، تو اب دیکھیے اِغْفِرْ صیغہ تو امر کا ہے لیکن یہاں وہ کس سے مخاطب ہے؟ ذات باری تعالی سے، اور اللہ کے سامنے یہ صیغہ لے کر آیا اور روتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے یہ صیغہ اس کی زبان پر آیا، تو پتہ چلا یہاں استعلاء کے طریقے پر نہیں ہے بلکہ کس طریقے پر ہے؟ عاجزی کے طریقے پر ہے، چنانچہ اس کو دعا کہا جاتا ہے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے امر، ایک ہے دعا، ایک ہے التماس بھئی۔ امر کہتے ہیں طلب فعل کو استعلاء کے طریقے پر، یہ ہے امر، یہ امر کا حقیقی معنی ہے۔ اور اگر طلب فعل ہو عاجزی کے طریقے پر تو یہ کیا ہے؟ دعا، یا یوں کہیں طلب فعل ہو اپنے آپ کو ادنی سمجھتے ہوئے تو یہ کیا ہے؟ دعا ہے۔ اور اگر طلب فعل ہو برابری کے طریقے پر، مساوات کے طریقے پر تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کو التماس کہتے ہیں بھئی۔

تو دیکھیے انہوں نے بتلایا کہ کبھی کبھار امر کا صیغہ اپنے معنی اصلی سے نکل جاتا ہے۔ معنی اصلی کیا تھا امر کا؟ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ بھئی۔ تو طلب فعل بھی ہو اس کے اندر اور استعلاء بھی ہو، استعلاء کے طریقے پر ہو طلب فعل۔ تو جب معنی اصلی سے نکل جائے گا تو پھر کبھی کبھار طلب فعل تو اس میں ہو گی لیکن استعلاء نہیں ہو گا جیسے دعا تھی بھئی۔ طلب فعل ہے لیکن استعلاء نہیں۔ اور کبھی سرے سے طلب فعل ہو گی ہی نہیں اس کے اندر۔ تو دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پائی جائے گی تو امر اپنے اصل معنی پر باقی نہ رہا۔ اپنے اصل معنی پر ہے تو کیا دو چیزیں ضروری؟ طلب فعل بھی ضروری اور اس کے اندر استعلاء بھی ضروری اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے بھئی۔ اور اگر دونوں میں سے چاہے ایک چیز منتفی ہو جائے، ایک چیز نہ پائی جائے یا دونوں نہ پائی جائیں تو صیغہ امر معلوم ہوا اپنے معنی اصلی سے نکل گیا ہے۔ اور اس کا پتہ سیاق کلام سے چلے گا یا اسی طرح کوئی اور قرینہ وغیرہ بتلائے گا کہ یہ اس وقت طلب فعل عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ کے لیے نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ معنی تھا کہ کبھی کبھار امر کا صیغہ اپنے معنی اصلی سے نکل جاتا ہے دوسرے معانی کی طرف۔ اور اس کی مثال ایک تو دعا ذکر کی، رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ، اے میرے پروردگار مجھے توفیق دیجیے کہ میں آپ کی نعمت کا شکر ادا کروں۔ تو أَوْزِعْ صیغہ امر آیا لیکن یہاں طلب فعل تو ہے لیکن استعلاء کے طریقے پر نہیں ہے بلکہ عاجزی کے طریقے پر ہے، لہذا اس کو کیا کہیں گے؟ دعا بھئی۔ اور التماس کی مثال انہوں نے ذکر کی جیسے آپ اپنے ساتھی سے، اپنے برابر والے شخص سے کہتے ہیں أَعْطِنِي الْكِتَابَ، مجھے وہ کتاب دے دیجیے۔ اب یہاں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے نہیں کہہ رہے، نہ اپنے آپ کو ادنی سمجھتے ہوئے، بلکہ کس طریقے پر کہہ رہے ہیں؟ برابری کے طریقے پر، تو اس کو التماس کہتے ہیں عربی میں، اور اردو میں بھی التماس کا لفظ استعمال ہوتا ہے یا اس کے لیے کیا لفظ استعمال کر سکتے ہیں آپ؟ درخواست کا یا گزارش کا بھئی۔

اب آگے اسی کی اور مثالیں چل رہی ہیں جہاں صیغہ امر اپنے معنی اصلی سے نکل گیا ہو۔ آگے کہتے ہیں وَالتَّمَنِّي، اور تمنی بھئی، کسی چیز کی تمنا کرنا۔ میں نے بتلایا تھا ایک ہے تمنی ایک ہے ترجی بھئی۔ تمنی میں بھی کسی چیز کو طلب کیا جاتا ہے، ترجی میں بھی کیا ہے؟ طلب ہوتی ہے۔ لیکن تمنی اس کو کہیں گے جہاں اس چیز کا حاصل ہونا ممکن ہی نہ ہو، یا ممکن تو ہو لیکن نہایت مشکل ہو، تو اس کو کیا کہیں گے؟ تمنی۔ اور اگر طلب فعل ہے اور اس چیز کا حصول ممکن ہے بھئی، آسانی سے اس کی توقع ہے، امید ہے تو اس کو کہتے ہیں ترجی بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ ترجی کہتے ہیں بھئی۔

■ قولہ: «وَالتَّمَنِّي نَحْوُ: أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ...» کی تشریح

وَالتَّمَنِّي نَحْوُ: أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي بِصُبْحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ۔ یاد رکھیے یہ امْرُؤُ الْقَيْسِ کا شعر ہے بھئی۔ امْرُؤُ الْقَيْسِ عرب کا مشہور فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے اندر، ظہور اسلام سے پہلے یہ بہت مشہور شاعر گزرا ہے عرب کا بھئی، بڑا ہی فصیح و بلیغ۔ اور سَبْعَہ مُعَلَّقَات کے اندر آپ اس کے اشعار پڑھیں گے بھئی، تو اس کا جو معلقہ ہے اسی میں سے یہ ایک شعر ہے بھئی۔ اور یہ امْرُؤُ الْقَيْسِ یاد رکھیے بڑا فصیح و بلیغ شاعر تھا، بڑی شہرت تھی اس کی اور یہ مَلِكٌ ضِلِّيلٌ کے نام سے مشہور تھا بھئی۔ کس نام سے؟ مَلِكٌ بادشاہ، ضِلِّيلٌ ضاد کے ساتھ بھئی، مبالغے کا صیغہ ہے، بڑا گمراہ بھئی، بڑا گمراہ بادشاہ۔ مَلِكٌ ضِلِّيلٌ کا کیا معنی ہوا؟ بڑا گمراہ بادشاہ، تو یہ اس نام سے مشہور تھا۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ عورتوں کے پیچھے گھومتا پھرتا تھا بھئی، بڑا عاشق مزاج آدمی تھا، خصوصاً اس کی چچازاد بہن عُنَيْزَہ اس کے ساتھ اس کا معاشقہ بڑا مشہور تھا اور اس کی محبت میں اشعار وغیرہ کہا کرتا تھا بھئی۔ اور عربوں کو اللہ نے بڑا قوی حافظہ دیا تھا، اشعار تو ان کو سنتے ہی یاد ہو جاتے تھے اور ہر طرف پھیل جاتے تھے بھئی، تو یہ اس کے عشق میں محبت میں اشعار کہتا تھا۔

تو یہاں بھی اسی طرح وہ شعر کہہ رہا ہے دیکھیے بھئی: أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ۔ أَلَا حرف تنبیہ ہے بھئی، تو اردو میں اس کا ترجمہ کبھی خبردار سے کیا جاتا ہے، کبھی آگاہ رہو، کبھی سنو کے ساتھ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے موقع محل کے مطابق بھئی۔ أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ، أَلَا حرف تنبیہ آیا، أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ اے لمبی رات، اے طویل رات۔ أَلَا پھر حرف تنبیہ آیا بھئی، اِنْجَلِي۔ اِنْجَلِي کے اندر یاد رکھیے یہ یا جو ہے یہ یاد رکھ کر آپ یہ نہ سمجھیے کہ یہ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے بھئی۔ اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اِضْرِبُوا، اِضْرِبِي، دیکھو اِضْرِبِي یہ کون سا صیغہ ہے؟ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے امر کا۔ تو آپ اس یا کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیے کہ یہ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے بلکہ یہ یا اشباع کی ہے، اِشْبَاع۔ الف، شین، با، الف، عین، اِشْبَاع۔ اشباع کا معنی ہے کھینچنا، لمبا کرنا۔ تو دیکھیے لام کے نیچے صرف کسرہ تھا، اور صرف کسرہ ہو تو اس کو کیسے پڑھیں گے؟ اِنْجَلِ۔ تو لام کے نیچے صرف کیا تھا؟ کسرہ، اِنْجَلِ۔ پھر اس کے ساتھ اس حرکت کو لمبا کرنے کے لیے یا ملا دی گئی بھئی۔ کسرے کے ساتھ یا ملا دی جائے تو کسرہ لمبا پڑھا جاتا ہے، فتحہ کے ساتھ الف ملا دیا جائے تو اس فتحے کو لمبا کھینچا جاتا ہے، اور ضمے کے ساتھ واؤ آجائے تو پھر اس ضمے کو کیا کیا جاتا ہے؟ لمبا کیا جاتا ہے، کھینچا جاتا ہے۔ تو

یہاں پر بھی یہ جو یاہے یہ یائے اشباع ہے، اشباع کی، اسی کسرے کو لمبا کرنے کے لیے بھئی۔

اور اس کو یہاں کیوں ذکر کیا، کیوں لایا گیا؟ بھئی دراصل یہ اشعار کے خاص اوزان ہوتے ہیں، آگے چل کر آپ پڑھیں گے بھئی۔ ان اشعار کے خاص اوزان ہوتے ہیں، ایک حرکت کے بدلنے سے پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ تو جس کو اللہ نے ذوق دیا ہوتا ہے وہ ذرا سی حرکت ادھر ادھر ہو شعر کے اندر وزن کے مطابق نہ ہو، عام آدمی کو تو پتہ نہیں چلے گا لیکن جس کو اللہ نے ذوق دیا ہو گا وہ سنتے ہی فوراً کہہ دے گا کہ اس شعر کا وزن صحیح نہیں بھئی۔ بھئی شعر کے اندر ایک خاص ترنم ہوتا ہے، ایک خاص روانگی اور سلاست ہوتی ہے۔ اگر ایک حرکت ادھر ادھر ہو جائے، سکون کی جگہ حرکت آجائے یا حرکت کی جگہ سکون آجائے تو وہ وزن سارا بگڑ جاتا ہے، وہ ترنم اس میں نہیں رہتا، وہ روانگی اور سلاست اس کے اندر نہیں رہتی بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اشعار کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں تو اس وزن کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں پر کیا کیا گیا؟ کسرے کو لمبا کیا گیا۔

اور پھر اس میں یہ یاد رکھیے کہ اشعار میں ایسا ہوتا ہے کہ اشباع کیا جاتا ہے۔ اشباع کا کیا معنی؟ حرکت کو کھینچنا، لمبا کرنا۔ کبھی ضمے کو کھینچ کر لمبا کر دیا جائے گا، کبھی فتحہ کو کھینچ کر لمبا کر دیا جائے گا، کبھی کسرہ کو کھینچ کر لمبا۔ تو ضمہ لمبا ہو گا کہ اس کے ساتھ واؤ ملایا جائے، فتحہ لمبا ہو گا اس کے ساتھ الف ملایا جائے اور کسرہ لمبا ہو گا اس کے ساتھ یا ملائی جائے۔ تو یہ ساتھ ملاتے تو ہیں لیکن لکھتے نہیں ہیں، کتابت میں نہیں آتے صرف پڑھنے میں آتے ہیں، تلفظ میں آتے ہیں، لکھنے میں نہیں آتے یہ جو اشباع کی یا، واؤ یا الف ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں پر یہ یا لکھی بھی گئی ہے باقاعدہ بھئی۔ تو لکھنا اس کا صحیح نہیں ہے بھئی، یہ لکھنا کیا ہے؟ غلطی۔ لیکن بہرحال یہ شعر کے اندر یہ لفظ روایات میں اسی طرح نقل ہوتا چلا آیا ہے یا کے ساتھ بھئی۔ البتہ علماء ساتھ ساتھ تصریح کرتے ہیں کہ یہ یا ہونی نہیں چاہیے لیکن یہ نقل اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے یا کے ساتھ اس لیے ہم بھی یا کے ساتھ لکھ رہے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو اِنْجَلِی، اِنْجَلٰی کے معنی ہوتے ہیں روشن ہونے کے۔ اِنْجَلٰی یَنْجَلِي۔ بھئی ہے تو صیغہ امر کا لیکن آخر میں کسرہ ہے۔ آپ کہیں گے امر کا تو آخر مجزوم ہوتا ہے، جزم آتا ہے۔ بھئی گردانیں اگر آپ نے پڑھی ہوں آپ کو پتہ ہے امر کا صیغہ ہو اور صیغہ حاضر کا اور آخر میں کوئی حرکت آرہی ہو تو اس کا مطلب ہے وہاں کوئی حرف علت حذف ہوا ہے۔ اصل میں تو ہے اِضْرِبْ، دیکھو با آخر میں ساکن ہے۔ لیکن اگر آخر میں حرکت آجائے مثلاً اِرْمِ، ہمزہ، را، میم، میم کے نیچے کسرہ۔ اب یہ میم کے کسرے نے بتلا دیا کہ بھئی صیغہ تو امر کا ہے یہاں تو جزم آنا چاہیے تھا لیکن کسرہ آرہا ہے، تو یہ کسرہ بتلاتا ہے یہاں کوئی حرف حذف ہوا ہے۔ اور کسرے کے مناسب کیا ہے یہاں؟ یا، معلوم ہوا یہاں یا حذف ہوئی ہے بھئی۔ رَمٰی یَرْمِي، تو تَرْمِي سے امر بنایا تو کیا بن گیا؟ اِرْمِ، یا آخر سے گر گئی بھئی۔ تو یہاں بھی اسی طرح یہاں یا جو تھی صیغے کی اپنی وہ یا گر گئی بھئی اور یہ یا اشباع والی ہے۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو اِنْجَلٰی یَنْجَلِي کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ روشن ہونے کے۔ اِنْجَلِي تو روشن ہو جا۔ أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي، اے طویل رات، اے لمبی رات تو روشن ہو جا بِصُبْحٍ صبح کے ساتھ۔ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ، آپ کی کتابوں میں مِنْكِ تو نہیں ہے کاف کے نیچے کسرہ تو نہیں ہے بھئی؟ ہاں مِنْكَ ہونا چاہیے، کاف پر فتحہ کریں بھئی اگر کسرہ ہے یہ غلطی ہے بھئی کتابت کی، کیونکہ کاف ضمیر یہ خطاب ہو رہا ہے لَیْل کو، رات کو، اور لَیْل کا لفظ مذکر ہے مؤنث نہیں ہے بھئی۔ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ، أَصْبَحَ يُصْبِحُ کا معنی صبح ہونا۔ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ۔ أَمْثَل یہاں بمعنی أَفْضَل کے ہے۔ أَمْثَل کس معنی میں ہے؟ أَفْضَل۔ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ، اور صبح بھی کوئی تیرے مقابلے میں افضل نہیں ہے، صبح بھی تجھ سے کوئی افضل نہیں ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ دوبارہ سنیے ترجمہ: أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي، اے لمبی رات روشن ہو جا بِصُبْحٍ صبح کے ساتھ، وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ اور صبح بھی کوئی تجھ سے افضل نہیں ہے بھئی۔ أَصْبَحَ يُصْبِحُ إِصْبَاح کا کیا معنی ہوتا ہے؟ صبح میں داخل ہونا، صبح کے وقت کا ہونا بھئی۔ تو صبح بھی تجھ سے کوئی افضل نہیں ہے۔

■ قولہ: «امْرُؤُ الْقَيْسِ» کی تشریح

بھئی یہ امْرُؤُ الْقَيْسِ میں نے بتایا بڑا عاشق مزاج آدمی تھا، تو ایسی ہی کوئی رات آئی بھئی اور یہ عشق کی آگ میں جل رہا ہے اور سخت تکلیف میں اور وہ رات طویل سیاہ رات ہے۔ آپ جانتے ہیں بھئی انسان اچھی خوشی کی حالت میں ہو، پر سکون ہو تو وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا، وقت گزرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر تکلیف کے اندر ہو تو وقت گزرتا ہی نہیں، آسانی سے بیماری وغیرہ میں اس کا تجربہ ہو جاتا ہے۔ بھئی انسان بیمار ہوتا ہے تو رات گزرنے میں ہی نہیں آتی کیونکہ انسان تکلیف کے اندر ہوتا ہے بھئی۔ تو یہاں تو یہ عشق کی آگ میں جل رہا ہے جو سب سے بڑی بیماری تھی، تو وہ رات گزر ہی نہیں رہی۔ یہ سخت تکلیف اور پریشانی کے عالم میں اور رات گزرنے میں ہی نہیں آرہی، تو چنانچہ وہ اسی رات کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے طویل رات اِنْجَلِي بِصُبْحٍ روشن ہو جا کس کے ساتھ؟ صبح کے ساتھ روشن ہو جا۔ اور پھر آگے کہتا ہے وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ اور صبح بھی تجھ سے کوئی افضل نہیں ہے، یہ نہیں کہ صبح ہوتے ہی میرے غم ختم ہو جائیں گے، تو جیسے رات کے اندر میرے غموں نے مجھے گھیرا ہوا ہے صبح بھی انہی غموں نے مجھے گھیرا ہوا ہو گا، تو صبح ہو بھی جائے تو صبح بھی تجھ سے کوئی افضل نہیں ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ دوبارہ شعر کا ترجمہ ایک دفعہ دیکھ لیجیے: أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي بِصُبْحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ، اے طویل رات روشن ہو جا صبح کے ساتھ اور صبح بھی تجھ سے کوئی افضل نہیں ہے۔

مقام استشہاد ہے اِئْتِنَا۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ وہ امر جو اپنے معنی اصلی سے نکل گیا ہو۔ امر کا اصلی معنی کیا تھا؟ طلب فعل ہو اور استعلاء کے طریقے پر ہو۔ تو یہاں پر صیغہ امر کیا آیا؟ اِئْتِنَا، اور یہ صیغہ امر یہ ہے مقام استشہاد۔ اور یہ مثال کس کی ذکر کی؟ تمنی کی، یعنی یہ امر جو آیا یہ تمنا کے لیے ہے۔ بھئی تمنا میں بھی طلب فعل ہوتا ہے، امر میں بھی طلب فعل ہے لیکن تمنا کے اندر استعلاء کے طریقے پر نہیں ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ اپنے معنی اصلی سے نکل گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو تمنا پر کیوں محمول کیا گیا، کیا دلیل ہے اس بات کی کہ اس صیغہ امر سے تمنا مراد ہے، وہ تمنا کر رہا ہے کہ صبح ہو جائے؟ بھئی دیکھیے وہ خطاب کس کو کر رہا ہے؟ رات کو۔ تو وہ خطاب رات کو کر رہا ہے اور رات سے روشن ہو جانے کو طلب کر رہا ہے۔ کس چیز کو طلب کر رہا ہے؟ روشن ہو جانے کو طلب کر رہا ہے، اور کیا رات کی قدرت میں ہے کہ وہ روشن ہو جائے صبح میں؟ جی؟ نہیں، رات کی قدرت میں ہی نہیں ہے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ خطاب رات کو کر رہا ہے اور اس سے روشن ہو جانے کو طلب کر رہا ہے اور رات کی قدرت میں ہی نہیں ہے کہ وہ روشن ہو جائے بھئی، تو لہذا معلوم ہوا یہ امر اپنے حقیقی معنی میں نہیں۔

پھر اس کو تمنا پر کیوں محمول کیا گیا، اور بھی تو معانی ہیں جیسے دعا ہے، التماس ہے، نیچے تہدید ہے، ارشاد ہے، تعجیز ہے، اور کسی معنی پر محمول نہیں کیا گیا بلکہ کس معنی پر محمول کیا گیا؟ تمنا۔ بھئی وجہ یہ کہ شاعر اس سے ماقبل اور مابعد کے اشعار کے اندر اپنے غموں کا ذکر کرتا ہے کہ مجھے غموں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، تکالیف اور پریشانیوں نے میرا احاطہ کیا ہوا ہے، اور پھر رات کی تاریکی کا ذکر کرتا ہے کہ خوب تاریک سیاہ رات ہے اور اس نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے جس طرح سمندر کی موجیں ہوتی ہیں وہ کسی چیز کو گھیر لیتی ہیں تو کسی طرف نکلنے کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ تو یہ جو باتیں اس سے ماقبل مابعد میں وہ ذکر کر رہا ہے ان سے پتہ چلتا ہے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کو توقع اور امید ہی نہیں ہے کہ یہ اتنی طویل رات ہے، اس کی تاریکی نے اس طرح ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، گویا شاعر کو توقع ہی نہیں ہے اب اس کے روشن ہو جانے کی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ وہ ماقبل اور مابعد کے اشعار سے کیا اندازہ ہوتا ہے؟ شاعر اپنی پریشانی، غم، تکلیف کو ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رات ہر طرف چھائی ہوئی ہے، اس کی تاریکی نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، تو اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو یوں لگ رہا ہے اتنی طویل رات ہے، اس طرح اس کی تاریکی نے ہر چیز کو لپیٹ میں لے رکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ رات کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے، اتنی لمبی رات ہے بھئی۔ تو اس کو گویا اس رات کے روشن ہو جانے کی امید ہی نہیں ہے، اور ایک چیز کی امید ہی نہ ہو اور پھر اس کو طلب کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تمنی اسی کو تو کہتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ رات کے روشن ہو جانے کی اسے امید بھی نہیں اور پھر بھی کہہ رہا ہے اِئْتِنَا روشن ہو جا، تو یہ کیا ہے؟ تمنا ہے بھئی، تمنا کر رہا ہے کاش کہ یہ رات صبح کے ساتھ روشن ہو جائے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی سب کو اچھی طرح؟

وَالْإِرْشَادِ نَحْوُ: إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ۔ اور کبھی امر جو ہے معنی اصلی سے نکلے گا اور کس معنی کے لیے آئے گا؟ ارشاد کے لیے۔ ارشاد کا معنی ہے رہنمائی کرنا، اور رہنمائی ہو دنیاوی مصلحت کے لیے، دنیاوی خیر اور بھلائی کے لیے تو اس کو کہتے ہیں ارشاد بھئی۔ جیسے اللہ تعالی کے اس قول میں ہے، اللہ فرماتے ہیں إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ جب تم معاملہ کرو کوئی ادھار کا۔ دَيْن کس کو کہتے ہیں؟ ادھار۔ إِذَا تَدَايَنْتُمْ جب تم کوئی معاملہ کرو بِدَيْنٍ کسی دَيْن کا إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى۔ أَجَل کہتے ہیں مدت کو، مُسَمًّى مقررہ بھئی۔ جب تم معاملہ کرو کسی ادھار کا إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى کسی مقررہ مدت تک فَاكْتُبُوهُ تو اس کو کیا کر لو؟ لکھ لو، وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ اور چاہیے کہ لکھ لے تمہارے درمیان كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ کوئی کاتب عدل کے ساتھ، انصاف کے ساتھ۔ تو اللہ کیا فرما رہے ہیں کہ اے مومنو جب تم کوئی ادھار والا معاملہ کرنے لگو کسی مقررہ مدت تک کہ مثلاً فلاں وقت پر تم مجھے پیسے ادا کرو گے، دو آدمیوں نے آپس میں کوئی خرید و فروخت والا یا کوئی معاملہ کیا اور مدت مقرر کی کہ فلاں وقت کیا کرو گے مجھے پیسے ادا کرو گے، تو دیکھو یہ تم ادھار کا معاملہ کر رہے ہو ایک مقررہ مدت کے لیے تو اس کو آپ لکھ لو بھئی۔ اور اگر تم دونوں میں سے کسی کو لکھنا نہیں آتا تو کوئی تیسرا شخص ہو جو انصاف والا ہو وہ اس کو صحیح طریقے سے لکھ لے بھئی۔

اب دیکھیے یہاں پر فَاكْتُبُوهُ امر کا صیغہ آیا اور وَلْيَكْتُبْ یہ کیا ہے؟ یہ بھی امر کا صیغہ آیا بھئی۔ اور امر تو کس لیے ہوتا ہے؟ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ بھئی۔ اور امر وجوب کے لیے آتا ہے آپ نے اصول فقہ کی کتابوں میں پڑھا ہے، کسی سے فعل کو طلب کیا جائے استعلاء کے طریقے پر اور اس میں وہ فعل دوسرے پر کیا ہو جاتا ہے؟ امر آپ نے پڑھا ہے بھئی نور الانوار پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے، اصول الشاشی؟ امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، جب اللہ اور اللہ کے رسول کسی چیز کا حکم دیں تو تمام مومنوں پر، تمام لوگوں پر اس کا کرنا واجب ہو جاتا ہے بھئی۔ تو یہاں یہ جو امر آیا یہ وجوب کے لیے نہیں ہے، جب بھی آپ کوئی ایسا معاملہ کریں تو آپ کے لیے لکھنا واجب نہیں ہے۔ تو یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی رہنمائی کرتے ہوئے دنیاوی فائدے کی خاطر اللہ رہنمائی کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اگر اس طرح کا کبھی معاملہ کرو تو لکھ لیا کرو بھئی، یعنی لکھ لینے میں بہتری ہے تاکہ آگے بعد میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو، کسی دوسرے کو انکار کرنے کا موقع نہ ملے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ امر جو آیا وہ ارشاد کے لیے ہے، رہنمائی، اور رہنمائی بھی کس لیے؟ دنیاوی مصلحت کے لیے، دنیاوی فائدے کے لیے۔

اچھا تو فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بھئی، تو یہ امر کس لیے ہے؟ ارشاد کے لیے ہے، وجوب کے لیے نہیں۔ یاد رکھیے اگر امر اپنے اصل معنی میں ہو یعنی طلب فعل ہو عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ تو پھر اس صورت میں یہ وجوب کا فائدہ دیتا ہے، اس صورت میں وہ کام واجب ہو جاتا ہے۔ جب کوئی بڑا چھوٹے سے کوئی کام کہے، اور بڑا ہے چھوٹے کو کہا ہے تو استعلاء کے طریقے پر کہا، تو اس صورت میں وہ کام اس پر کیا ہو جاتا ہے؟ واجب۔ چنانچہ اگر آقا اپنے غلام سے کوئی کام کہے کہ جاؤ جا کر یہ کام کرو، تو وہ غلام وہ کام نہ کرے تو سارے لوگ کیا کہتے ہیں؟ اس نے نافرمانی کی ہے۔ کیا کی ہے؟ نافرمانی۔ معلوم ہوا اس پر وہ کام واجب تھا بھئی جبھی اس کو کس سے تعبیر کیا جا رہا ہے؟ نافرمانی سے۔

اور یہاں پر تو اللہ تعالی فرمارہے ہیں فَاكْتُبُوهُ لیکن اس کے باوجود وہ لکھنا واجب نہیں، حالانکہ اگر یہ امر اپنے اصل معنی پر ہوتا تو لکھنا کیا ہوتا؟ واجب ہوتا، لیکن علماء، فقہاء، محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لکھنا واجب نہیں۔ معلوم ہوا یہ امر وجوب کے لیے نہیں اور معلوم ہوا یہ اپنے اصل معنی میں یعنی طلب فعل عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ نہیں ورنہ تو یہ کس لیے ہوتا؟ وجوب کے لیے بھئی۔ اسی طرح آگے بھی مثالوں میں آئے گا وہاں بھی امر وجوب کے لیے نہیں ہوگا، اگر وہ اپنے اصل معنی میں ہو تو پھر تو وہ وجوب کا فائدہ دے گا بھئی۔

■ قولہ: «نَحْوُ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ» کی تشریح

وَالتَّهْدِيدِ، اور تہدید ہے نَحْوُ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ۔ تہدید کا معنی ہے دھمکی بھئی، اور امر کبھی کس لیے آئے گا؟ دھمکی دینے کے لیے بھی آئے گا جیسے اللہ قرآن میں فرماتے ہیں اعْمَلُوا تم لوگ کرو مَا شِئْتُمْ جو تم چاہو۔ جو تم چاہتے ہو کرو۔ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مشرکین مکہ کو دعوت و تبلیغ کرتے رہے، ان کو دعوت دیتے کہ شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دو، اللہ کی وحدانیت کی طرف آجاؤ، توحید پر آجاؤ، ان برائیوں کو چھوڑ دو، نیکی کے راستے کو اپنالو، لیکن وہ کبھی کیا بہانے بناتے کبھی کیا طریقہ اختیار کرتے کبھی کس طرح کی باتیں کرتے، عجیب عجیب اعتراضات کرتے، مذاق اڑاتے، بات سننے کو تیار نہ ہوتے، تو اللہ تعالی فرمارہے ہیں اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، جو چاہتے ہو کرو۔ تو یہ بطور دھمکی کے اللہ فرمارہے ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ ان سے طلب فرمارہے ہیں جو وہ چاہتے ہیں وہ کریں، اللہ ان سے طلب نہیں فرمارہے بلکہ یہ بطور دھمکی کے اللہ فرمارہے ہیں۔ جیسے آپ بھی دیکھتے ہیں بھئی ایک شخص کا کوئی ملازم ہوتا ہے یا اس کا کوئی غلام ہوتا ہے اور وہ اس سے کسی کام کے کرنے کا کہتا ہے اور وہ کام نہیں کرتا، ٹال مٹول کرتا ہے یا ادھر ادھر وقت گزار دیتا ہے وہ کام نہیں کرتا، تو آقا یا مالک یا جس کا وہ ملازم ہے وہ شخص اسے غصے میں آکر کہتا ہے: ہاں جو دل میں آتا ہے کرتے رہو۔ کیا معنی ہوتا ہے، کہ جو دل میں آرہا ہے وہ کرتے رہو یہ مراد ہوتی ہے یا وہ دھمکی دے رہا ہوتا ہے؟ دھمکی دے رہا ہوتا ہے کہ جو دل میں آتا ہے کرو تو عنقریب تم اس کا انجام دیکھ لوگے، تو یہ بطور دھمکی کے وہ کہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح اللہ فرمارہے ہیں اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ تم لوگ کرو جو چاہتے ہو، یعنی عنقریب تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا، جب تمہاری آنکھیں بند ہوں گی، موت آئے گی تو تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ اس پیغمبر کی باتیں سچی تھیں یا سچی نہیں تھیں اور پھر قیامت کے دن جب ہمارے سامنے پیش ہوگے تو تمہارے ایک ایک عمل کا تمہیں جواب دینا پڑے گا بھئی۔

وَالتَّعْجِيزِ، اور کبھی امر جو ہے تعجیز کے لیے آئے گا۔ تعجیز کا معنی ہے عاجز کرنا، کسی دوسرے کے عاجز ہونے کا اظہار کرنا یہ کیا ہے؟ تعجیز۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: يَا لَبَكْرٍ أَنْشِرُوا لِي كُلَيْباً، يَا لَبَكْرٍ أَيْنَ أَيْنَ الْفِرَارُ۔ یہ شعر ہے تعجیز کی مثال بھئی۔ يَا لَبَكْرٍ أَنْشِرُوا لِي كُلَيْباً، يَا لَبَكْرٍ أَيْنَ أَيْنَ الْفِرَارُ۔ یاد رکھیے یہ شعر جو ہے شاعر مُهَلْهِلُ بْنُ رَبِيعَةَ کا شعر ہے بھئی۔ مُهَلْهِلُ بْنُ رَبِيعَةَ بھئی، دونوں جگہ دو آنکھوں والی ہاہے بھئی۔ اور یہ اپنے بھائی كُلَيْبُ بْنُ رَبِيعَةَ کے خون بہا اور فدیے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ كُلَيْب کاف چھوٹا، یہ شعر کے اندر بھی لفظ آرہا ہے كُلَيْباً پہلے مصرعے کے اندر۔ یہ اپنے بھائی كُلَيْبُ بْنُ رَبِيعَةَ کے خون بہا اور فدیے کا مطالبہ کر رہا ہے۔

اچھا مختصراً ایسے قصہ بیان کر دیتا ہوں۔ بھئی عرب کا قبیلہ ربیعہ جو ہے چالیس بیالیس سال تک آپس کی سخت خانہ جنگی کا شکار رہا۔ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی آمد سے پہلے پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی کے شروع میں چالیس بیالیس سال تک ان کی آپس میں زبردست خانہ جنگی رہی بھئی۔ قبیلہ ربیعہ کی دو شاخیں قبیلہ بکر اور قبیلہ تغلب بھئی۔ بَنُو تَغْلِب اور بَنُو بَكْر جو ہیں ان دو قبیلوں کے اندر لڑائی اور جنگ چھڑ گئی، اور معمولی سی بات پر بھئی یہ جنگ چھڑی اور چالیس بیالیس سال تک یہ جنگ جاری رہی جس کے اندر ہزاروں انسان، ہزاروں افراد قتل ہوئے بھئی، عورتیں بیوہ ہوئیں، بچے یتیم ہوئے، گھر اجڑ گئے اور خون کی ندیاں بہہ گئیں بھئی۔ اور عرب کے اندر ان جنگوں کا تذکرہ رہتا تھا، مجالس ان جنگوں کے تذکروں سے گرم رہتی تھیں، ہر جگہ انہی جنگوں کا تذکرہ تھا بھئی۔ اور چالیس بیالیس سال کے بعد پھر یہاں تک کہ ان دونوں قبیلوں کے تمام بڑے بڑے سرکردہ افراد ختم ہو گئے تو پھر معمولی سی گفت و شنید کے بعد ہی آپس میں انہوں نے صلح کر لی بھئی، اکثر لوگ ان کے ختم ہو چکے تھے۔ چالیس بیالیس سال آپ ذرا سوچیے تو سہی کتنی طویل جنگ، کتنی طویل لڑائی بھئی۔

اور یہ جنگ جنگِ بَسُوس کے نام سے مشہور ہے عرب کے اندر بھئی۔ کتابوں کے اندر آپ کو اس کا تذکرہ جنگِ بَسُوس، با، سین، واؤ، سین، جنگ بسوس کے نام سے اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا واقعہ یوں ہوا تھا کہ میں نے بتلایا قبیلہ ربیعہ اس کی دو شاخیں بَنُو تَغْلِب اور بَنُو بَكْر۔ بَنُو تَغْلِب تا دو نقطوں والی، غین، لام اور با، بَنُو تَغْلِب اور بَنُو بَكْر ان دو میں لڑائی چھڑی بھئی۔ بَنُو تَغْلِب کا سردار جو تھا وہ كُلَيْبُ بْنُ رَبِيعَةَ تھا۔ کون تھا؟ یہ كُلَيْبُ بْنُ رَبِيعَةَ جس کا شعر میں ذکر آرہا ہے یہ بَنُو تَغْلِب کا سردار تھا بھئی، اور یہ بڑا سرکش انسان تھا۔ اتنا سرکش انسان تھا کہ جس علاقے کو یہ اپنے اونٹوں کے چرنے کے لیے منتخب کر لیتا تھا وہاں کسی دوسرے کے اونٹوں کو بھی چرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ تو اس نے کچھ علاقہ مخصوص کیا وہاں اس کے اونٹ چرتے تھے۔ ایک دن کسی عورت کی ایک اونٹنی جو ہے اس طرف چلی گئی بھئی اور وہ وہاں پر چرنے لگی۔ اس نے اپنے علاقے کے اندر اس اونٹنی کو چرتے ہوئے دیکھا تو بڑے سخت غصے میں آگیا اور اپنے غلاموں کو اس کو زخمی کرنے کا حکم دیا۔ جبکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس کے علاقے میں جہاں یہ اونٹوں کو چراتا تھا وہاں ایک خاص قسم کے پرندے کا گھونسلہ تھا اور اس نے انڈے دیے ہوئے تھے، تو اس اونٹنی نے وہ انڈے توڑ دیے خراب کر دیے تو اس پر اس کو غصہ چڑھا بھئی۔

تو بہر حال جب اس نے اس اونٹنی کو اپنے علاقے میں دیکھا تو اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس اونٹنی کے بچے کو قتل کر دو اور اس اونٹنی کے تھنوں پر تیر اور نیزے مارو۔ چنانچہ غلاموں نے اس اونٹنی کے بچے کو قتل کر دیا اور تھنوں پر تیر اور نیزے مارے تو اونٹنی کا خون اور دودھ بہنے لگا۔ اونٹنی چیختی چلاتی ہوئی بھاگی وہاں سے، گھر پہنچی بھئی۔ تو یہ ایک عورت تھی بَسُوس نام کی، اس عورت کی یہ اونٹنی تھی۔ اس نے جب اونٹنی کی یہ حالت دیکھی تو چیخنا چلانا اور رونا پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا واویلا مچایا بھئی کہ اس کا بھانجا تھا جَسَّاسُ بْنُ مُرَّةَ۔ جَسَّاس دونوں جگہ سین ہے اس میں۔ تو اس کا بھانجا تھا جَسَّاسُ بْنُ مُرَّةَ وہ اس سے آکر کہنے لگا کہ تم فکر نہ کرو، غم نہ کرو، میں اس کا بدلہ لوں گا تمہارے لیے تم فکر نہ کرو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس عورت نے واویلا مچایا۔ چنانچہ یہ جَسَّاسُ بْنُ مُرَّةَ نے پھر اس کے بعد وہ كُلَيْب کی تاک میں رہنے لگا جس نے اونٹنی کو زخمی کروایا تھا اور موقع ملتے ہی اس کو قتل کر دیا۔ تو یہ جَسَّاس کا تعلق تھا بَنُو بَكْر سے اور كُلَيْب سردار تھا کس کا؟ بَنُو تَغْلِب کا۔ تو اس جَسَّاس نے اس کو قتل کر دیا بھئی، اور پھر اس بات پر دونوں قبیلوں کے اندر جنگ چھڑ گئی، لڑائی چھڑ گئی اور چالیس سال تک بیالیس سال تک یہ لڑائی جاری رہی بھئی۔

پھر اس جنگ کا سب سے آخری مقتول بھی جو ہے یہی جَسَّاس تھا جس نے قتل کر کے جنگ کا آغاز کیا تھا بھئی۔ یہ جَسَّاس جو تھا اس نے کس کو قتل کیا شروع میں؟ كُلَيْب کو، اور یاد رکھیے یہ كُلَيْب اس کا بہنوئی بھی تھا۔ اسی جَسَّاس کی بہن کی شادی کس سے ہوئی تھی؟ اسی كُلَيْب سے۔ اور جب اس نے كُلَيْب کو قتل کیا تو اس کی بہن حاملہ تھی بھئی اس وقت، تو اس نے بچے کو جنم دیا۔ تو یہ جَسَّاس اسی بچے کا ماموں تھا، تو اس جَسَّاس نے اس بچے کی پرورش کی بھئی، اپنے پاس اس کو رکھا۔ جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ بچہ بڑا ہو گیا، چالیس بیالیس سال کا ہو گیا بھئی، اور اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ میرے والد کو جَسَّاس نے قتل کیا ہے۔ پھر اس وقت کسی طرح اس کو پتہ چل گیا کہ میرے والد کو اس جَسَّاس نے قتل کیا تھا۔ تو وہ جَسَّاس کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا تم نے میرے والد کو قتل کیا تھا؟ جَسَّاس نے کہا ہاں میں نے قتل کیا تھا، جَسَّاس بھی اس وقت بوڑھا ہو چکا ہو گا، لیکن دیکھو میں نے اچھا بدلہ بھی تو دیا، تمہاری اچھی طرح بہترین اپنے بیٹوں کی طرح میں نے تمہاری پرورش کی اور خیال رکھا، اس لیے مجھے امید ہے تم مجھے کچھ نہیں کہو گے۔ وہ جو بیٹا تھا كُلَيْب کا وہ کہنے لگا کہ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے باپ کا قاتل زندہ رہے، لوگ ساری عمر مجھے طعنے دیتے رہیں گے کہ اس شخص کے باپ کا قاتل آج بھی زندہ ہے بھئی۔ چنانچہ اس نے اس جَسَّاس کو پھر قتل کر دیا اور کہتے ہیں یہ اس جنگ کا آخری مقتول تھا بھئی، پھر جنگ اس کے بعد وہ صلح وغیرہ ہو گئی اور ختم۔

تو یہ جنگ جنگِ بَسُوس کے نام سے مشہور ہے اور یہ اس عورت کے واویلا مچانے پر شروع ہوئی بھئی۔ اس کی اونٹنی زخمی ہوئی تھی تو بعض لوگ واویلا مچاتے ہیں، بعض مرد بھی ہوتے ہیں زیادہ تر عورتوں میں یہ، تو ایسا واویلا، ایسا شور مچاتے ہیں کہ بڑے بڑے سمجھدار لوگوں کی عقل پر پھر پردے پڑ جاتے ہیں بھئی، اور غضب کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک اٹھتی ہے اس کی باتیں سنتے ہی بھئی۔ تو چنانچہ جَسَّاس نے دیکھو اس کی باتوں میں آکر كُلَيْب کو قتل کر دیا۔ اور پھر یہ جنگ چونکہ بَسُوس عورت کی وجہ سے شروع ہوئی تھی اس کے واویلا مچانے اور اس کے بھڑکانے کی وجہ سے تو یہ جنگ جنگِ بَسُوس کہلاتی ہے۔ اور پھر یہ عورت نحوست کے اندر پورے عرب میں ضرب المثل بن گئی کہ اتنی منحوس عورت کہ اس کی وجہ سے پورے دو قبیلے ختم ہو گئے۔ چنانچہ آج بھی اس کا نام نحوست کے اندر بطور ضرب المثل کے عرب میں ذکر کیا جاتا ہے، جب کوئی شخص بڑا منحوس ہو یا اس کی نحوست کو بیان کرنا ہو تو عربی میں کہتے ہیں فُلَانٌ أَشْأَمُ مِنْ بَسُوسَ، فلاں تو بَسُوس سے بھی زیادہ منحوس ہے بھئی۔ تو اس کے نام کو بطور ضرب المثل کے ذکر کیا جاتا ہے بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «مُهَلْهِلُ بْنُ رَبِيعَةَ» کی تشریح

تو یہ اس سے متعلق شعر ہے، یہ شاعر ہے مُهَلْهِلُ بْنُ رَبِيعَةَ اور اپنے بھائی كُلَيْبُ بْنُ رَبِيعَةَ کے خون بہا اور فدیے کا مطالبہ کر رہا ہے بھئی۔ دیکھیے اس شعر کے اندر کہتا ہے: يَا لَبَكْرٍ۔ یہ لام استغاثہ کا ہے۔ آپ نے کافیہ میں پڑھا ہو گا یا ہدایۃ النحو میں کہ لام استغاثہ جب منادیٰ پر داخل ہوتا ہے تو اس کو جر دے دیتا ہے، تو یہاں پر بھی يَا لَبَكْرٍ جر آگیا بھئی۔ يَا لَبَكْرٍ اے قبیلہ بکر والو! وہ جَسَّاس قبیلہ بکر سے تھا نا جس نے قتل کیا تھا كُلَيْب کو۔ يَا لَبَكْرٍ اے قبیلہ بکر والو! أَنْشِرُوا۔ بھئی نَشَرَ يَنْشُرُ اور أَنْشَرَ يُنْشِرُ یعنی ثلاثی مجرد سے یا ثلاثی مزید فیہ سے، دونوں سے اس کا معنی زندہ کرنا، کسی مردے کو زندہ کرنا۔ لیکن یاد رکھیے شعر کے اندر جو روایات کے اندر آیا ہے وہ أَنْشِرُوا باب افعال سے آیا ہے، ثلاثی مجرد سے نہیں ہے بلکہ ثلاثی مزید فیہ سے ہے۔ يَا لَبَكْرٍ اے قبیلہ بکر والو! أَنْشِرُوا لِي كُلَيْباً تم لوگ زندہ کرو میرے لیے كُلَيْب کو۔ تم نے كُلَيْب کو قتل کیا ہے تم کیا کرو اب میرے لیے؟ كُلَيْب کو زندہ کرو۔ يَا لَبَكْرٍ اے قبیلہ بکر والو! أَيْنَ أَيْنَ الْفِرَارُ کہاں کہاں بھاگنا ہے؟ کہاں بھاگو گے تم، ہم سے بچ نہیں سکتے، تم ہمارے لیے كُلَيْب کو زندہ کرو۔

تو یہ أَيْنَ ثانی جو ہے یہ أَيْنَ اول کی تاکید ہے۔ آپ نے پڑھا ہے ایک ہی لفظ کو دو دفعہ ذکر کیا جائے تو دوسرا کیا ہوتا ہے پہلے کے لیے؟ تاکید ہوتا ہے، اسی کو پختہ کرتا ہے، مضبوط کرتا ہے۔ يَا لَبَكْرٍ أَنْشِرُوا لِي كُلَيْباً، يَا لَبَكْرٍ أَيْنَ أَيْنَ الْفِرَارُ۔ اے قبیلہ بکر والو تم لوگ زندہ کرو میرے لیے كُلَيْب کو، اے قبیلہ بکر والو کہاں کہاں بھاگو گے، یعنی کہیں ہم سے بچ نہیں سکتے بھاگ نہیں سکتے۔ اب مقام استشہاد ہے أَنْشِرُوا، صیغہ امر آیا۔ اور یہ صیغہ امر طلب فعل کے لیے نہیں ہے، شاعر ان سے یہ نہیں طلب کر رہا کہ كُلَيْب کو زندہ کرو بلکہ شاعر ان کے عجز کو ظاہر کر رہا ہے۔ کیا کہہ رہا ہے ان کو؟ كُلَيْب کو زندہ کرو، اور كُلَيْب کو زندہ کرنا ان کی دسترس میں ہے؟ ان کی دسترس میں ہے ہی نہیں، وہ اس کے کرنے سے عاجز ہیں، تو شاعر ان کے عاجز ہونے کو ظاہر کر رہا ہے بھئی کہ تم لوگ کیا ہو؟ عاجز ہو، کچھ کرنے کے قابل نہیں ہو بھئی، تو

ان کے عجز کو ظاہر کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَالْإِهَانَةِ نَحْوُ: كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيداً۔ اور کبھی امر جو ہے وہ اہانت کے لیے آئے گا بھئی۔ اہانت کا معنی ہے دوسرے کو ذلیل کرنا بھئی، اس کی اہانت کرنا۔ نَحْوُ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيداً، تم لوگ پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں۔ بھئی مشرکین مکہ کو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دن رات تبلیغ میں لگے رہتے کہ اللہ کی توحید اور وحدانیت کی طرف آجاؤ، یہ بت پرستی اور شرک وغیرہ برائیوں کو چھوڑ دو بھئی۔ اور اگر تم ایسا کرو گے، اس سیدھے راستے پر آجاؤ گے تو دنیا کے اندر بھی تمہیں اطمینان و سکون حاصل ہو گا اور تکالیف سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں تمہیں جنت جیسی عظیم نعمت اللہ تعالی دیں گے۔ تو وہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان مر جائے، مٹی میں گل سڑ جائے، بالکل مٹی ہو جائے اور پھر وہ دوبارہ زندہ ہو بھئی۔ تو اس طرح کی باتیں کرتے اور ایمان نہ لاتے تھے بھئی۔ تو اس پر اللہ فرما رہے ہیں بھئی كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيداً، کہ اے مشرکین تم ایمان تو نہیں لاتے، تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لیے تمہیں زندہ کرنا مشکل ہے، حالانکہ تم بھی جانتے ہو تمہارے لیے بھی ایک کام پہلی مرتبہ مشکل ہوتا ہے دوسری مرتبہ کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ تو ہمارے لیے تو نہ پہلی مرتبہ کوئی کام مشکل ہے نہ دوسری مرتبہ مشکل ہے، ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ بھی پیدا کیا جب تم کچھ بھی نہیں تھے تو دوسری مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے جبکہ ایک دفعہ چیز بن بھی چکی ہے؟ تو اے مشرکین ہمارے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے، جس کام کو تم ناممکن سمجھتے ہو ہمارے لیے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ ان سے فرما رہے ہیں كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيداً، تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا اور کوئی سخت چیز جو تمہارے نزدیک طاقت والی ہے چاہے وہ ہو جاؤ تو بھی ہم تم سب کو زندہ کریں گے اور تمہیں اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا پڑے گا، یہ نہ سمجھنا کہ زندہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے یا ناممکن ہے۔ تو دیکھیے یہاں پر جو امر آیا وہ اہانت کے لیے ہے، اللہ فرما رہے ہیں تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا ہو جاؤ ہمیں تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے، تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ ہمیں فکر نہیں، ہم نے تو قیامت کے دن کا اعلان کر رکھا ہے اور ہم قیامت کے دن سب کو اٹھائیں گے اور سب کا حساب لیں گے، تمہیں بھی اپنے اعمال کا جواب دینا پڑے گا بھئی۔ تو یہاں امر کس لیے آیا؟ ان سے پتھر اور لوہا ہونے کو طلب نہیں کیا جا رہا کیونکہ یہ تو ان کی قدرت میں ہی نہیں ہے، وہ پتھر یا لوہا بن سکتے ہیں؟ نہیں۔ تو یہاں پر معلوم ہوا امر اپنے حقیقی معنی میں ہے ہی نہیں، پھر کس لیے ہے؟ اہانت کے لیے ہے، ان کو ذلیل کرنے کے لیے ہے، اللہ فرما رہے ہیں ہمیں تمہاری کوئی پرواہ نہیں تم کچھ بھی ہو جاؤ ہم تمہیں پھر کیا کریں گے آخرت میں؟ زندہ کریں گے بھئی۔

وَالْإِبَاحَةِ، اور کبھی امر اباحت کے لیے آئے گا بھئی، مباح کر دینا، جائز کر دینا کسی چیز کو، نَحْوُ مثال کے طور پر كُلُوا وَاشْرَبُوا، تم کھاؤ اور پیو۔ بھئی یاد رکھیے ابتدائے اسلام کے اندر اسلام کے احکامات تدریجاً نازل ہوئے ہیں، تو ابتدا کے اندر جب روزے فرض کیے گئے تو روزے بڑے مشکل تھے، صرف رات کے ابتدائی حصے میں کھانے پینے کی اجازت ہوتی تھی، رات کے بالکل شروع کے حصے میں۔ اس کے بعد پھر روزہ پھر شروع ہو جاتا اور رات میں بھی پھر کھانے پینے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، اگلا سارا دن بھی کھانے پینے وغیرہ کی اجازت نہیں شام تک اور پھر اس میں بھی شام کے صرف ابتدائی حصے میں کھانے پینے کی اجازت بھئی۔ لیکن پھر اللہ کی طرف سے حکم آیا بھئی كُلُوا وَاشْرَبُوا کہ کیا کرو؟ رات کو بھی کھاؤ اور پیو حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ، یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری کے مقابلے میں، یعنی یہاں تک کہ فجر صادق طلوع ہو جائے۔ فجر صادق طلوع ہونے تک تم کیا کر سکتے ہو؟ کھا پی سکتے ہو۔

تو دیکھیے یہاں پر اب پہلے کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی اب یہاں پر کیا کیا جا رہا ہے كُلُوا وَاشْرَبُوا کھانے پینے کی اجازت دی جا رہی ہے اور یہ اباحت کے لیے ہے بھئی۔ دیکھو صیغے تو امر کے ہیں كُلُوا وَاشْرَبُوا جیسے اوپر والا صیغہ كُونُوا امر کا صیغہ تھا بھئی، وہاں وہ امر کس لیے تھا؟ اہانت کے لیے، وجوب کے لیے نہیں کیونکہ حجارہ اور حدید تو وہ بن ہی نہیں سکتے۔ یہاں پر بھی كُلُوا وَاشْرَبُوا امر کے صیغے آئے اور یہ امر کس لیے ہے؟ وجوب کے لیے نہیں ہے، بھئی سحری کھانا واجب ہے؟ سحری کھانا آپ بھی جانتے ہیں واجب نہیں ہے بھئی، تو معلوم ہوا یہ کس لیے ہے امر؟ اباحت کے لیے ہے کہ مباح ہے تمہارے لیے، کھانا پینا چاہو تو کھا پی سکتے ہو طلوع فجر تک بھئی۔

وَالِامْتِنَانِ، اور امتنان کا معنی ہے احسان جتلانا بھئی۔ اور کبھی امر کس لیے آئے گا؟ احسان جتلانے کے لیے، اپنا احسان بتانے کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ، کھاؤ تم اس میں سے جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے۔ تو كُلُوا امر آیا اور یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ صرف اللہ احسان کے طور پر اپنا احسان بتلا رہے ہیں کہ جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ بھئی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کیسے پتہ چلا کہ یہ امر احسان کے لیے ہے؟ کہتے ہیں یہ جو آگے قرینہ آیا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ وہ جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے، یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ یہ بطور احسان کے اللہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمہیں کھانے پینے کی ہر طرح کی نعمتیں دے رکھی ہیں ہماری ان نعمتوں میں سے کھاؤ پیو۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ بطور احسان کے اللہ فرما رہے ہیں بھئی، یہ وجوب کے لیے نہیں۔

وَالتَّخْيِيرِ، اور کبھی امر کس لیے آئے گا؟ تخییر کے لیے آئے گا، اختیار دینے کے لیے۔ بھئی دیکھیے مثلاً آپ کے سامنے دو کتابیں پڑی ہیں، آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں خُذْ هٰذَا أَوْ هٰذَا، یہ اٹھا لو یا یہ اٹھا لو۔ تو آپ نے اس کو اختیار دیا دو چیزوں میں سے ایک چیز کا، اس کو کہتے ہیں تخییر۔ خُذْ هٰذَا أَوْ هٰذَا، تو خُذْ امر آیا اور یہ امر کس لیے ہے؟ اختیار دینے کے لیے ہے بھئی۔ وَالتَّخْيِيرِ نَحْوُ خُذْ هٰذَا أَوْ ذَاكَ، یہ لے لو یا وہ لے لو۔ اچھا بھئی اباحت اور تخییر میں فرق یہ ہے کہ اباحت میں دونوں چیزوں کا جمع کرنا جائز ہوتا ہے، تخییر میں دونوں چیزوں کا جمع کرنا جائز نہیں۔ دیکھو كُلُوا وَاشْرَبُوا کھاؤ اور پیو، چاہیں تو صرف آپ کھائیں چاہیں تو صرف پییں اور چاہیں تو دونوں کریں کھائیں اور پییں سحری کے اندر۔ کھانا بھی صرف کھائیں یہ بھی ٹھیک ہے، صرف پی لیں یہ بھی ٹھیک ہے، کھائیں اور پییں سب صورتیں جائز ہیں یا جائز نہیں؟ اور چاہیں تو سرے سے سحری کھائیں ہی نہ، روزہ ہو گا یا نہیں ہو گا؟ روزہ تو ہو جائے گا اگرچہ مسنون چیز رہ گئی لیکن بہر حال بات اس وقت وجوب کی ہو رہی ہے کہ واجب نہیں

ہے۔

تو یہاں البتہ جب آپ نے دوسرے سے کہا کہ ان دو کتابوں میں سے ایک لے لو تو اس کے لیے ایک کتاب لینے کی تو اجازت ہو گی دونوں لینے کی اجازت نہیں۔ اچھا پھر پتہ کیسے چلے گا کہ کوئی امر اباحت کے لیے ہے یا تخییر کے لیے؟ کہتے ہیں بھئی قرینہ بتلادے گا۔ کوئی نہ کوئی قرینہ وہاں بتلادے گا، مثلاً آپ کا اگر کوئی قریبی ساتھی ہے آپ نے اس کے سامنے دو کتابیں رکھیں، آپ نے کہا بھئی یہ والی کتاب لے لو یا یہ والی لے لو، وہ کہتا ہے نہیں بھئی میں تو دونوں لوں گا، دونوں اس نے اٹھالیں۔ معلوم ہوا یہ امر کس لیے تھا؟ اباحت کے لیے تھا ورنہ تخییر کے لیے ہوتا تو آپ اس کو دونوں کتابیں لینے کی اجازت نہ دیتے۔ ہاں اس کے مقابلے میں ایک آپ دکاندار کے ساتھ بات کر رہے ہیں، دکاندار آپ سے کہتا ہے پانچ سو روپے میں یہ والی چیز لے لیں یا یہ والی لے لیں، آپ دونوں اٹھا سکتے ہیں پانچ سو میں؟ نہیں، معلوم ہوا وہ کیا کر رہا ہے؟ تخییر ہے یہاں پر کہ دونوں میں سے جو چاہیں آپ لے لیں بھئی، تو قرینہ وغیرہ بتلادے گا۔

■ قولہ: «نَحْوُ فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا» کی تشریح

وَالتَّسْوِيَةِ، اور کبھی امر کس لیے آئے گا؟ تسویہ، برابری بیان کرنے کے لیے، نَحْوُ فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا، تم لوگ صبر کرو یا صبر نہ کرو۔ تو یہاں اِصْبِرُوا امر آیا لیکن یہ امر وجوب وغیرہ کے لیے نہیں کہ ان سے صبر کرنا طلب کیا جا رہا ہو، بلکہ یہ برابری بیان کرنے کے لیے ہے۔ جہنمی جہنم میں جلیں گے اور چیخ و پکار کریں گے، اللہ سے فریاد کریں گے کہ اے اللہ ہمیں یہاں سے نکال لیجیے لیکن ان کی ایک نہیں سنی جائے گی، اللہ ان کی طرف توجہ ہی نہیں فرمائیں گے، تو پھر وہ آپس میں کہیں گے کہ یوں کرتے ہیں صبر کر لیتے ہیں ذرا خاموش بیٹھ جاتے ہیں، کتنی چیخ و پکار کر لی اس کا تو فائدہ نہیں ہوا، خاموشی سے برداشت کرتے ہیں عذاب کو شاید اللہ تعالی اس پر ہمیں یہاں سے نکال لیں۔ تو اس موقع پر انہیں اللہ کی طرف سے کہا جائے گا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا، تم لوگ صبر کرو یا صبر نہ کرو، یعنی تمہارے لیے دونوں چیزیں برابر ہیں تمہیں ہر حال میں اب یہیں پر رہنا ہے۔ تو اللہ تعالی ہم سب کی جہنم سے حفاظت فرمائے بھئی۔ تو یہ امر برابری بیان کرنے کے لیے ہے کہ صبر اور صبر نہ کرنا دونوں ان کے لیے برابر ہیں۔

وَالْإِكْرَامِ، اور کبھی امر اکرام کے لیے آئے گا بھئی، عزت بڑھانے کے لیے، عزت کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ۔ ادْخُلُوا تم لوگ داخل ہو جاؤ، ہا ضمیر راجع ہے جنت کو۔ تم لوگ اس جنت میں داخل ہو جاؤ بِسَلَامٍ سلامتی کے ساتھ آمِنِينَ اس حال میں کہ تم مامون ہو یعنی امن کے ساتھ ہو۔ تو جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے بھئی، آپ لوگ جب جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے آپ کو فرشتے کہیں گے بھئی، اللہ کی طرف سے آپ کو کہا جائے گا کہ اس میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اب ادْخُلُوا امر آیا تو یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے، کوئی طلب فعل کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف بطور اکرام اور بطور عزت کے کہا جائے گا۔ جیسے آپ کے ہاں بھی مہمان آتا ہے آپ اس کو کہتے ہیں آیئے، تشریف لایئے، دیکھیے یہ امر کے صیغے ہیں، آیئے، تشریف لایئے، یہ آپ کا اپنا گھر ہے، آپ کی اپنی جگہ ہے، تو یہ آپ کس لیے کہتے ہیں مہمان کو؟ اس کی عزت افزائی کے لیے، اس کی عزت کرتے ہوئے اس کو کہتے ہیں۔ تو اسی طرح جب مومنین جنت میں جائیں گے تو ان کو بطور عزت ان کی عزت کرتے ہوئے ان کو یوں کہا جائے گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کس چیز سے پتہ چلا کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اکرام کے لیے ہے؟ یاد رکھیے یہ جو آگے قرینہ آ رہا ہے بِسَلَامٍ آمِنِينَ داخل ہو جاؤ اس میں سلامتی اور امن کے ساتھ، یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ یہ بطور اکرام اور عزت کے ان کو یوں کہا جائے گا بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟

جی کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو؟ اچھا بھئی یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي، اِنْجَلِي کو تمنی پر محمول کیا گیا اور تمنی تو کہتے ہیں کسی ایسی چیز کی تمنا اور طلب کرنا جو ممکن ہی نہ ہو، حالانکہ رات کا تو صبح کے ساتھ روشن ہو جانا ممکن ہے تو اس کو تمنی کیسے کہیں گے؟ بھئی میں نے ابھی بتایا تمنی ایسی چیز کو طلب کرنا جس کا حاصل ہونا ممکن ہی نہ ہو یا ممکن تو ہو لیکن سخت دشوار ہو۔ کیا ہو؟ سخت دشوار۔ تو یہاں پر بھی ماقبل اور مابعد کے اشعار بتاتے ہیں کہ شاعر اتنے غم اور تکلیف میں مبتلا ہے اور رات نے اور اس کی تاریکی نے اس کا اس طرح احاطہ کیا ہوا ہے جو وہ بیان کرتا ہے گویا اس شاعر کو امید ہی نہیں ہے کہ یہ رات بھی روشن ہو گی اور صبح بھی آئے گی بھئی، ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی، اس کو امید ہی نہیں ہے اس رات کے ختم ہونے کی بھئی۔ اور امید نہیں اور پھر وہ کیا کر رہا ہے اس کو طلب کر رہا ہے، اسی کو تو تمنی کہتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو امید ہی نہیں ہے یا بہت مشکل ہے اس کے خیال میں کہ یہ روشن ہو جائے۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۸: بحثِ نہی: نہی کی تعریف، صیغہ اور مجازی معانی، اور استفہام (طلبِ تصور و تصدیق اور ہمزہ کا استعمال)

دروس البلاغہ صفحہ: ۳۲ــــ بتاریخ: ۷ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا النَّهْيُ فَهُوَ طَلَبُ الْكَفِّ عَنِ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ، وَلَهُ صِيغَةٌ وَاحِدَةٌ وَهِيَ الْمُضَارِعُ مَعَ لَا النَّاهِيَةِ، كَقَوْلِهِ تَعَالٰى: وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

انشاء کی بحث آپ نے پڑھنا شروع کی تھی اور صاحب کتاب نے آپ کو بتلایا کہ انشاء دو قسم پر ہے: ایک طلبی ہے اور ایک غیر طلبی۔ طلبی وہ ہے جو تقاضا کرے ایسے مطلوب کا جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو بھئی۔ اور جبکہ انشاء غیر طلبی وہ ہے جو ایسا نہ ہو، یعنی جس میں کسی چیز کی طلب نہ ہو۔ اور انشاء طلبی جو ہے انہوں نے بتلایا آپ کو وہ پانچ چیزوں کے ساتھ ہے، پانچ چیزیں ہیں: امر ہے، نہی ہے، استفہام ہے، تمنی ہے اور ندا ہے۔ ان میں سے سب سے پہلے امر کے بارے میں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ امر جو ہے وہ کسی فعل کو طلب کرنا ہے استعلاء کے طریقے پر، اور اس کے چار صیغے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو بتلایا کہ کبھی کبھار امر کا صیغہ جو ہے وہ اپنے معنی اصلی سے نکل جاتا ہے اور دوسرے معنی ادا کرتا ہے اور اس کا پتہ قرینے سے چلتا ہے بھئی کہ کس معنی کے لیے ہے۔

معنی اصلی سے نکل جاتا ہے، اور امر کا معنی اصلی کیا تھا؟ کہ اس میں طلب فعل ہو اور یہ طلب فعل بھی کس طریقے پر ہو؟ استعلاء۔ تو لہٰذا معنی اصلی سے تب نکلے گا جب یہ دونوں چیزیں یا دونوں میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے۔ مثلاً امر کا صیغہ آتا ہے اور سرے سے اس میں طلب فعل ہی نہیں ہے، معلوم ہوا یہ اپنے معنی اصلی میں استعمال نہیں ہو رہا۔ یا طلب فعل تو اس کے اندر ہے لیکن طلب فعل استعلاء کے طریقے پر نہیں ہے تو بھی سمجھ جائیں کہ یہ امر اپنے معنی اصلی سے نکل گیا ہے۔ یا دونوں ہی نہ ہوں، طلب فعل بھی نہ ہو اور استعلاء بھی نہ ہو۔

آج ہم نہی کے بارے میں پڑھیں گے، امر کا بیان مکمل ہوا۔ تو نہی کی تعریف کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَأَمَّا النَّهْيُ اور باقی نہی جو ہے فَهُوَ طَلَبُ الْكَفِّ عَنِ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ۔ كَفَّ کا معنی، كَفَّ يَكُفُّ کے معنی ہوتے ہیں روکنے کے۔ تو نہی جو ہے فَهُوَ طَلَبُ الْكَفِّ عَنِ الْفِعْلِ وہ فعل سے روکنے کو طلب کرنا عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ استعلاء کے طریقے پر بھئی۔ استعلاء بڑا سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو، اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہوئے کسی سے فعل سے رکنے کو طلب کرنا یہ ہے نہی بھئی۔ مثلاً آپ کسی سے کہتے ہیں لَا تَضْرِبْ زَيْداً، تو آپ ضرب سے روکنے کو طلب کر رہے ہیں کہ وہ ضرب کو چھوڑ دے، ضرب کو ترک کر دے، اور اگر یہ استعلاء کے طریقے پر ہو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے ہو، حکم دے رہے ہیں آپ تو اس صورت میں یہ کیا کہلائے گا؟ یہ نہی کہلائے گی بھئی۔ تو کہتے ہیں وَأَمَّا النَّهْيُ فَهُوَ طَلَبُ الْكَفِّ عَنِ الْفِعْلِ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ، اور باقی نہی جو ہے وہ فعل سے روکنے کو طلب کرنا ہے استعلاء کے طریقے پر۔

وَلَهُ صِيغَةٌ وَاحِدَةٌ، اور اس کا ایک ہی صیغہ ہے۔ امر کے تو چار صیغے انہوں نے آپ کو بتلائے تھے لیکن نہی کا ایک ہی صیغہ ہے: وَهِيَ الْمُضَارِعُ مَعَ لَا النَّاهِيَةِ، اور یہ وہ فعل مضارع ہے مَعَ لَا جو کس کے ساتھ ہو؟ لَا کے ساتھ، اور وہ لَا بھی النَّاهِيَةِ نہی والا ہو۔ کون سا لَا ہو؟ نہی والا ہو بھئی، روکنے والا ہو۔ تو یہ وہ فعل مضارع ہے جو لائے نہی کے ساتھ آئے جیسے لَا تَضْرِبْ بھئی، تو یہ لَا کون سا ہے؟ نہی والا ہے بھئی۔ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى، اب اس کی مثال ذکر کر رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ اور تم لوگ فساد نہ مچاؤ زمین میں بَعْدَ إِصْلَاحِهَا اس کی اصلاح کے بعد۔ زمین کی اصلاح کے بعد اس زمین کے اندر تم لوگ فساد

نہ مچاؤ، یعنی جب زمین کے اندر معاملات ٹھیک طرح چل رہے ہوں تو تم لوگ اس میں فساد نہ مچاؤ بھئی۔ تو لَا تُفْسِدُوا یہ صیغہ آیا اور یہ صیغہ ہے نہی کا بھئی۔ اس میں دیکھیے ایک فعل سے روکنے کو طلب کیا جارہا ہے۔ کس فعل سے روکنے کو طلب کیا جارہا ہے؟ فساد مچانے سے روکا جارہا ہے بھئی، اس کو چھوڑنے کا حکم دیا جارہا ہے، اور حکم دینے والی ذات کون سی؟ اللہ تعالی کی ہے، تو یہ کَفّ عَنِ الْفِعْلِ کو کس طریقے پر طلب کیا جارہا ہے؟ استعلاء کے طریقے پر، تو یہ نہی ہے بھئی۔

وَقَدْ تَخْرُجُ صِيغَتُهُ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ إِلَى مَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنَ الْمَقَامِ وَالسِّيَاقِ۔ وَقَدْ تَخْرُجُ، اس کو تَخْرُجُ پڑھنا بھئی، تُخْرَجُ نہ پڑھنا۔ اسی طرح کی عبارت پیچھے امر کے اندر بھی آئی آگے بھی کئی جگہ آئے گی ایسی عبارت تو تُخْرَجُ نہ پڑھنا بلکہ کیا پڑھنا اس کو؟ تَخْرُجُ۔ وَقَدْ تَخْرُجُ صِيغَتُهُ اور کبھی کبھار نکل جاتا ہے اس نہی کا صیغہ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ اپنے اصلی معنی سے إِلَى مَعَانٍ أُخَرَ دوسرے معانی کی طرف تُفْهَمُ مِنَ الْمَقَامِ وَالسِّيَاقِ۔ گزشتہ سبق میں بھی ایسی عبارت آئی تھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو مَعَانٍ نکرہ آیا، أُخَرَ اس کے لیے پہلی صفت اور تُفْهَمُ مِنَ الْمَقَامِ وَالسِّيَاقِ یہ اس کے لیے دوسری صفت، اور موصوف صفت کا ترجمہ کس کے ساتھ کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ تو اب دیکھیے ترجمہ ذرا بھئی میں اس کے مطابق ترجمہ کرتا ہوں: اور کبھی کبھار نہی کا صیغہ اپنے معنی اصلی سے نکل جاتا ہے ایسے دوسرے معانی کی طرف جو مفہوم ہوتے ہیں، جو سمجھ میں آتے ہیں مقام اور سیاق سے۔ وہ مقام وہ محل ہی بتلادے گا کہ یہاں کون سا معنی مراد ہے، یا وہ سیاق یعنی کلام کا چلاؤ وہاں بتلادے گا کہ اس سے فلاں معنی مراد ہے معنی اصلی مراد نہیں ہے بھئی۔

تو لہذا نہی کا حقیقی معنی تو کیا تھا؟ فعل سے روکنے کو طلب کرنا اور یہ فعل سے روکنے کو جو طلب کیا جارہا ہو یہ کس طریقے پر ہونا چاہیے؟ استعلاء کے طریقے پر۔ تو لہذا یہ دونوں چیزیں ہوں تو ہم کہیں گے نہی اپنے معنی میں ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک بھی منتفی ہوگئی اور ختم ہوگئی تو پھر کہیں گے یہ اپنے اصل معنی میں نہیں۔ اگر طَلَبُ الْكَفِّ عَنِ الْفِعْلِ یہ تو پایا جائے لیکن استعلاء کے طریقے پر نہ ہو تو پھر یہ نہی اپنے اصل معنی سے نکل گئی بھئی۔ یا سرے سے اس میں طلب ہو ہی نہ تو بھی نہی کا صیغہ اپنے معنی اصلی سے نکل گیا بھئی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا امر کے اندر بھئی کہ ایک ہے امر، ایک ہے دعا اور ایک ہے التماس۔ امر کے اندر بھی طلب فعل، دعا کے اندر بھی طلب فعل، التماس کے اندر بھی طلب فعل۔ لیکن امر کے اندر طلب فعل ہے استعلاء کے طریقے پر، دعا کے اندر طلب فعل ہے عاجزی کے طریقے پر اور التماس کے اندر طلب فعل ہے برابری اور مساوات کے طریقے پر۔ بالکل اسی طرح نہی کے اندر بھی ہے، اگر وہ جو طَلَبُ الْكَفِّ ہے وہ استعلاء کے طریقے پر ہو تو وہ ہے نہی۔ اور اگر وہ عاجزی کے طریقے پر ہو وہ طَلَبُ الْكَفِّ تو یہ ہے دعا۔ اور وہی طَلَبُ الْكَفِّ اگر برابری کے طریقے پر ہو تو یہ التماس ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ التماس ہے بھئی۔

■ قولہ: «فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ» کی تشریح

چنانچہ کہہ رہے ہیں كَالدُّعَاءِ جیسے کہ دعا ہے نَحْوُ مثال کے طور پر فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ۔ پس آپ خوش نہ کیجیے مجھ پر دشمنوں کو۔ فَلَا تُشْمِتْ پس آپ خوش نہ کیجیے بِيَ مجھ پر الْأَعْدَاءَ کس کو؟ دشمنوں کو۔ أَشْمَتَ يُشْمِتُ کے معنی ہوتے ہیں کسی شخص کو تکلیف دے کر اس کے دشمن کو خوش کرنا بھئی۔ أَشْمَتَ يُشْمِتُ کے کیا معنی ہیں؟ کسی شخص کے دشمن کو خوش کرنا اس شخص کو تکلیف دے کر، یہ ہے اشمت بھئی۔ تو یہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ کوہ طور پر تشریف لے گئے تورات لینے کے لیے، اللہ نے ان کو وہاں پر بلوایا وہ وہاں تشریف لے گئے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم بنو اسرائیل میں چھوڑ گئے اور ان سے فرمایا کہ میری واپسی تک میری قوم کا، ان لوگوں کا خیال رکھنا، گمراہی وغیرہ سے ان کو بچانے کی کوشش کرنا اور ان کی رہنمائی کرتے رہنا۔ لیکن جب واپس آئے تو ادھر بنو اسرائیل والے جو تھے وہ گمراہی کے اندر مبتلا ہوئے اور انہوں نے وہ بچھڑا بنایا تھا اور اس کی عبادت وغیرہ شروع کر دی تھی بھئی۔ تفصیلی واقعہ آپ تفسیر وغیرہ کے اندر پڑھ چکے ہوں گے یا کئی جگہ اساتذہ سے سن چکے ہوں گے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے اور اپنی قوم کی یہ حالت دیکھی تو بڑے ہی سخت جلال میں آگئے بھئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت تو ویسے بھی بڑی جلالی تھی، تو بڑے جلال میں آگئے اور اپنے بھائی پر سخت غصے ہوئے حتی کہ اتنے غصے ہوئے کہ ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ لیے اور ان سے کہنے لگے کہ تم نے ان کا خیال کیوں نہیں رکھا؟ تو حضرت ہارون علیہ السلام فرمانے لگے کہ میں نے تو بڑی کوشش کی لیکن یہ لوگ میری بات کہاں سنتے تھے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سر کے اور داڑھی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا تو وہ فرمانے لگے لَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ، مجھ پر میرے دشمنوں کو خوش نہ کیجیے، مجھ پر میرے دشمنوں کو نہ ہنسایئے۔ یعنی آپ مجھے تکلیف دے رہے ہیں میں نے تو اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی مگر یہ لوگ میری بات سنتے ہی نہیں تھے، میری باتوں کی یہ لوگ پرواہ کرتے ہی نہیں تھے، اب آپ میرے ساتھ اس طرح سختی کر رہے ہیں تو آپ میرے دشمنوں کو کیا کر رہے ہیں؟ خوش کر رہے ہیں، وہ مجھ پر خوش ہو رہے ہیں میری یہ حالت دیکھ کر، تو آپ مجھے تکلیف دے کر میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کیجیے۔ تو کہتے ہیں فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ پس آپ میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسایئے۔

اب دیکھیے لَا تُشْمِتْ صیغہ تو نہی کا ہے اور نہی میں تو ہوتا ہے طَلَبُ الْكَفِّ عَلَى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ، کسی فعل سے روکنے کو طلب کیا جاتا ہے اور کس طریقے پر

ہوتا ہے؟ استعلاء۔ اور یہاں پر حضرت ہارون علیہ السلام استعلاء کے طریقے پر یہ کہہ رہے ہیں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے یا عاجزی کے طور پر بھئی؟ عاجزی کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ آپ مجھے چھوڑ دیجیے، آپ میرے ساتھ یوں سختی نہ کیجیے میں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی، یہ لوگ میری کسی بات کی پرواہ ہی نہیں کرتے تھے سنتے ہی نہیں تھے تو اس میں میرا قصور نہیں ہے بھئی۔ تو یہ عاجزی کے طریقے پر کہہ رہے ہیں فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ آپ مجھ پر میرے دشمنوں کو نہ ہنسایئے، تو اس لیے اس کو نہی نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ دعا کہیں گے۔

وَالِالْتِمَاسِ، اور کبھی کبھار کس معنی کے لیے آئے گا نہی کا صیغہ؟ التماس کے لیے آئے گا كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُسَاوِيكَ، جیسے آپ کا کہنا اس شخص سے يُسَاوِيكَ جو آپ کے برابر ہے۔ آپ ایسے شخص سے کہتے ہیں جو آپ کے برابر ہے کہ لَا تَبْرَحْ مِنْ مَكَانِكَ حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَيْكَ۔ لَا تَبْرَحْ تم نہ ہٹنا مِنْ مَكَانِكَ اپنی جگہ سے حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَيْكَ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس واپس لوٹ آؤں۔ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا یعنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس واپس لوٹ آؤں۔ تو اب دیکھیے لَا تَبْرَحْ صیغہ تو نہی کا ہے لیکن یہاں پر آپ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے نہیں کہہ رہے یہ نہی کا صیغہ بلکہ اس کے برابر سمجھتے ہوئے یہی صیغہ آپ نے ادا کیا، تو اب یہ طَلَبُ الْكَفِّ تو ہے اس کے اندر لیکن یہ طَلَبُ الْكَفِّ استعلاء کے طریقے پر نہیں لہٰذا اس کو نہی نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ التماس کہیں گے، یعنی درخواست اور گزارش کہیں گے بھئی۔

تو دیکھیے میں نے آپ سے کہا تھا وَقَدْ تَخْرُجُ پڑھیے تُخْرَجُ نہ پڑھیے بھئی۔ دیکھیے یہی صیغہ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ یا لَا تَبْرَحْ آپ نے کہا، تو اس کو اس کے معنی اصلی سے کوئی آپ نے نکالا؟ آپ نے تو صرف یہ جملہ کہا لَا تَبْرَحْ مِنْ مَكَانِكَ حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَيْكَ۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کیا وہ نہی کے صیغے کو اس کے اصل معنی سے نکالا؟ نہیں، انہوں نے تو صرف اتنا فرمایا فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ، لیکن اس قسم کے موقع پر جب اس صیغے کو استعمال کیا گیا یہ خود بخود اپنے معنی اصلی سے نکل گیا۔ تو تُخْرَجُ کہیں تو تُخْرَجُ کا تو کیا معنی ہو گا؟ نکالا گیا ہو، یعنی باقاعدہ معلوم ہوا کسی نے نکالا ہے اس کو اس کے معنی اصلی سے۔ نہیں بھئی کسی نے باقاعدہ اس کو اپنے معنی اصلی سے نکالا نہیں، جیسے میں نے ابھی مثال ذکر کی آپ اپنے ساتھی سے کہہ رہے ہیں لَا تَبْرَحْ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اب آپ نے کوئی عمل نہیں کیا کہ یہ اپنے معنی اصلی سے نکل جائے، ہاں آپ نے صرف ایک جملہ کہا اس جملے میں یہی نہی کا صیغہ آیا لیکن جب غور کیا گیا تو پتہ چلا یہ استعلاء کے طریقے پر طَلَبُ الْكَفِّ نہیں ہے، معلوم ہوا یہ صیغہ اپنے معنی اصلی سے نکل گیا ہے اور خود بخود نکل گیا ہے، جب استعمال ایسے مقام پر کریں گے یہ خود ہی اپنے معنی اصلی سے نکل جائے گا بھئی، وہ معنی ادا ہی نہیں کرے گا مقام ہی وہ والا نہیں ہے، محل ہی نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو قَدْ تَخْرُجُ پڑھیں گے تُخْرَجُ نہیں پڑھیں گے بھئی۔

وَالتَّمَنِّي، اور تمنی نَحْوُ مثال کے طور پر لَا تَطْلُعْ فِي قَوْلِهِ، لَا تَطْلُعْ کا جیسے صیغہ آیا فِي قَوْلِهِ کسی شاعر کے اس قول کے اندر: يَا لَيْلُ طُلْ يَا نَوْمُ زُلْ يَا صُبْحُ قِفْ لَا تَطْلُعِ۔ يَا لَيْلُ طُلْ، طَالَ يَطُولُ سے طُلْ صیغہ امر آیا بھئی۔ اے رات طُلْ طویل ہو جا۔ يَا نَوْمُ زُلْ، زَالَ يَزُولُ سے صیغہ امر آیا، دور ہونا۔ اے نیند زائل ہو جا، دور ہو جا۔ يَا صُبْحُ قِفْ، وَقَفَ يَقِفُ سے امر آیا، اے صبح رک جا لَا تَطْلُعْ طلوع نہ ہو۔ تو محل استشہاد ہے لَا تَطْلُعْ۔ یہ صیغہ تو نہی کا ہے لیکن یہاں یہ تمنا کے لیے آیا ہے بھئی۔ کس کے لیے آیا ہے؟ تمنا کے لیے۔

■ قولہ: «أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا...» کی تشریح

بھئی جیسے گزشتہ سبق کے اندر ایک شعر آپ نے پڑھا تھا أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي بِصُبْحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ، اس شعر کے اندر شاعر سخت تکلیف اور پریشانی اور غم کے اندر تھا اور وہ رات سے کہہ رہا تھا کہ تو جلدی سے گزر جا، جلدی سے صبح طلوع ہو جائے۔ یہ شعر اس کا بالکل برعکس ہے بھئی۔ وہاں شاعر تھا غم کی حالت میں اور رات گزرنے میں ہی نہیں آ رہی تھی، اور یہ شاعر جو ہے خوشی کی حالت میں ہے، اس کے دوست احباب ساتھی وغیرہ رشتہ دار آئے ہوئے ہیں اور خوشی کا موقع ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ خوشی کا وقت بڑی جلدی گزرتا ہے، خوشی کی وجہ سے انسان کو اس کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا بھئی۔ تو لہٰذا اب یہ خوشی کا موقع ہے اور شاعر کو یہ خوف ہے کہ یہ خوشی کا وقت ہے اور خوشی کا وقت تو بڑی جلدی گزر جاتا ہے مجھے پتہ بھی نہیں چلے گا اور گزر جائے گا، تو چنانچہ وہ رات کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے يَا لَيْلُ طُلْ اے رات طویل ہو جا، يَا نَوْمُ زُلْ اے نیند دور ہٹ جا مجھ سے، میرے یہ خوشی کے لمحات غفلت میں گزریں ایسا کرنے کی کوشش نہ کر مجھے نیند کی طرف نہ لے جا، يَا صُبْحُ قِفْ اے صبح رک جا لَا تَطْلُعْ طلوع نہ ہو۔ تو یہاں وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ وقت کو روکنا چاہتا ہے کہ یہ خوشی کا وقت ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ دیر تک رہے بھئی۔

تو یہاں پر وہ صیغہ لے کر آیا لَا تَطْلُعْ، اے صبح تو طلوع نہ ہو۔ اور اس کو انہوں نے تمنی کی مثال کے طور پر ذکر کیا۔ بھئی یہ تمنی کی مثال کس طرح ہے؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے صیغہ ہے نہی کا اور نہی کہتے تھے طَلَبُ الْكَفِّ عَلٰى وَجْهِ الِاسْتِعْلَاءِ، فعل سے رکنے کو طلب کرنا استعلاء کے طریقے پر۔ اور یہاں پر خوشی کا وقت ہے اور خوشی کا وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے اور یہ شاعر خطاب کس کو کر رہا ہے؟ صبح کو، يَا صُبْحُ لَا تَطْلُعْ اے صبح تو طلوع نہ ہو۔ حالانکہ صبح تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو خطاب کیا جائے اور اس سے بات کی جائے، صبح تو زمانے کا نام ہے اور یہ صبح کی قدرت میں تو نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو روک لے اور طلوع نہ ہونے دے بھئی اپنے آپ کو۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں یہ اپنے اصل معنی میں نہیں ہے بھئی، کیونکہ جس سے خطاب کر رہا ہے اس میں قدرت ہی نہیں، صلاحیت ہی نہیں ہے کہ اس سے خطاب کیا جائے یا وہ اس

پر عمل کرے۔ تو پھر یہ تمنا کے معنی میں کس طرح ہے؟ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ صبح سے کیا کہہ رہا ہے تو طلوع نہ ہو، اور ایسا ہو سکتا ہے کہ صبح طلوع نہ ہو؟ ایسا تو نہیں ہو سکتا، تو یہ ایک ایسی چیز کو طلب کر رہا ہے جو ممکن ہی نہیں ہے، اور ناممکن چیز کو طلب کرنا اسی کو تمنا کہتے ہیں بھئی۔ تو یہ کس کی مثال ہے؟ تمنا کی بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں يَا لَيْلُ طُلْ يَا نَوْمُ زُلْ يَا صُبْحُ قِفْ لَا تَطْلُعِ، اے رات طویل ہو جا، اے نیند دور ہٹ جا، اے صبح رک جا تو طلوع نہ ہو۔ وَالتَّهْدِيدِ، اور کبھی نہی جو ہے وہ تہدید کے لیے آئے گی۔ تہدید کا کیا معنی ہے، پچھلے سبق میں بھی آیا تھا یہ لفظ بھئی؟ تہدید دھمکی دینا۔ وَالتَّهْدِيدِ اور کبھی نہی کا صیغہ دھمکی دینے کے لیے آئے گا كَقَوْلِكَ لِخَادِمِكَ جیسا کہ آپ کا اپنے خادم سے کہنا لَا تُطِعْ أَمْرِي۔ تو میری بات نہ مان، تو میرے حکم کی اطاعت نہ کر، تو میرے حکم کی فرمانبرداری نہ کر۔ اب دیکھیے آپ کا ایک خادم ہے اور آپ اس کو یہ کہہ رہے ہیں تو میرے حکم کی فرمانبرداری نہ کر، حالانکہ وہ آپ کا خادم ہے اور خادم کو رکھا ہی کس لیے جاتا ہے؟ خدمت کے لیے، اور آپ اس سے کیا کہہ رہے ہیں؟ میرے حکم کی تعمیل نہ کر، میرے حکم کی فرمانبرداری نہ کر۔ حالانکہ خادم کو تو رکھا ہی خدمت کے لیے جاتا ہے، تو معلوم ہوا آپ جو اس کو روک رہے ہیں خدمت سے یہاں حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ یہ آپ دراصل غصے میں اور دھمکی کے طور پر اس سے کہہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا اس نے کوئی ایسی نافرمانی کی ہے، آپ دیکھتے بھی ہیں اس طرح ہوتا بھی رہتا ہے کوئی شخص اپنے ملازم وغیرہ سے سخت ناراض ہو جاتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ تم میری بات نہ ماننا۔ تو یہ کیا اس کو روک رہا ہوتا ہے یا اس کو دھمکی دے رہا ہوتا ہے؟ دھمکی دے رہا ہوتا ہے کہ تم میری بات مان تو نہیں رہے اور میری بات بالکل نہ مانو عنقریب تمہیں اس کا پھل چکھنا پڑے گا، اس کا انجام تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو کہتے ہیں وَالتَّهْدِيدِ كَقَوْلِكَ لِخَادِمِكَ لَا تُطِعْ أَمْرِي، اور دھمکی کے لیے جیسے کہ آپ کا اپنے خادم سے کہنا لَا تُطِعْ أَمْرِي تو میرے حکم کی اطاعت نہ کر۔ نہی کی بحث ختم ہوئی بھئی۔ بھئی یہ یاد رکھیے انہوں نے آپ کو بتلایا کہ امر کا صیغہ کبھی اپنے معنی اصلی سے نکل جاتا ہے اور معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کی کئی مثالیں ذکر کیں، اسی طرح نہی کے اندر بھی دو تین مثالیں ذکر کر دیں۔ تو یہ معنی نہیں کہ پھر یہ انہی میں سے کسی معنی کے لیے استعمال ہو گا جب اصل معنی سے نکلے گا تو یہ جو مثالیں ذکر کیں صرف انہی میں وہ دوسرے معانی بند نہیں ہیں، بلکہ یہ بطور مثال کے ذکر کر دیے بھئی، اور بھی کسی اور معنی کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے لیکن جس معنی کے لیے بھی استعمال ہو گا وہ اپنے معنی اصلی سے نکل کر اس معنی کے لیے استعمال ہو گا بھئی۔

وَأَمَّا الِاسْتِفْهَامُ فَهُوَ طَلَبُ الْعِلْمِ بِشَيْءٍ، وَأَدَوَاتُهُ الْهَمْزَةُ وَهَلْ وَمَا وَمَنْ وَمَتٰى وَأَيَّانَ وَكَيْفَ وَأَيْنَ وَأَنّٰى وَكَمْ وَأَيٌّ۔ امر کے بعد نہی کی بات آئی تھی وہ بھی مکمل ہو گئی بھئی۔ اور انشاء طلبی آپ نے پڑھا پانچ چیزوں سے ہوتا ہے: امر ہے، نہی ہے، استفہام ہے، تمنی ہے اور ندا ہے۔ امر کی بات بھی مکمل ہوئی، نہی کی بات بھی مکمل ہوئی، اب استفہام کی بات آئی۔ کہتے ہیں وَأَمَّا الِاسْتِفْهَامُ اور باقی استفہام جو ہے فَهُوَ طَلَبُ الْعِلْمِ بِشَيْءٍ کسی چیز کے علم کو طلب کرنا، یعنی کسی چیز کے جاننے کو طلب کرنا۔ تو یہ ہے استفہام بھئی کہ آپ کسی چیز کے علم کو طلب کرتے ہیں، کسی چیز کے جاننے کو طلب کرتے ہیں کہ یہ چیز کس طرح ہے، کیسے ہے بھئی۔

وَأَدَوَاتُهُ الْهَمْزَةُ، اور اس کے جو کلمات ہیں، جو اس کے آلات ہیں جن کے ذریعے استفہام کیا جاتا ہے۔ أَدَوَات جمع ہے أَدَاة کی، اور أَدَاة کہتے ہیں آلے کو۔ وہ چیز جس کے ذریعے کوئی کام سرانجام دیا جائے اسے آلہ کہتے ہیں۔ تو ادوات استفہام بیان ہو رہے ہیں، یعنی وہ کلمات جن کے ذریعے استفہام کیا جائے، جن کے ذریعے سوال پوچھا جائے، کسی چیز کے علم کو طلب کیا جائے وہ کون کون سے کلمات ہیں وہ آپ کو بتلانے لگے ہیں کہ الْهَمْزَةُ ایک ہمزہ ہے، وَهَلْ اور هَلْ ہے، مَا ہے، اور مَنْ ہے، اور مَتٰى ہے، اور أَيَّانَ ہے، اور كَيْفَ ہے، اور أَيْنَ ہے، اور أَنّٰى ہے، اور كَمْ ہے، اور أَيٌّ ہے۔ جب بھی سوال کیا جاتا ہے ان کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے، تو یہ ادوات استفہام ہیں یعنی آلات استفہام ہیں، ان کلمات کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے بھئی۔

■ قولہ: «فَالْهَمْزَةُ لِطَلَبِ التَّصَوُّرِ أَوِ...» کی تشریح

فَالْهَمْزَةُ لِطَلَبِ التَّصَوُّرِ أَوِ التَّصْدِيقِ۔ بھئی یہاں تصور اور تصدیق کا ذکر آیا بھئی۔ آپ منطق کے اندر پڑھ چکے ہیں تصور اور تصدیق کے بارے میں۔ تصدیق کس کو کہتے ہیں؟ ایک چیز کے لیے دوسری چیز کو ثابت کرنا یا ایک چیز سے دوسری چیز کی نفی کرنا، یہ ہے تصدیق بھئی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، تو دیکھیے اس میں زید کے لیے کیا ثابت کیا گیا؟ قیام کو۔ اور زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ، یہاں پر زید سے قیام کی نفی کی گئی۔ تو یہ ہے تصدیق بھئی جس میں ایک چیز کا ثبوت ہو دوسری چیز کے لیے یا ایک چیز کی نفی ہو دوسری چیز سے۔ آسان لفظوں میں یوں کہیے جو پورا کلام ہو یعنی تام جملہ ہو جس سے پوری بات کا پتہ چل رہا ہو اس کو کہتے ہیں تصدیق بھئی۔ اور جو اس کے مقابلے میں جملہ نہ ہو یعنی مفرد ہو اس کو کہتے ہیں تصور بھئی۔ اب صرف زید میں آپ کے سامنے کہوں آپ کو کوئی بات سمجھ میں آئی؟ نہیں بھئی، آپ کہیں گے بھئی کیا ہوا زید کو بات تو پوری کیجیے بھئی۔ تو زید پورا جملہ نہیں۔ یا صرف قَائِمٌ کہوں تو یہ بھی پورا جملہ نہیں، تو یہ مفرد ہیں اور ان کو کیا کہیں گے؟ تصور۔ تو زید الگ تصور ہے اور قیام ایک الگ تصور ہے، لیکن جب اسی قیام کو آپ زید کے لیے ثابت کر دیتے ہیں یا اس سے اس کی نفی کر دیتے ہیں تو یہی تصدیق بن جائے گی۔ تو تصدیق کے اندر اسناد ہو گا۔ کیا ہو گا؟ اسناد ہو گا یعنی بات پوری ہو گی، یعنی جملہ ہو گا، کلام ہو گا بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ ہے تصور اور تصدیق بھئی۔ بھئی اب آپ مجھے بتائیے کہ یہ تصور ہے یا تصدیق ہے: میرا قلم؟ شاباش یہ تصور ہے، آپ کہیں گے کیا ہوا آپ کے

قلم کو بات تو پوری کیجیے۔ میری وہ کتاب جو آپ کے پاس تھی؟ تصور، شاباش بھئی۔ حالانکہ کتنے سارے لفظ ہیں لیکن یہ تو میں صرف ابھی آپ کو پہچان کروا رہا ہوں، میری وہ کتاب جو آپ کے پاس تھی، دیکھیے ابھی بات پوری نہیں ہوئی وہ آگے آئے گا۔ مثلاً آگے کلام کس طرح پورا ہوتا ہے: میری وہ کتاب جو آپ کے پاس تھی وہ میں نے سو روپے کی خریدی تھی بھئی۔ دیکھا، اب بات پوری ہو گئی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو زیادہ لفظوں کو دیکھ کر آپ نے دھوکے میں نہیں پڑنا بھئی، بس جب جملہ پورا ہو تو وہ ہے تصدیق، جملہ پورا نہ ہو تو یہ ہے تصور بھئی۔

اب دیکھیے دو چیزیں آ گئیں: ایک ہے تصور اور ایک ہے تصدیق۔ تو یاد رکھیے یہ جو استفہام ہے اس میں آپ نے پڑھا کسی چیز کے علم کو طلب کیا جاتا ہے۔ تو اب یہ علم جس کو طلب کیا جا رہا ہے یا تو یہ تصور کے علم کو طلب کیا جائے گا یا تصدیق کے علم کو طلب کیا جائے گا۔ یا یوں کہیں کبھی اس کے ذریعے تصور کو طلب کیا جائے گا کبھی ان ادوات کے ذریعے تصدیق کو طلب کیا جائے گا۔ تو یاد رکھیے اس اعتبار سے یہ تین قسم کے ہیں: ان میں سے کچھ ادوات استفہام ایسے ہیں جن کے ذریعے صرف تصور کو طلب کیا جاتا ہے، لہذا آپ بھی جب تصور کو طلب کرنا ہو ان کو استعمال کریں باقیوں کو استعمال نہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کو تصور اور تصدیق دونوں کے بارے میں پوچھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، تو آپ بھی اس کو دونوں کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، تصور کے بارے میں پوچھنا چاہیں تب بھی اس کو استعمال کر سکتے ہیں تصدیق کے بارے میں پوچھنا چاہیں تب بھی اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کو صرف تصدیق کے بارے میں پوچھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، تو آپ بھی ان کو ہمیشہ صرف تصدیق کے پوچھنے ہی کے لیے استعمال کیجیے گا بھئی۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ بھئی ہم علم معانی پڑھ رہے ہیں نا، علم معانی میں لفظ عربی کے ان احوال کو جانا جاتا ہے جس سے وہ کیا ہو جائے؟ مقتضائے حال کے مطابق ہو جائے۔ تو لہذا یہاں پر بھی یہی آپ کو بتلائیں گے کہ جس لفظ کے ذریعے آپ استفہام کر رہے ہیں، سوال پوچھ رہے ہیں اس کو مقتضائے حال کے مطابق ہونا چاہیے۔ مثلاً آپ تصور کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں تو آپ کو وہی لفظ استعمال کرنا چاہیے جو کس لیے استعمال ہوتا ہے؟ تصور کے لیے۔ آپ تصدیق کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں تو وہ لفظ استعمال کیجیے جو تصدیق کے پوچھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا لفظ ہے جو دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے تو آپ بھی اس کو دونوں مواقع پر استعمال کر سکتے ہیں بھئی۔

اب یہی تفصیل آپ کو بتلانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں فَالْهَمْزَةُ لِطَلَبِ التَّصَوُّرِ أَوِ التَّصْدِيقِ، ہمزہ جو ہے وہ تصور یا تصدیق کی طلب کے لیے ہے۔ یعنی استفہام کے جو ادوات ہیں یاد رکھیے ان میں ہمزہ اصل ہے، تو اس کو طلب تصور کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں اور طلب تصدیق کے لیے بھی۔ وَالتَّصَوُّرُ، میں نے آپ کو بتلا دیا تصور کسے کہتے ہیں؟ مفرد کو جس میں اسناد نہ ہو، جو جملہ نہ ہو بھئی، وہی بیان کر رہے ہیں: وَالتَّصَوُّرُ هُوَ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ كَقَوْلِكَ، اور تصور جو ہے وہ مفرد کا ادراک کرنا ہے جیسے آپ کا قول۔ بھئی إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ کہا، مفرد کا ادراک کرنا یعنی اس کو جاننا۔ تصور کس چیز کا نام ہے؟ مفرد کے ادراک کا نام ہے، مفرد کے جاننے کا نام ہے، مفرد کا ذہن میں آنا یہ ہے تصور بھئی، اور اسناد کے ساتھ ہو تو یہ کیا ہے؟ تصدیق۔

بھئی دیکھیے یہ جو مناطقہ ہوتے ہیں نا یہ اصل میں بحث کرتے ہیں قول معقول کے بارے میں۔ ایک ہم زبان سے بات کرتے ہیں لیکن زبان سے جب بھی بات کریں گے پہلے بات ذہن کے اندر آئے گی۔ تو جو ذہن کے اندر بات آئی ہے وہی بات جس کو ابھی ہم نے زبان سے ادا کرنا ہے، وہی بات جب تک ذہن میں ہے اس کو کہیں گے قول معقول۔ کیا کہیں گے؟ قول معقول، یعنی عقل کے اندر ہے یہ قول ابھی ذہن کے اندر ہے۔ اور یہی بات جب زبان پر آ جائے گی تو اس کو کہیں گے قول ملفوظ بھئی۔ کیا کہیں گے؟ قول ملفوظ کہیں گے۔ تو مناطقہ جو ہیں ان کا اصل مقصد قول ملفوظ سے بحث نہیں، وہ بات کرتے ہیں قول معقول سے جو ذہن میں بات آتی ہے۔ لیکن جو بات ذہن میں آتی ہے وہ دوسرے کو بتائی کس طرح جاتی ہے؟ لفظوں کے ذریعے بتائی جاتی ہے نا، تو یہ لفظ اس کے لیے آلہ ہیں دوسرے کو سکھانے کا اور بتانے کا۔ تو منطقی کی نظر اصل میں وہ ذہن میں آنے والی بات ہے وہ اسی کے بارے میں بات کرے گا اور وہی اس کے مد نظر ہو گی، لیکن چونکہ اس کو سمجھانے کے لیے الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے لہذا وہ الفاظ کی بھی بات کرے گا۔ کس کی بات کرے گا؟ الفاظ کی بھی بات کرے گا۔

■ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

لہذا زَيْدٌ قَائِمٌ یہ بات جب آپ کے ذہن میں آئی اور آپ نے یقین کر لیا کہ زید کیا ہے؟ کھڑا ہے، یعنی ذہن میں آپ نے زید کے لیے قیام کو ثابت کر دیا تو اس کو کہیں گے تصدیق۔ ابھی آپ کی زبان پر بھی یہ بات نہیں آئی صرف ذہن میں ہے لیکن منطق کیا کہیں گے یہ کیا ہے؟ تصدیق ہے۔ اور اب سمجھانے کے لیے ہمیں لفظوں کے ذریعے بتانا پڑتا ہے کہ دیکھیے زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کے لیے کیا ثابت ہے؟ قیام ثابت ہے اس لیے یہ تصدیق ہے۔ تو منطقی کی اصل نظر یہ لفظوں کی طرف نہیں ہوتی اس کی اصل نظر کیا ہے؟ عقل میں جو بات آتی ہے اس کی طرف اس کی نظر ہوتی ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا هُوَ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ مفرد کا ادراک کرنا، اس کو جاننا یعنی اس مفرد کا ذہن میں آنا یہ ہے تصور۔ ذہن میں کون آیا؟ مفرد، صرف زید آیا، یا ذہن میں صرف قیام آیا دیکھو یہ بھی مفرد۔ لیکن ذہن میں اگر یہ آ گیا زَيْدٌ قَائِمٌ کہ زید کیا ہے؟ کھڑا ہے، آپ نے ذہن کے اندر زید کے لیے قیام ثابت مان بھی لیا کہ زید کے لیے قیام ثابت ہے تو بس یہ کیا بن جائے گی؟ تصدیق بن جائے گی، اسناد ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اس لیے انہوں نے کہا هُوَ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ وہ مفرد کا ادراک ہے اس کو جاننا ہے یعنی ذہن میں اس کا آنا، كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول: أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، کیا علی مسافر ہے یا خالد؟ یعنی کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد؟

تو دیکھیے اب آپ یہ سوال کر رہے ہیں، آپ نے اپنے ساتھی سے کہا کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد؟ اب اتنا تو آپ کو یقین ہے کہ سفر کسی نے کیا ہے، کوئی سفر کرنے والا ہے ضرور، لیکن تعیین نہیں آپ کے ذہن میں کہ وہ سفر کرنے والا کون ہے، کہ سفر کرنے والا وہ علی ہے یا خالد۔ تو اتنا تو آپ کو پتہ کہ کوئی سفر کرنے والا ہے لیکن کرنے والا کون یہ تعیین نہیں تھی آپ کے ذہن میں، آپ نے اس تعیین کو طلب کیا۔ تو جواب میں مثلاً وہ کہے گا کہ علی، سفر کرنے والا کون ہے؟ علی ہے، یا جواب میں مثلاً وہ کہتا ہے کہ خالد ہے جو بھی جواب ہوا بھئی۔ تو یہاں دیکھیے آپ دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین کو طلب کر رہے ہیں، تو یہ دراصل آپ تصور کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، آپ تصور کو طلب کر رہے ہیں۔

بھئی دیکھیے انہوں نے آپ کو بتلایا کہ ہمزہ جو ہے وہ طلب تصور کے لیے بھی آسکتا ہے اور طلب تصدیق کے لیے بھی آسکتا ہے، اور طلب تصور کی مثال ذکر کر دی أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ۔ بھئی آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہاں طلب تصور ہے یا طلب تصدیق ہے؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ یہ جو ادوات آئے ان کے ذریعے سوال پوچھا جاتا ہے اور سوال تصور کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے تصدیق کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے مثلاً ہمزہ کے اندر۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ سوال تصور کا ہو رہا ہے یا یہ سوال تصدیق کا ہو رہا ہے؟ بھئی یاد رکھنا اگر وہ جو سوال ہے اس کا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ ہو، ہاں یا نہیں کے ساتھ جواب بتایا ہو اس کا، تو یاد رکھیے وہاں دراصل تصدیق کو طلب کیا جا رہا ہوتا ہے۔ اور جہاں پر جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ نہ دیا جا سکے بلکہ ایک چیز کی تعیین کرنا پڑے وہ یاد رکھیے وہ طلب تصور ہو گا۔ کیا ہو گا؟ طلب تصور۔ پہچان اب آپ کو رہے گی کہ نہیں رہے گی بھئی؟ طلب تصدیق کے لیے ہے کوئی سوال آپ کو کیسے پتہ چلے گا؟ اگر اس سوال کا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ ہو تو پھر سمجھ جایئے کہ یہ دراصل تصدیق کو طلب کیا جا رہا ہے اس سوال کے ذریعے۔ اور اگر اس سوال کا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ نہ دیا جا سکے بلکہ تعیین کرنا پڑے تو پھر آپ سمجھ جایئے کہ دراصل کیا کیا جا رہا ہے؟ تصور کو طلب کیا جا رہا ہے۔

کیا اگلے ہفتے امتحانات شروع ہو رہے ہیں؟ مجھے یہ بتایئے یہ طلب تصور ہے یا طلب تصدیق ہے؟ طلب تصدیق ہے۔ کیسے پتہ چلا؟ ہاں کہ اس کا جواب یا تو نَعَمْ سے دینا پڑے گا یا لَا کے ساتھ کہ ہاں ہو رہے ہیں یا نہیں، تو یہ طلب تصدیق ہے۔ اب آپ مجھے بتایئے أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد؟ طلب تصور ہے یا طلب تصدیق ہے؟ طلب تصور ہے۔ کیسے پتہ چلا آپ کو؟ نَعَمْ یا لَا کے ساتھ نہیں جواب دے سکتے بلکہ تعیین کو طلب کیا جا رہا ہے کہ آپ کو اتنا تو پتہ ہے کہ سفر کرنے والا کوئی ہے، اب آپ صرف تعیین چاہتے ہیں کہ وہ کون ہے، علی یا خالد ہے بھئی۔

اچھا اور مثالیں ایک دو کر لیجیے تاکہ اور بات واضح ہو جائے کہ یہ طلب تصور ہے یا طلب تصدیق ہے بھئی۔ کل آپ سبق پڑھنے کے لیے کیوں نہیں آئے؟ جی یہ طلب تصور ہے یا طلب تصدیق ہے؟ یہ طلب تصور ہے۔ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ اس کا جواب ہاں یا نہیں کے ساتھ نہیں دے سکتے۔ میں نے آپ سے کہا آپ کل سبق پڑھنے کیوں نہیں آئے تھے، آپ کہیں ہاں، جواب بتا ہی نہیں، یا آپ کہیں نہیں، جواب بتا ہی نہیں، بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ میں تعیین آپ سے دراصل طلب کر رہا ہوں۔ بس جہاں بھی تعیین کو طلب کیا جائے وہ ہے طلب تصور، اور جہاں بھی نَعَمْ یا لَا کے ساتھ جواب دیا جا سکے وہ کیا ہے؟ طلب تصدیق۔ تو یہاں بھی میں نے جب آپ سے کہا کل آپ سبق پڑھنے کیوں نہیں آئے تو میں آپ سے تعیین طلب کر رہا ہوں کہ وہ وجہ کیا ہے، وہ علت کیا ہے جس کی وجہ سے آپ پڑھنے نہ آسکے، تو یہ دراصل کیا کر رہا ہوں میں؟ طلب تصور کر رہا ہوں بھئی۔ بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟

دیکھیے اب یہی بیان کر رہے ہیں: كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا قول أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد؟ تَعْتَقِدُ أَنَّ السَّفَرَ حَصَلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلٰكِنْ تَطْلُبُ تَعْيِينَهُ۔ آپ کا یہ اعتقاد ہے کہ أَنَّ السَّفَرَ حَصَلَ مِنْ أَحَدِهِمَا کہ سفر ان دونوں میں سے کسی ایک سے حاصل ہوا ہے، یعنی آپ کو یہ یقین تو ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک نے سفر کیا ضرور ہے، وَلٰكِنْ تَطْلُبُ تَعْيِينَهُ لیکن آپ کس کو طلب کر رہے ہیں؟ صرف اس کی تعیین کو طلب کر رہے ہیں کہ ان دو میں سے وہ ایک کون سا ہے جس نے سفر کیا ہے بھئی۔ تو دیکھو طلب تعیین یہ کس کے اندر ہو گا؟ طلب تصور میں۔ وَلِذَا يُجَابُ بِالتَّعْيِينِ، اور اسی وجہ سے اس کا جواب تعیین کے ساتھ دیا جائے گا، فَيُقَالُ عَلِيٌّ مَثَلاً پس کہا جائے گا علی مثال کے طور پر، یا مثلاً خالد بھئی۔

■ قولہ: «وَالتَّصْدِيقُ هُوَ إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ» کی تشریح

وَالتَّصْدِيقُ هُوَ إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ، اور تصدیق جو ہے وہ نسبت کا ادراک کرنا ہے بھئی، اس کا جاننا یعنی ذہن میں آنا بھئی۔ دیکھیے تصور تھا مفرد کا ادراک اور تصدیق کس چیز کا نام ہے؟ عبارت پر نظر رکھیے، نسبت کا ادراک۔ نسبت بھئی وہ اسناد، اسناد کس کو کہتے تھے، اسناد تام؟ ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی ہو، یہ ہے نسبت بھئی۔ مثلاً زید کی طرف آپ قیام کی نسبت کرتے ہیں کہ زَيْدٌ قَائِمٌ، یا آپ زید کی طرف عدم قیام کی نسبت کرتے ہیں کہ زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ، یہ ہے نسبت بھئی، تو یہ اسناد تام مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ کس کے اندر ہو گا اسناد تام؟ تصدیق کے اندر ہو گا۔ کہتے ہیں وَالتَّصْدِيقُ هُوَ إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ اور تصدیق جو ہے وہ نسبت کا ادراک کرنا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر أَسَافَرَ عَلِيٌّ، کیا علی نے سفر کیا ہے؟ جی اب بتایئے یہ تصدیق کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے یا تصور کے بارے میں؟ یہ تصدیق ہے کہ اس کا جواب ہاں یا نہیں کے ساتھ ہو گا۔ تَسْتَفْهِمُ عَنْ حُصُولِ السَّفَرِ وَعَدَمِهِ، آپ پوچھ رہے ہیں حصول سفر اور عدم حصول سفر کے بارے میں کہ سفر حاصل ہوا ہے یعنی پایا گیا ہے یا سفر نہیں پایا گیا۔ وَلِذَا يُجَابُ بِنَعَمْ أَوْ لَا، اور اسی وجہ سے اس کا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ دیا جاتا ہے۔

وَالْمَسْؤُولُ عَنْهُ فِي التَّصَوُّرِ مَا يَلِي الْهَمْزَةَ۔ مَسْؤُولٌ عَنْهُ وہ چیز جس کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ ہمزہ استفہام جو ہے اس کے ذریعے تصور کو بھی طلب کیا جاتا ہے اور تصدیق کو بھی بھئی۔ بھئی تصدیق میں تو نَعَمْ یا لَا کے ساتھ جواب آئے گا، اب اگر تصور کو طلب کیا جا رہا ہے ہمزہ کے ذریعے تو ہمیں کیسے پتہ چلے گا کس چیز کی تعیین کو طلب کیا جا رہا ہے؟ تو وہی بات بیان کر رہے ہیں کہ مَسْؤُولٌ عَنْهُ وہ چیز جو پوچھی گئی ہے فِي التَّصَوُّرِ کس کے اندر؟ تصور میں، مَا وہ چیز ہے يَلِي الْهَمْزَةَ۔ وَلِيَ يَلِي کے معنی ہوتے ہیں ملے ہونے کے، ملنے کے۔ مَا يَلِي الْهَمْزَةَ جو ملی ہوئی ہے ہمزہ کے ساتھ۔ وہ لفظ جو ہمزہ کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ مَسْؤُولٌ عَنْهُ ہے بھئی تصور کے اندر۔

جیسے دیکھیے أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، ہمزہ کے ساتھ کیا ملا ہوا ہے؟ عَلِيٌّ۔ اس کے بارے میں اور جو اس کا معادل ہے آگے أَمْ کے بعد ذکر ہو گا۔ ذرا عبارت پہلے کتاب پر دیکھ لیجیے: وَالْمَسْؤُولُ عَنْهُ فِي التَّصَوُّرِ مَا يَلِي الْهَمْزَةَ وَيَكُونُ لَهُ مُعَادِلٌ يُذْكَرُ بَعْدَ أَمْ، اور وہ چیز جس کے بارے میں پوچھا گیا ہو تصور میں مَا وہ چیز ہو گی يَلِي الْهَمْزَةَ جو ہمزہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو یعنی وہ لفظ جو ہمزہ کے ساتھ ملا ہوا ہے، وَيَكُونُ لَهُ مُعَادِلٌ اور اس کا کوئی معادل ہو گا۔ مُعَادِل کا معنی برابر کا۔ اس کا کوئی برابر کا ہو گا يُذْكَرُ بَعْدَ أَمْ جو کس کے بعد ذکر کیا جائے گا؟ أَمْ کے بعد۔ بھئی دیکھیے أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد؟ تو ہمزہ استفہام کے ساتھ کون سا لفظ ملا ہوا ہے؟ عَلِيٌّ، اس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے اور اس کا ایک معادل ہے برابر کا وہ کس کے بعد ذکر ہے؟ أَمْ کے بعد۔ أَمْ کے بعد کون سا لفظ ذکر ہے؟ خَالِدٌ۔ تو عَلِيٌّ اور خَالِدٌ، یہ خالد علی کے برابر کا ہے، یعنی آپ ان دو کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ ان دو میں سے تعیین کرو یہ دونوں برابر ہیں، یا تو اس نے سفر کیا ہے یا اس نے سفر کیا ہے، ان دو کے بارے میں مجھے پتہ نہیں شک ہے آپ تعیین کر دیں ان دو برابر میں سے کون سا والا ہے جس کے ساتھ یہ سفر قائم ہے، جس نے یہ سفر کیا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو کہتے ہیں وَالْمَسْؤُولُ عَنْهُ فِي التَّصَوُّرِ مَا يَلِي الْهَمْزَةَ وَيَكُونُ لَهُ مُعَادِلٌ يُذْكَرُ بَعْدَ أَمْ، اور وہ چیز جس کے بارے میں پوچھا گیا ہے تصور کے اندر وہ ہے جو ملا ہوا ہے ہمزہ کے ساتھ اور اس کا کوئی معادل ہو گا جس کو ذکر کیا جائے گا أَمْ کے بعد، وَتُسَمّٰى مُتَّصِلَةً اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَمْ متصلہ۔ یہ جو أَمْ آگے ہمزہ کے بعد آ رہا ہے اس کو أَمْ متصلہ کہتے ہیں۔ کب؟ جب سوال تصور کے بارے میں ہو اور جہاں دو برابر چیزیں ایک ہمزہ کے ساتھ اور ایک أَمْ کے ساتھ ذکر ہوں تو یہ جو أَمْ آتا ہے اس کو أَمْ متصلہ کہتے ہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی باقی کل کریں گے، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۹: ہمزۂ استفہام کے احکام، تصور و تصدیق کی منطقی و بلاغی تحقیق اور «أَمْ» متصلہ و منقطعہ کا فرق

دروس البلاغہ صفحہ: ۳۳ــــ بتاریخ: ۸ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالْمَسْؤُولُ عَنْهُ فِي التَّصَوُّرِ مَا يَلِي الْهَمْزَةَ وَيَكُونُ لَهُ مُعَادِلٌ يُذْكَرُ بَعْدَ أَمْ وَتُسَمّٰى مُتَّصِلَةً، فَتَقُولُ فِي الِاسْتِفْهَامِ عَنِ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ: أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوسُفُ؟ وَعَنِ الْمُسْنَدِ: أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ؟

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

استفہام کی بحث چل رہی ہے اور آپ نے پڑھا استفہام جو ہے وہ کسی چیز کے علم کو طلب کرنا، کسی چیز کے جاننے کو طلب کرنا، اور اس کے بہت سے ادوات ہیں: ہمزہ، هَلْ، مَا، مَنْ وغیرہ، یہ ادوات استفہام ہیں۔ اور پھر یہ ادوات استفہام جو طلب العلم کے لیے آتے ہیں، کسی چیز کا علم طلب کرنے کے لیے، یا تو یہ تصور کا علم طلب کرنے کے لیے آئیں گے یا تصدیق کا، یعنی یا تو یہ تصور کی طلب کے لیے آئیں گے یا تصدیق کی طلب کے لیے آئیں گے بھئی۔

تصور اور تصدیق بھئی، اس کی تعریف کتاب کے اندر کل آگئی تھی۔ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا تصور وہ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ ہے، مفرد کا ادراک کرنا۔ اور ادراک کا کیا معنی ہے؟ ادراک کا معنی ہے یوں کہیں کسی چیز کا حاصل کرنا یعنی ذہن میں، یعنی کسی چیز کا ذہن میں تعقل کرنا۔ کیا کرنا؟ تعقل کرنا، عقل میں ایک چیز کا آنا، ذہن میں آنا۔ مثلاً آپ نے ایک چیز کا تصور کیا، سوچا، ذہن میں آئی، تو اگر یہ جو چیز آپ نے سوچی ہے اس کے اندر حکم ہے تو اس کو کہیں گے إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ، یہ تصدیق ہے بھئی۔ مثلاً زید اور قیام دو چیزیں ہیں اور اس میں آپ نے قیام کی نسبت زید کی طرف کی ہے، زید کے لیے قیام کو ثابت مانا ہے، تو گویا ذہن میں آپ نے زید پر قیام کا حکم لگا دیا، اس کا یقین کر لیا، تو یہ ہے إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ، تصدیق بھئی۔ آپ نے کس چیز کا ادراک کیا ہے، کس چیز کا تعقل کیا ہے؟ نسبت کا۔ نسبت وہ جو ایک چیز کا حکم لگا رہے ہیں دوسری چیز پر بھئی، جو دونوں کے اندر تعلق آگیا۔ جب آپ نے زید پر قیام کا حکم لگایا تو پہلے زید کا لفظ مثلاً الگ تھا، قیام ایک الگ چیز ہے زید الگ چیز ہے، تو آپ نے دونوں میں ربط دے دیا یا ربط نہیں دیا بھئی؟ ربط دے دیا۔ تو یہ جو بیچ میں ربط آیا، تعلق آیا، یہ جو آپ نے ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے ثابت کر دیا، آپ نے ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگا دیا، یہ ہے إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ بھئی کہ آپ نے کس چیز کا ادراک کیا ہے؟ نسبت کا، کس چیز کا تعقل کیا ہے؟ نسبت کا۔ تعقل بھئی عقل میں کسی چیز کا حاصل ہونا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یہ جو ادراک کیا، یہ جو تعقل کیا، یہ جو عقل میں چیز حاصل ہوئی یہ ہے ادراک، اور یہ ادراک یا تو مفرد کا ہو گا یا نسبت کا ہو گا۔ اگر نسبت نہیں ہے تو اس کو مفرد کہیں گے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو ادراک مفرد کا ہو گا یا نسبت کا ہو گا۔ اگر مفرد کا ادراک ہے یعنی اس میں نسبت نہیں ہے، ایک چیز کا دوسری چیز پر حکم نہیں لگایا گیا تو یہ ہے تصور۔ یہ کیا ہے؟ تصور۔ اور اگر ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی ہے تو حکم لگا دیا آپ نے۔ تو اگر ثابت ہے چیز تو یہ ثبوت والا حکم لگایا اور اگر نفی کی ہے تو یہ نفی والا حکم لگایا۔ ثبوت والا حکم مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ، نفی والا حکم مثلاً زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ۔ تو یہ جو آپ نے تعقل کیا، یہ نسبت جس کا تعقل کیا اس میں ایک چیز کے لیے دوسری چیز کا ثبوت ہو گا یا اس سے دوسری چیز کی نفی ہو گی، تو چاہے ثبوت ہو چاہے نفی ہو اس کو تصدیق کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ تصدیق۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک قول ملفوظ ہے، لفظوں سے لفظ، اور ایک قول معقول ہے بھئی، عقل میں ایک چیز کا آنا اور اس کا حاصل ہونا۔ تو یہ تصور اور تصدیق یہ منطق میں پڑھتے ہیں نا آپ، تو تصور اور تصدیق یہ مناطقہ کی اصطلاح ہے اصل میں۔ تو منطقی جو ہے وہ اصل میں اس کی نظر اس قول معقول کی طرف ہوتی ہے۔ یہ جو ذہن کے اندر ایک چیز کا حصول ہوتا ہے، ذہن میں ایک چیز حاصل ہوتی ہے یہ ہے قول معقول بھئی۔ ذہن میں جو چیز آتی ہے یہ ہے قول معقول، ابھی آپ زبان پر اس کو نہیں

لائے آپ کے ذہن میں ہے تو کیا ہے؟ قول معقول۔ اور یہی بات جب آپ کی زبان پر آتی ہے تو لفظوں کی صورت میں آتی ہے تو اس کو کہتے ہیں قول ملفوظ بھئی۔ تو مناطقہ کی اصل نظر کس کی طرف ہوتی ہے؟ قول معقول کی طرف کہ جو چیز عقل میں آئے اس میں وہ دیکھتے ہیں کہ یہ مفرد چیز عقل میں حاصل ہوئی ہے یا نسبت حاصل ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ جو بات عقل میں آتی ہے اس کو سمجھانے کے لیے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے، الفاظ کے بغیر تو آپ دوسرے کو بات نہیں سمجھا سکتے، تو اسی لیے اصل توجہ تو منطقی کی قول معقول کی طرف ہوتی ہے لیکن وہ قول ملفوظ سے بھی بحث کرتا ہے، لفظوں کی بھی بحث کرتا ہے اسی وجہ سے کیونکہ معقول کو سمجھانے کے لیے کس کا سہارا لینا پڑتا ہے؟ لفظوں کا۔ لیکن اصل توجہ نہیں ہوتی اس کی قول ملفوظ کی طرف، اصل توجہ کس کی طرف ہے؟ قول معقول کی طرف توجہ ہے۔ اسی لیے انہوں نے کہا إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ۔ تصور کی تعریف کیا کی؟ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ، مفرد کا ذہن میں حاصل ہونا، مفرد کا ذہن میں تعقل کرنا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ادراک کا لفظ استعمال کیا، ادراک کا معنی کیا ہے؟ حاصل کرنا کسی چیز کا حصول بھئی۔ اور تصدیق کی انہوں نے کیا تعریف کی؟ إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ، نسبت کا ادراک کرنا یعنی ذہن میں نسبت کا حاصل ہونا یہ ہے تصدیق۔

لہذا اسی لیے مناطقہ شک کو تصدیق نہیں کہتے اگرچہ جملہ پورا ہوتا ہے۔ مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ، اسی میں آپ کو یقین ہے، زید کے لیے قیام ثابت ہے اس کا آپ نے تعقل کیا تو ذہن کے اندر آپ نے گویا زید پر کیا حکم لگایا ہے؟ قیام کا، اور آپ کو اس کا یقین بھی ہے تو اس کو تصدیق کہیں گے کیونکہ یہ ادراک ہے نسبت کا۔ غالب گمان ہے آپ کا کہ زید کھڑا ہے، یقین تو نہیں لیکن کیا ہے؟ غالب گمان ہے، تو اس کو بھی وہ نسبت کہیں گے۔ لیکن اگر آپ کو شک ہے، شک کے اندر دونوں جانبیں برابر ہوتی ہیں، آپ کو شک ہے کہ پتہ نہیں یہ قیام زید کے لیے ثابت ہے یا ثابت نہیں۔ اب آپ کے ذہن میں تو ہے زَيْدٌ قَائِمٌ لیکن یہ قیام کا حکم پتہ نہیں زید کے لیے ہے یا نہیں ہے اس میں آپ کو شک ہے، دونوں جانبیں برابر ہیں، قیام کے ہونے کا بھی برابر احتمال اور نہ ہونے کا بھی برابر، تو یہ ہے شک اور اس شک کو مناطقہ تصدیق نہیں کہتے اس کو تصور کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تصور کہتے ہیں بھئی، کیونکہ تصدیق میں ان کے نزدیک یقین کا ہونا ضروری ہے یا غالب گمان کا ہونا ضروری ہے، تو غالب گمان بھی یقین کے قریب ہوا بھئی۔ تو شک کو وہ تصدیق کہتے ہی نہیں اس کو وہ تصور کہتے ہیں، کیونکہ اس میں وہ نسبت کا ادراک نہیں ہے۔

تو بات چل رہی تھی کہ یہ جو ادوات استفہام ہیں ان میں سے ہمزہ اصل ہے اور یہ طلب تصور کے لیے بھی آسکتا ہے اور طلب تصدیق کے لیے بھی آسکتا ہے۔ بھئی ہم علم المعانی پڑھ رہے ہیں جس میں آپ نے پڑھا کہ علم معانی لفظ عربی کے ان احوال کو جاننے کا نام ہے جن کی وجہ سے لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے، یعنی حال جس قسم کے کلام کا تقاضا کر رہا ہے آپ بھی اسی طرح کا کلام لے کر آئیں، یہ آپ کو کس سے پتہ چلے گا؟ علم معانی۔ علم معانی بتلائے گا یہ مقام ہے یہ اس قسم کے کلام کا تقاضا کر رہا ہے لہذا آپ اس طرح کا کلام لاؤ۔ دوسرا حال ہوگا علم معانی آپ کو بتلائے گا کہ یہ حال ہے اور یہ حال اس قسم کے کلام کا تقاضا کرتا ہے لہذا پھر آپ اس طرح کا کلام لے کر آتے ہیں بھئی۔ تو لہذا جب ہمزہ طلب تصور کے لیے بھی ہے اور طلب تصدیق کے لیے بھی ہے علم معانی سے آپ کو پتہ چل گیا، لہذا جب آپ تصور کو طلب کرنے لگیں تب بھی ہمزہ لا سکتے ہیں، جب آپ تصدیق کو طلب کرنے لگیں تب بھی کیا کر سکتے ہیں؟ ہمزہ لا سکتے ہیں۔ یہ علم معانی سے آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ دونوں مقام پر ہمزہ استعمال ہو سکتا ہے تو آپ بھی دونوں جگہ استعمال کر سکتے ہیں۔ پھر آگے بتائیں گے کچھ لفظ ایسے ہیں جو صرف طلب تصدیق کے لیے ہیں، تو لہذا جب طلب تصدیق کا مقام ہو وہاں تو آپ اس کو استعمال کر سکتے ہیں جہاں طلب تصور ہو وہاں پر اس کو استعمال نہیں کر سکتے۔ اور کچھ لفظ ایسے ہیں جو صرف طلب تصور کے لیے استعمال ہوتے ہیں، تو لہذا تصور طلب کرنے کا مقام ہو تو وہاں پر آپ ان لفظوں کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن اگر تصدیق طلب کرنے کا مقام ہو تو وہاں پر ان لفظوں کو استعمال نہیں کر سکتے بھئی۔

تو انہوں نے آپ کو بتلایا ہمزہ جو ہے یہ اصل ہے اور یہ طلب تصور کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور طلب تصدیق کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اور میں نے آپ کو علامت بتلائی تھی کہ آپ کو پتہ کس طرح چلے گا کسی سوال سے کہ تصور کو طلب کیا جا رہا ہے یا تصدیق کو طلب کیا جا رہا ہے۔ میں نے بتلایا تھا اگر سوال کے جواب میں نَعَمْ یا لَا آتا ہو، نَعَمْ اور لَا کے علاوہ اور صورت وہاں نہیں بنتی، صرف نَعَمْ اور لَا میں سے کسی ایک کے ساتھ جواب دیا جا سکے تو سمجھ جایئے یہ تصدیق کو طلب کیا جا رہا ہے۔ اور اگر نَعَمْ یا لَا کے ساتھ نہ ہو بلکہ دو چیزوں میں سے یا زیادہ میں سے کسی ایک کی تعیین کو طلب کیا جا رہا ہو تو سمجھ جایئے یہ دراصل تصور کو طلب کیا جا رہا ہے۔

■ قولہ: «أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ» کی تشریح

تو اس کی پہلی مثال انہوں نے ذکر کی بھئی: أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد؟ کیا علی مسافر ہے یا خالد؟ اب آپ دیکھیے اس کا جواب نَعَمْ یا لَا سے نہیں دیا جا سکتا، معلوم ہوا یہ طلب تصدیق نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ طلب تصور ہے کہ آپ تعیین طلب کر رہے ہیں۔ معلوم ہو انسبت کا ادراک تو آپ کو حاصل ہے لیکن تعیین نہیں ہے آپ کے نزدیک۔ توجہ رکھنا بھئی یہ بات بار بار آگے آئے گی: جب آپ تصور کو طلب کر رہے ہیں معلوم ہو انسبت کا ادراک حاصل ہے آپ کو۔ آپ نے کہا أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، معلوم ہوا اتنا آپ کو پتہ ہے کہ سفر حاصل ہوا ہے، سفر کرنا پایا گیا ہے، نسبت کا ادراک ہے، کسی نے سفر کیا ہے اتنا آپ کو پتہ ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ یہاں پر معلوم ہوا تصدیق کا علم ہے آپ کو۔ کیا چیز تھی تصدیق؟ ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت، معلوم ہوا کوئی ایک شخص ایسا ہے جس کے لیے سفر ثابت ہے، اس نے سفر کیا ہے، تو آپ کو نسبت کا ادراک حاصل ہے لیکن تعیین نہیں کہ یہ سفر کرنے کا وصف کس کو حاصل ہے، علی کو یا خالد کو، صرف تعیین نہیں ہے باقی اتنا آپ کو علم ہے کہ سفر کسی نے کیا ہے بھئی۔ تو تصدیق کا علم آپ کو ہے، نسبت کا علم ہے آپ کو البتہ صرف تعیین نہیں ہے کہ وہ سفر کرنے والا کون ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو جہاں جہاں طلب تصور ہوگا وہاں تصدیق کا علم آپ کو حاصل ہوگا اور آپ پھر اس کی تعیین کو طلب کر رہے ہوں گے بھئی۔ لہذا یہاں پر بھی معلوم ہوا

کہ سفر تو کسی نے کیا ہے، نسبت کا تو علم آپ کو ہے کہ سفر واقع ہوا ہے کسی ایک شخص نے سفر کیا ہے لیکن تعیین نہیں ہو رہی اب آپ اس کو متعین کروانا چاہتے ہیں اسی لیے آپ نے سوال پوچھا کہ سفر کس نے کیا ہے، یہ سفر کس کے ساتھ قائم ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب ہمزہ طلب تصور کے لیے بھی آسکتا ہے اور طلب تصدیق کے لیے بھی آسکتا ہے۔ تو ہمزہ کے ذریعے جب سوال کریں گے انہوں نے آپ کو بتلایا وَالْمَسْؤُولُ عَنْهُ فِي التَّصَوُّرِ مَا يَلِي الْهَمْزَةَ وَيَكُونُ لَهُ مُعَادِلٌ يُذْكَرُ بَعْدَ أَمْ، کہ وہ چیز جس کے بارے میں پوچھا گیا ہو گا تصور میں مَا وہ چیز ہو گی يَلِي الْهَمْزَةَ جو کس کے ساتھ ملی ہوئی ہو؟ ہمزہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو گی جیسے أَعَلِيٌّ، ہمزہ کے ساتھ کیا ملا ہوا ہے؟ علی کا لفظ۔ وَيَكُونُ لَهُ مُعَادِلٌ أَيْ لَفْظٌ مُعَادِلٌ، مُعَادِل کا معنی برابر کا، اور اس کا کوئی برابر کا لفظ ہو گا يُذْكَرُ بَعْدَ أَمْ جس کو کس کے بعد ذکر کیا جائے گا؟ أَمْ کے بعد، جیسے أَمْ کے بعد اس جملے میں خَالِدٌ ذکر ہے۔ تو ہمزہ کے بعد علی ذکر ہے اور اس کے ساتھ اس کا ایک معادل لفظ جو أَمْ کے بعد ذکر ہے وہ ہے خالد، تو آپ ان دو کے اندر کس چیز کو طلب کر رہے ہیں؟ تعیین کو طلب کر رہے ہیں۔ تو ہمزہ کے ذریعے جس چیز کا سوال کیا جائے گا وہ لفظ ہو گا، وہ چیز ہو گی جو کس کے فوراً بعد آئے؟ ہمزہ کے فوراً بعد، اور اس کے ساتھ اس کا ایک معادل بھی اس کے برابر کا بھی ذکر ہو گا جن دو کے اندر آپ کو شک ہے اور احتمال ہے، جن دو میں سے ایک کی تعیین کو آپ طلب کر رہے ہیں تو دوسرا کس کے بعد آئے گا؟ أَمْ کے بعد آئے گا بھئی۔ تو یہ دوسرا لفظ پہلے کے معادل ہوا، پہلا اس کے معادل اور دوسرا پہلے کے معادل برابر ہیں کہ ان دونوں میں سے معلوم ہوا آپ کو پتہ ہے ان دو میں سے کسی ایک نے سفر کیا ہے، یہ آپ کو یقین ہے لیکن تعیین نہیں ہے آپ کو کہ ان دو میں سے وہ ایک کون ہے، آپ اس تعیین کو اب طلب کر رہے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَتُسَمَّى مُتَّصِلَةً، اور اس أَمْ کو أَمْ متصلہ کہتے ہیں۔ بھئی آپ نے کافیہ کے اندر پڑھا ہو گا کہ أَمْ دو قسم پر ہے: ایک کو أَمْ متصلہ کہتے ہیں ایک کو أَمْ منقطعہ کہتے ہیں۔ أَمْ متصلہ یہ تصور کی طلب میں استعمال ہوتا ہے اور أَمْ منقطعہ وہ تصدیق کے اندر استعمال ہو گا بھئی۔ أَمْ متصلہ کس میں استعمال ہو گا؟ تصور کے لیے، اور أَمْ منقطعہ تصدیق کے لیے استعمال ہو گا۔ تو دو قسم کا أَمْ ہوا: ایک أَمْ متصلہ اور ایک أَمْ منقطعہ۔ اب متصلہ کس کو کہتے ہیں منقطعہ کس کو کہتے ہیں یہ اور مزید تفصیل یاد رکھیے گا بھئی۔ أَمْ متصلہ وہ ہے کہ جس کے ذریعے دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین کو طلب کیا جائے، جیسے ابھی مثال گزری تھی أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ۔ یہاں پر بھی دو چیزیں علی اور خالد، ان دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین کو آپ کیا کر رہے ہیں؟ طلب کر رہے ہیں، تو یہ کیا ہے؟ أَمْ متصلہ۔

اس کے مقابلے میں دوسرا أَمْ منقطعہ ہے بھئی۔ اور أَمْ منقطعہ یاد رکھیے کافیہ میں اس کی مثال دی ہے کہ آپ کو دور سے صحرا میں کوئی چیز مثلاً حرکت کرتی ہوئی نظر آئی تو آپ نے بڑے یقین سے اپنے ساتھی سے کہا إِنَّهَا لَإِبِلٌ، یقیناً یہ اونٹ ہیں بھئی۔ اتنا یقین تھا کہ آپ إِنَّ بھی لے کر آئے لام تاکید بھی لے کر آئے بھئی، لام ابتدا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ پھر جب وہ چیز کچھ قریب آئی تو آپ کو شک پڑ گیا کہ بھئی یہ تو اونٹ نہیں ہیں، پتہ نہیں اونٹ ہیں یا یہ بھیڑ بکریاں ہیں، تو اب آپ کہتے ہیں أَمْ شَاءٌ، بلکہ کیا یہ بکریاں ہیں؟ دیکھیے پہلے آپ باقاعدہ خبر دے رہے تھے سوال تو پوچھ ہی نہیں رہے تھے، إِنَّهَا لَإِبِلٌ خبر دی تھی، اور أَمْ کے بعد اب آپ کہہ رہے ہیں أَمْ شَاءٌ یعنی أَهِيَ شَاءٌ کیا یہ بکریاں ہیں؟ تو شَاءٌ جمع ہے شَاةٌ کی بھئی، اور شَاةٌ اسم جنس ہے بھیڑ بکری دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے تو یہ اسی شَاةٌ کی جمع ہے بھئی۔ تو پہلے آپ خبر دے رہے تھے اور أَمْ کے بعد اب آپ باقاعدہ سوال کر رہے ہیں، آپ کو خود شک پڑ گیا کہ پتہ نہیں یہ کیا چیز ہے اب آپ پوچھ رہے ہیں کیا یہ بھیڑ بکریاں ہیں؟ تو یہ أَمْ جو آیا أَمْ شَاءٌ یہ أَمْ منقطعہ ہے۔ اس کو منقطعہ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ ماقبل سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ اِنْقَطَعَ کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ جدا ہونا، ٹوٹ جانا۔ تو یہ بھی ماقبل کے کلام سے ٹوٹا ہوا ہے یعنی جدا ہے، الگ کلام ہے۔ پہلے خبر تھی أَمْ سے پہلے، أَمْ کے بعد استفہام ہے، سوال ہے بھئی۔ کیا ہے؟ سوال ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں تو دیکھیے پہلے خبر تھی پھر اس خبر کو چھوڑ دیا آپ نے اور سوال شروع کر دیا آگے أَمْ کے بعد، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ خبر اور چیز ہے اور استفہام وہ تو انشاء ہے وہ تو الگ چیز ہے بھئی۔

ہاں اور کبھی ہو سکتا ہے دونوں جگہ ہی سوال ہو۔ ماقبل میں آپ نے ایک سوال کیا ہو گا پھر ایک دم آپ کو خیال آتا ہے او ہو یہ میں نے کس کے بارے میں سوال کر دیا، میں نے تو کسی اور کے بارے میں سوال کرنا تھا، تو آپ اس پہلے سوال کو چھوڑ کر أَمْ لاتے ہیں اور فوراً دوسرا سوال کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کہا أَزَيْدٌ عِنْدَكَ؟ پھر فوراً خیال آیا بھئی میں نے تو زید کے بارے میں نہیں پوچھنا تھا یہ تو غلطی سے میں کہہ بیٹھا ہوں، آپ فوراً کہتے ہیں أَمْ عَمْرٌو عِنْدَكَ؟ تو پہلے آپ نے زید کے بارے میں پوچھا پھر اس سوال کو ہی چھوڑ دیا۔ اب آپ تعیین نہیں طلب کر رہے کہ زید ہے آپ کے پاس یا عمرو ہے، بلکہ پہلے آپ نے زید کے بارے میں سوال کیا تھا پھر فوراً ہی اس کو چھوڑ دیا اور اصل جو آپ پوچھنا چاہتے تھے اس بات کی طرف آگئے کہ کیا عمرو ہے آپ کے پاس؟ تو اس کا جواب بھی اسی طرح نَعَمْ یا لَا کے ساتھ دیا جائے گا بھئی۔ تعیین کو نہیں آپ طلب کر رہے کہ جواب میں کہے وہ عمرو ہے یا زید ہے، کیونکہ اگر تعیین کو طلب کیا جائے تو پھر تو یہ طلب تصور ہوا، حالانکہ یہ تو أَمْ منقطعہ ہے اور أَمْ منقطعہ تو طلب تصور کے لیے نہیں آتا بلکہ کس لیے آتا ہے؟ طلب تصدیق کے لیے آتا ہے۔ تو یہ دوسرا سوال عمرو کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے کیا عمرو آپ کے پاس ہے؟ اب آپ کہتے ہیں نَعَمْ یا آپ کہتے ہیں لَا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو دیکھو أَمْ منقطعہ اس کو کہتے ہیں، اس میں ماقبل میں اور سوال تھا پھر اس کو چھوڑ کر مابعد میں دوسرا سوال پوچھا تو ان دونوں چیزوں کے اندر انقطاع ہے، پہلے سوال سے ہی منقطع ہو گئے، پہلی چیز سے ہی منقطع ہو گئے چھوڑ دیا اس کو۔ جبکہ أَمْ متصلہ میں دونوں میں اتصال ہوتا ہے، أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ دونوں میں اتصال ہے، آپ کے نزدیک سفر ان دونوں میں سے کسی ایک نے کیا ہے لیکن تعیین نہیں ہو رہی مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ کس نے کیا ہے اب آپ اس تعیین کو طلب کر رہے ہیں۔ تو یہاں انقطاع نہیں ہے، علی اور أَمْ کے بعد جو خالد آیا ان دونوں میں انقطاع نہیں ہے جبکہ أَمْ منقطعہ میں ماقبل اور مابعد میں انقطاع ہوتا تھا۔

بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں وَتُسَمّٰی مُتَّصِلَةً اور اس أَمْ کو أَمْ متصلہ کہتے ہیں جس میں أَمْ سے ماقبل ایک چیز ذکر ہوتی ہے اور أَمْ کے بعد اس کا معادل ذکر ہوتا ہے، اس کے برابر کا لفظ ذکر ہوتا ہے جن دو میں سے آپ تعیین کو طلب کر رہے ہیں، اس أَمْ کو کیا کہتے ہیں؟ أَمْ متصلہ۔ فَتَقُولُ فِي الِاسْتِفْهَامِ عَنِ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ۔ اچھا بھئی انہوں نے یہ تو آپ کو بتا دیا کہ ہمزہ طلب تصور کے لیے بھی آسکتا ہے اور طلب تصدیق کے لیے بھی آسکتا ہے اور اس کی ایک مثال ذکر کر دی أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، اور انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ یہ جو أَمْ آیا یہ کیا ہے؟ أَمْ متصلہ۔ اور أَمْ متصلہ کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے، یعنی یوں کہو دوسرے لفظوں میں تصور کو طلب کیا جاتا ہے۔ اب مختلف قسم کی چیزوں کا آپ تصور طلب کر سکتے ہیں، مختلف چیزوں میں تعیین کے بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔ کبھی آپ جو کلام لے کر آئے ہیں اس میں جو مسند الیہ ہے، کبھی آپ مسند الیہ کی تعیین کو طلب کریں گے۔ آپ کو نسبت کا تو پتہ ہے، میں نے آپ کو بتلایا جب آپ تصور کے بارے میں سوال کرتے ہیں اس کا مطلب ہے نسبت کا علم آپ کو ہے۔ آپ کو اتنا تو پتہ ہے سفر کسی ایک نے کیا ہے ان دونوں میں سے، یہ یقین آپ کو حاصل ہے، اس کا علم آپ کو ہے ہاں البتہ تعیین نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے کس نے کیا ہے سفر بھئی۔

■ قولہ: «أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ» کی تشریح

تو یہاں دیکھیے ذرا پہلی مثال پر نظر ڈالیے اس میں بھی طلب تصور ہے لیکن کس چیز کو طلب کر رہے ہیں آپ بھئی؟ أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، ترکیب آتی ہے آپ کو بھئی؟ ہمزہ استفہام کے لیے، عَلِيٌّ معطوف علیہ اور أَمْ حرف عطف ہے خَالِدٌ معطوف، اور معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر کیا بنے گا؟ مبتدا، اور مُسَافِرٌ کیا ہوگی اس کی؟ صیغہ اسم فاعل اس کے اندر هُوَ ضمیر اس کا فاعل تو یہ خبر بنے گی شبہ جملہ ہو کر۔ تو دیکھیے مبتدا جو ہوتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے اور خبر جو ہوتی ہے وہ مسند ہوتی ہے، تو آپ کس کی تعیین کو طلب کر رہے ہیں، مسند الیہ کی یا مسند کی؟ مسند الیہ کی تعیین کو آپ کیا کر رہے ہیں؟ طلب کر رہے ہیں۔ تو لہٰذا اس کے ذریعے مسند الیہ کی تعیین کا بھی سوال ہو سکتا ہے، مسند کی تعیین کا سوال بھی ہو سکتا ہے، تو آپ اس ہمزہ کے ذریعے ہر طرح کے تصور کو طلب کر سکتے ہیں: مسند الیہ کے تصور کو بھی طلب کر سکتے ہیں اس میں تعیین کو، مسند کی تعیین کے لیے بھی اس کے ذریعے سوال کر سکتے ہیں، مفعول جس پر فعل واقع ہو رہا ہے اس کی تعیین کے لیے بھی اس ہمزہ کے ذریعے سوال کر سکتے ہیں، حال جو ہے حال کی تعیین کے لیے بھی آپ اس ہمزہ کے ذریعے کیا کر سکتے ہیں؟ سوال کر سکتے ہیں، ظرف آپ جانتے ہیں زمانے یا مکان کا نام ہے تو زمانے یا مکان کی تعیین کے لیے بھی آپ اس ہمزہ کے ذریعے سوال کر سکتے ہیں۔ یعنی ہر طرح کے تصور کو، اس کی تعیین کو آپ اس ہمزہ کے ذریعے طلب کر سکتے ہیں۔ تو ان سب کی کئی مثالیں ذکر کریں گے: کہیں ہمزہ آئے گا طلب مسند الیہ کے لیے، کہیں ہمزہ آئے گا طلب مسند کے لیے، کہیں ہمزہ آئے گا طلب حال کے لیے، کہیں ہمزہ آئے گا طلب ظرف کے لیے وغیرہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں البتہ جب تصور کو طلب کر رہے ہیں معلوم ہوا نسبت کا علم آپ کو ہے یعنی تصدیق حاصل ہے صرف تعیین باقی ہے بھئی۔

تو فَتَقُولُ فِي الِاسْتِفْهَامِ عَنِ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ، پس آپ کہتے ہیں مسند الیہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے: أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوسُفُ؟ کیا آپ نے یہ کام کیا ہے یا یوسف نے؟ اب اتنا یقین ہے آپ کو کہ یہ کام اس مخاطب نے یا یوسف نے ان دو میں سے کسی ایک نے کیا ہے۔ تو کام کے ان دو میں سے کسی ایک سے ہونے کا آپ کو علم ہے لیکن تعیین نہیں ہے کہ یہ مخاطب نے کیا ہے یا یوسف نے کیا ہے، تو آپ اس تعیین کے لیے سوال کرتے ہیں۔ تو نسبت کا یقین ہے آپ کو البتہ سوال کس کے بارے میں کر رہے ہیں؟ تعیین کے بارے میں سوال کر رہے ہیں۔ أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوسُفُ، کیا آپ نے یہ کام کیا ہے یا یوسف نے؟ تو دیکھیے کس کی تعیین ہے، اس فعل کی تعیین پوچھ رہے ہیں یا فعل کرنے والے کی تعیین کر رہے ہیں؟ فعل کرنے والے کی یعنی فاعل کی بھئی، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، تو یہ مسند الیہ کی طلب کے لیے یہ ہمزہ آیا۔

وَعَنِ الْمُسْنَدِ، اور مسند کے بارے میں پوچھتے ہوئے آپ کہیں گے: أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ؟ بھئی رَغِبَ يَرْغَبُ رَغْبَةً، رغبت کا معنی ہوتا ہے شوق بھئی، شوق ہونا کسی چیز کا، رغبت ہونا، اس میں دلچسپی ہونا۔ لیکن یاد رکھیے اس کا صلہ فِي بھی آتا ہے اور عَنْ، عین نون عَنْ، صلہ عَنْ بھی آتا ہے۔ تو جب اس رغبت کا صلہ فِي آئے تو اس کے معنی کسی چیز میں شوق رکھنا، اس میں دلچسپی کا ہونا۔ اور اس رغبت کا صلہ اگر عَنْ آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز سے نفرت کرنا، یہ اس کا عکس معنی ہے الٹا ہو گیا معنی بالکل بھئی۔ پہلے کیا تھا؟ شوق ہونا جب فِي صلہ تھا، اور عَنْ صلہ آجائے تو معنی نفرت ہونا، کسی چیز سے اعراض کرنا، اس سے منہ موڑنا بھئی۔ تو اب آپ سوال کرتے ہیں أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ، کیا آپ اس کام سے اعراض کرنے والے ہیں أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ یا اس کام میں رغبت رکھنے والے ہیں؟ معنی سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟ تو رَاغِبٌ عَنِ الْأَمْرِ کا کیا معنی ہوگا؟ ہاں کیا آپ اس کام سے نفرت کرتے ہیں یعنی اس سے اعراض کر رہے ہیں، أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ یا آپ اس کے اندر شوق رکھتے ہیں بھئی؟

تو دیکھیے اب آپ یہاں پر کس چیز کا سوال کر رہے ہیں؟ تصور کا سوال کر رہے ہیں بھئی، یہ ساری تصور کی مثالیں چل رہی ہیں، تعیین کو طلب کر رہے ہیں۔ اور جہاں تصور کی طلب ہوگی معلوم ہوا تصدیق کا علم آپ کو پہلے سے حاصل ہے۔ تو یہاں پر بھی آپ کو اتنا پتہ ہے کہ مخاطب کے ساتھ رغبت والا فعل قائم ہے۔ آپ کو کیا علم ہے؟

أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ، کسی اور کا ذکر ہے یا صرف مخاطب کا ذکر ہے؟ صرف مخاطب کا، معلوم ہوا اتنا پتہ ہے کہ مخاطب کے ساتھ رغبت والا فعل قائم ہے بھئی، اتنا یقین ہے آپ کو لیکن یہ تعیین نہیں ہو رہی کہ یہ رغبت عَنِ الْأَمْرِ ہے یا رغبت فِي الْأَمْرِ ہے بھئی۔ اگر رغبت عَنِ الْأَمْرِ ہو تو اس کا معنی ہے نفرت کرنا اور اگر رغبت فِي الْأَمْرِ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے شوق رکھنا، تو یہ تعیین نہیں ہے اب آپ اس کی تعیین کر رہے ہیں بھئی۔ تو دیکھیے اب آپ کو اتنا پتہ ہے کہ رغبت والا فعل ثابت ہے، قائم ہے کس کے ساتھ قائم ہے؟ مخاطب کے ساتھ۔ تو رغبت والے فعل کا حکم لگایا گیا کس پر لگایا گیا؟ مخاطب پر۔ تو مخاطب ہوا مسند الیہ اور رغبت والا فعل کیا ہوا؟ مسند۔ تو اب آپ اس رغبت والے فعل یعنی مسند کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ یہ رغبت عَنِ الْأَمْرِ ہے یا رغبت فِي الْأَمْرِ ہے تعیین کر دو۔ اتنا تو مجھے پتہ ہے کہ آپ کے ساتھ رغبت والا فعل قائم ہے، آپ نے رغبت والا فعل کیا ہے لیکن کون سا کیا ہے، رغبت عَنِ الْأَمْرِ والا یا رغبت فِي الْأَمْرِ والا، تو آپ مسند کی تعیین چاہ رہے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

یہ معنی ہے وَعَنِ الْمُسْنَدِ اور مسند کے بارے میں پوچھتے ہوئے آپ کہیں گے۔ بھئی دیکھیے یہ عَنِ الْمُسْنَدِ اس کا عطف پیچھے ہے عَنِ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ پر۔ تو پچھلے کلام کو بھی ساتھ ملائیں تو یوں بن گیا: فَتَقُولُ فِي الِاسْتِفْهَامِ عَنِ الْمُسْنَدِ، مسند کے بارے میں سوال کرتے ہوئے آپ یوں کہیں گے أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ، کیا آپ اس کام سے اعراض کرنے والے ہیں یا آپ اس کام کے اندر راغب ہیں؟

وَعَنِ الْمَفْعُولِ، اور مفعول کے بارے میں آپ سوال کرتے ہوئے ہمزہ کے ساتھ یوں کہیں گے: أَإِيَّايَ تَقْصِدُ أَمْ خَالِداً؟ إِيَّايَ آپ نے پڑھا ہے ضمیر ہے بھئی، ضمیر منصوب منفصل۔ إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ وغیرہ ضمیریں آپ نے پڑھی ہیں بھئی نحو کے اندر۔ تو یہ نصب کے مقام میں ضمیر منفصل لانی ہو تو پھر یہ والی ضمیر لاتے ہیں۔ أَنَا بھی متکلم کی ضمیر، إِيَّايَ بھی متکلم کی ضمیر، یا بھی متکلم کی ضمیر۔ كِتَابِي، کیا معنی؟ میری کتاب۔ أَنَا یہ متکلم اپنے بارے میں کہتا ہے، اور إِيَّايَ اس کا بھی کیا معنی؟ متکلم۔ تو یہ تینوں متکلم کی ضمیریں ہیں لیکن محل الگ الگ ہوتا ہے اس کے مطابق ضمیر لاتے ہیں۔ اگر مرفوع مقام ہے یعنی ضمیر مبتدا بن رہی ہے تو مبتدا مرفوع ہوتا ہے تو وہاں أَنَا لے کر آئیں گے۔ اگر یہی أَنَا کی ضمیر مضاف الیہ بن رہی ہے تو یہ أَنَا تو مرفوع ضمیر ہے مضاف الیہ تو مجرور ہوتا ہے وہاں أَنَا پھر نہیں لاتے پھر یا لے آتے ہیں، یہ بھی وہی ہے صورت بدل گئی، كِتَابِي۔ اور جہاں نصب والا مقام ہوگا وہاں یہ إِيَّايَ ضمیر لے کر آئیں گے ضمیر منفصل۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہ یا تو متصل تھی یہ منفصل ہے بھئی، یہ وہی یا ہے لیکن یہ انفصال کی حالت میں ہے اور وہ کیا تھی؟ اتصال والی صورت تھی بھئی۔

■ قولہ: «أَإِيَّايَ تَقْصِدُ أَمْ خَالِداً» کی تشریح

تو أَإِيَّايَ تَقْصِدُ أَمْ خَالِداً، کیا میرا ارادہ آپ کر رہے ہیں یا خالد کا؟ کیا آپ میرا ارادہ کر رہے ہیں یا خالد کا؟ مثلاً بھئی مخاطب جو آپ کے سامنے تھا اس نے کوئی بڑی سخت بات کہی بھئی، کوئی ایسی بات کہی جو آپ کو اچھی نہیں لگی، لیکن اس نے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ آپ کو پتہ نہیں چلا کہ اس نے یہ بات آپ کے بارے میں کہی ہے یا خالد کے بارے میں کہی ہے۔ تو اب آپ اس سے سوال کرتے ہیں أَإِيَّايَ تَقْصِدُ أَمْ خَالِداً، کیا تم میرا ارادہ کر رہے ہو، مجھے یہ بات کہنا چاہتے ہو یا کس کو کہہ رہے ہو؟ خالد کو کہہ رہے ہو بھئی۔ تو یہاں دیکھیے آپ کس چیز کی تعیین کو طلب کر رہے ہیں؟ مفعول کی تعیین کو۔ معلوم ہوا آپ کو تصدیق کا علم ہے، تصدیق کیا؟ غور کیجیے بھئی جملے پر کیا تصدیق ہے؟ تَقْصِدُ، کس نے ارادہ کیا ہے؟ مخاطب نے۔ معلوم ہوا اتنا آپ کو یقین ہے کہ ارادہ مخاطب نے کیا ہے لیکن کس کا ارادہ کیا ہے، وہ مفعول کون ہے جس کا ارادہ کیا گیا، متکلم ہے یا خالد ہے اس کی آپ کو تعیین نہیں تھی تو آپ نے اس کا سوال کیا بھئی: أَإِيَّايَ تَقْصِدُ أَمْ خَالِداً، کیا آپ میرا ارادہ کر رہے ہیں یا خالد کا؟ تو یہ مفعول کے بارے میں سوال کیا گیا۔

وَعَنِ الْحَالِ، اور حال کے بارے میں پوچھتے ہوئے آپ یوں کہیں گے: أَرَاكِباً جِئْتَ أَمْ مَاشِياً؟ رکوب کہتے ہیں سوار ہونے کو، مَشْي يَمْشِي کے معنی زمین پر چلنا، پیدل بھئی۔ تو اب ایک شخص آپ کے پاس آیا آپ اس سے کہتے ہیں أَرَاكِباً جِئْتَ أَمْ مَاشِياً، کیا آپ سواری کی حالت میں آئے ہیں یا پیدل چلنے کی حالت میں یعنی پیدل آئے ہیں؟ تو اب دیکھیے حالت کے بارے میں سوال کر رہے ہیں، اس کی تعیین طلب کر رہے ہیں کہ وہ راکب ہو کر آیا ہے یا ماشی آیا ہے یعنی پیدل آیا ہے۔ تو یہ آپ تصور کو طلب کر رہے ہیں، اور جہاں تصور کو طلب کرتے ہیں وہاں معلوم ہوا تصدیق کا علم آپ کو پہلے سے ہے۔ تصدیق کس چیز کا علم ہے آپ کو؟ کہ مخاطب آیا ہے، جِئْتَ مخاطب آیا ہے لیکن کس حالت میں آیا ہے اس کی تعیین نہیں ہو رہی تھی تو آپ نے اس حالت کے بارے میں سوال کیا کہ آئے تو آپ ہیں لیکن کس حال میں آئے ہیں، سوار ہو کر یا پیدل چل کر وہ مجھے بتا دیجیے۔ اور یہ بھی آپ غور کیجیے جس چیز کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ ہمزہ کے ساتھ متصل ہے تمام مثالوں میں، اور سب میں أَمْ کے بعد اس کا ایک معادل لفظ بھی ذکر کیا گیا ہے جن دو کے اندر آپ تعیین کو طلب کر رہے ہیں۔

وَعَنِ الظَّرْفِ، اور ظرف کے بارے میں، ظرف آپ جانتے ہیں زمانے اور مکان کو کہتے ہیں، یہاں انہوں نے زمانے کی مثال صرف ذکر کر دی مکان کی بھی اسی طرح مثال بن جائے گی۔ اور ظرف کے بارے میں آپ ہمزہ کے ساتھ سوال کرتے ہوئے یوں کہیں گے: أَيَوْمَ الْخَمِيسِ قَدِمْتَ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟ قَدِمْتَ، قُدُوم کا معنی ہوتا ہے آنا۔ أَيَوْمَ الْخَمِيسِ قَدِمْتَ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، کیا جمعرات کے دن آپ آئے ہیں یا جمعے کے دن؟ تو یہاں تصدیق کا علم معلوم ہوا آپ کو

ہے، اور وہ تصدیق کیا؟ کہ مخاطب آیا ہے، مخاطب کا قدوم ہوا ہے وہ آیا ہے البتہ تعیین نہیں زمانے کی کہ کس زمانے میں آیا ہے، جمعرات کے دن آیا ہے یا جمعے کے دن آیا ہے بھئی۔أَيَوْمَ الْخَمِيسِ قَدِمْتَ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، کیا آپ جمعرات کے دن آئے ہیں یا جمعے کے دن؟وَهٰكَذَا، اور اسی طرح۔ یہ کہتے ہیں ہم نے کچھ مثالیں ذکر کر دیں، کسی میں آپ نے دیکھا ہمزہ کے ذریعے تصور کو طلب کیا جارہا ہے اور کبھی وہ تصور ہے مسند الیہ کا، کبھی مسند کا ہے، کبھی مفعول کا ہے، کبھی حال کا ہے اور کبھی ظرف کا ہے،وَهٰكَذَا اور اسی طرح یعنی باقی فعل کے جو معمولات ہیں ان میں بھی اسی پر آپ قیاس کر لیجیے، ان میں بھی یہی طریقہ ہے بھئی کہ جس کے بارے میں پوچھنا ہے تعیین کے بارے میں اس کو ہمزہ کے فوراً بعد ذکر کیجیے اور اس کے بعد آگے أَمْ لائیے اور أَمْ کے ساتھ اس کا معادل لفظ ذکر کیجیے۔

وَقَدْ لَا يُذْكَرُ الْمُعَادِلُ، اور کبھی کبھار معادل کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ بھئی یہ مثالیں جو گزریں ان میں تو معادل بھی ذکر تھا بھئی، وہ دو چیزیں جن میں آپ تعیین کو طلب کر رہے ہیں پہلی چیز کو ذکر کہاں کیا تھا؟ ہمزہ کے بعد، اور دوسری کو أَمْ کے بعد۔ تو کبھی کبھار معادل کو یعنی أَمْ اور اس کے مابعد کو ذکر نہیں کیا جاتا بھئی۔نَحْوُ مثال کے طور پر:أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ کیا آپ نے یہ کام کیا ہے؟ اور پیچھے پوری مثال کیا تھی؟أَمْ يُوسُفُ، وہ معادل جو تھا اس کو دیکھیے حذف کر دیا گیا۔ لیکن یاد رکھیے حذف کرنے کے باوجود تقدیراً اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، گویا معادل اب بھی موجود ہے۔ اگرچہ لفظوں میں ذکر نہیں کیا گیا لیکن تقدیراً اب بھی کیا ہے؟ موجود ہے۔ تو أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا کیا آپ نے یہ کام کیا ہے؟ یا أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ کیا آپ اس کام سے اعراض کرنے والے ہیں؟ آگے أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ معادل کو حذف کر دیا گیا۔ یا أَإِيَّايَ تَقْصِدُ، أَمْ خَالِداً کو کیا کر دیا گیا؟ حذف، صرف کیا کہا گیا أَإِيَّايَ تَقْصِدُ کیا آپ میرا ارادہ کر رہے ہیں؟ یا حال کے اندر أَرَاكِباً جِئْتَ کیا آپ سوار ہو کر آئے ہیں؟ آگے جو معادل تھا أَمْ مَاشِياً اس کو حذف کر دیا گیا لیکن تقدیراً ابھی بھی وہ معتبر ہے۔أَيَوْمَ الْخَمِيسِ قَدِمْتَ کیا جمعرات کے دن آپ آئے ہیں؟ آگے جو معادل تھا أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس کو کیا کر دیا گیا؟ حذف کر دیا گیا۔

یہ تو تھا تصور کے اندر۔ ہمزہ کے ذریعے آپ تصور کو بھی طلب کر سکتے ہیں تصدیق کو بھی۔ تصور کو طلب کر رہے ہیں تو اس کو ہمزہ کے بعد ذکر کریں اور اس کے ساتھ أَمْ متصلہ پھر آگے لائیں اور أَمْ متصلہ کے بعد اس کے معادل کو ذکر کریں گے تصور کی طلب میں ہمزہ کے اندر۔ اور اگر ہمزہ کے ذریعے آپ کس کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں؟ تصدیق کے بارے میں، اس کا بھی بتلا رہے ہیں:وَالْمَسْؤُولُ عَنْهُ فِي التَّصْدِيقِ النِّسْبَةُ، اور مَسْؤُولٌ عَنْهُ وہ چیز جس کے بارے میں پوچھا گیا ہو گا تصدیق میں النِّسْبَةُ وہ کیا ہو گی؟ نسبت ہو گی۔ میں نے بتلایا تھا کہ تصدیق کے بارے میں سوال کیا جارہا ہو آپ کو کیسے پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں نَعَمْ یا لَا آئے گا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں أَزَيْدٌ قَائِمٌ کیا زید کھڑا ہے؟ آپ جواب میں کہتے ہیں نَعَمْ۔ معلوم ہوا کہ میں نسبت کے بارے میں سوال کر رہا ہوں، مجھے اس بات کا ادراک ہی نہیں ہے کہ قیام زید کے لیے ثابت ہے یا ثابت نہیں ہے بھئی۔ جبکہ تصور میں نسبت کا ادراک ہوتا تھا البتہ تعیین نہیں ہوتی تھی، جبکہ یہاں سرے سے نسبت کا ادراک ہی ذہن میں نہیں ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو لہٰذا آپ اس نسبت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ ایسا ہے یا ایسا نہیں ہے، یعنی کیا قیام زید کے لیے ثابت ہے یا ثابت نہیں ہے مجھے بتلا دو مجھے علم نہیں ہے۔

وَلَا يَكُونُ لَهَا مُعَادِلٌ، اور اس کا کوئی معادل بھی نہیں ہو گا۔ نسبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تصدیق میں ہمزہ کے ذریعے اور اس نسبت کا معادل بھی نہیں ذکر ہو گا بھئی۔ معادل تو وہاں جہاں دو چیزوں میں تعیین کے بارے میں سوال کیا جارہا ہو وہاں معادل دو چیزیں ذکر ہوتی ہیں کہ یہ ہے یا یہ ہے مجھے بتاؤ ذرا، اور یہاں تو آپ دو چیزوں میں تعیین کو نہیں پوچھ رہے بلکہ نسبت ہی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ یہ نسبت واقع ہوئی ہے یا نسبت واقع نہیں ہوئی بھئی، تو یہاں معادل کی بات ہی نہیں ہے تو اس لیے وہ ذکر بھی نہیں ہو گا۔

■ قولہ: «فَإِنْ جَاءَتْ أَمْ بَعْدَهَا قُدِّرَتْ...» کی تشریح

فَإِنْ جَاءَتْ أَمْ بَعْدَهَا قُدِّرَتْ مُنْقَطِعَةً۔ مثلاً بھئی میں نے ہمزہ کے ذریعے نسبت کے بارے میں سوال کیا اور کیا کہا:أَزَيْدٌ قَائِمٌ کیا زید کھڑا ہے؟ تو دیکھیے بات پوری ہے، آپ کہیں گے نَعَمْ یا آپ کہیں گے لَا۔ لیکن اس کے ساتھ اگر کبھی أَمْ بھی آجائے:أَزَيْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو قَائِمٌ۔ ابھی بات گزری، دوبارہ ذرا میرے لفظوں پر غور کریں:أَزَيْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو قَائِمٌ۔ معلوم ہوا یہ أَمْ منقطعہ ہے۔ کیا ہے؟ أَمْ منقطعہ ہے کیونکہ میں نسبت کے بارے میں سوال کر رہا ہوں، اور نسبت کے بارے میں جب سوال کیا جائے وہاں تو أَمْ متصلہ نہیں آتا معلوم ہوا یہ أَمْ کون سا ہے؟ منقطعہ۔ اور أَمْ منقطعہ کس کو کہتے تھے؟ جس میں أَمْ سے پہلے ایک بات کی جائے اور پھر اس کو چھوڑ دیا جائے، بالکل ترک کر دیا جائے اور دوسری بات کی طرف انسان چلا جائے۔ تو پہلے میں نے زید کے بارے میں سوال کر دیا لیکن وہ غلطی سے میں نے کر دیا، میں نے تو پوچھنا ہی نہیں تھا زید کے بارے میں میرا اس سے کام ہی نہیں میں کس کو تلاش کر رہا ہوں مثلاً؟ عمرو کو۔ تو لہٰذا پہلے سوال کو میں نے چھوڑ دیا اور پھر کس کے بارے میں سوال کر لیا؟ عمرو کے بارے میں، تو أَزَيْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو قَائِمٌ۔ تو اب آپ جواب میں کہتے ہیں نَعَمْ، تو آپ گویا دراصل مجھے کیا بتلا رہے ہیں؟ کہ عمرو کھڑا ہے، کیونکہ پہلے سوال کو تو میں نے کیا کر دیا؟ چھوڑ دیا، آگے کیا کہا أَمْ عَمْرٌو قَائِمٌ کیا عمرو کھڑا ہے؟ تو اب آپ کہتے ہیں نَعَمْ تو یہ دوسرے سوال کا جواب ہے پہلے کا نہیں ہے بھئی۔

لہٰذا اس میں میں نے آپ سے کہا أَزَيْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو قَائِمٌ، آپ جواب میں کہیں زَيْدٌ تو یہ آپ کا جواب درست نہیں ہے، یا آپ جواب میں کہتے ہیں عَمْرٌو، تو جواب میں نہ زید آسکتا ہے نہ عمرو کیونکہ زید یا عمرو تو جواب میں تب آئے گا جب میں نے تعیین کے بارے میں سوال کیا ہو، اور میں تعیین کے بارے میں سوال کر رہا ہوں یا

نسبت کے بارے میں سوال کر رہا ہوں؟ نسبت کے بارے میں سوال کر رہا ہوں، جب نسبت کے بارے میں سوال کر رہا ہوں تو جواب میں نَعَمْ یا لَا ہی آئے گا تعیین نہیں بھئی۔ معلوم ہوا تعیین تو ہے ہی یہاں پر، عَمْرٌو قَائِمٌ عمرو ہی کے بارے میں تو میں پوچھ رہا ہوں کہ اسی کے بارے میں مجھے بتاؤ اس کے ساتھ قیام ہے یا قیام نہیں ہے بھئی۔

فَإِنْ جَاءَتْ أَمْ بَعْدَهَا، پس اگر أَمْ آجائے بَعْدَهَا کس کے بعد؟ ہا ضمیر لوٹائیں نسبت کو۔ اگر أَمْ آجائے اس نسبت کے بعد قُدِّرَتْ مُنْقَطِعَةً تو اس کو منقطعہ فرض کیا جائے گا، منقطعہ مانا جائے گا کہ یہ أَمْ کون سا ہے؟ أَمْ منقطعہ ہے، وَتَكُونُ بِمَعْنَى بَلْ اور یہ بَلْ کے معنی میں ہو گا۔ بھئی نحو کی کتابوں میں آپ کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ یہ جو أَمْ منقطعہ ہوتا ہے یہ بَلْ کے معنی میں ہوتا ہے۔ بھئی بَلْ بھی اعراض کے لیے آتا ہے، ایک چیز کو چھوڑ کر انسان دوسرے کی طرف عدول کرتا ہے۔ آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا تھا بلکہ عمرو۔ کیا معنی ہوتا ہے؟ معلوم ہوا زید غلطی سے آپ کہہ بیٹھے، کس کا ذکر کرنا چاہتے تھے؟ عمرو کا، اسی لیے آپ بَلْ لائے اس سے اعراض کیا پہلے لفظ کو چھوڑ دیا اور عمرو کو ذکر کیا، جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو بلکہ عمرو بھئی۔ تو جیسے بَلْ اعراض کے لیے آتا ہے اسی لیے اس أَمْ کے بارے میں بھی کہتے ہیں یہ بَلْ کے معنی میں ہے یعنی اعراض کے لیے ہے، یعنی اس میں اس سے ماقبل کی بات ہی کو چھوڑ دیا گیا اس سے اعراض کر کے دوسری بات بعد میں أَمْ کے بعد کر دی گئی بھئی۔

جیسے إِنَّهَا لَإِبِلٌ آپ نے پہلے تو خبر دی تھی، پھر اس خبر سے اعراض کیا اس کو چھوڑ دیا اور آگے کہا أَمْ شَاءٌ أَيْ أَهِيَ شَاءٌ کیا یہ بکریاں ہیں؟ تو پہلے خبر دے رہے تھے پھر اس کو آپ نے چھوڑ کر کیا بات شروع کر دی آگے؟ باقاعدہ سوال شروع کر دیا۔ یا پہلے آپ نے کہا أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو عِنْدَكَ، تو آپ نے پہلے زید کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن پھر اس سوال ہی کو چھوڑ دیا سرے سے کہ غلطی سے آپ نے کر دیا تھا یا کسی اور وجہ سے، آپ فوراً دوسرے سوال کی طرف چلے گئے اور کیا پوچھا؟ کیا عمرو ہے آپ کے پاس بھئی۔ سبق سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ کوئی ایسی بات تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۰: لفظِ « هَلْ » کا طلبِ تصدیق کے ساتھ اختصاص، اس کی شرائط اور لفظِ « مَا » استفہامیہ کے استعمالات

دروس البلاغہ صفحہ: ۳۴ــــ بتاریخ: ۱۳ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَهَلْ لِطَلَبِ التَّصْدِيقِ فَقَطْ، نَحْوُ: هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ؟ وَالْجَوَابُ نَعَمْ أَوْ لَا، وَلِذَا يَمْتَنِعُ مَعَهَا ذِكْرُ الْمُعَادِلِ فَلَا يُقَالُ: هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ أَمْ عَدُوُّكَ؟ وَهَلْ تُسَمّٰى بَسِيطَةً إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُودِ شَيْءٍ فِي نَفْسِهِ، نَحْوُ: هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ؟

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

انشاء کا باب ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا اور آپ نے پڑھا تھا انشاء وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جا سکے۔ اور پھر یہ دو قسم پر ہے: ایک انشاء طلبی اور ایک انشاء غیر طلبی۔ طلبی انشاء وہ جس میں کسی چیز کی طلب ہو، غیر طلبی جس میں طلب نہ ہو۔ اور پھر یہ انشاء طلبی پانچ چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے بھئی: امر، نہی، استفہام، تمنی اور ندا بھئی۔ اور اس میں سے امر اور نہی کی بحث مکمل ہو گئی تھی، استفہام کی بحث چل رہی تھی۔ آپ نے پڑھا کہ استفہام وہ کسی چیز کے علم کو طلب کرنا، کسی چیز کے جاننے کو طلب کرنا یہ ہے استفہام، اور اس کے کئی ادوات ہیں: ہمزہ ہے، هَلْ ہے، مَا، مَنْ، مَتٰى، أَيَّانَ وغیرہ بھئی۔ پھر یہ جو ادوات استفہام ہیں ان میں سے بعض طلب تصور اور طلب تصدیق دونوں کے لیے آتے ہیں، اور ان میں سے بعض صرف طلب تصدیق کے لیے آتے ہیں اور بعض صرف طلب تصور کے لیے آتے ہیں، تو یہ تین قسم کے ہو گئے: بعض صرف کس لیے آئیں گے؟ طلب تصور کے لیے، بعض صرف طلب تصدیق کے لیے اور بعض طلب تصور اور تصدیق دونوں کے لیے۔

سب سے پہلے ہمزہ کے بارے میں ہم نے پڑھا۔ ہمزہ جو ہے وہ اس باب کے اندر اصل ہے، استفہام کے ادوات میں اصل کیا ہے؟ ہمزہ ہے۔ تو لہٰذا وہ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے طلب تصور کے لیے بھی اور طلب تصدیق کے لیے بھی۔ پھر اس کے بعد تصور اور تصدیق کے بارے میں بھی آپ نے پڑھا بھئی۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ تصور جو ہے وہ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ ہے، مفرد کا ادراک کرنا، اور تصدیق جو ہے وہ نسبت کا ادراک کرنا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مناطقہ کی اصل نظر قول معقول کی طرف ہوتی ہے۔ قول میں نے بتلایا دو قسم کے ہیں: ایک قول ملفوظ ایک قول معقول بھئی۔ قول معقول وہ بات، وہ چیز جو ذہن میں آئے وہ کیا ہے؟ قول معقول، اور پھر اسی کو جب آپ زبان سے ادا کریں تو یہ قول ملفوظ بن جاتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، تو سب سے پہلے یہ بات میرے ذہن میں آئی، زَيْدٌ بھی اور قَائِمٌ بھی اور ان کے درمیان میں نے نسبت بھی قائم کر دی، زید کے لیے کیا مان لیا؟ قیام کو مان لیا۔ تو ذہن کے اندر زید کے لیے میں نے قیام کو ثابت کیا، تو جب تک میں نے زبان سے نہیں کہا یہ قول معقول ہے، یعنی عقل میں ہے۔ کس میں ہے یہ قول؟ یہ عقل میں ہے، اور پھر جب میں زبان سے کہوں گا تو یہ قول ملفوظ بن جائے گا یعنی جس پر تلفظ کیا گیا، لفظ یہ بن جائیں گے۔

تو مناطقہ کی اصل نظر قول معقول کی طرف ہوتی ہے قول ملفوظ کی طرف نہیں۔ چنانچہ منطق کی کتابیں آپ پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے وہ مسلسل قول معقول پر بات کرتے چلے جاتے ہیں، ہاں کہیں کہیں پر قول ملفوظ پر بھی بات کرتے ہیں لیکن قول ملفوظ کی طرف ان کی اصل توجہ نہیں، لیکن اس سے بحث کرتے ہیں مجبوری کی وجہ سے۔ مجبوری یہ ہے کیونکہ قول معقول جو ہے جو بات ذہن میں آئی ہے وہ دوسرے کو سمجھانے کے لیے لفظوں ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے، قول ملفوظ ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جب تک میں زبان سے نہیں کہوں گا زَيْدٌ قَائِمٌ آپ کو تو پتہ نہیں چل سکتا کہ میرے ذہن میں یہ زَيْدٌ قَائِمٌ والی نسبت موجود ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو چونکہ قول معقول

دوسروں کو سمجھانے کے لیے قول ملفوظ کا سہارا لینا پڑتا ہے اس لیے وہ لفظوں سے بھی بحث کرتے ہیں لیکن وہ اس مجبوری کی بنا پر یعنی تبعاً، اصل نظر ہے قول معقول کی طرف اور تبعاً پھر کس سے بحث کرتے ہیں وہ؟ قول ملفوظ سے، وہ اس کے تابع ہے چونکہ اس کا سہارا لیا جاتا ہے بات سمجھانے کے لیے۔

چنانچہ اسی لیے انہوں نے تصور کی تعریف کیا کی؟ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ۔ ادراک کا کیا معنی میں نے بیان کیا تھا؟ کسی چیز کا ذہن میں حاصل ہونا، ذہن میں آنا یہ کیا ہے؟ ادراک۔ تو دیکھو تصور کسے کہتے ہیں انہوں نے کہا إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ، مفرد کا ذہن میں آنا، مفرد کا ذہن میں حصول یہ کیا کہلاتا ہے؟ یہ تصور کہلاتا ہے۔ اور تصدیق کی کیا تعریف کی؟ إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ، نسبت کا ادراک کرنا یعنی ذہن میں نسبت کا حاصل ہونا یہ ہے تصدیق۔ دیکھو لفظ کی بات ہی نہیں کی انہوں نے، ذہن کے اندر حاصل ہونا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ ہے إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ یعنی تصور اور إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ یعنی کہ تصدیق بھئی۔

تو میں نے بتلایا تھا مفرد کا ادراک وہ ہے جس میں نسبت نہ ہو، اور جس میں نسبت ہو یعنی ایک چیز کا ثبوت ہو دوسری چیز کے لیے یا ایک چیز کی نفی ہو دوسری چیز سے یہ ہے نسبت۔ زَيْدٌ قَائِمٌ دیکھو زید کی طرف قَائِمٌ کی نسبت ہے، قیام کی نسبت ہے، اور زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ یہاں زید سے قیام کی نفی ہے، تو ایک چیز کا ثبوت ہو دوسری چیز کے لیے یا ایک چیز کی نفی ہو دوسری چیز سے یہ ہے نسبت۔ تو ہمزہ دونوں کی طلب کے لیے آئے گا، تصور کی طلب کے لیے بھی ہمزہ آئے گا اور تصدیق کی طلب کے لیے بھی ہمزہ آئے گا۔ اور پھر اس کے بعد ذکر آیا تھا أَمْ متصلہ اور أَمْ منقطعہ کا بھئی۔ آپ نے پڑھا ہوگا کافیہ وغیرہ میں، تو یہ أَمْ کس میں سے ہے؟ حروف عطف میں سے، اور یہ دو قسم پر ہے: ایک أَمْ متصلہ کہلاتا ہے ایک أَمْ منقطعہ۔ أَمْ متصلہ وہ ہے جس کے ذریعے دو چیزوں میں سے کسی ایک کی تعیین کا سوال کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ، تو اب آپ تعیین طلب کر رہے ہیں کہ ان دونوں میں سے کون مسافر ہے، تو یہ أَمْ متصلہ ہے۔ اور أَمْ منقطعہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ ہے جہاں ایک بات کو چھوڑ کر دوسری بات کی طرف انسان رخ کر لے، تو یہ اعراض کا فائدہ دیتا ہے۔ کس چیز کا؟ اعراض، یعنی یہ بَلْ کے معنی میں ہوتا ہے یہ أَمْ منقطعہ۔ اس سے ماقبل اور کلام ہوگا اس کے مابعد اور کلام ہوگا اور دونوں ایک دوسرے سے منقطع ہوں گے، ان میں کوئی ربط نہیں ہوگا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

مثلاً کافیہ میں جیسے اس کی مثال دی ہے: آپ کو دور سے ایک چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئی آپ نے اپنے ساتھی سے کہا إِنَّهَا لَإِبِلٌ یقیناً یہ اونٹ ہیں بھئی۔ خبر دی اس کو اور خبر بھی بڑی قطعی، إِنَّ بھی لے کر آئے لام ابتدا بھی لے کر آئے وغیرہ بھئی۔ لیکن پھر جب وہ چیز کچھ تھوڑی سی قریب آئی اب آپ کو خود شبہ پڑ گیا کہ یہ تو اونٹ نہیں معلوم ہوتے، پتہ نہیں یہ کیا چیز ہے، اب آپ کہتے ہیں أَمْ شَاءٌ أَيْ أَهِيَ شَاءٌ، کیا یہ بھیڑ بکریاں ہیں؟ تو اب آپ دیکھیے ماقبل میں آپ خبر دے رہے تھے اب آپ نے اس خبر کو چھوڑ دیا، آگے خود سوال پوچھنا شروع ہو گئے کہ یہ کیا چیز ہے یہ بھیڑ بکریاں ہیں یا کوئی اور چیز ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دیکھو منقطع ہیں دونوں کلام ایک دوسرے سے، ماقبل میں خبر مابعد میں انشاء، اور آپ جانتے ہیں خبر اور انشاء ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، کلام کی دو الگ انواع ہیں بھئی۔

تو یہ تو ایک صورت تھی ماقبل میں خبر مابعد میں انشاء۔ کبھی ہو سکتا ہے دونوں طرف ایک ہی نوع کی چیز ہو بھئی لیکن بہر حال انقطاع ہوگا۔ مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں أَزَيْدٌ عِنْدَكَ کیا زید آپ کے پاس ہے؟ پھر ایک دم مجھے خیال آیا یہ تو میری زبان پر ویسے زید کا لفظ آ گیا میں تو دراصل کس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا؟ عمرو کے بارے میں، میں فوراً کہتا ہوں أَمْ عَمْرٌو عِنْدَكَ۔ تو دیکھیے یہ أَمْ کے ذریعے ماقبل کے سوال ہی کو میں نے چھوڑ دیا اور دوسرا سوال کر دیا، تو دیکھو یہاں انقطاع ہے۔ اس سوال کو کیا کر دیا؟ چھوڑ دیا، اس سے اعراض کیا اور دوسرے سوال کو ذکر کر دیا، تو یہ أَمْ منقطعہ ہے۔ یہ تو ساری بحث آپ پیچھے بھی پڑھ چکے ہیں اسی کا میں تکرار کروا رہا تھا، کئی چھٹیاں آپ گزار کر آئے ہیں۔

تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں فرق کیسے ہوگا، أَمْ متصلہ میں اور أَمْ منقطعہ میں؟ بھئی اتنا تو پتہ چل گیا أَمْ متصلہ کے ذریعے دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے اور أَمْ منقطعہ کے ذریعے ماقبل کے کلام سے اعراض کیا جاتا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرا کلام کیا جاتا ہے۔ تو یاد رکھیے أَمْ متصلہ کے اندر أَمْ کے مابعد مفرد ہوگا۔ کیا ہوگا؟ أَمْ متصلہ میں أَمْ کے مابعد مفرد ہوگا، أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ تو أَمْ کے بعد دیکھو خَالِدٌ مفرد آیا۔ أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوسُفُ تو أَمْ کے بعد کیا آیا؟ يُوسُفُ مفرد آیا۔ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ تو دیکھو أَمْ کے بعد رَاغِبٌ فِيهِ آیا، مفرد آیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جبکہ أَمْ منقطعہ میں أَمْ کے مابعد پورا کلام ہوگا، پورا جملہ ہوگا۔ کیا ہوگا؟ پورا جملہ ہوگا، أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو عِنْدَكَ، تو دیکھو عَمْرٌو عِنْدَكَ پورا جملہ آیا۔ لیکن اگر کہیں مفرد بھی آ جائے أَمْ منقطعہ میں اس کو بھی جملے کی تاویل میں کر لیا جائے گا، وہاں پر بھی اس جملے کے باقی اجزاء کو محذوف اور مقدر نکال لیا جائے گا۔ جیسے وہ کافیہ کی مثال تھی إِنَّهَا لَإِبِلٌ، پھر آپ نے کیا کہا؟ أَمْ شَاءٌ۔ تو یہاں أَمْ کے بعد شَاءٌ مفرد آیا لیکن کس تاویل میں ہے، پورا جملہ کیا ہے؟ أَمْ أَهِيَ شَاءٌ، دیکھو پورا جملہ بنا دیا اس کا۔ اور وہ موقع محل آپ کو بتا دے گا، جو استعمال کرنے والا ہے بولنے والا ہے اس کے بولنے سے ہی آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ کون سا أَمْ مراد ہے، لفظ تو یہ مفرد ذکر کر رہا ہے لیکن مراد کیا ہے؟ پورا جملہ ہے، تو وہاں اس کو پورا جملہ مانا جائے گا بھئی۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟ تو أَمْ متصلہ میں تو ہوگا ہی مفرد ہمیشہ، أَمْ منقطعہ میں مابعد میں جملہ ہوگا اور کہیں اگر مفرد آ بھی جائے وہ صورتاً مفرد ہے حقیقتاً مفرد نہیں، وہاں دوسرے اجزاء جملے کے جو ہیں مبتدا وغیرہ جو بھی ضرورت ہو اس کے مطابق نکال کر اس کو پورا جملہ شمار کریں گے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو ہمزہ طلب تصور کے لیے بھی آئے گا اور طلب تصدیق کے لیے بھی۔ اور پھر یہ بات بھی میں نے آپ کو بتلائی تھی جہاں آپ تصور کو طلب کر رہے ہیں اس کا مطلب ہے نسبت کا علم آپ کو پہلے سے ہے، تصدیق کا علم آپ کو پہلے سے ہے۔ جب آپ نے پوچھا أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد، معلوم ہوا اتنا علم آپ کو ہے کہ کوئی سفر کرنے والا ہے، کوئی ایک مسافر ہے، نسبت کا علم آپ کو پہلے سے ہی ہے البتہ تعیین نہیں ہے کہ کس کے ساتھ

یہ سفر کی نسبت قائم ہے، کون ہے سفر کرنے والا تو وہ تعیین کو آپ طلب کر رہے ہیں۔ تو جہاں بھی آپ طلب تصور کرتے ہیں معلوم ہوا وہاں تصدیق پہلے سے آپ کو حاصل ہے، آپ صرف کیا چاہتے ہیں؟ تعیین چاہتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَهَلْ لِطَلَبِ التَّصْدِيقِ فَقَطْ» کی تشریح

اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔ کہتے ہیں وَهَلْ لِطَلَبِ التَّصْدِيقِ فَقَطْ، اور هَلْ جو ہے وہ صرف تصدیق کی طلب کے لیے آتا ہے۔ ہمزہ تو دونوں کے لیے آتا تھا طلب تصور کے لیے بھی اور طلب تصدیق کے لیے بھی، اور هَلْ جو ہے لِطَلَبِ التَّصْدِيقِ فَقَطْ یہ صرف تصدیق کی طلب کے لیے آتا ہے بھئی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کیسے پتہ چلے گا کہ تصور کو طلب کیا جا رہا ہے یا تصدیق کو طلب کیا جا رہا ہے، پہچان بتلائی تھی آپ کو؟ ہاں شاباش، تصدیق وہ ہے جس کا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ دیا جا سکے، معلوم ہوا وہاں تصدیق کو طلب کیا جا رہا ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں هَلْ جَاءَ زَيْدٌ کیا زید آگیا ہے؟ آپ کہتے ہیں نَعَمْ یا آپ کہتے ہیں لَا۔ دیکھا اس کا جواب کیا آیا؟ نَعَمْ یا لَا کے ساتھ، لہٰذا معلوم ہوا میں نے کس چیز کو طلب کیا ہے؟ تصدیق کو طلب کیا ہے۔ اور اگر نَعَمْ یا لَا کے ساتھ جواب نہ دیا جا سکے تو سمجھ جائیں کہ یہ طلب تصور ہے یعنی تعیین کو طلب کیا جا رہا ہے۔ أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ کیا علی سفر کرنے والا ہے یا خالد، اس کا جواب نَعَمْ یا لَا سے نہیں دے سکتے بلکہ تعیین چاہیے کہ کون ہے وہ مثلاً علی ہے یا مثلاً خالد ہے، تو جب یہاں نَعَمْ یا لَا سے جواب نہیں دیا جا سکتا معلوم ہوا یہاں تصور کو طلب کیا جا رہا تھا، اس کی تعیین طلب کی جا رہی تھی۔

تو انہوں نے کہا هَلْ جو ہے وہ طلب تصدیق کے لیے ہوگا صرف، نَحْوُ هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ کیا آپ کا دوست آگیا ہے؟ وَالْجَوَابُ نَعَمْ أَوْ لَا، اور جواب کیا ہوگا؟ نَعَمْ یا لَا بھئی۔ اسی سے تو پتہ چلے گا نَعَمْ یا لَا سے کہ یہ تصدیق طلب کی جا رہی ہے۔ وَلِذَا يَمْتَنِعُ مَعَهَا ذِكْرُ الْمُعَادِلِ، اور اسی وجہ سے ممتنع ہے اس هَلْ کے ساتھ معادل کا ذکر۔ هَلْ میں بھئی اس کے معادل کا ذکر نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ معادل آپ نے پڑھا تھا وہ برابر کا لفظ بھئی جن کے درمیان آپ تعیین طلب کر رہے ہیں۔ بھئی آپ نے پڑھا کہ جب ہمزہ کے ذریعے تصور کو طلب کیا جائے تو کس چیز کی تعیین مطلوب ہے، کس کی تعیین کو طلب کیا جا رہا ہے؟ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا مَسْؤُولٌ عَنْهُ وہ ہے یعنی جس کے بارے میں سوال پوچھا جا رہا ہے وہ ہے جو ہمزہ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ أَعَلِيٌّ، دیکھو ہمزہ کے ساتھ کیا لفظ ملا ہوا ہے؟ عَلِيٌّ، یہ مَسْؤُولٌ عَنْهُ ہے اس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے، اور اس کا ایک برابر کا لفظ وہ أَمْ کے بعد ذکر ہے وہ کیا ہے؟ أَمْ خَالِدٌ۔ تو علی اور خالد یہ دو برابر ہیں اس نسبت کے اندر، آپ کو اتنا پتہ ہے ان دو میں سے کوئی ایک مسافر ہے اب آپ صرف تعیین طلب کر رہے ہیں۔ تو ہمزہ کے بعد جو اسم آتا ہے یا جو چیز آتی ہے اس کا معادل، اس کے برابر کا لفظ أَمْ کے بعد ذکر ہوتا ہے، یعنی ان دو میں سے تعیین مطلوب ہوتی ہے بھئی۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی جب هَلْ کے ذریعے تصدیق کو طلب کیا جاتا ہے اور تصدیق کا پتہ کیسے چلے گا نَعَمْ یا لَا کے ساتھ اس کا جواب بتانا ہوگا تو یہاں اس کا معادل ذکر نہیں کیا جائے گا، یعنی أَمْ کے بعد اس کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ یہاں ذکر نہیں ہوگا۔ فَلَا يُقَالُ پس یہ نہیں کہا جائے گا: هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ أَمْ عَدُوُّكَ، کیا آپ کا دوست آیا ہے یا دشمن؟ یہ کہنا درست نہیں ہے بھئی۔

کیوں نہیں کہہ سکتے یہ؟ اس لیے کیونکہ معادل ذکر کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ تعیین کو طلب کر رہے ہیں۔ اور هَلْ آتا ہے طلب تصدیق کے لیے آپ نے پڑھا۔ تو جیسے ہی هَلْ آیا هَلْ نے بتلا دیا کس کو طلب کیا جا رہا ہے؟ تصدیق کو، اور آگے أَمْ متصلہ آگیا جس کے بعد معادل ذکر ہے، اور أَمْ متصلہ تو کس لیے آتا ہے؟ طلب تصور میں وہ ذکر ہوتا ہے پیچھے آپ ہمزہ کے اندر پڑھ چکے۔ تو هَلْ سے پتہ چل رہا ہے کہ تصدیق کو طلب کیا جا رہا ہے اور آگے أَمْ متصلہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ تصور کو طلب کیا جا رہا ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا جہاں تصور کی طلب ہوتی ہے معلوم ہوا تصدیق کا علم آپ کو پہلے سے ہے۔ تو یہاں هَلْ بتلا رہا ہے آپ کو تصدیق کا علم ہی نہیں ہے کیونکہ هَلْ کس لیے آتا ہے؟ طلب تصدیق کے لیے، اور أَمْ بتلا رہا ہے کہ آپ کو تصدیق کا علم پہلے سے ہے تو دونوں میں منافات ہے، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ هَلْ کس لیے آتا ہے؟ طلب تصدیق کے لیے، معلوم ہوا آپ کو تصدیق کا علم ہے ہی نہیں، اور أَمْ کس لیے آتا ہے؟ طلب تصور کے لیے، معلوم ہوا آپ کو تصدیق کا علم پہلے سے ہے۔ تو هَلْ نے بتلایا آپ کو تصدیق کا علم نہیں اور أَمْ سے پتہ چل رہا ہے آپ کو تصدیق کا علم ہے، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ یا تو آپ کو تصدیق کا علم پہلے سے ہوگا یا پہلے سے علم نہیں ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں ہی چیزیں ہوں آپ کو علم ہو بھی اور آپ کو علم نہ بھی ہو۔ تو لہٰذا دونوں میں منافات ہے، لہٰذا یہاں پر معادل کو ذکر کرنا صحیح نہیں یعنی أَمْ متصلہ کو استعمال کرنا صحیح نہیں بھئی۔ لہٰذا فَلَا يُقَالُ یہ نہیں کہا جا سکتا هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ أَمْ عَدُوُّكَ۔

یہ تو وہ صورت تھی جب ہم نے اس کو أَمْ متصلہ بنایا۔ ہاں اس کو أَمْ منقطعہ آپ بنا سکتے ہیں بھئی۔ کیا بنا سکتے ہیں؟ أَمْ منقطعہ بنا سکتے ہیں، مثلاً کیسے؟ فرق کیا بتلایا تھا أَمْ متصلہ اور منقطعہ میں؟ أَمْ منقطعہ کے بعد پورا جملہ آئے گا، تو لہٰذا مابعد میں پورا جملہ کر دو کلام صحیح ہو جائے گا: هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ أَمْ جَاءَ عَدُوُّكَ۔ اب أَمْ کے بعد معادل نہیں ذکر، ایک لفظ نہیں ذکر بلکہ پورا کلام ذکر ہے اور یہ أَمْ کون سا بن جائے گا؟ منقطعہ۔ معلوم ہوا آپ نے پہلے مخاطب کے دوست کے بارے میں پوچھا پھر اس سوال کو چھوڑ دیا کہ دوست کے بارے میں تو میں نے پوچھنا ہی نہیں تھا میں نے تو کس کے بارے میں پوچھنا تھا؟ اس کے دشمن کے بارے میں، تو لہٰذا وہ کلام چھوڑ کر دوسرا سوال آپ نے کر دیا تو یہ أَمْ منقطعہ ہوا۔ اور أَمْ منقطعہ وہ تو تصدیق کے اندر استعمال ہوتا ہے تو هَلْ بھی تصدیق کے لیے ہو جائے گا أَمْ منقطعہ بھی کس لیے ہے؟ تصدیق کے لیے، دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا یہاں أَمْ متصلہ کا استعمال تو صحیح نہیں أَمْ منقطعہ کا استعمال صحیح ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اور نیز یہ بھی یاد رکھیے هَلْ جس جملے پر داخل ہو اس کا مثبت ہونا بھی ضروری ہے، منفی کلام نہیں ہونا چاہیے۔ هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ کیا آپ کا دوست آگیا ہے؟ دیکھیے

مثبت کلام ہے، نفی لَا یامَا وغیرہ اس کلام میں نہیں۔ اگر لَا اور مَا ہو پھر هَلْ کا استعمال صحیح نہیں، هَلْ مَا جَاءَ صَدِيقُكَ یہ کہنا صحیح نہیں بلکہ کیا کہیں گے؟ هَلْ جَاءَ صَدِيقُكَ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَهَلْ تُسَمّٰى بَسِيطَةً إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُودِ شَيْءٍ فِي نَفْسِهِ، اور هَلْ جو ہے اس کو بسیطہ کہتے ہیں۔ بھئی یاد رکھیے اب تقسیم کر رہے ہیں آگے آپ کو بتائیں گے کہ هَلْ دو قسم پر ہے: ایک کو هَلْ بسیطہ کہتے ہیں اور ایک کو هَلْ مرکبہ کہتے ہیں۔ اتنا تو پتہ چل گیا آپ کو کہ هَلْ کے ذریعے نسبت کو طلب کیا جاتا ہے یعنی تصدیق کو طلب کیا جاتا ہے۔ پھر یہ دو قسم پر ہے: ایک هَلْ بسیطہ اور ایک هَلْ مرکبہ۔ هَلْ بسیطہ وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کے نفس وجود کے بارے میں پوچھا جائے: کیا یہ چیز موجود ہے، کیا یہ چیز خارج میں پائی جاتی ہے، خارج میں اس کا وجود بھی ہے یا نہیں؟ مثلاً آپ کسی سے پوچھتے ہیں هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ، کیا عنقا پرندہ موجود ہے یعنی کیا اس کا وجود پایا جاتا ہے، خارج میں اس کا وجود ہے؟

تو عنقا یاد رکھیے کہتے ہیں یہ ایک فرضی پرندہ ہے، حقیقت میں نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ ایک فرضی پرندہ ہے، ویسے ایک پرندہ فرض کر لیا گیا اور بہت بڑا پرندہ ہے کہتے ہیں جس کا ایک پر مشرق میں ہے تو ایک پر مغرب میں ہے، یعنی ساری دنیا کا ہی گویا اس نے احاطہ کیا ہوا ہے اتنا بڑا پرندہ ہے۔ تو یہ ایک فرضی ہے حقیقت سے اس کا تعلق نہیں ہے بھئی، تو یہ ہے عنقا۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ نہیں یہ حقیقت میں ایک پرندہ تھا اور حضرت صالح علیہ السلام کے زمانے میں اور اس سے پہلے زمانے میں یہ پرندہ پایا جاتا تھا بھئی، اور یہ بڑا پرندہ تھا یہ آتا تھا اور لوگوں کے بچے وغیرہ اٹھا کر لے جاتا تھا بھئی۔ خوراک وغیرہ کے طور پر ان بچوں کو بڑا پرندہ تھا تو بچے وغیرہ بھی جہاں موقع ملا اٹھا کر لے جاتا، تو لوگ بڑی تکلیف میں پڑ گئے، پریشانی میں اور حضرت صالح علیہ السلام کے پاس آئے دعا کی درخواست کی، تو حضرت صالح علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا کی اور اللہ تعالی نے اس پرندے کی نسل ہی کو ختم فرما دیا بھئی۔ تو یہ بعض نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں ایک بڑا پرندہ تھا بھئی۔

■ قولہ: «هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ» کی تشریح

تو اب کوئی شخص آپ سے پوچھتا ہے هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ، کیا عنقا موجود ہے یعنی کیا اس کا وجود پایا جاتا ہے، خارج میں یہ پرندہ ہوتا ہے؟ تو آپ جواب میں کیا کہتے ہیں؟ نَعَمْ یالَا، جو بھی سوال کے مطابق۔ تو یہ تو عنقا ویسے ایک مثال ذکر کر دی، کسی بھی چیز کے بارے میں آپ پوچھیں کہ اس کا وجود خارج میں ہے یا وجود خارج میں نہیں، تو یہ جو هَلْ جس کے ذریعے کسی چیز کے نفس وجود کے بارے میں پوچھا جائے کہ یہ چیز ہے یا چیز نہیں ہے، اس هَلْ کو هَلْ بسیطہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ هَلْ بسیطہ کہتے ہیں۔ اور دوسرا هَلْ مرکبہ۔ بھئی دیکھیے بسیط اس کو کہتے ہیں جس کے اجزاء نہ ہوں، یعنی دو یا تین چیزیں وہاں نہیں ہوں گی ایک ہی چیز ہو گی اس کے اجزاء نہیں ہوں گے۔ اور مرکب جس کے اجزاء ہوتے ہیں جو کئی چیزوں سے مل کر بنے۔ تو دیکھیے هَلْ بسیطہ میں ایک چیز کے نفس وجود کے بارے میں سوال کیا گیا، یہاں اجزاء ہیں ہی نہیں، نفس وجود کا سوال کیا گیا۔ کس طرح؟ کیا عنقا موجود ہے؟ تو عنقا اور اس کا وجود یہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں، عنقا پرندہ اور خارج میں عین اس کا وجود دیکھو یہ ایک چیز ہے یا نہیں؟ وہ خارج میں جو عین اس کا وجود ہے اسی کو عنقا کہتے ہیں یا کسی اور چیز کو کہتے ہیں؟ اسی کو کہتے ہیں، تو ایک ہی چیز کا گویا سوال ہو رہا ہے، کسی چیز کے وجود کا سوال پوچھ رہے ہیں کہ وہ چیز پائی جاتی ہے یا نہیں پائی جاتی تو وہاں اس کو کیا کہیں گے؟ هَلْ بسیطہ کیونکہ دونوں دراصل ایک ہی چیز ہیں یہاں اجزاء نہیں، دو چیزیں نہیں ہیں۔ عنقا اور ہو اس کا وجود الگ ہو پھر تو آپ کہیں گے دو چیزیں آگئیں سوال کے اندر، عنقا بھی آیا وجود بھی آیا، عنقا الگ چیز اس کا وجود الگ، لیکن یہاں تو دو چیزیں الگ آئیں ہی نہیں، عنقا جو ہے وہی تو ہے وہ جو خارج میں اس کا وجود ہے، تو آپ نے اسی کے بارے میں سوال کیا کہ عنقا کا خارج میں وجود ہے کہ وجود نہیں ہے، اس لیے اس کو هَلْ بسیطہ کہتے ہیں۔

جبکہ هَلْ مرکبہ میں دو چیزیں آئیں گی کیونکہ وہ مرکب ہو گا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ، کیا زید کھڑا ہے؟ تو دو چیزیں آ گئیں: زید الگ اور قَائِمٌ یعنی قیام الگ۔ دو چیزیں ہیں یا نہیں؟ تو دو الگ الگ چیزیں ہیں، تو آپ نے زید کے لیے قیام کا ثبوت ہے یا ثبوت نہیں اس کے بارے میں پوچھا تو دو الگ الگ چیزیں آئیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ هَلْ مرکبہ کہیں گے۔ هَلْ بسیطہ میں دو یا زیادہ چیزیں نہیں تھیں ایک ہی چیز تھی، اسی چیز کے وجود کے بارے میں پوچھا گیا تھا اور اس کا وجود وہ تو عین وہی چیز تو ہے کوئی اور الگ چیز تو نہیں ہے، تو وہ بسیط ہے یعنی اس میں دو یا زیادہ چیزیں نہیں، اجزاء نہیں ہیں، جبکہ هَلْ مرکبہ کے اندر دو یا زیادہ چیزیں ہوں گی، ایک چیز کا سوال ہو گا دوسری چیز کے لیے کہ یہ اس کے لیے ثابت ہے یا ثابت نہیں۔ هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ کیا زید کھڑا ہے؟ تو دیکھیے آپ نے زید کے لیے قیام کا ثبوت ہے یا ثبوت نہیں اس کے بارے میں پوچھا، تو زید الگ چیز ہے قیام الگ چیز ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

دیکھیے اب کتاب پر: وَهَلْ تُسَمّٰى بَسِيطَةً اور هَلْ جو ہے اس کو بسیطہ کہتے ہیں إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُودِ شَيْءٍ فِي نَفْسِهِ۔ إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا اگر پوچھا جائے، سوال کیا جائے بِهَا أَيْ بِهَلْ، ہا ضمیر کس کو راجع؟ هَلْ کو۔ اس کو بسیطہ کہیں گے اگر سوال کیا جائے اس هَلْ کے ذریعے عَنْ وُجُودِ شَيْءٍ کسی چیز کے وجود کا فِي نَفْسِهِ اپنی ذات کے اعتبار سے، کہ اپنی ذات کے اعتبار سے خارج میں عنقا کا وجود ہے یا وجود نہیں، نَحْوُ هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ کیا عنقا موجود ہے یعنی کیا اس کا وجود پایا جاتا ہے خارج میں؟ وَمُرَكَّبَةً، اس کا عطف ہے بَسِيطَةً پر، اور هَلْ کو مرکبہ کہتے ہیں إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُودِ شَيْءٍ لِشَيْءٍ۔ دیکھا یہاں دو چیزیں آ گئیں، اور هَلْ کو مرکبہ کہیں گے اگر پوچھا جائے بِهَا اس هَلْ کے ذریعے عَنْ وُجُودِ شَيْءٍ کسی چیز کے وجود کے بارے میں لِشَيْءٍ کسی دوسری چیز کے لیے، کہ کیا ایک چیز کا وجود ہے دوسری چیز کے لیے یا وجود نہیں ہے، اس کو هَلْ مرکبہ کہیں گے۔ بات یہ سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھئی؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا انسان کا خارج میں وجود ہے، هَلِ الْإِنْسَانُ مَوْجُودٌ؟ یہ هَلْ کون سا ہے؟ هَلْ بسیطہ ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور دوسرا هَلْ مرکبہ ہو گا اس میں نفس وجود کے علاوہ اور کوئی بھی بات پوچھی جائے گی وہ هَلْ مرکبہ ہو گا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کیا آپ کے پاس کاپی ہے؟ هَلْ کے ذریعے عربی میں سوال کرے کوئی یہ بھی مرکبہ۔ کیا زید آگیا ہے؟ یہ بھی اگر هَلْ سے سوال ہو کون سا ہو گا؟ مرکبہ۔ کیا آپ کا ساتھی آپ کے پاس ہے؟ دیکھو یہ بھی اگر هَلْ سے سوال ہو گا کون سا ہو گا؟ هَلْ مرکبہ، کیونکہ نفس وجود کا جو سوال ہو صرف اس میں وہ هَلْ بسیطہ کہلائے گا باقی سب صورتوں میں کیا کہلائے گا؟ مرکبہ کہلائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں هَلْ کو مرکبہ کہیں گے إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُودِ شَيْءٍ لِشَيْءٍ اگر پوچھا جائے اس هَلْ کے ذریعے ایک چیز کے وجود کو دوسری چیز کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر: هَلْ تَبِيضُ الْعَنْقَاءُ وَتُفَرِّخُ؟ بھئی اس مثال پر توجہ رکھنا بھئی: هَلْ تَبِيضُ الْعَنْقَاءُ وَتُفَرِّخُ۔ بَاضَ يَبِيضُ کے معنی انڈے دینا اور فَرَّخَ يُفَرِّخُ کے معنی چوزے والا ہونا۔ هَلْ تَبِيضُ الْعَنْقَاءُ وَتُفَرِّخُ، کیا عنقا انڈے دیتا ہے اور چوزوں والا ہوتا ہے؟ یہ لفظی ترجمہ صحیح بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ایک شخص آپ سے پوچھتا ہے هَلْ تَبِيضُ الْعَنْقَاءُ وَتُفَرِّخُ کیا عنقا انڈے دیتا ہے اور چوزوں والا ہوتا ہے؟ آپ جواب میں کہیں گے نَعَمْ یا جواب میں کہیں گے لَا۔ یعنی گویا پوچھنے والا یہ پوچھ رہا ہے کیا عنقا کی نسل آگے چلتی ہے یعنی انڈے اور چوزے اس کے ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے؟ آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ نَعَمْ یا کیا کہیں گے؟ لَا کہیں گے۔ تو یہ تصدیق کے لیے هَلْ آیا کیونکہ هَلْ آتا ہی کس لیے ہے؟ تصدیق کے لیے۔ یہ واؤ کو أَوْ نہ پڑھنا بھئی، أَوْ پڑھیں گے تو بات ہی ساری غلط ہو جائے گی پھر تو معنی بن جائے گا هَلْ تَبِيضُ الْعَنْقَاءُ أَوْ تُفَرِّخُ کیا عنقا انڈے دیتا ہے یا چوزوں والا ہوتا ہے؟ پھر تو آپ تعیین کو طلب کر رہے ہیں اور هَلْ ہے، هَلْ تو تعیین کے لیے، تصور کی طلب کے لیے نہیں آتا بلکہ کس لیے آتا ہے؟ تصدیق کی طلب کے لیے آتا ہے بھئی، تو یہ واؤ ہے بھئی۔ معنی اچھی طرح سمجھ میں آگیا بھئی؟ اس سوال کا مقصد کیا ہے هَلْ تَبِيضُ الْعَنْقَاءُ وَتُفَرِّخُ؟ یعنی کیا اس کی نسل آگے چلتی ہے، انڈوں اور چوزوں والا وہ ہوتا ہے؟ تو جواب میں کیا آئے گا نَعَمْ یا لَا۔ اور اگر اس کو أَوْ پڑھیں پھر تو یہ طلب تصور بن جائے گا، گویا اتنا آپ کو پتہ ہے کہ اس کی نسل آگے چلتی ہے لیکن یہ نہیں پتہ انڈے ہوتے ہیں یا چوزے یعنی بچے ہوتے ہیں، تو پھر یہ درست نہ رہے گا۔

وَمَا يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الِاسْمِ، اور مَا جو ہے اس کے ذریعے کسی اسم کی شرح کو طلب کیا جاتا ہے۔ بھئی ہمزہ کی بات بھی گزر گئی هَلْ کی بات بھی گزر گئی۔ ہمزہ طلب تصور اور طلب تصدیق دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، هَلْ صرف طلب تصدیق کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ باقی ادوات جو پیچھے ذکر ہوئے تھے اور جن کا آگے ذکر آرہا ہے ان کی تفصیل آرہی ہے بھئی۔ کیا کیا مثلاً پیچھے گزرے تھے؟ مَا، مَنْ، مَتٰى، أَيَّانَ، كَيْفَ، أَيْنَ، أَنّٰى، كَمْ، أَيٌّ وغیرہ، یہ سارے طلب تصور کے لیے آتے ہیں۔ ہمزہ ہے دونوں کی طلب کے لیے تصور اور تصدیق دونوں کی، هَلْ ہے صرف تصدیق کی طلب کے لیے، جبکہ اب باقی جتنے ذکر ہوں گے یہ سارے طلب تصور کے لیے آئیں گے۔ اور طلب تصور کا کیا معنی ہے؟ کہ آپ کو تصدیق کا علم پہلے سے ہے آپ صرف کیا چاہتے ہیں؟ تعیین چاہتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَمَا يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الِاسْمِ» کی تشریح

تو لہٰذا اب باقیوں کا بیان شروع ہوا مَا بھئی۔ وَمَا يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الِاسْمِ، اور مَا جو ہے طلب کیا جاتا ہے بِهَا، ہا ضمیر مَا کو راجع، مَا کے ذریعے شَرْحُ الِاسْمِ کس چیز کو؟ اسم کی شرح کو۔ اسم سے مراد ہے کلمہ۔ اسم سے مراد وہ اسم نہیں ہے جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آئے بلکہ اسم سے کیا مراد ہے؟ کلمہ۔ مَا کے ذریعے کسی کلمے کی شرح کو یعنی اس کے معنی کو طلب کیا جاتا ہے چاہے معنی لغوی پوچھا جائے یا معنی اصطلاحی پوچھا جائے۔ آپ جانتے ہیں ایک معنی لغوی ہوتا ہے ایک معنی اصطلاحی کسی خاص علم، کسی خاص اصطلاح کے اندر اس کا معنی ہوتا ہے۔ تو چاہے کوئی بھی معنی پوچھا جائے، شرح سے کیا مراد ہے؟ اسم کا معنی، اس کی تفسیر اس کو پوچھا جاتا ہے۔ تو کسی بھی کلمے کا آپ معنی جاننا چاہتے ہیں تو کس کے ذریعے سوال کریں گے؟ مَا کے ذریعے۔ مثلاً کوئی پوچھتا ہے مَا الْإِنْسَانُ؟ اور مقصد کیا ہے، کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ انسان لفظ کا معنی پوچھنا چاہتا ہے، تو اس کے لیے مَا استعمال ہو گا اور اس کو کہیں گے مَا شارحہ۔ کیا کہیں گے؟ مَا شارحہ جس کے ذریعے کسی اسم کی شرح کو طلب کیا جاتا ہے یعنی اس کے معنی کو پوچھا جاتا ہے، معنی طلب کیا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَمَا يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الِاسْمِ اور مَا جو ہے طلب کیا جاتا ہے اس کے ذریعے اسم کی شرح کو یعنی اس کے معنی کو اور اس کی تفسیر کو، نَحْوُ مثال کے طور پر مَا الْعَسْجَدُ؟ کوئی پوچھتا ہے آپ سے مَا الْعَسْجَدُ، معلوم ہوا وہ عَسْجَد لفظ کا معنی پوچھ رہا ہے، تو جواب میں آپ کہیں گے هُوَ ذَهَبٌ۔ کیا کہیں گے؟ هُوَ ذَهَبٌ، سونا ہے، یعنی عَسْجَد سونے کو کہتے ہیں بھئی، سونا جو ہے اس کو عَسْجَد کہتے ہیں عربی زبان میں۔ اور اسی طرح کوئی پوچھتا ہے أَوِ اللُّجَيْنُ أَيْ مَا اللُّجَيْنُ، لُجَيْن کیا چیز ہے؟ معلوم ہوا وہ معنی پوچھ رہا ہے لُجَيْن کا اس کو معنی کا پتہ نہیں ہے، جواب میں آپ کہتے ہیں هُوَ فِضَّةٌ۔ لُجَيْن کسے کہتے ہیں؟ چاندی کو کہتے ہیں عربی زبان میں۔ تو عَسْجَد سونے کا نام ہے اور لُجَيْن چاندی کو کہتے ہیں بھئی۔

أَوْ حَقِيقَةُ الْمُسَمّٰى، اس کا عطف ہے شَرْحُ الِاسْمِ پر۔ شَرْحُ الِاسْمِ کو ذرا اٹھائیں اس کی جگہ حَقِيقَةُ الْمُسَمّٰى رکھیں: وَمَا يُطْلَبُ بِهَا حَقِيقَةُ الْمُسَمّٰى، اور مَا اس کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ مسمی کی حقیقت کو طلب کیا جاتا ہے۔ تو پورا کلام کیا ہوا: وَمَا يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الِاسْمِ أَوْ حَقِيقَةُ الْمُسَمّٰى، مَا جو ہے اس کے ذریعے اسم کی شرح کو طلب کیا جاتا ہے یا مسمی کی حقیقت کو طلب کیا جاتا ہے۔ بھئی ایک ہوتا ہے اسم ایک ہوتا ہے مسمیٰ۔ جیسے آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام ہے زید، تو یہ زید ہوا اسم اور ذات زید ہوئی مسمیٰ۔ میں جیسے ہی زید کہتا ہوں اس کی ذات آپ کے ذہن میں فوراً آجاتی ہے، اس کا تصور آپ کے ذہن میں آجاتا ہے۔ تو میں

نے تو صرف نام لیا، اسم لیا اور آپ کے ذہن میں اس کا مسمیٰ آگیا۔ کون آگیا؟ مسمیٰ آگیا یعنی جس کا وہ نام ہے۔ بھئی دیکھیے یہ کتاب جس میں آپ سبق پڑھ رہے ہیں، اردو میں بھی عربی میں بھی اس کو کیا کہتے ہیں؟ کتاب۔ اب میں زبان سے کہتا ہوں کتاب، میں نے تو ایک لفظ بولا لیکن جیسے ہی لفظ زبان پر آیا آپ کے ذہن میں اس مسمیٰ، یہ جس کا نام کتاب ہے فوراً آپ کے ذہن میں یہ آگئی۔ تو اسم کیا ہے؟ اسم تو وہ لفظ ہے اور مسمیٰ اس کی ذات ہے، جس چیز کا وہ نام ہے بھئی وہ کیا ہو گا؟ مسمیٰ ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اچھا انہوں نے کیا کہا کہ مَا کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ کسی اسم کی شرح کو طلب کیا جاتا ہے یا مسمیٰ کی حقیقت کو۔ بھئی اسم کی تو شرح ہو گی، اسم تو لفظ کا نام ہے اس لفظ کا معنی ذکر ہو گا، اور مسمیٰ کی تو حقیقت کے بارے میں سوال ہو گا۔ مثلاً وہی مثال دیکھو: مَا الْإِنْسَانُ؟ اگر میں اس کے ذریعے انسان لفظ کا معنی پوچھ رہا ہوں، ذات انسان کو نہ دیکھیں لفظ انسان کی اگر شرح طلب کر رہا ہوں تو معنی یہ کہ یہ جو لفظ انسان ہے اس کا کیا معنی ہوتا ہے، یہ کس کو کہتے ہیں یہ میں پوچھ رہا ہوں۔ اور اگر میں اس کے ذریعے کیا کر رہا ہوں؟ حقیقت مسمیٰ پوچھ رہا ہوں تو پھر میں اس لفظ کا معنی نہیں پوچھ رہا، یہ جس ذات کو کہتے ہیں، یہ انسان جس ذات کا نام ہے اس کی حقیقت کیا ہے، اس کی ماہیت کیا ہے میں اس کا سوال کر رہا ہوں۔ تو اس مَا کے ذریعے اسم کی شرح کو بھی طلب کیا جاتا ہے اور کبھی اسی مَا کے ذریعے اس اسم کا جو مسمیٰ ہوتا ہے اس کی حقیقت کو بھی طلب کیا جاتا ہے۔ مَا الْإِنْسَانُ، مَا کے ساتھ تو اسم ذکر ہے لیکن میں اس اسم کا معنی نہیں پوچھ رہا بلکہ اس اسم کا جو مسمیٰ ہے جس کا یہ نام ہے، جس کو انسان کہتے ہیں اس کی حقیقت پوچھ رہا ہوں، تو مثلاً جواب میں آپ کیا کہیں گے؟ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ بھئی۔ اگر مثلاً میں نے کیا پوچھا انسان کی شرح پوچھی مَا الْإِنْسَانُ انسان کسے کہتے ہیں، حقیقت نہیں پوچھ رہا لفظ کا معنی پوچھ رہا ہوں تو آپ کچھ بھی جواب دے دیں جس سے کچھ نہ کچھ وضاحت ہو جائے، مثلاً آپ کہہ دیں انسان ایک مخصوص جاندار کا نام ہے، بس جواب ہو گیا۔ میں نے بھی کیا پوچھا تھا؟ انسان کسے کہتے ہیں مَا الْإِنْسَانُ، آپ تھوڑی سی وضاحت کر دیں بس جواب ہو گیا جیسے آپ نے کیا کہا جواب میں کہ انسان ایک مخصوص جاندار کا نام ہے، اور اگر پوری تعریف کر دیں وہ بھی ٹھیک ہے۔ اور اگر میں پوچھوں مَا الْإِنْسَانُ اور مقصد میرا کیا ہے؟ مسمیٰ کی حقیقت پوچھ رہا ہوں تو جواب میں آپ کو صرف کیا کہنا پڑے گا؟ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ کہ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ حیوان ناطق ہے بھئی۔ تو اب یہ حیوان ناطق یہ انسان کی حقیقت ہے بھئی۔ تو اس کو کہیں گے مَا حقیقیہ۔ جس کے ذریعے اسم کی شرح کو طلب کیا جائے اسے کہتے ہیں مَا شارحہ، اور جس مَا کے ذریعے مسمیٰ کی حقیقت کو طلب کیا جائے اسے کہتے ہیں مَا حقیقیہ بھئی۔

تو کہتے ہیں أَوْ حَقِيقَةُ الْمُسَمّٰى یا اس مَا کے ذریعے طلب کیا جائے گا مسمیٰ کی حقیقت کو، نَحْوُ مَا الْإِنْسَانُ جیسے مَا الْإِنْسَانُ اس مَا کے ذریعے حقیقت انسان کو طلب کیا گیا۔ أَوْ حَالُ الْمَذْكُورِ مَعَهَا، یا اس مَا کے ذریعے طلب کیا جائے گا حَالُ الْمَذْكُورِ حال اس چیز کا جو ذکر کی گئی ہے مَعَهَا أَيْ مَعَ مَا، ہا ضمیر کس کو راجع؟ مَا کو۔ اس چیز کے حال کو پوچھا جائے گا الْمَذْكُورِ مَعَهَا جو ذکر کیا گیا ہے کس کے ساتھ؟ مَا کے ساتھ، كَقَوْلِكَ لِقَادِمٍ عَلَيْكَ۔ قَادِم کا کیا معنی؟ آنے والا، قُدُوم کا معنی ہوتا ہے آنا۔ تو كَقَوْلِكَ لِقَادِمٍ عَلَيْكَ جیسے کہ آپ کا کہنا آپ کے پاس آنے والے سے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور آپ اس آنے والے سے کہتے ہیں: مَا أَنْتَ؟ آپ کیا ہیں؟

اب دیکھیے حَالُ الْمَذْكُورِ مَعَهَا اس چیز کا حال جو مَا کے ساتھ ذکر ہے اس کے حال کو طلب کیا جاتا ہے کس کے ذریعے؟ مَا کے ذریعے۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ مَا کے ذریعے کبھی کیا کیا جائے گا؟ کسی اسم کی شرح کو طلب کیا جائے گا، کبھی مَا کے ذریعے کیا کیا جائے گا؟ مسمیٰ کی حقیقت کو طلب کیا جائے گا، اور کبھی مَا کے ذریعے وہ لفظ جو مَا کے ساتھ ذکر ہے جیسے مَا أَنْتَ، مَا کے ساتھ کون سا لفظ ذکر ہے؟ أَنْتَ، اس أَنْتَ جو مَا کے ساتھ ذکر ہے اس کے حال کو پوچھا جائے گا۔ تو اب آپ مَا أَنْتَ کے ذریعے أَنْتَ لفظ کی شرح بھی نہیں پوچھ رہے، آپ اس مَا کے ذریعے یہ جو ساتھ أَنْتَ ذکر ہے اس کی حقیقت بھی نہیں پوچھ رہے بلکہ أَنْتَ کے حال کو پوچھ رہے ہیں، اس کے وصف کو پوچھ رہے ہیں: مَا أَنْتَ آپ کیا ہیں، یعنی عالم ہیں یا تاجر ہیں یا اس طرح کی کوئی بھی بات آپ پوچھ رہے ہیں، کوئی بھی حال پوچھ رہے ہیں۔ کس کا حال پوچھ رہے ہیں؟ الْمَذْكُورِ مَعَهَا جو مَا کے ساتھ لفظ ذکر کیا گیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں دیکھیے أَنْتَ کے میں نے حال کو پوچھا مَا أَنْتَ آپ کیا ہیں، تو آپ جواب میں کہیں گے عَالِمٌ یا کوئی جواب میں مثلاً کیا کہے گا تَاجِرٌ وغیرہ جو بھی موقع محل کے مطابق بھئی جواب ہوا۔ معلوم ہوا مَا کے ذریعے اسم کی شرح کو بھی طلب کیا جا سکتا ہے اس کو مَا شارحہ کہتے ہیں، مَا کے ذریعے مسمیٰ کی حقیقت کو بھی طلب کیا جا سکتا ہے اس کو مَا حقیقیہ کہتے ہیں، اور اسی طرح مَا کے ذریعے جو لفظ اس کے ساتھ ذکر ہے اس کے حال کو بھی پوچھا جا سکتا ہے، اس کا بھی سوال کیا جا سکتا ہے۔

اب دیکھیے ہمارے پاس چار چیزیں آگئیں، هَلْ بھی دو قسم پر مَا بھی دو قسم پر: ایک هَلْ بسیطہ، ایک هَلْ مرکبہ، ایک مَا شارحہ، ایک مَا حقیقیہ، تو یہ چار چیزیں ہوئیں۔ ان میں یاد رکھیے پھر علمائے منطق آپ نے منطق میں پڑھا ہو گا وہ ترتیب بھی بیان کرتے ہیں کہ پہلے کس سے سوال ہوتا ہے پھر کس کو استعمال کیا جاتا ہے پھر کس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ تو سب سے پہلے مَا شارحہ سے سوال ہوتا ہے۔ کس کے ذریعے؟ مَا شارحہ کے۔ کوئی لفظ آپ کے سامنے آتا ہے آپ سب سے پہلے اس لفظ کا معنی دوسرے سے پوچھتے ہیں اس لفظ کا کیا معنی ہے، مَا الْعَنْقَاءُ عنقا کسے کہتے ہیں؟ جب آپ کو اس کے معنی کا پتہ چل گیا کہ یہ ایک بڑا پرندہ ہے، پھر اب آپ سوال کرتے ہیں هَلْ بسیطہ کے ذریعے: هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ کیا عنقا کا خارج میں وجود پایا جاتا ہے؟ پھر آپ کو مثلاً پتہ چلا ہاں خارج میں بھی پایا جاتا ہے۔ اب آپ اس کی حقیقت کے بارے میں پوچھتے ہیں اور حقیقت کا سوال کس سے ہو گا؟ مَا حقیقیہ کے ذریعے: مَا الْعَنْقَاءُ عنقا کی حقیقت کیا ہے؟ تو دوسرا آپ کو حقیقت بتلائے گا۔ پھر جب حقیقت کا بھی پتہ چل گیا اب آپ باقی باتوں کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا یہ انڈے چوزے دیتا ہے، کیا اس کی نسل آگے چلتی ہے، اس کا رنگ کس طرح کا ہوتا ہے، یہ کتنا بڑا ہوتا ہے کتنا چھوٹا ہوتا ہے وغیرہ، وہ پھر بعد کی باتیں ہیں بھئی۔ اور وہ کس کے ذریعے ہو گا؟ هَلْ مرکبہ کے ذریعے۔

توسب سے پہلے کس کے ذریعے سوال ہوتا ہے؟مَا شارحہ کے ذریعے،اور پھر اس کے بعدهَلْ بسیطہ کے ذریعے سوال ہوتا ہے،اس کے بعدمَا حقیقیہ کے ذریعے سوال ہو گااور سب سے آخر میں هَلْ مرکبہ کے ذریعے۔تفصیل بھی سمجھ میں آئی کہ ساری اوپر سے گزر گئی؟اتنی لمبی تقریر حالانکہ یہ مختصر مقام تھامیں نے کہاخوب وضاحت ہو جائے اتنی تفصیل بیان کی۔توهَلْ کتنی قسم پر؟بسیطہ اور مرکبہ۔بسیطہ کے ذریعے نفس وجود کاسوال ہوتا ہے اور مرکبہ کے ذریعے کسی وصف وغیرہ کاسوال ہوتا ہے۔اورمَا کے ذریعے شرح اسم کو طلب کیا جائے گا یا حقیقت مسمی کو طلب کیا جائے گا۔توترتیب کیا ہے؟سب سے پہلےمَا شارحہ ہے،پھرهَلْ بسیطہ ہے،پھرمَا حقیقیہ ہے،پھرهَلْ مرکبہ ہے۔مَا شارحہ سب سے پہلے،کوئی لفظ آپ کے سامنے آیاسب سے پہلے کیا کریں گے؟اس لفظ کے معنی کا آپ کو پتہ چلناچاہیے تومَا شارحہ سے سوال کریں گے،پھر اس کے بعد آپ پوچھیں گے کہ اس کا خارج میں وجود ہے یاخارج میں وجود نہیں اور وہ سوال کس کے ذریعے ہوتا ہے؟هَلْ بسیطہ کے ذریعے،پھر اس کے بعد جب آپ کو پتہ چل گیا کہ خارج میں بھی پایا جاتا ہے تو پھر اب آپ سوال کریں گے اس کی حقیقت کے بارے میں اس کی حقیقت کیا ہے ماہیت کیا ہے اور وہ کس کے ذریعے سوال ہو گا؟مَا حقیقیہ کے ذریعے،اور پھر جب حقیقت کا بھی پتہ چل گیااب آپ باقی اوصاف اور باقی باتوں کے بارے میں پوچھیں گے اور وہ کس کے ذریعے سوال ہو گا؟هَلْ مرکبہ کے ذریعے بھئی۔چلیے بس بھئی،هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۱: بقیہ ادواتِ استفہام: «مَنْ»، «مَتَى»، «أَيَّانَ»، «كَيْفَ»، «أَيْنَ»، «أَنَّى»، «كَمْ» اور «أَيّ» کی تفصیل

دروس البلاغہ صفحہ: ۳۵ــــ بتاریخ: ۱۴ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمَنْ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الْعُقَلَاءِ كَقَوْلِكَ مَنْ فَتَحَ مِصْرَ، وَمَتَى يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الزَّمَانِ مَاضِيًا كَانَ أَوْ مُسْتَقْبَلًا نَحْوُ مَتَى جِئْتَ وَمَتَى تَذْهَبُ، وَأَيَّانَ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبَلِ خَاصَّةً وَتَكُونُ فِي مَوْضِعِ التَّهْوِيلِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

استفہام کی بحث چل رہی ہے۔ آپ نے پڑھا کہ استفہام جو ہے وہ کسی چیز کے علم کو طلب کرنا، کسی چیز کے جاننے کو طلب کرنا، اور اس کے بہت سے ادوات ہیں جیسے ہمزہ ہے، ہَلْ ہے، مَا، مَنْ، مَتَى وغیرہ۔ اور ان میں سے بعض طلب تصور اور تصدیق دونوں کے لیے آتے ہیں اور وہ صرف ہمزہ ہے۔ بعض صرف طلب تصدیق کے لیے آتے ہیں اور وہ ہَلْ ہے۔ جبکہ باقی جتنے ہیں وہ طلب تصور کے لیے آتے ہیں۔ تو جو انہی باقیوں کا بیان ہم نے کل پڑھنا شروع کیا تھا۔ کل سب سے پہلے مَا کے بارے میں پڑھا کہ مَا کے ذریعے کسی اسم کی شرح کو بھی طلب کیا جاتا ہے، اور حقیقت مسمی کو بھی طلب کیا جاتا ہے، اور وہ لفظ جو مَا کے ساتھ ذکر ہو اس کے حال کو بھی مَا کے ذریعے طلب کیا جاتا ہے بھئی۔

اب مَنْ کے بارے میں آپ کو بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَمَنْ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الْعُقَلَاءِ، اور مَنْ جو ہے اس کے ذریعے عقلاء کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے۔ کس کی تعیین کو؟ عقلاء کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیے عقلاء یعنی ذوی العقول، عقل والے جو ہیں وہ تین قسم کے ہیں بھئی، تین قسم ہیں: انسان، جنات اور فرشتے۔ انسان، جنات اور فرشتے، یہ ہیں ذوی العقول بھئی، ذوی العقول عقل والے۔ تو انہوں نے کہا کہ مَنْ جو ہے اس کے ذریعے عقلاء کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے یعنی ذوی العقول کی، كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول مَنْ فَتَحَ مِصْرَ، کس نے مصر کو فتح کیا؟ کس نے مصر کو فتح کیا؟

اور تو یہاں آپ تعیین کا سوال کر رہے ہیں، يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الْعُقَلَاءِ، تعیین چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا اصل نسبت کا آپ کو پہلے سے علم ہے۔ اتنا آپ کو پہلے سے علم ہے کہ مصر کو فتح کیا ہے کسی نے، لیکن کس نے کیا ہے وہ تعیین آپ چاہتے ہیں تو آپ نے مَنْ کے ساتھ سوال کیا مَنْ فَتَحَ مِصْرَ۔ تو مثلاً جواب میں کیا آئے گا؟ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، صحابیِ رسول جو فاتح مصر ہیں بھئی۔

تو مَنْ جو ہے انہوں نے آپ سے کیا کہا، کیا بتلایا انہوں نے کہ اس کے ذریعے عقلاء کی یعنی ذوی العقول کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیے یہاں پر عقلاء بمعنی ذوی العلوم کے ہے۔ عقلاء کس معنی میں ہے؟ ذوی العلوم کے معنی میں ہے، تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی شامل ہو جائے۔ کیونکہ اللہ کی ذات کے بارے میں بھی مَنْ کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے جیسے قبر میں سوال ہو گا مَنْ رَبُّكَ؟ مَنْ رَبُّكَ؟ تو آپ کا، آپ کے رب کون ہیں بھئی؟ تو یہ مَنْ کے ذریعے کس کے بارے میں سوال ہوا؟ ذات باری تعالیٰ کے بارے میں۔ تو عقلاء کس معنی میں ہوا یہاں؟ ذوی العلوم کے معنی میں ہوا۔ بھئی یہ ذوی العلوم کے معنی میں اس لیے لینا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر عاقل کا اطلاق صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر عاقل کا اطلاق صحیح نہیں، اس لیے کیونکہ اللہ کے لیے اگر عقل کو مانا جائے تو ذات باری تعالیٰ کا مرکب ہونا لازم آئے گا، اور جو چیز مرکب ہوتی

ہے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہو سکتی، جبکہ اللہ کی ذات اور اللہ کی صفات قدیم ہیں بھئی۔ جو چیز عاقل ہو گی وہ مرکب ہو گی اور جو مرکب ہے وہ محتاج ہے اور جو محتاج ہے وہ قدیم نہیں ہو سکتا وہ حادث ہو گا بھئی۔

بات سمجھ میں آئی بھئی؟ تو اللہ کی ذات پر عاقل کا اطلاق صحیح نہیں۔ ہاں، عالم کا اطلاق صحیح ہے اللہ کی ذات پر۔ آپ بھی کہتے ہیں اللہ عَالِمُ الْغَيْبِ ہیں، اللہ کیا ہیں؟ عَالِمُ الْغَيْبِ ہیں، تو دیکھو عالم کا اطلاق صحیح۔ تو یہاں ذوی العقول کس معنی میں ہوا؟ ذوی العلوم کے معنی میں تاکہ ذات باری تعالی کو بھی شامل ہو جائے۔ اور وجہ میں نے کیا ذکر کی؟ عاقل کا اطلاق کیوں نہیں ہو سکتا اللہ تعالی کی ذات پر؟ کیونکہ جس چیز کے لیے عقل آپ مانیں گے اس کا مرکب ہونا لازم آئے گا اور جو چیز مرکب ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے۔ حادث، حا الف دال ثا بھئی ثا، حادث ہوتی ہے وہ قدیم نہیں۔

حادث اور قدیم یاد رکھیے یہ اصطلاحی الفاظ ہیں۔ تو قدیم کا معنی پرانا نہیں، یہ تو عام اردو کا معنی ہے پرانا، اصطلاحی لفظ ہے قدیم۔ قدیم اسے کہتے ہیں جس پر کبھی عدم نہ آیا ہو۔ جس پر کبھی بھی عدم نہیں آیا یعنی کبھی بھی کوئی زمانہ، کوئی وقت ایسا نہیں تھا کہ اس کا وجود نہ ہو۔ اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے، اسی طرح اللہ کی صفات بھی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی بھئی۔ تو اللہ کی ذات قدیم ہے۔ اور حادث جس پر عدم آیا ہو، ایک وقت یا ایک زمانہ ایسا تھا جس میں اس چیز کا وجود نہ ہو بھئی۔ تو اللہ کی ذات اور صفات کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں کائنات کے اندر وہ سب حادث ہیں، چاہے فرشتے ہیں، چاہے آسمان ہیں، چاہے زمین ہے، چاہے انسان و حیوانات جو بھی ہیں، سب کیا ہیں؟ حادث ہیں بھئی۔ تو اللہ کی ذات قدیم ہے، اور تو اللہ پر عاقل کا اطلاق صحیح نہیں ورنہ اللہ تعالی کی ذات کا مرکب ہونا لازم آئے گا۔ اور جو مرکب ہو گا وہ محتاج ہو گا۔ مرکب وہ ہو گا جس کے اجزاء ہوں، کیا ہوں؟ اجزاء ہوں۔ معلوم ہوا اجزاء ملیں گے تو وہ ذات بنے گی، وہ اجزاء نہیں تو وہ ذات بھی نہیں، تو محتاج ہو گئی نا۔ عاقل جو ہو گا وہ کیا ہو گا؟ محتاج ہو گا، اور اللہ کی ذات تو کسی کی محتاج نہیں، اللہ کی ذات قدیم ہے بھئی۔

■ قولہ: «مَنْ فَتَحَ مِصْرَ» کی تشریح

اور یہاں پر آیا مَنْ فَتَحَ مِصْرَ۔ یاد رکھیے یہ مصر ملک مصر مراد ہے اور یہ نام مِصْرَ یہ غیر منصرف ہے بھئی، غیر منصرف۔ مَنْ فَتَحَ مِصْرَ، اگر منصرف ہوتا تو مَنْ فَتَحَ مِصْرًا ہونا چاہیے تھا، تو یہ غیر منصرف ہے مَنْ فَتَحَ مِصْرَ۔ اور غیر انصراف کے دو اسباب کیا ہیں یہاں پر بھئی؟ ایک تو علمیت ہے، یہ نام ہے ملک کا، علم ہے، اور دوسرا؟ جی تانیث ہے، تانیث۔ تانیث اس میں کس طرح؟ بُقْعَةٌ کی تاویل میں۔ با، قاف دو نقطوں والا، عین اور گول تا، بُقْعَةٌ۔ بقعہ کہتے ہیں زمین کے ٹکڑے کو، زمین کے حصے کو۔ تو مصر ملک جو ہے وہ بھی کیا ہے؟ زمین کا ایک حصہ ہے، ایک ٹکڑا ہے، تو وہ بُقْعَةٌ ہوا۔ اور بُقْعَةٌ کے اندر تو کیا آ رہی ہے؟ تائے تانیث آ رہی ہے، تو یہ بُقْعَةٌ کی تاویل میں اس اعتبار سے اس میں تانیث ہے۔ تو تانیث اور علمیت دو اسباب جمع ہوئے اس لیے یہ لفظ کیا ہوا؟ غیر منصرف ہوا۔

وَمَتَى يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الزَّمَانِ مَاضِيًا كَانَ أَوْ مُسْتَقْبَلًا، اور مَتَى جو ہے اس کے ذریعے زمانے کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے، مَاضِيًا كَانَ أَوْ مُسْتَقْبَلًا چاہے وہ زمانہ ماضی کا ہو یا مستقبل کا ہو۔ نَحْوُ مَتَى جِئْتَ، آپ کب آئے؟ دیکھو ماضی کا صیغہ ہے، کون سے زمانے کی تعیین طلب کی جا رہی ہے؟ زمانہ ماضی کی کہ آپ کب آئے بھئی، مثلاً صبح آئے تھے یا رات کو آئے تھے یا کل آئے تھے، تعیین طلب کی جا رہی ہے۔ وَمَتَى تَذْهَبُ، آپ کب جائیں گے؟ دیکھو کون سے زمانے کی تعیین طلب کی جا رہی ہے؟ مستقبل کی کہ مثلاً دوپہر کو جائیں گے یا شام کو جائیں گے یا اگلے دن صبح جائیں گے، وہ تعیین طلب کی جا رہی ہے اور زمانہ مستقبل کے اندر بھئی۔ تو مَنْ کے ذریعے عقلاء کی تعیین کا سوال ہوتا ہے اور مَتَى کے ذریعے زمانے کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے چاہے وہ زمانہ ماضی ہو چاہے زمانہ مستقبل ہو بھئی۔

وَأَيَّانَ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبَلِ خَاصَّةً، اور أَيَّانَ جو ہے اس کے ذریعے طلب کیا جاتا ہے خاص طور پر مستقبل کے زمانے کی تعیین کو۔ خاص طور پر زمانہ مستقبل کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے، مثلاً آپ پوچھتے ہیں جیسے انہوں نے حاشیے میں مثال دی ہے، جی أَيَّانَ يُثْمِرُ هٰذَا الشَّجَرُ؟ أَيَّانَ يُثْمِرُ کب پھل دے گا هٰذَا الشَّجَرُ یہ درخت؟ يا هٰذَا الْغِرْسُ یہ جو پودا جس کو گاڑا گیا ہے، لگایا گیا ہے، تو کب پھل دے گا؟ تو دیکھیے زمانے کے بارے میں سوال کیا گیا أَيَّانَ کے ذریعے، اور زمانہ بھی کون سا ہے؟ مستقبل والا ہے، تو اس کے ذریعے مستقبل کے زمانے کی تعیین کا سوال ہوتا ہے۔

وَتَكُونُ فِي مَوْضِعِ التَّهْوِيلِ، اور یہ تہویل کے مقام میں آئے گا، كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے اللہ تعالی کا قول ہے يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ۔ تہویل کہتے ہیں ہولناک بھئی، ہولناکی۔ کوئی ہولناک چیز ہو اس کے بارے میں اس کے ذریعے سوال کیا جائے گا بھئی۔ ہولناک چیز ہو تو اس کے بارے میں بھئی، کوئی بڑی چیز ہو، باعظمت چیز ہو اس کے لیے أَيَّانَ کے ذریعے سوال ہو گا۔ جیسے قرآن میں کیا آیا؟ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، انسان پوچھتا ہے، اللہ فرما رہے ہیں يَسْأَلُ انسان پوچھتا ہے، سوال کرتا ہے أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ کب ہو گا قیامت کا دن؟ تو أَيَّانَ کے ذریعے سوال کیا گیا اور کس کے بارے میں سوال کیا گیا؟ قیامت کے دن کے بارے میں، اور قیامت بڑی ہولناک چیز ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کے ذریعے، أَيَّانَ کے ذریعے ہولناک چیز کا سوال ہو گا۔

وَكَيْفَ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الْحَالِ، اور كَيْفَ اس کے ذریعے حال کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے۔ کس چیز کو؟ حال کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر كَيْفَ أَنْتَ؟ آپ کیسے ہیں؟ تو دیکھو کس چیز کو پوچھا؟ كَيْفَ أَنْتَ، مخاطب کے حال کو پوچھا۔ تو وہ جواب میں کہے گا بھئی مَرِيضٌ یا صَحِيحٌ، تو جو بھی جواب دے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو اس کے ذریعے جو ہے حال کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے كَيْفَ أَنْتَ۔

وَأَيْنَ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ الْمَكَانِ، اورأَيْنَ اس کے ذریعے جگہ کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے،نَحْوُ مثال کے طور پر أَيْنَ تَذْهَبُ؟ آپ کہاں جائیں گے؟ دیکھو جگہ کے بارے میں سوال ہو رہا ہے، آپ کہاں جائیں گے؟أَيْنَ تَذْهَبُ۔

■ قولہ: «أَنَّى تَكُونُ بِمَعْنَى كَيْفَ» کی تشریح

وَأَنَّى اورأَنَّى تَكُونُ بِمَعْنَى كَيْفَ، اورأَنَّى كَيْفَ کے معنی میں ہو گا،نَحْوُ مثال کے طور پر أَنَّى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ تو یہ أَنَّى کس معنی میں ہے؟كَيْفَ کے معنی میں۔ اورکَيْفَ کے ذریعے کیا طلب کیا جاتا تھا؟ حال کی تعیین کو، تو معلوم ہوا یہاں پر أَنَّى کے ذریعے بھی کس چیز کو طلب کیا جا رہا ہے؟ حال کی تعیین کو۔أَنَّى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ، کیسے زندہ کریں گے اس کو اللہ؟أَنَّى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ کیسے زندہ کریں گے اس کو اللہبَعْدَ مَوْتِهَا بعد اس کی موت کے،اس کے مر جانے کے بعد؟اس چیز کو اس کے مر جانے کے بعد اللہ اس کو کیسے زندہ کریں گے؟ تو حال کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے۔ تو یہ أَنَّى کبھی كَيْفَ کے معنی میں آئے گا۔

وَبِمَعْنَى مِنْ أَيْنَ، اور کبھیمِنْ أَيْنَ کے معنی میں بھی آئے گاأَنَّى، نَحْوُ مثال کے طور پریَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هٰذَا۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس تشریف لاتے، وہ گھر کے اندر گھر کے ایک کونے میں ایک حجرے میں ایک الگ تھلگ ہو کر عبادت میں مصروف رہا کرتی تھیں اللہ تعالی کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام تشریف لاتے تو ان کے پاس طرح طرح کے بے موسم کے پھل دیکھتے، تو حیران ہوتے کہ یہ پھل ان کے پاس کہاں سے آئے؟ نہ تو یہ باہر نکلی ہیں، نہ کوئی گھر کے اندر آیا ہے وغیرہ، اور نیز موسم بھی نہیں ہے ان پھلوں کا اور نیز یہ دنیاوی پھل معلوم بھی نہیں ہوتے، تو یہ پھل کہاں سے آئے بھئی؟ وہ سوال کرتے، تو انہوں نے سوال کیا حضرت مریم سےيَا مَرْيَمُ اے مریمأَنَّى لَكِ هٰذَا، أَيْ مِنْ أَيْنَ لَكِ هٰذَا کہاں سے یہ آئے تمہارے پاس بھئی؟ کہاں سے آئے؟ تو یہاں أَنَّى کس معنی میں ہے؟ مِنْ أَيْنَ۔ اگر یہ كَيْفَ کے معنی میں ہو پھر کیا سوال ہوتا؟أَنَّى لَكِ هٰذَا یہ تمہارے پاس کیسے آئے؟ یہ تمہارے پاس کیسے، حال کی تعیین کو طلب کیا جاتا، لیکن یہاں وہ حال کی تعیین کو طلب نہیں کر رہے کہ کیسے آئے بلکہ یہ پوچھ رہے ہیںأَنَّى لَكِ هٰذَا، تو یہ أَنَّى مِنْ أَيْنَ کے معنی میں ہے یعنی یہ تمہارے پاس کہاں سے آئے ہیں بھئی، کہاں سے آئے ہیں،مِنْ أَيْنَ کہاں سے۔ دلیل کیا ہے؟ دلیل اس کی آگے ان کا جواب ہے:قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، کیا فرمایا؟ یہ اللہ کی طرف سے ہیں، اللہ کی طرف سے۔ تو معلوم ہوا انہوں نے پوچھا تھا کہاں سے ہیں، کہاں سے آئے ہیں، تو جواب میں انہوں نے کیا کہا؟ اللہ کی طرف سے، اللہ کے پاس سے۔

وَبِمَعْنَى مَتَى، اور کبھی کبھار یہ أَنَّى جو ہے مَتَى کے معنی میں بھی آتا ہے،مَتَى کے معنی میں۔ اور مَتَى کس لیے آتا تھا ابھی آپ نے پڑھا؟ زمانے کی تعیین کے لیے آتا ہے ماضی یا مستقبل کے لیے، تو یہ أَنَّى بھی مَتَى کے معنی میں ہو گا،نَحْوُ مثال کے طور پر زُرْ أَنَّى شِئْتَ۔ زُرْ، زَارَ يَزُورُ سے زیارت کرنا،زُرْ آپ زیارت کیجیے یعنی ملاقات کیجیے أَنَّى شِئْتَ، أَيْ مَتَى شِئْتَ جب آپ چاہیں بھئی، جب آپ چاہیں آپ زیارت کر سکتے ہیں یعنی ملاقات کر سکتے ہیں، تشریف لا سکتے ہیں۔

وَكَمْ اورکَمْ جو ہےيُطْلَبُ بِهَا تَعْيِينُ عَدَدٍ مُبْهَمٍ، طلب کیا جاتا ہے اس کے ذریعے ایک مبہم عدد کی تعیین کو۔ كَمْ کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ مبہم عدد کی تعیین کو طلب کیا جاتا ہے،نَحْوُ مثال کے طور پركَمْ لَبِثْتُمْ؟ تم کتنا عرصہ رہے؟ تم کتنا عرصہ ٹھہرے رہے؟ اصحاب کہف جو ہیں یہ شہزادے تھے یا بعض نے لکھا بڑے مالدار لوگوں کی اولاد تھے، اور یہ اسلام لے آئے، حضرت عیسی علیہ السلام کی امت میں سے تھے، تو اسلام لے آئے۔ بادشاہ بڑا ظالم تھا اس زمانے کا اور لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، تو یہ وہاں سے نکلے اور ایک غار کے اندر، شہر کے قریب ہی ایک غار تھا اس کے اندر پناہ لے لی بھئی۔ اور مختلف اقوال ہیں کہ یہ سات افراد تھے یا آٹھ تھے یا نو تھے، اور ایک ان کا کتا وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا اور ساتھ ہو ا ان کے۔ تو یہ اصحاب کہف پھر اس غار کے اندر داخل ہوئے اور سو گئے اور پھر بڑے طویل عرصے تک یہ سوئے رہے بھئی، طویل عرصے تک۔ بعض نے لکھا ہے تین سو سال تک یہ سوئے رہے۔ تین سو سال کے بعد ان کی آنکھ کھلی۔ اللہ نے اتنا عرصہ ان کو، ان پر نیند طاری فرما دی لیکن ان کے بدن اسی طرح صحیح تھے، سارا کچھ صحیح تھا۔ تو بیدار ہوئے تو اس وقت ایک دوسرے سے کہنے لگے كَمْ لَبِثْتُمْ؟ کتنا ٹھہرے، کتنا عرصہ رہے تم بھئی؟ تو وہ کیا سوال کر رہے ہیں؟ عدد کے بارے میں پوچھ رہے ہیں یعنی کتنی مدت تک ہم رہے ہیں، ایک دن رہے ہیں یا دو دن رہے ہیں؟ تو انہوں نے پھر سوال کیا آپس میں ہی ایک دوسرے سے كَمْ لَبِثْتُمْ کہ کتنا تم رہے، یعنی کتنے دن یا کتنے سال یا کتنے گھنٹے تم اس طرح رہے، سوئے ہوئے رہے بھئی۔ تو كَمْ کے ذریعے اس عدد مبہم کا سوال کیا گیا کہ کتنے دن یا کتنے گھنٹے۔ یا جیسے آپ سوال کرتے ہیں اپنے ساتھی سے بھئی كَمْ دِرْهَمًا عِنْدَكَ؟ تمہارے پاس کتنے درہم ہیں؟ تو دیکھیے عدد کو طلب کر رہے ہیں کہ دس درہم ہیں یا بیس ہیں یا تیس ہیں، تعیین کرو کتنے درہم ہیں تمہارے پاس۔

وَأَيٌّ يُطْلَبُ بِهَا تَمْيِيزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا، اورأَيٌّ جو ہے اس کے ذریعے طلب کیا جاتا ہےتَمْيِيزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ دو شریکوں میں سے ایک کی تمیز کو یعنی اس کے امتیاز کوفِي أَمْرٍ ایک ایسی چیز میںيَعُمُّهُمَا جو دونوں کو عام ہے۔ وہ دو جو شریک ہیں فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا کسی ایسی چیز میں جو دونوں کو عام ہے، اس کے ذریعے ان دونوں میں سے ایک کے امتیاز کو طلب کیا جاتا ہے أَيٌّ کے ذریعے بھئی۔ کس کے ذریعے؟أَيٌّ کے ذریعے۔ بھئی دیکھیے أَيٌّ کے ذریعے سوال ہوتا ہے، اور دو چیزیں کسی ایک امر میں، ایک معاملے کے اندر دونوں چیزیں شریک ہیں، اب آپ ان دونوں میں سے ایک کو ممتاز کرنے کے لیے دوسرے سے سوال کرتے ہیں، کس کے ذریعے کریں گے؟أَيٌّ کے ذریعے۔ دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی بھئی:أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا، أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ ان دو فریقوں میں سے کون سا جو

ہے خَيْرٌ مَقَامًا بہتر ہے مقام کے اعتبار سے؟ ان دو فریقوں میں سے کون سا فریق مقام کے اعتبار سے بہتر ہے، کس کا مقام بہتر ہے؟

یہود جو تھے ابتداء سے ہی یہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے ہیں بھئی۔ تو جس وقت نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مدینہ منورہ تشریف لائے، یہاں پر یہود کے دو تین قبیلے آباد تھے اور پھر ان میں سے بعض کو نکال دیا گیا، انہی کی شرارتوں کی وجہ سے ان کو وہاں سے نکالا گیا اور وہ پھر خیبر میں جا کر رہنے لگے۔ اور پھر آپ جانتے ہیں کہ خیبر سے بھی بعد میں ان کو نکال دیا گیا بھئی۔ یہودی تو اس بات کے منتظر تھے کہ آخری پیغمبر ہماری قوم میں سے آئیں گے، لیکن جب پتہ چلا کہ آخری پیغمبر کا ظہور ہوا ہے اور وہ تو ہماری قوم میں سے نہیں ہیں تو ایمان بھی نہیں لائے تعصب کی وجہ سے، اور حضور علیہ السلام کو اور مسلمانوں کو ہر وقت تکلیف دینے کی کوششوں میں لگے رہتے بھئی۔ تو ان کی شرارتوں کی وجہ سے جب یہاں سے نکال دیا گیا تو ان کا ایک وفد جو تھا پورے عرب میں گھوما اور چکر اس نے لگایا اور ایک ایک قبیلے کے پاس گئے ان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے تیار کرنے کے لیے۔ چنانچہ انہی کی ان کوششوں کا نتیجہ تھا کہ غزوہ خندق پر تمام مشرکین عرب اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے بھئی۔

اور تو یہ جس وقت ان کا وفد مختلف قوموں کے پاس گیا مسلمانوں کے خلاف ان کو جنگ کے لیے آمادہ کرنے کے لیے، تو مکہ والوں کے پاس بھی آئے، قریش کے پاس بھی ان کا وفد آیا۔ اب قریش کے پاس وفد آیا تو یہ یہود یہ تو اہل کتاب تھے اور قریش وہ تو بت پرستی کرتے تھے، واضح بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ تو مشرکین نے یہود سے سوال کیا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا، ان دو فریقوں میں سے کون بہتر ہے مقام کے اعتبار سے؟ اے یہود! تم تو اہل علم لوگوں میں سے ہو، اہل کتاب لوگوں میں سے ہو، تم تو کہتے ہو تمہارے پاس آسمانی کتاب ہے، تمہاری قوم میں بے شمار پیغمبر آئے ہیں، تم لوگ ہمیں ذرا بتاؤ، ایک ہم ہیں اور ایک مسلمان ہیں یعنی نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ایمان لانے والے، کون بہتر ہے ہم دونوں میں سے؟ ہم دونوں میں سے کون بہتر ہے؟ اب دیکھیے یہودیوں کے تعصب کا اندازہ کیجیے، کہنے لگے تم! مشرکین مکہ کو کیا کہنے لگے کون بہتر ہے؟ تم بہتر ہو!

■ قولہ: «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کی تشریح

تو یہ صرف انہوں نے تعصب کی وجہ سے کہا، حالانکہ وہ بھی جانتے تھے۔ اگرچہ وہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ایمان نہیں لائے تھے لیکن بہر حال یہود تھے تو اہل کتاب، اور جب اہل کتاب تھے اتنا تو وہ بھی جانتے تھے کہ بت پرستی شرک ہے اور اللہ تعالی شرک کو کبھی بھی معاف نہیں فرماتے، اور یہ مشرکین مکہ یہ تو واضح بت پرستی کرتے ہیں، واضح شرک کرتے ہیں، اور مسلمان کم از کم اہل کتاب تو ہیں ہماری طرح، وہ پیغمبر پر ایمان لائے ہیں، اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو یہ بات تو ان کے لیے بالکل واضح تھی کہ ان مشرکین کے مقابلے میں تو مسلمان بہتر ہیں۔ اگرچہ وہ مانتے مسلمانوں کو نہیں تھے لیکن یہ بات تو ان کے سامنے بھی واضح تھی کہ کم از کم مسلمان اس طرح شرک تو نہیں کرتے جس طرح یہ کیا کرتے ہیں یہ مشرکین۔ تو اتنی واضح بات تھی اور اس کا جواب ان کو کیا کہنا چاہیے تھا کہ مسلمان تم سے بہتر ہیں، لیکن صرف اپنے تعصب کی وجہ سے اور ہمیشہ کی طرح اپنی شرارتوں کی، جیسے انہوں نے ہمیشہ شرارتیں کی ہیں، اس موقع پر بھی انہوں نے مشرکین مکہ سے کیا کہا کون بہتر ہیں؟ تم بہتر ہو مسلمانوں کے مقابلے میں۔

تو دیکھیے یہاں پر أَيٌّ آیا بھئی، اور أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ ان دو فریقوں میں سے کون سا جو ہے بہتر ہے مقام کے اعتبار سے؟ اب مسلمان اور مشرکین مکہ یہ دونوں فریق ہونے میں شریک ہیں۔ کس چیز میں شریک ہیں؟ فریق ہونے میں۔ ایک فریق مشرکین مکہ ہیں تو ایک فریق کون ہے؟ مسلمان ہیں، نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے صحابہ ہیں۔ تو دیکھیے اب فریق ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ فریق ہونا ایک ایسی چیز ہے جو عام ہے، دونوں کو شامل ہے۔ یہ بھی فریق اور وہ بھی فریق۔ اب ان دو میں سے ایک کے امتیاز کو طلب کیا جا رہا ہے کہ فریق ہونے میں تو دونوں شریک ہیں، یہ بھی فریق، مشرکین مکہ سوال کر رہے ہیں، کس سے کر رہے ہیں؟ یہودیوں سے، یہودی علماء سے سوال کر رہے ہیں کہ فریق تو دونوں ہیں، ہم بھی ایک فریق ہیں مسلمان بھی ایک فریق ہیں، لیکن ان میں سے بہتر کون ہے؟ تو امتیاز کو طلب کر رہے ہیں کہ جس سے ایک فریق دوسرے سے ممتاز ہو جائے۔ ایک فریق کیا ہو جائے دوسرے سے؟ ممتاز ہو جائے، الگ ہو جائے، جدا ہو جائے۔ اب فریق ہونے میں تو دونوں شریک، یہ بھی فریق اور وہ بھی فریق ہے، لیکن بہتر کون ہے، کس کے لیے بہتر ہونے کا وصف ثابت ہے؟ تو بہتر ہونے کا وصف تو ایک کے لیے ہے تو وہ دوسرے سے کیا ہو جائے گا؟ ممتاز ہو جائے گا، جدا ہو جائے گا، الگ ہو جائے گا بھئی۔ تفصیل بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟

دوبارہ عبارت کے اوپر ذرا نظر رکھیے: وَأَيٌّ يُطْلَبُ بِهَا تَمْيِيزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا، اور أَيٌّ جو ہے طلب کیا جاتا ہے اس کے ذریعے تَمْيِيزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ ممتاز کرنے کو۔ کس چیز کو طلب کیا جاتا ہے کہ اس کو کیا کر دیا جائے؟ ان کا امتیاز کیا جائے، اس کو ممتاز کر دیا جائے۔ کس کو؟ دو شریکوں میں سے ایک کو، اس کو کیا کر دیا جائے؟ ممتاز کر دیا جائے۔ بھئی وہ شریک ہیں کس چیز میں؟ فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا ایک ایسی چیز میں جو دونوں کو عام ہے۔ تو دو چیزیں جو شریک ہوں کسی ایک چیز کے اندر، ان میں سے کسی ایک کو ممتاز کرنے کے لیے، ایک چیز کو دوسری سے جدا کرنے کے لیے کس کے ساتھ سوال کرتے ہیں؟ أَيٌّ کے ذریعے۔ جیسے یہاں پر بھی مسلمان اور مشرکین فریق ہونے کے اندر شریک تھے، تو مشرکین نے سوال کیا کہ فریق ہونے میں تو دونوں شریک ہیں، ہاں بہتر ہونے کا وصف کس کے لیے ثابت ہے؟ جس کے لیے بہتر ہونے کا وصف ثابت ہو گا وہ دوسرے سے کیا ہو جائے گی؟ ممتاز ہو جائے گی۔ بھئی فریق ہونے میں تو دونوں شریک لیکن بہتر ہونے میں تو دونوں شریک

نہیں۔ تو جب بہتر ہونا ایک کے لیے اس ایک کی تعیین ہو جائے گی کہ بہتر کون ہے وہ کیا ہو جائے گی دوسرے سے؟ ممتاز ہو جائے گی، الگ ہو جائے گی۔ پہلے تو دونوں ایک فریق ہونے کے اندر دونوں کیا ہیں؟ شریک ہیں، برابر ہیں، کیا ہیں؟ برابر ہیں۔ پھر جب ایک کے لیے بہتر ہونے کے وصف کا سوال کیا تو جس کے لیے بہتر ہونے کا وصف ثابت ہو جائے گا وہ کیا ہو گی دوسرے سے؟ ممتاز ہو جائے گی۔ تو یہاں پر بھی وہ دو فریق ہیں جو فریق ہونے کے اندر شریک ہیں دو گروہ، ان میں سے ایک کو ممتاز کرنے کے لیے أَيٌّ کے ساتھ سوال کیا گیا۔

توجہ بھی ہے یا نہیں؟ کیا کیا جاتا ہے أَيٌّ کے ذریعے؟ دو چیزیں ایک چیز میں شریک ہیں اور جب شریک ہیں دونوں برابر ہوئیں، وہ چیز ایک کے لیے ثابت ہے تو دوسری کے لیے بھی ثابت ہے۔ اب یہ دونوں جو ایک چیز میں شریک ہیں اب أَيٌّ کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ سوال کیا جاتا ہے جس سے ان میں سے ایک کیا ہو جائے دوسرے سے؟ ممتاز ہو جائے، الگ ہو جائے۔ ویسے تو دونوں شریک تھے اس وصف میں لیکن اب أَيٌّ کے ذریعے کیا کیا جا رہا ہے؟ ایک کے دوسرے سے امتیاز کو طلب کیا جا رہا ہے، وہ کسی بھی چیز کے ذریعے طلب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً یا اپنے دو ساتھیوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کسی تیسرے سے، مثلاً أَيُّ الرَّجُلَيْنِ خَيْرٌ؟ ان دو مردوں میں سے کون بہتر ہے؟ اب دیکھو وہ دو أَيُّ الرَّجُلَيْنِ، رجل ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ تو رجل ہونے کے اعتبار سے تو برابر ہیں لیکن آپ کیا کر رہے ہیں؟ کس چیز کو طلب کر رہے ہیں؟ امتیاز کو طلب کر رہے ہیں، تو کس کے ذریعے طلب کریں گے؟ أَيٌّ کے ذریعے کہ ان میں سے بہتر کون ہے؟ جب وہ بہتر ہونے کے بارے میں بتلا دے گا تو ایک دوسرے سے کیا ہو جائے گا؟ ممتاز ہو جائے گا، الگ ہو جائے گا، معلوم ہوا یہ بہتر ہے دوسرا بہتر نہیں، دونوں میں فرق آ گیا یا نہیں آ گیا؟ فرق آ جائے گا، ممتاز ہو جائیں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَأَيٌّ يُطْلَبُ بِهَا تَمْيِيزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا۔ فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا اس کا تعلق مُتَشَارِكَيْنِ سے ہے۔ کس سے ہے؟ مُتَشَارِكَيْنِ۔ وہ دو جو شریک ہیں فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا ایک ایسے امر میں، ایک ایسی بات میں يَعُمُّهُمَا جو دونوں کو عام ہے۔ دو چیزیں ہیں وہ کسی امر کے اندر شریک ہیں، ایسا امر جو دونوں کو عام ہے، دونوں کو حاصل ہے وہ امر، ان دو شریکوں میں سے کسی ایک کے امتیاز کو طلب کیا جاتا ہے أَيٌّ کے ذریعے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو ترجمہ دیکھیے دوبارہ ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیں: وَأَيٌّ يُطْلَبُ بِهَا تَمْيِيزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا، اور أَيٌّ جو ہے اس کے ذریعے طلب کیا جاتا ہے، کس چیز کو طلب کیا جاتا ہے؟ تَمْيِيزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِي أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا دو چیزیں جو شریک ہیں کسی ایسے امر کے اندر، کسی ایسی بات کے اندر يَعُمُّهُمَا جو ان دونوں کو شامل ہے، ان دونوں کو عام ہے، ان میں سے ایک کے ممتاز کرنے کو طلب کیا جاتا ہے کس کے ذریعے؟ أَيٌّ کے ذریعے۔ نَحْوُ أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا، ان دو فریقوں میں سے کون بہتر ہے مقام کے اعتبار سے؟ تو فریق ہونے میں تو دونوں شریک ہیں، لیکن بہتر ہونے کا مقام کس کے لیے ثابت ہے، کون بہتر ہے مقام کے اعتبار سے، وہ تو ان دونوں میں سے ایک ہی ہو گا دونوں نہیں ہوں گے۔ تو اے یہود! ہمیں بتاؤ ان دونوں میں سے مقام کے اعتبار سے بہتر کون ہیں؟ جب وہ بتا دیں گے تعیین آ جائے گی، دونوں میں فرق ہو جائے گا، پہلے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا، فریق ہونے میں دونوں شریک تھے۔

▪ قولہ: «وَيُسْأَلُ بِهَا عَنِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ...» کی تشریح

وَيُسْأَلُ بِهَا عَنِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَالْحَالِ وَالْعَدَدِ وَالْعَاقِلِ وَغَيْرِهِ حَسَبَ مَا تُضَافُ إِلَيْهِ، اور سوال کیا جاتا ہے اس أَيٌّ کے ذریعے زمانے کے بارے میں بھی، مکان کے بارے میں بھی، حال کے بارے میں بھی، اور عدد کے بارے میں بھی، اور عاقل کے بارے میں بھی، وَغَيْرِهِ اور اس کے علاوہ اور چیزوں کے بارے میں بھی أَيٌّ کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے، حَسَبَ مَا تُضَافُ إِلَيْهِ اسی کے اعتبار سے جس کی طرف اس کی اضافت کی جائے۔ جس کی طرف اس کی اضافت کی جائے، أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ دیکھو أَيٌّ مضاف ہے اور الْفَرِيقَيْنِ کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو اس أَيٌّ کے ذریعے زمانے کا بھی سوال ہو سکتا ہے، مکان کا، حال کا، عدد وغیرہ ان سب چیزوں کا سوال أَيٌّ کے ذریعے کیا جا سکتا ہے اسی اعتبار سے جس کی طرف اس کی اضافت کی جائے۔ یعنی جس چیز کے بارے میں سوال کرنا ہے أَيٌّ کو کیا کر دو؟ اس کی طرف مضاف کر دو، چاہے وہ زمانہ ہو، چاہے مکان ہو، چاہے حال ہو یا عدد ہو بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۲: کلماتِ استفہام کے مجازی معانی: تسویہ، نفی، انکار، امر، نہی، تشویق، تعظیم اور تحقیر

دروس البلاغہ صفحہ: ۳۷ــــ بتاریخ: ۱۵ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَقَدْ تَخْرُجُ أَلْفَاظُ الِاسْتِفْهَامِ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ لِمَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ كَالتَّسْوِيَةِ نَحْوُ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، وَالنَّفْيِ نَحْوُ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ، وَالْإِنْكَارِ نَحْوُ أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُونَ، أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

استفہام کی بحث چل رہی ہے اور تفصیل گزر گئی کہ استفہام جو ہے وہ کسی چیز کے علم کو طلب کرنا، اور ادوات استفہام جو ہیں ہمزہ ہے، ہَلْ ہے، مَا، مَنْ، أَيَّانَ وغیرہ، اور ان میں سے بعض طلب تصور کے لیے آتے ہیں، بعض طلب تصدیق کے لیے اور بعض دونوں کے لیے آتے ہیں۔

آج آپ کو بتلا رہے ہیں وَقَدْ تَخْرُجُ أَلْفَاظُ الِاسْتِفْهَامِ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ لِمَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ، اور کبھی نکل جاتے ہیں استفہام کے الفاظ اپنے معنی اصلی سے لِمَعَانٍ أُخَرَ ایسے دوسرے معانی کی طرف تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ جو مفہوم ہوتے ہیں سیاق کلام سے۔ سیاق کلام سے جو معانی سمجھ میں آتے ہیں ان کی طرف نکل جاتے ہیں۔ یہ گزشتہ سبق میں اور اس سے پچھلے سبق میں جو الفاظ کہ یہ کون سا لفظ کس معنی کے لیے ہے، تو یہ سارے استفہام کے لیے آئے تھے۔ سارے کس لیے آئے تھے؟ استفہام کے لیے، کیونکہ ادوات استفہام ہیں تو استفہام کے لیے استعمال ہوتے۔ لیکن کبھی کبھار یہ اپنے معنی اصلی یعنی استفہام سے نکل جائیں گے۔ یعنی اور بھی ایسے مواقع ہیں جہاں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں لیکن وہاں استفہام مراد نہیں ہوتا۔ تو ان مواقع کے اندر دراصل یہ لفظ کیا ہوتے ہیں؟ اپنے معنی اصلی سے نکل جاتے ہیں، تو دوسرا معنی موقع محل کے مطابق جو ہوگا اس میں یہ استعمال ہوں گے اور اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ سیاق کلام سے، کلام کا چلاؤ بتلا دے گا کہ یہاں کون سا معنی مراد ہے۔

كَالتَّسْوِيَةِ جیسے کہ برابری، تسویہ کا کیا معنی؟ برابری، یعنی دو چیزوں میں برابری کو بیان کرنا۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ برابر ہے ان لوگوں پر أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ کہ آپ ان کو ڈرائیں أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یا ان کو نہ ڈرائیں۔ ان لوگوں کے لیے برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، یہ تو عام ترجمہ عموماً یہ کیا جاتا ہے۔ زیادہ بہتر ترجمہ یوں کیا جائے: سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ برابر ہے ان لوگوں پر أَأَنْذَرْتَهُمْ کہ آپ ان کو خبردار کریں أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یا ان کو خبردار نہ کریں بھئی۔

تو یہاں پر أَأَنْذَرْتَهُمْ، یہاں دیکھیے یہ پہلا ہمزہ جو آیا، دوسرا ہمزہ تو أَنْذَرْتَ فعل کا ہے، پہلا ہمزہ جو آیا أَأَنْذَرْتَهُمْ میں یہ وہ ہمزہ استفہام ہے، لیکن یہ یہاں پر استفہام کے لیے نہیں آیا، سوال پوچھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ یہاں دو چیزوں میں برابری بیان کرنے کے لیے آیا ہے، اور وہ کیا؟ خبردار کرنا اور خبردار نہ کرنا۔ ان لوگوں کو خبردار کرنا اور ان لوگوں کو خبردار نہ کرنا دونوں برابر ہیں، یعنی ان پر کوئی چیز اثر نہیں کرے گی، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ برابر ہے ان پر أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ کہ آپ ان کو خبردار کریں یا خبردار نہ کریں، یعنی یہ دونوں چیزیں ان کے لیے برابر ہیں، خبردار کرنا بھی اور خبردار نہ کرنا دونوں ان کے لیے برابر ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں، ان پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوگی، یہ ایمان کی طرف آنے والے نہیں ہیں۔ تو یہاں ہمزہ کس لیے آیا؟ دو چیزوں میں برابری کے لیے، تو اس کو ہمزہ تسویہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ہمزہ تسویہ، اور یہ دو چیزوں میں برابری بیان کرنے کے لیے آتا ہے، تو یہاں بھی اس کے بعد دو چیزیں ذکر ہیں: انذار اور عدم انذار۔ تو ان لوگوں کے لیے انذار اور عدم انذار دونوں کیا ہیں؟ برابر ہیں۔

اور اس جملے کی ترکیب یاد رکھیے بھئی، جملے کی ترکیب: أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، یہ ہے تو فعل بھئی أَنْذَرْتَهُمْ، لیکن اس کو پھر اسم کی تاویل میں کر لیں گے یعنی مصدر کی تاویل میں کر لیں گے۔ اور پھر یہ معطوف علیہ بنے گا، آگے أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یہ معطوف بن جائے گا، اور معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ مبتدا مؤخر ہو گا، جبکہ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ یہ خبر مقدم ہو گی۔ تو گویا یوں کہا گیا: مُسْتَوٍ عَلَيْهِمْ برابر ہے ان پر، کیا برابر ہے؟ إِنْذَارُكَ إِيَّاهُمْ وَعَدَمُ إِنْذَارِكَ إِيَّاهُمْ، آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں کیا ہیں؟ مُسْتَوٍ عَلَيْهِمْ ان پر برابر ہیں۔ تو مُسْتَوٍ عَلَيْهِمْ یہ ہے خبر مقدم، اور آگے فعل ہے اس کو کس تاویل میں کر لیں گے؟ مصدر کی تاویل میں، وہ مبتدا مؤخر بھئی۔

تو یہ ترکیب سمجھ میں آئی بھئی؟ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، ترکیب کیا ہو گی؟ مُسْتَوٍ عَلَيْهِمْ إِنْذَارُكَ وَعَدَمُهُ، أَيْ عَدَمُ إِنْذَارِكَ۔ مُسْتَوٍ عَلَيْهِمْ إِنْذَارُكَ وَعَدَمُ إِنْذَارِكَ، برابر ہے ان پر إِنْذَارُكَ اے پیغمبر آپ کا ان کو خبر دار کرنا وَعَدَمُ إِنْذَارِكَ اور آپ کا ان کو خبر دار نہ کرنا، یہ دونوں ان کے لیے برابر ہیں۔ تو یہ ہمزہ تسویہ برابری کے لیے آتا ہے، دو چیزوں کے درمیان برابری بیان کرتا ہے، اور اس کے بعد فعل آئے تو اس فعل کو کس معنی میں لیتے ہیں؟ مصدر کے معنی میں کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ معطوف معطوف علیہ مل کر مبتدائے مؤخر بن جائیں گے اور سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ یہ کس معنی میں ہوا؟ مُسْتَوٍ عَلَيْهِمْ۔ سَوَاءٌ مصدر ہے نا، مصدر تو اسم فاعل کے معنی میں لے گئے اور یہ خبر مقدم ہو جائے گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ اسم فاعل کے معنی میں جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ کہتے ہیں، زَيْدٌ عَدْلٌ، تو زید، عَدْلٌ تو مصدر ہے عدل کرنا، انصاف کرنا، تو یہاں عَدْلٌ کا حمل کس پر ہو رہا ہے؟ زید پر، تو پھر یہ عَدْلٌ بمعنی عَادِلٌ کے ہوا، أَيْ زَيْدٌ عَادِلٌ۔ تو مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے کبھی اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، تو یہاں پر سَوَاءٌ کس معنی میں ہے؟ مُسْتَوٍ اسم فاعل کے معنی میں ہے کہ برابر ہے عَلَيْهِمْ ان پر إِنْذَارُكَ وَعَدَمُ إِنْذَارِكَ آپ کا ڈرانا اور آپ کا نہ ڈرانا، آپ کا خبر دار کرنا اور خبر دار نہ کرنا دونوں ان کے لیے برابر ہیں۔

■ قولہ: «هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ» کی تشریح

وَالنَّفْيِ اور کبھی یہ الفاظ کس لیے آئیں گے؟ نفی کے لیے آئیں گے، جیسے هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ، نہیں ہے احسان یعنی نیکی کا بدلہ إِلَّا الْإِحْسَانُ سوائے نیکی کے۔ یعنی نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے، اچھائی کا بدلہ اچھائی ہی ہے۔ تو یہاں هَلْ استفہام کے لیے نہیں آیا بلکہ نفی کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ آگے إِلَّا آرہا ہے، نہیں ہے نیکی کا بدلہ مگر نیکی ہی۔ تو اللہ فرمارہے ہیں نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے، جو شخص دنیا کے اندر نیک عمل کرے گا، ہمارے بتلائے ہوئے راستے پر چلے گا تو نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے، ہم بھی اس کو اچھا بدلہ دیں گے، اس کو ثواب دیں گے، آخرت میں اس کو جنت میں داخل کریں گے۔ تو یہاں هَلْ نفی کے لیے آیا بھئی، سوال کے لیے نہیں آیا۔

وَالْإِنْكَارِ اور کبھی کبھار یہ استفہام والے الفاظ جو ہیں انکار کے لیے آئیں گے، جیسے أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُونَ؟ أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُونَ، یہ ہمزہ انکار کے لیے ہے، أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُونَ کیا اللہ کے علاوہ کو تم پکارتے ہو؟ اللہ کے علاوہ کو تم پکارتے ہو؟ تو یہاں استفہام مقصد نہیں ہے، بات پوچھنا مقصد نہیں ہے بلکہ انکار مقصد ہے کہ تمہیں اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں پکارنا چاہیے بلکہ کس کو پکارنا چاہیے؟ اللہ کو پکارنا چاہیے۔ اور اس میں پھر یاد رکھیے یہ ہمزہ جو ہے یہ انکار کے لیے آتا ہے جیسے مثال میں آگیا، اور پھر انکار جو ہے اس چیز کا ہو گا جو ہمزہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو گی: أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُونَ، کیا اللہ کے علاوہ کو تم پکارتے ہو؟ تو کس کا انکار کیا جا رہا ہے؟ اللہ کے علاوہ کو پکارنے کا انکار کیا جا رہا ہے، اس کا یہ معنی نہیں کہ پکارو ہی نہ کسی کو، بلکہ غَيْرَ اللّٰهِ جو ہمزہ کے ساتھ آرہا ہے، غیر اللہ کو پکارنے کا انکار کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کو تمہیں پکارنا نہیں چاہیے بلکہ کس کو پکارنا چاہیے؟ اللہ کو پکارنا چاہیے بھئی۔

آپ بھی اس طرح استعمال کرتے ہیں بھئی، الفاظ استفہام اپنے کلام میں بعض اوقات آپ لاتے ہیں اور وہاں آپ کا مقصد سوال پوچھنا نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کے ایک ساتھی نے مدد طلب کی یا کوئی بات، تو آپ اس کو کہتے ہیں: اچھا بھئی ایسا وقت آجائے تو کیا تم ان کے پاس مدد لینے جاؤ گے؟ آپ کہتے ہیں یا نہیں؟ کیا تم ان کے پاس مدد لینے جاؤ گے؟ مقصد کیا ہوتا ہے؟ سوال پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ مجھے بتاؤ لینے جاؤ گے یا نہیں، یا اس کو روکنا مقصد ہوتا ہے؟ روکنا مقصد ہوتا ہے، تو آپ بھی اس طرح استعمال کرتے ہیں۔

یا اسی طرح أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ، أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ کیا نہیں ہے اللہ کافی اپنے بندے کے لیے؟ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ تو یہاں بھی ہمزہ کس لیے آیا؟ انکار کے لیے۔ تو یہ سوال نہیں پوچھا جا رہا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ اپنے بندے کے لیے کافی ہیں یا کافی نہیں، بلکہ یہ ہمزہ کس لیے ہے؟ انکار کے لیے ہے اور معنی کیا ہوا؟ یعنی اللہ اپنے بندے کے لیے کافی ہیں بھئی، کافی ہیں۔ کیونکہ ہمزہ آیا انکار کے لیے اور آگے لَيْسَ ہے، لَيْسَ کس لیے آتا ہے؟ نفی۔ تو ہمزہ بھی نفی کے لیے آیا، لَيْسَ بھی نفی کے لیے آیا، اور نفی پر نفی داخل ہو تو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، آپ بھی اس طرح استعمال کرتے ہیں، مثلاً آپ کہتے ہیں زید نہیں آئے گا، دیکھو یہ ہے نفی۔ اس پر ایک اور نفی داخل کریں، آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ زید نہیں آئے، کیا معنی ہوتا ہے؟ یعنی زید آئے گا۔ تو دیکھو نفی پر نفی داخل ہو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا۔ تو یہاں ہمزہ انکار کے لیے یعنی نفی کے لیے اور آگے لَيْسَ نفی ہے، نفی پر نفی داخل ہوئی تو اس کا کیا معنی ہوا؟ اثبات، یعنی اللہ کافی ہیں اپنے بندے کے لیے۔ تو یہاں ہمزہ استفہام کے لیے نہیں ہے بلکہ انکار کے لیے ہے بھئی، انکار کے لیے۔

وَالْأَمْرِ اور کبھی یہ الفاظ استفہام کس لیے آئیں گے؟ امر کے لیے آئیں گے بھئی، سوال پوچھنا مقصد نہیں ہو گا بلکہ وہاں حکم دینا مقصد ہو گا، جیسے اللہ قرآن میں فرماتے ہیں فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ؟ پس کیا تم باز آجاؤ گے؟ پس کیا تم باز آجاؤ گے، کیا تم رک جاؤ گے؟ اب دیکھیے یہاں سوال پوچھنا مقصد نہیں ہے کہ باز آؤ گے یا نہیں آؤ گے ہمیں یہ بتلاؤ، بلکہ مقصد کیا ہے؟ حکم دیا جارہا ہے باز آنے کا کہ اب تم باز آجاؤ اس سے، رک جاؤ اس سے۔ تو کیا کیا جارہا ہے؟ حکم دیا جارہا ہے۔ اور آپ بھی اس طرح اس کو استعمال کرتے ہیں بھئی۔ آپ کا ایک ساتھی ہے اور ایک معاملہ ہے اس میں اس کا نقصان ہو گیا، تو اب آپ اس کو کہتے ہیں بھئی: کیا اب تم اس کام سے رک جاؤ گے؟ کیا مقصد ہوتا ہے وہاں؟ استفہام نہیں مقصد ہوتا بلکہ کیا مقصد ہوتا ہے؟ کہ اب اس کام سے تم رک جاؤ، تم نے خود بھی دیکھ لیا ہے کہ اس کام میں تمہارا کتنا نقصان ہوا ہے تو اب تمہیں اس طرف نہیں جانا چاہیے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں پر یہ امر کے لیے، حکم دیا جارہا ہے، سوال نہیں پوچھا جارہا بلکہ حکم دیا جارہا ہے انْتَهُوا تم لوگ باز آجاؤ، رک جاؤ اس سے۔

وَنَحْوُ اور جیسے أَأَسْلَمْتُمْ؟ أَأَسْلَمْتُمْ کیا تم اسلام لاؤ گے؟ تو یہ سوال نہیں پوچھا جارہا، کیا تم فرمانبردار ہو گے؟ یہاں استفہام مقصد نہیں ہے بلکہ حکم دیا جارہا ہے کہ فرمانبردار ہو جاؤ، أَيْ أَسْلِمُوا کیا کرو؟ فرمانبردار ہو جاؤ۔ أَأَسْلَمْتُمْ کیا تم فرمانبردار ہو جاؤ گے؟ تو یہ سوال نہیں پوچھا جارہا بلکہ کیا کیا جارہا ہے؟ حکم دیا جارہا ہے۔ دیکھیے خود بتلا رہے ہیں بِمَعْنَى انْتَهُوا وَأَسْلِمُوا، تو یہ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ میں یہ کس معنی میں ہے؟ انْتَهُوا کے معنی میں ہے، باز آجاؤ تم، وَأَسْلِمُوا اور أَأَسْلَمْتُمْ کس معنی میں ہے؟ أَسْلِمُوا تم فرمانبردار ہو جاؤ، تو یہ امر کے معنی میں ہے۔

وَالنَّهْيِ اور کبھی الفاظ استفہام کس لیے آئیں گے؟ نہی کے لیے، کسی چیز سے روکنے کے لیے، جیسے أَتَخْشَوْنَهُمْ؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ، تو اللہ زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ تم اس سے ڈرو۔ تو یہاں پر جو آیا ہمزہ أَتَخْشَوْنَهُمْ، یہ ہمزہ استفہام کے لیے نہیں ہے بلکہ نہی کے لیے ہے۔ تو یہ سوال نہیں کیا جارہا کہ کیا تم ان سے ڈرتے ہو بلکہ مقصد کیا ہے یہاں پر؟ لَا تَخْشَوْهُمْ کہ تم ان سے نہ ڈرو، تم ان سے مت ڈرو، فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ پس اللہ زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ تم اس سے ڈرو بھئی۔ آپ بھی استعمال کرتے ہیں بھئی اس طرح، کسی شخص سے کہتے ہیں اس کے دشمنوں مخالفین کے بارے میں: کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ جب میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں تمہیں ڈرنے کی یعنی کیا ضرورت ہے، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ کیا مقصد ہوتا ہے کہنے کا؟ کہ تم ان سے نہ ڈرو بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ آپ بھی استعمال کرتے ہیں، اس طرح مختلف معانی کے لیے آپ الفاظ استفہام کو استعمال کرتے ہیں۔

■ قولہ: «هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَ» کی تشریح

وَالتَّشْوِيقِ اور کبھی استفہام والے الفاظ آئیں گے شوق دلانے کے لیے، رغبت دلانے کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ هَلْ أَدُلُّكُمْ کیا میں تمہاری رہنمائی کروں عَلَى تِجَارَةٍ، تِجَارَةٍ نکرہ آیا اس کے بعد تُنْجِي فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو ترجمہ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ایسی تجارت پر تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ جو تمہیں نجات دے دے دردناک عذاب سے؟ تو یہاں پر سوال پوچھنا مقصد نہیں ہے، تو یہاں سوال نہیں پوچھا جارہا بلکہ شوق دلایا جارہا ہے، رغبت دلائی جارہی ہے، رغبت دلائی جارہی ہے۔ آپ بھی استعمال کرتے ہیں، آپ کا ایک ساتھی ہے مثلاً وہ کوئی کام یا تجارت وغیرہ شروع کرنا چاہتا ہے، آپ اس کو کہتے ہیں بھئی: میں تمہیں ایک ایسا کام نہ بتاؤں جس میں تمہارا نفع ہی نفع ہو؟ تو دیکھو اب یہ آپ کا مقصد سوال پوچھنا نہیں ہوتا اس سے بلکہ کیا مقصد ہوتا ہے؟ اس کو شوق دلا رہے ہوتے ہیں، رغبت دلا رہے ہوتے ہیں اس کام کی کہ وہ بڑا بہترین کاروبار ہے، اس میں تمہیں بڑا نفع حاصل ہو گا بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ، کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ایسی تجارت پر جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے، نجات دلا دے۔

وَالتَّعْظِيمِ اور کبھی الفاظ استفہام کس لیے آئیں گے؟ تعظیم کے لیے، کسی کی عظمت بتلانے کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ مَنْ ذَا الَّذِي کون ہے وہ جو کہ يَشْفَعُ عِنْدَهُ سفارش کرے اللہ کے پاس إِلَّا بِإِذْنِهِ مگر اللہ کی اجازت سے؟ تو یہاں یہ سوال نہیں پوچھا جارہا کون ہے وہ جو سفارش کرے گا اللہ کے پاس سوائے اللہ کی اجازت کے، بلکہ یہاں اللہ کی ذات کی عظمت بیان کی جارہی ہے کہ اللہ کی ذات اتنی عظیم ہے اور اتنی قدرت والی ہے کہ وہاں مقابلہ کرنا تو دور کی بات ہے، کوئی سفارش بھی بغیر اجازت کے نہیں کر سکے گا وہاں پر۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں یہ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ کون ہے وہ جو کہ سفارش کرے اس کے پاس، یہاں سوال پوچھنا مقصد نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات کی عظمت بیان کی جارہی ہے کہ اللہ کے سامنے کوئی سفارش بھی بغیر اجازت کے نہیں کر سکے گا، اللہ کی ذات اتنی عظیم ہے۔

آپ بھی اس کو اس طرح استعمال کرتے ہیں بھئی۔ مثلاً ایک شخص ہے مثلاً یہ آپ کے استاد ہیں کوئی یا آپ کے کوئی بڑے ہیں خاندان میں اور ان کی بڑی ہیبت ہے بھئی، بڑا رعب ہے۔ اب آپ دو تین ساتھی مل کر مشورہ کر رہے ہیں کہ فلاں بات ان سے جا کر کرتے ہیں تو اگر وہ مان جائیں گے تو بس اس کے بعد مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اب آپ دو تین ساتھی مشورہ کر رہے ہیں، ایک ساتھی بیچ میں سے کہتا ہے بھئی: کون ان سے جا کر بات کرے گا بھئی؟ کون ان سے جا کر بات کرے گا؟ تو یہاں استفہام مقصد نہیں، بعض اوقات ہو سکتا ہے استفہام بھی مقصد ہو لیکن بعض اوقات کیا مقصد ہو گا؟ عظمت کہ بھئی اتنی ہمت تو ہم میں سے کسی کی نہیں ہے کہ ان کے سامنے جا کر یہ بات کر سکے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

وَالتَّحْقِيرِ اور کبھی یہ الفاظ استفہام کس لیے آئیں گے؟ تحقیر کے لیے آئیں گے، نَحْوُ مثال کے طور پر أَهٰذَا الَّذِي مَدَحْتَهُ كَثِيرًا؟ کیا یہ ہے وہ جس کی تم بہت زیادہ تعریف کرتے ہو؟ آپ کا ایک ساتھی ہے مثلاً اور وہ کسی کی بڑی تعریف کیا کرتا تھا، لیکن جب آپ کے ساتھ اس کی ملاقات ہوئی اس شخص کی جس کی وہ تعریف کیا کرتا تھا تو آپ کو اس میں کوئی خوبی نظر ہی نہیں آئی۔ تو اب آپ اپنے اس ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں، متوجہ ہوئے بات کس سے کر رہے ہیں اپنے اس ساتھی سے جو اس کی تعریف کرتا تھا اور اشارہ کرتے ہیں اس آدمی کی طرف جس کی وہ تعریف کرتا تھا، تو اپنے اس ساتھی کو کہتے ہیں أَهٰذَا الَّذِي مَدَحْتَهُ كَثِيرًا؟ کیا یہ وہ ہے جس کی تم بہت زیادہ تعریف کرتے تھے، جس کی آپ نے بہت زیادہ تعریف کی؟ تو یہاں پر سوال پوچھنا مقصد نہیں ہے کہ مجھے بتلاؤ یہ وہ والا آدمی ہے یا وہ والا آدمی نہیں، بلکہ بطور تحقیر کے آپ یہ کہہ رہے ہیں، حقارت کے طور پر۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ کہ اس کے اندر تو مجھے تو کوئی ایک ادنی درجے کی خوبی بھی نہیں نظر آئی بھئی، یہ تو بالکل بیکار آدمی ہے، یہ ہے وہ جس کی آپ تعریف کیا کرتے تھے؟

سمجھ میں آیا بھئی؟ یا دوسری اور مثال بنالیں اور وضاحت ہو جائے گی۔ آپ کو کسی کام کے لیے ایک ملازم کی ضرورت تھی۔ آپ کا ایک ساتھی آپ کے پاس ایک شخص کو لے آیا کہ یہ بڑا زبردست اس کام کو جانتا ہے، بڑا ماہر ہے، بڑا بہترین کام کرے گا۔ اب اس نے کام شروع کیا تو پہلے دن ہی ابتداء ہی اس نے غلط طریقے سے کر دی۔ اس سے ہی پتہ چل گیا کہ اس کو یہ کام بالکل نہیں آتا بھئی۔ اب آپ اپنے اس ساتھی کو، وہ سامنے کھڑا ہے جس نے وہ غلطی کی ہے، آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں جس نے اس کی تعریف کی تھی: أَهٰذَا الَّذِي مَدَحْتَهُ كَثِيرًا؟ کیا یہ ہے وہ جس کی تم نے بڑی تعریف کی تھی؟ تو دیکھو یہاں کیا مقصد ہے؟ اس کی تحقیر ہے کہ اس کو تو ذرا بھی یہ کام نہیں آتا بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ أَهٰذَا الَّذِي مَدَحْتَهُ كَثِيرًا کیا یہ ہے وہ کہ آپ نے اس کی تعریف کی بہت زیادہ۔

وَالتَّهَكُّمِ، تہکم کا معنی استہزاء، مذاق اڑانا، مذاق اڑانا۔ تو کبھی کبھار الفاظ استفہام دوسرے کا مذاق اڑانے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، جیسے أَعَقْلُكَ يُسَوِّغُ لَكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا؟ کیا تمہاری عقل يُسَوِّغُ، سَوَّغَ يُسَوِّغُ کا معنی ہے گنجائش دینا، کیا تمہاری عقل تمہیں گنجائش دیتی ہے یعنی اجازت دیتی ہے، کیا معنی کر لیں بامحاورہ؟ کیا تمہاری عقل تمہیں اجازت دیتی ہے أَنْ تَفْعَلَ كَذَا کہ ایسا کرو؟ کیا تمہاری عقل اجازت دیتی ہے کہ ایسا کام کرو؟ مثلاً بھئی وہی ملازم جو آپ کے پاس لے کر آیا تھا جس کی اس نے بڑی تعریف کی تھی، اس نے کام شروع کیا اور پہلے ہی دن اس نے یعنی جس طرح کرنا چاہیے تھا اس کے بالکل برعکس کیا اور اس کی وجہ سے نقصان ہو گیا۔ اب آپ اس شخص کو کہتے ہیں أَعَقْلُكَ يُسَوِّغُ لَكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا؟ کہ یہ تم نے کس طرح کا کام کیا ہے، جس کی ذرا بھی عقل ہو اس کو پتہ ہے کہ یہ کام اس طرح نہیں کرنا۔ سمجھ میں آیا؟ تو اب آپ اس کو کیا کہہ رہے ہیں أَعَقْلُكَ يُسَوِّغُ لَكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا، کیا تمہاری عقل تمہیں اجازت دیتی ہے کہ اس طرح کرو؟ تو یہ اب آپ اس سے سوال نہیں پوچھ رہے کہ اجازت دیتی ہے یا اجازت نہیں دیتی عقل، بلکہ کیا مقصد ہے؟ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں بھئی کہ یہ تم نے کیسا کام کیا ہے کہ ٹھیک عقل والا کوئی بھی اس کو ٹھیک نہیں کہے گا بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

■ قولہ: «نَحْوُ مَا لِهٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ...» کی تشریح

وَالتَّعَجُّبِ اور کبھی الفاظ استفہام کس لیے آئیں گے؟ تعجب کے لیے آئیں گے، تعجب کے لیے۔ نَحْوُ مَا لِهٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ۔ مَا لِهٰذَا الرَّسُولِ کیا ہوا ہے اس پیغمبر کو يَأْكُلُ الطَّعَامَ کہ یہ کھانا کھاتے ہیں وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ اور بازاروں میں چلتے ہیں؟ یہ مشرکین مکہ کہتے تھے بھئی، انہوں نے کہا۔ مشرکین مکہ کا خیال یہ تھا جب نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کے پاس دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے کہ ایک اللہ کی وحدانیت پر آجاؤ، توحید کی طرف آجاؤ، شرک اور برائی کا راستہ چھوڑ دو اور مجھے اللہ نے اپنا پیغمبر مقرر کیا ہے، تم اللہ کے راستے کی طرف آجاؤ، مجھ پر ایمان لے آؤ، تو اس وقت وہ کہنے لگے مَا لِهٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ، اس پیغمبر کو کیا ہوا کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے! ان مشرکین کا خیال یہ تھا کہ پیغمبر وہ تو انسان ہو ہی نہیں سکتا، پیغمبر تو کس کو ہونا چاہیے؟ پیغمبر تو کوئی فرشتہ ہی ہو سکتا ہے انسان نہیں ہو سکتا۔ تو لہذا یہاں پر تو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دعوت دے رہے ہیں تو بطور تعجب کے کہہ رہے ہیں کہ اس پیغمبر کو کیا ہوا یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، یعنی یہ تو عام انسان ہے ہماری طرح ہی ہے، کھانا بھی کھاتا ہے بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے، یہ کیسے پیغمبر ہو سکتا ہے بھئی! تو یہاں پر جو انہوں نے کہا مَا لِهٰذَا الرَّسُولِ اس پیغمبر کو کیا ہوا کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا ہے، یہاں سوال مقصد نہیں ہے، سوال نہیں پوچھ رہے بلکہ ان کا مقصد کیا ہے؟ تعجب کا اظہار کر رہے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو ہے عام انسان ہو، لوگوں کی طرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہو اور وہ اللہ کا پیغمبر ہو، بلکہ اللہ کا پیغمبر تو کون ہو گا؟ ان کا خیال یہ تھا کہ فرشتہ ہی ہو سکتا ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو آپ بھی اس طرح استعمال کرتے ہیں، کبھی استفہام کو تعجب کے لیے استعمال کرتے ہیں، تعجب کے لیے۔ مثلاً آپ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، کوئی بڑا ہی مشکل مقام آیا۔ آپ نے کئی دفعہ اس کا مطالعہ کیا، اس کو پڑھا، حل ہی نہیں ہو رہا۔ آپ اپنے ایک ذہین ساتھی کے پاس لے گئے کتاب کہ بھئی اس کا کیا معنی ہے، یہ صاحب کتاب کیا کہنا چاہتے ہیں ذرا اس کو حل تو کیجیے۔ اس نے ایک نظر ڈالی اور فوراً آپ کو اس کا معنی سمجھا دیا کہ یہ کہنا چاہتے ہیں بھئی۔ تو اب آپ حیران ہو کر اسے کہتے ہیں بھئی کہ آپ نے کیسے اس مقام کو حل کر لیا؟ اب آپ کا سوال پوچھنا مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کیا ہے؟ اپنی حیرت کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں تو اتنی دیر سے پڑھ رہا تھا مجھ سے تو حل نہیں ہو رہا تھا، آپ نے کیسے اتنی جلدی حل کر لیا بھئی! تو یہ تعجب ہے، استفہام نہیں۔

وَالتَّنْبِيهِ عَلَى الضَّلَالِ اور کبھی الفاظ استفہام آئیں گے، کس لیے آئیں گے؟ متنبہ کرنے کے لیے عَلَى الضَّلَالِ گمراہی پر، گمراہی پر متنبہ کرنے کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ؟ تو تم لوگ کہاں جارہے ہو؟ تو یہاں پر سوال مقصد نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی گمراہی پر ان کو مطلع کرنا مقصود ہے بھئی۔ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ، اللہ سوال نہیں پوچھ رہے کہ تم لوگ کدھر کو جارہے ہو مجھے بتاؤ، بلکہ مقصد کیا ہے یہاں پر؟ ان کی گمراہی پر متنبہ کرنا کہ تمہیں خیال بھی ہے تم کس طرف کو جا رہے ہو، کس نقصان والے راستے پر چل رہے ہو، اپنی تباہی کا سامان کر رہے ہو بھئی! اور آپ بھی اس کو استعمال کرتے ہیں، ایک شخص نقصان والے راستے پر چل رہا ہے تو آپ بھی اس کو کہتے ہیں بھئی: تم کس راستے پر چل رہے ہو؟ تو وہاں سوال پوچھنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ کیا مقصد ہوتا ہے؟ اس کو اس کی گمراہی پر متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ذرا غور کرو کس راستے پر چل رہے ہو، تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ سراسر نقصان والا راستہ ہے۔

وَالْوَعِيدِ اور کبھی استفہام والے الفاظ کس لیے آئیں گے؟ وعید کے لیے، وعید کا معنی ہے دھمکی دینا بھئی، نَحْوُ مثال کے طور پر أَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ أَحْسَنْتُ إِلَيْكَ؟ أَتَفْعَلُ كَذَا کیا آپ یہ کام کریں گے وَقَدْ أَحْسَنْتُ إِلَيْكَ اور تحقیق میں آپ کے ساتھ نیکی کر چکا ہوں یا میں آپ کے ساتھ نیکی کرتا رہا ہوں، میں آپ کے ساتھ احسان کرتا رہا ہوں؟ کوئی شخص بھئی آپ کو کسی معاملے میں نقصان دینا چاہتا ہے، آپ کو خبر ہو گئی، آپ تو اس کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرتے تھے نیکی کرتے تھے، تو اب آپ اس کو کہتے ہیں أَتَفْعَلُ كَذَا کیا آپ یہ کام کریں گے اور میں آپ کے ساتھ ہمیشہ نیکی کرتا رہا ہوں، یعنی آپ یہ کام کریں گے مجھے نقصان پہنچائیں گے اس سے؟ تو یہاں سوال مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کیا ہے؟ دھمکی دینا ہے بھئی۔ موقع محل کے مطابق دھمکی بھی بن سکتی ہے، یہاں انکار بھی بن سکتا ہے کہ تمہیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ تو اگر انکار مقصد ہوا تو کیا مطلب ہو گا؟ کہ تمہیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ اور کبھی یہ مقام دھمکی والا ہو جائے گا جب آپ زیادہ غصے میں آپ کیا کہیں گے؟ أَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ أَحْسَنْتُ إِلَيْكَ کیا آپ ایسا کریں گے اور میں آپ کے ساتھ احسان کرتا رہا ہوں؟ یعنی اگر آپ ایسا کریں گے، آپ دھمکی دے رہے ہیں، اگر ایسا کریں گے تو پھر آج کے بعد میں آپ کے ساتھ احسان نہیں کروں گا، آپ کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کروں گا۔

معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو یہ مختلف الفاظ کے لیے الفاظ استفہام استعمال ہوتے ہیں۔ اول وضع تو یہ کس کے لیے ہیں؟ سوال پوچھنے کے لیے، لیکن ان سب مثالوں میں آپ نے دیکھا کہ یہ سوال پوچھنے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ کس لیے آئے تھے؟ دوسرے معانی کے لیے استعمال ہوئے تو یہ اپنے معنی اصلی سے نکل گئے بھئی۔ تو یہ ان کے مجازی معانی ہیں مختلف: انکار ہے، حکم، نہی، تشویق وغیرہ بھئی، تشویق وغیرہ۔ اور یہ صرف انہی معانی کے لیے نہیں آئیں گے جو انہوں نے یہاں ذکر کر دیے بلکہ یہ چند معانی انہوں نے ذکر کر دیے، اور بھی معانی کے لیے یہ استعمال ہو سکتے ہیں لیکن وہ موقع محل سے پتہ چلے گا، جہاں بھی آپ ان کو استعمال کریں گے موقع محل، کلام کا چلاؤ ہی بتلا دے گا کہ یہ یہاں پر کس مقصد کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۳: بحثِ تمنی: تمنی اور ترجی کے تین فروق، «لَيْتَ» اور تمنی کے مجازی ادوات («هَلْ»، «لَوْ»، «لَعَلَّ»)

دروس البلاغہ صفحہ: ۳۹ــــ بتاریخ: ۱۷ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا التَّمَنِّي فَهُوَ طَلَبُ شَيْءٍ مَحْبُوبٍ لَا يُرْجَى حُصُولُهُ لِكَوْنِهِ مُسْتَحِيلًا أَوْ بَعِيدَ الْوُقُوعِ كَقَوْلِهِ أَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُودُ يَوْمًا فَأُخْبِرَهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيبُ، وَقَوْلِ الْمُعْسِرِ لَيْتَ لِي أَلْفَ دِينَارٍ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

آپ نے پڑھا کہ انشاء جو ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک طلبی ہے اور ایک غیر طلبی۔ اور پھر انشائے طلبی جو ہے وہ پانچ چیزوں کے ساتھ ہو گا، اور وہ پانچ چیزیں امر ہے، نہی ہے، استفہام ہے، تمنی ہے اور ندا۔ امر، نہی اور استفہام کی بحث مکمل ہوئی، آج ہم تمنی کے بارے میں پڑھیں گے۔ تمنی جسے اردو میں آپ تمنا اور آرزو کہتے ہیں بھئی، تمنا اور آرزو۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا التَّمَنِّي فَهُوَ طَلَبُ شَيْءٍ مَحْبُوبٍ، اور باقی تمنی جو ہے تو وہ طلب کرنا ہے ایسی محبوب چیز کو لَا يُرْجَى حُصُولُهُ۔ بھئی شَيْءٍ نکرہ آیا، مَحْبُوبٍ صفت اول، لَا يُرْجَى یہ فعل آگیا اور فعل بھی اپنے فاعل یا نائب فاعل کے ساتھ مل کر جملہ بنتا ہے اور جملہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں، تو یہ صفت ثانی ہوئی شَيْءٍ کے لیے بھئی۔ صفت اول مَحْبُوبٍ اور صفت ثانی لَا يُرْجَى حُصُولُهُ۔ اور اردو میں موصوف صفت، عربی میں تو موصوف پہلے آتا ہے صفت بعد میں آتی ہے، لیکن اردو میں اس کا عکس ہے بھئی، صفت پہلے آتی ہے موصوف بعد میں آتا ہے۔ مثلاً آپ عربی میں کہتے ہیں رَجُلٌ شُجَاعٌ، رَجُلٌ موصوف شُجَاعٌ اس کی صفت، اور اردو میں اس کا ترجمہ کیا کرتے ہیں؟ بہادر آدمی۔ تو دیکھو بہادر کو مقدم کر دیا اور آدمی جو مقدم تھا عربی میں اس کو مؤخر کر دیا۔ تو اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے اور موصوف مؤخر ہوتا ہے۔

اور یہ ایک طریقہ۔ دوسرا طریقہ جو میں ذکر کرتا رہتا ہوں کہ صفت کو مؤخر ہی رکھیں اور موصوف سے پہلے نکرہ کے اندر، کس میں؟ نکرہ میں موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں بھئی، ایسا یا ایسی کا لفظ۔ تو رَجُلٌ شُجَاعٌ، پہلا ترجمہ کیا کیا آپ نے؟ بہادر آدمی۔ اگر آپ موصوف کو مقدم ہی رکھنا چاہتے ہیں صفت کو مؤخر اردو میں بھی، تو موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں گے۔ تو رَجُلٌ شُجَاعٌ کا اب کیا ترجمہ ہو گا؟ ایسا آدمی، دیکھو آدمی کو مقدم ہی رکھنا ہے، ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، یہ ہوا اس کا ترجمہ۔ تو دو طریقے ہیں موصوف صفت کے ترجمے کے بھئی۔

تو یہاں پر اب دو صفات آئیں تو دونوں طریقے اختیار کر لیں گے بھئی۔ ایک صفت کو مقدم کر دیں گے اور ایک کے لیے ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں گے اور اس کو مؤخر ہی رکھیں گے بھئی۔ اس کو کیا کریں گے؟ مؤخر ہی رکھیں گے۔ تو کیا ترجمہ کریں گے؟ فَهُوَ طَلَبُ شَيْءٍ مَحْبُوبٍ لَا يُرْجَى حُصُولُهُ، اور باقی تمنی جو ہے وہ طلب کرنا ہے ایسی محبوب چیز کو، ایسی محبوب چیز کو۔ تو دیکھیے محبوب کو چیز پر مقدم کر دیا، یہ ایک طریقہ، اور دوسری کے لیے ایسا کا لفظ لے آیا میں: ایسی محبوب چیز لَا يُرْجَى حُصُولُهُ، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، لَا يُرْجَى حُصُولُهُ کہ امید نہ ہو اس کے حاصل ہونے کی۔ تمنی جو ہے وہ طلب کرنا ہے ایسی محبوب چیز کو، ایسی پسندیدہ چیز کو کہ لَا يُرْجَى حُصُولُهُ جس کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو، امید اور توقع نہ ہو بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو کہتے ہیں وَأَمَّا التَّمَنِّي فَهُوَ طَلَبُ شَيْءٍ مَحْبُوبٍ لَا يُرْجَى حُصُولُهُ لِكَوْنِهِ مُسْتَحِيلًا أَوْ بَعِيدَ الْوُقُوعِ، اور باقی تمنی وہ طلب کرنا ہے ایسی محبوب چیز کو کہ امید نہ ہو اس کے حاصل ہونے کی، لِكَوْنِهِ مُسْتَحِيلًا اس کے محال ہونے کی وجہ سے أَوْ بَعِيدَ الْوُقُوعِ یا بعید الوقوع ہونے کی وجہ سے۔ بھئی یاد رکھیے

تمنا کے اندر ضروری ہے کہ جس چیز کی طلب کی جارہی ہے وہ عقلاً یا عادتاً محال ہو یعنی اس کا حاصل ہونا ممکن ہی نہ ہو، أَوْ بَعِيدَ الْوُقُوعِ یا حاصل ہونا ممکن تو ہے لیکن بڑا بعید ہے، بڑا مشکل ہے، بڑی دور کی بات ہے بھئی۔ مثلاً بھئی کوئی شخص بوڑھا ہے اور وہ کہتا ہے لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُودُ، کاش کہ جوانی واپس لوٹ آئے۔ اب دیکھیے وہ تمنا کس چیز کی کر رہا ہے؟ جوانی کے واپس لوٹ آنے کی، اور یہ عادتاً ممکن نہیں۔ عادتاً ایک دفعہ جو جوانی جب چلی جائے پھر اس کے بعد دوبارہ جوانی نہیں آتی بھئی۔ تو یہ ایک ناممکن چیز کی طلب کر رہا ہے بھئی۔

تو تمنا ناممکن چیز کی ہو گی یا ایسی چیز کی جس کا ہونا ممکن تو ہے لیکن بڑا مشکل ہے، بڑا دور ہے بھئی۔ جیسے مثلاً کوئی غریب اور تنگدست آدمی کہتا ہے لَيْتَ لِي أَلْفَ دِينَارٍ، کاش کہ میرے پاس ہزار دینار ہوتے بھئی۔ لَيْتَ لِي أَلْفَ دِينَارٍ کاش میرے پاس ہزار دینار ہوتے۔ اب دیکھیے یہ ممکن تو ہے کہ اس کو ایک ہزار دینار مل جائیں لیکن ہے بڑا مشکل بھئی کیونکہ ایک تنگدست ہے، غریب ہے، اور ہزار دینار یہ تو یوں سمجھیں آج کل کے زمانے میں کئی لاکھ روپے بنتے ہوں گے بھئی، کئی لاکھ روپے، بلکہ شاید کروڑوں تک بات چلی جائے بھئی۔ ایک دینار ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے بھئی، ساڑھے چار ماشے۔ تو ہزار دینار کتنے کے ہوں گے؟ ساڑھے چار ہزار ماشے۔ ساڑھے چار ہزار، اور بارہ ماشے کا ہوتا ہے ایک تولہ۔ ذرا تولے بھئی حساب کریں بھئی جلدی یہ کتنا بنتا ہے۔ بھئی یہ حساب، یہ اوزان وغیرہ آتے ہیں یہ تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں بھئی۔ ساڑھے چار ہزار کو ذرا بارہ سے تقسیم کریں۔ تولے بنائیں بھئی، ساڑھے چار ہزار کو بارہ سے، جی؟ تین سو پچھتر تولے بن گئے یہ بھئی۔ اور ایک تولہ کتنے کا ہے آج کل؟ باسٹھ ہزار، باسٹھ یا تریسٹھ ہزار، اس کو ضرب دیں تین سو پچھتر سے۔ دو کروڑ بتیس لاکھ۔ ہاں یہ سوا دو کروڑ سے بھی زیادہ بنتے ہیں ایک ہزار دینار بھئی۔ اب ایک غریب آدمی کہتا ہے کاش مجھے سوا دو کروڑ یا تین کروڑ روپے مل جائیں! تو دیکھو اب یہ ممکن تو ہے کہ اس کو اتنے پیسے مل جائیں لیکن چونکہ وہ غریب ہے، تنگدست ہے تو ایسا ہونا بڑا مشکل ہے، بڑا بعید ہے۔

■ قولہ: «لِكَوْنِهِ مُسْت» کی تشریح

تو تمنا جس چیز کی ہوتی ہے یا تو وہ کیا ہو گا؟ اس کا ہونا ہی ممکن نہ ہو گا یا بعید ہو گا اس کا ہونا بھئی۔ یہی بات کر رہے ہیں لِكَوْنِهِ مُسْتَحِيلًا بوجہ اس چیز کے محال ہونے کے۔ وہ چیز محال ہو گی، یا تو عقلاً ہی محال ہو گی یا عادتاً محال ہو گی۔ عادتاً یعنی عموماً ایسا نہیں ہوتا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ یا عقلاً ہی محال ہو گی کہ اس کے ہونے کا امکان ہی نہیں۔ بھئی دیکھیے عادتاً محال ہے، دیکھیے اب جوانی کا واپس لوٹنا عادتاً محال ہے، عموماً ایسا نہیں ہوتا، ایک دفعہ جوانی چلی جائے تو پھر انسان دوبارہ بعد میں جوان ہو ایسا نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی سنت نہیں، اللہ کا طریقہ نہیں۔ اللہ نے کیا طریقہ جاری فرمایا ہے اپنی مخلوق کے اندر انسانوں کے اندر کہ انسان جوانی کے بعد بوڑھا ہوتا ہے اور بڑھاپے کے بعد پھر موت آتی ہے، یہ نہیں کہ دوبارہ کیا ہو جائے؟ جوان ہو جائے۔ تو عادتاً یہ محال ہے، عادتاً یہ ممکن نہیں ہے۔ ہاں عقلاً ممکن ہے بھئی، اللہ تعالی کسی شخص کو دوبارہ جوان فرمادیں تو عقلاً تو ممکن ہے لیکن اللہ کا یہ طریقہ نہیں بھئی، تو یہ محال ہوا عادتاً بھئی، عادتاً۔

تو کہتے ہیں فَهُوَ طَلَبُ شَيْءٍ مَحْبُوبٍ لَا يُرْجَى حُصُولُهُ لِكَوْنِهِ مُسْتَحِيلًا أَوْ بَعِيدَ الْوُقُوعِ، وہ طلب کرنا ہے ایسی محبوب چیز کو کہ امید نہ ہو اس کے حاصل ہونے کی لِكَوْنِهِ مُسْتَحِيلًا بوجہ اس کے محال ہونے کے أَوْ بَعِيدَ الْوُقُوعِ یا اس کے بعید الوقوع ہونے کی وجہ سے کہ اس کا ہونا بڑا بعید ہو۔ كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے بھئی: أَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُودُ يَوْمًا فَأُخْبِرَهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيبُ. فَأُخْبِرَ، را پر ضمہ تو نہیں آپ کی کتابوں میں؟ ضمہ نہیں، پیش نہیں ہونا چاہیے، را پر فتحہ ہونا چاہیے فَأُخْبِرَهُ. یہاں أَنْ مقدر ہے، أَنْ مقدر ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ چھ چیزوں کے جواب میں جو فا آئے اس کے بعد أَنْ مقدر ہوتا ہے: امر، نہی، استفہام اور اسی میں کیا ہے؟ تمنی بھی ہے۔ تمنی کے جواب میں اگر فعل مضارع آئے اور اس پر فا داخل ہوئی ہے تو اس فا کے بعد کیا مقدر ہو گا؟ أَنْ مقدر ہو گا اور وہ ما بعد کو یعنی فعل مضارع کو نصب دے گا۔ تو اسی لیے فَأُخْبِرُ نہیں پڑھیں گے یہاں پر، فَأُخْبِرَهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيبُ۔

تو دیکھیے شاعر کہتا ہے أَلَا، أَلَا حرف تنبیہ ہے بھئی۔ حرف تنبیہ جس کا اردو میں مختلف موقع محل کے مطابق ترجمہ کرتے ہیں، اردو میں کوئی اس کا ایسے مترادف نہیں ہے تو بہر حال اس کا ترجمہ کس سے کر دیتے ہیں؟ سنو، سنو، یا کبھی ترجمہ اس کا کر دیتے ہیں خبردار، یا کبھی ترجمہ کیا کر دیتے ہیں؟ آگاہ رہو۔ تو بہر حال یہ حرف تنبیہ ہے دوسرے کو متنبہ کرنے کے لیے۔ أَلَا سنو لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُودُ يَوْمًا کاش کہ جوانی لوٹ آئے یَوْمًا کسی روز، فَأُخْبِرَهُ تو میں اس کو خبر دوں، میں اس کو بتلاؤں یعنی اس جوانی کو بتلاؤں بِمَا فَعَلَ الْمَشِيبُ وہ جو کیا ہے الْمَشِيبُ، مشیب کہتے ہیں سفید بالوں کو اور اسی طرح بڑھاپے کو، وہ جو کیا ہے بڑھاپے نے یعنی میرے ساتھ۔ کاش کہ جوانی کسی روز لوٹ آئے تو میں اس جوانی کو خبر دوں، اس کو اطلاع دوں، میں اس کو بتلاؤں جو کچھ میرے ساتھ بڑھاپے نے کیا، یعنی بڑھاپے کی وجہ سے جو مجھ پر تکالیف، پریشانیاں، بیماریاں اور مصائب آئے اس کے بارے میں میں اس کو بتاؤں بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں یہ مثال ہے شاعر ایسی محبوب چیز کو طلب کر رہا ہے جس کا حاصل ہونا ممکن ہی نہیں ہے، عادتاً بڑھاپے کے بعد دوبارہ جوانی نہیں آتی بھئی۔

وَقَوْلِ الْمُعْسِرِ، یہ قَوْلِ کا عطف كَقَوْلِهِ پچھلے قول پر ہے اور اس پر تو کاف جارہ داخل تھا مجرور تھا تو یہ بھی کیا ہو گا؟ مجرور۔ وَقَوْلِ الْمُعْسِرِ، معسر کہتے ہیں تنگدست کو بھئی، غریب جو ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ وَقَوْلِ الْمُعْسِرِ اور تنگدست آدمی کا قول لَيْتَ لِي أَلْفَ دِينَارٍ، کاش کہ میرے پاس ایک ہزار دینار ہوتے۔

وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ مُتَوَقَّعَ الْحُصُولِ فَإِنَّ تَرَقُّبَهُ يُسَمَّى تَرَجِّيًا وَيُعَبَّرُ عَنْهُ بِعَسَى أَوْ لَعَلَّ۔ یہ تو تھی بھئی تمنی۔ تمنی کے بارے میں انہوں نے آپ کو کیا بتلایا؟ ایسی محبوب چیز کو طلب کرنا جس کا ہونا محال ہو یا جو بعید الوقوع ہو، اس کو کہتے ہیں تمنا۔ اس کے مقابلے میں ایک ترجی ہے بھئی، ترجی۔ یاد رکھیے ترجی کے اندر وہ چیز جو ہے وہ ممکن ہو گی، ممکن یعنی محال نہیں ہو گی، اور نیز بعید الوقوع نہیں ہو گی، آسانی سے ہو سکے گی بھئی۔ آسانی سے ہو سکے گی۔ تو تمنا کے اندر وہ چیز اگر ممکن ہو تو اس کا بعید الوقوع ہونا ضروری، لیکن ترجی کے اندر جس چیز کی ترجی کی جا رہی ہو گی اس کا حاصل ہونا بعید الوقوع نہیں ہو گا بلکہ قریب الوقوع، آسانی سے حاصل ہو سکے گی، آسانی سے ہونے والی ہو گی۔

لہٰذا یاد رکھیے اگر لفظ تو آئے تمنی والا یعنی لَیْتَ آ جائے لیکن چیز ایسی ذکر کی جائے جو آسانی سے حاصل ہوتی ہے، آسانی سے ہونے والی ہے، تو یاد رکھیے یہ دراصل ترجی ہے۔ اگرچہ استعمال لَیْتَ کیا جا رہا ہے لیکن دراصل یہ کیا ہے؟ ترجی ہے کیونکہ وہ چیز آسانی سے حاصل ہونے والی ہے اور جو چیز آسانی سے حاصل ہو اس کے لیے تمنی نہیں ہوتی بلکہ کیا ہوتی ہے؟ ترجی۔ تو اگر لفظ تو لَیْتَ کوئی استعمال کرتا ہے لیکن وہ چیز ایسی ہے جو آسانی سے حاصل ہونے والی ہے تو پھر کہیں گے کہ یہ ترجی ہے جو کس کی صورت میں ذکر کی ہے اس کہنے والے نے؟ تمنی کی۔ تو صورت تمنی کی ہے لیکن دراصل یہ ترجی ہے۔ اور ترجی کے اندر اس کا حاصل ہونا آسان ہو گا ممکن ہو گا۔ تو اگر کوئی شخص لفظ استعمال کرتا ہے ترجی والے، ترجی کے لیے لَعَلَّ اور عَسَى آتے ہیں آپ کو بتلایا انہوں نے، عَسَى اور لَعَلَّ، تو اگر استعمال عَسَى یا لَعَلَّ کرتا ہے لیکن چیز ایسی ہے جو حاصل ہو ہی نہیں سکتی یا حاصل تو ہو سکتی ہے لیکن بہت مشکل ہے اس کا حاصل ہونا، تو سمجھ جائیے کہ یہاں دراصل تمنی کی جا رہی ہے لیکن صورت کس کی ہے؟ ترجی کی۔ تو دراصل پھر یہ تمنی ہو گی بصورت ترجی بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو اگر وہ امر مستحیل ہو یا بعید الوقوع ہو تو اس کو کہیں گے تمنی۔ اور اگر وہ امر متوقع الحصول ہو یعنی اس کے حاصل ہونے کی توقع ہو، امید ہے، وہ آسانی سے حاصل ہونے والا ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ ترجی کہیں گے۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ مُتَوَقَّعَ الْحُصُولِ اور جب وہ امر جو ہے، وہ چیز جو ہے اس کے حاصل ہونے کی توقع ہو، فَإِنَّ تَرَقُّبَهُ يُسَمَّى تَرَجِّيًا تو اس کا انتظار کرنا، ترقب کا معنی انتظار، فَإِنَّ تَرَقُّبَهُ يُسَمَّى تَرَجِّيًا تو اس کا انتظار کرنا اس کو ترجی کہتے ہیں، وَيُعَبَّرُ عَنْهُ بِعَسَى أَوْ لَعَلَّ اور اس کو تعبیر کیا جاتا ہے عَسَى یا لَعَلَّ کے ساتھ۔ جیسے تمنی کو تعبیر کیا جاتا ہے لَیْتَ کے ساتھ بھئی جیسے شعر میں آیا تھا أَلَا لَيْتَ، تو تمنی کو تعبیر کیا جاتا ہے لَیْتَ کے ساتھ، اسی طرح ترجی کو کس سے تعبیر کیا جاتا ہے؟ عَسَى یا لَعَلَّ کے ساتھ۔

■ قولہ: «لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا» کی تشریح

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا، شاید کہ اللہ پیدا فرما دیں اس کے بعد کوئی امر، کوئی چیز۔ أَحْدَثَ يُحْدِثُ کے معنی پیدا کرنا۔ شاید اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرما دیں بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ایک معاملہ ہے وہ ہو ہی نہیں رہا یعنی آپ کا کوئی کام ہے ہو ہی نہیں رہا اور اس موقع پر آپ کہتے ہیں لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا، شاید اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرما دیں، اس وقت تو کام ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی لیکن شاید آگے اللہ کوئی صورت پیدا فرما دیں بھئی، لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا۔ قرآن میں بھی یہ ایسے ہی موقع پر استعمال ہوا ہے۔

اچھا تو یہاں بھئی ایک تمنی آئی اور ایک ترجی۔ یاد رکھیے تمنی اور ترجی میں تین فرق ہیں بھئی، تین فرق ہیں:

تمنی میں طلب ہوتی ہے، تمنی میں طلب ہوتی ہے جبکہ ترجی میں توقع اور انتظار ہوتا ہے، توقع اور انتظار ہوتا ہے، امید ہوتی ہے۔ پہلا فرق کیا ہے؟ تمنی میں کیا ہو گی؟ طلب ہو گی، جبکہ ترجی میں امید اور انتظار ہو گا بھئی، یہ پہلا فرق ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے تمنی اور ترجی کے اندر کہ ترجی کے اندر متر جی کا ممکن ہونا ضروری ہے جبکہ تمنی کے اندر متمنی کا ممکن ہونا ضروری نہیں۔ دوسرا فرق کیا ہے؟ ترجی میں متر جی جس کی ترجی کی جا رہی ہے، تو ترجی میں متر جی کا ممکن ہونا ضروری ہے جبکہ تمنی میں متمنی کا ممکن ہونا ضروری نہیں۔ ابھی آپ نے پڑھا شاعر تمنا کیا کر رہا ہے؟ کاش کہ جوانی لوٹ آئے، تو جوانی کا لوٹنا یہ ہوا متمنی جس کی وہ تمنا کر رہا ہے، اور یہ ممکن ہے کہ جوانی واپس لوٹ آئے؟ نہیں۔ تو دیکھو متمنی محال ہے، مستحیل ہے۔ تو متمنی محال بھی ہو سکتا ہے ناممکن بھی ہو سکتا ہے، لیکن ترجی اس میں کیا ضروری ہے؟ متر جی ممکن ہونا چاہیے اور قریب الوقوع ہونا چاہیے یعنی وہ آسانی سے ہونے والا ہو بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ آسانی سے ہو سکے بھئی۔ فرق بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ پہلا فرق کیا ہے کہ تمنی کے اندر طلب ہوتی ہے جبکہ ترجی کے اندر امید اور انتظار ہوتا ہے بھئی۔ دوسرا فرق یہ کہ ترجی کے اندر متر جی کا ممکن ہونا ضروری ہے کہ وہ چیز ایسی ہونی چاہیے جس کی ترجی کی جا رہی ہے کہ وہ ممکن بھی ہو محال نہیں ہونی چاہیے، جبکہ تمنی کے اندر متمنی کا ممکن ہونا ضروری نہیں، ہو سکتا ہے کوئی شخص ایسی چیز کی تمنا کرے جو ممکن ہی نہ ہو، جو ہو ہی نہ سکے، مثلاً جیسے ابھی شاعر نے تمنا کی جوانی کے لوٹنے کی اور جوانی کا لوٹنا تو ممکن نہیں۔ تو متمنی ممکن بھی ہو سکتا ہے اور ناممکن بھی ہو سکتا ہے لیکن متر جی کا ممکن ہونا ضروری ہے۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تیسرا فرق یہ کہ تمنی میں متمنی کا محبوب ہونا ضروری ہے، ایسی چیز کی طلب ہو جو محبوب ہو، پسندیدہ ہو، مرغوب ہو۔ تمنی کے اندر متمنی کا مرغوب ہونا ضروری ہے، لیکن ترجی کے اندر متر جی کا مرغوب اور پسندیدہ اور محبوب ہونا ضروری نہیں۔ تیسرا فرق کیا ہے؟ متمنی کا محبوب ہونا ضروری ہے لیکن ترجی میں متر جی کا محبوب ہونا ضروری

نہیں، بلکہ ترجی ناپسندیدہ چیز کی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی بیمار ہے اور سخت بیمار ہوا اور اس وقت وہ کہتا ہے لَعَلِّي أَمُوتُ الْآنَ۔ لَعَلِّي أَمُوتُ الْآنَ، شاید میں ابھی مر جاؤں گا۔ اتنی اس کی طبیعت خراب ہو گئی اب وہ خود کیا کہہ رہا ہے شاید میں ابھی مر جاؤں۔ تو اب دیکھیے وہ کس چیز کی ترجی ہے، کس چیز کی امید ذکر کر رہا ہے؟ موت کی، اور موت پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ چیز بھئی؟ موت تو ناپسندیدہ چیز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو لہٰذا دیکھیے معلوم ہوا ترجی وہ غیر مرغوب شے کی بھی ہو سکتی ہے لیکن تمنا ہمیشہ کس کی ہو گی؟ مرغوب اور محبوب چیز کی ہو گی بھئی۔ تو تین فرق ہو گئے بھئی، تین فرق تمنی اور ترجی کے اندر: ترجی کے اندر امید اور انتظار ہے، تمنی کے اندر طلب ہے۔ دوسرا فرق مترجی کا ممکن ہونا شرط ہے لیکن متمنی کا ممکن ہونا شرط نہیں ہے۔ تیسرا فرق بھئی متمنی کا شے محبوب و مرغوب ہونا ضروری ہے جبکہ مترجی کا شے محبوب و مرغوب ہونا ضروری نہیں ہے بھئی۔ یہ تین فرق ہیں بھئی۔

وَلِلتَّمَنِّي أَرْبَعُ أَدَوَاتٍ اور تمنی کے چار ادوات ہیں بھئی، چار ادوات۔ وَاحِدَةٌ أَصْلِيَّةٌ ایک اصلی ہے ان میں جو ہے وَهِيَ لَيْتَ اور وہ لَيْتَ ہے، وَثَلَاثَةٌ غَيْرُ أَصْلِيَّةٍ اور تین جو ہیں وہ غیر اصلی ہیں، وَهِيَ اور وہ یہ ہیں: هَلْ جیسے هَلْ ہے، اور آگے آ رہا ہے آیت کے بعد وَلَوْ اور دوسرا کیا ہے؟ لَوْ ہے، اور آخر میں آ رہا ہے وَلَعَلَّ اور تیسرا لَعَلَّ ہے بھئی، لَعَلَّ۔ بھئی انہوں نے آپ کو بتلایا وَلِلتَّمَنِّي أَرْبَعُ أَدَوَاتٍ تمنی کے لیے چار ادوات ہیں یعنی چار کلمات ہیں، چار لفظ ایسے ہیں جن کے ذریعے تمنی کی جاتی ہے۔ اور ان چار میں سے ایک اصلی ہے وَهِيَ لَيْتَ اور وہ لَيْتَ ہے۔ ایک اصلی ہے یعنی اس کو وضع ہی تمنا کے لیے کیا گیا ہے عربی زبان کے اندر، اس کو مقرر ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ تمنی کے لیے، تمنا کے لیے عربی میں یہ لفظ وضع کیا گیا ہے، اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن تین دوسرے لفظ ہیں ان کو بھی تمنی کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے کلام عرب میں لیکن وہ اصلاً تمنا کے لیے وضع نہیں، وہ تو اور معانی کے لیے وضع ہیں، مثلاً هَلْ آیا، هَلْ تو استفہام کے لیے وضع ہے، لَوْ آیا، لَوْ تو کس لیے وضع ہے؟ شرط کے لیے وضع ہے، اور لَعَلَّ آیا اور لَعَلَّ تو ترجی کے لیے وضع ہے تمنی کے لیے نہیں۔ تو یہ تین الفاظ بھی البتہ تمنی میں استعمال ہو جاتے ہیں لیکن یہ ہیں غیر اصلی یعنی ان کو تمنا کے لیے وضع نہیں کیا گیا بھئی۔ تو ایک ہے اصلی یعنی اس کو وضع ہی تمنا کے لیے کیا گیا اور وہ ہے لَيْتَ، اور تین ہیں غیر اصلی یعنی ان کو وضع تو تمنا کے لیے نہیں کیا گیا لیکن استعمال ہو جاتے ہیں مجازاً کس کے اندر؟ تمنی کے اندر بھئی۔

■ قولہ: «وَلِلتَّمَنِّي أَرْبَعُ أَدَوَاتٍ» کی تشریح

تو کہہ رہے ہیں وَلِلتَّمَنِّي أَرْبَعُ أَدَوَاتٍ اور تمنی کے چار ادوات ہیں، چار آلات ہیں یعنی چار کلمات ہیں، وَاحِدَةٌ أَصْلِيَّةٌ ایک اصلی ہے وَهِيَ لَيْتَ اور وہ لَيْتَ ہے یعنی یہ وضع کے اعتبار سے ہے، وَثَلَاثَةٌ غَيْرُ أَصْلِيَّةٍ اور تین غیر اصلی ہیں یعنی وضع کے اعتبار سے تمنی کے لیے نہیں ہیں، وَهِيَ هَلْ اور وہ تین یہ ہیں: هَلْ بھئی۔ اور دوسرا کیا ہے؟ هَلْ کے نیچے انہوں نے دیکھیے لکھا ہے لِلِاسْتِفْهَامِ، هَلْ تو کس لیے ہوتا ہے؟ استفہام کے لیے۔ وَلَوْ اور اگلا لَوْ ہے اور اس کے نیچے انہوں نے کیا لکھا ہے؟ شَرْطِيَّةٌ، یہ شرط کے لیے ہوتا ہے۔ اور لَعَلَّ ہے تیسرا اور وہ کس لیے ہوتا ہے؟ ترجی کے لیے۔ اور درمیان میں ہر ایک کی مثال بھی ذکر کرتے جا رہے ہیں جہاں پر هَلْ تمنی کے لیے آیا یا جہاں پر لَوْ کس لیے آیا؟ تمنی کے لیے۔

تو کہتے ہیں وَهِيَ هَلْ اور وہ تین جو ہیں وہ یہ ہیں: هَلْ ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا، کاش کہ ہمارے کوئی سفارش کرنے والے ہوتے فَيَشْفَعُوا لَنَا تو وہ ہماری سفارش کرتے۔ کاش کہ ہمارے لیے کوئی سفارش کرنے والے ہوتے تو وہ ہماری سفارش کرتے۔ یہ کفار اور مشرکین کہیں گے قیامت کے روز جب وہ اللہ کے عذاب کو، اللہ کی گرفت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، انہیں پتہ چل جائے گا اور انہیں بتلا دیا جائے گا کہ اب تمہاری چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے اور تمہاری اس عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے، کسی کو بھی تمہارے معاملے میں سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے، کسی کو سفارش کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ تو اس موقع پر وہ کہیں گے فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا، کیا ہمارے کوئی سفارش کرنے والے ہیں تو وہ ہماری سفارش کر لیں؟ تو یہاں پر هَلْ لے کر آئے وہ هَلْ، اور هَلْ تو کس لیے آتا ہے؟ استفہام کے لیے، لیکن یہ استفہام کے لیے نہیں ہے بلکہ کس لیے ہے؟ تمنی کے لیے یہاں آیا ہے، وہ تمنا کا اظہار کر رہے ہیں، سوال ان کا مقصد نہیں ہے، وہ پوچھ نہیں رہے کہ کیا ہمارا کوئی سفارش کرنے والا ہے وہ کیا کر دے ہماری سفارش؟ یہ وہ سوال نہیں کر رہے بلکہ کیا کر رہے ہیں؟ تمنا کا اظہار کر رہے ہیں کہ کاش ہمارا کوئی سفارش کرنے والا ہوتا فَيَشْفَعُوا لَنَا تو وہ ہماری سفارش کر دیتا بھئی، سفارش کر دیتا۔ تو یہاں هَلْ کس لیے آیا؟ تمنی کے لیے بھئی، تمنی کے لیے۔

تو وہ اب تمنا کا اظہار کریں گے اس موقع پر، تو تمنا کے لیے وہ هَلْ کیوں استعمال کریں گے اس موقع پر؟ مفسرین حضرات اس موقع پر نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ تمنا کا اظہار کر رہے ہیں لیکن تمنا کے لیے جو لفظ وضع ہے لَيْتَ اس کو استعمال کرنے کے بجائے وہ کیا لفظ استعمال کر رہے ہیں؟ هَلْ۔ اس کی کیا وجہ ہے، اس میں کیا نکتہ ہے کہ لَيْتَ سے انہوں نے عدول کیا هَلْ کی طرف، اس میں نکتہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تمنا عموماً ناممکن چیز کی ہوتی ہے اور سوال جو ہے وہ ممکن چیز کا ہوتا ہے۔ سوال کس چیز کے بارے میں ہوتا ہے؟ ممکن چیز کے بارے میں ہوتا ہے، جبکہ تمنا عموماً کس کی ہوتی ہے؟ ناممکن چیز کی، اور سوال ہوتا ہے ممکن چیز کے بارے میں۔ آپ اپنے ساتھی کو کہتے ہیں هَلْ جَاءَ زَيْدٌ؟ کیا زید آ گیا ہے؟ اب آپ مجھے بتائیے کیا زید کا آنا ممکن ہے یا ممکن نہیں ہے؟ زید کا آنا تو ممکن ہے بھئی اسی لیے آپ نے هَلْ کے ساتھ سوال

کیا۔ اگر ایک چیز کا ہونا ممکن ہی نہ ہو آپ اس کا سوال نہیں کریں گے کبھی بھی بھئی۔ آپ اس کا سوال نہیں کریں گے بھئی۔ مثلاً زید کا انتقال ہو چکا ہے، اب آپ کبھی نہیں کہیں گے هَلْ جَاءَ زَيْدٌ کیا زید آ گیا ہے؟ کیونکہ اب آپ جانتے ہیں عادتاً اس کا آنا ممکن ہی نہیں ہے بھئی، ممکن ہی نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو استفہام ہمیشہ کس کے بارے میں ہوتا ہے؟ ممکن چیز کے بارے میں، ایک چیز ممکن تو ہو پھر اس کے بارے میں سوال پوچھا جاتا ہے کہ جواب مل جائے بھئی، علم ہو جائے اس چیز کا۔ تو تمنا عموماً ہوتی ہے ناممکن چیز کی اور سوال ہوتا ہے ممکن چیز کا۔

اب یہاں پر ان کو پہلے ہی بتلا دیا جائے گا کہ تمہاری اب اس عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں، دنیا کے اندر تمہارے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا اور تمہیں دعوت دی گئی کہ کفر و شرک کو چھوڑ کر توحید کی طرف آ جاؤ، لیکن تم نے کسی کی بات کو نہیں سنا اور توحید کی طرف نہیں آئے بلکہ الٹا پیغمبروں کو تکلیف دیتے رہے، مومنین کو قتل کرتے رہے، ان کو تکالیف دیتے رہے اور اسی برائی کے راستے پر چلتے رہے، اب تمہاری نجات کی کوئی صورت نہیں ہے اور کسی کو تمہارے معاملے میں سفارش کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، کوئی صورت نہیں نجات کی، یہ ان کو بتا دیا جائے گا۔ اب وہ کیا کہیں گے؟ فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ کیا ہمارے کوئی سفارش کرنے والے ہیں؟ اب هَلْ لے کر آئے۔ اور سوال وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی چیز کا علم نہ ہو۔ اگر آپ کو پتہ ہے کہ زید آ گیا ہے تو کیا آپ کبھی سوال کریں گے هَلْ جَاءَ زَيْدٌ؟ یہ آپ تبھی پوچھیں گے جب آپ کو علم نہ ہو۔ تو سوال، هَلْ دلالت کرتا ہے کہ ان کو علم نہیں، حالانکہ ان کو تو پہلے سے ہی کیا بتلا دیا گیا ہے؟ ان کو تو بتلا دیا گیا ہے کہ اب تمہاری نجات کی کوئی صورت نہیں۔ تو ان کو علم ہے، علم کے ہونے کے باوجود وہ هَلْ لے کر آئے اور هَلْ تو کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ علم نہ ہونے پر۔ معلوم ہوا یہاں هَلْ اپنے اصل معنی میں نہیں کیونکہ ان کو تو علم ہے۔ علم کے بعد سوال ہوتا ہی نہیں ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا یہاں هَلْ اپنے اصل معنی میں نہیں ورنہ تو دونوں چیزوں میں منافات ہے: علم بھی ہو اور هَلْ کے ذریعے کیا پتہ لگے کہ یہ لاعلم ہیں، عالم بھی ہو اور غیر عالم بھی ہو اس بات پر، یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جب ان کو پہلے بتا دیا گیا تو ان کو علم ہے اور هَلْ آیا یہ تو دلالت کر رہا ہے کہ ان کو علم نہیں ہے، معلوم ہوا هَلْ اپنے اصل معنی میں نہیں۔

تو پھر یہ کس معنی میں ہے؟ تو مفسرین حضرات لکھتے ہیں یہ یہاں کس لیے ہے؟ تمنا کے لیے ہے۔ تو هَلْ کے ذریعے دراصل وہ تمنا کر رہے ہیں بھئی۔ اور تمنا کے لیے هَلْ کیوں لے کر آئے؟ اپنی بے انتہا رغبت اور شوق کو ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ جو چیز ہم ذکر کر رہے ہیں ہمیں انتہا درجے کی یہ محبوب ہے اور مرغوب ہے، کاش یہ کسی طرح ہمیں مل جائے! کیا مل جائے؟ کوئی سفارش کرنے والا مل جائے بھئی۔ تو وہ اپنی بے انتہا چاہت کو، اپنی بے انتہا رغبت کو اور اس چیز کے بے انتہا محبوب ہونے کو کس کے ساتھ ذکر کریں گے؟ هَلْ کے ساتھ بھئی۔ هَلْ کے ذریعے مقصد ہی یہ ہے کہ پتہ چل جائے کہ یہ چیز ہمیں بے انتہا مرغوب ہے۔ کس طرح اس سے بے انتہا رغبت کا پتہ لگا؟ بھئی دیکھیے تمنا ہوتی ہے کس چیز کی؟ ناممکن چیز کی عموماً، اور سوال ہوتا ہے کس چیز کا؟ ممکن چیز کا۔ تو کیا ان کے لیے کسی سفارشی کا ہونا ممکن ہو گا وہاں پر؟ ممکن ہی نہیں، جب ان کو بتلا دیا گیا اللہ کی طرف سے فیصلہ آ گیا کہ اب تمہاری نجات کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو پتہ چل گیا کہ ان کے لیے کسی کو سفارش کی بھی اجازت نہیں۔ جب قطعی طور پر بتلا دیا گیا کہ تمہارا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے تو گویا سفارشی کا ہونا ناممکن ہوا۔ لیکن یہ چیز ان کو تو بڑی محبوب ہے کہ کسی طرح کوئی سفارش کرنے والا مل جائے، تو اپنی اس تمنا کو، تمنا کس چیز کی ہے؟ ناممکن چیز کی، لیکن اس کو هَلْ کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ هَلْ کے ذریعے ممکن چیز کا سوال ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بتایا هَلْ کے ذریعے کس کا سوال ہو گا؟ ممکن چیز کا، زید زندہ ہے تو آپ کہیں گے هَلْ جَاءَ زَيْدٌ، زید مر چکا ہے تو آپ کبھی بھی نہیں کہیں گے هَلْ جَاءَ زَيْدٌ کیونکہ اب زید کا آنا ممکن ہی نہیں۔ تو سوال ہوتا ہے ممکن چیز کا اور تمنا ہوتی ہے ناممکن چیز کی۔ تو وہ چیز تو ناممکن ہو گی لیکن اس کو وہ هَلْ کے ساتھ ذکر کریں گے یعنی ممکن کے درجے میں اتار لیں گے اپنی بے انتہا رغبت، شوق اور محبوبیت کو ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ چیز ہمیں بے انتہا محبوب ہے، اور یہ ہے تو ناممکن لیکن اتنی محبوب ہے ہمیں کہ گویا کہ ممکن ہی ہے، اپنی بے انتہا مرغوبیت کو ظاہر کرنے کے لیے اس چیز میں۔

بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ بس دو تین باتیں یاد رکھیں پھر پوری تقریر آپ کے ذہن میں محفوظ ہو جائے گی: نمبر ایک یہ یاد رکھیں کہ تمنا ناممکن چیز کی عموماً ہوتی ہے اور سوال کس چیز کے بارے میں ہوتا ہے؟ ممکن چیز کے بارے میں ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ یاد رکھیے بھئی کہ سوال ہوتا ہے جہاں انسان کو علم نہ ہو حالانکہ ان کو یہ پہلے سے علم ہے۔ جب پہلے سے علم ہو گا پھر هَلْ لے کر آئے، معلوم ہوا یہ سوال کے لیے نہیں، سوال تو وہاں ہوتا ہے جہاں علم نہ ہو اور یہاں تو ان کو پہلے سے ہی علم ہے، تو معلوم ہوا یہ کسی اور معنی میں ہے۔ اب وہ اور کون سا معنی ہے؟ مفسرین حضرات کیا لکھتے ہیں کون سا معنی ہے؟ تمنی والا معنی ہے یہاں پر بھئی۔ اور تمنی کو پھر هَلْ کے ساتھ کیوں تعبیر کیا؟ وہ جو پہلی بات میں نے ذکر کی کہ تمنی ہوتی ہے کس چیز کی؟ ناممکن چیز کی اور سوال کس چیز کا ہوتا ہے؟ ممکن، تو اس ناممکن کو انہوں نے کس کے درجے میں اتار لیا؟ ممکن کے درجے میں اتارا۔ کیوں ممکن کے درجے میں اتارا؟ کہ یہ چیز ہمیں بے انتہا محبوب و مرغوب ہے، اتنی محبوب و مرغوب ہے کہ گویا ناممکن ہے ہی نہیں یہ ممکن ہے اور ہم چاہتے ہیں کسی طرح یہ مل جائے ہمیں۔ تقریر سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھئی؟ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ویسے سر ہی ہلا رہے ہیں؟

بھئی دیکھیے اگر ابھی بھی بات سمجھ میں نہیں آئی تو دوسری مثال سے اس کو سمجھیں، دوسری مثال سے۔ مثلاً بھئی ایک طالب علم ہے اور آپ جانتے ہیں، آپ کو ابھی خیر اس کا پورا اندازہ نہیں، طالب علمی کا زمانہ زندگی کا سب سے بہترین زمانہ ہوتا ہے بھئی، طالب علمی کا زمانہ۔ اور جونہی طالب علمی ختم ہوتی ہے تو یہ ساتھیوں کے ساتھ ملاقاتیں، یہ سیر و تفریح، یہ آپس میں بیٹھ کر گپ شپ کرنا، سبق بھی پڑھنا، مطالعہ بھی کرنا اور ساتھ ساتھ ساتھیوں کے ساتھ کھیلنا بھی، گپ شپ لگانا، یہ سب چیزیں بڑی ہی تقریباً ختم ہونے کے قریب، ختم ہی ہو جاتی ہیں، بہت تھوڑا کوئی ایک آدھ ساتھی آپ کے پاس رہ جائے شاید آپ کے علاقے کا ہو ورنہ سب ساتھی کوئی کس علاقے کا کوئی کس علاقے کا

سب جدا ہو جاتے ہیں بھئی۔ اور یہ طالب علمی کے زمانے کے گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا کیسے گزر گیا، اتنی رفتار سے گزر جاتا ہے، اتنی رفتار سے۔

تو اب مثلاً طالب علمی کا زمانہ گزر گیا۔ طالب علمی کا زمانہ گزر گیا، وہ دوستوں کی مجلسیں، وہ محفلیں، وہ دوست احباب وغیرہ سب بچھڑ گئے، اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اب ایک مرتبہ آپ دو ساتھی ملتے ہیں، آپ کو وہ لذت بھرا زمانہ یاد آتا ہے، وہ خوشیوں بھرا زمانہ یاد آتا ہے۔ اب وہ زمانہ واپس آسکتا ہے؟ وہ زمانہ واپس نہیں آسکتا، ممکن ہی نہیں، گزر گیا۔ تو اب آپ اپنے ساتھی کو کہتے ہیں، آپ کہتے ہیں اس ساتھی کو جس سے ملے ہیں: بھئی کیا وہ زمانہ واپس آسکتا ہے؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟ سوال کر رہے ہیں: بھئی کیا وہ زمانہ پھر دوبارہ واپس آسکتا ہے؟ تو یہ سوال کر رہے ہیں لیکن یہ تو آپ بھی جانتے ہیں اس کا آنا واپس ممکن نہیں۔ لیکن یہ سوال آپ نے کیوں کیا؟ اپنی بے انتہا چاہت کو بتلانے کے لیے کہ اس کا آنا ممکن تو نہیں ہے لیکن مجھے اس کا واپس لوٹنا اتنا محبوب ہے، اتنا محبوب ہے گویا مجھے تو پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ ناممکن ہے، تو اس ناممکن کو بھی گویا آپ نے کس کے درجے میں اتار کر سوال کر لیا؟ ممکن کے درجے میں سوال کر لیا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اب آپ کو پتہ ہے اس کا واپس آنا ممکن ہی نہیں ہے لیکن پھر بھی آپ اپنے ساتھی سے سوال کرتے ہیں: بھئی کیا وہ طالب علمی کا زمانہ کسی صورت میں واپس نہیں آسکتا؟ اب یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ واپس نہیں آسکتا لیکن یہ آپ سوال کیوں کر رہے ہیں، کیا مقصد ہے؟ اپنی بے انتہا چاہت اور رغبت کو بتلانے کے لیے۔

بات اب بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں سمجھ میں آئی بھئی؟ ہاں اب اس سوال پر ذرا اپنے غور کریں، آپ اس موقع پر سوال کرتے ہیں اور کہنا تو یہ چاہیے تھا آپ کو کاش وہ زمانہ واپس آجائے بھئی، لیکن آپ کیا سوال کرتے ہیں؟ کیا وہ زمانہ پھر واپس آسکتا ہے؟ آپ خود اس جملے پر ہی غور کر لیں آپ کو اندازہ ہو جائے گا کتنی چاہت ہے آپ کے دل میں یہ جملہ کہتے ہوئے بھئی کہ کاش وہ زمانہ پھر واپس لوٹ آئے بھئی۔ اب بات سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح ہے، هَلْ کے ذریعے وہ سوال کر رہے ہیں اور سوال تو ہوتا ہے ممکن چیز کا اور وہ جس چیز کا سوال کر رہے ہیں وہ تو ناممکن ہے، لیکن اس ناممکن کو بھی گویا انہوں نے کس کے درجے میں اتار لیا؟ ممکن کے درجے میں اتار کر اس کے بارے میں سوال کیا۔ کس لیے ایسا کیا؟ اپنے بے انتہا شوق اور اپنی بے انتہا رغبت کا اظہار کرنے کے لیے بھئی۔ تو کہیں گے فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا کیا کوئی ہمارے لیے سفارش کرنے والا ہے تو وہ ہماری سفارش کرتا؟ تو دراصل وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کاش ہمارے لیے کوئی سفارش کرنے والا ہوتا تو ہماری سفارش کرتا۔

■ قولہ: «فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً» کی تشریح

وَلَوْ اور اسی طرح جو ہے لَوْ، یہ شرط کے لیے آتا ہے لیکن تمنا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً اگر ہمارے لیے لوٹنا ہوتا، كَرَّةٌ کے کیا معنی ہیں؟ واپس لوٹنا، واپس لوٹنا، كَرَّةٌ۔ اسی سے ہے حیدر کرار، حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ کو کیا کہتے ہیں؟ حیدر کرار۔ کرار بار بار پلٹنے والا۔ تو حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ کا کوئی یہ جنگ کا خاص طریقہ تھا پلٹ پلٹ کر حملہ کرتے تھے تو کیا کہتے ہیں ان کو؟ حیدر کرار کہتے ہیں۔ تو فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، یہ بھی قیامت کے دن وہ کفار کہیں گے فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً اگر ہمارے لیے لوٹنا ہو تا یعنی اگر ہمارے لیے واپسی کی کوئی صورت ہوتی دنیا میں کہ ہم واپس لوٹ جاتے فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ تو ہم کس میں سے ہوتے؟ مومنین میں سے ہوتے، ہم بھی اہل ایمان لوگوں میں سے ہوتے۔ تو یہاں دیکھیے لَوْ آیا: اگر ہمارے لیے لوٹنا ہوتا تو ہم بھی کس میں سے ہوتے؟ مومنین میں سے۔ تو یہاں پر یہ لَوْ جو ہے تمنا کے لیے ہے، تمنا کے لیے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور دلیل کیا ہے اس کی کہ یہ تمنا کے لیے ہے؟ دلیل اس کی یہ بھی کہ فَنَكُونَ، یہ دیکھو لَوْ تو شرط کے لیے آتا ہے یہ تو نصب نہیں دیتا، لیکن یہاں پر فا کے بعد فَنَكُونَ فعل مضارع پر کیا آرہا ہے؟ نصب آرہا ہے۔ یہ نصب اس بات کی دلیل ہے کہ لَوْ یہاں شرط کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر اپنے اصل معنی میں ہوتا یہ تو نصب نہیں دیتا بھئی۔ تو پھر کس معنی کے لیے ہے؟ تو مفسرین حضرات لکھتے ہیں بھئی یہاں یہ کس لیے آیا ہے؟ تمنی کے لیے آیا ہے، تمنی کے لیے۔ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اگر ہمارے لیے واپس لوٹنا ہوتا تو ہم مومنین میں سے ہوتے، تو گویا وہ یوں کہہ رہے ہیں فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً کاش ہمارے لیے دنیا میں واپس لوٹنا ہوتا فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ تو ہم کس میں سے ہوتے؟ مومنین میں سے ہوتے، مومنین میں سے ہوتے۔

تو یہ نکتہ کیا ہے اس کے اندر کہ لَيْتَ سے لَوْ کی طرف عدول کیوں کیا انہوں نے؟ تمنا کے لیے تو کیا لفظ آتا ہے؟ لَيْتَ، لیکن انہوں نے کون سا لفظ استعمال کیا؟ لَوْ، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو یہاں پر دیکھیے بھئی وہ کفار اور مشرکین قیامت کے دن اپنی اس تمنا کا اظہار کریں گے، اور تمنا کے لیے تو لفظ وضع ہے لَيْتَ لیکن لَيْتَ کے بجائے وہ کیا ذکر کریں گے؟ لَوْ ذکر کریں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ لَيْتَ سے لَوْ کی طرف عدول کیوں کریں گے، لَيْتَ کے بجائے لَوْ کیوں کہیں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ اپنے متمنی کے معزز ہونا بتلانے کے لیے کہ جس چیز کی ہم تمنا کر رہے ہیں وہ بڑی معزز چیز ہے، بڑی خاص اور بڑی اہم چیز ہے، یہ بتلانے کے لیے وہ لَيْتَ سے کس کی طرف عدول کریں گے؟ لَوْ کی طرف عدول کریں گے۔ کیا بتلانے کے لیے؟ کہ جس چیز کی ہم تمنا کر رہے ہیں وہ بڑی ہی معزز چیز ہے، بڑی ہی اہم چیز ہے، بڑی ہی خاص چیز ہے، تو یہ بتلانے کے لیے وہ لَيْتَ سے عدول کریں گے لَوْ کی طرف۔

بھئی لَوْ کے ذریعے کیسے پتہ چل رہا ہے کہ وہ چیز بڑی معزز ہے جس کی وہ تمنا کر رہے ہیں، وہ چیز بڑی خاص ہے جس کی وہ تمنا کر رہے ہیں؟ بھئی دیکھیے یہ لَوْ جو ہے نا یہ حرف امتناع ہے، یہ کیا ہے؟ حرف امتناع ہے جو ایک چیز کا امتناع بتلانے کے لیے آتا ہے کہ اس چیز کا وجود نہیں پایا گیا، یہ چیز منتفی ہے، اس کا وجود نہیں ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں

عربی میں لَوْ جِئْتَنِي لَأَكْرَمْتُكَ، کسی ساتھی سے آپ کیا کہتے ہیں؟ لَوْ جِئْتَنِي لَأَكْرَمْتُكَ اگر آپ میرے پاس آئے ہوتے تو میں نے بھی آپ کا اکرام کیا ہوتا۔ کیا پتہ چلا؟ معلوم ہوا وہ آیا بھی نہیں اور اس نے اکرام بھی نہیں کیا، تو اکرام نہ کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟ اس کا نہ آنا۔ تو لَوْ نے کیا بتلایا؟ پہلی چیز بھی منفی ہے اور دوسری چیز بھی منفی ہے یعنی یہ نہیں پائی گئیں، ان کا وجود نہیں ہے بھئی، ان کا وجود نہیں۔ معلوم ہوا مخاطب جو ہے وہ آیا بھی نہیں اور یہ جو متکلم ہے اس نے اس کا اکرام بھی نہیں کیا۔ تو لَوْ آتا ہے انتفاء کے لیے کہ ایک چیز منتفی ہے، اس کا وجود نہیں پایا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ لَوْ کس لیے آتا ہے؟ انتفاء کے لیے کہ ایک چیز کا وجود نہیں پایا گیا دوسری چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے بھئی۔ تو لَوْ انتفاء کے لیے آتا ہے۔

تو یہاں وہ لَيْتَ کے بجائے لَوْ لے کر آئے، کیا لے کر آئے؟ لَوْ لے کر آئے۔ کس لیے، مقصد کیا ہے؟ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس چیز کی ہم تمنا کر رہے ہیں وہ بڑی معزز اور خاص چیز ہے۔ بھئی کس طرح خاص چیز ہے، کیسے لَوْ نے اس پر دلالت کی؟ بھئی دیکھیے جو چیز آپ کو عام ملتی ہو آپ کے دل میں اس کی قدر نہیں ہوگی، آپ کے دل میں اس کی اہمیت نہیں ہوگی زیادہ۔ لیکن جو چیز آپ کو کبھی کبھار ملتی ہو آپ کے دل میں اس کی زیادہ قدر ہوگی بھئی، کیا ہوگی؟ زیادہ قدر ہوگی۔ اور جو چیز ملتی ہی نہیں اس کی تو بہت زیادہ قدر ہوگی بھئی، جو چیز ملتی ہی نہیں۔ تو یہاں بھی وہ لَوْ لے کر آئے کیا بتلانے کے لیے؟ کہ یہ چیز جس کی ہم تمنا کر رہے ہیں اس کا وجود ہی نہیں پایا جاتا یعنی یہ ملتی ہی نہیں ہے۔ یہ چیز ملتی ہی نہیں، اور جو چیز نہیں ملتی اس کی تو بہت ہی زیادہ دل میں قدر اور اہمیت ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اگر وہ لَيْتَ کے ساتھ ذکر کرتے تو اس سے ان کے متمنی کے معزز اور خاص ہونے کی طرف اشارہ نہ ہوتا، لیکن جب انہوں نے لَوْ کے ساتھ ذکر کیا اور لَوْ تو کس لیے آتا ہے؟ انتفاء کے لیے کہ ایک چیز کا وجود نہیں ہے، تو یہاں بھی وہ لَوْ لے کر آئے کہ جس چیز کی ہم تمنا کر رہے ہیں اس کا وجود نہیں یعنی یہ چیز نہیں ملتی، اور جو چیز نہیں ملتی اس کی تو دل میں بہت زیادہ قدر ہوتی ہے، تو یہ لَوْ اسی لیے لے کر آئے یہ بتلانے کے لیے کہ جس چیز کی ہم تمنا کر رہے ہیں یہ بالکل نہیں ملتی، یہ بڑی ہی خاص چیز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ ہے نکتہ کہ انہوں نے لَيْتَ کے بجائے لَوْ کیوں استعمال کیا اور لَيْتَ سے لَوْ کی طرف کیوں عدول کیا۔ تو دیکھیے معنی کیا ہوا: فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً اگر ہمارے لیے لوٹنا ہوتا دنیا کے اندر فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ تو ہم کس میں سے ہوتے؟ مومنین میں سے، یعنی گویا وہ یوں کہہ رہے ہیں کاش ہمارے لیے دنیا میں لوٹنا ہوتا تو ہم بھی مومنین میں سے ہو جاتے۔ لیکن کاش کے لیے تو عربی میں لفظ وضع ہے لَيْتَ لیکن لَيْتَ سے انہوں نے عدول کیا کس کی طرف؟ لَوْ کی طرف کیا بتلانے کے لیے؟ کہ ہمارا متمنی جو ہے جس کی ہم تمنا کر رہے ہیں وہ بڑی ہی خاص چیز ہے، اور اسی لیے اس کے لیے لَوْ لے کر آئے کیونکہ لَوْ آتا ہے انتفاء کے لیے تو انہوں نے بھی گویا یہ بتلا دیا کہ جس کی ہم تمنا کر رہے ہیں وہ چیز ملتی ہی نہیں ہے، اور جو چیز کم ملے اس کی بڑی قدر ہوتی ہے تو جو ملتی ہی نہیں ہے اس کی تو بہت زیادہ قدر ہوتی ہے، تو وہ بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ بھی بڑی قدر والی چیز ہے، بڑی خاص چیز ہے بھئی۔

وَلَعَلَّ اور تیسرا لفظ جو ہے لَعَلَّ ہے، نَحْوُ قَوْلِهِ جیسے کہ شاعر کا یہ قول ہے: أَسِرْبَ الْقَطَا هَلْ مَنْ يُعِيرُ جَنَاحَهُ لَعَلِّي إِلَى مَنْ قَدْ هَوِيتُ أَطِيرُ۔ أَسِرْبَ الْقَطَا، ہمزہ ندا کے لیے ہے۔ آپ نے پڑھا ہے حروف ندا: يَا، أَيَا، هَيَا، أَيْ اور ہمزہ مفتوحہ وغیرہ، یہ آگے بحث بھی اسی کی آرہی ہے، تو ہمزہ بھی ہے ان میں، ہمزہ۔ تو یہ جو شروع میں الف آیا ہمزہ یہ ندا کے لیے ہے بھئی، يَا کی طرح ہے یعنی ندا کے لیے ہے۔ أَسِرْبَ الْقَطَا، سِرْبٌ کہتے ہیں یاد رکھیے پرندوں یا جانوروں کی جماعت کو، پرندوں یا جانوروں کی جماعت کو بھئی۔ اور قَطَا، قطا یہ ایک پرندہ ہے بھئی، پرندہ، کبوتر کے مثل، کبوتر جیسا ایک پرندہ ہے، اور بعضوں نے لکھا کہ یہ فاختہ کی ایک قسم ہے بھئی، فاختہ کی۔ تو یہ کبوتر کے برابر بہر حال کوئی پرندہ ہے وہ مراد ہے۔ تو کیا ترجمہ ہوا؟ أَسِرْبَ الْقَطَا اے قطا پرندوں کی جماعت! اے قطا پرندوں کی جماعت!

■ قولہ: «عَبْدُ اللهِ» کی تشریح

دیکھیے آپ نے پڑھا ہے منادی اگر مضاف ہو: عَبْدُ اللهِ، اس پر حرف ندا ذرا داخل کرو: يَا عَبْدَ اللهِ، دیکھو منادی پر نصب آگیا۔ یہاں بھی اسی طرح ہے: سِرْبَ الْقَطَا، یہ سِرْبَ مضاف الْقَطَا مضاف الیہ اور اس پر ہمزہ ندا والا آگیا تو اب سِرْبَ پر کیا اعراب پڑھا آپ نے؟ سِرْبَ الْقَطَا، با پر اسی لیے فتحہ پڑھا يَا عَبْدَ اللهِ کی طرح۔ أَسِرْبَ الْقَطَا اے قطا پرندوں کی جماعت! هَلْ مَنْ يُعِيرُ جَنَاحَهُ کیا ہے تم میں کوئی يُعِيرُ جَنَاحَهُ جو مجھے عاریتاً دے دے اپنا پر؟ أَعَارَ يُعِيرُ بھئی عاریتاً کسی سے استعمال کے لیے کوئی چیز لینا، أَعَارَ يُعِيرُ عاریتاً دینا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ أَعَارَ يُعِيرُ کا کیا معنی ہے؟ عاریتاً کسی کو کوئی چیز دینا۔ مثلاً آپ کہیں جانا چاہتے ہیں اپنے ساتھی سے سائیکل مانگتے ہیں کہ مجھے سائیکل دے دیجیے میں نے فلاں جگہ جانا ہے اور وہ آپ کو اپنی سائیکل دے دیتا ہے، تو یہ جو استعمال کے لیے کوئی چیز کسی سے لی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ عاریت کہتے ہیں بھئی، عاریت کہتے ہیں۔

تو شاعر کہتا ہے أَسِرْبَ الْقَطَا اے قطا پرندوں کی جماعت! هَلْ كَيا مَنْ يُعِيرُ جَنَاحَهُ کیا تم میں کوئی ہے جو عاریتاً دے دے، کیا تم میں کوئی ہے جو عاریتاً اپنا پر دے دے یعنی مجھے استعمال کے لیے اپنے پر دے دے؟ لَعَلِّي شاید کہ میں، آگے بھئی آپ جانتے ہیں لَعَلَّ ایک اسم اور خبر چاہتا ہے تو لَعَلَّ کا اسم تو یہ یا ضمیر متکلم کی ساتھ ملی ہوئی ہے لَعَلِّي یہ اسم ہے، اور أَطِيرُ آگے اس کی خبر آرہی ہے بھئی أَطِيرُ، شاید کہ میں اڑوں بھئی، شاید کہ میں اڑ جاؤں۔ کس طرف اڑ جاؤں؟ إِلَى مَنْ قَدْ هَوِيتُ یہ متعلق ہے أَطِيرُ سے، کس سے متعلق ہے؟ أَطِيرُ سے۔ إِلَى مَنْ اس شخص کی طرف قَدْ هَوِيتُ، هَوِيَ يَهْوَى کے معنی ہیں محبت کرنا، هَوِيتُ۔ شاید کہ میں اڑ جاؤں اس شخص کی طرف جس سے میں محبت کرتا ہوں، جسے میں چاہتا ہوں۔

تو دیکھیے ترجمہ سمجھ میں آگیا بھئی؟أَسِرْبَ الْقَطَا هَلْ مَنْ يُعِيرُ جَنَاحَهُ لَعَلِّي إِلَى مَنْ قَدْ هَوِيتُ أَطِيرُ، اے قطا پرندوں کی جماعت کیا تم میں کوئی ہے جو مجھے عاریتاً اپنا پر دے دے،لَعَلِّي إِلَى مَنْ قَدْ هَوِيتُ أَطِيرُ شاید کہ میں اس شخص کی طرف جس سے میں محبت کرتا ہوں أَطِيرُ اڑ جاؤں،اس کی طرف اڑ کر چلا جاؤں بھئی، اڑ کر چلا جاؤں۔ اب دیکھیے یہاں پر شاعر لَعَلَّ لے کر آیا اور لَعَلَّ تو کس لیے وضع ہے؟ ترجی کے لیے وضع ہے اور ترجی میں کیا ضروری ہے کہ مترجی ممکن ہونا چاہیے، اور یہاں لَعَلَّ کے بعد کیا ذکر کر رہا ہے؟ أَطِيرُ کہ میں اڑ جاؤں، میں اڑ کر چلا جاؤں۔ اب آپ مجھے بتائیے کیا کسی کا پروں کے ذریعے اڑ کر جانا عادتاً ممکن ہے؟ یہ عادتاً ممکن ہی نہیں۔ تو لَعَلَّ کے ذریعے وہ ایک ایسی چیز کو ذکر کر رہا ہے جو ممکن ہی نہیں۔ معلوم ہوا یہاں صورت تو ترجی کی ہے لیکن دراصل وہ کیا ذکر کر رہا ہے؟ تمنا کا اظہار کر رہا ہے بھئی، کیونکہ مترجی کا تو ممکن ہونا ضروری ہے لیکن یہ چیز تو ممکن ہی نہیں عادتاً، معلوم ہوا یہ دراصل تمنا ہے۔ صورت ترجی کی لیکن دراصل کیا ہے؟ تمنی ہے۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی۔

وَلِاسْتِعْمَالِ هٰذِهِ الْأَدَوَاتِ فِي التَّمَنِّي يُنْصَبُ الْمُضَارِعُ الْوَاقِعُ فِي جَوَابِهَا، اور ان ادوات کے استعمال کے لیے فِي التَّمَنِّي تمنی کے اندر، یہ جو ادوات ہیں بھئی جو تمنی کے لیے ہیں، يُنْصَبُ الْمُضَارِعُ الْوَاقِعُ فِي جَوَابِهَا نصب دیا جائے گا اس فعل مضارع کو جو واقع ہو ان کے جواب میں۔ ان ادوات کو تمنی میں استعمال کرنے کے لیے کیا کیا جائے گا؟ ان کے بعد جو فعل مضارع آئے گا اس کو نصب دیا جائے گا بھئی، نصب دیا جائے گا بھئی۔ مثلاً دیکھیے بھئی فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا، اصل میں کیا تھا؟ فَيَشْفَعُونَ، فَيَشْفَعُونَ وہ نون گر گیا۔ کیوں گرا؟ کیونکہ یہاں فا کے بعد أَنْ مقدر ہے اور أَنْ ناصبہ کیا کرتا ہے؟ فعل مضارع کے آخر سے نون اعرابی کو گرا دیتا ہے، تو یہاں أَنْ مقدر ہے۔ اسی طرح فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ، یہ نون پر فتحہ آیا حالانکہ تھا کیا اصل میں؟ فَنَكُونُ، پھر یہاں أَنْ مقدر ہے معلوم ہوا اس نے نصب دیا ہے۔ تو ان ادوات کو تمنی میں استعمال کرنے کے لیے وہ فعل مضارع جو ان کے جواب میں آئے وہ کیا ہو گا؟ اس کو نصب دیا جائے گا، وہ منصوب ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۴: بحثِ نداء: حروفِ نداء کے قریب و بعید میں استعمالات اور نداء کے مجازی معانی

دروس البلاغہ صفحہ: ۴۰ ــــ بتاریخ: ۲۰ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا النِّدَاءُ فَهُوَ طَلَبُ الْإِقْبَالِ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو، وَأَدَوَاتُهُ ثَمَانِيَةٌ: يَا وَالْهَمْزَةُ وَأَيْ وَآ وَآيْ وَأَيَا وَهَيَا وَوَا، فَالْهَمْزَةُ وَأَيْ لِلْقَرِيبِ وَغَيْرُهُمَا لِلْبَعِيدِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

آج ہم ندا کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ آپ نے پڑھا تھا کہ انشاء دو قسم پر ہے: ایک انشائے طلبی اور ایک انشائے غیر طلبی۔ اور انشائے طلبی جو ہے وہ پانچ چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے: امر ہے، نہی ہے، استفہام ہے، تمنی ہے اور ندا۔ تو امر، نہی، استفہام اور تمنی کی بحث مکمل ہوئی، آج پانچویں اور آخری چیز ندا جو ہے اس کے بارے میں بتلائیں گے۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا النِّدَاءُ اور باقی ندا جو ہے فَهُوَ طَلَبُ الْإِقْبَالِ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو، تو وہ توجہ کو طلب کرنا ہے۔ فَهُوَ طَلَبُ الْإِقْبَالِ توجہ کو طلب کرنا ہے یعنی مخاطب کی توجہ کو متکلم طلب کرتا ہے، جس سے خطاب کر رہا ہے، جس سے بات کر رہا ہے اس کی توجہ کو طلب کرنا بِحَرْفٍ نَائِبٍ ایسے حرف کے ساتھ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو جو قائم مقام ہے أَدْعُو کے۔ وَأَمَّا النِّدَاءُ فَهُوَ طَلَبُ الْإِقْبَالِ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو، اور باقی ندا جو ہے وہ توجہ کو طلب کرنا ہے ایسے حرف کے ساتھ جو قائم مقام ہو أَدْعُو کے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں يَا زَيْدُ اے زید! تو یہ جو يَا ہے یہ قائم مقام ہے أَدْعُو فعل کے بھئی۔ اصل میں گویا متکلم یوں کہہ رہا ہے أَدْعُو زَيْدًا میں زید کو بلا رہا ہوں۔ میں کس کو بلا رہا ہوں؟ میں زید کو بلا رہا ہوں۔ تو أَدْعُو فعل کی جگہ کیا پھر لے آئے؟ يَا لے آئے بھئی، يَا، اور منادی کو مبنی کر دیا مبنی علی الضم جب مفرد ہو، تو کیا کہتے ہیں؟ يَا زَيْدُ۔ تو یہ يَا کس کے قائم مقام ہے؟ أَدْعُو فعل کے، اور أَدْعُو کا کیا معنی ہے؟ میں بلا رہا ہوں بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ تو یہ يَا جو ہے یہ قائم مقام ہے أَدْعُو فعل کے۔ یہی ذکر کر رہے ہیں وہ توجہ کو طلب کرنا ہے بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو ایسے حرف کے ساتھ جو قائم مقام أَدْعُو فعل کے ہو بھئی۔

وَأَدَوَاتُهُ ثَمَانِيَةٌ اور یہ ندا کے جو ادوات ہیں وہ آٹھ ہیں بھئی۔ آٹھ آلات ہیں یعنی آٹھ کلمات ہیں جن کے ساتھ کیا کی جاتی ہے؟ ندا کی جاتی ہے۔ اور وہ کون کون سے ہیں وہ بیان کر رہے ہیں آگے بھئی: يَا ایک تو يَا ہے، آپ کہتے ہیں يَا زَيْدُ۔ وَالْهَمْزَةُ اور ہمزہ ہے، آپ کہتے ہیں أَزَيْدُ، یہ ہمزہ کس لیے ہے؟ ندا کے لیے۔ وَأَيْ اور ایک أَيْ ہے جیسے أَيْ زَيْدُ۔ وَآ اور ایک یہ حرف ہے ندا کے لیے آزَيْدُ، یہ آ بھی کیا ہے دراصل؟ حرف ندا ہے يَا کی طرح بھئی۔ وَآيْ زَيْدُ، آيْ زَيْدُ یہ بھی کس لیے ہے؟ حرف ندا ہے ندا کے لیے۔ وَأَيَا وَهَيَا وَوَا، اسی طرح أَيَا ہے، هَيَا ہے اور وَا: أَيَا زَيْدُ، هَيَا زَيْدُ اور اسی طرح وَا زَيْدُ، تو یہ وَا بھی کیا ہے؟ حرف ندا ہے بھئی، حرف ندا۔ تو یہ سب قائم مقام ہیں أَدْعُو فعل کے بھئی۔

اب آگے تفصیل بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں فَالْهَمْزَةُ وَأَيْ لِلْقَرِيبِ وَغَيْرُهُمَا لِلْبَعِيدِ، ہمزہ اور أَيْ یہ قریب کے لیے ہیں، یعنی جب منادی جس کو آپ ندا دے رہے ہیں وہ قریب ہو تو کون سے حروف استعمال کرنے ہیں؟ ہمزہ اور أَيْ۔ زید آپ کے قریب ہے اور آپ اس کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اپنی طرف تو آپ کہیں گے أَزَيْدُ یا آپ کہیں گے أَيْ زَيْدُ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ وَغَيْرُهُمَا لِلْبَعِيدِ اور ان کے علاوہ جو ہیں وہ بعید کے لیے ہیں، یعنی آٹھ میں سے یہ ہمزہ اور أَيْ تو قریب کے لیے ہیں کوئی قریب ہو اس کو ندا دینے کے لیے، اس کو متوجہ کرنے کے لیے، اور باقی چھ جو ہیں وہ بعید کے لیے ہیں، اگر منادی دور ہے تو پھر اس کو آواز دینے کے لیے باقی چھ استعمال کیے جاتے ہیں بھئی، چھ استعمال کیے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا زید آپ سے دور ہے تو پھر اب آپ أَزَيْدُ نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ أَيَا زَيْدُ يَا هَيَا زَيْدُ يَا وَا زَيْدُ اور اسی طرح اور جو ہیں بھئی ہمزہ اور أَيْ کے علاوہ بھئی وہ سب۔

جب انہوں نے کہا کہ ہمزہ اور أَيْ قریب کے لیے ہیں اور باقی سارے کس کے لیے ہیں ان دونوں کے علاوہ؟ بعید کے لیے، تو اس میں یَا بھی داخل ہو گئی۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک یَا بھی بعید کے لیے ہے، کوئی دور ہو تو تب کہیں گے یَا زَيْدُ، قریب ہو اس کے لیے یَا استعمال نہیں یعنی اس کے لیے وضع نہیں ہے یَا، اس کے لیے وضع نہیں ہے۔ تو یاد رکھیے یہ جو آیا کہ یَا بھی بعید کے لیے ہے یہ علامہ زمخشری کا مذہب ہے بھئی، علامہ زمخشری کا مذہب ہے، جبکہ صاحب کافیہ علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یَا بعید کے لیے نہیں ہے بلکہ یَا عام ہے، وہ قریب کے لیے بھی وضع ہے اور بعید کے لیے بھی، سب کے لیے، جس کے لیے بھی استعمال کیا جائے وہ حقیقت ہے یعنی اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہو رہا ہے قریب کے لیے بھی، زید آپ کے قریب ہو تب بھی کہہ سکتے ہیں یَا زَيْدُ اور بعید ہو پھر بھی کیا کہہ سکتے ہیں؟ یَا زَيْدُ، یہ قریب بعید دونوں کے لیے وضع ہے بھئی۔

وَقَدْ يُنَزَّلُ الْبَعِيدُ مَنْزِلَةَ الْقَرِيبِ فَيُنَادَى بِالْهَمْزَةِ وَأَيْ۔ یہاں سے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ اگرچہ یہ ہمزہ اور أَيْ تو قریب کے لیے وضع ہیں اور باقی سارے بعید کے لیے وضع ہیں، تو قریب والے کے لیے قریب والے کو استعمال کرنا چاہیے، بعید والے کے لیے بعید والے حرف ندا کو استعمال کرنا چاہیے، لیکن کبھی اس کا عکس بھی کیا جاتا ہے بھئی: قریب والے کے لیے بعید والا حرف ندا استعمال کر لیا جاتا ہے اور بعید والے کے لیے قریب والا حرف ندا استعمال کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً زید آپ کے قریب ہے، کہنا تو آپ کو چاہیے أَزَيْدُ یاأَيْ زَيْدُ لیکن آپ اس کے بجائے أَيَا زَيْدُ یاهَيَا زَيْدُ وغیرہ بھی کہہ سکتے ہیں بھئی، لیکن یہ کسی نکتے کی وجہ سے ہو گا۔ کس کی وجہ سے؟ کسی نکتے کی، کوئی وہاں نکتہ ہو گا، کوئی خاص ایسا مقتضی ہو گا جس کی وجہ سے آپ کیا کریں گے؟ قریب کی جگہ بعید والا اور بعید کی جگہ قریب والا استعمال کر لیں گے۔ تو وہ چند نکتے مثلاً بیان کرنے لگے ہیں بھئی۔

■ قولہ: «وَقَدْ يُنَزَّلُ الْبَعِيدُ مَنْزِلَةَ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَقَدْ يُنَزَّلُ الْبَعِيدُ مَنْزِلَةَ الْقَرِيبِ اور کبھی اتار لیا جاتا ہے دور والے کو قریب والے کے درجے میں۔ کبھی کبھار کیا کر لیا جاتا ہے؟ بعید والا، ایک آدمی ہے تو بعید، دور ہے آپ سے لیکن وہاں آپ قریب والا حرف ندا استعمال کرتے ہیں یعنی آپ نے اس بعید کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ قریب کے درجے میں اتار لیا، فَيُنَادَى بِالْهَمْزَةِ وَأَيْ تو پس اس کو ندا دی جاتی ہے ہمزہ اور أَيْ کے ساتھ۔ تو ہمزہ اور أَيْ تو وضع ہیں کس کے لیے؟ قریب کے لیے، لیکن آپ بعید والے کو کس کے درجے میں اتار لیتے ہیں؟ قریب کے، اور جب قریب کے درجے میں اتار لیا تو اب اس کو ہمزہ اور أَيْ کے ساتھ پھر ندا کرتے ہیں، إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهِ فِي ذِهْنِ الْمُتَكَلِّمِ صَارَ كَالْحَاضِرِ مَعَهُ۔ إِشَارَةً اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے، کبھی کیا کیا جاتا ہے؟ بعید کو کس کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے؟ قریب کے درجے میں اتار کر قریب والے حرف ندا سے اس کو ندا کی جاتی ہے، کس لیے؟ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهِ فِي ذِهْنِ الْمُتَكَلِّمِ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ وہ جو ہے لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهِ شدت کے ساتھ حاضر ہونے کی وجہ سے فِي ذِهْنِ الْمُتَكَلِّمِ متکلم کے ذہن میں صَارَ كَالْحَاضِرِ مَعَهُ یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ وہ اس کے ساتھ ہی حاضر ہو، اس کے پاس ہی موجود ہو۔

بھئی بعض اوقات منادی ہے تو بعید، وہاں پر استعمال تو بعید والا حرف ندا ہونا چاہیے لیکن آپ کیا کرتے ہیں؟ اس بعید والے کو قریب والے کے درجے میں اتار لیتے ہیں اور پھر اس کو قریب والے حرف ندا کے ساتھ ندا دیتے ہیں، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ اگرچہ تم مجھ سے دور ہو لیکن ہر وقت میرے دل میں تم موجود ہوتے ہو تو گویا تم میرے پاس ہی موجود ہو جب دل کے اندر موجود ہو۔ تو وہ ہے تو بعید لیکن قریب کے درجے میں کیوں اتارا، کس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے؟ کہ اگرچہ جگہ اور مکان کے اعتبار سے تم لوگ مجھ سے دور ہو لیکن میرے دل میں ہر وقت حاضر ہو تم، میرے دل میں موجود ہو اور جب دل میں ہو تو گویا میرے پاس ہی ہو تم، اور جب میرے پاس ہو تو اس لیے میں نے بعید والا حرف استعمال نہیں کیا بلکہ کون سا حرف استعمال کیا؟ قریب والا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ معنی ہے إِشَارَةً اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ أَنَّهُ لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهِ فِي ذِهْنِ الْمُتَكَلِّمِ کہ وہ جو مخاطب ہے، استحضار کا معنی حاضر ہونا، لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهِ فِي ذِهْنِ الْمُتَكَلِّمِ متکلم کے ذہن میں شدت کے ساتھ حاضر ہونے کی وجہ سے صَارَ كَالْحَاضِرِ مَعَهُ یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس کے ساتھ ہی حاضر ہو، اس کے پاس ہی موجود ہو۔

كَقَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے شاعر کا قول ہے: أَسُكَّانَ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ تَيَقَّنُوا بِأَنَّكُمْ فِي رَبْعِ قَلْبِي سُكَّانُ۔ أَسُكَّانَ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ، سُكَّانٌ جمع ہے سَاكِنٌ کی، رہنے والے، رہائشی۔ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ، بھئی یہ نون پر آپ کی کتابوں میں بھی پیش لگا ہے؟ ہاں یہ نون پر زبر ہونی چاہیے بھئی، نَعْمَانَ الْأَرَاكِ۔ نعمان الاراک یہ ایک وادی ہے کہتے ہیں طائف اور مکہ کے درمیان، اس وادی کا نام ہے نعمان الاراک۔ أَسُكَّانَ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ، ہمزہ ہے ندا کے لیے اور قریب کے لیے یہ وضع ہے آپ جانتے ہیں: اے نعمان الاراک کے رہنے والو! اے نعمان الاراک کے رہنے والو! بھئی آپ جانتے ہیں جب منادی مضاف ہو، عَبْدُ اللهِ اس کو آپ ندا کرنا چاہتے ہیں تو کیسے کہیں گے؟ يَا عَبْدَ اللهِ، یہ دال پر کیا پڑھا آپ نے؟ زبر، فتحہ پڑھا۔ کیوں پڑھا فتحہ؟ کیونکہ منادی جب مضاف ہو تو اس پر فتحہ پڑھتے ہیں۔ یہاں پر بھی سُكَّانَ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ، تو یہ سُكَّانَ مضاف ہے نَعْمَانَ الْأَرَاكِ کیا ہے؟ مضاف الیہ، تو اسی لیے سُكَّانَ پر فتحہ پڑھا گیا۔ أَسُكَّانَ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ اے نعمان الاراک کے رہنے والو! تَيَقَّنُوا تم یقین کرو، تم یقین رکھو بِأَنَّكُمْ، اس میں یہ بازائدہ ہے بھئی، باکیا ہے؟ زائدہ، تو یہ دراصل کس معنی میں ہوا؟ أَنَّكُمْ فِي رَبْعِ قَلْبِي سُكَّانُ، تم یقین کرو کہ تم جو ہو فِي

رَبْعِ قَلْبِي۔ رَبْعٌ کہتے ہیں وہ بڑا گھر جس کے اندر کئی چھوٹے چھوٹے گھر ہوں۔ رَبْعٌ کسے کہتے ہیں؟ وہ بڑا گھر جس میں کئی چھوٹے چھوٹے گھر ہوں، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے حویلی، کس کو کہیں گے؟ حویلی کو، یا اسی طرح گھر کے ارد گرد جو جگہ ہوتی ہے پاس ارد گرد کی اس کو بھی رَبْعٌ کہتے ہیں یعنی یوں کہیے محلہ بھئی، کس کو کہتے ہیں؟ محلہ۔ اے نعمان الاراک کے رہنے والو یقین کرو بِأَنَّكُمْ فِي رَبْعِ قَلْبِي، قَلْبِي یا متکلم کی ہے ساتھ، میرے دل کے محلے میں ہو، تم یقین کرو کہ تم لوگ میرے دل کے محلے میں ہو، میرے دل کے محلے میں سُکّانٌ رہنے والے ہو۔

ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ اے نعمان الاراک کے رہنے والو یقین کرو کہ تم میرے دل کی، یوں ترجمہ کرلیں بامحاورہ: یقین کرو کہ تم میرے دل کی بستی میں رہنے والے ہو، تم لوگ میرے دل کی بستی میں بستے ہو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اب دیکھیے شاعر ندا دے رہا ہے، کن کو ندا دے رہا ہے؟ نعمان الاراک کے رہنے والوں کو۔ اور وہ بستی تو بڑی دور ہے، یہ یہاں کسی اور جگہ بیٹھا ہوا ہے، یہاں سے ان بستی والوں کو خطاب کر رہا ہے، تو وہ قریب ہیں یا بعید ہیں؟ بعید ہیں بھئی، بعید ہیں۔ تو بعید والا حرف ندا استعمال ہونا چاہیے لیکن وہ قریب والا حرف ندا استعمال کرتا ہے کیا بتلانے کے لیے؟ کہ اگرچہ جگہ اور مکان کے اعتبار سے تم دور ہو مجھ سے لیکن تم لوگ میرے دل سے دور نہیں ہو بلکہ ہر وقت میرے دل میں ہو تو گویا میرے پاس ہی موجود ہو۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو کہتے ہیں أَسُكَّانَ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ تَيَقَّنُوا بِأَنَّكُمْ فِي رَبْعِ قَلْبِي سُكَّانُ، اے نعمان الاراک کے رہنے والو یقین کرو کہ تم میرے دل کی بستی میں بستے ہو۔

وَقَدْ يُنَزَّلُ الْقَرِيبُ مَنْزِلَةَ الْبَعِيدِ اور کبھی کبھار قریب والے کو بعید کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے۔ پہلے تو کیا تھا؟ بعید کو قریب کے درجے میں اتارا، اور کبھی اس کا عکس کیا جاتا ہے: ایک شخص ہے قریب آپ کے لیکن آپ اس کو بعید کے درجے میں اتار لیتے ہیں اور بعید والے حرف ندا کے ساتھ اس کو ندا دیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَقَدْ يُنَزَّلُ الْقَرِيبُ مَنْزِلَةَ الْبَعِيدِ اور کبھی کبھار جو ہے قریب والے کو دور والے کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے فَيُنَادَى بِأَحَدِ الْحُرُوفِ الْمَوْضُوعَةِ لَهُ، أَيْ لِلْبَعِيدِ، پس اس کو ندا دی جاتی ہے ان حروف میں سے کسی ایک کے ساتھ جن کو وضع کیا گیا ہے لَهُ أَيْ لِلْبَعِيدِ کس کے لیے؟ بعید کے لیے۔ بھئی وہ ہے تو قریب لیکن کس کے درجے میں اتار لیا؟ بعید کے درجے میں اتار لیا، تو جو حروف بعید کے لیے وضع ہیں انہی میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کو ندا پھر دی جاتی ہے، إِشَارَةً إِلَى أَنَّ الْمُنَادَى عَظِيمُ الشَّأْنِ رَفِيعُ الْمَرْتَبَةِ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ جو منادی ہے جس کو میں ندا دے رہا ہوں عَظِيمُ الشَّأْنِ بڑی عظیم شان والا ہے، رَفِيعُ الْمَرْتَبَةِ بڑے اونچے درجے اور رتبے والا ہے، حَتَّى كَأَنَّ، یہ كَأَنَّ پڑھنا اس کو بھی كَانَ نہیں پڑھنا، حَتَّى كَأَنَّ یہاں تک کہ گویا کہ بُعْدَ دَرَجَتِهِ فِي الْعِظَمِ اس کے جو درجے کی دوری ہے بڑا ہونے میں، وہ بہت عظیم آدمی ہے، بہت اونچا درجہ ہے تو گویا اس کا بڑا ہونے میں جو اس کے درجے کی دوری ہے عَنْ دَرَجَةِ الْمُتَكَلِّمِ کس کے درجے سے دوری؟ متکلم کے درجے سے دوری، بُعْدٌ فِي الْمَسَافَةِ یہ دوری ہے مسافت کے اندر بھئی، مسافت میں ہی کیا ہے؟ دوری ہے۔

بھئی دیکھیے ایک شخص ہے وہ آپ کے قریب ہے لیکن آپ اس کو بعید کے درجے میں اتار کر کون سا حرف ندا استعمال کرتے ہیں؟ بعید والا۔ آپ کیوں ایسا کرتے ہیں، یہ ہے تو قریب آپ نے اس کو بعید کے درجے میں کیوں اتارا؟ دراصل آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ جس کو میں ندا دے رہا ہوں یہ بہت بڑا آدمی ہے، بہت اونچے مقام والا ہے، تو اس کا مقام میرے مقام سے بہت اونچا ہے۔ تو اس بلندی مرتبہ کو آپ نے بعد مکانی کے درجے میں اتار لیا۔ بھئی وہ تو آپ سے درجوں کے اعتبار سے اونچا ہے جگہ کے اعتبار سے تو دور نہیں اس وقت، مکان کے اعتبار سے تو کیا ہے آپ کے وہ؟ قریب ہے۔ تو یہ ہے تو قرب مکانی، جگہ کے اعتبار سے قرب ہے قریب ہے، لیکن اس کا درجہ بڑا اونچا ہے تو درجوں کے اعتبار سے یعنی وہ ہم سے بڑا اونچا ہے بڑا دور ہے۔ تو اس بعد رتبی جو ہے، کس کو؟ بعد رتبی کو، دوری کس چیز میں ہے آپ سے اس کی؟ رتبے میں دوری ہے جگہ کے اعتبار سے تو دوری نہیں، لیکن بعد رتبی کو آپ بعد مکانی کے درجے میں اتار لیتے ہیں کہ رتبہ بڑا اونچا ہے تو گویا اس کا مقام اور اس کی جگہ بھی مجھ سے بڑی دور ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو کیا کرتے ہیں یہاں پر؟ بعد رتبی کو ہاں بعد مکانی کے درجے میں اتار لیا۔ الفاظ سمجھ میں آرہے ہیں؟ کس چیز کو؟ بعد رتبی کو، درجے میں اونچا ہے جگہ میں دور نہیں، جگہ میں تو آپ کے قریب کھڑا ہے وہ، لیکن آپ بتلانا کیا چاہتے ہیں کہ اس کا درجہ بڑا اونچا ہے، درجہ بڑا اونچا ہے۔ تو یہ آپ درجہ اونچا بتلانے کے لیے آپ بعید والا حرف ندا لائے۔ تو گویا کہ آپ نے اس کے بعد رتبی کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ بعد مکانی کے درجے میں اتار لیا کہ گویا جگہ کے اعتبار سے میرے سے یہ بڑا دور ہے، مکان کے اعتبار سے مجھ سے بڑا دور ہے اور جب دور ہے مکان کے اعتبار سے تو اس کے لیے کیا استعمال کر سکتے ہیں؟ بعید والا حرف ندا، اس لیے میں نے بعید والا حرف ندا استعمال کر لیا۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «إِشَارَةً إِلَى أَنَّ الْمُنَادَى عَظِيمُ...» کی تشریح

یہ معنی ہے إِشَارَةً إِلَى أَنَّ الْمُنَادَى عَظِيمُ الشَّأْنِ رَفِيعُ الْمَرْتَبَةِ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ منادی جو ہے بڑی عظیم شان والا ہے اونچے مرتبے والا ہے حَتَّى كَأَنَّ بُعْدَ دَرَجَتِهِ فِي الْعِظَمِ عَنْ دَرَجَةِ الْمُتَكَلِّمِ بُعْدٌ فِي الْمَسَافَةِ گویا کہ بُعْدَ دَرَجَتِهِ فِي الْعِظَمِ اس کے جو درجے کی دوری ہے فِي الْعِظَمِ کس کے اندر؟ عظمت کے اندر، بڑا ہونے میں جو اس کے درجے کی دوری ہے عَنْ دَرَجَةِ الْمُتَكَلِّمِ متکلم کے درجے سے، یہ جو درجے کی دوری ہے بُعْدٌ فِي الْمَسَافَةِ یہ مسافت میں دوری ہے۔ گویا مسافت کے اعتبار سے وہ بڑا آپ سے دور ہے اور جب دور ہے تو اس کے لیے کون سا حرف ندا استعمال کر دیا؟ دور والا بھئی۔ كَقَوْلِكَ جیسے آپ کا یہ قول: أَيَا مَوْلَايَ اے میرے آقا! اب غلام کہتا ہے اپنے آقا سے، آقا اس کے قریب کھڑا ہے تو اس کو کہنا تو یہ چاہیے أَمَوْلَايَ یا کہنا چاہیے أَيْ

مَوْلَايَ قریب والے حرف ندا، لیکن وہ کیا کہتا ہے؟ أَيَا مَوْلَايَ، بعید والا حرف ندا استعمال کیا۔ کیوں استعمال کیا، کیا بتلانا چاہتا ہے غلام؟ کہ میرا درجہ بڑا اونچے اور میرے آقا وہ تو بڑی عظیم شخصیت ہے، اس کا درجہ بہت اونچا ہے تو یہ مجھ سے درجوں کے اعتبار سے بڑا دور ہے، بڑا دور ہے۔ تو گویا اس بلندی درجات کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ بلندی مکان کہہ لیں یا دوری مکان کہہ لیں، بلندی مکان کے درجے میں یعنی جگہ اور مکان کے اعتبار سے مجھ سے یہ گویا بڑا دور ہے۔ اصل میں تو وہ درجے کے اعتبار سے اونچا ہے مکان کے اعتبار سے تو دور نہیں، لیکن اس بعد درجہ کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ بعد مکان کے درجے میں۔

آگے خود بتلا رہے ہیں وَأَنْتَ مَعَهُ حال یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ ہیں: كَقَوْلِكَ أَيَا مَوْلَايَ وَأَنْتَ مَعَهُ جیسے آپ کا کہنا أَيَا مَوْلَايَ اے میرے آقا، مَوْلًى کہتے ہیں آقا کو اور یا متکلم کی ہے، اے میرے آقا وَأَنْتَ مَعَهُ حال یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ ہیں یعنی وہ آپ کے قریب ہے لیکن آپ پھر بھی أَيَا لے کر آئے بھئی اس بلندی رتبہ کو بتلانے کے لیے۔ تو یہ ہے بلاغت بھئی، یہ ہے بلاغت۔ غلام نے صرف کیا کہا ہے؟ آقا قریب کھڑا ہے، اس نے صرف کیا کہا؟ أَيَا مَوْلَايَ۔ کتنی گہری بات کر گیا وہ آپ غور کریں اب آپ کو نکتے کا پتہ چل گیا کہ دیکھو یہ صرف أَيَا لفظ استعمال کر کے اپنے آقا کی عظمت کی طرف اس نے اشارہ کر دیا کہ میرا آقا کوئی معمولی آدمی نہیں ہے بہت اونچا آدمی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

أَوْ إِشَارَةً إِلَى انْحِطَاطِ دَرَجَتِهِ، کبھی اس کا عکس ہوتا ہے بھئی۔ یہاں تو غلام نے أَيَا لفظ کیوں استعمال کیا؟ آقا کی عظمت بتلانے کے لیے کہ درجوں میں بڑا اونچا ہے بہت اونچی شخصیت ہے یہ۔ کبھی اس کا عکس ہوتا ہے: ایک آدمی آپ کے پاس کھڑا ہے آپ اس کے لیے بعید والا حرف ندا استعمال کر لیتے ہیں یہ بتلانے کے لیے کہ یہ بڑا ہی گھٹیا آدمی ہے، میں اونچا آدمی ہوں لیکن اس کا درجہ تو بہت ہی نیچے ہے، اور جب بہت نیچے ہے تو مجھ سے بڑا دور ہوا درجوں کے اعتبار سے، اور اس بعد درجہ کو کس کے درجے میں اتار لیا آپ نے؟ بعد مکان، جب درجوں میں بہت نیچے ہے تو گویا مجھ سے بہت دور ہے اور جب بہت دور ہے تو پھر آپ نے وہاں کیا کہہ دیا؟ بعید والا حرف ندا استعمال کر لیا۔ اور یہ موقع محل پر خود ہی سننے والے کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں کہنے والے کی مراد عظمت ہے یا کہنے والا جو ہے اس کے ادنی ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ أَوْ إِشَارَةً إِلَى انْحِطَاطِ، انحطاط کا معنی پست ہونا، نیچا ہونا، أَوْ إِشَارَةً إِلَى انْحِطَاطِ دَرَجَتِهِ یا اشارہ کرنے کے لیے اس کے درجے کے پست ہونے کی طرف، كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا کہنا أَيَا هٰذَا لِمَنْ هُوَ مَعَكَ۔ آپ یہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ أَيَا هٰذَا، کس کو؟ لِمَنْ هُوَ مَعَكَ اس شخص سے جو آپ کے ساتھ ہے۔ جب آپ کے ساتھ ہے تو قریب ہے، جب قریب ہے تو اس کے لیے کیا استعمال ہونا چاہیے تھا؟ قریب والا أَهٰذَا یا أَيْ هٰذَا، لیکن آپ نے کیا کہہ دیا؟ أَيَا هٰذَا۔ یہ أَيَا کیوں لے کر آئے، کیا بتلانے کے لیے؟ کہ مجھ سے بہت دور ہے کس اعتبار سے؟ درجوں کے اعتبار سے یعنی بہت نیچا ہے مجھ سے درجوں کے اعتبار سے۔

أَوْ إِشَارَةً إِلَى أَنَّ السَّامِعَ غَافِلٌ لِنَحْوِ نَوْمٍ أَوْ ذُهُولٍ۔ تیسرا نکتہ آرہا ہے بھئی کہ ایک شخص ہے تو قریب آپ کے لیکن وہ غافل ہے، غفلت میں ہے۔ تو قریب ہے تو حرف ندا تو قریب والا استعمال ہونا چاہیے لیکن آپ بتلانا یہ چاہتے ہیں سننے والوں کو کہ میں نے بعید کا لفظ کیوں استعمال کیا: کہ دیکھنے میں بے شک یہ یہاں ہے اس وقت لیکن حقیقت میں یہاں نہیں ہے کہیں اور پہنچا ہوا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ مثلاً طالب علم ہے سبق میں بیٹھا ہوا ہے لیکن گھر کی سیر کر رہا ہے، سبق کی طرف توجہ ہی نہیں ہے۔ اب اس کو استاد کہتا ہے، کیا کہتا ہے مثلاً؟ أَيَا فُلَانُ، أَيَا فُلَانُ۔ تو ہونا تو یہاں چاہیے تھا أَفُلَانُ یا أَيْ فُلَانُ لیکن استاد کیا کہتا ہے؟ أَيَا فُلَانُ، بعید والا حرف استعمال کر لیا یہ بتلانے کے لیے کہ بے شک اس وقت تمہیں یہ اپنے قریب بیٹھا ہوا دکھائی دے رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ اس وقت یہاں نہیں ہے بلکہ ذہن میں یہ اس وقت کہاں پہنچا ہوا ہے؟ اپنے گھر پہنچا ہوا ہے بھئی۔ نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کہتے ہیں أَوْ إِشَارَةً إِلَى أَنَّ السَّامِعَ غَافِلٌ یا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ أَنَّ السَّامِعَ غَافِلٌ کہ سننے والا غافل ہے۔ بھئی کیوں غافل ہے؟ کہتے ہیں لِنَحْوِ نَوْمٍ أَوْ ذُهُولٍ۔ نَحْوِ کا معنی مثل، أَيْ لِمِثْلِ نَوْمٍ أَوْ ذُهُولٍ۔ ذہول کہتے ہیں بے توجہی کو، ذہن کا متوجہ نہ ہونا: نیند یا ذہنی بے توجہی جیسی چیزوں کی وجہ سے۔ متکلم جو ندا دینے والا ہے وہ بعید والا حرف لے کر آیا کیا بتلانے کے لیے، کیا بتلانا چاہتا ہے؟ کہ سننے والا جو ہے غَافِلٌ وہ غافل ہے بھئی، کس وجہ سے غافل ہے؟ لِنَحْوِ نَوْمٍ أَوْ ذُهُولٍ نیند یا بے توجہی جیسی چیز کی وجہ سے۔ یا تو نیند کی وجہ سے نیند آرہی ہے تو وہ ذہناً یہاں حاضر نہیں ہے بھئی، یا بے توجہی ہے اس کی توجہ ادھر کو نہیں ہے اس کی توجہ اس وقت کہیں اور ہے تو وہ غافل ہے، اس بات کی طرف اشارہ۔ تو گویا کبھی کیا کیا جاتا ہے؟ قریب کے بجائے بعید والا حرف ندا استعمال کیا جاتا ہے کس لیے؟ پہلا نکتہ کیا بتلایا؟ اس کی عظمت بتلانے کے لیے۔ اور کبھی کبھار قریب کے بجائے بعید والا حرف ندا استعمال کیا جاتا ہے مخاطب کے درجوں کا نیچا ہونا بتلانے کے لیے کہ بڑے ہی ادنی درجے والا آدمی ہے یہ۔ اور کبھی کبھار قریب کے بجائے بعید والا حرف ندا استعمال کیا جاتا ہے کیا بتلانے کے لیے؟ کہ سننے والا غافل ہے اس وقت، کیا ہے؟ غافل ہے مثلاً نیند کی وجہ سے یا ذہنی بے توجہی کی وجہ سے، كَأَنَّهُ غَيْرُ حَاضِرٍ فِي الْمَجْلِسِ گویا کہ وہ مجلس میں حاضر ہی نہیں ہے اور دور ہے، كَقَوْلِكَ لِلسَّاهِي جیسے کہ آپ کا کہنا لِلسَّاهِي بھولنے والے سے، سَاهِي بھولنے والا جو غفلت میں ہے، تو جیسے آپ کسی بھولنے والے سے یا غافل سے کہتے ہیں أَيَا فُلَانُ اے فلاں!

وَقَدْ تَخْرُجُ أَلْفَاظُ النِّدَاءِ بھئی۔ یہ تو تھا کہ حروف ندا ہیں لیکن وہ استعمال بھی متوجہ کرنے کے لیے ہی ہوئے، چاہے قریب والے کو بعید کے درجے میں اتارا یا بعید والے کو قریب کے درجے میں اتارا لیکن حروف ندا کو استعمال کس لیے کیا؟ دوسرے کو متوجہ کرنے کے لیے۔ اب آگے آپ کو بتلائیں گے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے حرف ندا استعمال کیا جاتا ہے لیکن وہاں دوسرے کو متوجہ کرنا مقصد ہوتا ہی نہیں، مقصد ہوتا ہی نہیں کیونکہ یا تو وہ پہلے سے ہی متوجہ ہے یا کوئی اور وجہ ہے کہ وہاں متوجہ

کرنا مقصد ہی نہیں، مقصد ہی کوئی اور ہے ندا کا وہاں پر بھئی جیسے آگے مثالیں آجائیں گی۔ تو معلوم ہوا جب ایسی جگہ آجائے تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ حرف ندا اپنے معنی اصلی سے نکل گیا۔ معنی اصلی تو کیا تھا اس کا؟ کیا تعریف کی تھی؟ فَهُوَ طَلَبُ الْإِقْبَالِ وہ کیا کرنا ہے؟ توجہ کو طلب کرنا ہے۔ لیکن ایک شخص اگر پہلے ہی متوجہ ہے پھر آپ حرف ندا استعمال کرتے ہیں، معلوم ہوا کسی اور معنی کے لیے آپ لائے ہیں حرف ندا، متوجہ کرنے کے لیے نہیں کیونکہ متوجہ تو وہ پہلے سے ہے۔ یا آپ حرف ندا لائے ہیں اور ایک بے جان چیز کو خطاب کر رہے ہیں، کس کو خطاب کر رہے ہیں؟ بے جان چیز کو خطاب کر رہے ہیں بھئی۔ بے جان چیز میں تو جان ہی نہیں ہے وہ کیسے آپ کی طرف متوجہ ہو؟ معلوم ہوا حرف ندا یہاں متوجہ کرنے کے لیے آپ نہیں لائے بلکہ کسی اور مقصد کے لیے لائے ہیں جو آگے اب بیان ہوں گے، یہ سب اس کے مجازی معانی ہیں بھئی۔

■ قولہ: «وَقَدْ تَخْرُجُ أَلْفَاظُ النِّدَاءِ عَنْ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَقَدْ تَخْرُجُ أَلْفَاظُ النِّدَاءِ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ لِمَعَانٍ أُخَرَى تُفْهَمُ مِنَ الْقَرَائِنِ، اور کبھی کبھار نکل جاتے ہیں ندا کے الفاظ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ اپنے معنی اصلی سے، کس سے نکل جاتے ہیں؟ اپنے معنی اصلی سے یعنی جس کے لیے وہ وضع تھے یعنی دوسرے کو متوجہ کرنا جو ان کا معنی اصلی تھا اس سے نکل جاتے ہیں لِمَعَانٍ أُخَرَى تُفْهَمُ مِنَ الْقَرَائِنِ ایسے دوسرے معانی کی طرف جو قرینوں سے سمجھ میں آتے ہیں۔ بھئی کس معنی میں وہ استعمال ہو رہا ہے وہ آپ کو قرینہ کوئی بتلا دے گا، جس مقام پر کوئی آدمی اس کو استعمال کرے گا وہ قرینے سے آپ کو پتہ چل جائے گا بھئی۔

جیسے مثلاً كَالْإِغْرَاءِ جیسے کہ ابھارنا، أَغْرَى يُغْرِي کا معنی ہے ابھارنا، دوسرے کو برانگیختہ کرنا، بھڑکانا، دوسرے کو بھڑکانا۔ كَالْإِغْرَاءِ جیسے کہ ابھارنا، نَحْوُ مثال کے طور پر قَوْلِكَ آپ کا کہنا لِمَنْ أَقْبَلَ اس شخص سے جو متوجہ ہے، دیکھو متوجہ ہے قید بڑھادی انہوں نے، آپ حرف ندا لا رہے ہیں اور کس شخص کے لیے؟ جو پہلے ہی متوجہ ہے، يَتَظَلَّمُ۔ تظلم کا معنی ہے دوسرے کے ظلم کی شکایت کرنا۔ کوئی شخص اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو بیان کرتا ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ يَتَظَلَّمُ دوسرے کے ظلم کی شکایت کر رہا ہے، یا یوں کہو آسان لفظوں میں اپنی مظلومیت کو بیان کرنا یہ ہے يَتَظَلَّمُ، تظلم ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی معنی، کیا معنی ہے؟ اپنی مظلومیت کو بیان کرنا، اپنے اوپر ہونے والے مظالم کو بیان کرنا یہ ہے تظلم بھئی۔ كَالْإِغْرَاءِ جیسے کہ ابھارنا نَحْوُ قَوْلِكَ لِمَنْ أَقْبَلَ يَتَظَلَّمُ جیسے کہ آپ کا کہنا اس شخص سے جو متوجہ ہے آپ کی طرف يَتَظَلَّمُ اس حال میں کہ وہ اپنی مظلومیت کو بیان کر رہا ہے، اس شخص سے آپ کہتے ہیں يَا مَظْلُومُ! اسے آپ کیا کہتے ہیں؟ يَا مَظْلُومُ! تو يَا حرف ندا لے کر آئے بھئی اور حرف ندا کا اصل مقصد تو کیا ہے؟ دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرنا، لیکن یہاں پر انہوں نے آپ کو پہلے بتا دیا کہ وہ تو پہلے ہی متوجہ ہے اور آپ کو اپنے غموں کی اور دکھوں کی باتیں سنا رہا ہے، تو جب پوری طرح متوجہ ہے پھر یہ آپ نے يَا مَظْلُومُ جو اس کو کہا کیا مقصد تھا اس کا؟ دراصل یہاں مقصد اس کو ابھارنا ہے، آپ اس کے جذبات کو اور بھڑکا رہے ہیں اور اس کو اور اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے مظالم کو اور بیان کرے بھئی، اور زیادہ بیان کرے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو دیکھو وہ اب آپ کو اپنی بات سنا رہا ہے اور اس میں آپ بیچ میں کہتے ہیں ہاں يَا مَظْلُومُ اے مظلوم! تو دراصل يَا مَظْلُومُ کہہ کر آپ کیا کر رہے ہیں؟ اسے اور اس بات پر آمادہ اور تیار کر رہے ہیں کہ وہ اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم اور تکالیف کو بیان کرے تاکہ جتنے بیٹھے ہوئے لوگ ہیں وہ سارے بھی ذرا سن لیں کہ اس بیچارے پر کتنی تکالیف آئیں، کتنے غم اور دکھ آئے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَالزَّجْرِ اور جیسے کہ ڈانٹ ہے بھئی، ڈانٹ ڈپٹ، زجر کا معنی ہے ڈانٹنا بھئی، ڈانٹ ڈپٹ۔ وَالزَّجْرِ اور زجر ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: أَفُؤَادِي مَتَى الْمَتَابُ أَلَمَّا تَصْحُ وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِي أَلَمَّا۔ أَفُؤَادِي، فُؤَادٌ کہتے ہیں دل کو، یا متکلم کی ہے، ہمزہ شروع میں ندا کے لیے ہے: أَفُؤَادِي اے میرے دل! اے میرے دل! مَتَى الْمَتَابُ، مَتَابٌ ہے ظرف کا صیغہ تَابَ يَتُوبُ سے، تَابَ يَتُوبُ تَوْبَةً، تو مَتَابٌ توبہ کرنے کی جگہ یا توبہ کرنے کا وقت۔ ظرف ہے نا، ظرف کس لیے آتا ہے؟ جگہ یا وقت کا معنی آتا ہے، تو مَتَابٌ یہاں وقت کے معنی میں ہے: أَفُؤَادِي مَتَى الْمَتَابُ۔ کوئی شاعر ہے وہ اپنے دل کو خطاب کر رہا ہے ہمزہ کے ساتھ بھئی دیکھیے ہمزہ لایا ہے: أَفُؤَادِي أَيْ يَا فُؤَادِي اے میرے دل! اب حالانکہ اپنے نفس کو، اپنے دل کو تو خطاب نہیں کیا جاتا، حرف ندا تو کس لیے وضع ہے؟ دوسرے کو متوجہ کرنے کے لیے، اور انسان خود جب ایک بات کر رہا ہے خود اس کا ذہن متوجہ ہے یا نہیں؟ تو اپنے آپ کو تو خطاب نہیں کیا جاتا، خطاب کا مقصد تو دوسرے کو متوجہ کرنا ہوتا ہے، لیکن یہاں پر وہ خطاب کر رہا ہے، معلوم ہوا یہاں متوجہ کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ یہاں مقصد ڈانٹ ڈپٹ ہے، شاعر اپنے نفس کو ڈانٹ رہا ہے، اپنے دل کو ڈانٹ رہا ہے اور ملامت کر رہا ہے کہ بڑھاپا تیرے سر پر اتر آیا اور تیرے بال سفید ہو گئے، کیا ابھی بھی توبہ کا وقت نہیں آیا کہ تو سب گناہوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائے؟ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو دیکھیے کہتا ہے أَفُؤَادِي اے میرے دل مَتَى الْمَتَابُ کب توبہ کا وقت آئے گا؟ مَتَابٌ توبہ کا وقت، مَتَى الْمَتَابُ کب توبہ کا وقت آئے گا؟ أَلَمَّا تَصْحُ کیا ابھی تک تجھے ہوش نہیں آیا؟ وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِي أَلَمَّا اور بڑھاپا جو ہے فَوْقَ رَأْسِي میرے سر کے اوپر أَلَمَّا اتر آیا ہے، اتر آیا ہے۔

معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ دیکھیے بھئی ذرا لفظوں پہ غور کیجیے: أَلَمَّا، یہ جو پہلا أَلَمَّا آیا پہلے مصرعے میں اس میں یہ ہمزہ استفہام کے لیے ہے۔ ہمزہ کس لیے ہے؟ استفہام کے لیے۔ اور لَمَّا آپ نے پڑھا ہے کہ لَمَّا، لَمْ کی طرح ہے اور یہ مضارع کو جزم دیتا ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں بھئی لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ، اسی طرح عربی میں کہتے ہیں لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ۔ تو لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ کا کیا معنی تھا؟ ماضی کا ترجمہ ہو گا لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ زید نے پٹائی نہیں کی، کس زمانے میں؟ ماضی کے زمانے میں۔ تو یہ لَمْ جو ہے یہ

لفظوں میں کیا عمل کرتا ہے؟ آخر میں جزم دیتا ہے مضارع کے آخر میں اور اگر نون اعرابی ہو تو اس کو گرا دیتا ہے، اور معنی کے اندر عمل کیا کرتا ہے؟ مضارع کو کس معنی میں کر دیتا ہے؟ ماضی کے معنی میں۔ تو لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ کا کیا معنی ہوا؟ زید نے پٹائی نہیں کی یعنی زمانہ ماضی میں۔ لَمَّا بھی بالکل اسی طرح عمل کرتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ لَمَّا کے اندر جس چیز کی نفی کی جارہی ہے آگے اس کی توقع اور امید ہوتی ہے۔ لَمْ میں ایسا نہیں لیکن لَمَّا میں بھئی جس چیز کی نفی کی جارہی ہے آگے اس کے ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ تو لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ کا کیا معنی ہوا؟ زید نے پٹائی نہیں کی، اور لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ اس کا معنی ہو گا زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی۔ کیا سمجھ میں آیا آپ کو؟ ذرا غور کریں میرے جملے پر: زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی، معلوم ہوا آپ کو توقع ہے امید ہے کہ امکان ہے وہ آگے کیا کرے گا؟ پٹائی کرے گا۔ یہ احساس ہوا یا نہیں اس جملے سے؟ جی تو لہٰذا لَمْ يَضْرِبْ کا ترجمہ کیا کریں گے؟ ماضی کے ساتھ کہ زید نے پٹائی نہیں کی، اور لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ کا کیا معنی ہے؟ زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی، معلوم ہوا توقع ہے امید ہے کہ آگے وہ کیا کرے گا؟ پٹائی کرے گا بھئی، پٹائی کرے گا۔

تو یہاں بھی یہ وہی لَمَّا ہے اور ہمزہ کون سا ہے أَلَمَّا کے اندر؟ استفہام سوال پوچھنے کے لیے۔ تو شاعر کہتا ہے أَلَمَّا تَصْحُ، صَحَا يَصْحُو کے معنی ہوتے ہیں ہوش میں آنا، ہوش میں آنا، واؤ آخر سے گر گیا: أَلَمَّا تَصْحُ کیا ابھی تک تو ہوش میں نہیں آیا؟ ترجمے پر نظر ہے بھئی؟ أَلَمَّا تَصْحُ کیا ابھی تک تجھے ہوش نہیں آیا؟ معلوم ہوا آگے امید ہے توقع ہے کہ شاید دل ہوش میں آجائے۔ أَلَمَّا تَصْحُ کیا ابھی تک ہوش میں نہیں آیا؟ وَالشَّيْبُ یہ جملہ آگے حالیہ ہے: اور حال یہ ہے، شَيْبٌ کہتے ہیں سفید بالوں کو اور بڑھاپے کو، اور بڑھاپا جو ہے فَوْقَ رَأْسِي میرے سر کے اوپر أَلَمَّا، یہاں پر أَلَمَّا پورا یہ فعل ہے، یہ ہمزہ الگ نہیں ہے یہ فعل ہے أَلَمَّ يُلِمُّ۔ أَلَمَّ کا معنی ہے نازل ہونا، اترنا۔ اور اس کے آخر میں جو الف آیا یہ تثنیہ کا نہیں ہے أَلَمَّ أَلَمَّا أَلَمُّوا آپ کہیں یہ شاید تثنیہ والا الف ہے، نہیں نہیں یہ الف اشباع کے لیے ہے، یہ بات پہلے بیان ہو چکی۔ اشباع کا کیا معنی ہے؟ حرکت کو کھینچنا، لمبا کرنا، تو اسی فتحہ کو کھینچ دیا تو کیا بن گیا؟ الف بن گیا: أَلَمَّا۔ تو یہ الف اشباع کے لیے ہے حرکت کو لمبا کرنے کے لیے کیونکہ میں نے آپ کو بتایا تھا اشعار کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں، ایک حرف کی بھی کمی بیشی ہو جائے تو پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ تو یہاں الف کو کس لیے بڑھایا گیا؟ اشباع کے لیے تاکہ ایک ساکن اور آگے زیادہ ہو جائے تاکہ آواز لمبی ہو جائے، شعر کا وزن ٹھیک ہو جائے بھئی۔

معنی سمجھ میں آیا؟ پہلا أَلَمَّا کیا ہے؟ ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور لَمَّا جو فعل مضارع کو جزم دیتا ہے۔ اور دوسرا أَلَمَّا یہ فعل ہے اس کا کیا معنی ہے؟ اترنا اور نازل ہونا۔ اب ترجمہ دیکھیے: أَفُؤَادِي مَتَى الْمَتَابُ أَلَمَّا تَصْحُ وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِي أَلَمَّا، اے میرے دل کب توبہ کا وقت آئے گا، أَلَمَّا تَصْحُ کیا ابھی تک تجھے ہوش نہیں آیا وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِي أَلَمَّا اور حال یہ ہے کہ بڑھاپا میرے سر پر اتر آیا ہے یعنی میرے بال سفید ہو گئے ہیں! تو اس شعر کے اندر دیکھیے صنعت جناس ہے، جناس۔ پہلے مصرعے کے آخر میں بھی آیا أَلَمَّا، دوسرے مصرعے کے آخر میں بھی آیا أَلَمَّا۔ پڑھنے میں، تلفظ میں دونوں بالکل ایک جیسے لیکن دونوں ہیں الگ الگ چیز: دوسرا أَلَمَّا وہ سارا فعل ہے، پہلا أَلَمَّا اس میں ہمزہ الگ ہے الگ حرف ہے لَمَّا الگ ہے۔ اس کو کہتے ہیں صنعت جناس کہ ایسے لفظ لانا کلام کے اندر جن کا تلفظ ایک جیسا ہو لیکن معنی الگ الگ ہو بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ جیسے ایک شاعر کہتا ہے: إِنَّ فِي بُسْتَانِنَا نَارَنْجَنَا مَنْ جَنَى نَارَنْجَنَا نَارًا جَنَى۔ بے شک ہمارے باغ میں إِنَّ فِي بُسْتَانِنَا نَارَنْجَنَا بے شک ہمارے باغ میں ہماری نارنگیاں ہیں بھئی، نارنگی یہ کوئی مالٹے کی طرح کا کوئی پھل ہے چھوٹا، نارنگیاں ہیں، مَنْ جَنَى نَارَنْجَنَا جس نے ہماری نارنگیوں کو توڑا نَارًا جَنَى اس نے آگ کو توڑا یعنی اس سے پھر ہم نبٹ لیں گے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو پہلا ہے نَارَنْجَنَا ہماری نارنگیاں، نون متکلم کا ہے، اور دوسرا ہے نَارًا جَنَى، نَارًا آگ جَنَى یہ فعل ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ إِنَّ فِي بُسْتَانِنَا نَارَنْجَنَا مَنْ جَنَى نَارَنْجَنَا نَارًا جَنَى۔ تو یہ صنعت جناس ہے اور اس سے بھی کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے بھئی، لیکن اصل حسن جب ہو اس میں یعنی کلام کے سارے لفظ بھی سارے فصیح ہوں اور موقع محل کے مطابق ہو یعنی مقتضائے حال کے مطابق ہو اس کے بعد پھر اس میں اور حسن ان صنعتوں کے ذریعے پیدا کیا جاتا ہے بھئی، صنعتوں کے ذریعے۔ تو یہاں پر شاعر نے جو خطاب کیا أَفُؤَادِي اے میرے دل، کیا مقصد ہے یہاں پر، کیا اس کو متوجہ کرنا مقصد ہے؟ نہیں، انسان اپنے آپ کو خطاب نہیں کرتا، بلکہ مقصد یہاں کیا ہے؟ وہ اپنے دل کو اپنے نفس کو ڈانٹ رہا ہے، اس کو ملامت کر رہا ہے کہ کیوں تو گناہوں سے باز نہیں آتا، نیکی کی طرف پوری طرح متوجہ کیوں نہیں ہوتا۔

■ قولہ: «وَالتَّحَيُّرِ وَالتَّضَجُّرِ نَحْوُ أَيَا...» کی تشریح

وَالتَّحَيُّرِ وَالتَّضَجُّرِ نَحْوُ أَيَا مَنَازِلَ سَلْمَى أَيْنَ سَلْمَاكِ۔ اور تحیر کا معنی حیران ہونا، تضجر کا معنی بے قرار ہونا۔ تو وَالتَّحَيُّرِ وَالتَّضَجُّرِ اور حیران ہونے اور بے قرار ہونے کے لیے یعنی ان کے اظہار کے لیے، أَيْ وَإِظْهَارِ التَّحَيُّرِ وَالتَّضَجُّرِ۔ اور کبھی حرف ندا آئے گا لیکن کیا مقصد ہو گا؟ متوجہ کرنا مقصد نہیں بلکہ کہنے والا جو ہے وہ اپنی بے قراری اور حیرت کا اظہار کر رہا ہو گا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر ایک شاعر کہتا ہے أَيَا مَنَازِلَ سَلْمَى اے سلمی کے گھرو! أَيْنَ سَلْمَاكِ کہاں ہے تمہاری سلمی؟ تو یہ شاعر کی محبوبہ اور معشوقہ تھی اور اب وہ کہیں چلی گئی، اب شاعر بے قرار ہے اور غم اور تکلیف کے اندر ہے تو اس غم کے اندر ڈوبا ہوا وہ اس کے گھروں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے أَيَا مَنَازِلَ سَلْمَى اے سلمی کے گھرو! أَيْنَ سَلْمَاكِ تمہاری سلمی کہاں ہے، کدھر ہے؟ تو دیکھیے یہاں آیا أَيَا مَنَازِلَ سَلْمَى اے سلمی کے گھرو! حالانکہ گھر تو کوئی ایسی چیز نہیں جو متوجہ ہو سکے۔ معلوم ہوا یہاں ندا کا مقصد متوجہ کرنا نہیں بلکہ دراصل کیا ہے؟ شاعر اپنی اس بے قراری کا اظہار کر رہا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا معنی بھئی؟

وَيَكْثُرُ هٰذَا فِي نِدَاءِ الْأَطْلَالِ وَالْمَطَايَا وَنَحْوِهَا، اور بکثرت ہوتا ہے اس طرح فِي نِدَاءِ الْأَطْلَالِ۔ أَطْلَالٌ جمع ہے طَلَلٌ کی، طَلَلٌ، اور یہ اطلال کہتے ہیں کھنڈرات کو، کھنڈرات۔ مَطَايَا جمع ہے مَطِيَّةٌ کی، سواری کو کہتے ہیں بھئی۔ اور ایسا بکثرت کیا جاتا ہے کھنڈرات اور سواریوں وَنَحْوِهَا اور اس جیسی چیزوں کی ندا میں۔ کیا بتلا رہے ہیں صاحب کتاب آپ کو کہ ایسا بکثرت کیا جاتا ہے کس کے اندر؟ کھنڈرات، سواریوں اور ان جیسی چیزوں کی ندا کے اندر کہ اپنی حیرت اور اپنی بے قراری کا اظہار کیا جاتا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ان کو خطاب کیا جاتا ہے اور اس طرح کے مقاصد ہوتے ہیں، حالانکہ کھنڈرات کو خطاب کیا جائے ندا دی جائے وہ تو کوئی متوجہ ہونے والی چیز نہیں۔ سواری پر کوئی شخص اکیلا جنگل میں سواری پر جا رہا ہے شاعر اور مثلاً وہاں وہ سواری کو خطاب کرتے ہوئے کوئی بات ذکر کرتا ہے تو دراصل وہ سواری کو متوجہ نہیں کر رہا کیونکہ سواری تو متوجہ نہیں ہو سکتی، بلکہ مقصد وہاں کیا ہوتا ہے؟ مثلاً اپنی بے قراری کا اظہار یا اپنی حیرت کا اظہار یا اس جیسا کوئی مقصد ہوتا ہے۔

وَالتَّحَسُّرِ وَالتَّوَجُّعِ، تحسر کا معنی افسوس ہونا، حسرت ہونا، توجع کا معنی دکھ ہونا، تکلیف ہونا: وَالتَّحَسُّرِ وَالتَّوَجُّعِ أَيْ إِظْهَارِ التَّحَسُّرِ وَالتَّوَجُّعِ اپنے غم اور افسوس کے اظہار وَالتَّوَجُّعِ اور دکھ کے اظہار کے لیے بھئی۔ کبھی کیا کیا جاتا ہے کسی چیز کو ندا کی جاتی ہے لیکن وہاں مقصد اس کو متوجہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ کیا مقصد ہوتا ہے؟ اپنے افسوس کو ظاہر کرنا اور اپنی تکلیف کو ظاہر کرنا، كَقَوْلِهِ جیسے کسی شاعر کا قول ہے بھئی: أَيَا قَبْرَ مَعْنٍ كَيْفَ وَارَيْتَ جُودَهُ وَقَدْ كَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ مُتْرَعَا۔ یاد رکھیے معن ابن زائدہ، معن ابن زائدہ جیسے بھئی آپ کے ہاں تو صرف حاتم طائی مشہور ہے اس کا نام یہاں تک پہنچا سخاوت کے اندر بھئی، لیکن عرب کے اندر صرف حاتم طائی سخاوت میں نہیں مشہور، اور بھی افراد سخاوت کے اندر انتہا درجے تک ان کی شہرت ہے اور بطور ضرب المثل کے ان کے نام کو استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً کوئی بڑا ہی سخی ہو تو عرب میں جیسے کہتے ہیں فلاں تو حاتم طائی ہے حاتم طائی، اسی طرح اور بھی بعض ہیں جیسے یہ معن ابن زائدہ ہے، کوئی بہت بڑا سخی ہو تو اس کی سخاوت کو بیان کرنا ہو تو کہتے ہیں فلاں تو معن ابن زائدہ ہے بھئی، فلاں تو معن ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ یہ بھی بہت بڑا سخی شخص گزرا ہے بھئی۔

تو اب اس کا انتقال ہو گیا اور انتقال کے بعد اس کو دفنا دیا گیا تو ایک شاعر جو ہے اس کی قبر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: أَيَا قَبْرَ مَعْنٍ اے معن کی قبر! كَيْفَ وَارَيْتَ جُودَهُ، وَارَى يُوَارِي کے معنی ڈھانپ لینا، چھپا لینا، جُودٌ کہتے ہیں سخاوت کو، اے معن کی قبر كَيْفَ وَارَيْتَ جُودَهُ تو نے معن کی سخاوت کو کیسے چھپا لیا، اپنے اندر اس کو کیسے چھپا لیا؟ وَقَدْ كَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ مُتْرَعَا اور تحقیق اس کی سخاوت جو ہے مِنْهُ أَيْ مِنْ جُودِهِ اس کی سخاوت سے تو الْبَرُّ وَالْبَحْرُ خشکی اور سمندر جو ہیں مُتْرَعَا بھرے ہوئے تھے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ شاعر جو ہے یہاں پر دیکھیے قبر کو خطاب کر رہا ہے لیکن قبر تو کوئی ایسی چیز نہیں جو متوجہ ہو سکے، معلوم ہوا یہاں متوجہ کرنا مقصد نہیں، پھر کیا مقصد ہے؟ دراصل شاعر اپنے غم، دکھ اور افسوس کا اظہار کر رہا ہے کہ اتنی عظیم شخصیت ہم سے جدا ہو کر چلی گئی، تو اس پر غم کا اظہار کر رہا ہے اور خطاب کرتے ہوئے کیا کہتا ہے؟ اے قبر، اے معن کی قبر! تو نے کیسے اتنی عظیم سخاوت کو اپنے اندر چھپا لیا؟ یہ اس کی سخاوت تو ایسی تھی کہ خشکی کو بھی اس نے بھر دیا تھا، سمندر کو بھی اس نے بھر دیا تھا، تو اتنی عظیم چیز کو تو نے اے دو گز کی قبر تو نے کس طرح اتنی عظیم چیز کو اپنے اندر چھپا لیا اور ڈھانپ لیا بھئی! معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو مُتْرَعَا کا کیا معنی؟ بھرا ہونا بھئی۔

وَالتَّذَكُّرِ اور کبھی کبھار کس لیے لایا جاتا ہے حرف ندا؟ تذکر، یاد کرنے کے لیے، کوئی گزری ہوئی بات یاد آتی ہے اس کو یاد کرنے کے لیے انسان کیا کرتا ہے حرف ندا کو استعمال کرتا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: أَيَا مَنْزِلَيْ سَلْمَى سَلَامٌ عَلَيْكُمَا هَلِ الْأَزْمُنُ اللَّاتِي مَضَيْنَ رَوَاجِعُ۔ أَيَا مَنْزِلَيْ سَلْمَى، مَنْزِلَيْنِ تثنیہ ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، أَيَا مَنْزِلَيْ سَلْمَى اے سلمی کے دو گھرو! سَلَامٌ عَلَيْكُمَا تم پر سلامتی ہو، هَلِ الْأَزْمُنُ اللَّاتِي مَضَيْنَ، أَزْمُنٌ جمع ہے زَمَانٌ کی، کیا وہ زمانے اللَّاتِي مَضَيْنَ جو کہ گزر گئے ہیں رَوَاجِعُ کیا وہ لوٹنے والے ہیں، کیا وہ لوٹ آئیں گے؟ تو شاعر کیا کہتا ہے؟ اے سلمی کے دو گھرو تم پر سلامتی ہو، کیا وہ زمانے جو گزر گئے ہیں واپس آ سکتے ہیں؟ کیا وہ گزرا ہوا زمانہ واپس آ سکتا ہے، کوئی ایسی صورت ہے؟ تو یہاں پر وہ سلمی کے گھروں کو خطاب کر رہا ہے لیکن یہاں متوجہ کرنا مقصد نہیں کیونکہ گھر تو کوئی متوجہ ہونے والی چیز نہیں ہے۔ پھر یہاں مقصد کیا ہے؟ بس وہ دراصل اپنے اس گزرے ہوئے وقت کو یاد کر رہا ہے، شاعر کیا کر رہا ہے؟ گزرے ہوئے وقت کو یاد کر رہا ہے بھئی۔

وَغَيْرُ الطَّلَبِيِّ يَكُونُ بِالتَّعَجُّبِ وَالْقَسَمِ وَصِيَغِ الْعُقُودِ كَبِعْتُ وَاشْتَرَيْتُ وَيَكُونُ بِغَيْرِ ذٰلِكَ۔ بھئی یہ انشائے طلبی کی بحث مکمل ہوئی، ندا کی بھی بحث مکمل ہو گئی۔ اب آپ کو شروع میں بتایا تھا کہ انشاء کتنی قسم پر ہے؟ ایک طلبی، ایک غیر طلبی۔ طلبی تو پانچ چیزوں کے ساتھ تھا: امر، نہی، استفہام، تمنی اور ندا۔ اور جو غیر طلبی ہے وہ کہتے ہیں يَكُونُ بِالتَّعَجُّبِ کس کے ساتھ ہو گا؟ تعجب کے ساتھ ہو گا بھئی۔ تعجب کے لیے مثلاً کون سے صیغے وضع ہیں؟ مَا أَفْعَلَهُ وَأَفْعِلْ بِهِ۔ اسی طرح قسم ہے بھئی وَاللّٰهِ بِاللّٰهِ وغیرہ۔ صِيَغِ الْعُقُودِ عقد کے جو صیغے ہیں بھئی جن کے ساتھ عقد کیا جاتا ہے آپ نے پڑھا ہے عقد ایجاب و قبول وغیرہ جیسے بِعْتُ وَاشْتَرَيْتُ اور اشْتَرَيْتُ وغیرہ ہے، اسی طرح نَكَحْتُ نکاح بھی ایک عقد ہے، اسی طرح فسخ کسی چیز کو کرنا، اقالہ کرنا مثلاً بیع کے اندر رجوع کر لینا أَقَلْتُ وغیرہ، جو بھی عقود کے لیے صیغے استعمال ہوتے ہیں عقد کرنے کے لیے وہ سارے بھی۔ وَيَكُونُ بِغَيْرِ ذٰلِكَ اور ان کے علاوہ اور چیزوں کے ساتھ بھی ہو گا۔ یہ تو کچھ ہم نے مثالیں ذکر کر دیں یہ انشائے غیر طلبی کی قسمیں ہیں، دیکھو ان کے اندر طلب نہیں ہے، باقی جو پیچھے گزرے ان میں کیا تھی؟ طلب۔ تو انشائے غیر طلبی تعجب کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، قسم بھی ہو سکتی ہے، عقد کے صیغے بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے علاوہ اور چیزیں بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً اور کیا ہے؟ افعال مدح و ذم ہیں، کسی کی مدح کی جاتی ہے: نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ زید کتنا اچھا آدمی ہے! دیکھو یہاں طلب نہیں ہے بلکہ کیا کیا جا رہا ہے کسی کی تعریف کی جا رہی ہے وغیرہ، تو یہ چیزیں ہیں ان کے ساتھ ہو گا وہ انشاء بھئی۔

■ قولہ: «وَأَنْوَاعُ الْإِنْشَاءِ غَيْرِ الطَّلَبِيِّ...» کی تشریح

وَأَنْوَاعُ الْإِنْشَاءِ غَيْرِ الطَّلَبِيِّ لَيْسَتْ مِنْ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْمَعَانِي اور انشائے غیر طلبی کی جو قسمیں ہیں یہ علم معانی کی بحثوں میں سے نہیں ہیں، فَلِذَا ضَرَبْنَا صَفْحًا عَنْهَا۔ ضَرْبٌ کا معنی ہے پھیرنا، پھیرنا، فَلِذَا ضَرَبْنَا اسی لیے ہم نے پھیر لیا صَفْحًا پہلو کو عَنْهَا ان سے۔ یعنی یہ چونکہ علم معانی کی بحثوں میں سے نہیں ہیں یہ بحثیں اس لیے ہم نے بھی ان سے پہلو تہی کی یعنی ان سے اپنے پہلو کو پھیر لیا، ان سے اعراض کیا، ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا، ان کو ہم نے نہیں چھیڑا یہاں پر۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو انہوں نے بتلایا غیر طلبی جو ہے تعجب، قسم، عقود کے صیغے وغیرہ ان چیزوں کے ساتھ انشائے غیر طلبی ہوگا اور یہ چونکہ علم معانی کی ابحاث نہیں ہیں لہذا ہم نے بھی ان سے پہلو تہی کی اور ان کو یہاں پر ذکر نہیں کیا بھئی۔ تو ان کو عموماً بلاغت کی کتابوں میں زیادہ ذکر نہیں کیا جاتا، وجہ یہ بھئی کیونکہ ان سے بہت کم بلاغت کی بحثیں متعلق ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور نیز اس لیے کہ بھئی کہ اس میں سے اکثر جو ہیں وہ خبر سے انشاء کی طرف منتقل کیے گئے ہیں۔ دیکھو بِعْتُ، بِعْتُ اصل میں تو یہ ماضی کا صیغہ ہے، یہ عقد کے لیے تو وضع نہیں ہے، یہ تو خبر دینے کے لیے ہے، آپ کسی کو بتلاتے ہیں بِعْتُ الْكِتَابَ میں نے وہ کتاب بیچ دی۔ تو دیکھو اصل میں یہ کس لیے وضع ہے؟ کسی کو خبر دینے کے لیے، لیکن پھر اس خبریت سے ان کو منتقل کر دیا گیا کس کی طرف؟ انشاء کی طرف اس کو منتقل کیا گیا، لہذا اس لیے بھی ان کی بحث یہاں پر نہیں کی۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ ان کو خبریت سے منتقل کیا گیا کس کی طرف؟ انشاء کی طرف۔ تو خبر کی بحث پیچھے گزری یا نہیں؟ جی وہیں سے اس کے نکات کو بھی جانا جا سکتا ہے، ان کو بھی خبر سے کس کی طرف منتقل کیا گیا ہے؟ انشاء، تو اصل میں تو یہ خبر تھے تو خبر کے اندر جو نکات تھے انہی کو دیکھا جا سکتا ہے، وہی نکات یہاں پر بھی غور کیا جا سکتا ہے ان میں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

بھئی ایک بات بتلائیے: كَبِعْتُ وَاشْتَرَيْتُ، بِعْتُ فعل ہے، آپ نے پڑھا ہے کہ حروف جارہ صرف اسم پر داخل ہوتے ہیں، حروف جارہ خاصہ ہیں اسم کا، پڑھا ہے یا نہیں بھئی نحو میں؟ تو یہاں پر تو کاف جارہ ہے اور بِعْتُ فعل پر داخل ہو رہا ہے، کیا جواب دیں گے؟ ہاں شاباش، یہ بِعْتُ کا لفظ یہاں مراد ہے، أَيْ كَهٰذَا اللَّفْظِ، بِعْتُ کو ذرا ہٹاؤ یہ لگاؤ: كَهٰذَا اللَّفْظِ جیسے کہ یہ لفظ ہے، کون سا لفظ؟ بِعْتُ۔ تو یہاں لفظ مراد ہے، اسی لیے یہاں پر اس کا ترجمہ بھی نہیں کرنا۔ ترجمہ کیسے کریں گے دیکھیے عبارت کا: اور انشائے غیر طلبی تعجب کے ساتھ ہوگا، قسم کے ساتھ ہوگا اور عقود کے جو صیغے ہیں ان کے ساتھ ہوگا جیسے بِعْتُ اور اشْتَرَيْتُ۔ دیکھو بِعْتُ کا میں نے ترجمہ نہیں کیا، اشْتَرَيْتُ کا ترجمہ نہیں کیا۔ اور چونکہ یہاں پر لفظ مراد ہے لہذا اشْتَرَيْتُ کا ہمزہ بھی نہیں گرے گا، اب وہ وصلی نہ رہا وہ قطعی بن گیا کیونکہ کیا مراد ہے؟ لفظ اشْتَرَيْتُ مراد ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں اشْتَرَيْتُ کا ہمزہ ویسے وصلی ہے وہ درج عبارت میں گر جاتا ہے لیکن اس وقت کیا مراد ہے؟ لفظ، یعنی یوں کہو وہ جو عبارتوں میں اشْتَرَيْتُ لفظ آتا ہے اس کا نام ہی ہم نے اشْتَرَيْتُ رکھ دیا، یہ علم بن گیا، اور علم میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، لہذا یہاں پر بِعْتُ اور اشْتَرَيْتُ علم کے درجے میں ہیں، ان کا ترجمہ بھی نہیں ہوگا اور ان کا ہمزہ بھی نہیں گرے گا بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْبَابُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ وَالرَّابِعُ: اَلذِّكْرُ وَالْحَذْفُ، اَلتَّقْدِيمُ وَالتَّأْخِيرُ، وَالتَّعْرِيفُ وَالتَّنْكِيرُ

مسند الیہ و مسند کے ذکر و حذف، تقدیم و تاخیر اور معرفہ کی چھ اقسام و تنکیر کے بلاغی نکات (اسباق ۳۵ تا ۴۸)

سبق نمبر ۳۵: الباب الثاني في الذكر والحذف: ذکر وحذف کے دو بنیادی اصول اور دواعیِ ذکر (زیادتِ تقریر وایضاح)

دروس البلاغہ صفحہ: ۴۳ــــ بتاریخ: ۲۱ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْبَابُ الثَّانِي فِي الذِّكْرِ وَالْحَذْفِ: إِذَا أُرِيدَ إِفَادَةُ السَّامِعِ حُكْمًا فَأَيُّ لَفْظٍ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيهِ فَالْأَصْلُ ذِكْرُهُ، وَأَيُّ لَفْظٍ عُلِمَ مِنَ الْكَلَامِ لِدَلَالَةِ بَاقِيهِ عَلَيْهِ فَالْأَصْلُ حَذْفُهُ، وَإِذَا تَعَارَضَ هٰذَانِ الْأَصْلَانِ فَلَا يُعْدَلُ عَنْ مُقْتَضَى أَحَدِهِمَا إِلَى مُقْتَضَى الْآخَرِ إِلَّا لِدَاعٍ، فَمِنْ دَوَاعِي الذِّكْرِ زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ نَحْوُ أُولٰئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

الْبَابُ الثَّانِي فِي الذِّكْرِ وَالْحَذْفِ، دوسرا باب ذکر اور حذف کے بیان میں۔ بھئی اس سے پہلے آپ نے نحو کے اندر پڑھا ہے کہ مسند الیہ جو ہوتا ہے اس پر رفع آتا ہے، اور مسند الیہ مبتدا ہے، اسی طرح مسند الیہ فاعل ہے، اسی طرح مسند الیہ جو ہے نائب الفاعل ہے، تو ان پر کیا پڑھا جاتا ہے؟ رفع پڑھا جاتا ہے۔ تو یاد رکھیے وہ تھی چھوٹی نحو، اس نحو میں آپ کو مسند اور مسند الیہ کی پہچان کروائی جاتی ہے اور یہ بتلایا جاتا ہے کہ کسی لفظ پر رفع پڑھنا ہے، نصب پڑھنا ہے یا جر پڑھنا ہے یا جزم وغیرہ پڑھنا ہے، یہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ جبکہ اب ہم علم المعانی پڑھ رہے ہیں اور یہ بڑی نحو ہے بھئی، اس میں آپ کو یہ مسند الیہ اور مسند کے بارے میں کہ یہ مسند ہوتا ہے یا یہ مسند الیہ ہوتا ہے یہ نہیں بتایا جائے گا، اس میں آپ کو یہ نہیں بتایا جائے گا کہ فلاں لفظ پر نصب پڑھنا ہے یا رفع پڑھنا ہے یا جر پڑھنا ہے، بلکہ یہاں پر آپ کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ بعض اوقات مسند یا مسند الیہ یا ان کے متعلقات جو ہیں ان کو عبارت میں ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ذکر کرنے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں، کس وجہ سے ان کو ذکر کیا جاتا ہے، کبھی کبھار ان کو عبارت سے حذف کیا جاتا ہے تو ان کے حذف کے اندر کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ بیان ہوں گے، کبھی کبھار مسند الیہ وغیرہ کو جو ہے معرفہ لے کر آتے ہیں تو معرفہ لانے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں، کبھی کبھار اس کو نکرہ لایا جاتا ہے نکرہ لانے کے اندر کیا کیا نکات ہوتے ہیں وغیرہ اس طرح کی باتیں یہاں ذکر ہوں گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

پہلا باب جو تھا وہ خبر اور انشاء کے بارے میں تھا، اب یہ دوسرا باب ہے ذکر اور حذف کے بارے میں کہ بعض اوقات کسی لفظ کو عبارت کے اندر یعنی مسند اور مسند الیہ یا ان کے متعلقات میں سے جو ہے کوئی لفظ اس کو عبارت میں ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ذکر کرنے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں، کس وجہ سے اس کو ذکر کیا جاتا ہے، اور بعض اوقات مسند الیہ یا مسند یا ان کے متعلقات میں سے کسی لفظ کو حذف کیا جاتا ہے اس کے حذف میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ بیان کیے جائیں گے بھئی۔ تو اس باب میں کیا ذکر ہوں گے؟ ذکر اور حذف کے نکات ذکر ہوں گے کہ ذکر کرنے میں کیا نکتے ہوتے ہیں اور حذف کرنے میں کیا نکتے ہوتے ہیں بھئی، کیا نکتے ہوتے ہیں۔

اور یہ آپ کو بتلائیں گے کہ جب آپ نے سامع کو کوئی بات بتلانی ہے تو اس بات کے لیے جو بھی لفظ استعمال کریں گے وہ لفظ اگر کسی معنی پر دلالت کر رہا ہے تو اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو ذکر کیا جائے۔ جب بھی آپ نے مخاطب کو کوئی بات بتلانی ہے، کسی حکم کا فائدہ دینا ہے تو اس حکم کے اندر جو لفظ بھی کسی معنی پر دلالت کر رہا ہو تو اصل کیا ہے؟ میرے لفظوں پر توجہ ہے آپ کی بھئی؟ جب بھی آپ نے مخاطب کو کسی حکم کا فائدہ دینا ہو تو اس حکم کے اندر جو بھی لفظ کسی معنی پر دلالت کر رہا ہو تو اصل کیا ہے؟ اس لفظ کو ذکر کیا جائے، کیونکہ جب ایک لفظ معنی کا فائدہ دے رہا ہے اور حکم کے اندر ہے تو اگر آپ اس لفظ کو ذکر نہیں کریں گے تو وہ معنی تو مخاطب تک نہیں پہنچے گا تو بات اس کی پوری سمجھ میں نہیں آئے گی، بلکہ یہ تو پہیلی کی طرح معمہ بن جائے گا کہ یہ کیا کہنا چاہتا تھا مجھے تو بات اس کی سمجھ میں ہی نہیں آئی کیونکہ ایک لفظ جو تھا وہ آپ نے ذکر ہی

نہیں کیا۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باقی کا کلام ایک لفظ پر دلالت کر رہا ہوتا ہے تو پھر وہاں پر اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو حذف کر دیا جائے۔ لفظ تو ہے اس کا معنی بھی پہنچانا مقصود ہے دوسرے کو، وہ بات کہنی بھی مقصود ہے دوسرے کو، لیکن باقی کلام کیا کر رہا ہوتا ہے؟ اس لفظ پر دلالت کر رہا ہوتا ہے۔ تو ایسے موقع پر جب باقی کلام اس لفظ پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، باقی کلام سے ہی اس لفظ کا پتہ چل رہا ہے تو اب اس لفظ کو ذکر کیا جائے تو بیکار ہو جائے گا بھئی، جب باقی کلام سے پتہ چل رہا ہے تو اب اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو ایسے موقع پر اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو کیا کر دیا جائے؟ حذف کر دیا جائے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دو اصلوں کا آپ کو پتہ چل گیا: ایک اصل کیا؟ کہ اگر مخاطب کو کسی حکم کا فائدہ دینا مقصد ہو تو اگر کوئی لفظ اس حکم کے اندر کسی معنی پر دلالت کر رہا ہے تو اصل کیا ہے؟ اس لفظ کو ذکر کیا جائے بھئی، کیونکہ وہ لفظ ایک معنی پر دلالت کر رہا ہے تو اصل یہ ہے اس کو ذکر کیا جائے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باقی کا کلام اس لفظ پر دلالت کر رہا ہوتا ہے تو ایسے موقع پر اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو حذف کر دیا جائے بھئی، حذف کر دیا جائے۔ تو یہ دو اصلیں ہیں اور بعض اوقات ان اصلوں میں تعارض آجاتا ہے: ایک طرف کو دیکھیں تو ایک اصل تقاضا کر رہی ہے اس کے ذکر کا، دوسری جانب دوسری اصل کو دیکھیں تو وہ تقاضا کر رہی ہے اس کے حذف کا، کس چیز کا؟ حذف کا۔

مثلاً دیکھیے میں آپ کو ایک بات بتلانا چاہتا ہوں اور اس بات کے اندر ایک لفظ ہے وہ ایک معنی پر دلالت کر رہا ہے، اور جب کوئی لفظ کسی معنی پر دلالت کر رہا ہو حکم کے اندر تو اصل کیا ہے؟ اس کو ذکر کرنا۔ تو یہ اصل تقاضا کر رہی ہے اس لفظ کو ذکر کرنے کا۔ دوسری طرف دیکھیں تو باقی کا کلام اس لفظ پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، تو یہ اصل کہ باقی کلام کا اس پر دلالت کرنا یہ تقاضا کر رہا ہے یہاں پر کہ کیا کیا جائے اس لفظ کو؟ حذف کیا جائے۔ تو کبھی کبھار ان دو اصلوں کے اندر تعارض آتا ہے یعنی ٹکراؤ آتا ہے: ایک اصل کی جانب دیکھیں تو وہ تقاضا کر رہی ہے اس کو ذکر کرنا چاہیے، دوسری اصل کی جانب نظر کریں تو وہ تقاضا کر رہی ہے اس کو حذف کرنا چاہیے، اب کیا کریں کس پر عمل کیا جائے گا؟ ایک اصل کیا تقاضا کر رہی ہے؟ ذکر، تو وہ اصل ہوئی مقتضی اور ذکر ہوا اس کا مقتضی۔ تقاضا کرنے والی کیا ہے؟ وہ اصل کہ لفظ معنی پر دلالت کر رہا ہے، وہ اصل وہ ہے مقتضی، تقاضا کر رہی ہے، اور کس چیز کا تقاضا کر رہی ہے؟ ذکر کا، تو ذکر ہوا مقتضی جس کا اس نے تقاضا کیا۔ تو پہلی اصل کیا ہوئی؟ مقتضی اور ذکر اس کا کیا ہوا؟ مقتضی۔ اور دوسری اصل جو ہے وہ ہوئی مقتضی، وہ تقاضا کر رہی ہے، دوسری اصل کیا تھی؟ کہ باقی کا کلام اس لفظ پر دلالت کر رہا ہو، یہ دوسری اصل ہے، یہ تقاضا کرنے والی ہے یہ ہے مقتضی، اور کس چیز کا تقاضا کر رہی ہے؟ حذف کرنے کا، تو حذف ہوا مقتضی۔ حذف کیا ہوا؟ مقتضی۔ تو ذکر بھی مقتضی، حذف بھی مقتضی۔ تو ایک مقتضی سے دوسرے مقتضی کی طرف جو عدول کیا جائے گا، ایک کو چھوڑ کر آپ دوسرے کی طرف جائیں گے یعنی ذکر کو چھوڑ کر آپ نے حذف کا رخ کر لیا اور لفظ کو حذف کر دیا، یا حذف کو چھوڑ کر آپ نے کس پر عمل کیا؟ ذکر پر عمل کیا کہ لفظ کو ذکر کر دیا، تو یاد رکھیے یہ کسی نکتے کی وجہ سے ہو گا ویسے نہیں بھئی۔

کوئی نکتہ ہو گا، ایک اصل دیکھو تقاضا کر رہی ہے ذکر کرنے کا، ایک اصل تقاضا کس کا کر رہی ہے؟ حذف کرنے کا، تو وہاں کوئی داعی ہونا چاہیے جس کی بنا پر آپ ایک جانب کو ترجیح دیں۔ کوئی ایسی چیز دعوت دینے والی ہو، کوئی ایسی چیز ہو جو اس بات کی طرف بلائے کہ یہاں ذکر کر دو، یا کوئی ایسی چیز ہونی چاہیے جو اس بات کی طرف دعوت دے کہ یہاں کیا بہتر ہے؟ حذف بہتر ہے۔ تو کبھی کبھار ان دو اصلوں کے اندر تعارض آتا ہے، ٹکراؤ آتا ہے اور ٹکراؤ کی صورت میں اب کسی جانب کو بھی ترجیح ویسے نہیں دی جائے گی بلکہ ترجیح کس بنا پر دی جائے گی؟ کسی داعی کی وجہ سے، کسی نکتے کی وجہ سے۔ وہاں کوئی نکتہ، کوئی گہری بات، کوئی باریک بات وہاں پر ہو گی جس کی وجہ سے آپ کیا کریں گے؟ ذکر کو مثلاً ترجیح دے دیں گے اور حذف کو چھوڑ دیں گے بھئی، یا کوئی ایسا باریک نکتہ ہو گا باریک بات ہو گی جس کی وجہ سے آپ حذف کو ترجیح دے دیں گے اور حذف پر عمل کر لیں گے اور ذکر کو چھوڑ دیں گے۔ تو کبھی کبھار کیا ہوتا ہے ان دونوں اصلوں کے اندر؟ تعارض آتا ہے اور جب تعارض آئے تو کسی ایک کو ترجیح دیں گے کس بنا پر؟ کسی داعی کی وجہ سے، کسی نکتے کی وجہ سے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو ذکر بھی ہے مقتضی، حذف بھی ہے مقتضی، تو ایک اصل کے مقتضی سے دوسرے اصل کے مقتضی کی طرف جب انسان عدول کرتا ہے، اس کی جانب پھر جاتا ہے، اس کی جانب پلٹ جاتا ہے یہ ہمیشہ کس کی وجہ سے ہو گا؟ کسی داعی کی وجہ سے ہو گا، کسی نکتے کی وجہ سے ہو گا بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو لہٰذا آپ ایک کلام کرنا چاہتے ہیں اور اس کلام کے اندر ایک لفظ ہے جو ایک معنی پر دلالت کر رہا ہے، ایک لفظ ہے جو کسی معنی پر، تو جہ ہے سبق کی طرف؟ آپ ایک حکم مخاطب کو پہنچانا چاہتے ہیں، میں نے پہلے بتلایا تھا حکم کا کیا معنی؟ آسان لفظوں میں یوں کہو بات کہنا چاہتے ہیں دوسرے کو۔ تو آپ مخاطب کو ایک بات کہنا چاہتے ہیں اور اس بات میں ایک لفظ ہے جو ایک معنی پر دلالت کر رہا ہے تو یہاں پر اصل کیا ہوا؟ ذکر کرنا اصل ہوا۔ لیکن صرف اصل ہونے کی بنا پر اب آپ ذکر کر دیں؟ نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ صرف اصل ہونے کی بنا پر کیا کر دیا جائے؟ ذکر کر دیا جائے؟ نہیں ایسا نہیں ہو گا، بلکہ جانب مخالف کو بھی دیکھو کہ حذف کا نکتہ تو یہاں نہیں ہے؟ اگر حذف کا نکتہ یہاں ہے تو حذف کو ترجیح دے دیں گے بھئی، اور اگر حذف کا کوئی نکتہ نہیں پھر اس صورت میں کیا کر دیں گے؟ ذکر کر دیں گے۔ تو صرف اصل ہونے کی بنا پر کسی کو ذکر کریں یا صرف اصل ہونے کی بنا پر کسی کو حذف کیا جائے، صرف اصل کی بنا پر ذکر کی رعایت نہیں رکھی جائے گی، صرف اصل ہونے کی بنا پر حذف کی رعایت نہیں رکھی جائے گی بلکہ وہاں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جانب مخالف کا کوئی مقتضی تو نہیں ہے یہاں۔

سمجھ میں آیا؟ دوبارہ سنیں بھئی: جب بھی آپ کوئی بات کسی دوسرے کو کہنا چاہتے ہیں اور اس بات کے اندر کوئی لفظ ہے جو کسی معنی پر دلالت کر رہا ہے تو اصل کیا ہے؟ ذکر کیا جائے، لیکن صرف اس اصل ہونے کی بنا پر آپ ذکر کی رعایت رکھیں اور اس لفظ کو ذکر کر دیں ایسا نہیں ہو گا، بلکہ اصل کے ساتھ ساتھ کیا دیکھنا پڑے گا؟ کہ جانب

مخالف کا کوئی مقتضی تو نہیں یعنی حذف کا کوئی تقاضا کرنے والی چیز تو یہاں نہیں ہے؟ اگر حذف کا تقاضا کرنے والی کوئی چیز ہے یہاں پر تو پھر حذف کی رعایت رکھنا پڑے گی، اس اصل کو چھوڑنا پڑے گا یعنی ذکر کی اصل کو چھوڑنا پڑے گا۔ اور اسی طرح ایک مقام ہے وہاں پر باقی کلام ایک لفظ پر پہلے سے ہی دلالت کر رہا ہے، جب باقی کلام اس لفظ پر پہلے سے دلالت کر رہا ہے تو اصل کیا ہوا؟ حذف کرنا، لیکن صرف اصل ہونے کی بنا پر آپ اس لفظ کو حذف کر دیں اور اس کی رعایت رکھیں ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ کیا دیکھنا پڑے گا؟ اصل کے ساتھ ساتھ، بھئی یہاں اصل تو یہی ہے کہ کیا کیا جائے؟ حذف کیا جائے، لیکن جانب مخالف یعنی ذکر کے بارے میں بھی دیکھ لیں کہ یہاں کوئی نکتہ ذکر کو ترجیح تو نہیں دے رہا، کوئی نکتہ تو نہیں ہے ذکر کا؟ اگر جانب مخالف کا کوئی نکتہ نہیں، اس کو ترجیح دینے والی کوئی چیز نہیں تو پھر اس اصل کی بنا پر اس کو حذف کر دیں گے لیکن ویسے اصل کی رعایت نہیں۔

تو جو بھی اصل ہو چاہے ذکر والی اصل ہے چاہے حذف والی اصل ہے اس میں صرف اصل کی رعایت اس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک جانب مخالف کا کوئی مقتضی وہاں پر موجود نہ ہو۔ اگر جانب مخالف کا مقتضی نہیں ہے، یعنی اصل تقاضا کر رہی ہے ذکر کا، تو اس اصل کی رعایت آپ کب رکھیں گے؟ جب جانب مخالف یعنی حذف کا کوئی مقتضی وہاں پر موجود نہ ہو۔ اور مثلاً اصل تو ہے اس مقام پر حذف کرنا، لیکن صرف اصل کی بنا پر آپ اس لفظ کو حذف کر دیں اور حذف کی رعایت رکھیں ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے کیا دیکھا جائے گا؟ کہ جانب مخالف، کیا ہے جانب مخالف؟ ذکر، کہ ذکر کو یہاں کوئی ترجیح دینے والی چیز تو نہیں، ذکر کا کوئی نکتہ تو یہاں نہیں؟ اگر ذکر کا نکتہ کوئی ہے تو پھر ذکر کو ترجیح دے دیں گے اس اصل کو چھوڑ دیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو لہٰذا خلاصہ کلام یہ کہ جب بھی لفظ کسی معنی پر دلالت کرے کلام کے اندر تو اصل تو ہے اس کو ذکر کرنا لیکن اس اصل کی بنا پر اس اصل کی رعایت رکھی جائے اور اس لفظ کو ذکر کر دیا جائے ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے نظر کس جانب کریں گے؟ جانب مخالف یعنی حذف کی طرف کہ اس کا کوئی نکتہ تو نہیں، اس کا تقاضا کرنے والی کوئی چیز تو نہیں؟ اگر کوئی نہ ہو تو پھر اس اصل پر عمل کریں گے اور ذکر کر دیں گے، اور اگر جانب مخالف کا کوئی نکتہ ہے، کوئی اس کو ترجیح دینے والی چیز ہے تو اس اصل یعنی ذکر کو چھوڑ دیں گے اور کس کو اختیار کر لیں گے؟ حذف کو اختیار کر لیں گے اور اس لفظ کو حذف کر دیں گے۔ اسی طرح حذف میں اگر کوئی لفظ ہے باقی کا کلام اس لفظ پر دلالت کر رہا ہے تو اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو کلام سے حذف کیا جائے، لیکن صرف اس اصل ہونے کی بنا پر اس کی رعایت نہیں رکھی جائے گی بلکہ جانب مخالف کو بھی دیکھیں گے یعنی یہاں کوئی ذکر کا نکتہ تو نہیں ہے؟ اگر ذکر کا کوئی نکتہ ہو تو اس جانب کو ترجیح دے دیں گے اور اس اصل یعنی حذف کو چھوڑ دیں گے اور کس پر عمل کریں گے؟ ذکر پر۔ لیکن اگر جانب مخالف یعنی ذکر کا کوئی داعی نہیں، کوئی چیز ترجیح دینے والی نہیں ہے تو پھر اس جانب مخالف کو چھوڑ دیا اور اس اصل پر عمل کر لیا۔ یہاں تک تقریر سمجھ میں آگئی؟

یہ تو بات تھی ذکر اور حذف کے اندر۔ اب یہاں لفظ آیا حذف۔ اب آپ اس سے جہاں بھی کوئی لفظ محذوف ہو آپ فوراً وہاں پر یہ نہ کہیں کہ یہ بلاغت ہے، یہ کیا ہے؟ بلاغت، جہاں بھی کوئی لفظ محذوف ملے آپ کہیں یہ بلاغت ہے بھئی! نہیں بھئی محذوف بھی دو قسم پر ہے: ایک وہ محذوف ہے جو ترکیب کے اعتبار سے محذوف ہوتا ہے اور آپ اس کو وہاں پھر نکالتے ہیں ترکیب کو پورا کرنے کے لیے، جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ اب یہاں آپ ترکیب کس طرح کرتے ہیں؟ زَيْدٌ مبتدا، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے متعلق نکالتے ہیں، تو دیکھو یہاں ثَابِتٌ آپ محذوف نکالتے ہیں لیکن یاد رکھو اس کا بلاغت سے تعلق نہیں، یہ ثَابِتٌ تو آپ نے کس لیے نکالا ہے؟ ترکیب کے اعتبار سے کہ اس کے بغیر ترکیب نہیں پوری ہو رہی تھی۔ یا جیسے اور مثال دیکھ لیں: عرب والے جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَهْلًا وَسَهْلًا۔ اب دیکھیے أَهْلًا وَسَهْلًا یہاں پر بھی أَهْلًا منصوب ہے، نصب بلاوجہ تو نہیں آتا نصب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ کوئی عامل چاہیے جو نصب دے، تو أَهْلًا بھی منصوب معلوم ہوا اس کا عامل محذوف ہے، سَهْلًا بھی منصوب معلوم ہوا اس کا عامل محذوف ہے، تو وہ آپ پھر کیا نکالتے ہیں، کیا پڑھا ہے آپ نے کافیہ اور جامی وغیرہ کے اندر؟ أَتَيْتَ أَهْلًا وَوَطِئْتَ سَهْلًا، یا یوں کہیں أَتَيْتَ أَهْلًا وَنَزَلْتَ سَهْلًا۔ تو یہاں دیکھیے آپ نے یہ محذوف نکالے لیکن یاد رکھیے یہ بلاغت نہیں ہے بلکہ یہ تو عرب استعمال ہی اسی طرح کرتے ہیں اور ان محذوف کو آپ ذکر کرتے ہیں کس وجہ سے ذکر کرتے ہیں؟ ترکیب کو پورا کرنے کے لیے۔ نہیں بھئی یہ ترکیب کی بات یہاں نہیں ہو گی۔

بلکہ یہاں محذوف سے مراد ایسا محذوف ہے جس کا تعلق ترکیب سے نہیں ہوتا بلکہ آپ معنی کے اندر غور کرتے ہیں اس کلام میں، جب معنی کے اندر غور کرتے ہیں تو پتہ لگتا ہے یہاں فلاں چیز ہونی چاہیے تھی اس کے بغیر معنی پورا ہوتا ہی نہیں، معلوم ہوا وہ چیز یہاں پر حذف کی گئی ہے بھئی۔ اور وہ ایسا محذوف ہوتا ہے کہ اس کو عبارت میں ذکر کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔ ترکیب میں تو آپ کیا کرتے ہیں اس کو؟ محذوف کو نکال لیتے ہیں بتا دیتے ہیں کہ یہ محذوف ہے، لیکن یہاں پر جو محذوف ہوتا ہے وہ کس اعتبار سے ہوتا ہے؟ معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے اس کے بغیر معنی پورا نہیں، اور اس کو عبارت میں ذکر کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی، اگر اس کو عبارت کے اندر ذکر کر دیا جائے تو عبارت کا سارا حسن اور اس کی ساری رونق ہی ختم ہو جائے گی بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں تو وہاں وہ خاص نکتہ ہی ختم ہو جائے گا، وہ حسن اور جمال ہی عبارت کا ختم ہو جائے گا کلام کا بھئی۔ تو یہ وہ محذوف مراد ہے بھئی جو کس اعتبار سے ہوتا ہے؟ معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے، ترکیب کے اعتبار سے محذوف جو ہے وہ یہاں پر مراد نہیں ہے۔

اور پھر یاد رکھیے یہ موقوف ہے پھر دو چیزوں پر۔ کس چیز پر یہ والا حذف، یہ جس کا تعلق بلاغت سے ہے؟ ایک وہ ترکیب والا محذوف ہے ایک یہ بلاغت والا محذوف ہے، یہ جو بلاغت والا محذوف ہے یہ موقوف ہے دو چیزوں پر: ایک تو یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ہونا چاہیے جو ہمیں بتلائے یہ لفظ یہاں محذوف ہے۔ کیا ہونا چاہیے؟ قرینہ۔ قرینہ کسے کہتے تھے میں نے کیا بتلایا تھا؟ الْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ، قرینہ وہ امر ہے جو مطلوب کی طرف کیا کر دے؟ اشارہ کر دے۔ تو کوئی بھی چیز جو آپ کو

اشارہ کر دے، بتلادے کہ یہاں پر یہ لفظ حذف ہے اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ کہیں گے۔ تو اب ایک لفظ حذف ہے اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے، بغیر قرینے کے تو دوسرے کو پتہ ہی نہیں چلے گا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو پہلی بات اس محذوف پر کیا ہونا چاہیے؟ کوئی قرینہ ہونا چاہیے ہمیشہ ہمیشہ، اس کے بغیر نہیں پتہ چلے گا کبھی بھی۔ سننے والے کو قرینے سے ہی اندازہ ہو گا کہ یہاں یہ لفظ محذوف ہے، چاہے وہ قرینہ کوئی لفظوں کے اندر ہو یا کوئی حال وغیرہ ہو، جو بھی چیز بہر حال دلالت کر دے اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ۔ تو پہلی بات یہ کہ اس محذوف پر کوئی قرینہ ہونا چاہیے جو بتلادے کہ یہاں یہ لفظ محذوف ہے۔ اور دوسری چیز کہ یہاں پر لفظ محذوف ہے تو حذف کو ترجیح دینے والا کوئی نکتہ بھی ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ ہاں آپ نے ذکر کے بجائے کس کو ترجیح دی ہے؟ حذف کو، تو اس حذف کو ترجیح دینے والا کوئی نکتہ ہو کہ اس نکتے کی وجہ سے ذکر کو چھوڑ کر کس پر عمل کیا گیا؟ حذف پر عمل کیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو حاصل کلام کیا ہوا کہ یہاں پر جو حذف اور محذوف وغیرہ ذکر ہوئے اس سے کیا مراد ہے؟ ترکیب والا محذوف مراد نہیں بلکہ کون سا محذوف مراد ہے؟ جو معنی کے اعتبار سے ہو اس کے بغیر بات پوری ہی نہ ہوتی ہو، وہ محذوف مراد ہے اور اس کا تعلق بلاغت سے ہے۔ تو معنی ہمیں بتلاتا ہے کہ اس لفظ کا یہاں ہونا ضروری ہے بھئی، اور اس کو ذکر کرنے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ اگر آپ اس کو ذکر کر دیں گے تو پھر سارے کلام کا حسن ہی ختم ہو جائے گا، اس کی رونق ہی باقی نہ رہے گی۔ اور یہ کتنی چیزوں پر موقوف ہے یہ والا محذوف؟ دو چیزوں پر موقوف ہے: نمبر ایک کہ وہاں پر کوئی قرینہ ہونا چاہیے جو اس محذوف پر دلالت کرے، اور دوسرا وہاں کوئی نکتہ ہونا چاہیے جس کی وجہ سے ذکر کو چھوڑ دیا گیا اور حذف پر عمل کیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «الْبَابُ الثَّانِي فِي الذِّكْرِ وَالْحَذْفِ» کی تشریح

جی اب دیکھیے کتاب پر: الْبَابُ الثَّانِي فِي الذِّكْرِ وَالْحَذْفِ دوسرا باب ذکر اور حذف کے بیان میں۔ إِذَا أُرِيدَ إِفَادَةُ السَّامِعِ حُكْمًا جب ارادہ کیا جائے فائدہ دینے کا سامع کو حُكْمًا کسی حکم کا۔ جب سامع کو کسی حکم کا فائدہ دینے کا ارادہ کیا جائے، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جب سامع کو کسی حکم کا فائدہ دینے کا ارادہ کیا جائے، آسان لفظوں میں کیا ترجمہ کریں گے؟ ہاں شاباش، جب سامع کو کوئی بات بتانے کا ارادہ کیا جائے، جب سننے والے کو یعنی مخاطب کو کوئی بات بتانے کا ارادہ کیا جائے فَأَيُّ لَفْظٍ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيهِ پس جو بھی لفظ دلالت کر رہا ہو کسی معنی پر فِيهِ أَيْ فِي الْحُكْمِ اس حکم میں، تو جو بھی لفظ کسی معنی پر دلالت کر رہا ہو اس حکم کے اندر فَالْأَصْلُ ذِكْرُهُ تو اصل کیا ہے؟ اس لفظ کو ذکر کرنا ہے۔ وَأَيُّ لَفْظٍ عُلِمَ مِنَ الْكَلَامِ لِدَلَالَةِ بَاقِيهِ عَلَيْهِ فَالْأَصْلُ حَذْفُهُ، وَأَيُّ لَفْظٍ اور جو بھی لفظ عُلِمَ مِنَ الْكَلَامِ معلوم ہو کس سے؟ کلام سے معلوم ہو رہا ہو لِدَلَالَةِ بَاقِيهِ أَيْ بَاقِي الْكَلَامِ بوجہ دلالت کرنے باقی کلام کے عَلَيْهِ أَيْ عَلَى اللَّفْظِ اس لفظ پر فَالْأَصْلُ حَذْفُهُ تو اصل کیا ہے؟ اس لفظ کو حذف کرنا ہے۔ دوبارہ دیکھیے ترجمہ: وَأَيُّ لَفْظٍ عُلِمَ مِنَ الْكَلَامِ لِدَلَالَةِ بَاقِيهِ عَلَيْهِ فَالْأَصْلُ حَذْفُهُ اور جو بھی لفظ جانا جائے کلام سے اس وجہ سے کہ باقی کلام اس لفظ پر دلالت کر رہا ہے فَالْأَصْلُ حَذْفُهُ تو اصل کیا ہے؟ اس لفظ کا حذف کرنا ہے۔

وَإِذَا تَعَارَضَ هٰذَانِ الْأَصْلَانِ اور جب تعارض آجائے ان دو اصلوں کے اندر بھئی، کس میں؟ دو اصلوں میں۔ کیسے تعارض آیا مثلاً؟ ایک لفظ ہے اور وہ حکم میں کسی معنی پر دلالت کر رہا ہے تو یہ اصل تقاضا کر رہی ہے اس کو ذکر کیا جائے، لیکن دوسری طرف آپ غور کرتے ہیں کہ باقی کا کلام بھی اس لفظ پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، جب باقی کلام دلالت کر رہا ہو تو اصل کیا ہے اس لفظ کو حذف کیا جائے، تو یہ دوسری اصل اب تقاضا کر رہی ہے اس کو حذف کرنا چاہیے تو دونوں میں تعارض آگیا، دونوں میں ٹکراؤ آگیا۔ اب فَلَا يُعْدَلُ عَنْ مُقْتَضَى أَحَدِهِمَا إِلَى مُقْتَضَى الْآخَرِ لہٰذا عدول نہیں کیا جائے گا، پھر انہیں جائے گا ان دونوں اصلوں میں سے ایک کے مقتضی سے إِلَى مُقْتَضَى الْآخَرِ دوسرے کے مقتضی کی طرف۔ ایک اصل کس چیز کا تقاضا کر رہی ہے؟ ذکر، تو ذکر ہوا مقتضی۔ اور دوسری اصل تقاضا کس چیز کا کر رہی ہے؟ حذف، تو حذف بھی کیا ہوا؟ مقتضی۔ تو ایک کے مقتضی سے، ایک کا مقتضی مثلاً کیا ہے؟ ذکر، اس سے دوسرے کے مقتضی یعنی حذف کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا، یا اس کا عکس کریں: ایک کا مقتضی کیا ہے؟ حذف اور دوسرے کا مقتضی کیا ہے؟ ذکر، تو حذف سے ذکر کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا إِلَّا لِدَاعٍ مگر کسی داعی کی وجہ سے، کوئی چیز ہو جو دعوت دینے والی ہو یعنی کوئی نکتہ ہو جو اس کو ترجیح دے رہا ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب وہ نکتے بیان کرنے لگے ہیں کہ ذکر کے کیا کیا نکات ہوتے ہیں، حذف کے کیا کیا نکات ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں فَمِنْ دَوَاعِي الذِّكْرِ تو ذکر کے دواعی میں سے، دَوَاعِي جمع ہے دَاعٍ کی بھئی، وہ چیزیں جو ذکر کرنے کی دعوت دینے والی ہیں ان میں سے ایک داعی کیا ہے؟ زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ۔ تقریر کا معنی ہے کسی چیز کو پختہ کرنا، مضبوط کرنا، مضبوط کرنا۔ تو مراد کیا ہے؟ سننے والے کے ذہن میں ایک چیز کو زیادہ مضبوط کرنا۔ زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ کا کیا معنی؟ ہاں سننے والے کے ذہن میں ایک بات کو پختہ کرنا یعنی اس کے ذہن میں بات کو اچھی طرح بٹھانا۔ وَالْإِيضَاحِ اس کا عطف بھی التَّقْرِيرِ پر ہے أَيْ زِيَادَةُ الْإِيضَاحِ۔ ایضاح کا کیا معنی ہے؟ وضاحت کرنا، تفصیل کرنا، اور زِيَادَةُ الْإِيضَاحِ کا کیا معنی ہوا؟ زیادہ وضاحت کرنا۔ تو بھئی ذکر کے دواعی میں سے ایک نکتہ یہ ہے کہ بعض اوقات متکلم کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سننے والے کے ذہن میں بات کو اچھی طرح بٹھانا چاہتا ہے، اچھی طرح اس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہے۔

نَحْوُ مثال کے طور پر أُولٰئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، یہ وہ لوگ ہیں عَلَى هُدًى جو کس پر ہیں؟ ہدایت پر ہیں مِنْ رَبِّهِمْ کس کی جانب سے؟ اپنے پروردگار، یہ ہدایت جو کس کی جانب سے ہے؟ ان کے پروردگار کی جانب سے ہے، وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں،

کامیاب ہونے والے ہیں بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ أُولٰئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں مِنْ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کی جانب سے وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں بھئی، فلاح پانے والے ہیں۔

اب دیکھیے بھئی مقام استشہاد ہے یہاں پر یہ أُولٰئِكَ ثانی جو ہے، دوسرا أُولٰئِكَ آیا: أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہ والا أُولٰئِكَ۔ اس أُولٰئِكَ کو ذکر کیا گیا اور ذکر کرنے کا مقصد کیا ہے؟ زیادت تقریر اور زیادت ایضاح بھئی: سننے والے کے ذہن میں بات کو اچھی طرح بٹھانا اور بات کی اچھی طرح وضاحت کرنا۔ بھئی دیکھیے اگر اس أُولٰئِكَ کو ذکر نہ کیا جاتا کلام پھر بھی صحیح ہوتا، اپنے معنی پر دلالت کرتا، سننے والے کے ذہن میں بات بیٹھ جاتی اور بات خوب واضح ہوتی، لیکن ذکر کیا گیا تو ذکر کی وجہ سے اب بات زیادہ اچھے طریقے سے ذہن میں بیٹھ گئی اور زیادہ اس کی وضاحت ہو گئی۔ تو دیکھیے ایک ہے ذکر ایک ہے حذف، تو زیادہ وضاحت اور زیادہ اچھی طرح بات ذہن میں کب بیٹھے گی، جب چیز کو ذکر کیا جائے یا حذف کیا جائے؟ جب چیز کو ذکر کیا جائے، جب ذکر کیا جائے گا۔ مثلاً یہ مقام ہے یہاں پر یہ أُولٰئِكَ ثانی جو ہے اس کو ذکر نہ کیا جاتا پھر بھی بات واضح تھی، پھر بھی بات ذہن میں بیٹھ رہی تھی، لیکن مقصود کیا تھا؟ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ۔

تو یہاں اگر اس لفظ کو ذکر نہ کیا جائے پھر بھی بات سننے والے کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے اور بات واضح ہے، لیکن مقصد کیا ہے؟ زیادہ اچھی طرح بٹھانا اور زیادہ وضاحت کرنا، اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ زیادہ وضاحت ذکر کی صورت میں ہو گی حذف کی صورت میں نہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ أُولٰئِكَ ایک دفعہ ذکر ہو چکا تھا پیچھے لیکن پھر اس کو کیا کیا گیا؟ ذکر کیا گیا، دوبارہ اس کو ذکر کیا گیا تاکہ سننے والے کے ذہن میں بات اچھی طرح بیٹھ جائے اور خوب زیادہ کیا ہو جائے؟ اس کی وضاحت ہو جائے۔ دیکھیے یہاں لفظ آیا زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ: اگر اس کو حذف کر دیا جاتا تو بھی تقریر اور ایضاح تھا، کیا تھا؟ تقریر اور ایضاح، بات سننے والے کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے اور وضاحت بھی ہو جاتی ہے، لیکن مقصود کیا ہے؟ زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَزِيَادَةُ الْإِيضَاحِ زیادہ وضاحت اور زیادہ بات کو اچھی طرح ذہن میں بٹھانا، اور زیادہ وضاحت اور زیادہ اچھی طرح بٹھانا یہ تو کس صورت میں ہو گا؟ ذکر ہی کی صورت میں ہو گا، اسی لیے اس أُولٰئِكَ ثانی کو ذکر کیا گیا۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں حذف کے بجائے کس کو اختیار کیا گیا؟ ذکر کو، کس نکتے کی بنا پر؟ بات کو سننے والے کے ذہن میں زیادہ اچھی طرح بٹھانے کے لیے اور بات کی زیادہ وضاحت کرنے کے لیے بھئی، زیادہ وضاحت کے لیے۔ یہاں تک اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «أُولٰئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ» کی تشریح

یہاں ایک دو اور نکتے آپ کے لیے بیان کر دوں بھئی۔ بھئی دیکھیے أُولٰئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ، یہاں پر قرآن میں آیا یہ لوگ ہیں ہدایت پر مِنْ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کی جانب سے۔ تو أُولٰئِكَ ذکر کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا هُمْ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ۔ دیکھو یہاں اسم اشارہ ذکر کیا گیا، اس کی جگہ ضمیر بھی ذکر ہو سکتی تھی هُمْ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ یہ لوگ کیا ہیں اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پر۔ تو ضمیر کے بجائے اسم اشارہ کو ذکر کیا گیا بھئی، اسم اشارہ کو ذکر کیا گیا۔ وجہ یہ کہ جب ضمیر ذکر کی جائے تو ضمیر صرف ذات پر دلالت کرتی ہے، کس پر؟ ذات پر دلالت کرتی ہے، اور اسم اشارہ ذکر کیا جائے تو وہاں ذات کے ساتھ ساتھ اوصاف بھی ملحوظ ہوتے ہیں، ذات کے ساتھ ساتھ اوصاف بھی ملحوظ ہوتے ہیں۔ اگر یہ کہہ دیا جاتا هُمْ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ یہ لوگ ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر، تو صرف هُمْ کے ذریعے پتہ لگ جاتا یہ ذاتیں ہیں، یہ لوگ ہیں جو کیا ہیں؟ ہدایت پر ہیں، لیکن وجہ کا پتہ نہ چلتا کہ ہدایت پر کیوں ہیں۔ لیکن جب اسم اشارہ ذکر کیا گیا تو وہاں ذات کے ساتھ ساتھ اوصاف بھی ملحوظ ہوتے ہیں، کیا ملحوظ ہوتے ہیں؟ اوصاف بھی ملحوظ، اور پیچھے اوصاف بھی ذکر ہیں تو علت کا بھی پتہ چل گیا کہ اس وجہ سے یہ لوگ ہدایت پر ہیں، اس وجہ سے۔

بھئی دیکھیے جب کسی ذات پر حکم لگایا جائے صرف ذات پر تو حکم کی علت کا پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں أَكْرَمْتُ رَجُلًا میں نے ایک آدمی کا اکرام کیا۔ تو کس کا اکرام کیا؟ رَجُلًا، رَجُلًا میں صرف ذات کو میں نے ذکر کیا اوصاف کو ذکر نہیں کیا: میں نے ایک آدمی کا اکرام کیا۔ آپ کو یہ تو پتہ چل گیا کہ کہنے والے نے کسی آدمی کا اکرام کیا ہے لیکن وجہ کا پتہ نہیں چلا کیونکہ صرف ذات ذکر ہے اوصاف یہاں پر کوئی ذکر ہی نہیں۔ اتنا پتہ لگ گیا کہ یہ جو بات کر رہا ہے اس نے کیا کیا ہے کسی آدمی کا اکرام کیا ہے لیکن کیوں اکرام کیا، اس کی وجہ کیا تھی وہ پتہ نہیں چل رہی یہاں سے۔ لیکن اگر یہی حکم ذات مع الوصف پر لگایا جائے، ساتھ وصف بھی ہو تو علت کا بھی پتہ چل جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں أَكْرَمْتُ رَجُلًا عَالِمًا میں نے ایک عالم آدمی کا اکرام کیا۔ اب دیکھیے صرف ذات ذکر ہے یا ذات مع الوصف ذکر ہے؟ ذات مع الوصف ذکر ہے، اور ذات مع الوصف پر جب کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو وہاں اس حکم کی علت وہ وصف ہوا کرتا ہے۔ جب میں نے کہا أَكْرَمْتُ رَجُلًا عَالِمًا تو میں نے ذات مع الوصف پر حکم لگایا، رجل ہے اور کیسا رجل ہے؟ عالم ہے، وصف بھی ساتھ آگیا، اور جب ذات مع الوصف پر حکم لگایا جائے تو وہاں اس حکم کی علت اور وجہ اور سبب کیا ہوتا ہے؟ وہ وصف ہوتا ہے۔ تو اس جملے سے آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ میں نے اکرام کیوں کیا اس آدمی کا؟ کیونکہ وہ عالم تھا بھئی، تو علت بھی پتہ چل گئی سبب بھی پتہ چل گیا۔ تقریر سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ جب صرف ذات پر حکم لگایا جائے تو حکم کی علت کا پتہ نہیں چلتا، لیکن جب کس پر حکم لگایا جائے؟ ذات مع الوصف پر حکم لگایا جائے تو اس حکم کی علت کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ وجہ ہے اس حکم کی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی اسی طرح اگر هُمْ ذکر کیا جاتا یہاں پر آیت کے اندر تو هُمْ ضمیر ہے اور ضمیر صرف کس پر دلالت کرتی ہے؟ ذات پر۔ هُمْ سے یہ تو پتہ چل جاتا پیچھے جو لوگ ذکر ہوئے ہیں وہ لوگ مراد ہیں، ذات کا تو پتہ چل جاتا یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، لیکن کیوں ہدایت پر ہیں اس علت کا پتہ نہ چلتا، سبب کا پتہ نہ

چلتا۔ لیکن جب یہاں کیا آیا؟ أُولٰئِكَ آیا، أُولٰئِكَ اسم اشارہ ہے اور اسم اشارہ تو کس پر دلالت کرتا ہے؟ ذات مع الوصف، ذات کے ساتھ ساتھ وہاں اوصاف بھی ملحوظ ہوتے ہیں تو حکم کی علت کا بھی پتہ چل گیا کیونکہ پیچھے کیا ہے اس سے آیتیں؟ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ، یہ کتاب جو ہے یہ ہدایت ہے کس کے لیے؟ متقیوں کے لیے، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں کس پر؟ غیب پر، وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ اور کیا کرتے ہیں یہ لوگ؟ نماز قائم کرتے ہیں، وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ اور یہ لوگ اس میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے ان کو دیا ہے، وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس پر بھی جو آپ کی طرف کتاب نازل کی گئی وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ اور آخرت پر بھی یہ لوگ یقین رکھتے ہیں، ایمان رکھتے ہیں۔

تو دیکھیے پیچھے اوصاف ذکر ہوئے اور أُولٰئِكَ کے ذریعے ان متقیوں کی طرف اشارہ ہے اور ساتھ ساتھ اوصاف بھی ملحوظ ہوئے کیونکہ أُولٰئِكَ آیا۔ هُمْ آتا تو صرف کیا ملحوظ ہوتی؟ ذات ملحوظ ہوتی اوصاف ملحوظ نہ ہوتے، لیکن جب أُولٰئِكَ آیا تو أُولٰئِكَ نے صرف ذات پر دلالت نہیں کی بلکہ ساتھ ساتھ ان کے وہ سارے اوصاف بھی ملحوظ ہیں کہ یہ لوگ جو ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں جن کی یہ یہ صفات ہیں جو پیچھے ذکر ہو گئیں: یہ غیب پر بھی ایمان رکھتے ہیں، یہ نمازیں بھی قائم کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے راستے میں مال بھی خرچ کرتے ہیں، یہ لوگ اس کتاب پر بھی اور پچھلی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور یہ آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں، یہ سارے اوصاف بھی ملحوظ ہو گئے کہ یہ یہ صفات رکھنے والے جو لوگ ہیں یہ والے عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ یہ کس پر ہیں اپنے پروردگار کی جانب سے؟ ہدایت پر۔ تو حکم کس پر لگایا گیا، صرف ذات پر یا ذات مع الاوصاف پر؟ ذات مع الاوصاف پر، تو حکم کی علت بھی پتہ چل گئی کہ یہ ہدایت پر کیوں ہیں؟ ان اوصاف کی وجہ سے، جیسے أَكْرَمْتُ رَجُلًا عَالِمًا میں نے اس عالم آدمی کا اکرام کیا، کیوں اکرام کیا، علت کیا تھی؟ عالم، تو وہاں وہ وصف بتلا دیتا تھا یہ علت ہے، یہاں بھی ان اوصاف نے بتلا دیا، علت کا پتہ چل گیا کہ یہ لوگ ہدایت پر کیوں ہیں ان اوصاف کی وجہ سے، یہ حکم اس لیے ان پر لگایا گیا بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

پھر یہاں ایک اور نکتہ بھی بیان کر دوں بھئی، عجیب نکتہ بھئی، عجیب نکتہ: یہاں پر تمثیل ہے، تمثیل۔ بھئی یاد رکھیے تمثیل کا ذکر آگے آجائے گا بھئی علم بیان کے اندر بھئی۔ تمثیل اس کو کہتے ہیں مرکب ہیئت کو مرکب ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ دو تین چیزوں سے ایک چیز مرکب کر کے دوسری کے ساتھ اس کو کیا کیا گیا؟ تشبیہ، یعنی یوں سمجھو بیک وقت کئی چیزوں کو کئی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تمثیل۔ تفصیل وہاں آجائے گی علم بیان کے اندر۔ تو یہاں پر بھی تمثیل ہے: أُولٰئِكَ کے ذریعے اشارہ کیا گیا یہ جو لوگ جن کی یہ یہ صفات ہیں، یہ جو متقی ہیں یعنی صحابہ، یعنی صحابہ عَلَى هُدًى کس پر ہیں؟ ہدایت پر ہیں۔ عَلَى ذکر کیا گیا اور عَلَى آتا ہے ایک چیز دوسری چیز کے اوپر ہو: زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ زید چھت پر ہے، تو دیکھو چھت نیچے ہے زید اس کے اوپر ہے، تو عَلَى کس لیے آتا ہے؟ یہ بتلانے کے لیے کہ ایک چیز دوسری کے اوپر ہے۔ تو یہاں پر بھی أُولٰئِكَ یہ لوگ جو ہیں، یہ متقی یعنی یہ صحابہ جو ہیں عَلَى هُدًى کس پر ہیں؟ ہدایت پر ہیں یعنی ہدایت پر سوار ہیں۔ صحابہ ہدایت پر ہیں تو گویا صحابہ کو یہاں تشبیہ دی گئی گھڑ سواروں کے ساتھ جو گھوڑے پر سوار ہوں ان کے ساتھ، اور ہدایت کو تشبیہ دی گئی سواری یعنی گھوڑے کے ساتھ تشبیہ دی گئی، کس کے ساتھ؟ گھوڑے کے ساتھ۔ اور کیا بتلایا گیا؟ کہ گویا یہ صحابہ کس کی طرح ہیں؟ گھڑ سوار کی طرح، جیسے گھڑ سوار ہوتا ہے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اسی طرح یہ صحابہ بھی کس پر سوار ہیں؟ ہدایت پر ہیں یعنی سیدھے راستے پر ہیں بھئی، اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں سیدھے راستے پر ہیں۔ اور پھر نیز گھڑ سوار جو ہے جس طرف کا رخ چاہتا ہے اس طرف کا رخ کرتا ہے اور اس کا گھوڑا اس کے ساتھ ہوتا ہے، اس گھوڑے کو ادھر موڑتا چلا جاتا ہے لے جاتا ہے۔ تو اس میں اس بات کی جانب بھی اشارہ کر دیا گیا کہ صحابہ وہ باعظمت لوگ ہیں جو ہدایت کے گھوڑے پر سوار ہیں اور ہدایت ان کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے، یہ جس طرف کا رخ کرتے ہیں ہدایت ان کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے بھئی۔

تو صحابہ کی عظیم اور مبارک جماعت کہ نہ اس زمین نے اس سے پہلے ایسے مبارک لوگوں کو دیکھا اور نہ قیامت تک پھر ایسے لوگوں کو دیکھ سکے گی بھئی۔ تو یہ وہ صحابہ جو کس طرح ہیں؟ جیسے انسان گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور جب گھوڑے پر سوار ہے جدھر کو وہ چاہتا ہے اس گھوڑے کو لے جاتا ہے گھوڑا اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، اسی طرح یہ صحابہ بھی ہدایت کے گھوڑے پر سوار ہیں اور جس طرف کا رخ کرتے ہیں ہدایت ان کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے بھئی، کیونکہ یہ سرور کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے شاگرد ہیں کوئی عام معمولی انسان نہیں ہیں بھئی۔ تمام دنیا کے اولیاء مل جائیں بھئی تمام، صحابہ کے بعد سے لے کر آج تک سارے اولیاء مل جائیں ادنی سے ادنی صحابی کے درجے کو بھی نہیں پہنچ سکتے بھئی، صحابہ کا مقام اتنا اونچا ہے! ادنی صحابی کے مقام کو بھی نہیں پہنچ سکتے، اعلی تو بڑی دور کی بات ہے۔ کیوں، ان کے مقام کو کیوں نہیں پہنچ سکتے؟ بھئی صحابہ کا مقام بڑا اونچا ہے، کیوں اونچا ہے صحابہ کا مقام؟ اس لمحے کی وجہ سے ہی اونچا ہو گیا اور بلند ہو گیا کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے سرور کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی زیارت کر لی بھئی؟ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو ان کا مقام بڑا اونچا ہے بھئی۔ تو صحابہ کا بڑا اونچا مقام ہے اور الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے بھئی۔ صحابہ کا نام بھی لیا جائے تو دل کے اندر ایک عجیب قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے بھئی، لذت۔ اللہ تعالی ہم سب کا انجام صحابہ کے ساتھ فرمائے بھئی۔ آمین۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۶: دواعیِ ذکر (قلتِ ثقت بالقرینہ، تعریض بغباوتِ سامع، تعظیم، اہانت، تلذذ) اور دواعیِ حذف کا آغاز

دروس البلاغہ صفحہ: ۴۳ــــ بتاریخ: ۲۲ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَقِلَّةُ الثِّقَةِ بِالْقَرِينَةِ لِضَعْفِهَا أَوْ ضَعْفِ فَهْمِ السَّامِعِ نَحْوُ زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ تَقُولُ ذٰلِكَ إِذَا سَبَقَ لَكَ ذِكْرُ زَيْدٍ وَطَالَ عَهْدُ السَّامِعِ بِهِ أَوْ ذُكِرَ مَعَهُ كَلَامٌ فِي شَأْنِ غَيْرِهِ، وَالتَّعْرِيضُ بِغَبَاوَةِ السَّامِعِ نَحْوُ عَمْرٌو قَالَ كَذَا فِي جَوَابِ مَاذَا قَالَ عَمْرٌو۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے دوسرا باب شروع کیا تھا جو ذکر اور حذف کے بارے میں ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلام کے اندر مسند الیہ اور اسی طرح مسند اور اسی طرح ان کے جو متعلقات ہیں ان کو کبھی ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی حذف کیا جاتا ہے۔ تو ذکر کے اندر کیا کیا نکات ہوتے ہیں اور حذف کے اندر کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ یہ بیان کر رہے ہیں بھئی، یہ بیان کر رہے ہیں۔ اور آپ نے گزشتہ سبق میں پڑھا کہ جب سامع کو کسی بات کا فائدہ دینے کا ارادہ ہو اور اس حکم کے اندر کوئی لفظ کسی معنی پر دلالت کر رہا ہو تو اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو ذکر کیا جائے۔ اور جب باقی کلام جو ہے ایک لفظ پر دلالت کر رہا ہے، اس سے ایک لفظ کا پتہ چل رہا ہے تو اس میں اصل یہ ہے کہ اس کو حذف کیا جائے۔ لیکن کبھی کبھار ان دونوں اصلوں میں تعارض آتا ہے تو پھر ایک اصل کو چھوڑ کر دوسری اصل کے مقتضی پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ تو اس کے لیے کوئی مرجح چاہیے، کوئی ترجیح دینے والی چیز چاہیے کہ کس بنا پر آپ نے ذکر کو حذف پر ترجیح دی ہے یا حذف کو ذکر پر ترجیح دی ہے۔ تو اس کے لیے کوئی ترجیح دینے والی چیز ہونی چاہیے، کوئی داعی ہونا چاہیے، وہاں کوئی نکتہ ہونا چاہیے جس کی وجہ سے ترجیح دی جائے بھئی۔

تو لہٰذا ایک مقام پر ایک لفظ ہے وہ حکم کے اندر معنی کا فائدہ دے رہا ہے تو اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو ذکر کیا جائے، لیکن صرف اس اصل ہونے کی بنا پر آپ اس ذکر کی رعایت رکھتے ہیں اور اس لفظ کو ذکر کر دیتے ہیں؟ نہیں، صرف اصل کی رعایت رکھتے ہوئے ذکر کیا جائے ایسا نہیں کیا جائے گا، بلکہ جہاں پر اصل ذکر کا تقاضا کر رہی ہے وہاں پھر دوسری جانب جو ہے جانب مخالف یعنی حذف کے بارے میں بھی دیکھیں گے کہ کوئی چیز اس کو ترجیح دینے والی تو نہیں ہے، جب حذف کو ترجیح دینے والی کوئی چیز نہ ملے تو پھر اس اصل پر عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی حذف کو ترجیح دینے والی چیز ہے تو پھر اس اصل کو چھوڑ دیں گے اور اس حذف پر عمل کر لیں گے۔ اسی طرح حذف کے اندر بھی ہے: اگر باقی کلام دلالت کر رہا ہو کسی لفظ پر تو اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو حذف کر دیا جائے، اس کو ذکر کرنا بیکار ہوا کیونکہ باقی کلام سے جب اس کا پتہ چل رہا ہے تو پھر دوبارہ اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اصل تو یہ ہے کہ اس مقام پر لفظ کو حذف کیا جائے، لیکن صرف اصل ہونے کی بنا پر اس کی آپ رعایت رکھیں اور لفظ کو حذف کر دیں؟ نہیں ایسا فوراً نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے دیکھا جائے گا کہ جانب مخالف یعنی ذکر کا کوئی نکتہ تو یہاں موجود نہیں؟ اگر جانب مخالف کا نکتہ موجود نہیں تو پھر تو حذف پر ہم عمل کر لیں گے، اور اگر جانب مخالف یعنی ذکر کا کوئی نکتہ موجود ہے وہاں پر تو اس اصل کو چھوڑ دیں گے اور اس نکتے کی رعایت کرتے ہوئے کیا کریں گے؟ اس لفظ کو ذکر کریں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ اور میں نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ حذف کے لیے قرینہ ضرور ہونا چاہیے، بغیر قرینے کے تو سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہاں یہ لفظ محذوف ہے، بات ہی اس کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آئے گی بھئی۔ تو قرینہ ہونا بہت ضروری ہے، بغیر قرینے کے حذف کرنا صحیح نہیں ورنہ بات ہی اس کو سمجھ میں نہیں آئے گی، کلام ہی آپ کا بالکل بیکار ہو جائے گا بھئی۔

اب گزشتہ سبق میں ہم نے ذکر کے نکات پڑھنا شروع کیے تھے۔ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا فَمِنْ دَوَاعِي الذِّكْرِ زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ ذکر کے دواعی میں سے، وہ چیزیں جو ذکر کی دعوت دینے والی ہیں ان میں سے ایک نکتہ آپ نے پڑھا تھا وہ کیا ہے؟ زیادت تقریر اور زیادت ایضاح۔ تو دیکھیے قرآن کے اندر جو آیا أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، یہ أُولَئِكَ دوسری دفعہ جو آرہا ہے أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہ والا جو أُولَئِكَ ہے یہ مسند الیہ ہے، یہاں پر مسند الیہ کو ذکر کیا گیا، کیوں ذکر کیا گیا؟ زیادت تقریر اور زیادت ایضاح کے لیے۔ اگر اس کو حذف بھی کر دیا جاتا تو بھی تقریر تھی، ایضاح تھا۔ تقریر کا کیا معنی؟ سننے والے کے ذہن میں بات کو پختہ کرنا، اچھی طرح جمانا۔ تو تقریر پھر بھی تھی، وضاحت پھر بھی تھی لیکن مقصد کیا ہے؟ زیادہ تقریر اور زیادہ وضاحت۔ اور ظاہر سی بات ہے زیادہ تقریر تو ذکر کرنے کے اندر ہے، زیادہ وضاحت تو ذکر کرنے کے اندر ہے حذف کے اندر نہیں، اس لیے یہاں اس کو ذکر کیا گیا۔

جی اب دوسرا نکتہ بیان کر رہے ہیں ذکر کے دواعی میں سے، دوسرا داعی کیا ہے؟ وَقِلَّةُ الثِّقَةِ بِالْقَرِينَةِ۔ ثِقَةٌ کہتے ہیں اعتماد کو، اعتماد: وَقِلَّةُ الثِّقَةِ بِالْقَرِينَةِ اور قرینے پر اعتماد کم ہونے کی وجہ سے۔ قرینے پر اعتماد کم ہونے کی وجہ سے، بھئی ایک لفظ ہے اور اس کو حذف کیا جا سکتا ہے وہاں پر قرینہ موجود ہے، اور جب قرینہ موجود ہو تو کیا کیا جا سکتا ہے کسی لفظ کو، مسند الیہ کو مثلاً؟ حذف کیا جا سکتا ہے۔ قرینہ بھی موجود ہے لیکن آپ کا اس قرینے پر اعتماد کم ہے کیونکہ وہ قرینہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہے اس کے اندر کچھ خفا ہے، پورے طور پر وہ قرینہ ظاہر نہیں اس کے اندر کچھ خفا ہے، تو آپ سوچتے ہیں کہ اگر میں قرینے پر اعتماد کروں گا تو پتہ نہیں یہ جو سامنے بیٹھا ہے جس سے میں بات کر رہا ہوں اس کو میری بات سمجھ آتی ہے یا سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ قرینہ پورے طور پر ظاہر نہیں۔ اگر پورے طور پر ظاہر ہوتا تو پھر آپ اعتماد کر لیتے لیکن وہ قرینہ پورے طور پر ظاہر نہیں، اس وجہ سے آپ کا اس قرینے پر اعتماد کم ہے چنانچہ آپ کیا کرتے ہیں اس لفظ کو، مسند الیہ کو مثلاً ذکر کر دیتے ہیں۔

تو کس وجہ سے اعتماد کم ہے قرینے پر؟ لِضَعْفِهَا اس قرینے کے ضعیف ہونے کی وجہ سے، وہ قرینہ ضعیف ہے یعنی اس میں خفا ہے پورے طور پر ظاہر نہیں۔ أَوْ ضَعْفِ فَهْمِ السَّامِعِ: قرینہ تو کمزور نہیں لیکن سننے والے کی فہم کمزور ہے، اس کی سمجھ کم ہے، وہ اتنا زیادہ سمجھدار نہیں کہ خفی قرینے کو سمجھ لے۔ قرینہ تو موجود ہے لیکن قرینہ کس قسم کا ہے؟ خفی ہے۔ تو اب یہاں پر قرینہ موجود ہے آپ اس کو حذف کر سکتے ہیں اس مسند الیہ کو، ہونا بھی یہ چاہیے کہ جب قرینہ موجود ہے اسے حذف کرنا چاہیے لیکن آپ کے خیال میں، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سننے والے کا ذہن اتنا تیز نہیں کہ وہ گہری بات کو سمجھ جائے، اشارے کو سمجھ جائے بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ اس کے سامنے پوری بات کرنا پڑے گی، تو اب آپ حذف نہیں کرتے بلکہ اس مسند الیہ کو ذکر کر دیتے ہیں۔

تو دوسرا داعی جو ہے ذکر کا: وَقِلَّةُ الثِّقَةِ بِالْقَرِينَةِ اور قرینے پر اعتماد کا کم ہونا لِضَعْفِهَا کس وجہ سے؟ اس قرینے کے ضعیف ہونے کی وجہ سے أَوْ ضَعْفِ فَهْمِ السَّامِعِ یا سامع کی سمجھ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ زید کتنا اچھا ساتھی ہے، کتنا اچھا دوست ہے! زید کی اب آپ تعریف کر رہے ہیں، کیا کہا آپ نے؟ زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ۔ تو آپ نے زید جو مبتدا ہے اس کو ذکر کر دیا، حالانکہ قرینہ موجود تھا آپ کو حذف کرنا چاہیے تھا اور یوں کہنا چاہیے تھا نِعْمَ الصَّدِيقُ۔ قرینہ کیا موجود تھا؟ کہ یہ جو میرے سامنے بیٹھا ہے اس سے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی میں زید کے بارے میں ہی تو بات کر رہا تھا، جب زید کے بارے میں ہی بات کر رہا تھا تو جب میں کہوں گا نِعْمَ الصَّدِيقُ کتنا اچھا ساتھی ہے تو واضح سی بات ہے کہ اس سے کون مراد ہو گا؟ زید ہی مراد ہو گا، تو اس موقع پر لفظ زید کو ذکر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو حذف کرنا چاہیے تھا۔ لیکن آپ پھر بھی ذکر کر دیتے ہیں، کیوں ذکر کرتے ہیں؟ کیونکہ قرینہ پورا ظاہر نہیں بلکہ اس میں کچھ خفا ہے، کمزور ہے۔ بھئی کیوں کمزور ہے؟ اس لیے کیونکہ زید کی بات ابھی فوراً اس سے پہلے میں نے نہیں کی بلکہ اس کی بات کیے ہوئے کچھ دیر گزر گئی ہے، اس کی بات کیے ہوئے کچھ دیر گزر گئی ہے۔ اگر ابھی میں نے زید کی بات کی ہوتی اور اس کے فوراً بعد میں کہتا تو پھر صرف یہ کہتا نِعْمَ الصَّدِيقُ، زید کو حذف کر دیتا، لیکن زید کے ذکر کو کچھ منٹ گزر چکے ہیں، کچھ وقت گزر چکا ہے، بیچ میں کچھ اور باتیں بھی آ گئی تھیں، اب اگر میں صرف نِعْمَ الصَّدِيقُ کہوں گا تو شاید سننے والے کو سمجھ میں نہ آئے کہ کون ہے اچھا ساتھی بھئی، زید ہے کہ عمرو ہے کہ بکر ہے، تو شاید اس کو پتہ نہ چلے۔ تو قرینے پر آپ کا اعتماد کم ہے، کیوں کم ہے؟ کیونکہ ضعیف ہوا قرینہ۔ کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ جس کا ذکر چل رہا تھا اس کو کچھ وقت گزر چکا ہے۔

■ قولہ: «زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ، تَقُولُ ذٰلِكَ» کی تشریح

نَحْوُ جیسے آپ کہتے ہیں زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ، تَقُولُ ذٰلِكَ آپ یہ اس وقت کہتے ہیں إِذَا سَبَقَ لَكَ ذِكْرُ زَيْدٍ جب مقدم ہو چکا ہے آپ کی طرف سے زید کا ذکر وَطَالَ عَهْدُ السَّامِعِ بِهِ، عَهْدٌ کہتے ہیں زمانے کو، طَالَ يَطُولُ کے معنی لمبا ہونا، وَطَالَ عَهْدُ السَّامِعِ بِهِ اور اس کو سننے والے کا زمانہ لمبا ہو گیا ہے۔ سننے والے کا زمانہ کیا ہو گیا ہے؟ لمبا ہو گیا ہے یعنی زید کے ذکر سے اس کا زمانہ لمبا ہو گیا یعنی بیچ میں کچھ وقت گزر گیا ہے اس کی بات کیے ہوئے، اس وجہ سے اب آپ کا قرینے پر اعتماد نہ رہا بھئی۔ أَوْ ذُكِرَ مَعَهُ كَلَامٌ فِي شَأْنِ غَيْرِهِ یا اس وجہ سے کہ جو سامع ہے، جو مخاطب ہے اس کے ساتھ ذکر ہوا ہے كَلَامٌ فِي شَأْنِ غَيْرِهِ کسی اور کی شان میں بھی کلام ذکر ہوا ہے۔ بھئی اس وجہ سے میرا قرینے پر اعتماد کمزور ہے کیونکہ مخاطب کے ساتھ زید کا ذکر ٹھیک ہے ابھی ہوا تھا لیکن زید کے ساتھ ساتھ عمرو اور بکر کا بھی ذکر آ گیا تھا، اب اگر میں صرف یہ کہہ دوں نِعْمَ الصَّدِيقُ تو پھر تو اس کو پتہ نہیں چلے گا کیونکہ صرف زید کا ذکر نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد کس کا ذکر ہوا؟ عمرو کا بھی ذکر ہوا، بکر کا بھی ذکر ہوا، خالد کا بھی ذکر ہوا، تو اب اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ کس کی بات کر رہا ہے۔ تو اس لیے قرینے پر آپ کا اعتماد کم ہوا تو آپ نے لفظ زید کو ذکر کر دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے أَوْ ذُكِرَ مَعَهُ كَلَامٌ فِي شَأْنِ غَيْرِهِ، شَأْنٌ کہتے ہیں حال کو، حالت کو بھئی، یا ذکر ہوا ہے اس سامع کے ساتھ کلام فِي شَأْنِ

غَيْرِهِ کسی اور کی شان میں، کسی اور کے حال کے بارے میں بھی یعنی کسی اور کا بھی ذکر ہوا ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آئی بھئی؟ دوسرا نکتہ کیا بیان ہوا کہ ذکر کبھی کیا جاتا ہے کس وجہ سے؟ کیونکہ قرینے پر آپ کا اعتماد کم ہوتا ہے۔ کیوں کم ہوتا ہے قرینے پر اعتماد؟ کیونکہ وہ قرینہ کمزور ہوتا ہے اس وجہ سے اعتماد کم ہوتا ہے، یا اس وجہ سے اعتماد کم ہوتا ہے کہ سننے والے کی سمجھ کم ہے وہ ظاہری بات کو تو سمجھتا ہے اور گہری بات کو نہیں سمجھتا تو اس لیے اب آپ اس کے سامنے ذکر کرتے ہیں۔ جیسے انہوں نے مثال ذکر کر دی زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ، یہ آپ ذکر کرتے ہیں اگرچہ زید کا پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن پھر بھی آپ زید کو ذکر کرتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کے ذکر کو کچھ دیر گزر گئی، جب کچھ دیر گزر گئی تو قرینہ کمزور ہو گیا، اس کے ذکر کے فوراً بعد آپ کہتے تو پھر نِعْمَ الصَّدِيقُ کہتے وہ سمجھ جاتا لیکن اب کچھ دیر گزر گئی ہے اب پتہ نہیں وہ سمجھتا ہے یا نہیں سمجھتا۔ یا اس وجہ سے کہ زیادہ دیر تو زید کے ذکر کو نہیں ہوئی لیکن زید کے ساتھ ساتھ ایک شخص کا اور بھی ذکر آ گیا تھا یا دو شخصوں کا اور بھی ذکر آ گیا تھا تو اب ہو سکتا ہے بات اس کی سمجھ میں نہ آئے بھئی، تو اب آپ کیا کرتے ہیں لفظ زید کو حذف کرنے کے بجائے ذکر کر دیتے ہیں تاکہ بات خوب واضح ہو جائے، پتہ چل جائے زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ کہ میں زید کی تعریف کر رہا ہوں، کوئی دوسرا شخص جس کا ذکر آیا تھا اس کی تعریف نہیں کر رہا۔

وَالتَّعْرِيضُ بِغَبَاوَةِ السَّامِعِ۔ تعریض کہتے ہیں اشارہ کرنا، اشارہ کرنا، یوں کہیے کہنا ایک کو سنانا دوسرے کو بھئی، کہنا ایک کو سنانا دوسرے کو۔ مثلاً بھئی آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا ذہن ذرا کمزور ہے، وہ ظاہری باتیں تو سمجھتا ہے گہری باتیں نہیں سمجھتا۔ اب وہ کمزور ذہن والا ہے، آپ کئی ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں، اس نے آپ سے پوچھا کہ عمرو نے پھر کیا کہا تھا؟ کوئی بات چل رہی ہے تو آپ ان سب کو بات سنا رہے ہیں، اس نے درمیان میں پوچھا کہ پھر عمرو نے کیا کہا؟ تو اب آپ کو جواب میں صرف وہ بات ذکر کرنی چاہیے تھی، یوں کہنا چاہیے اس نے کہا تھا اور یہ یہ بات کہی تھی، آگے وہ بات ذکر کر دیں۔ لیکن آپ کیا کہتے ہیں اس کو؟ اس نے کیا کہا: عمرو نے کیا کہا تھا؟ آپ کہتے ہیں: عمرو نے کہا تھا کہ یہ یہ، آگے بات ذکر کر دیتے ہیں آپ بھئی۔ کیا کہا آپ نے اس کو؟ عمرو نے یہ کہا تھا۔ بھئی یہ عمرو کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے عمرو ہی کا تو سوال کیا ہے زید بکر کا تو سوال ہی نہیں کیا۔ لیکن آپ عمرو کیوں ذکر کرتے ہیں؟ یہ جو باقی ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بڑا کمزور ذہن والا ہے، اس سے اس طرح بات کرو تو اسے سمجھ میں آتی ہے ویسے اس کو بات سمجھ میں نہیں آتی بھئی۔

صورت ذرا ذہن میں بھی آئی کہ نہیں آئی؟ آپ ایک مجلس کا ذرا نقشہ ذہن میں لائیں اور ساتھی آپ کئی بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ آپ کا ساتھی آپ سے کہتا ہے کہ عمرو نے کیا کہا تھا؟ اور اب آپ اس کے سامنے کیا کہتے ہیں، ذرا انداز جملے کا دیکھنا: عمرو نے کہا تھا کہ میں پرسوں آؤں گا۔ دیکھو اس جملے کو ذرا آپ اس مجلس میں اور اس ساری صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے غور کریں فوراً آپ کے ذہن میں آ جائے گا اس طرح کوئی نہیں کسی سے بات کرتا، اس طرح نہیں کسی کو کہا جاتا۔ جب اس نے پوچھ لیا عمرو نے کیا کہا تھا ہر ایک کہے گا اس نے کہا تھا، اس نے کہا تھا، لیکن آپ اس کو کیا کہہ رہے ہیں؟ عمرو نے کہا تھا۔ یہ ضروری نہیں یہی نکتہ ہو بعض اوقات اور بھی نکتے ہو سکتے ہیں لیکن یہاں پر اس موقع پر مثلاً کیا نکتہ ہے؟ کہ آپ دوسروں کو کیا بتانا چاہتے ہیں؟ کہ اس کا ذہن کمزور ہے۔ میرے ذہن میں اس وقت کوئی خاص ایسا جملہ نہیں آ رہا جس سے میں اور اس کی وضاحت کروں ورنہ یہ تو ہم نے بھی دیکھا ہے اس طرح ہوتا ہے: ایک ساتھی دوسرے سے کوئی بات پوچھتا ہے وہ وہاں پر ایک لفظ کو ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا اس کو ذکر کرتا ہے اور بڑا ٹھہر ٹھہر کے پورا جملہ بولتا ہے، مقصد کیا ہوتا ہے؟ ساروں کو بتانا مقصد ہوتا ہے کہ یہ اتنا کم عقل ہے اس سے اس طرح بات کیا کرو اس کو ویسے بات سمجھ میں نہیں آتی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو بعض اوقات تو وہ ہو گا ہی کمزور ذہن والا اس وجہ سے آپ دوسروں کو اشارہ کرتے ہیں کہ یہ کمزور ذہن والا ہے اس لیے آپ کہتے ہیں عمرو نے یوں کہا تھا بجائے یہ کہنے کے کہ اس نے یوں کہا تھا۔ اور بعض اوقات آپ صرف اس کو ذلیل کر رہے ہیں، اس کی اہانت کر رہے ہیں، سب کے سامنے اس کی بے عزتی کرنا مقصد ہے تو اب آپ سب کے سامنے اسے کہتے ہیں: بھئی عمرو نے کہا تھا کہ مثلاً میں پرسوں آؤں گا یا ترسوں آؤں گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ وہ کمزور ذہن والا نہیں لیکن آپ کیا کر رہے ہیں؟ دوسروں کو بتلا رہے ہیں کہ اس کا ذہن بڑا کمزور ہے، دراصل اس کی بے عزتی کر رہے ہیں اہانت کر رہے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَالتَّعْرِيضُ بِغَبَاوَةِ السَّامِعِ اور اشارہ کرنے کے لیے سامع کے غبی ہونے کی طرف۔ غباوت کہتے ہیں غبی ہونا، کمزور ذہن والا ہونا: اور اشارہ کرنا سننے والے کے کمزور ذہن ہونے کی طرف، نَحْوُ عَمْرٌو قَالَ كَذَا عمرو نے یوں کہا تھا فِي جَوَابِ اس بات کے جواب میں آپ یہ کہتے ہیں مَاذَا قَالَ عَمْرٌو عمرو نے کیا کہا تھا؟ اس نے آپ سے پوچھا کیا تھا؟ مَاذَا قَالَ عَمْرٌو عمرو نے کیا کہا تھا؟ آپ جواب میں کیا کہتے ہیں؟ عَمْرٌو قَالَ كَذَا عمرو نے اس طرح کہا تھا۔ تو کبھی اس تعریض کے لیے آئے گا یہ مسند الیہ کا ذکر۔

وَالتَّسْجِيلُ عَلَى السَّامِعِ۔ تسجیل کا معنی ہے قلمبند کروانا، لکھوانا، لکھوانا۔ تسجیل کا کیا معنی ہے؟ قلمبند کروانا، کوئی چیز لکھوانا۔ عَلَى السَّامِعِ، عَلَى آتا ہے ضرر کے لیے، لام آتا ہے نفع کے لیے، تو وَالتَّسْجِيلُ عَلَى السَّامِعِ سامع کے خلاف کوئی بات قلمبند کروانا، سامع کے خلاف کوئی بات لکھوانا، اس نکتے کی بنا پر مسند الیہ کو کلام میں ذکر کیا جاتا ہے۔ بھئی کیوں؟ کہتے ہیں حَتَّى لَا يَتَأَتَّى لَهُ الْإِنْكَارُ۔ يَتَأَتَّى کے معنی ہیں آسان کرنا، آسان بنانا، تَأَتِّي کا کیا معنی ہے؟ آسان کرنا، آسان بنانا۔ تو دوسرا نکتہ ہے وَالتَّسْجِيلُ عَلَى السَّامِعِ سامع کے خلاف کوئی بات لکھوانا حَتَّى لَا يَتَأَتَّى لَهُ الْإِنْكَارُ تاکہ آسان نہ ہو اس کے لیے انکار کرنا، اس کے لیے تاکہ انکار کرنا آسان نہ ہو۔

■ قولہ: «كَمَا إِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِشَاهِدٍ» کی تشریح

دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی: كَمَا إِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِشَاهِدٍ جیسے کہا حاکم نے گواہ سے۔ کوئی حاکم ہے اس کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، کوئی قاضی ہے بھئی اس کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور مثلاً ایک شخص نے زید پر دعوی کیا ہے کہ اس زید نے میرا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے، اس نے کئی لوگوں کے سامنے اقرار کیا ہے کہ اس نے میرا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے۔ تو قاضی کے پاس لے آیا ہے۔ اب قاضی نے اس سے کہا گواہ لے کر آؤ بھئی تم نے دعوی کیا ہے، اب وہ گواہ لے آیا بھئی کہ دیکھیے یہ دو بھی گواہ ہیں ان کے سامنے زید نے اقرار کیا تھا کہ اس نے میرا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے۔ اب قاضی اس گواہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے پوچھتا ہے: هَلْ أَقَرَّ زَيْدٌ هٰذَا بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا؟ هَلْ أَقَرَّ کیا اقرار کیا ہے زَيْدٌ هٰذَا اس زید نے بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا کہ اس پر اتنا مال ہے؟ قاضی کس سے پوچھ رہا ہے؟ گواہ سے گواہی طلب کی جا رہی ہے، تو قاضی اس سے پوچھتا ہے کیا اس زید نے اقرار کیا ہے کہ اس پر اتنی رقم ہے بطور دین کے، بطور قرض کے؟ فَيَقُولُ الشَّاهِدُ تو گواہ جواب میں کہتا ہے نَعَمْ زَيْدٌ هٰذَا أَقَرَّ۔ زَيْدٌ أَقَرَّ ہے آپ کی کتابوں میں؟ زَيْدٌ هٰذَا ہونا چاہیے، زَيْدٌ کے بعد هٰذَا کا لفظ بھی ہے، اگر رہ گیا ہے تو لکھ لیں یہ کتابت کی غلطی ہے، اور کتابوں کے اندر اور نسخوں کے اندر یہ لفظ موجود ہے یہاں پر۔

تو جواب میں گواہ کیا کہتا ہے؟ فَيَقُولُ الشَّاهِدُ تو گواہ کہتا ہے نَعَمْ زَيْدٌ هٰذَا أَقَرَّ بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا۔ کہنا تو کیا چاہیے تھا اس کو صرف؟ نَعَمْ ہاں أَقَرَّ بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا اس نے اقرار کیا ہے کہ اس پر اتنا مال ہے، اس کے ذمے اتنا مال ہے، اس نے اقرار کیا۔ لیکن وہ کیا کہتا ہے؟ زَيْدٌ هٰذَا، مسند الیہ کو بھی ذکر کر دیتا ہے! بھئی یہاں پر کیوں ذکر کیا؟ وجہ یہ کہ گواہ کی گواہی کا ایک ایک لفظ لکھا جا رہا ہے۔ قاضی کے سامنے مقدمہ پیش ہوا ہے وہ مقدمہ بھی فائلوں میں لکھا جا رہا ہے رجسٹروں کے اندر اور گواہ کی گواہی اور اس کے الفاظ کو بھی لکھا جا رہا ہے، تو گواہ کیا کرنا چاہتا ہے، مسند الیہ کو کیوں ذکر کیا؟ تاکہ زید جو ہے اس کے خلاف بات پکی ہو جائے، کل کو اس کو انکار کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ ورنہ اگر وہ صرف یہ کہہ دیتا مثلاً گواہ نَعَمْ أَقَرَّ بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا ہاں اس نے اقرار کیا ہے، تو اب اس کے ذریعے تو زید کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، عمرو کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، بکر کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ اس نے کہا ہے، جس کی طرف اشارہ کر دیں گے وہی مراد ہو جائے گا۔ لیکن جب آ گیا زَيْدٌ هٰذَا، کس کا نام آ گیا؟ باقاعدہ زید کا نام آ گیا، اب پتہ چل گیا عمرو کی طرف اشارہ قطعاً نہیں تھا، بکر کی طرف قطعاً نہیں تھا۔ تو کل زید یہ کہہ سکتا تھا اگر زید کا نام نہ ہوتا تو زید پھر کہہ سکتا تھا کہ قاضی صاحب آپ فیصلہ کرنے لگے ہیں لیکن یاد رکھیے، مثلاً گواہ گواہی دے کے چلا گیا اب قاضی فیصلہ کرنے لگا تو اب زید کے لیے انکار آسان ہے کیونکہ گواہ نے اس کا نام نہیں لیا تھا، اور وہ کہتا ہے قاضی صاحب آپ تو میرا کہنا چاہ رہے تھے لیکن وہ جو گواہ تھا وہ تو سمجھا کہ آپ میرے ساتھ یہ جو عمرو کھڑا ہے اس کی طرف اشارہ کر کے پوچھ رہے ہیں! سمجھ میں آیا بھئی؟ یا اس طرح کوئی صورت بنا لیتا، انکار کی گنجائش اس کے لیے نکل آتی، آسانی سے انکار وہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب اس نے کہہ دیا زَيْدٌ هٰذَا باقاعدہ لفظوں کے اندر زید کہہ دیا، سمجھ میں آیا بھئی؟

آپ کے ذہن میں سوال آئے گا قاضی نے بھی تو کہا ہے هَلْ أَقَرَّ زَيْدٌ هٰذَا؟ تو جواب یہ کہ بھئی پھر بھی انکار کی کوئی نہ کوئی صورت وہ نکال لے گا کہ یہ میرے بارے میں گواہی نہیں دے کے گیا یہ میرے ساتھ جو آدمی کھڑا ہے اس کے بارے میں وہ گواہی دے کر چلا گیا ہے، وہ تو سمجھا تھا شاید آپ اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، مثلاً وہ کہہ دے گا قاضی صاحب جب آپ نے میرا نام لیا تھا اس کے کان میں آپ کی آواز نہیں پڑی اس کی توجہ نہیں تھی، اس وقت اس کی توجہ نہیں تھی اس کو پتہ ہی نہیں چلا، اگر پتہ چلا ہوتا وہ میرا نام ذکر کرتا، اس نے میرا نام نہیں ذکر کیا معلوم ہوا میری طرف اس کا اشارہ نہیں تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو مقام استشہاد کیا ہے یہاں پر؟ نَعَمْ زَيْدٌ هٰذَا، یہ جو زَيْدٌ هٰذَا یہاں پر آ رہا ہے نا یہ والا مقام استشہاد ہے کہ گواہ اس سامع یعنی مدعی علیہ کے خلاف ایک حکم کو کیا کرنا چاہتا ہے؟ قلمبند کروانا چاہتا ہے ایک بات کو۔ دوبارہ ترجمہ دیکھیے: وَالتَّسْجِيلُ عَلَى السَّامِعِ اور سامع کے خلاف کوئی بات لکھوانے کے لیے حَتَّى لَا يَتَأَتَّى لَهُ الْإِنْكَارُ تاکہ اس کے لیے انکار کرنا آسان نہ ہو كَمَا إِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِشَاهِدٍ جیسے کہ حاکم کسی گواہ سے کہتا ہے هَلْ أَقَرَّ زَيْدٌ هٰذَا بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا کیا اقرار کیا ہے اس زید نے کہ اس پر اتنا اتنا مال ہے؟ فَيَقُولُ الشَّاهِدُ تو گواہ جواب میں کہتا ہے نَعَمْ زَيْدٌ هٰذَا أَقَرَّ بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا ہاں اس زید نے اقرار کیا ہے کہ اس کے ذمے اتنا اتنا مال ہے۔

وَالتَّعَجُّبُ إِذَا كَانَ الْحُكْمُ غَرِيبًا اور کبھی کبھار مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے تعجب کے لیے إِذَا كَانَ الْحُكْمُ غَرِيبًا جب حکم انوکھا ہو، حکم عجیب ہو۔ جب عجیب و غریب حکم ہے، حکم سے کیا مراد ہے میں کیا معنی کرتا ہوں حکم کا؟ بات، جب کیا ہو کوئی انوکھی بات ہو، عجیب بات ہو تو اس وجہ سے آپ کیا کرتے ہیں مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں، نَحْوُ مثال کے طور پر عَلِيٌّ يُقَاوِمُ الْأَسَدَ علی جو ہے وہ شیر کے ساتھ لڑتا ہے، شیر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ قَاوَمَ يُقَاوِمُ کے معنی مقابلہ کرنا: علی تو کیا ہے؟ شیر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ اب دیکھیے صرف یہ کہہ دیتا يُقَاوِمُ الْأَسَدَ بات پھر بھی پوری تھی لیکن جو متکلم ہے وہ اپنے تعجب کا اظہار کر رہا ہے اور اس لیے اس نے مسند الیہ کو ساتھ ذکر کر دیا کہ علی جو ہے وہ کیا ہے؟ شیر سے مقابلہ کرتا ہے! تو اب یہ ایک انوکھی بات تھی، عجیب بات تھی کہ اتنا جرات والا اور اتنا بہادر انسان کہ شیر کے ساتھ بھی باقاعدہ لڑتا ہے اور مقابلہ کرتا ہے، تو اس وجہ سے اس نے کیا کیا؟ علی کو باقاعدہ ساتھ ذکر کیا اگرچہ مثلاً علی کا ابھی ذکر چل رہا تھا۔ علی کا ابھی ذکر چل رہا تھا اب علی کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی اس نے علی ذکر کیا، کیوں ذکر کیا؟ اپنے تعجب کا اظہار کر رہا ہے، اپنی حیرت کا اظہار کر رہا ہے کہ کتنی انوکھی بات ہے ذرا غور تو کرو کہ علی شیر کا مقابلہ کرتا ہے! تو صرف یہ نہیں کہا وہ شیر کا مقابلہ کرتا ہے بلکہ کیا کہا؟ علی شیر کا مقابلہ کرتا ہے۔ دیکھیے خود کہہ رہے ہیں تَقُولُ ذٰلِكَ مَعَ سَبْقِ ذِكْرِهِ آپ یہ کہتے ہیں باوجود اس کے ذکر کے مقدم ہونے کے، باوجود اس کے کہ ابھی اس کا ذکر مقدم ہوا تھا، علی کا ہی ذکر چل رہا تھا۔ جب علی کا ذکر چل رہا تھا تو اب علی کا لفظ لانے کی

ضرورت تو نہیں، صرف کیا کہنا کافی تھا؟ يُقَاوِمُ الْأَسَدَ، لیکن آپ ذکر کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں؟ اپنے تعجب کے اظہار کے لیے کیونکہ بات بڑی انوکھی ہے، بات بڑی عجیب ہے کہ وہ شیر کا مقابلہ کرتا ہے اور اتنی جرات تو کم ہی کسی کے اندر ہوتی ہے کہ اس طرح کرے بھئی۔

وَالتَّعْظِيمُ وَالْإِهَانَةُ إِذَا كَانَ اللَّفْظُ يُفِيدُ ذٰلِكَ اور کبھی مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے کس داعی کی وجہ سے؟ تعظیم کی وجہ سے یا وَالْإِهَانَةُ اور اہانت کی وجہ سے إِذَا كَانَ اللَّفْظُ يُفِيدُ ذٰلِكَ جب لفظ اس کا فائدہ دے۔ کس کا؟ تعظیم کا یا کس کا؟ اہانت کا۔ بھئی ایک مقام ہے وہاں پر مسند الیہ کو حذف کرنا چاہیے لیکن آپ مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ مسند الیہ کے اندر تعظیم والا معنی ہے، کون سا معنی ہے؟ تعظیم والا معنی۔ یا اس کا برعکس مثلاً کرلیں: ایک مقام ہے مسند الیہ کو حذف کرنا چاہیے لیکن آپ اس کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ مسند الیہ کا جو لفظ ہے اس میں اہانت والا معنی ہے، بے عزتی والا معنی ہے تو آپ کا بھی مقصد اس شخص کی بے عزتی کرنا ہے اہانت کرنا ہے تو آپ اس لفظ کو ذکر کرتے ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ تعظیم کی الگ صورت ہوگی اہانت والی الگ صورت۔ جو لفظ تعظیم پر دلالت کے لیے ہوگا اس کو اگر آپ ذکر کرتے ہیں، کرنا تو اس موقع پر حذف کرنا چاہیے تھا لیکن آپ ذکر کرتے ہیں معلوم ہوا کیا مقصد ہے؟ تعظیم کے طور پر آپ لائے ہیں عظمت بیان کرنے کے لیے۔ اور ایک لفظ ہے اس کو حذف کرنا چاہیے تھا لیکن آپ اس کو لے کر آئے ہیں ذکر کیا ہے، کیا مقصد ہے آپ کا؟ اہانت کے طور پر کہ آپ اس شخص کی اہانت کر رہے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جیسے دیکھیے بھئی آگے مثال آرہی ہے: كَأَنْ يَسْأَلَكَ سَائِلٌ جیسے کہ آپ سے کوئی سوال پوچھنے والا پوچھتا ہے هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ کیا قائد واپس آگیا، کیا سردار واپس آگیا؟ تو آپ کو جواب میں صرف کیا کہنا چاہیے؟ رَجَعَ واپس آگیا ہے، یا کہہ دیں نَعَمْ رَجَعَ۔ لیکن آپ کیا کہتے ہیں؟ رَجَعَ الْمَنْصُورُ۔ اب آپ نے الْمَنْصُورُ کا لفظ بڑھا دیا کیونکہ مَنْصُورٌ کے لفظ کے اندر تعظیم والا معنی ہے، منصور کا معنی ہے کامیاب، کیا معنی ہے؟ کامیاب۔ تو آپ کہتے ہیں رَجَعَ الْمَنْصُورُ وہ کامیاب آگیا ہے! تو آپ تعظیم کے طور پر یہ لفظ لاتے ہیں یہ بتلانے کے لیے کہ یہ جنگ میں فتح حاصل کر کے آیا ہے، کامیابی حاصل کر کے سردار واپس آیا ہے۔ یا کوئی اور موقع ہے وہاں پر وہ شکست کھا کر واپس آیا ہے، اب کوئی آپ سے پوچھتا ہے هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ کیا قائد واپس آگئے ہیں؟ تو آپ کو جواب میں صرف کیا کہنا چاہیے؟ رَجَعَ وہ آگئے ہیں، لیکن آپ اس کی بے عزتی بھی کرنا چاہتے ہیں آپ کہتے ہیں رَجَعَ الْمَهْزُومُ شکست خوردہ واپس آگیا ہے، شکست کھانے والا آگیا ہے! تو دیکھیے آپ نے الْمَهْزُومُ مسند الیہ جو ہے جو فاعل ہے اس کو بھی ذکر کر دیا، کیوں ذکر کر دیا؟ اس میں کون سا معنی ہے؟ اہانت والا، تو اہانت کے ارادے کی وجہ سے آپ نے اس کو ذکر کیا بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ کچھ نکات تھے جو انہوں نے ذکر کیے کہ مسند الیہ کو کبھی ذکر کیا جاتا ہے اس کے ذکر میں کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں: انہوں نے بتلایا زیادت تقریر اور زیادت ایضاح اس کی وجہ سے بھی بعض اوقات مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے، کبھی کبھار مسند الیہ کو اس لیے ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ قرینے پر آپ کا اعتماد کم ہوتا ہے، کبھی مسند الیہ کو اس لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ جو ہے مخاطب کی کم ذہنی اور کم سمجھ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں، کبھی اس لیے مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ سامع کے خلاف کوئی بات قلمبند کروانا چاہتے ہیں لکھوانا چاہتے ہیں باقاعدہ، اور کبھی کبھار مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے اظہار تعجب کے لیے کہ آپ اپنے تعجب کا اظہار کر رہے ہیں، اور کبھی کبھار مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے بطور تعظیم کے جبکہ اس مسند الیہ کے اندر تعظیم والا معنی ہو، اور کبھی کبھار آپ مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں بطور اہانت کے جبکہ اس مسند الیہ کے لفظ میں کون سا معنی ہو؟ اہانت والا معنی ہو۔

جی آگے اب حذف کے دواعی ذکر کریں گے۔ تو یہ ذکر کے دواعی تھے، یہ ذکر کے نکات تھے، ان نکات کی بنا پر کیا کیا جاتا ہے؟ مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یاد رکھیے صرف یہی نکات نہیں ہوتے یہ انہوں نے بطور مثال کے چند نکتے ذکر کر دیے، موقع محل کے مطابق کوئی بھی نکتہ ہو سکتا ہے جو اس بات کی طرف آپ کو دعوت دے دے کہ اس کو کیا کرنا چاہیے؟ ذکر کرنا چاہیے۔ تو چند ایک انہوں نے بطور مثال کے ذکر کر دیے تو صرف یہی نکات نہیں ہیں اور بھی نکات ہو سکتے ہیں۔ اور نیز مسند الیہ کی مثالیں ذکر کرتے چلے گئے، جہاں بھی مثال آئی کس کو ذکر کیا جا رہا ہے؟ مسند الیہ کو، لیکن یہ صرف مسند الیہ کے ذکر میں یہ نکات نہیں ہوتے مسند کے ذکر میں بھی یہ نکات ہو سکتے ہیں، ان کے متعلقات جو ہیں ان کے ذکر میں بھی یہ نکات ہو سکتے ہیں۔ تو بس مسند الیہ سے آپ سمجھ جائیے باقیوں میں بھی اسی طرح ہوتا ہے، مسند میں بھی اسی طرح ہوتا ہے اور ان کے جو متعلقات وغیرہ ہیں ان میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

■ قولہ: «وَمِنْ دَوَاعِي الْحَذْفِ» کی تشریح

وَمِنْ دَوَاعِي الْحَذْفِ اور حذف کے دواعی میں سے یعنی بعض اوقات مسند الیہ کو کلام سے حذف کیا جاتا ہے اس کے حذف میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَمِنْ دَوَاعِي الْحَذْفِ اور حذف کے دواعی میں سے إِخْفَاءُ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ، إِخْفَاءُ الْأَمْرِ بات کو، امر کو چھپانا عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ مخاطب کے علاوہ سے۔ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ معاملے کو مخاطب کے علاوہ باقی لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں، نَحْوُ مثال کے طور پر أَقْبَلَ۔ آپ کی کتابوں میں با کے نیچے زیر تو نہیں؟ زیر نہیں ہونی چاہیے یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ امر کا صیغہ نہیں ہے یہ ماضی کا صیغہ ہے أَقْبَلَ، أَقْبَلَ۔ تُرِيدُ عَلِيًّا مَثَلًا آپ کا ارادہ علی کا ہے بطور مثال کے۔

بھئی دیکھیے صورت یہ ہے: بعض اوقات مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے، کیوں حذف کیا جاتا ہے؟ کیونکہ آپ مخاطب کے علاوہ باقی آدمیوں سے بات کو چھپانا چاہتے ہیں، بات کو چھپانا چاہتے ہیں۔ بھئی آپ ایک جگہ پر سات آٹھ ساتھی بیٹھے ہوئے باتوں میں مصروف ہیں، باتوں کے اندر اندر آپ نے اپنے ساتھ والے ساتھی سے قریب ہو کر علی کے بارے میں کوئی بات کر دی، کس کے بارے میں؟ علی کے بارے میں کوئی بات کر دی۔ باقی ساتھی اپنی باتوں میں مصروف ہیں آپ نے یہ ساتھ والے کو علی کے بارے میں کوئی بات کی۔ بات کی ہے ابھی ایک دو منٹ نہیں گزرے اچانک آپ کے چار پانچ ساتھی اور آ گئے اور ان میں وہ علی بھی ہے جس کی بات آپ نے ساتھ والے سے کی تھی۔ وہ علی جیسے ہی آتا ہے آپ کہتے ہیں: آ گیا! کیا کہتے ہیں؟ وہ آ گیا! اب دیکھیے بھئی اگر آپ کہتے علی آ گیا ہے ساروں کو پتہ چل جاتا آپ کس کے آنے کی بات کر رہے ہیں؟ علی کے، لیکن جب آپ نے صرف یہ کہا وہ آ گیا ہے تو صرف کس کو سمجھ میں آئی بات؟ صرف جو میرے ساتھ بیٹھا ہوا ہے جس سے میں نے بات کی تھی صرف اس کو پتہ لگا اور کسی کو نہیں پتہ چلا کہ کس کی بات کر رہا ہے کیونکہ پانچ ساتھی آئے ہیں ایک تو نہیں آیا، ایک آتا پھر چلو پتہ لگ جاتا اسی کی بات ہو رہی ہے، لیکن اب پانچ آئے ہیں اب ان کو نہیں پتہ چلا یہ کس کے آنے کے بارے میں اس نے کہا ہے، یہ علی جو آیا ہے یا بکر آیا ہے یا خالد ہے کس کی طرف اس کا اشارہ ہے، کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ تو دیکھیے یہاں پر آپ یہ جو آپ کا مخاطب ہے اس کے علاوہ باقی سب سے بات کو چھپانا چاہتے تھے اس لیے آپ نے أَقْبَلَ کہا: وہ آ گیا۔ آپ نے أَقْبَلَ عَلِيٌّ نہیں کہا، عَلِيٌّ کو آپ نے حذف کر دیا۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ معنی ہے إِخْفَاءُ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ کہ آپ بات کو چھپانا چاہتے ہیں مخاطب کے علاوہ سے، نَحْوُ مثال کے طور پر أَقْبَلَ وہ آ گیا، تُرِيدُ عَلِيًّا مَثَلًا آپ کا ارادہ علی کا ہے بطور مثال کے۔

وَتَأَتِّي الْإِنْكَارِ عِنْدَ الْحَاجَةِ اور کبھی کبھار مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے، تَأَتِّي کا کیا معنی کیا میں نے ابھی پیچھے گزرا ہے یہ لفظ؟ آسان کرنا، آسان بنانا: وَتَأَتِّي الْإِنْكَارِ عِنْدَ الْحَاجَةِ اور انکار کرنے کو آسان بنانے کے لیے ضرورت کے وقت۔ کبھی کبھار مسند الیہ کو کیوں حذف کیا جاتا ہے؟ تاکہ ضرورت کے وقت آپ آسانی سے انکار کر سکیں۔ آپ چار پانچ ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں بھئی، چار پانچ ساتھی، اور ان میں ایک آپ کا مخالف بھی ہے جس کے ساتھ آپ کی کوئی لڑائی ہوئی ہے، ناراضگی ہوئی ہے۔ اب آپ اپنے ساتھ والے کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کر رہے ہیں اور باتوں باتوں میں کہتے ہیں: بڑا ذلیل آدمی ہے، بڑا کمینہ آدمی ہے، بڑا گھٹیا آدمی ہے! آپ نے یہ نہیں کہا وہ جو آپ کے ساتھ جس کی لڑائی ہوئی ہے وہ زید کہ زید بڑا کمینہ ہے، زید بڑا گھٹیا ہے، کیوں نہیں کہا؟ اس لیے کیونکہ پھر تو لازمی بات ہے وہ فوراً اٹھے گا آپ کو پکڑ لے گا بھئی کیوں میرے خلاف اس طرح بول رہے ہو! تو آپ نے اس کے ذکر کو حذف کر دیا تاکہ اگر یہ اٹھا بھی تو میں آرام سے انکار کر دوں گا: بھئی میں تمہاری بات تو نہیں کر رہا تھا میں تو اپنے کسی اور ساتھی کی بات کر رہا تھا! تو دیکھو آپ نے یہاں پر مسند الیہ کو کیوں حذف کیا؟ تاکہ آپ آسانی سے انکار کر سکیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ وَتَأَتِّي الْإِنْكَارِ عِنْدَ الْحَاجَةِ اور ضرورت کے وقت انکار کو آسان بنانے کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر لَئِيمٌ خَسِيسٌ۔ تو اب آپ نے یہ نہیں کہا زَيْدٌ لَئِيمٌ خَسِيسٌ، تو حذف کیا تاکہ آسانی سے پھر انکار کر سکیں۔ تو لَئِيمٌ کا معنی ہے کمینہ، خَسِيسٌ کا معنی ہے گھٹیا، ادنی۔ بَعْدَ ذِكْرِ شَخْصٍ مُعَيَّنٍ ایک معین شخص کا ذکر کرنے کے بعد، ایک معین شخص کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے یہ کہا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اس آدمی کا ذکر کیا اور پھر اس کے بعد آپ نے لَئِيمٌ خَسِيسٌ کہا، تو اب پتہ تو چل گیا کہ آپ کا اشارہ اس کی طرف ہے لیکن بہر حال نام تو ذکر نہیں کیا آپ نے تو آپ کیا کر سکتے ہیں بعد میں؟ انکار کر سکتے ہیں۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۷: دواعیِ حذف: اخفاء، تاتی انکار، تنبیہ علی تعیین المحذوف، اختبارِ تنبہ اور ضیقِ مقام

دروس البلاغہ صفحہ: ۴۵ــــ بتاریخ: ۲۶ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالتَّنْبِيهُ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ وَلَوِ ادِّعَاءً نَحْوُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَوَهَّابُ الْأُلُوفِ، وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ أَوْ مِقْدَارِ تَنَبُّهِهِ نَحْوُ نُورُهُ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُورِ الشَّمْسِ وَوَاسِطَةُ عِقْدِ الْكَوَاكِبِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

ذکر اور حذف کا باب چل رہا ہے۔ گزشتہ اسباق کے اندر آپ نے پڑھا کہ جب مخاطب کو حکم کا فائدہ مقصود ہو تو جو لفظ کسی معنی پر دلالت کر رہا ہو اس حکم کے اندر اصل یہ ہے کہ اس لفظ کو ذکر کیا جائے۔ اور کوئی لفظ ایسا ہے جو باقی کلام سے پہلے سے ہی مفہوم ہو رہا ہے تو اصل اس کے اندر یہ ہے کہ اس کو کیا کر دیا جائے؟ حذف کیا جائے، حذف کیا جائے۔ لیکن کبھی کبھار ان کے خلاف کیا جاتا ہے اور وہ کسی نکتے کی بنا پر ہو گا۔ اور پھر وہ نکات آپ نے پڑھنا شروع کیے اور سب سے پہلے انہوں نے دواعی ذکر بیان کیے۔ اس کے بعد پھر حذف کے کیا کیا دواعی ہیں، کس وجہ سے مسند الیہ وغیرہ کو کبھی حذف کیا جاتا ہے، اس میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ بیان ہو رہے ہیں۔

سب سے پہلے آپ کو بتلایا کہ کبھی کبھار مسند الیہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کیونکہ آپ مخاطب کے علاوہ باقیوں سے بات کو چھپانا چاہتے ہیں۔ مثلاً آپ اپنے ساتھ والے سے بات کر رہے ہیں، اور بھی ساتھی وہاں بیٹھے ہیں اور آپ اس سے علی کی کوئی بات کر رہے تھے۔ اب چار پانچ ساتھی اور آئے اور ان میں وہ علی بھی تھا تو اب آپ کہتے ہیں أَقْبَلَ آگیا۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ علی آگیا ہے۔ کیوں، یہ کیوں نہیں کہا، مسند الیہ کو کیوں حذف کیا؟ کیونکہ باقیوں سے آپ بات کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اب جب آپ نے کہا آگیا تو یہ جو آپ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا اس کو تو پتہ چل گیا کہ جس کی ابھی بات ہو رہی تھی یعنی علی وہ آیا ہے، جبکہ باقیوں کو پتہ نہیں چلا کہ اس نے کس کے آنے کی بات کی ہے کیونکہ علی اکیلا تو نہیں آیا چار پانچ ساتھی آئے ہیں تو انہیں پتہ نہیں چلا کہ یہ کس کے بارے میں اس نے کہا ہے کہ آگیا ہے۔

اور دوسرا داعی حذف آپ نے پڑھا کہ انکار کو آسان بنانے کے لیے تاکہ آپ ضرورت پڑنے پر آسانی سے بات سے انکار کر سکیں، اس لیے کبھی کبھار حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی ساتھی کا آپ سے جھگڑا ہے اور اب وہ بھی ہے اور بھی ساتھی ہیں تو ایک کے ساتھ اس کے بارے میں بات شروع کرتے ہیں، باقیوں کی توجہ نہیں ہے۔ اس ایک ساتھی کے ساتھ آپ نے بات شروع کی اور پھر اب آپ اس کے بارے میں جس سے آپ کا جھگڑا ہوا ہے اس کے بارے میں آپ کہتے ہیں لَئِيمٌ خَسِيسٌ۔ تو اس کا نام نہیں لیا، مسند الیہ کو ذکر نہیں کیا۔ کیوں نہیں ذکر کیا؟ تاکہ آپ بعد میں آسانی سے انکار کر سکیں، اگر وہ ناراضگی کا اظہار کرتا ہے کہ آپ نے مجھے یہ کیوں کہا تو آپ پھر آسانی سے انکار کر سکتے ہیں کہ بھئی میں تو آپ کی بات نہیں کر رہا تھا میں تو کسی اور کی بات کر رہا تھا۔

آگے بتلا رہے ہیں وَالتَّنْبِيهُ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ وَلَوِ ادِّعَاءً، اور متنبہ کرنے کے لیے محذوف کی تعیین پر کہ وہ جس کو حذف کیا گیا ہے وہ متعین ہے، اس پر متنبہ کرنے کے لیے۔ بھئی کبھی کبھار مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے کیونکہ بات کرنے والا دوسروں کو بتلانا چاہتا ہے کہ یہ جو مسند میں نے ذکر کیا، حذف کس کو کیا ہے؟ مسند الیہ کو، اور ذکر کس کو کیا ہے؟ مسند کو۔ تو یہ بات کرنے والا دوسروں کو بتلانا چاہتا ہے اس پر متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ جو مسند ہے، یہ جو فعل ہے یہ خاص ہے ایک ہی ذات کے ساتھ، لہٰذا اس کو ذکر نہ بھی کیا جائے تو پھر بھی بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ مثلاً جیسے ایک شخص کہتا ہے خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، ہر چیز کو پیدا کرنے والا۔ اب کہنا تو یہ چاہیے تھا اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، لیکن مسند الیہ لفظ اللّٰهُ کو اس نے حذف کر دیا۔ کیا بتلانے کے لیے؟ اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے کہ یہ جو پیدا کرنے والا فعل ہے یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ اللہ کے ساتھ خاص ہے، تو یہاں اور کسی کا شبہ ہو ہی نہیں سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اس

نکتے کی بنا پر یہ معنی ہے وَالتَّنْبِيهُ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ اور متنبہ کرنے کے لیے اس محذوف کی تعیین پر کہ وہ متعین ہے، اس کو نہ ذکر کیا جائے پھر بھی پتہ ہے کہ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وہ کون سی ذات ہے؟ اللہ کی۔ تو اصل میں کیا تھا؟ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، تو لفظ اللّٰهُ جو ہے مسند الیہ اس کو کیوں حذف کیا متکلم نے؟ اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے کہ یہ محذوف یہاں متعین ہے، جس کو حذف کیا گیا وہ متعین ہے، خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ یہ ذات اللہ کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی بھئی۔

وَلَوِ ادِّعَاءً اگرچہ دعوی کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ وَلَوِ ادِّعَاءً اگرچہ دعوی کے طور پر۔ بھئی یہ تو فعل تھا جو حقیقتاً متعین تھا، حقیقتاً ایک ہی ذات وہ سب کچھ پیدا کرنے والی ہے اور وہ کون سی ذات ہے؟ اللہ کی۔ بعض اوقات وہ ذات متعین تو نہیں ہو گی لیکن متکلم کا دعوی ہو گا اس فعل کے بارے میں گویا کہ یہ مختص ہے، خاص ہے ایک ہی ذات کے ساتھ۔ مثلاً متکلم کہتا ہے وَهَّابُ الْأُلُوفِ۔ أُلُوفٌ جمع ہے أَلْفٌ کی بھئی، أَلْفٌ کس کو کہتے ہیں؟ ہزار کو، أُلُوفٌ ہزار ہا: وَهَّابُ الْأُلُوفِ ہزار ہا عطا کرنے والا ہے۔ اب کون ہے ہزار ہا عطا کرنے والا؟ تو اصل میں کلام تھا السُّلْطَانُ وَهَّابُ الْأُلُوفِ وہ بادشاہ جو ہے وہ ہزار ہا عطا کرنے والا ہے، یا مثلاً بادشاہ نہیں تو کوئی زید ہے مثلاً اس کی بات کر رہا ہے: زَيْدٌ وَهَّابُ الْأُلُوفِ زید ہزار ہا روپے عطا کرنے والا ہے۔ تو اب یہاں السُّلْطَانُ کو یا زَيْدٌ کو متکلم نے حذف کر دیا، کیوں؟ متکلم کا گویا دعوی یہ ہے کہ یہ ہزار ہا عطا کرنے کا فعل صرف زید ہی کرتا ہے، وہی متعین ہے اور کوئی یہاں مسند الیہ بننے والا، کوئی آدمی ایسا ہے ہی نہیں! صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو اب یہ حقیقتاً تو نہیں، حقیقتاً تو اور بھی ہو سکتا ہے کوئی مالدار اور سخاوت کا وصف ہو سکتا ہے اس میں بھی پایا جائے وہ بھی عطا کر سکتا ہے ہزار ہا، لیکن متکلم کیا کر رہا ہے یہاں پر؟ اس کا دعوی یہ ہے کہ ہزار ہا عطا کرنے کا فعل کون کر سکتا ہے؟ صرف زید ہی کر سکتا ہے۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟ تو پچھلی مثال تھی خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وہاں حقیقتاً محذوف متعین تھا اور وہ کیا ہے؟ لفظ اللّٰهُ یعنی اللہ ہی کی ذات وہ فعل کر سکتی ہے۔ اور یہاں پر حقیقتاً متعین نہیں ہے محذوف بلکہ دعوی ہے اس کی تعیین کا کہ وہ متعین ہے، یہ ہزار ہا عطا کرنے کا فعل صرف زید، مثلاً اگر زید حذف کیا ہے تو گویا یہ دعوی ہے صرف زید یہ فعل کر سکتا ہے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا، اس لیے اس کو حذف کر دیا۔ یعنی متکلم کا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب میں نے کہہ دیا وَهَّابُ الْأُلُوفِ ہزار ہا عطا کرتا ہے تو خود ہی سمجھ جاؤ کون مراد ہے؟ زید مراد ہے بھئی کیونکہ اور کوئی ہزار ہا عطا کرتا ہی نہیں، گویا متکلم کا یہ دعوی ہے۔ یا اگر بادشاہ ہے تو یہاں خود ہی سمجھ جاؤ کون مراد ہے؟ السُّلْطَانُ مراد ہے کیونکہ یہ فعل اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اب یہ حقیقتاً تو ایسا نہیں لیکن متکلم کا یہ دعوی ہے گویا کہ وہ متعین ہے۔

■ قولہ: «وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ أَوْ مِقْدَارِ...» کی تشریح

وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ أَوْ مِقْدَارِ تَنَبُّهِهِ۔ اخْتِبَارٌ کہتے ہیں امتحان لینا، جانچنا، پرکھنا۔ تَنَبُّهٌ کہتے ہیں سمجھ کو، سمجھداری بھئی۔ وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ سامع جو ہے آپ کا، آپ کا جو مخاطب ہے جس سے آپ بات کر رہے ہیں اس کی سمجھ کو جانچنے کے لیے، اس کی سمجھداری کا امتحان لینے کے لیے کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے؟ مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے بھئی، مسند الیہ کو۔ یعنی آپ کے سامنے جو مخاطب ہے آپ اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں، پرکھنا چاہتے ہیں کہ یہ کچھ سمجھدار بھی ہے یا سمجھدار نہیں ہے، صرف ظاہری باتیں سمجھتا ہے یا گہری باتوں کو بھی سمجھ لیتا ہے؟ چنانچہ آپ مسند الیہ کو کیا کر دیتے ہیں؟ حذف کر دیتے ہیں۔ کیوں حذف کیا، کیا مقصد ہے؟ آپ پرکھنا چاہتے ہیں، آپ امتحان لینا چاہتے ہیں مخاطب کا جس سے آپ بات کر رہے ہیں کہ میں نے حذف کر دیا یہ پھر بھی بات کو سمجھتا ہے یا نہیں۔ اور قرینہ ضرور ہو گا وہاں پر میں نے آپ کو پہلے ذکر کر دیا تھا، جہاں پر بھی حذف ہو گا وہاں ہمیشہ کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے۔ تو قرینے کے ہوتے ہوئے آپ حذف کریں گے، قرینے کے بغیر حذف کر دیں پھر تو سمجھدار آدمی بھی اس کو کبھی نہیں سمجھے گا، اس کو پتہ ہی نہیں چلے گا یہاں کیا لفظ حذف ہے بھئی، الا یہ کہ وہ متعین ہو جیسے اوپر والی مثال تھی خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وہ تو کیا تھا؟ وہ تو متعین تھا لیکن ہر جگہ پر تو ایسا نہیں ہوتا تو اس کے لیے کیا چاہیے ہمیشہ؟ کوئی قرینہ چاہیے۔ تو قرینہ موجود تھا اور آپ نے پھر مسند الیہ کو حذف کر دیا، کس لیے حذف کیا، کیا مقصد ہے آپ کا؟ سامع کا امتحان لے رہے ہیں کہ وہ سمجھدار ہے یا سمجھدار نہیں۔ یہ معنی ہے وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ اور سننے والے کی سمجھداری کا امتحان لینے کے لیے۔

أَوْ مِقْدَارِ تَنَبُّهِهِ۔ تَنَبُّهِ السَّامِعِ اس کو ذرا ہٹائیں اس کی جگہ لے آئیں مِقْدَارِ تَنَبُّهِهِ أَيْ مِقْدَارِ تَنَبُّهِ الْمُخَاطَبِ۔ تو کیا بن گیا کلام گویا؟ دوبارہ سنیے: وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ أَوِ اخْتِبَارُ مِقْدَارِ تَنَبُّهِ الْمُخَاطَبِ، یا آپ امتحان لینا چاہتے ہیں مخاطب کی سمجھداری کی مقدار کا۔ پہلے میں کیا تھا؟ سمجھداری کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ سمجھدار بھی ہے یا سمجھدار نہیں۔ دوسرے میں ہے اتنا تو پتہ ہے آپ کو کہ یہ سمجھدار، لیکن اب آپ جانچنا چاہتے ہیں پرکھنا چاہتے ہیں کتنا سمجھدار ہے، تھوڑا یا زیادہ بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ پہلے میں کیا تھا؟ کہ وہ سمجھدار بھی ہے یا نہیں، اخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ سننے والے کی سمجھداری کا، متنبہ ہونے کا۔ دوسرے میں اس کی سمجھداری کی مقدار کو جانچنا چاہتے ہیں کتنا سمجھدار ہے بھئی۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟

نَحْوُ مثال کے طور پر نُورُهُ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُورِ الشَّمْسِ اس کی جو روشنی ہے وہ حاصل ہوتی ہے مِنْ نُورِ الشَّمْسِ سورج کی روشنی سے۔ اس کی روشنی کس سے حاصل ہوتی ہے؟ ہاں اس کی روشنی جو ہے وہ سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے، وَوَاسِطَةُ عِقْدِ الْكَوَاكِبِ۔ عِقْدٌ کہتے ہیں ہار کو بھئی، ہار جو گلے میں پہنا جاتا ہے ہار۔ كَوَاكِبُ ستارے۔ وَاسِطَةٌ، واسطہ بھئی آپ نے اگر کبھی موتیوں کا ہار دیکھا ہو درمیان میں اس کے ایک بڑا موتی ہوتا ہے، موتیوں کے ہار کے درمیان میں ایک بڑا موتی ہوتا ہے اس کو وَاسِطَةٌ کہتے ہیں، اس بڑے موتی کو کیا کہتے ہیں؟ وَاسِطَةٌ۔ وَوَاسِطَةُ عِقْدِ الْكَوَاكِبِ اور ستاروں کے ہار کا وہ بڑا موتی ہے، وہ ستاروں کے ہار کا بڑا موتی ہے۔ اب دیکھیے کہنا تو یہ چاہیے تھا هُوَ وَاسِطَةُ عِقْدِ الْكَوَاكِبِ وہ جو ہے، بات کس کی چل رہی ہے؟ چاند کی بات چل رہی ہے، اب هُوَ کہنا چاہیے تھا هُوَ

وَاسِطَةُ عِقْدِ الْكَوَاكِبِ وہ ستاروں کے ہار کا بڑا موتی ہے یعنی کہ چاند، لیکن اس هُوَ کو یہاں حذف کر دیا گیا۔ کس لیے؟ دونوں نکات ہو سکتے ہیں: یا تو آپ نے اس لیے حذف کیا کہ آپ مخاطب کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ وہ سمجھدار ہے یا سمجھدار نہیں، یا کس لیے حذف کیا ہے؟ آپ کو سمجھداری کا تو پتہ ہے لیکن آپ یہ امتحان لینا چاہتے ہیں کتنا سمجھدار ہے، صرف ذکر کیا جائے پھر ہی بات کو سمجھتا ہے یا حذف کرنے کی صورت میں بھی بات کو سمجھ لیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

جیسے بھئی ایک بادشاہ کے بارے میں آتا ہے: ایک مرتبہ سردیوں کے دن تھے وہ اپنے درباریوں کے ہمراہ، اپنے وزیروں اور مشیروں کے ہمراہ کشتی میں بیٹھا دریا کی سیر کر رہا تھا۔ تو سیر کرتے کرتے اب بادشاہ بیٹھا ہوا ہے سارے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں، بادشاہ اچانک اپنے ایک وزیر کی طرف مڑا اور اس سے کہنے لگا: بھئی اس وقت تمہارا کیا کھانے کو دل کر رہا ہے؟ اب سردیوں کے دن تھے تو وہ وزیر فوراً بولا: ابلے ہوئے انڈے کی زردی۔ بادشاہ نے کہا کیا کھانے کو دل کر رہا ہے؟ اس نے کیا کہا؟ ابلے ہوئے انڈے کی زردی، سردی کی مناسبت سے اس نے جواب دیا۔ خیر یہ بات گزر گئی واپس آ گئے۔ وقت گزرتا رہا گزرتا رہا ہوتے ہوتے اگلا سال آ گیا۔ پھر ایسے ہی ایک دن سیر کر رہے ہیں کشتی کے اندر، کشتی چل رہی ہے بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اور باتیں ادھر ادھر کی ہو رہی ہیں، اچانک باتیں کرتے کرتے بادشاہ اس وزیر کی طرف مڑا اور ایک دم کہا: کس چیز کے ساتھ؟ اس نے کہا: جی نمک کے ساتھ! اب دیکھو کتنا سمجھدار آدمی تھا، ایک سال اس بات کو گزر چکا تھا اور یہ بھی نہیں کہ بادشاہ نے کہا تھا اس بات کو یاد رکھنا، خود ہی اس کو یاد تھی وہ بات اور بادشاہ نے ادھوری بات کی، اب بات کوئی اور چل رہی ہے ایک دم کہا کس چیز کے ساتھ؟ اس نے فوراً کیا کہا؟ نمک کے ساتھ! تو یہ بادشاہ اس کی سمجھداری کی مقدار کو جانچ رہا تھا کہ دیکھو یہ ظاہری باتیں سمجھتا ہے یا پرانی باتیں بھی یاد رکھتا ہے اور گہری باتیں بھی سمجھ جاتا ہے، اشاروں سے بھی بات کو سمجھ لیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ ہے اخْتِبَارُ مِقْدَارِ تَنَبُّهِهِ بھئی۔

وَضِيقُ الْمَقَامِ إِمَّا لِتَوَجُّعٍ اور مقام کا تنگ ہونا۔ ضِيقٌ کا معنی ہے تنگ ہونا، ضِيقُ الْمَقَامِ مقام کا تنگ ہونا۔ بھئی ایک مقام تنگ ہوتا ہے وہاں لمبی بات کی ہی نہیں جا سکتی اس لیے مسند الیہ کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ آپ مجھے بتائیے ایک لفظ کو ذکر کرنے سے کلام مختصر ہوتا ہے یا اس کو حذف کرنے سے کلام مختصر ہو گا؟ ظاہر سی بات ہے ایک لفظ کو حذف کریں گے تو کلام مختصر ہو جائے گا۔ تو ایک مقام ایسا ہے کہ وہاں لمبی بات کی ہی نہیں جا سکتی تو اس ضیق مقام کی وجہ سے اس لفظ کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ حذف کر دیا جاتا ہے۔ پھر مقام کیوں تنگ ہوتا ہے؟ اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں جو آگے ایک دو یہ بھی ذکر کر دیں گے۔ مثلاً مقام اس لیے تنگ ہے کہ جو سننے والا ہے یہ بڑا دکھی اور غمزدہ بیٹھا ہے، اور آپ کو بھی پتہ ہے جب انسان خوش ہوتا ہے وہ خوب کھل کر باتیں کرتا ہے اور جب غمزدہ ہوتا ہے، تکلیف میں ہوتا ہے، پریشانی میں ہوتا ہے تو بولنے کو طبیعت ہی نہیں کرتی، انسان چاہتا ہے کسی سے بات ہی نہ کرے۔ تو اب غم کی وجہ سے ایک شخص ہے وہ لمبی بات کرتا ہی نہیں ہے، مقام ہی تنگ ہے طبیعت ہی نہیں کر رہی لمبی بات کرنے کو تو وہ کیا کر لیتا ہے؟ مسند الیہ کو حذف کر لیتا ہے۔

جیسے دیکھیے بھئی: وَضِيقُ الْمَقَامِ اور ایک داعی حذف جو ہے وہ مقام کا تنگ ہونا ہے، إِمَّا لِتَوَجُّعٍ یہ مقام کا تنگ ہونا یا تو کس وجہ سے ہو گا؟ تَوَجُّعٍ، توجع کا معنی دکھ محسوس کرنا، تکلیف اٹھانا: دکھ کی وجہ سے، غم کی وجہ سے ہو گا، نَحْوُ مثال کے طور پر: قَالَ لِي كَيْفَ أَنْتَ قُلْتُ عَلِيلٌ سَهَرٌ دَائِمٌ وَحُزْنٌ طَوِيلٌ۔ قَالَ لِي كَيْفَ أَنْتَ اس نے مجھ سے کہا كَيْفَ أَنْتَ تمہارا کیا حال ہے؟ قُلْتُ عَلِيلٌ میں نے کیا کہا؟ بیمار ہوں۔ عَلِيلٌ کہتے ہیں بیمار کو، عِلَّةٌ کہتے ہیں بیماری کو۔ قُلْتُ عَلِيلٌ میں نے کہا بیمار ہوں، سَهَرٌ دَائِمٌ سہر کا معنی ہے جاگنا، سَهَرٌ دَائِمٌ ہمیشہ کا جاگنا ہے یعنی ہمیشہ کی بے خوابی ہے نیند آتی ہی نہیں، وَحُزْنٌ طَوِيلٌ اور لمبا غم ہے۔ بھئی یہ کوئی عاشق بیٹھا ہوا تھا عشق کی بیماری میں مبتلا ہے، اب یہ تکلیف اور یہ بیماری تو ایسی ہے جو لاعلاج ہے، اب اس غم اور تکلیف اور دکھ کی حالت کے اندر کہتا ہے کہ مجھے اس نے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ قُلْتُ عَلِيلٌ میں نے کیا کہا؟ میں بیمار ہوں، سَهَرٌ دَائِمٌ ہمیشہ کی بے خوابی ہے نیند آتی ہی نہیں راتوں کو، وَحُزْنٌ طَوِيلٌ اور بڑا ہی لمبا غم ہے، اور غم تو ختم ہو جاتے ہیں پر یہ غم بڑا لمبا ہے ختم ہونے میں ہی نہیں آتا بھئی۔

■ قولہ: «أَنَا عَلِيلٌ» کی تشریح

تو اب دیکھیے مقام استشہاد ہے عَلِيلٌ: کہنا چاہیے تھا أَنَا عَلِيلٌ میں بیمار ہوں، لیکن کیا کہا؟ عَلِيلٌ صرف اتنا کہا، أَنَا کو حذف کر دیا جو مسند الیہ تھا۔ کس وجہ سے؟ مقام تنگ تھا، اور مقام تنگ ہونے کی تو کئی صورتیں ہو سکتی ہیں یہاں کیوں مقام تنگ ہے؟ ہاں وہ غم میں مبتلا ہے تکلیف میں ہے اور تکلیف میں انسان لمبی بات نہیں کرنا چاہتا۔ یہ تو تھی ایک وجہ، ایک نکتہ۔ دوسرا نکتہ اسی مقام پر: اس لیے کیونکہ یہاں مقام تنگ ہے بھئی کیوں تنگ ہے؟ اس لیے کیونکہ یہ شعر ہے اور شعر کا مخصوص وزن ہوتا ہے، ایک حرف اس میں زائد آ جائے تو سارے شعر کا ترنم اور روانگی خراب ہو جاتی ہے وزن خراب ہو جاتا ہے، تو یہاں گنجائش ہی نہیں ہے کہ أَنَا کو ذکر کیا جائے، اگر أَنَا کو ذکر کر دیا جائے گا تو یہ شعر شعر رہے گا ہی نہیں خراب ہو جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مقام کیوں تنگ ہے یہاں پر؟ وزن شعری کی وجہ سے، شعر کا وزن صحیح نہیں رہتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تیسرا نکتہ بیان کر رہے ہیں: کبھی مقام تنگ ہو گا کس وجہ سے؟ وَإِمَّا لِخَوْفِ فَوَاتِ فُرْصَةٍ۔ فَوَاتٌ کا معنی ہے فوت ہو جانا، رہ جانا، چھوٹ جانا۔ فُرْصَةٌ کہتے ہیں موقع کو، موقع کو: موقع کے چھوٹ جانے کے خوف کی وجہ سے۔ بھئی آپ کئی ساتھی شکار کے لیے گئے، اب آپ شکار کی تلاش میں ہیں آرام آرام سے دبے پاؤں جو

ہے ہلکے ہلکے قدم اٹھا رہے ہیں کہ کہیں شکار نظر آئے کوئی ہرن وغیرہ اس کو ہم شکار کر لیں۔ ایسے میں آپ کے ساتھی کی نظر ایک ہرن پر پڑی، ایک جھاڑیوں کے پیچھے اس کو ہرن نظر آیا، اس نے فوراً آپ سے کہا: ہرن ہے! کیا کہا؟ ہرن ہے! اس نے یہ نہیں کہا وہ ہرن ہے، کیونکہ مقام بڑا تنگ ہے اب اتنا موقع ہی نہیں اگر وہ ذرا لمبی بات کرے گا ادھر ہرن بھاگ کر نکل جائے گا بھئی! تو مقام کیا ہے؟ تنگ ہے۔ کیوں تنگ ہے؟ موقع کے چھوٹ جانے کے خوف سے، موقع کے فوت ہو جانے کا خوف ہے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ ہے ضیق مقام۔ تو انہوں نے کہا غَزَالٌ، غزال کہتے ہیں ہرن کو عربی زبان میں، تو متکلم نے کیا کہا؟ غَزَالٌ۔ کہنا چاہیے تھا هٰذَا غَزَالٌ یہ ہرن ہے یا ذٰلِكَ غَزَالٌ وہ ہرن ہے، لیکن اس هٰذَا یا ذٰلِكَ کو اس نے کیا کر دیا؟ حذف۔ کیوں؟ کیونکہ موقع فوت ہو جائے گا، موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَإِمَّا لِخَوْفِ فَوَاتِ فُرْصَةٍ یا موقع کے چھوٹ جانے کے خوف کی وجہ سے، نَحْوُ قَوْلِ الصَّيَّادِ صیاد کہتے ہیں شکاری کو، نَحْوُ قَوْلِ الصَّيَّادِ جیسے کہ شکاری کا قول غَزَالٌ ہرن ہے، تو یہ اس نے نہیں کہا وہ ہرن ہے بلکہ کیا کہا؟ ہرن ہے۔

وَالتَّعْظِيمُ وَالتَّحْقِيرُ لِصَوْنِهِ عَنْ لِسَانِكَ أَوْ صَوْنِ لِسَانِكَ عَنْهُ فَالْأَوَّلُ نَحْوُ نُجُومُ سَمَاءٍ وَالثَّانِي نَحْوُ قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوا أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ۔ حذف کے نکات بیان ہو رہے ہیں۔ وَالتَّعْظِيمُ اگلا داعی حذف جو ذکر کیا وہ ہے تعظیم۔ کبھی کبھار مسند الیہ کو تعظیم کی وجہ سے حذف کر لیا جاتا ہے، آپ اس کی عظمت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ جیسے یہ اوپر والی مثال ہی دیکھ لیجیے: خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، ہونا کیا چاہیے تھا؟ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، لیکن آپ بطور تعظیم کے لفظ اللّٰهُ کو حذف کر دیتے ہیں۔ آپ بتلانا یہ چاہتے ہیں سننے والوں کو کہ وہ ذات بڑی عظیم ہے اس کا نام بھی بڑا مبارک ہے اور میری زبان بڑی گندی ہے اور بڑی ادنی درجے کی ہے اور گھٹیا ہے، تو وہ ذات اتنی عظیم اور اس کا نام اتنا مبارک اور پیارا کہ میں اپنی زبان کو بھی اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس نام کو اپنی زبان پر لے کر آؤں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دیکھیے یہاں پر اسی اوپر والی کو مثال بنا لیں خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، تو موقع محل کے مطابق بعض اوقات ہو سکتا ہے آپ یہ کیوں حذف کر دیں لفظ اللّٰهُ کو؟ تعظیم کے طور پر۔ کبھی تو ہو گا محذوف کے متعین ہونے پر دلالت کرنے کے لیے اور کبھی کس لیے ہو سکتا ہے؟ تعظیم کے لیے کہ آپ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ بڑی عظیم ذات ہے وہ مبارک نام ہے بڑی مبارک ذات ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

یا جیسے انہوں نے مثال ذکر کی: نُجُومُ سَمَاءٍ آسمان کے ستارے ہیں۔ اصل میں تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ هُمْ نُجُومُ سَمَاءٍ وہ آسمان کے ستارے ہیں، یا ہونا چاہیے تھا الصَّحَابَةُ نُجُومُ سَمَاءٍ صحابہ کیا ہیں؟ صحابہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمْ آسمان کے ستارے ہیں۔ لیکن الصَّحَابَةُ کو حذف کر دیا متکلم نے ان کی عظمت بتلانے کے لیے کہ وہ بڑی عظیم اور مبارک اور پیاری ہستیاں ہیں کہ زمین نے نہ اس سے پہلے ایسے لوگ دیکھے تھے نہ قیامت تک پھر ایسے لوگوں کو دیکھ سکے گی، تو یہ اتنے عظیم اور مبارک لوگ ہیں اور میری زبان بڑی ادنی اور گھٹیا ہے اس قابل نہیں کہ اس مبارک لفظ کو ادا کرے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

یا وَالتَّحْقِيرُ کبھی اس کا عکس ہو گا، عکس ہو گا: آپ مسند الیہ کو حذف کرتے ہیں، کیا مقصد ہے؟ اس کی تحقیر کرنا چاہتے ہیں بھئی، تحقیر کرنا چاہتے ہیں کہ بڑے ہی حقیر ہیں، مسند الیہ کو حذف کر دیا ذکر نہیں کرتے یہ بتلانے کے لیے کہ وہ بڑے ہی حقیر لوگ ہیں بڑے ہی گھٹیا لوگ ہیں، اتنے گھٹیا لوگ ہیں کہ میں ان کا ذکر اپنی زبان پر نہیں لانا چاہتا، ان لوگوں کو میں اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ ان کا ذکر اپنی زبان سے کروں۔ تو آپ اپنی زبان کو ان لوگوں کے ذکر سے بچانا چاہتے ہیں۔ آپ کیا کرتے ہیں؟ اپنی زبان کو ان لوگوں کے ذکر سے بچانا چاہتے ہیں۔ تو یہ موقع محل کے مطابق خود ہی پتہ چل جائے گا کہ یہاں تعظیم کا ارادہ ہے یا تحقیر کا ارادہ ہے بھئی، تحقیر کا ارادہ ہے۔ تو پہلے میں کیا تھا تعظیم کے اندر؟ آپ مسند الیہ کو اپنی زبان سے بچانا چاہتے ہیں کیونکہ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی زبان بڑی ادنی اور وہ بڑا اعلی، اور تحقیر کے اندر کیا تھا؟ پہلے میں کیا تھا؟ ان کو بچانا چاہتے ہیں کس سے؟ اپنی زبان سے، اور تحقیر کے اندر کیا ہے؟ اپنی زبان کو ان سے بچانا چاہتے ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ میں ان کو اپنی زبان سے ادا کروں اور ان کا ذکر کروں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

جیسے آگے مثال اس کی آ رہی ہے، دیکھیے پہلے کتاب پر بھئی: وَالتَّعْظِيمُ وَالتَّحْقِيرُ اور دواعی حذف میں سے تعظیم ہے اور تحقیر ہے لِصَوْنِهِ عَنْ لِسَانِكَ، صَوْنٌ کا معنی بچانا، لِصَوْنِهِ عَنْ لِسَانِكَ اس وجہ سے کہ آپ بچانا چاہتے ہیں اس کو عَنْ لِسَانِكَ اپنی زبان سے۔ آپ اس کو بچانا چاہتے ہیں اپنی زبان سے، یہ کس کے اندر ہو گا تعظیم میں یا تحقیر میں؟ اس کو بچانا چاہتے ہیں تعظیم میں۔ أَوْ صَوْنِ لِسَانِكَ عَنْهُ یا اپنی زبان کو بچانا چاہتے ہیں اس سے، یہ کس میں ہو گا؟ تحقیر کے اندر ہو گا۔ فَالْأَوَّلُ پہلے کی مثال نَحْوُ مثال کے طور پر نُجُومُ سَمَاءٍ أَيْ هُمْ نُجُومُ سَمَاءٍ یا الصَّحَابَةُ نُجُومُ سَمَاءٍ۔ وَالثَّانِي اور دوسرا تحقیر کی مثال نَحْوُ قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوا أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ۔ اصل میں ہے هُمْ قَوْمٌ وہ ایسے لوگ ہیں، وہ ایسے لوگ ہیں، لیکن شاعر نے کیا کیا؟ هُمْ کو حذف کر دیا یہ بتلانے کے لیے کہ وہ اتنے گھٹیا اور ادنی لوگ ہیں کہ میں ان کے ذکر کو اپنی زبان پر لانا بھی مناسب نہیں سمجھتا، تو هُمْ مسند الیہ کو حذف کر دیا۔

■ قولہ: «قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوا أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ» کی تشریح

تو شاعر کہتا ہے قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوا أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ، یہ کسی کی مذمت بیان کر رہا ہے شاعر بھئی: وہ ایسے لوگ ہیں إِذَا أَكَلُوا جب وہ کھاتے ہیں یعنی جب کھانا وغیرہ کھاتے ہیں أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ وہ آہستہ کرتے ہیں اپنی باتوں کو۔ أَخْفَى کا معنی پست کرنا، چھپانا: وہ چھپاتے ہیں اپنی باتوں کو، یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جب کھانا کھاتے ہیں تو باتیں بھی آہستہ آہستہ کرتے ہیں۔ اگلا مصرعہ ہے وَاسْتَوْثَقُوا مِنْ رِتَاجِ الْبَابِ وَالدَّارِ۔ کتاب میں نہیں ذکر ویسے بتلا رہا ہوں آپ کو، دوسرا مصرعہ کیا ہے؟

وَاسْتَوْثَقُوا مِنْ رِتَاجِ الْبَابِ وَالدَّارِ، اور وہ دروازے وغیرہ ان کو بند کر لیتے ہیں اور ان کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ گھر کے اور کمرے کے دروازے وغیرہ خوب اچھی طرح بند ہیں۔ تو شاعر کسی کی مذمت بیان کر رہا ہے اور اس کا ذکر کرتے ہوئے اس نے هُمْ جو مسند الیہ تھا حذف کر دیا کہ یہ بڑے گھٹیا لوگ ہیں میں ان کا ذکر اپنی زبان پر بھی نہیں لانا چاہتا۔ اور کیسے لوگ ہیں؟ کہتا ہے جب یہ لوگ کھانا کھانے لگتے ہیں تو باتیں بھی آہستہ کر دیتے ہیں بلکہ کھانے سے پہلے دروازے وغیرہ سارے ان کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ سارے کنڈے لگے ہوئے ہیں دروازے بند ہیں کوئی آ تو نہیں سکتا، پھر اس کے بعد باتیں بھی آہستہ کرتے ہیں کہ کوئی سن نہ لے، کہیں کوئی مانگنے والا نہ آ جائے، کوئی بھوکا نہ آ جائے، کوئی حاجت مند نہ آ جائے تو ہمیں اس کو بھی کھانے میں شریک کرنا پڑے گا بھئی! سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ کسی کی مذمت کر رہا ہے شاعر، تو کہتا ہے قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوا أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ وہ ایسے لوگ ہیں جب کھانا کھاتے ہیں أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ، حدیث بات کو کہتے ہیں، تو اپنی بات جو ہے اس کو پست کرتے ہیں آہستہ کرتے ہیں۔ چلیے بس کریں بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۸: دواعیِ حذف کی تکمیل: تعمیم، رعایتِ ادب، محافظتِ وزن و سجع، اور حذفِ فعل و مفعول بہ کے مواقع

دروس البلاغہ صفحہ: ۴۶ــــ بتاریخ: ۲۷ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ أَوْ سَجْعٍ فَالْأَوَّلُ نَحْوُ نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ، وَالثَّانِي نَحْوُ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى، وَالتَّعْمِيمُ بِاخْتِصَارٍ نَحْوُ وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ أَيْ جَمِيعَ عِبَادِهِ لِأَنَّ حَذْفَ الْمَعْمُولِ يُؤْذِنُ بِالْعُمُومِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

حذف کے نکات بیان ہو رہے ہیں، دواعی حذف بھئی، کہ بعض اوقات کلام میں سے مسند الیہ یا مسند یا ان کے متعلقات کو حذف کیا جاتا ہے اور یہ حذف کسی داعی کی وجہ سے ہو گا، کسی نکتے کی وجہ سے ہو گا۔ وہ کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں؟ گزشتہ سبق میں کچھ نکات بیان ہوئے اب انہی کا بیان چل رہا ہے۔ اگلا ساتواں داعی ذکر کر رہے ہیں حذف کا بھئی: وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ أَوْ سَجْعٍ۔ تو ایک داعی جو ہے حذف کا وہ محافظت علی الوزن ہے بھئی: وزن کی حفاظت کرنا بھئی، وزن کی حفاظت کرنا۔

جیسے دیکھیے شعر آ رہا ہے: نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ۔ تو اصل میں یہاں پر خبر محذوف ہے: نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا رَاضُونَ، نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا رَاضُونَ ہم جو کچھ ہمارے پاس ہے رَاضُونَ ہم اس پر راضی ہیں، وَأَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ اور آپ جو کچھ آپ کے پاس ہے رَاضٍ آپ اس پر راضی ہیں یعنی اس پر خوش ہیں، وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ اور حال یہ ہے کہ رائے مختلف ہے بھئی۔ آپ کی اور ہماری رائے الگ الگ ہے، آپ کی اور ہماری سوچ الگ الگ ہے لیکن جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس پر راضی اور خوش ہے: ہمارے پاس جو کچھ ہے ہم اس پر خوش ہیں اور راضی ہیں اور آپ کے پاس جو کچھ ہے آپ اس پر راضی اور خوش ہیں اور رائے دونوں کی الگ الگ ہے۔

تو مقام استشہاد کیا ہے یہاں پر؟ نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا رَاضُونَ، تو یہاں مسند کو حذف کیا گیا بھئی، مسند کو۔ اور وجہ کیا ہے حذف کرنے کی؟ محافظت علی الوزن، وزن کی حفاظت۔ پہلے ذکر ہو چکا کہ اشعار کا مخصوص وزن ہوتا ہے، ایک حرف کی کمی بیشی سے سارے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے اور وہ شعر رہتا ہی نہیں بھئی۔ تو یہاں پر بھی وزن شعری کی حفاظت کے لیے رَاضُونَ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہاں اس کے ذکر کی گنجائش ہی نہیں ہے، اگر اس کو ذکر کر دیا جائے پھر یہ شعر شعر رہے گا ہی نہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو اس وجہ سے یہاں پر رَاضُونَ کو حذف کر دیا گیا بھئی۔

شعر کا معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا رَاضُونَ ہم جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم اس پر راضی ہیں وَأَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ اور آپ جو کچھ آپ کے پاس ہے اس پر راضی ہیں وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ اور حال یہ ہے کہ رائے مختلف ہے بھئی، مختلف ہے۔ اور دنیا میں اسی طرح ہوتا ہے بھئی، ہر انسان جو ہے اس کے پاس جو ہوتا ہے یعنی اس کی اپنی جو رائے ہوتی ہے اسی پر خوش ہوتا ہے۔ مشرکین کو دیکھ لیں وہ اپنی سوچ پر خوش ہیں، اپنی رائے پر خوش ہیں کہ ہم شاید صحیح راستے صحیح طریقے پر چل رہے ہیں۔ اسی طرح جو جو گمراہی پر ہے وہ اپنی رائے اور اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے، اس کی جو سوچ ہوتی ہے، جو ذہن ہوتا ہے اسی راستے پر چلتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں صحیح طریقے پر ہوں باقی سب کس پر ہیں؟ غلط طریقے پر ہیں بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا شعر کا بھئی؟ تو یہ معنی ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے ہم اس پر خوش ہیں یعنی ہماری جو رائے ہے جو سوچ ہے ہم اسی پر خوش ہیں، تمہاری جو سوچ ہے تمہاری رائے ہے اسی پر تم خوش ہو، تو تم جو کچھ تمہارے پاس ہے اس پر خوش ہم جو کچھ ہمارے پاس ہے اس پر خوش

ہیں، اور یہ نہیں کہ سوچ دونوں کی ایک ہی ہے بلکہ دونوں کی سوچ جدا جدا ہے، تمہاری رائے کچھ اور ہے ہماری رائے کچھ اور ہے لیکن ہم اپنی رائے پر خوش ہیں اور راضی ہیں کہ شاید ہماری رائے ہی صحیح ہے برحق ہے اور تم اپنی رائے پر خوش ہو کہ شاید تمہاری رائے ہی برحق ہے اور صحیح ہے بھئی۔ تو یہاں پر مقام استشہاد کیا ہے، کس لفظ کو حذف کیا گیا؟ زَاضُونَ اور وہ کیا ہے؟ مسند ہے، خبر ہے نَحْنُ کی بھئی۔ یہ تو شعر کے اندر تھا کہ وزن کی حفاظت کے لیے ایک لفظ کو حذف کیا گیا بھئی۔

أَوْ سَجْعٍ، أَيْ وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى سَجْعٍ اور کبھی کس لیے حذف کیا جائے گا، داعی کیا ہو گا؟ سجع کی حفاظت، سجع۔ بھئی یہ تو نظم تھی، یہ جو شعر ہے یہ تو کیا ہے؟ نظم ہے، کلام منظوم ہے، اور ایک کلام منثور ہوتا ہے یعنی نثر، یہ جیسے کتاب کے اندر آپ جو پڑھ رہے ہیں یہ نثر ہے بھئی، نثر۔ اگر اشعار ہیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ نظم، اگر اشعار نہیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ نثر بھئی، نثر۔ تو کلام منثور کے اندر یعنی نثر کے اندر آپ نے دیکھا ہے کہ بعض اوقات چھوٹے چھوٹے فقرے، چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے ہیں اور ان کا اختتام ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ہوتا ہے بھئی، اس کو کہتے ہیں رعایت سجع۔ کیا کہتے ہیں؟ اس کو رعایت سجع کہتے ہیں بھئی۔ جیسے دیکھیے الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، آخر میں کیا آیا؟ عَالَمِينَ۔ آگے آرہا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، دیکھو ایک جیسے! تو یہ کلام کے چھوٹے چھوٹے حصے جن کا اختتام کس پر ہو؟ ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں رعایت سجع بھئی، کیا کہتے ہیں؟ رعایت سجع۔

تو ذکر کر رہے ہیں کہ کبھی تو حذف کا داعی کیا ہو گا؟ اگر وہ کلام منظوم ہے تو وزن کی حفاظت مقصد ہو گا، اور اگر وہ کلام منثور ہے یعنی نثر ہے تو وہاں پر حذف کی وجہ کیا ہو گی؟ سجع کی حفاظت، سجع کی حفاظت۔ اگر اس محذوف کو ذکر کر دیا جائے تو رعایت سجع ہو ہی نہیں سکے گی بھئی، تو رعایت سجع کرتے ہوئے ایک لفظ کو کیا کر لیا جاتا ہے؟ حذف کر لیا جاتا ہے۔ جیسے دیکھیے وَالثَّانِي دوسرے کی مثال یعنی جس میں رعایت سجع کی حفاظت کے لیے لفظ کو حذف کیا گیا: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے پروردگار نے وَمَا قَلَى، وَمَا قَلَاكَ اور نہ آپ سے بیزار ہے! تو یہاں کاف ضمیر مفعول کی اس کو حذف کر لیا گیا۔ اصل میں ہے وَمَا قَلَاكَ، وَمَا قَلَاكَ تو یہاں کاف ضمیر جو مفعول واقع ہو رہی تھی اس کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَاكَ آپ کو آپ کے پروردگار نے نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بیزار ہے۔ تو یہاں پر کاف کو حذف کیا گیا رعایت سجع کے لیے، کس لیے؟ رعایت سجع کے لیے، اس لیے کیونکہ اس سے آگے اور پیچھے والی آیتوں کو آپ دیکھیں تو ان سب کا اختتام الف پر ہو رہا ہے: وَالضُّحَى آخر میں کیا آیا؟ الف۔ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى آخر میں کیا آیا؟ الف آیا۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى یہاں بھی کیا آ گیا؟ الف۔ اگر کاف کو ذکر کر دیا جائے وَمَا قَلَاكَ تو دیکھیے رعایت سجع برقرار نہیں رہے گی بھئی، رعایت سجع نہیں ہو گی پھر۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو یہاں کس چیز کو حذف کیا گیا؟ کاف ضمیر کو حذف کیا گیا بھئی، کاف ضمیر کو۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو حذف کا داعی کبھی کیا ہو گا؟ اگر نظم ہے تو اس کے اندر وزن کی حفاظت، اور اگر وہ نثر ہے تو اس کے اندر حذف کا داعی کیا ہو گا؟ رعایت سجع بھئی۔ اور سجع کس کو کہتے ہیں میں نے کیا بتلایا؟ نثر کے اندر جو چھوٹے چھوٹے فقرے آئیں ان کا اختتام ایک جیسے وزن اور حروف پر کرنا یہ کیا ہے؟ رعایت سجع، رعایت سجع۔ یہاں پر آپ کو ایک نکتہ اور بتلاؤں بھئی: انہوں نے دواعی حذف میں سجع کو ذکر کیا، اور سجع میں نے بتایا کلام منثور کے اندر ایک جیسے وزن اور حروف پر چھوٹے چھوٹے فقروں کا اختتام کرنا یہ ہے رعایت سجع۔ لیکن یہی رعایت سجع اگر قرآن میں ہو تو اس کو رعایت سجع نہیں کہتے اس کو بطور ادب کے رعایت فاصلہ کہتے ہیں صاد کے ساتھ۔ قرآن میں ہو تو کیا کہتے ہیں؟ رعایت فاصلہ کہتے ہیں بھئی۔ تو آپ تفسیر پڑھ رہے ہوں گے تو ہمیشہ یاد رکھیے بھئی وہاں پر کیا لفظ استعمال کرتے ہیں بطور ادب کے؟ رعایت فاصلہ کہتے ہیں۔ تو کوئی رعایت سجع بھی کہے آپ سمجھ جائیں یہاں پر مراد کیا ہے قرآن کے اندر؟ رعایت فاصلہ مراد ہے بھئی، رعایت فاصلہ۔ وجہ اس کی یہ کہ سجع عربی زبان میں کہتے ہیں کبوتر کی آواز کو۔ کبوتر کی آواز کو کیا کہتے ہیں؟ سجع۔ تو لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے یہ بے ادبی کی بات ہے کہ اس لفظ کو قرآن کے لیے استعمال کیا جائے، لہٰذا اس کے لیے مفسرین حضرات پھر کیا لفظ استعمال کرتے ہیں؟ فاصلہ، رعایت فاصلہ۔ تو یہ جو الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، سمجھ میں آیا بھئی؟ ایک جیسے وزن پر جو کلام ختم ہو رہا ہے تو اس کو کیا کہیں گے قرآن میں؟ رعایت فاصلہ کہیں گے بھئی۔

جیسے آپ جانتے ہیں بھئی قرآن کے جو الفاظ ہیں اس کے لیے نظم کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے لیے لفظ استعمال نہیں، لفظ کا اطلاق نہیں کیا جاتا ان پر بلکہ بطور ادب کے نظم کا لفظ ان پر بولا جاتا ہے، نظم کا کہ نظم قرآن میں یوں ہے بھئی، یہ نہیں کہتے لفظ قرآن یوں ہے بھئی۔ یہ بھی بطور ادب کے، اس لیے کیونکہ لفظ کا معنی ہوتا ہے پھینکنا۔ لفظ کا کیا معنی ہے؟ پھینکنا۔ لفظ کا معنی ہے پھینکنا اور نظم کا معنی ہے پرونا، جیسے موتی وغیرہ ہیں ان کو لڑی کے اندر پرونا اس کو کیا کہتے ہیں؟ نظم۔ تو قرآن کے الفاظ کے لیے نظم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ایک تو بطور ادب کے اور نیز اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ قرآن کے الفاظ اتنے حسین و جمیل ہیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہوتے ہیں بھئی! بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو قرآن کے لیے کیا لفظ استعمال کریں گے؟ نظم کا، اور سجع کے بجائے کیا لفظ استعمال کریں گے؟ فاصلہ، رعایت فاصلہ بھئی۔

■ قولہ: «وَالتَّعْمِيمُ بِاخْتِصَارٍ» کی تشریح

وَالتَّعْمِيمُ بِاخْتِصَارٍ۔ تعمیم کا معنی ہے عموم پیدا کرنا۔ حذف کبھی کیا جائے گا تعمیم کے لیے بِاخْتِصَارٍ ساتھ اختصار کے: اختصار کے ساتھ عموم پیدا کرنے کے لیے بھئی، عموم پیدا کرنے کے لیے۔ جیسے دیکھیے نَحْوُ مثال کے طور پر وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ اور اللہ بلاتے ہیں إِلَى دَارِ السَّلَامِ سلامتی کے گھر کی طرف

یعنی جنت کی طرف۔ اللہ لوگوں کو کس طرف بلاتے ہیں؟ سلامتی کے گھر یعنی جنت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ اب آپ مجھے بتایئے اللہ کوئی خاص قوم یا خاص لوگوں کو جنت کی طرف بلاتے ہیں یا سارے لوگوں کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور اس طرف دعوت دے رہے ہیں؟ سارے لوگوں کو بھئی۔ تو یہاں پر مفعول کو حذف کر دیا گیا، اصل میں تھا وَاللّٰهُ يَدْعُو جَمِيعَ عِبَادِهِ اللہ اپنے سارے بندوں کو بلاتے ہیں جنت کی طرف بھئی۔ اب یہاں پر اگر یہ جَمِيعَ عِبَادِهِ اس کو ذکر کر دیا جائے تو عموم پھر بھی آتا ہے، عموم پھر بھی ہے، جَمِيعَ عِبَادِهِ سے کیا پتہ چلا کوئی خاص قوم، کوئی خاص ملک والے، کوئی خاص نسل والے ان کو بلا رہے ہیں یا سب کو بلا رہے ہیں؟ سب کو۔ تو جَمِيعَ عِبَادِهِ ذکر کے اندر بھی تعمیم تھی پھر بھی پتہ چل جاتا کہ سارے لوگوں کو اللہ بلا رہے ہیں، لیکن تعمیم کے ساتھ ساتھ اختصار بھی ہو بھئی! اور اختصار کس صورت میں ہو گا، جَمِيعَ عِبَادِهِ کو ذکر کرنے سے یہ مختصر ہو تا کلام یا اس کو حذف کرنے سے مختصر ہو جاتا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ حذف کرنے کی صورت میں کلام کیا ہو جاتا ہے؟ مختصر ہو جاتا ہے۔ تو یہاں پر جَمِيعَ عِبَادِهِ مفعول کو حذف کر دیا گیا کس لیے؟ تعمیم باختصار کے لیے، تعمیم باختصار کے لیے: تعمیم کے ساتھ ساتھ کیا ہو؟ اختصار بھی ہو۔ اگر ذکر کر دیا جاتا تعمیم تو ہو جاتی لیکن اختصار نہ ہوتا بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَالتَّعْمِيمُ بِاخْتِصَارٍ اور اختصار کے ساتھ عموم پیدا کرنے کے لیے نَحْوُ مثال کے طور پر وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ اور اللہ بلاتے ہیں سلامتی کے گھر کی طرف یعنی جنت کی طرف أَيْ جَمِيعَ عِبَادِهِ یعنی اپنے سارے بندوں کو لِأَنَّ حَذْفَ الْمَعْمُولِ يُؤْذِنُ بِالْعُمُومِ اس لیے کیونکہ معمول کو حذف کر لینا یہ خبر دیتا ہے عموم کی۔ معمول کو حذف کر لینا کس چیز کی خبر دیتا ہے؟ عموم کی خبر دیتا ہے۔ بھئی دیکھیے دوسری مثال سے وضاحت ہو گی: مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی۔ یہ جو زَيْدًا مفعول کو یعنی یہ جو فعل کا معمول ہے اس معمول کو میں نے ذکر کر دیا، اس ذکر سے کیا پتہ چلا کہ میری ضرب کس پر واقع ہوئی ہے؟ صرف زید پر واقع ہوئی ہے عمرو یا بکر پر واقع نہیں ہوئی۔ تو معمول کو ذکر کیا جائے تو وہ فعل کے اندر تخصیص پیدا کر دیتا ہے کہ یہ فعل اس کے معمول کے ساتھ خاص ہے، معلوم ہوا یہ ضرب صرف زید پر واقع ہوئی ہے کسی دوسرے یا تیسرے آدمی پر واقع نہیں ہوئی۔ اور بعض اوقات اس معمول کو حذف کر لیا جاتا ہے لیکن یہ پھر بھی مراد ہوتا ہے، کوئی قرینہ وہاں دلالت کر رہا ہوتا ہے۔ تو مفعول جو ہے وہ فضلہ ہے زائد چیز ہے، اس کو بعض اوقات کلام سے حذف بھی کر لیتے ہیں لیکن کوئی قرینہ وہاں پر دلالت کر رہا ہوتا ہے بھئی۔ قرینہ کیا ہوتا ہے اس پر؟ دلالت، جیسے اب میں اس موقع پر صرف یہ کہہ دیتا ہوں ضَرَبْتُ، لیکن کوئی قرینہ ہے اس سے آپ کو خود ہی پتہ چل گیا کہ دراصل یہ کس کی ضرب کی بات ہو رہی ہے، کس پہ ضرب واقع ہوئی ہے؟ زید پر واقع ہوئی ہے، اب میں زید کو حذف بھی کر دوں تو کوئی حرج نہیں آپ کو پھر بھی پتہ چل گیا، قرینے نے آپ کو بتلا دیا کہ ضرب کس پر واقع ہوئی ہے؟ زید پر واقع ہوئی ہے۔ تو معمول کو ذکر کیا جائے تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ فعل اسی پر واقع ہوا ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ لیکن کبھی کبھار کیا کر لیا جاتا ہے اس معمول کو؟ حذف کر لیا جاتا ہے قرینہ ہونے کی بنا پر۔

اور بعض اوقات فعل کا تعلق سب سے ہوتا ہے کسی خاص مفعول وغیرہ یا معمول کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک خاص جماعت ہے اس میں پانچ چھ افراد ہیں: زید بھی ہے مثلاً عمرو بھی ہے بکر بھی ہے خالد بھی ہے اس کے اندر، اب آپ کہنا چاہتے ہیں میں نے ان سب کی پٹائی کی تو ایک طریقہ یہ ہے آپ یوں کہیں ضَرَبْتُ كُلَّهُمْ، ضَرَبْتُ كُلَّهُمْ میں نے ان سب کی پٹائی کی۔ اب كُلَّهُمْ جو معمول ہے فعل کا یعنی جس پر فعل عمل کر رہا ہے اس کو نصب دے رہا ہے تو اس معمول کو ذکر کر دیا تو تعمیم اب بھی پیدا ہوئی کیونکہ كُلَّهُمْ نے آپ کو بتلا دیا کہ ضرب صرف زید پر یا صرف بکر پر یا صرف خالد پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ ساری کی ساری جماعت پر یہ ضرب واقع ہوئی ہے، یہ کس نے بتایا آپ کو؟ كُلَّهُمْ نے۔ تو كُلَّهُمْ نے بھی تعمیم پیدا کی لیکن اختصار نہیں آیا: ضَرَبْتُ كُلَّهُمْ ایک پورے لفظ کو باقاعدہ آپ کو ذکر کرنا پڑا۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ عموم کے ساتھ ساتھ اختصار بھی آ جائے تو اس كُلَّهُمْ کو حذف کر دیجیے اور یوں کہیے ضَرَبْتُ! صرف کیا کہا؟ ضَرَبْتُ۔ اس ضَرَبْتُ کے معمول یعنی مفعول کو حذف کر دیا گیا اور کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں موجود جو یہ بتلائے کہ مفعول صرف کون ہے زید ہے یا صرف کون ہے بکر ہے یا صرف کیا ہے خالد۔ جب کوئی قرینہ ایسا قائم نہ ہو اور پھر معمول کو حذف کر لیا جائے تو یہ دراصل اشارہ ہوتا ہے اس فعل کے عام ہونے کی طرف کہ یہ ضَرَبْتُ کا فعل یہاں پر، یہ جو میں نے ضرب لگائی ہے یہ کس قسم کی ضرب ہے؟ عام ہے اور وہ ساری جماعت کو یعنی شامل ہے ان سب پر یہ ضرب واقع ہوئی ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

بھئی فعل بعض اوقات ایک خاص معمول سے متعلق ہوتا ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا، اس زید کو بھی آپ حذف کبھی کر لیتے ہیں لیکن وہاں پر کوئی قرینہ ہو گا جو بتلائے گا کہ یہاں کس لفظ کو حذف کیا گیا ہے؟ زید کو حذف کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فعل کا تعلق سب سے ہوتا ہے، اس کو ذکر کر دیں پھر بھی وہاں پر تعمیم ہوتی ہے لیکن اختصار نہیں رہتا، اور اگر اس کے معمول کو حذف کر لیا جائے تو تعمیم کے ساتھ ساتھ کیا پیدا ہو جاتا ہے؟ اختصار بھی آ گیا تعمیم بھی آ گئی۔ تو جب بھی یاد رکھیے بھئی فعل کے معمول کو یعنی مفعول وغیرہ کو حذف کر لیا جائے اور کسی خاص معمول پر قرینہ بھی نہ ہو تو یہ فعل کس بات کی خبر دیتا ہے، کیا بتلاتا ہے؟ کہ یہ فعل عام ہے اس کا تعلق ہر مفعول سے ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُو، دَعَا يَدْعُو کے معنی بلانا، اس کے لیے مفعول چاہیے کس کو بلایا، کس کو اللہ بلا رہے ہیں؟ لیکن وہ مفعول یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور کوئی قرینہ بھی نہیں موجود کہ جس سے یہ پتہ چلے کہ فلاں قوم والے مراد ہیں یا فلاں ملک والے مراد ہیں یا فلاں نسل والے مراد ہیں۔ تو جب کوئی قرینہ موجود نہیں اور معمول کو حذف کر لیا گیا تو یہ کس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور کس بات کی خبر دے رہا ہے؟ یہ فعل جو ہے اس صورت میں عام ہوا، اللہ کے تمام بندوں کو شامل ہوا کہ اللہ کیا کر رہے ہیں؟ اپنے تمام بندوں کو بلا رہے ہیں دار السلام یعنی جنت کی طرف بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معمول کو کبھی حذف کیا جاتا ہے اور مقصد وہاں کیا ہوتا ہے؟ تعمیم، صرف تعمیم یا تعمیم باختصار بھئی؟ تعمیم باختصار، اختصار کے ساتھ عموم پیدا کرنا بھئی۔ كُلَّهُمْ کو میں نے ذکر کر دیا تھا تعمیم پھر بھی آگئی تھی لیکن اختصار نہیں تھا، تو اختصار کے ساتھ عموم پیدا کرنا ہو تو اس کے لیے کیا طریقہ ہے؟ اس معمول کو حذف کر لیا جائے۔ یہ نکات کتابوں میں بھی استعمال ہوں گے جگہ جگہ آئیں گے آپ خود غور کریں گے، بعض اوقات کتاب کا مصنف کیا کرے گا؟ کوئی عبارت ذکر کرتے کرتے مفعول کو حذف کر جائے گا یا اور کوئی معمول ہو گا فعل کا اس کو حذف کر جائے گا، کس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے؟ کہ یہ فعل عام ہے، اور عام ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوا اور نیز کلام بھی اس کی وجہ سے کیا ہو گیا؟ مختصر ہو گیا۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ معنی ہے وَالتَّعْمِيمُ بِاخْتِصَارٍ اور اختصار کے ساتھ عموم کے پیدا کرنے کے لیے نَحْوُ وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ أَيْ جَمِيعَ عِبَادِهِ یعنی اپنے سارے بندوں کو لِأَنَّ حَذْفَ الْمَعْمُولِ يُؤْذِنُ بِالْعُمُومِ اس لیے کیونکہ معمول کا حذف کرنا یہ عموم کی خبر دیتا ہے۔

وَالْأَدَبُ نَحْوُ قَوْلِ الشَّاعِرِ اور کبھی حذف کا نکتہ اور حذف کا داعی وہ ادب ہو گا، وہ کیا ہو گا؟ ادب ہو گا۔ یعنی ایک لفظ کو ذکر کرنا وہ بے ادبی کی صورت بن جاتی ہے تو کہنے والا اس لفظ کو کیا کر دیتا ہے؟ حذف کر دیتا ہے۔ مثلاً کوئی موقع ہے کوئی مقام ایسا ہے کہ ایک لفظ کا ذکر کیا جائے تو یہ کیا شمار ہو گا؟ بے ادبی شمار ہو گا، تو ادب کیا ہے کہ اس مقام پر اس لفظ کو حذف کر لیا جائے۔ جیسے نَحْوُ قَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے شاعر کا قول ہے بھئی: قَدْ طَلَبْنَا تحقیق ہم نے طلب کیا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ پس ہم نے نہیں پایا آپ کے لیے، دوسرے مصرعے کے آخر میں آرہا ہے مِثْلًا، پس ہم نے نہیں پایا آپ کے لیے کوئی مثل یعنی ہمیں آپ جیسا کوئی نہیں ملا۔ کس چیز میں آپ کا مثل ہمیں نہیں ملا؟ فِي السُّؤْدَدِ۔ سُؤْدَدٌ کہتے ہیں سرداری کو بھئی۔ سُؤْدَدٌ کا کیا معنی ہے؟ سرداری۔ بھئی السُّؤْدَدِ میں آپ دیکھ رہے ہیں یہ ایک لفظ ہے، السُّؤْ یہ آدھا لفظ پہلے مصرعے میں اور اگلا آدھا لفظ دَدِ دال دو ہیں وہ اسی لفظ کا حصہ ہیں وہ دوسرے مصرعے میں ہیں۔ یاد رکھیے عربی اشعار میں ایسا ہوتا رہتا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی لفظ آدھا یا کچھ حصہ اس کا ایک مصرعے میں ہوتا ہے اور باقی کا حصہ دوسرے مصرعے میں ہوتا ہے۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ وہی بھئی وزن شعری کی رعایت بھئی: اگر اس پورے السُّؤْدَدِ کو پہلے مصرعے میں ذکر کریں یا دوسرے میں ذکر کر دیں تو شعر کا وزن برقرار نہیں رہتا۔ شعر کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں ایک حرف کی کمی بیشی سے پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے، اگر اس میں سے ایک دال کو بھی اٹھا کر پہلے مصرعے میں لے آئیں تو پورے پہلے مصرعے کا وزن خراب ہو گیا اور پھر یہ شعر شعر رہا ہی نہ بھئی! تو لہٰذا کیا کیا شاعر نے؟ آدھے لفظ کو پہلے مصرعے میں اور آدھے کو دوسرے میں ذکر کر دیا بھئی۔

■ قولہ: «فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّؤْدَدِ مِثْلًا» کی تشریح

تو فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّؤْدَدِ مِثْلًا ہم نے نہیں پایا آپ کا کوئی مثل فِي السُّؤْدَدِ سرداری میں وَالْمَجْدِ، مَجْدٌ کہتے ہیں بزرگی کو، اور بزرگی میں وَالْمَكَارِمِ۔ مَكَارِمُ جو ہے یہ جمع ہے مَكْرُمَةٌ کی، مَكَارِمُ کس کی جمع ہے؟ مَكْرُمَةٌ کی جمع ہے راپر پیش ہے بھئی مَكْرُمَةٌ، اور مکرمہ کہتے ہیں بھئی عمدہ اور اعلی وصف کو، عمدہ اور اعلی صفت جو ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَكْرُمَةٌ۔ اردو میں بھی آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ مکارم اخلاق بھئی، مکارم اخلاق کا کیا معنی ہے؟ اعلی اخلاقی اوصاف، عمدہ اخلاقی اوصاف بھئی۔ تو دیکھیے شعر میں کیا کہہ رہے ہیں فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّؤْدَدِ وَالْمَجْدِ وَالْمَكَارِمِ مِثْلًا، پس ہم نے نہیں پایا آپ کا کوئی مثل فِي السُّؤْدَدِ سرداری میں وَالْمَجْدِ اور بزرگی میں وَالْمَكَارِمِ اور اعلی صفات کے اندر۔ عمدہ اور اعلی صفات میں اور بزرگی میں اور سرداری میں ہمیں آپ کا کوئی مثل نہیں ملا بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو دوبارہ ترجمہ دیکھیے: قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّؤْدَدِ وَالْمَجْدِ وَالْمَكَارِمِ مِثْلًا تحقیق ہم نے طلب کیا پس ہمیں نہیں ملا سرداری میں اور بزرگی میں اور عمدہ صفات کے اندر مِثْلًا آپ کا کوئی مثل بھئی، آپ کا کوئی مثل ہمیں نہیں ملا۔

مقام استشہاد ہے یہاں پر بھئی: قَدْ طَلَبْنَا مِثْلَكَ، قَدْ طَلَبْنَا کے بعد مِثْلَكَ مفعول محذوف ہے بھئی، مِثْلَكَ۔ شاعر کسی کی تعریف بیان کر رہا ہے اس کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے قَدْ طَلَبْنَا مِثْلَكَ تحقیق ہم نے آپ کا مثل تلاش کیا کہ کوئی ہمیں آپ جیسا مل جائے فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّؤْدَدِ وَالْمَجْدِ وَالْمَكَارِمِ مِثْلًا پس ہمیں آپ کا کوئی مثل نہیں ملا سرداری میں اور بزرگی میں اور عمدہ صفات کے اندر۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ اب دیکھیے یہاں پر یہ مِثْلَكَ کو، طَلَبْنَا کا مفعول ہے مِثْلَكَ ہم نے کس کو طلب کیا؟ آپ کے مثل کو، یہاں مِثْلَكَ کو شاعر نے حذف کر دیا۔ کیوں حذف کیا؟ بطور ادب کے، بطور ادب کے، اس لیے کیونکہ یہ بے ادبی کی بات ہے کہ ممدوح کے سامنے یہ کہا جائے ہم آپ کا مثل تلاش کرتے رہے ہیں، ہم آپ جیسا تلاش کرتے رہے ہیں لیکن ہمیں ملا نہیں! یہ تو بے ادبی ہے، گویا اے متکلم، اے یہ بات کہنے والے! یہ جس کی تو تعریف کر رہا ہے یہ اتنا عظیم آدمی ہے، اتنا بڑا سردار ہے، اتنی بزرگی اور عظمت والا ہے، اتنے اعلی اعلی اوصاف ہیں پھر بھی آپ اس کا مثل تلاش کرتے رہے ہو؟ معلوم ہوا آپ کے خیال میں اس جیسا کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے! آپ کے خیال میں اس جیسا کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے تو یہ بے ادبی کی بات تھی، کیا تھی؟ بے ادبی، کہ گویا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس جیسا اور بھی ہو سکتا ہے جبھی تو تم تلاش کرتے رہے ہو، اگر تمہارے سامنے پوری حقیقت ہوتی تو تم خود ہی سمجھ جاتے کہ اس کا تو مثل ممکن ہی نہیں ہے تم تلاش ہی نہ کرتے بالکل، لیکن تمہارا تلاش کرنا ہی کس بات پر دلالت کر رہا ہے؟ کہ اس جیسا اور بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ تو ممدوح کے سامنے یہ ذکر کرنا کہ ہم آپ جیسے کو تلاش کرتے رہے ہیں یہ بھی بے ادبی کی بات تھی، لہٰذا شاعر نے کیا کیا؟ مِثْلَكَ کو حذف کر دیا: قَدْ طَلَبْنَا ہم نے تلاش کیا، کس کو تلاش کیا وہ ذکر ہی نہیں کیا بھئی کیونکہ اس کو ذکر کر دیتے ہیں تو کیا لفظ آتا ہے؟ مِثْلَكَ ہم نے کس کو طلب کیا؟ آپ کے مثل کو، تو یہ بے ادبی تھی اس لیے شاعر نے کیا کیا؟ مِثْلَكَ کے لفظ کو حذف

کر دیا۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟ اچھی طرح؟ تو قَدْ طَلَبْنَا تحقیق ہم نے طلب کیا ہم نے تلاش کیا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ پس ہم نے نہیں پایا آپ کا کوئی فِي السُّؤْدَدِ سرداری میں وَالْمَجْدِ اور بزرگی میں وَالْمَكَارِمِ اور عمدہ اوصاف کے اندر مِثْلَا کوئی مثل۔

وَتَنْزِيلُ الْمُتَعَدِّي مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ لِعَدَمِ تَعَلُّقِ الْغَرَضِ بِالْمَعْمُولِ نَحْوُ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ وَتَنْزِيلُ الْمُتَعَدِّي مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ اور متعدی کو اتارنا لازم کے درجے میں۔ متعدی یعنی فعل متعدی کو فعل لازم کے درجے میں اتارنا: حذف کا نکتہ کیا ہو گا کبھی کبھار کہ فعل متعدی کو فعل لازم کے درجے میں اتار لیا گیا لہذا اس کے مفعول کو حذف کر لیا گیا کیونکہ مفعول تو آتا ہے فعل متعدی کے لیے اور آپ اس فعل متعدی کو کس کے درجے میں اتار چکے؟ فعل لازم کے درجے میں۔ بھئی دیکھیے ایک ہوتا ہے فعل لازم ایک ہے فعل متعدی۔ فعل لازم وہ ہے جس کے لیے مفعول کی ضرورت نہ ہو، صرف فعل اور فاعل سے مل کر ہی بات پوری ہو جائے، فعل کو صرف فاعل کی وہاں ضرورت ہوتی ہے مفعول کی ضرورت نہیں تو یہ ہے فعل لازم، یہ کیا ہے؟ فعل لازم۔ اور ایک ہوتا ہے فعل متعدی جہاں فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کی بھی ضرورت ہوتی ہے، بغیر مفعول کے وہ فعل پایا ہی نہیں جا سکتا۔ مثلاً دیکھیے میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی۔ بھئی کس کی پٹائی کی؟ ضرب کے لیے ہمیشہ کوئی مضروب چاہیے، بغیر کوئی مضروب ہوئے کبھی ضرب کا وجود پایا جا سکتا ہے؟ کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ مضروب کوئی بھی نہ ہو اور ضرب پائی جائے! تو دیکھیے معلوم ہوا ضرب ایسا فعل ہے جس کے لیے مفعول کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر اس کا وجود ہی نہیں پایا جائے گا بھئی۔

اسی طرح أَكْلٌ کھانا: أَكْلٌ کھانے کے لیے ہمیشہ کوئی ماکول چاہیے، کوئی ایسی چیز جسے کھایا جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا أَكْلٌ یعنی کھانے کا فعل پایا جائے اور ماکول کچھ نہ ہو بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو أَكْلٌ کیا ہے؟ فعل متعدی ہے۔ اسی طرح شُرْبٌ پینا: شُرْبٌ فعل متعدی ہے اس کے لیے ہمیشہ مفعول چاہیے، شُرْبٌ کبھی بھی بغیر مشروب کے نہیں پایا جائے گا، شُرْبٌ ہمیشہ وہاں ہو گا جہاں کوئی چیز مشروب ہو، کسی چیز کو پیا گیا ہو۔ اگر کوئی چیز پی ہی نہیں گئی تو پھر شُرْبٌ کا فعل بھی نہیں۔ معلوم ہوا شُرْبٌ بغیر مشروب کے نہیں، أَكْلٌ کا فعل بغیر ماکول کے نہیں، کھانا تو پایا گیا ہو لیکن کوئی چیز کھائی نہ گئی ہو ایسا ہو ہی نہیں سکتا، کھانے کا فعل پایا ہی کب جائے گا جب کوئی چیز کھائے جانے والی بھی ہو بھئی۔ تو ضرب بغیر مضروب کے نہیں ہو سکتی، شرب بغیر مشروب کے نہیں ہو سکتا، اکل بغیر ماکول کے نہیں ہو سکتا، تو یہ ہے فعل متعدی، یہ کیا ہے؟ فعل متعدی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

باقی اس مفعول کو کلام میں کبھی ذکر کیا جاتا ہے کبھی نہیں ذکر کیا جاتا وہ الگ چیز ہے: ضَرَبْتُ میں نے زَيْدًا کو آگے ذکر نہیں کیا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ اب یہ فعل لازم بن گیا۔ کہنا تو چاہیے تھا ضَرَبْتُ زَيْدًا لیکن میں نے صرف کیا کہہ دیا؟ ضَرَبْتُ کہہ دیا کیونکہ مفعول کے حذف پر قرینہ موجود ہے وہ قرینہ ہی آپ کو بتلا رہا ہے کہ یہاں پر دراصل مفعول کون محذوف ہے؟ زَيْدًا۔ تو میں نے اس لیے حذف کر دیا کیونکہ قرینہ موجود ہوتا ہے یا جیسے اوپر نکات ذکر ہوئے ان نکات کی بنا پر مفعول وغیرہ کو حذف کر لیا جاتا ہے، لیکن مفعول کو حذف کرنے کا یہ معنی نہیں کہ اس فعل کا مفعول ہے ہی نہیں۔ وہ تو آپ فعل کے مفہوم پہ خود ذرا غور کریں جیسے میں نے ابھی بتایا: ضرب کے مفہوم پر ذرا غور کریں ضرب کہتے کسے ہیں؟ پٹائی کرنا، تو اس کے لیے مضروب چاہیے یا نہیں؟ آپ کبھی مجھے دکھا دیں کہ ضرب ہو اور مضروب کوئی نہ ہو! ایسا ہو ہی نہیں سکتا، انسان نہیں تو پتھر ضرور ہو گا جس پہ وہ ضرب واقع ہوئی ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ کسی نہ کسی چیز پر وہ ضرب ضرور ہو گی، ایسا ہو ہی نہیں سکتا ضرب کا فعل پایا جائے اور مضروب کوئی نہ ہو۔ شرب کے لیے مشروب ضرور چاہیے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ مجھے شرب کا فعل کر کے دکھائیں اور مشروب کوئی چیز نہ ہو بھئی! صورت سمجھ میں آ گئی؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اکل یعنی کھانے والا فعل تو پایا جائے اور ماکول کوئی کھائی جانے والی چیز نہ ہو، اکل یعنی کھانے کا فعل تبھی پایا جائے گا جہاں پر کوئی چیز ماکول بھی ہو کسی چیز کو آپ کھائیں بھئی، پھر ہی ہم کہیں گے اس نے کھایا ہے اس چیز کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو عبارت میں مفعول کا ذکر نہ کرنا وہ الگ چیز ہے، اور فعل کے معنی پر ہی آپ غور کر لیں اگر وہ مفعول کا تقاضا کرتا ہے تو معلوم ہوا یہ فعل متعدی ہے اور اگر وہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا تو معلوم ہوا فعل لازم ہے، جیسے فَرَّ دوڑنا: فَرَّ يَفِرُّ، فَرَّ زَيْدٌ زید دوڑا، کسی مفعول کی ضرورت ہے یہاں پر؟ یہاں کسی مفعول کی ضرورت نہیں، بات پوری ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ فَرَّ زَيْدٌ زید بھاگا، یہاں کسی مفعول کی نہیں ضرورت۔ ضَحِكَ زَيْدٌ زید ہنسا، بھئی ہنسا کوئی مفعول کی ضرورت ہے یہاں پر؟ نہیں۔ لیکن ضَرَبَ میں آپ غور کریں ضرب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مضروب۔ شرب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مشروب بھئی۔ علم اسی طرح علم کے لیے ہمیشہ معلوم چاہیے: آپ عالم تبھی کہیں گے جب کسی چیز کو آپ جاننے والے ہیں، تو معلوم چاہیے یا نہیں چاہیے؟ ہاں معلوم نہ ہو اور آپ کو عالم کہہ دیا جائے ایسا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ علم کا فعل پایا ہی کب جائے گا جب کوئی اس کے لیے معلوم ہو۔ آپ کو کبھی بھی کوئی شخص ضارب نہیں کہے گا جب تک کسی کی آپ نے پٹائی نہ کی ہو، مضروب ضرور ہونا چاہیے پھر ہی آپ کو ضارب کہا جائے گا۔ مشروب ہو گا تو پھر ہی آپ کو شارب کہا جائے گا ورنہ آپ کو کبھی بھی کوئی شارب نہیں کہے گا۔ آپ نے کوئی چیز کھائی ہو گی تو پھر ہی آپ کو آکل کہیں گے کھانے والا، ورنہ اگر ماکول نہیں تو آپ آکل کبھی بن ہی نہیں سکتے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن فعل لازم میں ایسا نہیں ہوتا وہاں کسی مفعول کی ضرورت نہیں جیسے فَرَّ زَيْدٌ زید دوڑا، ضَحِكَ زَيْدٌ زید ہنسا، دیکھو یہاں کسی مفعول کی ضرورت نہیں ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو فعل لازم اور فعل متعدی ان کے آپ مفہوم پر غور کیا کریں، کلام اور جملے کو نہ دیکھا کریں، جملے میں تو ایک فعل متعدی ہوتا ہے اس کے مفعول کو کبھی کیا کر لیتے ہیں؟ حذف کر لیتے ہیں۔ آپ خود اس میں غور کیا کریں کہ اس فعل کا معنی بغیر مفعول کے پایا جا سکتا ہے یا پایا نہیں جا سکتا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جیسے اطلاع دینا، اب آپ مجھے

بتایئے یہ فعل لازم ہے فعل متعدی ہے؟ جی؟ شاباش یہ فعل متعدی ہے: اطلاع دینا اس کے لیے کوئی اطلاع چاہیے یا نہیں چاہیے؟ میں کوئی آپ کو بات پہنچاؤں گا تو آپ مجھے کہیں گے یہ اطلاع دینے والا ہے، اب بغیر بات پہنچائے کوئی مجھے کہہ سکتا ہے یہ اطلاع دینے والا ہے؟ نہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو آپ مفہوم پر غور کریں۔ اور کوئی مثال ذکر کریں بھئی: پڑھنا، پڑھنا۔ پڑھنے کے لیے کوئی پڑھی جانے والی چیز چاہیے یا نہیں؟ بغیر پڑھی جانے والی چیز کے پڑھنے کا فعل پایا جا سکتا ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ فعل متعدی ہے۔ اور کیا مثال؟ جی؟ چلنا، ہاں بتایئے یہ فعل لازم ہے فعل متعدی ہے؟ جی؟ لازم: زید چلا، کسی مفعول کی ضرورت ہے؟ کسی مفعول کی ضرورت نہیں تو یہ فعل لازم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک فعل لازم ہوتا ہے ایک فعل متعدی، فعل متعدی کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مفعول، ہاں وہ مفعول عبارت میں کبھی ذکر ہو گا کبھی ذکر نہیں ہو گا، جبکہ فعل لازم کے لیے کبھی مفعول نہیں آتا بھئی، کبھی مفعول نہیں آتا۔

لیکن کبھی کبھار ایسا کر لیا جاتا ہے کہ ایک فعل متعدی ہے اس کو فعل لازم ہی کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے اور اس کے مفعول کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو فعل کو ہی کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ فعل لازم کے درجے میں، گویا اس کے لیے مفعول چاہیے ہی نہیں، مفعول چاہیے ہی نہیں! جیسے دیکھیے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ اور وہ لوگ جو نہیں جانتے؟ یہ استفہام انکاری ہے، یہ کیا ہے؟ استفہام انکاری ہے یعنی جہاں پر دوسرے سے انکار کروانا مقصود ہے کہ تم بھی مانتے ہو یقیناً ایسا نہیں ہے، جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا وہ لوگ جو جاننے والے ہیں اور نہ جاننے والے ہیں کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟ جواب ہمیشہ کیا آئے گا؟ نہیں بھئی برابر نہیں ہو سکتے۔

اور يَعْلَمُونَ جاننے والے ہیں، بھئی کس چیز کو؟ علم کے لیے معلوم چاہیے یا نہیں چاہیے؟ تو یہاں کیا مراد ہے، علم فقہ جاننے والے، علم تفسیر جاننے والے، یا علم حدیث جاننے والے، یا علم طب جاننے والے یعنی جو طبیب ہیں علم طب جاننے والے ہیں، یا جو تجارت کو جاننے والے ہیں، کون سا علم مراد ہے؟ یہاں مفعول کو ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ کیوں؟ کیونکہ اس فعل متعدی کو فعل لازم کے درجے میں اتار لیا گیا، کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ فعل لازم کے۔ اور فعل لازم کے لیے مفعول چاہیے ہوتا ہے یا نہیں چاہیے ہوتا؟ اس کے لیے تو مفعول نہیں چاہیے تو اس کو بھی فعل لازم کے درجے میں اتار لیا گیا کہ گویا اس کے لیے مفعول چاہیے ہی نہیں! اور کیوں فعل لازم کے درجے میں اتارا گیا؟ کیونکہ اس کے معمول کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہیں تھی بھئی، اس کے معمول سے کوئی غرض متعلق نہیں تھی بھئی۔ یعنی اللہ فرما رہے ہیں کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ اس سے کوئی مخصوص علم والے مراد نہیں ہیں، ایک عام بات ہے آپ کسی بھی شعبے میں چلے جائیں ایک ہے جاننے والا ایک ہے نہ جاننے والا، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ تجارت کے شعبے میں چلے جائیں ایک ہے تجارت کو جاننے والا ایک ہے تجارت کو نہ جاننے والا، اے دنیا والو تم بھی مانتے ہو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ علم طب ہے طبیب ہے ڈاکٹری کا علم ہے، ایک اس علم کا جاننے والا ہے ایک اس علم کا نہ جاننے والا ہے، اے دنیا والو تم بھی مانتے ہو یہ علم والا اور وہ لا علم یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اسی طرح کسی بھی شعبے میں چلے جائیں تو وہاں کبھی بھی جاننے والا اور نہ جاننے والا دونوں برابر نہیں ہوتے بلکہ کس کو فضیلت ہوتی ہے؟ جاننے والے کو فضیلت ہوتی ہے۔ تو یہاں کسی مخصوص شعبے کا ذکر مقصود نہیں بلکہ عام ہے یہ، عام ہے، ہر جگہ پر اسی طرح ہے: ایک ہے جاننے والا اور ایک ہے نہ جاننے والا تو دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ تو یہاں پر کوئی خاص معمول وہ مقصود ہی نہیں تھا کہ علم طب جاننے والا یا علم تجارت جاننے والا یا شریعت کا علم جاننے والا، نہیں عام ہر جگہ پر اسی طرح ہے دنیا والو تم بھی دیکھتے ہو، اے انسانو تم بھی دیکھتے ہو ہر جگہ پر اسی طرح ہے، ایک ہوتا ہے جاننے والا اور ایک ہوتا ہے نہ جاننے والا، دونوں برابر نہیں ہوتے تمہارے نزدیک بھی جو جاننے والا ہوتا ہے اس کو فضیلت حاصل ہوتی ہے بھئی۔

تو یہاں پر اس يَعْلَمُونَ کے معمول کو حذف کر لیا گیا۔ اس کے لیے کیا چاہیے تھا؟ معلوم چاہیے تھا کوئی، لیکن اس کو کیا کر لیا گیا؟ حذف۔ کیوں حذف کیا گیا؟ اس کے معمول کو حذف کر لیا گیا اور اس کو فعل لازم کے درجے میں اتار لیا گیا گویا اس کے لیے معمول چاہیے ہی نہیں۔ تو گویا ترجمہ یوں ہوا: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جن کے لیے صفت علم ثابت ہے؟ اب مفعول کی ضرورت ہی نہیں رہی ترجمہ ہی میں نے ایسا کر دیا: کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جن کے لیے صفت علم ثابت ہے اور وہ لوگ جن کے لیے صفت علم ثابت نہیں ہے بھئی؟ ہاں اگر ترجمہ کریں جاننے والا اس کے لیے مفعول کے بارے میں ذہن میں آ سکتا ہے: کیا برابر ہو سکتے ہیں جاننے والے؟ بھئی کس چیز کو جاننے والے؟ مفعول کی طرف ذہن جاتا ہے یا نہیں جاتا؟ لیکن ترجمہ ہی کیا کر دیا میں نے؟ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جن کے لیے صفت علم ہے اور جن کے لیے صفت علم نہیں ہے بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہاں کیا کیا گیا؟ فعل متعدی کو کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ فعل لازم، اس کے معمول کو حذف کر لیا گیا اور اس کو فعل لازم کے درجے میں اتار لیا گیا گویا اس کے لیے مفعول کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور ایسا کیوں کیا گیا، اس فعل متعدی کو فعل لازم کے درجے میں کیوں اتارا گیا؟ کیونکہ اس کا جو معمول تھا اس کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہیں تھی، اس کے ساتھ کوئی غرض کوئی مقصد اس سے متعلق نہیں تھا، یہاں وہ غرض ہے ہی نہیں کہ خاص فلاں علم والے یا فلاں علم والے، اس سے کوئی غرض متعلق نہیں بلکہ ایک عام بات کی جا رہی ہے جو ہر مقام پر ہر شعبے کے اندر جاری ہوتی ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر شمار نہیں ہوتے بھئی۔ بات سب کو سمجھ بھی آئی کہ نہیں آئی بھئی؟

■ قولہ: «وَتَنْزِيلُ الْمُتَعَدِّي مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ» کی تشریح

تو یہ معنی ہے وَتَنْزِيلُ الْمُتَعَدِّي مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ اور فعل متعدی کو فعل لازم کے درجے میں اتارنا یہ داعی حذف ہو گا کبھی۔ بھئی فعل متعدی کو فعل لازم کے درجے میں کیوں اتارا جائے گا؟ کہتے ہیں لِعَدَمِ تَعَلُّقِ الْغَرَضِ بِالْمَفْعُولِ اس وجہ سے کہ اس کا جو معمول ہے اس کے ساتھ کوئی غرض اور کوئی مقصد متعلق نہیں ہے، اس کے ساتھ کوئی مقصد متعلق نہیں ہے بھئی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے؟ جی بات سب کو سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ تو یہاں پر کیا کیا گیا؟ فعل متعدی تھا اس کے لیے معمول چاہیے تھا لیکن اس معمول کو کیا کر لیا گیا؟ حذف، اور اس فعل متعدی کو کس کے درجے میں؟ فعل لازم۔ فعل لازم کے درجے میں کیوں اتارا گیا؟ کیونکہ اس کا جو معمول تھا اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی غرض متعلق نہیں تھی بھئی بلکہ یہ ایک عام بات ذکر کی جا رہی ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے بھئی۔ تو یہ استفہام انکاری ہے، استفہام انکاری جس سے دوسرے سے انکار کہلوایا جاتا ہے، دوسرا خود بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے: آپ کسی سے بھی یہ سوال کریں گے ہاں بھئی بتایئے کیا جاننے والا، علم رکھنے والا اور علم نہ رکھنے والا برابر ہو سکتا ہے؟ وہ خود ہی کہے گا یقیناً نہیں کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ ہے استفہام انکاری جس میں دوسرے سے انکار کروانا مقصد ہوتا ہے کہ وہ بھی اس انکار کا اقرار کر لے بھئی۔

وَيُعَدُّ مِنَ الْحَذْفِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى نَائِبِ الْفَاعِلِ فَيُقَالُ حُذِفَ الْفَاعِلُ لِلْخَوْفِ مِنْهُ أَوْ عَلَيْهِ أَوْ لِلْعِلْمِ بِهِ أَوِ الْجَهْلِ۔ بھئی دیکھیے ایک ہے فعل معروف ایک ہے فعل مجہول۔ فعل معروف جو ہوتا ہے اس کا اسناد فاعل کی طرف ہوتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ اور آگے مثلاً مفعول آتا ہے عَمْرًا، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا زید نے عمرو کی پٹائی کی۔ یہ ضَرَبَ کون سا فعل ہے معروف یا مجہول؟ یہ فعل معروف ہے جس کا اسناد ہمیشہ کس کی طرف ہو گا؟ فاعل کی طرف۔ اور پھر ایک ہے فعل مجہول، فعل مجہول ضُرِبَ عَمْرٌو عمرو کی پٹائی کی گئی۔ فعل مجہول کا اسناد ہمیشہ کس کی طرف ہوتا ہے؟ مفعول کی طرف ہوتا ہے۔ دیکھیے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا فاعل کون، پٹائی کرنے والا کون؟ زید، اور پٹائی کس پر واقع ہوئی ہے؟ عمرو پر۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا پٹائی کرنے والا کون؟ زید اور پٹائی واقع کس پر ہوئی ہے؟ عمرو، تو عمرو مفعول ہے۔ اب ہم کیا کرتے ہیں اس زَيْدٌ فاعل کو حذف کر لیتے ہیں اور اس فعل معروف کو فعل مجہول بنا دیتے ہیں، کیا بن گیا؟ ضُرِبَ، اور اس کے بعد کیا تھا؟ عَمْرًا وہ مفعول تھا اس کو نائب الفاعل بنا دیتے ہیں، اس کی طرف فعل کا اسناد کر دیتے ہیں اور وہ مرفوع ہو جاتا ہے: ضُرِبَ عَمْرٌو۔ اب کیا ترجمہ ہو گا؟ ضُرِبَ عَمْرٌو عمرو کی پٹائی کی گئی۔ تو فعل مجہول کا اسناد ہمیشہ کس کی طرف ہوتا ہے؟ مفعول کی طرف بھئی، ہاں لیکن اس مفعول کو کہتے کیا ہیں؟ نائب فاعل کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ نائب فاعل کیونکہ اب وہ فعل کا مسند الیہ بن گیا، اس کی طرف فعل کا اسناد ہو گیا وہ فاعل کا قائم مقام ہو گیا۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟

جی دہرایئے بھئی میں تکرار کروا رہا ہوں آپ کی آواز مجھے کم آتی ہے: فعل معروف کا اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ فاعل کی طرف۔ اور فعل مجہول کا اسناد کس کی طرف؟ ہاں وہ میں سمجھانے کے لیے کہہ رہا تھا بات وہی ہے، ہے وہ مفعول ہی، فعل مجہول کا اسناد کس کی طرف؟ نائب الفاعل کی طرف ہوتا ہے اور یہ نائب الفاعل درحقیقت کیا ہے؟ مفعول ہے بھئی، مفعول ہے کیونکہ اس پر ضرب واقع ہوئی ہے اس پر یہ فعل واقع ہوا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ اب دیکھیے یہ جو فعل مجہول ہے اس کو بنایا ہی اس لیے گیا ہے کہ اس کا اسناد نائب الفاعل کی طرف کرنا ہے فاعل کی طرف کرنا ہی نہیں، تو ضُرِبَ عَمْرٌو ہی آپ کہیں گے، یہاں پر فاعل یعنی زید کا ذکر کیا ہی نہیں جا سکتا، اس کی طرف فعل کا اسناد کیا ہی نہیں جا سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ فعل مجہول کو بنایا ہی کس لیے گیا ہے؟ تو فعل مجہول کا اسناد ہوتا ہی کس کی طرف ہے؟ نائب فاعل کی طرف جو درحقیقت مفعول ہے، یہاں فاعل کا ذکر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس فعل مجہول کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا اسناد نائب الفاعل کی طرف کیا جائے یعنی مفعول کی طرف کیا جائے، تو یہاں پر فاعل کا ذکر ہو ہی نہیں سکتا، فاعل کا ذکر ہو ہی نہیں سکتا۔

جی اب آپ مجھے بتایئے میں آپ کے سامنے کہتا ہوں ضُرِبَ عَمْرٌو عمرو کی پٹائی کی گئی، بات پوری ہے یا پوری نہیں ہے؟ بات پوری ہے۔ کوئی لفظ یہاں محذوف ہے؟ کوئی لفظ محذوف نہیں ہے، کوئی لفظ محذوف نہیں۔ تو یہ دیکھو فعل مجہول کا اسناد ہے نائب الفاعل کی طرف اور نائب فاعل اس کے ساتھ جب ذکر ہے تو بات پوری ہے، نائب الفاعل کے بغیر تو وہ آ ہی نہیں سکتا کیونکہ فعل کے لیے مسند الیہ تو ضرور چاہیے تو نائب الفاعل یہاں پر کیا ہے؟ مسند الیہ ہے بھئی، تو وہ اس کے ساتھ ذکر ہے۔ لیکن اس کو بھی حذف میں سے شمار کیا گیا ہے! درحقیقت یہاں محذوف تو کوئی نہیں لیکن اس کو شمار کس میں سے کیا گیا؟ حذف میں سے شمار کیا گیا، گویا اصل میں کلام یوں تھا: اس وقت کیا ہے؟ ضُرِبَ عَمْرٌو، لیکن گویا بلاغت والے یوں کہتے ہیں اصل میں تو یہ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ہی تھا، اصل میں کیا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ہی تھا، پھر زَيْدٌ فاعل کو حذف کر لیا گیا اور ضَرَبَ کو فعل مجہول بنا دیا گیا، کیا کہا گیا؟ ضُرِبَ، اور عَمْرًا منصوب تھا مفعول تھا اس کو کیا بنا دیا گیا؟ نائب فاعل، تو کیا بن گیا کلام؟ ضُرِبَ عَمْرٌو۔ تو اب اس کو بھی حذف میں سے وہ شمار کرتے ہیں۔ ہے تو حقیقت میں یہاں کوئی حذف نہیں کیونکہ یہ تو فعل معروف ہے ہی نہیں، فعل معروف ہوتا ہم کہتے فاعل کدھر ہے اس کا وہ تو فاعل کے بغیر آ ہی نہیں سکتا، یہ تو ہے ہی فعل مجہول اس کا تو اسناد ہونا ہی کس کی طرف ہے؟ نائب الفاعل کی طرف، اور نائب الفاعل اس کے ساتھ ذکر ہے پھر بھی اس کو کس میں سے شمار کیا جاتا ہے؟ حذف میں سے کہ یہاں فاعل کو حذف کیا گیا ہے! تو فعل مجہول میں کبھی فاعل ذکر نہیں ہوتا تو یوں شمار کیا جاتا ہے گویا یہاں سے کیا کر لیا گیا؟ فاعل کو حذف کر لیا گیا، کسی نکتے کی بنا پر فاعل کو حذف کر لیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے وَيُعَدُّ مِنَ الْحَذْفِ اور شمار کیا گیا ہے حذف میں سے ہی کس چیز کو؟ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى نَائِبِ الْفَاعِلِ فعل کا جو اسناد ہے نائب فاعل کی طرف

کرنا، فعل کا اسناد یعنی فعل مجہول کا اسناد کرنا کس کی طرف؟ نائب فاعل کی طرف، اس کو بھی کس میں سے شمار کیا گیا ہے؟ حذف میں سے۔ حقیقت میں دیکھو خود بتلا دیا انہوں نے یہ ہے نہیں حذف میں سے لیکن اس کو شمار کس میں سے کیا گیا ہے؟ حذف میں سے۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ حذف میں سے نہیں ہے لیکن یُعَدُّ شمار کیا گیا ہے فَيُقَالُ پس کہا جاتا ہے حُذِفَ الْفَاعِلُ کہ فاعل کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔

بھئی کیوں حذف کیا گیا؟ حذف کے لیے تو ہمیشہ کیا چاہیے؟ کوئی نکتہ چاہیے، کوئی داعی چاہیے۔ وہ داعی کیا کیا ہو سکتے ہیں وہ چند ایک یہاں بھی ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں لِلْخَوْفِ مِنْهُ اس سے خوف ہونے کی وجہ سے، اس سے خوف ہونے کی وجہ سے۔ مثلاً دیکھیے آگے مثال آ رہی ہے: ایک شخص ہے اس کا سامان کسی نے چرا لیا، اس کا سامان کسی نے چرا لیا۔ اب ایک صورت یہ ہے آپ کو پتہ لگ گیا کہ فلاں نے چرایا ہے آپ یوں کہیں سَرَقَ فُلَانٌ مَتَاعَهُ، سَرَقَ فُلَانٌ الْمَتَاعَ فلاں نے کیا کیا؟ متاع یعنی سامان کو چرا لیا ہے۔ فلاں نے سامان کو چرا لیا، ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس فلاں کا نام باقاعدہ ذکر کریں مثلاً زید ہے اس آدمی کا نام جس نے چوری کی ہے آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟ سَرَقَ زَيْدٌ مَتَاعَهُ زید نے کیا کیا اس کا سامان چرا لیا۔ ایک صورت یہ ہے، لیکن آپ یوں نہیں کہتے کیونکہ آپ کو خود زید سے ڈر لگتا ہے، آپ کو اس کا خوف ہے کہ اگر میں اس کا نام ذکر کر دوں گا اس طرح سب کے سامنے تو کل کو ہو سکتا ہے وہ مجھے بھی کوئی نقصان نہ پہنچائے، لہٰذا اب آپ یوں کہتے ہیں سُرِقَ مَتَاعُهُ اس کا سامان چرا لیا گیا! فعل مجہول لے آئے بھئی، فعل معروف لائے ہی نہیں کیونکہ فعل معروف لاتے تو کس کو ذکر کرنا پڑتا؟ فاعل یعنی چوری کرنے والے کا نام ذکر کرنا پڑتا اور آپ کو تو اس سے خوف ہے، اس خوف کی وجہ سے آپ نے اس کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا اور فعل کون سا ذکر کیا؟ فعل مجہول اور اس کے لیے نائب فاعل کو ذکر کر دیا سُرِقَ الْمَتَاعُ وہ سامان چرا لیا گیا، کس نے چرایا وہ آپ نے ذکر نہیں کیا۔ اور آپ بھی اس طرح کرتے رہتے ہیں بھئی، بعض اوقات کیا کرتے ہیں ایک آدمی کا نام نہیں ذکر کرنا چاہتے آپ اس کے نام کو حذف کر لیتے ہیں، کیوں حذف کر لیتے ہیں؟ کیونکہ آپ کو اس کا خوف ہوتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہاں پر آپ فعل مجہول استعمال کر لیتے ہیں۔ نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟

■ قولہ: «حُذِفَ الْفَاعِلُ» کی تشریح

تو کہتے ہیں فَيُقَالُ پس کہا جاتا ہے حُذِفَ الْفَاعِلُ فاعل کو حذف کر لیا گیا لِلْخَوْفِ مِنْهُ اس سے خوف ہونے کی وجہ سے أَوْ عَلَيْهِ یا اس پر خوف ہے، لِلْخَوْفِ عَلَيْهِ۔ فاعل کو حذف کر لیا گیا کیوں؟ اس پر خوف ہے یعنی اس کے بارے میں خوف ہے! بھئی آپ نے اس لیے فاعل کو حذف کیا آپ نے کہا سُرِقَ الْمَتَاعُ سامان کو چرا لیا گیا، فاعل کا نام نہیں ذکر کیا۔ کیوں نہیں ذکر کیا؟ اس لیے نہیں کہ آپ کو اس سے ڈر لگتا ہے، آپ کو اس سے کوئی ڈر نہیں لگتا لیکن آپ نے پھر بھی اس کا نام نہیں ذکر کیا کیونکہ آپ کو اس کے بارے میں خوف ہے کہ اگر میں نے سب کو اس کا نام بتا دیا تو کوئی اس کو چھوڑے گا نہیں اس کو تکلیف پہنچائے گا! تو اس پر خوف ہے اس کے بارے میں آپ کو کیا ہے؟ خوف ہے۔ یہ معنی ہے أَوْ عَلَيْهِ أَيْ لِلْخَوْفِ عَلَيْهِ اس کے بارے میں آپ کو خوف ہے۔ عبارت پر نظر ہے بھئی؟ یہ مِنْهُ کی جگہ اٹھا کر عَلَيْهِ لگا دیں: لِلْخَوْفِ عَلَيْهِ کہ آپ کا اس پر خوف ہے۔

أَوْ لِلْعِلْمِ بِهِ یا فاعل کو حذف کر لیا گیا لِلْعِلْمِ بِهِ کیونکہ اس کا علم ہے سب کو اس کا پتہ ہے، جیسے دیکھیے آگے مثال آ رہی ہے: وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اب یہ نہیں کہا گیا خَلَقَ اللّٰهُ الْإِنْسَانَ، لفظ اللّٰهُ فاعل جو تھا اس کو حذف کر دیا گیا اور فعل مجہول کو ذکر کر دیا گیا۔ کیوں ذکر کیا گیا؟ کیونکہ سب کو فاعل کا علم ہے کہ یہ تخلیق والا فعل، یہ پیدا کرنے والا فعل کون کرتا ہے؟ یہ اللہ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہ معنی ہے حُذِفَ الْفَاعِلُ لِلْعِلْمِ بِهِ فاعل کو حذف کر لیا گیا کیونکہ اس کا علم ہے۔

أَوِ الْجَهْلِ یا فاعل کو اس لیے حذف کر لیا جاتا ہے کیونکہ فاعل مجہول ہوتا ہے اس کا علم ہی نہیں ہوتا پتہ ہی نہیں ہوتا، مثلاً آپ کہتے ہیں سُرِقَ الْمَتَاعُ سامان چرا لیا گیا۔ اب آپ نے فاعل کو نہیں ذکر کیا، فعل معروف نہیں لائے بلکہ فعل مجہول لائے۔ فعل معروف کیوں نہیں لائے؟ اس وجہ سے نہیں کہ آپ کو اس سے ڈر لگتا ہے یا آپ کو اس کے بارے میں ڈر لگتا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ آپ کو پتہ ہی نہیں ہے بھئی! سامان تو چوری کر لیا گیا لیکن آپ کو نہیں پتہ کس نے چوری کیا ہے، جب فاعل کا پتہ ہی نہیں ہے تو ذکر کیسے ہو سکتا ہے؟ تو لہٰذا آپ نے کیا کہہ دیا؟ سُرِقَ الْمَتَاعُ وہ سامان چرا لیا گیا ہے، تو یہاں فاعل کو حذف کیا گیا کس وجہ سے حذف کیا گیا؟ کیونکہ وہ مجہول ہے اس کا علم ہی نہیں ہے بھئی۔ یہ معنی ہے نَحْوُ سُرِقَ الْمَتَاعُ وہ سامان چرا لیا گیا وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا۔

بھئی یہ چند نکات ذکر کر دیے یہ صرف بات سمجھانے کے لیے، نکات بہت سے ہو سکتے ہیں۔ صرف یہی نکات نہیں ہیں حذف کے، حذف کے اور بھی نکات ہو سکتے ہیں موقع محل کے مطابق بھئی۔ ہاں یہ چند مثالیں ذکر کر دیں جن سے وضاحت ہو گئی بھئی آپ کو پتہ لگ گیا اچھا ان ان نکات کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر آپ غور کریں بھئی اور آپ خود اپنے کلام میں آپ غور کریں، تھوڑا سا ہی غور کریں گے آپ کو اندازہ ہو جائے گا بھئی کہ دیکھو یہ بھی نکتہ ہے یہ بھی نکتہ ہے، آپ خود بھی حذف کرتے ہیں بہت سے مواقع پر ایک چیز کو اور اس کے بہت سے نکتے ہوتے ہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۹: الباب الثالث في التقديم والتأخير: دواعیِ تقدیم (تشویق، تعجیلِ مسرت و مساءت، انکار و تعجب، سلوکِ سبیلِ ترقی)

دروس البلاغہ صفحہ: ۴۷ــــ بتاریخ: ادسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْبَابُ الثَّالِثُ فِي التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ۔ مِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ النُّطْقُ بِأَجْزَاءِ الْكَلَامِ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ بَعْضِ الْأَجْزَاءِ وَتَأْخِيرِ الْبَعْضِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا فِي نَفْسِهِ أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ مِنَ الْآخَرِ لِاشْتِرَاكِ جَمِيعِ الْأَلْفَاظِ مِنْ حَيْثُ هِيَ أَلْفَاظٌ فِي دَرَجَةِ الِاعْتِبَارِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

یہ تیسرا باب ہے بھئی تقدیم اور تاخیر کے بیان میں۔ کس کے بیان میں؟ تقدیم اور تاخیر کے بیان میں۔ پہلا باب آپ نے پڑھا خبر اور انشاء کے بیان میں تھا۔ دوسرا باب ذکر اور حذف کے نکات بیان ہوئے تھے اس کے اندر۔ اور یہ تیسرے باب میں اب تقدیم و تاخیر کو بیان کریں گے بھئی، تقدیم اور تاخیر کو۔ اور یہ علم المعانی آپ پڑھ رہے ہیں، آپ نے پڑھا تھا کہ اس میں آٹھ ابواب آئیں گے بھئی تو یہ تیسرا باب آج ہم شروع کر رہے ہیں، اس میں تقدیم اور تاخیر بیان کر رہے ہیں۔

بھئی دیکھیے ہم جب بھی کلام کرتے ہیں ہمارا کلام لفظوں سے مرکب ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، اب زَيْدٌ قَائِمٌ میں زَيْدٌ بھی ایک لفظ ہے اور اسی طرح قَائِمٌ بھی ایک لفظ ہے۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے سب کو علم ہے کہ تمام الفاظ کو اکٹھا زبان سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ جب میں نے آپ کو قیام زید کی خبر دینی ہے تو ضروری ہو گا کہ ایک لفظ کو مجھے مقدم کرنا پڑے گا اور دوسرے کو مؤخر کرنا پڑے گا۔ اگرچہ یہاں بعض اوقات تو کلام میں بہت سے الفاظ ہوتے ہیں اب یہاں صرف دو لفظ ہیں زَيْدٌ اور قَائِمٌ، لیکن میں ان دونوں پر اکٹھا ایک ہی آن میں، ایک ہی لمحے میں، بیک وقت دونوں پر میں تلفظ کر ہی نہیں سکتا۔ ایک وقت میں تو ایک ہی لفظ پر تلفظ ہو سکتا ہے اور پھر اس کے بعد ہی دوسرے لفظ پر تلفظ ہو سکتا ہے۔ تو جب ایک ہی آن کے اندر، ایک ہی وقت کے اندر لفظوں پر اکٹھا تکلم نہیں ہو سکتا، ان کو زبان سے ادا نہیں کیا جا سکتا تو لازمی بات ہے کسی لفظ کو مقدم کرنا پڑے گا اور کسی لفظ کو مؤخر کرنا پڑے گا بھئی، مؤخر کرنا پڑے گا۔

اب جس لفظ کو آپ مقدم کر رہے ہیں اس کے لیے کوئی داعی چاہیے کس وجہ سے آپ نے اس لفظ کو مقدم کیا، اور دوسرے لفظ کو آپ مؤخر کر رہے ہیں تو اس کے لیے داعی چاہیے کس وجہ سے آپ نے اس کو مؤخر کیا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ لہٰذا ایک لفظ کو مقدم کرنا پڑے گا اور باقی کو مؤخر کرنا پڑے گا، لیکن جس کو مقدم کر رہے ہیں اس کے لیے کوئی نکتہ چاہیے، کوئی وہاں نکتہ ہو کوئی داعی ہو جو اس بات کی طرف دعوت دے کہ اس لفظ کو مقدم ہونا چاہیے، ورنہ دیکھنے میں تو سارے لفظ ہی ہیں بھئی: زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ بھی لفظ قَائِمٌ بھی لفظ ہے بھئی۔ تو یہ زَيْدٌ کو مقدم کیوں کیا اور یہ قَائِمٌ کو مؤخر کیوں کیا اس کے لیے کوئی داعی ہونا چاہیے بغیر داعی کے نہیں، ورنہ تو سارے کیا ہیں لفظ آپس میں؟ برابر ہیں بھئی۔ زَيْدٌ بھی کیا ہے؟ ایک لفظ ہے، قَائِمٌ بھی کیا ہے؟ ایک لفظ ہے۔ تو بھئی آپ نے زَيْدٌ کو مقدم کیوں کیا؟ کوئی نکتہ چاہیے بغیر نکتے کے نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو دیکھیے یہی بات بیان کر رہے ہیں بھئی، کہتے ہیں الْبَابُ الثَّالِثُ فِي التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ یہ تیسرا باب ہے تقدیم اور تاخیر کے بیان میں، مِنَ الْمَعْلُومِ یہ معلوم باتوں میں سے ہے کہ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ النُّطْقُ کہ ممکن نہیں ہے تکلم کرنا، نُطْقٌ کا معنی ہے تکلم کرنا، بولنا: یہ معلوم باتوں میں سے ہے کہ ممکن نہیں ہے بولنا بِأَجْزَاءِ الْكَلَامِ کلام کے اجزاء کو دَفْعَةً وَاحِدَةً ایک ہی مرتبہ میں۔ کیا بتلا رہے ہیں یہ؟ کہ یہ معلوم باتوں میں سے ہے کہ کلام کے اجزاء پر ایک ہی مرتبہ میں تکلم کرنا ممکن نہیں،

ان سب کو ہم ایک ہی وقت میں زبان سے ادا نہیں کر سکتے یہ معلوم اور ظاہر سی بات ہے۔بَلْ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ بَعْضِ الْأَجْزَاءِ وَتَأْخِيرِ الْبَعْضِ بلکہ ضروری ہے بعض اجزائے کلام کو مقدم کرنا اور بعض اجزاء کو مؤخر کرنا، پھر ہی تکلم ہو سکے گا کہ بعض کو آپ مقدم کر دیں اور بعض کو مؤخر کر دیں۔

وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا فِي نَفْسِهِ أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ مِنَ الْآخَرِ۔ أَوْلَى، اولی کا کیا معنی ہوتا ہے؟ زیادہ لائق۔أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ مقدم ہونے کے زیادہ لائق۔ عبارت پر نظر ہے بھئی؟أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ کا کیا معنی؟ مقدم ہونے کے زیادہ لائق۔ تو دیکھیے ترجمہ:وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا فِي نَفْسِهِ اور ان میں سے کوئی بھی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ یعنی مقدم ہونے کے زیادہ لائق نہیں ہے مِنَ الْآخَرِ دوسرے کے مقابلے میں۔ بھئی آپ کلام کرنے لگے ہیں اب آپ کا کلام کس سے مرکب ہے؟ الفاظ سے، اس میں کئی الفاظ آئیں گے۔ اب ان میں اگر آپ دیکھیں تو ہر ایک لفظ ہے، کوئی بھی دوسرے سے زیادہ مقدم ہونے کے لائق نہیں:زَيْدٌ بھی لفظ،قَائِمٌ بھی کیا ہے؟ لفظ۔ تو جب دونوں لفظ ہیں تو لفظ ہونے کی حیثیت سے تو دونوں برابر ہیں، کسی ایک کو بھی ترجیح دیتے ہوئے مقدم کیا جائے تو یہ درست نہیں ہے بھئی کیونکہ یہ بھی لفظ ہے،زَيْدٌ بھی جیسے لفظ ہے اور قَائِمٌ بھی کیا ہے؟ لفظ ہے۔ تو صرف ان کی ذات پر اگر نظر کی جائے تو ان کی ذات کے اعتبار سے کوئی ایک بھی زیادہ لائق نہیں ہے کہ اس کو دوسرے پر کیا کر دیا جائے؟ مقدم کر دیا جائے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا اور ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے فِي نَفْسِهِ اپنی ذات کے اعتبار سے أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ مقدم ہونے کے زیادہ لائق مِنَ الْآخَرِ دوسرے کے مقابلے میں لِاشْتِرَاكِ جَمِيعِ الْأَلْفَاظِ مِنْ حَيْثُ هِيَ أَلْفَاظٌ فِي دَرَجَةِ الِاعْتِبَارِ بوجہ شریک ہونے تمام الفاظ کے، اس وجہ سے کہ تمام الفاظ کیا ہیں؟ شریک ہیں۔ کس چیز میں شریک ہیں بھئی؟ کہتے ہیں مِنْ حَيْثُ هِيَ أَلْفَاظٌ اس حیثیت سے کہ یہ کیا ہیں؟ الفاظ ہیں۔ سارے اس بات میں تو سب شریک ہیں:زَيْدٌ بھی لفظ،قَائِمٌ بھی لفظ، تو لفظ ہونے میں تو سب شریک ہیں مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے هِيَ أَلْفَاظٌ یہ الفاظ ہیں فِي دَرَجَةِ الِاعْتِبَارِ کس میں؟ درجہ اعتبار میں۔ آپ نے صرف کس چیز کا اعتبار کیا؟ صرف لفظ ہونے کا، باقی چیزوں کو نہیں دیکھنا ابھی، صرف کس چیز کا اعتبار کر رہے ہیں؟ لفظ ہونے کا اعتبار کر رہے ہیں۔ بھئی بعد میں ایک کو آپ مبتدا بناتے ہیں، ایک کو خبر بناتے ہیں، یا کوئی اور داعی آ جاتا ہے جس کی وجہ سے آپ مقدم کرتے ہیں پھر تو آپ نے اور چیزوں کی بھی رعایت رکھ لی، اور چیزوں کا اعتبار ابھی نہیں کرنا، اس سے قطع نظر درجہ اعتبار میں صرف کس چیز کا اعتبار کر رہے ہیں آپ؟ لفظ ہونے کا، جیسے پہلا لفظ دوسرا بھی لفظ، تیسرا آئے گا وہ بھی لفظ، چوتھا آئے گا وہ بھی کیا ہو گا؟ لفظ۔ تو لفظ ہونے کے اعتبار سے تو سارے برابر ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے پر مقدم ہونے کے زیادہ لائق نہیں ہے بھئی۔

■ قولہ:«وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا فِي نَفْسِهِ أَوْلَى...» کی تشریح

یہ معنی ہے، دیکھیے دوبارہ ترجمہ:وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا فِي نَفْسِهِ أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ مِنَ الْآخَرِ لِاشْتِرَاكِ جَمِيعِ الْأَلْفَاظِ مِنْ حَيْثُ هِيَ أَلْفَاظٌ فِي دَرَجَةِ الِاعْتِبَارِ اور ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اپنی ذات کے اعتبار سے وہ مقدم ہونے کے زیادہ لائق نہیں ہے دوسرے کے مقابلے میں اس وجہ سے کہ شریک ہیں تمام الفاظ اس حیثیت سے کہ یہ الفاظ ہیں فِي دَرَجَةِ الِاعْتِبَارِ کس چیز میں؟ درجہ اعتبار میں۔ تو اس میں یہ سارے شریک ہیں:لِاشْتِرَاكِ جَمِيعِ الْأَلْفَاظِ فِي دَرَجَةِ الِاعْتِبَارِ کہ تمام الفاظ شریک ہیں، کس چیز میں شریک ہیں؟ درجہ اعتبار میں، یعنی آپ نے کس چیز کا اعتبار کیا ہے؟ لفظ ہونے کا اعتبار کیا ہے، اس میں تو سارے شریک ہیں اور نکتوں سے قطع نظر، اور چیزوں سے قطع نظر اس میں سارے الفاظ شریک ہیں مِنْ حَيْثُ هِيَ أَلْفَاظٌ اس حیثیت سے کہ یہ الفاظ ہیں بھئی۔

فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ هٰذَا عَلَى ذَاكَ مِنْ دَاعٍ يُوجِبُهُ پس ضروری ہوا، فَلَا بُدَّ پس ضروری ہے مِنْ تَقْدِيمِ هٰذَا اس لفظ کو مقدم کرنا یعنی کوئی ایک لفظ جس کو آپ مقدم کر رہے ہیں تو ضروری ہے اس ایک کو مقدم کرنے کے لیے عَلَى ذَاكَ اس دوسرے لفظ پر مِنْ دَاعٍ کسی ایسے داعی کا ہونا يُوجِبُهُ أَيْ يُثْبِتُهُ جو کیا کرے اس کو؟ ثابت کرے۔ تو يُوجِبُ کس معنی میں ہے؟ يُثْبِتُ کے معنی میں ہے، أَوْجَبَ يُوجِبُ یہ يُثْبِتُ کے معنی میں عبارتوں میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ تو کہتے ہیں فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ هٰذَا عَلَى ذَاكَ مِنْ دَاعٍ يُوجِبُهُ پس ضروری ہوا اس لفظ کو مقدم کرنا عَلَى ذَاكَ اس دوسرے لفظ پر مِنْ دَاعٍ يُوجِبُهُ کسی ایسے داعی کی وجہ سے جو اس کو ثابت کرے۔ کس کو ثابت کرے؟ اس کی تقدیم کو، جو اس کے مقدم ہونے کو ثابت کرے۔ بھئی دیکھیے دو لفظ ہیں آپ کے پاس تو ایک لفظ کو آپ مقدم کر رہے ہیں تو اس مقدم جس کو آپ کر رہے ہیں اس کے لیے کوئی ایسا داعی ہونا چاہیے جو اس کے مقدم ہونے کو ثابت کرے، ایسا داعی ہو جو آپ کو کیا بتلائے کہ اس لفظ کو کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور دوسرے کو کیا ہونا چاہیے؟ مؤخر ہونا چاہیے۔ یہ معنی ہے فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ هٰذَا عَلَى ذَاكَ مِنْ دَاعٍ يُوجِبُهُ لہٰذا ضروری ہوا اس لفظ کو مقدم کرنے کے لیے دوسرے لفظ پر کسی ایسے داعی کا ہونا يُوجِبُهُ جو اس کو ثابت کرے۔

فَمِنَ الدَّوَاعِي تو ان دواعی میں سے یعنی تقدیم کے دواعی میں سے، وہ چیزیں وہ نکات جن کی وجہ سے کسی لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ آپ کلام ذکر کرنے لگے وہ کئی الفاظ سے مرکب ہے، اب کسی لفظ کو مقدم کرنا پڑے گا اور باقیوں کو کیا کرنا پڑے گا؟ مؤخر، تو تقدیم کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ کوئی داعی چاہیے۔ اب وہ دواعی مختلف ہیں، کیا کیا دواعی ہو سکتے ہیں جس کی وجہ سے کسی لفظ کو مقدم ذکر کیا جاتا ہے کلام کے اندر اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں فَمِنَ الدَّوَاعِي ان دواعی میں سے، کون سے دواعی میں سے؟ تقدیم کے دواعی میں سے جو ہے التَّشْوِيقُ إِلَى الْمُتَأَخِّرِ۔ تشویق کا معنی ہے شوق دلانا، رغبت دلانا:التَّشْوِيقُ إِلَى الْمُتَأَخِّرِ وہ جو متاخر بعد میں آنے والا ہے، جو متاخر ہے اس کی طرف شوق دلانا۔ پہلے ایک لفظ کو مقدم کر دیا، کیوں مقدم کر دیا؟ جو بعد میں آنے والا لفظ ہے اس کی طرف آپ سننے والے

کو رغبت دلا رہے ہیں، شوق دلا رہے ہیں۔ پہلا لفظ سنتے ہی اس کے دل میں دوسرا لفظ سننے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔

بات سمجھ میں آئی، نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟ ایک لفظ کو کیوں مقدم کیا جاتا ہے؟ اس لفظ کو مؤخر بھی کیا جا سکتا تھا لیکن اس لفظ کو آپ نے مقدم کر دیا، کیوں مقدم کیا؟ تاکہ سننے والے کو آپ شوق دلائیں، وہ خود ہی اس کے دل میں طلب پیدا ہو جائے اگلے آنے والے لفظ کی۔ اور جب طلب پیدا ہو جائے گی، پہلا لفظ سنتے ہی اس کے دل میں شوق اور طلب پیدا ہوئی، کس چیز کی طلب؟ آگے آنے والے لفظوں کی طلب پیدا ہوئی، تو جب شوق اور طلب کے بعد اگلے لفظ آ جائیں گے تو وہ اس کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائیں گے۔ کیونکہ یہ ظاہر سی بات ہے بغیر شوق اور بغیر طلب کے جو الفاظ وہ سنے گا، جو بات وہ سنے گا، جو اس کے ذہن میں آئے گی وہ اسی طرح جلدی نکل بھی جائے گی کیونکہ وہ بغیر شوق اور بغیر طلب کے ہے، لیکن جب شوق اور طلب کے بعد ایک چیز اسے حاصل ہو گی اب وہ جلدی ذہن سے نہیں نکلے گی، ایک تو ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی اور پھر ذہن سے جلدی نہیں نکلے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض اوقات کسی لفظ کو کیا کیا جاتا ہے؟ مقدم کیا جاتا ہے، مقدم کرنے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ کہ سننے والے کو شوق دلایا جائے۔ کس چیز کا شوق دلایا جائے؟ جو لفظ بعد میں آ رہے ہیں ان کا شوق یعنی جن لفظوں کو آپ نے مؤخر کر دیا ہے ان کا اس کے دل میں شوق پیدا کر دیا جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے التَّشْوِيقُ إِلَى الْمُتَأَخِّرِ شوق دلانا إِلَى الْمُتَأَخِّرِ اس لفظ کی طرف جو مؤخر ہے إِذَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُ مُشْعِرًا بِغَرَابَةٍ جس وقت کہ متقدم آگے ہونے والا، جس لفظ کو آپ نے کیا کیا ہے؟ آگے کیا ہے، مقدم کیا ہے، جبکہ وہ مقدم لفظ مُشْعِرًا، أَشْعَرَ يُشْعِرُ کا معنی ہے خبر دینا، اطلاع دینا: جبکہ آگے ہونے والا لفظ جو ہے وہ خبر دے رہا ہو بِغَرَابَةٍ کسی انوکھے پن کی۔ غرابت کہتے ہیں انوکھا ہونا، عجیب ہونا: جبکہ مقدم ہونے والا لفظ جو ہے وہ انوکھے ہونے کی خبر دے رہا ہو۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ بعض اوقات کیا کیا جاتا ہے؟ ایک لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے، کیوں مقدم کیا جاتا ہے؟ کیونکہ آپ سننے والے کو یعنی مخاطب کو رغبت دلانا چاہتے ہیں بعد والے لفظ کی، اور یہ کس وقت ہو گا؟ إِذَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُ مُشْعِرًا بِغَرَابَةٍ جبکہ مقدم ہونے والا لفظ جو ہے وہ خبر دے رہا ہو کسی انوکھی چیز کی، انوکھا ہونے کی خبر دے رہا ہو۔ کس چیز کی؟ کہ آگے ایک انوکھی بات آنے والی ہے، یہ کس کے اندر آ گیا؟ جس کو آپ نے مقدم کیا اسی میں کیا آیا؟ کہ آگے ایک انوکھی بات، اسی سے اندازہ ہو گیا پہلے لفظوں کو سنتے ہی اندازہ ہو گیا کہ آگے کوئی انوکھی بات آنے والی ہے۔ جب پہلے لفظوں کو سنتے ہی سننے والے کو اندازہ ہو گیا اس کو پتہ لگ گیا آگے کوئی انوکھی بات آنے والی ہے تو اب اس کی آنکھیں کھل جائیں گی، کان کھڑے ہو جائیں گے، دماغ متوجہ ہو جائے گا کہ کیا انوکھی چیز آگے آنے والی ہے! اب جب اس کے دل میں طلب ہوئی شوق پیدا ہو گیا ذہن متوجہ ہو گیا، اب جب اگلے لفظ آئیں گے وہ خوب اچھی طرح اس کے دل میں بیٹھ جائیں گے، بات اچھی طرح اس کو سمجھ میں آ جائے گی اور دیر تک اس کے ذہن میں رہے گی۔ نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ معنی ہے إِذَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُ مُشْعِرًا بِغَرَابَةٍ جبکہ مقدم ہونے والا لفظ وہ خبر دے رہا ہو انوکھا ہونے کی۔

نَحْوُ مثال کے طور پر، دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی بھئی: وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ اور وہ چیز کہ حیران ہے، بَرِيَّةٌ مخلوق کو کہتے ہیں بھئی: وَالَّذِي اور وہ چیز حَارَتِ الْبَرِيَّةُ کہ حیران ہے مخلوق فِيهِ اس کے بارے میں۔ اب دیکھیے بھئی انہوں نے کیا کہا؟ اس نکتے کو بھی ذہن میں رکھنا اور پھر اس مثال پر بھی ہم منطبق کرتے ہیں کیسے: نکتہ کیا تھا؟ داعی تقدیم پہلا کیا ذکر کیا؟ شوق دلانا بعد والے لفظ کی طرف، اور کیسے شوق دلانا؟ کہ جو مقدم لفظ ہوا ہے وہ انوکھا ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ اب جب میں نے کہا وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ اور وہ چیز جس کے بارے میں تمام مخلوق حیران ہے، دیکھیے فوراً آپ کی بھی توجہ ہو گئی کہ بھئی آگے کیا بات آنے والی ہے کیونکہ اس کے اندر ہی بتلا دیا گیا وہ چیز جس کے بارے میں ساری مخلوق حیران ہے! دیکھا؟ ساری مخلوق حیران ہے دیکھو معلوم ہوا آگے جو بات آ رہی ہے وہ کوئی انوکھی ہے جبھی تو سارے حیران ہو رہے ہیں اس کے اندر بھئی! صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو مقدم الفاظ تھے انہوں نے آگے آنے والے لفظوں کا شوق پیدا کر دیا سننے والے کے دل میں، اور شوق کس طرح پیدا کیا؟ کیونکہ انہی لفظوں سے آپ کو پتہ چل گیا آگے کوئی انوکھی چیز آنے والی ہے۔ کس طرح انہی لفظوں سے پتہ چلا کہ انوکھی چیز، انوکھی بات آنے والی ہے؟ اسی کے اندر دیکھا حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ جس کے بارے میں تمام مخلوق حیران ہے، بس جب سارے حیران ہیں معلوم ہوا کوئی انوکھی ہی چیز ہے بھئی، انوکھی ہی بات ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ» کی تشریح

تو شاعر کہتا ہے وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ اور وہ چیز کہ حیران ہے ساری مخلوق فِيهِ اس کے اندر حَيَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ ایک ایسا حیوان ہے مُسْتَحْدَثٌ جو پیدا ہونے والا ہے مِنْ جَمَادٍ کس سے؟ جمادات، بے جان چیز سے۔ بھئی کچھ چیزیں ہیں ان کو حیوانات کہا جاتا ہے، کچھ چیزیں ہیں ان کو نباتات کہا جاتا ہے، کچھ چیزیں ہیں ان کو جمادات کہا جاتا ہے۔ حیوانات تو آپ بھی جانتے ہیں یہ انسان، یہ چرند پرند، یہ جانور جو ہیں، یہ پرندے ہیں یہ سارے کیا ہیں؟ حیوانات ہیں جن میں زندگی اور شعور وغیرہ آپ کو دکھائی دیتا ہے جو حرکت وغیرہ کرتے آپ کو دکھائی دیتے ہیں یہ سارے کیا ہیں؟ حیوانات۔ اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں ہیں درخت، پودے، گھاس وغیرہ ان کو کیا کہتے ہیں؟ نباتات، ان کو نباتات کہا جاتا ہے درخت پودے وغیرہ۔ اور ان کے علاوہ جو باقی چیزیں ہیں وہ جمادات کہلاتی ہیں بے جان چیزیں بھئی، پتھر وغیرہ یہ سب چیزیں بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ جماد سے مراد کیا ہے؟ بے جان چیز بھئی، جمادات یعنی۔ حَيَوَانٌ تو کہتے ہیں وہ ایک ایسا حیوان ہے مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ جو پیدا ہونے والا ہے بے جان چیز سے۔ وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ اور وہ چیز کہ حیران ہے ساری مخلوق اس کے بارے میں حَيَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ

جَمَادِ وہ ایک ایسا حیوان ہے جو پیدا ہونے والا ہے جمادات سے یعنی بے جان چیزوں سے۔

یہاں بھئی حیوان سے مراد ہے انسان بھئی، اور انسان جب وہ آخرت میں قیامت کے روز اللہ تعالی تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے اور پھر اپنے اعمال کا جواب دینا پڑے گا، نیک لوگ جنت میں چلے جائیں گے اہل ایمان بھئی اور کفار اور مشرکین کو کہاں ڈال دیا جائے گا؟ جہنم کے اندر۔ تو یہ آخرت میں جو اللہ کا عظیم نظام جس میں تمام انسانوں کو کیا کیا جائے گا؟ دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس کا شاعر ذکر کر رہا ہے کہ وہ ایک ایسا حیوان جو پیدا ہونے والا ہے جمادات سے، یعنی آخرت میں جب انسان کو پیدا کیا جائے گا کس سے؟ جمادات بے جان چیز سے یعنی مٹی سے۔ تمام انسان تو مر چکے اور گل کر مٹی بن چکے، پھر اس مٹی اور بے جان سی چیز سے اللہ تعالی اس کو دوبارہ پیدا فرمادیں گے۔ تو یہ ایک ایسی چیز ہے یہ حیوان، یہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں ساری مخلوق کیا ہے؟ حیران ہے بھئی۔ چنانچہ اسی لیے اہل ایمان اس کو تسلیم کرتے ہیں مانتے ہیں، اور اہل کفر اور اہل شرک اس کو نہیں مانتے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ایک چیز جب مٹی ہو جائے زمین کے ساتھ بالکل مل جائے ختم ہو جائے نیست و نابود ہو جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے دوبارہ اس کو وجود ملے گا اور دوبارہ اس میں روح ڈالی جائے گی، یہ ممکن ہی نہیں ہے وہ کہتے ہیں۔ تو دیکھیے یہ حیرت کی بات ہے جبھی تو اس کے اندر کیا ہوئے؟ انسانوں کے دو گروہ بن گئے، کچھ اس کو تسلیم کرتے ہیں کچھ اس کو تسلیم نہیں کرتے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ وہ آخرت کی زندگی کی طرف اشارہ ہے اور یہ شاعر کے ماقبل کے اشعار سے اس کا اندازہ ہوتا ہے بھئی، اس کے اندر اس نے یہ بات تفصیل سے ذکر کی ہے۔ تو کہتا ہے وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ اور وہ چیز کہ حیران ہے مخلوق اس کے بارے میں حَيَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادِ ایک ایسا حیوان ہے جو پیدا ہونے والا ہے بے جان چیز سے۔

تو مقام استشہاد کیا ہے؟ وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ۔ ترکیب کیا ہو گی بھئی؟ الَّذِي اسم موصول، حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ یہ سارا جملہ اس کا صلہ، موصول صلہ مل کر مبتدا، اور آگے حَيَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادِ یہ کیا ہے؟ اس کی خبر۔ تو یہاں پر مبتدا یہ اسم موصول اس کو مقدم کیا گیا، اور کیوں مقدم کیا گیا؟ کیونکہ شاعر آگے آنے والی خبر جو تھی حَيَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ وغیرہ اس کی طرف سننے والوں کو رغبت دلا رہا ہے۔ اور کیسے رغبت دلا رہا ہے؟ کیونکہ یہ جو مبتدا ہے الَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ یہ خبر دے رہا ہے کہ آگے ایک انوکھی بات آنے والی ہے، ایک انوکھی بات ذکر ہونے والی ہے کیونکہ اسی کے اندر کیا ذکر کر دیا گیا؟ حَارَتِ الْبَرِيَّةُ ساری مخلوق اس میں کیا ہے؟ حیران ہے، جب ساری مخلوق حیران ہے معلوم ہوا کوئی انوکھی ہی بات ہے بھئی اور اسی کا آگے ذکر آ رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَتَعْجِيلُ الْمَسَرَّةِ أَوِ الْمَسَاءَةِ نَحْوُ الْعَفْوُ عَنْكَ صَدَرَ بِهِ الْأَمْرُ أَوِ الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِي۔ وَتَعْجِيلُ الْمَسَرَّةِ أَوِ الْمَسَاءَةِ، مَسَرَّةٌ کہتے ہیں خوشی کو، خوشی، اور مَسَاءَةٌ کہتے ہیں تکلیف، غم اور دکھ کو بھئی۔ تو دواعی تقدیم ذکر ہو رہے ہیں: بعض اوقات کسی لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے اس کے مقدم ہونے میں کیا نکتہ ہوتا ہے؟ تَعْجِيلُ الْمَسَرَّةِ آپ دوسرے کو یعنی سننے والے کو جلدی خوشی دینا چاہتے ہیں۔ تعجیل کا معنی جلدی کرنا، تو آپ اس کو جلدی خوشی دینا چاہتے ہیں۔ بھئی اس لفظ کو اگر مؤخر کر دیں پھر بھی اس کو خوشی ہو گی لیکن پھر آخر میں جا کے خوشی ہو گی، آپ اس کو جلدی خوشی دینا چاہتے ہیں تو اس لفظ کو ہی آپ مقدم کر دیتے ہیں۔

مثلاً دیکھیے آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا کہیں مقدمہ چل رہا ہے، مقدمہ چل رہا ہے بھئی۔ اب وہ اس سلسلے میں بڑی پریشانی میں مبتلا ہے کہ پتہ نہیں اس مقدمے سے میری جان چھوٹتی ہے یا اس کے اندر مجھے سزا ہوتی ہے۔ اب آپ کو اطلاع ملی کہ اس کی معافی کا اعلان ہو گیا ہے، اب یہی خبر آپ اس کو جا کر سناتے ہیں۔ تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: عدالت نے آپ کی معافی کا اعلان کر دیا ہے۔ عدالت نے آپ کی معافی کا اعلان، اب دیکھیے عدالت نے یہ لفظ آپ شروع میں لے کر آئے اور آپ کی معافی اس کو آخر میں لے کر آئے۔ اب بھی جب بات پوری سنے گا وہ یقیناً خوش ہو جائے گا بھئی کہ اس کی معافی کا اعلان ہو گیا ہے، لیکن یہی خوشی آپ اس کو جلدی دینا چاہتے ہیں چنانچہ اب آپ آپ کی معافی اس لفظ کو مقدم کر دیتے ہیں: آپ کی معافی کا اعلان عدالت نے کر دیا ہے۔ تو دیکھو کس لفظ کو مقدم کیا؟ آپ کی معافی۔ اب اس لفظ کو مقدم کیا، اس لفظ کو سنتے ہی جیسے ہی وہ پہلا لفظ سنتا ہے آپ کی معافی وہ اس سے نیک فالی مراد لیتا ہے۔ پہلے ہی لفظ اس کے کان میں جو پڑے وہ کیا تھے؟ آپ کی معافی، کہ یہ تو شروع میں ہی اچھے لفظ آ گئے تو وہ نیک فالی مراد لیتا ہے کہ یقیناً آگے بھی اچھی ہی بات آنے والی ہے تو وہ پہلے سے ہی خوش ہو جاتا ہے، اور پھر بات پوری ہوتی ہے تو واقعی آگے خوشی کی بات ہوتی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دیکھیے آپ یوں کہیں: عدالت نے آپ کی معافی کا اعلان کر دیا ہے، اب آپ نے مقدم کیا یا مؤخر کیا؟ مؤخر کیا، خوش اب بھی وہ ہو گا لیکن آپ اس کو جلدی خوش کرنا چاہتے ہیں تو جلدی خوش کرنے کے لیے کیا کریں؟ آپ کی معافی یعنی اس اچھے لفظ کو مقدم کر دیں جو خوش کن لفظ ہے جو خوش کر دینے والا لفظ ہے، تو اس سے اب تعجیل مسرت ہوئی جلدی آپ نے اس کو خوشی دے دی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ جلدی خوشی ہو گئی۔

دیکھیے وَتَعْجِيلُ الْمَسَرَّةِ اور جلدی خوش کرنے کے لیے أَوِ الْمَسَاءَةِ یا مساءت کہتے ہیں تکلیف بھئی، یا جلدی کسی کو تکلیف دینے کے لیے۔ اس کا عکس کر لیں: اب ایک خبر ہے آپ اپنے کسی مخالف کو دینا چاہتے ہیں، مخالف کو۔ مثلاً وہ مقدمہ چل رہا ہے اور اس میں عدالت نے اس کے خلاف قصاص کا فیصلہ کر دیا، مثلاً قتل کا کوئی مقدمہ تھا کہ اب یہ جس نے قتل کیا تھا اس کو بھی کیا کیا جائے؟ قتل کیا جائے۔ اب دیکھیے اب آپ اس کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں اس کو تکلیف دینا چاہتے ہیں کہ عدالت نے قصاص کا فیصلہ کر دیا ہے، لیکن اب اس صورت میں قصاص کا لفظ آخر میں ہے، اب بھی وہ غم میں تو مبتلا ہو گا لیکن جب پوری بات سنے گا تب غم میں مبتلا ہو گا۔ اور سنانے والا کیا کرنا چاہتا ہے اس کو؟ جلدی تکلیف دینا چاہتا ہے تو وہ قصاص کے لفظ کو مقدم کر دیتا ہے کہ قصاص کا فیصلہ عدالت نے کر دیا۔ اب دیکھیے قصاص شروع میں جیسے ہی لفظ آئے گا وہ سنے گا کہ یہ تو اچھا لفظ شروع میں نہیں آیا تو بد فالی مراد لے گا کہ یقیناً آگے کوئی بری ہی خبر آنے والی ہے اور پھر آگے واقعی بری خبر آ گئی، تو وہ پہلے لفظ کو سنتے ہی بد فالی مراد لیتے ہوئے غمزدہ ہو جاتا ہے۔ کیا ہو جاتا ہے؟ غمزدہ ہو جاتا ہے۔

■ قولہ: «السَّفَّاحُ فِي دَارِ صَدِيقِكَ۔ سَفَّاحٌ» کی تشریح

یادوسری مثال لے لیجیے: مثلاً آپ کسی کو اطلاع دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں السَّفَّاحُ فِي دَارِ صَدِيقِكَ۔ سَفَّاحٌ کہتے ہیں خونریز، بہت خون بہانے والا آدمی بھئی، یا یوں کہیں بہت بڑا قاتل کہہ لیں، تو آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟ السَّفَّاحُ وہ بڑا خونریز آدمی جو ہے فِي دَارِ صَدِيقِكَ آپ کے دوست کے گھر میں ہے۔ یہ السَّفَّاحُ کو آپ نے مقدم کیا، کیوں؟ کیونکہ اس لفظ کے اندر یہ اچھے معنی والا لفظ ہے یا برا معنی ہے اس کا؟ اس کا برا معنی ہے۔ تو یہ آپ نے السَّفَّاحُ کو کیوں مقدم کیا؟ کیونکہ آپ جو سن رہا ہے جو مخاطب ہے اس کو جلدی تکلیف دینا چاہتے ہیں۔ آپ اس کو یوں کہہ لیں فِي دَارِ صَدِيقِكَ السَّفَّاحُ آپ کے دوست کے گھر میں ہے وہ بڑا خونریز آدمی، اس صورت میں بھی وہ غمزدہ ہو گا کہ میرے ساتھی کے گھر وہ شخص آیا ہے لیکن آپ اس کو جلدی تکلیف دینا چاہتے ہیں تو کیا کریں گے؟ السَّفَّاحُ کو مقدم کر دیں گے۔ تو مؤخر کر دیں تکلیف پھر بھی، لیکن سنانے والا کیا چاہتا ہے صرف تکلیف یا جلدی تکلیف دینا چاہتا ہے؟ وہ جلدی تکلیف دینا چاہتا ہے تو اس لفظ کو مقدم کر دیتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ معنی ہے وَتَعْجِيلُ الْمَسَرَّةِ أَوِ الْمَسَاءَةِ اور جلدی خوش کرنے کے لیے أَوِ الْمَسَاءَةِ یا جلدی تکلیف دینے کے لیے نَحْوُ مثال کے طور پر الْعَفْوُ عَنْكَ، عَفْوٌ کہتے ہیں معافی کو: الْعَفْوُ عَنْكَ آپ کی جو معافی ہے صَدَرَ بِهِ الْأَمْرُ، صَدَرَ صادر ہو گیا ہے بِهِ اس کا الْأَمْرُ حکم: آپ کی معافی اس کا حکم صادر ہو گیا ہے یعنی اس کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ یہ تو کس کی مثال ہے؟ تعجیل مسرت کی۔ یہاں پر الْعَفْوُ عَنْكَ آپ کی معافی دیکھو اس لفظ کو مقدم کر دیا گیا اگرچہ یوں بھی کہا جا سکتا تھا صَدَرَ الْأَمْرُ بِالْعَفْوِ عَنْكَ، صَدَرَ الْأَمْرُ بِالْعَفْوِ عَنْكَ یوں بھی کہا جا سکتا تھا لیکن آپ جلدی خوشی دینا چاہتے تھے اس لیے آپ نے الْعَفْوُ عَنْكَ کو کیا کر دیا؟ مقدم کر دیا۔ أَوِ الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِي یہ تعجیل مساءت کی مثال ہے: الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِي قصاص کہ فیصلہ کر دیا اس کا قاضی نے۔ القصاص کو مقدم کیا، کیوں مقدم کیا؟ تعجیل مساءت کے لیے جلدی تکلیف دینے کے لیے، ورنہ یوں بھی کہا جا سکتا تھا حَكَمَ الْقَاضِي بِالْقِصَاصِ قاضی نے فیصلہ کر دیا قصاص کا، لیکن سنانے والا جلدی تکلیف دینا چاہتا تھا اس لیے الْقِصَاصُ لفظ کو مقدم کر دیا۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھئی: ایک لفظ سننے سے کوئی خوش نہیں ہوتا! آپ نے ایک لفظ کو مقدم کر دیا الْعَفْوُ عَنْكَ آپ کی معافی، بھئی جب تک کوئی بات پوری نہ ہو دوسرا کیسے خوش ہو گا؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ دیکھیے توجہ سے سننا بھئی بڑی گہری بات کرنے لگا ہوں۔ دیکھیے آپ جب کسی کو کہتے ہیں آپ کی معافی، ابھی تو بات ہی نہیں پوری ہوئی! ابھی تو بات ہی پوری نہیں ہوئی اور جب بات پوری ہو گی تو کوئی دوسرا خوش ہوتا ہے، بات پوری ہو گی تو پھر ہی غمزدہ ہوتا ہے۔ تو صرف الْقِصَاصُ صرف اس لفظ میں خوش کر دینے والی یا غمزدہ کر دینے والی بات نہیں، صرف آپ کی معافی ویسے تو اس میں کوئی خوش کرنے والی بات نہیں کیونکہ ابھی بات ہی پوری نہیں۔ دیکھو یہی جملہ ہے میں کہتا ہوں کسی کو: آپ کی معافی کا اعلان نہیں ہوا! اب بتاؤ یہ اچھی خبر ہے بری خبر ہے؟ بری خبر ہے، تو صرف آپ کی معافی یہ تو ضروری نہیں آگے اچھی ہی خبر آئے، جب بات پوری ہو گی پھر ہی دوسرا خوش ہو گا یا کیا ہو گا؟ غمزدہ۔ لیکن یہاں کیا ذکر کیا جا رہا ہے کتاب میں؟ ایک لفظ کو مقدم کرتے ہیں، کیوں مقدم کیا جاتا ہے؟ جلدی خوش کرنے کے لیے! بھئی ایک لفظ سے تو کبھی کوئی جلدی نہیں خوش ہوتا جب تک بات پوری نہ ہو جائے، بات پوری ہو گی تو پتہ چلے گا یہ اچھی خبر ہے یا بری خبر ہے۔ جیسے وہ الْقِصَاصُ تھا، الْقِصَاصُ صرف ایک الْقِصَاصُ اس کے آگے کیا خبر تھی؟ قصاص کا قاضی نے فیصلہ کر دیا ہے، اسی میں اگلی خبر دوسری بنالو: قصاص کی معافی کا اعلان ہو گیا ہے! دیکھو وہی خبر کیا بن گئی؟ اچھی بن گئی خوشی والی بن گئی!

تو لہٰذا جب تک بات پوری، توجہ ہے سبق کی طرف؟ جب بات پوری ہو گی دوسرا تبھی خوش ہو گا، جب پوری بات وہ سن لے گا مبتدا بھی سن لے گا اور خبر بھی یا یوں کہیں مسند اور مسند الیہ دونوں کو سن لے گا پھر بات پوری ہو گی، اب وہ اچھی خبر ہوئی تو اس پر خوش ہو جائے گا وہ غم والی خبر ہوئی تو اس پر کیا ہو گا وہ؟ غمزدہ ہو جائے گا۔ لیکن یہاں کیا کہا جا رہا ہے نکتہ کیا بیان ہو رہا ہے؟ ایک لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے دوسرے کو جلدی خوش کرنے کے لیے یا دوسرے کو جلدی غمزدہ کرنے کے لیے، حالانکہ ایک لفظ اس میں تو ابھی بات ہی پوری نہیں ہے! میں نے مثال ذکر کر دی مثلاً صرف ایک مثال کو ذہن میں رکھیں: آپ کی معافی، آگے دونوں طرح کی خبر آسکتی ہے یا نہیں، خوشی والی بھی غم والی بھی؟ پہلی صورت خوشی والی کیسے بنے گی؟ آپ کی معافی کا اعلان کر دیا گیا ہے، یہ اب خوشی والی خبر۔ اور اسی میں غم والی خبر بھی ہو سکتی ہے: آپ کی معافی اس کا اعلان قاضی نے نہیں کیا! صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا جب تک بات پوری نہیں ہو گی تو اس وقت تک دوسرا خوش یا غمزدہ نہیں، جب بات پوری ہو جائے گی اب وہ خوشی والی بات ہو گی تو اس پر وہ خوش ہو جائے گا غم والی بات ہو گی تو اس پر غمزدہ۔

تو صرف ایک لفظ سے ابھی پوری بات کا پتہ نہیں چلتا، تو پھر یہاں کیسے بھئی تعجیل مسرت کیسے؟ تو یاد رکھنا یہ میں اسی لیے نیک فالی اور بد فالی کا لفظ بار بار بول رہا تھا کہ سامع سننے والا جو ہے اس کے سامنے جب پہلا لفظ آتا ہے ابھی بات پوری تو نہیں ہوئی لیکن ایک لفظ آگیا، وہ لفظ کیسا ہے؟ وہ لفظ اچھا ہے: الْعَفْوُ عَنْكَ آپ کی معافی، تو وہ اس سے نیک فالی مراد لیتا ہے اچھا شگون مراد لیتا ہے کہ شروع میں اتنا اچھا لفظ آیا امید ہے آگے بھی کیا ہو گا؟ اچھی ہی بات آئے گی اور پھر واقعی آگے بھی اچھی ہی بات آگئی فرض کریں صورت ایسی ہے۔ تو یہاں یہ جو خوش ہوا ایک لفظ سے وہ کس بنا پر؟ نیک فالی مراد لی ہے، بات ابھی نہیں پوری ہوئی بات کا تو پتہ آخر میں جا کر چلے گا جب دوسرا لفظ بھی آجائے گا تو یہ جو جلدی خوش ہوتا ہے وہ کس بنا پر ہوتا ہے؟ نیک فالی مراد لیتا ہے کہ یقیناً آگے اچھی بات آنے والی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یا دوسرا غمزدہ ہوتا ہے

الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِي، تو یہ الْقِصَاصُ سنتے ہی وہ دوسرا غمزدہ ہوتا ہے۔ کیوں غمزدہ ہوتا ہے ابھی تو بات پوری نہیں ہوئی، لیکن غمزدہ کیوں ہوا؟ بدفالی مراد لیتا ہے کہ شروع میں اتنا برا لفظ آگیا معلوم ہوا آگے بھی کوئی اچھی بات آنے والی نہیں ہے کوئی بری ہی بات آنے والی ہے۔ یا آپ نے کسی کو کہا السَّفَّاحُ فِي دَارِ صَدِيقِكَ اس نے جیسے ہی سنا السَّفَّاحُ بہت خونریز آدمی، اس نے فوراً بدفالی لی اس سے کہ بس شروع میں اتنا برا لفظ آیا کلام کے تو یقیناً آگے بھی کوئی بری ہی بات آنے والی ہے۔ تو یہاں جو تعجیل مسرت اور تعجیل مساءت وہ کس وجہ سے ہے؟ نیک فالی اور بدفالی کی وجہ سے ہے، خود ابھی بات تو پوری نہیں ہوئی بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے وَتَعْجِيلُ الْمَسَرَّةِ أَوِ الْمَسَاءَةِ اور جلدی خوشی دینے کے لیے أَوِ الْمَسَاءَةِ یا تکلیف دینے کے لیے نَحْوُ الْعَفْوُ عَنْكَ صَدَرَ بِهِ الْأَمْرُ کہ آپ کی معافی صادر ہو گیا ہے اس کا حکم، أَوِ الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِي قصاص کہ فیصلہ کر دیا ہے اس کا قاضی نے۔

■ قولہ: «وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ...» کی تشریح

وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ وَالتَّعَجُّبِ اور متقدم یعنی مقدم ہونے والا لفظ جو ہے اس کا مَحَطَّ الْإِنْكَارِ اور تعجب ہونا: وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ وَالتَّعَجُّبِ، یہ مَحَطَّ كَوْنُ کے لیے خبر ہے بھئی تو اس کو منصوب پڑھنا وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ وَالتَّعَجُّبِ کہ متقدم یہ جو لفظ مقدم ہوا ہے وہ مَحَطٌّ، مَحَطٌّ اسم ظرف کا صیغہ ہے، حَطَّ يَحُطُّ کے معنی اترنا، کسی جگہ نازل ہونا، تو مَحَطٌّ کہتے ہیں اترنے کی جگہ، نازل ہونے کی جگہ، یوں کہیں اسٹیشن بھئی۔ مَحَطٌّ کا کیا معنی ہے؟ اسٹیشن۔ اچھا یہ تو لفظی ترجمہ اور ایک ہے مَحَطُّ الْكَلَامِ، مَحَطُّ الْكَلَامِ یہ استعمال ہوتا ہے کتابوں میں۔ مَحَطُّ الْكَلَامِ کہتے ہیں کلام کا جو مرکزی نکتہ ہوتا ہے یعنی جس پر کلام کا مدار ہوتا ہے، یوں کہیے۔ مَحَطُّ الْكَلَامِ کسے کہتے ہیں؟ جس پر کلام کا دارومدار ہوتا ہے، کلام کے اندر جو مرکزی چیز ہوتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَحَطُّ الْكَلَامِ، کلام کی مرکزی چیز، کلام کا جس پر مدار ہے۔

جی اب دیکھیے بھئی نکتہ یہ بیان ہو رہا ہے: بعض اوقات کسی لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے، کیوں؟ کیونکہ وہ جو مقدم ہونے والا لفظ ہے اسی پر کلام کا مدار ہے۔ کیا ہے کلام کا؟ مدار۔ لیکن یہاں کیا ہے کلام میں کس چیز کا مدار؟ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ وَالتَّعَجُّبِ انکار اور تعجب کا مدار اسی پر ہے۔ بھئی آپ ایک کلام کرتے ہیں اور اس کلام کے اندر انکار ہے، کیا ہے؟ انکار، یا اس کلام کے اندر تعجب ہے، تعجب کا اظہار کر رہے ہیں آپ ایک چیز پر۔ تو اس میں آپ ایک لفظ کو مقدم کر دیتے ہیں، کیوں مقدم کرتے ہیں؟ کیونکہ یہ جو آپ انکار کر رہے ہیں یہ جو آپ تعجب کر رہے ہیں اس کا مدار اس مقدم پر ہے۔ اس کا مدار کس پر ہے؟ یہ تعجب کس وجہ سے ہے؟ یہ جو لفظ شروع میں مقدم کیے یہ جو مفہوم ادا کر رہے ہیں اس کی وجہ سے کیا ہے؟ انکار ہے بھئی۔ دیکھیے مثال سے خوب وضاحت ہو جائے گی۔

کہتے ہیں نَحْوُ أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ۔ ہمزہ استفہام کا، أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ کیا طویل تجربے کے بعد، لمبے تجربے کے بعد تَنْخَدِعُ آپ دھوکہ کھا جاتے ہیں؟ انْخَدَعَ کا کیا معنی؟ دھوکہ کھانا: تَنْخَدِعُ آپ دھوکہ کھا جاتے ہیں بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ۔ زَخَارِفُ زیب و زینت کی چیزیں۔ زَخَارِفُ کسے کہتے ہیں؟ زیب و زینت کی چیزیں، بلکہ یوں کہیے چمکتی ہوئی چیزیں جن سے انسان دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اچھا أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ کیا طویل تجربے کے بعد آپ دھوکہ کھا جاتے ہیں ان زیب و زینت کی چیزوں سے یا یوں کہیں ان چمکتی ہوئی چیزوں سے؟ آپ نے کسی شخص سے کیا کہا؟ کیا اتنے لمبے تجربے کے بعد آپ چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں؟ سوال پہ نظر ہے؟ دیکھیے اب آپ نے کیا کہا؟ کیا آپ اتنے طویل تجربے کے بعد چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں؟ یہ استفہام ہے اور ہے استفہام انکاری، یعنی آپ کو چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ آپ سوال پوچھ نہیں رہے بلکہ دراصل یہاں کیا کر رہے ہیں؟ انکار کر رہے ہیں کہ آپ کو چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے بھئی۔ یا آپ تعجب کا اظہار کر رہے ہیں، تعجب کا کہ طویل تجربے کے بعد بھی آپ چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں؟ تو یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اپنے تعجب کا اظہار کر رہے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہاں پر اب کئی لفظ تھے ان میں سے جس چیز کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں یا جس چیز کی وجہ سے آپ تعجب کر رہے ہیں اس لفظ کو آپ مقدم کر دیتے ہیں۔ دیکھیے أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ، دیکھیے یہاں تین چیزیں ہیں اس جملے میں: بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ، تَجْرِبَةٌ جیم ساکن ہے را کے نیچے کسرہ ہے بھئی، أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ پہلی چیز یہ طویل تجربے کے بعد۔ کتنی چیزیں ہیں کلام میں؟ تین: طویل تجربے کے بعد یہ پہلی چیز، تَنْخَدِعُ یہ دوسری چیز آپ دھوکہ کھا جاتے ہیں، بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ ان چمکتی ہوئی چیزوں سے یہ تین چیزیں۔ کتنی چیزیں ہیں کلام میں؟ تین چیزیں ہیں: پہلی کیا؟ بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ اتنے لمبے تجربے کے بعد یہ پہلی چیز۔ دوسری چیز، توجہ ہے سبق کی طرف؟ دوسری چیز کیا؟ تَنْخَدِعُ آپ دھوکہ کھا جاتے ہیں یہ دوسری چیز۔ تیسری چیز کیا؟ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ ان چمکتی ہوئی چیزوں سے۔

اب آپ جس وجہ سے انکار اور تعجب کر رہے ہیں اس کو مقدم کر دیں گے ان تینوں میں سے۔ اگر آپ کا تعجب اس لیے ہے، آپ کا انکار اس وجہ سے ہے، آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے؟ کہ لمبے تجربے کے بعد یہ مخاطب کیسے دھوکہ کھا گیا! کس کے بعد؟ لمبے تجربے کے بعد دھوکہ کیسے کھا گیا، تو یہاں حیرت کس وجہ سے ہے؟ لمبے تجربے کے بعد دھوکہ کھانے پر حیرت ہے، لہٰذا بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ اس کو مقدم کر دیا۔ اور اگر آپ کو حیرت ہے چمکتی ہوئی چیز سے دھوکہ کھانے پر، لمبے تجربے کی بات نہیں بلکہ حیرت کس وجہ سے ہے آپ کو؟ کہ چمکتی ہوئی چیز سے اس نے کیسے دھوکہ کھا لیا، تو اب آپ یوں کہیں گے، جس پر تعجب کا مدار ہے یا انکار کا مدار ہے اس کو مقدم کریں گے،

اب یوں کہیں گے: أَبِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ تَنْخَدِعُ بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ۔ توجہ ہے؟ اب میں نے کس کو مقدم کیا ہمزہ کے بعد؟ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ، أَبِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ اور آگے تَنْخَدِعُ پھر لایا اور بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ کو آخر میں لے گیا۔ اب کیا سوال ہوا؟ کیا آپ ان چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں لمبے تجربے کے بعد؟ اب انکار اور تعجب کا باعث کیا ہے؟ یہ چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ کھانا، اسی لیے آپ نے اس کو مقدم کیا۔ اور اگر صرف دھوکہ کھانے پر ہی آپ کو حیرت ہے کہ دھوکہ کھایا کیسے آپ نے تو اب پھر آپ یوں کہیں گے: أَتَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ۔

نظر ہے جملے پر؟ اب کتاب کے جملے پر ذرا نظر رکھو مجھے بتایئے: مجھے حیرت ہوئی ہے ایک آدمی کے دھوکہ کھانے پر، نفس دھوکہ کھانے پر، میں کیسے کہوں گا، کس لفظ کو لاؤں گا ہمزہ کے بعد؟ تَنْخَدِعُ کو، سمجھ میں آیا بھئی؟ یوں کہوں گا أَتَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ۔ یہ ہمزہ کے بعد تَنْخَدِعُ لفظ آیا اس لفظ کو آپ نے مقدم کر دیا، معلوم ہوا آپ کے انکار اور تعجب کا مدار تَنْخَدِعُ دھوکہ کھانے پر ہے، آپ کو حیرت ہوئی دھوکہ کیسے کھالیا آپ نے۔ اور اگر میں انکار کر رہا ہوں اور تعجب کر رہا ہوں چمکتی ہوئی چیز سے دھوکہ کھانے پر، اب میں کیسے کہوں گا؟ أَبِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ، دیکھو اب میں کس کو مقدم کر دوں گا؟ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ کو مقدم کر دوں گا۔ یہ اس کا مقدم ہونا ہی بتلا دے گا کہ معلوم ہوا کہ مجھے حیرت کس وجہ سے ہے؟ چمکتی ہوئی چیز سے دھوکہ کھانے پر، چمکتی ہوئی چیز سے۔ اور اگر مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ لمبے تجربے کے بعد تم نے کیسے دھوکہ کھایا، نفس دھوکہ کھانے پر حیرت نہیں دھوکہ تو ہر ایک کھالیتا ہے بات کیا ہے؟ اتنے لمبے تجربے کے بعد کیسے دھوکہ کھایا، تو اب میں کیسے کہوں گا؟ أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ معلوم ہوا کہ جس پر کلام کا مدار ہے، جو کلام کا مرکزی نکتہ ہے یعنی مثلاً یہاں پر جو انکار اور تعجب کا جس پر مدار ہے اس کو کیا کریں گے؟ مقدم کر دیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟

■ قولہ: «وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ...» کی تشریح

یہ معنی ہے وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ وَالتَّعَجُّبِ نَحْوُ أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ: وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ اور مقدم لفظ جو ہے اس کا ہونا، کیا ہونا اس کا؟ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ وَالتَّعَجُّبِ تعجب اور انکار کا مدار کہ وہ مقدم لفظ کیا ہے؟ انکار اور تعجب کا مدار ہے، اسی پر مدار ہے انکار اور تعجب کا نَحْوُ مثال کے طور پر أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ کیا لمبے تجربے کے بعد آپ دھوکہ کھا جاتے ہیں ان زیب و زینت کی چیزوں سے؟

جی چوتھا نکتہ بیان ہو رہا ہے: وَسُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي أَيِ الْإِتْيَانُ بِالْعَامِّ أَوَّلًا ثُمَّ الْخَاصِّ بَعْدَهُ۔ وَسُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي اور ترقی کے راستے پر چلنا۔ سُلُوكٌ کا معنی چلنا، سَبِيلٌ راستہ: ترقی کے راستے پر چلنا۔ بھئی بعض اوقات آپ کیا کرتے ہیں کلام کے اندر ایک لفظ کو مقدم کر دیتے ہیں، کیوں مقدم کرتے ہیں؟ کیونکہ آپ ترقی کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں، یعنی پہلے عام کو لانا چاہتے ہیں پھر اس کے بعد خاص کو لانا چاہتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے زیادہ خاص کو لانا چاہتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آئی؟ یعنی یوں کہیں ادنی سے اعلی کی طرف آپ ترقی کر رہے ہیں کلام کے اندر بھئی، کلام کے اندر آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کے پاس تین چار لفظ ہیں، تین چار چیزیں ہیں: ایک ذرا ادنی درجے کی، ایک متوسط درجے کی، ایک اعلی درجے کی۔ اب آپ کلام میں تینوں کو ذکر کر سکتے ہیں جس طرح چاہیں ذکر کر دیں، لیکن بلاغت کا نکتہ یہ ہے کہ آپ پہلے کس کو لے کر آئیں؟ ادنی کو، پھر اس سے اعلی، پھر اس سے اعلی تاکہ ترقی کے راستے پر، ترقی کے طریقے پر ذکر ہو جائے۔ کس طریقے پر ذکر ہو جائے؟ ترقی کے طریقے پر، سب سے پہلے کس کو ذکر کر دیں؟ ادنی کو، پھر اس کے بعد اعلی تو دیکھو ترقی ہوئی یا نہیں ہوئی؟ ادنی سے اعلی کی طرف کلام کے اندر ترقی، پھر اس کے بعد اس سے اعلی تو دیکھو یہ آپ ترقی کے راستے پر کہ ادنی سے اعلی کی طرف چلتے جا رہے ہیں آپ بھئی۔ اس کو کہتے ہیں سُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي ترقی کے راستے پر چلنا یعنی کلام کے اندر، کلام کے اندر ترقی کے راستے پر چلنا۔ خود بتلا رہے ہیں کیا معنی ہے سُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي: أَيِ الْإِتْيَانُ بِالْعَامِّ أَوَّلًا یعنی لانا عام کو پہلے ثُمَّ الْخَاصِّ بَعْدَهُ اس کے بعد خاص کو لے کر آنا۔ پہلے کس کو لانا؟ ایک عام کو، ایسا لفظ جس میں عموم ہے، ثُمَّ الْخَاصِّ بَعْدَهُ اس کے بعد خاص لفظ یعنی ایسا لفظ جس میں خصوص ہے۔

دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی: بھئی آپ علم بلاغت پڑھ رہے ہیں، علم بلاغت، اور علم بلاغت کے اندر آپ نے پڑھا کہ کلام بلیغ اس کلام کو کہتے ہیں جو فصیح بھی ہو، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، جو فصیح بھی ہو اور مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو۔ فصیح بھی ہو اور مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو، بلیغ کلام کسے کہتے ہیں؟ جو مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو۔ اور ایک ہے فصیح، فصیح کلام کس کو کہتے تھے؟ فصیح کلام وہ آپ نے پڑھا جس میں وہ پیچھے کئی عیوب ذکر ہوئے تھے ان عیبوں میں سے کوئی عیب اس کلام کے اندر نہ ہو اس کو کیا کہتے تھے؟ فصیح کہتے تھے بھئی۔ ذہن میں آیا بھئی؟ ہاں وہ کلام فصیح کہلاتا تھا۔ اور ایک ہے کلام صحیح بھئی۔ کلام صحیح کسے کہتے ہیں؟ جو عربی قوانین کے مطابق ہو یعنی مبتدا خبر وغیرہ سارے کیا ہوں اس کے اندر؟ موجود ہوں اور نحوی قانون کے مطابق ہے تو اس کو کہیں گے کلام صحیح۔ اور اگر وہ عربی قوانین کے مطابق نہیں تو وہ کلام صحیح سرے سے ہے ہی نہیں، اور یہاں بلاغت کے اندر غیر صحیح کلام یعنی غلط کلام کی گنجائش تو ہے ہی نہیں۔ سب سے پہلے کلام کو صحیح ہونا چاہیے، اس کے بعد وہ فصیح بھی ہونا چاہیے جس میں وہ عیوب جو ذکر ہوئے ان میں سے کوئی عیب نہ پایا جائے۔ تو کلام صحیح بھی ہو یعنی تمام قوانین کے مطابق ہو، پھر وہ فصیح بھی ہو کہ اس میں وہ جو عیب ذکر ہوئے وہ عیب اس کے اندر نہ ہوں، پھر اس کے بعد یہ فصیح کلام مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو تو پھر یہ کیا کہلائے گا؟ بلیغ کہلائے گا۔ تو تین لفظ آگئے ہمارے پاس: ایک ہے لفظ صَحِيحٌ، ایک ہے لفظ فَصِيحٌ، ایک ہے لفظ بَلِيغٌ بھئی۔ اب ان تینوں کو میں اپنے کلام کے اندر ذکر کرنا چاہتا ہوں، کیا کرنا چاہتا ہوں؟ کلام میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ تو

کہنے والا کسی طرح بھی تینوں کو ذکر کر دے لیکن بلاغت کا طریقہ کیا ہے؟ پہلے ادنی، پھر اعلی، پھر اس سے اعلی، یعنی یوں کہو پہلے عام، پھر جو خاص ہے، پھر اس کے بعد جو اس سے زیادہ خاص ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی میرے پاس یہ تین کلام میرے سامنے رکھے ہوئے ہیں، نظر آرہے ہیں ساروں کو؟ ہاں بطور مثال کے یہ تین کلام ہیں میرے سامنے بھئی۔ یہ تینوں صحیح ہیں، یہ تینوں کیا ہیں؟ صحیح کلام۔ لیکن ان میں سے یہ والے دو کلام ان میں وہ عیب بھی نہیں وہ جو پانچ چھ عیب پیچھے ذکر ہوئے تھے، تو یہ دو فصیح بھی ہیں۔ اور وہ جو تیسرا ہے اس میں ایک عیب پایا جارہا ہے تو وہ صحیح تو ہے لیکن فصیح نہیں۔ صحیح اس لیے کیونکہ عربی قوانین کے مطابق ہے لیکن کوئی ایسا لفظ اس میں آگیا جو زبان پر ثقیل ہے مثلاً، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو عربی قانون کے تو مطابق ہے کلام تو صحیح ہے لیکن فصیح نہیں، جبکہ یہ باقی دو کلام کیا ہیں؟ فصیح ہیں یعنی ان میں کوئی عیب بھی نہیں ہے ان چھ سات عیبوں میں سے۔ اچھا اس کے بعد ان دو فصیح کلاموں میں سے ایک کلام جو فصیح ہے وہ مقتضائے حال کے بھی مطابق ہے لیکن دوسرا مقتضائے حال کے مطابق نہیں، تو جو مقتضائے حال کے مطابق ہے وہ بلیغ بھی ہوا، وہ کیا ہوا؟ بلیغ بھی ہوا۔

اب آپ مجھے بتایئے اس تین کلاموں میں بلیغ کتنے؟ ایک۔ اچھا اور فصیح کتنے ہیں؟ دو فصیح ہیں۔ اور صحیح کتنے؟ تینوں صحیح ہیں۔ تو بتایئے عموم کس میں زیادہ ہے؟ صحیح میں، صحیح سب سے زیادہ عام ہے کہ ہو سکتا ہے ایک کلام نہ بلیغ ہو نہ فصیح ہو لیکن کیا ہو؟ صحیح ہو جیسے ان میں ایک کلام تھا۔ لیکن کوئی کلام فصیح ہو یا بلیغ ہو اور صحیح نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے کبھی؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، جو فصیح ہو گا وہ بھی صحیح ہو گا جو بلیغ ہو گا وہ بھی کیا ہو گا؟ صحیح ہو گا۔ اچھا معلوم ہوا سب سے زیادہ عموم کس کے اندر؟ صحیح کے اندر۔ اس کے بعد خاص جو ہے، خصوص وہ کس کے اندر ہے؟ فصیح کے اندر، تین میں سے کتنے فصیح تھے؟ دو فصیح تھے۔ اس سے زیادہ پھر خصوص کس کے اندر؟ بلیغ میں، کیونکہ بلیغ کلام جو ہے وہ صحیح بھی ہونا چاہیے اور فصیح بھی ہونا چاہیے لہذا ہر بلیغ فصیح ہو گا لیکن ہر فصیح بلیغ نہیں! ابھی آپ نے دیکھا ایک کلام کیا ہے؟ صحیح بھی ہے فصیح بھی ہے لیکن بلیغ نہیں، تو فصیح کے لیے بلیغ ہونا ضروری نہیں لیکن بلیغ کے لیے فصیح ہونا ضروری ہے۔ معلوم ہوا سب سے زیادہ عام کون سا؟ صحیح۔ اس سے کم عام کون سا؟ فصیح یعنی وہ خاص ہے اس کے مقابلے میں۔ اور سب سے زیادہ خاص کون؟ بلیغ ہے، بلیغ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب میں کلام کے اندر ان تینوں کو ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ تو کون کون سے تین لفظ ذکر کرنا چاہتا ہوں؟ صَحِيحٌ بھی، بَلِيغٌ بھی اور فَصِيحٌ بھی۔ تو کسی ایک کو مقدم کرنا پڑے گا اور کسی ایک کو مؤخر۔ تو یہاں پر ترقی کے طریقے پر ذکر کیا جائے گا اور کس طریقے پر؟ اولاً پہلے کس کو ذکر کریں گے؟ سب سے ادنی کون ہے ان میں؟ صَحِيحٌ۔ اس سے اعلی کون؟ فَصِيحٌ۔ اس سے اعلی؟ بَلِيغٌ۔ لہذا یوں کہوں گا: هٰذَا كَلَامٌ صَحِيحٌ فَصِيحٌ بَلِيغٌ۔ هٰذَا كَلَامٌ صَحِيحٌ فَصِيحٌ بَلِيغٌ، یہ ہے دیکھو ترقی کا طریقہ یعنی پہلے ادنی کو ذکر کیا جائے پھر اس سے اعلی کو اور پھر اس سے اعلی کو ذکر کیا جائے بھئی۔

▪ قولہ: «وَسُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي» کی تشریح

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے وَسُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي وہ داعی تقدیم کیا ہو گا؟ ترقی کے راستے پر چلنا أَيِ الْإِتْيَانُ بِالْعَامِّ أَوَّلًا ثُمَّ الْخَاصِّ بَعْدَهُ یعنی عام کو اولاً لے کر آنا پھر اس کے بعد خاص کو لے کر آنا لِأَنَّ الْعَامَّ إِذَا ذُكِرَ بَعْدَ الْخَاصِّ لَا يَكُونُ لَهُ فَائِدَةٌ اس لیے کیونکہ عام جو ہے جب اس کو خاص کے بعد ذکر کر دیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ بھئی ترقی کا طریقہ کیا ہے کلام کے اندر؟ ادنی کو پہلے ذکر کیا جائے اور اعلی کو بعد میں۔ لہذا کس کو مقدم کریں گے عام کو مقدم کریں گے یا خاص کو؟ عام کو مقدم کریں گے، توجہ ہے بھئی؟ عام مقدم اور خاص مؤخر۔ اس کا عکس نہیں کریں گے، اگر عام کو مؤخر کر دیا اور خاص کو مقدم کر دیا پھر کوئی فائدہ ہی نہیں لانے کا! کیسے؟ اگر میں کیا کہوں: هٰذَا كَلَامٌ بَلِيغٌ فَصِيحٌ صَحِيحٌ، اس طرح کہتا ہوں تو لانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ آپ نے میرے سامنے ایک جملہ کہا تھا میں نے آپ کا جملہ سنتے ہی کہا هٰذَا یہ جو آپ کا کلام ہے اس کی طرف میں نے اشارہ کیا، میں نے کہا هٰذَا كَلَامٌ صَحِيحٌ فَصِيحٌ بَلِيغٌ۔ لیکن اس کے بجائے اگر میں کیا کہوں؟ هٰذَا كَلَامٌ بَلِيغٌ فَصِيحٌ صَحِيحٌ، میں نے کیا کیا؟ عکس کیا یعنی خاص کو پہلے ذکر کیا بَلِيغٌ کو، اس سے کم جو خاص تھا فَصِيحٌ اس کے بعد ذکر کیا یعنی عام کو، اور اس سے زیادہ جو عام تھا اس کو سب سے آخر میں، اب یہ عام لانے کا فائدہ ہی کوئی نہیں!

ذرا پہلے والی صورت بناؤ دیکھو: بھئی ایک کلام صحیح ہو تو کیا اس کا فصیح ہونا ضروری ہے؟ نہیں۔ اور ایک کلام فصیح ہو تو کیا اس کا بلیغ ہونا ضروری ہے؟ نہیں یہ بھی ضروری نہیں۔ لہذا جب میں نے پہلے کہا تھا هٰذَا كَلَامٌ صَحِيحٌ، جب صَحِيحٌ کہا تھا تو کیا اس صَحِيحٌ سے پتہ چلا تھا کہ وہ فصیح ہے یا نہیں؟ اس میں تو دونوں احتمال تھے، لہذا آگے جب آیا فَصِيحٌ ایک نیا فائدہ حاصل ہوا کہ صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کلام کیا ہے؟ فصیح بھی ہے۔ پھر کیا فصیح کے لیے بلیغ ہونا ضروری ہے؟ فصیح کے لیے تو بلیغ ہونا ضروری نہیں، اگر وہی فصیح مقتضائے حال کے مطابق ہے تو بلیغ ہے اگر مقتضائے حال کے مطابق نہیں تو بلیغ نہیں، لہذا فَصِيحٌ کہا تو بلیغ کا پتہ نہیں۔ لہذا اب جب میں بَلِيغٌ کا لفظ لاؤں گا تو ایک اور فائدہ حاصل ہو جائے گا کہ معلوم ہوا یہ جو فصیح کلام ہے یہ مقتضائے حال کے بھی مطابق ہے۔ تو دیکھو ہر لفظ سے نیا نیا فائدہ آتا جائے گا جب آپ ترقی کے طریقے پر چلیں گے: صَحِيحٌ سے فصیح کا پتہ نہیں تھا فَصِيحٌ کا لفظ آیا اس سے فصیح کا پتہ چل گیا، پھر اس کے بعد بلیغ ہونے کا پھر بھی پتہ نہیں تھا اگلا لفظ بَلِيغٌ آیا تو

کس کا پتہ چل گیا؟ بلیغ کا پتہ چل گیا۔

لیکن اگر آپ اس کا عکس کریں پھر دیکھو یہ ترتیب ہی خراب ہو جائے گی۔ مثلاً میں کیا کہتا ہوں؟ هٰذَا كَلَامٌ بَلِيغٌ فَصِيحٌ صَحِيحٌ، اب جب میں نے کہہ دیا بَلِيغٌ شروع میں ہی لے آیا تو بلیغ کسے کہتے ہیں؟ جو صحیح بھی ہو اور فصیح بھی ہو۔ تو اس بَلِيغٌ کے اندر ہی صحیح بھی آ گیا، بَلِيغٌ کے اندر ہی فصیح بھی آ گیا، بَلِيغٌ کے اندر ہی مقتضائے حال کے جو مطابق ہوتیوں چیزیں آ گئیں۔ تو اسی کے اندر فصیح آیا یا نہیں آیا؟ آیا، اور کیا آیا؟ صحیح بھی آ گیا۔ اب جب میں آگے فَصِيحٌ لاتا ہوں کوئی نیا فائدہ ہوا؟ نہیں وہ تو بَلِيغٌ سے ہی پتہ چل گیا تھا بلیغ کہتے ہی اس کو ہیں جو فصیح بھی ہو اور صحیح بھی ہو، تو لہذا آگے جب فَصِيحٌ لے کر آیا اس کا لانا بیکار ہوا کوئی فائدہ نہیں اس کے لانے کا۔ اس کے بعد آخر میں میں صَحِيحٌ لے کر آیا کوئی فائدہ ہوا؟ نہیں بَلِيغٌ سے ہی کیا پتہ چل گیا تھا؟ کہ صحیح بھی ہے اور فصیح بھی ہے۔ لہذا اس صورت میں جب پہلے خاص کو ذکر کر دیا جائے اور پھر عام کو لایا جائے تو عام کے لانے کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن اگر عام کو پہلے لایا جائے اور اس کے بعد خاص کو لایا جائے تو پھر کیا ہو گا؟ فائدہ ہو گا، سننے والے کو ہر لفظ سے نیا نیا فائدہ ہوتا چلا جائے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

یہی بات ذکر کر رہے ہیں: لِأَنَّ الْعَامَّ إِذَا ذُكِرَ بَعْدَ الْخَاصِّ اس لیے کیونکہ عام جب اس کو ذکر کیا جائے خاص کے بعد، کس کو؟ عام کو کس کے بعد؟ خاص کے بعد، تو یہ ترقی کا طریقہ ہے یا عکس ہے یہاں؟ عکس ہے، تو لَا يَكُونُ لَهُ فَائِدَةٌ تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ نَحْوُ مثال کے طور پر بھئی، اب مثال ذکر کر رہے ہیں سُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي کی بھئی: هٰذَا الْكَلَامُ صَحِيحٌ فَصِيحٌ بَلِيغٌ، تو دیکھو صَحِيحٌ پہلے ہے بعد میں فَصِيحٌ آیا نیا فائدہ حاصل ہوا پھر بَلِيغٌ آیا تو نیا فائدہ حاصل ہوا۔ فَإِذَا قُلْتَ پس جب آپ نے یہ کہا، اب دیکھو عکس کریں گے: فَإِذَا قُلْتَ فَصِيحٌ بَلِيغٌ، جب آپ نے کہا فَصِيحٌ، صرف ایک کی ترتیب بدل رہے ہیں میں نے تو ساروں کی ترتیب بدل دی تھی کیا کیا تھا؟ بَلِيغٌ کو پہلے فَصِيحٌ کو اس کے بعد اور صَحِيحٌ کو اس کے بعد، یہ صرف ایک لفظ سے سمجھا رہے ہیں کہتے ہیں اگر آپ یوں کہیں فَصِيحٌ بَلِيغٌ، پورا جملہ کریں اس کو: هٰذَا الْكَلَامُ فَصِيحٌ بَلِيغٌ یوں آپ نے کہا، لَا تَحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِ صَحِيحٍ اب بَلِيغٌ کے بعد یہ محتاج نہیں ہے صَحِيحٍ کے ذکر کا۔ تو جہ ہے؟ میں نے کیا کہا: هٰذَا الْكَلَامُ فَصِيحٌ بَلِيغٌ، اب آخر میں صَحِيحٌ بڑھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب فَصِيحٌ کہہ دیا تو فَصِيحٌ سے ہی پتہ چل گیا کہ یہ کیا ہے؟ صحیح ہے۔ یہ معنی ہے کہ فَإِذَا قُلْتَ جب آپ نے کہا فَصِيحٌ بَلِيغٌ تو لَا تَحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِ صَحِيحٍ تو یہ محتاج نہیں ہے صَحِيحٍ کے ذکر کا۔ وَإِذَا قُلْتَ اور جب آپ یوں کہیں بَلِيغٌ، میں صرف یہ کہتا ہوں هٰذَا الْكَلَامُ بَلِيغٌ، جب بَلِيغٌ کہہ دیا اب نہ تو صَحِيحٌ کہنے کی ضرورت آگے اور نہ فَصِيحٌ آگے کہنے کی ضرورت ہے اس کے بعد کیونکہ بلیغ وہ ہو گا جو صحیح بھی ہو اور جو فصیح بھی ہو۔ یہ معنی ہے وَإِذَا قُلْتَ اور جب آپ نے کہا بَلِيغٌ أَيْ هٰذَا الْكَلَامُ بَلِيغٌ صرف اتنا آپ نے کہا تو لَا تَحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِ صَحِيحٍ یہ محتاج نہیں ہے صَحِيحٍ کے ذکر کا وَلَا فَصِيحٍ اور نہ فَصِيحٍ کے ذکر کا محتاج ہے بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

وَمُرَاعَاةُ التَّرْتِيبِ الْوُجُودِيِّ اور رعایت رکھنا وجودی ترتیب کی۔ بھئی دیکھیے آپ اپنے کلام کے اندر دو تین چیزوں کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، آپ جیسے مرضی ان کو ذکر کریں کسی ایک کو مقدم کر دیں کسی ایک کو مؤخر کر دیں۔ لیکن بلاغت کے اعتبار سے ایک نکتہ یہ کہ بعض اوقات ایک لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے کیونکہ خارج کے اندر اور واقع کے اندر وہ چیز پہلے ہوتی ہے لہذا متکلم بھی اس کا جو لفظ ہے اس کو مقدم کر دیتا ہے، اور ایک چیز واقع کے اندر مؤخر ہوتی ہے تو متکلم کیا کرتا ہے اس کا جو لفظ ہے اس کو بھی مؤخر کر دیتا ہے۔ جیسے دیکھیے بھئی انسان جو ہے اس کی زندگی کی مختلف حالتیں ہیں، آپ اس کی زندگی کی حالتوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس میں مثلاً تین حالتیں: بچہ ہونا شروع میں انسان کیا ہے بچہ ہے، پھر اس کے بعد جوان ہوتا ہے تو جوان ہونا دوسری حالت ہے، اور پھر تیسری حالت بوڑھا ہونا۔ تو اب آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، بھئی دیکھیے میرے کلام پہ نظر رکھنا، میں بیان کیا کرنا چاہتا ہوں انسانی زندگی کے مختلف ادوار مختلف حالتیں، میں کہتا ہوں: بھئی انسان کی زندگی کی مختلف حالتیں ہیں مثلاً بوڑھا ہونا، بچہ ہونا، جوان ہونا۔ کلام میرا غلط ہے یا صحیح ہے؟ کلام تو میرا صحیح ہے یہی حالتیں ہیں لیکن کوئی ترتیب ہے؟ نہیں ترتیب نہیں! خارج میں انسان پہلے بوڑھا ہوتا ہے کہ پہلے بچہ ہوتا ہے؟ پہلے بچہ، تو خارج اور وجود میں جو چیز مقدم تھی آپ کلام میں بھی اس کو مقدم کر دیتے ہیں تو اس سے اس میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو آپ کس چیز کی رعایت رکھتے ہیں؟ خارج اور واقع کی، لہذا خارج اور واقع کے اعتبار سے ترتیب کی رعایت رکھتے ہوئے آپ مثلاً کیا کہتے ہیں: انسان کی زندگی کے مختلف احوال ہیں مثلاً بچہ ہونا، اس کے بعد جوان ہونا اور بوڑھا ہونا۔ دیکھو اب آپ نے بچہ ہونا اس لفظ کو مقدم کیا، کیوں مقدم کیا کس کی رعایت رکھی؟ خارج اور واقع کی یعنی وجود کی رعایت رکھی یہ مقدم ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے وَمُرَاعَاةُ التَّرْتِيبِ الْوُجُودِيِّ اور رعایت رکھنا وجودی ترتیب کی یعنی جس طرح وجود میں ترتیب ہے ایک چیز پہلے ہے اس کو پہلے لانا جو بعد میں ہے اس کو بعد میں لانا۔ جیسے بھئی دیکھیے ایک ہے نیند اور ایک ہے اونگھ آنا: اونگھ آتی ہے انسان کو غفلت طاری ہو جاتی ہے نیند آنے لگتی ہے، تو پہلے نیند آتی ہے یا پہلے اونگھ آتی ہے انسان کو؟ پہلے خارج میں اونگھ آتی ہے پھر اس کے بعد نیند آیا کرتی ہے، چنانچہ اونگھ خارج میں اور وجود میں مقدم لہذا اسی لیے قرآن کے اندر بھی نیند اور اونگھ کا ذکر آیا تو وہاں پر بھی اونگھ کو نیند پر کیا کر دیا گیا؟ مقدم کر دیا گیا۔ دیکھیے بھئی نَحْوُ مثال کے طور پر لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ اور نہ تو اس کو اونگھ آتی ہے وَلَا نَوْمٌ اور نہ نیند، یعنی اللہ تعالی کی ذات کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔ تو سِنَةٌ لفظ کو مقدم کر دیا گیا نَوْمٌ پر اور نکتہ کیا ہے، کس کی رعایت رکھی گئی؟ ترتیب وجودی کی یعنی خارج اور واقع کی ترتیب رکھی گئی اس کے مطابق۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۰: دواعیِ تقدیم کی تکمیل: عمومِ سلب اور سلبِ عموم کا فرق، تقویۃ الحکم، تخصیص اور محافظتِ وزن و سجع

دروس البلاغہ صفحہ: ۴۹ــــ بتاریخ: ۲ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالنَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ الْعُمُومِ فَالْأَوَّلُ يَكُونُ بِتَقْدِيمِ أَدَاةِ الْعُمُومِ عَلَى أَدَاةِ النَّفْيِ نَحْوُ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ أَيْ لَمْ يَقَعْ هٰذَا وَلَا ذَاكَ، وَالثَّانِي يَكُونُ بِتَقْدِيمِ أَدَاةِ النَّفْيِ عَلَى أَدَاةِ الْعُمُومِ نَحْوُ لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ أَيْ لَمْ يَقَعِ الْمَجْمُوعُ فَيَحْتَمِلُ ثُبُوتَ الْبَعْضِ وَيَحْتَمِلُ نَفْيَ كُلِّ فَرْدٍ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے تیسرا باب شروع کیا تھا تقدیم اور تاخیر کے بیان میں۔ اور صاحب کتاب نے آپ کو تقدیم کے کچھ دواعی بتلائے تھے کہ بعض لفظوں کو کلام میں مقدم کیا جاتا ہے تو وہ تقدیم کے اندر کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں۔ ایک نکتہ یہ بیان کیا کہ بعض اوقات کسی لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے تاکہ سننے والے کو شوق دلایا جائے بعد میں آنے والے لفظ کا بھئی، بعد میں آنے والی خبر کا جبکہ وہ مقدم ہونے والا خبر دے رہا ہو انوکھا ہونے کی، عجیب ہونے کی۔

اور کبھی کبھار جو ہے وہ تقدیم کا داعی جو ہے وہ جلدی دوسرے کو خوشی دینا یا جلدی دوسرے کو غم دینا ہوتا ہے بھئی۔ اور اس میں میں نے بتلایا تھا کہ بھئی خوشی اور غم تو پوری بات سننے کے بعد ہو گی، جب پوری بات سنے گا کوئی تو پھر اس کے بعد خوشی والی بات ہوئی تو خوش ہو گا اور غم والی بات ہوئی تو غمزدہ ہو گا۔ تو پھر یہ ایک لفظ کو مقدم کرنے سے جلدی خوش کیسے ہوتا ہے؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ نیک فالی اور بد فالی لیتے ہوئے: پہلا لفظ ہی اچھا سنتا ہے تو اس سے نیک فالی اور نیک شگون مراد لیتا ہے کہ پہلا لفظ اچھا آیا تو آگے بھی یقیناً اچھی ہی بات آنے والی ہے، تو وہ پہلے لفظ سے ہی خوش ہو جاتا ہے ابھی بات کا اسے پورا پتہ نہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ صرف نیک شگونی لیتے ہوئے نیک فالی مراد لیتے ہوئے وہ خوش ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح بعض اوقات کسی برے لفظ کو مقدم کر دیا جاتا ہے تو وہ پہلا لفظ سنتے ہی دوسرا غمزدہ ہو جاتا ہے برا شگون لیتے ہوئے بد فالی مراد لیتے ہوئے کہ شروع میں اتنا برا لفظ آگیا تو یقیناً آگے بھی کوئی بری ہی بات آنے والی ہے، تو پہلا لفظ سنتے ہی وہ بدشگونی مراد لیتے ہوئے غمزدہ ہو جاتا ہے۔

اور اسی طرح بعض اوقات کسی لفظ کو مقدم کیا جاتا ہے کیونکہ انکار اور تعجب کا مدار ہوتا ہے اس لفظ پر بھئی، انکار اور تعجب کا مدار اسی لفظ پر ہوتا ہے تو اس کو بھی مقدم کر دیا جاتا ہے بھئی۔ اور میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی أَبَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ: یہاں تین صورتیں ہو سکتی ہیں، اگر آپ کو حیرت ہے لمبے تجربے کے بعد دھوکہ کھانے پر تو بَعْدَ طُولِ التَّجْرِبَةِ کو مقدم کریں گے، اگر آپ کو نفس دھوکہ کھانے پر تعجب ہے اور اس کا انکار کر رہے ہیں تو تَنْخَدِعُ کو مقدم کریں گے، اور اگر چمکتی ہوئی چیزوں سے دھوکہ کھانے پر تعجب ہے تو پھر بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ کو کیا کریں گے؟ مقدم کریں گے۔ اور اسی طرح تقدیم کا داعی جو ہے کبھی کبھار وہ ترقی کے راستے پر چلنا ہے یعنی پہلے عام کو ذکر کیا جائے اور اس کے بعد کس کو ذکر کیا جائے؟ خاص کو۔ اور اسی طرح تقدیم کا ایک داعی جو ہے وہ ترتیبِ وجودی کی رعایت رکھنا یعنی خارج میں جو چیز پہلے پائی جاتی ہے اس کو پہلے ذکر کرنا اور جو بعد میں پائی جاتی ہے اس کو بعد میں ذکر کرنا بھئی۔ یہ کچھ نکات تقدیم کے ذکر ہوئے۔

آج مزید نکات بیان کریں گے، تو پہلا نکتہ اس میں پھر مزید بیان کر رہے ہیں وَالنَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ الْعُمُومِ۔ نَصٌّ کا یہاں معنی ہے تصریح کرنا، صراحتاً کوئی بات ذکر کرنا۔ ایک ہے اشاروں کی صورت میں کسی چیز کی طرف اشارہ کر دینا، ایک صراحتاً واضح کھلے لفظوں کے اندر ایک بات کہہ دینا اس کو کیا کہتے ہیں؟ صراحت کہتے ہیں بھئی، صراحت کھلے لفظوں کے ساتھ بھئی۔ تو مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، اب یہ میں نے کوئی اشاروں کنایوں میں بات نہیں کی بلکہ کھلے لفظوں

کے اندر آپ کو بتلایا کس چیز کے بارے میں؟ قیام زید کے بارے میں، اس کو کہتے ہیں تصریح بھئی، صراحت کر دینا واضح لفظوں سے کوئی بات کر دینا اس کو کہتے ہیں صراحت، یہ جو نَصٌّ کا لفظ ہے اس کا یہ معنی ہے۔

تو کہتے ہیں وَالنَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ الْعُمُومِ۔ بھئی یہاں دو لفظ آئے: ایک ہے عُمُومٌ ایک ہے سَلْبٌ۔ عموم کا کیا معنی ہے؟ عام ہونا، اور سلب، سلب کا معنی ہے نفی، نفی۔ بھئی آپ جانتے ہیں کچھ لفظ ایسے ہیں جو عموم کا فائدہ دیتے ہیں جیسے کُلٌّ، جَمِيعٌ وغیرہ بھئی۔ مثلاً اگر میں کہتا ہوں صرف دَرَاهِمُ تو دراہم کا کیا معنی؟ کچھ درہم، لیکن اسی پر اگر میں کُلُّ کا لفظ داخل کر دوں اور یوں کہوں كُلُّ دَرَاهِمَ، اب کیا معنی ہوا؟ سارے دراہم! تو دیکھو اس كُلُّ لفظ نے دراہم میں عموم پیدا کر دیا اور بتلا دیا کہ کچھ دراہم نہیں مراد بلکہ وہ سارے دراہم مراد ہیں۔ اسی طرح میں کہتا ہوں رِجَالٌ کچھ آدمی، کچھ لوگ، لیکن اسی پر اگر میں جَمِيعٌ کا لفظ یا كُلُّ کا لفظ داخل کر دوں جَمِيعُ رِجَالٍ، اب کیا معنی ہوا؟ سارے مرد، سارے لوگ بھئی! تو یہ عموم کس سے آیا؟ جَمِيعٌ کے لفظ سے، اسی طرح دراہم میں کس سے عموم آیا؟ كُلُّ کے لفظ کے ذریعے۔ تو دیکھیے یہ كُلٌّ اور جَمِيعٌ وغیرہ کے الفاظ جو ہیں یہ عموم کا فائدہ دیتے ہیں یا یوں دوسرے لفظوں میں کہیے شمول کا فائدہ دیتے ہیں سارے افراد کو شامل کر لیتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے عموم۔

اور ایک ہے سلب، سلب کا معنی ہے نفی، نفی۔ مثلاً میں کہتا ہوں قَامَ زَيْدٌ زید کھڑا ہے، زید کھڑا ہوا۔ اب دیکھیے میں زید کے لیے قیام ثابت کر رہا ہوں۔ اسی پر اگر میں حرف مَا لے آؤں مَا قَامَ زَيْدٌ، اب کیا معنی ہو گا؟ زید کھڑا نہیں ہے! یہ نفی کہاں سے آئی؟ مَا کی وجہ سے آئی۔ تو کچھ الفاظ ایسے ہیں جو نفی کا فائدہ دیتے ہیں جیسے مَا ہے، لَا ہے، لَمْ وغیرہ، یہ الفاظ کیا کرتے ہیں جس کلام پر داخل ہوتے ہیں اس میں کیا پیدا کر دیتے ہیں؟ نفی کا معنی پیدا کر دیتے ہیں تو یہ ہے سلب بھئی، یہ کیا ہے؟ سلب۔ تو دو چیزیں سمجھ میں آگئیں: ایک کیا ہے؟ عموم اور ایک کیا ہے؟ سلب ہے، سلب۔

■ قولہ: «كُلٌّ جَمِيعٌ» کی تشریح

اب مثلاً آپ ایک ایسا کلام کرنا چاہتے ہیں جس میں سلب والے لفظ بھی آئیں گے اور جس میں عموم والے لفظ بھی آئیں گے: كُلٌّ جَمِيعٌ جیسا کوئی لفظ بھی آئے گا عموم پر جو دلالت کرے گا اور نفی والے بھی کوئی لفظ آئیں گے۔ تو اب کس کو مقدم کریں گے، نفی والے لفظ کو مقدم کریں گے یا عموم والے لفظ کو مقدم کریں گے بھئی؟ تو یاد رکھیے یہ نکات چل رہے ہیں تقدیم کے: آپ جس لفظ کو مقدم کریں گے اس کی وجہ سے معنی کے اندر بھی تبدیلی آئے گی بھئی، تو جو آپ کا ارادہ ہو جس چیز کی آپ تصریح کرنا چاہتے ہیں اس کے مطابق اس لفظ کو مقدم کریں گے۔ جس چیز کی آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ تصریح، تو دونوں کی صورتوں میں معنی الگ الگ ہو گا۔

یاد رکھیے بھئی دیکھیے انہوں نے دو لفظ ذکر کیے: عُمُومُ السَّلْبِ اور دوسرا لفظ کیا ذکر کیا؟ سَلْبُ الْعُمُومِ۔ عُمُومُ السَّلْبِ ترجمے پہ ذرا غور کیجیے: عُمُومُ السَّلْبِ کیا معنی؟ عُمُومُ مضاف السَّلْبِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ کا ترجمہ اردو میں کیسے کرتے ہیں؟ غُلَامُ زَيْدٍ اردو میں کیا ترجمہ کریں گے؟ زید کا غلام، دیکھو مضاف الیہ کا ترجمہ پہلے کرتے ہیں اور مضاف کا بعد میں اور درمیان میں کا کے کی وغیرہ کا لفظ لے آتے ہیں موقع محل کے مطابق۔ تو یہاں پہلا لفظ آیا عُمُومُ السَّلْبِ کیا ترجمہ ہو گا؟ سلب کا عموم یعنی دوسرے لفظوں میں کہو نفی کا عموم یعنی نفی میں عموم پیدا کرنا! نفی میں عموم پیدا کرنا یعنی کہ نفی عام ہو جائے اس میں عموم ہو وہ سارے افراد کی نفی کر دے، یہ کیا ہے؟ عُمُومُ السَّلْبِ، عُمُومُ السَّلْبِ بھئی۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ دو لفظ ہیں بھئی آپ کے پاس کلام کے اندر: ایک لفظ دلالت کر رہا ہے عموم پر ایک لفظ دلالت کر رہا ہے سلب پر۔ تو اب کس کو مقدم کرنا ہے؟ یاد رکھیے جس کو بھی مقدم کریں گے اس کے اعتبار سے معنی بدل جائے گا۔ اگر آپ کلام میں لانا چاہتے ہیں عُمُومُ السَّلْبِ، عُمُومُ السَّلْبِ کا کیا معنی؟ سلب میں عموم پیدا کرنا یعنی نفی میں عموم پیدا کرنا۔ تو جب کس میں عموم پیدا کرنا ہے آپ نے؟ نفی میں، تو نفی پر عموم والا لفظ داخل کر دو! میں نے كُلُّ دَرَاهِمَ کہا تھا، پہلے میں نے دَرَاهِمُ کہا تھا اس دراہم میں میں نے عموم پیدا کرنا تھا تو اس پر کیا داخل کر دیا تھا میں نے؟ كُلُّ کا لفظ۔ تو جس میں عموم پیدا کرنا ہوتا ہے اس پر عموم کا لفظ داخل کر دیا جاتا ہے بھئی۔ جس چیز میں عموم پیدا کرنا ہے اس پر کیا کیا جاتا ہے؟ عموم کا لفظ داخل کر دیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی ہے عُمُومُ السَّلْبِ آپ کس چیز میں عموم پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ سلب کے اندر نفی کے اندر، تو نفی پر کون سا لفظ داخل کر دو؟ عموم کا یعنی عموم کو پہلے لے آؤ اور اس کے بعد کیا لے آؤ؟ نفی کو لے آؤ۔ تو نفی عموم کے بعد آ رہی ہے تو گویا نفی پر کون سا لفظ داخل ہو رہا ہے؟ عموم والا، اور عموم کا لفظ تو جس پر داخل ہوتا ہے اس میں کیا پیدا کر دیتا ہے؟ عموم، تو یہاں پر بھی نفی کے اندر کیا پیدا ہو جائے گا؟ عموم پیدا ہو جائے گا۔ کیا پیدا ہو جائے گا؟ عموم پیدا ہو جائے گا بھئی، عموم پیدا ہو جائے گا۔

جیسے دیکھیے بھئی نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز پڑھا رہے تھے اور نماز پڑھاتے ہوئے نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھول گئے اور چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتوں پر ہی آپ نے سلام پھیر دیا۔ جب سلام پھیر دیا تو سلام پھیرتے ہی ایک صحابی حضرت ذوالیدین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ وہ فوراً بول اٹھے کہ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اے اللہ کے پیغمبر کیا نماز چھوٹی کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ یعنی کیا اللہ کی طرف سے حکم آگیا ہے چار کے بجائے اب کتنی ہوا کریں گی رکعتیں؟ دو رکعتیں ہوا کریں گی کیا نماز ہی چھوٹی کر دی گئی ہے، یا آپ بھول گئے ہیں اور بھولے سے کتنے پر سلام پھیر دیا ہے؟ دو رکعتوں پر۔ تو حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ نے جواب میں فرمایا كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ ان میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی! ان میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی یعنی نہ تو نماز چھوٹی ہوئی ہے

یعنی اللہ کی طرف سے کوئی اس کے چھوٹا کرنے کا حکم بھی نہیں آیا اور نہ میں بھولا ہوں۔ تو وہ فرمانے لگے بَعْضُ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ کوئی بات تو ان میں سے ضرور ہوئی ہے! کوئی بات تو ضرور ہوئی ہے ان میں سے۔ تو پھر حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ باقی صحابہ کی طرف مڑے اور پوچھا کہ کیا بھئی ذوالیدین صحیح کہہ رہے ہیں؟ تو صحابہ نے بتلایا کہ يَا رَسُولَ اللّٰهِ یہ صحیح کہہ رہے ہیں واقعی ابھی تو صرف دو رکعتیں ہوئی ہیں۔ تو پھر حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کھڑے ہو گئے اور اگلی دو رکعتیں بھی مکمل کروادیں بھئی۔ اور یاد رکھیے یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی نماز کے اندر کلام کرنا منع نہیں تھا بھئی، کلام کرنا منع نہیں تھا، بعد میں نماز کے اندر کلام کرنے سے منع کر دیا گیا چنانچہ اسی وجہ سے آپ بھی فقہ میں مسئلہ پڑھتے ہیں اگر نماز میں کسی نے کلام کر دیا تو اس کی نماز ہی نہیں ہو گی بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہ اس کے بعد حکم نازل ہوا اس سے پہلے ابھی یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

اب دیکھیے بھئی حدیث میں نے آپ کو پوری سنادی، اس کے اندر حضرت ذوالیدین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ نے اولاً کیا ذکر کیا کیا پوچھا؟ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ کیا نماز چھوٹی کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ دو چیزوں کا سوال کیا کہ کوئی ایک چیز تو ضرور ہوئی ہے، تو حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ نے جواب میں ذکر کیا بھئی دیکھیے یہ دوسری سطر کے اندر کتاب میں بھی آپ کے آرہا ہے، حضور فرمانے لگے كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ، كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ۔ اب دیکھیے كُلُّ ذٰلِكَ یہ کون سے الفاظ ہیں؟ عموم والے، اور لَمْ يَكُنْ یہ کون سے الفاظ ہیں؟ نفی والے۔ تو کس کو مقدم کیا گیا؟ عموم والے لفظ کو مقدم کیا گیا۔ کیوں، کیا بتلانے کے لیے، مقصد کیا تھا نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہاں پر؟ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کا مقصد عُمُومُ السَّلْبِ تھا۔ کیا تھا؟ عُمُومُ السَّلْبِ۔ عُمُومُ السَّلْبِ کا کیا معنی کیا میں نے آسان لفظوں میں؟ نفی میں عموم پیدا کرنا یعنی نفی ہر ہر فرد کی کر دینا! نفی کر دینا ہر ہر فرد کی، تو نفی میں عموم پیدا کرنا تھا۔ یعنی انہوں نے پوچھا تھا يَا رَسُولَ اللّٰهِ کیا نماز چھوٹی کر دی گئی یعنی نماز کے چھوٹا کر دینے کا حکم آگیا یا آپ بھول گئے ہیں؟ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ جواب میں کیا فرمارہے ہیں؟ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ۔ ترجمہ کیا کریں گے؟ ترجمہ یاد رکھنا: ان میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی۔ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ ان میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی، کوئی بھی چیز ان میں سے نہیں ہوئی۔ اب کیا معنی تھا کوئی بھی چیز نہیں ہوئی؟ یعنی نہ تو نماز چھوٹی ہوئی ہے اور نہ میں بھولا ہوں، دونوں کی نفی مراد تھی، دونوں چیزوں کی نفی فرمارہے ہیں یعنی نفی کے اندر حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عموم پیدا فرمادیا، ایک کی نفی نہیں کی بلکہ کس کی نفی کر دی؟ جتنی باتیں تھیں سب کی نفی کر دی اور باتیں کتنی تھیں؟ دو چیزیں تھیں تو دونوں کی نفی ہو گئی۔

چنانچہ اسی لیے بھئی أَيْ لَمْ يَقَعْ هٰذَا وَلَا ذَاكَ نہ تو یہ والی بات واقع ہوئی ہے اور نہ وہ والی ہوئی ہے بھئی۔ ترجمہ کیا کیا انہوں نے کتاب میں؟ أَيْ لَمْ يَقَعْ هٰذَا وَلَا ذَاكَ نہ تو یہ والی بات ہوئی ہے اور نہ وہ والی بات ہوئی ہے یعنی نہ پہلے والی اور نہ دوسری والی۔ تو یہاں پر کیا آیا؟ نفی کے اندر عموم آگیا۔ عموم کا کیا معنی ہے؟ ہر ہر فرد کا احاطہ کر لینا۔ كُلُّ دَرَاهِمَ، كُلُّ نے کیا فائدہ دیا تھا؟ درہم کے ہر ہر فرد کا احاطہ کر لیا تھا سارے دراہم بھئی، کیا ترجمہ تھا؟ سارے۔ تو یہاں پر بھی لَمْ يَكُنْ ہے نفی، اس نفی پر کیا آگیا؟ كُلُّ ذٰلِكَ عموم والا لفظ، اس عموم نے کیا فائدہ دیا؟ آگے جو نفی تھی اس میں کیا پیدا کر دیا؟ عموم۔ کیا معنی نفی کے اندر عموم پیدا کر دیا، ایک کی نفی کی یا دو کی یا ساروں کی کر دی؟ سارے افراد کی نفی کر دی، اور افراد تو تھے ہی یہاں دو اگر زیادہ ہوتے تو ان سب کی بھی نفی ہو جاتی، تو دو ہی چیزیں تھیں اور ان دونوں کی حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ نے نفی فرمادی بھئی، نفی فرمادی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ تھا عُمُومُ السَّلْبِ بھئی، عُمُومُ السَّلْبِ کیا معنی؟ نفی میں عموم پیدا کرنا، نفی میں عموم پیدا کرنا۔

▪ قولہ: «وَالنَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَالنَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ الْعُمُومِ اور تصریح کرنا عموم سلب پر یا سلب العموم پر۔ دوسرا ہے سَلْبُ الْعُمُومِ بھئی، سَلْبُ الْعُمُومِ۔ بھئی دیکھیے سَلْبُ الْعُمُومِ اب ترجمہ کیجیے: سَلْبُ الْعُمُومِ عموم کا سلب کرنا یعنی عموم کی نفی کرنا، عموم کی کیا کر دینا؟ نفی کر دینا، عموم کی نفی کر دینا۔ تو پہلا کیا تھا، تو جہ ہے سبق کی طرف؟ پہلا کیا تھا؟ نفی میں عموم پیدا کرنا تھا اور اب ہے عموم کی نفی کرنا! تو آسان سی بات ہے عموم کی ہم نے نفی کرنی ہے تو جس چیز پر حرف نفی آتا ہے اس کی کیا کر دیتا ہے وہ؟ نفی کر دیتا ہے۔ تو عموم والے لفظ کے اوپر کیا داخل کر دو؟ حرف نفی یعنی اس سے پہلے حرف نفی لے آؤ تو یہ اس عموم کی کیا کر دے گا؟ نفی کر دے گا بھئی، کیا کر دے گا؟ نفی کر دے گا۔ مثلاً اگر یہی کلام یوں ہو، پہلے کیا تھا كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ، اب اسی لَمْ يَكُنْ نفی کو اٹھا کر مقدم کر دو: لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ، لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ۔ اب کس کو مقدم کیا؟ نفی کو، اور نفی جس چیز پر داخل ہوتی ہے یعنی یوں کہیں حرف سلب جس پر داخل ہوتا ہے اس کی کیا کر دیتا ہے؟ نفی۔ قَامَ زَيْدٌ کس چیز کا ثبوت تھا؟ قیام زید کا، اسی پر حرف نفی آیا مَا قَامَ زَيْدٌ تو اب کیا ہوئی؟ قیام کی نفی ہوئی۔ تو جس پر حرف سلب داخل ہوتا ہے نفی والا حرف داخل ہوتا ہے اس کی وہ نفی کر دیتا ہے۔ تو یہاں پر بھی کس کی نفی کرنی ہے؟ سَلْبُ الْعُمُومِ عموم کی نفی۔ عموم کی نفی کرنی ہے تو عموم والے لفظ پر کیا داخل کر دو؟ نفی والا لفظ داخل کر دو، اور عموم والا لفظ کیا تھا یہاں پر؟ كُلُّ ذٰلِكَ، اب اس پر نفی کو مقدم کر دو اور یوں کہو لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ۔

اب کیا ترجمہ ہو گا؟ اب ترجمہ ہو گا: یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں! پہلے کیا ترجمہ تھا؟ ترجمہ لکھیں بھئی ترجمہ لکھ لیں اپنی کتاب پر یہ پھر بعد میں آپ پریشان ہوں گے۔ پہلا کیا تھا دوسری سطر میں آرہا ہے كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ اس کا ترجمہ لکھ لیجیے: ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ جلدی لکھیے بھئی: ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ اس سے اگلی سطر میں آرہا ہے کتاب میں لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ اس کا ترجمہ بھی لکھ لیجیے: یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں۔ لکھ لیا بھئی؟ پہلے کا ترجمہ کیا؟ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی، اور لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ کا کیا ترجمہ؟ یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں۔

اب آپ کے ذہن میں آئے گا بھئی کہ یہ تو بظاہر ایک جیسا ہی ترجمہ ہے، ایک ہی معنی ہے ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں، بظاہر لگ رہا

ہے یا نہیں لگ رہا؟ نہیں بھئی بظاہر آپ کو بے شک لگے لیکن یہ ایک جیسا نہیں دونوں کا معنی ہی الگ الگ ہے! پہلے میں کیا تھا؟ عُمُومُ السَّلْبِ، یہ دوسرے میں کیا ہے؟ سَلْبُ الْعُمُومِ ہے، عموم کی نفی کی جارہی ہے: لَمْ یَکُنْ نفی کا حرف داخل ہورہا ہے کس پر داخل ہورہا ہے؟ کُلُّ ذٰلِكَ عموم والے لفظ پر تو کس چیز کا فائدہ دے گا؟ سَلْبُ الْعُمُومِ، عموم کی نفی ہوگی یہاں پر، عموم کی نفی ہوگئی یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں۔ یہ ساری باتیں یہ کیا ہے؟ عموم، اس کی کیا ہوگئی؟ نفی، نہیں ہوئیں۔ اب ترجمے میں فرق آیا بھئی! آپ کہیں گے کس طرح فرق ہے پہلا ترجمہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی دوسرے کا کیا ترجمہ ہوا یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں؟ بھئی دیکھیے مثلاً میرے پاس مجھے ملنے مثلاً درجہ ثالثہ والے طلبہ میں سے کوئی بھی ملنے نہیں آیا، اب میں یہی بات آپ کے سامنے کہتا ہوں۔ میرے پاس ملنے کوئی نہیں آیا، اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ درجہ ثالثہ والا کوئی بھی مجھے ملنے نہیں آیا۔ میرا کلام صحیح ہے یا غلط ہے؟ ہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں آیا تو میرا کلام بھی صحیح ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اگر ان میں سے ایک آیا تھا اب میں کہتا ہوں درجہ ثالثہ والا میرے پاس کوئی نہیں آیا، اب میرا کلام صحیح ہے واقع کے مطابق ہے یا واقع کے مطابق نہیں؟ اب واقع کے مطابق نہیں، ایک بھی آیا ہوگا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ان میں سے کوئی نہیں آیا۔ دیکھو کوئی کا لفظ استعمال کررہا ہوں اردو میں، سمجھ میں آیا بھئی؟ میرے پاس کوئی نہیں آیا اب میرا کلام واقع کے مطابق نہیں بنتا۔ معلوم ہوا جب میں لفظ کوئی استعمال کررہا ہوں اس کے ساتھ نفی کررہا ہوں کوئی نہیں، تو اس کا مطلب ہے ایک ایک فرد ہر ایک کی نفی ہوگئی، ایک ایک فرد کی نفی ہوگئی۔

اس کے بجائے اگر میں سارے کا لفظ استعمال کرتا ہوں پھر اور معنی ہے۔ بھئی دیکھیے یہی بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، ابھی کلام نہیں واقعہ بیان کررہا ہوں: میرے پاس درجہ ثالثہ والا ایک بھی طالب علم نہیں آیا، اب اسی کو میں یوں کہتا ہوں: میرے پاس درجہ ثالثہ والے سارے طلبہ نہیں آئے۔ ابھی بھی میرا کلام صحیح ہے! میرا کلام کیا ہے؟ واقع کے مطابق ہے میں نے بھی کیا کہا؟ سارے نہیں آئے تو سارے ہی نہیں آئے بھئی وہی معنی ہے۔ لیکن اگر ایک طالب علم میرے پاس آیا تھا یا دو آئے تھے اب میں کہتا ہوں میرے پاس درجہ ثالثہ والے سارے طلبہ نہیں آئے، اب بھی میرا کلام صحیح ہے یا نہیں؟ ابھی بھی صحیح ہے! دیکھا؟ اس پہلی صورت میں ایک بھی آیا ہوتا تو میں نہیں کہہ سکتا تھا میرے پاس کوئی نہیں آیا، لیکن اب ایک دو آ بھی جائیں پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں میرے پاس سارے نہیں آئے کیونکہ سارے تو نہیں آئے چند ایک آئے ہیں، میں بھی یہی بات کررہا ہوں میرے پاس سارے نہیں آئے۔

فرق سمجھ میں آیا بھئی؟ معلوم ہوا پہلے میں کیا تھا؟ عُمُومُ السَّلْبِ، سلب میں عموم تھا جب میں نے کوئی کا ترجمہ کیا تھا کوئی نہیں آیا وہاں کیا تھا؟ عُمُومُ السَّلْبِ نفی میں عموم تھا، نفی ایک ایک فرد کی کی تھی میں نے کوئی بھی نہیں آیا، اب اگر ایک بھی آجاتا ہے تو میرا کلام واقع کے مطابق نہیں۔ اور اب جو میں کہہ رہا ہوں سارے نہیں آئے یہاں پر کیا ہے؟ یہاں سَلْبُ الْعُمُومِ ہے، عموم کی میں نفی کررہا ہوں کہ سارے نہیں آئے، اب اس میں دونوں احتمال ہیں: ہوسکتا ہے ایک بھی نہ آیا ہو پھر بھی میرا کلام صحیح، ہوسکتا ہے بعض تو آئے ہوں لیکن سارے مجموعی طور پر نہیں آئے تو بھی میرا یہ کلام صحیح ہے کہ میرے پاس سارے نہیں آئے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو یہ ہے فرق عُمُومُ السَّلْبِ میں اور سَلْبُ الْعُمُومِ میں۔ عُمُومُ السَّلْبِ میں کیا ہوتا ہے؟ ایک ایک فرد کی نفی ہوجاتی ہے، اور سَلْبُ الْعُمُومِ کے اندر شمول کی نفی ہوتی ہے مجموعے کی نفی ہوتی ہے اور پھر وہاں کتنے احتمال ہیں؟ دو احتمال، دونوں صورتیں درست بنتی ہیں: اس صورت میں ایک ایک فرد کی نفی ہو اس کا بھی یہ کلام احتمال رکھتا ہے، اور بعض کی نفی ہو اور بعض کا ثبوت ہو اس کا بھی وہ کلام احتمال رکھتا ہے۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے عُمُومُ السَّلْبِ اور سَلْبُ الْعُمُومِ بھئی۔

تو اب دیکھیے بھئی اتنی لمبی تقریر کا مقصد کیا تھا؟ آپ کو عُمُومُ السَّلْبِ اور سَلْبُ الْعُمُومِ کا فرق بتلانا تھا۔ اب آپ ایک کلام کرنا چاہتے ہیں اس کلام کے اندر سلب والے لفظ بھی آرہے ہیں نفی والے اور اس کلام کے اندر عموم والے لفظ بھی آرہے ہیں، اب کس کو مقدم کیا جائے؟ تو آپ کو بتلا رہے ہیں کتاب کے اندر کہ آپ جو بات کہنا چاہتے ہیں اس کے مطابق لفظ کو مقدم کردیں۔ اگر آپ کا ارادہ عُمُومُ السَّلْبِ کا ہے، کس کا ارادہ ہے؟ عُمُومُ السَّلْبِ کا ہے تو عموم والے لفظ کو مقدم کردینا، یہ صراحت ہوجائے گی کہ آپ یہاں پر کیا کررہے ہیں؟ عُمُومُ السَّلْبِ کررہے ہیں یعنی سلب میں یعنی نفی میں کیا پیدا کررہے ہیں؟ عموم پیدا کررہے ہیں۔ اور اگر آپ کا ارادہ سَلْبُ الْعُمُومِ ہے تو پھر سلب والے یعنی نفی والے لفظ کو مقدم کردینا، تو اس سے کلام میں کیا پیدا ہوگا؟ عموم کی نفی ہوجائے گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو جس چیز کی آپ تصریح کرنا چاہتے ہیں اس کے مطابق لفظ کو مقدم کردینا بھئی، جس کی آپ تصریح کرنا چاہتے ہیں بھئی۔

■ قولہ: «عُمُومُ السَّلْبِ» کی تشریح

اب اس میں اشتباہ بھی لگ جاتا ہے کہ یہاں عُمُومُ السَّلْبِ ہے یا سَلْبُ الْعُمُومِ ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ بھئی دیکھیے عُمُومُ السَّلْبِ ذرا اس جملے پر نظر رکھیے جو حضور عَلَیْہِ السَّلَامُ نے جواب میں ارشاد فرمایا: کُلُّ ذٰلِكَ لَمْ یَکُنْ، یہ کون سا ہے؟ یہ عُمُومُ السَّلْبِ ہے۔ دیکھو عُمُومُ السَّلْبِ میں کون سا لفظ پہلے ہے عربی کے اندر؟ عُمُومُ پہلے، اس جملے میں بھی دیکھ لو عموم والا لفظ پہلے ہے۔ السَّلْبِ مضاف الیہ ہے جملے میں بھی دیکھ لو السَّلْبِ والا لفظ بعد میں نفی والا لفظ بعد میں۔ تو جہاں پر عموم والا لفظ پہلے اور نفی والا بعد میں اس کو کیا کہیں گے؟ عُمُومُ السَّلْبِ کیونکہ عموم والا پہلے ہے اور سلب والا بعد میں تو وہ ہے عُمُومُ السَّلْبِ۔ اور جہاں پر نفی والا لفظ پہلے ہے اور عموم والا لفظ بعد میں ہے جیسے لَمْ یَکُنْ کُلُّ ذٰلِكَ، کون سا لفظ پہلے؟ نفی، نفی کے لیے کیا لفظ ہے؟ سلب، اور کُلُّ ذٰلِكَ یہ ہے عموم والا تو اس کو کیا کہیں

گے؟سَلْبُ الْعُمُومِ، کیا کہیں گے؟سَلْبُ الْعُمُومِ، جو پہلے ہے اس لفظ کو بھی پہلے ذکر کر دینا عربی میں۔صورت سمجھ میں آگئی؟لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ مجھے بتایئے یہ کیا ہے؟لَمْ يَكُنْ کیا ہے سلب ہے ناتو اسی سے نام بنالوسَلْبُ الْعُمُومِ ہے۔اور كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ، كُلُّ کیا ہے اس میں؟عموم ہے توعُمُومُ السَّلْبِ اس کا نام ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ پہچان کے لیے یاد رکھنا۔

تو کہتے ہیں وَالنَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ الْعُمُومِ اور تقدیم کا داعی کبھی کیا ہو گا؟تصریح کرنا صراحتاً ذکر کرنا، کس چیز پر تصریح کرنا؟عُمُومِ السَّلْبِ کس پر عموم سلب پر تصریح أَوْ سَلْبِ الْعُمُومِ یا کس پر تصریح کرنا؟سلب العموم پر تصریح کرنا۔یعنی اگر آپ تصریح کرنا چاہتے ہیں صراحتاً کہنا چاہتے ہیں کیا کہنا چاہتے ہیں؟عُمُومُ السَّلْبِ چاہتے ہیں تو پھر کس کو مقدم کرنا؟عموم والے لفظ کو مقدم کرنا۔اور اگر آپ صراحت کرنا چاہتے ہیں کس چیز کی؟سَلْبُ الْعُمُومِ کی تو کس کو مقدم کر دینا؟سلب کو مقدم کر دینا۔بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟فَالْأَوَّلُ يَكُونُ بِتَقْدِيمِ أَدَاةِ الْعُمُومِ عَلَى أَدَاةِ النَّفْيِ پس پہلا جو ہے، پہلا کون بھئی؟عُمُومُ السَّلْبِ جو ہے یہ يَكُونُ بِتَقْدِيمِ أَدَاةِ الْعُمُومِ عَلَى أَدَاةِ النَّفْيِ یہ ادات عموم کو یعنی عموم والے الفاظ کو مقدم کرنے سے ہو گا عَلَى أَدَاةِ النَّفْيِ کس پر مقدم کرنے سے؟ادات نفی پر، یعنی آپ ادات عموم یعنی عموم والے کلمات کو کیا کر دیں؟مقدم کر دیں کس پر نفی والے کلمات پر۔بات سمجھ میں آرہی ہے؟نَحْوُ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی أَيْ لَمْ يَقَعْ هٰذَا وَلَا ذَاكَ نہ تو یہ بات واقع ہوئی ہے اور نہ وہ والی۔وَالثَّانِي دوسری کیا چیز تھی بھئی؟سَلْبُ الْعُمُومِ، يَكُونُ بِتَقْدِيمِ أَدَاةِ النَّفْيِ عَلَى أَدَاةِ الْعُمُومِ تو یہ جو دوسرا ہے یعنی سلب العموم یہ ادات نفی کو ادات عموم پر مقدم کرنے سے ہو گا بھئی۔کس کو مقدم کر دیں؟ ادات نفی کو کیونکہ سَلْبُ الْعُمُومِ کون سا لفظ پہلے؟سلب والا، تو اس میں نفی بھی کلام میں مقدم ہو گی۔نَحْوُ مثال کے طور پر لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ کیا ترجمہ ہوا؟یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں أَيْ لَمْ يَقَعِ الْمَجْمُوعُ دیکھا یہ مجموعہ نہیں ہوا یہ ساری باتیں نہیں ہوئیں فَيَحْتَمِلُ ثُبُوتَ الْبَعْضِ وَيَحْتَمِلُ نَفْيَ كُلِّ فَرْدٍ تو یہ کلام احتمال رکھتا ہے بعض کے ثبوت کا، یعنی مجموعہ نہیں سارے نہیں آئے ہو سکتا ہے بعض آئے ہوں تو یہ کلام احتمال رکھتا ہے بعض کے ثبوت کا وَيَحْتَمِلُ نَفْيَ كُلِّ فَرْدٍ اور یہ کلام احتمال رکھتا ہے ہر فرد کی نفی کا بھی یعنی کوئی بھی نہ آیا ہو پھر بھی آپ کا کلام صادق ہے اس کا بھی اس میں احتمال ہے۔فرق اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟تو داعی بیان ہو رہا ہے تقدیم کا: اگر آپ کس چیز کی تصریح کرنا چاہتے ہیں سَلْبُ الْعُمُومِ کی تو کس کو مقدم کر دو؟سلب والے لفظ کو اور عموم والے کو مؤخر کر دو، اور اگر آپ جو ہیں عُمُومُ السَّلْبِ چاہتے ہیں تو پھر کس کو مقدم کر دینا؟عموم والے لفظ کو مقدم کر دینا اور سلب والے لفظ کو مؤخر کر دینا۔یہ ہے تقدیم کا نکتہ بھئی۔

آگے دیکھیے: وَتَقْوِيَةُ الْحُكْمِ إِذَا كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا نَحْوُ الْهِلَالُ ظَهَرَ وَذٰلِكَ لِتَكَرَّارِ الْإِسْنَادِ۔ وَتَقْوِيَةُ الْحُكْمِ اور حکم کو قوی کرنا، مضبوط کرنا، اس میں قوت پیدا کرنا إِذَا كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا جبکہ خبر فعل ہو۔جبکہ خبر کیا ہو؟فعل ہو۔نَحْوُ مثال کے طور پر الْهِلَالُ ظَهَرَ چاند ظاہر ہو گیا یعنی چاند نظر آگیا۔چاند نظر آگیا، اب ترکیب کیا ہو گی؟الْهِلَالُ مبتدا اور ظَهَرَ فعل ہے اس کا اسناد هُوَ ضمیر کی طرف بھئی، فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا ہوا؟جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کی؟ الْهِلَالُ کی۔تو یہاں دیکھیے اسناد دو دفعہ آگیا، اور اسناد دو دفعہ آجائے تو پھر اس میں قوت پیدا ہو جائے گی: ایک چیز ایک دفعہ ہے ایک چیز دو دفعہ ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ جب ایک چیز دو دفعہ آجائے تو اس میں زیادہ قوت ہو گی بنسبت ایک کے بھئی۔

بات سمجھ میں آئی بھئی؟بھئی اسی کلام کو اگر میں یوں کہوں ظَهَرَ الْهِلَالُ، ظَهَرَ الْهِلَالُ: ظَهَرَ فعل الْهِلَالُ اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اور اسناد کتنی دفعہ یہاں آیا؟ایک ہی مرتبہ، ظَهَرَ فعل الْهِلَالُ اس کا فاعل بس یہی ایک اسناد ہے۔لیکن اس کا اگر میں عکس کروں الْهِلَالُ کو پہلے لے آؤں اور ظَهَرَ کو بعد میں لے آؤں تو دیکھنا دو دفعہ اسناد آئے گا!دوبارہ سنو ترکیب: اب میں کس کو مقدم کرتا ہوں؟الْهِلَالُ، الْهِلَالُ ظَهَرَ۔ الْهِلَالُ مبتدا، ظَهَرَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر جو فاعل ہے اور راجع ہے الْهِلَالُ کو۔تو ظَهَرَ کے اندر میں نے هُوَ ضمیر نکالی اسی الْهِلَالُ کو اس کا فاعل نہیں بنایا، کیوں نہیں بنایا؟کیونکہ الْهِلَالُ کا لفظ ظَهَرَ فعل پر مقدم ہے اور فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا بھئی!جب مقدم ہو جائے کوئی لفظ تو وہ کچھ اور تو ترکیب میں بنے گا لیکن فاعل نہیں بن سکتا۔تو الْهِلَالُ ظَهَرَ، الْهِلَالُ کا لفظ ظَهَرَ پر کیا ہے؟مقدم ہے، لہذا یہ ظَهَرَ کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟نہیں بن سکتا۔تو لہذا اب الْهِلَالُ کو میں نے کیا بنایا؟مبتدا، اور ظَهَرَ فعل۔ظَهَرَ کے بعد تو آگے کوئی لفظ ہے نہیں اور اس کے لیے فاعل ضرور چاہیے، الْهِلَالُ تو اس کا فاعل بن نہیں سکتا پھر اسی کے اندر کیا کریں گے؟ضمیر نکالیں گے، تو ظَهَرَ فعل کا اسناد ہوا کس کی طرف؟هُوَ ضمیر کی طرف، وہ اس کے لیے فاعل ہے اور وہی هُوَ ضمیر راجع ہے کس کو؟الْهِلَالُ کو۔تو لہذا ظَهَرَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کی؟الْهِلَالُ کی۔تو اسناد دو دفعہ آگیا: پہلے ظَهَرَ کا اسناد ہوا هُوَ ضمیر کی طرف، کس کی طرف؟هُوَ ضمیر کی طرف، اور پھر پورا جملہ ہو کر اس کا اسناد ہوا کس کی طرف؟ مبتدا الْهِلَالُ کی طرف بھئی!تو اسناد کتنی دفعہ آیا؟دو دفعہ، اور یہ کیوں آیا؟کیونکہ الْهِلَالُ کو میں نے مقدم کیا ہے ظَهَرَ پر۔اگر اسی کو میں مؤخر کرتا تو اسناد ایک دفعہ ہوتا ظَهَرَ الْهِلَالُ کتنی دفعہ اسناد؟ایک دفعہ، اور الْهِلَالُ ظَهَرَ اب کتنی دفعہ اسناد؟دو دفعہ۔تو کس کے اندر قوت زیادہ ہے؟الْهِلَالُ ظَهَرَ کے اندر بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟تو لہذا دیکھیے ظَهَرَ الْهِلَالُ کتنی دفعہ اسناد؟ایک دفعہ۔میں اپنی جو بات کرنے لگا ہوں اس میں میں قوت پیدا کرنا چاہتا ہوں زور پیدا کرنا چاہتا ہوں، بھئی اسناد ایک دفعہ ہو تو معلوم ہوا قوت والی بات نہیں زور والی بات نہیں، لیکن میں کیا پیدا کرنا چاہتا ہوں اپنے کلام میں؟زور پیدا کرنا چاہتا ہوں۔اگر میں کہتا ہوں نا مثلاً ظَهَرَ الْهِلَالُ چاند نظر آگیا، اب یہ ہلکی پھلکی سی بات ہے۔لیکن جب میں نے کیا کہا؟الْهِلَالُ ظَهَرَ اب میری بات قوت والی ہو گئی کیونکہ اسناد دو دفعہ آیا، گویا اب میں سننے والے کو یہ بتلا رہا ہوں کہ یہ جو میں بات کر رہا ہوں یہ کوئی بے تحقیقی بات نہیں کر رہا بلکہ کس قسم کی بات کر رہا ہوں؟پکی بات کر رہا ہوں!کیا کر رہا ہوں؟پکی مضبوط

بات کر رہا ہوں بھئی۔ تو کون سے کلام میں قوت ہے جو تحقیق کے ساتھ ہو یا جو بے تحقیق ہو؟ جو تحقیق کے ساتھ ہو یقیناً اس میں قوت ہوتی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی وہ یہی بیان کرنا چاہتا ہے کہنے والا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَتَقْوِيَةُ الْحُكْمِ، تو یہاں تقدیم کے نکات بیان ہو رہے ہیں تو یہاں الْهِلَالُ کو مقدم کیا گیا ظَهَرَ پر، کیوں مقدم کیا گیا داعی تقدیم کیا ہے یہاں پر؟ تَقْوِيَةُ الْحُكْمِ حکم میں قوت پیدا کرنا۔ حکم سے کیا مراد ہے؟ بات، آسان لفظوں میں میں نے کیا کہا تھا؟ بات، بات کے اندر قوت اور زور پیدا کرنا جو بات آپ کرنے لگے ہیں۔ وَتَقْوِيَةُ الْحُكْمِ إِذَا كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا اور حکم میں یعنی بات کو قوی کرنا إِذَا كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا جبکہ خبر کیا ہو؟ فعل ہو، یہاں پر بھی دیکھیے الْهِلَالُ مبتدا ہے اور ظَهَرَ جو اس کی خبر ہے وہ کیا ہے؟ فعل ہے۔ وَذٰلِكَ لِتَكْرَارِ الْإِسْنَادِ اور بھئی یہ تقویت حکم کیوں ہوتا ہے یہاں پر، بات میں قوت کیوں آجاتی ہے؟ کہتے ہیں لِتَكْرَارِ الْإِسْنَادِ اسناد کے تکرار کی وجہ سے۔ تکرار کا معنی ہے ایک چیز کا دوسری دفعہ آنا یہ کیا ہے؟ تکرار، تو یہاں پر بھی اسناد کا تکرار ہوا اسناد کتنی دفعہ آگیا؟ دو دفعہ آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَذٰلِكَ لِتَكْرَارِ الْإِسْنَادِ اور یہ تقویت حکم جو ہے اسناد کے تکرار کی وجہ سے ہے۔

وَالتَّخْصِيصُ اگلا نکتہ آگیا تخصیص بھئی۔ بعض اوقات ایک لفظ کو مقدم کر دیا جاتا ہے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ آپ نے ضابطہ پڑھا ہو گا: تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ۔ تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ مقدم کرنا اس لفظ کو جس کا حق مؤخر کرنا تھا، کہ اس کو کیا کیا جاتا؟ مؤخر، ایک لفظ کو مؤخر کیا جانا چاہیے تھا اس کو اگر مقدم کر دیا جائے تو یہ تقدیم فائدہ دیتی ہے حصر، قصر اور تخصیص کا۔ حَصْرٌ، قَصْرٌ قاف دو نقطوں والا اور تَخْصِيصٌ تینوں کا ایک معنی ہے اس لیے میں تینوں لفظ بول رہا ہوں: کبھی کیا لفظ بول دیتے ہیں؟ حصر، کبھی کیا لفظ بول دیتے ہیں؟ قصر، کبھی کیا لفظ بول دیتے ہیں؟ تخصیص۔ تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ جس لفظ کو مؤخر ہونا چاہیے تھا اس کو مقدم کر دینا یہ حصر، قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

■ قولہ: «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» کی تشریح

مثلاً دیکھیے بھئی قرآن میں آیا إِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ یہ إِيَّاكَ یہ مفعول ہے اس کا مقام تو مؤخر تھا بھئی نَعْبُدُكَ، نَعْبُدُكَ، لیکن پھر ترجمہ کیا ہوتا اگر یہ مؤخر ہوتا؟ نَعْبُدُكَ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ تو یہاں اللہ کی عبادت کا تو اقرار ہے لیکن غیر اللہ کی عبادت کی نفی نہیں، تخصیص یہاں نہیں ہے! اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، بھئی باقیوں کی بھی عبادت کرتے ہو یا نہیں کرتے اس بارے میں ذکر ہی نہیں یہاں پر، ہاں اگر باقیوں کی بھی عبادت ہو تو بھی یہ کلام صحیح ہے یعنی واقع کے مطابق پھر بھی ہو جاتا نَعْبُدُكَ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر کیا کیا گیا؟ نَعْبُدُكَ کاف ضمیر جو مفعول کی تھی اس کو مقدم کر دیا گیا، پہلے ضمیر متصل تھی اب ضمیر منفصل آگئی وہی ضمیر ہے بس منفصل بن گئی، اب کیا بنا؟ إِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ تو جس لفظ کا حق مؤخر ہونا تھا اس کو مقدم کر دیا گیا، اور تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ جس کا حق مؤخر ہونا تھا لیکن اس کو مقدم کر دیا گیا یہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے! إِيَّاكَ نَعْبُدُ اب کیا ترجمہ ہو گا؟ ہم صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی ہم صرف آپ کی عبادت کرتے ہیں، اب تخصیص آگئی!

تخصیص کس کو کہتے ہیں؟ تخصیص کہتے ہیں مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہے تو باقیوں سے اس کی نفی ہے! تخصیص کسے کہتے ہیں؟ مذکور جس کو ذکر کیا جا رہا ہے اس کے لیے ایک چیز کا اثبات ہے تو باقی سب سے اس کی کیا ہے؟ نفی ہے۔ اسی طرح نفی کے اندر دیکھ لیں تخصیص: مذکور کے لیے ایک چیز کی نفی ہے تو باقیوں کے لیے اس کا اثبات ہے! تخصیص کی بات کر رہا ہوں تخصیص کسے کہتے ہیں؟ یا یوں کہیں ایک کے لیے ایک چیز کا اثبات ہے تو باقیوں سے اس چیز کی نفی ہے، اور نفی میں اگر ایک سے ایک چیز کی نفی ہے تو باقیوں کے لیے اس کا اثبات ہے یہ ہے تخصیص بھئی۔ یعنی باقیوں کا معاملہ اس ایک سے برعکس ہو: اس کے لیے اگر اثبات ہے تو باقیوں سے کیا ہو؟ نفی، اور اگر اس سے نفی ہے تو باقیوں کے لیے اثبات ہو یہ ہے تخصیص بھئی۔ تو یہاں پر دیکھیے إِيَّاكَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ کے لیے عبادت کا جب اقرار ہے تو باقیوں کی عبادت کی نفی ہے، دیکھا یہ ہے تخصیص بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح دیکھیے مَا أَنَا قُلْتُ، مفعول یہاں محذوف ہے مَا أَنَا قُلْتُ هٰذَا، سمجھ میں آیا؟ قَالَ مفعول چاہتا ہے اس کو حذف کر دیا کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے زائد چیز ہوتی ہے اس کو بعض اوقات کلام سے حذف بھی کر لیتے ہیں، فاعل کو تو حذف نہیں کیا جا سکتا لیکن مفعول وغیرہ کو حذف کیا جا سکتا ہے۔ تو مثلاً میں کہتا ہوں مَا أَنَا قُلْتُ هٰذَا یہاں پر بھی تخصیص ہے، یہاں پر بھی تخصیص ہے۔ کس طرح تخصیص ہے؟ بھئی دیکھیے ایک بات آپ تک پہنچی ہے آپ کے خلاف کسی نے کی، آپ کے خلاف ایک بات ہے کسی نے کی ہے وہ آپ تک پہنچ گئی۔ آپ کا خیال ہے کہ وہ بات میں نے اور زید نے کی ہے، کس نے کی ہے؟ میں نے اور زید دونوں نے کی ہے۔ یا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں نے کی ہے زید نے نہیں کی۔ دونوں صورتیں ذہن میں ہیں؟ پہلی صورت کیا؟ ہاں پہلا یہ گمان ہے کہ یہ زید اور یہ جس سے مخاطب ہوں یہ دونوں شریک ہیں اس بات کے اندر۔ یا دوسری صورت کیا؟ کہ اب آپ میرے پاس آئے ہیں تو آپ کا خیال ہے اس مخاطب نے یہ بات کی ہے زید نے نہیں کی۔ تو جواب میں میں اب آپ کو کہتا ہوں، آپ نے مجھ سے کہا کہ یہ بات آپ نے کیوں کی تو میں آپ کو جواب میں کیا کہتا ہوں: مَا أَنَا قُلْتُ هٰذَا، مَا أَنَا قُلْتُ هٰذَا یہ میں نے تو نہیں کہا!

ترجمے پہ نظر ہے؟ یہ میں نے تو نہیں کہا، دیکھا یہ تخصیص ہے! یہ کیا ہے؟ تخصیص ہے۔ میں اپنی نفی کر رہا ہوں لیکن لفظوں پہ آپ غور کریں غیر کے لیے اثبات بھی ہو

رہا ہے: یہ میں نے تو نہیں کہا، میں نے یہ نہیں کہا یہ بات کسی نے کی ہی نہیں بلکہ میں صرف کس سے نفی کر رہا ہوں؟ اپنے سے، یہ میں نے تو نہیں کہا معلوم ہوا غیر نے کہا ہے! یعنی میں یہاں تخصیص پیدا کر رہا ہوں، اپنے سے نفی کر رہا ہوں اور دوسرا جو زید ہے اس کے لیے کیا کر رہا ہوں؟ اثبات کر رہا ہوں، یہ ہے تخصیص بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آیا یہ میں نے تو نہیں کہا؟ تو اگر آپ کا یہ خیال تھا دیکھو، آپ کا اگر یہ خیال تھا دونوں نے بات کی ہے تو جواب میں اب آگیا یہ میں نے تو نہیں کہا معلوم ہوا میں نے نہیں کہا کس نے کہا ہے؟ زید نے، میں نے آپ کو بتا دیا کہ نہیں اس بات میں ہم دونوں شریک نہیں ہیں صرف زید نے یہ بات کی ہے میں نے نہیں کی۔ دوسری صورت آپ کا کیا خیال تھا؟ کہ میں نے کی ہے یہ بات زید نے نہیں کی، میں نے آپ کو کہہ دیا مَا أَنَا قُلْتُ هٰذَا یہ میں نے تو نہیں کہا یعنی آپ کو بتلا دیا آپ کا خیال بالکل برعکس ہے، حقیقت کے برعکس ہے: جس نے نہیں کی اس کے بارے میں آپ سمجھ رہے ہیں کی ہے اور جس نے کی ہے اس کے بارے میں آپ سمجھ رہے ہیں کہ اس نے نہیں کی بھئی! صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مَا أَنَا قُلْتُ هٰذَا یہ میں نے تو نہیں کہا تخصیص آگئی، یہاں کیا آگئی؟ تخصیص آگئی۔

تخصیص کس طرح اور کس وجہ سے آئی؟ یاد رکھیے ضابطہ بھئی: مسند فعلی پر اگر فاعل معنوی کو مقدم کر دیا جائے تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً دیکھیے بھئی ضَرَبْتُ زَيْدًا کیا ترجمہ کریں گے؟ میں نے زید کی پٹائی کی۔ اور ضَرَبْتُ زَيْدًا فاعل کون اس کے اندر؟ متکلم ہے، کون ہے؟ متکلم۔ اسی متکلم کی ضمیر کو اگر شروع میں لے آئیں أَنَا ضَرَبْتُ زَيْدًا، سنیے بھئی عربی بلاغت کے نکات انسان حیران رہتا ہے بھئی کتنی باریک اور گہری باتیں ہیں! ضَرَبْتُ زَيْدًا کیا ترجمہ؟ میں نے زید کی پٹائی کی ہے، کسی اور نے کی ہے یا نہیں کی یہ ذکر ہی نہیں کلام کے اندر۔ سمجھ میں آیا؟ لیکن اگر اسی پر فاعل کون ہے متکلم ہے اسی متکلم کی ضمیر کو شروع میں بھی لے آؤں أَنَا ضَرَبْتُ زَيْدًا اب ترجمہ ہو گا: میں نے ہی زید کی پٹائی کی ہے! تخصیص آگئی، اب کیا معنی؟ تخصیص کسے کہتے تھے؟ ایک کے لیے اثبات ہے تو باقیوں سے نفی، معلوم ہوا میں نے کی ہے کسی اور نے نہیں کی۔ پہلے کلام میں تخصیص نہیں تھی صرف اتنا تھا ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی ہے کسی اور نے کی ہو یا نہ کی ہو اس کا ذکر ہی نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جب فعل پر اس کے فاعل معنوی کو کیا کر دیا جائے؟ مقدم، تو پھر وہ اس میں تخصیص پیدا کر دیتا ہے۔ دیکھو ضَرَبْتُ اس کا فاعل بھی متکلم اور شروع میں ضمیر بھی کون سی لے آئے؟ أَنَا، تو یہاں پر تخصیص آئے گی۔ اسی طرح ضَرَبْتَ ہے، ضَرَبْتَ کا اسناد کس کی طرف ہے؟ مخاطب کی طرف، تو اسی مخاطب فاعل کی ضمیر کو مقدم کر دو أَنْتَ ضَرَبْتَ اس میں بھی تخصیص آجائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا اسی میں فاعل کی ضمیر هُوَ مقدم کر دو هُوَ ضَرَبَ، ضَرَبَ کے اندر بھی هُوَ اور مقدم بھی کس کو کیا؟ هُوَ ہی کو تو اس میں بھی کیا آگئی؟ تخصیص آگئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو فاعل معنوی کو جب مسند فعلی پر مقدم کر دیں، مسند کون ہے یہاں؟ قُلْتُ، أَنَا مبتدا ہے اور قُلْتُ اس کی خبر، اس قُلْتُ کے فاعل معنوی یعنی اسی فاعل کو کیا کر دیا گیا اس پر؟ مقدم کر دیا گیا تو اس نے کیا پیدا کر دی؟ تخصیص۔ اگر ہوتا أَنَا قُلْتُ هٰذَا کیا ترجمہ تھا؟ یہ میں نے ہی کہا ہے، اور مَا أَنَا قُلْتُ هٰذَا یہ میں نے تو نہیں کہا بھئی۔ تو کہتے ہیں وَالتَّخْصِيصُ نَحْوُ مَا أَنَا قُلْتُ وَإِيَّاكَ نَعْبُدُ اور کبھی تقدیم کا داعی تخصیص ہو گا جیسے مَا أَنَا قُلْتُ یہ میں نے تو نہیں کہا وَإِيَّاكَ نَعْبُدُ اور اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

■ قولہ: «وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ أَوْ سَجْعٍ» کی تشریح

وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ أَوْ سَجْعٍ اور کبھی تقدیم کا داعی کیا ہو گا؟ حفاظت کرنا عَلَى وَزْنٍ وزن پر، یعنی شعر کے وزن کو برقرار رکھنے کے لیے ایک لفظ کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ مقدم کر دیا جاتا ہے اور دوسرے کو مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ أَوْ سَجْعٍ یا کبھی سجع کا وزن برقرار رکھنے کے لیے۔ سجع میں نے آپ کو بتایا تھا کلام نثر جو ہے، ایک ہے نظم جس میں اشعار ہوتے ہیں ایک نثر ہے جیسے یہ عام کلام آپ پڑھ رہے ہیں اس کو نثر کہتے ہیں، نثر کے اندر بعض اوقات چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے ہیں ان چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں کا اختتام ایک جیسے حروف اور وزن پر ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں رعایت سجع۔ کیا کہتے ہیں؟ رعایت سجع۔ اور اسی کو میں نے بتایا تھا قرآن میں رعایت فاصلہ کہتے ہیں بطور ادب کے۔ کیا کہتے ہیں؟ رعایت فاصلہ کیونکہ سجع کا معنی تو ہے کبوتر کی آواز اور اس لفظ کا اطلاق قرآن کے لیے مناسب نہیں بے ادبی ہے لہذا وہاں مفسرین رعایت فاصلہ کہتے ہیں۔ تو بعض اوقات ایک لفظ کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ مقدم اور دوسرے کو مؤخر کیا جاتا ہے مقصد کیا ہوتا ہے؟ رعایت سجع یعنی فقروں کا ایک جیسے لفظوں پر تاکہ اختتام ہو بھئی۔

جیسے دیکھیے بھئی: إِذَا نَطَقَ السَّفِيهُ فَلَا تُجِبْهُ فَخَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ السُّكُوتُ۔ إِذَا نَطَقَ، نَطَقَ کے معنی بولنا تکلم کرنا، السَّفِيهُ سفیہ کہتے ہیں ناسمجھ کو بے وقوف کو: إِذَا نَطَقَ السَّفِيهُ شاعر نصیحت کر رہا ہے کسی کو کہتا ہے إِذَا نَطَقَ السَّفِيهُ جب کوئی بے وقوف بات کرے فَلَا تُجِبْهُ تو تو اس کو جواب نہ دے! جب کوئی بے وقوف ناسمجھ آدمی تجھ سے کیا کرے؟ بات کرے فَلَا تُجِبْهُ تو تو اس کو جواب نہ دے فَخَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ السُّكُوتُ تو بہتر ہے اس کو جواب دینے سے السُّكُوتُ خاموش رہنا، اس کو جواب دینے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔ تو دیکھیے مقام استشہاد ہے کہ فَخَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ اس کو مقدم کر دیا گیا اور السُّكُوتُ کو کیا کر دیا گیا؟ مؤخر کر دیا گیا۔ اصل میں کلام یوں ہے فَالسُّكُوتُ خَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ خاموش رہنا بہتر ہے اس کو جواب دینے سے، تو السُّكُوتُ مبتدا کو مؤخر کیا گیا اور خَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ خبر کو کیا کر دیا گیا؟ مقدم کر دیا گیا۔ کس لیے؟ محافظت علی الوزن بھئی شعر کے وزن کی حفاظت کرنے کے لیے، اگر السُّكُوتُ کو مقدم کر دیا جاتا اور خَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ کو مؤخر کر دیا جاتا تو شعر کا وزن برقرار نہ رہتا اور یہ شعر شعر رہتا ہی نہ۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ تھی محافظت علی الوزن کی مثال۔

وَالثَّانِي دوسرا کیا تھا؟ محافظت علی السجع اس کی مثال جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ۔ اب دیکھیے بھئی قیامت کے دن ارشاد ہو گا مجرموں کے بارے میں خُذُوهُ اس کو پکڑو فَغُلُّوهُ اس کو طوق پہنا دو یعنی گلے کے اندر اس کے طوق پہنا دو ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ، جحیم جہنم، صَلُّوهُ داخل کرنا: ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ پھر جہنم کے اندر اس کو داخل کر دو، پھر اس کو جہنم میں داخل کر دو ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ، سِلْسِلَةٌ بیڑی، زنجیر بھئی زنجیر: ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ پھر ایک ایسی بیڑی میں ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا، ذَرْعُهَا کہ جس کی پیمائش سَبْعُونَ ذِرَاعًا ستر گز ہے، پھر ایک ایسی زنجیر جس کی پیمائش کتنی ہے؟ ستر گز ہے فَاسْلُكُوهُ اس میں اس کو جکڑ دو! سمجھ میں آیا بھئی؟ قیامت کے دن مجرموں کے بارے میں کیا ارشاد ہو گا کہ اس کو پکڑو اور اس کو طوق پہناؤ اس کے گلے میں وہ طوق ڈال دو لوہے کا، پھر اس کو جہنم کے اندر ڈال دو، پھر ایک ایسی بیڑی میں جس کی پیمائش کتنی ہے؟ ستر گز ہے اس کو جکڑ دو اس میں اس کو باندھ دو بھئی جہنم کے اندر۔

اب دیکھیے یہاں پر کیا آیا؟ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ، اصل میں یوں ہونا چاہیے صَلُّوهُ الْجَحِيمَ اس کو داخل کر دو کس میں؟ جہنم میں، لیکن الْجَحِيمَ کو مقدم کیا گیا اور صَلُّوهُ کو کیا کیا گیا؟ مؤخر۔ کس لیے مؤخر کیا گیا؟ رعایت سجع کے لیے یعنی قرآن کے اعتبار سے کیا کہیں گے؟ رعایت فاصلہ کے اعتبار سے، کیونکہ پیچھے آیا تھا فَغُلُّوهُ اب آخر میں دوسرے کے کیا آ گیا؟ صَلُّوهُ کیونکہ جحیم کو تو اس پر مقدم کر دیا۔ پھر اسی طرح ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ یہاں پر بھی کلام تو اصل میں یوں ہونا چاہیے فَاسْلُكُوهُ پھر اس کو جکڑ دو فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش کتنی ہے؟ ستر گز ہے، تو فَاسْلُكُوهُ کو مقدم ہونا چاہیے تھا اور فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا کو مؤخر ہونا چاہیے تھا، لیکن فَاسْلُكُوهُ کو کیا کیا گیا؟ مؤخر کیا گیا اور فِي سِلْسِلَةٍ کو مقدم کیا گیا کس وجہ سے؟ رعایت فاصلہ کے لیے تاکہ ایک جیسے وزن اور لفظوں پر ان کا اختتام ہو: فَغُلُّوهُ، صَلُّوهُ، فَاسْلُكُوهُ یہ سب کے آخر میں آ رہا ہے ایک جیسا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

وَلَمْ يُذْكَرْ لِكُلٍّ مِنَ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ دَوَاعٍ خَاصَّةٌ اور نہیں ذکر کیے جاتے ہر ایک کے لیے تقدیم اور تاخیر میں سے خاص دواعی۔ بھئی یہاں سے اب آپ کو یہ بتلا رہے ہیں: تقدیم کے کچھ نکات انہوں نے بیان کر دیے، آگے اب تاخیر کے نکات ذکر نہیں کہ کسی لفظ کو مؤخر کیا جاتا ہے اس کو مؤخر کرنے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں۔ یہ تو تھے کس کے نکتے بھئی؟ تقدیم کے، اب تاخیر کے نکتے نہیں بیان کرتے علمائے بلاغت اپنی کتابوں میں اس کی کیا وجہ ہے وہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں بھئی دیکھیے تاخیر کے علیحدہ نکتے نہیں بیان ہوتے اس لیے کیونکہ جہاں تقدیم ہو گی وہاں خود بخود کیا ہو گی؟ تاخیر، جہاں ایک لفظ کو مقدم کریں گے یقیناً دوسرے کو کیا کرنا پڑے گا؟ مؤخر کرنا پڑے گا، تو لہٰذا جو نکتے ایک لفظ کو مقدم کرنے میں ہیں بعینہ وہی نکتے دوسرے لفظ کو مؤخر کرنے میں بھی ہیں، وہی نکتے ہیں لہٰذا اس کو علیحدہ سے ذکر نہیں کیا۔

یہ معنی ہے وَلَمْ يُذْكَرْ لِكُلٍّ مِنَ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ دَوَاعٍ خَاصَّةٌ اور نہیں ذکر کیے جاتے تقدیم اور تاخیر ان میں سے ہر ایک کے لیے دَوَاعٍ خَاصَّةٌ خاص دواعی ان میں سے ہر ایک کے لیے ذکر نہیں کیے جاتے یعنی بلاغت کی کتابوں میں لِأَنَّهُ إِذَا تَقَدَّمَ أَحَدُ رُكْنَيِ الْجُمْلَةِ تَأَخَّرَ الْآخَرُ اس لیے کیونکہ جب مقدم ہو گیا أَحَدُ رُكْنَيِ الْجُمْلَةِ، اصل میں تھا رُكْنَيْنِ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، جب جملے کے دو رکنوں میں سے کسی ایک کو مقدم کر دیا جائے تَأَخَّرَ الْآخَرُ تو دوسرا کیا ہو جاتا ہے؟ مؤخر ہو جاتا ہے فَهُمَا مُتَلَازِمَانِ تو یہ تقدم اور تاخر کیا ہیں ایک دوسرے کے ساتھ؟ لازم ہیں: جہاں تقدم ہو گا تو دوسرے لفظ کے لیے خود بخود کیا آ جائے گا؟ تاخر، اور جہاں ایک لفظ کا تاخر ہو گا تو دوسرے لفظ کے لیے کیا آ جائے گا؟ تقدم۔ تو لہٰذا جو تقدیم کے نکتے ہیں بعینہ وہی نکتے کس کے ہیں؟ اس دوسرے لفظ کی تاخیر کے ہیں۔ مثلاً دیکھیے إِيَّاكَ نَعْبُدُ یہاں پر إِيَّاكَ کو مقدم کیا گیا تو إِيَّاكَ کے مقدم کرنے میں جو نکتہ ہے، یہاں نَعْبُدُ کو مؤخر کیا گیا تو بعینہ وہی نکتہ نَعْبُدُ کو مؤخر کرنے میں بھی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۱: الباب الرابع في التعريف والتنكير: مقامِ تعریف و تنکیر اور معرفہ کی چھ اقسام میں ضمیر کے بلاغی نکات

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۱ــــ بتاریخ: ۴ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلْبَابُ الرَّابِعُ فِي التَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيمِ الْمُخَاطَبِ ارْتِبَاطَ الْكَلَامِ بِمُعَيَّنٍ فَالْمَقَامُ لِلتَّعْرِيفِ وَإِذَا لَمْ يَتَعَلَّقِ الْغَرَضُ بِذَلِكَ فَالْمَقَامُ لِلتَّنْكِيرِ وَلِتَفْصِيلِ هَذَا الْإِجْمَالِ نَقُولُ مِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّ الْمَعَارِفَ الضَّمِيرُ وَالْعَلَمُ وَاسْمُ الْإِشَارَةِ وَالِاسْمُ الْمَوْصُولُ وَالْمُحَلَّى بِأَلْ وَالْمُضَافُ لِوَاحِدٍ مِمَّا ذُكِرَ وَالْمُنَادَى۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

اَلْبَابُ الرَّابِعُ فِي التَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ، چوتھا باب تعریف اور تنکیر کے بیان میں، یعنی معرفہ اور نکرہ لانے کے بیان میں۔ بھئی آپ عِلْمُ الْمَعَانِي پڑھ رہے ہیں، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ بڑی نحو ہے، ایک چھوٹی نحو ہے جس کے اندر آپ کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ فاعل مسند الیہ ہوتا ہے اور اس پر رفع پڑھا جاتا ہے، اسی طرح نَائِبُ الْفَاعِلِ بھی مسند الیہ ہوتا ہے اس پر رفع پڑھا جاتا ہے۔ مبتدا پر بھی رفع پڑھتے ہیں، خبر پر بھی رفع پڑھتے ہیں، اور مفعول منصوب ہوتا ہے، اسی طرح إِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے اس کی خبر مرفوع ہوتی ہے وغیرہ، اس طرح کی چیزیں یعنی اعراب وغیرہ بتلائے جاتے ہیں۔

یہاں آپ کو اعراب وغیرہ نہیں بتلائے جائیں گے بلکہ آپ کو یہ بتلایا جائے گا جیسے کہ آپ پڑھتے آئے ہیں بھئی کہ کبھی کبھار جو ہے معرفہ لایا جاتا ہے کسی چیز کو، معرفہ لانے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں، کبھی کسی چیز کو نکرہ ذکر کیا جاتا ہے، نکرہ لانے میں کیا نکتے ہوتے ہیں۔ جیسے پچھلے باب میں آپ نے پڑھا کہ کبھی کسی چیز کو مقدم کیا جاتا ہے، مقدم کرنے میں کیا نکات ہوتے ہیں، کسی لفظ کو مؤخر کیا جاتا ہے، مؤخر کرنے میں کیا نکات ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے پڑھا کبھی کسی لفظ کو ذکر کیا جاتا ہے تو ذکر کے کیا کیا دواعی ہوتے ہیں، اس میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں، کبھی کسی لفظ کو حذف کیا جاتا ہے، حذف کی کیا کیا وجوہات ہوتی ہیں، کن نکات کی بنا پر حذف کیا جاتا ہے۔ تو آج اس باب کے اندر آپ کو بتلا رہے ہیں تعریف اور تنکیر کے بارے میں کہ کبھی کسی لفظ کو کیا کیا جاتا ہے؟ معرفہ ذکر کیا جاتا ہے، معرفہ کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟ اس کے لانے میں کیا نکتے ہوتے ہیں؟ اور تنکیر یعنی کسی اسم کو نکرہ لایا جاتا ہے، نکرہ لانے کے اندر کیا کیا نکات ہوتے ہیں؟

تو کہتے ہیں اَلْبَابُ الرَّابِعُ فِي التَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ، چوتھا باب جو ہے تعریف اور تنکیر کے بیان میں۔ إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيمِ الْمُخَاطَبِ، جب غرض کا تعلق، یعنی متکلم کی جو غرض ہے اس کا تعلق بِتَفْهِيمِ الْمُخَاطَبِ مخاطب کو سمجھانا ہو، جب متکلم کی غرض کیا ہو؟ مخاطب کو سمجھانا ہو، کیا سمجھانا ہو؟ اِرْتِبَاطَ الْكَلَامِ بِمُعَيَّنٍ کہ اس کلام کا ربط ہے کسی معین کے ساتھ، تو فَالْمَقَامُ لِلتَّعْرِيفِ تو وہ مقام کس چیز کا ہے؟ تعریف کا۔

بھئی سب سے پہلے معرفہ اور نکرہ کو سمجھ لیجیے۔ معرفہ وہ اسم ہے جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ ہاں وہ اسم جو کسی معین ذات پر دلالت کرے اسے معرفہ کہا جاتا ہے، اور وہ اسم جو کسی ذاتِ غیر معین پر دلالت کرے اسے نکرہ کہتے ہیں۔ تو معرفہ کسی معین ذات پر دلالت کرے گا، اور نکرہ وہ ہے جو ذاتِ غیر معین پر دلالت کرے بھئی۔ مثلاً آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام زید ہے، تو دیکھیے جیسے ہی میں نے کہا زید، آپ کے ذہن میں اس معین ساتھی کا تصور آ گیا۔ اس معین ساتھی کا تصور، تو لفظِ زید دیکھیے یہ علم ہے اور یہ معرفہ کی اقسام میں سے ہے، اور اس نے ایک معین ذات پر دلالت کی۔ اب آپ کے ذہن میں بکر یا خالد وغیرہ کا تصور نہیں آیا بلکہ زید کہا تو کس کا تصور آیا؟ زید اس معین ذات ہی کا تصور آپ کے ذہن میں آیا بھئی۔

یا اسی طرح بھئی مثلاً اور کوئی لے لیں، هَذَا میں کسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہوں، تو دیکھو کوئی متعین چیز ہو گی جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں گا۔ یا اسی طرح میں اَلَّذِي اسم موصول استعمال کرتا ہوں، اَلَّذِي لَقِيتَهُ أَمْسِ وہ آدمی جس سے آپ کی کل ملاقات ہوئی تھی، دیکھو فوراً ایک متعین شخص جس سے آپ کی کل ملاقات ہوئی تھی وہ آپ کے ذہن میں آگیا بھئی۔ یا اسی طرح بھئی ان کی طرف مضاف ہو جائے، آگے یہ ذکر بھی کریں گے، مثلاً غلام بھئی، غلام نکرہ ہے لیکن جب معرفہ کی طرف اس کی اضافت ہو جائے تو پھر یہ بھی معرفہ بن جاتا ہے، جیسے غُلَامُكَ آپ کا غلام۔ مثلاً آپ کا کوئی غلام ہے تو جیسے ہی میں نے غُلَامُكَ کہا، غُلَامُكَ، تو یہ لفظ کہتے ہی فوراً آپ کے ذہن میں اس کا تصور آگیا، اس نے اس معین غلام پر دلالت کر دی۔ کسی دوسرے کا غلام آپ کے ذہن میں نہیں آیا بلکہ آپ کا اپنا غلام آپ کے ذہن میں آگیا بھئی۔

سمجھ میں آیا؟ تو معرفہ جو ہے وہ کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں نکرہ وہ ذاتِ غیر معین پر دلالت کرتا ہے، یعنی غیر معین ذات پر دلالت کرتا ہے، جیسے رَجُلٌ۔ رَجُلٌ کا کیا معنی؟ کوئی آدمی۔ تو اب رَجُلٌ کہا تو کوئی متعین آدمی آپ کے ذہن میں نہیں آیا، تو دیکھیے یہ نکرہ ہے، اس نے کس پر دلالت کی؟ ایک غیر معین ذات پر دلالت کی بھئی۔

■ قولہ: «إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيمِ...» کی تشریح

تو یہاں سے اب آپ کو یہی بتلا رہے ہیں کہ إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيمِ الْمُخَاطَبِ جب غرض کا تعلق ہو، اَلْغَرَضُ معرفہ کہا بھئی، کس کی غرض مراد ہے؟ متکلم کی جو بات کرنے والا ہے، جب اس کی غرض یعنی اس کے مقصد کا تعلق جو ہے بِتَفْهِيمِ الْمُخَاطَبِ مخاطب کو یہ سمجھانا ہو کہ اِرْتِبَاطَ الْكَلَامِ بِمُعَيَّنٍ کہ اس کلام کا ربط ہے، تعلق ہے بِمُعَيَّنٍ کسی معین چیز، معین ذات کے ساتھ، فَالْمَقَامُ لِلتَّعْرِيفِ تو وہ مقام کس چیز کا ہے؟ تعریف کا ہے یعنی معرفہ لانے کا ہے۔ آسان لفظوں میں یوں کہیے، جب آپ مخاطب سے، مخاطب جو ہے، سامع جو ہے، جس سے آپ بات کر رہے ہیں، جب آپ اس کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میری اس بات کا تعلق کسی متعین شخص یا متعین چیز کے ساتھ ہے تو یہ مقام معرفہ کا ہے، کیونکہ متعین چیز کے لیے کون سا لفظ ہے عربی زبان میں؟ جو معرفہ ہے بھئی، وہ معرفہ متعین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی جب آپ کسی، اور آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ متکلم جب کسی معین ذات کے بارے میں بات کرنا چاہے تو اس کے لیے وہ کیا لفظ لے کر آئے؟ معرفہ لے، جب بھی کسی متعین کے بارے میں بات کرنا چاہے تو یہ مقام ہے تعریف کا، وہ معرفہ لفظ لے کر آئے کیونکہ متعین کے لیے عربی زبان میں کیا وضع ہے؟ معرفہ وضع ہیں بھئی۔

وَإِذَا لَمْ يَتَعَلَّقِ الْغَرَضُ بِذَلِكَ فَالْمَقَامُ لِلتَّنْكِيرِ اور جب اس متکلم کی غرض کا تعلق اس کے ساتھ نہ ہو، یعنی وہ مخاطب کو یہ نہیں سمجھانا چاہتا کہ کلام کا تعلق کسی معین کے ساتھ ہے، جب یہ نہیں سمجھانا چاہتا تو فَالْمَقَامُ لِلتَّنْكِيرِ تو وہ مقام کس چیز کا ہے؟ تنکیر کا ہے، نکرہ لانے کا ہے۔ خلاصہ کلام کیا ہوا؟ اگر متکلم سننے والے کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میرے اس کلام کا، یہ جو میں بات اب کر رہا ہوں اس کا تعلق کسی معین ذات کے ساتھ ہے، تو وہ مقام کس چیز کا ہے؟ تعریف کا ہے، وہاں معرفہ لایا جائے۔ اور جب متکلم کی یہ غرض نہ ہو تو وہ مقام تنکیر کا ہے، وہاں پر کس قسم کا اسم لایا جائے؟ نکرہ لایا جائے۔

وَلِتَفْصِيلِ هَذَا الْإِجْمَالِ نَقُولُ اور اس اجمال کی تفصیل کے لیے ہم کہتے ہیں۔ اجمال کہتے ہیں مختصر کلام کرنا۔ اجمال کا کیا معنی؟ مختصر کلام کرنا، اس کے مقابل ہے تفصیل بھئی۔ تو یہاں دیکھیے انہوں نے اجمالی بات کی، مختصر بات کی پہلے جو ذکر کی، کون سی مختصر بات؟ یہی جو دو جملے پہلے ذکر کر دیے کہ جب مخاطب کو یہ بات بتلانا مقصد ہو کہ کلام کا تعلق کسی معین ذات کے ساتھ ہے تو وہ معرفہ لانے کا مقام ہے، اور جب متکلم کی یہ غرض نہ ہو تو وہ نکرہ لانے کا مقام ہے۔ یہ جو ہم نے اجمالاً اور مختصر کلام کیا اس کی تفصیل کے لیے نَقُولُ ہم کہتے ہیں: مِنَ الْمَعْلُومِ معلوم باتوں میں سے ہے کہ أَنَّ الْمَعَارِفَ کہ معرفہ جو ہیں وہ یہ ہیں بھئی، ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ کہ یہ بات آپ کو معلوم ہے بھئی، آپ نحو کے اندر پڑھ چکے ہیں کہ معرفہ جو ہیں اَلضَّمِيرُ وہ کیا ہے؟ ضمیر ہے، وَالْعَلَمُ اور علم ہے، نام ہے کسی کا، وَاسْمُ الْإِشَارَةِ اور اسم اشارہ ہے، وَالِاسْمُ الْمَوْصُولُ اور اسم موصول ہے، وَالْمُحَلَّى بِأَلْ۔ مُحَلَّى مزین کیا ہوا، حِلْيَةٌ اصل میں کہتے ہیں زیور کو، زیور کو۔ حِلْيَةٌ کسے کہتے ہیں؟ تو حلیہ زیور کو کہتے ہیں تو مُحَلَّى اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کو زیور پہنایا گیا ہو۔ اَلْمُحَلَّى کا کیا معنی؟ تو اَلْمُحَلَّى بِأَلْ وہ لفظ جس کو أَلْ کا زیور پہنایا گیا ہو یعنی الف لام کا، یعنی جس پر الف لام داخل کیا گیا ہو، یعنی معرف باللام، بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے اَلرَّجُلُ، اَلرَّجُلُ کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ تو اور مُحَلَّى بِأَلْ جو ہے اور معرف باللام جو ہے، وَالْمُضَافُ لِوَاحِدٍ مِمَّا ذُكِرَ اور ان میں سے یہ جو ذکر کیے گئے ان میں سے کسی ایک کی طرف جو لفظ مضاف ہو، وَالْمُنَادَى اور اسی طرح منادیٰ ہے۔

بھئی دیکھیے یہ معرفہ کی ساری قسمیں انہوں نے ذکر کر دیں۔ ایک ضمیر ہے بھئی پہلے نمبر پر، آپ جانتے ہیں أَنَا، أَنْتَ، أَنْتُمَا، هُوَ، هُمَا، هُمْ وغیرہ یہ ساری کیا ہیں؟ ضمیریں ہیں، اور یہ ضمیریں معرفہ ہیں کیونکہ یہ کس پر دلالت کرتی ہیں؟ معین ذات پر۔ أَنَا جب میں کہوں گا تو أَنَا سے مراد میری ذات ہو گی اور میری ذات کیا ہے؟ متعین۔ أَنْتَ جب میں کہوں گا تو جس سے بات کر رہا ہوں اس کی ذات مراد ہو گی اور وہ بھی کیا ہے؟ متعین ہے میرے سامنے موجود ہے۔ اور جب میں هُوَ کہوں گا ایک شخص جس کا ایک دفعہ ذکر ہو چکا تھا تو دوبارہ میں بار بار اس کا کلام میں، آپ بھی اسی طرح کرتے ہیں ایک شخص کا جب ایک دفعہ ذکر ہو جائے تو پھر بار بار اس کا نام نہیں لیتے بلکہ غائب کی ضمیر کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید آیا فَأَكْرَمْتُهُ تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ فَأَكْرَمْتُهُ ہا ضمیر لے کر آئے، آپ نے یہ نہیں کہا فَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، دوبارہ نام نہیں ذکر کیا کیونکہ ایک دفعہ نام ذکر ہو چکا، تو اب جب ایک دفعہ ایک چیز کا ذکر ہو جائے تو وہ متعین ہو گئی لہٰذا اب

اس کے لیے ضمیر پھر لائی جاتی ہے، تو ضمیر ہمیشہ کس پر دلالت کرتی ہے؟ کسی متعین ذات پر۔

وَالْعَلَمُ دوسری قسم علم ہے، نام ہے بھئی زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ، دیکھیے آپ کے ساتھیوں کے نام ہیں مختلف اور جو نام لیا جائے وہی ذات آپ کے ذہن میں آتی ہے تو دیکھیے یہ بھی معرفہ ہیں۔ وَاسْمُ الْإِشَارَةِ اور اسی طرح اسم اشارہ ہے بھئی هَذَا، ذَلِكَ وغیرہ۔ تو هَذَا اور ذَلِكَ کے ذریعے آپ کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں، قریب ہو تو کہتے ہیں هَذَا، دور ہو تو کہتے ہیں ذَلِكَ، اور کسی متعین چیز کی طرف آپ اس کے ذریعے اشارہ کرتے ہیں تو یہ بھی معرفہ۔ اور اسی طرح اسم موصول ہے بھئی الَّذِي وغیرہ یہ بھی کیا ہیں؟ یہ بھی معرفہ ہیں۔ وَالْمُحَلَّى بِأَلْ اور وہ لفظ جو معرف باللام ہو جس پر الف لام داخل ہو وہ بھی معرفہ ہے جیسے رَجُلٌ، رَجُلٌ کا معنی کوئی آدمی، لیکن اسی پر الف لام آجائے اَلرَّجُلُ معلوم ہوا کوئی متعین آدمی مراد ہے، تو یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ وَالْمُضَافُ لِوَاحِدٍ مِمَّا ذُكِرَ اور وہ اسم جو مضاف ہو ان میں سے جو ذکر کیے گئے ان میں سے کسی ایک کی طرف، یہ جو ضمیر، علم وغیرہ ان کی طرف مضاف ہو، تو جو اسم ان کی طرف مضاف ہو گا وہ بھی معرفہ بن جائے گا۔ غلام کا لفظ نکرہ ہے لیکن ضمیر کی طرف اضافت کر دیں غُلَامُهُ اس کا غلام، دیکھیے متعین ذات پر اب دلالت کرے گا، یاغُلَامُ زَيْدٍ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَالْمُنَادَى اور اسی طرح آخری قسم ساتویں قسم کیا ہے؟ منادیٰ ہے بھئی منادیٰ۔ مثلاً بھئی ایک آدمی آپ کے سامنے سے گزر رہا ہے آپ نے اس کو آواز دی يَا رَجُلُ، يَا رَجُلُ۔ اب آپ مجھے بتائیے اس متعین آدمی جو آپ کے سامنے گزر رہا ہے اس کو ندا دی یا کسی غیر متعین کو؟ اس متعین کو، تو يَا رَجُلُ اب اس پر رجل پر یا داخل ہوا لہٰذا اب یہ بھی معرفہ ہے، یہ منادیٰ ہے بھئی۔ رجل کا لفظ خود تو نکرہ ہے لیکن اس پر کیا داخل ہو گیا؟ یا حرف ندا، اور آپ کو میں نے مثال کے ذریعے وضاحت آپ کے سامنے کر دی، دیکھیے آپ يَا رَجُلُ کہہ رہے ہیں اور کس کو کہہ رہے ہیں؟ ایک متعین آدمی، نام کا آپ کو پتہ نہیں لیکن آپ نے کیا کہہ دیا اس کو؟ يَا رَجُلُ۔ اب رَجُلُ کا لفظ نکرہ نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے ایک متعین آدمی جو آپ کے پاس سے گزر رہا تھا وہ مراد ہے، اس کو آپ آواز دے رہے ہیں تو یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ تو یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ بھی آلہ تعریف ہیں، کیا ہیں؟ آلہ تعریف، جیسے الف لام کے داخل ہونے سے کوئی لفظ معرفہ بن جاتا ہے، رجل پر الف لام داخل کیا اَلرَّجُلُ تو یہ معرفہ بن گیا، اسی طرح رجل پر یا حرف ندا کو داخل کریں تب بھی یہ کیا بن جائے گا؟ معرفہ بن جائے گا۔

تو یہ معرفہ کی اقسام تھیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ نکات بیان کریں گے کہ ضمیر کے لانے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں، ضمیر کیوں ذکر کی جاتی ہے؟ علم کے لانے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں، علم کی صورت میں معرفہ کیوں لایا جاتا ہے؟ آپ نے معرفہ لانا ہے لیکن آپ اسم اشارہ کی صورت میں لائے ہیں بھئی، اسم اشارہ کی صورت میں لانے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں؟ آپ نے معرفہ ذکر کرنا ہے، معرفہ کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن آپ کیا لے کر آتے ہیں؟ اسم موصول، اسم موصول کیوں لایا جاتا ہے، اس کے لانے میں کیا کیا نکتے ہوتے ہیں؟ یہ چیزیں اب ذکر کریں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

■ قولہ: «أَمَّا الضَّمِيرُ» کی تشریح

تو کہتے ہیں أَمَّا الضَّمِيرُ باقی ضمیر جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے لِكَوْنِ الْمَقَامِ لِلتَّكَلُّمِ أَوِ الْخِطَابِ أَوِ الْغَيْبَةِ مَعَ الِاخْتِصَارِ اس وجہ سے کہ وہ مقام جو ہے تکلم کا ہوتا ہے یا خطاب کا یا غیبت کا، مَعَ الِاخْتِصَارِ ساتھ اختصار کے، وہاں اختصار بھی مقصود ہوتا ہے۔ بھئی دیکھیے کلام کرنے کے تین طریقے ہیں: تکلم، خطاب اور غیبت۔ یا تو بات کرنے والا اپنے بارے میں بات کرے گا کہ میں نے یہ کام کیا، میں آج وہاں گیا تھا، آج میں نے زید سے ملاقات کی، یہ کیا ہے؟ کون سا انداز ہے کلام کا؟ یہ ہے تکلم بھئی، متکلم اپنے بارے میں بات کرتا ہے۔ اور ایک ہے کلام کا انداز مخاطب کے بارے میں بات کرتا ہے کہ آپ کا کیا حال ہے، آج آپ کہاں تشریف لے گئے تھے، آج آپ سبق آپ نے یاد کیا ہے یا نہیں کیا، دیکھیے اب کس کے بارے میں بات چل رہی ہے؟ مخاطب، تو اس کو کہیں گے خطاب بھئی، یہ دوسری قسم۔ تیسری قسم ہے غیبت بھئی، کسی غائب کے بارے میں بات کی جائے۔ نہ متکلم اپنے بارے میں بات کرتا ہے، نہ جس سے بات کر رہا ہے اس کی بھی بات نہیں کر رہا بلکہ ایک تیسرا غائب آدمی ہے اس کے بارے میں بات کرتا ہے کہ زید جو ہے آج میرے پاس آیا تھا، زید نے آج اس طرح کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، تو دیکھیے یہ ہے غیبت کا مقام۔ کون سا مقام ہے؟ غیبت۔ تو کلام کے کتنے طریقے ہوئے؟ تین طریقے: تکلم، خطاب اور غیبت۔

تو یاد رکھیے جب یہ مواقع ہوں تکلم، خطاب، تکلم اور خطاب اس میں ہمیشہ ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ کیا استعمال کی جاتی ہے؟ ضمیر۔ بھئی دیکھیے میں آپ کے بارے میں بات کر رہا ہوں مخاطب کے بارے میں، مثلاً آپ کا نام زید ہے، تو اب میں آپ کو یہ نہیں کہوں گا زید کا کیا حال ہے، بلکہ آپ کو کیا کہوں گا؟ آپ کا کیا حال ہے، دیکھو آپ لفظ لے کر آیا، یہ آپ اردو کے اندر ضمیر ہے، یا عربی میں کہوں گا كَيْفَ أَنْتَ۔ اب میں نے آپ کا نام تو زید ہے لیکن میں نے زید نہیں کہا كَيْفَ زَيْدٌ، بلکہ کیا کہا؟ كَيْفَ أَنْتَ۔ تو مخاطب سے جب بھی بات کی جاتی ہے کس کو ذکر کیا جاتا ہے؟ ضمیر کو ذکر کیا جاتا ہے، تو خطاب کے اندر ہمیشہ کیا استعمال ہوتی ہے؟ ضمیر۔ اور اسی طرح متکلم جب اپنے بارے میں بات کرتا ہے تب بھی ضمیر استعمال کرتا ہے۔ میں اپنے بارے میں جب بھی بات کروں گا میں اپنا نام نہیں لوں گا بلکہ کیا کروں گا؟ ضمیر، کہ میں نے آج زید سے ملاقات کی، میں آج وہاں گیا تھا، میں نے آج یہ کام کیا وغیرہ، دیکھیے یہ میں کا لفظ بول رہا ہوں اور یہ میں اردو کے اندر کیا ہے؟ ضمیر ہے، یا عربی میں جیسے کہوں گا أَنَا ذَهَبْتُ إِلَى زَيْدٍ، أَنَا فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، دیکھیے أَنَا ذکر کرتا جا رہا ہوں، تو متکلم اپنے بارے میں بھی، اپنی تعبیر بھی کس کے ساتھ کرتا ہے؟ ضمیر کے ساتھ۔ معلوم ہوا تکلم اور خطاب یہ مواقع ہی کس چیز کے ہیں؟ ضمیر کے، ان میں ضمیر ہی استعمال ہوتی ہے ہمیشہ بھئی، نام وغیرہ استعمال نہیں ہوتے۔

اور اسی طرح غیبت بھئی، غیبت غائب کا جب ایک دفعہ پہلی دفعہ ذکر ہو جائے، پہلی دفعہ تو ٹھیک ہے اس کا علم آ جائے گا یا کسی اور لفظ کے ساتھ اس کا ذکر ہو جائے گا، مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید آیا، یہ پہلی مرتبہ ذکر ہو رہا ہے، لیکن پہلی دفعہ جب ایک دفعہ ذکر ہو جائے اب اس کے بعد آگے جب بھی زید کا ذکر آئے گا اب میں لفظِ زید نہیں بولوں گا، اب میں ضمیر استعمال کرتا جاؤں گا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ پہلے کیا ذکر کر دیا؟ زید، اب آگے کہوں گا فَأَكْرَمْتُهُ، دیکھو یہ ہا ضمیر میں نے زید کے لیے استعمال کی۔ تو غائب جو ہے اس کا ایک مرتبہ ذکر کیا جاتا ہے اور جب ایک دفعہ ذکر ہو جائے تو پھر اس کے بعد اس کے لیے کیا استعمال کی جاتی ہے ہمیشہ؟ ضمیر استعمال کی جاتی ہے، بار بار اس کا نام وغیرہ یا کسی اور لفظ کے ساتھ اس کو ذکر نہیں کیا جاتا۔

تو کہتے ہیں ضمیر کیوں لائی جاتی ہے؟ بتلا رہے ہیں بھئی أَمَّا الضَّمِيرُ باقی ضمیر جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ لِكَوْنِ الْمَقَامِ لِلتَّكَلُّمِ أَوِ الْخِطَابِ أَوِ الْغَيْبَةِ اس وجہ سے کہ وہ مقام جو ہوتا ہے تکلم کا ہوتا ہے یا خطاب کا ہوتا ہے یا غیبت کا، ساتھ میں نے ذکر کر دیا غیبت میں ایک قید یاد رکھنا، غیبت میں ضمیر استعمال کر رہے ہیں لیکن اس کے لیے کیا ضروری؟ پہلے ایک دفعہ اس چیز کا ذکر ہو چکا ہو۔ تو مقام تکلم کا ہو تب بھی ضمیر استعمال کرتے ہیں، مقام خطاب کا ہو تب بھی ضمیر استعمال کرتے ہیں، اور غیبت کا مقام ہو اور ایک دفعہ ذکر ہو چکا ہو تب بھی کیا استعمال کرتے ہیں؟ ضمیر استعمال کرتے ہیں، بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟

مَعَ الِاخْتِصَارِ ساتھ اختصار کے بھئی، ساتھ اختصار کے، اور نیز وہاں پر اختصار بھی مقصود ہوتا ہے۔ بھئی دیکھیے ایک ہے ضمیر کے ساتھ کلام، کلام میں ضمیر کو ذکر کرنا، اور ایک ہے کلام کے اندر نام وغیرہ یا اور چیز لفظوں کو معرفہ کو ذکر کرنا۔ تو ضمیر کے ساتھ کلام کو ذکر کریں گے تو کلام مختصر ہو گا، اگر اور لفظ وغیرہ ذکر کریں گے پھر کلام اتنا مختصر نہ رہے گا۔ مثلاً دیکھیے میں کہتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی، ضَرَبَ زَيْدٌ۔ اب دوسری صورت یہ ہے میں یوں کہتا ہوں ضَرَبَ، اب ضَرَبَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل، پہلے کیا تھا؟ ضَرَبَ فعل زَيْدٌ اس کا فاعل۔ اب آپ مجھے بتائیے ضَرَبَ زَيْدٌ یہ کلام مختصر ہے یا ضَرَبَ یہ مختصر ہے؟ دیکھو ضَرَبَ اس کے اندر کلام کیا ہو گیا؟ مختصر، تو ضمیر کے اندر کلام مختصر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بھئی مثلاً متکلم جو ہے مثلاً وہ ذکر کرنا چاہتا ہے اپنے بارے میں اور اپنے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرض کرو ایک صورت یہ ہے وہ نام ذکر کرتا ہے کہتا ہے ضَرَبَ زَيْدٌ، کیا کہتا ہے؟ متکلم کا فرض کرو اپنا نام ہے زید، وہ اپنے بارے میں کیا کہتا ہے؟ زید نے پٹائی کی، ایک یہ صورت، ایک یہ صورت وہ ضمیر لاتا ہے ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی۔ آپ بتائیے ضَرَبَ زَيْدٌ مختصر ہے یا ضَرَبْتُ مختصر ہے؟ ظاہر سی بات ہے ضَرَبْتُ مختصر ہے، تو ضمیر سے ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ کلام مختصر ہوتا ہے تو اختصار مقصود ہوتا ہے، اختصار اس سے حاصل ہوتا ہے، تو اس وجہ سے ضمیر کو لایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو کہتے ہیں أَمَّا الضَّمِيرُ تو ضمیر جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے لِكَوْنِ الْمَقَامِ اس وجہ سے کہ وہ مقام جو ہے لِلتَّكَلُّمِ تکلم کا ہوتا ہے أَوِ الْخِطَابِ یا خطاب کا ہوتا ہے أَوِ الْغَيْبَةِ یا غیبت کا ہوتا ہے جبکہ پہلے ایک دفعہ ذکر ہو چکا ہو، مَعَ الِاخْتِصَارِ ساتھ کس کے؟ اختصار کے کہ وہاں کیا حاصل ہوتا ہے؟ اختصار حاصل ہوتا ہے، وہاں اختصار مقصود ہوتا ہے۔

تو اس کے ذریعے احتراز کیا کہ بعض اوقات مقام مثلاً تکلم کا ہے اور کہنے والا اپنا نام استعمال کر لیتا ہے یا کوئی اور لفظ استعمال کر لیتا ہے۔ مثلاً بھئی جیسے انہوں نے حاشیے میں ایک بڑی پیاری مثال دی کہ خلیفہ جو ہے خَلِيفَةُ الْمُسْلِمِينَ بھئی، خَلِيفَةُ الْمُسْلِمِينَ وہ ایک شخص کو حکم دیتے ہوئے کہتا ہے، بھئی خلیفہ ہے ایک آدمی کو حکم دے رہا ہے کہنا یہ چاہتا ہے میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں، آمُرُكَ بِكَذَا، آمُرُكَ بِكَذَا، میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ آمُرُكَ بِكَذَا کون کہہ رہا ہے؟ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ اب یہی ایک کلام ہے یہ مقام تکلم کا ہے اور تکلم میں ضمیر استعمال کی جاتی ہے تو ایک صورت یہ ہے کہ خلیفہ ضمیر استعمال کرتے ہوئے یوں کہے آمُرُكَ بِكَذَا میں تمہیں اس بات کا حکم دے رہا ہوں۔

■ قولہ: «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا» کی تشریح

اور ایک صورت یہ ہے کہ خلیفہ جو ہے وہ یوں کہے اس آدمی سے أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا، کہنے والا کون؟ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ہی ہے اور وہ خود ہی دوسرے کو، کہنا تو چاہیے تھا أَنَا آمُرُكَ كَذَا لیکن کہتا کیا ہے؟ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا کہ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ تمہیں اس بات کا حکم دے رہے ہیں۔ تو دیکھیے ضمیر کو چھوڑ کر کس لفظ کی طرف عدول کیا؟ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ کی طرف، اس لفظ کی طرف عدول کیا، دوسرے معرفہ کی طرف عدول کیا۔ کس لیے؟ دوسرے کے دل میں ہیبت ڈالنے کے لیے، اس پر رعب ڈالنے کے لیے کہ دیکھو میری بات کو معمولی نہ سمجھنا بلکہ یہ حکم دینے والی ذات کون سی ہے؟ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ کی ذات ہے جو تمہیں حکم دے رہی ہے، لہٰذا تمہیں اس بات کو پورا کرنا چاہیے ورنہ نتیجے کے طور پر تمہیں سزا بھی مل سکتی ہے اگر ایسا نہیں کرو گے۔ تو دیکھیے دوسرے پر رعب ڈالنے کے لیے، ہیبت طاری کرنے کے لیے أَنَا آمُرُكَ بِكَذَا نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا بھئی۔

اب دیکھیے یہاں أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ کہا بھئی اور اس نکتے کی وجہ سے عدول کیا ضمیر سے ورنہ مقام تو کیا تھا؟ مقام تو تکلم کا تھا، استعمال کیا ہونی چاہیے تھی؟ ضمیر استعمال ہونی چاہیے تھی۔ تو یہاں پر اگرچہ تکلم کے مقام میں اسم ظاہر کو استعمال کر دیا گیا لیکن اختصار کس میں ہے؟ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا یہ کلام مختصر ہے یا أَنَا آمُرُكَ بِكَذَا؟ أَنَا آمُرُكَ بِكَذَا وہ ضمیر والی صورت میں کلام مختصر ہوتا ہے۔ تو مَعَ الِاخْتِصَارِ کی قید کے ذریعے اس قسم کے کلام سے احتراز کیا بھئی کہ اس طرح بعض اوقات تکلم یا خطاب وغیرہ کے اندر مقام ضمیر کا ہوتا ہے لیکن کوئی شخص کیا کر لیتا ہے؟ کوئی دوسرا اسم ظاہر استعمال کر لیتا ہے، تو وہاں اگرچہ وہ لفظ استعمال تو ہو جائے گا لیکن اس میں

اختصار نہیں ہو گا۔ اگر اختصار چاہیے تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ ضمیر کو لانا پڑے گا بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو مقام تکلم کا بھی ہو، خطاب کا ہو یا غیبت کا ہو جبکہ ایک دفعہ پہلے ذکر ہو چکا ہو اس چیز کا اور ساتھ ساتھ اختصار بھی مقصود ہو تو پھر کس چیز کو لایا جائے؟ ضمیر کو لایا جائے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

نَحْوُ مثال کے طور پر أَنَا رَجَوْتُكَ فِي هَذَا الْأَمْرِ۔ أَنَا رَجَوْتُكَ، رَجَاءٌ امید کو کہتے ہیں، أَنَا رَجَوْتُكَ میں نے آپ سے امید کی ہے فِي هَذَا الْأَمْرِ اس معاملے کے اندر۔ آپ ایک آدمی کے پاس گئے بھئی آپ کو اس سے کوئی کام ہے اور وہ کام اس کے اختیار میں ہے وہ کر سکتا ہے، اب آپ اس کو کہتے ہیں أَنَا رَجَوْتُكَ فِي هَذَا الْأَمْرِ میں نے آپ سے امید کی ہے اس معاملے کے اندر، میں آپ کے پاس توقع لے کر آیا ہوں اس معاملے کے اندر کہ آپ کیا کریں گے؟ میری مدد کریں گے۔

جی تو دیکھیے اس کے اندر ضمیر بھی آگئی أَنَا، متکلم نے اپنے آپ کو کس سے تعبیر کیا؟ ضمیر سے، اور یہ ضمیر منفصل ہے۔ اور رَجَوْتُ، رَجَوْتُ اس میں دیکھوتُ ضمیر آخر میں آئی یہ بھی متکلم کی ضمیر ہے۔ اور کاف ضمیر کون سی آگئی؟ خطاب کی ضمیر بھی آگئی۔ تو أَنَا متکلم کی ضمیر منفصل بھی آگئی، ضمیر متصل بھی آگئی، أَنَا منفصل اور رَجَوْتُ کے اندر تُ ضمیر متصل۔ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے بھئی۔ یعنی تکلم کے اندر اختصار مقصود ہو، مقام بھی تکلم کا ہو اور اختصار بھی مقصود ہو تو پھر ضمیر لائی جاتی ہے چاہے ضمیر منفصل ہو چاہے ضمیر متصل ہو۔

وَأَنْتَ وَعَدْتَنِي بِإِنْجَازِهِ اور آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے بِإِنْجَازِهِ اس کام کے، اس معاملے کے پورا کرنے کا۔ إِنْجَازٌ کا کیا معنی؟ پورا کرنا۔ وَأَنْتَ وَعَدْتَنِي بِإِنْجَازِهِ بھئی بِإِنْجَازِهِ ہا ضمیر آئی بھئی اور یہ ہا ضمیر راجع ہے هَذَا الْأَمْرِ کو۔ تو دیکھیے ایک دفعہ هَذَا الْأَمْرِ یہ معاملہ یہ لفظ اب ذکر ہو گئے تھے تو دوسری مرتبہ اس کو کس کے ساتھ ذکر کیا گیا؟ غائب کی ضمیر کے ساتھ ذکر کیا گیا بھئی۔ تو یہ دوسرے جملے کے اندر دیکھیے آپ مخاطب کی ضمیریں ہیں، أَنْتَ ضمیر منفصل ہے، اور وَعَدْتَ، وَعَدْتَ کے آخر میں کیا ہے؟ تا ضمیر ہے، ضمیر متصل ہے، بتلانا چاہتے ہیں کہ ضمیر چاہے متصل ہو چاہے منفصل ہو دونوں کا یہی حکم ہے بھئی۔ اور وَعَدْتَنِي یہ یا ضمیر آخر میں جو ملی ہوئی ہے یہ کس کی ہے؟ متکلم کی ہے بھئی۔ بِإِنْجَازِهِ ہا ضمیر یہاں آگئی یہ کس کی ہے؟ یہ غائب کی ہے۔ تو یہ دو جملے ذکر کر دیے بھئی اور ان میں ہر قسم کی ضمیریں آ گئیں، یعنی متکلم کی بھی آگئی، مخاطب کی بھی آگئی اور غائب کی بھی آگئی بھئی۔ تو دیکھیے اس سے مقام تکلم، خطاب اور غیبت کا تھا تو ضمیریں استعمال کیں اور مَعَ الِاخْتِصَارِ ساتھ کس کے؟ اختصار بھی مقصود تھا اختصار بھی حاصل ہو گیا بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں آگے دیکھیے وَالْأَصْلُ فِي الْخِطَابِ أَنْ يَكُونَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ اور اصل خطاب کے اندر یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ کہ وہ کسی مشاہد سے ہو، ایسا مشاہد مُعَيَّنٍ جو کیا ہو؟ معین ہو۔ بھئی یاد رکھیے خطاب کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ خطاب، خطاب جانتے ہو یعنی کسے کہتے ہیں؟ مخاطب کی طرف متوجہ ہو کر جو کلام کیا جائے اس کو خطاب کہتے ہیں۔ بھئی آپ سارے میرے سامنے بیٹھے ہیں اور میں یہ سبق آپ کو پڑھا رہا ہوں تو دیکھو آپ کی طرف متوجہ ہو کر میں ایک بات کر رہا ہوں اس کو خطاب کہتے ہیں۔ دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جو بھی بات کی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ خطاب کہتے ہیں تو یہ بھی خطاب ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «أَنْ يَكُونَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ» کی تشریح

تو کہتے ہیں اصل تو خطاب میں یہ ہے أَنْ يَكُونَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ کہ خطاب کس سے ہونا چاہیے؟ ایسے مشاہد سے جو معین ہو، یعنی دو چیزیں ہوں گی جس سے خطاب کیا جائے: وہ مشاہد بھی ہو، بھئی میں ضمیر لے کر آتا ہوں أَنْتَ، أَنْتَ کے ساتھ کسی کو کیا کروں گا؟ مخاطب کو خطاب کروں گا۔ تو اس میں اصل یہ ہے، اصل یہ ہے کہ وہ مخاطب مشاہد ہو یعنی میرے سامنے ہو۔ مشاہد ہو کیا معنی؟ میرے سامنے ہو جبھی أَنْتَ کہوں گا نا، اگر میرے سامنے ہی نہیں ہے تو أَنْتَ کیسے کہوں گا؟ اگر وہ لاہور میں بیٹھا ہے میں یہاں بات کر رہا ہوں تو اس وقت تو میرا مخاطب نہیں، یہاں تو مجھے غائب کی ضمیر لانی چاہیے۔ تو خطاب ہمیشہ کس سے ہوتا ہے؟ جو مخاطب ہے سامنے موجود ہے بھئی، تو مشاہد ہو اور معین ہو، خطاب ہمیشہ کس سے ہو گا؟ لازمی بات ہے سامنے جب میں أَنْتَ ضمیر استعمال کر رہا ہوں أَنْتَ آپ، تو کوئی معین ہو گا یا معین نہیں ہو گا؟ معین۔ تو خطاب کے اندر اصل یہ ہے کہ کس سے خطاب کیا جائے؟ مخاطب کو کیا ہونا چاہیے؟ مشاہد سامنے بھی ہو نظر بھی آ رہا ہو اور معین بھی ہونا چاہیے، یہ دو چیزیں اصل ہیں۔

تو کہتے ہیں وَالْأَصْلُ فِي الْخِطَابِ أَنْ يَكُونَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ اور اصل خطاب کے اندر یہ ہے کہ وہ کسی معین مشاہد کے لیے ہونا چاہیے۔ وَقَدْ يُخَاطَبُ غَيْرُ الْمُشَاهَدِ لیکن کبھی کبھار کیا کر لیا جاتا ہے؟ خطاب کر لیا جاتا ہے غیر مشاہد کو بھی۔ ایک چیز مشاہد نہیں ہے آنکھوں سے دکھائی نہیں دے رہی لیکن پھر اس سے بھی کیا کر لیا جاتا ہے؟ خطاب کر لیا جاتا ہے۔ کب؟ إِذَا كَانَ مُسْتَحْضَرًا فِي الْقَلْبِ جبکہ وہ مخاطب جو ہے وہ دل کے اندر حاضر ہو بھئی، کس کے اندر؟ بھئی سامنے آنکھوں کے سامنے تو حاضر نہیں ہے لیکن دل کے اندر کیا ہے وہ؟ حاضر ہے۔ جیسے نَحْوُ مثال کے طور پر إِيَّاكَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ إِيَّاكَ آپ کی، ضمیر خطاب والی آگئی، آپ کی عبادت کرتے ہیں۔

اب دیکھیے خطاب کے اندر اصل تو یہ ہے کس سے خطاب کیا جائے؟ یہ إِيَّاكَ کی ضمیر کہاں لائی جائے؟ ایسی ذات کے لیے جو آنکھوں کے سامنے موجود ہو، دکھائی دے اور متعین ہو، لیکن یہاں پر اللہ کے سامنے انسان کیا کہتا ہے؟ إِيَّاكَ نَعْبُدُ اللہ کو خطاب کرتے ہوئے اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، اب حالانکہ اللہ کی ذات تو مشاہد نہیں، اللہ کی ذات تو آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتی بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو پھر بھی انسان خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ کیوں؟ کس وجہ سے؟ نکتہ کیا ہے اس کے اندر؟ کہ اللہ کی ذات اگرچہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دے رہی لیکن ہر مؤمن کے قلب میں تو موجود ہے، تو ہمارے بھی قلب میں موجود ہے تو اسی حضور

قلبی کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ مشاہدے کے درجے میں اتار کر اس سے خطاب کر دیا گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو اللہ کی ذات جو ہے وہ یہ آنکھیں یہ تو قوت ہی نہیں رکھتیں کہ اللہ کی ذات کو دیکھ سکیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں آخرت میں اللہ کا دیدار ہو گا بھئی آخرت میں، جو اہلِ ایمان ہوں گے جو جنتی ہوں گے اللہ کا دیدار ہو گا، لیکن وہ یہ آنکھیں نہیں ہوں گی بھئی، یہ آنکھیں تو فانی ہیں ختم ہو جائیں گی فنا ہو جائیں گی۔ آخرت میں جب انسان کو پیدا کیا جائے گا تو پھر اس کے لیے لازوال زندگی ہے، اس کے لیے ہمیشہ کی زندگی ہے، اور جو جنت میں جائیں گے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بھئی کبھی ختم ہونے والی نہیں، تو اس وقت کیا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہو گی، تو وہ اور نگاہیں ہوں گی یہ نگاہیں نہیں ہوں گی بھئی۔ تو لہٰذا یہاں پر دیکھیے اب اللہ کی ذات تو ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دے رہی تو غیر مشاہد ہونے کے باوجود یہاں خطاب کیا گیا، کس وجہ سے؟ ہاں کہ حضورِ قلبی کو کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ مشاہدے کے درجے میں اتار لیا گیا بھئی۔ نَحْوُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ مثال کے طور پر إِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اے اللہ۔

وَغَيْرُ الْمُعَيَّنِ اس کا عطف ہے اوپر غَيْرُ الْمُشَاهَدِ پر، وَقَدْ يُخَاطَبُ غَيْرُ الْمُعَيَّنِ۔ بھئی خطاب میں اصل تو کیا تھا؟ پہلی بات کیا تھی وہ مشاہد ہونا چاہیے، دوسری بات کیا تھی وہ معین ہونا چاہیے، مخاطب جو ہے اس کو معین ہونا چاہیے، لیکن کبھی کبھار غیر معین کو خطاب کر لیا جاتا ہے إِذَا قُصِدَ تَعْمِيمُ الْخِطَابِ لِكُلِّ مَنْ يُمْكِنُ خِطَابُهُ۔ إِذَا قُصِدَ جب ارادہ کر لیا جائے تَعْمِيمُ الْخِطَابِ خطاب کو عام کرنے کا۔ متکلم کیا ارادہ کر لیتا ہے؟ اپنے خطاب کو عام کرنے کا ارادہ کرتا ہے یعنی صرف یہ جو سامنے موجود ہے اس کو نہیں سنانا چاہتا بلکہ ہر ایک کو اپنا کلام سنانا چاہتا ہے۔ کیا چاہتا ہے؟ ہاں سب کو اپنا کلام سنانا چاہتا ہے تو پھر غیر معین کو بھی خطاب کر لیا جاتا ہے۔ اصل تو کیا ہے خطاب میں؟ معین کے لیے ہونا چاہیے لیکن کبھی کبھار کیا کر لیا جاتا ہے؟ غیر معین کو بھی خطاب کر لیا جاتا ہے کس وجہ سے؟ کیونکہ کہنے والا ہر ایک کو اپنی بات سنانا چاہتا ہے۔

کہتے ہیں إِذَا قُصِدَ تَعْمِيمُ الْخِطَابِ جب خطاب میں تعمیم کا ارادہ کر لیا جائے لِكُلِّ مَنْ يُمْكِنُ خِطَابُهُ ہر اس شخص کے لیے کہ ممکن ہو جس سے خطاب کرنا۔ بھئی دیکھیے آپ ایک جملہ کہتے ہیں اور صرف اپنے سامنے والے کو سنانا مقصود نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جس سے خطاب کیا جا سکے، ہر وہ شخص جس سے خطاب کیا جا سکے، جس سے خطاب کرنا ممکن ہے آپ ان سب کو خطاب کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے بھی خطاب کرنا ممکن ہے آپ ان سب کو کیا کرنا چاہتے ہیں؟ خطاب کرنا چاہتے ہیں، تو معلوم ہوا آپ اپنے کلام میں عموم پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس صورت میں پھر غیر معین کو بھی کیا کر لیا جاتا ہے؟ خطاب کر لیا جاتا ہے۔ دیکھیے مثال سے اور وضاحت ہو گی۔

■ قولہ: «اَللَّئِيمُ مَنْ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ...» کی تشریح

نَحْوُ مثال کے طور پر اَللَّئِيمُ مَنْ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ أَسَاءَ إِلَيْكَ۔ کمینہ، لَئِيمٌ کا معنی کمینہ، اَللَّئِيمُ مَنْ کمینہ وہ شخص ہے إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ کہ جب آپ اس کے ساتھ احسان کریں، جب آپ اس کے ساتھ نیکی کریں أَسَاءَ إِلَيْكَ تو وہ آپ کے ساتھ برائی کرے۔ کوئی کہنے والا کہتا ہے یا اگر یہ کسی شعر کا مصرع ہے تو مثلاً شاعر کہنا چاہتا ہے کہ کمینہ وہ شخص ہے إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ أَسَاءَ إِلَيْكَ جب آپ اس کے ساتھ احسان کریں تو بدلے میں وہ کیا کرے آپ کے ساتھ؟ برائی کرے، تو سمجھ جائیے یہ اصل کمینہ شخص ہے، گھٹیا اور ادنیٰ شخص ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ بھئی ہونا تو یہ چاہیے کہ کوئی کسی کے ساتھ احسان اور نیکی کرے تو دوسرے کو بھی بدلے میں اس کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے، لیکن اگر نیکی نہیں کر سکتا تو کم از کم اس کو تکلیف تو نہ دے، نقصان تو نہ دے، لیکن اگر کوئی احسان کرنے والے کے ساتھ برائی کرتا ہے، اس کو تکلیف دیتا ہے، اس کو نقصان پہنچاتا ہے تو سمجھ جاؤ یہ کیا ہے؟ کمینہ آدمی ہے، گھٹیا اور ادنیٰ آدمی ہے بھئی۔

اب دیکھیے یہاں پر اَللَّئِيمُ مَنْ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ أَسَاءَ إِلَيْكَ مثلاً دیکھیے یہ شعر کا کوئی مصرع ہو گا غالباً، کمینہ ہے وہ کہ جب تو اس کے ساتھ احسان کرے أَسَاءَ إِلَيْكَ وہ تیرے ساتھ برائی کرے۔ اب أَحْسَنْتَ یہاں خطاب والی ضمیر آئی تو احسان کرے، أَسَاءَ إِلَيْكَ وہ تیرے ساتھ کیا کرے؟ برائی کرے، یہ کاف ضمیر آئی۔ اور کاف ضمیر تو خطاب والی ہے اور اسی طرح أَحْسَنْتَ میں تا ضمیر خطاب والی ہے، اور خطاب کس کو کیا جاتا ہے؟ کسی معین ذات کو کیا جاتا ہے، لیکن یہاں شاعر کسی متعین سے خطاب نہیں کر رہا بلکہ یہ خطاب ہے غیر معین کو بھئی۔ کسی معین سے وہ خطاب نہیں کر رہا بلکہ غیر معین سے خطاب کر رہا ہے، ہر وہ شخص جس سے خطاب کرنا ممکن ہے ان سب کو وہ شامل کرنا چاہتا ہے اپنے خطاب میں، یعنی ان سب کو یہ بات سنانا چاہتا ہے، سب کو یہ بات سنانا چاہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور نکتہ کیا ہے؟ کیوں سب کو سنانا چاہتا ہے؟ وجہ یہ کہ مثلاً شاعر کسی کی مذمت بیان کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ کسی کی مذمت اور برائی بیان کر رہا ہے کہ وہ بڑے ہی ادنیٰ اور گھٹیا درجے کے لوگ ہیں، تو شاعر کہتا ہے گھٹیا اور ادنیٰ شخص وہ ہے جس کے ساتھ آپ احسان کریں اے مخاطب، اور ہر مخاطب اس میں آ گیا عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ۔ مفرد کی ضمیر ہے نا أَحْسَنْتَ، أَحْسَنْتَ مخاطب مفرد مخاطب کی ضمیر ہے کہ تثنیہ اور جمع کی ہے؟ أَحْسَنْتَ، جی؟ واحد مخاطب کی ضمیر ہے، تو دیکھیے تثنیہ اور جمع نہیں ہے، لیکن ارادہ اس کا کیا ہے؟ سارے مخاطب جو بھی مخاطب بن سکتے ہیں، جن میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہے ان سب کو خطاب ہے، لیکن ضمیر تو یہاں مفرد مخاطب والی ہے تو پھر کس طرح ہر ایک کو خطاب ہو گا؟ تو وہ علماء فرماتے ہیں کہ بدل کے طریقے پر۔ مثلاً پہلے آپ ایک ہیں، آپ کی طرف کلام گویا متوجہ ہے ایک آدمی اور اس کو شاعر نے کہا اَللَّئِيمُ مَنْ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ أَسَاءَ إِلَيْكَ، پھر اسی ضمیر سے دوسرا یہ ایک مخاطب عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ مراد ہوا، کس طریقے پر؟ بدل کے طریقے پر، پھر

تیسرا بدل کے طریقے پر مراد ہوا، پھر چوتھا مخاطب اس کو خطاب ہوا بدل کے طریقے پر، پھر پانچواں مخاطب بدل کے طریقے پر، تو ہر مخاطب مراد ہے اور کس طریقے پر مراد ہے؟ عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اس کو الگ خطاب گویا، اس کو الگ، اس کو، ہر ایک بدل کے طریقے پر یہ بھی مراد، یہ بھی اس سے مراد، یہ بھی اس خطاب میں داخل بدل کے طریقے پر، یہ بھی اس خطاب کے اندر داخل یعنی کس طریقے پر؟ بدل کے طریقے پر۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ ہر مخاطب مراد ہے جس میں بھی مخاطب بننے کی صلاحیت ہے، جس سے بھی خطاب کرنا ممکن ہے وہ سب مراد ہیں، اور سب کیوں مراد ہیں؟ یہ تعمیم کا ارادہ کیوں کیا شاعر نے؟ دراصل شاعر بتلانا چاہتا ہے کہ یہ جس کی میں مذمت بیان کر رہا ہوں، جس کی میں برائی بیان کر رہا ہوں وہ اتنا برا آدمی ہے کہ سب کو اس کے گھٹیا ہونے کا پتہ ہے، کسی پر بھی اس کا گھٹیا ہونا مخفی اور چھپا ہوا نہیں ہے۔ کسی پر بھی اس کا گھٹیا ہونا چھپا ہوا نہیں ہے کیونکہ شاعر نے ایک ایسی بات کر دی جس کا ہر ایک اقرار کرتا ہے۔ شاعر جس سے بھی کہے گا کمینہ وہ آدمی ہے کہ جب آپ اس کے ساتھ احسان کریں وہ آپ کے ساتھ کیا کرے گا؟ برائی کرے گا، تو سننے والا کہے گا ہاں واقعی جو احسان کے بعد برائی کرے یقیناً وہ کیا ہے؟ گھٹیا آدمی۔ دوسرا بھی تسلیم کرے گا، تیسرا بھی تسلیم کرے گا، چوتھا بھی کیا کرے گا؟ سارے اس بات کو تسلیم کریں گے اور شاعر کسی متعین کی بات کر رہا ہے اور اس بات کو ہر ایک کیا کر رہا ہے؟ تسلیم کرتا ہے کہ واقعی یہ گھٹیا ہونے کی علامت ہے، اور شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ جن کا میں ذکر کر رہا ہوں، جن کی میں برائی کر رہا ہوں ان میں یہ والا عیب پایا جاتا ہے اور آپ سب تسلیم کرتے ہیں یعنی کہ یہ عیب کیا ہے؟ یہ عیب کیا ہے؟ گھٹیا اور ادنیٰ ہونے کی علامت ہے، تو گویا ہر شخص ان کے گھٹیا ہونے کا اقرار کرتا ہے، ہر ایک کو ان کے گھٹیا ہونے کا پتہ ہے۔ شاعر کہنا کیا چاہتا ہے گویا؟ ہر ایک کو ان کے گھٹیا ہونے کے بارے میں علم ہے کیونکہ یہ بات تو سارے تسلیم کرتے ہیں اور یہ عیب اس کے اندر پایا جاتا ہے یہ سب کو پتہ ہے لہٰذا معلوم ہوا سب کے نزدیک وہ کیا ہیں؟ ادنیٰ اور گھٹیا ہیں۔ نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟

یہ معنی ہے وَغَيْرُ الْمُعَيَّنِ اور کبھی کبھار غیر معین کو خطاب کیا جاتا ہے إِذَا قُصِدَ تَعْمِيمُ الْخِطَابِ لِكُلِّ مَنْ يُمْكِنُ خِطَابُهُ جب ارادہ کیا جائے خطاب کو عام کرنے کا ہر اس شخص کے لیے کہ ممکن ہو اس سے خطاب کرنا، نَحْوُ مثال کے طور پر اَللَّئِيمُ مَنْ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ أَسَاءَ إِلَيْكَ کہ کمینہ وہ شخص ہے کہ جب آپ اس کے ساتھ احسان کریں تو وہ آپ کے ساتھ برائی کرے۔ وَأَمَّا الْعَلَمُ، بھئی یہ تو ضمیر لانے کے نکات تھے۔ ضمیر کہاں لائی جاتی ہے؟ جب مقام تکلم کا ہو، یا مقام خطاب کا ہو، یا مقام غیبت کا ہو اور ایک دفعہ پہلے ذکر ہو چکا ہو، اور ان کے ساتھ ساتھ کیا مقصود ہو؟ اختصار بھی مقصود ہو تو ضمیر لائی جاتی ہے۔ اور پھر اصل تو خطاب کے اندر یہ ہے کہ مشاہدِ معین کے لیے ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھار غیر مشاہد کو بھی مشاہد کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے حضورِ قلبی کی وجہ سے بھئی، جیسے إِيَّاكَ نَعْبُدُ کے اندر بھئی ذاتِ باری تعالیٰ کو کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ مشاہد کے درجے میں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہے وہ ہر مؤمن کے دل میں موجود ہے تو اس حضورِ قلبی کو مشاہدے کے درجے میں اتار کر خطاب کر لیا گیا۔ اور اسی طرح خطاب کے اندر اصل تو یہ ہے معین کے لیے ہونا چاہیے لیکن کبھی کبھار غیر معین کو بھی خطاب کر دیا جاتا ہے خطاب کے اندر عموم پیدا کرنے کے لیے تاکہ ہر وہ شخص جس سے خطاب کرنا ممکن ہو وہ اس خطاب کے اندر داخل ہو جائے بھئی۔

اچھا تو یہاں پر جو اَللَّئِيمُ آیا، اَللَّئِيمُ تو اس سے چاہے تو کوئی متعین لئیم گھٹیا مراد ہو یا ایک عام بات کے طور پر اس کو رکھا جائے، دونوں صورتوں میں۔ مثلاً کوئی کہنے والا ایک عام بات کرتا ہے کہ گھٹیا وہ شخص ہے کہ جس کے ساتھ آپ احسان کریں تو وہ بدلے میں آپ کے ساتھ کیا کرے؟ برائی کرے، ایک عام بات ذکر کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں بھی معنی صحیح ہے اور ہر ایک کو خطاب ہے، گویا کہنے والا یہ بتلانا چاہتا ہے کہ جو شخص اس طرح کا عمل کرتا ہے کہ اپنے محسن کے ساتھ برائی کرتا ہے اس کا ادنیٰ اور گھٹیا ہونا کسی پر بھی مخفی نہیں ہے، ہر ایک اس بات کا اقرار کرتا ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۲: خطاب بغیر معین کا نکتہ اور مسند الیہ کو عَلَم کی صورت میں لانے کی اغراض (تبرک، تلذذ، تعظیم، اہانت، تفاؤل)

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۲ــــ بتاریخ: ۵ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا الْعَلَمُ فَيُؤْتَى بِهِ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ فِي ذِهْنِ السَّامِعِ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ نَحْوُ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ وَقَدْ يُقْصَدُ بِهِ مَعَ ذَلِكَ أَغْرَاضٌ أُخْرَى كَالتَّعْظِيمِ فِي نَحْوِ رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے چوتھا باب شروع کیا تھا تعریف اور تنکیر کے بیان میں، یعنی کس مقام پر معرفہ لایا جائے گا، معرفہ لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں، اور کس مقام پر نکرہ لایا جائے گا، نکرہ کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں۔ تو صاحبِ کتاب نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب متکلم کا مقصد یہ ہو کہ وہ مخاطب کو یہ بات بتلانا چاہتا ہے کہ کلام کا تعلق کسی معین ذات، کسی معین چیز کے ساتھ ہے تو یہ تعریف کا مقام ہے، اس مقام پر معرفہ لایا جائے۔ اور جب متکلم کی یہ غرض نہ ہو تو وہ تنکیر کا مقام ہے، وہاں نکرہ لایا جائے۔ اور پھر انہوں نے آپ کو معرفہ کی اقسام بتلائی تھیں کہ ضمیر ہے، علم ہے، اسم اشارہ ہے، اسم موصول ہے، معرف باللام ہے، ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف جو ہے وہ بھی معرفہ ہے، اور اسی طرح منادیٰ۔

اب ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ نکات بیان کرنا شروع کیے تھے۔ سب سے پہلے ضمیر کا بیان شروع کیا کیونکہ ضمیر جو ہے وہ باقی ان سب سے زیادہ اس میں تعریف ہوتی ہے۔ یاد رکھیے یہ جو معرفہ ہیں ان میں تعریف برابر درجے کی نہیں، بعض میں تعریف زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں تعریف دوسروں کے مقابلے میں کم ہے بھئی۔ تو سب سے زیادہ تعریف ان میں سے ضمیر کے اندر ہے بھئی، ضمیر کے اندر۔ سب سے زیادہ تعریف کس کے اندر ہے؟ ضمیر کے اندر ہے بھئی۔ اور پھر ضمیریں بھی تین قسم کی ہیں: مخاطب کی ہے، متکلم کی ہے اور غائب کی ہے۔ ان میں بھی سب سے زیادہ تعریف پھر متکلم کی ضمیر میں ہے بھئی، کیونکہ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جس کی انسان کو پہچان ہو، جو متعین ہو۔ اور سب سے زیادہ پہچان انسان کو اپنی ہوتی ہے تو لہٰذا متکلم کی ضمیر میں سب سے زیادہ تعریف ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھیے عَلَى الْإِطْلَاقِ سب سے زیادہ تعریف تمام الفاظ میں سے سب سے زیادہ تعریف لفظِ اَللّٰهُ کے اندر ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ چنانچہ امام سیبویہ بھئی، جن کی بات علم نحو کے اندر پہاڑ کی طرح مضبوط سمجھی جاتی ہے، ان کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا ان سے کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ تو فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی۔ پوچھا کس بات پر؟ تو فرمانے لگے اس بات پر کہ میں اس بات کا قائل تھا کہ عَلَى الْإِطْلَاقِ سب سے زیادہ تعریف کس کے اندر ہے؟ لفظِ اَللّٰهُ کے اندر ہے بھئی۔ اور سب سے زیادہ تنکیر جو ہے، سب سے زیادہ عموم جو ہے وہ لفظِ شَيْءٌ کے اندر ہے بھئی۔ تو عَلَى الْإِطْلَاقِ سب سے زیادہ تعریف لفظِ اَللّٰهُ میں، اور عَلَى الْإِطْلَاقِ سب سے زیادہ تنکیر جو ہے وہ کس کے اندر ہے؟ لفظِ شَيْءٌ کے اندر ہے۔ تو لہٰذا چونکہ یہ جو معرفہ ذکر ہوئے ان میں سب سے زیادہ تعریف ضمیر کے اندر تھی اس لیے سب سے پہلے اس کو ذکر کیا اور بتلایا کہ ضمیر کو کیوں لایا جاتا ہے؟ کیونکہ وہ مقام جو ہے تکلم کا یا خطاب کا یا غیبت کا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ اختصار بھی مطلوب ہوتا ہے، اور اختصار تو ظاہر سی بات ہے ضمیر ہی کے استعمال کی صورت میں ہوگا، کوئی دوسرا اسم وغیرہ استعمال کریں گے تو اتنا اختصار نہیں ہوگا بھئی۔

اس کے بعد انہوں نے آپ کو یہ بات بتلائی تھی کہ اصل تو خطاب کے اندر یہ ہے کہ کسی مشاہد اور معین کے ساتھ ہو، مشاہد ہو جو سامنے ہو اور معین ہو یعنی متعین ہو، اس کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھار غیر مشاہد کو بھی مشاہد کے درجے میں اتار کر اس کے ساتھ خطاب کر لیا جاتا ہے کس وجہ سے؟ حضورِ قلبی کی وجہ سے کہ وہ

ذہن کے اندر وہ حاضر ہے موجود ہے بھئی جیسے إِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ اور اسی طرح خطاب میں اصل تو یہ ہے کہ وہ کسی معین کو ہونا چاہیے لیکن کبھی کبھار غیر معین کو بھی خطاب کر لیا جاتا ہے جب ارادہ کیا ہو؟ اپنے خطاب کو عام کرنا مقصود ہو بھئی ہر اس شخص سے جس کے اندر مخاطب بننے کی صلاحیت ہے بھئی۔

وَأَمَّا الْعَلَمُ آج علم لانے کے فائدے اور اس کے نکات ذکر کریں گے کہ بعض اوقات مسند الیہ کو کس صورت میں مثلاً لایا جاتا ہے؟ مسند الیہ ہے یا مسند ہے یا ان کے جو متعلقات ہیں ان کو معرفہ لایا جاتا ہے اور معرفہ میں سے بھی کس صورت کے اندر لایا جاتا ہے؟ علم کی صورت میں لایا جاتا ہے۔ اس کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ بیان کر رہے ہیں۔ تو ذکر کر رہے ہیں دیکھیے بھئی کتاب میں وَأَمَّا الْعَلَمُ اور جو علم جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ کہ اس کے معنی کو حاضر کیا جائے فِي ذِهْنِ السَّامِعِ سننے والے کے ذہن میں بِاسْمِهِ الْخَاصِّ اس کے خاص نام کے ساتھ۔ کبھی کبھار مسند الیہ ہے مثلاً، مسند الیہ کو کس صورت میں لایا جاتا ہے؟ علم کی صورت میں لایا جاتا ہے، کس وجہ سے؟ کیونکہ متکلم کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے ذہن میں اس مسند الیہ کو اس کے خاص نام کے ساتھ حاضر کرے، خاص نام کے ساتھ بھئی۔

مثلاً زید بطور مثال کے بھئی علم ہے نام ہے۔ اب زید کے بارے میں آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں مثلاً کہ وہ کھڑا ہے، آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں هُوَ قَائِمٌ، هُوَ قَائِمٌ۔ لیکن هُوَ تو عام ہے زید کے ساتھ خاص نہیں، ہر غائب کے لیے هُوَ کی ضمیر استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں هَذَا يَاذَلِكَ قَائِمٌ، اشارہ کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف ہے، لیکن هَذَا کے ساتھ تو ہر قریب والی چیز کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے، ذَلِكَ کے ذریعے تو ہر دور والی چیز کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ الَّذِي کے ذریعے بھی اس کو ذکر کر سکتے ہیں لیکن الَّذِي کے ساتھ تو ہر ایک کو کیا کیا جا سکتا ہے؟ اس کو ذکر کیا جا سکتا ہے۔ تو باقی جو معرفہ ہیں وہ خاص نہیں لیکن علم جو ہوتا ہے وہ خاص ہوتا ہے۔ مثلاً ایک بچہ پیدا ہوا اس کے والدین نے اس کا نام زید رکھا ہے، تو اب جو بھی جب بھی آپ کے سامنے لفظِ زید ذکر ہوتا ہے تو آپ کا وہ مخصوص ساتھی آپ کے ذہن میں آتا ہے، کسی دوسرے کا تصور نہیں آتا۔

تو باقی معرفہ جو ہیں وہ خاص نہیں، متعین نہیں کسی ایک کے ساتھ، ہر ایک کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔ ہاں جب استعمال ہو گا تو کسی معین ہی میں ہو گا۔ هُوَ کے ذریعے ہر غائب کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے لیکن جب استعمال کیا جائے گا تو کوئی ایک متعین اس سے مراد ہو گا۔ هَذَا کے ذریعے ہر مشار الیہ کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے لیکن جب استعمال ہو گا تو کسی متعین کے اندر ہو گا۔ الَّذِي کے ذریعے ہر ایک کا ارادہ کیا جا سکتا ہے کسی مذکر کا لیکن جب استعمال ہو گا تو کسی ایک متعین کے اندر استعمال ہو گا۔ تو باقی معرفہ جو ہیں وہ عام ہیں، وہ کیا ہیں؟ عام، ہر ایک کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں، لفظوں پر توجہ ہے میرے؟ استعمال ہر ایک کے لیے ہو سکتے ہیں لیکن ہوں گے ایک وقت میں ایک کے لیے یا بعض معین، ہوں گے بعض معین ہی کے لیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ لیکن علم جو ہے وہ تو متعین، ایک متعین ذات پر ہی دلالت کرتا ہے اور ذاتوں پر دلالت نہیں کرتا۔ زید بولیں گے تو زید ہی آپ کے ذہن میں آئے گا، خالد بولیں گے تو خالد ہی آپ کے ذہن میں آئے گا، بکر کہیں گے تو بکر جو آپ کا ساتھی ہے مثلاً وہی آپ کے ذہن میں آئے گا کوئی تیسرا ساتھی نہیں آئے گا۔

تو لہٰذا علم کو لایا جاتا ہے کبھی مسند الیہ کو علم کی صورت میں لایا جاتا ہے۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ صرف یہ مسند الیہ تو ویسے مثال کے طور پر ذکر کر رہا ہوں، چاہے مسند ہو چاہے مسند الیہ ہو یا ان کے متعلقات ہوں سب کا یہی حکم ہے بھئی، ان سب کے لانے میں یہی نکات ہو سکتے ہیں۔ جیسے یہاں پر مثلاً مسند الیہ کی مثال میں ذکر کر رہا تھا کہ آپ مسند الیہ کو کس صورت میں لاتے ہیں؟ علم کی صورت میں یعنی نام کے ساتھ اس کو ذکر کرتے ہیں۔ کیوں ذکر کرتے ہیں؟ کیونکہ آپ چاہتے ہیں کہ مخاطب کے ذہن میں اس مسند الیہ کو حاضر کروں اس کے خاص نام کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ اس کے خاص نام کے ساتھ آپ حاضر کرنا چاہتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «وَأَمَّا الْعَلَمُ فَيُؤْتَى بِهِ لِإِحْضَارِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَأَمَّا الْعَلَمُ فَيُؤْتَى بِهِ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ فِي ذِهْنِ السَّامِعِ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ اور باقی علم جو ہے تو اس کو لایا جاتا ہے کہ اس کے معنی کو حاضر کیا جائے سننے والے کے ذہن میں اس کے خاص نام کے ساتھ یعنی جس میں اور شرکت وغیرہ نہیں، اور کسی پر وہ لفظ نہیں بولا جاتا علم بلکہ اسی ذات پر بولا جاتا ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ اور یاد کیجیے وہ وقت جس وقت کہ بلند کر رہے تھے ابراہیم بیت اللہ کی بنیادوں کو وَإِسْمَاعِيلُ اور اسماعیل عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔ تو یاد کیجیے اے پیغمبر اس وقت کو جس وقت کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ اور حضرت اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ جو ہے بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے یعنی ان کو تعمیر کر رہے تھے۔ تو یہاں پر إِبْرَاهِيمُ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کو باقاعدہ نام کے ساتھ ذکر کیا گیا، اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ ان کو باقاعدہ ان کے نام کے ساتھ علم کی صورت میں مسند الیہ کو ذکر کیا گیا، حالانکہ یہاں پر ضمیر وغیرہ اور چیزیں بھی ذکر ہو سکتی تھیں لیکن ان کو باقاعدہ نام کے ساتھ ذکر کیا گیا کس لیے؟ تاکہ ان کو ان کے خاص نام کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں حاضر کیا جائے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر یہ بھی یاد رکھیے جو علم ہوتا ہے نا علم، کسی کا نام، یہ اس شخص کے سارے مشخصات پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ مشخصات۔ مشخصات کہتے ہیں کسی شخص کو کسی فرد کو ممتاز کر دینے والی صفات۔ مثلاً زید ہے آپ کا ایک ساتھی، زید، جیسے ہی میں نے زید کہا آپ کے ذہن میں آپ کے اس ساتھی کا تصور آ گیا اور ساتھ ہی اس کے وہ

سارے نمایاں اوصاف بھی آ گئے جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ مثلاً وہ اس طرح کے مخصوص طرح کے کپڑے پہنتا ہے اگر وہ مخصوص کپڑے پہنتا ہے، اس کے اگر مخصوص بال ہیں وہ بھی فوراً آپ کے ذہن میں آ جائیں گے، اگر وہ بہت زیادہ سخی ہے وہ سخاوت بھی آپ کے ذہن میں فوراً آ جائے گی۔ یہ ان سب چیزوں پر دلالت کس نے کی؟ علم نے کی۔ کس نے؟ علم۔ کیونکہ علم جو ہے وہ کسی صرف اس متعین ذات کے اوپر نہیں دلالت کرتا بلکہ سارے اس کے مشخصات، مشخصات کا کیا معنی؟ اس کے امتیازی اوصاف جو ہیں، نمایاں اوصاف جو ہیں ان سب پر بھی دلالت کرتا ہے بھئی۔

تو چنانچہ یہاں پر جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل عَلَيْهِمَا السَّلَامُ کا ذکر کیا یا قاعدہ نام کے ساتھ تو ان کے مشخصات بھی ذہن میں آ گئے کہ دونوں کون ہیں؟ اللہ کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں، اور دونوں باپ بیٹا ہیں، حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ والد ہیں تو حضرت اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ ان کے بیٹے ہیں، اور اسی طرح یہ دونوں سرورِ کونین صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے آباء میں سے ہیں بھئی، کس میں سے ہیں؟ ان کے آباء میں سے ہیں، تو یہ سارے اوصاف بھی ساتھ ملحوظ ہو گئے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں جی کہ علم جو ہے اس کو لایا جاتا ہے کہ اس کو مسند الیہ کو حاضر کیا جائے سننے والے کے ذہن میں اس کے خاص نام کے ساتھ۔ وَقَدْ يُقْصَدُ بِهِ مَعَ ذَلِكَ أَغْرَاضٌ أُخْرَى اور کبھی ارادہ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ اور غرضوں کا بھی۔ اس یعنی خاص نام کے ساتھ حاضر کر دینے کے علاوہ اور غرضوں کا بھی ارادہ کیا جاتا ہے۔ یہ غرض بھی مقصود ہوتی ہے اور ساتھ اور غرض بھی ہوتی ہے علم لانے کی۔ علم لانے کی بنیادی وجہ تو کیا؟ کہ اس کے خاص نام کے ساتھ اس کو سامع کے ذہن میں حاضر کیا جائے اور تاکہ اس کے سارے مشخصات کیا ہیں وہ بھی ذہن کے اندر آ جائیں بھئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ، اس غرض کے ساتھ ساتھ بعض اوقات اور غرضیں بھی مل جاتی ہیں تو علم کی صورت میں مسند الیہ وغیرہ کو لایا جاتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہ معنی ہے وَقَدْ يُقْصَدُ بِهِ مَعَ ذَلِكَ أَغْرَاضٌ أُخْرَى اور کبھی کبھار ارادہ کیا جاتا ہے اس غرض کے ساتھ ساتھ أَغْرَاضٌ أُخْرَى اور غرضوں کا بھی، كَالتَّعْظِيمِ جیسے کہ تعظیم ہے فِي نَحْوِ رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ جیسے اس مثال کے اندر ہے تعظیم کے لیے ہے، کس میں؟ رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ، سَيْفُ الدَّوْلَةِ سوار ہوا، سَيْفُ الدَّوْلَةِ سوار ہوا۔

اب یہاں سَيْفُ الدَّوْلَةِ اس کو علم کی صورت میں مسند الیہ کو ذکر کیا گیا، ضمیر کی صورت میں نہیں۔ صرف رَكِبَ کہہ دیا جاتا تو اس کے اندر بھی هُوَ ضمیر سَيْفُ الدَّوْلَةِ کو راجع ہوتی، یا اس کو ذٰلِكَ کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا، یا اسم موصول کے ساتھ اس کو ذکر کر دیا جاتا رَكِبَ الَّذِي هُوَ أَمِيرُ الْمَمْلَكَةِ، یا اس طرح اور بھی کسی صورت میں ذکر کیا جا سکتا تھا لیکن یہاں کس صورت میں ذکر کیا گیا مسند الیہ کو؟ علم کی صورت میں۔ کیا مقصد تھا؟ ایک تو یہ تاکہ اسے اس کے خاص نام کے ساتھ سامع کے ذہن میں حاضر کیا جائے اور نیز تعظیم کے لیے، کس لیے؟ تعظیم کے لیے، اس لیے کیونکہ یہ نام عظمت پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ سَيْفُ الدَّوْلَةِ، سَيْفٌ کہتے ہیں تلوار کو، اَلدَّوْلَةُ کہتے ہیں حکومت اور مملکت کو، تو سَيْفُ الدَّوْلَةِ کا معنی ہوا مملکت کی تلوار، حکومت کی تلوار، سلطنت کی تلوار بھئی۔ یعنی وہ اتنا عظیم آدمی ہے کہ سلطنت کے لیے تلوار کی حیثیت رکھتا ہے یعنی سلطنت کا محافظ ہے، اگر مملکت کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات کرتا ہے تو یہ اس کو ختم کر دیتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ سَيْفُ الدَّوْلَةِ کا کیا معنی ہوا؟ مملکت کی تلوار یعنی وہ مملکت کا محافظ ہے بھئی۔ تو دیکھیے یہ تعظیم والا معنی تھا۔ تو اس لیے اس میں چونکہ اس نام کے اندر عظمت والا معنی تھا تو اس لیے اس کو یہاں پر مسند الیہ کو کس صورت میں ذکر کیا گیا؟ علم کی صورت میں ذکر کیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو کبھی کبھار جو ہے وہ غرض تعظیم ہو گی جیسے فِي نَحْوِ رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ اس کے اندر ہے، وَالْإِهَانَةِ اور کبھی کبھار جو ہے وہ دوسری غرض اہانت ہو گی یعنی پہلے معنی کا عکس۔ کبھی کبھار مسند الیہ کو علم کی صورت میں ذکر کریں گے کس لیے؟ تعظیم کے لیے، اور کبھی کبھار مسند الیہ کو علم کی صورت میں ذکر کریں گے کس لیے؟ اہانت کے لیے بھئی، اہانت کے لیے، یوں کہیں بے عزتی کرنے کے لیے، تحقیر کے لیے اور ذلیل کرنے کے لیے، فِي نَحْوِ جیسے اس مثال کے اندر ہے ذَهَبَ صَخْرٌ۔ اب صخر ایک آدمی کا نام ہے، صخر چلا گیا۔ اور صخر عربی زبان میں کہتے ہیں چٹان کو، سخت پتھر کو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ صَخْرٌ کہتے ہیں۔ تو ذَهَبَ صَخْرٌ صخر چلا گیا۔ یہاں پر اب مسند الیہ کو نام کے ساتھ صخر کی صورت میں ذکر کیا گیا حالانکہ ضمیر کی صورت میں بھی ذکر ہو سکتا تھا، اسم اشارہ یا اسم موصول یا معرف باللام وغیرہ کی صورت میں بھی ذکر ہو سکتا تھا لیکن علم کی صورت میں ذکر کیا گیا کس لیے؟ اہانت کے لیے بھئی، اہانت کے لیے، اس لیے کیونکہ اس نام کے اندر اہانت والا معنی پایا جا رہا ہے۔ جب آپ نے کہا ذَهَبَ صَخْرٌ صخر چلا گیا، اور صخر تو کسے کہتے ہیں؟ چٹان اور سخت پتھر کو کہتے ہیں، تو گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بڑا سخت آدمی جو بڑا ضدی اور سرکش ہے اور ہٹ دھرم ہے وہ چلا گیا بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ یہاں کس لیے لایا گیا صخر لفظ کو؟ مسند الیہ کو علم کی صورت میں کیوں ذکر کیا گیا؟ اہانت کے لیے کیونکہ اس کے اندر اہانت والا معنی ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو سخت پتھر ہے بھئی یعنی بڑا ضدی ہے، بڑا سرکش ہے، بڑے سخت اخلاق والا ہے تو صخر کی صورت، علم کی صورت میں ذکر کیا گیا۔

یاد رکھیے یہ جو تعظیم اور اہانت ہے اور اسی طرح جو اگلا نکتہ آ رہا ہے اس میں وضع اول کا لحاظ ہوتا ہے۔ بھئی ایک ہے وضع اول، ایک ہے وضع ثانی۔ وضع جانتے ہیں یا نہیں؟ وضع کرنا کیا معنی؟ مقرر کرنا۔ وضع کا کیا معنی؟ مقرر کرنا۔ بھئی دیکھیے یہ جتنی زبانیں ہیں ان میں جب کوئی لفظ بولا جاتا ہے اس لفظ کا وہ معنی ذہن میں آ جاتا ہے کیونکہ اس لفظ کو اس معنی کے لیے مقرر کیا گیا ہوتا ہے۔ مثلاً کتاب، یہ جو میرے سامنے ہے اس کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟ جس سے میں پڑھ رہا ہوں اسے کیا کہتے ہیں؟ کتاب۔ بھئی یہ اردو زبان میں لفظِ کتاب کو اس چیز کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے لہٰذا جیسے ہی کتاب کہیں اس کا ذہن میں تصور آ جاتا ہے۔ اسی طرح لکھنے کا جو آلہ ہے جس چیز کے ذریعے لکھا جاتا ہے اس کو اردو زبان میں کیا کہتے ہیں؟ قلم کہتے ہیں۔ تو دیکھو قلم کے لفظ کو مقرر کر دیا گیا ہے اس معنی کے لیے لہٰذا جب بھی قلم بولتے ہیں وہی آلہ آپ کے ذہن میں آتا

ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

یا جیسے لفظِ زید ہے، بچہ پیدا ہوتا ہے ماں باپ اس کا نام زید رکھ دیتے ہیں تو گویا انہوں نے اس لفظِ زید کو اس ذات کے لیے، اس بچے کے لیے متعین کر دیا، یہ ہے وضع۔ یہ کیا ہے؟ وضع۔ تو اب جب بھی زید کا لفظ بولا جائے گا یہی بچہ جو ہے یہ ذہن میں آئے گا، کوئی اور دوسرا ذہن میں نہیں آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ جو اعلام ہوتے ہیں ان میں عموماً وضع ثانی ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ وضع ثانی۔ یعنی پہلے تو وہ لفظ کسی اور معنی کے لیے وضع تھا، بعد میں اس شخص کے نام کے طور پر وضع کر دیا گیا، یعنی پہلے تو یہ لفظ کسی اور معنی کے لیے مقرر تھا اب اس شخص کے لیے اس کی ذات کے لیے مقرر کر دیا گیا۔ جیسے دیکھیے بھئی عَبْدُ اللَّهِ، عَبْدٌ کا معنی ہے عربی زبان میں غلام اور بندہ، اور لفظِ اَللّٰهُ وہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے علم ہے بھئی، تو عَبْدُ اللَّهِ عربی زبان کے اعتبار سے اس کا ترجمہ کریں تو معنی بنتا ہے اللہ کا بندہ۔ کیا معنی ہے؟ اللہ کا بندہ۔ لیکن ایک بچہ پیدا ہوا اب اس کے والدین نے اس کا نام عَبْدُ اللَّهِ رکھ دیا بھئی، عَبْدُ اللَّهِ رکھ دیا۔ تو دیکھیے اب جب عَبْدُ اللَّهِ کہا جائے گا تو آپ کے ذہن میں اللہ کا بندہ یہ معنی نہیں آئے گا بلکہ وہ شخص آپ کے ذہن میں آئے گا۔ حالانکہ اگر یہ معنی ذہن میں آتا اللہ کا بندہ پھر تو یہ ساتھی بھی آپ کا اللہ کا بندہ، دوسرا بھی اللہ کا بندہ، تیسرا بھی اللہ کا بندہ، یہ تو سب پر صادق آرہا ہے، لیکن جب لفظِ عَبْدُ اللَّهِ بولا جاتا ہے تو کون آپ کے ذہن میں آتا ہے؟ وہ متعین ساتھی آپ کے ذہن میں آتا ہے۔ تو دیکھیے یہ ہے وضع ثانی۔ وضع اول عبد کا لفظ کس لیے وضع تھا؟ غلام کے لیے، اور لفظِ اَللّٰهُ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے علم ہے، لیکن وضع ثانی کے اندر اس سارے مجموعے کو عَبْدُ اللَّهِ اس مرکب کو اٹھا کر کیا کر دیا گیا؟ نام رکھ دیا گیا تو یہ وضع ثانی ہے یعنی دوسری مرتبہ اس کو مقرر کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «سَيْفُ الدَّوْلَةِ، سَيْفٌ» کی تشریح

اسی طرح دیکھیے سَيْفُ الدَّوْلَةِ، سَيْفٌ تو عربی زبان میں تلوار کو کہتے ہیں، اَلدَّوْلَةُ مملکت اور حکومت کو کہتے ہیں، لیکن پھر بعد میں ایک بادشاہ کا نام اور لقب ہوا یعنی نام ہی کی طرح ہو گیا، اور اب سَيْفُ الدَّوْلَةِ کہا جائے تو اس معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا بلکہ کیا ذہن میں آتا ہے؟ فوراً اس بادشاہ کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ صَخْرٌ، صخر عربی زبان میں پتھر اور چٹان کو کہتے ہیں لیکن جب ایک آدمی کا نام رکھ دیا گیا جسے آپ جانتے ہیں تو اب جب بھی صخر بولیں گے آپ کے ذہن میں اس آدمی کا تصور فوراً آجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اعلام میں عموماً کیا ہوتی ہے؟ وضع ثانی۔ اولاً وہ لفظ کسی اور معنی کے لیے مقرر تھا پھر اس شخص کے لیے مقرر کر لیا گیا تو یہ ہے وضع ثانی۔ تو یاد رکھیے یہ جو تعظیم اور اہانت وغیرہ کا جو معنی ہے یہ وضع اول کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کس اعتبار سے؟ وضع اول کے اعتبار سے ہے، وضع ثانی کے اعتبار سے نہیں۔ وضع ثانی کے اعتبار سے تو سَيْفُ الدَّوْلَةِ اس کا نام ہے۔ سَيْفُ الدَّوْلَةِ کا مملکت کی تلوار؟ نہیں نہیں وضع ثانی کے اندر یہ اس کا معنی نہیں، اب تو سَيْفُ الدَّوْلَةِ اس آدمی کا باقاعدہ کیا ہے؟ نام ہے، سمجھ میں آیا؟ لیکن اس وضع اول کی طرف نظر کریں تو اس نام کے اندر عظمت والا معنی ہے، وضع ثانی کے اعتبار سے نہیں، وضع ثانی کے اعتبار سے تو کیا ہے یہ؟ نام ہے اب نام کی طرح ہو گیا ہے لیکن وضع اول کے اعتبار سے اس میں تعظیم والا معنی پایا جاتا ہے تو اس اعتبار سے تعظیم پر یہ دلالت کر رہا ہے۔

تو لہٰذا جب مسند الیہ کو علم کی صورت میں لایا جائے، مسند الیہ کو کبھی علم کی صورت میں لایا جاتا ہے کس لیے؟ کیونکہ وہ تعظیم پر دلالت کر رہا ہوتا ہے، اور تعظیم پر یہ دلالت وضع ثانی کے اعتبار سے ہوتی ہے یا وضع اول کے اعتبار سے ہوتی ہے؟ وضع اول کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اسی طرح کہا گیا ذَهَبَ صَخْرٌ صخر چلا گیا اور یہ کس لیے ذکر کیا گیا مسند الیہ کو علم کی صورت میں؟ اہانت کے لیے۔ اور اہانت کس معنی کے اعتبار سے، کس وضع کے اعتبار سے؟ وضع ثانی کے اعتبار سے یا وضع اول کے اعتبار سے؟ وضع اول کے اعتبار سے ہے بھئی کیونکہ وضع ثانی کے اعتبار سے تو وہ صرف نام ہے اور کوئی معنی نہیں اس کا، اس شخص پر دلالت کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ جو تعظیم اور اہانت والا معنی ہے یہ کس اعتبار سے ہو گا؟ وضع اول کے اعتبار سے۔ تو یہ اب ضروری نہیں کہ ہر نام کے اندر تعظیم اور اہانت والا معنی ہو گا، ہاں بعض ناموں میں کیا ہو گا؟ تعظیم والا معنی ہو گا تو آپ بھی بطور تعظیم کے علم کو ذکر کر دیتے ہیں اس معنی کی رعایت رکھتے ہوئے، تو یہ اب علم جو آپ لے کر آئے یہ اب تعظیم پر بھی دلالت کر رہا ہے۔ اور بعض اوقات کوئی نام ایسا ہو گا جس میں اہانت والا معنی ہو گا تو اب آپ مسند الیہ کو علم کی صورت میں لاتے ہیں کس لیے؟ مقصد کیا ہوتا ہے؟ اہانت کے طور پر، کس مقصد کے لیے؟ اہانت کے طور پر آپ اس کو ذکر کرتے ہیں، اور یہ تعظیم اور اہانت کس معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے؟ معنی اول کے اعتبار سے ہوتی ہے، معنی ثانی کے اعتبار سے نہیں ہوتی بھئی۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو دیکھیے دو مثالیں ذکر کر دیں كَالتَّعْظِيمِ جیسے کہ تعظیم ہے فِي نَحْوِ رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ سوار ہوا سَيْفُ الدَّوْلَةِ، وَالْإِهَانَةِ فِي نَحْوِ ذَهَبَ صَخْرٌ اور اہانت ہے جیسے کہ اس مثال میں ذَهَبَ صَخْرٌ۔ تو یہاں ان ناموں میں تعظیم والا معنی تھا اس لیے ان کو تعظیم کے طور پر متکلم نے ذکر کر دیا بھئی تعظیم کے طور پر، اور دوسرے کو اہانت کے طور پر۔ میں اس سے بہتر مثال ذکر کرتا ہوں بھئی آپ کے لیے: جَاءَ مُحَمَّدٌ وَهَرَبَ أَبُو جَهْلٍ۔ جَاءَ مُحَمَّدٌ یہ ہے تعظیم کی مثال، اور ذَهَبَ یاهَرَبَ أَبُو جَهْلٍ یہ ہے اہانت کی مثال۔ جَاءَ مُحَمَّدٌ اب یہاں پر نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو علم کی صورت میں ذکر کیا گیا، یہاں اور بھی طریقے ہو سکتے تھے ضمیر یا اسم اشارہ یا اسم موصول وغیرہ کی صورت میں لیکن علم کی صورت میں ذکر کیا گیا کس لیے؟ تعظیم کے طور پر، اس لیے کیونکہ لفظِ مُحَمَّدٌ جو ہے وضع اول کے اعتبار سے اس میں تعظیم والا معنی ہے۔ مُحَمَّدٌ بھئی ظرف کا صیغہ ہے، تمام حمدوں کے جمع ہونے کی جگہ۔ مُحَمَّدٌ کیا معنی؟ تمام حمدوں کے جمع ہونے کی جگہ۔ تو اس نام

میں بھی تعظیم والا، وضع اول کے اعتبار سے تعظیم ہے کہ یہ یعنی یہ شخص ایسا ہے، یہ ذات ایسی ہے جس میں تمام اوصافِ حمد جمع ہیں۔ جس میں کیا ہیں؟ تمام اوصافِ حمد جمع ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ اور اہانت کی مثال جیسے میں نے ذکر کی هَرَبَ أَبُو جَهْلٍ بھاگ گیا جہالت والا۔ اب أَبُو جَهْلٍ یہ تو نام کی طرح ہو گیا لیکن معنی اول کے اعتبار سے اس میں اہانت والا معنی ہے بھئی۔ أَبُو جَهْلٍ کا کیا معنی؟ جہالت والا، جہالت والا۔

بھئی دیکھیے عربی میں کہتے ہیں أَبُو الْخَيْرِ، اس کا یہ معنی نہیں خیر کا باپ، بلکہ معنی کیا ہے؟ خیر والا۔ اسی طرح أَبُو الشَّرِّ کہتے ہیں یعنی شر والا۔ اسی طرح أَبُو الْحَرْبِ کہتے ہیں، حَرْبٌ جنگ بھئی، أَبُو الْحَرْبِ جنگوں والا۔ تو دیکھو یہ أَبٌ کا لفظ آتا ہے کس لیے؟ نسبت بیان کرنے کے لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو أَبُو الْخَيْرِ، أَبُو الْحَرْبِ، أَبُو الشَّرِّ یہ مثالیں میں نے ذکر کر دیں۔ أَبُو الْخَيْرِ کا کیا معنی؟ خیر والا۔ أَبُو الشَّرِّ کا کیا معنی؟ شر والا۔ اور اسی طرح أَبُو جَهْلٍ کا کیا معنی؟ جہالت والا بھئی، جہالت والا۔ تو أَبُو جَهْلٍ اب تو علم ہے ایک معین شخص پر دلالت کر رہا ہے لیکن معنی اول کے اعتبار سے دیکھیں تو أَبُو جَهْلٍ کا عربی زبان میں کیا ترجمہ بنتا ہے؟ جہالت والا۔ اس اعتبار سے اس میں اہانت والا معنی ہے تو اس لیے یہاں پر بھی مسند الیہ کو علم کی صورت میں ذکر کیا گیا اہانت کا ارادہ کرتے ہوئے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَالْكِنَايَةِ عَنْ مَعْنًى يَصْلُحُ اللَّفْظُ لَهُ اور کنایہ کرنا ایسے معنی سے کہ لفظ اس کی صلاحیت رکھتا ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ۔ تَبَّتْ ٹوٹ گئے يَدَا یہ تثنیہ ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، اصل میں تھا يَدَانِ أَبِي لَهَبٍ، پھر نون اضافت سے گر گیا، ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابو لہب کے وَتَبَّ اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا ہلاک ہوا بھئی۔ تو یہ عربی زبان میں بطور بد دعا کے یہ کلام استعمال ہوتا ہے، ٹوٹ گئے تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ یعنی ہلاک ہو جائیں دونوں ہاتھ ابو لہب کے وَتَبَّ اور وہ خود بھی ہلاک ہو جائے۔ تو دیکھیے یہاں پر تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ہلاک ہو جائیں دونوں ہاتھ ابو لہب کے، یہاں ابو لہب کے ذریعے کنایہ کیا گیا جہنمی ہونے سے۔ گویا یوں کہا گیا ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ جہنمی کے، ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ جہنمی کے بھئی، جہنمی کے۔ تو یہ ابو لہب کے ذریعے کنایہ کیا گیا جہنمی ہونے سے اور یہ لفظ اس معنی کی صلاحیت رکھتا ہے بھئی۔ یہ لفظ اس معنی کی صلاحیت رکھتا ہے، دیکھیے یہی بات بیان کر رہے ہیں وَالْكِنَايَةِ عَنْ مَعْنًى اور کنایہ کرنا، یعنی کبھی کبھار مسند الیہ کو علم کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے کس لیے؟ مقصد کیا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے کنایہ کیا جاتا ہے ایک ایسے معنی سے يَصْلُحُ اللَّفْظُ لَهُ کہ لفظ بھی اس کی صلاحیت رکھتا ہو بھئی، یعنی لفظ میں بھی اس کی صلاحیت ہو کہ وہ کنایہ کیا جا سکے اس سے۔

بھئی سب سے پہلے تو کنایہ سمجھ لیں، میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں پھر ذکر کر دیتا ہوں۔ کنایہ کہتے ہیں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ کنایہ کسے کہتے ہیں؟ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ مثلاً زید لمبے قد والا ہے، زید لمبے قد والا ہے، اب اس بات کو میں آپ کے سامنے واضح لفظوں میں کہوں تو یوں کہوں گا جیسے ابھی ذکر کیا کہ زید لمبے قد والا ہے، اور اسی بات کو اگر میں کنایہ کے رنگ میں مثلاً کرنا چاہتا ہوں تو میں کہتا ہوں کہ مثلاً زید لمبی قمیص والا ہے، زید لمبی قمیص والا ہے، یا میں یوں کہتا ہوں زید لمبی حمائل والا ہے۔ حمائل جانتے ہیں یا نہیں؟ پہلے بھی میں ذکر کر چکا ہوں کہ جیسے آج کل آپ دیکھتے ہیں بندوق کو چمڑے کے ساتھ باندھ کر کندھے سے لٹکایا جاتا ہے، اسی طرح قدیم زمانے میں تلوار کو بھی چمڑے کے ساتھ باندھ کر کندھے سے لٹکایا جاتا تھا اور اس چمڑے کو کیا کہتے تھے؟ حمائل کہتے تھے، حمائل کہتے تھے۔ اور یہ ظاہر سی بات ہے جس آدمی کا قد چھوٹا ہو گا اس کی حمائل بھی چھوٹی ہو گی اور جس کا قد لمبا ہو گا اس کی حمائل بھی لمبی ہو گی۔ اسی طرح جس آدمی کا قد چھوٹا ہو گا اس کی قمیص بھی چھوٹی ہو گی اور جس آدمی کا قد لمبا ہو گا اس کی قمیص بھی لمبی ہو گی۔

اب میں آپ کو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ زید لمبے قد والا ہے اور کہتا کیا ہوں آپ سے، جملہ کیا ذکر کرتا ہوں؟ زید لمبی قمیص والا ہے۔ اب لمبی قمیص بتانا نہیں مقصد میرا بلکہ میں دراصل کیا کہنا چاہ رہا ہوں آپ سے؟ زید لمبے قد والا ہے۔ لفظ تو میں نے لمبی قمیص والے ذکر کیے لیکن ارادہ کس کا ہے؟ لمبے قد کا، کیونکہ لمبی قمیص کے ساتھ لمبا قد لازم ہے۔ قمیص اسی کی لمبی ہو گی جس کا قد کیا ہو گا؟ لمبا ہو گا، تو لمبی قمیص کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے۔ یا اسی بات کو میں آپ کے سامنے، کون سی بات؟ کہنا کیا چاہتا ہوں آپ سے؟ زید لمبے قد والا ہے، کہنا یہ چاہتا ہوں اور جملہ کیا بولتا ہوں میں؟ زید لمبی حمائل والا ہے، زید لمبی حمائل والا ہے۔ تو دیکھیے میں نے ذکر تو حمائل کا کیا لیکن ارادہ کس کا ہے؟ قد کے لمبا ہونے کو بیان کرنا، اس لیے کیونکہ حمائل جو ہے لمبی حمائل کے ساتھ لازم ہے قد کا لمبا ہونا۔ تو ملزوم بول کر میں کس کا ارادہ کر رہا ہوں؟ لازم کا۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ میں ذکر کیا کر رہا ہوں زید لمبی قمیص والا ہے لیکن ارادہ کیا، بتلانا کیا چاہتا ہوں آپ کو؟ کہ زید لمبے قد والا ہے بھئی۔ اور میں کہتا ہوں زید لمبی حمائل والا ہے، بتلانا کیا چاہتا ہوں دراصل آپ کو میں؟ کہ زید لمبے قد والا ہے۔ تو ایک تو تھا صراحۃً میں کہتا ہوں، سیدھے لفظوں میں کہتا ہوں زید لمبے قد والا ہے یا یوں کہتا ہوں زید کا قد لمبا ہے۔ لیکن اسی بات کو اگر میں کنائے کے رنگ میں ذکر کروں گا تو یوں کہوں گا زید لمبی حمائل والا ہے، یا یوں کہوں گا زید لمبی قمیص والا ہے۔ اب میں قمیص کے لمبا ہونے کا ذکر کروں یہ میرا ارادہ نہیں بلکہ ارادہ دراصل وہی ہے کہ زید کا قد لمبا ہے۔ اور یا میں کہتا ہوں زید لمبی حمائل والا ہے، یہ میں حمائل لمبا ہونے کے بارے میں آپ کو نہیں بتانا چاہتا بلکہ مقصد میرا وہی ہے کہ زید کا قد لمبا ہے۔ اس کو کہتے ہیں کنایہ، ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا کیونکہ لمبی قمیص کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے، لمبی حمائل کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے، تو ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا اسے کیا کہتے ہیں؟ کنایہ کہتے ہیں۔

تو دیکھیے میں نے ذکر کیا کیا؟ لمبی قمیص، اور ارادہ کس کا ہے؟ لمبے قد کا۔ تو دیکھو قمیص کا لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں۔ بھئی قمیص تو اس کپڑے کا نام ہے جو سلا ہوتا ہے اور آپ اسے پہنتے ہیں بھئی، لیکن میں وہ کپڑا مراد نہیں لے رہا بلکہ قمیص کے لفظ سے کیا ارادہ ہے میرا؟ قد کا ارادہ ہے۔ اسی طرح حمائل، حمائل تو اس چمڑے کا نام ہے جس سے تلوار لٹکائی جاتی ہے لیکن میں وہ چمڑا مراد نہیں لے رہا بلکہ میرا ارادہ کس کا ہے؟ قد کا ہے۔ تو لفظ کو اپنے معنی موضوع

لہ میں استعمال نہیں کر رہا بلکہ غیر موضوع لہ میں استعمال کر رہا ہوں، یعنی جس معنی کے لیے لفظ وضع تھا، قمیص کا لفظ کس لیے وضع تھا؟ وہ جو کپڑا آپ پہنتے ہیں سلا ہوا کپڑا جو آپ پہنتے ہیں تو قمیص کا لفظ تو اس کے لیے وضع ہے، قمیص بولتے ہی وہ ذہن میں آتا ہے تو وہ ہوا معنی موضوع لہ، لیکن میں کس کا ارادہ کر رہا ہوں؟ میں قد کا ارادہ کر رہا ہوں تو یہ معنی کیا ہوا؟ غیر موضوع لہ، قمیص کا قد تو معنی نہیں ہے لیکن میں اس کا یہ معنی مراد لے رہا ہوں۔

اسی طرح حمائل اس کا معنی موضوع لہ کیا ہے؟ اردو میں یہ کس معنی کے لیے یہ لفظ مقرر کیا گیا ہے؟ وہ جو چمڑا ہوتا ہے تلوار لٹکانے کا، وہ چمڑا اس کا معنی حقیقی ہوا۔ کیا ہوا؟ معنی حقیقی۔ تو میں نے جب آپ سے کہا زید لمبی قمیص والا ہے تو قمیص بول کر قمیص ہی مراد ہے یا لمبا قد مراد ہے؟ لمبا قد۔ تو لفظ کو میں نے اپنے معنی حقیقی میں استعمال کیا یا دوسرے معنی میں استعمال کیا؟ دوسرے معنی میں، تو یوں کہیں گے اس کو کہ لفظ کو اپنے معنی موضوع لہ میں نہیں استعمال کیا بلکہ کس میں استعمال کیا؟ غیر موضوع لہ میں، ایسے معنی کے لیے لفظ کو استعمال کر لیا جس کے لیے وہ مقرر نہیں، جس کے لیے وہ وضع نہیں۔ اور اسی طرح جب میں نے کہا زید لمبی حمائل والا ہے، اب لفظ تو میں نے حمائل کا استعمال کیا لیکن کیا اسی معنی کے لیے جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا تھا یا دوسرے معنی کے لیے؟ دوسرے معنی کے لیے، تو گویا لفظ کو میں نے استعمال کیا معنی غیر موضوع لہ میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کنایہ کی کیا تعریف کی؟ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا، تو اس کے اندر بھی لفظ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک استعارہ بھی ہوتا ہے استعارہ۔ یہ اس کی تفصیل بھی آگے علم بیان کے اندر آجائے گی۔ استعارہ اس میں بھی لفظ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً بھئی آپ کا ایک ساتھی کمرے کے اندر آیا اور وہ بڑا بہادر ہے تو میں کہتا ہوں شیر آگیا۔ میں نے کیا کہا؟ شیر آگیا۔ اب بھئی شیر کا لفظ تو اردو زبان میں وہ جنگلی درندے کے لیے وضع ہے، اس کے لیے مقرر ہے لیکن میں نے کس کا ارادہ کیا؟ بہادر آدمی کے معنی کا ارادہ کیا حالانکہ شیر کا لفظ تو اس معنی کے لیے وضع نہیں، اس معنی کے لیے مقرر نہیں۔ تو میں شیر کا لفظ بول کر معنی موضوع لہ کا ارادہ کر رہا ہوں یا غیر موضوع لہ کا ارادہ؟ غیر موضوع لہ کا ارادہ کر رہا ہوں۔ تو استعارہ کے اندر بھی معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے، کنایہ کے اندر بھی معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ فرق بھی میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ فرق یہ کہ استعارہ کے اندر معنی حقیقی یعنی معنی موضوع لہ جو ہے اس کا ارادہ صحیح نہیں ہوتا جبکہ کنایہ کے اندر معنی حقیقی یا یوں کہیے معنی موضوع لہ کا ارادہ بھی صحیح ہوتا ہے۔

استعارہ کے اندر معنی موضوع لہ، استعارہ کہہ لیں یا مجاز کہہ لیں، تو مجاز کے اندر معنی موضوع لہ کا ارادہ صحیح نہیں ہوتا۔ بھئی دیکھیے آپ کا وہ ساتھی آیا تھا اور بہادر تھا تو میں نے کیا کہا؟ شیر آگیا۔ اب یہاں پر شیر کا کیا معنی کیا؟ بہادر آدمی، تو یہ معنی غیر موضوع لہ ہے اس کا ارادہ کیا تو یہ استعارہ ہے، یہ مجاز ہے۔ لیکن یہاں پر معنی حقیقی کا ارادہ صحیح نہیں۔ شیر آگیا اس کا معنی اب یہ کوئی کرے جنگلی درندہ آگیا، یہ معنی یہاں پر درست بنتے ہی نہیں ہیں کیونکہ آیا انسان ہے یا وہ جنگلی درندہ آیا ہے؟ انسان آیا ہے تو یہاں وہ جنگلی درندے والا معنی مراد لینا صحیح بنتا ہی نہیں ہے۔ تو یہ فرق ہوا کہ مجاز اور استعارہ جو ہوتا ہے اس کے اندر معنی حقیقی کا ارادہ درست بنتا ہی نہیں ہے، جبکہ کنایہ کے اندر معنی حقیقی یا معنی موضوع لہ کا ارادہ بھی درست ہوتا ہے۔

مثلاً میں نے آپ سے کہا تھا کہ زید لمبی قمیص والا ہے اور ارادہ کس کا؟ لمبے قد والا ہے، تو قمیص بول کر قد کا ارادہ کیا، لیکن قمیص کا ہی میں ارادہ کروں تو بھی یہ کلام صحیح ہے یا صحیح نہیں؟ صحیح ہے۔ زید لمبی قمیص والا ہے یہ معنی بھی صحیح۔ اور میں نے کہا تھا زید لمبی حمائل والا ہے، حمائل بول کر کس کا ارادہ کیا؟ قد کا ارادہ کیا میں نے، لیکن یہیں پر اگر میں حمائل سے حمائل کا ارادہ کروں تو وہ معنی بھی صحیح بن جائے گا کہ زید کیا ہے؟ لمبی حمائل والا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ارادہ کرتا نہیں ہوں کیونکہ اگر ارادہ حمائل بول کر حمائل ہی کا ارادہ کروں پھر تو یہ کنایہ رہا ہی نہیں، یہ تو پھر اپنے معنی حقیقی میں اور معنی موضوع لہ میں استعمال ہو گیا حالانکہ کنایہ کسے کہتے ہیں؟ معنی غیر موضوع لہ میں لفظ کو استعمال کرنا یعنی ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔

فرق سمجھ میں آیا کہ کنایہ کے اندر بھی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، مجاز اور استعارہ کے اندر بھی لفظ کیا ہے اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے لیکن فرق یہ کہ کنایہ کے اندر اگر اسی مقام پر جہاں آپ نے کس طریقے سے لفظ کو استعمال کیا ہے؟ کنایہ کے طریقے پر، اسی مقام پر اگر اسی جملے کا معنی حقیقی بھی مراد لینا چاہیں وہ معنی بھی صحیح بنتا ہو گا۔ جبکہ مجاز اور استعارہ کے اندر اسی مقام پر جہاں پر آپ نے اس کو لفظ کو غیر موضوع لہ میں استعمال کیا ہے اسی مقام پر اگر آپ معنی موضوع لہ کا ارادہ کرنا چاہیں تو وہ معنی صحیح نہیں بنتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ بات اچھی طرح سمجھ میں آئی کہ نہیں بھئی؟ جی یہ تفصیل پہلے بھی ذکر ہو چکی تھی پھر میں نے تفصیل سے ذکر کر دیا۔

■ قولہ: «أَبُو لَهَبٍ» کی تشریح

تو یہاں پر بھی دیکھیے بھئی کنایہ کیا گیا أَبُو لَهَبٍ سے، أَبُو لَهَبٍ سے کس چیز سے کنایہ کیا گیا؟ جہنمی ہونے کا۔ أَبُو لَهَبٍ، أَبُو لَهَبٍ کیا معنی؟ ابھی میں نے بتایا أَبُو الْخَيْرِ کا کیا معنی؟ خیر والا۔ أَبُو الشَّرِّ کا کیا معنی؟ شر والا۔ اسی طرح أَبُو لَهَبٍ ہے، لَهَبٌ کہتے ہیں آگ کے شعلے کو، تو أَبُو لَهَبٍ کا کیا معنی؟ أَبُو لَهَبٍ کا کیا معنی ہوا؟ آگ کے شعلوں والا۔ أَبُو لَهَبٍ کا کیا معنی ہوا؟ آگ کے شعلوں والا۔ یعنی أَبُو الْخَيْرِ کا کیا معنی تھا؟ خیر والا یعنی خیر کے ساتھ رہنے والا ہمیشہ، خیر کے ساتھ لازم رہنے والا۔ أَبُو الشَّرِّ کا کیا معنی تھا؟ شر والا یعنی شر کے ساتھ لازم رہنے والا، ہر وقت شر ہی کے ساتھ رہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ أَبُو الْحَرْبِ کا کیا معنی؟ جنگوں والا

یعنی جنگوں کے ساتھ لازم رہنے والا۔ تو یہاں پر بھی أَبُو لَهَبٍ کا کیا معنی؟ شعلوں والا یعنی شعلوں کے ساتھ لازم رہنے والا، شعلوں کے ساتھ لازم رہنے والا۔ أَبُو لَهَبٍ کا معنی ہوا شعلوں کے ساتھ لازم رہنے والا تو اس کے ذریعے کنایہ کیا گیا جہنمی ہونے سے کیونکہ جہنمی بھی کیا ہیں؟ شعلوں اور آگ کے ساتھ لازم رہنے والے ہیں جہنم میں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے چچا تھے ابو لہب اور یہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تکالیف دینے میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔ آپ مجمعے کے اندر تقریر فرماتے، ان کو دعوت دیتے، توحید کی طرف بلاتے، یہ آپ کو پتھر مار کر لہولہان کر دیتا، اور آپ کو تنگ کرنے میں، تکلیف دینے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے بھئی۔ اور چنانچہ بھئی بہت تکلیف دی حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اور پھر آخر میں ان کا انجام بھی بڑا برا ہوا بھئی۔ سردار لوگوں میں سے تھے یہ لیکن آخر میں ایسا دانہ وغیرہ ان کو نکلا کہ اس بیماری کے خوف سے کہ کہیں ہمیں نہ لگ جائے ساری اولادنے، بیٹوں رشتہ داروں نے ان کو ایک الگ جگہ ڈال دیا کہ کسی کو بیماری نہ لگ جائے ان کی، اور پھر وہیں پر یہ مر گئے اور پھر کوئی ان کے قریب نہیں جاتا تھا دفنانے کے لیے بھی کہ کہیں ہمیں وہ بیماری نہ لگ جائے، اور پھر بدبو جب لاش سے شروع ہو گئی تو حبشی غلاموں کے ذریعے ان کی لاش کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور لاٹھی وغیرہ سے انہوں نے کھینچ کر ڈال دیا اس میں اور پھر اوپر پتھر وغیرہ ڈال دیے۔ تو یہ دنیا کے اندر عبرتناک انجام ہوا سرورِ کونین صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تکلیف دینے کی وجہ سے اور آخرت کی سخت ترین سزائیں تو الگ ہیں بھئی۔

تو چنانچہ بھئی علماء لکھتے ہیں بھئی کہ نام انسان کو اچھا رکھنا چاہیے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ نام انسان کو اچھا رکھنا چاہیے۔ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو جب نبوت ملی آپ نے چار چچے پائے اس وقت، چار چچا زندہ تھے۔ دو کے نام اسلامی تھے وہ اسلام لے آئے، دو کے نام غیر اسلامی تھے وہ اسلام نہیں لائے۔ ابو طالب بھی زندہ تھے لیکن ان کا نام عَبْدُ مَنَافٍ تھا اور مَنَافٌ بت کا نام تھا۔ عَبْدُ مَنَافٍ کا کیا معنی؟ بت کا بندہ، مَنَافٌ بت کا بندہ، مَنَافٌ بت کا غلام۔ اور یہ ابو لہب بھی ان کا نام عَبْدُ الْعُزَّى تھا، عُزَّى بھی بت کا یعنی بت کا غلام۔ اور ایک چچا عباس زندہ تھے اور ایک حمزہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا۔ تو دو چچے تھے ان کے نام غیر اسلامی تھے، کفریہ نام تھے تو کفر پر ان کی موت ہوئی، اور دو کے نام اسلامی تھے تو وہ اسلام لے آئے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو اصل کرنے والی ذات تو اللہ ہی کی ہے سب کچھ کرنے والی ذات لیکن بہر حال نام کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لیے علماء کہتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ اولاد کا اچھا نام رکھنا چاہیے بھئی۔

تو لہٰذا یہاں أَبُو لَهَبٍ ذکر کیا گیا اور أَبُو لَهَبٍ نام ہے حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے چچا کا، ان کی کنیت ہے نام کی طرح ہے، اور اس کے ذریعے کنایہ کیا گیا کس چیز سے، کس معنی سے؟ جہنمی ہونے سے کہ ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ جہنمی کے، اور أَبُو لَهَبٍ کا لفظ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہے کیونکہ أَبُو لَهَبٍ کا کیا معنی؟ شعلوں والا، شعلوں کے ساتھ لازم رہنے والا، اور یہ معنی کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ جہنمی کے اندر بھی پایا جا رہا ہے۔ تو أَبُو لَهَبٍ کا لفظ ایسا ہے کہ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ اس سے کنایہ کیا جائے جہنمی ہونے سے۔ کس سے؟ جہنمی ہونے سے۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابو لہب کے، تو گویا کیا کہا گیا؟ ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ جہنمی کے۔ اور پھر یہ بھی اس میں یاد رکھیے بھئی، یہاں پر بھی آپ دیکھ رہے ہیں أَبُو لَهَبٍ اس وقت تو کنیت ہے، کنیت ہے ایک معین ذات پر دلالت کر رہا ہے لیکن یہ جو کنایہ کیا گیا یہ اس معنی اول کے اعتبار سے ہے، وضع اول کے اعتبار سے ہے کیونکہ وضع اول کے اعتبار سے أَبُو لَهَبٍ کا معنی ہے شعلوں والا، وضع ثانی کے اعتبار سے تو وہ نام ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو لہٰذا أَبُو لَهَبٍ کا معنی ہوا شعلوں والا، شعلوں والا یعنی شعلوں کے ساتھ رہنے والا اور اس کے ساتھ جہنمی ہونا لازم ہے۔ اس کے ساتھ کیا لازم ہے؟ جہنمی۔ بھئی شعلوں کے ساتھ وہی رہے گا جو کون ہو گا؟ جہنمی، تو شعلوں کے ساتھ رہنے والے کے ساتھ لازم ہے کیا؟ جہنم، اور کنایہ کسے کہتے ہیں؟ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ یہاں پر بھی شعلوں والے کے ساتھ لازم ہے کیا؟ جہنمی ہونا، تو یہ کنایہ کیا گیا ان کے جہنمی ہونے سے بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور یہ بھی میں نے ذکر کر دیا کہ یہ کنایہ کس معنی کے اعتبار سے ہے، معنی اول یا معنی ثانی کے اعتبار سے؟ معنی اول یعنی وضع اول کے اعتبار سے ہے نہ کہ وضع ثانی کے اعتبار سے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَالْكِنَايَةِ عَنْ مَعْنًى يَصْلُحُ اللَّفْظُ لَهُ اور کنایہ کرنا، مسند الیہ کو کبھی کبھار علم کی صورت میں لایا جاتا ہے تاکہ کنایہ کیا جائے بھئی کس سے؟ عَنْ مَعْنًى ایسے معنی سے يَصْلُحُ اللَّفْظُ لَهُ جس کی وہ لفظ صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں کس معنی سے کنایہ کیا گیا؟ جہنمی ہونے سے اور یہ أَبُو لَهَبٍ کا لفظ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہے بھئی۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَأَمَّا اسْمُ الْإِشَارَةِ» کی تشریح

وَأَمَّا اسْمُ الْإِشَارَةِ جی آگے اسم اشارہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ تو یہ دیکھیے انہوں نے کچھ نکات ذکر کر دیے کہ مسند الیہ کو کبھی علم کی صورت میں لایا جاتا ہے اور تاکہ سننے والے کے ذہن میں مسند الیہ کو اس کے خاص نام کے ساتھ حاضر کیا جائے کیونکہ نام جو ہے وہ ذات کے ساتھ ساتھ اس کے جو نمایاں اوصاف ہوتے ہیں ان پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اور نیز کبھی کبھار اس میں لانے کے اندر اور غرضیں بھی ہوتی ہیں علم کی صورت میں مسند الیہ کو لانے کی، مثلاً کبھی تعظیم کا ارادہ ہوتا ہے جبکہ اس نام کے اندر تعظیم والا معنی ہو وضع اول کے اعتبار سے، اور کبھی کبھار اس کے ذریعے اہانت کا ارادہ کیا جاتا ہے جبکہ اس نام کے اندر اہانت والا معنی پایا جائے وضع اول کے اعتبار سے، اور کبھی اس کے ذریعے کنایہ کیا جاتا ہے یعنی ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا جاتا ہے اور یہ کنایہ کس اعتبار سے ہوتا ہے؟ معنی اول کے اعتبار سے یعنی وضع اول کے اعتبار سے

ہوتا ہے جیسے اس مثال کے اندر تھا۔

یہ تو انہوں نے کچھ مثالیں ذکر کر دیں بھئی کہ علم کے لانے میں یہ یہ نکات ہوتے ہیں۔ اور بھی نکات ہوتے ہیں جو آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔ مثلاً کبھی کبھار مسند الیہ کو علم کی صورت میں لایا جاتا ہے مخاطب کو یہ بتلانے کے لیے کہ اس نام کے اندر بھی بڑی لذت ہے بھئی۔ کبھی کیا کیا جاتا ہے؟ مسند الیہ کو علم کی صورت میں لایا جاتا ہے مخاطب کو یہ بتلانے کے لیے کہ اس نام کے اندر بھی بڑی لذت ہے بھئی، جیسے آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے ایک شاعر کہتا ہے: بِاللّٰهِ يَا ظَبْيَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا، بِاللّٰهِ يَا ظَبْيَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا لَيْلَايَ مِنْكُنَّ أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ۔ شاعر کہتا ہے بِاللّٰهِ خدا کے لیے يَا ظَبْيَاتِ الْقَاعِ اے دامنِ کوہ کی ہرنیو قُلْنَ لَنَا ہمیں بتاؤ۔ خدا کے لیے اے دامنِ کوہ یعنی پہاڑوں کے بیچ میں رہنے والی، دامنِ کوہ پہاڑوں کے بیچ، تو خدا کے لیے اے دامنِ کوہ کے اندر رہنے والی ہرنیو قُلْنَ لَنَا ہمیں بتاؤ لَيْلَايَ مِنْكُنَّ أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ، لَيْلَايَ میری لیلیٰ جو ہے مِنْكُنَّ وہ تم میں سے ہے أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ یا لیلیٰ انسانوں میں سے ہے؟

تو دیکھیے یہ ہرن جو ہے اس کو عربی زبان میں حسن کے لیے بطور ضرب المثل استعمال کیا جاتا ہے بھئی، خوبصورتی کے اندر ہرن مشہور ہے تو شاعر جو ہے وہ اپنی معشوقہ کے حسن و جمال کو بیان کر رہا ہے کہ میری معشوقہ بڑی حسین و جمیل ہے اور اتنی حسین و جمیل ہے کہ مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ وہ انسان ہے یا ہرن ہے جو ضرب المثل ہے خوبصورتی کے اندر۔ چنانچہ ان کو پکارتے ہوئے کہ خدا کے لیے اے دامنِ کوہ کی ہرنیو ذرا ہمیں بتاؤ کہ میری لیلیٰ تم میں سے ہے یا انسانوں میں سے ہے؟ تو دیکھیے یہاں پر شاعر نے کہا لَيْلَايَ مِنْكُنَّ میری لیلیٰ تم میں سے ہے أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ یا لیلیٰ کس میں سے ہے؟ انسان۔ اب دیکھیے جب ایک دفعہ نام ذکر ہو جائے دوبارہ نام ذکر نہیں کیا جاتا لیکن شاعر نے أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ دوبارہ نام کو ذکر کیا، کہنا تو چاہیے تھا أَمْ هِيَ مِنَ الْبَشَرِ ضمیر لانی چاہیے تھی کہ کیا وہ انسانوں میں سے ہے، لیکن دوبارہ نام لیلیٰ کو ذکر کیا، دراصل شاعر بتلانا چاہتا ہے کہ یہ نام بھی جو ہے اس نام کے اندر بھی بڑی لذت ہے بھئی۔ شاعر کیا بتلانا چاہتا ہے؟ تو مسند الیہ کو علم کی صورت میں ذکر کیا یہ بتلانے کے لیے کہ اس نام کے اندر بھی بڑی لذت ہے بھئی۔

اچھا بھئی تو شاعر کیا کہتا ہے بِاللّٰهِ يَا ظَبْيَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا لَيْلَايَ مِنْكُنَّ أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ کہ مجھے بتاؤ میری لیلیٰ تم میں سے ہے یا لیلیٰ انسانوں میں سے ہے؟ تو یہاں لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ کہا حالانکہ کہنا چاہیے تھا هِيَ مِنَ الْبَشَرِ۔ شاعر دراصل کیا بتلانا چاہتا ہے کہ یہ نام بھی بڑا لذیذ ہے، اس نام کے ذکر میں بھی بڑی لذت ہے تو اسی لیے اس کو اس نے دوبارہ ذکر کر دیا۔ جیسے اردو کا ایک شاعر کہتا ہے: کیسے بھول جاؤں اسے انجم کیسی باتیں کرتے ہو، صورت تو پھر صورت ہے وہ نام بھی اچھا لگتا ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۳: اسمِ اشارہ لانے کے بلاغی نکات: کمالِ تمیز، تعریض بغباوت، بیانِ حالِ قرب و بعد، تعظیم، تحقیر اور کمالِ عنایت

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۳ــــ بتاریخ: ۶ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا اسْمُ الْإِشَارَةِ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ كَقَوْلِكَ بِعْنِي هَذَا مُشِيرًا إِلَى شَيْءٍ لَا تَعْرِفُ لَهُ اسْمًا وَلَا وَصْفًا، أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا لِذَلِكَ فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى كَإِظْهَارِ الِاسْتِغْرَابِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

تعریف و تنکیر کا باب چل رہا ہے اور آپ نے پڑھا تھا کہ جب متکلم کا یہ ارادہ ہو کہ مخاطب کو یہ بتلائے کہ اس کے کلام کا تعلق کسی معین ذات کے ساتھ ہے، کسی معین چیز کے ساتھ ہے تو مقام ہے تعریف کا یعنی معرفہ لانے کا۔ اور جب متکلم کی یہ غرض نہ ہو تو وہ مقام ہے تنکیر کا یعنی نکرہ لانے کا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرفہ کئی قسم پر ہیں تو ہر معرفہ کے لانے میں کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں وہ الگ الگ بیان کرنا شروع کیے تھے۔ سب سے پہلے ضمیر کو ذکر کیا کیونکہ ضمیر میں باقیوں سے تعریف زیادہ ہے اور بتلایا تھا کہ ضمیر اس لیے لائی جاتی ہے کیونکہ مقام تکلم، خطاب یا غیبت کا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ اختصار مطلوب ہوتا ہے تو وہاں ضمیر لائی جاتی ہے۔ اور پھر آپ کو یہ بتلایا تھا کہ اصل تو خطاب کے اندر یہ ہے کہ کسی مشاہد معین کو ہونا چاہیے، وہ چیز مشاہد بھی ہو، وہ شخص مشاہد بھی ہو، سامنے بھی ہو اور معین بھی ہونا چاہیے، لیکن بعض اوقات غیر مشاہد کو بھی خطاب کر دیا جاتا ہے حضور قلبی کی وجہ سے یعنی دل میں حاضر ہونے کی وجہ سے۔ اور اسی طرح کبھی کبھار خطاب غیر معین کو بھی کر دیا جاتا ہے جب کہ آپ کا ارادہ اپنے کلام کو عام کرنا ہو کہ یہ خطاب عام ہو جائے ہر اس شخص کے لیے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہے، جس سے خطاب کیا جا سکتا ہے۔

اور پھر اس کے بعد معرفہ علم کی صورت میں لایا جائے اس میں کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں تو سب سے پہلے انہوں نے بتلایا تھا کہ کبھی کبھار مسند الیہ وغیرہ جو ہیں اس کو علم کی صورت میں لایا جاتا ہے تاکہ اس کے معنی کو حاضر کیا جائے سننے والے کے ذہن میں اس کے خاص نام کے ساتھ بھئی۔ کس کے ساتھ؟ خاص نام۔ کیونکہ ضمیر، اسم اشارہ، اسم موصول وغیرہ یہ خاص نہیں ہیں، یہ عام ہیں بھئی۔ هُوَ ضمیر کے ذریعے آپ خالد کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، زید کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، اس کے ذریعے آپ عمرو بھی مراد لے سکتے ہیں، بکر بھی مراد لے سکتے ہیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ اسی طرح هَذَا ہے، هَذَا کے ذریعے بھی آپ خالد کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، بکر کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، عمرو کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، یہ عام ہیں یہ سب کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں لیکن جب استعمال ہوں گے اس وقت یہ خاص ہی ہوں گے۔ کیا ہوں گے؟ خاص۔ هُوَ کے ذریعے ہر مذکر غائب کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے لیکن جب آپ اپنے کلام میں هُوَ لائیں گے تو وہ استعمال کے وقت کوئی ایک خاص معین مراد ہو گا بھئی، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ جبکہ علم میں ایسا نہیں وہ وضع کے اعتبار سے ہی خاص ہے، ایک ذات کے لیے وضع کیا گیا ہے، وہ لفظ جب بولا جائے گا، وہ نام جب بولا جائے گا تو وہی ذات ذہن میں آئے گی اور کوئی ذات ذہن میں نہیں آئے گی بھئی۔ تو آپ کا ارادہ یہ ہے کہ مسند الیہ کو اس کے خاص نام کے ساتھ سننے والے کے ذہن میں حاضر کریں تو آپ علم استعمال کریں، یہ موقع ہے علم استعمال کرنے کا۔

اور میں نے بتلایا تھا علم جو ہوتا ہے وہ کسی چیز کے تمام مشخصات جو ہیں اس کے جو امتیازی اوصاف ہیں ان پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً آپ کا ایک ساتھی زید ہے، جیسے ہی میں نے زید کہا زید آپ کے ذہن میں آگیا اور اس کے سارے نمایاں اوصاف بھی ساتھ ہی ذہن میں آجائیں گے۔ مثلاً اس کی خاص شکل و صورت ہے وہ بھی آگئی ذہن کے اندر، اس کے مثلاً بال خاص قسم کے ہیں وہ بھی ذہن میں آگئے، وہ کپڑے خاص قسم کے پہنتا ہے وہ بھی ذہن میں آجائیں گے اور اسی طرح وہ بڑا سخی ہے وہ سخاوت بھی آپ

کے ذہن میں آجائے گی، اسی طرح اور جو اوصاف نمایاں اوصاف ہوئے وہ سارے بھی ذہن میں آجائیں گے بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح کبھی کبھار جو ہے علم کی صورت میں مسند الیہ کو لایا جاتا ہے اس میں اور نکات ہوتے ہیں، مثلاً بعض اوقات تعظیم کا ارادہ مقصود ہوتا ہے اور یہ تعظیم کس معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے؟ معنی اول کے یا معنی ثانی کے اعتبار سے؟ معنی اول۔ یعنی کیونکہ یہ اعلام جو ہوتے ہیں ان میں عموماً وضع ثانی ہوتی ہے، عموماً کیا ہوتی ہے؟ وضع ثانی۔ اولاً وہ لفظ کسی اور معنی کے لیے اس زبان میں وضع ہوتا ہے پھر اس کو کسی شخص کا نام رکھ دیا جاتا ہے بھئی، تو وہ جو تعظیم والا معنی ہوگا وہ وضع اول کے اعتبار سے ہوگا۔ اسی طرح بعض اوقات اسی علم کو تحقیر اور اہانت کے لیے لایا جاتا ہے تو وہاں اہانت بھی کس معنی کے اعتبار سے ہوگی؟ معنی اول یعنی وضع اول کے اعتبار سے ہوگی۔

اور بعض اوقات مسند الیہ کو علم کی صورت میں لایا جاتا ہے اور کنایہ کیا جاتا ہے اس سے ایسے معنی کا جس کی وہ لفظ صلاحیت رکھتا ہے، جیسے اس کی مثال آئی تھی تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ، ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ۔ اب ابولہب یہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے چچا کا نام ہے اور یہ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے جو یہ چچا تھے یہ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کو بہت زیادہ تکالیف دیا کرتے تھے بھئی، بہت زیادہ تکالیف۔ تو ان کے بارے میں آیا تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ، ٹوٹ جائیں ان کے دونوں ہاتھ، ابو لہب کے دونوں ہاتھ۔ اور ابولہب کے ذریعے کنایہ کیا گیا جہنمی ہونے سے، گویا یوں کہا گیا جہنمی کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ تو ابولہب اس کے ذریعے کنایہ کیا گیا کس چیز سے؟ جہنمی ہونے سے، اور یہ لفظ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہے کیونکہ ابولہب کا معنی ہے شعلوں والا یعنی شعلوں کے ساتھ رہنے والا، اور جو شخص شعلوں کے ساتھ رہنے والا ہے اس کے ساتھ لازم ہے جہنمی ہونا، کیونکہ شعلوں کے ساتھ جو لازم رہے گا وہ کیا ہوگا؟ جہنمی ہی ہوگا بھئی، شعلوں کے ساتھ رہتا ہے۔ تو یہ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا، شعلوں والا، شعلوں کے ساتھ رہنے والا یہ ملزوم ہے اور اس کے ساتھ لازم ہے یہ کیا ہوگا؟ جہنمی ہوگا، تو ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا گیا تو یہ ہے کنایہ بھئی۔ اور یہاں پر کنایہ بھی معنی اول کے اعتبار سے ہے، ابولہب اب تو نام ہے، کنیت ہے لیکن معنی اول کے اعتبار سے ابولہب کا کیا معنی؟ شعلوں کے ساتھ رہنے والا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب اسم اشارہ کے لانے میں کیا نکات ہوتے ہیں، کبھی مسند الیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے اسم اشارہ کی صورت میں، تو اس کے اسم اشارہ کی صورت میں لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں اب وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَأَمَّا اسْمُ الْإِشَارَةِ اور باقی اسم اشارہ جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا جب وہ متعین ہو بطور ایک طریقے کے، جب وہ کیا ہو؟ متعین ہو بطور ایک طریقے کے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس مسند الیہ یا مسند کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے۔ اس مسند یا مسند الیہ کے معنی کو مخاطب کے ذہن میں حاضر کرنے کے لیے وہ ایک طریقے کے طور پر متعین ہوتا ہے اس لیے اسم اشارہ کو لایا جاتا ہے۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں آئی؟ بھئی ایک مقام ایسا ہے کہ وہاں پر مسند الیہ یا مسند کو سننے والے کے ذہن میں حاضر کرنا ہے اور اسم اشارہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے وہاں کہ اس کو اس کے ذہن میں حاضر کیا جائے، اس لیے کیونکہ وہ چیز مثلاً سامنے پڑی ہوئی ہے، سامنے پڑی ہے لیکن نہ آپ کو اس کے نام کا پتہ، نہ آپ کو کسی وصف وغیرہ کا پتہ، جب نام کا بھی نہیں پتہ، وصف وغیرہ کا بھی نہیں پتہ تو اب لازمی بات ہے اشارہ کر کے ہی اس کو بتانا پڑے گا کہ یہ والی چیز جو ہے میں اس کی بات کر رہا ہوں، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو دکان پر مثلاً آپ گئے اور وہاں ایک چیز پڑی ہوئی ہے، آپ دکاندار کو کہنا چاہتے ہیں اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو، تو آپ اس چیز کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں بِعْنِي هَذَا، یہ چیز میرے ہاتھ فروخت کر دو، یہ چیز مجھ پر فروخت کر دو، ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ اب آپ نے بِعْنِي هَذَا یہ چیز میرے ہاتھ فروخت کر دو، هَذَا اسم اشارہ استعمال کیا بھئی۔ کیوں اسم اشارہ استعمال کیا؟ کیونکہ نہ آپ کو اس چیز کے نام کا پتہ، نہ آپ کو اس کے اوصاف وغیرہ کا پتہ، تو اب اشارے کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں ہے اس کے متعین کرنے کی، تو صرف کس کے ساتھ متعین ہوگا؟ اسم اشارہ۔ نہ آپ وہاں ضمیر لا سکتے ہیں، نام کا آپ کو پتہ نہیں، اوصاف وغیرہ بھی پتہ نہیں کہ اسم موصول کی صورت میں پھر لے آئیں وغیرہ، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو جب ایک ہی طریقہ متعین ہے کہ کس صورت میں ذکر کیا جائے اس کو؟ اسم اشارہ کی۔ جب طریقہ ہی ایک متعین ہے، وہاں اور کوئی طریقہ استعمال ہو ہی نہیں سکتا تو ظاہر سی بات ہے پھر لائیں گے کس صورت میں؟ اسم اشارہ کی صورت میں۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟ آسان سی بات ہے کہ وہاں اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا، کسی اور صورت میں اس کو ذکر کیا ہی نہیں جا سکتا۔

■ قولہ: «فَيُؤْتَى بِهِ» کی تشریح

یہ معنی ہے فَيُؤْتَى بِهِ اسم اشارہ کو لایا جاتا ہے إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا جب وہ اسم اشارہ متعین ہو جائے بطور ایک طریقے کے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے۔ کس کے ذہن میں، کہاں حاضر کرنا ہے اس کے معنی کو؟ سامع کے ذہن میں۔ آپ کے تو ذہن میں ہے، آپ کے تو سامنے چیز موجود ہے کہ یہ چیز ہے لیکن اس کو بھی بتلانا ہے تو اس کے لیے اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس چیز کی طرف باقاعدہ اشارہ کر کے کہا جائے یہ والی چیز جو ہے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ کہنا بِعْنِي هَذَا یہ چیز میرے ہاتھ فروخت کر دو، مُشِيرًا إِلَى شَيْءٍ اشارہ کرتے ہوئے ایک ایسی چیز کی طرف، شَيْءٍ نکرہ آیا، لَا تَعْرِفُ اس کے بعد فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے اس کی؟ صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کہ موصوف سے پہلے کیا لے آتے ہیں؟ ایسا، ایسی۔ تو مُشِيرًا إِلَى شَيْءٍ اس حال میں کہ آپ اشارہ کر رہے ہیں إِلَى شَيْءٍ ایک ایسی چیز کی طرف لَا تَعْرِفُ لَهُ اسْمًا کہ آپ نہیں جانتے اس کا نام وَلَا وَصْفًا اور نہ اس کا وصف۔ تو آپ یہ کہتے ہیں اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس کے اسم اور وصف کو آپ نہیں جانتے کہ بِعْنِي هَذَا یہ چیز میرے ہاتھ فروخت کر دو۔

أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا لِذَلِكَ فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى، اور جب یہ اسم اشارہ متعین نہ ہو بطور ایک طریقے کے اس چیز کے لیے فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى تو وہ دوسری غرضوں کے لیے ہو گا۔ بھئی لِذَلِكَ، یہ ذَلِكَ کے ذریعے اشارہ کس کی طرف ہے؟ اوپر کیا آیا تھا؟ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ۔ بھئی اب دوسری صورت، ایک مقام ایسا ہے کہ وہاں پر اسم اشارہ کے علاوہ دوسرے معرفہ کے ذریعے بھی ایک چیز کو سننے والے کے ذہن میں حاضر کیا جا سکتا ہے، مثلاً آپ کو اس کا نام پتہ ہے یا آپ کو اس کے اوصاف وغیرہ پتہ ہیں، تو اب یہاں اسم اشارہ کے علاوہ اور صورتیں بھی ممکن ہیں۔ پچھلی صورت میں تو اسم اشارہ کے علاوہ اور کوئی صورت ممکن ہی نہیں تھی تو وہاں لانا ہی کیا پڑے گا؟ اسم اشارہ کو۔ اب دوسرا مقام ہے وہاں اسم اشارہ متعین نہیں ہے، اور طریقے بھی ہیں اس کو سننے والے کے ذہن میں حاضر کرنے کے لیکن پھر بھی آپ اسم اشارہ لے کر آتے ہیں تو کہتے ہیں پھر وہ اور غرضوں کے لیے ہو گا، اور مقاصد کے لیے۔ پہلی صورت میں تو کیا مقصد تھا کہ اس کے لیے اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا اور اب دوسرا مقام ہے وہاں اور طریقے بھی ممکن ہیں لیکن پھر بھی کہنے والا اسم اشارہ ذکر کرتا ہے اور طریقے کو اختیار نہیں کرتا تو کہتے ہیں وہ پھر اور غرضوں کی وجہ سے ہو گا جو یہ آگے بیان کر رہے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا اور جب متعین نہ ہو اسم اشارہ بطور ایک طریقے کے لِذَلِكَ اس کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى تو پھر وہ اسم اشارہ اس کا لانا دوسری غرضوں کے لیے ہو گا، كَإِظْهَارِ الِاسْتِغْرَابِ۔ استغراب کہتے ہیں حیرت کو، تعجب کو۔ كَإِظْهَارِ الِاسْتِغْرَابِ جیسے تعجب کا اظہار کرنے کے لیے، جیسے کہ تعجب کا اظہار کرنا۔ بھئی کبھی کبھار ایک چیز ہے، مسند الیہ ہے اس کو اسم اشارہ کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے، وہاں اور بھی طریقے استعمال ہو سکتے ہیں لیکن کہنے والا کس کو استعمال کرتا ہے؟ اسم اشارہ کو۔ مقصد کیا ہوتا ہے اسم اشارہ لانے کا؟ وہ اپنی حیرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے، اپنے تعجب کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو اس لیے کیا لے کر آتا ہے؟ اسم اشارہ لے کر آتا ہے۔ جیسے دیکھیے مثال میں، نَحْوُ مثال کے طور پر:

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ ... وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقَا

هَذَا الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً ... وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيرَ زِنْدِيقَا

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ، كَمْ عَاقِلٍ کتنے ہی عقل والے ہیں، پھر اس کے بعد دوبارہ آیا عَاقِلٍ۔ یاد رکھیے یہ جو دوبارہ عَاقِلٍ آیا یہ پہلے عَاقِلٍ کی تاکید نہیں ہے، آپ نے پڑھا ہے بعض اوقات اسی لفظ کو دوبارہ ذکر کیا جاتا ہے تو وہ پہلے کے لیے تاکید ہوتا ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زید ثانی کیا ہے اول کے لیے؟ تاکید ہے، لیکن یہ ہر جگہ نہیں، جیسے یہ مقام ہے یہاں پر دیکھیے عَاقِلٍ نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد پھر اسی نکرہ کو ذکر کیا گیا اور بطور وصف کے ہے، یہ یہاں کس طریقے پر ذکر ہے؟ وصف کے طریقے پر ذکر ہے، اور یاد رکھیے عربی زبان میں ایسا کیا جاتا ہے کہ نکرہ کی صفت اسی نکرہ کو دوبارہ لے آتے ہیں کمال پر دلالت کرنے کے لیے۔ کس چیز پر؟ کمال پر یعنی کامل ہونے پر دلالت کرنے کے لیے۔ تو كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ کا معنی ہوا کتنے ہی کامل عقل والے ہیں۔ کیا ترجمہ ہوا؟ کتنے ہی کامل عقل والے ہیں، پوری عقل والے ہیں۔ اگر صرف یہ ہوتا كَمْ عَاقِلٍ تو کیا ترجمہ ہوتا؟ کتنے ہی عقل والے ہیں، لیکن جب عَاقِلٍ دوبارہ آیا اب اس نے کس پر دلالت کر دی؟ کمال پر۔ اب کیا معنی ہو گا كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ کا؟ کتنے ہی کامل عقل والے لوگ ایسے ہیں، انسان ایسے ہیں أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ۔

أَعْيَا کا معنی تھکا دینا، تھکا دینا۔ مَذَاهِبُ جمع ہے مَذْهَبٌ کی، مذہب کہتے ہیں راستے کو، طریقے کو۔ کتنے ہی کامل عقل والے ایسے ہیں أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ کہ تھکا دیا ہے ان کو ان کے راستوں نے۔ تھکا دیا ہے ان کو ان کے راستوں نے، اور راستوں سے مراد طرق معاش ہیں، روزی کمانے کے جو راستے ہیں اور طریقے ہیں وہ مراد ہیں۔ کتنے ہی کامل عقل والے ایسے ہیں کہ ان کو روزی کے طرق معاش نے، ان کو روزی کے راستوں نے تھکا دیا ہے، وہ ہر وقت ہر وقت روزی کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں کہ کھانے کا بندوبست کیسے کریں، پینے کا بندوبست کیسے کریں، کپڑے پہننے کا بندوبست کیسے کریں، گھر والوں کا خرچہ کیسے پورا کریں، بیوی بچوں کو کیسے کھلائیں پلائیں۔ تو ہے کتنی عقل بڑی ہی کامل لیکن ہر وقت کس فکر میں لگے رہتے ہیں؟ روزی کمانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، یعنی بیچارے غریب ہوتے ہیں، مال وغیرہ ان کے پاس نہیں ہوتا، شب و روز اسی کوشش میں ہوتے ہیں کسی طرح گزر بسر کا سامان ہو جائے بھئی، گزر بسر کا سامان۔ عقل بڑی کامل ہوتی ہے لیکن دیکھا جائے تو ان بیچاروں کے پاس مال کچھ بھی نہیں ہوتا، ہر وقت اپنی اولاد اور بیوی بچوں وغیرہ کو ان کے اخراجات پورے کرنے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقًا» کی تشریح

وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقًا، یہاں بھی اسی طرح ہے جَاهِلٍ کی صفت دوبارہ جَاهِلٍ لائی گئی، یہ اسی پر عطف ہے أَيْ كَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ، تو ترجمہ کیا ہو گا؟ اور کتنے ہی کامل جاہل ایسے ہیں، کتنے ہی کامل جاہل ایسے ہیں تَلْقَاهُ کہ آپ اس سے ملاقات کرتے ہیں، لَقِيَ يَلْقَى کے معنی ملاقات کرنا، ملنا۔ مخاطب کا صیغہ ہے یہ، تو تَلْقَاهُ کہ آپ اس سے ملاقات کرتے ہیں مَرْزُوقًا اس حال میں کہ وہ رزق دیے ہوئے ہوتے ہیں، یعنی ان کو رزق دیا گیا ہوتا ہے، اللہ نے ان کو بڑا رزق دیا ہوتا ہے، بڑا مال دیا ہوتا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ کہ کتنے ہی کامل عقل والے ایسے ہیں کہ ان کو ان کے طرق معاش نے تھکا دیا ہے، کبھی ایک طرح کوشش کرتے ہیں کسی طرح اسباب

گزر بسر ہو جائیں اور کبھی دوسری طرح کوشش کرتے ہیں کہ اسباب گزر بسر کہیں سے میسر آجائیں، اور کتنے ہی کامل جاہل ایسے ہیں کہ آپ ان سے ملتے ہیں اس حال میں کہ وہ رزق دیے ہوئے ہوتے ہیں یعنی اللہ نے ان کو خوب مال، خوب رزق دیا ہوتا ہے۔ اگر عقل کو دیکھا جائے تو عقل ان میں نام کی نہیں ہوتی، علم ان میں نام کا نہیں ہوتا لیکن آپ ان کو دیکھتے ہیں بڑی بڑی گاڑیوں میں گھوم رہے ہیں، پھر رہے ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے بھئی کہ کیا ہے عقل والا وہ بیچارہ غریب ہے اور جو جاہل ہے وہ مالدار ہے بھئی۔

حالانکہ ہونا تو برعکس چاہیے تھا، جو عقل والا ہے، عقل کامل ہے تو وہ اپنی عقل کو کام میں لاکر خوب اچھی طرح رزق حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور جاہل کے پاس تو اتنی عقل بھی نہیں، علم بھی نہیں ہے بھئی، علم نہیں ہے، عقل نہیں ہے تو ہونا تو یہ چاہیے جب اس کا علم بھی اس کے پاس نہیں، عقل بھی پوری نہیں ہے تو پھر تو روزی کمانے کے اندر اس کو ناکامی ہونی چاہیے، کیونکہ علم ہو گا، عقل ہو گی تو اچھی طرح روزی کما سکے گا، اچھا طریقہ اختیار کر سکے گا۔ تو ہونا تو یہ چاہیے کہ عقلمند کو مالدار ہونا چاہیے اور جاہل کو کیا ہونا چاہیے؟ غریب ہونا چاہیے، لیکن ہم دنیا میں عموماً اس کے برعکس دیکھتے ہیں کہ جو بڑا عقل والا ہوتا ہے وہ بیچارہ غربت کی حالت میں آپ کو دکھائی دیتا ہے اور جو جاہل ہوتا ہے، علم اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا لیکن آپ اس کو دیکھتے ہیں بڑا مال ہے اس کے پاس بھئی، اللہ نے اس کو خوب دولت دی ہوئی ہے۔

تو کہتے ہیں هَذَا الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً، یہ وہ چیز، یہ جو ہے، هَذَا، اشارہ کیا بھئی یہ جو اوپر بات ذکر کی تھی یعنی عاقل کا محروم ہونا اور جاہل کا مرزوق ہونا، یہ وہ چیز ہے الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے، جس نے کیا کیا ہے؟ عقلوں کو حیران کر چھوڑا ہے۔ أَوْهَامٌ جمع ہے وَهْمٌ کی، وہم کہتے ہیں دل میں جو بات آئے، جو خیال آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ وہم کہتے ہیں، یہاں مراد اوہام سے عقلیں ہیں، یہاں کیا مراد ہیں؟ عقلیں۔ حَائِرَةً حیران بھئی۔ هَذَا الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً یہ جو چیز ہے یعنی عاقل کا محروم ہونا اور جاہل کا مرزوق ہونا یہ وہ چیز ہے جس نے عقلوں کو حیران کر چھوڑا ہے، عقلوں کو حیران کر دیا ہے، وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيرَ زِنْدِيقًا۔ صَيَّرَ کا معنی بنا دینا، النِّحْرِيرُ کا معنی ہے زبردست اور ماہر۔ صَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيرَ اس نے بنا دیا ہے زبردست عالم کو زِنْدِيقًا بے دین بھئی۔ زندیق کیا معنی؟ بے دین، یعنی کافر بنا دیا ہے کہ وہ خدا کی خدائی کا انکار کر بیٹھتے ہیں بھئی۔

ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ دوبارہ دیکھیے بھئی:

■ متن وشواہد: «كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ»

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ ... وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقًا

هَذَا الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً ... وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيرَ زِنْدِيقًا

کتنے ہی کامل عقل والے ایسے ہیں کہ ان کو ان کے طرق معاش نے، روزی کمانے کے طریقوں نے تھکا دیا ہے، وہ ہر وقت روزی کی فکر میں سرگرداں دکھائی دیتے ہیں آپ کو اور کتنے ہی کامل جاہل ایسے ہیں کہ آپ ان سے ملاقات کرتے ہیں اس حال میں کہ ان کو خوب رزق دیا گیا ہوتا ہے۔ یہ بات جو ہے یعنی عاقل کا محروم ہونا اور جاہل کا مرزوق ہونا یہ وہ بات ہے جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيرَ زِنْدِيقًا اور اس بات نے زبردست قسم کے ماہر علماء کو زندیق اور بے دین بنا دیا ہے، کافر بنا دیا ہے کہ وہ خدا کی خدائی کا انکار کر دیتے ہیں، کہتے ہیں ہم ایسے خدا کو نہیں مانتے جو عقل والے کو تو مال اس نے دیا نہیں اور جو حقدار تھا اس کو مال دیا نہیں اور جو جاہل ہے، جو غیر حقدار ہے اس کو جس نے مال دیا ہوا ہے، مال دیا ہے ہم اس خدا کو نہیں مانتے۔ تو گویا وہ اللہ کی اس تقسیم پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، اس کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اللہ کے اپنے کاموں کے اندر کیا کیا حکمتیں ہیں وہ اللہ ہی جاننے والے ہیں، لہٰذا ان پر ہر حال میں راضی رہنا چاہیے اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو مقام استشہاد ہے یہاں پر هَذَا الَّذِي، یہ جو هَذَا آیا۔ اب اس هَذَا کے ذریعے اشارہ کیا گیا کس چیز کی طرف؟ یہ جو اوپر بات ذکر ہوئی تھی عاقل کا محروم ہونا اور جاہل کا مرزوق ہونا، یہ بات جو ہے اس کی طرف اشارہ کیا گیا هَذَا کے ذریعے۔ حالانکہ اس کے اور بھی طریقہ تھا، ضمیر بھی ذکر یہاں کی جا سکتی تھی یا اور بھی کوئی صورت ذکر، کوئی اور طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا تھا لیکن شاعر نے کس کو استعمال کیا؟ اسم اشارہ کو استعمال کیا۔ اسم اشارہ کس لیے؟ حیرت کا اظہار کرنے کے لیے کہ یہ بات بڑی عجیب ہے، بڑی حیرت والی ہے۔ یہ بات بڑی حیرت والی ہے، اس مقصد کے لیے اس نے هَذَا استعمال کیا کہ یہ جو بات ہے اس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے، وجہ بظاہر انسان کو سمجھ میں نہیں آتی، ہونا تو برعکس چاہیے، عقل والے کے پاس عقل ہے تو اس کو طریقے بھی زیادہ آئیں گے وہ اچھی طرح مال کما سکے گا لیکن ہم دیکھتے ہیں وہ بیچارہ غربت میں ایام بسر کر رہا ہے، اور جاہل جو ہے اس کے پاس تو علم نہیں ہے، طریقے اس کو زیادہ نہیں آتے لہٰذا اس کے پاس مال نہیں ہونا چاہیے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے پاس کثیر مال ہوتا ہے۔ تو یہاں پر هَذَا اسم اشارہ استعمال کیا کس لیے بھئی؟ حیرت کا اظہار کرنے کے لیے کہ یہ چیز جو ہے دیکھو اس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے۔ معنی اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگیا؟

وَكَمَالِ الْعِنَايَةِ بِهِ۔ عنایت کہتے ہیں توجہ کو بھئی، توجہ کو۔ وَكَمَالِ الْعِنَايَةِ بِهِ اور کامل طور پر اس چیز کو توجہ دینے کے لیے۔ کامل طور پر اس چیز کو توجہ۔ بھئی ایک چیز ہے اس کو اسم اشارہ کے علاوہ ضمیر وغیرہ کے ساتھ بھی ذکر کیا جاسکتا ہے لیکن کہنے والا وہاں پر اسم اشارہ لے کر آتا ہے، کس لیے؟ کامل اہتمام کے لیے، کامل توجہ اس پر کرتے ہوئے بھئی، کامل توجہ اس طرف دیتے ہوئے بھئی۔ یاد رکھیے اسم اشارہ کے ذریعے کوئی چیز باقی تمام چیزوں سے ممتاز اور جدا ہو جاتی ہے۔ جب میں نے کہہ دیا آپ کو هَذَا كِتَابِي، یہ میری کتاب ہے، تو اب هَذَا کے ذریعے میں نے ایک متعین کتاب کی طرف اشارہ کیا اور آپ سمجھ گئے یہ والی کتاب ہے جس کے بارے میں متکلم کہہ رہا ہے کہ یہ میری کتاب ہے۔ هَذَا یہ جو ہے كِتَابِي میری کتاب ہے۔ میں نے ایک معین کتاب کی طرف اشارہ کیا، معین کتاب کی طرف، تو آپ بھی سمجھ گئے کہ یہ جو پندرہ بیس کتابیں پڑھی ہیں ان میں سے اس کتاب کی بات ہو رہی ہے، دوسری یا تیسری کتاب کی بات نہیں ہو رہی۔ اشارہ کیا جائے تو آپ سمجھ جاتے ہیں یا نہیں سمجھ جاتے؟ جس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے آپ سمجھ جاتے ہیں یہ والی چیز مراد ہے باقی چیزیں مراد نہیں۔ تو یہ جو اسم اشارہ ہوتا ہے یہ چیز کو کامل طور پر ممتاز کر دیتا ہے، باقی چیزوں سے جدا کر دیتا ہے، سننے والا سمجھ جاتا ہے اس چیز کی بات ہو رہی ہے دوسری یا تیسری یا چوتھی چیز کی بات نہیں ہو رہی۔

بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ آپ جب بھی کسی چیز کی طرف کیا کرتے ہیں؟ اشارہ کرتے ہیں تو وہ چیز کامل طور پر ممتاز ہو جاتی ہے، باقی چیزوں سے الگ ہو جاتی ہے، سننے والا سمجھ جاتا ہے یہ فلاں والی چیز جس کی طرف اشارہ ہوا یہ والی چیز مراد ہے کوئی دوسری چیز مراد نہیں، چاہے اسی جیسی دس چیزیں ارد گرد پڑی ہوں لیکن پھر بھی وہ سمجھ جاتا ہے یہ فلاں والی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہوتا ہے اس سے اس کو پتہ لگ جاتا ہے۔ ہاں اشارہ ہی مبہم ہو پتہ نہ چلے ہم اس کی بات نہیں کر رہے، جب اشارہ کیا واضح طور پر پتہ چل جائے گا یا نہیں فلاں چیز مراد ہے؟ فلاں چیز مراد۔ تو یہ اسم اشارہ کے ذریعے چیز کامل طور پر ممتاز ہو جاتی ہے، باقی چیزوں سے ممتاز ہو جاتی ہے، جدا ہو جاتی ہے، سننے والا سمجھ جاتا ہے یہ والی چیز کی بات ہو رہی ہے دوسری چیزوں کی بات نہیں ہو رہی۔

تو لہٰذا بعض اوقات ایسا کیا جاتا ہے، ایک مقام ہے وہاں پر ضمیر وغیرہ بھی استعمال ہو سکتی ہے لیکن کہنے والا اسم اشارہ استعمال کرتا ہے اس کو کامل طور پر ممتاز کرنے کے لیے کہ وہ باقی سب چیزوں سے ممتاز ہو جائے، نمایاں ہو جائے یعنی اس کو کامل توجہ دیتے ہوئے۔ کیا کرتے ہوئے؟ کامل توجہ دیتے ہوئے اس کو باقی چیزوں سے ممتاز کر کے اس کی بات بیان کرتا ہے کہ میں اس کی بات کر رہا ہوں دوسری چیزوں کی بات نہیں کر رہا بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَكَمَالِ الْعِنَايَةِ بِهِ اور اس چیز کو کامل توجہ دینے کے لیے، اس چیز کو کامل توجہ دینے کے لیے اور اس کو پورے طور پر ممتاز کرنے کے لیے، نمایاں کرنے کے لیے، نَحْوُ مثال کے طور پر:

■ متن وشواہد: «هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ»

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ ... وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

هَذَا الَّذِي، یہ ہے وہ تَعْرِفُ کہ جانتی ہے بَطْحَاءُ، بطحاء کہتے ہیں کشادہ وادی، وسیع وادی، دو پہاڑوں کے درمیان کا وسیع کھلا علاقہ اسے کیا کہیں گے؟ بطحاء۔ اور مراد اس سے سرزمین عرب ہے بھئی، کیا مراد ہے؟ سرزمین عرب۔

یعنی عرب کی زمین مراد ہے۔ وَطْأَتَهُ، وَطْأَةٌ کے معنی ہوتے ہیں روندنے کے، روندنے کے۔ بھئی آپ زمین پر چلتے ہیں تو جب آپ چلتے ہوئے چلے جا رہے ہیں تو یہ آپ زمین کو روندتے ہوئے جا رہے ہیں، اپنے قدموں کے ذریعے کیا کر رہے ہیں؟ زمین کو روندتے ہوئے جا رہے ہیں، تو وَطْأَةٌ کے معنی ہوتے ہیں روندنے کے، یہاں مراد چلنا ہے، کیا مراد ہے؟ چلنا۔ وَالْبَيْتُ اور بیت سے مراد بیت اللہ ہے، بیت اللہ يَعْرِفُهُ اس کو جانتا ہے، وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ۔

حل اور حرم، بھئی یاد رکھیے بھئی کتاب الحج کے اندر آپ نے پڑھا ہو گا فقہ کے اندر کہ جو بیت اللہ ہے یعنی خانہ کعبہ اس کے ارد گرد کچھ تھوڑا سا علاقہ ہے اسے حرم کہا جاتا ہے۔ بیت اللہ کے ارد گرد کا تھوڑا سا علاقہ ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ حرم کہلاتا ہے اور باقاعدہ اس کی حدود متعین ہیں بھئی۔ بعض طرف وہ بیت اللہ سے چار پانچ میل کے فاصلے تک یہ علاقہ پھیلا ہوا ہے، بعض طرف دس پندرہ میل کے علاقے تک پھیلا ہوا ہے، تو یہ جو بیت اللہ کے ارد گرد چاروں طرف یہ مخصوص حد والا علاقہ ہے اس کو کہتے ہیں حرم۔ کیا کہتے ہیں؟ حرم کہتے ہیں، اور یاد رکھیے حرم کے اندر انسان پر کئی پابندیاں لگ جاتی ہیں۔ مثلاً اس حرم کے اندر یہ جو قریب قریب کا علاقہ ہے بیت اللہ کے اس میں شکار کھیلنا منع ہے، اسی طرح اس میں درختوں وغیرہ کا کاٹنا منع ہے بھئی۔ وجہ اس کی کیا؟ بھئی وجہ دراصل بیت اللہ کی تعظیم ہے کہ یہ زمین پر اللہ کے لیے بنایا جانے والا پہلا گھر ہے لہٰذا اس گھر کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ اس گھر کے آس پاس کے علاقے کے اندر کسی کو کوئی تکلیف نہ دی جائے، حتیٰ کہ جانوروں کو بھی تکلیف نہ دی جائے ان کا بھی شکار کرنا منع ہے، درختوں وغیرہ کو بھی نہ کاٹا جائے بھئی اس سے بھی منع کیا گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تفصیل آپ فقہ میں پڑھ چکے ہوں گے۔ تو یہ جو قریب قریب بالکل بیت اللہ کے قریب کا علاقہ ہے، میں نے بتلایا بعض طرف چار پانچ میل ہے، بعض طرف دس بارہ پندرہ میل تک ہے، یہ چاروں طرف اس کے جو علاقہ ہے اس کو حرم کہتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا علاقہ۔

اور پھر اس کے بعد اس سے باہر دور ایک اور حد ہے اور اس کو کہتے ہیں حل بھئی، حِلٌّ، حِلٌّ۔ حل جو ہے یہ کافی بڑا علاقہ ہے بھئی۔ بھئی حرم تو بیت اللہ کے ارد گرد چھوٹی سی جگہ ہوئی، پندرہ بیس میل کے لگ بھگ چوڑائی وغیرہ میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے، سمجھ میں آیا؟ یہ بھی اچھا خاصا علاقہ ہے لیکن بہر حال حل کے مقابلے میں بڑا چھوٹا

ساہے، اور حل جو ہے وہ زیادہ بہت بڑا علاقہ ہے بھئی، بعض طرف دو تین سو کلو میٹر یا میل تک پھیلا ہوا ہے، بعض طرف کوئی سوڈیڑھ سو، سو تک یا اسی سو کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے، تو یہ بڑا علاقہ ہے بھئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حِلٌّ۔ اور حل سے جو باہر کی ساری باقی دنیا کا علاقہ ہے اس کو آفاق کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ آفاق۔ تو تین حدود ہو گئیں بھئی۔ حل سے باہر کا علاقہ سارا کیا کہلائے گا؟ آفاق۔ اور یہ جو حل کی حدود ہیں یہ حرم تک جو ہیں، آگے جا کر تو حرم شروع ہو جائے گا تو یہ جو سارا علاقہ ہے یہ حل کہلاتا ہے، اور پھر تیسرا درمیان والا بالکل قریب والا بیت اللہ کے علاقہ جو ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ حرم بھئی۔

اور آپ نے کتاب الحج میں پڑھا ہو گا، آفاقی کوئی آدمی یعنی جو حل سے باہر رہنے والا ہے دنیا کے کسی بھی ملک میں چاہے پاکستان میں ہے، چاہے ایران میں ہے، چاہے افغانستان میں ہے، چاہے ہندوستان میں ہے، یہاں سے کوئی آدمی اگر مکہ مکرمہ جانا چاہے تو کون جانا چاہتا ہے؟ آفاقی، اور کہاں جانا چاہتا ہے؟ مکہ، تو بغیر احرام کے جانے کی اجازت نہیں۔ احرام باندھ کر جانا پڑے گا اور پھر وہاں جا کر جو موقع ہو اس کے مطابق حج کے ایام ہیں تو حج کرنا پڑے گا، عمرے کے ایام ہیں تو عمرہ کرنا۔ یعنی احرام ضرور باندھنا ہے بغیر احرام کے مکہ نہیں جا سکتے بھئی۔ اور یہ کس وجہ سے؟ یہ بھی بیت اللہ کی تعظیم کے طور پر کہ آپ اس شہر میں آ رہے ہیں جہاں پر اللہ کا زمین پر بنایا جانے والا پہلا گھر ہے جہاں اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، زمین پر اللہ کے لیے بنایا جانے والا پہلا گھر ہے لہٰذا اس گھر کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں آ کر یہاں عبادت کرنی چاہیے بھئی، یہاں عمرہ یا حج کرنا چاہیے، بغیر عبادت کے یعنی بغیر احرام کے یہاں آنے کی اجازت نہیں ہے بھئی۔ لہٰذا اگر کوئی بغیر احرام کے جائے گا تو اس پر دم واجب ہو گا، یعنی بطور جرمانہ کے ایک جانور، ایک بھیڑ یا بکری کی اس کو قربانی کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ تو تھے آفاق والوں کے لیے، اور حل والا جو قریب والا ہے، حل والے تو ہاں وہ تو قریب رہتے ہیں مکہ کے، ان کے لیے یہ حکم نہیں کیونکہ وہ مکہ کے قریب رہتے ہیں ان کو ضرورت پیش آئے گی کوئی چیز لینے کے لیے، کسی کام کے لیے مکہ آنا جانا پڑے گا تو ان کے لیے یہ حکم نہیں، وہ بغیر احرام کے بھی مکہ آ جا سکتے ہیں بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن آفاقی بغیر احرام کے نہیں جا سکتا۔ تو یہ تین حدود ہوئیں بیت اللہ کے ارد گرد بھئی۔ پہلی حد کیا ہے؟ اس کے اندر رہنے والے حرمی کہلائیں گے، حرم یا اہل حرم کہلائیں گے، حل کے اندر رہنے والے اہل حل کہلائیں گے اور باقی لوگ کیا کہلائیں گے؟ آفاقی کہلائیں گے بھئی، آفاقی۔ تو یہ حل آیا شعر کے اندر وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ:

■ متن وشواہد: «هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ»

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ ... وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یہ وہی ہے کہ جانتی ہے اس کو سرزمین عرب، کہ جانتی ہے سرزمین عرب وَطْأَتَهُ ان کے چلنے کو، یہ وہی شخص ہے، ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ هَذَا الَّذِي یہ وہی آدمی ہے تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ کہ سرزمین عرب جانتی ہے وَطْأَتَهُ ان کے چلنے کو، یعنی سرزمین عرب ان کے قدموں کے نشانات بھی پہچانتی ہے، یہ جب اس پر چلتے ہیں اس کو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ شخص مجھ پر چل رہا ہے۔ وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ اور اللہ کا جو گھر ہے، بیت اللہ جو ہے وہ بھی اس شخص کو جانتا ہے، وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ اور سرزمین حل جو ہے وہ بھی اس آدمی کو جانتی ہے وَالْحَرَمُ اور حرم جو ہے اللہ کا وہ بھی اس آدمی کو جانتا ہے بھئی۔

ہوا یہ تھا یہ شعر جو ہے اس کی تفصیل سن لیجیے کہ خلیفہ ہشام ابن عبد الملک جو ہے وہ حج کے لیے مکہ مکرمہ گیا، سمجھ میں آیا بھئی؟ حج کے لیے یا ویسے عمرے کے لیے وہ مکہ مکرمہ گیا بھئی۔ اب مکہ مکرمہ گیا وہاں اس نے طواف وغیرہ تو کر لیا اور بیت اللہ کے ایک کونے پر جو دروازے کے ساتھ والا کونہ ہے وہاں پر حجر اسود نصب ہے، وہ جنتی پتھر نصب ہے جس سے طواف کی ابتدا ہوتی ہے اور اسی پر طواف کا اختتام ہوتا ہے۔ تو اب طواف کی ابتدا میں حجر اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے پھر ہر چکر کے اندر حجر اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے، لیکن ہجوم بہت زیادہ ہو تو حجر اسود تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے تو پھر دور سے حجر اسود کی طرف ہاتھ اٹھا کر ان ہاتھوں کو بوسہ دے لیا جاتا ہے۔ تو اب حجر اسود پر ہر وقت بڑا ہی ہجوم رہتا ہے، ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس پتھر کو وہ، اس جنتی پتھر کو وہ بوسہ دے جس کو سرور کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بوسہ دیا تھا بھئی۔

تو اب خلیفہ ہشام ابن عبد الملک جو ہے اس نے طواف وغیرہ کر لیا اور پھر اس کا ارادہ ہوا کہ میں جا کر ذرا حجر اسود کو بوسہ دے دوں، لیکن حجر اسود پر بڑا ہجوم تھا۔ خیر وہ ہمت کر کے پہنچا، بڑی کوشش کی لیکن حجر اسود تک نہ پہنچ سکا، آخر دھکے کھا کر واپس لوٹ آیا بھئی۔ اب واپس آ کر بیٹھ گیا اور افسوس بھی ہو رہا ہے کہ حجر اسود تک نہیں پہنچ سکا۔ ابھی بیٹھا ہوا ہے، درباری جو اس کے وزیر وغیرہ ہیں وہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، اچانک کیا دیکھتا ہے ایک نورانی صورت والے بزرگ داخل ہوئے اور اس مسجد میں داخل ہوئے اور ان کو دیکھتے ہی لوگوں نے دیکھا کہ وہ آ رہے ہیں تو انہوں نے فوراً راستہ چھوڑ دیا اور حجر اسود تک پورا راستہ کھول دیا ان کے لیے، سب ایک طرف ہو گئے، وہ اطمینان سے گئے اور جا کر حجر اسود کو بوسہ دیا۔

تو خلیفہ یہ دیکھ رہا تھا، اس کے وزیر وغیرہ بھی دیکھ رہے تھے، وہ حیران ہو گئے کہ یہ کون شخص ہے، یہ کیسا آدمی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی اتنی عظمت اور ہیبت ہے کہ اس کو دیکھ کر انہوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ خلیفہ کے لیے تو وہ جگہ نہیں چھوڑ رہے تھے، خلیفہ کے بارے میں بھی تو وزیروں نے لوگوں کو کہا ہو گا کہ یہ خلیفہ ہے بھئی جگہ دے دو لیکن کوئی توجہ ہی نہیں دے رہا اس کی طرف، پرواہ ہی نہیں کر رہے، سب اسی طرح حجر اسود پر لگے ہوئے تھے خلیفہ کو جگہ ہی نہیں ملی اس کو واپس آنا پڑا۔ تو اب

جب یہ شخص آئے تو ان کے لیے راستہ بن گیا، تو اب درباریوں نے خلیفہ سے کہا کہ یہ کون آدمی تھا جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی عظمت ہے بھئی؟ جن کی کیا ہے لوگوں کے دلوں میں؟ اتنی عظمت ہے۔

اب یہ جو بزرگ تھے یہ حضرت زین العابدین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ تھے جو بیٹے ہیں حضرت حسین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ کے اور پوتے ہیں حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ کے۔ حضرت زین العابدین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ بڑے جلیل القدر تابعی اور بہت بڑے ولی اللہ اور ان کو اللہ نے بڑی مقبولیت نصیب فرمائی تھی لوگوں کے اندر بھئی۔ تو یہ حضرت زین العابدین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ تھے بھئی، یہ آئے بھئی، تو اب جب خلیفہ سے پوچھا گیا، درباریوں نے کہا کہ یہ کون آدمی ہے کہ لوگوں نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا؟ اب خلیفہ جانتا تو تھا لیکن ان کے سامنے جان بوجھ کر انجان بن گیا، کہنے لگا پتہ نہیں یہ کون ہیں، میں تو نہیں جانتا یہ کون ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اتنی ان کی عظمت اور ہیبت ہے۔ تو اس وقت وہاں فرزدق عرب کا مشہور شاعر کھڑا تھا، اس نے یہ بات سن لی بھئی۔ اس کو بڑی غیرت آئی کہ یہ کیسے خلیفہ نے کہہ دیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا بھئی۔ چنانچہ اس موقع پر اس نے یہ اشعار کہے بھئی:

■ متن وشواہد: «هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ»

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ ... وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

کافی اشعار اس نے کہے، یہ ان میں سے پہلا شعر ہے۔ کیا کہتا ہے؟ هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ یہ وہی شخص ہے کہ سرزمین عرب ان کے چلنے کو، ان کی چال کو پہچانتی ہے وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ اور یہ وہ آدمی ہے کہ بیت اللہ بھی ان کو جانتا ہے اور وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ اور سرزمین حل اور سرزمین حرم بھی ان کو جانتی ہے بھئی۔

معنی سمجھ میں آیا؟ اب مقام استشہاد ہے هَذَا، شروع میں جو آیا۔ اب یہاں پر شاعر یہ بھی کہہ سکتا تھا هُوَ الَّذِي، هُوَ بھی لا سکتا تھا اور بھی کوئی صورت ہو سکتی تھی ذکر کرنے کی لیکن شاعر نے کیا ذکر کیا؟ هَذَا ذکر کیا۔ کس لیے؟ كَمَالِ الْعِنَايَةِ بِهِ، ان کو کامل توجہ دینے کے لیے زین العابدین رَحِمَهُ اللّٰهُ کو، ان کو کامل طور پر سب سے ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیے کہ یہ ہے وہ جس کو کیا ہے سرزمین عرب ان کو جانتی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَبَيَانِ حَالِهِ فِي الْقُرْبِ وَالْبُعْدِ نَحْوُ هَذَا يُوسُفُ وَذَاكَ أَخُوهُ وَذَلِكَ غُلَامُهُ۔ بھئی یاد رکھیے آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام مثلاً یوسف ہے، وہ آپ کے پاس کھڑا ہے، آپ دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں یہ یوسف ہے تو آپ اس کو کہہ سکتے ہیں هُوَ يُوسُفُ، یہ کون ہے؟ یوسف ہے۔ لیکن اگر هُوَ آپ لے کر آئیں گے، مسند الیہ کو ضمیر کی صورت میں لائیں گے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ آپ کے قریب کھڑا ہے یا دور کھڑا ہے، کیونکہ اگر وہ قریب ہو اتب بھی یہی کہنا پڑے گا هُوَ يُوسُفُ، اگر دور ہو اپھر بھی یہی کہنا پڑے گا هُوَ يُوسُفُ۔ تو هُوَ کہنے کی صورت میں قریب یا دور ہونے کا پتہ نہیں چلے گا، لیکن آپ یہ بھی بتلانا چاہتے ہیں دوسرے کو کہ یہ میرے قریب ہے تو پھر اس صورت میں اسم اشارہ ساتھ لے کر آئیں گے، اسم اشارہ قریب والا اور یوں کہیں گے هَذَا يُوسُفُ، یہ کیا ہے؟ یوسف۔ اب اس سے دو فائدے ہوئے سننے والے کو، ایک تو یہ پتہ چل گیا کہ یوسف یہ والا آدمی ہے اور دوسرا یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ کہنے والے کے قریب ہے اس وقت، کہنے والے کے جو بات کر رہا ہے جس نے هَذَا يُوسُفُ کہا اس نے کیا لفظ استعمال کیا؟ هَذَا، اور هَذَا تو کس لیے آتا ہے؟ قریب کے لیے، معلوم ہوا یوسف اس کے قریب ہے اس وقت بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح مثلاً یوسف اب کچھ متوسط فاصلے پر ہے، اب آپ وہاں پر بھی کہہ سکتے ہیں هُوَ يُوسُفُ، وہ یوسف ہے، لیکن هُوَ کہنے کی صورت میں یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ قریب ہے یا متوسط فاصلے پر کھڑا ہے اور آپ یہ بھی بتلانا چاہتے ہیں سننے والے کو تو لہٰذا اب ایسے موقع پر متوسط کے لیے جو استعمال ہوتا ہے اسم اشارہ وہ لے آئیں تو دونوں فائدے ہو جائیں گے۔ اب آپ کہتے ہیں ذَاكَ يُوسُفُ، وہ یوسف ہے۔ ذَاكَ متوسط درجے کے لیے اسم اشارہ ہے تو اب سننے والے کو دو باتوں کا فائدہ ہوا اس سے، ایک تو یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ یوسف ہے اور ذَاكَ کے ذریعے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ بات کرنے والے سے اس وقت متوسط درجے کے فاصلے پر ہے، نہ زیادہ قریب ہے نہ زیادہ دور ہے۔ اور اگر یوسف دور کھڑا ہے اب آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں هُوَ يُوسُفُ، اب بھی هُوَ کہہ سکتے ہیں لیکن اس سے سننے والے کو یہ نہیں پتہ چلے گا کہ وہ دور ہے یا قریب ہے اور آپ تو یہ بھی بتلانا چاہتے ہیں تو پھر اس موقع پر بعد بتلانے کے لیے کیا لے آؤ؟ بعید والا اسم اشارہ لے آؤ اور کہو ذَلِكَ يُوسُفُ۔ اب جب ذَلِكَ يُوسُفُ کہا اس سے سننے والے کو پتہ چل گیا کہ وہ یوسف ہے، نیز ایک اور فائدہ بھی اس کو ہو گیا، وہ کیا؟ کہ وہ اس سے دور کھڑا ہے۔ یہ دور ہونے کا معنی کس سے پتہ چلا؟ ذَلِكَ کے ذریعے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو لہٰذا جب مسند الیہ کی حالت آپ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ وہ میرے قریب ہے یا بعید ہے یا متوسط فاصلے پر ہے تو پھر اس کے لیے اسم اشارہ ہی لانا پڑے گا، باقی ضمیر کی صورت میں یہ پتہ نہیں چلے گا بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں وَبَيَانِ حَالِهِ فِي الْقُرْبِ وَالْبُعْدِ اور اس مسند الیہ کے حال کو بیان کرنے کے لیے قریب ہونے میں اور بعید ہونے میں، نَحْوُ مثال کے طور پر هَذَا يُوسُفُ یہ یوسف ہے وَذَاكَ أَخُوهُ اور وہ اس کا بھائی ہے، یہ ذَاكَ کس لیے استعمال ہوتا ہے؟ متوسط۔ تو یہاں هُوَ أَخُوهُ بھی کہہ سکتے تھے لیکن اس سے پھر فاصلے کا پتہ نہ چلتا۔ وَذَلِكَ غُلَامُهُ اور وہ اس کا غلام ہے، یہاں یہ بھی کہا جا سکتا تھا هُوَ غُلَامُهُ لیکن اس سے دور ہونے کا پتہ نہ

چلتا بھئی۔

■ قولہ: «وَالتَّعْظِيمِ نَحْوُ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ...» کی تشریح

وَالتَّعْظِيمِ نَحْوُ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ، وَذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ بھئی یاد رکھیے اسم اشارہ قریب کو کبھی لایا جاتا ہے تعظیم کے لیے۔ کس لیے؟ تعظیم کے لیے، تعظیم کے لیے۔ اور کبھی اسم اشارہ بعید کو لایا جاتا ہے تعظیم کے لیے۔ تو کبھی هَذَا استعمال ہو گا تعظیم کے لیے اور کبھی ذَلِكَ استعمال ہو گا تعظیم کے لیے۔ اور کبھی اس کا عکس ہوتا ہے، یہ هَذَا اسم اشارہ قریب والا جو ہے اس کو تحقیر کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے یا اسی طرح اسم اشارہ جو بعید والا ہے اس کو تحقیر کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے، اور یہ موقع محل پر جہاں استعمال ہوتا ہے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ کس لیے استعمال ہو رہا ہے، تحقیر کے لیے ہے یا تعظیم کے لیے ہے بھئی۔

جیسے دیکھیے بھئی کہتے ہیں نَحْوُ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ، بے شک یہ قرآن جو ہے يَهْدِي ہدایت دیتا ہے، رہنمائی کرتا ہے لِلَّتِي اس راستے کی طرف هِيَ أَقْوَمُ جو سیدھا ہے، جو سب سے سیدھا ہے۔ بے شک یقیناً یہ قرآن جو ہے رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو سب سے سیدھا ہے۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ اب دیکھیے یہاں پر کہا گیا هَذَا الْقُرْآنَ، اسم اشارہ هَذَا استعمال کیا گیا حالانکہ اس کے بغیر بھی بات بن جاتی، إِنَّ الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ، بے شک قرآن رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو سب سے زیادہ سیدھا ہے۔ تو هَذَا کو ذکر نہ کیا جاتا کلام پھر بھی ہو جاتا لیکن هَذَا ذکر کیا گیا تعظیم کے لیے کہ یہ قرآن ہے جو رہنمائی کرتا ہے سیدھے راستے کی طرف لوگوں کی۔ یہ اشارہ کس لیے کیا گیا؟ تعظیم کے لیے اشارہ کیا گیا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تعظیم کے لیے اشارہ کیا گیا، یعنی قرآن اتنی باعظمت کتاب ہے، اتنی باعظمت کتاب ہے، اتنی عظیم کتاب ہے جو سیدھے راستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے اور جو اس کو صحیح طریقے سے اس کو دیکھتا ہے، پڑھتا ہے تو یقیناً یقیناً جو ہے وہ حق راستے تک پہنچ جائے گا اس کے ذریعے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دیکھو کتنی عظیم کتاب ہے تو لہٰذا اس لیے اس کے لیے هَذَا لایا گیا، یہ قرآن ہے، یعنی اتنی باعظمت کتاب ہے یہ، اتنی باعظمت کتاب ہے جب تک اس کی طرف اشارہ نہ کر دیا جائے تم لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی کہ یہ کتنی باعظمت کتاب ہے، یہ ہے وہ کتاب جو کیا کر رہی ہے؟ ہدایت کی طرف سب کی رہنمائی کرتی ہے بھئی، یہ ہے وہ کتاب۔

معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ توجہ ہے بھئی؟ سمجھ میں آیا؟ قرآن آپ کے سامنے رکھا ہے اور آپ کسی کو بتلا رہے ہیں مثلاً ذرا اسی آیت کو اس انداز میں کلام کر: یہ ہے وہ قرآن جو رہنمائی کرتا ہے سیدھے راستے کی طرف بھئی۔ یعنی گویا یوں کہا گیا یہ اتنی باعظمت کتاب ہے اور یہ لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے سیدھے راستے کی طرف لیکن جب تک اس کی طرف اشارہ نہیں کر دیں گے تمہیں اس کی عظمت کا احساس نہیں ہو سکتا پوری طرح، یہ ہے وہ کتاب جو کیا کرتی ہے؟ سیدھے راستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یا اور اردو میں اس کی مثال دیکھ لیں آپ بھی کبھی اس کو استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً فرض کریں ایک موقع ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ آپ سب کے ساتھ میں بیٹھا ہوا ہوں، باتوں میں مصروف ہوں کہ اچانک میرے استاد تشریف لے آتے ہیں۔ کون لے آتے ہیں تشریف؟ میرے استاد تشریف لے آتے ہیں، تو جب میرے استاد آتے ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ کے سامنے کچھ دین کی باتیں، کچھ نصیحتیں وغیرہ ذکر فرما دیں۔ چنانچہ وہ باتیں کرتے ہیں اور بڑی دل کو لگنے والی باتیں یعنی جو دل پر اثر انداز ہوتی ہیں وہ نصیحتیں وغیرہ کر کے تشریف لے جاتے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تشریف لے جاتے ہیں۔ تو اب میں آپ لوگوں کی طرف خطاب کرتے ہوئے آپ سے کہتا ہوں: یہ ہیں میرے استاد بھئی۔ غور کر رہے ہیں آپ معنی پر بھئی؟ میں آپ سے کیا کہتا ہوں؟ یہ ہیں میرے استاد جو ابھی بیان کر رہے تھے۔ تو دیکھو یہ میں یہ کیوں لے کر آیا؟ تعظیم کے طور پر بھئی، یہ نہ بھی کہتا تو مطلب اردو میں تو طریقہ ہی مثلاً یہ بنے گا لیکن بہر حال تو صورت سمجھ میں آئی بھئی؟ یہ ہیں میرے استاد بھئی، یہ ہیں میرے استاد۔ تو یہ اسم اشارہ کس لیے ذکر کیا گیا؟ تعظیم کے لیے بھئی، سمجھ میں آیا؟

یا جیسے آپ نے اور دنیاوی چیزوں میں مثال لے لیں اور بھئی، آپ نے ایک عمدہ گاڑی خریدی، اب آپ دوسرے ساتھی کو کہتے ہیں میں نے گاڑی خریدی ہے آپ کو دکھاؤں بھئی آؤ۔ گاڑی اور بھی گاڑیاں کھڑی ہیں، آپ وہاں لے گئے اپنی گاڑی کے پاس اور اس کو کہتے ہیں: یہ ہے میری گاڑی بھئی۔ اعلیٰ قسم کی گاڑی آپ نے خریدی اب کیا کہتے ہیں؟ یہ ہے میری گاڑی بھئی۔ یہ کس لیے کہا آپ نے؟ کہ یہ بڑی کمال گاڑی ہے، عام گاڑی نہیں ہے بھئی، کمال کی گاڑی ہے۔ اب معنی سمجھ میں آیا یا نہیں بھئی؟ تو یہ اشارہ استعمال کیا جاتا ہے کبھی تعظیم کے لیے۔ کہتے ہیں إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ بے شک یہ قرآن جو ہے رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو سیدھا ہے، جو سب سے زیادہ سیدھا ہے۔

وَذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ وَذَلِكَ الْكِتَابُ اور یہ کتاب جو ہے لَا رَيْبَ فِيهِ اس کے اندر کوئی شک نہیں، ادنیٰ درجے کا شک بھی نہیں۔ کس بات میں؟ کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے، آسمان سے نازل کی ہوئی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے، یہ کتاب ہے جس کے اندر ادنیٰ درجے کا شک اور شبہ بھی نہیں کہ یہ مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہے، اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ اب دیکھیے یہاں ذَلِكَ اسم اشارہ بعید والا استعمال کیا گیا۔ کتاب تو سامنے موجود ہے، ہونا کیا چاہیے تھا؟ هَذَا الْكِتَابُ، لیکن کیا کہا گیا؟ ذَلِكَ الْكِتَابُ وہ کتاب بھئی۔ اردو میں تو ترجمہ تو اردو میں اسی طرح ہو گا یہ کتاب جو ہے لیکن یہاں عربی کے اندر کیا استعمال کیا گیا؟ ذَلِكَ استعمال کیا گیا اسم اشارہ بعید

والا تعظیم کے طور پر۔ کس لیے؟ تعظیم۔ بھئی تعظیم کس طرح ہے ذَلِكَ کے اندر؟ کہتے ہیں دیکھیے اس میں یہ بتلا دیا گیا کہ یہ کتاب رتبے کے اعتبار سے، مقام کے اعتبار سے بڑی اونچی ہے، جب بڑی اونچی ہے تو آپ سے بہت دور ہے بھئی۔ جب بہت دور ہے تو اس کے لیے ذَلِكَ اسم اشارہ استعمال کر لیا گیا۔

تو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دور ہے رتبے کے اعتبار سے تو بعد رتبی ہے یہاں پر۔ کس اعتبار سے دور ہے؟ بعد رتبی ہے، رتبے کے اعتبار سے دور ہے۔ مقام کے اعتبار سے تو دور نہیں آپ کے سامنے موجود ہے لیکن پھر بھی کیا ہے؟ ذَلِكَ الْكِتَابُ۔ تو اس بعد رتبی کو بعد مکانی کے درجے میں اتار لیا گیا یعنی جگہ کے اعتبار سے آپ سے بہت دور ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو بعد رتبی کو کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ بعد مکانی کے درجے میں۔ اصل میں تو ہے رتبے کے اعتبار سے بہت اونچی اور بہت دور لیکن گویا یہ رتبے کے اعتبار سے اونچا ہونا یہ کس طرح ہے؟ مسافت کے اعتبار سے ہی دور ہونا ہوا، اس لیے کیا استعمال کیا گیا؟ ذَلِكَ، یعنی یہ رتبے کے اعتبار سے بڑی اونچی کتاب ہے یہ بتلا دیا گیا اس کے ذریعے۔ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ اس کتاب کے اندر کوئی شک نہیں ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو هَذَا کبھی قریب والا اسم اشارہ تعظیم کے لیے ذکر ہوتا ہے اور کبھی ذَلِكَ بعید والا۔

وَالتَّحْقِيرِ اور کبھی تحقیر کے لیے ہوگا اسم اشارہ، یہ اس کا عکس ہے، پہلے هَذَا اسم اشارہ قریب والا تعظیم کے لیے تھا اب کس لیے ہوگا؟ تحقیر کے لیے، جیسے أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شب وروز مکہ والوں کو دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتے کہ یہ لوگ شرک کے راستے کو چھوڑ کر توحید پر آ جائیں، تو وہ لوگ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور یوں کہتے: أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ، کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کو یاد کرتا ہے، ان کو ذکر کرتا ہے؟ تو یہ تحقیر کے طور پر کہتے تھے هَذَا۔ یہ هَذَا کس لیے کہتے تھے؟ تحقیر کے طور پر، کیونکہ هَذَا قریب کے لیے اسم اشارہ ہے اور جو چیز آپ کے قریب ہوتی ہے، آپ کی دسترس میں ہوتی ہے آپ کے دل میں اس کی وہ اہمیت نہیں ہوتی اور جو چیز آپ سے دور ہوتی ہے اور آپ کی دسترس میں نہیں ہوتی آپ کے دل میں اس کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ہے یا اسی طرح نہیں ہے بھئی؟ اسی طرح ہے۔ تو یہاں هَذَا قریب والا اسم اشارہ استعمال کیا گیا تحقیر کے لیے کہ ان کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کس طرح کہتے؟ أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ کیا یہی ہے وہ آدمی جو تمہارے معبودوں کو ذکر کرتا ہے؟ یعنی کہتا ہے کہ وہ معبود نہیں ہیں۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ أَهَذَا الَّذِي کیا یہ وہی ہے؟ تو یہ تحقیر کے طور پر کہتے تھے بھئی۔ معنی بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟ تحقیر والا پہلو اس میں سمجھ میں آرہا ہے واضح طور پر کہ نہیں؟ أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو ذکر کرتا ہے؟ تو یہ کس لیے کہا کرتے تھے؟ بطور تحقیر کے کہتے تھے۔

■ قولہ: «فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ۔ دَعَّ...» کی تشریح

اور اسی طرح فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ۔ دَعَّ يَدُعُّ کے معنی ہوتے ہیں ظالمانہ طریقے سے کسی کو دھکے دینا بھئی۔ فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ تو یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ جو کیا کرتا ہے؟ یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ تو یہاں ذَلِكَ اسم اشارہ بعید والا استعمال کیا گیا تحقیر کے طور پر۔ کسی کافر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ یہی وہ شخص ہے جو کیا کرتا ہے یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ تو یہ ذَلِكَ ذکر کیا گیا تحقیر کے طور پر۔ بھئی ذَلِكَ کے اندر تحقیر کس طرح ہے؟ بھئی دیکھیے جب آپ مثلاً ذَلِكَ استعمال کرتے ہیں، ایک شخص ہے آپ کے قریب لیکن آپ کیا استعمال کر لیتے ہیں؟ ذَلِكَ بعید والا اسم اشارہ تحقیر کے طور پر، تو اس کے اندر تحقیر اس طرح ہے گویا آپ سننے والوں کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ ہے تو اگرچہ قریب میرے لیکن رتبے کے اعتبار سے بڑا ہی گھٹیا اور ادنیٰ آدمی ہے، میری نظروں سے بہت دور ہے یہ اور گرا ہوا ہے میری نظروں سے، یہ اس قابل نہیں کہ یہ میرے قریب آئے اور اس سے بات کی جائے بھئی، یہ بہت دور ہے میری نظروں سے، گرا ہوا ہے بھئی۔ تو سمجھ میں آیا فَذَلِكَ تو یہ اسم اشارہ بعید والا استعمال کیا گیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ میرے قریب ہونے کے لائق نہیں ہے، یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے میں خطاب کروں اور اس سے بات کروں، یہ میری نظروں سے گرا ہوا اور بہت دور اور ادنیٰ درجے کا آدمی ہے بھئی۔ تو یہ معنی ہے فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ تو یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۴: اسمِ موصول لانے کے بلاغی نکات: کراہتِ ذکرِ اسم، اخفاء، تنبیہ علی الخطا، تفخیم، تشویق اور ایماء الی وجہ بناءِ خبر

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۵ ــــ بتاریخ: ۸ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا الْمَوْصُولُ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ كَقَوْلِكَ الَّذِي كَانَ مَعَنَا أَمْسِ مُسَافِرٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ تَعْرِفُ اسْمَهُ، أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا لِذَلِكَ فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

تعریف اور تنکیر کا باب شروع کیا تھا ہم نے، کس مقام پر معرفہ کو استعمال کرنا ہے اور کس مقام پر نکرہ کو استعمال کرنا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے معرفہ کے مقامات بتانا شروع کیے کہ کس کس موقع پر معرفہ کو استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں۔ اور پھر معرفہ لانے کی کئی صورتیں ہیں، ضمیر کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، علم کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، اسم اشارہ، اسم موصول وغیرہ بھی ہو سکتا ہے، تو ہر ایک کے الگ الگ نکات بیان کرتے جا رہے ہیں۔ آج ہم اسم موصول کے بارے میں پڑھیں گے کہ کبھی کبھار مسند یا مسند الیہ یا ان کے متعلقات کو اسم موصول کی صورت میں لایا جاتا ہے، تو اسم موصول کی صورت میں لانے کے کیا کیا نکات ہوتے ہیں، کس وجہ سے لایا جاتا ہے اس طرح، تو آج وہ ذکر کر رہے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا الْمَوْصُولُ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ، اور باقی اسم موصول جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا جب وہ متعین ہو جائے بطور ایک طریقے کے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس مسند الیہ کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے یعنی مخاطب کے ذہن میں۔ بھئی سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیے کہ یہ اسم موصول جو ہے الَّذِي، الَّتِي، الَّذِينَ وغیرہ، یہ اسم موصول اس کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے۔ کیا چاہیے؟ صلہ۔ اور صلہ جملہ ہوتا ہے۔ تو اسم موصول کو ترکیب میں آپ اس کو جملے کے اندر مبتدا کے طور پر بھی لا سکتے ہیں، خبر کے طور پر بھی لا سکتے ہیں، فاعل کے طور پر بھی لا سکتے ہیں، مفعول وغیرہ جس طرح بھی لے کر آئیں لیکن جب بھی لانا ہے موصول کو اکیلے نہیں لانا اس کے ساتھ صلہ ضرور چاہیے۔ کیا ضرور چاہیے؟ صلہ ضرور چاہیے۔ اسم موصول اپنے صلے سے ملے گا تو اس کا معنی پورا ہو گا اور پھر چاہے اس کو مبتدا بنائیں، چاہے خبر بنائیں، چاہے فاعل بنائیں، چاہے مفعول بنائیں، چاہے موصوف بنائیں، چاہے صفت بنائیں، جو بھی بنانا ہے لیکن پہلے کیا کرنا پڑے گا اس کے لیے؟ اس کے ساتھ صلہ ہونا چاہیے، بغیر صلے کے اس کا معنی پورا نہیں۔

مثلاً دیکھیے الَّذِي کا معنی ہے وہ جو، وہ جو، یا یوں کہیں وہ جو کہ۔ اب دیکھیے کچھ پتہ چلا کس کی بات ہو رہی ہے؟ وہ جو کہ۔ ہاں آگے ایک جملہ چاہیے جس سے اس کا معنی پورا ہو گا: وہ جو کہ کل آپ کو ملا تھا، اب آپ کو بات سمجھ میں آ گئی کس کی بات ہو رہی ہے، آگے پھر خبر آ جائے گی: وہ عالم آدمی ہے۔ وہ جو کل آپ کو ملا تھا وہ عالم آدمی ہے۔ اب دیکھیے بات پوری ہو گئی۔ اور اگر صرف وہ جو کہ، یہ اسم موصول ہے صرف اس کو ذکر کریں تو بات پوری نہیں ہوتی۔ تو اسم موصول میں دراصل ابہام ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ ابہام، اور اتنا زیادہ ابہام ہوتا ہے کہ بغیر جملے کے اس کا ابہام دور ہی نہیں ہو سکتا، اسی لیے اس کا صلہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے، پھر وہ جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے۔

تو اب ذکر یہ کر رہے ہیں کہ اسم موصول کو لایا جائے گا جب وہ بطور ایک طریقے کے متعین ہو اس مسند الیہ وغیرہ کے معنی کو سامع کے ذہن میں حاضر کرنے کے لیے۔ ایک مسند الیہ ہے آپ اس کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، اس کے معنی کو سننے والے کے ذہن میں حاضر کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو اس صلے کے علاوہ اور کسی چیز کا پتہ ہی نہیں۔ آپ کو

صلے کے علاوہ، بھئی یعنی صلہ جو جملہ ہے اس میں جو بات ذکر ہے اس کے علاوہ آپ کو کچھ پتہ ہی نہیں، تو اب جب نہ اس کے نام کا پتہ، نہ اور اوصاف وغیرہ کا پتہ، تو اب اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے اس کو ذکر کرنے کا اور سامع کے ذہن میں حاضر کرنے کا، تو جب اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے تو اسم موصول ہی متعین ہوا اسی کی صورت میں اس کو لانا پڑے گا۔

مثلاً دیکھیے آپ کل میرے ساتھ تھے اور ایک اجنبی شخص بھی ہمارے ساتھ تھا بھئی، ایک اجنبی شخص۔ اب میں اس کی بات آج آپ سے کرنا چاہتا ہوں، آج آپ کو اس کے بارے میں کوئی بات بتلانا چاہتا ہوں، تو آپ کیسے بتلائیں گے؟ مثلاً آپ بتانا چاہتے ہیں مجھے، تو آپ مجھے کیسے بتائیں گے؟ وہ شخص جو کل ہمارے ساتھ تھا۔ ہاں دیکھا، وہ شخص جو کل ہمارے ساتھ تھا، کیونکہ نام کا پتہ نہیں۔ وہ کہیں گے وہ آدمی، مجھے تو نہیں پتہ چلا کون سا آدمی، وہ آدمی تو ہر ایک ہو سکتا ہے، لیکن جب آپ نے کہا کل ہمارے ساتھ تھا اب بات سمجھ میں مجھے آگئی کہ معلوم ہوا کس آدمی کی بات ہو رہی ہے جو کل ہمارے ساتھ تھا۔ تو دیکھو یہاں اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے اس کو ذہن میں حاضر کرنے کا کہ سننے والے کے ذہن میں حاضر ہو جائے اور اس کو پتہ لگ جائے کہ کس کی بات ہو رہی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا میں اور آپ تھے کل کہیں جا رہے تھے، ہمارے ساتھ ایک اجنبی شخص بھی تھا اور اب میں آپ سے اس کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں تو آپ اب صلے کے علاوہ اور کچھ اس کے بارے میں جانتے ہی نہیں بھئی، نہ اس کے نام کا پتہ، نہ اوصاف کا پتہ، نہ کوئی اور تفصیلات کا علم ہے، اب اس کو آپ کے ذہن میں حاضر کرنا ہے تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اسم موصول لاؤں اور وہ جو کل ہمارے ساتھ تھا یہ اس کو صلے کی صورت میں لے کر آؤں۔ تو یہاں اب طریقہ اور کوئی ہے ہی نہیں، جب اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے تو پھر لازمی بات ہے کس صورت میں اس کو ذکر کیا جائے گا؟ اسم موصول کے ساتھ اور اس کے ساتھ اس کا صلہ آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

کہتے ہیں وَأَمَّا الْمَوْصُولُ فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا جب وہ اسم موصول متعین ہو جائے بطور ایک طریقے کے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس مسند الیہ کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے یعنی مخاطب کے ذہن میں حاضر کرنے کے لیے۔ مثلاً جو بات کر رہا ہے اس کے تو ذہن میں ہے اس نے تو اسی کے بارے میں بات کرنی ہے لیکن سننے والے کو بھی تو پتہ چلنا چاہیے کہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے بھئی۔ كَقَوْلِكَ جیسے آپ کا قول الَّذِي كَانَ مَعَنَا أَمْسِ مُسَافِرٌ۔ الَّذِي وہ آدمی، وہ جو کہ كَانَ مَعَنَا جو ہمارے ساتھ تھا أَمْسِ گزشتہ کل مُسَافِرٌ وہ ایک مسافر ہے۔ وہ آدمی جو کل ہمارے ساتھ تھا وہ ایک مسافر ہے۔ تو دیکھیے یہاں اب آپ صرف صلہ جانتے ہیں، كَانَ مَعَنَا أَمْسِ، كَانَ مَعَنَا أَمْسِ یہ سارا ہے صلہ۔ تو ترکیب کیا ہو گی؟ الَّذِي اسم موصول، كَانَ مَعَنَا أَمْسِ یہ پورا جملہ کیا ہوا اس کا؟ یہ جملہ پورا اس کا صلہ ہوا، موصول اپنے صلے سے مل کر مبتدا اور مُسَافِرٌ اس کی خبر۔ تو اب دیکھیے یہ مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں لایا گیا اس لیے کیونکہ یہاں پر صلے کے علاوہ اور کسی چیز کا علم ہی نہیں تھا اور سامع کے ذہن میں اس کو حاضر کرنے کا اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اور کوئی طریقہ ہوتا تو ہم وہ استعمال کر لیتے لیکن اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے تو اب اسم موصول ہی متعین ہوا اسی صورت میں اس کو ذکر کرنا پڑے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں یہ کب کہیں گے إِذَا لَمْ تَكُنْ تَعْرِفُ اسْمَهُ جب آپ اس کا نام نہ جانتے ہوں، اسی طرح اس کے اور اوصاف وغیرہ کا بھی علم نہیں ہے تب تو اب اسی طرح اس کو ذکر کیا جائے گا۔

■ قولہ: «أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا لِذَلِكَ» کی تشریح

أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا لِذَلِكَ، اور باقی جب اسم موصول متعین نہ ہو بطور ایک طریقے کے لِذَلِكَ أَيْ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس کے معنی کو مخاطب کے ذہن میں حاضر کرنے کے لیے۔ بھئی پچھلا مقام جو انہوں نے ذکر کیا پہلی سطر میں وہ کون سا مقام تھا جہاں اسم موصول کو لے کر آئیں گے؟ وہاں اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا، ذکر کا طریقہ ہی کیا تھا، سامع کے ذہن میں حاضر کرنے کا طریقہ ہی کیا تھا؟ طریقہ ہی ایک تھا اسم موصول کی صورت میں لانے کا اور کوئی صورت ہی نہیں تھی ممکن تو لہٰذا اسم موصول کی صورت میں لے آئے۔ لیکن اگر کوئی اور مقام ہے وہاں ایک چیز اور طریقے سے بھی ذکر ہو سکتی ہے، یعنی ضمیر بھی استعمال ہو سکتی ہے، اسم اشارہ بھی استعمال ہو سکتا ہے وغیرہ، لیکن پھر بھی کس کو استعمال کیا جائے؟ اسم موصول کو باقیوں کو چھوڑ کر، تو اس میں اور غرض ہو گی پھر، اور مقاصد ہوں گے اور وہ مقاصد اب آگے بیان کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا لِذَلِكَ اور جب اسم موصول متعین نہ ہو بطور ایک طریقے کے لِذَلِكَ اس کے لیے، کس کی طرف اشارہ ہے ذَلِكَ کے ذریعے؟ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ کی طرف، اس کے معنی کو ذہن میں حاضر کرنے کے لیے، فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى تو پھر اسم موصول کا لانا دوسری غرضوں کے لیے ہو گا، كَالتَّعْلِيلِ جیسے کہ تعلیل ہے۔ تعلیل کا معنی ہے علت بیان کرنا، کسی بات کی وجہ بیان کرنا، اس کا سبب بیان کرنا۔ یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب صرف ذات پر حکم لگایا جائے تو اس حکم کی علت کا پتہ نہیں چلتا، لیکن ذات مع الوصف پر جب حکم لگایا جائے تو وہاں اس حکم کی علت وہ وصف ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ وہ وصف۔ جیسے بھئی أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ، یہاں میں نے نکتہ بیان کیا تھا کہ أُولَئِكَ عَلَى هُدًى، أُولَئِكَ کے ذریعے پیچھے جو لوگ ذکر ہوئے متقی یعنی صحابہ جن کا ذکر آیا، متقی لوگ جو ذکر ہوئے ان متقیوں کے لیے أُولَئِكَ اسم اشارہ استعمال کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا هُمْ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ، هُمْ نہیں کہا گیا۔ اس لیے کیونکہ اگر هُمْ کہا جاتا تو هُمْ ضمیر ہے وہ صرف ذات پر دلالت کرتی ہے، اتنا تو پتہ چل جاتا هُمْ یہ لوگ جو ہیں عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ یہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں، حکم کی علت کا پتہ نہیں چلتا، کیوں ہدایت پر ہیں؟ کیا وجہ ہے؟ وجہ کا پتہ نہیں چلنا تھا۔ لیکن جب اسم اشارہ ذکر کیا گیا تو اسم اشارہ میں ذات کے ساتھ ساتھ وہ اوصاف جو سارے ذکر ہوتے

ہیں وہ بھی ملحوظ ہوتے ہیں، تو اسی لیے أُولَئِكَ اسم اشارہ ذکر کیا گیا کہ جو متقی ہیں اور ساتھ ساتھ جو ان کے پیچھے اوصاف ذکر ہوئے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، قیامت وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں، جو صفات ذکر ہوئی تھیں وہ ساری بھی ملحوظ ہوئیں اور آگے حکم آگیا کہ یہ لوگ جو ہیں جن کی یہ یہ صفات ہیں یہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں، تو حکم ذات مع الوصف پر لگا۔ کس پر؟ ذات مع الوصف۔ یہ جو ایمان لانے والے ہیں، متقی ہیں، نماز قائم کرنے والے ہیں، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے ہیں اور قیامت پر ایمان رکھنے والے ہیں وغیرہ، جو چیزیں ذکر ہو گئیں ان کے بعد اب أُولَئِكَ کہا گیا تو ذات کے ساتھ ساتھ اوصاف بھی ملحوظ ہو گئے کہ یہ لوگ جن کی یہ یہ صفات ہیں یہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ تو دیکھو حکم ان پر کیا لگایا گیا کہ یہ ہدایت پر ہیں، تو اس ہدایت پر ہونے کی وجہ بھی پتہ چل گئی ساتھ ہی کہ یہ ان صفات کی وجہ سے کس پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے؟ ہدایت پر ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

یا جیسے اور آسان مثال دیکھ لیجیے بھئی، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں أَكْرَمْتُ رَجُلًا، میں نے اکرام کیا ایک آدمی کا۔ تو میں نے کس کا اکرام کیا؟ رَجُلًا ایک آدمی کا، اس کے بارے میں میں نے بتایا آپ کو، اب کیوں اکرام کیا اس کا پتہ نہیں چل رہا کیونکہ أَكْرَمْتُ رَجُلًا یہ جو رَجُلًا مفعول ہے صرف میں نے ذات جو ہے اس کو ذکر کیا، رجل کو ذکر کیا۔ لیکن اگر اس کے ساتھ میں اس کی صفت بھی ذکر کر دوں أَكْرَمْتُ رَجُلًا عَالِمًا، میں نے ایک عالم آدمی کا اکرام کیا، اب اکرام کی علت کا بھی پتہ چل گیا کہ اکرام کی علت کیا ہے دراصل اس کا عالم ہونا ہے۔ تو جب کسی چیز پر حکم لگایا جائے، کسی چیز کے بارے میں بات کی جائے اور صرف ذات ذکر ہو تو اس بات کے سبب اور اس کی وجہ کا پتہ نہیں چلے گا، لیکن ذات کے ساتھ ساتھ اگر وصف بھی ذکر ہو جائے تو اس حکم کی علت کیا ہو گا وہی وصف ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی اسی طرح اسم موصول کے ذریعے جب کسی چیز کو ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ اور طریقہ بھی ہو سکتا تھا وہاں پر تو کبھی کبھار یہ کس لیے ہو گا؟ تعلیل کے لیے، علت بتلانے کے لیے، وجہ بیان کرنے کے لیے، جیسے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور نیک عمل کرتے رہے كَانَتْ لَهُمْ تو ان کے لیے ہے جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ فردوس کے باغات نُزُلًا بطور مہمان نوازی کے۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے فردوس کے باغات ہیں بطور مہمان نوازی کے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں بھئی اہل ایمان جو نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے فردوس کے باغات ہیں یعنی جنت الفردوس ہے بطور مہمان نوازی کے کہ اس میں ان کی مہمان نوازی کی جائے گی بھئی۔

اب دیکھیے یہاں پر یہ بھی کہا جا سکتا تھا إِنَّهُمْ، کیا استعمال ہو سکتی تھی؟ ضمیر بھی، إِنَّهُمْ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا، ان لوگوں کے لیے فردوس کے باغات ہیں بطور مہمان نوازی کے۔ لیکن ضمیر آتی تو پھر اس صورت میں صرف ذات پر یہ دلالت کرتی، ان لوگوں کے لیے فردوس کے باغات ہیں بطور مہمان نوازی کے، اب بات کا تو پتہ چل گیا کہ ان کے لیے کیا ہے؟ فردوس کے باغات ہیں، لیکن کیوں ہیں؟ ان کو جنت الفردوس کیوں دی جائے گی اس کی وجہ کا پتہ نہ چلتا۔ لیکن اب کس کی صورت میں ذکر کیا گیا؟ موصول، اور موصول کے لیے تو ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ، تو صلہ بھی ساتھ آیا آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، ان کی گویا صفت ذکر ہو گئی کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں؟ ایمان بھی لائے ہیں اور نیک عمل بھی کیے ہیں، نیک عمل کرتے رہے ہیں، آگے پھر ان پر حکم لگایا گیا ان لوگوں کے لیے کیا ہے؟ جنت الفردوس۔ تو حکم کی علت بھی پتہ چل گئی کہ ان کے لیے جنت الفردوس کیوں ہے، وجہ کیا ہے، کیوں ہے ان کے لیے جنت الفردوس؟ کیونکہ یہ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے رہے ہیں۔ تو دیکھیے ذات مع الوصف پر جب حکم لگایا گیا تو اس حکم کی علت اور وجہ اور سبب کا بھی پتہ چل گیا۔ بات بھی سب کو سمجھ میں آ رہی ہے کہ مشکل ہے بھئی؟ ہاں تو یہ معنی ہے كَالتَّعْلِيلِ جیسے کہ تعلیل ہے یعنی علت بیان کرنا، سبب بیان کرنا، وجہ بتلانا، نَحْوُ مثال کے طور پر إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا، بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے فردوس کے باغات ہیں نُزُلًا بطور مہمان نوازی کے۔

وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ اور بات کو چھپانا، معاملے کو چھپانا مخاطب کے علاوہ سے۔ مخاطب کے علاوہ سے بات کو چھپانا۔ مخاطب کے علاوہ سے بات کو چھپانا۔ بھئی بعض اوقات مسند الیہ وغیرہ یا مسند کو اسم موصول کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے، مقصد کیا ہوتا ہے؟ کہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس سے میں بات کر رہا ہوں اس کے علاوہ باقی کسی کو بات کا پتہ نہ چلے، ان سے بات چھپی رہے۔ اور آپ عموماً یہ تو آپ ہر ایک اس طرح کرتا رہتا ہے، مثلاً آپ نے اپنے ایک ساتھی کو کوئی کام کہا تھا، اب باقی ساتھی بھی سارے بیٹھے ہوئے ہیں، وہ آیا۔ جب آیا اب آپ اس سے اس بات کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں اور اس طریقے سے کہ کسی کو پتہ نہ چلے میں نے اس کو کیا کام کہا تھا، آپ اس کو یوں کہتے ہیں: بھئی وہ جو میں نے آپ کو کام کہا تھا اس کا کیا ہوا؟ وہ کہے گا ہو گیا یا نہیں ہوا۔ تو دیکھیے آپ نے کیا پوچھا؟ وہ جو میں نے آپ سے کام کہا تھا اس کا کیا ہوا؟ بھئی سننے والوں کو پتہ چلا کس کام کے بارے میں آپ بات کر رہے ہیں؟ کسی کو بھی نہیں پتہ چلا۔ تو دیکھو اسم موصول استعمال کیا: وہ جو کام میں نے آپ سے کہا تھا۔ وہ جو کام میں نے آپ سے کہا تھا، دیکھو اسم موصول کی صورت میں آپ لے کر آئے، موصول اور صلہ ملایا۔ اور کس لیے یہ ایسا کیا آپ نے؟ کیونکہ آپ اس مخاطب جس سے بات کر رہے ہیں اس کو تو پتہ چل جائے گا باقی کسی کو پتہ نہیں چلے گا، تو آپ باقی سب سے یعنی مخاطب کے علاوہ باقی سب سے بات کو چھپانا چاہتے ہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ» کی تشریح

یہ معنی ہے وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ اور معاملے کو چھپانے کے لیے مخاطب کے علاوہ سے، نَحْوُ مثال کے طور پر:

وَأَخَذْتُ مَا جَادَ الْأَمِيرُ بِهِ ... وَقَضَيْتَ حَاجَاتِي كَمَا أَهْوَى

شاعر کہتا ہے وَأَخَذْتُ اور میں نے لے لیا مَا وہ چیز، میں نے لے لی وہ چیز جَادَ الْأَمِيرُ بِهِ، جَادَ کے معنی سخاوت کرنا، جَادَ الْأَمِيرُ بِهِ جس کی سخاوت کی امیر نے، حاکم نے کیا کی جس کی؟ سخاوت۔ جس چیز کی سخاوت کی، جو مجھے عطا کیا وہ میں نے لے لی۔ وَقَضَيْتَ حَاجَاتِي، اسی امیر کے سامنے کھڑا ہو کر یہ شعر کہہ رہا ہے، وَأَخَذْتُ مَا جَادَ الْأَمِيرُ بِهِ میں نے لے لی وہ چیز جس کی امیر نے سخاوت کی، وَقَضَيْتَ حَاجَاتِي اور اے امیر آپ نے پوری کر دیں میری حاجتیں كَمَا أَهْوَى۔ هَوِيَ يَهْوَى کے معنی ہیں چاہنا، پسند کرنا۔ كَمَا أَهْوَى جیسا میں چاہتا تھا، جیسا میں نے چاہا بھئی۔ وَقَضَيْتَ حَاجَاتِي اور آپ نے میری حاجتیں پوری کر دیں كَمَا أَهْوَى جیسا میں چاہتا ہوں یا جیسا میں نے چاہا بھئی۔

تو دیکھیے اب امیر ہے، دربار ہے مثلاً بادشاہ کو کہتا ہے، اس کے سامنے اشعار پڑھ رہا ہے ان اشعار میں یہ ایک شعر بھی وہ ذکر کرتا ہے: وَأَخَذْتُ مَا جَادَ الْأَمِيرُ بِهِ اور میں نے لے لی وہ چیز جس کی امیر نے سخاوت کی۔ اب شاعر نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا؟ أَخَذْتُ میں نے لے لیا، کس کو لیا وہ نہیں آگے ذکر کیا، مَا جَادَ الْأَمِيرُ بِهِ وہ جو امیر نے سخاوت کی تھی جس کی، وہ جس کی امیر نے سخاوت کی تھی۔ کیوں اسم موصول اور صلے کی صورت میں کیوں لایا یہاں پر مفعول کو؟ تاکہ اوروں سے بات کو چھپا لے، کسی کو پتہ نہ چلے کہ امیر نے یا بادشاہ نے مجھے انعام میں کیا دیا تھا بھئی۔ اگر اس کو صراحتاً ذکر کر دے گا پھر تو سب کو پتہ چل جائے گا، تو وہ کس صورت میں لے کر آیا؟ میں نے لے لیا اس چیز کو جس کی امیر نے سخاوت کی تھی۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے، کسی کو بھی پتہ نہیں چلا بھئی کیونکہ اس نے کس صورت میں ذکر کر دیا؟ موصول۔ تو صرف امیر جس کو اشعار سنا رہا ہے اس کو تو پتہ چل گیا کہ ہاں اس کو میں نے فلاں چیز دی تھی، تو وہ تو سمجھ گیا لیکن باقی کسی اور کو پتہ نہیں چلا۔ تو دیکھو اس نے مخاطب کے علاوہ باقیوں سے بات کو چھپایا اور اس کے لیے کیا طریقہ ہے؟ اسم موصول کی صورت میں چیز کو ذکر کیا جائے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَأَخَذْتُ مَا جَادَ الْأَمِيرُ بِهِ وَقَضَيْتَ حَاجَاتِي كَمَا أَهْوَى اور میں نے لے لیا اس چیز کو جس کی سخاوت کی تھی امیر نے وَقَضَيْتَ حَاجَاتِي اور اے امیر آپ نے میری حاجتوں کو پورا کر دیا كَمَا أَهْوَى جیسا میں چاہتا ہوں۔

وَالتَّنْبِيهِ عَلَى الْخَطَإِ اور اسم موصول کو کبھی لایا جاتا ہے اس میں غرض کیا ہوتی ہے؟ تنبیہ کرنا ہوتا ہے، متنبہ کرنا ہوتا ہے عَلَى الْخَطَإِ کس پر؟ خطا پر۔ آپ مخاطب کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ تم غلطی پر ہو، اور پھر اس کا طریقہ یہی ہے کہ اسم موصول کی صورت میں اس چیز کو ذکر کیا جائے، کیونکہ اگر اسم موصول کے علاوہ اور صورت میں ذکر کریں گے ٹھیک ہے بات تو ذکر ہو جائے گی، اس کو سمجھ بھی آجائے گی لیکن اس کی غلطی پر تنبیہ نہ ہوگی، اس کی غلطی کا ذکر وہاں نہ ہوگا حالانکہ آپ کا مقصد صرف بات بتلانا نہیں بلکہ ساتھ ساتھ اس کی غلطی پر اسے متنبہ کرنا بھی ہے کہ تم غلطی کر رہے ہو، غلطی پر ہو۔

بھئی دیکھیے مثال سے اس کی وضاحت ہوگی کسی کو غلطی پر کیسے تنبیہ ہوگی اسم موصول کے ذریعے۔ آپ بعض لوگوں کو اپنا گہرا ساتھی سمجھتے ہیں اور وہ لوگ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اب اس بات کو میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں: وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، ان کی طرف اشارہ کر کے آپ کو کہہ دوں وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، بات اب بھی آپ سمجھ گئے لیکن آپ کی غلطی پر تنبیہ اس کے اندر نہیں ہے، غلطی پر تنبیہ نہیں کیونکہ میں نے اسم اشارہ یا ضمیر استعمال کر لی: وہ لوگ، یہ دیکھو وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس کی بجائے اگر میں اسم موصول ذکر کروں تو پھر اب آپ کی غلطی پر بھی تنبیہ ہو جائے گی۔ بھئی آپ غلطی کر رہے ہیں، غلطی کیا کر رہے ہیں؟ آپ ان کو اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں، اپنا مخلص ساتھی سمجھتے ہیں، یہ آپ غلطی کر رہے ہیں، میں اس پر بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں آپ کو۔ ایک تو یہ بات ہے کہ وہ آپ کو کیا کریں گے؟ نقصان پہنچائیں گے، یہ تو بات میں نے کرنی ہے لیکن ساتھ ساتھ آپ کی غلطی پر بھی تنبیہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جو ان کو اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں آپ کا یہ سمجھنا غلط ہے، آپ غلطی پر ہیں۔

تو اگر میں صرف یہ کہوں کہ وہ لوگ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، بات تو آپ کو پتہ چل گئی کہ وہ نقصان پہنچانا چاہتے ہیں لیکن غلطی پر تنبیہ نہ ہوئی۔ میں غلطی پر بھی تنبیہ کرنا چاہتا ہوں چنانچہ میں یوں کہتا ہوں: وہ جن کو آپ اپنا مخلص ساتھی سمجھتے ہیں وہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اب آپ کی غلطی پر بھی تنبیہ ہو گئی: وہ جن کو آپ اپنا مخلص ساتھی سمجھتے ہیں، دیکھا؟ معلوم ہوا آپ کا ان کو اپنا مخلص ساتھی سمجھنا غلط ہے، آپ غلطی پر ہیں۔ بھئی فرق بھی پتہ چلا یا نہیں؟ ایک صورت کیا تھی میں کس طرح کہتا؟ وہ لوگ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، تو بات آپ کو پھر بھی پتہ چل جاتی۔ تو دیکھیے ایک صورت یہ ہے میں آپ سے یوں کہتا: وہ لوگ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، اس میں آپ کی غلطی پر تنبیہ نہیں تھی بس ایک بات آپ کو بتلا دی گئی کہ وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ لیکن سنانے والا کیا چاہتا ہے؟ اس کی غلطی پر بھی تنبیہ کرے کہ تم غلطی پر ہو، غلط کر رہے ہو، وہ اب یوں کہتا ہے: وہ جن کو تم اپنا گہرا دوست سمجھتے ہو وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اب غلطی پر بھی تنبیہ ہو گئی کہ یعنی تمہارا ان کو گہرا دوست اور گہرا ساتھی سمجھنا یہ غلط ہے بھئی۔

▪ قولہ: «وَالتَّنْبِيهِ عَلَى الْخَطَإِ» کی تشریح

یہ معنی ہے وَالتَّنْبِيهِ عَلَى الْخَطَإِ اور جیسے کہ غلطی پر تنبیہ کرنا، نَحْوُ مثال کے طور پر:

إِنَّ الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ ... يَشْفِي غَلِيلَ صُدُورِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوا

إِنَّ الَّذِينَ بے شک وہ لوگ تُرَوْنَهُمْ، یہ مجہول کا صیغہ پڑھنا ہے یاد رکھیے بھئی تُرَوْنَهُمْ۔ یاد رکھیے رَأَى، رَأَى يَرَى رُؤْيَةً، صرف پڑھی ہے یا نہیں آپ نے؟ ابواب یاد ہیں؟ رَأَى يَرَى رُؤْيَةً۔ رَأَى يَرَى رُؤْيَةً کا معنی ہے دیکھنا، دیکھنا۔ اور دیکھنا پھر دو قسم پر ہے، ایک یہ ظاہری آنکھ سے دیکھنا ہے، ایک دل کی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ ظاہری آنکھ سے آپ کہتے ہیں رَأَيْتُ زَيْدًا، میں نے کس کو دیکھا؟ زید کو دیکھا، یہ ظاہری آنکھ سے دیکھ رہے ہیں آپ اس کو۔ اور ایک ہے رؤیت وہ ہے دل سے دیکھنا، رؤیت قلبی یعنی سمجھنا، کیا معنی اس کا؟ سمجھنا۔ رَأَيْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے زید کو عالم جانا۔ میں نے زید کو عالم جانا، یہ جاننے کے معنی میں ہے، یقین کرنے کے معنی میں ہے۔ اب دیکھیے یہاں آنکھوں سے دیکھنا نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے؟ سمجھنا اور جاننا دل کے ساتھ یعنی رؤیت قلبی مراد ہے۔ اسی لیے یہ افعال قلوب میں سے ہے اور نحو کے اندر آپ نے پڑھا اس صورت میں اس کے لیے دو مفعول چاہئیں: رَأَيْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے زید کو کیا جانا؟ عالم، تو زَيْدًا مفعول اول اور عَالِمًا مفعول ثانی۔ ہاں آنکھوں سے جو دیکھنا ہو اس کے لیے ایک مفعول چاہیے: رَأَيْتُ زَيْدًا، میں نے کس کو دیکھا؟ زید کو دیکھا بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو یہی یہ جو رَأَى يَرَى رُؤْيَةً ہے اسی، یہ کبھی ظن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی گمان کرنا، جس کا معنی ہے گمان۔ اور جب یہ گمان کرنے کے معنی میں استعمال ہو تو اس کا مضارع عرب ہمیشہ مجہول استعمال کرتے ہیں۔ کس معنی میں ہو؟ گمان کرنے کے معنی میں ہو تو اس کا مضارع کس طرح استعمال کرتے ہیں؟ مجہول۔ لہٰذا اسی لیے میں نے پڑھا تُرَوْنَهُمْ، تُرَوْنَهُمْ، کیا معنی؟ تم ان کے بارے میں گمان کرتے ہو۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ إِنَّ الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ بے شک وہ لوگ جن کے بارے میں تم گمان کرتے ہو إِخْوَانَكُمْ کہ وہ تمہارے بھائی ہیں، بے شک وہ لوگ جن کے بارے میں تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ تو یہ تُرَوْنَهُمْ معروف پڑھیں گے یا مجہول پڑھیں گے؟ مجہول۔ کیونکہ جب بھی ظن کے معنی میں آئے گا، گمان کرنے کے معنی میں آئے گا تو یہ ہمیشہ مجہول پڑھا جائے گا۔ اور صیغہ مجہول کا پڑھیں گے، معنی مجہول والا نہیں کریں گے، معنی وہی معروف والا ہو گا: تم سمجھتے ہو۔ ورنہ تو ہونا کیا چاہیے؟ تُرَوْنَهُمْ تم سمجھے جاتے ہو، لیکن یہ ترجمہ نہیں کرنا تم سمجھے جاتے ہو بلکہ کیا ترجمہ کریں گے؟ تم سمجھتے ہو، تم گمان کرتے ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ یقیناً وہ جن کو تم اپنے بھائی گمان کرتے ہو، بھائی خیال کرتے ہو يَشْفِي غَلِيلَ صُدُورِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوا۔ شَفَى يَشْفِي کے معنی شفا پانا، شفا دینا۔ غَلِيلٌ، غلیل یاد رکھیے غصے کو کہتے ہیں۔ غَلِيلَ صُدُورِهِمْ ان کے سینوں کا جو غصہ ہے، ان کے دلوں کا جو غصہ ہے یعنی ان کے دلوں میں جو غصے کی آگ ہے۔ عربی میں کہتے ہیں شَفَى غَلِيلَ صَدْرِهِ، شَفَى غَلِيلَ صَدْرِهِ، یعنی اس نے اپنے غصے کی آگ بجھالی۔ شَفَى غَلِيلَ صَدْرِهِ، ترجمے پر نظر ہے؟ شَفَى، اس نے اپنے سینے کے غصے کو، دل کے غصے کو شفا دے دی یعنی اس کو بجھالیا، اس کو پورا کر لیا، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں پر بھی کیا آیا؟ يَشْفِي غَلِيلَ صُدُورِهِمْ ان کے دلوں کی جو آگ ہے یعنی غصے کی جو آگ ہے وہ بجھتی ہے أَنْ تُصْرَعُوا کہ تم پچھاڑے جاؤ۔

صَرَعَ يَصْرَعُ کے معنی پچھاڑنا یعنی گرانا کسی کو، جیسے کشتیوں میں بھئی پہلوان کیا کرتے ہیں؟ ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں، ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں، تو جو پہلوان دوسرے کو گرا دیتا ہے اس کو فاتح سمجھا جاتا ہے۔ تو اس میں بھی کیا کیا جاتا ہے دیکھو دونوں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں، گرانے کی کوشش کرتے ہیں، تو اسی لیے کشتی جو ہے اس کو عربی زبان میں مُصَارَعَةٌ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مُصَارَعَةٌ، جس میں دیکھو دونوں ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو صَرَعَ کے کیا معنی؟ گرانے کے بھئی۔ تو ترجمہ سمجھ میں آیا؟ يَشْفِي غَلِيلَ صُدُورِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوا بجھتی ہے ان کے سینے کی آگ أَنْ تُصْرَعُوا اس بات پر کہ تم پچھاڑے جاؤ یعنی گرائے جاؤ۔ تمہارے گرائے جانے سے ان کے سینوں کی آگ بجھتی ہے، گرائے جانے سے مراد ہے ہلاک ہو جانا۔ ان کے سینوں کی آگ کس چیز سے بجھتی ہے؟ تمہاری ہلاکت سے کہ تم برباد ہو جاؤ، ہلاک ہو جاؤ، اس سے ان کے سینوں کی آگ بجھتی ہے وہ ایسے لوگ ہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اب ترجمہ دوبارہ دیکھیے روانی سے:

- **متن وشواہد: «إِنَّ الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ»**

إِنَّ الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ ... يَشْفِي غَلِيلَ صُدُورِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوا

یقیناً وہ لوگ جن کو تم اپنا بھائی گمان کرتے ہو ان کے سینوں کی آگ بجھتی ہے اس بات سے کہ تم گرائے جاؤ، تم ہلاک کیے جاؤ، تم برباد کیے جاؤ۔

اب دیکھیے إِنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، الَّذِينَ یہ اسم موصول، یہ إِنَّ کا اسم بنے گا اور موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ، تو تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ یہ صلہ آیا، موصول صلہ مل کر یہ إِنَّ کا اسم: بے شک وہ لوگ جن کو تم اپنا بھائی گمان کرتے ہو، بھائی سمجھتے ہو، آگے خبر آگئی: يَشْفِي غَلِيلَ صُدُورِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوا ان کے سینوں کی آگ اس بات سے بجھتی ہے کہ تم برباد ہو جاؤ۔ اب دیکھیے یہاں وہ یوں بھی کہہ سکتا تھا شاعر: بے شک وہ لوگ جو ہیں ان کے سینوں کی آگ تمہاری بربادی سے بجھتی ہے۔ ان لوگوں کے سینوں کی آگ تمہاری بربادی سے بجھتی ہے، لیکن اس صورت میں غلطی پر تنبیہ نہ ہوتی، تو یہاں اب اسم موصول آیا الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ، وہ

جن کو تم اپنا بھائی سمجھتے ہو، معلوم ہوا تمہارا ان کو بھائی سمجھنا غلط ہے بھئی، تو غلطی پر تنبیہ بھی ہو گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

وَتَفْخِيمِ شَأْنِ الْمَحْكُومِ بِهِ اور محکوم بہ کی شان کی قدر بڑھانے کے لیے۔ تفخیم کا معنی ہے، تفخیم کا معنی ہے قدر و منزلت بڑھانا۔ تفخیم کا معنی قدر و منزلت بڑھانا۔ شأن کہتے ہیں حال کو بھئی، حال یعنی حالت۔ محکوم بہ، محکوم بہ کسے کہتے ہیں؟ محکوم بہ خبر، خبر۔ ایک ہوتا ہے محکوم علیہ، ایک کیا ہے؟ محکوم علیہ۔ آپ نے پڑھا ہے یا نہیں بھئی یہ؟ تو شروع میں ذکر ہوا تھا، ایک ہے مسند، ایک ہے مسند الیہ۔ مسند کا دوسرا نام ہے محکوم بہ اور مسند الیہ کا دوسرا نام کیا ہے؟ محکوم علیہ بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو وَتَفْخِيمِ شَأْنِ الْمَحْكُومِ بِهِ اور محکوم بہ یعنی خبر، خبر کی حالت کی عظمت بیان کرنے کے لیے۔ تفخیم کا کیا معنی؟ عظمت بیان کرنا۔ وَتَفْخِيمِ شَأْنِ الْمَحْكُومِ بِهِ خبر کی حالت کی عظمت بیان کرنا، آسان لفظوں میں یوں کہیے خبر جو ہے اس کی عظمت بیان کرنا۔ خبر کی عظمت بیان کرنا۔

بھئی دیکھیے یاد رکھیے بعض اوقات مسند الیہ یعنی جو مبتدا ہے اس کو اسم موصول کی صورت میں لایا جاتا ہے، مقصد کیا ہوتا ہے؟ تاکہ آگے آنے والی خبر کی طرف اشارہ ہو جائے کہ آگے کس قسم کی خبر آنے والی ہے۔ تو جہ ہے؟ ذرا مشکل بات ہے بھئی۔ بعض اوقات کیا کیا جاتا ہے؟ مسند الیہ کو کس صورت میں لایا جاتا ہے؟ مسند الیہ یعنی مبتدا، مبتدا کو کس صورت میں لایا جاتا ہے؟ اسم موصول کی صورت میں، تاکہ اس کی وجہ سے آگے آنے والی خبر کی قسم کی طرف اشارہ ہو جائے کہ آگے کس قسم کی، کس نوع کی خبر آنے والی ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ کیا کیا جاتا ہے بعض اوقات؟ مبتدا کو کس صورت میں لاتے ہیں؟ اسم موصول کی صورت میں، تاکہ آگے آنے والی خبر کی طرف اشارہ ہو جائے، پہلے سے ہی اندازہ ہو جائے آگے کس قسم کی خبر آنے والی ہے۔ کس قسم کی خبر آنے والی ہے۔

مثلاً دیکھیے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي یقیناً وہ لوگ جو تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے۔ اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ بے شک وہ لوگ جو تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے۔ یہاں إِنَّ کا اسم کیا لایا گیا؟ الَّذِينَ اسم موصول، آگے صلہ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي۔ تو إِنَّ کا اسم وہ یعنی مسند الیہ جو ہے اس کو کس صورت میں لایا گیا؟ اسم موصول کی صورت میں۔ کس لیے؟ تاکہ آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ ہو جائے۔ بھئی جب میں نے یہ کہا، مثلاً میں یہ آیت آپ کے سامنے پڑھتا ہوں إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي، اللہ فرما رہے ہیں یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں یعنی میری عبادت نہیں کرتے، میرے سامنے سر نہیں جھکاتے، آپ سمجھ گئے یا نہیں آگے کس قسم کی خبر، آگے انعام کا ذکر ہو گا یا سزا کا؟ سزا کا۔ دیکھو آپ پہلے سے ہی سمجھ گئے۔ تو بعض اوقات کیا کیا جاتا ہے؟ مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں لایا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ ہو جائے۔ تو یہاں بھی کہا گیا إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي یقیناً وہ لوگ جو تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ عنقریب وہ جہنم کے اندر داخل ہوں گے دَاخِرِينَ ذلیل ہو کر۔ تو اس کے ذریعے اسم موصول کی صورت میں جب مسند الیہ کو ذکر کیا گیا تو آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ ہو گیا کہ معلوم ہوا آگے انعام کا ذکر نہیں بلکہ کس کا ذکر ہونے والا ہے؟ سزا کا۔

مثلاً اور صورت بنا لیں، میں آپ سے کہتا ہوں: وہ طلبہ جنہوں نے محنت کی ہے، آگے ابھی خبر نہیں آئی لیکن آپ سمجھ گئے آگے انعام کا ذکر ہو گا یا سزا کا؟ انعام کا ذکر ہو گا۔ دیکھا آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ۔ تو اب پورا جملہ مثلاً کیا ہے: وہ طلبہ جنہوں نے محنت کی ہے وہ امتحان میں کامیاب ہوں گے۔ تو آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں لایا جاتا ہے تاکہ ابتدائے کلام سے ہی دلالت ہو جائے انتہائے کلام پر۔ کلام کی ابتدا ہی کس پر دلالت کر دے؟ کلام کی انتہا پر کہ آگے کس قسم کی بات آنی ہے، یعنی جملے کے شروع کی بات، بات کے آخری حصے پر کیا کر دے؟ دلالت کر دے بھئی، دلالت کر دے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے؟ مسند الیہ کو کس صورت میں لایا جاتا ہے؟ اسم موصول کی صورت میں، مقصد کیا ہوتا ہے؟ تاکہ آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ ہو جائے، نوع یعنی قسم، کہ کس قسم کی آگے خبر آنے والی ہے، اس میں انعام کا ذکر ہو گا یا سزا وغیرہ اس طرح کی بھئی جو بھی موقع محل کے مطابق ہو۔

پھر یاد رکھیے دوسری چیز اب، یہیں پر اسی قسم کے مقام پر بعض اوقات جب مسند الیہ کو اسم موصول کی، تو جہ ہے سبق کی طرف؟ جب مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں لایا جاتا ہے تو اس کے ذریعے بعض اوقات آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اور پھر اسی اشارے کو، اسی اشارے کو، یہ جو آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اسی اشارے کو ذریعہ بنایا جاتا ہے کس چیز کا؟ خبر کی عظمت شان کا۔ اسی اشارے کو کیا کیا جاتا ہے؟ ذریعہ بنایا جاتا ہے خبر کی عظمت شان کا کہ یہ جو خبر ہے یہ عام معمولی درجے کی نہیں، بڑی عظیم الشان چیز ہے یہ۔ یہ کیا ہے؟ بڑی عظیم الشان چیز ہے، عظمت والی چیز ہے۔

تو دو باتیں ہو گئیں۔ اول کیا؟ مسند الیہ کو کس صورت میں لاتے ہیں؟ اسم موصول کی صورت میں، تاکہ اس کے ذریعے کیا ہو جائے؟ آگے آنے والی خبر کی طرف اشارہ ہو جائے۔ پھر اسی جو اشارہ کیا گیا آگے آنے والی خبر کی طرف، اسی اشارے کو ذریعہ بنایا جاتا ہے، واسطہ بنایا جاتا ہے کس چیز کے، کیا بتلانے کا واسطہ بنایا جاتا ہے؟ کہ یہ خبر کیا ہے؟ عام نہیں بلکہ عظیم الشان ہے، اونچے درجے والی ہے۔

بھئی دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی جو انہوں نے کتاب میں ذکر کی:

- **متن وشواہد:** «إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا»

إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا ... بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ

سَمَكَ، سَمَكَ کا معنی ہوتا ہے بلند کرنا، اونچا کرنا۔ إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بے شک وہ ذات جس نے آسمانوں کو، جس نے آسمان کو اونچا کیا۔ إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بے شک وہ ذات جس نے آسمان کو اونچا کیا، ابھی سے ہی اندازہ ہو گیا کہ آگے بھی، آگے بھی بلندی اور تعمیر کا ذکر ہو گا۔ إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بے شک وہ ذات جس نے آسمانوں کو اونچا کیا، اسی سے کیا اندازہ ہو گیا؟ جس نے آسمانوں کو اونچا کیا، جس نے آسمانوں کو اونچا بنایا، کیا اندازہ ہوا؟ آگے بھی بلندی ہی کا ذکر ہو گا، آگے بھی تعمیر ہی کا ذکر ہو گا، تخریب کا ذکر نہیں ہو گا بھئی۔

تو کہتا ہے شاعر إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بے شک وہ ذات جس نے آسمان کو اونچا کیا بَنَى لَنَا بَيْتًا اس نے بنایا ہمارے لیے ایک ایسا گھر، اس نے تعمیر کیا ہمارے لیے ایک ایسا گھر دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ۔ دَعَائِمُ جمع ہے دِعَامَةٌ کی اور دِعَامَةٌ کہتے ہیں ستون کو، ستون بھئی، چھت کا جو ستون ہوتا ہے اس کو۔ دَعَائِمُهُ اس کے جو ستون ہیں أَعَزُّ زیادہ عزت والے ہیں، سب سے زیادہ عزت والے ہیں، یا یوں ترجمہ کر لیں سب سے زیادہ مضبوط ہیں، وَأَطْوَلُ اور سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔

بھئی دیکھیے یہاں پر بَيْتًا معرفہ ہے یا نکرہ ہے؟ یہ نکرہ آیا۔ اور نکرہ کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا فعل آ جائے تو وہ فعل اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ کیوں صفت بنتا ہے؟ کیونکہ وہ جو فعل ہے وہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا، اور جب جملہ بن گیا تو جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں ہے، تو نکرہ کے بعد گویا نکرہ آ گیا اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ معلوم ہوا جملہ نکرہ کے حکم میں ہے۔ جملہ کس کے حکم میں ہے؟ تو جیسے جملہ فعلیہ نکرہ کے حکم میں ہے اسی طرح جملہ اسمیہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ وہ بھی جملہ ہے، وہ بھی نکرہ ہے، تو لہٰذا نکرہ کے بعد اگر جملہ اسمیہ بھی آ جائے وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے عموماً؟ صفت بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ صفت۔ یہاں پر بھی دیکھیے بھئی بَيْتًا نکرہ آیا، آگے جملہ ہے دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ۔ دَعَائِمُهُ یہ مبتدا ہے، أَعَزُّ وَأَطْوَلُ معطوف معطوف علیہ مل کر یہ کیا ہے اس کی؟ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، تو جملہ آ گیا بَيْتًا نکرہ کے بعد، تو نکرہ کے بعد نکرہ آیا تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت، اور موصوف صفت کے ترجمے کا کیا طریقہ ہے؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں۔ بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ ایسا گھر کہ جس کے ستون سب سے زیادہ عزت والے اور سب سے زیادہ لمبے ہیں بھئی۔

■ متن وشواہد: «إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا»

إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا ... بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ

بے شک وہ ذات جس نے آسمان کو اونچا کیا اس نے تعمیر کیا ہمارے لیے ایک ایسا گھر جس کے ستون سب سے زیادہ عزت والے اور سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ یہاں سب سے پہلے کیا کیا گیا؟ إِنَّ الَّذِي، بھئی ترکیب پہ ذرا دیکھیے: إِنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، الَّذِي اسم موصول، سَمَكَ السَّمَاءَ یہ اس کا صلہ، موصول صلہ مل کر یہ إِنَّ کا اسم، اور بَنَى لَنَا بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ یہ ساری اس کی خبر۔ بے شک وہ ذات جس نے آسمان کو اونچا کیا بَنَى لَنَا بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ اس نے بنایا ہمارے لیے ایک ایسا گھر جس کے ستون سب سے زیادہ عزت والے اور سب سے زیادہ لمبے ہیں۔

یہاں سب سے پہلے کیا کیا گیا؟ مسند الیہ یعنی إِنَّ کے اسم کو کس صورت میں ذکر کیا گیا؟ اسم موصول کی صورت میں۔ اس کے ذریعے آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ جب یہ کہا گیا الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ وہ ذات جس نے آسمان کو اونچا کیا، پتہ چل گیا آگے بھی کس چیز کا ذکر ہو گا؟ بلندی کا اور تعمیر کا ذکر ہو گا، تو یہ اشارہ کیا گیا آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف۔ پھر اسی اشارے کو ذریعہ بنا دیا گیا کس چیز کا؟ خبر کی عظمت شان بیان کرنے کا۔ کس چیز کا؟ خبر کی عظمت شان۔ خبر کیا ہے؟ بَنَى لَنَا بَيْتًا ہمارے لیے گھر بنایا ہے اسی ذات نے۔ معلوم ہوا یہ گھر بھی بڑا عظیم الشان ہے۔ یہ گھر بھی کیا ہے؟ بڑا عظیم الشان ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کو بنانے والی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بنایا بھئی۔ تو دیکھیے گھر کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہو گیا یا نہیں ہو گا بھئی؟ بات سمجھ میں آ گئی؟ کس طرح عظمت شان؟ کہ یہ گھر کوئی معمولی گھر نہیں، اس کو بنانے والی کون سی ذات ہے؟ جس نے آسمانوں کو بلند کیا، اونچا کیا۔ معلوم ہوا یہ بڑا ہی معزز، عزت والا، سب سے زیادہ عزت والا گھر ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

یاد رکھیے یہ شعر ہے فرزدق کا۔ فرزدق عرب کا بڑا مشہور اور بڑا فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے بھئی۔ فرزدق، ف، ر، ز، د اور ق دو نقطوں والا، فرزدق بھئی، فرزدق۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ فرزدق جو ہے یہ اس کا شعر ہے۔ بھئی یاد رکھیے شعرا میں آپس میں مقابلے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خرابی بیان کرتا ہے اور اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو اور اپنے خاندان کو اونچا بتاتا ہے، دوسرا مقابلے میں اس دوسرے کی مذمت بیان کرتا ہے، اپنے خاندان کی، اپنی قوم کی صفات ذکر کرتا ہے، اپنے آپ کو اعلیٰ اور بلند و برتر بیان کرتا ہے۔ تو یہ فرزدق کا شعر ہے اور یہ اس نے جریر کے مقابلے میں، جریر بھی اسی زمانے کا ایک بہت بڑا شاعر تھا بھئی، تو یہ فرزدق جو ہے یہ جریر کے مقابلے میں یہ شعر کہہ رہا ہے۔ اور بھی اشعار ہیں آگے ساتھ لیکن یہ شعر کس کا ہے؟ فرزدق کا، کس کے مقابلے میں ہے؟ جریر کے مقابلے میں۔

اور شاعر کیا کہتا ہے؟ بے شک وہ ذات جس نے آسمان کو اونچا کیا اس نے ہمارے لیے ایک ایسا گھر بنایا ہے، مراد ہے بیت اللہ، خانہ کعبہ۔ وہ ذات جس نے آسمان کو بلند

کیا اس نے ہمارے لیے بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ بنایا ہے، تو بیت سے کیا مراد ہے؟ خانہ کعبہ۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرزدق اس کا بیت اللہ کیسے ہوا؟ فرزدق مسلمان، تو جریر بھی کیا ہے؟ مسلمان ہے، تو خانہ کعبہ بیت اللہ تو سب مسلمانوں کا ہے، فرزدق کا کیسے ہوا صرف؟ وہ تو کہہ رہا ہے ہمارے لیے گھر بنایا، تو اس کا کیسے گھر، یہ تو جریر کا بھی گھر ہے، وہ بھی مسلمان ہے اس کا بھی تعلق اس سے؟ جواب یہ کہ ہاں ٹھیک ہے جریر بھی مسلمان، اس کا بھی بیت اللہ سے تعلق، لیکن فرزدق کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا زیادہ تعلق ہے بیت اللہ سے، اس لیے کیونکہ فرزدق کا تعلق قریش خاندان سے تھا اور آپ جانتے ہیں کہ بیت اللہ کی خدمات وغیرہ اکثر کس کے سپرد تھیں؟ قریش والوں کے۔ کوئی حاجیوں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری تھی کسی کی، کوئی خانہ کعبہ کا غلاف بدلنے کی ذمہ داری تھی، وہ بنانے کی ذمہ داری تھی کسی کی، اور اسی طرح کسی کے پاس ان کی بیت اللہ کے دروازے کی چابی وغیرہ ہے اور یہ تمام ذمہ داریاں کس کے پاس تھیں؟ قریش۔ تو ان کا تعلق ذرا زیادہ تھا اس وجہ سے فرزدق نے کیا کہا؟ ہمارا، اللہ نے ہمارے لیے ایک ایسا گھر بنایا ہے جو بڑا ہی معزز اور بڑا ہی لمبا ہے۔

تو یہ تو ایک ترجمہ ہے شعر کا، بیت سے کیا مراد ہوا؟ بیت اللہ مراد ہوا۔ یا ہو سکتا ہے بیت سے مراد بیت معنوی ہو یعنی عزت کا گھر، یعنی عزت مراد ہو۔ کیا مراد ہو؟ عزت، یعنی اللہ نے ہمیں بڑی عزت دی ہے کہنے کا یہ مطلب ہو، بیت اللہ نہیں مراد بلکہ بیت سے کیا مراد ہے؟ عزت کا گھر یعنی عزت، یعنی عزت کو کس کے ساتھ تشبیہ دے دی؟ گھر کے ساتھ تشبیہ دے دی کہ ایک گھر کی طرح ایک اونچی، مضبوط اور اعلیٰ قسم کی، اعلیٰ درجے کی عزت اللہ نے ہمیں دنیا میں نصیب فرمائی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو گویا یہاں پر پھر وہی، پھر میں دہرا رہا ہوں بھئی ذرا یہ مشکل مقام ہے اس لیے میں نے کئی مرتبہ تکرار کروایا، پھر سن لیں کہ بعض اوقات مسند الیہ کو کس صورت میں لایا جاتا ہے؟ اسم موصول کی صورت میں۔ کیا مقصد ہوتا ہے؟ تاکہ آگے آنے والی خبر کی نوع کی طرف اشارہ ہو جائے کہ کس قسم کی آگے خبر آرہی ہے، اور پھر اسی اشارے کو ذریعہ بنایا جاتا ہے کس چیز کا؟ خبر کی عظمت شان بیان کرنے کا کہ یہ عام چیز نہیں بلکہ اعلیٰ اور بڑی باعظمت چیز ہے، جیسے یہاں پر یہ آسمان کی بلندی کے ساتھ ذکر کیا مسند الیہ کو اور آگے بتلا دیا کہ معلوم ہوا کہ یہ گھر جو ہمارے لیے اس ذات نے بنایا یہ بھی کوئی معمولی گھر نہیں ہے، یہ اس ذات ہی کا بنایا ہوا ہے جس نے آسمانوں کو اونچا کیا، یا یہ ہمیں جو عزت دی ہے یہ بھی بڑی باعظمت چیز ہے کیونکہ یہ ہمیں کس نے عطا کی ہے؟ اس ذات نے جس نے آسمانوں کو بلند کیا ہے بھئی۔ یہ معنی ہے وَتَفْخِيمِ شَأْنِ الْمَحْكُومِ بِهِ خبر کی عظمت شان بیان کرنے کے لیے۔

▪ قولہ: «وَالتَّهْوِيلِ تَعْظِيمًا وَتَحْقِيرًا» کی تشریح

وَالتَّهْوِيلِ تَعْظِيمًا وَتَحْقِيرًا۔ تہویل کا معنی خوفزدہ کرنا، کسی کو ڈرانا بھئی۔ وَالتَّهْوِيلِ اور ڈرانے کے لیے تَعْظِيمًا تعظیم کے طور پر وَتَحْقِيرًا اور تحقیر کے طور پر۔ بھئی دیکھیے بعض اوقات ایک چیز کو اسم موصول کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے اور اسم موصول کی صورت میں اس چیز کے اندر ابہام ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ ابہام۔ ابھی میں نے مثال ذکر کی آپ کا ایک ساتھی آیا اور آپ نے اس کو ایک کام کے بارے میں کہا تھا، اب آپ اس سے اس کام کے بارے میں پوچھتے ہیں اور باقی لوگ بیٹھے ہیں ان سے بات کو چھپانا چاہتے ہیں تو آپ کیا کہیں گے؟ وہ جو کام میں نے آپ سے کہا تھا اس کا کیا ہوا؟ تو دیکھیے وہ باقیوں کو نہیں پتہ چلا کس کام کے بارے میں آپ نے کہا تھا، ہاں سننے والے کو پتہ چل گیا۔ تو اسم موصول میں کیا ہوتا ہے؟ ابہام ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ ابہام، اس کے ذریعے بات مبہم ہو جاتی ہے بھئی، مبہم ہو جاتی ہے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ کسی چیز کے اندر جتنا ابہام ہوا اتنی ہی دلوں میں اس کی عظمت ہوتی ہے۔ کسی چیز کے بارے میں دل میں جتنا ابہام ہوا اتنی ہی دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے، عظمت ہوتی ہے۔ آپ بھی غور کر لیں اس چیز پر آپ کو بھی پتہ چلے گا واضح طور پر بھئی کہ جتنی چیز مبہم ہوتی ہے اسی قدر دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے، اور جس چیز کے بارے میں پورے طور پر پتہ ہو اس کی دل میں وہ عظمت نہیں رہتی بھئی، اس کی دل میں عظمت نہیں رہتی۔ بھئی کسی چیز میں جتنا ابہام ہوا اتنی ہی اس کی دل میں عظمت ہوتی ہے، عظمت ہوتی ہے۔ اور آپ بھی اس طرح کرتے ہیں بعض اوقات عظمت بڑھانے کے لیے ایک چیز کو مبہم رکھتے ہیں۔ آپ بھی کیا کرتے ہیں؟ عظمت بڑھانے کے لیے ایک چیز کو مبہم رکھتے ہیں۔

مثلاً آپ آئے کمرے میں کافی ساتھی بیٹھے ہوئے تھے، آپ آکر ساتھیوں سے کہتے ہیں: بھئی آج تو عجیب ہی واقعہ پیش آیا، عجیب ہی واقعہ پیش آیا۔ آپ کے ساتھی نے پوچھا: ہاں بھئی کیا ہوا؟ آپ نے کہا: بس یہ نہ پوچھو کیا ہوا۔ نہیں بیان کیا آپ نے، مبہم رکھا بات کو۔ کیوں مبہم رکھا؟ تاکہ ان کے دلوں میں، وہ بھی سوچ رہے ہوں گے پتہ نہیں کتنی بڑی بات ہو گئی ہے یہ بیان ہی نہیں کر رہا۔ تو دیکھو ہاں جب آپ ان کو وہ بات بتا دیں گے: اوہو اتنی سی بات تھی! تو جب تک چیز میں ابہام تھا کیا تھی؟ دل میں عظمت تھی کہ کوئی بڑی بات ہوئی ہے کہ یہ بیان ہی نہیں کر رہا بھئی، اور جب بیان کر دی اب جتنی بھی بڑی ہو وہ کہے گا یہ تو کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی بہر حال۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو جتنا چیز میں ابہام ہوتا ہے اتنی ہی دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے۔

تو بعض اوقات بھئی، بعض اوقات ایک چیز کو مبہم رکھا جاتا ہے اس کی عظمت دل میں بٹھانے کے لیے، اس کی عظمت دل میں بٹھانے کے لیے، اس سے ڈرانے کے لیے، اور بعض اوقات ایک چیز کو مبہم رکھا جاتا ہے بطور تحقیر کے۔ تو بعض اوقات ابہام کس لیے رکھا جاتا ہے؟ بطور تعظیم کے، ڈرانا چاہتے ہیں تعظیم کے طور پر، یا ڈرانا ہے بطور تحقیر کے کہ بڑی ہی ادنیٰ، گھٹیا چیز ہے، ذکر اس کا مناسب ہی نہیں ہے اس لیے میں نے بھی ذکر نہیں کیا بھئی، ایک چیز کو آپ مبہم رکھتے ہیں۔ یہ معنی ہے وَالتَّهْوِيلِ تَعْظِيمًا وَتَحْقِيرًا اور ڈرانے کے لیے بطور تعظیم کے اور وَتَحْقِيرًا اور بطور تحقیر۔ تو بعض اوقات ڈرانا ہو گا بطور تعظیم کے اس لیے چیز کو مبہم رکھا گیا اور بعض مرتبہ

ڈرانا ہو گا بطور تحقیر کے اس لیے چیز کو مبہم رکھا گیا کہ وہ ذکر کے قابل ہی نہیں ہے، اتنی پست ہے، اتنی گھٹیا چیز ہے کہ میں ذکر اس کو نہیں کرنا چاہتا تو آپ اس کو اسم موصول کی صورت میں لاتے ہیں۔

جیسے مثلاً دیکھیے بھئی پہلی مثال کیا ہے؟ بطور تعظیم کے ڈرانے کی مثال ہے: فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۔ پس ڈھانپ لیا ان کو مِنَ الْيَمِّ، یم کہتے ہیں سمندر کو، سمندر کو۔ پس ڈھانپ لیا ان کو سمندر میں سے مَا غَشِيَهُمْ اس نے جس نے ان کو ڈھانپ لیا۔ جس نے ان کو ڈھانپ لیا۔ بھئی ذرا ترکیب پہ نظر رکھنا بھئی: فَغَشِيَهُمْ، غَشِيَ فعل، هُمْ ضمیر مفعول کی، اور مَا اسم موصول، غَشِيَهُمْ اس کا صلہ، موصول صلہ مل کر یہ جو مَا غَشِيَهُمْ ہے یہ فاعل ہے پہلے غَشِيَ کا۔ ڈھانپ لیا ان کو، کس چیز نے ڈھانپ لیا؟ مَا غَشِيَهُمْ وہ جس نے ان کو ڈھانپ لیا بھئی۔ وہ جس نے ان کو ڈھانپ لیا۔ اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہے ہیں وہ جو فرعون جو پیچھا کر رہا تھا کس کا؟ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کا، وہ سمندر میں راستے بنے حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور ان کی قوم اس میں سے نکل گئے اور یہ فرعون جب اندر داخل ہوا لشکر سمیت جب بیچ میں پہنچا تو پھر سمندر آپس میں مل گیا، ان کو ڈھانپ لیا سمندر نے، وہ غرق ہو گئے۔ اس کو ذکر فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ: فَغَشِيَهُمْ ڈھانپ لیا ان کو مَا غَشِيَهُمْ اس نے جس نے ان کو ڈھانپ لیا، مِنَ الْيَمِّ یہ بیان ہے مَا کا۔ بھئی کس چیز نے ان کو ڈھانپا؟ مِنَ الْيَمِّ یعنی کہ سمندر نے۔ کس نے؟ سمندر نے۔

اب یہاں دیکھیے بھئی غَشِيَ کا فاعل مَا غَشِيَهُمْ کیا ہے؟ اسم موصول صلہ، موصول صلہ کی صورت میں اس کو ذکر کیا گیا۔ کس لیے موصول صلہ کی صورت میں؟ مبہم رکھنے کے لیے، مبہم رکھنے کے لیے بطور تعظیم کے۔ یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے اوپر مثلاً پچاس فٹ پانی آیا سمندر کا یا سو فٹ آیا یا دو سو فٹ آیا یا پانچ سو فٹ ان کے اوپر پانی آ گیا، نہیں نہیں۔ اگر مقدار وغیرہ کی چیز بیان کر دی جاتی پھر دلوں میں وہ ہیبت نہ رہتی۔ اسم موصول کے ساتھ قرآن میں اس کو ذکر کیا گیا تاکہ مبہم رہے، یعنی اتنے عظیم سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا اور ان کے اوپر آ گیا کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں بھی ڈرانا ہے اور بطور تعظیم کے ہے کہ بہت عظیم سمندر ان کے اوپر آ گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ پس ڈھانپ لیا ان کو سمندر میں سے اس نے جس نے ان کو ڈھانپ لیا۔ یہ تو تھی تہویل بطور تعظیم کے۔

■ قولہ: «مَنْ لَمْ يَدْرِ حَقِيقَةَ الْحَالِ قَالَ مَا...» کی تشریح

اب ہے تہویل بطور تحقیر کے، کسی کو ڈراتے ہیں بطور تحقیر کے، نَحْوُ مثال کے طور پر: مَنْ لَمْ يَدْرِ حَقِيقَةَ الْحَالِ قَالَ مَا قَالَ۔ جس شخص نے حقیقت حال کو نہ جانا قَالَ مَا قَالَ تو اس نے کہا مَا قَالَ جو اس نے کہا۔ مَا قَالَ یہ ہے مقام استشہاد۔ مقولے کو نہیں ذکر کیا گیا، کیا کہتا ہے وہ جو شخص حقیقت کو نہیں جانتا وہ کیا کہتا ہے؟ بس کہا وہ جو کہتا ہے سو کہتا ہے بھئی، مبہم رکھا گیا، اسم موصول کی صورت میں لایا گیا۔ کس لیے؟ بطور تحقیر کے ڈرانا مقصد ہے کہ وہ اتنی گھٹیا اور اتنی ادنیٰ درجے کی بات کرتا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے، یعنی جس شخص کو حقیقت حال کا پتہ نہ ہو اور پھر ایک بات کے بارے میں بات کرتا ہے، ایک مسئلے کے سلسلے میں گفتگو کرتا ہے تو وہ اتنی گری ہوئی بات کرتا ہے کہ اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تو یہاں تہویل ہے بطور تحقیر کے کہ بڑی ہی گری ہوئی اور ادنیٰ اور گھٹیا بات کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَالتَّهَكُّمِ، وَالتَّهَكُّمِ نَحْوُ اور تہکم کا معنی ہے مذاق کرنا، مذاق اڑانا۔ اور کبھی کبھار ایک چیز کو اسم موصول کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے مذاق اڑانے کے لیے، مذاق اڑانے کے لیے۔ جیسے دیکھیے يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ۔ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شب و روز دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں اور مشرکین مکہ کو توحید کی طرف بلا رہے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ جہنم سے بچ جائیں اور جنت کے حقدار بن جائیں، لیکن وہ لوگ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے بلکہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا مذاق اڑاتے ہیں بھئی، قدم قدم پر آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں۔ تو دیکھیے یہاں پر بھئی انہوں نے یہ جملہ کہا حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ سے: يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اے وہ شخص کہ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ جس پر ذکر کو نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن کو اتارا گیا ہے إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ بے شک آپ تو مجنون ہیں، آپ تو دیوانے ہیں۔

اب دیکھیے یہاں انہوں نے کیا کہا؟ يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اے وہ آدمی جس پر قرآن کو اتارا گیا ہے، یہ نہیں کہا يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ اے محمد آپ تو کیا ہیں؟ مجنون۔ مشرکین مکہ بڑے فصیح و بلیغ لوگ تھے ذرا اندازہ لگائیے ان کی فصاحت و بلاغت کا بھئی۔ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ نہیں کہا يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ اے محمد آپ تو مجنون ہیں، بلکہ کیا کہہ رہے ہیں؟ يَا أَيُّهَا الَّذِي، دیکھو ندا دے رہے ہیں اسم موصول کے اور صلے کے ساتھ: اے وہ شخص، اے وہ آدمی جس پہ ذکر کو نازل کیا گیا ہے تم تو مجنون ہو۔ تو کیا مقصد ہے، موصول صلے کی صورت میں کیوں ندا دی گئی؟ مذاق اڑانے کے لیے بطور استہزا کے بھئی، کیونکہ اگر يَا مُحَمَّدُ کہیں اس میں تو مذاق نہیں ہے، استہزا نہیں ہے اور وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟ مذاق بھی اڑانا چاہ رہے ہیں اس لیے اسم موصول صلے کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا۔

بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ یہاں کس طرح مذاق اڑایا گیا؟ ابھی تک میرا خیال بات سمجھ میں نہیں آئی، دیکھیے ایک مثال سے وضاحت ہو گی۔ فرض کیجیے ایک شخص آیا اور آ کر اس نے کہا کہ میں عربی عبارت سب سے زیادہ زبردست پڑھتا ہوں، سب سے زبردست پڑھتا ہوں۔ ایک شخص نے آ کر آپ سے کہا، یہ بات اس نے کہہ دی تو

آپ نے اس کے سامنے کتاب رکھ دی کہ چلو یہ عبارت پڑھ کر سناؤ، یہ عبارت پڑھ کر سناؤ۔ اب اس کو عبارت پڑھنا آتی تو تھی نہیں، جہاں زبر پڑھنا تھا وہاں زیر پڑھ رہا ہے، جہاں زیر پڑھنی تھی وہاں پیش پڑھ رہا ہے، خوب عبارت اس نے خراب طریقے سے تھوڑی سی پڑھی اور بڑی خراب پڑھی۔ اب آپ اس کا نام لے کر اسے کہتے ہیں: اے فلاں تم تو ایک لفظ نہیں صحیح پڑھ سکتے۔ تم تو ایک لفظ صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اب یہی بات آپ نے اس کو کیا کہا؟ اے فلاں تم تو ایک لفظ صحیح نہیں پڑھ سکتے، لیکن اس میں مذاق اڑانا نہیں ہے، ایک سیدھی سی بات آپ نے کہہ دی کہ تم تو ایک لفظ صحیح طرح نہیں پڑھ سکتے۔ لیکن آپ کا مقصد ہے مذاق بھی اڑانا، اب آپ اے فلاں نہیں کہتے، آپ اس کو یوں کہتے ہیں: اے سب سے زبردست عبارت پڑھنے والے تجھے تو ایک لفظ سیدھی طرح پڑھنا نہیں آتا! اب دیکھو مذاق اڑایا یا نہیں آپ نے اس کا؟ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں پر بھی اسی طرح سرور کونین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کو دعوت دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں میرے اوپر قرآن اترا ہے، قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہو رہا ہے اور یہ اللہ کا کلام میں تمہیں سنا رہا ہوں۔ اب وہ کیا کہنا چاہتے تھے؟ کہ آپ مجنون ہیں، دیوانے ہیں، یوں کہہ سکتے تھے اے محمد آپ تو دیوانے ہیں، لیکن اس صورت میں مذاق نہ ہوتا اور وہ مذاق بھی اڑانا چاہتے ہیں تو کیا کہا؟ اے وہ شخص جس پہ قرآن کو اتارا گیا ہے آپ تو دیوانے ہیں! یعنی آپ کیا سمجھتے ہیں آپ کا دعویٰ کیا ہے آپ پہ قرآن اترا ہے؟ آپ تو دیوانے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ بس اس مثال جو میں نے ذکر کی اس کو ذرا ذہن میں رکھیں گے بالکل واضح ہو جائے گی آپ کے سامنے یہ بات بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے مشرکین عرب بھئی کتنے فصیح و بلیغ لوگ تھے بھئی، کتنے فصیح و بلیغ! لیکن اتنی فصاحت و بلاغت کے باوجود جب قرآن نازل ہوا تو قرآن کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر وہ حیران رہ گئے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کا انہوں نے کبھی مقابلہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ کسی نے کبھی آکر حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو یا اپنی قوم والوں کو یہ نہیں کہا کہ میں قرآن جیسے ایک دو جملے، چار جملے بنا کر لایا ہوں یہ دیکھو، جیسا کلام محمد لے کر آتے ہیں میں بھی ویسا ہی کلام لے کر آیا ہوں، کیونکہ وہ جانتے تھے۔ ان کی فصاحت کا اندازہ لگائیے ایک ایک جملے سے پتہ چل رہا ہے بھئی کس طرح وہ اسم موصول لا کر مذاق اڑا رہے ہیں، تو ان کو پتہ تھا کہ قرآن اتنی فصیح و بلیغ کتاب ہے اس کا تو ایک ایک جملہ اتنا اعلیٰ درجے کا ہے کہ ہم کوشش کریں بھی تو اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے، وہ جانتے تھے۔ اسی لیے کبھی انہوں نے قرآن جیسا کلام بنانے کی کوشش ہی نہیں کی، حالانکہ یہ آسان طریقہ تھا، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کا مقابلہ کرتے کس طریقے سے؟ ان جیسا کلام بنا کر لے آتے۔ تو آسان راستہ یہ تھا اور ایک مشکل راستہ تھا تلوار اٹھائیں، قتل و غارت ہو، خون کی ندیاں بہہ جائیں، وہ انہوں نے تلوار والا راستہ تو اختیار کیا لیکن یہ دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا کہ اس قرآن کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قرآن جیسا ہم ایک جملہ بھی نہیں بنا سکتے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ تھے وہ لوگ بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۵: معرف باللام (الف لام اسمی و حرفی کا فرق) اور الف لام جنسی، استغراقی اور عہدی کی اقسام

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۶ــــ بتاریخ: ۱۰ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا كَانَ الْغَرَضُ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ نَحْوُ الْإِنْسَانُ حَيْوَانٌ نَاطِقٌ، وَتُسَمَّى أَلْ جِنْسِيَّةً أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُودٍ مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

بھئی تعریف و تنکیر کے نکات بیان ہو رہے ہیں۔ یہ باب تھا کس بارے میں؟ تعریف و تنکیر کے بارے میں ہے یہ باب اور کہ کس مقام پر معرفہ لایا جائے گا اور کس مقام پر نکرہ لایا جائے گا اور ان کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں۔ تو سب سے پہلے مصنف نے معرفہ لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ ذکر کرنا شروع کیے۔ اور معرفہ چونکہ کئی قسم پر ہے تو لہذا باری باری سب کو الگ الگ بیان کرتے جا رہے ہیں اور بتلاتے جا رہے ہیں کہ اس معرفہ کے لانے میں کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں اور اس معرفہ کے لانے میں کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں۔

تو آج ہم مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ رَجُلٌ یہ ہے نکرہ اور اس پر الف لام آ گیا الرَّجُلُ تو یہ کیا ہوا مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ بھئی یعنی الف لام کے ساتھ اس کو معرفہ بنایا گیا ہے۔ تو یہ جو مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ ہوتا ہے اس کو کیوں لایا جاتا ہے، اس کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں، اس کو کس مقام پر لایا جاتا ہے وہ اب ذکر کریں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کو لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں اب وہ بیان کریں گے بھئی یہاں پر۔

بھئی یاد رکھیے الف لام جو ہے یہ دو قسم پر ہے بھئی۔ ایک الف لام، ایک الف لام اسمی کہلاتا ہے اور ایک الف لام حرفی ہے بھئی۔ ایک الف لام کیا ہے؟ اسمی ہے۔ ایک الف لام اسمی ہے اسم کی طرف منسوب یعنی اسم والا، الف لام اسمی یعنی الف لام اسم والا یعنی اسم ہے یہ۔ اور ایک الف لام حرفی ہے بھئی یعنی حرف کی طرف منسوب بھئی، حرف والا یعنی جو حرف ہے بھئی خود۔ تو یہ الف لام دو قسم پر ہے۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے۔

بھئی ایک ہوتا ہے اسم فاعل، ایک ہے فاعل۔ دونوں میں فرق جانتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ایک ہوتا ہے اسم مفعول اور ایک ہوتا ہے مفعول۔ دونوں میں فرق جانتے ہیں؟ بھئی دیکھیے اسم فاعل، اسم فاعل اس مخصوص صیغے کا نام ہے جو آپ نے علم صرف میں پڑھا ہے، ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا فَهُوَ ضَارِبٌ، یہ ضَارِبٌ کیا ہے؟ اسم فاعل ہے، کیا ہے؟ اسم فاعل ہے۔ اور اسی طرح گردان میں آپ نے پڑھا ہے آگے پھر وَضُرِبَ یُضْرَبُ ضَرْبًا فَذَاكَ مَضْرُوبٌ، یہ مَضْرُوبٌ یہ اسم مفعول ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ اسم مفعول۔ معلوم ہوا اسم فاعل اور اسم مفعول یہ وہ جو گردان میں مخصوص صیغے آپ نے پڑھے ہیں ان کو کہتے ہیں۔ تو اسم فاعل کے کئی اوزان آپ نے پڑھے ہیں فَاعِلٌ جیسے ضَارِبٌ ابھی آیا، اسی طرح مُكْرِمٌ، مُكْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ، مُكَرِّمٌ یہ سارے کیا ہیں؟ اسم فاعل ہیں بھئی۔ اور اسم مفعول جو گردان میں جو آپ نے مخصوص وزن پڑھے ہیں اسم مفعول کے جیسے مَضْرُوبٌ، مَمْنُوعٌ، مَفْتُوحٌ، اسی طرح مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، مُكَرَّمٌ یہ سارے کیا ہیں؟ اسم مفعول۔

یہ تو تھے اسم فاعل اور اسم مفعول، جب کہ ایک ہوتا ہے فاعل اور اسی طرح ایک ہوتا ہے مفعول۔ فاعل اس کو کہتے ہیں جس کو فعل یا شبہ فعل رفع دے، ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل زَيْدٌ مرفوع لفظًا اس کا فاعل۔ یہ زید کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، کس نے؟ ضَرَبَ نے۔ اسی طرح زَيْدٌ ضَارِبٌ اس کی کیا ترکیب کرتے تھے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، ضَارِبٌ صیغہ اسم فاعل اور اسم فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ پہلے بیان ہو چکا فاعل چاہیے بھئی۔ آگے کوئی فاعل والا لفظ تو ہے نہیں تو اسی کے اندر کیا کریں گے؟ ضمیر نکال لیں گے کیونکہ فاعل تو ضرور اس کے لیے چاہیے۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ اس کا فاعل ہے، وہ کیا ہے اس کا؟ فاعل ہے۔ تو یہ هُوَ ضمیر کو

رفع کس نے دیا؟ ضَارِبٌ نے۔ اسی طرح ضَرَبَ زَيْدٌ یہاں زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے۔ تو یہ ہیں فاعل بھئی۔ یہ زَيْدٌ یہ فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے، یہ هُوَ جو ضمیر تھی یہ فاعل ہے ضَارِبٌ کے لیے۔ معلوم ہوا فعل بھی رفع دیتا ہے، اسم فاعل بھی کیا کرتا ہے؟ رفع دیتا ہے بھئی، یہ کیا کرتا ہے؟ رفع دیتا ہے۔

تو فاعل کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے وہ ہے فاعل۔ ضَرَبَ زَيْدٌ میں زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ یہاں ضَارِبٌ کے اندر هُوَ ضمیر کیا ہے؟ فاعل۔ تو دیکھا اسم فاعل اور فاعل میں فرق سمجھ میں آگیا۔ اسم فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ ہے، وہ مخصوص وزن کا نام ہے جو کس میں پڑھا آپ نے؟ گردانوں میں ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مَانِعٌ، مُكْرِمٌ وغیرہ بھئی۔ اور فاعل کس کا نام ہے؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ اسم فاعل کس کا نام ہے؟ وہ جو مخصوص صیغے ہیں گردان میں آپ نے پڑھے۔ اور فاعل کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے وہ ہے فاعل۔

■ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» کی تشریح

اسی طرح ہے ایک مفعول اور ایک ہے اسم مفعول۔ مفعول تو وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، ضَرَبَ نے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا یہ عَمْرًا مفعول ہے۔ اور ایک ہوتا ہے اسم مفعول، اسم مفعول وہ گردان کے اندر جو مخصوص صیغہ آپ نے پڑھا مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، مَمْنُوعٌ، مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، مُكَرَّمٌ وغیرہ بھئی۔ تو معلوم ہوا اسم مفعول وہ کس کا نام ہے؟ اس مخصوص صیغے کا نام ہے۔ اور مفعول کس کا نام ہے؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دیتا ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

تو میں ذکر کر رہا تھا الف لام کی قسمیں بھئی۔ میں نے بتلایا الف لام دو قسم پر ہے، ایک الف لام اسمی ہے، ایک الف لام حرفی ہے۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل یا اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو۔ معلوم ہوا الضَّارِبُ، ضَارِبٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسم فاعل، اس پر الف لام آیا الضَّارِبُ۔ تو دیکھیے یہ الف لام کون سا ہے، اسمی ہے یا حرفی ہے؟ اسمی ہے کیونکہ اسم فاعل کے صیغے پر جو الف لام آئے وہ کیا ہوتا ہے؟ الف لام اسمی۔ اسی طرح میں کہتا ہوں الْمَضْرُوبُ، یہ الف لام کس پر داخل ہوا؟ مَضْرُوبٌ پر اور مَضْرُوبٌ کیا ہے؟ اسم مفعول اور اسم مفعول کے صیغے پر جو الف لام آئے وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ اسمی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا الضَّارِبُ پر جو الف لام آیا وہ بھی الف لام اسمی، الْمَضْرُوبُ پر جو الف لام آیا یہ بھی کیا ہے؟ الف لام اسمی ہے۔

یاد رکھیے اس کو اسمی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اگرچہ حرف جیسی صورت ہے لیکن دراصل یہ اسم ہے، یہ اسم موصول ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسم موصول۔ یہ الضَّارِبُ میں جو الف لام آیا یہ بمعنی الَّذِي کے ہے، اسی طرح الْمَضْرُوبُ میں جو الف لام آیا وہ بھی الَّذِي کے معنی میں ہے بھئی۔ تو یہ دراصل کیا ہے؟ اسم ہے، حرف ہے ہی نہیں، یہ اسم موصول ہے۔ اسم کی اقسام میں اسم موصول پڑھایا نہیں نحو کے اندر آپ نے؟ تو یہ بھی اسم ہے باقاعدہ بھئی، کیا ہے؟ اسم ہے۔ تو یہ اسم موصول ہے البتہ آیا الف لام کی شکل میں۔ تو دراصل ہے یہ اسم بھئی۔

اور آپ نے پڑھا ہے اسم موصول جب بھی استعمال ہوتا ہے صلے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ، اور صلہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ، مفرد نہیں، پورا جملہ چاہیے۔ کیونکہ میں نے آپ کو بتایا تھا اسم موصول میں اتنا زیادہ ابہام ہوتا ہے، اس کے صرف الَّذِي کہیں کسی کو سمجھ میں نہیں آتا کہ کون مراد ہے اس سے، آگے پورا ایک جملہ چاہیے جو اس کے ابہام کو دور کر دے۔ کیونکہ الَّذِي کا کیا معنی؟ وہ جو کہ، وہ جو کہ۔ اب آپ سارا دن بھی وہ جو کہ کہتے رہیں کسی کو بات سمجھ میں نہیں آئے گی یہ کس کی بات کر رہا ہے بھئی، کون مراد ہے؟ ہاں جب آگے آپ پورا جملہ کہہ دیں گے وہ جو کہ کل آپ کے پاس آیا تھا، اب اس کو سمجھ میں آگئی بات کی کہ معلوم ہوا کہ اس فلاں آدمی کی بات ہو رہی ہے بھئی۔

تو اسم موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ، اور صلہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی الضَّارِبُ میں الف لام اسمی ہے اور یہ ضَارِبٌ اس کا صلہ ہے، ضَارِبٌ کیا ہے اس کا؟ صلہ ہے۔ الْمَضْرُوبُ میں الف لام اسمی ہے اور مَضْرُوبٌ یہ مفعول کا صیغہ جو ہے اسم مفعول کا صیغہ یہ اس کا صلہ ہے۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ موصول کا صلہ تو ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، یہ تو ضَارِبٌ اور مَضْرُوبٌ یہ تو صرف کیا ہیں مفرد ہیں جملہ نہیں حالانکہ صلہ ہمیشہ کیا چاہیے؟ جملہ۔ جواب یہ کہ یہ اسم موصول چونکہ الف لام کی صورت اختیار کر لی اس نے، کس کی صورت؟ الف لام، یہ الف لام کی صورت میں آیا ہے یہ اسم موصول اور الف لام تو ہمیشہ مفرد پر داخل ہوتا ہے، کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے، پورے جملے پر داخل نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے صلے کو، اس کا صلہ دراصل جملہ تھا، کیا تھا؟ جملہ تھا لیکن ہم نے بھی اس کو پھر مفرد والی صورت دے دی، کون سی صورت دے دی؟ مفرد۔

یعنی یہ ضَارِبٌ اصل میں يَضْرِبُ تھا، کیا تھا؟ يَضْرِبُ۔ تو الضَّارِبُ یہ بمعنی ہے الَّذِي يَضْرِبُ کے، الَّذِي يَضْرِبُ وہ شخص جو پٹائی کرتا ہے، وہ جو پٹائی کرتا ہے۔ تو دیکھو الَّذِي اسم موصول، يَضْرِبُ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ، جملہ ہو کر یہ صلہ، موصول اپنے صلے سے پھر مل کر جو بھی بنے گا جملے کے اندر چاہے مبتدا بنے چاہے خبر بنے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو الضَّارِبُ اصل میں کیا تھا؟ الَّذِي يَضْرِبُ، پھر کیا کیا گیا؟ الَّذِي کو کون سی صورت دی گئی؟ الف لام والی۔ اور جب الف لام والی صورت دے دی گئی یہ اب الف لام تو يَضْرِبُ پر داخل نہیں ہو سکتا، جملے پر داخل نہیں ہو سکتا تو يَضْرِبُ کو بھی کون سی صورت دے دی؟ ضَارِبٌ والی صورت دے دی تو کیا بن گیا؟ الضَّارِبُ۔ معلوم ہوا الضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِي يَضْرِبُ کے معنی میں۔

■ قولہ: «الَّذِي يُضْرَبُ» کی تشریح

اسی طرح الْمَضْرُوبُ بھئی، یہ اصل میں تھا الَّذِي يُضْرَبُ، وہ جس کی پٹائی کی جاتی ہے۔ پھر کیا کیا گیا؟ الَّذِي کو کون سی صورت دے دی گئی؟ الف لام والی۔ اور الف لام تو داخل ہوتا ہے مفرد لفظ پر جملے پر نہیں تو يُضْرَبُ کو بھی کون سی صورت دے دی گئی؟ مَضْرُوبٌ والی صورت دے دی تو کیا بن گیا؟ الْمَضْرُوبُ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا الضَّارِبُ کس معنی میں؟ الَّذِي يَضْرِبُ، اور الْمَضْرُوبُ کس معنی میں؟ الَّذِي يُضْرَبُ کے معنی میں۔ تو یہ ہے الف لام اسمی۔

بھئی اتنا آپ کو پتا چل گیا اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر جو الف لام ہوتا ہے یہ دراصل اسم موصول ہے، یہ حرف ہے ہی نہیں، اور یہ الف لام اسمی کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ الف لام اسمی۔ اور یہ کسی لفظ کو معرفہ نہیں بناتا یہ خود ہی معرفہ ہے، کیونکہ اسم موصول ہے نا اور اسم موصول کس کی قسم ہے؟ معرفہ کی۔ چھ سات قسمیں اسی باب کے شروع میں بیان کی تھیں کہ معرفہ کیا ہے ضمیر بھی معرفہ اور اسم اشارہ بھی معرفہ اور علم بھی معرفہ اور اسی طرح اسم موصول، تو یہ خود ہی معرفہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ خود ہی معرفہ ہوتا ہے۔

جب کہ دوسرا الف لام حرفی ہے بھئی، حرفی۔ الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی لفظ کو معرفہ بنایا جاتا ہے۔ رَجُلٌ نکرہ تھا اس پر الف لام آیا الرَّجُلُ تو اس نے الرَّجُلُ کو کیا بنا دیا؟ معرفہ بنا دیا۔ یہ الف لام حرفی ہے، کیا ہے؟ الف لام حرفی۔ اچھا اب آپ مجھے بتائیے الْقَلَمُ، الْقَلَمُ یہ الف لام اسمی ہے یا حرفی ہے؟ حرفی ہے، کیسے آپ کو پتا چلا؟ ہاں کیونکہ قَلَمٌ یہ تو اسم فاعل کا صیغہ تو نہیں ہے، یہ اسم مفعول کا صیغہ تو نہیں ہے جس پر الف لام آیا۔ ہاں اگر یہ اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ ہوتا تو اس پر جو الف لام داخل ہوتا وہ کون سا ہوتا؟ الف لام اسمی۔ لیکن یہ اسم فاعل اور اسم مفعول نہیں تو معلوم ہوا اس پر الف لام جو آیا وہ اسمی بھی نہیں بلکہ کیا ہے؟ حرفی ہے بھئی، تو یہ الف لام حرفی ہے اس طرح پہچانیں گے اس کو بھئی۔

اور یہ الف لام حرفی اس کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ کسی اسم کو معرفہ بنایا جاتا ہے۔ اور اس کی بہترین تعبیر بھی یاد رکھیے کہ جو الف لام حرفی ہوتا ہے اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا بھئی الف لام حرفی کی جو تعریف میں نے کی کہ اس کے ذریعے کسی اسم کو کیا کیا جاتا ہے؟ معرفہ بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی اسم کو معرفہ بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

پھر یاد رکھیے الف لام حرفی جو ہے یہ چار قسم پر ہے یہ آگے کتاب میں بھی بیان کریں گے۔ آپ نے بھی پڑھی ہوں گی نحو کے اندر الف لام کی قسمیں، الف لام جنسی ہے، الف لام استغراقی ہے، الف لام عہد خارجی ہے اور الف لام عہد ذہنی ہے۔ کتنی قسمیں الف لام حرفی کی؟ چار۔ الف لام جنسی، الف لام استغراقی، الف لام عہد خارجی اور الف لام عہد ذہنی۔ بھئی دیکھیے آپ ابھی تک آپ نے شاید رٹا لگایا ہو اب میں آپ کو بتلاتا ہوں آپ خود پہچان لیا کریں گے کہ یہ الف لام کون سا ہے بھئی۔

بھئی دیکھیے ایک ہے پہلا ہے الف لام جنسی۔ اچھا الف لام جنسی کسے کہتے ہیں؟ بھئی ابھی میں نے تعریف کی تھی الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے، کیا کیا جائے؟ اشارہ کیا جائے۔ اب دیکھیے ایک لفظ ہے اس پر الف لام حرفی آیا اور آپ نے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس الف لام کے ذریعے اس چیز کی جنس اور حقیقت اور ماہیت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، افراد مراد نہیں۔ ایک ہوتی ہے چیز کی حقیقت اور ایک ہے چیز کے خارج میں جو افراد پائے جاتے ہیں جیسے انسان، انسان کی حقیقت کیا ہے؟ حیوان ناطق، یہ انسان کی حقیقت ہے بھئی۔ اور ایک ہیں انسان کے افراد زید، عمرو، بکر، خالد جن کو آپ دیکھتے ہیں اپنی نگاہوں سے یہ کیا ہیں؟ انسان کے افراد ہیں۔ تو ایک ہوتی ہے حقیقت اور ایک ہوتے ہیں افراد۔ تو اگر ایک لفظ پر الف لام آئے تو الف لام ہے حرفی اور آپ نے پڑھا الف لام حرفی کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو آپ اس میں غور کریں کس چیز کی طرف اشارہ ہو رہا ہے؟ اگر اشارہ ہے جنس کی طرف، اس چیز کی حقیقت اور ماہیت کی طرف تو سمجھ جائیے یہ الف لام جنسی ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ الف لام جنسی ہے۔

اور اگر اشارہ جنس اور حقیقت کی طرف نہیں ہے بلکہ افراد کی طرف ہے تو پھر دیکھیں سارے افراد کی طرف اشارہ ہے یا بعض کی طرف؟ اگر سارے افراد کی طرف اشارہ ہے تو اس کو الف لام استغراقی کہیں گے بھئی، کیا کہیں گے؟ الف لام استغراقی، جب سارے افراد کی طرف اشارہ ہو جو خارج میں پائے جاتے ہیں۔ اور اگر سارے افراد کی طرف نہیں اشارہ، بعض افراد کی طرف اشارہ ہے، کس کی طرف؟ بعض، تو وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں۔ اگر وہ خارج میں متعین ہیں تو اس کو الف لام عہد خارجی کہیں گے، اور اگر وہ خارج میں متعین نہیں تو اس کو الف لام عہد ذہنی کہیں گے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا الف لام حرفی کتنی قسم پر؟ چار قسم پر۔ کیونکہ الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اگر اشارہ جنس کی طرف ہو یا یوں کہیں اشارہ حقیقت کی طرف ہو یا یوں کہیں اشارہ ماہیت کی طرف ہو، جنس، حقیقت، ماہیت سب کا ایک ہی معنی ہے اس لیے میں تینوں لفظ بول رہا ہوں۔ اگر اشارہ کس کی طرف ہو؟ جنس اور حقیقت کی طرف ہو تو اس کو کیا کہیں گے؟ الف لام جنسی کہیں گے۔ اگر اشارہ افراد کی طرف ہو پھر اس میں غور کرو کہ سارے افراد مراد ہیں یا بعض افراد؟ اگر سارے افراد مراد ہوں تو یہ الف لام کون سا ہے؟ استغراقی ہے۔ اور اگر بعض افراد مراد ہیں تو پھر دیکھو یہ بعض افراد متعین افراد ہیں یا غیر متعین بھئی؟ اگر وہ متعین ہیں تو یہ الف لام عہد خارجی ہے اور اگر خارج میں وہ افراد متعین نہیں تو یہ پھر الف لام عہد ذہنی ہے بھئی، الف لام عہد ذہنی۔

■ قولہ: «الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، الرَّجُلُ...» کی تشریح

بھئی دیکھیے مثالوں سے اور زیادہ وضاحت ہو جائے گی۔ آپ کہتے ہیں الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، الرَّجُلُ پر الف لام آیا بھئی۔ یہ اب الف لام کون سا ہے، اسمی ہے یا حرفی ہے؟ حرفی۔ الف لام حرفی ہے کیونکہ رَجُلٌ یہ اسم فاعل یا اسم مفعول تو نہیں، ضَارِبٌ یا مَضْرُوبٌ جیسا صیغہ تو نہیں تو معلوم ہوا یہ الف لام کون سا؟ حرفی ہے۔ اچھا حرفی، اسی طرح الْمَرْأَةُ، الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، الْمَرْأَةُ پر بھی الف لام آیا۔ یہ کون سا الف لام ہے، اسمی ہے یا حرفی ہے؟ حرفی۔ یہ بھی حرفی ہے بھئی کیونکہ مَرْأَةٌ یہ اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ نہیں۔ اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ ہو پھر تو الف لام اسمی ہے ورنہ کون سا ہے الف لام؟ حرفی۔

معلوم ہوا اب اتنا تو طے ہو گیا یہ الف لام حرفی ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ یہ الف لام حرفی تو چار قسم پر ہے یہ کون سی قسم میں سے ہے؟ میں نے کیا بتلایا؟ الف لام جنسی ہو گا پھر یا استغراقی ہو گا یا عہد خارجی ہو گا یا عہد ذہنی۔ اب ہم دیکھتے ہیں غور کرتے ہیں کہ یہاں الرَّجُلُ سے کیا مراد، الف لام کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے تو اشارہ جنس کی طرف ہے یا افراد کی طرف ہے؟ بھئی افراد کی طرف اشارہ درست نہیں بنتا۔ الرَّجُلُ کا کیا معنی بنے گا؟ جی؟ تمام افراد اگر الف لام استغراقی مراد لے لیں، تمام افراد رجل جو خارج میں پائے جاتے ہیں خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ وہ بہتر ہیں تمام افراد امراۃ سے یعنی یوں کہیں افراد رجل یعنی رجل کے جو افراد ہیں وہ عورت کے افراد سے، اس جنس کے افراد سے بہتر ہیں، یہ معنی درست نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ مرد عورت سے افضل ہو۔ آپ بھی دیکھتے ہیں ایک عورت ہے ایمان والی اور مرد ہے کافر، کون افضل اور بہتر بھئی؟ عورت افضل ہے دیکھو۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ تو ضروری نہیں کہ مرد عورت سے کیا ہو؟ افضل۔ عورت بھی مرد سے افضل ہو سکتی ہے جیسے میں نے مثال ذکر کر دی۔

یاد رکھیے یہ الرَّجُلُ میں الف لام جنسی ہے، کیا ہے؟ جنسی، جنس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ یعنی جنس رجل یہ افضل ہے، بہتر ہے جنس امراۃ سے۔ جنس رجل کیا ہے؟ بہتر ہے جنس امراۃ سے۔ یعنی یہ جو جنس ہے یہ افضل ہے اس جنس سے، یہ جنس یعنی رجل کی جنس یہ اعلی ہے اس جنس سے، کس سے؟ عورت کی جنس سے بھئی، اللہ نے مرد کو فضیلت دی ہے عورت پر۔ تو یہاں جنس مراد ہے افراد نہیں، کیونکہ ابھی میں نے مثال ذکر کر دی کیونکہ افراد تو عورت کے بھی بہتر ہو سکتے ہیں مرد کے مقابلے میں۔ ہاں البتہ جنس اعلی ہے مردوں کو اللہ نے فضیلت دی ہے۔ تو ترجمہ کیا کریں؟ مرد کو فضیلت ہے عورت پر، مرد کو فضیلت ہے اور کیا مراد ہیں، افراد یا جنس مراد ہے؟ جنس مراد ہے افراد نہیں۔ اور اسی طرح ایک فاسق آدمی ہے اور ایک نیک عورت ہے، کون افضل ہے؟ نیک عورت ظاہر سی بات تو افراد تو عورت کے بھی افضل ہو سکتے ہیں لیکن یہاں افراد مراد نہیں، اگر افراد مراد لیں پھر معنی صحیح نہیں بنتا۔ معنی کیا بنے گا؟ افراد رجل بہتر ہیں کس سے؟ افراد امراۃ سے، حالانکہ ہمیشہ ایسا ہوتا ہے؟ نہیں، ابھی میں نے مثالیں ذکر کر دیں عورت بھی افضل ہو سکتی ہے لہذا وہ معنی صحیح نہیں بنتا۔ معلوم ہوا یہاں کیا مراد ہے؟ جنس۔ جنس رجل اعلی ہے کس سے؟ جنس امراۃ سے بھئی کہ مرد کو اللہ نے فضیلت دی ہے بھئی۔ تو یہاں الف لام کون سا ہے الف لام؟ جنسی ہے، افرادیت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ جنس کی طرف اشارہ ہے کہ جنس یہ جو رجل جو ہے اس کی جو جنس ہے وہ اعلی ہے کس سے؟ جنس امراۃ سے بھئی۔ بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ مشکل ہو گئی؟

دوسرا یہ تھا الف لام جنسی، دوسرا ہے الف لام استغراقی۔ الف لام استغراقی وہ ہے جس کے ذریعے تمام افراد کی طرف اشارہ ہو، تمام افراد کی طرف، وہاں جنس کی طرف اشارہ نہیں ہو گا۔ جیسے قرآن میں ہے بھئی إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ تو دیکھیے الْإِنْسَانَ پر الف لام آیا، یاد رکھیے یہ الف لام استغراقی ہے۔ اور الف لام استغراقی کس کو کہتے تھے؟ جس میں تمام افراد کی طرف اشارہ ہو، تمام افراد اس سے مراد ہوں۔ تو کیا ترجمہ کریں گے؟ إِنَّ الْإِنْسَانَ یقیناً تمام انسان یعنی تمام افراد انسان جو ہیں لَفِي خُسْرٍ وہ البتہ خسارے میں ہیں، تمام افراد انسان البتہ خسارے میں ہیں إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں الف لام جو الْإِنْسَانَ پر آیا وہ الف لام استغراقی ہے اور اس کے ذریعے اشارہ ہے تمام افراد انسان کی طرف، یہاں جنس یا حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ افراد مراد ہیں اور افراد بھی تمام مراد ہیں اس لیے کیونکہ اگر تمام افراد مراد نہ لیں تو پھر آگے استثنا صحیح نہیں بنتا، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ تو إِلَّا آیا، إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ استثنا کے لیے۔ استثنا کے لیے تو اسی افراد انسان میں سے بعض افراد کو نکالا جا رہا ہے اس حکم سے، تو یہ ہے استثنا۔ استثنا بھی جانتے ہیں یا نہیں بھئی؟ ایک مستثنیٰ متصل ہوتا ہے، ایک مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے۔ مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ ہاں مستثنیٰ متصل وہ ہے جو مستثنیٰ منہ کے حکم میں پہلے داخل تھا پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال دیا گیا۔ اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو مستثنیٰ متصل کے حکم میں داخل نہ ہو البتہ اس کو ذکر إِلَّا کے بعد کر دیا گیا مثلاً۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

اچھا اب آپ ذرا مجھے بتایئے بھئی کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا مستثنیٰ منقطع ہے؟ جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ میرے پاس درجہ ثالثہ کے طلبہ آئے إِلَّا زَيْدًا۔ جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ إِلَّا زَيْدًا میرے پاس درجہ ثالثہ والے طلبہ آئے سوائے زید کے، بتایئے یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ جی؟ ہاں آپ کہہ رہے ہیں متصل کہہ رہے ہیں، معلوم ہوا مستثنیٰ کا علم نہیں ابھی آپ کو۔ یاد رکھیے یہ آپ حکم کبھی بھی نہیں لگا سکتے یہاں پر کہ متصل ہے یا منقطع ہے جب تک آپ کو پوری بات کا پتا نہیں ہو گا۔ صرف جملے کو دیکھ کر آنکھیں بند کر کے آپ نے حکم نہیں لگانا۔ بلکہ یہ دیکھیں ذرا إِلَّا اور إِلَّا کے مابعد کو ختم کر دیں۔ کیا جملہ رہ گیا؟ جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ میرے پاس درجہ ثالثہ والے آئے۔ کیا اس میں زید شامل ہے یا شامل نہیں؟ اگر زید ان میں شامل ہے، صرف اس جملے کو دیکھیں جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ، اگر زید بھی درجہ ثالثہ والوں میں سے ہے پھر تو إِلَّا زَيْدًا مستثنیٰ متصل بنے گا۔ اور اگر وہ درجہ ثالثہ میں پڑھتا ہی نہیں، وہ تو کسی اور درجے میں پڑھتا ہے تو پھر یہ

إِلَّا زَيْدًا مستثنیٰ منقطع بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ منقطع۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ مستثنیٰ متصل اور منقطع کو اچھی طرح سمجھ لیں بھئی ہمیشہ آپ کے کام آئے گا۔ کہ مستثنیٰ متصل اس کو کہتے ہیں جو پہلے حکم میں داخل ہو پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے اس حکم سے نکال دیا جائے۔ لہٰذا اگر زید بھی درجہ ثالثہ میں پڑھتا ہے تو اب میں جب کہوں گا آپ سے جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ، میں نے آپ سے کیا کہا میرے پاس کون آئے؟ درجہ ثالثہ والے آئے اور آپ ان سب کو جانتے ہیں اور یہ بھی آپ کو پتا ہے زید بھی ان میں سے ہے، تو آپ کیا سمجھے کہ زید میرے پاس آیا ہے یا نہیں آیا؟ صرف اس جملے کو دیکھو استثنا کو چھوڑ دو، جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ اتنا جملہ ہے، إِلَّا زَيْدًا ابھی میں نے نہیں کہا۔ جب میں نے کیا کہا جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ میرے پاس درجہ ثالثہ والے آئے اور آپ ان ساروں کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟ آپ ان ساروں کو جانتے ہیں اور زید بھی اس میں پڑھتا ہے یا نہیں پڑھتا؟ زید بھی اسی میں پڑھتا ہے۔ تو جب میں نے صرف اتنا جملہ آپ سے کہا جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ میرے پاس تیسرے درجے والے طلبہ آئے تھے، آپ کیا سمجھے زید آیا ہے یا نہیں؟ آیا ہے۔ دیکھا یہ طلبہ درجہ ثالثہ میں زید شامل ہے۔ اب آگے جب میں کہوں گا إِلَّا زَيْدًا، اب میں نے زید کو ان محیئت کے حکم سے نکال دیا۔ معلوم ہوا باقی درجہ ثالثہ والوں کے لیے محیئت ہے، وہ آئے ہیں لیکن زید کے لیے محیئت والا حکم نہیں، وہ آیا نہیں۔ تو دیکھو یہ إِلَّا اگر نہ ہوتا تو زید بھی ان میں شامل تھا لیکن إِلَّا نے کیا کیا؟ زید کو اس محیئت کے حکم سے نکال دیا کہ معلوم ہوا وہ نہیں آیا باقی آئے ہیں، تو یہ ہے مستثنیٰ متصل۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے حکم میں داخل تھا پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے نکال دیا، یہ ہے مستثنیٰ متصل۔

■ قولہ: «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَة» کی تشریح

جب کہ بعینہ یہی جملہ مستثنیٰ منقطع کے لیے بھی ہو سکتا ہے، کس طرح؟ اب دوسری صورت بناؤ۔ میں نے آپ سے یہی جملہ کہا جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ میرے پاس کون سے درجے والے آئے؟ درجہ ثالثہ والے طلبہ آئے۔ اور آپ ان سب کو جانتے ہیں اور زید تو ان میں نہیں پڑھتا یہ بھی آپ جانتے ہیں، اب دوسری صورت ہے فرض کریں اب زید ان میں نہیں پڑھتا بلکہ زید تو رابعہ میں پڑھتا ہے یا خامسہ میں پڑھتا ہے۔ تو جب میں نے آپ سے کہا جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ میرے پاس درجہ ثالثہ والے طلبہ آئے تو آپ جانتے ہیں کہ زید، تو اب آپ مجھے بتایئے زید بھی آیا ہے یا نہیں؟ نہیں، کیونکہ زید تو ان میں داخل ہی نہیں، میں تو صرف کس کی بات کر رہا ہوں؟ درجہ ثالثہ والوں کی اور زید تو ثالثہ میں پڑھتا ہی نہیں ہے وہ ان میں شامل ہی نہیں ہے، تو زید ان میں پہلے سے داخل نہیں ہے۔ اب آگے پھر میں کہتا ہوں إِلَّا زَيْدًا، اب یہ کون سا مستثنیٰ؟ یہ منقطع ہے کیونکہ یہ پہلے سے ہی ان میں داخل نہیں۔

تو معلوم ہوا مستثنیٰ إِلَّا کے لانے سے پہلے اگر وہ ماقبل میں داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکالا گیا اس حکم سے تو یہ کیا ہو گا؟ مستثنیٰ متصل۔ اور اگر وہ داخل تھا ہی نہیں پھر بھی اس کو إِلَّا کے ساتھ ذکر کر دیا گیا تو یہ کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہی جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ إِلَّا زَيْدًا یہ مستثنیٰ متصل کی مثال بھی ہو سکتی ہے اور یہ مستثنیٰ منقطع کی مثال بھی ہو سکتی ہے۔ تو مستثنیٰ متصل تب ہی کہیں گے جب آپ کو یقینی طور پر پتا ہو کہ زید ان میں داخل تھا پھر إِلَّا کے ذریعے نکال دیا گیا، اور مستثنیٰ منقطع تب اس کو کہیں گے جب آپ کو یقینی طور پر پتا ہو کہ زید تو ان کے ساتھ پڑھتا ہی نہیں ہے تو لہٰذا یہ کیا ہو گا؟ مستثنیٰ منقطع ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

ہاں نحو کی کتابوں میں مستثنیٰ منقطع کی مثال ذکر کرتے ہیں جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا، کیونکہ وہ بہت واضح مثال ہے اس لیے ذکر کرتے ہیں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ میرے پاس وہ لوگ آئے إِلَّا حِمَارًا سوائے گدھے کے۔ اب دیکھو گدھے کا إِلَّا کے ساتھ استثنا کیا گیا اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ حمار الْقَوْمُ میں داخل نہیں کیونکہ الْقَوْمُ مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ مردوں کی جماعت، اور گدھا وہ تو انسان ہے ہی نہیں۔ تو جب مردوں کی جماعت کا ذکر ہوا وہ تو ان کے اندر داخل ہی نہیں ہے یقینی اور قطعی طور پر۔ جب جَاءَنِي الْقَوْمُ میں نے کہا وہ لوگ میرے پاس آئے، کوئی متعین جماعت مراد ہے تو اب کیا گدھا بھی ان میں شامل ہے؟ إِلَّا حِمَارًا کو ذرا ختم کرو، جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تو کیا حمار ان میں داخل ہے؟ آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، کیونکہ وہ تو ان میں داخل ہی نہیں۔ میں نے تو الْقَوْمُ کا لفظ ذکر کیا اور الْقَوْمُ تو مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں تو معلوم ہوا صرف وہ جو متعین مرد ہیں وہ میرے پاس آئے ہیں۔ پھر یہ پہلے بھی داخل نہیں تھا پھر إِلَّا حِمَارًا إِلَّا کے ساتھ حمار کو ذکر کر دیا گیا، یہ تو پہلے ہی داخل نہیں تھا تو معلوم ہوا یہ کون سا مستثنیٰ ہے؟ مستثنیٰ منقطع ہے۔

بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو مستثنیٰ کتنی قسم پر؟ دو پر، ایک متصل ایک منقطع۔ متصل وہ ہے جو اگر إِلَّا اور اس مستثنیٰ کو ختم کر دیں تو وہ ان میں داخل ہو، پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو کیا کر دیا گیا؟ نکال دیا، یہ معلوم ہوا متصل ہے، پہلے داخل تھا پھر نکال دیا گیا۔ اور منقطع جو پہلے داخل ہی نہ ہو بھئی۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے مستثنیٰ متصل اور منقطع۔

تو بات یہاں چل رہی تھی إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں، یہاں پر الف لام کون سا مراد لیا گیا؟ الف لام استغراقی۔ یہ تمام والا لفظ ترجمے میں میں جو لا رہا ہوں تمام انسان یہ کس کا ترجمہ کر رہا ہوں؟ الف لام کا، یہ الف لام کے ذریعے جو اشارہ ہوا تمام افراد کی طرف۔ تو یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں تو الف لام کون سا بنایا گیا یہاں پر؟ آپ تفاسیر اٹھائیں گے مفسرین حضرات نے وہاں لکھا ہو گا کہ یہ الف لام استغراقی ہے۔ اب وجہ کیا کہ یہ الف لام استغراقی کیوں ہے؟ وجہ یہ

کہ آگے إِلَّا آرہا ہے اور إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ استثنا کے لیے، استثنا کے لیے۔ اور آگے استثنا تب ہی صحیح بنے گا جب اس الف لام کو الف لام استغراقی بنایا جائے۔ جب تمام انسان مراد لے لیے، تمام انسان خسارے میں ہیں کوئی فرد بھی نہیں بچا، تمام انسان کس میں ہیں؟ خسارے میں، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا کچھ لوگوں کو نکال لیا گیا اس میں سے، تو پہلے داخل تھے اب کیا کر دیا گیا؟ نکال لیا گیا، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے رہے ہیں۔ تو یہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہیں یہ بھی تمام انسانوں میں شامل تھے یا نہیں؟ ہاں شامل تھے، پھر إِلَّا کے ساتھ ان کو نکال لیا گیا تو یہ کون سی قسم بن گئی؟ مستثنیٰ متصل ہوا، کیا ہوا؟ مستثنیٰ متصل۔

ہاں تو یہ الْإِنْسَانَ میں الف لام استغراقی اس لیے لیا گیا کیونکہ اگر الف لام استغراقی نہ لیں تو آگے جو إِلَّا کے بعد ہے اس کو نہ مستثنیٰ متصل بنایا جا سکتا ہے نہ مستثنیٰ منقطع بنایا جا سکتا ہے۔ اور مستثنیٰ کی تو دو ہی قسمیں ہیں یا متصل ہو گا یا منقطع۔ آگے پتا ہی نہیں چلے گا کہ اس کو متصل یہ متصل ہے یا منقطع ہے۔ تو لہٰذا اس لیے اس الف لام کو کس معنی پر محمول کیا گیا؟ استغراق کے معنی پر اور اب مستثنیٰ صحیح ہو گیا کہ پہلے یہ ان میں داخل تھے پھر ان کو کیا کر دیا گیا اس سے؟ نکال دیا، معلوم ہوا یہ مستثنیٰ متصل ہے۔

بھئی کیوں؟ اگر اس کو الف لام استغراقی نہ بنائیں، میں نے ابھی آپ کو بتایا اگر الْإِنْسَانَ میں الف لام کو استغراقی نہ بنائیں تو مستثنیٰ متصل بھی نہیں بنتا یہاں، مستثنیٰ منقطع بھی نہیں بنتا۔ کیونکہ متصل کہتے کس کو ہیں مستثنیٰ متصل؟ جو پہلے داخل تھا پھر کیا کر دیا گیا؟ نکال دیا گیا، اور منقطع کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل ہی نہیں تھا لیکن إِلَّا کے بعد اس کو ذکر کر دیا گیا۔ تو بھئی یہاں جب الف لام استغراقی نہیں تو پھر تعیین ہی نہیں ہو سکتی کہ اس سے متصل مراد لیں یا منقطع، کوئی ایک بھی کسی کی بھی تعیین نہیں ہو رہی، پتا ہی نہیں چلے گا پھر تو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ حالانکہ پتا تو چلنا چاہیے یہ متصل ہے یا منقطع، جب پتا ہی نہیں چل رہا تو کیا بنائیں گے اس کو؟ متصل بھئی کیوں بنا رہے ہیں اس کی بھی وجہ نہیں پھر سمجھ میں آرہی، منقطع بنا رہے ہیں پھر بھی، لہٰذا ایک صورت ہے الف لام کون سا مراد لے لو؟ استغراقی، اب مستثنیٰ متصل آرام سے بن جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ انسان کی حقیقت، جنسی لے لیں؟ ہاں حقیقت انسان خسارے میں ہے، معلوم ہوا افراد نہیں خسارے میں، کہ کوئی فرد خسارے میں نہیں ہے پھر تو یہ معنی بن جائے گا الف لام جنسی مراد لیں۔ حقیقت نہیں خسارے میں نقصان میں بھئی، سمجھ میں آیا؟ کون نقصان میں ہیں؟ افراد نقصان میں ہیں بھئی، نقصان میں ہیں خسارے میں ہیں۔

اس کے بعد ہے الف لام عہد خارجی۔ الف لام عہد خارجی وہ ہے جس کے ذریعے اشارہ افراد کی طرف ہے لیکن تمام افراد کی طرف نہیں بلکہ بعض کی طرف اور وہ بعض بھی متعین ہو گا۔ وہ کیا ہوں گے؟ وہ بعض بھی متعین ہوں گے۔ مثلاً میں آپ سے ذکر کرتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، ایک مرد آیا تھا۔ میں نے رَجُلٌ نکرہ ذکر کیا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے پھر اس کا اکرام کیا۔ تو جب ایک دفعہ چیز ذکر ہو جائے تو متعین ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک چیز کا ذکر آ گیا آپ کو پتا چل گیا یا نہیں؟ دیکھیے جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ گزشتہ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ الف لام کے، الرَّجُلُ پر میں الف لام لایا اور الف لام کے ذریعے اس متعین رجل کی طرف اشارہ کر دیا جس کا ابھی ذکر ہوا تھا۔ ترجمہ کیا ہو گا؟ فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ الرَّجُلُ کا کیا ترجمہ کر رہا ہوں؟ وہ آدمی یا اس آدمی، اور آپ بھی سمجھ گئے کون سا آدمی مراد ہے؟ جس کا ابھی میں نے ذکر کیا۔ آپ نے اس کو دیکھا نہیں، آپ کی ملاقات نہیں ہوئی لیکن ابھی میں نے ذکر کر دیا یا نہیں؟ جب میں نے کہہ دیا میرے پاس کل ایک آدمی آیا تھا پھر میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ آپ نے آدمی کو تو نہیں دیکھا لیکن یہ جو میں نے کہا نا اس آدمی، آپ میرا اشارہ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے؟ کون سا آدمی مراد ہے؟ جس کا ابھی میں نے ذکر کیا جو کل میرے پاس آیا تھا۔ دیکھا جب ایک دفعہ چیز آ جائے تو متعین ہو جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا بھی نہیں ہے اس کو، اس کا نام وغیرہ حلیے کسی چیز کا نہیں پتا اور میں پھر اشارہ کر رہا ہوں میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ اشارہ کر رہا ہوں یا نہیں؟ اور آپ میرا اشارہ سمجھ رہے ہیں یا نہیں سمجھ رہے؟ کیا سمجھ رہے ہیں کس کی طرف اشارہ ہے؟ جس کا ابھی جس کی میں نے ابھی بات کی، جس کا ابھی ذکر کیا تھا میں نے۔ تو دیکھو بغیر دیکھے بھی چیز متعین ہو جاتی ہے جب ایک دفعہ اس کا ذکر ہو جائے بھئی۔

■ قولہ: «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ» کی تشریح

ورنہ اگر یہ پیچھے جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ اس جملے کو ہٹا دیں، اب میں آپ سے سو دفعہ بھی آپ کو کہوں فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، آپ کو نہیں پتا چلے گا یہ کس آدمی کی بات ہو رہی ہے۔ لیکن جب ایک دفعہ پیچھے ذکر آ جائے جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، تو دیکھا آپ بھی سمجھ گئے معلوم ہوا یہ اس آدمی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جس کا ابھی اس نے ذکر کیا تھا متکلم نے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا ایک دفعہ چیز جب ذکر ہو جائے چاہے بے شک نہ دیکھی ہو لیکن کیا ہو جاتی ہے؟ متعین ہو جاتی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو پہلے جَاءَنِي رَجُلٌ میں نکرہ لایا کیونکہ آپ اس کو جانتے نہیں، نکرہ ایک آدمی آیا تھا میرے پاس، پھر آگے میں نے اب ایک دفعہ ہو گیا ذکر تو متعین ہوا اب میں اسی کے بارے میں بات کروں گا تو الف لام کے ساتھ اشارہ کر سکتا ہوں اس کی طرف فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔

تو الرَّجُلُ پر جو الف لام آیا اس کے ذریعے جنس رجل کی طرف اشارہ ہے؟ ہاں جنس کا اکرام نہیں ہو سکتا کس کا اکرام ہو سکتا ہے؟ افراد کا، معلوم ہوا افراد مراد ہے۔ اچھا افراد رجل سے تمام دنیا کے رجل مراد ہوں؟ نہیں، کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ کوئی آدمی کیا کر لے تمام دنیا کے مردوں کا کیا کر لے اکرام کر لے۔ اچھا پھر بعض معین مراد ہوں گے، ہاں اب ترجمہ ٹھیک بنتا ہے کہ وہ متعین فرد جس کا ابھی ذکر ہوا تھا وہ مراد ہے۔ میں بعض کا لفظ ساتھ ملاتا ہوں بعض متعین مراد ہوں گے، کیوں؟ کیونکہ وہ ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں، تین یا اس سے زیادہ بھی۔ الرَّجُلُ کا کیا معنی؟ وہ ایک آدمی۔ الرَّجُلَانِ کا کیا معنی؟ وہ دو آدمی۔ الرِّجَالُ کا کیا معنی؟ وہ کئی آدمی

جتنے بھی ہیں۔ تو اس الف لام کے ذریعے ایک مفرد پہ داخل ہو گا تو ایک کی طرف اشارہ ہو گا، تثنیہ پہ داخل ہو گا تو دو کی طرف اشارہ ہو گا، جمع پر داخل ہو گا تو کئی کی طرف اشارہ ہو گا کئی افراد کی طرف، تو اسی لیے میں بعض کا لفظ لا رہا ہوں۔ تو یہ الف لام عہد خارجی ہے، کیا ہے؟ الف لام عہد خارجی۔ الف لام عہد خارجی وہ ہے جس کے ذریعے بعض متعین افراد کی طرف اشارہ کیا جائے۔ دیکھو یہ رجل متعین تھا یا نہیں جس کی طرف میں نے اشارہ کیا؟ ایک دفعہ جب ذکر کر دیا تھا تو وہ متعین ہو گیا تھا اسی لیے آپ بھی میرا اشارہ سمجھ گئے کہ اس آدمی کی طرف اشارہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ الف لام عہد خارجی ہے۔

اور چوتھی قسم ہے الف لام عہد ذہنی، الف لام عہد ذہنی۔ الف لام عہد ذہنی یہ ہے کہ آپ ذہن میں ایک جنس کے افراد کسی فرد کا تصور کر لیتے ہیں، یا یوں کہیں آپ ذہن میں کسی جنس کا تصور کرتے ہیں اور جنس کا تصور بغیر افراد کے تو نہیں ہوتا۔ بھئی آپ ذرا ذہن میں حیوان ناطق کا تصور کریں، یہ انسان کی جنس ہے نا حقیقت ہے، جی حیوان ناطق کا تصور کریں، کر لیا؟ جیسے ہی حیوان ناطق کا تصور کیا اکیلا حیوان ناطق کا تصور ہوا یا ایک فرد آگیا آپ کے ذہن میں اس کا؟ ایک فرد آگیا، تو جنس کا تصور ہمیشہ کس کے ضمن میں ہوتا ہے؟ فرد کے، تو اس کا ایک فرد ذہن میں آجاتا ہے بھئی۔ میں نے آپ سے کہا گدھے کی حقیقت ہے حیوان ناہق، حیوان ناہق، میں نے کہا ذرا اس حیوان ناہق اس جنس کا ذرا ذہن میں تصور کرو۔ تصور کر لیا؟ دیکھو اکیلا حیوان ناہق جنس کا تصور اکیلا نہیں بلکہ گدھے کا ایک فرد آپ کے ذہن میں آگیا، اس کے ایک فرد کا آپ کے ذہن میں تصور آگیا۔ اسی طرح اور دیکھ لیجیے گھوڑے کی حقیقت ہے حیوان صاہل بھئی، صاہل ہنہنانے والا حیوان۔ اب ذرا حیوان صاہل اس حقیقت کا ذہن میں ذرا تصور کرو۔ آپ جیسے ہی اس حقیقت کا تصور کریں گے ذہن میں لائیں گے حیوان صاہل، اکیلی نہیں آئے گی یہ حقیقت، ایک فرد کے ضمن میں آئے گی یعنی ایک فرد آپ کے ذہن میں گھوڑے کا آجائے گا کہ یہ ہے جس کی حقیقت کیا ہے؟ حیوان صاہل ہے۔ حیوان ناطق کا تصور کریں گے ایک انسان کا تصور کوئی ایک انسان ذہن میں آجائے گا کہ یہ ہے حیوان ناطق بھئی۔ تو جنس کا اکیلا تصور نہیں ہوتا بلکہ کس کے ضمن میں تصور ہوتا ہے؟ فرد کے ضمن میں بھئی، جب جنس کا تصور کریں گے فرد ذہن میں آجائے گا۔ تو الف لام عہد ذہنی کی بات کر رہا ہوں جس کے ذریعے اشارہ فرد کی طرف بعض افراد کی طرف ہوتا ہے لیکن وہ افراد غیر معین ہوتے ہیں، کیا ہوتے ہیں؟ افراد غیر معین ہوتے ہیں۔

جیسے اس کی بڑی پیاری مثال بھئی دیکھیے قرآن میں، قرآن میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جو بھائی تھے وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابا جان آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتے، آج ہم جنگل میں شکار کھیلنے جا رہے ہیں آپ اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے یہ بھی وہاں کھیل کود لے گا کھا پی لے گا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام جو ہیں وہ پہلے اولاً تو تیار نہ ہوئے لیکن جب انہوں نے بڑا اعتماد دلایا تو ان کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیج دیا۔ اچھا تو جب وہ آئے اور آکر انہوں نے کہا کہ اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تو حضرت یعقوب علیہ السلام تیار نہ ہوئے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام فرمانے لگے أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ مجھے خوف ہے کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔

تو دیکھیے یہاں پر الذِّئْبُ آیا، الذِّئْبُ، ذِئْبٌ کہتے ہیں بھیڑیے کو اور اس پر الف لام آرہا ہے بھئی یہاں آیت کے اندر الذِّئْبُ۔ اب آپ مجھے بتائیے کیا الذِّئْبُ پر جو الف لام آیا یہ کون سا ہے، اسمی ہے یا حرفی ہے؟ حرفی ہے اسمی نہیں کیونکہ ذِئْبٌ یہ اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ تو نہیں تو یہ الف لام حرفی ہے۔ اچھا اب الف لام حرفی کے ذریعے تو کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو کیا یہاں جنس کی طرف اشارہ ہے؟ جنس کی طرف اشارہ نہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام یہ نہیں فرما رہے کہ مجھے خوف ہے کہ اس کو کھا جائے گا کیا؟ الذِّئْبُ جنس بھیڑیا، بھیڑیے کی جو جنس ہے اور حقیقت ہے وہ اس کو کھا جائے گی۔ کیونکہ حقیقت کسی چیز کی وہ کسی کو نہیں کھاتی بلکہ اس کے افراد کھاتے ہیں۔ بھیڑیے کی حقیقت نہیں کسی کو کھاتی بلکہ بھیڑیے کے جو افراد خارج میں پائے جاتے ہیں دنیا کے اندر وہ کھاتے ہیں۔ تو لہذا معلوم ہوا الف لام جنسی یہاں مراد نہیں۔

اچھا پھر معلوم ہوا افراد مراد ہیں جنس مراد نہیں، تو پھر تمام افراد بھی مراد لے سکتے ہیں یا نہیں کہ الف لام استغراقی ہو جائے؟ تمام افراد بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ پھر معنی ہو گا کہ مجھے خوف ہے کہ اس کو تمام دنیا کے بھیڑیے کھا جائیں گے، حالانکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ تمام دنیا کے بھیڑیے اکٹھے ہو جائیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہذا معلوم ہوا الف لام استغراقی بھی نہیں۔ اچھا پھر الف لام عہد خارجی بنا لیتے ہیں، الف لام عہد خارجی کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ خارج میں کسی معین فرد یا افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں الذِّئْبُ کا معنی ہو گا وہ بھیڑیا، ایک متعین بھیڑیے کی طرف اشارہ ہو جائے گا۔ خارج میں متعین ہے نا تو پھر ترجمہ یہ ہو گا حضرت یعقوب علیہ السلام گویا یوں فرما رہے ہیں مجھے خوف ہے کہ اس کو وہ والا بھیڑیا کھا جائے گا، کسی متعین بھیڑیے کی طرف اشارہ حالانکہ کوئی بھیڑیا وہاں متعین تھا؟ نہیں، کوئی بھیڑیا متعین نہیں۔ تو معلوم ہوا یہ آخری قسم الف لام عہد ذہنی رہ گئی، معلوم ہوا یہاں الف لام عہد ذہنی مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ الف لام عہد ذہنی۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ذہن میں جنس بھیڑیے کا تصور کیا، کس کا؟ جنس بھیڑیے کا، اور جنس بھیڑیا کس کے ساتھ آیا؟ اس کا ساتھ فرد بھی ذہن میں آگیا اور اس فرد کی طرف اشارہ کر دیا، اس فرد کی طرف۔ تو الذِّئْبُ سے مراد خارج میں کوئی متعین بھیڑیا نہیں بلکہ ذہن میں وہ جو ایک بھیڑیے کا کوئی ایک فرد آگیا اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ مجھے خوف ہے اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔

اور یاد رکھیے یہ جو الف لام عہد ذہنی جس لفظ پر داخل ہوتا ہے لفظوں کے اعتبار سے وہ معرفہ بن جاتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ الذِّئْبُ لفظوں میں یہ معرفہ بن گیا کیونکہ کون سا الف لام آیا؟ الف لام حرفی، اور الف لام جس حرف پر داخل ہو اس کو کیا بنا دیتا ہے؟ معرفہ۔ تو الذِّئْبُ کا لفظ کیا ہے؟ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ لیکن معنی کے اعتبار سے ابھی بھی نکرہ ہے۔ یعنی ذِئْبٌ کا کیا ترجمہ آپ کرتے ہیں؟ کوئی بھیڑیا، کوئی ایک بھیڑیا، اور الذِّئْبُ کا بھی وہی ترجمہ ہے کوئی بھیڑیا۔ چنانچہ اسی لیے ترجمہ کیا کریں گے؟ أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ مجھے خوف ہے کہ ان کو، اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ دیکھا؟ سمجھ میں آگئی بات؟

خلاصہ کلام یہ کہ الف لام دو قسم پر ہے، ایک الف لام اسمی، ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل یا اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو اور یہ دراصل اسم موصول ہوتا ہے بمعنی الَّذِي کے بھئی۔ اور دوسرا الف لام حرفی ہے۔ الف لام حرفی کے ذریعے کسی اسم کو معرفہ بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہو گا، یہ سب سے ضروری جملہ یاد رکھنا کہ الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ پھر اشارہ یا تو جنس کی طرف ہو گا یا کس کی طرف؟ افراد کی طرف۔ اگر جنس کی طرف اشارہ ہوا تو یہ الف لام جنسی ہے۔ اگر افراد کی طرف اشارہ ہے پھر دیکھیں غور کریں کہ تمام افراد کی طرف اشارہ ہے یا بعض افراد کی طرف اشارہ ہے؟ اگر تمام افراد کی طرف اشارہ ہو تو یہ الف لام استغراقی ہے۔ اور اگر بعض افراد کی طرف اشارہ ہو پھر غور کریں کہ وہ بعض افراد خارج میں متعین ہیں یا متعین نہیں؟ اگر وہ بعض افراد خارج میں متعین ہیں تو وہ کیا ہے الف لام؟ الف لام عہد خارجی۔ اور اگر وہ بعض افراد خارج میں متعین نہیں تو وہ الف لام عہد ذہنی ہے بھئی۔ تفصیل یاد رہے گی؟ کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہیں آئی؟ حل ہو گیا؟ مستثنیٰ متصل منقطع کا پتا چل گیا؟ ہاں اب صرف حمار پہ نظر نہ کرنا کہ حمار لفظ آئے گا تو منقطع بنائیں گے ورنہ نہیں بنانا، نہیں۔ خود دیکھو پہلے داخل تھا یا داخل نہیں۔ جہاں طے نہیں ہو سکتا کہ داخل تھا یا داخل نہیں تھا وہاں یہ بھی نہیں طے ہو سکتا کہ متصل ہے یا منقطع۔ پہلے طے ہو گا کہ یہ داخل تھا یا داخل نہیں، پھر آگے طے ہو گا کہ یہ متصل ہے یا مستثنیٰ منقطع ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھا چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۶: الف لام عہدِ ذکری، عہدِ ذہنی و عہدِ حضوری کے شواہد اور نکرہ و معرف باللام کے استغراق کے دو فروق

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۶ــــ بتاریخ: ۱۱ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا كَانَ الْغَرَضُ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ نَحْوُ الْإِنْسَانُ حَيْوَانٌ نَاطِقٌ، وَتُسَمَّى أَلْ جِنْسِيَّةً أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُودٍ مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں الف لام کی اقسام میں نے آپ کو بتلائی تھیں بھئی کہ الف لام جو ہے وہ دو قسم پر ہے، ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے اور یہ دراصل اسم موصول ہے، یہ حرف ہے ہی نہیں بلکہ کیا ہے؟ اسم موصول ہے۔ چنانچہ صاحب کافیہ جب اسمائے موصولہ ذکر کرتے ہیں وہاں پر اس الف لام کو بھی شمار کرتے ہیں، تو یہ کیا ہے؟ اسم موصول ہے۔ حرف یعنی الف لام جیسی صورت ہے لیکن یہ حرف ہے نہیں، یہ اسم ہے اور معرفہ ہے۔ تو یہ الَّذِي کے معنی میں ہو گا، تو الضَّارِبُ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِي يَضْرِبُ، اور الْمَضْرُوبُ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِي يُضْرَبُ کے معنی میں۔

جب کہ دوسرا الف لام حرفی ہے۔ الف لام حرفی وہ ہے جو کسی اسم پر داخل ہو کر اسے معرفہ بنا دیتا ہے اور اس الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہ تعبیر ہمیشہ یاد رکھنا بڑی کام آئے گی آپ کو جگہ جگہ بھئی کہ الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اگر اشارہ کیا جائے کسی چیز کی جنس اور حقیقت کی طرف تو یہ الف لام جنسی ہے۔ اگر اشارہ ہو افراد کی طرف تو پھر تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض؟ اگر تمام مراد ہیں تو یہ الف لام استغراقی ہے، اور اگر بعض مراد ہیں تو پھر وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں ہوں گے؟ اگر وہ خارج میں متعین ہیں تو یہ الف لام عہد خارجی ہے، اور اگر وہ خارج میں متعین نہیں تو وہ الف لام عہد ذہنی ہے بھئی، الف لام عہد ذہنی۔ اور اس کی مثالیں بھی میں نے ذکر کر دی تھیں بھئی۔ اب یہی بات صاحب کتاب بھی اب بیان کریں گے یہی تفصیل بھئی، یہی تفصیل۔

ہاں البتہ اس میں ایک دو باتیں مزید یاد رکھیے بھئی کہ یہ الف لام حرفی جو ہے یہ بعض اوقات صرف تحسین لفظ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، لفظ کو حسین بنانے کے لیے۔ وہاں یہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتا، لفظ کو معرفہ نہیں بناتا بلکہ صرف اس میں حسن پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے زبیر، اس پر الف لام عربی میں آپ پڑھتے ہوں گے الزُّبَيْرُ، کیا پڑھتے ہیں؟ الزُّبَيْرُ۔ تو زبیر تو نام ہے، نام تو پہلے ہی معرفہ ہوتا ہے اور اس پر جو الف لام آیا وہ اسمی ہے یا حرفی ہے؟ ظاہر سی بات ہے حرفی ہے کیونکہ اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ تو نہیں، تو یہ الف لام حرفی ہوا اور الف لام حرفی تو کیا فائدہ دیتا ہے؟ کسی لفظ کو معرفہ بناتا ہے، لیکن یہ لفظ تو پہلے ہی معرفہ تھا کیونکہ علم ہے، نام ہے۔ پھر اس کے لانے کا کیا مقصد ہے؟ تحسین لفظ بھئی، کیا مقصد ہے؟ تحسین لفظ، لفظ کو حسین بنانا بھئی، لفظ کو خوبصورت بنانا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ بھی بعض جگہ آپ ناموں پر الف لام دیکھیں گے الف لام داخل ہو گا، یہ سب تحسین کے لیے ہیں۔ جس نام پر بھی چاہے وہ شہر کا نام ہو، چاہے کسی انسان کا نام ہو، چاہے کسی چیز کا نام ہو، اس پر جب وہ نام ہے تو وہ تو پہلے سے ہی معرفہ ہے، اس پر جب بھی الف لام آئے گا وہ کون سا ہو گا؟ ہے تو حرفی ہی لیکن کس لیے ہے؟ تحسین لفظ کے لیے ہے معرفہ بنانے کے لیے نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا کہ بعض لفظ عربی میں ایسے ہیں کہ ان پر الف لام داخل نہیں کیا جاتا، داخل کرنا جائز نہیں۔ بعض لفظ عربی میں ایسے ہیں کہ ان پر الف لام داخل کرنا جائز نہیں۔ بعض ناموں پر تو الف لام داخل کرتے ہیں تحسین کے لیے اس کو حسین بنانے کے لیے، لیکن بعض ناموں پر الف لام کا داخل کرنا جائز ہے ہی نہیں۔ جیسے آپ لفظ پڑھتے ہیں بھئی مکہ، مکہ۔ مکہ شہر کا نام ہے اور اس پر الف لام نہیں داخل کیا جاتا۔ چنانچہ آپ جہاں کہیں بھی عبارت میں دیکھیں گے تو مَكَّةَ لکھا ہو گا بھئی مکہ،

یعنی اس پر الف لام کبھی نہیں آئے گا بھئی، الف لام کبھی نہیں آئے گا۔ اسی طرح عُمَرُ کا لفظ ہے عمر بھئی، اس پر بھی آپ کو الف لام کہیں نظر نہیں آئے گا۔ تو یہ بعض لفظوں پر تحسین کے لیے الف لام داخل کیا جاتا ہے اور بعض پر داخل نہیں کیا جاتا بھئی۔ تو اس میں ہمیں عربوں کا استعمال دیکھنا پڑے گا، وہ تلاش و جستجو کرنا پڑے گی کہ اس لفظ پر، اس نام پر عرب الف لام داخل کرتے ہیں یا داخل نہیں کرتے بھئی، داخل نہیں کرتے۔

اور نیز بھئی کل اس مستثنیٰ کی بحث بھی میں نے کی تھی کہ مستثنیٰ کسے کہتے ہیں؟ مستثنیٰ دو قسم پر ہے، ایک مستثنیٰ متصل اور ایک مستثنیٰ منقطع۔ مستثنیٰ متصل وہ ہے جو پہلے حکم کے اندر، حکم کے اندر داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال لیا گیا، یہ کیا ہے؟ مستثنیٰ متصل ہے۔ اور اگر وہ پہلے سے حکم میں داخل ہی نہیں تھا تو پھر اس کو إِلَّا کے ساتھ ذکر کیا گیا تو معلوم ہوا وہ مستثنیٰ منقطع ہے، کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع۔ لہٰذا اب آپ سے کوئی کہے جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ میرے پاس درجہ رابعہ والے طلبہ آئے إِلَّا زَيْدًا سوائے زید کے، تو اب آپ کو فوراً پتا چل جائے گا کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا مستثنیٰ منقطع ہے۔ کیسے پتا چلے گا؟ ہاں اگر زید بھی ان درجہ رابعہ والوں میں سے ہے پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے نکالا گیا ہے ان سے تو یہ کیا ہوا؟ مستثنیٰ متصل۔ اور اگر وہ رابعہ والوں میں سے ہے ہی نہیں وہ تو مثلاً خامسہ میں پڑھتا ہے تو پھر تو پہلے ہی داخل نہیں تھا لیکن ویسے ہی إِلَّا کے بعد ذکر کیا گیا تو یہ کیا بن جائے گا؟ مستثنیٰ منقطع بن جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے یہ کبھی بھی طے نہیں ہو سکتا جب تک آپ کو یہ پتا نہ ہو کہ یہ مستثنیٰ ماقبل میں داخل تھا یا داخل نہیں تھا۔ اگر داخل تھا مستثنیٰ منہ میں، کون؟ مستثنیٰ، یقینی طور پر آپ کو پتا ہے کہ یہ مستثنیٰ منہ میں داخل تھا پھر تو ہمیشہ کیا بنے گا؟ مستثنیٰ متصل۔ اور اگر یقینی طور پر آپ کو علم ہے کہ یہ ان میں داخل ہی نہیں ہے لیکن اس کو ذکر کیا جا رہا ہے تو آپ سمجھ جائیں گے یہ کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع۔ اور جب تک آپ کو یقینی طور پر پتا نہیں ہو گا تو آپ کوئی حکم بھی نہیں لگا سکتے نہ متصل ہونے کا اور نہ منقطع ہونے کا۔ تو ضروری ہے مستثنیٰ متصل یا منقطع بنانے کے لیے کہ پہلے سے علم ہونا چاہیے کہ یہ ان میں ماقبل میں داخل ہے یا داخل نہیں ہے۔

■ قولہ: «وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ، مُحَلًّى» کی تشریح

جی اب دیکھیے ذرا کتاب پر صرف ترجمہ ہے بھئی باقی تفصیل میں بیان کر چکا ہوں۔ کہتے ہیں وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ، مُحَلًّى کا معنی ہے مزین کیا ہوا۔ یہ حِلْيَةٌ سے ہے، حِلْيَةٌ۔ حِلْيَةٌ کا معنی ہے زیور، زیور۔ تو مُحَلًّى اسم مفعول کا صیغہ ہے وہ جس کو زیور پہنایا گیا ہو، جس کو زیور پہنایا گیا ہو یعنی مزین کیا گیا ہو۔ تو مُحَلًّى بِأَلْ آیا، وہ جس کو ال کا زیور پہنایا گیا ہے، وہ لفظ جس کو ال کے ساتھ یعنی الف لام کے ساتھ مزین کیا گیا ہے، اس پر الف لام داخل ہوا ہے یعنی مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ یعنی جس پر الف لام داخل ہوا ہے۔

کہتے ہیں وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ اور باقی وہ لفظ جو مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ ہے اس کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ بیان کر رہے ہیں۔ بھئی اس لیے نکات وہی بیان کریں گے جو کل قسمیں میں نے بیان کر دیں کہ اس الف لام کے ذریعے اشارہ کرنا مقصود ہو گا کس کی طرف؟ جنس کی طرف۔ تو اگر آپ کسی چیز کی جنس کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس پر الف لام جنسی لے آؤ۔ اگر آپ کسی چیز کے تمام افراد کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس پر الف لام استغراقی لے آؤ۔ اگر آپ کسی چیز کے بعض معین افراد کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس پر الف لام عہد خارجی کا لے آؤ۔ اور اگر آپ کسی چیز کے افراد غیر معین کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس پر الف لام عہد ذہنی لے آؤ بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یہ علم معانی ہم پڑھ رہے ہیں بھئی۔ یہ جو نکات بیان ہو رہے ہیں یہ دراصل مواقع بیان ہو رہے ہیں کہاں کہاں اس طرح یہ لفظ استعمال کرنا ہے، کہاں کہاں اس لفظ کو استعمال کرنا ہے۔ مثلاً بھئی جیسے اسم موصول ذکر ہوا، اسم موصول کیوں لایا جاتا ہے معرفہ کی صورت میں؟ ایک لفظ کو لانا ہے اور پھر آپ اسم موصول کی صورت میں لاتے ہیں، کیوں لایا جاتا ہے کیا کیا نکات ہوتے ہیں؟ مثلاً ایک نکتہ بیان ہوا کہ آپ مخاطب کے علاوہ باقیوں سے بات کو چھپانا چاہتے ہیں، بات کو چھپانا چاہتے ہیں تو لہٰذا جب ایسا موقع آئے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مخاطب کے علاوہ باقیوں سے بات کو چھپانا چاہتے ہیں تو اس وقت ایک طریقہ اسم موصول والا بھی ہے، کس طریقے پر لے آؤ اب اس معرفہ کو؟ اسم موصول کی صورت میں لے آؤ۔ تو یہ نکات دراصل مواقع بیان ہو رہے ہیں کہ کس مقام پر ایسا کرنا ہے۔ بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ نہیں بھئی؟ کیونکہ اس میں علم معانی ہے، علم معانی میں آپ کو یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ کا کلام مقتضائے حال کے مطابق کب ہو گا، کیسے ہو گا؟ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اگر مقتضائے حال ایسا ہے کہ مقتضائے حال جہاں بات کو چھپانا مقصود ہے تو یہاں یہ تقاضا کر رہا ہے اس کو کس صورت میں لے آؤ؟ ایک طریقہ اس کا کیا ہے؟ اسم موصول کی صورت میں لے آؤ وغیرہ، یہ تمام نکات اسی طرح ہیں بھئی یعنی جس قسم کا نکتہ آپ چاہتے ہیں موقع کے مطابق یا جس طرح کا وہ تقاضا کر رہا ہے اس کے مطابق کلام لے آئیں تو یہ آپ کا کلام کیا ہوا؟ مقتضائے حال کے مطابق ہوا۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ اور باقی وہ لفظ جس پر الف لام داخل ہوا ہے فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا كَانَ الْغَرَضُ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ تو اس مُحَلًّى بِأَلْ یعنی مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کو لایا جاتا ہے إِذَا كَانَ الْغَرَضُ جب کہ غرض جو ہو، جب غرض ہو کس کی غرض ہو؟ متکلم کی غرض ہو، اس کا مقصد کیا ہو؟ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ وہ نفس جنس سے حکایت کرنا چاہتا ہے، نفس جنس کی بات کرنا چاہتا ہے، کس سے؟ نفس جنس یعنی اس کے افراد نہیں بلکہ جنس، مراد کیا لینا ہے وہاں؟ جنس اور حقیقت اور ماہیت مراد لینی ہے۔ تو جب متکلم کی غرض یہ ہو کہ وہ بات کرنا چاہتا ہے کس کے بارے میں؟ نفس جنس یعنی نفس حقیقت کے بارے میں، نفس حقیقت کے

بارے میں۔

بھئی ایک ہے حقیقت افراد کے ضمن میں اور ایک حقیقت خود ہے، اور متکلم کا کیا ارادہ ہے؟ خود حقیقت کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے یا وہ حقیقت جو افراد کے ضمن میں خارج میں پائی جارہی ہے؟ تو خود حقیقت کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے افراد کی طرف اس کی نظر نہیں ہے، تو یہ موقع ہے کہ الف لام جنسی لے آئیں بھئی اس لفظ پر۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں بھئی؟ بھئی خارج میں جب کسی چیز کے افراد ہیں، انسان کی حقیقت کیا؟ حیوان ناطق۔ تو یہ حقیقت، یہ حقیقت ہر فرد کے ضمن میں موجود ہے یا نہیں؟ ہر انسان کیا ہے؟ حیوان ناطق، ہر انسان کی حقیقت حیوان ناطق ہے۔ تو یہاں حیوان ناطق یعنی یہ جو حقیقت ہے ایک ہے خود اپنی ذات کے اعتبار سے حقیقت سے بول کر حقیقت ہی مراد ہو اور ایک ہے حقیقت سے بول کر فرد مراد ہو، کیا مراد ہو؟ فرد، کیونکہ حقیقت بھی تو خارج میں کس کے ضمن میں پائی جاتی ہے؟ فرد ہی کے ضمن میں پائی جاتی ہے تو وہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہاں بتلا رہے ہیں إِذَا كَانَ الْغَرَضُ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ جب خود جنس کی حکایت کرنا مقصد ہو، خود جنس کے بارے میں بات کرنا مقصد ہو۔

یہ معنی ہے مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا كَانَ الْغَرَضُ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ جب نفس جنس جو ہے اس کے بارے میں بات کرنا مقصود ہو۔ نَحْوُ مثال کے طور پر الْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ، انسان کیا ہے؟ حیوان ناطق ہے۔ کیا معنی؟ یعنی انسان کی جنس اور حقیقت کیا ہے؟ حیوان ناطق ہے بھئی۔ وَتُسَمَّى أَلْ جِنْسِيَّةً اور اس کو ال جنسی کہتے ہیں یعنی الف لام جنسی کہتے ہیں بھئی جس کے ذریعے جنس اور حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے یعنی آپ اس کی بات کرنا چاہتے ہیں جنس اور حقیقت کی۔

■ قولہ: «أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُودٍ مِنْ أَفْرَادِ...» کی تشریح

أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُودٍ مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ یا غرض کیا ہو؟ حکایت کرنا عَنْ مَعْهُودٍ، مَعْهُودٌ کا معنی ہے متعین، مقرر بھئی۔ مَعْهُودٌ کا کیا معنی؟ متعین، مقرر۔ بھئی دیکھیے ابھی گزرا الف لام کی قسمیں ان میں آیا تھا ایک الف لام عہد خارجی اور ایک آیا تھا الف لام عہد ذہنی۔ الف لام عہد خارجی کون سا الف لام ہے؟ جس کے ذریعے اشارہ کیا جائے ایسے افراد کی طرف جو خارج میں متعین ہوں مقرر ہوں کہ فلاں والے مراد ہیں، تو یہ ہے الف لام عہد خارجی۔ اور اگر خارج میں متعین نہیں تو ذہن میں متعین ہے تو وہ الف لام عہد ذہنی ہے، ذہنی ہے۔ تو یہ عہد ذہنی، عہد کا معنی ہے مقرر ہونا، مقرر کرنا۔ عہد خارجی، عہد بمعنی معہود کے ہو یعنی جو خارجی طور پر مقرر ہیں متعین ہیں جن کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں الرَّجُلُ، الرَّجُلُ کے ذریعے کیا کروں گا؟ میں کسی متعین رجل کی طرف اشارہ کر رہا ہوں تو دیکھو یہ متعین ہے معہود ہے اور خارج میں متعین ہے، معہود خارجی ہے۔ اور یہ عہد خارجی والا الف لام ہوا۔ عہد مصدر ہے بھئی، عہد کیا ہے؟ مصدر، اور آپ نے پڑھا ہے کہ مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں ہوتا ہے بھئی۔

تو معنی ہے أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُودٍ مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ یا جب متکلم کی غرض جو ہے وہ حکایت کرنا ہو ایسے متعین کے بارے میں، کسی متعین کے بارے میں مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ اس جنس کے افراد میں سے۔ جب متکلم کی غرض کیا ہو؟ حکایت کرنا یعنی بات کرنا کس کے بارے میں؟ عَنْ مَعْهُودٍ کسی متعین کے بارے میں مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ اس جنس کے افراد میں سے۔ اگر متکلم ایک جنس کے افراد میں سے کسی متعین فرد کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے تو وہ الف لام عہد خارجی لے کر آئے گا۔ میں نے کہا الرَّجُلُ، اب دیکھیے رَجُلٌ، رَجُلٌ جنس ہے کوئی ایک آدمی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ رَجُلٌ جنس ہے اور اس کے ذریعے اس پر جب میں الف لام لے آتا ہوں الرَّجُلُ تو میں کیا کر رہا ہوں دراصل اس الف لام کے ذریعے؟ خارج میں کوئی متعین رجل ہے اس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ تو وہ جو خارج میں رجل ہے وہ ایک متعین فرد ہے اس جنس کے افراد میں سے، وہ بھی تمام مردوں میں سے کیا ہے؟ ایک مرد ہے، تو وہ بھی اس جنس کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ یہی معنی ہے عَنْ مَعْهُودٍ مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ جب مقصد ہو حکایت کرنا کسی ایسے متعین کے بارے میں مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ جو اس جنس کے افراد میں سے، تو اس جنس کے افراد میں سے کسی متعین کی حکایت کرنے کے لیے جو ہے مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کو لایا جائے گا۔

وَعَهْدُهُ اور اس کا متعین ہونا، بھئی اب بتلا رہے ہیں آپ نے ہمیں کیا بتلایا کہ الف لام جو ہے مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ جس پر الف لام داخل ہوا، توجہ ہے سبق کی طرف؟ مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کے بارے میں انہوں نے دو قسمیں بیان کر دیں بھئی ایک الف لام جنسی ہے اور یہ دوسرا اس کا ابھی نام انہوں نے ذکر نہیں کیا لیکن یہ کون سا ہوا؟ الف لام عہد خارجی ہے، اس کا نام آگے چل کر وہ ذکر کریں گے لیکن ابھی سے تعریف انہوں نے کر دی۔ تو دو قسمیں بیان کر دیں، ایک وہ الف لام جس کے ذریعے اشارہ کسی کی طرف ہو؟ جنس کی طرف، وہ الف لام جنسی ہے۔ دوسرا وہ الف لام جس کے ذریعے اس جنس کے افراد میں سے کسی متعین فرد کی طرف یا بعض متعین افراد کی طرف اشارہ ہو، وہ الف لام کون سا ہے؟ الف لام عہد خارجی ہے۔

اب متعین ہونا کس طرح ہو گا؟ آپ نے ہمیں یہ بتایا کہ الف لام عہد خارجی وہ ہے جس کے ذریعے خارج میں اس جنس کے کسی متعین فرد کی طرف اشارہ کیا جائے، الرَّجُلُ بول کر ایک متعین مرد کی طرف اشارہ کیا گیا تو یہ متعین ہونا کس طرح ہو گا؟ ہمیں کیسے پتا چلے گا ایک چیز کیا ہے؟ متعین۔ کہتے ہیں بھئی متعین ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض اوقات ایک چیز کا ذکر آپ کے سامنے ایک دفعہ آجائے تو پھر وہ متعین ہو جاتی ہے۔ جیسے کل میں نے مثال ذکر کی تھی جَاءَنِي رَجُلٌ فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ،

جَاءَنِي رَجُلٌ میرے پاس ایک آدمی آیا۔ میں آپ کو ایک بات سنا رہا ہوں، آپ اس موقع پر تو موجود نہیں تھے آپ کو میں وہ بات سنا رہا ہوں۔ تو اب آپ نے نہ اس آدمی کی شکل دیکھی ہے نہ صورت دیکھی ہے نہ نام کا پتا ہے، کسی چیز کا پتا نہیں لیکن دیکھنا ایک دفعہ ذکر کے بعد وہ خود ہی متعین ہو جائے گا آپ بھی اس کو جان لیں گے۔ پہلے میں نے کیا کہا؟ جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اکرام کیا الرَّجُلَ، الرَّجُلَ کا کیا ترجمہ کریں گے؟ اس آدمی، میں نے اکرام کیا ایک آدمی کا یہ ترجمہ نہیں کرنا یہ غلط ترجمہ ہے، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ الف لام کا ترجمہ الف لام متعین کی طرف اشارہ ہوتا ہے فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اکرام کیا عزت کی اس آدمی کی۔ آپ سمجھ گئے یعنی اس آدمی سے کون سا آدمی مراد ہے؟ ہاں جس کا ابھی میں نے ذکر کیا۔ تو جب ایک دفعہ چیز ذکر ہو جائے وہ کیا ہو جاتی ہے؟ متعین ہو جاتی ہے۔ تو تعین کا ایک طریقہ تو یہ ہے، ایک چیز کو پہلے ذکر کر دیا جائے تو وہ کیا ہو جاتی ہے؟ متعین ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کسی چیز کے متعین ہونے کی کہ وہ آپ کے پاس موجود ہے، آپ کے سامنے موجود ہے۔ جیسے يَوْمٌ، يَوْمٌ کا کیا معنیٰ عربی زبان میں؟ کوئی دن، کوئی دن۔ لیکن اسی پر اگر الف لام لے آئیں الْيَوْمَ، اب یوم کا کیا ترجمہ کرتے ہیں آپ؟ آج بھئی، آج کا دن یعنی تو آج اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ بھئی الف لام کے ذریعے تو اشارہ ہوتا ہے کسی متعین چیز کی طرف تو یہ دن کی طرف کیسے اشارہ کر دیا یہ متعین کیسے ہوا؟ کہتے ہیں بھئی یہ موجود ہے، آپ کے سامنے حاضر ہے یہ دن اس وقت، آپ کے سامنے یہ دن موجود ہے۔ تو جب کوئی چیز موجود ہے تو بھی وہ متعین ہوتی ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ آج کا دن تو موجود ہے باقی کے دن تو اس وقت موجود نہیں، کچھ گزر چکے ہیں کچھ آنے والے ہیں ابھی، ہاں یہ دن موجود ہے تو لہٰذا یہ متعین ہوا تو اس کی طرف اشارہ کر دیا الْيَوْمَ کے ذریعے یہ والا دن، کون سا؟ یہ جو موجود ہے یعنی جس کا پھر کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ آج، آج۔

اور بعض اوقات ایک چیز متعین ہوتی ہے کہ سامع کو اس کا پتا ہوتا ہے۔ ایک چیز کیسے متعین ہوتی ہے؟ سننے والا جو ہے اس کو علم ہوتا ہے پہلے سے اس کو پتا ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں بھی الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے چاہے پہلے ذکر نہ ہوا ہو، لیکن پھر بھی سامع کو پہلے سے ہی پتا ہے تو وہاں پر بھی الف لام کے ذریعے اس کی طرف کیا کیا جا سکتا ہے؟ اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا متعین ہونے کی کتنی صورتیں ذکر کر دیں؟ تین صورتیں۔ نمبر ایک کیا کہ ایک چیز کا پہلے ذکر ہو چکا ہو تو وہ متعین ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت کہ وہ چیز خود کیا ہو؟ حاضر ہو اور موجود ہو تو بھی وہ متعین ہو جاتی ہے۔ تیسری صورت کہ سامع اس کے بارے میں جانتا ہے پہلے سے اس کو علم ہے تو بھی وہ چیز کیا ہے؟ متعین ہے اور اس کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

■ قولہ: «وَعَهْدُهُ إِمَّا بِتَقَدُّمِ ذِكْرِهِ» کی تشریح

جیسے دیکھیے خود مثالیں بھی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَعَهْدُهُ إِمَّا بِتَقَدُّمِ ذِكْرِهِ اور اس چیز کا متعین ہونا جو ہے یا تو اس کا ذکر مقدم ہونے سے ہو گا کہ اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہو گا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا، اللہ فرماتے ہیں جیسے کہ ہم نے بھیجا إِلَى فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف رَسُولًا ایک پیغمبر کو۔ رَسُولًا دیکھو نکرہ آیا، کیا آیا؟ نکرہ آیا۔ تو اللہ فرما رہے ہیں جیسے ہم نے بھیجا فرعون کی طرف ایک رسول کو فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ تو نافرمانی کی فرعون نے اس پیغمبر کی۔ تو پہلے رسول نکرہ آیا، آگے دیکھیے الرَّسُولَ الف لام ذکر کیا گیا اس پر تو اب کیا ترجمہ کریں گے؟ اس رسول، تو نافرمانی کی فرعون نے اس پیغمبر کی، اس رسول کی۔ یہ اس کا ترجمہ یہ کس چیز کا ترجمہ ہے؟ الف لام کا اس کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے۔ اور الرَّسُولَ یہ متعین ہو گیا۔ کیسے متعین ہوا الرَّسُولَ؟ کیونکہ پہلے ایک دفعہ رَسُولًا نکرہ اس کا ذکر ہو گیا تھا اور جب چیز ایک دفعہ ذکر ہو جائے تو وہ کیا ہو جاتی ہے؟ متعین ہو جاتی ہے اور جب متعین ہو گئی تو الف لام کے ذریعے اس کی طرف، الف لام عہد خارجی کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کرنا صحیح ہے بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔

وَإِمَّا بِحُضُورِهِ بِذَاتِهِ یا، وَعَهْدُهُ یہ مبتدا ہے اور چیز کا متعین ہونا إِمَّا بِتَقَدُّمِ ذِكْرِهِ یا تو اس چیز کا ذکر مقدم ہونے کی وجہ سے ہو گا وَإِمَّا بِحُضُورِهِ بِذَاتِهِ یا ایک چیز کا متعین ہونا خود اپنی ذات کے اعتبار سے حاضر ہونے کی وجہ سے ہو گا کہ وہ چیز خود اپنی ذات کے اعتبار سے حاضر ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ، یہ آیت نازل ہوئی حجۃ الوداع کے موقع پر۔ تو اس موقع پر اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی اور اس دین کے مکمل ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اللہ فرما رہے ہیں الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ آج أَكْمَلْتُ میں نے مکمل کر دیا لَكُمْ تمہارے لیے دِينَكُمْ تمہارے دین کو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا یعنی اس کے سارے احکام نازل کر دیے گئے ہیں، قرآن مکمل ہوا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو اب دیکھیے مقام استشہاد ہے الْيَوْمَ آج کے دن، تو اس پر الف لام لایا گیا اور الف لام کے ذریعے وہ جو دن حاضر تھا اس کی طرف اشارہ کیا گیا جو دن موجود تھا، جو دن موجود تھا اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور کس وجہ سے وہ دن متعین تھا؟ کیونکہ وہ خود حاضر تھا وہ دن موجود تھا اس وقت بھئی۔

وَإِمَّا بِمَعْرِفَةِ السَّامِعِ لَهُ یا ایک چیز کا متعین ہونا جو ہے سامع کے اس کو جاننے کی وجہ سے ہو گا کہ سننے والا کیا ہے اس کو جانتا ہے۔ جیسے إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اور جس وقت کہ وہ بیعت کر رہے تھے یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، جس وقت کہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اے محمد تَحْتَ الشَّجَرَةِ اس درخت کے نیچے، اس درخت کے نیچے۔ یہ اس یہ کس کا ترجمہ کر رہا ہوں میں؟ الف لام، الشَّجَرَةِ پر جو الف لام آیا کیونکہ اس کے ذریعے کسی متعین چیز کی طرف اشارہ ہو رہا ہے تو اس درخت کے نیچے۔ اب دیکھیے یہاں تو پیچھے شجرہ کا کوئی ذکر نہیں آیا، پیچھے شَجَرَةٌ لفظ نکرہ ذکر نہیں ہوا، پہلے نکرہ ذکر

ہوتا تو پھر معرفہ آتا تو متعین ہوتا۔ نیز جس وقت یہ آیت نازل ہوئی وہ درخت بھی سامنے حاضر نہیں ہے وہ تو کہیں مکہ کے پاس درخت تھا اور حضور علیہ السلام مدینہ میں یا کسی مقام پر ہیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو درخت بھی حاضر نہیں اس وقت، پھر یہاں کیسے متعین ہوا؟ کیسے اس کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ کیا گیا؟ متعین کیسے ہوا وہ درخت؟ کیونکہ حضور علیہ السلام جو سامع ہیں، جن سے خطاب کیا جارہا ہے، جن سے بات کی جارہی ہے وہ اس درخت کو جانتے ہیں، وہ کیا ہیں؟ اس درخت کو جانتے ہیں۔ بھئی اسی درخت کے نیچے بیٹھ کر تو حضور علیہ السلام نے تمام صحابہ سے بیعت لی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو جب اسی درخت کے، ایک متعین درخت کے نیچے بیعت لی ہے تو حضور علیہ السلام اور بیعت بھی حضور علیہ السلام نے خود لی ہے تو یقیناً آپ اس درخت کو جانتے ہیں کہ یہ فلاں درخت کے نیچے بھئی میں نے بیعت لی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَإِمَّا بِمَعْرِفَةِ السَّامِعِ لَهُ یا سامع کے اس کو جاننے کی وجہ سے۔ نَحْوُ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ جب کہ وہ بیعت کررہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے۔ وَتُسَمَّى أَلْ عَهْدِيَّةً اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ الف لام عہدی کہتے ہیں بھئی، الف لام عہدی کہتے ہیں۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ اس کو کیا کہیں گے؟ الف لام عہد خارجی کہیں گے۔ معلوم ہوا کسی چیز کے متعین ہونے کی کتنی صورتیں انہوں نے ذکر کردیں؟ تین صورتیں۔ پہلی صورت کہ ایک دفعہ اس چیز کا ذکر ہو جائے اس سے بھی وہ کیا ہو جاتی ہے؟ متعین۔ دوسری صورت کہ وہ چیز خود حاضر ہو تو بھی کیا ہو جاتی ہے؟ متعین۔ تیسری صورت کہ سامع کیا ہے اس کو جاننے والا ہو تو بھی وہ چیز متعین ہو گی۔

أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ جَمِيعِ أَفْرَادِ الْجِنْسِ يامُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کو لایا جاتا ہے جب کہ اس کے ذریعے غرض جو ہو الْحِكَايَةَ عَنْ جَمِيعِ أَفْرَادِ الْجِنْسِ حکایت کرنا ہو جنس کے تمام افراد سے، یعنی تمام افراد کے بارے میں بات کرنی ہے، یعنی یوں کہیں تمام افراد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ یقیناً تمام انسان البتہ خسارے میں ہیں۔ یہاں پر الف لام جو آیا وہ کون سا ہے؟ الف لام استغراقی۔ اور استغراقی کیوں لیا گیا الف لام؟ الف لام جنسی کیوں نہیں بنایا گیا یا عہد خارجی کیوں نہیں بنایا گیا؟ وجہ اس کی میں نے ذکر کردی تھی کہ الف لام استغراقی یہاں بنائیں گے تب ہی آگے جو استثنا ہے إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وہ استثنا صحیح ہو گا۔ اگر اس کو الف لام استغراقی نہیں بناتے تو آگے إِلَّا کے بعد جو مستثنیٰ ہے اس کے بارے میں پتا ہی نہیں چلے گا کہ وہ متصل ہے یا منقطع۔ لیکن جب یہاں تمام انسان مراد لے لیے گئے اور پھر ان میں سے بعض افراد کو نکال دیا گیا اس حکم سے یعنی خسارے والے حکم سے نکال دیا کہ کچھ لوگ خسارے میں نہیں ہیں، وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے رہے ہیں، تو دیکھو ان کو خسارے کے حکم سے نکال دیا گیا تو معلوم ہوا یہ مستثنیٰ کون سا ہے؟ مستثنیٰ متصل ہے، متصل۔ وَتُسَمَّى أَلْ اسْتِغْرَاقِيَّةً اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ الف لام استغراقی کہتے ہیں۔

وَقَدْ يُرَادُ بِأَلِ اور کبھی کبھار ارادہ کیا جاتا ہے ال کے ذریعے یعنی الف لام کے ذریعے، کیا ارادہ کیا جاتا ہے؟ الْإِشَارَةُ إِلَى الْجِنْسِ جنس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے فِي فَرْدٍ مَا کسی فرد کے ضمن میں۔ کس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے؟ کسی فرد کے ضمن میں جنس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے فِي فَرْدٍ مَا۔ فَرْدٍ آیا نکرہ، یاد رکھیے یہ ہے موصوف اور یہ مَا اس کی صفت ہے۔ یہ مَا کیا ہے اس کی صفت۔ تو بعض اوقات کلام عرب میں ایسا کیا جاتا ہے نکرہ کی صفت مَا لائی جاتی ہے فِي فَرْدٍ مَا جیسے یہاں پر آیا، تو یہ مَا کیا ہے فَرْدٍ کی صفت۔

بھئی کیوں یہ کس لیے لایا جاتا ہے؟ بھئی دیکھیں نکرہ کے اندر ابہام ہوتا ہے، فَرْدٌ کا کیا معنی؟ کوئی فرد، کوئی متعین مراد ہے؟ نہیں، نکرہ ہے غیر متعین۔ فَرْدٍ کا کیا معنی ہوا؟ کوئی فرد۔ تو یہ فَرْدٍ ہے نکرہ اور آگے جو مَا آیا وہ بھی ہے نکرہ تو یہ اس ما قبل کے ابہام میں تاکید پیدا کر دیتا ہے، کیا کرتا ہے؟ تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ یا یوں کہیں جیسے بعضوں نے لکھا کہ اس کے ابہام میں مزید مبالغہ پیدا کر دیتا ہے، کیا پیدا کر دیتا ہے؟ مزید مبالغہ پیدا کر دیتا ہے۔ فَرْدٍ کا معنی ہے کوئی فرد، کوئی فرد اور فَرْدٍ مَا کا معنی ہے کوئی ایک فرد، کوئی اور مبالغہ کر دیا اسی کے اندر کوئی ایک فرد بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جو تعبیر آپ اختیار کرنا چاہیں کہ بعض اوقات نکرہ کی صفت مَا لائی جاتی ہے اور نکرہ کے اندر ابہام ہوتا ہے یہ مَا بھی آگے نکرہ آیا اس کے اندر بھی ابہام ہے تو یہ اسی کے ابہام میں تاکید پیدا کر دیتا ہے، اسی کے ابہام کو پکا کر دیتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ ابہام ہے، فِي فَرْدٍ مَا کسی فرد میں، کسی فرد میں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ کسی فرد، اسی میں تاکید پیدا کر رہا۔ جی؟ یہ مَا موصولہ نہیں ہے بھئی، مَا موصولہ نہیں، مَا نفی کے لیے بھی آتا ہے، مَا اسم موصول بھی آتا ہے، مَا نکرہ بھی آتا ہے تو یہ نکرہ ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ فِي فَرْدٍ مَا۔

■ قولہ: «وَقَدْ يُرَادُ بِأَلِ الْإِشَارَةُ إِلَى...» کی تشریح

انہوں نے کیا کہا؟ وَقَدْ يُرَادُ بِأَلِ الْإِشَارَةُ إِلَى الْجِنْسِ فِي فَرْدٍ مَا اور کبھی کبھار ارادہ کیا جاتا ہے الف لام کے ذریعے اشارہ کرنے کا، کس کی طرف اشارہ کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے؟ جنس کی طرف، اس جنس کی طرف فِي فَرْدٍ مَا کسی فرد کے ضمن میں۔ یعنی اشارہ حقیقت کی طرف ہوتا ہے لیکن وہ حقیقت کسی فرد کے ضمن میں مراد ہوتی ہے، کسی فرد کے ضمن میں مراد ہوتی ہے کیونکہ جو بھی فرد ہے وہ اسی حقیقت سے مرکب ہے، اس کی حقیقت وہی ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

بھئی دیکھیے یہ علمائے بلاغت جو ہیں، علمائے بلاغت یہ الف لام کی تقسیم، قسمیں تو وہی بناتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ یہ جو الف لام عہد ذہنی جو ہے، یہ الف لام عہد ذہنی جو ہے یہ کوئی الگ قسم نہیں ہے یہ وہی الف لام جنسی ہے، یہ کیا ہے؟ وہی الف لام جنسی ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ یہ علمائے بلاغت کیا کہتے ہیں؟ الف لام عہد ذہنی کوئی

الگ قسم نہیں ہے یہ وہی الف لام جنسی ہے، گویا کل تین قسمیں ہیں: الف لام جنسی، الف لام استغراقی اور الف لام عہد خارجی بھئی، عہد خارجی۔ جب کہ الف لام جنسی اور الف لام عہد ذہنی یہ ایک ہی چیز ہیں۔ ہاں اسی الف لام جنسی کے ذریعے کبھی نفس جنس کی طرف اشارہ ہو گا، کس کی طرف؟ نفس جنس کی طرف اشارہ ہو گا اور کبھی اشارہ ہو گا جنس کی طرف کسی فرد کے ضمن میں، جنس کی طرف اشارہ ہو گا کسی فرد کے ضمن میں۔

یعنی مثلاً جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، الرَّجُلُ یہ الف لام کون سا؟ جنسی، اس کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہے؟ جنس رجل کی طرف، جنس رجل کی طرف۔ تو دیکھو یہ الف لام جنسی ہے اور اشارہ ہے نفس جنس کی طرف، کسی فرد کی طرف نہیں بلکہ نفس جنس یعنی جنس رجل وہ اعلی ہے اور افضل ہے جنس امراۃ سے۔ تو اشارہ کس کی طرف ہوا؟ نفس جنس کی طرف اشارہ ہوا۔ اور اسی طرح دوسری مثال عہد ذہنی کی میں نے ذکر کی تھی أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ، میں نے بتلایا تھا الذِّئْبُ پر جو الف لام آیا وہ کون سا ہے؟ عہد ذہنی۔ بلاغت والے کہتے ہیں یہ بھی الف لام جنسی ہی ہے، اس کے ذریعے بھی جنس کی طرف اشارہ ہے لیکن نفس جنس کی طرف نہیں اشارہ۔ الف لام جنسی میں تو اشارہ کس کی طرف تھا؟ نفس جنس کی طرف، جنس ہی مراد تھی۔ یہاں جنس کی طرف اشارہ ہے کسی ایک غیر متعین فرد کے ضمن میں، جنس کی طرف اشارہ ہے کسی ایک غیر متعین فرد کے ضمن میں۔

تو وہاں دیکھو الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ وہاں ترجمہ کیا ہوا تھا؟ جنس رجل اعلی ہے، نفس جنس کی طرف اشارہ تھا۔ اور یہاں ترجمہ کیا کیا؟ أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ مجھے خوف ہے اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا، کوئی ایک بھیڑیا، کوئی بھیڑیا اس کو کھا جائے گا۔ یہ نہیں کہا گیا جنس بھیڑیا اس کو کھا جائے گی، مجھے خوف ہے کہ اس کو جنس بھیڑیا کھا جائے گی یہ ترجمہ نہیں۔ کیونکہ ہاں اشارہ تو جنس کی طرف ہے لیکن جنس کس کے ضمن میں؟ کسی غیر معین فرد کے ضمن میں، کیونکہ جنس کا تو ویسے وجود نہیں ہوتا، جنس تو جب بھی خارج میں پائی جائے گی کس کے ضمن میں ہو گی؟ فرد۔ حیوان ناطق انسان کی حقیقت ہے، آپ مجھے کہیں دکھا سکتے ہیں حیوان ناطق حقیقت خارج میں ہو اور کوئی فرد نہ ہو؟ نہیں۔ ہر فرد کے ضمن میں یہ ضرور موجود ہے۔ زید بھی کیا ہے؟ حیوان ناطق، بکر بھی کیا ہے؟ حیوان ناطق، خالد بھی کیا ہے؟ حیوان ناطق۔ تو یہ حیوان ناطق کا الگ اپنا کوئی وجود ہی نہیں، یہ جب بھی خارج میں پائی جائے گی کس کے ضمن میں ہو گی؟ کسی فرد کے ضمن میں وہ حقیقت پائی جائے گی یعنی اس کا کوئی فرد ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں وہ کہتے ہیں بلاغت والے کہ یہ الف لام جنسی جو ہے اور الف لام عہد ذہنی جو ہے یہ دراصل وہی الف لام جنسی ہی ہے بھئی۔ ہاں بس الف لام جنسی اور عہد ذہنی میں صرف اتنا فرق ہے، الف لام جنسی کے اندر اشارہ ہوتا ہے کس کی طرف؟ نفس جنس کی طرف، اور الف لام عہد ذہنی میں بھی الف لام جنسی ہی ہے لیکن اشارہ نفس جنس کی طرف نہیں بلکہ وہ جنس فِي فَرْدٍ مَا کسی فرد کے ضمن میں یعنی کسی غیر معین، آسان لفظوں میں یوں کہیے اس جنس کے کسی غیر معین فرد کی طرف اشارہ ہوا، لیکن دراصل اشارہ اسی کی جنس کی طرف ہے لیکن کس کے ضمن میں؟ کسی فرد غیر معین کے ضمن میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی لیے دیکھیے شروع میں انہوں نے کہا تھا إِذَا كَانَ الْغَرَضُ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ نفس جنس کی بات کرنے کے لیے، یہ کون سا تھا؟ الف لام جنسی۔ اور یہاں کیا کہا گیا؟ الْإِشَارَةُ إِلَى الْجِنْسِ فِي فَرْدٍ مَا، اشارہ کس کی طرف ہے؟ یہاں بھی جنس ہی کی طرف ہے لیکن فِي فَرْدٍ مَا کسی فرد کے ضمن میں۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشارہ کیا کس کی طرف؟ جنس ذئب کی طرف، جنس ذئب، لیکن جنس ذئب نفس جنس ذئب نہیں مراد بلکہ کسی ایک فرد کا ذہن میں تصور کر لیا اس کے ضمن میں جو نفس جنس ہے، اس کے ضمن میں جو جنس ہے اس کی طرف اشارہ ہو گیا، کسی فرد کے ضمن میں جو جنس ہے بھئی۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں بھئی؟ بہر حال یہ تو ان کی تقریر تھی، میں نے آسان تقریر کی وہ آپ یاد رکھیں بھئی کہ الف لام کی کتنی قسمیں بنالیں؟ چار قسمیں: الف لام جنسی اس کے ذریعے نفس جنس کی طرف اشارہ ہوتا ہے، الف لام استغراقی جس کے ذریعے تمام افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے، الف لام عہد خارجی جس کے ذریعے کسی خارج میں واقع کے اندر کوئی متعین جو ہے فرد یا افراد ہیں ان کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اور الف لام عہد ذہنی جس کے ذریعے کسی فرد غیر معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے بھئی۔

■ قولہ: «نَحْوُ وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ...» کی تشریح

نَحْوُ وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي فَمَضَيْتُ ثُمَّتَ قُلْتُ لَا يَعْنِينِي۔ بھئی شعر کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ وَلَقَدْ أَمُرُّ، مَرَّ يَمُرُّ کے معنی ہوتے ہیں گزرنے کے۔ لَئِيمٌ کہتے ہیں کمینہ اور گھٹیا، ادنیٰ۔ سَبَّ يَسُبُّ کے معنی ہوتے ہیں گالیاں دینا۔ مَضَيْتُ، مَضَى يَمْضِي کے معنی ہوتے ہیں گزر جانے کے۔ لَا يَعْنِينِي، عَنَى يَعْنِي کا معنی ہوتا ہے ارادہ کرنا، عَنَى يَعْنِي کا کیا معنی؟ ارادہ کرنا۔ لفظوں کا معنی سمجھ میں آگیا؟

جی وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي اور تحقیق میں گزرتا ہوں عَلَى اللَّئِيمِ کسی ایسے کمینے پر يَسُبُّنِي جو مجھے گالیاں دیتا ہے، فَمَضَيْتُ تو میں گزر جاتا ہوں ثُمَّتَ قُلْتُ پھر میں کہتا ہوں لَا يَعْنِينِي اس نے میرا ارادہ نہیں کیا۔

بھئی یہ آپ کی کتابوں میں فَمَضَيْتُ ثَمَّةَ ہے، ثَمَّةَ نہیں بھئی یہ کتابت کی غلطی ہے، ثُمَّتَ ہے یہ ثُمَّتَ۔ اور اس کو لکھا بھی غلط گیا بھئی، آخر میں لمبی تا آئے گی ثُمَّتَ۔ ثا، میم مشدد اور آگے تا لمبی والی الف با تا جو الف با تا یہ جو تا جیسے لمبی لکھتے ہیں اس طرح کی لمبی تا لکھنی ہے، ثُمَّتَ۔ لکھ لیا بھئی؟ جیسے تَمَّتْ لکھتے ہیں اسی طرح ثُمَّتَ

بھی لکھیں گے بھئی ثُمَّتَ۔

یاد رکھیے بھئی یہ ثُمَّتَ لفظ ہے، ثُمَّتَ۔ اور یہ یاد رکھنا یہ وہی ثُمَّ ہے، حروف عاطفہ آپ نے پڑھے ہیں یا نہیں نحو کے اندر؟ ان میں ایک ثُمَّ ہے، ثُمَّ جو کس لیے آتا ہے؟ ثُمَّ آتا ہے کس لیے؟ تراخی کے لیے، تراخی کے لیے یا یوں کہیں تعقیب مع الفصل کے لیے۔ تو ثُمَّ آتا ہے مثلاً آپ کہتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو میرے پاس زید آیا ثُمَّ عَمْرٌو پھر عمرو آیا۔ تو یہ ثُمَّ حرف عطف ہے، یہ وہی ثُمَّتَ ہے بھئی۔ ہاں البتہ اس ثُمَّ کے آخر میں کبھی کلام عرب میں تا بڑھا دیتے ہیں اور پھر اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ ثُمَّتَ، ثُمَّتَ بھئی۔ تو یہ وہی ثُمَّ ہے، تو یہ حرف عطف ہے بھئی۔

ہاں البتہ فرق یہ کہ ثُمَّ جو تھا اس کے ذریعے مفرد کا عطف مفرد پر بھی کیا جا سکتا ہے اور جملے کا عطف جملے پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، یہ عمرو کا عطف کس پر کیا گیا؟ زید پر، کس کے ذریعے؟ ثُمَّ کے ذریعے۔ تو دیکھو مفرد کا عطف مفرد پر کیا گیا۔ اور کبھی جملے کا عطف جملے پر ہو گا اس ثُمَّ کے ذریعے، ضَرَبْتُ ثُمَّ أَكْرَمْتُ، ضَرَبْتُ ثُمَّ أَكْرَمْتُ۔ تو ضَرَبْتُ فعل بافاعل یہ جملہ ہوا اور أَكْرَمْتُ فعل بافاعل یہ بھی کیا؟ جملہ، تو جملے کا عطف جملے پر۔ تو ثُمَّ جو ہے جو بغیر تا کے ہے اس کے ذریعے مفرد کا عطف مفرد پر بھی کیا جاتا ہے اور جملے کا عطف جملے پر بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ تا مل جائے ثُمَّتَ پھر اس کے ذریعے صرف جملے کا عطف جملے پر کرنا جائز ہے، مفرد کا عطف مفرد پر کرنا یہ پھر جائز نہیں۔ تو یہاں بھی دیکھیے جملے کا عطف جملے پر ہے، فَمَضَيْتُ یہ بھی جملہ اور قُلْتُ یہ بھی کیا ہے؟ جملہ، تو اس قُلْتُ فعل بافاعل یہ جملہ جو ہے اس کا عطف کیا گیا کس پر؟ مَضَيْتُ جملے پر بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو شاعر کہتا ہے وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي اور تحقیق میں گزرتا ہوں کسی ایسے کمینے پر يَسُبُّنِي جو مجھے گالیاں دیتا ہے، فَمَضَيْتُ تو میں گزر جاتا ہوں ثُمَّتَ قُلْتُ پھر میں کہتا ہوں لَا يَعْنِينِي کہ اس نے میرا ارادہ نہیں کیا۔ بھئی شاعر دراصل اس شعر کے اندر اپنے حلم اور اپنی بردباری اور اپنی برداشت کی تعریف کر رہا ہے کہ میں بڑا حلیم الطبع شخص ہوں، میں بڑی برداشت کرنے والا آدمی ہوں، کتنی ہی کوئی کتنا ہی مجھے برا بھلا کہہ دے میں اس کو برداشت کر لیتا ہوں اس کی پرواہ ہی نہیں کرتا بھئی، بڑا ہی حلیم الطبع انسان ہوں میں۔ تو اپنی قوت برداشت کی تعریف کر رہا ہے اپنا کمال بیان کر رہا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ چنانچہ کیا کہتا ہے وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ اور جب میں کسی ایسے کمینے پر گزرتا ہوں گھٹیا شخص پر گزرتا ہوں يَسُبُّنِي جو کیا کرتا ہے؟ مجھے گالیاں دے رہا ہوتا ہے فَمَضَيْتُ تو میں خاموشی سے گزر جاتا ہوں ثُمَّتَ قُلْتُ پھر میں کہتا ہوں یعنی آگے جا کر پھر میں اپنے آپ سے یا اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں لَا يَعْنِينِي یہ میرا ارادہ نہیں کر رہا تھا، اس نے میرا ارادہ نہیں کیا، یہ مجھے نہیں گالیاں دے رہا تھا یہ کسی اور کو دے رہا تھا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اتنا حلیم الطبع انسان ہوں، اتنا حلیم الطبع۔ شعر کا معنی سمجھ میں آ گیا؟

اب دیکھیے مقام استشہاد ہے یہاں پر اللَّئِيمِ۔ یہ اللَّئِيمِ پر جو الف لام آیا یہ الف لام عہد ذہنی ہے، الف لام عہد ذہنی۔ اور الف لام عہد ذہنی اس کے ذریعے اس جنس کے کسی ایک فرد غیر معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام عہد ذہنی جس لفظ پر داخل ہوتا ہے لفظوں کے اعتبار سے وہ معرفہ بن جاتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ لیکن معنی کے اعتبار سے نکرہ ہی رہتا ہے۔ اسی لیے أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ یہاں کیا ترجمہ کیا تھا؟ مجھے خوف ہے کہ ان کو کھا لے گا کوئی بھیڑیا، کوئی بھیڑیا۔ یہ دیکھا یہ نکرہ والا ترجمہ، ذِئْبٌ کا کیا ترجمہ کرتے ہیں آپ؟ کوئی بھیڑیا، اور الذِّئْبُ کا بھی کیا ترجمہ کیا؟ کوئی بھیڑیا۔ تو یہ دیکھو معنی کے اعتبار سے اسی طرح نکرہ رہتا ہے۔ یہاں پر بھی لَئِيمٌ کا معنی ہے کوئی گھٹیا، کوئی کمینہ، اللَّئِيمِ یہاں الف لام عہد ذہنی ہے اس کا بھی وہی معنی ہو گا کوئی گھٹیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جب میں گزرتا ہوں کسی گھٹیا شخص پر، کسی ادنیٰ شخص پر۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور دیکھیے بھئی جب الف لام عہد ذہنی کسی لفظ پر آیا تو وہ معنی کے اعتبار سے تو نکرہ ہے لیکن لفظوں کے اعتبار سے وہ معرفہ بن جاتا ہے۔ اللَّئِيمِ لفظوں کے اعتبار سے کیا ہے؟ معرفہ، اور کوئی لفظ معرفہ ہو اس کی صفت معرفہ ہی لائی جاتی ہے، کوئی لفظ نکرہ ہو تو اس کی صفت نکرہ آتی ہے۔ معرفہ کی صفت معرفہ آتی ہے اور نکرہ کی صفت نکرہ آتی ہے۔ تو یہاں پر اللَّئِيمِ پر الف لام آیا لہٰذا اس کی صفت بھی کیا آنی چاہیے؟ معرفہ، لیکن يَسُبُّنِي یہ اس کی صفت بن رہی ہے اور معنی کی رعایت رکھتے ہوئے۔

بھئی صفت، توجہ ہے سبق کی طرف؟ جب کسی لفظ کی صفت لائی جاتی ہے تو اس لفظ کو دیکھتے ہیں اگر وہ معرفہ ہو تو صفت بھی کیسی لاتے ہیں؟ معرفہ، اور اگر وہ نکرہ ہو تو صفت بھی اس کی کیسی لاتے ہیں؟ نکرہ۔ کس کو دیکھتے ہیں؟ لفظ کو دیکھتے ہیں معنی کو نہیں دیکھتے۔ لفظ معرفہ ہے تو صفت بھی معرفہ، لفظ نکرہ ہے تو صفت بھی نکرہ۔ لیکن بعض اوقات معنی کی بھی رعایت رکھ لی جاتی ہے، بعض اوقات ہاں یہ بھی بعض اوقات معنی کی رعایت رکھی جاتی ہے تو یہاں پر اللَّئِيمِ آیا اور یہ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ اور اس کی صفت کیا آنی چاہیے تھی؟ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ اس کی صفت آنی چاہیے تھی لیکن یہ معنی کے اعتبار سے ہے نکرہ کیونکہ اس کا کیا معنی؟ کوئی گھٹیا۔ تو معنی کی رعایت رکھتے ہوئے اس کی صفت نکرہ لائی گئی۔ میں نے آپ کو ضابطہ بتایا تھا نکرہ کے بعد فعل آ جائے تو وہ اس کی کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو اللَّئِيمِ کے بھی معنی کی یہاں رعایت رکھی گئی اور معنی کے اعتبار سے تو ہے یہ نکرہ، تو نکرہ کے بعد يَسُبُّ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ اسی لیے میں نے ترجمہ کیا وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي اور جب میں گزرتا ہوں کسی ایسے کمینے پر، اور تحقیق جب میں گزرتا ہوں کسی ایسے کمینے پر يَسُبُّنِي جو مجھے گالیاں دیتا ہے، فَمَضَيْتُ تو میں گزر جاتا ہوں ثُمَّتَ قُلْتُ پھر میں کہتا ہوں لَا يَعْنِينِي اس نے میرا ارادہ نہیں کیا یہ تو کسی اور کو گالیاں دے رہا تھا۔ شعر کا معنی سمجھ میں آ گیا؟ تو یہاں اللَّئِيمِ لفظ ہے معرفہ لیکن صفت لائی گئی يَسُبُّنِي کس کی رعایت کرتے ہوئے؟ معنی کی

رعایت کرتے ہوئے کیونکہ معنی کے اعتبار سے اللَّئِيمِ نکرہ ہی ہے۔

یہاں پر شاعر اپنی بردباری کی تعریف کر رہا ہے، اپنی برداشت کی تعریف کر رہا ہے۔ اگر اللَّئِيمِ سے کوئی متعین کمینہ مراد لیں الف لام عہد خارجی لیں تو پھر قوت برداشت معلوم ہوا زیادہ نہیں، کیونکہ پھر تو معنی یہ ہو گا کہ جب میں وہ جو فلاں کمینہ ہے میں اس پر گزرتا ہوں تو میں اس کی گالیاں برداشت کر لیتا ہوں۔ یہی معنی بنے گا شعر کا نا؟ معلوم ہوا زیادہ قوت برداشت نہیں ہے صرف اس کی گالیاں برداشت کر سکتا ہے باقی کسی کی گالیاں برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا کس کے اندر مبالغہ زیادہ کہ اللَّئِيمِ پر الف لام عہد خارجی لیں یا عہد ذہنی لیں؟ عہد ذہنی کے اندر مبالغہ زیادہ ہے کہ کسی بھی کمینے پر میں گزروں اور وہ مجھے گالیاں دے تو میں اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا بھئی۔

■ قولہ: «وَإِذَا وَقَعَ الْمُحَلَّى بِأَلْ خَبَرًا...» کی تشریح

وَإِذَا وَقَعَ الْمُحَلَّى بِأَلْ خَبَرًا أَفَادَ الْقَصْرَ اور جب واقع ہو مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ خبر ہو کر أَفَادَ الْقَصْرَ تو وہ قصر کا فائدہ دیتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا حصر، قصر اور تخصیص تینوں کا ایک معنی ہے۔ حصر، قصر اور تخصیص تینوں کا ایک معنی ہے۔ تخصیص میں نے بیان کی تھی کسے کہتے ہیں؟ تخصیص کسے کہتے ہیں؟ کہ اگر مذکور کے لیے جو چیز ذکر کی گئی اس کے لیے ایک چیز کا اثبات ہے تو باقی سب سے اس کی نفی ہے، یہ کیا ہے؟ تخصیص۔ یا اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی کی جا رہی ہے تو باقی سب کے لیے کیا ہے؟ اثبات، یہ کیا ہے؟ تخصیص۔ جیسے دیکھیے بھئی قرآن میں کیا آیا ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، یہاں تخصیص ہے۔ آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، کیا معنی؟ جب اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اللہ کے لیے عبادت کا اثبات کرتے ہیں تو باقی سب سے کیا کر دی؟ نفی کہ معلوم ہوا کسی اور کی ہم عبادت نہیں کرتے۔ یہ ہے تخصیص بھئی کہ اگر مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہے تو باقی سب سے کیا ہو؟ نفی ہو، یہ ہے تخصیص۔ یا نفی کی صورت میں اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی ہے تو باقی سب کے لیے کیا ہو؟ اثبات ہو، یہ ہے تخصیص بھئی۔

تو یہاں آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ بھئی دیکھیے جب مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ خبر آ جائے تو وہ بھی تخصیص پیدا کر دیتا ہے۔ دیکھیے زَيْدٌ ضَارِبٌ، زَيْدٌ ہے مبتدا ضَارِبٌ ہے اس کی خبر۔ ترجمہ کیا ہوا؟ زید پٹائی کرنے والا ہے، زَيْدٌ ضَارِبٌ زید پٹائی کرنے والا ہے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ عمرو بھی پٹائی کرنے والا ہے یا نہیں، بکر بھی ہے یا نہیں یا خالد بھی ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی ذکر نہیں اس جملے کے اندر، اس میں صرف اتنا بتایا گیا زید ہے پٹائی کرنے والا باقی کوئی ہے یا نہیں اس کو چھیڑا ہی نہیں گیا۔ لیکن اگر اسی خبر کو بھی معرفہ لایا جائے اور یوں کہا جائے زَيْدٌ الضَّارِبُ، کیا کہا جائے؟ زَيْدٌ الضَّارِبُ۔ اب الضَّارِبُ خبر بھی معرفہ آ گئی اور خبر معرفہ ہے تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا إِذَا وَقَعَ الْمُحَلَّى بِأَلْ خَبَرًا کہ جب مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ کیا واقع ہو؟ خبر، أَفَادَ الْقَصْرَ وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ قصر کا۔ تو اب زَيْدٌ الضَّارِبُ کیا ترجمہ کریں گے؟ زید ہی پٹائی کرنے والا ہے، تخصیص آ گئی۔ اب بتائیے عمرو اور بکر پٹائی کرنے والے ہیں یا نہیں ہیں؟ اب نہیں ہیں کیونکہ تخصیص آ گئی، زید ہی پٹائی کرنے والا ہے۔ تو زید کے لیے جب ضارب ہونے کا وصف ثابت ہے تو باقیوں سے اس کی نفی ہے کیونکہ یہاں تخصیص ہے بھئی، اور تخصیص اسی کو کہتے ہیں کہ مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہے تو باقیوں سے نفی، اور اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی ہے تو باقیوں کے لیے اثبات ہو۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے وَإِذَا وَقَعَ الْمُحَلَّى بِأَلْ خَبَرًا أَفَادَ الْقَصْرَ اور جب مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ جو ہے وہ خبر ہو کر واقع ہو یعنی خبر مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ آ جائے أَفَادَ الْقَصْرَ تو وہ قصر کا فائدہ دے گی۔ قصر، حصر اور تخصیص تینوں کا ایک معنی ہے بھئی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ۔ هُوَ مبتدا معرفہ کیونکہ ضمیر معرفہ ہے، الْغَفُورُ خبر بھی معرفہ آ گئی۔ کیا ترجمہ کریں گے؟ وہی بخشنے والا ہے، تخصیص آ گئی معلوم ہوا اور کوئی بخشنے والا نہیں۔ الْوَدُودُ معرفہ آ گئی خبر، کیا معنی؟ وہی محبت کرنے والا ہے، یعنی اللہ کی محبت اتنی کامل درجے کی ہے کہ اس کی محبت کے سامنے کسی اور کی محبت محبت کہلانے کے لائق بھی نہیں، وہی محبت کرنے والا ہے یعنی اس کے سامنے گویا کوئی اور محبت کرنے والا ہے ہی نہیں، اللہ اتنی محبت کرتے ہیں بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ اور وہی بخشنے والا ہے وہی محبت کرنے والا ہے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴: مضاف الی المعرفہ لانے کی اغراض: اختصار، تعذرِ تعداد، تعظیم، تحقیر اور سآمت سے بچاؤ

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۸ــــ بتاریخ: ۱۳ دسمبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ أَيْضًا كَكِتَابِ سِيبَوَيْهِ وَسَفِينَةِ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ لِذَلِكَ فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى۔

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

تعریف اور تنکیر کا باب چل رہا ہے۔ کس مقام پر معرفہ لایا جائے گا اور کس مقام پر نکرہ، وہ ذکر ہو رہا ہے، اور معرفہ لانے کی کئی صورتیں ہیں تو ہر ایک معرفہ کے لانے میں کیا کیا نکتے ہیں وہ سب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے جا رہے ہیں۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا معرف باللام کے بارے میں، معرف باللام کے بارے میں۔ آج مضاف کے بارے میں پڑھیں گے ہم، مضاف بھئی۔ یعنی وہ جو مضاف ہو معرفہ کی طرف۔

بھئی یاد رکھیے جب کسی اسم کی اضافت کی جائے معرفہ کی طرف تو وہ اسم خود بھی معرفہ بن جاتا ہے۔ غُلَامٌ کا لفظ نکرہ ہے لیکن جب اس کی اضافت کر دی زَيْدٌ کی طرف غُلَامُ زَيْدٍ، تو اب یہ معرفہ بن گیا، زید کا غلام۔ بھئی نکرہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی ذات غیر معین پر دلالت کرتا ہے۔ میں نے غُلَامٌ کہا، آپ کو کچھ پتا چلا کون سا غلام مراد ہے؟ نہیں، پتا ہی نہیں چلا کیونکہ یہ نکرہ ہے۔ لیکن معرفہ جو ہوتا ہے وہ کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اب جب میں نے اس کی اضافت معرفہ کی طرف کی اور کہا غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام، تو دیکھیں فوراً آپ سمجھ گئے بھئی کس کی بات ہو رہی ہے؟ زید کے غلام کی بات ہو رہی ہے، تو اس نے ایک متعین ذات پر دلالت کی تو یہ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ یا یہ تو علم کی طرف اضافت، کسی بھی معرفہ کی طرف اضافت کر دیں تو وہ نکرہ جو ہوتا ہے وہ جو مضاف ہے وہ بھی معرفہ بن جاتا ہے۔ غُلَامُهُ، دیکھو ضمیر کی طرف اضافت کر دی، اس کا غلام، یہ بھی اب متعین ذات پر دلالت کر رہا ہے۔ الرَّجُلُ اس کی طرف میں نے غلام کی اضافت کی غُلَامُ الرَّجُلِ، کیا ترجمہ کریں گے؟ جی کسی آدمی کا غلام یہ ترجمہ غلط ہے بھئی۔ ہاں اس، الف لام والا ترجمہ کرو بھئی جو میں نے بتایا ہے، الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو الرَّجُلُ کا ویسے الرَّجُلُ کا معنی ہو گا وہ آدمی، کوئی متعین آدمی ہے اس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، تو غُلَامُ الرَّجُلِ کیا ترجمہ کریں گے؟ اس آدمی کا غلام۔ یہ خاص لفظ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ جو آپ اس اشارہ کر رہے ہیں نا تو اشارہ ہوتا ہی کسی متعین چیز کی طرف ہے، غیر متعین کی طرف نہیں ہوتا اشارہ۔ اس آدمی کا غلام، کوئی متعین آدمی ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، سننے والا فوراً سمجھ گیا بھئی کہ اس آدمی کا غلام مراد ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یاد رکھیے جب بھی کسی نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کی جائے تو وہ جو نکرہ ہوتا ہے جو مضاف ہوتا ہے وہ بھی اضافت کے بعد معرفہ بن جاتا ہے۔ یہ تو جب اضافت معرفہ کی طرف کی جائے، لیکن اگر اضافت نکرہ کی طرف کی جائے کسی اسم کی تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ غُلَامٌ کا لفظ نکرہ ہے، اس کی اضافت رَجُلٌ کی طرف کر دیں رَجُلٌ بھی نکرہ ہے، غُلَامُ رَجُلٍ، تو اب بھی اضافت کے باوجود غُلَامٌ کا لفظ اب بھی نکرہ ہے جیسے پہلے نکرہ تھا۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ اب اس کے اندر تخصیص آ گئی۔ کیا آ گئی؟ تخصیص آ گئی، یعنی تخصیص وہ اصطلاحی تخصیص نہیں جو کل پرسوں کے سبق میں آئی تھی بھئی، بلکہ تخصیص سے یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے اندر جو احتمالات تھے وہ کم ہو گئے یا صرف ایک ہی احتمال ہوا، تو اس کے اندر احتمالات کم ہو گئے یوں کہیے۔ کیا معنی ہے؟ اس کے اندر احتمالات کم ہو گئے۔ غُلَامٌ مثلاً دنیا کے اندر فرض کریں دس لاکھ غلام ہیں فرض کر لیں۔ تو جب میں نے غُلَامٌ کہا تو ان سب پر غُلَامٌ کا یہ لفظ صادق آ رہا تھا، لیکن ان میں سے فرض کریں پانچ لاکھ غلام ہیں مردوں کے تو پانچ لاکھ غلام ہیں عورتوں کے۔

تو جب میں نے اضافت کر دی رَجُلٌ کی طرف غُلَامُ رَجُلٍ، تو یہ ہے تو نکرہ ہی اسی طرح کیونکہ نکرہ کی طرف اضافت ہوئی، لیکن البتہ اس کے اندر احتمالات کم ہو گئے۔ پہلے یہ غُلَامٌ کا لفظ دس لاکھ افراد میں سے ہر ایک پر صادق آرہا تھا، اب صرف کتنے پر صادق آرہا ہے؟ پانچ لاکھ پر، کیونکہ میں نے کہہ دیا مرد کا غلام تو اس سے عورت کے غلام کیا ہوئے؟ نکل گئے۔ تو دیکھو احتمالات اس میں کم ہو گئے۔ یہ پہلے دس لاکھ افراد میں سے ہر ایک کا احتمال تھا شاید یہ مراد ہو شاید یہ مراد ہو ہر ایک پر صادق آرہا تھا، لیکن اب صرف پانچ لاکھ پر صادق آرہا ہے تو دیکھو احتمالات اس میں کم ہو گئے۔ تو یہ ہے یہاں پر تخصیص بھئی۔ تو معلوم ہوا جب کسی اسم کی اضافت معرفہ کی طرف کی جائے تو وہ معرفہ بن جاتا ہے، جبکہ کسی اسم کی اضافت اگر نکرہ کی طرف کی جائے تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے البتہ اس کے اندر تخصیص آجاتی ہے یعنی احتمالات اس میں کم ہو جاتے ہیں۔

تو اب بات چل رہی ہے اس اسم کی جو مضاف ہو معرفہ کی طرف۔ اس کو کیوں لایا جاتا ہے؟ اس کے لانے میں کیا نکات ہوتے ہیں؟ کہتے ہیں وَأَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ اور باقی وہ اسم جو مضاف ہو معرفہ کی طرف فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ أَيْضًا۔ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا جب وہ متعین ہو بطور ایک طریقے کے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس کے معنیٰ کو حاضر کرنے کے لیے أَيْضًا، یعنی جب وہ بھی متعین ہو بطور ایک طریقے کے اس کے معنیٰ کو حاضر کرنے کے لیے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟ بھئی پیچھے بھی ایک دو جگہ ذکر ہوا تھا کہ اسم موصول کی صورت میں معرفہ کو لایا جاتا ہے، کیوں لایا جاتا ہے؟ جب وہ ایک طریقے کے طور پر متعین ہو، اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں ہے ایک چیز کو ذکر کرنے کی۔ ایک متعین چیز ذکر کرنا چاہتے ہیں، سامع کے ذہن میں لانا چاہتے ہیں تاکہ سامع کو پتا لگ جائے کہ وہ متعین چیز مراد ہے، تو بعض اوقات اسم موصول کے علاوہ اور لانے کی کوئی صورت ہی نہیں کہ سامع کے ذہن میں اس کو حاضر کیا جائے، لایا جائے، تو اس کو اسم موصول کی صورت میں لایا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اسم اشارہ کے اندر بھی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بعض اوقات معرفہ کو اسم اشارہ کی صورت میں لایا جاتا ہے اس لیے کیونکہ اس کے معنیٰ کو سامع کے ذہن میں حاضر کرنے کا اور اس کی کوئی صورت ہی نہیں ہوتی۔ جب ایک ہی صورت ہے کہ اشارے سے ہی اس کا پتا چل سکتا ہے اور تو کسی طرح پتا چل ہی نہیں سکتا تو پھر کیا لایا جاتا ہے؟ اسم اشارہ۔ اسی طرح اسم موصول بھی ہے جب اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہوتا تو پھر کس کو لایا جاتا ہے؟ سمجھ میں آرہی ہے بات؟ اسی طرح اضافت میں بھی ہے جب یہ بھی بطور ایک طریقے کے متعین ہو کہ سامع کے ذہن میں ایک چیز کو حاضر کیا جائے بھئی، تو پھر کس کو لایا جاتا ہے؟ اضافت کی صورت میں اس کو لایا جاتا ہے یعنی مضاف اس کو کیا جاتا ہے معرفہ کی طرف۔

صورت سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ بھئی بعض اوقات ایک معین چیز کی طرف آپ اشارہ کرنا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں، اور جب معین چیز کے بارے میں بات کر رہے ہیں، ٹھیک ہے آپ کے ذہن میں تو وہ بات ہے، سامع کو بھی پتا چلنا چاہیے یا نہیں چلنا چاہیے؟ آپ اسی سے تو بات کر رہے ہیں، اس کو بھی تو پتا چلنا چاہیے آپ کس چیز کی بات کر رہے ہیں، کس معین چیز کی۔ اگر اسے پتا نہ چلے تو آپ کے تو کلام کا مقصد ہی فوت ہو گیا، بات بتلانے کا فائدہ ہی کوئی نہ ہوا، اسے کچھ پتا ہی نہیں چلے گا کہ کون مراد ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو لہٰذا اب آپ الرَّجُلُ کہتے ہیں الرَّجُلُ، اس کا کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ وہ آدمی، وہ آدمی۔ تو اب یہ کوئی معین آدمی ہو گا لیکن اس کا صرف آپ کو نہیں پتا ہونا چاہیے، سننے والے کو بھی پتا ہو، اس کو بات سمجھ میں پھر ہی آئے گی۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ آپ کہتے ہیں وہ آدمی کل میرے گھر آیا تھا۔ اگر یہ اس کو پتا ہے تو سمجھ جائے گا فلاں آدمی کی بات ہو رہی ہے۔ اگر اسے پتا ہی نہیں ہے، اب آپ سارا دن اس کو کہتے رہیں وہ آدمی میرے گھر آیا تھا، وہ آدمی اس سے میری ملاقات ہوئی تھی، اسے تو کوئی پتا ہی نہیں چلا بات کا تو آپ کے بات کرنے کا تو مقصد ہی فوت ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہ جو معرفہ ہوتا ہے وہ متعین ذات پر دلالت کرتا ہے اور صرف آپ کے نزدیک متعین نہیں ہونی چاہیے بلکہ جس کو بات سنا رہے ہیں اس کے نزدیک بھی وہ ذات متعین ہونی چاہیے، اس کو پتا چلنا چاہیے کہ اس سے کس چیز کی بات ہو رہی ہے، کس چیز کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، کون سی معین چیز مراد ہے۔

تو پھر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس متعین چیز کو سامع کے ذہن میں لانے کے لیے اسم اشارہ کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں ہوتی، اور کسی معرفہ سے اس کا پتا ہی نہیں چلے گا تو اس کو اسم اشارہ کی صورت میں لاتے ہیں۔ بعض اوقات سامع کے ذہن میں اس کو حاضر کرنے کے لیے اسم موصول کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کو کس صورت میں لاتے ہیں؟ اسم موصول کی صورت میں لاتے ہیں۔ اور جیسے آج آپ نے پڑھا بعض اوقات ایک چیز کو سامع کے ذہن میں لانے کے لیے مضاف الی المعرفہ کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں ہوتی تو اس کو کس صورت میں لاتے ہیں؟ مضاف الی المعرفہ کی صورت میں لاتے ہیں۔ جیسے آپ امام سیبویہ کی کتاب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اپنے ساتھی سے، یعنی آپ اس کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بڑی مشکل کتاب ہے۔ اب آپ اس کو صرف یہ کہیں وہ بہت مشکل کتاب ہے، دیکھو اشارہ ہوا یا نہیں؟ لیکن اس کو کچھ پتا چلا؟ آپ کے ذہن میں تو ہے امام سیبویہ کی کتاب کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں لیکن اس کو تو کچھ پتا نہیں۔ ہاں پہلے ذکر چل رہا تھا اس کا پھر تو الگ بات ہے، میں وہ صورت نہیں بیان کر رہا۔ آپ اولاً بات شروع کرتے ہی اس سے ملاقات ہوئی اور ملاقات ہوتے ہی امام سیبویہ کی کتاب کا کوئی ذکر پیچھے نہیں ہوا، اب آپ اس کو صرف یہ کہتے ہیں بھئی وہ بڑی مشکل کتاب ہے، تو اس کو کچھ پتا چلے گا؟ آپ کے بات کرنے کا تو مقصد ہی فوت ہو گیا، یہ جملہ کہنے کا اس کو تو کوئی فائدہ نہیں ہو رہا، وہ فوراً پوچھے گا بھئی کون سی کتاب کی بات کر رہے ہو؟ تو وہ چیز متعین ذات پر وہ لفظ دلالت کرے، اس کو پتا تو چلے بھئی، مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ دوسرے سے بات کی جاتی ہے اس کو بتلایا جاتا ہے۔ تو لہٰذا اب دیکھو آپ امام سیبویہ کی کتاب کا ذکر اس کے سامنے کرنا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو سامع کے ذہن میں اس کو لانے کا اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے، اب یہاں اضافت ہی کے ساتھ آپ کو ذکر کرنا پڑے گا اور یوں کہیں گے امام سیبویہ کی کتاب بڑی ہی مشکل ہے۔ دیکھا امام سیبویہ کی کتاب، دیکھو اضافت کے ساتھ آپ ذکر کر رہے ہیں، كِتَابُ سِيبَوَيْهِ، كِتَابُ سِيبَوَيْهِ۔ ہاں ایک دفعہ جب ذکر ہو جائے پھر اس کے بعد جس صورت میں بھی لائیں وہ اور صورتیں بھی پھر بات وہ سمجھتا چلا جائے گا، اب آپ وہ کتاب بھی کہیں گے اب ایک دفعہ ذکر آگیا تھا اب سمجھ جائے گا اسی کتاب کی بات ہو رہی ہے جس کا ابھی ذکر آیا تھا۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح آپ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو ابتداءً اور کوئی صورت ہی نہیں ہے سامع کے ذہن میں اس کو لانے کی، لانا ہی کس صورت میں پڑے گا؟ اضافت کی صورت میں اور آپ کو کہنا پڑے گا سَفِينَةُ نُوحٍ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھئی۔ تو سامع کے ذہن میں اور کوئی صورت ہی نہیں ہے یہاں اس کو حاضر کرنے کی کہ وہ سمجھ جائے کس کی طرف اشارہ ہے، کون سی متعین چیز مراد ہے۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ مشکل ہے؟

■ قولہ: «وَأَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ» کی تشریح

تو یہی بات بیان کررہے ہیں۔ کہتے ہیں وَأَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ اور باقی وہ اسم جو مضاف ہو معرفہ کی طرف فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ أَيْضًا جب وہ بھی متعین ہو بطور، یعنی مضاف الی المعرفہ ہی متعین ہو بطور ایک طریقے کے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے۔ تو یہ أَيْضًا کا تعلق تعین سے ہے، جب وہ بھی متعین ہو، کون؟ مضاف الی المعرفہ، جب وہ بھی متعین ہو بطور ایک طریقے کے لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے، كَكِتَابِ سِيبَوَيْهِ جیسے کہ امام سیبویہ کی کتاب وَسَفِينَةِ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی۔

أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ لِذَلِكَ فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى اور باقی جب وہ متعین نہ ہو لِذَلِكَ أَيْ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ اس کے معنی کو حاضر کرنے کے لیے فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى تو پھر وہ دوسری غرضوں کے لیے ہو گا۔ بھئی اوپر ایک صورت ذکر کر دی، مضاف الی المعرفہ کو کیوں لایا جاتا ہے؟ جب وہ متعین ہو بطور ایک طریقے کے، اور کوئی صورت ہی نہیں ہے اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے تو لایا ہی کس صورت میں جائے گا؟ مضاف الی المعرفہ کی صورت میں اس معرفہ کو لایا جائے گا۔ ہاں اگر اور طریقے بھی ہیں وہاں، ایک مقام ایسا ہے کہ اضافت کے بغیر اسم اشارہ یا ضمیر وغیرہ سے بھی کام چل سکتا ہے، وہ معرفہ ذکر ہو سکتا ہے سننے والا اس کو سمجھ جائے گا، لیکن آپ پھر بھی کس صورت میں لاتے ہیں؟ اضافت ہی کی صورت میں۔ بھئی اور طریقے بھی تھے لیکن آپ پھر بھی کون سا طریقہ استعمال کرتے ہیں؟ اضافت والا، تو پھر وہ اور غرضوں کی وجہ سے ہو گا جو آگے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ لِذَلِكَ اور باقی جب وہ اس کے لیے متعین نہ ہو یعنی سامع کے ذہن میں معنی کو حاضر کرنے کے لیے یہ مضاف الی المعرفہ متعین نہ ہو فَيَكُونُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى تو پھر یہ دوسری غرضوں کے لیے ہو گا۔

كَتَعَذُّرِ التَّعْدَادِ أَوْ تَعَسُّرِهِ جیسے کہ تعداد کا ممکن نہ ہونا یا أَوْ تَعَسُّرِهِ یا اس کا مشکل ہونا۔ تَعَذُّرٌ کا معنی ہے ممکن نہ ہونا، كَتَعَذُّرِ التَّعْدَادِ تعداد کا ممکن نہ ہونا یعنی شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ ایک مقام ایسا ہے کہ وہاں پر اگر آپ ان چیزوں کو شمار کرنا شروع کریں تو آپ ان کو شمار کر ہی نہیں سکتے، آپ کے بس سے ہی باہر ہے، تو اس موقع پر پھر اضافت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى كَذَا اجماع کیا ہے اہل حق نے اس بات پر۔ کوئی مسئلہ ہے مثلاً آپ ذکر کرتے ہیں اور آپ کیا کہتے ہیں؟ تمام اہل حق نے اس بات پر اجماع کیا ہے، سب کے نزدیک یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ اب آپ نے کہا أَهْلُ الْحَقِّ حق والے، أَهْلُ مضاف الْحَقِّ مضاف الیہ، تو آپ نے اضافت کے ساتھ مسند الیہ کو ذکر کیا، اور وجہ اس کی کیا؟ وجہ اس کی یہ کہ تمام اہل حق مثلاً زید بھی ہے عمرو بھی ہے بکر بھی ہے خالد بھی ہے وغیرہ وہ اتنے زیادہ ہیں کہ آپ ان سب کو شمار کر ہی نہیں سکتے، بلکہ تمام اہل حق کو تو آپ جانتے بھی نہیں ہیں بھئی، چند ایک کو جانتے ہوں گے باقی سب کو پوری طرح جانتے بھی نہیں، تو لہذا سب کو شمار کرنا، سب کے نام ذکر کیے جائیں با قاعدہ عبارت کے اندر یہ ممکن ہی نہیں ہے بھئی کیونکہ آپ سب کو جانتے ہی نہیں۔ تو دیکھو اضافت نے آپ کو سب کے ذکر سے بے نیاز کر دیا، اب سب کے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں، جب آپ نے کہہ دیا أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى كَذَا تمام اہل حق نے اس بات پر اجماع کیا ہے تو سارے اس کے اندر آگئے۔ لیکن اس کے بجائے اگر آپ ایک ایک کو ذکر کرتے، اولاً تو آپ سب کو جانتے نہیں ہیں اور کچھ جن کو آپ جانتے بھی ہیں ان کی بھی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا ذکر کرنا مشکل ہو جاتا آپ کے لیے۔ تو یہ پہلی مثال وہ ہے جس میں شمار کرنا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ آپ سب کو جانتے ہی نہیں ہیں یا اتنے زیادہ ہیں کہ سب کو ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

وَأَهْلُ الْبَلَدِ كِرَامٌ، أَهْلُ الْبَلَدِ اس شہر والے كِرَامٌ كَرِيمٌ کی جمع ہے معزز ہیں یا یوں کہیں سخی ہیں، اس شہر والے سخی ہیں بھئی۔ الْبَلَدُ پر الف لام آیا بھئی، گزشتہ سبق میں آپ نے الف لام کی قسمیں پڑھی تھیں، الف لام حرفی جو ہے اس کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، تو الْبَلَدُ کے ذریعے بھی کسی متعین شہر کی طرف اشارہ ہے، تو أَهْلُ الْبَلَدِ کیا ترجمہ ہو گا أَهْلُ الْبَلَدِ کا؟ شہر والے؟ نہیں، صرف شہر والے نہیں، أَهْلُ الْبَلَدِ اس شہر والے، کوئی متعین شہر ہے بھئی۔ أَهْلُ الْبَلَدِ اس شہر والے كِرَامٌ وہ سخی ہیں، سخی ہیں۔ اب دیکھیے یہ دوسری مثال ہے تَعَسُّرٌ کی بھئی۔ تَعَذُّرٌ کا معنی تھا ناممکن ہونا اور تَعَسُّرٌ کا معنی ہے مشکل ہونا۔ تو اب شہر والے وہ آپ نے کہا اس شہر والے سخی ہیں، اس کے بجائے اگر آپ ایک ایک کا نام ذکر کرتے تو ممکن تو تھا کیونکہ شہر کے لوگ محدود ہیں ان کی ایک حد ہے بھئی، لیکن ممکن تو تھا لیکن مشکل ہے بھئی، تو أَهْلُ الْبَلَدِ جب آپ نے کہا اس نے ایک ایک کے ذکر سے آپ کو بے نیاز کر دیا، اب ایک ایک کا نام ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بھئی، تو یہ فائدہ اضافت نے دیا بھئی، اضافت نے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو کہتے ہیں كَتَعَذُّرِ التَّعْدَادِ أَوْ تَعَسُّرِهِ جیسے کہ شمار کرنا ناممکن ہونا أَوْ تَعَسُّرِهِ یا اس کا مشکل ہونا نَحْوُ أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى كَذَا وَأَهْلُ الْبَلَدِ كِرَامٌ۔

وَالْخُرُوجِ مِنْ تَبِعَةِ تَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ۔ تَبِعَةٌ بھئی، تَبِعَةٌ کہتے ہیں ذمہ داری کو بھئی، ذمہ داری اور نتیجہ۔ تَبِعَةٌ کا کیا معنی ہے؟ ذمہ داری اور نتیجہ۔ دوسرا نکتہ کیا ہو سکتا ہے؟ وَالْخُرُوجِ مِنْ تَبِعَةِ تَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ اور نکلنا، تَقْدِيمٌ کا معنی آگے کرنا مقدم کرنا، بعض کو بعض پر مقدم کرنے کی

ذمہ داری سے نکلنا بھئی، بعض کو بعض پر مقدم کرنے کی ذمہ داری سے نکلنا،نَحْوُ حَضَرَ أُمَرَاءُ الْجُنْدِ اس لشکر کے جو امیر ہیں وہ حاضر ہو گئے۔أُمَرَاءُ جمع أَمِيرٌ کی سالار بھئی،جُنْدٌ لشکر، اس لشکر کے امیر جو ہیں وہ حاضر ہو گئے وہ آ گئے۔اب دیکھیے أُمَرَاءُ الْجُنْدِ، أُمَرَاءُ مضاف الْجُنْدِ مضاف الیہ، تو یہاں پر مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اگر چہ یہاں پر مثلاً لشکر کے چھ حصے ہیں یا آٹھ حصے ہیں تو چھ اس کے امیر ہوں گے، اگر آٹھ حصے ہیں تو آٹھ امیر ہوں گے، ہر حصے پر ایک امیر مقرر ہے، تو اب چھ یا آٹھ کو ذکر کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن پھر بھی اگر آپ ذکر کرنے بیٹھتے تو آپ پر ذمہ داری پڑ جاتی، کسی کو آپ کو مقدم ذکر کرنا پڑتا، سارے نام تو اکٹھے ذکر نہیں کر سکتے کسی نام کو کیا کرنا پڑتا؟ مقدم کرنا پڑتا، دوسرے کو اس سے مؤخر کرنا پڑتا۔ تو اس صورت میں یہ تقدیم کی ذمہ داری آپ پر آ جاتی اور آپ اس ذمہ داری سے نکلنا چاہتے ہیں، آپ نہیں چاہتے یہ ذمہ داری مجھ پر پڑے تو آپ نے کیا کہہ دیا؟ باقاعدہ ایک ایک کا نام نہیں لیا بلکہ اضافت کے ساتھ سب کو اکٹھا ہی ذکر کر دیا حَضَرَ أُمَرَاءُ الْجُنْدِ اس لشکر کے امیر حاضر ہو گئے۔ اس کے بجائے اگر آپ یہ کہتے حَضَرَ زَيْدٌ وَبَكْرٌ وَعَمْرٌو وَخَالِدٌ، تو دیکھو ایک لفظ کو مقدم کرنا پڑتا ایک کے نام کو باقی دوسرے کو اس سے مؤخر کرنا پڑتا، تو اس صورت میں بعضوں کی ناراضگی کا خطرہ تھا۔ ہو سکتا ہے اس لشکر کے امیروں میں سے بعض اس بات کو ناپسند کرتے کہ ہمارے نام کو پہلے کیوں نہیں ذکر کیا بعد میں کیوں ذکر کیا یا ہمارے نام کو فلاں کے نام کے بعد کیوں ذکر کیا ہے بھئی۔ تو اس صورت میں کیا تھا؟ ناراضگی کا احتمال تھا اس لیے آپ نے اس طریقے ہی کو چھوڑ کر کون سا طریقہ اختیار کر لیا؟ اضافت کا۔ تو ایک وجہ تو یہ کہ آپ اس ذمہ داری سے کیوں نکلنا چاہتے ہیں کیونکہ اس میں بعض کی ناراضگی کا خطرہ ہے، اور دوسری وجہ یہ کہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود آپ کے لیے بھی فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا کس کے نام کو مقدم کریں اور کس کے نام کو مؤخر کریں بھئی، تو اس لیے آپ نے اضافت کا طریقہ اختیار کیا اور اس ذمہ داری سے ہی نکل گئے۔ یہ معنی ہے وَالْخُرُوجِ مِنْ تَبِعَةِ تَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ اور نکلنا بعض کو بعض پر مقدم کرنے کی ذمہ داری سے نَحْوُ حَضَرَ أُمَرَاءُ الْجُنْدِ۔

وَالتَّعْظِيمِ لِلْمُضَافِ نَحْوُ كِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ نَحْوُ هَذَا خَادِمِي أَوْ غَيْرِهِمَا نَحْوُ أَخُو الْوَزِيرِ عِنْدِي۔ بھئی کبھی اضافت جو ہے تعظیم کے لیے بھی آتی ہے۔ کبھی اضافت کس لیے آتی ہے؟ تعظیم کے لیے آتی ہے، عظمت بتلانے کے لیے بڑائی بتلانے کے لیے۔ پھر ایک ہے مضاف ایک ہے مضاف الیہ، تو کبھی کبھار اضافت کے ذریعے مضاف کی تعظیم مقصود ہو گی مضاف الیہ کی نہیں بلکہ مضاف کی، اور کبھی اضافت کے ذریعے مضاف الیہ کی تعظیم مقصود ہو گی مضاف کی تعظیم مقصود نہیں، اور کبھی نہ مضاف کی تعظیم مقصود ہو گی نہ مضاف الیہ کی بلکہ ان کے علاوہ کسی اور کی تعظیم مقصود ہو گی بھئی۔ صورتیں سمجھ میں آ رہی ہیں بھئی؟ ایک ہے مضاف ایک ہے مضاف الیہ اور اضافت کا ایک نکتہ آپ نے کیا پڑھا کہ کس لیے آتی ہے؟ تعظیم کے لیے، تو یہ تعظیم مضاف کی بھی ہو سکتی ہے مضاف الیہ کی بھی ہو سکتی ہے اور ان کے علاوہ کی بھی، جیسے اس کی مثالیں انہوں نے دیں۔ مثلاً كِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ۔ كِتَابٌ جیسے کتاب کو عربی میں کہتے ہیں اسی طرح خط کو بھی کہتے ہیں۔ آپ نے فقہ کے اندر بھی پڑھا ہو گا كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي، وہاں بھی کتاب سے کیا مراد ہے؟ خط، ایک قاضی دوسرے قاضی کو خط لکھتا ہے اور گواہی کو منتقل کرتا ہے ایک جگہ سے دوسری، گواہ اس کے پاس آئے تھے اور اس کو پھر بھیجتا ہے گواہی کے بارے میں بھئی، تو وہ ہے كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي۔ تو كِتَابُ السُّلْطَانِ بادشاہ کا خط حَضَرَ حاضر ہو گیا یعنی آ گیا پہنچ گیا، بادشاہ کا خط آ گیا ہے۔ اب دیکھیے یہاں كِتَابُ مضاف ہے السُّلْطَانِ مضاف الیہ، تو یہاں پر مضاف یعنی خط جو كِتَابٌ ہے اس کی عظمت بتلانا مقصد ہے کہ یہ جو خط آیا ہے یہ کسی عام آدمی کا نہیں ہے بلکہ کس کا ہے؟ بادشاہ کا ہے بھئی۔ تو بادشاہ کی عظمت نہیں ہے یہاں پر بیان کرنا بلکہ کس کی عظمت بیان کرنا مقصد ہے؟ بادشاہ کے خط کی، اور خط کا لفظ کیا واقع ہو رہا ہے یہاں پر؟ مضاف، ہاں تو یہاں مضاف کی تعظیم ہے۔ اور کبھی مضاف الیہ کی تعظیم ہو گی جیسے مثلاً بھئی آپ کہتے ہیں کسی سے هَذَا خَادِمِي یا کہتے ہیں هَذَا حَاجِبِي۔

■ قولہ: «هَذَا حَاجِبِي۔ حَاجِبٌ» کی تشریح

هَذَا حَاجِبِي۔ حَاجِبٌ کہتے ہیں عربی میں سیکرٹری کو بھئی، سیکرٹری، دربان کو بھی کہتے ہیں اور سیکرٹری، تو سیکرٹری کے لیے عام استعمال ہوتا ہے یہ لفظ بھئی۔ اب دیکھیے آپ نے سادہ سا لباس پہنا ہوا ہے، ایک جگہ پر موجود ہیں تو وہ لوگ آپ کو توجہ ہی نہیں دے رہے کہ یہ تو شخص کوئی معمولی سا ہی آدمی لگتا ہے۔ ان کے نزدیک عزت کا معیار صرف مال و دولت ہے اور بظاہر آپ پر زیادہ مالدار ہونے کے آثار نہیں ہیں تو وہ آپ کو توجہ ہی نہیں دے رہے۔ اچانک وہاں ایک گاڑی آ کر رکی بڑی قیمتی قسم کی گاڑی اور اس میں سے ایک آدمی اترا اور آ کر آپ کے پاس باادب کھڑا ہو گیا۔ اب آپ ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں هَذَا حَاجِبِي یہ میرا اسیکرٹری ہے، یہ میرا سیکرٹری ہے۔ آپ یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ تم مجھے معمولی آدمی نہ سمجھو، میرے تو مال و دولت کا یہ عالم ہے کہ میرے سیکرٹری بھی اتنی قیمتی گاڑیوں میں گھوم رہے ہیں تو میری اپنی کتنی دولت ہو گی بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اللہ آپ سب کو وسیع حلال رزق نصیب فرمائے بھئی، آمین۔ تو اب آپ نے جو کہا هَذَا حَاجِبِي یہ میرا اسیکرٹری ہے، کس کی عظمت بتلانا چاہتے ہیں؟ اپنی، متکلم کیا کرنا چاہتا ہے؟ اپنی عظمت بیان کر رہا ہے، اور حَاجِبِي، حَاجِبٌ مضاف یا ضمیر متکلم کی مضاف الیہ، تو کس کی؟ مضاف کی تعظیم مقصود ہے یا مضاف الیہ کی؟ مضاف الیہ کی تعظیم یہاں مقصود ہے۔

یا بعض اوقات ان کے علاوہ نہ مضاف کی تعظیم مقصود ہوتی ہے نہ مضاف الیہ کی بلکہ ان کے علاوہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً آپ کسی شخص سے بات کرتے ہیں اور

اسے کہتے ہیں أَخُو الْوَزِيرِ عِنْدِي وزیر کا بھائی عِنْدِي میرے پاس ہے، وزیر کا بھائی میرے پاس ہے۔ اب دیکھیے أَخُو، أَخٌ مضاف الْوَزِيرِ مضاف الیہ، اس وزیر کا، ہاں یوں ترجمہ کریں اس وزیر کا بھائی عِنْدِي میرے پاس ہے۔ تو اب أَخُو مضاف الْوَزِيرِ مضاف الیہ، تو یہاں نہ مضاف کی تعظیم مقصود نہ مضاف الیہ اس وزیر کی تعظیم مقصود بلکہ آپ اپنی تعظیم اپنی عظمت بیان کر رہے ہیں کہ میں تو ایسا آدمی ہوں اتنے بڑے بڑے لوگوں سے میرا تعلق ہے کہ وزیروں کے بھائی وغیرہ بھی میرے پاس آتے رہتے ہیں بھئی۔ تو اب دیکھیے أَخُو الْوَزِيرِ، أَخٌ کی تعظیم مقصود ہے جو مضاف ہے؟ نہیں۔ الْوَزِيرِ جو مضاف الیہ ہے اس کی تعظیم مقصود ہے؟ وہ بھی مقصود نہیں، بلکہ عِنْدِي یہ جو یا متکلم کی ہے متکلم اپنی عظمت بیان کر رہا ہے تو دیکھیے یہاں نہ مضاف کی تعظیم مقصود ہے نہ مضاف الیہ کی بلکہ اس کے علاوہ کی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اس پر ایک اشکال آپ کے ذہن میں آئے گا کہ عِنْدِي، عِنْدَ مضاف یا ضمیر مضاف الیہ، تو پھر بھی مضاف الیہ کی تعظیم آگئی، آپ نے تو ہمیں کیا کہا مثال کس کی ذکر کر رہے ہیں جس میں نہ مضاف کی تعظیم ہو نہ مضاف الیہ کی، اور عِنْدِي میں تو یا ضمیر مضاف الیہ ہے؟ تو جواب یہ کہ تعظیم کس کے ذریعے مقصود ہے؟ عِنْدِي کے لفظ کے ذریعے یا أَخُو الْوَزِيرِ کے لفظ کے ذریعے؟ أَخُو الْوَزِيرِ کے لفظ کے ذریعے تعظیم، اس کو تعظیم کے لیے لایا گیا ہے، یہاں یہ اضافت تعظیم کے لیے ہے، کون سی اضافت؟ أَخُو الْوَزِيرِ۔ اور ان میں سے ان دونوں میں سے نہ مضاف کی تعظیم، یہ والے جو مضاف اور مضاف الیہ ہیں ان میں سے کسی کی تعظیم مقصود نہیں بلکہ ان کے علاوہ کی، کہنے کا یہ مطلب ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جس اضافت کو تعظیم کے لیے لایا گیا اس کے نہ مضاف کی تعظیم مقصود ہے نہ مضاف الیہ کی بلکہ ان کے علاوہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں پر جو اضافت آئی وہ مبتدا والی اضافت ہے وہ تعظیم کے لیے ہے، اور جس کی تعظیم کے لیے ہے اس کا ذکر خبر میں آرہا ہے بھئی چاہے اضافت ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو۔

وَالتَّعْظِيمِ لِلْمُضَافِ اور تعظیم کے لیے ہو گا، مضاف کی تعظیم کے لیے نَحْوُ كِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ بادشاہ کا خط آگیا ہے، أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ یا مضاف الیہ کی تعظیم کے لیے ہو گا نَحْوُ هَذَا خَادِمِي یہ میرا خادم ہے۔ آپ نے کہا یہ میرا خادم ہے، اپنی عظمت بتلانا مقصد ہے کہ میں مالدار آدمی ہوں میرے خادم بھی ہیں بھئی۔ أَوْ غَيْرِهِمَا یا ان دونوں کے علاوہ کی تعظیم کے لیے ہو گی اضافت، یعنی نہ مضاف کی تعظیم نہ مضاف الیہ بلکہ ان کے علاوہ کی، نَحْوُ أَخُو الْوَزِيرِ عِنْدِي جیسے اس وزیر کا بھائی عِنْدِي میرے پاس ہے۔

وَالتَّحْقِيرِ اور کبھی کبھار اضافت تحقیر کے لیے ہو گی بھئی، اس کے لانے میں غرض اور نکتہ کیا ہو گا؟ تحقیر، یعنی تحقیر کے لیے یعنی یہ تعظیم کی ضد ہے بھئی۔ اب عظمت نہیں بتلانا مقصود بلکہ یہاں پر اس کا کیا بتلانا مقصد ہے؟ تحقیر مقصود ہے کسی کی حقارت بتلانا بھئی۔ اب اس میں بھی وہی تینوں صورتیں، یا تو تحقیر مضاف کی ہو گی یا مضاف الیہ کی ہو گی یا ان دونوں کے علاوہ۔ مثلاً بھئی ایک آدمی ہے اور وہ بڑی قیمتی گاڑی سے اترا بھئی، سارے لوگ اس کو دیکھ کر متاثر ہیں کہ بڑا مالدار آدمی ہے بھئی، آپ کہتے ہیں هَذَا ابْنُ اللِّصِّ، هَذَا ابْنُ اللِّصِّ یہ تو اس چور کا بیٹا ہے، تم اس کو بڑا آدمی نہ سمجھنا اگر مال ہے بلکہ یہ کیا ہے اس چور کا بیٹا ہے۔ اب ابْنُ اللِّصِّ، ابْنُ مضاف اللِّصِّ مضاف الیہ، تو یہاں پر کس کی تحقیر مقصود ہے؟ اس چور کی یا اس کا بیٹا جو اس وقت حاضر ہے؟ اس کا بیٹا جو اس وقت ہے اس کی تحقیر کے لیے آپ یہ اضافت لے کر آئے ہیں، تو ابْنُ کی تحقیر کے لیے اور وہ مضاف ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ لِصٌّ عربی میں چور کو کہتے ہیں۔

تو اس میں تو مضاف کی تحقیر تھی، کبھی مضاف الیہ کی تحقیر ہو گی، مثلاً نَحْوُ اللِّصُّ رَفِيقُ هَذَا، اللِّصُّ رَفِيقُ هَذَا چور اس کا ساتھی ہے۔ آپ ایک آدمی کے بارے میں دوسروں کو کیا بتلاتے ہیں کہ چور اس کا ساتھی ہے، تو یہاں پر رَفِيقُ هَذَا، رَفِيقُ مضاف هَذَا مضاف الیہ، تو یہاں جو مضاف الیہ ہے جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا اس کی تحقیر مقصود ہے کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کا تعلق اور دوستی کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ اس جیسے برے لوگوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے، تو رَفِيقُ هَذَا کس کی تحقیر آئی مضاف کی یا مضاف الیہ کی؟ مضاف الیہ کی۔ أَوْ غَيْرِهِمَا یا ان دونوں کے علاوہ کے لیے نَحْوُ أَخُو اللِّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو، أَخُو اللِّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو اس چور کا بھائی عِنْدَ عَمْرٍو عمرو کے پاس ہے، اس چور کا بھائی عمرو کے پاس ہے۔ اب یہاں پر عمرو کی تحقیر مقصود ہے، نہ أَخٌ کی تحقیر نہ اللِّصِّ جو مضاف الیہ ہے اس کی بھی تحقیر مقصود نہیں بلکہ ان کے علاوہ جو عمرو کا ذکر آیا اس کی تحقیر مقصود ہے جو نہ مضاف ہے اور نہ مضاف الیہ بھئی۔ اس کی پچھلی مثال عِنْدَ کے لیے تو مضاف الیہ ہے لیکن وہ مقصود یہاں نہیں ہے۔ یعنی آپ بتلانا یہ چاہتے ہیں عمرو اس قسم کا آدمی ہے کہ اس کے پاس اس طرح کے برے لوگوں کا آنا جانا ہے بھئی، تو اس کی تحقیر کے لیے کہا۔

■ قولہ: «وَالِاخْتِصَارِ لِضِيقِ الْمَقَامِ» کی تشریح

وَالِاخْتِصَارِ لِضِيقِ الْمَقَامِ اور غرض جیسے کہ اختصار مقام کے تنگ ہونے کی وجہ سے۔ کبھی اضافت کے لانے میں غرض کیا ہو گی؟ اختصار مقصود ہو گا کہ بات مختصر ہو جائے لِضِيقِ الْمَقَامِ کیونکہ وہ مقام کس قسم کا ہے؟ مقام تنگ ہے وہاں گنجائش ہی نہیں، جیسے نَحْوُ مثال کے طور پر: هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدٌ، جَنِيبٌ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقٌ۔ هَوَايَ یہ ہے مقام استشہاد، هَوَايَ یا متکلم کی ہے، هَوَى مضاف یا ضمیر مضاف الیہ۔ اس اضافت کو یہاں پر ذکر کیا گیا اختصار کے طور پر تاکہ بات کیا ہو جائے؟ مختصر ہو جائے۔ کیوں؟ مختصر کیوں کرنا مقصد ہے بات کو؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ مقام تنگ ہے۔ وجہ یہ کہ شاعر یہ شعر غم پریشانی اور دکھ کی حالت میں کہہ رہا ہے، اور دکھ اور پریشانی کی حالت میں انسان کیا چاہتا ہے کہ لمبی بات کرے یا مختصر بات کرے؟ مختصر بات کرنا چاہتا ہے۔ نیز اس لیے بھی اضافت کی صورت میں

لایا گیا اس کو کیونکہ اگر اضافت کے بجائے دوسرا طریقہ اختیار کیا جاتا تو پھر اس صورت میں شعر کا وزن برقرار نہ رہتا حالانکہ شعر میں تو ایک حرف بھی کم زیادہ ہو جائے تو اس کا سارا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ تو مقام استشہاد کیا ہے؟ هَوَايَ۔

جی شعر کا ترجمہ سمجھ لیں، هَوَايَ۔ هَوًى خواہش کو کہتے ہیں، چاہت کو، اور یہ مصدر ہے، اور آپ نے پڑھا ہے کہ مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں ہوتا ہے۔ بھئی آپ سنتے رہتے ہوں گے یہ مصدر مبنی للفاعل ہے اور کبھی سنتے ہوں گے یہ مصدر مبنی للمفعول ہے۔ کیا معنی ہوتا ہے مصدر مبنی للفاعل کا؟ ہاں جس سے بھی آپ پوچھیں گے یہ رائج غلطیوں میں سے ہے ہمارے ہاں، اکثر اکثر آپ کو یہی بتائیں گے۔ اگر آپ اس سے کہیں یہ لکھا ہوا ہے یہ مصدر مبنی للفاعل ہے کیا معنی؟ وہ کہے گا یہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی عَدْلٌ عَادِلٌ کے معنی میں ہے۔ اور اسی طرح اگر لکھا ہو یہ مصدر مبنی للمفعول ہے اس کا کیا معنی آپ پوچھیں تو جواب ملے گا کیونکہ یہ مصدر کس معنی میں ہے؟ اسم مفعول یعنی عَدْلٌ بمعنی مَعْدُولٌ کے ہے یا ضَرْبٌ بمعنی مَضْرُوبٌ کے ہے۔ حالانکہ یہ معنی نہیں۔ مصدر مبنی للفاعل کا معنی یہ ہے کہ یہ مصدر معروف ہے اور مصدر مبنی للمفعول کا معنی یہ ہے کہ یہ مصدر مجہول ہے۔

بھئی آپ فعل پڑھتے ہیں یا نہیں؟ بعض فعل معروف ہوتے ہیں بعض مجہول۔ ضَرَبَ کیا ہے؟ فعل معروف۔ يَضْرِبُ کیا ہے؟ فعل معروف۔ اور ضُرِبَ کیا ہے؟ فعل مجہول۔ يُضْرَبُ کیا ہے؟ فعل مجہول۔ تو جس طرح فعل معروف اور مجہول آتا ہے اسی طرح مصدر بھی معروف بھی آتا ہے اور مجہول بھی۔ ضَرْبٌ، ضَرْبٌ اگر یہ مصدر معروف ہو تو اس کا معنی ہے پٹائی کرنا۔ ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا۔ اور یاد رکھیے عربی میں مصدر مجہول کا کوئی الگ وزن نہیں، وہی استعمال وہی مصدر کبھی معروف معنی میں استعمال ہو گا اور کبھی مجہول معنی میں۔ تو ضَرْبٌ اگر مصدر معروف ہو تو پھر اس کا معنی ہو گا پٹائی کرنا، اور یہی ضَرْبٌ اگر مصدر مجہول ہو یعنی مبنی للمفعول ہو تو اس کا معنی ہو گا پٹائی کیے جانا، یعنی یوں آسان لفظوں میں کہو پٹائی ہونا۔ کیا معنی؟ پٹائی ہونا، پٹائی کیے جانا۔ شُرْبٌ، شُرْبٌ کا معنی کیا ہے؟ اگر مصدر معروف ہو تو اس کا معنی ہے پینا، اور اگر یہی مصدر مجہول ہو تو اس کا کیا معنی ہے؟ پیا جانا، پانی پیا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ پیا جانا۔

تو یہ ان کا مصدر معروف اور مصدر مجہول بھئی، اور عربی میں ان کا کوئی الگ وزن نہیں، جو معروف مصدر کا وزن وہی مجہول مصدر کا بھی وزن۔ یہی وجہ ہے، یہی نکتہ ہے کہ آپ گردانوں میں دو دفعہ مصدر پڑھتے ہیں صرف صغیر میں۔ صرف صغیر یاد کی ہے یا نہیں آپ لوگوں نے؟ دیکھیے وہاں پر ہر گردان سے صرف ایک ایک صیغہ آتا ہے، پوری ماضی میں سے صرف پہلا صیغہ لیا ضَرَبَ۔ گردان کس طرح تھی؟ ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا فَهُوَ ضَارِبٌ وَضُرِبَ يُضْرَبُ ضَرْبًا فَذَاكَ مَضْرُوبٌ۔ اب ضَرَبَ پوری ماضی کے چودہ صیغوں میں سے صرف ایک صیغہ لیا۔ يَضْرِبُ مضارع معروف چودہ صیغوں میں سے صرف ایک لیا۔ ضَرْبًا مصدر ایک ساتھ ذکر کر دیا، اور یہ منصوب کیوں ہوتا ہے؟ کیونکہ یہ مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے۔ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق، ضَرَبْتُ ضَرْبًا، تو یہ اس لیے اس کو منصوب پڑھتے ہیں۔ تو یہ ایک دفعہ ضَرْبًا ذکر ہو گیا، آگے فَهُوَ ضَارِبٌ، اس کے بعد وَضُرِبَ دیکھو مجہول گردان میں سے صرف ایک صیغہ لیا گیا ماضی میں سے، وَيُضْرَبُ، ضُرِبَ يُضْرَبُ دیکھو یہاں مضارع مجہول میں سے بھی صرف ایک صیغہ لیا گیا، آگے پھر کیا ہے؟ ضَرْبًا۔ یہ ضَرْبًا دوبارہ کیوں ذکر کیا گیا بھئی؟ سب گردانوں میں سے ایک ایک صیغہ آرہا ہے تو یہ مصدر کو دوبارہ لانے کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی بات جو میں نے ابھی بیان کی، اس نکتے کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ وہ جو پہلے مصدر ضَرْبًا گزرا تھا وہ مصدر معروف تھا معروف صیغوں کے بعد آیا تھا، یہ مصدر مجہول ہے کہ مجہول کے صیغوں کے بعد آرہا ہے، اور دونوں کا وزن ایک ہی ہے، بتلانا یہ ہے کہ عربی میں معروف اور مجہول مصدروں کا وزن کیا ہوتا ہے؟ ایک ہی ہوتا ہے، ایک ہی مصدر معروف کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور مجہول کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ آئے عبارت میں تو اس کا کیا معنی ہو گا؟ یہ مصدر معروف ہے۔ اور مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ آئے عبارت میں تو اس کا کیا معنی ہو گا؟ مصدر مجہول ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی نہ کرنا کہ یہ مصدر اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنی میں ہے اگرچہ مشہور اب یہی ہے بھئی۔ چنانچہ بھئی آپ فعل کے آگے بھی بعض اوقات پڑھیں گے، فعل کے آگے لکھا ہوتا ہے مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ یا لکھا ہوتا ہے مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ۔ اب فعل اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنی میں ہے تو یہاں تو بات ہی نہیں بنتی بھئی۔ وہی بات، فعل کے آگے اگر مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ لکھا ہو بتلانے والا بتلانا یہ چاہتا ہے کہ یہ معروف کا فعل پڑھنا مجہول نہ پڑھنا اس کو، اور اگر فعل کے آگے کیا لکھا ہو مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ تو پھر سمجھ جائیں کہ یہ کون سا صیغہ پڑھنا ہے؟ مجہول کا پڑھنا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو اب دیکھیے هَوَايَ، هَوَايَ، هَوَى مضاف یا ضمیر مضاف الیہ، اور هَوًى مصدر ہے، هَوًى مصدر۔ اور مصدر آپ نے پڑھا ہے کبھی معروف ہوتا ہے اور کبھی مجہول ہوتا ہے، اور پھر یہ مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول۔ اسم فاعل کے معنی میں کون سا مصدر ہو گا؟ مصدر معروف، اور اسم مفعول کے معنی میں کون سا ہو سکتا ہے؟ مصدر مجہول۔ تو مصدر مبنی للفاعل کا یہ معنی کہ یہ مصدر معروف ہے، کیا معنی؟ آگے یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے یا نہیں وہ الگ بات ہے، کبھی ہو گا کبھی نہیں۔ اور کہا جائے یہ مصدر مبنی للمفعول ہے، کیا معنی؟ یہ مصدر مجہول ہے بس اتنا بتا دیا گیا، آگے یہ اسم مفعول کے معنی میں بھی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ ہاں لیکن یہ ہے اسم فاعل کے معنی میں مصدر معروف ہی ہو گا اور اسم مفعول کے معنی میں مجہول مصدر ہی ہو گا۔ تو یہ هَوًى بمعنی مَهْوِيٌّ کے ہے، هَوًى بمعنی مَهْوِيٌّ، مَهْوِيٌّ مَرْمِيٌّ وزن پر بھئی هَوِيَ يَهْوَى سے بھئی رَمَى يَرْمِي سے اسم مفعول کیا آتا ہے؟ مَرْمِيٌّ آتا ہے، تو مَهْوِيٌّ کے معنی میں ہے یعنی اسم مفعول کے معنی میں ہے، اور اسم مفعول کے معنی میں کون سا مصدر ہوتا ہے؟ مصدر مجہول، معلوم ہوا یہ هَوًى مصدر مبنی للمفعول ہے، اور پھر یہ ایک بات ہوئی اور پھر اس کے بعد دوسری بات یہ ہوئی کہ یہ ہے بھی کس معنی میں؟ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اور یا ضمیر متکلم کی ہے تو مَهْوِيٌّ اور یا ضمیر بھی ساتھ مل گئی کیا بن گیا؟ مَهْوِيِّي۔ اور هَوِيَ يَهْوَى کا کیا معنی

تھا؟ چاہنا، تو مَهْوِيِّي جس کو میں نے چاہا ہے، مراد محبوب ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ۔ رَكْبٌ کہتے ہیں سواروں کی جماعت کو بھئی، یہ اسم جمع ہے، اسم جمع۔ جمع نہیں ہے، جمع تو وہ جس کے لیے مفرد ہوتا ہے، اس کا مفرد کوئی نہیں، یہ اسی طرح جمع استعمال ہے بھئی، اس کا اطلاق دس یا دس سے زیادہ پر ہوتا ہے، سواروں کی جماعت بھئی یا یوں کہیں قافلہ بھئی۔ الْيَمَانِينَ یمنی بھئی، یمنی، يَمَانٍ کی جمع ہے بھئی۔ مُصْعِدٌ، أَصْعَدَ يُصْعِدُ کے معنی ہیں چلنا، دور ہونا۔ هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدٌ میری محبوبہ جو ہے یمنی سواروں کے ساتھ مُصْعِدٌ جا رہی ہے یعنی دور ہو رہی ہے۔ جَنِيبٌ، جَنِيبٌ بمعنی مَجْنُوبٌ کے ہے، جَنِيبٌ فَعِيلٌ وزن ہے اور فَعِيلٌ آپ نے پڑھا ہے کبھی فَعِيلٌ بمعنی فَاعِلٌ کے ہوتا ہے اور کبھی فَعِيلٌ بمعنی مَفْعُولٌ کے ہوتا ہے، تو یہ جَنِيبٌ بمعنی مَفْعُولٌ یعنی مَجْنُوبٌ کے معنی میں ہے، اور مَجْنُوبٌ اس کو کہتے ہیں جس کا اتباع کیا جائے، جو آگے اور سارے اس کے تابع ہیں بھئی، سارے اس کے تابع، جَنِيبٌ وہ جو ہے میرا محبوب جو ہے متبوع ہے۔ میرا محبوب مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدٌ یمنی سواروں کے ساتھ جا رہا ہے جَنِيبٌ وہ کیا ہے متبوع ہے یعنی سارے قافلے والے اس کے تابع ہیں بھئی، سارے قافلے والے اس کے تابع ہیں وہ ان کے آگے ہے متبوع ہے ان کا۔ وَجُثْمَانِي، جُثْمَانٌ کہتے ہیں بدن کو، جسم کو اور شخص کو ذات کو بھی کہتے ہیں بھئی، ذات کو بھی کہتے ہیں اور بدن کو بھی کہتے ہیں۔ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ، دیکھیے میں نے آپ کو بتایا تھا بھئی عربی میں مَكَّةُ پر الف لام استعمال نہیں ہوتا، عرب استعمال نہیں کرتے، آپ کو اسی طرح بغیر الف لام کے ملے گا جہاں بھی ملے گا۔ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ اور میرا بدن جو ہے یا میری ذات جو ہے مکہ میں مُوثَقٌ باندھی ہوئی ہے بھئی، باندھی گئی ہے، أَوْثَقَ يُوثِقُ کے معنی باندھنے کے۔

بھئی یہ شاعر تھا اور اس نے کسی کو قتل کر دیا تھا، مکہ والوں میں سے کسی کے رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا۔ بعد میں یہ کسی قافلے وغیرہ کے ساتھ مکہ آیا، چھپ کر رہا ہو گا لیکن بہر حال ان لوگوں کو پتا چل گیا، انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور قید کر دیا، باندھ دیا بھئی۔ اب وہ قافلہ واپس چل پڑا اور اس قافلے کے اندر اس شاعر کی محبوبہ بھی تھی۔ اب یہ قید میں پڑا ہوا ہے اور قافلہ جا رہا ہے تو اس غم کے عالم میں اس نے یہ شعر کہا۔ کیا کہتا ہے؟ هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدٌ میری محبوبہ جو ہے یمنی سواروں کے ساتھ جا رہی ہے، جَنِيبٌ وہ کیا ہے متبوع ہے سارے اس کے پیچھے ہیں۔ بھئی یہ کیا ہے؟ مطلب یہ ہے جَنِيبٌ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ متبوع ہے سارے اس کے پیچھے ہیں، کہنا یہ چاہتا ہے کہ اس کا نکل کر آنا یا رہ جانا یہاں پر ممکن نہیں ہے، بہت مشکل ہے۔ کیونکہ بھئی جو پیچھے ہو گا پیچھے والوں میں سے اگر کوئی غائب ہو گا غائب ہو جائے کسی کو زیادہ پتا نہیں چلے گا، لیکن جو ایک متبوع ہے سارے اس کے ساتھ ہیں اس کے تابع ہیں تو یقیناً اس کا نکل کر آنا، وہ سب کی نگاہوں میں ہے تو اس کا نکل کر آنا بڑا مشکل ہے، تو بتانا یہ چاہتا ہے کہ اس کا نکل کر آنا یا یہاں پر رہ جانا بڑا مشکل ہے بھئی۔ تو وہ متبوع ہے وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقٌ اور میرا بدن جو ہے مکہ میں بندھا ہوا ہے۔

■ قولہ: «هَوَايَ، هَوَايَ» کی تشریح

تو شاعر نے کہا هَوَايَ، هَوَايَ اور یہ کس معنی میں ہے؟ مَهْوِيِّي میرا محبوب بھئی میری محبوبہ۔ اس کے بجائے شاعر یہ بھی کہہ سکتا تھا الَّذِي أَهْوَاهُ وہ جس سے میں محبت کرتا ہوں مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدٌ وہ کیا ہے یمنی سواروں کے ساتھ جا رہی ہے، الَّذِي أَهْوَاهُ اسم موصول لا سکتا تھا یا نہیں؟ لیکن اگر اسم موصول لاتا تو ایک تو یہ کہ شعر کا وزن خراب ہو جاتا، اور دوسری خرابی کیا؟ یہاں ایک تو اختصار مقصود تھا اور دوسرا مقام بھی تنگ تھا کیونکہ شاعر غم کی حالت میں ہے اور غم کی حالت میں انسان مختصر کلام کرتا ہے، تو هَوَايَ اس کے اندر دیکھیے صرف چار حروف ہیں هَوَايَ، اور الَّذِي أَهْوَاهُ اس میں کتنے حروف ہیں؟ نیز هَوَايَ میں ایک مضاف ہے ایک مضاف الیہ، اور الَّذِي أَهْوَاهُ، الَّذِي اسم موصول أَهْوَى فعل اس کے اندر أَنَا ضمیر فاعل اور هُ ضمیر ساتھ مفعول کی ملی ہوئی ہے، تو وہاں کتنے لفظ آجاتے؟ چار لفظ آجاتے اور یہاں پر کتنوں سے کام چل گیا؟ دو لفظوں سے ہی وہی مسئلہ حل ہوا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یہ شعر جو ہے یہ شعر شاعر نے خبر دینے کے لیے نہیں کہا، وہ یہ خبر نہیں دینا چاہتا کہ میرا محبوب جا رہا ہے بلکہ اظہار غم ہے بھئی، جیسے آپ نے پڑھا کہ خبر کبھی کبھار کس لیے لائی جاتی ہے اس میں نکتہ کیا ہوتا ہے؟ نہ وہاں فائدۃ الخبر مقصود ہوتا ہے نہ لازم فائدۃ الخبر مقصود ہوتا ہے بلکہ غم وغیرہ، کبھی خوشی کے لیے کبھی غم کے لیے کئی نکات آپ پیچھے پڑھ چکے۔ تو یہاں خبر شاعر لوگوں کو بتانا نہیں چاہتا کہ میری محبوبہ جا رہی ہے، یعنی فائدۃ الخبر مقصود نہیں، لازم فائدۃ الخبر بھی مقصود نہیں، یہ نہیں ان کو بتانا چاہتا کہ مجھے بھی پتا ہے میری محبوبہ اس وقت جا رہی ہے، بلکہ مقصد کیا ہے؟ اظہار غم ہے بھئی۔ شعر جو اس نے کہا صرف اظہار غم کے لیے کہا، اپنا غم اپنے دکھ کا اظہار کر رہا ہے وہ اس شعر کے اندر بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو نہ یہاں فائدۃ الخبر مقصود ہے نہ لازم فائدۃ الخبر مقصود ہے بلکہ کیا مقصد ہے؟ اظہار غم ہے، جیسے آپ نے پڑھا تھا کہ بعض اوقات نہ فائدۃ الخبر مقصود ہوتا ہے نہ لازم فائدۃ الخبر مقصود ہوتا ہے بلکہ اظہار غم ہوتا ہے جیسے وہ امراۃ عمران کی بیٹی پیدا ہوئیں، انہوں نے کہا تھا اگر بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے اللہ کے راستے میں آزاد کروں گی، جب بیٹی پیدا ہوئیں تو کیا کہنے لگیں؟ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى میں نے تو اس کو مؤنث جنم عورت جنم دیا ہے بیٹی جنم دیا ہے، تو وہاں اللہ کو نہ فائدۃ الخبر دینا مقصد ہے نہ لازم فائدۃ الخبر مقصد ہے کیونکہ اللہ سب کچھ جاننے والے ہیں، تو پھر مقصد کیا تھا وہاں پر؟ صرف اپنے غم کا اظہار کرنا تھا بھئی، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدٌ جَنِيبٌ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقٌ، بَدَلَ أَنْ يُقَالَ بدل اس کے کہ یوں کہا جائے الَّذِي أَهْوَاهُ۔ الف

کے بعد أَهْوَى کے آخر میں ہمزہ ہے یا ہاہے؟ ہمزہ نہیں ہونی چاہیے ہاہونی چاہیے أَهْوَاهُ وہ جس سے میں محبت کرتا ہوں، ہاضمیر بھئی۔ تو شاعر نے هَوَايَ کہا بَدَلَ أَنْ يُقَالَ بدل اس کے کہ یوں کہا جائے الَّذِي أَهْوَاهُ، یعنی الَّذِي أَهْوَاهُ کے بجائے کیا کہا شاعر نے؟ هَوَايَ کہا بھئی۔ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۸: منادیٰ کے نکات اور تنکیر (نکرہ لانے) کے دواعی: افراد، نوعیت، تعظیم، تحقیر، تکثیر، تقلیل، اخفاء اور عموم

دروس البلاغہ صفحہ: ۵۹ــــ بتاریخ: ۱۶ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا الْمُنَادَى فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ نَحْوُ يَا رَجُلُ وَيَا فَتَى، وَقَدْ يُؤْتَى بِهِ لِلْإِشَارَةِ إِلَى عِلَّةِ مَا يُطْلَبُ مِنْهُ نَحْوُ يَا غُلَامُ أَحْضِرِ الطَّعَامَ وَيَا خَادِمُ أَسْرِجِ الْفَرَسَ، أَوْ لِغَرَضٍ يُمْكِنُ اعْتِبَارُهُ هَاهُنَا مِمَّا ذُكِرَ فِي النِّدَاءِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

تعریف اور تنکیر کا باب چل رہا ہے، اور آپ نے پڑھا کہ جہاں پر متکلم کا مقصد یہ ہو کہ وہ سننے والے کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ بات کا تعلق جو ہے کسی متعین شخص یا متعین چیز کے ساتھ ہے تو وہ مقام ہے تعریف کا، وہاں پر معرفہ لایا جائے گا، اور جب متکلم کی یہ غرض نہ ہو تو وہ مقام ہے تنکیر کا، وہاں نکرہ لاتے ہیں۔ اور پھر معرفہ کی کئی قسمیں تھیں کہ ضمیر بھی معرفہ ہے، اسم اشارہ بھی معرفہ ہے، اسم موصول بھی معرفہ ہے، علم وغیرہ یہ سب چیزیں معرفہ ہیں، تو ہر ایک کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں سب کو علیحدہ علیحدہ تفصیل سے ذکر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیے یہ جتنے نکات بیان ہو رہے ہیں انہی میں حصر نہیں ہے، صرف یہی نکتے نہیں ہوتے ان کے لانے میں، ہاں یہ بطور مثال کے ہر ایک کی چند چند مثالیں ذکر کر دیں کہ اس طرح کے نکات ہو سکتے ہیں، تو موقع محل کے مطابق کوئی اور بھی نکات ہو سکتے ہیں، یہ چند ایک انہوں نے بطور مثال کے ذکر کر دیے۔ گزشتہ سبق میں ہم نے پڑھا تھا مضاف الی المعرفہ جو ہے اس کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں۔ آج آخری جو ہے منادیٰ اس کے بارے میں بتلائیں گے بھئی۔ کیونکہ منادیٰ وہ بھی معرفہ ہے، اس کے لانے میں کیا نکات ہوتے ہیں وہ آج بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں وَأَمَّا الْمُنَادَى فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ، اور منادیٰ جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا لَمْ يُعْرَفْ جب نہ جانا جائے، إِذَا لَمْ يُعْرَفْ جب جانا نہ جائے یعنی معلوم نہ ہو لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ مخاطب کے لیے کوئی خاص عنوان، یعنی مخاطب کا کوئی خاص عنوان یعنی خاص نام معلوم نہ ہو تو پھر کس کے، پھر ندا کی جاتی ہے مثلاً۔ مثلاً ایک آدمی ہے آپ کے سامنے سے گزر رہا ہے، آپ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، اب آپ کو اس کا نام تو آتا نہیں تو آپ اس کو کہتے ہیں يَا رَجُلُ، کیا کہتے ہیں؟ يَا رَجُلُ۔ تو دیکھیے یہاں آپ کو اس کا خاص عنوان نام وغیرہ علم نہیں تو آپ نے رَجُلٌ کے ساتھ اس کو متوجہ کیا اپنی طرف يَا رَجُلُ۔ اور یہ جو يَا رَجُلُ آپ نے کہا تو یہ کسی عام ہے، کوئی غیر متعین کو کہا یا کسی متعین شخص کو یہ ندا دی ہے؟ متعین شخص جو آپ کے سامنے سے گزر رہا تھا اس کو ندا دی ہے۔ تو لہٰذا اسی لیے علماء لکھتے ہیں کہ يَا رَجُلُ اس کے اندر جو رَجُلُ ہے وہ معرفہ ہے۔ اس پر اگرچہ الف لام داخل نہیں ہے، اس کی اضافت وغیرہ نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ رَجُلُ کا لفظ کس میں؟ يَا رَجُلُ میں یہ کیا ہے؟ معرفہ۔ تو معلوم ہوا کہ جو منادیٰ ہے وہ معرفہ ہوتا ہے حالانکہ اس پر نہ الف لام داخل ہے نہ اس کی اضافت وغیرہ ہے نہ یہ علم ہے نہ یہ اسم اشارہ ہے نہ یہ اسم موصول ہے، پھر بھی کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جو حروف ندا ہیں یہ آلہ تعریف ہیں، یعنی یہ کسی لفظ کو معرفہ بنا دیتے ہیں جب اس پر کیا داخل ہو جائے؟ حرف ندا۔ تو رَجُلٌ ویسے تو نکرہ تھا لیکن اس پر جب يَا داخل ہوئی يَا رَجُلُ اب یہ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ اور آپ کو میں نے بتلا دیا کس طرح معرفہ ہے؟ رَجُلٌ تو کہتے ہیں کسی غیر معین پر جو دلالت کرے، اور یہاں جو آپ نے کہا يَا رَجُلُ غیر معین کو کہا یا ایک معین آدمی آپ کے سامنے تھا؟ ایک معین شخص تھا اس کو آپ نے کہا ہے تو یہ اس لیے یہ معرفہ ہے يَا رَجُلُ۔ تو یہ معنی ہے وَأَمَّا الْمُنَادَى اور باقی منادیٰ جو ہے فَيُؤْتَى بِهِ تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا لَمْ

يُعْرَفُ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ جبکہ معلوم نہ ہو مخاطب کا کوئی خاص عنوان کوئی خاص نام، نَحْوُ مثال کے طور پر يَا رَجُلُ وَيَا فَتَى۔ فَتًى کہتے ہیں جوان کو بھئی، يَا فَتَى اے جوان، ایک شخص تھا آپ کے سامنے اور آپ کو نام نہیں آتا تھا آپ نے اس طرح اس کو پکارا يَا فَتَى۔

وَقَدْ يُؤْتَى بِهِ لِلْإِشَارَةِ إِلَى عِلَّةِ مَا يُطْلَبُ مِنْهُ، وَقَدْ يُؤْتَى بِهِ اور کبھی منادیٰ کو لایا جاتا ہے لِلْإِشَارَةِ اشارہ کرنے کے لیے إِلَى عِلَّةِ اس چیز کی علت کی طرف مَا يُطْلَبُ مِنْهُ جو اس سے طلب کی جارہی ہے۔ وہ چیز جو اس سے طلب کی جارہی ہے اس کی علت، عِلَّةٌ کا معنی ہے سبب اور وجہ، جو چیز اس سے طلب کی جارہی ہے اس کی علت اور اس کے سبب اس کی وجہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے۔ جیسے مثال انہوں نے دی ہوئی ہے يَا غُلَامُ أَحْضِرِ الطَّعَامَ اے غلام کھانا حاضر کرو یعنی کھانا لاؤ، يَا غُلَامُ أَحْضِرِ الطَّعَامَ اے غلام کھانا لاؤ۔ اب کیا طلب کیا جارہا ہے؟ کھانا طلب کیا جارہا ہے، کھانا منگوایا جارہا ہے، تو ندا آپ نے کیا دی؟ يَا غُلَامُ۔ کیوں دی؟ جو کھانا جو چیز طلب کی جارہی ہے آگے اس کی وجہ ذکر کرنے کے لیے، اس کی وجہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ کھانا کیوں منگوا رہا ہوں تم سے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ تم غلام ہو، اور کھانا لانا کام وغیرہ کرنا یہ کس کی ذمہ داری ہوتی ہے؟ غلام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تو یہ جو يَا غُلَامُ کہا، مثلاً آپ کا غلام ہے آپ کو اس کا نام بھی آتا ہے لیکن پھر بھی آپ نے اس کو کیا کہا؟ يَا غُلَامُ، يَا زَيْدُ نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ يَا غُلَامُ۔ کیوں يَا غُلَامُ کہا؟ کیونکہ جو چیز طلب کی جارہی ہے اس کی وجہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ کھانا تم سے کیوں منگوایا جارہا ہے؟ کیونکہ تم کیا ہو؟ غلام ہو میرے، اور غلام کا کام ہے خدمت کرنا کھانا وغیرہ لانا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو أَحْضِرِ الطَّعَامَ یہ ہے مَا يُطْلَبُ مِنْهُ وہ چیز جو اس سے طلب کی جارہی ہے، اس کی علت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اس کی وجہ بتلانے کے لیے آپ نے يَا غُلَامُ کہا اور يَا زَيْدُ وغیرہ اس کا نام نہیں لیا۔

یا جیسے دوسری مثال انہوں نے ذکر کی يَا خَادِمُ أَسْرِجِ الْفَرَسَ۔ آپ جانتے ہیں گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے اس پر وہ زین وغیرہ لگائی جاتی ہے بیٹھنے کے لیے، تو آپ اپنے خادم سے کہتے ہیں يَا خَادِمُ أَسْرِجِ الْفَرَسَ اے خادم گھوڑے پر زین لگادو، گھوڑے پر زین کس دو۔ تو دیکھیے آپ کا خادم ہے آپ کو اس کا نام بھی آتا ہے لیکن پھر بھی آپ نے کیا کہا؟ يَا خَادِمُ اے خادم أَسْرِجِ الْفَرَسَ گھوڑے پر زین لگادو۔ یہ کیوں يَا خَادِمُ کیوں کہا آپ نے؟ یہ جو چیز آپ اس سے طلب کر رہے ہیں، کیا طلب کر رہے ہیں؟ گھوڑے پر زین لگانے کو طلب کر رہے ہیں، اس کی وجہ اور اس کی علت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ میں کیوں طلب کر رہا ہوں تم سے گھوڑے پر زین لگوانے کو؟ کیونکہ تم میرے خادم ہو اور یہ خادم کا کام ہوتا ہے کہ اس طرح کے کام سرانجام دے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَقَدْ يُؤْتَى بِهِ لِلْإِشَارَةِ إِلَى عِلَّةِ مَا يُطْلَبُ مِنْهُ اور کبھی کبھار لایا جاتا ہے منادیٰ کو اشارہ کرنے کے لیے اس چیز کی علت کی طرف جو اس سے طلب کی جارہی ہے جو اس سے مانگی جارہی ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر يَا غُلَامُ أَحْضِرِ الطَّعَامَ اے غلام کھانا حاضر کرو کھانا لے کر آؤ، وَيَا خَادِمُ أَسْرِجِ الْفَرَسَ اے خادم گھوڑے پر زین لگاؤ۔

أَوْ لِغَرَضٍ يُمْكِنُ اعْتِبَارُهُ هَاهُنَا یا کسی ایسی غرض کے لیے کہ جس کا اعتبار کرنا یہاں ممکن ہو مِمَّا ذُكِرَ فِي النِّدَاءِ یعنی وہ جو ذکر ہوئیں ندا کے اندر۔ جو کس کے اندر ذکر ہوئیں؟ ندا کے اندر۔ بھئی آپ نے پہلا باب پڑھا تھا خبر اور انشاء کے بارے میں بھئی، اس کے آخر میں آیا تھا ندا بھئی۔ کس کا ذکر آیا تھا؟ ندا، کیونکہ ندا بھی انشاء کی اقسام میں سے ہے۔ تو ندا کسی کو کی جاتی ہے اس کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہاں بیان ہوئے تھے۔ مثلاً ایک نکتہ یہ بیان ہوا تھا کہ کبھی کبھار ایک شخص ہوتا بعید ہے آپ سے دور ہوتا ہے لیکن آپ اس کے لیے قریب والا حرف ندا استعمال کر لیتے ہیں یہ بتلانے کے لیے کہ اگرچہ آپ جگہ کے اعتبار سے مجھ سے دور ہو لیکن میرے دل سے غائب نہیں ہو، میرے دل کے اندر موجود ہو گویا میرے پاس ہی موجود ہو، تو بعد مکانی کو کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ قرب مکانی کے درجے میں بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ بعد کو قرب کے درجے میں اتار لیا گیا۔ اسی طرح بعض اوقات ایک آدمی آپ کے قریب ہوتا ہے لیکن آپ اس کے لیے بعید والا حرف ندا استعمال کر لیتے ہیں یہ بتلانے کے لیے کہ اس آدمی کا مقام بڑا اونچا ہے، اگرچہ دیکھنے میں یہ میرے پاس ہے لیکن یہ بڑا بڑے اونچے درجوں والا ہے، تو یوں کہیے کہ بعد مرتبی کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ بعد مکانی کے درجے میں، حالانکہ مکان کے اعتبار سے بعد نہیں لیکن مرتبے کے اعتبار سے اونچا ہے دور ہے تو لہٰذا یہ نکتہ بیان کرنے کے لیے۔ کبھی اس کا عکس کیا جاتا ہے، ایک آدمی آپ کے قریب ہوتا ہے لیکن آپ بعید والا حرف ندا استعمال کرتے ہیں یہ بتلانے کے لیے کہ یہ اگرچہ میرے قریب ہے لیکن یہ بڑا گرا ہوا شخص ہے، رتبے کے اعتبار سے بڑا ہی ادنیٰ ہے مجھ سے، بہت دور ہے بھئی اس قابل نہیں کہ میرے قریب آئے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح کبھی ندا وہاں آپ نے پڑھا کسی کو ڈانٹنے کے لیے ندا کی جاتی ہے، بعض اوقات ندا کے ذریعے مقصد حیرت کا اظہار کرنا ہوتا ہے، کبھی کسی چیز کو یاد کرنے کے لیے کیا کی جاتی ہے؟ ندا وغیرہ کی جاتی ہے، یہ نکات پیچھے بیان ہو چکے۔ تو ان غرضوں میں سے بھی کوئی غرض ہو سکتی ہے ندا کی بھئی تو منادیٰ کو لانے کی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے أَوْ لِغَرَضٍ یا ایسی غرض کے لیے کہ ممکن ہو جس کا اعتبار کرنا یہاں پر مِمَّا ذُكِرَ فِي النِّدَاءِ یعنی وہ جو کس میں ذکر ہوئیں؟ ندا کے اندر ذکر ہوئیں، ان میں سے کسی غرض کے لیے لایا جاتا ہے منادیٰ کو بھئی۔

وَأَمَّا النَّكِرَةُ فَيُؤْتَى بِهَا إِذَا لَمْ يُعْلَمْ لِلْمَحْكِيِّ عَنْهُ جِهَةُ تَعْرِيفٍ۔ جی معرفہ کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ سارے گزر گئے بھئی، ہر ہر قسم کو علیحدہ ذکر کر دیا۔ اب نکرہ کے لانے میں کیا نکات ہوتے ہیں، ایک مقام پر آپ معرفہ کے بجائے نکرہ لاتے ہیں اس میں کیا کیا نکات ہو سکتے ہیں کیا مقصد ہو سکتا ہے وہ اب بیان کریں گے۔ کہتے ہیں وَأَمَّا النَّكِرَةُ اور باقی نکرہ جو ہے فَيُؤْتَى بِهَا تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا لَمْ يُعْلَمْ جب جانا نہ جائے یعنی معلوم نہ ہو۔ کیا معلوم نہ ہو؟ لِلْمَحْكِيِّ عَنْهُ، مَحْكِيٌّ عَنْهُ جس کے بارے میں حکایت کی جائے، جس کے بارے میں بات کی جائے۔ مَحْكِيٌّ عَنْهُ کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے۔ تو لِلْمَحْكِيِّ یہ یاد رکھنا بھئی، إِذَا لَمْ يُعْلَمْ لِلْمَحْكِيِّ عَنْهُ جِهَةُ تَعْرِيفٍ جب معلوم نہ ہو محکی عنہ کے بارے میں جِهَةُ تَعْرِيفٍ کوئی تعریف والی جانب۔

■ قولہ: «مَحْكِيٌّ عَن» کی تشریح

بھئی دیکھیے ایک مقام ہے وہاں پر ایک آپ لفظ کو لے کر آتے ہیں اور اس لفظ کو نکرہ ذکر کرتے ہیں، اس کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں مَحْكِيٌّ عَنْهُ جس کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں آپ اس کو لے کر آتے ہیں اور نکرہ لے کر آتے ہیں۔ کیوں نکرہ کیوں لاتے ہیں؟ کیونکہ اس کی تعریف کی کوئی جانب کا آپ کو علم ہی نہیں ہوتا، نہ آپ کو اس کے نام کا پتا ہے نہ آپ کو اس کے اور اوصاف وغیرہ کسی چیز کا پتا ہی نہیں ہے، جب پتا ہی نہیں ہے تو پھر کس صورت میں لانا پڑے گا ظاہر سی بات ہے؟ تعریف والی تو کوئی جہت نہیں، تعریف والی کسی بات کا تو آپ کو پتا نہیں، تو لازمی بات ہے پھر کس صورت میں لائیں گے؟ نکرہ ہی کی صورت میں۔ دو ہی صورتیں تھیں یا معرفہ لاؤ یا نکرہ، معرفہ لانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ نکرہ لانا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

مثلاً دیکھیے بھئی آپ کل مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی آکر آپ سے ملا تھا۔ اب یہی بات آپ زید کو آج بتلانا چاہتے ہیں۔ زید اس وقت وہاں نہیں تھا، آج آپ اس کو یہ بات سنانا چاہتے ہیں، تو اب اگر آپ اس کو کہیں جَاءَنِي الرَّجُلُ میرے پاس وہ آدمی آیا تھا، زید سمجھ جائے گا؟ زید کو تو کچھ پتا ہی نہیں چلے گا، اب اگرچہ آپ الرَّجُلُ الف لام لے کر آئے لیکن یہاں پر فائدہ ہی کوئی نہیں کیونکہ زید کو کوئی علم ہی نہیں ہے کسی چیز کا، نہ زید کو اس آدمی کے نام کا علم نہ زید کو کہ وہ آپ کے پاس مسجد میں آیا تھا یہ بھی نہیں پتا، کچھ بھی نہیں پتا، اب آپ اس کو اب بتانا چاہتے ہیں تو اب تعریف والی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ آپ تو بے شک جانتے ہیں لیکن زید کو بتلا رہے ہیں، زید کے لیے بھی بھئی معرفہ لا رہے ہیں تو جاننا اس کے لیے ضروری ہے یا ضروری نہیں؟ ضروری ہے، اس کو بھی تو پتا ہو تب ہی معرفہ لائیں گے۔ تو یہاں تعریف کی کسی جہت کا اس کو پتا ہی نہیں ہے تو لہٰذا اب نہ اس کو نام کا پتا اور نہ آپ نام کے ساتھ ذکر کر دیتے، نہ اس کو کسی اور وصف کا پتا اور نہ آپ وہ وصف اسم موصول صلے کی صورت میں لے آتے، تو اب مجبوری ہو گئی تعریف کی کسی جہت کا علم ہی نہیں ہے سننے والے کو تو پھر کس صورت میں لانا پڑے گا؟ نکرہ ہی کی صورت میں لانا پڑے گا۔ اب آپ اس سے کہیں گے جَاءَنِي رَجُلٌ، جَاءَنِي رَجُلٌ میرے پاس ایک آدمی آیا۔

اب ایک دفعہ ذکر ہو گیا اب متعین ہو گیا، اب آپ اس کو کہتے ہیں فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ اب آپ کہہ رہے ہیں فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ الف لام لے آئے، تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، اب زید سمجھ گیا یا نہیں؟ جی سمجھ گیا کیونکہ ابھی پچھلے جملے میں آپ نے کیا کہا تھا؟ کل میرے پاس ایک آدمی آیا پھر میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، زید سمجھ گیا اس آدمی سے کون سا آدمی مراد ہے؟ جو ابھی پچھلے جملے میں جس کا ذکر ہوا جو کل آپ کے پاس آیا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس سے پہلے اگر آپ کہتے جَاءَ الرَّجُلُ جَاءَنِي الرَّجُلُ میرے پاس وہ آدمی آیا تھا پھر اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی بات، لیکن اب اس کو سمجھ میں بات آگئی کہ جب ایک دفعہ چیز نکرہ ذکر ہو جائے تو کیا ہوتی ہے؟ متعین ہو جاتی ہے۔ ہاں البتہ پہلی مرتبہ جب نام وغیرہ کسی چیز کا جہت تعریف کا علم نہ ہو تو پھر اس کو نکرہ ہی لانا پڑے گا۔ یہ معنی ہے وَأَمَّا النَّكِرَةُ فَيُؤْتَى بِهَا تو اس کو لایا جاتا ہے إِذَا لَمْ يُعْلَمْ لِلْمَحْكِيِّ عَنْهُ جِهَةُ تَعْرِيفٍ جب معلوم نہ ہو لِلْمَحْكِيِّ عَنْهُ کس کے بارے میں؟ محکی عنہ، محکی عنہ کون؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، جب وہ شخص جس کے بارے میں بات کی جائے اس کے بارے میں معلوم نہ ہو جِهَةُ تَعْرِيفٍ کوئی تعریف والی جہت۔ جِهَةٌ کا معنی جانب، یعنی تعریف والی کوئی چیز اس کے بارے میں علم نہ ہو، تو اس کے بارے میں جب تعریف کی جہت معلوم نہ ہو كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول جَاءَ هَاهُنَا رَجُلٌ، کسی سے آپ کیا کہتے ہیں جَاءَ هَاهُنَا رَجُلٌ یہاں ایک آدمی آیا إِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَا يُعَيِّنُهُ مِنْ عَلَمٍ أَوْ صِلَةٍ أَوْ نَحْوِهِمَا جب معلوم نہ ہو مَا کوئی ایسی چیز يُعَيِّنُهُ جو اس کو متعین کر دے مِنْ عَلَمٍ یعنی کہ علم یعنی اس کے نام کا بھی علم نہیں أَوْ صِلَةٍ یا صلے کا بھی پتا نہیں أَوْ نَحْوِهِمَا یا اس جیسی کسی چیز کا پتا نہیں۔

بھئی دیکھیے كَقَوْلِكَ جَاءَ هَاهُنَا رَجُلٌ جیسے آپ کا کہنا یہاں ایک آدمی آیا إِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَا يُعَيِّنُهُ جب معلوم نہ ہو کوئی ایسی چیز جو اس کو کیا کر دے؟ متعین۔ آپ نے رَجُلٌ نکرہ ذکر کیا، کیوں نکرہ ذکر کیا؟ کیونکہ کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جو اس کو کیا کر دے؟ متعین کر دے۔ بھئی وہ کیا چیز ہو سکتی ہے جو اس کو متعین کر دے؟ مِنْ کے ذریعے بیان ہے یعنی کہ علم، یعنی علم کا بھی آپ کو پتا نہیں جو اس کو کیا کر دے؟ متعین۔ نام کا پتا ہو تا تو نام کے ساتھ ذکر کر دیتے سننے والے کو پتا لگ جاتا لیکن نام کا بھی پتا نہیں۔ أَوْ صِلَةٍ یا صلے کا بھی پتا نہیں۔ آپ نے پڑھا ہے اسم موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ چاہیے، موصول کے ساتھ جب تک صلہ نہیں ملے گا اس کا معنی کسی کو سمجھ میں ہی نہیں آئے گا بھئی۔ تو یہ صلہ بعض اوقات آپ کو ایک چیز کے صلے کا پتا ہوتا ہے یعنی وہ صلہ وہ جملہ ہوتا ہے، ایک جملے کا پتا ہوتا ہے تو پھر اس کی وجہ سے بھی وہ چیز متعین کی جا سکتی ہے۔ کس طرح؟ مثلاً کل آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آکر آپ سے ملا اور زید بھی وہیں پر تھا اس نے بھی دیکھا کہ وہ آدمی آکر آپ سے ملا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے وہ آدمی گزشتہ کل آکر آپ کو ملا یہ تو زید کو پتا ہے یا نہیں پتا بھئی؟ یہ تو پتا ہے یہ اس نے دیکھا، اگرچہ اس آدمی کے بارے میں اور کچھ بھی نہیں جانتا کہ یہ کون تھا کیا کہنے آیا تھا اس کا نام کیا ہے یہ کام کیا کرتا ہے کچھ بھی نہیں پتا، لیکن اتنا تو پتا ہے کہ وہ کل آکر آپ سے مسجد میں ملا تھا، یہ پتا ہے۔ تو اسی کو اٹھا کر صلہ بنا دیں اور اس سے پہلے موصول ذکر کر دیں تو وہ پھر بھی سمجھ جائے گا۔ یہ جو جملہ جس کا اس کو جس بات کا اس کو پتا ہے اسی بات کو کس صورت میں آپ ذکر کر دیں؟ صلے کی صورت میں اور موصول کے ساتھ معرفہ، اب آپ معرفہ ذکر کر سکتے ہیں۔ مثلاً اب آپ کیا کہتے ہیں زید کو اسی آدمی کے بارے میں، اسی آدمی کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں زید سے اب آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي الْمَسْجِدِ میرے پاس وہ آدمی آیا جسے آپ نے مسجد میں دیکھا تھا، جَاءَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي الْمَسْجِدِ، یا یوں کہیں لَقِيتُ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي الْمَسْجِدِ میری ملاقات ہوئی، میری پھر ملاقات ہوئی الَّذِي رَأَيْتَهُ جس کو آپ نے کہاں دیکھا تھا؟ مسجد میں۔ وہ

سمجھ جائے گا یا نہیں؟ سمجھ جائے گا وہ آدمی جس کو اس نے دیکھا تھا بھئی۔ تو دیکھیے جب صلے کا پتا تھا اس کو ملنے کا پتا تھا تو آپ نے معرفہ ذکر کر دیا، لَقِيتُ يا جَاءَ آگے کیا کہا؟ الَّذِي اسم موصول وہ جو کہ رَأَيْتَهُ فِي الْمَسْجِدِ جس کو آپ نے کہاں دیکھا تھا؟ مسجد میں۔ تو یہ دیکھو رَأَيْتَهُ فِي الْمَسْجِدِ یہ صلہ یہ جملے کا اس صلے کا اس کو پتا تھا۔ صرف صلے کا پتا ہو تو بھی موصول کے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے؟ معرفہ کی صورت میں ایک چیز کو ذکر کیا جا سکتا ہے، لیکن یہاں ایک ایسا مقام ہے وہاں صلے کا بھی نہیں پتا یعنی کسی اعتبار سے بھی کسی بات کا اس کے بارے میں پتا نہیں ہے تو پھر لازمی بات ہے وہاں تعریف کی کوئی اور صورت رہی؟ نام کا بھی نہیں پتا، صلے کا بھی نہیں پتا، کسی اور چیز کا بھی نہیں پتا تو اب تعریف والی کوئی جہت ہے ہی نہیں، تعریف والی کوئی جانب ہے ہی نہیں، لانا ہی کس صورت میں پڑے گا؟ نکرہ کی صورت میں۔ یہ معنی ہے إِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَا يُعَيِّنُهُ جب معلوم نہ ہو کوئی ایسی چیز جو اس کو متعین کر دے، بھئی وہ کیا کیا چیز ہو سکتی ہے؟ مِنْ بیان ہے مِنْ عَلَمٍ، مِنْ کا ترجمہ یعنی کے ساتھ کریں، مِنْ عَلَمٍ یعنی کہ علم نام وغیرہ یعنی یہ بھی اس کو متعین کر سکتا ہے لیکن اس کا علم ہی نہیں ہے أَوْ صِلَةٍ یا یعنی کہ یا صلہ ہے اس کا بھی علم نہیں یہ معین کر سکتا ہے لیکن اس کا بھی علم نہیں أَوْ نَحْوِهِمَا یا ان جیسی کوئی چیز۔

وَقَدْ يُؤْتَى بِهَا لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى اور کبھی کبھار نکرہ کو لایا جاتا ہے لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى دوسری غرضوں کے لیے، دوسری غرضوں کے لیے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو بعض اوقات نکرہ تو اس لیے لایا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں ایک چیز کا اور چیزوں کا علم ہی نہیں تعریف والی جہت کا پتا ہی نہیں ہے، اور بعض مقامات پر جہت وغیرہ کا علم ہونے کے باوجود ایک چیز کو کیا کیا جاتا ہے؟ نکرہ لایا جاتا ہے، وہاں اور غرضیں ہوتی ہیں اور مقاصد ہوتے ہیں، وہ کیا کیا مقاصد ہو سکتے ہیں وہ آگے بیان کر رہے ہیں بھئی۔ کہتے ہیں وَقَدْ يُؤْتَى بِهَا لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى اور کبھی کبھار نکرہ کو لایا جاتا ہے لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى دوسری غرضوں کے لیے كَالتَّكْثِيرِ وَالتَّقْلِيلِ جیسے تکثیر اور تقلیل ہے، ایک چیز کی کثرت بتلانے کے لیے اس کے لیے بھی نکرہ لایا جاتا ہے اور ایک چیز کی قلت بتلانے کے لیے اس کے لیے بھی بعض اوقات کیا کیا جاتا ہے؟ نکرہ لایا جاتا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر لِفُلَانٍ مَالٌ، لِفُلَانٍ مَالٌ۔ لِفُلَانٍ یہ جار مجرور مل کر خبر مقدم اور مَالٌ یہ ہے مبتدائے مؤخر۔ أَيْ لِفُلَانٍ مَالٌ كَثِيرٌ فلاں کا بہت مال ہے، فلاں کے پاس بہت مال ہے۔ اب یہ آپ مَالٌ نکرہ لے کر آئے اور مقصد کیا ہے؟ کثرت بیان کرنے کے لیے، تکثیر کے لیے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ فلاں کے پاس بہت مال ہے، تو یہ جو نکرہ لایا گیا یہ تکثیر کے لیے ہے۔ تو اس میں پھر یوں کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر جو تنوین آ رہی ہے وہ تنکیر کے لیے ہے۔ کس لیے ہے؟ تکثیر کے لیے۔ اگر اسی پر الف لام لے آتے تو پھر تنوین آتی؟ نہیں، پھر تو تنوین نہ آتی لِفُلَانٍ الْمَالُ تو پھر تو تنوین نہیں آ سکتی تھی، لیکن لہٰذا اس کو نکرہ لائے تاکہ اس پر کیا آ جائے؟ تنوین۔ اور یہ تنوین کس لیے ہوتی ہے؟ بعض اوقات تکثیر بیان کرنے کے لیے اور بعض اوقات تقلیل، کسی چیز کی کثرت بیان کرنے کے لیے۔ تو مَالٌ آخر میں تنوین آئی اور یہ تنوین کس لیے ہے؟ کثرت بیان کرنے کے لیے۔ اور کہاں پر تنوین کثرت کے لیے آئے گی کہاں پر تقلیل کے لیے آئے گی یاد رکھیے موقع محل سے ہی پتا چل جاتا ہے، اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ ہاں تو لِفُلَانٍ مَالٌ یہ مَالٌ نکرہ کیوں لے کر آیا بھئی کہنے والا؟ کثرت بیان کرنے کے لیے یعنی فلاں کا بہت زیادہ مال ہے بھئی۔

بھئی دیکھیے اگر وہ معرفہ لاتا تو معرفہ تو معلوم ہوتا ہے، معرفہ تو کیا ہوتا ہے؟ معلوم اور متعین ہوتا ہے، لیکن یہ نکرہ لے کر آیا اور نکرہ متعین نہیں ہوتا، تو گویا کہنے والا بھی یہ بتلانا چاہتا ہے کہ اتنا زیادہ ہے کہ مجھے علم ہی نہیں ہے بھئی، مجھے علم ہی نہیں ہے۔ صورت نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟ معرفہ لاتا تو معرفہ تو کس پہ دلالت کرتا ہے؟ متعین ہے، یعنی اس وقت کروڑ ہے یا دو کروڑ ہے یا چار کروڑ ہے متعین ہے، لیکن جب کہہ دیا مَالٌ مال ہے، کتنا ہے یہ بیان نہیں کیا تو گویا اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اتنا مال ہے کہ مجھے بھی اس کا پتا نہیں ہے بھئی۔ نکتہ سمجھ میں آیا؟

■ قولہ: «لِفُلَانٍ مَالٌ» کی تشریح

تو لِفُلَانٍ مَالٌ فلاں کے بہت فلاں کے پاس بہت کثیر مال ہے، وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ اور رضامندی مِنَ اللَّهِ اللہ کی جانب سے أَكْبَرُ بہت سب سے بڑی چیز ہے، أَيْ رِضْوَانٌ قَلِيلٌ، رِضْوَانٌ قَلِيلٌ مِنَ اللَّهِ تھوڑی سی رضامندی بھی اللہ کی طرف سے أَكْبَرُ یہ بہت بڑی چیز ہے سب سے بڑی چیز ہے۔ تو یہاں رِضْوَانٌ نکرہ لایا گیا بھئی، نکرہ لایا گیا اور کیا مقصد کیا ہے؟ تقلیل بیان کرنا کہ اللہ کی طرف سے تھوڑی سی بھی رضامندی کسی کو مل جائے یہ بہت بڑی نعمت ہے بہت بڑی، اور سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ اللہ کی رضا ہے بھئی اللہ کی رضا۔ اللہ کی رضامندی کتنی بڑی چیز ہے اس سے اندازہ لگائیے کہ جنت بھی اللہ کی رضا کا نتیجہ ہے۔ اللہ جس سے راضی ہوں گے اس کو کیا دیں گے؟ جنت دیں گے۔ تو جنت خود رضا کا نتیجہ ہے۔ جنت خود کیا ہے؟ اللہ کی رضا کا اللہ کی رضامندی کا نتیجہ ہے، تو جس چیز کا نتیجہ جنت ہو وہ چیز خود کتنی عظیم ہو گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اسی لیے کیا کہا کیا آیا بھئی؟ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ اللہ کی طرف سے تھوڑی سی رضامندی بھی أَكْبَرُ بہت بڑی چیز ہے۔ خود بتلا رہے ہیں أَيْ مَالٌ كَثِيرٌ، پچھلے جملے میں کیا آیا تھا لِفُلَانٍ مَالٌ أَيْ مَالٌ كَثِيرٌ، اور اگلے آیت میں کیا ہے وَرِضْوَانٌ آیا، أَيْ وَرِضْوَانٌ قَلِيلٌ، وَرِضْوَانٌ قَلِيلٌ۔ تو مال کے اندر جو تنوین آئی وہ کثرت کے لیے ہے اور رضوان کے اندر جو تنوین آئی وہ تقلیل کے لیے ہے بھئی۔

وَالتَّعْظِيمِ وَالتَّحْقِيرِ اور کبھی کسی چیز کو کسی لفظ کو نکرہ لایا جائے گا تعظیم کے لیے، وَالتَّحْقِيرِ اور کبھی کس لیے؟ تحقیر کے لیے بھئی تحقیر کے لیے۔ بھئی ایک ہے تکثیر اور تقلیل اور ایک ہے تعظیم اور تحقیر بھئی، دونوں ایک چیز نہیں ہیں بھئی فرق ہے۔ تکثیر اور تقلیل یہ مقدار کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ تکثیر اور تقلیل کس اعتبار سے ہوتی ہے؟ مقدار کے اعتبار سے کہ ایک چیز کثیر ہو گی مقدار زیادہ ہو گی یا قلیل ہو گی یعنی اس کی مقدار تھوڑی ہو گی۔ اور تعظیم اور تحقیر کا تعلق رتبے کے اعتبار سے ہے،

کوئی چیز عظیم ہے عظمت اس کی بتلانا چاہتے ہیں یعنی اس کے رتبے کے اعتبار سے بڑی اونچی ہے یہ بتلانا چاہتے ہیں، یا تحقیر کا بتلانا چاہتے ہیں معلوم ہوا رتبے کے اعتبار سے بڑی نیچی ہے ادنیٰ ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَالتَّعْظِيمِ وَالتَّحْقِيرِ اور تعظیم اور تحقیر کے لیے کبھی نکرہ لائیں گے نَحْوُ مثال کے طور پر: لَهُ حَاجِبٌ عَنْ كُلِّ أَمْرٍ يَشِينُهُ، وَلَيْسَ لَهُ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبُ۔ لَهُ حَاجِبٌ، حَاجِبٌ اس کے لیے مانع ہے روکنے والا ہے رکاوٹ ہے، حَاجِبٌ کہتے ہیں رکاوٹ، رکاوٹ روکنے والا۔ اسی لیے دربان کو بھی حَاجِبٌ کہتے ہیں جو دروازے پر کھڑا ہوتا ہے، حَاجِبٌ وہ رکاوٹ ہے وہ کسی کو اندر جانے نہیں دے گا بھئی مالک تک پہنچنے نہیں دے گا۔ اسی طرح یاد رکھیے بھئی حَاجِبٌ سیکرٹری کو بھی کہتے ہیں، حَاجِبٌ۔ سیکرٹری بھی اس کے بغیر مثلاً گورنر یا حاکم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، سیکرٹری جس کو وقت دے گا وہی جا کر اس سے مل سکتا ہے، سیکرٹری جسے وقت نہیں دے گا وہ جا کر نہیں مل سکتا۔ تو سیکرٹری گورنر کا سیکرٹری بھی گورنر کی طرح ہوتا ہے بھئی، بادشاہ کا سیکرٹری بھی کس کی طرح ہوتا ہے؟ بادشاہ کی طرح، سارے اس سے ڈرتے ہیں سارے اس کا احترام کرتے ہیں۔ تو اسی سے وہ ہے علامہ ابن حاجب بھئی صاحبِ کافیہ، صاحبِ کافیہ۔ تو بعض لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں دربان کے بیٹے، نہیں بھئی دربان کے بیٹے نہیں تھے، دربان کا بیٹا ہو تو وہ پھر اس نام سے مشہور نہیں ہوتا۔ کوئی آدمی غریب آدمی کا بیٹا ہو تو کوئی اس طرح کبھی آپ نے سنا ہے شہرت ہی ہو جائے چوکیدار کا بیٹا چوکیدار کا بیٹا یا دربان کا بیٹا؟ ہاں بڑے آدمی کا بیٹا وہ مشہور ہو جاتا ہے، آپس میں باتیں کرتے ہیں بھئی وہ گورنر کا بیٹا جو ہے وہ گورنر کا بیٹا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو بڑے کی طرف عموماً نسبت سے مشہور ہوتا ہے، تو علامہ ابن حاجب یہ کس کے بیٹے تھے؟ سیکرٹری کے بیٹے تھے، سیکرٹری تھا جو گورنر کا بھئی، تو وہ بڑا آدمی تھا چونکہ تو اسی نام سے مشہور ہو گئے کہ سیکرٹری کے بیٹے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟

تو حَاجِبٌ، حَاجِبٌ کا معنی ہے رکاوٹ بھئی رکاوٹ۔ لَهُ حَاجِبٌ شاعر کسی کی مدح بیان کر رہا ہے کہ اس کے لیے حاجب ہے رکاوٹ ہے عَنْ كُلِّ أَمْرٍ ہر ایسی چیز سے۔ كُلِّ أَمْرٍ نکرہ آیا اور اس کے بعد يَشِينُهُ فعل آیا، شَانَ يَشِينُ کے معنی ہیں بدنما بنانا، عیب دار کرنا۔ یہ شَانَ يَشِينُ کا کیا معنی ہے؟ بدنما بنانا، عیب دار بنانا۔ تو كُلِّ أَمْرٍ نکرہ آیا اور اس کے بعد يَشِينُ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور موصوف صفت میں موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا۔ لَهُ حَاجِبٌ وہ جو میرا ممدوح ہے اس کے لیے رکاوٹ ہے حاجب ہے عَنْ كُلِّ أَمْرٍ يَشِينُهُ ہر ایسی چیز سے جو اس کو بدنما کرے جو اس کو عیب دار کرے۔ میرا ممدوح جو ہے اس کے لیے ایک رکاوٹ ہوتی ہے ہر ایسی چیز سے جو اس کو بدنما کرے، یعنی جو چیز اس میں عیب پیدا کرے اس کو بدنما کرے وہ چیز میرے ممدوح تک پہنچتی نہیں ہے، وہاں ایک بڑی رکاوٹ کھڑی ہوتی ہے جو اس کو اس تک پہنچنے ہی نہیں دیتی بھئی۔ تو عیب دار چیزیں عیب دار صفات عیب دار باتیں یہ میرے ممدوح تک نہیں پہنچ سکتیں جس سے اس کی ذات میں عیب پیدا ہو اور وہ برا دکھائی دے کسی کو۔

وَلَيْسَ لَهُ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبُ اور نہیں ہے اس کے لیے، عُرْفٌ کہتے ہیں نیکی کو، نیکی، طَالِبُ الْعُرْفِ نیکی طلب کرنے والا، یعنی کوئی شخص آ کر جو اس سے کچھ مانگتا ہے کوئی مدد طلب کرتا ہے پیسے مانگتا ہے یا کوئی اور مدد طلب کرتا ہے وہ ہے طَالِبُ الْعُرْفِ۔ تو کوئی طَالِبُ الْعُرْفِ اس کے پاس جب آتا ہے، کوئی اس کے پاس کوئی چیز مانگنے آتا ہے یا کسی کام کے لیے آتا ہے تو وہاں اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جو شخص جس وقت میرے ممدوح تک پہنچنا چاہے فوراً پہنچ سکتا ہے، کوئی وہاں دربان روکنے والا نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، جا کر ملے اور جا کر بیان کرے اپنی تکلیف اور پریشانی، وہ کیا کرے گا اس کی تکلیف اور پریشانی دور کر دیتا ہے۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ یہ معنی ہے وَلَيْسَ لَهُ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبُ اور نہیں ہے اس کے لیے کوئی نیکی طلب کرنے والے سے حَاجِبٌ کوئی رکاوٹ۔ تو نیکی طلب کرنے والے کے لیے اس کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، ہاں جو عیب دار چیزیں ہیں عیب دار اوصاف ہیں وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے، وہاں ایک بڑی رکاوٹ ہوتی ہے وہ چیزوں کو روک دیتی ہے، یعنی وہ چیز اس تک کہنا یہ چاہتا ہے عیب والی چیز اس تک پہنچ ہی نہیں سکتی وہ اتنا اونچا آدمی ہے، اور کوئی نیکی کے لیے کوئی سوال کرنے کے لیے اس کے پاس جانا چاہتا ہے پھر کوئی رکاوٹ ادنیٰ درجے کی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی ہر ایک اس تک پہنچ جاتا ہے۔

شعر کا معنی سمجھ میں آگیا؟ اب دیکھیے مقام استشہاد ہے یہ جو شروع میں آیا لَهُ حَاجِبٌ یہ جو حَاجِبٌ پہلا حَاجِبٌ آیا اور ایک شعر کے آخر میں جو حَاجِبٌ آیا۔ پہلا جو حَاجِبٌ ہے اب آپ اس میں مجھے بتائیے بھئی ایک شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے کہ کوئی ایسی چیز جو عیب پیدا کرنے والی ہے وہ میرے ممدوح تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ وہاں ایک حَاجِبٌ ہوتا ہے کوئی چیز روکنے والی ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ روکنے والی ہوتی ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے وہ چیز جو روکنے والی ہو گی ممدوح تک کسی چیز کو پہنچنے نہ دے وہ حَاجِبٌ حقیر سا ہو گا کوئی چھوٹا سا ہو گا یا عظیم حاجب ہو گا؟ عظیم حاجب ہو گا۔ معلوم ہوا پہلے حَاجِبٌ کے اندر اس کو نکرہ لایا گیا تعظیم کے لیے کہ میرا ممدوح جو ہے اس کے پاس کوئی عیب والی چیز نہیں پہنچ سکتی کیونکہ وہاں ایک عظیم مانع ہوتا ہے، ایک وہ عظیم مانع اور حاجب ہوتا ہے جو میرے ممدوح تک عیب والی باتوں کو پہنچنے ہی نہیں دیتا، وہ بڑا صاف ستھرا انسان ہے برے اخلاق اس تک پہنچ بھی نہیں سکتے۔ تو وہاں کیا ہوتا ہے؟ لَهُ حَاجِبٌ أَيْ حَاجِبٌ عَظِيمٌ، یہ حَاجِبٌ جو نکرہ لایا گیا یہ تعظیم کے لیے ہے۔ اور آخر میں جو حَاجِبٌ آیا، اور اس کے پاس کوئی نیکی کی طلب کے لیے جانا چاہے تو اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، تو یہاں کون سی رکاوٹ مراد ہے؟ بڑی رکاوٹ نہیں ہوتی یا چھوٹی رکاوٹ نہیں ہوتی؟ جی آپ کیا کہیں گے؟ چھوٹی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی، ہاں چھوٹی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی ادنیٰ درجے کی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی، تو یہ حَاجِبٌ تحقیر کے لیے آیا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ اب شعر کا ترجمہ یوں ہو گا: لَهُ حَاجِبٌ عَنْ كُلِّ أَمْرٍ يَشِينُهُ میرا ممدوح جو ہے اس کے لیے ایک عظیم مانع ہوتا ہے ہر ایسی چیز سے جو اس کو بدنما بنائے، وَلَيْسَ لَهُ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبُ اور اس کے لیے نیکی طلب کرنے والے کے بارے میں کوئی

چھوٹا سا حاجب بھی کوئی چھوٹا سا مانع بھی نہیں ہوتا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ تو پہلا حَاجِبٌ اس میں یہ نکرہ لایا گیا کس لیے؟ تعظیم کے لیے، اور دوسرے حَاجِبٌ کو نکرہ لایا گیا تحقیر کے لیے بھئی، تو دونوں کی مثالیں آ گئیں بھئی۔

سمجھ میں آیا؟ تو تکثیر اور تقلیل آیا اور تعظیم اور تحقیر۔ تکثیر اور تقلیل کا تعلق کس سے ہے؟ مقدار سے ہے، ایک چیز کثیر ہو گی یعنی مقدار زیادہ ہو گی یا ایک چیز قلیل ہو گی یعنی مقدار تھوڑی ہو گی۔ اور تعظیم اور تحقیر کا تعلق بلندیِ مرتبہ اور عزت وغیرہ سے ہے، کوئی چیز عظیم ہے معلوم ہوا بلند مرتبے والی ہے بڑی عزت والی ہے، اور تحقیر اس کا تعلق کس سے ہے؟ کوئی چیز حقیر ہے معلوم ہوا کم درجے کی ہے ادنیٰ ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟

■ قولہ: «وَالْعُمُومِ بَعْدَ النَّفْيِ نَحْوُ مَا...» کی تشریح

وَالْعُمُومِ بَعْدَ النَّفْيِ نَحْوُ مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ۔ وَالْعُمُومِ بَعْدَ النَّفْيِ اور نکرہ کو کبھی لایا جاتا ہے اور غرضوں کے لیے جیسے کہ عموم ہے وہ عموم بَعْدَ النَّفْيِ کس کے بعد ہو؟ نفی کے بعد۔ بھئی دیکھیے یاد رکھیے نکرہ اگر سیاق اثبات میں آئے وہ خصوص کا فائدہ دیتا ہے اور نکرہ اگر سیاق نفی میں آئے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ ضابطہ یاد رہے گا؟ کیا؟ نکرہ اگر سیاق اثبات میں آئے تو کس چیز کا فائدہ دے گا؟ خصوص کا فائدہ دے گا، اور نکرہ اگر سیاق نفی میں آئے تو کس چیز کا فائدہ دے گا؟ عموم۔ سِيَاقٌ کلام کا چلاؤ، کلام کا چلاؤ بھئی، تو اگر یعنی مثبت کلام میں آئے جس میں نفی نہیں، مثبت کلام کے اندر اگر نکرہ آئے تو وہ خصوص کا فائدہ دے گا اور منفی کلام کے اندر اگر نکرہ آئے تو وہ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ عموم کا۔ بات سمجھ بھی آئی کہ مشکل ہو گئی؟ نکرہ اگر کہاں پر آئے؟ کلام مثبت میں آئے جس میں حرف نفی نہیں ہے تو وہاں کس چیز کا فائدہ دے گا؟ خصوص کا فائدہ دے گا، اور اگر نکرہ کلام منفی کے اندر آئے یعنی نفی کے بعد آئے وہ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ عموم کا فائدہ دے گا۔

دیکھیے بھئی مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي بَشِيرٌ، جَاءَنِي بَشِيرٌ، بَشِيرٌ خوشخبری دینے والا، جَاءَنِي بَشِيرٌ۔ بَشِيرٌ کا کیا معنی؟ خوشخبری دینے والا۔ میں نے جب آپ سے کہا جَاءَنِي بَشِيرٌ اس کا کیا معنی ہے؟ میرے پاس ایک خوشخبری دینے والا آیا یہ ترجمہ ہو گا یا میرے پاس سارے خوشخبری دینے والے آئے؟ یاد رکھیے یہاں نفی ہے یا اثبات ہے؟ اثبات ہے نا جَاءَنِي بَشِيرٌ، تو نکرہ خصوص کا فائدہ دے گا یعنی میرے پاس ایک خوشخبری دینے والا آیا۔ مفرد کا لفظ ہے نا، مفرد سے ساری جنس تو مراد نہیں لیں گے بلکہ کیا مراد لیں گے؟ ایک فرد آیا میرے پاس، جَاءَنِي بَشِيرٌ۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ کیا معنی؟ میرے پاس ایک آدمی آیا، واضح سا ترجمہ ہے بھئی، تو یہ خصوص ہے، کیا ہے؟ خصوص۔ ساری دنیا کے رجل مراد ہیں یہاں پر؟ ساری دنیا کے انسان مراد نہیں۔

یا یوں کہیں اور واضح مثال، إِنْسَانٌ بھئی، إِنْسَانٌ یہ ایک آدمی پر بھی بولا جاتا ہے اور تمام دنیا کے انسان مراد لیں تو بھی وہ سارے کیا ہیں؟ انسان ہیں، ان پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي إِنْسَانٌ کیا ترجمہ کریں گے؟ میرے پاس ایک انسان آیا۔ حالانکہ ساری دنیا کے انسانوں پر بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے لیکن آپ سمجھ گئے سارے مراد نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہ سیاق اثبات میں آیا نکرہ، سیاق اثبات۔ جَاءَنِي إِنْسَانٌ کا کیا ترجمہ کریں گے؟ میرے پاس ایک انسان آیا۔ اور اسی پر ذرا نفی داخل کر دیں مَا جَاءَنِي إِنْسَانٌ، اب یہ ترجمہ نہیں کرنا کہ میرے پاس ایک انسان نہیں آیا، بلکہ پہلے خصوص کا فائدہ دے رہا تھا اثبات میں تھا تو خصوص یعنی ایک فرد مراد تھا، اور اب نفی کے تحت آ گیا مَا جَاءَنِي إِنْسَانٌ، إِنْسَانٌ سے پہلے کیا آ رہا ہے؟ مَا جَاءَ نفی آ رہی ہے، اور نکرہ سیاق نفی کے اندر کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم، تو یہاں عموم آ گیا۔ اب ترجمہ ہو گا میرے پاس کوئی انسان نہیں آیا، سب انسانوں کی نفی کر دی۔ اگر ایک بھی انسان آپ کے پاس آیا ہو تو آپ کا یہ کلام کہنا صحیح نہ بنے گا مَا جَاءَنِي إِنْسَانٌ۔ ہاں جب کوئی ایک بھی نہیں آیا اب آپ کہہ سکتے ہیں مَا جَاءَنِي إِنْسَانٌ۔ فرق سمجھ میں آیا دونوں میں؟ نکرہ سیاق اثبات میں کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ خصوص کا، جَاءَنِي إِنْسَانٌ کا کیا ترجمہ کرتے ہیں آپ؟ میرے پاس ایک انسان آیا، یہ ایک انسان والا ترجمہ کیوں کر رہے ہیں آپ؟ کیونکہ یہ مقام اثبات میں ہے خصوص ہو گا۔ اور نکرہ اگر سیاق نفی میں آئے تو پھر کس چیز کا فائدہ دے گا؟ عموم کا، مَا جَاءَنِي إِنْسَانٌ کیا ترجمہ کریں گے؟ میرے پاس کوئی انسان نہیں آیا، اب دیکھیے تمام دنیا کے انسانوں کی نفی ہو گئی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی میرے پاس نہیں آیا۔ صورت سمجھ میں آئی بھئی؟ تو نکرہ تحت النفی کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم کا۔ تو یہی کبھی نکرہ کے لانے میں نکتہ ہوتا ہے کہ اس کو نفی کے بعد لایا جاتا ہے مقصد کیا پیدا کرنا ہوتا ہے وہاں پر؟ عموم پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یہ معنی ہے وَالْعُمُومِ بَعْدَ النَّفْيِ اور کبھی جو ہے نفی کے بعد عموم کے لیے نکرہ لاتے ہیں نَحْوُ مثال کے طور پر مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا، فَإِنَّ النَّكِرَةَ فِي سِيَاقِ النَّفْيِ تَعُمُّ پس بے شک نکرہ جو ہے سیاق نفی کے اندر یعنی نفی والے کلام میں یعنی نفی کے تحت جو ہے تَعُمُّ عام ہو جاتا ہے، نکرہ سیاق نفی میں عام ہو جاتا ہے۔

وَقَصْدِ فَرْدٍ مُعَيَّنٍ أَوْ نَوْعٍ كَذَلِكَ۔ بھئی یاد رکھیے کبھی کبھار نکرہ ذکر کیا جاتا ہے ایک فرد کا ارادہ کرنے کے لیے، فرد معین، یا اسی طرح ایک معین نوع کا ارادہ کرنے کے لیے۔ کبھی کبھار نکرہ لایا جاتا ہے کس لیے؟ ایک فرد معین پر دلالت کے لیے، یا نکرہ لایا جاتا ہے ایک نوع پر ایک قسم پر دلالت کرنے کے لیے۔ جیسے دیکھیے مثال سے بات واضح ہو گی: وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ اور اللہ نے پیدا کیا ہر دابہ کو مِنْ مَاءٍ پانی سے، دابہ کو پانی سے۔ اب یہاں دیکھیے بھئی كُلَّ دَابَّةٍ دیکھیں نکرہ آیا، سمجھ میں آیا بھئی؟ نکرہ۔ تو دَابَّةٍ بھی نکرہ اور مَاءٍ کا لفظ بھی کیا آیا یہاں پر؟ نکرہ آیا۔ اور نکرہ آئے تو کبھی اس کے ذریعے ایک فرد معین کا ارادہ ہوتا ہے، یعنی معنی پھر کیا

کریں گے؟ اللہ نے پیدا کیا ہر ایک فرد دابہ کو، کس معنی میں لیا؟ فرد کے معنی میں۔ اللہ نے پیدا کیا ہر ایک، دَابَّةٌ وہ جانور جو زمین پر چلنے والے ہیں ان کو کیا کہتے ہیں؟ دَابَّةٌ۔ اللہ نے پیدا کیا ہر ایک جانور کو مِنْ مَاءٍ ایک فرد ماء سے، اللہ نے پیدا کیا ایک فرد دابہ کو ایک فرد ماء سے، یعنی فرد ماء سے مراد وہ نطفہ ہے نطفہ ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں اللہ نے پیدا کیا ایک فرد دابہ کو ایک نطفے سے۔ کس سے؟ ایک نطفے سے، یعنی ہر فرد دابہ ایک نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ ہر فرد ہر جانور کس سے پیدا ہوا ہے؟ ایک نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ یہ جانور ایک نطفے سے پیدا، دوسرا جانور یہ بھی کس سے پیدا؟ ایک نطفے سے، یہ تیسرا جانور یہ بھی کس سے پیدا؟ ایک نطفے سے، یہ چوتھا یہ بھی کس سے پیدا؟ ایک سے، تو ہر ایک فرد دابہ کس سے پیدا ہوا ہے؟ ایک فرد ماء سے، ایک فرد ماء سے یعنی نطفے سے۔ معنی سمجھ میں آیا؟

یا اسی طرح نوع، نوع کا ارادہ کیا جاتا ہے، نوع یعنی ایک نوع مراد ہوتی ہے۔ جیسے دیکھیے نوع کے مطابق ترجمہ یوں ہو گا: اور اللہ نے پیدا کیا ہے ہر ایک نوع دابہ کو ایک نوع پانی سے۔ ہر ایک نوع دابہ کو اللہ نے کس سے پیدا کیا ہے؟ ایک نوع پانی سے یعنی ایک نوع نطفہ سے، یعنی ہر ایک قسم کے جانور کو اللہ نے ایک خاص، ہر ایک خاص قسم کا جو جانور ہے اللہ نے اس کو ایک خاص قسم کے نطفے سے پیدا فرمایا ہے۔ ہر ایک قسم کے جانور کو خاص، جیسے جو بکری ہے، بکری یہ بکری کی قسم کے نطفے سے پیدا ہے، گائے بیل کس قسم کے نطفے سے پیدا ہیں؟ گائے بیل کے نطفے سے پیدا ہیں، انسان کس کے نطفے سے پیدا ہے؟ انسان کے نطفے سے پیدا ہے، تو ہر قسم کا جو حیوان ہے وہ کس سے پیدا ہے؟ الگ ایک قسم کے نطفے سے بھئی۔ ہر ایک قسم کا حیوان ایک خاص قسم کے، تو ہر ایک خاص قسم کا دابہ جو ہے وہ ایک خاص قسم کے نطفے سے اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ پہلی صورت میں کیا ترجمہ تھا؟ ایک فرد، ہر ایک فرد دابہ کو اللہ نے ایک فرد نطفے سے پیدا فرمایا ہے بھئی، یعنی ہر جانور ایک نطفے سے پیدا ہے، اس صورت میں یہ مثلاً یہ بکری ایک نطفے سے پیدا، یہ دوسری بکری یہ دوسرے نطفے سے پیدا ہے، یہ تیسری بکری یہ کس سے پیدا؟ یہ تیسرے، تو اس میں ایک ایک فرد کی طرف اشارہ ہوا۔ اور اگر نوع کے لیے لیں تو ہر ایک نوع کو ایک خاص قسم کے نطفے سے پیدا فرمایا ہے، جیسے بکریاں جو ہیں وہ اپنی خاص قسم کے نطفے سے پیدا ہوتی ہیں، گائے بیل وغیرہ جو ہیں وہ اپنے خاص قسم کے نطفے سے پیدا ہوتے ہیں، فرق سمجھ میں آ گیا بھئی؟ یہ معنی ہے وَقَصْدِ فَرْدٍ مُعَيَّنٍ أَوْ نَوْعٍ كَذَلِكَ اور ارادہ کرنے کے لیے ایک معین فرد کا أَوْ نَوْعٍ كَذَلِكَ، كَذَلِكَ اسی طرح اشارہ ہے مُعَيَّنٍ کی طرف۔ کس کی طرف؟ معین کی طرف، جیسے وَقَصْدِ فَرْدٍ مُعَيَّنٍ أَوْ نَوْعٍ مُعَيَّنٍ بھئی۔ کس کا ارادہ کرنے کے لیے؟ ایک فرد معین کا ارادہ کرنے کے لیے اور ایک معین نوع کا ارادہ کرنے کے لیے، لیکن مُعَيَّنٍ دوسری دفعہ ذکر نہیں کیا اس کے ساتھ کیا ذکر کر دیا؟ كَذَلِكَ، اور نوع اسی طرح، کس طرح؟ جیسے فرد تھا معین نوع بھی اسی طرح یعنی معین مراد ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ نَحْوُ مثال کے طور پر وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ اور اللہ نے پیدا فرمایا ہے ہر ایک فرد دابہ کو ایک فرد ماء سے یعنی ایک فرد نطفہ سے۔

وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ اور معاملے کو چھپانے کے لیے۔ بھئی بعض اوقات ایک لفظ کو معرفہ کے بجائے آپ نکرہ ذکر کرتے ہیں اس کو چھپانے کے لیے تاکہ سامع کو اس کا پتا نہ چلے، سامع کو اس کا پتا نہ چلے۔ مثلاً دیکھیے زید آپ کا ساتھی ہے اور اس نے آپ کو بتایا کہ عمرو جو ہے عمرو وہ آج کل سیدھے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ زید نے، کس کے بارے میں بتایا؟ عمرو کے بارے میں۔ اب اگلے دن آپ کی ملاقات عمرو سے ہوئی، اب آپ اس کو زید کی یہ جو بات زید نے بتائی تھی اس کے بارے میں اس کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن زید کا نام نہیں ذکر کرنا چاہتے کیونکہ اگر زید کا نام ذکر کریں گے تو پھر ہو سکتا ہے عمرو ناراض ہو بھئی اور زید کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے کہ اس نے میرے خلاف بات کی ہے، تو چنانچہ اب آپ عمرو کو کیسے کہیں گے؟ کہ ایک آدمی نے مجھے کہا تھا کہ سنا ہے آپ سیدھے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ ایک آدمی نے مجھے کیا کہا تھا؟ کہ آپ سیدھے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ اب دیکھیے یہ نہیں آپ نے اس سے کہا کہ زید نے مجھے کہا ہے بلکہ کیا کہا؟ ایک آدمی نے کہا۔ تو نکرہ آپ نے ذکر کیا، کیوں ذکر کیا نکرہ؟ کیونکہ آپ اس کو چھپانا چاہتے ہیں کس سے؟ عمرو سامع جو ہے جس سے بات کر رہے ہیں۔ مثال سمجھ میں آ گئی؟ تو بعض اوقات نکرہ کس لیے لایا جاتا ہے؟ بات کو دوسرے سے چھپانے کے لیے۔ یہ معنی ہے وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ اور معاملے کو چھپانے کے لیے بات کو چھپانے کے لیے نَحْوُ مثال کے طور پر قَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ انْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ۔ انْحَرَفَ يَنْحَرِفُ کے معنی ہٹ جانا، ایک طرف کو ہو جانا یعنی ایک طرف مائل، إِنَّكَ انْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ کہ آپ جو ہیں ہٹ گئے ہیں عَنِ الصَّوَابِ سیدھے درست راستے سے بھئی۔ آپ کیا ہیں درست راستے سے ہٹ گئے ہیں، تو یہ آپ نے کس سے کہا؟ مخاطب سے، پورا یہ کلام کہا قَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ انْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ ایک شخص نے کہا ہے اس نے مجھے بتلایا ہے، کیا بتلایا کہ آپ سیدھے راستے سے ہٹ گئے ہیں، تُخْفِي اسْمَهُ آپ چھپاتے ہیں اس کے نام کو، اسی لیے آپ نے قَالَ رَجُلٌ کہا قَالَ زَيْدٌ نہیں کہا، آپ اس کے نام کو چھپاتے ہیں حَتَّى لَا يَلْحَقَهُ أَذًى تاکہ اس کو نہ پہنچے تکلیف بھئی، تاکہ اس کو نہ پہنچے۔ لَحِقَ يَلْحَقُ کے معنی ملنا، تاکہ لَا يَلْحَقَهُ أَذًى تاکہ اس کو تکلیف نہ پہنچے، ورنہ اگر آپ قَالَ زَيْدٌ کہہ دیتے پھر تو آپ کو خطرہ ہے یہ نہ ہو کہ یہ عمرو کل کیا کرے زید کو کوئی تکلیف اور نقصان پہنچائے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْبَابُ الْخَامِسُ وَالسَّادِسُ وَالسَّابِعُ وَالثَّامِنُ وَالْخَاتِمَةُ

اطلاق و تقیید، قصر، وصل و فصل، ایجاز و اطناب و مساواۃ، اور اخراجِ کلام علیٰ خلافِ مقتضائے ظاہر و التفات (اسباق ۴۹ تا ۶۵)

سبق نمبر ۴۹: الباب الخامس في الإطلاق والتقييد: جملے میں اطلاق و تقیید کا مفہوم اور مفاعیلِ خمسہ، حال، تمیز و استثناء سے تقیید

دروس البلاغہ صفحہ: ۶۱ ــــ بتاریخ: ۱۷ دسمبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْبَابُ الْخَامِسُ فِي الْإِطْلَاقِ وَالتَّقْيِيدِ۔ إِذَا اقْتُصِرَ فِي الْجُمْلَةِ عَلَى ذِكْرِ الْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ إِلَيْهِ فَالْحُكْمُ مُطْلَقٌ، وَإِذَا زِيدَ عَلَيْهِمَا شَيْءٌ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا أَوْ بِأَحَدِهِمَا فَالْحُكْمُ مُقَيَّدٌ۔ وَالْإِطْلَاقُ يَكُونُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيدِ الْحُكْمِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ لِيَذْهَبَ السَّامِعُ فِيهِ كُلَّ مَذْهَبٍ مُمْكِنٍ۔

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

الْبَابُ الْخَامِسُ فِي الْإِطْلَاقِ وَالتَّقْيِيدِ، پانچواں باب اطلاق اور تقیید کے بیان میں۔ اطلاق اور تقیید کے بیان میں۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ جملے کے دو جز ہوا کرتے ہیں، ایک مسند اور ایک مسند الیہ۔ اور مسند کا دوسرا نام محکوم بہ ہے اور مسند الیہ کا دوسرا نام محکوم علیہ ہے۔ محکوم علیہ ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ کیا ہے؟ مبتدا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ مسند الیہ ہے، اور اس کا کیا نام ہے؟ محکوم علیہ۔ مسند الیہ بھی اسی کو کہتے ہیں اور محکوم علیہ بھی۔ اور قَائِمٌ یہ مسند ہے، اسی طرح اس کو کیا کہتے ہیں؟ محکوم بہ کہتے ہیں۔ تو دیکھو زید پر قیام کا حکم لگایا گیا ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ یہ قیام کس کے لیے ثابت ہے؟ زید کے لیے، کھڑا کون ہے؟ زید ہے۔ تو زید ہوا جس پر حکم لگایا گیا وہ ہوا محکوم علیہ، کیا ہوا؟ محکوم علیہ، اور کس بات کا حکم لگایا گیا؟ قیام کا، کھڑے ہونے کا، تو وہ ہے محکوم بہ۔ تو جس چیز کا حکم لگایا جائے وہ ہے محکوم بہ اور جس پر حکم لگایا جائے وہ ہے محکوم علیہ بھئی، محکوم علیہ۔

اور دوسرا نام محکوم بہ کا کیا نام ہے؟ مسند، اور محکوم علیہ کا دوسرا نام مسند الیہ۔ تو دیکھو زَيْدٌ قَائِمٌ اس کے اندر قَائِمٌ کا اسناد زید کی طرف کیا گیا تو قَائِمٌ ہے مسند جس کا اسناد کیا گیا ہے، اور زید ہوا مسند الیہ جس کی طرف اسناد کیا گیا ہے، جس کی طرف اسناد کیا گیا ہے۔ اور پہلے جز کو یہاں پر یہ جملہ اسمیہ ہے تو پہلے جز کو کیا کہا؟ مبتدا ہے، اور دوسرے جز کو کیا کہتے ہیں؟ خبر کہتے ہیں۔ یہ تو جملہ اسمیہ کے اندر ہے، اسی طرح جملے کی دوسری قسم جملہ فعلیہ ہے، جملہ فعلیہ کے اندر بھی اسی طرح ہوتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ۔ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ اس کا فاعل، تو یہاں پر بھی ضَرَبَ فعل کا اسناد کیا گیا ہے اور کس کی طرف کیا گیا؟ زید کی طرف، تو ضَرَبَ ہوا مسند اور زید ہوا مسند الیہ، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے ضَرَبَ ہے محکوم بہ اور زید کیا ہے؟ محکوم علیہ۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ ہو اس میں ایک جز مسند ہو گا اور دوسرا جز مسند الیہ۔ جملہ اسمیہ کے اندر مبتدا مسند الیہ یا یوں کہیں محکوم علیہ ہوتا ہے اور جو خبر ہوتی ہے وہ مسند ہوتی ہے اور اسی کا دوسرا نام کیا ہے؟ محکوم بہ ہے، جبکہ جملہ فعلیہ کے اندر یاد رکھو جو فعل ہوتا ہے وہ ہے مسند یا یوں کہیں محکوم بہ ہے اور جو فاعل یا نائب فاعل آگے آئے گا وہ کیا ہے؟ مسند الیہ ہے یا محکوم علیہ ہے بھئی، محکوم علیہ بھئی۔

تو بعض اوقات جملے کے اندر صرف مسند اور مسند الیہ ذکر ہوتے ہیں، جیسے میں نے ابھی دو جملے ذکر کیے، جملہ اسمیہ کی کیا مثال ذکر کی؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، تو دیکھو یہاں صرف مسند الیہ اور مسند دو چیزیں ذکر ہیں، زَيْدٌ ہے مسند الیہ اور قَائِمٌ ہے مسند، تو صرف یہ دو چیزیں ہیں کوئی اور قید وغیرہ ان کے ساتھ نہیں، اور کوئی لفظ آگے نہیں آ رہا۔ جبکہ اسی طرح جملہ فعلیہ کی مثال میں نے ذکر کی ضَرَبَ زَيْدٌ، یہاں بھی صرف ضَرَبَ مسند ہے اور زید جو اس کا فاعل ہے مسند الیہ ہے۔ تو بعض اوقات جملے کے اندر صرف

مسند اور مسند الیہ ذکر ہوتے ہیں تو اس صورت میں کہیں گے کہ حکم مطلق ہے، یعنی اس میں کوئی قید نہیں۔ حکم کیا ہے؟ مطلق ہے اس میں کوئی قید نہیں، اور بعض اوقات اس کے ساتھ اور لفظ آئیں گے تو پھر اس وقت کہیں گے کہ حکم مقید ہے۔ حکم کیا ہے؟ مقید ہے۔

بھئی دیکھیے میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی۔ اب کس کی کی؟ وہ آگے ذکر ہی نہیں ہے، تو آپ کا ذہن جا سکتا ہے کہ شاید کس کی پٹائی کی ہو گی؟ عمرو کی کی ہو گی، یہ بھی خیال آ سکتا ہے آپ کے دل میں کہ شاید بکر کی کی ہو، یہ بھی خیال آ سکتا ہے آپ کے ذہن میں کہ شاید خالد کی کی ہو گی، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو بعض اوقات حکم کو مطلق رکھا جاتا ہے تاکہ سننے والا جس راستے پر چلنا چاہے چل سکے، یعنی جو ذہن میں سوچ سکتا ہے سوچ سکے، جس طرف جانا چاہے جا سکے۔ تو دیکھا آپ کے دل میں بھی خیال آیا ہو سکتا ہے پٹائی کس کی، اتنا تو آپ کو پتہ چل گیا کہ زید نے پٹائی کی ہے لیکن یہ نہیں ذکر کس کی کی ہے، تو آپ کا ذہن جا سکتا ہے کس طرف؟ کہ شاید کس کی کی ہو گی؟ عمرو کی کی ہو گی، یا کس کی کی ہو گی؟ یا بکر کی کی ہو گی اس طرف بھی آپ کا ذہن جا سکتا ہے، یا کس کی کی ہو گی پٹائی؟ خالد کی اس طرف بھی آپ کا ذہن جا سکتا ہے۔ تو بعض اوقات قید وغیرہ جملے کے اندر ذکر نہیں کی جاتی تاکہ سامع سننے والا جس راستے پر چلنا چاہے چل سکے بھئی، جو سوچنا چاہے اس کے بارے میں وہ سوچ سکے اور اس کا گمان کر سکے۔

جبکہ بعض اوقات حکم کو مقید کیا جاتا ہے یعنی اس کے ساتھ کوئی قید وغیرہ ذکر ہوتی ہے۔ کیا ذکر ہوتی ہے؟ قید۔ یاد رکھیے آپ کو بتائیں گے آگے کہ یہ جو جملے میں مفعول ذکر ہوتا ہے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا یہ قید ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر جملے کے اندر مفعول مطلق آ جائے ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یا جملے کے اندر اسی طرح حال آ جائے ضَرَبَ زَيْدٌ قَائِمًا، ضَرَبَ زَيْدٌ قَائِمًا، یا اسی طرح اگر جملے کے اندر استثناء وغیرہ کئی چیزیں یہ آگے آپ کو بتائیں گے یہ ساری قیدیں ہوتی ہیں۔ کیا ہوتی ہیں؟ ساری قیدیں ہوتی ہیں تو یہ کلام کو مقید کرتی چلی جاتی ہیں۔

■ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح

تو اب جیسے دیکھیے میں نے جب آپ سے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی، تو اس صورت میں دیکھو حکم مطلق تھا آپ کا ذہن جس طرف جانا چاہے جا سکتا ہے، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن اگر میں مفعول کو باقاعدہ ذکر کر دیتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا اب دیکھو یہ ضرب مقید ہو گئی، حکم مقید ہو گیا، اس سے پتہ چل گیا کہ یہ ضرب عمرو پر ہی واقع ہوئی ہے بکر یا خالد پر واقع نہیں ہوئی بھئی۔ یہ والی ضرب جو ذکر کی جا رہی ہے جملے میں یہ کس پر واقع ہے؟ عمرو پر واقع ہے، معلوم ہوا بکر یا خالد پر واقع نہیں۔ دیکھو اس نے مقید کر دیا حکم کو، پہلے مطلق تھا آپ جس طرف جانا چاہیں جا سکتے تھے اب آپ ہر طرف نہیں جا سکتے کیونکہ پتہ چل گیا یہ ضرب کس پر واقع ہوئی ہے؟ عمرو پر، یہ پٹائی عمرو کی ہوئی ہے۔

اسی طرح مفعول فیہ وغیرہ آپ لے آتے ہیں وہ بھی قید ہوتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ابھی پہلے صرف اتنا رکھیں، دیکھیں اس میں کوئی وقت ذکر ہے؟ وقت نہیں ذکر، تو آپ کا ذہن جس طرف جانا چاہے جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ پٹائی ہفتے والے دن ہوئی ہو، ہو سکتا ہے اتوار کے دن کی ہو پٹائی، ہو سکتا ہے پیر والے دن پٹائی کی ہو، ہو سکتا ہے لیکن اتنا تو پتہ ہے پٹائی ہوئی ہے ہاں وقت ذکر نہیں۔ لیکن اگر وقت ساتھ ذکر کر دیں گے یعنی مفعول فیہ کو: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، تو يَوْمَ الْجُمُعَةِ نے کیا بتلا دیا کہ یہ پٹائی کس دن واقع ہوئی ہے؟ جمعے کے دن واقع ہوئی ہے، معلوم ہوا ہفتے یا دوسرے دنوں میں واقع نہیں ہوئی۔ تو دیکھو حکم مقید ہو گیا، پہلے آپ ہر طرف جا سکتے تھے اب ہر طرف نہیں جا سکتے، اب پتہ چل گیا یہ پٹائی جمعے ہی والے دن ہوئی ہے ہفتے کو یا اس کے بعد والے دنوں میں نہیں ہوئی، تو دیکھو یہ بھی قید ہوتا ہے مفعول فیہ بھئی۔

اسی طرح مفعول لہ بھی قید ہوتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا تَأْدِيبًا، زید نے عمرو کی پٹائی کی ہے تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے۔ جب تک تادیب کا لفظ نہیں تھا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا تھا آپ کا ذہن جا سکتا تھا کہ پتہ نہیں کیوں پٹائی کی ہے، شاید اس نے اس کو گالیاں دی ہوں اس لیے شاید کیا کیا ہے زید نے عمرو کی پٹائی کی ہے، یا شاید ہو سکتا ہے کوئی اور وجہ ہے پٹائی کی ہو، ہو سکتا ہے اس کو ادب سکھانے کے لیے پٹائی کی ہو، تو ہر احتمال کی طرف آپ جا سکتے تھے۔ لیکن جب آ گیا تَأْدِيبًا: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا تَأْدِيبًا زید نے عمرو کی پٹائی کی ہے ادب سکھانے کے لیے، تو یہ تَأْدِيبًا مفعول لہ ہے اور یہ بھی کیا ہوتا ہے؟ قید ہوتا ہے، اب حکم مقید ہو گیا۔ اب پتہ چل گیا یہ جو ضرب ذکر کی جا رہی ہے یہ عام ضرب نہیں ہے بلکہ کس قسم کی ضرب ہے؟ ادب سکھانے کے لیے ہے، تو دیکھو یہ قید ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح بھئی حال وغیرہ یہ بھی قید ہوتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید آیا۔ اب آپ کے ذہن میں سوال آ سکتا ہے کہ پتہ نہیں پیدل آیا ہے یا سوار ہو کر آیا ہے، جس طرف آپ کا ذہن جانا چاہے جا سکتا ہے، لیکن جب میں اس کے ساتھ حال لے آؤں گا جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا کہ زید میرے پاس آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا، تو بامحاورہ ترجمہ کیسے کریں گے؟ زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔ تو اب پتہ چل گیا کہ یہ جو آنا ہے یہ مقید ہے، عام آنا نہیں بلکہ کس قسم کا آنا ہے؟ سواری پر سوار ہو کر آنا ہے یہاں پر۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ ساری چیزیں قید ہوتی ہیں، اور قید سے کلام پر بڑا اثر پڑتا ہے، جب قید ذکر ہو جائے تو اصل مقصود کلام کے اندر وہ قید ہوا کرتی ہے۔

ایک محض اثبات ہے، ایک محض نفی ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ اس میں صرف زید کے لیے قیام کا اثبات ہے، اور مَا جَاءَ زَيْدٌ دیکھو اس سے زید سے مجیئت کی نفی ہے۔ تو ایک ہوتا ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے اثبات اور بعض اوقات کلام منفی ہو گا تو ایک چیز دوسری سے کیا ہو گی؟ نفی ہو گی بھئی۔ تو یاد رکھیے یہ صرف ایک نفی ہے اور ایک اثبات ہے، ان کے ساتھ جب قیدیں ذکر ہوں تو اصل مقصد کلام کا وہ قید ہوا کرتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ قید ہوا کرتی ہے بھئی۔

مثلاً دیکھیے میں آپ کے سامنے کہتا ہوں لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا، لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا۔ خُبْزٌ روٹی بھئی اور بَارِدٌ کا معنی ٹھنڈی، لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا کیا معنی؟ میں ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا۔ اور ذرا یہ بَارِدًا، خُبْزًا موصوف ہے اور بَارِدًا اس کی صفت ہے، تو یہ معلوم ہوا خُبْزًا یہاں یہ قید آگئی، صفت والی کیا آگئی؟ قید آگئی۔ تو اب ایک جملہ ہے لَا آكُلُ خُبْزًا، لَا آكُلُ خُبْزًا اس میں خُبْزًا مطلق ذکر ہے، اور ایک میں خُبْزًا بَارِدًا کی قید ساتھ صفت اس کی ذکر ہے، تو دونوں کا معنی ہی بالکل الگ الگ ہے۔ جب میں نے کہا لَا آكُلُ خُبْزًا تو اس میں سرے سے روٹی کھانے کا انکار کر دیا۔ لَا آكُلُ خُبْزًا کیا معنی؟ میں روٹی ہی نہیں کھاؤں گا، سرے سے روٹی کھانے کا انکار ہو رہا ہے یہاں پر۔ جبکہ کہا لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا اس میں سرے سے روٹی کھانے کا انکار نہیں بلکہ کس قسم کی روٹی کھانے کا انکار ہے؟ ٹھنڈی روٹی کھانے کا تو انکار ہے، معلوم ہوا اگر گرم روٹی ہوئی تو متکلم اس کو کھالے گا۔ تو کتنا فرق آگیا دیکھو جملے کے اندر، پہلے کے اندر مطلق روٹی کھانے ہی کا انکار تھا اور دوسرے میں مطلق انکار نہیں ہے بلکہ ایک خاص قسم کی روٹی اس کے کھانے کا انکار ہے، ہر روٹی کے کھانے کا انکار نہیں، تو دیکھا قید سے کتنا فرق پڑتا ہے!

■ قولہ: «وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا...» کی تشریح

بلکہ اس سے مزید آیئے یہ کتاب میں ذرا دیکھیے اگلے صفحے پر بھئی: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ۔ آیت مل گئی بھئی؟ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمان کو اور زمین کو وَمَا بَيْنَهُمَا اور وہ جو ان دونوں کے درمیان ہے لَاعِبِينَ اس حال میں کہ ہم کھیلنے والے ہوں۔ اس حال میں کہ ہم کھیلنے والے ہوں، مراد ہے بیکار۔ کیا مراد ہے؟ بیکار، جیسے کھیل بیکار ہوتا ہے، یہاں تو بامحاورہ ترجمہ آپ کیا کریں گے؟ ہم نے زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بیکار پیدا نہیں کیا بھئی۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ ہم نے زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بیکار پیدا نہیں کیا۔

اب دیکھیے لَاعِبِينَ یہ حال ہے اور ابھی میں نے آپ کو بتلایا حال کیا ہوتا ہے؟ قید ہوتا ہے، اور جب جملے کے اندر قید آجائے تو اصل مقصود وہ قید ہوا کرتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ قید ہوتی ہے۔ یہاں پر دیکھیے بھئی یہاں لَاعِبِينَ یہ قید ہے یہ اصل مقصود ہے، ذرا لَاعِبِينَ کو اٹھا دیں یہاں سے، اب ذرا آیت پڑھیں: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اب تو کلام ہی سرے سے غلط ہو گیا۔ لَاعِبِينَ کو ہٹایا تو کلام ہی غلط ہو گیا، کیا معنی ہوا کلام کا؟ ہم نے زمین اور آسمان اور جو ان کے درمیان ہے ہم نے اس کو پیدا نہیں کیا، حالانکہ پیدا کرنے والے تو کون؟ اللہ تعالیٰ ہیں۔ تو دیکھو قید کو اٹھایا تو سارا معنی ہی کیا ہوا؟ بدل گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟

تو کلام کے اندر اصل مقصود کیا ہوا کرتی ہے؟ قید ہوتی ہے، اسی پر سارے فائدے کا دارومدار ہوتا ہے، اسی پر سارے کلام کا دارومدار ہوتا ہے اور قید کو اگر اٹھا دیا جائے تو بعض اوقات وہ کلام ہی سرے سے جھوٹا بن جائے گا، کاذب بن جائے گا، اور بعض اوقات غلط تو نہیں بنے گا لیکن بہر حال وہ مقصود نہیں رہے گا، جیسے ابھی مثال میں نے ذکر کی بھئی لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا، اس سے ذرا اگر بَارِدًا کی قید نکال دو تو پھر معنی کیا بنے گا؟ میں روٹی ہی نہیں کھاؤں گا سرے سے، اور کہنے والا یہ کہنا چاہتا تھا یا ٹھنڈی روٹی کھانے کا انکار کرنا چاہتا تھا؟ ٹھنڈی روٹی کھانے کا انکار، تو دیکھو تو اس کا مقصد ہی نہ رہے گا، مقصد ہی سارا اس کا فوت ہو گیا، وہ ٹھنڈی روٹی کے کھانے کا انکار کرنا چاہتا تھا اور قید کو ہٹایا تو مطلق روٹی کھانے کا انکار آگیا کہ میں کھاؤں گا ہی نہیں سرے سے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو جو قید ہوتی ہے اس پر کیا ہوتا ہے کلام کا اور اس کے فائدے کا مدار، دارومدار ہوتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

جی اب دیکھیے کتاب پر: إِذَا اقْتُصِرَ فِي الْجُمْلَةِ عَلَى ذِكْرِ الْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ إِلَيْهِ فَالْحُكْمُ مُطْلَقٌ، جب اکتفا کر لیا جائے جملے کے اندر مسند اور مسند الیہ کے ذکر پر۔ جملے میں جب کس پر اکتفا کیا جائے؟ مسند اور مسند الیہ کے ذکر پر، یعنی صرف انہی کو ذکر کیا جائے کوئی قید ذکر نہ ہو، تو فَالْحُكْمُ مُطْلَقٌ تو وہ حکم کیا ہو گا؟ مطلق ہو گا، مطلق ہو گا۔ وَإِذَا زِيدَ عَلَيْهِمَا شَيْءٌ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا أَوْ بِأَحَدِهِمَا فَالْحُكْمُ مُقَيَّدٌ۔ وَإِذَا زِيدَ عَلَيْهِمَا شَيْءٌ اور جب بڑھا دیا جائے ان دونوں پر کسی چیز کو، کن دونوں پر؟ مسند اور مسند الیہ، یعنی ان کے علاوہ اور لفظ بھی کلام میں ذکر ہے، تو کہتے ہیں جب بڑھا دیا جائے ان دونوں پر کسی چیز کو مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا جس کا تعلق ان دونوں سے ہو أَوْ بِأَحَدِهِمَا یا دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو فَالْحُكْمُ مُقَيَّدٌ تو وہ حکم کیا ہو گا؟ مقید ہو گا اس میں قید ہو گی۔

اب آگے مقام بتلا رہے ہیں کہ کہاں پر مطلق کلام کریں گے اور کہاں پر مقید کریں گے۔ کہاں پر؟ مطلق اور مقید۔ کہتے ہیں بھئی جہاں پر متکلم کی غرض یہ ہے کہ وہ کلام کو مقید نہیں کرنا چاہتا کسی بھی چیز کے ساتھ تاکہ سننے والا جس طرف جانا چاہے جا سکے تو اطلاق کا مقام ہے۔ کون سا مقام ہے؟ اطلاق کا۔ بھئی متکلم اپنے کلام کو مقید نہیں کرنا چاہتا، کیوں نہیں کرنا چاہتا؟ تاکہ سننے والا جس راستے پر چلنا چاہے چل سکے، تو یہ مقام کس چیز کا ہے؟ اطلاق کا۔ کس کا ہے؟ اطلاق کا ہے، وہ مقید نہیں کرنا چاہتا تاکہ سننے والا جس طرف جانا چاہے جا سکے، جو سوچنا چاہے سوچ سکے، وہ مقام ہے اطلاق کا۔ وہاں کلام کیسا لانا چاہیے؟ مطلق لائیں گے وہاں پر۔ اور جہاں اس کا مقصد کلام کو مقید کرنا ہو کسی خاص چیز کے ساتھ، خاص طریقے کے ساتھ کہ اگر اس طریقے کی رعایت نہ رکھی جائے تو وہ کلام کا فائدہ اور غرض ہی فوت ہو جائے گی، بلکہ بعض اوقات وہ کلام ہی سرے سے غلط ہو جائے گا، جیسے ابھی مثال ذکر کی، اگر آیت سے لَاعِبِينَ کا لفظ اٹھا دیا جائے تو پھر تو معنی ہی صحیح نہیں بنتا، پھر تو معنی کیا بنتا ہے؟ اللہ ان چیزوں کو پیدا کرنے والے نہیں ہیں، حالانکہ اللہ تو ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والے ہیں۔ تو معنی کیا ہے آیت کا کہ اللہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے زمین اور آسمان میں کسی چیز کو بیکار پیدا نہیں کیا،

پیدا تو ہم نے ہی کیا لیکن بیکار پیدا نہیں کیا، دیکھو معنی ہی الگ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو اب مقام ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَالْإِطْلَاقُ يَكُونُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيدِ الْحُكْمِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ، اور اطلاق جو ہے یَکُونُ وہ ہو گا حَيْثُ اس حیثیت سے لَا يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ کہ تعلق نہ ہو غرض کا۔ الْغَرَضُ آیا، کس کی غرض مراد ہے؟ متکلم کی۔ اور اطلاق ہو گا اس حیثیت سے کہ متعلق نہ ہو متکلم کی غرض، کس چیز سے متعلق نہ ہو؟ بِتَقْيِيدِ الْحُكْمِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ حکم کو مقید کرنے کے ساتھ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ طریقوں میں سے کسی طریقے کے ساتھ۔ یعنی اطلاق کا مقام وہ ہو گا جہاں متکلم کی غرض کلام کو مختلف طریقوں میں سے کسی طریقے کے ساتھ مقید کرنا نہ ہو۔ ایک تو ہے نا مقید کرنا، ایک ہے مقید نہ کرنا۔ تو اطلاق کا مقام کون سا ہو گا؟ جہاں متکلم کیا چاہتا ہے؟ کلام کو مقید نہیں کرنا چاہتا، جب نہیں کرنا چاہتا تو کون سا مقام ہے؟ اطلاق والا۔ سبق سمجھ بھی آ رہا ہے کہ مشکل ہو گیا؟ تو دیکھیے اطلاق کا مقام کون سا ہو گا؟ جہاں متکلم کی غرض کلام کو مقید کرنا نہ ہو، جب مقید کرنا اس کا مقصد نہیں ہے تو کون سا مقام ہے؟ اطلاق والا۔

■ قولہ: «وَالْإِطْلَاقُ يَكُونُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ...» کی تشریح

یہی بات وہ بیان کر رہے ہیں کہ وَالْإِطْلَاقُ يَكُونُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيدِ الْحُكْمِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ اور اطلاق جو ہو گا وہ اس حیثیت سے ہو گا کہ تعلق نہیں ہو گا متکلم کی غرض کا حکم کو مقید کرنے کے ساتھ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ طریقوں میں سے کسی طریقے کے ساتھ، لِيَذْهَبَ السَّامِعُ فِيهِ كُلَّ مَذْهَبٍ مُمْكِنٍ تاکہ چل سکے سننے والا اس میں ہر ممکن راستے پر۔ تاکہ سننے والا اس میں ہر ممکن راستے پر چل سکے۔ میں نے آپ سے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ، میں نے مفعول عَمْرًا کو ذکر نہیں کیا تاکہ سننے والا جو سوچنا چاہے، جس راستے پر چلنا چاہے چل سکے، یہ بھی سوچ سکے شاید عمرو کی پٹائی ہوئی ہے، یہ بھی سوچ سکے کہ شاید بکر کی ہوئی ہے، یہ بھی سوچ سکے کہ شاید کس کی ہوئی ہے؟ خالد کی، تو دیکھو جس راستے پر وہ چلنا چاہے چل سکے۔ لِيَذْهَبَ السَّامِعُ فِيهِ كُلَّ مَذْهَبٍ مُمْكِنٍ تاکہ چل سکے سننے والا اس میں ہر ممکن راستے پر۔

وَالتَّقْيِيدُ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيدِهِ، اور تقیید جو ہو گی، مقید کرنا اس حیثیت سے ہو گا کہ متکلم کی غرض متعلق ہو گی بِتَقْيِيدِهِ بِوَجْهٍ مَخْصُوصٍ کہ وہ کلام کو مقید کرتا ہے بِوَجْهٍ مَخْصُوصٍ کسی مخصوص طریقے پر، جیسے آیت کے اندر کس طریقے پر مقید کیا گیا تھا؟ حال کے ساتھ، لَاعِبِينَ حال ذکر کیا گیا تھا، تو وہ ایک مخصوص طریقے پر مقید کرنا چاہتا ہے لَوْ لَمْ يُرَاعَ تَفُوتُ الْفَائِدَةُ الْمَطْلُوبَةُ کہ اگر اس کی رعایت نہ رکھی جائے تو اس سے جو فائدہ مطلوب ہے وہ ہی فوت ہو جائے۔ تو وہ فائدہ جو مطلوب ہے وہ ہی کیا ہو جائے؟ فوت ہو جائے گا، جیسے دیکھیے لَاعِبِينَ ہٹا دیا گیا تو معنی ہی، فائدہ کیا فوت ہونا تھا کلام ہی سرے سے کیا ہو گیا؟ غلط ہو گیا، کاذب بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے یہ قید یہاں پر اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے اور اس قید کے ساتھ متکلم ایک بات بتلانا چاہتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا تھا لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا تو یہاں بَارِدًا کی قید ملحوظ ہے اور مطلوب ہے، اگر اس قید کو ہٹا دیں گے تو متکلم کی غرض اور جو مقصد ہے وہ ہی فوت ہو جائے گا، پھر تو معنی بن جائے گا میں روٹی نہیں کھانا چاہتا، حالانکہ وہ یہ تو نہیں کہنا چاہتا کہ میں روٹی نہیں کھانا چاہتا وہ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟ میں ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا، تو دیکھو مطلوبہ فائدہ ہی فوت ہو جاتا ہے اگر قید کو ہٹا دیا جائے، اس کی رعایت نہ رکھی جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے لَوْ لَمْ يُرَاعَ تَفُوتُ الْفَائِدَةُ الْمَطْلُوبَةُ کہ اگر اس قید کی رعایت نہ رکھی جائے تو وہ مطلوبہ فائدہ ہی فوت ہو جاتا ہے۔

وَلِتَفْصِيلِ هَذَا الْإِجْمَالِ اور اس اجمال کی تفصیل کے لیے نَقُولُ ہم کہتے ہیں۔ اب بھئی وہ قیودات ذکر کریں گے، کیا کیا چیزیں ہیں جن کے ساتھ حکم کو مقید کیا جاتا ہے۔ کیا کیا چیزیں ہیں جن کے ساتھ حکم کو کیا کیا جاتا ہے؟ مقید کیا جاتا ہے پہلے وہ بیان کریں گے اور پھر ہر ایک کے بارے میں تفصیلاً کلام کریں گے۔ اب اس ایک ڈیڑھ سطر میں صرف یہ بیان کر رہے ہیں یہ یہ چیزیں قید ہوا کرتی ہیں، یہ یہ چیزیں، اور پھر ہر ایک قید کا الگ الگ فائدہ ذکر کریں گے۔

تو کہتے ہیں وَلِتَفْصِيلِ هَذَا الْإِجْمَالِ اور اس اجمال کی تفصیل کے لیے نَقُولُ ہم کہتے ہیں إِنَّ التَّقْيِيدَ يَكُونُ بِالْمَفَاعِيلِ کہ قید کرنا جو ہے وہ مفعولوں کے ساتھ ہو گا۔ معلوم ہوا مفاعیل جو ہیں یعنی مفعول وہ سارے قید ہوا کرتے ہیں، اور مفعول آپ نے نحو کے اندر پڑھے۔ کتنے مفعول ہیں بھئی؟ پانچ مفعول ہیں، پانچ مفعول: ایک کیا ہے؟ مفعول مطلق، ایک ہے مفعول بہ، ایک ہے مفعول فیہ، اور ایک ہے مفعول معہ، اور ایک مفعول لہ ہے بھئی، مفعول لہ، یہ پانچ ہیں۔

مفعول مطلق کس کو کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہوتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا مصدر ہے جو ماقبل ضَرَبَ فعل کے ہی معنی میں ہے، یہ ہے مفعول مطلق۔ اور ایک ہے مفعول بہ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول بہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے۔ اور ایک ہوتا ہے مفعول فیہ: وہ زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر وہ فعل واقع ہوا ہو، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کیا ہے؟ زمانے کا نام ہے جس میں وہ فعل واقع ہوا تو یہ مفعول فیہ ہے، اور اسی طرح جگہ، جگہ کے لیے مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا أَمَامَكَ، زید نے عمرو کی پٹائی کی أَمَامَكَ آپ کے سامنے، تو یہ آپ کے سامنے یہ جگہ ہے، کیا ہے؟ جگہ ہے، تو یہ مفعول فیہ یہ بھی قید ہوا کرتا ہے کلام کے لیے۔ اسی طرح اور کیا مفعول ہے؟ مفعول لہ ہے۔ مفعول لہ جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے، وہ مصدر، مصدر ہوتا ہے یہ، وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا تَأْدِيبًا، زید نے عمرو کی پٹائی کی تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے، تو یہ تادیب مصدر ہے ماقبل فعل کی علت بیان کر رہا ہے کہ یہ پٹائی کیوں کی گئی ہے؟ تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے، تو یہ مفعول لہ ہے، یہ کیا ہے؟ مفعول لہ۔ اسی طرح ایک مفعول معہ ہوتا ہے: جَاءَ الْبَرْدُ

وَالْجُبَّاتِ، جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ، یہ سردیاں آئیں وَالْجُبَّاتِ، مَعَ الْجُبَّاتِ کے معنی میں ہے یعنی جبوں کے ساتھ۔ سردیاں آئیں جبوں کے ساتھ یعنی سردیاں آئیں ساتھ ہی موٹے کپڑے بھی آگئے، جبے، کوٹ وغیرہ اور گرم چیزیں بھی۔ تو سردیاں آئیں کس کے ساتھ؟ جبوں کے ساتھ آئیں، تو یہ مفعول معہ ہے، مفعول معہ۔ تو یہ ہے مفعول معہ، تو یہ قید ہوا کرتے ہیں۔

تو کہتے ہیں إِنَّ التَّقْيِيدَ يَكُونُ بِالْمَفَاعِيلِ کہ مقید کرنا وہ مفعولوں کے ساتھ ہو گا وَنَحْوِهَا اور جو ان جیسی چیزیں ہیں۔ وہ کیا چیزیں ہیں؟ آپ کے حاشیے میں دی ہوئی ہیں: كَالْحَالِ وَالتَّمْيِيزِ وَالِاسْتِثْنَاءِ جیسے حال ہے، تمیز ہے اور استثنا۔ حال تو ابھی میں نے مثال ذکر کر دی جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا یہ رَاكِبًا کیا ہے؟ حال، آیا میرے پاس زید سوار ہو کر، تو یہ رَاكِبًا حال ہے۔ کبھی تمیز آتی ہے کلام کے اندر، مثلاً عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا، کھجور پر اسی کے مثل ہے، بھئی وہ کیا چیز ہے؟ ابہام تھا، زُبْدًا نے تمیز نے آکر ابہام کو دور کر دیا: کھجور پر اسی کے مثل یعنی اسی کے برابر ہے، بھئی کیا چیز ہے کھجور پر؟ زُبْدًا نے آکر بیان کر دیا کہ وہ کیا ہے؟ مکھن ہے، کھجور پر اسی کے مثل مکھن پڑا ہے۔ تو یہ عربوں کا طریقہ تھا جب خاص مہمان آتے تھے تو مہمان نوازی کے طور پر کیا کرتے تھے؟ کھجور کو کاٹ کر اور گٹھلی نکال کر اسی کے اوپر ہر کھجور پر اسی کے مثل مکھن ڈال کر یہ پیش کیا کرتے تھے مہمانوں کے سامنے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ ہے عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے۔ اب ذرا زُبْدًا کو اٹھائیں: کھجور پر اسی کے برابر ہے، کچھ بات سمجھ میں آئی کیا چیز ہے؟ ابہام ہے، زُبْدًا نے آکر کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا، تو یہ ہے تمیز بھئی۔ تمیز کیا کرتی ہے؟ تمیز جو ہے مبہم چیز سے ابہام کو دور کرتی ہے، تو یہ بھی قید ہوا کرتی ہے، پتہ چلا کھجور پر مکھن ہے کوئی اور چیز نہیں ہے، تو یہ قید ہے۔

■ قولہ: «جَاءَنِي الْقَوْمُ» کی تشریح

اسی طرح استثنا ہے بھئی استثنا، بعض اوقات کلام میں مستثنیٰ ذکر ہوتا ہے إِلَّا وغیرہ کے ساتھ: جَاءَنِي الْقَوْمُ میرے پاس وہ لوگ آئے إِلَّا زَيْدًا سوائے زید کے، تو دیکھو یہ استثنا ہے یہ بھی کیا ہوتا ہے کلام کے اندر؟ قید ہوا کرتا ہے، یہ سب قیدیں ذکر ہو رہی ہیں بھئی۔

تو مفاعیل خمسہ بھی قید ہوتے ہیں وَنَحْوِهَا اور اس کے مثل جو ہیں، اور وہ کیا کیا ہیں؟ جیسے بتلا دیا انہوں نے حال ہے، تمیز ہے اور استثنا۔ وَالنَّوَاسِخِ، اسی طرح جو نواسخ ہیں یہ بھی قیدیں ہوا کرتے ہیں۔ نواسخ کیا؟ یاد رکھیے یہ جو كَانَ وغیرہ جو مبتدا خبر پر جو افعال وغیرہ داخل ہوتے ہیں یہ کیا ہیں؟ نواسخ۔

مثلاً جملہ تھا زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ قَائِمٌ، اسی پر كَانَ آیا اب کیا کہیں گے؟ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔ تو پہلے تھا زَيْدٌ قَائِمٌ اب كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، تو یہ نواسخ ہیں نواسخ۔ نواسخ جمع ہے ناسخ کی، ناسخ کا معنی ہے منسوخ کرنے والا۔ ناسخ کا کیا معنی؟ منسوخ کرنے والا۔ بھئی ان کو کیوں ناسخ کہتے ہیں؟ وجہ یہ اس لیے کیونکہ یہ مبتدا کے مبتدا اور خبر کے خبر ہونے کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ یہ مبتدا کے مبتدا اور خبر کے خبر ہونے کو کیا کر دیتے ہیں؟ منسوخ کر دیتے ہیں۔ بھئی دیکھیے زَيْدٌ قَائِمٌ آپ سے کوئی ترکیب پوچھتا آپ کیا ترکیب کرتے تھے؟ زَيْدٌ مبتدا اور قَائِمٌ اس کی خبر یعنی مبتدا کی خبر۔ لیکن اسی پر ذرا كَانَ لے آؤ اب آپ کچھ اور لفظ بولیں گے: كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔ اب اگر آپ سے کوئی پوچھے یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ آپ کہیں گے كَانَ کا اسم ہے۔ پہلے مبتدا تھا اب مبتدا نہ رہا، اب اس پر کیا نام بولتے ہیں؟ یہ كَانَ کا اسم ہے۔ اور قَائِمًا پہلے وہ مبتدا کی خبر تھی اب آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ كَانَ کی خبر ہے۔ تو دیکھو یہ كَانَ ناسخ ہے، منسوخ کرنے والا ہے۔ کس چیز کو منسوخ کیا؟ اس نے مبتدا کے مبتدا ہونے کو منسوخ کر دیا اور خبر کے خبر ہونے کو منسوخ کر دیا، مبتدا کے مبتدا ہونے کو منسوخ کر کے اس کو اپنا اسم بنا لیا اور خبر کے خبر ہونے کو منسوخ کر کے اس کو اپنی خبر بنا لیا۔ پہلے وہ تھی مبتدا کی خبر اب کس کی خبر ہے؟ كَانَ کی خبر، تو اسی لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ نواسخ کہتے ہیں، افعال ناقصہ ان کو کیا کہتے ہیں؟ نواسخ کہتے ہیں کیونکہ یہ مبتدا کے مبتدا ہونے کو اور خبر کے خبر ہونے کو منسوخ کر کے ان کو اپنا اسم اور اپنی خبر بنا لیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آئی؟

اسی طرح افعال قلوب آپ نے پڑھے ہیں، افعال قلوب۔ مثلاً دیکھیے بھئی زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ مبتدا عَالِمٌ اس کی خبر، اسی پر ذرا افعال قلوب میں سے کوئی ایک فعل لے آئیں: وَجَدْتُ زَيْدًا عَالِمًا، وَجَدْتُ زَيْدًا میں نے زید کو عالم پایا۔ پہلے دیکھیے زَيْدٌ مبتدا تھا عَالِمٌ اس کی خبر تھی، اب اسی پر وَجَدْتُ افعال قلوب لے آئے بھئی تو کیا بن گیا؟ وَجَدْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ اب زَيْدًا کو وَجَدْتُ کا مفعول اول کہیں گے اور عَالِمًا کو وَجَدْتُ کے لیے مفعول ثانی کہیں گے۔ تو دیکھو اس وَجَدْتُ نے زَيْدٌ کے مبتدا ہونے کو منسوخ کر کے اس کو اپنا مفعول اول بنا لیا اور عَالِمًا کے خبر ہونے کو منسوخ کر کے اس کو اپنا مفعول ثانی بنا لیا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ نواسخ۔

اسی طرح ہے زَيْدٌ قَائِمٌ، اسی پر ذرا إِنَّ لے آؤ: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ اب پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ مبتدا قَائِمٌ اس کی خبر، اب کیا کہیں گے؟ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب زَيْدًا ہے إِنَّ کا اسم اور قَائِمٌ ہے إِنَّ کی خبر بھئی، صورت سمجھ میں آئی؟ تو ان سب کو کیا کہتے ہیں؟ نواسخ، یہ منسوخ کرنے والے ہیں۔ کس چیز کو منسوخ کرتے ہیں؟ مبتدا کے مبتدا ہونے کو منسوخ کر کے اپنا اسم وغیرہ بنا لیتے ہیں یا اپنا مفعول بنا لیتے ہیں اور خبر کو مبتدا کے لیے خبر ہونے کو منسوخ کر کے اپنے لیے خبر وغیرہ یا مفعول بنا لیتے ہیں، تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ نواسخ۔ تو یہ بھی قید ہوتے ہیں، یہ افعال ناقصہ، افعال قلوب وغیرہ یہ سارے بھی کیا ہوتے ہیں؟ قید ہوتے ہیں بھئی، قیدیں ذکر ہو رہی ہیں۔

وَالشَّرْطِ اور اسی طرح شرط ہے یہ بھی قید ہوا کرتی ہے جملے کے لیے بھئی۔ کس طرح؟ مثلاً دیکھیے ایک آدمی آپ سے کہتا ہے: میں آپ کو ایک ہزار روپیہ دوں

گا۔ شرط کوئی ذکر ہے؟ نہیں، اس کلام کا اور معنی ہے، اس کا مطلب ہے وہ ویسے ہی آپ کو ایک ہزار روپیہ دے گا۔ اور اس کے ساتھ اگر وہ شرط ذکر کر دے: میں آپ کو ایک ہزار روپیہ دوں گا اگر آپ آج سارا دن میری فلاں دکان پر کام کریں۔ دیکھا معنی ہی بدل گیا، اب معلوم ہوا وہ ہزار ویسے نہیں دے رہا بلکہ کس لیے دے رہا ہے؟ بطور مزدوری اور محنت کے طور پر اب آپ کو اجرت کے طور پر دے رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو دیکھو قید آئی، شرط آئی تو شرط بھی کیا کرتی ہے؟ شرط بھی قید ہوا کرتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «جَاءَنِي زَيْدٌ» کی تشریح

وَالنَّفْيِ اور نفی بھی کیا ہوتی ہے؟ قید۔ جَاءَنِي زَيْدٌ کیا معنی؟ زید میرے پاس آیا ہے۔ مَا جَاءَنِي زَيْدٌ اب کیا معنی؟ زید نہیں آیا، دیکھو معنی ہی بدل گیا تو نفی بھی کیا ہوتی ہے؟ قید ہوا کرتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَالتَّوَابِعِ اور اسی طرح توابع جو ہیں وہ بھی قید ہوا کرتے ہیں۔ بھئی آپ نے نحو میں پڑھا ہے کہ کچھ اسم ایسے ہیں جن پر فعل براہ راست عمل کرتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن پر وہ اعراب جو آتا ہے وہ اپنے سے ماقبل کو دیکھتے ہوئے آتا ہے، ماقبل پر اگر رفع ہے تو ان پر بھی رفع آئے گا، اگر اس پر نصب ہے تو اس پر بھی نصب آئے گا، اگر ماقبل پر جر ہے تو اس پر بھی جر، ان کو توابع کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ توابع۔ مثلاً صفت ہے، صفت پر وہی اعراب آئے گا جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر آتا ہے۔ اگر موصوف مرفوع ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، اگر موصوف منصوب ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ منصوب، اگر موصوف مجرور ہو تو صفت بھی کیا ہوگی؟ مجرور۔ تو دیکھو صفت تابع ہے، اس کے تابع ہے، جیسا اس پر اعراب وہی اعراب کس پر؟ صفت پر بھی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو صفت ہے توابع میں سے، صفت تابع ہے موصوف کے۔

اسی طرح ایک ہوتا ہے بدل، بدل بھی کس کے تابع؟ مبدل منہ، جو اعراب مبدل منہ پر ہوتا ہے وہی اعراب کس پر آتا ہے؟ بدل پر آتا ہے، تو یہ بھی توابع میں سے ہے۔ اسی طرح عطف بیان ہے، عطف بیان پر بھی وہی اعراب جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے: جَاءَنِي أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، تو یہ دیکھو عُمَرُ پر رفع آیا، کیوں آیا رفع؟ کیونکہ اس سے ماقبل أَبُو حَفْصٍ جو معطوف علیہ تھا اس پر رفع تھا۔ اسی طرح تاکید ہوتی ہے: جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُ میرے پاس وہ ساری قوم آئی، یہ كُلُّهُ مرفوع ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کا متبوع جو الْقَوْمُ ہے وہ مرفوع ہے، تو تاکید بھی کس میں سے ہے؟ توابع میں سے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ نحوی باتیں بس میں صرف اشارات کرتا جا رہا ہوں، تو یہ توابع ہیں۔ تو یہ جو توابع ہوتے ہیں یہ بھی قید ہوتے ہیں۔ کیا ہوتے ہیں؟ قید، معلوم ہوا صفت بھی قید، بدل بھی قید، عطف بیان بھی قید، تاکید وغیرہ یہ سب بھی کیا ہیں؟ قید ہوتے ہیں۔ مثال میں نے ابھی ذکر کر دی لَا آكُلُ خُبْزًا دیکھو تابع ساتھ نہیں ہے، صفت نہیں ہے، اور لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا صفت یعنی تابع آیا، قید آگئی اور معنی ہی بدل گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وَالتَّوَابِعِ اور جو توابع ہیں یہ بھی قید ہوتے ہیں وَغَيْرِ ذَلِكَ اور ان کے علاوہ بھی، تو یہ ساری قیدیں ہیں۔

تو دوبارہ دیکھیے یہ سب چیزیں ذکر ہو گئیں: ہم کہتے ہیں إِنَّ التَّقْيِيدَ يَكُونُ بِالْمَفَاعِيلِ کہ مقید کرنا مفعولوں کے ساتھ ہوتا ہے وَنَحْوِهَا اور اس جیسی چیزیں یعنی حال، تمیز اور استثناء وغیرہ، وَالنَّوَاسِخِ اور مقید کرنا نواسخ کے ساتھ ہوتا ہے وَالشَّرْطِ اور مقید کرنا شرط کے ساتھ ہوتا ہے وَالنَّفْيِ اور نفی کے ساتھ ہوتا ہے وَالتَّوَابِعِ اور توابع کے ساتھ ہوتا ہے وَغَيْرِ ذَلِكَ اور ان کے علاوہ چیزوں کے ساتھ بھئی قید کیا جاتا ہے کلام کو۔

اب ہر ایک کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں أَمَّا الْمَفَاعِيلُ وَنَحْوُهَا، باقی مفاعیل اور اس جیسی چیزیں جو ہیں، اس جیسی کون سی چیزیں ہیں؟ حال، تمیز اور استثناء، ان کے ساتھ مقید کرنے میں کیا مقصد ہوتا ہے؟ ایک ایک قید کا فائدہ ذکر کریں گے۔ ایک ایک قید کا فائدہ ذکر کریں گے۔ اور مفعول تو کتنے ہیں؟ پانچ ہیں، تو ہر ایک کا الگ الگ فائدہ ذکر کرتے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں أَمَّا الْمَفَاعِيلُ وَنَحْوُهَا باقی مفعول اور اس جیسی جو چیزیں ہیں یعنی حال، تمیز اور استثناء وغیرہ فَتَقْيِيدُ بِهَا تو ان کے ساتھ کلام کو مقید کرنا يَكُونُ لِبَيَانِ نَوْعِ الْفِعْلِ وہ فعل کی قسم بیان کرنے کے لیے ہوگا۔ کس لیے ہوگا؟ فعل کی قسم بیان کرنے کے لیے، فعل کی قسم بیان کرے گا کہ کس قسم کا فعل ہوا ہے۔ کس قسم کا؟

مثلاً دیکھیے بھئی آپ نے پڑھا ہے نحو کے اندر کہ یہ جو مفعول مطلق ہے یہ کبھی کبھار عدد بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے یا کبھی کبھار نوع بیان کرنے کے لیے لاتے ہیں: جَلَسْتُ، جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ۔ جَلَسْتُ کا معنی تھا میں بیٹھا لیکن جِلْسَةَ الْقَارِئِ یہ مفعول مطلق آگیا۔ مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، تو جِلْسَةً بھی کس معنی میں ہے؟ جَلَسْتُ کے معنی میں ہی ہے، جلوس کے معنی میں ہے۔ تو جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ میں بیٹھا کس کی طرح؟ قاری کی طرح، جس طرح قاری حضرات بیٹھتے ہیں میں بھی اسی طرح بیٹھا۔ تو پہلے جَلَسْتُ مطلق تھا اب جِلْسَةَ الْقَارِئِ اس کے لیے قید آگئی، معلوم ہوا آپ کا جو بیٹھنا ہے وہ عام ہر طرح کا بیٹھنا یہاں مراد نہیں بلکہ خاص قسم کا، ایک خاص نوع کا، ایک خاص قسم کا فعل مراد ہے، خاص قسم کا بیٹھنا مراد ہے اور وہ کس کی طرح بیٹھنا ہے؟ قاری کی طرح۔ یہ خاص قسم کا بیٹھنا یہ فائدہ کس نے دیا؟ مفعول مطلق نے۔ کس نے؟ مفعول مطلق نے، تو مفعول مطلق فعل کی نوع بیان کرنے کے لیے بعض اوقات لاتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ اسی کا فائدہ ذکر کر دیا، پانچ مفعول ہیں نا ہر ایک کا الگ الگ فائدہ کہ مفعول مطلق کے ساتھ کیوں قید کیا جاتا ہے، ایک فائدہ ذکر کر دیا کہ مفعول مطلق کے ساتھ کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ فعل کی قسم بیان کرنے کے لیے کہ کس قسم کا فعل واقع ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن اس کا یہ معنی نہیں اس کا صرف یہی ایک فائدہ ہوتا

ہے، نہیں بس یہ مثال ذکر کر دی ورنہ آپ نے پڑھا ہے مفعول مطلق عدد بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے: جَلَسْتُ میں صرف کہتا ہوں میں بیٹھا، اب آپ کو یہ نہیں پتہ کہ ایک دفعہ بیٹھا، دو دفعہ یا تین دفعہ، ہاں جو آپ سوچنا چاہیں سوچ سکیں جس راستے پر چلنا چاہیں چل سکیں۔ لیکن اگر میں قید ذکر کر دیتا ہوں جَلَسْتُ جَلْسَةً اب یہ عدد بیان کر رہا ہے، معلوم ہوا میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوں۔ اور اگر میں کہتا ہوں جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ اب کیا یہ فائدہ دے رہا ہے؟ دو مرتبہ بیٹھا، دیکھو عدد بیان کر رہا ہے۔ اور کبھی کہوں گا جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ میں کئی مرتبہ بیٹھا بھئی، کئی مرتبہ۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو مفعول مطلق نوع بھی بیان کرتا ہے اور عدد بھی۔

■ قولہ: «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کی تشریح

اسی طرح یہ مجاز کے احتمال کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ مجاز کے احتمال کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ مثلاً ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی، ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ اب سننے والے کے ذہن میں آسکتا ہے کہ بھئی یہ کہنے والا کہہ تو ضرب رہا ہے، ذکر تو پٹائی کر رہا ہے لیکن زید کی اس نے پٹائی نہیں کی ہو گی، زید بھی بڑا قوی اور مضبوط آدمی ہے ہاں اس کو خوب ڈانٹ دیا ہو گا تو وہ ڈانٹنے کو ہی کس سے تعبیر کر دیا؟ پٹائی سے تعبیر کر دیا کہ بس اتنا ڈانٹا بس یوں سمجھو میں نے پٹائی ہی کر دی اس کی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس میں مجاز کا بھی احتمال ہے کہ ضرب بول کر ضرب نہ مراد ہو صرف ڈانٹنا مراد ہو تو یہ تو مجاز ہو گیا، حقیقت نہ رہا۔ لیکن آگے میں مفعول مطلق بھی لے آتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا۔ اب اس ضَرْبًا نے آکر مجاز کے احتمال کو ختم کر دیا، معلوم ہوا ضَرَبْتُ سے ضرب ہی مراد ہے اس سے ڈانٹنا وغیرہ مراد نہیں۔ تو مفعول مطلق کبھی آتا ہے نوع بیان کرنے کے لیے، کبھی عدد بیان کرنے کے لیے، کبھی مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے، تو کئی فائدے ہیں بہر حال ایک فائدہ انہوں نے ذکر کر دیا کہ لِبَيَانِ نَوْعِ الْفِعْلِ کہ مفعولوں کے ساتھ اور ان جیسی چیزوں کے ساتھ مقید کرنا جو ہو گا يَكُونُ لِبَيَانِ نَوْعِ الْفِعْلِ وہ کس لیے ہو گا؟ فعل کی قسم بیان کرنے کے لیے۔

أَوْ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ یا اس کو بیان کرنے کے لیے جس پر فعل واقع ہوا ہے۔ یہ کس مفعول میں ہو گا؟ مفعول بہ میں، تو مفعول بہ کو لایا جاتا ہے یہ بتلانے کے لیے کہ کس پر فعل واقع ہوا ہے۔ اگر میں صرف ضَرَبْتُ کہوں میں نے پٹائی کی، آپ کو نہیں پتہ چلے گا کہ کس پر پٹائی واقع ہوئی ہے، آپ کا ذہن کبھی خالد کی طرف جائے گا کبھی عمرو کی طرف جائے گا کبھی بکر کی طرف جائے گا، لیکن جب میں نے کہہ دیا ضَرَبْتُ عَمْرًا اب پتہ چل گیا پٹائی کس کی ہوئی ہے؟ عمرو کی ہوئی ہے۔ یہ معنی ہے أَوْ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ یا اس کو بیان کرنے کے لیے جس پر فعل واقع ہوا ہے، یہ کس میں ہو گا؟ مفعول بہ میں۔

أَوْ فِيهِ، اس کا عطف عَلَيْهِ پر ہے أَوْ مَا وَقَعَ فِيهِ، یا اس وقت یا زمانے کو بیان کرنے کے لیے جس میں وہ فعل واقع ہوا ہے۔ یہ کس مفعول میں ہو گا؟ مفعول فیہ میں۔ ہر ایک کا فائدہ ذکر کر رہے ہیں نا: مفعول مطلق لانے کا کیا فائدہ ہے؟ فعل کی قسم بیان کرنے کے لیے لاتے ہیں، اور مفعول بہ کو کیوں لاتے ہیں اس کا کیا فائدہ ہو گا مثلاً؟ جس پر فعل واقع ہوا ہے اس کو بیان کرنے کے لیے لاتے ہیں، اور مفعول فیہ اس کو کس لیے لاتے ہیں؟ زمانے یا جگہ بتلانے کے لیے جہاں پر وہ فعل واقع ہوا ہے: ضَرَبْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، کس دن میں نے پٹائی کی ہے؟ جمعے کے دن، تو دیکھو اس نے زمانہ بتلا دیا۔ یا اسی طرح جگہ بتلائے گا: ضَرَبْتُ أَمَامَكَ میں نے آپ کے سامنے پٹائی کی، تو آپ کے سامنے یہ کیا ہے؟ جگہ ہے، تو یہ مفعول فیہ فائدہ دے گا۔ یہ معنی ہے أَوْ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ أَوْ فِيهِ یا اس کو بتلانے کے لیے جس میں پٹائی واقع ہوئی ہے، جس میں پٹائی واقع ہوئی ہے یعنی وہ زمانہ ہو گا یا وہ جگہ ہو گی۔

أَوْ لِأَجْلِهِ یا جس کی وجہ سے وہ فعل واقع ہوا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ مفعول لہ میں ہو گا، وہ بیان کرنے کے لیے جس کی وجہ سے فعل ہوا: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، معلوم ہوا یہ ضرب کیوں ہوئی ہے؟ ادب سکھانے کے لیے۔

أَوْ بِمُقَارَنَتِهِ یا کہ جس کی مقارنت کے ساتھ فعل واقع ہوا ہے۔ مقارنت کا معنی ہے ملے ہوئے ہونا، اکٹھے، اکٹھے۔ مقارنت کا کیا معنی؟ ملے ہونا، اکٹھے ہونا، یعنی یہ کس میں ہو گا؟ یہ مفعول معہ میں ہو گا۔ کس میں ہو گا؟ مفعول معہ، وہ مقارنت کا فائدہ دیتا ہے۔ بھئی دیکھیے توجہ ہے سبق کی طرف؟ مفعول معہ اس کو کہتے ہیں جو واو بمعنی مَعَ کے بعد آئے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول معہ ہے کیونکہ یہ کس کے بعد آیا؟ واو کے بعد، اور یہ کون سا واو ہے؟ واو بمعنی مَعَ کے ہے۔ اور نحو کی کتابوں میں آپ مثال پڑھتے ہیں جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ، جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ، اور میں نے کیا مثال ذکر کی؟ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، تو عَمْرًا پر نصب پڑھا کیونکہ یہ مفعول معہ ہے اس پر نصب آتا ہے۔ جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ یہ جُبَّاتِ پر کسرہ دیکھ کر یہ نہ سمجھ لینا یہ مجرور ہے، یہ بھی منصوب ہے لیکن یہ جمع مؤنث سالم ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کسرہ کی صورت میں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا یہ مفعول معہ ہے، کون ہے مفعول معہ؟ عَمْرًا، عَمْرًا۔

اچھا اس کا فائدہ کیا ہوتا ہے فائدہ بھی یاد رکھنا، ایک ہے عطف ایک ہے مفعول معہ: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو آیا میرے پاس زید اور کون آیا؟ عمرو، میں عمرو کو معطوف بنا رہا ہوں کیونکہ اس پر رفع پڑھ رہا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ زَيْدٌ مرفوع تو معطوف جو ہے اس کا وہ بھی کیا ہو گا؟ مرفوع، معطوف بھی توابع میں سے ہے۔ کس میں سے ہے؟ توابع میں سے، تو معطوف بھی مرفوع آگیا بھئی۔ اور ایک ہے میں نصب پڑھتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، اب میں عطف نہیں کر رہا کیونکہ اگر عطف کرتا تو زَيْدٌ تو ہے مرفوع تو عَمْرًا نہیں ہونا چاہیے بلکہ کیا ہونا چاہیے؟ عَمْرٌو ہونا چاہیے، معلوم ہوا میں اس کو مفعول معہ بنا رہا ہوں۔

■ قولہ: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» کی تشریح

اب دونوں میں فرق کیا ہے جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو اور جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، فرق کیا ہے؟ یاد رکھیے آپ پڑھ دونوں طرح سکتے ہیں، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں موقع محل دیکھیں گے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور فائدہ کیا ہوتا ہے مفعول معہ کا وہ بیان کر رہا ہوں۔ بھئی جب آپ نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو کیا معنی؟ میرے پاس آیا زید اور عمرو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے دونوں اکٹھے آئے یا الگ الگ آئے؟ پہلے زید آیا اور بعد میں عمرو، یا عمرو پہلے آیا اور زید بعد میں؟ اور زید کے آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی عمرو آگیا تھا یا زید کے آنے کے کئی دن بعد عمرو آیا تھا؟ یا عمرو پہلے آیا تھا اور زید بعد میں، اور عمرو کے تھوڑی دیر بعد ہی زید آیا تھا یا عمرو کے آنے کے کئی دن بعد زید آیا؟ یاد رکھو یہ ساری صورتوں کو شامل ہے، آپ جس طرف جانا چاہیں جا سکتے ہیں، سمجھ میں آیا؟ سب صورتیں شامل ہیں کیونکہ یہاں واو آیا عطف کے لیے اور یہ واو صرف جمع کا فائدہ دیتا ہے، آپ نے اصول فقہ وغیرہ میں پڑھا ہو گا۔ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی یہ جو آنے کا فعل ہے، محیئت جو ما قبل میں ذکر ہو رہی ہے اس میں دونوں جمع ہیں، یعنی یہ محیئت زید کے لیے بھی ثابت ہے اور یہ محیئت عمرو کے لیے بھی ثابت ہے۔ آئے دونوں ہیں اب آگے اور کوئی تفصیل نہیں اس کلام کے اندر۔ زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، عمرو پہلے آیا ہو زید بعد میں آیا ہو تو بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید کا لفظ مقدم ہونے کا یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے آیا ہے ہاں آئے دونوں ہیں اتنا پتہ چل رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ اور دونوں الگ الگ آئے ہوں تب بھی یہ آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، دونوں اکٹھے آئے ہوں تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید آج آیا آپ کے پاس عمرو آپ کے پاس دس سال پہلے آیا تھا تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو کیونکہ آئے دونوں ہیں یا نہیں؟ محیئت تو دونوں کے لیے ثابت ہے، واو صرف اتنا بتلا رہا ہے کہ یہ محیئت یہ جو آنا ہے یہ جیسے زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی ثابت، جیسے زید آیا ہے اسی طرح عمرو بھی آیا ہے بس باقی کوئی تفصیل نہیں اس میں۔

لیکن اگر اسی کو آپ مفعول معہ بناتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا اب یہ واو بمعنی مَعَ کے ہے، اب ترجمہ ہو گا: زید آیا عمرو کے ساتھ۔ زید آیا عمرو کے ساتھ، اب معلوم ہوا دونوں اکٹھے آئے ہیں، زید یا عمرو ان میں سے کوئی آگے پیچھے نہیں ہے بلکہ دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ صورت، فرق سمجھ میں آیا دونوں کے اندر؟ تو جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو میں کوئی تفصیل نہیں اکٹھے آئے ہیں یا اکٹھے نہیں آئے کون پہلے آیا کون بعد میں آیا، لیکن جب آپ نے اسی کو مفعول معہ پڑھ دیا جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا تو اس نے کیا فائدہ دیا؟ کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں، مقارنت ہے دونوں کے آنے میں، دونوں کے لیے جو محیئت ہے اس محیئت میں کیا ہے؟ مقارنت ہے۔ یہ معنی ہے أَوْ بِمُقَارَنَتِهِ أَيْ مَا وَقَعَ بِمُقَارَنَتِهِ، یا کیا بیان کرنے کے لیے مفعول لاتے ہیں؟ کہ فعل جس کی مقارنت کے ساتھ واقع ہوا ہے، جس کے ساتھ واقع ہوا ہے، اور یہ کس میں ہو گا؟ بھئی ہر ایک مفعول کا فائدہ ذکر کر رہے ہیں نا، مفعول معہ کے اندر ہو گا، وہ کس لیے آئے گا؟ کہ فعل کی مقارنت کو بیان کرے گا مفعول معہ کے ساتھ کہ یہ دونوں اکٹھے ہیں بھئی۔

أَوْ بَيَانِ الْمُبْهَمِ مِنَ الْهَيْئَةِ، اب کس کا بیان شروع ہوا؟ بھئی مفاعیل خمسہ کا تو بیان گزر گیا۔ لِبَيَانِ نَوْعِ الْفِعْلِ، عبارت پر بھی نظر ہے یا نہیں؟ میں تشریح میں زیادہ چلا جاتا ہوں تو جہاں مشکل پیش آئے پوچھ لیا کریں۔ دوبارہ دیکھیے: فَتَقْيِيدُ بِهَا يَكُونُ لِبَيَانِ نَوْعِ الْفِعْلِ یہ مفاعیل وغیرہ جو ہیں ان کے ساتھ مقید کرنا ہو گا فعل کی نوع بیان کرنے کے لیے، یہ کس میں ہو گا؟ مفعول مطلق میں۔ أَوْ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ یا یہ اس چیز کو بیان کرنے کے لیے ہو گا جس پر فعل واقع ہوا ہے، یہ کس میں ہو گا؟ مفعول بہ میں۔ أَوْ فِيهِ یا اس کو بیان کرنے کے لیے جس میں فعل واقع ہوا ہے، یہ کس کے اندر ہو گا؟ یہ مفعول فیہ میں۔ أَوْ لِأَجْلِهِ یا اس کو بیان کرنے کے لیے جس کی وجہ سے فعل واقع ہوا ہے، وہ کیا ہے؟ مفعول لہ ہے۔ أَوْ بِمُقَارَنَتِهِ یا اس کو بیان کرنے کے لیے جس کی مقارنت کے ساتھ فعل ہوا ہے، جس کے ملے ہوتے ہوئے فعل ہوا ہے، وہ کیا ہے؟ مفعول معہ میں ہو گا۔ یہ پانچوں مفعولوں کا فائدہ بیان ہو گیا کہ ان کے لانے کا یہ فائدہ ہے اس لیے ان کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے۔

أَوْ بَيَانِ الْمُبْهَمِ مِنَ الْهَيْئَةِ یا ان کے ساتھ مقید کرنا کس لیے ہو گا؟ مبہم ہیئت کو بیان کرنے کے لیے، جیسے حال میں ہوتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ زید میرے پاس آیا، اب مبہم ہے پتہ نہیں پیدل آیا ہے یا سوار ہو کر آیا ہے، رَاكِبًا حال نے آ کر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کیا۔ تو یہ حال اس لیے لایا جاتا ہے، حال کے ساتھ اس لیے مقید کیا جاتا ہے تاکہ مبہم ہیئت کو بیان کر دیا جائے۔

وَالذَّاتِ اور مبہم ذات کو بیان کرنے کے لیے۔ مبہم ذات کو بیان کرنے کے لیے، یہ ہے تمیز کے اندر بھئی، تمیز کے ذریعے جو ذات میں ابہام ہوتا ہے اس کو دور کیا جاتا ہے: عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا کھجور پر اسی کے برابر ہے، بھئی کیا چیز ہے؟ ابہام تھا، زُبْدًا تمیز آگے آئی اس نے کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا، تو ذات کے ابہام کو بیان کرنے کے لیے۔

أَوْ بَيَانِ عَدَمِ شُمُولِ الْحُكْمِ یا عدم شمول حکم کو بیان کرنے کے لیے کہ حکم سب کو شامل نہیں، یہ استثنا کے اندر ہو گا۔ کس کے اندر؟ استثنا کے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ میرے پاس وہ لوگ آئے، آٹھ دس لوگ ہیں متعین آپ کو بھی پتہ ہے میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ لوگ میرے پاس آئے، ان میں سے ایک زید بھی ہے۔ ان میں ایک زید بھی ہے۔ تو اب میں صرف یہ کہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تو زید بھی داخل ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید بھی ان میں ہے اور انہی کا تو میں کہہ رہا ہوں کہ وہ آئے ہیں تو یقیناً زید بھی آیا ہے۔ لیکن اگر اسی سے میں استثنا کر دوں جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا وہ لوگ میرے پاس آئے سوائے زید کے، تو دیکھو یہ إِلَّا زَيْدًا یہ استثنا میں نے کیا، اس نے کس چیز کا فائدہ دیا، اس کے ساتھ میں نے کلام کو کیوں مقید کیا، کیا بتلانے کے لیے؟ کہ یہ محیئت کا حکم ان سب کو شامل نہیں ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے، کیا حکم لگا رہا ہوں میں ان پر؟ محیئت کا، آنے کا کہ وہ میرے پاس آئے ہیں، إِلَّا کے ذریعے میں نے کس کو نکالا؟ زید

کو، معلوم ہوا یہ جو محیئت کا حکم ہے یہ ان ساروں کو شامل نہیں ہے زید کے علاوہ باقیوں کو شامل ہے، باقی آئے ہیں زید نہیں آیا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ عدم شمول الحکم یہ بیان کرنے کے لیے، یہ کس کے اندر ہو گا؟ استثنا میں۔ یہ معنی ہے أَوْ بَيَانِ عَدَمِ شُمُولِ الْحُكْمِ یا اس حکم کے عدم شمول کو بیان کرنے کے لیے کہ وہ سب افراد کو شامل نہیں ہے۔

■ قولہ: «وَتَكُونُ الْقُيُودُ مَحَطَّ الْفَائِدَةِ» کی تشریح

وَتَكُونُ الْقُيُودُ مَحَطَّ الْفَائِدَةِ اور قیدیں جو ہوتی ہیں وہ فائدے کا مدار ہوتی ہیں۔ مَحَطٌّ کا معنی میں نے بیان کیا تھا بھئی، محط الکلام کسے کہتے ہیں؟ کلام کا جس پر مدار ہوتا ہے، اور قیدیں جو ہوتی ہیں ان پر فائدے کا مدار ہوتا ہے۔ وَالْكَلَامُ بِدُونِهَا كَاذِبًا أَوْ غَيْرَ مَقْصُودٍ بِالذَّاتِ اور کلام ان قیدوں کے بغیر کاذب ہو گا أَوْ غَيْرَ مَقْصُودٍ بِالذَّاتِ یا بالذات مقصود ہی نہیں ہو گا۔ کبھی تو کلام ہی کاذب ہو جائے گا جیسے دیکھیے آیت کے اندر لَاعِبِينَ قید نکال دیں تو کلام ہی درست نہیں رہتا، یا بعض اوقات کاذب تو نہیں بنے گا لیکن وہ مقصود بالذات نہ رہے گا جیسے لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا ایک آدمی کہتا ہے، اس سے ذرا بَارِدًا کی قید اٹھا دو: لَا آكُلُ خُبْزًا، تو یہ تو اور معنی بن گیا اور یہ وہ کہنا چاہتا ہے؟ نہیں، وہ یہ کہنا ہی نہیں چاہتا، تو دیکھو اگر قید کو اٹھا دیا جائے تو وہ کلام مقصود بالذات ہی نہیں رہتا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ، اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے لَاعِبِينَ بیکار۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو ہم نے بیکار نہیں پیدا کیا۔

بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو پہلے انہوں نے اجمالاً ذکر کر دیا کہ جہاں متکلم کی غرض کلام کو مقید نہ کرنا ہو تا کہ سننے والا جس راستے پر چلنا چاہے وہ چل سکے وہ اطلاق کا مقام ہے، اور جہاں اس کی غرض ہو کہ وہ کلام کو مقید کرنا چاہتا ہے ایک مخصوص طریقے پر کہ اگر اس کی رعایت نہ رکھی جائے تو کلام کی غرض اور اس کا فائدہ ہی کیا ہو جائے؟ فوت ہو جائے تو وہ مقام تقیید کا ہے وہاں قید لے کر آئیں گے۔ اور قیدیں کیا کیا چیز ہوتی ہیں وہ بھی بیان کر دیں کہ مفاعیل سارے کیا ہیں؟ قیدیں ہیں، استثنا، حال وغیرہ یہ بھی کیا ہیں؟ قیدیں ہیں، نواسخ، شرط، نفی اور توابع وغیرہ یہ بھی کیا ہیں؟ قیدیں ہیں۔ توابع سمجھ گئے یا نہیں؟ صفت ہے، معطوف ہے، بدل ہے، تاکید ہے اور عطف بیان، تو یہ بھی سارے قیدوں میں سے ہیں۔

پھر ان میں سے ہر ایک کے لانے کے کیا فائدے ہوتے ہیں تو سب سے پہلے مفاعیل خمسہ اور جو ان جیسی چیزیں ہیں ان کو بیان کیا۔ مفاعیل خمسہ ان میں کیا کیا فائدہ ہو گا کہ اس کے ساتھ کلام کو مقید کیا جائے گا کیا بیان کرنے کے لیے؟ فعل کی نوع بیان کرنے کے لیے، یا اس کو بیان کرنے کے لیے جس پر فعل واقع ہوا ہے، یا اس زمانے یا جگہ کو بیان کرنے کے لیے جس میں فعل واقع ہوا ہے، یا اس چیز کو بیان کرنے کے لیے جس کی وجہ سے فعل واقع ہوا ہے، یا اس چیز کو بیان کرنے کے لیے جس کے ساتھ مل کر کیا ہوا ہے وہ فعل ہوا ہے۔ یا مفاعیل خمسہ جیسی چیزیں جو ہیں حال، استثنا وغیرہ ان کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے کس لیے؟ تا کہ مبہم ہیئت کو بیان کیا جائے یہ حال میں، یا مبہم ذات کو بیان کیا جائے یہ کس کے اندر؟ تمیز کے اندر، یا عدم شمول حکم کو بیان کیا جائے کہ حکم سب کو شامل نہیں ہے بلکہ کچھ کو اس حکم سے آپ نکال دیتے ہیں یہ کس کے اندر ہو گا؟ استثنا کے اندر۔ اور پھر آپ کو یہ بتلایا کہ یہ قیدیں جو ہوتی ہیں ان پر فائدے کا مدار ہوتا ہے، اگر یہ قید اس کو کلام سے نکال دیا جائے تو بعض اوقات کلام ہی سرے سے کاذب بن جائے گا اور بعض اوقات کاذب تو نہیں بنے گا لیکن غیر مقصود ہو جائے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۰: نواسخ (« كَانَ »، « إِنَّ »، « لَعَلَّ »، « لَيْتَ » اور افعالِ قلوب) کے ساتھ تقیید کی بلاغی اغراض

دروس البلاغہ صفحہ: ۶۲ ــــ بتاریخ: ۲۲ دسمبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا النَّوَاسِخُ فَالتَّقْيِيدُ بِهَا يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا مَعَانِي أَلْفَاظِ النَّوَاسِخِ كَالِاسْتِمْرَارِ أَوِ الْحِكَايَةِ عَنِ الزَّمَنِ فِي كَانَ، وَالتَّوْقِيتِ بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ فِي ظَلَّ وَبَاتَ وَأَصْبَحَ وَأَمْسَى وَأَضْحَى۔

گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے اطلاق اور تقیید کا باب شروع کیا تھا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملے کے دو جز ہوا کرتے ہیں، ایک کو مسند کہتے ہیں دوسرے کو مسند الیہ۔ بعض اوقات مسند اور مسند الیہ صرف ذکر ہوتے ہیں اور کوئی لفظ جملے میں ذکر نہیں ہوتا تو پھر اس صورت میں یہ کیا ہوں گے؟ یہ مطلق ہوں گے۔ اور بعض اوقات مسند اور مسند الیہ کے ساتھ ساتھ ان کا کوئی متعلق بھی ساتھ جملے میں ذکر ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ کیا ہوں گے؟ مقید ہوں گے بھئی، یعنی ان کے ساتھ وہ قید موجود ہوگی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلام کو مطلق کہاں لائیں گے، کلام کو مقید کہاں لائیں گے۔ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جہاں کہنے والے کی غرض یہ ہو کہ وہ اپنے کلام کو مقید نہ کرے تاکہ سننے والا جس راستے پر چلنا چاہے وہ چل سکے تو وہ مقام ہے اطلاق کا، وہاں پر وہ کلام لایا جائے؟ مطلق لایا جائے، قید نہ لائی جائے۔ اور بعض اوقات متکلم کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کلام کو مقید کرنا چاہتا ہے کسی خاص چیز کے ساتھ، خاص طریقے پر کہ اگر اس چیز کی رعایت نہ رکھی جائے تو مطلوبہ فائدہ ہی فوت ہو جائے گا، کلام وہ فائدہ ہی نہیں دے گا جو اس سے مطلوب ہے بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے تقیید کا مقام، ایسے مقام پر مقید کلام لایا جاتا ہے۔

پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلام کو مقید کیا جاتا ہے مفعولوں کے ساتھ جو پانچ مفاعیل آپ پڑھ چکے، اسی طرح جو ان جیسی چیزیں ہیں یعنی حال، تمیز اور استثناء وغیرہ ہے، اسی طرح نواسخ ہیں، اسی طرح شرط ہے، نفی ہے اور توابع ہیں یعنی صفت، صفت ہے، تاکید ہے، عطف بیان ہے، بدل وغیرہ، ان کے ساتھ کلام کو کیا کیا جاتا ہے؟ مقید کیا جاتا ہے، یہ سب قیدیں ہیں، یہ سب۔ پھر ان کے فائدے ذکر کیے تھے کہ مفعولوں کے ساتھ کلام کو مقید کیوں کیا جاتا ہے اس کے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں، تو بتلایا تھا کہ مفعول بہ کے ساتھ اس لیے کلام کو مقید کیا جاتا ہے تاکہ سننے والے کو یہ بتلایا جائے کہ یہ فعل کس پر واقع ہوا ہے، بعض اوقات مفعول مطلق کے ساتھ قید کیا جاتا ہے کلام کو تاکہ سننے والے کو پتہ چلے کہ یہ کس نوع کا فعل ہے، کس نوع کا فعل ہے یا اس کا عدد بیان کرنے کے لیے وغیرہ بھئی۔ جی تفصیل گزشتہ سبق میں بیان ہو چکی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو قیدیں ہوتی ہیں کلام کے اندر یہ جو اوپر جتنی چیزیں ذکر ہوئیں یہ ہیں قیدیں اور یہ قیدیں جو ہیں ان پر کلام کے فائدے کا مدار ہوتا ہے، یعنی کلام کے فائدے کا دارومدار کس پر ہوتا ہے؟ قیدوں پر۔ اگر قید ہے تو وہ کلام فائدہ دے گا اور اگر اس قید کو اٹھا دیا جائے تو پھر یا تو وہ کلام ہی سرے سے کاذب ہو جائے گا یا پھر وہ مطلوبہ فائدہ اس سے حاصل نہیں ہوگا، یعنی بعض اوقات کلام ہی کاذب ہو جائے گا یا بعض اوقات کلام کاذب تو نہ رہے گا لیکن وہ بالذات مقصود نہ ہوگا بھئی، بالذات مقصود نہ ہوگا۔ مثلاً مثال میں نے ذکر کی تھی ایک شخص کہتا ہے لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا، اب یہ بَارِدًا قید ہے، اس بَارِدًا کو اٹھا دیں تو پھر تو کیا کلام رہ گیا؟ لَا آكُلُ خُبْزًا، تو یہ تو اس کا مقصود ہی نہیں تھا، تو دیکھو قید کو اٹھایا تو کلام مقصود ہی نہ رہا۔ کہنے والا یہ تو نہیں کہنا چاہتا کہ میں روٹی نہیں کھاؤں گا وہ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟ مثلاً کہ میں ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ مفاعیل اور اس جیسی جو چیزیں ہیں ان کے فائدے ذکر ہو گئے کہ ان کے ساتھ کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز آئی تھی نواسخ، پھر اس کے بعد شرط ہے، اس کے بعد نفی ہے، اس کے بعد توابع ہیں، یہ ساری قیدیں ہیں، ان سب کے الگ الگ فائدے ذکر کرتے جائیں گے۔ تو سب سے پہلے مفاعیل وَنَحْوِهَا اور اس جیسی جو چیزیں ہیں حال، استثنا، تمیز وغیرہ ان کے فائدے ذکر کر دیے۔

اب نواسخ کا بیان کرنے لگے ہیں کہ نواسخ کیا ہیں اور ان کے ساتھ کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے اس کے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں۔ میں پہلے بھی بتلا چکا گزشتہ سبق میں، نواسخ سے مراد وہ افعال یا وہ حروف جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور ان کے مبتدا ہونے کو منسوخ کر دیتے ہیں اور خبر اس کو مبتدا کی خبر نہیں رہنے دیتے بلکہ اپنی خبر وغیرہ بنا لیتے ہیں ان کو کیا کہتے ہیں؟ نواسخ۔ تو دیکھو یہ منسوخ کر دیتے ہیں چونکہ مبتدا کا مبتدا ہونا اور خبر کا خبر ہونا اس لیے ان کو نواسخ کہتے ہیں۔

■ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، تو میں نے اس جملے میں قیام کس کے لیے ثابت کیا؟ زید کے لیے، تو زید ہوا مبتدا قَائِمٌ ہوئی اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا اور اس جملے کے اندر قیام زید کے لیے ثابت ہے۔ اسی پر بعض اوقات میں كَانَ داخل کروں گا اور یوں کہوں گا كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔ اب اس كَانَ نے کیا کام کیا؟ اس نے زَيْدٌ کو، زَيْدٌ پہلے مبتدا تھا اب اس کو مبتدا نہیں کہیں گے اس کو كَانَ کا اسم کہیں گے، اور خبر جو تھی قَائِمٌ یہ پہلے مبتدا کی خبر تھی لیکن اب اس کو مبتدا کی خبر نہیں کہیں گے بلکہ اب کیا کہیں گے؟ كَانَ کی خبر کہیں گے۔ تو دیکھو اس نے مبتدا کے مبتدا ہونے کو اور خبر کے خبر ہونے کو منسوخ کر دیا اس لیے ان کو نواسخ کہتے ہیں۔ نواسخ جمع ہے کس کی؟ ناسخ کی، تو یہ منسوخ کرنے والے ہیں، ناسخ ہیں۔

اچھا تو دیکھیے كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا زید کھڑا تھا، اب بھی قیام کس کے لیے ثابت؟ زید ہی کے لیے ثابت ہے لیکن کس زمانے میں؟ زمانہ ماضی میں۔ یہ زمانہ ماضی والا ترجمہ کہاں سے آیا؟ كَانَ سے۔ تو دیکھو كَانَ وغیرہ یہ جو نواسخ ہیں یہ جب جملے پر داخل ہوتے ہیں اس کے معنی کو اپنا اثر دے دیتے ہیں۔ کلام، معنی اسی طرح رہتا ہے یعنی وہ خبر مبتدا ہی کے لیے ثابت ہے، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ کس کے لیے ثابت تھا؟ زید کے لیے، تو كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا اب بھی قَائِمًا کس کے لیے ثابت ہے؟ زید کے لیے۔ تو وہ خبر ابھی بھی ثابت تو مبتدا ہی کے لیے ہے لیکن انہوں نے اپنے معنی کا اثر دے دیا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کا معنی صرف کیا تھا؟ زید کے لیے قیام ثابت ہے، لیکن كَانَ جب داخل ہوا اس نے کیا فائدہ دیا؟ اس نے اپنے معنی کا اثر بھی جملے میں ڈال دیا۔ اب زید کے لیے قیام ثابت ہے یہ ترجمہ نہیں کریں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ زید کے لیے قیام ثابت تھا یعنی زمانہ ماضی میں، تو كَانَ نے اپنے معنی کا اثر جملے پہ ڈال دیا، اپنے معنی کا اثر دے دیا جملے کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا اسی طرح دیکھ لیجیے افعال قلوب ہیں، افعال قلوب۔ زَيْدٌ قَائِمٌ یہ ایک جملہ ہے اس پر ذرا افعال قلوب میں سے مثلاً عَلِمْتُ، عَلِمْتُ لے آئیں: عَلِمْتُ زَيْدًا قَائِمًا، یا اس کی دوسری مثال عَالِمًا لگا لیں ساتھ: عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ تو پہلے تھا زَيْدٌ عَالِمٌ اب کیا آیا؟ عَلِمْتُ، اور عَلِمْتُ نے کیا کیا؟ مبتدا کو اپنا مفعول اول بنا لیا، دیکھو زَيْدٌ اب نہیں پڑھ رہے اب زَيْدًا پڑھ رہے ہیں عَلِمْتُ زَيْدًا یہ مفعول بنا لیا، اور جو عَالِمًا ہے عَالِمًا کو اپنا مفعول ثانی بنا لیا، دوسرا مفعول بنا لیا۔ پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ بھی مرفوع عَالِمٌ اس کی خبر بھی مرفوع، اب کیا پڑھ رہے ہیں؟ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا، زَيْدًا مفعول اول عَالِمًا مفعول ثانی، تو اس نے دونوں کو اپنا مفعول بنا لیا۔ اب ان کو مبتدا خبر نہیں کہیں گے بلکہ زَيْدًا کو کہیں گے یہ عَلِمْتُ کا مفعول اول ہے اور عَالِمًا کو کیا کہیں گے یہ عَلِمْتُ کا مفعول ثانی ہے۔

تو اب معنی کیا ہوا؟ عَلِمْتُ میں نے جانا، کیا جانا؟ کہ زید عالم ہے، میں نے جان لیا کہ زید عالم ہے، میں نے یقین کر لیا کہ زید عالم ہے۔ اب مجھے بتائیے یہ عالم ہونا کس کے لیے ثابت ہے؟ زید کے لیے، تو دیکھو جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ کے اندر یہ عالم ہونا زید کے لیے ثابت تھا تو عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا اس میں بھی عالم ہونا کس کے لیے ثابت ہے؟ زید ہی کے لیے ثابت ہے ہاں عَلِمْتُ نے اپنے معنی کا فائدہ دیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ تو یہ بھی جو ہیں یہ جو نواسخ ہوتے ہیں یہ قید ہوا کرتے ہیں۔ کیا ہوتے ہیں؟ قید۔ یعنی جیسے پہلے ان کے بغیر تھا زَيْدٌ قَائِمٌ یا زَيْدٌ عَالِمٌ ان میں جیسے قیام پہلے زید کے لیے تھا یا عالم ہونا پہلے زید کے لیے تھا، ان افعال کے داخل ہونے کے بعد پھر بھی وہ عالم ہونا یا قائم ہونا زید ہی کے لیے ثابت ہے، ہاں البتہ انہوں نے اپنے معنی کا اثر دے دیا۔ بتلا دیا عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا کیا معنی؟ کہ یہ زید کے لیے جو عالم ہونا ہے یہ کس طریقے پر ہے؟ یقین کے طریقے پر ہے۔ کس طریقے پر؟ یقین کے طریقے پر۔

بھئی دیکھیے یہ افعال قلوب ہیں نا، افعال قلوب میں سے آپ نے پڑھا ہے بعض یقین کے لیے آتے ہیں اور بعض شک اور گمان کے لیے آتے ہیں۔ اگر اسی کی جگہ ہوتا ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا کیا معنی ہوتا؟ میں نے گمان کیا، میں نے خیال کیا کہ زید عالم ہے۔ اور عَلِمْتُ کا کیا معنی؟ میں نے جان لیا، یعنی میں نے یقین کر لیا، اعتقاد کر لیا یعنی مان لیا، کیا کہیں؟ مان لیا گویا یوں کہیں، تو یہ یقین کے لیے آتا ہے۔ تو دیکھو عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا عالم ہونا اب بھی ثابت ہے زید کے لیے لیکن کس طریقے پر؟ یقین کے طریقے پر۔ کس طریقے پر؟ یقین کے۔ اسی کی جگہ اگر ہو تا ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا اب عالم ہونا زید کے لیے ثابت ہے لیکن کس طریقے پر؟ گمان کے طریقے پر بھئی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ گمان کے طریقے پر۔

تو یاد رکھیے یہ سارے نواسخ ہیں: افعال ناقصہ جو مبتدا کے مبتدا اور خبر کے خبر ہونے کو منسوخ کر دیتے ہیں، افعال قلوب عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا یہ افعال قلوب یہ بھی کیا کرتے ہیں مبتدا کے مبتدا ہونے اور خبر کے خبر ہونے کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح افعال مقاربہ ہیں جو کسی فعل کے قریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں: كَادَ زَيْدٌ

أَنْ يَكْتُبَ، قریب ہے کہ زید لکھنے لگے، كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَكْتُبَ، تو دیکھو یہ قریب ہونے پر دلالت کر رہا ہے، قریب ہونے پر، سمجھ میں آیا؟ اور اسی طرح إِنَّ وغیرہ بھی ہیں بھئی: زَيْدٌ قَائِمٌ اسی پر ذرا إِنَّ لے آؤ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب زَيْدًا إِنَّ کا اسم کہلائے گا اور قَائِمٌ إِنَّ کی خبر ہے تو یہ بھی نواسخ میں سے ہے، لیکن یہاں پر یہ صرف وہ نواسخ بیان کر رہے ہیں جو افعال ہیں، جو کیا ہیں؟ افعال، اور وہ کون سے ہیں؟ افعال ناقصہ ہیں كَانَ وغیرہ، افعال قلوب ہیں عَلِمْتُ، وَجَدْتُ، ظَنَنْتُ وغیرہ، اور افعال مقاربہ ہیں كَادَ، كَرَبَ، أَوْشَكَ وغیرہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ بیان کر رہے ہیں۔

تو ان کا میں نے کیا بتلایا یہ کیا کرتے ہیں؟ مبتدا کے مبتدا ہونے کو منسوخ کر دیتے ہیں اور خبر کے خبر ہونے کو۔ بعض ان میں سے پھر کیا کرتے ہیں مبتدا کو اپنا اسم بنا لیتے ہیں اور خبر کو اپنی خبر، پہلے وہ مبتدا کی خبر تھی اب اپنی خبر بنا لیتے ہیں، اور بعض ان میں سے کیا کرتے ہیں مبتدا کو اپنا مفعول اول بنا لیتے ہیں اور خبر کو اپنا مفعول ثانی بنا لیتے ہیں۔ تو بہر حال جو بھی عمل کریں وہ جو خبر تھی وہ خبر اب بھی اسی مبتدا ہی کے لیے ثابت ہے لیکن انہوں نے اپنے معنی کا اثر دے دیا اس میں، کیا کیا؟ اپنے معنی کا یہ اثر دے دیتے ہیں۔ تو یہ ہیں نواسخ بھئی، یہ مبتدا کے مبتدا ہونے اور خبر کے خبر ہونے کو کیا کر دیتے ہیں؟ منسوخ کر دیتے ہیں، یعنی وہ خبر اب مبتدا کی خبر نہیں رہتی بلکہ ان کی خبر بن جاتی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: « زَيْدٌ قَائِمٌ » کی تشریح

تو ان کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ اسی پر کبھی كَانَ لے آئیں گے، زَيْدٌ عَالِمٌ اسی پر کبھی عَلِمْتُ یا ظَنَنْتُ لے آئیں گے، یا مثلاً کیا تھا كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَكْتُبَ یہاں كَادَ کو لے آئے۔ بھئی کیوں لے کر آئے، مقصد کیا ہے ان افعال کے لانے کا، ان کے ساتھ کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ اپنے معنی کا اثر دیتے ہیں کلام کو اور متکلم بھی چاہتا ہے کہ ان کے معنی کو بھی اپنے کلام میں لے آئے۔ کیا کرے؟ اپنے کلام میں لے آئے، ہاں وہ صرف زَيْدٌ قَائِمٌ نہیں بتلانا چاہتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتلانا چاہتا ہے کہ یہ زید کے لیے قیام زمانہ ماضی میں تھا، اور یہ زمانہ ماضی والا ترجمہ تو کون ادا کرتا ہے؟ كَانَ ادا کرتا ہے تو وہ كَانَ اس لیے لے آیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو نواسخ کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے۔ کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ کیونکہ متکلم کی غرض کیا ہوتی ہے؟ وہ معنی، متکلم کی غرض وہ معنی ہوتا ہے جو ان افعال کا تھا، وہ اس معنی کو بھی دوسرے کو پہنچانا چاہتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ وہ كَانَ کے معنی کو بھی جملے میں لانا چاہتا ہے تو اس کا یہی طریقہ ہے كَانَ کو لے کر آئے ساتھ، وہ عَلِمْتُ کا معنی بھی ساتھ لانا چاہتا ہے تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ عَلِمْتُ کو ساتھ لے کر آئے گا، صورت سمجھ میں آئی؟ وہ صرف زَيْدٌ عَالِمٌ نہیں کہنا چاہتا وہ زید کے لیے علم ثابت کرنا چاہتا ہے لیکن یقین کے طریقے پر لانا چاہتا ہے اس کو بتلانا چاہتا ہے تو پھر کیا کرے گا؟ وہ تو عَلِمْتُ کا لفظ فائدہ دیتا ہے تو اس کو ساتھ استعمال کرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ آسان سی بات ہے کہ اس کی غرض کیا ہوتی ہے متکلم کی غرض؟ ان نواسخ کے الفاظ کا معنی جو ہے وہ اس کو ادا کر رہا ہوتا ہے اور کوئی لفظ ادا نہیں کرتا، جب وہی لفظ اس معنی کو ادا کر رہا ہے تو اسی لفظ کو لے آئیں گے یعنی نواسخ والے لفظ کو لے آئیں گے۔ صورت بھی سمجھ آئی کہ مشکل ہو گئی؟ جی؟

جی دیکھیے کتاب پر: وَأَمَّا النَّوَاسِخُ اور باقی نواسخ جو ہیں فَالتَّقْيِيدُ بِهَا تو ان کے ساتھ مقید کرنا، بِهَا ہا ضمیر نواسخ ہی کو راجع ہے، تو ان کے ساتھ مقید کرنا یعنی حکم کو کبھی کیا کیا جاتا ہے؟ ان کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے، يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي یہ ان غرضوں کے لیے ہو گا الَّتِي تُؤَدِّيهَا کہ جن غرضوں کو ادا کرتے ہیں، کون ادا کرتے ہیں؟ مَعَانِي أَلْفَاظِ النَّوَاسِخِ نواسخ کے الفاظ کے معانی بھئی۔ کون ادا کرتے ہیں؟ نواسخ کے الفاظ کے معانی۔ بھئی دیکھیے بس صرف لفظ ذرا مشکل ہے بات وہی ہے، میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ قیام زید کے لیے ثابت ہے لیکن اس وقت نہیں زمانہ ماضی میں، قیام زید کے لیے ثابت ہے اور کس میں؟ زمانہ ماضی میں۔ تو اب یہ زمانہ ماضی والا معنی یہ کون ادا کرتا ہے؟ كَانَ، یعنی یہ كَانَ کا معنی میری غرض ہوئی۔ كَانَ کا معنی میری غرض ہوئی، جب كَانَ کا معنی میری غرض ہوئی تو وہ تو كَانَ کے لانے سے ہی ادا ہو گا لہٰذا میں كَانَ کو استعمال کر لوں گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو میری غرض ہی وہ معنی ہو گئی یعنی زمانہ ماضی جو اس فعل کا تھا۔

تو کہتے ہیں فَالتَّقْيِيدُ بِهَا يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا مَعَانِي أَلْفَاظِ النَّوَاسِخِ تو نواسخ جو ہیں ان کے ساتھ مقید کرنا ان غرضوں کے لیے ہو گا کہ ان غرضوں کو ادا کرتے ہیں مَعَانِي أَلْفَاظِ النَّوَاسِخِ نواسخ کے الفاظ کے معانی۔ نواسخ کے جو الفاظ ہیں ان کے جو معانی ہیں وہ متکلم کی غرض کو ادا کر رہے ہیں۔ نواسخ کے الفاظ کے جو معانی ہیں وہ متکلم کی غرض کو ادا کر رہے ہیں تو ان معانی کو کیسے لائیں گے؟ وہ کس کا معنی ہیں؟ نواسخ کے الفاظ کا معنی ہیں تو ان کو کلام میں لانے کا بھی کیا طریقہ ہے؟ نواسخ کے لفظ کو لے آؤ جب لفظ آئے گا تو ساتھ کیا آجائے گا؟ معنی بھی آجائے گا۔

كَالِاسْتِمْرَارِ جیسے کہ استمرار ہے۔ جیسے کیا ہے؟ استمرار۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے كَانَ دو قسم پر ہے: ایک كَانَ دائمہ ہے ایک كَانَ منقطعہ ہے بھئی۔ كَانَ دائمہ ہے اور كَانَ منقطعہ۔ یاد رکھیے كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا زید کھڑا تھا یہ كَانَ منقطعہ ہے، معلوم ہوا قیام زید کے لیے ثابت تھا لیکن اس وقت نہیں ثابت، کس زمانے میں ثابت تھا؟ زمانہ ماضی میں قیام زید کے لیے ثابت تھا، ماضی کے زمانے میں زید کھڑا تھا اور پھر منقطع بھی ہو گیا، ختم بھی ہو گیا اب قیام زید کے لیے ثابت نہیں۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟ اور ایک كَانَ دائمہ ہوتا ہے وہ دوام کے لیے استعمال ہوتا ہے، دوام بتلاتا ہے، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا، وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا۔ اب دیکھو كَانَ کی خبر آئی سَمِيعًا اور اسی طرح كَانَ کی خبر آئی عَلِيمًا، عَلِيمًا، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اب كَانَ اللَّهُ سَمِيعًا تو اب اس کا یہ ترجمہ نہیں کرنا بھئی کہ اللہ سننے والے تھے زمانہ ماضی میں، كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا اللہ جاننے والے تھے زمانہ ماضی میں، یہ ترجمہ نہیں کرنا یہ تو کفریہ معنی بن جائے گا بھئی کیونکہ اللہ کی ذات

بھی قدیم اور اللہ کی صفات بھی قدیم ہیں۔

یہ بات پہلے بھی میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ ایک ہے قدیم ایک ہے حادث۔ قدیم ایک اردو والا قدیم ہے جس کے معنی پرانا ہونے کے، وہ معنی نہیں ہے یہاں پر قدیم کا یہ اصطلاحی لفظ ہے۔ قدیم کا معنی ہے وہ چیز جس پر کبھی عدم نہ آیا ہو، یعنی کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جس میں اس کا وجود نہ ہو بلکہ ہر زمانے میں اس کا وجود تھا تو اس کو کہتے ہیں قدیم۔ کیا کہتے ہیں؟ قدیم۔ اور حادث اس کی ضد ہے: ایسی چیز جس کا پہلے وجود نہ ہو اور پھر وجود ہو جائے، پھر وہ چیز پائی جائے یہ کیا ہے؟ حادث۔ تو جو چیز قدیم ہو گی وہ حادث نہیں اور جو حادث ہے وہ قدیم نہیں۔

اور یاد رکھیے صرف اور صرف اللہ کی ذات اور اللہ کی جو صفات ہیں وہ قدیم ہیں، باقی جتنی چیزیں آپ کو دکھائی دیتی ہیں یا کائنات کی جتنی چیزیں ہیں چاہے دکھائی نہیں بھی دیتیں وہ سب حادث ہیں بھئی، سب کیا ہیں؟ حادث۔ صرف اللہ کی ذات اور اللہ کی صفات قدیم ہیں، اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور جب سے اللہ کی ذات ہے تب سے اللہ کی صفات بھی ہیں، تو اللہ کی ذات تو ہمیشہ سے تو اللہ کی صفات بھی ہمیشہ سے ہیں۔ جبکہ باقی جتنی چیزیں ہیں چاہے یہ انسان ہیں، چاہے یہ دنیا ہے، چاہے چاند ستارے ہیں، چاہے یہ آسمان ہے، چاہے جنت ہے، چاہے جہنم ہے، چاہے فرشتے ہیں، یہ سب چیزیں بھئی چاہے یہ عرش ہے، جتنی چیزیں ہیں سب حادث ہیں بھئی۔ ان سب کو اللہ نے پیدا فرمایا، ایک زمانہ ایسا تھا کہ جب ان چیزوں کا وجود نہیں تھا۔ تو دیکھو پہلے ان کا وجود نہیں تھا پھر ان چیزوں کا وجود آیا تو یہ سب چیزیں حادث ہیں۔ کیا ہیں؟ حادث، چاہے جتنا بھی زمانہ گزر جائے کروڑوں سال گزر جائیں اربوں سال گزر جائیں کھربوں سال گزر جائیں لیکن ایک وقت تو ایسا تھا نا جب ان چیزوں کا وجود نہیں تھا، بس اس کو حادث کہیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا» کی تشریح

تو اب یہ جو اللہ کی ذات بھی قدیم اور اللہ کی صفات بھی قدیم تو كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا اب اس کا یہ ترجمہ نہیں کرنا کہ اللہ سننے والے جاننے والے تھے بلکہ کیا ترجمہ ہے؟ اللہ سننے والے جاننے والے ہیں۔ اللہ سننے والے اور جاننے والے ہیں، تو اس کو کہتے ہیں كَانَ دائمہ، یہ دوام بتلاتا ہے۔ یہ بتلاتا ہے دیکھیے بھئی كَانَ کا اسم ہے لفظ اللّٰه، سَمِيعًا یہ ہے كَانَ کی خبر، یہ كَانَ دائمہ ہے، یہ كَانَ یہ بتلا رہا ہے کہ اس کا جو اسم ہے یعنی ذات باری تعالیٰ اس کے لیے یہ سمیع کی صفت دوام کے طریقے پر ہے یعنی ہمیشہ کے طریقے پر ہے، اللہ کے لیے ہمیشہ سمیع کی صفت ثابت ہے۔ اسی طرح اگلی خبر آرہی ہے عَلِيمًا، یہ كَانَ کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ علیم صفت جو ہے یعنی جاننے والا ہونا یہ اللہ کے لیے دوام کے طریقے پر ہے یعنی دائماً ہے، ہمیشہ ہے، ہمیشہ، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ كَانَ دائمہ۔ تو لہٰذا كَانَ دو قسم پر ہوا: كَانَ منقطعہ اور كَانَ دائمہ۔ كَانَ منقطعہ وہ زمانہ ماضی کے بارے میں بتلائے گا اور كَانَ دائمہ کیا بتلائے گا؟ ہمیشہ بتلائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ وہی بیان کر رہے ہیں: كَالِاسْتِمْرَارِ جیسے کہ استمرار ہے، استمرار ہے۔

یہاں استمرار سے مراد استمرار ثبوتی ہے۔ بھئی یہ بات مفصل بیان ہو چکی دوبارہ بیان کر دیتا ہوں، سنیے بھئی: میں نے جہاں پر یہ جملے کی اقسام ہم نے پڑھنا شروع کی تھیں کہ ایک جملہ اسمیہ ہوتا ہے ایک جملہ فعلیہ ہوتا ہے، غالباً پہلا باب تھا، پہلا باب علم معانی کا وہاں تفصیل ذکر کی تھی کہ جملہ اسمیہ جو ہے، جملہ اسمیہ وہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ مبتدا قَائِمٌ اس کی خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر کیا بنا؟ جملہ اسمیہ بنا، اور جملہ اسمیہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ بتلاتا ہے کہ یہ جو خبر ہے یہ اس مبتدا کے لیے ثابت ہے، یعنی زَيْدٌ قَائِمٌ یہ خبر کیا ہے؟ قَائِمٌ یعنی قیام زید کے لیے ثابت ہے۔ قیام زید کے لیے ثابت ہے، تو جملہ اسمیہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے بس۔ اور ایک ہوتا ہے جملہ فعلیہ، جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ حدوث اور تجدد کا ایک معنی ہے عام استعمال ہوتا ہے کتابوں میں تو اس سے آپ پریشان نہ ہو جانا، حدوث اور تجدد کا ایک ہی معنی ہے کبھی دونوں لفظ استعمال ہو جائیں گے کبھی حدوث ہو جائے گا لفظ استعمال اور کبھی تجدد لفظ، دونوں کا ایک معنی ہے۔ حدوث اور تجدد کا معنی ہے ایک چیز کا پہلے وجود نہ ہو اور پھر پایا جائے۔ تو حدوث اور تجدد کا معنی ہے ہونا، کیا معنی؟ ہونا، یعنی ایک چیز پہلے نہیں تھی۔

اور پھر ہوئی، یہ کیا ہے؟ حدوث۔ قَامَ زَيْدٌ کیا معنی؟ دیکھیے قَامَ فعل اور زَيْدٌ اس کا فاعل اور یہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ، اور جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے، کیا بتلاتا ہے؟ کہ قیام زید کے لیے ثابت ہوا کس زمانے میں؟ زمانہ ماضی میں، ہوا، دیکھو اس میں ایک چیز کا ہونا پایا جا رہا ہے، قیام زید کے لیے ثابت ہوا کس میں؟ زمانہ ماضی میں۔ یا دوسری مثال لے لو ضَرَبَ زَيْدٌ کیا بتلایا اس جملے نے؟ زید نے ضرب لگائی، معلوم ہوا اس سے پہلے ضرب نہیں تھی پھر زمانہ ماضی میں زید نے ضرب لگائی اور پھر وہ گزر بھی گئی، یہ کیا ہے؟ حدوث اور تجدد۔ یہ کیا ہے؟ حدوث اور تجدد۔

زَيْدٌ ضَارِبٌ اس میں دیکھو زید کے لیے یہ ثابت ہے کہ وہ پٹائی کرنے والا ہے، اس میں زمانے کا تعلق نہیں صرف زید کے لیے ضارب کی صفت کا ثبوت ہے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں سمجھ میں آرہا؟ جملہ اسمیہ صرف کس پر دلالت کرتا ہے؟ ثبوت پر، زَيْدٌ ضَارِبٌ اس جملے نے صرف کیا بتلایا؟ زَيْدٌ ضَارِبٌ کہ زید کے لیے ضارب ہونے کی صفت ثابت ہے، کب ہے کب نہیں ہے کوئی تفصیل نہیں اس کے اندر۔ لیکن اسی کے بجائے اگر میں جملہ فعلیہ لے آؤں اور کیا کہوں؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ اب حدوث اور تجدد پر دلالت کر رہا ہے، معلوم ہوا کہ پہلے ضرب نہیں تھی پھر یہ ضرب ہوئی اور کس زمانے میں تھی؟ زمانہ ماضی میں تھی یعنی اب نہیں ہے، یعنی پھر گزر بھی گئی۔ پہلے نہیں تھی پھر ہوئی اور پھر گزر بھی گئی، تو پہلے نہیں تھی پھر ہوئی یہ ہے ہونا، ہونا، ایک چیز پہلے نہ ہو پھر ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر، اور آپ نے پڑھا تھا جملہ فعلیہ اگر فعل مضارع ہو تو پھر کبھی یہ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ استمرار،

استمرار کا معنی ایک چیز کا بار بار ہونا: يَضْرِبُ زَيْدٌ زید پٹائی کر رہا ہے یا کرے گا یا پٹائی کرتا ہے جو بھی ترجمہ کر لیں۔ تو یہ کون سا جملہ؟ جملہ فعلیہ، يَضْرِبُ زَيْدٌ فعل مضارع ہے نا، جملہ فعلیہ۔ اور جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر، لیکن کبھی فعل مضارع ہو تو پھر یہ کس پر دلالت کر دیتا ہے؟ استمرار پر، استمرار کا معنی ایک چیز کا بار بار ہونا۔

اب آپ مجھے بتائیے ضرب، ضرب دوام کے طریقے پر نہیں رہ سکتی، ضرب میں ہمیشہ بار بار ہونا پایا جائے گا۔ مثلاً زید کے پاس ایک چھڑی ہے اس نے عمرو کو ایک چھڑی ماری زور سے، آپ کہیں گے ضرب پائی گئی اور ختم بھی ہو گئی یا نہیں؟ ختم ہو گئی۔ پھر دوسری ضرب لگائی پھر ضرب پائی گئی اور ختم بھی ہو گئی، پھر تیسری ضرب لگائی پھر ضرب پائی گئی اور ختم بھی ہو گئی، تو یہ ہے استمرار ایک چیز کا بار بار ہونا۔ یہ کیا ہے؟ استمرار۔ تو خلاصہ کلام یہ: جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور اگر اس کے ساتھ کبھی کوئی قرینہ مل جائے تو پھر یہ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ استمرار پر کہ ایک چیز مسلسل ہے لیکن مسلسل ایک ہے دوام کے طریقے پر ایک ہے استمرار کے طریقے پر، دونوں میں فرق سمجھ میں آیا؟

زید کے لیے قیام ثابت ہے دوام کے طریقے پر، معلوم ہوا اس سے جدا نہیں ہے کہ کبھی قیام ہے کبھی قیام نہیں، ایسا نہیں بلکہ دائماً ہے، کیا ہے؟ دائماً ہے۔ یا یوں دوسری مثال سمجھو: زَيْدٌ طَوِيلٌ زید لمبا ہے یعنی لمبے قد والا ہے۔ اب دیکھیے یہ زید کے لیے لمبا قد یہ کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ایسا ہے یا دوام کے طریقے پر ہے؟ دوام ہے، یعنی جس کے لیے لمبا قد ہے وہ اب دائماً اس کا لمبا ہی قد رہے گا یہ نہیں کہ کبھی قد چھوٹا ہو جائے کبھی لمبا ہو جائے، تو یہ دوام کے طریقے پر ہے مسلسل۔ اور ایک یہ ضرب بھی ہے زید پٹائی کر رہا ہے کسی کی مسلسل لیکن اب یہ ضرب کس طریقے پر زید کے لیے ثابت ہے؟ یہ استمرار کے طریقے پر: ضرب لگتی ہے ختم ہو جاتی ہے، پھر ضرب لگتی ہے ختم ہو جاتی ہے، پھر ضرب لگتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ تو فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ طَوِيلٌ میں کہا تو طویل بھی زید کے لیے مسلسل ثابت ہے طویل ہونا، لمبا ہونا، لیکن اس میں بار بار ہونا نہیں پایا جا رہا لیکن استمرار کے اندر ایک چیز کا بار بار ہونا ہو گا بھئی۔ فرق سمجھ میں آیا؟

تو جملہ فعلیہ یہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور ساتھ کبھی کوئی قرینہ مل جائے تو یہ حدوث اور تجدد کے ساتھ ساتھ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے، جبکہ جملہ اسمیہ وہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ مل جائے تو پھر وہ دوام پر بھی دلالت کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب ذرا اپنے لفظوں میں بھی دہرائیے: جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر، اور جملہ اسمیہ؟ جملہ اسمیہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے، اور اگر جملہ فعلیہ کے ساتھ قرینہ مل جائے پھر وہ حدوث کے ساتھ ساتھ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے جبکہ فعل مضارع ہو، اور جملہ اسمیہ کے ساتھ جب قرینہ مل جائے وہ ثبوت کے ساتھ ساتھ دوام پر بھی دلالت کرے گا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر آیا كَالِاسْتِمْرَارِ جیسے کہ استمرار ہے بھئی۔ تو دیکھیے، یرحمک اللہ، تو یہ استمرار سے استمرار ثبوتی مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ استمرار ثبوتی سے مراد وہی دوام ہے، استمرار ثبوتی سے کیا مراد ہے؟ وہی دوام۔

■ قولہ: «كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا» کی تشریح

تو یہاں كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا یہاں اللہ کے لیے استمرار کے طریقے پر سمیع اور علیم ہونے کی صفت ثابت ہے، اور كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا اس میں زید کے لیے قیام کس زمانے میں تھا؟ زمانہ ماضی میں۔ تو کہہ رہے ہیں یہ جو نواسخ ہیں ان کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے ان غرضوں کے لیے جن کو نواسخ کے الفاظ کے معانی ادا کرتے ہیں جیسے کہ استمرار ہے، تو استمرار کا معنی کون ادا کرے گا؟ كَانَ وغیرہ، كَانَ دائمہ جیسے كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا اس کے لیے لے کر آئے۔ أَوِ الْحِكَايَةِ عَنِ الزَّمَنِ فِي كَانَ یا کس لیے؟ زمانے سے حکایت کرنے کے لیے فِي كَانَ کس کے اندر؟ كَانَ کے اندر بھئی، اس میں استمرار کے لیے بھی اس کو لاتے ہیں اور زمانے کے بارے میں بتلانے کے لیے جیسے كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، کس زمانے کی بات ہو رہی تھی؟ زمانہ ماضی کی، تو یہ حکایت عن الزمن ہے یعنی زمانے سے کوئی زمانہ اس میں بیان ہو گا، زمانے کی بات ہو گی، حکایت کا کیا معنی؟ بات بھئی۔ كَالِاسْتِمْرَارِ أَوِ الْحِكَايَةِ عَنِ الزَّمَنِ جیسے کہ استمرار ہے اور زمانے سے حکایت کرنا، زمانے کی بات کرنا فِي كَانَ کس کے اندر؟ كَانَ کے اندر بھئی، اس میں استمرار بھی ہو گا اور حکایت عن الزمن بھی ہو گی۔

وَالتَّوْقِيتِ بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ، توقیت کا معنی ہے حد بندی کرنا بھئی۔ کیا معنی ہے؟ حد بندی کرنا، حد بیان کرنا، حد بیان کرنا، یعنی قید کرنا۔ وَالتَّوْقِيتِ بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ اور حد بیان کرنا بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ معین زمانے کے ساتھ۔ بھئی کیا بیان ہو رہا ہے؟ نواسخ کی غرضیں بیان ہو رہی ہیں، نواسخ کے ساتھ کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ ایک مثال ذکر کر دی جیسے استمرار کبھی مقصود ہو گا اور استمرار کس کے ذریعے آئے گا؟ كَانَ دائمہ کے ذریعے یعنی استمرار ثبوتی، اور کبھی کسی زمانے کی بات کر رہے ہوں گے آپ وہ معنی بھی کون ادا کرتا ہے؟ كَانَ ادا کرتا ہے۔ وَالتَّوْقِيتِ بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ اور کبھی کبھار آپ معین زمانے کے ساتھ مقید کرنا چاہتے ہیں جو چیز بیان کر رہے ہیں، توقیت کا معنی مقید کرنا، حد بیان کرنا، بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ کس کے ساتھ؟ کسی معین زمانے کے ساتھ آپ حد بیان کرنا چاہتے ہیں ایک چیز کی اس کو مقید کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بھی یہ افعال ناقصہ ہی ہیں، جیسے ظَلَّ کے اندر بھئی: وَالتَّوْقِيتِ بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ فِي ظَلَّ۔

بھئی ظَلَّ کا معنی ہے دن گزارنا، ظا اور لام مشدد بھئی ظَلَّ، ظَلَّ کا معنی دن گزارنا۔ بھئی اب میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ زید نے سارا دن کھڑے ہونے کی حالت

میں گزارا، کھڑے ہونے کی حالت میں گزارا، تو کیا کہوں گا؟ظَلَّ زَيْدٌ قَائِمًا، ظَلَّ زَيْدٌ قَائِمًا زید نے کھڑے ہونے کی حالت میں دن گزارا۔ اب دیکھیے ظَلَّ کا کیا معنی؟ دن گزارنا، تو میں نے دیکھو اس میں بھی قیام کس کے لیے ثابت ہے؟ زید کے لیے، لیکن ایک معین زمانہ بتلا رہا ہوں کیونکہ بتلا رہا ہوں دن گزارا اور دن کسے کہتے ہیں؟ صبح سے لے کر شام تک کا جو معین وقت ہے اس معین زمانے کی میں بات کر رہا ہوں، رات کی بات نہیں کر رہا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ میں نے زید کے لیے قیام کو ثابت کیا اور معین زمانے یعنی اس کی حد بیان کر دی کہ آغاز کب سے تھا؟ صبح سے، اور انتہا کب ہوئی؟ شام تک، تو یہ ہے توقیت بھئی، مقید کر دیا اس کی میں نے حد بیان کر دی بھئی قیام کی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح بَاتَ کا معنی ہے رات گزارنا: بَاتَ زَيْدٌ قَائِمًا زید نے کھڑے ہونے کی حالت میں رات گزاری، کھڑے ہوتے ہوئے رات گزاری۔ تو دیکھو بَاتَ اس نے اپنے معنی کا اثر دے دیا، قیام اب بھی زید کے لیے ثابت ہے لیکن اس کی حد بیان کر دی۔ رات کسے کہتے ہیں؟ سورج غروب ہونے سے لے کر صبح تک کا جو وقت ہے یہ سارا ہے رات بھئی، تو اب میں نے مقید کر دیا کہ زید کے لیے قیام کس معین زمانے میں ثابت تھا؟ رات کے اندر۔

اسی طرح أَصْبَحَ ہے بھئی أَصْبَحَ، أَصْبَحَ کا معنی صبح کرنا، صبح کے وقت میں داخل ہونا: أَصْبَحَ زَيْدٌ قَائِمًا زید نے کھڑے ہونے کی حالت میں صبح کی، یعنی جب صبح ہوئی تو زید کھڑا تھا۔ جب صبح ہوئی تو زید کھڑا تھا، تو زید نے کھڑے ہونے کی حالت میں صبح کی کیا معنی ہے؟ کہ جب صبح ہوئی تو زید کھڑا تھا۔ تو اب میں کہوں گا، اب معین زمانے کے ساتھ میں مقید کر رہا ہوں کہ یہ قیام زید کے لیے رات کو نہیں ثابت، دن کو نہیں ثابت، زمانہ ماضی میں نہیں ثابت بلکہ ایک معین زمانہ ہے صبح کے وقت میں، اس میں ثابت کرنا چاہتا ہوں تو میں کیا لفظ لے کر آؤں گا؟ أَصْبَحَ لے کر آؤں گا۔ اگر میں ساری رات کی بات کرنا چاہتا ہوں تو کیا لفظ لے کر آؤں گا؟ بَاتَ لے کر آؤں گا، اور اگر میں سارے دن کی بات کرنا چاہتا ہوں تو کیا لے کر آؤں گا؟ ظَلَّ لے کر آؤں گا۔

اسی طرح أَمْسَى ہے، أَمْسَى کا معنی ہے شام کرنا، شام کے وقت میں داخل ہونا: أَمْسَى زَيْدٌ قَائِمًا زید نے شام کی کس حالت میں؟ قیام کی حالت میں، یعنی جب شام ہوئی تو زید کھڑا تھا۔ اسی طرح أَضْحَى، أَضْحَى ضُحًى سے ہے چاشت کا وقت بھئی جب سورج تھوڑا سا صبح کے وقت اونچا ہو جائے، سمجھ میں آئی بات؟ سورج طلوع ہونے کے بعد تھوڑا سا اونچا ہو جائے یہ ہے چاشت کا وقت بھئی، تو میں اب آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ زید چاشت کے وقت کھڑا تھا تو کیا کہوں گا؟ أَضْحَى زَيْدٌ قَائِمًا، أَضْحَى زَيْدٌ قَائِمًا، تو دیکھو اس معین زمانے کے ساتھ اس قیام کو زید کے لیے میں ثابت کرنا چاہتا ہوں اس معین زمانے میں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو لہٰذا جو میری مراد ہوگی وہی والا لفظ میں استعمال کر لوں گا۔ اگر میں مطلقاً بتانا چاہتا ہوں کہ قیام زید کے لیے ثابت ہے تو مطلقاً کہہ دوں گا زَيْدٌ قَائِمٌ کوئی قید نہیں لے کر آؤں گا۔ اور اگر میں بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ قیام زید کے لیے سارا دن تھا تو اس کے لیے پھر مجھے ظَلَّ استعمال کرنا پڑے گا، اگر میں بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ قیام زید کے لیے ساری رات تھا تو اس کے لیے پھر مجھے بَاتَ کا لفظ استعمال کرنا پڑے گا کیونکہ یہ معنی یہی لفظ ادا کرتا ہے۔ اور اگر میں صرف صبح، شام یا چاشت کے وقت کو بیان کرنا چاہتا ہوں اس کے ساتھ مقید کرنا چاہتا ہوں اس قیام کو زید کے لیے تو پھر اس صورت میں أَصْبَحَ، أَمْسَى اور أَضْحَى جیسے لفظ استعمال کرنے پڑیں گے۔

▪ قولہ: «أَوْ بِحَالَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي دَامَ» کی تشریح

أَوْ بِحَالَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي دَامَ یا کسی معین حالت کے ساتھ دَامَ کے اندر بھئی۔ دَامَ وہی مَا دَامَ بھئی افعال ناقصہ میں سے ہے، دَامَ فعل ناقص اسی کے شروع میں ما مصدریہ آجاتا ہے تو کیسے پڑھتے ہیں؟ مَا دَامَ، مَا دَامَ۔ تو یہ مَا دَامَ جو ہے یاد رکھیے یہ معین حالت کے ساتھ مقید کرنے کے لیے ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: زید ہمیشہ سے سخی تھا یا ہمیشہ سے سخی ہے، زید کیا ہے؟ زید ہمیشہ سے سخی ہے یعنی یہ ابھی نہیں سخی ہوا یا صرف ماضی میں نہیں تھا سخی بلکہ ابھی بھی ہے اور ہمیشہ سے تھا۔ تو اس کے لیے مَا دَامَ استعمال کرنا پڑے گا مجھے کیونکہ یہ معنی صرف مَا دَامَ ہی ادا کرتا ہے، تو اسی پر زَيْدٌ كَرِيمٌ اسی پر کیا لے آؤں گا؟ مَا دَامَ: مَا دَامَ زَيْدٌ كَرِيمًا، مَا دَامَ زَيْدٌ كَرِيمًا، تو اب کیا ترجمہ ہوگا؟ زید ہمیشہ سے سخی ہے۔ اب دیکھیے میں نے زید کو مقید کر دیا ایک معین حالت کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ معین حالت کے ساتھ، کون سی حالت؟ سخاوت، اور یہ معین حالت ہے یا غیر معین ہے؟ ایک معین حالت ہے اس کے ساتھ زید موصوف ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی وہ غیر سخی نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ سخی ہے ہمیشہ سے، تو یہ معین حالت کے ساتھ میں نے اس کو مقید کر دیا کہ وہ سخی ہے، تو کس کی نفی کر دی؟ غیر سخی ہونے کی نفی کر دی۔ یہ معنی ہے أَوْ بِحَالَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي دَامَ، اس کا عطف زَمَنٍ مُعَيَّنٍ پر ہے: وَالتَّوْقِيتِ بِحَالَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي دَامَ اور معین حالت کے ساتھ مقید کرنے کے لیے مَا دَامَ کے اندر۔

وَالْمُقَارَبَةِ فِي كَادَ اور مقاربت کے ساتھ مقید کرنے کے لیے كَادَ وَكَرَبَ وَأَوْشَكَ، كَادَ، كَرَبَ اور أَوْشَكَ۔ یہ افعال مقاربہ بھئی یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی جو خبر ہے ان کے اسم کو حاصل ہونے ہی والی ہے، ان کی جو خبر ہے وہ ان کے اسم کو حاصل ہونے ہی والی ہے، حاصل ہونے کے قریب ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ زید کھڑا ہونے کے قریب ہی ہے یعنی ابھی کھڑا نہیں ہوا کھڑا ہونے ہی والا ہے۔ اب مجھے بتائیے اس کے لیے میں مجبور ہوں مجھے كَادَ کا لفظ استعمال کرنا پڑے گا کیونکہ یہ قریب والا معنی کون ادا کرتا ہے؟ كَادَ ادا کرتا ہے، تو میں یوں کہوں گا: كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَقُومَ، كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَقُومَ قریب ہے کہ زید کھڑا ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح كَرَبَ اور أَوْشَكَ بھی ہیں۔

وَالْيَقِينِ فِي وَجَدَ وَأَلْفَى وَدَرَى وَتَعَلَّمَ، اور یقین کے لیے کس کے اندر؟ وَجَدَ کے اندر۔ بھئی یہ وہی افعال قلوب ہیں، افعال قلوب آپ نے پڑھے بعض

جو ہیں یقین کے لیے آتے ہیں اور بعض شک وغیرہ کے لیے آتے ہیں، جیسے وَجَدْتُ زَيْدًا عَالِمًا میں نے زید کو عالم پایا یعنی اس کے عالم ہونے کا یقین کیا۔ اور اگر شک ہے تو آپ کہیں گے ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا میں نے زید کے بارے میں عالم ہونے کا گمان کیا، خیال کیا، یعنی یقین نہیں ہے گمان ہے میرا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ افعال قلوب ہیں بھئی تو یہ یقین اور شک کے لیے آتے ہیں: وَالْيَقِينِ فِي وَجَدَ وَأَلْفَى وَدَرَى وَتَعَلَّمَ، یہ سارے کیا ہیں؟ افعال قلوب ہیں، ایک ہی معنی ہے سب کا: وَجَدَ، أَلْفَى، دَرَى اور تَعَلَّمَ، پالینا، پالینا۔ تو افعال قلوب آپ نے کافیہ وغیرہ میں پڑھے ہوں گے وہاں یہ أَلْفَى بھی نہیں آیا، دَرَى بھی نہیں آیا، تَعَلَّمَ بھی نہیں آیا۔ بھئی اس لیے کیونکہ افعال قلوب وہی نہیں ہیں جو کافیہ کے اندر ذکر ہیں ہاں آپ کو اس میں سے کچھ مشہور وغیرہ بس جو زیادہ مشہور ہیں وہ بتادیے، لیکن یہ سارے بھی کیا ہیں أَلْفَى، دَرَى اور تَعَلَّمَ؟ یہ بھی افعال قلوب میں سے ہیں۔ وَجَدَ تو وہاں آپ نے پڑھا ہوگا باقی تین نہیں پڑھے لیکن یہ افعال قلوب میں سے ہیں، یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور ان کو اپنا مفعول اول اور مفعول ثانی بنالیتے ہیں۔

وَهَلُمَّ جَرًّا اور اسی طرح سلسلہ جاری رکھیے۔ صاحب کتاب بتلا رہے ہیں ہم نے تو کچھ باتیں بیان کر دیں کہ یہ نواسخ کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے، کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ کیونکہ متکلم کی غرض کیا ہے وہ ان کے معنی کو ادا کرنا چاہتا ہے اس کو کلام میں لانا چاہتا ہے تو انہی کو لے کر آنا پڑے گا۔ اور وہ کیا کیا معانی ہو سکتے ہیں؟ جیسے بتلایا استمرار بھی ہو سکتا ہے، زمانے کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں وہ بھی ہو سکتی ہے وہ کس میں ہو گی؟ كَانَ میں۔ یا آپ مقید کرنا چاہتے ہیں کلام کو کس کے ساتھ؟ معین زمانے کے ساتھ، تو اس کے لیے ظَلَّ، بَاتَ وغیرہ ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا آپ اپنے کلام کو مقید کرنا چاہتے ہیں کس کے ساتھ؟ ایک معین حالت کے ساتھ، تو اس کے لیے مَا دَامَ وغیرہ ہیں۔ یا آپ اپنے کلام کو مقید کرنا چاہتے ہیں کس کے ساتھ؟ مقاربت کے ساتھ، تو اس کے لیے كَادَ، كَرَبَ وغیرہ ہیں۔ یا آپ اپنے کلام کو مقید کرنا چاہتے ہیں یقین یا شک کے ساتھ، تو اس کے لیے وَجَدْتُ وغیرہ ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ کہتے ہیں ہم نے کچھ معانی بیان کر دیے وَهَلُمَّ جَرًّا اور اسی طرح سلسلہ جاری رکھیے، یعنی باقی لفظوں میں آپ خود غور کرتے جائیے اور ان سے آپ کو ہر ایک کا پتہ چل جائے گا کہ کون سا لفظ کس معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے یا افعال قلوب میں سے، سمجھ میں آیا؟ بھئی افعال ناقصہ یہی تو نہیں ہیں اور بھی تو ہیں، افعال قلوب یہی تو نہیں ہیں اور بھی تو ہیں، افعال مقاربہ صرف یہی تین تو نہیں ہیں كَادَ، كَرَبَ، أَوْشَكَ اور بھی تو ہیں، لیکن کہتے ہیں ہم نے کچھ مثال کے طور پر ذکر کر دیے باقی آپ اسی طرح سلسلہ جاری رکھیے یعنی باقی سب کو بھی اسی سے سمجھ لیجیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو وَهَلُمَّ جَرًّا کیا معنی ہوا؟ اور آپ اسی طرح سلسلہ جاری رکھیے، یہ بامحاورہ ترجمہ کر رہا ہوں۔ لفظی ترجمہ: هَلُمَّ، هَلُمَّ اسم فعل ہے، اسم فعل۔ هَلُمَّ کا معنی آجاؤ، چلے آؤ یا لے آؤ، هَلُمَّ کا کیا معنی؟ لے آؤ، چلے آؤ یا لے آؤ۔ اور جَرًّا، جَرٌّ کا معنی ہوتا ہے کھینچنا، کھینچنا۔ هَلُمَّ جَرًّا اسی طرح چلے آؤ کھینچتے ہوئے، اسی طرح کھینچتے ہوئے چلے آؤ یعنی سلسلہ جاری رکھو، یا یوں ترجمہ کر لیں وَهَلُمَّ جَرًّا اور اسی طرح کھینچتے ہوئے لے آؤ، هَلُمَّ جَرًّا کھینچتے ہوئے لے آؤ یعنی سلسلہ جاری رکھو اسی طرح۔

فَالْجُمْلَةُ فِي هَذَا تَنْعَقِدُ مِنَ الِاسْمِ وَالْخَبَرِ أَوْ مِنَ الْمَفْعُولَيْنِ فَقَطْ۔ بھئی میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ افعال ناقصہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ جملہ اسمیہ پر اور اس کو اپنے معنی کا اثر دے دیتے ہیں، وہ جیسے پہلے خبر تھی مبتدا کی اب بھی اسی طرح خبر اسی کے لیے ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ یہ قیام کس کے لیے ثابت؟ زید کے لیے، تو كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا اب بھی قیام کس کے لیے ثابت؟ زید کے لیے۔ زَيْدٌ عَالِمٌ یہ عالم ہونا کس کے لیے ثابت؟ زید کے لیے، تو عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا اب بھی عالم ہونا کس کے لیے ثابت؟ زید ہی کے لیے ثابت ہے، معلوم ہوا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی کہ کیا چیز کس کے لیے ثابت ہو رہی ہے صرف انہوں نے اپنے معنی کا اثر دیا۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ فَالْجُمْلَةُ فِي هَذَا تَنْعَقِدُ مِنَ الِاسْمِ وَالْخَبَرِ جملہ ان سب میں منعقد ہو جاتا ہے اسم اور خبر یعنی وہی جو زَيْدٌ قَائِمٌ اور زَيْدٌ عَالِمٌ اسی اسم اور خبر سے جملہ منعقد ہو رہا ہے، أَوْ مِنَ الْمَفْعُولَيْنِ یا کس سے؟ دو مفعولوں سے یعنی عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا تو یہ زَيْدًا عَالِمًا انہی سے جملہ مکمل ہو رہا ہے فَقَطْ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ باقی یہ اپنے معنی کا اثر دے رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں؟ اثر دے رہے ہیں۔

■ قولہ: «فَإِذَا قُلْتَ» کی تشریح

فَإِذَا قُلْتَ جب آپ کہیں ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا، ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا تو فَمَعْنَاهُ تو جملے کا معنی یہ ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ عَلَى وَجْهِ الظَّنِّ، زید کھڑا ہے ظن کے طریقے پر، گمان کے طریقے پر یعنی مجھے یقین نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ شک ہے۔ تو دیکھیے یہ مثال کیوں انہوں نے ذکر کی؟ زَيْدٌ قَائِمٌ اصل میں کیا ہے؟ ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا، اس سے پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، ظَنَنْتُ کو ذرا ہٹا دیں نا: زَيْدٌ قَائِمٌ قیام کس کے لیے ثابت؟ زید کے لیے۔ ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا اب بھی قیام کس کے لیے ثابت؟ زید کے لیے۔ تو کلام صرف یہاں ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا اس کے اندر بھی کلام زَيْدٌ قَائِمٌ ہی ہے ہاں ظَنَنْتُ اپنے معنی کا فائدہ دے رہا ہے۔ اسی لیے انہوں نے کہا فَمَعْنَاهُ اس کا معنی کیا ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، دیکھو دو مفعولوں کو پھر اسی طرح مبتدا خبر بنا دیا اور ظَنَنْتُ کو قید بنا دیا عَلَى وَجْهِ الظَّنِّ، کیا بنا دیا؟ قید، معلوم ہوا اصل کلام وہی ہے، یہ چیزیں جو ہیں یہ كَانَ، افعال مقاربہ، افعال قلوب یہ قیدیں ہیں، یہ کیا ہیں؟ قیدیں ہیں، تو اصل کلام وہی ہے جس پر یہ داخل ہوئے تھے ابتدا میں جو تھا۔ کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہیں آئی؟

طالب علم کا سوال: ایک استمرار اور دوام والا جو مسئلہ ہے، استمرار ثبوتی کہ ہمیشہ ہو اور مَا دَامَ میں بھی زید ہمیشہ سخی ہے، دونوں میں فرق کیا ہو گا؟ اسی طرح وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔

استاد کا جواب: فرق میں نے بتلایا تو ہے، ایک ہے استمرار ایک ہے دوام۔ استمرار میں ایک چیز بار بار ہو رہی ہے: زید استمرار کے ساتھ پٹائی کر رہا ہے، کیا معنی استمرار؟ بار بار، مسلسل پٹائی کرتا جا رہا ہے لیکن پٹائی دوام کے طریقے پر نہیں ہے کیونکہ ایک ضرب لگتی ہے ختم ہو جاتی ہے، پھر ضرب لگتی ہے ختم ہو جاتی ہے، پھر ضرب لگتی ہے ختم ہو جاتی ہے، تو دیکھو بار بار ہو رہی ہے ضرب، یہ ہے استمرار۔ اور ایک ہوتا ہے ثبوت: زَيْدٌ طَوِيلٌ زید لمبا ہے، لمبا ہونا زید کے لیے دوام کے طریقے پر ثابت ہے لیکن بار بار نہیں ہے اس میں کہ طویل ہے پھر طویل نہیں، پھر طویل ہے پھر طویل نہیں، ایسا نہیں۔ فرق دونوں میں سمجھ میں آیا؟ تو استمرار کے اندر ایک چیز کا بار بار ہونا ہو گا اور دوام کے اندر بار بار ہونا نہیں بس ایک چیز کا ثبوت ہے اور کس طریقے پر ہے؟ دوام کے، مسلسل ہے، دائماً ہے۔ ہاں البتہ یہ استمرار اور دوام یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں جیسے یہاں پر استمرار آیا، سمجھ میں آیا؟ تو یہاں استمرار مثلاً جملے کو بھی دیکھیں گے جملے میں اگر وہ استمرار ثبوتی مراد ہے یا استمرار تجددی مراد ہے۔ استمرار تجددی جس میں بار بار ہونا ہو گا ایک چیز کا، استمرار ثبوتی وہ دوام کا دوسرا نام ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تفصیل پہلے بیان ہو چکی یہ میں نے پھر ویسے تکرار کروایا آپ کو بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۱: ادواتِ شرط کے ساتھ تقیید اور «إِنْ» (امورِ مشکوکہ) و «إِذَا» (امورِ یقینیہ) کے استعمال کے لطیف فروق

دروس البلاغہ صفحہ: ۶۳ــــ بتاریخ: ۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا الشَّرْطُ فَالتَّقْيِيدُ بِهِ يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا مَعَانِي أَدَوَاتِ الشَّرْطِ كَالزَّمَانِ فِي مَتَى وَأَيَّانَ وَالْمَكَانِ فِي أَيْنَ وَأَنَّى وَحَيْثُمَا وَالْحَالِ فِي كَيْفَمَا۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

اطلاق اور تقیید کا باب ہم پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پڑھا کہ کلام میں ایک مسند ہوتا ہے اور ایک مسند الیہ۔ مسند الیہ جس کی طرف اسناد کیا جائے، اور مسند جس کا اسناد کیا جائے۔ یا آسان لفظوں میں یوں کہیے، جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہے مسند الیہ، اور جو بات کی جائے وہ ہے مسند۔ زید کھڑا ہے، کس کے بارے میں بات کی گئی؟ زید کے بارے میں، تو زید ہوا مسند الیہ۔ اور کیا بات کی گئی؟ کہ وہ کھڑا ہے، یہ ہے مسند بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب یہ مسند اور مسند الیہ، جملے میں یہ تو ضرور ہوں گے، کبھی ان کے متعلقات بھی ساتھ ذکر ہوں گے۔ اگر یہ اکیلے ہیں تو کہیں گے یہ مطلق ہیں، یہ کیا ہیں؟ مطلق ہیں، یعنی کوئی قید نہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ اور لفظ ہیں تو وہ ان کے لیے قید بنتے ہیں، تو اس صورت میں کہیں گے یہ مقید ہے۔ حکم کیا ہے یہاں پر؟ مقید ہے۔ تو پھر کن کن چیزوں کے ساتھ یہ مقید ہوتے ہیں؟ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعولوں کے ساتھ اور اس جیسی جو چیزیں ہیں یعنی حال، تمیز اور استثناء وغیرہ، اور اسی طرح نواسخ، شرط، نفی اور توابع کے ساتھ یہ مقید کیے جاتے ہیں۔ پھر یہ ہر ایک کے ساتھ مقید کرنے کے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں وہ اب الگ الگ ذکر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے مفعولوں کے ساتھ کیوں مقید کیا جاتا ہے وہ بتلایا، پھر اس کے بعد مفعولوں جیسی چیزیں ہیں یعنی حال، تمیز اور استثناء، ان کے ساتھ کیوں مقید کیا جاتا ہے وہ بیان کیا بھئی۔

اور گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ نواسخ کے ساتھ کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ کہتے ہیں بھئی نواسخ کے ساتھ حکم کو وہاں مقید کیا جائے گا جب کہنے والے کی غرض وہ معنی ہو جس کو نواسخ کے الفاظ ادا کر رہے ہیں۔ جب اس کا مقصد وہ معنی ہے جسے نواسخ کے الفاظ ادا کر رہے ہیں تو اسے نواسخ کے لفظ کو استعمال کرنا پڑے گا کیونکہ وہی معنی اس کا مقصود ہے بھئی۔ جیسے کیا کیا وہ معانی ہو سکتے ہیں؟ جیسے بھئی استمرار ہے، استمرار کے لیے کیا پھر استعمال کرنا پڑے گا؟ كَانَ استعمال کرنا پڑے گا۔ یا مخصوص زمانہ بتلانا چاہتے ہیں تو بھی کیا استعمال کرنا پڑے گا؟ كَانَ۔ اور اسی طرح اگر معین زمانے کے ساتھ مقید کرنا چاہتے ہیں حکم کو تو بھی کیا استعمال کرنے پڑیں گے؟ افعالِ ناقصہ استعمال کرنے پڑیں گے۔ اگر معین حالت کے ساتھ مقید کرنا ہو تو بھی فعلِ ناقص مَا دَامَ استعمال کرنا پڑے گا۔ اگر مقاربت کے ساتھ مقید کرنا مقصد ہو تو پھر كَادَ، كَرَبَ وغیرہ افعالِ مقاربہ کے ساتھ مقید کرنا پڑے گا۔ اور اگر یقین یا شک کے ساتھ مقید کرنا چاہتے ہیں اپنے کلام کو آپ تو پھر اس کے لیے افعالِ قلوب کو استعمال کریں گے۔ لیکن بہر حال یہ ہیں سب قیدیں ہی، اصل کلام وہی جو مبتدا اور خبر تھے ان کے داخل ہونے سے پہلے، اس سے مل کر بنے گا اور یہ کیا ہوں گے اس کے لیے؟ قید ہوں گے۔

آج آپ کو یہ شرط کے بارے میں بتلائیں گے کہ کلام کے اندر بعض اوقات شرط ذکر کی جاتی ہے، شرط کے ساتھ اسے مقید کیا جاتا ہے۔ مثلاً دیکھیے، ایک میں بغیر شرط کے آپ سے کہتا ہوں: آپ کو میں سو روپیہ انعام دوں گا۔ دیکھو کوئی شرط نہیں، معلوم ہوا میں ویسے ہی بطورِ انعام کے آپ کو ایک سو روپیہ دوں گا۔ اس کلام کا اور معنی ہے، اس میں کوئی قید وغیرہ نہیں۔ لیکن اگر اسی کو میں مقید کر دوں، شرط ذکر کر دوں اور یوں کہوں: اگر آپ امتحان میں کامیاب ہو گئے تو میں آپ کو ایک سو روپیہ انعام دوں گا۔ اب دیکھو بات وہی آ رہی ہے، میں آپ کو ایک سو روپیہ انعام دوں گا، لیکن اب قید ساتھ آگئی کہ یہ انعام ویسے نہیں ملے گا، کب ملے گا؟ اگر امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ تو دیکھا، یہ شرط جو ہوتی ہے یہ قید ہوا کرتی ہے۔ شرط کیا ہوتی ہے؟ قید ہوتی ہے۔

اسی سے ایک اور فائدہ بھی آپ کو بتلادوں۔ یاد رکھیے، یہ جو جملہ شرطیہ ہوتا ہے، یاد رکھیے ایک تو پہلے اس کا نام۔ عموماً طلبہ میں رائج یہ ہے، اس کو کہتے ہیں جملہ شرطیہ جزائیہ۔ کیا کہتے ہیں؟ جملہ شرطیہ جزائیہ۔ بھئی یہ جزائیہ کی قید بلاوجہ بڑھادی، جزائیہ کہنے کی ضرورت نہیں، صرف اتنا کہو یہ جملہ شرطیہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ جملہ شرطیہ ہے بھئی۔ بات، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور جملہ شرطیہ کہتے ہی اس کو ہیں جس میں شرط اور جزا ہوا کرتے ہیں، دو جز ہوتے ہیں اس جملے کے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ لفظ کبھی بھی استعمال نہ کرو کہ جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ آپ جتنی عرب کی قدیم کتابیں جتنی اٹھائیں گے علماء کی، وہاں آپ کو کہیں بھی نہیں ملے گا کہ جملہ شرطیہ جزائیہ ہے، بلکہ صرف ملے گا یہ جملہ شرطیہ۔ تو اس کا نام کیا ہے؟ جملہ شرطیہ ہے۔

پھر اس میں یاد رکھیے کہ جملہ جو ہے یہ دو قسم پر ہے آپ نے پڑھا۔ ایک جملہ خبریہ ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکے، اور ایک جملہ انشائیہ ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جاسکے۔ اب جو جملہ شرطیہ ہے اس کو کیا کہیں گے؟ اس کو جملہ خبریہ کہیں گے یا جملہ انشائیہ کہیں گے؟ تو یاد رکھیے، اس میں اصل جزا ہے۔ بھئی جملہ شرطیہ کے دو جز ہوتے ہیں نا، ایک کو شرط کہتے ہیں ایک کو کیا کہتے ہیں؟ جزا۔ تو اصل جزا ہے، اور یہ جو شرط ہوتی ہے یہ قید ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ قید۔ یہی ابھی تو بیان کر رہے ہیں وَأَمَّا الشَّرْطُ، اور باقی جو شرط ہے۔ معلوم ہوا شرط قید ہوا کرتی ہے، یہ اصل کلام نہیں ہے، اصل کلام وہ جزا ہے۔ اصل کلام کیا ہے؟ جزا۔ تو جزا والے جملے پر نظر کرنا، اگر وہ جملہ خبریہ ہوا تو اس پورے جملہ شرطیہ کو کہیں گے یہ جملہ شرطیہ خبریہ ہے۔ اور اگر جزا انشاء ہوئی تو کہیں گے یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ» کی تشریح

مثلاً بھئی، اب آپ مجھے بتایئے یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے یا خبریہ ہے: إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ کس پہ نظر کی آپ نے؟ فَأَكْرَمْتُهُ، یہ جزا ہے۔ اور أَكْرَمْتُهُ، میں اس کا اکرام کروں گا۔ إِنْ نے اس کو مستقبل کے معنی میں کر دیا نا، ویسے تو ماضی ہے لیکن معنی کس کا کریں گے؟ إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ اگر میرے پاس زید آیا فَأَكْرَمْتُهُ تو میں اس کا اکرام کروں گا۔ تو فَأَكْرَمْتُهُ میں اس کا اکرام کروں گا، یہ آپ خبر دے رہے ہیں، اگرچہ مستقبل کی ہے لیکن ہے تو خبر ہی، میں اس کا کیا کروں گا؟ اکرام کروں گا۔ تو جزا ہوئی خبریہ، جملہ خبریہ، تو پورے جملہ شرطیہ کو ہی کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ خبریہ۔ اور اگر جزا ہوئی انشاء: إِنْ جَاءَكَ زَيْدٌ فَاضْرِبْهُ، اگر تمہارے پاس زید آئے تو اس کی پٹائی کرنا۔ تو اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ انشائیہ، کیونکہ جزا فَاضْرِبْهُ یہاں امر آیا، اور امر کیا ہے؟ انشاء ہے۔ تو معلوم ہوا جزا انشاء ہے، اور جب جزا انشاء ہو تو پورے جملہ شرطیہ کو ہی کیا کہتے ہیں؟ جملہ شرطیہ انشائیہ کہتے ہیں۔ تو شرط قید ہوتی ہے، آپ نے صرف کس کو دیکھنا ہے؟ جزا کو۔ اور جزا خبر ہے تو کہیں گے جملہ شرطیہ خبریہ، اور اگر جزا انشاء ہے تو کہیں گے جملہ شرطیہ انشائیہ بھئی۔

تو دیکھیے، تو شرط قید ہوتی ہے، جیسے میں نے مثال ذکر کر دی، ایک جملہ ہے میں آپ کو سو روپیہ انعام دوں گا، یہ مطلق ہے، اس کے اندر کوئی قید نہیں، شرط نہیں۔ لیکن اگر میں کہتا ہوں اگر آپ امتحان میں کامیاب ہو گئے تو پھر میں آپ کو ایک سو روپیہ انعام دوں گا، اب یہ انعام دینے والی بات مقید ہو گئی کس کے ساتھ؟ شرط کے ساتھ کہ اگر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں وَأَمَّا الشَّرْطُ، تو شرط کے ساتھ کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَأَمَّا الشَّرْطُ فَالتَّقْيِيدُ بِهِ يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا مَعَانِي أَدَوَاتِ الشَّرْطِ۔ ادواتِ شرط کا کیا معنی ہے؟ شرط کے جو آلات ہیں، شرط کے جو کلمات ہیں۔ بھئی دیکھیے، یہاں بیان یہ کر رہے ہیں کہ شرط کے ساتھ حکم کو یا کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ وہی بات جو پہلے بیان کی۔ نواسخ میں کیا کہا تھا کہ نواسخ کے ساتھ کلام کو کیوں مقید کیا جاتا ہے؟ کیونکہ متکلم کی غرض کیا ہوتی ہے؟ وہ اس معنی کو ادا کرنا چاہتا ہے جو کس کا معنی ہے؟ نواسخ کا۔ اسی معنی کو ادا کرنا ہے اور وہ تو نواسخ کا معنی ہے تو نواسخ کا لفظ لانا پڑے گا۔ اسی طرح یہاں پر بھی متکلم کی غرض کیا ہو گی؟ وہ اس معنی کو ادا کرنا چاہتا ہے جو کس کا معنی ہے؟ شرط کا، ادواتِ شرط کا۔ جب شرط والا معنی ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے شرط والے ادوات استعمال کرنے پڑیں گے، ان کے ساتھ کلام کو کیا کرنا پڑے گا؟ مقید کرنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں وَأَمَّا الشَّرْطُ اور باقی شرط جو ہے فَالتَّقْيِيدُ بِهِ تو اس کے ساتھ حکم کو مقید کرنا جو ہے يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تو یہ ان غرضوں کے لیے ہو گا الَّتِي تُؤَدِّيهَا مَعَانِي أَدَوَاتِ الشَّرْطِ جن غرضوں کو شرط کے جو کلمات ہیں ان کے معانی ادا کرتے ہیں۔ جب متکلم کی غرض کیا ہو؟ وہ معنی ہو جس کو کون ادا کرتے ہیں؟ ادواتِ شرط کے معانی ادا کرتے ہیں، تو پھر ادواتِ شرط کو استعمال کرنا پڑے گا۔ كَالزَّمَانِ جیسے کہ زمانہ ہے فِي مَتَى وَأَيَّانَ، مَتَى اور أَيَّانَ میں۔ اب دیکھو یہ فائدے شروع ہو گئے بھئی۔ مثلاً آپ زمانے کے ساتھ اپنے کلام کو مقید کرنا چاہتے ہیں، زمانے کو بطورِ شرط کے ذکر کرنا چاہتے ہیں، تو زمانے کو بطورِ شرط کے مقید کرنے کے لیے مَتَى اور أَيَّانَ ہے، تو ان کو استعمال کرنا پڑے گا۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، کیا کہنا چاہتا ہوں؟ جب آپ بیٹھیں گے تو میں بھی بیٹھوں گا۔ تو دیکھیے جب آپ بیٹھیں گے، میں جگہ کی بات کر رہا ہوں یا زمانے کی؟ زمانے کی، کہ جس زمانے میں آپ بیٹھیں گے میں بھی اس زمانے میں بیٹھوں گا۔ تو اس کے لیے مَتَى استعمال کرنا پڑے گا: مَتَى تَجْلِسْ أَجْلِسْ، جب آپ بیٹھیں گے میں بھی بیٹھوں گا۔ اسی طرح أَيَّانَ ہے: أَيَّانَ تَجْلِسْ أَجْلِسْ بھئی، جس وقت آپ بیٹھیں گے میں بھی اس وقت بیٹھوں گا۔

وَالْمَكَانِ اور مکان جیسے ہے فِي أَيْنَ وَأَنَّى وَحَيْثُمَا، أَيْنَ، أَنَّى اور حَيْثُمَا یہ مکان اور جگہ کے لیے آتے ہیں۔ پہلا جملہ کیا تھا؟ آپ جب بیٹھیں گے تو میں

بھی بیٹھوں گا۔ جب، یعنی زمانے کی بات تھی۔ اب اسی کو جگہ کی صورت بنالیں: آپ جہاں بیٹھیں گے وہاں میں بھی بیٹھوں گا۔ تو دیکھو جہاں بیٹھیں گے، کس چیز کی بات ہو رہی ہے؟ جگہ کی بات ہو رہی ہے، تو اس کے لیے عربی زبان میں أَيْنَ اور أَنَّى وغیرہ ہیں: أَيْنَ تَجْلِسْ أَجْلِسْ، جہاں آپ بیٹھیں گے میں وہاں بیٹھوں گا۔ اسی طرح أَنَّى ہے اور حَيْثُمَا ہے۔

وَالْحَالِ اور اسی طرح حال ہے بھئی، حال کے ساتھ، یعنی جس حالت میں آپ بیٹھیں گے میں بھی اسی حالت میں بیٹھوں گا۔ اب یہ جگہ کی بات نہیں ہو رہی، اب زمانے کی بات نہیں ہو رہی، بلکہ کس کی بات ہو رہی ہے؟ حالت کی، جس حالت میں آپ بیٹھیں گے میں بھی اسی حالت میں بیٹھوں گا۔ تو اس کے لیے پھر كَيْفَمَا ہے: كَيْفَمَا تَجْلِسْ أَجْلِسْ، جیسے آپ بیٹھیں گے میں ویسے بیٹھوں گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَاسْتِيفَاءُ ذَلِكَ وَتَحْقِيقُ الْفَرْقِ...» کی تشریح

وَاسْتِيفَاءُ ذَلِكَ وَتَحْقِيقُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْأَدَوَاتِ يُذْكَرُ فِي عِلْمِ النَّحْوِ۔ اسْتِيفَاء کا معنی ہے ایک چیز کو پورا پورا لے لینا۔ تو اسْتِيفَاءُ ذَلِكَ، مراد ہے اس کا پورا بیان بھئی۔ کہتے ہیں ہم نے تو اشارہ کر دیا مختصراً کہ زمانے کے لیے مَتَى اور أَيَّانَ ہیں، مکان کے لیے أَيْنَ، أَنَّى اور حَيْثُمَا ہیں، اور حال کے لیے كَيْفَمَا۔ لیکن وَاسْتِيفَاءُ ذَلِكَ اس کا پورا بیان وَتَحْقِيقُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْأَدَوَاتِ اور ان ادوات کے درمیان جو فرق ہے اس کی تحقیق جو ہے يُذْكَرُ فِي عِلْمِ النَّحْوِ، اس کو کس میں ذکر کیا جاتا ہے؟ علمِ نحو میں ذکر کیا جاتا ہے، تو وہاں آپ پڑھ چکے ہوں گے بھئی حروفِ شرط کے بیان میں بھئی، حروفِ شرط یہ جو فعلِ مضارع کو جو جزم دیتے ہیں وہاں پر اس کی تفصیلی بحث مذکور ہے۔ کہتے ہیں وہ تفصیلی بحث علمِ نحو میں ذکر ہوتی ہے۔ وَإِنَّمَا يُفْرَقُ هَاهُنَا بَيْنَ إِنْ وَإِذَا وَلَوْ، اور یہاں پر فرق کیا جائے گا إِنْ، إِذَا اور لَوْ کے درمیان۔

لِاخْتِصَاصِهَا بِمَزَايَا۔ مَزَايَا جمع ہے مَزِيَّةٌ کی، اور مَزِيَّةٌ کا معنی ہوتا ہے فضیلت۔ لِاخْتِصَاصِهَا بِمَزَايَا، اس وجہ سے کہ ان کا اختصاص ہے ایسی فضیلتوں کے ساتھ تُعَدُّ مِنْ وُجُوهِ الْبَلَاغَةِ، جن کو شمار کیا جاتا ہے بلاغت کی وجہوں میں سے، کس میں سے؟ وجوہِ بلاغت میں سے، بلاغت کے طریقوں میں سے اس کو شمار کیا جاتا ہے بھئی۔

بھئی دیکھیے، حروفِ شرط انہوں نے بہت سے ذکر کر دیے، مَتَى، أَيْنَ وغیرہ، لیکن بتلا رہے ہیں یہاں ہم مفصل بحث جو ہے إِنْ، إِذَا اور لَوْ کے بارے میں ذرا تفصیلی بحث کریں گے، اس لیے کہ یہ جو تین لفظ ہیں ان کی خاص فضیلتیں ہیں، ایسی فضیلتیں جن کو بلاغت میں شمار کیا جاتا ہے۔ کس میں سے؟ بلاغت میں شمار کیا جاتا ہے، یعنی ان کے ساتھ ایسے ایسے نکات ہیں ان کے جس کی وجہ سے ان کو بلاغت میں شمار کیا جاتا ہے، باقیوں میں وہ نکات نہیں اس لیے ہم ان میں بحث بھی نہیں کریں گے۔ البتہ ان کے ساتھ ایسی فضیلتیں اور ایسے نکات ان کے ساتھ متعلق ہیں جو کس میں شمار کیے جاتے ہیں؟ علمِ بلاغت میں، تو اس لیے علمِ بلاغت میں ان کی تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے یہاں آیا مَزَايَا، اور مَزَايَا ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد تُعَدُّ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا۔ لِاخْتِصَاصِهَا اس وجہ سے کہ ان کا اختصاص ہے بِمَزَايَا ایسی فضیلتوں کے ساتھ تُعَدُّ مِنْ وُجُوهِ الْبَلَاغَةِ جن کو کس میں سے شمار کیا جاتا ہے؟ بلاغت کے طریقوں میں سے، بلاغت کے وجوہ میں سے ان کو شمار کیا جاتا ہے۔

فَإِنْ وَإِذَا لِلشَّرْطِ فِي الِاسْتِقْبَالِ وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمَاضِي۔ بھئی میری کتاب میں الْمَاضِي ہے، لیکن یہ الْمَاضِي درست نہیں بھئی۔ وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ، یہاں الف نہیں ہونا چاہیے، باقی اسی طرح وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ۔ مَاضِي اور مُضِيّ کا ایک معنی ہے، گزرے ہوئے زمانے کو کہتے ہیں، لیکن اصل کتاب کے اندر مُضِيٌّ ہے، مَاضِي کا لفظ نہیں ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں بعض طلبہ کی کتابوں میں ہو گا بھی بھئی، مُضِيّ ہے آپ کی کتاب میں؟ ہاں بعض کتابوں میں مُضِيّ کا لفظ ہے تو یہاں اصل کتاب میں مُضِيّ ہی ہے بھئی۔

اب یاد رکھیے بھئی، تین حروف ہیں حروفِ شرط، ان کے بارے میں یہ بحث کریں گے اور تفصیل بیان کریں گے۔ اور تین حروف کون کون سے ہیں؟ إِنْ، إِذَا اور لَوْ۔ ان میں سے یاد رکھیے، إِنْ اور إِذَا یہ جملے کو مستقبل کے معنی میں کر دیتے ہیں، یعنی فعل کو کس معنی میں کر دیتے ہیں؟ مستقبل۔ بھئی مضارع کے اندر دو معنی ہوتے ہیں، حال بھی اور استقبال بھی۔ تو اس میں موقع محل کے مطابق کہیں حال والا ترجمہ کیا جاتا ہے کہیں مستقبل والا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ لیکن جب إِنْ اور إِذَا یہ فعلِ مضارع پر داخل ہو جائیں تو اس کو خاص کر دیں گے مستقبل کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ مستقبل کے ساتھ۔ تو إِنْ اور إِذَا آتے ہیں مستقبل کے لیے، اور لَوْ آتا ہے زمانۂ ماضی کے لیے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو جب إِنْ اور إِذَا آتے ہیں مستقبل کے لیے، تو مستقبل کے مناسب کون سا فعل ہے، فعلِ ماضی یا فعلِ مضارع؟ فعلِ مضارع ہے، تو ان کے ساتھ فعلِ مضارع استعمال ہو گا، إِنْ اور إِذَا کے ساتھ۔ اور لَوْ آتا ہے شرط کے لیے زمانۂ ماضی میں، تو زمانۂ ماضی کے لیے جب لَوْ ہے تو اس کے ساتھ کیا استعمال ہونا چاہیے، فعلِ ماضی یا فعلِ مضارع؟ اس کے ساتھ استعمال بھی پھر فعلِ ماضی ہونا چاہیے۔ تو لہٰذا إِنْ اور إِذَا یہ داخل ہوں گے فعلِ مضارع پر، اور لَوْ یہ داخل ہو گا فعلِ ماضی پر بھئی۔ کیونکہ لفظ جو ہیں

وہ معنی کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ لفظ کس کے تابع ہوتے ہیں؟ معنی کے تابع ہوتے ہیں۔ جیسا معنی چاہیے ویسا ہی آپ لفظ استعمال کرتے ہیں، تو لفظ تابع ہوتا ہے معنی کے، نہ کہ یہ کہ معنی کس کے تابع ہو؟ لفظ کے بھئی۔ تو آپ نے جس طرح کا معنی ادا کرنا ہے تو اصل مقصود ہے معنی، لفظ اس کے مطابق آپ لے آئیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو إِنْ اور إِذَا کس زمانے کے لیے آتے ہیں؟ مستقبل کے لیے، لہٰذا ان کے ساتھ کیا استعمال ہوگا؟ فعلِ مضارع۔ اور لَوْ آتا ہے شرط کے لیے زمانۂ ماضی میں، تو لَوْ کے ساتھ کون سا فعل استعمال ہوگا؟ فعلِ ماضی استعمال ہوگا۔ تو یہ ہوا اصل۔ اصل یہ ہے إِنْ اور إِذَا کے ساتھ مضارع ہونا چاہیے اور لَوْ کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟ ماضی ہونا چاہیے۔ لیکن کبھی کبھار اس کا عکس کریں گے، مضارع کی جگہ مثلاً کیا لے آئیں گے؟ ماضی لائیں گے، لیکن وہ کسی نکتے کی وجہ سے ہوگا، بغیر نکتے کے نہیں۔ اگر بغیر نکتے کے لاتے ہیں تو یہ بلاغت کے اعتبار سے آپ درست نہیں کر رہے بھئی۔ تو اصل یہ ہے إِنْ اور إِذَا کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟ فعلِ مضارع، لیکن اگر آپ کیا لاتے ہیں؟ فعلِ ماضی لاتے ہیں تو کسی نکتے کی بنا پر ہوگا۔ اس اصل کو آپ چھوڑ رہے ہیں اور دوسری چیز کی طرف جا رہے ہیں تو اس میں کوئی نکتہ چاہیے، کوئی بات ہو، کوئی نکتہ ہو تو پھر ہی عدول کریں گے ورنہ عدول کرنا بلاغت کے اعتبار سے صحیح نہیں بھئی۔

■ قولہ: «فَإِنْ وَإِذَا لِلشَّرْطِ فِي الِاسْتِقْبَالِ» کی تشریح

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں فَإِنْ وَإِذَا لِلشَّرْطِ فِي الِاسْتِقْبَالِ، پس إِنْ اور إِذَا جو ہیں وہ شرط کے لیے ہیں فِي الِاسْتِقْبَالِ زمانۂ مستقبل میں۔ وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ اور لَوْ جو ہے شرط کے لیے ہے زمانۂ ماضی میں، مُضِيّ اور مَاضِي کا معنی ایک ہی ہے گزشتہ زمانہ۔ وَالْأَصْلُ فِي اللَّفْظِ أَنْ يَتْبَعَ الْمَعْنَى اور اصل لفظ میں یہ ہے کہ وہ معنی کے تابع ہو، لفظ کیا ہونا چاہیے؟ معنی کے تابع ہونا چاہیے۔ فَيَكُونُ فِعْلًا مُضَارِعًا مَعَ إِنْ وَإِذَا، تو إِنْ اور إِذَا کے ساتھ فعلِ مضارع ہوگا، وَمَاضِيًا مَعَ لَوْ۔ بھئی میری کتاب میں ہے أَوْ مَاضِيًا، أَوْ کے بجائے واو ہونا چاہیے بھئی۔ کسی کی کتاب میں ہے واو بھئی؟ ہاں واو ہونا چاہیے، أَوْ مَاضِيًا نہیں بلکہ وَمَاضِيًا ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں فَيَكُونُ فِعْلًا مُضَارِعًا مَعَ إِنْ وَإِذَا تو فعلِ مضارع ہوگا إِنْ اور إِذَا کے ساتھ وَمَاضِيًا مَعَ لَوْ اور فعلِ ماضی ہوگا کس کے ساتھ؟ لَوْ کے ساتھ۔ نَحْوُ مثال کے طور پر، اب دیکھیے مثالیں دیں گے، آپ دیکھیں گے کہ إِنْ اور إِذَا کے ساتھ فعلِ مضارع ہے اور لَوْ کے ساتھ فعلِ ماضی۔

اچھا بھئی پہلے یہ دیکھ لیجیے کہ إِنْ اور إِذَا فعل کو مستقبل کے معنی میں کر دیتے ہیں۔ کس معنی میں کر دیتے ہیں؟ مستقبل کے معنی میں کر دیتے ہیں، چاہے یہ ماضی پر ہی کیوں نہ داخل ہو جائیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: إِنْ تَضْرِبْنِي أَضْرِبْكَ۔ اگر تم میری پٹائی کرو گے تو میں بھی تمہاری پٹائی کروں گا۔ دیکھو کون سا زمانہ ہے؟ مستقبل والا، إِنْ تَضْرِبْنِي أَضْرِبْكَ۔ تو اسی لیے مستقبل کے معنی میں یہ کر دیتے ہیں تو ان کے ساتھ فعلِ مضارع آئے گا إِنْ تَضْرِبْ، دیکھو یہ تَضْرِبْ کیا ہے؟ فعلِ مضارع ہے بھئی۔ جبکہ لَوْ جو ہے وہ زمانۂ ماضی میں کر دیتا ہے، اگرچہ فعلِ مضارع پر ہی کیوں نہ داخل ہو جائے پھر بھی کس معنی میں کر دے گا؟ ماضی کے معنی میں کر دے گا۔ مثلاً دیکھیے بھئی: لَوْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ۔ ترجمے پہ نظر رکھنا بھئی، إِنْ کے ساتھ ترجمہ آسان ہے، لَوْ کے ساتھ ذرا مشکل ہوگی۔ إِنْ تَضْرِبْنِي أَضْرِبْكَ کیا ترجمہ تھا؟ اگر تم میری پٹائی کرو گے، دیکھو زمانہ مستقبل ہے، اگر تم میری پٹائی کرو گے تو میں بھی تمہاری پٹائی کروں گا، دیکھو زمانہ مستقبل ہے۔ جبکہ لَوْ میں یہی بات آئے گی تو وہ ماضی والا ترجمہ ہوگا: لَوْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، اگر تو نے میری پٹائی کی ہوتی تو میں بھی تیری پٹائی کرتا۔ لَوْ ضَرَبْتَنِي لَضَرَبْتُكَ، اگر تم نے میری پٹائی کی ہوتی تو میں بھی تمہاری پٹائی کرتا۔ تو دیکھیے ماضی والا ترجمہ ہے، اگر تم نے میری پٹائی کی ہوتی، کون سا ترجمہ ہے؟ ماضی والا ترجمہ ہے، اور لَضَرَبْتُكَ تو میں نے بھی تمہاری پٹائی کی ہوتی بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو إِنْ اور إِذَا کس لیے آئیں گے؟ مستقبل کے لیے، جبکہ لَوْ جو ہے وہ کس معنی میں آئے گا؟ ماضی کے معنی میں آئے گا، جیسے مثال ذکر ہو گئی: لَوْ ضَرَبْتَنِي اگر تو نے میری پٹائی کی ہوتی لَضَرَبْتُكَ تو میں تمہاری پٹائی کرتا بھئی۔ ترجمے میں فرق سمجھ میں آیا؟ تو إِنْ اور إِذَا کس معنی میں کر دیتے ہیں؟ مستقبل کے معنی میں، اور لَوْ کس معنی میں کر دیتا ہے؟ ماضی کے معنی میں، تو لہٰذا لَوْ کے ساتھ فعلِ ماضی آئے گا اور إِنْ اور إِذَا کے ساتھ کیا آئے گا؟ فعلِ مضارع آئے گا۔

تو کہتے ہیں نَحْوُ مثال کے طور پر: وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ۔ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا اور اگر وہ فریاد کریں گے يُغَاثُوا تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی بِمَاءٍ ایسے پانی کے ساتھ كَالْمُهْلِ۔ مُهْل کے دو معنی مفسرین حضرات بیان کرتے ہیں۔ مُهْل کا ایک معنی تو ہے تیل کی تلچھٹ بھئی۔ آپ نے اگر کبھی غور کیا ہو، تیل کسی برتن میں ڈالا جائے تو اس برتن کے پیندے میں نچلے حصے میں وہ جو میل کچیل تیل کا ہوتا ہے وہ جمع ہو جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں تیل کی تلچھٹ بھئی، وہ ہے تلچھٹ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ بعض نے لکھا مُهْل کا معنی ہے تیل کی تلچھٹ بھئی، وہ جو اس کا میل کچیل ہے۔ اور ایک مُهْل کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا۔ تانبا تو آپ جانتے ہیں بھئی، لوہے کی طرح ایک دھات ہے بھئی وہ پیلے سے رنگ کی۔ تو یہ جو تانبا ہے یا دھات جو ہوتی ہے اس کو جب خوب گرم کر دیا جائے تو یہ پگھل کر پانی کی طرح ہو جاتا ہے، پھر اس کو بھٹی وغیرہ میں جو صورت دینی ہوتی ہے وہ صورت دے دی جاتی ہے اور پھر ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے تو اسی صورت پر خشک ہو جاتا ہے۔ تو یہ جو مُهْل کا ایک معنی ہے پگھلا ہوا تانبا، یعنی وہ جو خوب گرم اور پگھلا ہوا پانی کی طرح تانبا ہے اسے بھی مُهْل کہتے ہیں۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں پر اللہ تعالیٰ جہنمیوں کے احوال بیان فرما رہے ہیں کہ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا اور اگر وہ فریاد کریں گے، یعنی جہنمی جہنم میں اگر فریاد کریں گے، يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ كَالْمُهْلِ جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا یا جو پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی جہنم سے

حفاظت فرمائے بھئی۔ تو جہنمی جہنم میں فریاد کریں گے، پیاس کی وجہ سے چیخیں گے چلائیں گے تو ان کی فریادرسی کی جائے گی اور کس چیز کے ساتھ؟ ایسے پانی کے ساتھ جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا یا ایسے پانی کے ساتھ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا بھئی۔ تو یہاں پر مقامِ استشہاد ہے یَسْتَغِیثُوا، إنْ کے ساتھ کیا آیا؟ إنْ یَسْتَغِیثُوا، فعلِ مضارع استعمال ہوا ہے بھئی۔ کیا استعمال ہوا؟ فعلِ مضارع۔ اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا۔

وَإِذَا تُرَدُّ إِلَى قَلِيلٍ تَقْنَعُ۔ وَإِذَا تُرَدُّ اور جب تجھے لوٹایا جاتا ہے إِلَى قَلِيلٍ تھوڑے کی طرف تَقْنَعُ تو تو قناعت کر لیتا ہے۔ وَإِذَا تُرَدُّ إِلَى قَلِيلٍ تَقْنَعُ اور جب تجھے تھوڑے کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو تو قناعت کر لیتا ہے۔ کیا معنی؟ بھئی یعنی اگر تمہیں تھوڑا دیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے، تھوڑا مال دیا جاتا ہے، تَقْنَعُ تو تم کیا کر لیتے ہو؟ قناعت کر لیتے ہو، یعنی تم قناعت کرنے والے آدمی ہو، تھوڑے پر اکتفا کرنے والے۔ تو بعض لوگ کیا ہوتے ہیں، اگر ان کو تھوڑا دیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے تو وہ شکوہ و شکایت کرتے ہیں، زبان پر شکوہ ہے اے اللہ ہمیں تھوڑا مال کیوں دیا، ہمیں غریب کیوں پیدا کیا۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اللہ ہمیں بھی ان لوگوں میں سے بنائے جو ہر حال میں اللہ کا شکر کرنے والے ہوں بھئی، اور اللہ سب کو وسیع حلال رزق نصیب فرمائے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَإِذَا تُرَدُّ إِلَى قَلِيلٍ تَقْنَعُ اور جب تجھے لوٹایا جاتا ہے تھوڑے کی طرف، یعنی

تھوڑا مال وغیرہ تجھے دیا جاتا ہے، تَقْنَعُ تو تم کیا کر لیتے ہو؟ قناعت کر لیتے ہو۔ تو مقامِ استشہاد یہاں پر وَإِذَا تُرَدُّ، تو دیکھو إِذَا آیا اور إِذَا کے ساتھ کیا آیا؟ فعلِ مضارع آیا بھئی۔

■ قولہ: «وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔ وَلَوْ...» کی تشریح

وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔ وَلَوْ شَاءَ اور اگر اللہ چاہتے لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ تو البتہ ہدایت دے دیتے تم سب کو۔ تو یہاں لَوْ آیا بھئی، اور لَوْ کے ساتھ کون سا فعل ہونا چاہیے؟ فعلِ ماضی، تو یہاں پر بھی شَاءَ یہ فعلِ ماضی آیا بھئی۔ اگر اللہ چاہتے لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ تو تم سب کو ہدایت دے دیتے، دیکھو ترجمہ بھی ماضی والا ہو رہا ہے۔

تو یہاں پر بھئی وَإِذَا تُرَدُّ إِلَى قَلِيلٍ تَقْنَعُ، إِذَا کے ساتھ میں نے تُرَدُّ اور تَقْنَعُ یہ شرط اور جزا میں فعلِ مضارع کو میں نے مرفوع پڑھا بھئی، تو آپ یہ نہ کہیں کہ ان کو مجزوم ہونا چاہیے، بلکہ یہ مرفوع ہی ہوں گے: وَإِذَا تُرَدُّ إِلَى قَلِيلٍ تَقْنَعُ۔ اس لیے کیونکہ إِذَا شرط کے لیے جب استعمال ہوتا ہے تو اس کا جزم دینا شاذ ہے بھئی۔ جزم دینا کیا ہے؟ شاذ ہے، یعنی نہایت قلیل ہے عربوں میں۔ ہمیں نہایت ہی قلیل کوئی ان کا کلام ملا جس میں انہوں نے إِذَا کی وجہ سے شرط وغیرہ کو جزم دیا ہو، عام طور پر یہ شرط اور جزا کو جزم نہیں دیتا بھئی۔ اور شاذ ہے تو اس کا مطلب ہے آپ نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب ہے آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ جب کسی چیز کے بارے میں بتلا دیا جائے کہ یہ شاذ ہے تو پھر اس کا مطلب ہے معلوم ہوا نہایت ہی قلیل کہیں عربوں نے کیا ہے، اب آپ کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، عام طور پر جو اس کا طریقہ ہے اسی کے مطابق آپ کو استعمال کرنا پڑے گا، اور عام طریقے کے مطابق تو یہ جزم نہیں دیتا لہٰذا آپ بھی جزم نہیں دیں گے۔ تو اسی لیے میں نے کہا: وَإِذَا تُرَدُّ إِلَى قَلِيلٍ تَقْنَعُ۔

وَالْفَرْقُ بَيْنَ إِنْ وَإِذَا أَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ الْجَزْمِ بِوُقُوعِ الشَّرْطِ مَعَ إِنْ وَالْجَزْمُ بِوُقُوعِهِ مَعَ إِذَا۔ اب نکات بیان ہو رہے ہیں بھئی۔ انہوں نے آپ کو اصل بتلا دی کہ إِنْ اور إِذَا مستقبل کے لیے آتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ فعلِ مضارع استعمال ہو گا، اور لَوْ آتا ہے شرط کے لیے زمانۂ ماضی میں تو اس کے لیے فعلِ ماضی استعمال ہو گا۔ اب فرق بیان کر رہے ہیں کہ کبھی کبھار عدول کیا جائے گا اصل سے غیر اصل کی طرف، اور وہ کیا نکات ہوں گے ان میں سے اب ایک نکتہ بیان کر رہے ہیں۔

تو نکتہ یہ یاد رکھیے بھئی، یہ آگے بتلا رہے ہیں کہ إِنْ جو ہے مقامِ شک میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں شرط کے واقع ہونے میں شک ہو وہاں إِنْ استعمال کرتے ہیں، اور جہاں اس شرط کے واقع ہونے کا یقین ہو وہاں إِذَا استعمال کرتے ہیں۔ إِنْ کس لیے آئے گا؟ شک کے لیے، تو وہ امور جن کے ہونے میں شک ہے وہاں إِنْ استعمال کریں گے۔ اور وہ امور جن کا ہونا یقینی ہے اس کے لیے کیا استعمال کریں گے؟ إِذَا استعمال کریں گے۔

اب دیکھیے عدول کیا جائے گا اس نکتے کی وجہ سے کہ إِنْ آتا ہے شک کے لیے اور إِذَا آتا ہے یقین کے لیے۔ اب آپ مجھے بتائیے، ایک ہے فعلِ مضارع یا یوں کہیں ایک ہے زمانۂ مستقبل اور ایک ہے زمانۂ ماضی۔ مستقبل میں جو چیز ہونی ہوتی ہے اس میں عموماً شک ہوتا ہے، پتا نہیں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ جو چیز مستقبل میں ہونی ہے اس کا کوئی یقینی پتا نہیں کہ ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ لیکن جو چیز ماضی میں ہو، گزر چکی ہو، واقع ہو چکی ہو، اس میں کسی قسم کا شک ہوتا ہے؟ اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہوتا۔ تو زمانۂ مستقبل جو ہے اس میں ہونے والی چیزوں میں شک ہے، اور ماضی میں جو چیزیں ہو چکی ہیں ان میں کیا ہے؟ یقین۔ تو إِنْ کس لیے آتا ہے؟ شک کے لیے، اور إِذَا کس لیے آتا ہے؟ یقین کے لیے۔ تو إِذَا چونکہ یقین کے لیے آتا ہے اور یقین ماضی کے اندر زیادہ ہے کس کی بہ نسبت؟ مضارع کی بہ نسبت، لہٰذا إِذَا کے ساتھ فعلِ ماضی استعمال کیا جائے گا۔ وہ اصل کو ہم نے چھوڑ دیا، اصل کیا تھا إِذَا کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟ فعلِ مضارع، لیکن اس اصل کو چھوڑ دیا کس نکتے کی بنا پر؟ کیونکہ إِذَا آتا ہے یقین کے لیے اور یقین کس میں ہوتا ہے؟ ماضی کے اندر، تو لہٰذا إِذَا کے ساتھ کون سا فعل استعمال کر لیا جاتا ہے؟ ماضی والا۔ اصل تو یہی تھا اس کے ساتھ مستقبل ہونا چاہیے تھا، لیکن کس نکتے کی بنا پر ماضی استعمال کیا گیا؟ کیونکہ ماضی کے اندر یقین زیادہ ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ دیکھیے بھئی اب بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَالْفَرْقُ بَيْنَ إِنْ وَإِذَا أَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ الْجَزْمِ بِوُقُوعِ الشَّرْطِ مَعَ إِنْ اور فرق إِنْ اور إِذَا میں یہ ہے کہ اصل جو ہے عَدَمُ الْجَزْمِ، جزم کہتے ہیں یقین کو، یقین کا نہ ہونا ہے، کس چیز کا یقین نہیں ہے؟ بِوُقُوعِ الشَّرْطِ شرط کے واقع ہونے کا۔ شرط کے واقع ہونے کا یقین نہ ہونا ہے مَعَ إِنْ کس کے ساتھ؟ إِنْ کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں أَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ الْجَزْمِ بِوُقُوعِ الشَّرْطِ مَعَ إِنْ کہ اصل جو ہے وہ شرط کے واقع ہونے کا یقین نہ ہونا ہے إِنْ کے ساتھ، وَالْجَزْمُ بِوُقُوعِهِ مَعَ إِذَا اور یقین ہونا ہے اس شرط کے واقع ہونے کا إِذَا کے ساتھ۔ وَلِهَذَا غَلَبَ اسْتِعْمَالُ الْمَاضِي مَعَ إِذَا، اور اسی وجہ سے فعلِ ماضی کا استعمال غالب ہے کس کے ساتھ؟ إِذَا کے ساتھ، فَكَأَنَّ الشَّرْطَ وَاقِعٌ بِالْفِعْلِ تو گویا کہ شرط بالفعل ہی واقع ہے۔ بِخِلَافِ إِنْ، بخلاف کس کے؟ إِنْ کے۔

بھئی دیکھیے، إِذَا آتا ہے کس کے لیے؟ یقین کے لیے، اور یقین کس میں زیادہ؟ فعلِ ماضی میں، تو لہٰذا إِذَا کے ساتھ فعلِ ماضی کو استعمال کر لیا جاتا ہے گویا کہ شرط واقع ہو ہی چکی ہے، بالفعل ہو ہی چکی ہے۔ اس لیے کیونکہ یقین ہے نا، جو چیز یقینی ہے تو گویا اس میں تو کسی قسم کا شک نہیں۔ جب یقین ہے تو یقین تو کس میں ہے؟ ماضی میں، اور ماضی میں جو ایک چیز ہو چکی ہے وہ بالفعل ہو چکی ہے، واقع ہو چکی ہے، اس میں تو کسی قسم کا شک نہیں۔ تو إِذَا کے ساتھ بھی فعلِ ماضی استعمال کر لیا جاتا ہے یعنی اس شرط کا ہونا بڑا یقینی ہے، یوں سمجھو ہو ہی چکی ہے۔ ہونا تو مستقبل میں ہی ہے اس نے، لیکن یوں سمجھو گویا کہ ہو چکی ہے۔ یہ معنی ہے فَكَأَنَّ الشَّرْطَ وَاقِعٌ بِالْفِعْلِ تو گویا کہ شرط واقع ہو چکی ہے بالفعل ہی، بِخِلَافِ إِنْ بخلاف کس کے؟ إِنْ کے، اس میں ایسا نہیں ہے۔

■ قولہ: «فَإِذَا قُلْتَ» کی تشریح

فَإِذَا قُلْتَ پس جب آپ یوں کہیں: إِنْ أَبْرَأْ مِنْ مَرَضِي أَتَصَدَّقْ بِأَلْفِ دِينَارٍ۔ اگر میں ٹھیک ہو گیا، بَرِئَ يَبْرَأُ کا کیا معنی؟ ٹھیک ہونا، تندرست ہونا۔ إِنْ أَبْرَأْ مِنْ مَرَضِي اگر میں تندرست ہو گیا مِنْ مَرَضِي اپنے مرض سے أَتَصَدَّقْ بِأَلْفِ دِينَارٍ تو میں صدقہ کروں گا ایک ہزار دینار کا۔ تو جب آپ یوں کہیں، كُنْتَ شَاكًّا فِي الْبُرْءِ تو آپ شک کرنے والے ہیں فِي الْبُرْءِ تندرست ہونے میں، گویا آپ کو شک ہے۔ جب آپ إِنْ استعمال کریں اور إِنْ تو کس لیے آتا ہے؟ شک کے لیے، تو معلوم ہوا آپ کو اپنے تندرست ہونے میں شک ہے تو پھر یوں کہیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

وَإِذَا قُلْتَ اور جب آپ یوں کہیں: إِذَا بَرِئْتُ مِنْ مَرَضِي تَصَدَّقْتُ، جب میں تندرست ہو جاؤں گا اپنے مرض سے تَصَدَّقْتُ تو میں صدقہ کروں گا، یعنی ایک ہزار دینار کیا کروں گا؟ صدقہ کروں گا، كُنْتَ جَازِمًا بِهِ تو آپ اس کا یقین کرنے والے ہیں، کس چیز کا؟ تندرست ہونے کا۔ بھئی جب آپ إِذَا استعمال کر رہے ہیں إِذَا بَرِئْتُ مِنْ مَرَضِي تَصَدَّقْتُ، تو إِذَا لائے اور إِذَا کے ساتھ کیا استعمال کیا؟ فعلِ ماضی، کیونکہ ماضی کس لیے آتا ہے؟ یقین کے لیے، تو گویا آپ کو اپنے ٹھیک ہونے کا یقین ہے کہ آپ تندرست ہو جائیں گے۔ أَوْ كَالْجَازِمِ یا یقین تو نہیں لیکن یقین جیسا ہی ہے، یعنی غالب گمان ہے۔ کیا ہے؟ غالب گمان بھی کس کے قریب ہوتا ہے؟ یقین کے قریب ہوتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا اگر آپ نے إِنْ استعمال کیا تو معلوم ہوا آپ کو اپنے تندرست ہونے میں شک ہے کہ پتا نہیں میں ٹھیک ہوتا ہوں یا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اور جب آپ إِذَا اور اس کے ساتھ فعلِ ماضی استعمال کرتے ہیں تو بلاغت کا نکتہ یہ معلوم ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اپنے تندرست ہونے کا یقین ہے کہ یقیناً میں ٹھیک ہو جاؤں گا، یا یقین تو نہیں لیکن یقین جیسے ہی ہیں آپ، یعنی آپ کا غالب گمان ہے کہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

وَعَلَى ذَلِكَ اور اسی بنا پر، کس بنا پر؟ کہ إِنْ جو آتا ہے امورِ مشکوکہ میں آتا ہے اور إِذَا آتا ہے امورِ یقینیہ کے لیے، فَالْأَحْوَالُ النَّادِرَةُ تُذْكَرُ فِي حَيِّزِ إِنْ۔ حَيِّز کا معنی ہے جگہ، مکان۔ تو وہ احوال جو نادر ہوتے ہیں جو کبھی کبھار پیش آتے ہیں، تُذْكَرُ فِي حَيِّزِ إِنْ ان کو کہاں پر ذکر کیا جاتا ہے؟ إِنْ کے مقام میں۔ وَالْكَثِيرَةُ فِي حَيِّزِ إِذَا اور وہ احوال جو کثیر ہیں فِي حَيِّزِ إِذَا ان کو کہاں استعمال کیا جاتا ہے؟ إِذَا کے مقام میں۔

بھئی دیکھیے، اتنا تو آپ کو پتا چل گیا کہ إِنْ آتا ہے شک کے لیے اور إِذَا آتا ہے یقین کے لیے۔ تو لہٰذا جہاں شک والا مقام ہو گا وہاں إِنْ آئے گا اور جہاں یقین والا مقام ہو گا وہاں إِذَا آئے گا۔ اسی میں سے ایک ہے یقین اور شک والے مقام میں سے وہ احوال جو نادر واقع ہوتے ہیں یعنی کبھی کبھار، یا جو کثیر ہوتے ہیں۔ بھئی وہ احوال جو کبھی کبھار پیش آتے ہیں ان کا ہونا یقینی نہیں، ان کے ہونے میں شک ہے کیونکہ کبھی کبھار پیش آتے ہیں، تو وہ کس کا مقام ہو گا؟ إِنْ کا۔ اور وہ احوال جو کثرت سے پیش آنے والے ہیں تو ان کا ہونا تو یقینی ہے کیونکہ وہ کثرت سے پیش آتے ہیں، تو وہ کس کا مقام ہو گا؟ إِذَا کا مقام ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے کہ وَعَلَى ذَلِكَ اور اسی بنا پر فَالْأَحْوَالُ النَّادِرَةُ تُذْكَرُ فِي حَيِّزِ إِنْ تو وہ احوال جو نادر ہوتے ہیں ان کو ذکر کیا جاتا ہے إِنْ کی جگہ میں، وَالْكَثِيرَةُ فِي حَيِّزِ إِذَا اور وہ احوال جو کثیر پیش آتے ہیں ان کو ذکر کیا جاتا ہے إِذَا کی جگہ میں۔ وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى وَمَنْ مَعَهُ۔

■ قولہ: «فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ» کی تشریح

فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ پس جب آتی ہے ان کے پاس کوئی نیکی، یعنی جب ان کو کوئی خیر اور کوئی بھلائی پہنچتی ہے۔ یہ فرعون اور اس کے جو ساتھی ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جب ان کے پاس کوئی بھلائی آتی ہے، ان کو کوئی خیر پہنچتی ہے، قَالُوا لَنَا هَذِهِ تو وہ کہتے ہیں یہ ہمارے ہی لیے ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں؟ یہ ہمارے ہی لیے ہے، ہم ہی اس کے حقدار تھے، یہ حق ہی ہمارا تھا، یہ ملنا ہی ہمیں چاہیے تھی بھئی۔ سمجھ میں آیا معنی بھئی؟ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، سَيِّئَةٌ برائی بھئی، اگر ان کو کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچتی ہے يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى تو وہ بدشگونی کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وَمَنْ مَعَهُ اور وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہیں یعنی ان کی قوم والے جو ان پر ایمان لے کر آئے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ جو فرعون اور اس کی قوم والے ہیں یہ ایسے برے لوگ ہیں کہ ان کو جب کوئی بھلائی یا خیر پہنچتی ہے تو بجائے اس کے کہ اس پر شکر ادا کریں یہ کہتے ہیں کہ یہ تو تھا ہی ہمارا حق، یہ تو ملنا ہی ہمیں چاہیے تھا، ہم ہی اس کے حقدار تھے۔ اور اگر ان کو کبھی کبھار کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بھی اس کا ذمہ دار حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ٹھہراتے ہیں اور ان کے بارے میں بدشگونی کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی نحوست ہے جو ہم پر یہ تکلیف آئی، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہم پر یہ تکلیف نہ آتی بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

اب دیکھیے بھئی، یہاں آیا إِذَا، اور إِذَا کے ساتھ آیا جَاءَتْهُمْ ماضی بھئی۔ اور آگے آیا إِنْ، اور إِنْ کے ساتھ تُصِبْهُمْ فعلِ مضارع آیا بھئی۔ اب بات چل رہی ہے کہ وہ احوال جو نادر ہوتے ہیں ان کو إِنْ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور وہ احوال جو کثیر ہوتے ہیں ان کو کس کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے؟ إِذَا

کے ساتھ۔ تو بھئی نیکی کا آنا، خیر کا پہنچنا یہ تو یقینی تھا، اس لیے اس کے ساتھ إِذَا استعمال کیا گیا: فَإِذَا جَاءَتْهُمْ، اور فعلِ ماضی۔ خیر کا پہنچنا کیا تھا؟ یقینی، کیونکہ ہر ہر لمحے میں انسان کو لاکھوں کروڑوں نعمتیں اور بھلائیاں اللہ کی طرف سے مل رہی ہیں جس کا اس کو احساس بھی نہیں ہے بھئی۔ یہ آنکھوں سے دیکھنا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، یہ زبان سے چکھنا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، یہ کانوں سے سننا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، یہ چلنا پھرنا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، یہ ہاتھوں کا تندرست ہونا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، یہ شکل و صورت کا صحیح ہونا یہ بھی کیا ہے؟ اللہ کی نعمت ہے۔ اور اسی طرح یہ مال وغیرہ کا ملنا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، اسی طرح اولاد کا ملنا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، اسی طرح بیوی کا ملنا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، اسی طرح دوستوں اور ساتھیوں کا ہونا یہ بھی کیا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اسی طرح کاروبار وغیرہ کا ہونا یہ بھی کیا ہے اللہ کی نعمت ہے۔ تو یہ سب نعمتیں ہیں، تو یہاں پر آیا الْحَسَنَةُ، اور الْحَسَنَةُ پر الف لام جنسی ہے۔ کیا ہے؟ الف لام جنسی۔ اور الف لام جنسی وہ ہے جس کے ذریعے جنس کی طرف اشارہ کیا جائے، اور جنس اس میں تو سارے افراد آجاتے ہیں۔ کون آجاتے ہیں؟ سارے افراد۔ تو الْحَسَنَةُ سے کیا مراد ہوئی؟ جنسِ حسنہ، اور یہ شامل ہوئی تمام افرادِ حسنہ کو، یعنی تمام بھلائیاں اس کے اندر داخل ہو گئیں۔ اور تمام بھلائیاں وہ کثیر ہیں یا تھوڑی ہیں؟ کثیر ہیں اور ہر ہر لمحے میں یہ خیریں انسان کو مل رہی ہیں اللہ کی طرف سے۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو لہٰذا الْحَسَنَةُ کثیر الوقوع ہے، اور جب کثیر الوقوع ہے تو اس کے ساتھ إِذَا استعمال کیا گیا، کیونکہ جو چیز کثیر ہوتی ہے اس کا ملنا یقینی ہے۔ کیا ہے؟ یقینی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور آگے وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، یہاں پر سَيِّئَةٌ کو نکرہ ذکر کیا گیا۔ کیا ذکر کیا گیا؟ نکرہ ذکر کیا گیا۔ اور آپ نے گزشتہ باب کے آخر میں پڑھا تھا کہ مسند الیہ کو بعض اوقات نکرہ ذکر کیا جاتا ہے کس لیے؟ نوع بتلانے کے لیے۔ کیا بتلانے کے لیے؟ نوع اور قسم بتلانے کے لیے، جیسے وہاں آیا تھا کہ اللہ کیا فرمارہے تھے کہ ہم نے ہر نوعِ دابہ کو ایک نوعِ پانی سے پیدا کیا ہے، یعنی ہر دابہ کو اسی قسم کے نطفے سے پیدا کیا ہے، یعنی بکری کو بکری کے نطفے سے پیدا کیا ہے، گائے بیل کو گائے بیل کے نطفے سے پیدا کیا ہے بھئی۔ تو یہاں پر سَيِّئَةٌ جو آیا نوع بتلانے کے لیے آیا۔ کیا؟ نوع بتلانے کے لیے۔ تو وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر ان کو کوئی ایک نوع کی تکلیف پہنچے، اور مراد اس سے قحط سالی ہے، یعنی خوراک کھانے پینے کی اشیاء کا ختم ہو جانا اور نہ ملنا، یہ ہے قحط بھئی۔ تو یہ لوگ جو ہیں ایسے برے ہیں اگر ان کو کوئی ایک تکلیف پہنچ جائے جیسے کہ قحط سالی ہے، اب دیکھیے قحط سالی، قحط کا ہو جانا یہ قلیل ہوتا ہے یا کثیر ہوتا ہے؟ قلیل، کبھی کبھار ہی بھئی ایسا ہوتا ہے کہ قحط ہو جائے بھئی۔ تو کبھی کبھار ہوتا ہے، اسی لیے یہاں اس کے ساتھ إِنْ استعمال کیا گیا بھئی، کیونکہ یہ کس میں سے ہے؟ احوالِ نادرۃ الوقوع میں سے ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو سَيِّئَةٌ یہاں نکرہ لایا گیا کس لیے؟ نوع کے لیے، یا یوں کہیں تقلیل کے لیے۔ آپ نے پڑھا تھا کبھی نکرہ کو کس لیے لایا جاتا ہے؟ قلت یا کثرت بتلانے کے لیے: لِفُلَانٍ مَالٌ أَيْ مَالٌ كَثِيرٌ، وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ أَيْ وَرِضْوَانٌ قَلِيلٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ، بھئی مثالیں گزر چکی ہیں گزشتہ سبقوں میں۔ تو یہاں پر سَيِّئَةٌ تقلیل کے لیے ہے: وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر ان کو تھوڑی سی بھی تکلیف پہنچ جائے يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى وَمَنْ مَعَهُ تو وہ بدشگونی کرنے لگتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اور وہ جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہیں یعنی بنو اسرائیل والے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے مقامِ استشہاد کیا ہے کہ الْحَسَنَةُ کے ساتھ إِذَا لایا گیا کیونکہ الْحَسَنَةُ کیا ہے؟ کثیر الوقوع، کیونکہ الف لام جنسی ہے، کوئی خاص نیکی نہیں مراد، کوئی خاص خیر نہیں مراد، کوئی خاص خیر ہو پھر تو ہو سکتا ہے وہ قلیل ہو، بلکہ تمام حسنات اس میں داخل ہو گئیں کیونکہ الف لام جنسی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور سَيِّئَةٌ نکرہ ذکر کیا گیا، اس سے خاص نوع یا قلیل سیئہ مراد ہے یعنی قحط، اور وہ تو قلیل ہے، تو لہٰذا اس کے ساتھ إِنْ استعمال کیا گیا اور الْحَسَنَةُ کے ساتھ إِذَا۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا...» کی تشریح

تو کہتے ہیں فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى وَمَنْ مَعَهُ اور جب ان کو کسی قسم کی کوئی نیکی پہنچتی ہے، کوئی خیر ان کو ملتی ہے، قَالُوا لَنَا هَذِهِ تو وہ کہتے ہیں یہ ہمارے لیے ہی ہے یعنی یہ ہمارا ہی حق ہے۔ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر ان کو کوئی ایک قسم کی تکلیف پہنچ جائے تو يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى وَمَنْ مَعَهُ تو وہ بدشگونی کرنے لگتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وَمَنْ مَعَهُ اور وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہیں۔

اب دیکھیے یہی تشریح اب صاحبِ کتاب بھی کریں گے جو میں نے بیان کر دی: فَلِكَوْنِ مَجِيءِ الْحَسَنَةِ مُحَقَّقًا، پس اس وجہ سے کہ نیکی کا آنا یقینی ہے، خیر کا آنا یقینی ہے، بھئی ایک ڈیڑھ سطر بعد آرہا ہے ذُكِرَ مَعَ إِذَا، مل گیا بھئی؟ تو پس نیکی کا آنا یقینی ہونے کی وجہ سے ذُكِرَ مَعَ إِذَا اس کو کس کے ساتھ ذکر کیا گیا؟ إِذَا کے ساتھ۔ درمیان میں تشریح کر دی نیکی کا آنا یقینی کس طرح ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ تو نیکی کا آنا یقینی ہونے کی وجہ سے، بھئی یقینی کیوں ہے؟ کہتے ہیں إِذِ الْمُرَادُ بِهَا مُطْلَقُ الْحَسَنَةِ اس لیے کیونکہ الْحَسَنَةُ سے مراد مطلق حسنہ ہے، کوئی بھی نیکی ہے، الشَّامِلُ لِأَنْوَاعٍ كَثِيرَةٍ جو شامل ہے بہت سی قسموں کو كَمَا يُفْهَمُ مِنَ التَّعْرِيفِ بِأَلِ الْجِنْسِيَّةِ جیسا کہ سمجھ میں آتا ہے اس کو معرف کرنے کے ساتھ الف لام جنسی کے ساتھ۔ مِنَ التَّعْرِيفِ بِأَلِ الْجِنْسِيَّةِ جیسا کہ مفہوم ہوتا ہے کس چیز سے مفہوم ہوتا ہے؟ مِنَ التَّعْرِيفِ اس کو معرفہ لانے سے، اور معرفہ کس چیز کے ساتھ لایا گیا اس کو؟ بِأَلِ الْجِنْسِيَّةِ، تو الف لام جنسی کے ساتھ اس کو معرفہ لانے سے سمجھ میں آتا ہے کہ الْحَسَنَةُ سے کیا مراد ہے؟ مطلق حسنہ مراد ہے الشَّامِلُ لِأَنْوَاعٍ كَثِيرَةٍ جو بہت سی انواع کو شامل ہے۔ اور جب ساری انواع کو یہ شامل ہو گیا تو ہر آن اور ہر ہر لمحے میں نیکیاں پہنچ رہی ہیں اور نعمتیں مل رہی ہیں یا نہیں انسان کو بھئی؟ ہاں کوئی خاص نیکی ہوتی پھر تو کہہ سکتے تھے، لیکن یہاں جب ساری مراد ہو گئیں، الف لام جنسی مراد لے لیا گیا، تمام افراد کو، مراد تو جنس ہوتی ہے لیکن جنس کا وجود خارج میں کس طرح ہوتا ہے؟ اپنے افراد کے ضمن میں ہوتا ہے نا، تو سارے افراد آگئے اس کے اندر۔ تو ذُكِرَ مَعَ إِذَا، تو کہتے ہیں نیکی کا آنا یقینی ہونے کی وجہ سے ذُكِرَ مَعَ إِذَا اس کو إِذَا کے ساتھ ذکر کیا گیا وَعُبِّرَ عَنْهُ بِالْمَاضِي اور اس کو تعبیر کیا گیا فعلِ ماضی کے ساتھ بھئی، جَاءَتْهُمْ فعلِ ماضی ذکر کیا گیا۔

وَلِكَوْنِ مَجِيءِ السَّيِّئَةِ نَادِرًا اور اس وجہ سے کہ برائی کا آنا نادر ہے، آگے ایک سطر بعد آرہا ہے ذُكِرَ مَعَ إِنْ تو اس کو کس کے ساتھ ذکر کیا گیا؟ إِنْ کے ساتھ۔ بھئی برائی کا آنا نادر کیوں ہے؟ درمیان میں وہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں إِذِ الْمُرَادُ بِهَا نَوْعٌ مَخْصُوصٌ اس لیے کیونکہ برائی سے مراد ایک مخصوص قسم ہے كَمَا يُفْهَمُ مِنَ التَّنْكِيرِ جیسا کہ مفہوم ہوتا ہے کس سے؟ تنکیر سے، نکرہ لانے سے کہ سَيِّئَةٌ کو نکرہ لایا گیا۔ بھئی ایک مخصوص نوع کون سی مراد ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الْجَدْبُ اور وہ قحط ہے۔ جَدْبٌ کس کو کہتے ہیں؟ قحط کو بھئی۔ تو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ برائی کا آنا نادر ہے ذُكِرَ مَعَ إِنْ اس کو إِنْ کے ساتھ ذکر کیا گیا وَعُبِّرَ عَنْهُ بِالْمُضَارِعِ اور اس کو مضارع کے ساتھ تعبیر کیا گیا کیونکہ نادر ہے۔

فَفِي الْآيَةِ مِنْ وَصْفِهِمْ بِإِنْكَارِ النِّعَمِ وَشِدَّةِ التَّحَامُلِ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا لَا يَخْفَى۔ فَفِي الْآيَةِ تو پس اس آیت میں، آخر سطر میں آرہا ہے مَا لَا يَخْفَى، تو اس آیت میں مَا وہ چیز ہے لَا يَخْفَى جو چھپی ہوئی نہیں۔ عبارت پہ نظر رکھنا بھئی: فَفِي الْآيَةِ تو اس آیت میں مَا وہ چیز ہے لَا يَخْفَى جو چھپی ہوئی نہیں۔ بھئی وہ کیا چیز ہے، یہ مَا سے کیا مراد ہے؟ مَا کے لیے بیان چاہیے، تو یہ مِنْ وَصْفِهِمْ بِإِنْكَارِ النِّعَمِ وَشِدَّةِ التَّحَامُلِ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ یہ اس مَا کا بیان ہے۔ مَا کا بیان مِنْ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تو اس آیت میں وہ چیز ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے یعنی کہ ان کو موصوف کرنا نعمتوں کے انکار کے ساتھ اور شدتِ تحامل، تَحَامُل کا معنی ہے ظلم و زیادتی کرنا، اور جو یہ سخت ظلم و زیادتی کرتے تھے عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ موسیٰ علیہ السلام پر۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

بھئی یاد رکھیے، عبارت میں کبھی کبھار مَا موصولہ لایا جاتا ہے اور اب اس مَا کا پھر بیان چاہیے کہ کیا مراد ہے اس سے، تو اس کا بیان مِنْ کے ساتھ کرتے ہیں اور ترجمہ اس مِنْ کا یعنی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کس کے ساتھ؟ یعنی کے ساتھ۔ دیکھیے اب: فَفِي الْآيَةِ مَا لَا يَخْفَى تو اس آیت میں وہ چیز ہے جو چھپی ہوئی نہیں، وہ کیا ہے؟ مِنْ وَصْفِهِمْ یعنی کہ ان کو موصوف کرنا کہ ان کو موصوف کیا گیا ہے نعمتوں کے انکار کے ساتھ کہ یہ کس طرح کے لوگ ہیں نعمتوں کا انکار کرتے ہیں، وَشِدَّةِ التَّحَامُلِ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ اور یہ سخت ظلم و ستم کرتے ہیں، زیادتی کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام پر بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ تو تھا ایک طریقہ، ایک ہے بامحاورہ ترجمہ آپ نے اردو میں کرنا ہے۔ تو یہ مِنْ وَصْفِهِمْ بِإِنْكَارِ النِّعَمِ وَشِدَّةِ التَّحَامُلِ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ یہ کس کا بیان ہے؟ مَا کا، تو اسی مَا کی جگہ اس کو اٹھا کر لے جاؤ۔ فَفِي الْآيَةِ، اب ترجمہ دیکھنا مَا کا لفظ نہیں میں لاؤں گا ترجمے میں: تو اس آیت میں ان کو جو موصوف کیا گیا ہے نعمتوں کے انکار کے ساتھ اور موسیٰ علیہ السلام پر ظلم و ستم کے ساتھ، وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ بھئی پہلے کیا ترجمہ تھا؟ اس آیت میں وہ چیز ہے جو کسی پر مخفی نہیں، وہ چیز کو اٹھا کر سارا بیان یہیں پر لے آؤ کیونکہ وہ اسی کا بیان ہے نا۔ تو اس آیت میں وہ جو ان کو موصوف کیا گیا ہے نعمتوں کے انکار کے ساتھ کہ یہ نعمتوں کا انکار کرنے والے ہیں اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سخت ظلم و ستم کرتے تھے، وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو دیکھیے اس آیت میں ان لوگوں کو موصوف کیا گیا ہے نعمتوں کے انکار کے ساتھ کہ یہ ایسے برے لوگ ہیں نعمتوں کا بھی انکار کرتے ہیں۔ برے لوگ بھی عام طور پر نعمت کو تو مان لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ احسان کیا جائے وہ احسان کو مان تو لیتا ہے، یہ اس کو مانتے بھی نہیں ہیں، کہتے ہیں کوئی خیر بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ تو تھا ہی ہمارا حق، ملنا ہی ہمیں یہ چاہیے تھا، یہ ہمارا ہی حق تھا بھئی، ہم یہ ایسے لوگ ہیں۔ تو یہ نعمتوں کا انکار کرتے ہیں، نعمتوں کو بھی نہیں مانتے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو سخت ظلم و ستم

کرتے تھے اس کے ساتھ بھی ان کو موصوف کیا گیا ہے، کس طرح؟ کہ اور ظلم تو کرتے ہی کرتے ہوں گے، اسی سے اندازہ لگالو کہ خود ان پر بھی کوئی تھوڑی تکلیف آجائے تو اس کا ذمہ دار ان کو ٹھہراتے ہیں کہ یہ تکلیف ان لوگوں کی وجہ سے آئی ہے، یہ ان کی نحوست ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے فَفِي الْآيَةِ مِنْ وَصْفِهِمْ بِإِنْكَارِ النِّعَمِ وَشِدَّةِ التَّحَامُلِ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا لَا يَخْفَى، تو اس آیت میں جو ان کو موصوف کیا گیا ہے نعمتوں کے انکار کے ساتھ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سخت زیادتی کرنے کے ساتھ وہ کسی پر مخفی نہیں ہے بھئی۔

جی کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہیں آئی؟ إِذَا کے ساتھ بے شک فعلِ ماضی آجائے لیکن ترجمہ مستقبل والا ہی کریں گے، کیونکہ یہ بیان کر دیا گیا کیونکہ إِنْ اور إِذَا کس لیے آتے ہیں؟ مستقبل کے لیے، اور إِذَا کے ساتھ استعمال فعلِ مضارع ہونا چاہیے، اصل یہی ہے۔ لیکن اس اصل سے عدول کیا جاتا ہے بعض اوقات اور فعلِ مضارع کے بجائے فعلِ ماضی استعمال کر لیتے ہیں، وہ کسی نکتے کی وجہ سے ہو گا جیسے انہوں نے بیان کر دیا، لیکن ترجمہ پھر بھی وہی مستقبل والا ہی رہے گا۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۲: حرفِ شرط «لَوْ» کے احکام وشواہد اور نفی کے طریقے («لَا»، «مَا»، «لَنْ»، «لَمْ»، «لَمَّا») اور ان کا فرق

دروس البلاغہ صفحہ: ۶۵ــــ بتاریخ: ۲۴ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ وَلِذَا يَلِيهَا الْفِعْلُ الْمَاضِي نَحْوُ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ. وَمِمَّا تَقَدَّمَ يُعْلَمُ أَنَّ الْمَقْصُودَ بِالذَّاتِ مِنَ الْجُمْلَةِ الشَّرْطِيَّةِ هُوَ الْجَوَابُ، فَإِذَا قُلْتَ إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ كُنْتَ مُخْبِرًا بِأَنَّكَ سَتُكْرِمُهُ وَلَكِنْ فِي حَالِ حُصُولِ الِاجْتِهَادِ لَا فِي عُمُومِ الْأَحْوَالِ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ کسی کلام کو جب مقید کیا جائے شرط کے ساتھ تو اس میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں۔ اور بالخصوص صاحبِ کتاب نے آپ کو بتلایا تھا کہ إِنْ، إِذَا اور لَوْ کے بارے میں ہم بحث کریں گے خصوصاً، کیونکہ ان کے ساتھ ایسے نکات کا تعلق ہے ان نقطوں کو کس میں سے شمار کیا جاتا ہے؟ بلاغت میں سے۔ اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ إِنْ، إِذَا اور لَوْ تینوں شرط کے لیے آتے ہیں، لیکن إِنْ اور إِذَا جو ہیں وہ خاص ہیں مستقبل کے ساتھ، وہ جس پر بھی داخل ہوں گے، جس فعل کو بھی، اس کو مستقبل کے معنی میں کر دیں گے۔ جبکہ لَوْ ماضی کے لیے آتا ہے، وہ جس فعل پر بھی داخل ہو گا اس کو کس معنی میں کر دے گا؟ ماضی۔

تو چونکہ إِنْ اور إِذَا ہیں مستقبل کے لیے اور مستقبل والا معنی تو فعلِ مضارع میں پایا جاتا ہے تو وہ ان کے مناسب ہوا، تو إِنْ اور إِذَا کے ساتھ اصل یہ ہے کہ فعلِ مضارع استعمال ہونا چاہیے۔ اور لَوْ آتا ہے زمانۂ ماضی میں شرط کے لیے، تو لَوْ کے ساتھ اصل یہ ہے کہ فعلِ ماضی استعمال ہونا چاہیے۔ تو إِنْ اور إِذَا کے ساتھ فعلِ مضارع ہو گا، اصل یہ ہے، اور لَوْ کے ساتھ فعلِ ماضی ہو گا۔ اور اگر اس سے عدول کیا جائے، یعنی مضارع کو چھوڑ کر ماضی کی طرف جائیں یا ماضی کو چھوڑ کر مضارع کی طرف جائیں، تو وہ کسی نکتے کی بنا پر ہو گا، بغیر نکتے کے نہیں ہو گا بھئی۔

لہٰذا اگر إِنْ کسی جملے پر داخل ہو جائے، کسی فعل پر، چاہے وہ ماضی ہی کیوں نہ ہو، إِنْ اور إِذَا کسی فعل پر داخل ہو جائیں چاہے وہ فعلِ ماضی ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کو مستقبل کے معنی میں کر دے گا۔ مثلاً: إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ۔ تو دیکھو إِنْ کس پر داخل ہو رہا ہے؟ ماضی پر، لیکن اس کو بھی یہ مستقبل کے معنی میں کر دے گا۔ إِنْ ضَرَبْتَنِي اگر تم میری پٹائی کرو گے ضَرَبْتُكَ تو میں بھی آپ کی پٹائی کروں گا، دیکھو مستقبل والا ترجمہ۔

اور لَوْ ماضی کے لیے آتا ہے، مثلاً: لَوْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ۔ اگر آپ میری پٹائی کرتے تو میں بھی آپ کی پٹائی کرتا۔ تو دیکھو یہ ماضی ہے، اگر آپ میری پٹائی کرتے تو میں بھی آپ کی پٹائی کرتا۔ تو لَوْ جو ہے یہ دو فائدے دیتا ہے: ایک تو یہ ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے، نیز یہ نفی کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ کس چیز کا؟ نفی کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ لَوْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، دیکھو نفی ہے نہیں، لیکن لَوْ کی وجہ سے نفی آ جائے گی۔ اب معنی کیا کریں گے؟ اگر آپ میری پٹائی کرتے تو میں بھی آپ کی پٹائی کرتا۔ زمانہ ماضی کی بات ہو رہی ہے، اور بتایئے اگر آپ میری پٹائی کرتے تو میں بھی آپ کی پٹائی کرتا، پٹائی ہوئی ہے یا نہیں ہوئی یہ بتایئے؟ نہیں ہوئی بھئی، جملے سے ہی پتا چل رہا ہے، اگر آپ پٹائی کرتے تو میں بھی پٹائی کرتا، معلوم ہوا آپ نے پٹائی نہیں کی اسی لیے میں نے بھی پٹائی نہیں کی بھئی۔ تو لَوْ نفی کا بھی فائدہ دیتا ہے۔

تو اب لَوْ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ۔ یہاں بھی آپ کی کتابوں میں الْمَاضِي لفظ ہے؟ الْمَاضِي نہیں ہونا چاہیے، یہاں بھی الْمُضِيِّ ہونا چاہیے بھئی، اصل کتاب کے اندر الْمُضِيِّ ہے بھئی، معنی وہی ہے ماضی بھئی۔ وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ اور لَوْ جو ہے شرط کے لیے آتا ہے زمانۂ

ماضی میں، وَلِذَا يَلِيهَا الْفِعْلُ الْمَاضِي اور اسی وجہ سے اس کے ساتھ ملا ہوتا ہے فعلِ ماضی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ جانتے ان میں کوئی خیر، ان میں کوئی بھلائی، لَأَسْمَعَهُمْ تو البتہ ان کو سنوا دیتے۔ اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتے، کوئی خیر جانتے تو البتہ ان کو سنوا دیتے بھئی۔

تو نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شب وروز دعوت میں مشغول ہیں، دین کی طرف، توحید کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں، اور وہ لوگ جو ہیں وہ ان کی دعوت کو قبول نہیں کر رہے، تو اللہ فرماتے ہیں وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا اگر اللہ ان لوگوں میں کوئی بھلائی جانتے، یہ جو مشرکین ہیں اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی، لَأَسْمَعَهُمْ تو البتہ اللہ ان کو سنوا دیتے، یعنی ان کے دل میں بات اتار دیتے۔ تو سنوانے سے مراد ہے قبولیت والا سنوانا۔ سنتے تو یہ ہیں، حضور علیہ السلام دعوت تو دیتے ہیں، لیکن یہ اس کو قبول نہیں کرتے۔ تو سنوانے سے کیا مراد ہے؟ قبولیت والا سنوانا کہ ان کے دل میں بات اتر جائے اور یہ اس کو مان لیں، تسلیم کر لیں اور توحید پر آ جائیں، تو وہ مراد ہے۔ کہ اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتے تو ان کو سنوا دیتے قبولیت والا سنوانا، یعنی یہ پھر راہِ راست پر آ جاتے، لیکن ان لوگوں میں کوئی بھلائی ہے ہی نہیں اسی لیے اللہ بھی ان کو قبولیت والا نہیں سنواتے بھئی۔ یعنی یہ لوگ گمراہی ہی کو پسند کرتے ہیں، اور جو جس راستے کو پسند کرتا ہے اللہ اس کو اسی راستے پر چلنے دیتے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو جو درست راستے کو پسند کرتا ہے اللہ اس کو ضرور ہدایت دے دیتے ہیں، اور جو شخص پسند ہی گمراہی کو کرتا ہے تو اللہ بھی اس کو اسی راستے پر جانے دیتے ہیں۔

■ قولہ: «وَلَوْ عَلِمَ، لَوْ» کی تشریح

تو دیکھیے مقامِ استشہاد ہے وَلَوْ عَلِمَ، لَوْ کے ساتھ عَلِمَ فعلِ ماضی استعمال ہوا بھئی، کیونکہ لَوْ کس لیے آتا ہے؟ زمانۂ ماضی کے لیے۔ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتے تو البتہ ان کو سنوا دیتے۔

وَمِمَّا تَقَدَّمَ يُعْلَمُ أَنَّ الْمَقْصُودَ بِالذَّاتِ مِنَ الْجُمْلَةِ الشَّرْطِيَّةِ هُوَ الْجَوَابُ۔ بھئی جملہ شرطیہ کے اندر آپ جانتے ہیں دو جز ہوا کرتے ہیں، ایک کو شرط کہتے ہیں اور دوسرے کو جزا کہتے ہیں۔ اور میں نے کل آپ کو بتلایا تھا کہ شرط اور جزا میں سے اصل کیا ہے؟ جزا ہے، اصل جزا ہے۔ اگر جزا جملہ خبر یہ ہو تو اس جملہ شرطیہ کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ خبر یہ۔ اور اگر جزا جملہ انشائیہ ہو تو اس جملہ شرطیہ کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ انشائیہ۔ تو اس جملہ شرطیہ میں اصل جزا ہوتی ہے اور شرط اس کے لیے قید ہوا کرتی ہے۔ یہاں قیود کے فائدے بیان ہو رہے ہیں نا، قیدوں کے فائدے، اور شرط کو بھی کس میں شمار کیا؟ قیدوں میں سے، پتا لگا اصل کلام جزا ہے، شرط صرف اس کے لیے کیا ہے؟ ایک قید ہے بھئی۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں: وَمِمَّا تَقَدَّمَ جو پہلے گزر چکا ہے اس سے يُعْلَمُ یہ بات معلوم ہوئی کہ أَنَّ الْمَقْصُودَ بِالذَّاتِ مِنَ الْجُمْلَةِ الشَّرْطِيَّةِ کہ وہ چیز جو مقصود بالذات ہوتی ہے یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے جو مقصود ہوتا ہے مِنَ الْجُمْلَةِ الشَّرْطِيَّةِ جملہ شرطیہ میں سے هُوَ الْجَوَابُ وہ جواب ہوتا ہے یعنی جزا ہوتی ہے۔ جواب سے کیا مراد ہے؟ جزا۔ کہتے ہیں وَمِمَّا تَقَدَّمَ يُعْلَمُ أَنَّ الْمَقْصُودَ بِالذَّاتِ مِنَ الْجُمْلَةِ الشَّرْطِيَّةِ هُوَ الْجَوَابُ اور وہ بات جو گزر چکی ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ شرطیہ کے اندر مقصود بالذات جو ہے هُوَ الْجَوَابُ وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ جواب یعنی جزا ہوتی ہے۔

فَإِذَا قُلْتَ جب آپ نے یوں کہا: إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ۔ اجْتَهَدَ کے معنی محنت کرنے کے۔ إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ اگر زید نے محنت کی أَكْرَمْتُهُ تو میں اس کا اکرام کروں گا۔ تو دیکھیے إِنِ اجْتَهَدَ، إِنْ کے ساتھ اجْتَهَدَ فعلِ ماضی آیا لیکن معنی کون سا کریں گے؟ مستقبل والا ہی۔ إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ اگر زید محنت کرے گا أَكْرَمْتُهُ تو میں اس کا اکرام کروں گا۔ تو كُنْتَ مُخْبِرًا تو آپ اس بات کی خبر دینے والے ہیں بِأَنَّكَ سَتُكْرِمُهُ کہ آپ عنقریب اس کا اکرام کریں گے۔ آپ کیا خبر دے رہے ہیں؟ کہ آپ عنقریب اس کا اکرام کریں گے۔

تو آپ نے کہا اگر زید محنت کرے گا تو میں اس کا اکرام کروں گا، تو گویا آپ اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ آپ کیا کریں گے اس کا؟ اکرام کریں گے۔ بھئی کیسے خبر دے رہے ہیں؟ بھئی وہی بات بیان کر رہے ہیں، دیکھیے إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ یہ کیا ہے؟ یہ شرط ہے، اور أَكْرَمْتُهُ یہ کیا ہے؟ جزا ہے یا جس کو وہ جواب کہہ رہے ہیں یہ جزا ہے۔ تو اس میں اصل کیا ہے اس جملہ شرطیہ کے اندر؟ اصل جزا ہے، اور جزا جملہ خبر یہ ہے یا جملہ انشائیہ ہے؟ جملہ خبر یہ، أَكْرَمْتُهُ میں اس کا کیا کروں گا؟ اکرام کروں گا۔ اگرچہ زمانہ مستقبل کے بارے میں ایک بات کر رہے ہیں لیکن خبر دے رہے ہیں، بہر حال انشاء نہیں ہے یہ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہ انشاء نہیں ہے یہ خبر ہے کہ میں اس کا اکرام کروں گا، لیکن اکرام کو آپ نے مقید کر دیا إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ کے ساتھ، معلوم ہوا آپ اکرام تمام احوال میں نہیں کریں گے بلکہ کس حال میں کریں گے؟ اگر اس نے محنت کی تو پھر میں کیا کروں گا اس کا؟ اکرام کروں گا۔

تو یہ معنی ہے کہ جب آپ یہ کہیں إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ كُنْتَ مُخْبِرًا بِأَنَّكَ سَتُكْرِمُهُ تو آپ خبر دینے والے ہیں اس بات کی کہ آپ اس کا عنقریب اکرام کریں گے وَلَكِنْ فِي حَالِ حُصُولِ الِاجْتِهَادِ لیکن محنت حاصل ہونے کی حالت میں یعنی جب وہ کیا کرے گا؟ محنت کرے گا، لَا فِي عُمُومِ الْأَحْوَالِ نہ کہ تمام احوال میں، عام احوال میں بھئی۔ تو باقی عام احوال مراد نہیں ہیں کیونکہ ساتھ قید ذکر ہے۔ اگر تمام احوال میں آپ اس کا اکرام کرنے کو ذکر کرنا چاہتے تو پھر إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ یہ قید ساتھ ذکر نہ کرتے، صرف یہ کہتے: أُكْرِمُ زَيْدًا میں کیا کروں گا زید کا؟ اکرام کروں گا۔ لیکن آپ نے اس کے ساتھ قید بڑھا دی باقاعدہ، تو قید جب بڑھا دی معلوم ہوا صرف اس قید کے پائے جانے کی صورت میں آپ اکرام کریں گے، تمام احوال میں اکرام نہیں کریں گے۔

■ قولہ: «وَيَتَفَرَّعُ عَلَى هَذَا» کی تشریح

وَيَتَفَرَّعُ عَلَى هَذَا اور اسی پر یہ بات متفرع ہوتی ہے، یعنی اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ أَنَّهَا تُعَدُّ خَبَرِيَّةً أَوْ إِنْشَائِيَّةً بِاعْتِبَارِ جَوَابِهَا کہ جملہ شرطیہ کو خبریہ شمار کیا جائے گا أَوْ إِنْشَائِيَّةً یا انشائیہ شمار کیا جائے گا بِاعْتِبَارِ جَوَابِهَا باعتبار اس کے جواب کے یعنی جزا۔ جملہ شرطیہ کو خبریہ کہیں گے یا انشائیہ کہیں گے کس کے اعتبار سے؟ جزا کے اعتبار سے۔ اگر جزا خبر ہے تو اس کو جملہ شرطیہ خبریہ کہیں گے، اور اگر جزا انشاء ہے تو اس کو جملہ شرطیہ انشائیہ کہیں گے، وہی بات جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

وَأَمَّا النَّفْيُ فَالتَّقْيِيدُ بِهِ يَكُونُ بِسَلْبِ النِّسْبَةِ عَلَى وَجْهِ مَخْصُوصٍ مِمَّا تُفِيدُهُ أَحْرُفُ النَّفْيِ۔ اور باقی نفی جو ہے فَالتَّقْيِيدُ بِهِ تو اس کے ساتھ مقید کرنا، یعنی اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے حکم کو؟ مقید کیا جاتا ہے، تو وہ کس لیے ہو گا؟ کہتے ہیں يَكُونُ بِسَلْبِ النِّسْبَةِ وہ نسبت کو سلب کرنے کی وجہ سے ہو گا عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ مخصوص طریقے پر مِمَّا تُفِيدُهُ أَحْرُفُ النَّفْيِ یعنی وہ جس کا فائدہ حروفِ نفی دیتے ہیں۔ بھئی آپ کو بتلا رہے ہیں نفی کے ساتھ حکم کو تب مقید کیا جائے گا جب متکلم کیا چاہتا ہو؟ نسبت کو سلب کرنا چاہتا ہو۔ سلب کا معنی ہے نفی، جب وہ نسبت کو سلب کرنا چاہتا ہو یعنی نسبت کی نفی کرنا چاہتا ہو۔

مثلاً دیکھیے میں آپ سے کہتا ہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ اس کی خبر۔ تو یہ قَائِمٌ کی نسبت کس کی طرف کی جا رہی ہے؟ زید کی طرف۔ تو یہ قَائِمٌ کی نسبت زید کے لیے ہے یعنی مبتدا کے لیے ہے، یعنی زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ کس جملے کے اندر؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اب اسی پر ذرا حرفِ نفی لے آئیں بھئی، مثلاً مَا حرفِ نفی اس پر لے آتے ہیں: مَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ اب اس نے کیا کیا مَا نے؟ اس نے اس نسبت کی نفی کر دی جو کس کی طرف تھی؟ زید کی طرف۔ قَائِمٌ کی نسبت کس کی طرف تھی؟ زید کی طرف، اس حرفِ نفی نے اس نسبت کی نفی کر دی، یعنی کہ قیام زید کے لیے ثابت نہیں ہے یہ بتلا دیا اس نے۔ بات سمجھ میں آئی؟ کہ یہ معنی ہے فَالتَّقْيِيدُ بِهِ نفی کے ساتھ جو مقید

کرنا ہے يَكُونُ بِسَلْبِ النِّسْبَةِ وہ کس وجہ سے ہو گا؟ نسبت کو سلب کرنے کے لیے ہو گا، نسبت کی نفی کرنے کے لیے ہو گا۔ معلوم ہوا متکلم بولنے والا وہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ وہ نسبت کو مسند الیہ کے لیے ثابت کرنا چاہتا ہے یا اس سے اس کی نفی کرنا چاہتا ہے؟ وہ اس نسبت کی نفی کرنا چاہتا ہے، یعنی زید کی طرف جو قیام کی نسبت ہے اس نسبت کی وہ نفی کرنا چاہتا ہے بھئی۔

اور آگے کہا عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ ایک مخصوص طریقے پر۔ بھئی یاد رکھیے، یہ حروفِ نفی آگے جو آ رہے ہیں: لَا، مَا، إِنْ، لَنْ، لَمْ، لَمَّا، یہ حروفِ نفی یہ جو چھ حروف ہیں یہ نفی کے لیے آتے ہیں اور ان کی نفی ایک جیسی نہیں، یہ ہر ایک کی نفی الگ قسم کی ہے، کوئی کس قسم کی نفی کا فائدہ دیتا ہے کوئی کس قسم کی نفی کا فائدہ دیتا ہے، وہ آگے خود بیان بھی کریں گے۔ تو ہر ایک ایک مخصوص طریقے پر نفی کرتا ہے نسبت کی۔ بھئی یہ آتے تو سب نفی کے لیے ہیں لیکن ہر ایک اپنے مخصوص طریقے کے مطابق نفی کرے گا۔ حرفِ مَا آئے گا تو وہ اپنے طریقے کے مطابق نفی کرے گا، حرفِ لَا آئے گا تو وہ اپنے طریقے کے مطابق نفی پیدا کر دے گا، اور مثلاً لَمْ آ گیا تو وہ اپنے طریقے کے مطابق کیا کرے گا؟ نفی کر دے گا۔ یہ معنی ہے عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ ایک مخصوص طریقے پر، وہ کون سا طریقہ؟ کہتے ہیں مِمَّا تُفِيدُهُ أَحْرُفُ النَّفْيِ وہ جس کا فائدہ حروفِ نفی دیتے ہیں۔ وہ مخصوص طریقہ جس کا فائدہ کون دیتے ہیں؟ حروفِ نفی۔ بھئی ہر ایک اپنے ایک مخصوص طریقے کی نفی کا فائدہ دے رہا ہے تو اسی طریقے پر نفی بھی ہو گی جس قسم کا آپ حرف کلام کے اندر لے کر آئیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے سارے کا ترجمہ، کہتے ہیں وَأَمَّا النَّفْيُ باقی نفی جو ہے فَالتَّقْيِيدُ بِهِ يَكُونُ بِسَلْبِ النِّسْبَةِ عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ تو اس کے ساتھ مقید کرنا يَكُونُ بِسَلْبِ النِّسْبَةِ وہ نسبت کو سلب کرنے کی وجہ سے ہو گا یعنی متکلم کیا کرنا چاہتا ہے؟ نسبت کو سلب کرنا چاہتا ہے، نسبت کی نفی کرنا چاہتا ہے عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ ایک مخصوص طریقے پر مِمَّا تُفِيدُهُ أَحْرُفُ النَّفْيِ جس کا فائدہ کون دے رہے ہیں؟ وہ حروفِ نفی دے رہے ہیں۔ وَهِيَ سِتَّةٌ اور وہ حروفِ نفی یہ چھ ہیں بھئی: لَا وَمَا وَإِنْ، لَا ہے اور مَا ہے اور إِنْ، إِنْ بھی نفی کے لیے آتا ہے۔ کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے إِنْ بھی استعمال ہوتا ہے۔ وَلَنْ وَلَمْ وَلَمَّا، یہ سارے کیا ہیں؟ حروفِ نفی ہیں۔

■ قولہ: «عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ» کی تشریح

اب بتلا رہے ہیں ہر ایک کی تفصیل کہ ہر ایک کس قسم کی نفی پیدا کرتا ہے، انہوں نے کہا تھا عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ مخصوص طریقے پر نفی کرتے ہیں جس کا فائدہ یہ دیتے ہیں، وہ اب کس طرح؟ کہتے ہیں فَلَا لِلنَّفْيِ مُطْلَقًا، لَا جو ہے مطلقاً نفی کے لیے آتا ہے۔ لَا کس لیے آتا ہے؟ مطلقاً نفی کے لیے آتا ہے، یعنی اس میں زمانے کی قید نہیں ہوتی کہ زمانۂ ماضی ہے یا حال ہے یا استقبال ہے، یہ مطلقاً نسبت کی نفی کر دیتا ہے، اس میں زمانے کی قید نہیں ہوتی۔

وَمَا وَإِنْ لِنَفْيِ الْحَالِ اور مَا اور إِنْ حال کی نفی کے لیے آئیں گے إِنْ دَخَلَا عَلَى الْمُضَارِعِ اگر یہ کس پر داخل ہو جائیں دونوں؟ مضارع پر۔ بھئی دیکھیے، فعلِ مضارع پر لَا بھی آ سکتا ہے نفی کے لیے: لَا يَضْرِبُ زَيْدٌ، اور مَا بھی آ سکتا ہے: مَا يَضْرِبُ زَيْدٌ، یا إِنْ بھی آ سکتا ہے: إِنْ يَضْرِبُ زَيْدٌ۔ تو لَا اگر آئے گا: لَا

يَضْرِبُ زَيْدٌ، زید سے ضرب کی نفی کر دی گئی لیکن مطلقاً نفی ہے۔ کیا ہے؟ مطلقاً نفی ہے، یعنی اس میں حال یا استقبال کی قید نہیں ہے کہ صرف حال کی نفی ہو ایسا نہیں، یا صرف کس کی نفی ہو؟ استقبال کی۔ یہ مطلقاً نفی کر دیتا ہے ایک چیز کی دوسری چیز سے۔ اور مَا اور إِنْ یہ مضارع پر جب داخل ہوں تو پھر یہ حال کی نفی کریں گے بھئی۔ معلوم ہوا مضارع کے اندر حال والا معنی بھی تھا اور استقبال والا معنی بھی تھا، تو مَا يَضْرِبُ زَيْدٌ، اب مضارع کے اندر حال اور استقبال دونوں معنی ہوتے ہیں لیکن مَا اور إِنْ آ جائیں تو یہ کس زمانے کے ساتھ معلوم ہوا خاص ہو جائے گا؟ حال کے ساتھ، تو یہ زمانۂ حال میں نفی کریں گے، مستقبل کی نفی نہیں ہو گی بھئی۔

اور یہ بھی تب ہے جب مضارع کے ساتھ کوئی زمانے کی قید الگ سے موجود نہ ہو۔ اگر زمانے کی قید الگ سے موجود ہوئی، فِي الْمُسْتَقْبَلِ مثلاً یہ لفظ بھی ساتھ ہوا: مَا يَضْرِبُ زَيْدٌ فِي الْمُسْتَقْبَلِ۔ مَا کس لیے آتا ہے؟ حال کی نفی کے لیے، لیکن یہاں يَضْرِبُ زَيْدٌ کے ساتھ فِي الْمُسْتَقْبَلِ کا باقاعدہ لفظ موجود ہے، اب یہ مستقبل ہی والا معنی ادا کرے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ ہاں جب کوئی قید وغیرہ نہ ہو تو پھر یہ حال کی نفی کرے گا یعنی زمانۂ حال میں زید پٹائی نہیں کر رہا، مستقبل کی بات نہیں ہو گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے وَمَا وَإِنْ لِنَفْيِ الْحَالِ إِنْ دَخَلَا عَلَى الْمُضَارِعِ اور مَا اور إِنْ جو ہے وہ حال کی نفی کے لیے آتے ہیں اگر یہ دونوں داخل ہو جائیں فعلِ مضارع پر۔

وَلَنْ لِنَفْيِ الِاسْتِقْبَالِ اور لَنْ ناصبہ جو ہے یہ استقبال کی نفی کے لیے آتا ہے یعنی زمانۂ مستقبل میں ایک چیز کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً بھئی، فعلِ مضارع کے اندر حال والا معنی بھی ہوتا ہے اور استقبال والا معنی بھی ہوتا ہے، لیکن جب یہ لَنْ ناصبہ اس پر آئے گا: لَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ، اب حال والا ترجمہ نہیں کہ زید پٹائی نہیں کرتا ہے یا نہیں کر رہا، نہیں یہ ترجمہ نہیں کریں گے، بلکہ مستقبل کے ساتھ ہی اس کو خاص کر دے گا: لَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ، زید پٹائی نہیں کرے گا، یا ہرگز نہیں کرے گا، زید ہرگز پٹائی نہیں کرے گا۔ تو دیکھیے اس نے کس زمانے کے ساتھ خاص کر دیا مضارع کو؟ مستقبل کے ساتھ۔ یہ معنی ہے وَلَنْ لِنَفْيِ الِاسْتِقْبَالِ استقبال کی نفی کے لیے آتا ہے۔

وَلَمْ وَلَمَّا لِنَفْيِ الْمَاضِي اور لَمْ اور لَمَّا لِنَفْيِ الْمُضِيِّ، یہاں بھی الْمُضِيِّ لفظ ہے بھئی اصل کتابوں کے اندر بھئی، یہ کتابت کی غلطی ہے، معنی اگرچہ یہی ہے مُضِيّ اور مَاضِي کا ایک معنی۔ اور لَمْ اور لَمَّا زمانۂ ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ لَمْ مضارع پر داخل ہو تو اس کو کس زمانے کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، کس زمانے میں بدل دیتا ہے اس کو؟ ماضی کے معنی میں اس کو کر دیتا ہے۔ لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ، کیا معنی؟ زید نے پٹائی نہیں کی۔ تو دیکھو مضارع میں تو حال اور استقبال والا معنی تھا لیکن لَمْ نے اس کو کس معنی میں کر دیا؟ ماضی کے معنی میں کر دیا۔ اسی طرح لَمَّا بھی ہے بھئی: لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ، یہ بھی اسی طرح جزم دے گا لَمْ کی طرح: لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ، تو یہ بھی لَمْ کی طرح ہے یعنی مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دے گا۔ کس معنی میں کر دے گا؟ ماضی کے معنی میں کر دے گا۔ تو معلوم ہوا لَمْ اور لَمَّا یہ نفی کس کے ساتھ خاص ہے؟ زمانۂ ماضی کے ساتھ۔

ہاں البتہ پھر ان میں کچھ فرق ہے۔ فرق یہ کہ لَمَّا جو ہے وہ نفی کو کھینچ کر زمانۂ حال تک لے آئے گا، یعنی اس چیز کی نفی ہو گی زمانۂ تکلم تک، بات کرنے تک کا جو زمانہ ہے اس سارے میں وہ نفی کر دے گا۔ مثلاً دیکھیے بھئی، میں کہتا ہوں: لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ، کیا ترجمہ کریں گے؟ زید نے پٹائی نہیں کی، کس زمانے میں؟ زمانۂ ماضی میں۔ صرف اس نے اتنا بتایا لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ زید نے زمانۂ ماضی میں پٹائی نہیں کی۔ لیکن اگر اس کی جگہ میں لَمَّا لے آؤں: لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ، اس نے بھی زمانۂ ماضی کے اندر نفی کی لیکن اس نفی کو کھینچ کر تکلم کے زمانے، زمانۂ حال تک لے آئے گا، یعنی جس وقت میں یہ جملہ بول رہا ہوں۔ میں نے کیا جملہ کہا؟ میں آپ کو مثلاً ایک بات بتلا رہا تھا اور باتیں کرتے کرتے میں نے کہا: لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ۔ تو لَمَّا نے بھی ضرب کی زید سے نفی کر دی کہ زمانۂ ماضی میں زید نے ضرب نہیں ماری، لیکن مطلقاً نفی زمانۂ ماضی میں نہیں کی بلکہ اس نفی کو کھینچ کر اس حال کے زمانے تک لے آیا، یعنی جس وقت میں نے آپ کو یہ بات بتائی اس وقت تک سارے ماضی کا احاطہ کر کے اس میں نفی کر دی۔ سارے ماضی کا احاطہ کر کے نفی کر دی۔

■ قولہ: «لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ» کی تشریح

مثلاً ترجمے سے آپ کو بات واضح سمجھ میں آئے گی۔ مثلاً میں نے کہا تھا: لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ، اس کا کیا ترجمہ کیا؟ زید نے پٹائی نہیں کی، معلوم ہوا کس زمانے میں؟ ماضی میں۔ اور لَمَّا کہوں گا تو وہ حال کے زمانے تک سارے کو گھیر لے گا، سارے میں نفی کر دے گا: لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ، اس کا ترجمہ کریں گے زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی۔ کیا ترجمہ ہوا؟ زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی، یعنی جس وقت میں آپ سے یہ بات کر رہا ہوں ابھی تک، جب میں نے لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ یہ جملہ اس پر تکلم کیا، یہ جو حال والا زمانہ تھا جس میں میں آپ کو یہ بات بتلا رہا تھا اس وقت تک سارے پچھلے زمانے کے اندر نفی نے سب کو گھیر لیا۔ یعنی ماضی میں زید نے پٹائی نہیں کی اور کب سے کب تک نہیں کی؟ سارے زمانۂ ماضی سے لے کر ابھی تک بھئی اس زمانے تک نفی ہو گئی یعنی ابھی تک اس نے پٹائی نہیں کی، تو دیکھو سارے زمانۂ ماضی کو اس نے گھیر لیا اور اس کے اندر نفی کر دی ضرب کی کہ ضرب زید کے لیے ثابت نہیں۔ معنی بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں؟

لَمْ يَضْرِبْ میں یہ بات نہیں تھی، لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ اس میں صرف اتنا تھا زید نے زمانۂ ماضی میں پٹائی نہیں کی۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی نفی حال تک ہو، ہو سکتا ہے حال تک نفی نہ ہو، اس میں یہ ضروری نہیں ہے۔ لیکن لَمَّا کیا کرے گا؟ کس زمانے تک نفی کر دے گا؟ حال تک، ماضی میں نفی کر لے گا اور یہ نفی گھیر لے گی کہاں تک

زمانے کو؟ حال تک یہ نفی آجائے گی بھئی کہ ابھی تک۔

دوسرا فرق یہ لَمَّا کا لَمْ کے ساتھ کہ لَمَّا کے ساتھ جس چیز کی نفی کی جائے اس میں آگے ہونے کی توقع ہوتی ہے، امید ہوتی ہے۔ جب میں نے کہا: لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ، زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی، اسی سے آپ کو ایک بات بھی سمجھ میں آگئی کہ معلوم ہوا آگے پٹائی ہونے کا امکان ہے، آگے امید ہے۔ زید نے ابھی تک، یہ جملہ آپ اسی شخص سے کہیں گے ناجب آپ کو کیا ہوا اس چیز کی؟ امید ہے، زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی، معلوم ہوا آگے ہونے کی امید ہے، آگے پٹائی ہونے کی توقع ہے۔ تو لَمَّا جو ہے وہ نفی کو کھینچ کر زمانۂ حال تک پہنچا دیتا ہے اور نیز لَمَّا کے ذریعے جو نفی کی جاتی ہے جس چیز کی، آگے زمانے میں اس کی امید اور توقع ہوتی ہے اس کے ہونے کی بھئی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ جبکہ لَمْ میں یہ دونوں باتیں ضروری نہیں، یعنی اس میں نفی ہوگی، وہ نفی کرے گا زمانۂ ماضی میں، لیکن حال تک اس نفی کا ہونا ضروری نہیں، ہو سکتا ہے حال تک ہو، ہو سکتا ہے حال تک نہ ہو، دونوں صورتیں اس میں ہو سکتی ہیں، یعنی اس میں حال تک نفی کا ہونا ضروری نہیں جبکہ لَمَّا میں زمانۂ حال تک نفی کا ہونا ضروری ہے۔ نیز لَمَّا کے اندر جس چیز کی نفی کی گئی ہے مستقبل میں اس کے ہونے کی توقع ہوتی ہے، لیکن لَمْ میں ایسا ضروری نہیں، ہو سکتا ہے آگے توقع ہو، ہو سکتا ہے آگے توقع نہ ہو، معلوم ہوا اس میں یہ شرط ضروری نہیں ہے بھئی۔

یہ معنی ہے وَلَمْ وَلَمَّا لِنَفْيِ الْمُضِيِّ، لَمْ اور لَمَّا جو ہے زمانۂ ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں یعنی زمانۂ ماضی میں نفی کے لیے آتے ہیں، إِلَّا أَنَّهُ بِلَمَّا يَنْسَحِبُ عَلَى زَمَنِ التَّكَلُّمِ۔ انْسَحَبَ يَنْسَحِبُ کے معنی ہوتے ہیں گھسٹنا، یہاں مراد ہے پہنچنا۔ کیا مراد ہے؟ پہنچنا۔ إِلَّا مگر یہ کہ أَنَّهُ بِلَمَّا کہ وہ جو نفی ہے وہ لَمَّا کے ساتھ يَنْسَحِبُ عَلَى زَمَنِ التَّكَلُّمِ وہ پہنچ جاتی ہے تکلم کے زمانے پر، یعنی تکلم کے زمانے تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ نفی کہاں تک پہنچ جاتی ہے؟ تکلم کے زمانے تک پہنچ جاتی ہے۔ وَيَخْتَصُّ بِالْمُتَوَقَّعِ اور نیز یہ نفی خاص ہوتی ہے اس چیز کے ساتھ جس میں آگے توقع ہوتی ہے بھئی۔

اس میں آگے کیا ہوتی ہے؟ توقع۔ تو لَمَّا کیا فائدے دیتا ہے، کیا دو فائدے ہیں اس کے؟ ایک تو یہ نفی کو کھینچ کر کہاں تک پہنچا دے گا؟ زمانۂ حال کہہ لیں یا زمانۂ تکلم کہہ لیں وہاں تک پہنچا دے گا۔ دوسرا کیا فائدہ اس کا؟ کہ جس چیز کی نفی کی گئی ہے آگے اس کے ہونے کی امید اور توقع ہوتی ہے۔

وَعَلَى هَذَا اور اسی بنا پر فَلَا يُقَالُ یہ نہیں کہا جائے گا: لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ ثُمَّ قَامَ، یہ نہیں کہا جائے گا۔ کیا؟ لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ ثُمَّ قَامَ، اس لیے کیونکہ جب آیا لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ، اس نے کیا بتلایا؟ کہ زمانۂ حال یعنی ابھی تک زید کھڑا نہیں ہوا، کیونکہ لَمَّا آیا ہے اور یہ نفی کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے؟ زمانۂ حال تک، معلوم ہوا ابھی تک زید کھڑا نہیں ہوا۔ اور آگے آیا ثُمَّ قَامَ پھر وہ کھڑا ہوا، اور قَامَ کون سا صیغہ ہے؟ ماضی کا، معلوم ہوا زمانۂ ماضی میں ہی وہ پھر کھڑا ہوا۔ تو اس نے تو اس کی نفی کر دی، ماقبل میں لَمَّا تو کیا بتلا رہا تھا کہ قیام کی نفی زید سے ہے کب تک؟ زمانۂ حال تک نفی ہے، اور قَامَ نے بتلایا کہ نہیں، نفی نہیں ہے بلکہ ماضی ہی میں کیا ہے؟ کھڑا ہونا بھی اس کے لیے ثابت ہے۔ تو یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہو گئے بھئی، یہ تو دونوں کلام کے جملے، دونوں حصوں میں منافات آگئی بھئی۔ پہلے لَمَّا يَقُمْ نے بتایا کہ قیام ابھی تک زید کے لیے ثابت نہیں ہے، اور قَامَ نے بتلایا کہ قیام پہلے زید کے لیے ثابت ہو چکا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس میں یہ پہلی شرط پوری نہیں ہو رہی اس لیے یہ کہنا درست نہیں۔ پہلی کیا شرط تھی؟ کہ لَمَّا کہاں تک پہنچاتا ہے؟ زمانۂ حال تک پہنچاتا ہے، تو یہاں وہ بات پوری نہیں ہو رہی۔

■ قولہ: «لَمَّا يَجْتَمِعِ النَّقِيضَانِ» کی تشریح

وَلَا اور اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جائے گا: لَمَّا يَجْتَمِعِ النَّقِيضَانِ، ابھی تک دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں۔ بھئی ایک ہے نقیض، ایک ہے ضد۔ نقیضین اور ضدین۔ بھئی آپ جانتے ہیں بعض چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں، مثلاً صبح اس کی ضد ہے شام، دن اس کی ضد کیا ہے؟ رات، یعنی اس کا متضاد۔ دن کی ضد کیا؟ رات، آسمان کی ضد زمین، سفید کی ضد سیاح۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ان کو کہتے ہیں ضدین۔ وہ دو چیزیں جو اکٹھی نہ ہو سکیں، جمع نہ ہو سکیں ان کو ضدین کہتے ہیں۔ رات اور دن ایک دوسرے کی ضد ہیں کیونکہ یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی زمانے کے اندر، ایک ہی وقت میں دن بھی ہو اور رات بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا، دن ہے تو رات نہیں اور رات ہے تو دن نہیں۔ ایک ہی چیز ایک ہی جگہ سے ایک ہی وقت میں سفید بھی ہو اور سیاح بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا، جس مقام پر وہ سفید ہے اس مقام پر سیاح نہیں اور جس مقام پر سیاح ہے اس مقام پر سفید نہیں۔ اسی طرح بھئی صبح اور شام یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، صبح ہے تو وہ شام نہیں اور جب شام ہے تو وہ صبح نہیں۔ سردی اور گرمی ایک دوسرے کی ضد ہیں، سردی ہے تو گرمی نہیں، گرمی ہے تو سردی نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ بھوکا ہونا اور پیٹ بھرا ہونا یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، بھوکا ہے تو پیٹ نہیں بھرا ہوا اور پیٹ بھرا ہوا ہے تو بھوکا نہیں، یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ تو ہیں ضدین۔ تو ضدین وہ ہیں جن کا دو کا جمع ہونا ممکن نہ ہو، وہ جمع نہیں ہو سکتیں بھئی۔

اور ایک ہیں نقیضین بھئی۔ نقیضین وہ دو چیزیں جو جمع بھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں، یعنی ایک وقت میں ایک ضرور پائی جائے گی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ ضدین تو وہ دو چیزیں جو جمع نہیں ہو سکتیں لیکن دونوں اٹھ سکتی ہیں، ہو سکتا ہے دونوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے۔ مثلاً دیکھیے سفید اور سیاح یہ کیا ہیں؟ ضدین۔ تو سفید اور سیاح یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ دونوں اکٹھے تو نہیں ہو سکتے یعنی ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں سفید بھی ہو اور سیاح بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا، ہاں دونوں اٹھ سکتے ہیں، یعنی ہو سکتا ہے وہ چیز نہ سیاح ہو اور نہ سفید ہو بلکہ مثلاً سبز رنگ کی ہے۔ تو دیکھو ایک چیز سبز رنگ کی ہے، اب سفید بھی نہیں، سیاح بھی نہیں، دونوں ہی اٹھ گئے، دونوں اس پر

صادق نہیں آرہے، نہ اس کو ہم سفید کہہ سکتے ہیں نہ اس کو ہم سیاح کہہ سکتے ہیں، بلکہ اس کا رنگ تو کیا ہے مثلاً؟ سبز ہے بھئی۔ تو ضدین جمع ہونا ان کا ممکن نہیں، ہاں اٹھنا ممکن ہے، اٹھ جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لیکن نقیضین وہ ہوتی ہیں کہ جن کا جمع ہونا بھی ممکن نہ ہو اور ان کا اٹھنا بھی ممکن نہ ہو۔ ان کا اٹھ جانا بھی ممکن نہ ہو۔ جیسے دیکھیے بھئی، انسان اس کی نقیض ہے لا انسان۔ انسان اور لا انسان۔ دنیا کی کوئی چیز دیکھ لیں، اس میں ان دو میں سے ایک چیز پائی جائے گی، دونوں کہیں بھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ جو انسان ہے وہ لا انسان نہیں ہے، اور جو لا انسان ہے وہ انسان نہیں ہے۔ ایک ہی چیز انسان بھی ہو اور لا انسان بھی ہو ایسا ہو ہی نہیں سکتا، تو یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور یہ دونوں اٹھ بھی نہیں سکتے، دنیا کی کوئی چیز دیکھ لیں یا وہ انسان ہو گی یا لا انسان ہو گی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ انسان ہو اور نہ لا انسان ہو۔ یہ کتاب ہے، یہ انسان ہے یا لا انسان؟ یہ لا انسان ہے۔ پہاڑ ہے، انسان ہے یا لا انسان؟ لا انسان ہے۔ زید ہے، انسان ہے یا لا انسان؟ انسان ہے۔ درخت ہے، انسان ہے یا لا انسان؟ لا انسان۔ تو یہ نقیضین ہیں یہ دونوں اٹھ ہی نہیں سکتیں، ایک ضرور صادق آئے گی دنیا کی ہر چیز پر۔ کسی بھی چیز کو دیکھ لیں یا وہ انسان ہو گی یا لا انسان ہو گی، ایسا نہیں ہو سکتا نہ انسان ہو اور نہ لا انسان ہو بلکہ کوئی تیسری چیز ہو، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

تو نقیضین وہ ہوتی ہیں جو اکٹھی بھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں، یعنی یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ دونوں اکٹھی ایک ہی چیز پر صادق آئیں، یہ دونوں لفظ ایک چیز پر ہی بولے جائیں ایسا بھی نہیں ہو سکتا، اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ بولا جائے کسی چیز پر ایسا بھی نہیں ہو سکتا، دونوں میں سے ایک ضرور بولنا پڑے گا اس پر کہ وہ انسان ہے یا لا انسان۔ تو ضدین ان دونوں کا اٹھ جانا ممکن ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں ہی صادق نہ آئیں جیسے ایک چیز کا رنگ سبز ہے تو اس پر نہ سفید صادق آرہا ہے اور نہ سیاح، نہ اس کو سفید کہہ سکتے ہیں اور نہ سیاح کہہ سکتے ہیں، ہاں جمع تو نہیں ہو سکتے ضدین لیکن اٹھ جانا ممکن ہے، جبکہ نقیضین جمع بھی نہیں ہو سکتے اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتے۔ اسی طرح دیکھ لیجیے قلم اور لا قلم، یہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ دنیا کی کوئی چیز آپ دیکھ لیں یا وہ قلم ہو گی یا لا قلم ہو گی، دونوں اکٹھے بھی نہیں ہو سکتے اور کوئی چیز ایسی ہو جن پر یہ لفظ صادق نہ آئے، دونوں میں سے ایک بھی صادق نہ آئے، ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ کتاب اور لا کتاب یہ ایک دوسرے کی نقیض ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے وَلَا لَمَّا يَجْتَمِعِ النَّقِيضَانِ، ابھی تک دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں، کہتے ہیں یہ کہنا بھی درست نہیں ہے، آپ یوں بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ یہاں دوسری بات نہیں پوری ہو رہی، کیونکہ آپ نے لَمَّا کے ذریعے نفی کی اور لَمَّا کیا فائدہ دیتا ہے؟ نفی کو حال تک پہنچا دیتا ہے، تو کیا معنی ہوا؟ ابھی تک کوئی دو نقیضیں اکٹھی نہیں ہوئیں، یہ بات تو ٹھیک ہے، واقعی آج تک کبھی بھی دو نقیضیں اکٹھی نہیں ہوئیں۔ لیکن دوسری بات کیا تھی؟ کہ لَمَّا کے ذریعے جس چیز کی نفی کی گئی ہے آگے مستقبل میں اس کے ہونے کی امید ہوتی ہے، وہ یہاں پوری نہیں۔ نقیضین تو نہ ماضی میں کبھی جمع ہوئی ہیں نہ کبھی مستقبل میں جمع ہو سکتی ہیں، تو وہاں پر توقع اور امید بھی نہیں ہے جمع ہونے کی، لہٰذا یہاں دوسری بات پوری نہیں تو لَمَّا کا استعمال یہاں پر صحیح نہیں۔

تو کہتے ہیں فَلَا يُقَالُ پس یہ نہیں کہا جائے گا: لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ ثُمَّ قَامَ، کیوں نہیں کہا جائے گا؟ کیونکہ اس میں پہلی بات پوری نہیں۔ وَلَا لَمَّا يَجْتَمِعِ النَّقِيضَانِ اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس میں دوسری بات پوری نہیں ہے۔ كَمَا يُقَالُ جیسے کہ کہا جائے گا: لَمْ يَقُمْ ثُمَّ قَامَ، دیکھو وہی جملہ ہے لیکن لَمَّا کی جگہ لَمْ لے آئیں اب آپ کہہ سکتے ہیں لَمْ يَقُمْ زید مثلاً زمانہ ماضی میں کھڑا نہیں ہوا ثُمَّ قَامَ پھر زمانہ ماضی ہی میں وہ کھڑا ہو گیا، تو یہ کہنا صحیح ہے بھئی کیونکہ لَمْ کے اندر وہ دو چیزوں کا ہونا ضروری نہیں۔ وَلَمْ يَجْتَمِعَا، دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں زمانہ ماضی میں، تو لَمْ کے ساتھ نفی کی، یہ بات بالکل صحیح ہے ماضی میں کبھی دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں، اور نیز یہاں پر توقع بھی نہیں ہے کیونکہ لَمْ لے کر آئے، لَمْ کے اندر تو توقع نہیں ہوتی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کہنا صحیح ہے۔

■ قولہ: «فَلَمَّا فِي النَّفْيِ تُقَابِلُ قَدْ فِي...» کی تشریح

فَلَمَّا فِي النَّفْيِ تُقَابِلُ قَدْ فِي الْإِثْبَاتِ۔ تو لَمَّا جو نفی کے اندر ہے وہ مقابل ہے اس قَدْ کے جو اثبات کے اندر ہے۔ یعنی لَمَّا نفی کے اندر وہی کام کرتا ہے جو لفظ قَدْ اثبات میں کرتا ہے۔ بھئی دیکھیے، آپ نے پڑھا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ کس زمانے میں کی ہے؟ زمانہ ماضی میں۔ یاد رکھیے زید نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پٹائی کی ہو تو بھی آپ کہہ سکتے ہیں ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے زمانہ ماضی میں پٹائی کی ہے، زید نے دس سال پہلے پٹائی کی تھی تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی کس زمانے میں؟ زمانہ ماضی میں۔ تو ضَرَبَ ویسے عام ہے، اور اثبات ہے یا نفی ہے؟ اثبات۔ اسی پر ذرا قَدْ لے آئیں: قَدْ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ اب یاد رکھیے، اب ضرب ثابت ہے زید کے لیے لیکن قَدْ نے اس کو حال کے قریب کر دیا۔ کس کے قریب کر دیا؟ حال کے۔ معلوم ہوا پٹائی زمانہ ماضی میں ہوئی ہے لیکن حال کے قریب ہی ہوئی ہے، ابھی قریب کے زمانے میں ہوئی ہے یہ پٹائی، ہوئی تو ماضی ہی میں ہے لیکن کس زمانے کے قریب ہے؟ حال کے۔ تو قَدْ کیا کرتا ہے ماضی کو کس کے قریب کر دیتا ہے؟ حال کے قریب کر دیتا ہے۔ اور ترجمے میں بھی فرق پڑے گا: ضَرَبَ زَيْدٌ اس کا کیا معنی ہے؟ زید نے پٹائی کی، دیکھو آخر میں ہے کا لفظ نہیں ہے، زید نے پٹائی کی، بس۔ اور جب کہیں گے قَدْ ضَرَبَ زَيْدٌ اب کیا ترجمہ کریں گے؟ اب ہے کا لفظ بھی آجائے گا: زید نے پٹائی کی ہے، حال کے قریب آجائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اور یہی کام لَمَّا نفی میں کرتا ہے۔ مثلاً لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ، پہلے لَمْ کے ساتھ کریں: لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ زید نے زمانہ ماضی میں پٹائی نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کافی وقت گزر چکا ہے اس چیز کو جس کی آپ نفی کر رہے ہیں، ہو سکتا ہے اس کو کافی وقت گزر گیا، ایک سال دو سال پہلے کی بات کر رہے ہیں تو بھی بات صحیح ہے، اور حال کے قریب ہو

تب بھی آپ کا نفی کرنا صحیح ہے۔ لیکن جب آپ کہیں گے لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ اب جو نفی کر رہے ہیں یہ حال کے قریب ہے، یعنی ابھی قریب کے زمانے میں زید نے پٹائی نہیں کی، یہ کس صورت میں ہو گا؟ لَمَّا کی صورت میں۔ تو جیسے قَدْ کلامِ مثبت پر داخل ہوتا ہے اور اس کو کس کے قریب کر دیتا ہے؟ حال کے، اسی طرح لَمَّا جب نفی کے لیے استعمال ہو گا تو وہ بھی نفی کو کس کے قریب کر دے گا؟ حال کے قریب کر دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے فَلَمَّا فِي النَّفْيِ تُقَابِلُ قَدْ فِي الْإِثْبَاتِ تو لَمَّا جو ہے نفی کے اندر وہ مقابل ہے قَدْ کا فِي الْإِثْبَاتِ کس کے اندر؟ اثبات میں۔ ترجمہ کیسے کریں گے؟ دیکھیے ترجمہ غور سے سننا: فَلَمَّا پس وہ لَمَّا فِي النَّفْيِ جو کس میں آتا ہے؟ نفی میں آتا ہے یعنی نفی کے لیے آتا ہے، تُقَابِلُ قَدْ وہ مقابل ہے اس قَدْ کے فِي الْإِثْبَاتِ جو کس میں آتا ہے؟ اثبات میں آتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَحِينَئِذٍ يَكُونُ مَنْفِيُّهَا۔ مَنْفِيُّهَا ہونا چاہیے بھئی، آپ کی کتابوں میں مَنْفِيًّا ہے؟ یہاں ہا ضمیر ہے مَنْفِيُّهَا۔ کسی کتاب میں ہے بھئی مَنْفِيُّهَا؟ ہاں بعض کتابوں میں مَنْفِيُّهَا ہو گا بھئی۔ تو کہتے ہیں وَحِينَئِذٍ يَكُونُ مَنْفِيُّهَا قَرِيبًا مِنَ الْحَالِ، اور اس وقت اس کا جو منفی ہے، مَنْفِيُّهَا اس لَمَّا کا جو منفی ہے یعنی جس کی اس نے نفی کی ہے، قَرِيبًا مِنَ الْحَالِ وہ کس کے قریب ہو گا؟ حال کے قریب، یعنی جس چیز کی اس نے نفی کی ہے وہ حال کے قریب ہے، حال کے قریب کسی چیز کی نفی کی جا رہی ہے، قدیم زمانے کی بات نہیں۔

فَلَا يَصِحُّ لہٰذا یہ صحیح نہیں ہو گا، یعنی یوں کہنا صحیح نہیں ہو گا: لَمَّا يَجِئْ مُحَمَّدٌ فِي الْعَامِ الْمَاضِي۔ بھئی مثلاً آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام محمد ہے، اب آپ دوسرے کو کہتے ہیں: لَمَّا يَجِئْ مُحَمَّدٌ فِي الْعَامِ الْمَاضِي، کہتے ہیں آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کیونکہ اس کلام کا جو پہلا حصہ ہے لَمَّا يَجِئْ مُحَمَّدٌ محمد نہیں آیا، اس نے نفی کی، کس زمانے میں کی؟ ماضی، اور کون سی ماضی میں، قریب کی یا بعید کے زمانے میں؟ لَمَّا نفی کو کس کے قریب کر دیتا ہے؟ حال کے، تو یہ قریب کے زمانہ ماضی کے اندر معلوم ہوا نفی کر رہے ہیں کہ ابھی قریب کے زمانے میں محمد نہیں آیا۔ اور آخر کلام میں آرہا ہے فِي الْعَامِ الْمَاضِي، عَام سال کو کہتے ہیں عربی زبان میں، فِي الْعَامِ الْمَاضِي گزشتہ سال میں۔ اس نے کیا بتلایا کہ نفی قریب کے زمانے میں ہے یا دور کے زمانے میں ہے؟ دور کے زمانے میں ہے، تو کلام کے دونوں حصے ان میں منافات آگئی۔ لَمَّا يَجِئْ مُحَمَّدٌ نے بتلایا کہ یہ جو نفی کی جا رہی ہے محیئت کی یہ ابھی قریب کے زمانے کی بات ہے بھئی، ابھی قریب کے زمانے میں وہ نہیں آیا، اور فِي الْعَامِ الْمَاضِي نے بتلایا کہ نفی کس زمانے میں کی جا رہی ہے؟ دور کے زمانے، ایک سال پہلے کی بات کی جا رہی ہے کہ اس وقت وہ نہیں آیا تھا۔ تو ان دونوں میں منافات ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۳: توابع کے ساتھ تقیید: نعت (تمیز، کشف، مدح، ذم، تاکید، ترحم) اور تاکیدِ لفظی و معنوی کے مقاصد

دروس البلاغہ صفحہ: ۶۷ــــ بتاریخ: ۲۹ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا التَّوَابِعُ فَالتَّقْيِيدُ بِهَا يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُقْصَدُ مِنْهَا، فَالنَّعْتُ يَكُونُ لِلتَّمْيِيزِ نَحْوُ حَضَرَ عَلِيٌّ الْكَاتِبُ، وَالْكَشْفِ نَحْوُ الْجِسْمُ الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

اطلاق اور تقیید کا باب چل رہا ہے، اور صاحب کتاب نے آپ کو بتلایا کہ کبھی کبھار کلام کے اندر مسند اور مسند الیہ کو مطلق ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ کوئی قید ذکر نہیں ہوتی، اور کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے مسند اور مسند الیہ کو مقید کیا جاتا ہے مختلف قسم کی قیدوں کے ساتھ، اور اس صورت میں کلام مقید کہلاتا ہے۔ اور کن کن چیزوں کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے؟ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مفعولوں کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے یعنی یہ جو مفعول ہوتے ہیں یہ قید ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح استثناء ہے، تمیز ہے، حال ہے، ان کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے، اس سے پتا چل گیا کہ یہ استثناء، تمیز اور حال جو ہیں یہ قیدیں ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح کلام کو کبھی مقید کرتے ہیں شرط کے ساتھ، معلوم ہوا شرط جو ہے کلام میں قید ہوتی ہے جبکہ اصل جو ہے وہ جزا ہے اور اسی پر کلام کا مدار ہے۔ اسی طرح انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ کبھی نفی کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے کلام کو؟ مقید کیا جاتا ہے، معلوم ہوا یہ نفی بھی قید ہوا کرتی ہے۔ اور آج آپ کو یہ بتلائیں گے کہ کلام کو کبھی کبھار توابع کے ساتھ قید کیا جاتا ہے۔ کس کے ساتھ؟ توابع کے ساتھ۔ معلوم ہوا توابع بھی قید ہوا کرتے ہیں بھئی۔

تو یاد رکھیے توابع۔ بھئی عربی کلام کے اندر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی لفظ پر جو اعراب آتا ہے وہ ماقبل کی مناسبت سے آتا ہے، ان کو توابع کہا جاتا ہے۔ کیا کہا جاتا ہے؟ توابع۔ یعنی عامل جو ہے براہِ راست ان پر عمل نہیں کرتا بلکہ یہ اپنے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کے ماقبل پر اگر رفع آئے تو اس لفظ پر بھی رفع آئے گا، اگر ماقبل والے لفظ پر نصب آئے تو اس بعد میں آنے والے لفظ پر بھی نصب آتا ہے، اور ان سے ماقبل والے لفظ پر اگر جر آئے تو اس لفظ پر بھی کیا آتا ہے؟ جر آتا ہے۔ ان کو توابع کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ توابع۔ توابع جمع ہے تَابِعٌ کی۔ تو اس میں بھی چونکہ یہ بعد والا لفظ پہلے لفظ کے تابع ہوتا ہے اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تابع کہتے ہیں۔

اور آپ پڑھ چکے ہیں توابع جو ہیں وہ پانچ ہیں بھئی، نحو کے اندر آپ نے پڑھے ہوں گے کافیہ وغیرہ میں کہ پانچ توابع ہیں: ایک صفت ہے، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا تابع جو ہے وہ تاکید ہے بھئی، تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر ہوتا ہے۔ اسی طرح عطفِ بیان بھی توابع میں سے ہے، عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو اس کے معطوف علیہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح عطف بالحرف جو ہے یعنی معطوف جو ہوتا ہے وہ بھی تابع ہوتا ہے، معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح توابع میں سے بدل بھی ہے، بدل پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہوتا ہے۔ تو یہ سارے کیا ہیں؟ توابع ہیں۔ تو توابع پانچ ہیں: نمبر ایک صفت ہے، اسی طرح تاکید ہے، عطفِ بیان ہے، بدل ہے اور معطوف ہے بھئی۔

تو یہ توابع جو ہیں کلام کے اندر قید ہوتے ہیں۔ ان کے لانے میں کیا کیا مقاصد ہوتے ہیں وہ اب بیان کر رہے ہیں کہ ان کے لانے میں کیا مقاصد ہوتے ہیں، کیا نکات ہوتے ہیں ان کے لانے میں، کلام کو ان کے ساتھ کیوں مقید کیا جاتا ہے وہ نکات اب بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَأَمَّا التَّوَابِعُ اور باقی توابع جو ہیں فَالتَّقْيِيدُ بِهَا تو ان کے ساتھ مقید کرنا يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ تو یہ ان غرضوں کے لیے ہوگا الَّتِي تُقْصَدُ مِنْهَا جو ان توابع سے مقصود ہوتے ہیں۔ جو کس سے مقصود ہوتے ہیں؟ توابع

سے۔ بھئی دیکھیے توابع کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے یہ ان غرضوں کے لیے ہو گا جو توابع سے مقصود ہوتے ہیں، یعنی توابع جن جن چیزوں کا فائدہ دیتے ہیں جب وہ آپ کی غرض ہے تو آپ توابع کو اپنے کلام میں لائیں گے۔ کیا کریں گے؟ توابع کو اپنے کلام میں لائیں گے۔ بھئی یہ توابع جو ہیں یہ معطوف ہے، یہ تاکید ہے، یہ بدل ہے، یہ عطفِ بیان ہے، یہ صفت ہے، ان کے مختلف فائدے آپ نے نحو کے اندر پڑھے ہوں گے، تو جب ان میں سے کوئی فائدہ آپ کا مقصد ہو تو پھر آپ اپنے کلام میں تابع کو لے کر آئیں گے۔ یعنی جو تابع کا جو فائدہ ہے وہی آپ کا مقصد بھی ہے، آپ وہی معنی دوسرے کو پہنچانا چاہتے ہیں، تو یہ معنی تو تابع کا ہے، جب تابع کا معنی ہے اور آپ اس کو ادا کرنا چاہتے ہیں تو کیا طریقہ ہو گا؟ کہ تابع کو اپنے کلام میں لے کر آئیں بھئی۔

مثلاً دیکھیے بھئی صفت ہے۔ یاد رکھیے صفت، آگے تفصیل بھی یہ بیان کریں گے، صفت جو ہے نحو میں آپ نے پڑھا ہو گا کہ صفت معرفہ کی بھی آتی ہے اور نکرہ کی بھی آتی ہے: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ یا جَاءَنِي رَجُلٌ مُؤْمِنٌ، رَجُلٌ موصوف، مُؤْمِنٌ اس کی صفت۔ یہ تو تھا نکرہ کے اندر، اور معرفہ کی بھی صفت آتی ہے: جَاءَنِي الرَّجُلُ الْعَالِمُ، الرَّجُلُ موصوف اور الْعَالِمُ اس کی صفت۔ تو معرفہ کی بھی صفت آتی ہے، نکرہ کی بھی صفت آتی ہے۔ معرفہ میں صفت لانے کے اور فائدے ہیں اور نکرہ میں صفت لانے کے اور فائدے ہیں۔

آپ نے پڑھا ہو گا کافیہ کے اندر کہ نکرہ کی صفت لائی جائے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ نکرہ کی صفت لائی جائے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ بھئی تخصیص کا وہ معنی نہیں جو اس سے پہلے ابھی آپ نے پڑھا تھا کہ تخصیص کسے کہتے ہیں کہ مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہے تو باقیوں سے اس کی نفی ہے، یا مذکور سے ایک چیز کی نفی ہے تو باقیوں کے لیے اس کا اثبات، یہ آپ نے تخصیص کا معنی پڑھا تھا لیکن وہ معنی یہاں نہیں مراد بھئی۔ کس میں؟ کہ نکرہ میں صفت آتی ہے تخصیص کے لیے، یہاں تخصیص کا معنی ہے دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا ان کو کم کرنا۔ تخصیص کا کیا معنی؟ دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا ان کو کم کرنا۔

مثلاً دیکھیے میں لفظِ رَجُلٌ بولتا ہوں، رَجُلٌ نکرہ ہے۔ اب مثلاً فرض کریں اس دنیا کے اندر ایک ارب یا دو ارب جتنے بھی فرض کر لیں، مثلاً ایک ارب مرد ہیں، تو یہ رَجُلٌ یہ نکرہ ہے، ہر مرد پر اس کا اطلاق صحیح ہے۔ تو اس میں کتنے احتمالات ہوئے؟ ایک ارب فرض کریں اگر مرد ہیں تو اس میں ایک ارب احتمالات ہو گئے کہ ہو سکتا ہے رَجُلٌ بول کر یہ والا مرد مراد ہو، ہو سکتا ہے یہ والا مرد مراد ہو، ہو سکتا ہے یہ۔ ہر ایک پر یہ صادق آتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن جب اس کی صفت مثلاً میں لے آتا ہوں مُؤْمِنٌ: رَجُلٌ مُؤْمِنٌ، اب دیکھیے صرف یہ ان مردوں پر صادق آئے گا جو مومن ہیں۔ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ کا کیا معنی؟ مومن مرد، مومن آدمی۔ تو اس سے وہ مرد نکل گئے جو مومن نہیں۔ تو دیکھیے احتمالات میں کمی آ گئی یا نہیں آ گئی؟ احتمالات میں کمی آ گئی، تو یہ ہے تخصیص۔ تو نکرہ کی صفت آ جائے تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور تخصیص کا کیا معنی ہے؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ان کو بالکل ختم کر دینا۔ یہ ہے تخصیص۔

جبکہ معرفہ کے اندر صفت جو آتی ہے وہ توضیح کے لیے ہوتی ہے۔ کس کے لیے؟ توضیح، یعنی وضاحت کے لیے یوں کہیے۔ کس کے لیے؟ وضاحت کے لیے، وضاحت کرنے کے لیے۔ اب وضاحت کا کیا معنی ہے؟ علماء نے دو معنی بیان کیے ہیں: بعضوں نے کہا توضیح کا معنی یہ ہے اشتراک کو ختم کرنا۔ توضیح کا کیا معنی؟ اشتراک کو ختم کرنا۔ توضیح بھئی تا دو نقطوں والی ہے، واو ہے، ضاد، یا اور حا بھئی، توضیح۔ توضیح کا کیا معنی ہے؟ بعض علماء نے کہا توضیح کا معنی ہے اشتراک کو ختم کرنا، شرکت کو ختم کرنا۔

■ قولہ: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ» کی تشریح

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ تو زَيْدٌ موصوف، الْعَالِمُ اس کی صفت، اور زَيْدٌ ہے معرفہ، تو دیکھو معرفہ کی صفت آئی۔ اور معرفہ کی صفت کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تو ضیح کا فائدہ دیتی ہے۔ تو ضیح کا کیا معنی ہوتا ہے، بعض علماء نے کیا بیان کیا؟ اشتراک کو ختم کرنا۔ یعنی مثلاً آپ کے دو ساتھی ہیں، دونوں کا نام زید ہے۔ البتہ ان میں سے ایک زید عالم ہے اور ایک زید تاجر ہے بھئی۔ اب اگر میں آپ سے صرف یہ کہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ، تو کیا آپ کو پتا چلا کہ کون سا والا زید آیا ہے؟ نہیں، یہ آپ کو پتا ہی نہیں چلا کیونکہ یہ زید اس میں تو شرکت ہے، دو ساتھیوں کا نام ہے۔ تو اب آپ اس کی صفت لاتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ اب یہ الْعَالِمُ صفت نے آ کر زید کے اندر اشتراک کو ختم کر دیا، اور آپ کو پتا چل گیا کہ معلوم ہوا میرا وہ ساتھی مراد ہے جو عالم ہے، وہ اس کے پاس آیا ہے، اور وہ جو تاجر ہے معلوم ہوا وہ مراد نہیں۔ تو دیکھیے صفت نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ اشتراک کو ختم کر دیا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ شرکت کو ختم کر دیا۔ پہلے اس زید میں احتمال تھا کہ پتا نہیں کون سا زید ہے، وہ جو عالم ہے پتا نہیں وہ مراد ہے یا وہ جو تاجر ہے وہ مراد ہے، لیکن جب آگے صفت آ جائے گی کہ الْعَالِمُ تو پتا لگ گیا معلوم ہوا یہ والا زید جو عالم ہے یہ مراد ہے، جو تاجر ہے وہ مراد نہیں۔ تو دیکھیے یہ ہے اشتراک کو ختم کرنا، تو وضاحت ہو گئی، پتا لگ گیا کہ زید سے وہ عالم زید مراد ہے، تاجر زید مراد نہیں۔

تو بعضوں نے یہ معنی کیا کہ توضیح کا معنی اشتراک کو ختم کرنا۔ اور بعضوں نے کہا توضیح کا معنی ہے غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ توضیح کا کیا معنی ہے؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ مثلاً بھئی، فرض کریں آپ ایک شخص کو جانتے ہیں اس کا نام زید ہے۔ کیا نام ہے؟ زید۔ تو اب میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ اب آپ یہ تو جانتے تھے کہ اس آدمی کا نام زید ہے، لیکن آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ عالم ہے یا عالم نہیں ہے۔ جب میں نے صفت بیان کر دی جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ میرے پاس عالم زید آیا، تو اس صفت نے غیر عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ کس چیز کو؟ غیر عالم ہونے کے احتمال کو۔ بھئی آپ کو پہلے پتا نہیں تھا، اتنا تو جانتے تھے فلاں آدمی ہے اس کا نام زید ہے لیکن

آپ کو علم نہیں تھا کہ وہ عالم ہے یا عالم نہیں، تو اس میں دونوں احتمال تھے، ہو سکتا ہے عالم ہو، ہو سکتا ہے عالم نہ ہو۔ تو جب آپ نے الْعَالِمُ کہہ دیا تو اس نے کیا کیا؟ غیر عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ یا مثلاً دوسری صفت آپ لاتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ التَّاجِرُ۔ آپ کو اتنا تو پتا تھا کہ اس آدمی کا نام زید ہے لیکن یہ علم نہیں تھا کہ وہ تاجر ہے یا تاجر نہیں، اس میں دونوں احتمال تھے، لیکن جب میں نے صفت ذکر کر دی جَاءَنِي زَيْدٌ التَّاجِرُ تو التَّاجِرُ کی جب صفت آگئی تو اس نے دوسرے احتمال یعنی غیر تاجر ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ یہ ہے توضیح، یہ کیا ہے؟ توضیح۔

تو نکرہ میں صفت آتی ہے تخصیص کے لیے، یعنی دیگر احتمالات کو کم کر دیتی ہے یا ختم کر دیتی ہے۔ جبکہ معرفہ میں صفت کس لیے آتی ہے؟ توضیح کے لیے، وضاحت کے لیے۔ اور توضیح کا کیا معنی؟ تو بعض علماء کہتے ہیں توضیح کا معنی شرکت کو ختم کرنا کہ صفت کیا کرتی ہے؟ شرکت کو ختم کر دیتی ہے، مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، پتا لگ گیا تاجر زید نہیں آیا بلکہ کون سا زید آیا؟ عالم۔ بعضوں نے کہا نہیں، توضیح کا معنی ہے غیر کے احتمال کو ختم کر دینا۔ جب میں نے آپ سے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، اس مثال میں مثلاً آپ کا ایک ہی ساتھی ہے اس کا نام صرف زید ہے، اب میں جب آپ سے صرف یہ کہوں گا جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید آیا تھا، تو شرکت تو ہے ہی نہیں، آپ کو پتا چل گیا کہ کون آیا ہے؟ زید آیا ہے۔ لیکن اس زید کے بارے میں آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ عالم ہے یا عالم نہیں، ایک ہی زید ہے لیکن اس میں دونوں احتمال تھے ہو سکتا ہے وہ عالم ہو، ہو سکتا ہے وہ عالم نہ ہو، آپ کو علم نہیں تھا، لیکن جب صفت آگئی جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ تو اس نے غیر عالم ہونے کے احتمال کو کیا کر دیا؟ ختم کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی یہاں تک؟ معلوم ہوا معرفہ میں صفت کس لیے آئے گی؟ توضیح

کے لیے۔ اور توضیح کا بعض علماء نے کیا معنی بیان کیا؟ اشتراک کو ختم کرنا، یہ وہاں پر ہو گا جہاں اشتراک ہو۔ اور بعضوں نے کیا توضیح کا معنی بیان کیا؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا، یہ وہاں جہاں پر غیر کا احتمال ہو بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ بنیادی طور پر اس لیے آتی ہیں، نکرہ کی صفت تخصیص کے لیے اور معرفہ کی صفت توضیح کے لیے۔ لیکن بعض اوقات اور معانی کے لیے بھی یہ صفت لائی جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ صفت تاکید کے لیے بھی آتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي رَجُلٌ وَاحِدٌ، آیا میرے پاس ایک آدمی۔ رَجُلٌ موصوف، وَاحِدٌ اس کی صفت۔ اب دیکھیے رَجُلٌ کا معنی بھی تھا ایک آدمی، اور وَاحِدٌ ایک صفت جو آئی یہ تاکید کے لیے ہے، اس نے اسی معنی کو پختہ کر دیا، پکا کر دیا بھئی، کہ رَجُلٌ سے کیا مراد ہے؟ ایک ہی مراد ہے، تو اس نے اسی معنی کو پکا کیا ہے، تو یہ صفت تاکید کے لیے ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو کبھی کبھار صفت تاکید کے لیے ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی کبھار صفت جو ہوتی ہے کشفِ معنی کے لیے آتی ہے، کشف کے لیے، معنی کو کھولنے کے لیے۔ چلیے یہ آگے تفصیل آرہی ہے، پہلے ذرا جہاں تک ہم کر چکے ہیں وہ کتاب پر دیکھ لیجیے۔

کہتے ہیں وَأَمَّا التَّوَابِعُ فَالتَّقْيِيدُ بِهَا يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُقْصَدُ مِنْهَا۔ باقی توابع جو ہیں تو ان کے ساتھ مقید کرنا جو ہے وہ ان غرضوں کے لیے ہو گا جو ان توابع سے مقصود ہوتے ہیں۔ مثلاً بھئی جو توابع سے مقصود ہوتے ہیں وہی آپ کی غرض بھی ہے، آپ دوسرے کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میرے پاس وہ زید آیا ہے جو تاجر ہے، جو عالم ہے وہ نہیں آیا بلکہ کون سا آیا ہے؟ تاجر۔ تو اب آپ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ کہیں گے کیونکہ اس صفت کے ذریعے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اشتراک کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ زید کے اندر تو کیا تھا؟ اشتراک، آپ اشتراک کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اشتراک کو ختم کرنے کا فائدہ کیا چیز دیتی ہے؟ وہ تو صفت دیتی ہے، تو وہی آپ کا مقصد بھی ہوا جو اس صفت کا معنی ہے، تو لہٰذا اب آپ کی غرض وہی ہوئی تو اسی لفظ کو لے کر آئیں گے بھئی۔ یعنی آپ کا مقصد بھی وہی معنی ادا کرنا ہے جو کس کا معنی تھا؟ صفت کا یعنی تابع کا، جب تابع کا وہ معنی ہے اور آپ کی غرض اس کو ادا کرنا ہے تو تابع ہی کو لے کر آئیں گے۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ مشکل ہو گئی؟

■ قولہ: «يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُقْصَدُ مِنْهَا» کی تشریح

یہ معنی ہے يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُقْصَدُ مِنْهَا یہ ان غرضوں کے لیے ہو گا جو ان توابع سے مقصود ہوتے ہیں۔ فَالنَّعْتُ يَكُونُ لِلتَّمْيِيزِ، توصفت، نَعْت سے کیا مراد ہے؟ صفت۔ وصف بھی کہتے ہیں، صفت بھی کہتے ہیں، نعت بھی کہتے ہیں، سب کا ایک معنی ہے۔ فَالنَّعْتُ يَكُونُ لِلتَّمْيِيزِ توصفت جو ہو گی لِلتَّمْيِيزِ امتیاز دینے کے لیے ہو گی، جدا کرنے کے لیے ہو گی۔ بھئی میں نے کہا تھا آپ کے دو ساتھی ہیں، زید دونوں کا نام ہے۔ صرف زید کہوں آپ کو پتا لگے گا کون سا زید آیا؟ نہیں۔ لیکن جب میں کہوں گا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، اب دیکھو الْعَالِمُ نے کیا فائدہ دیا؟ یہ جو زید جو آپ کے پاس آیا ہے اس کو اس زید سے جدا کر دیا، مثلاً آپ کے پاس تاجر آیا ہے تو اس زید سے جدا کر دیا جو کیا ہے؟ عالم ہے۔ تو یہ صفت نے امتیاز کا فائدہ دیا، اس صفت نے اس زید کو اس زید سے کیا کر دیا؟ جدا کر دیا ورنہ تو زید دونوں کو شامل تھا۔ یہی بیان کر رہے ہیں فَالنَّعْتُ يَكُونُ لِلتَّمْيِيزِ توصفت کس لیے ہو گی؟ تمیز، جدا کرنے کے لیے، ممتاز کرنے کے لیے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: حَضَرَ عَلِيٌّ الْكَاتِبُ۔ حاضر ہوا وہ علی جو کاتب ہے، لکھنے والا ہے۔ یعنی وہ علی آگیا جو کاتب ہے۔ اب دیکھیے آپ کے مثلاً دو ساتھی ہیں دونوں کا نام علی ہے، البتہ ان میں سے ایک کاتب ہے اور ایک کاتب نہیں۔ تو جب آپ نے الْكَاتِبُ کہا تو اس صفت نے کیا فائدہ دیا؟ اس نے اس علی کو اس دوسرے علی سے جدا کر دیا، آپ کو پتا چل گیا کہ وہ والا علی مراد ہے جو کاتب ہے، جو دوسرا ہے وہ مراد نہیں۔ تو دیکھیے صفت نے تمیز کا فائدہ دیا، ممتاز کرنے کا، جدا کرنے کا۔

وَالْكَشْفِ اور کبھی صفت کس لیے ہوگی؟ کشف کے لیے ہوگی۔ بھئی میں نے آپ کو یہ بتلایا کہ نکرہ میں صفت آئے تو تخصیص کے لیے ہوگی، معرفہ میں صفت آئے تو توضیح کے لیے ہوگی، یہ ان کے بنیادی مقاصد ہیں، عموماً اسی لیے ہوتی ہیں، لیکن بعض اوقات اور بھی فائدے ہوتے ہیں صفت لانے کے، جیسے ایک کشف ہے بھئی۔ کیا ہے؟ کشف۔ کشف کا معنی ہے کھولنا، وضاحت کرنا، بیان کرنا۔ تو بعض اوقات آپ صفت لاتے ہیں ایک لفظ کی اور صفت لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسی لفظ کے معنی کو آپ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے سننے والے کو اس لفظ کے معنی کا پتا نہ چلے، لہٰذا آپ کیا کر دیتے ہیں؟ اسی لفظ کا معنی بیان کر دیتے ہیں صفت کی صورت میں۔ کس صورت میں؟ صفت کی صورت میں۔ ایک لفظ آپ ادا کر رہے ہیں اور آپ کو کیا خیال ہے کہ شاید سننے والے کو اس کے معنی کا پتا نہ چلے یا اس کے معنی کا اس کو پتا نہ ہو، تو آپ کیا کرتے ہیں؟ اسی کے معنی کو کس صورت میں ساتھ لے آتے ہیں؟ صفت کی صورت میں۔ تو یاد رکھیے اس کو کہتے ہیں صفتِ کاشفہ۔ کیا کہتے ہیں؟ صفتِ کاشفہ، یعنی یہ اسی موصوف کو کھولنے والی ہے، اسی کے معنی کو بیان کرنے والی ہے، اسی کی وضاحت کرنے والی ہے۔ تو لہٰذا کتابوں میں جگہ جگہ آپ کو لفظ ملے گا، کسی صفت کے بعد عموماً شارح، شرح کرنے والا جو ہوگا وہ لکھ دے گا یہ صفتِ کاشفہ ہے۔ آپ سمجھ جائیں اس سے کیا معنی ہے صفتِ کاشفہ کا؟ کہ یہ اسی موصوف کے معنی کی وضاحت کر رہی ہے، اسی کو بیان کر رہی ہے یہ صفت بھئی۔

جیسے دیکھیے مثال سے وضاحت ہوگی۔ آگے مثال آ رہی ہے: الْجِسْمُ الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ۔ بھئی دیکھیے یہاں دو تین چیزیں آپ نے منطق وغیرہ میں پڑھی ہوں گی پہلے وہ سمجھ لیجیے: ایک ہوتا ہے نقطہ، ایک ہے خط، ایک ہے سطح اور ایک ہے جسم۔ نقطہ، خط، سطح اور جسم۔ نقطہ آپ نے پڑھا ہے، نقطہ جو نہ لمبائی میں تقسیم کو قبول کرتا ہے، نہ چوڑائی میں تقسیم کو قبول کرتا ہے، اور نہ اونچائی یا یوں کہیں گہرائی میں تقسیم کو قبول کرتا ہے، تو اسے نقطہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ نقطہ۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یوں کہیے، نقطہ وہ ہے جس کی نہ چوڑائی ہے، نہ گہرائی ہے اور نہ لمبائی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ نقطہ نہیں یہ جو آپ قلم سے نقطہ لگائیں کاپی پر، یہ نقطہ مراد نہیں، اس کی تو لمبائی بھی ہے چوڑائی بھی ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ تو اگر آلات خردبین وغیرہ سے آپ اس کو دیکھیں گے یہ تو بہت بڑا آپ کو دکھائی دے گا، تو اس کی تو آرام سے تقسیم ہو سکتی ہے۔ تو وہ چھوٹے سے چھوٹا، یوں کہیں فرضی چیز، انتہا درجے کا چھوٹا یعنی جس میں نہ چوڑائی میں تقسیم ہو سکے مزید، نہ اس کی لمبائی میں مزید تقسیم ہو سکے اور نہ گہرائی کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہو سکے، اسے کہتے ہیں نقطہ بھئی۔

اور دوسرا ہے خط بھئی۔ خط جسے اردو میں آپ لکیر کہہ لیں۔ تو خط جو ہے وہ چوڑائی اور گہرائی میں تو اس کی تقسیم نہیں ہوتی لیکن لمبائی کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہو جاتی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اس میں بھی خط سے مراد آپ قلم سے جو خط کھینچیں وہ مراد نہیں ہے اس کی تو تقسیم ہو سکتی ہے، بلکہ یہ بھی چھوٹے سے چھوٹا، باریک سے باریک جس کی آگے چوڑائی میں تقسیم نہ ہو سکے۔ اور سطح، سطح وہ ہے جس کی لمبائی بھی ہو اور چوڑائی بھی ہو لیکن گہرائی نہ ہو۔ یعنی لمبائی میں بھی وہ تقسیم ہو سکتا ہے، چوڑائی میں بھی تقسیم ہو سکتا ہے، لیکن گہرائی میں تقسیم نہیں کیونکہ گہرائی اس کی ہے ہی نہیں۔ جیسے مثلاً میز کی سطح مراد لے لیں، میز کی ہموار سطح، تو یہ صرف اوپر والا حصہ جس کی گہرائی ذرا بھی نہیں، صرف لمبائی ہے اور صرف چوڑائی، اسے کہیں گے سطح بھئی۔ اور ایک ہے جسم۔ جسم اسے کہتے ہیں جس کی لمبائی بھی ہوتی ہے، چوڑائی بھی ہوتی ہے اور گہرائی بھی۔ مثلاً یہ کتاب میرے سامنے پڑی ہے، اس کی لمبائی بھی ہے، چوڑائی بھی ہے اور دیکھیے گہرائی یعنی اونچائی بھی ہے۔ گہرائی سے کیا مراد ہے؟ اونچائی، یا یوں کہیں موٹائی ہے بھئی۔ لمبائی، چوڑائی اور موٹائی کہہ لیں۔

تو جسم کے اندر یہ تینوں چیزیں ہوں گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ نقطہ کسے کہیں گے؟ جو نہ لمبائی میں تقسیم کو قبول کرے، نہ چوڑائی میں اور نہ گہرائی میں۔ خط کسے کہتے ہیں؟ جو لمبائی میں تو صرف تقسیم ہو سکتی ہے اس کی کیونکہ خط لمبا ہوگا، لیکن گہرائی اور چوڑائی کے اعتبار سے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ سطح میں کیا ہوگا؟ لمبائی میں بھی تقسیم ہو سکتی ہے، چوڑائی میں بھی تقسیم ہو سکتی ہے، لیکن گہرائی اس کی ہوتی نہیں ہے تو گہرائی میں اس کی تقسیم بھی نہیں ہوگی۔ اور چوتھی چیز کیا ہے؟ جسم۔ جسم تو ہر چیز یہ جو آپ کو دکھائی دے رہی ہے یہ جسم ہے، قلم ہے، یہ آپ کی کتاب ہے، یہ کاپی ہے، یہ تپائی ہے، یہ ہر چیز کیا ہے؟ جسم ہے، کیونکہ ان سب کی کوئی لمبائی بھی ہے، گہرائی بھی ہے اور چوڑائی بھی ہے۔

تو اب دیکھیے یہاں جسم کا لفظ آیا تھا اس لیے اتنی تفصیل بیان کرنا پڑی۔ تو جسم معلوم ہوا اس میں چوڑائی بھی ہوگی، لمبائی بھی ہوگی اور گہرائی بھی ہوگی۔ اب دیکھیے مثلاً بھئی کتاب پر: الْجِسْمُ الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ۔ حَيِّز کہتے ہیں جگہ کو۔ حَيِّز کسے کہتے ہیں؟ جگہ کو۔ آپ دوسرے کو یہ بات بتلانا چاہتے ہیں، ذرا درمیان سے الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ اس کو نکال دیں: الْجِسْمُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ۔ جسم کیا ہے؟ يَشْغَلُ وہ گھیرتا ہے، مشغول کرتا ہے یعنی گھیرتا ہے حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ جگہ کو مِنَ الْفَرَاغِ خالی جگہ میں سے۔ فَرَاغ کہتے ہیں خالی جگہ، یا یوں کہہ لیں فضا۔ کیا معنی کر لیں؟ فضا۔

بھئی دیکھیے ہر جسم کے لیے کھلی جگہ چاہیے، خالی جگہ چاہیے جس میں وہ سما جائے۔ ہر جسم کے لیے کیا چاہیے؟ خالی جگہ چاہیے جس میں وہ سما جائے۔ مثلاً دیکھیے یہ کتاب میرے سامنے تپائی پر پڑی ہے، تو اس کتاب نے ایک جگہ گھیری ہوئی ہے۔ کیا گھیری ہوئی ہے؟ جگہ۔ جگہ سے یہ مراد نہیں ہے یہ جو تپائی کے اوپر پڑی ہے تپائی پر اس نے جگہ گھیری ہوئی ہے، بلکہ اس کتاب کو اگر آپ دھاگے سے لٹکا دیں چھت سے، اب اس نے کوئی جگہ گھیری ہوئی ہے؟ جی ہاں، اب بھی اس نے جگہ گھیری ہوئی ہے، تو وہ زمین پر جو جگہ گھیری ہوتی ہے وہ مراد نہیں ہے۔ بھئی یہ کتاب آپ نے دھاگے سے فضا سے لٹکا دی، تو جس جگہ پر یہ کتاب ہے اب اس سے پہلے اس جگہ پر کیا تھی؟ مثلاً ہوا تھی، یا یوں کہہ لیں چلو خالی تھی، یہ جگہ کیا تھی؟ خالی۔ تو پہلے یہ جگہ خالی تھی اب کتاب نے اسی جگہ کو بھر دیا بھئی جتنے حصے میں کتاب ہے بھئی۔ تو اگر یہ خالی جگہ نہ ہو تو اس

کتاب کا وجود ہی نہیں ہو گا۔ کتاب کے لیے، جسم کے لیے کیا چاہیے؟ خالی جگہ، خالی فضا چاہیے جس میں وہ سما جائے، یعنی وہ خالی حصہ جس کو یہ بھر دیتا ہے جسم بھئی۔ اگر جسم کے لیے خالی جگہ نہ ہو تو جسم کا وجود کہاں ہو گا بھئی؟ جو بھی چیز ہو اس کا کوئی وجود ہو گا یا نہیں؟ اور وہ وجود کسی فضا کو بھرے گا یا نہیں بھرے گا بھئی؟ جب ایک جسم ہے اس کی لمبائی بھی ہے، چوڑائی بھی ہے، اونچائی بھی ہے، تو اتنی ہی جگہ بھی اس کے لیے چاہیے فضا کے اندر خالی جگہ۔ اگر اس کے لیے جگہ ہی نہیں ہے تو پھر تو لمبائی چوڑائی گہرائی کہاں پائی جائے گی بھئی؟ بات بھی سمجھ میں آئی کہ مشکل ہو گئی؟ سمجھ میں آگئی؟ تو کتاب مثلاً آپ نے دھاگے سے کوئی لٹکائی ہے، کوئی اور چیز مثلاً گیند ہے۔ گیند کو آپ نے چھت سے لٹکا دیا، تو اسی جگہ پر جہاں گیند لٹکی ہوئی ہے پہلے یہ جگہ کیا تھی؟ خالی تھی، اب اس کو کس نے بھر دیا؟ گیند نے۔ تو یہ گیند کا وجود ہی تب ہو گا جب اس کے لیے خالی جگہ بھی ہو جس کو یہ بھر دے۔ اگر اس گیند کے لیے جگہ ہی نہیں ہے جس میں یہ پائی جائے تو پھر اس کا جسم کہاں پایا جائے گا؟ جسم تو جب بھی پایا جائے گا وہ کیا کرے گا؟ کسی نہ کسی جگہ کو بھر دے گا، کوئی جگہ اس کے لیے چاہیے ہو گی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «الْجِسْمُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ» کی تشریح

تو اب آپ دوسرے کو یہ بتلانا چاہتے ہیں بھئی، دیکھیے پھر کتاب پر: الْجِسْمُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ، جسم جو ہے یہ گھیر لیتا ہے حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ جگہ کو مِنَ الْفَرَاغِ خالی جگہ میں سے یعنی فضا میں سے۔ جسم کیا ہوتا ہے؟ فضا میں سے خالی جگہ کو گھیر لیتا ہے، اس کے لیے جگہ چاہیے، جسم کے لیے جگہ چاہیے۔ اب یہ بات آپ دوسرے کو کہنا چاہتے ہیں، لیکن آپ کے ذہن میں خیال ہے کہ شاید یہ سننے والے کو جسم کا ہی پتا نہ ہو کہ جسم کہتے کس کو ہیں، تو اب آپ اس کو بتلاتے ہیں کہ جسم وہ ہوتا ہے جس کی گہرائی بھی ہوتی ہے، جس کی چوڑائی بھی ہوتی ہے، جس کی کیا ہوتی ہے؟ موٹائی، تو جسم کہتے ہی اس کو ہیں، تو لہٰذا اب آپ اس کو صفت کے طور پر لے آتے ہیں: الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ۔ طَوِيلٌ کا معنی لمبا، عَرِيضٌ کا معنی چوڑا، عَمِيقٌ کا معنی گہرا۔ تو اب آپ نے کیا کہا: الْجِسْمُ الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ، وہ جسم جو لمبا بھی ہو، چوڑا بھی ہو، گہرا بھی ہو وہ گھیر لیتا ہے حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ فضا میں سے ایک جگہ کو گھیر لیتا ہے۔ تو یہاں پر یہ صفت کاشفہ صرف طَوِيلٌ نہیں ہے، صرف عَرِيضٌ نہیں ہے، صرف عَمِيقٌ نہیں ہے، بلکہ یہ تینوں مل کر کشف کر رہے ہیں، معنی کو بیان کر رہے ہیں۔ کس کا معنی بیان کر رہے ہیں؟ جسم کا۔ تو الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ ان کا مجموعہ مراد ہے، یہ ہے صفتِ کاشفہ۔ یہ اسی الْجِسْمُ کے معنی کو بیان کر رہی ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا صفت کبھی کشفِ معنی کے لیے بھی آئے گی، موصوف کے معنی کو کھول دے گی، اور ایسی صفت کو کیا کہتے ہیں؟ صفتِ کاشفہ کہتے ہیں۔

وَالتَّأْكِيدِ اور کبھی صفت کس لیے آئے گی؟ تاکید کے لیے ہو گی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ، وہ پورے دس ہیں۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ، عَشَرَةٌ موصوف، كَامِلَةٌ اس کی صفت۔ تو یہاں كَامِلَةٌ صفت جو ہے یہ تاکید کے لیے آئی۔ عَشَرَةٌ کا معنی دس، كَامِلَةٌ نے اسی معنی کو پکا کر دیا کہ پورے دس ہیں، کم یا زیادہ نہیں۔ جیسے رَجُلٌ وَاحِدٌ، رَجُلٌ موصوف، وَاحِدٌ اس کی صفت، تو رَجُلٌ کا معنی بھی تھا ایک آدمی، وَاحِدٌ نے اسی معنی کو کیا کر دیا؟ پکا کر دیا۔ تو عَشَرَةٌ کا معنی بھی ہوتا ہے پورے دس، كَامِلَةٌ نے آکر اسی معنی کو کیا کر دیا؟ پکا کر دیا، پختہ کر دیا، تو اس کو کہتے ہیں یہ صفت کس لیے ہوئی؟ تاکید کے لیے، یا یوں کہیں یہ صفتِ مؤکدہ ہے۔ کیا ہے؟ صفتِ مؤکدہ، تاکید پیدا کر رہی ہے، تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

وَالْمَدْحِ اور صفت کبھی مدح کے لیے ہو گی بھئی۔ مدح کے لیے یعنی تعریف کرنے کے لیے، نَحْوُ حَضَرَ خَالِدٌ الْهُمَامُ۔ حاضر ہو گیا، آگیا وہ خالد جو سردار ہے۔ هُمَامٌ سردار اور سخی وغیرہ بھئی۔ آگیا وہ خالد جو سردار ہے۔ بھئی یاد رکھیے، معرفہ میں صفت کبھی کبھار مدح یا ذم کے لیے آتی ہے۔ معرفہ میں صفت کبھی کبھار مدح یا ذم کے لیے، مدح یعنی تعریف کرنے کے لیے، ذم یعنی مذمت بیان کرنے کے لیے، برائی اور خرابی بیان کرنے کے لیے۔ تو معرفہ کی صفت ویسے تو توضیح، وضاحت کے لیے ہو گی لیکن کبھی کبھار معرفہ کی صفت کس لیے ہوتی ہے؟ مدح کے لیے، تعریف کے لیے، یا کبھی کس لیے ہوتی ہے؟ مذمت کے لیے ہوتی ہے بھئی، اور یہ موقع محل سے پتا لگ جاتا ہے بھئی۔

مثلاً دیکھیے بھئی: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ لفظِ اللَّهِ موصوف، الرَّحْمَنِ صفتِ اول، الرَّحِيمِ صفتِ ثانی۔ تو یہاں الرَّحْمَنِ اور الرَّحِيمِ جو صفات آئیں یہ صفت مدح کے لیے ہے، تعریف کے لیے ہے، توضیح کے لیے نہیں۔ یہ صفت کس لیے ہے؟ تعریف کے لیے، مدح کے لیے ہے، وضاحت کے لیے نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ توضیح کا کیا معنی تھا؟ اشتراک کو ختم کرنا۔ اب مجھے بتایئے لفظِ اللَّهِ یہ ذاتِ باری تعالیٰ کا نام ہے، اس میں کوئی اور شریک ہے ساتھ؟ اس میں تو کوئی شریک ہی نہیں، تو یہاں تو شرکت کا احتمال ہی نہیں تھا لہٰذا الرَّحْمَنِ معلوم ہوا یہ اشتراک کو ختم کرنے کے لیے نہیں ہے۔ نیز توضیح کا دوسرا معنی کیا بیان ہوا تھا؟ غیر کے احتمال کو ختم کر دینا۔ اور لفظِ اللَّهِ یہ علم ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے اور لفظِ اللَّهِ کی پھر آگے صفت آئی الرَّحْمَنِ، تو یہاں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ الرَّحْمَنِ نے غیر رحمٰن ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا کیونکہ اللہ کی ذات تو رحمٰن اور رحیم ہے، وہاں غیر رحمٰن ہونے کا احتمال بھی نہیں ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا یہاں صفت توضیح کے لیے نہیں کیونکہ یہ نہ اشتراک کے ختم کرنے کا فائدہ دے رہی ہے یہ صفت اور نہ یہ غیر کے احتمال کو ختم کرنے کا فائدہ دے رہی ہے، پھر اس کا کیا مقصد ہے؟ بھئی یہ صفت مدح کے لیے ہے، تعریف کے لیے۔ کس لیے ہے؟ تعریف کے لیے۔ اسی طرح الرَّحِيمِ صفتِ ثانی یہ بھی کس لیے ہے؟ مدح کے لیے ہے، تعریف کے لیے۔

جبکہ بعض اوقات معرفہ کی صفت مذمت کے لیے بھی لاتے ہیں، جیسے اس کی مثال: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ الشَّيْطَانِ موصوف، الرَّجِيمِ اس

کی صفت۔ وہ شیطان جو مردود ہے۔ تو الرَّجِيمِ صفت ہوئی شیطان کی اور لفظِ الشَّيْطَانِ ہے معرفہ، تو یہ معرفہ کی صفت آئی اور یہ بھی توضیح کے لیے نہیں کیونکہ توضیح کسے کہتے تھے؟ اشتراک کو ختم کرنا، تو یہاں الشَّيْطَانِ کے لفظ میں بھی اشتراک نہیں کہ الرَّجِيمِ آکر اس اشتراک کو ختم کر دے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ نیز یہاں غیر کا احتمال بھی نہیں، شیطان جب ہے تو وہ رجیم ہی ہے، غیر رجیم ہونے کا وہاں احتمال نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں پر الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ کے اندر جو یہ الرَّجِيمِ صفت آئی یہ توضیح کے لیے نہیں ہے، یعنی یہ نہ اشتراک کو ختم کرنے کا فائدہ دے رہی ہے نہ غیر کے احتمال کو ختم کرنے کا فائدہ دے رہی ہے، بلکہ یہ مذمت کے لیے ہے۔ کس لیے ہے؟ مذمت کے لیے۔

معلوم ہوا معرفہ کے اندر صفت توضیح کے لیے آتی ہے لیکن کبھی کبھار معرفہ کے اندر صفت مدح یا ذم کے لیے بھی آجاتی ہے۔ کس لیے؟ مدح یا ذم کے لیے بھی۔ میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے۔ اب آپ بتائیے یہ الْعَالِمُ صفت یہ توضیح کے لیے ہے یا مدح کے لیے ہے؟ تو یاد رکھیے، پتا کیسے چلے گا کہ کوئی صفت مدح کے لیے ہے یا ذم کے لیے یا وہ توضیح کے لیے ہے معرفہ کے اندر؟ تو یاد رکھیے، اگر سننے والے کو صفت کا پہلے سے علم ہے، پھر متکلم اس صفت کو لے کر آتا ہے تو معلوم ہوا پھر وہ توضیح کے لیے نہیں ہے بلکہ مدح یا ذم کے لیے ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے۔ اب اگر آپ کو پہلے علم نہیں تھا کہ وہ زید کیا ہے؟ عالم ہے، تو یہ صفت ہوئی توضیح کے لیے، اس نے وضاحت کر دی اور غیر عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا، معلوم ہوا زید کیا ہے؟ عالم۔ لیکن اگر آپ کو پہلے سے ہی پتا تھا کہ زید عالم ہے اور میں پھر آپ کو کہہ رہا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، تو اب معلوم ہوا یہ صفت بطورِ مدح کے لیے میں لایا ہوں بھئی۔ کس لیے لایا ہوں؟ مدح کے لیے، تعریف کے طور پر لایا ہوں، اس لیے کیونکہ یہ توضیح کا تو فائدہ دے ہی نہیں رہی، توضیح کا فائدہ تب ہوتا اگر آپ کو علم نہ ہوتا۔

تو یاد رکھیے، معرفہ میں صفت قبل العلم ہو تو وہ توضیح کے لیے ہوگی، اور بعد العلم ہو تو وہ مدح یا ذم کے لیے ہوگی۔ معرفہ میں صفت قبل العلم، اگر سننے والے کو اس کا علم نہیں تھا تو وہ کس لیے ہوگی؟ توضیح کے لیے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، اگر آپ کو زید کے عالم ہونے کا علم نہیں تھا تو پھر یہ کس لیے ہوئی؟ پہلے تو آپ کو پتا نہیں تھا زید عالم ہے، اب کیا پتا لگا؟ کہ زید عالم ہے، تو یہ کس لیے ہوئی؟ توضیح کے لیے۔ تو قبل العلم صفت کس لیے ہوتی ہے؟ توضیح کے لیے، یعنی جب تک آپ کو علم نہیں تھا۔ اب جب آپ کو پتا ہے، پھر میں کہوں جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، تو اب یہ صفت کس لیے ہوئی؟ مدح کے لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو صفت قبل العلم ہو یعنی سننے والے کو اس کا پتا نہیں تھا تو یہ کس لیے ہوگی؟ توضیح کے لیے، اگر آپ کو صفت کا پہلے پتا نہیں تھا تو معلوم ہوا اب آپ کو پتا لگ گیا تو یہ توضیح کے لیے ہوئی۔ اور اگر آپ کو پہلے سے ہی پتا تھا پھر بھی میں صفت لے کر آیا، معلوم ہوا یہ توضیح کے لیے نہیں ہے بلکہ کس لیے ہے؟ مدح کے لیے یعنی تعریف کرنے کے لیے ہے اگر مدح والی ہو، یا مذمت کے لیے ہوگی اگر مذمت والی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «نَحْوُ حَضَرَ خَالِدٌ الْهُمَامُ» کی تشریح

وَالْمَدْحِ اور مدح کے لیے نَحْوُ حَضَرَ خَالِدٌ الْهُمَامُ، حاضر ہوا وہ خالد جو سردار ہے۔ تو اگر یہ سردار ہونا آپ کو پہلے پتا نہیں تھا اب آپ کو پتا چل گیا کہ خالد تو کیا ہے؟ سردار، تو معلوم ہوا یہ صفت توضیح کے لیے ہے اس نے وضاحت کر دی ہے۔ لیکن اگر آپ کو پہلے سے ہی پتا ہے کہ خالد تو ہے سردار اور میں پھر کہہ رہا ہوں حَضَرَ خَالِدٌ الْهُمَامُ، تو معلوم ہوا یہ صفت کس لیے میں لے کر آیا ہوں؟ مدح کرنے کے لیے، اس کی تعریف کرنے کے لیے میں لے کر آیا ہوں کہ وہ سردار ہے یا وہ سخی ہے بھئی، دونوں معنی اس کے آتے ہیں۔

تو یہ تو مدح کی مثال تھی۔ وَالذَّمِّ اور ذم، مذمت۔ اچھا بھئی یاد رکھیے، یہ جو مدح اور ذم ہے، صفت کبھی کبھار مدح یا ذم کے لیے بھی لاتے ہیں۔ مثلاً دیکھیے بھئی: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، لفظِ اللَّهِ مجرور ہے تو الرَّحْمَنِ صفت بھی کیا ہے؟ مجرور، الرَّحِيمِ صفت بھی کیا ہے؟ مجرور۔ یاد رکھیے، کبھی مدح کے طور پر صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع یا نصب پڑھ دیتے ہیں۔ کلامِ عرب میں کبھی کیا کیا جاتا ہے؟ توجہ ہے بھئی؟ صفت ہوتی ہے، اس پر وہی اعراب آنا چاہیے جو موصوف پر آیا تھا، لیکن کہنے والا کیا کرتا ہے اس صفت پر موصوف کے مطابق اعراب نہیں پڑھتا بلکہ اس پر نصب پڑھ دیتا ہے یا اس پر رفع پڑھ دیتا ہے۔ مثلاً: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، الرَّحْمَنِ نون کے نیچے کیا پڑھنا ہے؟ کسرہ، لیکن مدح کے طور پر کوئی اس کو کس طرح پڑھتا ہے؟ الرَّحْمَنَ الرَّحِيمَ، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنَ الرَّحِيمَ۔ بِسْمِ اللَّهِ، لفظِ اللَّهِ تو موصوف ہے وہ تو اسی طرح ہے، آگے صفت کیا تھی؟ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وہ بھی کیا ہونی چاہیے؟ مجرور ہونی چاہیے، لیکن متکلم کیا کرتا ہے دونوں پر نصب پڑھ دیتا ہے، وصفیت سے کاٹ کر ان پر نصب پڑھ دیتا ہے: الرَّحْمَنَ الرَّحِيمَ۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو عربی زبان میں کبھی کیا کیا جاتا ہے بطورِ مدح کے صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر نصب پڑھ دیتے ہیں، اور کبھی اسی طرح اس پر رفع پڑھ دیتے ہیں۔ نصب کی حالت میں کیسے پڑھیں گے بسم اللہ؟ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنَ الرَّحِيمَ۔ اسی پر رفع بھی پڑھ دیتے ہیں بعض اوقات بطورِ مدح کے: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ۔ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ تو دونوں پر میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ رفع پڑھ رہا ہوں۔ یہ کس لیے؟ بطورِ مدح کے۔ تھی تو یہ صفت لیکن میں نے صفت سے کاٹ کر اس پر کیا پڑھا؟ رفع پڑھ دیا یا اس پر کیا پڑھ دیا؟ نصب پڑھ دیا۔ تو جیسے یہ مدح کے لیے ہوتا ہے اسی طرح مذمت کے موقع پر بھی ایسا کرتے ہیں: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، الشَّيْطَانِ

موصوف ہے، الرَّجِيمِ اس کی صفت ہے، تو موصوف ہے مجرور تو صفت کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مجرور، لیکن میں اس پر مثلاً کیا پڑھ دیتا ہوں؟ نصب: الشَّيْطَانِ الرَّجِيمَ، یا اس پر میں پیش پڑھ دیتا ہوں: الشَّيْطَانِ الرَّجِيمُ. تو یہ کس لیے ہے؟ مذمت کے لیے۔ تو کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے بطورِ مدح کے صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر کیا پڑھ دیا جاتا ہے؟ نصب پڑھ دیا جاتا ہے یا اس پر کیا پڑھ دیا جاتا ہے؟ رفع پڑھ دیا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا پھر ترکیب کیا ہوگی؟ جب نصب پڑھا کیوں نصب پڑھا، رفع پڑھا تو کیوں رفع پڑھا؟ تو اس کی وجہ بھی یاد رکھنا۔ جب اس پر ہم نصب پڑھتے ہیں تو یہ مفعول واقع ہوتی ہے أَعْنِي فعل کے لیے۔ کس کے لیے؟ أَعْنِي۔ أَعْنِي کا کیا معنی؟ میری مراد یہ ہے، أَعْنِي متکلم کا صیغہ ہے۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، شروع اللہ کے نام کے ساتھ، الرَّحْمَنِ الرَّحِيمَ أَيْ أَعْنِي الرَّحْمَنَ الرَّحِيمَ، میری مراد کون ہے؟ میری مراد وہ ذات جو رحمٰن ہے، وہ ذات جو رحیم ہے۔ تو یہ أَعْنِي کے لیے مفعول ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذمت کے موقع پر: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمَ، کیا معنی؟ الشَّيْطَانِ أَعْنِي الرَّجِيمَ، کہ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کس سے؟ شیطان مردود سے۔ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں شیطان مردود سے، تو الشَّيْطَانِ موصوف، الرَّجِيمِ اس کی صفت۔ لیکن یہاں الرَّجِيمَ اگر آپ پڑھیں: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمَ، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں شیطان سے أَعْنِي الرَّجِيمَ میری مراد وہ شیطان جو مردود ہے۔

تو یہ تھی نصب کی وجہ۔ اور رفع پڑھتے ہیں اسی پر بھئی مدح اور ذم کی بنا پر، پھر ترکیب میں کیا ہوں گے؟ پھر یاد رکھیے یہ خبر بنیں گے، مبتدا ان کا محذوف ہوگا۔ کیا بنیں گے؟ خبر، اور خبر پر رفع پڑھتے ہیں یا نصب پڑھتے ہیں؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، خبر پر کیا پڑھتے ہیں؟ خبر پر رفع پڑھتے ہیں، تو اس صورت میں یہ خبر۔ تو بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ، تو ترکیب کوئی آپ سے پوچھے الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ پر پیش کیوں پڑھا؟ آپ کیا جواب میں کہیں گے؟ یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کے لیے: أَيْ هُوَ الرَّحْمَنُ هُوَ الرَّحِيمُ۔

تو کہتے ہیں وَالْمَدْحِ نَحْوُ حَضَرَ خَالِدٌ الْهُمَامُ، وَالذَّمِّ اور ذم کے لیے نَحْوُ مثال کے طور پر: وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ اور اس کی وہ بیوی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، حَطَب کہتے ہیں لکڑیوں کو بھئی، اور اس کی وہ بیوی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ جو لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے، جو لکڑیاں اٹھائے ہوئے ہے یعنی لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔ بھئی یہ سورۂ لہب کے اندر: سَيَصْلَى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ ابولہب یہ حضور علیہ السلام کے چچا تھے لیکن حضور علیہ السلام کو تکالیف دینے میں پیش پیش رہتے بھئی۔ تو ان کے بارے میں اللہ کیا فرماتے ہیں: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ، برباد ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ وَتَبَّ اور وہ برباد ہو ہی چکا، یعنی اس کا برباد ہونا یقینی ہے۔ اسی میں آگے اللہ فرماتے ہیں: سَيَصْلَى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ عنقریب وہ داخل ہوگا بھڑکتے ہوئے شعلوں والی آگ میں وَامْرَأَتُهُ اور اس کی بیوی بھی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ جو لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔

■ قولہ: «حَمَّالَةَ الْحَطَبِ» کی تشریح

اب یہاں دیکھیے وَامْرَأَتُهُ یہ ہے موصوف اور حَمَّالَةَ الْحَطَبِ یہ ہے اس کی صفت، اور موصوف مرفوع ہو تو صفت پر بھی کیا پڑھتے ہیں؟ رفع پڑھتے ہیں۔ تو وَامْرَأَتُهُ مرفوع ہے تو ہونا کیا چاہیے؟ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ، لیکن یہاں کیا پڑھا گیا؟ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ نصب پڑھا گیا، یہ اسی ذم کی بنا پر ہے جو میں نے ابھی بیان کیا کہ کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے مدح یا ذم کی بنا پر نصب یا رفع پڑھ دیا جاتا ہے۔ تو یہ ترکیب میں کس طرح ہوگا؟ وَامْرَأَتُهُ أَعْنِي حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، اور ان کی وہ بیوی بھی، میری مراد وہ ہے جو لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔

بھئی یہ لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے اس کا کیا معنی ہے؟ مفسرین حضرات نے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس میں اس کے بخل کی طرف، بخیل ہونے کی طرف اور کنجوس ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بڑے مالدار تھے بھئی، لیکن اس کے باوجود یہ بیوی ان کی اتنی بخیل تھی، اتنی کنجوس تھی کہ لکڑیاں بھی خود جنگل سے اکٹھی کر کے لاتی تھی بھئی تاکہ کسی اور کو کچھ نہ دینا پڑے، میں خود ہی یہ لے آؤں بھئی۔ تو اتنی بخیل تھی، تو بخل کی طرف اشارہ ہے، اور وہ بیوی جو لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔ اور بعضوں نے کہا یہ اشارہ ہے کہ یہ جو لکڑیاں لاتی تھی تو اس میں سے کانٹے دار لکڑیاں جو ہیں وہ چن چن کر حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی ان کو تکلیف دینے کے لیے، تو یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یا تو بعضوں نے کہا کس کی طرف اشارہ؟ بخل کی طرف اشارہ ہے کہ کسی اور سے کام وغیرہ نہیں کرواتی کہ کچھ دینا نہ پڑے بلکہ مالدار ہونے کے باوجود لکڑیاں لینے خود جاتی ہے جنگل میں۔ اور بعضوں نے کہا کہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ بعضوں نے کہا یہ آخرت کی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں یہ اس طرح جہنم میں داخل ہوگی بھئی۔ اور بعضوں نے کہا کہ یہ کنایہ ہے چغل خور ہونے سے۔ کس چیز سے؟ چغل خور۔ چغلی کسے کہتے ہیں بھئی، کیا معنی ہوتا ہے چغلی کرنے کا؟ ایک کی بات دوسرے کو جا کر بتانا یعنی ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانا، لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا، ایک کی بات ادھر بتانا دوسرے کی ادھر بتانا، ان کے آپس میں فتنہ و فساد پیدا کرنا، یہ کیا ہے؟ چغلی ہے بھئی۔ تو یہ بھی چغلیاں لگاتی پھرتی تھی بھئی، تو پھر یہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کے ذریعے کنایہ ہوا کس چیز سے؟ چغل خور ہونے سے، اور اس کی وہ بیوی بھی جو چغلی کھاتی پھرتی ہے، جو چغل خوری کرتی پھرتی ہے۔ بھئی کیا معنی لکڑیاں اٹھائے پھرنے سے کنایہ چغل خور ہونا کیسے ہوا؟ ذکر کیا ہے لکڑیاں اٹھائے پھرنا اور مراد کیا ہے؟ چغل خور ہونا، کیسے کنایہ ہوا؟ کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ یہ ایندھن سر پہ اٹھائے پھرتی ہے تاکہ

جہاں موقع ملے آگ لگاؤں بھئی۔ جہاں موقع ملے کیا کروں؟ آگ لگاؤں بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟ یعنی ہر جگہ ایندھن سر پر ہوتا ہے یعنی موقع ڈھونڈتی ہے کہاں پر میں فتنہ وفساد برپا کروں، چغلیاں کرتی ہے اور اس کے ذریعے فتنہ وفساد برپا کرتی ہے، یعنی دوسرے لفظوں میں یوں کہیں ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے کہ جہاں موقع ملے اور آگ لگادے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو بعضوں نے یہ معنی کیا۔

وَالتَّرَحُّمِ اور کبھی صفت کس لیے لائی جاتی ہے؟ ترحم کے لیے، رحم کے لیے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: ارْحَمْ إِلَى خَالِدِ الْمِسْكِينِ۔ کوئی شخص اللہ سے دعا کر رہا ہے اور اس کا نام خالد ہے، تو وہ اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کیا کہتا ہے؟ ارْحَمْ إِلَى خَالِدِ الْمِسْكِينِ، اے اللہ رحم فرما کس پر؟ اس خالد پر جو مسکین ہے۔ اب دیکھیے معرفہ کی صفت آئی، خَالِدِ معرفہ اور اس کی صفت الْمِسْكِينِ آئی۔ اور معرفہ میں صفت کس لیے ہوتی ہے؟ توضیح کے لیے، اور توضیح کا کیا معنی ہوتا ہے؟ اشتراک کو ختم کرنا تاکہ دوسرے کو پتا چل جائے کہ کون سا والا خالد مراد ہے، یا توضیح کا کیا معنی ہوتا ہے؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا تاکہ سننے والے کو پتا چل جائے کہ خالد مسکین ہے غیر مسکین نہیں۔ لیکن یہاں وہ دعا کر رہا ہے اور خطاب کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو جاننے والے ہیں لہٰذا یہاں صفت توضیح کے لیے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ خالد کیا ہے؟ مسکین ہے، تو لہٰذا یہ صفت توضیح کے لیے نہیں۔ پھر یہ کس لیے ہے؟ تو یہ ترحم کے لیے ہے، اس نے اپنی صفت مسکین ذکر کی تاکہ اللہ اس پر رحم فرمادیں اور اس کو معاف فرمادیں، مغفرت فرمادیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کبھی صفت ترحم کے لیے ہوگی نَحْوُ ارْحَمْ إِلَى خَالِدِ الْمِسْكِينِ۔ ہاں اسی میں یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: ارْحَمْ إِلَى خَالِدِ الْمِسْكِينَ، نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور رفع بھی پڑھ سکتے ہیں: ارْحَمْ إِلَى خَالِدِ الْمِسْكِينُ۔ تو ترحم کے لیے بھی کبھی نصب اور رفع پڑھا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح بھئی؟ تو معلوم ہوا کلامِ عرب میں کبھی صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر موصوف والا اعراب نہیں پڑھتے بلکہ کیا پڑھ دیتے ہیں؟ نصب یا رفع پڑھتے ہیں، اور یہ رفع اور نصب کس لیے پڑھا جاتا ہے؟ یا تو مدح کے لیے بطورِ مدح کے، یا بطورِ مذمت کے ہوگا اور کبھی کس لیے ہوگا؟ ترحم کے لیے ہوگا بھئی۔ تو یہ ہیں صفات کے لانے کے کچھ فائدے جو انہوں نے ذکر کر دیے۔ تو جب ان میں سے کوئی فائدہ آپ کا مقصد ہو تو آپ اسی کے مطابق تابع کو اپنے کلام میں لے کر آئیں بھئی، کیونکہ تابع یہ معنی ادا کر رہا ہے اور یہی معنی آپ دوسرے کو پہنچانا چاہتے ہیں، تو یہ معنی تو تابع ادا کر رہا ہے تو اسی کو آپ کو بھی استعمال کرنا پڑے گا اپنے کلام میں۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۴: عطفِ بیان، بدل (کل، بعض، اشتمال، غلط) اور عطفِ نسق کے ساتھ تقیید کی بلاغی اغراض

دروس البلاغہ صفحہ: ۶۷ــــ بتاریخ: ۳۰ دسمبر ۲۰۱۲ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَعَطْفُ الْبَيَانِ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ التَّوْضِيحِ نَحْوُ أَقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، أَوْ لِلتَّوْضِيحِ مَعَ الْمَدْحِ نَحْوُ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ۔

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

توابع کے لانے میں کیا کیا مقاصد ہوتے ہیں یہ بیان ہو رہا ہے۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ توابع کے ساتھ کلام کو مقید کیا جاتا ہے ان غرضوں کے لیے جو ان توابع سے مقصود ہوتے ہیں۔ یعنی جو فائدہ توابع دیتے ہیں متکلم کی غرض بھی وہی ہو تو پھر وہ کس کے ساتھ اپنے کلام کو مقید کرے گا؟ توابع کے ساتھ۔ مثلاً صفت جو ہے وہ تمیز کا فائدہ دیتی ہے، یعنی دو چیزوں میں امتیاز کر دیتی ہے، ان کو جدا کر دیتی ہے ایک دوسرے سے۔ تو اگر متکلم کی غرض بھی تمیز ہو تو پھر اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ اپنے کلام کو صفت کے ساتھ مقید کرنا پڑے گا۔

اور پھر صفت کے اور بھی کئی فائدے ذکر ہوئے تھے کہ صفت جو ہے کبھی کشفِ معنی کے لیے آئے گی، یعنی موصوف کے معنی کو کھول کر بیان کر دے گی اور اسے صفتِ کاشفہ کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی آپ نے پڑھا کہ صفت کبھی کبھار تاکید کے لیے آتی ہے، یعنی وہی معنی جو موصوف کا ہوتا ہے اسی معنی کو آکر پختہ کر دیتی ہے بھئی۔ اور اسی طرح کبھی صفت مدح یا ذم کے لیے بھی آئے گی، یا اسی طرح ترحم کے لیے آئے گی بھئی۔ اور مدح اور ذم اور ترحم جو ہے یہ بعض اوقات ایک لفظ کو وصفیت سے کاٹ کر مدح، ذم یا ترحم کے لیے اس پر رفع یا نصب بھی پڑھا جاتا ہے کلامِ عرب کے اندر بھئی۔

جبکہ یہ بھی آپ نے پڑھا کہ نکرہ میں جو صفت آتی ہے وہ تخصیص کے لیے ہوتی ہے۔ کس لیے؟ وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے بھئی۔ اور تخصیص کا ایک معنی میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ تخصیص کسے کہتے ہیں کہ مذکور کے لیے اگر ایک چیز کو ثابت کیا جائے تو باقیوں سے اس کی نفی ہو، اور اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی کی جائے تو باقیوں کے لیے اس کا اثبات ہو، یہ بھی تخصیص ہے لیکن یہ تخصیص یہاں نہیں مراد۔ بلکہ نکرہ کے اندر صفت تخصیص کے لیے آتی ہے، اس تخصیص سے مراد ہے دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا ان کو کم کرنا بھئی۔ تو بعض صورتوں میں دیگر احتمالات کم ہو جاتے ہیں نکرہ کی صفت لانے سے، اور بعض صورتوں میں احتمالات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔

آج عطفِ بیان لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں وہ بیان کر رہے ہیں کہ اس کے لانے کے کیا فائدے ہیں۔ کہتے ہیں وَعَطْفُ الْبَيَانِ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ التَّوْضِيحِ، کہ عطفِ بیان جو ہے وہ صرف توضیح کے لیے ہو گا، اور آگے آ رہا ہے أَوْ لِلتَّوْضِيحِ مَعَ الْمَدْحِ یا توضیح کے ساتھ ساتھ مدح کے لیے۔ یعنی عطفِ بیان جب لایا جائے تو کبھی اس کے ذریعے مقصود صرف توضیح ہو گی۔ یاد رکھیے عطفِ بیان: أَقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، اس جملے میں لفظِ عُمَرُ جو آیا یہ ہے عطفِ بیان، اور أَبُو حَفْصٍ جو اس سے ماقبل میں آیا اس کو کہتے ہیں معطوف علیہ۔ کیا کہتے ہیں؟ معطوف علیہ۔ تو عطفِ بیان جس لفظ کا ہو اس لفظ کو معطوف علیہ کہتے ہیں۔ تو یہ عُمَرُ کس کی وضاحت کر رہا ہے؟ أَبُو حَفْصٍ کی وضاحت کر رہا ہے، تو أَبُو حَفْصٍ کو کیا کہیں گے؟ معطوف علیہ۔

تو یہ جو عطفِ بیان لایا جاتا ہے کبھی اس کے ذریعے صرف معطوف علیہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے کہ اس کی وضاحت ہو جائے کہ کون مراد ہے اس سے، کیا معنی ہے اس کا۔ اور کبھی کبھار عطفِ بیان کے ذریعے معطوف علیہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کی مدح اور اس کی تعریف بھی مقصود ہو گی بھئی، تو دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں کس کے اندر؟ عطفِ بیان میں۔

تو کہتے ہیں وَعَطْفُ الْبَيَانِ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ التَّوْضِيحِ اور عطفِ بیان جو ہے وہ صرف توضیح کے لیے ہو گا، نَحْوُ مثال کے طور پر: أَقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، قسم کھالی ہے خدا کی ابو حفص عمر نے۔ اب دیکھیے أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ بھئی، یہ ابو حفص کنیت تھی حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی بھئی، لیکن یہ کنیت زیادہ مشہور نہیں۔ تو اگر صرف یہ کہا جائے أَقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ قسم کھالی ہے کس نے؟ ابو حفص نے، تو پتا نہیں چلتا کہ کون مراد ہیں اس سے۔ تو لہٰذا وضاحت کے لیے متکلم نے کیا کیا؟ أَبُو حَفْصٍ کے ساتھ ان کا نام عُمَرُ بڑھا دیا جس سے وہ مشہور ہیں بھئی۔ اب پتا چل گیا کہ ابو حفص سے کون مراد ہیں؟ عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مراد ہیں بھئی۔

■ قولہ: «رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» کی تشریح

تو یہ ایک دیہاتی آیا تھا اور حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے اس نے اونٹنی وغیرہ مانگی کہ میں دور رہتا ہوں اور میرے پاس جو اونٹنی ہے وہ زخمی ہے تو اب میرے لیے واپس جانا مشکل ہے، آپ مجھے بیت المال میں سے ایک اونٹنی عنایت فرما دیجیے اور سامان وغیرہ۔ تو حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے قسم کھا کر فرمایا کہ واللہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تو پھر وہ چل پڑا اور حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کہیں شہر سے باہر پھر بعد میں یا خود دیکھنے گئے ہوں گے تو وہ شخص جو ہے، وہ دیہاتی جو تھا وہ کچھ اشعار پڑھتا ہوا جا رہا تھا، شاید حضرت عمر کو اس نے دیکھ لیا ہو اس لیے بھی وہ اشعار پڑھے ہوں تو انہوں نے سن لیے، ان اشعار میں اس نے یہ لفظ کہے: أَقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، کہ ابو حفص عمر نے کیا کیا ہے خدا کی قسم کھالی ہے اور کہہ دیا ہے کہ تمہاری اونٹنی وغیرہ زخمی نہیں ہے بھئی۔ حالانکہ جب حضرت عمر نے دیکھا واقعی اس کی اونٹنی زخمی تھی، چنانچہ حضرت عمر نے اس کو پھر بیت المال سے اونٹنی بھی دی اور سفر کا خرچ وغیرہ بھی اس کو عنایت فرمایا بھئی۔ تو یہ بطورِ مثال کے ذکر کیا کہ یہاں عُمَرُ لفظ جو آیا یہ عطفِ بیان ہے أَبُو حَفْصٍ کے لیے۔

أَوْ لِلتَّوْضِيحِ مَعَ الْمَدْحِ یا عطفِ بیان کس لیے ہو گا؟ توضیح کے ساتھ ساتھ مدح کے لیے بھی ہو گا بھئی، یعنی اس میں وضاحت بھی ہو گی اور ساتھ ساتھ مدح بھی ہو گی بھئی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ۔ بنایا اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے قِيَامًا لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے قیام کا سبب، لوگوں کے لیے کھڑا ہونے کا سبب۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ بزرگی والا گھر ہے، جو کہ حرمت والا گھر ہے، اس کو لوگوں کے لیے قیام کا سبب بنایا ہے۔ تو دیکھیے یہاں پر الْكَعْبَةَ یہ ہے معطوف علیہ، اور الْبَيْتَ الْحَرَامَ یہ کیا ہے؟ عطفِ بیان۔ تو یہاں عطفِ بیان وضاحت کے ساتھ ساتھ مدح کا بھی فائدہ دے رہا ہے کہ یہ کعبہ جو ہے وہ کس قسم کا گھر ہے؟ حرمت والا گھر ہے، بزرگی والا گھر ہے، قابلِ حرمت ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ قابلِ حرمت ہے، قابلِ احترام ہے یعنی۔ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ بنایا اللہ نے کعبہ کو جو بزرگی والا گھر ہے قیام کا سبب لوگوں کے لیے۔

وَيَكْفِي فِي التَّوْضِيحِ أَنْ يُوَضِّحَ الثَّانِي الْأَوَّلَ عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَوْضَحَ مِنْهُ عِنْدَ الِانْفِرَادِ۔ بھئی یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے یہ تو بتلا دیا کہ عطفِ بیان کس لیے آتا ہے؟ وضاحت کے لیے آتا ہے، یعنی معطوف علیہ کے ساتھ جب عطفِ بیان آتا ہے وہ اس کی وضاحت کر دیتا ہے۔ تو اس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے معطوف علیہ جو ہوتا ہے اس میں اتنی وضاحت نہیں ہوتی اور عطفِ بیان میں کیا ہوتی ہے؟ زیادہ وضاحت ہوتی ہے، معلوم ہوا عطفِ بیان کا ہمیشہ زیادہ واضح ہونا ضروری ہے کس کے مقابلے میں؟ معطوف علیہ کے مقابلے میں۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی، یہ ضروری نہیں ہے کہ عطفِ بیان وہ معطوف علیہ سے زیادہ واضح ہو، بلکہ دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہو جائے تو یہ کافی ہے بھئی۔ دونوں کے ملنے سے وضاحت ہو جائے تو یہ کافی ہے۔ ہو سکتا ہے دونوں وضاحت کے اندر برابر ہوں لیکن جب دونوں مل گئے پھر پوری طرح وضاحت ہو گئی، تو یہ بات کافی ہے عطفِ بیان کے لیے بھئی، یعنی اس کا زیادہ واضح ہونا ضروری نہیں۔

مثلاً دیکھیے بھئی مثال سے وضاحت ہو گی۔ آپ کے تین ساتھی ہیں: دو کا نام زید ہے، ایک کا نام خالد ہے۔ دو ساتھیوں کا کیا نام؟ زید، اور ایک کا نام خالد۔ اور ان تین میں سے دو کی کنیت ابو بکر ہے اور ایک کی کنیت مثلاً ابو حفص ہے۔ تو ایک زید جو ہے اس کی کنیت ہے ابو حفص، اور ایک زید کی کنیت ابو بکر ہے جبکہ خالد کی کنیت بھی ابو بکر ہے۔ تو دو ساتھیوں کے نام کیا ہیں؟ زید، تیسرے کا خالد۔ ایک زید کی کنیت کیا؟ ابو حفص بھئی، دوسرے زید اور خالد دونوں کی کنیت کیا؟ ابو بکر۔ اب دیکھیے مثلاً آپ سے میں کہتا ہوں: جَاءَنِي أَبُو بَكْرٍ، کچھ پتا چلا آپ کو کہ زید مراد ہے یا خالد مراد ہے؟ آپ کو پتا نہیں چلا۔ اچھا اس کے بجائے اگر صرف میں یہ کہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ، کچھ پتا چلا آپ کو کون سا والا زید آیا ہے؟ یہاں بھی پتا نہیں چلا۔ لیکن اگر میں ساتھ کنیت ملا کر کہوں: جَاءَنِي أَبُو بَكْرٍ زَيْدٌ بھئی، کون آیا میرے پاس؟ ابو بکر زید آیا۔ اب آپ کو پتا چل گیا کہ وہ والا زید مراد ہے جس کی کنیت کیا ہے؟ ابو بکر ہے، وہ والا زید مراد نہیں جس کی کنیت ابو حفص ہے۔ تو دیکھیے دونوں برابر تھے، معطوف علیہ بھی دو پر صادق آ رہا تھا اور عطفِ بیان بھی کتنے پر صادق آ رہا ہے؟ دو پر، لیکن جب دونوں مل گئے اب وضاحت ہو گئی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے وَيَكْفِي فِي التَّوْضِيحِ أَنْ يُوَضِّحَ الثَّانِي الْأَوَّلَ عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ اور کافی ہے وضاحت کرنے میں یہ کہ وضاحت کرے دوسرا والا، یعنی کون، دوسرا کون ہے؟ عطفِ بیان، کہ وہ وضاحت کرے الْأَوَّلَ پہلے کی، پہلا کون؟ معطوف علیہ۔ تو کہتے ہیں وَيَكْفِي فِي التَّوْضِيحِ اور وضاحت کرنے میں یہ بات کافی ہے کہ دوسرا والا یعنی عطفِ بیان وہ وضاحت کرے پہلے والے یعنی معطوف علیہ کی عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ کس وقت؟ اجتماع کے وقت یعنی جب دونوں اکٹھے ہو جائیں، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَوْضَحَ مِنْهُ عِنْدَ الِانْفِرَادِ اگرچہ یہ اس سے زیادہ واضح نہ ہو اکیلے ہوتے ہوئے۔ اگرچہ عطفِ بیان اکیلا معطوف علیہ سے زیادہ واضح نہ ہو، معطوف علیہ بھی

کتنے پر صادق آرہا تھا؟ دو پر، اور عطفِ بیان بھی اکیلا کتنے پر صادق آرہا ہے؟ دو پر۔ تو اکیلے ہونے کی حالت میں تو عطفِ بیان زیادہ واضح نہیں ہے کس کے مقابلے میں؟ معطوف علیہ کے مقابلے میں، لیکن جب دونوں مل گئے تو کیا حاصل ہو گئی؟ وضاحت ہو گئی بھئی۔ یہ معنی ہے وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَوْضَحَ مِنْهُ عِنْدَ الِانْفِرَادِ اگرچہ عطفِ بیان زیادہ واضح نہ ہو معطوف علیہ سے اکیلے ہوتے ہوئے، كَعَلِيٍّ زَيْنِ الْعَابِدِينَ وَالْعَسْجَدِ الذَّهَبِ۔

بھئی یہ عَلِيٍّ زَيْنُ الْعَابِدِينَ مبتدا خبر نہ سمجھنا بھئی کہ عَلِيٍّ ہے مبتدا، زَيْنُ الْعَابِدِينَ کیا ہے اس کی خبر۔ بلکہ یہ بات چل رہی ہے عطفِ بیان کی، تو یہاں عَلِيٍّ ہے معطوف علیہ اور زَيْنُ الْعَابِدِينَ کیا ہے؟ عطفِ بیان۔ اسی طرح وَالْعَسْجَدِ الذَّهَبِ، عَسْجَد کیا ہے؟ معطوف علیہ، اور الذَّهَبُ کیا ہے؟ عطفِ بیان ہے۔ تو یہ مثلاً ایک جملے کا جز ہیں، جملے کے اندر یہ آرہے تھے مثلاً کلام کیا تھا: جَاءَنِي عَلِيٌّ زَيْنُ الْعَابِدِينَ۔ اور اسی طرح الْعَسْجَدِ الذَّهَبِ اس کو بھی کسی جملے میں مثلاً لے جائیں، کیا جملہ تھا؟ أَخَذْتُ الْعَسْجَدَ الذَّهَبَ۔ تو عَسْجَد سونے کو کہتے ہیں، الذَّهَبَ نے آکر بیان کر دیا اس کو بھئی، تو عَسْجَد ہوا معطوف علیہ اور الذَّهَبُ کیا ہے؟ سونا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو عَسْجَد کا معنی بھی سونا ہے بھئی، وہ سونا جو دھات ہے قیمتی دھات سونا اور چاندی، تو یہ عطفِ بیان ہے۔

■ قولہ: «وَعَطْفُ النَّسَقِ يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي...» کی تشریح

وَعَطْفُ النَّسَقِ يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا أَحْرُفُ الْعَطْفِ۔ بھئی اب عطفِ نسق کا بیان آیا۔ توابع کا بیان چل رہا ہے نا، توابع کئی چیزیں میں نے ذکر کی تھیں کل کے سبق میں کہ صفت

بھی کیا ہے؟ توابع میں سے ہے۔ اور اسی طرح بدل بھی کس میں سے ہے؟ توابع میں سے ہے۔ اور اسی طرح عطفِ بیان بھی کس میں سے ہے؟ توابع میں سے۔ اور اسی طرح معطوف یہ بھی کس میں سے ہے؟ توابع میں سے۔ تو یہ وہی معطوف کا اب ذکر آیا۔ یہ جو عطف ہوتا ہے حروف کے ذریعے اس کو عطفِ نسق بھی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ عطفِ نسق۔ نَسَق کا معنی ہے ترتیب بھئی۔ تو ان حروف کو حروفِ نسق بھی کہتے ہیں، یہ جو حروف عطف کا فائدہ دیتے ہیں کیا کہتے ہیں؟ حروفِ نسق۔ بھئی نَسَق کا معنی ہے ترتیب، چونکہ ان میں سے بعض لفظ وہ ترتیب کا فائدہ دیتے ہیں تو سب کا نام ہی حروفِ نسق رکھ دیا بھئی۔

جیسے فَا ترتیب کا فائدہ دیتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو۔ آیا میرے پاس زید پھر کون آیا؟ عمرو۔ تو یہ فَا نے ترتیب کا فائدہ دیا، معلوم ہوا زید پہلے آیا ہے اور عمرو اس کے فوراً بعد آیا ہے، تو یہ فائدہ فَا نے دیا ترتیب کا۔ اسی طرح ثُمَّ ہے وہ بھی ترتیب کا فائدہ دیتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا پھر کون آیا؟ عمرو آیا، معلوم ہوا زید پہلے آیا ہے اور عمرو اس کے بعد آیا ہے، یہ ثُمَّ نے فائدہ دیا۔ اس کے بجائے اگر واو ہوتا پھر یہ پتا نہ چلتا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اس کا کیا معنی ہے؟ میرے پاس زید آیا اور عمرو۔ اب اس میں زید کا لفظ پہلے ہے جملے کے اندر اور عمرو کا لفظ جملے میں مؤخر ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ زید پہلے آیا ہے اور عمرو بعد میں آیا ہے، ہاں اس نے صرف اتنا بتایا کہ آیا زید بھی ہے اور آیا عمرو بھی۔ چاہے زید پہلے آیا ہو پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، چاہے عمرو پہلے آیا ہو اور زید بعد میں پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، چاہے دونوں اکٹھے آئے ہوں پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، کیونکہ واو صرف کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا فائدہ دیتا ہے، یعنی دونوں کو حکم میں جمع کر دیتا ہے، یعنی آنے کا حکم جیسے زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی ثابت ہے۔ تو چاہے دونوں اکٹھے آئے ہوں پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔

لیکن فَا جب آئے گی تو فَا کا ماقبل اور مابعد اس میں ترتیب ہو گی۔ جو فَا سے ماقبل ہو گا وہ پہلے ہو گا، جو فَا کے بعد ہو گا وہ بعد میں: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، تو زید ہے فَا سے پہلے اور عمرو ہے فَا کے بعد، تو ترتیب میں بھی اسی طرح ہو گا، معلوم ہوا زید پہلے آیا ہے اور عمرو اس کے بعد۔ ثُمَّ میں بھی اسی طرح ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، تو یہ بھی ترتیب کا فائدہ دیتا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ فَا کے اندر ترتیب ہوتی ہے لیکن درمیان میں مہلت نہیں ہوتی: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، اس کا معنی ہے زید آیا اس کے فوراً بعد کون آگیا؟ عمرو آگیا۔ فَا کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ آپ پڑھ چکے ہیں اصولِ فقہ وغیرہ میں کہ تعقیب مع الوصل۔ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تعقیب مع الوصل۔ تعقیب ایک چیز کا دوسری کے پیچھے لانا یعنی ایک چیز دوسری کے بعد ہے، یہاں پر بھی جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو یہ عمرو کیا ہے؟ زید کے بعد ہے۔ اور تعقیب مع الوصل، وصل کا کیا معنی؟ صاد کے ساتھ وصل، ملا ہونا، یعنی زید کے آنے کے ساتھ ہی ملا ہوا ہے یعنی اس کے فوراً بعد ہی ہے عمرو کا آنا، یعنی زید کے آتے ہی فوراً کون آگیا تھا؟ عمرو آگیا۔

اور یہ فوراً کا یہ معنی نہ سمجھنا کہ ادھر زید داخل ہوا کمرے میں ساتھ ہی پیچھے فوراً عمرو بھی داخل ہو گیا، آپ کہیں اب فَا استعمال کریں گے، نہیں۔ اگر فرق بھی ہے، کچھ وقت بھی ہے، زید ابھی آیا، عمرو آدھے پونے گھنٹے بعد آگیا، پھر بھی آپ فَا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کا دارومدار عرف پر ہے، کس پر ہے؟ عرف، عام لوگوں پر ہے، یعنی عرف میں عام لوگوں میں اس کو زیادہ دیر سمجھا ہی نہیں جاتا۔ تو موقع محل کے مطابق دیکھیں گے، جہاں پر جتنی دیر کو زیادہ نہ سمجھا جائے وہاں پر فَا استعمال کریں گے، اور جہاں پر وقت کو زیادہ سمجھا جائے وہاں پر فَا کے بجائے کیا استعمال کریں گے؟ ثُمَّ استعمال کریں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ عرف کے اعتبار سے ہے، عرف میں جس کو تاخیر سمجھا جائے وہاں فَا نہیں استعمال کریں گے بلکہ ثُمَّ استعمال کریں گے، اور جس چیز کو عرف میں یعنی عام لوگوں میں جلدی سمجھا جائے وہاں ثُمَّ کے بجائے فَا استعمال کریں گے۔

تو کہتے ہیں وَعَطْفُ النَّسَقِ يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا أَحْرُفُ الْعَطْفِ، اور عطفِ نسق بھی يَكُونُ یہ ان غرضوں کے لیے ہو گا جن کو حروفِ

عطف ادا کرتے ہیں، یعنی حروفِ عطف جس معنی کو ادا کرتے ہیں اس کے لیے عطفِ نسق کیا جائے گا یعنی حروفِ عاطفہ کو استعمال کیا جائے گا۔ بات بھی سمجھ میں آئی یا نہیں؟ عطفِ نسق کسے کہتے ہیں؟ یہی جو عطف کیا جاتا ہے حروف کے ذریعے اس کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ نسق کہتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو۔ یہ جو عطف کیا جارہا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ نسق کہتے ہیں، اور نَسَق کا کیا معنی ہے؟ ترتیب، تو یہ بھی بعض صورتوں میں کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ ترتیب کا جیسے فَا ہے، ثُمَّ ہے، اسی طرح حَتّٰی ہے، تو یہ ترتیب کا فائدہ بعض صورتوں میں دیتے ہیں تو سارے کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ عطفِ نسق رکھ دیا گیا بھئی۔

■ قولہ: «لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا أَحْرُفُ...» کی تشریح

تو یہ کس لیے ہوگا؟ کہتے ہیں لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا أَحْرُفُ الْعَطْفِ یہ ان غرضوں کے لیے ہوگا جن کو حروفِ عطف ادا کرتے ہیں، یعنی حروفِ عطف جس معنی کا فائدہ دیتے ہیں۔ مثلاً فَا کس لیے آتی ہے؟ تعقیب مع الوصل کے لیے، تو اگر آپ اپنے کلام میں تعقیب مع الوصل کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو فَا استعمال کیجیے۔ ثُمَّ آتا ہے تعقیب مع التراخی کے لیے، تو اگر آپ اپنے کلام میں تعقیب مع التراخی کو بیان کرنا چاہتے ہیں، یہ آپ کی غرض ہے، تو اس کا فائدہ تو ثُمَّ دیتا ہے تو آپ کو کیا استعمال کرنا پڑے گا؟ ثُمَّ استعمال کرنا پڑے گا بھئی۔

یہ معنی ہے كَالتَّرْتِيبِ جیسے کہ ترتیب ہے مَعَ التَّعْقِيبِ ساتھ پیچھے لانے کے، یعنی کہ ایک چیز دوسری کے عقب میں آئی، ایک چیز دوسری کے پیچھے آئی، فِي الْفَاءِ کس کے اندر ہوگا یہ؟ فَا کے اندر ہوگا: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، تو یہ معلوم ہوا کہ عمرو جو ہے زید کے بعد آیا ہے۔ وَمَعَ التَّرَاخِي اور تراخی کے ساتھ ہوگا فِي ثُمَّ کس کے اندر؟ ثُمَّ میں، تراخی یعنی تاخیر کے ساتھ، کچھ مؤخر ہوگا۔ تو جہاں پر آپ فَا استعمال کریں وہاں معلوم ہوا بعد والا بعد میں ہے لیکن فوراً ہی ہے، درمیان میں مہلت اور وقت نہیں ہے۔ اور جہاں پر مہلت ہے، کچھ تاخیر ہے، بعد والا ہے تو بعد میں لیکن کچھ تاخیر کے ساتھ ہے تو وہاں کیا استعمال کریں گے؟ ثُمَّ۔ مثلاً زید آیا اس کے فوراً بعد ہی کون آگیا تھا؟ عمرو، تو کہیں گے جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو۔ اور اگر زید کے تھوڑی دیر بعد جا کر پھر عمرو آیا تو اب کچھ تاخیر ہوگئی ہے تو اب فَا نہیں استعمال کریں گے بلکہ کیا استعمال کریں گے؟ ثُمَّ، تو یوں کہیں گے جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو۔ صورت سمجھ بھی آرہی ہے؟

اور یہ بھی میں نے بتایا جلدی کس کو کہیں گے اور تاخیر کس کو کہیں گے اس کا دارومدار کس پر ہے؟ عرف پر ہے، لوگوں پر ہے۔ یعنی جس کو لوگ جلدی سمجھتے ہوں تو وہ جلدی ہوگا چاہے گھنٹہ گزر گیا ہے، چاہے دو گھنٹے گزر گئے ہیں، چاہے تین گھنٹے گزر گئے ہیں، چاہے ایک دن گزر گیا ہے پورا، لیکن اگر اس کو جلدی سمجھا جاتا ہے تو وہاں پر کیا استعمال کریں گے؟ فَا۔ اور اگر عام لوگوں میں اس کو کیا سمجھا جاتا ہے؟ تاخیر سمجھا جاتا ہے تو وہاں پر ثُمَّ استعمال کریں گے۔ كَالتَّرْتِيبِ مَعَ التَّعْقِيبِ فِي الْفَاءِ جیسے ترتیب ہے تعقیب کے ساتھ، تعقیب کا کیا معنی ہے؟ ایک چیز کو دوسری چیز کے پیچھے لانا، اس کے عقب میں لانا، فِي الْفَاءِ یہ کس میں ہوگا؟ فَا میں۔ وَمَعَ التَّرَاخِي فِي ثُمَّ اور تراخی یعنی تاخیر کے ساتھ ہوگا کس کے اندر؟ ثُمَّ میں۔ یہ تھے عطفِ نسق کے کچھ فائدے بھئی۔

وَالْبَدَلُ يَكُونُ لِزِيَادَةِ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ۔ اور بدل جو ہوتا ہے وہ زیادتِ تقریر اور زیادتِ ایضاح کے لیے ہوتا ہے، یعنی زیادہ پختہ کرنے کے لیے۔ تقریر کا معنی پکا کرنا، قَرَّرَ يُقَرِّرُ تَقْرِيرًا ایک چیز کو پختہ کرنا، پکا کرنا۔ تو لِزِيَادَةِ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ أَيْ لِزِيَادَةِ الْإِيضَاحِ، زیادہ تقریر کے لیے، زیادہ پختہ کرنے کے لیے اور زیادہ وضاحت کرنے کے لیے کس کو لاتے ہیں؟ بدل کو۔ بھئی دیکھیے: جَاءَنِي عَلِيٌّ أَخُوكَ، میرے پاس علی آیا یعنی کہ آپ کا بھائی۔ جَاءَنِي عَلِيٌّ أَخُوكَ میرے پاس علی آیا آپ کا بھائی، اب یہ أَخُوكَ یہ بدل ہے عَلِيٌّ سے۔ أَخُوكَ یہ کیا ہے؟ بدل ہے عَلِيٌّ سے، اور یہ اسی علی کو زیادہ پکا کر رہا ہے اور اس کی زیادہ وضاحت کر رہا ہے بھئی۔ علی سے کون مراد؟ مخاطب جو ہے اس کا بھائی ہے، تو یہ أَخُوكَ آپ کا بھائی یہ لفظ کیا کر رہا ہے؟ اسی علی کی زیادہ وضاحت۔ علی کا لفظ خود بھی واضح تھا، پتا چل گیا تھا کہ کون مراد ہے جب میں نے کہا جَاءَنِي عَلِيٌّ، مخاطب کا بھائی مراد ہے، لیکن أَخُوكَ یہ لفظ لا کر، یہ بدل ہے، اس کو لا کر میں نے اور زیادہ وضاحت کر دی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو فرق یہ ہے، عطفِ بیان وہ بھی وضاحت کے لیے آتا ہے اور بدل اس سے بھی زیادہ وضاحت ہوتی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ عطفِ بیان میں مقصود جو ہوتا ہے وہ پہلا ہوتا ہے اور مابعد کو صرف وضاحت کے لیے لایا جاتا ہے، یعنی معطوف علیہ مقصود ہوتا ہے اور عطفِ بیان کو کس لیے لاتے ہیں؟ وضاحت کے لیے۔ جبکہ بدل کے اندر بدل مقصود ہوتا ہے اور جو ماقبل میں لائے یعنی مبدل منہ اس کو صرف تمہید کے طور پر لائے ہیں۔ کس لیے؟ تمہید کے طور پر لائے ہیں، شروع میں ویسے ذکر کر دیا اس کو بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ کیا فرق ہے عطفِ بیان اور بدل میں؟ عطفِ بیان میں اول مقصود ہوتا ہے، اول کون ہے؟ معطوف علیہ، اور ثانی کون ہے؟ عطفِ بیان۔ اور بدل میں اول کون ہے؟ مبدل منہ، جو پہلے ہے اس کو مبدل منہ کہتے ہیں، اور دوسرا کیا ہے؟ بدل۔ تو عطفِ بیان اور معطوف علیہ ان دونوں میں سے معطوف علیہ مقصود ہوا کرتا ہے اور عطفِ بیان کو کس لیے لاتے ہیں یعنی دوسرے کو کس لیے لاتے ہیں؟ پہلے کی وضاحت کے لیے۔ جبکہ بدل اور مبدل منہ میں سے مقصود ہی بدل ہوتا ہے، دوسرا والا مقصود ہوتا ہے، اور جو پہلا ہے یعنی مبدل منہ اس کو صرف کس لیے ذکر کیا جاتا ہے؟ بطورِ تمہید کے طور پر، ابتدا میں اس کو ویسے تمہید کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور پھر فوراً ہی بدل آجاتا ہے جو مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے، ایک چیز کی پہلے تمہید باندھی جائے اور پھر اس کو ذکر کیا جائے تو زیادہ وضاحت حاصل ہوگی، وہ چیز اور زیادہ پکی اور مضبوط ہو جائے گی بھئی۔

پھر آپ نے یہ پڑھا ہے کہ بدل جو ہے وہ چار قسم پر ہے بھئی، نحو کی کتابوں میں آپ نے پڑھا ہو گا کہ بدل کتنے قسم پر؟ چار: ایک بدل الکل ہے، ایک بدل البعض ہے، ایک بدل الاشتمال ہے اور ایک بدل الغلط ہے۔ کون کون سے، بدل کی کتنی قسمیں ہیں؟ چار: نمبر ایک بدل الکل، نمبر دو بدل البعض، اور نمبر تین بدل الاشتمال، اور نمبر چار بدل الغلط بھئی۔ تو بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ معنی آسان ہے، جس میں بدل اور مبدل منہ دونوں ایک ہی ذات پر صادق آرہے ہوں پوری طرح، جیسے عَلِيٌّ اور أَخُوكَ ابھی میں نے مثال ذکر کی۔ علی سے کون مراد ہے؟ وہی آپ کا بھائی، أَخُوكَ سے بھی وہی علی مراد ہے اور علی سے بھی کیا مراد ہے؟ أَخُوكَ آپ کا بھائی، تو دونوں ایک ہی ذات پر پورے طور پر صادق آرہے ہیں تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل الکل، یعنی ثانی بھی اول کا کل ہی ہو۔ اور بدل البعض میں ثانی اول کا جز ہو گا۔ ثانی کیا ہو گا؟ اول کا جز ہو گا: جَاءَنِي الْقَوْمُ أَكْثَرُهُ، میرے پاس وہ لوگ آئے ان میں سے اکثر بھئی۔ اب مثلاً وہ قوم والے ہیں دس افراد، اور اکثر مثلاً آٹھ افراد آگئے، تو یہ آٹھ اس دس کا کل ہیں یا جز ہیں؟ جز ہیں، تو یہاں بدل البعض میں ثانی کیا ہو گا؟ اول کا جز ہو گا۔ اور بدل الاشتمال میں جو ثانی ہو گا یعنی بدل وہ اول کا نہ کل ہو گا نہ جز ہو گا، ہاں اس سے تعلق ہو گا اس کا۔ ثانی کیا ہو گا؟ اول کا نہ کل ہو گا نہ جز ہو گا بلکہ اس کے ساتھ تعلق ہو گا اس کا، مثلاً

■ قولہ: «سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ» کی تشریح

اس کی نحو میں آپ نے مثال پڑھی ہے: سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ، چھینا گیا زید کو ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑوں کو۔ سُلِبَ سین کے ساتھ، سُلِبَ چھینا گیا کس کو؟ زید کو، ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑوں کو۔ اب یہ ثَوْبُهُ یہ بدل الاشتمال ہے کس سے؟ زَيْدٌ سے۔ زَيْدٌ ہوا مبدل منہ اور ثَوْبُهُ کیا ہے؟ بدل الاشتمال۔ اور بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ ثانی یعنی ثَوْبُهُ یہ اول جو ہے، کون ہے اول؟ زید، نہ اس کا کل ہے، زید کے کپڑے یہ زید کا کل بھی نہیں، اور نہ اس کا جز ہے، اس کا جز بھی نہیں کیونکہ زید کی حقیقت تو کیا ہے؟ حیوانِ ناطق، اس میں کوئی ثوب داخل ہے، کپڑا اس میں داخل ہے اس کی حقیقت میں؟ نہیں۔ تو لہٰذا معلوم ہوا یہ بدل الکل بھی نہیں، یہ بدل البعض بھی نہیں، بلکہ یہ کیا ہے؟ بدل الاشتمال ہے بھئی۔

اور بدل الغلط وہ جس میں اول کو انسان نے ذکر کر دیا تھا غلطی سے، تو غلطی کی وجہ سے ایک لفظ زبان پر آگیا، اگلے ہی لفظ میں آپ اس کی تصحیح کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ مجھے کہنا چاہتے تھے کہ میرے پاس عمرو آیا ہے۔ آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟ عمرو، لیکن جلدی میں آپ کہہ بیٹھے: جَاءَنِي زَيْدٌ۔ جیسے ہی زید کا لفظ ادا کرتے ہی فوراً آپ کے ذہن میں آیا یہ میں نے کیا کہہ دیا، اگلے ہی لمحے میں آپ اس کی اصلاح کر کے صحیح لفظ عَمْرٌو لے آتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو۔ زید کہتے ہی آپ کو احساس ہوا کہ میں تو غلط کہہ بیٹھا ہوں، کہنا تھا جَاءَنِي عَمْرٌو، تو آپ نے یوں پھر گویا کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو، تو آپ نے فوراً ہی اس کی اصلاح کر دی، دوسرے لفظ کو لے آئے۔ تو یہ زَيْدٌ یہ آپ غلطی کی وجہ سے کہہ بیٹھے تھے، تو یہ غلطی سبب بنی بدل کے لانے کا۔ آپ سے کیا ہوئی؟ غلطی، تو اسی وجہ سے آپ عَمْرٌو جو صحیح لفظ تھا لے کر آئے، اسی لیے اس کو بدل الغلط کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ بدل الغلط، یعنی یہ غلط نہیں ہوتا یہ معنی نہیں، ہاں غلطی اس کے لانے کا سبب بن گئی، زبان سے کیا ہو گئی؟ غلطی ہو گئی، تو اس لیے آپ غلطی سے زید کہہ بیٹھے تھے تو فوراً ہی پھر آپ نے عمرو کہا، تو غلطی اس عمرو کے لفظ کے لانے کا سبب بنی ہے اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل الغلط کہتے ہیں۔ اور یاد رکھیے یہاں بدل الغلط کو ذکر نہیں کریں گے: بدل الکل کو بھی ذکر کریں گے، بدل البعض کو بھی، بدل الاشتمال کو بھی، لیکن بدل الغلط کو ذکر نہیں کریں گے کیونکہ بات چل رہی ہے فصاحت کی اور فصاحت کے اندر غلطی کی گنجائش نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بدل الغلط فصاحت میں سے نہیں ہے بھئی، خارج ہے۔

تو کہتے ہیں وَالْبَدَلُ يَكُونُ لِزِيَادَةِ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ اور بدل جو ہو گا وہ زیادہ پکا کرنے کے لیے، زیادہ پختہ کرنے کے لیے وَالْإِيضَاحِ اور زیادہ وضاحت کرنے کے لیے ہو گا، کیونکہ مبدل منہ کو کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟ تمہید کے طور پر، اور بدل تو کیا ہوتا ہے؟ مقصود ہوتا ہے، تو جب تمہید کے بعد ایک چیز ذکر ہو گی تو ظاہر سی بات ہے کیا ہو گی؟ زیادہ وضاحت ہو گی، زیادہ وہ چیز پکی ہو جائے گی۔

نَحْوُ مثال کے طور پر: قَدِمَ ابْنِي عَلِيٌّ۔ قَدِمَ ابْنِي آیا میرا بیٹا عَلِيٌّ کون؟ علی۔ میرا بیٹا علی آیا۔ تو یہ ابْنِي یہ متکلم کا جو بیٹا ہے اور عَلِيٌّ اگلا جو بدل ہے، تو مبدل منہ کیا ہے؟ ابْنِي میرا بیٹا، اور عَلِيٌّ کیا ہے؟ بدل ہے۔ تو یہ دیکھیے عَلِيٌّ ابْنٌ کا کل ہے، جو اس کا بیٹا ہے اسی کا نام کیا ہے؟ علی ہے، تو یہ بدل الکل ہوا۔ نَحْوُ قَدِمَ ابْنِي عَلِيٌّ فِي بَدَلِ الْكُلِّ جیسے کہ آیا میرا بیٹا علی یہ کس میں کہیں گے؟ بدل الکل میں۔

وَسَافَرَ الْجُنْدُ أَغْلَبُهُ فِي بَدَلِ الْبَعْضِ۔ اور یوں کہیں گے سفر کیا، سفر پر نکلا الْجُنْدُ، جُنْد کہتے ہیں لشکر کو، أَغْلَبُهُ أَيْ أَكْثَرُهُ۔ سفر پر نکلا وہ لشکر أَغْلَبُهُ یعنی اس کا اکثر حصہ۔ مثلاً لشکر تھا دس ہزار کا تو اس کا اکثر کیا ہو جائے گا؟ سات ہزار، آٹھ ہزار، جتنا بھی کہہ لیں، تو یہ سات ہزار ہو یا آٹھ ہزار یہ اس دس ہزار کا کل ہے یا جز ہے؟ جز ہے، تو اس لیے اس کو بدل البعض کہتے ہیں کہ یہ اس کا بعض ہے بھئی۔ تو سَافَرَ الْجُنْدُ أَغْلَبُهُ، تو الْجُنْدُ ہوا مبدل منہ اور أَغْلَبُهُ کیا ہوا؟ بدل۔ وَسَافَرَ الْجُنْدُ أَغْلَبُهُ فِي بَدَلِ الْبَعْضِ اور سفر کیا اس لشکر نے یعنی اس کے اکثر حصے نے، یہ کس میں کہیں گے؟ بدل البعض میں۔

وَنَفَعَنِي الْأُسْتَاذُ عِلْمُهُ۔ نَفَعَ دیا نَفَعَنِي نفع دیا مجھے الْأُسْتَاذُ استاد نے عِلْمُهُ یعنی اس کے علم نے۔ نفع دیا مجھے استاد نے یعنی اس کے علم نے۔ اب الْأُسْتَاذُ ہے مبدل منہ اور عِلْمُهُ کیا ہے؟ بدل ہے، اور یہ استاد کا علم یہ نہ استاد کا کل ہے نہ اس کا جز ہے، ہاں علم کا اس سے تعلق ہے، تو یہ کیا ہو گا؟ بدل الاشتمال۔ نَفَعَنِي الْأُسْتَاذُ

عِلْمُهُ نفع دیا مجھے استاد نے یعنی اس کے علم نے فِي بَدَلِ الِاشْتِمَالِ یہ کس میں کہیں گے؟ بدل الاشتمال میں بھئی۔

اگلے سال آپ مختصر المعانی پڑھیں گے بھئی، اس میں علامہ تفتازانی بدل الاشتمال کی بڑی پیاری تعریف لکھتے ہیں بھئی۔ انہوں نے تو کیا تعریف کی، عام نحو کی کتابوں میں کیا لکھتے ہیں؟ بدل الاشتمال وہ ہے جو مبدل منہ کا کل بھی نہ ہو اور اس کا جز بھی نہ ہو، ہاں اس کے ساتھ تعلق ہو اس کا، یہ ہے بدل الاشتمال۔ وہاں علامہ تفتازانی بیان کرتے ہیں کہ بدل الاشتمال وہ ہے جہاں مبدل منہ، کون پہلے آتا ہے؟ مبدل منہ، اس کی بات کروں گا، بدل الاشتمال وہ ہے جہاں مبدل منہ فعل کا محل نہیں ہوتا بلکہ ذہن منتظر رہتا ہے کوئی اور لفظ آئے جو اس فعل کو قبول کرے۔ توجہ ہے؟ بدل الاشتمال میں مبدل منہ جو ہوتا ہے یعنی جو پہلے آتا ہے وہ فعل کا محل نہیں ہوتا بلکہ ذہن منتظر رہتا ہے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو اس فعل کو کیا کرلے؟ قبول کرلے۔

■ قولہ: «سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ» کی تشریح

دیکھو مثال سے وضاحت ہوگی۔ بدل الاشتمال کی مثال کیا ہے؟ سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ۔ چھینا گیا زید کو۔ اب بھئی زید کو زید سے کوئی چھین سکتا ہے؟ مجھے بتایئے، زید سے اس کی کتاب چھین سکتے ہیں، اس کی سائیکل چھین سکتے ہیں لیکن خود اس کو تو نہیں چھین سکتے، لیکن آیا کیا؟ سُلِبَ زَيْدٌ چھینا گیا زید کو۔ تو دیکھو سُلِبَ ہے فعل اور زَيْدٌ کیا ہے؟ مبدل منہ، اور آگے ثَوْبُهُ کیا آئے گا؟ بدل۔ تو جب صرف کہا گیا سُلِبَ زَيْدٌ، مبدل منہ اس سُلِبَ فعل کو قبول ہی نہیں کر رہا، زید کو تو زید سے چھینا ہی نہیں جا سکتا بھئی، تو ذہن ابھی بھی منتظر ہے کہ کیا معنی زید کو چھینا گیا، کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو کیا کرے؟ اس چھیننے والے فعل کو قبول کرے، اور پھر آگے ثَوْبُهُ کا لفظ آتا ہے اور وہ پھر بتلاتا ہے کہ یہ چھینا کس چیز کو گیا ہے؟ اس کے کپڑوں کو چھینا گیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ جہاں مبدل منہ وہ فعل کا محل نہ ہو یعنی وہ فعل کو قبول نہیں کر رہا، ذہن ابھی بھی منتظر ہوتا ہے آگے کوئی لفظ آنا چاہیے جو کیا کرے؟ فعل کو قبول کرے۔ جیسے یہاں سُلِبَ کا فعل ذکر کیا گیا تھا، زید کا لفظ سُلِبَ کے فعل کو قبول نہیں کر رہا، ذہن ابھی بھی منتظر تھا آگے کوئی لفظ آنا چاہیے جو اس فعل کو کیا کرلے؟ قبول کرلے اور بات ٹھیک ہو جائے۔

یا جیسے اوپر والی مثال ہے کتاب میں: نَفَعَنِي الْأُسْتَاذُ عِلْمُهُ، نفع دیا مجھے استاد نے۔ اب کسی کی ذات من حیث الذات کسی کو نفع نہیں دے سکتی۔ تو استاد کی ذات من حیث الذات آپ کو کوئی نفع نہیں دے سکتی، ہاں استاد کا کوئی وصف ہے، کوئی فعل ہے وہ آپ کو کیا کر سکتا ہے؟ نفع دے سکتا ہے۔ یا جیسے سونا ہے، سونا جب تک آپ کے پاس ہے آپ کو وہ ذرا بھی نفع نہیں دے گا، ہاں جب آپ اس کو بیچیں گے تو اس کی جو قیمت ہے وہ اب کیا کرے گی؟ آپ کو نفع دے گی۔ تو کسی چیز کی ذات من حیث الذات کسی کو نفع نہیں دیتی بلکہ اس کا کوئی وصف وغیرہ ہوتا ہے جو انسان کو نفع دیتا ہے۔ تو یہاں بھی جب کہا گیا نَفَعَنِي الْأُسْتَاذُ فائدہ دیا مجھے استاد نے، نفع دیا استاد نے، تو یہ الْأُسْتَاذُ مبدل منہ یہ نفع دینے کے فعل کو قبول نہیں کر رہا، ذہن ابھی بھی منتظر ہے آگے کوئی لفظ آنا چاہیے جو اس فعل کو کیا کرے؟ قبول کرے، اور آگے کیا لفظ آیا؟ عِلْمُهُ، معلوم ہوا کس چیز نے نفع دیا؟ استاد کے علم نے بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَنَفَعَنِي الْأُسْتَاذُ عِلْمُهُ فِي بَدَلِ الِاشْتِمَالِ یہ کس میں کہیں گے؟ بدل الاشتمال میں۔

اچھا اب آپ کو بھئی بدل کی ساری قسمیں پتا چل گئیں: ایک ہے بدل الکل، ایک ہے بدل البعض، ایک ہے بدل الاشتمال، اور ایک بدل الغلط بھی ہے لیکن اس کی فصاحت میں گنجائش نہیں ہے بھئی، ہاں نحو میں اس کو ذکر کرتے ہیں کہ بہر حال ایک چیز ہے آپ کو اس کا علم ہونا چاہیے بھئی۔

اچھا اب آپ مجھے بتایئے بھئی کہ یہ کون سا بدل ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ آیا میرے پاس زید آپ کا بھائی۔ تو یہ أَخُوكَ یہ کیا ہے؟ زید کا کل ہے، تو یہ کیا ہوا؟ بدل الکل۔ اچھا اور مجھے بتایئے مثلاً: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ۔ یہ کون سا بدل ہے؟ جی، بدل الکل ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ، آیا میرے پاس زید اس کا بھائی۔ یاد رکھیے یہ بدل الغلط ہے۔ یہ کیا ہے؟ بدل الغلط۔ کیوں؟ بھئی دیکھیے مبدل منہ کیا ہے؟ زید، اور بدل کیا ہے؟ أَخُوهُ اس کا بھائی یعنی زید کا بھائی۔ اب آپ مجھے یہ بتایئے زید کا بھائی زید کا کل ہے؟ کل نہیں، وہ تو الگ ہے۔ زید کا جز ہے وہ زید کا بھائی؟ وہ اس کا جز بھی نہیں ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ کیا بنائیں گے اس کو؟ جی، بدل الغلط بنائیں گے۔ بدل الاشتمال بھی نہیں بنا سکتے، کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ بدل الاشتمال میں تو مبدل منہ فعل کو قبول ہی نہیں کرتا: سُلِبَ زَيْدٌ زید کو چھینا گیا، زید کو تو چھینا ہی نہیں جا سکتا۔ اور یہاں پر ہے جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ، جَاءَنِي زَيْدٌ، زَيْدٌ جَاءَ کے فعل کو قبول کر رہا ہے یا نہیں کر رہا؟ زید آسکتا ہے یا نہیں آسکتا؟ زید تو آسکتا ہے، وہ تو فعل کو قبول کر رہا ہے، لہٰذا یہ بدل الاشتمال بھی نہیں بلکہ یہ کیا ہے؟ بدل الغلط۔ آپ کہنا یہ چاہتے تھے کہ آپ کے پاس زید کا بھائی آیا ہے، غلطی سے زید کہہ بیٹھے تھے پھر فوراً ہی اگلے ہی لفظ میں اس کی اصلاح کر دی کہ زید نہیں آیا بلکہ کون آیا ہے؟ اس کا بھائی آیا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ، تو یہ مثال ہے بدل الغلط کی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۵: الباب السادس في القصر: قصرِ حقیقی واضافی، قصرِ صفت وموصوف، اور قصرِ افراد، قلب وتعیین مع طرقِ اربعہ

دروس البلاغہ صفحہ: ۶۸ ــــ بتاریخ: ۳۱ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْبَابُ السَّادِسُ فِي الْقَصْرِ۔ الْقَصْرُ تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ بِطَرِيقٍ مَخْصُوصٍ، وَيَنْقَسِمُ إِلَى حَقِيقِيٍّ وَإِضَافِيٍّ۔ فَالْحَقِيقِيُّ مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ بِحَسَبِ الْوَاقِعِ وَالْحَقِيقَةِ لَا بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ، نَحْوُ لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ إِذَا لَمْ يَكُنْ غَيْرُهُ فِيهَا مِنَ الْكُتَّابِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

الْبَابُ السَّادِسُ فِي الْقَصْرِ۔ علم المعانی ہم پڑھ رہے ہیں اور شروع میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس علم کے اندر یہ بتلایا جائے گا کہ کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیسے کیا جائے گا۔ کیونکہ بلاغت کس چیز کا نام ہے؟ کہ آپ کا کلامِ فصیح مقتضائے حال کے مطابق ہو تو یہ آپ کا کلام کیا کہلائے گا؟ کلامِ بلیغ بھئی۔ تو کلام مقتضائے حال کے مطابق کیسے ہو گا، یعنی جس چیز کا حال تقاضا کر رہا ہو اسی طرح کا کلام لانا، اسی طرح کا فصیح کلام لانا، یہ ہے بلاغت بھئی۔

تو اس علم میں یہ بیان ہوتا ہے کہ آپ کا کلام مقتضائے حال کے مطابق کیسے ہو گا، اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس علم میں آٹھ ابواب آئیں گے اور خاتمہ بھئی۔ تو اس میں آٹھ ابواب آئیں گے، تو یہ آج ہم چھٹا باب شروع کر رہے ہیں قصر کے بارے میں: الْبَابُ السَّادِسُ فِي الْقَصْرِ، چھٹا باب ہے قصر کے بارے میں۔ یہ بات پہلے میں بیان کر چکا ہوں، یہ قصر اسی تخصیص کا نام ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا تین لفظ استعمال ہوتے ہیں: ایک تخصیص ہے، ایک قصر ہے اور ایک حصر ہے، حا، صاد، را، حصر۔ تو تخصیص، قصر اور حصر کا ایک ہی معنی ہے، تینوں کا ایک معنی ہے: تخصیص، حصر اور قصر۔ تو تخصیص کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں بند کرنا، یہی معنی ہے قصر اور حصر کا بھی، ایک چیز کو دوسری چیز میں بند کرنا۔ یعنی مذکور کے لیے ایک چیز ثابت ہے تو باقیوں سے اس کی نفی کر دینا، اور اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی ہے تو باقیوں کے لیے اس کا اثبات کرنا، یہ ہے قصر بھئی۔ یہ کیا ہے؟ قصر، اور اسی کا دوسرا نام حصر، اور اسی کا تیسرا نام تخصیص بھئی۔

تو کہتے ہیں الْبَابُ السَّادِسُ فِي الْقَصْرِ چھٹا باب ہے قصر کے بیان میں۔ الْقَصْرُ تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ بِطَرِيقٍ مَخْصُوصٍ، قصر جو ہے وہ تخصیص کرنا ہے ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ بِطَرِيقٍ مَخْصُوصٍ مخصوص طریقے کے ساتھ۔ قصر کہتے ہیں ایک چیز کی تخصیص کرنا دوسری چیز کے ساتھ، یعنی مذکور کے لیے ایک چیز ثابت کر دی ہے تو باقی سب سے اس کی کیا کر دی ہے؟ نفی کر دی ہے، یا مذکور سے ایک چیز کی نفی کی ہے تو باقی سب کے لیے کیا کر دیا اس کا؟ اثبات، یہ ہے تخصیص بھئی۔

اور ہر تخصیص یہاں نہیں مراد، یہاں مخصوص طریقے سے جو تخصیص اور قصر ہو گا وہ مراد ہے۔ ایک ویسے آپ لفظوں کے اندر صراحتاً تخصیص کو لاتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں، مثلاً آپ کہتے ہیں کہ کتابت کا جو فن ہے وہ زید کے ساتھ خاص ہے۔ کتابت کا فن جو ہے یہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ زید کے ساتھ خاص ہے۔ یہ تخصیص یہاں نہیں مراد، اس سے بحث نہیں کریں گے یہاں پر، یہ تو آپ لفظوں میں ہی صراحتاً بتلا رہے ہیں کہ یہ کتابت کے فن کی تخصیص ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ بلکہ یہاں مخصوص طریقے سے جو تخصیص آتی ہے وہ مراد ہے، مثلاً جیسے وہ خود آگے بیان کریں گے مَا اور إِلَّا کے ساتھ، مَا اور إِلَّا، جیسے: مَا كَاتِبٌ إِلَّا زَيْدٌ، کوئی کاتب نہیں ہے

سوائے کس کے؟ زید کے۔ اب دیکھو تخصیص آگئی، معلوم ہوا کتابت کس میں بند ہے؟ زید میں، صرف زید کاتب ہے اور کوئی کاتب نہیں، یہ مخصوص طریقے سے تخصیص ہے بھئی۔

اسی طرح تخصیص کبھی آتی ہے إِنَّمَا کے ذریعے: إِنَّمَا زَيْدٌ كَاتِبٌ، زید کاتب ہی ہے۔ تو دیکھیے آپ نے زید کو کتابت میں بند کر دیا، آگے تفصیل آرہی ہے میں بیان کرتا ہوں بھئی۔ تو آپ نے زید کو کس میں بند کر دیا؟ کتابت میں بند کر دیا، معلوم ہوا وہ کتابت جانتا ہے، معلوم ہوا شاعری نہیں جانتا۔ مخاطب کا کیا گمان تھا، اس کا کیا خیال تھا کہ شاید زید شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے، اور میں اس کو کہتا ہوں إِنَّمَا زَيْدٌ كَاتِبٌ زید تو کاتب ہی ہے۔ تو اس کا خیال تھا زید شریک ہے دونوں صفتوں میں، کتابت میں بھی اور شاعری میں بھی، لیکن میں نے زید کو کس میں بند کر دیا؟ کتابت میں بند کر دیا۔ تو یہ دیکھو یہ تخصیص آئی اور کس کے ذریعے آئی؟ إِنَّمَا کے ذریعے آئی۔ تو یہ مخصوص طریقے سے جو تخصیص ہے وہ یہاں پر مراد ہے، ہر تخصیص مراد نہیں۔ اگر آپ صراحتاً لفظوں میں کہہ دیتے ہیں کہ کتابت کی تخصیص ہے زید کے ساتھ، اس سے یہ بحث نہیں کریں گے بھئی، اگرچہ اس سے بھی تخصیص کا پتا چل رہا ہے کہ زید کی تخصیص ہے کس کے ساتھ؟ کتابت کے ساتھ، اس سے بھی تخصیص کا علم ہو رہا ہے لیکن اس سے یہاں پر بحث نہیں کریں گے، بلکہ کون سی تخصیص سے یہاں بحث کریں گے؟ جو مخصوص طریقے سے آئے جیسے مَا اور إِلَّا کے ذریعے آئے، یا إِنَّمَا کے ذریعے آئے، یا اسی طرح تقدیم کی وجہ سے آئے وغیرہ جو آگے اسی باب میں وہ ذکر کریں گے۔ وہ مخصوص طریقوں سے جو تخصیص ہے وہ مراد ہے، اس سے یہاں بحث کریں گے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ اسی لیے کہا الْقَصْرُ تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ بِطَرِيقٍ مَخْصُوصٍ، قصر جو ہے وہ تخصیص کرنا ہے ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ بِطَرِيقٍ مَخْصُوصٍ مخصوص طریقے کے ساتھ۔ وَيَنْقَسِمُ إِلَى حَقِيقِيٍّ وَإِضَافِيٍّ اور یہ قصر جو ہے یہ تقسیم ہوتا ہے دو قسموں کی طرف: ایک ہے قصرِ حقیقی اور ایک ہے قصرِ اضافی۔ یہ معنی ہے وَيَنْقَسِمُ إِلَى حَقِيقِيٍّ وَإِضَافِيٍّ اور یہ قصر تقسیم ہوتا ہے حقیقی اور اضافی کی طرف۔

■ قولہ: «فَالْحَقِيقِيُّ مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ...» کی تشریح

فَالْحَقِيقِيُّ مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ بِحَسَبِ الْوَاقِعِ وَالْحَقِيقَةِ لَا بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ۔ بھئی دیکھیے، بعض اوقات ایک چیز کو دوسری چیز میں بند کیا جاتا ہے حقیقت اور واقع کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ حقیقت اور واقع کے اعتبار سے، اس کو کہیں گے قصرِ حقیقی۔ اور بعض اوقات حقیقت اور واقع کے اعتبار سے ایک چیز کو دوسری چیز میں بند نہیں کیا جاتا بلکہ کسی معین چیز کے مقابلے میں ایک چیز کو دوسری میں بند کیا جاتا ہے، اس کو کہیں گے قصرِ اضافی۔ مثال سے وضاحت ہو گی۔ مثلاً بھئی، فرض کریں صورت یہ ہے کہ شہر میں صرف علی کاتب ہے۔ فرض کر لیں ایک صورت یہ ہے کہ پورے شہر میں کاتب صرف کون ہے؟ علی ہے، اور کوئی ہے ہی نہیں اس شہر میں کاتب۔ تو اب میں کہتا ہوں: لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ۔ لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ کوئی کاتب نہیں ہے اس شہر کے اندر إِلَّا عَلِيٌّ سوائے علی کے۔ معلوم ہوا صرف علی کاتب ہے اور کوئی کاتب نہیں۔ تو دیکھو تخصیص آگئی، قصر آگیا۔ اور یہ قصرِ حقیقی ہے کیونکہ حقیقت اور واقع کے مطابق ہے یہ بات، واقع اور حقیقت کے اندر بھی شہر میں اور کوئی کاتب نہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اس کو کیا کہیں گے؟ قصرِ حقیقی، جس میں ایک چیز کو دوسری چیز میں بند کر دیا گیا واقع اور حقیقت کے اعتبار سے۔

اچھا چلیے پہلے ایک اور بات بھی یہاں سمجھ لیں۔ بھئی یہ قصر جو ہے یہ دو قسم کا ہے: کبھی قصرِ صفت علی الموصوف ہو گا، صفت کو موصوف میں بند کر دیتے ہیں؛ کبھی قصرِ موصوف علی الصفت ہو گا، موصوف کو بند کریں گے کس کے اندر؟ صفت کے اندر۔ اور صفت سے مراد وہ صفت نہیں ہے جو آپ نے نحو میں پڑھی ہے کہ صفت وہ ہوتی ہے جو موصوف کے بعد آتی ہے اور اس پر وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا ہوتا ہے، اور موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ معرفہ وغیرہ بھئی۔ وہ نحوی صفت مراد نہیں ہے، بلکہ صفت سے مراد ہے وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو۔ وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو یعنی جس کا الگ اپنا وجود نہیں۔

تو صفت سے وہ مراد ہے، اب چاہے یہ صفت جو ہے چاہے یہ حال کی صورت میں ذکر ہو، چاہے یہ خبر کی صورت میں ذکر ہو، چاہے وہ نحوی صفت کی صورت میں ذکر ہو، جس طریقے سے بھی ہو ہر حال میں یہ صفت کہلائے گی۔ مثلاً دیکھیے بھئی: زَيْدٌ الْقَائِمُ، زَيْدٌ موصوف، الْقَائِمُ صفت۔ بھئی یہ قیام کس کے ساتھ ہے؟ زید کے ساتھ، تو یہ بھی صفت ہے اور یہ نحوی صفت بھی ہے اور یہاں جو ہم صفت ذکر کر رہے ہیں وہ صفت بھی ہے، یعنی وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہے۔ یہ قیام اس کا الگ کوئی اپنا وجود ہے؟ نہیں، بلکہ یہ کس کے ساتھ ہے؟ زید کے ساتھ، زید ہے تو یہ والا قیام ہے، زید نہیں تو یہ والے قیام کا الگ اپنا کوئی وجود بھی نہیں۔ بھئی یہ کتاب ہے، یہ دیوار ہے، یہ کھڑکی ہے، اس کا اپنا الگ وجود ہے، لیکن بعض چیزیں ہوتی ہیں ان کا اپنا الگ وجود نہیں ہوتا، وہ غیر کے ساتھ قائم ہوتی ہیں، وہ غیر ہے تو اس چیز کا وجود ہے، وہ غیر نہیں تو اس کا اپنا الگ کوئی وجود بھی نہیں۔ جیسے دیکھیے قیام، یہ صفت ہے، یہ غیر کے ساتھ قائم ہوتی ہے، اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ سخاوت ہے، سخاوت کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، آپ نے کہیں سخاوت کا وجود نہیں دیکھا ہو گا، یہ جب بھی پائی جائے گی کس کے ساتھ ہو گی؟ کسی کے ساتھ قائم ہو گی، کسی کا وصف ہو گا یہ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو صفت سے مراد یہ ہے بھئی، وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو۔ تو جیسے یہ صفت کی صورت میں بھی آسکتی ہے: زَيْدٌ الْقَائِمُ، زَيْدٌ موصوف، الْقَائِمُ اس کی صفت، اور یہ قیام کس کے ساتھ قائم ہے؟ زید کے ساتھ، تو یہ صفت ہوئی۔ اسی طرح زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ اس کی خبر۔ اور بتایئے زَيْدٌ قَائِمٌ اس میں کیا بتلایا گیا؟ یہ

قیام کس کے ساتھ ثابت ہے؟ زید کے ساتھ، تو یہ بھی اگرچہ خبر ہے لیکن ہم یوں کہیں گے یہ قیام زید کی صفت ہے۔ یہ قیام کس کے ساتھ قائم؟ زید کے ساتھ، تو یہ زید کی صفت ہے، اگرچہ جملے میں یہ صفت نہیں بن رہی بلکہ جملے میں تو یہ کیا بن رہا ہے؟ خبر ہے، زَيْدٌ مبتدا قَائِمٌ اس کی خبر۔ اور اسی طرح کبھی حال کی صورت میں آئے گا مثلاً: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، میں نے زید کی پٹائی کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا۔ تو اب دیکھیے یہ قَائِمًا یہ زید سے حال واقع ہو رہا ہے، لیکن یہ قیام کس کے ساتھ قائم ہے؟ زید کے ساتھ، تو یوں کہیں گے یہ زید کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صفت سے یہاں نحوی صفت نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے؟ وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو، چاہے وہ صفت کی صورت میں آئے، چاہے وہ خبر کی صورت میں آئے، چاہے وہ حال وغیرہ کی صورت، جس صورت میں بھی آجائے لیکن جس کے ساتھ قائم ہے کہیں گے یہ اس کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے کبھی کبھار صفت کو موصوف میں بند کرتے ہیں، کبھی موصوف کو صفت میں بند کرتے ہیں۔ میں نے کہا: لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ، کوئی کاتب نہیں ہے اس شہر میں سوائے علی کے۔ میں نے کس کو کس میں بند کیا؟ میں نے بتلایا ابھی کبھی صفت کو موصوف میں بند کر دیتے ہیں، کبھی موصوف کو کس میں بند کرتے ہیں؟ صفت میں۔ ابھی مثالیں آرہی ہیں خوب وضاحت ہو جائے گی۔ یہاں مجھے بتایئے: لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ کوئی کاتب نہیں اس شہر میں إِلَّا عَلِيٌّ سوائے علی کے، کس کو کس میں بند کیا یہاں پر؟ لَا كَاتِبَ کوئی کاتب نہیں ہے، معلوم ہوا میں نے کتابت کو بند کر دیا کس میں؟ علی میں، کہ کتابت صرف علی کے ساتھ ہی خاص ہے اور کسی میں یہ صفت پائی ہی نہیں جاتی۔ تو دیکھو یہ ہے قصرِ صفت علی الموصوف، اس صفت کو میں نے بند کر دیا کس کے اندر؟ موصوف میں، یعنی یہ کتابت کی صفت صرف اس موصوف میں پائی جا رہی ہے اور کوئی اس کے ساتھ موصوف نہیں ہو رہا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کیا ہے؟ قصرِ صفت علی الموصوف۔ اور کبھی قصرِ موصوف علی الصفت ہوتا ہے، موصوف کو صفت میں بند کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کا خیال یہ تھا کہ علی

شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے۔ آپ کا کیا خیال تھا؟ علی شاعر بھی ہے، کاتب بھی ہے۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں: مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ۔ نہیں ہے علی مگر کاتب ہی، یعنی علی تو صرف کاتب ہی ہے، یعنی شاعر نہیں۔ تو میں نے علی کو بند کر دیا صفتِ کتابت کے اندر۔ آپ کا خیال تھا وہ کتابت میں بھی شریک ہے اور ساتھ ساتھ شاعری میں بھی شریک ہے، شاعر بھی ہے، لیکن میں نے علی کو کس میں بند کر دیا؟ کتابت کے وصف میں بند کر دیا۔ تو یہ ہے قصرِ موصوف علی الصفت۔ یہ کیا ہے؟ قصرِ موصوف علی الصفت۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ مشکل ہے بھئی؟ تو کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے موصوف کو کس میں بند کرتے ہیں؟ صفت میں، یہ کیا کہلاتا ہے؟ قصرِ موصوف علی الصفت۔ اور کبھی کبھار صفت کو بند کر دیتے ہیں کس میں؟ موصوف میں، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ قصرِ صفت علی الموصوف۔

پھر یہ دونوں دو قسم پر ہیں: چاہے قصرِ صفت علی الموصوف ہو یا قصرِ موصوف علی الصفت ہو، دونوں دو قسم پر ہیں: یا یہ قصر حقیقی ہو گا یا اضافی ہو گا۔ حقیقی کا معنی کیا؟ نام سے ہی پتا چل رہا ہے، جو حقیقتاً ایسا ہو، حقیقتاً اور واقع میں ایسا ہو، جیسے ابھی آیا: لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ، کوئی کاتب نہیں اس شہر میں سوائے علی کے، اور فرض کریں واقع میں بھی ایسا ہے، کوئی کاتب نہیں ہے اس شہر میں، اس بستی کے اندر، تو اس کو کہیں گے قصرِ حقیقی۔ اور یہ کون سا قصر ہے، قصرِ صفت علی الموصوف ہے یا قصرِ موصوف علی الصفت ہے، کس کو کس میں بند کر رہے ہیں؟ صفت، کتابت کو ہم بند کر رہے ہیں کس کے اندر؟ علی میں، تو یہ قصرِ صفت علی الموصوف ہے، اور کون سا قصر ہے، حقیقی یا اضافی؟ حقیقی ہے، جس میں واقع اور حقیقت میں ہی ایسا ہوتا ہے۔

اور ایک ہے قصرِ اضافی۔ قصرِ اضافی وہ ہے جس میں کسی معین چیز کی نسبت سے اختصاص کو بیان کیا جاتا ہے۔ کس اعتبار سے؟ کسی معین چیز کی نسبت سے۔ بھئی قصرِ حقیقی میں اختصاص بیان ہوتا ہے لیکن واقع اور حقیقت کے اعتبار سے، واقع اور حقیقت میں ہی اختصاص ہوتا ہے، جیسے لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ کوئی کاتب نہیں اس شہر میں سوائے علی کے، یہ اختصاص کس اعتبار سے ہے؟ حقیقت اور واقع کے اعتبار سے کہ واقع میں یہ صفت خاص ہے کس کے ساتھ؟ علی کے ساتھ۔ اور بعض اوقات جو ہے واقع اور حقیقت کے اعتبار سے اختصاص نہیں بیان کیا جاتا، کسی معین چیز کی نسبت سے اختصاص بیان کیا جاتا ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ کسی معین چیز کی نسبت سے اختصاص بیان کیا جاتا ہے، جیسے دیکھیے ابھی آپ کا خیال تھا کہ علی شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے، تو میں نے کیا کہا؟ مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ، علی تو صرف کیا ہے؟ کاتب ہی ہے۔ تو علی کو میں نے بند کر دیا کتابت کے وصف میں کہ اس کے لیے صرف یہ والا وصف ثابت ہے، اور دوسرے وصف کی نفی کی۔ تو دوسرے کس وصف کی نفی کی؟ شاعری کی نفی کی۔ تو شاعری کے مقابلے میں میں نے علی کو کتابت میں بند کیا ہے، دنیا بھر کے اوصاف کے مقابلے میں بند نہیں کیا۔

قصرِ اضافی سمجھ میں آرہا ہے؟ جس میں قصر یعنی اختصاص بیان ہوتا ہے، تخصیص بیان ہوتی ہے، لیکن تخصیص واقع اور حقیقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک معین چیز کی نسبت سے وہ قصر ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی میں نے علی کو بند کیا: مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ علی نہیں ہے مگر صرف کاتب یعنی علی تو کاتب ہی ہے، تو میں نے علی کو کس میں بند کیا؟ کتابت کے وصف میں، اور باقی دنیا بھر کے اوصاف کی نفی کی یا صرف شاعری کی نفی کی؟ صرف شاعری کی، تو صرف شاعری کے مقابلے میں میں نے علی کو کتابت میں بند کیا ہے، دنیا بھر کے اوصاف کے مقابلے میں بند نہیں کیا، کیونکہ دنیا بھر کے اوصاف کے مقابلے میں تو بند کرنا درست ہی نہیں ہے۔ بھئی میں نے کیا کہا؟ علی صرف کاتب ہی ہے۔ بھئی کیا وہ انسان نہیں؟ انسان بھی ہے۔ کیا وہ حرکت نہیں کرتا؟ حرکت بھی کرتا ہے۔ کیا وہ کھاتا یا پیتا نہیں ہے؟ وہ کھاتا اور پیتا بھی ہے۔ تو یہ سارے بھی تو اس کے اوصاف ہیں، تو حقیقت کے اعتبار سے تو علی کو صرف کتابت میں ہم بند کر ہی نہیں سکتے، اس کی صرف کتابت اس کا وصف نہیں ہے، اس کے اور بھی بہت سارے اوصاف ہیں۔ ہاں صرف ایک خاص صفت کے مقابلے میں ہم اس کو بند کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہاں علی کو میں نے کتابت میں بند کیا اور کس صفت کے مقابلے میں؟ شاعری کے مقابلے

میں بند کیا، پھر تو بات ٹھیک ہے کہ علی صرف کاتب ہی ہے یعنی شاعر نہیں۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں علی تو صرف کاتب ہی ہے یعنی دنیا بھر کا اور کوئی وصف اس کے لیے ثابت نہیں ہے، پھر تو آپ کا کلام ہی صحیح نہیں رہتا بھئی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کے لیے اور کوئی وصف نہ ہو؟ کم از کم اس کا وجود تو ہے، وجود کی صفت ہو گئی یا نہیں؟ وجود بھی اس کی صفت، انسان ہونا بھی اس کی صفت، کھانا پینا، چلنا اٹھنا، سونا جاگنا، سارے ہزار ہا اوصاف ہیں اس کے لیے، تو پھر تو آپ کا قصر درست ہی نہ رہے گا۔

تو لہٰذا یہ ہے قصرِ اضافی۔ اضافت سے ہے یہ لفظ، اضافت کا معنی ہوتا ہے نسبت کرنا۔ اضافت کا کیا معنی؟ نسبت۔ تو یہاں بھی جو آپ نے تخصیص کی، جو آپ نے قصر کیا، وہ قصر دنیا بھر کے اوصاف کی نسبت سے نہیں ہے بلکہ کسی مخصوص صفت کی نسبت سے ہے۔ کسی مخصوص صفت کی نسبت سے آپ نے قصر کیا ہے کہ وہ صرف کاتب ہے یعنی کیا نہیں ہے؟ شاعر نہیں ہے، تو شاعری کی نسبت سے آپ نے اس کا قصر کیا ہے اس کے اندر۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ تو قصرِ حقیقی میں کیا ہوتا ہے؟ حقیقتاً ایک چیز کو دوسری چیز میں کیا کر دیا جاتا ہے؟ بند کر دیا جاتا ہے، تو جب ایک چیز کو دوسری میں بند کیا تو باقی سب سے اس کی نفی کر دی جاتی ہے، جیسے مَا كَاتِبٌ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ کوئی کاتب نہیں ہے اس شہر میں سوائے علی کے، تو میں نے کتابت کو کس میں بند کیا؟ علی میں، معلوم ہوا اس پورے شہر میں اور کوئی کاتب نہیں، سب سے میں نے کتابت کی کیا کر دی؟ نفی کر دی۔ جبکہ دوسری طرف میں کہتا ہوں مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ، تو میں نے علی کو کس میں بند کیا؟ کتابت میں، اور یہ دنیا بھر کے اوصاف کے مقابلے میں میں نے بند کیا یا صرف شاعری کے مقابلے میں بند کیا؟ شاعری کے، تو یہ قصرِ اضافی کہلائے گا جس میں واقع اور حقیقت کے اعتبار سے نہیں کیونکہ واقع میں تو اور بھی بہت سے اس کے اوصاف ہیں بھئی۔

■ قولہ: «فَالْحَقِيقِيُّ مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں فَالْحَقِيقِيُّ مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ بِحَسَبِ الْوَاقِعِ وَالْحَقِيقَةِ لَا بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ، تو حقیقی قصر وہ ہے کہ جس کے اندر اختصاص کس اعتبار سے ہوتا ہے؟ واقع اور حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے، لَا بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ کسی دوسری چیز کی نسبت سے نہیں ہوتا قصر وہاں۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ کوئی کاتب نہیں ہے اس شہر میں سوائے علی کے، إِذَا لَمْ يَكُنْ غَيْرُهُ فِيهَا مِنَ الْكُتَّابِ۔ كُتَّاب یہ جمع ہے كَاتِبٌ کی، جبکہ لَمْ يَكُنْ غَيْرُهُ نہ ہو کوئی اور فِيهَا اس شہر میں مِنَ الْكُتَّابِ کاتبوں میں سے، جب اس شہر میں اور کاتبوں میں سے کوئی بھی کاتب نہ ہو۔

وَالْإِضَافِيُّ اور قصرِ اضافی جو ہے: مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ مُعَيَّنٍ، جس کے اندر اختصاص جو ہے بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ مُعَيَّنٍ کسی معین چیز کی نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے، کسی معین چیز کی نسبت سے قصر ہوتا ہے، واقع اور حقیقت کے اعتبار سے قصر نہیں ہوتا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: مَا عَلِيٌّ إِلَّا قَائِمٌ، کہ نہیں ہے علی مگر قائم ہی، یعنی اس کے لیے قیام ہی ثابت ہے۔ مثلاً سننے والے کا یہ خیال تھا کہ علی کے لیے قیام اور قعود یعنی بیٹھنا ان دو میں سے کوئی ایک وصف ثابت ہے، لیکن اس کو پتا نہیں تھا کہ کون سا وصف ثابت ہے، تعیین نہیں تھی۔ تو میں تعیین کر دیتا ہوں تخصیص کرتے ہوئے: مَا عَلِيٌّ إِلَّا قَائِمٌ، علی تو کھڑا ہی ہے یعنی اس کے لیے بیٹھنے کی صفت نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جو میں نے کہا علی نہیں ہے مگر قائم ہی، یعنی علی کو میں نے کس میں بند کر دیا؟ قیام میں، یہ دنیا بھر کے اوصاف کے مقابلے میں یا صرف قعود یعنی بیٹھنے کے مقابلے میں بند کیا ہے؟ صرف بیٹھنے کے مقابلے میں بند کیا ہے، دنیا بھر کے اوصاف کے مقابلے میں نہیں۔ کیونکہ اگر دنیا بھر کے اوصاف کے مقابلے میں بند کیا ہوتا تو معنی یہ ہوتا علی کے لیے صرف قیام ثابت ہے اور باقی دنیا بھر کے اوصاف کی اس سے کیا ہو جاتی؟ نفی ہو جاتی، کیونکہ تخصیص کس چیز کا نام ہے؟ ایک چیز ثابت ہے تو باقی سب چیزوں کی نفی ہے، تو یہ تو پھر درست ہی نہ رہتا بھئی۔

تو جیسے مَا عَلِيٌّ إِلَّا قَائِمٌ نہیں ہے علی مگر قائم ہی، أَيْ إِنَّ لَهُ صِفَةَ الْقِيَامِ لَا صِفَةَ الْقُعُودِ یعنی اس کے لیے قیام کی صفت ہے، لَا صِفَةَ الْقُعُودِ بیٹھنے کی صفت نہیں ہے۔ وَلَيْسَ الْغَرَضُ نَفْيَ جَمِيعِ الصِّفَاتِ عَنْهُ اور یہ غرض نہیں ہے کہ اس سے تمام صفات کی نفی ہے مَا عَدَا صِفَةِ الْقِيَامِ صفتِ قیام کے علاوہ۔ تو یہ غرض یہاں نہیں ہے کہ اس کے لیے صرف صفتِ قیام ثابت ہے اور باقی تمام صفات کی اس سے نفی ہے ورنہ تو پھر معنی ہی درست نہیں رہتا۔ کہتے ہیں وَلَيْسَ الْغَرَضُ نَفْيَ جَمِيعِ الصِّفَاتِ عَنْهُ مَا عَدَا صِفَةِ الْقِيَامِ اور یہ غرض نہیں ہے کہ اس سے تمام صفات کی نفی ہے سوائے صفتِ قیام کے، یہ غرض یہاں نہیں ہے۔

وَكُلٌّ مِنْهُمَا يَنْقَسِمُ إِلَى قَصْرِ صِفَةٍ عَلَى مَوْصُوفٍ، اور ان دونوں میں سے ہر ایک، کن دونوں میں سے؟ قصرِ حقیقی اور قصرِ اضافی، ان دونوں میں سے ہر ایک تقسیم ہوتا ہے إِلَى قَصْرِ صِفَةٍ عَلَى مَوْصُوفٍ کس چیز کی طرف؟ قصرِ صفت علی الموصوف، جس میں صفت کو بند کیا جاتا ہے کس پر؟ موصوف پر۔ آگے دو لفظوں کے بعد آ رہا ہے وَقَصْرِ مَوْصُوفٍ عَلَى صِفَةٍ، اور قصرِ موصوف علی صفت، یعنی دونوں کی دو دو قسمیں ہیں: ایک ہے قصرِ صفت علی الموصوف اور ایک ہے قصرِ موصوف علی الصفت۔ درمیان میں مثال بھی ذکر کر دی قصرِ صفت علی الموصوف کی مثال نَحْوُ مثال کے طور پر: لَا فَارِسَ إِلَّا عَلِيٌّ۔ فَارِس کہتے ہیں گھڑ سوار کو، شہسوار کو بھئی۔ کوئی گھڑ سوار نہیں ہے سوائے علی کے، کوئی شہسوار نہیں ہے مگر علی۔ اب مجھے بتائیے میں نے علی کو گھڑ سواری میں بند کیا یا گھڑ سواری کو علی میں بند کر دیا؟ گھڑ سواری کو علی میں، کہ کوئی گھڑ سوار نہیں، کوئی شہسوار نہیں سوائے کس کے؟ علی کے، یعنی صرف وہی شہسوار ہے۔ تو میں نے شہسواری کو کس میں بند کر دیا؟ علی میں۔ تو یہ صفت کو کس میں بند کر رہا ہوں؟ موصوف میں، کیونکہ گھڑ سواری تو صفت ہے تو یہ صفت کو میں بند کر رہا ہوں موصوف یعنی علی کے اندر۔

وَقَصْرِ مَوْصُوفٍ عَلَى صِفَةٍ اور کس کی طرف تقسیم ہوتے ہیں؟ ایک تو قصرِ صفت علی موصوف تھا اور دوسرا ہے قصرِ موصوف علی صفت، نَحْوُ مثال کے طور پر: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَجُوزُ عَلَيْهِ الْمَوْتُ۔ تو یہ قصرِ موصوف علی صفت ہے: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ اور نہیں ہیں محمد مگر رسول، یعنی محمد تو رسول ہی ہیں۔ بھئی صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، انہیں حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات سے اتنی محبت تھی کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حضور علیہ السلام کی خاطر انہوں نے اپنی جائیدادوں کو چھوڑ دیا، وطن کو چھوڑ دیا، رشتہ داروں کو چھوڑ دیا، بہن بھائیوں کو چھوڑ دیا، والدین کو چھوڑ دیا۔ تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی خاطر ان کی محبت میں ہر چیز کو ٹھکرا دیا، وطن کو چھوڑ دیا، مال و دولت کو دھتکار دیا، رشتہ داروں، بہن بھائیوں، والدین وغیرہ سب کو ٹھکرا دیا، تو ایسی محبت تھی حضور علیہ السلام کے ساتھ۔ اور اتنی محبت تھی کہ ان کا خیال تھا کہ حضور علیہ السلام جیسے اللہ کے پیغمبر ہیں اسی طرح ان پر موت بھی نہیں آسکتی، یہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے، کیونکہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بغیر تو وہ زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے بھئی، اتنی محبت تھی بھئی۔ تو ان کا کیا خیال تھا؟ کہ یہ اللہ کے پیغمبر بھی ہیں اور ساتھ ساتھ ان پر موت بھی کبھی نہیں آسکتی، یہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے اسی طرح بھئی۔ تو اس کی قرآن میں نفی کر دی گئی اور بتلا دیا گیا: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، کہ محمد تو رسول ہی ہیں۔ تمہارا یہ خیال

ہے کہ محمد صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کے لیے صفتِ رسالت کے ساتھ ساتھ موت سے چھٹکارے کی بھی صفت ثابت ہے، یعنی ان کے لیے موت نہیں، تو یہ رسول بھی ہیں اور ان کے لیے موت سے چھٹکارا اور موت سے خلاصی بھی ہے کہ ان پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ تو دیکھو اس کی نفی کر دی گئی اور بتلا دیا گیا کہ محمد تو رسول ہی ہیں۔ تو دیکھو کس کو کس میں بند کیا جارہا ہے؟ موصوف کو صفت میں بند کیا جارہا ہے، یہ قصرِ موصوف علی الصفت کی مثال ذکر ہو رہی ہے۔ موصوف یعنی محمد صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بند کر دیا گیا کس صفت میں؟ صفتِ رسالت میں، کہ ان کے لیے صرف رسالت کی صفت ہے، اور باقی دنیا بھر کی صفات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ صرف کس صفت کی نفی کی گئی؟ موت سے خلاصی کی، کہ موت سے چھٹکارا نہیں، موت ان پر بھی آئے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے کہ موصوف کو بند کیا گیا صفت میں۔ اور مجھے یہ بتایئے یہ قصرِ حقیقی ہے یا قصرِ اضافی ہے؟ حقیقی نہیں، کیونکہ اگر حقیقی ہو تو معنی یہ ہے ان کے لیے رسالت کی صفت ہے اور دنیا بھر کی کوئی صفت ان کے لیے ثابت نہیں، حالانکہ یہ تو یہاں مراد نہیں، پھر تو بات ہی ٹھیک نہیں بنتی۔ بلکہ یہاں جو رسالت میں بند کیا گیا یہ کس کی نسبت سے ہے؟ موت کے نہ آنے کی نسبت سے بند کیا گیا کہ موت کے نہ آنے کی صفت نہیں ہے ان کے لیے بلکہ صرف کون سی ہے؟ رسالت والی صفت ہے، تو یہ قصرِ اضافی ہے بھئی اور قصرِ موصوف علی الصفت ہے۔ یہ معنی ہے وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ اور نہیں ہیں محمد مگر پیغمبر، فَيَجُوزُ عَلَيْهِ الْمَوْتُ تو ان پر موت جائز ہے یعنی موت ان پر آسکتی ہے۔

■ قولہ: «وَالْقَصْرُ الْإِضَافِيُّ يَنْقَسِمُ...» کی تشریح

وَالْقَصْرُ الْإِضَافِيُّ يَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ حَالِ الْمُخَاطَبِ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ۔ اور قصرِ اضافی یہ تقسیم ہوتا ہے مخاطب کے حال کے اعتبار سے إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ تین قسموں کی طرف۔ کون سا قصر؟ قصرِ اضافی۔ قصرِ اضافی اس کی تین قسمیں ہیں اور یہ تین قسمیں ہیں مخاطب کے حال کے اعتبار سے، جس سے یعنی بات کی جارہی ہے اس کی حالت کے اعتبار سے۔ قصرِ اضافی کی کتنی قسمیں؟ تین قسمیں: ایک کو کہتے ہیں قصرِ افراد، ایک ہے قصرِ قلب، اور ایک ہے قصرِ تعیین بھئی۔ قصرِ افراد، قصرِ قلب اور قصرِ تعیین۔ دیکھو نام سے ہی پتا چل رہا ہے: افراد کا معنی الگ کرنا، جدا کرنا؛ اور قلب کا معنی، قاف دو نقطوں والا، قاف، لام، با، قلب کا معنی الٹا دینا، پلٹ دینا؛ اور تعیین کا کیا معنی ہے؟ تعیین کرنا، متعین کر دینا۔ تو یہ قصرِ اضافی مخاطب کے احوال کے اعتبار سے تین قسم پر ہے: قصرِ افراد، قصرِ قلب اور قصرِ تعیین۔

مثلاً بھئی میرے سامنے ایک شخص ہے، اس کا خیال ہے کہ علی جو ہے وہ کاتب بھی ہے اور شاعر بھی ہے، اس کا یہ اعتقاد ہے جو میرا مخاطب ہے جس سے میں بات کرنا چاہتا ہوں، اس کا خیال ہے کہ علی کاتب بھی ہے اور شاعر بھی ہے۔ تو میں اب اس کے سامنے کہتا ہوں: مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ، علی تو کاتب ہی ہے۔ دیکھو لفظ سے ہی پتا چل رہا ہے کہ میں علی کو بند کر رہا ہوں کس کے اندر؟ کتابت کے اندر، یعنی علی کاتب ہے تو میں نے کس چیز کی نفی کی؟ شاعر ہونے کی۔ تو اس کا خیال کیا تھا؟ کہ وہ شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے، یعنی علی شریک ہے دونوں صفتوں میں۔ میں نے علی کو جدا کر دیا کہ اس کے لیے صرف کون سی صفت ہے؟ کتابت کی صفت ہے، اس کی شاعری کی صفت میں شرکت نہیں ہے، بلکہ علی کے لیے صرف کون سی صفت ہے؟ کتابت والی صفت ہے، اس کے لیے شاعری کی صفت میں شرکت نہیں۔ تو جہاں مخاطب کا اعتقاد شرکت کا ہو وہاں جو قصر کیا جائے گا اسے قصرِ افراد کہتے ہیں۔ دیکھو میں نے جب کہا مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ، میں نے کس چیز کی نفی کی؟ شرکت کی نفی کی۔ تو جہاں مخاطب کا حال یہ تھا کہ اس کا اعتقاد شرکت کا تھا تو وہاں پر جو قصرِ اضافی آئے گا اس قصرِ اضافی کو کیا کہیں گے؟ قصرِ افراد۔ تو میں نے ایک وصف کو جدا کر دیا کہ صرف یہ والا وصف ہے علی کے لیے دوسرا والا وصف نہیں، تو یہ کیا کہلاتا ہے؟ قصرِ افراد بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں وَالْقَصْرُ الْإِضَافِيُّ يَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ حَالِ الْمُخَاطَبِ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ اور قصرِ اضافی تقسیم ہوتا ہے مخاطب کے حال کے اعتبار سے تین اقسام کی طرف: قَصْرُ إِفْرَادٍ۔ یاد رکھیے یہاں تین طرح اعراب پڑھ سکتے ہیں: قَصْرُ إِفْرَادٍ راپر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں، قَصْرَ إِفْرَادٍ راپر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، اور قَصْرِ إِفْرَادٍ راپر کسرہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو یہاں پر رفع، نصب، جر تینوں پڑھ سکتے ہیں، تین اعراب۔ کس اعتبار سے بھئی، ترکیب کیا ہوگی؟ تو یاد رکھیے اگر آپ اس پر پڑھتے ہیں جر: قَصْرِ إِفْرَادٍ، تو اس صورت میں آپ اس کو بدل بنا رہے ہیں کس سے؟ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ، تین قسمیں ہیں، وہ تین قسمیں کون سی ہیں؟ قَصْرِ

إِفْرَادٍ وَقَصْرِ قَلْبٍ وَقَصْرِ تَعْيِينٍ۔ تو یہ تینوں مل کر بدل بن رہے ہیں ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ سے۔ بھئی ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ یہی تین چیزیں ہیں نا، تو یہ کیا ہے؟ بدل الکل ہوا۔ اور آپ نے پڑھا ہے مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ وہ مجرور تھا تو قَصْرِ إِفْرَادٍ وَقَصْرِ قَلْبٍ وَقَصْرِ تَعْيِينٍ یہ بھی کیا ہوں گے؟ مجرور ہوں گے بھئی۔

دوسری صورت کہ آپ اس پر نصب پڑھتے ہیں: قَصْرَ إِفْرَادٍ وَقَصْرَ قَلْبٍ وَقَصْرَ تَعْيِينٍ۔ اس صورت میں نصب پڑھنے کی وجہ یہ کہ آپ نے اس کو مفعول بنایا أَعْنِي فعل کے لیے۔ أَعْنِي متکلم کا صیغہ ہے یعنی میری مراد یہ ہے کہ یہ تقسیم ہوتا ہے تین قسموں کی طرف، أَعْنِي قَصْرَ إِفْرَادٍ میری مراد کیا ہے؟ قَصْرَ إِفْرَادٍ وَقَصْرَ قَلْبٍ وَقَصْرَ تَعْيِينٍ، تو یہ أَعْنِي فعل کے لیے مفعول بنیں گے منصوب ہونے کی صورت میں۔ اور اس پر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں: قَصْرُ إِفْرَادٍ، اور جب رفع پڑھیں گے پھر یاد رکھیے اس صورت میں یہ خبر واقع ہوں گے اور مبتدا ان کا محذوف ہوگا۔ اور خبر پر کون سا اعراب پڑھتے ہیں؟ رفع پڑھتے ہیں۔ تو مبتدا کیا ہوگا پہلے کے لیے؟ أَحَدُهَا قَصْرُ إِفْرَادٍ، اس کی تین قسمیں ہیں ان تین میں سے ایک قسم کیا ہے؟ قَصْرُ إِفْرَادٍ، وَثَانِيهَا قَصْرُ قَلْبٍ، وَثَالِثُهَا قَصْرُ تَعْيِينٍ، تو تینوں کے لیے الگ الگ مبتدا نکال لیں گے۔

تو کہتے ہیں یہ تقسیم ہوتا ہے مخاطب کے حال کے اعتبار سے تین اقسام کی طرف: قَصْرُ إِفْرَادٍ إِذَا اعْتَقَدَ الْمُخَاطَبُ الشَّرِكَةَ، ایک قصرِ افراد ہے جب مخاطب کا اعتقاد کس چیز کا ہو؟ شرکت کا ہو۔ وَقَصْرُ قَلْبٍ إِذَا اعْتَقَدَ الْعَكْسَ، اور قصرِ قلب ہے جبکہ مخاطب کا اعتقاد اس کا عکس ہو، برعکس ہو یعنی اس کا الٹ ہو۔ مثلاً دیکھیے میرے سامنے ایک مخاطب ہے میں اس سے بات کر رہا ہوں، اس کا خیال ہے کہ علی صرف شاعر ہے، تو میں اسے کہتا ہوں: مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ، علی تو کاتب ہی ہے۔ تو اس کا خیال اس کا الٹ تھا، اس کا کیا خیال تھا؟ علی صرف شاعر ہے، میں نے بتلایا نہیں علی صرف کاتب ہے۔ تو مخاطب کا اعتقاد اس کے برعکس تھا، اس کا خیال تھا کہ علی بند ہے صفتِ شاعری میں، میں نے جو حکم اس کے ذہن میں تھا اس کو الٹ دیا کہ نہیں، علی شاعری میں نہیں بند بلکہ علی کتابت میں بند ہے۔ تو یہ کیا کہلاتا ہے؟ قصرِ قلب۔ قلب کا معنی بھی الٹنا، تو میں نے اس کے حکم کو الٹ دیا۔ یہ معنی ہے وَقَصْرُ قَلْبٍ إِذَا اعْتَقَدَ الْعَكْسَ اور قصرِ قلب ہے جب مخاطب کا اعتقاد کیا ہو؟ اس کے برعکس ہو۔

وَقَصْرُ تَعْيِينٍ اور تیسری قسم کیا ہے؟ قصرِ تعیین، إِذَا اعْتَقَدَ وَاحِدًا غَيْرَ مُعَيَّنٍ جبکہ مخاطب کا اعتقاد کسی ایک غیر معین کا ہو۔ بھئی میرے سامنے ایک مخاطب ہے، اس کا خیال ہے کہ علی کے لیے شاعری یا کتابت دونوں میں سے ایک وصف ثابت ہے، لیکن کون سا وصف ہے یہ اسے پتا نہیں تھا، یہ متعین نہیں تھا۔ یہ تو اعتقاد اس کا ٹھیک تھا کہ دونوں میں سے کیا ہے؟ ایک ہے، لیکن کون سا ہے، وہ صرف شاعر ہے یا صرف کاتب ہے یہ اس کو پتا نہیں تھا کہ ان میں سے کون سا والا ہے بھئی۔ تو اب میں اس کی تعیین کرتا ہوں اور یوں کہتا ہوں: مَا عَلِيٌّ إِلَّا كَاتِبٌ، کہ ان دونوں میں سے کون سے وصف میں علی بند ہے؟ کتابت کے اندر بند ہے، تو یہ اب قصرِ تعیین ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو قصرِ افراد جس میں مخاطب کا اعتقاد کیا ہوتا ہے؟ شرکت کا ہے، تو آپ اس کو الگ کر دیتے ہیں، شرکت کو ختم کر دیتے ہیں تو وہ قصرِ افراد کہلاتا ہے۔ قصرِ قلب جس میں مخاطب کا اعتقاد اس کے برعکس ہوتا ہے تو آپ اس کے اعتقاد میں جو حکم ہے اس کو کیا کر دیتے ہیں؟ الٹ دیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ایسا ہے۔ اور ایک قصرِ تعیین ہے جس میں اس کا اعتقاد تو ہے لیکن تعیین نہیں ہے تو آپ کیا کر دیتے ہیں؟ قصر میں تعیین کر دیتے ہیں۔

■ قولہ: «وَلِلْقَصْرِ طُرُقٌ مِنْهَا» کی تشریح

وَلِلْقَصْرِ طُرُقٌ مِنْهَا، اب قصر کے طریقے بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَلِلْقَصْرِ طُرُقٌ اور قصر کے کئی طریقے ہیں۔ طُرُق جمع ہے طَرِيقٌ کی بھئی، کئی راستے ہیں۔ مِنْهَا ان میں سے ایک طریقہ جو ہے النَّفْيُ وَالِاسْتِثْنَاءُ نفی اور استثناء والا ہے کہ حرفِ نفی لائیں اور ساتھ کیا لائیں؟ حرفِ استثناء۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ۔ إِنْ نفی کے لیے ہے، إِنْ هَذَا نہیں ہے یہ إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ مگر معزز فرشتہ۔ عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور ان کا حسن و جمال دیکھا بھئی تو کیا کہنے لگیں؟ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہی ہے، یعنی انسان نہیں ہے، اتنا حسن و جمال کسی انسان کا ہو ہی نہیں سکتا، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو دیکھو یہ قصر آیا اور کس کے ساتھ آیا؟ نفی اور استثناء کے ساتھ، یہ ایک طریقہ ہے۔

وَمِنْهَا إِنَّمَا اور قصر کے طریقوں میں سے ایک إِنَّمَا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: إِنَّمَا أَلْفَاهُمْ عَلِيٌّ۔ أَلْفَى يُلْفِي کے معنی ہوتے ہیں پالینا، ڈھونڈ لینا۔ إِنَّمَا أَلْفَاهُمْ عَلِيٌّ ان کو ڈھونڈ لیا علی نے، ان کو علی نے ڈھونڈا ہے یعنی اور کسی نے نہیں۔ اب دیکھیے یہاں إِنَّمَا آیا، اور إِنَّمَا حصر کا فائدہ دیتا ہے، اور یہ یاد رکھنا بھئی حصر جو ہے جزِ اخیر میں آتا ہے۔ کس میں آتا ہے؟ جزِ اخیر۔ دیکھو إِنَّمَا أَلْفَاهُمْ عَلِيٌّ، آخری جز کیا آیا جملے میں؟ عَلِيٌّ، تو حصر علی کے اندر ہوگا۔ کس کے اندر؟ علی کے اندر۔ تو جو لفظ آخر میں آئے اردو ترجمے میں اس کے آخر میں ہی کا لفظ بڑھا دیں: إِنَّمَا أَلْفَاهُمْ ان کو ڈھونڈا ہے عَلِيٌّ علی ہی نے۔ ان کو علی ہی نے ڈھونڈا ہے، معلوم ہوا کسی دوسرے نے نہیں ڈھونڈا، تو یہ دیکھو إِنَّمَا قصر کا فائدہ دیتا ہے۔

وَمِنْهَا الْعَطْفُ بِلَا أَوْ بَلْ أَوْ لَكِنْ۔ اور قصر کے طریقوں میں سے ایک عطف کرنا ہے لَا یا بَلْ یا لَكِنْ کے ساتھ۔ نَحْوُ مثال کے طور پر آپ کہتے ہیں: أَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ، میں نثر کہنے والا ہوں نظم کہنے والا نہیں ہوں۔ تو مخاطب کا خیال تھا آپ نثر بھی کہتے ہیں، نظم یہ عام کلام جو نظم نہ ہو اور ایک شعر ہیں اس کو نظم کہتے ہیں، تو مخاطب

کا خیال تھا آپ نثر بھی کہتے ہیں نظم بھی کہتے ہیں، آپ نے کہاأَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ میں ناثر ہوں ناظم نہیں۔ تو دیکھو یہاں حصر آگیا، یہ لَا کے ساتھ عطف کرنے کی وجہ سے۔ دوسرا کس کے ساتھ ہے؟ بَلْ کے ساتھ: وَمَا أَنَا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ۔ سننے والے کا خیال تھا آپ حساب کتاب بھی کرنے والے ہیں اور کتابت بھی جاننے والے ہیں، آپ نے کیا کہہ دیا؟ مَا أَنَا حَاسِبٌ میں حساب کرنے والا نہیں بَلْ كَاتِبٌ بلکہ کاتب ہوں۔ تو اس کا خیال تھا دونوں وصف ہیں، آپ نے اپنے آپ کو کس میں بند کر دیا؟ کتابت کے وصف میں، تو یہ حصر آگیا۔

وَمِنْهَا تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ، اور حصر کے طریقوں میں سے ایک جو ہے تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ، مقدم کرنا مَا اس چیز کو حَقُّهُ التَّأْخِيرُ جس کا حق کیا ہے کہ اس کو کیا کیا جائے؟ مؤخر کیا جائے، نَحْوُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ بھئی دیکھیے، اصل میں تو ہونا تو یہ چاہیے إِيَّاكَ مفعول ہے، مفعول مؤخر ہوتا ہے: نَعْبُدُكَ، اور اسی طرح ہونا چاہیے نَسْتَعِينُكَ۔ لیکن نَعْبُدُكَ اگر مؤخر ہو مفعول تو ترجمہ ہوگا ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، تو اللہ کی عبادت کرنے کا تو اقرار ہوگا لیکن غیر کی عبادت کی نفی نہیں۔ نَسْتَعِينُكَ ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں، تو اللہ سے مدد مانگنے کا تو اقرار ہے لیکن غیر سے مدد مانگنے کی نفی نہیں۔ لیکن جب اس مفعول جس کا حق مؤخر تھا اس کو مقدم کر دیا گیا: إِيَّاكَ نَعْبُدُ، اب تخصیص آگئی کہ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، تو دیکھو باقی سب کی عبادت کی کیا ہوگئی؟ نفی۔ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اے اللہ ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تو باقی سب سے مدد مانگنے کی نفی ہوگئی بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۶: الباب السابع في الوصل والفصل: وصل وفصل کی تعریف، واؤ عاطفہ کی خصوصیت اور مواضعِ وصل بالواؤ

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۷۱ــــ بتاریخ: ۱ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلْبَابُ السَّابِعُ فِي الْوَصْلِ وَالْفَصْلِ۔ اَلْوَصْلُ عَطْفُ جُمْلَةٍ عَلَى أُخْرَى، وَالْفَصْلُ تَرْكُهُ، وَالْكَلَامُ هَاهُنَا قَاصِرٌ عَلَى الْعَطْفِ بِالْوَاوِ؛ لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيهِ اشْتِبَاهٌ۔ وَلِكُلٍّ مِنَ الْوَصْلِ بِهَا وَالْفَصْلِ مَوَاضِعُ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

اَلْبَابُ السَّابِعُ فِي الْوَصْلِ وَالْفَصْلِ، ساتواں باب ہے وصل اور فصل کے بیان میں۔ علم المعانی آپ نے پڑھا تھا آٹھ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ چھ ابواب گزر گئے، آج ہم ساتواں باب پڑھیں گے بھئی اور اس میں وصل اور فصل کا بیان ہو گا بھئی۔ یاد رکھیے وصل سے یہاں مراد ہے عطف بھئی اور فصل سے مراد ہے ترک عطف، عطف کو چھوڑ دینا۔ تو وصل سے کیا مراد ہے؟ عطف بھئی۔ مثلاً جیسے آپ مفرد میں عطف کرتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو آپ نے عَمْرٌو کا عطف کیا کس پر؟ زید پر۔ اسی طرح جملے کے اندر بھی بعض اوقات وصل کیا جاتا ہے یعنی عطف کیا جاتا ہے اور بعض اوقات عطف کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر جملے کا جو جملے پر عطف ہو یا اس کو چھوڑ دیا جائے اس کے بارے میں بحث کریں گے مفرد کے بارے میں نہیں بھئی۔

تو وصل سے کیا مراد ہوا؟ ایک جملے کا عطف دوسرے جملے پر۔ اور فصل سے کیا مراد ہوا؟ ترک عطف، عطف کو چھوڑ دینا، عطف نہ کرنا۔ مثلاً دو جملے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ اور دوسرا جملہ ہے ذَهَبَ عَمْرٌو۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ آپ درمیان میں کوئی حرف عطف لاتے ہیں، ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کر دیتے ہیں۔ مثلاً یوں کہتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو، تو آپ نے کیا کیا؟ عطف کیا۔ ذَهَبَ عَمْرٌو جو دوسرا جملہ ہے اس کا عطف کیا پہلے جملے پر۔ یہ ہے وصل۔ اور بعض اوقات اس وصل کو یا عطف کو آپ چھوڑ دیتے ہیں واؤ درمیان میں نہیں لاتے مثلاً یوں کہتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ ذَهَبَ عَمْرٌو، تو درمیان میں حرف عطف کو ذکر نہیں کیا۔ یہ ہے ترک عطف یا یوں کہیں یہ ہے فصل بھئی۔ یہ کیا ہے؟ فصل ہے۔ تو وصل کا معنی ہے ملانا، فصل کا معنی ہے جدا کرنا۔ تو جب آپ نے عطف کیا تو دونوں کو ملا دیا بھئی۔ دونوں کو کیا کیا؟ ملا دیا اور ان میں ربط دے دیا۔ اور جب آپ نے فصل کیا یعنی واؤ وغیرہ درمیان میں ذکر نہیں کیا تو آپ نے دونوں جملوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا، فصل کر دیا، ان میں کوئی ربط نہیں دیا بھئی، آپس میں ان کا تعلق نہیں بنایا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں اَلْوَصْلُ عَطْفُ جُمْلَةٍ عَلَى أُخْرَى، وصل جو ہے وہ عطف کرنا ہے ایک جملے کا عَلَى أُخْرَى دوسرے پر، وَالْفَصْلُ تَرْكُهُ اور فصل جو ہے عطف کو چھوڑ دینا ہے۔ وَالْكَلَامُ هَاهُنَا قَاصِرٌ عَلَى الْعَطْفِ بِالْوَاوِ اور کلام یہاں پر قاصر ہے۔ قصر کا کیا معنی تھا؟ بند کرنا، حصر، قصر اور تخصیص۔ تو کلام یہاں پر قَاصِرٌ بند ہے عَلَى الْعَطْفِ بِالْوَاوِ واؤ کے ساتھ عطف پر۔ یعنی یہاں پر ہم صرف واؤ کے ذریعے جو عطف ہوتا ہے ایک جملے کا دوسرے جملے پر یا اس کو ترک کیا جاتا ہے صرف اس کے بارے میں ہم کلام کریں گے۔ باقی حروف عاطفہ جو ہیں ان کے بارے میں ہم بحث نہیں کریں گے بھئی۔ تو یہاں پر صرف کس کے بارے میں بحث ہو گی؟ واؤ کے ذریعے عطف کرنے کے بارے میں۔ تو کہتے ہیں وَالْكَلَامُ هَاهُنَا قَاصِرٌ عَلَى الْعَطْفِ بِالْوَاوِ اور کلام یہاں پر بند ہے عَلَى الْعَطْفِ بِالْوَاوِ واؤ کے ساتھ عطف کرنے پر یعنی صرف اسی کے بارے میں بات کریں گے۔ لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيهِ اشْتِبَاهٌ اس لیے کیونکہ وہ عطف بِغَيْرِهَا جو واؤ کے بغیر ہو یعنی واؤ کے علاوہ کسی اور حرف کے ساتھ کیا جائے لَا يَقَعُ فِيهِ اشْتِبَاهٌ اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔

ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوتا اس لیے کیونکہ ان حروف کے اور بھی معانی آتے ہیں بھئی۔ بھئی واؤ تو یہاں فائدہ دے گا اشتراک کا۔ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ اشتراک کا فائدہ دے گا کہ مثلاً آپ نے کہا جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو۔ اب دیکھیے اگر آپ بغیر واؤ کے کہیں جَاءَ زَيْدٌ ذَهَبَ عَمْرٌو، زید آیا عمرو چلا گیا۔ اب درمیان میں ذرا واؤ لے آئیں جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو، زید آیا اور عمرو چلا گیا۔ تو واؤ نے صرف اشتراک کا فائدہ دیا کہ یہاں جیسے زید کے لیے آنا ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے جانا ثابت ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو صرف دونوں میں اشتراک پیدا کر دیا، تعلق پیدا کر دیا، ربط دے دیا دونوں میں۔ اور واؤ کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ جبکہ دوسرے حروف عاطفہ وہ تو اور بھی فائدہ دیتے ہیں اشتراک کے ساتھ جیسے مفرد میں تھا جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو۔ اب دیکھیے یہ مفرد کا مفرد پر عطف کیا جا رہا ہے۔ عمرو کا عطف کس پر ہے؟ زید پر، اور کس کے ذریعے ہے؟ فاء کے ذریعے۔ اور فاء کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تعقیب مع الوصل کا۔ یعنی ایک چیز دوسری کے بعد ہے اور وصل ملی ہوئی ہے یعنی اس کے فوراً بعد ہے درمیان میں وقت وغیرہ نہیں ہے تاخیر نہیں ہے۔ اور ثُمَّ آتا ہے تعقیب مع الفصل کے لیے کہ ایک چیز دوسری کے بعد ہے اور درمیان میں کچھ فصل ہے یعنی تاخیر ہے۔ مثلاً مفرد میں میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا پھر کون آیا؟ عمرو، یعنی اس کے کچھ دیر بعد عمرو آیا۔

تو دیکھیے فاء، ثُمَّ وغیرہ اور حروف جو ہیں وہ اشتراک کے ساتھ ساتھ اور بھی فائدہ دیتے ہیں جیسے انہوں نے ترتیب کا فائدہ دیا۔ فاء نے اور ثُمَّ نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ ترتیب کا فائدہ دیا۔ جبکہ واؤ صرف جمع کرنے کا فائدہ دیتا ہے آپ نے پڑھا ہے جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ تو اس جملے کا کیا مطلب ہے؟ کہ مجیئت جیسے زید کے لیے ثابت ہے یعنی جیسے زید آیا ہے اسی طرح عمرو بھی آیا ہے۔ اور کوئی فائدہ نہیں دیا واؤ نے یہاں پر، صرف جمع کر دیا دونوں کو۔ تو اب جملے میں ہے زید پہلے اور عمرو بعد میں، لیکن ضروری نہیں کہ زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں۔ زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں آیا ہو تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ عمرو پہلے آیا تھا اور زید اس کے بعد آیا تھا پھر بھی آپ اسی طرح کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اور اگر دونوں اکٹھے آئے ہوں پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اور نیز اگر الگ الگ آئے ہوں تو چاہے زید کے فوراً بعد عمرو آیا ہو یا زید کے کافی دیر بعد عمرو آیا ہو، یا عمرو پہلے ہے اور اس کے فوراً بعد زید آیا یا عمرو کے بڑی دیر بعد زید آیا ہے، تمام صورتوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ کیونکہ واؤ صرف کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ جمع کرنے کا فائدہ دے رہا ہے، اشتراک کا فائدہ دے رہا ہے کہ جیسے آنا زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی آنا ثابت ہے۔ چاہے زید دس سال پہلے آیا ہو عمرو آپ کے پاس آج آیا ہے پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ کیونکہ یہ صرف کیا بتلا رہا ہے کہ مجیئت جیسے زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی ثابت ہے۔ اور یہ فائدہ نہیں دے رہا ترتیب وغیرہ کا فائدہ نہیں۔

جبکہ اور حروف جو ہیں وہ اپنا اور بھی فائدہ دیتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، فاء کے ساتھ آپ کہتے ہیں تو اس نے یہ بھی بتلایا کہ زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی آیا ہے۔ تو اس نے جمع کرنے یا اشتراک کا بھی فائدہ دیا اور ساتھ ساتھ ترتیب بھی بتلا دی کہ پہلے زید آیا ہے اور اس کے فوراً بعد عمرو آیا ہے بھئی۔ تو واؤ صرف جمعیت جمع کا فائدہ دیتا ہے یا یوں کہیں اشتراک کا فائدہ دیتا ہے جبکہ دوسرے حروف جمع کے ساتھ یا اشتراک کے ساتھ ساتھ اپنا اور بھی فائدہ دیتے ہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر صرف وہ واؤ کے بارے میں بحث کریں گے اور مثالیں میں ویسے سمجھانے کے لیے مفرد کی ذکر کر رہا تھا لیکن یہاں پر وہ بحث صرف کس کے بارے میں کریں گے؟ جملے کے بارے میں کہ ایک جملے کا دوسرے جملے پر واؤ کے ساتھ کہاں پر عطف کیا جائے گا اور کہاں پر عطف کو چھوڑ دیا جائے گا۔ جہاں عطف کیا جائے اس کو کہتے ہیں وصل اور جہاں عطف کو چھوڑ دیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ فصل کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہاں پر عطف بالواؤ کے بارے میں ہی ہم بات کریں گے لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا اس لیے کیونکہ واؤ کے علاوہ کے ساتھ جو عطف ہے لَا يَقَعُ فِيهِ اشْتِبَاهٌ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ مثلاً بھئی میں فاء کے ساتھ جملے کا جملے پر عطف کرتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ فَذَهَبَ عَمْرٌو، تو دیکھو فاء نے ترتیب بتلا دی کہ زید پہلے آیا اور پھر اس کے بعد عمرو چلا گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو باقی حروف جب استعمال کریں گے وہ اپنا فائدہ دیں گے ان میں اشتباہ نہیں لیکن واؤ کے لانے میں اشتباہ ہے۔ کس طرح اشتباہ ہے؟ دیکھیے میں کہتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو، کس کے ساتھ میں نے کہا؟ واؤ کے ساتھ، جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو کیا معنی ہے؟ معلوم ہوا جیسے زید کے لیے آنا ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے جانا ثابت ہے۔ یہ تو واؤ کے بغیر بھی یہی فائدہ ہو رہا ہے جَاءَ زَيْدٌ ذَهَبَ عَمْرٌو، وہی فائدہ ہے یا نہیں؟ اس میں بھی یہی پتہ چل رہا ہے زید کے لیے آنا ثابت ہے تو عمرو کے لیے جانا ثابت ہے۔ تو واؤ کے اندر اشتباہ ہے کیونکہ وہ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے اور کوئی فائدہ نہیں اور وہ اشتراک اس کا مفرد میں فائدہ ظاہر ہوتا ہے لیکن جملے کے اندر فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔

■ قولہ: «جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» کی تشریح

مفرد میں کس طرح فائدہ ظاہر ہوتا ہے؟ مثلاً دیکھیے میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ تو میں نے عمرو کا عطف کیا زید پر۔ تو اصل میں تو مجھے یوں کہنا چاہیے تھا جَاءَ زَيْدٌ وَجَاءَ عَمْرٌو، دونوں کے لیے الگ فعل لانا چاہیے تھا۔ لیکن واؤ نے کیا فائدہ دیا جب میں نے مفرد کا مفرد پر عطف کیا؟ ایک ہی فعل لانا پڑا آپ کو جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ تو مفرد کے اندر تو پھر بھی واؤ کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے کہ کلام کیا ہو جاتا ہے؟ مختصر ہو جاتا ہے جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو جَاءَ کتنی دفعہ لانا پڑا؟ ایک دفعہ اور اسناد دونوں کی طرف ہو گیا، معلوم ہوا زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی آیا ہے تو دونوں کے لیے مجیئت ثابت ہو گئی حالانکہ جَاءَ کا فعل ایک ہی دفعہ ذکر ہے۔ تو مفرد کے اندر جو عطف کیا جاتا ہے اس میں پھر بھی واؤ کا فائدہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کلام مختصر ہوتا ہے۔ لیکن جملے کے اندر جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو بھئی اس کا بھی وہی فائدہ جو جَاءَ زَيْدٌ ذَهَبَ عَمْرٌو بغیر واؤ کے ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو واؤ چونکہ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے اس کا اور کوئی فائدہ نہیں تو کہاں پر واؤ

کے ساتھ عطف کیا جائے گا، دو جملوں میں ربط دیا جائے گا، دو جملوں میں اشتراک بیان کیا جائے گا اور کہاں پر اشتراک نہیں بیان کیا جائے گا اس میں اشتباہ تھا تو لہٰذا صرف اسی کی تفصیل بیان کریں گے بھئی۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی کہ یہاں صرف کس کے بارے میں بات کریں گے؟ واؤ کے بارے میں کہ کہاں واؤ کو عطف کے لیے لانا ہے اور کہاں نہیں لانا، اور عطف بھی جملے کا جملے پر اس کے بارے میں بات کریں گے، مفرد کا عطف مفرد پر اس کے بارے میں بات نہیں کریں گے۔ تو یاد رکھیے یہ بڑا ہی اہم باب ہے علم المعانی کا بھئی یہ فصل اور وصل۔ حتیٰ کہ بعض بڑے علماء فرماتے ہیں کہ جس نے فصل اور وصل کو اچھی طرح جان لیا اور سیکھ لیا اس نے ساری بلاغت کو سیکھ لیا اور جس نے فصل اور وصل کو نہیں جانا اس نے بلاغت ہی کو نہیں جانا۔ اگرچہ یہ کلام مبالغے پر مبنی ہے لیکن بہر حال اس باب کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے کہ بڑا ہی یہ اہم باب ہے بلاغت کا بھئی۔ تو بات سمجھ میں آئی یہاں تک بھئی؟ تو واؤ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ اشتراک کا فائدہ دیتا ہے، اس کے ذریعے آپ دو جملوں میں تعلق اور اشتراک بیان کرتے ہیں۔

تو لہٰذا کہاں پر یہ اشتراک آئے گا، کہاں واؤ استعمال کیا جائے گا اور کہاں واؤ استعمال نہیں کیا جائے گا اس میں چونکہ اشتباہ ہے کیونکہ واؤ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے اور کوئی فائدہ نہیں دیتا، تو اس میں اشتباہ تھا اس لیے اس کے بارے میں مفصل بحث کریں گے جبکہ باقی حروف وہ اشتراک کے ساتھ ساتھ ان کے اپنے اور بھی فائدے ہوتے ہیں وہ اپنا فائدہ ضرور دیتے ہیں تو لہٰذا وہاں کسی قسم کا اشتباہ نہیں اس کے بارے میں وہ بحث نہیں کریں گے۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيهِ اشْتِبَاهٌ، اس لیے کیونکہ وہ عطف بِغَيْرِهَا أَيْ بِغَيْرِ الْوَاوِ جو واؤ کے علاوہ کے ساتھ ہو لَا يَقَعُ فِيهِ اشْتِبَاهٌ ان میں اشتباہ نہیں تو ہم بھی اس کے بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ وَلِكُلٍّ مِنَ الْوَصْلِ بِهَا وَالْفَصْلِ مَوَاضِعُ اور ہر ایک جو ہے دونوں میں سے، کون ہر ایک؟ کہتے ہیں اَلْوَصْلِ بِهَا أَيْ بِالْوَاوِ، ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ واؤ کو۔ واؤ کے ساتھ جو وصل کرنا ہے وَالْفَصْلِ اور اسی طرح جو فصل ہے ان میں سے ہر ایک کے لیے مَوَاضِعُ جگہیں ہیں بھئی۔ بعض جگہ کیا کیا جائے گا؟ وصل کیا جائے گا اور بعض جگہ کیا کیا جائے گا؟ فصل۔ تو ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔ جہاں فصل کا مقام ہے وہاں فصل ہی کرنا پڑے گا اور جہاں وصل کا مقام ہے وہاں وصل ہی یعنی عطف ہی کرنا پڑے گا۔ یہ معنی ہے وَلِكُلٍّ مِنَ الْوَصْلِ بِهَا وَالْفَصْلِ مَوَاضِعُ اور ہر ایک یعنی وصل بالواؤ اور جو فصل ہے ان میں سے ہر ایک کے مَوَاضِعُ جگہیں ہیں بھئی۔

اب بیان کر رہے ہیں مَوَاضِعُ الْوَصْلِ بِالْوَاوِ، واؤ کے ساتھ وصل کی جگہیں، کہاں پر واؤ کے ساتھ وصل کیا جائے گا۔ تفصیل یاد رکھیے بھئی۔ تفصیل کلام یہ ہے بھئی کہ آپ جانتے ہیں کہ جملہ دو قسم پر ہے: ایک جملہ خبریہ ہے اور ایک جملہ انشائیہ ہے بھئی۔ جملہ خبریہ وہ ہے کہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے اور جملہ انشائیہ وہ ہے کہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جا سکے۔ تو یاد رکھیے جب آپ عطف کرتے ہیں ایک جملے کا دوسرے جملے پر تو دونوں جملوں کا انشائیہ یا دونوں جملوں کا خبریہ ہونا ضروری ہے بھئی۔ اگر پہلا جملہ خبریہ ہے تو دوسرا جملہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ خبریہ ہونا چاہیے پھر ہی آپ عطف کریں گے۔ اور اگر پہلا جملہ انشائیہ ہے تو دوسرے جملے کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ انشائیہ ہونا چاہیے پھر ہی آپ عطف کریں گے۔ پھر چاہے واؤ کے ساتھ عطف کریں یا فاء، ثُمَّ وغیرہ کسی اور حرف کے ساتھ عطف کریں البتہ بنیادی مناسبت ان میں ضروری ہے اور بنیادی مناسبت کس کے ساتھ آئے گی کہ دونوں جملے ایک ہی نوع کے ہوں، ایک ہی قسم کے ہوں۔ یعنی پہلا خبریہ ہے تو دوسرا بھی کیا ہونا چاہیے؟ خبریہ۔ پہلا انشائیہ ہے تو دوسرے کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ انشائیہ ہونا چاہیے بھئی۔ تو پھر ہی آپ واؤ کے ساتھ عطف کریں گے یا فاء کے ساتھ یا ثُمَّ وغیرہ کے ساتھ عطف کریں گے۔

اور اگر واؤ کے ساتھ عطف کرتے ہیں پھر مزید مناسبت کا ہونا بھی ضروری ہے بھئی واؤ کے ساتھ۔ اس لیے کیونکہ واؤ صرف جو ہے وہ اشتراک کا فائدہ دیتا ہے، دو جملوں کو شریک کر دیتا ہے، آپس میں ان میں ربط دے دیتا ہے۔ جبکہ باقی حروف کے اپنے اپنے فائدے ہیں جیسے ذکر ہوا کہ فاء کس لیے آتی ہے؟ تعقیب مع الوصل۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ فَذَهَبَ عَمْرٌو، تو دیکھیے فاء نے اپنا فائدہ ہر حال میں دینا ہے تو یہاں فاء آگئی جَاءَ زَيْدٌ فَذَهَبَ عَمْرٌو تو کیا معنی ہوا؟ یعنی زید آیا پھر عمرو گیا۔ تو معلوم ہوا زید کا آنا پہلے ہے اور عمرو کا جانا بعد میں ہے۔ اور دیکھیے دونوں جملے خبریہ ہیں۔ تو جب بھی آپ دو جملوں میں سے ایک کا عطف دوسرے پر کرنا چاہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھ لیجیے کہ دونوں ایک ہی قسم کے ہیں یا نہیں۔ اگر ایک ہی قسم کے جملے ہیں دونوں تو پھر آپ واؤ کے علاوہ کسی اور حرف کے ساتھ عطف کرنا چاہیں گے یا واؤ کے ساتھ عطف کرنا چاہیں گے۔ اگر آپ واؤ کے علاوہ فاء یا ثُمَّ یا حَتَّى وغیرہ کے ساتھ عطف کرنا چاہتے ہیں تو پھر اور کسی مناسبت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں بھئی، پھر آپ ایک جملے کا عطف دوسرے پر کر سکتے ہیں بشرطیکہ دونوں کیا ہوں؟ خبریہ یا دونوں کیا ہوں؟ انشائیہ۔ لیکن اگر واؤ کے ساتھ آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو واؤ کے اندر تفصیل یہ ہے کہ دونوں جملوں کے مسند اور مسند الیہ میں بھی مناسبت ہونی چاہیے بھئی۔ بھئی پہلے جملے میں بھی ایک مسند ہو گا اور ایک مسند الیہ ہو گا، دوسرے جملے میں بھی ایک مسند ہو گا اور ایک مسند الیہ۔ تو دوسرے جملے کا مسند اور پہلے جملے کا مسند ان دونوں میں مناسبت ہونی چاہیے۔ اسی طرح دوسرے جملے کا مسند الیہ اور پہلے جملے کا مسند الیہ ان دونوں میں بھی کیا ہونی چاہیے؟ مناسبت ہونی چاہیے بھئی۔

تو واؤ کے ساتھ جب آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو دونوں جملے بھی ایک نوع کے ہونے چاہئیں ایک قسم کے یعنی دونوں خبریہ ہوں یا دونوں انشائیہ، اور نیز دونوں جملوں کے مسند جو ہیں ان میں بھی مناسبت ہو اور دونوں جملوں کے جو مسند الیہ ہیں ان کے اندر بھی کیا ہونی چاہیے؟ مناسبت ہونی چاہیے۔ تو واؤ کے ذریعے عطف کرتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر آپ فاء، ثُمَّ یا حَتَّى وغیرہ استعمال کرتے ہیں ان کے ذریعے عطف کرنا چاہتے ہیں تو پھر یاد رکھیے وہاں پر کوئی شرط نہیں ہے بھئی۔ اس لیے کیونکہ فاء، ثُمَّ، حَتَّى وغیرہ اپنے معنی کا فائدہ دیں گے، ان کا معنی اور بھی ہے وہ اشتراک کے ساتھ ساتھ اپنے معنی کا اور فائدہ بھی دیں گے۔ جبکہ واؤ تو صرف کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے، جمعیت کا فائدہ دیتا ہے، دو چیزوں میں ربط بیان کر دیتا ہے بس بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

آپ نے پڑھا ہے مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ، تو دیکھیے زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کے اندر یہ قَائِمٌ مفرد ہے اور اس پر کیا آرہا ہے؟ اعراب آرہا ہے، اور یہ خبر ہے تو خبر پر کون سا اعراب آتا ہے؟ رفع پڑھا جاتا ہے تو قَائِمٌ کیا ہوا؟ مرفوع۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی پڑھا ہے کہ کبھی کبھار خبر جو ہوتی ہے وہ پورا جملہ ہوتی ہے، مثلاً زَيْدٌ يَكْتُبُ۔ تو يَكْتُبُ کا کیا معنی ہے؟ لکھنا، زید لکھتا ہے۔ تو ترکیب کیا ہوگی؟ زَيْدٌ مبتدا، يَكْتُبُ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا یعنی زید کو۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ مبتدا زید کے لیے، اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا بھئی۔ تو دیکھیے اس جملے کے اندر يَكْتُبُ یہ پورا جملہ جو ہے یہ خبر واقع ہو رہا ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے۔ تو یہ پورا جملہ بھی مرفوع ہے لیکن محلاً۔ جملہ یاد رکھیے یہ مبنی ہے۔ جملہ کیا ہے؟ مبنی۔ ایک ہوتا ہے معرب ایک ہے مبنی آپ پڑھ چکے۔ معرب وہ ہے جس پر اعراب ظاہر ہوتا ہے اور مبنی وہ ہے جس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا بھئی۔ مثلاً بھئی جَاءَ زَيْدٌ، تو دیکھو زَيْدٌ معرب ہے وہ فاعل بن رہا ہے اس پر رفع ظاہر ہوا جَاءَ زَيْدٌ۔ اور مبنی جو ہے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، مبنی کی صورت ایک جیسی رہتی ہے ہر حال میں بھئی۔ اب یہیں پر اگر میں کہوں هَؤُلَاءِ، جَاءَ هَؤُلَاءِ، تو میں یہ اسم اشارہ لے آیا اور اسم اشارہ آپ نے پڑھا ہے مبنیات میں سے ہے اور مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، تو جَاءَ هَؤُلَاءِ تو دیکھو آخر میں اسی طرح کسرہ جیسے پڑھتے تھے وہ کسرہ برقرار ہے کیونکہ یہ مبنی ہے۔ اور مبنی میں کیا کہتے ہیں کہ مبنی محلاً مرفوع ہوتا ہے یا منصوب ہوتا ہے یا مجرور۔ یعنی محل کے اعتبار سے مرفوع ہے۔

■ قولہ: «جَاءَ هَؤُلَاءِ، جَاءَ» کی تشریح

تو اگر آپ سے کوئی یہاں پوچھے جَاءَ هَؤُلَاءِ، جَاءَ فعل، هَؤُلَاءِ اس کا فاعل، تو فاعل تو مرفوع ہوتا ہے اس پر تو رفع نہیں آرہا کیا وجہ ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ یہ مرفوع ہی ہے لیکن محل کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ کس اعتبار سے؟ محل یعنی یہ جگہ کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ یعنی یہ چونکہ مبنی ہے اور مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، اس کی جگہ اگر کوئی معرب آجاتا تو پھر اعراب ظاہر ہو جاتا اور مثلاً زید کا لفظ آتا تو جَاءَ زَيْدٌ آپ اس پر رفع باقاعدہ پڑھتے، لیکن مبنی کا اعراب کس طرح آتا ہے؟ محلاً، وہ محلاً مرفوع ہوتا ہے۔ نصب والے مقام میں مبنی آجائے تو کہتے ہیں یہ محلاً منصوب ہے، جر والے مقام میں مبنی آجائے تو کیا کہتے ہیں؟ محلاً مجرور ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مثلاً دیکھیے معرب پر تینوں اعراب آئیں گے جَاءَ زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، پہلی حالت میں مرفوع ہے، دوسری میں منصوب، تیسری میں مجرور۔ لیکن مبنی اسی طرح رہے گا جَاءَ هَؤُلَاءِ، رَأَيْتُ هَؤُلَاءِ، مَرَرْتُ بِهَؤُلَاءِ، تو تینوں حالتوں میں هَؤُلَاءِ میں پڑھ رہا ہوں۔ لیکن یہ محل کے اعتبار سے مرفوع ہے یا محل کے اعتبار سے منصوب ہے یا محل کے اعتبار سے مجرور ہے۔ یعنی یہ جگہ رفع والی ہے، یہ کس مقام پر آیا؟ رفع والی جگہ میں آیا اس محل میں آیا تو کیا کہیں گے یہ محلاً مرفوع، محل کے اعتبار سے مرفوع ہے جگہ کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ یا رَأَيْتُ هَؤُلَاءِ تو یہ محلاً منصوب ہے یعنی جگہ کے اعتبار سے کیا ہے؟ منصوب ہے لیکن چونکہ مبنی ہے اس لیے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو رہا۔ مَرَرْتُ بِهَؤُلَاءِ یہاں هَؤُلَاءِ محلاً مجرور ہے یعنی اگر یہاں کوئی معرب آتا تو اعراب ظاہر ہو جاتا تو یہ محل کون سا ہے؟ جر والا ہے۔ لیکن یہاں پر مبنی آگیا اور مبنی کی تو صورت بدلتی نہیں اس لیے وہ اسی طرح برقرار ہے۔ تو مبنی میں کیا کہتے ہیں وہ محلاً مرفوع ہوتا ہے یا محلاً منصوب ہوتا ہے یا محلاً مجرور ہوتا ہے۔

اسی طرح یاد رکھیے جو جملہ ہوتا ہے یہ بھی مبنی ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ مبنی۔ تو اب میں مثال بیان کر رہا تھا زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ زید کی خبر ہے۔ تو اس میں خبر ہے مفرد اور کبھی خبر پورا جملہ آئے گی مثلاً اسی سے بنالیں زَيْدٌ يَقُومُ يا زَيْدٌ يَكْتُبُ، تو زید ہوا مبتدا اور يَقُومُ يا يَكْتُبُ جو بھی لفظ لے آئیں وہ کیا بنے گی اس کی خبر۔ اور يَكْتُبُ فعل ہے، فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، اور آگے تو کوئی لفظ ہے نہیں تو وہ اسی کے اندر ضمیر ہو گی اور فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ بنتا ہے۔ تو دیکھیے پورا جملہ خبر بن گیا مبتدا کے لیے۔ اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے تو یوں کہیں گے یہ جملہ محلاً مرفوع ہے۔ کیا کہیں گے؟ جملہ محلاً مرفوع ہے۔ تو بتلانا مقصد یہ ہے کہ جملہ جو ہے مبنی ہے۔ تو اس پر جب بھی اعراب آئے گا وہ محلاً ہو گا۔ اگر جملہ رفع کے مقام میں آجائے تو وہاں کہیں گے یہ جملہ محلاً مرفوع ہے۔ اگر جملہ نصب والے مقام میں آجائے تو کہیں گے یہ محلاً منصوب ہے۔ اگر جملہ جر والے مقام میں آجائے تو کیا کہیں گے؟ یہ جملہ محلاً مجرور ہے۔ جملے کے اجزاء نہیں، جملے کے اندر ایک مسند ہو گا ایک مسند الیہ ہو گا ان پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مسند اور مسند الیہ ہوں گے ان پہ اپنا اعراب آئے گا جو آنا ہے لیکن پورے جملے کو من حیث المجموع کیا کہیں گے کہ یہ مجرور ہے یا منصوب ہے یا مرفوع ہے محلاً بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مثلاً بھئی دوسری مثال دیکھ لیں زَيْدٌ هُوَ كَاتِبٌ۔ زَيْدٌ مبتدا، اب آگے هُوَ كَاتِبٌ پورا جملہ خبر بن رہا ہے زید مبتدا کے لیے، تو یہ پورا جملہ محلاً کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ تو یہاں پورا هُوَ كَاتِبٌ یہ پورا جملہ خبر بن رہا ہے تو یہ پورا جملہ مرفوع ہے محلاً۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو جملہ خبر کے مقام

میں آئے تو کہتے ہیں کہ یہ جملہ محلاً مرفوع ہے بھئی۔ اسی طرح یاد رکھیے آپ نے حال کے بارے میں پڑھا ہے کہ حال منصوب ہوتا ہے جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا منصوب ہے کس وجہ سے؟ حال ہونے کی وجہ سے۔ لیکن کبھی کبھار پورا جملہ حال واقع ہوتا ہے مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ يَرْكَبُ، تو یہ يَرْكَبُ فعل آیا اور فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ تو اس کے اندر ہُوَ ضمیر فاعل جو ذوالحال کو راجع ہے، اور يَرْكَبُ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ حال ہوا۔ اور حال تو کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو یہاں بھی اگر کوئی آپ سے کہے کہ یہ تو حال ہے اور حال تو منصوب ہوتا ہے تو یہ کیوں نہیں منصوب؟ تو آپ کہیں گے یہ بھی منصوب ہے لیکن اس پر نصب ظاہر نہیں ہو رہا کیونکہ یہ پورا جملہ حال بن رہا ہے اور جملہ کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے ہے، مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ تو کہیں گے یہ يَرْكَبُ یہ محلاً منصوب ہے۔

اسی طرح کسی اسم کی جب صفت آتی ہے تو اگر وہ موصوف مرفوع ہو تو صفت مرفوع، موصوف منصوب ہو تو صفت منصوب، موصوف مجرور ہو تو صفت مجرور ہوتی ہے۔ مثلاً بھئی جَاءَنِي رَجُلٌ كَرِيمٌ، یہ كَرِيمٌ مرفوع ہے کیونکہ یہ رَجُلٌ کے لیے صفت واقع ہو رہی ہے۔ اور آپ کو میں بتلا چکا ہوں کئی مرتبہ کہ نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ بھی اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ وہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ کے حکم میں۔ معلوم ہوا کبھی کبھار نکرہ کی صفت مفرد آتی ہے اور کبھی کبھار نکرہ کی صفت پورا جملہ آتا ہے بھئی۔ اور وہ پورا جملہ اس نکرہ کی صفت بنے گا اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا اعراب ہوتا ہے۔ تو اگر موصوف مرفوع ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ تو مثلاً جَاءَنِي رَجُلٌ كَرِيمٌ دیکھیے كَرِيمٌ مرفوع ہے کیونکہ رَجُلٌ موصوف جو ہے اس کا وہ مرفوع ہے بھئی۔ یہیں پر مثلاً اگر کوئی فعل آجاتا ہے جَاءَنِي رَجُلٌ يُكْرِمُ، میرے پاس ایک ایسا شخص آیا جو اکرام کرتا ہے۔ تو جَاءَنِي رَجُلٌ يُكْرِمُ، تو يُكْرِمُ پورا جملہ یہ رَجُلٌ کی صفت بن رہا ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ رَجُلٌ موصوف تو مرفوع ہے تو يُكْرِمُ کے بارے میں بھی کیا کہیں گے؟ یہ پورا جملہ کیا ہے؟ محلاً مرفوع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو اتنی لمبی تقریر کرنے کا مقصد آپ کو یہ بتلانا تھا کہ جس طرح مفرد مرفوع، منصوب اور مجرور ہوتا ہے اسی طرح جملہ بھی مرفوع، منصوب اور مجرور ہو گا لیکن وہ محلاً مرفوع ہو گا، محلاً منصوب ہو گا یا محلاً مجرور ہو گا کیونکہ جملہ مبنی ہے اور مبنی پر اعراب محلاً ہی آتا ہے۔ مثلاً اگر جملہ خبر کے مقام میں آئے تو یہ جملہ محلاً مرفوع ہو گا، اگر جملہ حال کے مقام میں آئے تو حال منصوب ہوتا ہے تو یہ جملہ بھی کیا ہو گا؟ محلاً منصوب ہو گا، اور اگر جملہ صفت کے مقام میں آئے تو صفت پر وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف پر ہوتا ہے تو وہاں پر یوں کہیں گے کہ یہ جملہ محلاً مرفوع ہے یا محلاً منصوب ہے یا محلاً مجرور ہے جس طرح اس کا موصوف ہو گا اسی طرح وہ جملہ بھی مرفوع، منصوب یا مجرور ہو گا۔ مثلاً بھئی جَاءَنِي رَجُلٌ يُكْرِمُ، تو رَجُلٌ موصوف يُكْرِمُ اس کی صفت، اور رَجُلٌ مرفوع ہے تو يُكْرِمُ پورا جملہ بھی کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا محلاً۔ رَأَيْتُ رَجُلًا يُكْرِمُ، میں نے دیکھا ایک ایسے آدمی کو جو اکرام کرتا ہے، تو رَجُلًا منصوب ہے تو آگے اس کی جو صفت ہے یہ بھی کیا ہو گی؟ منصوب۔ اور صفت تو ہے یہاں پورا جملہ تو کیا کہیں گے یہ جملہ محلاً منصوب ہے۔ اگر موصوف مجرور ہو تو اس کی صفت جو جملہ آئے گا وہ بھی محلاً مجرور ہو گا مثلاً مَرَرْتُ بِرَجُلٍ يُكْرِمُ، تو رَجُلٍ موصوف مجرور ہے تو يُكْرِمُ جو اس کی صفت ہے جملہ ہے وہ جملہ بھی محلاً مجرور ہو گا۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جملے کے لیے بھی کبھی محل اعراب ہوتا ہے اور کبھی محل اعراب نہیں ہو گا جملے کے لیے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا۔ اب اگر آپ سے کوئی پوچھے یہ جملہ مرفوع ہے، منصوب ہے یا مجرور ہے؟ تو آپ کہیں گے اس جملے کا کوئی محل اعراب نہیں ہے بھئی۔ کیونکہ رفع کے لیے عامل چاہیے، کس نے اس کو رفع دیا؟ اگر یہ منصوب کوئی کہتا ہے بھئی کس نے اس کو نصب دیا؟ کوئی عامل نہیں ہے۔ اگر کوئی اسے مجرور کہتا ہے تو بھئی کس نے جر دیا؟ یہاں نہ کوئی رفع دینے والا عامل ہے تو نہ کوئی نصب دینے والا اور نہ کوئی جر دینے والا۔ تو کیا کہیں گے؟ اس جملے کا کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ اور میں نے یہ بھی بتلا دیا آپ کو کہ جملہ جب مرفوع ہو یا منصوب ہو یا مجرور ہو تو جملے کے جو اندر اجزاء ہیں ان پہ نہیں کوئی فرق پڑے گا۔ جملے کے اندر اگر کوئی مبتدا ہے، خبر ہے، مفعول آرہا ہے، مجرورات وہ سارے جیسا ان پر اعراب آنا چاہیے وہی اعراب آئے گا۔ ہاں جب یہ سارے مل جائیں گے تو پھر کہیں گے یہ جملہ محلاً مرفوع ہے یا منصوب ہے یا مجرور ہے۔ مثلاً دیکھیے جَاءَ رَجُلٌ يُكْرِمُ زَيْدًا، جَاءَ فعل، رَجُلٌ مرفوع موصوف، يُكْرِمُ فعل ہُوَ ضمیر اس کے اندر فاعل جو کس کو راجع ہے؟ رجل کو یعنی موصوف کو، اور زَيْدًا منصوب۔ تو يُكْرِمُ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صفت ہوا کس کی؟ رجل کی۔ اب دیکھیے رجل ہے موصوف مرفوع تو یہ يُكْرِمُ زَيْدًا یہ پورا جملہ محلاً کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا۔ تو یوں کہیں گے رَجُلٌ موصوف مرفوع ہے تو يُكْرِمُ زَيْدًا پورا جملہ بھی محلاً کیا ہے؟ مرفوع۔ جملے کے اندر جو اجزاء ہیں ان پہ کوئی فرق نہیں پڑا، دیکھو يُكْرِمُ زَيْدًا اس کے اندر زَيْدًا منصوب آرہا ہے یا نہیں آرہا؟ تو جملے کے اندر جو اجزاء ہوں گے جو منصوبات ہوں گے جو مجرور ہوں گے جو مرفوع ہوں گے جو کچھ ہو گا وہ اسی طرح رہیں گے لیکن پھر جب پورا جملہ مل جائے گا تو کہیں گے یہ جملہ محلاً مرفوع ہے، اور اگر نصب والا مقام ہو تو کہیں گے یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے اور اگر جر والا مقام ہو تو کہیں گے یہ پورا جملہ محلاً مجرور ہے۔ تو جملے کے لیے محل اعراب کبھی ہوتا ہے اور کبھی محل اعراب نہیں ہوتا۔

تو سمجھ میں آئی یہاں تک بات بھئی؟ جملے کے لیے اگر کوئی محل اعراب ہو تو اس کا یہ معنی نہیں کہ جملے کے اندر جو اس کے اجزاء ہیں ان پر فرق پڑے گا، نہیں ان پر ان کے مطابق اعراب آئے گا جو کچھ ان پر رفع آنا ہے، نصب آنا ہے، جر آنا ہے وہ سب آئے گا لیکن پورے جملے کو من حیث المجموع کیا کہیں گے یہ مرفوع ہے محلاً یا منصوب ہے محلاً یا مجرور ہے محل کے مطابق جو بھی ہو۔ مثلاً اگر خبر کے مقام میں آیا ہے تو کہیں گے جملہ محلاً مرفوع ہے، اگر حال کے مقام میں آیا ہے تو کہیں گے یہ جملہ محلاً منصوب ہے، اور اگر صفت کے مقام میں جملہ آیا ہے تو وہاں کہیں گے کہ یہ جملہ محلاً موصوف کے مطابق، اگر موصوف پر رفع ہے تو یہ بھی محلاً مرفوع، اگر موصوف پر نصب ہے تو یہ جملہ بھی محلاً منصوب ہے اور اگر موصوف پر جر ہے تو یہ جملہ بھی محلاً مجرور ہے۔ تو جملے پر گویا اعراب آتا ہے لیکن محلاً اعراب ہوتا ہے۔

تو اب بات چل رہی تھی واؤ کے ساتھ عطف کی بھئی۔ تو یاد رکھیے مثلاً دو جملے ہیں بھئی اور ان دونوں جملوں میں سے دوسرے جملے کا عطف کرنا ہے واؤ کے ساتھ پہلے جملے پر، تو یہ دیکھ لیں کہ پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب ہے یا محل اعراب نہیں ہے۔ اگر پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب ہے مثلاً وہ خبر بن رہا ہے یا وہ حال بن رہا ہے یا وہ صفت بن رہا ہے تو پھر آپ دیکھیں کہ دوسرے جملے کو بھی آپ وہی حکم دینا چاہتے ہیں، اسی چیز میں شریک کرنا چاہتے ہیں یا شریک نہیں کرنا چاہتے؟ تو اگر شریک کرنا چاہتے ہیں تو وصل کریں گے واؤ کے ساتھ عطف کریں گے، اور اگر شریک نہیں کرنا چاہتے تو فصل کریں گے یعنی واؤ کو یعنی حرف عطف کو ذکر نہیں کریں گے۔ تو حاصل کلام یہ کہ

آپ کے پاس مثلاً دو جملے ہیں اور بات چل رہی ہے عطف بالواؤ کی، واؤ کے ساتھ عطف کی، تو اولاً یہ دیکھو کہ دونوں جملے ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں، پہلا جملہ خبر یہ ہے تو دوسرے کو بھی خبر یہ ہونا چاہیے، پہلا جملہ انشائیہ ہے تو دوسرے کو بھی انشائیہ ہونا چاہیے۔ پھر بات چل رہی ہے عطف بالواؤ کی تو میں نے بتایا تھا مسند اور مسند الیہ جو دونوں جملوں کے ہیں ان میں بھی مناسبت ہونی چاہیے، پہلے جملے کا مسند اور دوسرے جملے کا مسند ان میں کیا ہو؟ مناسبت، پہلے جملے کا جو مسند الیہ ہے اور دوسرے جملے کا جو مسند الیہ ہے ان میں بھی مناسبت ہونی چاہیے۔ تو اب یہ دو چیزیں تو ضروری ہیں، دونوں جملوں کا ایک ہی قسم کا ہونا بھی اور دونوں جملوں کے مسند اور مسند الیہ میں مناسبت کا ہونا بھی۔ اس کے بعد مزید آگے یہ دیکھو کہ پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب ہے یا محل اعراب نہیں ہے۔ محل اعراب یعنی وہ خبر بن رہا ہے یا صفت بن رہا ہے یا حال وغیرہ بن رہا ہے، تو اگر آپ دوسرے جملے کو بھی پہلے کے ساتھ شریک کرنا چاہتے ہیں یعنی دوسرے جملے کو بھی خبر بنانا چاہتے ہیں یا صفت بنانا چاہتے ہیں یا حال بنانا چاہتے ہیں تو پھر واؤ کے ساتھ عطف کر دیں گے۔ اور اگر آپ دوسرے جملے کو پہلے جملے کے ساتھ شریک نہیں کرنا چاہتے تو پھر فصل کریں گے واؤ کو ذکر نہیں کریں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر پہلے جملے کا کوئی محل اعراب نہیں ہے تو پھر غور کریں کہ پہلے جملے کے لیے کوئی خاص حکم تو نہیں ہے؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ تو پھر غور کریں پہلے جملے کے لیے کوئی خاص حکم تو نہیں ہے اس کے مفہوم سے زائد چیز کوئی؟ مثلاً بھئی کوئی خاص حکم مثلاً وہ جو پہلا جملہ ہے وہ موصول کا صلہ واقع ہو رہا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ اسم موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے اور صلہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے یہ جو صلہ ہوتا ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا، اسم موصول خود تو مرفوع ہوگا یا منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا بھئی محلاً لیکن آگے جو اس کا صلہ ہے اس صلے کا کوئی محل اعراب نہیں۔ تو اب مثلاً دو جملے ہیں آپ کے پاس اور پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب نہیں لیکن اس کے لیے خاص حکم ہے، وہ خاص حکم کیا کہ پہلا جملہ موصول کا صلہ بن رہا ہے۔ تو اس خاص حکم میں آپ دوسرے جملے کو شریک کرنا چاہیں گے یا شریک نہیں کرنا؟ یعنی دوسرے جملے کو بھی پہلے جملے کی طرح آپ موصول کا صلہ بنانا چاہیں گے یا نہیں؟ اگر آپ بنانا چاہتے ہیں جیسے پہلا جملہ موصول کا صلہ ہے دوسرے کو بھی آپ کیا کرنا چاہتے ہیں موصول کا صلہ بنانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں بھی واؤ کے ساتھ عطف کر دیں گے۔ اور اگر آپ دوسرے جملے کو پہلے جملے کے ساتھ اس چیز میں شریک نہیں کرنا چاہتے یعنی اسے صلہ نہیں بنانا چاہتے تو پھر فصل کریں گے وصل نہیں کریں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہاں تک کیا خلاصہ کلام ہوا کہ دو جملے ہیں اور ان میں واؤ کے ساتھ عطف کرنا ہے یا نہیں کرنا بات یہ چل رہی ہے، تو سب سے پہلے یہ دیکھیں دونوں جملے کیا ہونے چاہئیں؟ ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں۔ پھر اس کے بعد ان کے مسند اور مسند الیہ جو ہیں ان میں کیا ہونی چاہیے؟ مناسبت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد دیکھیں کہ پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب ہے یا محل اعراب نہیں ہے۔ اگر پہلے جملے کے لیے محل اعراب ہے تو اب آپ دوسرے کو اس میں اس کے ساتھ شریک کرنا چاہیں گے یا شریک نہیں کرنا چاہیں گے۔ اگر شریک کرنا چاہتے ہیں تو پھر واؤ کے ساتھ عطف کر دیں گے اور اگر شریک نہیں کرنا چاہتے تو پھر واؤ کے ساتھ عطف نہیں کریں گے بلکہ کیا کریں گے؟ فصل کر دیں گے۔ اسی طرح اگر پہلے جملے کا کوئی محل اعراب تو نہیں ہے لیکن اس کا کوئی خاص حکم ہے مثلاً پہلا جملہ صلہ بن رہا ہے موصول کے لیے، تو دوسرے جملے کو اس حکم میں آپ شریک کرنا چاہیں گے یا شریک نہیں کرنا؟ اگر آپ شریک کرنا چاہتے ہیں تو واؤ کے ساتھ عطف کر دیں گے اور اگر شریک نہیں کرنا چاہتے تو پھر فصل کریں گے اور واؤ کو درمیان میں

نہیں لائیں گے۔ تیسری صورت کہ پہلے جملے کا کوئی محل اعراب ہی نہیں ہے اور اس کا کوئی خاص حکم بھی نہیں ہے، تو اب دوسرے جملے کا پہلے پر واؤ کے ساتھ عطف کیا جائے گا یا عطف نہیں کیا جائے گا؟ اس میں کیا ہے؟ خفا ہے۔ اس میں خفا ہے۔ یہ ہے مشکل مقام بھئی۔ بھئی جب پہلے جملے کے لیے محل اعراب ہو تو پھر تو بات آسان سی ہے آپ کو خود ہی پتہ لگ جائے گا کہ یہ پہلے جملے کے لیے کیا ہے؟ محل اعراب ہے، تو دوسرے کو آپ شریک کرنا چاہیں گے یا شریک نہیں کرنا؟ کرنا چاہیں گے تو واؤ کے ساتھ عطف کر دیں گے، نہیں کرنا چاہتے تو واؤ کے ساتھ عطف نہیں کریں گے بلکہ فصل کر دیں گے۔ اور اگر پہلے کا کوئی خاص حکم ہے اور دوسرے کو بھی آپ وہی حکم دینا چاہتے ہیں یا نہیں دینا چاہتے یہ بات بھی آسان ہے۔ تو اگر آپ دوسرے کو بھی وہی خاص حکم دینا چاہتے ہیں تو پھر واؤ کے ساتھ عطف کر دیں گے اور اگر آپ دوسرے کو وہ خاص حکم نہیں دینا چاہتے تو فصل کر دیں گے۔ لیکن اگر پہلے جملے کا نہ کوئی محل اعراب ہے نہ اس پہلے جملے کا کوئی خاص حکم ہے تو پھر اب واؤ کے ساتھ عطف کیا جائے گا یا واؤ کے ساتھ عطف نہیں کیا جائے گا؟ یہ مقام ہے مشکل بھئی اس کے اندر خفا ہے۔

■ قولہ: «لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيهِ...» کی تشریح

اسی وجہ سے انہوں نے کہا لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيهِ اشْتِبَاهٌ، اس لیے کیونکہ وہ عطف جو واؤ کے بغیر کیا جائے اس میں اشتباہ نہیں ہوگا۔ یعنی فاء، ثُمَّ اور حَتَّى کے ساتھ جو عطف کیا جائے اس میں اشتباہ نہیں، معلوم ہو اواؤ کے ساتھ جو عطف کیا جائے اس میں کیا ہوتا ہے؟ اشتباہ۔ وہ یہ مقام ہے بھئی جب پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب بھی نہ ہو اور پہلے جملے کے لیے کوئی خاص حکم بھی نہ ہو اور اب دوسرے جملے کا واؤ کے ساتھ اس پر عطف کیا جائے یا عطف نہ کیا جائے۔ عطف کیا جائے تو اس کو کہتے ہیں وصل اور عطف نہ کیا جائے تو اس کو کہتے ہیں فصل کہتے ہیں۔ یہ مشکل مقام ہے اس کا پتہ لگانا اور پھر اس کے مطابق فصل یا وصل کو اختیار کرنا۔ یہ چونکہ مشکل مقام ہے اسی وجہ سے وہ جو میں نے ذکر کیا کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ فصل اور وصل جو ہے جس نے اس کو جان لیا اس نے بلاغت کو جان لیا اور جس نے اس کو نہیں جانا اس نے بلاغت کو نہیں جانا بھئی، تو یہ وہ مقام ہے بھئی۔ کون سا مقام؟ جہاں پہلے جملے کا کوئی محل اعراب بھی نہ ہو اور اس کا کوئی خاص حکم بھی نہ ہو تو اب دوسرے جملے کا پہلے

پر عطف کریں گے یا عطف نہیں کریں گے۔ اس لیے کیونکہ واؤ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے۔ کس چیز کا؟ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے مثلاً دو جملے ہیں جَاءَ زَيْدٌ اور دوسرا جملہ ہے ذَهَبَ عَمْرٌو۔ اب آپ واؤ کے ساتھ عطف کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو، زید آیا اور عمرو چلا گیا۔ اب واؤ کو ذرا نکال دیں یہاں سے جَاءَ زَيْدٌ ذَهَبَ عَمْرٌو، زید آیا عمرو چلا گیا۔ دیکھو اب بھی وہی فائدہ ہے جو پہلے تھا چاہے واؤ کے ساتھ ذکر کریں چاہے واؤ کے بغیر ذکر کریں فائدہ تو اسی طرح ہے ہر ایک جملہ اپنا اپنا فائدہ دے رہا ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ پہلا جملہ کیا بتلا رہا ہے؟ زید آیا ہے، دوسرا جملہ کیا بتلا رہا ہے ذَهَبَ عَمْرٌو عمرو چلا گیا۔ تو واؤ لائیں یا نہ لائیں کوئی فرق نہیں پڑتا یہ دونوں اپنا اپنا معنی ادا کر رہے ہیں تو اب واؤ لایا جائے گا یا واؤ کو ذکر نہیں کیا جائے گا یعنی وصل کیا جائے گا یا فصل کیا جائے گا؟ تو یہ مشکل مقام ہے کہ کہاں پر اب دو جملوں کے درمیان واؤ کے ساتھ ربط دینا ہے اور کہاں پر اس کو چھوڑ دینا ہے، یہ مشکل مقام ہے اس میں خفا ہے بھئی اور اس کو جاننا مشکل ہے۔ تو اسی کی تفصیل یہاں پر بیان کریں گے بھئی۔

پھر یاد رکھیں دوبارہ میں ذکر کر دیتا ہوں کہ جب آپ دو جملوں میں سے ایک کا عطف کرنا چاہتے ہیں دوسرے پر، اگر واؤ کے علاوہ کسی اور حرف کے ساتھ عطف کرنا چاہتے ہیں تو پھر صرف دونوں جملوں کا ایک نوع کا ہونا ضروری ہے بس۔ یعنی دونوں خبر یہ ہونے چاہئیں یا دونوں انشائیہ۔ لیکن اگر واؤ کے ساتھ عطف کرنا چاہتے ہیں تو دو چیزیں ضروری ہیں: پہلی چیز یہ کہ دونوں جملے ایک قسم کے بھی ہونے چاہئیں، پہلا جملہ خبر یہ ہے تو دوسرا بھی خبر یہ، پہلا انشائیہ ہے تو دوسرا بھی انشائیہ ہونا چاہیے، اور نیز دونوں جملوں کے جو مسند ہیں ان میں بھی مناسبت ہونی چاہیے اور دونوں جملوں کے جو مسند الیہ ہیں ان میں بھی مناسبت ہونی چاہیے۔ جبکہ کسی اور حرف کے ساتھ جب عطف کرتے ہیں اس میں یہ شرط نہیں ہے چاہے مناسبت ہو یا مناسبت نہ ہو۔ اس لیے کیونکہ وہ اپنا فائدہ دیں گے، فاء جو ہے مثلاً وہ اشتراک کے ساتھ ساتھ تعقیب مع الوصل کا فائدہ ضرور دے گا، ثُمَّ بھی اشتراک کے ساتھ ساتھ تعقیب مع الفصل کا فائدہ ضرور دے گا۔ لیکن واؤ جو ہے وہ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے اور اس کا فائدہ ظاہر ہو گا جب پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب ہو اور آپ دوسرے کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتے ہیں تو پھر واؤ لے آئیں گے بھئی اور وہ فائدہ ہو جائے گا، پہلا اگر خبر بن رہا ہے دوسرا بھی کیا بن جائے گا؟ خبر، پہلا اگر صفت بن رہا ہے تو دوسرا بھی کیا بن جائے گا؟ صفت، پہلا جملہ اگر حال بن رہا ہے تو دوسرا بھی کیا بن جائے گا؟ حال بن جائے گا، تو یہاں بھی واؤ کا فائدہ ظاہر ہو گا۔ اور اگر پہلے جملے کے لیے کوئی خاص حکم ہے اور آپ دوسرے جملے کو پھر آپ اس میں شریک کرنا چاہتے ہیں تو واؤ درمیان میں لے آئیں گے تو یہاں بھی فائدہ ظاہر ہو جائے گا، پہلے جملے کے لیے جو حکم ہو گا وہی دوسرے کے لیے بھی حکم آجائے گا مثلاً پہلا جملہ صلہ بن رہا ہے تو دوسرا جملہ بھی کیا بن جائے گا؟ صلہ بن جائے گا بھئی۔ لیکن اگر پہلے جملے کے لیے نہ کوئی محل اعراب ہے نہ اس کے لیے کوئی خاص حکم ہے پھر واؤ کے ساتھ عطف کریں گے یا عطف نہیں کریں گے اس کے اندر خفا ہے کیونکہ واؤ صرف اشتراک کا فائدہ دیتا ہے اور مثلاً دو جملے ہیں جیسے میں نے ابھی ذکر کیا جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ عَمْرٌو اب یہاں واؤ لائیں گے تو بھی فائدہ اسی طرح کہ زید کے آنے کا ذکر ہے اور عمرو کے جانے کا، اور واؤ کو نہ لائیں تو بھی اسی طرح زید کے آنے کا ذکر ہے تو عمرو کے جانے کا ذکر ہے، تو واؤ لائیں گے یا نہیں لائیں گے بھئی اس میں خفا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس میں اب تفصیل یاد رکھیے کہ واؤ جو ہے یعنی وصل بالواؤ، واؤ کے ساتھ وصل کرنا، واؤ کے ساتھ عطف کرنا یہ کچھ مناسبت کا تقاضا کرتا ہے تو کچھ مغائرت کا تقاضا کرتا ہے۔ مثلاً مفرد میں دیکھ لیجیے جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ میں نے زید کو معطوف علیہ بنایا اور واؤ کے ساتھ میں نے عمرو کا عطف زید پر کیا تو عمرو ہوا معطوف بھئی۔ اب دیکھیے معطوف علیہ ہے زید اور معطوف ہے عمرو، اور دونوں ایک ہی ذات کا نام ہیں یا الگ الگ؟ الگ الگ ہیں تو دیکھو دونوں ذاتیں الگ۔ تو عطف جو ہے مغائرت کا تقاضا کرتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے غیر ہونے چاہئیں، ایک ہی ذات نہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَزَيْدٌ اس طرح کوئی کہتا ہے بھئی؟ نہیں بھئی، کیونکہ زید تو ایک ہی ذات کا نام ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ تو لہٰذا واؤ کے ساتھ جو عطف کیا جاتا ہے تو یہ واؤ جو ہے کچھ مغائرت کا تقاضا کرتا ہے تو کچھ مناسبت کا بھی تقاضا کرتا ہے، دونوں میں کچھ مناسبت بھی ہونی چاہیے بھئی۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو دونوں میں مناسبت بھی ہے مثلاً دونوں گہرے دوست ہیں یا اسی طرح دیکھ لیجیے دونوں میں یہ بھی مناسبت کہ جیسے زید کے لیے آنا ثابت ہو رہا ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی کیا ثابت ہو رہا ہے؟ آنا ثابت ہو رہا ہے، تو دونوں کے لیے محیئت ثابت ہو رہی ہے تو کچھ مناسبت ہے کچھ مغائرت ہے بھئی۔ مغائرت یہ کہ دونوں کی ذات الگ الگ ہے، مناسبت یہ کہ دونوں کے لیے محیئت ثابت ہو رہی ہے اور دونوں آپس میں دوست ہیں بھئی۔ تو معلوم ہوا کہ عطف بالواؤ یا یوں کہیں آسان لفظوں میں واؤ جو ہے کچھ مناسبت کا تقاضا کرتا ہے تو کچھ مغائرت کا تقاضا کرتا ہے۔

اب آگے آپ کو بتلائیں گے وصل بالواؤ کی جگہیں بھئی۔ تو یاد رکھیے کچھ مقامات وہ ہیں جہاں وصل کیا جائے گا اور کچھ مقامات وہ ہیں جہاں پر فصل کیا جائے گا۔ یہ کل سات جگہیں آپ کو بتائیں گے۔ کتنی جگہیں؟ سات جگہیں آپ کو بتائیں گے: دو جگہیں ہیں وصل کی اور پانچ جگہیں ہیں فصل کی۔ دو جگہ پر کیا کیا جائے گا؟ وصل کیا جائے گا اور پانچ جگہوں پر فصل کیا جائے گا بھئی۔ یہ کون سی جگہیں ہیں؟ جہاں پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب بھی نہ ہو اور پہلے جملے کے لیے کوئی خاص حکم بھی نہ ہو۔ پھر اس کے بعد بھئی واؤ کے ساتھ ربط دینا ہے یا ربط نہیں دینا تو سات جگہیں ہیں: سات میں سے دو جگہوں کے اندر وصل کریں گے یعنی واؤ کو لائیں گے اور پانچ جگہیں ایسی ہیں جہاں پر واؤ کو نہیں لائیں گے یعنی فصل کریں گے۔ اب کہاں فصل کریں گے اور کہاں وصل کریں گے؟ میں نے آپ کو بتلا دیا کہ واؤ کچھ مناسبت کا تقاضا کرتا ہے اور کچھ مغائرت کا۔ تو اب اگر آپ کے پاس دو جملے ہیں اور ان میں کامل درجے کا اتصال ہے، تو پھر یاد رکھیے یہاں پر فصل کریں گے۔ کیا کریں گے؟ فصل کریں گے، کیونکہ دونوں جملوں میں کمال اتصال ہے یعنی کامل درجے کا اتصال ہے تو معلوم ہوا صرف مناسبت ہی مناسبت ہے مغائرت ہے ہی نہیں۔ اور واؤ تو مناسبت کے ساتھ ساتھ کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ مغائرت کا تقاضا بھی کرتا ہے اور یہاں تو کمال اتصال ہے، کامل درجے کا اتصال اور تعلق ہے یعنی مناسبت ہی مناسبت ہے صرف مغائرت ہے ہی نہیں۔ اور واؤ تو مناسبت

کے ساتھ کس کا تقاضا کرتا تھا؟ مغائرت کا بھی تقاضا کرتا تھا، تو لہٰذا جب دو جملوں میں کمال اتصال ہو تو پھر وصل نہیں کریں گے بلکہ فصل کریں گے یعنی واؤ کو نہیں لائیں گے۔ بات سمجھ میں آئی؟

تو پہلا مقام کیا ہے؟ دو جملوں میں کمال اتصال ہو تو پھر وصل نہیں کریں گے بلکہ فصل کریں گے اس لیے کیونکہ کمال اتصال کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جملوں میں کامل اتصال ہے، کامل اتحاد ہے، کامل تعلق ہے، تو گویا یہاں صرف مناسبت ہی مناسبت ہے ہر اعتبار سے مغائرت ہے ہی نہیں۔ اور واؤ تو مناسبت کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ مغائرت کا بھی تقاضا کرتا تھا، تو جہاں کمال اتصال ہو گا وہاں پر کیا کیا جائے گا؟ فصل کیا جائے گا۔ اور جب کمال اتصال میں فصل کیا جاتا ہے تو جہاں پر کمال اتصال جیسا تعلق ہو، ربط ہو تو وہاں پر بھی کیا کیا جائے گا؟ فصل کیا جائے گا۔ جہاں کمال اتصال تو نہیں لیکن کمال اتصال جیسا تعلق ہے وہاں پر بھی کیا کیا جائے گا؟ فصل، اور اس کو کہیں گے شبہ کمال اتصال۔ شِبْہٌ کا معنی ہے مِثْلٌ۔ تو دو جملوں میں جب کمال اتصال ہو تو فصل کیا جاتا ہے، اسی طرح دو جملوں میں جب شبہ کمال اتصال ہو تب بھی کیا کیا جائے گا؟ فصل کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دو جملوں میں کمال انقطاع ہو یعنی کامل درجے کا انقطاع ہو یعنی منقطع، ایک دوسرے سے تعلق ہے ہی نہیں۔ تو جب دو جملوں میں کمال انقطاع ہو تو پھر بھی فصل کیا جائے گا۔ یعنی یوں کہیں آسان لفظوں میں کمال مغائرت ہو دو جملوں میں، دو جملے ہیں وہ بالکل ایک دوسرے سے غیر ہی غیر ہیں وہاں کوئی مناسبت ہے ہی نہیں۔ تو پھر واؤ کو درمیان میں نہیں لائیں گے کیونکہ واؤ تو مغائرت کے ساتھ ساتھ کچھ مناسبت کا بھی تقاضا کرتا تھا اور یہاں پر تو مثلاً مغائرت ہی مغائرت ہے مناسبت ہے ہی نہیں۔ تو لہٰذا یہ واؤ یہاں نہیں لائیں گے۔ تو دو جملوں میں جب کمال انقطاع ہو تو فصل کریں گے۔ سمجھ میں آئی بات؟ کیونکہ کمال انقطاع ہے تو اس کا مطلب ہے کمال مغائرت ہے، بالکل ایک دوسرے سے منقطع ہیں، تعلق ہی کوئی نہیں ہے، ربط ہی کوئی نہیں ہے، مناسبت ہی کوئی نہیں ہے، اور حالانکہ واؤ تو کچھ مناسبت بھی چاہتا ہے مغائرت کے ساتھ ساتھ اور یہاں تو صرف مغائرت ہی مغائرت ہے مناسبت کوئی ہے ہی نہیں لہٰذا واؤ کو نہیں لائیں گے۔ تو دو جملوں میں جب کمال انقطاع ہو تو فصل کرتے ہیں۔ اسی طرح جیسے کمال انقطاع میں فصل کرتے ہیں تو جہاں کمال

انقطاع جیسا تعلق ہو دو جملوں میں تو وہاں بھی فصل کریں گے۔ کمال انقطاع میں کیا کرتے ہیں؟ فصل۔ تو جو کمال انقطاع جیسے ہوں ان میں بھی کیا کیا جائے گا؟ فصل، اور اس کو کہیں گے شبہ کمال انقطاع یعنی جو کمال انقطاع کے مثل ہیں۔ تو گویا چار جگہیں آ گئیں فصل کی: دو جملوں میں اگر کمال اتصال ہو تو کیا کریں گے؟ فصل، اسی طرح اگر دو جملوں میں شبہ کمال اتصال ہو تو بھی کیا کریں گے؟ فصل، اور دو جملوں میں اگر کمال انقطاع ہو تو کیا کریں گے؟ تو بھی فصل کریں گے، اور اگر دو جملوں میں شبہ کمال انقطاع ہو تو بھی کیا کریں گے؟ فصل کریں گے۔ پانچویں جگہ ہے کہ دو جملوں میں نہ کامل درجے کا اتصال ہے نہ کامل درجے کا انقطاع ہے بلکہ ان کا بین بین ہے یعنی بیچوں بیچ ہے بھئی۔ یعنی توسط ہے بین الکمالین، یہ جو دو کمالین ہیں کمال انقطاع اور کمال اتصال ان کا توسط ہے تو پھر یاد رکھیے اس صورت میں وصل کریں گے۔ دو جملے ہیں نہ ان کے درمیان کمال انقطاع ہے اور نہ کمال اتصال ہے بلکہ ان کا بیچوں بیچ ہے یعنی کچھ اتصال ہے تو کچھ انقطاع ہے، تو یہ واؤ کا مقام ہے کیونکہ واؤ بھی کچھ مناسبت چاہتا ہے اور کچھ مغائرت چاہتا ہے تو ان دو جملوں میں بھی کچھ اتصال ہے کچھ انقطاع ہے، تو کچھ مغائرت ہے کچھ مناسبت ہے تو یہ ہو اوصل کا مقام یہاں پر کیا کریں گے؟ وصل کریں گے۔

تو کل کتنی جگہیں ہو گئیں؟ پانچ جگہیں ہو گئیں: چار جگہیں فصل کی اور ایک جگہ وصل کی۔ فصل کی چار جگہیں کون کون سی؟ نمبر ایک ہے کمال اتصال، نمبر دو شبہ کمال اتصال، نمبر تین کمال انقطاع، نمبر چار شبہ کمال انقطاع۔ اور وصل کا ایک مقام کون سا ہوا؟ توسط بین الکمالین یعنی نہ کمال اتصال ہے اور نہ کمال انقطاع ہے دونوں کا بین بین ہے بیچوں بیچ ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ پھر یاد رکھیے جہاں کمال انقطاع ہے وہاں کیا کریں گے؟ فصل۔ لیکن اگر بعض جگہیں ایسی آئیں گی کہ وہاں دو جملوں میں کمال انقطاع ہو گا لیکن اگر آپ فصل کرتے ہیں تو خلاف مقصود کا وہم وہاں پر پڑتا ہے تو یاد رکھیے اس صورت میں بھی پھر فصل نہیں کریں گے وہاں کیا کر لیں گے؟ وصل کر لیں گے بھئی۔ بھئی دیکھیے دو جملوں میں ہے کمال انقطاع، بالکل ایک دوسرے سے منقطع ہیں تو لہٰذا یہاں فصل ہونا چاہیے واؤ کو نہیں لانا چاہیے۔ لیکن اگر واؤ آپ نہیں لاتے تو خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے یعنی جو آپ بات کہنا چاہتے ہیں سننے والا اس کا عکس سمجھتا ہے اس کا الٹ سمجھتا ہے، تو لہٰذا جب فصل کی صورت میں خلاف مقصود سمجھ رہا ہے سننے والا تو پھر فصل نہ کرو بلکہ کیا کر دو؟ وصل۔ تو مقام تو فصل کا ہی ہے لیکن فصل کرتے ہیں تو سننے والا خلاف مقصود سمجھتا ہے یعنی جو آپ کہنا چاہتے ہیں اس کا برعکس معنی وہ سمجھتا ہے تو پھر فصل نہ کرو بلکہ کیا کر دو؟ وصل۔ اس کو کہیں گے کمال انقطاع مع ایہام۔ أَوْهَمَ يُوهِمُ إِيهَامٌ، ایہام کا معنی ہے وہم ڈالنا۔ تو یہاں دو جملے ہیں تو جہ ہے؟ دو جملے ہیں ان میں کمال انقطاع ہے لیکن اگر آپ فصل کرتے ہیں تو سننے والا اس کے برعکس سمجھتا ہے تو پھر مقام تو فصل کا تھا لیکن فصل کو چھوڑ دو بلکہ کیا کر دو؟ وصل، تو یہ وصل کریں گے۔ تو یہ دوسرا مقام آ گیا وصل کا اور اس کو کہتے ہیں کمال انقطاع مع ایہام۔ کیا کہیں گے اس جگہ کو؟ کمال انقطاع مع ایہام۔ یعنی جہاں دو جملوں میں کمال انقطاع ہے لیکن انقطاع کے ساتھ ساتھ اگر ہم فصل کرتے ہیں تو یہ سننے والے کے ذہن میں خلاف مقصود کا وہم ڈالتا ہے۔ تو یہ جو خلاف مقصود کا وہم ہے یہ مانع بن جائے گا فصل سے۔ تو فصل نہیں کریں گے بلکہ پھر کیا کریں گے؟ وصل کریں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو گویا یوں کہیے بھئی کہ کمال انقطاع دو قسم پر ہوا: ایک کمال انقطاع بغیر ایہام ہے اور ایک کمال انقطاع مع ایہام ہے۔ دو جملے ہیں اور ان جملوں میں کمال انقطاع ہے کوئی تعلق نہیں، جب کوئی تعلق نہیں کوئی مناسبت نہیں تو کیا کرنا چاہیے؟ فصل کرنا چاہیے۔ لیکن اگر آپ فصل کرتے ہیں تو سننے والا آپ کے مقصد کے خلاف سمجھتا ہے، آپ کہنا کچھ چاہتے ہیں وہ سمجھے گا کچھ اور، تو پھر فصل نہ کرو بلکہ کیا کر دو؟ وصل۔ تو اس کو کیا کہیں گے؟ کمال انقطاع مع ایہام۔ تو گویا کمال انقطاع دو قسم پر ہوا: ایک کمال انقطاع

بغیر ایہام اور ایک کمال انقطاع مع ایہام۔ تو جو کمال انقطاع بغیر ایہام ہے وہاں کریں گے فصل کیونکہ وہاں تو کوئی خلاف مقصود کا وہم نہیں پڑتا اور فصل کا مقام ہے تو فصل ہی کریں گے، اور ایک ہے کمال انقطاع مع ایہام یہ مقام تو فصل کا ہے لیکن اگر فصل کرتے ہیں تو خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ کمال انقطاع مع ایہام بھئی۔ تو یہ پھر وصل کریں گے یہاں پر تو یہ وصل کا مقام ہو گیا۔ تو وصل کے دو مقام ہو گئے: ایک توسط بین الکمالین اور ایک کمال انقطاع مع ایہام۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دوسری طرف آیئے وہ جو تھا توسط بین الکمالین یعنی دونوں کمالین کا بیچوں بیچ اور وہ کس کا مقام تھا؟ وصل کا، جب کچھ مناسبت ہے کچھ مغائرت ہے تو وصل کرنا چاہیے۔ یہ بھی دو قسم پر ہے کہ دو جملے ہیں دونوں جملوں میں نہ کمال اتصال ہے نہ کمال انقطاع ہے یعنی کچھ اتصال ہے اور کچھ انقطاع ہے، تو یہ وصل کا مقام ہے۔ لیکن اگر آپ وصل کرتے ہیں تو خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے تو لہٰذا ہے تو مقام وصل کا لیکن وصل کریں تو کیا خرابی لازم آتی ہے؟ خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے سننے والے کے ذہن میں تو لہٰذا وصل کو چھوڑ دو یعنی واؤ کو ترک کر دیں گے یہاں پر، تو یہاں پھر فصل کریں گے۔ کیا کریں گے؟ فصل کریں گے۔ تو گویا توسط بین الکمالین بھی دو قسم کا ہوا: ایک توسط بین الکمالین بغیر ایہام ہے۔ توسط بین الکمالین ہے اور کیا کرنا چاہیے؟ وصل، اور وصل کی صورت میں خلاف مقصود کا وہم بھی نہیں پڑتا تو پھر وصل کا مقام ہے اور وصل ہی کریں گے۔ اور اگر ہے تو یہ توسط بین الکمالین اور وصل کا مقام ہے کیا کرنا چاہیے؟ وصل کرنا چاہیے، لیکن اگر وصل کرتے ہیں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے تو پھر ہے تو مقام وصل کا لیکن وصل کو چھوڑ دو اور کیا کر دو؟ فصل کر دو یعنی واؤ کو نہ لے کر آؤ بھئی واؤ کو ذکر نہ کرو۔ تو گویا توسط بین الکمالین دو قسم کا ہوا: ایک توسط بین الکمالین بغیر ایہام اور ایک توسط بین الکمالین مع ایہام۔ جب توسط بین الکمالین بغیر ایہام ہو تو کیا کریں گے؟ وصل کریں گے واؤ لائیں گے، اور جب توسط بین الکمالین مع ایہام ہو تو پھر کیا کریں گے؟ فصل کریں گے یعنی واؤ نہیں لائیں گے۔

تو کل یہ سات جگہیں ہو گئیں۔ کتنی جگہیں؟ سات جگہیں: ایک ہے کمال اتصال، ایک ہے شبہ کمال اتصال، ایک ہے کمال انقطاع بغیر ایہام، اور ایک ہے کمال انقطاع مع ایہام، اور ایک ہے شبہ کمال انقطاع، اور ایک ہے توسط بین الکمالین بغیر ایہام، اور ایک ہے توسط بین الکمالین مع ایہام۔ اور دو جگہیں ان میں سے جو ہیں وہ وصل والی ہیں: توسط بین الکمالین بغیر ایہام اور کمال انقطاع مع ایہام۔ بات سمجھ میں آئی؟ یہ دو جگہیں ہیں وصل والی ان میں واؤ لائیں گے۔ اور باقی پانچ جگہیں جو ہیں وہ فصل والی ہیں وہاں فصل کریں گے یعنی واؤ نہیں لائیں گے۔ اور وہ کون کون سی ہیں؟ کمال اتصال، شبہ کمال اتصال، اور کمال انقطاع بغیر ایہام، اور شبہ کمال انقطاع، اور توسط بین الکمالین مع ایہام۔ تفصیل یاد رہے گی؟

اب دوبارہ خلاصہ سن لیں کہ دو جملوں کے درمیان کتنے قسم کے تعلق ہو سکتے ہیں؟ پانچ قسم کے: یا دو جملوں میں کمال اتصال ہو گا، یا دو جملوں میں شبہ کمال اتصال ہو گا، یا دو جملوں میں کمال انقطاع ہو گا، یا دو جملوں میں شبہ کمال انقطاع ہو گا۔ تو یہ چار جگہیں کس کی ہیں؟ فصل کی ہیں۔ اور یا دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہو گا یہ کس چیز کا مقام ہے؟ وصل کا مقام ہے۔ لیکن پھر اس کے اندر جو فصل کا مقام ہے کمال انقطاع اس میں پھر بعض اوقات کمال انقطاع ہے فصل کرنا چاہیے لیکن اگر آپ فصل کریں گے تو کیا وہم پڑتا ہے؟ خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے، تو اس صورت میں پھر فصل نہ کریں گے وہاں پر بلکہ وصل کریں گے۔ تو معلوم ہوا کمال انقطاع ہو بغیر ایہام کے تو وہاں تو فصل کریں گے لیکن اگر کمال انقطاع مع ایہام کے ہو تو وہاں کیا کریں گے؟ وصل کریں گے۔ اور اسی طرح جہاں توسط بین الکمالین ہے وہ مقام تو ہے وصل کا لیکن بعض اوقات اس کے ساتھ خلاف مقصود کا وہم پڑے گا تو پھر وہاں وصل نہ کرنا بلکہ کیا کرنا؟ فصل۔ تو گویا فصل کی پانچ جگہیں ہو گئیں اور وصل کی دو جگہیں۔ وصل کی دو جگہیں کون سی؟ ایک توسط بین الکمالین بغیر ایہام اور دوسری جگہ کمال انقطاع مع ایہام، یہ دو جگہیں ہیں وصل کی۔ اور فصل کی کتنی جگہیں ہیں؟ پانچ: ایک جہاں کمال اتصال ہو، ایک جہاں شبہ کمال اتصال ہو، ایک جہاں کمال انقطاع بغیر ایہام ہو، اور ایک جہاں شبہ کمال انقطاع ہو، اور ایک جہاں توسط بین الکمالین مع ایہام ہو۔ یاد ہو گئیں ساتوں جگہیں؟

■ قولہ: «مَوَاضِعُ الْوَصْلِ بِالْوَاوِ» کی تشریح

جی اب تفصیل دیکھیے کہتے ہیں مَوَاضِعُ الْوَصْلِ بِالْوَاوِ، واؤ کے ساتھ وصل کی جگہیں۔ يَجِبُ الْوَصْلُ فِي مَوْضِعَيْنِ، وصل کرنا واجب ہے دو جگہوں میں۔ کون سی دو جگہیں بھئی؟ پہلی کیا ہو گی؟ توسط بین الکمالین بغیر ایہام اور دوسری جگہ کمال انقطاع مع ایہام، وہی بیان کریں گے۔ اَلْأَوَّلُ پہلی جگہ: إِذَا اتَّفَقَتِ الْجُمْلَتَانِ خَبَرًا أَوْ إِنْشَاءً، جب اتفاق ہو دو جملوں میں یعنی متفق ہوں دو جملے باعتبار خبر یا انشاء ہونے کے۔ یعنی پہلا جملہ بھی خبریہ ہو دوسرا بھی کیا ہو؟ خبریہ، یا پہلا بھی انشائیہ ہو تو دوسرا بھی انشائیہ۔ وَكَانَ بَيْنَهُمَا جِهَةٌ جَامِعَةٌ اور ان کے درمیان کوئی جہت جامعہ بھی ہو، کوئی ایسی چیز جو ان دونوں کو جمع کرنے والی ہے أَيْ مُنَاسَبَةٌ تَامَّةٌ یعنی کوئی پوری مناسبت ہو دونوں کے درمیان۔ اور پوری مناسبت سے کیا مراد ہے میں نے کیا بتلایا؟ کہ مناسبت سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے مسند جو ہیں ان میں بھی مناسبت ہو اور دونوں کے جو مسند الیہ ہیں ان میں بھی کیا ہو؟ مناسبت ہو۔ تو مناسبت تامہ سے یہ مراد ہے کہ پوری مناسبت ہو دونوں کے درمیان یعنی دونوں کے مسند میں بھی مناسبت ہو اور دونوں جملوں کے مسند الیہ میں بھی۔ صرف پہلا جملہ بھی خبریہ دوسرا جملہ بھی خبریہ صرف یہ مناسبت مراد نہیں ہے، بلکہ کیا مراد ہے مناسبت سے؟ دونوں کو خبریہ بھی ہونا چاہیے اور دونوں کے مسند یا مسند الیہ جو ہیں ان میں بھی آپس میں کیا ہو؟ مناسبت، یا اسی طرح دونوں کو انشائیہ بھی ہونا چاہیے اور دونوں کے مسند اور مسند الیہ میں بھی کیا ہونی چاہیے؟ مناسبت ہونی چاہیے بھئی۔ یہ معنی ہے وَكَانَ بَيْنَهُمَا جِهَةٌ جَامِعَةٌ اور دونوں کے درمیان کوئی جہت جامعہ أَيْ مُنَاسَبَةٌ تَامَّةٌ کوئی پوری مناسبت ہو،

وَلَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ الْعَطْفِ اور وہاں کوئی عطف سے مانع بھی نہ ہو۔ کیا

معنی؟ ہاں یعنی خلاف مقصود کا وہم نہ پڑتا ہو وصل کریں تو۔ اگر وصل کرنے سے کیا وہم پڑتا ہے؟ خلاف مقصود تو دیکھو یہ تو وصل کیا تھا عطف اور اس خلاف مقصود کیا بن گیا؟ مانع بن جائے گا۔ تو عطف سے کوئی مانع بھی نہ ہو یعنی وصل کریں یعنی عطف کریں تو کہیں خلاف مقصود کا وہم بھی نہ پڑتا ہو۔ یہ معنی ہے وَلَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ الْعَطْفِ اور کوئی مانع من العطف بھی نہ ہو۔ نَحْوُ مثال کے طور پر، وَلَمْ يَكُنْ مَانِعٌ رفع پڑھا میں نے اس پر بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ آپ کہیں گے كَانَ کی خبر تو منصوب ہوتی ہے، بھئی یہ كَانَ یہاں ثَبَتَ کے معنی میں ہے۔ کس معنی میں ہے؟ ثَبَتَ۔ أَيْ لَمْ يَثْبُتْ مَانِعٌ مِنَ الْعَطْفِ تو یہ اس کا فاعل بنے گا بھئی، تو یہ یہاں فعل ناقص کے طور پر نہیں ہوگا۔ اور یہ كَانَ کس معنی میں؟ ثَبَتَ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ الْعَطْفِ اور کوئی مانع من العطف بھی نہ ہو نَحْوُ مثال کے طور پر إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ، یقیناً نیک لوگ جو ہیں البتہ وہ نعمتوں میں ہوں گے اور یقیناً گنہگار لوگ برے لوگ جو ہیں لَفِي جَحِيمٍ البتہ وہ جہنم میں ہوں گے۔ اب دیکھیے ایک جملہ ہے إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ، دوسرا جملہ ہے إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ، اور دونوں کے درمیان واؤ ذکر کر کے ایک کا عطف کیا گیا دوسرے جملے پر یہ ہے وصل۔ اور دیکھیے دونوں جملے خبر یہ ہیں۔ وصل کا مقام کیا تھا کہ دونوں جملے کیا ہونے چاہئیں؟ خبر یہ یا دونوں کیا ہونے چاہئیں؟ انشائیہ۔ تو یہاں دونوں جملے جو ہیں وہ خبر یہ ہیں۔ نیز دونوں کے مسند الیہ جو ہیں ان میں بھی مناسبت اور دونوں کے جو مسند ہیں ان میں بھی مناسبت۔ پہلے جملے میں مسند الیہ کون؟ اَلْأَبْرَارَ اور دوسرے جملے میں مسند الیہ اَلْفُجَّارَ، اور ابرار کا معنی ہے نیک لوگ بھئی اور فجار کون ہیں؟ گنہگار گناہ کرنے والے۔ تو دیکھیے نیک اور بد آگئے، نیک اور بد میں مناسبت ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ضدین کے درمیان مناسبت ہوتی ہے چنانچہ ایک ضد کو ذکر کیا جائے تو دوسری اس کی ضد خود بخود ذہن میں آجاتی ہے۔ سردی کو ذکر کریں تو گرمی کا بھی ذہن میں تصور آجاتا ہے، صبح کا ذکر کریں تو شام کا بھی ذہن میں خود ہی تصور آجاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ضدین میں مناسبت ہوتی ہے اسی لیے ایک ضد کو ذکر کرنے سے اس کی دوسری ضد جو ہے وہ خود بخود ذہن میں آجاتی ہے۔ چنانچہ اسی لیے علماء فرماتے ہیں وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ، کہ چیزوں کی وضاحت اپنی ضدوں سے ہوتی ہے، چیز کا پتہ اپنی ضد سے چلتا ہے۔ جب ایک چیز کے بارے میں آپ کو بتا دیا جائے تو اس کی ضد کا آپ کو خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً بھئی نیک آدمی کی تعریف کر دی جائے آپ کو بتلا دیا جائے نیک آدمی اس کو کہتے ہیں جس میں یہ یہ صفات ہوں، تو اسی سے خود بخود برے آدمی کو بھی آپ سمجھ گئے کہ معلوم ہوا جس کے اندر یہ یہ صفات نہ ہوں وہ کیا ہوگا؟ برا آدمی ہوگا۔ تو ایک چیز کی وضاحت کرنے سے اس کی ضد کا خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔ اسی لیے کیا کہتے ہیں وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ، چیزوں کا پتہ ان کی ضد سے چلتا ہے، چیزوں کی وضاحت اپنی ضد سے ہوتی ہے بھئی۔ تو ضدین میں مناسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح پہلے جملے میں مسند جو ہے لَفِي نَعِيمٍ کہ وہ کس میں ہوں گے؟ نعمتوں میں ہوں گے، اور دوسرے میں مسند ہے لَفِي جَحِيمٍ وہ کس میں ہوں گے؟ جہنم میں۔ تو نعمتوں میں ہونا اور جہنم میں ہونا یہ بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں ان میں بھی کیا موجود ہے؟ مناسبت موجود۔ تو دونوں جملے خبر یہ بھی ہیں اور دونوں کے مسند میں بھی مناسبت اور دونوں کے مسند الیہ میں بھی مناسبت، تو لہٰذا یہاں عطف کیا جائے گا۔ اور عطف سے مانع بھی یہاں نہیں ہے کوئی، تو لہٰذا دونوں جملوں میں عطف ہونا چاہیے اور عطف ہی کیا گیا جیسا آپ دیکھ رہے ہیں قرآن کے اندر بھئی۔

وَنَحْوُ اور مثال کے طور پر فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا، اور چاہیے کہ وہ لوگ تھوڑا ہنسیں وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا اور چاہیے کہ وہ زیادہ روئیں۔ تو یہ مثال ہے جملہ انشائیہ کی، فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا، فَلْيَضْحَكُوا امر آیا اور امر کیا ہے؟ انشاء، تو پہلا جملہ انشائیہ۔ لِيَبْكُوا كَثِيرًا یہ کیا ہے؟ دوسرا جملہ اور یہ بھی جملہ انشائیہ ہے۔ تو دونوں جملے انشائیہ، لیکن صرف انشائیہ یا خبر یہ ہونا کافی نہیں عطف کے لیے بلکہ دونوں کے مسند اور مسند الیہ میں بھی کیا ہونی چاہیے؟ مناسبت، اور یہاں مناسبت ہے۔ پہلے کے اندر مسند ضحک کا ذکر ہے یعنی ہنسی کا تو دوسرے میں رونے کا ذکر ہے، تو ہنسی اور رونا ایک دوسرے کی ضد ہیں تو دونوں میں کیا آگئی؟ مناسبت۔ اور نیز فَلْيَضْحَكُوا کے اندر مسند الیہ جو ہے واؤ ضمیر ہے اور یہ جن لوگوں کو لوٹ رہی ہے دوسرے جملے میں بھی يَبْكُوا واؤ ضمیر انہی لوگوں کو لوٹ رہی ہے، تو مسند الیہ بھی دونوں میں کیا ہیں؟ مناسبت ہے دونوں ایک ہی لوگ مراد ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی لیے یہاں پر واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا۔ اور نیز مسند اور مسند الیہ میں بھی مناسبت اور نیز یہاں عطف سے کوئی مانع بھی نہیں تو لہٰذا کیا کیا گیا؟ عطف کر دیا گیا بھئی۔ مناسبت بھی موجود اور عطف سے کوئی مانع بھی نہیں، تو یہ کون سا مقام ہوا؟ توسط بین الکمالین بغیر ایہام، یعنی عطف سے کوئی مانع بھی نہیں۔

اَلثَّانِي دوسرا مقام۔ پہلا مقام کون سا گزرا؟ توسط بین الکمالین بغیر ایہام۔ دوسرا مقام وصل کا کون سا ہوگا؟ کمال انقطاع مع ایہام۔ جیسے دیکھیے اَلثَّانِي دوسرا مقام: إِذَا أَوْهَمَ تَرْكُ الْعَطْفِ خِلَافَ الْمَقْصُودِ، جب وہم ڈالے عطف کا چھوڑنا کس چیز کا وہم ڈالے؟ خِلَافَ الْمَقْصُودِ خلاف مقصود کا۔ كَمَا إِذَا قُلْتَ جیسے آپ کہیں لَا وَشَفَاهُ اللهُ۔ آپ سے کسی آدمی نے پوچھا هَلْ بَرِئَ عَلِيٌّ مِنَ الْمَرَضِ؟ کیا علی تندرست ہو گیا ہے بیماری سے؟ کیا اس کو شفا ہو گئی ہے؟ کیا وہ ٹھیک ہو گیا ہے؟ آپ جواب میں کہتے ہیں لَا نہیں، یعنی وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ یہ لَا کیا ہے؟ متضمن ہے پورے جملے کو، گویا لَا کہا آپ نے لَا کا کیا معنی؟ أَيْ مَا بَرِئَ عَلِيٌّ، تو یہ پورے جملے کو متضمن ہے۔ اور پھر ساتھ ہی آگے آپ اس کو دعا دینا چاہتے ہیں کہ اللہ اس کو شفا دے دے تو کیا کہیں گے؟ شَفَاهُ اللهُ اللہ اس کو شفا دے دے۔ تو اب آپ کے کلام میں دو جملے آرہے ہیں: لَا بھی کہا آپ نے اور آگے دعا بھی دینا چاہتے ہیں۔ لَا متضمن ہے جملہ خبر یہ کو أَيْ مَا بَرِئَ عَلِيٌّ کہ علی تندرست نہیں ہوا، اور یہ جملہ انشاء ہے یا خبر ہے؟ خبر ہے، خبر دے رہے ہیں آپ کہ وہ ٹھیک نہیں ہوا تندرست نہیں ہوا۔ اور آگے شَفَاهُ اللهُ یہ کیا کر رہے ہیں آپ اس کو؟ دعا دے رہے ہیں تو یہ جملہ انشائیہ

ہے۔ اور خبر اور انشاء یہ تو بالکل الگ الگ قسمیں ہیں جملوں کی تو دونوں میں کمال انقطاع ہے، کوئی مناسبت نہیں ہے دونوں کے اندر۔ اور کمال انقطاع پر کیا کرنا چاہیے؟ فصل، تو کہنا کیا چاہیے؟ لَا شَفَاهُ اللهُ۔ لیکن اگر آپ واؤ بیچ میں نہ لائیں تو یوں لگتا ہے آپ اس کو بد دعا دے رہے ہیں لَا شَفَاهُ اللهُ۔ لگ رہا ہے یا نہیں بھئی؟ کیونکہ وہ لَا یوں لگ رہا ہے شَفَا کے ساتھ مل جاتا ہے تو شَفَاهُ اللهُ کا معنی تو ہوا اللہ اس کو شفا دیں اور لَا شَفَاهُ اللهُ سے تو بظاہر کیا لگتا ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ اللہ اس کو شفا نہ دیں۔ تو یہاں دیکھیے دو جملے ہیں اور دونوں میں کمال انقطاع ہے لیکن اگر آپ یہاں واؤ نہیں لائیں گے تو خلاف مقصود کا وہم پڑے گا۔ خلاف مقصود کیا؟ آپ تو اس کو دعا دینا چاہتے ہیں لیکن سننے والا کیا سمجھے گا کہ آپ اسے بد دعا دے رہے ہیں۔ تو دیکھو خلاف مقصود کا وہم پڑ رہا ہے فصل کی صورت میں تو لہٰذا یہاں فصل نہ کرو بلکہ کیا کرو؟ وصل کر دو اور واؤ بیچ میں لے آؤ۔ اسی لیے انہوں نے کہا لَا وَشَفَاهُ اللهُ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں اَلثَّانِي دوسرا مقام جو ہے إِذَا أَوْهَمَ تَرْكُ الْعَطْفِ خِلَافَ الْمَقْصُودِ جب ترک عطف وہم ڈالے خلاف مقصود کا، كَمَا إِذَا قُلْتَ جیسے آپ کہیں لَا وَشَفَاهُ اللهُ نہیں اور اللہ اس کو شفا دے یعنی وہ تندرست نہیں ہے اور اللہ اس کو شفا دے، جَوَابًا لِمَنْ يَسْأَلُكَ یہ آپ بطور جواب کے کہتے ہیں لِمَنْ اس شخص سے يَسْأَلُكَ جو آپ سے پوچھتا ہے هَلْ بَرِئَ عَلِيٌّ مِنَ الْمَرَضِ کیا علی تندرست ہو گیا ہے مرض سے؟ فَتَرْكُ الْوَاوِ يُوهِمُ الدُّعَاءَ عَلَيْهِ تو واؤ کا چھوڑنا یہ وہم ڈالتا ہے کس چیز کا؟ اَلدُّعَاءَ عَلَيْهِ۔ آپ نے پڑھا ہے دعا کا صلہ اگر عَلٰی آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں بد دعا کرنے کے اور اگر دعا کا صلہ لام آئے تو اس کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ دعا کرنے کے۔ فَتَرْكُ الْوَاوِ يُوهِمُ الدُّعَاءَ عَلَيْهِ تو واؤ کا چھوڑنا وہم ڈالتا ہے اس پر بد دعا کرنے کا، وَغَرَضُكَ الدُّعَاءُ لَهُ اور آپ کی غرض تو کیا ہے؟ اس کے لیے دعا کرنا ہے۔ تو لہٰذا خلاف مقصود کا وہم پڑ رہا تھا فصل کی صورت میں تو فصل کو ترک کر کے کس کو اختیار کیا جائے گا؟ وصل کو۔ تو یہ کون سا مقام ہوا؟ وصل کا اور کیا نام ہے؟ کمال انقطاع مع ایہام بھئی۔

■ قولہ: «شَفَاهُ اللهُ، شَفَا» کی تشریح

اور دیکھیے بھئی آپ یہ نہ کہیں لَا یہ جملہ خبر یہ ہے تو شَفَاهُ اللهُ، شَفَا بھی تو ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی جملہ خبر یہ ہے۔ نہیں بھئی یہ ماضی کا صیغہ تو ہے لیکن یہ انشاء ہے، دعا ہے، امر کے معنی میں ہے۔ کس معنی میں ہے؟ امر کے معنی میں ہے گویا آپ یوں کہہ رہے ہیں اَللّٰهُمَّ اشْفِهِ اے اللہ اس کو شفا دے دیجیے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے اگر امر کے معنی میں ہے تو امر ہی کا صیغہ کیوں نہیں استعمال کر لیا گیا ماضی کو کیوں استعمال کیا گیا؟ تو جواب یہ کہ عربی میں آپ غور کریں دعائیں جو ہیں وہ عموماً ان میں ماضی کا صیغہ استعمال ہو گا رَحِمَهُ اللهُ اللہ ان پر رحم فرمائے، حالانکہ رَحِمَ تو کون سا صیغہ ہے؟ ماضی کا صیغہ ہے۔ تو عربی میں عموماً دعا جو ہے ماضی کے صیغے کے ساتھ دی جاتی ہے نیک فالی کے طور پر۔ کس طور پر؟ نیک فالی کے طور پر، نیک شگون کے طور پر، اس لیے کیونکہ ماضی کے اندر جو بات ہو چکی ہو اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہوتا جبکہ مستقبل میں ایک چیز جو آنی ہے پتہ نہیں وہ ہوتی ہے یا نہیں۔ تو دعا کرتے ہوئے عرب ماضی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں کیونکہ ماضی کے اندر اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہوتا تو بطور نیک فالی کے ماضی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں تاکہ اللہ اس دعا کو بھی یقینی طور پر قبول فرما لیں۔ تو بطور نیک فالی کے اس ماضی کے ساتھ گویا یوں کہیں کہ گویا اللہ نے شفا دے ہی دی۔ ہے تو دعا لیکن بایں معنی اتنے گویا یقین کا فائدہ ساتھ آجائے کہ بس گویا اللہ اس کو شفا دے ہی دیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو شَفَاهُ اللهُ کس معنی میں ہوا؟ اَللّٰهُمَّ اشْفِهِ اے اللہ اس کو شفا دے دے، تو لہٰذا یہ انشاء ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۷: مواضعِ فصل (پانچ مقامات): کمالِ اتصال (بدل، عطفِ بیان، تاکید) اور کمالِ انقطاع کی تفصیل

دروس البلاغہ صفحہ: ۲۷ــــ بتاریخ: ۵ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

مَوَاضِعُ الْفَصْلِ۔ يَجِبُ الْفَصْلُ فِي خَمْسَةِ مَوَاضِعَ: اَلْأَوَّلُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ اتِّحَادٌ تَامٌّ، بِأَنْ تَكُونَ الثَّانِيَةُ بَدَلًا مِنَ الْأُولَى، نَحْوُ: أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں فصل اور وصل کا باب ہم نے شروع کیا تھا اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ باب نہایت اہم باب ہے بلاغت کا، حتیٰ کہ بعض علماء نے کیا لکھا کہ علم بلاغت کا سیکھنا یہ منحصر ہے فصل اور وصل پر، جس نے فصل اور وصل کو سیکھ لیا اس کو بلاغت کا پتہ چل گیا، جس نے اس باب کو نہیں جانا اس نے بلاغت کو نہیں جانا۔ یہ اتنا اہم باب ہے بھئی۔ اور یہاں پر میں نے بتلایا تھا کہ وصل کا معنی ہے عطف کرنا اور فصل کا معنی ہے جدا کرنا یعنی عطف نہ کرنا۔ اور یہاں پر صرف جملے کا جو جملے پر عطف کیا جائے گا یا عطف نہیں کیا جائے گا اس بارے میں یہ بحث کریں گے بھئی۔ اور یہ تفصیل گزری تھی گزشتہ سبق کے اندر کہ ایک ہے عطف واؤ کے ساتھ، ایک ہے عطف دوسرے حروف کے ساتھ۔ دوسرے حروف کے ساتھ جو عطف ہے چونکہ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں لہٰذا اس سے وہ یہاں بحث نہیں کریں گے کیونکہ باقی جو حروف ہیں مثلاً فاء، ثُمَّ، حَتَّى وغیرہ وہ ترتیب کا فائدہ بھی دیتے ہیں تو لہٰذا شرکت کے ساتھ ساتھ ترتیب کا بھی فائدہ دیں گے جبکہ واؤ صرف شرکت کا فائدہ دیتا ہے، تو اس کے اندر اشتباہ ہے اور پھر بالخصوص جو ہے کہ جہاں ایک جملے کا محل اعراب بھی نہ ہو اور کوئی خاص حکم بھی نہ ہو تو پھر اس بات کا پتہ چلانا کہ واؤ کو لایا جائے یا واؤ کو نہ لایا جائے یہ بڑا مشکل کام ہے بھئی۔

اور تفصیل میں نے بتلائی تھی آپ کو کہ دو جملوں میں سے پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب ہو گا یا محل اعراب نہیں ہو گا۔ اگر پہلے جملے کا کوئی محل اعراب ہے یعنی پہلا جملہ خبر بن رہا ہے یا پہلا جملہ جو ہے حال بن رہا ہے یا پہلا جملہ صفت وغیرہ بن رہا ہے اور دوسرے جملے کو بھی آپ اس حکم میں شریک کرنا چاہتے ہیں تو پھر تو واؤ کے ساتھ عطف کریں گے، اور اگر آپ شریک نہیں کرنا چاہتے تو پھر فصل کریں گے اور واؤ نہیں لائیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بات تو یاد رکھنا ہمیشہ کہ واؤ کے ساتھ جب عطف کریں گے جب بھی کرنا ہے دونوں جملوں میں پوری مناسبت ہونی چاہیے یعنی پہلا جملہ اگر خبریہ ہو تو دوسرا بھی کیا ہونا چاہیے؟ خبریہ، اور اگر پہلا جملہ انشائیہ ہو تو دوسرا جملہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ انشائیہ ہونا چاہیے بھئی۔ اور نیز جب واؤ کے ساتھ عطف کر رہے ہیں تو صرف دونوں کا خبریہ یا دونوں کا صرف انشائیہ ہونا کافی نہیں بلکہ دونوں جملوں کے مسند جو ہیں ان میں بھی مناسبت ہونی چاہیے اور دونوں جملوں کے جو مسند الیہ ہیں ان میں بھی کیا ہونی چاہیے؟ مناسبت ہونی چاہیے بھئی۔ ہاں اگر دونوں جملے خبریہ ہیں یا دونوں جملے انشائیہ ہیں اور آپ واؤ کے علاوہ فاء، ثُمَّ وغیرہ کو استعمال کرنا چاہتے ہیں پھر آگے مزید مناسبت دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ فاء، ثُمَّ وغیرہ کو پھر آپ استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے معنی کا فائدہ دیں گے جبکہ واؤ تو صرف کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ اشتراک کا فائدہ دیتا ہے، تو واؤ کے لیے پھر پوری مناسبت ہونی چاہیے یعنی دونوں کے مسند میں بھی اور دونوں کے مسند الیہ میں بھی۔

تو بیان میں یہ کر رہا تھا کہ اگر پہلے جملے کے لیے کوئی محل اعراب ہو اور دوسرے جملے کو بھی آپ اس حکم میں شریک کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ وصل کریں گے اور اگر آپ شریک نہیں کرنا چاہتے تو پھر فصل کریں گے۔ اور اگر پہلے جملے کا کوئی محل اعراب نہیں مگر اس کا کوئی خاص حکم ہے تو پھر آپ دوسرے جملے کو اس خاص حکم میں شریک کرنا چاہیں گے یا شریک نہیں کرنا چاہیں گے۔ اگر شریک کرنا چاہتے ہیں تو وصل کریں گے، اگر شریک نہیں کرنا چاہتے تو فصل کریں گے یعنی واؤ درمیان میں نہیں لائیں گے۔

اور پہلے جملے کا مثلاً کوئی خاص حکم ہے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ مثلاً پہلا جملہ وہ موصول کے لیے صلہ بن رہا ہے۔ اب صلہ جو ہوتا ہے میں نے بتلایا تھا اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا اور دوسرا ایک اور جملہ بھی اب آرہا ہے، تو پہلے جملے کا خاص حکم کیا ہے؟ اس کا محل اعراب تو نہیں لیکن ایک خاص حکم ہے اس کا اور وہ کیا کہ وہ صلہ بن رہا ہے۔ تو اس حکم کے اندر آپ دوسرے کو شریک کرنا چاہتے ہیں دوسرے جملے کو یا شریک نہیں کرنا؟ اگر شریک کرنا چاہتے ہیں تو وصل کریں گے یعنی واؤ کے ساتھ عطف کریں گے اور اگر آپ شریک نہیں کرنا چاہتے تو فصل کریں گے یعنی واؤ درمیان میں نہیں لائیں گے۔ یہ تو مثلاً ایک مثال تھی جس میں کیا تھا پہلے جملے کے لیے کوئی خاص حکم تھا۔

یا اسی طرح مثلاً پہلا جملہ جو ہے وہ جزا ہے۔ پہلا جملہ کیا ہے؟ جزا ہے، اور جزا کے ساتھ شرط ذکر ہوتی ہے ہمیشہ تو گویا پہلا جملہ مقید ہوا کس چیز کے ساتھ؟ شرط کے ساتھ۔ تو اب دیکھیے جزا ہے مثلاً اور اس کا کوئی محل اعراب نہیں لیکن ایک خاص حکم ہے اس کا، کیا حکم ہے جزا کا؟ کہ وہ مقید ہے شرط کے ساتھ۔ تو یہ اس کا خاص حکم ہے اب دوسرے جملے کو بھی اس حکم کے اندر آپ اس کے ساتھ شریک کرنا چاہیں گے یا شریک نہیں کرنا چاہیں گے؟ اگر آپ شریک کرنا چاہتے ہیں تو وصل کریں گے اور واؤ درمیان میں لائیں گے اور اگر آپ شریک نہیں کرنا چاہتے تو فصل کریں گے اور درمیان میں واؤ نہیں لائیں گے۔ جب آپ واؤ لائیں گے پہلا جملہ ہے جزا تو دوسرا بھی کیا بن جائے گا؟ جزا بن جائے گا اور وہ قید اس سے بھی متعلق ہو جائے گی، اور اگر آپ عطف نہیں کریں گے تو دوسرا جملہ تو پھر جزا نہیں بنے گا پھر اس صورت میں وہ مقید بھی اس شرط کے ساتھ نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دوسری صورت تھی کہ اگر پہلے جملے کا کوئی خاص حکم ہے آپ اس کے ساتھ دوسرے جملے کو شریک کرنا چاہیں گے یا نہیں کرنا چاہیں گے، اگر کرنا چاہیں گے تو عطف کریں گے اگر نہیں کرنا چاہتے تو فصل کریں گے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ پہلے جملے کا کوئی محل اعراب بھی نہیں ہے اور اس کا کوئی خاص حکم بھی نہیں ہے، یہ ہے محل اشتباہ بھئی۔ یہاں یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل کام ہے کہ دوسرے جملے کا پہلے کے ساتھ وصل کیا جائے یا فصل کیا جائے بھئی۔ اور میں نے تفصیل بتلائی تھی کہ اس صورت میں بھئی دو جملوں کے اندر پانچ قسم کا تعلق ہو سکتا ہے۔ کتنی قسم کا؟ پانچ قسم کا۔ یعنی دوسرے جملے کا پہلے جملے کے ساتھ وہ پانچ قسم کا تعلق جو ہے ان میں سے کوئی ایک چیز وہاں ضرور ہو گی: یا تو دونوں جملوں میں کمال اتصال ہو گا، یا دونوں جملوں میں کمال انقطاع ہو گا، یا دونوں جملوں میں شبہ کمال اتصال ہو گا، یا دونوں جملوں کے درمیان شبہ کمال انقطاع ہو گا، یا دونوں جملوں کے اندر نہ کمال اتصال ہے نہ کمال انقطاع ہے بلکہ ان کا بین بین ہے اور اس کو کیا کہیں گے؟ توسط بین الکمالین، دونوں کمالین یعنی کمال اتصال اور کمال انقطاع جو ہیں ان کا توسط ان کا بیچوں بیچ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دو جملوں میں کتنے قسم کے تعلق ہو سکتے ہیں؟ پانچ: کمال اتصال، کمال انقطاع، شبہ کمال اتصال، شبہ کمال انقطاع، اور توسط بین الکمالین۔ تو یہ پانچ جگہیں ہیں۔

پھر ان پانچ میں سے جو پہلے چار ہیں یہ فصل کا مقام ہیں اور جو توسط والا مقام ہے یہ وصل والا مقام ہے کیونکہ واؤ کچھ مناسبت چاہتا ہے تو کچھ مغائرت چاہتا ہے بھئی۔ تو جہاں دو جملوں میں کمال اتصال ہو یعنی مناسبت ہی مناسبت ہے تو پھر واؤ نہیں لائیں گے کیونکہ واؤ تو مناسبت کے ساتھ ساتھ کچھ مغائرت بھی چاہتا ہے۔ تو جہاں کمال اتصال ہو وہ فصل کا مقام ہے۔ تو جب کمال اتصال فصل کا مقام ہے تو شبہ کمال اتصال یعنی جو اس کمال اتصال کے مثل ہے اس جیسا ہے وہ بھی کون سا مقام ہو گا؟ فصل کا مقام ہو گا۔ اور اگر دو جملوں میں کمال انقطاع ہے یعنی کوئی ان میں معلوم ہوا مناسبت ہے ہی نہیں صرف مغائرت ہی مغائرت ہے تو بھی یہ فصل کا مقام ہے کیونکہ واؤ جو ہے وہ کچھ مغائرت چاہتا ہے تو کچھ مناسبت چاہتا ہے اور دو جملوں میں کمال انقطاع ہے یعنی مغائرت ہی مغائرت ہے مناسبت کوئی ہے ہی نہیں تو پھر واؤ نہیں لائیں گے کیونکہ واؤ تو کچھ مناسبت بھی چاہتا ہے۔ تو جب کمال انقطاع میں فصل کریں گے تو جو اس جیسا ہو گا وہاں بھی کیا کریں گے؟ فصل یعنی شبہ کمال انقطاع میں بھی کیا کریں گے؟ فصل۔ اور جہاں توسط بین الکمالین ہو یعنی کچھ مغائرت ہے تو کچھ مناسبت ہے یعنی کچھ انقطاع ہے تو کچھ اتصال ہے تو یہ مقام ہے واؤ کا کیونکہ کچھ مغائرت ہے اور کچھ مناسبت، تو یہ وصل کا مقام ہے۔ تو یہ پانچ جگہیں ہوئیں بھئی: چار جگہیں فصل والی، ایک جگہ وصل والی۔

پھر اس میں میں نے بتلایا تھا جہاں کمال انقطاع ہے وہاں پھر بعض اوقات دو جملے آتے ہیں ان میں ہے تو کمال انقطاع بالکل مغائرت ہے کوئی مناسبت نہیں تو یہ مقام تو ہے فصل کا، لیکن اگر ہم فصل کرتے ہیں تو خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے، جو ہم کہنا نہیں چاہتے مخاطب وہ بات سمجھے گا، ہم کچھ اور کہنا چاہتے ہیں وہ سننے والا کچھ اور سمجھے گا۔ تو لہٰذا اس موقع پر یہ مقام تو فصل کا تھا لیکن اب فصل نہیں کریں گے بلکہ کیا کریں گے؟ وصل کریں گے یعنی واؤ لے آئیں گے۔ تو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کمال انقطاع دو قسم کا ہو گیا: ایک کمال انقطاع مع ایہام اور ایک کمال انقطاع بغیر ایہام۔ مع ایہام جس میں خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے، بغیر ایہام جس میں خلاف مقصود کا کوئی وہم نہیں پڑتا۔ تو جہاں کوئی وہم نہیں پڑتا یعنی کمال انقطاع بغیر ایہام ہو تو یہاں تو فصل ہی کریں گے لیکن کمال انقطاع مع ایہام ہو تو وہاں پر کیا کریں گے؟ وصل کریں گے۔ تو وصل کی دو جگہیں بن گئیں: ایک توسط بین الکمالین اور ایک کمال انقطاع مع ایہام۔

پھر توسط بین الکمالین جو ہے وہ پھر دو قسم پر ہے: دو جملوں میں توسط بین الکمالین ہے تو مقام تو ہے وصل کا واؤ لانا چاہیے لیکن اگر آپ واؤ لاتے ہیں تو خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے، تو لہٰذا اس موقع پر پھر وصل نہیں کریں گے بلکہ کیا کریں گے؟ فصل کر دیں گے بھئی اور واؤ نہیں لائیں گے۔ تو گویا توسط بین الکمالین بھی دو قسم کا ہوا: ایک توسط بین الکمالین بغیر ایہام اور ایک توسط بین الکمالین مع ایہام۔ تو جو توسط بین الکمالین بغیر ایہام ہے وہ ہے وصل والا مقام اور جو توسط بین الکمالین مع ایہام ہے وہ کون سا مقام ہے؟ فصل والا۔ تو گویا کل سات جگہیں ہو گئیں: دو جگہیں وصل والی اور پانچ جگہیں فصل والی۔ دو جگہیں وصل والی وہ گزشتہ سبق میں گزری تھیں: ایک توسط بین الکمالین

بغیر ایہام، اسی لیے انہوں نے کہا تھا وَلَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ الْعَطْفِ کہ عطف سے کوئی چیز مانع نہ ہو یعنی خلاف مقصود کا وہم وہاں پر نہ پڑتا ہو، تو توسط بین الکمالین بغیر ایہام کی صورت میں وصل کرتے ہیں۔ اور دوسری صورت ذکر ہوئی کمال انقطاع مع ایہام، اس کے اندر بھی کیا کریں گے؟ وصل کریں گے۔ اور باقی پانچ صورتوں میں کیا کریں گے؟ فصل۔ تو اب وہ فصل کی جگہیں آج ہم پڑھیں گے بھئی۔ دیکھیے بھئی کہتے ہیں مَوَاضِعُ الْفَصْلِ فصل کی جگہیں۔ يَجِبُ الْفَصْلُ فِي خَمْسَةِ مَوَاضِعَ، فصل کرنا واجب ہے پانچ جگہوں میں۔ پانچ جگہوں میں کیا واجب ہے؟ فصل کرنا واجب ہے اور ضروری ہے۔ اَلْأَوَّلُ پہلا مقام: أَنْ يَكُونَ

■ قولہ: «بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ اتِّحَادٌ تَامٌّ» کی تشریح

بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ اتِّحَادٌ تَامٌّ، یہ کہ دو جملوں کے درمیان اتحاد تام ہو، کامل اتحاد ہو۔ کیا ہو؟ کامل اتحاد ہو۔ اور میں نے اس کا نام کیا بتلایا تھا؟ کمال اتصال۔ کیا نام ہے؟ کمال اتصال۔ یہ خود بھی آگے چل کر بتائیں گے کہ اس کو کمال اتصال کہتے ہیں۔ تو کمال اتصال میں کیا ہوتا ہے؟ دو جملوں میں پورا اتحاد ہوتا ہے۔ تو یہ کہ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ اتِّحَادٌ تَامٌّ پہلا مقام فصل کا وہ یہ کہ دو جملوں کے درمیان پورا اتحاد ہو۔ اتحاد تام کا کیا معنی؟ پورا اتحاد، کامل اتحاد۔ بِأَنْ تَكُونَ الثَّانِيَةُ بَدَلًا مِنَ الْأُولَى بایں صورت کہ دوسرا جملہ جو ہے وہ بدل ہو پہلے جملے سے۔ بِأَنْ تَكُونَ توجہ سے سننا بھئی، بِأَنْ تَكُونَ یہ باء تصویر یہ کہلاتی ہے۔ کیا کہلاتی ہے؟ باء تصویر یہ جس کے ذریعے کسی چیز کی صورت بیان کی جاتی ہے۔ انہوں نے کیا کہا؟ پہلا مقام کیا ہے کہ دو جملوں کے درمیان کیا ہو؟ پورا اتحاد ہو، کامل اتحاد ہو۔ آگے اس کی صورت بتلا رہے ہیں: بایں صورت کہ دوسرا پہلے جملے سے بدل ہو۔ کئی صورتیں بتائیں گے توجہ رکھنا عبارت پر: بِأَنْ تَكُونَ الثَّانِيَةُ بَدَلًا مِنَ الْأُولَى بایں صورت کہ دوسرا جملہ بدل ہو کس سے؟ پہلے جملے سے۔ آگے ایک سطر بعد آرہا ہے أَوْ بِأَنْ تَكُونَ بَيَانًا لَهَا یا بایں صورت کہ دوسرا جملہ پہلے کے لیے کیا ہو؟ بیان ہو۔ پھر ایک سطر بعد آرہا ہے أَوْ بِأَنْ تَكُونَ مُؤَكِّدَةً لَهَا یا بایں صورت کہ دوسرا جملہ پہلے کے لیے مؤکد ہو یعنی تاکید ہو۔ تو یہ سب اتحاد تام کی صورتیں ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں پہلی صورت یہ کہ دو جملوں کے درمیان پورا اتحاد ہو بِأَنْ تَكُونَ الثَّانِيَةُ بَدَلًا مِنَ الْأُولَى بایں صورت کہ دوسرا جملہ جو ہے وہ بدل ہو پہلے جملہ سے یعنی بدل کے درجہ میں ہو۔ اور آپ جانتے ہیں بدل اور مبدل منہ کے اندر پورا اتحاد ہوتا ہے اسی لیے درمیان میں حرف عطف نہیں لاتے جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، میرے پاس زید آپ کا بھائی آیا۔ اب دیکھیے یہ أَخُوكَ یہ زید سے کیا ہے؟ بدل واقع ہو رہا ہے اور اسی لیے درمیان میں کوئی حرف وغیرہ ذکر نہیں ہوتا کیونکہ ان میں اتحاد ہوتا ہے اور عطف تو مغائرت بتلاتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے غیر ہیں حالانکہ یہ غیر تو نہیں۔ تو لہٰذا جب دو جملوں میں سے پہلا جملہ مبدل منہ کے درجے میں ہو اور دوسرا بدل کے درجے میں ہو تو پھر دونوں جملوں میں اتحاد ہے، اتحاد تام ہے یا یوں کہیں کمال اتصال ہے تو پھر واؤ نہیں لائیں گے کیونکہ واؤ تو کس پر دلالت کرتا ہے؟ مغائرت پر، حالانکہ یہاں تو مغائرت نہیں ہے بلکہ اتحاد تام ہے مناسبت ہی مناسبت ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ۔

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ کہ تم لوگ ڈرو اس ذات سے جس نے أَمَدَّكُمْ تمہاری مدد کی بِمَا تَعْلَمُونَ اس چیز کے ساتھ جو تم جانتے ہو۔ اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی بِمَا تَعْلَمُونَ ان چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو۔ اب جتنی نعمتیں انسان جانتا ہے وہ سب اس میں آگئیں: دیکھنے کی نعمت بھی، سونگھنے کی نعمت بھی، چکھنے کی نعمت بھی، کھانے کی نعمت بھی، صحت کی نعمت بھی، گھر کی نعمت بھی، ساتھیوں کی نعمت بھی، اسی طرح بیوی کی نعمت بھی، اور اولاد کی نعمت بھی، باغات کی نعمت بھی، اسی طرح کاروبار کی نعمت بھی، مال و دولت کی نعمت بھی، ساری نعمتیں اس کے اندر آگئیں جن جن کو انسان جانتا ہے۔ أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ اس ذات نے تمہاری مدد کی بِمَا تَعْلَمُونَ ان چیزوں کے ساتھ جو تم جانتے ہو۔ اور دیکھیے اس میں حضرت ہود علیہ السلام اللہ کی نعمتوں پر ان لوگوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو اللہ نے تمہیں کیا کیا نعمتیں دی ہیں، اللہ نے تمہیں وہ سب نعمتیں دی ہیں جن کو تم جانتے ہو۔ تو یہاں اجمالاً جتنی نعمتیں جو وہ جانتے تھے سب آگئیں لیکن ان کے علم کے حوالے ہو گئیں کہ جن کو تم جانتے ہو، نعمتوں کا ذکر نہیں آیا بلکہ صرف کیا کہا گیا؟ جن نعمتوں کو تم جانتے ہو۔ تو اجمالاً ساری نعمتیں آگئیں اس کے اندر جن جن کو وہ جانتے تھے، لیکن یہ مقام تفصیل کا تقاضا کرتا تھا کہ کچھ ان نعمتوں کو بیان کیا جائے بھئی۔ کیونکہ ان کو متنبہ کر رہے ہیں اللہ کی نعمتوں پر تاکہ وہ اللہ کا شکر بجا لائیں اور توحید کی طرف آجائیں اور غلط راستوں کو چھوڑ دیں گمراہی کو چھوڑ دیں، تو یہ مقام کیا تقاضا کرتا ہے کہ اجمالی بات نہ کی جائے بلکہ کیا کیا جائے؟ تفصیلی کلام کیا جائے۔ چنانچہ اسی لیے آگے فوراً انہوں نے کیا کیا اس کی کچھ نعمتوں کی جو بڑی بڑی نعمتیں تھیں ان کی تفصیل بیان فرمائی اور آگے کیا فرماتے ہیں: أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ، اللہ نے تمہاری مدد کی مویشیوں کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ اور باغات کے ساتھ اور چشموں کے ساتھ بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں دیکھیے دو جملے ہیں: أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ یہ پہلا جملہ اور أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ یہ کیا ہے؟ دوسرا جملہ، اور یہ دوسرا جملہ اسی پہلے جملے کے اجمال کی تفصیل کر رہا ہے۔ اور نیز دیکھیے بھئی دوسرے جملے کو بدل قرار دیا اور یاد رکھیے یہ بدل البعض کے درجے میں ہے۔ کس درجے میں ہے؟ بدل البعض۔ بھئی جب کہا حضرت ہود علیہ السلام نے أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ اللہ نے تمہاری مدد کی ان نعمتوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو، آگے چار پانچ نعمتیں گنوا دیں تو یہ چار پانچ وہ ساری ہیں جن کو وہ جانتے ہیں یا ان میں سے بعض ہیں؟ یہ ان میں سے بعض ہیں تو یہ کیا ہے؟ بدل البعض ہے بھئی۔ تو پہلا جملہ ہوا مبدل منہ کے درجے میں اور دوسرا جملہ کس کے درجے میں؟ بدل کے درجے میں۔ اور مبدل منہ اور بدل میں کامل اتحاد ہوتا ہے اسی لیے درمیان میں واؤ کو ذکر نہیں کیا گیا، وَأَمَدَّكُمْ نہیں کہا گیا بلکہ کیا کہا گیا؟ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو پہلے جملے میں کیا تھا؟ اجمال، دوسرے میں اسی کی کچھ تفصیل آگئی۔ تو ہے دونوں جملوں میں اتحاد، جو بات پہلے میں کی جا رہی ہے

وہی بات دوسرے جملے میں بھی کی جارہی ہے ہاں پہلے جملے میں وہی بات اجمالاً ہے دوسرے میں کیا ہے؟ تفصیلاً ہے بھئی، تو یہاں اتحاد تام ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

أَوْ بِأَنْ تَكُونَ بَيَانًا لَهَا یا اتحاد تام بایں صورت ہو گا کہ دوسرا جملہ بَيَانًا لَهَا پہلے کے لیے کیا ہو گا؟ بیان ہو گا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ تو وسوسہ ڈالا شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو، قَالَ اور کہا يَا آدَمُ اے آدم هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ہمیشگی کے درخت پر؟ کس پر؟ ہمیشگی کے، ہمیشہ رہنے والے یعنی وہ درخت کہ جو اس کو کھالے گا وہ ہمیشہ رہے گا بھئی، ہمیشگی کا درخت۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ تو شیطان نے وسوسہ ڈالا حضرت آدم علیہ السلام کو۔ بھئی یاد رکھیے وسوسہ کے معنی ہوتے ہیں کسی کو ورغلانا۔ وسوسے کا کیا معنی؟ کسی کو ورغلانا، غلط چیز پر ابھارنا، تیار کرنا یہ کیا کہلاتا ہے؟ وسوسہ۔ تو شیطان بھی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آیا اور جس درخت کے اور پھل کے کھانے سے اللہ نے منع فرمایا تھا اس کے کھانے کے لیے ان کو تیار کرنے لگا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، تو حضرت آدم علیہ السلام جو ہے اس کی باتوں میں آگئے، وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی شخص اللہ کی قسم کھا کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو اب اس جملے میں آیا فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ شیطان نے ان کو ورغلایا، شیطان نے ان کو وسوسہ ڈالا۔ بھئی کیا وسوسہ ڈالا؟ اس میں خفا تھا۔ اگلے جملے نے اس کی تفصیل کر دی اس کی وضاحت کر دی کہ یہ وسوسہ ڈالا: قَالَ کہنے لگا يَا آدَمُ اے آدم هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ہمیشہ رہنے کے درخت پر بھئی؟ تو یہ اگلا جملہ اسی کو بیان کر رہا ہے، اسی وسوسے کو بیان کر رہا ہے کہ یہ وسوسہ ڈالا۔ تو یہاں پر بھی دیکھیے دونوں جملوں میں اتحاد تام ہے۔ جو بات پہلے میں کہی گئی وہی بات دوسرے میں بھی ہے البتہ پہلے کے اندر کچھ خفا تھا دوسرے میں کیا آگئی اس کی؟ وضاحت آگئی۔ تو یہ دوسرا جملہ پہلے کے لیے بیان کے درجے میں ہے۔ کس درجے میں ہے؟ بیان کے درجے میں۔ تو پہلا جملہ ہوا مبین اور دوسرا کیا ہوا اس کے لیے؟ بیان، اور مبین اور بیان کے درمیان کامل اتحاد ہوتا ہے تو لہٰذا یہاں فصل کیا جائے گا واؤ نہیں لائیں گے۔ فصل کیوں کریں گے؟ کیونکہ اگر واؤ لائیں گے تو واؤ تو مناسبت کے ساتھ ساتھ کچھ مغائرت پر بھی دلالت کرتا ہے اور یہاں تو مغائرت ہے ہی نہیں، جو بات پہلے جملے میں ہے وہی بات دوسرے جملے میں، ہاں صرف پہلے جملے میں کچھ خفا ہے دوسرے میں کیا ہے؟ کچھ تفصیل ہے اس کی بیان ہے اس کا اس کی وضاحت ہے۔ تو یہاں پر پہلا جملہ کیا ہے؟ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ یہ ہے پہلا جملہ، قَالَ يَا آدَمُ یہ آگے آخر تک یہ کیا ہے؟ دوسرا جملہ۔ تو قَالَ سے پہلے دیکھو واؤ نہیں لایا گیا، وَقَالَ نہیں کہا گیا کیونکہ یہ جملہ کیا بن رہا ہے؟ بیان ہے پہلے جملے کے لیے۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «أَوْ بِأَنْ تَكُونَ مُؤَكِّدَةً لَهَا» کی تشریح

أَوْ بِأَنْ تَكُونَ مُؤَكِّدَةً لَهَا یا بایں صورت کہ دوسرا جملہ مؤکد ہو، تاکید پیدا کرنے والا ہو پہلے جملے میں۔ تو پہلا جملہ مؤکد، دوسرا کیا ہوا؟ تاکید۔ نَحْوُ مثال کے طور پر فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔ تو یہاں دو جملے آئے: فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ ایک یہ جملہ، أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا یہ دوسرا جملہ ہے، اور درمیان میں واؤ کو ذکر نہیں کیا گیا، أَمْهِلْهُمْ سے پہلے واؤ ہے؟ واؤ کو ذکر نہیں کیا گیا۔ کیوں؟ اس لیے کیونکہ یہ دوسرا جملہ پہلے جملے کے لیے تاکید ہے۔ کیا ہے؟ تاکید ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زید ثانی کو کیا کہتے ہیں؟ پہلے لفظ کے لیے تاکید کہتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ اس کا کوئی اور الگ معنی نہیں، وہی معنی جو زید کا تھا اسی معنی کو دوسرا لفظ زید بھی کیا کر رہا ہے؟ پکا کر رہا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تاکید۔ تو تاکید میں مؤکد اور تاکید کا معنی ایک ہی ہوتا ہے، مؤکد جو معنی ادا کرتا ہے تاکید اسی معنی کو آکر پختہ کر دیتا ہے مضبوط کر دیتا ہے۔ تو یہاں پر بھی فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ کہ آپ ان کفار کو مہلت دے دیجیے، أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیجیے۔ تو پہلے میں بھی کیا کہا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کیا فرما رہے ہیں کہ آپ ان کفار کو تھوڑی سی مہلت دے دیجیے، دوسرے میں بھی یہی ہے أَمْهِلْهُمْ ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیجیے بھئی۔ تو پہلے میں بھی ہے ان کو مہلت دے دیجیے دوسرے جملے میں بھی کیا آیا آپ ان کو مہلت دے دیجیے بھئی۔ تو لہٰذا دوسرا جملہ پہلے کے لیے تاکید ہوا، اسی معنی کو ادا کر رہا ہے کوئی نیا معنی نہیں۔ اور دوسرا لفظ اسی معنی کو ادا کرے اسے کیا کہتے تھے؟ تاکید، تو یہ جملہ بھی کس درجے میں ہوا؟ تاکید کے درجے میں ہوا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی لیے یہاں أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا کہا گیا اس سے پہلے واؤ نہیں ذکر کیا گیا بھئی۔

آگے آرہا ہے وَيُقَالُ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ اور کہا جاتا ہے اس مقام کے اندر کہ إِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الِاتِّصَالِ کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال ہے جب دوسرا جملہ پہلے کے لیے بدل ہو یعنی بدل کے درجے میں، یا دوسرا جملہ پہلے کے لیے بیان ہو، یا دوسرا جملہ پہلے کے لیے

تاکید ہو، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ کمال اتصال۔ اور جو کمال اتصال ہو وہاں کیا کیا جاتا ہے؟ فصل کیا جاتا ہے کیونکہ اگر واؤ لائیں گے، واؤ تو کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ کچھ اتصال پر تو کچھ مغائرت پر، اور یہاں تو مغائرت ہے ہی نہیں اتحاد ہی اتحاد ہے تو لہٰذا اس مقام پر وصل نہیں کریں گے بلکہ کیا کریں گے؟ فصل کریں گے، اور قرآن میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں ان سب جگہوں میں کیا کیا گیا ہے؟ فصل کیا گیا ہے۔ تو دیکھو اس اتحاد تام کی کتنی صورتیں بیان ہوئیں؟ تین صورتیں: بِأَنْ تَكُونَ الثَّانِيَةُ بَدَلًا مِنَ الْأُولَى، دوسری صورت بِأَنْ تَكُونَ بَيَانًا لَهَا، اور تیسری بِأَنْ تَكُونَ مُؤَكِّدَةً لَهَا بھئی۔ یہ تھا پہلا مقام، یہ ساری تفصیل کس کی چل رہی تھی جب دو جملوں میں کمال اتصال ہو۔

اب دوسرا مقام آرہا ہے: اَلثَّانِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ تَبَايُنٌ تَامٌّ، دوسرا مقام یہ کہ دو جملوں کے درمیان تباین تام ہو، پوری مخالفت ہو۔ کیا ہو؟ پوری

مخالفت، کامل مخالفت، کامل مغائرت ہو بھئی۔ آگے اس کی صورت بتلا رہے ہیں کامل مغائرت کی کیا صورت ہے؟ کہتے ہیں بِأَنْ يَخْتَلِفَا خَبَرًا وَإِنْشَاءً بایں صورت کہ دونوں جملے مختلف ہیں خَبَرًا وَإِنْشَاءً خبر اور انشاء ہونے کے اعتبار سے۔ یعنی پہلا خبر یہ ہے تو دوسرا کیا ہے؟ انشائیہ، یا پہلا انشائیہ ہے تو دوسرا کیا ہے؟ خبر یہ۔ كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «وَقَالَ رَائِدُهُمْ أَرْسُوا نُزَاوِلُهَا»

وَقَالَ رَائِدُهُمْ أَرْسُوا نُزَاوِلُهَا

فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَجْرِي بِمِقْدَارِ

وَقَالَ رَائِدُهُمْ اور کہا ان کے رائد نے۔ یاد رکھیے رائد وہ شخص ہے جس کو قافلے یا لشکر سے آگے بھیجا جاتا ہے اور وہ آگے جا کر کوئی مناسب جگہ دیکھتا ہے جہاں پھر قافلہ پڑاؤ ڈال سکے یا وہ لشکر کیا کرے؟ پڑاؤ ڈال سکے۔ وجہ اس کی یہ کہ وہ جا کر پہلے ہی دیکھے گا کہ کس مقام پر سبزہ وغیرہ ہے، کس مقام پر پانی وغیرہ ہے، کون سی جگہ رہنے کے لیے مناسب ہے، کیونکہ پورا قافلہ آرہا ہے ایک دو آدمی تو ہیں نہیں تو اس قافلے کے لیے سب کے لیے پانی کی بھی ضرورت ہوگی ان سب کے جانوروں کے لیے چارے وغیرہ کی بھی ضرورت ہوگی۔ تو لہٰذا وہ شخص جس کو آگے بھیج دیا جاتا ہے اور قافلے وغیرہ کے لیے وہ مناسب جگہ دیکھتا ہے اس کو رائد کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ رَائِدٌ بھئی۔ لیکن یہاں جو رائد آیا اس سے مراد وہ شخص نہیں ہے بلکہ مراد اس سے قوم کا بہادر آدمی ہے کیونکہ بہادر آدمی بھی جو ہوتا ہے قوم کا وہ قوم کے معاملات میں آگے آگے ہوتا ہے بھئی، جنگ وغیرہ یا کوئی اس طرح کی بات ہو اس میں وہ آگے ہے۔ تو یہاں رائد سے مراد وہ بہادر آدمی ہے قوم کا بہادر۔

وَقَالَ رَائِدُهُمْ اور ان کے بہادر شخص نے کہا أَرْسُوا ٹھہر جاؤ۔ أَرْسَى يُرْسِي کے معنی ہوتے ہیں کشتی یا جہاز وغیرہ کا لنگر ڈال دینا یعنی رک جانا کنارے پر بھئی۔ تو أَرْسَى يُرْسِي کا کیا معنی ہوگا یہاں پھر؟ ٹھہر جاؤ یعنی پڑاؤ ڈال لو۔ کیا کر لو؟ پڑاؤ ڈال لو۔ تو یہ امر کا صیغہ ہے۔ نُزَاوِلُهَا، زَاوَلَ يُزَاوِلُ کے معنی ہیں علاج کرنا اور ہا ضمیر راجع ہے جنگ کو۔ کس کو راجع ہے؟ جنگ کو جس کا ذکر پچھلے اشعار میں ہے۔ وَقَالَ رَائِدُهُمْ اور کہا ان کے بہادر نے یا یوں کہیں ان کے سردار نے کہا أَرْسُوا کہ پڑاؤ ڈال لو ٹھہر جاؤ، نُزَاوِلُهَا ہم اس جنگ کا علاج کر لیتے ہیں یعنی اس جنگ سے نبٹ لیتے ہیں، ہم اس جنگ کو نبٹا لیتے ہیں یا یوں کہو ہم اس جنگ کو سرانجام دے لیتے ہیں۔ فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَجْرِي بِمِقْدَارِ، فَحَتْفُ کے اندر فاء تعلیلیہ ہے۔ فاء تعلیلیہ آپ پڑھ چکے ہوں گے نور الانوار کے اندر بھئی کہ بعض اوقات فاء کے ذریعے کسی چیز کی علت بیان کی جاتی ہے۔ کیا کیا جاتا ہے؟ علت، تو یہاں پر بھی یہ فاء آگے علت بیان کر رہی ہے تو یہاں ترجمہ کریں گے فاء کا اس وجہ سے یا ترجمہ کریں گے کیونکہ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ آگے علت بیان ہو رہی ہے نا۔ حَتْفٌ کہتے ہیں موت کو۔ كُلِّ امْرِئٍ، امْرُؤٌ آدمی شخص۔ اور يَجْرِي جاری ہوتی ہے بِمِقْدَارِ۔ مقدار یاد رکھیے یہاں تقدیر کے معنی میں ہے۔ ایک تو مقدار وہ ہے جو آپ ناپ تول وغیرہ میں جو پیمائش وغیرہ ہوتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مقدار، لیکن وہ مقدار یہاں نہیں مراد بلکہ یہ مقدار تقدیر کے معنی میں ہے اس کا بھی وہی مادہ ہے ناقَدْرٌ۔ تو یہ تقدیر کے معنی میں ہے فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَجْرِي بِمِقْدَارِ کیونکہ موت ہر شخص کی جاری ہوتی ہے تقدیر سے، کیونکہ ہر شخص کی موت تقدیر سے آتی ہے یعنی اگر اللہ نے تقدیر میں موت لکھی ہوگی تو موت آئے گی اگر اللہ نے تقدیر میں موت نہیں لکھی تو جنگ وغیرہ سے بھی کچھ نہیں ہوگا انسان پھر بھی بچ جائے گا زندہ رہے گا۔ معنی سمجھ میں آیا؟

تو دوبارہ دیکھیے ترجمہ: وَقَالَ رَائِدُهُمْ أَرْسُوا نُزَاوِلُهَا فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَجْرِي بِمِقْدَارِ، اور کہا ان کے سردار نے کہ ٹھہر جاؤ پڑاؤ ڈال لو، نُزَاوِلُهَا ہم اس جنگ کو نبٹا لیتے ہیں ہم اس جنگ کو سرانجام دے لیتے ہیں کیونکہ ہر شخص کی موت جو ہے وہ تقدیر سے جاری ہوتی ہے تقدیر سے آتی ہے اگر تقدیر میں موت ہوگی تو آئے گی ورنہ نہیں آئے گی۔ تو یہ ان کے سردار نے کہا۔ مقام استشہاد ہے یہاں أَرْسُوا نُزَاوِلُهَا۔ أَرْسُوا پہلا جملہ، نُزَاوِلُهَا دوسرا جملہ۔ اور أَرْسُوا امر ہے اور امر کیا ہوتا ہے؟ انشاء۔ اور نُزَاوِلُهَا یہ دوسرا جملہ ہے فعل مضارع ہے تو یہ جملہ خبر یہ ہوا۔ پہلے میں حکم ہے ٹھہر جاؤ اور دوسرے میں ہے نُزَاوِلُهَا ہم اس جنگ کو نبٹا لیتے ہیں تو اس میں خبر دی جا رہی ہے اس میں حکم نہیں ہے۔ تو پہلا جملہ ہوا انشائیہ دوسرا جملہ ہوا خبر یہ۔ اور جملہ خبر یہ اور انشائیہ دونوں بالکل الگ الگ قسمیں ہیں تو ان میں پورا کامل انقطاع ہے پوری مخالفت ہے تو لہٰذا یہ کون سا مقام ہوگا؟ فصل کا، تو فصل ہونا چاہیے واؤ کو ذکر نہیں ہونا چاہیے اور شاعر نے بھی واؤ کو ذکر نہیں کیا بھئی۔ حالانکہ یہ اسی قَالَ کا مقولہ ہے: أَرْسُوا اس نے کیا کہا ٹھہر جاؤ، وَنُزَاوِلُهَا بظاہر کوئی عام آدمی ہو جس کو بلاغت کے قواعد نہیں پتہ وہ تو کیا کہے گا؟ یہ بھی مقولہ اگلا نُزَاوِلُهَا یہ بھی کیا ہے؟ مقولہ ہے یہ تو ایک ہی چیز ہے دونوں مقولے ہیں تو تعلق تو ان میں ہے، لیکن بلاغت کے اعتبار سے آپ دیکھیں بھئی کتنی گہری بات ہے بے شک مقولہ ہے کچھ بھی ہے لیکن پہلا جملہ کیا ہے؟ انشائیہ، دوسرا کیا ہے؟ خبر یہ۔ اور خبر اور انشاء بالکل ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو ان میں کوئی مناسبت نہیں اور واؤ تو کچھ نہ کچھ مناسبت بھی چاہتا ہے اور یہاں تو مخالفت ہی مخالفت ہے تو لہٰذا واؤ نہیں لائیں گے۔

أَوْ بِأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا مُنَاسَبَةٌ فِي الْمَعْنَى دوسری صورت بھئی، بایں صورت۔ پہلے کیا تھا تباین تام کہ دو جملوں کے درمیان کامل تباین ہو، اس کی ایک

صورت بیان کر دی کہ کیا دونوں جملے آپس میں مختلف ہوں ایک خبر ہے تو دوسرا انشاء ہے۔ اب دوسری صورت اسی تباین تام کی بتلا رہے ہیں أَوْ بِأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا مُنَاسَبَةٌ فِي الْمَعْنَى یا یاں صورت کہ ان دونوں جملوں کے درمیان کوئی مناسبت نہ ہو فِي الْمَعْنَى کس کے اندر؟ معنی کے اندر۔ بھئی دیکھیے آپ کے پاس دو جملے ہیں اور دونوں جملے خبر یہ ہیں یا دونوں انشائیہ ہیں، لیکن واؤ کے ساتھ جب عطف کرنا ہے تو صرف خبر یا انشاء ہونا کافی نہیں دونوں جملوں میں بلکہ مزید کیا دیکھنا پڑے گا؟ مناسبت۔ کیا مناسبت؟ کہ پہلے جملے کا مسند اور دوسرے جملے کا مسند ان میں بھی کیا ہو؟ مناسبت، اور پہلے جملے کے مسند الیہ اور دوسرے جملے کے مسند الیہ میں بھی کیا ہو؟ مناسبت۔ اگر مناسبت ان میں ہو گی تو پھر کیا کریں گے؟ عطف کریں گے واؤ کے ساتھ ورنہ عطف نہیں کریں گے۔ كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول: عَلِيٌّ كَاتِبٌ علی کاتب ہے لکھنے والا ہے، اَلْحَمَامُ طَائِرٌ کبوتر اڑنے والا ہے یعنی کبوتر پرندہ ہے۔ اب دیکھیے دونوں جملے عَلِيٌّ كَاتِبٌ یہ بھی جملہ خبر یہ، اَلْحَمَامُ طَائِرٌ یہ بھی کیا ہے؟ جملہ خبر یہ۔ لیکن واؤ کو ذکر نہیں کیا گیا فصل کیا گیا۔ کیوں فصل کیا گیا؟ کیونکہ ان کے معنی میں کوئی مناسبت نہیں ہے، پہلے جملے کا مسند الیہ ہے عَلِيٌّ، دوسرے جملے کا مسند الیہ ہے اَلْحَمَامُ کبوتر، اور علی اور کبوتر اس میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ تو علی پہلے جملے کا مسند الیہ اور کبوتر دوسرے جملے کا مسند الیہ۔ اور پہلے جملے کا مسند ہے كَاتِبٌ اور دوسرے جملے کا مسند ہے طَائِرٌ، تو لکھنے والا اور دوسرا ہوا اڑنے والا دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔ تو یہاں پر جب دونوں جملوں میں پوری مخالفت ہے کوئی مناسبت نہیں تو پھر کیا کیا جائے گا؟ فصل کیا جائے گا کیونکہ اگر آپ وصل کرنا چاہتے ہیں واؤ لانا چاہتے ہیں تو واؤ تو مخالفت کے ساتھ ساتھ کچھ مناسبت بھی چاہتا ہے اور یہاں تو کوئی مناسبت ہے ہی نہیں بلکہ صرف کیا ہے؟ مخالفت ہی مخالفت ہے یعنی مغائرت ہی مغائرت ہے۔

■ قولہ: «فَإِنَّهُ لَا مُنَاسَبَةَ فِي الْمَعْنَى بَيْنَ...» کی تشریح

دیکھیے یہی بات آگے بیان کریں گے: فَإِنَّهُ لَا مُنَاسَبَةَ فِي الْمَعْنَى بَيْنَ كِتَابَةِ عَلِيٍّ وَطَيَرَانِ الْحَمَامِ، اس لیے کیونکہ کوئی مناسبت نہیں ہے معنی کے اندر، کون سے معنی میں؟ بَيْنَ كِتَابَةِ عَلِيٍّ علی کی کتابت علی کے لکھنے میں وَطَيَرَانِ الْحَمَامِ، طَيَرَانِ یاء پر بھی فتحہ پڑھنا بھئی، وَطَيَرَانِ الْحَمَامِ اور کبوتر کے اڑنے میں۔ اس لیے کیونکہ کوئی مناسبت نہیں ہے کتابت علی اور کبوتر کے اڑنے کے درمیان بھئی۔ وَيُقَالُ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ اور کہا جاتا ہے اس مقام میں کہ إِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الِانْقِطَاعِ کہ دو جملوں کے درمیان کیا ہے؟ کمال انقطاع ہے بھئی۔ تو کمال انقطاع کی دو صورتیں ذکر کر دیں: پہلی صورت کیا کہ دونوں جملے مختلف ہوں خبر اور انشاء ہونے کے اعتبار سے، اور دوسری صورت کمال انقطاع کی کیا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان معنی میں کوئی مناسبت نہ ہو بھئی۔

آگے میری کتاب میں ہے كَمَا يُقَالُ فِي الْمَوْضِعِ الثَّانِي مِنَ الْوَصْلِ۔ یاد رکھیے یہ انہوں نے کتاب کا حصہ بنا دیا، حالانکہ یہ حاشیہ ہے: كَمَا يُقَالُ فِي الْمَوْضِعِ الثَّانِي مِنَ الْوَصْلِ وَالْعَطْفُ هُنَاكَ لِدَفْعِ الْإِيهَامِ۔ یاد رکھیے یہ حاشیہ ہے، یہ کتاب کے اندر انہوں نے داخل کر دیا حالانکہ یہ حاشیہ ہے۔ ہاں دیکھیے آپ کی بھی بعض کتابوں میں یہ حاشیے ہی کی صورت میں انہوں نے دیا ہوا ہے۔ یہ عبارت ملی ہے بھئی؟ جن کو کتاب میں نہیں ملی اس کا مطلب ہے ان کے حاشیے میں الگ دی ہو گی۔ جن کی کتاب میں ہے تو یہ ہونا حاشیے میں چاہیے اس کو بھئی۔ اور یہ انہی مصنفین نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ کس نے کیا ہے؟ انہی مصنفین نے اس کا اضافہ کیا۔ ایک کتاب تیار کر دی جاتی ہے بعض اوقات اور پھر کوئی چیز اس میں رہ جاتی ہے تو بعض اوقات مصنف کیا کرتا ہے اسی کے حاشیے پر اس کو درج کر دیتا ہے اور اس کو مَنْهِيَّةٌ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ منہیہ۔ یہ حاشیہ اس کو منہیہ کہتے ہیں یہ مِنْهُ سے ہے یعنی اسی کی جانب سے ہے۔ جس کی یہ کتاب ہے یہ بھی مِنْهُ اسی کی جانب سے ہے اور پھر اسی کے ساتھ یاء مشدد اور تاء ملالی جاتی ہے مَنْهِيَّةٌ کہتے ہیں۔ تو یہ منہیہ ہے یاد رکھیے بھئی۔ دکھائیے کتاب بھئی۔ ہاں دیکھا بھئی یہ دیکھو آپ کی کتاب میں یہ جو عبارت دی ہوئی ہے كَمَا يُقَالُ فِي الْمَوْضِعِ الثَّانِي مِنَ الْوَصْلِ وَالْعَطْفُ هُنَاكَ لِدَفْعِ الْإِيهَامِ یہ جن کتابوں میں حاشیے میں دیا ہوا ہے اسی کے آگے مِنْهُ دیکھو دیا ہوا ہے کہ اسی مصنف کی طرف سے ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ منہیہ کہتے ہیں۔

تو یہاں کہا جاتا ہے کہ ان دونوں جملوں کے درمیان کمال انقطاع ہے۔ آگے حاشیے میں کیا تھا كَمَا يُقَالُ فِي الْمَوْضِعِ الثَّانِي مِنَ الْوَصْلِ جیسے کہ کہا جاتا ہے وہ جو دوسری جگہ تھی وصل کے اندر۔ بھئی وصل کے اندر دوسری جگہ کیا آئی تھی پیچھے ذرا نکالیں بھئی۔ وصل میں پہلی جگہ ذرا دیکھیں: توسط بین الکمالین بغیر ایہام۔ اور دوسری جگہ کیا تھی؟ لَا وَشَفَاهُ اللهُ۔ لَا تھا جملہ خبر یہ اور شَفَاهُ اللهُ جملہ انشائیہ اور دونوں میں کیا ہے؟ کمال انقطاع ہے لیکن فصل کریں تو خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے کہ شاید بد دعا دی جا رہی ہے تو فصل نہیں کیا گیا بلکہ واؤ کو لایا گیا۔ تو اس کو کیا کہتے تھے؟ کمال انقطاع مع ایہام۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ یہ جو ہم نے ابھی اوپر دو جگہیں ذکر کر دیں اس قسم کے مقام پر کہتے ہیں إِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الِانْقِطَاعِ کہ دو جملوں کے اندر کیا ہے؟ کمال انقطاع ہے، كَمَا يُقَالُ فِي الْمَوْضِعِ الثَّانِي مِنَ الْوَصْلِ جیسے کہ کہا جاتا ہے وہ جو دوسری جگہ ہے کس کے اندر؟ وصل کے اندر، وہاں بھی کیا تھا؟ کمال انقطاع تھا جیسے یہاں پر کیا ہے؟ کمال انقطاع ہے۔ وَالْعَطْفُ هُنَاكَ لِدَفْعِ الْإِيهَامِ اور عطف وہاں پر ایہام کو دور کرنے کے لیے تھا۔ وہ بھی یہی فصل والا مقام تھا لیکن وہاں پر وصل کیا گیا واؤ ذکر کیا گیا کس لیے؟ ایہام کو دور کرنے کے لیے کیونکہ وہاں خلاف مقصود کا وہم پڑتا تھا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ بھی ہے کمال انقطاع لیکن یہ ہوا کمال انقطاع بغیر ایہام اور وہ کیا تھا؟ کمال انقطاع مع ایہام وہ جو وصل کے اندر ذکر ہوا۔ یہاں تک سب کو بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ فصل کی انہوں نے بتلایا پانچ جگہیں ہیں، پانچ میں سے دو جگہیں آج ہم نے پڑھ لیں بھئی: پہلا جب دو جملوں میں کیا ہو؟ کمال اتصال ہو اور اس

کی تین صورتیں تھیں کہ دوسرا جملہ بدل ہو یا بیان ہو یا تاکید ہو۔ اور دوسرا مقام جہاں دو جملوں میں کمال انقطاع ہو اور اس کی دو صورتیں بتلائیں کہ پہلا اور دوسرا جملہ خبر اور انشاء ہونے میں مختلف ہوں ایک خبر یہ ہو تو دوسرا انشائیہ ہو بھئی، اور اسی کی دوسری صورت یہ بتلائی کہ دونوں جملوں کے درمیان معنی کے اندر کوئی مناسبت موجود نہ ہو تو یہ دونوں جملوں میں کمال انقطاع ہو گا اور پھر یہاں فصل کریں گے۔ ہاں اگر اسی میں خلاف مقصود کا وہم پڑے تو پھر فصل نہیں کریں گے بلکہ کیا کر دیں گے؟ وصل کریں گے اور اس کو ہم وصل کے اندر ذکر کر چکے بھئی۔ جی چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۸: مواضعِ فصل کی تکمیل: شبہِ کمالِ اتصال (استئنافِ بیانی)، شبہِ کمالِ انقطاع اور توسط بین الکمالین مع الایہام

دروس البلاغہ صفحہ: ۷۴ــــ بتاریخ: ۶ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلثَّالِثُ كَوْنُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جَوَابًا عَنْ سُؤَالٍ نَشَأَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْأُولَى، كَقَوْلِهِ:

زَعَمَ الْعَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ

صَدَقُوا وَلَكِنْ غَمْرَتِي لَا تَنْجَلِي

كَأَنَّهُ قِيلَ: أَصَدَقُوا فِي زَعْمِهِمْ أَمْ كَذَبُوا؟ فَقَالَ: صَدَقُوا۔ وَيُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ شِبْهُ كَمَالِ اتِّصَالٍ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

فصل اور وصل کا باب چل رہا ہے اور آپ نے پڑھا کہ دو جملوں کے درمیان پانچ قسم کا تعلق ہو سکتا ہے: یا تو دو جملوں میں کمال اتصال ہو گا، یا کمال انقطاع ہو گا، یا شبہ کمال اتصال ہو گا، یا شبہ کمال انقطاع ہو گا، اور یا دو جملوں میں توسط بین الکمالین ہو گا۔ اور ان میں سے پہلے چار جو ہیں یہ فصل کے مقامات ہیں جبکہ توسط بین الکمالین یہ وصل کا مقام ہے۔ اور ان میں سے پھر کمال انقطاع جو ہے وہ مع ایہام کے ہو گا یا بغیر ایہام ہو گا۔ اگر بغیر ایہام ہو تو فصل ہی کیا جائے گا اس میں لیکن اگر مع ایہام ہو تو پھر فصل کو چھوڑ کر کسے اختیار کیا جائے گا؟ وصل کو اختیار کیا جائے گا۔ اسی طرح توسط بین الکمالین بھی وہ بھی یا تو بغیر ایہام ہو گا یا مع ایہام۔ اگر بغیر ایہام ہے تو وصل ہی پر عمل کیا جائے گا اور اگر مع ایہام ہے تو وصل کو چھوڑ کر فصل کو اختیار کیا جائے گا۔ تو کل سات جگہیں ہوئیں جن میں سے دو وصل والی ہو گئیں اور پانچ کون سی؟ فصل والی۔

اور فصل کی جو پانچ جگہیں ہیں وہ کل کے سبق میں ہم نے پڑھنا شروع کی تھیں اور کل دو جگہیں ان میں سے گزری تھیں: ایک کمال اتصال اور ایک کمال انقطاع بھئی۔ اور پھر دونوں میں سے ہر ایک کی کئی کئی صورتیں ذکر ہوئی تھیں۔ کمال اتصال کی تین صورتیں انہوں نے ذکر کی تھیں کہ مثلاً دوسرا جملہ پہلے سے بدل واقع ہو، یا دوسرا جملہ پہلے کے لیے بیان واقع ہو، یا دوسرا جملہ پہلے کے لیے تاکید واقع ہو۔ تو اس صورت میں بدل اور مبدل منہ، اسی طرح بیان اور مبین کے درمیان، اور اسی طرح تاکید اور مؤکد کے درمیان کمال اتصال ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ کمال اتصال۔ جبکہ کمال انقطاع کی دو صورتیں انہوں نے ذکر کیں کہ دو جملوں میں کمال انقطاع ہو گا بایں صورت کہ دونوں جملے خبر اور انشاء ہونے کے اعتبار سے مختلف ہیں: ایک جملہ خبر یہ ہے تو دوسرا جملہ انشائیہ ہے، یا پہلا انشائیہ ہے تو دوسرا خبر یہ ہے، اور خبر اور انشاء کے درمیان کوئی تعلق نہیں تو اسے کیا کہیں گے؟ کمال انقطاع۔ یا اسی کی دوسری صورت یہ کہ دو جملے ہیں تو ایک ہی نوع کے مثلاً دونوں ہی خبر یہ ہوں لیکن ان کے معنی میں کوئی مناسبت نہیں ہے، یعنی دونوں کے مسند الیہ میں بھی کوئی مناسبت نہیں اور مسند میں بھی کوئی مناسبت نہیں، تو اس کو بھی کیا کہیں گے؟ کمال انقطاع۔

جی آج ہم تیسرا مقام پڑھیں گے بھئی۔ تو کل پانچ جگہیں ہیں: کمال اتصال بھی بیان ہوا، کمال انقطاع بھی بیان ہوا۔ اب بیان ہوں گی تین جگہیں: ایک شبہ کمال اتصال، ایک شبہ کمال انقطاع، اور ایک توسط بین الکمالین مع ایہام بھئی۔ یہ تین جگہیں آج ہم پڑھیں گے بھئی۔ تو کہتے ہیں اَلثَّالِثُ تیسرا مقام جو ہے فصل کا: كَوْنُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جَوَابًا عَنْ سُؤَالٍ نَشَأَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْأُولَى، دوسرے جملے کا جواب ہونا عَنْ سُؤَالٍ ایک ایسے سوال سے نَشَأَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْأُولَى جو پیدا ہوا ہے

پہلے جملے سے۔ سُؤَالٍ نکرہ آیا، نکرہ کے بعد نَشَأَ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ کہ كَوْنُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جَوَابًا وہ دوسرے جملے کا جواب ہونا ہے عَنْ سُؤَالٍ ایسے سوال کا نَشَأَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْأُولَى جو کس سے پیدا ہوا؟ جملہ اولیٰ سے۔

بھئی دیکھیے آپ ایک کلام مثلاً کرتے ہیں اور اس میں دو جملے آئے۔ اور جو پہلا جملہ ہے اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے، تو دوسرے جملے کو آپ بطور جواب کے لاتے ہیں وہ جو سوال مقدر پیدا ہوا۔ لفظوں میں تو وہ سوال نہیں ذکر لیکن پہلا جملہ سنتے ہی سامع کے سننے والے کے ذہن میں سوال ابھرتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے، تو آپ اس کے پوچھنے سے پہلے خود ہی کیا کر دیتے ہیں؟ آگے اس کا جواب ذکر کر دیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ آپ نے ایک جملہ ذکر کیا اور اس جملے کے سننے سے سننے والے کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، تو آپ خود ہی کیا کرتے ہیں اس کے پوچھنے سے پہلے ہی جیسے ہی پہلا جملہ ذکر کیا اسی سے وہ سوال پیدا ہو سکتا تھا تو آپ سوال کا انتظار نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی کیا کر دیتے ہیں؟ اس کے جواب کو بھی خود ہی ذکر کر دیتے ہیں بھئی۔ تو یہاں اس پہلے جملے ہی کو جس سے سوال پیدا ہوا تھا اس کو سوال کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے۔ وہ جملہ سوال تو نہیں پہلا لیکن اس سے کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ سوال پیدا ہو سکتا ہے سننے والے کے ذہن میں سوال ابھر سکتا ہے، تو اس پہلے جملے کو سوال ہی کے درجے میں اتار لیا گیا، وہ سوال تو نہیں لیکن اس سے سوال پیدا ہو سکتا ہے تو اس کو کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ سوال، اور دوسرا جملہ آگے وہ جواب ذکر ہو گیا۔ اور سوال اور جواب میں اتصال ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ سوال اور جواب میں اتصال ہوتا ہے، لیکن یہ جو پہلے اتصال گزرا تھا وہ بدل کے اندر، وہ بیان اور تاکید کے اندر اس جیسا اتصال نہیں کیونکہ وہاں پر دونوں جملوں میں اتحاد ہوتا تھا۔ کیا ہوتا تھا؟ اتحاد ہوتا تھا۔ کیونکہ بدل میں وہی پہلے جملے کے اندر اجمال ہوتا تھا دوسرا اسی کی کیا کرتا تھا؟ تفصیل، یا پہلے جملے کے اندر خفا ہوتا تھا دوسرا جملہ اس کی وضاحت کرتا تھا، یا پہلے جملے کا جو معنی ہوتا تھا دوسرا جملہ اسی کو پکا کرتا تھا اسی کو پختہ کرتا تھا، تو ان میں تو اتحاد کامل تھا لیکن سوال اور جواب میں جو اتصال ہے وہ اس طرح نہیں یعنی اس طرح کا اتحاد نہیں ہے ان میں۔ ہاں یہ اس کے مشابہ ہے، جیسے وہاں پر بدل ہمیشہ مبدل منہ کے بعد آتا ہے اور بغیر مبدل منہ کے نہیں پایا جاتا، اسی طرح بیان ہمیشہ مبین کے بعد آتا ہے اور بغیر مبین کے بیان نہیں پایا جاتا، اور اسی طرح تاکید مؤکد کے بعد آتی ہے اور بغیر مؤکد کے نہیں پائی جاتی، اسی طرح جواب بھی ہمیشہ سوال کے بعد آتا ہے اور بغیر سوال کے جواب نہیں پایا جاتا تو یہ اس کے ساتھ مشابہ ہے۔ ان میں تو کامل اتحاد تھا یہاں پر سوال تو اور ہوتا ہے جواب اس کا اور ہوتا ہے، ان میں کامل اتحاد تو نہیں لیکن یہ اس کے مشابہ ضرور ہے۔ اور کس اعتبار سے مشابہ ہے کہ جیسے وہاں پر دوسرا جملہ پہلے کے بعد آتا تھا اور دوسرا جملہ پہلے کے بغیر نہیں پایا جاتا، دوسرا جملہ پہلے کے بعد آتا تھا کیسے؟ بدل کس کے بعد آتا ہے؟ مبدل منہ کے بعد، اور بیان کس کے بعد آتا ہے؟ مبین کے بعد، اور تاکید کس کے بعد آتی ہے؟ مؤکد کے بعد آتی ہے، اور بدل بغیر مبدل منہ کے پایا بھی نہیں جاتا، بیان بغیر مبین کے پایا بھی نہیں جاتا، اور تاکید بغیر مؤکد کے پائی بھی نہیں جاتی، اسی طرح یہاں بھی ایسا ہے جواب ہمیشہ سوال کے بعد آتا ہے اور جواب کبھی بھی سوال کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ تو یہ اس کے مشابہ ہوا تو اس کو کہتے ہیں شبہ کمال اتصال۔ کیا کہتے ہیں؟ شبہ کمال اتصال۔ اور کمال اتصال میں تو فصل کرتے تھے تو جو اس جیسا ہوا اس کے مثل ہوا اس میں بھی کیا کریں گے؟ فصل ہی کریں گے۔ تو یہ تیسرا مقام ہوا فصل کا۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں اَلثَّالِثُ تیسرا مقام فصل کا كَوْنُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جَوَابًا عَنْ سُؤَالٍ نَشَأَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْأُولَى وہ دوسرے جملے کا جواب ہونا ہے ایسے سوال سے جو پیدا ہوا پہلے جملے سے، كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «زَعَمَ الْعَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ»

زَعَمَ الْعَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ

صَدَقُوا وَلَكِنْ غَمْرَتِي لَا تَنْجَلِي

زَعَمَ الْعَوَاذِلُ، زعم گمان کرنا۔ عَوَاذِلُ، یاد رکھیے عواذل جمع ہے عَاذِلَةٌ کی، عَاذِلٌ کی نہیں کیونکہ عَاذِلٌ کی جمع فَوَاعِلُ وزن پر نہیں آتی بھئی۔ تو یہ عَاذِلَةٌ کی جمع ہے۔ اور عَاذِلَةٌ اس کے آخر میں تو تانیث والی تاء ہے، عَذْلٌ کے معنی ہوتے ہیں ملامت کرنا، برا بھلا کہنا۔ کیا کہنا؟ برا بھلا کہنا، ملامت کرنا۔ تو اب عَاذِلَةٌ کا یہ معنی نہیں کہ یہ کوئی ملامت کرنے والی عورتیں ہیں، بلکہ یہ عَاذِلَةٌ میں تاء تانیث والی جو آئی وہ جماعت کے اعتبار سے ہے۔ کس اعتبار سے؟ جماعت۔ تو ملامت کرنے والی جماعتیں مراد ہیں اور ہیں مذکر ہی، ملامت کرنے والے مذکر ہیں لیکن ان کی جماعتیں مراد ہیں اور جَمَاعَةٌ کا لفظ آپ عربی میں لکھیں تو عین کے ساتھ گول تاء آئے گی جَمَاعَةٌ تو اس کی صفت بھی کیا آئے گی؟ عَاذِلَةٌ واحد مؤنث آئے گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اچھا اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اتنی لمبی بات کی، آپ نے کہا یہ عَاذِلَةٌ کی جمع ہے ٹھیک ہے یہ بات تو واضح ہو گئی لیکن آپ نے کہا ملامت کرنے والی عورتیں نہیں ہیں بلکہ کون ہیں؟ مرد ہیں، مردوں کی جماعتیں ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ اگر مرد ہیں وہ تو پھر عَاذِلٌ ہو املامت کرنے والا عاذل اور اس کی جمع تو عواذل نہیں آتی، تو جواب یہ کہ ہیں مرد ہی لیکن یہاں جماعت کے معنی میں ہیں یعنی یہ عَاذِلَةٌ أَيْ جَمَاعَةٌ عَاذِلَةٌ، اور اس اعتبار سے یہ جمع لائی گئی کہ ملامت کرنے والوں کی جماعتیں۔ تو

دلیل کیا ہے اس کی کہ اس سے مرد مراد ہیں؟ جواب یہ کہ اگلے مصرعے کے شروع میں آرہا ہے صَدَقُوا، دیکھو مذکر کا صیغہ ہے بھئی۔ کون سا صیغہ ہے؟ مذکر کا، معلوم ہوا کون ہیں ملامت کرنے والے؟ مذکر ہیں مرد ہیں عورتیں نہیں، تو یہ صَدَقُوا کا صیغہ بتلا رہا ہے ورنہ تو ہونا چاہیے تھا صَدَقْنَ۔ کیا ہونا چاہیے تھا؟ اگر مؤنث ہوتیں تو صَدَقْنَ ہوتا۔

زَعَمَ الْعَوَاذِلُ گمان کیا ہے ملامت کرنے والوں نے یعنی ملامت کرنے والی جماعتوں نے ان کا گمان یہ ہے کہ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ، غمرہ کہتے ہیں مصیبت کو اور سختی کو، گمان کیا ہے ملامت کرنے والوں نے أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ کہ میں جو ہوں مصیبت میں ہوں، میں سختی کے اندر ہوں، میں شدت کے اندر ہوں۔ سوال پیدا ہوا کیا وہ اپنے گمان میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟ أَصَدَقُوا فِي زَعْمِهِمْ أَمْ كَذَبُوا؟ کیا وہ اپنے گمان میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟ تو پہلا جملہ یہ ہے زَعَمَ الْعَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ گمان کیا ہے ملامت کرنے والوں نے کہ میں مصیبت کے اندر ہوں، تو سوال پیدا ہوا کہ کیا وہ اپنے گمان میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟ تو اس کا جواب آگے شاعر نے دے دیا صَدَقُوا وہ سچے ہیں وَلَكِنْ غَمْرَتِي لَا تَنْجَلِي لیکن میری مصیبت جو ہے لَا تَنْجَلِي وہ دور ہونے والی نہیں ہے۔ اور مصیبتیں تو دور ہو جاتی ہیں ختم ہو جاتی ہیں لیکن میری مصیبت ایسی ہے جو ختم ہونے والی نہیں ہے بھئی۔

تو مقام استشہاد ہے بھئی کہ پہلا جملہ ہے زَعَمَ الْعَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ اور دوسرا جملہ ہے صَدَقُوا۔ کیا جملہ ہے؟ صَدَقُوا۔ اور دیکھو صَدَقُوا سے پہلے واؤ نہیں ذکر کیا گیا، وَصَدَقُوا نہیں کہا گیا بلکہ فصل کیا گیا۔ کیوں فصل کیا گیا؟ کیونکہ پہلے جملے سے ایک سوال پیدا ہوا تھا کہ کیا وہ اپنے گمان میں سچے ہیں یا سچے نہیں اور یہ صَدَقُوا اس سوال کے جواب میں لے کر آیا شاعر بھئی۔ تو گویا پہلے جملے کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ سوال کے درجے میں۔ تو پہلا جملہ ہوا سوال کے درجے میں اور صَدَقُوا ہوا جواب، اور سوال اور جواب کے درمیان شبہ کمال اتصال ہے۔ تو جب کمال اتصال ہو تو فصل کرتے ہیں تو شبہ کمال اتصال میں بھی کیا کریں گے؟ فصل کریں گے۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو زَعَمَ الْعَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ گمان کیا ہے ملامت کرنے

■ قولہ: «وَلَكِنْ غَمْرَتِي لَا تَنْجَلِي» کی تشریح

والوں نے کہ میں مصیبت میں ہوں، صَدَقُوا وہ اپنے گمان میں سچے ہیں وَلَكِنْ غَمْرَتِي لَا تَنْجَلِي لیکن میری مصیبت جو ہے وہ دور ہونے والی نہیں ہے۔ كَأَنَّهُ قِيلَ دیکھیے خود ہی اب تشریح کریں گے جو میں نے بیان کی: كَأَنَّهُ قِيلَ گویا کہ یوں کہا گیا أَصَدَقُوا فِي زَعْمِهِمْ أَمْ كَذَبُوا؟ کیا وہ سچے ہیں اپنے گمان میں أَمْ كَذَبُوا یا وہ جھوٹے ہیں؟ فَقَالَ تو شاعر کہتا ہے صَدَقُوا وہ سچے ہیں۔ وَيُقَالُ اور کہا جاتا ہے بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ شِبْهُ كَمَالِ اتِّصَالٍ کہ ان دو جملوں کے درمیان کیا ہے؟ شبہ کمال اتصال ہے۔

اَلرَّابِعُ چوتھا مقام بھئی، اب بیان کریں گے شبہ کمال انقطاع کو۔ چوتھا مقام یہ بیان کریں گے کہ دیکھیے بھئی ادھر توجہ کریں۔ آپ اپنے کلام میں دو جملے لے کر آئے ہیں اور ان دو جملوں کے بعد اب آپ ایک تیسرا جملہ لے کر آئے، اور اس تیسرے جملے کا عطف ماقبل کے دو جملوں میں سے ایک پر تو صحیح ہے، ماقبل میں دو جملے آئے نا تو ماقبل کے دو جملوں میں سے ایک جملے پر تو اس کا عطف صحیح بنتا ہے لیکن دوسرے پر اس کا عطف کریں تو معنی میں خرابی آتی ہے۔ کیا آتی ہے؟ معنی میں خرابی آتی ہے، تو اس خرابی اور اس فساد سے بچنے کے لیے آپ فصل کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ فصل۔ کیونکہ اگر آپ وصل کریں گے ٹھیک ہے ایک پر عطف ہو سکتا ہے ماقبل کے دو جملوں میں سے لیکن دوسرے پر تو عطف صحیح نہیں بنتا اور اس پر اگر عطف کیا جائے تو معنی میں کیا لازم آتی ہے؟ خرابی لازم آتی ہے، تو کہیں ایسا نہ ہو سننے والا دوسرا معنی سمجھ لے جو آپ کا مقصود نہیں ہے جو آپ کا مقصد نہیں ہے وہ معنی نہ سمجھ لے۔ لہٰذا آپ کیا کرتے ہیں؟ فصل کرتے ہیں۔ تو اس کو کہیں گے شبہ کمال انقطاع بھئی۔ کیا ہے؟ شبہ کمال انقطاع بھئی۔

دیکھیے بھئی اَلرَّابِعُ چوتھا مقام فصل کا وہ یہ ہے کہ أَنْ تُسْبَقَ جُمْلَةٌ بِجُمْلَتَيْنِ کہ مقدم کیا جائے ایک جملے پر بِجُمْلَتَيْنِ کس کو؟ دو جملوں کو، يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى إِحْدَاهُمَا صحیح ہے اس جملے کا عطف بھئی عَلَى إِحْدَاهُمَا اس ماقبل کے دو جملوں میں سے ایک پر صحیح ہے لِوُجُودِ الْمُنَاسَبَةِ مناسبت کے پائے جانے کی وجہ سے، وَفِي عَطْفِهَا عَلَى الْأُخْرَى فَسَادٌ اور اس کا عطف دوسرے جملے پر کرنے میں فَسَادٌ فساد ہے خرابی ہے، فَيُتْرَكُ الْعَطْفُ تو عطف کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ چھوڑ دیا جاتا ہے دَفْعًا لِلْوَهْمِ اس وہم کو دور کرنے کے لیے کہ کہیں سننے والا وہ غلط معنی نہ سمجھ جائے بھئی۔ صورت اچھی طرح واضح ہو گئی؟ جی دوبارہ ترجمہ دیکھیے بھئی۔ دیکھیے یہاں پر آیا أَنْ تُسْبَقَ جُمْلَةٌ بِجُمْلَتَيْنِ، جُمْلَتَيْنِ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد يَصِحُّ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا، دیکھیے اسی طرح ترجمہ ہو گا: چوتھا مقام یہ ہے أَنْ تُسْبَقَ جُمْلَةٌ بِجُمْلَتَيْنِ کہ مقدم کیا جائے کسی جملے پر ایسے دو جملوں کو کہ يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى إِحْدَاهُمَا کہ اس ایک جملے کا عطف جو ہے ان دو میں سے کسی ایک پر تو صحیح ہے لِوُجُودِ الْمُنَاسَبَةِ مناسبت کے پائے جانے کی وجہ سے، وَفِي عَطْفِهَا عَلَى الْأُخْرَى فَسَادٌ اور اس جملے کا عطف دوسرے جملے پر کرنے میں فساد ہے فَيُتْرَكُ الْعَطْفُ تو عطف کو ترک کر دیا جاتا ہے دَفْعًا لِلْوَهْمِ اس وہم کو دور کرنے کے لیے، كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

وَتَظُنُّ سَلْمَى أَنَّنِي أَبْغِي بِهَا

بَدَلًا أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ

أَرَاهَا اگر آپ کی کتابوں میں ہے اس میں ہمزہ پر پیش کریں بھئی یہ کتابت کی غلطی ہے بھئی، أُرَاهَا۔ وَتَظُنُّ سَلْمَى شاعر کہتا ہے کہ میری معشوقہ میری محبوبہ سلمٰی جو ہے تَظُنُّ وہ گمان کرتی ہے، اس کا یہ خیال ہے أَنَّنِي أَبْغِي بِهَا، بَغَى يَبْغِي کے معنی ہوتے ہیں طلب کرنے کے چاہنے کے، کہ میں جو ہوں أَبْغِي بِهَا میں طلب کرتا ہوں چاہتا ہوں بِهَا اس کے بدلے میں بَدَلًا کسی بدل کو یعنی کسی اور کو۔ میری محبوبہ کا کیا گمان ہے؟ کہ میں اس کے بجائے یوں کہیں آسان لفظوں میں کہ میں اس کے بجائے کسی اور کو چاہتا ہوں، اس کے بدلے میں کسی اور کو چاہتا ہوں۔ آگے شاعر اب اپنا خیال ذکر کر رہا ہے: أُرَاهَا میں گمان کرتا ہوں، ہا ضمیر سلمٰی کو راجع ہے سلمٰی کے بارے میں، کیا گمان کرتا ہوں؟ فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ۔ هَامَ يَهِيمُ کے معنی ہوتے ہیں حیران و سرگرداں گھومنا، حیران و سرگرداں چکر لگانا۔ کہ میں اس کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ، اور یاد رکھیے فِي الضَّلَالِ کا تعلق تَهِيمُ سے ہے، میں اس کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ تَهِيمُ فِي الضَّلَالِ کہ وہ گمراہی میں حیران و سرگرداں پھر رہی ہے یعنی گمراہی کی وادیوں میں حیران و سرگرداں پھر رہی ہے، میں یہ گمان کرتا ہوں میں یہ خیال کرتا ہوں۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

■ قولہ: «وَتَظُنُّ سَلْمَى أَنَّنِي أَبْغِي بِهَا بَدَلًا...» کی تشریح

تو کہتے ہیں دوبارہ ترجمہ سنیے: وَتَظُنُّ سَلْمَى أَنَّنِي أَبْغِي بِهَا بَدَلًا أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ، سلمٰی خیال کرتی ہے کہ میں اس کے بجائے کسی اور کو چاہتا ہوں کسی اور کو طلب کرتا ہوں، أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ گمراہی کی وادیوں میں حیران و سرگرداں پھر رہی ہے یعنی اس کا یہ گمان صحیح نہیں ہے۔ اب دیکھیے بھئی یہ تو تھا معنی۔ اب یہاں دیکھیے أُرَاهَا یہ تیسرا جملہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ تیسرا جملہ۔ اور اس سے ماقبل میں دو جملے آئے: پہلا جملہ ہے تَظُنُّ سَلْمَى سلمٰی گمان کرتی ہے، دوسرا جملہ ہے أَبْغِي بِهَا کہ میں اس کے بدلے میں کسی اور کو چاہتا ہوں۔ تو پہلا جملہ کیا ہوا؟ تَظُنُّ سَلْمَى، دوسرا جملہ کیا ہوا؟ أَبْغِي بِهَا بَدَلًا، اور تیسرا جملہ کیا ہوا؟ أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ یہ تیسرا جملہ ہوا۔ تو شاعر نے اس شعر میں سلمٰی کا بھی خیال ذکر کیا اور اپنا بھی خیال ذکر کیا کہ سلمٰی کا تو یہ خیال ہے کہ میں اس کے بجائے کسی اور کو چاہتا ہوں اور اپنا خیال ذکر کیا کہ میرا یہ خیال ہے کہ سلمٰی جو ہے وہ گمراہی کی وادیوں میں حیران و سرگرداں چکر لگا رہی ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا شعر کا؟

تو اب یہاں دیکھیے پہلا جملہ آیا تَظُنُّ سَلْمَى، دوسرا جملہ آیا أَبْغِي بِهَا بَدَلًا، اور تیسرا جملہ آیا أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ۔ اب أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ اس کا عطف پہلے جملے پر تو کرنا صحیح بنتا ہے، پہلے جملے کے ساتھ اس کی مناسبت ہے۔ کون سا پہلا جملہ؟ تَظُنُّ سَلْمَى سلمٰی یہ گمان کرتی ہے کیونکہ وہ بھی جملہ خبریہ ہے اور أُرَاهَا میں خیال کرتا ہوں یہ بھی کیا ہے؟ جملہ خبریہ۔ تو دونوں جملہ خبریہ بھی ہیں اور دونوں کے مسند اور مسند الیہ میں بھی مناسبت ہے: وہاں پر تَظُنُّ کا معنی بھی ہے گمان کرنا اور أُرَى کا معنی بھی ہے گمان کرنا۔ بھئی یہ بات میں پہلے بھی ذکر کر چکا جہاں اسم موصول کا ذکر آیا تھا اسم موصول کے ذکر میں کیا کیا فائدے ہوتے ہیں وہاں آیا تھا إِنَّ الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ، بے شک وہ جن کو تم اپنا بھائی گمان کرتے ہو ان کے سینوں کی آگ تمہاری بربادی کے ساتھ ہی بجھتی ہے۔ یاد آیا مقام کہ نہیں بھئی؟ تو وہاں تُرَوْنَهُمْ فعل مجہول ہم نے پڑھا تھا اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ رؤیت کا معنی ہے دیکھنا اور یہ دیکھنا کبھی آنکھوں سے ہوتا ہے اور یہ کبھی دیکھنا دل سے ہوتا ہے۔ آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں ہو تو یہ ایک مفعول چاہتا ہے رَأَيْتُ زَيْدًا میں نے زید کو دیکھا، تو یہ ایک مفعول چاہتا ہے۔ اور جب یہ دل سے دیکھنے کے معنی میں ہو یعنی یقین کرنے کے معنی میں ہو تو پھر یہ دو مفعول چاہتا ہے رَأَيْتُ زَيْدًا عَالِمًا میں نے زید کو عالم جانا، میں نے زید کے عالم ہونے کا یقین کیا۔ تو یہ جاننا کون سا مراد ہے؟ دل سے جاننا مراد ہے آنکھوں سے جاننا مراد نہیں، تو لہٰذا یہ دو مفعول چاہے گا۔ اور یہی رؤیت کا فعل کبھی گمان کرنے اور خیال کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور جب یہ گمان کرنے کے معنی میں ہو تو اس کا فعل مضارع ہمیشہ کلام عرب کے اندر مجہول استعمال ہوتا ہے۔ کیا استعمال ہوتا ہے؟ مجہول۔ معنی تو وہی معروف والا کرتے ہیں لیکن فعل کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ مجہول۔ تو یہاں پر بھی اسی لیے أُرَاهَا کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ أُرَاهَا بھئی۔

تو دیکھیے اب دونوں جملوں کے اندر مناسبت ہے: پہلے جملے کے اندر تَظُنُّ سَلْمَى سلمٰی گمان کرتی ہے تو مسند کیا ہوا؟ گمان کرنا خیال کرنا، اور أُرَاهَا اس کے اندر بھی مسند کیا ہوا؟ خیال کرنا اور گمان کرنا، تو دونوں کے مسند میں بھی مناسبت ہے۔ اور نیز پہلے جملے میں گمان کرنے والی ہے سلمٰی یعنی محبوبہ اور دوسرے جملے میں گمان کرنے والا ہے محب، اور محبوبہ اور محب کے اندر بھی مناسبت موجود ہے اس لیے کیونکہ جہاں محبوبہ کا ذکر آئے گا خود بخود محب کا ذہن میں تصور آجائے گا اور جہاں محب کی بات آئے گی خود بخود محبوبہ کا تصور ذہن میں آجائے گا۔ جیسے استاد کا ذکر کریں تو فوراً خود بخود شاگرد ذہن میں آجاتا ہے شاگرد کی بات کریں تو خود بخود استاد ذہن میں آجاتا ہے، کیونکہ شاگرد کہتے ہی اس کو ہیں جس کا کوئی استاد ہو استاد کہتے ہی اس کو ہیں جس کا کوئی شاگرد ہو بھئی۔ یا اسی طرح خاوند کہتے ہی اس کو ہیں جس کی کوئی بیوی ہو بیوی کہتے ہی اس کو ہیں جس کا کوئی خاوند ہو، اسی طرح محبوبہ کہتے ہی اس کو ہیں جس کا کوئی محب ہو اور محب کہتے ہی اس کو ہیں جس کی کوئی محبوبہ ہو۔ تو ان سب میں مناسبت موجود ہے تو ایک کے تصور سے دوسرے کا تصور ذہن میں آجاتا ہے تو اس اعتبار سے ان میں بھی مناسبت موجود ہے۔ تو پہلے اور تیسرے جملے میں مناسبت ہے کہ پہلا جملہ بھی خبریہ اور تیسرا جملہ

بھی خبر یہ، تو تیسرے جملے کی پہلے جملے کے ساتھ مناسبت ہے کہ دونوں جملہ خبر یہ بھی ہیں اور پہلے جملے کے اندر مسند کیا ہے؟ ظن ہے گمان کرنا اور تیسرے جملے میں مسند کیا ہے؟ أُرَى میں گمان کرتا ہوں وہ بھی گمان کے معنی میں ہے، اور مسند الیہ میں بھی دونوں کے اندر مناسبت کہ پہلے جملے میں مسند الیہ کون ہے؟ محبوبہ ہے اور تیسرے جملے میں مسند الیہ محب ہے، تو اس پر عطف ہو سکتا تھا اور وَأُرَاهَا کہہ سکتے تھے۔ لیکن اس صورت میں سننے والا سمجھتا اس کے ذہن میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ شاید أُرَاهَا کا عطف أَبْغِي بِهَا پر ہے۔ کس پر ہے؟ أَبْغِي بِهَا پر، تو دوسرے جملے پر وہم پڑ سکتا تھا اور دوسرے جملے پر تو اس کا عطف صحیح نہیں بنتا اس لیے کیونکہ یہ أُرَاهَا سے شاعر اپنا خیال ذکر کر رہا ہے یا سلمیٰ کا خیال ذکر کر رہا ہے؟ اپنا خیال، سلمیٰ کا خیال تو تَظُنُّ میں ذکر ہوا آگے أُرَاهَا سے شاعر اپنا خیال ذکر کر رہا ہے لیکن اگر اس کا عطف کس پر ہو جائے أَبْغِي بِهَا پر، یہ تو کس کا خیال ہے؟ سلمیٰ کا خیال ہے، تو أُرَاهَا بھی کس کا خیال بن جائے گا؟ سلمیٰ کا اگر اس کا عطف أَبْغِي پر ہو جائے۔ تو اس صورت میں تو پھر یہ معنی بن جائے گا کہ سلمیٰ یہ گمان کرتی ہے کہ میں اس کے بجائے کسی اور کو چاہتا ہوں اور سلمیٰ یہ گمان کرتی ہے کہ میں اس کے بارے میں یہ خیال بھی کرتا ہوں، میرا خیال کرنا یہ بھی دراصل اس کا خیال ہے وہ میرے بارے میں کیا خیال کرتی ہے کہ میں اس کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ حیران و سرگرداں گمراہی کی وادیوں میں گھوم رہی ہے، حالانکہ یہ تو وہ نہیں کہنا چاہتا۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا أُرَاهَا کا عطف تَظُنُّ پر تو صحیح بنتا ہے لیکن أَبْغِي بِهَا پر صحیح نہیں بنتا، تو چونکہ اب اس کا أَبْغِي بِهَا پر عطف صحیح نہیں بنتا اور عطف کیا جائے تو اس صورت میں سننے والا شاید یہ نہ سمجھے کہ اس کا عطف تَظُنُّ پر نہیں ہے بلکہ کس پر ہے؟ أَبْغِي بِهَا پر ہے تو اس وجہ سے شاعر نے کیا کیا واؤ کو درمیان میں ذکر

نہیں کیا اور أُرَاهَا کہا، وَأُرَاهَا اسی لیے نہیں کہا بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے اب یہی تقریر جو میں نے کی یہ کتاب والے بھی ذکر کریں گے: فَجُمْلَةُ أُرَاهَا يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى تَظُنُّ، تو أُرَاهَا کا جو جملہ ہے اس کا عطف کرنا صحیح ہے عَلَى تَظُنُّ کس جملے پر؟ تَظُنُّ جملے پر، لَكِنْ يَمْنَعُ مِنْ هَذَا لیکن روکتی ہے اس بات سے، کیا چیز روکتی ہے؟ تَوَهُّمُ الْعَطْفِ عَلَى جُمْلَةِ أَبْغِي بِهَا، اس بات کا وہم کہ عطف کس پر ہو رہا ہے؟ أَبْغِي بِهَا کے جملے پر، اس بات کا وہم اس بات سے روکتا ہے فَتَكُونُ الْجُمْلَةُ الثَّالِثَةُ مِنْ مَظْنُونَاتِ سَلْمَى تو اس صورت میں تو تیسرا جملہ سلمیٰ کے مظنونات اس کے گمانوں میں سے ہو جاتا ہے مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ مُرَادًا باوجود اس کے کہ یہ مراد نہیں۔ معنی سمجھ میں آیا؟ کہ أُرَاهَا اس کا عطف تَظُنُّ پر تو صحیح ہے لیکن اگر اس پر عطف کریں تو کیا وہم پڑتا ہے کہ اس کا عطف کس پر ہے؟ أَبْغِي بِهَا پر، اور اس صورت میں وہ أَبْغِي بِهَا تو سلمیٰ کا مظنون تھا سلمیٰ کا گمان تھا تو یہ أُرَاهَا بھی کیا بن جاتا ہے؟ اس کا گمان بن جاتا ہے مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ مُرَادًا باوجود اس کے کہ یہ مراد نہیں۔ وَيُقَالُ اور کہا جاتا ہے بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ شِبْهُ كَمَالِ الِانْقِطَاعِ کہ دو جملوں کے درمیان اس قسم کے مقام میں جو ہے وہ شبہ کمال انقطاع ہے بھئی۔ کیا ہے؟ شبہ کمال انقطاع ہے بھئی۔ تو کمال اتصال کا بیان بھی گزر گیا، کمال انقطاع کا بیان بھی گزر گیا، شبہ کمال اتصال بھی گزر گیا کہ دوسرا جملہ کیا ہو سوال مقدر کا جواب ہو، اور شبہ کمال انقطاع بھی گزر گیا کہ اس میں تیسرے جملے کا عطف ما قبل کے دو جملوں میں سے ایک پر تو عطف صحیح ہے لیکن دوسرے پر اس کا عطف صحیح نہیں بنتا، تو چونکہ دوسرے پر عطف صحیح نہیں بنتا تو کہیں سننے والا یہ نہ سمجھ لے کہ اس دوسرے پر عطف ہے اس لیے عطف ہی کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

اَلْخَامِسُ پانچواں مقام آیا فصل کا۔ پانچواں مقام کون سا ہے؟ توسط بین الکمالین مع ایہام، یعنی دو جملے ہیں اور ان کے درمیان کچھ مناسبت ہے اور کچھ مغائرت ہے اور واؤ بھی کچھ مناسبت چاہتا ہے اور کچھ مغائرت چاہتا ہے، لیکن پہلے جملے پر اگر عطف کیا جائے تو پھر خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے تو اس وجہ سے کیا کر دیا جاتا ہے اس عطف کو چھوڑ دیا جاتا ہے بھئی۔ تو یہ ہوا توسط بین الکمالین مع ایہام بھئی۔ اَلْخَامِسُ پانچواں مقام فصل والا یہ ہے کہ أَنْ لَا يُقْصَدَ تَشْرِيكُ الْجُمْلَتَيْنِ فِي الْحُكْمِ کہ ارادہ نہ کیا جائے دو جملوں کو شریک کرنے کا فِي الْحُكْمِ کس کے اندر؟ حکم کے اندر۔ حکم میں کیوں نہیں شریک کرنے کا ارادہ کیا جاتا؟ کیونکہ اس سے خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے۔ لِقِيَامِ مَانِعٍ کس وجہ سے؟ ایک مانع کے پائے جانے کی وجہ سے، اور وہ مانع کیا ہے؟ خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے۔ كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ مقام استشہاد ہے اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ، یہاں فصل کیا گیا وَاللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ نہیں کہا گیا واؤ کو درمیان میں ذکر نہیں کیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب تفصیل بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں فَجُمْلَةُ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ لَا يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى إِنَّا مَعَكُمْ کہ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ جملہ جو ہے صحیح نہیں ہے اس کا عطف کرنا عَلَى إِنَّا مَعَكُمْ کس جملے پر؟ إِنَّا مَعَكُمْ کے جملے پر عطف صحیح نہیں۔ معنی تو سن لیں پہلے بھئی: وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ اللہ منافقین کے بارے میں بیان فرما رہے ہیں کہ جب یہ خلوت میں آتے ہیں إِلَى شَيَاطِينِهِمْ اپنے شیطانوں کے پاس یعنی اپنے سرداروں کے پاس، مراد کیا ہیں شیاطین سے ان کے؟ سردار۔ یہ منافقین جب خلوت میں آتے ہیں اپنے سرداروں کے پاس یعنی تنہائی میں جب ان کے پاس آتے ہیں قَالُوا تو کہتے ہیں إِنَّا مَعَكُمْ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں، یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ بھئی منافقین جو بظاہر تو مسلمان تھے لیکن دل میں کیا تھے؟ کافر تھے اور مسلمانوں کے سامنے مسلمان بنے ہوئے ہیں اور مسجد میں بھی آتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں نمازوں میں بھی شرکت کرتے ہیں، لیکن جب اپنے سرداروں کے پاس خلوت میں جاتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ ہم تمہارے ساتھ ہیں یہ تو ہم ویسے مذاق اڑانے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں بظاہر جو ہم ان کا ساتھ بھی دے رہے ہیں صرف کس لیے؟ مذاق اڑانے کے لیے ہے۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ تو اسی بات کو اللہ ذکر فرما رہے ہیں کہ یہ اتنے برے لوگ ہیں وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ جب یہ تنہائی میں آتے ہیں اپنے سرداروں کے پاس قَالُوا تو کہتے ہیں إِنَّا مَعَكُمْ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق ہی کرتے ہیں، ہم صرف ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اللهُ يَسْتَهْزِئُ

بِهِمْ تو آگے اب اللہ فرمارہے ہیں کہ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اللہ ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں یعنی ان کے استہزاء کا جواب دیتے ہیں۔ اللہ ان کے ساتھ استہزاء کرنے کا کیا معنی؟ اللہ ان کے استہزاء کا جواب دیتے ہیں، یعنی اللہ ان پر ذلت کو مسلط فرمادیتے ہیں ان پر ذلت چھائی رہتی ہے اور ان کو اللہ اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں ان پر اپنی رحمت نازل نہیں فرماتے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

■ قولہ: «اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ» کی تشریح

تو اب مقام استشہاد میں نے بتلایا اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ، اس سے ماقبل میں واؤ ذکر نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ اگر واؤ لایا جائے گا تو پھر یا تو اس کا عطف ہوگا إِنَّا مَعَكُمْ پر یا اس کا عطف ہوگا قَالُوا پر۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ پھر سن لیں بھئی پہلے تقریر سن لیں پھر آگے کتاب میں دیکھیے بھئی۔ آپ کو یہ بتلائیں گے کہ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ یہ جو جملہ ہے اس کا عطف یا تو إِنَّا مَعَكُمْ پر ہو سکتا ہے یا کس پر؟ قَالُوا پر، لیکن دونوں پر ہی درست نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر اس کا عطف کر دیا جائے إِنَّا مَعَكُمْ پر اور إِنَّا مَعَكُمْ یہ تو مقولہ ہے کن کا؟ ان منافقین کا، وہ کیا کہتے ہیں اپنے سرداروں کو بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں، تو پھر اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ یہ جملہ بھی ان کا مقولہ بن جائے گا حالانکہ یہ تو ان کا مقولہ نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور نیز اس کا عطف قَالُوا پر بھی صحیح نہیں ہے۔ قَالُوا پر کیوں نہیں صحیح؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ قَالُوا اس کے ساتھ ایک قید ذکر ہے اور وہ کیا؟ اس سے ماقبل قید ہے یہ وہ کہتے ہیں کب کہتے ہیں؟ وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ جب وہ خلوت میں اپنے سرداروں کے پاس آتے ہیں، تو یہ قول یہ کہنا ان کا مقید ہے خلوت کی حالت کے ساتھ۔ یہ وہ قول ہر وقت کرتے ہیں یا جب خلوت میں آتے ہیں؟ جب خلوت میں تنہائی میں آتے ہیں، تو یہ قَالُوا مقید ہے إِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ کی قید کے ساتھ۔ تو اگر اس قَالُوا پر اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا عطف کر دیا جائے تو یہ بھی مقید ہو جائے گا اسی قید کے ساتھ اور معنی کیا بن جائے گا کہ اللہ ان کے استہزاء کا جواب بھی اس وقت دیتے ہیں جب یہ خلوت میں اپنے سرداروں کے پاس آتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ کہ قَالُوا اس کے ساتھ مقید ہے وہ یہ کب کہتے ہیں؟ جب وہ خلوت میں تنہائی میں اپنے سرداروں کے پاس آتے ہیں تو قَالُوا مقید ہوا إِذَا خَلَوْا کے ساتھ، اور اگر اس قَالُوا پر اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا عطف کر دیا جائے تو یہ بھی مقید ہو جائے گا کس کے ساتھ؟ إِذَا خَلَوْا کے ساتھ، معلوم ہوا اللہ ان کے استہزاء کا جواب کب دیتے ہیں جب وہ خلوت میں آتے ہیں، حالانکہ یہ تو مقصود نہیں۔ اللہ ان کے استہزاء کا جواب خلوت میں نہیں دیتے ہر وقت جواب دے رہے ہیں یعنی ہر وقت ان پر ذلت مسلط ہوتی ہے صرف خلوت میں جب آتے ہیں تب نہیں ذلت مسلط ہوتی بلکہ ان پر ہر وقت ذلت مسلط ہوتی ہے اور یہ ہر وقت اللہ کی رحمت سے دور رہتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟

تو کہتے ہیں فَجُمْلَةُ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ لَا يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى إِنَّا مَعَكُمْ، اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا جملہ جو ہے صحیح نہیں ہے اس کا عطف کرنا إِنَّا مَعَكُمْ کے جملے پر لِاقْتِضَائِهِ أَنَّهُ مِنْ مَقُولِهِمْ، اس وجہ سے کہ یہ عطف یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ جملہ بھی ان کے مقولے میں سے ہو جائے۔ کون سا جملہ؟ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ تو اس صورت میں تو یہ بھی ان کے مقولے میں سے ہو جائے گا، تو یہ عطف تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ جملہ بھی ان کے مقولے میں سے ہو جائے حالانکہ یہ تو ان کا مقولہ نہیں یہ تو ان کی کہی ہوئی بات نہیں یہ تو اللہ فرمارہے ہیں۔ اور اسی طرح وَلَا عَلَى جُمْلَةِ قَالُوا اور قَالُوا کے جملے پر بھی اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا عطف صحیح نہیں لِاقْتِضَائِهِ اس وجہ سے کہ اس پر عطف کرنا یہ تقاضا کرتا ہے کہ أَنَّ اسْتِهْزَاءَ اللهِ بِهِمْ مُقَيَّدٌ بِحَالِ خُلُوِّهِمْ إِلَى شَيَاطِينِهِمْ کہ اللہ کا ان کے مذاق کا جواب دینا یہ مقید ہے ان کے خلوت کی حالت کے ساتھ إِلَى شَيَاطِينِهِمْ اپنے سرداروں کی طرف جب یہ خلوت کی حالت میں آتے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی کیا ہو جائے گا؟ مقید ہو جائے گا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ دوبارہ ترجمہ دیکھیے: لِاقْتِضَائِهِ أَنَّ اسْتِهْزَاءَ اللهِ بِهِمْ مُقَيَّدٌ بِحَالِ خُلُوِّهِمْ إِلَى شَيَاطِينِهِمْ اس وجہ سے کہ یہ عطف یہ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ کا ان کے مذاق کا ان کے استہزاء کا جواب دینا وہ مقید ہے ان کا اپنے سرداروں کے پاس خلوت کی حالت میں آنے کے ساتھ، حالانکہ یہ تو مقصود نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اس کا عطف إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ پر بھی ہو سکتا ہے، ایک تیسرا جملہ آرہا ہے یا نہیں درمیان میں؟ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ بھئی یہ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ یہ بھی ان کا مقولہ ہے، تو جو إِنَّا مَعَكُمْ میں خرابی لازم آتی ہے وہی کس میں آتی ہے؟ إِنَّمَا میں بھی وہی خرابی لازم آتی ہے اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔ جواب سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں وَيُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ تَوَسُّطٌ بَيْنَ الْكَمَالَيْنِ اور کہا جاتا ہے کہ دو جملوں میں اس مقام کے اندر توسط بین الکمالین ہے۔ کیا ہے؟ توسط بین الکمالین ہے یعنی کس کس کے درمیان؟ کمال اتصال اور کمال انقطاع۔ لیکن یہاں کیا ہے؟ توسط بین الکمالین ہے اور توسط بین الکمالین میں تو کیا کیا جاتا ہے؟ وصل کیا جاتا ہے، تو یہاں یہ مقام تو یہ وصل کا تھا لیکن اس ماقبل کے جملے کا ایک خاص حکم تھا۔ کیا حکم تھا؟ قَالُوا کا خاص حکم تھا وہ مقید تھا إِذَا خَلَوْا کے ساتھ اور یہ حکم دوسرے کو دینا مقصود نہیں ہے اس حکم میں اس کو شریک کرنا مقصود نہیں ہے، یا یوں کہیں کہ عطف کی صورت میں چونکہ خلاف مقصود کا وہم پڑتا تھا تو یہ ہوا توسط بین الکمالین مع ایہام۔ اور توسط بین الکمالین مع ایہام ہو تو وہاں وصل کو چھوڑ کر کس کو اختیار کیا جاتا ہے؟ فصل کو اور اسی لیے قرآن میں بھی کس کو اختیار کیا گیا؟ فصل کو۔

آگے ہے میری کتاب میں كَمَا يُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعِ الْأَوَّلِ مِنَ الْوَصْلِ غَيْرَ أَنَّ الْفَصْلَ هَاهُنَا لِقَصْدِ عَدَمِ التَّشْرِيكِ۔ یہ عبارت بھی ہے، حالانکہ یہ حاشیہ ہے یہ بھی منہیہ ہے اور بعض کتابوں میں آپ کے بعض ساتھیوں کی کتابوں میں یہ جملہ حاشیے ہی میں دیا ہوا ہے اور اس کو حاشیے ہی میں ہونا

چاہیے بھئی یہ کتاب کا حصہ نہیں۔ ہاں البتہ خود مصنفین نے ہی اس کو کہاں بڑھایا؟ حاشیے میں بڑھایا تو اس کو حاشیے ہی میں ہونا چاہیے بھئی۔ تو بہر حال اس کا بھی ترجمہ سمجھ لیں: تو کہتے ہیں كَمَا يُقَالُ جیسے کہ کہا جاتا ہے بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ ان دو جملوں کے درمیان فِي الْمَوْضِعِ الْأَوَّلِ وہ جو پہلی جگہ پر آئے تھے مِنَ الْوَصْلِ وصل میں۔ کس میں؟ وصل میں۔ بھئی وصل کے اندر کتنی صورتیں ذکر ہوئی تھیں؟ دو صورتیں ذکر ہوئی تھیں اور پہلی صورت میں وہاں پر بھی کیا تھا؟ توسط بین الکمالین لیکن وہ تھا توسط بین الکمالین بغیر ایہام اور یہ ہے توسط بین الکمالین مع ایہام۔ تو کہتے ہیں دوبارہ سنیں وَيُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ اور کہا جاتا ہے کہ دو جملوں کے درمیان اس مقام کے اندر توسط بین الکمالین ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے ان دو جملوں کے درمیان جو پہلے مقام میں آئے تھے وصل کے اندر وہاں بھی کیا تھا؟ توسط بین الکمالین، لیکن غَيْرَ أَنَّ الْفَصْلَ هَاهُنَا لِقَصْدِ عَدَمِ التَّشْرِيكِ علاوہ اس کے کہ فصل یہاں پر جو ہے شریک نہ کرنے کے ارادے کی وجہ سے ہے۔ کہ یہاں پر مقام تو وصل ہی کا تھا جیسے پہلے مقام آیا تھا اس میں کیا کیا گیا تھا؟ وصل، تو یہ بھی مقام تو کس کا تھا؟ وصل کا تھا لیکن یہاں پر دوسرے جملے کو پہلے جملے کے ساتھ شریک کرنے کا ارادہ نہیں ہے کیونکہ یہاں خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے۔ کس کا؟ خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے اس لیے یہاں شریک کرنے کا ارادہ نہیں کیا گیا تو یہ ہوا توسط بین الکمالین مع ایہام کیونکہ شریک کریں گے تو خلاف مقصود کا وہم پڑے گا بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۹: الباب الثامن في الإيجاز والإطناب والمساواة: کلام بلیغ کے تین طرق اور مساوات و ایجاز کے شواہد

دروس البلاغہ صفحہ: ۷۶ــــ بتاریخ: ۸ جنوری ۲۰۱۳ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلْبَابُ الثَّامِنُ فِي الْإِيجَازِ وَالْإِطْنَابِ وَالْمُسَاوَاةِ۔ كُلُّ مَا يَجُولُ فِي الصَّدْرِ مِنَ الْمَعَانِي يُمْكِنُ أَنْ يُعَبَّرَ عَنْهُ بِثَلَاثِ طُرُقٍ: اَلْمُسَاوَاةُ، وَهِيَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى الْمُرَادِ بِعِبَارَةٍ مُسَاوِيَةٍ لَهُ، بِأَنْ تَكُونَ عَلَى الْحَدِّ الَّذِي جَرَى بِهِ عُرْفُ أَوْسَاطِ النَّاسِ، وَهُمُ الَّذِينَ لَمْ يَرْتَقُوا إِلَى دَرَجَةِ الْبَلَاغَةِ وَلَمْ يَنْحَطُّوا إِلَى دَرَجَةِ الْفَهَاهَةِ، نَحْوُ: وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ۔

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

اَلْبَابُ الثَّامِنُ فِي الْإِيجَازِ وَالْإِطْنَابِ وَالْمُسَاوَاةِ، آٹھواں باب ہے ایجاز، اطناب اور مساوات کے بیان میں۔ بھئی ہم علم المعانی پڑھ رہے ہیں اور علم المعانی آپ نے پڑھا تھا وہ آٹھ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے، تو یہ آج آٹھواں اور آخری باب ہم پڑھ رہے ہیں بھئی۔ اور یہ آٹھواں باب ہے ایجاز، اطناب اور مساوات کے بارے میں۔ بھئی دیکھیے آپ کسی سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو بعض اوقات ایسا ہو گا کہ جتنا معنی ہو گا آپ اتنے ہی لفظ لے کر آئیں گے، اس کو کہتے ہیں مساوات بھئی۔ جتنا معنی ہو اتنے ہی لفظ لے کر آتے ہیں۔ اور بعض اوقات آپ جتنا معنی ہے اس سے زیادہ لفظ لے آتے ہیں مزید فائدے کے لیے۔ آپ کیا کرتے ہیں؟ جو بات کہنا چاہتے ہیں اس کے لیے جتنے لفظ چاہئیں آپ اس سے کچھ زیادہ لفظ لے آتے ہیں اور وہ لفظ بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتے بلکہ مزید فائدے کے لیے ہوتے ہیں، اس کو کہتے ہیں اطناب۔ کیا کہتے ہیں؟ اطناب۔ اور اگر اس کا عکس ہو یعنی معنی تو ہے زیادہ اس کے لیے جتنے لفظ چاہئیں آپ اس سے کم لفظ استعمال کر لیتے ہیں اور انہی میں بات پوری طرح ادا کر دیتے ہیں، اس کو کہتے ہیں ایجاز بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ ایجاز۔

تو کتنے طریقے ہو گئے؟ تین طریقے: ایجاز، اطناب اور مساوات۔ مساوات کے اندر جتنا معنی اتنے ہی لفظ، اور اطناب کے اندر جتنا معنی مراد ہے اس سے زائد لفظ لیکن وہ زائد بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتے، جبکہ ایجاز کے اندر جتنا معنی ہے اس کے لیے جتنے لفظ چاہئیں اس سے آپ کم لفظ استعمال کرتے ہیں اور معنی پوری طرح ادا ہو جاتا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ایجاز بھئی۔ تو انہی کی اب دیکھیے تعریف بھی کریں گے پوری تفصیل بیان کریں گے اور انہی کو بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں كُلُّ مَا يَجُولُ فِي الصَّدْرِ، صدر کہتے ہیں سینے کو، جَالَ يَجُولُ کے معنی ہوتے ہیں چکر لگانا گھومنا۔ كُلُّ مَا يَجُولُ فِي الصَّدْرِ ہر وہ چیز جو چکر لگاتی ہے سینے میں، بھئی وہ کیا چیز ہے؟ مِنَ الْمَعَانِي یعنی کہ معانی۔ دیکھو یہ بیان آگیا مَا کا: ہر وہ چیز جو سینے میں چکر لگائے مِنَ الْمَعَانِي یعنی کہ معانی۔ اور ایسا آپ کو اکثر کتابوں کے اندر جگہ جگہ عبارتیں ملیں گی جہاں مِنْ کے ساتھ مَا کا بیان کیا جاتا ہے، اور اس کا ترجمہ کرنے کا پھر طریقہ یہ ہے بامحاورہ کہ جو بیان ہوتا ہے اس کو اٹھا کر مبین کی جگہ لے آئیں ترجمے میں بھئی۔ بیان کیا ہے؟ معانی، کس کا معنی بیان کر رہا ہے یہ؟ مَا کا، تو مَا ہوا مبین۔ تو معانی کو اٹھا کر مَا کی جگہ پر لے آئیں تو اب ترجمہ بامحاورہ کریں گے بہترین ترجمہ ہو جائے گا۔ تو كُلُّ مَا يَجُولُ فِي الصَّدْرِ مِنَ الْمَعَانِي وہ تمام معانی جو چکر لگاتے ہیں سینے میں، اب یہ ترجمہ ہو گیا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ تو مَا کی جگہ میں کیا لفظ کہہ رہا ہوں؟ معانی۔ تو وہ تمام معانی جو چکر لگاتے ہیں سینے میں یعنی وہ تمام معانی جو دل میں آتے ہیں، چکر لگانے سے کیا مراد ہے یعنی آتے ہیں دل میں۔ تو وہ تمام معانی جو دل میں آتے ہیں يُمْكِنُ أَنْ يُعَبَّرَ عَنْهُ، يُعَبَّرَ باء کے نیچے میری کتاب میں کسرہ لگا ہے یاد رکھیے یہ غلط ہے کتابت کی غلطی ہے۔ يُمْكِنُ أَنْ يُعَبَّرَ عَنْهُ بِثَلَاثِ طُرُقٍ ممکن ہے ان کو تعبیر کرنا تین طریقوں سے۔

كُلُّ مَا يَجُولُ فِي الصَّدْرِ مِنَ الْمَعَانِي يُمْكِنُ أَنْ يُعَبَّرَ عَنْهُ بِثَلَاثِ طُرُقٍ، وہ تمام معانی جو دل میں آتے ہیں ان کو تین طریقوں سے تعبیر کرنا، تین طریقوں سے ان کو ادا کرنا ممکن ہے۔ تعبیر کرنا یعنی ان کو ادا کرنا۔ تو وہ تمام معانی جو دل میں آتے ہیں ان کو تین طرح سے ادا کرنا ممکن ہے بھئی، اور وہ تین طریقے میں نے بتلا دیے: یا تو جتنا معنی ہو گا اتنے ہی آپ لفظ لائیں گے، یا جتنا معنی ہو گا اس سے زیادہ لفظ لائیں گے، یا جتنا معنی ہو گا اس سے کم لفظ لائیں گے، تو یہ تین طریقے ہیں بھئی۔ اور یاد رکھیے کہ کل تین طریقے نہیں ہیں کل چھ طریقے ہیں۔ کتنے طریقے ہیں؟ چھ طریقے ہیں۔ تین تو یہ آپ نے پڑھ لیے: ایک ہے مساوات، ایک ہے اطناب، اور ایک ہے ایجاز، تین طریقے یہ ہیں۔ تین اور بھی طریقے ہیں: ایک کا نام ہے اخلال، یہ آگے آئے گا یہ بھی آپ کو بتائیں گے، اخلال خاء کے ساتھ، اور ایک ہے تطویل، اور ایک ہے حشو، حاء شین واؤ حشو بھئی۔ یہ آپ کے حاشیے میں بھی انہوں نے دیے ہوں گے تو تین اور طریقے بھی ہیں: اخلال، ہاں یہ حاشیے میں انہوں نے اخلاف دیا ہوا ہے اخلاف نہیں ہے اخلال ہے، تین طریقے ہیں بھئی: اخلال، تطویل اور حشو۔ لیکن یاد رکھیے وہ تین طریقے غیر مقبول ہیں یعنی بلاغت میں غیر مقبول ہیں، اور یہ تین طریقے ایجاز، اطناب اور مساوات یہ بلاغت کے اندر مقبول ہیں بھئی۔ یعنی کلام بلیغ کے اندر یہ تین قسمیں آئیں گی اگلی تین کی بلاغت کے اندر گنجائش نہیں ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ ہم بات کر رہے ہیں کلام فصیح و بلیغ کی اور کلام فصیح و بلیغ وہ ہو گا جس میں مساوات بھی ہو سکتی ہے، اس میں ایجاز بھی ہو سکتا ہے، اور اس میں اطناب بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس میں اخلال، تطویل اور حشو کی گنجائش نہیں ہے۔ تو چونکہ ہم بلاغت کی بات کر رہے ہیں اور بلاغت میں صرف تین طریقے ہی مقبول ہیں بقیہ تین طریقے غیر مقبول ہیں تو اس لیے ان کو ذکر ہی نہیں کیا اور کہا کہ کتنے طریقے ہیں صرف اس کے؟ تین طریقے ہیں۔ تین طریقے کیوں ہیں؟ کیونکہ بلاغت میں صرف یہی مقبول ہیں باقی تین طریقے مقبول ہی نہیں ہیں بھئی وہ قبول نہیں کیے جاتے۔

تو گویا یہ کلام بلیغ کی تین قسمیں ذکر ہو رہی ہیں عام کلام کی نہیں، عام لوگوں کا جو کلام ہے اس کی قسمیں نہیں ذکر ہو رہیں بلکہ یہ کس کی قسمیں ذکر ہو رہی ہیں؟ کلام بلیغ کی۔ تو کلام بلیغ کے اندر اگر مساوات ہو تو اس کو کہیں گے کلام مساوی۔ کیا کہیں گے؟ کلام مساوی۔ اگر کلام بلیغ کے اندر ایجاز ہو تو اس کو کہیں گے کلام موجز۔ اور اگر کلام بلیغ کے اندر اطناب ہو تو اس کو کہیں گے کلام مطنب۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو معلوم ہوا کلام مساوی، کلام موجز اور کلام مطنب یہ کلام بلیغ کی اقسام ہیں عام کلام کی اقسام نہیں بھئی، تو یہ کلام بلیغ میں جاری ہوں گی تین قسمیں۔ اس لیے کہا كُلُّ مَا يَجُولُ فِي الصَّدْرِ مِنَ الْمَعَانِي يُمْكِنُ أَنْ يُعَبَّرَ عَنْهُ بِثَلَاثِ طُرُقٍ کہ وہ تمام معانی جو دل میں آتے ہیں ممکن ہے ان کو تعبیر کرنا تین طریقوں کے ساتھ۔ اَلْمُسَاوَاةُ پہلا کیا ہے؟ وَهِيَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى الْمُرَادِ بِعِبَارَةٍ مُسَاوِيَةٍ لَهُ اور وہ ادا کرنا ہے معنی مراد کو، معنی مراد جو آپ دوسرے کو پہنچانا چاہتے ہیں جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے۔ مراد کا کیا معنی؟ جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے۔ تو مساوات جو ہے وہ ادا کرنا ہے معنی مراد کو بِعِبَارَةٍ مُسَاوِيَةٍ لَهُ اس کے برابر عبارت کے ساتھ، معنی مراد کو اس کے برابر عبارت کے ساتھ ادا کرنا ہے بِأَنْ تَكُونَ عَلَى الْحَدِّ الَّذِي جَرَى بِهِ عُرْفُ أَوْسَاطِ النَّاسِ بایں صورت، باء تصویر یہ ہے، بایں صورت کہ عَلَى الْحَدِّ الَّذِي کہ وہ اس حد پر ہو جَرَى بِهِ کہ جس کے ساتھ جاری ہو عُرْفُ أَوْسَاطِ النَّاسِ، عرف کا معنی ہے عادت، عُرْفُ أَوْسَاطِ النَّاسِ متوسط درجے کے جو لوگ ہیں ان کی عادت کے بقدر۔

بھئی دیکھیے کہ معیار آپ کو بتلا رہے ہیں اور سب سے پہلے انہوں نے مساوات کو ذکر کیا۔ کس کو؟ مساوات کو۔ کیونکہ مساوات معیار ہے پیمانہ ہے، مساوات اصل ہے۔ اصل کیا ہے؟ مساوات۔ اس سے پتہ چلے گا ایجاز اور اطناب کا بھی۔ مساوات پہ نظر کریں گے کہ ایک معنی کو ادا کرنے کے لیے اتنے لفظ چاہئیں ہیں اور اس سے کم ہو گئے ہیں تو کیا کہیں گے؟ ایجاز، اور اس سے زیادہ ہو گئے ہیں تو کیا کہیں گے؟ اطناب کہیں گے۔ تو اصل کیا ہے؟ مساوات ہے، وہ پیمانہ ہے اس سے پتہ چلے گا ایجاز کا بھی اور اسی سے پتہ چلے گا اطناب کا بھی اس لیے اس کو سب سے پہلے ذکر کیا۔ اور مساوات کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا کہ معنی مراد کو اس کے برابر عبارت کے ساتھ ادا کرنا۔ بھئی اس کے برابر عبارت کا ہمیں کیسے پتہ لگے گا کہ یہاں ہم اس کے برابر کی عبارت سے ادا کر رہے ہیں یا ادا نہیں کر رہے؟ تو اس کی پہچان بھی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھئی متوسط درجے کے جو عام لوگ ہیں وہ عادت میں عام بول چال میں اس بات کو ادا کرنے کے لیے کتنے لفظ استعمال کرتے ہیں، اتنے ہی لفظ آپ بھی کلام بلیغ کے اندر استعمال کریں تو اس کو کہیں گے مساوات۔ کیا کہیں گے؟ مساوات۔ تو کس کو دیکھنا ہے؟ جو عام لوگوں کی عادت جاری ہے۔ بھئی ایک تو ہے بلیغ، ایک عام لوگ ہیں جو آپس میں معاملات کرتے ہیں بات چیت کرتے ہیں، یہ عام لوگ جتنا کلام اس معنی کو ادا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں جتنے لفظ استعمال کرتے ہیں اتنے ہی لفظ آپ بھی کلام کے اندر استعمال کریں اس معنی کو ادا کرنے کے لیے تو اس کو کہیں گے مساوات۔ کیا کہیں گے؟ مساوات۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو کس سے پہچان ہو گی؟ عرف سے یعنی عام لوگ جو متوسط درجے کے لوگ ہیں۔ متوسط اس لیے کہا کیونکہ کچھ اونچے درجے کے لوگ ہیں وہ تو بلیغ ہو گئے اور بلیغ کی تو ہم بات کر رہے ہیں، اور کچھ متوسط درجے سے کم درجے کے لوگ ہیں یعنی جو اپنے معنی کو بھی ٹھیک طرح ادا کرنے پر قادر نہیں۔ تو نہ ہم ان کی بات کر رہے ہیں جو پوری طرح بات کر ہی نہیں سکتے اور نہ ان کی بات کر رہے ہیں جو بلاغت تک پہنچے ہوئے ہیں، بلکہ متوسط درجے کے لوگ ہیں اور متوسط درجے کے وہ لوگ جو ان کے بیچوں بیچ ہیں نہ بلاغت تک پہنچے ہیں اور نہ یہ کہ بالکل بات کرنے سے ہی عاجز ہوں ایسا بھی نہیں۔ تو یہ متوسط درجے کے لوگ جس طرح کا کلام کرتے ہیں ایک معنی کو ادا کرنے کے لیے جتنے لفظ استعمال کرتے ہیں آپ بھی کلام بلیغ کے اندر اگر اتنے ہی لفظ استعمال کر لیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ مساوات کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے وَهِيَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى الْمُرَادِ بِعِبَارَةٍ مُسَاوِيَةٍ لَهُ اور وہ ادا کرنا ہے معنی مراد کو ایسی عبارت کے ساتھ جو اس کے مساوی ہو، یعنی اس میں حذف بھی نہیں ہے حذف ہو گا تو پھر تو لفظ کم ہو جائیں گے اور معنی زیادہ، اور اس کے اندر کوئی زیادتی بھی نہیں ہے زیادتی آئے گی پھر تو وہ کیا بن جائے گا؟ اطناب بن جائے گا۔ تو ایسی عبارت کے ساتھ جو اس کے برابر ہو بِأَنْ تَكُونَ عَلَى الْحَدِّ الَّذِي جَرَى بِهِ عُرْفُ أَوْسَاطِ النَّاسِ بایں صورت کہ وہ اس حد پر ہو جس پر متوسط لوگوں کی

عادت جو ہے جاری ہے۔ اور متوسط درجے کے لوگ کون ہیں وہ بتلا رہے ہیں: وَهُمُ الَّذِينَ لَمْ يَرْتَقُوا إِلَى دَرَجَةِ الْبَلَاغَةِ اور یہ وہ لوگ ہیں جو نہ پہنچے ہوں بلاغت کے درجے تک، نہ تو اتنے اعلیٰ ہیں کہ بلاغت کے درجے تک پہنچے ہوں وَلَمْ يَنْحَطُّوا إِلَى دَرَجَةِ الْفَهَاهَةِ۔ فَهَامَةِ ہے آپ کی کتابوں میں؟ فہامت نہیں ہونا چاہیے الف کے بعد بھی ہاء ہونی چاہیے بھئی۔ فہاہت کہتے ہیں کلام سے عاجز آ جانا۔ فہاہت کا کیا معنی؟ کلام سے عاجز آنا۔ تو الف سے پہلے بھی ہاء ہے الف کے بعد بھی ہاء ہے بھئی، فَهَاهَةٌ۔ تو کلام سے عاجز آنا، اور انْحَطَّ يَنْحَطُّ کے معنی ہیں نیچے اترنا۔ اور ارْتَقَى يَرْتَقِي کے معنی ہیں اوپر چڑھنا بھئی بلند ہونا۔ تو متوسط درجے کے لوگ جو ہیں وَهُمُ الَّذِينَ لَمْ يَرْتَقُوا إِلَى دَرَجَةِ الْبَلَاغَةِ اور یہ وہ لوگ ہیں جو نہ پہنچے ہوں بلاغت کے درجے تک وَلَمْ يَنْحَطُّوا إِلَى دَرَجَةِ الْفَهَاهَةِ اور نہ ہی فہاہت کے درجے تک نیچے ہوں بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ نہ ہی فہاہت یعنی کلام سے عاجزی کے درجے تک وہ نیچے ہوں کہ بات

اپنے معنی مراد کو ادا ہی نہیں کر پاتے ایسے لوگ بھی نہیں اور جو بلاغت تک پہنچے ہوں ایسے بھی نہیں، بلکہ ان کے بیچوں بیچ جتنے ہیں وہ سارے کیا ہیں؟ أَوْسَاطُ النَّاسِ ہیں متوسط درجے کے لوگ ہیں۔ نَحْوُ مثال کے طور پر وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ۔ وَإِذَا رَأَيْتَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو رہا ہے کہ اے پیغمبر وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ اور جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا، خَاضَ يَخُوضُ کے معنی ہوتے ہیں بحث کرنا، نکتہ چینی کرنا، الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا اے پیغمبر جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں اس میں جھگڑے نکالتے ہیں اس میں عیب نکالتے ہیں اس میں نکتہ چینی کرتے ہیں فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ تو آپ ان سے اعراض کیجیے ان سے کنارہ کش ہو جائیے، ان سے منہ موڑ لیجیے ان سے کنارہ کشی کر لیجیے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ اب دیکھیے یہ کلام بلیغ ہے اور اس کے اندر مساوات ہے۔ کیا ہے؟ مساوات۔ تو یہ کلام مساوی ہوا۔ اور میں نے بتلایا تھا کلام مساوی، کلام موجز اور کلام مطنب یہ ساری کس کی قسمیں ہیں؟ کلام بلیغ کی۔ بلیغ بھی کبھی ایسا کرتا ہے کہ اتنے ہی لفظ استعمال کر لیتا ہے جتنے عام لوگ استعمال کرتے ہیں، بلیغ ہی کبھی کیا کرے گا کم لفظ استعمال کر لے گا اور بلیغ ہی کبھی کیا کرے گا زیادہ لفظ استعمال کر لے گا۔ تو موقع محل کے مطابق کہیں پر ضرورت ہوتی ہے کہ برابر ہی کلام کیا جائے، کہیں پر ضرورت ہوتی ہے کہ کلام مختصر ہونا چاہیے لیکن بات پوری ہوتی ہے اس میں، اور کبھی ضرورت ہوتی ہے کہ بات ذرا لمبی ہونی چاہیے اور مزید فائدہ بھی ساتھ اس میں ہوتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ جو قرآن کی یہ آیت آئی اس کے اندر کلام جو ہے وہ مساوات پر مشتمل ہے یعنی یہ کلام مساوی ہے۔ عام لوگ بھی اگر اس طرح کی بات کرنا چاہیں تو اتنے ہی لفظ استعمال کریں گے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اے پیغمبر جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو جو بحث کرتے ہیں ہماری آیتوں میں فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ تو ان سے کنارہ کشی کر لیجیے۔

وَالْإِيجَازُ اور دوسری قسم ہے ایجاز بھئی۔ بھئی اَلْمُسَاوَاةُ اوپر آیا اور یہاں آیا اَلْإِيجَازُ اور آگے آئے گا اَلْإِطْنَابُ، ان تین پر بھی تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں بھئی۔ کیا کر سکتے ہیں؟ تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں جیسے میں پہلے بھی بعض جگہ بیان کر چکا ہوں۔ اگر اس پر آپ پڑھیں جر اَلْمُسَاوَاتِ، اَلْإِيجَازِ اور آگے اَلْإِطْنَابِ تو اس صورت میں یہ بدل ہو گا بِثَلَاثِ طُرُقٍ سے، یہ تین طریقے ہیں تو یہ اس سے بدل ہوا اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے تو ثَلَاثِ طُرُقٍ مجرور تھا تو یہ بھی کیا ہوں گے؟ مجرور۔ یا اس کو مفعول بنا لیں گے أَعْنِي کے لیے: أَعْنِي الْمُسَاوَاةَ وَالْإِيجَازَ وَالْإِطْنَابَ، تو یہ مفعول بنیں گے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، کہ تین طریقے ہیں میری مراد ہے مساوات، ایجاز اور اطناب۔ اور چاہیں تو اس کو مرفوع پڑھ لیں پھر ان کے لیے مبتدا محذوف نکال لیں گے: تین طریقے ہیں أَحَدُهَا الْمُسَاوَاةُ وَثَانِيهَا الْإِيجَازُ وَثَالِثُهَا الْإِطْنَابُ، تو اس کے لیے خبر بھی بنا سکتے ہیں۔

■ قولہ: «وَالْإِيجَازُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى...» کی تشریح

اگلی قسم تو کہتے ہیں وَالْإِيجَازُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى بِعِبَارَةٍ نَاقِصَةٍ عَنْهُ اور وہ ادا کرنا ہے معنی کو یعنی معنی مراد کو بِعِبَارَةٍ نَاقِصَةٍ عَنْهُ ایسی عبارت کے ساتھ نَاقِصَةٍ عَنْهُ جو اس سے ناقص ہو یعنی کم ہو مَعَ وَفَائِهَا بِالْغَرَضِ ساتھ پورا کرنے اس کے غرض کو۔ مَعَ وَفَائِهَا أَيْ مَعَ وَفَاءِ الْعِبَارَةِ بِالْغَرَضِ، ساتھ اس کے کہ وہ عبارت پورا کر رہی ہو، وفاء کا کیا معنی ہے؟ پورا کرنا، کہ وہ عبارت پوری کر رہی ہو بِالْغَرَضِ غرض کو۔ جو آپ کی مراد ہے اس کو پورا کر رہی ہے پورے طور پر ادا کر رہی ہے۔ تو ایجاز کی بات چل رہی ہے تو آپ لفظ جو لائے ہیں وہ معنی کے برابر لائے ہیں یا کم لائے ہیں؟ کم لائے ہیں، لیکن کم لانے کا یہ معنی نہیں کہ وہ جو معنی مراد ہے اس سے ادا ہی نہیں ہو رہا بلکہ ضروری ہے کہ معنی مراد بھی پوری طرح اس سے ادا ہو رہا ہو۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں مَعَ وَفَائِهَا بِالْغَرَضِ ساتھ اس کے کہ وہ غرض کو پوری طرح ادا کرے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو دیکھیے اب دوبارہ بامحاورہ ترجمہ: تو کہتے ہیں وَالْإِيجَازُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى بِعِبَارَةٍ نَاقِصَةٍ عَنْهُ مَعَ وَفَائِهَا بِالْغَرَضِ اور ایجاز جو ہے وہ معنی مراد کو ادا کرنا ہے ایسی عبارت کے ساتھ جو اس معنی سے چھوٹی ہو کم ہو مَعَ وَفَائِهَا بِالْغَرَضِ باوجود غرض کو پوری طرح ادا کرنے کے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ

قِفَا، وَقَفَ يَقِفُ سے امر ہے۔ وَقَفَ يَقِفُ سے امر آئے گا قِفْ ٹھہر جاؤ۔ وَقَفَ يَقِفُ کے معنی ٹھہرنا، قِفْ امر آ گیا کیا معنی؟ ٹھہر جاؤ۔ اور یہ تثنیہ کا صیغہ ہے قِفَا اے میرے دو دوستو ٹھہر جاؤ تم دونوں ٹھہر جاؤ۔ نَبْكِ ہم رو لیں۔ بَكَى يَبْكِي کا کیا معنی ہے؟ رونا، اور یہ جواب امر ہے اس لیے مجزوم ہے اور حالت جزم میں کیا

ہوتا ہے؟ آخر میں حرف علت ہو تو وہ گر جاتا ہے تو بَكَى يَبْكِي کے نَبْكِي تھا یاء آخر سے گر گئی۔ قِفَا اے میرے دو دوستو ٹھہر جاؤ نَبْكِ ہم رولیں مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ، ذِكْرَى کہتے ہیں یاد کو، مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ محبوب اور گھر کی یاد سے یعنی اے میرے دو دوستو ٹھہر جاؤ ذرا ہم رولیں مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ محبوب اور گھر کو یاد کر کے۔ اے میرے دو دوستو ٹھہر جاؤ کہ ہم رولیں محبوب کو اور گھر کو یاد کر کے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

یہ امرا ؤالقیس کا شعر ہے بھئی۔ امرا ؤالقیس عرب کا بڑا ہی فصیح و بلیغ اور مشہور شاعر گزرا ہے اور اگلے سال یا اس سے اگلے سال آپ سبعہ معلقات پڑھیں گے بھئی۔ وہ سات قصیدے جو عرب کی فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں اور جس کو انہوں نے بیت اللہ کے اندر لٹکا رکھا تھا تاکہ باہر دنیا سے لوگ جو آتے ہیں وہ ذرا ہماری فصاحت و بلاغت کو دیکھ لیں۔ تو عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا یہاں تک کہ وہ ساری دنیا والوں کو اپنے مقابلے میں عجم کہتے تھے کہ ہم عرب ہیں تو باقی دنیا والے کیا ہیں؟ عجم ہیں یعنی گونگے ہیں۔ ہماری زبان اتنی اعلیٰ و ارفع ہے کہ باقیوں کی زبانیں ان کے سامنے گویا کہ زبانیں ہیں ہی نہیں کس کی طرح ہیں؟ گونگوں کی طرح ہیں باقی لوگ بھئی۔ تو انہوں نے وہ قصیدے لٹکا رکھے تھے بیت اللہ کے اندر بھئی اور اسی طرح سوق عکاظ میں وہاں ان کے شعراء کے مقابلے ہوتے تھے وہاں یہ کلام منتخب کیا گیا تھا اور ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کا جو انتخاب تھا آج تک مسلم ہے کہ بڑے ہی فصیح و بلیغ قصیدے ہیں بھئی۔ تو یہ سبعہ معلقات میں سے جو پہلا معلقہ ہے امرا ؤالقیس کا اس کا یہ پہلا شعر ہے بھئی:

■ متن و شواہد: «قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ»

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ

بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

امرا ؤالقیس کیا کہتا ہے؟ اے میرے دو دوستو ٹھہر جاؤ ذرا ہم رولیں محبوب اور گھر کو یاد کر کے، بِسِقْطِ اللِّوَى وہ گھر جو کہاں پر تھا؟ ریت کے بل کھاتے ہوئے ٹیلوں کے کنارے پر ہے بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ دخول اور حومل مقام کے درمیان بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اب دیکھیے یہ بڑی ہی تھوڑی عبارت کے اندر بڑا ہی لمبا معنی ادا کر دیا امرا ؤالقیس نے۔ مختصر المعانی کے حاشیے میں اس سے متعلقہ ایک واقعہ بھی لکھا ہے اگرچہ وہ واقعہ بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا لیکن عجیب واقعہ لکھا ہے: کہتے ہیں یہ امرا ؤالقیس جو تھا اس کا باپ بہت بڑا شاعر تھا، تو یہ امرا ؤالقیس جب دس بارہ سال کا ہو گیا چودہ سال کا ہو گیا بالغ ہونے کے قریب ہو گیا تو اس کے باپ نے ایک دن اپنے غلاموں وغیرہ سے کہا اور جو جاننے والے احباب تھے قریبی کہ بھئی یہ بچہ بالغ ہونے کے قریب ہو گیا اور اس نے آج تک کوئی شعر نہیں کہا، میں تو اتنا بڑا شاعر ہوں اور میرا بیٹا ہے اور اتنی عمر کا ہو گیا اس نے کوئی شعر ہی نہیں کہا معلوم ہوا یہ میرا بیٹا نہیں ہے، جاؤ اس کو لے جاؤ اور جنگل میں لے جا کر اس کو قتل کر دو۔ چنانچہ غلاموں وغیرہ کو بھیج دیا ساتھ وہ اس کو لے گئے، کہتے ہیں وہاں پر اس کو انہوں نے پکڑا اور باندھا وغیرہ تو امرا ؤالقیس رونے لگ پڑا بچہ تھا اور روتے روتے اس نے کہا:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ

بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

تو انہوں نے وہ شعر سنا تو ان کے کان کھڑے ہو گئے اور پھر اس کو کھول کر لے آئے اور اس کے باپ کو آ کر کہنے لگے کہ تم تو کہتے ہو اس کو تو شعر نہیں آتے حالانکہ اس وقت روئے زمین پر اس سے بڑا شاعر کوئی نہیں ہے بھئی، اس نے شعر کہا اور شعر کے صرف ایک پہلے مصرعے کے اندر ہی اس نے چھ چیزیں ذکر کر دیں۔ باپ نے کہا کس طرح کیا کہا؟ کہتا ہے اس نے کہا قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ۔ تو دیکھو اس مصرعے کے اندر وہ خود بھی رک گیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی کہہ رہا ہے رک جاؤ: خود بھی رک گیا ایک چیز، اپنے ساتھیوں کو بھی کہہ رہا ہے رک جاؤ دوسری چیز، خود بھی رو رہا ہے تیسری چیز، اپنے ساتھیوں کو بھی کہہ رہا ہے رو لو تم میرے ساتھ چوتھی چیز، پانچویں چیز محبوب کو بھی یاد کر رہا ہے، چھٹی چیز گھر کو بھی یاد کر رہا ہے۔ تو چھ چیزیں ایک مختصر سے مصرعے کے اندر اس نے کہہ دیں بھئی۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو یہ ہے فصاحت و بلاغت بھئی۔ ویسے تو یہ حقیقت سے دور ہی معلوم ہوتا ہے اللہ ہی جانتے ہیں اس کی حقیقت، تو بہر حال جو بھی ہے یہ بہت بڑا شاعر گزرا ہے اور پھر خصوصاً اس کا پورا قصیدہ جو ہے جس کا عربوں نے انتخاب کر کے سبعہ معلقات کے اندر اس کو شامل کیا ہے بڑا ہی فصیح و بلیغ قصیدہ ہے اور بڑے فصیح و بلیغ اشعار ہیں۔

تو دیکھیے یہ شعر جو ہے اس میں امرا ؤالقیس نے چھ چیزیں ذکر کر دیں اور لفظ کتنے تھوڑے سے ہیں۔ تو محبوب اور گھر کی یاد سے متعلقہ اشعار میں سے یہ بہترین شعر ہے اور بہترین طریقے سے اس نے اپنے قصیدے کا آغاز کیا بھئی بڑے ہی خوبصورت شعر کے ساتھ۔ تو کیا کہہ رہا ہے شاعر کہ میرے دو دوستو تم ٹھہر جاؤ تاکہ ہم رولیں، اور تم بھی ٹھہر جاؤ اور میرے ساتھ رو اور میرے ساتھ معاونت کرو میری مدد کرو محبوب کو یاد کرنے میں اور گھر کو یاد کرنے میں میری معاونت کرو تاکہ ان کی یاد تازہ ہو جائے بھئی۔ تو میری مدد کرو محبوب کی یاد میں اور گھر کی یاد میں وہ گھر جہاں احباب سے ملاقاتیں ہوتی تھیں بھئی وہ گھر۔ قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ، اے میرے

دو دوستو ٹھہر جاؤ تا کہ ہم رولیں محبوب اور گھر کو یاد کر کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس میں کتنی ہی چیزیں شاعر نے ذکر کر دیں۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہاں عبارت ناقصہ یہ بایں اعتبار ہے کہ اصل میں تھامِنْ ذِكْرَى حَبِيبِنَا وَمَنْزِلِنَا، مضاف الیہ محذوف ہے ہمارے محبوب اور ہمارے گھر کو یاد کر کے ہم رولیں بھئی۔ لیکن جو معنی میں نے بیان کیا وہ زیادہ مناسب یہاں بنتا ہے بھئی، چھ کی چھ چیزیں اس نے ذکر کر دی ہیں ایک ہی شعر کے اندر بھئی۔

■ قولہ: «فَإِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرَضِ سُمِّيَ إِخْلَالًا» کی تشریح

فَإِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرَضِ سُمِّيَ إِخْلَالًا۔ وَفَى يَفِي کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ پورا کرنا۔ فَإِذَا لَمْ تَفِ، لَمْ تَفِ آخر سے یاء گر گئی لَمْ کی وجہ سے کیونکہ لَمْ جزم دیتا ہے اور مؤنث کا صیغہ ہے لَمْ تَفِ کیونکہ ضمیر راجع ہے عبارت کو۔ فَإِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرَضِ پس جب عبارت پوری نہ کرے غرض کو سُمِّيَ إِخْلَالًا تو اس کو اخلال کہتے ہیں۔ دیکھو وہ چوتھی قسم یہ آگئی۔ ایجاز کے اندر دیکھو عبارت تھوڑی ہوتی ہے لیکن وہ معنی مراد کو اور غرض کو پورے طور پر ادا کر دے تو اس کو کہتے ہیں ایجاز، اور اگر پورے طور پر ادا نہ کرے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اخلال کہتے ہیں۔ یہ معنی ہے فَإِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرَضِ سُمِّيَ إِخْلَالًا اور جب وہ عبارت غرض کو پوری نہ کرے یعنی پورا معنی مراد اس سے ادا نہ ہو سُمِّيَ إِخْلَالًا تو اس کو اخلال کہتے ہیں۔ كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

وَالْعَيْشُ خَيْرٌ فِي ظِلَا

لِ النُّوكِ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا

اب ظِلَالِ یہ دوسرا لام دوسرے مصرعے کے اندر چلا گیا ہے حالانکہ یہ ایک لفظ ہے بھئی اور کلام عرب میں ایسا ہوتا ہے کہ آدھا لفظ ایک مصرعے میں ہوتا ہے تو آدھا لفظ دوسرے مصرعے میں یا اس کا کچھ حصہ دوسرے مصرعے میں بھی لے جاتے ہیں بھئی کیونکہ اشعار کے اپنے اوزان ہوتے ہیں ان اوزان کو برقرار رکھنے کے لیے۔ بھئی دیکھیے شاعر اس شعر میں یہ کہنا چاہتا ہے، پہلے معنی سمجھ لو پھر دیکھو شعر کے اندر اخلال کس طرح ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے: ایک زندگی ہے جو حماقت کے ساتھ ہو مگر ہو عیش و نعمتوں کے اندر مال و دولت کے ساتھ ہو، اور ایک زندگی وہ ہے جو عقل کے ساتھ ہو لیکن ہو مشقت میں کہ انسان روزی کے پیچھے دوڑ لگاتا رہے کہ کس طرح کھانے پینے اور رہنے کا بندوبست ہو بھئی۔ تو دو قسم کی زندگیاں ہیں: ایک نعمتوں والی زندگی ہے حماقت کے ساتھ اور ایک عقل والی زندگی ہے لیکن مشقت کے ساتھ۔ تو شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ وہ زندگی جو نعمتوں والی ہے چاہے حماقت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو وہ زندگی بہتر ہے اس زندگی سے جس میں انسان کے پاس عقل تو ہو لیکن ہر وقت کس میں مبتلا ہو؟ مشقت کے اندر۔ تو کہتے ہیں نعمتوں والی زندگی بہتر ہے مشقتوں والی زندگی سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو شاعر کیا کہنا چاہتا ہے کہ نعمتوں والی زندگی چاہے وہ حماقت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو وہ بہتر ہے کس سے؟ مشقت والی زندگی سے جس میں عقل ہی کیوں نہ ہو بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے شاعر کہنا یہ چاہتا ہے لیکن اس کے شاعر کے الفاظ اس معنی کو پورے طور پر ادا نہیں کر رہے تو اس کو اخلال کہتے ہیں۔ دیکھیے ترجمہ شعر پر نظر رکھیے: وَالْعَيْشُ اور زندگی جو ہے خَيْرٌ وہ بہتر ہے فِي ظِلَالِ النُّوكِ، یہ حال ہے عیش سے بھئی۔ ظِلَالِ جمع ہے ظِلٌّ کی یا ظُلَّةٌ کی۔ ظِلٌّ کی جمع ہو تو ظِلٌّ سائے کو کہتے ہیں تو ظلال جمع ہو گئی، یا ظُلَّةٌ سائبان کو کہتے ہیں وہ چیز جس سے سایہ لیا جائے چاہے خیمہ ہو گیا درخت ہو گیا کوئی چیز جو سایہ دینے والی ہے اس کو ظُلَّةٌ کہتے ہیں۔ اور نُوكٌ یہ کہتے ہیں حماقت کو، بے وقوفی بھئی۔ تو گویا یوں ہے عبارت اصل میں: وَالْعَيْشُ فِي ظِلَالِ النُّوكِ خَيْرٌ اور وہ زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہو وہ بہتر ہے، کس زندگی سے؟ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا۔ بھئی خَيْرٌ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے آپ نے پڑھے ہیں کہ یا مِنْ کے ساتھ ہو گا یا الف لام کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ۔ یہاں یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے، یہ خَيْرٌ اسم تفضیل ہے اصل میں تھا أَخْيَرُ أَفْعَلُ وزن پھر یاء کی حرکت نقل کر کے خاء کو دے دی گئی اور ہمزہ کو شروع سے خلاف القیاس حذف کر لیا گیا کیا بن گیا؟ خَيْرٌ۔ اور یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہے آگے جو آرہا ہے مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا۔ مِمَّنْ اصل میں تھا مِنْ مَنْ عَاشَ كَدًّا، تو پھر نون کو بھی میم کر کے میم میں ادغام کر دیا گیا تو مِمَّنْ ہوا۔ اور یہ جو آیا نا مِمَّنْ اس میں یہ مِنْ کے بعد اور مَنْ سے پہلے عَيْشُ کا لفظ مضاف محذوف ہے أَيْ مِنْ عَيْشِ مَنْ عَاشَ كَدًّا۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ مِنْ عَيْشِ مَنْ عَاشَ كَدًّا۔

■ قولہ: «مِنْ عَيْشِ مَنْ» کی تشریح

تو یہ جو زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہو یہ بہتر ہے مِنْ عَيْشِ مَنْ اس شخص کی زندگی سے عَاشَ كَدًّا جو زندگی گزارتا ہے كَدًّا أَيْ مَكْدُودًا، یہ حال ہے بھئی مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ آپ نے پڑھا ہے مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے، اور یہ حال واقع ہو رہا ہے تو یہاں یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے اور كَدٌّ کے معنی ہیں روزی کمانا محنت کرنا، تو مَكْدُودٌ کا معنی ہوا تھکا ہوا۔ کیا معنی ہوا؟ تھکا ہوا یعنی تھکا ماندہ بھئی۔ تو مِنْ عَيْشِ مَنْ عَاشَ

كَدًّا اس شخص کی زندگی کے مقابلے میں جو زندگی گزارتا ہے كَدًّا أَيْ مَكْدُودًا تھکاماندہ، جو زندگی گزارتا ہے اس حال میں کہ وہ تھکاماندہ ہوتا ہے یعنی مشقت میں ہوتا ہے سختی کے اندر ہوتا ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو عبارت کیا ہوئی اس ترتیب سے: وَالْعَيْشُ فِي ظِلَالِ النُّوكِ خَيْرٌ مِنْ عَيْشِ مَنْ عَاشَ كَدًّا، اور وہ زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہو وہ بہتر ہے مِنْ عَيْشِ مَنْ عَاشَ كَدًّا اس شخص کی زندگی سے جو زندگی گزارتا ہے تھکاماندہ۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

اچھا اب دیکھیے شاعر کہنا کیا چاہتا تھا؟ کہ نعمتوں والی زندگی چاہے حماقت میں کیوں نہ ہو وہ بہتر ہے، اور اب آپ دیکھیے: اور وہ زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہو وہ بہتر ہے، توجہ رکھنا بھئی، وہ زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہو وہ بہتر ہے، اس میں کوئی نعمتوں کا ذکر آیا؟ اس سے تو معلوم ہوا چاہے نعمتیں ہوں یا نہ ہوں بہر حال حماقت کے سایوں میں ہو تو وہ زندگی بہتر ہے۔ تو یہاں نعمتوں کا ذکر اس نے نہیں کیا حالانکہ کس کا ذکر کرنا چاہیے تھا؟ نعمتوں کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔ اور نیز آگے ہے یہ زندگی بہتر ہے اس شخص کی زندگی سے جو زندگی گزارے تھکاماندہ، اور وہاں تھکاماندہ ہونے کے ساتھ کہنا کیا چاہتا تھا؟ عقل ہو لیکن ہو کس طرح؟ تھکاماندہ۔ تو دوسرے حصے کے اندر عقل کو اس نے ذکر نہیں کیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلے میں کہا فِي ظِلَالِ النُّوكِ تو دوسرے میں کہنا چاہیے تھا فِي ظِلَالِ الْعَقْلِ، یہ زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہے بہتر ہے اس زندگی سے جو کس کے سایوں میں ہو؟ عقل کے سایوں میں، اور فِي ظِلَالِ الْعَقْلِ اس نے کہیں دوسرے میں ذکر کیا؟ تو دوسرے میں بھی پتہ لگا چاہے عقل میں ہو یا عقل میں نہ ہو تو اس میں دونوں صورتیں آگئیں، اور پہلے کے اندر اس نے نعمت کو ذکر نہیں کیا کہ چاہے نعمت ہو یا نعمت نہ ہو تو یہ تو دونوں صورتوں کو شامل ہوا حالانکہ یہ کہنا تو اس کا مقصد نہیں۔ وہ یہ تو نہیں کہنا چاہتا کہ وہ زندگی، توجہ کرو، وہ یہ تو نہیں کہنا چاہتا وہ زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہو وہ بہتر ہے چاہے نعمتوں والی ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں حماقتوں والی زندگی بہتر ہے کس زندگی کے مقابلے میں؟ مشقت والی زندگی کے مقابلے میں چاہے مشقت والی زندگی میں وہ عقل کے سایوں میں ہو یا عقل کے سایوں میں نہ ہو، حالانکہ وہ یہ تو نہیں کہنا چاہتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلے حصے کے اندر اس نے نعمتوں کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے حصے میں اس نے عقل کو ذکر نہیں کیا حالانکہ اس کی مراد ہے وہ کہنا یہ چاہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور دیکھیے یہ شعر معنی مراد کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا، پہلا حصہ جو ہے وَالْعَيْشُ خَيْرٌ فِي ظِلَالِ النُّوكِ یہاں سے کوئی نعمتوں والا معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ ذہن اس طرف جاتا بھی نہیں ہے، اور دوسرے میں کیا کہنا چاہتا ہے جو مشقت میں ہو اس میں کوئی عقل کا معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ بھئی بعض اوقات لفظ حذف ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس کی طرف فوراً ذہن منتقل ہو جاتا ہے کوئی نہ کوئی قرینہ وغیرہ ہوتا ہے تو یہاں پر کوئی قرینہ بھی نہیں ہے کہ جس سے ذہن پہلے مصرعے میں نعمتیں محذوف ہیں اور دوسرے میں عقل کا لفظ محذوف ہے کوئی قرینہ وغیرہ بھی نہیں ذہن اس کی طرف منتقل بھی نہیں ہوتا تو اس کو کیا کہیں گے؟ اخلال کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ اخلال کہیں گے۔ تو کہتے ہیں وَالْعَيْشُ خَيْرٌ فِي ظِلَالِ النُّوكِ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا اور وہ زندگی جو حماقت کے سایوں میں ہو وہ بہتر ہے اس شخص کی زندگی سے جو تھکاماندہ زندگی گزارے۔ مُرَادُهُ شاعر کی مراد یہ ہے أَنَّ الْعَيْشَ الرَّغْدَ فِي ظِلَالِ الْحُمْقِ کہ وہ زندگی اَلرَّغْدَ جو خوشحال ہو فِي ظِلَالِ الْحُمْقِ حماقت کے سائبانوں میں خَيْرٌ وہ بہتر ہے مِنَ الْعَيْشِ الشَّاقِّ فِي ظِلَالِ الْعَقْلِ اس زندگی سے جو مشقت والی ہو عقل کے سایوں میں، یہ کہنا چاہتا ہے اور شعر تو اس معنی کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا لہٰذا اس کو اخلال کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ اخلال کہیں گے۔

تو بلاغت کی اکثر کتابوں میں یہ شعر ذکر ہے اخلال کی مثال کے طور پر کہ یہ اخلال کی مثال ہے یہ شعر، یعنی اس سے معنی مراد پوری طرح ادا نہیں ہو رہا۔ لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ عقود الجمان کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس شعر کو اخلال کی مثال کے طور پر ذکر کرنا صحیح نہیں بلکہ اس شعر کے اندر شاعر نے علم بدیع کی ایک صنعت استعمال کی ہے جسے صنعت احتباک کہتے ہیں۔ احتباک، الف حاء تاء دو نقطوں والی باء الف اور کاف چھوٹا، احتباک۔ بات سمجھ میں آئی؟ وہ فرماتے ہیں اس میں صنعت احتباک استعمال کی ہے اور شاعر نے کمال کیا ہے۔ صنعت احتباک اس کو کہتے ہیں کہ آپ اپنے کلام میں دو چیزیں ذکر کرتے ہیں، توجہ ہے سبق کی طرف؟ آپ اپنے شعر میں دو چیزیں ذکر کرتے ہیں ایک چیز کے ساتھ بھی کچھ قیدیں ذکر ہیں اور دوسری چیز کے ساتھ بھی کچھ قیدیں ذکر ہیں، آپ یوں کرتے ہیں ایک چیز کے ساتھ ایک قید ذکر کر دی تو دوسری چیز کے ساتھ جو اس کی ضد قید ذکر کرنی تھی اس کو حذف کر لیتے ہیں کہ وہ خود بخود سمجھ میں آجائے گی، جب ایک چیز کے ساتھ اس کی ضد ذکر ہے تو دوسری ضد دوسری کے ساتھ خود بخود سمجھ میں آجائے گی، اور دوسری چیز کے ساتھ جو ایک چیز ذکر کی تو اس کو پہلی میں سے حذف کر دیا کہ دوسری کے ساتھ جب ایک چیز ذکر ہے تو پہلی میں اس کی ضد سننے والا خود بخود سمجھ لے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو پہلی چیز کے ساتھ ایک چیز ذکر ہے دوسری کے ساتھ اس کی ضد حذف، اور دوسری چیز کے ساتھ ایک چیز ذکر ہے تو پہلی سے اس کی ضد حذف۔ تو یہاں پر شعر کے اندر شاعر نے دو زندگیاں بیان کیں بھئی: پہلی زندگی کے ساتھ قید تھی فِي ظِلَالِ النُّوكِ کہ کس میں ہو وہ زندگی؟ حماقت کے سایوں میں ہو، تو اگلی زندگی سے فِي ظِلَالِ الْعَقْلِ جو اس کی ضد تھی اس کو حذف کر لیا کہ اس سے خود بخود سمجھ میں آجائے گا پہلی کے ساتھ فِي ظِلَالِ النُّوكِ کی قید حماقت کی قید ہے تو دوسری میں کون سی قید سمجھ میں آجائے گی کہ وہ عقل والی اس میں فِي ظِلَالِ الْعَقْلِ کی قید ہے۔ اور دوسری زندگی کے ساتھ كَدًّا مشقت کی قید ذکر کر دی تو پہلے کے اندر رَغْدًا کی قید جو ہے وہ خود بخود سمجھ میں آجائے گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ کیا فرماتے ہیں یہ صنعت احتباک ہے اور واقعی یہ صنعت احتباک ہے یہاں پر بھئی۔ لیکن بہر حال بلاغت کی جتنی کتابیں ہیں ان میں اس شعر کو اخلال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے بھئی حالانکہ یہاں صنعت احتباک ہے۔ بھئی بات بن رہی ہے یا نہیں بن رہی؟ پہلی میں فِي ظِلَالِ الْحُمْقِ ذکر ہے تو دوسری سے کیا حذف کر دیا؟ فِي ظِلَالِ الْعَقْلِ، اور دوسری میں كَدًّا کی قید ذکر کر دی تو پہلی سے رَغْدًا کی قید کیا کر دی؟ حذف کر دی بھئی۔

وَالْإِطْنَابُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى بِعِبَارَةٍ زَائِدَةٍ عَنْهُ مَعَ الْفَائِدَةِ اور اطناب جو ہے تیسری قسم اور وہ ادا کرنا ہے معنی کو یعنی معنی مراد کو بِعِبَارَةٍ زَائِدَةٍ عَنْهُ ایسی عبارت کے ساتھ جو اس سے زائد ہو مَعَ الْفَائِدَةِ ساتھ کس کے؟ فائدے کے۔ بھئی یہ جو زائد عبارت ہو یہ بھی کس کے ساتھ ہو گی؟ فائدے کے ساتھ ہو گی فائدے سے خالی نہیں ہو گی بھئی۔ اور کیا فائدہ ہو گا؟ یاد رکھیے حکم کے اندر زور پیدا کرنا، اس کی تقویت کے لیے اور اس میں تاکید پیدا کرنا اس کو پکا کرنا بھئی۔ تو اس میں عبارت زائد لائی جاتی ہے اور اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے جس سے اس بات کے اندر مزید قوت آجاتی ہے اور مزید پختہ ہو جاتی ہے تاکید آجاتی ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ جیسے نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا۔ حضرت زکریا علیہ السلام اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: قَالَ وہ فرماتے ہیں رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي کہ اے میرے پروردگار إِنِّي بے شک میں، وَهَنَ، وہن کے معنی کمزور ہونا، عظم کہتے ہیں ہڈی کو، إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا۔ اشْتَعَلَ کا معنی ہے شعلے مارنا، بھڑکنا۔ الرَّأْسُ اور میرا سر جو ہے وہ شعلے مار رہا ہے شَيْبًا، شیب کہتے ہیں بڑھاپے کو، سفید بالوں کو، اور میرا سر جو ہے شعلے مار رہا ہے باعتبار سفید بالوں کے یا باعتبار بڑھاپے کے۔ یہ تو میں نے لفظی ترجمہ کیا، معنی یہ ہے کہ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا اور میرے سر میں بڑھاپا چمک رہا ہے، یوں بامحاورہ کریں: میرے سر میں بڑھاپا چمک رہا ہے یعنی میرے سر میں سفیدی پھیل گئی ہے، یوں ترجمہ کر لیں۔ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا، فرمایا انہوں نے کہ اے میرے پروردگار بے شک میری ہڈیاں جو ہیں وہ کمزور ہو گئی ہیں اور میرے سر میں سفیدی پھیل گئی ہے۔ أَيْ كَبِرْتُ یعنی میں بوڑھا ہو گیا ہوں بڑی عمر والا ہو گیا ہوں۔

اب دیکھیے بھئی اس کلام کے اندر حضرت زکریا علیہ السلام جو ہیں وہ اپنے بڑھاپے کو بیان کر رہے ہیں۔ کس کو بیان کر رہے ہیں؟ اپنے بڑھاپے کو۔ اور عام متوسط درجے کے لوگ اگر اس معنی کو ادا کریں تو وہ یوں کہیں گے يَا رَبِّ كَبِرْتُ۔ کیا کہیں گے؟ يَا رَبِّ كَبِرْتُ اے اللہ میں بڑی عمر والا ہو گیا ہوں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یا یوں کہے گا يَا رَبِّ شِخْتُ، شَيْخٌ بوڑھے کو کہتے ہیں شین یاء خاء شیخ، تو شیخ جیسے عربی میں استاد کو کہتے ہیں اسی طرح بوڑھے کو بھی کہتے ہیں اسی طرح وہ شخص جس کی بیوی ہو اس کو بھی کہتے ہیں بھئی۔ تو يَا رَبِّ شِخْتُ اے اللہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ تو اگر متوسط درجے کے لوگ اس معنی کو ادا کرنا چاہیں تو وہ یوں کہیں گے يَا رَبِّ كَبِرْتُ کہیں گے یا يَا رَبِّ شِخْتُ کہیں گے، اور حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھو کتنے لفظ استعمال کر لیے: إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا۔ تو اتنے ہی لفظ استعمال کیے جتنے متوسط لوگ استعمال کرتے ہیں یا اس سے زائد استعمال کیے؟ اس سے زائد استعمال کیے تو معلوم ہوا یہ اطناب ہے، اور ہے کلام بلیغ بھئی۔ اور اس سے دیکھو بات میں قوت پیدا ہو گئی، مضبوطی آگئی، خوب وضاحت ہو گئی کہ کس طرح انہوں نے کہا اے اللہ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور ہڈیوں پر تو سارے بدن کا مدار ہوتا ہے اور اسی پر سارا ڈھانچہ ہوتا ہے بدن کا تو جب ہڈیاں جو بنیاد ہے وہ کمزور ہو گئی ہے تو معلوم ہوا باقی سارا بدن بھی کیا ہو گیا ہے؟ کمزور ہو گیا ہے بھئی۔ اور سر میں کیا آگئے ہیں؟ سر کے بالوں میں سفیدی چمک رہی ہے سفیدی پھیل گئی ہے بھئی۔ تو بات میں دیکھو ذرا زور آگیا قوت آگئی بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہ ہے اطناب بھئی۔ اسی لیے کہا أَيْ كَبِرْتُ یعنی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔

■ قولہ: «فَإِذَا لَمْ تَكُنْ فِي» کی تشریح

یہ تو وہ صورت ہے دیکھو زائد عبارت ہے ساتھ فائدہ بھی ہے، وضاحت ہو گئی بات میں زور آگیا بات خوب پختہ ہو گئی پکی ہو گئی۔ فَإِذَا لَمْ تَكُنْ فِي الزِّيَادَةِ فَائِدَةٌ سُمِّيَ تَطْوِيلًا، پس اگر نہ ہو زیادتی کے اندر کوئی فائدہ تو اس کو تطویل کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تطویل۔ بھئی اگر کوئی شخص کیا کرتا ہے اپنے کلام میں معنی مراد سے زائد عبارت لے کر آتا ہے اور وہ زائد عبارت بغیر کسی فائدے کے ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو اس کو کہتے ہیں تطویل۔ کیا کہتے ہیں؟ تطویل۔ اور پھر اسی کی ایک قسم حشو بھی ہے، حشو بھی ذکر کریں گے۔ اور فرق یہ ہے تطویل اور حشو میں کہ مثلاً دیکھو ایک معنی ادا ہو سکتا تھا چار لفظوں کے ساتھ اور ایک شخص نے پانچ لفظوں میں ادا کر دیا، تو اس کو تطویل تب کہیں گے جب پتہ نہ چل رہا ہو کون سا لفظ زائد ہے۔ ایک لفظ زائد ہے لیکن کس کو زائد قرار دیں؟ اس والے کو قرار دیں یا اس والے کو زائد قرار دیں؟ طے نہ ہو رہا ہو پتہ نہ چل رہا ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تطویل۔ اور اگر طے ہو جائے پتہ لگ جائے کہ یہ والا لفظ زائد ہے متعین ہو جائے اس کو کہتے ہیں حشو بھئی، حاء شین واؤ حشو۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو بس تطویل اور حشو میں صرف فرق تعین اور عدم تعین کا ہے: تطویل کے اندر جو زائد لفظ ہو گا وہ متعین نہیں ہو گا جبکہ حشو کے اندر وہ جو زائد لفظ ہے وہ متعین ہو گا۔ فرق سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اگر زائد لفظ لائے جائیں اور ان کا کوئی فائدہ بھی ہو تو اس کو کہتے ہیں اطناب اور یہ بلاغت کی قسم ہے، اور اگر زائد لفظ ہو اور وہ بغیر کسی فائدے کے ہو تو پھر یہ بلاغت سے خارج ہے۔ تو اگر وہ زائد لفظ متعین ہو تو پھر اس کو حشو کہیں گے اور اگر وہ زائد لفظ متعین نہ ہو تو اس کو تطویل کہیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے فَإِذَا لَمْ تَكُنْ فِي الزِّيَادَةِ فَائِدَةٌ پس اگر نہ ہو اس زیادتی کے اندر کوئی فائدہ سُمِّيَ تَطْوِيلًا تو اس کو تطویل کہتے ہیں إِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ غَيْرَ مُتَعَيِّنَةٍ اگر وہ زیادتی متعین نہ ہو کہ کون سا لفظ زائد ہے تو اس کو تطویل کہیں گے، وَحَشْوًا إِنْ تَعَيَّنَتْ اور اس کو حشو کہیں گے اگر وہ زائد لفظ کیا ہو؟ متعین ہو۔ فَالتَّطْوِيلُ نَحْوُ تو تطویل جو ہے اس کی مثال جو ہے: وَأَلْفَى قَوْلَهَا كَذِبًا وَمَيْنًا۔ وَالْحَشْوُ نَحْوُ: وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ۔ فَالتَّطْوِيلُ نَحْوُ

تطویل کی مثال جیسے وَأَلْفَى، أَلْفَى يُلْفِي کے معنی ہیں پانا، وَأَلْفَى اور اس نے پایا قَوْلَهَا اس عورت کے قول کو كَذِبًا وَمَيْنًا۔ كَذِبٌ کا معنی ہے جھوٹ اور مَيْنٌ کا معنی بھی ہے جھوٹ۔ كَذِبًا وَمَيْنًا، كَذِبٌ کا معنی بھی جھوٹ اور مَيْنٌ کا معنی بھی جھوٹ بھئی۔ تو اب ان دونوں میں سے كَذِبًا وَمَيْنًا یہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے تو ایک لفظ زائد ہوا، زائد لفظ بغیر فائدے کے آرہا ہے کوئی الگ فائدہ ہے؟ نہیں، كَذِبٌ کا معنی بھی جھوٹ مَيْنٌ کا معنی بھی جھوٹ تو ایک لفظ زائد ہے۔ لیکن کون سا لفظ زائد ہے کس کو زائد قرار دیں؟ کہتے ہیں تعیین نہیں ہو رہی بھئی، كَذِبٌ کو زائد قرار دیا جائے یا مَيْنٌ کو زائد قرار دیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھیے یہ مصرعہ ہے ایک شعر کا: وَأَلْفَى قَوْلَهَا كَذِبًا وَمَيْنًا، اور اس شخص نے اس عورت کے قول کو جھوٹ پایا۔ یہ ظہور اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے کا واقعہ ہے کہ حیرہ ایک مقام تھا وہاں پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا، ایک اور بادشاہ اس نے اس پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی اس کو قتل کر دیا اور اس کی سلطنت اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔ تو یہ جس نے قبضہ کیا اس کا نام تھا جذیمۃ الابرش۔ کیا نام تھا؟ جذیمۃ، جیم ذال یاء میم اور گول تاء، جذیمۃ الابرش اس کا نام تھا۔ اس نے قبضہ وہاں پر کر لیا اور حکومت کرنے لگا، اور وہ بادشاہ جس کو اس نے قتل کر دیا تھا اس کی بیٹی تھی ایک وہ بیٹی وہاں سے بھاگ نکلی جب جنگ ہوئی اور دوسری جگہ جا کر اس نے پناہ لے لی۔ یہ ادھر حکومت کرنے لگا ادھر اس کی بیٹی جو ہے اس نے پھر اپنے فوجیوں کو دوبارہ جمع کیا اور دیگر بادشاہوں سے اور عیسائی حکمرانوں وغیرہ سے مدد لی اور پھر ایک فوج اکٹھی کی اور اس پر دوبارہ حملہ آور ہوئی اور اس کو شکست دے دی۔ جذیمۃ الابرش وہاں سے بھاگ نکلا اور پھر اپنے علاقے میں آگیا بھئی۔ تو وہ عورت اب حکومت کرنے لگی اپنے باپ کی جگہ پر بھئی۔

لیکن اسے چین نہیں آرہا تھا کہ اس شخص نے ہماری ساری خوشیاں ختم کر دیں میرے والد کو قتل کر دیا اب میں کس طرح اس سے انتقام لوں سمجھ میں نہیں آرہا تھا، قابو میں بھی وہ شخص نہیں ہے دور ہے اور اس کے پاس بھی فوج ہے اب پکڑنا بھی آسان نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے یوں کیا چال چلی بھئی: اس نے اس جذیمۃ الابرش کو خط لکھا کہ دیکھو جو جنگ وغیرہ ہونی تھی جو لڑائی جھگڑا ہونا تھا وہ تو گزر گیا لیکن تم جانتے ہو میں عورت ہوں، حکومت کرنا میرے لیے مشکل کام ہے اتنی بڑی سلطنت کو سنبھالنا اور میں شادی بھی کرنا چاہتی ہوں اکیلی زندگی نہیں گزار سکتی، اور تم بہادر آدمی ہو تو کیوں نہ ہم دونوں آپس میں شادی کر لیں اور اس طرح تمہاری سلطنت بھی بڑھ جائے گی یہ بادشاہت بھی تمہاری بھی تمہارے پاس یہ میری والی بادشاہت بھی تمہارے ہاتھ آجائے گی اور لڑائی جھگڑا جو ہونا تھا وہ تو گزر گیا بھئی۔ اور کہتے ہیں اپنی ایک تصویر بھی مصوروں کے ذریعے بنوا کر بھجوائی کہ میں اتنی حسین و جمیل ہوں۔ چنانچہ جذیمۃ الابرش کو وہ خط ملا تو بڑا خوش ہوا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے، کابینہ کے لوگوں کو اپنے وزراء مشیروں وغیرہ کو جمع کیا ان سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے بھئی یہ خط آیا ہے اس ملکہ کی طرف سے۔ وزراء جیسے عموماً ہوتا ہی ہے سارے احمق لوگ جمع تھے تو وہ سارے کہنے لگے یہ تو بڑی اچھی بات ہے سلطنت کتنی وسیع ہو جائے گی اور بات بھی اس کی ٹھیک ہے واقعی وہ عورت ہے حکومت کرنا مشکل ہے اس کے لیے اور اس نے شادی بھی کرنی ہے۔ تو ایک ان میں البتہ دانا اور عقلمند آدمی تھا وہ کہنے لگا نہیں بادشاہ اس طرح نہ کرنا کبھی غلطی یہ کوئی شادی وغیرہ کا پروگرام نہیں ہے یہ دراصل انتقام لینا چاہتی ہے آپ سے کہ آپ نے ان کو جو نقصان پہنچایا اور اس کے باپ کو قتل کیا۔ لیکن اتنے لوگوں میں ایک آدمی کی بات کون سنتا ہے، جذیمۃ الابرش کہنے لگا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بھئی دیکھو اس نے خط لکھا ہے کتنی تفصیل لکھی ہے اور یہ دیکھو تصویر بھی بھیجی ہے فلاں وغیرہ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں تیار ہو اوہاں جانے کے لیے۔

تو پھر بھی اس دانا نے کہا کہ دیکھیے آپ میری بات مان نہیں رہے میں کہہ رہا ہوں کہ یہ شادی وغیرہ کی بات نہیں ہے یہ آپ سے انتقام لینا چاہتی ہے لیکن چلیے آپ میری بات نہیں مانتے تو پھر بھی میں یہ ایک بڑا ہی عمدہ قسم کا اور بہترین گھوڑا جو ہے تیار رکھوں گا، جیسے ہی کوئی بات پیش آئی تو یہ گھوڑا فوراً میں ہر وقت تیار رکھوں گا آپ نے فوراً اس پر بیٹھ کر نکل جانا ہے وہاں سے تاکہ آپ کی جان بچ جائے۔ چنانچہ یہ چل پڑے بھئی اور وہاں پہنچے تو اس نے پہلے ہی اپنے آدمیوں کو فوجیوں کو چھپا کر رکھا ہوا تھا اور جیسے ہی وہاں پہنچے انہوں نے ان کو گھیر لیا اور پکڑ لیا اور وہ جو تدبیر اس نے کی ہوئی تھی وہ بھی موقع ہی نہیں ملا اس کے نکلنے کا، چنانچہ اس کو پکڑ لیا اس عورت نے اور پھر باندھ دیا گیا اس کو اور پھر اس کی جو بازو میں جو رگ ہوتی ہے نبض بھئی ہاتھ میں جو نبض ہوتی ہے جس کے ذریعے طبیب لوگ بیماری کا پتہ لگاتے ہیں اور آپ جانتے ہیں یہ سیدھی براہ راست دل سے آرہی ہوتی ہے اسی لیے دل کی حرکت کے ساتھ اس میں بھی حرکت ہوتی ہے اور اس میں خون کا بڑا دباؤ ہوتا ہے براہ راست دل سے خون آرہا ہوتا ہے اور یہ ایک دفعہ کٹ جائے تو پھر خون کا رکنا بڑا مشکل ہوتا ہے، تو اس عورت نے پھر اس کی دونوں یہ رگیں کٹوا دیں بھئی اور خون نکلتا رہا یہاں تک کہ وہ پھر مر گیا بھئی۔ تو یہ اس کے بارے میں ایک شاعر نے شعر کہا: وَأَلْفَى قَوْلَهَا كَذِبًا وَمَيْنًا، اور جذیمۃ الابرش نے پایا قَوْلَهَا اس کے قول کو، اور یہ ملکہ جو تھی اس کا نام تھا زباء بھئی، زاء باء الف اور ہمزہ اور باء مشدد ہے زباء بھئی۔ تو یہ وَأَلْفَى قَوْلَهَا كَذِبًا وَمَيْنًا اور جذیمۃ الابرش نے اس زباء کے قول کو جھوٹ پایا۔ تو اب دیکھیے یہاں پر یہ كَذِبٌ اور مَيْنٌ کا ایک معنی ہے ان میں سے ایک لفظ زائد ہے کوئی فائدہ نہیں دے رہا اور متعین بھی نہیں ہو رہا کس کو زائد قرار دیں كَذِبٌ کو زائد قرار دیں کہ مَيْنٌ کو زائد قرار دیں، تو اس کو تطویل کہیں گے۔

اور اگر وہ زائد متعین ہو تو اس کو حشو کہتے ہیں اس کی بھی مثال ذکر کر رہے ہیں: وَالْحَشْوُ نَحْوُ اور حشو کی مثال جیسے: وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ، اور میں جانتا ہوں عِلْمَ الْيَوْمِ آج کا علم بھی وَالْأَمْسِ أَيْ عِلْمَ الْأَمْسِ جس کا عطف اَلْيَوْمِ پر ہے اور میں کل کا علم بھی جانتا ہوں۔ امس کہتے ہیں گزشتہ کل۔ اَمْسِ کسے کہتے ہیں؟ گزشتہ کل۔ وَالْأَمْسِ اور میں جانتا ہوں اس گزشتہ کل کا علم بھی قَبْلَهُ جو اس آج سے پہلے ہے۔ تو شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ کل جو کچھ ہوا تھا میں وہ بھی جانتا ہوں آج جو کچھ ہو رہا ہے میں وہ بھی جانتا ہوں لیکن آئندہ کیا ہو گا اس کا مجھے علم نہیں ہے بھئی۔ تو کہتا ہے وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ اور میں جانتا ہوں آج کا

علم بھی اور گزشتہ کل کا بھی جو اس آج سے پہلے تھا۔ اب اس کے اندر یہ جو قَبْلَهُ لفظ آیا نا یہ ہے زائد بھئی۔ یہ کیا ہے؟ زائد ہے، اس لیے کیونکہ قَبْلَهُ کا کیا معنی؟ جو آج سے پہلے ہے، اور یہی معنی تو اَمْسِ بھی ادا کر رہا ہے گزشتہ کل کس کو کہتے ہیں جو آج سے پہلے ہوتا ہے، تو یہ قَبْلَهُ کا لفظ زائد ہے۔ تو اس کو کہیں گے حشو بھئی۔ کیا کہیں گے؟ حشو کہیں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں کیسے متعین ہو گیا اور پچھلے میں كَذِبٌ اور مَيْنٌ میں تعین نہیں ہو رہا تھا کہ کون سا زائد ہے اور یہاں پر آپ کہہ رہے ہیں قَبْلَهُ کیا ہے؟ زائد ہے۔ کہتے ہیں بھئی اس کا طریقہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر زائد لفظ آجائے تو ایک کو اٹھا کر اس کی جگہ پر دوسرے کو رکھو، اگر معنی صحیح رہتا ہے اگر عطف صحیح ہوتا ہے تو معلوم ہوا تعین نہیں ہو رہا، اور اگر پھر عطف نہیں ہو سکتا ایک کو دوسرے کی جگہ پر نہیں رکھ سکتے تو پھر معلوم ہوا یہ زائد ہے بھئی۔ تو دیکھیے پچھلے میں كَذِبًا کو اٹھایا اور اس کی جگہ مَيْنًا رکھا وَأَلْفَى قَوْلَهَا مَيْنًا معنی پھر بھی صحیح رہتا ہے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اگر یہاں پر اَلْأَمْسِ کو اٹھائیں اور اس کی جگہ قَبْلَهُ رکھیں وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَقَبْلَهُ تو یہ عطف ہی درست نہیں، قَبْلَهُ کو اَمْسِ کی جگہ پر رکھنا ہی صحیح نہیں تو معلوم ہوا یہ زائد ہے۔ اگر اس کی جگہ پر رکھنا صحیح ہوتا تو پھر تعین نہیں ہو سکتا تھا کہ کس کو رکھیں کس کو ختم کریں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۰: دواعیِ ایجاز واطناب اور اقسامِ ایجاز: ایجازِ قصر اور ایجازِ حذف (حذفِ حرف، اسم، فعل، شرط، جوابِ شرط وجملہ)

دروس البلاغہ صفحہ: ۷۸ــــ بتاریخ: ۹ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمِنْ دَوَاعِي الْإِيجَازِ تَسْهِيلُ الْحِفْظِ، وَتَقْرِيبُ الْفَهْمِ، وَضِيقُ الْمَقَامِ، وَالْإِخْفَاءُ، وَسَآمَةُ الْمُحَادَثَةِ۔ وَمِنْ دَوَاعِي الْإِطْنَابِ تَثْبِيتُ الْمَعْنَى، وَتَوْضِيحُ الْمُرَادِ، وَالتَّوْكِيدُ، وَدَفْعُ الْإِيهَامِ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے ایجاز، اطناب اور مساوات کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ کلام بلیغ کی اقسام ہیں بھئی۔ تو کلام بلیغ یا تو اس میں مساوات ہوگی یا ایجاز ہوگا یا اطناب ہوگا۔ جبکہ عام لوگوں کا جو کلام ہے اس میں یہ تقسیم جاری نہیں ہوتی یعنی ان کا کلام اس میں مساوات، ایجاز اور اطناب کو نہیں دیکھا جائے گا، اس لیے کیونکہ عام لوگ اپنی بول چال میں اور گفتگو میں اور معاملات کے اندر صرف معنی مراد کی ادائیگی کی طرف ان کی توجہ ہوتی ہے کہ کیا کریں ایسے لفظ استعمال کریں جس سے اپنے معنی مراد کو ادا کر دیں، تو مقتضائے حال وغیرہ ان چیزوں کی وہ رعایت نہیں رکھتے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ایجاز، اطناب اور مساوات کس کے اندر ہوں گی؟ کلام بلیغ کے اندر۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ اس میں پھر مساوات کو مقدم کیا اور ایجاز اور اطناب کو مؤخر کیا صاحب کتاب نے کیونکہ مساوات اصل ہے۔ اور اس مساوات میں کیا ہوتا ہے؟ جس میں جتنا معنی ہو اسی کے بقدر الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جبکہ ایجاز میں لفظ کم ہوتے ہیں اس سے اور اطناب میں اس سے لفظ زیادہ ہوتے ہیں بھئی۔

آج آپ کو بتلا رہے ہیں کہ یہ ایجاز کیوں کیا جاتا ہے اس کے دواعی کیا ہیں، کس وجہ سے ایجاز کیا جاتا ہے، اور اسی طرح دواعی اطناب کیا ہیں کن وجوہات کی بنا پر اطناب کیا جاتا ہے وہ کیا چیزیں ہیں جو اطناب کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ تو کہتے ہیں وَمِنْ دَوَاعِي الْإِيجَازِ اور ایجاز کے دواعی میں سے یعنی وہ چیزیں جو ایجاز کی طرف دعوت دینے والی ہیں وہ کیا کیا ہیں؟ کہتے ہیں تَسْهِيلُ الْحِفْظِ یاد کرنے کو آسان کرنا بھئی، کیونکہ ایجاز میں کلام مختصر ہوتا ہے تو یاد کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ طویل کلام کو یاد کرنا مشکل ہے اور مختصر کلام کو یاد کرنا آسان ہے۔ وَتَقْرِيبُ الْفَهْمِ اور سمجھ کے قریب کرنا بات کو، بعض اوقات بات لمبی ہو تو اس کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے اور مختصر بات ہو اور جو معنی مراد کو پوری طرح ادا کر رہی ہو تو اس کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ وَضِيقُ الْمَقَامِ اور ایک ضیق مقام، بعض مقامات ایسے آتے ہیں وہاں موقع تنگ ہوتا ہے مقام تنگ ہوتا ہے لمبی بات نہیں کی جاسکتی۔ جیسے مثال گزری تھی کہ شکار کھیلنے آپ گئے ہرن نظر آیا آپ فوراً کہتے ہیں غَزَالٌ، هَذَا غَزَالٌ نہیں کہا هَذَا کو حذف کر دیا کیونکہ مقام تنگ ہے وقت ہی اتنا نہیں ہے کہ لمبی بات کی جائے ورنہ اتنی دیر میں تو شکار ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یا بعض اوقات کیا ہے شعر کا وزن خراب ہوتا ہے، مختصر لفظ تو وہاں آسکتا ہے اس کی گنجائش تو ہے مختصر لفظوں کی لیکن طویل بات کی گنجائش اس میں نہیں ہوتی۔ یا کوئی شخص بیمار ہے تو بیمار ہے تو وہ لمبی بات نہیں کرنا چاہتا، تو یہ ضیق مقام کی مثالیں ہیں۔

وَالْإِخْفَاءُ اور ایجاز کے دواعی میں سے اخفاء ہے، چھپانا۔ بعض اوقات آپ کیا کرتے ہیں بات کو دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں مثلاً آپ کئی ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں اور زید آیا تو اب آپ کہتے ہیں جَاءَ وہ آگیا۔ یہ نہیں آپ نے کہا جَاءَ زَيْدٌ بلکہ کیا کہا؟ جَاءَ۔ اس لیے کیونکہ ایک ساتھی ہے اس کے ساتھ آپ نے ابھی زید کے بارے میں بات کی تھی تاکہ وہ سمجھ جائے باقیوں کو پتہ نہ چلے، کیونکہ زید اکیلا نہیں آیا کئی ساتھی اکٹھے آئے ہیں تو جب آپ نے کہا جَاءَ وہ آگیا ہے تو جس سے ابھی آپ خفیہ بات

کر رہے تھے علیحدہ وہ سمجھ گیا کہ یہ کس کے بارے میں آپ نے کہا ہے جبکہ باقیوں کو پتہ نہیں چلا کہ یہ کس کے آنے کا اس نے کہا ہے کیونکہ تین چار ساتھی اکٹھے آئے ہیں صرف زید اکیلا نہیں آیا۔ تو ایجاز کا بعض اوقات یہ مقصد ہوتا ہے۔ وَسَآمَةُ الْمُحَادَثَةِ، سآمت کہتے ہیں اکتانا بھئی اکتاہٹ بھئی، اور محادثہ کہتے ہیں گفتگو کو، اور گفتگو کی اکتاہٹ کی وجہ سے۔ گفتگو کی اکتاہٹ یہ بھی دواعی ایجاز میں سے ہے۔ مثلاً کوئی شخص بیمار ہے یا غم کی حالت میں ہے، تو بیمار ہو یا غم کی حالت میں ہو انسان تو وہ لمبی بات نہیں کرنا چاہتا لمبی بات سے اس کا جی اکتاتا ہے تو اس موقع پر بھی لمبی بات نہیں کی جاتی بلکہ مختصر کلام کیا جاتا ہے۔ تو یہ سب دواعی ایجاز ہیں بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ وَسَآمَةُ الْمُحَادَثَةِ اور گفتگو کی اکتاہٹ بھئی۔

وَمِنْ دَوَاعِي الْإِطْنَابِ اور اطناب کے دواعی، اطناب لمبا کلام کرنا لیکن وہ زائد لفظ بھی کیا ہوں؟ فائدے سے خالی نہ ہوں۔ تو اطناب کے دواعی میں سے تَثْبِيتُ الْمَعْنَى معنی کو ثابت کرنا، یعنی یوں کہیں معنی کو جما دینا، سننے والے کے ذہن میں بات کو اچھی طرح جما دینا بٹھا دینا یہ ہے تثبیت المعنی۔ تو اطناب میں کیا ہوتا ہے؟ کلام لمبا ہوتا ہے اور وہ بھی فائدے سے خالی نہیں تو جب ذرا لمبی بات کریں گے تو سننے والے کے ذہن میں بات اچھی طرح اتر جائے گی اچھی طرح جم جائے گی۔ وَتَوْضِيحُ الْمُرَادِ اور دواعی اطناب میں سے ہے توضیح المراد بھی، مراد کی وضاحت کرنا۔ بعض مقامات پر کیا ہے مراد کی پوری وضاحت کی جائے تو پھر سننے والے کو بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے اور مختصر کلام بعض اوقات سننے والے کو اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اطناب کے دواعی میں سے ایک توضیح المراد ہے کہ مراد کی پوری طرح وضاحت کر دی جائے۔ وَالتَّوْكِيدُ اور اطناب کے دواعی میں سے ایک تاکید ہے، توکید اور تاکید دونوں طرح لفظ بولا پڑھا جاتا ہے استعمال ہوتا ہے۔ تو توکید کا معنی پختہ کرنا مضبوط کرنا، اگر مختصر کلام کیا جائے گا تو اس میں بات اتنی پکی نہیں لیکن جب ذرا تفصیل ہو گی تو بات اچھی طرح پختہ ہو جائے گی مضبوط ہو جائے گی۔ وَدَفْعُ الْإِيهَامِ اور ایہام کو وہم ڈالنا اس کو دور کرنا، یعنی تاکہ سننے والا کہیں خلاف مقصود نہ سمجھ بیٹھے تو بعض مقامات پر اس لیے لمبی بات کی جاتی ہے تاکہ سننے والا خلاف مقصود نہ سمجھے بھئی۔ ان سب کی آگے تفصیل بھی آرہی ہے بھئی، یہ دواعی اطناب کی آگے پورا اطناب پر مفصل بحث آئے گی بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ ان کے دواعی بیان کر دیے کہ ان ان چیزوں کی وجہ سے ایجاز کیا جاتا ہے اور ان ان چیزوں کی وجہ سے اطناب کیا جاتا ہے۔

اب ایجاز کے بارے میں تفصیلی بحث کرنے لگے ہیں: أَقْسَامُ الْإِيجَازِ ایجاز کی اقسام۔ اَلْإِيجَازُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ بِتَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ الْقَصِيرَةِ مَعَانِيَ كَثِيرَةً، وَهُوَ مَرْكَزُ عِنَايَةِ الْبُلَغَاءِ وَبِهِ تَتَفَاوَتُ أَقْدَارُهُمْ، وَيُسَمَّى إِيجَازَ قِصَرٍ، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ۔

اچھا بھئی اب ایجاز کی اقسام بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں اَلْإِيجَازُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ بِتَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ الْقَصِيرَةِ مَعَانِيَ كَثِيرَةً، ایجاز یا تو ہو گا بِتَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ، باء سببیہ ہے أَيْ بِسَبَبِ تَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ الْقَصِيرَةِ۔ اور تضمن کا معنی ہے اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہونا اس پر مشتمل ہونا۔ اس وجہ سے کہ اَلْعِبَارَةِ الْقَصِيرَةِ مختصر عبارت چھوٹی عبارت وہ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی ہے مَعَانِيَ كَثِيرَةً کس کو؟ بہت سے معانی کو۔ تو یاد رکھیے یہ مَعَانِيَ كَثِيرَةً یہ مفعول ہے تضمن مصدر کے لیے کہ چھوٹی عبارت وہ متضمن ہوتی ہے اپنے اندر لیے ہوئے ہوتی ہے کس چیز کو؟ مَعَانِيَ كَثِيرَةً بہت سے معانی کو بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے سب کو؟ تو کہتے ہیں ایجاز یا تو ہو گا اس وجہ سے کہ چھوٹی عبارت مختصر عبارت وہ اپنے اندر بہت سے معانی کو لیے ہوئے ہوتی ہے، تو تضمن یہاں بمعنی اقتضاء کے ہو یعنی چھوٹی عبارت بہت سے معانی کا تقاضا کرتی ہے یعنی اس سے خود سمجھ میں آتے ہیں۔ وَهُوَ مَرْكَزُ عِنَايَةِ الْبُلَغَاءِ، عنایت کہتے ہیں توجہ کو، اور یہ جو ایجاز کی قسم ہے یہ بلغاء یعنی بلیغ لوگ جو ہیں ان کی توجہ کا مرکز ہے۔ بلیغ لوگوں کی توجہ اس قسم کی طرف ہوتی ہے بھئی زیادہ۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ مَرْكَزُ عِنَايَةِ الْبُلَغَاءِ اور یہ قسم جو ہے ایجاز کی یہ بلیغ لوگ جو ہیں ان کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے وَبِهِ تَتَفَاوَتُ أَقْدَارُهُمْ اور اسی سے مختلف ہوتے ہیں أَقْدَارُهُمْ ان کے مرتبے بھئی۔ کہ جو جس قدر مختصر عبارت لے کر آئے جو کثیر معانی پر مشتمل ہو۔

■ قولہ: «وَيُسَمَّى إِيجَازَ قِصَرٍ» کی تشریح

وَيُسَمَّى إِيجَازَ قِصَرٍ اور اس کو ایجاز قصر کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ایجاز قِصَر۔ قِصَر کا معنی ہے چھوٹا پن۔ ایک ہے طول لمبائی، یہ لمبائی کی ضد ہے قِصَر بھئی چھوٹا پن چھوٹا ہونا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور یاد رکھیے یہ لفظ قِصَر ہے، ہمارے ہاں عموماً رائج یہ ہے اس کو قَصْر پڑھتے ہیں وَيُسَمَّى إِيجَازَ قَصْرٍ حالانکہ قَصْر لفظ نہیں ہے یہ قِصَر ہے إِيجَازَ قِصَرٍ۔ تو علماء نے باقاعدہ اس کی تصریح کی ہے بھئی چنانچہ لکھا ہے کہ قِصَر بروزن عِنَب ہے، تو انہوں نے باقاعدہ اس کا وزن ذکر کیا ہے کتابوں کے اندر تو یہ قِصَر لفظ ہے قَصْر نہیں ہے بھئی۔ تو اس کو ایجاز قِصَر کہتے ہیں اور نام سے ہی پتہ لگ رہا ہے ایجاز قِصَر کون سا ایجاز؟ قِصَر جس میں چھوٹا پن ہو۔ اور اس میں بھی اوپر کیا آیا اَلْعِبَارَةُ الْقَصِيرَةُ، کیسی عبارت ہوتی ہے اس میں؟ چھوٹی عبارت ہوتی ہے یعنی لمبی عبارت نہیں ہوتی بھئی۔ تو اس کو ایجاز قِصَر کہتے ہیں۔ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ دیکھیے یہ مختصر سا کلام آیا لیکن یہ کتنے کثیر معانی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے بھئی۔ کس طرح اس کے معانی زیادہ ہیں؟ دیکھیے بھئی جب انسان یہ سنتا ہے کہ قصاص میں زندگی ہے، اور قصاص کسے کہتے ہیں؟ کہ کسی شخص نے ظلماً کوئی قتل کیا ہو تو اس کو بھی بدلے میں قتل کیا جائے یہ کیا کہلاتا ہے؟ قصاص۔ تو انسان جب غور کرتا ہے تو اس کو پتہ لگتا ہے کہ ظلماً جس نے قتل کیا ہو اس کو قتل کر دیا

جائے تو یہ زندگی ہے۔ یہ کیا ہے؟ زندگی ہے۔ کتنے ہی معانی ذہن میں آتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو یہ علم ہو کہ اگر میں نے کسی کو ظلماً قتل کیا تو بدلے میں مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا تو وہ یقیناً اس کے قتل سے باز رہے گا۔ اور جب اس کے قتل سے باز رہا تو وہ شخص جو مقتول تھا یعنی جس کو اس نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کو زندگی مل گئی، اور اس کو زندگی مل گئی ساتھ ساتھ یہ جو قاتل تھا جس کا ارادہ قتل کرنے کا تھا اس کو بھی زندگی مل گئی کیونکہ اگر یہ اس کو قتل کر دیتا تو بدلے میں اس کو بھی کیا کیا جاتا؟ قتل کیا جاتا۔ تو

معلوم ہوا کہ قصاص کے اندر کیا ہے؟ زندگی ہے بھئی۔ دیکھو کتنی لمبی تشریح کرنا پڑی بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ کہ جب انسان کو علم ہو کہ میں قتل کروں گا تو بدلے میں مجھے بھی قتل کیا جائے گا تو وہ یقیناً اس قتل سے باز رہے گا، اور جب وہ اس قتل سے باز رہے گا تو وہ مقتول جو ہے اس کو بھی زندگی مل جائے گی اور یہ جو قاتل ہے جس کا ارادہ قتل کا ہے اس کو بھی زندگی مل جائے گی، معلوم ہوا قصاص میں کیا ہے؟ زندگی ہے بھئی۔ اور یاد رکھیے یہ تو قرآن میں آیا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ عربوں کے ہاں جو مختصر ترین کلام استعمال ہوتا تھا اسی معنی کو ادا کرنے کے لیے وہ تھا: اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ بھئی۔ یہ عبارت ذرا لکھ لیجیے اپنے سامنے بھئی: اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ۔ جلدی لکھیے بھئی: اَلْقَتْلُ أَنْفَى، الف نون فاء اور یاء اور پھر کھڑی زبر اوپر آجائے گی، اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ۔ لکھ لیا بھئی؟ اور معنی بھی اس کا سمجھ لیں بھئی: قتل جو ہے، أَنْفَى اسم تفضیل کا صیغہ ہے نفی سے، قتل جو ہے وہ زیادہ نفی کرنے والا ہے لِلْقَتْلِ قتل کی۔

اور یاد رکھیے آگے عبارت کچھ محذوف بھی ہے اس لیے کیونکہ أَنْفَى اسم تفضیل آیا اور اسم تفضیل کے استعمال کے آپ نے پڑھا ہے تین طریقے ہیں کہ اسم تفضیل یا تو مِنْ کے ساتھ استعمال ہو گا یا الف لام کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ، اور یہاں تینوں میں سے کوئی بھی طریقہ نہیں ہے: نہ تو أَنْفَى پر الف لام داخل ہے، نہ عبارت میں کوئی مِنْ آرہا ہے، اور نہ أَنْفَى مضاف ہو رہا ہے اگلے لفظ کی طرف بھئی۔ تو تینوں طریقے نہیں ہیں حالانکہ اسم تفضیل کے استعمال کے تو تین ہی طریقے ہیں، تو معلوم ہوا کچھ عبارت محذوف ہے پھر بات پوری ہو گی۔ تو محذوف عبارت یہاں پر ہے مِنْ تَرْكِهِ۔ تَرْكٌ، تاء دو نقطوں والی راء اور کاف چھوٹا اور ساتھ ہاء ضمیر بھئی، تَرْكٌ چھوڑنا، مِنْ تَرْكِهِ۔ اور تَرْكِهِ کی ہاء ضمیر راجع ہے قتل کو۔ کس کو راجع ہے؟ قتل کو۔ أَيْ مِنْ تَرْكِ الْقَتْلِ: اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ مِنْ تَرْكِهِ أَيْ مِنْ تَرْكِ الْقَتْلِ۔ معنی سمجھ لیں بھئی کہ قتل جو ہے وہ زیادہ نفی کرنے والا ہے قتل کی مِنْ تَرْكِهِ قتل کو چھوڑنے کے مقابلے میں۔ کس کے مقابلے میں؟ چھوڑنے کے مقابلے میں۔ تو پہلا قتل جو ہے اس سے عام قتل نہیں مراد بلکہ مراد ہے وہ قتل جو قصاص کے طور پر ہو۔ پہلے اَلْقَتْلُ سے کیا مراد ہے کون سا قتل؟ جو قصاص کے طور پر ہو، وہ قتل زیادہ نفی کرتا ہے کس چیز کی نفی کرتا ہے؟ قتل کی، کیونکہ جب قصاص لیں گے تو لوگ قتل کرنے سے رک جائیں گے باز آجائیں گے۔ تو ایک ہے قتل اور ایک ہے ترک قتل۔ بھئی دیکھو ایک شخص نے دوسرے کو ظلماً قتل کیا ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں: اس قاتل کو بھی بدلے میں قتل کر دیا جائے، اور دوسری صورت یہ ہے اس قاتل کو چھوڑ دیا جائے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ تو ایک ہے قتل ایک ہے ترک قتل۔ تو کس میں زیادہ نفی ہے قتل کی؟ اس قاتل کو قتل کر دیا جائے تو لوگ رکیں گے یا اس قاتل کو چھوڑ دیا جائے تو لوگ ظالمانہ قتل سے رکیں گے؟ اس کو کیا کر دیا جائے؟ قتل۔ اسی لیے کہا اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ قتل جو ہے وہ زیادہ نفی کرنے والا ہے مِنْ تَرْكِهِ کس کے مقابلے میں؟ قتل کو چھوڑنے کے مقابلے میں بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو قرآن نے جو معنی ادا کیا دو تین لفظوں کے اندر بھئی وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، عربوں کے ہاں کیا محاورہ کیا سب سے مختصر لفظ استعمال ہوتے تھے اس معنی کے لیے؟ اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ اور اس میں البتہ مِنْ تَرْكِهِ میں نے بتلایا یہ محذوف ہے بھئی۔ اب دیکھیے بھئی پتہ لگے گا عربوں کی فصاحت وبلاغت کا اور قرآن کی فصاحت وبلاغت کا۔ علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کی جو عبارت ہے اس کو عربوں کی عبارت پر بیس یا اس سے بھی زیادہ وجوہ ذکر کی ہیں، بیس یا اس سے بھی زیادہ وجہیں ذکر کی ہیں جس کے اعتبار سے قرآن کا جو کلام ہے اس کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہے عربوں کے کلام پر بھئی۔ بیس سے زیادہ وجوہات علماء نے ذکر کی ہیں، چند ایک میں آپ کے سامنے ذکر کر دیتا ہوں۔

پہلی وجہ جس کی وجہ سے قرآن کا جو کلام ہے اس کو فضیلت حاصل ہے کہ قرآن میں جو لفظ استعمال ہوئے ان میں حروف تھوڑے ہیں عربوں کی عبارت میں حروف زیادہ ہیں بھئی۔ ذرا ان کے حروف گنیے: اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ۔ ہمزہ، لام، قاف، تاء، لام کتنے ہو گئے؟ پانچ۔ أَنْفَى ہمزہ، نون، فاء، الف کتنے ہو گئے؟ چار۔ پانچ اور چار نو۔ اور لِلْقَتْلِ لام، لام، قاف، تاء، لام پانچ یہ ہو گئے، نو اور پانچ کتنے ہو گئے؟ چودہ۔ چودہ حروف انہوں نے استعمال کیے جبکہ قرآن میں ذرا گنیے بھئی: وَلَكُمْ اس کو نہیں گننا بھئی، فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ قصاص میں حیات ہے۔ اس لیے کیونکہ لَكُمْ انہوں نے کوئی لَكُمْ ذکر کیا تھا اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ لَكُمْ قتل تمہارے لیے زیادہ قتل کی نفی کرنے والا ہے؟ تو اس کو نہیں، جس کو انہوں نے ذکر کیا ہے جو قرآن کے الفاظ کے مقابلے میں ہے صرف ان کو ذکر کرنا ہے اور وہ کیا ہے؟ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ قصاص میں زندگی ہے بھئی۔ اب ذرا لفظ گنیے فِي الْقِصَاصِ کے: دیکھیے میں بتلاتا ہوں۔ فِي الْ، فاء، لام، یاء اور الف کو نہیں گننا یہ کتابت میں آرہے ہیں بات تلفظ کی چل رہی ہے۔ یاء اور الف بولنے میں آتے ہیں؟ فِي کی یاء اور اَلْقِصَاصِ کا الف وہ پڑھنے میں تو نہیں آتے کتابت میں آتے ہیں، بات کتابت کی نہیں ہو رہی بولنے میں تلفظ میں۔ تو فِي الْقِصَاصِ دیکھو یاء اور الف میں نہیں پڑھ رہا فاء کے نیچے کسرہ پڑھ کر اس کو لام کے ساتھ ملا رہا ہوں فِي الْقِصَاصِ۔ تو فاء ایک، لام دو، قاف، الف، صاد کتنے ہو گئے؟ چھ ہو گئے۔ حَيَاةٌ حاء، یاء، الف، تاء گول تاء اور پھر تنوین بھی حَيَاةٌ نون پڑھ رہا ہوں یا نہیں؟ تنوین نون ساکن کا نام ہوتا ہے تو کتنے حروف ہوئے؟ گیارہ۔ تو قرآن میں اسی معنی کو ادا کرنے کے لیے گیارہ حروف استعمال ہوئے جبکہ عربوں نے کتنے حروف استعمال کیے تھے اپنے مختصر ترین کلام میں؟ چودہ حروف استعمال کیے۔ تو

کلام اللہ کو ترجیح ہے کلام عرب پر نمبر ایک تو قلت حروف کی وجہ سے۔

دوسری فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں جو کلام آیا ہے اس میں مطلوب کی تصریح کی گئی ہے۔ اور مطلوب کیا ہے؟ قصاص کے ذریعے مطلوب کیا ہے؟ زندگی ہے، تو حیات کی صراحت کی گئی حیات کا باقاعدہ لفظ استعمال ہوا ہے قرآن کے کلام میں۔ جبکہ عربوں کے اندر قتل قتل کی زیادہ نفی کرتا ہے، اور قتل کی زیادہ نفی ہوگی تو کیا حاصل ہوگی؟ حیات حاصل ہوگی لیکن حیات کا لفظ ان کی عبارت میں نہیں ان کے کلام میں نہیں۔ تو جو چیز مطلوب تھی اس کی باقاعدہ صراحت قرآنی کلام میں تو ہے اور عربوں کے کلام میں نہیں تو اس لیے بھی اس کو فضیلت حاصل ہے۔

نیز قرآن کے اندر حَيَاةٌ نکرہ آیا ہے اور اس پر تنوین آئی ہے اور آپ نے پڑھا ہے کہ نکرہ کو بعض اوقات تعظیم کے لیے ذکر کیا جاتا ہے جیسے مثال آئی تھی وَلَهُ مَالٌ أَيْ مَالٌ كَثِيرٌ، يارِضْوَانٌ مِنَ اللهِ أَيْ رِضْوَانٌ قَلِيلٌ، تو یہ نکرہ کبھی تعظیم اور کبھی تقلیل وغیرہ معانی کے لیے آتا ہے۔ تو یہاں یہ جو حَيَاةٌ تنکیر آئی یہ تعظیم کے لیے ہے۔ کس لیے ہے؟ تعظیم کے لیے۔ أَيْ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ عَظِيمَةٌ تمہارے لیے قصاص میں عظیم زندگی ہے۔ بھئی عظیم زندگی کس طرح؟ بھئی دیکھیے عربوں کا طریقہ یہ تھا ان کی روش یہ تھی ان کی عادت یہ تھی کہ کوئی ایک آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو بدلے میں ایک کو نہیں قتل کرتے تھے بہت ساروں کو قتل کرتے تھے۔ تو دیکھو جب قصاص لیں گے تو پوری کی پوری جماعتوں کی زندگی بچ جائے گی یا نہیں بچ جائے گی؟ تو دیکھو قصاص میں عظیم زندگی ہے بھئی۔ یا اس تنکیر کو یہ جو حَيَاةٌ نکرہ آیا اس کو نوع کے لیے لے لیں: اور تمہارے لیے قصاص میں ایک نوع کی زندگی ہے ایک قسم کی زندگی ہے۔ پھر کیا معنی ہوگا ایک قسم کی؟ پھر اس صورت میں قاتل اور مقتول کی زندگی ہے مراد۔ کس کی؟ قاتل اور مقتول کی۔ تمہارے لیے قصاص میں ایک قسم کی زندگی ہے وہ کون سی قسم ہے؟ یعنی قاتل اور مقتول۔ قاتل کی جان بھی بچ جائے گی جب وہ قتل نہیں کرے گا اور مقتول جب اس کو چھوڑ دے گا تو مقتول کی جان بھی بچ جائے گی، تو ان دونوں کی زندگی ہے یہ ہے ایک نوع کی زندگی بھئی۔ تو اس کے اندر تنکیر جو آئی یا وہ کس لیے آئی؟ تعظیم کے لیے اور یا پھر کس لیے ہے؟ نوع کے لیے، حالانکہ عربوں کی عبارت کے اندر وہاں پر تنوین یا نکرہ آیا ہی نہیں وہاں یہ فائدہ نہیں بھئی۔ تو کتنی چیزیں ذکر ہو گئیں فضیلت والی؟ تین۔

چوتھی چیز جس کے اعتبار سے قرآن کے کلام کو فضیلت حاصل ہے کہ قرآن نے جو بات ذکر کی وہ عام ہے ہر جگہ دنیا بھر میں ہر موقع پر وہ صادق آتی ہے۔ دنیا بھر میں جہاں بھی قصاص لیا جائے گا وہاں پر زندگی حاصل ہوگی لوگ قتل سے رک جائیں گے۔ یہ سب قسموں کو شامل ہے، ہر قصاص کیا ہوگا کس کا باعث ہوگا؟ زندگی کا اور حیات کا باعث ہوگا۔ لیکن عربوں کی عبارت میں یہ نہیں ہے اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ قتل وہ قتل کی زیادہ نفی کرنے والا ہے۔ حالانکہ قتل دو قسم پر ہے: ایک قتل ہے قصاصاً وہ تو ٹھیک ہے قتل کی نفی کرے گا، اور ایک قتل ظلماً بھی تو ہے۔ تو قتل جو ہے وہ قصاصاً ہو تو پھر تو وہ قتل کی نفی کرے گا لیکن اگر قتل ظلماً کیا جائے ظلم کرتے ہوئے تو پھر اس سے تو قتل کم نہیں ہوں گے بلکہ قتل اور زیادہ ہوں گے۔ تو ان کی عبارت عام نہیں ہے ہر جگہ پر صادق نہیں آتی صرف کون سے قتل پر صادق آتی ہے؟ جو کس طریقے پر ہو؟ قصاص کے طریقے پر ہو، حالانکہ کوئی قید وغیرہ ذکر نہیں ان کی عبارت میں یہ تو ہم نے معنی کیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ کون سا قتل مراد ہے؟ قصاص والا ظلم والا قتل مراد نہیں حالانکہ عبارت میں تو کوئی ایسی قید نہیں ہے۔ تو ان کی عبارت عام نہیں ساری صورتوں کو شامل نہیں بلکہ صرف ان قتلوں کو شامل ہے جو قصاص کے طور پر ہوں وہ قتل کی زیادہ نفی کرنے والے ہیں، لیکن وہ قتل جو ظلماً ہو اس سے قتل کی نفی نہیں ہوتی تو ان کی عبارت عام نہیں۔ اور قرآن کا جو کلام ہے وہ عام ہے فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ قصاص میں زندگی ہے تو ہر جگہ قصاص کی کوئی صورت ایسی نہیں جس میں حیات نہ ہو قصاص کی ہر صورت میں کیا ہے؟ حیات ہے۔ تو قرآن کا کلام عام ہے ان کا کلام عام نہیں تمام

صورتوں کو نہیں شامل بھئی۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ مشکل ہوگئی؟ تو یہ کتنی وجہیں ہو گئیں؟ چار وجہیں ہو گئیں قرآن کے کلام کو فضیلت حاصل ہے۔ چار وجہیں: پہلی کیا ہے؟ قلت حروف، حروف تھوڑے ہیں۔ دوسری وجہ کہ مطلوب یعنی حیات پر تصریح کی گئی۔ تیسری کہ اس میں نکرہ آیا اور نکرہ جو ہے وہ تعظیم یا نوع کے لیے ہے، یہ تیسری قسم آگئی۔ اور چوتھی قسم کہ قرآن کا کلام عام ہے ان کا کلام عام نہیں۔ پانچویں وجہ کہ قرآن کا جو کلام ہے وہ تکرار سے خالی ہے اس میں کسی لفظ کا تکرار نہیں اس کو دوبارہ نہیں ذکر کیا گیا، اور عربوں کی عبارت میں قتل کا لفظ دو دفعہ آیا ہے تکرار آیا ہے۔ اور یہ بات تو کسی پر مخفی نہیں کہ وہ کلام جس میں تکرار نہ ہو وہ پسندیدہ ہوتا ہے اس کلام کے مقابلے میں جس میں کیا ہو؟ تکرار ہو لفظوں کو بار بار استعمال کیا جائے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ پانچویں وجہ ہو گئی۔

■ قولہ: «مِنْ تَرْكِهِ» کی تشریح

چھٹی وجہ کہ قرآن کے کلام کو فضیلت حاصل ہے کہ قرآن کی عبارت میں کوئی لفظ محذوف نہیں جبکہ عربوں کے کلام میں مِنْ تَرْكِهِ کی قید محذوف ہے میں نے بتلا دیا کیونکہ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں اور یہاں کسی طریقے سے بھی استعمال نہیں ہو رہا حالانکہ ایک طریقہ تو ان میں سے ضرور ہونا چاہیے اور وہ پھر مِنْ کے ساتھ ہے مِنْ تَرْكِهِ محذوف نکالنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ آپ کے ذہن میں آئے گا کہ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ، فِي الْقِصَاصِ جار مجرور ہے جار مجرور ہمیشہ کسی سے متعلق ہوتے ہیں تو ان کا متعلق محذوف ہے۔ کیا ہے؟ محذوف ہے۔ تو جواب یہ کہ نہیں بھئی وہ تو ہم ترکیب کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک لفظ کیا ہے؟ محذوف ہے، ورنہ معنی مراد کی ادائیگی کے اعتبار سے آپ دیکھیں فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ قصاص میں زندگی ہے کوئی لفظ محذوف نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ

نحوی ترکیب کے اعتبار سے ہے اس کے بارے میں ہم بات نہیں کر رہے ہم بات کر رہے ہیں معنی مراد کی ادائیگی میں کسی محذوف کو نہیں نکالنا پڑتا اور وہاں پر معنی مراد کی ادائیگی میں کیا کرنا پڑتا ہے؟ محذوف کو نکالنا پڑتا ہے کہ قتل اور دوسرا ہے ترک قتل، کس میں قتل کی زیادہ نفی ہے؟ قتل میں، قصاصاً جو قتل ہے اس میں قتل کی زیادہ نفی ہے نہ کہ ترک قتل میں بھئی۔

اور ساتویں وجہ کہ کلام اللہ کو فضیلت حاصل ہے کلام عرب پر کہ قرآنی کلام جو ہے اس میں صنعت طباق ہے۔ یہ علم بدیع کے اندر ایک صنعت آئے گی طباق، طاء ہے طاءباء الف اور قاف دو نقطوں والا صنعت طباق، اور اسی کو کہتے ہیں صنعت مطابقت بھی۔ تو قرآن کا جو کلام ہے اس میں صنعت مطابقت ہے یا یوں کہیں اس میں صنعت طباق ہے۔ صنعت طباق اس کو کہتے ہیں کہ اپنے کلام میں دو ایسے معانی کا جمع کرنا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں بھئی۔ تو یہاں پر بھی دیکھیے ایک آیا حیات کا ذکر آیا اور دوسرا آیا قصاص اور قصاص میں کیا کیا جاتا ہے؟ دوسرے کو قتل کیا جاتا ہے، تو دیکھو حیات اور قتل دو چیزیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں وہ معانی جمع ہو گئے یہاں پر بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ بھئی آپ ایک کلام کریں اس میں دو معانی لے آئیں اور وہ دونوں معنی ایک دوسرے کی ضد ہوں ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو اس کو کہتے ہیں صنعت طباق۔ مثلاً آپ صبح کا ذکر کریں تو ساتھ ہی شام کا بھی ذکر کر دیں، سردی کا ذکر کریں تو ساتھ ہی کیا کر دیں؟ گرمی کا بھی ذکر کر دیں بھئی، لمبا ہونے کا ذکر کریں تو چھوٹا ہونے کو بھی ساتھ ذکر کر دیں۔ تو یہ دو متضاد معانی کو اپنے کلام میں جمع کرنا یہ کیا کہلاتا ہے؟ صنعت طباق۔ تو یہاں پر بھی صنعت طباق ہے کیونکہ حیات کے ساتھ قصاص کا ذکر ہے اگرچہ قصاص خود تو حیات کی ضد نہیں لیکن قصاص کے اندر کیا کیا جاتا ہے؟ قتل کیا جاتا ہے تو یہ قتل کے معنی پر مشتمل ہوا، تو قتل اور حیات کیا ہیں؟ ایک دوسرے کی ضد ہیں تو اس اعتبار سے اس میں صنعت طباق ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ چھ سات وجوہ میں نے ذکر کر دیں بھئی، علماء نے بیس یا اس سے بھی زیادہ وجوہ ذکر کی ہیں کہ قرآن کے کلام کو فضیلت حاصل ہے عربوں کے کلام اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ پر۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟ تو سات وجوہات کیا ذکر ہوئیں کہ کلام اللہ کے اندر حروف تھوڑے ہیں، نیز اس کے اندر مطلوب کی تصریح کر دی گئی یعنی حیات کو باقاعدہ ذکر کیا گیا کیونکہ وہی مطلوب ہے وہی مقصود ہے اس کلام میں بھی اور عربوں کے کلام میں بھی لیکن وہاں اس حیات کا لفظ باقاعدہ ذکر نہیں اور یہاں جو مطلوب ہے وہ باقاعدہ ذکر ہے۔ نیز یہاں پر جو ہے نکرہ لایا گیا اور یہ نکرہ تعظیم کے لیے ہے یا نوعیت کے لیے ہے لیکن یہ فائدہ عربوں کے کلام میں نہیں۔ نیز یہاں پر یہ جو کلام ہے یہ عام ہے تمام صورتوں کو شامل ہے کوئی صورت اس سے خارج نہیں لیکن اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ اس میں جو قتل ذکر ہے وہ دو طرح پر ہو سکتا ہے قصاصاً بھی اور ظلماً بھی، تو وہ صرف قصاص والی صورت کو شامل ہے اور ظلم والی صورت کو شامل نہیں بھئی کیونکہ وہی زیادہ نفی کرتا ہے قصاصاً جو قتل ہو وہ قتل کی نفی کرنے والا ہے اور ظلماً جو قتل ہو وہ تو قتل کو اور بڑھانے والا ہے تو ان کا کلام عام نہیں۔ پانچویں وجہ یہ ذکر کی کہ ان کے کلام میں تکرار ہے اور کلام اللہ کے اندر تکرار نہیں۔ اور چھٹی وجہ یہ ذکر کی کہ کلام اللہ کے اندر کوئی محذوف نہیں ہے جبکہ ان کے کلام میں محذوف ہے بھئی۔ اور ساتویں وجہ یہ ذکر کی کہ کلام اللہ کے اندر صنعت مطابقت استعمال ہوئی ہے دو متضاد معانی کو جمع کیا گیا ہے اور یہ ان کے کلام میں نہیں۔ تو اسی لیے کہا کہ یہ ہے مثال ایجازِ قِصَر کی وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

آگے دیکھیے کتاب پر تو پہلی قسم کیا بیان ہوئی إِمَّا أَنْ يَكُونَ بِتَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ الْقَصِيرَةِ مَعَانِيَ كَثِيرَةً کہ ایجاز یا تو اس وجہ سے ہو گا کہ تقاضا کرے گی یا متضمن ہو گی چھوٹی سی عبارت بہت سے معانی کو، وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ بِحَذْفِ كَلِمَةٍ أَوْ جُمْلَةٍ أَوْ أَكْثَرَ یا ایجاز ہو گا بِسَبَبِ حَذْفِ كَلِمَةٍ کس وجہ سے؟ کسی ایک کلمے کو حذف کرنے کی وجہ سے أَوْ جُمْلَةٍ یا جملے کو حذف کرنے کی وجہ سے أَوْ أَكْثَرَ یا جملے سے زیادہ حذف کرنے کی وجہ سے ہو گا مَعَ قَرِينَةٍ تُعَيِّنُ الْمَحْذُوفَ ساتھ ایسے قرینے کے جو محذوف کو متعین کر رہا ہو بھئی۔ بھئی پہلی قسم تو وہ تھی ایجازِ قِصَر جس میں عبارت مختصر ہو چھوٹی ہو لیکن وہ اپنے ضمن میں بہت سے معانی کو لیے ہوئے ہو جیسے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ کے اندر۔ اور ایجاز کی دوسری قسم یہ ہے کہ جس میں حذف ہو گا۔ کیا ہو گا؟ حذف ہو گا۔ یعنی عبارت ایسی نہیں جو بہت سے معانی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے لیکن عبارت چھوٹی ہے مختصر ہے کہ کچھ لفظوں کو کیا کر دیا گیا ہے؟ حذف کر دیا گیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ حذف کبھی ایک کلمہ یا اس کا جزء حذف ہو گا یا جملہ حذف ہو گا یا بعض اوقات ایک جملے سے بھی زیادہ حذف ہو گا۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھیے جب کسی چیز کو حذف کیا جائے تو اس پر قرینہ ضرور ہونا چاہیے جو ہمیں بتلا دے کہ یہاں پر یہ چیز حذف ہے۔ قرینہ ضرور ہو گا اگر قرینہ نہ ہو پھر تو سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہاں کون سا لفظ محذوف ہے بات اس کو پوری طرح سمجھ میں ہی نہیں آئے گی، پھر تو یہ ایجاز رہے گا ہی نہیں پھر تو یہ اخلال بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ اخلال جو گزشتہ سبق میں آپ نے قسم پڑھی۔

تو کہتے ہیں وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ بِحَذْفِ كَلِمَةٍ أَوْ جُمْلَةٍ أَوْ أَكْثَرَ مَعَ قَرِينَةٍ تُعَيِّنُ الْمَحْذُوفَ اور وہ ایجاز یا تو ایک کلمہ یا ایک جملے یا اس سے زیادہ کے حذف کی وجہ سے ہو گا ساتھ ایسے قرینے کے پائے جانے کے تُعَيِّنُ الْمَحْذُوفَ جو کیا کر رہا ہو گا محذوف کو متعین کر رہا ہو گا، وَيُسَمَّى إِيجَازَ حَذْفٍ اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ ایجاز حذف کیونکہ یہ حذف کی وجہ سے اس میں ایجاز آتا ہے۔ فَحَذْفُ الْكَلِمَةِ كَحَذْفِ لَا فِي قَوْلِ امْرِئِ الْقَيْسِ، پس ایک کلمے کا حذف کرنا جیسے کہ کلمہ لَا کو حذف کرنا امراؤ القیس کے اس قول کے اندر اس شعر کے اندر۔ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ امراؤ القیس جو ہے اس کے شروع میں امْرُؤٌ آیا اور یہ کلام عرب میں یہ صرف ایک دو کلمات ایسے ہیں جن میں آخری حرف پر جو اعراب آتا ہے ماقبل پر بھی اسی کے مطابق حرکت آتی ہے۔ اگر اس پر ضمہ پڑھیں گے تو پھر امْرُؤٌ ہے نا آخر میں کیا آرہا ہے؟ ہمزہ، تو ہمزہ پر اگر پیش پڑھیں گے یعنی یہ فاعل بن رہا ہے تو ہمزہ کے ساتھ ساتھ پیچھے راء پر بھی پیش پڑھیں گے امْرُؤُ الْقَيْسِ۔ اور اگر یہ مفعول بن رہا ہے اور ہمزہ پر نصب پڑھنا ہے تو پھر ہمزہ سے ماقبل راء پر بھی نصب پڑھیں گے رَأَيْتُ امْرَأَ الْقَيْسِ۔ اور اگر اس پر حرف جر داخل ہو گیا ہے تو پھر ہمزہ پر جر تو آئے گا لیکن

ساتھ ساتھ راء جو ماقبل میں ہے اس پر بھی کسرہ پڑھیں گے مَرَرْتُ بِامْرِئِ الْقَيْسِ۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں پر کیسے پڑھیں گے؟ فِي قَوْلِ امْرِئِ الْقَيْسِ۔ تو جیسے لَا کو حذف کیا گیا امراؤالقیس کے اس قول کے اندر:

- **متن وشواہد:** «فَقُلْتُ يَمِينَ اللهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا»

فَقُلْتُ يَمِينَ اللهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا

وَلَوْ قَطَعُوا رَأْسِي لَدَيْكِ وَأَوْصَالِي

فَقُلْتُ يَمِينَ اللهِ أَبْرَحُ، اصل میں تھا لَا أَبْرَحُ۔ کیا تھا؟ لَا أَبْرَحُ، لَا کو حذف کر دیا گیا۔ اور کلام عرب میں یہ عام استعمال ہوتا ہے کہ حرف نفی جو ہے اس کو حذف کر دیا جاتا ہے کثرت سے لیکن تین شرطیں ہیں اس کی: کہ وہ حرف نفی لَا ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ لَا جیسے یہاں پر لَا ہے۔ اور وہ فعل جس پر وہ داخل ہو رہا تھا وہ فعل مضارع ہونا چاہیے جیسے أَبْرَحُ یہاں کیا ہے؟ فعل مضارع۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ قسم کے اندر ہونا چاہیے جیسے یہاں يَمِينَ اللهِ قسم آگئی بھئی۔ تو تین شرطیں ہیں کہ وہ حرف نفی جس کو حذف کیا جائے وہ کیا ہو؟ لَا ہو، اور کس پر داخل ہو رہا ہو؟ فعل مضارع پر، اور کس مقام میں ہو؟ قسم کے اندر ہو بھئی۔ اور یہ أَبْرَحُ یہ افعال ناقصہ میں سے ہے آپ نے پڑھا ہے افعال ناقصہ میں مَا بَرِحَ، پڑھا ہے یا نہیں پڑھا بھئی؟ مَا بَرِحَ تو وہ بَرِحَ ماضی تھا تو اس پر مَا داخل تھا، اسی کا مضارع بنائیں گے تو مضارع پر لَا آتا ہے لَا أَبْرَحُ بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ کلام عرب میں عام استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں بھی اللہ فرماتے ہیں اسی طریقے پر آتا ہے قرآن میں: تَاللهِ تَفْتَؤُ تَذْكُرُ يُوسُفَ۔ اصل میں کیا ہے؟ تَاللهِ لَا تَفْتَؤُ تَذْكُرُ يُوسُفَ، تو وہ لَا تَفْتَؤُ میں لَا کو حذف کر دیا گیا۔ اور لَا تَفْتَؤُ یہ بھی وہی فعل ناقص ہے آپ نے پڑھا ہے مَا فَتِئَ افعال ناقصہ میں آتا ہے، تو مَا فَتِئَ وہ ماضی ہے تو اس پر مَا حرف نفی استعمال ہوتا ہے اور اسی سے مضارع کیا آگیا؟ تَفْتَؤُ تو اس پر کیا آئے گا؟ لَا آئے گا بھئی مضارع پر لَا استعمال ہوتا ہے۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے ایک حرف حذف کر دیا گیا تو کلام کیا ہو گیا؟ مختصر ہو گیا۔ اور قرینہ بھی ہے، قرینہ کیا ہے؟ خود عرب عام طور پر اس کو استعمال کرتے ہیں اسی طریقے سے بھئی اس حرف کو ایسے موقع پر کثرت سے حذف کرتے ہیں۔ نیز اس لیے کہ جواب قسم ہے اور جواب قسم میں فعل مضارع آجائے تو آپ نے پڑھا ہے کہ اس پر لام تاکید اور اسی طرح آخر میں نون تاکید لایا جاتا ہے

حالانکہ یہاں نہ لام تاکید ہے نہ نون تاکید ہے، معلوم ہوا یہاں یہ مثبت نہیں ہے بلکہ منفی ہے بھئی۔ فَقُلْتُ تو میں نے کہا يَمِينَ اللهِ۔ يَمِينَ اللهِ یا يَمِينُ اللهِ، نون پر ضمہ پڑھیں یا فتحہ پڑھیں: أَيْ يَمِينُ اللهِ قَسَمِي، اللہ کی قسم جو ہے قَسَمِي وہ میری قسم ہے یعنی میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں۔ تو یہ کلام عرب میں اس طرح استعمال ہوتا ہے: يَمِينُ اللهِ یہ ہے مبتدا اور قَسَمِي کیا ہے؟ خبر ہے بھئی۔ لیکن اس شعر کے اندر جو اکثر علماء نے ذکر کیا ہے يَمِينَ اللهِ نون کے فتحہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور پھر اس پر فتحہ کیوں؟ تو جواب یہ کہ یہ مفعول مطلق ہے یعنی يَمِينٌ مصدر ہے۔ یہ ہے تو اسم عام طور پر اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے لیکن علماء نے باقاعدہ تصریح بھی کی ہے اس کی کہ یہ مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق تو مصدر کو کہتے ہیں، معلوم ہوا یہ یہاں پر کس معنی میں ہے؟ مصدر کے معنی میں ہے اور اصل میں ہے أُقْسِمُ يَمِينَ اللهِ۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق۔ أُقْسِمُ کیا معنی؟ میں قسم کھاتا ہوں، اور يَمِينَ اللهِ کا بھی کیا معنی؟ اللہ کی قسم کھانا، تو یہ بھی اسی معنی میں ہے اگرچہ وہ قاف سین میم ہے أُقْسِمُ کے اندر مادہ اور اس کے اندر یاء میم نون ہے مادہ لیکن معنی تو ایک ہی ہے جیسے آپ نے کافیہ وغیرہ میں پڑھا ہے قَعَدْتُ جُلُوسًا۔ تو معنی ایک ہوا اگرچہ مادہ الگ الگ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بھئی۔

تو اس صورت میں يَمِينَ اللهِ پڑھنے کی صورت میں یہ مفعول مطلق ہے فعل محذوف کے لیے، یا یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ یہ کیا ہے؟ منصوب بنزع الخافض۔ جیسے بھئی حرف جر جب کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو کیا دے دیتا ہے؟ جر دیتا ہے، تو یہ حرف جر جو ہے نا اس کو کہتے ہیں خافض۔ خفض جر کو کہتے ہیں، خاء فاء ضاد خفض، خفض جر کو کہتے ہیں تو حرف جر کو کیا کہیں گے؟ خافض۔ تو بعض اوقات ایک لفظ پر حرف جر داخل ہوتا ہے پھر اس حرف جر کو حذف کر لیا جاتا ہے اور اس لفظ پر پھر نصب پڑھ دیا جاتا ہے، اور یہ کلام عرب میں ہوتا رہتا ہے کہ حرف جر کو کیا کر لیا جاتا ہے؟ حذف، اور جس پر وہ داخل ہو رہا تھا جب اس سے حرف جر کو ختم کر دیا تو اس پر نصب پڑھ دیا جاتا ہے اور اس کو کہتے ہیں منصوب بنزع الخافض۔ یہ منصوب ہے خافض کو اتار دینے کی وجہ سے یعنی حرف جر کو ختم کرنے کی وجہ سے۔ یہ اصل میں تو تھا مجرور لیکن حرف جر کو کیا کر دیا گیا؟ ختم کر دیا گیا اب اس کی وجہ سے یہ منصوب ہے تو اس کو کہتے ہیں منصوب بنزع الخافض، نزع کا معنی اتار دینا ختم کر دینا۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ ویسے ایک ترکیب کی بات آئی تھی میں نے کہا آپ کو بتلا دوں۔

تو بات چل رہی ہے کہ یہاں اصل میں یہ تھا لَا أَبْرَحُ، کلام عرب میں اس طرح حرف نفی کو کثرت سے حذف کیا جاتا ہے بہت ہی عام ہے کلام عرب میں بھئی۔ تو امراؤالقیس کہتا ہے فَقُلْتُ تو میں نے کہا يَمِينَ اللهِ کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں لَا أَبْرَحُ قَاعِدًا میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا وَلَوْ قَطَعُوا رَأْسِي لَدَيْكِ۔ لَدَيْكِ کاف پر فتحہ ہے کتابوں میں آپ کی، فتحہ نہیں ہونا چاہیے کسرہ، امراؤالقیس ہے اور وہ اپنی محبوبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے بھئی تو لَدَيْكِ کاف کے نیچے کسرہ ہو گا۔ تو

امراؤالقیس کہتا ہے میں نے کہا اللہ کی قسم أَبْرَحُ قَاعِدًا أَيْ لَا أَبْرَحُ قَاعِدًا میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا وَلَوْ قَطَعُوا رَأْسِي اگرچہ وہ لوگ کاٹ دیں رَأْسِي میرے سر کو لَدَيْكِ تیرے سامنے وَأَوْصَالِي اور میرے جوڑوں کو بھی۔ أَوْصَالٌ جمع ہے وَصْلٌ کی، وَصْلٌ، وِصْلٌ، وُصْلٌ تینوں طرح پڑھنا جائز ہے واؤ پر تینوں حرکتیں جائز ہیں اور یہ جوڑ کو کہتے ہیں دو ہڈیوں کے درمیان جو جوڑ ہیں۔ تو شاعر اپنی محبوبہ سے محبت کا اظہار کر رہا ہے کہ میری تیرے ساتھ اتنی زیادہ محبت ہے کہ میں تجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا تمہارے پاس ہی بیٹھا رہوں گا اگرچہ لوگ میرا سر کاٹ ڈالیں میرے جسم کے جوڑ جوڑ کو کاٹ ڈالیں میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں پھر بھی میں تجھے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ تو یہ معنی ہے فَقُلْتُ يَمِينَ اللهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا وَلَوْ قَطَعُوا رَأْسِي لَدَيْكِ وَأَوْصَالِي، تو میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا یعنی تیرے پاس ہی رہوں گا وَلَوْ قَطَعُوا رَأْسِي لَدَيْكِ اگرچہ وہ میرے سر کو کاٹ ڈالیں تیرے سامنے وَأَوْصَالِي اور میرے جوڑوں کو۔ تو یہ مثال کس کی تھی جس میں ایک کلمہ حذف ہوا ہے اور وہ کیا؟ لَا۔ تو مختصر ہو گیا یا نہیں کلام لَا کے حذف سے؟ تو یہ ہے ایجاز حذف بھئی۔

■ قولہ: «وَحَذْفُ الْجُمْلَةِ» کی تشریح

وَحَذْفُ الْجُمْلَةِ اور حذف جملہ کی مثال كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ کا یہ قول ہے: وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ خطاب فرما رہے ہیں وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ تو تحقیق جھٹلائے گئے ہیں بہت سے پیغمبر مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے بھئی۔ رُسُلٌ میں تنوین جو آئی یا نکرہ جو آیا تکثیر کے لیے ہے کثرت بیان کرنے کے لیے کہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ اب دیکھیے بھئی آگے عبارت ہے أَيْ فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ، پس آپ تسلی رکھیے اور صبر کیجیے۔ تَأَسَّي کہتے ہیں تسلی رکھنا، صبر کرنا۔ تَأَسَّي کا کیا معنی؟ باب تفعل ہے تَأَسِّي، صبر کرنا تسلی رکھنا۔ فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ پس آپ کیا کیجیے؟ تسلی رکھیے اور صبر کیجیے بھئی۔ تو یہ یہاں پر محذوف ہے۔

دیکھیے بھئی وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ، إِنْ آیا اور إِنْ کیا ہے؟ حرف شرط ہے اور شرط کے لیے کیا چاہیے؟ جزا چاہیے۔ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ یاد رکھیے یہ اس کی جزا نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو تحقیق آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے گئے، تو یہ جو فاء آئی یہ فاء جزائیہ نہیں اور یہ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ یہ جملہ جزا نہیں۔ بھئی یہ جزا کیوں نہیں؟ وجہ یہ کہ جزا شرط پر مرتب ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی خاوند ہے بیوی سے کہتا ہے إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ اگر تو اس گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے۔ تو دیکھو اگر تو اس گھر میں گئی یہ ہے شرط اور آگے ہے تو پھر تجھے طلاق، تو اگر یہ اس گھر میں جائے گی یعنی یہ شرط پائی جائے گی تو اس پر جزا جو ہے یعنی طلاق مرتب ہو گی۔ تو شرط اور جزا میں سے جو جزا ہے وہ کس پر مرتب ہوتی ہے؟ شرط پر مرتب ہوتی ہے شرط کے بعد آتی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہاں پر وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں اے پیغمبر، اور یہ جھٹلا کس زمانے میں رہے ہیں؟ زمانہ حال میں، جس وقت خطاب اللہ کی طرف سے آیا اس وقت وہ لوگ کیا کر رہے تھے؟ اسی زمانے میں جھٹلاتے تھے تو اس میں بات ہو رہی ہے حال کی۔ اور پیغمبروں کو جو جھٹلایا گیا وہ تو زمانہ ماضی میں تھا تو حال پر ماضی مرتب نہیں ہو سکتی بھئی، حال پر یا تو حال ہی مرتب ہو گا یا مستقبل مرتب ہو گا بھئی۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں بھئی؟ کہ شرط پر کیا ہے؟ جزا مرتب، شرط پائی جائے تو پھر کیا آتی ہے؟ جزا، اور شرط اگر حال میں ہے تو جزا بھی کس میں آجائے گی؟ حال یا استقبال میں آئے گی ماضی کے اندر تو نہیں ہو سکتی بھئی۔

تو لہٰذا یہ اس کی جزا نہیں، تو جزا کیا ہے؟ جزا انہوں نے آگے صاحب کتاب نے آپ کو بتلا دیا أَيْ فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ یہ جزا یہاں محذوف ہے، اور آگے فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ سے یہ جو تسلی دی جا رہی ہے اس کا سبب ذکر کیا جا رہا ہے۔ تو گویا یوں ہے اصل کلام: وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ تو آپ تسلی رکھیے اور صبر کیجیے۔ کیوں؟ فَلِأَنَّهُ قَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ، پس کیونکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ آپ تسلی رکھیے اور صبر کیجیے، کیوں تسلی رکھیے اور صبر کیجیے؟ کیونکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ تو یہ جو جزا تھی فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ آپ تسلی رکھیے اور صبر کیجیے، کیوں تسلی رکھیے اور کیوں صبر کیجیے وجہ کیا ہے؟ کیونکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ تو جو بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے یہ سبب ہے صبر اور تسلی کا۔ اس لیے کیونکہ اَلْبَلِيَّةُ إِذَا عَمَّتْ طَابَتْ، مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو وہ خوشگوار لگنے لگتی ہے یعنی پھر تکلیف کا احساس نہیں رہتا۔ بھئی اگر صرف اکیلے پر تکلیف آئے تو انسان مشکل میں پڑ جاتا ہے لیکن جب انسان دیکھے اس تکلیف میں تو صرف میں نہیں مبتلا یہ تو سب پر آئی ہوئی ہے سارے ہی اس میں مبتلا ہیں تو پھر وہ تکلیف کا احساس نہیں رہتا بھئی۔ جیسے آج کل آپ دیکھ لیں بجلی چلی جاتی ہے کتنی تکلیف میں آپ ہوتے ہیں لیکن پتہ ہے ساروں پر یہ تکلیف آئی ہوئی ہے صرف مجھ پر تو نہیں ہے لہٰذا پرواہ ہی نہیں، اور اگر صرف آپ کے گھر کی بجلی نہ ہو تو آپ تو عذاب میں پڑ جائیں گے کہ میری نہیں ہے باقی سب کے گھر آ رہی ہے۔ یا اسی طرح آج کل جیسے شدید سردی پڑ رہی ہے اگر آپ دیکھیں صرف مجھے ہی سردی لگ رہی ہے تو آپ تو مشکل میں پڑ جائیں گے کہ یہ تو کیسے میں زندگی گزاروں، لیکن جب آپ دیکھتے ہیں یہ تو بیچارے سارے ہی اس تکلیف میں مبتلا ہیں تو اس تکلیف کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ تو ویسے بطور مثال کے میں ایک ذکر کر رہا ہوں کہ عربوں کے ہاں محاورہ مشہور ہے اَلْبَلِيَّةُ إِذَا عَمَّتْ طَابَتْ کہ مصیبت جو ہے جب وہ عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار لگنے لگتی ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ ویسے سمجھانے کے لیے ایک مثال ذکر کی۔

تو حضور علیہ السلام پر تو بڑی تکالیف آئیں بھئی بہت زیادہ تکالیف، دعوت قبول کرنے کے بجائے وہ الٹا مذاق اڑایا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور علیہ

السلام کتنی خیر خواہی کر رہے ہیں ہر ایک کے پاس جا رہے ہیں، اور وہ پھر بجائے اس کے کہ احسان مند ہوتے کہ آپ ہمارے پاس آئے اتنی عظیم چیز لے کر آپ کو چل کر آنا پڑا ہمیں حاضر ہونا چاہیے تھا، بجائے اس کے کہ وہ احسان مند ہوتے الٹا مذاق اور استہزاء اڑاتے تھے تو کتنی زیادہ تکالیف تھیں ان کا تو کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا سوچ بھی نہیں سکتا بھئی۔ تو دیکھیے اللہ فرمارہے ہیں آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے، جب یہ بتلا دیا گیا کہ آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کو جھٹلایا گیا تو پتہ لگ گیا کہ اس تکلیف میں اور مصیبت میں صرف میں نہیں مبتلا بلکہ اس میں تو اور بھی سارے انبیاء اکثر انبیاء اس میں مبتلا تھے تو پھر اس تکلیف کا احساس کم ہو جاتا ہے اور انسان پھر کیا کر لیتا ہے؟ تسلی آجاتی ہے اس کو اور صبر کر لیتا ہے۔ تو یہ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ یہ سبب ہے اس کا جو جزا ہے فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ۔ یہ اس کا سبب ہے اس کی وجہ سے تسلی ہو گی اور اس کی وجہ سے صبر آئے گا۔ تو اس سبب کو ہی مسبب کے قائم مقام کر دیا گیا بھئی۔ وہ تھا فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ جو جزا تھی وہ تھی مسبب اور یہ کیا ہے؟ سبب، تو سبب کو کبھی کیا کر دیا جاتا ہے؟ مسبب کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے تو یہاں پر بھی اسی طرح کیا گیا بھئی۔ تو اصل جزا یہ نہیں یہ تو اس کا سبب ہے اور جزا کیا ہے؟ فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا اصل عبارت یوں ہوئی: وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ تو آپ تسلی رکھیے اور صبر کیجیے فَلِأَنَّهُ قَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ اس لیے کیونکہ بہت سے رسول آپ سے پہلے جھٹلائے گئے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے أَيْ فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ تو آپ تسلی رکھیے اور صبر کیجیے۔

وَحَذْفُ الْأَكْثَرِ اور ایک جملے سے زیادہ حذف کی مثال نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: فَأَرْسِلُونِ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ۔ فَأَرْسِلُونِ اصل میں تھا فَأَرْسِلُونِي، یاء کو حذف کر دیا گیا، بھیجو تم لوگ نِي مجھے بھئی۔ یاء کو حذف کر دیا گیا کیونکہ نون اور اس کا کسرہ یاء محذوف پر دلالت کر رہے ہیں بھئی۔ فَأَرْسِلُونِ تم لوگ کیا کرو؟ بھیجو مجھے۔ پھر آگے آگیا يُوسُفُ أَيْ يَا يُوسُفُ اے یوسف أَيُّهَا الصِّدِّيقُ اے بہت سچے۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ آپ نے تفسیر کے اندر پڑھا ہو گا سنا ہو گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈال دیا گیا اور جیل کے اندر آپ کے حسن اخلاق اور آپ کی عبادت اور آپ کی جو خواب کی تعبیر بتانے کی جو مہارت اللہ نے آپ کو نصیب فرمائی تھی تو جیل میں بھی ان چیزوں کا چرچا ہو گیا اور قیدی حضرات بھی آتے اور آکر آپ سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے، آپ سے محبت وعقیدت کا اظہار کرتے کہ اتنا عبادت گزار شخص ہے اور اتنے اچھے اخلاق والا آدمی ہے کتنی محبت اور شفقت سے ہر ایک کے ساتھ پیش آتا ہے۔ چنانچہ انہی ایام میں دو آدمیوں کو دو نوجوانوں کو جیل میں ڈالا گیا بھئی: ایک وہ جو بادشاہ کے لیے روٹی بنانے والا تھا نانبائی تھا اور دوسرا بادشاہ کو شراب پلانے والا تھا۔ تو ان دونوں کو جیل میں ڈالا گیا ان پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی ہے اور اس کے کھانے وغیرہ میں زہر ملایا ہے، چنانچہ ان کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ انہوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی عبادت وغیرہ اور اخلاق وغیرہ کو دیکھا ان کا بھی تعلق ہو گیا ان کے ساتھ۔ اور ایک رات انہوں نے خواب دیکھا تو وہ خواب کی تعبیر جاننے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔ وہ جو نانبائی تھا وہ جو روٹیاں پکانے والا تھا اس نے کہا حضرت میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر ٹوکرے ہیں اور ان میں روٹیاں ہیں اور پرندے اس میں سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ اور دوسرے نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں انگور نچوڑ رہا ہوں اور اس کو شراب پلا رہا ہوں تو ہمیں اس کی تعبیر بتلایئے۔ اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تعبیر بتلائی کہ جو نانبائی ہے جو روٹیاں پکانے والا ہے اس کو سولی دے دی جائے گی سزا دی جائے گی سزائے موت سنائی جائے گی سولی دے دی جائے گی اور پھر اس کا بدن لٹکتا رہے گا سولی پر یہاں تک کہ پرندے اس کے سر سے نوچ نوچ کر کھائیں گے بھئی۔ اور دوسرے سے کہا کہ تمہیں رہائی مل جائے گی اور تم پھر بادشاہ کو اسی طرح شراب پلایا کرو گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اس سازش کا پورے طور پر پتہ چل گیا، وہ جو روٹیاں پکانے والا تھا وہ اس سازش میں شریک تھا تو اس کو سولی دے دی گئی اور دوسرا شخص جو شراب پلانے والا تھا اس کا پتہ چل گیا کہ یہ بیچارہ بے قصور ہے تو اس کو چھوڑ دیا گیا بھئی۔

اور پھر یہ اس بادشاہ کے پاس رہنے لگا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر اس کو یاد ہی نہ رہا اور بڑا عرصہ کئی سال گزر گئے۔ ایک دن بادشاہ نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے، خواب میں میں نے دیکھا سات گائیں ہیں موٹی اور سات گائیں ہیں دبلی پتلی، اور وہ جو دبلی پتلی گائیں تھیں وہ موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں بھئی۔ اور اسی طرح میں نے دیکھا کہ گندم کے سات خوشے ہیں سرسبز اور سات خوشے ہیں خشک، اور یہ جو خشک خوشے ہیں یہ سبز خوشوں پر لپٹتے ہیں اور ان کو بھی خشک کر دیتے ہیں، تو مجھے اس کی تعبیر بتلاؤ۔ اور وہ لوگ کہتے تھے ہمیں بڑی تعبیر آتی ہے لیکن جب یہ خواب ذکر ہوا تو تعبیر کسی کے ذہن میں نہیں آرہی۔ آخر وہ جو شراب پلانے والا تھا اس کو اب حضرت یوسف علیہ السلام کا خیال آیا کہ وہ جو جیل میں ایک شخص تھا بڑا نیک آدمی تھا اس نے ہمارے خواب کی تعبیر بتلائی تھی اور ویسا ہی ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے ان لوگوں کے سامنے بھی ان کا ذکر کیا اور کہا کہ تم مجھے بھیجو ان کے پاس میں جا کر ان سے تعبیر پوچھ کر آتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو اجازت دے دی کہ جاؤ تم، بھیج دیا، پھر یہ ان کے پاس آئے اور آ کر ان سے تعبیر پوچھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف تعبیر ہی نہیں بتلائی بلکہ اس کی تدبیر اور اس کے ساتھ ایک خوشخبری بھی سنا دی، اور فرمانے لگے کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے: جو سات موٹی گائیں ہیں اور اسی طرح جو سات سرسبز خوشے ہیں اس سے مراد سات سال ہیں، یعنی سات سال تک جو ہیں یہ خوراک وغیرہ ہو گی اور فصلیں وغیرہ اچھی طرح ہوں گی، لیکن اس کے بعد اگلے جو سات سال آئیں گے وہ جو دبلی گائیں اور خشک خوشے تھے وہ سات سال جو ہیں وہ قحط والے ہوں گے بارشیں نہیں ہوں گی اور خوراک وغیرہ ختم ہو جائے گی۔ تو اس کے لیے تم لوگ یوں کرنا کہ ان سات سالوں میں آئندہ جو بھی فصلیں کاشت ہوں تو یہ دانوں وغیرہ کو ان کے خوشوں سے نہ نکالنا ان کے خوشوں سمیت محفوظ رکھنا بھئی تاکہ یہ خراب نہ ہوں ان کو ے وغیرہ نہ لگیں بھئی، اور پھر اس میں احتیاط سے استعمال کرتے رہنا۔ اور سات سال کے بعد جو آٹھواں سال آئے گا اس میں پھر اللہ کی رحمت ہو گی اور خوب بارشیں ہوں گی اور پھر خوراک اور فصلوں کی فراوانی ہو جائے گی۔ تو دیکھو تعبیر بھی بتلائی اور تدبیر بھی بتلائی اس سے نپٹنے کی اور خوشخبری بھی سنائی کہ آٹھویں سال کیا ہو گا یہ قحط ختم ہو جائے گا۔

■ قولہ: «فَأَرْسِلُونِ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ» کی تشریح

تو یہ اسی کا ذکر قرآن میں آرہا ہے فَأَرْسِلُونِ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ، تم لوگ مجھے بھیجو، اے یوسف اے بہت سچے۔ تو دیکھیے وہ جو شراب پلانے والا تھا وہ کیا کہتا ہے فَأَرْسِلُونِ تم کیا کرو؟ مجھے بھیجو۔ اور کس کے پاس بھیجو یہ ذکر نہیں، إِلَى يُوسُفَ یہ محذوف ہے یہاں پر کیونکہ اس نے کیا کہا ہوگا کہ مجھے کس کے پاس بھیجو؟ یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجو۔ اور وجہ بھی ذکر کی ہوگی کیوں بھیجو؟ تاکہ میں ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھ لوں۔ اور پھر انہوں نے اجازت بھی دی ہوگی کہ ٹھیک ہے چلے جاؤ۔ اور پھر یہ ان کے پاس آیا بھی ہوگا اور پھر اس کے بعد اس نے کہا يَا يُوسُفُ اے یوسف۔ اس سب کا پتہ کس سے چل رہا ہے؟ يَا يُوسُفُ سے پتہ چل رہا ہے۔ پہلے کہہ رہا ہے مجھے بھیجو اور آگے فوراً آرہا ہے اے یوسف حضرت یوسف علیہ السلام سے بات شروع کر رہا ہے، معلوم ہوا کہ انہوں نے بھیجا ہوگا اور یہ ان کے پاس آئے ہوں گے اور پھر اس نے کہا ہوگا يَا يُوسُفُ اے یوسف۔ تو ان سب کا پتہ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ سے ہی چل رہا ہے۔ تو جب کلام سے ان سب چیزوں کا پتہ چل رہا تھا اس لیے ان کو حذف کر دیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں یاد رکھیے فَأَرْسِلُونِ يُوسُفُ اس کے درمیان پانچ جملے محذوف ہیں بھئی۔ کتنے جملے؟ پانچ جملے محذوف ہیں کس طرح آگے خود بتلا رہے ہیں: أَيْ أَرْسِلُونِي إِلَى يُوسُفَ، دیکھو یاء بھی حذف تھی اور جار مجرور إِلَى يُوسُفَ جو اس سے متعلق ہے وہ بھی حذف تھا لیکن وہ ابھی جملے نہیں آگے پانچ جملے آرہے ہیں یہ تو جار مجرور صرف حذف ہے اور یاء حذف تھی۔ لِأَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْيَا تاکہ میں ان سے خواب کی تعبیر پوچھ لوں، تو أَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْيَا یہ کیا ہے؟ پہلا جملہ۔ فَفَعَلُوا انہوں نے ایسا ہی کیا یہ دوسرا جملہ۔ فَأَتَاهُ تو یہ پھر ان کے پاس آئے یہ تیسرا جملہ۔ وَقَالَ لَهُ اور ان سے کہا یہ چوتھا جملہ۔ يَا يُوسُفُ یاء بھی حذف ہے اور يَا کس کے قائم مقام ہے؟ أَدْعُو کے فعل کے تو یہ پانچواں جملہ ہے۔ تو دیکھو یہ سب چیزیں یہاں محذوف ہیں اور ان کا پتہ کس سے چل رہا ہے؟ يُوسُفُ کہنے سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ یہ سب باتیں درمیان میں ہوئیں پھر جا کر ان سے یہ بات ہوئی ان کی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے ایک جملے سے زیادہ حذف کی مثال بھئی۔ اور یہ بھی نہیں کہ سننے سے پتہ نہیں چل رہا سنتے ہی پتہ چل جاتا ہے: فَأَرْسِلُونِ مجھے کیا کرو؟ بھیجو، يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ یوسف اے بہت سچے مجھے ذرا اس خواب کی تعبیر تو بتاؤ۔ دیکھو خود ہی پتہ چل رہا ہے معلوم ہوا باقی سارا کلام بیچ میں محذوف ہے کہ انہوں نے ایسا کیا ہوگا اور یہ ان کے پاس آئے ہوں گے اور پھر انہوں نے کہا ہوگا اے یوسف۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟ تو یہ تھا ایجاز حذف جس میں حذف کیا جاتا ہے اور حذف کبھی ایک کلمے کا ہوتا ہے اور کبھی ایک جملے کا حذف ہوگا اور کبھی ایک سے زیادہ جملے کا حذف ہوگا۔ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

جی کوئی ایسی بات تو نہیں جو سمجھ میں نہیں آئی؟ مساوات کے دواعی ذکر نہیں کیے۔ ہاں بھئی شاباش بڑا اہم سوال انہوں نے کیا کہ ایجاز کے دواعی بھی ذکر اور اطناب کے دواعی بھی ذکر اور مساوات کے دواعی ذکر نہیں کیے بھئی۔ تو یاد رکھیے مساوات اصل ہے اس کے لیے داعی نہیں چاہیے، داعی ایجاز اور اطناب کے لیے چاہیے۔ مساوات تو کس کو کہتے تھے کہ جتنا معنی ہو اسی کے بقدر کیا ہوں؟ الفاظ ہونے چاہئیں، یہ تو اصل ہے اصل کے لیے کوئی داعی نہیں چاہیے ہوتا۔ ہاں آپ اس سے عبارت میں کمی کرتے ہیں اس کے لیے داعی چاہیے یا آپ عبارت میں زیادتی کرتے ہیں اس کے لیے داعی چاہیے بھئی، تو اصل کے لیے داعی نہیں چاہیے بھئی مساوات تو اصل ہے اسی سے تو ایجاز اور اطناب کا پتہ چلتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

سبق نمبر ۶۱: اقسامِ اطناب: ذکرِ خاص بعد العام، ذکرِ عام بعد الخاص، ایضاح بعد الابہام، توشیح اور تکریر لغرض

دروس البلاغہ صفحہ: ۸۰ ــــ بتاریخ: ۱۰ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

أَقْسَامُ الْإِطْنَابِ۔ اَلْإِطْنَابُ يَكُونُ بِأُمُورٍ كَثِيرَةٍ، مِنْهَا ذِكْرُ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ، نَحْوُ: اِجْتَهِدُوا فِي دُرُوسِكُمْ وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ۔ وَفَائِدَتُهُ التَّنْبِيهُ عَلَى فَضْلِ الْخَاصِّ كَأَنَّهُ لِرِفْعَتِهِ جِنْسٌ آخَرُ مُغَايِرٌ لِمَا قَبْلَهُ۔ وَمِنْهَا ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں آپ نے دواعیٔ ایجاز اور دواعیٔ اطناب پڑھے تھے۔ اور مصنف نے آپ کو بتلایا تھا کہ دواعیٔ ایجاز میں سے ایک تَسْهِيلُ الْحِفْظِ ہے، یاد کرنے کو آسان بنانا۔ کیونکہ بات جب مختصر ہوگی تو یاد کرنے میں آسانی ہوگی، تو یاد کرنے کو آسان بنانے کے لیے ایجاز کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وَتَقْرِيبُ الْفَهْمِ، دواعیٔ ایجاز میں سے ایک تَقْرِيبُ الْفَهْمِ ہے، یعنی فہم کے بات کو قریب کرنا کہ بات سمجھنا آسان ہو جائے۔ بعض اوقات لمبی بات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے اور مختصر بات کا سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ وَضِيقُ الْمَقَامِ، اور دواعیٔ ایجاز میں سے ایک مقام کا تنگ ہونا ہے کہ موقع ہی نہیں ہے کہ لمبی بات کی جائے۔ وَالْإِخْفَاءُ، اور اسی طرح دواعیٔ ایجاز میں سے ایک اخفاء ہے، بات کو چھپانا۔ آپ مختصر کلام کرتے ہیں، طویل اور مفصل کلام نہیں کرتے کیونکہ آپ وہ بات صرف کسی ایک یا دو کو بتلانا چاہتے ہیں اور باقیوں سے اس بات کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اور اسی طرح دواعیٔ ایجاز میں سے سَآمَةُ الْمُحَادَثَةِ ہے، گفتگو کی اکتاہٹ بھی، گفتگو کی، تو بعض اوقات انسان غم میں ہے، پریشانی میں ہے، تکلیف میں ہے، تو وہ گفتگو کی اکتاہٹ سے بچنے کے لیے مختصر کلام کرتا ہے۔

اور اطناب کے دواعی میں سے جو تھے وہ تَثْبِيتُ الْمَعْنَى تھا، معنی کو ثابت کرنا، یعنی سننے والے کے ذہن میں بات کو اچھی طرح جما دینا، اچھی طرح بٹھا دینا۔ اور جب بات کو ذرا بات لمبی کی جائے گی، اس کی خوب وضاحت کی جائے گی تو سننے والے کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی۔ اسی طرح دواعیٔ اطناب میں سے ایک تَوْضِيحُ الْمُرَادِ تھا، مراد کی وضاحت کرنا۔ اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ بات جب ذرا لمبی کی جائے گی تو معنی مراد اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ اور اسی طرح دواعیٔ اطناب میں سے ایک تَوْكِيدٌ تھا، یعنی بات کو پختہ کرنا۔ جب ایک ہی بات مثلاً پہلی مرتبہ اجمالاً کی اور دوسری دفعہ تفصیلی کی تو وہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی۔ اور اسی طرح دواعیٔ اطناب میں سے ایک دَفْعُ الْإِيهَامِ تھا، یعنی خلاف مقصود کے وہم کو دور کرنا۔ اور جب بات کی خوب وضاحت ہوگی، بات ذرا لمبی ہوگی تو خلاف مقصود کا وہم ختم ہو جائے گا بھی۔

اس کے بعد ایجاز کی اقسام آپ نے پڑھی تھیں اور آپ کو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ ایجاز دو قسم پر ہے، ایک ایجاز قصر اور ایک ایجاز حذف بھی۔ ایجاز حذف تو نام سے ہی پتہ چل رہا ہے جس میں کیا کیا جائے؟ حذف کیا جائے اور حذف کے ذریعے بات کو مختصر کیا جائے۔ اور دوسرا ایجاز قصر تھا اور بتلایا تھا بھی یہ ہے بلغاء کی اصل توجہ اس کی طرف ہوتی ہے، ایجاز قصر جو ہے جو چھوٹا چھوٹا چھوٹے پن کا ایجاز ہے جس میں بات چھوٹی ہوتی ہے اور معانی بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اسی کے ذریعے بلیغ لوگوں کے درجوں کا پتہ چلتا ہے۔ جو جتنا بلیغ ہوگا وہ اتنے ہی زیادہ معانی کو مختصر لفظوں میں سمیٹ لے گا بھی، مختصر لفظوں میں۔

اور پھر مثال اس کی ذکر ہوئی تھی وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ، اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ عربوں میں اسی معنی کے لیے جو مختصر ترین کلام استعمال ہوتا تھا وہ اَلْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ تھا بھی۔ اور اس قرآنی کلام کو، اس کلام اللہ کو عربوں کے کلام پر کئی وجوہ سے، کئی اعتبار سے فضیلت حاصل ہے اور

میں نے بتلایا تھا علماء نے بیس یا بیس سے بھی زیادہ وجوہات ذکر کی ہیں قرآنی کلام کے افضل ہونے کی اور اس کی فضیلت کی۔ اور ان میں سے چند ایک میں نے ذکر کی تھیں۔ مثلاً ایک یہ ذکر کیا تھا کہ قرآن کا کلام جو ہے اس میں حروف تھوڑے ہیں جبکہ عربوں کے کلام میں حروف زیادہ ہیں۔ کلام اللہ کے اندر اسی معنی کو ادا کرنے کے لیے گیارہ حروف استعمال ہوئے جبکہ عربوں کے کلام میں چودہ حروف استعمال ہوئے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو کلام مختصر ہو اور معنی مراد کو پوری طرح ادا کر رہا ہو وہ لمبے کلام کی بہ نسبت اعلیٰ ہوتا ہے، افضل ہوتا ہے۔

نیز قرآنی کلام کو اس وجہ سے بھی فضیلت حاصل تھی کہ اس کے اندر مطلوب کی تصریح کی گئی تھی کیونکہ مقصود اور مطلوب حیات ہے، زندگی ہے، اور حیات کی تصریح کلام اللہ کے اندر تو ہے، عربوں کے کلام میں نہیں۔ اور یقیناً وہ کلام جس کے اندر مطلوب کی تصریح ہو وہ اعلیٰ ہوتا ہے اس کلام کے مقابلے میں جس میں مطلوب کی تصریح نہ ہو۔ اسی طرح قرآن کا جو کلام ہے اس کے اندر نکرہ آیا تھا اور وہ نکرہ تعظیم یا نوعیت کا فائدہ دے رہا تھا، جبکہ کلام عرب اس فائدے سے خالی ہے، تو کلام اللہ کو فضیلت حاصل ہوئی۔ اور اسی طرح قرآن کا جو کلام ہے وہ عام ہے، وہ ہر جہاں بھی قصاص ہے وہ کلام صادق آئے گا کہ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ، اور ان کا کلام عام نہیں، وہاں قید نکالنا پڑتی ہے کہ کون سی قتل، کون سا قتل؟ جو قصاصاً ہو۔ تو صرف وہاں تو ان کا کلام صادق آئے گا اور جو قتل ظلماً ہو، ظلم کرتے ہوئے ہو وہاں پر وہ صادق نہیں آتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو کلام عام ہو، تمام صورتوں کو شامل ہو وہ اعلیٰ ہوتا ہے دوسرے کلام کے مقابلے میں جو تمام صورتوں کو شامل نہ ہو بھئی۔

اور نیز قرآن کا کلام جو ہے وہ تکرار سے خالی ہے، اس میں کسی لفظ کو دوبارہ نہیں ذکر کیا گیا، جبکہ عربوں کے کلام کے اندر قتل کا لفظ دو دفعہ ذکر ہے تو اس میں تکرار آیا۔ اور وہ کلام اعلیٰ ہوتا ہے جو تکرار سے خالی ہو بہ نسبت اس کلام کے جس میں تکرار ہو۔ اور نیز قرآن کا جو کلام ہے اس میں کسی لفظ کو محذوف نہیں نکالنا پڑتا، فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ، قصاص میں زندگی ہے، دیکھو کوئی محذوف نہیں یہاں پر۔ اور جبکہ عربوں کے کلام کے اندر محذوف مِنْ تَرْكِهِ یہ قید محذوف نکالنا پڑتی ہے کیونکہ اس کے بغیر بات پوری نہیں ہوتی۔ قتل زیادہ نفی کرنے والا ہے قتل کی، کس کے مقابلے میں؟ وہ تو ذکر ہی نہیں۔ تو وہ آگے محذوف ہے مِنْ تَرْكِهِ أَيْ مِنْ تَرْكِ الْقَتْلِ، ترک قتل کے مقابلے میں قتل جو ہے وہ قتل کی زیادہ نفی کرنے والا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ کلام جو جس میں محذوف کی حاجت ہی نہ ہو وہ اعلیٰ ہوتا ہے اس کلام کے مقابلے میں جو محذوف کا محتاج ہو بھئی۔ اور ساتویں وجہ یہ ذکر کی تھی کہ قرآن کا جو کلام ہے اس میں صنعت مطابقت ہے اور دو متضاد معانی کو جمع کیا گیا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ وہ کلام جس کے اندر کوئی صنعت ہو، مثلاً صنعت طباق ہو، وہ اعلیٰ ہو گا اس کلام کے مقابلے میں جس میں اس قسم کی کوئی صنعت نہ ہو بھئی، نہ ہو۔ اور اسی طرح اس کی پھر مزید مثالیں بھی ذکر ہوئی تھیں۔ آج ہم اطناب کے بارے میں پڑھیں گے بھئی، اطناب۔

■ قولہ: «أَقْسَامُ الْإِطْنَابِ» کی تشریح

تو کہتے ہیں أَقْسَامُ الْإِطْنَابِ، اطناب کی اقسام۔ اَلْإِطْنَابُ يَكُونُ بِأُمُورٍ كَثِيرَةٍ، اطناب جو ہے بہت سی چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی اس کی بہت سی صورتیں ہیں، بہت سی قسمیں ہیں۔ مِنْهَا، ان قسموں میں سے ایک جو ہے، ان چیزوں میں سے ایک چیز جو ہے ذِكْرُ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ۔ خاص کے اندر یاد رکھیے یہ صاد مشدد ہے، ذِكْرُ الْخَاصِّ، اور عام کے اندر بھی میم مشدد ہے، عَامِّ۔ تو ان میں سے ایک ذِكْرُ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ، عام کے ذکر کے بعد خاص کو ذکر کرنا۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر: اِجْتَهِدُوا فِي دُرُوسِكُمْ وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ، تم لوگ محنت کرو اپنے درسوں میں، اپنے سبقوں میں وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ اور عربی زبان میں۔

تو یہ دیکھیے بھئی، دُرُوسِكُمْ کو جب ذکر کر دیا گیا، اپنے تمہارے سبق جو ہیں، تو اس میں عربی زبان بھی آ گئی تھی، اس کا سبق بھی بیچ میں آ گیا تھا، لیکن پھر وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ کو دوبارہ ذکر کیا گیا بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ بات دوبارہ، حالانکہ یہ دُرُوسِكُمْ کے اندر بھی آ گیا تھا کیونکہ وہ بھی ایک سبق ہے تو وہ بھی ان سبقوں کے اندر آ گیا، تو پھر اس کو بعد میں ذکر کرنا یہ ہے اطناب بھئی۔ کیا ہے؟ اطناب ہے۔ اور آپ جانتے ہیں اطناب جو کیا جاتا ہے وہ بھی بغیر فائدے کے نہیں ہوتا، اس میں بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے، اگر بغیر فائدے کے ہو گا وہ تو تطویل بن جائے گی بھئی۔

تو اس میں فائدہ کیا ہے اس کو دوبارہ ذکر کرنے کا؟ کہتے ہیں وَفَائِدَتُهُ التَّنْبِيهُ عَلَى فَضْلِ الْخَاصِّ، اور اس کا فائدہ جو ہے وہ متنبہ کرنا ہے اس خاص کی فضیلت پر۔ وہ جو خاص جس کو جو پہلے عام کے، بھئی پہلے دُرُوسِكُمْ آیا وہ عام ہے، اس عام کے بعد پھر خاص کو یعنی ایک کو ذکر کر دیا گیا، تو اس میں تنبیہ کر دی گئی اس خاص کی فضیلت پر، یعنی باقی درسوں کے اندر یہ عربی زبان کا جو درس ہے اس کو خاص فضیلت حاصل ہے۔ كَأَنَّهُ لِرِفْعَتِهِ جِنْسٌ آخَرُ مُغَايِرٌ لِمَا قَبْلَهُ، گویا کہ یہ اپنی بلندی کی وجہ سے ایک اور ہی جنس ہے، مُغَايِرٌ لِمَا قَبْلَهُ جو اپنے سے ماقبل سے جدا ہے، غیر ہے بھئی، اپنے سے ماقبل سے جدا۔

بھئی دیکھیے، عربی زبان کا درس اس کو بعد میں الگ ذکر کیا گیا، اگرچہ دُرُوسِكُمْ کا لفظ ماقبل میں آیا تھا اس کے اندر بھی عربی درس داخل ہو گیا تھا، لیکن بعد میں اس کو عطف کے ساتھ دوبارہ ذکر کیا گیا، اور عطف تو تقاضا کرتا ہے مغایرت کا۔ عطف تو کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ مغایرت کا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَزَيْدٌ، اس طرح کوئی بھی نہیں کہتا کیونکہ زید ثانی اور زید اول دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ہاں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو عَمْرٌو کا عطف زید پر کیا جاتا ہے کیونکہ عمرو کیا ہے؟ زید سے جدا ہے، الگ ہے۔ تو عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے کہ معطوف جو ہے وہ جدا اور علیحدہ ہو کس سے؟ معطوف علیہ سے۔ تو یہاں پر بھی اگرچہ وہ خاص پہلے اس کے اندر عام کے اندر داخل تھا لیکن پھر اس کو بعد میں علیحدہ بھی ذکر کر دیا گیا یہ بتلانے کے لیے کہ ان میں سے یہ اتنا اعلیٰ و ارفع اور بلند ہے کہ گویا یہ ماقبل کی جنس ہے ہی نہیں، یہ ان میں داخل ہی نہیں ہے، یہ

ایک الگ ہی چیز ہے بھئی، ایک الگ ہی چیز ہے۔ کس بنا پر اس کو الگ جنس قرار دیا جاتا ہے؟ اس کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے، اس کے فائدوں کی وجہ سے بھئی۔

تو گویا ما قبل میں یوں سمجھو اس کا اس کی اس کا ذکر ہی نہیں ہوا، یہ تو جنس ہی اور ہے، یہ تو چیز ہی اور ہے، تو ما قبل والی چیزوں میں یہ داخل ہی نہیں۔ جب ما قبل والی چیزوں میں داخل ہی نہیں تو اس کے حکم کا تو پتہ ہی نہیں۔ باقیوں کے بارے میں تو بتا دیا کہ اس ان سبقوں میں کیا کرو، محنت کرو، اور گویا عربی زبان کا درس جو ہے وہ تو ایک الگ ہی چیز ہے، اس کی تو ابھی بات ہی نہیں آئی کہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟ تو اس کا بھی بتلا دیا کہ اس میں بھی کیا کرو؟ محنت کرو بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ خاص کو ذکر کیا جاتا ہے کس کے بعد؟ عام کے بعد، کیا بتلانے کے لیے؟ اس کی فضیلت بتلانے کے لیے کہ گویا یہ ایک علیحدہ ہی جنس ہے، ما قبل سے جدا ہے، اس کے اندر داخل ہی نہیں ہے بھئی۔ جب ان میں داخل ہی نہیں ہے تو باقیوں کے حکم کا تو پتہ چل گیا، اس کے حکم کا گویا ابھی تک پتہ ہی نہیں، تو پھر اس کو اس لیے ذکر کر دیتے ہیں علیحدہ سے۔

جیسے قرآن میں ہے بھئی، تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ، کہ لیلۃ القدر کے اندر فرشتے اترتے ہیں، تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ فرشتے اترتے ہیں وَالرُّوحُ اور حضرت جبریل امین علیہ السلام وہ بھی۔ اب الرُّوحُ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور وہ بھی جب ما قبل میں ملائکہ کا ذکر آیا تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی ملائکہ میں سے ہیں، وہ بھی اس کے اندر داخل تھے، لیکن پھر ان کو علیحدہ ذکر کر دیا گیا۔ تو عام کے بعد کس کو ذکر کیا گیا؟ خاص کو، کیا بتلانے کے لیے؟ کہ یہ جو ہیں حضرت جبریل علیہ السلام اپنی صفات کی وجہ سے، اتنی اعلیٰ صفات ہیں ان کی، گویا کہ یہ ان کی جنس میں سے ہیں ہی نہیں، یہ جنس ہی الگ ہیں، یہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے نکتہ اس کے اندر بھئی۔ نکتہ سمجھ بھی آیا کہ ویسے سر ہلا رہے ہیں بھئی؟ سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو اس کی فضیلت بیان کرنے کے لیے اس طرح کیا جاتا ہے۔ یہ معنی ہے وَفَائِدَتُهُ التَّنْبِيهُ عَلَى فَضْلِ الْخَاصِّ، اور اس کا فائدہ جو ہے وہ متنبہ کرنا ہے اس خاص کے فضل پر، اس کی فضیلت پر، كَأَنَّهُ لِرِفْعَتِهِ گویا کہ وہ خاص جو ہے اپنی بلندی کی وجہ سے جِنْسٌ آخَرُ ایک اور ہی جنس ہے مُغَايِرٌ لِمَا قَبْلَهُ جو اپنے سے ما قبل سے جدا ہے، غیر ہے۔

■ قولہ: «وَمِنْهَا ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ» کی تشریح

دوسری صورت اطناب کی، وَمِنْهَا ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ، اور اطناب جن امور کے ساتھ کیا جاتا ہے ان میں سے ایک جو ہے عام کو ذکر کرنا بَعْدَ الْخَاصِّ کس کے بعد؟ خاص کے۔ یہ پہلے کا عکس ہے۔ پہلے میں تھا عام پہلے ذکر ہوتا تھا اور خاص بعد میں۔ اب خاص پہلے ذکر ہو گا اور عام بعد میں۔ كَقَوْلِهِ تَعَالَى، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ سے دعا فرما رہے ہیں: رَبِّ اغْفِرْ لِي، اے میرے پروردگار میری مغفرت فرما دیجیے، مجھے بخش دیجیے، وَلِوَالِدَيَّ اور میرے والدین کو، وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا اور وہ شخص جو داخل ہو میرے گھر میں مومن ہو کر، وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور تمام مومنین اور تمام مومنات کی۔ تمام مومنین اور تمام، یعنی جتنے اہل ایمان ہیں تا قیامت ان سب کی چاہے مرد ہیں یا عورتیں ان سب کی اے اللہ مغفرت فرما دیجیے۔

اب دیکھیے اگر صرف یہ کہہ دیا جائے رَبِّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، اے اللہ تمام مومنین اور مومنات کی مغفرت فرما دیجیے، تو اس کے اندر بھی وہ داخل تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اہل ایمان میں سے، وہ بھی ان میں داخل، اور ان کے والدین بھی اہل ایمان میں سے، وہ بھی ان میں داخل، اور جو ان کے گھر ایمان لا کر داخل ہو گا وہ بھی ان میں داخل، لیکن اس کے باوجود ان کو الگ ذکر کیا گیا۔ تو خاص کو الگ ذکر کیا گیا اور مومنین اور مومنات جو عام ہے اس کو بعد میں علیحدہ ذکر کیا گیا۔ یہ بتلانے کے لیے کہ یہ حکم اگرچہ عام ہے، سب کو شامل ہے، سب کے لیے دعا ہے، لیکن جن کو مقدم کیا گیا وہ زیادہ لائق ہیں اس حکم کے۔ وہ کیا ہیں؟ لائق۔ تو ان کو یہ بتلانے کے لیے کہ وہ اس حکم کے زیادہ لائق ہیں تو ان کو مقدم کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مومنین اور مومنات کے اندر سب داخل تھے، یہ ہے عام، اور اس سے ما قبل میں جو اپنا ذکر کیا، اپنے والدین کا ذکر کیا اور اپنے گھر میں داخل ایمان کی حالت میں داخل ہونے والے افراد کا ذکر کیا تو یہ ہے خاص بھئی، خاص۔ تو خاص پہلے ذکر ہے اور عام بعد میں، تو یہ ہے ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ۔ تو یہ بتلانے کے لیے کہ یہ جو مقدم ہیں یہ اس حکم کے زیادہ لائق ہیں اگرچہ یہ حکم ان کے ساتھ خاص نہیں ہے، یہ عام ہے۔

وَمِنْهَا الْإِيضَاحُ بَعْدَ الْإِبْهَامِ، اور اطناب جن چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ان میں سے ایک ایضاح بعد الابہام ہے، یعنی ابہام کے بعد وضاحت کرنا۔ ابہام کے بعد وضاحت کرنا، یعنی کلام دو طرح لایا جائے، اولاً ایک چیز کو اجمالاً ذکر کیا جائے، اجمالی طور پر، اور پھر اس کے بعد اس کی تفصیل ذکر کی جائے۔ تو دیکھیے وہی چیز دو دفعہ آگئی، پہلے اجمالاً اور پھر تفصیلاً، تو اطناب آگیا۔ کیا آگیا؟ اطناب آگیا، بات لمبی ہو گئی بھئی۔ اور فائدہ اس کا کیا ہوتا ہے؟ فائدہ اس کا یہ ہے تاکہ سننے والے کے ذہن میں بات اچھی طرح بیٹھ جائے بھئی۔ کیونکہ ایک ہی چیز جب دو دفعہ ذکر ہو گی تو ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی، پہلے اجمالاً آئی اور پھر اس کے بعد تفصیلاً آگئی بھئی، سننے والے۔ اور نیز اس لیے کیونکہ اس سے اس علم کی لذت بڑھ جائے گی۔ پہلے جب ایک چیز کو مبہم طریقے سے ذکر کیا جائے گا تو سننے والے کے دل میں شوق پیدا ہو گا کہ بھئی پوری تفصیل تو نہیں بیان کی گئی، اس سے کیا مراد ہے؟ کیا کیا چیزیں اس کے اندر داخل ہیں؟ آگے پھر جب پوری تفصیل آئے گی تو وہ ذہن کے اندر طلب پیدا ہو چکی تھی، اب بات ذہن کے اندر اچھی طرح بیٹھ جائے گی اور اس علم کی لذت بھی محسوس ہو گی اس لیے کیونکہ دل میں شوق اور طلب پیدا ہو گئی تھی پہلا حصہ کلام کا سنتے ہی بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟

تو وہ چیزیں جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک الْإِيضَاحُ بَعْدَ الْإِبْهَامِ ہے، یعنی ابہام کے بعد ایضاح کرنا، وضاحت کرنا۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر: أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ۔ حضرت ہود علیہ السلام جو ہیں وہ اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اللہ کہ تم ڈرو اس ذات سے جس نے

تمہاری مدد کی، أَمَدَّكُمْ جس نے تمہاری، وہ ذات جس نے تمہاری مدد کی بِمَا تَعْلَمُونَ ان چیزوں کے ساتھ جو تم جانتے ہو۔ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ، وہ ذات جس نے تمہاری مدد کی بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ مویشیوں کے ساتھ اور بیٹوں کے ساتھ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ اور باغات اور چشموں کے ساتھ۔ تو دیکھیے پہلے اسی بات کو اجمالاً ذکر کیا گیا، وہ ذات جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں کے ساتھ جو تم جانتے ہو، اس میں وہ ساری چیزیں آگئیں جن کو وہ جانتے تھے اور پھر آگے انہی کی تفصیل بھی آگئی کہ وہ کیا کیا چیزیں ہیں؟ مثلاً مویشی ہیں، بیٹے ہیں اور باغات ہیں اور چشمے ہیں وغیرہ بھئی۔ تو پہلے بات اجمالاً آئی تھی، یعنی ابہام تھا، آگے اس کی کیا آگئی؟ وضاحت آگئی، تو ایضاح بعد الابہام ہوا اور بات اس سے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے۔

وَمِنْهَا التَّوْشِيعُ، اور ان چیزوں میں سے جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک توشیع ہے، توشیع۔ توشیع یہ: وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى فِي آخِرِ الْكَلَامِ بِمُثَنًّى، کہ وہ یہ کہ لایا جائے کلام کے آخر میں ایک تثنیہ کو، بِمُثَنًّى مُفَسَّرٍ بِاثْنَيْنِ، ایسے تثنیہ کو جس کی تفسیر کی گئی ہو دو کے ساتھ۔ کلام کے آخر میں کیا لایا جائے؟ ایک تثنیہ کو لایا جائے، اور ایسا تثنیہ ہو جس کی آگے تفسیر کتنی چیزوں کے ساتھ کی جائے؟ دو چیزوں کے ساتھ کی جائے۔ كَقَوْلِهِ، جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

- متن وشواہد: «أُمْسِي وَأُصْبِحُ مِنْ تَذْكَارِكُمْ وَصِبًا»

أُمْسِي وَأُصْبِحُ مِنْ تَذْكَارِكُمْ وَصِبًا

يَرْثِي لِيَ الْمُشْفِقَانِ الْأَهْلُ وَالْوَلَدُ

شاعر کسی جو اس کے احباب میں سے جو اس سے جدا ہو گئے ہیں یا جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں ان کی یاد میں یہ شعر کہتا ہے اور کہتا ہے أُمْسِي وَأُصْبِحُ، میں شام کرتا ہوں اور صبح کرتا ہوں۔ وَصِبًا، وَصَبٌ کہتے ہیں تکلیف محسوس کرنا، دکھ اٹھانا۔ دکھ اٹھاتے ہوئے مِنْ تَذْكَارِكُمْ، تَذْكَارٌ کا معنی ہے یاد، یاد۔ تا پر فتحہ پڑھنا ہے، تِذْكَارٌ نہیں ہے، تَذْكَارٌ ہے۔ تو تکلیف اٹھاتے ہوئے مِنْ تَذْكَارِكُمْ تمہاری یاد سے، یعنی یوں بامحاورہ ترجمہ کریں، بے قرار ہوتے ہوئے تمہاری یاد سے، میں صبح کرتا ہوں اور شام کرتا ہوں تمہاری یاد میں بے قرار ہوتے ہوئے۔

يَرْثِي لِي، رَثَى يَرْثِي کے ویسے معنی ہوتے ہیں مرثیہ کہنا، کسی کے انتقال پر غم کے اشعار کہنا، یہ کیا ہے؟ مرثیہ۔ لیکن يَرْثِي لِي کا صلہ لام آجائے جیسے یہاں پر لام ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے ترس کھانا، رحم کرنا۔ يَرْثِي لِي مجھ پر رحم کھاتے ہیں، مجھ پر ترس کھاتے ہیں الْمُشْفِقَانِ دو شفقت کرنے والے۔ مجھ پر کون ترس کھاتے ہیں؟ دو شفقت کرنے والے لوگ جو ہیں، وہ کون ہیں؟ الْأَهْلُ وَالْوَلَدُ، بیوی اور اولاد جو ہے، بیوی اور اولاد۔ شاعر کہتا ہے جن کا وہ تذکرہ کر رہا ہے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں صبح اور شام تمہاری یاد میں بے قرار رہتا ہوں یہاں تک کہ مجھ پر دو شفقت کرنے والے، دو مہربان لوگ جو ہیں وہ مجھ پر ترس کھانے لگتے ہیں میری اس حالت کو دیکھ کر، اور وہ دو مہربان لوگ کون ہیں؟ بیوی ہے اور میری اولاد ہے، وہ مجھ پر ترس کھانے لگتے ہیں کہ اتنا غم کرنا ٹھیک نہیں ہے بھئی، اتنا میں غمگین رہتا ہوں اور اتنا بے قرار رہتا ہوں تمہاری یاد کے اندر۔

تو مقام استشہاد ہے الْمُشْفِقَانِ الْأَهْلُ وَالْوَلَدُ۔ الْمُشْفِقَانِ دیکھو ایک تثنیہ لایا گیا، کتنے ہیں شفقت کرنے والے؟ دو ہیں، تو یہ تثنیہ لایا گیا اور آگے پھر تفسیر بھی کر دی گئی اس تثنیہ کی کہ وہ شفقت کرنے والی دو ذاتیں کون سی ہیں؟ الْأَهْلُ وَالْوَلَدُ، بیوی ہے اور اولاد ہیں، اولاد ہیں۔ دیکھیے یہاں اطناب آیا، اطناب آیا، اور اس کو کہتے ہیں توشیع، توشیع۔ اطناب، اطناب کس طرح آیا؟ بھئی دیکھیے اگر الْمُشْفِقَانِ کو نکال کر کلام یوں کر لیا جاتا يَرْثِي لِيَ الْأَهْلُ وَالْوَلَدُ، مجھ پر شفقت مجھ پر ترس کھاتے ہیں کون؟ بیوی اور اولاد، تو بھی بات پوری تھی۔ تو یہ الْمُشْفِقَانِ کے تو ذکر کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ مُشْفِقَانِ سے یہی اہل اور اولاد ہی تو مراد ہیں اور ان کا تو آگے ذکر آرہا ہے، تو یہ جو مُشْفِقَانِ کو بیچ میں ذکر کیا گیا یہ کیا ہے؟ اطناب ہے، یہ کیا ہے؟ اطناب ہے، بات لمبی ہو گئی بھئی، بات لمبی ہو گئی۔ اور نیز اس میں بھی یہ وہی ایضاح بعد الابہام ہے، پہلے مبہم چیزوں کو ذکر کیا گیا، دو شفقت کرنے والے، کون ہیں؟ یہ پتہ ہی نہیں تھا، آگے پھر اسی کی وضاحت آگئی کہ وہ کون ہیں؟ بیوی اور اولاد ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی کہ یہاں اطناب کس طرح آیا؟ اس تثنیہ کے ذکر سے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ صرف تثنیہ ہی کو نہیں ذکر کیا جاتا بلکہ بعض اوقات جمع کو ذکر کیا جاتا ہے اور آگے پھر کئی افراد کے ساتھ اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے، لیکن یہاں خاص طور پر تثنیہ کو ذکر کر دیا اس لیے کیونکہ کم از کم دو تو ضرور ہوں گے جن کے ساتھ آگے پھر تفسیر ہو گی، تو دو یا دو سے زیادہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں۔

وَمِنْهَا التَّكْرِيرُ لِغَرَضٍ كَطُولِ الْفَصْلِ فِي قَوْلِهِ، اور جن چیزوں کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک تکریر ہے۔ تکریر اور تکرار دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تکرار کہتے ہیں ایک چیز کو کم از کم دو بار ذکر کرنا، یہ کیا ہے؟ تکرار ہے۔ تو تکرار سے بھی کلام میں اطناب آئے گا۔ لِغَرَضٍ اور وہ تکرار بھی کس لیے ہو گا؟ کسی غرض اور مقصد کے لیے ہو گا کیونکہ اگر بغیر کسی مقصد کے تکرار ہو گا پھر تو وہ تطویل بن جائے گا اور تطویل تو بلاغت سے خارج ہے بھئی۔ تو تکریر، تکرار ہو گا لِغَرَضٍ کسی مقصد کی وجہ سے كَطُولِ الْفَصْلِ جیسے کہ لمبا فصل ہے فِي قَوْلِهِ شاعر کے اس قول میں۔ شاعر کہتا ہے:

■ متن وشواہد: «وَإِنَّ امْرَأً دَامَتْ مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ»

وَإِنَّ امْرَأً دَامَتْ مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ

عَلَى مِثْلِ هَذَا إِنَّهُ لَكَرِيمُ

بھئی آپ کی، میری کتاب میں انہوں نے لکھا ہے وَإِنِ امْرُؤٌ، آپ کی کتابوں میں بھی اسی طرح ہے؟ جی، إِنِ امْرُؤٌ نہیں بھئی، وَإِنَّ امْرَأً۔ تو یہ شروع میں ہے واو کے بعد إِنَّ ہے، إِنَّ، اس کو إِنَّ کریں۔ اور آگے ہے اِمْرَأً کیونکہ إِنَّ نصب دیتا ہے تو واو نہیں ہونا چاہیے، الف پر ہمزہ ہونی چاہیے، اِمْرَأً۔ واو پر ہمزہ نہیں بلکہ الف پر ہمزہ ہونی چاہیے، وَإِنَّ امْرَأً۔ لکھ لیا بھئی؟ اور دَامَتْ مَوَاثِيقُ ہے میری کتاب میں بس، حالانکہ ایک آگے لفظ بھی ہے عَهْدِهِ، دَامَتْ مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ۔ تو یہاں عہد کا لفظ بھی ہے اور حاشیے میں البتہ یہ لفظ انہوں نے دیا ہوا ہے شعر کے اندر بھئی، مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ۔ تو مَوَاثِيقُ کے بعد عَهْدِهِ کا لفظ لکھیں۔

تو دیکھیے یہاں پر وَإِنَّ امْرَأً، وَإِنَّ امْرَأً، تو إِنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل ہے اور یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر۔ إِنَّ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ تو یہ جو اِمْرَأً آیا ساتھ إِنَّ کے یہ ہے إِنَّ کا اسم، اور شعر کے بالکل آخر میں جو آرہا ہے لَكَرِيمُ یہ ہے إِنَّ کی خبر۔ یہ کیا ہے؟ إِنَّ کی خبر۔ اور ان کے درمیان ایک لمبا فصل آگیا تھا، بہت سے الفاظ جمع ہو گئے إِنَّ کے اسم اور إِنَّ کی خبر۔ دیکھو درمیان میں کیا کیا آیا؟ دَامَتْ مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ عَلَى مِثْلِ هَذَا، دیکھو کتنے سارے لفظ آگئے کس کے درمیان؟ إِنَّ کے اسم اور إِنَّ کی خبر۔ تو لمبا فصل آگیا تھا، اسی لیے شاعر نے آگے إِنَّ کے اسم اور إِنَّ کا دوبارہ تکرار کیا، إِنَّهُ یہ وہی إِنَّ امْرَأً ہے بھئی، یہ وہی إِنَّ امْرَأً، اسی کا دوبارہ تکرار کیا، إِنَّ وہی دوبارہ لے آیا اور اِمْرَأً کہنے کے بجائے اس کی طرف ضمیر لوٹا دی تاکہ یہ إِنَّهُ جڑ جائے لَكَرِيمُ کے ساتھ، اپنی خبر کے ساتھ، إِنَّ تاکہ اپنی خبر کے ساتھ جڑ جائے۔ بات بھی سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں بھئی؟

درمیان میں طول فصل تھا، لمبی جدائی تھی، لمبا فاصلہ، فصل آگیا تھا، جدائی آگئی تھی، اس لیے اس إِنَّ اور اس کے اسم کو شاعر نے خبر کے پاس دوبارہ ذکر کیا۔ تو یہ ہے تکرار اور یہ تکرار کس لیے کیا اس نے؟ کیونکہ درمیان میں کیا آگیا تھا؟ لمبا فصل آیا تھا، تو یہ غرض تھی۔ تو لمبا فصل آگیا تھا تو یہ نہ ہو سننے والے کو بات ہی سمجھ میں نہ آئے یا وہ اس کا کوئی اور معنی سمجھ لے، تو اس لیے اس شاعر نے إِنَّ اور اس کے اسم کو مکرر ذکر کیا۔

ترجمہ کیا ہے؟ وَإِنَّ امْرَأً دَامَتْ، دَامَ يَدُومُ کے معنی ہوتے ہیں دائم رہنا، مسلسل رہنا۔ مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ، مَوَاثِيقُ جمع ہے مِيثَاقٌ کی۔ مِيثَاقٌ اور عَهْدٌ کا ایک معنی ہے، مِيثَاقٌ کا معنی بھی وعدہ اور عَهْدٌ بھی کہتے ہیں وعدے کو عربی زبان میں۔ تو شاعر کیا کہتا ہے؟ وَإِنَّ امْرَأً دَامَتْ، دیکھو اِمْرَأً نکرہ آیا، اِمْرَأً، اور نکرہ کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ تو شاعر کہتا ہے وَإِنَّ امْرَأً دَامَتْ مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ عَلَى مِثْلِ هَذَا، اور بے شک ایسا آدمی کہ دائم رہے اس کا اس کے وعدے اور اس کا عہد و قرار عَلَى مِثْلِ هَذَا اس جیسی چیزوں پر۔ کہ بے شک وہ آدمی جس کا وعدہ برقرار رہے اس جیسی چیزوں پر لَكَرِيمُ وہ کیا ہے؟ معزز آدمی ہے۔ کیونکہ ہر ایک اس طرح نہیں کر سکتا۔ تو کوئی بات ہو گی جس کی طرف شاعر اشارہ کر رہا ہے کہ اس جیسی چیزوں پر جو اپنے وعدے کو برقرار رکھتا ہے اور ان پر دائم رہتا ہے إِنَّهُ لَكَرِيمُ بے شک ایسا آدمی کریم آدمی ہے، معزز آدمی ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

■ قولہ: «وَكَزِيَادَةِ التَّرْغِيبِ فِي الْعَفْوِ فِي...» کی تشریح

وَكَزِيَادَةِ التَّرْغِيبِ فِي الْعَفْوِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى، اور جیسے ترغیب کی زیادتی ہے فِي الْعَفْوِ معاف کر دینے میں فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ اللہ فرماتے ہیں إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بے شک تمہاری بیویوں میں سے وَأَوْلَادِكُمْ اور تمہاری اولاد میں سے عَدُوًّا لَكُمْ تمہارے لیے دشمن ہیں، تمہاری بیویوں میں اور تمہاری اولاد میں بعض کیا ہیں؟ تمہارے دشمن ہیں۔ بھئی دشمن ہیں کس اعتبار سے؟ معنی یہ ہے یعنی وہ تمہیں آخرت سے غافل کر دیتے ہیں۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ آخرت سے غافل کر دیتے ہیں تو تمہیں اس اعتبار سے نقصان پہنچتا ہے تو بایں اعتبار وہ تمہارے دشمن ہیں۔ فَاحْذَرُوهُمْ تو تم ان سے بچو، یعنی خبردار رہو، آخرت سے غافل نہ ہو، ان کی محبت میں کہیں آخرت سے تم غافل نہ ہو جانا، ہوشیار رہنا۔ فَاحْذَرُوهُمْ تو تم ان سے بچو۔ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا اور اگر تم معاف کر دو، وَإِنْ تَعْفُوا اگر تم معاف کر دو وَتَصْفَحُوا اور درگزر کرو وَتَغْفِرُوا اور بخش دو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ پس یقیناً اللہ بخشنے والے ہیں، رحم کرنے والے ہیں۔

اب دیکھیے یہاں پر آیا وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا اور تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ تینوں کا ایک ہی معنی ہے، معاف کر دینا، درگزر کرنا، بخش دینا، دیکھو سب ایک ہی معنی ہے بھئی، سب کیا کر رہے ہیں؟ ایک ہی معنی۔ تو یہاں پر ایک سے بھی کام چل سکتا تھا لیکن تین تین کو ذکر کر دیا گیا، تین لفظوں کو اور معنی سب کا ایک ہی ہے، تو کلام میں اطناب آگیا۔ کیا آگیا؟ اطناب آگیا۔ اور یہاں کیا مقصد ہے اطناب کا؟ تاکہ زیادہ ترغیب ہو جائے۔ تاکہ کیا ہو جائے؟ زیادہ ترغیب ہو جائے۔ ایک ایک دفعہ ذکر ہو گا اس

میں ترغیب آگئی، لیکن یہاں صرف ترغیب نہیں بلکہ زیادہ ترغیب دی جارہی ہے تاکہ زیادہ ترغیب ہو جائے، تو تین دفعہ لفظ کو ذکر کر دیا گیا بھئی، تین لفظوں کو ذکر کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی خوب ترغیب دی جارہی ہے ان سے درگزر کرنے کی اور ان کو معاف کرنے کی اور ان سے اچھا برتاؤ کرنے کی۔ یہاں تک سب کو بات سمجھ میں آگئی؟

وَكَتَأْكِيدِ الْإِنْذَارِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى، اور جیسے کہ انذار کہتے ہیں کسی کو ڈرانا، کسی کو خبر دار کرنا، اور جیسے کہ ڈرانے کی تاکید ہے، یعنی اس میں قوت پیدا کرنا، اس میں زور اس میں زور پیدا کرنا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ کے اس قول میں: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ۔ كَلَّا حرف ردع ہے، آپ جانتے ہیں، ڈانٹ کے طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے کلام عرب کے اندر بھئی۔ كَلَّا ہرگز نہیں، سَوْفَ تَعْلَمُونَ عنقریب تم لوگ جان لوگے، تمہیں پتہ چل جائے گا۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ پھر ہرگز نہیں، عنقریب تم کو پتہ چل جائے گا، تم لوگ جان لوگے۔

تو یہاں دیکھیے یہ كَلَّا ڈانٹ کے طور پر ہے، کسی چیز سے کسی کو روکنے کے لیے ہے، ڈانٹنے کے لیے ہے، تو یہاں اللہ تعالیٰ جو اللہ خطاب فرمارہے ہیں مشرکین سے کہ تم غلطی پر ہو، تم دنیا کے اندر لگے ہوئے ہو اور آخرت کے احوال سے اور آخرت سے پورے طور پر تم غافل ہو۔ كَلَّا ہرگز نہیں، یعنی تمہیں دنیا میں منہمک نہیں ہونا چاہیے، دنیا ہی میں نہیں لگے رہنا چاہیے بلکہ توجہ کس طرف ہونی چاہیے؟ آخرت کی طرف ہونی چاہیے۔ اور ابھی تو تمہیں اپنی اس غلطی کا احساس نہیں ہو رہا، سَوْفَ تَعْلَمُونَ عنقریب تم جان لوگے جب اللہ سے ملاقات ہوگی اور قیامت کی ہولناکیاں سامنے آئیں گی تو پھر تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوگا اور اندازہ ہوگا۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ پھر ہرگز نہیں، یعنی تمہیں دنیا کے اندر منہمک نہیں ہونا چاہیے، اس غلطی سے اپنے آپ کو بچاؤ، آخرت کی طرف توجہ کرو، سَوْفَ تَعْلَمُونَ عنقریب تم لوگ جان لوگے بھئی۔

تو یہاں پر دیکھیے بھئی، كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ایک دفعہ ذکر ہوا، پھر كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ دوبارہ ذکر ہوا، تو دیکھیے تکرار آیا۔ کیا آیا؟ تکرار آیا۔ اور تکرار بھی یہ کس نکتے کی وجہ سے ہوگا، ویسے نہیں۔ اور یہاں پر نکتہ کیا ہے؟ کہ اس خبر دار کرنے میں زور پیدا کرنا ہے۔ کیا پیدا کرنا ہے؟ زور پیدا کرنا ہے۔ صرف خبر دار نہیں بلکہ زوردار طریقے سے کیا کیا جارہا ہے؟ خبر دار کیا جارہا ہے۔ چنانچہ اسی لیے ثُمَّ بیچ میں ذکر کیا گیا، اور ثُمَّ کس لیے آتا ہے؟ بعد زمانی کے لیے۔ بعد زمانی، زمانے میں بعد اور دوری کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، کیا ترجمہ ہوتا ہے اس کا؟ کہ میرے پاس زید آیا، پھر اس کے کافی دیر بعد کون آیا؟ عمرو آیا۔ دیکھو زمانہ بیچ میں طویل آیا، لمبا زمانہ، اس کے لیے ثُمَّ آتا ہے۔ تھوڑا زمانہ ہو تو اس کے لیے فاء آتی ہے۔

تو ثُمَّ کس لیے آتا ہے؟ بعد زمانی کے لیے۔ تو ہوتا تو یہ بعد زمانی کے لیے ہے لیکن یہاں اس کو بعد مرتبی کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ کس لیے؟ بعد مرتبی، یا یوں کہیں بعد مکانی کے لیے۔ ثُمَّ آتا تو ہے دو زمانوں میں دوری بیان کرنے کے لیے، دو زمانوں میں دوری بیان کرنے کے لیے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، معلوم ہوا زید کا آنا اور عمرو کا آنا ان میں کافی طویل زمانہ ہے، کافی وقت بیچ میں ہے۔ تو یہ آتا ہے کس لیے؟ بعد زمانی، زمانے کی دوری کو بیان کرنے کے لیے، لیکن یہاں اس کو بعد مکانی، جگہ کی دوری کے لیے، یعنی مرتبے کی دوری کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ کس لیے؟ مرتبے کی دوری کے لیے۔ اس لیے کیونکہ ایک ہے پہلا انذار، كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ، اور ایک ہے دوسرا انذار، كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ، بیچ میں ثُمَّ ذکر کیا گیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ جو دوسرا خبر دار کیا جارہا ہے یہ پہلے سے بھی بڑھ کر ہے اور اس سے بہت اونچا ہے۔ یہ پہلے سے بھی بڑھ کر ہے، بڑھ کر ہے۔ بھئی دو چیزوں کے اندر جب مرتبے میں دوری ہوگی تو ایک چیز نیچے ہوگی، دوسری اس سے بہت اوپر ہوگی، بہت اوپر۔ تو ثُمَّ آتا ہے بعد زمانی کے لیے لیکن یہ بعد مرتبہ کو بیان کرنے کے لیے یہاں لایا گیا کہ یہ جو دوسرا انذار ہے یہ پہلے انذار سے بھی بہت اونچا ہے، یعنی اس میں اور زیادہ تمہیں کیا کیا جارہا ہے؟ خبر دار کیا جارہا ہے۔ دونوں انذار برابر درجے کے نہیں ہیں۔

معنی بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں سمجھ میں آیا بھئی؟ تو پہلا ایک پہلا انذار ہے، ایک دوسرا۔ پہلا اس درجے کا ہے تو دوسرا اس سے بہت اونچے درجے کا ہے، تو دونوں میں بعد آگیا یا نہیں؟ لیکن یہ بعد مکان کے اعتبار سے ہے، درجے کے اعتبار سے ہے، زمانے کے اعتبار سے تو نہیں۔ اور ثُمَّ تو آتا ہے کس لیے؟ زمانے کے لیے، لیکن اسی ثُمَّ کو یہاں استعمال کر لیا گیا کیا بتلانے کے لیے؟ بعد مرتبی بتلانے کے لیے کہ ایک پہلا انذار ہے، دوسرا اس کے برابر درجے کا نہیں ہے بلکہ اس سے بہت اونچے درجے کا ہے، یعنی اس سے بھی بڑھ کر تمہیں خبر دار کیا جاتا ہے کہ ہرگز دنیا کے اندر مشغول نہ رہو، سَوْفَ تَعْلَمُونَ عنقریب تم جان لوگے جب یہ ہولناکیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ بھئی ایک چیز کو ڈرانا اور خبر دار کرنے کے بھی مختلف درجے ہو سکتے ہیں نا، ایک ہی درجے کا تو ڈرانا نہیں۔ ڈرانے اور خبر دار کرنے کے بھی مختلف درجے، ایک ہے ذرا ہلکے درجے میں کسی کو خبر دار کیا جائے، ایک ہے زوردار درجے میں، ایک اس سے بھی بڑھ کر۔ تو یہاں ثُمَّ کے ذریعے بتلایا گیا کہ یہ جو دوسرا انذار ہے یہ اس انذار سے بھی بڑھ کر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ثُمَّ کے ذریعے بتلایا گیا کہ یہ دوسرا انذار پہلے انذار سے بھی بڑھ کر ہے بھئی۔

■ قولہ: «وَمِنْهَا الِاعْتِرَاضُ وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ...» کی تشریح

وَمِنْهَا الِاعْتِرَاضُ وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ بَيْنَ أَجْزَاءِ جُمْلَةٍ أَوْ بَيْنَ جُمْلَتَيْنِ مُرْتَبِطَتَيْنِ مَعْنًى لِغَرَضٍ۔ جی، اور وہ چیزیں جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک اعتراض ہے۔ کیا ہے؟ اعتراض۔ بھئی وہ آپ پڑھتے رہتے ہیں کلام میں کبھی کبھار کتاب کے اندر درمیان میں ایک بات چل رہی ہوتی ہے، کسی بزرگ کا نام آتا ہے تو وہاں لکھا ہوتا ہے رَحِمَهُ اللَّهُ، تو استاد آپ کو بتلاتے ہیں یہ جملہ معترضہ ہے۔ اور جملہ معترضہ اسے کہتے ہیں جس کا ماقبل اور مابعد سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ ایک بات چل رہی ہے لیکن ایک شخص کا نام آیا تو مصنف اس کو دعا دینا چاہتا ہے تو بیچ میں وہ رَحِمَهُ اللَّهُ لکھ دیتا ہے، تو اس کا ماقبل اور مابعد سے تعلق نہیں ہوتا، یہ بیچ

میں الگ دعا ہوتی ہے۔ یا اسی طرح بھئی کتاب کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے تو جو بات ذکر ہو رہی ہو وہ تو ہوتی ہے، حضور کے نام کے ساتھ ہی درود لکھا ہوتا ہے، یعنی حضور کے لیے صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا ہوتی ہے، تو یہ دعا کیا ہے؟ جملہ معترضہ ہے۔ جملہ معترضہ یعنی اس کا مابعد اور ماقبل سے تعلق نہیں ہوتا۔ یا اسی طرح صحابہ کا نام آتا ہے تو وہاں رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لکھا ہوتا ہے، تو یہ سب کیا ہیں؟ جملہ معترضہ کے۔ اسی کو اب ذکر کرنے لگے ہیں کہ یہ جو اعتراض ہے، یہ جو جملے کا بیچ میں آنا ہے یہ بھی کیا ہے؟ اطناب ہے۔ یہ کس کی قسم ہے؟ اطناب کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

تو کہتے ہیں وَمِنْهَا اور وہ چیزیں جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک اعتراض ہے، وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ اور وہ کسی لفظ کو بیچ میں لانا ہے۔ اور لفظ مصدر ہے، اس کا اطلاق قلیل پر بھی ہوتا ہے، ایک ہو اس کو بھی کہیں گے لفظ، دس ہوں ان کو بھی کیا کہیں گے؟ لفظ۔ تو مراد یہاں جملہ ہے۔ کیا مراد ہے؟ جملہ ہو گا پورا، ادھورا کچھ لفظ نہیں ہوں گے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ اور وہ لانا ہے کسی لفظ کو یعنی جملے کو بَيْنَ أَجْزَاءِ جُمْلَةٍ کسی جملے کے اجزاء کے درمیان میں لانا ہے کسی دوسرے جملے کو، أَوْ بَيْنَ جُمْلَتَيْنِ یا دو جملوں کے درمیان لانا، ایسے دو جملے مُرْتَبِطَتَيْنِ جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں، یعنی ان میں اتصال ہو۔ یعنی کیا ہو؟ اتصال ہو مَعْنًى باعتبار معنی کے، باعتبار معنی کے۔

تو دو جملے ہوں اور مُرْتَبِطَتَيْنِ مَعْنًى جن میں اتصال ہو معنی کے اعتبار سے۔ کیا معنی معنی کے اعتبار سے اتصال ہو ان میں؟ یعنی دوسرا جملہ پہلے کے لیے تاکید ہو یا بدل ہو یا بیان ہو یا اسی پر معطوف ہو بھئی۔ تو مثلاً دو جملے آئے بھئی اور ان میں اتصال ہے، تعلق ہے کیونکہ پہلا کیونکہ دوسرا جملہ کیا ہے؟ پہلے سے بدل ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ فصل اور وصل میں تفصیل آئی تھی، دو جملوں میں کامل اتصال ہو گا جب ثانی کیا ہو گا؟ بدل ہو، یا جب ثانی کیا ہو؟ بیان ہو، یا جب ثانی کیا ہو؟ تاکید ہو۔ اسی طرح دو جملوں میں اتصال ہو گا جب درمیان میں واو آ جائے کیونکہ واو کچھ مغایرت چاہتا ہے تو کچھ مناسبت اور اتصال چاہتا ہے۔ تو جب دو جملے ہیں اور ان میں معنی کے اعتبار سے اتصال ہے، تو معنی اور اس میں کتنی صورتیں میں نے ذکر کر دیں؟ چار۔ دوسرا جملہ پہلے کے لیے بدل ہو، یا دوسرا جملہ پہلے کے لیے بیان ہو، یا دوسرا جملہ پہلے کے لیے تاکید ہو، یا دوسرا جملہ دوسرے جملے کا پہلے جملے پر عطف ہو جائے، تو اس قسم کے دو جملوں کے درمیان کسی جملے کو لانا یہ ہے اعتراض۔ یہ کیا ہے؟ اعتراض۔ لِغَرَضٍ، اس کا تعلق تَوَسُّطُ سے ہے۔ تَوَسُّطُ سے ہے، وہ بیچ میں جو جملہ لایا جاتا ہے یعنی جملہ معترضہ وہ کس لیے لایا جائے گا؟ لِغَرَضٍ کسی غرض کے لیے اور کسی مقصد کے لیے ہو گا۔

بات سمجھ میں آئی؟ اعتراض کی بات ہو رہی ہے، جملہ معترضہ، اور یہ ہمیشہ جملہ ہو گا میں نے بتلایا، جہاں یہاں جو لفظ آیا نا لفظ اس سے کیا مراد ہے؟ جملہ، کیونکہ جملہ معترضہ وہ ہمیشہ جملہ ہی ہو گا، جملے کا جز نہیں ہو گا۔ اور اس کو کہاں لایا جاتا ہے؟ کسی ایک جملے کے بیچ میں بھی لایا جا سکتا ہے اور دو جملوں کے درمیان بھی لایا جا سکتا ہے۔ ایک جملے کے بیچ میں لانے کا معنی یہ ہے یعنی ایک جملے میں مسند آئے گا، ایک مسند آئے گا اور مسند الیہ آئے گا، کبھی اسی طرح ان کے متعلقات ذکر ہوں گے، جار مجرور وغیرہ ذکر ہوں گے، مفعول وغیرہ ذکر ہوں گے، حال وغیرہ ان جیسی ساری چیزیں ذکر ہوں گی، تو یہ جو سارے اجزاء ہیں جملے کے ان کے بیچ میں کہیں پر بھی وہ آ سکتا ہے۔ ان کے بیچ میں کہیں پر بھی جملہ معترضہ آ سکتا ہے اور ہمیشہ اس کو کسی غرض کے لیے لایا جائے گا، بغیر غرض کے نہیں ہو گا۔ دیکھیے دوبارہ ترجمہ: وَمِنْهَا الِاعْتِرَاضُ اور اطناب جن چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ان میں سے ایک اعتراض ہے، وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ اور وہ کسی لفظ کو بیچ میں لانا ہے، کس کے بیچ؟ بَيْنَ أَجْزَاءِ جُمْلَةٍ کسی ایک جملے کے اجزاء کے درمیان أَوْ بَيْنَ جُمْلَتَيْنِ مُرْتَبِطَتَيْنِ مَعْنًى یا دو ایسے متصل جملوں کے درمیان، یا دو ایسے جملوں کے درمیان مُرْتَبِطَتَيْنِ مَعْنًى جو آپس میں متصلین ہوں، جن میں جو آپس میں متصل ہوں معنی کے اعتبار سے، اور یہ بیچ میں لفظ یعنی جملہ کیوں لایا جاتا ہے؟ لِغَرَضٍ کسی غرض کے لیے۔

نَحْوُ، مثال کے طور پر:

■ متن وشواہد: «إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبُلِّغْتَهَا»

إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبُلِّغْتَهَا

قَدْ أَحْوَجَتْ سَمْعِي إِلَى تَرْجُمَانِ

إِنَّ الثَّمَانِينَ، یہ شاعر ذکر کر رہا ہے، شاعر اسی سال کا ہو چکا ہے بھئی، اسی سال کا۔ اب شعر کہہ رہا ہے اور اسی بات کو ذکر کر رہا ہے کہ میں اسی سال کا ہو گیا ہوں۔ إِنَّ الثَّمَانِينَ بے شک اسی، بے شک اسی، اور مراد کیا ہیں؟ اسی اور چیزیں نہیں مراد بلکہ اس کی زندگی کے اسی سال مراد ہیں۔ آگے ہے وَبُلِّغْتَهَا، یہ دعا ہے۔ وَبُلِّغْتَ اور تو بھی پہنچایا جائے هَا ان اسی سالوں کو، یعنی تجھے بھی اللہ اتنی لمبی زندگی دے۔ وَبُلِّغْتَهَا اور تو بھی اس کو ان اسی سالوں کو پہنچایا جائے، یعنی اللہ تمہیں بھی طویل اور لمبی زندگی دے۔

تو یہ جو إِنَّ الثَّمَانِينَ آگے خبر آ رہی ہے، یہ جو اسی بے شک جو اسی سال ہیں قَدْ أَحْوَجَتْ تحقیق انہوں نے محتاج کر دیا ہے سَمْعِي میری سماعت یعنی میرے کانوں کو إِلَى تَرْجُمَانِ کس کی طرف؟ ترجمان کی طرف۔ کس کی طرف؟ ترجمان۔ تَرْجَمَانٌ جیم پر فتحہ بھی جائز، تَرْجُمَانٌ جیم پر ضمہ بھی جائز، لیکن زیادہ رائج اور زیادہ

استعمال جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ گویا جملہ یوں ہوا: إِنَّ الثَّمَانِينَ قَدْ أَحْوَجَتْ سَمْعِي إِلَى تَرْجَمَانٍ، بے شک اسی سال جو ہیں انہوں نے محتاج کر دیا ہے میرے کانوں کو ترجمان کی طرف۔ کس کی طرف؟ ترجمان کی طرف محتاج کر دیا ہے۔ اور بیچ میں دعا دے دی وَبُلِّغْتَهَا کہ تو بھی اے مخاطب تجھے بھی اللہ اس عمر تک پہنچائے، یعنی تجھے بھی اللہ طویل زندگی نصیب فرمائے۔

اب دیکھیے یہاں ترجمان آیا، اسی سالوں نے میرے کانوں کو کس کا محتاج بنا دیا ہے؟ ترجمان۔ بھئی ترجمان تو اس کو کہتے ہیں جو ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف بات کی تفسیر کرے، وضاحت کرے۔ ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف وضاحت کرے کسی بات کی، لیکن یہاں وہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد ہے کوئی تکرار کر دے۔ وہی بات جو کسی نے کہی ہوتی ہے اسی کا کوئی تکرار کر دے اونچی آواز سے، اسی کو دہرا دے۔ تو اسی سالوں نے میرے کانوں کی سماعت جو ہے وہ کم ہو گئی ہے، اب انہوں نے مجھے کسی ترجمان کا محتاج بنا دیا ہے، اور ترجمان سے کیا مراد ہے؟ یعنی مجھ سے کوئی بات کہے تو مجھے توسنائی نہیں دیتی، تو ترجمان چاہیے ہوتا ہے جو اسی بات کا تکرار کر دے، دوبارہ اس کو دہرا دے ذرا اونچے لفظوں کے ساتھ۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

اب شاعر نے درمیان میں وَبُلِّغْتَهَا کہا تو یہ ہے جملہ معترضہ کہ تو بھی اس مخاطب تجھے بھی اللہ اتنی ہی زندگی نصیب فرمائے، اتنی ہی زندگی۔ اور یہ جو واو ہے اس واو کو بھی واو اعتراضیہ کہیں گے۔ اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ واو اعتراضیہ کہتے ہیں جو جملہ معترضہ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اب یہاں غرض کیا ہے؟ دعا دے رہا ہے شاعر، غرض کیا ہے؟ کیوں دعا دے رہا ہے؟ وجہ یہ کہ شاعر شعر میں ایک بات کہہ رہا ہے اور شروع میں اسی ذکر کر دیا اور اسی کے فوراً بعد سننے والے کو دعا دے دی۔ اور انسان تو ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کی لمبی زندگی ہو، تو جب دعا آ گئی اور اسی کے بعد آ گئی تو سننے والے کی فوراً توجہ ہو گئی بھئی، کیونکہ اس کا اس کی پسند کی بات آ گئی۔ اس کو کیا کیا جا رہا ہے؟ اسی سال کی عمر کی دعا دی جا رہی ہے، تو اس کی پسند کی بات آ گئی تو وہ متوجہ ہو جائے گا اور جو بات شاعر کہہ رہا ہے اس کو توجہ سے سن لے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتا ہے إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبُلِّغْتَهَا قَدْ أَحْوَجَتْ سَمْعِي إِلَى تَرْجَمَانٍ، بے شک اسی سال جو ہیں، اور تو بھی اس عمر کو پہنچایا جائے یعنی تجھے بھی اتنی عمر عطا کی جائے، تو تحقیق انہوں نے محتاج کر دیا ہے میرے کانوں کو ترجمان کا۔

■ قولہ: «وَنَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى» کی تشریح

وَنَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى، اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ۔ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ اور وہ جو مشرکین ہیں وہ تجویز کرتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں، سُبْحَانَهُ اللہ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ اور اپنے لیے وہ تجویز کرتے ہیں جس کو وہ پسند کرتے ہیں، جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ تو دیکھیے ذرا سُبْحَانَهُ کو درمیان سے ہٹائیے، اب دیکھیے بھئی پورا کلام: وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ اور اپنے لیے وہ جس کی وہ خواہش کرتے ہیں یعنی بیٹے۔ اللہ کے لیے یہ بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور اپنے لیے کیا پسند کرتے ہیں؟ بیٹے پسند کرتے ہیں، بیٹی کوئی پیدا ہوتی ہے تو اس کو زندہ زمین میں یہ دفن کر دیتے ہیں، یہ اتنے ظالم لوگ ہیں۔

تو یہ ایک کلام ہے اور اس میں دیکھیے لِلَّهِ الْبَنَاتِ یہ جار مجرور، وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ یہ بھی کیا ہے؟ جار مجرور۔ تو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کیا ذکر کر دیا گیا؟ سُبْحَانَهُ، اللہ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے بھئی، پاک ہے۔ اور یاد رکھیے یہ پورے جملے کے معنی میں ہے۔ سُبْحَانَهُ کس معنی میں ہے؟ پورے جملے کے، کیونکہ میں نے ذکر کیا تھا اعتراض کا جملہ ہونا ضروری ہے، وہ ہمیشہ جملہ ہو گا، جملہ معترضہ۔ اور یہ سُبْحَانَهُ یہ مفعول مطلق ہونے کی بنا پر محذوف ہے۔ مفعول مطلق، ضَرَبْتُ ضَرْبًا، مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ما قبل فعل کے معنی میں ہو۔ تو یہ سُبْحَانَ یہ علم مصدر ہے۔ یہ کیا ہے؟ علم مصدر ہے۔ اور یہ تسبیح کے معنی میں ہے، تَسْبِيحٌ۔ سَبَّحَ يُسَبِّحُ تَسْبِيحٌ کا معنی پاکی بیان کرنا۔ تو گویا یوں کہا گیا: أُسَبِّحُهُ تَسْبِيحًا، میں پاکی بیان کرتا ہوں اس اللہ کی تَسْبِيحًا پاکی بیان کرنا، أُسَبِّحُهُ تَسْبِيحًا۔ تو پھر کیا کیا گیا؟ اس فعل کو حذف کر دیا گیا اور تَسْبِيحٌ کی جگہ سُبْحَانَ علم مصدر استعمال کر لیا گیا کیونکہ تسبیح کا بھی وہی معنی ہے جو سُبْحَانَ کا معنی ہے، اور وہ جو مفعول تھا اس کی طرف سُبْحَانَ کی اضافت کر دی گئی سُبْحَانَهُ۔ تو یہ کس معنی میں ہوا؟ أُسَبِّحُهُ تَسْبِيحًا کے معنی میں ہے۔

تو یہاں پر اللہ کی پاکی بیان کی جا رہی ہے، اس غرض کے لیے اس کو یہاں ذکر کیا گیا کہ یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، اللہ ان چیزوں سے پاک ہے، اللہ کو ان چیزوں کی حاجت نہیں۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۲: اقسامِ اطناب کی تکمیل: ایغال، تذییل (جاری مجریٰ المثل و غیر جاری)، تکمیل (احتراس)، تتمیم اور اعتراض

دروس البلاغہ صفحہ: ۸۳ ــــ بتاریخ: ۱۳ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمِنْهَا الْإِيغَالُ، وَهُوَ خَتْمُ الْكَلَامِ بِمَا يُفِيدُ غَرَضًا يَتِمُّ الْمَعْنَى بِدُونِهِ كَالْمُبَالَغَةِ فِي قَوْلِ الْخَنْسَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا:

وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ

كَأَنَّهُ عَلَمٌ فِي رَأْسِهِ نَارُ

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

اطناب کی اقسام پڑھ رہے تھے ہم، اور صاحب کتاب نے آپ کو بتلایا تھا کہ اطناب جو ہے کئی چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور ان کی تفصیل بیان کر رہے تھے۔ اور آپ پڑھ چکے کہ اطناب کہتے ہیں کہ کلام جو ہے وہ اصل مراد پر زائد ہو اور زائد ہونا بھی یہ کسی فائدے کے لیے ہو، بغیر فائدے کے نہ ہو بھئی، فائدہ ہو اس کا۔ اور یہ بھی آپ پڑھ چکے کہ یہ اطناب یہ کلام بلیغ کی قسم ہے بھئی، عام کلام کے اندر ایجاز، اطناب اور مساوات یہ تقسیم جاری نہیں ہوتی بھئی، بلکہ یہ کس کلام میں ہو گی؟ کلام بلیغ کے اندر۔

جی، تو اطناب کی بہت سی صورتیں انہوں نے ذکر کر دیں، آگے مزید قسمیں ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَمِنْهَا الْإِيغَالُ، اور وہ چیزیں جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک ایغال ہے، ایغال۔ ایغال کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں وَهُوَ خَتْمُ الْكَلَامِ بِمَا يُفِيدُ غَرَضًا، وہ ختم کرنا ہے کلام کو ایسی چیز کے ساتھ يُفِيدُ غَرَضًا جو فائدہ دے غرض کو۔ جو کس کو فائدہ دے؟ غرض اور جو مقصد ہے اس کو فائدہ دے، يَتِمُّ الْمَعْنَى بِدُونِهِ پورا ہوتا ہو معنی اس کے بغیر بھی۔

ایغال اس کو کہتے ہیں کہ کلام کے آخر میں، دیکھو کلام کو ختم کرنا یعنی کلام کے آخر میں، کلام کے آخر میں ایسی چیز لانا، ایسا لفظ ذکر کرنا جو غرض کے اندر فائدہ دے۔ کس کے اندر؟ غرض کے، جو مقصد ہے اس مقصد میں فائدہ دے، اور اس کے بغیر بھی معنی پورا ہو رہا تھا۔ اس آخری والے لفظ کو ذکر کیے بغیر بھی معنی مراد پورا تھا، لیکن اس کو بھی کہنے والا وہ متکلم بلیغ جو ہے وہ ذکر کر دیتا ہے تاکہ وہ جو مقصد ہے وہ اور واضح ہو جائے۔ مقصد کیا ہے؟ اور واضح ہو جائے۔ دیکھیے مثال سے بات سمجھ میں آئے گی بھئی۔ كَالْمُبَالَغَةِ فِي قَوْلِ الْخَنْسَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، جیسے کہ مبالغہ ہے خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول میں۔

خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ عرب کی بہت مشہور شاعرہ، بہت مشہور شاعرہ، اور حتیٰ کہ جریر جو ہے جو عرب کے مشہور ترین شعراء میں سے ایک شاعر گزرا ہے، اس سے خنساء کے مقام اور مرتبے کا، شاعری میں جو ان کا مقام اور مرتبہ تھا اس کا اندازہ لگائیں کہ جریر کہتا ہے کہ اگر خنساء نہ ہوتی تو میں عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا بھئی۔ تو اتنا اونچا مقام تھا ان کا شاعری میں۔ اور دیکھو اللہ نے اسلام کی دولت بھی نصیب فرمائی۔ قادسیہ کی جنگ کے اندر، قادسیہ کے عظیم معرکے کے اندر انہوں نے اپنے بیٹوں سمیت شرکت کی اور اس جنگ میں ان کے چار بیٹے شہید ہو گئے بھئی، چار بیٹے، اور اس پر پھر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کے چار بیٹوں کو شہادت نصیب فرمائی ہے بھئی۔ تو یہ عجیب لوگ تھے صحابہ کہ انسان جو ہے ان کو ان کی باتیں سن کر انسان حیران رہتا ہے کہ یہ کیسے لوگ تھے، اللہ نے ان کو کیسی عظیم صفات نصیب فرمائی تھیں۔

تو وہ کہتی ہیں، ان کا یہ شعر ہے:

■ متن وشواہد: «وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ»

وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ

كَأَنَّهُ عَلَمٌ فِي رَأْسِهِ نَارُ

ان کا بھائی تھا صخر بھئی، صخر، إِنَّ صَخْرًا، یہ صخر جو لفظ ذکر آرہا ہے یہ ان کے بھائی کا نام ہے، اور اس کا انتقال ہو گیا تھا اور یہ اس کے غم میں بڑے اشعار کہا کرتی تھیں بھئی۔ بھائی کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی ان کو تو اس کے غم میں اشعار کہتیں بھئی۔

تو دیکھیے کہتی ہیں وَإِنَّ صَخْرًا اور بے شک صخر جو ہے لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ۔ اِئْتَمَّ کے معنی ہوتے ہیں اقتدا کرنا، کسی کی پیروی کرنا۔ الْهُدَاةُ جمع ہے هَادٍ کی، ہادی۔ ہادی کا کیا معنی ہے؟ رہنمائی کرنے والا، رہنمائی کرنے والا۔ بھئی ایک ہوتا ہے ہادی، ایک ہے مہتدی۔ ہادی، ہادی اسے کہتے ہیں جو دوسروں کی رہنمائی کرتا ہے، اور مہتدی اسے کہتے ہیں جو خود سیدھے راستے پر ہوتا ہے، ہدایت پر ہوتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ جو خود راہ راست پر ہے، سیدھے راستے پر ہے، ہدایت پر ہے اس کو کیا کہیں گے؟ مہتدی۔ اور جو خود تو ہدایت پر ہے ہی، دوسروں کی بھی رہنمائی کرتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ہادی کہتے ہیں۔ تو یہ هُدَاةٌ ہادی کی جمع ہے۔

تو کہتی ہے شاعرہ وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ، اور بے شک صخر جو ہے کہ اقتدا کرتے ہیں، پیروی کرتے ہیں یا یوں کہیں رہنمائی لیتے ہیں الْهُدَاةُ بِهِ ہدایت دینے والے بھی بِهِ اس کے ساتھ۔ رہنمائی کرنے والے بھی اس سے رہنمائی لیتے ہیں، وہ صخر کا اتنا اونچا مقام ہے۔ میں نے بتایا ایک ہے مہتدی اور ہادی اس سے اونچا درجہ، اور کہہ رہی ہے صخر کا ان سے بھی اونچا مقام ہے کہ ہادی جو رہنمائی کرنے والے ہیں وہ بھی کس کی پیروی کرتے ہیں؟ صخر کی پیروی کرتے ہیں، اس سے رہنمائی لیتے ہیں۔ وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ، اور بے شک صخر جو ہے لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ البتہ اقتدا کرتے ہیں رہنمائی کرنے والے بھی بِهِ اس کی، كَأَنَّهُ عَلَمٌ گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے۔ عَلَمٌ کے کئی معانی آتے ہیں بھئی، یہاں عَلَمٌ پہاڑ کے معنی میں ہے۔ كَأَنَّهُ عَلَمٌ گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے، فِي رَأْسِهِ نَارٌ ایسا پہاڑ جس کے سر پر آگ ہو، یعنی جس کی چوٹی پر کیا ہو؟ آگ ہو۔

اب دیکھیے عَلَمٌ آیا نکرہ، اور نکرہ کے بعد فعل آتا تھا اس کے لیے کیا بنتا تھا؟ صفت۔ کیوں صفت بنتا تھا؟ کیونکہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو نکرہ کے بعد گویا نکرہ آجاتا ہے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور چاہے جملہ فعلیہ ہو چاہے جملہ اسمیہ ہو جملہ نکرہ ہوتا ہے۔ تو یہاں عَلَمٌ کے بعد فعل تو نہیں آیا البتہ جملہ اسمیہ آگیا، جملہ آگیا اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے۔ تو آگے جملہ اسمیہ ہے فِي رَأْسِهِ یہ ہے خبر مقدم اور نَارٌ یہ ہے مبتدا مؤخر۔ تو یہ جملہ اسمیہ یہ صفت ہے عَلَمٌ کی۔ تو گویا ترجمہ کس طرح کریں گے؟ كَأَنَّهُ عَلَمٌ فِي رَأْسِهِ نَارٌ، گویا کہ وہ ایک ایسا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ جل رہی ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے شاعرہ کہنا یہ چاہتی ہے کہ اس کا بھائی صخر جو ہے اس سے ہدایت دینے والے یعنی رہنمائی کرنے والے جو ہیں وہ بھی اس کی اقتدا کرتے ہیں، اس سے راستہ اس کی مدد سے راہ پاتے ہیں، كَأَنَّهُ عَلَمٌ گویا کہ وہ پہاڑ ہے۔ اصل مقصود اسی تک یہیں تک بات ہو جاتی تو ادا ہو جاتا تھا۔ کیونکہ پہاڑ رہنمائی کرنے میں سب سے واضح چیز ہے۔ بھئی دیکھیے عرب کا علاقہ صحرائی علاقہ ہے اور سینکڑوں میلوں تک صحرا ہی صحرا ہر طرف پھیلا ہوتا ہے، اور اس میں اگر کوئی صحرا میں چلا جائے راستے کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور پھر اس کا زندہ بچ کر نکلنا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے کیونکہ پھر گھومتے گھومتے ادھر کوئی آجاتا ہے، پھر گھومتے ہوئے ہر طرف ریت کے ٹیلے پھیلے ہوتے ہیں، راستے کا پتہ ہی نہیں چلتا بالکل۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ راستے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ہاں البتہ اگر پہاڑ ہو پھر راستے کا پتہ چلتا ہے، پتہ لگ جائے گا کہ پہاڑ اس ہاتھ پہ ہے میں نے اس طرف کو جانا ہے۔ اور ورنہ اگر ہر طرف ریت ہو پھر تو کچھ اندازہ ہی نہیں ہوتا بھئی۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ تو انسان گھومتے ہوئے پھر اسی جگہ کی طرف آجاتا ہے۔

تو جیسے آپ نے پچھلے دنوں شاید اخبار میں خبر بھی پڑھی ہو کہ ایک یا دو عرب شہزادے جو ہیں وہ صحرا کے اندر بھئی کھو گئے، راستہ گم ہو گیا اور صحرا میں ہی مر گئے، بعد میں ان کی لاشیں وغیرہ ملیں، حالانکہ آج کل جدید ترین چیزیں ہیں سب کچھ ان کے پاس گاڑیاں بھی تھیں سب کچھ تھا، لیکن صحرا کے اندر جب انسان جب ہر طرف سینکڑوں میل تک صحرا ہی صحرا پھیلا ہو پھر وہاں سے نکلنا بڑا مشکل ہوتا ہے، پتہ ہی نہیں چلتا بھئی راستے کا۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟

تو اب خنساء کہتی ہیں کہ میرا بھائی صخر جو ہے رہنمائی کرنے والے بھی اس سے رہنمائی لیتے ہیں گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے بھئی، پہاڑ ہے۔ اب یہ دیکھیے بھئی جو شخص صحرا میں بھی کسی کی رہنمائی کرتا ہے، بھئی پہلے لوگ رہنماؤں کو ساتھ لیتے تھے کہ راستے کا پتہ لگے، فلاں دور جانا ہے تو رہنما ساتھ ہوتے تھے، تو اب رہنما کوئی اپنے حافظے سے تو نہیں چلتا وہ بھی کس کو دیکھ کر چلتا ہے؟ نشانیاں ہوتی ہیں اس کے ذہن میں وہ ان نشانیوں سے چلتا ہے۔ تو رہنما بھی دیکھو جب پہاڑ ہو گا پہاڑ اس کے لیے رہنمائی کا کام دے گا، اس کے لیے نشانی بن جائے گا کہ ادھر سے جانا ہے اور اس طرف کو جانا ہے۔ تو وہ کہتی ہے میرا بھائی صخر جو ہے وہ رہنمائی کرنے والے بھی اس سے رہنمائی لیتے ہیں گویا کہ

وہ ایک پہاڑ ہے۔ جب اتنی بات کہہ دی مقصد واضح ہو گیا۔ کیونکہ جب پہاڑ ہے تو یقیناً پھر رہنمائی کرنے والے بھی اس سے رہنمائی لیتے ہیں کیونکہ رہنمائی کرنے والے بھی نشانیوں میں سے کس کو رکھتے ہیں؟ پہاڑ کو نشانیوں میں رکھتے ہیں اس کے ذریعے رہنمائی لیتے ہیں، تو اس سے بات پوری ہو گئی تھی اور اس کا مقصد واضح ہو گیا تھا۔

■ قولہ: «فِي رَأْسِهِ نَارٌ» کی تشریح

لیکن جو آگے اس نے کہا نافِي رَأْسِهِ نَارٌ ایسا پہاڑ جس کی چوٹی پر کیا ہو؟ آگ ہو، اس نے اور مبالغہ پیدا کر دیا۔ دیکھیے بھئی ایک ہے عام پہاڑ وہ بھی رہنمائی کا کام سرانجام دے گا، اور ایک وہ پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ جل رہی ہو وہ کتنا ہی کامل ہو گا رہنمائی کرنے میں! بالخصوص رات کا وقت ہو تو ایک پہاڑ ہے بغیر آگ کے اور ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر خوب روشن آگ ہو، تو کون سا پہاڑ رہنمائی میں زیادہ کامل ہو گا؟ جس کی چوٹی پر آگ ہو۔ تو اس نے دیکھو اسی مقصد میں فائدہ دیا، اس میں اور مبالغہ کر دیا کہ عام پہاڑ تو رہنمائی کا فائدہ دیتے ہیں وہ عام پہاڑ کی طرح بھی نہیں ہے، ایسے پہاڑ کی طرح ہے جس کی چوٹی پر آگ جل رہی ہو جو رہنمائی میں بڑا ہی کامل ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو گویا اصل مقصد پورا ہو رہا تھا وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ۔ لَتَأْتَمَّ نہیں بھئی لَتَأْتَمُّ ہونا چاہیے بھئی، لَتَأْتَمُّ۔ وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ اور بے شک صخر جو ہے البتہ رہنمائی لیتے ہیں الْهُدَاةُ بِهِ رہنمائی کرنے والے بھی اس سے، كَأَنَّهُ عَلَمٌ گویا کہ وہ ایک پہاڑ۔ تو اصل مقصود اور اصل معنی یہیں تک پورا ہو جاتا تھا۔ فِي رَأْسِهِ نَارٌ یہ کیا ہے؟ ایغال ہے۔ کلام کے اختتام پر ایسے لفظ لے آنا جس سے اس معنی کے، جو اس مقصد کے اندر فائدہ دے۔ یہاں اس نے اس مقصد میں کیا فائدہ دیا؟ مبالغہ پیدا کر دیا، اور اس کے بغیر بھی معنی پورا ہو رہا تھا، اگر كَأَنَّهُ عَلَمٌ تک کہہ دیا جاتا تو بھی بات پوری تھی بھئی۔ معنی سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے اب دوبارہ ترجمہ دیکھیے: وَمِنْهَا الْإِيغَالُ اور اطناب کے اقسام میں سے ایک ایغال ہے، وَهُوَ خَتْمُ الْكَلَامِ بِمَا يُفِيدُ غَرَضًا اور وہ ختم کرنا ہے کلام کو ایسے لفظ کے ساتھ يُفِيدُ غَرَضًا جو غرض اور مقصد کو فائدہ دے، يَتِمُّ الْمَعْنَى بِدُونِهِ پورا ہو رہا ہو معنی اس کے بغیر بھی، كَالْمُبَالَغَةِ فِي قَوْلِ الْخَنْسَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا جیسے کہ مبالغہ ہے خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول میں: بے شک وَإِنَّ صَخْرًا بے شک صخر جو ہے لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ البتہ رہنمائی لیتے ہیں رہنمائی کرنے والے بھی اس سے، كَأَنَّهُ عَلَمٌ گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے فِي رَأْسِهِ نَارٌ جس کے سر پر آگ ہے۔

وَمِنْهَا التَّذْيِيلُ، اور وہ چیزیں جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک تذییل ہے، وَهُوَ تَعْقِيبُ الْجُمْلَةِ بِأُخْرَى اور وہ پیچھے لانا ہے ایک جملے کے بِأُخْرَى دوسرے جملے کو تَشْتَمِلُ عَلَى مَعْنَاهَا جو اسی پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو تَأْكِيدًا لَهَا اس کے لیے تاکید کے طور پر۔ تذییل کسے کہتے ہیں؟ ایک جملے کے بعد دوسرے جملے کو اس کے پیچھے لانا، یعنی دوسرے جملے کو اس کے بعد لانا، اور یہ جو دوسرا جملہ ہے یہ اسی پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو، یعنی بعینہ وہی جملہ نہ ہو لیکن اس کے معنی پر مشتمل ہو، اور تَأْكِيدًا لَهَا کس لیے لایا جاتا ہے اس کو؟ بطور تاکید کے۔

پھر وَهُوَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جَارِيًا مَجْرَى الْمَثَلِ، پھر وہ دو قسم پر ہے، یا تو وہ جاری مجرائے مثل ہو گا، یعنی قائم مقام ضرب المثل کے ہو گا۔ بھئی ضرب المثل آپ جانتے ہوں گے، بعض اوقات کوئی جملہ، بامعنی جملہ وہ کسی موقع پر پیش آتا ہے، اس موقع پر کوئی کہہ دیتا ہے اور پھر وہ ضرب المثل بن جاتا ہے، یعنی لوگوں میں مشہور اور رائج ہو جاتا ہے اور اس طرح کا موقع جہاں کہیں بھی آئے لوگ اس جملے کو بولتے ہیں۔ لوگ کیا کرتے ہیں اس جملے کو؟ استعمال کرتے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ استعمال کرتے ہیں، محاورہ، ضرب الامثال وغیرہ۔ تو اب وہ بامعنی خود جملہ ہوتا ہے، وہ پیش تو کسی خاص موقع پر آیا تھا لیکن عام لوگ اس طرح کا موقع جہاں کہیں بھی آ جائے وہی جملہ استعمال کرتے ہیں اور اس کو بولتے ہیں بھئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضرب المثل کہتے ہیں۔

اب دیکھیے یہ تذییل دو قسم پر ہے، تذییل کسے کہتے تھے؟ ایک جملے کے بعد ایسے دوسرے جملے کو لانا جو اسی پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو، اور یہ اس میں کیا پیدا کر رہا ہے پہلے جملے کے معنی میں؟ تاکید پیدا کر رہا ہے، اس کو پختہ کر رہا ہے، مضبوط کر رہا ہے۔ اور یہ دوسرا جملہ جو ہے پھر یاد رکھیے یہ کبھی تو مستقل ہو گا، یعنی اس کا معنی پورا ہو گا، پہلے جملے کے ساتھ جوڑے بغیر اس کو الگ کر دیں تب بھی یہ اپنا معنی پورا ادا کرے گا۔ تو اس کو کہیں گے کہ یہ قائم مقام ہے ضرب المثل کے۔ کس کے قائم مقام ہے؟ ضرب المثل کے، یعنی پورا معنی ادا کر رہا ہے جیسے ضرب المثل بھی کیا ہوتی ہے؟ ایک پورا جملہ ہوتا ہے جو ایک پورا معنی کیا کر رہا ہے؟ ادا۔ اور بعض اوقات تذییل کے اندر جو دوسرا جملہ آتا ہے وہ مستقل نہیں ہوتا، یعنی پہلے جملے کو ملائے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ پہلے جملے کو ملائے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا، تو اس کو کہیں گے کہ یہ جاری مجرائے ضرب المثل نہیں ہے۔ جاری مجرائے ضرب المثل نہیں۔ اور اگر مستقل ہو دوسرے جملے کا معنی تو اس کو کیا کہیں گے؟ یہ جاری مجرائے ضرب المثل ہے یعنی اس کے قائم مقام ہے۔

■ قولہ: «وَهُوَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جَارِيًا مَجْرَى...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَهُوَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جَارِيًا مَجْرَى الْمَثَلِ اور وہ تذییل جو ہے یا تو جاری مجرائے مثل ہو گا یعنی ضرب المثل کے قائم مقام ہو گا۔ بھئی کیوں اس کے

قائم مقام کیوں ہو گا؟ کہتے ہیں لِاسْتِقْلَالِ مَعْنَاهُ اس کا معنی مستقل ہونے کی وجہ سے وَاسْتِغْنَائِهِ عَمَّا قَبْلَهُ اور اس وجہ سے کہ یہ ماقبل سے بے نیاز ہے، بے پرواہ ہے۔ بھئی دوسرا جملہ جب اپنا معنی پورا ادا کر رہا ہے، پہلے جملے کے ساتھ جڑے بغیر صرف دوسرا جملہ بھی کہیں تو پوری بات ہے اس کے اندر، پوری بات۔ تو اسے کیا کہیں گے؟ یہ قائم مقام کس کے ہے؟ ضرب المثل، کیونکہ اس کا معنی مستقل ہے یعنی پورا ہے اور یہ ماقبل سے بے نیاز ہے، ماقبل کے ساتھ جڑے بغیر بھی یہ اپنا پورا معنی ادا کر دیتا ہے۔ كَقَوْلِهِ تَعَالَى، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمارہے ہیں کہ آپ کہہ دیجیے جَاءَ الْحَقُّ حق آگیا وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور باطل مٹ گیا إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔ بے شک باطل مٹنے والا ہے، یعنی باطل تو مٹ ہی جاتا ہے، باطل برقرار نہیں رہتا۔

اب دیکھیے بھئی، ایک جملہ یہاں آیا تھا وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ آگے اگلا جملہ جو اس کے پیچھے لایا گیا وہ اسی کے معنی پر مشتمل ہے: إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ پہلے جملے میں بھی باطل کے کمزور ہونے اور مٹنے کا ذکر تھا، دوسرے جملے میں بھی کیا ذکر ہے؟ اس کے مٹ جانے کا ذکر ہے۔ تو یہ اسی کے معنی میں تاکید پیدا کر رہا ہے، اور نیز یہ دوسرا جملہ مستقل ہے: إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ ماقبل کا کلام اگر ہٹا دیا جائے صرف یہ کہا جائے إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا بے شک باطل مٹنے والا ہے، دیکھو معنی پورا ہے۔ ماقبل کا یہ محتاج نہیں۔ اور لوگ بھی اس کو، یہ ضرب المثل کے قائم مقام ہے، لوگ بھی اس کو استعمال کرتے ہیں جہاں کہیں باطل کا مقابلہ آتا ہے لوگ یہی کہتے ہیں إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا، باطل تو مٹنے والا ہے، باطل تو مٹ ہی جاتا ہے بھئی۔

یہ پہلی قسم تھی۔ وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ غَيْرَ جَارٍ مَجْرَى الْمَثَلِ، اور یا وہ دوسرا جملہ جو ہے وہ جاری مجرائے ضرب المثل نہیں ہوتا، یعنی قائم مقام ضرب المثل نہیں ہوتا، لِعَدَمِ اسْتِغْنَائِهِ عَمَّا قَبْلَهُ اس وجہ سے کہ یہ ماقبل سے بے نیاز نہیں ہوتا، ماقبل کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر دوسرے جملے کا معنی ہی پورا نہیں ہوتا۔ كَقَوْلِهِ تَعَالَى، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ۔ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا بِمَا كَفَرُوا بوجہ اس کے جو انہوں نے کفر کیا، یعنی انہوں نے جو ناشکری کی۔

بھئی قوم سبا کا ذکر آتا ہے قرآن کے اندر، وہ قوم جس پر اللہ نے بڑے انعامات اور بڑا فضل اور احسان فرمایا تھا کہ ان کی آب وہوا بھی خوشگوار تھی، جگہ بھی خوبصورت تھی، باغات بھی اللہ نے نصیب فرمائے تھے، اطمینان اور سکون بھی نصیب فرمایا تھا، لیکن اللہ فرماتے ہیں انہوں نے ہماری ناشکری کی تو ہم نے ان پر سیلاب بھیجا۔ بند انہوں نے بنایا ہوا تھا، وہ بند ٹوٹ گیا اور وہ سارے ان کے باغات وغیرہ سب کچھ ختم ہوئے، اجڑ گئے، اور وہاں وہ باغات جو پھل دار درخت تھے اتنی کثرت سے پھل ہوتے تھے ان کی جگہ صرف کانٹے دار درخت اور خشک درخت ہی کچھ باقی بچ گئے، باقی سب کچھ ختم ہو گیا۔ تو اسی کا ذکر فرمارہے ہیں اللہ: ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا، یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا۔ کون سا بدلہ؟ یہ جو سیلاب بھیجا ہم نے ان پر اور یہ جو ان کے باغات کو ہم نے ختم کر دیا، ان سے نعمتیں چھین لیں، یہ بدلہ ہم نے ان کو دیا بِمَا كَفَرُوا اس وجہ سے کہ انہوں نے کیا کیا تھا؟ ناشکری کی تھی۔

تو اللہ فرماتے ہیں ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا یہ بدلہ ہم نے ان کو دیا ان کی ناشکری کی وجہ سے، وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ۔ هَلْ جب إِلَّا کے ساتھ آئے تو یہ بمعنی حرف نفی کے طور پر استعمال ہوتا ہے، أَيْ مَا نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ، ہم بدلہ ہم بدلہ نہیں دیتے یہ والا۔ بدلے سے کون، هَلْ نُجَازِي یہ نُجَازِي سے کون سا بدلہ مراد ہے؟ یہ جو پیچھے ابھی ذکر ہوا تھا، ہم یہ والا بدلہ نہیں دیتے إِلَّا الْكَفُورَ مگر ناشکروں کو ہی۔ ہم یہ والا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکروں کو ہی، یعنی ہم ناشکروں ہی کو یہ والا بدلہ دیتے ہیں۔

اب دیکھیے ماقبل والا کلام کیا ہے؟ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا، یہ تھا پہلا جملہ، اور وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ یہ دوسرا جملہ اس کے پیچھے لایا گیا اور یہ اسی کے معنی پر مشتمل ہے۔ پہلے میں بھی کیا ذکر تھا؟ کفران نعمت پر بدلے کا ذکر تھا، دوسرے میں بھی یعنی یوں کہیں ناشکری پر سزا کا ذکر تھا، دوسرے جملے میں بھی ناشکری پر سزا کا ذکر ہے، تو یہ اسی کے معنی پر مشتمل ہوا، اسی کی تاکید ہوا۔ اور نیز یہ دوسرا جملہ مستقل نہیں، وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ، کیا معنی ہے؟ ہم یہ والا بدلہ نہیں دیتے إِلَّا الْكَفُورَ مگر ناشکروں کو۔ اب دیکھیے اس کو اکیلا رکھیں تو بات پوری سمجھ میں نہیں آتی، ہم یہ والا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکروں کو، سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا بھئی کون سا بدلہ؟ تو ماقبل کا کلام اس کے ساتھ جڑا ہونا چاہیے پھر ہی پتہ چلے گا کہ یہ والا بدلہ جس کی ابھی پیچھے بات ہوئی تھی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں پر بھی ایک جملے کو دوسرے جملے کے عقب میں لایا گیا اور وہ اسی کے معنی پر مشتمل ہے، لیکن یہ جملہ مستقل نہیں یعنی اپنا معنی پورا ادا نہیں کر رہا، یہ ماقبل کے جملے کا محتاج ہے، تو یہ ضرب المثل کے قائم مقام نہ ہوا، ضرب المثل کے قائم مقام نہ ہوا، جبکہ پہلا جملہ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا پہلی مثال اس میں وہ جملہ مستقل تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

▪ قولہ: «وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ» کی تشریح

اور یہ بھی یاد رکھیے: وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ اور ہم بدلہ نہیں دیتے، کون سا بدلہ؟ یہ والا۔ اگر یہ والا بدلہ مراد لیں پھر یہ قسم ثانی کی مثال ہے، اور اگر یہ والا کی قید ہٹا دیں، ہم بدلہ نہیں دیتے مگر کس کو؟ یعنی ہم سزا نہیں دیتے مگر کس کو؟ ناشکرے کو، یوں ترجمہ اگر کریں تو پھر یہ پہلی قسم میں چلا جائے گا کیونکہ اب مستقل بن گیا۔ اگر

ترجمہ کیا کریں؟ ہم یہ والا بدلہ نہیں دیتے، پھر تو یہ والا کون سا بھئی یہ والا؟ اس کے لیے ماقبل کی ضرورت ہے۔ اور اگر یہ والے کی قید ہٹادیں صرف یہ ترجمہ ہو: ہم سزا نہیں دیتے مگر ناشکروں کو، اگر یہ معنی کیا جائے یعنی یہ متعین سزا کی طرف اشارہ نہ مانا جائے تو پھر اس صورت میں یہ پہلی قسم بن جائے گا جو اپنا معنی ادا کرنے میں مستقل ہے۔ کیونکہ اب مستقل بن جائے گا اگر اس کو اس کی طرف اشارہ نہ مانا جائے، ہم بدلہ ہم سزا نہیں دیتے مگر کس کو؟ ناشکروں کو، یعنی ہم صرف ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں۔ کیا معنی بن جائے گا؟ ہم صرف ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں، پھر تو یہ مستقل بن جائے گا، یہ پہلی قسم میں داخل ہو جائے گا۔

بات سمجھ میں آگئی تذییل کسے کہتے ہیں؟ ایک جملے کے بعد دوسرے جملے کو لایا جائے جو اسی کے معنی پر مشتمل ہو اور اس میں کیا کر رہا ہو؟ تاکید پیدا کر رہا ہو۔ اور یہ کتنی قسم پر؟ دو۔ دوسرا جملہ اگر مستقل ہے تو وہ ضرب المثل کے قائم مقام ہو گا، یہ پہلی قسم۔ اور اگر دوسرا جملہ مستقل نہیں ہے یعنی پہلے جملے کا بھی محتاج ہے، اس کے بغیر معنی ہی پورا سمجھ میں نہیں آتا تو پھر یہ دوسری قسم ہوا اور یہ ضرب المثل کے قائم مقام نہیں ہے۔

آگے دیکھیے: وَمِنْهَا الِاحْتِرَاسُ، اور وہ چیزیں جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک احتراس ہے۔ وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى فِي كَلَامٍ يُوهِمُ خِلَافَ الْمَقْصُودِ بِمَا يَدْفَعُهُ۔ احتراس وَهُوَ وہ یہ ہے أَنْ يُؤْتَى فِي كَلَامٍ کہ لایا جائے فِي كَلَامٍ يُوهِمُ، كَلَامٍ نکرہ آیا، يُوهِمُ فعل آیا اس کے بعد، نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بناتے ہیں؟ صفت اس کے لیے، اور موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی، تو وہ یہ ہے أَنْ يُؤْتَى لایا جائے فِي كَلَامٍ ایسے کلام میں يُوهِمُ خِلَافَ الْمَقْصُودِ جو خلاف مقصود کا وہم ڈال رہا تھا، ایسے کلام میں لایا جائے، کیا لایا جائے؟ بِمَا يَدْفَعُهُ ایسے لفظ کو جو اس کو کیا کر دے؟ اس خلاف مقصود کے وہم کو دور کر دے۔

بھئی دیکھیے احتراس یہ ہے کہ ایک کلام آپ ذکر کرتے ہیں کلام بلیغ، لیکن اس کلام بلیغ سے خلاف مقصود کا وہم پڑتا ہے، تو آپ کلام کے بیچ میں کوئی ایسا لفظ ذکر کر دیتے ہیں جس سے وہ خلاف مقصود کا وہم ختم ہو جاتا ہے۔ خلاف مقصود کا وہم ختم ہو جاتا ہے۔ تو اصل مقصود سے زائد چیز آپ نے ذکر کر دی، اصل مقصود تو وہ کلام تھا، یہ جو آپ نے وہم کو دور کرنے کے لیے بیچ میں لفظ بڑھایا یہ تو اصل مراد پر زائد ہے، تو یہ ہے اطناب۔ اطناب بھی کس کو کہتے ہیں کہ کلام کیا ہو؟ اصل مراد پر زائد ہو کسی فائدے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ احتراس کسے کہتے ہیں؟ کہ کلام اصل مراد پر دلالت کر رہا ہے لیکن خرابی کیا لازم آ رہی ہے؟ اس سے خلاف مقصود کا وہم بھی پڑ رہا ہے، تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے آپ درمیان میں ایک لفظ بڑھاتے ہیں اس کو کہتے ہیں احتراس، احتراس۔ جیسے دیکھیے مثال سے بات سمجھ میں آئے گی:

- **متن و شواہد: «فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا»**

فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا

صَوْبُ الرَّبِيعِ وَدِيمَةٌ تَهْمِي

شاعر کسی کو دعا دے رہا ہے: فَسَقَى دِيَارَكَ پس سیر اب کرے، سَقَى کا معنی سیر اب، پس سیر اب کرے دِيَارَكَ، دِيَارٌ جمع ہے دَارٌ کی، دِيَارَكَ تمہارے گھروں کو۔ جی، غَيْرَ مُفْسِدِهَا ذرا اس کو چھوڑ دیں آگے، سیر اب کرے تمہارے گھروں کو صَوْبُ الرَّبِيعِ، صَوْبٌ کہتے ہیں بارش کو، رَبِيعٌ کہتے ہیں بہار، سیر اب کرے تمہارے گھروں کو بہار کی بارش وَدِيمَةٌ تَهْمِي۔ دِيمَةٌ کہتے ہیں وہ ہلکی بارش جو مسلسل ہوتی ہے، جو مسلسل ہوتی رہتی ہے اسے کیا کہتے ہیں؟ دِيمَةٌ، اور کم از کم یہ سات آٹھ گھنٹے تک مسلسل ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ بعض اوقات یہ ہفتے تک مسلسل ہوتی رہتی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ دِيمَةٌ، جسے غالباً جھڑی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ جھڑی۔ تو یہ ہے دِيمَةٌ۔ اور تَهْمِي، تَهْمِي کا معنی ہے بہنا، بارش کا پانی زیادہ ہوتا ہے تو وہ بہتا ہے بھئی، اس کو کہتے ہیں تَهْمِي۔

فَسَقَى دِيَارَكَ صَوْبُ الرَّبِيعِ وَدِيمَةٌ تَهْمِي، پس سیر اب کرے تمہارے گھروں کو بہار کی بارش اور ایسی جھڑی تَهْمِي جو بہنے والی ہو۔ دِيمَةٌ نکرہ آیا نا اور تَهْمِي اس کے بعد فعل آیا، یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت، اور ایسی جھڑی تَهْمِي جو بہنے والی ہو۔ اس پر شبہ پیدا ہوتا ہے، اس پر بھئی وہم پڑتا ہے کہ یہ تو بارش جب ہوتی ہے اس سے تو عموماً نقصان بھی ہوتا ہے اگر زیادہ ہو جائے، تو یہ تو شاید بددعا دے رہا ہے، دعا نہیں دے رہا بلکہ کیا کر رہا ہے؟ بددعا۔ تو لہٰذا خلاف مقصود کا شبہ پڑ رہا تھا، وہ تو بددعا نہیں دے رہا بلکہ کیا دے رہا ہے؟ دعا دے رہا ہے۔ تو اس خلاف مقصود وہم کو دور کرنے کے لیے شاعر نے درمیان میں غَيْرَ مُفْسِدِهَا کی قید بڑھادی کہ اس حال میں کہ وہ بارش جو ہے ان گھروں کو نقصان دینے والی نہ ہو، نقصان دینے والی نہ ہو۔ اب پوری بات ہو گئی، معلوم ہوا دعا دے رہا ہے کہ بارش بھی ہو اور خوشگوار بارش ہو جو کسی قسم کا نقصان نہ دے بھئی۔

معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو یہ غَيْرَ مُفْسِدِهَا یہ حال ہے صَوْبُ الرَّبِيعِ اور دِيمَةٌ تَهْمِي سے۔ فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا صَوْبُ الرَّبِيعِ وَدِيمَةٌ تَهْمِي، پس سیر اب کرے تمہارے گھروں کو بہار کی بارش اور بہنے والی جھڑی اس حال میں کہ وہ گھروں کو فاسد کرنے والی، خراب کرنے والی نہ ہو۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو ایک کلام تھا اور اس کلام سے خلاف مقصود کا وہم پڑ رہا تھا، لہٰذا شاعر نے درمیان میں ایسا لفظ ذکر کر دیا جس نے اس خلاف مقصود وہم کو دور کر دیا۔ تو دوبارہ دیکھیے: وَمِنْهَا الِاحْتِرَاسُ اور وہ چیزیں جن کے ساتھ اطناب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک احتراس ہے، وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى فِي كَلَامٍ يُوهِمُ خِلَافَ الْمَقْصُودِ اور وہ یہ کہ لایا

جائے ایسے کلام میں جو خلاف مقصود کا وہم ڈال رہا تھا، اس میں لایا جائے، کس کو لایا جائے؟ بِمَا يَدْفَعُهُ ایسے لفظ کو جو اس وہم کو دور کر دے۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر: فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا صَوْبُ الرَّبِيعِ وَدِيمَةٌ تَهْمِي، پس سیر اب کرے تمہارے گھروں کو بہار کی بارش اور برسنے والی جھڑی اس حال میں کہ وہ ان گھروں کو نقصان دینے والی نہ ہو، ان کو فاسد کرنے والی نہ ہو۔

وَمِنْهَا التَّكْمِيلُ، اور اطناب کی جن چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ان میں سے ایک تکمیل ہے، یعنی اطناب کی قسموں میں سے ایک تکمیل ہے، وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى بِفَضْلَةٍ تَزِيدُ الْمَعْنَى حُسْنًا اور وہ یہ کہ لایا جائے بِفَضْلَةٍ۔ فَضْلَةٌ کہتے ہیں زائد چیز کو۔ کس کو؟ زائد۔ بھئی ایک ہے کلام اور اس میں جو اصل ہے، کلام کے اندر اصل مسند اور مسند الیہ ہوتے ہیں، باقی چیزیں فضلہ، زائد چیزیں ہوتی ہیں۔ کیا ہوتی ہیں؟ فضلہ، زائد۔ یعنی مفعول ذکر ہوتا، فعل اور فاعل تو، فعل تو مسند اور فاعل یا نائب فاعل کیا ہوا؟ مسند الیہ، اور آگے مفعول، حال وغیرہ، مفعول مطلق وغیرہ یہ ساری چیزیں کیا ہیں؟ فضلہ ہیں، زائد چیزیں ہیں کیونکہ ان کے بغیر بھی معنی پورا ہو جاتا ہے۔ تو فضلے سے یہ چیز مراد ہے، مفعول اور حال اور مفعول حال وغیرہ بھئی۔ تو کہتے ہیں وہ یہ کہ لایا جائے کلام میں ایسا فضلہ، فَضْلَةٍ کے بعد تَزِيدُ فعل آرہا ہے، ایسا فضلہ، ایسی زائد چیز تَزِيدُ الْمَعْنَى جو بڑھادے معنی کے اندر حُسْنًا کس کو؟ حسن کو، جو معنی میں حسن کو بڑھادے۔

■ قولہ: «وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ» کی تشریح

نَحْوُ، مثال کے طور پر: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ، اور وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں عَلَى حُبِّهِ۔ حُبِّهِ کی ہا ضمیر بھی طَعَامَ ہی کو راجع ہے، کھانے کی محبت پر۔ وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں کھانے کی محبت پر، یعنی وہ سخی لوگ ہیں، سخاوت کرنے والے ہیں، اور انہیں بھی کھانے کی محبت ہوتی ہے، یعنی انہیں بھی کھانے کی طلب اور ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ اپنی ضرورت کو قربان کر دیتے ہیں اور دوسرے کی ضرورت پوری کر دیتے ہیں اور جو کوئی سوال کرنے آئے تو اس کو وہ کھانا، خود بھوکے رہ جاتے ہیں لیکن دوسرے کو وہ کھانا کھلا دیتے ہیں۔ یہ معنی ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ وہ کھانا کھلاتے ہیں عَلَى حُبِّهِ اس کھانے کی محبت پر، یعنی انہیں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ اپنی ضرورت کو قربان کر دیتے ہیں۔

اب دیکھیے یہاں سخاوت بیان فرمارہے ہیں اللہ تعالیٰ کہ یہ لوگ جو ہیں یہ ایسے لوگ ہیں يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ، کیا کرتے ہیں؟ کھانا کھلاتے ہیں۔ اب اتنی، صرف اسی سے مقصد پورا ہو جاتا ہے، جب پتہ چل گیا کہ یہ دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں معلوم ہوا سخی لوگ ہیں۔ معلوم ہوا سخی لوگ ہیں۔ لیکن اس پر یہ جو عَلَى حُبِّهِ کو بڑھایا گیا اس نے اس میں اور حسن پیدا کر دیا کہ ایک ہے ویسے کھانا کھلانا وہ بھی بہتر تھا، لیکن ان لوگوں کا مقام تو اتنا اونچا ہے کہ اپنی ضرورت اور اپنی طلب کو وہ ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور دوسرے کی ضرورت پوری کر دیتے ہیں، ایسے سخی لوگ ہیں، اور یہ اونچے درجے کی سخاوت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ عَلَى حُبِّهِ یہ ہے تکمیل بھئی، اس نے کیا کر دیا؟ اب عَلَى حُبِّهِ یہ دیکھو جار مجرور ہے، مسند یا مسند الیہ نہیں ہے، فضلہ ہے۔ کیا ہے؟ فضلہ۔ جار مجرور، مفعول، حال یہ سب چیزیں اس میں آگئیں، جو بھی مسند اور مسند الیہ کے علاوہ ہیں وہ سب آگئے۔ تو یہ جار مجرور ہے عَلَى حُبِّهِ اور اس نے کیا کیا؟ معنی کے اندر حسن کو بڑھا دیا بھئی۔

یہ معنی ہے وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى بِفَضْلَةٍ تَزِيدُ الْمَعْنَى حُسْنًا، تکمیل یہ ہے کہ لایا جائے ایسے زائد لفظ کو جو معنی کے اندر حسن بڑھادے۔ عَلَى حُبِّهِ، خود بتلا رہے ہیں أَيْ مَعَ حُبِّهِ، ساتھ اس کھانے کی محبت کے، یعنی انہیں بھی کھانے کی محبت اور طلب ہوتی ہے، وَذَلِكَ أَبْلَغُ فِي الْكَرَمِ اور یہ زیادہ بلیغ ہے سخاوت کے اندر۔ یہ زیادہ بلیغ، یا یوں کہیں یہ زیادہ افضل ہے سخاوت کے اندر کہ یہ اعلیٰ درجے کی سخاوت ہے بھئی، اعلیٰ درجے کی، تو اس میں مبالغہ آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور بعضوں نے اس تکمیل کا نام تتمیم رکھا ہے، وہ اس تکمیل کو کیا کہتے ہیں؟ تتمیم۔ اور یہ جو پیچھے احتراس ذکر ہوا تھا نا، اسی کو تکمیل کہتے ہیں، لہٰذا اور بعض کتابوں میں آپ دیکھیں گے اسی احتراس کا دوسرا نام ہے تکمیل، اور جس کو انہوں نے تکمیل کہا اس کو وہ کیا کہتے ہیں؟ تتمیم کہتے ہیں۔ تو بہر حال معنی ایک ہی ہے، تکمیل کا معنی بھی پورا کرنا، تتمیم کا معنی بھی پورا کرنا۔

اور یاد رکھیے یہ مثال جو ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ یہ ایک صورت میں اس کی مثال بنی جب عَلَى حُبِّهِ کی ہا ضمیر طَعَامَ کو راجع تھی، طَعَامَ کو راجع، پھر یہ تکمیل کی مثال ہے۔ اور اگر یہ ہا ضمیر راجع ہو ذات باری تعالیٰ کو، وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں عَلَى حُبِّهِ اس اللہ کی محبت پر، یعنی اس اللہ کی محبت میں وہ کیا کرتے ہیں؟ لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اللہ کے راستے میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں، تو پھر اس صورت میں یہ تکمیل کی مثال نہیں بنے گا بلکہ یہ اس صورت میں اصل معنی کے اندر ہی داخل ہو جائے گا۔ ابھی تو ہم بنا رہے ہیں یہ اصل معنی پر زائد ہے کیونکہ يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں، اس سے سخاوت بیان ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ اس سے سخاوت بیان ہو گئی تھی، عَلَى حُبِّهِ اس پر کیا تھا؟ زائد تھا جو اس میں حسن بڑھا رہا تھا۔ لیکن اگر عَلَى حُبِّهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہو؟ اللہ تعالیٰ کو، تو پھر اس صورت میں یہ اصل معنی کے ہی اندر داخل ہو جائے گا، پھر یہ زائد نہ رہے گا۔ کیوں؟ کیونکہ پھر معنی یہ ہو گا: اور وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں عَلَى حُبِّهِ اللہ کی محبت پر، اللہ کی محبت میں، یعنی اخلاص کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ اخلاص کے ساتھ۔ اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں معلوم ہوا کس کے ساتھ کھلا رہے ہیں؟ اخلاص کے ساتھ، دکھلاوا مقصد نہیں ہے بلکہ اخلاص کے ساتھ وہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے ہیں، تو پھر یہ اصل معنی بن جائے گا اس لیے کیونکہ کھانا کھلانا تبھی نفع دے گا جب اس میں اخلاص ہو گا، اگر اخلاص نہیں ہے تو پھر اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس صورت میں یہ اصل معنی ہی بن جائے گا۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

استاد جی، جاری مجرائے کا لفظی معنی کیا ہوتا ہے؟ جاری ہے مجرائے، جاری ہونے کی جگہ، یعنی قائم مقام ہے اس کے۔

سبق نمبر ۶۳: الخاتمۃ في إخراج الکلام علی خلاف مقتضی الظاھر: خلافِ مقتضائے ظاہر کا مفہوم اور ماضی و مضارع کا تبادلۂ استعمال

دروس البلاغہ صفحہ: ۸۴ــــ بتاریخ: ۱۴ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلْخَاتِمَةُ فِي إِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ. إِيرَادُ الْكَلَامِ عَلَى حَسَبِ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الْقَوَاعِدِ يُسَمَّى إِخْرَاجَ الْكَلَامِ عَلَى مُقْتَضَى الظَّاهِرِ، وَقَدْ تَقْتَضِي الْأَحْوَالُ الْعُدُولَ عَنْ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ وَيُورَدُ الْكَلَامُ عَلَى خِلَافِهِ فِي أَنْوَاعٍ مَخْصُوصَةٍ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

اَلْخَاتِمَةُ فِي إِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ.خَاتِمَةٌ فِي إِخْرَاجِ الْكَلَامِ، إِخْرَاجُ الْكَلَامِ کا معنی ہے کلام کا لانا، کلام کا ادا کرنا۔ تو یہ خاتمہ ہے فِي إِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ، مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام کے ادا کرنے میں، مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام کے لانے میں بھئی۔ مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام کے لانے میں۔

بھئی عِلْمُ الْمَعَانِي ہم پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پڑھا تھا کہ یہ آٹھ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ آٹھ ابواب مکمل ہوئے، آج خاتمے کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اور آپ نے پڑھا تھا کہ عِلْمُ الْمَعَانِي کے اندر یہ بتلایا جاتا ہے کہ کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیسے کیا جائے گا، کیسے لایا جائے گا۔ اور پھر تفصیل بیان ہو گئی کہ اس قسم کا کلام کہاں لاتے ہیں، اس میں کیا نکتہ ہوتا ہے، اس قسم کا کلام کہاں لاتے ہیں، اس میں کیا نکتہ ہوتا ہے۔ بڑی لمبی تفصیل ہر چیز کی انہوں نے بیان کر دی کہ اس اس چیز میں یہ نکتہ ہوتا ہے، اس چیز میں یہ نکتہ ہوتا ہے، تو جہاں کہیں آپ کے سامنے بھی ایسا موقع آئے تو کس نکتے کا کہاں پر کس طرح لحاظ رکھنا ہے، تو اس سے آپ کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو جائے گا، یعنی جس طرح کا حال جس طرح کے کلام کا حال تقاضا کر رہا ہو، آپ نے سارے نکات پڑھ لیے تو آپ ان کے مطابق جو ہے کلام کو لانا، تو یہ ہو گا کلام آپ کا کہ یہ مقتضائے حال کے مطابق ہے بھئی۔ لیکن کبھی کبھار ایسا کیا جاتا ہے کہ کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے۔ کس کے؟ مقتضائے ظاہر کے۔

بھئی دیکھیے جیسے بیان ہوا تھا شروع کے اندر کہ کلام کی تین قسمیں ہیں: ایک ابتدائی ہے، ایک طلبی ہے اور ایک انکاری ہے۔ کلام ابتدائی وہ کلام جو کسی ایسے شخص کے سامنے کیا جائے جس کو اس بات میں تردد بھی نہیں ہے اور وہ اس بات کا منکر بھی نہیں ہے، تو اس کے سامنے ابتدائی کلام کیا جائے گا، یعنی کوئی تاکید وغیرہ ذکر نہیں کی جائے گی۔ اور اگر سننے والا جو ہے جو آپ کے سامنے آپ کا مخاطب ہے، اگر وہ متردد ہے، اس کو جو بات آپ کہنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں اس کو شک ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اس کے سامنے ایک تاکید لائی جائے بھئی۔ بہتر ہے اس کے سامنے ایک تاکید کا لانا بہتر ہے، اور یہ آپ پڑھ چکے کہ عِلْمُ الْمَعَانِي کے اندر بہتر بھی جو ہے واجب کے معنی میں ہے، یعنی اس کے سامنے ایک تاکید کا لانا واجب ہے بھئی۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ جو مخاطب ہے اس سے جو بات آپ کہنا چاہتے ہیں وہ اس کا پہلے سے ہی انکار کر رہا ہے، انکار کر رہا ہے۔ تو یہ منکر ہوا اور منکر کے سامنے اس کے انکار کے بقدر تاکیدات لائی جائیں گی۔ اگر اس کا انکار ضعیف ہے تو ایک تاکید سے بھی کام چل جائے گا، اگر اس کا انکار قوی ہے تو پھر کم از کم دو تاکیدات لے آئیں، اور اگر اس سے بھی زیادہ انکار ہے تو پھر مزید تاکیدات کلام میں لائیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو گویا خالی الذہن شخص جو ہے اس کے سامنے کلام ابتدائی کیا جاتا ہے، اور متردد کے سامنے کلام طلبی کیا جاتا ہے، اور منکر کے سامنے کلام انکاری کیا جاتا ہے۔

تو یہ جس طرح کا حال ہو اور آپ اسی طرح کلام کو لے کر آئیں تو کہتے ہیں کہ آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے۔ کیا کہیں گے؟ مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے۔ آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے، یعنی ظاہر حال جس چیز کا تقاضا کر رہا تھا آپ بھی ویسا ہی کلام لے کر آئے ہیں۔ یعنی خالی الذہن کے سامنے مثلاً کون سا کلام لائے ہیں؟ ابتدائی، تو کہیں گے کہ آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے۔ یا متردد تھا مخاطب اور آپ اس کے سامنے کلام طلبی لے کر آئے ہیں، تو کہیں گے آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے۔ اسی طرح اگر منکر تھا مخاطب، آپ اس کے سامنے کلام انکاری لائے ہیں تاکیدات کے ساتھ، تو کہیں گے کہ آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے بھئی۔ یعنی ظاہر حال جس چیز کا تقاضا کر رہا تھا آپ بھی ویسا ہی کلام لے کر آئے ہیں بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ ظاہر حال، ظاہر حال یعنی جو حال واقع میں ہے، جیسا واقع کے اندر حال تھا، خارج کے اندر جو حال تھا، آپ بھی ویسا ہی کلام لے کر آئے بھئی۔ اور اصل بھی یہی ہے، اصل بھی یہی ہے کہ جیسا واقع کے اندر حال ہو اسی کے مطابق کلام ہونا چاہیے۔ اگر آپ کے سامنے منکر ہے تو کلام انکاری ہونا چاہیے، اگر آپ کے سامنے متردد ہے تو کلام طلبی ہونا چاہیے، اور اگر آپ کے سامنے خالی الذہن شخص ہے تو پھر کلام ابتدائی ہونا چاہیے۔ یہ تین قسمیں تو میں بطور مثال کے ذکر کر رہا ہوں، یہ جتنے نکات ہوئے، یہ جہاں جہاں مواقع بیان ہوئے، اس موقع پر اسی قسم کا کلام لانا، اس کو کیا کہیں گے کہ کلام کیا ہے؟ مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے۔ مقتضائے ظاہر۔ ہاں، وہی مقتضائے حال اور مقتضائے ظاہر ایک ہی چیز ہے بھئی۔ ہاں، بلکہ مقتضائے حال عام ہے۔ ایک ہے ظاہر حال، کیا ہے؟ ظاہر حال، اور ایک وہ حال ہے جو خفی ہے، خفی ہے۔ تو کبھی کیا ہو گا کلام؟ مقتضائے ظاہر حال کے مطابق ہوتا ہے، اور کبھی کبھار کلام کیا ہو گا؟ اس حال خفی کے مطابق ہو گا، لیکن ہو گا مقتضائے حال کے مطابق ہی، کیونکہ وہ ظاہر ہو یا خفی یہ دونوں حال ہی کی قسمیں ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو یعنی واقع اور ظاہر جس قسم کے کلام کا تقاضا کر رہا ہو اسی قسم کا کلام لایا جائے تو اس کو کہتے ہیں کہ آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے، یا یوں کہیں آپ کا کلام مقتضائے ظاہر حال کے مطابق ہے بھئی۔ لیکن کبھی کبھار اس سے عدول کیا جاتا ہے۔ اصل تو یہی ہے کہ کلام کو ظاہر حال کے مطابق ہونا چاہیے، یعنی واقع اور خارج کے مطابق ہونا چاہیے، لیکن کبھی کبھار متکلم کسی چیز کا اعتبار کر لیتا ہے، کسی چیز کا لحاظ رکھ لیتا ہے اور اس نکتے کی بنا پر وہ اس ظاہر حال سے عدول کرتا ہے، اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس نکتے کے اعتبار سے اپنے کلام کو لے کر آتا ہے۔ کس اعتبار سے؟ اس نکتے کا اعتبار کرتے ہوئے کلام کو لے کر آتا ہے۔ کلام اب بھی اگرچہ اس کا مقتضائے حال کے مطابق ہو گا، کیا ہو گا؟ مقتضائے حال۔ ہاں، لیکن حال میں نے بتایا دو قسم کا ہو گیا: ایک وہ جو ظاہر حال ہے، اور ایک وہ جس کا اعتبار کس نے کیا؟ متکلم نے کیا موقع محل کو دیکھتے ہوئے بھئی، موقع محل کو دیکھتے ہوئے۔ تو وہ بھی موقع محل کو دیکھتے ہوئے اس کے مطابق کسی نکتے کا اعتبار کرے گا اور ظاہر حال سے عدول کر کے دوسرے انداز کا کلام لائے گا، اور اس کو کہتے ہیں إِخْرَاجُ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ۔ کیا کہتے ہیں؟ إِخْرَاجُ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ، یعنی مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام کو ادا کرنا اور کلام کو لانا۔ لیکن یہ اس میں نہیں ہے کہ جیسے مرضی وہ لے آئے، بلکہ کیا کرتا ہے؟ وہ کسی بات کا، کسی چیز کا اعتبار کرتا ہے، اعتبار کرتا ہے۔

مثلاً بھئی آگے بتائیں گے بھی، مثال کے طور پر کہ ایک آپ کے سامنے خالی الذہن شخص بیٹھا ہوا ہے، اور جب خالی الذہن ہے یعنی جو بات آپ کرنا چاہتے ہیں وہ اس کے ذہن میں نہ اس کے بارے میں تردد ہے نہ اس کے بارے میں انکار ہے، تو اس کے سامنے کس قسم کا کلام کرنا چاہیے؟ ابتدائی کلام کرنا چاہیے، یعنی جس میں کسی قسم کی تاکید نہ ہو بھئی۔ تو اس کلام کو کیا کہیں گے؟ کلام ابتدائی۔ اور بغیر تاکید کے کلام آپ کریں گے تو کہا جائے گا کہ آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے مطابق ہے، مطابق ہے۔ تو اب وہ مخاطب ہے تو خالی الذہن، لیکن کوئی ایسی چیز، کوئی ایسی علامت اس میں پائی جا رہی ہے جو علامت انکار پر دلالت کرنے والی ہے۔ وہ علامت کس پر دلالت کرنے والی ہے؟ انکار پر۔ اب وہ انکار کر تو نہیں رہا لیکن ایک ایسی علامت اس میں پائی جا رہی ہے جو کس پر دلالت کر رہی ہے؟ انکار پر۔ تو اس غیر منکر کو آپ منکر ہی کے درجے میں اتار لیتے ہیں اور اس کے سامنے تاکید والا یعنی کلام انکاری ذکر کر دیتے ہیں۔ اب یہ تھا تو خالی الذہن اور مقتضائے ظاہر حال بھی کیا تھا کہ خالی الذہن کے سامنے کیسا کلام کیا جائے؟ ابتدائی کلام کیا جائے، لیکن ایک ایسی علامت موجود تھی، ایک ایسی دلیل موجود تھی جو کس پر دلالت کر رہی تھی؟ انکار پر۔ تو آپ نے اس دلیل کی بنا پر اس کے عدم انکار کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ انکار کے درجے میں۔ تو دیکھو آپ نے انکار کا اعتبار کیا اور اب آپ کون سا کلام اس کے سامنے لے کر آئے؟ تاکید والا کلام لے کر آئے، کلام انکاری لے کر آئے، تو آپ کا یہ کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے، یعنی مقتضائے ظاہر حال کے خلاف ہے۔ لیکن مقتضائے حال کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ انکار والی دلیل، انکار والی دلیل اس کے اعتبار سے آپ نے کلام کیا کہ یہ دلیل، یہ جو انکار والی علامت ہے اس کو آپ نے مد نظر رکھا، تو کلام اب بھی آپ کا اس حال کے مطابق ہوا۔ تو ایک ظاہر حال تھا، ایک وہ حال جس کا کس نے اعتبار کر لیا؟ متکلم نے اعتبار کر لیا، اور کسی وجہ سے اعتبار کیا یا بغیر کسی وجہ کے؟ کسی وجہ سے اس کا اعتبار کیا ہے، تو اس صورت میں کہیں گے کہ یہ کلام مقتضائے ظاہر حال کے خلاف ہے۔ تو ظاہر حال کے خلاف تو ہے لیکن مقتضائے حال کے خلاف نہیں، کیونکہ مقتضائے حال کتنی قسم کا ہو گیا؟ ایک ظاہر حال اور ایک کون سا؟ وہ جس کا متکلم نے اعتبار کیا یا جو حال خفی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «اَلْخَاتِمَةُ فِي إِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلَى...» کی تشریح

تو کہتے ہیں اَلْخَاتِمَةُ فِي إِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ، یہ خاتمہ کلام کے مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کے بارے میں ہے۔ إِيرَادُ

الْكَلَامِ عَلَى حَسَبِ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الْقَوَاعِدِ يُسَمَّى إِخْرَاجَ الْكَلَامِ عَلَى مُقْتَضَى الظَّاهِرِ.أَوْرَدَ يُورِدُ إِيرَادٌ کے معنی لانا۔إِيرَادُ الْكَلَامِ، کلام کو لاناعَلَى حَسَبِ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الْقَوَاعِدِ، وہ جو ماقبل میں گزر چکے قوانین اور قواعد انہی کے مطابق۔ جو ماقبل میں قوانین اور قواعد گزر چکے انہی کے مطابق کلام کو لانا يُسَمَّى إِخْرَاجَ الْكَلَامِ عَلَى مُقْتَضَى الظَّاهِرِ، اس کو کہتے ہیں مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کو لانا،إِخْرَاجَ الْكَلَامِ عَلَى مُقْتَضَى الظَّاهِرِ کہتے ہیں اس کو یعنی مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کو ادا کرنا۔وَقَدْ تَقْتَضِي الْأَحْوَالُ اور کبھی کبھار احوال جو ہیں وہ تقاضا کرتے ہیں، احوال خود کیا کرتے ہیں؟ تقاضا کرتے ہیں، کس چیز کا؟الْعُدُولَ عَنْ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ کہ اس مقتضائے ظاہر سے عدول کیا جائے یعنی اس کو چھوڑ دیا جائے، ان سے اعراض کیا جائے،وَيُورَدُ الْكَلَامُ عَلَى خِلَافِهِ فِي أَنْوَاعٍ مَخْصُوصَةٍ اور لایا جاتا ہے کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف مخصوص انواع میں، مخصوص اقسام میں۔ مخصوص اقسام میں کیا کیا جاتا ہے؟ کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے بھئی۔ اب وہ بیان ہوں گے کہ وہ کیا کیا نکات ہیں جن کی بنا پر کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے اور وہ کون کون سے مواقع ہیں بھئی۔

دیکھیے آپ خود دیکھیں گے بھئی کہ کتنی باریکیاں بیان کرتے ہیں علم بلاغت والے بھئی۔ کہتے ہیں مِنْهَا، ان احوال میں سے یا ان اقسام میں سے ایک جو ہے تَنْزِيلُ الْعَالِمِ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ أَوْ لَازِمِهَا مَنْزِلَةَ الْجَاهِلِ بِهَا۔ بھئی آپ نے پڑھا تھا کہ جب کسی شخص کے سامنے کوئی کلام کیا جائے تو وہ کلام کس لیے کیا جائے گا؟ یا تو اس کو اس بات کا فائدہ دینا مقصود ہو گا یا اپنے عالم ہونے کا فائدہ دینا مقصود ہو گا۔ اگر وہ بات بتلانا مقصد ہے اس کو تو اس کو کہتے ہیں فَائِدَةُ الْخَبَرِ، اور اگر اپنے عالم ہونے کے بارے میں بتلانا ہے کہ میں اس بات کو جانتا ہوں تو اس کو کہتے ہیں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ تفصیل گزر چکی ہے، پھر سن لیں بھئی فَائِدَةُ الْخَبَرِ اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔

بھئی آپ چار پانچ ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں کمرے میں، آپ کا ایک ساتھی باہر سے آتا ہے اور آکر آپ سے کہتا ہے کہ مثلاً اگلے ہفتے سے ایک ہفتے کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ تو دیکھیے آپ کو یہ خبر پہلے نہیں تھی، جب اس نے یہ کلام کیا آپ کو اس بات کا پتہ چل گیا، اس کو کہتے ہیں فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ کیا کہتے ہیں؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ۔ نیز ایک اور بات کا بھی آپ کو پتہ چلا کہ یہ جو بات کو لانے والا ہے معلوم ہوا اس کو بھی اس بات کا پتہ ہے، جبھی تو آپ کو بتا رہا ہے، خود اسے علم ہو گا تو آپ کو بتائے گا، اگر اسے علم ہی نہیں تو پھر کیسے آپ کو بتا سکتا ہے؟ تو اس کے عالم ہونے کا بھی آپ کو پتہ چلا۔ عالم ہونا کس چیز پر؟ اسی بات پر، اسی بات پر وہ عالم ہے یعنی اس کو وہ جاننے والا ہے۔ تو یہ دوسرا فائدہ ہوا اور اس کو کہتے ہیں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے ساتھ لازم ہے، جہاں بھی فَائِدَةُ الْخَبَرِ آئے گا وہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ضرور ہو گا۔ یعنی جب بھی کوئی شخص آکر آپ کو کوئی بات بتلائے اور آپ کو اس بات کا پہلے سے علم نہ ہو، تو جہاں آپ کو اس بات کا پتہ چلے گا وہاں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ یہ خبر لانے والے کو بھی اس بات کا پتہ ہے جبھی آکر آپ کو بتلا رہا ہے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جہاں بھی فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہو گا وہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ضرور ہو گا، لیکن جہاں بھی لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہو وہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ کا ہونا ضروری نہیں۔ جیسے اس کی میں نے مثال ذکر کی تھی مثلاً بھئی زید آپ کا ایک ساتھی ہے، اس نے ایک بات کو چھپا کر رکھا ہے، اس نے ایک بات کو چھپا کر رکھا آپ سے اور وہ بات ہوتے ہوتے آپ تک پہنچ گئی۔ اب آپ جا کر زید کے سامنے وہی بات کرتے ہیں، تو کیا مقصد ہے بات کرنے کا؟ اس کو وہ بات بتلانا چاہتے ہیں؟ نہیں، وہ تو اس کی اپنی ہی تو بات ہے جس کو اس نے چھپا کر رکھا تھا، تو وہ تو پہلے جانتا ہے اس بات کو، بلکہ آپ اس کے سامنے جا کر وہ بات کیوں کرتے ہیں؟ آپ اس کو بتانا چاہتے ہیں کہ مجھے بھی اس بات کا پتہ ہے۔ تو دیکھو یہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ تو آیا، متکلم کے عالم ہونے کا تو پتہ چلا، لیکن فَائِدَةُ الْخَبَرِ یہاں پر نہیں ہے کیونکہ اس کو پہلے سے ہی بات کا پتہ ہے بھئی۔ تو بتلانا مقصد تھا کہ ایک ہے فَائِدَةُ الْخَبَرِ اور ایک ہے لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ۔ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کسے کہتے ہیں؟ کہ سننے والے کو اس بات کا پتہ چلے، اس کا پہلے اسے پتہ نہ ہو۔ اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کسے کہتے ہیں؟ کہ سننے والے کو یہ پتہ بھی چل جاتا ہے ساتھ کہ یہ جو خبر لانے والا ہے، یہ جو جملہ کہنے والا ہے اس کو بھی اس بات کا پتہ ہے۔

تو وہ جو نکات بیان ہو رہے ہیں جن کی بنا پر کبھی کلام کیا کیا جاتا ہے؟ مقتضائے ظاہر کے خلاف کیا جاتا ہے، ان میں سے مِنْهَا، ان میں سے ایک جو ہے تَنْزِيلُ الْعَالِمِ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ أَوْ لَازِمِهَا، وہ اتارنا ہے کس کو؟ عَالِمٌ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ یا عَالِمٌ بِلَازِمِ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کو۔ ایک شخص جو ہے اس کو پہلے سے فَائِدَةُ الْخَبَرِ حاصل ہے، اس بات کا پہلے سے پتہ ہے، یا ایک شخص ہے اس کو لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھی پہلے سے حاصل ہے، اس کو کس کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے؟ جاہل کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے، یعنی اس شخص کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے جس کو ان میں سے کسی کا پتہ نہیں، یا کسی ایک کا پتہ نہیں۔ کسی ایک کا پتہ نہیں۔ دیکھو مثال سے وضاحت ہو گی۔

مثلاً کوئی شخص ہے وہ اپنے والد کو تکلیف دیتا ہے، کیا کرتا ہے؟ ان کو تنگ کرتا ہے، ان کو تکلیف دیتا ہے۔ اب آکر اس کے سامنے آپ کہتے ہیں هَذَا أَبُوكَ، یہ آپ کے والد صاحب ہیں، یہ آپ کے ابو ہیں۔ کس کے سامنے کہا آپ نے؟ بیٹے کو کہا جو کیا کرتا ہے اپنے والد کو؟ تکلیف دیتا ہے، تنگ کرتا ہے۔ آپ نے کہا هَذَا أَبُوكَ، یہ آپ کے ابو ہیں، یہ آپ کے والد ہیں۔ بھئی کیا یہ بات اس کو علم ہے یا علم نہیں؟ علم ہے، تو یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ غرض نہیں، یہ تو اسے پہلے سے ہی پتہ ہے کہ یہ اس کے والد ہیں۔ اور باقی اس کے سارے ساتھیوں کو بھی پتہ ہے یا نہیں پتہ کہ یہ اس کے والد ہیں؟ ساتھیوں کو بھی پتہ ہے، تو یہاں لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ بھی نہیں کہ آپ اس کو یہ بتلانا چاہتے ہوں کہ مجھے پتہ ہے یہ تمہارے والد ہیں۔ تو نہ یہاں فَائِدَةُ الْخَبَرِ ہو سکتا ہے نہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ ہو سکتا ہے، پھر یہ هَذَا أَبُوكَ کہنے کا کیا معنی؟ حالانکہ خبر لانے میں تو اصل یہی ہے، یا تو وہ خبر کس لیے لائی جاتی ہے؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے یا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کے لیے، اور وہ ان دونوں پر پہلے سے عالم ہے، دونوں کو پہلے سے جانتا ہے۔ بھئی دراصل یہاں پر، یہاں پر آپ نے وہ اگرچہ ان دونوں کو جاننے والا ہے یعنی فَائِدَةُ الْخَبَرِ کو بھی اور لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کو بھی، لیکن آپ نے اس کو جاہل کے درجے میں اتار لیا۔ جاہل وہ نہیں بھئی جس کو کچھ آتا نہ ہو، جاہل سے مراد ہے یہ جو بات آپ کر رہے ہیں اس سے جاہل ہے یعنی اس کو نہیں جانتا، اس کو نہیں جانتا۔ تو وہ ہے تو

اس بات کو جاننے والا لیکن آپ نے اس کو اس شخص کے درجے میں اتار لیا جو اس بات کو نہیں جانتا، اور کیوں اتارا؟ اس لیے کیونکہ وہ اپنے مقتضائے علم پر عمل نہیں کر رہا۔

یہ بات جب اسے پتہ ہے کہ یہ اس کے والد ہیں تو اس بات کا کیا تقاضا تھا؟ کہ وہ ان کا ادب اور احترام کرے اور ان کی خدمت کرے یا ان کو تکلیف دے؟ ان کی اس کو خدمت کرنی چاہیے، ان کا احترام کرنا چاہیے، لیکن یہ کیا کر رہا ہے؟ ان کو تکلیف دے رہا ہے۔ تو یہ اپنے علم کے مقتضی پر، علم کے تقاضے پر عمل نہیں کر رہا۔ تو جو شخص اپنے علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتا وہ اور جاہل برابر ہیں، تو آپ نے بھی اس کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ جاہل، یعنی تمہیں تو گویا پتہ ہی نہیں ہے یہ تمہارے والد ہیں، تو اس لیے آپ نے اس کے سامنے یہ کہا هَذَا أَبُوكَ۔ نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو کبھی کبھار خبر میں تو اصل کیا ہے کس لیے لائی جاتی ہے؟ فَائِدَةُ الْخَبَرِ کے لیے یا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کے لیے، اور بعض اوقات ایک شخص کو ان میں سے کسی ایک کا یا دونوں کا پتہ ہوتا ہے لیکن آپ اس کو کس کے درجے میں اتار لیتے ہیں؟ جاہل کے درجے میں، یعنی اس کو اس بات کا گویا پتہ ہی نہیں ہے اور اس کے سامنے پھر آکر وہ کلام کرتے ہیں۔ اور کیوں اتارتے ہیں جاہل کے درجے میں؟ کیونکہ وہ اپنے علم کے مقتضی پر عمل نہیں کر رہا، اور جو اپنے علم کے مقتضی پر عمل نہ کر رہا ہو تو اس بات کو جاننے والا اور نہ جاننے والا دونوں کیا ہیں؟ برابر ہیں، تو اس لیے آپ اس کے سامنے یہ کلام کرتے ہیں۔

■ قولہ: «تَنْزِيلُ الْعَالِمِ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ أَوْ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں مِنْهَا، ان میں سے ایک جو ہے تَنْزِيلُ الْعَالِمِ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ أَوْ لَازِمِهَا، وہ اتارنا ہے فَائِدَةُ الْخَبَرِ یا لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ کو جاننے والے کو، وہ لَازِمُ فَائِدَةِ الْخَبَرِ یا فَائِدَةُ الْخَبَرِ کو جاننے والے کو اتارنا ہے مَنْزِلَةَ الْجَاهِلِ بِهَا، ان سے جاہل کے درجے میں یعنی جو اس کو نہ جاننے والا ہے، لِعَدَمِ جَرْيِهِ عَلَى مُوجَبِ عِلْمِهِ بوجہ نہ چلنے کے اپنے علم کے مقتضی پر۔ جَرَى يَجْرِي کے معنی چلنا۔ بوجہ نہ چلنے کے اپنے علم کے مقتضی پر، فَيُلْقَى إِلَيْهِ الْخَبَرُ كَمَا يُلْقَى إِلَى الْجَاهِلِ تو اس کے سامنے خبر پیش کی جاتی ہے جیسے پیش کی جاتی ہے اس خبر کے جاہل کے سامنے جس کو اس بات کا پتہ نہ ہو، تو اس کے سامنے جیسے بات پیش کی جاتی ہے، كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُؤْذِي أَبَاهُ جیسے کہ آپ کا کہنا اس شخص سے يُؤْذِي أَبَاهُ جو اپنے والد کو اذیت دیتا ہے، تکلیف دیتا ہے، اس سے آپ کہتے ہیں هَذَا أَبُوكَ، یہ آپ کے والد ہیں۔

وَمِنْهَا تَنْزِيلُ غَيْرِ الْمُنْكِرِ مَنْزِلَةَ الْمُنْكِرِ إِذَا لَاحَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ عَلَامَاتِ الْإِنْكَارِ. اور ان میں سے ایک جو ہے وہ اتارنا ہے غیر منکر کو مَنْزِلَةَ الْمُنْكِرِ، کس کے درجے میں؟ منکر کے درجے میں، إِذَا لَاحَ عَلَيْهِ شَيْءٌ، لَاحَ يَلُوحُ کے معنی ہوتے ہیں ظاہر ہونے کے۔ إِذَا لَاحَ عَلَيْهِ شَيْءٌ جب ظاہر ہو اس پر کوئی چیز مِنْ عَلَامَاتِ الْإِنْكَارِ انکار کی علامتوں میں سے۔ بھئی ایک شخص ہے وہ ایک بات کا انکار تو نہیں کر رہا، تو اس کے سامنے کون سا کلام ہونا چاہیے؟ ابتدائی ہونا چاہیے۔ جب اس کو اس بات میں شک بھی نہیں ہے اور اس کا انکار بھی نہیں ہے تو کلام تاکید کے بغیر ہونا چاہیے، ابتدائی کلام۔ لیکن اس شخص پر ایک ایسی علامت ظاہر ہے جو انکار کی علامتوں میں سے ہے۔ تو انکار کی علامتوں میں سے ایک علامت اس میں پائی جا رہی ہے، تو آپ اس علامت کی وجہ سے اس غیر منکر کو کس کے درجے میں اتار لیتے ہیں؟ منکر کے درجے میں اتار لیتے ہیں اور اس کے سامنے تاکید والا کلام لے آتے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟

جیسے دیکھیے بھئی، دیکھیے: جَاءَ شَقِيقٌ عَارِضًا رُمْحَهُ، إِنَّ بَنِي عَمِّكَ فِيهِمْ رِمَاحٌ. جَاءَ شَقِيقٌ، شَقِيقٌ یہ کسی شخص کا نام ہے۔ جَاءَ شَقِيقٌ، شاعر کہتا ہے شقیق آیا عَارِضًا رُمْحَهُ. عَارِضٌ چوڑائی میں رکھنے والا، رُمْحَهُ نیزہ، نیزہ۔ آیا شقیق اس حال میں کہ اس نے چوڑائی میں اپنا نیزہ رکھا ہوا تھا۔ إِنَّ بَنِي عَمِّكَ، اس سے شاعر کہتا ہے بے شک تیرے جو چچازاد بھائی ہیں، فِيهِمْ رِمَاحٌ ان میں نیزے ہیں۔ رِمَاحٌ جمع ہے رُمْحٌ کی، نیزے کو کہتے ہیں۔

بھئی دیکھیے صورت یہ کہ ایک شخص جو ہے وہ میدان جنگ کا رخ کرتا ہے اور اس کے اپنے چچازاد بھائی یا رشتہ دار وغیرہ یا ان سے جنگ ہے، تو اب وہ جب میدان جنگ کا رخ کر رہا ہے، گھوڑے پر بیٹھا ہے اور نیزہ اس نے لیا ہوا ہے، اور جب دشمن کا اور میدان جنگ کا رخ کیا جائے تو نیزہ کس طرح رکھا جاتا ہے؟ نیزے کا رخ سامنے دشمن کی طرف ہونا چاہیے، لیکن شقیق آیا اس نے نیزے کو اپنی رانوں پر رکھا ہوا ہے، خود گھوڑے پر سوار ہے اور نیزے کو رانوں پر رکھا ہوا ہے، یعنی نیزے کا رخ دشمن کی طرف نہیں ہے بلکہ دائیں بائیں طرف ہے بھئی۔ کس طرف ہے؟ دائیں بائیں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو دیکھو اس نے چوڑائی میں نیزے کو رکھا ہوا ہے، چوڑائی میں۔

تو اب دیکھیے اب اسے شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ تیرے جو چچازاد بھائی ہیں، تیرے چچا کے جو بیٹے ہیں یعنی جو تیرے دشمن ہیں، جو تیرے مخالفین ہیں ان کے پاس نیزے موجود ہیں۔ ان کے پاس نیزے موجود ہیں۔ اور اس بات کا کوئی شقیق نے انکار تو نہیں کیا ہوا، نہ اس کے ذہن میں تردد ہے نہ اس نے اس کا انکار کیا ہے، تو اس نے انکار نہیں کیا تو اس کے سامنے کلام بغیر تاکید کے ہونا چاہیے، کلام ابتدائی ہونا چاہیے۔ لیکن اس پر ایک علامت اس میں پائی جا رہی ہے انکار والی کہ اس نے نیزے کو چوڑائی میں رکھا ہوا ہے، اور نیزے کو چوڑائی میں رکھنے کا معنی یہ ہے معلوم ہوا سامنے کوئی خطرہ نہیں، کوئی دشمن نہیں ہے بھئی۔ تو اب انکار تو اس نے نہیں کیا تھا لیکن انکار کی علامت پائی جا رہی تھی کہ اس نے نیزے کو کس طرح رکھا ہوا ہے؟ چوڑائی میں رکھا ہوا ہے۔ تو اس علامت کی وجہ سے وہ تھا تو غیر منکر لیکن شاعر نے اس کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ منکر کے درجے میں اتار لیا اور اس سے کہا إِنَّ بَنِي عَمِّكَ، إِنَّ لے کر آیا تاکید کے لیے، تو کلام انکاری کر دیا اس کے سامنے۔ کون سا؟ تاکید والا کلام بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تھا کیا اصل میں؟ غیر منکر، لیکن کس کے درجے میں اتار لیا؟ منکر۔ کیوں اتارا منکر کے درجے میں؟ کیونکہ اس میں ایک ایسی علامت پائی جا رہی تھی جو انکار کی

علامتوں میں سے ایک علامت ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب ترجمہ بھئی کتاب پر: وَمِنْهَا تَنْزِيلُ غَيْرِ الْمُنْكِرِ مَنْزِلَةَ الْمُنْكِرِ اور ان میں سے ایک جو ہے وہ غیر منکر کو منکر کے درجے میں اتارنا ہے إِذَا لَاحَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ عَلَامَاتِ الْإِنْكَارِ جب ظاہر ہو اس پر کوئی چیز انکار کی علامتوں میں سے، فَيُؤَكَّدُ لَهُ تو کلام کو اس کے لیے مؤکد کیا جاتا ہے یعنی اس میں تاکید لائی جاتی ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: جَاءَ شَقِيقٌ عَارِضًا رُمْحَهُ، إِنَّ بَنِي عَمِّكَ فِيهِمْ رِمَاحٌ. آیا شقیق اس حال میں کہ اس نے چوڑائی میں رکھا ہوا تھا رُمْحَهُ اپنے نیزے کو، إِنَّ بَنِي عَمِّكَ فِيهِمْ رِمَاحٌ بے شک تیرے چچا کے بیٹے جو ہیں ان میں بھی نیزے ہیں یعنی ان کے پاس بھی نیزے ہیں۔

■ قولہ: «وَكَقَوْلِكَ لِلسَّائِلِ الْمُسْتَبْعِدِ حُصُولَ...» کی تشریح

وَكَقَوْلِكَ لِلسَّائِلِ الْمُسْتَبْعِدِ حُصُولَ الْفَرَجِ: إِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِيبٌ. وَكَقَوْلِكَ لِلسَّائِلِ الْمُسْتَبْعِدِ حُصُولَ الْفَرَجِ. فَرَجٌ کہتے ہیں مصیبت کے بعد راحت کا آنا۔ مصیبت کے بعد راحت کا آنا، اس کو کہتے ہیں فَرَجٌ بھئی۔ اب دیکھیے ایک شخص مصیبت میں ہے اور وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ یہ مصیبت کبھی ختم ہو گی؟ کیا یہ مصیبت کیا ہے؟ کبھی ختم ہو گی؟ اور وہ سوال کرنے والا ہے، سوال کرنے والا ہے، اور سوال کون کرتا ہے؟ جس کو کسی چیز میں تردد ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ تردد اور شک ہوتا ہے وہ سوال کرتا ہے۔ تو اس کے سامنے اب جب وہ متردد ہوا اس کے سامنے کلام طلبی ہونا چاہیے، اور کلام طلبی کیا ہے کہ ایک تاکید لائی جائے کلام کے اندر، صرف ایک تاکید، ایک تاکید۔ لیکن آپ اس کے سامنے کلام انکاری لے آتے ہیں یعنی کم از کم دو تاکیدات والا کلام یا زیادہ والا لے آتے ہیں۔ کیوں لاتے ہیں؟ کیونکہ وہ مصیبت کے ختم ہونے اور راحت کے آنے کو بڑا ہی مشکل سمجھ رہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ بات بڑی ہی مشکل ہے کہ مصیبت ختم ہو جائے اور راحت دوبارہ نصیب ہو جائے، اطمینان اور سکون دوبارہ مل جائے۔

اب دیکھیے وہ منکر تو نہیں، کیا؟ وہ سوال کر رہا ہے، منکر تو نہیں ہے، لیکن آپ نے اس کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ منکر کے درجے میں۔ کیوں اتارا؟ کیونکہ وہ راحت کے حاصل ہونے کو بڑا مشکل سمجھتا ہے، تو بڑا مشکل سمجھتا ہے گویا اس کے آنے کا ایک اعتبار سے وہ انکار ہی کر رہا ہے۔ وہ کر تو نہیں رہا لیکن مشکل سمجھنا یہ علامت بتلا رہی ہے، اس علامت کی وجہ سے آپ نے اس غیر منکر کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ منکر کے درجے میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَكَقَوْلِكَ لِلسَّائِلِ الْمُسْتَبْعِدِ حُصُولَ الْفَرَجِ اور جیسے کہ آپ کا کہنا اس شخص سے جو سوال کرنے والا ہے، ایک ایسے شخص سے، یا یوں کہیں اس شخص سے جو سوال کرنے والا ہے، ایک ایسا سوال کرنے والا الْمُسْتَبْعِدِ حُصُولَ الْفَرَجِ جو دور سمجھتا ہے راحت کے حاصل ہونے کو، اس سے آپ یہ کہتے ہیں إِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِيبٌ۔ دیکھو إِنَّ بھی لے کر آئے، لَقَرِيبٌ لام بھی، جملہ اسمیہ بھی ہے، إِنَّ بھی لے کر آئے اور لام تاکید بھی لے کر آئے جو تاکید پیدا کرتا ہے کلام میں۔ تو یہ آپ نے غیر منکر کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ منکر کے درجے میں اتار لیا اور اس کے سامنے ایک سے زائد تاکیدات ذکر کر دیں۔ تو آپ اس سے کہتے ہیں إِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِيبٌ بے شک راحت جو ہے وہ البتہ قریب ہے یعنی آنے ہی والی ہے۔

وَتَنْزِيلُ الْمُنْكِرِ أَوِ الشَّاكِّ مَنْزِلَةَ الْخَالِي إِذَا كَانَ مَعَهُ... بھئی کبھی اس کا عکس کیا جاتا ہے۔ ابھی تو آپ کو یہ بتلایا کہ کبھی کبھار غیر منکر کو کس کے درجے میں اتارا جاتا ہے؟ منکر کے درجے میں اتارا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کا عکس ہوتا ہے کہ منکر یا متردد کو خالی الذہن کے درجے میں اتار کر اس کے سامنے کلام ابتدائی کر دیا جاتا ہے۔ مخاطب ہے تو منکر تو اس کے سامنے تاکید والا کلام ہونا چاہیے، یا وہ متردد ہے اس کو شک ہے اور شک والے کے سامنے کلام طلبی ہونا چاہیے، اس میں بھی تاکید ہوتی ہے۔ تو ہونا تو تاکید والا کلام چاہیے تھا لیکن آپ اس کے سامنے کلام ابتدائی کر دیتے ہیں یعنی بغیر تاکید کے۔ تو آپ نے گویا اس منکر کو یا متردد کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ خالی الذہن کے درجے میں اتار لیا۔ اور کیوں اتارا آپ نے اس کو خالی الذہن کے درجے میں؟ اس لیے کیونکہ اس کے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن میں وہ ذرا سا غور کر لے تو اس کا انکار یا اس کا تردد خود ہی ختم ہو جائے گا۔ وہ کر تو انکار رہا ہے لیکن ایسے دلائل ہیں اس کے سامنے جن میں وہ ذرا سا بھی غور کرے تو اس کا انکار کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ تو آپ نے اس کے انکار کو بھی لا انکار کے درجے میں اتار لیا کہ بھئی ایسے دلائل موجود ہیں جن میں وہ ذرا غور کر کے اپنے انکار کو ختم کر سکتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: وَتَنْزِيلُ الْمُنْكِرِ أَوِ الشَّاكِّ یا اتارنا منکر کو أَوِ الشَّاكِّ یا شک کرنے والے کو مَنْزِلَةَ الْخَالِي کس کے درجے میں اتارنا؟ خالی الذہن کے درجے میں، إِذَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الشَّوَاهِدِ جبکہ اس کے پاس ہو مِنَ الشَّوَاهِدِ، کس میں سے؟ شواہد میں سے یعنی دلائل میں سے مَا وہ دلائل إِذَا تَأَمَّلَهُ کہ جب وہ ان میں غور کر لے زَالَ إِنْكَارُهُ أَوْ شَكُّهُ تو اس کا انکار یا اس کا شک کیا ہو جائے گا؟ زائل ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُنْكِرُ مَنْفَعَةَ الطِّبِّ جیسے کہ آپ کا کہنا اس شخص سے جو علم طب جو ہے اس کے نفع کا انکار کرنے والا ہے أَوْ يَشُكُّ فِيهَا یا اس میں شک کرنے والا ہے۔ علم طب بھئی یہ علاج معالجے کا جو علم ہے، ڈاکٹری علم آج کل کے اعتبار سے کہہ لیں، تو ڈاکٹری کے علم کا وہ نفع کا انکار کرتا ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، تو اب آپ اس سے کہتے ہیں اَلطِّبُّ نَافِعٌ کہ علم طب جو ہے یہ نفع دینے والا ہے۔ اب وہ تو منکر ہے یا شک کرنے والا ہے، کہنا تو یہ چاہیے تھا إِنَّ الطِّبَّ نَافِعٌ، إِنَّ کے ساتھ کم از کم تاکید کے ساتھ کلام ہوتا، لیکن آپ نے تاکید کو چھوڑ دیا اور اس منکر کو کس کے درجے میں اتارا؟ غیر منکر کے درجے میں، کیونکہ ایسے واضح دلائل موجود ہیں، اس کو معلوم ہیں جن میں وہ خود ذرا بھی غور و فکر کر لے تو اس کا انکار یا شک ختم ہو جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَمِنْهَا وَضْعُ الْمَاضِي مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ لِغَرَضٍ. اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کے مواقع میں سے یا اس کی اقسام میں سے ایک جو ہے وَضْعُ الْمَاضِي مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ وہ ماضی کو رکھنا ہے مضارع کے مقام میں، یعنی مقام تو مضارع کا تھا، کون سا فعل استعمال ہونا چاہیے؟ فعل مضارع استعمال ہونا چاہیے، لیکن اس کی جگہ فعل ماضی کو استعمال کر لیا جاتا ہے کسی غرض کی وجہ سے۔ جیسے بھئی مثال بھئی، جیسے آگے مثال آرہی ہے: أَتَى أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ. اللہ کا امر، اللہ کا حکم آگیا، اللہ کا حکم آگیا فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ تو تم اس میں جلدی نہ کرو، تم اس میں جلدی نہ مچاؤ۔

■ قولہ: «صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کی تشریح

بھئی حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مشرکین کو دعوت دیتے اور ان کو اللہ کے عذاب سے اور قیامت کے دن سے اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے تو وہ الٹا مذاق اڑاتے اور کہتے اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذاب لے کیوں نہیں آتے؟ وہ عذاب لے کیوں نہیں آتے اور آپ جو ہمیں ڈراتے ہیں کہ دنیا میں عذاب آجائے گا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو گا تو وہ عذاب لے کیوں نہیں آتے؟ تو اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے کہہ دیجیے: أَتَى أَمْرُ اللَّهِ، اللہ کا حکم آگیا فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ تم اس میں جلدی نہ مچاؤ۔ اب ہونا تو چاہیے تھا يَأْتِي أَمْرُ اللَّهِ اللہ کا حکم آئے گا کیونکہ ابھی آیا تو نہیں، أَتَى تو کون سا صیغہ ہے؟ ماضی کا، تو ہونا تو مضارع کا صیغہ چاہیے کیونکہ وہ عذاب یا وہ قیامت کا دن تو مستقبل میں آنے والا ہے تو یہ مقام تو تھا فعل مضارع کا، لیکن کیا استعمال کیا گیا؟ فعل ماضی استعمال کیا گیا۔ کیوں؟ نکتہ کیا ہے، مقصد کیا ہے؟ یہ بتلانے کے لیے کہ اس چیز کا ہونا بڑا ہی یقینی ہے جیسے ماضی میں ایک چیز ہوئی ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہوتا، تو یہ جو چیز ہے اس کا ہونا بھی بڑا ہی یقینی ہے، اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں، بس یوں سمجھو آہی گیا ہے، یوں سمجھو یہ آہی گیا ہے، یہ ہو کر ہی رہے گا بھئی۔ تو اس وجہ سے ماضی کو استعمال کیا گیا۔

تو کہتے ہیں وَمِنْهَا وَضْعُ الْمَاضِي مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ اور اس میں سے ایک جو ہے ماضی کو رکھنا ہے، ماضی کو لانا ہے مضارع کے مقام میں لِغَرَضٍ کسی غرض کی وجہ سے كَالتَّنْبِيهِ عَلَى تَحْقِيقِ الْحُصُولِ جیسے متنبہ کرنا اس چیز کے حصول کی تحقیق پر کہ اس چیز کا حصول اور اس کا وقوع وہ تحقیقی ہے یعنی یقینی ہے۔ کیا ہے؟ یقینی۔ جیسے کہ كَالتَّنْبِيهِ عَلَى تَحْقِيقِ الْحُصُولِ جیسے کہ چیز کے حصول کے تحقیقی ہونے پر متنبہ کرنا، نَحْوُ مثال کے طور پر أَتَى أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ اللہ کا حکم آہی گیا فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ تو تم اس میں جلدی نہ مچاؤ۔

أَوِ التَّفَاؤُلِ یا وہ غرض کیا ہو گی؟ تَفَاؤُلٌ ہو گا، نیک فالی مراد لینا، نیک شگون مراد لینا۔ نیک فالی مراد لینا، نَحْوُ مثال کے طور پر: إِنْ شَفَاكَ اللَّهُ الْيَوْمَ تَذْهَبْ مَعِي غَدًا. بھئی آپ کا ایک ساتھی بیمار ہے اور اب آپ اس سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں اللہ نے آج شفا دے دی تو پھر کل تم میرے ساتھ فلاں جگہ چلو گے، اگر اللہ نے آج آپ کو شفا دے دی۔ تو اب یہ شفا دینے کا ذکر کس زمانے کی بات کر رہے ہیں آپ؟ مستقبل کی بات، کہ اگر آج کے آگے آنے والے زمانے میں اللہ کیا کریں؟ اللہ آپ کو اس میں شفا دے دیں تو پھر کیا کریں گے آپ میرے ساتھ؟ کل فلاں جگہ جائیں گے۔ تو اب یہ مقام تو تھا فعل مضارع کا کیونکہ مستقبل کی بات ہو رہی ہے کہ اللہ آپ کو شفا اگر دے دیں، لیکن آپ کون سا صیغہ استعمال کر لیتے ہیں؟ ماضی کا صیغہ استعمال کر لیتے ہیں کیونکہ ماضی میں جو بات گزر چکی ہوتی ہے وہ بڑی ہی یقینی ہے، تو یہاں پر بھی آپ نیک فالی کے طور پر ماضی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں کہ اللہ اس کو یقینی طور پر شفا دے دیں۔ کیا کریں اللہ؟ یقینی طور پر شفا دے دیں۔ أَوِ التَّفَاؤُلِ یا نیک فالی کے طور پر، نَحْوُ مثال کے طور پر إِنْ شَفَاكَ اللَّهُ الْيَوْمَ تَذْهَبْ مَعِي غَدًا اگر اللہ شفا دے دیں آپ کو آج تو آپ چلیں گے میرے ساتھ کل۔

وَعَكْسُهُ اس کا عطف ہے وَضْعُ الْمَاضِي مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ پر۔ اور کبھی اس کا عکس ہو گا بھئی۔ کیا؟ پہلے تھا مضارع کے مقام پر کس کو استعمال کر لیا جاتا ہے؟ ماضی کو، اور کبھی اس کا عکس ہو گا أَيْ وَضْعُ الْمُضَارِعِ مَوْضِعَ الْمَاضِي مضارع کو رکھ دیا جاتا ہے کس کے مقام پر؟ ماضی کے مقام پر یعنی اس مضارع کو استعمال کر لیا جاتا ہے لِغَرَضٍ کسی غرض کی بنا پر كَاسْتِحْضَارِ الصُّورَةِ الْغَرِيبَةِ فِي الْخَيَالِ جیسے کہ حاضر کرنا، اِسْتِحْضَارٌ کا معنی حاضر کرنا، الصُّورَةِ الْغَرِيبَةِ، غَرِيبَةٌ انوکھی، عجیب، عجیب صورت کو حاضر کرنا فِي الْخَيَالِ خیال میں یعنی ذہن میں۔ كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا. اور اللہ وہ ذات ہے الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ جس نے ہواؤں کو بھیجا، جس نے ہواؤں کو چلایا، فَتُثِيرُ سَحَابًا تو پھر وہ ہوائیں اٹھاتی ہیں سَحَابٌ، سَحَابٌ بادل کو کہتے ہیں اور أَثَارَ يُثِيرُ کے معنی ہوتے ہیں اٹھانے کے، تو وہ ہوائیں پھر بادل کو اٹھاتی ہیں۔ کس کو اٹھاتی ہیں؟ بادل کو۔

اب دیکھیے ماقبل میں آیا تھا أَرْسَلَ ماضی کا صیغہ، وہ اللہ جس نے ہواؤں کو بھیجا، تو آگے بھی ماضی کا صیغہ ہونا چاہیے فَأَثَارَتْ سَحَابًا تو ان ہواؤں نے بادلوں کو اٹھایا۔ ان ہواؤں نے بادلوں کو اٹھایا۔ بھئی دیکھیے بارش کا عجیب اللہ نے عجیب نظام بنایا ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سارا سلسلہ، یہ حیات اس دنیا کے اندر چل رہی ہے کہ سمندروں سے پانی بخارات کی شکل میں اٹھتا ہے اور اس سے بادل بنتے ہیں اور پھر وہ بادل فضا میں تہہ بتہہ جمع ہو جاتے ہیں اور پھر جس طرف کو اللہ کا حکم ہوتا ہے اس طرف کو چل پڑتے ہیں اور پھر اس مقام پر پہنچ کر وہ بخارات دوبارہ کس میں بدل جاتے ہیں؟ پانی کے قطرات میں بدلتے ہیں اور بارش کی صورت میں برستے ہیں۔ اور کتنا پانی ہوتا ہے آپ اندازہ تو لگائیے، کتنا پانی، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اوپر پورا ایک دریا چل رہا ہو۔ بارش ہوتی ہے آپ دیکھتے ہیں پورے پورے شہر کے اندر کتنا ہی پانی کھڑا ہو جاتا ہے، یہ کتنا پانی چل رہا تھا، یہ ابھی تو سارا تو نازل بھی نہیں ہوا، تھوڑا سا کچھ نازل ہوا، کچھ اگلے علاقے میں بارش، کچھ اس سے اگلے علاقے میں بارش، سلسلہ اس طرح چلتا ہے۔ اور یہ عجیب نظام ہے، عجیب نظام اللہ کا بنایا ہوا، اور اللہ قرآن میں جابجا اس کو بطور مثال کے ذکر فرماتے ہیں۔ بھئی بارش کچھ عرصہ نہیں ہوتی ہر طرف گرد اور مٹی اڑنے لگتی ہے اور درخت

اور پودے مرجھائے ہوئے لگتے ہیں، زندگی میں بے چینی اور بے سکونی سی معلوم ہوتی ہے، اور جب بارش ہوتی ہے ہر طرف تروتازگی پھیل جاتی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو یہ اللہ کا عجیب نظام ہے جو زندگی کی بقا کا ایک بڑا سبب ہے اس دنیا میں بھئی۔

اور اللہ اس کو جا بجا ذکر فرماتے ہیں، اور عجیب بات یہ ہے بھئی سائنس اتنی ترقی کر گئی، اتنی ترقی کر گئی لیکن ابھی تک سائنسدان اس بارش کی حقیقت پر پورے طور پر اس کو نہیں جان سکے۔ نظریات تو ہیں، بڑے بڑے پیچیدہ نظریات ہیں، یہ تو آسان سی بات بتادی جاتی ہے آپ کو کہ بخارات بنتے ہیں، پانی سے اٹھتے ہیں، بادل بنتے ہیں، پھر آگے جاتے ہیں اور پھر بادلوں سے پانی بنتا ہے اور بارش برستی ہے۔ بھئی یہ تو ٹھیک ہے، ہوتا تو ایسا ہی ہے، لیکن یہ کس طرح ہوتا ہے؟ کس طریقے سے ہوتا ہے؟ کس طرح وہ پانی بخارات میں بنتا ہے اور پھر کس طرح وہ بخارات اوپر جمع ہوتے ہیں اور پھر دوبارہ کس میں تبدیل ہوتے ہیں؟ بارش کے قطرات میں تبدیل ہوتے ہیں، یہ ہوتا کس طرح ہے؟ سائنسی وضاحت کیا ہے اس کی؟ کس طرح اللہ نے یہ نظام جاری فرمایا ہے؟ بڑے ہی بڑے نہایت پیچیدہ نظریات ہیں سائنسدانوں کے اس میں، لیکن وہ صرف نظریات ہی ہیں، ابھی تک وہ حقیقت پر اس پر مطلع نہیں ہو سکے۔

■ قولہ: «وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ» کی تشریح

تو اللہ فرمارہے ہیں وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ اللہ وہ ذات ہے جس نے چلایا ہواؤں کو، جس نے بھیجا ہواؤں کو، تو أَرْسَلَ ماضی کا صیغہ آیا تو آگے بھی فَتُثِيرُ سَحَابًا یہاں کیا ہونا چاہیے تھا؟ فَأَثَارَتْ سَحَابًا تو پھر ان ہواؤں نے کیا کیا؟ بادلوں کو اٹھایا۔ أَثَارَ يُثِيرُ کے معنی اٹھانے کے، تو پھر ان ہواؤں نے بادلوں کو اٹھایا۔ لیکن ماضی کے بجائے فَتُثِيرُ مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا، مضارع کا صیغہ۔ کیوں؟ مقصد کیا ہے؟ اس عجیب اور انوکھی صورت کو ذہن میں حاضر کرنے کے لیے، اس انوکھی صورت کو ذہن میں حاضر کرنے کے لیے۔

بھئی دیکھیے ماضی جو ہے نا ماضی، اس میں جو بات بیان ہو گی وہ گزر چکی ہے، زمانہ ماضی کا حصہ بن چکی ہے۔ ماضی کے اندر جو بات کی جاتی ہے وہ کیا ہوتی ہے؟ گزر چکی ہے، ختم ہو چکی ہے، اور مضارع کے اندر تو حال والا معنی بھی ہے، اور حال کے اندر جو چیز ہے وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے اور آپ اس کا باقاعدہ مشاہدہ کر رہے ہیں۔ توجہ ہے سبق کی طرف بھئی؟ تو مضارع کے اندر حال والا معنی ہوتا ہے اور حال کے اندر جو چیز آپ کے سامنے ہے آپ اس کا باقاعدہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو کلام عرب میں بعض اوقات ایسا کیا جاتا ہے کہ ایک بات جو ہے وہاں پر ماضی کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے، لیکن وہاں پر حال والا صیغہ یعنی فعل مضارع استعمال کر لیا جاتا ہے، اور حال کے اندر تو جو چیز ہوتی ہے وہ نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے، اس کا انسان کیا کرتا ہے؟ مشاہدہ کرتا ہے۔ تو یہاں پر بھی نکتہ یہی مقصود ہوتا ہے کہ یہ چیز جو ہے تاکہ اس انوکھی چیز کو جو سننے والا ہے وہ اس کو اپنے ذہن میں حاضر کر لے اور اس کی نگاہوں کے سامنے یہ منظر آجائے، جیسے حال اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے تو یہ حال بھی کیا ہے اس کے؟ اس کی نگاہوں کے سامنے آجائے اور وہ اس کا مشاہدہ کر لے۔ کیا کر لے؟ مشاہدہ کر لے۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو چیز کون سی ہو گی؟ صیغہ وہاں کون سا استعمال ہونا چاہیے؟ ماضی، لیکن متکلم کا ارادہ کیا ہے؟ کہ سننے والا اس عجیب بات کو کیا کر لے؟ ذہن میں حاضر کر کے باقاعدہ اس کا کیا کر لے؟ مشاہدہ کر لے۔

یہ معنی ہے: كَاسْتِحْضَارِ الصُّورَةِ الْغَرِيبَةِ فِي الْخَيَالِ جیسے کہ حاضر کرنا انوکھی صورت کو ذہن کے اندر، كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا اور اللہ وہ ذات ہے جس نے ہواؤں کو چلایا، ہواؤں کو بھیجا فَتُثِيرُ سَحَابًا تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ تو یہاں تُثِيرُ کیوں استعمال کیا گیا؟ اس انوکھی بات کو، یہ ایک بڑی انوکھی اور عجیب بات تھی کہ وہ ہوائیں کیا کرتی ہیں؟ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، ان کو جمع کرتی ہیں اور پھر ان سے بارش برستی ہے، تو اس عجیب اور انوکھی صورت کو ذہن میں حاضر کرنے کے لیے بھئی۔ أَيْ فَأَثَارَتْ، دیکھا؟ تلادیا خود۔ فَتُثِيرُ کی جگہ کیا ہونا چاہیے؟ فَأَثَارَتْ بھئی ہونا چاہیے۔

تو یہاں پر بھی مقام تو ماضی کا تھا لیکن فعل مضارع کو استعمال کیا گیا تاکہ سننے والے جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں پر دلالت کرنے والی اس چیز کو اپنے ذہن میں حاضر کر کے اپنی آنکھوں سے کیا کر لیں اس کا؟ مشاہدہ کر لیں کہ اللہ کتنی عظیم قدرتوں کا مالک ہے اور اس نے کیسا عجیب و غریب نظام چلا رکھا ہے اس دنیا کے اندر، کس طرح ہوائیں چلتی ہیں اور وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور پھر بارش برسا کر اس دنیا میں زندگی کی بقا کا سبب بنتی ہیں بھئی۔ تو اس لیے یہاں پر فعل مضارع کو استعمال کیا گیا کہ سننے والے اس انوکھی چیز کو، اس انوکھی صورت کو خود اپنے ذہنوں میں حاضر کر کے اس کا مشاہدہ کر لیں کیونکہ فعل مضارع کے اندر حال والا معنی ہوتا ہے اور حال میں جو چیز ہوتی ہے وہ انسان اس کا مشاہدہ کرتا ہے، اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے، تو یہاں پر بھی فعل مضارع لا کر اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سننے والے اس کو اپنے سامنے محسوس اور اپنے سامنے مشاہد محسوس کریں بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۶۴: خلافِ مقتضائے ظاہر کی صورتیں: خبر وانشاء کا تبادلہ، اور مضمر کی جگہ مظہر اور مظہر کی جگہ مضمر لانا

دروس البلاغہ صفحہ: ۸۷ــــ بتاریخ: ۱۵ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِفَادَةِ الِاسْتِمْرَارِ فِي الْأَوْقَاتِ الْمَاضِيَةِ نَحْوُ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ، أَيْ لَوِ اسْتَمَرَّ عَلَى إِطَاعَتِكُمْ. وَمِنْهَا وَضْعُ الْخَبَرِ مَوْضِعَ الْإِنْشَاءِ لِغَرَضٍ كَالتَّفَاؤُلِ نَحْوُ هَدَاكَ اللَّهُ لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے خاتمہ شروع کیا تھا جس میں یہ ذکر ہو رہا ہے کہ کبھی کبھار کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے۔ تو اصل تو یہی ہے کہ کلام کو مقتضائے ظاہر کے مطابق ہونا چاہیے، مقتضائے ظاہر کے مطابق ہونا چاہیے، یعنی جو ظاہر اور واقع کے اعتبار سے جو حال ہے کلام کو اس کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہی اصل ہے، لیکن کبھی کبھار اس سے عدول کیا جاتا ہے اور متکلم کسی نکتے کی رعایت رکھتا ہے، رکھتے ہوئے ظاہر حال سے عدول کر لیتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ کبھی کبھار حال خود تقاضا کرتا ہے کہ ظاہر سے عدول کیا جائے۔ کبھی کبھار حال خود تقاضا کرتا ہے کہ ظاہر سے عدول کیا جائے اور کلام کو ظاہر حال کے خلاف لایا جائے۔ اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ مقتضائے ظاہر کے خلاف لانا کلام کو بھئی۔ اور اس کی بہت سے مواقع ذکر ہوئے۔

آخر میں کل ذکر ہوا تھا کہ بعض اوقات جو ہے ماضی کو ذکر کیا جاتا ہے مضارع کے مقام میں اور کبھی اس کا عکس کیا جاتا ہے، یعنی مقام تو ماضی کا ہوتا ہے لیکن وہاں پر کس کو ذکر کیا جاتا ہے؟ مضارع کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ایک نکتہ ذکر ہوا تھا کہ ماضی کی جگہ مضارع کیوں ذکر ہوتا ہے؟ تاکہ اس انوکھی صورت کو سننے والے کے ذہن میں حاضر کیا جائے بھئی۔ عجیب اور انوکھی کوئی بات ہے اس کو سننے والے کے ذہن میں حاضر کیا جائے، کیونکہ مضارع میں حال والا معنی ہوتا ہے اور جو چیز، جو حال میں ہو گی وہ انسان کے سامنے ہو گی، مشاہد ہو گی، وہ اس کا مشاہدہ کرے گا، تو لہٰذا ماضی کے بجائے حال والا صیغہ یعنی مضارع استعمال کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا اس انوکھی صورت کو اپنے ذہن میں اس کو حاضر کر کے اس کا مشاہدہ کر لے بھئی۔

اور دوسرا نکتہ کہ کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے؟ ماضی کی جگہ مضارع کو ذکر کیا جاتا ہے، وہ ہے وَإِفَادَةِ الِاسْتِمْرَارِ فِي الْأَوْقَاتِ الْمَاضِيَةِ نَحْوُ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ۔ بھئی دیکھیے یہاں لَوْ يُطِيعُكُمْ آیا، لَوْ آیا۔ اور لَوْ آپ نے پڑھا ہے حروف شرط میں سے ہے اور یہ ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو یہ دو فائدے دیتا ہے لَوْ بھئی۔ ایک تو یہ ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے اور دوسرا نفی پیدا کر دیتا ہے کلام کے اندر۔ جیسے دیکھیے لَوْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، اگر آپ نے میری پٹائی کی ہوتی تو میں بھی آپ کی پٹائی کرتا۔ لَوْ ضَرَبْتَنِي اگر آپ نے میری پٹائی کی ہوتی لَضَرَبْتُكَ تو البتہ میں نے بھی، میں بھی آپ کی پٹائی کرتا۔ یعنی ماضی کی بات بیان ہو رہی ہے کہ اگر آپ نے زمانہ ماضی میں میری پٹائی کی ہوتی تو میں بھی جواب میں کیا کرتا؟ آپ کی، میں نے بھی آپ کی پٹائی کی ہوتی۔ اور نفی کا بھی پتہ چل رہا ہے، اگر آپ نے کی ہوتی پٹائی تو میں نے بھی پٹائی کی ہوتی، معلوم ہوا آپ نے پٹائی نہیں کی اس لیے میں نے بھی پٹائی نہیں کی بھئی، تو نفی پر بھی دلالت کرتا ہے یہ۔ تو لہٰذا اس کے ساتھ فعل ماضی استعمال ہونا چاہیے لَوْ کے ساتھ، کیونکہ یہ زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار ماضی کی جگہ مضارع استعمال کر لیا جاتا ہے استمرار بتلانے کے لیے، ماضی کے اندر ہی استمرار بتانے کے لیے۔

بھئی جہاں خبر اور انشاء کی بحث آئی تھی وہاں آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ جملہ فعلیہ جو ہے وہ حدوث کا فائدہ دیتا ہے، حدوث اور تجدد کا، اور جملہ اسمیہ ثبوت کا فائدہ دیتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ یعنی زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ جبکہ جملہ فعلیہ جو ہے وہ حدوث اور تجدد کا فائدہ دیتا ہے، یعنی ایک چیز کے ہونے کا

کہ پہلے نہیں تھی اور پھر وہ چیز پائی گئی۔ قَامَ زَيْدٌ، زید کھڑا ہوا، معلوم ہوا پہلے کھڑا نہیں تھا پھر کھڑا ہوا، تو دیکھو ایک چیز کا ہونا پایا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ زَيْدٌ قَائِمٌ میں ایسا نہیں، اس میں یہ نہیں آتا زَيْدٌ قَائِمٌ یہ نہیں ہے کہ پہلے نہیں تھا کھڑا اب کھڑا ہوا ہے، نہیں، مطلقاً بس اتنا بتلایا گیا کہ زید کے لیے کیا ثابت ہے؟ قیام ثابت ہے، پہلے تھا یا نہیں تھا اس کی بات ہی نہیں۔ جبکہ فعل کے اندر ایسا ہو گا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی، معلوم ہوا پہلے نہیں کی تھی اس کے بعد پھر، پھر پٹائی کی ہے اس نے، پھر یہ فعل پایا گیا ہے۔ تو تجدد اور حدوث کا ایک معنی ہے، ایک چیز کا ہونا، ہونا۔

تو جملہ فعلیہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ حدوث اور تجدد کا۔ اور جملہ اسمیہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ ثبوت کا۔ لیکن پھر ان کے ساتھ کبھی قرینہ مل جائے اور جملہ فعلیہ جو ہے وہ فعل مضارع ہو تو پھر وہ استمرار کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ استمرار کا کیا معنی؟ مسلسل ایک چیز کا ہونا، مسلسل ایک چیز کا ہونا، یہ ہے استمرار۔ تو جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد کا فائدہ دیتا ہے، لیکن اگر جملہ فعلیہ فعل مضارع ہو اور اس کے ساتھ کبھی کوئی قرینہ مل جاتا ہے تو یہ حدوث اور تجدد کے ساتھ ساتھ استمرار کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ حدوث اور تجدد ایک چیز کا ہونا، اور استمرار یعنی بار بار ہونا، مسلسل ہونا، تو یہ مسلسل ہونے کا بھی فائدہ دیتا ہے، اور کون سا فعل ہو گا؟ فعل مضارع، فعل مضارع۔ جبکہ جملہ اسمیہ وہ ثبوت کا فائدہ دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ کبھی کوئی قرینہ مل جاتا ہے تو وہ دوام کا بھی فائدہ دیتا ہے بھئی، دوام کا۔

جی تو بات یہاں چل رہی ہے جملہ فعلیہ کی، اور جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد کا فائدہ دیتا ہے لیکن اگر وہ فعل مضارع ہو تو کس چیز کا فائدہ دیتا ہے کبھی؟ استمرار کا بھی۔ تو اسی لیے دیکھیے لَوْ يُطِيعُكُمْ، لَوْ کے ساتھ استعمال تو ماضی کا صیغہ ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں کیا استعمال کیا گیا؟ فعل مضارع استعمال کیا گیا۔ اور یہ ماضی سے عدول کیا گیا کس کی طرف؟ فعل مضارع کی طرف، کس لیے؟ استمرار کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے، کیونکہ استمرار کا فائدہ کون سا فعل دیتا ہے؟ فعل مضارع دیتا ہے، تو یہاں بھی فعل مضارع استعمال کیا گیا تاکہ یہ استمرار کا فائدہ دے، اور باقی زمانہ وہی رہے گا یعنی ماضی والا، کون سا؟ ماضی۔ تو لہٰذا لَوْ اپنا فائدہ اسی طرح دے رہا ہے، وہ ماضی کے زمانے میں کر دیتا ہے اور فعل مضارع اگرچہ آگیا لیکن یہ اس کو بھی کس معنی میں کر دے گا؟ ماضی ہی کے زمانہ میں کر دے گا اور اس میں استمرار بھی اب آجائے گا۔ پہلے صرف فعل ماضی ہوتا تو پھر استمرار کا فائدہ نہیں تھا، لیکن فعل مضارع آیا تو اب کس چیز کا فائدہ مزید آگیا؟ استمرار بھی آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَإِفَادَةِ الِاسْتِمْرَارِ فِي الْأَوْقَاتِ الْمَاضِيَةِ اور استمرار کا فائدہ دینے کے لیے ماضی کے اوقات میں، زمانہ ماضی کے اوقات میں۔ نَحْوُ مثال کے طور پر لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ۔

■ قولہ: «لَوْ يُطِيعُكُمْ» کی تشریح

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں لَوْ يُطِيعُكُمْ، اگر یہ رسول جو ہیں، یہ پیغمبر جو ہیں، اگر یہ تمہاری اطاعت کرتے رہتے، دیکھو استمرار والا ترجمہ، اگر یہ پیغمبر تمہاری اطاعت کرتے رہتے فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ بہت سی باتوں میں، بہت سے معاملات کے اندر لَعَنِتُّمْ تو البتہ تم مشکل میں پڑ جاتے۔ عَنِتَ يَعْنَتُ کے معنی ہوتے ہیں مشکل میں پڑنا، مصیبت میں پڑنا۔ تو اللہ فرما رہے ہیں صحابہ سے خطاب ہے لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ، اگر یہ پیغمبر جو تمہارے درمیان رہتا ہے اگر یہ بہت سے معاملات میں، بہت سی باتوں میں تمہاری باتیں مانتا رہتا، تمہاری اطاعت کرتا یعنی تمہاری باتیں، تمہاری باتیں مانتا رہتا لَعَنِتُّمْ تو البتہ تم مشکل میں پڑ جاتے، دشواری میں پڑ جاتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مختلف معاملات میں مشورہ بھی لیتے رہتے تھے اور موقع بموقع ان کے مشوروں پر عمل بھی کرتے تھے، لیکن ہر معاملے میں نہیں، ہر معاملے میں نہیں۔ اور اسی کی وجہ اللہ ذکر فرما رہے ہیں، اگر ہر معاملے میں وہ تمہاری رائے پر چلتے اور تمہاری بات مانتے تو تم کس بات میں پڑ جاتے؟ تم کس میں پڑ جاتے؟ مشکل اور مصیبت میں پڑ جاتے۔ کیونکہ انسان جو ہے وہ تو صرف ظاہر کو دیکھتا ہے، آگے کیا ہو گا اس کا اسے علم نہیں، جبکہ ادھر پیغمبر کی رہنمائی وحی کے ذریعے کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ رہنمائی فرماتے ہیں اور اللہ کے سامنے تو زمانہ کوئی چیز نہیں، ہر چیز اللہ کے سامنے ہے چاہے ماضی ہو چاہے حال ہو چاہے استقبال ہو۔ یہ زمانہ ہمارے لیے تو ہے کوئی چیز ماضی میں ہے، کوئی حال میں ہے، کوئی استقبال میں ہے، لیکن اللہ کے سامنے یہ سب برابر ہیں بھئی، سب برابر ہیں۔ تو حضور علیہ السلام اکثر معاملات میں کس پر چلتے تھے؟ وحی پر چلتے تھے اور جہاں اجازت ہوتی تھی اللہ کی طرف سے وہاں صحابہ سے مشورہ کر کے ان کے مشورے پر بھی عمل کرتے تھے۔ تو اسی کو ذکر کیا گیا۔ تو اگر یہاں، اگر یہاں فعل ماضی ہوتا تو پھر استمرار کا فائدہ نہیں تھا، پھر تو ایک دفعہ کا مطلب ایک واقعہ ذکر ہوتا کہ اگر یہ تمہاری بات پر عمل کر لیتے، معلوم ہوا کوئی ایک بات ذکر ہو رہی ہے۔ لیکن یہاں کیا مقصود ہے؟ استمرار بھی مقصود ہے زمانہ ماضی کے اندر، اسی لیے کہا گیا لَوْ يُطِيعُكُمْ اگر یہ تمہاری اطاعت کرتے رہتے فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ بہت سے معاملات میں لَعَنِتُّمْ تو البتہ تم مشکل میں پڑ جاتے۔ دیکھیے خود استمرار کا بتلا رہے ہیں یہ فائدہ دے رہا ہے، اسی لیے کہا آگے صاحب کتاب نے أَيْ لَوِ اسْتَمَرَّ عَلَى إِطَاعَتِكُمْ اگر یہ استمرار کرتے تمہاری اطاعت پر یعنی مسلسل رہتے تمہاری اطاعت پر۔ تو یہاں فعل مضارع کو استعمال کیا گیا اور ماضی کو چھوڑ دیا گیا کس لیے؟ استمرار کے فائدے کے لیے۔

وَمِنْهَا وَضْعُ الْخَبَرِ مَوْضِعَ الْإِنْشَاءِ لِغَرَضٍ اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانا اس کی قسموں میں سے ایک قسم جو ہے وَضْعُ الْخَبَرِ مَوْضِعَ الْإِنْشَاءِ خبر کو رکھنا انشاء کے مقام میں۔ بھئی ایک مقام تو انشاء کا ہے، مقام کون سا ہے؟ انشاء کا ہے، لیکن اس کے مقام پر خبر کو رکھ دیا گیا، خبر استعمال کر لی گئی لِغَرَضٍ کسی غرض کی بنا پر، کسی مقصد کے لیے۔ كَالتَّفَاؤُلِ جیسے کہ نیک فالی ہے، نیک شگون مراد لینا، اچھا شگون مراد لینا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر هَدَاكَ اللَّهُ لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ اللہ آپ کی

رہنمائی کرے نیک اعمال کی طرف، یعنی اللہ آپ کو ہدایت دے لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ نیک اعمال کی، اللہ آپ کو نیک، یا یوں کہیں آسان لفظوں میں اللہ آپ کو نیک اعمال کی توفیق دے بھئی، اللہ آپ کو نیک اعمال کی۔

اب دیکھیے یہ دعا دی جارہی ہے اور آپ کو میں پہلے بھی بتاچکا ہوں کہ عربی زبان میں دعائیں عموماً ماضی کے صیغے کے ساتھ دی جاتی ہیں۔ تو یہ مقام تو تھا انشاء کا، ہونا تو یوں چاہیے تھا اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ اے اللہ اس کو ہدایت دے دے نیک اعمال کی، اے اللہ اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ اے اللہ اس کو ہدایت دے دے، یہ دعا کا مقام تھا تو امر کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے تھا، لیکن نیک فالی کے طور پر عربی میں کیا کیا جاتا ہے؟ ماضی کا صیغہ استعمال کر لیا جاتا ہے دعا میں۔ جیسے آپ بھی کہتے ہیں رَحِمَهُ اللّٰهُ، اب بھئی رَحِمَ یہ تو ماضی کا صیغہ ہے اور آپ دے دعا رہے ہیں، مراد کیا ہے آپ کی؟ اے اللہ ان پر رحم فرما۔ مقصد تو یہ ہے لیکن کہہ کیا رہے ہیں آپ؟ رَحِمَهُ اللّٰهُ، ماضی کا صیغہ استعمال کر رہے ہیں اور ماضی تو یہ تو خبر ہے، ماضی کس قبیل سے ہے؟ خبر کے قبیل سے۔ اور یہ مقام امر کا تھا تو اس امر کے مقام میں ماضی کو استعمال کر لیا جاتا ہے اور کس لیے؟ نیک فالی کے طور پر۔ کیونکہ ماضی میں جو بات گزری ہوتی ہے وہ یقینی ہوتی ہے، اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہوتا۔ جو بات مستقبل میں ہونی ہے اس کا علم نہیں کہ ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، اللہ ایسا فرماتے ہیں یا ایسا نہیں فرماتے کوئی علم نہیں، لیکن بطور نیک فالی کے عربی زبان میں ماضی کے صیغے کے ساتھ دعا دی جاتی ہے کیونکہ ماضی میں جو بات ہو چکی ہوتی ہے وہ یقینی ہوتی ہے، تو یہاں بھی دعا دینے والا نیک فالی کے طور پر ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے تاکہ اللہ اس دعا کو ضرور قبول فرمالیں۔ یعنی جیسے ماضی یقینی ہوتی ہے اسی طرح ماضی کا صیغہ دعا میں لا کر گویا یہ نیک شگون کے طور پر کہ اللہ یقیناً ایسا تاکہ فرمادیں، تاکہ ایسا ہو جائے، یعنی یوں کہو گویا اللہ نے دعا قبول فرمالی، گویا اللہ نے دعا قبول فرمالی نیک فالی کے طور پر۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو؟ نَحْوُ هَدَاكَ اللّٰهُ لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ اللہ آپ کو ہدایت دے نیک اعمال کی۔

وَإِظْهَارِ الرَّغْبَةِ، اس کا عطف تَفَاؤُلِ پر ہے۔ کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے؟ انشاء کے مقام میں خبر کو لایا جاتا ہے کَالتَّفَاؤُلِ کس لیے؟ کسی غرض کے لیے جیسے کہ تفاؤل ہے، وہ بیان ہو گیا۔ وَإِظْهَارِ الرَّغْبَةِ اور جیسے دوسرا نکتہ کیا ہو سکتا ہے؟ رغبت کا اور شوق کا اظہار کرنے کے لیے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر رَزَقَنِيَ اللّٰهُ لِقَاءَكَ اللہ مجھے نصیب کرے آپ کی ملاقات، رَزَقَنِيَ اللّٰهُ اللہ مجھے نصیب کرے، عطا کرے لِقَاءَكَ آپ کی ملاقات۔ تو اب ہونا تو یہ چاہیے تھا اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي لِقَاءَهُ اے اللہ مجھے اس کی ملاقات عطا فرما، نصیب فرما۔ لیکن ارْزُقْنِي امر کا صیغہ اس کے بجائے کون سا صیغہ استعمال کیا گیا؟ ماضی کا، رَزَقَ ماضی کا۔ اور کس لیے؟ رغبت کا اظہار کرنے کے لیے، اپنے شوق کو بتلانے کے لیے کہ مجھے یہ بات بڑی پسند ہے، اس میں بڑی رغبت ہے کہ میری آپ سے ملاقات ہو جائے، مجھے بہت شوق ہے اس بات کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ بہت شوق ہے، تو جیسے ماضی کے اندر ایک بات یقینی ہوتی ہے تو اس کو بھی اللہ یقیناً ایسا ہی فرمادیں، سمجھ میں آیا؟ اسی لیے کون سا صیغہ استعمال کر لیا جاتا ہے؟ ماضی والا۔ یہ معنی ہے وَإِظْهَارِ الرَّغْبَةِ اور رغبت کا اظہار کرنے کے لیے نَحْوُ رَزَقَنِيَ اللّٰهُ لِقَاءَكَ اللہ مجھے عطا کرے آپ کی ملاقات۔

وَالِاحْتِرَازِ عَنْ صُورَةِ الْأَمْرِ تَأَدُّبًا، جی تیسرا نکتہ، کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے؟ انشاء کے مقام میں خبر کو رکھا جاتا ہے، خبر کو لایا جاتا ہے، یعنی امر کے صیغے کے بجائے ماضی وغیرہ کا صیغہ استعمال کر لیا جاتا ہے کس لیے؟ الِاحْتِرَازِ عَنْ صُورَةِ الْأَمْرِ امر کی صورت سے بچنے کے لیے تَأَدُّبًا بطور ادب کے۔ کہ کہنے والا ادب کی وجہ سے امر کا صیغہ بھی نہیں استعمال کرتا تاکہ امر کی صورت سے بھی بچ جائے۔ مثلاً دیکھیے آگے آرہا ہے، مثال آرہی ہے كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا قول يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِي أَمْرِي۔ بھئی میری کتاب میں ہے مَوْلَائِي، مَوْلَائِي نہیں ہونا چاہیے، مَوْلَايَ، ہاں مَوْلَايَ، بعض کتابوں میں مَوْلَايَ ہو گا درست لکھا ہو گا۔ تو یہاں مَوْلَى کے بعد ہمزہ اور یا نہیں ہونی چاہیے، صرف یا ہونی چاہیے اور اس پر بھی زبر آجائے گی، يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِي أَمْرِي۔

بھئی مثلاً ایک شخص کا غلام ہے اور آقا جو ہے یعنی مالک جو ہے اس کا کوئی مسئلہ ہے اس کے اندر مالک کی توجہ نہیں ہے، مالک کی اس کی طرف توجہ نہیں، تو وہ اب غلام جو ہے آقا کی توجہ اس کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہے تو اس کو یوں کہنا چاہیے أُنْظُرْ فِي أَمْرِي، يَا مَوْلَايَ أُنْظُرْ فِي أَمْرِي اے میرے آقا أُنْظُرْ فِي أَمْرِي آپ میرے معاملے میں، پر نظر ڈالیے، اس میں ذرا غور کیجیے یعنی اس کے حل کی بھی کوشش کیجیے۔ تو أُنْظُرْ کہنا چاہیے آپ دیکھیے اس میں، نظر ڈالیے۔ لیکن أُنْظُرْ صیغہ ہے امر کا اور غلام بطور ادب کے أُنْظُرْ کا صیغہ وہ بھی آقا کے سامنے نہیں کہنا چاہتا۔ اگرچہ أُنْظُرْ کہے گا تو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کے تو نہیں کہے گا، عاجزی کے طور پر کہے گا، کس طریقے پر؟ عاجزی، لیکن بہر حال صورت تو کون سی بن جائے گی؟ امر والی، تو وہ اس صورت سے بھی بچنا چاہتا ہے امر کی، امر کی صورت سے بھی بچنا چاہتا ہے اور کیوں بچنا چاہتا ہے؟ ادب کرتے ہوئے بطور ادب کے کہ یہ میرے لیے مناسب نہیں ہے میں اپنے آقا کے سامنے امر کا صیغہ استعمال کروں۔ تو لہٰذا وہ امر کا صیغہ نہیں استعمال کرتا بلکہ ماضی یا مضارع کا جو موقع کے مطابق ہو وہ استعمال کر لیتا ہے، جیسے یہاں اس نے مضارع کا صیغہ استعمال کیا اور کیا کہا؟ يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِي أَمْرِي، يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِي أَمْرِي کہ میرے آقا نظر کریں گے فِي أَمْرِي میرے معاملے میں۔ اور مراد کیا ہے؟ کہ آپ میرے معاملے میں نظر ڈالیے، معنی وہی مراد ہے البتہ صیغہ کون سا استعمال کر لیا؟ مضارع والا بھئی۔ یہ معنی ہے وَالِاحْتِرَازِ عَنْ صُورَةِ الْأَمْرِ اور بچنے کے لیے امر کی صورت سے تَأَدُّبًا بطور ادب کے كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا کہنا يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِي أَمْرِي نظر کریں گے میرے آقا میرے معاملے میں۔

■ قولہ: «أَيْ وَضْعُ الْإِنْشَاءِ مَوْضِعَ الْخَبَرِ» کی تشریح

وَعَكْسُهُ اور کبھی کبھار اس کا عکس کیا جاتا ہے أَيْ وَضْعُ الْإِنْشَاءِ مَوْضِعَ الْخَبَرِ خبر کے مقام میں کس کو لایا جاتا ہے؟ انشاء کو رکھا جاتا ہے، انشاء کو لایا جاتا ہے

لِغَرَضٍ کسی غرض کی بنا پر كَإِظْهَارِ الْعِنَايَةِ بِالشَّيْءِ۔ عنایت کہتے ہیں توجہ اور اہتمام، توجہ اور اہتمام۔ تو ایک مقام تو ہے کہ وہاں پر خبر لانی چاہیے یعنی ماضی یا مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے یا اس جیسا کوئی اور صیغہ ہونا چاہیے لیکن بہر حال امر نہیں ہونا چاہیے، امر نہیں ہونا۔ لیکن کہنے والا کیا کرتا ہے؟ اس مقام پر امر کا صیغہ استعمال کر لیتا ہے اس چیز کی اہمیت بتلانے کے لیے، اس چیز کی اہمیت بتلانے کے لیے اور اس کی طرف اپنی توجہ بتلانے کے لیے کہ یہ بڑی اہم چیز ہے بھئی۔ كَإِظْهَارِ الْعِنَايَةِ بِالشَّيْءِ جیسے کسی چیز پر توجہ کو ظاہر کرنا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ قُلْ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ کہ حکم دیا ہے میرے پروردگار نے مجھے بِالْقِسْطِ کس چیز کا؟ انصاف کا، انصاف کرنے کا۔ وَأَقِيمُوا اور تم سیدھا رکھو وُجُوهَكُمْ اپنے چہروں کو عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مَسْجِد مصدر میمی ہے یعنی سجدہ کرنا، کس معنی میں ہے؟ سجدہ کرنا۔ تو یہ مصدر میمی ہے اور سجدے کے معنی میں ہوا اور مراد اس سے صلوٰۃ ہے، کیا مراد ہے؟ نماز مراد ہے، تو سجدہ بول کر نماز مراد ہے۔ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ اور تم سیدھا رکھو اپنے چہروں کو عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ہر نماز کے وقت، یعنی ہر نماز کے وقت اپنے چہروں کو سیدھا رکھو۔

اب دیکھیے بھئی وَأَقِيمُوا یہ امر کا صیغہ آیا حالانکہ اس کا عطف ہو رہا ہے الْقِسْطِ پر، الْقِسْطِ پر، اور ہونا کیا چاہیے تھا؟ وَإِقَامَةِ، قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے وَإِقَامَةِ وُجُوهِكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ اپنے چہروں کو قائم کرو ہر نماز کے وقت بھئی، ہر نماز کے وقت۔ تو اقامت کے مصدر کی جگہ کیا استعمال کر لیا گیا؟ امر، انشاء کا استعمال کر لیا گیا کس لیے؟ اہمیت بتلانے کے لیے نماز کی بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لَمْ يَقُلْ یہ نہیں کہا اللہ تعالیٰ نے وَإِقَامَةِ وُجُوهِكُمْ عِنَايَةً بِأَمْرِ الصَّلَاةِ توجہ دیتے ہوئے کس کو؟ نماز کے معاملے کو، تاکہ اس کے معاملے کی اہمیت ظاہر ہو جائے، نماز کی اہمیت ظاہر ہو جائے۔ اگر یوں ہوتا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور نماز کے وقت چہروں کو سیدھا رکھنے کا، تو اس میں اتنا زور، زور تو اس میں بھی تھا کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے، لیکن مزید اہمیت بتلانے کے لیے وہاں باقاعدہ امر ہی کا صیغہ استعمال کر لیا گیا، میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ أَقِيمُوا کہ تم لوگ کیا کرو؟ اپنے چہروں کو قائم کرو، سیدھا رکھو عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ہر نماز کے وقت بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ اس سے اور زور آ گیا، اہمیت اس کی بیان ہو گئی، اس کی طرف اشارہ ہو گیا۔

تو کبھی کیا کیا جاتا ہے؟ مقام تو خبر کا ہوتا ہے لیکن اس کی جگہ کیا استعمال کر لیا جاتا ہے؟ انشاء۔ کس لیے؟ اس چیز پر توجہ کو ظاہر کرنے کے لیے۔ نیز وَالتَّحَاشِي عَنْ مُوَازَاةِ اللَّاحِقِ بِالسَّابِقِ۔ تَحَاشِي، تَحَاشَى يَتَحَاشَى کا معنی ہے بچنا، بچنا۔ وَالتَّحَاشِي اور بچنے کے لیے عَنْ مُوَازَاةِ اللَّاحِقِ بِالسَّابِقِ۔ مُوَازَاة کہتے ہیں برابری، مقابل ہونا، ایک چیز کا دوسری چیز کے برابر ہونا یا اس کے مقابل ہونا۔ لَاحِق پیچھے آنے والا جو بعد میں آنے والا ہے، جڑا ہوا ہے ساتھ، اور سَابِق جو پہلے آنے والا ہے۔ وَالتَّحَاشِي عَنْ مُوَازَاةِ اللَّاحِقِ بِالسَّابِقِ اور بعد والی چیز کو سابقہ چیز کی برابری سے بچنے کے لیے، کس لیے؟ بھئی دیکھیے کلام کے اندر دو چیزیں ذکر ہو رہی ہیں، پہلی چیز کے مقام میں خبر استعمال ہوئی تو دوسرے مقام پر بھی کیا استعمال ہونی چاہیے؟ خبر استعمال ہونی چاہیے۔ لیکن متکلم کیا کرتا ہے؟ اس دوسرے جہاں خبر کا مقام ہے وہاں پر امر یعنی انشاء استعمال کر لیتا ہے۔ کس لیے انشاء استعمال کرتا ہے؟ اس لیے کیونکہ اگر وہاں بھی خبر استعمال کر لیتا تو یہ بعد والی چیز بھی پہلی چیز کے برابر ہو جاتی اور حالانکہ وہ تو یہ نہیں چاہتا کہ دوسری چیز کیا ہے پہلی کے برابر ہو یا برابر نظر آئے، تو لہٰذا وہ کیا کرتا ہے؟ اس کو دوسری چیز کی جگہ انشاء استعمال کر لیتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے مثال سے اور واضح ہو گی بات۔ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ۔ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں، قَالَ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ۔ أَشْهَدَ يُشْهِدُ کے معنی ہوتے ہیں گواہ بنانا اور شَهِدَ يَشْهَدُ کے معنی ہوتے ہیں گواہ بننا، گواہ رہنا۔ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ حضرت ہود علیہ السلام فرمانے لگے إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں۔ امر کا صیغہ نہیں ہے، مضارع کا ہے أُشْهِدُ میں کیا کرتا ہوں؟ گواہ بناتا ہوں، خبر دے رہے ہیں۔ آگے قوم والوں کو بھی یوں کہنا چاہیے تھا وَأُشْهِدُكُمْ اور تم کو بھی میں کیا کرتا ہوں؟ گواہ بناتا ہوں۔ لیکن اس صورت میں اللہ کو گواہ بنانا اور قوم کا گواہ بنانا دونوں برابر نظر آتے بظاہر، اور وہ اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں کہ کسی انداز میں بھی یہاں برابری نظر نہیں آنی چاہیے، کیونکہ ایک اللہ کو گواہ بنانا ہے ایک اس کی مخلوق کو گواہ بنانا ہے، دونوں میں فرق ہونا چاہیے۔ تو لہٰذا وہاں پر أُشْهِدُكُمْ نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ وَاشْهَدُوا اور تم بھی گواہ رہو، امر کا صیغہ لے آئے بھئی۔ تو کہتے ہیں إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں وَاشْهَدُوا اور تم لوگ بھی گواہ رہو کہ أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ کہ میں بیزار ہوں اس سے جس کو تم شریک بناتے ہو، یعنی جس کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان چیزوں سے کیا ہوں؟ بیزار ہوں۔

تو نکتہ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں پر پہلے کیا آیا؟ أُشْهِدُ مضارع کا صیغہ ہے اور آگے أُشْهِدُكُمْ کے بجائے کیا کہا گیا؟ وَاشْهَدُوا، اِشْهَدُوا صیغہ امر استعمال کیا گیا کس لیے؟ تاکہ جو لاحق ہے یعنی جو بعد میں آنے والا ہے وہ سابق کے کہیں برابر دکھائی نہ دے، تو اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے۔ یہ معنی ہے وَالتَّحَاشِي عَنْ مُوَازَاةِ اللَّاحِقِ بِالسَّابِقِ اور بچنے کے لیے لاحق کی سابق کے ساتھ برابری سے نَحْوُ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ۔ لَمْ يَقُلْ حضرت ہود علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا وَأُشْهِدُكُمْ کہ میں تمہیں کیا کرتا ہوں؟ گواہ بناتا ہوں، تَحَاشِيًا عَنْ مُوَازَاةِ شَهَادَتِهِمْ بِشَهَادَةِ اللَّهِ۔ مُوَازَاةِ یہاں زاء کے بعد بھی ایک الف ہونا چاہیے بھئی، میری کتاب میں نہیں ہے، بعض کتابوں میں ہو گا، جن میں نہیں ہے وہ بھی لگا لیں۔ تو انہوں نے أُشْهِدُكُمْ نہیں فرمایا تَحَاشِيًا بچنے کے لیے عَنْ مُوَازَاةِ شَهَادَتِهِمْ بِشَهَادَةِ اللَّهِ اس بات سے کہ برابر ہو جائے ان کی گواہی اللہ کی گواہی کے، اس بات سے بچنے کے لیے۔

وَالتَّسْوِيَةِ اور کبھی کبھار مقام تو خبر کا ہوگا لیکن اس کی جگہ انشاء استعمال کر لیا جائے گا دو چیزوں میں برابری بتلانے کے لیے۔ تسویہ کا کیا معنی؟ برابری۔ جیسے أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ اے پیغمبر آپ ان منافقین کو کہہ دیجیے أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا کہ تم خرچ کرو طَوْعًا أَوْ كَرْهًا خوشی سے یا ناخوشی سے، یعنی یا ناگواری سے، کہ تم لوگ خرچ کرو چاہے طَوْعًا اطاعت سے یعنی خوشی کے ساتھ أَوْ كَرْهًا یا ناگواری کے ساتھ لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ہرگز تم سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرو چاہے تم خوشی سے خرچ کرو چاہے ناگواری سے خرچ کرو وہ تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ تم ظاہر میں تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو لیکن دل میں تم کافر ہو، لہٰذا تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ اس کو قبول فرمانے والے نہیں ہیں بھئی، نہیں ہیں۔

تو یہاں پر بھئی مقام تو خبر کا تھا کہ جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے، جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے اللہ اس کو قبول نہیں فرمائیں گے چاہے تم نے خوشی سے خرچ کیا ہے چاہے ناگواری سے خرچ، جو خرچ کیا ہے اللہ اس کو قبول فرمانے والے نہیں۔ تو اب مقام تھا خبر کا لیکن چونکہ دو چیزوں میں برابری بتلانا مقصد ہے اور دو چیزوں میں برابری بتلانے کے لیے پھر عموماً امر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے، کون سا؟ امر کا۔ اسی لیے أَنْفَقْتُمْ نہیں کہا گیا بلکہ کیا کہا گیا؟ أَنْفِقُوا تم خرچ کرو چاہے خوشی سے ہو چاہے ناگواری سے اللہ اس کو قبول کرنے والے نہیں۔ آپ کہیں گے بھئی کس طرح برابری آرہی ہے امر کے استعمال سے؟ برابری کے لیے لایا گیا امر، کس چیز میں برابری؟ کہ دونوں طرح خرچ کرنا برابر ہے چاہے خوشی سے خرچ کریں چاہے ناگواری سے خرچ کریں، دونوں صورتیں برابر ہیں اللہ اس کو قبول کرنے والے نہیں۔ تو برابری بیان کرنے کے لیے یاد رکھیے عموماً امر استعمال کیا جاتا ہے، کیا استعمال کیا جاتا ہے؟ آپ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن آپ نے کبھی توجہ نہیں کی ہوگی۔ مثلاً آپ کا ایک ساتھی ہے اس نے کوئی ایسا عمل کیا جس سے آپ ناراض ہو گئے، آپ اس سے ناراض ہو گئے۔ آپ بہت سخت ناراض ہوئے، اب وہ اس کی تلافی کر کے آتا ہے، اسی عمل کو ٹھیک کر کے آتا ہے اور آکر آپ سے کہتا ہے کہ بھئی وہ کام میں نے ٹھیک کر دیا ہے۔ آپ کی ناراضگی نہیں ختم ہو رہی، اب آپ اسے کہتے ہیں تم وہ کام کر دیانہ کرو میں تم سے راضی ہونے والا نہیں۔ دیکھو کیا استعمال کر رہے ہیں؟ امر استعمال کر رہے ہیں، تم وہ کام کر دیانہ کرو پھر بھی میں تم سے راضی نہیں۔ معلوم ہوا آپ بھی کیا استعمال کرتے ہیں اس قسم کے مواقع پر؟ امر ہی استعمال کرتے ہیں دو چیزوں میں برابری بیان کرنے کے لیے۔ مثال بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھئی؟ سمجھ، تم کر دیانہ کرو، تو دیکھو کر دیہ صیغہ امر آیا، نہ کر دیہ کیا آگئی؟ نہی آگئی، تو دیکھو انشاء استعمال کر رہے ہیں آپ اور کس لیے کر رہے ہیں؟ برابری بیان کرنے کے لیے دو چیزوں میں۔

■ قولہ: «وَمِنْهَا الْإِضْمَارُ فِي مَقَامِ الْإِظْهَارِ...» کی تشریح

وَمِنْهَا الْإِضْمَارُ فِي مَقَامِ الْإِظْهَارِ لِغَرَضٍ اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی قسموں میں سے ایک جو ہے الْإِضْمَارُ فِي مَقَامِ الْإِظْهَارِ ضمیر کا لانا ہے اظہار کے مقام میں، یعنی ایسا مقام جہاں اسم ظاہر لانا چاہیے تھا۔ بھئی ایک ہے ضمیر ایک ہے اسم ظاہر، ایک ہے ضمیر اور ایک اسم ظاہر۔ جو بھی ضمیر نہیں ہے وہ اسم ظاہر ہے، ہے اسم اور ضمیر نہیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ اسم ظاہر۔ تو لہٰذا اِكْتِابٌ یہ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ زَيْدٌ یہ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ بس جو چیز ہے وہ، جو اسم وہ یا تو ضمیر ہوگی یا اسم ظاہر، اگر ضمیر ہے تو پھر اسم ظاہر نہیں اور اگر اسم ظاہر ہے تو ضمیر نہیں بھئی۔ اب دیکھیے آپ نے پڑھا ہے کہ غائب کی ضمیر جو ہے اس کے لیے پہلے مرجع ہونا چاہیے اور پھر اس کے بعد غائب کی ضمیر ذکر کی جاتی ہے، کیونکہ غائب کی ضمیر کے لیے ہمیشہ مرجع چاہیے، کیونکہ هِيَ يا هُوَ وغیرہ ضمیر ہے اس کے ذریعے تو کسی بھی چیز کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے تو پہلے مرجع ذکر ہونا چاہیے تاکہ سننے والے کو پتہ لگ جائے اس هِيَ يا هُوَ کے ذریعے کون مراد ہے، کس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ تو ضمیر غائب کی ضمیر کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مرجع پہلے اس کا ذکر ہونا چاہیے۔ لیکن بعض اوقات متکلم کیا کرتا ہے؟ مقام تو اسم ظاہر کا ہے، پہلے مرجع آنا چاہیے آگے چل کر پھر کیا آئے گی؟ ضمیر آئے گی، تو اولاً شروع میں کیا آتا ہے اسم ظاہر یا ضمیر آتی ہے؟ اسم ظاہر، تو مقام تو تھا اسم ظاہر کا پہلے ایک دفعہ مرجع ذکر ہو جائے پھر اس کے بعد ضمیر ذکر ہو، لیکن متکلم شروع ہی سے ضمیر استعمال کر لیتا ہے، کیا کر لیتا ہے؟ ضمیر استعمال کر لیتا ہے۔ اب یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ وہ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَمِنْهَا الْإِضْمَارُ فِي مَقَامِ الْإِظْهَارِ لِغَرَضٍ اور ان مقامات میں سے ایک جو ہے وہ ضمیر کو لانا ہے اظہار کے مقام میں یعنی اسم ظاہر لانے کے مقام میں لِغَرَضٍ کسی غرض کی وجہ سے۔ اب وہ کیا کیا غرض ہو سکتی ہے؟ چند غرضیں ذکر کر رہے ہیں كَادِّعَاءِ أَنَّ مَرْجِعَ الضَّمِيرِ دَائِمُ الْحُضُورِ فِي الذِّهْنِ۔ بھئی متکلم کیا کرتا ہے؟ مقام تو تھا اسم ظاہر کا لیکن وہ ضمیر لے کر آتا ہے، وہ بتلانا یہ چاہتا ہے کہ اس ضمیر کا جو مرجع ہے وہ ہر وقت ذہن میں حاضر ہے، ذہن میں موجود ہے۔ جب ہر وقت ذہن میں موجود ہے تو اس کو لفظوں میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، ضمیر لائیں گے خود بخود بات سمجھ میں آجائے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مرجع، بھئی مرجع پہلے مرجع آتا ہے کہ ضمیر آتی ہے؟ مرجع، مرجع تبھی لائیں گے ناجب ذہن میں ایک چیز حاضر نہیں ہے تاکہ پتہ لگ جائے سننے والے کو کہ یہ مرجع ہے، اب آگے ضمیر آئے گی تو اس کو پتہ چل جائے گا یہ مرجع ہے۔ اور ایک چیز جو ہر وقت ذہن میں موجود ہے اس کو تو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، ضمیر لائیں گے وہ چیز تو ویسے ہی ذہن میں موجود ہے خود انسان سمجھ جائے گا کہ اس سے یہ مراد ہے۔ تو شاعر دیکھیے اگلے شعر میں کیا کرتا ہے؟ مقام تھا اسم ظاہر کا وہ ضمیر لاتا ہے یہ بتلانے کے لیے کہ اس ضمیر کا مرجع وہ ہر وقت ذہن میں حاضر ہے، ذہن سے وہ نکلا ہی نہیں کہ اس کو پھر ذکر کرنے کی ضرورت پڑے اور مرجع کو تلاش کرنا پڑے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

كَادِّعَاءِ أَنَّ مَرْجِعَ الضَّمِيرِ دَائِمُ الْحُضُورِ فِي الذِّهْنِ جیسے یہ دعویٰ کرنے کے لیے کہ ضمیر کا مرجع جو ہے دَائِمُ الْحُضُورِ فِي الذِّهْنِ ہمیشہ حاضر ہے ذہن میں۔ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے کہ شاعر کا قول ہے أَبَتِ الْوِصَالَ مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ وَأَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ۔ الظَّلْمَاءِ میں یہ لام پر جزم ہونا

چاہیے، لام ساکن ہے اور الف کے بعد ہمزہ ہونی چاہیے الظَّلْمَاءِ، الف کے بعد ہمزہ ہونی چاہیے بھئی جیسے پہلے مصرعے میں الف کے بعد ہمزہ ہے۔ اس شعر میں شاعر اپنی محبوبہ اور معشوقہ کا ذکر کر رہا ہے اور کہتا ہے أَبَتِ الْوِصَالَ۔ وصال کہتے ہیں ملاقات کو، أَبَى يَأْبَى کے معنی ہوتے ہیں انکار کرنے کے، أَبَتْ اس نے انکار کر دیا ہے الْوِصَالَ ملاقات کا۔ اس نے، شاعر غم کی حالت میں ہے بھئی اور غمگین ہو کر یہ شعر کہہ رہا ہے کہ میری محبوبہ نے میرے ساتھ ملاقات سے انکار کر دیا ہے۔ کیوں انکار کیا ہے؟ مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ۔ مخافت خوف بھئی، اور الرُّقَبَاءِ جمع ہے رَقِيبٌ کی اور رقیب کہتے ہیں حاسد اور مخالف جو ہے، حاسدین اور مخالفین جو ہیں۔ اصل میں رقیب کا معنی ہوتا ہے نگہ رکھنے والا، تاک میں رہنے والا، تو مخالفین اور حاسدین بھی کیا ہوتے ہیں اپنے دشمن کی تاک میں رہتے ہیں تو اس لیے ان کو رقیب کہتے ہیں۔ تو کہتا ہے أَبَتِ الْوِصَالَ میری محبوبہ نے ملاقات سے انکار کر دیا ہے مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ رقیبوں کے خوف کی وجہ سے۔ وَأَتَتْكَ اور حال یہ ہے کہ وہ تیرے پاس آئی ہے، یہ اب اپنے آپ کو خطاب کر رہا ہے، شاعر کس کو خطاب کر رہا ہے؟ اپنے آپ کو، اور حال یہ ہے کہ وَأَتَتْكَ کہ وہ تیرے پاس آئی ہے تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ۔ مَدَارِع جمع ہے مِدْرَعٌ کی اور مِدْرَعٌ کہتے ہیں جبے کو بھئی اور اسی طرح چوغہ جو ہے، چوغہ، یعنی قمیص کے اوپر جو چیز پہنی جاتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مِدْرَعٌ۔ تو یہ وَأَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ اور حال یہ ہے کہ وہ تیرے پاس آئی ہے تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ، الظَّلْمَاءِ تاریکی، تاریکیوں کے جبوں کے نیچے، اور تحقیق وہ تیرے پاس آئی ہے تاریکیوں کے جبوں کے نیچے۔ گویا تاریکی کو کس کے ساتھ تشبیہ دے دی؟ جبے کے ساتھ، جیسے جبہ پہن لیتا ہے انسان اس کے اندر اس کا پورا بدن چھپ جاتا ہے اسی طرح تاریکی بھی ایک جبے اور ایک چادر کی طرح ہے جو ہر چیز کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ اور حال یہ ہے کہ وہ تیرے پاس، یہ شاعر اپنے آپ کو خطاب کر رہا ہے کہ اس وقت تو اس نے میرے ساتھ ملاقات سے انکار کر دیا ہے لیکن حال یہ ہے کہ وہ کئی مرتبہ تاریکیوں کے چوغوں کے نیچے مجھ سے ملاقات کے لیے آچکی ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اردو میں بامحاورہ یوں ترجمہ کر لیں وَأَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ اور حال یہ ہے کہ وہ تیرے پاس آچکی ہے تاریکیوں کے پردوں کے نیچے، بامحاورہ ترجمہ یوں۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

تو دیکھیے یہاں شاعر نے کہا أَبَتْ، هِيَ ضمیر اس کے اندر فاعل ہے اور وہ راجع ہے محبوبہ کو۔ تو پہلے مرجع ہونا چاہیے تھا پھر یہ ضمیر آنی چاہیے تھی۔ اسی طرح وَأَتَتْكَ، یہ أَتَتْ میں بھی هِيَ ضمیر ہے، تو یہ ضمیریں آ گئیں حالانکہ پہلے کس کو ذکر کرنا چاہیے تھا؟ مرجع کو یعنی اسم ظاہر کو، تو اسم ظاہر کی جگہ ضمیر کو استعمال کر لیا گیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ وہ ذات ہے جو میرے دل سے کبھی نکلتی نہیں ہے، ہر وقت میرے دل میں موجود ہے۔ جب موجود ہے تو اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، بغیر ذکر کیے ہی ضمیر لوٹائی جائے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ تو شاعر کہتا ہے أَبَتِ الْوِصَالَ مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ وَأَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ، میری محبوبہ نے ملاقات سے انکار کر دیا ہے رقیبوں کے خوف کی وجہ سے اور حال یہ ہے کہ وہ کئی مرتبہ تاریکیوں کے پردوں کے نیچے میرے پاس آچکی ہے۔ الْفَاعِلُ ضَمِيرٌ لَمْ يَتَقَدَّمْ لَهُ مَرْجِعٌ فاعل جو ہے وہ ایسی ضمیر ہے کہ لَمْ يَتَقَدَّمْ لَهُ مَرْجِعٌ کہ مقدم نہیں ہوا اس کا کوئی مرجع، فاعل جو ہے ایسی ضمیر ہے جس کا کوئی مرجع مقدم نہیں ہوا فَمُقْتَضَى الظَّاهِرِ الْإِظْهَارُ تو مقتضائے ظاہر کیا تھا؟ اظہار ہونا چاہیے تھا یعنی اسم ظاہر ہونا چاہیے تھا، لیکن شاعر نے اسم ظاہر یعنی مقتضائے ظاہر سے عدول کیا اور کس کو استعمال کیا؟ ضمیر کو استعمال کیا کیا بتلانے کے لیے؟ کہ اس ضمیر کا مرجع ہر وقت دل میں حاضر ہے اور موجود ہے۔

تو یہ ایک نکتہ ہوا کس چیز میں؟ کہ اسم ظاہر کے مقام میں ضمیر لائی جاتی ہے۔ دوسرا نکتہ کبھی کس لیے ایسا کیا جاتا ہے؟ وَتَمْكِينِ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ فِي نَفْسِ السَّامِعِ۔ تمکین کا معنی ہے بٹھا دینا، جما دینا۔ اور وَتَمْكِينِ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ اور ضمیر کے مابعد جو ہے اس کو بٹھا دینا فِي نَفْسِ السَّامِعِ سننے والے کے نفس میں لِتَشَوُّقِهِ إِلَيْهِ أَوَّلًا۔ تشوق کا معنی ہے شوق دلانا، رغبت دلانا، لِتَشَوُّقِهِ إِلَيْهِ اس کی طرف رغبت دلاتے ہوئے أَوَّلًا شروع میں، أَوَّلًا شروع میں۔ بھئی دیکھیے یہ بات اب کر رہے ہیں ضمیر شان اور ضمیر قصہ اور اس جیسی ضمیروں کے بارے میں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ ہر ضمیر کا پہلے مرجع ذکر ہوتا ہے اور بعد میں ضمیر ذکر ہوتی ہے۔ غائب کی ضمیر میں کیا ضابطہ ہے؟ کہ پہلے کیا ذکر ہونا چاہیے؟ پہلے مرجع ذکر ہونا چاہیے پھر کیا ہونی چاہیے؟ ضمیر ذکر ہونی چاہیے تاکہ سننے والے کو بات اچھی طرح سمجھ میں آئے کہ یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے، اس سے کون مراد ہے۔ لیکن یہ ضمیر شان اور ضمیر قصہ اس میں ضمیر پہلے آتی ہے اور مرجع بعد میں آتا ہے اور اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے ضمیر ذکر کر دی جاتی ہے اور جب ضمیر آ گئی اور مرجع نہیں آیا تو سننے والے کے دل میں طلب اور تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ ضمیر آ گئی مرجع نہیں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے ذہن میں طلب پیدا ہو جاتی ہے کہ اس ضمیر کا مرجع کیا ہے، اس سے مراد کیا ہے، اور پھر آگے اگلا جملہ اس کی تفسیر کر دیتا ہے اسی ضمیر کی، اسی ضمیر کی تفسیر۔ تو دل میں طلب پیدا ہو چکی تھی اس کے بعد جب اگلی بات آئی وہ ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے ایک بات جو ہے بغیر طلب کے آپ کو ملے اور ایک بات طلب کے بعد ملے کون سی بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھے گی؟ جو طلب کے بعد ملے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟

تو ضمیر شان اور ضمیر قصہ یہ مبہم ضمیر ہوتی ہے آگے آنے والا جملہ ان کی تفسیر کرتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں هُوَ شان یہ ہے زَيْدٌ قَائِمٌ کیا شان ہے کہ زید کھڑا ہے، یہ هُوَ ضمیر ضمیر شان ہے اور زَيْدٌ قَائِمٌ اسی کی تفسیر کر رہا ہے۔ کیا شان ہے، کیا حال ہے؟ شان کا کیا معنی؟ حال۔ کیا حال ہے؟ آگے بتلا دیا کیا حال، حال کیا ہے؟ کہ زید کھڑا ہے، یہ حال ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ضمیر شان ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے آگے آنے والا جملہ کیا کرتا ہے اس کی؟ تفسیر۔ تو کیا کہا میں نے هُوَ زَيْدٌ قَائِمٌ شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ تو جیسے ہی آپ نے شروع میں کہا هُوَ سننے والا فوراً متوجہ ہوا کہ غائب کی ضمیر شروع میں ہی آ گئی پیچھے تو مرجع ہی کوئی نہیں، اس سے کیا مراد ہے اس کا کیا معنی ہے؟ دل میں طلب پیدا ہوئی، ساتھ ہی آگے آ گیا زَيْدٌ قَائِمٌ تفسیر آ گئی، دل میں طلب پیدا ہو چکی تھی اب جو زَيْدٌ قَائِمٌ کا جملہ ہے اور یہ جو بات ہے وہ اس کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ گئی، جم گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہی ضمیر مذکر کی ہو تو یہ ضمیر شان کہلاتی ہے اور یہی ضمیر مؤنث کی ہو تو یہ ضمیر قصہ کہلاتی ہے، بات ایک ہی ہے۔ مذکر میں کہیں گے شان یہ ہے زَيْدٌ قَائِمٌ کہ زید کھڑا ہے اور مؤنث میں کہیں گے هِيَ زَيْنَبُ قَائِمَةٌ قصہ یہ ہے کہ زینب کھڑی ہے۔ اور کہاں ضمیر شان لاتے ہیں کہاں ضمیر قصہ؟ مذکر والی ضمیر کہاں لائیں گے مؤنث والی کہاں؟ دونوں ہیں ایک ہی چیز، دونوں کی آگے آنے والا جملہ تفسیر کرتا ہے لیکن مذکر میں کہتے ہیں ضمیر شان اور مؤنث میں کہتے ہیں ضمیر قصہ۔ تو یاد رکھیے جو آگے جملہ ہے جو اس کی تفسیر بیان کر رہا ہے اس کے مسند الیہ کو دیکھیں گے، اگر اس کا مسند الیہ مذکر ہے تو ضمیر شان لے کر آئیں گے مذکر والی، اور اگر اس کا مسند الیہ مؤنث ہے تو ضمیر قصہ یعنی مؤنث والی ضمیر لے کر آئیں گے۔ اس لیے کہا میں نے جملہ کیا تھا زَيْدٌ قَائِمٌ تو زَيْدٌ ہے مسند الیہ مذکر تو یہاں ضمیر شان کس طرح لائیں گے کیا کہیں گے؟ هُوَ زَيْدٌ قَائِمٌ، اور اگر ہو تا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ پھر کیا کہتے؟ هِيَ زَيْنَبُ قَائِمَةٌ قصہ یہ ہے کہ زینب کھڑی ہے۔ تو یہ جو ضمیر شان یا ضمیر قصہ لائی جاتی ہے اس میں مقصد ہی کیا ہوتا ہے؟ اس میں جان بوجھ کر ضمیر ہی کو پہلے لایا جاتا ہے مرجع آتا ہی بعد میں ہے، اور کیا مقصد ہوتا ہے نکتہ کیا ہوتا ہے؟ تاکہ ضمیر لا کر سننے والے کے دل میں شوق پیدا کر دیا جائے کہ اس کا مرجع کیا ہے، مرجع کا تو پتہ ہی نہیں اور ضمیر آگئی، اور شوق کے بعد جو پھر آگے اگلی بات جب آئے گی وہ اس کے ذہن میں اچھی طرح جم جائے گی اور بیٹھ جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَتَمْكِينُ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ فِي نَفْسِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَتَمْكِينُ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ فِي نَفْسِ السَّامِعِ اور بٹھانے کے لیے وہ جو ضمیر کے بعد ہے اس کو، ضمیر کے جو بعد ہے اس کو بٹھانے کے لیے فِي نَفْسِ السَّامِعِ کس کے نفس میں؟ سامع سننے والے کے نفس میں۔ کس چیز کو بٹھانا ہے؟ کتاب پر نظر رکھیں، سامع کے نفس میں بٹھانا کس چیز کو؟ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ وہ جو ضمیر کے بعد ہے، اور ضمیر کے بعد کیا آرہا ہے؟ اسی ضمیر کی تفسیر آرہی ہے، کیا آرہی ہے؟ اسی کی تفسیر آرہی ہے۔ تو وہ بٹھانے کے لیے وَتَمْكِينُ مَا بَعْدَ، وَتَمْكِينُ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ فِي نَفْسِ السَّامِعِ اور بٹھانا، نہیں وَتَمْكِينِ مجرور پڑھیں بھئی، اس کا عطف بھی اِدِّعَاءِ پر ہے۔ وَتَمْكِينِ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ فِي نَفْسِ السَّامِعِ اور ضمیر کے مابعد کو سننے والے کے نفس میں بٹھانے کے لیے لِتَشَوُّقِهِ إِلَيْهِ أَوَّلًا، کیوں؟ کس طرح بٹھانے کے لیے؟ بوجہ رغبت دلانے کے اس کی طرف أَوَّلًا پہلے، پہلے اس کی طرف رغبت دلاتے ہوئے۔ کس طرح پہلے اس کی طرف رغبت دلائی گئی اور شوق دلایا گیا؟ ضمیر لائی گئی، پہلے ضمیر لائی گئی اس طرح شروع میں اس کو شوق دلا دیا گیا تو پھر مابعد ضمیر جو ہے اس کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر هِيَ النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ۔ شان یہ ہے کہ نفس جو ہے انسان کا مَا حَمَّلْتَهَا جس قدر تم اس پر بوجھ ڈالو گے تَتَحَمَّلُ تو یہ اس کو اٹھالے گا۔ اصل یہ ہے کلام، صرف هِيَ کو ذرا ہٹا دو، النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ نفس جو ہے اس پر جس قدر آپ ذمہ داری ڈالیں گے، جتنا بوجھ ڈالیں گے تَتَحَمَّلُ وہ کیا کرے گا اس کو؟ اٹھالے گا، اس کو برداشت کر لے گا۔ تو اب اسی سے پہلے ضمیر شان، ضمیر قصہ لے آئے کیونکہ نفس کا لفظ کیا ہے؟ مؤنث سماعی ہے۔ قصہ هِيَ قصہ یہ ہے، کیا پورا کلام کیا ہوا؟ هِيَ النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ، تو هِيَ کون سی ضمیر ہے؟ ضمیر قصہ، هِيَ قصہ یہ ہے، اب فوراً شوق پیدا ہوا کہ ضمیر آگئی کیا مراد ہے اس کا معنی کیا ہے؟ آگے تفسیر آگئی النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ کہ نفس جو ہے اس کو جس قدر آپ اس پر بوجھ ڈالیں وہ اس کو کیا کر لیتا ہے؟ برداشت کر لیتا ہے یعنی اللہ نے اس کو اتنی قوت دی ہے، اس کو جتنی مشقت کا عادی بنائیں گے یہ عادی ہوتا چلا جائے گا، اس پر جتنی، جتنا بوجھ اور جتنی ذمہ داریاں ڈالیں گے اس کا حوصلہ بلند ہوتا چلا جائے گا بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟ تو اس سے پہلے یہ ضمیر قصہ ذکر کی۔

اور جیسے هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، یہ هُوَ ضمیر شان ہے، شان یہ ہے، ذہن متوجہ ہو گیا کہ ضمیر آگئی مرجع تو پہلے ہے ہی نہیں، تو پہلے ہی رغبت دلا دی، شروع میں کیا دلا دی گئی؟ رغبت دلا دی گئی، شوق پیدا ہو گیا دل میں کہ اس سے کیا مراد ہے، طلب پیدا ہو گئی، آگے آگیا اللَّهُ أَحَدٌ اللہ یکتا ہے، اللہ یکتا ہے، اللہ ایک ہیں۔ تو ذہن میں بات اچھی طرح اتر گئی۔

اور جیسے نِعْمَ التِّلْمِيذُ الْمُؤَدَّبُ۔ نِعْمَ، آگے آرہا ہے تِلْمِيذُ الْمُؤَدَّبِ، بھئی یہ التِّلْمِيذُ ہونا چاہیے الف لام اس پر ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ الف لام، التِّلْمِيذُ موصوف الْمُؤَدَّبُ اس کی صفت۔ اور نِعْمَ آیا، نِعْمَ جو ہے فعل مدح ہے یعنی یہ انشائے مدح کے لیے ہے، کسی کی تعریف کرنے کے لیے، کسی کی تعریف کرنے کے لیے۔ بھئی دیکھیے یہ انشائے مدح کے لیے ہے، نِعْمَ کیا ہے؟ کسی کی مدح کو وجود دینے کے لیے ہے، لہٰذا اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ انشائے مدح کے لیے ہے خبر کے لیے نہیں۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں کہ زید بڑا اچھا آدمی ہے تو آپ کہیں گے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ کتنا ہی اچھا ہے وہ آدمی، کون؟ زَيْدٌ یعنی کہ زید، کتنا ہی اچھا زید کتنا ہی اچھا آدمی ہے۔ اب آپ نے زید کی تعریف کر دی اور آپ کو کوئی سچا یا جھوٹا بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بجائے اگر آپ دوسرا فعل استعمال کرتے زَيْدٌ رَجُلٌ كَرِيمٌ مثلاً کہتے، اب زید سخی آدمی ہے اس میں بھی تعریف آرہی ہے لیکن یاد رکھیے یہ خبر ہے اور خبر کے کہنے والے کو کوئی سچا یا جھوٹا کہہ سکتا ہے، آپ نے کہا زَيْدٌ رَجُلٌ كَرِيمٌ دوسرا آدمی آپ کو کہہ سکتا ہے آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن اگر آپ کہیں نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ زید کتنا ہی اچھا آدمی ہے، اب کوئی آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا کیونکہ آپ نے کوئی خبر دی ہی نہیں ہے، آپ نے تو کیا کیا ہے؟ انشائے مدح کی ہے کسی کی تعریف کی ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ جیسے کسی کو ندا دیں يَا زَيْدُ کوئی اس میں آپ کو جھوٹا یا سچا کہہ سکتا ہے؟ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ انشاء ہے۔ اِضْرِبْ عَمْرًا آپ کسی کو کہتے ہیں اِضْرِبْ عَمْرًا عمرو کی پٹائی کرو، کوئی آپ کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتا ہے؟ نہیں کیونکہ امر ہے، انشاء ہے۔ تو انشاء کے اندر سچا یا جھوٹا کسی کو نہیں کہا جا سکتا۔ تو یہاں پر بھی یہ جو افعال مدح وذم ہیں یہ انشائے مدح کے لیے ہیں، مدح کو کسی کی

تعریف بیان کرنے کے لیے ہے جبکہ دوسرے افعال کے ساتھ اگرچہ اس میں بھی تعریف آجائے گی لیکن وہ انشاء نہیں وہ کس قبیل سے ہیں؟ خبر کی قبیل سے ہیں اور اس میں خبر دینے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے۔

تو یہاں یہ لفظ ہونا چاہیے تھا التِّلْمِيذُ، الف لام ہونا چاہیے تھا اور یہ موصوف اور الْمُؤَدَّبُ اس کی صفت۔ اور آپ نے پڑھا ہے افعال مدح وذم جو ہیں وہ ان کے لیے ایک فاعل چاہیے اور ایک مخصوص بالمدح یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے، فاعل چاہیے اور فاعل ایک صورت یہ ہے کہ اس کے اندر ہی ضمیر ہو جیسا یہاں ہے۔ نِعْمَ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے، نِعْمَ هُوَ وہ کتنا اچھا ہے، آگے آیا التِّلْمِيذُ الْمُؤَدَّبُ وہ شاگرد جو باادب ہے، وہ شاگرد جو باادب۔ اب دیکھیے نِعْمَ کے اندر هُوَ ضمیر آگئی، ابھی پہلے مرجع ہونا چاہیے تھا یا ضمیر ہونی چاہیے تھی؟ پہلے مرجع، لیکن ضمیر استعمال کرلی گئی اور آگے التِّلْمِيذُ الْمُؤَدَّبُ اس کا مرجع بعد میں ذکر ہوا۔ تو جب کہا گیا نِعْمَ وہ کتنا اچھا ہے، فوراً شوق پیدا ہوگیا کہ ضمیر آگئی مرجع تو ابھی تک آیا ہی نہیں اس سے کون مراد ہے؟ ساتھ ہی آگے آگیا التِّلْمِيذُ الْمُؤَدَّبُ وہ شاگرد جو باادب ہو، تو اب بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھ گئی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو لہٰذا یہ التِّلْمِيذُ ہونا چاہیے کہ الْمُؤَدَّبُ اس کی صفت بنے اور پھر اس کو مخصوص بالمدح بنائیں گے، اس موصوف صفت کو کیا بنائیں گے؟ مخصوص بالمدح بنالیں گے اور جبکہ نِعْمَ کے لیے جو فاعل چاہیے وہ اسی کے اندر ضمیر ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور اس کی تائید حاشیے سے بھی ہوتی ہے کہ التِّلْمِيذُ الف لام ہونا چاہیے، حاشیے میں بھی انہوں نے أَيْ نِعْمَ التِّلْمِيذُ دیا ہوا ہے۔

وَعَكْسُهُ اور کبھی اس کا عکس کیا جاتا ہے۔ پہلے تو کیا تھا؟ مقام اسم ظاہر کا تھا اور کس کو ذکر کر دیا گیا؟ ضمیر کو، اور وہ کئی نکات کی بنا پر ہوتا ہے جو انہوں نے ذکر کر دیے جیسے کبھی کہنے والے کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ ضمیر کا مرجع ہر وقت ذہن میں حاضر ہے، اور کبھی اس میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامع کے دل میں شوق پیدا کر دیا جائے تاکہ پھر ضمیر کے مابعد جو اس کی تفسیر آئے وہ اچھی طرح اس کے ذہن میں بیٹھ جائے۔ وَعَكْسُهُ اور کبھی اس کا عکس کیا جاتا ہے أَيِ الْإِظْهَارُ فِي مَقَامِ الْإِضْمَارِ لِغَرَضٍ یعنی اسم ظاہر کو لایا جاتا ہے ضمیر لانے کے مقام میں لِغَرَضٍ کسی غرض کی وجہ سے كَتَقْوِيَةِ دَاعِي الِامْتِثَالِ كَقَوْلِكَ لِعَبْدِكَ سَيِّدُكَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا۔

بھئی دیکھیے آپ کا ایک غلام ہے، آپ نے اپنے غلام سے کہا کہ جاؤ میرے لیے پانی لے کر آؤ۔ غلام جائے گا یا نہیں جائے گا آپ کے لیے پانی لانے؟ آپ کا غلام ہے وہ یقیناً پانی لانے جائے گا۔ بھئی کیوں گیا، وہ پانی لانے کیوں گیا، وجہ کیا ہے؟ کیونکہ اس کے آقا نے اس کو حکم دیا تھا، وہ آپ کا غلام ہے اور غلام تو کیا کرتا ہے اپنے مالک کی ہر بات پر عمل، تو یہاں پر جو اس نے فرمانبرداری کی اور اطاعت کی اس کا داعی موجود تھا، کیا تھا؟ داعی یعنی اس کی طرف دعوت دینے والی ایک چیز موجود تھی، ورنہ ہر آدمی تو آپ کی بات نہیں مانے گا، ہر ایک کو آپ جو کام کہیں وہ کرے گا؟ نہیں، لیکن غلام کو حکم دیں گے وہ آپ کی بات پر عمل کرے گا اس لیے کیونکہ یہاں فرمانبرداری کا ایک داعی پایا جارہا ہے، ایک چیز جو دعوت دے رہی ہے اس بات کی طرف کہ اس کو آپ کی فرمانبرداری کرنی چاہیے، اور وہ داعی کیا ہے؟ کہ وہ آپ کا غلام ہے۔

اسی داعی میں بعض اوقات قوت پیدا کرنے کے لیے آپ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لے آتے ہیں، کیا لے آتے ہیں؟ اسم ظاہر۔ بھئی دیکھیے اپنے بارے میں انسان جب بھی بات کرتا ہے تو ضمیر استعمال کرتا ہے کہ میں نے یوں کیا، میں فلاں جگہ گیا، میری فلاں سے ملاقات ہوئی، یوں ذکر کرتا ہے یا اپنا نام لیتا ہے جگہ جگہ؟ ضمیر بھئی، أَنَا، أَنَا فَعَلْتُ هَكَذَا، أَنَا ضَرَبْتُ زَيْدًا وغیرہ أَنَا ضمیر استعمال کرتا ہے، نام نہیں لیتا متکلم اپنا۔ لیکن بعض اوقات کیا کرتا ہے؟ اب یہ اپنے بارے میں بات کر رہا ہے اور مقام ہے ضمیر کا کیونکہ انسان اپنے بارے میں ضمیر استعمال کرتا ہے لیکن وہ اس فرمانبرداری کے داعی میں قوت پیدا کرنے کے لیے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لے آتا ہے اور اپنے غلام کو یوں کہتا ہے سَيِّدُكَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا تمہارا آقا تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے، تمہارا آقا تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے۔ اب کہنا تو یہ چاہیے تھا أَنَا آمُرُكَ بِكَذَا یا آمُرُكَ بِكَذَا لیکن أَنَا کے بجائے کیا کہا؟ سَيِّدُكَ تمہارا آقا تمہیں اس بات کا حکم دے رہا ہے۔ یہ کیوں کہتا ہے وہ آقا؟ تاکہ فرمانبرداری کے اس داعی کو اس کو اور اس میں قوت پیدا کر دے کہ یہ عام بات نہیں ہے بلکہ کس نے حکم دیا ہے؟ تمہارے آقا نے حکم دیا ہے تمہیں اس کو ضرور پورا کرنا چاہیے۔

■ قولہ: «أَنَا آمُرُكَ» کی تشریح

یا اس سے بہتر مثال بھئی، مثلاً بادشاہ کسی کو حکم دیتا ہے تو ایک صورت یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں تمہیں یہ حکم دے رہا ہوں، أَنَا آمُرُكَ میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔ اور اسی بات کو بعض اوقات بادشاہ یا امیر المؤمنین یوں کہتے ہیں أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا امیر المؤمنین تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ یہ کام تم نے کرنا ہے۔ کہتے ہیں یا نہیں کہتے بادشاہ؟ کیوں کہتے ہیں اس طرح، کیا مقصد ہوتا ہے؟ کہ فرمانبرداری کا جو داعی ہے، اطاعت کا جو داعی ہے اس میں کیا پیدا کر دی جائے؟ قوت پیدا کر دی جائے کہ اس بات کو، اس بات کی ہر حال میں اس شخص کو فرمانبرداری کرنی چاہیے کیونکہ یہ کسی عام آدمی نے اس کو حکم نہیں دیا بلکہ کس نے حکم دیا ہے؟ امیر المؤمنین نے حکم دیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے كَتَقْوِيَةِ دَاعِي الِامْتِثَالِ۔ امتثال کہتے ہیں فرمانبرداری کو، داعی دعوت دینے والا، تقویت کا معنی ہے قوت دینا۔ كَتَقْوِيَةِ دَاعِي الِامْتِثَالِ جیسے فرمانبرداری کے داعی کو قوت دینا ہے كَقَوْلِكَ لِعَبْدِكَ جیسے کہ آپ کا اپنے غلام سے کہنا سَيِّدُكَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا تمہارا آقا تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں سمجھ میں آئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۵: صنعتِ التفات (تکلم، خطاب اور غیبت کا تبادلہ)، تغلیب اور اسلوبِ حکیم کی دو اقسام

دروس البلاغہ صفحہ: ۸۹ــــ بتاریخ: ۱۶ جنوری ۲۰۱۳ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمِنْهَا الْاِلْتِفَاتُ وَهُوَ نَقْلُ الْكَلَامِ مِنْ حَالَةِ التَّكَلُّمِ أَوِ الْخِطَابِ أَوِ الْغَيْبَةِ إِلَى حَالَةٍ أُخْرَى مِنْ ذَلِكَ، فَالنَّقْلُ مِنَ التَّكَلُّمِ إِلَى الْخِطَابِ نَحْوُ: وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ.

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

عِلْمُ الْمَعَانِي کے آٹھ ابواب مکمل ہوئے، اس کا خاتمہ چل رہا ہے اور خاتمے کے اندر یہ بیان کر رہے ہیں مصنف کہ بعض اوقات کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے، یعنی کسی نکتے کا متکلم اعتبار کرتا ہے اور ظاہر حال کے مخالف لے آتا ہے کلام کو۔ تو دوسرے لفظوں میں میں نے بتلایا، یوں کہیے کہ یہاں حال خود تقاضا کرتا ہے کہ کیا کیا جائے؟ ظاہر سے عدول کیا جائے، ظاہر حال کے مطابق کلام نہ لایا جائے بلکہ اس سے عدول کیا جائے بھئی۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں کہ کلام لانا مقتضائے ظاہر کے خلاف۔ اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں جو یہ ذکر کر رہے ہیں۔ آج ہم التفات کے بارے میں پڑھیں گے بھئی، التفات۔

یاد رکھیے کلام کے تین طریقے ہیں بھئی، کلام کے۔ ایک تَکَلُّم ہے، ایک خِطَاب ہے، ایک غَیْبَت ہے بھئی، غَیْبَت۔ تَکَلُّم یعنی متکلم جب اپنے بارے میں کوئی بات کرتا ہے کہ آج میں سبق پڑھنے گیا تھا، میں نے سبق پڑھا، میں نے زید سے ملاقات کی وغیرہ، تو دیکھو میں نے، متکلم اپنی بات کر رہا ہے، کس کی؟ اپنی بات کر رہا ہے، تو اس کو کہتے ہیں تَکَلُّم، تَکَلُّم۔ اور ایک ہے کہ مخاطب کی بات کرتا ہے کہ آپ کا نام زید ہے، آپ فلاں درجے میں پڑھتے ہیں، آپ فلاں جگہ رہتے ہیں، تو دیکھو آپ آپ کے ساتھ بات ہو رہی ہے اور کس کی بات ہو رہی ہے؟ مخاطب کی۔ اس کو کہتے ہیں خِطَاب۔ اور بعض اوقات بات جو ہے وہ کسی غائب تیسرے شخص کی بات ہوتی ہے اور اس کو کہتے ہیں غَیْبَت بھئی، یعنی غائب کے بارے میں بات ہو رہی ہے کہ زید جو ہے وہ نیک لڑکا ہے، زید فلاں درجے میں پڑھتا ہے اور وہ آج سبق میں آیا تھا وغیرہ بھئی۔ تو دیکھو یہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے؟ غائب کے بارے میں۔

تو کلام کے تین طریقے ہیں: ایک تَکَلُّم، ایک خِطَاب اور ایک غَیْبَت۔ تَکَلُّم کے اندر بھی ضمیر استعمال ہوتی ہے کیونکہ متکلم جب اپنے بارے میں بات کرتا ہے تو اپنا نام نہیں لیتا بلکہ ضمیر استعمال کرتا ہے کہ میں ادھر گیا تھا، میں نے یہ کام کیا، میں فلاں جگہ رہتا ہوں وغیرہ۔ دیکھیے میں کا لفظ استعمال کر رہا ہے اور میں اردو کے اندر کیا ہے؟ ضمیر۔ اسی طرح عربی میں أَنَا کہے گا یا نَحْنُ کہے گا، تو متکلم اپنی تعبیر ضمیر سے کرتا ہے۔ اور جو سامنے ہوتا ہے مخاطب جس سے بات کی جا رہی ہو، اس کا بھی نام نہیں لیا جاتا بلکہ اس کے لیے بھی ضمیر استعمال ہوتی ہے، جیسے اردو میں کیا استعمال کرتے ہیں ضمیر؟ آپ بھئی، آپ۔ آپ یا تم، تو وغیرہ بھئی۔ اور غائب جو ہے، غائب کے لیے کبھی تو اس کا نام وغیرہ ذکر ہوتا ہے اور کبھی ضمیر بھئی۔ مثلاً وہ، زید۔ زید اچھا لڑکا ہے، وہ فلاں درجے میں پڑھتا ہے، وہ فلاں جگہ رہتا ہے، تو شروع میں دیکھو نام آیا۔ تو غائب کی تعبیر کبھی کس سے کرتے ہیں؟ نام کے ساتھ۔ اور کبھی کبھار اس کی تعبیر کس سے کرتے ہیں؟ غائب کی ضمیر ہے وہ یا هُوَ کہہ لیں یا هِيَ وغیرہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور پھر اس میں یہ بھی یاد رکھیے کہ جو بھی ضمیر نہیں وہ ہے اسم ظاہر۔ اسم ظاہر اور اسم ضمیر ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ جو بھی ضمیر نہیں وہ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ جیسے یہ قلم، قلم۔ قلم کیا ہے؟ ضمیر ہے؟ ضمیر نہیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ یہ اسم ظاہر۔ کتاب، کتاب ضمیر ہے؟ نہیں، تو یہ اس کو کیا کہیں گے؟ اسم ظاہر۔ تو جو بھی ضمیر نہیں لیکن ہے اسم، اس کو کہتے ہیں اسم ظاہر۔ اور یاد رکھیے اسم ظاہر بھی غائب کے درجے میں ہوتا ہے۔ اسم ظاہر کس کے درجے میں؟ غائب کے درجے میں۔ جیسے زید۔ زید ضمیر ہے؟ ضمیر نہیں۔ کیا ہے؟ معلوم ہوا اسم ظاہر ہے۔ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ اور اسم ظاہر ہے اور نام ہے، اور نام مخاطب کا لیا جاتا ہے؟ نہیں۔ متکلم کا لیا جاتا ہے؟ نہیں۔ نام کس کا

لیا جاتا ہے؟ غائب کا۔ اسی لیے تو یہ زید اسم ظاہر ہے اور یہ عبارت میں ذکر کیا جارہا ہے، معلوم ہوا زید موجود نہیں، نہ وہ متکلم ہے نہ وہ مخاطب ہے، وہ غائب ہے۔ تو لہذا اسم ظاہر کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ غائب کے درجے میں۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ کلام کے کتنے طریقے؟ تین: تَکَلُّم، خِطَاب اور غَیْبَت۔ اور متکلم اپنی تعبیر کس سے کرتا ہے؟ ضمیر کے ساتھ۔ مخاطب کی تعبیر بھی کس سے کرتا ہے؟ ضمیر کے ساتھ۔ اور غائب کی تعبیر کبھی اسم ظاہر کے ساتھ ہوگی اور کبھی ضمیر کے ساتھ۔ گویا آپ کو یہ پتا چل گیا کہ اسم ظاہر وہ غائب کے درجے میں ہے۔ اسم ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے درجے میں ہے۔

اب دیکھیے التفات کا ذکر آیا، التفات۔ تو التفات اس کو کہتے ہیں کہ کلام کے ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف منتقل ہونا، یا یوں کہیں کلام کو ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف منتقل کرنا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ التفات۔ التفات، کیا کہلاتا ہے؟ التفات۔ بھئی بات چل رہی ہے متکلم، تَکَلُّم والا انداز چل رہا ہے اور وہاں تَکَلُّم کا انداز چلتے چلتے اچانک مخاطب والا انداز شروع ہو جائے، تو اس کو کہیں گے التفات۔ کیا کہیں گے؟ التفات، کہ یہ التفات ہوا ہے تَکَلُّم سے خِطَاب کی طرف۔ یا خِطَاب والا انداز چل رہا تھا، چلتے چلتے اچانک غائب والا انداز شروع ہو گیا، تو اس کو کیا کہیں گے؟ التفات، کہ خِطَاب سے التفات ہوا کس کی طرف؟ غَیْبَت کی طرف بھئی۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ تو التفات کلام کے ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف کلام کو منتقل کرنا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ التفات کہلاتا ہے۔

لیکن یاد رکھیے اس میں مثلاً بھئی میں آپ سے کہتا ہوں کہ میرا نام زید ہے، آپ کا نام عمرو ہے، اس کو التفات نہیں کہیں گے۔ میرا نام زید ہے، اب دیکھیے یہ تَکَلُّم ہے۔ آپ کا نام عمرو ہے، دیکھو اب مخاطب کی بات آگئی، لیکن اس کو التفات نہیں کہیں گے۔ التفات اس کو کہتے ہیں کہ مقتضائے ظاہر کے خلاف آپ منتقل ہوں بھئی ایک انداز سے دوسرے کی طرف۔ آپ کس کے خلاف منتقل ہوں؟ مقتضائے ظاہر کے خلاف آپ منتقل ہوتے ہیں۔ بھئی بات کس کی چل رہی ہے؟ کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانا۔ اب دیکھیے مثلاً ایک کلام کا ایک انداز چل رہا ہے اور تَکَلُّم والے صیغے سارے استعمال ہو رہے ہیں، متکلم والے صیغے استعمال ہو رہے ہیں، أَنَا یا نَحْنُ وغیرہ، اور اس سے آپ منتقل ہوتے ہیں کس کی طرف؟ خِطَاب کی طرف، تو اس خِطَاب کی طرف جو منتقل ہوئے اس کو التفات تب کہیں گے جب کہ یہ جو خِطَاب والا صیغہ یا خِطَاب والا جو لفظ لائے ہیں یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہو۔ کیا ہو؟ مقتضائے ظاہر کے خلاف۔ یعنی سننے والا یہاں پر بھی تَکَلُّم ہی کے صیغے کا انتظار کر رہا تھا، آپ نے کون سا استعمال کر دیا؟ خِطَاب والا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ آپ کون سا انداز چلا رہے ہیں؟ تَکَلُّم والا، سارے صیغے اور ساری ضمیریں کون سی ہیں؟ متکلم والی ضمیریں استعمال ہو رہی ہیں اور آگے ایک دم آپ نے کون سی استعمال کر لی؟ مخاطب والی مثلاً، کوئی بھی چاہے مخاطب والی کہہ لیں یا غَیْبَت والی کہہ لیں، مثلاً انداز بدل گیا۔ تو آپ نے مخاطب والی ضمیر استعمال کر لی اور اس مقام پر ہونی متکلم ہی کی ضمیر چاہیے تھی لیکن آپ نے کون سی استعمال کر لی ہے؟ مخاطب والی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو آپ نے مخاطب والی ضمیر استعمال کر لی تو آپ کا کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف ہوا۔ سننے والا تو اس مقام پر بھی انتظار کر رہا تھا کون سی ضمیر ہونی چاہیے؟ متکلم والی ہی ہونی چاہیے جیسے پیچھے تَکَلُّم والی تھی آگے بھی کون سی ہونی چاہیے؟ تَکَلُّم والی ہونی چاہیے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو التفات کب کہیں گے؟ ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف انسان کلام کو منتقل کرے اور یہ منتقل کرنا مقتضائے ظاہر کے خلاف ہو اور سامع اس کا منتظر نہ ہو، سامع تو اور چیز کا انتظار کر رہا تھا، وہ تو منتظر تھا پیچھے تَکَلُّم والے صیغے ہیں تو یہاں بھی کون سا آئے گا؟ تَکَلُّم۔ یا مثلاً پیچھے خِطَاب والے تھے، وہ یہاں بھی انتظار کر رہا تھا خِطَاب والا ہی صیغہ آئے گا لیکن آپ نے غائب والا استعمال کر دیا۔

■ قولہ: «إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ» کی تشریح

دیکھو مثال سے وضاحت ہو گی۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، اے پیغمبر ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ ہونا کیا چاہیے تھا؟ فَصَلِّ لَنَا وَانْحَرْ، پس آپ ہمارے لیے نماز پڑھیے۔ پیچھے تَکَلُّم والا انداز چل رہا ہے، اے پیغمبر ہم نے آپ کو کیا عطا کی؟ خیر کثیر، تو ہمارے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی تو آگے کیا ہونا چاہیے؟ ہمارے لیے، پس آپ ہمارے لیے نماز پڑھیے اور ہمارے لیے قربانی کیجیے کیونکہ ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا گیا فَصَلِّ لَنَا۔ ماقبل میں تو تھا إِنَّا ہم نے، أَعْطَيْنَا ہم نے عطا کی، کون سے صیغے چل رہے ہیں؟ تَکَلُّم والے۔ آگے بھی تَکَلُّم والا ہی ہونا چاہیے، فَصَلِّ لَنَا آپ ہمارے لیے کیا کیجیے؟ نماز پڑھیے۔ لیکن کیا کہا گیا وہاں پر؟ فَصَلِّ لِرَبِّكَ۔ رَبّ کا لفظ استعمال کر لیا گیا اور رَبّ ضمیر ہے یا اسم ظاہر ہے؟ اسم ظاہر۔ اور اسم ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے۔ تو کس طریقے سے کس طریقے کی طرف انتقال ہوا؟ تَکَلُّم سے غَیْبَت کی طرف انتقال ہوا۔ تو یہاں پر سننے والا تو ابھی بھی اسی انتظار میں ہے کہ یہاں کیا ہونا چاہیے؟ فَصَلِّ لَنَا ہونا چاہیے، لیکن انتقال کس کی طرف کیا گیا؟ غَیْبَت کی طرف انتقال کر دیا۔ تو اس کو التفات کہیں گے کہ جو مقتضائے ظاہر کے خلاف ہو اور سننے والا اس کا انتظار نہ کر رہا ہو، وہ تو کسی اور لفظ کا منتظر ہے، وہ تو اس انتظار میں ہے کہ اسی انداز میں کلام آئے گا جیسے پہلے آرہا تھا۔ تَکَلُّم کے صیغے چل رہے ہیں تو آگے بھی تَکَلُّم ہی آئے گا، یا غائب کے چل رہے تھے تو آگے بھی غائب کا ہی انداز آئے گا، یا خِطَاب کے صیغے چل رہے تھے تو آگے بھی کیا آئے گا؟ خِطَاب والا، لیکن وہاں تَکَلُّم کرنے والا، بات کرنے والا انداز بدل دیتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ التفات۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو اس میں کیا ضروری ہے التفات کے اندر؟ کہ جہاں منتقل کیا گیا کلام کو ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف، وہ کیا ہو؟ مقتضائے ظاہر کے خلاف اور سننے والا اس کا منتظر نہ ہو، سننے والا تو اسی گزشتہ انداز کا انتظار کر رہا ہو کہ شاید اسی انداز کا کلام آئے گا لیکن آپ ایک دم دوسرے انداز کی طرف منتقل ہو گئے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ التفات۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

لہذا میرا نام زید ہے، آپ کا نام عمرو ہے، یہاں کوئی التفات ہے؟ نہیں، یہاں کوئی التفات نہیں، کہیں ایسا نہیں کہ آپ انتظار کر رہے ہوں کہ ایک ہی جیسا وہ لفظ آئے گا یا فلاں ضمیر آئے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا جیسے میں کہتا ہوں: أَنَا زَيْدٌ، میں کیا ہوں؟ زید۔ أَنَا ہے ضمیر، کون سا انداز؟ تَكَلُّم والا، تَكَلُّم والا۔ آگے آیا زَيْدٌ، زَيْدٌ کیا ہے؟ اسم ظاہر، اور اسم ظاہر کس کے درجے میں؟ غائب کے درجے میں۔ تو آپ یہ نہ کہیں التفات ہوا ہے أَنَا زَيْدٌ، تَكَلُّم سے کس کی طرف؟ غَيْبَت کی طرف۔ اس لیے کیونکہ أَنَا مبتدا ہے اور جب ضمیر مبتدا آتی ہے تو آگے اس کی خبر آتی ہی اسم ظاہر ہے، وہ آگے خبر تو ضمیر نہیں آئے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، تو یہاں آپ کے، میں نے کہا أَنَا زَيْدٌ، کوئی آپ کے ذہن میں آیا کہ کہیں اس نے تبدیلی کی ہے، کلام کو اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا؟ نہیں۔ لیکن وہاں پر آتا ہے: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ، فوراً آتا ہے یہاں تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ فَصَلِّ لَنَا ہونا چاہیے تھا بھئی۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھیے اس کا فائدہ کیا ہے؟ کیوں کیا جاتا ہے؟ بھئی وجہ یہ کہ كُلُّ جَدِيدٍ لَذِيذٌ، ہر نئی چیز میں لذت ہوتی ہے۔ اور پہلے ایک انداز کلام کا چل رہا ہے، اگر سارا ہی کلام ایک انداز میں چلتا رہے تو سننے والے کی اتنی توجہ نہیں رہے گی، لیکن جب انداز بدلتا ہے، نئے طرح کا کلام آتا ہے تو سننے والے کی توجہ بڑھ جاتی ہے اور اس کو سننے میں لذت محسوس ہوتی ہے، کلام کی شیرینی اور حلاوت جو ہے وہ بڑھ جاتی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں: وَمِنْهَا الْاِلْتِفَاتُ اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ التفات ہے، وَهُوَ نَقْلُ الْكَلَامِ مِنْ حَالَةِ التَّكَلُّمِ أَوِ الْخِطَابِ أَوِ الْغَيْبَةِ اور وہ نقل کرنا ہے کلام کو تَكَلُّم یا خِطَاب یا غَيْبَت کی حالت سے إِلَى حَالَةٍ أُخْرَى مِنْ ذَلِكَ ایک دوسری حالت کی طرف مِنْ ذَلِكَ جو اس، حالت کی طرف أُخْرَى مِنْ ذَلِكَ جو دوسری سے الگ ہو، دوسری سے علیحدہ ہو، دوسری کے علاوہ ہو۔

فَالنَّقْلُ مِنَ التَّكَلُّمِ إِلَى الْخِطَابِ اور یاد رکھیے تین طریقے ہیں نا، اور ہر طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف انتقال ہو سکتا ہے، تو التفات کی چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ تَكَلُّم سے انتقال ہو کس کی طرف؟ خِطَاب کی طرف، یا تَكَلُّم سے انتقال ہو کس کی طرف؟ غَيْبَت کی طرف۔ اور اسی طرح غَيْبَت سے بھی، غَيْبَت سے انتقال ہو کس کی طرف؟ تَكَلُّم کی طرف، یا غَيْبَت سے انتقال ہو کس کی طرف؟ خِطَاب کی طرف، اس میں بھی دو صورتیں۔ یا خِطَاب سے انتقال ہو کس کی طرف؟ غَيْبَت کی طرف، یا خِطَاب سے انتقال ہو کس کی طرف؟ تَكَلُّم کی طرف، تو چھ صورتیں یہاں بنتی ہیں۔ یہ ایک دو مثالیں ذکر کریں گے بھئی۔

فَالنَّقْلُ مِنَ التَّكَلُّمِ إِلَى الْخِطَابِ پس نقل کرنا تَكَلُّم سے خِطَاب کی طرف اس کی مثال نَحْوُ مثال کے طور پر: وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ وَمَا لِيَ اور مجھے کیا ہوا ہے کہ لَا أَعْبُدُ کہ میں عبادت نہ کروں الَّذِي اس ذات کی فَطَرَنِي جس نے مجھے پیدا کیا۔ فَطَرَ کا کیا معنی ہے طاء کے ساتھ؟ فَطَرَ پیدا کرنا۔ الَّذِي فَطَرَنِي جس نے مجھے پیدا کیا وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ بھئی دیکھیے یہاں پر ما قبل میں وَمَا لِيَ مجھے کیا ہوا، کس کی بات چل رہی ہے؟ متکلم کی، تو تَكَلُّم کا انداز ہے۔ لَا أَعْبُدُ کہ میں عبادت نہ کروں، کون سا صیغہ ہے؟ متکلم والا۔ الَّذِي فَطَرَنِي، نِي، فَطَرَنِي، یہ آخر میں کون سی ضمیر ہے؟ متکلم کی ہے۔ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، تو دیکھو التفات ہوا تَكَلُّم سے خِطَاب کی طرف۔ ما قبل میں سارے متکلم اپنی بات کر رہا ہے اور آگے آیا وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اسی کی طرف تم لوگ لوٹائے جاؤ گے، تو کس کی طرف انتقال ہوا؟ تَكَلُّم سے خِطَاب کی طرف۔ تو ذہن تو یہ کہتا ہے کہ یہاں بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ تَكَلُّم والا، اور ہونا چاہیے تھا وَإِلَيْهِ أَرْجِعُ اسی کی طرف میں لوٹوں گا، اسی کی طرف میں لوٹوں گا۔ یا یہاں پر تُرْجَعُونَ مجہول کا صیغہ ہے، آپ مجہول کا مثلاً ہونا یہ چاہیے تھا وَإِلَيْهِ أُرْجَعُ اسی کی طرف میں لوٹایا جاؤں گا بھئی۔

بھئی یہاں التفات سمجھ میں آگیا سب کو؟ تو یہ حبیب نجار حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے اصحاب میں سے ایک شخص اور اہل ایمان میں سے، یہ ان پر ایمان لائے تھے اور ان کو حضرت عیسی علیہ السلام نے دعوت دینے کے لیے بستی والوں کی طرف بھیجا اور یہ ان سے اب بستی والوں کو جا کر دعوت دے رہے ہیں اور ان سے کہتے ہیں: وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي۔ یہ خود تو صحابی، صحابی ہیں بھئی پیغمبر کے اور اس بستی والوں کو کیا کر رہے ہیں؟ دعوت دے رہے ہیں جو ایمان پر نہیں۔ یہ خود اہل ایمان میں سے ہیں جو بات کر رہے ہیں، تو کیا کہتے ہیں: وَمَا لِيَ مجھے کیا ہوا کہ میں لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا، وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور اسی کی طرف تم لوٹائے۔ تو اصل میں تو، اصل میں تو سارا کلام ہی یوں ہونا چاہیے تھا کہ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے تم اس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا کیے جاؤ گے؟ لوٹائے جاؤ گے۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ اسی کی طرف۔ تو ہونا تو خِطَاب، یہ تو خود ایمان لا چکے ہیں، تو بات تو ان کی کر رہے ہیں کہ تم لوگوں کو کیا ہوا تم اس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، لیکن انداز، اس انداز میں بات کریں تو شاید ان لوگوں کو برا لگے، اس لیے اپنے، اپنے متکلم والے صیغے استعمال کیے کہ مجھے کیا ہوا کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا، یعنی مجھے تو یقیناً اسی کی عبادت کرنی چاہیے، وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے بھئی۔ تو التفات کیا بھئی۔ تو التفات کیا خِطَاب کی طرف۔ اور اصل میں تو ہونا ہی سارا کلام کون سا چاہیے تھا؟ خِطَاب والا ہونا چاہیے تھا لیکن انہوں نے اپنے بارے میں اپنے صیغے شروع میں استعمال کیے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ میں تم لوگوں کے لیے بھی وہی بات پسند کرتا ہوں جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ یہ میں تمہیں کوئی ایسا عام سا مشورہ نہیں دے رہا بلکہ ایک بڑا ہی مخلصانہ مشورہ دے رہا ہوں کہ جو بات میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لیے بھی پسند کر رہا ہوں بھئی۔

■ قولہ: «أَيْ أَرْجِعُ» کی تشریح

أَيْ أَرْجِعُ، اس کو أَرْجِعُ پڑھ لیں یا أَيْ أُرْجَعُ، کیا پڑھ لیں؟ أُرْجَعُ، اسی کی طرف میں لوٹایا جاؤں گا۔ تو یہ پہلا طریقہ۔ وَمِنَ التَّكَلُّمِ إِلَى الْغَيْبَةِ اور تکلُّم سے غَيْبَت کی طرف نقل کی مثال نَحْوُ مثال کے طور پر: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اے پیغمبر بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی، پس آپ نماز پڑھیے اپنے پروردگار کے لیے اور قربانی کیجیے۔ تو یہاں پر بھی إِنَّا تکلُّم والا انداز چل رہا ہے، أَعْطَيْنَا ہم نے عطا کی، آگے کیا آیا؟ فَصَلِّ لِرَبِّكَ اور رَبِّكَ آیا اور رَبُّكَ کیا ہے؟ اسم ظاہر ہے، تو تکلُّم سے انتقال ہوا کس کی طرف؟ غَيْبَت کی طرف۔

وَمِنَ الْخِطَابِ إِلَى التَّكَلُّمِ اور خِطَاب سے تکلُّم کی طرف نقل کرنا كَقَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

أَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ ... وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيبُ عَلَى قَذَالِي

شاعر اپنے آپ کو خِطَاب کر رہا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے: أَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ۔ طَلَبَ يَطْلُبُ کے معنی ہیں طلب کرنا۔ وَصْل کہتے ہیں ملاقات کو۔ جَمَال، جمال اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے حسن و جمال بھئی۔ رَبَّات بھئی، بھئی رَبٌّ، رَبٌّ کا ایک، رَبّ کا ایک معنی ہے پروردگار، اسی طرح رَبّ کا ایک معنی ہے مالک، مالک۔ آپ نے فقہ کی کتابوں میں بھی پڑھا ہو گا رَبُّ الْمَالِ، کیا معنی ہوتا ہے رَبُّ الْمَالِ؟ مال کا جو مالک ہے، مال کا مالک۔ اسی کی مؤنث آتی ہے رَبَّةٌ، مؤنث کیا آتی ہے؟ رَبَّةٌ۔ اور اسی کی یہ جمع ہے رَبَّات۔ رَبَّاتُ الْجَمَالِ حسن و جمال کی جو مالکائیں ہیں، یعنی یوں کہو جو حسینائیں ہیں۔ رَبَّاتُ الْجَمَالِ کا کیا معنی؟ حسینائیں۔ شاعر اپنے آپ کو خِطَاب کرتے ہوئے کہتا ہے: أَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ، کیا تو حسیناؤں کی ملاقات کو طلب کرتا ہے؟ اپنے آپ کو کیا کہہ رہا ہے؟ کیا تو حسیناؤں کی ملاقات کو طلب کرتا ہے، کیا تو حسیناؤں کی ملاقات چاہتا ہے؟ وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيبُ عَلَى قَذَالِي۔ یہ واؤ حالیہ ہے، اور حال یہ ہے کہ تحقیق سَقَطَ گر چکا ہے الْمَشِيبُ، مَشِيب کہتے ہیں بڑھاپا، یعنی سفید بال اور بڑھاپا۔ اور تحقیق گر چکا ہے یعنی اتر چکا ہے الْمَشِيبُ بڑھاپا عَلَى قَذَالِي، قَذَال ذال کے ساتھ بھئی، قَذَال۔ قَذَال کہتے ہیں بھئی ایک ہے یہ گردن کا سامنے والا حصہ سینے کی طرف، اور ایک ہے گردن کا پچھلا حصہ کمر کی جانب جو ہے، اس کو کہتے ہیں قَذَال بھئی، یعنی گدی۔ قَذَال کا کیا معنی؟ گدی، یعنی گردن کا جو پچھلا حصہ ہے۔ اور اسی طرح سر کا جو آخری حصہ ہے گردن کی طرف اس کو بھی قَذَال کہتے ہیں۔ تو یہاں مراد سر ہے بھئی۔ قَذَال سے کیا مراد ہے؟ سر۔ ہاں گدی مراد نہیں ہے بلکہ سر مراد ہے کیونکہ سر کے آخری حصے کو بھی قَذَال کہتے ہیں تو وہ حصہ بول کر پورا سر مراد ہے۔ اور تحقیق سَقَطَ الْمَشِيبُ عَلَى قَذَالِي اتر چکا ہے، گر چکا ہے یعنی اتر چکا ہے الْمَشِيبُ بڑھاپا عَلَى قَذَالِي میرے سر پر، یعنی میرے بال سفید ہو گئے ہیں۔

اب دیکھیے ماقبل میں کیا تھا؟ خِطَاب کر رہا تھا اپنے آپ کو، تو یہاں پر بھی ہونا چاہیے تھا اور تحقیق بڑھاپا اتر چکا ہے عَلَى قَذَالِكَ تمہارے، تمہارے سر پر۔ لیکن شاعر نے کاف ضمیر کے بجائے کون سی ضمیر استعمال کر لی؟ متکلم کی۔ ہونا تو چاہیے تھا کہ بڑھاپا اتر چکا ہے، اپنے آپ کو خِطَاب کر رہا ہے نا کہ اے میرے نفس کیا تو حسیناؤں کی ملاقات چاہتا ہے اور حال یہ ہے کہ بڑھاپا تمہارے سر پر اتر چکا ہے؟ یوں ہونا چاہیے کہ بڑھاپا تمہارے سر پر اتر چکا ہے، لیکن کہتا کیا ہے؟ حال یہ ہے کہ بڑھاپا میرے سر پر اتر چکا ہے۔ تو یہ التفات کیا خِطَاب سے کس کی طرف؟ تَكَلُّم کی طرف۔ تو یہ مثال بھی کس کی ہے؟ وَمِنَ الْخِطَابِ إِلَى التَّكَلُّمِ، خِطَاب سے تَكَلُّم کی طرف۔ معنی اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

تو شاعر کہتا ہے: أَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيبُ عَلَى قَذَالِي، کیا تو چاہتا ہے حسیناؤں کی ملاقات کو اور حال یہ ہے کہ بڑھاپا جو ہے وہ اتر چکا ہے میرے سر پر۔

■ قولہ: «وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ وَهُوَ سَوْقُ...» کی تشریح

وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ وَهُوَ سَوْقُ الْمَعْلُومِ مَسَاقَ غَيْرِهِ لِغَرَضٍ۔ اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی قسموں میں سے ایک تَجَاهُلُ الْعَارِفِ بھی ہے۔ تَجَاهُلُ الْعَارِفِ یعنی تجاہل عارف، تجاہل عارف۔ تَجَاهُل کا معنی ہے بتکلف جاہل بننا۔ آپ کو ایک چیز کا علم ہے لیکن آپ بتکلف جاہل بن جاتے ہیں، یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے آپ کو پتا ہی نہیں بھئی۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ تَجَاهُل، تَجَاهُل۔ عَارِف، عَارِف کا معنی ہے جاننے والا۔ عَارِف کا کیا معنی؟ جاننے والا۔ تَجَاهُلُ الْعَارِفِ جاننے والے کا بتکلف جاہل بننا، یعنی یوں کہیں جاننے والے کا بتکلف لاعلم بننا۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ تَجَاهُلُ الْعَارِفِ کا کیا معنی؟ جاننے والے کا بتکلف جاہل بننا۔ بھئی جب آپ کو ایک چیز کا پتا ہے پھر آپ اس کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ کیا کر رہے ہیں؟ بتکلف جاہل بن رہے ہیں، اپنے آپ کو لاعلم ظاہر کر رہے ہیں۔ تو جب آپ کو علم ہے تو آپ کو تو پوچھنا نہیں چاہیے، لیکن آپ پھر بھی اس طرح کی بات کرتے ہیں تو یہ آپ مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کر رہے ہیں یا اس کے خلاف کر رہے ہیں؟ مقتضائے ظاہر کے خلاف۔ اسی لیے یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف جو قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم ہے۔

تو کہتے ہیں: وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ اور مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی اقسام میں سے ایک تجاہل عارف ہے، وَهُوَ سَوْقُ الْمَعْلُومِ مَسَاقَ غَيْرِهِ۔

سَوْق کا معنی ہے سین واؤ اور قاف دو نقطوں والا سَوْق، سَوْق کا معنی ہے ہانکنا، ہانکنا، چلانا۔ بھئی آپ جانوروں کا ریوڑ ہانکتے ہیں، آپ پیچھے ہیں جانور سارے آگے، اس کو کیا کہیں گے؟ سَوْق، اور آپ ہوئے سَائِق ہانکنے والے۔ ہاں، اور اگر آگے سے کسی چیز کو چلانے والا آگے ہو اور باقی اس کے پیچھے ہوں تو اس کو کہتے ہیں قَائِد بھئی۔ جیسے قوم کا بھی قائد ہوتا ہے، وہ ہر معاملے میں آگے ہوتا ہے اور ساری قوم اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ تو سَوْق کا معنی ہانکنا یعنی پیچھے سے کسی چیز کو چلانا۔ تو یہاں چلانے کے معنی میں ہے۔ وَهُوَ سَوْقُ الْمَعْلُومِ ایک معلوم چیز کو چلانا مَسَاقَ غَيْرِهِ أَيْ غَيْرِ الْمَعْلُومِ غیر معلوم کے چلانے کی، مَسَاق مصدر ہے، معلوم چیز کو چلانا کس کی طرح؟ مَسَاقَ غَيْرِهِ أَيْ مَسَاقَ غَيْرِ الْمَعْلُومِ غیر معلوم چیز کے چلانے کی طرح۔ ایک معلوم چیز کو غیر معلوم چیز کے چلانے کی طرح چلانا، یعنی یوں کہیں آسان لفظوں میں: معلوم کے ساتھ غیر معلوم والا برتاؤ کرنا۔ ایک معلوم چیز کے ساتھ کون سا برتاؤ کرنا؟ غیر معلوم والا۔ آپ کو علم ہے ایک چیز کا لیکن آپ لاعلم بن جاتے ہیں تو یہ آپ معلوم چیز کے ساتھ کون سا برتاؤ کر رہے ہیں؟ غیر معلوم والا برتاؤ کر رہے ہیں۔ لِغَرَضٍ اور یہ کسی غرض کی وجہ سے ہو گا، کسی نکتے کی وجہ سے، بغیر غرض کے ہو تو پھر یہ اس باب سے نہیں۔ جی، کیونکہ یہ بلاغت ہم پڑھ رہے ہیں بھئی۔ تو یہاں جو بھی مقتضائے ظاہر وغیرہ سے جو عدول کیا جاتا ہے وہ کسی نکتے کی وجہ سے ہوتا ہے بغیر نکتے کے نہیں بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی اقسام میں سے ایک تجاہل عارف ہے، وَهُوَ سَوْقُ الْمَعْلُومِ مَسَاقَ غَيْرِهِ لِغَرَضٍ اور وہ ایک معلوم چیز کو چلانا ہے غیر معلوم چیز کے چلانے کی طرح لِغَرَضٍ کسی مقصد کی وجہ سے، یعنی معلوم کے ساتھ غیر معلوم والا برتاؤ کرنا کسی غرض اور کسی مقصد کی وجہ سے۔

بھئی اس کا عام علماء اس کا نام رکھتے ہیں تَجَاهُلُ الْعَارِفِ۔ کیا نام رکھتے ہیں؟ تَجَاهُلُ الْعَارِفِ، جاننے والے کا تکلف جاہل بننا۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ نام نہ استعمال کرو، تَجَاهُلُ الْعَارِفِ نہ کہو بلکہ یوں کہو: سَوْقُ الْمَعْلُومِ مَسَاقَ غَيْرِهِ۔ کیا کہو؟ سَوْقُ الْمَعْلُومِ مَسَاقَ غَيْرِهِ، یہ جو ابھی لفظ استعمال ہوئے، کہتے ہیں یہ نام اس کا رکھو، تَجَاهُلُ الْعَارِفِ نام رکھنا اس کا مناسب نہیں۔ وجہ بھئی اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے یہ کلام اللہ کے اندر بھی استعمال ہوا ہے، اللہ کے کلام میں بھی آیا ہے۔ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى، اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اب اللہ سوال کر رہے ہیں اگرچہ اللہ ہر چیز کو جاننے والے ہیں، ہر چیز کو جاننے والے۔ تو ایک معلوم چیز کے ساتھ کون سا، کس طریقے پر اس کے بارے میں کلام کیا گیا؟ جیسے وہ غیر معلوم ہو، اس کا علم نہ ہو۔ تو لہٰذا یہاں اس کو کیا کہنا چاہیے؟ سَوْقُ الْمَعْلُومِ مَسَاقَ غَيْرِهِ کہنا چاہیے، اس کو تَجَاهُلُ الْعَارِفِ نہیں کہنا چاہیے، اس لیے کیونکہ یہ اللہ کے کلام میں استعمال ہوا ہے تو پھر تو وہاں بھی یہ لفظ استعمال آپ کریں گے کہ یہاں کیا ہے؟ تجاہل عارف ہے، تو کہ جاننے والا اپنے آپ کو تکلف جاہل بن رہا ہے تو جہل کی نسبت اللہ کی طرف کرنا لازم آئے گا اور یہ بڑی گستاخی کی بات ہے کہ اللہ کی طرف جہل کی نسبت کی جائے بھئی۔ اس لیے وہاں وہ کیا فرماتے ہیں کیا کہنا چاہیے؟ سَوْقُ الْمَعْلُومِ مَسَاقَ غَيْرِهِ کہنا چاہیے۔ اور یہ کسی غرض اور مقصد کی وجہ سے ہو گا۔

كَالتَّوْبِيخِ جیسے کہ ڈانٹ ڈپٹ ہے، ڈانٹنا کسی کو بھئی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر:

■ متن وشواہد: «أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ مَا لَكَ مُورِقًا»

أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ مَا لَكَ مُورِقًا ... كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيفِ

بھئی ایک شخص تھا ولید ابن طریف بھئی، ولید ابن طریف۔ اس کو کسی نے قتل کر دیا تھا تو اس کی بہن جو ہے وہ اس کے غم میں یہ اشعار کہتی ہے، یہ شعر اسی میں سے ہے، اپنے بھائی کے غم میں وہ شعر کہہ رہی ہے اور کیا کہتی ہے؟ دیکھیے بھئی: أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ اے خابور کے درخت۔ أَيَا، أَيَا حرف ندا ہے، آپ نے حروف ندا پڑھ لیے: يَا، أَيَا، هَيَا وغیرہ، تو أَيَا حرف ندا۔ شَجَرَ الْخَابُورِ خابور کے درخت، یہ کوئی درخت کی قسم تھی جو اس علاقے میں پایا جاتا تھا جہاں پر یہ تھے بھئی۔ تو یہ جو شخص جو مر گیا اس کی بہن کہہ رہی ہے کسی درخت کو خطاب کرتے ہوئے: أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ اے خابور کے درخت، مَا لَكَ تجھے کیا ہو گیا ہے مُورِقًا اس حال میں کہ تو سرسبز وشاداب ہے؟ اس حال میں کہ تو سرسبز وشاداب ہے۔ بھئی وَرَق، وَرَق واؤ را اور قاف دو نقطوں والا وَرَق یہ پتے کو کہتے ہیں عربی زبان میں۔ وَرَق جیسے کتاب کے ورق کو کہتے ہیں اسی طرح پتے کو بھی وَرَق کہتے ہیں۔ تو أَوْرَقَ الشَّجَرُ، أَوْرَقَ الشَّجَرُ کا معنی ہوتا ہے درخت کا پتوں والا ہو جانا۔ جب درخت پر خوب پتے وغیرہ آجائیں تو کیا کہتے ہیں؟ أَوْرَقَ الشَّجَرُ۔ اور اس درخت کو کیا کہیں گے؟ مُورِقٌ پتوں والا، اسم فاعل نا اسی سے أَوْرَقَ يُورِقُ إِيرَاقًا فَهُوَ مُورِقٌ پتوں والا۔ تو مُورِق کا معنی ہے پتوں والا ہونا یعنی سرسبز وشاداب ہونا، سرسبز وشاداب ہونا۔ اور آگے آرہا ہے جَزَع۔ جَزَع کے معنی، جَزَعٌ کے معنی ہوتے ہیں افسوس کرنا، پریشان ہونا، جَزِعَ يَجْزَعُ افسوس کرنا، پریشان ہونا۔ تو دیکھیے شاعرہ کہتی ہے: أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ اے خابور کے درخت، مَا لَكَ تجھے کیا ہو گیا ہے مُورِقًا اس حال میں کہ تو سرسبز و شاداب ہے یعنی پتوں والا ہے، پتوں سے بھرا ہوا ہے، كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ گویا کہ تو پریشان نہیں ہے، بے تاب نہیں ہے عَلَى ابْنِ طَرِيفِ کس پر؟ ابن طریف پر۔ میرا بھائی ولید ابن طریف جو فوت ہوا ہے، جس کو قتل کیا گیا ہے، یوں لگتا ہے گویا کہ تو اس کے مرنے پر پریشان اور غم زدہ نہیں ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ دوبارہ سنیے: أَيَا شَجَرَ

الْخَابُورِ مَا لَكَ مُورِقًا اے خابور کے درخت کیا ہو گیا ہے تجھے کہ تو پتوں سے بھرا ہوا ہے، سرسبز و شاداب ہے، كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيفِ گویا کہ تو بے تاب نہیں ہے ابن طریف پر یعنی اس کی موت پر۔

اب دیکھیے یہ شاعرہ درخت کو خطاب کر رہی ہے حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پریشان ہونا اور غم کا اظہار کرنا یہ ذوی العقول میں ہوتا ہے، غیر ذوی العقول میں نہیں ہوتا اور درخت غیر ذوی العقول میں سے ہے، لہذا ظاہر سی بات ہے جب وہ غیر ذوی العقول میں سے ہے تو وہ پریشان اور بے تاب بھی نہیں ہو گا کیونکہ پریشان اور بے تاب تو صرف کون ہوتے ہیں؟ ذوی العقول۔ تو یہ شاعرہ کو بھی پتا ہے کہ یہ درخت غیر ذوی العقول میں سے ہے، یہ پریشان اور بے تاب نہیں ہو سکتا، لیکن پھر بھی وہ بتکلف جاہل بن گئی اس بات سے، گویا اسے تو پتا ہی نہیں ہے کہ یہ درخت کس میں سے ہے؟ غیر ذوی العقول میں سے ہے، اور اس کے ساتھ ذوی العقول والا کلام کر رہی ہے گویا کہ مجھے تو پتا ہی نہیں ہے یہ کس میں سے ہے؟ غیر ذوی العقول میں سے ہے۔ تو بتکلف جاہل بن گئی، کیوں؟ اس کو ڈانٹنے کے لیے۔ مقصد کیا تھا؟ ڈانٹنا۔ بھئی اگر جاہل نہیں بنے گی پھر ڈانٹنا صحیح ہے؟ نہیں، پھر تو ڈانٹنا ہی صحیح نہیں۔ لیکن جب بتکلف جاہل بن گئی اب اس کو ڈانٹ رہی ہے کہ تو نے کیوں غم کا اظہار نہیں کیا، کیوں تو پریشان اور بے تاب نہیں ہے؟ گویا کہنا یہ چاہتی ہے شاعرہ کہ میرا بھائی اتنا عظیم شخص تھا اور اس کی موت پر اتنا بڑا نقصان ہوا ہے کہ ذوی العقول کو تو چھوڑیے غیر ذوی العقول کو بھی اس کے غم پر کیا کرنا چاہیے؟ غم اور افسوس کا اظہار کرنا چاہیے، وہ اتنا عظیم آدمی تھا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ مَا لَكَ مُورِقًا كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيفِ، اے خابور کے درخت کیا ہو گیا ہے تجھے کہ تو سرسبز و شاداب ہے گویا کہ تو بے تاب نہیں ہے ابن طریف پر۔

اردو میں تجاہل عارف کی مثال بھئی، اردو میں تجاہل عارف کی مثال۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ عورتوں میں پتلی کمر حسن و جمال کی علامت شمار ہوتی ہے بھئی۔ اب ایک شاعر اپنے محبوب کی پتلی کمر کی تعریف کر رہا ہے اور ذرا اس کا تجاہل عارف دیکھیے بھئی۔ کہتا ہے:

صنم کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے

صنم کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے، یعنی اے محبوب، اے محبوب کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے:

صنم کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے... کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

تو دیکھو اتنا مبالغہ کر دیا گویا ہمیں تو علم ہی نہیں ہے کہ اتنی پتلی کمر ہے کہ ہم نے تو کبھی آج تک دیکھی ہی نہیں ہے کس طرف کو ہے بھئی۔ صنم کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے، کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے۔ تو یہ تھی اردو میں مثال بھئی تجاہل عارف کی۔

■ قولہ: «وَمِنْهَا أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ» کی تشریح

وَمِنْهَا أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ۔ اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی اقسام میں سے ایک أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ ہے۔ أُسْلُوب کہتے ہیں طرز کو، انداز کو۔ حَكِيم دانا بھئی، عقل والا، حکمت جاننے والا، یعنی کسی چیز کے فائدوں کو جاننے والا۔ تو أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ کا کیا معنی؟ حکمت والے کا انداز۔ کس کا انداز؟ حکمت والے کا انداز، یعنی کلام میں ایسا انداز اختیار کرنا جو کسی حکمت والے کا انداز ہوتا ہے بھئی۔ کلام میں ایسا انداز اختیار کرنا جو حکمت والے کا ہوتا ہے۔ اور اس کی بتلائیں گے آگے دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ، توجہ ادھر رکھنا بھئی، دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ آپ سے ایک آدمی ایک سوال کرتا ہے، آپ سے ایک سوال کرتا ہے، آپ اس نے جو سوال کیا آپ اس کا جواب نہیں دیتے، آپ ایک اور سوال کا اس کو جواب دے دیتے ہیں۔ دیتے جواب ہی ہیں لیکن اس سوال کا جواب نہیں دیتے بلکہ دوسرے سوال کا جواب اس کو دیتے ہیں۔ بتلانا اس کو یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو تم نے سوال کیا یہ اس کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں، یہ دوسرا سوال تمہیں کرنا چاہیے تھا جس کا جواب میں تمہیں دے رہا ہوں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے آگے مثال آئے گی، صحابہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے پوچھتے تھے: یا رسول اللہ یہ کیا وجہ ہے یہ چاند مہینے کے شروع کے دنوں میں باریک سا ہوتا ہے، پھر بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر مہینے کے وسط میں جا کر یہ پورا ہو جاتا ہے اور پھر اس کے بعد کم ہونا شروع ہوتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ کیوں چھوٹا بڑا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے سبب اختلاف پوچھا تھا۔ کیا پوچھا تھا؟ سبب اختلاف، کہ یہ مختلف کیوں ہوتا ہے، اس کا سبب کیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ لیکن اللہ کی طرف سے پھر جواب آیا اور بتلایا گیا کہ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں ہلال کے بارے میں، چاند کے بارے میں، قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے یہ مَوَاقِيتُ مقررہ اوقات ہیں لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے وَالْحَجِّ اور کس کے لیے؟ حج کے لیے۔ یعنی یہ چاند کے چھوٹے بڑے ہونے کے فائدے ذکر کر دیے گئے کہ اس کے ذریعے لوگ اوقات کو معلوم کرتے ہیں، اپنے اوقات مختلف چیزوں کے مقرر کرتے ہیں، اس کے ذریعے تاریخوں وغیرہ کا ان کو پتا چلتا ہے، اس کے ذریعے ان کو حج کے ایام کا پتا چلتا ہے کہ حج کے ایام آگئے ہیں وغیرہ بھئی۔ تو انہوں نے پوچھا تھا سبب اختلاف اور جواب میں اس کے فائدے ذکر کیے گئے کہ سبب اختلاف کے بارے میں تمہیں نہیں پوچھنا چاہیے، سبب اختلاف کے بارے میں تمہیں نہیں پوچھنا چاہیے، اس میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے، تمہیں اس کے فائدوں کے بارے میں پوچھنا چاہیے کہ یہ چاند چھوٹا بڑا ہوتا ہے اس کے فائدے کیا ہیں؟ اور وہ ذکر کر دیے گئے۔ تو انہوں نے پوچھا کیا تھا؟ سبب اختلاف۔ اور جواب میں سبب اختلاف ذکر کیا گیا؟ نہیں، بلکہ کیا بتلایا گیا؟ فائدے بتلائے گئے یہ بتلانے کے لیے کہ تمہیں کس کے بارے میں پوچھنا چاہیے تھا؟ اس کے فائدوں کے بارے میں پوچھنا چاہیے تھا، وہ تمہارے زیادہ لائق ہے، وہ تمہارے لیے زیادہ اہم ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ، حکمت والے کا انداز۔

تو یہ تو ایک صورت تھی جس میں دوسرے نے سوال کیا تھا اور اس کو دوسرے سوال کا جواب دیا جائے بھئی۔ اور دوسری صورت یہ کہ دوسرے نے سوال نہیں کیا، سوال نہیں کیا لیکن وہ جس بات کا منتظر ہے اس کے بجائے آپ دوسری بات اس کے سامنے ذکر کر دیتے ہیں کہ یہ تم، تمہیں اس کا انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس بات، یہ بات تمہارے لیے زیادہ اہم ہے، تمہیں اس، تمہیں اس کا ارادہ کرنا چاہیے تھا بھئی۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ پہلی صورت میں کیا تھا أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ میں؟ سننے والے نے کوئی سوال کیا تھا، جواب دینے والا اس سوال کا جواب نہیں دیتا بلکہ کسی دوسرے سوال کا جواب دیتا ہے۔ دوسری صورت، دوسری صورت اسی أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ کی کہ جو مخاطب ہے اس نے سوال کوئی نہیں پوچھا لیکن وہ ایک بات کا منتظر ہے، اس کو وہ جس بات کا منتظر ہے وہ اس کے سامنے متکلم نہیں کہتا بلکہ دوسری بات اس کے سامنے ذکر کر دیتا ہے کہ یہ، بتلانا یہ چاہتا ہے کہ یہ بات زیادہ اہم ہے، تمہیں اس کا ارادہ کرنا چاہیے، جس بات کا تم انتظار کر رہے ہو وہ تمہارے لائق نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے کتاب پر: وَمِنْهَا أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ اور وہ کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ ہے، وَهُوَ تَلَقِّي الْمُخَاطَبِ۔ تَلَقِّي کا معنی ہے ملاقات کرنا۔ يَرْحَمُكَ اللهُ۔ تَلَقِّي کا کیا معنی؟ ملاقات کرنا یعنی سامنا کرنا۔ وَهُوَ تَلَقِّي الْمُخَاطَبِ اور وہ مخاطب کا سامنا کرنا ہے بِغَيْرِ مَا يَتَرَقَّبُهُ۔ تَرَقُّب کا معنی ہے انتظار کرنا۔ تَرَقُّب کا کیا معنی؟ انتظار کرنا۔ وہ مخاطب کا سامنا کرنا ہے بِغَيْرِ مَا يَتَرَقَّبُهُ علاوہ اس کے جس کا وہ انتظار کر رہا ہے، یعنی مخاطب کا سامنا کرنا ایسی چیز کے ساتھ جس کا وہ انتظار نہیں کر رہا، جس کا وہ انتظار نہیں کر رہا۔ بِغَيْرِ، مَا يَتَرَقَّبُهُ کیا ہوا؟ مَا يَتَرَقَّبُهُ جس کا وہ انتظار کر رہا ہے، اور بِغَيْرِ مَا يَتَرَقَّبُهُ جس کا وہ انتظار نہیں کر رہا، یعنی یوں کہیں جس کا وہ انتظار کر رہا ہے اس کے علاوہ کو مخاطب کے سامنے پیش کرنا۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو کہتے ہیں: وَهُوَ تَلَقِّي الْمُخَاطَبِ بِغَيْرِ مَا يَتَرَقَّبُهُ اور وہ سامنا کرنا ہے مخاطب کو اس چیز کے علاوہ کے ساتھ جس کا وہ انتظار کر رہا ہے، أَوِ السَّائِلِ یا سوال کرنے والے کا سامنا کرنا، اس کا عطف الْمُخَاطَبِ پر ہے أَيْ تَلَقِّي السَّائِلِ۔ دوسری قسم کیا ہے؟ کہ اسلوب حکیم وہ جو ہے سائل کا سامنا کرنا بِغَيْرِ مَا يَطْلُبُهُ علاوہ اس کے جس کو وہ طلب کر رہا ہے، یعنی جو اس نے سوال کیا اس کے علاوہ کے ساتھ اس کا سامنا کرنا، تَنْبِيهًا عَلَى أَنَّهُ الْأَوْلَى بِالْقَصْدِ۔ اس کا تعلق دونوں سے ہے، تَلَقِّي الْمُخَاطَبِ اور تَلَقِّي السَّائِلِ، جو مخاطب اور سائل کا سامنا کیا جاتا ہے اس چیز کے علاوہ کے ساتھ جس کو انہوں نے طلب کیا تھا یا جس کے وہ انتظار میں تھے، یہ کیوں کیا جاتا ہے؟ کہتے ہیں: تَنْبِيهًا عَلَى أَنَّهُ الْأَوْلَى بِالْقَصْدِ اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے کہ یہ چیز زیادہ لائق ہے ارادے کے جو متکلم ذکر کر رہا ہے، یہ چیز زیادہ لائق ہے، تمہیں اس کا ارادہ کرنا چاہیے تھا، جس کا تم انتظار کر رہے ہو یا جس کے بارے میں تم نے پوچھا ہے وہ زیادہ ارادے کے لائق نہیں، تمہارا اس میں فائدہ نہیں۔

فَالْأَوَّلُ يَكُونُ بِحَمْلِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُرَادِ قَائِلِهِ۔ پس پہلی قسم، کون سی پہلی قسم؟ تَلَقِّي الْمُخَاطَبِ، جس میں مخاطب کا سامنا کیا جائے علاوہ اس چیز کے ساتھ جس کا وہ انتظار کر رہا ہے، وہ اول ہے، يَكُونُ بِحَمْلِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُرَادِ قَائِلِهِ وہ کلام کو محمول کرنا ہو، کے ساتھ ہو گا عَلَى خِلَافِ مُرَادِ قَائِلِهِ اس کہنے والے کی مراد کے خلاف۔ بھئی مخاطب نے ایک بات کی تھی، آپ اس نے اس سے جس معنی کا ارادہ کیا آپ اس کے کلام سے دوسرے معنی کا ارادہ، دوسرے معنی پر اس کو محمول کر لیتے ہیں۔ آپ کیا کر لیتے ہیں؟ دوسرے معنی پر۔ مخاطب، بھئی دو صورتیں ذکر ہوئیں، توجہ سے ادھر توجہ کیجیے بھئی۔ أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ کی کتنی صورتیں ذکر ہوئیں؟ دو۔ ایک ہے مخاطب کا سامنا کرنا اس چیز کے علاوہ کے ساتھ جس کا وہ منتظر تھا، یہ پہلی قسم ہے۔ اور دوسری قسم کیا تھی؟ کہ سوال کرنے والے کا سامنا کرنا اس چیز کے علاوہ کے ساتھ جس کو وہ طلب کر رہا ہے، یہ آگے آئے گی دوسری قسم۔ پہلی قسم بیان ہو رہی ہے کہ مخاطب کا سامنا کیا جائے اس چیز کے علاوہ کے ساتھ جس کا وہ منتظر تھا۔ اس میں کیا کیا جاتا ہے اس میں؟ اس میں مخاطب نے کوئی بات کی ہوتی ہے اور اس بات سے ایک معنی کا ارادہ کیا ہوتا ہے۔ متکلم اس کے کلام کو دوسرے معنی پر محمول کر لیتا ہے، گویا اس کو بتلانا یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس بات، تم نے جو لفظ کہے اس کا فلاں معنی تمہیں نہیں مراد لینا چاہیے، یہ تمہاری شان کے لائق نہیں ہے بلکہ جو معنی میں لے رہا ہوں تمہارے کلام کا یہ معنی تمہیں مراد لینا چاہیے، یہ معنی تمہیں مراد لینا چاہیے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ معنی ہے: فَالْأَوَّلُ يَكُونُ بِحَمْلِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُرَادِ قَائِلِهِ پس پہلی قسم جو ہے وہ کلام کو محمول کرنا اس کے کہنے والے کی مراد کے خلاف کے ساتھ ہو گا۔

كَقَوْلِ الْقَبَعْثَرَى لِلْحَجَّاجِ۔ قَبَعْثَرَى، یاد رکھیے بھئی یہ ہمارے ہاں معروف یہی ہے قَبَعْثَرِي کہتے ہیں، قَبَعْثَرِي۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ قَبَعْثَرِي، لیکن یہ قَبَعْثَرِي نہیں لفظ ہے قَبَعْثَرَى۔ قَبَعْثَرَى یہ الف آخر میں جو یا لکھی گئی ہے یہ الف مقصورہ ہے۔ کیا ہے؟ الف مقصورہ ہے۔ چنانچہ علمائے صرف نے اپنی کتابوں کے اندر تصریح کی ہے کہ قَبَعْثَرَى کے آخر میں جو الف ہے وہ الف زائدہ ہے تکثیر کے لیے، یعنی الف تانیث نہیں ہے یہ بلکہ الف زائدہ ہے کثرت بتلانے کے لیے۔ كَقَوْلِ الْقَبَعْثَرَى لِلْحَجَّاجِ جیسے کہ قبعثری کا قول حجاج سے۔

بھئی قبعثری یہ ایک ادیب شخص تھا اور بڑا سردار تھا اور بڑا ادیب آدمی تھا۔ تو یہ ایک دن بیٹھا ہوا تھا باغ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور پھلوں کا موسم، انگوروں کا باغ تھا اور انگور لگے ہوئے ہیں، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہے کہ حجاج کا ذکر آیا بھئی، حجاج کا۔ اور حجاج آپ جانتے ہیں کہ ایک بڑا ہی ظالم شخص گزرا ہے۔ کہتے ہیں کہ روایات میں آتا ہے کہ اس نے بے شمار لوگوں کو قتل کیا اور وہ لوگ جن کو اس نے ظلماً قتل کیا کہتے ہیں ان کی تعداد کوئی سوا لاکھ ہے بھئی، سوا لاکھ۔ ذرا سی بات ہوتی کہتا تھا گردن اڑا دو اس کی، ختم کر دو۔ لیکن بہر حال یہ میرے خیال میں یہ حد سے زیادہ مبالغے پر مبنی ہے یہ بات کہ سوا لاکھ تو، سوا لاکھ تو ظلماً اس نے قتل کیے ہیں اور اس کے علاوہ جو قتل کیے ہوں گے واقعی کسی وجہ کی بنا پر وہ الگ ہوں گے بھئی، اتنے تو اس زمانے میں تو اتنی بڑی بڑی بستیاں بھی نہیں تھیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لیکن بہر حال اگر یہ ظالم بڑا تھا، اسلام کے لیے اس کی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں بھئی۔ آپ یہ جو قرآن پڑھتے ہیں کتنے آرام سے بھئی، آپ عربی نہیں جانتے لیکن آپ کا چھ سات سال

کا بچہ بھی بڑے اچھے طریقے سے قرآن پڑھتا ہے بلکہ قرآن کا حافظ ہوتا ہے، اس کو پتا ہے قرآن میں کہاں زبر پڑھنی ہے، کہاں زیر پڑھنی ہے، کہاں پیش پڑھنی ہے کیونکہ سارا زبر زیر پیش سامنے لکھی ہوتی ہے قرآن پر۔ یاد رکھیے یہ کلام عرب کے اندر یہ اعراب پہلے نہیں تھے اس طرح، اعراب کی کوئی علامت نہیں تھی کیونکہ وہ عربوں کا اپنا کلام تھا ان کو پتا چلتا تھا کہ کہاں پیش پڑھنا ہے، کہاں زبر پڑھنا ہے، کہاں زیر، لیکن باقی عجم کے لیے ان کی زبان کو پڑھنا بڑا مشکل تھا۔ تو یہ جو قرآن پر اعراب لگے ہیں یہ یاد رکھیے حجاج ابن یوسف نے لگوائے بھئی، حجاج۔ اس نے بڑے بڑے علماء کو مقرر کیا کہ جنہوں نے پھر اس کام کو سرانجام دیا اور ایسی علامتیں مقرر کیں کہ جس سے وہ پڑھنے والے کو خود ہی پتا چل جاتا ہے کہ کہاں زیر پڑھنی ہے، کہاں پیش پڑھنی ہے بھئی۔

اسی طرح جو برصغیر کے اندر آپ کو اسلام نظر آرہا ہے یہ بھی یاد رکھیے حجاج ابن یوسف کی خدمات میں سے ایک خدمت ہے، اس کا سبب وہ بنا تھا۔ یہ محمد ابن قاسم جو آیا تھا یاد رکھیے یہ حجاج ابن یوسف کا بھانجا یا بھتیجا تھا بھئی۔ یہاں ایک عورت نے خط لکھا تھا، اس کو لوٹ لیا تھا اور اس پر ظلم و ستم کیا تھا اس سندھ کے بادشاہ وغیرہ نے تو اس نے حجاج ابن یوسف کو خط لکھا اور وہ خط ہوتے ہوتے حجاج ابن یوسف کو پہنچ گیا بھئی۔ اور اس نے کہا تھا ہماری مدد کو پہنچو، یہاں کے بادشاہ نے اس طرح ظلم کیا، ہمیں لوٹ لیا سارا مال ہمارا۔ تو حجاج ابن یوسف، بھئی اس زمانے میں دینی غیرت زندہ تھی بھئی، ایک مسلمان کے لیے بھی پوری مملکت بے چین ہو جایا کرتی تھی۔ حجاج ابن یوسف نے پھر اپنے بھانجے یا بھتیجا جو تھا محمد ابن قاسم اس کو بڑا لشکر دے کر بھیجا اور اس نے آکر پھر اس بادشاہ کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس سارے علاقے پر اسلامی پرچم لہرا دیا اور سب کو بتلا دیا کہ آئندہ بھی اگر کسی نے کسی عام مسلمان کی طرف بھی میلی نگاہ سے، میلی نگاہ سے نظر کی تو اس کا بھی یہی انجام ہوگا۔ تو دینی غیرت زندہ تھی بھئی۔ اور آج کل صورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ اب خود ہمارے حکمران مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ چند ڈالروں کے عوض فروخت کر رہے ہیں بھئی۔ دعا کرو اللہ تعالی ان سب کو جو اس طرح کے کام کر رہے ہیں اور اس میں ملوث ہیں اللہ تعالی ان سب کو عبرت کا نشان بنادے بھئی۔ آمین۔ کہ کفار بھی اس طرح نہیں کرتے، وہ بھی اپنی قوم والوں کا لحاظ رکھتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ان کے حوالے کر رہے ہیں بھئی۔

تو قبعثری بیٹھا ہوا تھا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ، گفتگو کے دوران حجاج ابن یوسف کا ذکر آگیا۔ تو قبعثری اپنے ساتھیوں کے سامنے کہنے لگا حجاج کے بارے میں: اَللّٰهُمَّ سَوِّدْ وَجْهَهُ وَاقْطَعْ عُنُقَهُ وَاسْقِنِي مِنْ دَمِهِ۔ اے اللہ اس کا چہرہ سیاہ کر دے، وَاقْطَعْ عُنُقَهُ اے اللہ اس کی گردن کاٹ دے، وَاسْقِنِي مِنْ دَمِهِ اور اے اللہ مجھے اس کا خون پلا۔ حجاج کا ذکر آیا تو قبعثری کیا کہتا ہے؟ حجاج تھا تو بڑا ظالم آدمی، تو قبعثری کہنے لگا اے اللہ اس کا چہرہ سیاہ کر دے، اس کی گردن کاٹ دے اور مجھے اس کا خون پلا۔ اچھا یہ بات ہوتے ہوتے پھر حجاج تک پہنچ گئی کہ قبعثری نے اس کے بارے میں یوں کہا ہے۔ اور حجاج تو معمولی سی بات پر گردن اڑا دیا کرتا تھا، اس نے کہا اچھا اس کی اتنی جرات! چنانچہ اس نے پھر قبعثری سے پوچھا بھئی، بلوایا ہوگا پوچھا کہ تم نے میرے بارے میں اس طرح کی بات کہی ہے؟ اور تھا سردار آدمی، ورنہ حجاج تو دیر نہیں لگاتا تھا گردن اڑانے میں، لیکن سردار آدمی تھا تو فوراً اس طرح بھی قتل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ پوری قوم اس کی پشت پر ہوتی تھی بھئی۔ تو اسے کہا کہ میں نے سنا ہے تم نے میرے بارے میں اس طرح کی بات کہی ہے۔ تو کہنے لگا ہاں میں نے یہ بات تو کی ہے لیکن میں نے آپ کے، یہ تو آپ کو کسی نے غلط خبر پہنچادی ہے، میں نے آپ کا ارادہ کب کیا تھا؟ میں تو انگوروں کی بات کر رہا تھا: اَللّٰهُمَّ سَوِّدْ وَجْهَهُ اے اللہ ان انگوروں کو کیا کر دے؟ کالا۔ بھئی کالے انگور دیکھے ہیں یا نہیں آپ نے؟ جی۔ اَللّٰهُمَّ سَوِّدْ وَجْهَهُ اے اللہ اس کا چہرہ کالا کر دے یعنی یہ جو انگور ہیں ان کو کیا کر دے؟ کالا کر دے یعنی پک جائیں۔ اور آگے وَاقْطَعْ عُنُقَهُ اور اس کی گردن کاٹ ڈال یعنی ان کو پھر شاخوں سے اتار لیا جائے۔ وَاسْقِنِي مِنْ دَمِهِ اور اے اللہ مجھے اس کا خون پلا یعنی ان کا رس پلا دے، میں تو انگوروں کی بات کر رہا تھا۔

تو حجاج کہتا ہے نہیں بھئی ادھر ادھر کی باتیں نہ کرو، مجھے خبر ملی ہے تم نے میرے بارے ہی میں کہا تھا۔ اور پھر حجاج نے اس کو دھمکی دیتے ہوئے کہا: لَأَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْأَدْهَمِ۔ لَأَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْأَدْهَمِ۔ حَمَلَ يَحْمِلُ کے معنی ہیں سوار کرنا۔ أَدْهَم کہتے ہیں بیڑی کو، بیڑی۔ بھئی وہ بیڑیاں جن میں قیدیوں کو جکڑا جاتا ہے یعنی زنجیریں۔ تو حجاج کہنے لگا: لَأَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْأَدْهَمِ میں تجھے سوار کر دوں گا بیڑیوں پر۔ یہ محاورہ ہے کلام عرب میں، معنی یہ ہے میں تجھے بیڑیوں میں جکڑ دوں گا۔ لَأَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْأَدْهَمِ میں تجھے بیڑیوں میں جکڑ دوں گا۔ تو أَدْهَم کا لفظ استعمال کیا اور أَدْهَم بیڑیوں کو کہتے ہیں، لیکن اسی أَدْهَم کا ایک معنی سیاہ گھوڑے کے بھی آتے ہیں، سیاہ گھوڑے۔ تو قبعثری کہنے لگا کہ آپ جیسے سخی بادشاہ جو ہوتے ہیں وہ تو بڑے سخی لوگ ہوتے ہیں، وہ واقعی لوگوں کو کبھی سیاہ گھوڑے پر سوار کرتے ہیں اور کبھی سفید گھوڑے پر سوار کرتے ہیں، یعنی بادشاہ سخاوت کے طور پر، انعام کے طور پر دیتے۔ تو اس نے، حجاج نے کون سا معنی مراد لیا تھا أَدْهَم کا؟ بیڑی والا، اور قبعثری نے کون سا معنی مراد لے لیا؟ سیاہ گھوڑے والا کہ یہ آپ کے زیادہ لائق ہے بھئی۔ حجاج کو اور غصہ چڑھا کہ میں اس کو، ایک تو پہلی بات میں وہ طریقے سے نکل گیا، اب میں نے اس کو دھمکی دی ہے تو اس کو بھی کس پر محمول کر رہا ہے؟ میں نے اس کو قید میں ڈالنے کی دھمکی دی ہے یہ اس کو انعام دینے پر محمول کر رہا ہے۔ تو حجاج غصے سے کہنے لگا: أَرَدْتُ الْحَدِيدَ۔ حَدِيد لوہے کو کہتے ہیں عربی زبان میں۔ أَرَدْتُ الْحَدِيدَ میں نے لوہے کا ارادہ کیا ہے، میری مراد لوہا ہے لوہا، گھوڑا نہیں مراد جو تم مراد لے رہے ہو۔ اب حَدِيد لوہے کو کہتے ہیں لیکن اسی حَدِيد کا ایک معنی ہے تیز۔ حَدِيد کا کیا معنی ہے؟ تیز۔ تو قبعثری کہنے لگا ہاں حضور تیز ہی ہونا چاہیے گھوڑے کو، سست نہیں ہونا چاہیے۔

اب حجاج کو اور زیادہ غصہ چڑھا کہ بھئی میں اس کو دھمکی دے رہا ہوں یہ مسلسل اس کو انعام کی طرف ہی ہر بات کو لے جاتا ہے۔ تو حجاج نے کہا، اپنے سپاہیوں کو کہا پکڑو اس کو بھئی، سارے اٹھاؤ اس کو لے کر چلو۔ اب ساروں نے، سپاہی جو تھے انہوں نے پکڑ لیا، کسی نے بازو سے پکڑا، کسی نے ٹانگوں سے پکڑا، سروں پر اونچا کر لیا۔ جب سروں پر اٹھا کر چلنے لگے تو وہ قبعثری کہنے لگا: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ۔ اب وہ سواری کی دعا اس نے پڑھ لی جیسے یہ سواری اللہ نے دے دی۔ اب تو حجاج کو اور زیادہ غصہ آیا، تو کہنے لگا بھئی اس کو اٹھا کر زور سے نیچے مارو، یہ سواری کی دعا پڑھ رہا ہے۔ تو انہوں نے اٹھا کر اس کو نیچے مارا

زمین پر۔ جب نیچے گرا تو کہتا ہے: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى۔ پھر بہر حال حجاج بڑا اس کی ذہانت اور اس کی حاضر جوابی پر بڑا، اس سے بڑا متاثر ہوا اور اس کو معاف کر دیا اور بڑا انعام وغیرہ اس کو دیا بھئی۔ تو یہ وہ واقعہ ہے، دیکھو دوسرے کے کلام کو کیا کر رہا ہے؟ دوسرے معنی پر محمول کر رہا ہے کہ یہ معنی زیادہ لائق ہے جو میں مراد لے رہا ہوں، وہ معنی مناسب نہیں آپ کے، آپ کو بیڑیوں میں جکڑنے کی دھمکی نہیں دینی چاہیے بلکہ آپ جیسے امیر کو تو انعام دینے کی بات کرنی چاہیے بھئی۔

■ قولہ: «كَقَوْلِ الْقَبَعْثَرَى لِلْحَجَّاجِ» کی تشریح

كَقَوْلِ الْقَبَعْثَرَى لِلْحَجَّاجِ جیسے کہ قبعثری کا قول حجاج سے وَقَدْ تَوَعَّدَهُ، تَوَعُّد کا معنی ہوتا ہے دھمکی دینا، وَقَدْ تَوَعَّدَهُ بِقَوْلِهِ اور حال یہ کہ تحقیق دھمکی دی تھی اس کو حجاج نے اپنے اس قول کے ساتھ: لَأَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْأَدْهَمِ کہ البتہ میں تجھے سوار کر دوں گا بیڑیوں پر یعنی بیڑیوں میں جکڑ دوں گا۔ تو آگے مِثْلُ الْأَمِيرِ یہ ہے قَوْلِ الْقَبَعْثَرَى جو پیچھے آیا ناكَقَوْلِ الْقَبَعْثَرَى لِلْحَجَّاجِ، تو یہ اس نے دیکھو اس کے کہنے والے کی مراد کے خلاف پر اس کے کلام کو محمول کیا ہے، تو قبعثری کہنے لگا: مِثْلُ الْأَمِيرِ يَحْمِلُ عَلَى الْأَدْهَمِ وَالْأَشْهَبِ کہ امیر جیسے لوگ جو ہیں وہ سوار کرتے ہیں سیاہ گھوڑے پر وَالْأَشْهَبِ اور سفید گھوڑے پر۔ أَشْهَب کہتے ہیں سیاہی مائل سفید، سیاہی مائل سفید، یعنی سفید گھوڑا ہے لیکن کچھ بالوں میں کچھ سیاہی بھی ہے ہلکی سی۔ کہ آپ جیسے امیر جو ہیں وہ سیاہ اور سفید گھوڑے پر ہی سوار کرتے ہیں۔ فَقَالَ لَهُ الْحَجَّاجُ تو حجاج نے اس سے کہا: أَرَدْتُ الْحَدِيدَ میں نے لوہے کا ارادہ کیا ہے۔ فَقَالَ الْقَبَعْثَرَى تو قبعثری کہنے لگا: لَأَنْ يَكُونَ حَدِيدًا خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَكُونَ بَلِيدًا کہ گھوڑے کا تیز ہونا بہتر ہے اس بات کے مقابلے میں کہ وہ بَلِید ہو یعنی سست ہو۔ بَلِید کا کیا معنی؟ سست۔

أَرَادَ، اب تشریح کر رہے ہیں بس بھئی: أَرَادَ الْحَجَّاجُ بِالْأَدْهَمِ الْقَيْدَ ارادہ کیا تھا حجاج نے أَدْهَم سے الْقَيْدَ بیڑی کا، وَبِالْحَدِيدِ الْمَعْدِنَ الْمَخْصُوصَ اور حَدِيد کے ساتھ ارادہ کیا تھا حجاج نے الْمَعْدِنَ الْمَخْصُوصَ مخصوص دھات کا یعنی لوہے کا، مخصوص دھات یعنی لوہے کا ارادہ کیا تھا حَدِيد سے حجاج نے، وَحَمَلَهُمَا الْقَبَعْثَرَى عَلَى الْفَرَسِ الْأَدْهَمِ اور اس کو، ان دونوں کو محمول کیا قبعثری نے عَلَى الْفَرَسِ الْأَدْهَمِ اس سیاہ گھوڑے پر الَّذِي لَيْسَ بَلِيدًا جو سست نہ ہو۔

یہ تو پہلی قسم تھی أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ کی کہ مخاطب کا سامنا کرنا علاوہ اس چیز کے ساتھ جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔ دوسری قسم کیا تھی أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ کی؟ کہ سوال کو دوسرے سوال کے درجے میں اتار لینا اور اس کا جواب دینا۔ وَالثَّانِي يَكُونُ بِتَنْزِيلِ السُّؤَالِ مَنْزِلَةَ سُؤَالٍ آخَرَ اور دوسری قسم جو ہے وہ اس سوال کو اتارنا دوسرے سوال کے درجے میں، ایسا دوسرا سوال مُنَاسِبٍ لِحَالَةِ السَّائِلِ جو اس پوچھنے والے کی حالت کے مناسب ہو، یعنی اس نے ایک سوال کیا تھا اس سوال کو ایسے دوسرے سوال کے درجے میں اتار لینا مُنَاسِبٍ لِحَالَةِ السَّائِلِ جو اس پوچھنے والے کی حالت کے مناسب ہو۔ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالی کے اس قول میں ہے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ یہ صحابہ آپ سے پوچھتے ہیں اے پیغمبر عَنِ الْأَهِلَّةِ، أَهِلَّة جمع ہے هِلَال کی، چاند کو کہتے ہیں، کہ ہلال کے بارے میں، چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، قُلْ آپ کہہ دیجیے هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ مَوَاقِيتُ مقررہ اوقات، آپ کہہ دیجیے یہ جو ہیں مقررہ اوقات ہیں لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے وَالْحَجِّ اور حج کے لیے۔

سَأَلَ، اب دیکھیے تشریح کر رہے ہیں: سَأَلَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پوچھا بعض صحابہ نے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے: مَا بَالُ الْهِلَالِ۔ بَال کہتے ہیں شان، شان اور حالت۔ تو مَا بَالُ الْهِلَالِ ہلال کی کیا شان ہے یعنی کیا حالت ہے يَبْدُو دَقِيقًا، بَدَا يَبْدُو کے معنی ہیں ظاہر ہونا، یہ ظاہر ہوتا ہے دَقِيقًا باریک سا، اس حال میں کہ یہ باریک ہوتا ہے ثُمَّ يَتَزَايَدُ پھر یہ بڑھتا رہتا ہے حَتَّى يَصِيرَ بَدْرًا یہاں تک کہ یہ بَدْر بن جاتا ہے۔ کیا بن جاتا ہے؟ بَدْر بن جاتا ہے۔ یاد رکھیے چاند پہلے تین دن باریک سا ہوتا ہے، اس کو عربی میں کہتے ہیں هِلَال۔ اور اس کے بعد تین دن کے بعد چاند قَمَر کہلاتا ہے، قَمَر۔ اور پھر چودھویں رات کو جب پورا ہو جائے تو یہ بَدْر کہلاتا ہے۔ چودھویں رات کا چاند بَدْر۔ تو وہ کہنے لگے کہ یہ پھر یہ بڑھتا رہتا ہے حَتَّى يَصِيرَ بَدْرًا یہاں تک کہ یہ بَدْر بن جاتا ہے یعنی پورا ہو جاتا ہے ثُمَّ يَتَنَاقَصُ پھر یہ کم ہونے لگتا ہے حَتَّى يَعُودَ كَمَا بَدَأَ یہاں تک کہ یہ لوٹ آتا ہے جیسے کہ یہ شروع ہوا تھا، یعنی جیسے تھا چھوٹا سا اسی طرح باریک سا ہو جاتا ہے۔ فَجَاءَ الْجَوَابُ عَنِ الْحِكْمَةِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَى ذَلِكَ۔ تو انہوں نے یہ سوال کیا تھا، تو جواب آیا فَجَاءَ الْجَوَابُ تو جواب آیا عَنِ الْحِكْمَةِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَى ذَلِكَ اس فائدے کے بارے میں جو مرتب ہو رہی تھی، مرتب ہو رہا تھا اس پر۔ تو جواب میں وہ حکمت آئی جو اس پر مرتب ہو رہی تھی، چاند کے چھوٹا بڑا ہونے پر جو حکمت تھی، جو اس میں فائدہ تھا اس کے ساتھ جواب دیا گیا لِأَنَّهَا أَهَمُّ لِلسَّائِلِ اس لیے کیونکہ وہ زیادہ اہم تھا پوچھنے والے کے لیے، وہ ان کے حال کے زیادہ مناسب تھا۔ فَنُزِّلَ سُؤَالُهُمْ عَنْ سَبَبِ الْاِخْتِلَافِ تو ان کا سوال جو تھا سبب اختلاف کے بارے میں اس کو اتار لیا گیا مَنْزِلَةَ السُّؤَالِ عَنْ حِكْمَتِهِ اس کی حکمت کے بارے میں سوال کے درجے میں۔ انہوں نے سوال کس کے بارے میں کیا تھا؟ سبب اختلاف کے بارے میں۔ تو جہ ہے عبارت پر؟ انہوں نے سوال کیا تھا سبب اختلاف کے بارے میں۔ آگے آرہا ہے حِكْمَتِهِ أَيْ حِكْمَةِ الْاِخْتِلَافِ، تو انہوں نے سوال کیا تھا سبب اختلاف کے بارے میں اور اس سوال کو حکمت اختلاف کے سوال کے درجے میں اتار لیا گیا کہ گویا کس کے بارے میں سوال کر رہے ہیں؟ اختلاف کی حکمت کے بارے میں کہ اس اختلاف میں فائدے کیا ہیں، اس کے نفع کیا ہیں۔

وَمِنْهَا التَّغْلِيبُ۔ اور کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانا اس کی اقسام میں سے ایک قسم تَغْلِيب ہے، وَهُوَ تَرْجِيحُ أَحَدِ الشَّيْئَيْنِ عَلَى الْآخَرِ اور وہ ترجیح دینا ہے دو چیزوں میں سے ایک کو عَلَى الْآخَرِ دوسرے پر فِي إِطْلَاقِ لَفْظِهِ عَلَيْهِ اس ایک چیز پر دوسری چیز کے لفظ کے اطلاق کرتے ہوئے۔

بھئی تَغْلِیب اس کو کہتے ہیں کہ دو چیزیں ہیں، دو چیزیں۔ تو دو چیزیں ہیں تو ایک کے لیے ایک لفظ ایک پر بولتے ہیں، دوسرا لفظ دوسری پر بولتے ہیں، لیکن یوں کر لیا جاتا ہے کبھی کبھار کلام میں کہ دونوں پر ایک ہی لفظ بول دیا جاتا ہے۔ مثلاً بھئی یہ پہلی چیز ہے یہ دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز کے لیے ایک لفظ وضع ہے، دوسری چیز کے لیے دوسرا لفظ ہے۔ اس کو یہ کہتے ہیں دوسری چیز کو کچھ اور کہتے ہیں، لیکن کیا کر لیا جاتا ہے؟ ان میں سے ایک چیز کا جو لفظ ہے اسی کو دوسری کے لیے بھی استعمال کر لیا گیا حالانکہ وہ تو اس کے لیے استعمال نہیں۔ جیسے بھئی اردو میں کہتے ہیں والدین۔ کیا کہتے ہیں؟ والدین۔ والدین سے کون مراد ہیں؟ ماں باپ، حالانکہ والدین یہ تو والد کی تثنیہ ہے۔ کس کی تثنیہ ہے؟ والد، اور دوسری تو والدہ ہے، لیکن اس پر بھی کیا لفظ بول دیا گیا؟ والد۔ ایک والد خود اور والدہ پر بھی کیا لفظ بول دیا گیا؟ والد۔ تو دو والد ہوئے تو کیا کہیں گے؟ والدین۔ دیکھا دوسری پر ایک کو غلبہ دے دیا گیا، یہ ہے تَغْلِیب، ایک چیز کو دوسری پر غالب کر دینا، اس پر غلبہ دے دینا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَمِنْهَا التَّغْلِيبُ» کی تشریح

تو کہتے ہیں، دوبارہ ترجمہ دیکھیے: وَمِنْهَا التَّغْلِيبُ اور اس میں سے ایک تَغْلِیب ہے، وَهُوَ تَرْجِيحُ أَحَدِ الشَّيْئَيْنِ عَلَى الْآخَرِ وہ ترجیح دینا ہے دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر، کس چیز میں ترجیح دینا؟ فِي إِطْلَاقِ لَفْظِهِ عَلَيْهِ اس ایک پر دوسری چیز کے لفظ کے اطلاق میں، کہ ایک پر ہی دوسری چیز کے لفظ کا بھی اطلاق۔ بھئی دیکھیے والدین، ایک والد ایک ہے والدہ، لیکن دونوں پر کیا لفظ بول دیا گیا؟ والدین۔ گویا آپ نے والد کو ترجیح دے دی کس پر؟ والدہ، یعنی اس لفظ کو ترجیح دے دی دوسرے لفظ پر ترجیح دے دی۔ یہ معنی ہے فِي إِطْلَاقِ لَفْظِهِ عَلَيْهِ اس ایک چیز کے لفظ کو دوسری پر اطلاق کرنے میں، اس کے لیے استعمال کرنے میں۔

كَتَغْلِيبِ الْمُذَكَّرِ عَلَى الْمُؤَنَّثِ جیسے کہ مذکر کی تَغْلِیب ہے، مذکر کو غلبہ دیا گیا ہے عَلَى الْمُؤَنَّثِ مؤنث پر فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ تعالی کے اس قول میں: وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ۔ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر ہو رہا ہے: وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ، وہ کس میں سے تھیں؟ فرمانبرداروں میں سے تھیں۔ وہ مریم کس میں سے تھیں؟ فرمانبرداروں میں سے تھیں۔ قُنُوت، قُنُوت کہتے ہیں فرمانبرداری کو، فرمانبرداری کو۔ اب دیکھیے بھئی یہاں آیا كَانَتْ، کس کی بات چل رہی ہے؟ ضمیر کون سی ہے؟ مؤنث کی، كَانَتْ۔ اور الْقَانِتِينَ یہ تو مذکر کا صیغہ ہے۔ تو ہونا چاہیے تھا كَانَتْ مِنَ الْقَانِتَاتِ وہ فرمانبردار عورتوں میں سے ایک فرمانبردار عورت ہیں، وہ فرمانبردار عورتوں میں سے تھیں۔ لیکن کیا استعمال کیا گیا؟ الْقَانِتِينَ، اور الْقَانِتِينَ یہ تو مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو گویا مذکر کو غلبہ دے دیا گیا کس پر؟ مؤنث پر، اور مؤنث کے لیے بھی وہی لفظ استعمال کر لیا گیا جو کس کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ مذکر کے۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں بھئی؟ ہونا کیا چاہیے تھا؟ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتَاتِ، مؤنث کا صیغہ ہونا چاہیے تھا لیکن مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا، معلوم ہوا مذکر کو غلبہ دے دیا گیا کس پر؟ مؤنث پر، اور مؤنث کے لیے وہی لفظ استعمال کر لیا گیا جو کس کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ مذکر کے لیے۔ تو اس میں اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مریم کی فرمانبرداری کسی طرح بھی فرمانبردار مردوں سے کم نہیں تھی بھئی۔

وَمِنْهُ الْأَبَوَانِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ۔ اور اسی طرح أَبَوَانِ کا لفظ ہے لِلْأَبِ وَالْأُمِّ باپ اور ماں کے لیے۔ بھئی دیکھیے ایک ہے أَب یعنی باپ اور ایک ہے أُمّ یعنی ماں، تو ان دونوں پر عربی میں أَبَوَانِ کا لفظ بول دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کس لفظ کو ترجیح دے دی گئی دوسرے پر؟ مذکر کو ترجیح دے دی گئی مؤنث پر۔ تو گویا ایک ہے تھا أَب، دوسری ہے تو أُمّ لیکن اس پر بھی کیا لفظ بول دیا گیا؟ أَب کا لفظ، تو دو أَب ہوئے تو تثنیہ بنالی، کیا بن گیا؟ أَبَوَانِ۔ وَمِنْهُ الْأَبَوَانِ اور تَغْلِیب میں سے ہی أَبَوَانِ کا لفظ بھی ہے لِلْأَبِ وَالْأُمِّ باپ اور ماں کے لیے۔

وَكَتَغْلِيبِ الْمُذَكَّرِ اور جیسے کہ مذکر کو غلبہ دینا وَالْأَخَفِّ اور جو زیادہ ہلکا ہے، جو زیادہ ہلکا ہے یعنی خفیف ہے بولنے میں، بولنے میں آسان ہے اس کو غلبہ دینا عَلَى غَيْرِهِمَا ان دونوں کے علاوہ پر، نَحْوُ مثال کے طور پر: الْقَمَرَيْنِ۔ بھئی عربی زبان میں سورج اور چاند پر قَمَرَيْنِ کا لفظ بولتے ہیں۔ کیا لفظ بولتے ہیں؟ قَمَرَيْنِ۔ جیسے اردو میں والدین ماں باپ پر بولتے ہیں، عربی میں سورج اور چاند دونوں کے لیے اکٹھا ہی ذکر کر دیتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ قَمَرَيْنِ۔ اب دیکھیے قَمَر تو چاند کو کہتے ہیں، سورج کو تو شَمْس کہتے ہیں، لیکن قَمَر کو غلبہ دے دیا گیا اور سورج پر بھی کیا لفظ بول دیا گیا؟ قَمَر، تو دو قَمَر ہو گئے تو کیا کہہ دیا؟ قَمَرَيْنِ۔ بھئی غلبہ کیوں دیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ قَمَر یہ لفظ عربی میں مذکر استعمال ہوتا ہے اور شَمْس کا لفظ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، تو مذکر کو مؤنث پر غلبہ دے دیا گیا اور شَمْس پر بھی کیا لفظ بول دیا گیا؟ مذکر والا یعنی قَمَر ہی، تو کیا کہہ دیتے ہیں؟ قَمَرَيْنِ۔ یہ معنی ہے نَحْوُ الْقَمَرَيْنِ أَيِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ یعنی سورج اور چاند۔

وَالْعُمَرَيْنِ أَيْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا دونوں پر لفظ اکٹھا بول دیتے ہیں اور کہتے ہیں عُمَرَيْنِ۔ کیا کہتے ہیں؟ عُمَرَيْنِ۔ بھئی یہاں پر ایک لفظ ہے أَبُو بَكْر، ایک لفظ ہے عُمَر، لیکن کس کو غلبہ دیا گیا؟ عُمَر کو۔ کیوں غلبہ دیا گیا؟ کیونکہ عُمَر کا لفظ ہلکا ہے، عُمَر عین میم راصرف تین حروف ہیں، اور أَبِي بَكْرٍ اس میں زیادہ حروف ہیں، تو کم حروف والا لفظ ہلکا ہوتا ہے، زبان پر آسانی سے جلدی سے ادا ہو جاتا ہے، تو اس وجہ سے عُمَر کے لفظ کا دونوں پر اطلاق کر دیتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ عُمَرَيْنِ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لیکن پھر ان میں فرق ہے یاد رکھیے! كَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ وہ اور قسم کی تَغْلِیب ہے، یہ أَبَوَانِ اور قَمَرَيْنِ اور عُمَرَيْنِ یہ اور قسم کی تَغْلِیب ہے بھئی۔ کس طرح؟ بھئی وہاں پر، وہاں پر غلبہ صرف صیغے کے اعتبار سے ہے، یہاں پر غلبہ مادے کے اعتبار سے ہے۔ اس میں غلبہ کس اعتبار سے؟ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ صرف صیغے کے اعتبار سے۔ کس طرح؟ اس لیے کہ قُنُوت کا معنی ہے فرمانبرداری کرنا اور یہ صفت مردوں میں بھی ہوتی ہے اور عورتوں میں بھی ہوتی ہے، تو یہ صفت ہوتی دونوں میں

ہے صرف صیغے الگ الگ ہیں، مذکر کے لیے قَانِتِينَ کا صیغہ ہے تو مؤنث کے لیے قَانِتَات کا صیغہ ہے، صرف صیغے الگ الگ تھے باقی قُنُوت یعنی فرمانبرداری تو دونوں میں پائی جارہی تھی تو صرف ایک کے صیغے کو دوسرے کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ صورت سمجھے؟ جبکہ باقی مثالوں میں ایک کے مادے کو دوسرے کے لیے استعمال کر لیا گیا، جیسے ماں باپ کے لیے کیا لفظ تھا عربی میں؟ أَبَوَيْنِ۔ اب أَب یہ تو باپ کو کہتے ہیں، ماں کے لیے أَب کا لفظ یہ مادہ استعمال ہی نہیں ہوتا، اس کے لیے تو أُمّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو دیکھو وہاں قُنُوت والی صفت دونوں میں تھی لیکن یہاں أَب والی صفت دونوں میں ہے؟ نہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں مادہ ہی الگ الگ ہے، وہاں مادہ تو دونوں میں، قُنُوت دونوں میں تھا، فرمانبرداری دونوں میں تھی صرف صیغے کا اختلاف تھا، ایک کے لیے قَانِتُونَ کہتے ہیں ایک کے لیے قَانِتَات کہتے ہیں، تو وہاں صیغے کو غلبہ دیا گیا اور یہاں پر مادے ہی کو غلبہ دے دیا گیا۔ أَب، أَب کا مادہ تو صرف باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے، ماں کے لیے تو أَب کا مادہ استعمال ہی نہیں، تو مادے ہی کو غلبہ دے دیا گیا اور اس کے لیے بھی وہی لفظ استعمال کر لیا گیا۔

■ قولہ: «وَالْمُخَاطَبِ عَلَى غَيْرِهِ» کی تشریح

آگے دیکھیے: وَالْمُخَاطَبِ عَلَى غَيْرِهِ۔ غلبے کی، تَغْلِيب کی مثالیں چل رہی ہیں: وَالْمُخَاطَبِ عَلَى غَيْرِهِ اور مخاطب کو غیر مخاطب پر غلبہ دینے کی مثال نَحْوُ مثال کے طور پر: لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو دعوت دیتے رہتے تھے تو قوم والے، اب کچھ لوگ تو ایمان لے آئے لیکن باقی حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگ گئے اور کہنے لگے: لَنُخْرِجَنَّكَ کہ ہم البتہ آپ کو ضرور نکال دیں گے يَا شُعَيْبُ اے شعیب وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں آپ کے ساتھ ان کو مِنْ قَرْيَتِنَا کہاں سے؟ اپنی بستی سے، ہم ان کو اور تمہیں، آپ کو اور انہیں نکال دیں گے اپنی بستی سے أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا مگر یہ کہ آپ لوٹ آئیں ہمارے دین میں۔ مِلَّت کہتے ہیں دین کو۔ مِلَّت کا کیا معنی؟ دین۔ مگر یہ کہ آپ لوٹ آئیں ہمارے دین میں۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ بھئی دیکھیے جو دوسرے اہل ایمان تھے وہ تو اس بستی والوں کے دین پر پہلے تھے، وہ بھی پہلے مسلمان نہیں تھے لیکن پھر وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے دین پر آ گئے، اسلام پر آ گئے، اور پھر اب بستی والے کیا کہہ رہے ہیں؟ لوٹ آئیں۔ تو لوٹنا کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک راستے سے انسان نئے راستے پر گیا ہو اور پھر واپس پرانے راستے کی طرف آئے تو اسے کیا کہتے ہیں؟ لوٹنا۔ تو وہ آئیں تو اس کو تو لوٹنا کہیں گے جب باقی اہل ایمان لوٹ کر آئیں گے، اس کو تو کہیں گے یہ لوٹ آئے ہیں، لیکن حضرت شعیب علیہ السلام تو کبھی ان کے دین پر تھے ہی نہیں تو ان کے لیے لوٹنے کا لفظ ان پر بھی بول دیا گیا: لَتَعُودُنَّ مگر یہ کہ آپ لوٹ آئیں، جمع کا صیغہ استعمال کیا، یعنی ان کے ساتھ ساتھ حضرت شعیب کو بھی شامل کیا، اور حضرت شعیب علیہ السلام یہ، ان کے لیے تو لوٹنے کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔ ان کے لیے جو غائب ہیں ان کے لیے تو استعمال کیا جا سکتا ہے وہ جو دوسرے ایمان لے آئے ہیں کہ ہم نکال دیں گے بستی سے مگر یہ کہ وہ واپس لوٹ آئیں، تو ان کے لیے لوٹنے کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے تو لوٹنے کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبر ہمیشہ نبوت کے بعد تو ہے ہی، نبوت سے پہلے بھی وہ شرک سے معصوم اور محفوظ ہوتا ہے، بلکہ، بلکہ ہر قسم کے گناہ سے معصوم و محفوظ ہوتا ہے۔ نبوت ملنے کے بعد تو ہوتا ہی معصوم و محفوظ ہے، نبوت ملنے سے پہلے بھی پیغمبر ہر قسم کے گناہ سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے تو لوٹنے کا لفظ استعمال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ ان کے راستے پر تھے ہی نہیں، تھے ہی نہیں۔ تو کہنا کیا چاہیے تھا؟ مگر یہ کہ وہ لوٹ آئیں ہمارے دین پر، لَيَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا مگر یہ کہ وہ لوٹ آئیں۔ لیکن خطاب کس سے ہو رہا ہے؟ حضرت شعیب سے۔ تو مخاطب کو غلبہ دے دیا گیا ان پر بھی اور سب کو ملا کر کہہ دیا گیا لَتَعُودُنَّ مگر یہ کہ تم سب کیا ہو؟ لوٹ آؤ ہمارے دین کے اندر۔ اور یہاں پر حضرت شعیب علیہ السلام کو بطور غلبے کے داخل کیا گیا کس کے اندر؟ لَتَعُودُنَّ میں، کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام تو ان کے دین پر کبھی تھے ہی نہیں۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام ان کے دین پر کبھی تھے ہی نہیں لیکن پھر بھی ان کو لَتَعُودُنَّ کے اندر جو ہے وہ بطور غلبے کے داخل کر دیا گیا بھئی، بطور غلبے کے داخل کر دیا گیا۔

لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا البتہ ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب آپ کو اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں آپ کے ساتھ مِنْ قَرْيَتِنَا اپنی بستی سے أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا مگر یہ کہ آپ لوٹ آئیں ہمارے دین میں۔ أُدْخِلَ شُعَيْبٌ بِحُكْمِ التَّغْلِيبِ فِي لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا داخل کیا گیا حضرت شعیب علیہ السلام کو تَغْلِيب کے حکم سے کس چیز میں؟ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا میں، مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيهَا قَطُّ باوجود اس کے کہ وہ کبھی بھی لَمْ يَكُنْ فِيهَا مگر یہ کہ وہ نہیں تھے اس ملت میں، اس دین میں قَطُّ کبھی بھی حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهَا یہاں تک کہ وہ اس کی طرف لوٹ آتے۔ وہ تو اس دین پر کبھی تھے ہی نہیں کہ لوٹ کر دوبارہ اس کی طرف آتے۔ تو یہاں لَتَعُودُنَّ کے اندر حضرت شعیب علیہ السلام کو جو داخل کیا گیا وہ کس طریقے پر ہے؟ تَغْلِيب کے طریقے پر ہے۔

وَكَتَغْلِيبِ الْعَاقِلِ عَلَى غَيْرِهِ۔ اور جیسے کہ عاقل کو غلبہ دینا غیر عاقل پر، كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالی کا قول ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ اب یہاں پر بھی تَغْلِيب ہے بھئی، اور عاقل کو تَغْلِيب دی گئی غیر عاقل پر۔ کس طرح؟ کہتے ہیں دیکھیے جو عَالَم کا لفظ ہے عَالَم، یہ اسم آلہ کا صیغہ ہے أَيْ مَا يُعْلَمُ بِهِ جس کے ذریعے جانا جائے۔ جاننے کا آلہ، عَالَم کا کیا معنی؟ جاننے کا آلہ یعنی جس

چیز کے ذریعے علم ہوتا ہے، جانا جاتا ہے۔ تو یہ تمام جہان، یہ جتنی چیزیں ہیں ان کے ذریعے چونکہ اللہ کی ذات کو جانا جاتا ہے، یہ ساری چیزیں اللہ کی ذات پر دلیل ہیں، یہ ساری چیزیں بتلاتی ہیں کہ کوئی ان کا بنانے والا ہے۔ تو یہ کیا ہیں؟ جاننے کا آلہ ہیں، اس کے ذریعے کس کو جانا جاتا ہے؟ اللہ کی ذات کو جانا جاتا ہے کہ کوئی خالق ہے، کوئی معبود ہے حقیقی بھئی۔ تو اب اس میں عاقل بھی ہیں، یہ ساری چیزیں ان میں ذوی العقول بھی ہیں اور غیر ذوی العقول بھی، لیکن یہاں پر ذوی العقول کو غلبہ دے دیا گیا اور واؤنون کے ساتھ عَالَمِينَ، واؤنون کے ساتھ جمع لائی گئی، یا نون کے ساتھ۔ بھئی مُسْلِمُونَ، مُسْلِمِينَ آپ نے پڑھی ہے یہ جمع کس کے لیے استعمال ہوتی ہے؟ ذوی العقول کے لیے، مذکر کے لیے استعمال ہوتی ہے، غیر ذوی العقول کے لیے یہ واؤنون کے ساتھ جمع استعمال نہیں ہوتی۔ تو یہاں پر بھی عَالَم وہ چیزیں جن کے ذریعے اللہ کو جانا جاتا ہے اس میں کچھ ذوی العقول تھے کچھ غیر ذوی العقول، ساری مخلوقات اس کے اندر داخل تھیں، لیکن کس کو غلبہ دے دیا گیا؟ ذوی العقول کو غلبہ دے دیا گیا اور وہ صیغہ جو ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا تھا وہ کس کے لیے استعمال کر لیا گیا؟ غیر ذوی العقول کے لیے بھی استعمال کر لیا گیا اور سب مراد لے لیے بھئی اس سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو عَالَمِينَ میں سب داخل، ذوی العقول بھی اور غیر ذوی العقول بھی۔ اور غیر ذوی العقول کے لیے تو واؤنون یا یا نون کے ساتھ جمع والا صیغہ استعمال نہیں ہوتا لیکن یہاں سب کے لیے وہی استعمال کر لیا گیا، معلوم ہوا کس کو غلبہ دیا گیا؟ ذوی العقول کو غلبہ دے کر وہی صیغہ سب کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: وَكَتَغْلِيبِ الْعَاقِلِ عَلَى غَيْرِهِ اور جیسے عاقل کو غلبہ دیا عَلَى غَيْرِهِ أَيْ غَيْرِ الْعَاقِلِ غیر عاقل پر كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ کا قول ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْفَنُّ الثَّانِي: عِلْمُ الْبَيَانِ (اَلتَّشْبِيهُ، اَلْمَجَازُ، وَالْكِنَايَةُ)

تشبیہ کے ارکان، اقسام اور اغراض، مجازِ لغوی، استعارہ کی اقسام، مجازِ مرسل، مجازِ مرکب، مجازِ عقلی اور کنایہ (اسباق ۶۶ تا ۷۴)

سبق نمبر ٦٦: الفن الثاني (علم البيان): علمِ بیان کی تعریف و موضوع اور تشبیہ کی تعریف و ارکانِ اربعہ (طرفینِ حسی و عقلی)

دروس البلاغہ صفحہ: ۹۳ــــ بتاریخ: ۱۹ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

عِلْمُ الْبَيَانِ. اَلْبَيَانُ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ. اَلتَّشْبِيهُ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِي وَصْفٍ بِأَدَاةٍ لِغَرَضٍ، وَالْأَمْرُ الْأَوَّلُ يُسَمَّى الْمُشَبَّهَ، وَالثَّانِي الْمُشَبَّهَ بِهِ، وَالْوَصْفُ وَجْهَ الشَّبَهِ، وَالْأَدَاةُ الْكَافُ أَوْ نَحْوُهَا، نَحْوُ: اَلْعِلْمُ كَالنُّورِ فِي الْهِدَايَةِ. فَالْعِلْمُ مُشَبَّهٌ، وَالنُّورُ مُشَبَّهٌ بِهِ، وَالْهِدَايَةُ وَجْهُ الشَّبَهِ، وَالْكَافُ أَدَاةُ التَّشْبِيهِ. وَيَتَعَلَّقُ بِالتَّشْبِيهِ ثَلَاثَةُ مَبَاحِثَ: اَلْأَوَّلُ فِي أَرْكَانِهِ، وَالثَّانِي فِي أَقْسَامِهِ، وَالثَّالِثُ فِي الْغَرَضِ مِنْهُ. اَلْمَبْحَثُ الْأَوَّلُ فِي أَرْكَانِ التَّشْبِيهِ: أَرْكَانُ التَّشْبِيهِ أَرْبَعَةٌ: اَلْمُشَبَّهُ وَالْمُشَبَّهُ بِهِ وَيُسَمَّيَانِ طَرَفَيِ التَّشْبِيهِ، وَوَجْهُ الشَّبَهِ، وَالْأَدَاةُ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

آج ہم علم بلاغت کے اندر فن ثانی شروع کر رہے ہیں، عِلْمُ الْبَيَانِ بھئی۔ آپ نے پڑھا تھا کہ علم بلاغت یہ تین علوم کا مجموعہ ہے: عِلْمُ الْمَعَانِي، عِلْمُ الْبَيَانِ، اور عِلْمُ الْبَدِيعِ بھئی، عِلْمُ الْبَدِيعِ۔ عِلْمُ الْمَعَانِي مکمل ہوا جس میں یہ بتلایا گیا کہ کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیسے کیا جائے گا، کس موقع پر کس قسم کا کلام کیا جائے گا، اور آخر میں یہ بھی بیان ہوا کہ کبھی کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف بھی لایا جاتا ہے۔ یہ ساری تفصیل گزر گئی، اب عِلْمُ الْبَيَانِ کا آغاز ہے۔

اَلْبَيَانُ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ۔ علم بیان ایسا علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے تشبیہ، مجاز اور کنایہ سے۔ بھئی علم بیان وہ علم ہے جس میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک ہی معنی کو مختلف طریقوں سے کیسے ادا کرنا ہے۔ ایک ہی معنی کو مختلف طریقوں سے کیسے ادا کرنا ہے؟ ایک ہی معنی کو۔ یا آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ ایک ہی بات کو مختلف انداز میں کیسے کرنا ہے، یہ بتلایا جاتا ہے علم بیان میں۔ بھئی مختلف مواقع ہوتے ہیں، وہاں پر مختلف قسم کے کلام کی ضرورت پیش آتی ہے، کہیں خوب واضح کلام چاہیے ہوتا ہے، کہیں پر کچھ خفی انداز کا کلام پسندیدہ ہوتا ہے۔ تو مختلف مواقع ہوتے ہیں تو اس علم میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک ہی معنی کو، ایک ہی بات کو مختلف انداز میں کیسے کیا جائے گا بھئی۔

جیسے کہتے ہیں ایک بادشاہ تھا، اس نے خواب دیکھا کہ اس کے سارے دانت گر گئے ہیں بھئی، خواب دیکھا اس نے۔ تو اس نے معبروں کو بلوایا، تعبیر کرنے والوں کو، اور تعبیر کرنے والے کو بلوا کر اس سے پوچھا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کی کیا تعبیر ہے؟ تو وہ تعبیر کرنے والا کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت! آپ کے خاندان کے سارے لوگ یعنی بیوی، بچے وغیرہ، رشتہ دار وہ آپ کی زندگی میں ہی مر جائیں گے۔ بادشاہ بڑا غضب ناک ہوا کہ یہ کیسی تعبیر کی ہے خواب کی! کہا لے جاؤ بھئی اس کو جیل میں ڈال دو۔

دوسرے تعبیر کرنے والے کو بلوایا اور کہا میں نے اس طرح خواب دیکھا ہے کہ میرے سارے دانت گر گئے ہیں، اس کی کیا تعبیر ہے؟ تو وہ کہنے لگا: مبارک ہو بادشاہ سلامت! معلوم ہوا آپ کی زندگی آپ کے سارے خاندان والوں میں سے سب سے لمبی آپ کی زندگی ہے، اللہ آپ کو سب سے لمبی زندگی دیں گے۔ اب بادشاہ بڑا خوش ہوا اور اس کو انعام وغیرہ دیا۔ تو دیکھیے وہی بات تھی، ایک نے بالکل واضح لفظوں میں کر دی تو بڑی بری معلوم ہوئی، اور اسی کو دوسرے نے کنائے کے انداز میں کر دیا تو بات بڑی خوشگوار ہو گئی اور خوشنما بن گئی بھئی۔ تو مختلف مواقع پر مختلف قسم کے کلام کی ضرورت پیش آتی ہے۔

تو یہ چنانچہ کہتے ہیں بھئی: اَلْبَيَانُ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ، علم بیان ایسا علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے تشبیہ، مجاز اور کنایہ سے۔ علم بیان کی تعریف بھئی انہوں نے کتاب کے اندر جو ذکر کیا کہ اَلْبَيَانُ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ، کہ علم بیان وہ ایسا علم ہے يُبْحَثُ فِيهِ جس میں بحث کی جاتی ہے عَنِ التَّشْبِيهِ تشبیہ کے بارے میں، وَالْمَجَازِ اور مجاز کے بارے میں، وَالْكِنَايَةِ اور کنایہ کے بارے میں۔ علم بیان ایسا علم ہے جس کے اندر تشبیہ، مجاز اور کنایہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ یہ چونکہ یہ کتاب ابتدائی درجات کے طلباء کے لیے لکھی گئی تو اس میں یہ آسان انداز اختیار کیا گیا طلباء کی آسانی کے لیے کہ علم بیان میں کیا کیا جاتا ہے؟ تشبیہ، مجاز اور کنایہ سے بحث کی جاتی ہے۔

جبکہ اس کی تعریف علم بیان کی وہ حاشیے میں دی ہوئی ہے، اس کو بھی سمجھ لیں کہ إِنَّ الْمَشْهُورَ فِي تَعْرِيفِ الْبَيَانِ أَنَّهُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ إِيرَادُ الْمَعْنَى الْوَاحِدِ بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ فِي وُضُوحِ الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ۔ کہ علم بیان وہ ایسا علم ہے يُعْرَفُ بِهِ کہ جس کے ذریعے جانا جاتا ہے إِيرَادُ الْمَعْنَى الْوَاحِدِ ایک معنی کو لانا بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ مختلف طریقوں سے۔ اور وہ طریقے مختلف ہوتے ہیں، بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ فِي وُضُوحِ الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ، اور وہ طریقے مختلف کس اعتبار سے ہوتے ہیں؟ وہ طریقے مختلف ہوتے ہیں فِي وُضُوحِ الدَّلَالَةِ دلالت کے واضح ہونے میں عَلَيْهِ اس معنی پر۔ کہ وہ طریقے مختلف ہوتے ہیں اس معنی پر دلالت کے واضح ہونے کے اعتبار سے۔

بھئی دیکھیے، عربی میں جب کسی شخص کی سخاوت بیان کی جاتی ہے تو اس کو سمندر کے ساتھ عموماً تشبیہ دیتے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے۔ ایک طریقہ کیا ہے؟ عربی میں جب کسی شخص کی سخاوت بیان کرنی ہو تو اس کو سمندر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ، يا زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي الْكَرَمِ۔ زید سمندر کی طرح ہے فِي الْكَرَمِ سخاوت کے اندر، يا زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ زید سمندر کی طرح ہے سخاوت میں۔ تو دیکھیے زید کو تشبیہ دی گئی، کس کے ساتھ؟ سمندر کے ساتھ۔ اور کس چیز میں تشبیہ دی گئی؟ سخاوت میں، فِي السَّخَاءِ سخاوت میں۔ اب یہاں پر دیکھیے ہر جز تشبیہ کا ذکر کر دیا گیا لفظوں میں: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ۔

■ قولہ: «زَيْدٌ كَالْبَحْرِ۔ زَيْدٌ كَالْبَحْرِ» کی تشریح

دوسری صورت اسی کو آپ یوں بیان کرتے ہیں: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ۔ زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، آپ نے فِي السَّخَاءِ کو ذکر ہی نہیں کیا، لیکن سننے والا سمجھ جاتا ہے۔ تیسری صورت کہ آپ کاف کو بھی درمیان سے، درمیان میں سے حذف کر دیں اور یوں کہیں: زَيْدٌ بَحْرٌ۔ زید کیا ہے؟ سمندر ہے۔ لیکن سننے والا سمجھ گیا کہ زید سمندر جیسا ہے بھئی، اور کس چیز میں ہے؟ سخاوت میں ہے۔ تو دیکھیے یہاں تشبیہ تین طریقوں سے ہو سکتی ہے: ایک یہ کہ تشبیہ کا ہر جز، ہر رکن باقاعدہ لفظوں میں ذکر کر دیا جائے اور یوں کہا جائے زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ۔ دوسری صورت یہ کہ یوں کہا جائے کہ زَيْدٌ كَالْبَحْرِ۔ تیسری صورت یہ کہ کاف کو بھی حذف کر دیں اور یوں کہیں زَيْدٌ بَحْرٌ۔ تو تینوں کے اندر تو تشبیہ ہی ہے، ہے تینوں کے اندر تشبیہ ہی ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو زَيْدٌ بَحْرٌ کا بھی یہی معنی ہے کہ زَيْدٌ كَالْبَحْرِ زید سمندر جیسا ہے۔

لیکن سب سے زیادہ وضاحت کس کے اندر ہے؟ جس میں لفظ سارے ذکر ہیں، ارکان سارے ذکر ہیں: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ، اس میں وضاحت زیادہ۔ اور اس کے مقابلے میں باقی دو میں کم۔ اور دوسری طرف جس میں کاف ذکر ہے زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، اور ایک وہ ہے جس میں کاف ذکر نہیں زَيْدٌ بَحْرٌ، ان دونوں میں سے کس کے اندر وضاحت زیادہ؟ زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، ظاہر سی بات ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے یہ تشبیہ کے اندر مختلف طریقے آگئے اور ہر ایک میں سخاوت بیان ہوئی، تشبیہ بیان ہوئی، لیکن وضاحت کے اعتبار سے یہ طریقے مختلف ہیں بھئی۔ ہر ایک دلالت کر رہا ہے زید کی سخاوت پر، لیکن وضاحت کے اعتبار سے مختلف ہیں: ایک طریقہ زیادہ واضح ہے باقی دو کی بہ نسبت، اسی طرح دوسرا طریقہ جو ہے وہ آخری طریقے کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے۔ تو دیکھو ایک ہی معنی کو لایا گیا اور طریقے مختلف ہیں بھئی، مختلف ہیں۔

اور اسی بات کو اگر مجاز کے انداز میں بیان کیا جائے تو یوں کہیں گے مثلاً: رَأَيْتُ بَحْرًا، میں نے کس کو دیکھا؟ سمندر کو دیکھا، اور مراد کیا ہے؟ زید جو سخی آدمی ہے وہ مراد ہے۔ تو دیکھو اس کے ذریعے بھی سخاوت بیان ہوئی لیکن یہ مجاز ہے۔ اور اسی سخاوت کے لیے اگر کنایہ استعمال کرتے ہیں اس کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً آپ کہہ دیتے ہیں: زَيْدٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ، زید زیادہ راکھ والا ہے۔ زید زیادہ راکھ والا ہے، اس سے بھی سخاوت پر دلالت ہو گئی، کیونکہ زیادہ راکھ کا معنی یہ ہے کہ اس کے ہاں معلوم ہوا لکڑی زیادہ جلتی ہے، اور لکڑی زیادہ جلتی ہے معلوم ہوا کھانا زیادہ پکتا ہے، اور کھانا زیادہ پکتا ہے معلوم ہوا مہمان زیادہ آتے ہیں، اور مہمان زیادہ آتے ہیں معلوم ہوا سخی آدمی ہے جبھی مہمان زیادہ آتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس نے بھی سخاوت پر دلالت کر دی۔

تو دیکھیے: تشبیہ، مجاز، کنایہ۔ تشبیہ کیسے ہے؟ زَيْدٌ بَحْرٌ۔ مجاز جیسے رَأَيْتُ بَحْرًا۔ اور کنایہ جیسے زَيْدٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ۔ تو یہ سب اسی معنی پر دلالت کر رہے ہیں، لیکن ان کا معنی پر دلالت کرنا بھی ایک درجے کا نہیں، کچھ میں ظہور زیادہ ہو گا دوسروں کی بہ نسبت۔ کوئی بات ان میں سے عربوں کے ہاں جب وہ اس کو استعمال کرتے ہیں کسی کے اندر وضاحت زیادہ درجے کی ہے، وہ زیادہ واضح طریقے پر دلالت کر رہا ہے سخاوت پر، اور بعض دوسرے کے مقابلے میں کچھ کم درجے کے ہیں بھئی۔ تو دیکھیے یہ ہے کہ طریقے مختلف ہیں، معنی ایک ہی ہے، اور دلالت کے واضح ہونے کے اعتبار سے تینوں مختلف ہیں بھئی۔ ہر ایک کی دلالت مختلف ہے، کس اعتبار سے مختلف ہے؟ وضاحت کے۔ دلالت تو ایک ہی معنی پر کر رہے ہیں لیکن وضاحت کے اعتبار سے یہ مختلف ہیں، ایک ہی درجے کی دلالت نہیں ہے ان میں، کسی میں زیادہ ہے کسی میں کم ہے بھئی۔

تو یہ معنی ہے کہ أَنَّهُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ إِيرَادُ الْمَعْنَى الْوَاحِدِ، وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعے جانا جاتا ہے ایک معنی کو لانا بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ فِي وُضُوحِ الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ ایسے طریقوں کے ساتھ جو مختلف ہوتے ہیں اس معنی پر دلالت کے واضح ہونے میں۔ ایک معنی کو لانا ایسے مختلف طریقوں سے، یا یوں کہیں ایک معنی کو لانا ایسے طریقوں سے جو مختلف ہوں کس چیز میں؟ اس معنی پر دلالت کے واضح ہونے میں، کسی میں دلالت واضح ہو، کسی میں دلالت أَوْضَحُ ہو یعنی ان سے زیادہ ہو بھئی، زیادہ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو چونکہ یہ تعریف ذرا مشکل تھی اس لیے طلباء کے لیے سہولت کے لیے انہوں نے آسان لفظوں میں تعریف کر دی اور کتاب میں کیا کہا؟ اَلْبَيَانُ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ، کہ علم بیان وہ ایسا علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے تشبیہ کے بارے میں، مجاز کے بارے میں اور کنایہ کے بارے میں۔

تشبیہ، وہ تو آپ جانتے ہی ہیں ایک چیز کی مشابہت بیان کرنا دوسری چیز کے ساتھ، جیسے میں نے کہا زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، زید کس کی طرح ہے؟ سمندر کی طرح ہے، تو دیکھو زید کی میں نے مشابہت بیان کی کہ زید سمندر کے ساتھ مشابہ ہے۔ مجاز اس کو کہتے ہیں لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا، یعنی جس معنی کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے، مقرر کیا گیا ہے، اس معنی میں آپ نہیں اس لفظ کو استعمال کرتے بلکہ کسی اور معنی میں استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے أَسَدٌ: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي، میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب شیر تو تیر نہیں چلاتا، معلوم ہوا أَسَدٌ بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ اب أَسَدٌ کا لفظ بول کر بہادر آدمی مراد لینا یہ مجاز ہے، کیونکہ أَسَدٌ کا لفظ عربی زبان میں شیر کے لیے وضع ہے، بہادر آدمی کے لیے وضع نہیں۔ یہ تو اس جنگلی درندہ جو ہے اس کے لیے وضع ہے اور مقرر کیا گیا ہے، تو آپ نے اس لفظ کو معنی موضوع لہ یعنی جس معنی کے لیے اس کو مقرر کیا گیا تھا اس کے لیے نہیں استعمال کیا بلکہ کسی دوسرے معنی کے لیے یعنی غیر موضوع لہ معنی کے لیے استعمال کر لیا، اس کو کہتے ہیں مجاز۔

یا جیسے بَحْرٌ کا لفظ سمندر کے لیے وضع ہے، لیکن آپ اس سے وہ معنی موضوع لہ یعنی سمندر مراد نہیں لیتے بلکہ کیا مراد لیتے ہیں؟ سخی آدمی مراد لیتے ہیں، تو یہ لفظ کو آپ نے کس معنی میں استعمال کر لیا؟ معنی غیر موضوع لہ میں، تو اس کو مجاز کہیں گے۔ تو عربی زبان میں سمندر کے ساتھ مشابہت بیان کی جاتی ہے سخاوت میں بھئی، کسی کی سخاوت بیان کرنی ہو تو سمندر سے تشبیہ دیتے ہیں، کیونکہ سمندر جو ہے وہ اس کی بھی سخاوت ظاہر ہے، کتنے ہی لوگوں کا رزق سمندر سے وابستہ ہوتا ہے، وہ سمندر ہی سے مچھلیاں وغیرہ پکڑتے ہیں اور اس کے ذریعے اپنے گزر بسر کا سامان کرتے ہیں، اور بعض لوگ اس سے موتی وغیرہ اور چیزیں نکالتے ہیں اور اس کے ذریعے فائدے حاصل کرتے ہیں بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو عربی زبان میں جب کسی کی سخاوت بیان کرنی ہو تو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سمندر کے ساتھ اس کو تشبیہ دی جاتی ہے۔

اور تیسرا ہے کنایہ۔ کنایہ یہ بھی پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ زید لمبے قد والا ہے، اسی معنی کو میں یوں ادا کرتا ہوں: زید لمبی قمیص والا ہے، زید لمبی قمیص والا ہے۔ تو ملزوم بولا، اور جس کی قمیص لمبی ہو گی لازم ہے اس کے ساتھ کہ یقیناً اس کا قد بھی لمبا ہو گا۔ تو ملزوم بولا اور ارادہ کس کا کیا؟ لازم کا کیا، اس کو کہتے ہیں کنایہ بھئی، ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آگے ان کی مکمل تفصیل آرہی ہے، تو بہر حال اتنا ہی سمجھ لیجیے کہ تشبیہ کہتے ہیں ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ مشابہت بیان کرنا، اور مجاز کہتے ہیں لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا، اور کنایہ کہتے ہیں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ تو کہتے ہیں اَلْبَيَانُ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ، علم بیان وہ ایسا علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے تشبیہ، مجاز اور کنایہ کے بارے میں۔

■ قولہ: «اَلتَّشْبِيهُ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِي...» کی تشریح

اَلتَّشْبِيهُ، اب تشبیہ کا بیان شروع کیا سب سے پہلے۔ کہتے ہیں: اَلتَّشْبِيهُ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِي وَصْفٍ بِأَدَاةٍ لِغَرَضٍ۔ تشبیہ کہتے ہیں إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ ملانا ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ فِي وَصْفٍ کسی وصف میں بِأَدَاةٍ کسی ادات کے ذریعے یعنی کسی کلمے کے ذریعے لِغَرَضٍ کسی مقصد کے لیے۔ مثلاً بھئی میں نے کہا تھا: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، زَيْدٌ كَالْبَحْرِ۔ میں نے زید کو سمندر کے ساتھ ملایا۔ جب مشابہت بیان کی کہ زید کس کی طرح ہے؟ سمندر کی طرح ہے، تو میں نے زید کو کس کے ساتھ ملا دیا؟ سمندر کے ساتھ ملا دیا۔ اور کسی وصف میں ملایا، کس چیز میں ملایا میں نے؟ سخاوت کے اندر بھئی ملایا۔ اور کوئی حرف میں نے درمیان میں لایا جس کے ذریعے تشبیہ بتلائے، وہ جیسے کاف، کاف کا لفظ بیچ میں آرہا ہے: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، زید کس جیسا ہے؟ سمندر جیسا۔ تو یہ جس حرف کے ساتھ، جس کلمے کے ساتھ تشبیہ بیان کی جائے اس کو ادات تشبیہ کہتے ہیں، ادات تشبیہ کہتے ہیں۔

اس کی بھی آگے تفصیل آجائے گی، ادات تشبیہ یہ حرف بھی ہو سکتا ہے، یہ فعل بھی ہو سکتا ہے، اور یہ اسم بھی۔ حرف جیسے کاف: زَيْدٌ كَالْأَسَدِ، زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، یہ کاف کس لیے آرہا ہے؟ تشبیہ کے لیے۔ یا اسی طرح زَيْدٌ كَأَنَّهُ أَسَدٌ، یا زَيْدٌ كَأَنَّهُ بَحْرٌ، تو دیکھیے كَأَنَّهُ میں كَأَنَّ یہ حرف بھی استعمال ہوتا ہے تشبیہ کے لیے۔ اسی طرح اسم بھی استعمال ہو سکتا ہے مشابہت بیان کرنے کے لیے: زَيْدٌ مِثْلُ أَسَدٍ، زَيْدٌ مِثْلُ، تو مِثْلٌ کا لفظ، یا زَيْدٌ شِبْهُ أَسَدٍ، شِبْهٌ کا لفظ بھی استعمال ہو سکتا ہے، شِبْهٌ کا بھی وہی معنی ہے جو مِثْلٌ کا ہے، یا زَيْدٌ مُشَابِهُ أَسَدٍ۔ سمجھ میں آیا؟ مُشَابِهٌ، مُمَاثِلٌ، مِثْلٌ، شِبْهٌ یہ سارے لفظ استعمال ہو سکتے ہیں، یہ اسم میں ہیں۔ اسی طرح فعل بھی استعمال ہو سکتا ہے مشابہت بیان کرنے کے لیے: زَيْدٌ يُشَابِهُ بَحْرًا، زید کس کے مشابہ ہے؟ بحر کے مشابہ ہے، تو فعل وغیرہ بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ ان کو کہتے ہیں ادات تشبیہ۔ کیا کہتے ہیں؟ ادات تشبیہ، وہ کلمہ جس کے ذریعے مشابہت بیان کی جائے اس کو کہتے ہیں ادات تشبیہ۔ ادات کا معنی آلہ، آلہ، یعنی یہ آلۂ تشبیہ ہے، اس کے ذریعے تشبیہ بیان کی جا رہی ہے۔

تو دیکھیے تشبیہ کی تعریف چل رہی ہے کہ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا فِي وَصْفٍ کسی وصف کے اندر بِأَدَاةٍ کسی ادات کے ساتھ، کسی کلمے کے ذریعے لِغَرَضٍ کسی غرض کی وجہ سے، کسی مقصد کے لیے۔ تشبیہ کی مثال ذہن میں رکھیں پھر بات سمجھ میں آجائے گی بھئی۔ مثلاً میں نے کیا کہا تھا؟ زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ، زید سمندر جیسا ہے سخاوت میں۔ تو میں نے زید کو کس کے ساتھ ملایا؟ سمندر کے ساتھ، یہ ہے إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ ایک چیز کو ملانا دوسری چیز سے، میں نے زید کو سمندر کے ساتھ ملا دیا۔ اور کس چیز میں ملایا؟ سخاوت میں، یعنی فِي وَصْفٍ کسی وصف میں۔ اور کس کلمے کے ذریعے ملایا؟ کاف کے ذریعے كَالْبَحْرِ کاف کے ذریعے، اس کو کیا کہیں گے؟ ادات تشبیہ کہیں گے۔ اور یہ کسی مقصد کے لیے ہو گا، اور یہ مقصد کیا ہے یہاں پر؟ آپ زید کی سخاوت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ ہاں، زید کی سخاوت بیان کرنا آپ کا مقصد تھا، اور غرضیں ہیں آگے اس کی بھی تفصیل آجائے گی کہ کن کن مقاصد کے لیے تشبیہ دی جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں اَلتَّشْبِيهُ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِي وَصْفٍ بِأَدَاةٍ لِغَرَضٍ، وہ ملانا ہے ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ کسی وصف میں بِأَدَاةٍ کس کے ذریعے؟ ادات کے ذریعے لِغَرَضٍ کسی مقصد کے لیے۔

وَالْأَمْرُ الْأَوَّلُ يُسَمَّى الْمُشَبَّهَ اور پہلا امر، پہلی چیز جو ہے اس کو مشبہ کہتے ہیں، یعنی جس کو ملایا گیا۔ میں نے کس کو کس کے ساتھ ملایا؟ زید کو سمندر کے ساتھ، تو زید ہوا مشبہ، اس کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اور کس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے؟ سمندر کے ساتھ، تو سمندر کہلائے گا مشبہ بہ، مشبہ بہ۔ تو کہتے ہیں وَالْأَمْرُ الْأَوَّلُ يُسَمَّى الْمُشَبَّهَ پہلی چیز جو ہے اس کو مشبہ کہتے ہیں، وَالثَّانِي الْمُشَبَّهَ بِهِ اور دوسری چیز کو کیا کہتے ہیں؟ مشبہ بہ کہتے ہیں، وَالْوَصْفُ وَجْهَ الشَّبَهِ اور وہ جو وصف ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں وَجْهُ الشَّبَهِ۔

وَجْهُ الشَّبَهِ، بھئی یاد رکھیے یہ بھی لفظ عام غلط رائج ہے، غلط مشہور ہے، وجہ شِبہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ وجہ شِبہ۔ وجہ شِبہ نہیں بھئی! ایک لفظ ہے شِبْہٌ، ایک ہے شَبَہٌ۔ شِبْہٌ کا معنی ہے مثل، مثل، اور شَبَہٌ کا معنی ہے مشابہت اور تشبیہ۔ شَبَہٌ مصدر ہے۔ تو آپ یہاں خود غور کر لیجیے: وَجْهُ الشَّبَهِ، اگر وَجْهُ الشِّبْهِ ہو تو کیا معنی ہو گا؟ مثل کی وجہ! اور اگر لفظ ہو وَجْهُ الشَّبَهِ تو کیا معنی ہو گا؟ تشبیہ کی وجہ، تشبیہ کی وجہ! تو زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ، یہ فِي السَّخَاءِ کیا ہے؟ زید سمندر جیسا ہے کس چیز میں؟ سخاوت میں، سخاوت میں، تو یہ سخاوت میں یہ ہے وجہ تشبیہ۔ جس چیز میں یعنی جس وصف میں تشبیہ دی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ وجہ تشبیہ کہتے ہیں، وجہ تشبیہ کہتے ہیں، اور دوسرا مختصر نام کیا ہے؟ وجہ شبہ بھئی، وجہ شبہ۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو بھئی؟

تو کہتے ہیں وَالْوَصْفُ وَجْهَ الشَّبَهِ اور وہ جو وصف ہوتا ہے جس میں تشبیہ دی جائے اس کو وَجْهَ الشَّبَهِ، اس کو وَجْهُ الشَّبَهِ کہتے ہیں، وَالْأَدَاةُ الْكَافُ أَوْ نَحْوُهَا اور ادات تشبیہ جو ہیں وہ کاف یا اس جیسے کلمات ہیں۔ کاف یا اس جیسے کلمات ہیں بھئی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: اَلْعِلْمُ كَالنُّورِ فِي الْهِدَايَةِ، علم جو ہے كَالنُّورِ وہ روشنی کی طرح ہے فِي الْهِدَايَةِ رہنمائی کرنے میں۔ علم روشنی کی طرح ہے رہنمائی کرنے میں۔ بھئی کس کو کس کے ساتھ تشبیہ دی گئی؟ علم کو، کس کے ساتھ؟ نور یعنی روشنی کے ساتھ۔ تو علم کو کیا کہیں گے؟ مشبہ۔ اور روشنی جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی اسے؟ وہ مشبہ بہ ہوا۔ اور کس حرف کے ساتھ تشبیہ دی گئی؟ کاف کے ساتھ، اس کو کیا کہیں گے؟ ادات تشبیہ کہیں گے، کیا کہیں گے؟ ادات تشبیہ۔ اور کس وصف میں تشبیہ دی گئی؟ ہدایت دینے میں، رہنمائی کرنے میں، تو یہ ہدایت کیا ہوا؟ یہ وجہ تشبیہ ہے۔

■ قولہ: «فَالْعِلْمُ مُشَبَّهٌ» کی تشریح

یہی بیان کر رہے ہیں: فَالْعِلْمُ مُشَبَّهٌ تو علم جو ہے وہ مشبہ ہے، وَالنُّورُ مُشَبَّهٌ بِهِ اور نور یعنی روشنی جو ہے وہ مشبہ بہ ہے، وَالْهِدَايَةُ وَجْهُ الشَّبَهِ اور ہدایت جو ہے وجہ شبہ ہے، وَالْكَافُ أَدَاةُ التَّشْبِيهِ اور کاف کیا ہے؟ ادات تشبیہ بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ وجہ شِبہ لفظ نہیں ہے، وجہ شَبَہ لفظ ہے، وجہ شبہ۔ چنانچہ علامہ تفتازانی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے مختصر المعانی کے اندر بھئی کہ یہ شَبَہٌ لفظ ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَالْكَافُ أَدَاةُ التَّشْبِيهِ اور کاف کیا ہے؟ ادات تشبیہ ہے۔

وَيَتَعَلَّقُ بِالتَّشْبِيهِ ثَلَاثَةُ مَبَاحِثَ اور متعلق ہیں تشبیہ کے ساتھ تین بحثیں، تشبیہ سے تین بحثیں متعلق ہیں: اَلْأَوَّلُ فِي أَرْكَانِهِ، پہلی بحث ہے اس تشبیہ کے ارکان میں کہ تشبیہ کے ارکان کیا کیا ہیں۔ رکن شے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز بنے، جس پر اس کا وجود موقوف ہو، اس چیز کے اجزاء میں سے ہو۔ تو اَلْأَوَّلُ فِي أَرْكَانِهِ پہلی بحث جو ہے تشبیہ کے ارکان کے بارے میں ہے، وَالثَّانِي فِي أَقْسَامِهِ دوسری بحث کس کے بارے میں ہے؟ تشبیہ کے اقسام اور اس کی قسموں کے بارے میں ہے، وَالثَّالِثُ فِي الْغَرَضِ مِنْهُ أَيْ مِنَ التَّشْبِيهِ اور تیسری بحث جو ہے تشبیہ سے جو غرض ہوتی ہے اور جو مقصد ہوتا ہے اس کے بارے میں۔ تو تین بحثیں یہاں کریں گے: ایک تشبیہ کے ارکان کے بارے میں کہ کیا کیا ہیں ارکان تشبیہ، دوسری بحث کریں گے اس میں تشبیہ کی قسمیں بیان کریں گے، اور تیسری بحث کے اندر تشبیہ کی غرضیں اور اس کے مقاصد بیان کریں گے کہ کن کن مقاصد کی بنا پر تشبیہ کی جاتی ہے، جیسے تعریف میں آیا تھا لِغَرَضٍ۔ تعریف میں کیا ذکر کیا تھا؟ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِي وَصْفٍ بِأَدَاةٍ لِغَرَضٍ، کسی مقصد کے لیے ملایا جاتا ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ، وہ مقاصد کیا کیا ہو سکتے ہیں وہ آگے بیان کریں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں: اَلْمَبْحَثُ الْأَوَّلُ فِي أَرْكَانِ التَّشْبِيهِ، پہلی بحث جو ہے تشبیہ کے ارکان کے بارے میں۔ کہتے ہیں: أَرْكَانُ التَّشْبِيهِ أَرْبَعَةٌ، تشبیہ کے ارکان چار ہیں، چار ارکان وہی جو بیان ہوئے: مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ اور وجہ تشبیہ بھئی، وجہ تشبیہ، یہ چار ارکان۔ تو کہتے ہیں أَرْكَانُ التَّشْبِيهِ أَرْبَعَةٌ ارکان تشبیہ چار ہیں: اَلْمُشَبَّهُ وَالْمُشَبَّهُ بِهِ ایک مشبہ ہے اور ایک مشبہ بہ ہے، وَيُسَمَّيَانِ طَرَفَيِ التَّشْبِيهِ ان کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں۔ طَرَفَيِ التَّشْبِيهِ اصل میں تھا طَرَفَيْنِ

التَّشْبِيهِ، ان کو تشبیہ کی دو طرف کہتے ہیں، دو کنارے کہتے ہیں۔ کس کو؟ تشبیہ کی دو طرفین کیا ہیں؟ مشبہ اور مشبہ بہ۔ تو وَيُسَمَّيَانِ طَرَفَيِ التَّشْبِيهِ ان دونوں کو تشبیہ کی طرفین کہتے ہیں۔ تو یہ دو ہو گئے ارکان تشبیہ، وَوَجْهُ الشَّبَهِ یہ وجہ شبہ جو ہے تیسرا رکن، وَالْأَدَاةُ اور ادات بھئی یعنی ادات تشبیہ، یہ چار ارکان ہیں۔

اب کہتے ہیں: وَالطَّرَفَانِ، تشبیہ کی جو طرفان ہیں، دو طرفین ہیں، إِمَّا حِسِّيَّانِ یا تو وہ دونوں کیا ہوں گے؟ حسی ہوں گے۔ آگے آرہا ہے چند لفظوں کے بعد وَإِمَّا عَقْلِيَّانِ یا دونوں کیا ہوں گے؟ عقلی۔ بھئی مشبہ اور مشبہ بہ یا تو وہ حسی ہوں گے یا وہ عقلی ہوں گے۔ کیا ہوں گے؟ حسی اور عقلی بھئی۔ حسی کسے کہتے ہیں، عقلی کسے کہتے ہیں؟ یہ سمجھ لیں بھئی۔ حسی وہ چیز ہے کہ اس چیز یا اس کے مادے کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے ہو بھئی۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ وہ چیز جس کا ادراک کس کے ذریعے ہو؟ حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے۔ یا اس چیز کا خود تو ادراک حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے نہیں ہوتا کیونکہ وہ خیالی چیز ہے، لیکن اس کا جو مادہ ہے وہ کیا ہے؟ اس کا ادراک کس سے ہوتا ہے؟ حواس خمسہ ظاہرہ سے ہوتا ہے۔

حواس خمسہ ظاہرہ، پانچ حواس جو ظاہر ہیں، حواس خمسہ ظاہرہ، پانچ حواس جو ظاہر ہیں: قوت باصرہ ہے دیکھنے کی طاقت، دیکھنے کی قوت۔ قوت شامہ ہے سونگھنے کی قوت۔ قوت لامسہ ہے چھونے کی قوت، چھونے کی قوت۔ اور قوت ذائقہ ہے چکھنے کی قوت۔ اور قوت سامعہ ہے سننے کی قوت۔ یہ پانچ قوتیں اللہ نے انسان کو نصیب فرمائی ہیں جن کے ذریعے وہ مختلف چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے، یہ پانچ چیزیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور اصل ان میں پھر عقل ہے، عقل ان پانچ چیزوں کے ذریعے چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے۔ عقل ہے تو ان کے ذریعے علم بھی حاصل ہو گا، عقل نہیں تو ان کے ذریعے علم بھی حاصل نہیں۔ تو عقل کے لیے یہ آلات ہیں۔ جیسے آپ بھئی لکھنے کے لیے قلم استعمال کرتے ہیں تو قلم ہوا آپ کا آلہ، اسی طرح عقل کے لیے یہ پانچ چیزیں آلات ہیں۔ عقل ان کے ذریعے کیا کرتی ہے؟ مختلف چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے، عقل۔

تو یہ پانچ حواس ہیں: قوت باصرہ ہے، قوت شامہ ہے، قوت لامسہ ہے، قوت سامعہ ہے، اور قوت ذائقہ ہے۔ بھئی بعض چیزوں کا علم ہمیں چکھنے سے چلتا ہے، اس کو چکھیں تو پتہ چلتا ہے کڑوی ہے یا میٹھی ہے یا نمکین ہے یا ترش ہے وغیرہ، اس کے ذائقوں کا پتہ لگتا ہے۔ اس کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ قوت ذائقہ سے، اور یہ قوت اللہ نے زبان میں رکھی ہے۔ کس میں رکھی ہے؟ زبان میں، زبان کے ذریعے پتہ چلتا ہے کسی چیز کے ذائقے کا۔ دوسری ایک قوت سامعہ ہے، بعض چیزوں کا پتہ ہمیں سننے سے لگتا ہے جیسے آواز کا، کہ یہ آواز کس کی ہے، کون بول رہا ہے، یہ کس کی آواز ہے، کس قسم کی آواز ہے، ہلکی ہے، تیز ہے، اور بولنے والا کون ہے، زید ہے یا عمرو ہے یا بکر ہے وغیرہ، یا قریب سے آواز آرہی ہے یا دور سے آرہی ہے۔ تو یہ آواز کا ادراک کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ قوت سامعہ کے ذریعے، اور یہ قوت اللہ نے کان میں رکھی ہے، کان میں۔

اور ایک ہے قوت باصرہ۔ بعض چیزوں کا پتہ اور علم دیکھنے سے ہوتا ہے، اور یہ قوت اللہ نے آنکھوں میں رکھی ہے کہ اس کے ذریعے پتہ چلتا ہے روشنی اور تاریکی کا اور چیزوں کے رنگ وغیرہ، ان کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ دیکھنے سے چلتا ہے۔ یہ ہے قوت باصرہ، صاد کے ساتھ، باصرہ۔ اور ایک ہے قوت شامہ، شامہ میم مشدد ہے۔ قوت شامہ یعنی سونگھنے کی قوت، اور یہ قوت اللہ نے ناک میں رکھی ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں کسی چیز کی بو وغیرہ کا پتہ چلتا ہے بھئی۔ اور ایک ہے قوت لامسہ، چھونے کی قوت۔ کسی چیز کو ہم ہاتھ لگائیں تو پتہ لگتا ہے یہ سخت چیز ہے یا نرم ہے یا خشک ہے یا گیلی ہے وغیرہ، ان چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ اور یہ قوت سارے بدن میں اللہ نے رکھی ہے، سارے بدن میں۔ بدن کا جو حصہ بھی کسی چیز پہ لگتا ہے ہمیں فوراً پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ کوئی چیز لگی ہے بدن پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ قوت لامسہ۔ تو یہ پانچ آلات ہیں عقل کو اللہ نے دیے ہیں، ان کے ذریعے وہ مختلف چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے، اور ان کو کہتے ہیں حواس خمسہ ظاہرہ، حواس خمسہ ظاہرہ۔ تو جس چیز کا ادراک یا جس چیز کا علم حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے ہو گا اس کو کہیں گے یہ حسی۔ کیا کہیں گے؟ حسی کہیں گے۔ اور جس کا ادراک ان کے ذریعے نہیں ہو سکتا اس کو کہیں گے عقلی۔ کیا کہیں گے؟ عقلی۔ تعریف سمجھ میں آرہی ہے؟ انہوں نے کیا کہا کہ وَالطَّرَفَانِ إِمَّا حِسِّيَّانِ، جو دو طرفین ہیں تشبیہ کے یعنی مشبہ اور مشبہ بہ، یا تو وہ حسی ہوں گے یا وہ کیا ہوں گے؟ عقلی۔ حسی ہونے کا کیا معنی؟ کہ ان کا ادراک کس کے ذریعے ہو گا؟ حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے۔ تو جن کا ادراک اس کے ذریعے ہو وہ سب اس حسی میں آگئیں بھئی، ان حواس خمسہ کے ذریعے، وہ حسی میں داخل ہیں۔

اور اسی میں خیالی چیز بھی آگئی، ایک خیالی چیز۔ مثلاً بھئی آپ ایک چیز کی تشبیہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں مثلاً کہ یہ فلاں چیز تو ہیرے کی، یا یوں کہیں یاقوت، یاقوت ایک قیمتی پتھر ہے، فلاں چیز تو یاقوت کی تلوار جیسی ہے۔ فلاں چیز تو یاقوت کی تلوار جیسی ہے۔ اب یاقوت کی تو تلوار نہیں ہوتی، یہ تو ایک خیالی چیز ہے۔ کیا ہے؟ خیالی چیز۔ عام طور پر بنائی جاتی ہے، دیکھتے ہیں آپ؟ نہیں۔ تو یہ ہاں، تو یہ ایک خیالی چیز ہے، لیکن اس خیالی چیز کا مادہ کیا ہے؟ کس چیز سے یہ تلوار بیان کر رہے ہیں کہ بنی ہو؟ یاقوت سے۔ اور یاقوت تو ایک قیمتی پتھر ہے، اور اس کا ادراک کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ دیکھنے کے ذریعے، یعنی حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے، تو یہ بھی حسی میں داخل ہو گا۔ اب یاقوت کی تلوار اس کا تو وجود نہیں، یہ تو ایک خیالی چیز ہے، لیکن اس کا مادہ کیا ہے؟ کس چیز سے بنی ہے؟ یاقوت سے، اور یاقوت کا ادراک کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ حواس سے، تو یہ بھی حسی میں داخل ہو گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو حسی کیا کیا چیزیں ہوئیں؟ جن کا ادراک کس کے ذریعے ہو؟ حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے ہو، یا ان کے مادے کا ادراک کس کے ذریعے ہو؟ حواس خمسہ ظاہرہ سے، یعنی جس چیز سے وہ بنی ہیں اس کا ادراک کس چیز سے ہوتا ہے؟ حواس خمسہ ظاہرہ سے، تو وہ بھی اس حسی میں داخل۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حسی کسے کہیں گے؟ جن چیزوں کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ سے ہو ان کو کیا کہیں گے؟ حسی۔ اسی طرح وہ چیز جس کے مادے کا ادراک کس کے ذریعے ہو؟ حواس خمسہ ظاہرہ سے، وہ بھی اس میں داخل۔ تو خیالی چیزیں بھی اس میں داخل ہو گئیں جن کے مادے کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ سے ہو گا۔

جبکہ اس کے علاوہ جو چیزیں ہوں گی جن کا ادراک یا ان کے مادے کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ سے نہ ہو، اس کو کیا کہیں گے؟ عقلی۔ تو جب جن کا ادراک ان حواس

خمسہ ظاہرہ سے نہیں ہوتا ان کا ادراک پھر عقل کرتی ہے۔ کون کرتی ہے؟ عقل کرتی ہے۔ جیسے جہالت، یا جیسے یوں کہیں سخاوت، سخاوت۔ سخاوت کو کبھی آپ نے دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے؟ نہیں، سخاوت تو ایک وصف ہے، اس کا تو اپنا الگ کوئی وجود ہی نہیں۔ تو اس کا ادراک نہ قوت باصرہ سے ہو سکتا ہے، نہ قوت سامعہ سے، نہ قوت شامہ سے، نہ قوت لامسہ سے اور نہ قوت ذائقہ سے۔ کسی کے ذریعے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا، اس کا ادراک عقل براہ راست کرتی ہے۔ وہ ان آلات کے ذریعے نہیں کرتی بلکہ خود عقل براہ راست کرتی ہے، وہ جانتی ہے یہ ایک معنی کا نام ہے، یہ کسی کا وصف ہوتا ہے، وصف ہوتا ہے۔ تو لہٰذا اس کو عقلی کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ عقلی کہیں گے۔

اب دیکھیے بھئی، بحث چل رہی ہے ارکان تشبیہ کے بارے میں، توجہ ہے سبق کی طرف؟ ارکان تشبیہ انہوں نے بیان کیا چار ہیں بھئی: مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ اور وجہ تشبیہ، یہ چار ارکان تشبیہ ہیں۔ ان میں سے جو مشبہ اور مشبہ بہ ہیں ان کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں، تشبیہ کی دو طرفین۔ اور یہ دونوں، یہاں تین صورتیں بنتی ہیں ادھر بھئی، ادھر توجہ کیجیے، تین صورتیں: مشبہ بھی حسی، مشبہ بہ بھی کیا ہے؟ حسی۔ مشبہ کا ادراک بھی حواس خمسہ ظاہرہ سے ہوتا ہے یا اس کے مادے کا، اور مشبہ بہ یا اس کے مادے کا ادراک بھی کس سے ہوتا ہے؟ حواس سے، تو دونوں حسی ہوئے، ایک صورت۔ دوسری صورت: دونوں عقلی ہوں گے، مشبہ بھی عقلی ہے یعنی اس کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ سے نہیں ہوتا یا اس کے مادے کا بھی ادراک حواس خمسہ ظاہرہ سے نہیں ہوتا، اور اسی طرح مشبہ بہ بھی ایسا ہی ہو گا، تو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کیا ہوں گے؟ عقلی۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں، دوسری صورت یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کیا ہوں؟ عقلی ہوں، تیسری صورت کہ ایک حسی ہو اور ایک عقلی ہو۔ ایک حسی ہو گا اور ایک عقلی ہو گا۔ یا تو مشبہ حسی ہو گا اور مشبہ بہ عقلی ہو گا، یا اس کا عکس ہو گا: مشبہ عقلی ہو گا اور مشبہ بہ حسی ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو تین ہی صورتیں بن گئیں: مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں گے، یا دونوں عقلی ہوں گے، یا دونوں مختلف ہوں گے، کوئی ایک حسی ہو گا اور کوئی ایک عقلی ہو گا۔

■ قولہ: «وَالطَّرَفَانِ إِمَّا حِسِّيَّانِ» کی تشریح

تو کہتے ہیں: وَالطَّرَفَانِ إِمَّا حِسِّيَّانِ اور دو طرفین جو ہیں وہ یا تو دونوں حسی ہوں گے، نَحْوُ مثال کے طور پر: اَلْوَرَقُ كَالْحَرِيرِ فِي النُّعُومَةِ۔ وَرَقٌ یہ پتے کو کہتے ہیں بھئی، پتے، یا اسی طرح کاغذ کا جو ورق ہے اس کو بھی کہتے ہیں۔ كَالْحَرِيرِ، حَرِيرٌ ہے ریشم۔ نُعُومَةٌ کہتے ہیں نرم ہونا، ملائم ہونا۔ اب کوئی خاص پتہ ہے اس کے بارے میں آپ کہتے ہیں: اَلْوَرَقُ كَالْحَرِيرِ، یہ پتہ کس کی طرح ہے؟ ریشم کی طرح ہے فِي النُّعُومَةِ ملائم ہونے میں۔ یہ پتہ ملائم ہونے میں ریشم کی طرح ہے۔ کس کو تشبیہ دی؟ ورق یعنی پتے کو، تو یہ کیا ہوا؟ مشبہ۔ اور کس سے تشبیہ دی؟ حریر، ریشم سے۔ اب پتے کا ادراک بھی حواس خمسہ ظاہرہ سے ہوتا ہے، دیکھنے سے ہوتا ہے اور چھونے سے ہوتا ہے، اور ریشم کا ادراک بھی کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ حواس خمسہ ظاہرہ سے۔ تو دیکھو دونوں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہیں، دونوں کیا ہیں؟ حسی ہیں۔ تو کہتے ہیں اَلْوَرَقُ كَالْحَرِيرِ فِي النُّعُومَةِ یہ پتہ ریشم کی طرح ہے فِي النُّعُومَةِ ملائم ہونے میں۔

وَإِمَّا عَقْلِيَّانِ یا دونوں طرفین جو ہیں وہ عقلی ہوں گے، نَحْوُ مثال کے طور پر: اَلْجَهْلُ كَالْمَوْتِ، کہ جہالت جو ہے وہ موت کی طرح ہے۔ جہالت کس کی طرح؟ موت کی۔ تو دیکھو جہالت ایک وصف ہے، اس کا تو اپنا الگ خارج میں وجود ہے ہی نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ جہالت کہتے ہیں علم کا نہ ہونا۔ جہالت کسے کہتے ہیں؟ علم کا نہ ہونا۔ تو یہ تو ایک عدمی چیز ہے، جس چیز کا وجود ہی نہیں ہے اس کو تو آنکھوں سے ہم دیکھ بھی نہیں سکتے بھئی۔ اسی طرح موت، موت کس چیز کا نام ہے؟ عدم حیات کا نام ہے، حیات نہ ہونے کا نام، حیات کے ختم ہونے کا نام ہے، تو یہ ایک عدمی چیز ہے، اس کا اپنا کوئی وجود ہے ہی نہیں، یہ ایک وصف ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ ایک صفت ہے، ایک معنی ہے، الگ اپنا وجود نہیں۔ تو جہالت کا ادراک بھی حواس خمسہ ظاہرہ سے نہیں ہو سکتا، اسی طرح موت کا ادراک بھی حواس خمسہ ظاہرہ سے نہیں ہو سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ دونوں عقلی ہوئے۔ یہ دونوں کیا ہیں؟ عقلی ہوئے، عقلی ہوئے۔

اچھا آپ کے ذہن میں آئے گا کہ ہم تو موت کو دیکھتے ہیں، کوئی آدمی مرتا ہے کسی کے سامنے وہ دیکھ لیتا ہے وہ مر رہا ہے، تو موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ نہیں بھئی نہیں، وہ موت کو اس نے نہیں دیکھا۔ ہاں مرنے سے جو کیفیت حاصل ہوئی اس کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کی حرکت وغیرہ ختم ہو گئی، وہ اب آدمی دوسرا مثلاً جو مر گیا وہ اب حرکت وغیرہ نہیں کرتا۔ تو وہ مرنے کے بعد جو کیفیت حاصل ہوئی آپ اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں، خود موت اس کا مشاہدہ نہیں کیا آپ نے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ موت تو نام ہے عدم حیات کا، زندگی کا نہ ہونا، دیکھو یہ تو ایک عدمی چیز ہے، اس کا تو اپنا کوئی الگ وجود ہے ہی نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس کا ادراک عقل کے ذریعے ہوتا ہے، حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے نہیں ہوتا بھئی۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ اَلْجَهْلُ كَالْمَوْتِ جہالت جو ہے موت کی طرح ہے، تو کس کو تشبیہ دی گئی؟ جہالت کو۔ اور کس کے ساتھ تشبیہ دی گئی؟ موت کے ساتھ۔ تو جہالت ہے مشبہ اور موت ہے مشبہ بہ، اور دونوں عقلی ہیں بھئی، عقلی۔

وَإِمَّا مُخْتَلِفَانِ یا وہ دونوں مختلف ہوں گے، نَحْوُ: خُلُقُهُ كَالْعِطْرِ۔ خُلُقٌ، لام پر بھی ضمہ پڑھیے گا بھئی، خُلُقُهُ كَالْعِطْرِ۔ خُلُقٌ اس کی جمع اخلاق، اخلاق۔ آپ بھی استعمال کرتے ہیں فلاں اچھے اخلاق والا آدمی ہے یا اچھے اخلاق والا نہیں۔ تو خُلُقٌ کہتے ہیں عادت کو، مزاج اور طبیعت کو بھئی۔ خُلُقُهُ كَالْعِطْرِ، عِطْرٌ کہتے ہیں خوشبو کو، فلاں کا اخلاق جو ہے خوشبو کی طرح ہے۔ فلاں کا اخلاق خوشبو کی طرح ہے۔ اب دیکھیے اخلاق یہ تو ایک وصف کا نام ہے، اس کا اپنا الگ کوئی خارج میں وجود نہیں، اپنا الگ وجود نہیں۔ کسی ذات کے ساتھ قائم ہو گا، اپنا الگ اس کا وجود نہیں۔ آپ نے کبھی دیکھا ہے اخلاق کا الگ اپنا وجود؟ نہیں، یہ کسی آدمی کا وصف ہو گا، اس میں آپ کہیں گے اس کے اخلاق اچھے ہیں یا اخلاق اچھے نہیں۔ تو یہ ہے عقلی، مشبہ ہوا عقلی۔ اور کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ خوشبو کے ساتھ۔ اور خوشبو، اگر خوشبو سے مراد وہ جسم ہے وہ تو

ہمیں آنکھوں سے نظر آتا ہے بوتل کے اندر خوشبو ہوتی ہے، یا اگر خوشبو سے مراد اس کی بو ہے تو اس کا ادراک کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ قوت شامہ کے ذریعے۔ تو دونوں صورتوں میں ادراک کس سے ہو رہا ہے؟ حواس خمسہ ظاہرہ سے، تو یہ حسی ہوا۔ تو دیکھو مشبہ ہوا عقلی اور مشبہ بہ کیا ہے؟ حسی ہے، تو دونوں مختلف ہوئے۔ تو کہتے ہیں وَإِمَّا مُخْتَلِفَانِ یا دونوں طرفین مختلف ہوں گی، نَحْوُ: خُلُقُهُ كَالْعِطْرِ اس کے اخلاق جو ہیں وہ خوشبو کی طرح ہیں۔

وَوَجْهُ الشَّبَهِ، وجہ شبہ بھئی، یعنی وجہ تشبیہ کو بیان کر رہے ہیں۔ وجہ تشبیہ، کہتے ہیں هُوَ الْوَصْفُ الْخَاصُّ الَّذِي قُصِدَ اشْتِرَاكُ الطَّرَفَيْنِ فِيهِ۔ بھئی میں نے کہا تھا زَيْدٌ كَالْبَحْرِ زید سمندر کی طرح ہے، یا وہ مثال لے لیں: اَلْعِلْمُ كَالنُّورِ علم کس کی طرح ہے؟ روشنی کی طرح ہے۔ کس چیز میں؟ ہدایت میں، رہنمائی کرنے میں۔ تو یہ ہدایت جو ہے یہ ہے وجہ تشبیہ۔ یہ کیا ہے؟ وجہ تشبیہ۔ بھئی میں نے علم کو تشبیہ دی، علم کو ملا دیا، کس کے ساتھ ملایا؟ روشنی کے ساتھ۔ کس چیز میں ملایا؟ ہدایت میں ملایا، کس چیز میں؟ ہدایت میں۔ تو دیکھو ایک خاص وصف کے اندر دونوں کا اشتراک بیان کیا۔ کس چیز میں؟ ایک خاص وصف میں۔ وہ کون سا وصف ہے؟ ہدایت۔ اس ہدایت میں میں نے اشتراک بیان کر دیا کہ جیسے روشنی کے اندر یہ وصف ہے اسی طرح علم میں بھی یہ ہدایت والا وصف پایا جاتا ہے۔ یا جیسے میں کہتا ہوں زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ، میں نے زید کو کس کے ساتھ ملایا؟ سمندر کے ساتھ، اور کس چیز میں؟ سخاوت میں، یعنی جیسے یہ سخاوت والا خاص وصف سمندر میں ہے اسی طرح کس کے اندر پایا جاتا ہے؟ زید میں بھی پایا جاتا ہے، تو یہ ہے وجہ تشبیہ۔ خاص وصف میں کیا کرنا؟ مشبہ اور مشبہ بہ کا اشتراک بیان کرنا کہ دونوں اس وصف میں شریک ہیں۔ سبق کی طرف توجہ ہے بھئی؟

تو کہتے ہیں وَوَجْهُ الشَّبَهِ اور وجہ تشبیہ جو ہے هُوَ الْوَصْفُ الْخَاصُّ وہ خاص وصف ہے۔ خاص وصف کہا اس لیے کیونکہ جب آپ تشبیہ بیان کر رہے ہیں تو وہ وصف خاص ہونا چاہیے، پھر ہی تشبیہ کا کوئی فائدہ ہوگا۔ اگر وہ وصف عام ہو، وہ سخاوت ہر ایک میں پائی جائے تو پھر تشبیہ کا کوئی فائدہ ہوگا؟ نہیں۔ معلوم ہوا یہ وصف ہر ایک میں نہیں پایا جاتا، یہ خاص وصف ہے جس میں آپ مشابہت بیان کر رہے ہیں۔ اسی طرح علم کی تشبیہ دی روشنی کے ساتھ ہدایت کے اندر، اگر یہ ہدایت ہر ایک، ہر چیز میں پائی جائے، عام وصف ہو، پھر تو تشبیہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تو اسی لیے کہا هُوَ الْوَصْفُ الْخَاصُّ وہ خاص وصف ہے الَّذِي قُصِدَ اشْتِرَاكُ الطَّرَفَيْنِ فِيهِ کہ جس کے اندر دونوں طرفین کے اشتراک کا ارادہ کیا جائے، كَالْهِدَايَةِ فِي الْعِلْمِ وَالنُّورِ جیسے کہ ہدایت کا وصف تھا علم اور نور یعنی روشنی میں۔

■ قولہ: «وَأَدَاةُ التَّشْبِيهِ» کی تشریح

وَأَدَاةُ التَّشْبِيهِ اور ادات تشبیہ، کہتے ہیں هِيَ اللَّفْظُ الَّذِي يَدُلُّ عَلَى مَعْنَى الْمُشَابَهَةِ، وہ لفظ ہے جو مشابہت کے معنی پر دلالت کر رہا ہو۔ کس معنی پر دلالت کر رہا ہو؟ مشابہت۔ زَيْدٌ كَالْأَسَدِ یا زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، میں نے زید کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ سمندر کے ساتھ۔ کس چیز سے، کس لفظ نے آپ کو بتایا کہ میں تشبیہ دے رہا ہوں؟ کاف نے، تو یہ ہے ادات تشبیہ۔ یہی بیان کر رہے ہیں: هِيَ اللَّفْظُ الَّذِي يَدُلُّ عَلَى مَعْنَى الْمُشَابَهَةِ یہ وہ لفظ ہے جو دلالت کر رہا ہو مشابہت کے معنی پر، كَالْكَافِ جیسے کہ کاف ہے، وَكَأَنَّ اور جیسے کہ كَأَنَّ کا لفظ ہے، وَمَا فِي مَعْنَاهُمَا اور وہ کلمہ جو ان دونوں کے معنی میں ہو، اور جو لفظ جو ان کے معنی میں ہو۔

وَالْكَافُ يَلِيهَا الْمُشَبَّهُ بِهِ، اور کاف جو ہے وہ مشبہ بہ کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ وَلِيَ يَلِي کا کیا معنی؟ ملا ہونا۔ کاف ملا ہوتا ہے مشبہ بہ کے ساتھ: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ، یہ کاف کس پر داخل ہوا؟ کس کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ بحر پر، اور بحر کیا ہے؟ مشبہ بہ۔ تو کاف ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ مشبہ بہ پر۔ تو کہتے ہیں وَالْكَافُ يَلِيهَا الْمُشَبَّهُ بِهِ کاف جو ہے اس کے ساتھ مشبہ بہ ملا ہوتا ہے، بِخِلَافِ كَأَنَّ بخلاف کس کے؟ كَأَنَّ کے، فَيَلِيهَا الْمُشَبَّهُ وہ اس کے ساتھ کون ملا ہوتا ہے؟ اس کے ساتھ مشبہ ملا ہوتا ہے۔ کون؟ مشبہ ملا ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھیے: كَأَنَّ زَيْدًا بَحْرٌ، گویا کہ زید کیا ہے؟ سمندر ہے۔ تو كَأَنَّ کس پر داخل ہوا؟ زید پر، اور زید کیا ہے؟ مشبہ، مشبہ ہے بھئی، مشبہ۔

نَحْوُ مثال کے طور پر: كَأَنَّ الثُّرَيَّا رَاحَةٌ تَشْبُرُ الدُّجَى۔ بھئی میری کتاب میں تَشْبَهُ ہے، آپ کی کتابوں میں بھی تَشْبَهُ ہے؟ ہاں، یہ کتابت کی غلطی ہے بھئی، تَشْبَهُ نہیں ہونا چاہیے، تَشْبُرُ۔ با کے بعد را ہے، را۔ تَشْبُرُ، تا، شین، با اور را، تَشْبُرُ۔ كَأَنَّ الثُّرَيَّا رَاحَةٌ تَشْبُرُ الدُّجَى لِتَنْظُرَ طَالَ اللَّيْلُ أَمْ قَدْ تَعَرَّضَا۔ ثُرَيَّا، ثریا یاد رکھیے یہ ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جو آسمان پر دکھائی دیتا ہے، اور عام آدمی کو اس میں سات ستارے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ستاروں کا ایک مشہور مجموعہ ہے، اور علم فلکیات کی کتابوں میں اس کی صورت وغیرہ بھی دی ہوتی ہے کہ کس طرح کا مجموعہ ہے، آسانی سے پہچانا جاتا ہے بھئی۔ تو یہ ستاروں کا مجموعہ ہے، اور عام آدمی کو، عام نگاہ والے کو، عام نظر والے کو اس میں سات ستارے نظر آتے ہیں اس مجموعے میں۔ کسی کی نظر تیز ہو تو اس کو نو ستارے تک، نو تک اس میں نو ستارے دکھائی دیتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں گیارہ یا تیرہ ستارے دکھائی دیتے تھے۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ ستاروں کا مجموعہ ہے۔ ہاں دوربین کے ذریعے دیکھیں تو پھر ہزار ہا ستارے اس میں دکھائی دیتے ہیں بھئی۔ تو اردو میں اس کو ثریا بھی کہتے ہیں اور پروین بھی کہتے ہیں اس ستاروں کے مجموعے کو۔

رَاحَةٌ، رَاحَةٌ کہتے ہیں ہتھیلی کو، ہتھیلی۔ تَشْبُرُ، شَبَرَ يَشْبُرُ کے معنی ہیں بالشت سے ماپنا، بالشت۔ بھئی بالشت جانتے ہیں یا نہیں؟ یہ انگوٹھے کے سرے سے لے کر چھوٹی انگلی کے کنارے، سرے تک، آپ کسی چیز کو ماپتے ہیں تو اس انگوٹھے اور اس چھوٹی انگلی کے ذریعے ماپتے ہیں کہ ایک بالشت ہے یہ چیز یا دو بالشت ہے یا تین بالشت ہے، تو یہ جو چھوٹی انگلی کے کنارے سے لے کر، انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کو پورا پھیلا دیں تو چھوٹی انگلی کے کنارے سے لے کر انگوٹھے کے کنارے تک جو فاصلہ بنتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ بالشت۔ تو بالشت کے ساتھ کسی چیز کو ناپنا یہ کہلاتا ہے شَبَرَ يَشْبُرُ۔ تو یہ معنی ہے تَشْبُرُ۔ اَلدُّجَى، دُجَى کہتے ہیں رات کی تاریکی کو، رات کے اندھیرے

کو۔ طَالَ اللَّيْلُ، طَالَ کا معنی لمبا ہونا۔ تَعَرَّضَا، تَعَرُّض کا معنی ہوتا ہے کنارے کو ظاہر کرنا، أَيْ أَبْدَى عُرْضَهُ۔ أَبْدَى عُرْضَهُ، عُرْض کنارے کو کہتے ہیں۔ کوئی چیز اپنا کنارہ ظاہر کر دے، أَبْدَى عُرْضَهُ اس چیز نے اپنا کنارہ ظاہر کر دیا تو عربی میں اس کے لیے لفظ ہے تَعَرُّض، کنارے کو ظاہر کرنا، کنارے کو ظاہر کرنا۔

كَأَنَّ الثُّرَيَّا رَاحَةٌ تَشْبُرُ الدُّجَى، گویا کہ ثریا ستاروں کا جو مجموعہ ہے رَاحَةٌ وہ ایسی ہتھیلی ہے تَشْبُرُ الدُّجَى جو رات کی تاریکی کو ناپتی ہے بالشت کے ساتھ۔ گویا کہ ستاروں کا یہ مجموعہ کیا ہے؟ ایسی ہتھیلی ہے جو بالشت کے ساتھ کیا کرتی ہے؟ رات کی تاریکی کو ماپتی ہے، اس کو ناپتی ہے، لِتَنْظُرَ تاکہ یہ دیکھے کہ طَالَ اللَّيْلُ کہ رات لمبی ہو گئی ہے أَمْ قَدْ تَعَرَّضَا یا اس کا کنارہ ظاہر ہو گیا ہے یعنی ختم ہونے والی ہے، کہ رات لمبی ہے یا اس کا کنارہ ظاہر ہو گیا یعنی وہ ختم ہونے والی ہے، صبح ہونے والی ہے۔ تو شاعر نے تشبیہ دی، کس کو؟ ثریا ستاروں کا جو مجموعہ ہے۔ کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ ہتھیلی کے ساتھ بھئی، ہتھیلی کے ساتھ۔ تو ثریا کیا ہوا؟ مشبہ۔ اور ہتھیلی کیا ہوئی؟ مشبہ بہ۔ اور كَأَنَّ کس پر داخل ہوا؟ اس کے ساتھ کون سا لفظ جڑا ہوا ہے؟ ثریا یعنی مشبہ۔ تو دیکھو كَأَنَّ مشبہ اس کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔

وَكَأَنَّ تُفِيدُ التَّشْبِيهَ إِذَا كَانَ خَبَرُهَا جَامِدًا، اور كَأَنَّ یہ تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے جبکہ اس کی خبر اسم جامد ہو، وَالشَّكَّ اور یہ شک کا فائدہ دیتا ہے إِذَا كَانَ خَبَرُهَا مُشْتَقًّا جبکہ اس کی خبر کیا ہو؟ مشتق ہو۔ میری کتاب میں ہے مُشْتَقَّانِ، آپ کی کتاب میں بھی ہے؟ ہاں نون نہیں ہونا چاہیے، إِذَا كَانَ خَبَرُهَا مُشْتَقًّا جبکہ اس کی خبر کیا ہو؟ مشتق ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر: كَأَنَّكَ فَاهِمٌ، گویا کہ آپ سمجھنے والے ہیں۔ فَهِمَ يَفْهَمُ سے فَاهِمٌ اسم فاعل آیا، گویا کہ آپ سمجھنے والے ہیں، گویا کہ آپ سمجھدار ہیں یوں کر لیں ترجمہ، گویا کہ آپ سمجھدار ہیں۔ بھئی یاد رکھیے کہ كَأَنَّ ایک تو فرق اس کا کاف سے یہ کہ کاف داخل ہوتا تھا مشبہ بہ پر اور كَأَنَّ کس پر داخل ہوتا ہے؟ مشبہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور نیز دوسرا یہ کہ كَأَنَّ اگر اس کی خبر اسم جامد ہو تو پھر یہ تشبیہ کا فائدہ دے گا، اور اگر اس کی خبر کیا ہو؟ مشتق ہو تو پھر یہ تشبیہ کا فائدہ نہیں دے گا بلکہ یہ شک کا فائدہ دے گا۔ شک کا فائدہ دے گا۔

اسم جامد اور مشتق تو جانتے ہی ہوں گے۔ اسم جامد جو نہ خود کسی لفظ سے مشتق ہوا ہو، اس کا اشتقاق ہوا ہو، نہ آگے اس سے اور لفظوں کا اشتقاق ہو، اسے کیا کہتے ہیں؟ اسم جامد، جیسے رَجُلٌ ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ كِتَابٌ ہے وغیرہ بھئی۔ اور مشتق آپ جانتے ہیں مصدر سے بارہ چیزوں کا اشتقاق ہوتا ہے۔ مصدر سے بارہ چیزوں: فعل ماضی بھی ہے، فعل مضارع بھی ہے، اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، اسم آلہ ہے، اسم ظرف ہے، امر ہے، نہی ہے اور اسم تفضیل ہے وغیرہ ان چیزوں کا۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ چیزیں مشتقات ہیں، ان کا مصدر سے اشتقاق ہوتا ہے، اور باقی کیا ہیں؟ اسم جامد ہیں بھئی، جامد۔ بات سمجھ بھی آئی کہ مشکل ہو گئی؟ تو اگر كَأَنَّ کی خبر کیا ہو؟ اسم جامد ہو تو یہ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ تشبیہ کا۔ اور اگر كَأَنَّ کی خبر کیا ہو؟ مشتق ہو یعنی اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ کا صیغہ ہو تو پھر یہ کس کا فائدہ دیتا ہے؟ شک کا فائدہ دیتا ہے، تشبیہ کا فائدہ نہیں دیتا۔ مثال کیا ذکر کی؟ كَأَنَّكَ فَاهِمٌ، گویا کہ آپ کیا ہیں؟ سمجھدار ہیں۔ تو دیکھو فَاهِمٌ یہ اسم فاعل ہے، مشتق ہے، اور یہ كَأَنَّ کی خبر واقع ہو رہا ہے، تو یہ کس کا فائدہ دے رہا ہے؟ شک کا۔ گویا کہنے والے کو شک ہے اس بات میں کہ آپ کیا ہیں؟ سمجھدار ہیں، اسی لیے کہا كَأَنَّكَ فَاهِمٌ گویا کہ آپ کیا ہیں؟ سمجھدار ہیں۔

■ قولہ: «وَقَدْ يُذْكَرُ فِعْلٌ يُنْبِئُ عَنِ...» کی تشریح

وَقَدْ يُذْكَرُ فِعْلٌ يُنْبِئُ عَنِ التَّشْبِيهِ، اور کبھی کبھار ایسا فعل ذکر کیا جاتا ہے، يُنْبِئُ، أَنْبَأَ يُنْبِئُ کے معنی خبر دینا، بتلانا، جو تشبیہ کے بارے میں بتلاتا ہے۔ بھئی دیکھیے بعض افعال تو ایسے ہیں ان کو وضع ہی تشبیہ کے لیے کیا گیا ہے جیسے شَابَهَ يُشَابِهُ، شَابَهَ يُشَابِهُ۔ شَابَهَ يُشَابِهُ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ ایک چیز کا دوسری چیز کے مشابہ ہونا۔ تو یہ تو وضع ہی تشبیہ کے لیے ہے، لیکن بعض اوقات ایک فعل کو تشبیہ کے لیے وضع تو نہیں کیا گیا ہوتا لیکن پھر بھی بعض جگہ وہ کیا کرتا ہے؟ وضع تو تشبیہ کے لیے نہیں کیا گیا لیکن وہ تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے، جیسے دیکھیے مثال بھئی: نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا، اور جب تو ان کو دیکھے گا، جب تو ان کو دیکھے گا تو گمان کرے گا لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا، لُؤْلُؤٌ موتی بھئی، مَنْثُورٌ بکھرے ہوئے، پھیلے ہوئے، تو تو گمان کرے گا جیسے کہ بکھرے ہوئے موتی ہوتے ہیں، جیسے پھیلے ہوئے موتی ہوتے ہیں۔

بھئی جنت کے اندر، جنت کے اندر جو خدمت کرنے والے ہوں گے، خدام جو ہوں گے وہ کم عمر ہوں گے، کم عمر ہوں گے، کم عمر لڑکے ہوں گے۔ اس لیے کیونکہ اگر خادم بڑی عمر کا ہو تو بعض اوقات اس کو کام کہنے میں اگرچہ وہ خادم ہوتا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ہچکچاہٹ ہوتی ہے انسان کو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ لیکن اگر خادم کیا ہو؟ چھوٹی عمر والا ہے، بچہ ہے، تو اس کو کہنے میں ہر کام بلا جھجک انسان اس کو کہتا ہے، وہ دوڑ دوڑ کر وہ کام کرتا ہے جلدی سے بھئی۔ اور نیز انسان ہر چیز میں حسن کو پسند کرتا ہے، تو وہ جنت میں جو خادم ہوں گے وہ بھی بڑے حسین و جمیل ہوں گے، تو ان کے بارے میں اللہ فرما رہے ہیں: إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا کہ جب تو ان کو دیکھے گا، اے مخاطب جب تو ان کو دیکھے گا حَسِبْتَهُمْ تو تو گمان کرے گا ان کو لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا گویا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں کہ ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر تیزی سے کام کر رہے ہیں بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ تشبیہ بیان ہوئی۔ اب یہاں دیکھو بھئی حَسِبْتَهُمْ، تو ان کو کیا گمان کرے گا؟ بکھرے ہوئے موتی، تو یہ حَسِبْتَ فعل کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ تشبیہ کا فائدہ دے رہا ہے۔ یہ معنی ہے وَقَدْ يُذْكَرُ فِعْلٌ يُنْبِئُ عَنِ التَّشْبِيهِ اور کبھی کبھار کوئی ایسا فعل ذکر کر دیا جاتا ہے جو تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے۔ اب یہ حَسِبْتَ کا فعل یہ تشبیہ کے لیے تو وضع نہیں کیا گیا لیکن یہ کیا کر رہا ہے؟ تشبیہ کا فائدہ دے رہا ہے، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ کا قول ہے: إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا جب تو ان کو دیکھے گا تو تو گمان کرے گا کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

وَإِذَا حَذَفْتَ أَدَاةَ التَّشْبِيهِ وَوَجْهَهُ يُسَمَّى تَشْبِيهًا بَلِيغًا، اور جب آپ ادات تشبیہ اور وجہ تشبیہ کو حذف کر دیں تو اس کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں۔ تشبیہ بلیغ بھئی کتابوں میں ذکر آئے گا، انہوں نے آپ کو بتلادیا کہ تشبیہ بلیغ اس کو کہتے ہیں جس میں ادات تشبیہ کو بھی حذف کر لیا جائے اور وجہ تشبیہ کو بھی کیا کر لیا جائے؟ حذف۔ جیسے دیکھیے: زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ، زید کیا ہے؟ مشبہ۔ کاف کیا ہے؟ ادات تشبیہ۔ اور بحر کیا ہے؟ مشبہ بہ۔ اور فِي السَّخَاءِ یہ سخاء کیا ہے؟ وجہ تشبیہ ہے۔ ان میں سے ادات تشبیہ کاف اس کو بھی حذف کر دیں اور وجہ تشبیہ فِي السَّخَاءِ اس کو بھی کیا کر دیں؟ حذف۔ کیا رہ گیا؟ زَيْدٌ بَحْرٌ، زَيْدٌ بَحْرٌ، یہ ہے تشبیہ بلیغ بھئی۔ جب ادات تشبیہ کو بھی حذف کر دیا جائے اور وجہ تشبیہ کو بھی حذف کر دیا جائے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تشبیہ بلیغ کہتے ہیں۔

یہ معنی ہے وَإِذَا حَذَفْتَ أَدَاةَ التَّشْبِيهِ وَوَجْهَهُ يُسَمَّى تَشْبِيهًا بَلِيغًا اور جب آپ حذف کر دیں ادات تشبیہ کو اور وجہ تشبیہ کو تو اس تشبیہ کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں، نَحْوُ مثال کے طور پر: وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا، اللہ فرمارہے ہیں اور ہم نے رات کو لباس بنایا ہے۔ ہم نے رات کو لباس بنایا ہے، یعنی جیسے لباس بدن کو ڈھانپ لیتا ہے، چھپالیتا ہے، اسی طرح رات کی تاریکی بھی ہر چیز کو اپنے اندر چھپالیتی ہے۔ تو اللہ فرمارہے ہیں ہم نے بنایا ہے رات کو لِبَاسًا، تو گویا اصل کلام یوں ہے: وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ كَاللِّبَاسِ فِي السَّتْرِ، وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ كَاللِّبَاسِ فِي السَّتْرِ، اور ہم نے رات کو لباس جیسا بنایا ہے فِي السَّتْرِ چھپانے میں، ڈھانپنے میں۔ تو پھر کیا کیا گیا؟ حرف تشبیہ کو بھی حذف کر دیا گیا، ذکر نہیں کیا گیا، اور وجہ تشبیہ کو بھی، تو یہ کیا ہے؟ تشبیہ بلیغ ہے، بلیغ ہے۔ گویا رات ہی کو لباس قرار دے دیا گیا، وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ہم نے رات کو لباس بنایا ہے، رات ہی کو لباس کہہ دیا گیا۔ أَيْ كَاللِّبَاسِ فِي السَّتْرِ یعنی کہ لباس کی طرح ہے فِي السَّتْرِ ڈھانپنے میں۔

یعنی مثلاً آپ کہنا یہ چاہتے تھے اور آپ زید کے لیے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ سخاوت ثابت کرنا چاہتے ہیں زید کے لیے، تو جب آپ نے کہہ دیا زَيْدٌ بَحْرٌ، وجہ تشبیہ بھی حذف، ادات تشبیہ بھی حذف، تو گویا آپ نے زید کو ہی عین سمندر قرار دے دیا۔ زید کیا ہے؟ سمندر ہے، زید سمندر، اور سمندر تو سخاوت کرنے والا ہے، تو معلوم ہوا زید بھی کیا ہے؟ سخاوت کرنے والا، تو گویا آپ اپنے مقصد تک پہنچ گئے فوراً سیدھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ آپ نے اس کو عین مشبہ بہ ہی قرار دے دیا بھئی، تو اس کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں۔ تو گویا اس میں مبالغہ ہے۔ کیا ہے؟ ہاں، یا یہ مبالغہ سے کر لیں، بعضوں نے اس کا معنی پہنچنے کے کیے ہیں کیونکہ اس میں بھی اپنے مقصد کو پہنچ گیا ہے کہنے والا، یا اس میں یوں کہیں کہ اس کے اندر مبالغہ ہے کہ مشبہ کو عین مشبہ بہ ہی قرار دے دیا گیا کہ یہ سمندر ہی ہے۔ جب عین سمندر ہی ہے پھر تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ کیا ہے؟ سخی ہے ہی بھئی، کیونکہ سمندر تو کیا ہے؟ سخی، اور یہ بھی سمندر ہے تو معلوم ہوا یہ بھی سخی ہے۔ یہ پہلی بحث تشبیہ کے ارکان کے بارے میں مکمل ہوئی جس میں آپ نے تفصیل سے پڑھ لیا کہ ارکان تشبیہ چار ہیں: مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ اور ادات تشبیہ۔ مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں، اور وہ دونوں یا حسی ہوتے ہیں جن کا یا جن کے مادے کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ یعنی قوت باصرہ، قوت سامعہ، قوت شامہ، قوت ذائقہ اور قوت لامسہ سے ہو، یا دونوں عقلی ہوتے ہیں جن کا ادراک عقل سے ہو، یا دونوں مختلف ہوتے ہیں کہ ایک حسی ہو اور دوسرا عقلی ہو۔ پھر وجہ شبہ وہ خاص وصف ہے جس میں طرفین کے اشتراک کا قصد کیا جائے، اور ادات تشبیہ وہ لفظ ہے جو مشابہت کے معنی پر دلالت کرے جیسے کاف اور كَأَنَّ وغیرہ، کاف مشبہ بہ کے ساتھ ملا ہوتا ہے اور كَأَنَّ مشبہ کے ساتھ ملا ہوتا ہے اور جب كَأَنَّ کی خبر جامد ہو تو تشبیہ کا اور جب مشتق ہو تو شک کا فائدہ دیتا ہے، اور کبھی حَسِبْتَ جیسا فعل بھی تشبیہ پر دلالت کرتا ہے، اور جب ادات تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں کو حذف کر دیا جائے تو اس کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں جیسے وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا أَيْ كَاللِّبَاسِ فِي السَّتْرِ۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۷: المبحث الثاني في أقسام التشبيه: طرفین، وجہِ شبہ اور اداتِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی تمام اقسام

دروس البلاغہ صفحہ: ۹۸ــــ بتاریخ: ۲۰ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلْمَبْحَثُ الثَّانِي فِي أَقْسَامِ التَّشْبِيهِ. يَنْقَسِمُ التَّشْبِيهُ بِاعْتِبَارِ طَرَفَيْهِ إِلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ: تَشْبِيهُ مُفْرَدٍ بِمُفْرَدٍ نَحْوُ هَذَا الشَّيْءُ كَالْمِسْكِ فِي الرَّائِحَةِ، وَتَشْبِيهُ مُرَكَّبٍ بِمُرَكَّبٍ بِأَنْ يَكُونَ كُلٌّ مِنَ الْمُشَبَّهِ وَالْمُشَبَّهِ بِهِ هَيْئَةً حَاصِلَةً مِنْ عِدَّةِ أُمُورٍ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے عِلْمُ الْبَيَانِ پڑھنا شروع کیا تھا اور آپ نے پڑھا تھا کہ علم بیان جو ہے اس کے اندر تشبیہ، مجاز اور کنایہ کے بارے میں بحث کی جائے گی۔ اور علم، اس علم کی جو تعریف ہے وہ بھی میں نے آپ کے سامنے ذکر کی تھی کہ علم بیان اس علم کا نام ہے جس کے ذریعے ایک ہی معنی کو مختلف طریقوں سے ادا کرنے کا طریقہ آتا ہے بھئی۔ ایک ہی معنی کو مختلف طریقوں سے ادا کرنا، اور وہ طریقے مختلف ہوتے ہیں اس معنی پر دلالت کے اندر۔ بعض طریقوں کی دلالت اس معنی پر واضح ہوتی ہے، بعض کی أَوْضَحُ زیادہ واضح ہوتی ہے بھئی، اور بعض کی دوسروں کے مقابلے میں کم واضح ہوتی ہے۔

اس کے بعد تشبیہ کی تعریف انہوں نے کی تھی کہ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِي وَصْفٍ بِأَدَاةٍ لِغَرَضٍ، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا کسی وصف کے اندر بِأَدَاةٍ ادات کے ذریعے، ادات تشبیہ کے ذریعے، لِغَرَضٍ کسی مقصد کے لیے۔ اور آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ ارکان تشبیہ چار ہیں، ارکان تشبیہ: مشبہ ہے، مشبہ بہ ہے، اور وجہ تشبیہ ہے اور ادات تشبیہ ہے۔ اور ان میں سے جو مشبہ اور مشبہ بہ ہیں ان کو تشبیہ کی طرفین کہتے ہیں، طَرَفَي التَّشْبِيهِ۔ اور مشبہ وہ ہے جس کو تشبیہ دی جائے، مشبہ بہ وہ جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ اور یہ دونوں طرفین یعنی مشبہ اور مشبہ بہ یا تو حسی ہوں گے یا عقلی ہوں گے یا مختلف ہوں گے یعنی ایک حسی ہو گا اور ایک عقلی۔ حسی ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ مشبہ یا مشبہ بہ جو ہے اس کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے ہو یا اس کے، یا وہ خود تو خیالی چیز ہے البتہ اس کے مادے کا ادراک کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے۔ جبکہ مشبہ اور مشبہ بہ عقلی وہ ہیں جن کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے نہ ہو، اسی طرح ان کے مادے کا ادراک بھی حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے نہ ہو بھئی، نہ ہو۔ اور وجہ تشبیہ آپ نے پڑھا تھا وہ خاص وصف ہے جس کے اندر طرفین کے اشتراک کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اور ادات تشبیہ وہ لفظ ہے جو مشابہت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

آج ہم دوسری بحث پڑھیں گے تشبیہ کی اقسام کے بارے میں۔ تو کہتے ہیں اَلْمَبْحَثُ الثَّانِي فِي أَقْسَامِ التَّشْبِيهِ، دوسری بحث ہے تشبیہ کی اقسام کے بیان میں۔ يَنْقَسِمُ التَّشْبِيهُ بِاعْتِبَارِ طَرَفَيْهِ إِلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ، تقسیم ہوتی ہے تشبیہ اپنی طرفین کے اعتبار سے چار اقسام کی طرف۔ تو اپنی طرفین یعنی مشبہ اور مشبہ بہ کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں۔ اور وہ چار قسمیں اس طرح ہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مفرد ہوں گے یا دونوں کیا ہوں گے؟ مرکب ہوں گے، یا اول مرکب ہو گا ثانی مفرد ہو گا، یا اول مفرد ہو گا اور ثانی مرکب ہو گا۔ تو اس طرح یہ ان کی چار قسمیں بن جاتی ہیں بھئی، چار قسمیں۔

اب ان چاروں کو بیان کرنے لگے ہیں۔ سب سے پہلی قسم ہے تَشْبِيهُ مُفْرَدٍ بِمُفْرَدٍ، مفرد کی تشبیہ مفرد کے ساتھ، یعنی مشبہ جو ہے وہ بھی مفرد ہے اور مشبہ بہ وہ بھی کیا ہے؟ مفرد ہے۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر آپ کہتے ہیں هَذَا الشَّيْءُ كَالْمِسْكِ فِي الرَّائِحَةِ، یہ چیز مشک کی طرح ہے فِي الرَّائِحَةِ خوشبو میں۔ یہ چیز مشک

کی طرح ہے۔ تو مشک آپ جانتے ہیں نہایت قیمتی خوشبو ہے، تو آپ ایک چیز کو اس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں یہ چیز مشک جیسی ہے فِي الرَّائِحَةِ کس کے اندر؟ خوشبو میں۔ هَذَا الشَّيْءُ یہ چیز، دیکھیں کوئی مشبہ کسی چیز کی طرف آپ نے اشارہ کیا اور وہ مفرد ہے بھئی، کوئی چیز ایک چیز ہے وہ کیا ہے؟ مفرد ہے، اور یہ ہوا مشبہ اور مشبہ مفرد۔ اور مشک جس کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں وہ بھی کیا ہے؟ مفرد ہے۔ تو یہ ہوا مفرد کی تشبیہ مفرد کے ساتھ، یہ پہلی قسم ہوئی۔

وَتَشْبِيهُ مُرَكَّبٍ بِمُرَكَّبٍ، اور مرکب کی تشبیہ مرکب کے ساتھ یہ دوسری قسم ہے، بِأَنْ يَكُونَ كُلٌّ مِنَ الْمُشَبَّهِ وَالْمُشَبَّهِ بِهِ بایں صورت کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں سے ہر ایک جو ہے هَيْئَةً حَاصِلَةً مِنْ عِدَّةِ أُمُورٍ وہ ایسی ہیئت ہے، ایسی صورت ہے جو حاصل ہو رہی ہے کئی امور سے، کئی چیزوں سے۔ مشبہ بھی وہ ایک ہیئت کا نام ہے، ایک صورت ہے جو کئی چیزوں کے ملنے سے بن رہی ہے، اور مشبہ بہ بھی ایک ایسی صورت ہے جو کئی چیزوں کے ملنے سے بن رہی ہے۔ تو مشبہ بھی ہوا مرکب اور مشبہ بہ بھی کیا ہوا؟ مرکب۔ تو اس کو کہیں گے تَشْبِيهُ الْمُرَكَّبِ بِالْمُرَكَّبِ، مرکب کی تشبیہ مرکب کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ مفرد کی تشبیہ مفرد میں، اس میں مشبہ وہ کوئی ہیئت نہیں تھی جو کئی چیزوں سے مل کر بن رہی تھی بلکہ ایک چیز کی تشبیہ تھی کس چیز کے ساتھ؟ دوسری میں۔ لیکن مرکب کے اندر کیا ہو گا؟ کئی چیزوں کے ملنے سے ایک ہیئت اور ایک صورت حاصل ہو گی، اس صورت کو آپ تشبیہ دیں گے ایک ایسی ہی دوسری صورت کے ساتھ جو کئی چیزوں سے مل کر حاصل ہو رہی ہے۔

دیکھیے مثالوں سے وضاحت ہو گی، كَقَوْلِ بَشَّارٍ جیسے بشار شاعر کا قول ہے:

- **متن وشواہد:** «كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُوسِنَا...»

كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُوسِنَا وَأَسْيَافَنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ

كَأَنَّ مُثَارَ، آپ کی کتابوں میں میم پر فتحہ ہے بھئی، یہ کتابت کی غلطی ہے۔ مُثَار میم پر ضمہ ہونا چاہیے، كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ۔ اور آخر میں میری کتاب میں ہے كَوَاكِب، كَوَاكِب نہیں ہے، كَوَاكِب کے ساتھ ہا ضمیر ملی ہونی چاہیے، كَوَاكِبُهُ، كَوَاكِبُهُ۔ تو شاعر کہتا ہے كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُوسِنَا وَأَسْيَافَنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ۔

شاعر کسی جنگ کا منظر بیان کر رہا ہے کہ اس جنگ کے اندر تیز رفتار گھوڑے ادھر ادھر حرکت کے اندر ہیں اور ان کے گھوڑوں کے سموں سے اور ان کے کھروں کی وجہ سے اور ان کی حرکت کی وجہ سے زمین سے بڑا گرد و غبار اڑنے لگ پڑا، بڑا گرد و غبار۔ فضا میں ہر طرف گرد و غبار پھیل گیا، جنگ ہو رہی ہے، لڑائی ہو رہی ہے بھئی، اور اس غبار کے اندر لڑائی ہو رہی ہے تو تلواریں چمک رہی ہیں بھئی۔ تلواریں ادھر ادھر بے ترتیب حرکت ہے، کوئی ایک طرف تلوار مار رہا ہے کوئی دوسری طرف تلوار مار رہا ہے، تو اس گرد و غبار اور اس تاریکی کے اندر تلواریں چمک رہی تھیں۔ تو یہ ایسا ہی منظر تھا جیسے رات کے اندر ستارے ٹوٹ کر، بہت سے ستارے ٹوٹ کر ادھر ادھر گر رہے ہوں بھئی۔

تو دیکھیے رات کے وقت آپ نے اگر کبھی ستارہ ٹوٹتے ہوئے دیکھا ہو، شہاب ثاقب بھئی، کہ آسمان پر ایک دم تیز ستارہ ایک حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے اور تھوڑی سی حرکت کے بعد وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ تو آپ کبھی کبھار ایک آدھ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، بعض اوقات بعض جگہ بہت سے شہاب ثاقب ٹوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ آج کل تو اخبارات ہیں ان میں بھی بعض اوقات خبر آتی ہے کہ اس طرح کا واقعہ فلاں جگہ پیش آیا اور لوگ پھر اس کا مشاہدے کے لیے ماہرین بھی جمع ہوتے ہیں اور اس کو دیکھتے ہیں، تو وہ آسمان پر بہت سے شہاب ثاقب ٹوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کوئی ایک طرف جا رہا ہے، کوئی دوسری طرف جا رہا ہے، کوئی تیسری طرف جا رہا ہے، اور وہ ختم ہوتے ہیں اور نظر آتے ہیں، وہ ختم ہوتے ہیں اور نظر آنے لگتے ہیں بھئی، اس طرح ایک سلسلہ جاری ہوتا ہے۔

تو شاعر اپنی اس جنگ کے اندر اور جو گرد و غبار اڑا اور تاریکی چھا گئی اس کے اندر جو تلواریں بے ترتیبی سے ادھر ادھر چمک رہی ہیں اور حرکت کر رہی ہیں اس کو تشبیہ دے رہا ہے اس رات کے ساتھ جس کے اندر بہت سے شہاب ثاقب ٹوٹ کر گر رہے ہوں بھئی۔ تو اب دیکھیے، اب یہاں پر تلواروں کی تشبیہ شہاب ثاقب کے ساتھ صرف نہیں ہے، گرد کی تشبیہ صرف رات کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ ایک ہیئت حاصل ہو رہی ہے، وہ گرد و غبار جو اڑا ہے اس گرد و غبار کے اندر جو تلواریں بے ترتیبی سے حرکت کر رہی ہیں اور اس میں چمک رہی ہیں، یہ ایک ہیئت ہے، ایک صورت حاصل ہوئی اس سے، اس صورت کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ ایسی رات کے ساتھ جس کے اندر بہت سے شہاب ثاقب ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔ تو اس ہیئت اور اس صورت کو اس ہیئت اور صورت کے ساتھ تشبیہ دی۔

اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مشبہ جس کو تشبیہ دی وہ بھی مرکب ہے کہ گرد و غبار اڑا ہوا ہے اور اس کے اندر تلواریں ادھر ادھر بے ترتیبی سے چمکتی ہوئی لہرا، چمکتی ہوئی ادھر ادھر حرکت کر رہی ہیں بھئی۔ اور دوسری طرف مشبہ بہ وہ بھی مرکب ہے کہ رات کا منظر ہے اور اس میں شہاب ثاقب بے ترتیبی سے مختلف سمتوں میں حرکت کرتے ہوئے جلتے ہوئے اور ختم ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور جیسے تلواروں کی بھی ایک، تلواریں چمک رہی ہیں ان کی ایک مخصوص لمبائی ہے، مخصوص کیا ہے؟ مخصوص لمبائی ہوتی ہے، نہ بہت زیادہ لمبی ہیں نہ بہت زیادہ چھوٹی ہیں، تلواروں میں فرق ہے تو مختلف قسم کی ہیں، اسی طرح شہاب ثاقب بھی کوئی تھوڑا سا زیادہ دور تک چمکتا ہوا دکھائی

دیتا ہے کوئی تھوڑا سا دکھائی دیتا ہے، اور کوئی کس طرف کو حرکت کر رہا ہے کوئی کس طرف کو حرکت کر رہا ہے، تو دیکھو ایک مرکب ہیئت کو تشبیہ دی مرکب ہیئت کے ساتھ، اس کو کہتے ہیں تَشْبِيهُ الْمُرَكَّبِ بِالْمُرَكَّبِ۔ اس میں ایک چیز کو دوسری چیز سے نہیں تشبیہ دی گئی، ایک ہیئت کو، ہیئت جو صورت بن رہی ہے مختلف چیزوں کے ملنے سے اس صورت کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ ایک دوسری ہیئت کے ساتھ، ایک دوسری حالت کے ساتھ جو مختلف چیزوں سے حاصل ہو رہی ہے۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «مُثَارَ النَّقْعِ، نَقْعٌ» کی تشریح

اب شعر کا ترجمہ دیکھیے: كَأَنَّ گویا کہ مُثَارَ النَّقْعِ، نَقْعٌ کہتے ہیں عربی زبان میں غبار کو، گرد و غبار کو کیا کہتے ہیں؟ نَقْعٌ بھئی۔ اور مُثَار، مُثَار أَثَارَ يُثِيرُ، أَثَارَ يُثِيرُ سے یہ اسم مفعول ہے۔ عربی زبان میں کہتے ہیں أَثَارَ الْغُبَارَ، غبار کو اڑایا، اس نے غبار کو اڑایا تو کہتے ہیں أَثَارَ الْغُبَارَ۔ تو أَثَارَ يُثِيرُ کے معنی ہوتے ہیں اڑانے کے بھئی، برانگیختہ کرنا۔ تو أَثَارَ الْغُبَارَ کا معنی ہوا اس نے غبار کو اڑایا۔ اسی سے مُثَار اسم مفعول ہے، وہ غبار جس کو اڑایا گیا ہے، مُثَار اڑایا ہوا، جس کو اڑایا گیا ہو۔ مُثَار کا کیا معنی؟ اڑایا ہوا۔ اور یہ صفت کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی طرف، یعنی یہ جَرْدُ قَطِيفَةٍ کے قبیل سے ہے۔ آپ علم نحو میں پڑھ چکے ہیں کہ بعض اوقات عربی زبان میں کیا کیا جاتا ہے؟ موصوف پہلے آتا ہے صفت بعد میں آتی ہے، لیکن صفت کو اٹھا کر موصوف پر مقدم کر دیا جاتا ہے اور اس کی موصوف کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے۔ کیا کر دی جاتی ہے؟ اضافت کر دی جاتی ہے۔ تو یہاں بھی ایسا ہے، یہ مُثَار صفت ہے نَقْعٌ کی، اَلنَّقْعُ الْمُثَارُ وہ غبار جو اڑ رہا ہے، جو اڑایا گیا ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ مُثَارَ النَّقْعِ اضافت ہے صفت کی موصوف کی طرف یعنی یہ جَرْدُ قَطِيفَةٍ کے قبیل سے ہے۔ کس قبیل سے ہے؟ جَرْدُ قَطِيفَةٍ۔ تو شروحات میں یہ لفظ اسی طرح جب آئے گا مختلف جگہ پر اگلی کتابیں آپ پڑھیں گے، حاشیہ پڑھ رہے ہوں گے، شرح دیکھ رہے ہوں گے، وہاں وہ شارح یہ کہتا ہوا آگے نکل جائے گا کہ یہ جَرْدُ قَطِيفَةٍ کے قبیل سے ہے، بس اور کچھ بھی نہیں کہے گا۔ آپ فوراً سمجھ جائیں یہ کیا بتلانا چاہتا ہے کہ یہ جو عبارت میں لفظ آ رہے ہیں اس میں کیا ہے؟ موصوف کی طرف کس کی اضافت ہو رہی ہے؟ صفت کی اضافت کی گئی ہے۔

تو شاعر کہتا ہے كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ گویا کہ وہ اڑایا ہوا غبار فَوْقَ رُؤُوسِنَا ہمارے سروں کے اوپر، یعنی وہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا، وہ اڑایا ہوا غبار فَوْقَ رُؤُوسِنَا ہمارے سروں کے اوپر، وَأَسْيَافُنَا یاد رکھیے یہ مفعول معہ ہے۔ مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ جو واو بمعنی مَعَ کے بعد آئے، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا أَيْ مَعَ عَمْرٍو، زید آیا کس کے ساتھ؟ عمرو کے ساتھ۔ تو یہ واو بمعنی مَعَ کے بعد جو آتا ہے اس کو مفعول معہ کہتے ہیں۔ تو گویا کہ وہ اڑتا ہوا غبار ہمارے سروں کے اوپر مَعَ أَسْيَافِنَا ساتھ ہماری تلواروں کے وہ جو تھا لَيْلٌ گویا کہ ایک ایسی رات ہے تَهَاوَى، تَهَاوَى يَتَهَاوَى کا معنی ہوتا ہے گرنا بھئی، ٹوٹ کر گرنا، تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ کہ ٹوٹ کر گر رہے ہوں اس کے ستارے۔ لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ ایسی رات کہ جس کے ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔ كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُوسِنَا وَأَسْيَافُنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ، گویا کہ وہ اڑایا ہوا غبار ہمارے سروں کے اوپر ساتھ ہماری تلواروں کے لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ ایک ایسی رات تھا جس کے ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔

فَإِنَّهُ شَبَّهَ هَيْئَةَ الْغُبَارِ وَفِيهِ السُّيُوفُ مُضْطَرِبَةٌ، ترجمے پہ نظر رکھنا، فَإِنَّهُ شَبَّهَ اس شاعر نے کیا کیا ہے؟ تشبیہ دی ہے کس کو؟ هَيْئَةَ الْغُبَارِ، یہ کیا ہیں آپس میں؟ مضاف مضاف الیہ، لیکن ہیئت کا ترجمہ میں آخر میں کروں گا۔ تشبیہ دی ہے شاعر نے کس کو؟ غبار اور وہ جو اس کے اندر مضطرب تلواریں تھیں، مضطرب بے ترتیب حرکت کرنے والی، غبار اور اس کے اندر جو مضطرب یعنی بے ترتیب حرکت کرتی ہوئی تلواریں تھیں ان کی ہیئت کو تشبیہ دی ہے بِهَيْئَةِ اللَّيْلِ وَفِيهِ الْكَوَاكِبُ تَتَسَاقَطُ فِي جِهَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ، کس کے ساتھ تشبیہ دی ہے؟ رات، آگے بھی بِهَيْئَةِ اللَّيْلِ مضاف مضاف الیہ ہیں، ہیئت کا ترجمہ میں آخر میں کروں گا دیکھیے گا بھئی، اس غبار اور اس کے اندر بے چینی سے مضطرب طریقے سے حرکت کرتی ہوئی تلواروں کی ہیئت کو تشبیہ دی ہے رات اور اس کے اندر ستاروں کے مختلف جانب میں گرنے کی ہیئت کے ساتھ۔ اس ہیئت کو تشبیہ دی ہے اس ہیئت کے ساتھ، اور یہ ہیئت کس چیز کی تھی؟ کہ غبار تھا اور اس میں مضطرب تلواریں تھیں، تو غبار اور اس کے اندر مضطرب تلواروں کی ہیئت کو تشبیہ دی ہے کس کے ساتھ؟ رات اور اس کے اندر مختلف جانب ٹوٹتے ہوئے ستاروں کی ہیئت کے ساتھ۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی کہ نہیں سمجھ میں آیا؟ ایک ہیئت کو کیا کیا ہے؟ دوسری ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ تو دیکھیے فَإِنَّهُ شَبَّهَ هَيْئَةَ الْغُبَارِ وَفِيهِ السُّيُوفُ مُضْطَرِبَةٌ، تو شاعر نے تشبیہ دی ہے غبار کی ہیئت کو اور اس کے اندر جو تلواریں تھیں مُضْطَرِبَةٌ بے ترتیب حرکت کرتی ہوئیں، تو اس غبار اور اس کے اندر جو تلواریں حرکت کر رہی تھیں ان کی ہیئت کو تشبیہ دی ہے بِهَيْئَةِ اللَّيْلِ رات کی ہیئت کے ساتھ اور اس کے اندر اَلْكَوَاكِبُ تَتَسَاقَطُ ستارے جو ہیں وہ ٹوٹ کر گر رہے ہوں فِي جِهَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ مختلف جہتوں میں، مختلف جانبوں میں۔

وَتَشْبِيهُ مُفْرَدٍ بِمُرَكَّبٍ، تیسری قسم یہ ہے کہ مفرد کی تشبیہ دی جائے مرکب کے ساتھ، كَتَشْبِيهِ الشَّقِيقِ بِهَيْئَةِ أَعْلَامٍ يَاقُوتِيَّةٍ مَنْشُورَةٍ عَلَى رِمَاحٍ زَبَرْجَدِيَّةٍ۔ شَقِيقٌ بھئی، شَقِيقٌ کہتے ہیں گل لالہ کو۔ یہ ایک پھول ہے سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور عموماً پہاڑی علاقوں میں تو سرخ رنگ کا ایک پھول ہے جو مشہور ہے اور اسے کیا کہتے ہیں؟ گل لالہ بھئی۔ أَعْلَامٌ جمع ہے عَلَمٌ کی، جھنڈے کو کہتے ہیں۔ أَعْلَامٌ جمع ہے عَلَمٌ کی، جھنڈے کو کہتے ہیں۔ يَاقُوتِيَّةٍ یاقوتی جھنڈے۔ یاقوت بھئی یہ ایک قیمتی پتھر ہے اور یہ مختلف رنگوں کا ہوتا ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور جو ہے وہ سرخ رنگ کا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ سرخ أَعْلَامٍ يَاقُوتِيَّةٍ کیا معنی؟ یاقوتی جھنڈے، یعنی سرخ رنگ کے یاقوت کے جھنڈے۔ مَنْشُورَةٍ پھیلائے گئے ہیں عَلَى رِمَاحٍ، رِمَاحٌ جمع ہے رُمْحٌ کی اور رُمْحٌ کہتے ہیں نیزے کو، نیزے کو۔ زَبَرْجَدِيَّةٍ، زبرجد بھئی یہ بھی ایک قیمتی پتھر ہے اور یہ بھی مختلف رنگوں میں ہوتا ہے لیکن اس میں سب سے مشہور جو ہے وہ سبز رنگ کا ہے بھئی، کس رنگ کا ہے؟ سبز

رنگ کا ہے، وہ زیادہ عام پایا جاتا ہے اور زیادہ مشہور ہے۔

شاعر نے تشبیہ دی ہے كَتَشْبِيهِ الشَّقِيقِ جیسے کہ گل لالہ کی تشبیہ بِهَيْئَةِ أَعْلَامٍ يَاقُوتِيَّةٍ مَنْشُورَةٍ عَلَى رِمَاحٍ زَبَرْجَدِيَّةٍ کس چیز کی ہیئت کے ساتھ؟ یاقوتی جھنڈے جو پھیلائے گئے ہوں زبرجد کے نیزوں پر۔ یاقوتی جھنڈے جو کس پر پھیلائے گئے ہوں؟ زبرجد کے نیزوں پر۔ نیزے سے مراد یہ ہے یعنی وہ ڈنڈا جس پر جھنڈا لگایا جاتا ہے، سمجھ میں آیا؟ وہ بھی نیزے کی صورت کا ہوتا ہے تو وہ مراد ہے۔ تو جیسے بھئی زبرجد، یوں کہیں زبرجد کے ڈنڈوں پر یاقوت کے جھنڈے لہرا رہے ہوں، اس کے ساتھ تشبیہ دی کس چیز کو؟ گل لالہ کو تشبیہ دی جائے، گل لالہ کو۔

تو یہ ایک دراصل شعر کا، ایک شعر کو جو ہے انہوں نے نثر کی صورت دے دی ہے اس کو جس میں شاعر نے یہ تشبیہ بیان کی تھی۔ شاعر کہتا ہے اس شعر کے اندر کہ بہت سے گل لالہ جو ہیں وہ تیز ہوا میں یوں لہلہا رہے ہیں، بھئی تیز ہوا چلتی ہے وہ گل لالہ کے پھول جو ہیں وہ تیز ہوا کی وجہ سے کبھی جھکتے ہیں کبھی سیدھے ہوتے ہیں، کبھی جھکتے ہیں اور کبھی سیدھے، تو شاعر کہتا ہے یہ اسی طرح ہے جیسے یاقوتی جھنڈے، یا یوں کہیں جھنڈیاں یہاں پھول چھوٹا ہے تو اس کے مطابق ترجمہ کر لیں، جیسے یاقوتی سرخ رنگ کی جھنڈیاں وہ سبز رنگ کے زبرجد کے نیزوں پر لہرا رہی ہوں۔ بھئی دیکھیے پھول تو ہوا سرخ رنگ کا اور پھول کی ڈنڈی جو ہے وہ کس رنگ کی ہے؟ سبز رنگ کی۔ تو اس کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ یاقوتی جھنڈیاں جو ہیں وہ ان کے اوپر کا حصہ کس رنگ کا ہوا؟ سرخ رنگ، اور وہ زبرجد کے نیزے ہیں تو ان کے ڈنڈے کس قسم کے ہوئے؟ سبز رنگ کے، تو اس کے ساتھ اس کی تشبیہ بیان کی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تشبیہ ہے دیکھو گل لالہ کی اور گل لالہ وہ مفرد ہے، گل لالہ کیا ہے؟ مفرد۔ اور اس کو تشبیہ کس کے ساتھ دی؟ ایسی جھنڈیوں کے ساتھ جس کے نیزے کس کے ہوں؟ زبرجد کے، اور اوپر جھنڈیاں کس چیز کی ہوں؟ یاقوت کی ہوں۔ تو دیکھو ایک مرکب ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی۔ تو مفرد کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ مرکب کے ساتھ۔ تو مشبہ مفرد ہے اور مشبہ بہ ایک ہیئت ہے جو کئی چیزوں سے مل کر بن رہی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَتَشْبِيهُ مُرَكَّبٍ بِمُفْرَدٍ» کی تشریح

وَتَشْبِيهُ مُرَكَّبٍ بِمُفْرَدٍ، اور چوتھی قسم جو اس کا عکس ہے، یہاں تو تھا مفرد کی تشبیہ تھی مرکب کے ساتھ، اب مرکب کی تشبیہ ہو گی کس کے ساتھ؟ مفرد کے ساتھ۔ نَحْوُ قَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

يَا صَاحِبَيَّ تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا تَرَيَا وُجُوهَ الْأَرْضِ كَيْفَ تَصَوَّرُ

تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا قَدْ شَابَهُ زَهْرُ الرُّبَا فَكَأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرُ

يَا صَاحِبَيَّ، اصل میں تھا صَاحِبَيْنِ اور آخر میں یا متکلم کی آگئی، صَاحِبَيْنِ تثنیہ تھا اور نون پھر اضافت سے گر گیا تو کیا بن گیا؟ صَاحِبَيَّ، اے میرے دو ساتھیو! صَاحِبٌ کس کو کہتے ہیں؟ ساتھی۔ يَا صَاحِبَيَّ اے میرے دو ساتھیو! تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا، تَقَصَّى کا معنی ہوتا ہے بات کی تہ تک پہنچنا، کھوج لگانا، سراغ لگانا۔ تَقَصَّيَا تم دونوں کھوج لگاؤ نَظَرَيْكُمَا، یہ پھر تثنیہ آگیا نَظَرَيْنِ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ تو تَقَصَّيَا کا معنی ہے کھوج لگانا، تہ تک پہنچنا، یہاں مراد ہے گہری نظر ڈالنا۔ کیا معنی ہے؟ گہرا، یعنی گہرا کرنا۔ تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا اے میرے دو ساتھیو تم ذرا گہری کرو نَظَرَيْكُمَا اپنی نظروں کو۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ اے میرے دو ساتھیو تم گہری کرو نَظَرَيْكُمَا اپنی نظروں کو۔ اور یہ شاعر خطاب کر رہا ہے اپنی ہی آنکھوں کو۔ کس کو خطاب کر رہا ہے؟ اپنی ہی آنکھوں سے کہہ رہا ہے اے میرے دو ساتھیو یعنی اے میری دو آنکھو تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا تم ذرا اپنی نگاہیں گہری ڈالو، تم کیا کرو؟ تَقَصَّيَا تم ذرا گہری کرو نَظَرَيْكُمَا اپنی نگاہوں کو، اپنی نظروں کو۔

تَرَيَا تو تم دیکھو گے، یہاں نون گر گیا کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ کیا ہے؟ جواب امر۔ آپ جانتے ہیں جواب امر بھی مجزوم ہوتا ہے، مجزوم ہوتا ہے۔ تو تَقَصَّيَا یہ امر کا صیغہ آیا اور تَرَيَانِ یہ نون آتا ہے مضارع کے اندر لیکن یہاں نون گر گیا کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ تو تَرَيَا تو تم دیکھو گے تم دونوں وُجُوهَ الْأَرْضِ زمین کے چہروں کو۔ زمین کے چہروں سے مراد زمین کی جگہیں ہیں، آبادیاں ہیں، بستیاں ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ زمین کی جگہیں اور بستیاں وغیرہ مراد ہیں۔ تو تم دیکھو گے زمین کی جگہوں کو كَيْفَ تَصَوَّرُ کہ وہ کیسی صورتیں اختیار کرتی ہیں۔ زمین کی جگہیں كَيْفَ تَصَوَّرُ وہ کیسی صورتیں اختیار کرتی ہیں۔ تَصَوَّرُ یاد رکھیے یہ مضارع کا صیغہ ہے اور ایک تا گر گئی اس میں، اصل میں تھا تَتَصَوَّرُ۔ کیا تھا؟ تَتَصَوَّرُ۔ اور آپ نے علم صرف میں ضابطہ پڑھا ہے کہ فعل مضارع کے شروع میں جب دو تا مفتوح اکٹھی ہو جائیں تو ایک کو گرانا جائز ہے۔ جب مضارع کے شروع میں کیا آجائیں؟ دو تا آئیں دو، اور دونوں کیا ہوں؟ مفتوح ہوں یعنی دونوں پر زبر ہو تو پھر ایک کو گرانا جائز ہے۔ تو یہاں بھی تَتَصَوَّرُ دو تا آگئی تھیں اور دونوں مفتوح تھیں تو ایک کو حذف کر لیا گیا، جیسے قرآن میں بھی ہے تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ، تو وہاں مفسرین حضرات آپ کو بتاتے ہیں کہ تَنَزَّلُ اصل میں کیا تھا؟ تَتَنَزَّلُ تھا بھئی۔ تو تَرَيَا تم دونوں دیکھو گے وُجُوهَ الْأَرْضِ زمین کے چہروں کو كَيْفَ تَصَوَّرُ کہ وہ کیسی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تو یہاں ایک تا گر گئی، جیسے اوپر والے شعر میں تَهَاوَى اصل میں تھا تَتَهَاوَى۔ تَهَاوَى کیا تھا؟ تَتَهَاوَى، وہاں بھی ایک تا گری ہے۔ تَرَيَا وُجُوهَ الْأَرْضِ كَيْفَ تَصَوَّرُ، يَا صَاحِبَيَّ اے میرے دو ساتھیو تم ذرا گہری کرو اپنی نگاہوں کو تو تم دونوں دیکھو گے زمین کی جگہوں کو وہ کیسی صورت اختیار کرتی ہیں۔

تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا، بھئی مُشْمِسًا، مُشْمِس ہے بھئی لفظ، مُشَمِّس یا مُشَمَّس یہ کتابت کی غلطی ہے، مُشَمَّس نہیں لفظ بھئی۔ أَشْمَسَ النَّهَارُ عربی میں کہتے ہیں أَشْمَسَ النَّهَارُ جب خوب سورج والا دن ہو یعنی بادل وغیرہ نہ ہوں، دھوپ کھلی ہو تو کہتے ہیں أَشْمَسَ النَّهَارُ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور شَمَّسَ يُشَمِّسُ کے معنی تو دھوپ لگانے کے ہوتے ہیں، دھوپ لگانا یہاں نہیں، دھوپ والا یا سورج والا دن مراد ہے۔ تَرَيَا نَهَارًا، تَرَيَا نَهَارًا، بھئی دیکھیے یہاں شاعر تشبیہ دے رہا ہے ایک سورج والے دن کی جس میں سورج نکلا ہوا ہے بادل نہیں ہیں، اور سورج کی روشنی سبزے کے ساتھ مل کر کم پڑ گئی تو گویا یہ ایک چاندنی رات کی طرح ہے، کس کی طرح؟ چاندنی رات کی طرح۔ بھئی دیکھیے دھوپ تیز بھی ہو لیکن اگر ہر طرف گہرا سبز سبزہ چھایا ہوا ہو تو وہ سبزہ بھی جب خوب گہرا ہو تو کچھ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ کچھ سیاہی، کچھ سیاہی کی جانب مائل ہوتا ہے جتنا گہرا سبزہ ہو۔ تو خوب گہرا سبزہ ہر طرف چھایا ہوا ہو تو اس کے اندر وہ دھوپ کی تیزی بھی کچھ کم معلوم ہوتی ہے۔ دھوپ کی تیزی بھی کچھ کم معلوم ہوتی ہے۔ اثر پڑتا ہے یا نہیں پڑتا بھئی؟ ایک صاف زمین ہے یا ریت والے ٹی، ریت والے میدان میں کھڑے ہیں یا کھلے میدان میں کھڑے ہیں وہاں سبزہ نہیں، وہاں دھوپ کی تیز، کی روشنی تیز لگے گی، اور جب ہر طرف گہرا سبز سبزہ چھایا ہو تو یقیناً اس سے دھوپ کی تیزی بھی کچھ کم معلوم ہوتی ہے۔

تو شاعر کہتا ہے کہ اے میری دو آنکھو تم ذرا گہری نظر ڈالو، تمہیں زمین کی جگہیں کیسی صورت اختیار کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، اور تم دیکھو گی کہ تیز دھوپ والا دن جو ہے جب وہ مل جاتا ہے گہرے سبزے کے ساتھ تو وہ بھی چاندنی رات کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ کس کی طرح؟ چاندنی رات کی طرح۔ تو دیکھو دھوپ تیز ہے اور ہر طرف کیا چھایا ہوا ہے؟ گہرا سبز سبزہ چھایا ہوا ہے، اس میں وہ دھوپ کی تیزی کم ہو گئی، اس کو تشبیہ دے دی شاعر نے کس کے ساتھ؟ چاندنی رات کے ساتھ، تو یہ بھی اسی طرح ہے گویا جیسے اس میں ہر طرف کچھ تاریکی چھائی ہوتی ہے اور چاند نکلا ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے جیسے کچھ تاریکی سی ہے اور اس میں سورج نکلا ہوا ہے چاند کی طرح بھئی۔ تشبیہ سمجھ میں آئی بھئی؟

■ قولہ: «تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا» کی تشریح

تو کہتا ہے تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا تم دونوں دیکھو گے نَهَارًا مُشْمِسًا سورج والے دن کو قَدْ شَابَهُ، شَابَهُ کا معنی ہوتا ہے مل جانا، مخلوط ہو جانا، قَدْ شَابَهُ کہ وہ سورج والا دن جو ہے وہ مل گیا ہے کس کے ساتھ ملا ہے؟ زَهْرُ الرُّبَا۔ یہ فاعل ہے شَابَهُ کے لیے، یہ دن مل گیا ہے کس کے ساتھ؟ زَهْرُ الرُّبَا۔ زَهْرٌ اور زَهَرٌ یہ پھول کو کہتے ہیں۔ زَهْرٌ کسے کہتے ہیں؟ پھول کو، لیکن یہاں مراد سبزہ ہے۔ یہاں کیا مراد ہے؟ سبزہ مراد ہے۔ اور الرُّبَا، رُبَا جمع ہے رَبْوَةٌ کی اور رَبْوَةٌ کہتے ہیں اونچی جگہ کو، ٹیلے کو، ٹیلے کو۔ زَهْرُ الرُّبَا کیا معنی ہوا؟ ٹیلوں کا جو سبزہ ہے۔ زَهْرٌ کس معنی میں ہے یہاں؟ سبزے کے۔ زَهْرٌ ویسے تو پھول کو کہتے ہیں لیکن یہاں مجازاً کس معنی میں استعمال کیا شاعر نے؟ سبزے کے معنی میں استعمال کیا۔ تو کہتے ہیں تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا قَدْ شَابَهُ زَهْرُ الرُّبَا، تم دونوں دیکھو گے کہ تیز دھوپ والا دن جو ہے، تیز سورج والا دن جو ہے قَدْ شَابَهُ زَهْرُ الرُّبَا کہ وہ مل گیا ہے ٹیلوں کے سبزے کے ساتھ، بلند جگہوں کے سبزے کے ساتھ وہ دن مل گیا ہے فَكَأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرٌ۔ لَيْلٌ مُقْمِرٌ کہتے ہیں چاند والی رات کو، لَيْلٌ مُقْمِرٌ چاند والی رات، فَكَأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرٌ تو گویا کہ وہ دن جو ہے مُقْمِرٌ چاند والا ہے یعنی وہ چاند والی رات ہے، چاندنی رات ہے۔ گویا کہ وہ چاندنی رات ہے۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

اب دوبارہ ترجمہ دیکھ لیجیے: يَا صَاحِبَيَّ تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا تَرَيَا وُجُوهَ الْأَرْضِ كَيْفَ تَصَوَّرُ، تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا قَدْ شَابَهُ زَهْرُ الرُّبَا فَكَأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرُ، اے میرے دو ساتھیو تم ذرا اپنی نگاہوں کو گہرا ڈالو تَرَيَا تو تم دیکھو گے وُجُوهَ الْأَرْضِ كَيْفَ تَصَوَّرُ کہ زمین کی جگہیں جو ہیں وہ کیسی صورت اختیار کرتی ہیں، تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا تم دیکھو گے کہ دھوپ والا دن جو ہے، سورج والا دن جو ہے قَدْ شَابَهُ زَهْرُ الرُّبَا وہ تحقیق مل گیا ہے ٹیلوں کے سبزے کے ساتھ فَكَأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرُ تو گویا کہ وہ چاندنی رات ہے، گویا کہ وہ چاندنی رات ہے۔ تو اب دیکھیے بھئی، مشبہ، مشبہ کیا ہے؟ دن ہو جس کے اندر دھوپ نکلی ہوئی ہے، سورج نکلا ہوا ہے بادل نہیں ہیں، اور یہ ہا، سورج والا دن کس کے ساتھ ملا؟ بلندی کے، بلند جگہ کے سبزے کے ساتھ ملا، اس سے ایک مرکب ہیئت حاصل ہوئی ان ساری چیزوں سے، اس کو تشبیہ دے دی چاندنی رات کے ساتھ۔ تو یہ مشبہ ہوا مرکب اور مشبہ بہ ہے چاندنی رات وہ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ تو مرکب کو تشبیہ دی گئی مفرد کے ساتھ۔ دیکھیے خود تشریح کر رہے ہیں: فَإِنَّهُ شَبَّهَ هَيْئَةَ النَّهَارِ الْمُشْمِسِ، یہاں بھی الْمُشْمِسِ لفظ ہونا چاہیے بھئی، یہ الْمُشَمَّس غلطی ہے کتابت کی۔ فَإِنَّهُ شَبَّهَ هَيْئَةَ النَّهَارِ الْمُشْمِسِ پس شاعر نے تشبیہ دی ہے وہ سورج والے دن کی ہیئت کو الَّذِي اخْتَلَطَ بِهِ أَزْهَارُ الرَّبَوَاتِ جس کے ساتھ مل گئی ہیں أَزْهَار، کیا مل گئے ہیں اس کے ساتھ؟ أَزْهَارُ الرَّبَوَاتِ۔ أَزْهَارٌ وہی زَهْرٌ کی جمع ہے مراد کیا ہے؟ سبزہ، بلند جگہوں کے سبزے کے ساتھ، وہ دن، سورج والا دن جو مل گیا ہے بلند ٹیلوں کے سبزے کے ساتھ اس کی تشبیہ دی ہے بِاللَّيْلِ الْمُقْمِرِ کس کے ساتھ؟ چاندنی رات کے ساتھ۔

جی یہ تو ایک تقسیم تھی کہ تشبیہ طرفین یعنی مشبہ اور مشبہ بہ کے اعتبار سے کتنی قسم کی ہوئی؟ چار قسم کی ہوئی، پہلی تقسیم تھی۔ اور چار صورتیں کیا تھیں؟ کہ مفرد کی تشبیہ مفرد کے ساتھ ہو گی، یا مرکب کی تشبیہ مرکب کے ساتھ ہو گی، یا تیسری صورت مفرد کی تشبیہ مرکب کے ساتھ، یا مرکب کی تشبیہ مفرد کے ساتھ، یہ چار صورتیں ہوئیں۔

اب دوسری تقسیم کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ الطَّرَفَيْنِ أَيْضًا إِلَى مَلْفُوفٍ وَمَفْرُوقٍ، اور تشبیہ تقسیم ہوتی ہے طرفین ہی کے اعتبار سے

ملفوف اور مفروق کی طرف بھئی۔ یہ دو اور قسمیں بیان کر رہے ہیں۔ بھئی دیکھیے دوسری تقسیم یہ ہے کہ آپ ایک کلام کرتے ہیں، ادھر توجہ کیجیے، آپ ایک کلام کرتے ہیں، آپ اس کلام میں ایک مشبہ اور ایک مشبہ بہ لائیں ایسا نہیں بلکہ مشبہ بھی ایک سے زیادہ اور مشبہ بہ بھی ایک سے زیادہ، یعنی دو یا تین یا چار چیزیں ذکر کرتے ہیں اور ان کی تشبیہ دیتے ہیں اتنی ہی چیزوں کے ساتھ۔ جتنے مشبہ لا رہے ہیں اتنے ہی مشبہ بہ، مشبہ بہ۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں پھر، دو صورتیں۔ ایک صورت یہ آپ مثلاً دو یا تین مشبہ ہیں اور کتنے ہی مشبہ بہ ہیں؟ وہ بھی دو تین ہی ہیں، ایک مشبہ کے لیے ایک مشبہ بہ ہے، دوسرے کے لیے دوسرا ہے، تیسرے کے لیے تیسرا۔ تو ایک صورت ذکر کی یہ ہے کہ آپ پہلے سارے مشبہ اکٹھے ذکر کر دیتے ہیں، پھر ترتیب سے ہر ایک کے مشبہ بہ کو ذکر کر دیتے ہیں۔ تو یہ ہے تشبیہ ملفوف۔ لَفٌّ کے معنی ہوتے ہیں لپیٹنا کے، آپ نے کئی تشبیہوں کو لپیٹ دیا، اکٹھا کر دیا۔ کس طرح اکٹھا کیا؟ یعنی سارے مشبہ اکٹھے کر دیے ان کو لپیٹ دیا، پھر سارے مشبہ بہ اکٹھے کر دیے ان کو لپیٹ دیا۔ ہونا تو کس طرح چاہیے تھا؟ مشبہ آیا تو ساتھ ہی اس کا مشبہ بہ ہونا چاہیے، پھر دوسرا مشبہ آیا تو ساتھ ہی کیا ہونا چاہیے؟ اس کا مشبہ بہ، پھر تیسرا مشبہ آئے تو ساتھ ہی اس کا کیا آنا چاہیے؟ اس کا مشبہ بہ۔ لیکن آپ یوں نہیں کرتے، آپ مشبہ نکال کر سارے پہلے لے آتے ہیں، ایک مشبہ ذکر، ساتھ ہی دوسرا مشبہ ذکر، اور اگر اور ہیں تو ساتھ ہی مثلاً تیسرا بھی مشبہ ذکر، اور پھر اس کے بعد مشبہ بہ سارے اکٹھے جمع کر دیتے ہیں، تو آگے مشبہ بہ اکٹھے لاتے ہیں۔ پہلے والے مشبہ کے لیے مشبہ بہ لاتے ہیں، پھر دوسرے والے کے لیے مشبہ بہ لاتے ہیں، پھر تیسرے والے کے لیے مشبہ بہ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تشبیہ ملفوف ہے، لَفٌّ کا معنی لپیٹنا، آپ نے بھی سارے مشبہ لپیٹ کر اکٹھے کر دیے اور سارے مشبہ بہ لپیٹ کر اکٹھے کر دیے۔

اور دوسری قسم ہے تشبیہ مفروق، اس میں ساری تشبیہات کو آپ الگ الگ رکھتے ہیں۔ اس میں بھی یہی ہے لیکن اس میں آپ یوں کرتے ہیں کہ پہلا مشبہ لائے تو ساتھ ہی اس کے ساتھ ہی اس کا مشبہ بہ بھی لے آئے، دوسرا مشبہ لائے تو ساتھ ہی اس کا کیا لے آئے؟ مشبہ بہ بھی لے آئے، تیسرا مشبہ لائے تو ساتھ ہی اس کے کیا لے آئے؟ تیسرا مشبہ بہ بھی لے آئے۔ فرق سمجھ میں آیا دونوں میں؟

تو یہ معنی ہے: وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ الطَّرَفَيْنِ أَيْضًا إِلَى مَلْفُوفٍ وَمَفْرُوقٍ، اور تشبیہ تقسیم ہوتی ہے طرفین ہی کے اعتبار سے ملفوف اور مفروق کی طرف۔ فَالْمَلْفُوفُ أَنْ يُؤْتَى بِمُشَبَّهَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ بِالْمُشَبَّهِ بِهَا، تو ملفوف تشبیہ یہ ہے کہ لایا جائے بِمُشَبَّهَيْنِ کتنوں کو؟ کم از کم دو، دو مشبہ کو أَوْ أَكْثَرَ یا دو سے زیادہ مشبہ کو لایا جائے، ثُمَّ بِالْمُشَبَّهِ بِهَا پھر ان کے مشبہ بہ کو آخر میں لایا جائے اکٹھا۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر:

■ متن وشواہد: «كَأَنَّ قُلُوبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَيَابِسًا...»

كَأَنَّ قُلُوبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَيَابِسًا لَدَى وَكْرِهَا الْعُنَّابُ وَالْحَشَفُ الْبَالِي

شاعر عقاب کی تعریف کر رہا ہے، امرؤ القیس بھئی۔ عقاب شکاری پرندہ آپ جانتے ہیں۔ عقاب کی تعریف بیان کر رہا ہے کہ وہ بہت زیادہ پرندوں کا شکار کرنے والا ہے اور اگر آپ اس کے گھونسلے کے پاس چلے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے گھونسلے کے پاس پرندوں کے جو دل ہیں بکھرے پڑے ہیں۔ پرندوں کے دل بکھرے پڑے ہیں، یہ پرندے شکار کر کے لاتا ہے اور باقی گوشت وغیرہ تو ان کا کھا جاتا ہے، وہ دل وغیرہ کچھ حصے جو ہیں وہ وہاں بکھرے پڑے ہیں اس کے گھونسلے کے پاس۔

اب وہ ان کی تشبیہ بیان کر رہا ہے کہ کچھ دل تر و تازہ ہیں یعنی نیا نیا ان کو اس نے شکار کو کھایا ہے، اور کچھ تو پرانے ہو چکے، پرانے ہو گئے خشک ہو گئے ہیں۔ تو یہ جو تازہ دل ہیں یہ عناب کی طرح ہیں، کس کی طرح؟ عناب۔ عناب یہ ایک بیر کی طرح یا زیتون کی طرح کا ایک پھل ہے پودے کا، اور یہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے بھئی، اور اس کو مختلف دوائیوں وغیرہ میں بھی استعمال کرتے ہیں، ویسے بھی کھاتے ہیں اور دوائیوں وغیرہ میں بھی استعمال کرتے ہیں، تو اس کو کہتے ہیں عناب۔ تو شاعر کہتا ہے یہ جو تازہ دل ہیں یہ عناب کی طرح ہیں، اور جو خشک دل ہیں جو پرانے ہو چکے وہ خشک ردی کھجور کی طرح ہیں۔ کس کی طرح ہیں؟ خشک ردی کھجور کی طرح۔ تو تشبیہ سمجھ میں آئی؟ کہ اس کے گھونسلے کے پاس خشک اور تازہ دل بکھرے پڑے ہیں اور وہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کہ عناب اور ردی کھجوریں ہوں، عناب اور ردی کھجوریں ہوں۔

تو دیکھیے: كَأَنَّ قُلُوبَ الطَّيْرِ گویا کہ پرندوں کے جو دل ہیں رَطْبًا وَيَابِسًا، رَطْبٌ تر یعنی تر و تازہ وَيَابِسًا اور خشک جو ہیں، تو گویا کہ پرندوں کے دل جو ہیں تر و تازہ اور خشک جو ہیں، یا یوں کہیں گیلے، تر بھئی، تر اور خشک جو ہیں لَدَى وَكْرِهَا، لَدَى کا معنی پاس عِنْدَ کے معنی میں، وَكْرٌ کہتے ہیں گھونسلے کو، لَدَى وَكْرِهَا اس عقاب کے گھونسلے کے پاس وہ اَلْعُنَّابُ وہ کیا ہیں؟ عناب ہیں، عناب وہ پھل جو میں نے بتایا، وَالْحَشَفُ الْبَالِي اور بوسیدہ ردی کھجوریں ہیں۔ حَشَفٌ، حَشَفٌ وہ جو سب سے ردی کھجور ہوتی ہے، بھئی یہ وہ کھجور ہے جو پکنے سے پہلے ہی درخت پر سوکھ جائے۔ جو پکنے سے پہلے ہی درخت پر سوکھ جائے تو نہ اس میں مٹھاس ہوتی ہے، نہ اس کے اندر گٹھلی بنی ہوتی ہے، اوپر ہی بننے سے پہلے یہ کیا ہو گئی؟ پکنے سے پہلے ہی خراب ہو گئی، تو یہ سب سے ردی کھجور ہوتی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حَشَفٌ۔ اور الْبَالِي، بَالٍ کا معنی گلی ہوئی، بوسیدہ، بَلِيَ يَبْلَى کا معنی ہوتا ہے بوسیدہ ہونا، بوسیدہ ہونا، تو الْحَشَفُ الْبَالِي وہ جو بوسیدہ ردی کھجور، سب سے ردی کھجوریں ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو شاعر کہتا ہے كَأَنَّ قُلُوبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَيَابِسًا لَدَى وَكْرِهَا الْعُنَّابُ وَالْحَشَفُ الْبَالِي، گویا کہ پرندوں کے تازہ اور خشک دل جو ہیں اس عقاب کے گھونسلے کے پاس وہ عناب اور بوسیدہ خشک کھجوریں ہیں، پرانی خشک کھجوریں ہیں۔ تو دیکھیے دو مشبہ ہیں اور دو ہی مشبہ بہ۔ تازہ دلوں کو کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ عناب کے

ساتھ، اور خشک دلوں کو کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ حشف، حشف بالی کے ساتھ۔ اور مشبہ سارے پہلے اکٹھے ذکر کر دیے، رَطْبًا وَيَابِسًا یہ دونوں کیا ہیں؟ مشبہ، یہ سارے اکٹھے ذکر، پھر آگے دونوں مشبہ بہ اکٹھے ذکر، اَلْعُنَّابُ وَالْحَشَفُ الْبَالِي۔ تو یہ ہے تشبیہ ملفوف۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِنَّهُ شَبَّهَ الرَّطْبَ الطَّرِيَّ مِنْ قُلُوبِ الطَّيْرِ، پس شاعر نے تشبیہ دی وہ الرَّطْبَ جو تازہ ہیں الطَّرِيَّ، رَطْبٌ گیلے جو تر ہیں، الطَّرِيَّ تازہ ہیں مِنْ قُلُوبِ الطَّيْرِ پرندوں کے دلوں میں سے اس کو تشبیہ دی ہے بِالْعُنَّابِ کس کے ساتھ؟ عناب کے ساتھ، وَالْيَابِسَ الْعَتِيقَ مِنْهَا اور يَابِس جو خشک ہیں الْعَتِيقَ پرانے جو ہیں ان میں سے اس کو تشبیہ دی ہے بِالتَّمْرِ الرَّدِيءِ ردی کھجور کے ساتھ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو ہونا تو کس طرح چاہیے تھا؟ رَطْب کے بعد عناب آنا چاہیے تھا اس کا مشبہ بہ، اور يَابِس کے بعد الْحَشَفُ الْبَالِي آنا چاہیے تھا اس کا مشبہ بہ، لیکن شاعر نے کیا کیا؟ مشبہ سارے پہلے اکٹھے کر دیے اور پھر مشبہ بہ سارے اکٹھے کر دیے، تشبیہ ملفوف ہے۔

■ قولہ: «وَالْمَفْرُوقُ أَنْ يُؤْتَى بِمُشَبَّهٍ...» کی تشریح

وَالْمَفْرُوقُ أَنْ يُؤْتَى بِمُشَبَّهٍ وَمُشَبَّهٍ بِهِ، مفروق تشبیہ یہ ہے کہ مشبہ کو لایا جائے وَمُشَبَّهٍ بِهِ اور مشبہ بہ کو لایا جائے ثُمَّ آخَرَ وَآخَرَ، پھر پہلے آخَرَ سے مراد ہے مشبہ اور دوسرے آخَرَ سے مراد ہے مشبہ بہ۔ کہ مفروق تشبیہ یہ ہے أَنْ يُؤْتَى بِمُشَبَّهٍ وَمُشَبَّهٍ بِهِ کہ لایا جائے مشبہ کو اور مشبہ بہ کو ثُمَّ آخَرَ وَآخَرَ اور پھر دوسرے مشبہ اور دوسرے مشبہ بہ کو۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر:

اَلنَّشْرُ مِسْكٌ وَالْوُجُوهُ دَنَا نِيرٌ وَأَطْرَافُ الْأَكُفِّ عَنَمُ

بھئی شاعر عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کر رہا ہے، کہتا ہے اَلنَّشْرُ مِسْكٌ، نَشْرٌ کہتے ہیں خوشبو کو، مِسْكٌ یعنی مشک بھئی وہ قیمتی خوشبو۔ شاعر کہتا ہے ان عورتوں کی خوشبو مِسْكٌ کس کی طرح ہے؟ مشک کی طرح ہے۔ تو نَشْرٌ ہوا مشبہ اور مِسْكٌ ہوا مشبہ بہ۔ تو ان کی خوشبو جو ہے وہ مشک کی طرح ہے۔ وَالْوُجُوهُ دَنَانِيرٌ اور ان کے، اور چہرے جو ہیں، دَنَانِيرٌ یہ ایک لفظ ہے آدھا ایک مصرعے میں اور آدھا دوسرے میں، اور عربی زبان میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ، ایک آدھا ایک مصرعے میں ہے اور آدھا دوسرے میں، کیونکہ اشعار کے اوزان ہوتے ہیں تو اگر ایسا نہ کیا جائے شعر کا وزن باقی نہیں رہتا۔ وَالْوُجُوهُ دَنَانِيرٌ اور چہرے جو ہیں وہ دینار ہیں، وہ کیا ہیں؟ دینار ہیں۔ جیسے دینار جو ہے وہ خوشنما زرد رنگ کا ہوتا ہے، اس طرح ان کے چہرے بھی کیا ہیں؟ خوشنما زرد رنگ کے ہیں بھئی، اور عربوں کے ہاں زرد رنگ عورتوں میں حسن و جمال کی علامت سمجھا جاتا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ اس کا ذکر کیا۔

وَالْوُجُوهُ دَنَانِيرٌ، اور دَنَانِير یاد رکھیے یہ ہے تو غیر منصرف، دَنَانِير سمجھ میں آیا؟ جمع منتہی الجموع ہے، لیکن یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے اس کو منصرف پڑھا جائے گا۔ کس کی بنا پر؟ منصرف یعنی اس پر تنوین پڑھیں گے ورنہ شعر کا وزن نہیں بنتا۔ وَالْوُجُوهُ دَنَانِيرٌ اور ان کے چہرے جو ہیں وہ دینار ہیں، اشرفیاں ہیں۔ وَأَطْرَافُ الْأَكُفِّ، أَطْرَافٌ کنارے، أَكُفٌّ جمع ہے كَفٌّ کی، كَفٌّ ہتھیلی کو کہتے ہیں۔ تو ان کی ہتھیلیوں کے جو کنارے ہیں، مراد ہیں ان کی انگلیاں اور ان کے پورے، انگلیوں کے پورے مراد ہیں۔ عَنَمٌ، عَنَم یہ ایک پودا ہے، ایک پودا ہے جس کی شاخیں بڑی نرم ہوتی ہیں اور اس کے پھول جو ہیں سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ پھول یا اس کی شاخیں بھی کیا ہیں ان میں بھی کچھ سرخی ہوتی ہے، پھول بھی سرخ رنگ کے ہیں، تو یہ ایک پودا ہے سرخ رنگ کا اور نرم شاخیں ہوتی ہیں، اور عربوں کے ہاں عورتوں کے ہاتھوں کی تشبیہ اس سے دی جاتی ہے یعنی وہ ہاتھ جن پر مہندی لگی ہوئی ہو۔ تو وہ بھی سرخ رنگ کے اور اس پودے کی شاخیں بھی نرم، جیسے عورتوں کے ہاتھ بھی نرم اسی طرح اس کی شاخیں بھی نرم، اور جیسے ان کے ہاتھ مہندی لگے ہیں انگلیوں پر تو وہ انگلیاں بھی سرخ ہیں اسی طرح اس پودے کے پھول یا شاخیں بھی کیا ہیں؟ سرخ ہیں۔

تو کہتے ہیں وَأَطْرَافُ الْأَكُفِّ اور ہتھیلیوں کے کنارے جو ہیں یعنی انگلیاں اور پورے جو ہیں ان کے عَنَمٌ وہ کس کی طرح ہیں؟ عنم پودے کی طرح ہیں۔ تو دیکھیے تین چیزیں، تین مشبہ ہیں اور تین ہی مشبہ بہ، لیکن ہر مشبہ کے ساتھ اس کا مشبہ بہ ذکر کر دیا، تو یہ ہے تشبیہ مفروق بھئی۔ اَلنَّشْرُ مِسْكٌ وَالْوُجُوهُ دَنَا نِيرٌ وَأَطْرَافُ الْأَكُفِّ عَنَمٌ، خوشبو ان کی مشک ہے اور چہرے ان کے اشرفیاں ہیں اور ہاتھوں کے کنارے یعنی پورے اور انگلیاں جو ہیں ان کی عَنَمٌ وہ عنم پودے ہیں۔

وَإِنْ تَعَدَّدَ الْمُشَبَّهُ دُونَ الْمُشَبَّهِ بِهِ سُمِّيَ تَشْبِيهَ التَّسْوِيَةِ، یہ الگ قسم بیان کر رہے ہیں بھئی۔ اگر مشبہ کئی ہیں اور مشبہ بہ ایک ہے تو اس کو کہتے ہیں تشبیہ تسویہ۔ بھئی ادھر دیکھیے، آپ دو یا تین چیزیں بطور مشبہ کے ذکر کرتے ہیں، دو یا تین، اور ان کی تشبیہ بیان کرتے ہیں ایک ہی چیز کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ ایک ہی چیز کے ساتھ۔ یعنی یہ پہلی چیز بھی اس کے مشابہ، دوسری بھی اس کے مشابہ، تیسری بھی اس کے مشابہ، تو گویا تین چیزوں میں آپ نے برابری کر دی۔ کیا کر دی؟ برابری، کہ یہ برابر ہیں، یہ ساری ہی اس جیسی ہیں۔ تو اس کو کہتے ہیں تشبیہ تسویہ، تسویہ کا بھی کیا معنی ہے؟ برابری کرنا۔

■ قولہ: «وَإِنْ تَعَدَّدَ الْمُشَبَّهُ دُونَ الْمُشَبَّهِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَإِنْ تَعَدَّدَ الْمُشَبَّهُ دُونَ الْمُشَبَّهِ بِهِ اور اگر تعدد ہو مشبہ کے اندر نہ کہ مشبہ بہ میں سُمِّيَ تَشْبِيهَ التَّسْوِيَةِ تو اس کو تشبیہ تسویہ کہتے ہیں۔

نَحْوُ، مثال کے طور پر:

صُدْغُ الْحَبِيبِ وَحَالِي كِلَاهُمَا كَاللَّيَالِي

صُدْغٌ صاد کے ساتھ، صُدْغٌ، صُدْغٌ کہتے ہیں بھئی یہ آنکھ اور کان کے درمیان کا حصہ یعنی کنپٹی۔ آنکھ اور کان کے درمیان کا حصہ اس کو صُدْغٌ کہتے ہیں عربی میں۔ تو شاعر کہتا ہے صُدْغُ الْحَبِيبِ حبیب کی جو کنپٹی ہے یعنی محبوب کی جو کنپٹی ہے، تو یہاں کچھ حصے پر تو بال ہیں بھئی آنکھ اور کان کے درمیان اور کچھ حصے پر بال نہیں، یہ بالوں والا حصہ مراد ہے۔ کہتا ہے محبوب ہے اس کی کنپٹی وَحَالِي اور میرا حال جو ہے دونوں، كِلَاهُمَا دونوں جو ہیں كَاللَّيَالِي وہ راتوں کی طرح ہیں۔ دونوں کس کی طرح ہیں؟ راتوں کی طرح ہیں۔ یعنی میرے محبوب کے بال بھی سیاہ ہیں، خوب سیاہ بال ہیں، اور یہ حسن کی علامت ہے بھئی، اور میری حالت بھی سیاہ ہے، یعنی بتلانا یہ چاہتا ہے کہ میں تو غموں کے اندر ڈوبا ہوا ہوں، محبوب سے ملاقات کا موقع ہی نہیں ملتا بھئی۔ کہتا ہے صُدْغُ الْحَبِيبِ وَحَالِي كِلَاهُمَا كَاللَّيَالِي، محبوب کی کنپٹی جو ہے اور میری حالت دونوں جو ہیں كَاللَّيَالِي کس کی طرح ہیں؟ راتوں کی طرح۔ اب دیکھیے دو چیزیں ہیں، مشبہ دو ہیں صُدْغُ الْحَبِيبِ اور حَالِي، اور مشبہ بہ ایک ہی ہے اَللَّيَالِي، تو یہ تشبیہ تسویہ ہے، مشبہ میں تعدد ہے مشبہ بہ میں نہیں۔

اور اگر اس کا عکس ہو بھئی، وَإِنْ تَعَدَّدَ الْمُشَبَّهُ بِهِ دُونَ الْمُشَبَّهِ اور اگر مشبہ بہ کے اندر تعدد ہو نہ کہ مشبہ میں سُمِّيَ تَشْبِيهَ الْجَمْعِ تو اس کو تشبیہ الجمع کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تشبیہ الجمع کہتے ہیں۔

- متن وشواہد: «كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَنْ لُؤْلُؤٍ مُنَضَّدٍ أَوْ...»

كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَنْ لُؤْلُؤٍ مُنَضَّدٍ أَوْ بَرَدٍ أَوْ أَقَاحِي

اس میں پھر شاعر عورتوں کے حسن وجمال کی تعریف کر رہا ہے اور کہتا ہے كَأَنَّمَا يَبْسِمُ، بَسَمَ يَبْسِمُ کے معنی ہوتے ہیں مسکرانا، كَأَنَّمَا يَبْسِمُ گویا کہ وہ نازک بدن مسکراتے ہیں عَنْ لُؤْلُؤٍ کس سے؟ موتیوں سے، یعنی ان کے دانت موتیوں کی طرح ہیں، کہنا یہ چاہتا ہے۔ ان کے دانت کس کی طرح ہیں؟ موتیوں کی طرح۔ اور لُؤْلُؤٍ مُنَضَّدٍ، مُنَضَّد کا معنی ہے مرتب، ترتیب سے جیسے ترتیب سے موتی رکھے ہوئے ہوں اسی طرح ان کے دانت ہیں۔ كَأَنَّمَا يَبْسِمُ، يَبْسِمُ میں اسی لیے میں نے ترجمہ کیا وہ نازک بدن کیونکہ پچھلے شعر میں ایک لفظ آیا اس کی طرف ضمیر راجع ہے تو آپ یہ نہ کہیں يَبْسِمُ تو مذکر کا صیغہ ہے۔ کون سا صیغہ ہے؟ مذکر کا، اور تعریف کر رہا ہے عورتوں کی بھئی، تو یہ مذکر کا صیغہ کس اعتبار سے لایا کہ پیچھے لفظ ایسا ذکر تھا نازک بدن، ضمیر اس کی طرف لوٹائی۔ كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَنْ لُؤْلُؤٍ گویا کہ وہ نازک بدن مسکراتے ہیں عَنْ لُؤْلُؤٍ مُنَضَّدٍ ترتیب سے رکھے ہوئے موتیوں کے ساتھ یعنی ان جیسے دانتوں کے ساتھ۔

پھر شاعر کہتا ہے، پہلے تشبیہ کس کے ساتھ دی؟ ترتیب سے رکھے ہوئے موتیوں کے ساتھ، پھر کہتا ہے نہیں نہیں، ترتیب سے موتی رکھے ہوئے نہیں، موتی تو خشک ہوتے ہیں اور ان کے دانتوں پر تو لعاب بھی لگا ہوتا ہے تو ان کے دانت اولوں کی طرح ہیں۔ کس کی طرح ہیں؟ اولے جو بارش کے ساتھ برستے ہیں وہ گیلے ہوتے ہیں بھئی، اور ان میں بھی سفیدی اور اسی طرح چمک ہوتی ہے جیسے موتی میں ہوتی ہے، تو کہتا ہے أَوْ بَرَدٍ بلکہ یا وہ اولے ہیں یعنی اولوں کے ساتھ مسکراتی ہیں۔ پھر کہتا ہے نہیں بھئی، اولے گیلے تو ہیں لیکن ان میں تو خوشبو نہیں، ان کی تو سانسوں کی بھی مہک ہوتی ہے، تو کہتا ہے أَوْ أَقَاحِي یا وہ گل بابونہ ہیں بھئی ان کے ساتھ ہنستی ہیں، یعنی ان کے دانت کس کی طرح ہیں؟ گل بابونہ، یہ کچھ سفید رنگ کے خوبصورت پھول ہوتے ہیں جن کی خوشبو مہک بھی ہوتی ہے تو یہ ان کی طرح ہیں۔ تشبیہ سمجھ میں آئی؟ تو اب مشبہ ایک ہی ہے ان کے دانت، اور مشبہ بہ پہلے کس سے تشبیہ دی؟ موتیوں سے، پھر کس سے تشبیہ دی؟ اولوں کے ساتھ، اور پھر کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ پھول گل بابونہ کے ساتھ۔ تو مشبہ بہ میں تعدد ہے مشبہ میں نہیں۔ کہتا ہے كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَنْ لُؤْلُؤٍ مُنَضَّدٍ أَوْ بَرَدٍ أَوْ أَقَاحِي، گویا کہ وہ نازک بدن مسکراتے ہیں موتیوں کے ساتھ مُنَضَّدٍ ترتیب سے رکھے ہوئے أَوْ بَرَدٍ یا اولوں کے ساتھ أَوْ أَقَاحِي یا گل بابونہ کے ساتھ۔

وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ وَجْهِ الشَّبَهِ إِلَى تَمْثِيلٍ وَغَيْرِ تَمْثِيلٍ، اور تشبیہ تقسیم ہوتی ہے وجہ تشبیہ کے اعتبار سے۔ بھئی پہلی تقسیم ابھی تک چل رہی تھی مشبہ اور مشبہ بہ کے اعتبار سے، اولاً بتایا چار قسمیں ہیں: تشبیہ مفرد بمفرد، یا تشبیہ مرکب بمرکب، یا تشبیہ مفرد بمرکب، یا تشبیہ مرکب بمفرد، وہ چار قسمیں۔ پھر بتلایا ایک اور تقسیم بھی ہے کہ تشبیہ یا ملفوف ہوگی یا مفروق ہوگی۔ پھر اس کے بعد ایک اور تقسیم بھی بتائی کہ یہ تشبیہ یا تشبیہ تسویہ ہوگی یا تشبیہ جمع ہوگی۔ لیکن یہ ساری تقسیم کس اعتبار سے تھی؟ مشبہ اور مشبہ بہ کے اعتبار سے۔ اب بتلانے لگے ہیں وجہ تشبیہ کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں وہ اور قسمیں بناتے ہیں۔ کہتے ہیں وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ وَجْهِ الشَّبَهِ إِلَى تَمْثِيلٍ وَغَيْرِ تَمْثِيلٍ، اور تشبیہ تقسیم ہوتی ہے وجہ تشبیہ کے اعتبار سے تمثیل اور غیر تمثیل کی طرف۔

فَالتَّمْثِيلُ، تمثیل جو ہے وہ مَا كَانَ وَجْهُهُ مُنْتَزَعًا مِنْ مُتَعَدِّدٍ، تمثیل وہ تشبیہ ہے کہ جس کی وجہ یعنی وجہ تشبیہ مُنْتَزَعًا وہ نکالی گئی ہے مِنْ مُتَعَدِّدٍ متعدد

چیزوں سے۔ جس میں وجہ تشبیہ کس سے بنی ہے؟ متعدد چیزوں سے۔ بھئی وجہ تشبیہ، زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّخَاءِ، زید سمندر کی طرح ہے کس چیز میں؟ سخاوت میں۔ تو وجہ تشبیہ کیا ہے؟ سخاوت ہے۔ تو یہ سخاوت تو دیکھو مفرد ہے، لیکن بعض اوقات وجہ تشبیہ کیا ہوگی؟ مرکب ہوگی، وہ کئی چیزوں سے مل کر ایک ہیئت حاصل ہو رہی ہوگی۔ تو بس جہاں وجہ تشبیہ مرکب ہو اس کو کہیں گے تمثیل۔ کیا کہیں گے؟ تمثیل۔ اور جہاں وجہ تشبیہ مرکب نہ ہو اس کو کیا کہیں گے؟ غیر تمثیل۔ یہی بیان کر رہے ہیں: فَالتَّمْثِيلُ مَا كَانَ وَجْهُهُ مُنْتَزَعًا مِنْ مُتَعَدِّدٍ، تمثیل جو ہے وہ تشبیہ ہے کہ جس میں وجہ تشبیہ اس کو نکالا گیا ہو کئی چیزوں سے یعنی وجہ تشبیہ مرکب ہو، كَتَشْبِيهِ الثُّرَيَّا بِعُنْقُودِ الْعِنَبِ الْمُنَوَّرِ جیسے کہ تشبیہ دینا ثریا کو۔

ثریا میں نے آپ کو بتلایا تھا ستاروں کا ایک مجموعہ ہے اور بڑے قریب قریب ستارے ہیں اس کے اندر، اور اردو میں اور فارسی میں اس کو پروین کہتے ہیں، پروین۔ كَتَشْبِيهِ الثُّرَيَّا جیسے ثریا ستاروں کا جو مجموعہ ہے اس کو تشبیہ دینا کس کے ساتھ؟ بِعُنْقُودٍ، عُنْقُودٌ یہ خوشے کو کہتے ہیں، خوشہ، گچھا بھئی گچھا۔ بِعُنْقُودِ الْعِنَبِ، عِنَبٌ کہتے ہیں انگور کو۔ الْمُنَوَّرِ، مُنَوَّر نَوْرٌ سے ہے نَوْرٌ، نَوْرٌ۔ نَوْرٌ کلی اور پھول کو کہتے ہیں۔ پودے پر پہلے کلی آتی ہے اور اس کلی سے پھر کیا بنتا ہے؟ پھول بنتا ہے۔ تو یہ جو کلی اور پھول ہے اس کو نَوْرٌ کہتے ہیں، اور جب پودے پر پھول آجائیں، کلیاں آجائیں تو کہتے ہیں نَوَّرَ، نَوَّرَ الشَّجَرُ کہہ دیتے ہیں، نَوَّرَ کلیوں والا ہو گیا، اور جس پر کلیاں آگئی ہیں اس کو کہیں گے مُنَوَّرٌ، مُنَوَّرٌ اسم مفعول۔ سمجھ میں آیا؟

■ قولہ: «كَتَشْبِيهِ الثُّرَيَّا بِعُنْقُودِ الْعِنَبِ...» کی تشریح

تو كَتَشْبِيهِ الثُّرَيَّا بِعُنْقُودِ الْعِنَبِ الْمُنَوَّرِ جیسے کہ ثریا ستاروں کا جو مجموعہ ہے اس کی تشبیہ کس کے ساتھ؟ بِعُنْقُودِ الْعِنَبِ الْمُنَوَّرِ، وہ انگور جس پر پھول آگئے ہوں اس کے خوشے کے ساتھ۔ وہ انگور جس پر پھول آگئے ہوں اس کے خوشے کے ساتھ۔ دیکھو ثریا ستاروں کا مجموعہ ہے، اس میں دیکھو چھوٹے چھوٹے گول گول ستارے ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ اسی طرح انگور کا خوشہ اس کے اندر بھی چھوٹی گول گول یہ جو انگور ہیں، گول گول چیزیں سفید رنگ کی ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں اور اس سے ایک مرکب ہیئت حاصل ہوئی۔ تو ثریا کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ انگور کے اس خوشے کے ساتھ جس پر پھول آگئے ہیں، اور تشبیہ کس چیز میں دی ہے؟ وجہ تشبیہ یہاں مرکب ہے۔ جیسے ثریا کیا تھا؟ ایک ستارہ تھا یا کئی ستارے ہیں؟ کئی ستارے۔ اور وہ کس طرح کے ہیں؟ گول ہیں، اور چمکدار ہیں، اور ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ یہی ساری چیزیں ادھر بھی ہیں انگور کے خوشے کے اندر بھی، کیا؟ گول چیزیں ہیں، سفید رنگ کی ہیں، قریب قریب ہیں، اور کافی ساری ہیں، دیکھو یہ ایک مرکب ہیئت ہوئی، اس کے ساتھ اس کی تشبیہ دی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے كَتَشْبِيهِ الثُّرَيَّا بِعُنْقُودِ الْعِنَبِ الْمُنَوَّرِ جیسے کہ ثریا کو تشبیہ دینا پھولوں والے انگور کے خوشے کے ساتھ۔

یہ تو کون سی تشبیہ تھی؟ تمثیل، جس میں وجہ تشبیہ کیا ہوتی ہے؟ مرکب ہوتی ہے۔ وَغَيْرُ التَّمْثِيلِ اور غیر تمثیل جو ہے مَا لَيْسَ كَذَلِكَ جو ایسی نہ ہو یعنی جس میں وجہ تشبیہ مرکب نہ ہو، كَتَشْبِيهِ النَّجْمِ بِالدِّرْهَمِ جیسے ستارے کو تشبیہ دینا درہم یعنی درہم کے ساتھ۔ ستارے کو کس سے تشبیہ دینا؟ درہم کے ساتھ۔ جیسے ستارہ گول اور چمکدار ہوتا ہے اسی طرح درہم بھی کیا ہے؟ گول اور چمکدار ہے۔ تو یہاں وجہ تشبیہ متعدد چیزوں سے نہیں اخذ کی گئی، مرکب نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

وَيَنْقَسِمُ بِهَذَا الِاعْتِبَارِ أَيْضًا إِلَى مُفَصَّلٍ وَمُجْمَلٍ، اور تقسیم ہوتی ہے تشبیہ اس اعتبار سے بھی دو قسموں کی طرف: مفصل اور مجمل۔ مجمل، یعنی کس اعتبار سے؟ اسی وجہ تشبیہ کے اعتبار سے ایک اور تقسیم ہے۔ پہلی تقسیم کیا تھی وجہ تشبیہ کے اعتبار سے؟ تمثیل ہوگی یا غیر تمثیل۔ تمثیل جس میں وجہ تشبیہ مرکب ہو، غیر تمثیل جس میں وجہ تشبیہ مرکب نہ ہو۔ اور اسی وجہ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ تقسیم ہوتی ہے إِلَى مُفَصَّلٍ وَمُجْمَلٍ کس کی طرف؟ مفصل اور مجمل۔ مفصل جس میں تفصیل ہو، مجمل جس میں اجمال ہو یعنی تفصیل نہ ہو۔ آسان ہے: مفصل تشبیہ اسے کہیں گے جس میں وجہ تشبیہ ذکر کر دی جائے، تفصیل آگئی گویا، یہ ہے مفصل۔ اور جس تشبیہ میں وجہ تشبیہ ذکر نہیں، حذف کر دی گئی، تو تفصیل آئی یا اجمال آگیا؟ اجمال، تو اس کو ہی مجمل کہیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَيَنْقَسِمُ بِهَذَا الِاعْتِبَارِ أَيْضًا إِلَى مُفَصَّلٍ وَمُجْمَلٍ اور تقسیم ہوتی ہے تشبیہ اسی اعتبار سے یعنی وجہ تشبیہ کے اعتبار سے مفصل اور مجمل کی طرف۔ فَالْأَوَّلُ مَا ذُكِرَ فِيهِ وَجْهُ الشَّبَهِ، پس پہلی قسم وہ ہے یعنی مفصل وہ ہے جس کے اندر وجہ تشبیہ ذکر کر دی جائے، نَحْوُ مثال کے طور پر:

■ متن وشواہد: «وَثَغْرُهُ فِي صَفَاءٍ وَأَدْمُعِي كَاللَّآلِي»

وَثَغْرُهُ فِي صَفَاءٍ وَأَدْمُعِي كَاللَّآلِي

وَثَغْرُهُ، ثَغْرٌ منہ کو بھی کہتے ہیں اور اگلے دانتوں کو بھی کہتے ہیں۔ وَثَغْرُهُ اور اس کے جو دانت ہیں فِي صَفَاءٍ صاف شفاف ہونے میں وَأَدْمُعِي اور میرے جو آنسو ہیں كَاللَّآلِي، لَآلِي جمع ہے لُؤْلُؤٌ کی، ابھی گزر اموتی کو کہتے ہیں، وہ کہتا ہے موتیوں کی طرح ہیں، كَاللَّآلِي موتیوں کی طرح۔ تو شاعر کیا کہتا ہے؟ وہ جو میرا محبوب

ہے اس کے دانت اور میرے آنسو صاف وشفاف ہونے میں كَاللَّآلِي کس کی طرح ہیں؟ موتیوں کی طرح ہیں بھئی۔

تو جیسے اس کے دانت موتیوں کی طرح ہیں اسی طرح میرے آنسو بھی صاف وشفاف موتیوں کی طرح ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ مجھ پر بڑے غم اور تکالیف ہیں، محبوب سے میری ملاقات ہی نہیں ہوتی، ہر وقت میرے آنسو بہتے رہتے ہیں، اسی لیے میرے آنسو صاف وشفاف ہیں، کیونکہ کثرت سے آنسو نکلیں گے تو وہ صاف وشفاف ہوں گے۔ اگر تھوڑے سے آنسو نکلے تو پھر اس میں تو کچھ نہ کچھ آنکھ کا میل کچیل ہو گا بھئی، لیکن جب کثرت سے نکلتے جارہے ہیں تو میل کچیل تو شروع میں ختم ہو گیا، اس کے بعد جو آنسو نکلیں گے وہ کیسے ہوں گے؟ صاف وشفاف ہوں گے۔ تو اب دیکھیے بھئی، اس کے دانت اور میرے آنسو موتیوں کی طرح ہیں کس چیز میں؟ صاف وشفاف ہونے میں، فِي صَفَاءِ وجہ تشبیہ کو ذکر کر دیا تو اس کو کیا کہیں گے؟ تشبیہ مفصل۔

وَالثَّانِي مَا لَيْسَ كَذَلِكَ، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس طرح نہ ہو یعنی مجمل وہ ہے جس میں وجہ تشبیہ ذکر نہ ہو۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر اَلنَّحْوُ فِي الْكَلَامِ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، نحو کلام کے اندر وہ اسی طرح ہے جیسے نمک ہوتا ہے کھانے کے اندر۔ جیسے نمک کھانے میں ہوتا ہے، یعنی نحو ہے تو کلام بھی صحیح ہے، اور نحو نہیں تو کلام بھی فاسد ہے۔ اسی طرح نمک ہے تو کھانا بھی صحیح ہے، نمک نہیں تو کھانا کیا ہے؟ فاسد ہے، کوئی اس کو کھانا پسند نہیں کرتا۔ تو اب دیکھیے یہ کوئی ذکر ہے اس کے اندر وجہ تشبیہ؟ کہ نحو کلام میں یہ اسی طرح ہے جیسے نمک ہوتا ہے کھانے کے اندر، کس چیز میں؟ یہ ذکر نہیں۔ وہ میں نے ذکر کر دیا کہ استعمال کریں تو چیز ٹھیک ہے، چھوڑ دیں تو چیز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد۔ سمجھ میں آیا؟ أَيِ الْإِصْلَاحُ بِالْإِعْمَالِ، اَلْإِصْلَاحُ بِالْإِعْمَالِ وَالْإِفْسَادُ بِالْإِهْمَالِ، یعنی عمل دینے سے چیز کی اصلاح ہوتی ہے یعنی اس کو استعمال کریں، یعنی نحو ہے اس کو استعمال کیا کلام میں تو کلام اصلاح والا ہے، درست ہے، اور اگر اس کا اہمال کیا یعنی چھوڑ دیا تو وہ چیز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو وجہ تشبیہ وہ یہاں ذکر نہیں، اور وہ کیا ہے؟ یا یوں کہیں حاشیے میں دی ہوئی ہے: اَلصَّلَاحُ بِالْإِعْمَالِ وَالْفَسَادُ بِالْإِهْمَالِ۔ حاشیہ بھئی، مَا لَيْسَ كَذَلِكَ پہ جو حاشیہ دیا ہوا ہے اس کی تیسری سطر میں آرہا ہے: اَلصَّلَاحُ بِالْأَعْمَالِ نہیں ہے، بِالْإِعْمَالِ ہے، عمل دینا، صلاح درست ہونا چیز کا عمل دینے سے وَالْفَسَادُ بِالْإِهْمَالِ اور چیز کا فاسد ہو جانا بِالْإِهْمَالِ کس کی وجہ سے؟ چھوڑ دینے کی وجہ سے۔ اِعْمَالٌ استعمال کرنا یا عمل دینا، اور اِهْمَالٌ چھوڑ دینا۔ تو ان دونوں میں اسی طرح ہے، نحو کلام میں ہے تو کلام صحیح ہے، کلام میں نہیں تو کلام فاسد ہے، نمک کھانے میں ہے تو کھانا درست ہے اور اگر کھانے میں نہیں تو پھر کھانا فاسد ہے یعنی اس کو کوئی کھانا پسند نہیں کرتا۔

وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ أَدَاتِهِ إِلَى مُؤَكَّدٍ، اچھا اب تیسری تقسیم کر رہے ہیں ادات تشبیہ کے اعتبار سے۔ کس کے اعتبار سے؟ ادات تشبیہ، وہ جو کاف وغیرہ ذکر ہوتا تھا جس کے ذریعے مشابہت بیان کی جاتی ہے، زَيْدٌ كَالْبَحْرِ زید سمندر جیسا ہے، یہ جیسا کا معنی کس نے ادا کیا؟ کاف نے، یہ ہے ادات تشبیہ۔ تو ادات تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ دو قسم پر ہے: ایک مؤکد اور ایک ہے مرسل۔ مؤکد وہ ہے جس میں ادات تشبیہ حذف ہو، اور مرسل وہ ہے جس میں ادات تشبیہ ذکر ہو۔ مثلاً زَيْدٌ كَالْبَحْرِ زید سمندر جیسا ہے، ادات تشبیہ کیا ہے؟ کاف اور وہ ذکر ہے، اس کو کیا کہیں گے؟ مرسل، مرسل۔ اور اگر اس کاف کو حذف کر دیں اور یوں کہیں زَيْدٌ بَحْرٌ زید سمندر ہے، تو اس تشبیہ کو کیا کہیں گے؟ مؤکد ہے، مؤکد یعنی اس میں تاکید ہے، تاکید پیدا کی گئی ہے۔ تاکید کس طرح؟ کہ زَيْدٌ بَحْرٌ گویا زید کو عین سمندر ہی آپ نے قرار دے دیا، تو اس میں تاکید آگئی۔ صرف مشابہت ہی نہیں بیان کی سمندر کے ساتھ بلکہ زید کو خود ہی کیا قرار دے دیا؟ عین مشبہ بہ قرار دے دیا گیا۔

■ قولہ: «وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ أَدَاتِهِ إِلَى...» کی تشریح

تو کہتے ہیں وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ أَدَاتِهِ إِلَى مُؤَكَّدٍ، إِلَى مُؤَكَّدِهِ تو نہیں آپ کی کتابوں میں؟ ہا ضمیر نہیں ہونی چاہیے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ تو یہ تقسیم ہوتی ہے تشبیہ جو ہے ادات تشبیہ کے اعتبار سے إِلَى مُؤَكَّدٍ مؤکد کی طرف وَهُوَ مَا حُذِفَتْ أَدَاتُهُ اور یہ وہ تشبیہ ہے کہ جس کے ادات کو حذف کر لیا جائے، نَحْوُ وَهُوَ بَحْرٌ فِي الْجُودِ اور وہ شخص سمندر ہے کس میں؟ سخاوت میں۔ یہ نہیں کہا وَهُوَ كَالْبَحْرِ کس کی طرح ہے؟ سمندر کی طرح، بلکہ وَهُوَ بَحْرٌ فِي الْجُودِ وہ سخاوت میں سمندر ہے، یہ مؤکد ہے۔ وَمُرْسَلٍ اور دوسری قسم جو ہے وہ مرسل ہے وَهُوَ مَا لَيْسَ كَذَلِكَ جو ایسی نہ ہو یعنی جس میں ادات تشبیہ کو حذف نہ کیا جائے، نَحْوُ هُوَ كَالْبَحْرِ كَرَمًا وہ سمندر جیسا ہے كَرَمًا باعتبار سخاوت کے، تو دیکھو اس میں کاف ذکر ہے، ادات تشبیہ ذکر ہے۔

وَمِنَ الْمُؤَكَّدِ مَا أُضِيفَ فِيهِ الْمُشَبَّهُ بِهِ إِلَى الْمُشَبَّهِ، اور مؤکد ہی کی قبیل میں سے وہ تشبیہ بھی ہے جس میں اضافت کر دی جائے مشبہ بہ کی مشبہ کی طرف۔ جس میں مشبہ بہ کی اضافت کس کی طرف کر دیں؟ مشبہ کی طرف کر دیں۔ بعض اوقات ایسا کیا جاتا ہے کلام عرب میں، مشبہ بہ کی اضافت کر دی جاتی ہے کس کی طرف؟ مشبہ کی طرف۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے تھے اَلْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ، پانی جو ہے یہ پانی چاندی جیسا ہے، لُجَيْنٌ کہتے ہیں چاندی کو، اَلْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ پانی کس کی طرح کا؟ چاندی جیسا، یہ پانی چاندی جیسا ہے۔ تو اَلْمَاءُ کیا ہوا؟ مشبہ، اور مشبہ بہ کون؟ لُجَيْنٌ۔ اس لُجَيْنٌ کو آپ اٹھا کر مضاف بنا دیتے ہیں، لُجَيْنُ الْمَاءِ۔ لُجَيْنُ مضاف یعنی مشبہ بہ، اور اَلْمَاءِ مشبہ وہ کیا بن گیا؟ مضاف الیہ۔

تو تو اس کو کہتے ہیں، یہ اس کو، یہ عام کلام عرب میں استعمال ہوتا ہے، مختلف کتابوں میں بھی آپ پڑھیں گے، جو شارحین حضرات ہیں شرح کرنے والے وہ آپ کو وہاں بتائیں گے یہ لُجَيْنُ الْمَاءِ کی قبیل سے ہے، صرف اتنا کہہ کے آگے نکل جائیں گے، تفصیل نہیں کریں گے۔ کیا لکھیں گے؟ یہ لُجَيْنُ الْمَاءِ کی قبیل سے ہے، آپ

فوراً سمجھ جائیں معلوم ہوا یہاں مشبہ بہ کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ مشبہ کی طرف ہو رہی ہے۔ تو لُجَيْنُ الْمَاءِ کا کیا معنی؟ اَلْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ۔ تو اب دیکھیے لُجَيْنُ الْمَاءِ حرف تشبیہ ذکر ہے؟ نہیں بھئی، تو یہ بھی اسی مؤکد کی قبیل سے ہے جس میں ادات تشبیہ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔

تو کہتے ہیں وَمِنَ الْمُؤَكَّدِ اور مؤکد ہی میں سے مَا وہ تشبیہ ہے أُضِيفَ فِيهِ الْمُشَبَّهُ بِهِ إِلَى الْمُشَبَّهِ جس میں مشبہ بہ کی اضافت کی جائے مشبہ کی طرف، نَحْوُ مثال کے طور پر:

- **متن وشواہد: «وَالرِّيحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُونِ وَقَدْ جَرَى...»**

وَالرِّيحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُونِ وَقَدْ جَرَى ذَهَبُ الْأَصِيلِ عَلَى لُجَيْنِ الْمَاءِ

وَالرِّيحُ ہوا جو ہے، تیز ہوا تَعْبَثُ، عَبِثَ يَعْبَثُ کے معنی ہوتے ہیں کھیلنا، بیکار کام کرنا، تَعْبَثُ بِالْغُصُونِ، غُصْنٌ صاد کے ساتھ یہ شاخ کو کہتے ہیں، شاخ۔ اور تیز ہوا جو ہے وہ کھیلتی ہے بِالْغُصُونِ شاخوں کے ساتھ یعنی ان کو ادھر ادھر حرکت دیتی ہے، ہلاتی ہے۔ وَقَدْ جَرَى، یا یوں کہیں وَالرِّيحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُونِ اور تیز ہوا کھیل رہی ہے شاخوں کے ساتھ، وَقَدْ جَرَى، جَرَى یہاں بمعنی ظَهَرَ کے ہے، ظاہر ہوا۔ جَرَى کس معنی میں ہے؟ ظاہر ہوا۔ وَقَدْ جَرَى اور تحقیق ظاہر ہو گیا ہے ذَهَبُ الْأَصِيلِ۔ ذَهَبٌ کہتے ہیں سونے کو، سونا بھئی وہ قیمتی دھات جو ہے جس سے زیور بنتا ہے تو ذَهَبٌ، اور الْأَصِيلِ، أَصِيلٌ کہتے ہیں یہ شام کا وقت بھئی، عصر کے بعد سے شام کا جو وقت ہے اس کو کہتے ہیں أَصِيلٌ۔ اور اس وقت آپ دیکھتے ہیں کہ سورج میں زردی آنا شروع ہو جاتی ہے، سورج کا رنگ کس طرح پڑنے لگتا ہے؟ زرد رنگ کا بھئی۔ تو گویا اس رنگ کو، وہ سونے کی طرح کا رنگ ہے جو زیور جس سے بنتے ہیں، تو اس وقت بھی گویا کس طرح کا رنگ پھیل جاتا ہے فضا میں؟ سونے کے جیسا رنگ پھیل جاتا ہے۔ وَقَدْ جَرَى ذَهَبُ الْأَصِيلِ اور تحقیق ظاہر ہو گیا ہے شام کا سونا، شام کا سونا یعنی اس وقت میں جو سونے کی طرح سنہرا رنگ جو ہوتا ہے یہ ظاہر ہو گیا ہے عَلَى لُجَيْنِ الْمَاءِ کس پر؟ پانی کی چاندی پر، یعنی اس پانی پر جو چاندی جیسا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟

تو شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ تیز ہوا چل رہی ہے اور وہ شاخوں کو ادھر ادھر حرکت دے رہی ہے، اور شام کے وقت کا وہ سنہرا وقت اس وقت ظاہر ہو گیا ہے کس پر؟ عَلَى لُجَيْنِ الْمَاءِ اس پانی پر جو کس جیسا ہے؟ چاندی جیسا ہے، اس پر یہ شام کی یہ زرد رنگ اس پر پھیل گیا ہے۔ وَالرِّيحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُونِ وَقَدْ جَرَى ذَهَبُ الْأَصِيلِ عَلَى لُجَيْنِ الْمَاءِ، اور ہوا جو ہے وہ کھیل رہی ہے شاخوں کے ساتھ اور تحقیق ظاہر ہو گیا ہے شام کے وقت کا سونا پانی کی چاندی پر۔ تو محل استشہاد کیا ہے؟ لُجَيْنِ الْمَاءِ بھئی، پانی کی چاندی، اس میں مشبہ بہ کی اضافت ہے کس کی طرف؟ مشبہ کی طرف۔ تو یہ کتابوں میں آئے گا آپ نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے، شارح صرف یہ کہہ کر آگے چلا جائے گا کہ یہ لُجَيْنُ الْمَاءِ کی قبیل سے ہے، آپ سمجھ جائیں کہ یہ کیا بتلانا چاہتے ہیں کہ مشبہ بہ کی اضافت ہو رہی ہے مشبہ کی طرف بھئی۔ یا اسی طرح جیسے میں نے ایک اور لفظ پہلے ذکر کیا، شارح وہاں یہ کہتا ہوا چلا جائے گا یہ جَزْدُ قَطِيفَةٍ کی قبیل سے ہے۔ کس قبیل سے ہے؟ جَزْدُ قَطِيفَةٍ، اور جَزْدُ قَطِيفَةٍ اس میں صفت کی اضافت ہے کس کی طرف؟ موصوف کی طرف، جیسے مُثَارَ النَّقْعِ اس کے اندر آیا تھا پہلے شعر کے اندر۔ سمجھ میں آیا؟ اس میں وہ مُثَار صفت تھی نَقْعٌ کی اور صفت کی اضافت کر دی گئی تھی کس کی طرف؟ موصوف کی طرف بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۸: المبحث الثالث في أغراض التشبیہ: بیانِ امکانِ مشبہ، بیانِ حال، بیانِ مقدارِ حال اور تقریرِ حال کے شواہد

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۰۳ــــ بتاریخ: ۲۱ جنوری ۲۰۱۳ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلْمَبْحَثُ الثَّالِثُ فِي أَغْرَاضِ التَّشْبِيهِ. اَلْغَرَضُ مِنَ التَّشْبِيهِ إِمَّا بَيَانُ إِمْكَانِ الْمُشَبَّهِ نَحْوُ: فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ، فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ. فَإِنَّهُ لَمَّا ادَّعَى أَنَّ الْمَمْدُوحَ مُبَايِنٌ لِأَصْلِهِ بِخَصَائِصَ جَعَلَتْهُ حَقِيقَةً مُنْفَرِدَةً، اِحْتَجَّ عَلَى إِمْكَانِ دَعْوَاهُ بِتَشْبِيهِهِ بِالْمِسْكِ الَّذِي أَصْلُهُ دَمُ الْغَزَالِ.

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

تیسری بحث بھئی تشبیہ کے اغراض کے بارے میں۔ پہلی بحث تھی تشبیہ کے ارکان کے بارے میں، دوسری بحث تھی تشبیہ کی اقسام کے بارے میں، آج تیسری بحث ہے تشبیہ کی اغراض کے بارے میں یعنی اس میں تشبیہ کے لانے میں کیا کیا مقاصد ہوتے ہیں، کوئی شخص اپنے کلام میں تشبیہ کا سہارا لیتا ہے، تشبیہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کے کیا کیا اس میں مقاصد ہو سکتے ہیں وہ بیان کریں گے بھئی۔ تو وہ مقاصد یہاں پر بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں اَلْمَبْحَثُ الثَّالِثُ فِي أَغْرَاضِ التَّشْبِيهِ، تیسری بحث ہے تشبیہ کے مقاصد کے بیان میں۔

اَلْغَرَضُ مِنَ التَّشْبِيهِ إِمَّا بَيَانُ إِمْكَانِ الْمُشَبَّهِ. غرض جو ہوتی ہے تشبیہ سے یا تو مشبہ کے امکان کو بیان کرنا ہو گا۔ مشبہ کے امکان کو بیان کرنا یعنی مشبہ ممکن ہے۔ مشبہ کیا ہے؟ ممکن ہے۔ بھئی یاد رکھیے یہ تشبیہ کی غرضوں کا تعلق عموماً مشبہ سے ہوتا ہے۔ کس سے؟ مشبہ سے متعلق کوئی غرض ہوتی ہے، مشبہ کی آپ حالت بیان کرنا چاہتے ہیں یا اس کے امکان کو بیان کرنا چاہتے ہیں یا اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وغیرہ، تو تعلق کس سے ہوتا ہے تشبیہ کی غرض کا عموماً؟ مشبہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا تھا زَيْدٌ كَالْأَسَدِ، زید کس کی طرح ہے؟ شیر کی طرح۔ تو زید ہے مشبہ اور شیر کیا ہے؟ مشبہ بہ۔ اب میں کس کی بہادری بیان کرنا چاہتا ہوں، شیر کی یا زید کی؟ زید کی، اور زید کیا ہے؟ مشبہ ہے، تو تشبیہ کی اکثر غرضوں کا تعلق کس سے ہوتا ہے؟ مشبہ سے ہوتا ہے، مشبہ سے۔ تو اسی لیے کہا کہ غرض تشبیہ سے إِمَّا بَيَانُ إِمْكَانِ الْمُشَبَّهِ یا تو مشبہ کے امکان کو بیان کرنا ہے کہ مشبہ ممکن ہے۔

بھئی بعض اوقات کہنے والا کسی چیز کے بارے میں ایسی بات کرتا ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ کسی چیز کے بارے میں کوئی ایسی بات کرتا ہے کہ سننے والا اس کو سن کر کہہ سکتا ہے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ کسی چیز کے بارے میں کہنے والا کوئی ایسا دعویٰ کر دیتا ہے جس کے محال ہونے کا کہا جا سکتا ہے، سننے والا کہہ سکتا ہے یہ تو ممکن ہی نہیں۔ تو پھر وہ کیا کرتا ہے؟ ساتھ ہی دلیل کے طور پر تشبیہ ذکر کرتا ہے یعنی اس جیسی ایک اور چیز کو ذکر کر دیتا ہے۔ اس جیسی ایک اور چیز۔ اور وہ جو دوسری چیز جو اس نے ذکر کی وہ تو سب تسلیم کرتے ہیں، تو گویا وہ کہنے والا یہ کہتا ہے کہ دیکھو اس چیز کے اندر جب ایسا ہو سکتا ہے تو جس کے بارے میں میں نے بات کی ہے اس کے اندر بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں وہ گویا اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے دلیل کے طور پر مشبہ بہ کو لاتا ہے، اور ثابت کس کے بارے میں کرنا ہے؟ مشبہ کے بارے میں۔

دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی، نَحْوُ مثال کے طور پر: فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ، فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ. فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ، أَنَامٌ کہتے ہیں مخلوق کو، مخلوق۔ فَاقَ يَفُوقُ کے معنی ہوتے ہیں فائق ہونا، برتر ہونا، بڑھا ہوا ہونا۔ فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ اگر تو تمام مخلوق پر جو تیرے زمانے میں ہے، اگر تو مخلوق پر برتر

ہے اور بلند ہے وَأَنْتَ مِنْهُمْ اور حال یہ ہے کہ تو انہی میں سے ہے۔ حال یہ ہے کہ تو انہی میں سے ہے، اس حال میں کہ تو ان میں سے ہے۔ پس شاعر کہتا ہے فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ اگر تو مخلوق پر بلند ہو گیا ہے، ان پر فائق ہو گیا ہے، ان پر تو برتر ہو گیا ہے اس حال میں کہ تو انہی میں سے ہے، جزا محذوف ہے فَذَلِكَ لَيْسَ بِبَعِيدٍ تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ یہ کوئی بعید بات نہیں ہے اگر تو مخلوق پر بلند ہو گیا ہے اس حال میں کہ تو انہی میں سے ہے۔

گویا شاعر یہ تو ذکر کر رہا ہے کہ یہ جس کی میں تعریف کر رہا ہوں، جس کی میں مدح کر رہا ہوں یہ بھی مخلوق میں سے ہے یعنی آدمیوں میں سے، انسانوں میں سے ایک انسان ہے۔ انسانوں میں سے ایک انسان ہے، لیکن یہ انسانوں سے برتر ہے، اس کے زمانے کے جتنے باقی انسان ہیں یہ ان پر کیا ہے؟ برتر ہے، ان سے بڑھ کر ہے یعنی گویا الگ جنس ہے۔ یہ ایک جنس ہی علیحدہ ہے کیونکہ اس کی صفات اتنے اعلیٰ درجے کی ہیں کہ یہ صفات تو اس جنس والے اور کسی فرد میں نہیں، تو معلوم ہوا یہ جنس ہی علیحدہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ جنس ہی علیحدہ ہے۔ تو شاعر نے جو یہ کہا نا فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ اگر تو مخلوق پر فائق ہو گیا ہے، بلند ہو گیا ہے، تو گویا اس میں اس نے دعویٰ کر دیا کہ میرا ممدوح اس کی جنس ہی الگ ہے۔ اس کی جنس ہی الگ ہے۔ یہ آگے تشریح کریں گے، یہ آپ کو بتائیں گے کہ شاعر نے گویا یہ دعویٰ کر دیا کہ میرا ممدوح جس کی میں تعریف کر رہا ہوں وہ ہے تو انسانوں کی جنس میں سے لیکن تمام انسانوں سے گویا کہ وہ ایک علیحدہ ہی جنس ہے، وہ کیا ہے؟ علیحدہ ہی جنس ہے، اور کس وجہ سے علیحدہ جنس ہے؟ کیونکہ اس کی صفات بہت اعلیٰ ہیں، اس جیسی صفات اور کسی میں بھی نہیں۔ تو ان اعلیٰ اور کمال کی صفات کی وجہ سے گویا یہ جنس ہی الگ ہے۔ یہ جنس ہی الگ ہے، جنس ہی الگ ہے۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاعر نے کب کہا ہے یہ جنس ہی الگ ہے؟ یہ تشریح کریں گے آگے: فَإِنَّهُ لَمَّا ادَّعَى أَنَّ الْمَمْدُوحَ مُبَايِنٌ لِأَصْلِهِ ممدوح اپنی اصل سے مختلف ہے بِخَصَائِصَ ایسی خصوصیات کی وجہ سے جَعَلَتْهُ حَقِيقَةً مُنْفَرِدَةً جس نے اس کو ایک علیحدہ ہی حقیقت بنا دیا ہے، ایک علیحدہ ہی جنس بنا دیا ہے۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ تو اس کی شرح کرتے ہوئے کہیں گے کہ شاعر نے گویا یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ میرے ممدوح میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں کہ ان صفات نے گویا اس کو ایک علیحدہ ہی جنس بنا دیا ہے، یہ وہ جنس ہے ہی نہیں، یہ جنس ہی کیا ہے؟ اور ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے شاعر نے کب کہا ہے یہ جنس ہی علیحدہ ہے؟ شاعر نے، اس نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ یہ ان پر برتر ہے، ان پر بڑھا ہوا ہے باقی لوگوں پر۔ تو جواب یہ، جواب یہ کہ جب شاعر کہہ رہا ہے وَأَنْتَ مِنْهُمْ حال یہ ہے کہ تو بھی کس میں سے ہے؟ انہی میں سے ہے یعنی انسانوں میں سے ہے، اور جب جنس ایک ہے تو ایک جنس کے افراد آپس میں برابر ہوتے ہیں، اس میں کوئی ایک دوسرے پر بڑھا ہوا نہیں ہوتا، لیکن یہ کہہ رہا ہے فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ اگر تو کیا ہے تمام مخلوق پر برتر ہو گیا ہے۔ حالانکہ ایک جنس کے افراد آپس میں برابر ہوتے ہیں یا برتر اور کم ہوتے ہیں ایک دوسرے سے؟ برابر ہوتے ہیں۔ ایک جنس کے افراد بھئی سارے انسان ہیں تو سارے انسان ہونے میں سب برابر ہونے چاہئیں، کوئی کسی پر کم یا زیادہ نہیں کیونکہ سب کی حقیقت کیا ہے؟ حیوان ناطق ہے۔ لیکن شاعر کہہ رہا ہے فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ اگر تو مخلوق پر بڑھ گیا ہے، برتر ہو گیا ہے، تو گویا اس میں یہ دعویٰ یہ کر رہا ہے کہ اس کی جنس ہی علیحدہ ہے۔ اس کی جنس ہی علیحدہ ہے کیونکہ اگر جنس علیحدہ نہ ہوتی پھر تو کیا کہنا چاہیے تھا؟ یہ سب کے برابر ہے کیونکہ ایک جنس کے افراد کیا ہوتے ہیں آپس میں؟ برابر ہوتے ہیں۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ مشکل ہو گئی؟ آگے شرح کرتے ہوئے کیا کہیں گے؟ شاعر نے اپنے کلام میں کیا کیا ہے؟ دعویٰ کیا ہے۔ کیا دعویٰ کیا ہے؟ کہ میرے ممدوح کی جنس ہی علیحدہ ہے کیونکہ اس کی صفات بہت اعلیٰ ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے شاعر نے کب کہا اس کی جنس علیحدہ ہے؟ شاعر نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ میرا ممدوح کیا ہے باقی لوگوں پر؟ برتر ہے۔ کہتے ہیں یہ برتر کہنا ہی تو بتلا رہا ہے کہ یہ جنس اس کی علیحدہ ہے اس کی، کیونکہ اگر جنس ایک ہو تو پھر برتر نہیں ہونا چاہیے، جنس کے افراد آپس میں کیا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے؟ برابر۔ زید جیسے حیوان ناطق ہے بکر بھی کیا ہے؟ حیوان ناطق ہے، خالد بھی کیا ہے؟ حیوان ناطق، تو سارے برابر ہوں گے یا ایک برتر ہو گا ایک کم ہو گا؟ برابر ہونے چاہئیں، لیکن یہ کہہ رہا ہے کہ میرا ممدوح باقیوں پر برتر ہو گیا تو اس کا برتر کہنا یہ بتلا رہا ہے کہ معلوم ہوا یہ کیا ہے دوسروں پر؟ فائق، دوسروں سے جنس ہی علیحدہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو شاعر نے ایک دعویٰ کر دیا، شاعر نے کہا یہ ہے تو انہی میں سے لیکن یہ ان پر برتر ہے، بلند ہے، اس کی گویا جنس ہی علیحدہ ہے۔ جنس ہی علیحدہ ہے۔ تو کوئی سننے والا کہہ سکتا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہو انہی میں سے اور اس کو علیحدہ جنس شمار کیا جائے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو شاعر تشبیہ کے ذریعے اس کی وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ پس بے شک مشک جو ہے، مِسْكٌ مشک بھئی، مشک خوشبو آپ جانتے ہیں جو ہرن کی ایک مخصوص قسم کے ہرن ہیں ان کی ناف سے جو خوشبو حاصل کی جاتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مشک کہتے ہیں اور نہایت قیمتی خوشبو ہے بھئی، نہایت قیمتی۔ اور یہ جو مشک ہے یاد رکھیے یہ اسی کے خون سے بنتی ہے، اسی ہرن کے خون سے، اسی کا وہ خون ناف میں جمع ہو جاتا ہے اس کی ناف میں اور پھر وہ خوشبو کی صورت اختیار کر لیتا ہے بھئی۔ یہ اللہ کی قدرتیں ہیں، اللہ کا عجیب نظام ہے بھئی۔ تو اب دیکھیے بھئی تو شاعر کہتا ہے دیکھو یہ جو مشک ہوتا ہے، یہ مشک خوشبو ہے یہ بھی ہرن کے خون کا جز ہے۔ اب ایک یہ خون ہے اور ایک اس کے باقی جسم میں خون ہے، لیکن اس خون کو اس کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے بالکل الگ ہی شمار کیا جاتا ہے۔ تو جب یہاں ایسا ہو سکتا ہے اور اس کو تو سب تسلیم کرتے ہیں، تو میرا ممدوح بھی لوگوں میں سے ہونے کے باوجود یہ گویا کہ ایک علیحدہ ہی جنس ہے اور سب پر بلند و برتر ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟

■ قولہ: «فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ،...» کی تشریح

تو کہتا ہے فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ، فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ. پس اگر تو مخلوق پر فائق ہو گیا ہے، ان پر برتر ہو گیا ہے اور حال یہ ہے کہ تو انہی

میں سے ہے، فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ پس بے شک مشک جو ہے وہ، دَمٌ کہتے ہیں خون کو، غَزَالٌ کہتے ہیں ہرن کو، بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ ہرن کے خون کا بعض ہے یعنی اس کا جز ہے، اس کا جز ہے۔ پس بے شک مشک جو ہے وہ ہرن کے خون کا جز ہے، تو لیکن اس کو کیا کیا جاتا ہے اس کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے؟ الگ ہی جنس شمار کیا جاتا ہے، کوئی بھی اس کو خون شمار نہیں کرتا۔ اسی طرح میرا ممدوح بھی ہے، وہ ہے تو انسانوں میں سے لیکن اتنی اعلیٰ صفات ہیں اس کی کہ اس کو ایک الگ ہی جنس، ایک الگ ہی حقیقت شمار کیا جاتا ہے اس کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے۔

تو شاعر نے دعویٰ کیا تھا ممدوح کے بارے میں کہ وہ اعلیٰ صفات کا مالک ہے، اتنی اعلیٰ صفات کہ گویا اس کو ایک علیحدہ ہی جنس شمار کیا جاتا ہے۔ تو اس سے سننے والے کے ذہن میں آ سکتا تھا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں، تو شاعر نے ایک ایسی چیز کے ذریعے اس کی وضاحت کر دی، اس کی تشبیہ بیان کر دی جس کو سب تسلیم کرتے ہیں اور وہ کیا کہ مشک جو ہے وہ ہرن کے خون سے بنتا ہے لیکن اس کو باقی خون سے الگ ہی جنس شمار کیا جاتا ہے، تو اس کے ذریعے شاعر نے اپنے دعوے کو ثابت کر دیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کہ یہ میرا دعویٰ کوئی ناممکن نہیں ہے بلکہ ممکن ہے، بلکہ ممکن ہے۔ تو یہ معنی ہے کہ تشبیہ کی غرض إِمَّا بَيَانُ إِمْكَانِ الْمُشَبَّهِ مشبہ کے ممکن ہونے کو بیان کرنا۔ مشبہ کے ممکن ہونے کو بیان کرنا۔ اور دیکھیے شعر کے اندر کوئی صراحتاً تشبیہ نہیں ہے۔ کوئی کاف یا كَأَنَّ وغیرہ اس جیسے حروف کے ساتھ کوئی تشبیہ ذکر کی گئی؟ یا یہ کہا گیا کہ میرا ممدوح مشک جیسا ہے؟ نہیں، لیکن ضمناً تشبیہ سمجھ میں آ رہی ہے یہاں پر کہ وہ کس کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے اپنے ممدوح کو؟ مشک کے ساتھ، اور مشک کو تو باقی خون سے علیحدہ جنس شمار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ انہی میں سے خون ہی میں سے ہے لیکن علیحدہ جنس شمار کرتے ہیں، تو گویا میرا ممدوح بھی انسانوں میں سے ہے لیکن وہ علیحدہ جنس شمار ہوتا ہے اپنی اعلیٰ صفات کی وجہ سے۔

فَإِنَّهُ لَمَّا ادَّعَى أَنَّ الْمَمْدُوحَ مُبَايِنٌ لِأَصْلِهِ بِخَصَائِصَ جَعَلَتْهُ حَقِيقَةً مُنْفَرِدَةً پس جب شاعر نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ممدوح جو ہے مُبَايِنٌ وہ مختلف ہے لِأَصْلِهِ کس سے؟ اپنی اصل سے مختلف ہے بِخَصَائِصَ، یہ نکرہ آیا خَصَائِصَ اور جَعَلَتْهُ یہ اس کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور موصوف صفت کا ترجمہ موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ۔ تو دیکھیے بھئی کہ شاعر نے جب یہ دعویٰ کر دیا کہ أَنَّ الْمَمْدُوحَ مُبَايِنٌ لِأَصْلِهِ کہ ممدوح جو ہے وہ مختلف ہے اپنی اصل سے بِخَصَائِصَ ایسے خصائص کی وجہ سے، ایسی خصوصیات کی وجہ سے جَعَلَتْهُ حَقِيقَةً مُنْفَرِدَةً جس نے اس کو ایک اکیلی حقیقت بنا دیا ہے، ایک الگ حقیقت بنا دیا ہے، ایک جدا جنس بنا دیا ہے۔ تو شاعر نے جب یہ دعویٰ کر دیا تو اِحْتَجَّ عَلَى إِمْكَانِ دَعْوَاهُ، اِحْتَجَّ کا معنی دلیل پکڑنا، دلیل قائم کرنا۔ تو اِحْتَجَّ عَلَى إِمْكَانِ دَعْوَاهُ تو اس نے اپنے دعوے کے ممکن ہونے پر دلیل قائم کی بِتَشْبِيهِهِ بِالْمِسْكِ اس ممدوح کو تشبیہ دیتے ہوئے مشک کے ساتھ الَّذِي أَصْلُهُ دَمُ الْغَزَالِ وہ مشک جس کی اصل ہرن کا خون ہے۔ وہ مشک جس کی اصل کیا ہے؟ ہرن کا خون ہے۔

تو پہلی غرض کیا بیان ہوئی تشبیہ کے اندر؟ اول تو یہ یاد رکھیں کہ تشبیہ کی غرض کا تعلق عموماً کس سے ہوتا ہے؟ مشبہ سے۔ تو یہاں پر بھی پہلی غرض بیان کی کہ بعض اوقات تشبیہ اس لیے لائی جاتی ہے کہ کہنے والا مشبہ کے ممکن ہونے کو بیان کرنا چاہتا ہے، یعنی اس نے ایک ایسا دعویٰ کر دیا ہے کہ جس کو سن کر کہنے والا کہہ سکتا ہے یہ تو ممکن ہی نہیں، تو لہٰذا وہ تشبیہ کے ذریعے اپنے دعوے کو کیا کرتا ہے؟ ثابت کرتا ہے کہ یہ مشبہ اس طرح ہونا ممکن ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

وَإِمَّا بَيَانُ حَالِهِ یا تشبیہ کس لیے لائی جاتی ہے؟ مشبہ کے حال کو بیان کرنے کے لیے، اس کی حالت کو بیان کرنے کے لیے۔ یعنی سننے والے کو اس کی حالت کا پتہ نہیں تھا آپ تشبیہ کے ذریعے اس کی حالت بیان کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ اس کی حالت بیان کرتے ہیں۔ مثلاً بھئی سننے والے کو نہیں پتہ کہ زید بہادر ہے تو میں کہتا ہوں زَيْدٌ كَالْأَسَدِ، زید کس کی طرح ہے؟ شیر کی طرح۔ تو زید کی حالت کا اسے پتہ چلا یا نہیں چلا؟ کہ زید کی کیا حالت ہے، وہ کس قسم کا انسان ہے؟ بہادر آدمی ہے، بہادر آدمی ہے۔ تو یہ ہے حالت بیان کرنا۔ وَإِمَّا بَيَانُ حَالِهِ یا مشبہ کے حال کو بیان کرنا کَمَا فِي قَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کے قول کے اندر ہے: كَأَنَّكَ شَمْسٌ وَالْمُلُوكُ كَوَاكِبٌ، إِذَا طَلَعَتْ لَمْ يَبْدُ مِنْهُنَّ كَوْكَبٌ. شاعر اپنے بادشاہ کی تعریف کر رہا ہے اور کہتا ہے اس کی تعریف کرتے ہوئے: كَأَنَّكَ شَمْسٌ گویا کہ تو سورج ہے، گویا کہ تو سورج ہے۔ تو بادشاہ کو کس سے تشبیہ دے دی؟ سورج کے ساتھ۔ وَالْمُلُوكُ كَوَاكِبٌ اور بادشاہ جو ہیں وہ ستارے ہیں۔ تو اور بادشاہوں کو کس سے تشبیہ دی؟ ستاروں کے ساتھ، ان کی حالت بیان کرنے کے لیے تشبیہ دی۔ یعنی میرا ممدوح جو ہے اس کی حالت اسی طرح ہے جیسے سورج ہوتا ہے، اور باقی بادشاہوں کی کیا حالت ہے، وہ کس طرح ہیں؟ جیسے ستارے ہوتے ہیں، اور جب سورج نکلتا ہے تو ستارے غائب ہو جاتے ہیں، اسی طرح میرے ممدوح کی جو بادشاہت ہے اس کے سامنے باقیوں کی بادشاہت کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی بھئی۔ تو اپنے ممدوح کی حالت بیان کر دی کہ اس کی یہ حالت ہے کہ وہ سورج جیسی حیثیت رکھتا ہے باقی تمام بادشاہوں کے مقابلے میں، اور وہ اس کے مقابلے میں کون سی حالت رکھتے ہیں؟ ستاروں والی حالت رکھتے ہیں، یعنی اتنے، اتنا یہ ان پر، اس کی بادشاہت ان پر غالب ہے، بڑھ کر ہے۔

كَأَنَّكَ شَمْسٌ وَالْمُلُوكُ كَوَاكِبٌ گویا کہ آپ سورج ہیں اور بادشاہ جو ہیں وہ ستارے ہیں، إِذَا طَلَعَتْ جب سورج طلوع ہو، جب سورج طلوع ہوتا ہے لَمْ يَبْدُ مِنْهُنَّ كَوْكَبٌ، تو ظاہر، لَمْ يَبْدُ، بَدَا يَبْدُو کے معنی ظاہر ہونے کے، مِنْهُنَّ ان میں سے، ان ستاروں میں سے، تو ظاہر نہیں ہوتا ان ستاروں میں سے كَوْكَبٌ کوئی ستارہ، تو ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ ظاہر نہیں ہوتا۔ یا إِذَا طَلَعْتَ مخاطب کا صیغہ پڑھ لیں، آپ سورج ہیں جب آپ کیا ہوتے ہیں؟ طلوع ہوتے ہیں لَمْ يَبْدُ مِنْهُنَّ كَوْكَبٌ ان میں سے کوئی ستارہ بھی ظاہر نہیں ہوتا، سب چھپ جاتے ہیں، آپ کی بادشاہت اس طرح غالب ہے دوسروں کی بادشاہت پر۔ تو یہاں کیا کیا شاعر نے؟ تشبیہ بیان کی۔ کس لیے؟ اپنے ممدوح کی حالت بیان کرنے کے لیے جبکہ سننے والے کو ان کی حالت کا پتہ نہ ہو بھئی، نہ ہو تو اس کی تشبیہ کے ذریعے حالت بیان کی جاتی ہے۔

■ قولہ: «وَإِمَّا بَيَانُ مِقْدَارِ حَالِهِ» کی تشریح

وَإِمَّا بَيَانُ مِقْدَارِ حَالِهِ یا تشبیہ کی غرض جو ہے وہ مشبہ کی حالت کی مقدار کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ بھئی سننے والے کو مشبہ کی حالت کا تو پتہ ہے، پہلی، دوسری صورت کیا تھی؟ اس کو حالت کا ہی پتہ نہیں تھا تو تشبیہ کے ذریعے کس کو بیان کیا گیا؟ مشبہ کی حالت کو۔ اور بعض اوقات سننے والے کو اس کی حالت کا تو پتہ ہوتا ہے لیکن اس کی مقدار کا پتہ نہیں ہوتا کہ زیادہ ہے یا کم ہے، قوی ہے یا ضعیف ہے، تو پھر تشبیہ کے ذریعے مقدار بیان کی جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں وَإِمَّا بَيَانُ مِقْدَارِ حَالِهِ اور یا مشبہ کی حالت کی مقدار کو بیان کرنا تشبیہ کی غرض ہوتی ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: فِيهَا اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُونَ حَلُوبَةً، سُودًا كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الْأَسْحَمِ. كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الْأَسْحَمِ.

فِيهَا اس قبیلے کے اندر، شاعر اپنی محبوبہ کے قبیلے کی تعریف کر رہا ہے۔ فِيهَا، ہا ضمیر اس کے قبیلے کو راجع، فِيهَا اس قبیلے میں اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُونَ حَلُوبَةً، اثْنَتَانِ، اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُونَ بیالیس بھئی، بیالیس حَلُوبَةً دودھ دینے والی اونٹنی۔ اس میں بیالیس دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں، سُودًا سیاہ رنگ کی۔ سیاہ رنگ کی بیالیس دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں۔ سُودٌ جمع ہے سَوْدَاءُ کی۔ أَسْوَدُ کہتے ہیں کالے کو، کالا رنگ، کالی چیز جو ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَسْوَدُ. مؤنث کیا آتی ہے؟ سَوْدَاءُ، اور اسی سَوْدَاءُ کی جمع کیا آتی ہے؟ سُودٌ آتی ہے۔ تو اس میں بیالیس دودھ دینے والی سیاہ اونٹنیاں ہیں كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الْأَسْحَمِ. غُرَابٌ کہتے ہیں کوے کو، کوے کو۔ أَسْحَمُ، أَسْحَمُ کا معنی ہے کالا، جیسے أَسْوَدُ کا کیا معنی ہے؟ کالا، أَسْحَمُ کا معنی بھی کالا، یہ بھی صفت مشبہ ہے۔

خَافِيَةٌ، خَافِيَةٌ کہتے ہیں پرندے کے پر جو اڑتے ہوئے وہ کھولتا ہے تو وہ نظر آتے ہیں اور جب پروں کو سمیٹ کر وہ بیٹھتا ہے تو وہ پر چھپ جاتے ہیں، وہ پر بھئی۔ بھئی پرندہ جب اپنے پر کھولے گا تو سارے پر جو چھپے ہوئے تھے وہ کھل کر سامنے آجاتے ہیں، لیکن پھر انہی پروں کو جب وہ سمیٹے گا تو یہ جو کھلے ہوئے پر تھے وہ دوبارہ چھپ جاتے ہیں، نیچے آجاتے ہیں بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ خَافِيَةٌ یہ یوں سمجھیں بھئی یہ دیکھیے مثلاً جیسے میں نے آپ کے سامنے بازو پھیلایا ہوا ہے سیدھا اس طرح۔ یہ مثلاً پرندہ پر کھولتا ہے سیدھا اس طرح تو اب یہ بازو میں یوں سمجھیں ایک یہ میرے آخری کنارہ ہے یہ ہتھیلی اور انگلیاں، اور دوسرا حصہ ہے یہ کلائی سے لے کر کہنی تک، اور تیسرا حصہ ہے کہنی سے لے کر کندھے تک۔ تو یوں سمجھیں یہ جو خَافِيَةٌ، اس کی جمع خَوَافِي آتی ہے، خَافِيَةٌ پر جو ہوتے ہیں ناپرندے کے یہ یوں سمجھیں یہ جیسے کہنی سے لے کر کلائی تک، ہتھیلی کے شروع ہونے تک اس حصے کے درمیان میں آتے ہیں۔ بطور مثال کے سمجھا رہا ہوں یعنی اس حصے میں ہوتے ہیں، یعنی وسط سے تھوڑا سا آگے، وسط کے بعد ہوتے ہیں اور آخری کنارے سے تھوڑا پہلے۔ یہ جو بیچ میں بڑے بڑے پر ہیں اس کے کچھ، ان کو خَافِيَةٌ، ایک کو کہیں گے خَافِيَةٌ اور جمع آتی ہے خَوَافِي، خَوَافِي۔ اور یہ پر جب پرندہ بیٹھتا ہے، یہ پر سمیٹ کر بیٹھتا ہے یہ بیچ میں چھپ جاتے ہیں، اور جب پر کھولتا ہے تو یہ سامنے آتے ہیں بھئی، تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ خَوَافِي۔ اور یہ پر خوب سیاہ ہوتے ہیں کوے کے، یہ والے پر کوے کے خوب، اور پروں کی بہ نسبت یہ والے پر زیادہ سیاہ ہوتے ہیں۔ تو ان کو کہتے ہیں خَافِيَةٌ۔ خَافِيَةٌ کیوں کہتے ہیں ان کو؟ یہ خَفَاءٌ سے ہے، خَفَاءٌ۔ خَفَاءٌ کا کیا معنی؟ خفی کسے کہتے ہیں، خفی؟ چھپی ہوئی چیز، تو یہ پر بھی جب بیٹھتا ہے تو وہ چھپ جاتے ہیں اس لیے ان کو خَافِيَةٌ کہتے ہیں۔

اب شاعر نے یہ تو بیان کر دیا کہ ان کے قبیلے میں بیالیس دودھ دینے والی سیاہ اونٹنیاں ہیں۔ اب سننے والے کو سیاہ اونٹنی سے، اونٹنی کا تو پتہ چل گیا لیکن کتنی سیاہ ہیں ان کی مقدار کا پتہ نہیں تھا، تو اس کی مقدار کو کس کے ذریعے بیان کیا؟ تشبیہ کے ذریعے کہ وہ کس طرح کی سیاہ ہیں؟ كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الْأَسْحَمِ جیسے کہ کالے کوے کے خافیہ پر ہوتے ہیں، جیسے کالے کوے کے خافیہ یعنی خوب کالے وہ جو پر ہوتے ہیں ان کی طرح ہیں۔ تو اس تشبیہ کے ذریعے کیا بیان کیا شاعر نے؟ مقدار بھئی، ان کے کالے پن کی مقدار بیان کی کہ خوب گہرے سیاہ رنگ کی اونٹنیاں ہیں بھئی۔

سوال یہ ہے کہ یہ شاعر نے کیوں کہا ان کے قبیلے میں بیالیس کالی اونٹنیاں ہیں؟ کیا مقصد ہے؟ بھئی بتلانا وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بڑی عمدہ قسم کی اونٹنیاں ہیں، بڑی عمدہ۔ اس لیے کیونکہ کہتے ہیں یہ ایک عام اونٹ ہے، ایک کالے رنگ کا جو اونٹ ہے، تو یہ اونٹ جو ہے صحرا کے اندر سب سے یعنی قیمتی جانور اور صحرا میں صحیح طور پر کام دینے والا ہے کیونکہ اس کے پاؤں جو ہوتے ہیں چوڑے چوڑے ہوتے ہیں، یہ ریت پر آسانی سے چل سکتا ہے جبکہ اور جانور گھوڑا، گدھا وغیرہ ان کے کھر ہوتے ہیں اور وہ ریت میں دھنستے ہیں بھئی، تو ان کو چلنے میں مشکل ہوتی ہے جبکہ اونٹ کے پاؤں کے تلوے نیچے بڑے چوڑے چوڑے ہوتے ہیں وہ ریت میں دھنستے نہیں ہیں اور بڑی آسانی سے چلتا رہتا ہے۔ اور پھر یہ اونٹ جو ہے یہ اس میں اللہ نے یہ قوت رکھی ہے یہ پانی کو اپنے بدن میں ذخیرہ کر لیتا ہے اور پھر کئی کئی دن تک پانی پلائے بغیر ہی اس پر سفر کیا جا سکتا ہے۔ عرب کئی کئی دن بعد پانی پلاتے ہیں اونٹوں کو بھئی، تو آٹھ آٹھ، دس دس دن تک یہ بغیر پانی کے آرام سے گزار لیتا ہے بھئی۔ اور ان اونٹوں میں سے پھر جو سیاہ اونٹ ہیں وہ عام اونٹوں سے بھی بڑھ کر پانی کا ذخیرہ کرتے ہیں، پانی، زیادہ دیر تک یہ بغیر پانی کے زیادہ دن گزار لیتے ہیں، تو یہ باقیوں کی بہ نسبت قوی ہوئے اور زیادہ چلنے میں تیز ہوئے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے شاعر ان کی تعریف کر رہا ہے کہ اس میں سیاہ اونٹنیاں، بیالیس سیاہ اونٹنیاں ہیں جو اعلیٰ اونٹنیاں شمار ہوتی ہیں۔

تو کہتا ہے فِيهَا اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُونَ حَلُوبَةً، سُودًا كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الْأَسْحَمِ، اس قبیلے کے اندر بیالیس دودھ دینے والی کالی اونٹنیاں ہیں جیسے کہ کالے کوے کے خافیہ پر ہوتے ہیں یعنی خوب سیاہ پر ہوتے ہیں۔ شَبَّهَ النُّوقَ السُّودَ بِخَافِيَةِ الْغُرَابِ. شاعر نے تشبیہ دی النُّوقَ السُّودَ، نُوقٌ جمع ہے نَاقَةٌ کی، اونٹنی کو کہتے ہیں، سیاہ اونٹنیوں کو تشبیہ دی شاعر نے بِخَافِيَةِ الْغُرَابِ کوے کے خافیہ پروں کے ساتھ بَيَانًا لِمِقْدَارِ سَوَادِهَا اس کے کالے پن کی مقدار بیان کرنے کے لیے، اس کے کالے پن کی مقدار بیان کرنے کے لیے۔ جی یہ تیسری غرض بیان ہوئی۔

■ قولہ: «وَإِمَّا تَقْرِيرُ حَالِهِ» کی تشریح

وَإِمَّا تَقْرِيرُ حَالِهِ یامشبہ کی حالت کو ثابت کرنے کے لیے۔ کبھی تشبیہ لائی جاتی ہے اس میں غرض کیا ہوتی ہے کہ کہنے والا مشبہ کی حالت کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ بھئی دیکھیے یہ کس مقام پر ہو گا؟ یہ ایسا مقام جہاں شاعر نے جو چیز بیان کی وہ معنوی چیز ہے، محسوس نہیں ہے یعنی دکھائی دینے والی نہیں۔ جب دکھائی دینے والی چیز نہیں ہے تو سننے والے کو سمجھنے میں دشواری ہو گی۔ بھئی ایک چیز آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے وہ آسانی سے سمجھ میں آتی ہے یا ایک معنوی چیز ہے جس کا وجود نہیں ہے وہ سمجھ میں جلدی آتی ہے؟ جو یقینی بات ہے، ظاہر سی بات ہے جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ جلدی سمجھ میں آتی ہے اور اس کے ذریعے ذہن اس کو جلدی قبول کر لیتا ہے۔ تو شاعر نے ایک معنوی چیز بیان کی اور وہ سننے والے کو اتنی جلدی سمجھ میں نہیں آسکتی، تو لہٰذا شاعر کیا کرتا ہے؟ تشبیہ کا سہارا لیتا ہے اور تشبیہ میں ایک محسوس چیز کو بیان کرتا ہے جو آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے، اور پھر اس کے ذریعے شاعر کہتا ہے دیکھو یہ جو محسوس چیز ہے اس میں تم دیکھ رہے ہو اس طرح ہے، جو میں معنوی چیز بیان کر رہا ہوں وہ بھی اسی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً جیسے اگلے شعر میں شاعر یہ بیان کرے گا کہ جب دل ایک دفعہ ٹوٹ جائے پھر وہ نہیں جڑتا، یعنی ایک دفعہ جب محبت ختم ہو جائے تو پھر محبت دوبارہ پھر نہیں آتی، یعنی دل دوبارہ نہیں جڑتا یعنی وہ محبت پھر اس طرح واپس نہیں آتی۔ اور یہ دل کا ٹوٹنا یہ آنکھوں سے آپ دیکھتے ہیں یا یہ ایک معنوی چیز ہے؟ یہ ایک معنوی چیز ہے۔ تو اس کو ثابت کرنے کے لیے وہ تشبیہ کا سہارا لیتا ہے کہ میں نے جو بات کی اسی طرح ہے کہ بعض چیزیں ٹوٹنے کے بعد پھر نہیں جڑتیں جیسے کہتے ہیں شیشے کو دیکھ لو، شیشہ ایک دفعہ جب ٹوٹ جاتا ہے پھر دوبارہ وہ نہیں جڑتا۔ اب شیشے کا ٹوٹنا تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ایک محسوس چیز کی تشبیہ کے ذریعے اس نے کیا کر دیا؟ مشبہ کی حالت کو ثابت کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَإِمَّا تَقْرِيرُ حَالِهِ یامشبہ کی حالت کو ثابت کرنے کے، تَقْرِيرٌ کا معنی ہوتا ہے ثابت کرنا، یا مشبہ کی حالت کو ثابت کرنا یہ غرض ہوتی ہے کس کے اندر؟ بھئی صاحب کتاب ماقبل میں کیا ذکر کر رہے تھے؟ بَيَانُ، بَيَانُ إِمْكَانِ الْمُشَبَّهِ، بَيَانُ حَالِهِ، بَيَانُ مِقْدَارِ حَالِهِ، لیکن یہاں تَقْرِيرٌ سے پہلے بَيَانُ کا لفظ نہیں لائے بلکہ صرف کیا کہا؟ وَإِمَّا تَقْرِيرُ حَالِهِ۔ بھئی یہ کیا وجہ یہاں بَيَانُ کا لفظ کیوں نہیں لائے، باقی سب میں وہ لا رہے تھے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ تَقْرِيرٌ خود ہی بیان ہوتی ہے۔ تَقْرِيرٌ کا کیا معنی ہے اس چیز کو؟ ثابت کرنا، اور ثابت کرنا بھی کیا ہے؟ بیان ہے، تو یہ خود بیان کی ایک قسم ہے لہٰذا اس سے پہلے بَيَانُ کا لفظ نہیں لائے۔

یہ معنی ہے: وَإِمَّا تَقْرِيرُ حَالِهِ یا تشبیہ کی غرض جو ہو گی وہ مشبہ کی حالت کو ثابت کرنا ہو گا، نَحْوُ مثال کے طور پر: إِنَّ الْقُلُوبَ إِذَا تَنَافَرَ وُدُّهَا، مِثْلُ الزُّجَاجَةِ كَسْرُهَا لَا يُجْبَرُ. إِنَّ الْقُلُوبَ بے شک دل جو ہیں إِذَا تَنَافَرَ جب باہم نفرت کرنے لگے، متنافر ہو جائے وُدُّهَا ان کی محبت۔ وُدٌّ کہتے ہیں محبت کو، وُدُّ محبت۔ وُدُّهَا ان دلوں کی محبت، تَنَافَرَ جب آپس میں منافرت کرنے لگے، نفرت کرنے لگے۔ بامحاورہ یوں ترجمہ کریں: إِذَا تَنَافَرَ وُدُّهَا جب چلی جائے ان دلوں کی محبت، تَنَافَرَ کا معنی چلی جائے، ختم ہو جائے، جب ختم ہو جائے ان کی محبت۔ بے شک، إِنَّ الْقُلُوبَ إِذَا تَنَافَرَ وُدُّهَا بے شک دل جو ہیں جب ان کی محبت چلی جائے یعنی ختم ہو جائے، مِثْلُ الزُّجَاجَةِ، مِثْلَ نہیں بھئی، مِثْلُ ہونا چاہیے یہ مبتدا ہے اور كَسْرُهَا لَا يُجْبَرُ یہ اس کی خبر ہے۔ مِثْلُ الزُّجَاجَةِ شیشے کی طرح كَسْرُهَا لَا يُجْبَرُ، كَسْرٌ کا معنی ٹوٹن اور يُجْبَرُ تلافی کرنا، جَبْرٌ کے معنی تلافی کرنا۔ مِثْلُ الزُّجَاجَةِ شیشے کی طرح كَسْرُهَا اس کی ٹوٹن جو ہے لَا يُجْبَرُ اس کی تلافی نہیں کی جاتی یعنی وہ دوبارہ پھر جڑتے نہیں ہیں۔ معنی سمجھ میں آیا؟

إِنَّ الْقُلُوبَ إِذَا تَنَافَرَ وُدُّهَا، مِثْلُ الزُّجَاجَةِ كَسْرُهَا لَا يُجْبَرُ، بے شک دل جو ہیں جب ختم ہو جائے ان کی محبت تو شیشے کی طرح ان کی ٹوٹن جو ہے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ شَبَّهَ تَنَافُرَ الْقُلُوبِ بِكَسْرِ الزُّجَاجَةِ تَثْبِيتًا. تشبیہ دی شاعر نے دلوں کی منافرت کو بِكَسْرِ الزُّجَاجَةِ شیشے کے ٹوٹنے کے ساتھ تَثْبِيتًا، کس لیے؟ ثابت کرنے کے لیے لِتَعَذُّرِ عَوْدَتِهَا إِلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوَدَّةِ. تَثْبِيتًا ثابت کرنے کے لیے، کیا ثابت کرنے کے لیے؟ یہ آگے بیان ہو رہا ہے: لِتَعَذُّرِ عَوْدَتِهَا یہ ثابت کرنے کے لیے، عَوْدٌ کا معنی لوٹنا، تَعَذُّرٌ کا معنی مشکل ہونا یا ممکن نہ ہونا، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ان دلوں کا لوٹنا متعذر ہے، ممکن نہیں ہے إِلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ اس حالت کی طرف جس پر وہ تھے۔ دلوں کا لوٹنا اس حالت کی طرف جس حالت پر وہ پہلے تھے وہ ممکن نہیں۔ بھئی وہ کون سی حالت ہے؟ مِنَ الْمَوَدَّةِ یہ مَا کا بیان آگیا، مَا كَانَتْ عَلَيْهِ جس حالت پر وہ تھے مِنَ الْمَوَدَّةِ یعنی کہ محبت۔ معنی بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟

تو دوبارہ ترجمہ دیکھیں: شَبَّهَ تَنَافُرَ الْقُلُوبِ بِكَسْرِ الزُّجَاجَةِ تَثْبِيتًا لِتَعَذُّرِ عَوْدَتِهَا إِلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوَدَّةِ. شاعر نے تشبیہ دی ہے دلوں کی نفرتوں کو شیشے کے ٹوٹنے کے ساتھ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ان دلوں کا لوٹنا اس حالت کی طرف جس پر وہ تھے یعنی محبت جو تھی اس کی طرف ان کا لوٹنا متعذر ہے، ممکن نہیں ہے۔ تو دلوں کا ٹوٹنا ایک معنوی چیز تھی، اس کو پھر کس کے ذریعے ثابت کیا؟ شیشے کے ٹوٹنے کے ساتھ اس کو تشبیہ دے کر ثابت کیا کہ جیسے شیشہ دوبارہ نہیں جڑتا اور یہ تو آپ بھی دیکھتے رہتے ہیں، اسی طرح یہ دل بھی آپس میں نہیں جڑتے۔ دل بھی آپس میں نہیں جڑتے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۶۹: اغراضِ تشبیہ کی تکمیل (تزیین، تقبیح، استطراف)، تشبیہِ مقلوب، اور بحثِ مجازِ لغوی و استعارہ کا آغاز

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۰۵ــــ بتاریخ: ۲۲ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِمَّا تَزْيِينُهُ نَحْوُ: سَوْدَاءُ وَاضِحَةُ الْجَبِينِ كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيرِ. شَبَّهَ سَوَادَهَا بِسَوَادِ مُقْلَةِ الظَّبْيِ تَحْسِينًا لَهَا. وَإِمَّا تَقْبِيحُهُ نَحْوُ: وَإِذَا أَشَارَ مُحَدِّثًا فَكَأَنَّهُ قِرْدٌ يُقَهْقِهُ أَوْ عَجُوزٌ تَلْطِمُ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

بھئی گزشتہ سبق میں تشبیہ کے اغراض و مقاصد ہم پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تشبیہ کی غرضوں کا تعلق عام طور پر مشبہ سے ہوتا ہے۔ اور چند غرضیں ہم نے پڑھی تھیں۔ ایک غرض انہوں نے یہ بیان کی تھی کہ تشبیہ کے ذریعے متکلم جو ہے وہ مشبہ کا امکان بیان کرنا چاہتا ہے کہ مشبہ ممکن ہے۔ اور کبھی تشبیہ کے ذریعے مشبہ کی حالت کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کی حالت کی مقدار کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی مشبہ کی حالت کو ثابت کرنا مقصد ہوتا ہے۔ آج اگلا مقصد بیان کر رہے ہیں: وَإِمَّا تَزْيِينُهُ۔ زَيَّنَ يُزَيِّنُ تَزْيِينٌ کا معنی ہے مزین کرنا، خوبصورت بنانا۔ وَإِمَّا تَزْيِينُهُ یا تشبیہ کا مقصد جو ہے مشبہ کو مزین بنانا ہوتا ہے۔ کیا بنانا؟ مزین بنانا، خوبصورت بنانا۔ یعنی متکلم جو ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ، خوبصورت چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر سننے والے کی نگاہوں میں بھی اس چیز کو خوبصورت بنانا چاہتا ہے۔ کیا بنانا چاہتا ہے؟ خوبصورت بنانا چاہتا ہے۔ اس کی خوبصورتی بیان نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں بھی دیکھو بیان کا لفظ نہیں آیا۔ خوبصورتی کو بیان نہیں کرنا چاہتا بلکہ باقاعدہ اس کی نگاہوں میں اس کو خوبصورت بنانا چاہتا ہے تو اس کی تشبیہ دیتا ہے ایک ایسی چیز کے ساتھ جس کی خوبصورتی سب کے نزدیک مسلم ہوتی ہے، سب اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

نَحْوُ مثال کے طور پر: سَوْدَاءُ وَاضِحَةُ الْجَبِينِ، سَوْدَاءُ وَاضِحَةُ الْجَبِينِ كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيرِ۔ شاعر اپنی محبوبہ کے حسن و جمال کی تعریف کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ وہ سیاہ آنکھوں والی ہے۔ اس کی آنکھیں کیا ہیں؟ سیاہ ہیں، کالی ہیں، سَوْدَاءُ، اس کی آنکھیں کیا ہیں؟ کالی ہیں۔ وَاضِحَةُ الْجَبِينِ، جَبِينٌ کہتے ہیں پیشانی کو۔ وَاضِحَةُ الْجَبِينِ واضح پیشانی والی یعنی روشن پیشانی والی ہے۔ كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيرِ۔ كَمُقْلَةِ کاف تشبیہ کے لیے اور مُقْلَةٌ، مُقْلَةٌ یہ بھی آنکھ کو کہتے ہیں۔ الظَّبْيِ، ظَبْيٌ کہتے ہیں ہرن کو۔ الْغَرِيرِ بھئی غَرِيرٌ، غَرَّ يَغَرُّ غَرَارَةً کے معنی ہوتے ہیں خوبصورت ہونا۔ اسی سے غَرِيرٌ صفت مشبہ ہے غَرِيرٌ، یعنی جو خوبصورت ہو، اچھی ساخت والا ہو، اس کو کہتے ہیں غَرِيرٌ۔ تو شاعر کہتا ہے سَوْدَاءُ وَاضِحَةُ الْجَبِينِ كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيرِ کہ وہ اس کی آنکھیں سیاہ ہیں، آنکھیں سیاہ ہیں، وَاضِحَةُ الْجَبِينِ روشن پیشانی والی ہے، كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيرِ جیسے کہ خوبصورت ہرن کی آنکھ ہوتی ہے۔ جیسے خوبصورت ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں اسی طرح اس کی آنکھیں بھی سیاہ ہیں۔ تو یہ تشبیہ آنکھ کی دراصل بیان کر رہا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ کہ اس کی آنکھیں سیاہ ہیں كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيرِ کس کی طرح؟ خوبصورت ہرن کی آنکھوں کی طرح بھئی، خوبصورت ہرن کی آنکھوں کی طرح۔

اور یہ بھی یاد رکھیے یہ جو شعر کے اندر شعر انہوں نے درج کیا ہے یہ کتابت اس کی صحیح نہیں ہوئی بھئی۔ یہ جَبِينِ کا نون جو ہے نا نون، یہ اگلے مصرعے کے اندر ہے، اگلے مصرعے میں۔ وَاضِحَةُ الْجَبِي یہ حصہ پہلے مصرعے میں ہے اور نون، نون کو انہوں نے پہلے مصرعے میں لکھ دیا ہے حالانکہ یہ نون اگلے مصرعے کے ساتھ ہونا چاہیے تھا بھئی۔ تو کہتے ہیں میری محبوبہ جو ہے روشن پیشانی والی اور کالی آنکھوں والی ہے جیسے کہ خوبصورت ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ بھئی ہرن کی آنکھیں وہ تو خوبصورتی کے اندر ضرب المثل کے طور پر بیان کی جاتی ہیں، بے انتہا خوبصورت آنکھیں اس کی ہوتی ہیں اور شاعر اب اس کے ساتھ اپنی محبوبہ کی آنکھوں کی تشبیہ دے رہا ہے۔ کس لیے؟

مقصد کیا ہے؟ کہ سننے والے کے ذہن میں اپنی محبوبہ کو خوبصورت بنا رہا ہے بھئی، اس کی آنکھوں کو خوبصورت بنا رہا ہے۔ تو یہ ہے تزیین بھئی۔ تو کہتے ہیں شَبَّهَ سَوَادَهَا بِسَوَادِ مُقْلَةِ الظَّبْيِ تَحْسِينًا لَهَا۔ شاعر نے تشبیہ دی ہے سَوَادَهَا اس محبوبہ کی آنکھوں کی سیاہی کو بِسَوَادِ مُقْلَةِ الظَّبْيِ ہرن کی آنکھوں کی سیاہی کے ساتھ تَحْسِينًا لَهَا اس کو خوبصورت بنانے کے لیے۔

وَإِمَّا تَقْبِيحُهُ جی اگلا مقصد آیا، اور کبھی اس کا عکس ہوتا ہے۔ بعض اوقات تشبیہ بیان کی جاتی ہے ایک چیز کو بدصورت بنانے کے لیے، بدشکل بنانے کے لیے۔ تو متکلم جو ہے وہ ایک چیز کی بدصورتی بیان نہیں کر رہا بلکہ کیا کر رہا ہے؟ دوسرے کی نگاہ میں اس کو باقاعدہ بدصورت بنانا چاہتا ہے تو اس لیے وہ تشبیہ کا سہارا لیتا ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: وَإِذَا أَشَارَ مُحَدِّثًا فَكَأَنَّهُ قِرْدٌ يُقَهْقِهُ أَوْ عَجُوزٌ تَلْطِمُ۔ وَإِذَا أَشَارَ اور جب وہ اشارہ کرتا ہے وہ شخص مُحَدِّثًا اس حال میں کہ وہ باتیں کر رہا ہو، یعنی جب وہ باتیں کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے فَكَأَنَّهُ تو گویا کہ وہ شخص جو ہے قِرْدٌ بندر ہے يُقَهْقِهُ۔ قَهْقَهَ يُقَهْقِهُ کے معنی قہقہہ لگانا۔ اور قِرْدٌ نکرہ ہے اور اس کے بعد يُقَهْقِهُ فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ تو گویا کہ وہ قِرْدٌ يُقَهْقِهُ ایسا بندر ہے جو قہقہہ لگا رہا ہو، جو ہنس رہا ہو۔ أَوْ عَجُوزٌ تَلْطِمُ، عَجُوزٌ کہتے ہیں بڑھیا کو بھئی، بوڑھی عورت۔ تَلْطِمُ، لَطَمَ يَلْطِمُ کے معنی تھپڑ مارنا۔ تو عَجُوزٌ نکرہ ہے اور تَلْطِمُ اس کے بعد فعل آیا تو یہ نکرہ کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ أَوْ عَجُوزٌ تَلْطِمُ یا وہ ایسی بڑھیا ہے جو اپنے چہرے کو پیٹ رہی ہو، تھپڑ مار رہی ہو مراد ہے اپنے ہی چہرے پہ تھپڑ مار رہی ہو۔ تو کیا کہا؟ ایسی بڑھیا جو اپنے آپ کو اپنے چہرے کو پیٹ رہی ہو۔ وَإِمَّا تَقْبِيحُهُ یا مشبہ کو جو ہے بدشکل بنانا مقصد ہوتا ہے نَحْوُ مثال کے طور پر: وَإِذَا أَشَارَ مُحَدِّثًا فَكَأَنَّهُ قِرْدٌ يُقَهْقِهُ أَوْ عَجُوزٌ تَلْطِمُ اور جب وہ شخص باتیں کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے تو گویا کہ وہ ایسا بندر ہے جو قہقہہ لگا رہا ہو یا ایسی بڑھیا ہے جو پیٹ رہی ہو یعنی اپنے چہرے کو۔

وَقَدْ يَعُودُ الْغَرَضُ إِلَى الْمُشَبَّهِ بِهِ اور کبھی کبھار تشبیہ کی غرض وہ لوٹتی ہے مشبہ بہ کی طرف۔ بھئی تشبیہ میں عام طور پر غرض کا تعلق کس سے ہوتا ہے؟ مشبہ سے۔ لیکن کبھی کبھار یہ غرض مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے، اس سے اس کا تعلق ہوتا ہے، مشبہ سے نہیں بلکہ مشبہ بہ سے۔ کب؟ إِذَا عُكِسَ طَرَفَا التَّشْبِيهِ أَيْ طَرَفَانِ التَّشْبِيهِ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، جب عکس کر دی جائیں، الٹ دی جائیں تشبیہ کی دو طرفیں۔ تشبیہ کی دونوں طرفوں کو جب الٹ دیا جائے۔ بھئی دیکھیے ایک ہے مشبہ ایک ہے مشبہ بہ، اور یاد رکھیے وجہ تشبیہ کے اندر جو مشبہ بہ ہوتا ہے وہ اعلی اور قوی ہوتا ہے، اعلی اور قوی۔ میں نے کہا زَيْدٌ كَالْأَسَدِ، زید کس کی طرح ہے؟ شیر کی طرح ہے، کس چیز میں؟ بہادری میں۔ اب شیر کی بہادری اعلی درجے کی ہے، سب اس کو تسلیم کرتے ہیں اور میں ثابت کرنا چاہتا تھا زید کے لیے بھی بہادری، اسی لیے میں نے اس کو شیر کے ساتھ تشبیہ دی اس کی بہادری کو ثابت کرنے کے لیے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ شیر جیسا ہے تو اس کی بہادری بھی ثابت ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آئی؟

تو مشبہ بہ اعلی ہوتا ہے۔ تو میں نے زید کی بہادری بیان کی اور کہا کہ وہ شیر جیسا ہے۔ اب مجھے یہ بتائیے بہادری زید میں زیادہ ہے یا شیر میں زیادہ ہے؟ شیر میں زیادہ ہے۔ تو اسی لیے اس تشبیہ کا فائدہ ہو گا کہ اعلی چیز کے ساتھ جب تشبیہ دی، قوی چیز کے ساتھ تشبیہ دی، معلوم ہوا اس میں بھی بڑی اعلی درجے کی بہادری ہے، اس زید میں بھی بڑی۔ ادنی درجے کے ساتھ اگر میں تشبیہ دوں گا پھر اس کا مرتبہ بڑھے گا زید کا یا کم ہو جائے گا؟ پھر تو کم ہو گا۔ سمجھ میں آیا؟ تو تشبیہ کس کے ساتھ دی جاتی ہے؟ اعلی چیز اور قوی چیز کے ساتھ، یہ ایک مسلم بات ہے بھئی، سب کو معلوم ہے یہ بات۔ لیکن کبھی کبھار کہنے والا اس کا عکس کر دیتا ہے، مشبہ کو اٹھا کر مشبہ بہ بنا دیتا ہے اور مشبہ بہ کو اٹھا کر مشبہ بنا دیتا ہے۔ تو دیکھو عکس کر دیا، الٹا دیا تشبیہ کی دونوں جانبوں کو۔ مشبہ کو اٹھا کر کیا بنا دیا؟ مشبہ بہ، اور مشبہ بہ کو کیا بنا دیا؟ مشبہ بنا دیا۔ یہ بتلانے کے لیے کہ مشبہ بہ کہ مشبہ یعنی وہ جو پہلے مشبہ تھا جس کو اب ہم نے کیا بنا دیا؟ مشبہ بہ، وہ اس وصف میں نہایت کامل اور اعلی درجے کا ہے حتی کہ اس مشبہ بہ جو پہلے تھا اس سے بھی یہ بڑھ کر ہے بھئی۔

■ قولہ: «وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ۔ بَدَا...» کی تشریح

دیکھو مثال سے وضاحت ہو گی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ۔ بَدَا يَبْدُو کے معنی ظاہر ہونے کے۔ وَبَدَا الصَّبَاحُ اور صبح ظاہر ہوئی كَأَنَّ غُرَّتَهُ۔ غُرَّةٌ یہ گھوڑے کی پیشانی پر ایک درہم کے بقدر سفید نشان ہوتا ہے، سفید بال ہوتے ہیں اگر آپ نے غور کیا ہو بھئی، تو اس کو غُرَّةٌ کہتے ہیں۔ پھر اس کو ہر روشن چیز کے لیے استعمال کرنے لگے۔ تو یہاں صبح کی وہ سفیدی مراد ہے، صبح کی وہ روشنی مراد ہے۔ وَبَدَا الصَّبَاحُ اور صبح ظاہر ہوئی كَأَنَّ غُرَّتَهُ وَجْهُ الْخَلِيفَةِ گویا کہ صبح کی سفیدی جو ہے وہ خلیفہ کا چہرہ ہے۔ وَجْهُ الْخَلِيفَةِ شاعر خلیفہ کی تعریف کر رہا ہے تو کہتا ہے صبح کی وہ جو سفیدی ہے گویا کہ وہ خلیفہ کا چہرہ ہے حِينَ يُمْتَدَحُ جب کہ اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ يَمْتَدِحُ نہیں بھئی یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ جو اعراب ہیں غلط لگے ہوئے ہیں، يُمْتَدَحُ، حِينَ يُمْتَدَحُ جب خلیفہ کی تعریف کی جاتی ہے۔

بھئی دیکھیے صبح کے وقت کی سفیدی وہ سب کے نزدیک مسلم ہے، سب کے نزدیک مسلم ہے۔ صبح جب ہونے لگتی ہے تو افق کا کنارہ روشن ہو جاتا ہے، سفید ہو جاتا ہے آسمان کا کنارہ بھئی۔ اور اب شاعر خلیفہ کے چہرے کی چمک دمک کو بیان کرنا چاہتا ہے اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ خلیفہ کے چہرے میں تو وہ چمک دمک نہیں ہے جو صبح کے وقت افق پر ہوتی ہے صبح کی روشنی کی بھئی۔ یہ بات ظاہر ہے یا ظاہر نہیں ہے؟ کس کی روشنی زیادہ؟ صبح کی زیادہ۔ تو ہونا تو یہ چاہیے تھا شاعر یوں کہتا کہ خلیفہ کی جب تعریف کی جاتی ہے تو اس کا چہرہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے صبح کی سفیدی ہوتی ہے۔ تو خلیفہ کے چہرے کو کہنا چاہیے تھا بنانا چاہیے تھا مشبہ اور صبح کی سفیدی کو بنانا چاہیے تھا مشبہ بہ۔ لیکن شاعر نے اس کا عکس کر دیا، خلیفہ کے چہرے کو مشبہ بہ بنا دیا اور صبح کی روشنی کو کیا بنا دیا؟ مشبہ بنا دیا کہ وہ صبح کی سفیدی گویا کس کی طرح ہوتی ہے؟ خلیفہ کے چہرے کی طرح۔ مقصد

کیا ہے؟ مقصد وہ جو میں نے ابھی بیان کیا کہ بھئی وجہ تشبیہ میں مشبہ بہ اعلی اور قوی ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ تو یہ خلیفہ کے چہرے کو مشبہ بہ بنا رہا ہے کہ وہ اس چیز کے اندر، اس وصف کے اندر اس دوسری چیز سے بھی بڑھ کر کامل ہے بھئی، اس دوسری چیز سے بھی بڑھ کر کامل ہے۔ بھئی خلیفہ کے چہرے کو اگر مشبہ بنائے گا اور صبح کی سفیدی کو کیا بنائے گا؟ مشبہ بہ، تو مشبہ بہ تو ہوتا ہی اعلی ہے، تو خلیفہ کے چہرے کی سفیدی بیان تو ہو گئی لیکن اتنے کمال درجے کی بیان نہیں ہوئی کیونکہ مشبہ بہ پھر بھی اس سے اعلی ہے۔ تو یہ کیا کرتا ہے؟ خلیفہ کے چہرے ہی کو اٹھا کر کیا بنا دیا؟ مشبہ بہ، اور مشبہ بہ تو اعلی ہوتا ہے تو گویا خلیفہ کا چہرہ بھی سفیدی میں صبح کی سفیدی سے اعلی اور زیادہ قوی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو دیکھیے اب شاعر نے کیا کیا؟ مشبہ کو اٹھا کر کیا بنا دیا؟ مشبہ بہ بنا دیا۔ تو دراصل یہ مشبہ بہ اصل میں یہ مشبہ ہی تھا لیکن اس نے بنا کیا دیا؟ مشبہ بہ، اور اس کی سفیدی بیان کرنا مقصد ہے۔ تو اس لیے یہاں پر غرض کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ مشبہ بہ کی طرف، کیونکہ مشبہ کو اٹھا کر ہم کس کی جگہ لے گئے ہیں؟ مشبہ بہ۔ تو تشبیہ کی غرض کا تعلق تو مشبہ سے ہی ہوتا ہے لیکن یہاں اسی مشبہ کو اٹھا کر اس نے کیا بنا دیا ہے؟ مشبہ بہ۔ اسی لیے کہا وَقَدْ يَعُودُ الْغَرَضُ إِلَى الْمُشَبَّهِ بِهِ اور کبھی کبھار تشبیہ کی غرض مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس کو بیان کرنا مقصد ہوتا ہے۔ یہ کب ہوتا ہے؟ إِذَا عُكِسَ طَرَفَا التَّشْبِيهِ جب الٹ دیا جائے تشبیہ کی دو طرفوں کو، نَحْوُ مثال کے طور پر: وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ وَجْهُ الْخَلِيفَةِ حِينَ يُمْتَدَحُ اور صبح ظاہر ہوئی گویا کہ اس صبح کی سفیدی خلیفہ کا چہرہ ہے جس وقت اس خلیفہ کی تعریف کی جاتی ہے۔

بھئی یہ کیوں کہا حِينَ يُمْتَدَحُ جب خلیفہ کی تعریف کی جاتی ہے؟ اس وقت جب خلیفہ کا چہرہ ہوتا ہے صبح کی سفیدی بھی اس کی طرح ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو سخی آدمی ہو گا، سخی آدمی، اس کے سامنے جب آپ اس کی تعریف کریں گے، اس کی مدح و ثنا بیان کریں گے تو وہ خوش ہو گا بھئی۔ وہ کیا ہو گا؟ خوش ہو گا اور وہ آپ کو چائے پلائے گا، آپ کی دعوت کرے گا، آپ کو، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور اپنی سخاوت کا مظاہرہ کرے گا۔ لیکن اگر بخیل آدمی ہے اس کے سامنے آپ اس کی تعریف کریں گے تو اس کا چہرہ بگڑ جائے گا اور شکل خراب ہو جائے گی اور پریشان ہو جائے گا کہ اب یہ کہیں مجھ سے کوئی چیز نہ مانگ لے، اب مجھے کہیں چائے وغیرہ اس کو نہ پلانی پڑے بھئی۔ تو یہاں بھی خلیفہ کی جب تعریف کی جاتی ہے تو بتلانا یہ چاہتا ہے کہ خلیفہ بڑا سخی آدمی ہے، جب اس کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کا چہرہ خوشی کی وجہ سے چمک اٹھتا ہے، چمک اٹھتا ہے اور خوش ہو جاتا ہے کہ اب مجھے اپنی سخاوت کا اظہار کرنے کا موقع ملے گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس وجہ سے اس کی جب اس کی تعریف کی جاتی ہے اس کا چہرہ کھل اٹھتا ہے، چمک اٹھتا ہے۔

بھئی شعر کا معنی سمجھ میں آ گیا؟ وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى بِالتَّشْبِيهِ الْمَقْلُوبِ اور اس قسم کی تشبیہ جو ہے اس کو تشبیہ مقلوب کہتے ہیں۔ قَلْبٌ کا معنی ہے الٹنا بھئی، الٹنا پلٹنا۔ قَلْبٌ یعنی دل کو بھی قَلْبٌ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ الٹتا پلٹتا ہے، ایک حالت پر نہیں رہتا۔ ایک وقت ہوتا ہے دیکھو ایک چیز آپ کو پسند ہوتی ہے، کچھ عرصہ گزرتا ہے وہی چیز آپ کو ناپسند ہو جاتی ہے، اور کبھی ایک چیز ناپسند ہوتی ہے بعد میں وہ چیز پسند ہو جاتی ہے۔ تو مقصد یہ تو ایک ویسے مثال بیان کر دی، اس کی حالت الٹی پلٹتی ہے، کبھی ایک طرف کو مائل ہوتا ہے تو کبھی دوسری طرف کو مائل ہوتا ہے یہ بھئی، تو اسی لیے اس کو قَلْبٌ کہتے ہیں۔ تو یہ تشبیہ مقلوب ہے، اس میں الٹائی ہوئی ہے، مشبہ کو مشبہ بہ بنا دیا گیا ہے اور مشبہ بہ کو مشبہ بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے اس تشبیہ کو تشبیہ معکوس بھی کہتے ہیں یا تشبیہ منعکس بھی کہتے ہیں، عکس سے، عین، کاف چھوٹا اور سین۔ تو تشبیہ معکوس بھی کہتے ہیں اس کو اور تشبیہ منعکس بھی کہتے ہیں۔

آگے دیکھیے بھئی، اب مجاز کی بحث شروع ہونے لگی ہے۔ کہتے ہیں: الْمَجَازُ هُوَ اللَّفْظُ الْمُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ لِعَلَاقَةٍ مَعَ قَرِينَةٍ مَانِعَةٍ مِنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى السَّابِقِ۔

بھئی آپ نے پڑھا تھا کہ علم بیان کے اندر تشبیہ، مجاز اور کنایہ کا بیان ہو گا، ان کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ تشبیہ کا بیان گزر گیا، تشبیہ کے ارکان بھی بیان ہوئے، تشبیہ کی اقسام بھی بیان ہوئیں، تشبیہ کی غرضیں اور مقاصد بھی بیان ہو گئے۔ اب مجاز کا بیان شروع کرنے لگے ہیں اور پھر آخر میں کنایہ کا بیان کریں گے۔ بھئی مجاز اور کنایہ یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ مجاز اس کو کہتے ہیں کہ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا جائے۔ کیا کیا جائے؟ استعمال کیا جائے۔ مثلا بھئی آپ سارے ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں کہ اچانک زید آیا۔ جیسے ہی زید آیا آپ نے فورا کہا جَاءَ أَسَدٌ، شیر آ گیا۔ اب دیکھیے أَسَدٌ تو شیر کا لفظ تو جنگلی درندے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اس کے لیے وضع ہے۔ لیکن آپ نے یہاں شیر کا لفظ بول کر اس سے کیا مراد لیا؟ بہادر آدمی مراد لیا۔ تو یہ شیر کا لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا یا معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا؟ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا۔ تو اس کو کہتے ہیں مجاز۔ کیا کہتے ہیں؟ مجاز۔ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا یعنی ایسے معنی کے لیے لفظ کو استعمال کرنا جس کے لیے اس کو وضع نہیں کیا گیا، جس کے لیے اس کو مقرر نہیں کیا گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو یہ ہے مجاز۔ اور ایک ہے کنایہ، کنایہ۔ کنایہ کے اندر بھی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے لیکن وہاں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ مثلا میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ زید لمبے قد والا ہے۔ کیا کہنا چاہتا ہوں؟ زید لمبے قد والا ہے۔ لیکن میں لفظ دوسرے استعمال کرتا ہوں اور آپ سے یوں کہتا ہوں: زید لمبی قمیص والا ہے، زید لمبی قمیص والا ہے، اور بتلانا کیا چاہتا ہوں؟ مقصد کیا ہے؟ کہ زید لمبے قد والا ہے۔ تو قمیص بول کر میں نے اس کا قد مراد لیا۔ تو قمیص کا لفظ تو قمیص کے لیے وضع ہے، قد کے لیے وضع نہیں۔ تو قمیص کا لفظ میں نے بولا اور اس کو اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال کیا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں استعمال کیا۔ تو اس کو کہتے ہیں کنایہ۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ کنایہ کہتے ہیں۔ کیونکہ جب قمیص اس کی لمبی ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ اس کا قد بھی لمبا ہے کیونکہ جس کا قد لمبا ہو گا اس کی قمیص لمبی ہو گی، جس کا قد چھوٹا ہو

اس کی قمیص لمبی نہیں ہو گی بھئی۔ تو قمیص کے ساتھ لازم ہے کیا؟ قد کا لمبا ہونا، لمبی قمیص کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے۔ تو ملزوم بول کر میں نے کس کا ارادہ کیا؟ لازم کا۔

■ قولہ: «جَاءَ أَسَدٌ» کی تشریح

تو لہٰذا ان دونوں جملوں میں لفظ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوئے۔ کون سے دو جملے؟ جَاءَ أَسَدٌ، شیر آ گیا، یہاں أَسَدٌ بول کر کیا مراد؟ بہادر آدمی۔ اور دوسرا جملہ: زید لمبی قمیص والا ہے، یہاں قمیص کس معنی میں استعمال ہے؟ قد کے معنی میں استعمال ہے۔ تو یہ ہے کنایہ۔ تو فرق دونوں میں کیسے ہو گا؟ پتہ کیسے چلے گا کہ کیا کنایہ ہے اور کیا مجاز ہے؟ کیونکہ دونوں میں لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا ہے۔ فرق یہ ہے کہ مجاز کے اندر معنی موضوع لہ کا ارادہ صحیح نہیں ہوتا۔ مجاز میں معنی موضوع لہ کا ارادہ صحیح نہیں جبکہ کنایہ میں معنی موضوع لہ کا ارادہ بھی صحیح ہے۔ زید آیا تھا آپ نے کیا کہا؟ جَاءَ أَسَدٌ، کون آیا؟ شیر۔ شیر سے کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی آیا۔ اب یہاں شیر سے بہادر آدمی والا ہی معنی لے سکتے ہیں، وہ جنگلی درندے والا معنی لے ہی نہیں سکتے کیونکہ آیا کون ہے؟ جنگلی درندہ آیا ہے یا بہادر آدمی آیا ہے؟ بہادر آدمی اس وقت آیا تھا تو یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ اور شیر والا معنی یہاں درست بنتا ہی نہیں کیونکہ کمرے میں زید داخل ہوا تھا جب آپ نے یہ کہا تھا، تو جنگلی درندہ تو داخل نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا یہاں شیر کا معنی بہادر آدمی ہی کے کرنا پڑیں گے، جنگلی درندے والا معنی یہاں کرنا ٹھیک ہی نہیں کیونکہ پھر تو آپ کا کلام ہی غلط ہو جائے گا، پھر تو معنی ہو گیا جنگلی درندہ آ گیا اور جنگلی درندہ تو اس وقت آیا ہی نہیں ہے، معلوم ہوا آپ کا کلام جھوٹ ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ تو تھا قرینہ حالیہ۔ قرینہ بھئی وہ میں نے بتلایا تھا وہ چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کرے اسے کیا کہتے ہیں؟ قرینہ۔ اور یہ قرینہ حال بھی ہو سکتا ہے اور لفظوں کے اندر بھی ہو سکتا ہے، یعنی قرینہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے اور قرینہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ جو میں نے ابھی کہا جَاءَ أَسَدٌ شیر آ گیا، اس میں قرینہ حالیہ ہے۔ لفظوں کے اندر صرف یہ جملہ کسی کو میں بتلاؤں جَاءَ أَسَدٌ اس کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ أَسَدٌ سے کیا مراد ہے، شیر مراد ہے یا جنگلی درندہ مراد ہے۔ لیکن یہاں یہ حالت تھی، حالت نے آپ کو بتلایا۔ کیا حالت تھی؟ کہ کمرے میں کون آیا تھا؟ زید آیا تھا، یہ حال آپ کو بتلا رہا تھا کہ یہاں شیر کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ بہادر۔ بعض اوقات قرینہ لفظوں میں ہوتا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي۔ رَمَى يَرْمِي کے معنی تیر چلانا۔ رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا، میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب تو پتہ لگا کہ شیر بول کر بہادر آدمی مراد ہے، اس لیے کیونکہ وہ جو جنگلی درندہ ہوتا ہے وہ تو تیر نہیں چلا سکتا، ہاں بہادر آدمی کیا ہے تیر چلا سکتا ہے، تو یہاں شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ کس چیز نے بتایا آپ کو؟ يَرْمِي، یہ يَرْمِي کا جو قرینہ لفظ جو ساتھ تھا اس نے بتایا۔ یا دوسری مثال کر لو: رَأَيْتُ أَسَدًا يَضْحَكُ میں نے ایک شیر کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ اب یہ يَضْحَكُ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ شیر سے وہ جنگلی درندہ نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے، اس لیے کیونکہ ہنسنا یہ خاصہ ہے انسان کا، انسان ہنستا ہے جنگلی درندہ نہیں ہنستا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ تھا مجاز، اور یہاں پر حقیقی معنی کا ارادہ صحیح نہیں۔ حقیقی معنی کا ارادہ جَاءَ أَسَدٌ کہیں اور مراد اس سے کیا لیں؟ جنگلی درندہ مراد لیں۔ آپ نے جس موقع پر کہا کون آیا تھا کمرے میں؟ زید۔ تو اس موقع پر اب أَسَدٌ سے بہادر آدمی ہی مراد لے سکتے ہیں، جنگلی درندے کا ارادہ کر ہی نہیں سکتے۔ اور نیز میں نے کہا رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ یہ يَرْمِي کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ أَسَدٌ سے یہاں بہادر آدمی ہی مراد ہے، جنگلی درندہ مراد ہو ہی نہیں سکتا، وہ معنی مراد لے ہی نہیں سکتے کیونکہ تیر چلانے کا کام وہ کر ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح رَأَيْتُ أَسَدًا يَضْحَكُ میں نے شیر کو ہنستے ہوئے دیکھا، ایک شیر کو ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں بھی یہ يَضْحَكُ بتلا رہا ہے کہ أَسَدٌ سے بہادر آدمی ہی مراد لینا پڑے گا، یہاں حقیقی معنی یعنی جنگلی درندے والا معنی کرنا ٹھیک ہی نہیں کیونکہ وہ ہنسنے کی صفت اس میں ہے ہی نہیں۔

تو مجاز کے اندر بھی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، کنایہ میں بھی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، لیکن مجاز کے اندر وہ معنی موضوع لہ وہاں پر آپ مراد لے ہی نہیں سکتے جیسے ان مثالوں میں آپ معنی حقیقی یعنی معنی موضوع لہ مراد لے ہی نہیں سکتے، شیر کا معنی بہادر آدمی ہی کے کرنا پڑیں گے ان سب مثالوں میں۔ جبکہ کنایہ کے اندر حقیقی معنی کا ارادہ بھی صحیح ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کیا کہنا تھا کہ زید لمبے قد والا ہے، لیکن لفظ میں نے کیا استعمال کیے؟ زید لمبی قمیص والا ہے، اور قمیص بول کر اس کا لازم یعنی لمبا قد مراد لیا کیونکہ قمیص لمبی ہے تو معلوم ہوا قد بھی لمبا ہے۔ تو میں نے قمیص کا لفظ معنی موضوع لہ میں استعمال کیا یا معنی غیر موضوع لہ میں؟ معنی غیر موضوع لہ میں کیونکہ قمیص بول کر قمیص نہیں مراد لی بلکہ کیا مراد لیا ہے؟ قد۔ لیکن اسی موقع پر حقیقی معنی کا ارادہ بھی صحیح ہے، زید لمبی قمیص والا ہے، میں قمیص ہی مراد لے لوں تو صحیح بنتا ہے یا نہیں بنتا؟ صحیح بنتا ہے، کوئی خرابی نہیں آتی، لمبی قمیص والا ہے زید۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہ فرق ہے مجاز اور کنایہ میں۔ مجاز کے اندر لفظ استعمال ہوا معنی غیر موضوع لہ میں اور موضوع لہ کا ارادہ صحیح ہی نہیں۔ کنایہ کے اندر بھی لفظ استعمال ہوا معنی غیر موضوع لہ میں اور موضوع لہ کا ارادہ بھی صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہی بیان کر رہے ہیں: الْمَجَازُ مجاز جو ہے هُوَ اللَّفْظُ الْمُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ لِعَلَاقَةٍ وہ لفظ ہے الْمُسْتَعْمَلُ جس کو استعمال کیا جائے فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ علاوہ اس معنی کے جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا تھا لِعَلَاقَةٍ کسی علاقے کی وجہ سے، کسی تعلق کی وجہ سے۔ بھئی دیکھیے یہ جو مجاز ہے نا، پہلے تو یہ یاد رکھیے لفظ کو معنی موضوع لہ میں ہی استعمال کیا جائے، أَسَدٌ کا لفظ بول کر آپ شیر ہی مراد لیں یا اردو میں شیر کا لفظ بول کر جنگلی درندہ ہی مراد لیں آپ، تو یہ ہے لفظ کو معنی موضوع لہ

میں آپ نے استعمال کیا، اس کو کہتے ہیں حقیقت۔ لفظ کو جس معنی کے لیے مقرر کیا گیا تھا اسی میں استعمال کر لیں تو کیا کہلائے گا؟ حقیقت۔ اور اگر معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کر لیں تو یہ کیا کہلائے گا؟ مجاز کہلائے گا، مجاز۔ اور یہ معنی آپ نے کسی لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا تو لازماً لازماً اس معنی موضوع لہ جس کے لیے اس لفظ کو وضع کیا گیا تھا، مثلاً أَسَدٌ شیر، شیر کا معنی موضوع لہ کیا ہے؟ جنگلی درندہ، یہ جو معنی موضوع لہ ہے اور کس معنی میں استعمال کیا؟ معنی غیر موضوع لہ، وہ کیا تھا؟ بہادر آدمی۔ یہ معنی موضوع لہ اور معنی غیر موضوع لہ میں ضرور کوئی نہ کوئی علاقہ اور تعلق ہو گا، بغیر تعلق کے استعمال نہیں ہوتا بھئی اس طرح۔ آپ نے بہادر آدمی کے لیے شیر کا لفظ استعمال کیا تو شیر اور بہادر آدمی میں ضرور کوئی تعلق ہو گا، ان میں کوئی ربط ہو گا تب ہی آپ استعمال کریں گے تو استعمال صحیح ہو گا ورنہ استعمال صحیح نہیں۔ ورنہ یہ کتاب پڑھی ہے اور کتاب بول کر میں ہاتھی مراد لے لوں، اب کوئی ربط ہی نہیں ہے، کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ معنی موضوع لہ اور معنی غیر موضوع لہ میں کیا ہوتا ہے؟ کوئی نہ کوئی تعلق اور ربط ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی تو یہی بیان کر رہے ہیں، جیسے یہاں پر بھئی شیر اور بہادر آدمی میں کیا تعلق تھا؟ بہادری کا، کہ بہادری کا وصف جیسے شیر میں پایا جاتا ہے اسی طرح بہادر آدمی میں بھی، بہادر آدمی میں بھی بہادری کا وصف پایا جاتا ہے، یہ ہے علاقہ اور تعلق بھئی۔

تو کہتے ہیں الْمَجَازُ هُوَ اللَّفْظُ الْمُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ لِعَلَاقَةٍ مجاز وہ لفظ ہے جس کو استعمال کیا جائے معنی غیر موضوع لہ میں لِعَلَاقَةٍ کسی علاقے، کسی تعلق کی بنا پر۔ اور مجاز میں معنی موضوع لہ کا بھی ارادہ ہم کر سکتے ہیں وہاں پر کہ نہیں کر سکتے؟ نہیں کر سکتے۔ تو یہ قید بھی ضروری ہے تاکہ کنایہ نکل جائے۔ کون نکل جائے؟ کنایہ۔ کیونکہ کنایہ میں بھی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے لیکن

■ قولہ: «مَعَ قَرِينَةٍ مَانِعَةٍ مِنْ إِرَادَةِ...» کی تشریح

اس کو بھی نکال رہے ہیں: مَعَ قَرِينَةٍ مَانِعَةٍ مِنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى السَّابِقِ ساتھ ایک ایسے قرینے کے جو روکنے والا ہے سابقہ معنی کے ارادے سے، یعنی معنی اصلی کے ارادے سے۔ یعنی ایسا قرینہ ہو جو روکنے والا ہو معنی اصلی کے ارادے سے کہ معنی اصلی کا یہاں ارادہ کرنا صحیح نہیں۔ سمجھ میں آ گئی بات؟ تو اس قید کے ذریعے کس کو نکالا؟ کنایہ کو نکالا بھئی، کنایہ کو۔

كَالدُّرَرِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِي الْكَلِمَاتِ الْفَصِيحَةِ فِي قَوْلِكَ بھئی آپ مثلاً عربی میں کوئی کہتا ہے: فُلَانٌ يَتَكَلَّمُ بِالدُّرَرِ۔ دُرَرٌ موتی، موتی۔ فُلَانٌ يَتَكَلَّمُ بِالدُّرَرِ فلاں بات کر رہا ہے بِالدُّرَرِ موتیوں کے ساتھ، یا فلاں بات کرتا ہے موتیوں کے ساتھ۔ یعنی جب وہ بات کرتا ہے تو یوں لگتا ہے اس کے منہ سے لفظ نہیں ادا ہو رہے بلکہ موتی جھڑ رہے ہیں، بلکہ موتی جھڑ رہے ہیں۔ تو با محاورہ یوں ترجمہ کر لیں، عربی میں کیا ہے؟ فُلَانٌ يَتَكَلَّمُ بِالدُّرَرِ فلاں کے منہ سے موتی جھڑ رہے ہیں، فلاں کے منہ سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ اب دیکھیے یہاں پر دُرَرٌ موتی کا لفظ استعمال کیا گیا اور مراد کیا ہیں؟ اس کے وہ الفاظ ہیں، اس کا وہ کلام ہے۔ تو گویا اس کے کلام کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ موتیوں کے ساتھ۔ اور کس چیز میں تشبیہ دی؟ خوبصورتی کے اندر، جیسے موتی خوبصورت ہوتے ہیں اس کا کلام بھی بڑا خوبصورت اور فصیح و بلیغ ہوتا ہے بھئی۔

دیکھیے کتاب پر: كَالدُّرَرِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِي الْكَلِمَاتِ الْفَصِيحَةِ جیسے کہ دُرَرٌ یعنی موتی کا لفظ استعمال ہوا ہے فصیح کلمات کے لیے فِي قَوْلِكَ آپ کے اس قول میں: فُلَانٌ يَتَكَلَّمُ بِالدُّرَرِ فلاں بات کرتا ہے موتیوں کے ساتھ۔ فَإِنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَتْ لَهُ پس یہ کلمہ جو ہے یہ دُرَرٌ کا، دُرَرٌ کا کلمہ یہ استعمال ہوا ہے فِي غَيْرِ مَا وُضِعَتْ لَهُ اس معنی، مَا وُضِعَتْ لَهُ وہ معنی جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا، اس کے علاوہ میں استعمال ہوا ہے یعنی معنی غیر موضوع لہ۔ فَإِنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَتْ لَهُ پس یہ کلمہ استعمال ہوا ہے علاوہ اس معنی میں جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا تھا إِذْ قَدْ وُضِعَتْ فِي الْأَصْلِ لِلَّآلِئِ اس لیے کیونکہ اس کو تو وضع کیا گیا تھا اصل میں کس کے لیے؟ لِلَّآلِئِ، لَآلِئُ وہی گزشتہ سبق میں لُؤْلُؤٌ کا لفظ آیا تھا، موتی کو کہتے ہیں، اس کی جمع کیا آتی ہے؟ لَآلِئُ۔ اس لیے کیونکہ دُرَرٌ کا لفظ تو اصل میں وضع تھا موتیوں کے لیے، لِلَّآلِئِ الْحَقِيقِيَّةِ حقیقی موتیوں کے لیے یہ لفظ وضع تھا۔ ثُمَّ نُقِلَتْ إِلَى الْكَلِمَاتِ الْفَصِيحَةِ پھر اس کو نقل کر دیا گیا کس کی طرف؟ فصیح کلمات کی طرف۔ آپ نے کس معنی میں استعمال کیا؟ فصیح کلمات کے لیے اس کو استعمال کیا۔ تو پھر ثُمَّ نُقِلَتْ إِلَى الْكَلِمَاتِ الْفَصِيحَةِ پھر اس کو نقل کیا گیا کلمات فصیحہ کی طرف لِعَلَاقَةِ الْمُشَابَهَةِ بَيْنَهُمَا فِي الْحُسْنِ اس وجہ سے کہ علاقہ مشابہت کا ہے ان دونوں کے درمیان فِي الْحُسْنِ کس چیز میں؟ حسن میں۔ یعنی یہاں پر یہ کلمات مشابہ ہیں کس کے؟ موتیوں کے، کس چیز میں مشابہ ہیں؟ حسن میں۔ اس لیے کیونکہ وہ علاقہ جو ہے وہ مشابہت کا ہے ان دونوں کے درمیان فِي الْحُسْنِ حسن میں۔

وَالَّذِي يَمْنَعُ مِنْ اور بھئی مجاز کے لیے قرینے کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر قرینہ نہیں ہو گا تو پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا، سننے والا تو یہی سمجھے گا شاید اس نے معنی موضوع لہ کا ارادہ کیا۔ تو لہٰذا مجاز کے لیے کیا ہونا ضروری؟ قرینہ۔ اور یہاں کیا قرینہ ہے؟ بتلائیں گے آپ کو آگے کہ یہ جو يَتَكَلَّمُ لفظ آیا نا يَتَكَلَّمُ، فلاں بات کرتا ہے موتیوں کے ساتھ، تو یہ يَتَكَلَّمُ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ دُرَرٌ سے موتی نہیں مراد بلکہ فصیح کلمات مراد ہیں، فصیح کلمات، کیونکہ بولتے ہوئے منہ سے کلمات ادا ہوتے ہیں موتی نہیں نکلتے۔ وَالَّذِي يَمْنَعُ مِنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْحَقِيقِيِّ قَرِينَةُ يَتَكَلَّمُ اور وہ چیز جو روک رہی ہے معنی حقیقی کا ارادہ کرنے سے قَرِينَةُ يَتَكَلَّمُ وہ يَتَكَلَّمُ کا قرینہ ہے۔

وَكَالْأَصَابِعِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِي الْأَنَامِلِ اور جیسے بھئی قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ۔ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ وہ ڈالتے ہیں اپنی انگلیاں فِي آذَانِهِمْ اپنے کانوں میں۔ وہ داخل کرتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں۔ اور اب یہ بات تو ظاہر ہے کہ کان میں پوری انگلی تو داخل ہو نہیں سکتی، ہاں

انگلیوں کے اگلے سرے، انگلیوں کے پورے داخل ہوتے ہیں۔ کان میں کیا داخل ہوتے ہیں؟ انگلیوں کے پورے داخل ہو سکتے ہیں، پوری انگلی تو داخل ہو ہی نہیں سکتی۔ تو معلوم ہوا یہاں أَصَابِعُ یعنی پوری انگلی بول کر انگلی کا جز یعنی پورے مراد ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ پورے۔ تو انگلی تو کل ہے اور پورے اس کے جز ہیں، تو کل بول کر کیا مراد ہوا؟ جز مراد ہوا، جز۔ تو أَصَابِعُ کا لفظ معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں۔ انگلی تو کل کا نام تھا جز کا نام نہیں تھا لیکن استعمال کس کے لیے کر لیا گیا؟ جز کے لیے۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

وَكَالْأَصَابِعِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِي الْأَنَامِلِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اور جیسے أَصَابِعُ کا لفظ جس کو استعمال کیا گیا ہے أَنَامِلُ کے معنی میں فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ تعالی کے اس قول میں: يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وہ داخل کرتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں۔ فَإِنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَتْ لَهُ پس یہ أَصَابِعُ کا کلمہ جو ہے اس کو استعمال کیا گیا ہے غیر موضوع لہ کے اندر لِعَلَاقَةِ أَنَّ الْأَنْمُلَةَ جُزْءٌ مِنَ الْأُصْبُعِ بوجہ اس علاقے کے کہ پورے جو ہیں، أَنْمُلَةٌ پورے جو ہیں جُزْءٌ مِنَ الْأُصْبُعِ وہ انگلیوں کا جز ہیں، فَاسْتُعْمِلَ الْكُلُّ فِي الْجُزْءِ تو کل کا لفظ استعمال کر لیا گیا فِي الْجُزْءِ جز میں۔ وَقَرِينَةُ ذَلِكَ اس کا قرینہ کیا ہے؟ کس سے پتہ چلا کہ کل بول کر جز مراد ہے؟ کہتے ہیں وَقَرِينَةُ ذَلِكَ اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ جَعْلُ الْأَصَابِعِ بِتَمَامِهَا فِي الْآذَانِ کہ ممکن نہیں ہے داخل کرنا پوری انگلی کا، پوری انگلیوں کا فِي الْآذَانِ کس میں؟ کانوں میں۔ لَا يُمْكِنُ جَعْلُ الْأَصَابِعِ ممکن نہیں ہے داخل کرنا انگلیوں کا بِتَمَامِهَا پوری کی پوری فِي الْآذَانِ کان میں۔

■ قولہ: «وَالْمَجَازُ إِنْ كَانَتْ عَلَاقَتُهُ...» کی تشریح

وَالْمَجَازُ إِنْ كَانَتْ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةَ اچھا بھئی، اب آگے مجاز کی دو قسمیں بیان کرنے لگے ہیں۔ مجاز میں لفظ استعمال ہو گا معنی غیر موضوع لہ میں اور معنی موضوع لہ کا ارادہ وہاں پر صحیح نہیں ہو گا۔ اب ایک تھا معنی موضوع لہ اور آپ استعمال کر رہے ہیں کس میں؟ معنی غیر موضوع لہ میں۔ تو ان دونوں میں کوئی تعلق اور ربط ہو گا۔ کن دونوں میں؟ معنی موضوع لہ میں اور معنی غیر موضوع لہ میں۔ تو کبھی ان میں علاقہ جو ہے وہ مشابہت والا ہو گا۔ کون سا ہو گا؟ مشابہت کا، یعنی آپ نے گویا ایک چیز کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دے دی ہے، تشبیہ دے دی ہے۔ تو اگر مشابہت والا تعلق ہو تو اس کو کہتے ہیں استعارہ۔ کیا کہتے ہیں؟ استعارہ۔ اور اگر مشابہت والا تعلق نہ ہو تو اس کو کہتے ہیں مجاز مرسل۔ کیا کہتے ہیں؟ مجاز مرسل۔ جیسے دو مثالیں ذکر ہوئیں۔ پہلی مثال میں دُرَرٌ بول کر کیا مراد تھے؟ فصیح کلمات مراد تھے۔ موتی کا لفظ ذکر کیا گیا اور مراد کیا تھے؟ فصیح کلمات۔ وہاں علاقہ تشبیہ والا تھا، گویا آپ نے اس کے فصیح کلمات کو موتیوں کے ساتھ تشبیہ دے دی ہے، تو اس کو کہیں گے استعارہ۔ کیا کہیں گے؟ استعارہ۔ اور دوسری مثال جو قرآن کی ذکر کی گئی، وہ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کرتے ہیں، وہاں کل بول کر جز مراد ہے تو وہاں علاقہ مشابہت کا نہیں۔ انگلی کو کوئی پورے کے ساتھ یا پورے کو کوئی انگلی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ کل بول کر جز مراد لیا گیا تو وہاں علاقہ کلیت اور جزئیت والا ہے، کل اور جز ہونے والا علاقہ ہے، تشبیہ والا علاقہ نہیں، اس کو کہیں گے مجاز مرسل۔

تو معنی موضوع لہ اور معنی غیر موضوع لہ میں اگر علاقہ اور تعلق کون سا ہو؟ تشبیہ والا ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ۔ اور اگر علاقہ اور تعلق تشبیہ والا نہ ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجاز مرسل کہتے ہیں، مجاز مرسل بھئی۔ جیسے میں نے آپ سے کہا رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ یہ أَسَدٌ کو میں نے معنی موضوع لہ میں استعمال کیا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں۔ أَسَدٌ بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ تو ان دونوں معنی کے درمیان تعلق دیکھیں۔ أَسَدٌ کا اصل معنی کیا ہے؟ شیر ہے، جنگلی درندہ ہے، اور معنی غیر موضوع لہ استعمال کس میں کیا؟ بہادر آدمی میں۔ ان میں کون سا علاقہ ہے؟ بہادری میں، لیکن علاقہ کون سا ہے؟ تعلق کون سا ہے؟ تشبیہ ہے۔ گویا میں اس بہادر آدمی کو تشبیہ دے رہا ہوں کس کے ساتھ؟ شیر کے ساتھ۔ یہ بہادر آدمی کوئی شیر کا جزو غیرہ ہے؟ نہیں بھئی، یہاں تشبیہ والا علاقہ ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں گویا بہادر آدمی کو شیر کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ کہتے ہیں۔ اور اگر تشبیہ والا علاقہ نہیں اور کوئی علاقہ ہو، کوئی تعلق ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجاز مرسل کہتے ہیں۔

مثلاً بھئی کئی قسم کے علاقے مجاز مرسل کے بیس پچیس علاقے علماء بیان کرتے ہیں بھئی۔ مثلاً بھئی آپ بھی اس کلام میں مجاز مرسل عام استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن کبھی آپ نے غور نہیں کیا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: نہر بہہ رہی ہے۔ آپ کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ نہر بہہ رہی ہے۔ بھئی نہر بہتی ہے یا اس کے اندر پانی بہتا ہے؟ پانی بہتا ہے۔ تو یہاں نہر سے کیا مراد ہے؟ پانی مراد ہے، پانی۔ ہاں لیکن پانی کو کس کے ساتھ ذکر کر دیا آپ نے؟ نہر کے ساتھ کیونکہ وہ اس کی جگہ ہے جس میں بہہ رہا ہے، وہ اس کے لیے ظرف ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح آپ اور بھی جگہ استعمال کرتے ہیں، تو دیکھو وہاں نہر بول کر پانی مراد ہے اور پانی کو کوئی آپ نے نہر کے ساتھ تشبیہ دی ہے؟ نہیں، بلکہ یہ نہر کیا ہے اس پانی کے لیے؟ ظرف ہے۔ تو یہاں ظرف مظروف والا تعلق ہے بھئی۔ اسی طرح آپ اور بھی کلام میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ کا ساتھی آپ سے کہتا ہے کہ لیجیے یہ شربت پی لیجیے۔ آپ کہتے ہیں میں نے ایک گلاس پی لیا ہے بس۔ کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ بھئی آپ نے گلاس پیا ہے یا شربت پیا ہے؟ شربت پیا ہے۔ گلاس تو وہ شیشے کا یا سٹیل کا ہے، وہ تو آپ نے نہیں پیا، لیکن آپ گلاس بول کر کیا مراد لیتے ہیں؟ شربت مراد لیتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ علاقہ کیا ہے دونوں میں؟ کیونکہ گلاس اس کے لیے ظرف ہے، برتن ہے جس کے اندر وہ تھا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مجاز مرسل ہے جہاں علاقہ تشبیہ والا نہیں ہوتا، کوئی اور علاقہ ہو گا۔

تو کہتے ہیں: وَالْمَجَازُ إِنْ كَانَتْ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةَ بَيْنَ الْمَعْنَى الْمَجَازِيِّ وَالْمَعْنَى الْحَقِيقِيِّ كَمَا فِي الْمِثَالِ الْأَوَّلِ يُسَمَّى اسْتِعَارَةً اور مجاز اگر اس میں علاقہ جو ہے وہ مشابہت کا ہو معنی مجازی اور معنی حقیقی کے درمیان كَمَا فِي الْمِثَالِ الْأَوَّلِ جیسا کہ پہلی مثال میں تھا یعنی وہ دُرَرٌ والی مثال میں، موتیوں والی مثال میں، يُسَمَّى اسْتِعَارَةً تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ کہتے ہیں جب معنی حقیقی اور معنی مجازی میں مشابہت والا تعلق ہو تو اس مجاز کو استعارہ کہتے ہیں۔ وَإِلَّا فَمَجَازٌ مُرْسَلٌ ورنہ وہ مجاز مرسل ہے كَمَا فِي الْمِثَالِ الثَّانِي جیسے کس میں تھا؟ دوسری مثال میں: يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ، اس میں یہ علاقہ مشابہت والا نہیں ہے تو یہ مجاز مرسل ہے۔

الِاسْتِعَارَةُ اب استعارہ کو بیان کرنے لگے ہیں، وہ مجاز جہاں معنی حقیقی اور معنی مجازی میں تعلق کون سا ہو؟ مشابہت والا ہو، تشبیہ والا ہو۔ کہتے ہیں: الِاسْتِعَارَةُ هِيَ مَجَازٌ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةُ استعارہ یہ وہ مجاز ہے کہ جس میں علاقہ کیا ہو؟ تعلق کیا ہو؟ مشابہت والا ہو، كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالی کا قول ہے: كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ كِتَابٌ یہ ایک ایسی کتاب ہے أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ کہ ہم نے نازل کیا ہے اس کو آپ کی طرف لِتُخْرِجَ النَّاسَ تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو مِنَ الظُّلُمَاتِ تاریکیوں سے إِلَى النُّورِ روشنی کی طرف۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اس لیے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں، تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں۔

بھئی اب کتاب سے تو کوئی تاریکی سے روشنی کی طرف نہیں آتا۔ معلوم ہوا تاریکی بول کر گمراہی مراد ہے اور روشنی بول کر ہدایت مراد ہے۔ تو یہ کتاب کیا کرتی ہے؟ گمراہی سے لوگوں کو کس کی طرف لے آتی ہے؟ ہدایت کی طرف لے آتی ہے۔ تو معلوم ہوا ظُلُمَاتٌ سے مراد کیا ہے؟ گمراہیاں، اور نُورٌ یعنی روشنی سے کیا مراد ہے؟ ہدایت مراد ہے۔ تو دیکھو ظُلُمَاتٌ بول کر تاریکی نہیں مراد، معنی موضوع لہ نہیں مراد بلکہ گمراہی مراد ہے، تو یہ معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا، غیر موضوع لہ میں۔ اور دونوں میں تعلق کون سا؟ گمراہی اور تاریکی، گمراہی جس معنی میں استعمال ہوا اور تاریکی جس کا لفظ استعمال کیا، تو دونوں میں تعلق کون سا؟ مشابہت والا ہے کہ گمراہی کو گویا تشبیہ دی گئی ہے کس کے ساتھ؟ تاریکی کے ساتھ، اندھیرے کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں میں تعلق کون سا؟ مشابہت والا، تو اس کو کیا کہیں گے؟ استعارہ، استعارہ۔ اسی طرح نُورٌ روشنی بول کر ہدایت معنی مراد لیا گیا، تو نُورٌ کا لفظ استعمال کر لیا گیا ہدایت کے لیے، تو یہ بھی مجاز ہے، مجاز۔ اور دونوں میں، دونوں معانی جو ہیں، معنی حقیقی اور معنی مجازی، معنی حقیقی کیا؟ روشنی، اور معنی مجازی کیا؟ ہدایت۔ تو ہدایت اور روشنی میں تعلق کون سا ہے؟ علاقہ کون سا ہے؟ تشبیہ کا ہے، مشابہت کا ہے، یعنی گویا ہدایت کو تشبیہ دی گئی ہے کس کے ساتھ؟ روشنی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، تو اس کو کہیں گے استعارہ۔ تو معلوم ہوا الظُّلُمَاتِ میں بھی استعارہ ہے اور النُّورِ میں بھی کیا ہے؟ استعارہ ہے، استعارہ۔

■ قولہ: «أَيْ مِنَ الضَّلَالِ إِلَى الْهُدَى» کی تشریح

خود بتلا رہے ہیں دیکھیے بھئی: أَيْ مِنَ الضَّلَالِ إِلَى الْهُدَى یعنی گمراہی سے روشنی کی طرف، ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف، أَيْ مِنَ الضَّلَالِ إِلَى الْهُدَى یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف۔ فَقَدِ اسْتُعْمِلَتِ الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ فِي غَيْرِ مَعْنَاهُمَا الْحَقِيقِيِّ پس تحقیق استعمال کیا گیا ظُلُمَاتٌ اور نُورٌ کے لفظ کو ان دونوں کے معنی حقیقی کے علاوہ کے اندر، وَالْعَلَاقَةُ الْمُشَابَهَةُ بَيْنَ الضَّلَالِ وَالظَّلَامِ وَالْهُدَى وَالنُّورِ اور علاقہ جو ہے وہ مشابہت کا ہے گمراہی اور تاریکی کے درمیان وَالْهُدَى وَالنُّورِ اور ہدایت اور نور، ہدایت اور روشنی کے درمیان۔ وَالْقَرِينَةُ مَا قَبْلَ ذَلِكَ اور میں نے بتلایا تھا جب بھی لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کریں ہمیشہ اس کے لیے کیا چاہیے؟ کوئی قرینہ چاہیے۔ کہتے ہیں وَالْقَرِينَةُ مَا قَبْلَ ذَلِكَ اور قرینہ جو ہے وہ اس سے پہلے ہے، مَا قَبْلَ ذَلِكَ اس سے پہلے ہے۔ کہاں پر بھئی؟ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ سے پہلے قرینہ ہے، وہ کیا؟ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ۔ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ کتاب جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا، کتاب جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا۔ تو کتاب نازل کرنے کا کیا مقصد ہوتا ہے؟ گمراہی سے نکال کر لوگوں کو ہدایت کی طرف لانا مقصد ہوتا ہے، تو گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لانا مقصد ہوتا ہے، معلوم ہوا یہاں بھی ظُلُمَاتٌ سے گمراہی مراد ہے اور نُورٌ سے کیا مراد ہے؟ ہدایت مراد ہے۔

وَأَصْلُ الِاسْتِعَارَةِ تَشْبِيهٌ اور استعارہ کی اصل تشبیہ ہے۔ کہتے ہیں استعارہ میں دراصل تشبیہ ہوتی ہے۔ استعارہ میں کیا ہوتی ہے؟ تشبیہ۔ بھئی یہاں ظُلُمَاتٌ کا لفظ استعمال کیا گیا اور مراد کیا؟ گمراہی۔ گویا، گویا گمراہی کو تشبیہ دی گئی تاریکی اور اندھیرے کے ساتھ: الضَّلَالُ كَالظَّلَامِ، الضَّلَالُ كَالظَّلَامِ گمراہی کس کی طرح ہے؟ تاریکی کی طرح ہے۔ یا دوسری مثال جو میں نے ذکر کی تھی: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا، تو یہ کیا ہے؟ معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں، معلوم ہوا مجاز ہے۔ پھر دیکھیں علاقہ مشابہت والا ہے یا کوئی اور علاقہ ہے؟ مشابہت والا ہے، معلوم ہوا استعارہ ہے۔ اور استعارہ کے اندر تشبیہ ہوتی ہے، معلوم ہوا اس بہادر آدمی کو آپ نے کس سے تشبیہ دی ہے؟ شیر سے، أَيْ هُوَ كَالْأَسَدِ وہ کس کی طرح ہے؟ شیر کی طرح ہے، کس چیز میں؟ فِي الشَّجَاعَةِ بہادری میں۔ گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں: هُوَ كَالْأَسَدِ فِي الشَّجَاعَةِ یہ بہادر آدمی کس کی طرح ہے؟ شیر کی طرح ہے، کس چیز میں؟ بہادری میں۔

اب ارکان تشبیہ تو چار تھے: ایک مشبہ، ایک مشبہ بہ، ایک ادات تشبیہ، ایک وجہ تشبیہ۔ دیکھیے یہ چاروں ذکر ہیں: هُوَ یہ ہے مشبہ، كَالْأَسَدِ یہ کاف کیا ہے؟ ادات

تشبیہ، أَسَدٌ کیا ہے؟ مشبہ، اور وجہ تشبیہ کیا ہے؟ فِي الشَّجَاعَةِ۔ اور جو میں نے جملہ ذکر کیا تھا رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي اس میں صرف کون ذکر ہے؟ صرف أَسَدٌ مشبہ بہ ذکر ہے۔ مشبہ بھی حذف، ادات تشبیہ بھی حذف، اور وجہ تشبیہ بھی حذف۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو استعارہ کی بنیاد تشبیہ پر ہوتی ہے اور اس کے اندر مشبہ اور مشبہ بہ میں سے ایک کو بھی حذف کر لیا جاتا ہے، ادات تشبیہ کو بھی حذف کر لیا جاتا ہے اور وجہ تشبیہ کو بھی حذف۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہی بات بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَأَصْلُ الِاسْتِعَارَةِ تَشْبِيهٌ اور استعارہ کی اصل وہ تشبیہ ہے حُذِفَ أَحَدُ طَرَفَيْهِ۔ حُذِفَ فعل آیا اور تَشْبِيهٌ اس سے پہلے نکرہ ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے اس کے لیے؟ صفت۔ تو کہتے ہیں وَأَصْلُ الِاسْتِعَارَةِ اور استعارہ کی اصل تَشْبِيهٌ وہ ایسی تشبیہ ہے حُذِفَ أَحَدُ طَرَفَيْهِ کہ جس کے دو طرفین میں سے ایک کو حذف کر لیا جائے، کر لیا گیا ہو، وَوَجْهُ شَبَهِهِ اور اس کی وجہ تشبیہ کو بھی حذف کر لیا گیا ہو، وَأَدَاتُهُ اور اس کے ادات تشبیہ کو بھی حذف کر لیا گیا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ استعارہ کی اصل ایسی تشبیہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ میں سے بھی ایک کو حذف کر لیا گیا ہو، وجہ تشبیہ کو بھی حذف کر لیا گیا ہو اور ادات تشبیہ کو بھی حذف کر لیا گیا ہو۔

وَالْمُشَبَّهُ يُسَمَّى مُسْتَعَارًا لَهُ۔ اب دیکھیے بھئی ادھر توجہ کیجیے۔ استعارہ کی اصل کیا ہے؟ تشبیہ ہے، تشبیہ ہے۔ گویا آپ نے میں نے کہا رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي میں نے ایک بہادر آدمی کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا، اور أَسَدٌ کا لفظ بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے۔ اب ذرا ادھر توجہ کرنا بھئی۔ بھئی یہ دیکھو یہ ہے جنگلی درندہ، یہ کیا ہے؟ جنگلی درندہ ہے۔ اور یہ دوسری طرف یہ بہادر آدمی ہے، کیا ہے؟ بہادر آدمی ہے۔ یہ جو اس طرف جنگلی درندہ ہے اس کو ہم نے، اس کے لیے کون سا لفظ مقرر کیا ہے؟ أَسَدٌ والا۔ اور بہادر آدمی کے لیے بہادر آدمی کا لفظ وضع ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ بہادر آدمی کا، یا یوں کہیں رَجُلٌ شُجَاعٌ عربی میں کہہ لیں۔ بہادر آدمی کے لیے کیا لفظ وضع ہے؟ رَجُلٌ شُجَاعٌ۔ اور جنگلی درندے کے لیے کیا لفظ وضع ہے؟ أَسَدٌ کا لفظ عربی زبان میں، أَسَدٌ۔ تو ہم نے رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي یہاں أَسَدٌ بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ تو دیکھو یہ جو جنگلی درندہ ہے اس کے لیے أَسَدٌ کا لفظ وضع ہے، أَسَدٌ کا لفظ اس پہ بولا جاتا ہے، لیکن ہم نے اس کو کچھ دیر کے لیے اس سے مانگ کر لے لیا اس أَسَدٌ کے لفظ کو، اور اس لفظ کو کس کے لیے استعمال کر لیا؟ بہادر آدمی کے لیے۔ کس کے لیے؟ بہادر آدمی کے لیے۔

اسی لیے اس کو کہتے ہیں استعارہ۔ عَارِيَّةً کہتے ہیں مانگی ہوئی چیز، کسی سے چیز مانگ کر لینا۔ بھئی جیسے ہمسایوں میں ہوتا ہے، بعض اوقات کسی کے گھر مہمان آئے، زیادہ مہمان آئے تو ساتھ والوں سے بھی کوئی برتن وغیرہ یا کچھ منگوا لیے، تو برتن وغیرہ لے لیے، یا اپنے ساتھی سے مثلاً سائیکل لے لیتے ہیں عاریتاً کچھ دیر استعمال کے لیے، پھر واپس کر دیتے ہیں، تو اس کو کہتے ہیں عاریت۔ کیا کہتے ہیں؟ عاریت۔ تو استعارہ میں بھی ایسے ہے، یہ بھی اسی مادے سے ہے۔ اِسْتِعَارَةٌ کے معنی ہیں استعمال کے لیے کوئی چیز مانگنا، لینا، طلب کرنا۔ تو اس میں بھی کیا کیا گیا دیکھو، أَسَدٌ کا لفظ جو وضع تھا کس کے لیے؟ جنگلی درندے کے لیے، اس أَسَدٌ کے لفظ کو کچھ دیر کے لیے مانگ کر لے لیا گیا اور کس کے لیے استعمال کر لیا گیا؟ بہادر آدمی کے لیے، بہادر آدمی کے لیے۔ تو یہ أَسَدٌ کا لفظ ہم نے کس سے مانگ کر لیا ہے؟ جنگلی درندے کے معنی سے۔ بھئی یہ لفظ تو تمہارا ہے، جنگلی درندہ جو ہے وہ اس کا معنی ہے نا، تو یہ لفظ بھی اسی کا ہے، تو جنگلی درندے جو معنی ہے جنگلی درندہ، اس سے ہم نے مانگا ہے، تو اس کو کہیں گے مستعار منہ۔ کیا کہیں گے؟ مستعار منہ، جس سے مانگ کر لیا گیا۔ تو جنگلی درندے کا کیا ہوا جنگلی درندہ؟ وہ ہوا مستعار منہ، اس سے مانگ کر ہم نے لیا ہے، وہ ہوا مستعار منہ، جس سے مانگ کر لیا گیا۔ اور کس کے لیے مانگ کر لیا گیا؟ کس معنی کے لیے ہم استعمال کرنا چاہتے ہیں؟ بہادر آدمی، تو بہادر آدمی کا جو معنی ہے، بہادر آدمی جو ہے وہ ہوا مستعار لہ، جس کے لیے مانگا گیا، جس کے لیے مانگا گیا۔ اور کس لفظ کو مانگا؟ لفظ أَسَدٌ کو، تو أَسَدٌ کو کہیں گے مستعار۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جس معنی سے مانگ کر لیا اس کو کیا کہیں گے؟ مستعار منہ۔ اور جس معنی کے لیے مانگ کر لیا اس کو کیا کہیں گے؟ مستعار لہ۔ اور جس لفظ کو مانگ کر لیا اس کو کیا کہیں گے؟ مستعار کہیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جی یہی بات اب بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَالْمُشَبَّهُ يُسَمَّى مُسْتَعَارًا لَهُ اور مشبہ جو ہے اس کو مستعار لہ کہتے ہیں جس کے لیے وہ لفظ مانگ کر ہم نے لیا ہے۔ وَالْمُشَبَّهُ بِهِ مُسْتَعَارًا مِنْهُ اور مشبہ بہ کو کیا کہتے ہیں؟ مستعار منہ کہتے ہیں۔ فَفِي هَذَا الْمِثَالِ تو اس مثال کے اندر الْمُسْتَعَارُ لَهُ هُوَ الضَّلَالُ وَالْهُدَى مستعار لہ جس کے لیے لفظ مانگ کر لیا گیا وہ کیا ہے؟ الضَّلَالُ وَالْهُدَى گمراہی اور ہدایت، ان کے لیے لفظ مانگا گیا۔ اور کس سے مانگا گیا؟ وَالْمُسْتَعَارُ مِنْهُ هُوَ مَعْنَى الظَّلَامِ وَالنُّورِ، ظَلَامٌ اور نُورٌ کا جو معنی ہے، ظَلَامٌ اور نُورٌ۔ بھئی ظَلَامٌ اور نُورٌ ایک تو یہ لفظ ہیں، ایک ان لفظوں کا معنی ہے۔ ظَلَامٌ کا کیا معنی؟ تاریکی، اور تاریکی کے لیے کیا لفظ تھا؟ ظَلَامٌ۔ تو ظَلَامٌ سے نہیں مانگا ہم نے، ظَلَامٌ کا جو معنی تھا یعنی تاریکی، اس سے ہم نے مانگا کہ یہ ظَلَامٌ لفظ تو تمہارے لیے ہے لیکن ہمیں یہ ظَلَامٌ والا لفظ دیں، ہم نے کس کے لیے استعمال کرنا ہے؟ گمراہی کے لیے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو مستعار منہ کون ہوگا؟ ظَلَامٌ ہے یا ظَلَامٌ کا معنی ہے؟ ظَلَامٌ کا معنی ہے، یہ بیان کر رہے ہیں: وَالْمُسْتَعَارُ مِنْهُ هُوَ مَعْنَى الظَّلَامِ وَالنُّورِ اور مستعار منہ جو ہے وہ ظَلَامٌ اور نُورٌ کا معنی ہے۔ اور کون سے لفظ کو لیا ہم نے ان سے؟ ظَلَامٌ کے لفظ کو ان کے معنی سے لیا، اسی طرح نُورٌ کے لفظ کو اس کے معنی سے لیا۔ تو وَلَفْظُ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورِ يُسَمَّى مُسْتَعَارًا اور ظُلُمَاتٌ اور نُورٌ کے لفظ کو کیا کہیں گے؟ مستعار کہیں گے۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مجاز میں جو ہے وہ لفظ جس کو استعمال کیا جائے معنی غیر موضوع لہ میں کسی تعلق اور ربط کی وجہ سے اور وہاں معنی حقیقی کا ارادہ درست نہ بنتا ہو بھئی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجاز کہتے ہیں، مجاز۔ اور یاد رکھیے انہوں نے کہا یہ وہ لفظ جس کو استعمال کیا جائے، کسی لفظ کے استعمال کے بعد آپ کہہ سکتے ہیں یہ حقیقت ہے یا مجاز ہے، استعمال سے پہلے نہیں، استعمال سے پہلے نہیں۔ مثلاً میں آپ سے ویسے کہتا ہوں بھئی أَسَدٌ کا لفظ مجاز ہے یا حقیقت ہے؟ یاد رکھو جب تک میں اس کو جملے میں لاؤں گا نہیں، استعمال نہیں کروں گا، آپ طے نہیں کر سکتے کہ یہ مجاز ہے یا حقیقت۔ استعمال کے بعد اس کو پھر کہہ سکتے ہیں اگر معنی حقیقی میں استعمال ہوا ہو اس جملے میں تو آپ کہیں گے

یہ حقیقت ہے، اگر معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا ہو تو آپ کہیں گے یہ مجاز۔ تو استعمال سے پہلے نہ اس کو ہم حقیقت کہہ سکتے ہیں اور نہ مجاز۔ اسی لیے کہا تھا هُوَ اللَّفْظُ الْمُسْتَعْمَلُ وہ لفظ جس کو استعمال کیا گیا ہو۔

جی اور پھر کنایہ بھی میں نے بتایا تھا آپ کو کہ کنایہ بھی لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا جاتا ہے، وہاں ملزوم بول کر لازم مراد ہوتا ہے، لیکن اس کا مجاز سے فرق کیا ہے؟ کہ مجاز میں معنی حقیقی مراد لینا صحیح نہیں ہوتا لیکن کنایہ میں معنی حقیقی کا ارادہ بھی صحیح ہوتا ہے۔ اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ مجاز کے اندر اگر معنی موضوع لہ اور معنی حقیقی میں تعلق اور ربط جو ہے وہ مشابہت والا ہو تو اس کو استعارہ کہتے ہیں، اور اگر ربط اور تعلق وہ مشابہت والا نہ ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجاز مرسل کہتے ہیں، مجاز مرسل بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ مُرْسَلٌ کا معنی ہے، أَرْسَلَ يُرْسِلُ کے معنی ہوتے ہیں آزاد چھوڑنا، آزاد چھوڑنا۔ تو استعارہ اس میں قید ہے تشبیہ کی، استعارہ میں کیا ہے؟ قید ہے تشبیہ کی، اور مجاز مرسل وہ آزاد مجاز ہے یعنی اس میں تشبیہ کی قید نہیں۔ تو استعارہ میں تو صرف تشبیہ ہوتی ہے ہمیشہ، اور مجاز مرسل میں پچیس قسم کے تقریباً تعلق ہیں بھئی، تو اس کو آزاد چھوڑ دیا گیا، اس میں تشبیہ کی قید نہیں، باقی کوئی بھی آجائے اس میں وہ سب اس کو مجاز مرسل کہیں گے۔ اور پھر استعارہ کے اندر آپ نے پڑھ لیا کہ یہاں پر دونوں معانی کے اندر وہ تعلق کون سا ہو گا؟ تشبیہ والا ہو گا۔ اور اس میں مشبہ جو ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستعار لہ، اور مشبہ بہ کو مستعار منہ کہ مشبہ بہ کے لفظ کو آپ نے مانگ کر لے لیا اور کس کے لیے استعمال کر لیا؟ مشبہ کے معنی کے لیے۔ اور جس لفظ کو لیا گیا اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستعار کہتے ہیں۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۰: اقسامِ استعارہ: استعارہ مصرحہ (تصریحیہ)، استعارہ مکنیہ (بالکنایہ) اور استعارہ تخییلیہ کی تحقیق

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۰۸ ــــ بتاریخ: ۲۳ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى مُصَرَّحَةٍ وَهِيَ مَا صُرِّحَ فِيهَا بِلَفْظِ الْمُشَبَّهِ بِهِ كَمَا فِي قَوْلِهِ فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ وَرْدًا وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ بِالْبَرَدِ.

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں مجاز کی بحث شروع ہوئی تھی اور آپ نے پڑھا تھا کہ مجاز اس لفظ کو کہتے ہیں جس کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا جائے ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہو کہ جو معنی موضوع لہ کے ارادے سے روکنے والا ہو کہ یعنی وہاں پر معنی موضوع لہ کا ارادہ صحیح نہ بنتا ہو۔ اور پھر اس مجاز کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ معنی موضوع لہ اور معنی غیر موضوع لہ جس میں استعمال کر رہے ہیں، معنی غیر موضوع لہ جس میں آپ استعمال کر رہے ہیں، اس معنی غیر موضوع لہ کا کوئی تعلق اور کوئی ربط ہو گا معنی موضوع لہ کے ساتھ۔ تو یہ ربط اور تعلق اگر تشبیہ والا ہو تو اس کو استعارہ کہتے ہیں اور یہ ربط اور تعلق اگر تشبیہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو پھر اس کو مجاز مرسل کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مجاز مرسل کہتے ہیں۔

تو استعارہ کی پھر بحث انہوں نے شروع کی اور بتلایا کہ بھئی استعارہ وہ مجاز ہے جس کے اندر علاقہ مشابہت کا ہوتا ہے یعنی تشبیہ والا ہوتا ہے، جیسے آیت کے اندر ظُلُمَات اور نُور کا لفظ استعمال ہوا تھا اور ظُلُمَات کا لفظ گمراہی کے لیے اور نُور یعنی روشنی کا لفظ ہدایت کے لیے استعمال ہوا تھا تو ان کے اندر استعارہ تھا، کیا تھا؟ استعارہ تھا۔ اور یہ بھی انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مشبہ بہ کا لفظ مشبہ کے لیے استعمال کیا گیا تو مشبہ بہ کو کہیں گے مُسْتَعَارٌ مِنْهُ کیونکہ اس کے لفظ کو لیا گیا اس سے، اور کس کے لیے لیا گیا؟ مشبہ کے لیے، تو مشبہ کو کہیں گے مُسْتَعَارٌ لَهُ کہ جس کے لیے عاریتاً لیا گیا ہے، اور وہ لفظ جس کو استعمال کیا گیا ہے جس کو عاریتاً لیا گیا ہے اس کو کیا کہیں گے؟ مُسْتَعَار کہیں گے بھئی۔

اب اس استعارہ کی تقسیم کر رہے ہیں بھئی، استعارہ کی تقسیم۔ تو آسان لفظوں میں یاد رکھیے استعارہ کے اندر اگر مشبہ بہ ذکر ہو، بھئی آپ نے پڑھا تھا کہ استعارہ کے اندر ارکان تشبیہ میں سے صرف طرفین میں سے ایک ذکر ہو گا، یعنی ارکان تشبیہ جو چار ہیں مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ اور وجہ تشبیہ، ان میں سے صرف مشبہ اور مشبہ بہ میں سے کوئی ایک ذکر ہو گا۔ یا اگر مشبہ ذکر ہے تو مشبہ بہ بھی وہاں نہیں ہو گا، ادات تشبیہ بھی نہیں ہو گا اور وجہ تشبیہ بھی ذکر نہیں ہو گی، اور اگر اسی طرح مشبہ بہ ذکر ہے تو پھر مشبہ بھی ذکر نہیں ہو گا، ادات تشبیہ بھی ذکر نہیں ہو گا اور وجہ تشبیہ بھی ذکر نہیں ہو گی بھئی۔ تو لہٰذا معلوم ہوا استعارے کے اندر صرف مشبہ ذکر ہو سکتا ہے یا مشبہ بہ۔ تو اگر استعارے میں مشبہ بہ کا لفظ ذکر ہو، مشبہ بہ ذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں استعارہ مُصَرَّحَة صاد کے ساتھ، استعارہ مُصَرَّحَة، اسی طرح استعارہ تَصْرِيحِيَّة بھی اس کو کہتے ہیں۔ اور اگر اس کا عکس ہو یعنی استعارے کے اندر مشبہ کا لفظ ذکر ہے تو اس کو استعارہ مَكْنِيَّة کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ استعارہ مَكْنِيَّة کہتے ہیں، اور اسی طرح اس کو استعارہ بِالْكِنَايَة بھی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ استعارہ بِالْكِنَايَة۔ تو اگر استعارے کے اندر مشبہ بہ کا لفظ ذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں استعارہ مُصَرَّحَة اور استعارہ تَصْرِيحِيَّة، اور اگر استعارے کے اندر مشبہ کا لفظ ذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں استعارہ بِالْكِنَايَة اور استعارہ مَكْنِيَّة کہتے ہیں بھئی۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى مُصَرَّحَةٍ اور تقسیم ہوتا ہے استعارہ مصرحہ کی طرف، اور دو چار سطروں کے بعد آ رہا ہے وَإِلَى مَكْنِيَّةٍ اور مکنیہ کی طرف، تو یہ دو قسمیں ہیں ایک مصرحہ اور ایک مکنیہ۔ تو کہتے ہیں تقسیم ہوتا ہے استعارہ مصرحہ کی طرف وَهِيَ مَا صُرِّحَ فِيهَا بِلَفْظِ الْمُشَبَّهِ بِهِ

اور یہ وہ استعارہ ہے کہ جس کے اندر تصریح کی جائے مشبہ بہ کے لفظ کی، کس کی تصریح ہو؟ مشبہ بہ کے لفظ کی یعنی اس کے لفظ کو ذکر کیا گیا ہو۔ كَمَا فِي قَوْلِهِ جیسے کہ شاعر کے اس قول میں ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ میری ملاقات محبوبہ سے بڑے دنوں بعد میری ملاقات ہوئی۔ جب ملاقات ہوئی تو میں نے گلہ شکوہ کیا کہ اب تم ملنے ہی نہیں آتی ہو، تو وہ رونے لگ پڑی اور اس کی خوبصورت آنکھوں سے موتی جیسے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے اور وہ آنسو اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے اور وہ پریشانی اور غم کی وجہ سے اپنی انگلیوں کے پوروں کو دانتوں سے کاٹ رہی تھی بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ اب اس حالت کو شاعر بیان کر رہا ہے، تو وہ اب غم کا اظہار کر رہی تھی یعنی اب سختیاں اتنی بڑھ گئیں اب تو ملاقات کا موقع ہی نہیں ملتا بھئی۔ تو دیکھیے اب کہتے ہیں فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ وَرْدًا وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ بِالْبَرَدِ۔ فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا تو وہ برسانے لگی لُؤْلُؤًا موتی مِنْ نَرْجِسٍ، نَرْجِس یہ اردو میں اس کو نرگس کہتے ہیں، یہ ایک پھول ہے سفید رنگ کا بھی ہوتا ہے اور زرد رنگ کا بھی اور اس کے ساتھ آنکھوں کو تشبیہ دی جاتی ہے بھئی۔ تو فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ تو وہ موتی برسانے لگی مِنْ نَرْجِسٍ نرگس سے، یعنی اپنی نرگس جیسی آنکھوں سے آنسو اس کے جو موتیوں کی طرح تھے وہ بہنے لگے۔ وَسَقَتْ وَرْدًا، وَسَقَتْ سَقَى کے معنی ہوتے ہیں سیر اب کرنا، وَسَقَتْ وَرْدًا اور وہ آنسو جو تھے وہ اس کے رخساروں پر بہنے لگے، اس کے وہ رخسار جو گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح تھے بھئی۔ تو وَرْد کسے کہتے ہیں؟ گلاب کو۔ تو وَسَقَتْ وَرْدًا وہ آنسو کس پر بہہ رہے ہیں؟ رخساروں پر، تو گویا وہ آنسو رخساروں کو جو گلاب کی طرح ہیں اس کو سیر اب کر رہے تھے، کیا کر رہے تھے؟ سیر اب۔ یہ معنی ہے وَسَقَتْ وَرْدًا اور وہ گلاب کو سیر اب کرنے لگی۔

وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ، عَضَّ يَعَضُّ کے معنی ہوتے ہیں ضاد کے ساتھ عَضَّ يَعَضُّ اس کے معنی ہوتے ہیں دانتوں سے کاٹنا، دانتوں سے کاٹنا۔ اور عُنَّاب اس کا ذکر ابھی ایک دو سبق قبل بھی ذکر گزرا تھا کہ یہ ایک پھل ہوتا ہے چھوٹا سا بیر یا زیتون کے برابر سرخ رنگ کا، اور عورتوں کے ہاتھوں کے جو انگلیوں کے جو پورے ہیں جن پر مہندی لگی ہوئی ہو اس کو ان انگلیوں کے پوروں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے بھئی، تو اسے کیا کہتے ہیں؟ عُنَّاب بھئی، عُنَّاب۔ وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ اور وہ عناب کو دانتوں سے کاٹنے لگی یعنی اپنی انگلیوں کے پورے جو عناب کی طرح تھے ان کو دانتوں سے کاٹنے لگی۔ بِالْبَرَدِ، بَرَد کہتے ہیں اولے کو، تو اس کے وہ دانت جو اولوں کی طرح سفید اور چمکدار تھے ان کے ساتھ وہ اپنے پوروں کو کاٹنے لگی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو دیکھو اس شعر کے اندر شاعر نے اس کے آنسوؤں کو تشبیہ دی موتیوں کے ساتھ، اس کی آنکھوں کو تشبیہ دی نرگس پھول کے ساتھ، اس کے رخساروں کو تشبیہ دی گلاب کے ساتھ، اس کی انگلیوں کے پوروں کو تشبیہ دی عناب کے ساتھ اور اس کے دانتوں کو تشبیہ دی اولوں کے ساتھ، اولوں کے ساتھ۔ اور صرف مشبہ بہ ذکر ہیں مشبہ ذکر نہیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ استعارہ مصرحہ، استعارہ تصریحیہ جس کے اندر مشبہ بہ ذکر ہوتا ہے اور مشبہ ذکر نہیں ہوتا۔

■ قولہ: «فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ...» کی تشریح

فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ وَرْدًا وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ بِالْبَرَدِ تو وہ برسانے لگی موتیوں کو نرگس سے اور اس نے سیر اب کیا گلاب کو اور وہ کاٹنے لگی عناب کو بِالْبَرَدِ اولوں کے ساتھ۔ فَقَدِ اسْتَعَارَ اللُّؤْلُؤَ وَالنَّرْجِسَ وَالْوَرْدَ وَالْعُنَّابَ وَالْبَرَدَ پس شاعر نے مستعار لیا لُؤْلُؤ کے لفظ کو اور نَرْجِس کے لفظ کو اور وَرْد کو اور عُنَّاب کو اور بَرَد کو، ان لفظوں کو مستعار لیا۔ کس کے لیے؟ لِلدُّمُوعِ وَالْعُيُونِ وَالْخُدُودِ وَالْأَنَامِلِ وَالْأَسْنَانِ آنسوؤں کے لیے اور آنکھوں کے لیے اور رخساروں کے لیے اور پوروں کے لیے وَالْأَسْنَانِ اور کس کے لیے؟ دانتوں کے لیے۔ تو ترتیب سے صاحب کتاب ذکر کر رہے ہیں، مستعار لیا کس کو؟ لُؤْلُؤ کو، اور کس کے لیے لیا؟ وہاں دوسری طرف پہلے نمبر پر کیا ہے؟ دُمُوع یعنی آنسوؤں کے لیے۔ وَالنَّرْجِسَ اور نرگس کو مستعار لیا کس کے لیے؟ عُيُون یعنی آنکھوں کے لیے۔ وَالْوَرْدَ اور گلاب کو مستعار لیا کس کے لیے؟ خُدُود رخساروں کے لیے۔ وَالْعُنَّابَ عناب کو مستعار لیا کس کے لیے؟ أَنَامِل یعنی پوروں کے لیے۔ اور بَرَد کو مستعار لیا کس کے لیے؟ أَسْنَان یعنی دانتوں کے لیے۔ تو اس استعارے میں مشبہ بہ صرف ذکر ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ استعارہ مصرحہ اور استعارہ تصریحیہ بھئی۔

یہ پہلی قسم تھی، دوسری قسم ہے مکنیہ۔ تو استعارہ تقسیم ہوتا ہے مصرحہ کی طرف وَإِلَى مَكْنِيَّةٍ اور کس کی طرف؟ استعارہ مکنیہ کی طرف، اور اس کا دوسرا نام کیا ہے؟ استعارہ بالکنایہ۔ تو یہ کس کو کہتے ہیں؟ وَهِيَ مَا حُذِفَ فِيهَا الْمُشَبَّهُ بِهِ یہ وہ استعارہ ہے جس کے اندر مشبہ بہ کو حذف کر لیا جائے اور کون ذکر ہو؟ مشبہ۔ تو جس میں مشبہ بہ کو حذف کر لیا جائے وَرُمِزَ إِلَيْهِ اور اس مشبہ بہ کی طرف اشارہ کیا جائے، رَمْز کہتے ہیں اشارے کو، وَرُمِزَ إِلَيْهِ اور اس مشبہ بہ کی طرف اشارہ کیا جائے بِشَيْءٍ مِنْ لَوَازِمِهِ اس کے لوازم میں سے کسی چیز کے ذریعے۔ مشبہ بہ کو تو حذف کر لیا گیا لیکن مشبہ بہ کے ساتھ جو چیزیں لازم ہیں ان میں سے کسی ایک کو ذکر کر کے اس مشبہ بہ کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے جو محذوف ہے۔ کس کو ذکر کرتے ہیں؟ بھئی عبارت میں تو مشبہ ذکر ہو گا استعارے کے اندر اور مشبہ بہ محذوف، لیکن مشبہ بہ کے ساتھ جو چیزیں لازم ہیں ان میں سے کسی ایک کو ذکر کر کے کس کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے؟ مشبہ بہ کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔

كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ۔ خَفَضَ يَخْفِضُ کے معنی ہوتے ہیں پست کرنا، جھکا دینا۔ تو والدین کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اے مخاطب وَاخْفِضْ لَهُمَا تو جھکا دے ان دونوں کے لیے جَنَاحَ الذُّلِّ۔ ذُلّ ذال کے ساتھ ذُلٌّ کا معنی ہے نرمی، عاجزی اور انکساری بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ذُلٌّ کا کیا معنی؟ نرمی اور عاجزی بھئی۔ اور جَنَاح کہتے ہیں پر کو، پرندے کا جو پر ہوتا ہے۔ تو والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے

تو اللہ فرماتے ہیں وَاخْفِضْ لَهُمَا کہ آپ کیا کیجیے؟ جھکا دیجیے ان دونوں کے لیے جَنَاحَ الذُّلِّ عاجزی کے پر کو، عاجزی کے بازو کو ان کے لیے کیا کیجیے؟ جھکا دیجیے مِنَ الرَّحْمَةِ، یہ مِنْ بمعنی لام کے ہے أَيْ لِلرَّحْمَةِ رحمت کی وجہ سے یعنی بطور شفقت کے۔ بطور شفقت کے اور مہربانی کے والدین کے لیے اپنے عاجزی کے بازو جھکا دیجیے، عاجزی کے بازو جھکا دیجیے، عاجزی کے پر جھکا دیجیے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ اور تم جھکا دو والدین کے لیے، هُمَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ والدین، اور تم جھکا دو اپنے والدین کے لیے جَنَاحَ الذُّلِّ عاجزی کے بازو کو مِنَ الرَّحْمَةِ کس کے ساتھ، کس وجہ سے؟ رحمت کی وجہ سے، بطور شفقت کے۔

تو اب دیکھیے بھئی یہاں استعارہ بالکنایہ کس طرح ہے؟ بھئی ذُلّ کا معنی ہے عاجزی، عاجزی، اور اس ذُلّ کو تشبیہ دی گئی پرندے کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ پرندے کے ساتھ۔ تو ذُلّ ہوا مشبہ اور پرندہ کیا ہوا؟ مشبہ بہ بھئی، مشبہ بہ۔ پھر اس پرندے کا جو لفظ تھا طَائِر، توجہ سے سننا مشکل بات ہے، بھئی نرمی کے لیے تو کیا لفظ استعمال ہوتا ہے؟ ذُلّ، اور پرندے کے لیے کیا لفظ استعمال ہوتا ہے؟ طَائِر، تو اس طَائِر کے لفظ کو مستعار لے لیا گیا ذُلّ کے لیے یعنی عاجزی کے لیے۔ اس طَائِر کے لفظ کو مستعار لے لیا گیا کس معنی کے لیے؟ عاجزی کے لیے، عاجزی کے لیے۔ تو استعارہ آ گیا۔ استعارہ بھی کس کو کہتے تھے؟ کہ لفظ کو اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا، تو طَائِر کا لفظ لے لیا اور کیا معنی مراد لیا اس سے؟ ذُلّ یعنی عاجزی مراد لی، کیا معنی مراد لیا؟ عاجزی مراد لی، تو استعارہ آ گیا۔ پھر یہ لفظ جس کو مستعار لیا گیا تھا یعنی طَائِر کا لفظ اس کو حذف کر دیا گیا، دیکھو یہاں پر ذکر نہیں ہے، ذکر نہیں ہے۔ اور اس کا ایک لازم جو تھا اس کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ مشبہ بہ کا لازم اور وہ ہے جَنَاح پر، پر۔ پر پرندے کے ساتھ لازم ہے، ہر پرندے کے کیا ہوتے ہیں؟ پر ہوتے ہیں تو پر پرندے کے ساتھ لازم ہیں۔ تو مشبہ بہ کے لازم کو ذکر کر کے مشبہ بہ کی طرف اشارہ کر دیا گیا جو کہ محذوف ہے۔ مشبہ بہ ذکر ہے یہاں پر؟ نہیں، یعنی طَائِر تو یہاں ذکر نہیں ہے اور اس کی طرف کس کے ذریعے اشارہ کر دیا گیا؟ جَنَاح، کیونکہ عاجزی کے پر نہیں ہوتے، پر کس کے ہوتے ہیں؟ پرندے کے ہوتے ہیں، تو یہ پر کا لفظ بتلا رہا ہے جَنَاح کا لفظ بتلا رہا ہے کہ یہاں پر استعارہ بالکنایہ ہے بھئی۔ کیا ہے؟ استعارہ بالکنایہ۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ کیا کیا گیا یہاں پر؟ عاجزی کو اور نرمی کو تشبیہ دی گئی کس کے ساتھ؟ پرندے کے ساتھ۔ تو عاجزی ہوئی مشبہ اور پرندہ ہوا مشبہ بہ۔ اور مشبہ بہ کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے طَائِر اس کو مستعار لے لیا گیا کس کے لیے؟ عاجزی کے لیے۔ تو طَائِر کا لفظ لے لیا اور کس کے لیے استعمال کر لیا؟ عاجزی کے لیے، تو لفظ معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا تو یہ ہو گیا استعارہ، استعارہ۔ اور پھر اس لفظ کو حذف کر دیا گیا، کیا کر دیا گیا؟ حذف کر، جس کو ہم نے مستعار لیا تھا اسی کو کیا کر دیا گیا؟ حذف کر دیا گیا۔ اور اس کی طرف اشارہ کس کے ذریعے کر دیا گیا؟ اس کے ایک لازم کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ یہ لفظ مستعار لیا گیا تھا اس معنی کے لیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کس کے ذریعے اشارہ کیا گیا؟ جَنَاح کے لفظ کے ذریعے، کیونکہ آیت میں کیا آیا؟ کہ والدین کے لیے عاجزی کے پر جھکا دو، بھئی عاجزی کے تو پر نہیں ہوتے پر تو کس کے ہوتے ہیں؟ پرندے کے، تو یہ قرینہ ہے، یہ کیا ہے؟ یہ پر کا لفظ جو ذکر کیا گیا یہ قرینہ ہوتا ہے استعارہ بالکنایہ کے لیے۔ اور یاد رکھیے یہ جو پر کو ذکر کیا گیا اس کو کہتے ہیں استعارہ تَخْيِيلِيَّة، استعارہ تَخْيِيلِيَّة، اس کا بھی یہ آگے ذکر کریں گے بھئی کہ اس کو استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔ اور یاد رکھو استعارہ بالکنایہ کے لیے استعارہ تخییلیہ ہمیشہ اس کے لیے قرینہ ہو گا، کیا ہو گا؟ قرینہ ہو گا بھئی۔ استعارہ بالکنایہ کے ساتھ قرینہ کیا ہو گا؟ استعارہ تخییلیہ بھئی۔ یہ جو مشبہ بہ کا لازم جو ذکر کیا جاتا ہے نا اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں بھئی۔ تو یہ پر کا ذکر یہاں بتلا رہا ہے کہ عاجزی کے پر، نرمی کے پر، نرمی کے تو پر نہیں ہوتے معلوم ہوا نرمی کو کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟ پرندے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ قرینہ ہے اس پر اور اس کو استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔ تو ذُلّ کے اندر ہوا استعارہ بالکنایہ، الذُّلّ اس کے اندر کیا ہوا؟ استعارہ بالکنایہ، اور جَنَاح یہ کیا ہے؟ استعارہ تخییلیہ ہے بھئی، استعارہ تخییلیہ۔

تو عبارت میں مشبہ بہ کو حذف کرنا اور مشبہ کو ذکر کر دینا اور پھر مشبہ بہ کے کسی لازم کو اس کے ساتھ ذکر کرنا بطور قرینے کے، تو یہ جو مشبہ بہ کو حذف کیا گیا اور مشبہ کو ذکر کیا گیا اس کو کہتے ہیں استعارہ بالکنایہ اور اس کے لیے قرینہ کیا ہوتا ہے؟ وہ جو مشبہ بہ کے لازم کو ذکر کیا گیا بھئی، وہ تو مشبہ بہ کا لازم ہے اس مشبہ یعنی ذُلّ کا لازم تو نہیں۔ تو مشبہ بہ کا جو لازم ذکر کیا جاتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «وَإِلَى مَكْنِيَّةٍ» کی تشریح

تو دوبارہ اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں وَإِلَى مَكْنِيَّةٍ اور استعارہ تقسیم ہوتا ہے مکنیہ کی طرف وَهِيَ مَا حُذِفَ فِيهَا الْمُشَبَّهُ بِهِ یہ وہ استعارہ ہے جس کے اندر مشبہ بہ کو حذف کر لیا گیا ہو وَرُمِزَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنْ لَوَازِمِهِ اور اشارہ کیا جائے اس مشبہ بہ کی طرف اس کے لوازم میں سے کسی چیز کے ذریعے۔ كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ اور تو اپنے والدین کے لیے جھکا دے عاجزی کے پر مِنَ الرَّحْمَةِ شفقت کی وجہ سے، ان کے لیے عاجزی کے پر جھکا دے شفقت کی وجہ سے یعنی بطور شفقت کے۔ فَقَدِ اسْتَعَارَ الطَّائِرَ لِلذُّلِّ پس تحقیق مستعار لیا طَائِر کے لفظ کو لِلذُّلِّ کس کے لیے؟ ذل کے لیے، عاجزی کے لیے۔ ثُمَّ حَذَفَهُ پھر اس کو کیا کر دیا؟ اس مستعار کو حذف کر دیا وَدَلَّ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنْ لَوَازِمِهِ اور دلالت کی اس محذوف مستعار پر بِشَيْءٍ مِنْ لَوَازِمِهِ اس کے لوازم میں سے ایک چیز کے ذریعے وَهُوَ الْجَنَاحُ اور وہ کیا ہے؟ جَنَاح یعنی پر ہیں۔ وَإِثْبَاتُ الْجَنَاحِ لِلذُّلِّ اور یہ جو پروں کو ثابت کرنا ہے لِلذُّلِّ کس کے لیے؟ ذل کے لیے يُسَمُّونَهُ اسْتِعَارَةً تَخْيِيلِيَّةً اس کو جو ہے علمائے بلاغت استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ استعارہ دو قسم پر ہے ایک استعارہ مصرحہ اور ایک استعارہ بالکنایہ۔ استعارہ مصرحہ جس کے اندر کس کو ذکر کیا جائے؟ مشبہ بہ کو ذکر کیا جائے، اور استعارہ بالکنایہ اس کے اندر مشبہ کو ذکر کیا جائے گا اور مشبہ بہ کو حذف کیا جائے گا اور مشبہ کے لیے مشبہ بہ کے لازم کو ثابت کر دیا جائے گا، اور یہ جو مشبہ کے لیے مشبہ بہ کا لازم ثابت

کیا جائے اس کو کہتے ہیں استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یہ تھا جمہور کا مذہب، جمہور استعارہ بالکنایہ کی یہ تعریف کرتے ہیں۔ توجہ ہے سبق کی طرف بھئی؟ جمہور یہ تعریف کرتے ہیں، جمہور یہ کہتے ہیں کہ استعارہ بالکنایہ میں کیا ہوتا ہے؟ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور عبارت میں کلام میں مشبہ ذکر کرتے ہیں، کس کو؟ مشبہ، یعنی جس کو تشبیہ دی جارہی ہے۔ تو اس چیز کو تشبیہ دی گئی ہے دوسری چیز کے ساتھ اور اس مشبہ بہ کے لفظ کو پھر مستعار لے لیا گیا کس کے لیے؟ مشبہ کے لیے، اور پھر اس مستعار کو حذف کر لیا گیا ذکر نہیں کیا گیا، ذکر نہیں کیا گیا۔ ہاں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا کس کے ذریعے؟ اسی کے ایک لازم کو کس کے لیے ثابت کر دیا؟ مشبہ کے لیے۔ جیسے یہاں پر عاجزی کے لیے پر ثابت کر دیے گئے حالانکہ یہ ظاہر سی بات ہے کہ پر عاجزی کے نہیں ہوا کرتے پر تو کس کے ہوتے ہیں؟ پرندے کے ہوتے ہیں۔ تو یہ قرینہ ہوتا ہے یہ ہمیں بتلاتا ہے کہ یہاں استعارہ بالکنایہ ہے، استعارہ بالکنایہ ہے۔ تو اس کو استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔

جبکہ بعض علماء کا بھئی، بلاغت کے بڑے علماء میں سے بعض علماء کا مذہب وہ بڑا آسان ہے استعارہ بالکنایہ میں اور اس سے بات انسان کو جلدی سمجھ بھی آجاتی ہے بھئی۔ وہ کہتے ہیں استعارہ بالکنایہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ دل میں تشبیہ دی جائے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ دل میں تشبیہ دی جائے اور مشبہ مثلاً عبارت میں ذکر ہے لیکن دل میں اس کی تشبیہ کس کے ساتھ دے دی ہے؟ مشبہ بہ کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ مشبہ بہ کے ساتھ دل میں ہی تشبیہ دی ہے اور پھر اس پر قرینہ کیا قائم کر دیا جاتا ہے؟ کہ مشبہ بہ کے لازم کو مشبہ کے لیے ثابت کر دیا جاتا ہے۔ دیکھو آسان بات ہو گئی۔ تشبیہ کس میں ہے؟ دل میں۔

یہاں پر دیکھو مثلاً میں کلام کرتا ہوں اور مثال سے وضاحت ہو گی، میں کہتا ہوں أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا۔ أَنْشَبَ کے معنی گاڑ دینا، الْمَنِيَّةُ یہ موت کو کہتے ہیں، موت نے گاڑ دیے، أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ موت نے گاڑ دیے أَظْفَارَهَا۔ أَظْفَار ظُفْر کی جمع ہے ناخن کو کہتے ہیں مراد پنجہ ہے، أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا موت نے اپنے ناخن گاڑ دیے، اردو میں بامحاورہ یوں کہیں موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے، موت نے اپنے پنجے۔ تو أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے۔ اب دیکھیے بھئی یہاں پر موت کو تشبیہ دی گئی ہے درندے کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ درندے کے ساتھ۔ تو کس کو تشبیہ دی گئی؟ موت کو، اور کس سے تشبیہ دی گئی؟ درندے سے۔ اور عبارت میں کون ذکر ہے؟ موت کا ذکر ہے یعنی مشبہ کا ذکر ہے مشبہ بہ کا ذکر نہیں ہے، مشبہ بہ کا ذکر نہیں۔ اور ہمیں کیسے پتہ چلا کہ یہاں موت کو درندے سے تشبیہ دی گئی ہے؟ ہم کوئی عالم الغیب تو نہیں کیونکہ تشبیہ تو کس میں دی گئی ہے؟ دل میں دی گئی ہے، کس میں؟ دل میں تشبیہ دی گئی ہے یہاں تو کوئی اور چیز ذکر نہیں۔ تو پھر اس پر قرینہ جو ہے کہ وہ جو مشبہ بہ ہوتا ہے اس کے لازم کو کس کے لیے ثابت کر دیا جاتا ہے؟ مشبہ کے لیے ثابت کر دیا جاتا ہے۔ جیسے موت نے پنجے گاڑ دیے، بھئی پنجے تو موت کے نہیں ہوتے پنجے تو کس کے ہوتے ہیں؟ درندے کے ہوتے ہیں۔ تو یہ پنجوں کا لفظ بتلا رہا ہے کہ معلوم ہوا یہاں پر کہنے والے نے موت کو کس سے تشبیہ دی ہے؟ درندے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ تو موت کے اندر ہوا استعارہ بالکنایہ، موت کے اندر کیا ہوا؟ استعارہ بالکنایہ، اور جو پنجے اس کے لیے موت کے لیے ثابت کیے گئے وہ پنجے جو درندے کے ساتھ لازم ہیں، مشبہ بہ کے لازم کو ذکر کیا جاتا ہے ثابت کیا جاتا ہے، تو جو مشبہ بہ کے لازم کو کس کے لیے ثابت کیا گیا؟ مشبہ کے لیے، اس کو استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تخییلیہ۔

فرق سمجھ میں آیا دونوں تعریفوں میں کہ نہیں؟ بعض علماء کیا فرماتے ہیں یہ ان کی تعریف بڑی آسان ہے کہ استعارہ بالکنایہ اس کو کہتے ہیں کہ دل میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور اس پر قرینہ کیا ہو؟ مشبہ بہ کے لازم کو کس کے لیے ثابت کر دیا جائے؟ مشبہ کے لیے، جیسے یہاں پر موت کے لیے پنجے ثابت کر دیے گئے۔ یہ پنجے بتلا رہے ہیں کہ موت کو درندے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ پنجے درندے کے ہوتے ہیں موت کے نہیں۔ دیکھو آسان سی تعریف سمجھ میں آگئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ استعارہ بالکنایہ، اور یہ پنجے جو ثابت کیے موت کے لیے حالانکہ یہ تو ہوتے درندے کے ہیں، تو درندے کے ساتھ جو ایک چیز لازم تھی اس کو مشبہ کے لیے یعنی موت کے لیے ثابت کر دیا گیا اس کو کہتے ہیں استعارہ تخییلیہ۔ جبکہ جمہور کا مذہب کیا تھا؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی پھر مشبہ بہ کے لفظ کو مستعار لیا گیا اور کس کے لیے استعمال کیا گیا؟ مشبہ کے لیے استعمال کیا گیا، اور پھر اس مستعار کو حذف کر دیا گیا، ذکر ہے کہیں پر بھئی یہاں؟ جی پھر اس کو حذف کر دیا گیا اور پھر اس کی طرف اشارہ کس کے ذریعے کیا گیا؟ مشبہ بہ کے لازم کو مشبہ کے لیے ذکر کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا بھئی۔ تو بہر حال دونوں تعریفیں ہیں جو آپ کو پسند آئے بھئی۔

یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو بس استعارہ کی یہ دو قسمیں ہیں، استعارہ میں ذکر تو ایک ہی چیز ہونی ہے یا مشبہ ذکر ہونا ہے یا مشبہ بہ۔ تو اگر مشبہ ذکر ہو تو یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور اگر مشبہ بہ ذکر ہے تو یہ استعارہ مصرحہ ہے یا تصریحیہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى أَصْلِيَّةٍ» کی تشریح

آگے اب الگ تقسیم کرنے لگے ہیں وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى أَصْلِيَّةٍ، ایک سطر بعد ہے وَإِلَى تَبَعِيَّةٍ، اور تقسیم ہوتا ہے استعارہ اصلیہ کی طرف اور تبعیہ کی طرف۔ یہ الگ تقسیم ہے، استعارہ کی ایک الگ تقسیم کر رہے ہیں کہ استعارہ یا اصلیہ ہو گا یا تبعیہ ہو گا۔ وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى أَصْلِيَّةٍ وَإِلَى تَبَعِيَّةٍ تو استعارہ کی الگ تقسیم کر رہے ہیں کہ استعارہ تقسیم ہوتا ہے اصلیہ کی طرف اور تبعیہ کی طرف۔ استعارہ اصلیہ کسے کہیں گے استعارہ تبعیہ کسے کہیں گے؟ آسان ہے یہ آپ کو بتائیں گے

کہ اگر استعارہ فعل کے اندر ہو یا مشتق کے اندر ہو یا حرف کے اندر ہو تو اس کو استعارہ تبعیہ کہیں گے، کیا کہیں گے؟ استعارہ تبعیہ کہیں گے، اور اگر استعارہ وہ ان کے علاوہ میں ہو تو اس کو استعارہ اصلیہ کہیں گے، کیا کہیں گے؟ استعارہ اصلیہ کہیں گے۔

تو استعارہ اصلیہ وہ ہے جہاں پر وہ لفظ جس کو آپ نے مستعار لیا، وہ لفظ جس کو مستعار، بھئی استعارے میں لفظ مستعار لیا جائے گا یا نہیں؟ مستعار۔ تو وہ لفظ جو مستعار لیا ہے اگر وہ فعل کا صیغہ ہے فعل ماضی ہے یا مضارع ہے یا امر ہے یا نہی ہے جو بھی ہے، فعل ہے یا مشتق ہے، کیا ہے؟ مشتق۔ آپ جانتے ہیں مصدر سے بارہ چیزوں کا اشتقاق ہوتا ہے فعل ماضی کا بھی، فعل مضارع کا بھی، امر بھی، نہی بھی، ظرف زمان بھی، ظرف مکان بھی، اسم آلہ وغیرہ، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ ان سب کا اشتقاق کس سے ہوتا ہے؟ مصدر سے، مصدر سے، تو یہ مشتقات ہیں۔ تو اگر مستعار وہ کوئی مشتق ہو یعنی فعل ہو کیونکہ فعل کا بھی کیا ہوتا ہے مصدر سے اشتقاق، یا اسم فاعل، اسم مفعول یا اسم ظرف وغیرہ میں سے کوئی صیغہ ہو یعنی مشتق صیغہ ہو، یا مستعار حرف ہو تو اس کو کہیں گے استعارہ تبعیہ، کیا کہیں گے؟ استعارہ تبعیہ۔ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی مشتق یا حرف نہ ہو مستعار تو پھر اس کو کیا کہیں گے؟ استعارہ اصلیہ کہیں گے۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ استعارہ اصلیہ کس کو کہتے ہیں جس میں مستعار مشتق بھی نہ ہو اور حرف بھی نہ ہو، اور استعارہ تبعیہ اس کو کہتے ہیں جس میں مستعار مشتق ہو یا حرف ہو۔ مشتق میں دونوں آ گئے فعل بھی آ گیا اور اسم بھی آ گئے، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ جتنے مشتقات ہیں وہ بھی آ گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دوبارہ دہرائیں استعارہ اصلیہ کسے کہتے ہیں؟ جس میں مستعار مشتق بھی نہ ہو اور حرف بھی نہ ہو، وہ لفظ جس میں استعارہ ہے وہ فعل بھی نہ ہو، مشتق بھی نہ ہو کوئی اسم مشتق بھی نہ ہو اور حرف بھی نہ ہو۔ اور استعارہ تبعیہ کس کو کہتے ہیں؟ جس میں مستعار مشتق ہو چاہے فعل ہو چاہے کوئی اسم ہو اور یا حرف ہو بھئی۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى أَصْلِيَّةٍ اور استعارہ تقسیم ہوتا ہے اصلیہ کی طرف وَهِيَ مَا كَانَ فِيهَا الْمُسْتَعَارُ اسْمًا غَيْرَ مُشْتَقٍّ اور یہ وہ استعارہ ہے جس کے اندر مستعار جو ہو وہ ایسا اسم ہو غَيْرَ مُشْتَقٍّ جو مشتق نہ ہو بھئی۔ كَاسْتِعَارَةِ الظَّلَامِ لِلضَّلَالِ وَالنُّورِ لِلْهُدَى جیسے کہ ظلام کا استعارہ ہے ضلال گمراہی کے لیے۔ وہ آیت میں کیا آیا تھا؟ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تاریکیوں سے روشنی کی طرف، اور مراد کیا تھا؟ گمراہیوں سے ہدایت کی طرف۔ تو وہاں ظلام بول کر کیا مراد تھا؟ ضلال گمراہی مراد تھی۔ تو یہ جو ظلام کا استعارہ ہو اضلال کے لیے، اسی طرح وَالنُّورِ لِلْهُدَى اور نور کا جو استعارہ ہے کس کے لیے؟ ہدایت کے لیے، یہ استعارہ اصلیہ ہے۔ کیونکہ ظَلَام، ظَلَام تاریکی کو کہتے ہیں اور ظَلَام یہ مشتق نہیں ہے، حرف بھی نہیں ہے اور مشتق بھی نہیں۔ اسی طرح نُور، نُور کا لفظ آیا اور نُور کا لفظ یہ مشتق بھی نہیں ہے اور حرف بھی نہیں، تو یہ استعارہ اصلیہ ہوا۔

وَإِلَى تَبَعِيَّةٍ اور استعارہ تقسیم ہوتا ہے تبعیہ کی طرف جو تابع ہوتا ہے، تابع، اس کو تبعیہ کہتے ہیں۔ وَهِيَ اور یہ وہ استعارہ ہے مَا كَانَ فِيهَا الْمُسْتَعَارُ فِعْلًا جس کے اندر مستعار فعل ہو أَوْ حَرْفًا یا حرف ہو أَوِ اسْمًا مُشْتَقًّا یا اسم مشتق ہو۔ نَحْوُ مثال کے طور پر فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ۔ فُلَانٌ فلاں جو ہے رَكِبَ وہ سوار ہوا كَتِفَيْ غَرِيمِهِ، اصل میں تھا كَتِفَيْنِ، كَتِف کندھے کو کہتے ہیں كَتِفَيْنِ دو کندھے۔ غَرِيم، یاد رکھیے غَرِيم کا معنی قرض خواہ کے بھی آتے ہیں اور مقروض کے بھی آتے ہیں۔ مثلاً بھئی آپ نے زید کے دس روپے دینے ہیں تو زید ہوا قرض خواہ اور آپ ہوئے مقروض، لیکن دونوں کے لیے عربی میں غَرِيم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مقروض کو بھی کیا کہتے ہیں؟ غَرِيم، اور قرض خواہ کو بھی کیا کہتے ہیں؟ غَرِيم کہتے ہیں۔ تو ایسا لفظ، ایسا لفظ جس کے دو متضاد معانی آتے ہوں اس کو کہتے ہیں یہ اضداد میں سے ہے، یہ لفظ کس میں سے ہے؟ الفاظ اضداد میں سے ہے، اضداد ضد۔ تو اس کے دونوں معنی ایک دوسرے کی ضد ہیں، قرض خواہ اور مقروض دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مقروض وہ ہے جس پر قرض ہے اور قرض خواہ وہ ہے جس نے قرض لینا ہے وصول کرنا ہے، تو دیکھو ایک ہی لفظ کے دو متضاد معانی ہیں، اس قسم کے لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ کہ یہ کس میں سے ہے؟ یہ اضداد میں سے ہے یعنی وہ لفظ ہے جس کے معانی متضاد آتے ہیں۔

تو عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے ہیں جس کے دونوں قسم کے معنی آتے ہیں، ایک معنی آتا ہے تو اس کی ضد جو ہوتی ہے اس معنی کی وہ بھی اسی لفظ کا معنی ہوتا ہے۔ جیسے بھئی اصول الشاشی میں بھی آپ پڑھ چکے وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ اور مطلقہ عورتیں کیا کریں؟ اپنے آپ کو کتنا عرصہ روکیں؟ تین قروء تک روکیں۔ تو یہ قُرُوء کا لفظ یہ اضداد میں سے ہے، یہ طہر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور حیض کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور طہر اور حیض ایک دوسرے کی ضد ہیں، جب طہر ہوتا ہے تو حیض نہیں اور جب حیض ہے تو طہر نہیں۔ تو دیکھو ایک ہی لفظ کے دو متضاد معانی ہیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ یہ اضداد میں سے ہے۔ تو یہاں بھی یہ جو غَرِيم کا لفظ آیا یہ اضداد میں سے ہے یعنی اس کے دو معانی آتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

■ قولہ: «فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ» کی تشریح

تو آپ کہتے ہیں فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ فلاں اپنے مقروض کے کندھوں پر سوار ہو گیا، فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ فلاں اپنے مقروض کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ اب آپ مجھے بتائیے یہ آپ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں کہ تم تو میرے سر پر ہی سوار ہو گئے ہو، استعمال کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ اور وہ کیا حقیقت میں آپ کے سر پہ چڑھ کے بیٹھا ہوتا ہے؟ نہیں حقیقت میں تو نہیں۔ ہاں مراد کیا ہے؟ کہ تم تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہو، کیا مراد ہوتا ہے؟ میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔ تو یہ پیچھے پڑنا یعنی ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ لازم ہو جانا اس کے لیے سوار ہونے کے لفظ کو استعمال کر لیا گیا، کون سا لفظ؟ سوار ہونے کے لفظ کو استعمال کر لیا گیا۔ تو اس کے

اندر اور رَكِبَ کے اندر ہے، رَكِبَ سوار ہونا بول کر، رَكِبَ بول کر کیا مراد ہے؟ پیچھے پڑنا، لازم ہونا، تو یہ اس میں استعارہ آیا۔ اور رَكِبَ کون سا صیغہ ہے؟ فعل ہے، فعل ماضی ہے، اور فعل کے اندر جو استعارہ ہوا سے کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تبعیہ کہتے ہیں، تو اس میں استعارہ تبعیہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، باقی ان شاء اللہ کل کریں گے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۷: استعارہ اصلیہ اور استعارہ تبعیہ (فعل، مشتق اور حرف میں استعارہ) اور قرینۂ استعارہ کا بیان

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۰۹ــــ بتاریخ: ۲۴ جنوری ۲۰۱۳ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى أَصْلِيَّةٍ وَهِيَ مَا كَانَ فِيهَا الْمُسْتَعَارُ اسْمًا غَيْرَ مُشْتَقٍّ كَاسْتِعَارَةِ الظَّلَامِ لِلضَّلَالِ وَالنُّورِ لِلْهُدَى، وَإِلَى تَبَعِيَّةٍ وَهِيَ مَا كَانَ فِيهَا الْمُسْتَعَارُ فِعْلًا أَوْ حَرْفًا أَوِ اسْمًا مُشْتَقًّا، نَحْوُ: فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ أَيْ لَازَمَهُ مُلَازَمَةً شَدِيدَةً، وَقَوْلِهِ تَعَالَى: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ.

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

بھئی گزشتہ سبق میں آپ نے استعارہ مصرحہ اور استعارہ مکنیہ کے بارے میں پڑھا تھا۔ آپ نے پڑھا تھا کہ استعارہ دو قسم پر ہے، اور اس استعارہ کے اندر اگر مشبہ بہ ذکر ہو تو اس کو استعارہ مصرحہ اور استعارہ تصریحیہ کہتے ہیں۔ اور اگر استعارے کے اندر مشبہ کا لفظ ذکر ہو تو اس کو استعارہ مکنیہ اور استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ اور استعارہ بالکنایہ کے لیے استعارہ تخییلیہ جو ہے وہ قرینہ ہوتا ہے، اس کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ یہاں پر یہ جو مشبہ مذکور ہے اس کو کس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے؟ مشبہ بہ کے ساتھ بھئی۔

اور استعارہ بالکنایہ میں نے بتلایا تھا کہ کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے، اور پھر اس مشبہ بہ کے لفظ کو مستعار لے لیا جائے کس کے لیے؟ مشبہ کے لیے، اور پھر اس کو حذف کر دیا جائے اور عبارت میں صرف مشبہ ذکر ہو۔ اور پھر وہ جو حذف کر دیا مشبہ بہ کا لفظ، اس کی طرف اشارہ کیا جائے مشبہ بہ کے کسی لازم کے ذریعے، اور اس لازم کو ثابت کیا جاتا ہے مشبہ کے لیے۔ تو یہ مشبہ بہ کا لازم جس کو مشبہ کے لیے ثابت کیا گیا اس کو استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تخییلیہ۔

پھر اس کے بعد ایک اور تقسیم پڑھی تھی آپ نے استعارہ کی کہ ایک استعارہ اصلیہ ہے اور ایک استعارہ تبعیہ ہے۔ استعارہ اصلیہ وہ ہے جس میں مستعار وہ ایسا اسم ہو جو مشتق نہ ہو۔ جبکہ استعارہ تبعیہ وہ ہے جس میں مستعار یعنی وہ لفظ جس کو عاریتاً لیا گیا ہے، وہ مستعار یا فعل ہو، یا حرف ہو، یا ایسا اسم ہو جو مشتق ہو بھئی، جیسے اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، ظرف ہے وغیرہ بھئی کہ یہ سارے کیا ہیں؟ مشتقات ہیں۔

اور اس کی مثال آپ نے پڑھی تھی: فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ، فلاں سوار ہو گیا اپنے مقروض کے کندھوں پر۔ تو یہاں سوار ہونے کو یعنی رَكِبَ فعل کو ذکر کیا گیا اور مراد ہے ساتھ لازم ہونا۔ سوار ہونے سے کیا مراد ہے؟ لازم ہونا، شدید طور پر کسی کے لازم ہو جانا یعنی اس کے پیچھے ہی بالکل پڑ جانا بھئی۔ تو اس کے لیے رَكِبَ کا فعل استعمال کیا گیا۔ اب رَكِبَ کا معنی تو ساتھ لازم ہونے کے نہیں ہے بلکہ رَكِبَ کا معنی کیا ہے؟ سوار ہونا، لیکن یہاں اس کو کس معنی میں استعمال کیا گیا؟ یوں کہیں پیچھے پڑنے کے معنی میں، ملازمتِ شدیدہ یعنی پیچھے پڑنا شدید طور پر۔ تو پیچھے پڑنے کے معنی میں استعمال کیا گیا تو یہ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوا، تو اس کو کیا کہیں گے؟ استعارہ تبعیہ ہے کیونکہ فعل کے اندر استعارہ ہے، مستعار کیا ہے؟ فعل ہے رَكِبَ بھئی۔

اور یہ یاد رکھیے بھئی کہ استعارہ یہ دو قسم کا ہی ہو گا جہاں کہیں بھی آ جائے، یا وہ مصرحہ ہو گا یا مکنیہ ہو گا۔ پھر یہ جو اصلیہ اور تبعیہ ہے یہ انہی کے اندر تقسیم جاری ہو گی۔ معلوم ہوا استعارہ اصلیہ وہ تصریحیہ بھی ہو سکتا ہے اور مکنیہ بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ استعارے میں مشبہ یا مشبہ بہ میں سے ایک کو تو ضرور ذکر کرنا ہے، جب ایک کو ذکر کریں

گے تو وہ مشبہ ہو گا یا مشبہ بہ۔ مشبہ بہ ہوا تو مصرحہ ہے، مشبہ ذکر ہوا تو مکنیہ ہے۔ اور پھر دیکھ لو کہ جس لفظ کو مستعار لیا گیا ہے وہ اسم غیر مشتق ہے تو وہ استعارہ اصلیہ ہو گا، اور اگر وہ فعل ہے یا حرف ہے یا اسم مشتق ہے تو پھر وہ استعارہ تبعیہ ہے بھئی۔

اور دیکھیے انہوں نے تعریف کی بھئی، اصلیہ کی کیا تعریف کی؟ وَهِيَ مَا كَانَ فِيهَا الْمُسْتَعَارُ اسْمًا غَيْرَ مُشْتَقٍّ کہ وہ استعارہ ہے جس کے اندر مستعار ایسا اسم ہو جو غیر مشتق ہو۔ تو دیکھو جب اسْمًا کہا تو فعل بھی نکل گیا اور حرف بھی نکل گیا۔ ہاں باقی کچھ مشتقات اسماء رہ گئے تھے، اسم فاعل، اسم مفعول، ظرف وغیرہ، تو وہ آگے غَيْرَ مُشْتَقٍّ کی قید کے ذریعے ان کو بھی نکال دیا۔ استعارہ اصلیہ میں مستعار ہمیشہ ایسا اسم ہو گا یعنی فعل اور حرف نہیں، اور وہ اسم بھی ہو گا غیر مشتق تو معلوم ہوا مشتقات بھی نکل گئے بھئی۔

اچھا بھئی اس کو استعارہ اصلیہ اور تبعیہ، ان کو یہ نام کیوں رکھا گیا؟ تو اگرچہ یہ بات ضروری تو نہیں آپ کے لیے لیکن بہر حال سمجھ لیں تو اچھی بات ہے آپ کے آگے بھی کام آجائے گی۔ استعارہ تبعیہ کو تبعیہ کیوں کہتے ہیں، اصلیہ کو اصلیہ کیوں کہتے ہیں بھئی؟ استعارہ تبعیہ تابع سے ہے، وہاں پر جو استعارہ آتا ہے کس میں آئے گا استعارہ؟ فعل میں، یا حرف میں، یا مشتق میں۔ یہ استعارہ دراصل ایک اور استعارے کے تابع ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ تابع ہوتا ہے، یعنی اس کی بنیاد ایک اور استعارے پر ہوتی ہے، وہ اصل ہوتا ہے اور یہ اس کے تابع ہوتا ہے، اس لیے اس کو استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔

اور جبکہ استعارہ اصلیہ اس میں وہاں پر جو عبارت میں موجود ہوتا ہے استعارہ اس کی بنیاد کسی دوسرے استعارے پر چونکہ نہیں ہوتی اس لیے اس کو استعارہ اصلیہ کہتے ہیں۔ جبکہ یہ فعل کے اندر، حرف کے اندر اور مشتق کے اندر جو استعارہ ہوتا ہے اس کی بنیاد ایک اور استعارے پر ہوتی ہے، وہ ہوتا ہے اصل اور یہ ہوتا ہے اس کے تابع بھئی۔

کس طرح؟ بھئی دیکھیے، یہ جو فعل ہے اور مشتق ہے، ان کا اشتقاق ہوتا ہے مصدر سے۔ کس سے؟ مصدر سے۔ تو جب ان میں استعارہ ہے تو معلوم ہوا پہلے ان کے مصادر میں استعارہ کیا گیا۔ جیسے یہاں پر دیکھو، یہاں فُلَانٌ رَكِبَ فلاں سوار ہوا، اور سوار ہونے سے کیا مراد ہے؟ ملازمتِ شدیدہ، کسی کے ساتھ لازم ہو جانا شدید طور پر، کسی کے ساتھ بہت زیادہ لازم ہو جانا یعنی اس کے پیچھے پڑ جانا۔ اب سب سے پہلے یہاں اسی فعل کے اندر استعارہ نہیں بلکہ ان کے مصدروں کے اندر استعارہ کیا گیا، مصدر میں استعارہ کیا گیا۔ کہ اس کا مصدر کیا ہے، رَكِبَ کا مصدر؟ رُكُوب۔ معلوم ہوا یہاں فعل میں استعارہ ہے، معلوم ہوا پہلے مصدر میں استعارہ کیا گیا کہ وہ جو رُكُوب مصدر تھا اس کو کس معنی میں کر لیا گیا؟ ملازمتِ شدیدہ کے معنی میں۔ مصدر کو کس معنی میں لے لیا؟ ملازمتِ شدیدہ۔ تو یہ اس کا حقیقی معنی ہوا یا مجازی معنی؟ مجازی معنی ہوا۔ تو رُكُوب بول کر ملازمتِ شدیدہ مراد لی گئی، مصدر میں استعارہ کیا گیا تو مصدر میں استعارہ ہوا، تو رُكُوب بمعنی ہوا ملازمتِ شدیدہ کے، اور یہ کس معنی میں استعمال ہو رہا ہے؟ معنی مجازی۔ تو یہ جو مصدر جو معنی مجازی میں استعمال ہو رہا تھا اس کے اندر استعارہ ہوا اصلاً۔ پھر یہ جو رُكُوب جو ملازمتِ شدیدہ کے معنی میں تھا اس رُكُوب مصدر سے رَكِبَ فعل کا اشتقاق کیا گیا۔ کس کا اشتقاق کیا گیا؟ رَكِبَ فعل کا۔ اور یہ مصدر ملازمتِ شدیدہ کے معنی میں تھا تو رَكِبَ بھی اسی معنی میں ہوا یعنی لَازَمَ مُلَازَمَةً شَدِيدَةً بھئی۔

بھئی مصدر معنی حقیقی میں استعمال ہو رہا تھا یا معنی مجازی میں؟ معنی مجازی میں، تو اس سے جو فعل بنے گا وہ بھی اسی طرح ہو گا، وہ بھی کس معنی میں استعمال ہو رہا ہے؟ معنی مجازی میں، معنی حقیقی میں استعمال نہیں ہو رہا۔ تو لہٰذا اس لیے اس کو تبعیہ کہتے ہیں کہ یہاں اصل میں پہلے استعارہ کس کے اندر ہوا؟ مصدر میں، اور پھر وہ جو مصدر جو مجاز تھا اسی مجازی مصدر سے اس کا اشتقاق کیا گیا تو یہ بھی اسی کی طرح ہوا یعنی معنی حقیقی کے بجائے کس میں استعمال ہے؟ معنی مجازی میں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسری مثال بھئی تاکہ اور اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔ بھئی فرض کیجیے آپ کے ہاتھ یہاں کا ایک وزیر آگیا بھئی۔ آپ نے اس کو پکڑا اور ایک کونے میں لے جا کر اس کی جوتوں کے ساتھ خوب زبردست پٹائی کی بھئی۔ اور پھر پٹائی کرنے کے بعد جب مجھے بتانے آئے تو اس کونے میں جہاں آپ نے اس کی پٹائی کی تھی اس کونے کی طرف اشارہ کر کے آپ کہنے لگے: هَذَا مَقْتَلُ فُلَانٍ۔ هَذَا مَقْتَلُ فُلَانٍ یہ فلاں وزیر کے قتل کی جگہ ہے۔ چونکہ آپ نے پٹائی بڑی زبردست کی تھی، جوتوں سے کی تھی اور جوتے بھی سارے سر پر ہی مارے تھے، تو آپ نے اس کو کس کے ساتھ تعبیر کر دیا؟ قتل کے ساتھ کہ گویا اتنی زبردست میں نے پٹائی کی کہ یوں سمجھیں گویا قتل ہی کر دیا۔

■ قولہ: «هَذَا مَقْتَلُ فُلَانٍ۔ مَقْتَل» کی تشریح

تو اب دیکھیے بھئی آپ نے کیا کہا: هَذَا مَقْتَلُ فُلَانٍ۔ مَقْتَل ہے ظرف کا صیغہ اور ظرف ہے مشتق۔ ظرف کیا ہے؟ مشتق۔ تو یہ استعارہ کس کے اندر ہوا، مَقْتَل بول کر کیا مراد ہے؟ مَضْرِب، پٹائی کی جگہ مراد ہے، پٹائی بھی کس قسم کی؟ زبردست پٹائی بھئی۔ تو اب دیکھیے اب آپ اس کے مضرب کو مقتل کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں دے رہے، اس پٹائی کی جگہ کو کوئی قتل کی جگہ کے ساتھ تشبیہ نہیں دے رہے، بلکہ یہاں پہلے مصدر کے اندر کیا ہوا؟ استعارہ، اور پھر استعارہ کس کی طرف آیا؟ مشتق میں بھی۔ کس طرح؟ کہ وہ جو آپ نے اس کی زبردست پٹائی کی تھی تو وہ ضربِ شدید، تھی تو وہ ضرب، لیکن اس ضرب کو آپ نے کس کے ساتھ تشبیہ دے دی؟ قتل کے ساتھ۔ سمجھ میں آیا؟ قتل کے ساتھ تشبیہ دی، اور پھر اس ضرب کے لیے قتل مصدر ہی کو لے لیا کہ یہ تو ضرب نہیں گویا کیا ہے؟ قتل۔ تو قتل کے لفظ کو لے لیا کس کے لیے؟ ضربِ شدید کے لیے۔

تو قتل کا لفظ معنی موضوع لہ میں استعمال ہو رہا ہے یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں۔ تو یہ مصدر میں پہلے استعارہ آیا کہ قتل کا لفظ لے لیا کس کے لیے؟ ضربِ

شدید۔ پھر یہ جو قتل جو کس معنی میں تھا؟ ضربِ شدید کے معنی میں تھا، اسی قتل کے مصدر سے آپ نے مَقْتَل کا اشتقاق کیا۔ تو اس سے جو ظرف بنے گا وہ بھی اسی طرح ہو گا، وہ بھی کس معنی میں ہو گا؟ معنی مجازی میں ہو گا۔ تو مَقْتَل بھی، یہ قتل جو کس معنی میں ہے؟ ضرب کے معنی میں، تو اس سے جو مشتق ہوا مَقْتَل وہ بھی کس معنی میں ہو گا؟ ضرب ہی کہیں یعنی مَضْرِب کے معنی میں ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں استعارہ اصل میں کس میں آتا ہے؟ مصدر میں، اور یہ جو فعل اور مشتق میں استعارہ ہوتا ہے یہ اس کے تابع، یعنی پہلے مصدر کے اندر استعارہ کر لیا گیا اور پھر وہ مصدر جو مجازی معنی میں استعمال ہو رہا تھا اور جس میں استعارہ تھا اسی مصدر سے فعل یا اسمِ مشتق کا اشتقاق کیا، اور جب اس کا اشتقاق اس مصدر سے ہوا ہے جو معنی مجازی میں تھا تو یہ بھی کس معنی میں ہوں گے؟ یہ بھی معنی مجازی میں ہوں گے۔ تو یہ جو فعل اور مشتق کے اندر استعارہ آیا یہ تابع ہے اس استعارے کے جو ان کے مصدر میں پہلے کیا گیا تھا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا آپ نے اس کے پٹائی کی جگہ کو قتل کی جگہ کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں دی بلکہ ضربِ شدید کو کس کے ساتھ تشبیہ دی ہے؟ قتل کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ تو اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔ جبکہ جو اسم غیر مشتق کے اندر جو استعارہ ہوتا ہے اس استعارے کی بنیاد کسی دوسرے استعارے پر نہیں ہوتی، اس لیے اس کو استعارہ اصلیہ کہتے ہیں۔ اور فعل کے اندر ہو یا مشتق کے اندر ہو یا اسی طرح حرف کے اندر ہو، اس استعارے کی بنیاد ایک اور استعارے پر ہوتی ہے اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ ہے وجہ ان کو اصلیہ اور تبعیہ کہنے کی بھئی۔

دیکھیے خود بتلا رہے ہیں: نَحْوُ فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ فلاں سوار ہوا اپنے مقروض کے کندھوں پر یعنی اس کے پیچھے پڑ گیا أَيْ لَازَمَهُ مُلَازَمَةً شَدِيدَةً یعنی اس کے ساتھ لازم ہو گیا ملازمتاً شدید تاً شدید طور پر لازم ہونا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

وَقَوْلِهِ تَعَالَى اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وہ لوگ ہدایت پر ہیں مِنْ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کی طرف سے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں بھئی، کیا آتا ہے قرآن میں؟ الم● ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ کہ یہ کتاب جو ہے یہ ہدایت ہے کس کے لیے؟ متقیوں کے لیے، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس کو وہ خرچ کرتے ہیں، وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں، وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ اور یہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ صفات بیان ہوئیں متقیوں کی، اور پھر آگے اللہ فرماتے ہیں: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ یہ لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی جانب سے۔ تو یہاں پر یاد رکھیے یہ جو عَلَى آیا اس کے اندر استعارہ ہے۔ کیا ہے؟ استعارہ ہے۔ اور استعارہ حرف میں آیا، اور حرف میں جو استعارہ آئے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تبعیہ کہتے ہیں بھئی، حرف میں استعارہ ہے۔

اب یہاں پر استعارہ کس طرح ہے وہ سمجھ لیں بھئی۔ بھئی دیکھیے، یہ جو پیچھے متقی ذکر ہوئے یعنی یہ جو پیچھے صحابہ کا ذکر آگیا، یہ صحابہ کس پر ہیں؟ ہدایت پر ہیں۔ ان میں یہ یہ صفات ہیں، ان صفات کی وجہ سے اللہ فرما رہے ہیں کہ یہ کیا ہیں؟ ہدایت پر ہیں۔ تو جب ان کو ہدایت دے دی گئی، معلوم ہوا اللہ کی طرف سے ان کو ہدایت دے دی گئی ہے اسی لیے ان میں یہ صفات پائی جا رہی ہیں۔ تو جب ان کو ہدایت دے دی گئی تو یہ ہوئے ہدایت یافتہ یعنی مہدی ہوئے، مَهْدِيٌّ، مَرْمِيٌّ کے وزن پر اسمِ مفعول ہے۔ ایک ہے ہادی رہنمائی کرنے والا، ہدایت دینے والا، اور ایک ہے مَهْدِيٌّ جس کو ہدایت دے دی گئی، جس کی رہنمائی کر دی گئی۔ تو صحابہ کیا ہوئے؟ مہدی ہوئے، یہ جو متقی پیچھے ذکر ہوئے یہ کیا ہوئے؟ مہدی ہوئے یعنی ہدایت یافتہ ہوئے جن کو ہدایت دے دی گئی۔

تو جب ان کو ہدایت دے دی گئی تو ہدایت میں اور ان میں تعلق اور اتصال آگیا یا نہیں آگیا؟ کیونکہ ان کو ہدایت مل گئی تو ان میں اور ہدایت میں کیا آگیا؟ اتصال اور تعلق آگیا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ مشکل بات ذکر کر رہا ہوں بھئی۔ یہ کیا ہوئے؟ مہدی، اور مہدی کب ہوں گے؟ جب ان میں اور ہدایت میں اتصال آئے گا تبھی ہم مہدی کہلائیں گے نا، کہ جس کے پاس ہدایت نہ ہو اسے مہدی کہہ سکتے ہیں؟ نہیں، مہدی جس کو ہدایت مل گئی، دے دی گئی ہدایت۔ مہدی اور ہدایت کے اندر اتصال ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ اتصال اور تعلق ہوتا ہے جبھی اس کو مہدی کہا جا رہا ہے ورنہ اس کو مہدی نہ کہا جاتا۔ تو مہدی اور ہدایت میں اتصال ہوتا ہے۔

■ قولہ: «أُولَئِكَ عَلَى هُدًى» کی تشریح

تو یہاں پر بھی اسی بات کو بیان کیا جا رہا ہے: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى کہ ان لوگوں اور ہدایت میں اتصال آگیا ہے مِنْ رَبِّهِمْ کس کی طرف سے؟ ان کے پروردگار کی طرف سے۔ یہ أُولَئِكَ سے کون لوگ مراد ہیں؟ یہ پیچھے ہدایت یافتہ لوگ، اور آگے ہے هُدًى۔ تو ان لوگوں میں اور ہدایت میں یہ کیا ہے؟ اتصال ہے، یہ ذکر کیا جا رہا ہے آیت کے اندر بھئی، اتصال۔ اور اس کے لیے عَلَى کا لفظ استعمال کیا گیا، اور عَلَى تو آتا ہے استعلاء کے لیے۔ کس کے لیے؟ استعلاء، یعنی ایک چیز دوسری چیز کے اوپر ہو تو اس کے لیے عَلَى لاتے ہیں، جیسے میں کہتا ہوں: زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، زید چھت پر ہے، تو یہ عَلَى نے کیا بتلایا کہ چھت نیچے ہے اور زید اس کے اوپر ہے۔ یا میں کہتا ہوں: زَيْدٌ رَكِبَ عَلَى الدَّابَّةِ، زید سوار ہوا کس پر؟ عَلَى الدَّابَّةِ، عَلَى لے کر آیا۔ یہ عَلَى نے کیا بتلایا کہ سواری نیچے ہے اور زید اس کے اوپر ہے، استعلاء والا معنی دیا کہ زید سواری کے اوپر سوار ہے، تو یہ فائدہ کس نے دیا؟ عَلَى نے۔ تو عَلَى آتا ہے استعلاء کے لیے۔ عَلَى کس لیے آتا ہے؟ استعلاء کے لیے آتا ہے۔

تو یہاں پر ذکر کیا کیا جا رہا ہے؟ ہدایت اور مہدی کے درمیان تعلق کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ، یہ أُولَئِكَ کے ذریعے اشارہ ہوا کس کی طرف؟ مہدی جو ہیں، پیچھے

کون ہیں؟ ہدایت یافتہ لوگ ہیں نا وہ مراد ہیں، اور آگے عَلَى کو ذرا چھوڑ دیں۔ یہ أُولَئِكَ کے ذریعے اشارہ کس کی طرف؟ مہدی، یہ جو ہدایت یافتہ لوگ ہیں جن میں یہ صفات ہیں۔ آگے ہے هُدًى، تو یہ لوگ اور ہدایت ان کے درمیان کیا ہے؟ اتصال ہے اور تعلق ہے۔ تو یہ جو مہدی اور ہدایت کے درمیان اتصال تھا اس کو تشبیہ دے دی گئی استعلاء کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ استعلاء کے ساتھ۔ تو تعلق جو تھا یا یوں کہیں اتصالِ مہدی جو تھا ہدایت کے ساتھ، اس اتصال کو تشبیہ دے دی گئی استعلاء کے ساتھ۔ اور استعلاء کے لیے تو عَلَى آتا ہے، عَلَى ہوا کیا؟ مشبہ بہ، لیکن اسی مشبہ بہ کو اٹھا کر کس کے لیے استعمال کر لیا گیا؟ مشبہ کے لیے۔ کیونکہ یہاں پر استعلاء ہے یا یہاں پر أُولَئِكَ ہے ما قبل میں اور مابعد میں ہے ہدایت؟ أُولَئِكَ سے مراد کون ہیں؟ مہدی وہ جو ہدایت یافتہ لوگ ہیں اور آگے ہدایت ہے، تو ان دونوں میں کیا ہے آیت کے اندر؟ اتصال بیان کیا جا رہا ہے، لیکن اس اتصال کے لیے کون سا لفظ استعمال کیا گیا؟ عَلَى کو استعمال کیا گیا، اور عَلَى تو آتا ہے کس کے لیے؟ استعلاء کے لیے۔ معلوم ہوا یہ جو أُولَئِكَ اور هُدًى ہے یا یوں کہیں مہدی اور ہدایت جو ہے ان کے درمیان جو اتصال ہے معلوم ہوا اس کو کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟ استعلاء کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی۔

تو وہ جو تعلق تھا وہ ہوا مشبہ اور استعلاء کیا ہوا؟ مشبہ بہ، اور پھر اس مشبہ بہ کو لا کر یہاں استعمال کر لیا گیا أُولَئِكَ اور هُدًى کے درمیان، حالانکہ أُولَئِكَ اور هُدًى کے درمیان تو اتصال تھا استعلاء نہیں تھا۔ یہاں تو اتصال تھا لیکن اس کو تشبیہ دے دی گئی کس کے ساتھ؟ استعلاء کے ساتھ، اور پھر استعلاء یعنی مشبہ بہ کے لیے جو لفظ عَلَى استعمال ہوتا تھا اسی کو اٹھا کر کس کے لیے استعمال کر لیا گیا؟ اس اتصال کے لیے۔ کس کے لیے؟ اس اتصال اور اس تعلق کے لیے عَلَى کے لفظ کو استعمال کر لیا گیا۔

تو عَلَى سے یہاں مراد استعلاء ہے یا عَلَى سے مراد وہ اتصال ہے؟ ظاہری بات ہے یہاں تو کیا ہے؟ اتصال ہے، ہدایت پر کوئی سوار ہوتا ہے؟ جی؟ ہدایت پر تو کوئی سوار نہیں ہوتا، ہدایت تو کوئی محسوس چیز تو ہے نہیں کہ اس کے اوپر کیا ہو، دوسرا انسان سوار ہو۔ تو یہاں دراصل کیا مراد ہے؟ اتصال، لیکن اس اتصال کو تعبیر کس سے کیا جا رہا ہے؟ عَلَى کے ساتھ، اور عَلَى تو کس لیے آتا ہے؟ استعلاء کے لیے۔ معلوم ہوا اس اتصال کو تشبیہ دی گئی ہے کس کے ساتھ؟ استعلاء کے ساتھ۔ تو وہ اتصال جو تھا وہ ہوا مشبہ اور استعلاء ہوا مشبہ بہ، پھر اس مشبہ بہ کے لفظ کو اٹھا کر کس کے لیے استعمال کر لیا گیا؟ مشبہ کے لیے، اس اتصال کے لیے۔ تو یہ کون ذکر ہے عبارت میں، مشبہ یا مشبہ بہ؟ مشبہ بہ ذکر ہے، تو یہ کون سا استعارہ ہوا، مصرحہ یا مکنیہ؟ یہ استعارہ مصرحہ ہوا۔ اور کس کے اندر آیا؟ حرف کے اندر، لہٰذا اس کو کیا کہیں گے، اصلیہ یا تبعیہ؟ تبعیہ کہیں گے۔ تو یہ استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہوا۔ یہاں تک تقریر سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ ہے استعارہ اس حرف کے اندر بھئی۔

اور وجہِ تشبیہ کیا ہے؟ اتصال کو، وہ جو مہدی اور ہدایت میں اتصال ہے اس کو استعلاء کے ساتھ کیوں تعبیر کیا گیا، اس کے ساتھ کیوں تشبیہ دی گئی؟ کہتے ہیں دونوں میں مشابہت پائی جا رہی ہے، کیونکہ جب کسی کو ہدایت دے دی جائے تو وہ ہدایت کے ساتھ اس کا اتصال اور تعلق آ جاتا ہے، یوں کہو آسان لفظوں میں ہدایت اس کے قابو میں آ جاتی ہے۔ کیا آ جاتی ہے؟ ہدایت اس کے قابو میں آ جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی دوسری چیز کے اوپر سوار ہو تو وہ چیز بھی گویا اس کے قابو میں، جیسے انسان سواری پر سوار ہوتا ہے تو وہ سواری اس کے قابو میں آ جاتی ہے۔ تو دونوں میں مشابہت ہے کہ جیسے مہدی اور ہدایت میں جو اتصال ہے اس اتصال کی وجہ سے گویا وہ مہدی کیا ہے، ہدایت پر اس کا قابو ہے، اسی طرح جب کوئی شخص کسی چیز پر سوار ہوتا ہے تو وہ بھی کیا ہوتی ہے؟ اس کے قابو میں ہوتی ہے، تو دونوں میں چیز کا قابو میں ہونا پایا جا رہا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

أَيْ تَمَكَّنُوا مِنَ الْحُصُولِ عَلَى الْهِدَايَةِ التَّامَّةِ یعنی یہ لوگ قادر ہوئے۔ کس چیز پر قادر ہوئے؟ مِنَ الْحُصُولِ، یاد رکھو یہ تَمَكَّنَ کا صلہ آتا ہی مِنْ کے ساتھ ہے لہٰذا سے کے ساتھ اس کا ترجمہ نہ کرنا تَمَكَّنُوا مِنْ کا۔ کسی شخص کے قابو میں کوئی چیز آ جائے تو عربی میں کہتے ہیں: تَمَكَّنَ مِنْ ذَلِكَ الشَّيْءِ، وہ اس چیز پر کیا ہو گیا؟ قادر ہو گیا، وہ اس کے قابو میں آ گئی۔ تو تَمَكَّنَ کے ساتھ استعمال ہی کیا ہوتا ہے؟ مِنْ۔ تَمَكَّنَ مِنَ الشَّيْءِ کا کیا معنی؟ اس چیز پر قادر ہو گیا یعنی وہ اس کے قابو میں آ گئی۔ یہاں بھی اسی طرح ترجمہ کریں: أَيْ تَمَكَّنُوا مِنَ الْحُصُولِ عَلَى الْهِدَايَةِ التَّامَّةِ یعنی یہ پوری ہدایت کے حاصل کرنے پر قادر ہو گئے، یعنی پوری ہدایت کا حصول ان کے قابو میں آ گیا، ہدایت یعنی ان کو پورے طور پر حاصل ہو گئی یوں کہیں بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

دوبارہ سنیں۔ یہاں پر أُولَئِكَ ہے ما قبل میں، اور یہ أُولَئِكَ یہ لوگ، یہ کون ہیں؟ مہدی ہیں، ہدایت یافتہ ہیں، ان کی طرف اشارہ ہوا، اور آگے ہے هُدًى۔ تو مہدی اور ہدایت میں ان میں استعلاء نہیں ہوتا، ان میں کیا ہوتا ہے؟ اتصال ہوتا ہے، تعلق آ جاتا ہے۔ اور اس اتصال کو تشبیہ دے دی گئی کس کے ساتھ؟ استعلاء کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی۔ اور وجہِ تشبیہ کیا ہے، کیوں تشبیہ دی گئی؟ کیونکہ دونوں میں قابو کرنے کا معنی ہے۔ جیسے مہدی جب ہدایت کے ساتھ اس کا اتصال آ گیا تو ہدایت اس کے قابو میں آ گئی، اسی طرح جب کوئی چیز کسی دوسری کے اوپر ہو تو وہ چیز اس کے قابو میں آتی ہے، تو یہ وجہِ تشبیہ ہے۔ اور پھر یہاں ہونا تو اتصال چاہیے تھا کیونکہ ما قبل میں ہے أُولَئِكَ اور مابعد میں ہے ہدایت، تو ما قبل میں ہے گویا مہدی کا ذکر اور بعد میں ہے ہدایت کا ذکر، اور مہدی اور ہدایت میں کیا ہوتا ہے؟ اتصال، استعلاء نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے لیے کون سا لفظ استعمال کر لیا گیا؟ عَلَى جو کس لیے آتا ہے؟ استعلاء کے لیے۔ تو گویا اس اتصال کو تشبیہ دی گئی کس کے ساتھ؟ استعلاء کے ساتھ۔ تو یہ اتصال ہوا مشبہ اور وہ استعلاء کیا ہے؟ مشبہ بہ۔ پھر اس مشبہ بہ کو جس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی عَلَى، اس کو کس کے لیے استعمال کر لیا گیا؟ مشبہ کے لیے۔ تو یہ کیا ہوا؟ استعارہ بھئی۔ اور استعارہ تصریحیہ ہوا کیونکہ مشبہ بہ کا لفظ ذکر ہے، مشبہ کا لفظ ذکر نہیں ہے بھئی۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

اچھا اب اس میں یہ سمجھ لیں کہ اس کو استعارہ تبعیہ کیوں کہتے ہیں حرف میں جو آئے؟ فعل اور مشتق میں جو استعارہ آتا تھا اس کو تو استعارہ تبعیہ کہتے تھے، کیوں؟ کیونکہ وہاں اس استعارے کی بنیاد ایک اور استعارے پر ہوتی تھی، یعنی کس کے استعارے پر ہوتی تھی؟ مصدر پر ہوتی تھی اس کی بنیاد، مصدر کے استعارے پر۔ تو یہ حرف کے اندر

جو استعارہ ہے اس کو استعارہ تبعیہ کیوں کہتے ہیں یہ سمجھ لیں بھئی۔

بھئی دیکھیے ایک ہوتا ہے عام، ایک ہوتا ہے خاص۔ عام جیسے لفظِ انسان ہے، یہ عام ہے، اس کے بہت سے افراد ہیں: زید بھی انسان ہے، عمرو بھی انسان ہے، بکر بھی انسان ہے، خالد بھی انسان ہے، دیکھو کتنے ہی افراد ہیں، تو یہ عام ہوا یا خاص ہوا انسان؟ یہ عام ہے جو بہت سوں پر صادق آتا ہے۔ اور ایک ہوتا ہے خاص، جیسے زید خاص ہے۔ زید کا لفظ زید پر ہی بولا جائے گا، بکر یا عمرو پر نہیں۔ اسی طرح بکر بھی خاص ہے، بکر کا لفظ بکر پر ہی بولا جائے گا، زید یا عمرو پر نہیں بولا جائے گا۔ تو یہ زید، عمرو، بکر وغیرہ کیا ہوئے؟ خاص۔

یا یوں کہیں ایک ہے کلی اور ایک ہے جزئی۔ اسی عام اور خاص کو منطق میں کس طرح ذکر کرتے ہیں؟ کلی اور جزئی۔ کلی اسے کہتے ہیں جو کثیرین پر صادق آئے، اور اس کے جو افراد ہیں اس کو جزئی کہتے ہیں: كُلِّيٌّ اور جُزْئِيٌّ۔ تو انسان ہوا کلی، اور زید، عمرو، بکر وغیرہ جو اس کے افراد ہیں وہ کیا ہوئے؟ جزئی ہوئے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو انسان ہے عام، اور زید، عمرو، بکر کیا ہیں؟ خاص ہیں بھئی۔ عام اور خاص سمجھ میں آ گیا، کلی اور جزئی سمجھ میں آ گیا؟

اچھا اب دیکھیے بھئی، یہ جو ہم کہتے ہیں فِي آتا ہے ظرفیت کے لیے۔ کس لیے آتا ہے؟ ظرفیت کے لیے۔ فِي جب بھی عبارت میں آئے گا وہ ظرفیت کا فائدہ دے گا، یعنی یہ بتلائے گا کہ یہ جو فِي کے بعد جو لفظ آ رہا ہے یہ ما قبل کے لیے ظرف ہے۔ میں نے کہا: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زید کس میں ہے؟ گھر میں ہے۔ معلوم ہوا فِي کے بعد کون سا لفظ آ رہا ہے؟ دَار، یہ دَار ظرف ہے زید کے لیے، زید اس کے اندر موجود ہے۔ تو یہ کس نے بتایا کہ زید گھر کے اندر ہے؟ فِي نے، تو فِي ظرفیت کا فائدہ دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں: زَيْدٌ فِي الْمَسْجِدِ، کیا پتہ چلا زید کہاں پر ہے؟ مسجد کے اندر ہے۔ یہ مسجد میں اور مسجد کے اندر ہونے کا آپ کو کیسے پتہ چلا، کس لفظ نے یہ فائدہ دیا؟ فِي نے، یہ فِي ظرفیت کے لیے آتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ جس لفظ پر یہ داخل ہوا ہے وہ ما قبل کے لیے کیا ہے؟ ظرف۔ کس لفظ پر داخل ہوا مثلاً؟ دَار یا مَسْجِد پر فِي داخل ہوا، اور ما قبل میں کون سا لفظ تھا؟ زید کا، تو یہ فِي نے بتلایا کہ یہ جو میرے مابعد دَار یا مَسْجِد کا لفظ ہے یہ میرے ما قبل یعنی زید کے لیے کیا ہے؟ ظرف ہے۔ یا یوں کہتے ہیں: الْمَالُ فِي جَيْبِي، آپ کیا کہتے ہیں؟ الْمَالُ فِي جَيْبِي، مال میری جیب میں ہے۔ تو یہ مال کا جیب کے اندر ہونا یہ کس نے بتلایا؟ فِي نے۔ فِي بتلاتا ہے کہ میرے مابعد جو لفظ آ رہا ہے یہ جو چیز ہے یہ ظرف ہے کس کے لیے؟ جو مجھ سے ما قبل یعنی مال ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «زَيْدٌ عَلَى السَّطْ» کی تشریح

تو یہ فِي ظرفیت کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح عَلَى آتا ہے استعلاء کے لیے۔ کس لیے؟ استعلاء کے لیے کہ ایک چیز دوسری کے اوپر ہے۔ زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، کیا معنی؟ زید چھت کے اوپر ہے۔ زَيْدٌ عَلَى الدَّابَّةِ، زید سواری کے اوپر ہے۔ یہ اوپر ہونے کا فائدہ کون دے رہا ہے؟ عَلَى دے رہا ہے۔ اسی طرح مِنْ آتا ہے ابتدائے غایت کے لیے: سِرْتُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَى الْبَيْتِ، میں مسجد سے گھر تک گیا۔ تو میرے چلنے کی اور میری سیر کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ مسجد سے، یہ کس نے بتایا؟ مِنْ نے، سِرْتُ مِنَ الْمَسْجِدِ۔ یہ مِنْ کیا فائدہ دیتا ہے؟ ابتدائے غایت بتلاتا ہے، مسافت کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے وہ بتلاتا ہے۔ یا اسی طرح آپ کہتے ہیں: ذَهَبَ عَمْرٌو مِنْ لَاهُورَ إِلَى إِسْلَامَ آبَادَ، عمرو گیا کہاں سے؟ لاہور سے، کہاں تک؟ اسلام آباد تک۔ تو یہ اس کے چلنے کی، اس کے جانے کی ابتدا کہاں سے ہے؟ لاہور سے، یہ کس نے بتایا؟ مِنْ نے۔ تو دیکھیے یہ حروف کے معانی آتے ہیں: مِنْ آتا ہے ابتدائے غایت کے لیے، فِي آتا ہے ظرفیت کے لیے، اور عَلَى آتا ہے استعلاء کے لیے۔

لیکن یاد رکھنا یہ ان کا معنی نہیں۔ فِي کا معنی ظرفیت نہیں، مِنْ کا معنی ابتدائے غایت نہیں، عَلَى کا معنی استعلاء نہیں۔ کیونکہ اگر عَلَى کا معنی استعلاء ہو جائے پھر تو یہ پورا معنی ہوا، حالانکہ ان کو حرف ہم کہتے ہی اسی لیے ہیں کیونکہ یہ اپنے معنی پر پورے طور پر دلالت نہیں کرتے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اسی طرح فِي کا معنی اگر ظرفیت ہو تو پھر تو فِي گویا اپنے پورے معنی پر دلالت کر رہا ہے، اس کو کیا کہنا چاہیے؟ اسم کہنا چاہیے، حالانکہ اسم اور فعل کا حرف سے فرق ہی کیا ہے؟ کہ وہ اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرتے ہیں اور حرف اپنے معنی پر مستقلاً دلالت نہیں کرتا۔ تو حرف کا کوئی مستقل معنی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر فِي کا معنی ظرفیت کیا جائے پھر تو یہ اس کا مکمل معنی، مستقل معنی ہو گیا۔ عَلَى کا معنی استعلاء کیا جائے تو یہ تو اس کا مکمل معنی ہو گیا، پھر تو اس کو اسم کہنا چاہیے۔ اور مِنْ کا معنی اگر ابتدائے غایت ہو جائے یہ تو اس کا مستقل معنی ہو گیا، پھر تو اس کو کیا کہنا چاہیے؟ اسم یا فعل وغیرہ کہنا چاہیے، حرف نہیں کہنا چاہیے۔

تو یہ ان کا معنی نہیں، تو پھر اس کو کیا کہیں گے؟ تعبیر تو اسی طرح کرتے ہیں عَلَى کا معنی کیا ہے؟ استعلاء، فِي کا معنی کیا ہے؟ ظرفیت، مِنْ کا معنی کیا ہے؟ ابتدائے غایت۔ تو یاد رکھیے علماء فرماتے ہیں، لکھتے ہیں، ذکر تو اسی طرح کرتے ہیں کہ یہ مِنْ کا معنی ہے، یہ عَلَى کا معنی ہے، لیکن یہ ان کا معنی نہیں، یہ ان کے معنی کا متعلق ہے۔ کیا ہے؟ یہ ان کے معنی کا متعلق کے ساتھ اس کو تعبیر کرتے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو عَلَى کا معنی کیا؟ استعلاء، تو یہ دراصل اس کا معنی نہیں بلکہ یہ اس کے معنی کا متعلق ہے۔ اسی طرح فِي کا معنی کیا؟ ظرفیت، لیکن ظرفیت اس کا معنی نہیں، یہ فِي کے معنی کا متعلق ہے۔ مِنْ کا معنی کیا ذکر کرتے ہیں آپ ایسے بولتے ہوئے کہ مِنْ کا معنی ہے ابتدائے غایت، لیکن یہ ابتدائے غایت اس کا معنی نہیں بلکہ اس کے معنی کا متعلق ہے۔ چلیے یہ تو ایک زائد بات آپ کو بتا دی بھئی کہ یہ ان کا معنی نہیں ہوتا دراصل، یہ کیا ہے؟ ان کے معنی کا متعلق ہوتا ہے جس کے ساتھ ہم ان کو تعبیر کرتے ہیں بھئی۔

تو گویا عَلَی آتا ہے استعلاء کے لیے، فِي آتا ہے ظرفیت کے لیے، اور مِنْ آتا ہے ابتدائے غایت کے لیے۔ اب دیکھیے یہ عَلَی کسی ایک جگہ تو آپ نہیں استعمال کرتے، اس کو ہر جگہ آپ استعمال کرتے ہیں۔ زید چھت پر ہے، آپ کیا کہیں گے؟ زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، دیکھو عَلَی لے کر آئے۔ اسی طرح آپ نے کہا: عَمْرٌو عَلَى الدَّابَّةِ، عمرو کس پر ہے؟ سواری کے جانور پر ہے، تو یہاں بھی عَلَی لے کر آئے۔ تو یاد رکھیے عَلَی آتا ہے استعلاء کے لیے، لیکن یہ جو آپ نے بیان کیا نا عَلَی استعلاء کے لیے آتا ہے یہ مطلقِ استعلاء ہے۔ کیا ہے؟ مطلقِ استعلاء، یعنی یہ عَلَی یوں کہیں کلی ہے۔ یہ عَلَی کون سا ہے؟ کلی ہے۔ اور اسی عَلَی کو آپ جگہ جگہ عبارتوں میں لاتے ہیں وہ اس عَلَی کے افراد ہوتے ہیں، وہ اس کی جزئیات ہوتی ہیں۔

عَلَی کس لیے ہے؟ استعلاء کے لیے، یعنی یہ کیا ہے؟ کلی ہے۔ عَلَی آتا ہے مطلقِ استعلاء کے لیے۔ کس کے لیے؟ مطلقِ استعلاء کے لیے۔ مطلق یعنی کوئی قید نہیں ہے اس کے اندر، صرف یہ بتلائے گا کہ ایک چیز دوسری چیز کے اوپر ہے۔ لیکن جب میں نے کہا: زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، زید چھت پر ہے، تو یہ مطلقِ استعلاء ہے یا یہ زید کا چھت پر ہونا بتلا رہا ہے؟ زید کا چھت پر ہونا بتلا رہا ہے، عمرو یا بکر کے بارے میں نہیں، معلوم ہوا یہ والا عَلَی مقید ہے۔ یہ خاص ہے، یہ کیا ہے؟ یہ عَلَی خاص ہے۔ اور وہ جو آپ ذکر کرتے تھے کہ عَلَی کس لیے آتا ہے؟ استعلاء کے لیے، معلوم ہوا وہ ہے کلی۔ جیسے انسان ایک کلی ہے، زید، عمرو، بکر وغیرہ اس کے افراد ہیں، اسی طرح ایک عَلَی کلی ہے جو استعلاء کے لیے آتا ہے، وہ عام ہے اس کے ساتھ کوئی قید نہیں، لیکن اسی عَلَی کو جب آپ عبارت میں جگہ جگہ استعمال کرتے ہیں تو یہ دراصل اس عَلَی کے افراد ہیں، کیونکہ وہ مطلق تھا اور یہ مقید ہیں سارے بھئی۔ یہ سارے کیا ہیں؟ مقید ہیں۔

عَلَی کس لیے آتا ہے؟ استعلاء۔ کسی خاص چیز کا استعلاء یا مطلقِ استعلاء؟ مطلق، یعنی جہاں استعمال کرو گے یہ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ استعلاء کا فائدہ، تو یہ عَلَی ہوا مطلق۔ یعنی اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی قید نہیں۔ لیکن جب عبارت میں جہاں بھی لائیں گے وہ مطلق نہیں رہے گا وہ خاص ہو جائے گا۔ زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، یہ صرف کس کا استعلاء بتلا رہا ہے؟ زید کا کہ زید چھت کے اوپر ہے۔ عَمْرٌو عَلَى الدَّابَّةِ، یہ عَلَی کس کا استعلاء بتلا رہا ہے؟ یہ عمرو کا استعلاء بتلا رہا ہے۔ بَكْرٌ عَلَى السَّطْحِ، یہ عَلَی کس کا استعلاء بتلا رہا ہے؟ بکر کا۔ تو یہ جو عَلَی آئے: زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، یہ عَلَی ہے خاص۔ بَكْرٌ عَلَى السَّطْحِ، یہ عَلَی بھی کیا ہے؟ خاص، یہ صرف بکر کے بارے میں بتلا رہا ہے، زید یا عمرو کے بارے میں نہیں بتلا رہا۔

تو عبارت میں جہاں بھی آپ استعمال کریں گے وہ عَلَی ہو گا خاص اسی کے مطابق جن کے ساتھ وہ جڑا ہوا ہے۔ عبارت میں جب بھی لائیں گے وہ کیا ہو گا؟ خاص ہو گا۔ عَلَی کو عربوں نے وضع کیا ہے استعلاء بتلانے کے لیے۔ کیا بتلانے کے لیے؟ استعلاء، ایک چیز دوسری کے اوپر ہے۔ تو یہ مطلقِ استعلاء بیان کرنے کے لیے ہے، یعنی یہ کلی ہے۔ یہ کیا ہے؟ کلی ہے۔ اور اس کے بہت سے افراد ہیں، آپ جہاں بھی عبارت میں استعمال کرتے ہیں وہ اس کے افراد اور اس کی جزئیات میں سے استعمال کرتے ہیں، وہاں مطلق پھر وہ نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ کیا آ جاتی ہے؟ قید، تو وہ اس کے افراد میں سے ہوتا ہے۔

یا جیسے اسمِ اشارہ سے سمجھ لیں۔ دیکھو اسمِ اشارہ هَذَا قریب کی چیز کے لیے عربوں نے وضع کیا، لیکن کسی متعین قریب والی چیز کے لیے یا ہر قریب والی چیز کے لیے انسان اسے استعمال کر سکتا ہے؟ ہر قریب والی چیز کے لیے اشارہ کرنے کے لیے اس کی طرف هَذَا آپ استعمال کر سکتے ہیں۔ تو عربوں نے جو هَذَا کو وضع کیا کس کے لیے؟ قریب والی چیز کے لیے، وہ هَذَا ہے کلی۔ وہ هَذَا کیا ہے؟ کلی۔ اور آپ جب بھی استعمال کریں گے کسی معین چیز کی طرف اشارہ کریں گے تو وہ هَذَا کلی نہ رہا وہ جزئی بن گیا۔ وہ کیا ہے؟ جزئی بن گیا۔ تو هَذَا کا معنی تو کیا تھا؟ قریب والی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے تھا اور وہ تھا کلی، لیکن جب بھی استعمال کریں گے وہ کیا ہو گا؟ جزئی۔ میں نے کہا: هَذَا الْكِتَابُ، اب یہ هَذَا کے ذریعے میں کتاب کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، قلم وغیرہ کی طرف نہیں، معلوم ہوا یہ خاص ہے۔ یہ هَذَا کیا ہے؟ خاص۔ ایک اور هَذَا میں لایا: هَذَا الْقَلَمُ، اب میں هَذَا کے ذریعے کس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں؟ قلم کی طرف، یہ خاص هَذَا ہے جس سے قلم کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ وہ جو هَذَا جس کے ذریعے کتاب کی طرف اشارہ تھا وہ اور تھا، اس کے ذریعے کتاب کی طرف اشارہ ہوا تھا، اس هَذَا کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہوا ہے؟ قلم کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ تیسرا هَذَا لے آئیں مثلاً: هَذَا جِدَارٌ، یہ کیا ہے؟ دیوار ہے، یہ اور هَذَا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ یہ هَذَا دیوار کی طرف اشارہ کر رہا ہے، وہ پچھلا هَذَا قلم کی طرف اشارہ کر رہا تھا، اس سے پچھلا هَذَا کتاب کی طرف اشارہ کر رہا تھا، تو وہ تینوں الگ الگ ہیں۔ تینوں کیا ہیں؟ الگ الگ ہیں، تو یہ اس هَذَا کے افراد ہیں۔ جیسے انسان عام ہے، اب زید بھی انسان ہے، عمرو بھی انسان ہے، بکر بھی انسان ہے، لیکن یہ خاص ہیں، یہ اس کے افراد ہیں، یہ کیا ہیں؟ جزئیات۔ اسی طرح هَذَا وضع تو ہے عام قریب کی چیز کے لیے وضع ہے، لیکن جہاں بھی استعمال کریں گے لازمی بات ہے کسی خاص معین چیز کی طرف آپ اشارہ کر لیں گے، جب معین چیز کی طرف هَذَا کے ذریعے اشارہ کر رہے ہیں تو یہ هَذَا عام رہا یا خاص بن گیا؟ یہ تو خاص بن گیا ظاہر سی بات ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ جو آپ استعمال کرتے ہیں یہ اس کی جزئیات استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح عَلَی کس لیے وضع ہے؟ استعلاء کے لیے، لیکن آپ جہاں کہیں بھی عبارت میں لائیں گے وہ ایک مخصوص چیز کے لیے لائیں گے: زید کے لیے لائیں گے، یا عمرو کے لیے لائیں گے، یا بکر کے لیے لائیں گے، تو وہ عام رہے گا یا خاص؟ وہ خاص بن جائے گا، تو وہ ہوئے اس کے جزئیات اور افراد۔ کیا بن گئے؟ جزئیات اور افراد بن گئے۔ تو عَلَی آتا ہے استعلاء کے لیے، مطلقِ استعلاء کے لیے وضع کیا گیا ہے، کہیں بھی آپ استعمال کر سکتے ہیں، اور آپ جہاں بھی استعمال کرتے ہیں وہ اس کی جزئیات ہوتی ہیں۔ کیا ہوتی ہیں؟ جزئیات، کیونکہ وہاں ایک مستعلی بھی ہوتا ہے ایک مستعلیٰ علیہ بھی ہوتا ہے، انہی کا وہ بیان کر رہا ہوتا ہے کہ یہ چیز اوپر ہے یہ چیز نیچے ہے۔ زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، یہ عَلَی ہر ایک کے اوپر ہونے کو نہیں بیان کر رہا، یہ صرف زید کے بارے میں بیان کر رہا ہے کہ زید اوپر ہے اور چھت نیچے ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو

عَلَی کس کے لیے وضع ہے؟ مطلقِ استعلاء کے لیے، جہاں بھی آپ نے استعلاء بتلانا ہے آپ استعمال کریں کوئی قید نہیں، لیکن جب استعمال کریں گے وہ کیا ہو گا؟ وہ خاص ہو گا۔ تو وضع کیا وہ ہے عام، اور جو استعمال کر رہے ہیں وہ ہے خاص یعنی اس کے افراد میں سے ایک فرد کو استعمال کر رہے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے یہاں حرف کے اندر استعارہ تبعیہ کیسے ہے وہ میں بیان کر رہا تھا۔ تو یہاں پر وہ جو مہدی اور ہدایت کے اندر اتصال تھا اس کو تشبیہ دے دی گئی مطلقِ استعلاء کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ مطلقِ استعلاء۔ اور مطلقِ استعلاء کے لیے کیا آتا ہے؟ عَلَی آتا ہے، اور یہ عَلَی ہے کلی کیونکہ مطلقِ استعلاء ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ مہدی اور ہدایت میں کیا ہوتا ہے؟ اتصال ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی شخص جس کو ہدایت مل جائے گی اس میں اور ہدایت میں اتصال آئے گا یا نہیں؟ آئے گا۔ تو دیکھو مہدی اور ہدایت میں، ادھر دیکھیے بھئی یہ ہے مہدی یہ ہے ہدایت، جب بھی یہ مہدی ہو گا اس کا ہدایت سے اتصال ہو گا۔ کیا ہو گا؟ اتصال، اسی لیے تو آپ اس کو مہدی کہہ رہے ہیں، اگر ہدایت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں پھر مہدی کہہ سکتے ہیں؟ نہیں، اس کو ہدایت مل گئی ہے اس کا تعلق آگیا ہے اسی لیے اس کو کیا کہہ رہے ہیں؟ مہدی۔ تو یہ ہے مطلقِ مہدی اور اس کا اتصال ہے مطلقِ ہدایت کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ مطلقِ ہدایت کے ساتھ۔

اور اس کے افراد بہت سارے ہیں: زید کو ہدایت مل جائے تو زید بھی ہوا مہدی، لیکن اب وہ مطلقِ مہدی ہے یا خاص مہدی؟ خاص مہدی ہے، اور اس کے ساتھ جو ہدایت ہے وہ بھی اسی کے ساتھ ہے لہٰذا وہ بھی خاص ہے۔ تو ایک ہوا مطلقِ اتصال مہدی اور ہدایت کے درمیان، اور ایک اس کے افراد کا اتصال ہے وہ خاص ہیں۔ تو لہٰذا بکر کو بھی ہدایت مثلاً مل گئی ہے تو بکر بھی کیا ہوا؟ مہدی، اس کا ہدایت سے اتصال آیا، لیکن یہ اتصال عام ہے یا خاص ہے؟ یہ خاص ہے، یہ صرف کس کا اتصال بیان کر رہا ہے؟ بکر کا۔ مثلاً خالد کو بھی ہدایت مل گئی، خالد بھی مہدی بن گیا تو اس کا بھی کس سے اتصال آگیا؟ ہدایت سے، لیکن یہ خالد کا اتصال ہدایت سے آیا یہ عام ہے یا خاص؟ خاص، یہ صرف خالد کے ساتھ ہدایت کے اتصال کو بیان کر رہا ہے، کسی چوتھے پانچویں شخص کے اتصال کو بیان نہیں کر رہا۔ معلوم ہوا مہدی کا جو ہدایت کے ساتھ اتصال ہے یہ بھی دو قسم کا ہوا: عام ہو گا یا خاص۔ عام وہ ہے جو مطلق ہے جس میں کسی قسم کی قید نہیں، اور خاص وہ ہے جس میں کیا ہے؟ قید ہے، جو اس کی جزئیات ہیں، جو اس کے افراد ہیں۔

■ قولہ: «أُولَئِكَ عَلَى هُدًى» کی تشریح

تو اب یہاں پر بھی دیکھیے: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى، یہ لوگ ہیں ہدایت پر۔ تو یہ مہدی اور ہدایت میں اتصال بیان کیا جا رہا ہے، اور یہ اتصال عام ہے یا خاص لوگوں کا اتصال بیان کیا جا رہا ہے؟ خاص لوگوں کا، تو یہ بھی اس اتصال کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ بات ذرا مشکل ہے۔ اچھا بات میں یہ بیان کر رہا تھا کہ عَلَی کو عربوں نے وضع کیا مطلقِ استعلاء کے لیے، اور جہاں کہیں بھی استعمال ہو گا وہ اس کی جزئیات میں سے کوئی جزئی استعمال ہو گی یعنی وہ خاص ہو گا، اور ہر خاص کے ضمن میں عام پایا جاتا ہے۔ ہر خاص کے ضمن میں عام پایا جاتا ہے، مثلاً زید انسان ہے، تو جب زید موجود ہے تو انسان موجود ہے یا نہیں موجود؟ انسان بھی موجود ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو اپنے افراد کے ضمن میں کلی موجود ہوتی ہے۔

دوبارہ سنیں بھئی: عَلَی کو عربوں نے وضع کیا کس لیے؟ مطلقِ استعلاء کے لیے۔ اور عبارتوں میں کہیں بھی اس کو استعمال کیا جائے وہ مطلقِ استعلاء ہو گا یا وہ خاص استعلاء ہو گا؟ وہ لازمی بات ہے خاص استعلاء ہو گا، جو اس سے ماقبل مابعد میں چیزیں ذکر ہیں انہی کا استعلاء بیان کرے گا کہ ایک چیز دوسری چیز کے اوپر ہے۔ تو یہ جو مہدی اور ہدایت میں اتصال تھا اس کو تشبیہ دے دی گئی مطلقِ استعلاء کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ مطلقِ استعلاء کے ساتھ۔ پھر مطلقِ استعلاء کے لیے کیا وضع ہے؟ عَلَی۔ اس عَلَی کی جزئیات میں سے ایک جزئی کو لے کر استعارہ کر لیا گیا۔ یا یوں کہیں دوبارہ سنیں: مہدی اور ہدایت میں کیا آیا؟ اتصال۔ اس اتصال کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ استعلاء، اور استعلاء کے لیے لفظ کون سا وضع؟ عَلَی۔ تو اس اتصال کے لیے استعلاء والا لفظ یعنی مشبہ بہ کا لفظ عَلَی لے لیا گیا۔ کیا لے لیا گیا؟ عَلَی لے لیا گیا۔ تو یہ عَلَی جو مطلقِ استعلاء کے لیے ہے، یہ کلی ہے یا جزئی ہے؟ یہ کلی ہے۔ کس کو لیا ہم نے؟ ہم نے عَلَی کو لیا، کون سا عَلَی جو خاص استعلاء کے لیے ہے یا مطلقِ استعلاء کے لیے؟ مطلقِ استعلاء کے لیے۔ تو ہم نے یہ عَلَی لے لیا جو مطلقِ استعلاء کے لیے ہے، تو یہ عَلَی جو مطلقِ استعلاء کے لیے تھا اس وقت کس معنی میں ہے؟ اتصال کے معنی میں۔ کس معنی میں؟ اتصال کے معنی میں۔

تو جہ ہے بھئی؟ بالکل بات مکمل ہونے والی ہے اب بات سمجھ میں ان شاء اللہ آجائے گی۔ ہم نے مہدی اور ہدایت میں جو اتصال تھا اس کو تشبیہ دے دی کس کے ساتھ؟ مطلقِ استعلاء کے ساتھ۔ اور مطلقِ استعلاء کے لیے کیا لفظ آتا ہے؟ عَلَی۔ اس عَلَی کو پھر ہم نے مستعار لے لیا اس اتصال کے لیے۔ تو یہ عَلَی اب کس معنی میں ہوا؟ اتصال کے معنی میں، وہ جو مہدی اور ہدایت کے درمیان تھا۔ تو یہ عَلَی ہوا کس معنی میں؟ اتصال کے معنی میں، اور یہ عَلَی ہے مطلق۔ تو جب مطلقِ عَلَی اتصال کے معنی میں ہوا تو اس کے سارے افراد بھی کس معنی میں ہو گئے؟ وہ بھی اتصال کے معنی میں ہو گئے۔ تو اس کے افراد میں سے ایک فرد کو یہاں استعمال کر لیا گیا، اور مطلقِ عَلَی تو اتصال کے معنی میں تھا تو اس کا جو فرد یہاں استعمال کیا گیا وہ بھی کس معنی میں ہوا؟ اتصال کے معنی میں ہوا۔ تو اصلاً استعارہ اس مطلق کے اندر کلی کے اندر تھا، اور یہ فرد کے اندر جو جزئی کے اندر استعارہ آیا یہ تبعاً آیا بھئی۔ جب کلی کے اندر استعارہ آگیا، مطلقِ عَلَی کو کس معنی میں لے لیا؟ اتصال کے معنی میں لے لیا، تو اس کے جتنے بھی افراد ہیں وہ بھی کس معنی میں ہو گئے؟ اتصال کے، تو اس کے افراد میں سے ایک فرد کو استعمال کر لیا گیا۔ تو یہ فرد کے اندر استعارہ آیا لیکن یہ استعارہ کیوں آیا؟ کیونکہ اس کی کلی کے اندر استعارہ آیا تھا، تو اس استعارے کی بنیاد اس کلی کے استعارے پر ہے، اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے جی بڑی گہری

بات تھی، پہلے میں سوچ رہا تھا گزر جائیں ویسے ہی ضرورت نہیں آپ کو لیکن شاید کبھی کام آجائے اگلی کتابوں میں بھئی۔

تو کہتے ہیں: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ یہ لوگ ہیں ہدایت پر۔ دیکھیے بھئی عجیب قرآن کی فصاحت وبلاغت، ایک حرف کو سمجھانے کے لیے کتنی لمبی تقریر کرنا پڑی بھئی، اور عجیب فصاحت وبلاغت ہے۔ تو دیکھو مطلق اتصال کے لیے کون سا لفظ لایا گیا؟ استعلاء والا، گویا یہ بتلایا گیا کہ یہ صحابہ جو ہیں، یہ متقی جو ہیں یہ ہدایت کے اوپر سوار ہیں، اور ہدایت کا ان کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہے جس طرح سوار کا سواری کے ساتھ ہوتا ہے۔ سوار جدھر کا رخ کرتا ہے سواری اس کے ساتھ جاتی ہے۔ یہ صحابہ یہ جو پیغمبر کے شاگرد ہیں، یہ جو جن کی تربیت پیغمبر نے کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، یہ تلامذہ بھی ایسے ہیں ہدایت کے ساتھ ان کا اس طرح اتصال آگیا ہے جیسے سوار کا سواری کے ساتھ ہوتا ہے، یہ جس طرف کا رخ کرتے ہیں ہدایت ان کے ساتھ ہوتی ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو قرآن میں آیا وَقَوْلِهِ تَعَالَى اور اللہ تعالیٰ کا قول جو ہے: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے أَيْ تَمَكَّنُوا مِنَ الْحُصُولِ عَلَى الْهِدَايَةِ التَّامَّةِ یعنی یہ لوگ پوری ہدایت کے حاصل کرنے پر قادر ہیں یعنی اس پر ان کو قابو ہے۔

وَنَحْوُ قَوْلِهِ اور جیسے کہ ایک شاعر کا قول:

■ متن وشواہد: «وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا»

وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا ... فَلِسَانُ حَالِي بِالشِّكَايَةِ أَنْطَقُ

یہ شاعر کسی بادشاہ کے پاس گیا تو بادشاہ کہنے لگا کہ تم آتے نہیں ہو اور تم میری مدح وغیرہ کے اندر اشعار وغیرہ نہیں کہتے۔ تو شاعر کہنے لگا کہ آپ نے مجھے بھلا ہی دیا ہے، آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں نے آپ کی تعریف وغیرہ نہیں کی، آپ نے مجھے بھلا ہی دیا ہے، آپ نے انعامات وغیرہ مجھے دینا ہی بند کر دیے ہیں، اب اگر میں اپنی زبان سے ہزار بار بھی آپ کی مدح وثنا کرتا رہوں تو میری حالت وہ اس کو جھٹلاتی رہے گی۔ کیونکہ میرے پھٹے پرانے کپڑے ہیں اور ادھر میں کہوں بادشاہ نے مجھ پر بڑے انعامات کیے ہیں تو میری حالت کیا کرے گی اس کو؟ جھٹلاتی رہے گی بھئی۔ تو یہ بات بیان کر رہا ہے۔

کہتا ہے: وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا، اور اگر، نُطق کہتے ہیں کلام کرنا، اور اگر میں کلام کروں بھی بِشُكْرِ بِرِّكَ، بِرٌّ کہتے ہیں نیکی کو، آپ کی نیکی کے شکر کے ساتھ یعنی آپ کی نیکی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں کلام کروں بھی مُفْصِحًا اس حال میں کہ میں فصیح کلام کرنے والا ہوں، یعنی آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اگر میں خوب فصیح وبلیغ کلام کروں بھی تو اس کا کوئی فائدہ نہیں، فَلِسَانُ حَالِي بِالشِّكَايَةِ أَنْطَقُ تو میرے حَالِي میرا حال، میرے حال کی زبان جو ہے بِالشِّكَايَةِ أَنْطَقُ وہ زیادہ بولنے والی ہے، زیادہ دلالت کرنے والی ہے شکایت پر۔ میری حالت کی زبان کیا کر رہی ہے؟ میں زبان سے تو جتنی بھی آپ کی فصیح وبلیغ کلام لاؤں آپ کا شکریہ ادا کر دوں لیکن میری حالت کی زبان جو ہے وہ زیادہ بیان کرنے والی ہے آپ کی شکایت کو، وہ کیا کر رہی ہے؟ آپ کی شکایت بیان کر رہی ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو أَنْطَقُ، دیکھیے أَنْطَقُ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل بھی مشتقات میں سے ہے۔ کس میں سے ہے؟ مصدر سے۔ لہٰذا اس کے اندر جو استعارہ ہوگا وہ بھی کیا ہوگا؟ استعارہ تبعیہ۔ تو زیادہ بولنے والی ہے یعنی زیادہ دلالت کرنے والی ہے، کیونکہ حالت کسی کی وہ بولتی نہیں ہے وہ دلالت کرتی ہے۔ کیا کرتی ہے؟ دلالت کرتی ہے، لیکن اس دلالت کرنے کو ہی کس کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا؟ بولنے کے ساتھ۔ تو گویا اس دلالت کرنے کو تشبیہ دے دی گئی کس کے ساتھ؟ بولنے کے ساتھ۔ کیونکہ جیسے بولنے سے ایک چیز واضح ہو جاتی ہے اسی طرح دلالت سے بھی واضح ہو جاتی ہے، سمجھ میں آجاتی ہے بھئی۔ تو دلالت کرنے کو کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ بولنے کے ساتھ۔ تو دلالت کرنا ہوا مشبہ اور بولنا ہوا مشبہ بہ، اور اس مشبہ بہ کا لفظ جو ہے یعنی نُطق اسی کو استعمال کر لیا گیا کس کے لیے؟ دلالت کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی، استعارہ سمجھ میں آیا؟

■ قولہ: «وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا» کی تشریح

تو کہتے ہیں: وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا اور اگر میں بولوں بھی آپ کی نیکی کے شکریہ کے ساتھ مُفْصِحًا فصیح کلام کرتے ہوئے فَلِسَانُ حَالِي تو میری حالت کی زبان جو ہے بِالشِّكَايَةِ أَنْطَقُ وہ زیادہ دلالت کرنے والی ہے شکایت پر، وہ زیادہ بولنے والی ہے شکایت کو۔ استعارہ سمجھ میں آگیا کہ یہاں أَنْطَقُ میں کس طرح استعارہ ہے؟ یہ کس معنی میں ہے؟ دلالت کرنے کے معنی میں، کیونکہ حالت بولتی نہیں ہے بلکہ حالت کیا کرتی ہے؟ دلالت کرتی ہے، تو اس دلالت کرنے کو تشبیہ دے دی کس کے ساتھ؟ بولنے کے ساتھ۔ وجہ تشبیہ کیا ہے؟ جیسے بولنے سے ایک چیز سمجھ میں آجاتی ہے اسی طرح دلالت سے بھی ایک چیز سمجھ میں آجاتی ہے، تو یہ ہوئی وجہ تشبیہ۔

تو دلالت ہوئی مشبہ اور بولنا یعنی نُطق کیا ہوا؟ مشبہ بہ۔ اور پھر اس مشبہ بہ یعنی نُطق کے لفظ کو کس کے لیے مستعار لے لیا گیا؟ دلالت کے لیے۔ اور یہاں پر کیا ذکر

ہے، مشبہ ذکر ہے یا مشبہ بہ ذکر ہے؟ کس کو کس سے تشبیہ دی؟ دلالت کو، کس سے؟ بولنے سے، کیونکہ پیچھے حَالِي میرے حال کی زبان، بھئی حال تو بولتا نہیں ہے وہ کیا کرتا ہے؟ دلالت کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں أَنْطَقُ بول کر کیا مراد ہے؟ دلالت مراد ہے۔ تو گویا دلالت کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ بولنے کے ساتھ۔ تو دلالت ہوئی مشبہ اور نُطق یعنی بولنا کیا ہوا؟ مشبہ بہ۔ اور عبارت میں کیا ذکر ہے؟ أَنْطَقُ مشبہ بہ ذکر ہے، اور مشبہ بہ عبارت میں ذکر ہو یہ کون سا استعارہ ہے؟ استعارہ تصریحیہ ہے۔ کیا ہے؟ استعارہ تصریحیہ ہے۔

تو یہاں پر بھی یہ استعارہ تبعیہ ہے۔ کیا ہے؟ تبعیہ ہے، کیونکہ أَنْطَقُ اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل یہ مصدر سے اس کا اشتقاق ہوتا ہے۔ تو اس کو استعارہ تبعیہ کیوں کہا؟ کیونکہ اولاً استعارہ کس میں ہوا؟ مصدر میں ہوا یعنی نُطق کو کس معنی میں کر لیا گیا؟ دلالت کے معنی میں کر لیا گیا۔ تو اصلاً استعارہ ہوا مصدر میں، اور تبعاً پھر یہ نُطق مصدر جو کس معنی میں تھا؟ دلالت کے معنی میں تھا، اسی مصدر سے اسمِ تفضیل بنایا گیا، تو یہ اسمِ تفضیل بھی کس معنی میں ہو گا؟ دلالت ہی کے معنی میں ہو گا، تو یہ استعارہ تبعیہ ہوا۔

وَنَحْوُ: أَذَقْتُهُ لِبَاسَ الْمَوْتِ أَيْ أَلْبَسْتُهُ إِيَّاهُ۔ اور جیسے میں نے أَذَقْتُهُ اس کو چکھا دیا موت کا لباس أَيْ أَلْبَسْتُهُ إِيَّاهُ یعنی وہ اس کو پہنا دیا۔ تو یہاں أَذَقْتُ آیا اور آگے ہے لِبَاسَ، اور لباس چکھایا جاتا ہے یا پہنایا جاتا ہے؟ پہنایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا أَذَقْتُ کس معنی میں ہوا؟ أَلْبَسْتُ کے معنی میں ہوا، أَلْبَسَ يُلْبِسُ إِلْبَاسًا کا معنی لباس پہنانا۔ تو یہ أَذَقْتُ کس معنی میں؟ أَلْبَسْتُ کے معنی میں، تو معلوم ہوا اس میں استعارہ ہے کیونکہ یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہو رہا۔ اور پھر فعل ہے یہ أَذَقْتُ، تو یہ استعارہ تبعیہ ہوا۔ کیا ہوا؟ استعارہ تبعیہ ہوا۔ اور یہ جو أَذَقْتُ کے آگے لِبَاسَ ہے نا یہ قرینہ ہے کس پر؟ استعارے پر، یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں أَذَقْتُ کس معنی میں ہے؟ أَلْبَسْتُ کے معنی میں ہے۔

سمجھ میں آیا؟ ہر استعارے کے لیے قرینے کا ہونا ضروری ہے، بغیر قرینے کے استعارہ نہیں۔ جیسے پیچھے آیا تھا أَنْطَقُ، أَنْطَقُ کس معنی میں تھا؟ دلالت کرنے کے معنی میں تھا، أَنْطَقُ أَدَلُّ کے معنی میں تھا، لیکن پتہ کس سے چلا تھا؟ کیونکہ پیچھے حال کا ذکر تھا، حال تو بولتا نہیں ہے وہ تو کیا کرتا ہے؟ دلالت، اس سے پتہ لگ رہا تھا۔ اسی طرح اوپر تھا أُولَئِكَ عَلَى هُدًى، یہاں عَلَى کے اندر کیا ہے؟ استعارہ ہے، تو یہاں کس طرح پتہ چلا تھا؟ کیونکہ یہاں أُولَئِكَ ما قبل میں ہدایت یافتہ اور مابعد میں کس کا ذکر ہے؟ ہدایت کا، اور ہدایت یافتہ ہدایت کے اوپر سوار نہیں ہوتا کیونکہ ہدایت کوئی محسوس چیز نہیں ہے، تو اس نے بتا دیا۔ تو ہر ایک کے لیے قرینہ ضروری ہوتا ہے بھئی۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ استعارے کے اندر یا تو مشبہ ذکر ہوتا ہے یا مشبہ بہ، ہمیشہ ایسا ہی ہو گا یا مشبہ ذکر ہو گا یا مشبہ بہ۔ تو اگر مشبہ بہ ذکر ہو تو وہ تصریحیہ ہو گا، اگر مشبہ ذکر ہو تو یہ استعارہ مکنیہ یا استعارہ بالکنایہ ہو گا۔ پھر ان میں تقسیم ہے یا یہ اصلی ہو گا یا تبعی ہو گا۔ اگر مستعار لفظ جو ہے وہ مشتق ہو یا فعل ہو یا حرف ہو تو اس کو استعارہ تبعیہ کہیں گے، اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کو استعارہ اصلیہ کہیں گے۔ اور پھر میں نے یہ وجہ ذکر کی استعارہ تبعیہ کو تبعیہ کیوں کہتے ہیں؟ میں نے بتلایا تھا کہ مشتق کے اندر جب استعارہ ہو تو دراصل اس کی بنیاد ہوتی ہے، اس کے مصدر کے اندر پہلے استعارہ ہوتا ہے اور پھر مشتق میں بھی وہ استعارہ آ جاتا ہے۔ تو مشتق کے اندر استعارے کی بنیاد ایک اور استعارے پر ہے اور وہ کس میں؟ وہ مصدر کے اندر استعارہ ہے، لہٰذا اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔ اور حرف کے اندر جو استعارہ ہے اس کو بھی تبعیہ کہتے ہیں، اس لیے کیونکہ وہاں پر اولاً استعارہ جو ہے وہ جو حرف کے معنی کا متعلق ہے، اس کے لیے جو لفظ وضع تھا اس میں یعنی اس معنی کلی میں اولاً استعارہ ہوتا ہے۔ کس میں؟ معنی کلی میں استعارہ ہوتا ہے، عام کے اندر استعارہ ہوتا ہے، کلی کے اندر استعارہ ہوتا ہے، اور پھر اسی پر بنیاد ہوتی ہے کہ آگے اس کی جو جزئیات ہیں ان میں بھی کیا آ جاتا ہے؟ استعارہ آ جاتا ہے۔ بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۲: استعارہ مرشحہ، مجردہ ومطلقہ اور مجازِ مرسل کے نو علاقے (سببیت، مسببیت، کلیت، جزئیت، محلیت، حالیت وغیرہ)

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۱۱ــــ بتاریخ: ۲۶ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى مُرَشَّحَةٍ وَهِيَ مَا ذُكِرَ فِيهَا مُلَائِمُ الْمُشَبَّهِ بِهِ نَحْوُ: أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ، فَالِاشْتِرَاءُ مُسْتَعَارَةٌ لِلِاسْتِبْدَالِ وَذِكْرُ الرِّبْحِ وَالتِّجَارَةِ تَرْشِيحٌ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بیان میں آپ نے پڑھا تھا کہ تشبیہ، مجاز اور کنایہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ تشبیہ کا بیان مکمل ہوا، اس کے بعد مجاز کا بیان چل رہا ہے۔ اور آپ نے پڑھا مجاز کہتے ہیں لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا، یعنی لفظ کو معنی غیر حقیقی میں استعمال کرنا اور ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہو جو معنی حقیقی مراد لینے سے مانع ہو، اس سے روکنے والا ہو کہ حقیقی معنی کا وہاں ارادہ نہ کیا جا سکتا ہو، تو اس کو کہتے ہیں مجاز بھئی۔

اور مجاز جو ہے، یہ وہ لفظ ہے جس کو آپ نے معنی غیر حقیقی میں استعمال کیا ہے۔ تو وہ معنی جس میں استعمال کر رہے ہیں اور وہ معنی جو حقیقی ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق ہوتا ہے۔ اگر یہ تعلق تشبیہ والا ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں، اور اگر یہ تعلق تشبیہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو پھر اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں۔

اور پھر آپ نے پڑھا تھا کہ استعارہ کے اندر یا تو مشبہ ذکر ہوتا ہے یا مشبہ بہ۔ اگر استعارہ کے اندر مشبہ بہ ذکر ہو تو اسے استعارہ مصرحہ اور استعارہ تصریحیہ کہتے ہیں، اور اگر استعارہ کے اندر مشبہ ذکر ہو تو اسے استعارہ مکنیہ اور استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ اور استعارہ بالکنایہ کے لیے قرینہ جو ہوتا ہے وہ استعارہ تخییلیہ ہوتا ہے، یعنی مشبہ بہ کے لازم کو مشبہ کے لیے ثابت کرنا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ استعارہ تخییلیہ۔

پھر استعارہ چاہے مصرحہ ہو یا استعارہ مکنیہ ہو، دونوں دو قسم پر ہیں، یا اصلیہ ہوں گے یا تبعیہ۔ استعارہ تبعیہ وہ ہے جس کے اندر مستعار جو ہے، یعنی وہ لفظ جس میں استعارہ ہے، وہ مستعار جو ہے وہ فعل ہو، یا کوئی اسمِ مشتق ہو، یا حرف ہو۔ یا کیا ہو؟ حرف ہو۔ جبکہ استعارہ اصلیہ جس میں مستعار ایسا اسم ہو جو مشتق نہ ہو۔

پھر اس کے بعد وجہ ذکر کی تھی کہ استعارہ تبعیہ کو تبعیہ کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کیونکہ یہ استعارہ تابع ہوتا ہے ایک اور استعارے کے، یا یوں کہیں اس استعارے کی بنیاد ایک اور استعارے پر ہوتی ہے۔ اس استعارے کی بنیاد ایک اور استعارے پر ہوتی ہے، اس لیے اس کو استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔ مثلاً فعل میں یا کسی اسمِ مشتق کے اندر اگر استعارہ ہو تو دراصل پہلے استعارہ اس کے مصدر میں کیا گیا۔ کس میں؟ مصدر میں۔ اور اس کے مصدر کو معنی غیر حقیقی میں استعمال کر لیا گیا، اور پھر اس مصدر سے اس مشتق کا چاہے فعل ہو چاہے کوئی اسم ہو، اس کا اشتقاق اس مصدر سے کیا گیا، اور وہ مصدر تو تھا معنی غیر حقیقی میں، تو یہ جو مشتق ہوا یہ بھی کس میں ہو گا؟ معنی غیر حقیقی میں۔ تو اس کا استعارہ اس کے استعارے کے تابع ہوا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ استعارہ بھی کس کو کہتے تھے؟ لفظ معنی غیر حقیقی میں۔

اس کے بعد یہ مثال آئی تھی: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ۔ یہاں میں نے بتلایا تھا عَلَى جو حرف ہے اس کے اندر استعارہ ہے۔ اور حرف کے اندر جو استعارہ ہوا سے بھی کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔ تو یہاں پر دیکھیے أُولَئِكَ عَلَى هُدًى، عَلَى سے پہلے کیا ذکر؟ أُولَئِكَ وہ لوگ، اور وہ کون لوگ ہیں؟ ہدایت یافتہ جن کو ہدایت دی گئی، تو وہ ہوئے مہدی۔ اور عَلَى کے مابعد ذکر ہے هُدًى یعنی ہدایت کا ذکر ہے۔ تو ما قبل میں مہدی کا ذکر اور مابعد میں ہدایت کا ذکر ہے۔ تو مہدی اور ہدایت کے اندر اتصال ہوتا ہے۔ جس کو ہدایت دے دی گئی اس کا ہدایت سے تعلق جڑ گیا، اس کا ہدایت کے ساتھ اتصال آ گیا، تو اس اتصال کے لیے عَلَى حرف استعمال کیا گیا،

حالانکہ عَلَی تو استعلاء کے لیے آتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے اوپر ہے بھئی۔ ایک چیز دوسری چیز کے اوپر ہے۔ تو وہ جو مہدی اور ہدایت کے درمیان اتصال تھا اس کے لیے عَلَی استعمال کر لیا گیا۔ تو عَلَی کو اپنے معنی حقیقی میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ معنی غیر حقیقی میں استعمال کیا گیا، تو یہاں کیا ہوا؟ استعارہ ہوا۔

اور پھر میں نے تفصیل ذکر کی تھی کہ اس حرف میں استعارہ جو ہے اس کو تبعیہ کیوں کہتے ہیں؟ میں نے بتلایا تھا کہ عَلَی جو ہے یہ آتا ہے مطلقِ استعلاء کے لیے، اس کو عربوں نے کس لیے وضع کیا ہے، کس لیے مقرر کیا ہے؟ مطلقِ استعلاء کے لیے، یعنی کوئی بھی چیز دوسری چیز کے اوپر ہے تو اس کے لیے عَلَی استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں کہیں بھی آپ استعمال کریں گے تو وہ تو خاص موقع ہو گا، تو وہ مطلقِ استعلاء نہیں ہو گا، وہ خاص استعلاء ہو گا۔ کیا ہو گا؟ خاص استعلاء۔ تو یعنی عربوں نے اس کو وضع کیا مطلقِ استعلاء کے لیے، یعنی یہ کلی ہے، یہ کیا ہے؟ کلی ہے۔ اور جہاں بھی استعمال کریں گے وہ اس کی جزئی ہو گی بھئی۔ کیا ہو گی؟ جزئی ہو گی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی تھی کہ ایک ہے عام استعلاء، ایک ہے خاص استعلاء۔ عام استعلاء، عربوں نے وضع کیا عام استعلاء کے لیے، جہاں بھی استعمال کرنا چاہیں استعلاء کے لیے آپ عَلَی کو استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن جہاں کہیں بھی استعمال کریں گے، مثلاً میں استعمال کرتا ہوں: زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، زید کس پر ہے؟ چھت پر ہے۔ اب دیکھیے یہ عام استعلاء بتلا رہا ہے یا زید کا استعلاء بتلا رہا ہے؟ یہ زید کا استعلاء بتلا رہا ہے تو یہ خاص ہے، یہ کیا ہے؟ خاص۔ تو استعمال جہاں کہیں بھی کریں گے وہ خاص ہو گا، تو یہ اس کلی کے افراد میں سے ایک فرد ہے، اس کلی کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے۔ تو عَلَی مطلقِ استعلاء کے لیے ہے اور جہاں کہیں بھی آپ استعمال کریں گے وہ اس کی جزئی استعمال کریں گے۔ کیا استعمال کریں گے؟ جزئی۔ اس مطلقِ استعلاء کے لیے وضع ہے عَلَی، تو وہ ہے کلی، وہ مطلقِ استعلاء کے لیے، اور جہاں کہیں بھی استعمال کریں گے وہ اس کی جزئیات میں سے کوئی جزئی استعمال کریں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ اور یہاں پر یہ عَلَی استعمال ہوا، اور عام مہدی کا ذکر ہے یا یہ مخصوص مہدی جو ما قبل میں ذکر ہیں ان کا استعلاء بتلایا جا رہا ہے؟ مخصوص مہدی، معلوم ہوا یہاں پر بھی عَلَی کیا ہے؟ جزئی ہے۔ کیا ہے؟ جزئی ہے۔

اب تھوڑی سی اور تفصیل، تھوڑی سی اس میں مزید تھوڑا سا اضافہ کر لیں، بات تو سمجھ چکے ہیں آپ پوری، بس پورا تاکہ پوری بات آپ کے لیے واضح ہو جائے۔ دیکھیے بھئی، جیسے یہ عَلَی مطلقِ استعلاء کے لیے ہے، کس لیے ہے؟ مطلقِ استعلاء کے لیے۔ اسی طرح ہر مہدی، جو بھی مہدی ہو گا، جسے بھی ہدایت دے دی جائے، اس میں اور ہدایت میں کیا آجاتا ہے؟ اتصال آجاتا ہے۔ کیا آجاتا ہے؟ اتصال آجاتا ہے۔ تو ہر مہدی اور ہدایت میں اتصال ہو گا، لیکن کون سا اتصال ہے؟ مطلقِ اتصال ہے۔ کیا ہے؟ مطلق ہے کہ جو بھی مہدی ہو گا اس کا ہدایت سے اتصال۔ زید اگر ہدایت یافتہ ہے اس کا بھی ہدایت سے اتصال آیا، لیکن جب زید کا میں نے ذکر کر دیا اب یہ اتصال عام نہ رہا، اب یہ اتصال خاص بن گیا۔ کیا بن گیا؟ خاص، کیونکہ یہ صرف زید کا اتصال ہدایت کے ساتھ بتا رہا ہے۔

تو ہر مہدی اور ہدایت میں کیا ہے؟ اتصال، یہ ہے مطلقِ اتصال۔ کیا ہے؟ مطلقِ اتصال۔ لیکن جب کسی خاص آدمی کے لیے ذکر کیا جائے گا یا خاص جماعت کے لیے، تو یہ مطلقِ اتصال نہ رہا، یہ اس مخصوص آدمی ہی کا اتصال اب بتلائے گا۔ جیسے یہاں پر بھئی أُولَئِكَ عَلَى هُدًى، یہ مطلقِ اتصال بتایا جا رہا ہے یا ان مخصوص لوگوں کا اتصال ہدایت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے؟ مخصوص لوگوں کا اتصال بتایا جا رہا ہے، تو یہاں پر جو اتصال ہے وہ بھی جزئی ہے۔ وہ مطلقِ اتصال کے افراد میں سے ایک فرد ہے، ایک جزئی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر استعارہ تبعیہ کس طرح ہے اور استعارہ کس طرح ہے؟ بھئی یہ جو مطلقِ اتصال تھا، کیا تھا؟ مطلقِ اتصال، کس میں؟ مہدی اور ہدایت میں۔ اس مطلقِ اتصال کے لیے اس عَلَی کو لے لیا گیا مستعار جو مطلقِ استعلاء کے لیے آتا ہے۔ مطلقِ اتصال کے لیے مستعار کس کو لے لیا گیا؟ عَلَی کو، کون سا عَلَی جو کس لیے آتا ہے؟ مطلقِ استعلاء کے لیے آتا ہے۔ یعنی اس کلی کے لیے جو اتصال تھی، پہلی کلی کیا؟ مطلقِ اتصال، یہ بھی کیا ہے؟ کلی۔ اور اسی طرح مطلقِ استعلاء، یہ بھی کیا ہے؟ کلی۔ تو ایک کلی کے لیے دوسری کلی کو مستعار لے لیا گیا۔ مہدی اور ہدایت میں تو اتصال ہوتا ہے استعلاء نہیں ہوتا، لیکن اس کے لیے لفظ کون سا لے لیا گیا؟ عَلَی والا جو کس لیے آتا ہے؟ استعلاء کے لیے۔ تو اس مطلقِ اتصال کے لیے مطلقِ استعلاء والا لفظ یعنی عَلَی لے لیا گیا، تو اس کلی کے اندر کیا آیا؟ استعارہ آگیا۔ کیا آگیا؟ استعارہ۔ جب کلی کے اندر استعارہ آگیا تو اس کے تمام افراد میں بھی کیا آجائے گا؟ استعارہ آجائے گا۔

جب مطلقِ عَلَی اتصال کے معنی میں لے لیا گیا، مطلقِ عَلَی کو کس معنی میں استعمال کر لیا گیا؟ مطلقِ عَلَی کو لے لیا گیا مہدی اور ہدایت میں اتصال کے لیے۔ کس کے لیے؟ مطلقِ اتصال کے لیے۔ تو مطلقِ عَلَی کو لے لیا گیا مطلقِ اتصال کے لیے۔ کس کے لیے؟ مطلقِ اتصال کے لیے۔ اور جب مطلقِ عَلَی مطلقِ اتصال کے معنی میں ہوا تو اس کے تمام جو افراد اور جزئیات ہیں وہ بھی کس معنی میں ہو گئے؟ اتصال کے معنی میں ہو گئے۔ کس معنی میں؟ اتصال کے۔ تو یہاں پر اس اتصال کے ایک فرد کے لیے، اس اتصال کی ایک جزئی، کیونکہ یہاں اتصال جو أُولَئِكَ عَلَى هُدًى آیا یہاں مطلقِ اتصال ہے یا خاص اتصال ہے؟ خاص۔ اور یہاں پر جو عَلَی آیا وہ بھی اب مطلق رہا یا خاص بن گیا؟ خاص۔ تو اس خاص اتصال کے لیے ایک خاص عَلَی کو استعمال کر لیا گیا، یعنی اس کلی کے افراد میں سے یا اس کلی کی جزئیات میں سے ایک جزئی کو استعمال کر لیا گیا۔

اس کلی کی جزئیات میں سے ایک جزئی کو، کون سی کلی؟ جو عَلَی تھا، کس لیے تھا؟ مطلقِ استعلاء کے لیے۔ اس کی جزئیات میں سے ایک جزئی جو کس لیے اب کیا بیان کرے گی؟ اتصال، لیکن جب جزئی ہے تو کیا بیان کرے گی؟ خاص استعلاء بیان کرے گی۔ تو اس عَلَی کی جزئیات میں سے ایک جزئی کو استعمال کر لیا گیا مہدی اور ہدایت کے درمیان جو اتصال تھا اس کی جزئیات میں سے ایک جزئی کے لیے۔ مہدی اور ہدایت میں جو مطلقِ اتصال تھا اس کی جزئیات میں سے ایک جزئی کے لیے کیا استعمال کر لیا

گیا؟ مطلق عَلَی کے افراد میں سے ایک عَلَی، کون سا مطلق عَلَی؟ جس کو ہم نے کس معنی میں کر لیا تھا؟ اتصال کے معنی میں کر لیا تھا، تو اس کے افراد میں سے ایک فرد کو استعمال کیا۔ تو یہاں عَلَی کلی استعمال ہوئی یا جزئی؟ یہاں جزئی ہے۔ اور یہ جزئی کو استعمال کر لیا گیا کس معنی میں؟ اتصال کے معنی میں۔ کس معنی میں؟ اتصال کے معنی میں۔

توجہ کریں بھئی توجہ۔ یہاں پر کیا استعمال کیا گیا؟ عَلَی کو۔ اور یہ عَلَی جزئی ہے یا کلی ہے جس کو ہم نے استعمال کر لیا؟ یہ جزئی ہے۔ اور اس جزئی کو کس معنی میں استعمال کیا؟ اتصال کے معنی میں۔ اور اتصال بھی یہاں پر خاص لوگوں کا بیان ہو رہا ہے، تو یہ اتصال کلی ہے یا جزئی ہے؟ جزئی ہے۔ تو اتصال کی ایک جزئی کے اندر عَلَی کی ایک جزئی کو استعمال کر لیا گیا بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟

جی، لہٰذا یہاں پر استعارہ تبعیہ ہوا، کیونکہ جزئی کے اندر استعارہ وہ تابع ہے کس کے اندر استعارے کے؟ کلی کے اندر۔ کس میں؟ کلی کے اندر۔ تو وہ عَلَی جو مطلقِ استعلاء کے لیے تھا، پہلے اس کو کس کے لیے استعمال کیا گیا؟ مطلقِ اتصال کے لیے، یعنی ایک کلی کو مستعار لے لیا گیا ایک دوسرے کلی معنی کے لیے، پھر اس کلی کے افراد میں سے ایک فرد کو یہاں استعمال کر لیا گیا۔ تو یہ جو عَلَی یہاں آیا یہ بھی ہے جزئی، اور یہ کس معنی میں ہے؟ اتصال کے معنی میں، اور اتصال بھی یہاں پر کون سا ہے؟ جزئی ہے۔ تو عَلَی کی ایک جزئی کو اتصال کی ایک جزئی کے معنی میں استعمال کر لیا گیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو عَلَی کی جزئیات میں سے ایک جزئی کو اتصال کی جزئیات میں سے ایک جزئی کے اندر بطورِ استعارہ کے استعمال کر لیا گیا۔

■ قولہ: «وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى مُرَشَّحَةٍ...» کی تشریح

اب آگے سبق دیکھیے بھئی: وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى مُرَشَّحَةٍ وَهِيَ مَا ذُكِرَ فِيهَا مُلَائِمُ الْمُشَبَّهِ بِهِ۔ اب استعارہ کی مزید تقسیم کر رہے ہیں۔ پہلے تو آپ نے پڑھ لیا یا مصرحہ ہو گا یا مکنیہ ہو گا، اصلیہ ہو گا یا تبعیہ ہو گا۔ اب آگے تقسیم کر رہے ہیں، تین قسمیں آپ کو مزید بتلائیں گے کہ استعارہ یا مرشحہ ہو گا۔ کیا ہو گا؟ مرشحہ ہو گا، اسی کو استعارہ ترشیحیہ بھی کہتے ہیں۔ تو یا استعارہ مرشحہ ہو گا، یا استعارہ مجردہ ہو گا، یا استعارہ مطلقہ ہو گا۔ کتنی قسم پر ہوا؟ تین قسمیں مزید بتلا رہے ہیں: یا استعارہ مرشحہ ہو گا، یا استعارہ مجردہ ہو گا، یا استعارہ مطلقہ ہو گا۔ اور تعریفیں آسان ہیں۔

بھئی دیکھیے، استعارے کے ساتھ پہلے تو یہ یاد رکھیے، استعارے کے ساتھ قرینے کا ہونا ضروری ہے۔ جب بھی استعارہ آئے گا ساتھ کوئی نہ کوئی کیا ہو گا؟ قرینہ ہو گا، وہ بتلائے گا کہ یہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال نہیں ہو رہا بلکہ کس معنی میں استعمال ہو رہا ہے؟ معنی غیر موضوع لہ میں۔ اگر قرینہ نہیں ہو گا پھر تو سننے والے کو نہیں پتہ چلے گا، وہ تو لفظ کا حقیقی معنی ہی مراد لے گا۔ تو استعارے کے ساتھ ہمیشہ کیا ضروری ہے؟ قرینے کا ہونا ضروری ہے بھئی۔

تو قرینے کا ہونا ضروری ہے، ہاں اس قرینے سے زائد اگر مشبہ بہ کا کوئی مناسب ذکر کر دیا جائے، استعارے کے ساتھ مشبہ بہ کا کوئی مناسب ذکر کر دیا جائے، تو اس کو کہیں گے استعارہ مرشحہ۔ مشبہ بہ کے مناسب کوئی چیز ذکر کر دی جائے جس کی مناسبت کس کے ساتھ ہو؟ مشبہ بہ کے ساتھ۔ بھئی ایک تو ہے استعارہ، استعارہ آ گیا، ساتھ اس کے کوئی نہ کوئی قرینہ بھی ضرور ہو گا۔ تو یہ استعارہ اور اس کے قرینے کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ذکر کر دی جائے جو کس کے مناسب ہو؟ مشبہ بہ کے مناسب ہو، یعنی وہ چیزیں جو مشبہ بہ کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں ان میں سے کوئی چیز ذکر کر دی جائے استعارے کے اندر، تو اس کو استعارہ مرشحہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ استعارہ مرشحہ۔ ترشیح کا معنی ہے قوت دینا، قوی کرنا۔ تو لہٰذا یہ استعارہ مرشحہ جو ہے یہ بھی استعارے میں قوت پیدا کر دیتا ہے۔ کیا پیدا کر دیتا ہے؟ قوت پیدا کر دیتا ہے، تو یہ استعارہ مرشحہ ہے بھئی۔

تو استعارہ مرشحہ کسے کہتے ہیں؟ کہ استعارے کے بعد اور اس کے قرینے کے بعد مزید مشبہ بہ کے مناسب کسی چیز کو کلام میں ذکر کر دینا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ استعارہ مرشحہ۔ اور اگر اس کا عکس ہو، یعنی مشبہ بہ کا مناسب نہیں ذکر کیا گیا بلکہ مشبہ کا مناسب عبارت میں ذکر کر دیا گیا، تو اس کو کہتے ہیں استعارہ مجردہ۔ کیا کہتے ہیں؟ استعارہ مجردہ۔ اور اگر نہ مشبہ بہ کا کوئی مناسب ذکر ہے نہ مشبہ کا کوئی مناسب ذکر ہے، تو اس کو کہتے ہیں استعارہ مطلقہ بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ استعارہ مطلقہ۔

تو کتنی قسمیں ہوئیں؟ تین: اول مرشحہ، دوسرا مجردہ، تیسرا مطلقہ۔ تو اگر استعارے میں مشبہ بہ کا کوئی مناسب ذکر کر دیا جائے تو اسے کیا کہتے ہیں؟ استعارہ مرشحہ۔ اور اگر مشبہ کا کوئی مناسب ذکر کر دیا جائے تو یہ استعارہ مجردہ ہے۔ اور اگر کسی کا کوئی مناسب نہ ذکر کیا جائے، نہ مشبہ کا کوئی مناسب ہے نہ مشبہ بہ کا کوئی مناسب ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ مطلقہ کہتے ہیں بھئی۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر: وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى مُرَشَّحَةٍ اور تقسیم ہوتا ہے استعارہ مرشحہ کی طرف، ایک ڈیڑھ سطر بعد آ رہا ہے وَإِلَى مُجَرَّدَةٍ اور استعارہ مجردہ کی طرف، پھر ایک ڈیڑھ سطر بعد آ رہا ہے وَإِلَى مُطْلَقَةٍ اور استعارہ مطلقہ کی طرف۔ تو استعارہ ان تین قسموں کی طرف تقسیم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے مرشحہ آیا تو اس کے بارے میں بتلا رہے ہیں: وَهِيَ مَا ذُكِرَ فِيهَا مُلَائِمُ الْمُشَبَّهِ بِهِ۔ مُلَائِم کا معنی ہے مناسب بھئی۔ مُلَائِم کا کیا معنی؟ مناسب۔ وہ استعارہ ہے کہ ذکر کیا جائے اس کے اندر مشبہ بہ کا کوئی مناسب، نَحْوُ مثال کے طور پر: أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ۔ أُولَئِكَ الَّذِينَ یہ وہی لوگ ہیں اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ خرید لیا ہے انہوں نے کس کو؟ الضَّلَالَةَ گمراہی کو بِالْهُدَى ہدایت کے بدلے میں فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ پس نفع نہیں کمایا تِجَارَتُهُمْ ان کی تجارت نے، یعنی ان کی تجارت نفع بخش نہیں ہوئی۔ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا ہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں تو ان کی تجارت نفع بخش نہیں ہوئی۔

■ قولہ: «الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى» کی تشریح

اب دیکھیے بھئی، یہاں پر اشتراء بول کر استبدال مراد ہے۔ اشتراء بول کر استبدال مراد ہے۔ اور قرینہ کیا ہے؟ قرینہ الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى ہے۔ گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خریدا نہیں جاتا، گمراہی کو بدل لیا جاتا ہے۔ کیا کر لیا جاتا ہے؟ بدل لیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں اشتراء کس معنی میں ہے؟ بدلنے کے معنی میں، یعنی انہوں نے ہدایت چھوڑ کر اس کو کس سے بدل لیا ہے، کس کو اختیار کر لیا ہے اس کے بدلے میں؟ گمراہی کو اختیار کر لیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا یہاں اشتراء کس معنی میں؟ استبدال یعنی بدلنے کے معنی میں ہے۔ اور قرینہ کیا ہے؟ میں نے بتلا دیا یہ جو الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى یہ قرینہ ہے کیونکہ گمراہی کو ہدایت کے بدلے خریدا نہیں جاتا اس کے بدلے اختیار کیا جاتا ہے، اس سے بدل لیا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو مشبہ کون ہوا؟ استبدال۔ انہوں نے تو بدلا ہے لیکن اس بدلنے کو تشبیہ دے دی گئی کس سے؟ خریدنے کے ساتھ، اشتراء کے ساتھ۔ تو استبدال ہوا مشبہ، اور اشتراء یعنی خریدنا کیا ہوا؟ مشبہ بہ۔ اور یہاں کیا ذکر ہے؟ مشبہ بہ ذکر ہے، انہوں نے خرید لیا ہے۔ تو یہ مشبہ بہ ہوا، اور اسی کے مناسب آگے نفع اور تجارت کا ذکر آگیا، کیونکہ خریدنے میں نفع اور تجارت ہوتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ مشبہ بہ کے مناسب ذکر ہیں یہ جو رِبْحٌ نفع کا ذکر ہے اور یہ جو تجارت کا ذکر ہے۔ یہاں پر استعارہ مرشحہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو کہتے ہیں فَالِاشْتِرَاءُ مُسْتَعَارَةٌ لِلِاسْتِبْدَالِ تو اشتراء کا لفظ جو ہے یہ مستعار ہے استبدال کے لیے، وَذِكْرُ الرِّبْحِ وَالتِّجَارَةِ تَرْشِيحٌ اور رِبْحٌ یعنی نفع، اور نفع اور تجارت کا ذکر یہ ترشیح ہے۔

وَإِلَى مُجَرَّدَةٍ اور تقسیم ہوتا ہے مجردہ کی طرف استعارہ، وَهِيَ الَّتِي ذُكِرَ فِيهَا مُلَائِمُ الْمُشَبَّهِ اور یہ وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ کا کوئی مناسب ذکر کیا جائے، نَحْوُ مثال کے طور پر: فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ۔ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ تو اللہ نے چکھا دیا اس کو، جُوعٌ بھوک بھئی، بھوک اور خوف کا لباس۔ تو اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا۔

اب دیکھیے یہاں پر لباس ذکر کیا گیا، اور بھوک اور خوف کا لباس نہیں ہوتا، ان کی تکلیف اور ان کا ضرر اور نقصان ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ ضرر اور نقصان۔ تو وہ جو بھوک اور خوف کی تکلیف تھی، اس تکلیف کو، اس ضرر کو، اس نقصان کو تشبیہ دے دی گئی لباس کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ لباس کے ساتھ۔ کیونکہ جس طرح لباس پورے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے، اس کا احاطہ کر لیتا ہے، اسی طرح یہ بھوک اور خوف کی جو تکلیف ہے اس کا اثر بھی پورے بدن پر پڑتا ہے۔ انسان بھوک اور خوف میں کمزور اور دبلا پتلا ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے، دیکھو پورے بدن پر اس تکلیف کا اثر پڑتا ہے۔ تو لہٰذا جیسے لباس پورے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے اسی طرح اس تکلیف کا اثر بھی کیا کرتا ہے؟ پورے بدن پر چھا جاتا ہے۔ تو لہٰذا اس تکلیف کو اور اس تکلیف کے اثر کو تشبیہ دے دی گئی لباس کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ لباس کے ساتھ۔ تو یہ جو تکلیف تھی یہ ہے مشبہ، اور لباس کیا ہوا؟ مشبہ بہ۔ اور اس لباس مشبہ بہ کے لفظ کو مستعار لے لیا گیا کس کے لیے؟ اس تکلیف کے لیے، کیونکہ بھوک اور خوف کا لباس نہیں ہوتا بلکہ ان کی تکلیف ہوتی ہے۔ تو استعمال لباس کر لیا گیا بھئی، تو کس لفظ کو ذکر کر دیا گیا؟ مشبہ بہ کو۔

اور یہ جو أَذَاقَ استعمال ہوا چکھا دیا، یہ ہے کیا؟ تجرید ہے۔ یہ کیا ہے؟ تجرید ہے، یعنی مشبہ کا مناسب ذکر کر دیا گیا۔ مشبہ کیا تھا؟ تکلیف، اور تکلیف کے لیے کلام عرب میں چکھنے اور چکھا دینے کا لفظ عام استعمال ہوتا ہے۔ کسی پر سختی آجائے تو عربی میں کہتے ہیں: ذَاقَ فُلَانٌ الْبُؤْسَ، چکھا فلاں نے سختی کو، فلاں نے سختی کو چکھا۔ یا کوئی دوسرے کو تکلیف پہنچائے تو وہاں پر بھی کہتے ہیں فلاں نے فلاں کو تکلیف چکھا دی، أَذَاقَهُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی مشبہ کون؟ تکلیف، اور مشبہ بہ کیا تھا؟ لباس، اور چکھا دینا ذکر ہوا، اور چکھا دینا یہ لباس کے مناسب ہے یا اس تکلیف کے مناسب ہے؟ تکلیف کے مناسب ہے، تو یہاں مشبہ کا مناسب ذکر کیا گیا تو یہ کیا ہے؟ تجرید ہے، یعنی استعارہ مجردہ۔

■ قولہ: «نَحْوُ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں نَحْوُ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ تو چکھا دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے بھوک اور خوف کا لباس، اسْتُعِيرَ اللِّبَاسُ لِمَا غَشِيَ الْإِنْسَانَ عِنْدَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ مستعار لے لیا گیا لباس کے لفظ کو لِمَا اس تکلیف کے لیے غَشِيَ الْإِنْسَانَ جو انسان کو ڈھانپ لیتی ہے عِنْدَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بھوک اور خوف کے وقت بھئی، تو وہ تکلیف اور اس تکلیف کا اثر بھئی، تو اس کے لیے مستعار لے لیا گیا لباس کے لفظ کو، وَالْإِذَاقَةُ تَجْرِيدٌ لِذَلِكَ اور اذاقہ کو جو ذکر کیا گیا یہ تجرید ہے اس کے لیے۔

وَإِلَى مُطْلَقَةٍ اور استعارہ تقسیم ہوتا ہے مطلقہ کی طرف، وَهِيَ الَّتِي لَمْ يُذْكَرْ مَعَهَا مُلَائِمٌ اور یہ وہ استعارہ ہے جس کے ساتھ کوئی مناسب ذکر نہ کیا جائے، یعنی نہ مشبہ کا مناسب ہو اور نہ مشبہ بہ کا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ، وہ توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو، یعنی اللہ سے جو عہد کر رکھا ہے اس کو وہ توڑتے ہیں، یعنی اللہ سے جو وعدہ کر رکھا ہے اس کو وہ لوگ توڑتے ہیں بھئی۔

تو یہاں پر بھئی يَنْقُضُونَ آیا، اور نَقْض کا معنی ہوتا ہے توڑنا۔ اور توڑا رسی وغیرہ جیسی چیز کو جاتا ہے، وعدے کو توڑا نہیں، وعدے کو باطل کیا جاتا ہے۔ کیا کیا جاتا

ہے؟ باطل۔ بھئی اردو میں بھی ہم استعمال کرتے ہیں لیکن اردو میں بھی اسی طرح استعارہ ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ توڑنا تو ایسی چیز کا ہوگا جو کوئی سخت ہو جیسے رسی وغیرہ ہے۔ تو یہاں ابطالِ عہد کے لیے، ابطالِ عہد کو گویا تشبیہ دے دی گئی رسی کے توڑنے کے ساتھ۔ تو ابطالِ عہد ہوا مشبہ، اور رسی کا توڑنا کیا ہے؟ مشبہ بہ۔ اور پھر اس مشبہ بہ کے لفظ کو استعمال کر لیا گیا کس کے لیے؟ مشبہ کے لیے یعنی ابطالِ عہد کے لیے، تو یہ کیا آیا؟ استعارہ ہے یہاں پر۔ تو یہ استعارہ یَنْقُضُونَ میں ہے۔ کس میں ہے؟ یَنْقُضُونَ میں، کیونکہ عہد کا نقض نہیں ہوتا بلکہ ابطال ہوتا ہے، تو یہاں نقض ابطال کے معنی میں ہے۔ نقض کس معنی میں ہے؟ ابطال کے معنی میں ہے، باطل کر دینے کے معنی میں ہے، ختم کر دینے کے معنی میں ہے۔ اور نہ مشبہ کا کوئی مناسب یہاں ذکر ہے اور نہ مشبہ بہ کا کوئی مناسب ذکر ہے۔

يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ وہ لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں۔ وَلَا يُعْتَبَرُ التَّرْشِيحُ وَالتَّجْرِيدُ إِلَّا بَعْدَ تَمَامِ الِاسْتِعَارَةِ بِالْقَرِينَةِ. یہ بات میں پہلے بیان کر چکا کہ یہ جو مشبہ اور مشبہ بہ کا جو مناسب ذکر کیا جائے یہ قرینے کے بعد آئے گا۔ کس کے بعد؟ قرینے کے بعد۔ اس لیے کیونکہ ہر استعارے کے ساتھ تو قرینے کا ہونا ضروری ہے۔ تو قرینے کو ہی آپ نے ترشیح یا تجرید نہیں بنانا، یہ ترشیح اور تجرید قرینے پر زائد چیز ہوگی۔ کیا ہوگی؟ زائد چیز ہوگی۔ تو سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ قرینے پر زائد ہوگی۔ تو معلوم ہوا ترشیح اور تجرید کب آئیں گے؟ جب استعارہ پورا ہو جائے قرینے کے ساتھ۔ استعارہ بھی آگیا، ساتھ اس کے کوئی قرینہ بھی آگیا جو بتلانے والا ہے کہ یہاں استعارہ ہے، پھر اس کے بعد کیا آسکتے ہیں؟ ترشیح یا تجرید اس کے بعد آسکتے ہیں۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں: وَلَا يُعْتَبَرُ التَّرْشِيحُ وَالتَّجْرِيدُ إِلَّا بَعْدَ تَمَامِ الِاسْتِعَارَةِ بِالْقَرِينَةِ اور اعتبار نہیں کیا جاتا ترشیح اور تجرید کا مگر یہ کہ جب پورا ہو جائے استعارہ بِالْقَرِينَةِ کس کے ساتھ؟ قرینے کے ساتھ۔ قرینے کے ساتھ مل کر اب استعارہ پورا ہو جائے تو پھر اس کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ کہیں مزید کوئی مشبہ یا مشبہ بہ کے مناسبات میں سے کوئی چیز تو نہیں ذکر؟ اگر ذکر ہو مشبہ بہ کا مناسب تو اس کو استعارہ مرشحہ کہہ دیتے ہیں، اور اگر مشبہ کا مناسب ذکر ہو تو اس کو استعارہ مجردہ کہتے ہیں، اور اگر کسی کا بھی ذکر نہ ہو تو وہ استعارہ مطلقہ ہے بھئی۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھیے ان میں سب سے ابلغ وہ استعارہ مرشحہ ہے، اس کا درجہ، اور پھر دوسرے درجے پر مطلقہ ہے، اور تیسرے درجے پر مجردہ ہے۔ تیسرے درجے پر کون ہے؟ مجردہ۔ سب سے اعلیٰ کیا صورت ہے، کیا کیا جائے؟ استعارہ مرشحہ کو لایا جائے۔ دوسرا درجہ کس کا؟ مطلقہ کا۔ اور آخری درجہ کس کا؟ مجردہ کا۔ بھئی وجہ یہ ہے کہ یہ جو استعارہ ہے نا استعارہ، دیکھیے اس میں آپ نے مشبہ کے لیے مشبہ بہ والا لفظ استعمال کر لیا۔ کون سا لفظ؟ مشبہ بہ والا۔ میں کہتا ہوں: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي، میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ بھئی تیر تو شیر نہیں چلا سکتا، معلوم ہوا اسد بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ گویا میں یہ کہہ رہا ہوں میں نے ایک بہادر آدمی کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا، لیکن بہادر آدمی کے لیے میں لفظ کیا لایا؟ اسد۔ معلوم ہوا میں نے اس کو شیر کے ساتھ تشبیہ دے دی ہے، اور پھر شیر ہی کا لفظ اس کے لیے استعمال کر لیا بھئی۔

تو گویا استعارے میں جب مشبہ کے لیے مشبہ بہ کا لفظ استعمال کیا گیا تو گویا یہ دعویٰ کر دیا جاتا ہے کہ یہ مشبہ، مشبہ بہ کے افراد ہی میں سے ہے، انہی کی جنس میں سے ہے۔ یہ آدمی یہ جو بہادر ہے یہ گویا کس کی جنس میں سے ہے؟ شیر کی جنس میں سے ہے بھئی، گویا یہ دعویٰ کر دیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ ثابت کیا کرنا ہے؟ اس کی بہادری کو۔ اور جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ شیر کی جنس میں سے ہے تو بہادری خود بخود ثابت ہو جائے گی یا نہیں ہو جائے گی؟ تو لہٰذا استعارے کے اندر دراصل مشبہ بہ کا لفظ جب مشبہ کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں کیا دعویٰ کر دیا جاتا ہے؟ یہ مشبہ کس میں سے ہے؟ یہ مشبہ بہ کی جنس میں سے ہے، یہ انہی کے افراد میں سے ہے، یہ آدمی نہیں ہے یہ دراصل کس میں سے ہے؟ شیروں کی جنس میں سے ایک شیر ہے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو گویا یہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔

اور جب یہ دعویٰ کر دیا گیا تو لفظ تو میں نے ذکر کیا اسد کا لیکن مراد اس سے کیا ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ لفظ ذکر کر رہا ہوں اسد کا اور مراد اس سے کیا ہے؟ بہادر آدمی۔ اب اگر میں شیر کے مناسبات یعنی مشبہ بہ کے مناسبات ذکر کروں گا تو میرے اس دعوے میں قوت آجائے گی۔ کیا آجائے گی؟ قوت آجائے گی۔ مثلاً میں کوئی شیر کے مناسب کوئی چیز ذکر کر دیتا ہوں، مثلاً: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي بِأَظْفَارِهِ، میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا بِأَظْفَارِهِ اپنے ناخنوں سے یا اپنے پنجوں سے۔ کس کے ساتھ؟ اپنے پنجوں سے میں نے اس کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب یہ اظفار ذکر کر دیے، یہ کس کے مناسب ہیں؟ یہ شیر کے مناسب ہیں۔ یا بِالْمَخَالِبِ کہہ لیں پنجوں کے ساتھ: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي بِالْمَخَالِبِ، میں نے ایک شیر کو اپنے پنجوں کے ساتھ تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اور اسد بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے۔

تو جس لفظ کو میں ذکر کر رہا ہوں وہ کیا ہے؟ مشبہ بہ۔ تو جب میں نے مشبہ بہ کے ساتھ بہادر آدمی کو ذکر کیا یعنی اسد کے لفظ کے ساتھ، تو گویا میں نے یہ کیا دعویٰ کر دیا کہ یہ آدمی کس میں سے ہے دراصل؟ شیر کی جنس میں سے ہے۔ اور آگے پھر میں نے ناخن بھی شیر کے ذکر کر دیے تو گویا میرے دعوے میں کیا آگئی؟ قوت آگئی۔ شیر کے پنجے ثابت کر رہا ہوں یا اسی طرح میں شیر کی گردن پر جو بڑے بال ہوتے ہیں وہ میں اس کے لیے ثابت کر دوں گا تو میرے دعوے میں قوت آئے گی یا نہیں آئے گی؟ میرے دعوے میں قوت آجائے گی کہ دیکھو اس کے لیے پنجے بھی ثابت کر رہا ہوں یہ بھی شیر میں ہوتا ہے، اس کے لیے گردن پر بال ہوتے ہیں وہ بھی ثابت کر رہا ہوں، معلوم ہوا یہ واقعی شیر ہی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو استعارے میں دراصل یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ مشبہ، مشبہ بہ کے افراد میں سے ہے۔ سمجھ میں آیا؟

اور پھر اس تشبیہ کو بھلا دیا جاتا ہے اور آگے مشبہ بہ کے مناسبات کو ذکر کر دیتے ہیں۔ کس کو؟ مشبہ بہ کے مناسبات کو۔ یہ پنجے اور بال تو کس کے ہوتے ہیں؟ شیر کے ہوتے ہیں۔ تو میں نے آگے یہ جو پنجے اور بال وغیرہ مثلاً میں ذکر کرتا ہوں تو میں نے پیچھے گویا تشبیہ کو بھلا ہی دیا۔ میں پیچھے یہ بھول ہی گیا، جان بوجھ کر بھلایا جاتا ہے اپنے

دعوے کو مضبوط کرنے کے لیے۔ تو پیچھے میں نے اس کے لیے کیا لفظ استعمال کیا؟ اسد کا لفظ۔ گویا کیا دعویٰ کیا کہ ہے تو یہ بہادر آدمی لیکن کس کی جنس میں سے ہے؟ یوں سمجھو یہ شیر ہے۔ اور لفظ کون سا استعمال کیا؟ اسد، لیکن مراد تو ہے بہادر آدمی۔ لیکن آگے جب چلتا ہوں، آگے جب میں شیر کے پنجے ذکر کرتا ہوں وغیرہ تو میں اس طرح بن جاتا ہوں جیسے مجھے تو بھول ہی گیا کہ پیچھے اسد بول کر بہادر آدمی مراد تھا، یہ خود ہی شیر ہے۔ یہ کیا ہے؟ شیر۔ اور جب شیر ہے تو لازمی بات ہے اس کے کیا ہیں؟ پنجے بھی ہیں اور اس کی گردن پر کیا ہیں؟ بڑے بڑے بال بھی ہیں بھئی۔

تو تشبیہ کو بھلا دیا جاتا ہے۔ بھلایا کس لیے جاتا ہے؟ اپنے دعوے کو پکا کرنے کے لیے، مضبوط کرنے کے لیے مشبہ بہ کے مناسب چیزوں کو کس کے لیے ثابت کرتا چلا جاتا ہے؟ مشبہ کے لیے، گویا اپنے دعوے میں مزید قوت پیدا کرتا چلا جاتا ہے کہ یہ واقعی شیر ہی کے افراد میں سے ہے، حقیقت میں یہ کس میں سے ہے؟ شیر میں سے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟

تو اب دیکھیے، میں نے استعارہ کیا اور مشبہ کے لیے کون سا لفظ استعمال کیا؟ مشبہ بہ والا۔ تو گویا میں نے کیا دعویٰ کر دیا کہ یہ مشبہ کس کے افراد میں سے ہے؟ مشبہ بہ کے افراد میں سے ہے، یہ بھی اسی کی جنس میں سے ہے، یہ بھی وہی چیز ہے۔ تو اب اگر میں مشبہ بہ کے مناسبات اس کے لیے ثابت کروں گا تو میرے دعوے میں قوت آئے گی۔ لیکن اگر میں مشبہ کے مناسبات پھر ذکر کروں آگے، تو اس سے تو میرا دعویٰ کمزور ہو جائے گا۔ کیا ہو جائے گا؟ دعویٰ کمزور ہو جائے گا۔ میں نے بہادر آدمی کے لیے لفظ کیا استعمال کیا؟ شیر کا، گویا میرا دعویٰ کیا ہے یہ بھی کس میں سے ہے؟ یہ شیر کی جنس میں سے ہے۔ پھر میں اس کے لیے آدمی والی چیزیں ثابت کروں، دعویٰ پیچھے کیا یہ شیر کی جنس میں سے ہے اور چیزیں آگے کیا ثابت کر رہا ہوں؟ وہ کام ثابت کر رہا ہوں جو آدمی کے ہیں، تو پھر تو یہ میرا دعویٰ کمزور ہو جائے گا۔ اسی لیے مجردہ جس میں مشبہ کا مناسب ذکر ہو اس سے چونکہ دعویٰ کمزور ہو رہا ہے لہٰذا اس کا درجہ سب سے کم ہے، اور مرشحہ جس کے اندر مشبہ بہ کا مناسب ذکر ہے وہ سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اور مطلقہ اس کا درجہ دوسرا ہے درمیان والا ہے، اس لیے کیونکہ اس میں اگر دعوے کو قوت دینے والی چیز نہیں ہے تو دعوے کو کمزور کرنے والی چیز بھی کوئی نہیں ہے، جبکہ مجردہ میں تو دعوے کو کمزور کرنے والی چیز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «اَلْمَجَازُ الْمُرْسَلُ: هُوَ مَجَازٌ عَلَاقَتُهُ...» کی تشریح

اب دیکھیے آگے بھئی: اَلْمَجَازُ الْمُرْسَلُ: هُوَ مَجَازٌ عَلَاقَتُهُ غَيْرُ الْمُشَابَهَةِ، كَالسَّبَبِيَّةِ فِي قَوْلِكَ: عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ أَيْ نِعْمَتُهُ الَّتِي سَبَبُهَا الْيَدُ۔ عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ، یہ يَدُ فاعل ہے بھئی، فاعل ہے يَدُ، عَظُمَتْ کے لیے، اس کو مرفوع ہونا چاہیے۔

بھئی اب مجازِ مرسل آیا۔ یہ آپ پیچھے پڑھ چکے کہ مجاز کس کو کہتے تھے؟ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا جائے۔ اور اگر معنی موضوع لہ یعنی معنی حقیقی اور معنی مستعمل جس معنی میں آپ نے استعمال کیا، اس میں اگر تعلق کون سا ہو؟ تشبیہ والا ہو تو اسے کہتے ہیں استعارہ، اور اگر تعلق تشبیہ کے علاوہ ہو تو اسے کیا کہتے ہیں؟ مجازِ مرسل کہتے ہیں۔

اور میں نے بتلایا تھا کہ مجازِ مرسل کے بہت سے علاقے ہیں، جیسے پیچھے مثال آئی تھی: وَيَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ، وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کرتے ہیں۔ تو انگلیاں بول کر کیا مراد تھے؟ پورے مراد تھے، کیونکہ ظاہر سی بات ہے پوری انگلی تو کان میں داخل نہیں کی جا سکتی، تو وہاں کل بول کر جز مراد تھا۔ تو انگلی کا لفظ ذکر تھا اور مراد تھے پورے، تو انگلی اور پورے کے اندر کیا تعلق ہے؟ کل اور جز والا۔ انگلی کل ہے اور پورا اس کا جز ہے، تو وہاں کل اور جز والا تعلق تھا تشبیہ والا تعلق نہیں تھا۔ تو اس کو مجازِ مرسل کہتے ہیں اور اس کے کئی علاقے ہیں۔ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا جائے اور علاقہ تشبیہ کے علاوہ ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجازِ مرسل۔ اور اس کے بہت سے علاقے ہیں، چند ایک یہ یہاں ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ یہ آسان مثالیں ہیں دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں اَلْمَجَازُ الْمُرْسَلُ هُوَ مَجَازٌ عَلَاقَتُهُ غَيْرُ الْمُشَابَهَةِ، مجازِ مرسل وہ مجاز ہے کہ جس کا علاقہ مشابہت کے علاوہ ہو، كَالسَّبَبِيَّةِ فِي قَوْلِكَ جیسے کہ سبب ہونا آپ کے اس قول کے اندر: عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ أَيْ نِعْمَتُهُ۔ یہاں ید بول کر نعمت مراد ہے۔ ید بول کر کیا مراد ہے؟ نعمت۔ کیا معنی نعمت؟ یعنی انعام اور احسان۔ کیا مراد ہے؟ انعام اور احسان۔ بھئی ایک آدمی ہے وہ آپ کو بہت سے عطایا دیتا رہتا ہے، آپ کو بہت سے عطایا، انعامات، چیزیں یعنی دیتا رہتا ہے، آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، کبھی کتنا مال دے دیا آپ کو کبھی کتنا مال دے دیا، تو اب دیکھیے یہ اس کے انعامات بڑھ گئے، زیادہ ہو گئے یا نہیں ہو گئے بھئی؟ اس کے انعامات آپ پر زیادہ ہو گئے تو اب آپ کہتے ہیں: عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ، فلاں کے انعامات عظیم ہو گئے، بہت بڑھ گئے بھئی، یعنی بڑے انعامات وہ دیتا ہے۔

تو یہاں ید بول کر کیا مراد ہے؟ نعمت۔ کیا معنی نعمت؟ انعام۔ انعام سے کیا مراد ہے؟ وہ جو عطایا کرتا ہے دوسروں کو بطورِ احسان کے عطایا دیتا ہے بھئی، تو وہ مراد ہیں۔ تو ید بول کر انعام مراد ہے۔ تو یہ اپنے معنی حقیقی میں ہے یا غیر حقیقی میں استعمال ہوا؟ غیر حقیقی میں استعمال ہوا، تو معلوم ہوا یہ مجاز ہے۔ اور پھر ید بول کر کیا مراد؟ انعام۔ ان میں تعلق کون سا؟ تشبیہ والا تعلق نہیں ہے، ہاتھ کے ساتھ وہ انعام کو تشبیہ نہیں دی جا رہی، بلکہ ہاتھ چونکہ سبب ہے، وہ انعام دیتا ہے کس کے ساتھ دیتا ہے؟ ہاتھ کے ساتھ دیتا ہے، تو گویا سبب بول کر کیا مراد ہے؟ مسبب۔ سبب بول کر مسبب مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاتھ اس انعام کا سبب ہے اور انعام اس کا مسبب ہے۔ تو یہاں کیا ذکر ہے، سبب یا مسبب؟ سبب ذکر ہے، تو جو لفظ ذکر ہو گا اس کے اعتبار سے یہ آپ کو بتلائیں گے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یہاں كَالسَّبَبِيَّةِ فِي قَوْلِكَ جیسے کہ سببیت والا علاقہ ہے آپ کے اس قول میں: عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ عظیم ہو گیا فلاں کا انعام أَيْ نِعْمَتُهُ یعنی اس کی نعمت یعنی اس کا انعام الَّتِي سَبَبُهَا الْيَدُ وہ نعمت وہ انعام جس کا سبب ہاتھ ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ عَظُمَتْ مؤنث کا صیغہ استعمال کیا گیا يَد کے لیے، اس لیے کیونکہ وہ اعضاء جو دو دو ہیں وہ مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ ہاتھ بھی دو ہیں لہٰذا کیسے استعمال ہوں گے؟ یہ مؤنث، اس لیے مؤنث کا فعل لایا گیا: عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ، فلاں کا انعام بڑھ گیا بہت زیادہ ہو گیا۔

■ قولہ: «وَالْمُسَبَّبِيَّةِ فِي قَوْلِكَ» کی تشریح

وَالْمُسَبَّبِيَّةِ فِي قَوْلِكَ اور جیسے کہ مسببیت ہے آپ کے اس قول میں: أَمْطَرَتِ السَّمَاءُ نَبَاتًا آسمان نے برسائے نَبَاتًا پودے۔ بھئی آسمان پودے برساتا ہے یا بارش برساتا ہے؟ بارش۔ تو معلوم ہوا یہاں پودے بول کر، سبزہ بول کر یہ بارش مراد ہے۔ اور بھئی بارش کے لیے یہ پودوں کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا، نبات کا لفظ ذکر کیا گیا؟ کیونکہ بارش سبب ہے اور یہ پودے کیا ہیں؟ مسبب ہیں، بارش ہوتی ہے تو پودے اگتے ہیں، تو یہ بارش ان کا سبب اور یہ اس کا مسبب۔ تو یہاں کون سا لفظ ذکر ہے؟ مسبب۔ پچھلی مثال میں کیا ذکر تھا؟ سبب، تو وہاں علاقہ تھا سببیت والا، جو لفظ ذکر ہو گا اس کے اعتبار سے علاقہ بتلائیں گے۔ اور یہاں ذکر ہے مسبب تو کیا کہیں گے یہاں علاقہ کون سا؟ مسببیت والا۔ خود بتلا رہے ہیں: أَمْطَرَتِ السَّمَاءُ نَبَاتًا آسمان نے پودے برسائے بھئی أَيْ مَطَرًا یعنی کہ بارش، دیکھا بتلا دیا کہ نَبَاتًا کا کیا معنی ہے یہاں؟ بارش ہے، يَتَسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ کہ اس سے اگنا ہوتا ہے یعنی یہ سبب ہوتا ہے کس چیز کا؟ اگنے کا۔

وَالْجُزْئِيَّةِ فِي قَوْلِكَ اور جیسے جزئیت والا علاقہ ہے آپ کے اس قول میں: أُرْسِلَتِ الْعُيُونُ لِتَطَّلِعَ عَلَى أَحْوَالِ الْعَدُوِّ، بھیج دی گئیں الْعُيُونُ آنکھیں، یعنی نگاہیں بھیج دی گئیں لِتَطَّلِعَ عَلَى أَحْوَالِ الْعَدُوِّ تاکہ آپ مطلع ہو جائیں دشمن کے احوال پر أَيِ الْجَوَاسِيسُ یعنی جاسوسوں کو۔ آنکھوں کو بھیج دیا گیا، کیا مراد ہے؟ جاسوس مراد ہیں کہ جاسوسوں کو بھیج دیا گیا۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو آنکھیں بول کر کیا مراد ہیں؟ جاسوس، اور آنکھیں جاسوس کا جز ہیں، اہم جز ہے کہ وہ ہیں تو جاسوسی کرے گا وہ نہیں تو جاسوسی بھی نہیں، اسی لیے آنکھوں کے ساتھ جاسوس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ تو آنکھ جز ہے اور جاسوس کل ہے، تو عبارت میں کیا ذکر ہے؟ جز، تو جز بول کر کل مراد ہے، تو کہیں گے یہاں علاقہ کون سا ہے؟ جزئیت والا ہے۔

وَالْكُلِّيَّةِ اور کبھی کلیت والا علاقہ ہو گا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وہ داخل کرتے ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں أَيْ أَنَامِلَهُمْ یعنی اپنے پوروں کو۔ تو انگلیاں بول کر کیا مراد ہیں؟ پورے مراد ہیں۔ تو یہ اپنے معنی حقیقی میں استعمال ہے یا غیر حقیقی میں؟ غیر حقیقی میں۔ اور کیا لفظ ذکر ہے؟ أَصَابِعَ، اور مراد کیا ہیں؟ أَنَامِلَ۔ تو کل ذکر ہے اور مراد کیا ہے؟ جز۔ تو کون سا لفظ ذکر ہے؟ کل، تو کیا کہیں گے یہاں علاقہ کون سا؟ کلیت والا، یہی انہوں نے ذکر کیا تھا وَالْكُلِّيَّةِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى۔

وَاعْتِبَارِ مَا كَانَ اور اعتبار کرتے ہوئے مَا كَانَ اس حالت کا جس پر وہ تھے، یعنی زمانۂ ماضی کا اعتبار کرتے ہوئے۔ بعض اوقات ایک چیز پر زمانۂ ماضی کے اعتبار سے ایک لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، جیسے کہ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ اور دے دو یتیموں کو ان کا مال۔ وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ اور تم لوگ دے دو یتیموں کو ان کا مال۔ اب بھئی یتیموں کو مال بالغ ہونے کے بعد دیا جاتا ہے۔ کب دیا جاتا ہے؟ بالغ ہونے کے بعد۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ یتیم ہے اس کا اچھے طریقے سے خیال رکھو اور اس کے مال کی حفاظت کرو، بقدرِ ضرورت اس پر خرچ کرتے رہو اس کے مال میں سے، اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے سمجھدار ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دو بھئی۔

اب مال کب دیا جاتا ہے یتیموں کو؟ بالغ ہونے کے بعد۔ اور یاد رکھیے یتیم وہ شخص جس کے والد کا انتقال ہو جائے اور وہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو تو اسے یتیم کہتے ہیں، جب بالغ ہو جائے تو پھر اسے یتیم نہیں کہا جاتا۔ تو یتیم کون ہو گا ہمیشہ؟ نابالغ ہو گا۔ اور یہاں کہا جا رہا ہے کہ دے دو ان کا مال، معلوم ہوا یہ کیا ہو چکے؟ بالغ۔ اور جب بالغ ہو گئے تو پھر تو ان کو یتیم نہیں کہنا چاہیے، لیکن ان پر کس لفظ کا اطلاق کیا جا رہا ہے قرآن میں؟ يَتَامَى یعنی یتیم کا اطلاق کیا جا رہا ہے۔ تو یتیم بول کر دراصل کیا مراد ہیں؟ بالغ، اور بالغ کو تو یتیم کہتے نہیں، تو لہٰذا یہ لفظ اپنے معنی حقیقی میں ہوا یا غیر حقیقی میں؟ غیر حقیقی میں۔ اور کس اعتبار سے؟ اس زمانۂ ماضی کے اعتبار سے ان کو یتیم کہا گیا کیونکہ یہ زمانۂ ماضی میں کیا تھے، بالغ ہونے سے پہلے کیا تھے؟ یتیم تھے، بالغ ہونے کے بعد پھر کسی کو یتیم نہیں کہا جاتا۔ تو یہ زمانۂ ماضی کے اعتبار سے ان کو یتیم کہا گیا۔ یہ معنی ہے وَاعْتِبَارِ مَا كَانَ اور اعتبار کرتے ہوئے اس حال کا جس پر وہ تھے، جیسے فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ کے اس قول میں: وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ أَيِ الْبَالِغِينَ یعنی کہ جو بالغ ہیں ان کو ان کا مال دے دو۔

وَاعْتِبَارِ مَا يَكُونُ، یہ تو تھا زمانۂ ماضی کے اعتبار سے، کبھی زمانۂ مستقبل کے اعتبار سے ایک لفظ کو ایک چیز کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے، جیسے کہ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا کہ بے شک میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ أَعْصِرُ خَمْرًا میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ بھئی شراب کو نہیں نچوڑا جاتا، انگور کو نچوڑا جاتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ کس کو؟ انگور کو نچوڑا جاتا ہے، لیکن اس انگور کو خمر کے لفظ کے ساتھ ذکر کر دیا گیا۔ تو خمر بول کر مراد کیا ہے؟ انگور۔ اور اس انگور کو خمر کیوں کہہ دیا؟ مستقبل کے اعتبار سے، کیونکہ اسی رس سے آگے چل کر پھر کیا بنائی جائے گی؟ شراب بنائی جائے گی، اس لیے مستقبل میں جو اس نے بننا ہے

وہ لفظ ابھی سے اس کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ معنی ہے وَاعْتِبَارِ مَا يَكُونُ اور اعتبار کرتے ہوئے اس چیز کا جو وہ ہو گی، جیسے کہ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ کے اس قول میں: إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا بے شک میں نے دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں أَيْ عِنَبًا یعنی کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔

■ قولہ: «وَالْمَحَلِّيَّةِ فِي نَحْوِ، فِي» کی تشریح

وَالْمَحَلِّيَّةِ فِي نَحْوِ، فِي کا لفظ ہے آپ کی کتابوں میں؟ فِي ہونا چاہیے۔ وَالْمَحَلِّيَّةِ اور محل ہونے کا تعلق بھئی، جیسے اس جیسی مثال میں: قَرَّرَ الْمَجْلِسُ ذَلِكَ، مجلس نے یہ طے کر دیا ہے۔ قَرَّرَ الْمَجْلِسُ ذَلِكَ مجلس نے یہ بات طے کر دی ہے۔ بھئی مجلس کوئی بات طے کرتی ہے یا مجلس والے طے کرتے ہیں؟ مجلس والے طے کرتے ہیں، تو مجلس بول کر اہلِ مجلس مراد ہیں، تو یہ مجلس کا لفظ اپنے معنی حقیقی میں ہے یا غیر حقیقی میں ہے؟ غیر حقیقی میں ہے۔ اور یہاں تعلق کون سا ہے؟ محلیت، کیونکہ مجلس بیٹھنے کی جگہ، مجلس کیا معنی؟ بیٹھنے کی جگہ، تو یہ محل ہے، ان لوگوں کے بیٹھنے کا محل ہے۔ اور وہ لوگ جو ہیں وہ حال ہیں، وہ کیا ہیں؟ حَالٌ، لام مشدد پڑھنا، حلول سے ہے، وہ مجلس میں آنے والے ہیں۔ کیا ہیں؟ مجلس میں آنے والے۔ بھئی بیٹھنے کی جگہ مثلاً یہ کمرہ یہ مجلس ہے، اور جو اس میں آئے گا اس کو کہیں گے حَالٌ وہ اس میں آنے والا ہے، اسمِ فاعل کا صیغہ ہے حَلَّ يَحُلُّ حُلُولًا، اس سے حَالٌ آنے والا، تو جو اس میں آنے والے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں پر مجلس بول کر کیا مراد ہیں؟ اہلِ مجلس، اور وہ کیا ہیں؟ وہ حال ہیں اس میں حلول کرنے والے آنے والے ہیں۔ یہ معنی ہے وَالْمَحَلِّيَّةِ فِي نَحْوِ قَرَّرَ الْمَجْلِسُ ذَلِكَ طے کر دیا مجلس نے اس بات کو أَيْ أَهْلُهُ أَيْ أَهْلُ الْمَجْلِسِ یعنی کہ مجلس والوں نے۔

وَالْحَالِيَّةِ اور حال ہونے کا تعلق ہو گا کبھی فِي قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ کے اس قول میں ہے: فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پس اللہ کی رحمت میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی رحمت میں یعنی جنت میں۔ تو جنت ہے محل اور رحمت اس میں اترنے والی ہے تو رحمت ہوئی حال۔ جیسے مجلس تھی اور اہلِ مجلس، مجلس جگہ تھی اور آنے والے حال تھے، اسی طرح جنت کیا ہے؟ محل، اور رحمت اس میں اترنے والی نازل ہونے والی تو وہ ہے حال۔ تو یہاں پر فِي رَحْمَةِ اللَّهِ حال بول کر کیا مراد ہے؟ محل یعنی جنت مراد ہے، فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ أَيْ جَنَّتِهِ یعنی اللہ کی جنت میں۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

تو یہ مختلف علاقے ہیں مجازِ مرسل کے بھئی، کہیں سبب بول کر مسبب مراد ہوتا ہے، کبھی مسبب بول کر سبب، کبھی جز بول کر کل، کبھی کل بول کر جز، کبھی ماضی کے اعتبار سے ایک لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، کبھی مستقبل کے اعتبار سے ایک لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، کبھی حال بول کر محل مراد ہوتا ہے، کبھی محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۷: مجازِ مرکب (مجازِ مرسل مرکب اور استعارہ تمثیلیہ) اور مجازِ عقلی (اسناد الی السبب، الزمان، المکان، المصدر)

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۱۳ــــ بتاریخ: ۲۷ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْمَجَازُ الْمُرَكَّبُ: الْمُرَكَّبُ إِنِ اسْتُعْمِلَ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ فَإِنْ كَانَ لِعَلَاقَةٍ غَيْرِ الْمُشَابَهَةِ سُمِّيَ مَجَازًا مُرَكَّبًا كَالْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ إِذَا اسْتُعْمِلَتْ فِي الْإِنْشَاءِ نَحْوُ قَوْلِهِ:

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدٌ ... جَنِيبٌ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقُ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

مجازِ مرکب بھئی، مجازِ مرکب آسان ہے بھئی۔ مجاز آپ نے پڑھ لیا، مجاز کسے کہتے ہیں؟ لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا، یا یوں کہیں لفظ کو معنی غیر حقیقی میں استعمال کرنا، یہ ہے مجاز۔ یہ تو تھا لفظ میں، مفرد میں۔ اور اگر مرکب کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کر لیا جائے تو اس کو کہتے ہیں مجازِ مرکب۔ پہلے تو کیا تھا کہ ایک مفرد لفظ ہوتا تھا اس کو معنی غیر موضوع لہ میں یعنی معنی غیر حقیقی میں استعمال کر لیا جاتا تھا، اور بعض اوقات پورے مرکب کو ہی اٹھا کر کس میں استعمال کر لیا جاتا ہے؟ معنی غیر موضوع لہ میں، تو اس کو مجازِ مرکب کہتے ہیں بھئی۔

اور پھر اس کے اندر اگر علاقہ تشبیہ کا ہو تو جیسے وہاں پر اس کو کیا کہتے تھے؟ استعارہ، یہاں اس کو کہیں گے استعارہ تمثیلیہ۔ اگر معنی موضوع لہ اور معنی غیر موضوع لہ یعنی جس میں استعمال کیا ہے، ان دونوں میں علاقہ کون سا ہو؟ تشبیہ والا ہو، تو اس کو کیا کہیں گے؟ استعارہ تمثیلیہ۔ اور اگر علاقہ تشبیہ والا نہ ہو تو اس کو مجازِ مرسل مرکب کہتے ہیں۔ جیسے وہاں دو قسمیں تھیں مفرد میں: علاقہ تشبیہ والا ہو تو استعارہ، تشبیہ والا نہ ہو تو مجازِ مرسل۔ وہی قسمیں یہاں پر بھی ہیں، یہاں بھی مجازِ مرسل البتہ ساتھ مرکب کی قید بڑھا دو: مجازِ مرسل مرکب۔ اور استعارہ کے ساتھ تمثیل کی قید بڑھا دو: استعارہ تمثیلیہ۔ جیسے وہاں تشبیہ کے اندر آپ نے تمثیل پڑھی تھی، تمثیل کسے کہتے تھے؟ جہاں وجہِ تشبیہ کئی چیزوں سے منتزع ہوتی تھی، یعنی کئی چیزوں سے ایک مرکب ہیئت حاصل ہوتی تھی اس کو تشبیہ دی جاتی تھی ایک دوسری مرکب ہیئت کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ مرکب ہیئت کے ساتھ۔ تو وہی یہاں بھی جب تشبیہ کا علاقہ ہے اور ہے مرکب، تو یہاں گویا تمثیل ہے۔ کیا ہے؟ تمثیل ہے، ایک مرکب ہیئت کو مرکب ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو مجازِ مرکب ہو گا یہ جبکہ مفرد میں نہ ہو، یعنی دوسرے لفظوں میں یوں کہیں پورے جملے کو ہی اٹھا کر معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کر لیا، یا پورے کلام کو ہی اٹھا کر کس میں استعمال کر لیا؟ معنی غیر موضوع لہ میں، یعنی پورے شعر کو ہی اٹھا کر معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کر لیا جائے تو یہ ہے مجازِ مرکب۔ اور پھر اس میں علاقہ دیکھ لیں: اگر تشبیہ والا ہو تو اس کو استعارہ تمثیلیہ کہیں گے، اور اگر تشبیہ والا نہ ہو تو اس کو مجازِ مرسل مرکب کہیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور وہاں تشبیہ میں تمثیل کس کو کہتے تھے؟ جس میں وجہِ تشبیہ کئی چیزوں سے حاصل ہونے والی ایک مرکب ہیئت ہوتی تھی، جیسے بھئی وہ مثال گزری تھی کہ وہ شاعر نے بیان کیا تھا کہ جنگ کے اندر ہمارے گھوڑوں کے بھاگنے اور دوڑنے کی وجہ سے گرد اڑنے لگی اور وہ گرد ہر طرف چھا گئی، اور اس گرد میں تلواریں اس طرح چمک رہی تھیں جیسے اندھیری رات کے وقت ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہوں بھئی۔ تو دیکھو وہ ایک چیز کی تشبیہ تھی یا ایک مرکب ہیئت کی تشبیہ دی گئی تھی؟ مرکب ہیئت کی کہ کئی چیزوں کے ملنے سے ایک صورت حاصل ہو رہی تھی، ایک ہیئت۔ تو یہاں پر بھی ایک مرکب ہیئت کو تشبیہ دی جاتی ہے ایک دوسری مرکب ہیئت کے ساتھ، تو اس کو استعارہ تمثیلیہ کہتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں الْمَجَازُ الْمُرَكَّبُ: إِنِ اسْتُعْمِلَ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ مرکب جو ہے اگر اس کو استعمال کر لیا جائے فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ غیر موضوع لہ معنی میں، مَا وُضِعَ لَهُ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور اس کے غیر میں استعمال کر لیا جائے۔ تو کہتے ہیں الْمُرَكَّبُ إِنِ اسْتُعْمِلَ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ مرکب جو ہے اگر اس کو استعمال کر لیا جائے اس معنی کے علاوہ میں جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا تھا، فَإِنْ كَانَ لِعَلَاقَةٍ غَيْرِ الْمُشَابَهَةِ پس اگر یہ کسی ایسے علاقے کی وجہ سے ہو جو مشابہت کے علاوہ ہو یعنی تشبیہ کے علاوہ ہو، سُمِّيَ مَجَازًا مُرَكَّبًا تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجازِ مرکب۔

بھئی یہاں پر ایک قید رہ گئی ہے، یا تو یہ کتابت وغیرہ کی غلطی ہے یا کیا وجہ ہے، حاشیے میں بھی اس بات کی طرف اشارہ انہوں نے کیا ہے کہ اس کو مجازِ مرکب نہیں، مجازِ مرسل مرکب کہیں گے یا مجازِ مرکب مرسل کہہ لیں، اس لیے کیونکہ علاقہ انہوں نے ذکر کر دیا کہ وہ تشبیہ کے علاوہ ہو۔ تشبیہ والا ہو تو اس کو تو استعارہ تمثیلیہ کہیں گے، اور اگر تشبیہ کے علاوہ ہو تو مجازِ مرسل مرکب کہیں گے۔

■ قولہ: «كَالْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ إِذَا اسْتُعْمِلَتْ...» کی تشریح

كَالْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ إِذَا اسْتُعْمِلَتْ فِي الْإِنْشَاءِ جیسے کہ جملہ خبریہ جو ہیں جب ان کو استعمال کر لیا جائے انشاء میں۔ مجازِ مرسل مرکب بھئی، اس کی مثال ذکر کر رہے ہیں۔ بھئی بعض اوقات آپ دیکھتے ہیں جملہ خبریہ آتا ہے لیکن وہ انشاء کے معنی میں ہوتا ہے۔ کس معنی میں ہوتا ہے؟ انشاء۔ جیسے آپ دعا دیتے ہیں کہتے ہیں: رَحِمَهُ اللَّهُ۔ اب رَحِمَ تو ماضی کا صیغہ ہے اور یہ انشاء کے لیے تو وضع نہیں ہے، یہ تو خبر دینے کے لیے وضع ہے، ماضی کی کیا دی جاتی ہے؟ خبر دی جاتی ہے، لیکن یہاں یہ دعا کے لیے ہے تو انشاء کے معنی میں ہے۔ تو جملہ ہے خبریہ اور کس معنی میں ہے؟ انشاء کے معنی میں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ مرسل مرکب کہیں گے کیونکہ یہاں علاقہ تشبیہ والا نہیں۔ تو معلوم ہوا ایک نوعِ کلام کو دوسری نوعِ کلام کے معنی میں استعمال کر لینا یہ مجازِ مرسل مرکب ہے یا یوں کہیں مجازِ مرکب مرسل ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جب ایک نوعِ کلام کو کس معنی میں استعمال کر لیا جائے؟ دوسری نوع میں، یعنی جملہ خبریہ کو انشاء کے معنی میں لے لیا جائے یا جملہ انشائیہ کو خبر کے معنی میں کبھی لے لیا جاتا ہے تو یہ مجازِ مرکب ہیں بھئی۔

كَالْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ إِذَا اسْتُعْمِلَتْ فِي الْإِنْشَاءِ جیسے کہ جملہ خبریہ جب ان کو استعمال کر لیا جائے انشاء کے اندر، نَحْوُ قَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدُ ... جَنِيبٌ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقُ

یہ شعر پہلے بھی گزر چکا کہ هَوَايَ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں، تو یہ اضافت کے لانے میں کیا کیا نکات ہوتے ہیں، یعنی مسند الیہ کو کبھی کبھار معرفہ لایا جاتا ہے اضافت کی صورت میں اس کے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں یہ پیچھے تفصیل سے بحث گزری تھی اور یہی شعر وہاں ذکر ہوا تھا۔ هَوَايَ، هَوًى مصدر ہے جس کے معنی ہیں چاہنا، اور یہ یہاں اسم مفعول کے معنی میں ہے أَيْ مَهْوِيٌّ، بروزنِ مَرْمِيٌّ ہے بھئی اسم مفعول ہے جیسے مَهْدِيٌّ تھا۔ پھر اسی کے ساتھ هَوَايَ دیکھو یا متکلم کی بھی ملی ہوئی ہے، تو اس کے ساتھ بھی یا متکلم کی ملائیں مَهْوِيٌّ اور اس کے ساتھ یا ملائیں کیا بن جائے گا؟ مَهْوِيِّي۔ اور هَوًى کے معنی چاہنا، مَهْوِيِّي جس کو میں نے چاہا یعنی میرا محبوب جو ہے۔

شاعر کہتا ہے: هَوَايَ میرا محبوب جو ہے مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ، رَكْب کہتے ہیں سواروں کی جماعت کو یعنی قافلہ، يَمَانِينَ یمنی بھئی، يَمَانٍ کی جمع۔ میرا محبوب جو ہے مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ یمنی سواروں کے ساتھ، یمنی قافلے کے ساتھ مُصْعِدُ دور جا رہا ہے۔ أَصْعَدَ يُصْعِدُ کا معنی دور ہونا بھئی، میرا محبوب یمنی قافلے کے ساتھ دور جا رہا ہے۔ جَنِيبٌ، جَنِيب یہ فَعِيل وزن ہے اور آپ نے پڑھا ہے فَعِيل وزن کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں، یہاں جَنِيب اسم مفعول یعنی مَجْنُوب کے معنی میں ہے۔ کس معنی میں ہے؟ مَجْنُوب۔ اور جَنِيب کہتے ہیں جس کا اتباع کیا جائے، جس کی پیروی کی جائے یعنی جو متبوع ہے باقی لوگ اس کے تابع ہیں۔ تو میرا محبوب جو ہے یمنی قافلے کے ساتھ دور جا رہا ہے اور وہ مجنوب ہے یعنی وہ متبوع ہے، وہ آگے ہے سارے لوگ اس کے پیچھے ہیں۔

وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقُ، جُثْمَان کہتے ہیں بدن کو اور ذات کو، اور میری ذات جو ہے بِمَكَّةَ مُوثَقُ مکہ میں مُوثَقُ، أَوْثَقَ يُوثِقُ کے معنی ہوتے ہیں باندھنے کے، اور میری ذات جو ہے مکہ میں باندھی گئی ہے یعنی قید کی گئی ہے۔ یہ شاعر تھا اس نے کسی کا قتل کر دیا تھا مکہ والوں میں سے اور پھر بعد میں یمنی قافلے کے ساتھ یہ مکہ آیا اور ان لوگوں کو پتہ چل گیا، انہوں نے اس کو پکڑ کر قید کر لیا۔ اب یہ قید میں ہے اور جس قافلے کے ساتھ یہ آیا تھا وہ قافلہ واپس جا رہا ہے، اس میں اس کی محبوبہ بھی، اب یہ اس وقت غم کے عالم میں یہ شعر کہتا ہے۔ کیا کہتا ہے؟ غم کے عالم میں اس نے یہ شعر کہا اور کہتا ہے: هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِينَ مُصْعِدُ ...جَنِيبٌ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقُ، میرا محبوب جو ہے وہ یمنی قافلے کے ساتھ دور جا رہا ہے، وہ متبوع ہے اس حال میں کہ میری ذات جو ہے مکہ میں قید ہے۔

یہ جو کہا ناوہ متبوع ہے، یہ معنی نہیں کہ وہ واقعی آگے ہے اور سارے اس کے پیچھے ہیں، یہ معنی نہیں۔ بتلانا یہ چاہتا ہے کہ اس کا بھی نکل کر آنا بہت مشکل ہے، کیونکہ جو متبوع ہو گا، جو آگے ہو گا اور سارے اس کے پیچھے ہیں تو معلوم ہوا کہنا یہ چاہتا ہے یعنی سب کی نگاہیں ہیں اس پر۔ جو آگے ہوتا ہے سب کی نگاہیں اس پر ہوتی ہیں، وہ چھپ کر نکل کر آ ہی نہیں سکتا۔ ہاں جو پیچھے جا رہا ہو قافلے کے، قافلے والے آگے ہوں، وہ اگر پیچھے سے غائب بھی ہو جائے کسی کو جلدی پتہ نہیں چلے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں جَنِیبٌ کا یہ معنی نہیں کہ وہ واقعی متبوع ہے اور سارے اس کے پیچھے ہیں بلکہ بتلانا یہ چاہتا ہے کہ اس کا نکل کر آنا بڑا مشکل ہے۔ تو شاعر کہتا ہے میرا محبوب جو ہے یمنی قافلے کے ساتھ دور جارہا ہے اس حال میں کہ وہ متبوع ہے اور میری ذات جو ہے مکہ کے اندر قید ہے، مکہ کے اندر باندھی ہوئی ہے۔

اب دیکھیے یہ خبر ہے، کیا ہے؟ خبر، جملہ خبریہ لے کر آیا بھئی۔ میرا محبوب یمنی سواروں کے ساتھ جارہا ہے، بظاہر یوں ہی لگتا ہے کہ شاید شاعر خبر دے رہا ہے، ایک بات بتلارہا ہے یوں کہیں۔ کیا کررہا ہے؟ ایک بات بتلارہا ہے گویا۔ لیکن یاد رکھیے یہ خبر دینا اس کا یہاں مقصد نہیں ہے بلکہ وہ اظہارِ غم کررہا ہے، حسرت اور غم کا اظہار کررہا ہے اور یہ انشاء ہے۔ اظہارِ غم کیا ہے؟ انشاء ہے۔ ایک ہے خبر، ایک ہے اظہارِ غم، اظہارِ غم اور چیز ہے۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ اظہارِ غم والے کو جھوٹا نہیں کہا جاسکتا، خبر دینے والے کو تو سچا یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے لیکن اظہارِ غم کوئی کرے اس کو جھوٹا، جیسے ندا دینے والے کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے، اسی طرح قسم کھانے والے کو قسم پر کسی کو سچا یا جھوٹا نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہاں جس بات پر قسم اٹھارہا ہے وہ الگ چیز ہے ہم اس کی بات نہیں کررہے، بات قسم کی کررہے ہیں: وَاللّٰہِ میں قسم کھاتا ہوں اللہ کی، اس میں کوئی کسی کو جھوٹا یا سچا نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ انشاء ہے، اور انشاء جو ہے اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جاسکتا۔ تو یہاں پر بھی یہ جو وہ شعر لے کر آیا یہ ہے خبر لیکن یہ کس لیے لایا؟ اظہارِ غم کے لیے یعنی انشاء کے لیے۔ تو دیکھو پورے کلام کو اس نے کیا کیا؟ ایک نوع کے کلام کو کس معنی میں استعمال کرلیا؟ دوسری نوع یعنی انشاء کے لیے، خبر کو کس لیے؟ انشاء کے لیے۔

■ قولہ: «فَلَيْسَ الْغَرَضُ مِنْ هَذَا الْبَيْتِ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: فَلَيْسَ الْغَرَضُ مِنْ هَذَا الْبَيْتِ الْإِخْبَارَ بَلْ إِظْهَارَ التَّحَزُّنِ وَالتَّحَسُّرِ پس نہیں ہے اس شعر سے غرض جو ہے یعنی اس کہنے والے کی غرض اس شعر سے الْإِخْبَارَ خبر دینا نہیں ہے بَلْ إِظْهَارَ التَّحَزُّنِ وَالتَّحَسُّرِ، تَحَزُّن غم، تَحَسُّر حسرت، بلکہ غم اور حسرت کا اظہار کرنا ہے اور وہ انشاء ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ایک نوعِ کلام کو دوسری قسم کے اندر استعمال کرلینا یہ کیا ہے؟ مجازِ مرسل مرکب ہے۔

یا جیسے آپ کہتے ہیں: صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھئی۔ اب صَلَّى اللَّهُ، صَلَّى یہ ماضی کا صیغہ ہے، وَسَلَّمَ، سَلَّمَ بھی کون سا صیغہ ہے؟ ماضی کا صیغہ، اور ماضی کے صیغے وہ خبر دینے کے لیے وضع ہیں، ان کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ خبر دی جاتی ہے۔ لیکن یہاں خبر دینا مقصد نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کے لیے دعا ہے بھئی، اور دعا کس قسم میں سے ہے؟ انشاء۔ تو یہ جملہ خبریہ کو کس معنی میں استعمال کرلیا گیا؟ انشاء۔ تو پورے جملے کو دیکھو ایک نوع کا تھا اس کو اٹھا کر دوسری نوع میں استعمال کرلیا گیا، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ مرسل مرکب کہیں گے۔

وَإِنْ كَانَتْ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةَ سُمِّيَ اسْتِعَارَةً تَمْثِيلِيَّةً اور اگر اس مرکب کے اندر جو علاقہ ہے وہ مشابہت والا ہو، وہ مرکب جس کو کس معنی میں استعمال کرلیا گیا؟ غیر موضوع لہ معنی میں، اس میں اگر علاقہ کون سا ہو؟ مشابہت والا ہو یعنی معنی حقیقی میں اور معنی غیر حقیقی جس میں استعمال کیا، تو سُمِّيَ اسْتِعَارَةً تَمْثِيلِيَّةً تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ تمثیلیہ کہتے ہیں، كَمَا يُقَالُ لِلْمُتَرَدِّدِ فِي أَمْرٍ جیسے کہا جاتا ہے اس شخص کو جو متردد ہو کسی معاملے میں، کسی بات میں جس کو تردد ہو یعنی شش وپنج میں پڑا ہوا ہو۔

بھئی ایک شخص ہے مثلاً آپ کا ساتھی ہے آپ مجلس میں بیٹھے ہیں، وہ مجلس سے اٹھ کر جانے لگا۔ اب جانے لگا تو ایک قدم اس نے اٹھایا آگے رکھا، پھر اس کا ارادہ ہوا کہ نہیں جاتا پھر اس نے وہ قدم واپس رکھ دیا۔ پھر ارادہ بنا کہ چلتا ہوں پھر قدم اس نے بڑھایا، پھر ارادہ بنا کہ نہیں بھئی ابھی نہیں جاتا پھر اس نے واپس قدم رکھ دیا۔ تو اس طرح اس نے کئی مرتبہ کیا۔ تو دیکھو معلوم ہوا وہ کس میں ہے؟ تردد میں ہے، فیصلہ نہیں کرپارہا، کبھی فیصلہ کرتا ہے چلتا ہوں تو قدم اٹھالیتا ہے اور پھر فیصلہ کرتا ہے کہ نہیں جاتا تو اسی قدم کو واپس رکھ لیتا ہے۔

تو اب یہ تو ایک موقع پر پیش آگیا، یہاں پر تو آپ دیکھ رہے ہیں وہ باقاعدہ کیا کررہا ہے؟ قدم اٹھارہا ہے اور پھر قدم واپس رکھ رہا ہے۔ لیکن کہیں اور کسی اور مسئلے میں کسی شخص کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ تردد میں پڑا ہوا ہے، وہ فیصلہ نہیں کرپارہا، کبھی سوچتا ہے یہ کام کروں کبھی سوچتا ہے یہ کام نہ کروں، تو اس کو آپ کہتے ہیں: أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلًا وَتُؤَخِّرُ أُخْرَى، میں تو آپ کو کیا دیکھ رہا ہوں کہ ایک قدم آپ بڑھاتے ہیں تو دوسری مرتبہ میں پھر اسی قدم کو کیا کرلیتے ہیں؟ واپس رکھ لیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جیسے وہ قدم اٹھاتا تھا اور پھر واپس رکھتا تھا جیسے وہ متردد تھا، تو اس کے ساتھ تشبیہ دے دی اب اپنے اس ساتھی کو جو کسی اور معاملے میں تردد کے اندر پڑا ہوا ہے، اس کو آپ کہتے ہیں کہ میں آپ کو کیا دیکھ رہا ہوں؟ متردد دیکھ رہا ہوں یعنی ایک قدم بڑھاتے ہیں اور ایک قدم واپس رکھتے ہیں۔ اب یہ حقیقت میں کوئی ایک قدم مثلاً یہ کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہے، کبھی سوچتا ہے فیصلہ کرتا ہے یہ کرتا ہوں، اگلے دن ارادہ کرتا ہے نہیں بھئی یہ نہیں کرتا، پھر اگلے دن ارادہ بنتا ہے میں کرتا ہوں یہ کاروبار شروع کرتا ہوں، پھر اگلے دن فیصلہ کرتا ہے نہیں بھئی میں نہیں کرتا۔ تو یہ دیکھو تردد کی حالت میں ہے، اب یہ کوئی قدم تو نہیں اٹھارہا آگے اور پھر قدم واپس رکھ رہا ہو، لیکن اس کی اس حالت کو آپ نے تشبیہ دے دی کس کے ساتھ؟ اس شخص کی حالت کے ساتھ جو ایک قدم آگے بڑھاتا ہے اور پھر واپس اس کو رکھ لیتا ہے۔ تو دیکھو ایک مرکب ہیئت کو مرکب ہیئت کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جیسے وہ تردد میں تھا اسی طرح یہ بھی کس میں ہے؟ تردد میں۔

اور دیکھیے بھئی جملے پر ذرا نظر کیجیے: أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلًا وَتُؤَخِّرُ أُخْرَى، میں دیکھتا ہوں آپ کو کہ آپ ایک قدم بڑھاتے ہیں وَتُؤَخِّرُ أُخْرَى اور دوبارہ پھر اسی قدم کو کیا کر لیتے ہیں؟ پیچھے کر لیتے ہیں، واپس کر لیتے ہیں۔ تو دیکھو پورے جملے کو ہی اٹھا کر کیا کر لیا گیا؟ معنی مجازی میں استعمال کر لیا گیا۔ بھئی آپ نے کس کو کہا یہ؟ آپ کا ساتھی جو کبھی ایک کاروبار شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی اس کو چھوڑ دیتا ہے، تو وہ تو قدم نہیں اٹھا رہا لیکن آپ نے اس پورے جملے کو اس کے لیے استعمال کر لیا، تو یہ پورا جملہ معنی حقیقی میں استعمال ہوا یا معنی غیر حقیقی میں؟ معنی غیر حقیقی میں استعمال ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ایک مرکب ہیئت کو تشبیہ دے دی، یا یوں کہیں اس کا جو معاملہ تھا وہ عقلی ہے، وہ کیا ہے؟ عقلی ہے، اور یہ قدم کا اٹھانا اور واپس رکھنا یہ حسی ہے آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ اس کا تو فیصلہ دل کی بات تھی، دل میں ارادہ کرتا تھا شروع کرتا ہوں پھر دل میں ارادہ بنتا کہ شروع نہیں کرتا، تو وہ تو ایک عقلی چیز ہے جو ہمیں دکھائی نہیں دیتی، تردد اس کے دل میں ہے، اور یہاں پر تردد اس کے ظاہر حسی طور پر بھی ہمیں نظر آرہا ہے، تو اس عقلی کو تشبیہ دے دی کس کے ساتھ؟ اس حسی کے ساتھ کیونکہ حسی سے بات جلدی سمجھ میں آجاتی ہے۔

■ قولہ: «كَمَا يُقَالُ لِلْمُتَرَدِّدِ فِي أَمْرٍ» کی تشریح

كَمَا يُقَالُ لِلْمُتَرَدِّدِ فِي أَمْرٍ جیسے کہا جاتا ہے اس شخص سے جو متردد ہے کسی معاملے میں: أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلًا میں تو دیکھتا ہوں آپ کو کہ آپ ایک قدم بڑھاتے ہیں وَتُؤَخِّرُ أُخْرَى اور پھر اس قدم کو مؤخر کر لیتے ہیں واپس کر لیتے ہیں۔ بھئی یہ معنی نہ کرنا، ترجمے پہ نظر رکھنا: أَرَاكَ میں آپ کو دیکھتا ہوں تُقَدِّمُ رِجْلًا کہ آپ ایک قدم بڑھاتے ہیں وَتُؤَخِّرُ أُخْرَى اور دوسرے قدم کو پیچھے رکھتے ہیں، یہ تو نہیں کوئی کر سکتا ایک قدم آگے بڑھائے دوسرا قدم اسی وقت کیا کرے؟ پیچھے کرے، یہ تو ہو نہیں سکتا۔ مراد یہ ہے اسی قدم کو آپ کیا کرتے ہیں؟ واپس رکھتے ہیں۔ ترکیب کس طرح ہے؟ ترکیب دیکھو: أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلًا تَارَةً، تَارَةً کا کیا معنی؟ مرتبہ، میں دیکھتا ہوں تُقَدِّمُ رِجْلًا تَارَةً کہ آپ ایک مرتبہ تو کیا کرتے ہیں؟ قدم بڑھاتے ہیں، وَتُؤَخِّرُ تِلْكَ الرِّجْلَ اور اسی پاؤں کو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ پیچھے کرتے ہیں مَرَّةً أُخْرَى دوسری مرتبہ میں۔ ایک مرتبہ اس پاؤں کو بڑھاتے ہیں تو دوسری مرتبہ میں اسی پاؤں کو کیا کر لیتے ہیں؟ پیچھے کر لیتے ہیں۔ معنی اب سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو یہ أُخْرَى، رِجْل کی صفت نہیں ہے، یہ تَارَةً کی صفت ہے: تَارَةً أُخْرَى دوسری مرتبہ میں بھئی۔ ساری بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

الْمَجَازُ الْعَقْلِيُّ: هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِ فِي الظَّاهِرِ لِعَلَاقَةٍ نَحْوُ قَوْلِهِ:

أَشَابَ الصَّغِيرَ وَأَفْنَى الْكَبِيرَ ... كَرُّ الْغَدَاةِ وَمَرُّ الْعَشِيِّ۔

مجازِ عقلی بھئی۔ بھئی ابھی تک آپ نے جو مجاز پڑھا تھا یاد رکھیے اس کو مجازِ لغوی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مجازِ لغوی یعنی لفظ کو معنی موضوع لہ کے بجائے کس میں استعمال کر لینا؟ غیر موضوع لہ میں۔ تو وہ مجاز لفظ کے اندر تھا کہ لفظ کو آپ نے معنی غیر حقیقی میں استعمال کر لیا تو اس لفظ کو مجاز کہیں گے۔ جیسے میں کہتا ہوں: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي، میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب تیر شیر تو نہیں چلا سکتا، معلوم ہوا اسد بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ تو اسد کا لفظ معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا یا غیر موضوع لہ میں؟ غیر موضوع لہ میں، تو کہیں گے یہ اسد کا لفظ یہ مجاز ہے۔ یہ کیا ہے؟ مجاز۔ تو یہ جو مجاز جو میں نے ابھی بیان کر دیا یہ مجازِ لغوی ہے جو اب تک ہم پڑھ رہے ہیں کہ لفظ کو کس میں استعمال کیا جائے؟ معنی غیر موضوع لہ میں، تو یہ لفظ کی قسم ہے بھئی یہ مجاز۔

اب آگے آگیا مجازِ عقلی بھئی۔ یاد رکھیے یہ اسناد کے اندر ہوتا ہے۔ کس کے اندر؟ اسناد۔ اسناد کرنا فعل یا معنی فعل کی جس کی طرف ہونی چاہیے اسی کی طرف اسناد ہو تو اس کو کہتے ہیں حقیقتِ عقلیہ، اور اگر اس کے غیر کی طرف کر دیا اسناد تو اس کو کہیں گے مجازِ عقلی۔ تفصیلِ کلام یاد رکھیے: بھئی دیکھیے فعل دو قسم پر ہے، ایک فعلِ معروف ہے ایک فعلِ مجہول ہے۔ فعلِ معروف کو کس لیے بنایا گیا ہے، کہ اس کا اسناد کس کی طرف کرنا چاہیے؟ فاعل کی طرف۔ فعلِ مجہول کو کس لیے بنایا گیا ہے، اس کا اسناد کس کی طرف کرنا چاہیے؟ مفعول کی طرف اور اسی کو پھر ہم کیا کہتے ہیں؟ نائب فاعل کہتے ہیں بھئی۔ تو فعلِ معروف کا اسناد ہمیشہ فاعل کی طرف ہوتا ہے اور فعلِ مجہول کا اسناد ہمیشہ مفعول یعنی نائب فاعل کی طرف ہوتا ہے۔ تو فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے تو وہ ہمیں ضرور چاہیے۔ اور جب فعلِ معروف آجائے تو اسناد ہمیشہ کس کی طرف ہونا چاہیے؟ فاعل کی طرف، اور فعلِ مجہول آجائے تو اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے؟ مفعول یعنی نائب فاعل کی طرف۔

اور فعلِ معروف آئے اور اس کا اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے؟ فاعل کی طرف، تو فاعل ہوا اس کا اپنا۔ کیا کہیں گے؟ فاعل اس کا اپنا ہے۔ اسی طرح فعلِ مجہول کا اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے؟ مفعول یعنی نائب فاعل کی طرف، تو گویا وہ نائب الفاعل اس کا اپنا ہے۔ اور انہی کی طرف ان کا اسناد کیا جائے تو کہتے ہیں إِسْنَادٌ إِلَى مَا هُوَ لَهُ کہ یہ اسناد ہے کس چیز کی طرف؟ جو اس کا اپنا ہے۔ بھئی فعلِ معروف آیا اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے؟ فاعل کی طرف، اور آپ کرتے بھی فاعل ہی کی طرف اسناد ہیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ إِسْنَادٌ إِلَى مَا هُوَ لَهُ اس کی طرف جو اس کا اپنا ہے۔ فعلِ مجہول آیا اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے؟ نائب فاعل کی طرف، اور آپ کرتے بھی نائب

الفاعل ہی کی طرف ہیں تو کیا کہیں گے کہ یہ اسناد فعل کا کس کی طرف ہے؟ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، اس چیز کی طرف جو اس کی اپنی ہے۔ لیکن اگر آپ فاعل کے بجائے اسناد کسی اور چیز کی طرف کر دیں تو اس کو کہیں گے اسناد ہے إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ اس چیز کی طرف جو اس کا اپنا نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

مثلاً بھئی آپ کہتے ہیں نہر بہہ رہی ہے، حالانکہ نہر بہتی ہے یا نہر کے اندر پانی بہتا ہے؟ پانی بہتا ہے، تو آپ نے بہنے کی نسبت تو پانی کی طرف ہونی چاہیے تھی آپ نے نہر کی طرف کر دی، اس کو کہیں گے مجازِ عقلی کیونکہ اسناد کر دیا کس کی طرف، مَا هُوَ لَهُ کی طرف یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف اسناد کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا جیسے کہتے ہیں آگے مثالیں آئیں گی: بھرا ہوا سیلاب، سَيْلٌ مُفْعَمٌ۔ کیسا سیلاب؟ بھرا ہوا سیلاب۔ بھئی سیلاب بھرا ہوا ہوتا ہے یا وادی بھری ہوئی ہوتی ہے؟ وادی بھری ہوئی ہوتی ہے، سیلاب تو بھرنے والا ہے بھرا ہوا نہیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھیے اسناد کس کی طرف ہوا، مَا هُوَ لَهُ کی طرف یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی۔

■ قولہ: «غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ» کی تشریح

اگر اسناد اسی چیز کی طرف ہو جس کی طرف ہونا چاہیے تو اس کو کہتے ہیں حقیقتِ عقلیہ، اور اگر اسناد غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجازِ عقلی۔ حَقِيقَةٌ عَقْلِيَّةٌ، حقیقت کا لفظ چونکہ مؤنث ہے آخر میں تا آرہی ہے اس لیے عَقْلِيَّةٌ اس کی صفت بھی کیا لے کر آئے؟ مؤنث تا کے ساتھ: حَقِيقَةٌ عَقْلِيَّةٌ۔ اور مجاز کے آخر میں تو تا نہیں ہے یہ لفظ مذکر ہے تو اس کے آخر میں عَقْلِيٌّ کہا یعنی بغیر تا کے صفت لائے۔ تو ایک ہے حقیقتِ عقلیہ اور ایک ہے مجازِ عقلی۔ حقیقتِ عقلیہ کسے کہتے ہیں؟ اسناد فعل کا یا معنی فعل کا اسی چیز کی طرف جس کی طرف ہونا چاہیے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حقیقتِ عقلیہ، اور اگر اس کے علاوہ کی طرف ہو تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ یہ تو میں نے مختصراً آپ کے سامنے بیان کیا، آگے تفصیل یہ بیان کریں گے، قیودات ذکر کریں گے کس کو مجازِ عقلی کہیں گے کس کو مجازِ عقلی نہیں کہیں گے بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح جو صفت کے صیغے ہیں یعنی اسم فاعل اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ میں نے آپ کو ترکیب بتلائی تھی کہ زَيْدٌ قَامَ، کیا ترکیب کرتے تھے؟ زَيْدٌ مبتدا، قَامَ فعل اور اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل، اور فعل اپنے فاعل سے مل کر یہ جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اسی طرح میں نے آپ کو بتایا تھا کہ صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ، کیا ترکیب کی تھی؟ زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، اور اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ معلوم ہوا صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔

تو اسم فاعل اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسم مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل یعنی مفعول چاہیے۔ صفتِ مشبہ شَرِيفٌ، كَرِيمٌ اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور مبالغے کے صیغے جو ہیں ان کے لیے بھی فاعل چاہیے بھئی۔ اور اسی طرح اسم تفضیل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، أَفْضَلُ کے اندر کیا نکالیں گے؟ ضمیر نکالیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح مصدر کے لیے بھی کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل، وہ الگ بات ہے مصدر عاملِ ضعیف ہے کبھی فاعل ذکر ہو گا لفظوں میں کبھی ذکر نہیں ہو گا۔ تو یہ جو صفت کے صیغے ہیں یہ بھی فعل کی طرح عمل کرتے ہیں تو ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو اسناد فعل کا یا معنی فعل کا کس کی طرف؟ مَا هُوَ لَهُ کی طرف ہو تو اس کو کہیں گے حقیقتِ عقلیہ، اور اسناد فعل کا یا معنی فعل کا کس کی طرف ہو؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف ہو تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی کہیں گے بھئی۔

دیکھیے بھئی: الْمَجَازُ الْعَقْلِيُّ مجازِ عقلی جو ہے هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ وہ فعل کا اسناد کرنا أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ یا اس لفظ کا جو کس معنی میں ہے؟ جو فعل کے معنی میں ہے یعنی وہ صفت کے صیغے ہیں: اسم فاعل، اسم مفعول، مصدر، اسم تفضیل، صفتِ مشبہ وغیرہ بھئی۔ تو ان کا اسناد کرنا إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ اس کے علاوہ کی طرف۔ مَا هُوَ لَهُ، هُوَ ضمیر راجع ہے فعل یا معنی فعل کو۔ مَا هُوَ لَهُ صرف اس کا ترجمہ پہلے سن لیں: مَا وہ چیز هُوَ کہ وہ فعل یا معنی فعل جو ہے لَهُ اس کے لیے ہو، اس کا اپنا ہو۔ وہ چیز کہ وہ فعل یا معنی فعل اس کا اپنا ہو۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، پٹائی کس نے کی ہے؟ زید نے کی ہے، مثلاً زید نے پٹائی کی تھی اب میں نے آکر آپ سے کہا: ضَرَبَ زَيْدٌ، تو میں نے ضَرَبَ کا اسناد کس کی طرف کیا؟ زید کی طرف، اور پٹائی کی بھی کس نے؟ زید نے، تو اسناد فعل کا میں نے کس کی طرف کر دیا؟ زید کی طرف کیونکہ یہ اس کا اپنا فعل ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، خارج میں زید کھڑا تھا واقعے کے اندر، میں نے بھی آپ سے آکر کہا: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر اور یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ تو قَائِمٌ کا اسناد میں نے کس کی طرف کیا؟ زید کی طرف، اور یہ قَائِمٌ یہ صفت بھی کس کی ہے خارج میں؟ یہ ہے بھی زید ہی، کھڑا کون ہے؟ زید ہی کھڑا ہے اور اسی کی صفت ہے، تو وہ اس صفت کا اپنا ہوا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ مَا هُوَ لَهُ کا کیا معنی؟ مَا وہ چیز هُوَ کہ فعل یا معنی فعل لَهُ اس کی اپنی ہو، وہ فعل یا معنی فعل اس کا اپنا ہو۔

■ قولہ: «هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ وہ فعل کا یا معنی فعل کا اسناد کرنا ہے إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ، مَا هُوَ لَهُ کے علاوہ کی طرف عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِ متکلم کے نزدیک۔ بھئی یاد رکھیے اس میں متکلم کے اعتقاد کا دخل ہے بھئی۔ کس کو حقیقتِ عقلیہ کہیں گے اور کس کو مجازِ عقلی کہیں گے اس میں متکلم کے اعتقاد کا دخل ہے۔ اگر متکلم جس نے یہ جملہ آپ سے کہا ہو اس پہ غور کرنا ہے کہ یہ متکلم مَا هُوَ لَهُ کی طرف اسناد کر رہا ہے اپنے خیال میں یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف اسناد کر رہا ہے۔

مثلاً آپ کے سامنے ایک مؤمن شخص آکر کہتا ہے: أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ۔ أَنْبَتَ يُنْبِتُ کے معنی اگانا، اور الْبَقْل با، قاف دو نقطوں والا اور لام، بَقْل سبزی کو کہتے ہیں۔ أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ اللہ نے سبزی اگائی، اردو میں یوں کہہ لیں بامحاورہ: اللہ نے سبزہ اگایا۔ اب بتایئے بھئی اگانے کی نسبت یہ کہنے والا شخص کس کی طرف کر رہا ہے؟ اللہ کی طرف۔ اور یہ مؤمن ہے، معلوم ہوا اس کا اعتقاد بھی کیا ہے کہ اگانے والی ذات کون سی؟ اللہ کی۔ تو یہ اسناد أَنْبَتَ کا مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف؟ مَا هُوَ لَهُ، جو اس فعل کو کرنے والی ذات ہے اسی کی طرف تو وہ اسناد کر رہا ہے بھئی۔ یہ انبات اگانے کا فعل کس کا؟ اللہ تعالیٰ کا۔ اور وہ نسبت بھی کس کی طرف کر رہا ہے؟ اللہ کی طرف۔ لیکن یہ تو ہے واقعہ خارج، واقعے میں اللہ ہی اگانے والے ہیں اور انبات کی نسبت ہونی بھی کس کی طرف چاہیے؟ اللہ کی طرف، لیکن اب واقعے کو نہیں دیکھنا کہنے والے کو دیکھنا ہے، کہہ کون رہا ہے اس کا اپنا اعتقاد کیا ہے؟ اب جس نے آپ سے کہا وہ کون تھا؟ مؤمن تھا، اہلِ ایمان میں سے تھا۔ جب اس نے یہ کہا معلوم ہوا اس کے عقیدے کا آپ کو پتہ ہے کیا عقیدہ ہے کہ یہ اگانے کا فعل کرتا بھی کون ہے؟ اللہ ہی کرتے ہیں۔ تو جب اس نے کہا أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ اللہ نے سبزہ اگایا، تو اس نے اگانے کی نسبت، أَنْبَتَ فعل کا اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف کیا یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف؟ مَا هُوَ لَهُ کی طرف کیا، لہٰذا اس کو کہیں گے حقیقتِ عقلیہ۔ کیا کہیں گے؟ حقیقتِ عقلیہ، مجازِ عقلی نہیں کیونکہ اس میں تو غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف اسناد ہوتا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اس کے بجائے اگر ایک دہری شخص، ایک کافر شخص آپ کے سامنے آکر کہتا ہے جو اللہ کے وجود کو مانتا ہی نہیں، آکر آپ کے سامنے وہ کہتا ہے: أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ، اللہ نے سبزہ اگایا۔ حالانکہ اس کا اپنا اعتقاد یہ ہے کہ یہ سارا کچھ زمانہ کرتا ہے، یہ جو دن اور رات گزر رہے ہیں یہی ہر چیز میں مؤثر ہیں، انہی سے یہ سبزہ وغیرہ بھی اگتا ہے اور ختم بھی ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اب جب اس نے آکر آپ کے سامنے کہا أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ تو اس کا اپنا اعتقاد کیا ہے؟ آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ وہ اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے اپنے اعتقاد کے مطابق یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف۔ اگرچہ واقعے کے اعتبار سے تو اسناد وہ صحیح کر رہا ہے لیکن اب اس کے اعتقاد کو دیکھنا ہے، وہ اپنے اعتقاد کے مطابق کیا کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، تو اس کو مجازِ عقلی کہیں گے۔ تو معلوم ہوا اس میں اصل دارومدار کس پر ہے؟ متکلم جو جملہ کہنے والا ہے، جو بات کرنے والا ہے اس کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق مَا هُوَ لَهُ کی طرف اسناد کر رہا ہے یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا وہی کافر آکر آپ کے سامنے کہتا ہے: أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ۔ الرَّبِيعُ، ربیع کہتے ہیں بہار کو، بہار کا موسم جو ہے۔ أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ موسمِ بہار نے سبزہ اگایا۔ اب آپ مجھے بتایئے وہ اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے اپنے اعتقاد کے مطابق یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف؟ وہ اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے اپنے اعتقاد کے مطابق۔ اگرچہ واقعے کے مطابق تو نہیں لیکن اس کا اپنا کیا اعتقاد ہے؟ واقعی سبزہ کس نے اگایا؟ بہار نے، تو وہ اپنے اعتقاد کے مطابق مَا هُوَ لَهُ کی طرف اسناد کر رہا ہے، لہٰذا اس کو مجازِ عقلی نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ حقیقتِ عقلیہ کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو بھئی اچھی طرح؟ تو اس میں اصل دارومدار کس پر ہے؟ متکلم کے اعتقاد کا دارومدار ہے۔

■ قولہ: «هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ وہ اسناد فعل یا معنی فعل کا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِ متکلم کے نزدیک فِي الظَّاهِرِ کس کے اعتبار سے؟ ظاہر کے اعتبار سے، یعنی اس کا ظاہرِ حال بتلا رہا ہو کہ وہ اسناد غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے۔ تو جہ ہے؟ خلاصہ مجازِ عقلی کسے کہتے ہیں تعریف کو دوبارہ سمجھ لیں: مجازِ عقلی اس کو کہتے ہیں کہ متکلم کا ظاہرِ حال یہ بتلا رہا ہو کہ وہ اس فعل یا معنی فعل کا اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف نہیں کر رہا بلکہ کس کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے تو اس کو کہیں گے مجازِ عقلی۔ کیا چیز بتلا رہی ہو؟ متکلم کا ظاہرِ حال۔ جیسے کافر نے آکر آپ کے سامنے کہا تھا أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ، اب اگرچہ یہ بات واقعے کے مطابق تھی سبزہ اگانے والی ذات اللہ ہی کی ہے لیکن اس کا ظاہرِ حال بتلا رہا تھا کہ وہ اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف نہیں کر رہا بلکہ کس کی طرف کر رہا ہے؟ غیر کی طرف، کیونکہ وہ تو اللہ کی ذات کو مانتا ہی نہیں ہے، اس کا کیا خیال ہے کہ یہ سب کچھ کرنے والا یہ زمانہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا اب مجھے بتایئے، آپ کا ایک ساتھی آیا اور آکر آپ سے کہتا ہے: زید آگیا ہے، حالانکہ واقعے میں زید نہیں آیا۔ زید نہیں آیا لیکن اس نے آکر آپ سے جھوٹ بول دیا، کیا کہا؟ زید آگیا ہے۔ آپ کو پتہ نہیں کسی بات کا، بس وہ آپ کے سامنے آیا اور اس نے آکر آپ سے کہا زید آگیا ہے۔ اب آپ مجھے بتایئے وہ آنے کا اسناد زید کی طرف

کر رہا ہے، اور اس کو کیا کہیں گے؟ متکلم جھوٹ بول رہا ہے، آپ کے سامنے آکر اس نے جھوٹ بولا ہے زید آیا کوئی نہیں، وہ آکر کیا کہتا ہے آپ سے؟ زید آگیا ہے۔ آپ کو پتہ نہیں، آپ نے یہ بات سنی تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟ آپ کو تو پتہ ہی نہیں ہے، آپ تو یہی سمجھیں گے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ سچ بول رہا ہے، آپ یہ سمجھیں گے یا نہیں؟ تو آپ سمجھیں گے سچ بول رہا ہے شاید، تو اس کو کہیں گے حقیقتِ عقلیہ۔ کیونکہ آنے کی نسبت اس نے کس کی طرف کی ہے؟ زید کی طرف، اور زید آنے والا فعل سرانجام دے سکتا ہے یا نہیں دے سکتا؟ دے سکتا ہے، تو آپ تو ظاہر کے اعتبار سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ شاید اس نے آنے کی نسبت زید کی طرف کی ہے اور آنے کی نسبت زید کی طرف بالکل صحیح ہے کیونکہ زید آنے کا فعل کر سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

ہاں اب دوسری صورت بنائیں: اب آپ کو پتہ ہے کہ زید نہیں آیا، اور پھر آکر وہ آپ سے کہتا ہے زید آگیا ہے۔ کہنے والے کو بھی پتہ ہے کہ آپ کو پتہ ہے کہ زید نہیں آیا، پھر وہ آکر آپ سے کہتا ہے زید آگیا ہے۔ اب غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، کیونکہ جب آپ کو بھی پتہ ہے اور پھر وہ آنے کا اسناد کس کی طرف کر رہا ہے؟ زید کی طرف کر رہا ہے، معلوم ہوا آپ کو جو علم ہے اس کو اس نے قرینہ بنادیا۔ یاد رکھیے یہ جو اسناد کیا جاتا ہے نا مجازِ عقلی میں غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، اس میں کوئی قرینہ چاہیے ہوتا ہے جو ہمیں بتلائے کہ یہ اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف نہیں کر رہا بلکہ کس کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف۔ تو کوئی قرینہ چاہیے ہوتا ہے وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ یہ اسناد غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف ہے، جیسے وہ کافر نے آکر آپ کے سامنے کہا تھا أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ، ہم نے اس کو کس پر محمول کیا تھا کہ یہ کیا ہے، حقیقتِ عقلیہ ہے یا مجازِ عقلی ہے؟ مجازِ عقلی ہے۔ حالانکہ واقعے کے اعتبار سے تو اسناد صحیح تھا لیکن چونکہ اس کا اعتقاد نہیں تھا تو اس کا یہ اعتقاد نہ ہونا یہ قرینہ تھا اور اس کا آپ کو پہلے سے پتہ تھا کہ اس شخص کا یہ اعتقاد ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مجازِ عقلی کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے بھئی۔ تو یہاں پر بھی جب زید نہیں آیا اور اس نے آکر آپ سے کہا کہ زید آگیا ہے، اب آپ کو بھی پتہ ہے اور وہ بھی جانتا ہے کہ آپ کو اس بات کا پتہ ہے، پھر وہ کہہ رہا ہے آنے کا اسناد کس کی طرف کر رہا ہے؟ زید کی طرف، معلوم ہوا اس نے آپ کے علم کو ہی قرینہ بنادیا کہ میں اسناد مَا هُوَ لَهُ کی طرف نہیں کر رہا بلکہ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا مؤمن کا کہنا أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ یہ کیا ہے؟ اسناد کس کی طرف ہے؟ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، لہٰذا اس کو کیا کہیں گے؟ حقیقتِ عقلیہ۔ اور اگر کافر شخص ہے جو اللہ کی ذات کو مانتا ہی نہیں وہ آکر کہتا ہے أَنْبَتَ اللَّهُ الْبَقْلَ اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی کہیں گے۔ اور مؤمن اگر یوں کہے: أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ موسمِ بہار نے سبزہ اگایا، اس کو کیا کہیں گے؟ ہاں مؤمن جب اہلِ ایمان میں سے ہے تو یقیناً اس کا یہ اعتقاد نہیں ہے، معلوم ہوا وہ اسناد کس کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی کہیں گے۔ اور یہی بات اگر وہ کافر شخص کہتا ہے جو اللہ کی ذات کو نہیں مانتا کہ أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ اس کو ہم کیا کہیں گے؟ حقیقتِ عقلیہ کہیں گے۔ تو یہی کلام مؤمن نے کہا تو مجازِ عقلی، یہی کلام اس دہری شخص نے کہا تو یہ حقیقتِ عقلیہ۔ تو دیکھو معلوم ہوا دخل کس کا ہے؟ متکلم جس نے جملہ کہا ہو، جس نے بات کی ہو اس کے اعتقاد کا دخل ہے۔ اگر وہ اپنے اعتقاد کے مطابق مَا هُوَ لَهُ کی طرف اسناد کر رہا ہے، اس کا ظاہرِ حال یہ بتلا رہا ہے، فِي الظَّاهِرِ کی قید آئی تھی یا نہیں تعریف میں؟ اس کا ظاہرِ حال کیا بتلا رہا ہو کہ یہ اسناد کس کی طرف کر رہا ہے؟ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، تو اس کو کیا کہیں گے؟ حقیقتِ عقلیہ۔ اور اگر اس کا ظاہرِ حال یہ بتلا رہا ہو کہ وہ اسناد کس کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی کہیں گے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی کتاب پر: هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِ فِي الظَّاهِرِ وہ فعل یا معنی فعل کا اسناد کرنا ہے اس چیز کی طرف جو اس کی نہ ہو عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِ کس کے نزدیک؟ متکلم کے نزدیک فِي الظَّاهِرِ ظاہر میں یعنی متکلم کے ظاہرِ حال میں۔ فِي الظَّاهِرِ سے مراد ہے متکلم کا ظاہرِ حال، أَيْ ظَاهِرِ حَالِ الْمُتَكَلِّمِ۔ متکلم کا ظاہرِ حال آپ کو بتلا رہا ہو کہ وہ اسناد کس کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی۔

نَحْوُ قَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا یہ قول ہے:

■ متن وشواہد: «أَشَابَ الصَّغِيرَ وَأَفْنَى الْكَبِيرَ»

أَشَابَ الصَّغِيرَ وَأَفْنَى الْكَبِيرَ ... كَرُّ الْغَدَاةِ وَمَرُّ الْعَشِيِّ

أَشَابَ، أَشَابَ يُشِيبُ کے معنی بوڑھا کر دینا۔ أَشَابَ الصَّغِيرَ صغیر کو، چھوٹوں کو بوڑھا کر دیا وَأَفْنَى الْكَبِيرَ، أَفْنَى يُفْنِي کے معنی فنا کرنا ختم کرنا، کبیر سے مراد بوڑھا ہے، اور فنا کر دیا بوڑھوں کو۔ كَرُّ الْغَدَاةِ، غَدَاة کہتے ہیں چاشت کا وقت یعنی صبح، كَرُّ کا معنی ہے لوٹنا۔ كَرُّ الْغَدَاةِ صبح کے لوٹنے نے یعنی صبح بار بار آتی ہے، وَمَرُّ الْعَشِيِّ، عَشِيّ کہتے ہیں یاد رکھیے زوال کے بعد سے لے کر شام تک کا وقت اس کو کیا کہتے ہیں؟ عَشِيّ کہتے ہیں، اور اسی طرح جو شام کا وقت ہے اس کو بھی عَشِيّ کہتے ہیں بھئی۔ تو مَرّ کا معنی گزرنا: كَرُّ الْغَدَاةِ صبح کا لوٹنا وَمَرُّ الْعَشِيِّ اور شام کا گزرنا۔ أَشَابَ الصَّغِيرَ وَأَفْنَى الْكَبِيرَ ... كَرُّ الْغَدَاةِ وَمَرُّ الْعَشِيِّ، بچوں کو بوڑھا کر دیا اور بوڑھوں کو فنا کر دیا کس چیز نے؟ كَرُّ الْغَدَاةِ وَمَرُّ الْعَشِيِّ صبحوں کے بار بار آنے نے اور شام کے بار بار گزرنے نے۔ صبح اور شام بار بار آتی ہیں گزرتی چلی جاتی ہیں، زمانہ تیزی سے گزرتا ہے اور بچے جوان ہوتے ہیں، جوان بوڑھے ہوتے ہیں اور بوڑھے ختم ہو جاتے ہیں فنا ہو جاتے ہیں۔ معنی شعر کا سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو اب دیکھیے بھئی بچوں کو بوڑھا کرنا اور بوڑھوں کو فنا کرنا یہ کرنے والی اصل میں تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن شاعر نے یہاں کس کی طرف نسبت کر دی؟ اس صبح اور شام کے گزرنے کی طرف کہ صبح اور شام کے گزرنے نے کیا کیا ہے؟ بچوں کو بوڑھا اور بوڑھوں کو فنا کر دیا ہے۔ اب اس کو کیا کہیں گے؟ اب پتہ لگے گا کس کو مجازِ عقلی سمجھ میں آیا ہے سمجھ میں نہیں آیا، ہاں بھئی اس کو کیا کہیں گے؟ شاباش، بس معلوم ہوا بات سمجھ میں آگئی ہے۔ جب تک شاعر کا پتہ نہیں چلتا اس کا کیا اعتقاد ہے اس وقت تک آپ یہ طے نہیں کر سکتے کہ یہ حقیقتِ عقلیہ ہے یا مجازِ عقلی۔ اگر اس کا یہی اعتقاد ہے تو پھر یہ حقیقتِ عقلیہ ہے، اور اگر کہنے والا مؤمن ہے مسلمان ہے تو معلوم ہوا اس کا تو یہ اعتقاد نہیں ہے تو پھر اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی پھر کہیں گے۔ اور یہ شعر کہنے والا مؤمن ہے مسلمان ہے، معلوم ہوا وہ جو یہ نسبت زمانے کی طرف کر رہا ہے اس کا اپنا عقیدہ کیا ہے یہ سب کرنے والی کون سی ذات ہے؟ اللہ کی، لیکن دن اور رات کی طرف کر دی کیونکہ یہ دن اور رات زمانہ ہیں بھئی۔ تو ان کا بھی اس سے تعلق ہے چونکہ، تو یہ اسناد اس کے اپنے اعتقاد کے مطابق بھی وہ مَا هُوَ لَهُ کی طرف نہیں کر رہا بلکہ کس کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف۔

فَإِنَّ إِسْنَادَ الْإِشَابَةِ وَالْإِفْنَاءِ إِلَى كَرِّ الْغَدَاةِ وَمُرُورِ الْعَشِيِّ پس بے شک إِشَابَة، أَشَابَ يُشِيبُ إِشَابَةً کا جو اسناد ہے وَالْإِفْنَاءِ، أَفْنَى يُفْنِي إِفْنَاءً، تو یہ اثبات اور افناء کا جو اسناد ہے إِلَى كَرِّ الْغَدَاةِ وَمُرُورِ الْعَشِيِّ شام کے گزرنے اور صبح کے لوٹنے کی طرف، إِسْنَادٌ إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ یہ اسناد ہے کس کی طرف؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف إِذِ الْمُشِيبُ وَالْمُفْنِي فِي الْحَقِيقَةِ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى اس لیے کیونکہ مُشِيب بوڑھا کرنے والی ذات وَالْمُفْنِي اور فنا کرنے والی ذات فِي الْحَقِيقَةِ حقیقت میں هُوَ اللَّهُ تَعَالَى وہ اللہ تعالیٰ ہیں بھئی۔

وَمِنَ الْمَجَازِ الْعَقْلِيِّ إِسْنَادُ مَا بُنِيَ لِلْفَاعِلِ إِلَى الْمَفْعُولِ اور مجازِ عقلی میں سے ہی ہے اسناد کرنا اس چیز کی بُنِيَ لِلْفَاعِلِ جس کی بنا فاعل کے لیے ہو، یعنی جس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہو۔ بھئی فعلِ معروف کو کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ فاعل کے لیے، اس کا اسناد فاعل کی طرف ہونا چاہیے۔ اسمِ فاعل کو کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ فاعل کے لیے، اس کا اسناد بھی کس کی طرف ہونا چاہیے؟ فاعل کی طرف۔ تو اگر اس کا اسناد فاعل کے بجائے کس کی طرف کر دیا جائے؟ مفعول کی طرف، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ عقلی کہیں گے۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں مجازِ عقلی میں سے ہے اسناد اس چیز کا جس کو فاعل کے لیے بنایا گیا تھا إِلَى الْمَفْعُولِ کس کی طرف؟ مفعول کی طرف، نَحْوُ مثال کے طور پر: عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ۔ عِيشَةٍ موصوف، رَاضِيَةٍ اس کی صفت۔ رَاضِيَةٍ، رَاضٍ راضی ہونے والا اسی سے مؤنث کا صیغہ ہے۔ اب مجھے بتائیے زندگی راضی ہونے والی، ایسی زندگی جو راضی ہونے والی ہے۔ بھئی زندگی راضی ہونے والی ہوتی ہے یا صاحبِ زندگی راضی ہونے والا ہوتا ہے؟ صاحبِ زندگی کیا ہے جو زندگی والا ہے وہ زندگی سے راضی ہوتا ہے۔ بھئی کوئی شخص ہے وہ اپنی زندگی پر خوش ہو گا یا خوش نہیں ہو گا، تو خوش زندگی ہوتی ہے یا زندگی والا ہوتا ہے؟ زندگی والا ہوتا ہے۔ تو رَاضِيَةٍ اسمِ فاعل کا صیغہ آیا اور راضی ہونے والی زندگی ہے یا وہ صاحبِ زندگی ہے؟ صاحبِ زندگی، لیکن یہاں اسناد عِيشَةٍ کی طرف زندگی کی طرف کر دیا گیا۔ عِيشَة کا کیا معنی؟ زندگی، اسناد کس کی طرف کر دیا گیا؟ زندگی کی طرف۔ تو یہ رَاضِيَة تو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اس کو کس لیے بنایا گیا ہے، اس کا اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے؟ فاعل کی طرف، لیکن اس کا اسناد فاعل کے بجائے کس کی طرف کر دیا گیا؟ مفعول کی طرف۔ زندگی سے کوئی راضی ہوتا ہے، زندگی پر کوئی راضی ہوتا ہے تو زندگی کیا ہے؟ مفعول۔ سمجھ میں آیا؟ زندگی والا راضی ہوتا ہے اور کس سے راضی ہوتا ہے؟ زندگی سے، تو زندگی کیا ہے؟ مفعول۔ تو یہ اسمِ فاعل تھا، اسمِ فاعل کا اسناد فاعل کی طرف ہونا چاہیے تھا لیکن اس کا اسناد کس کی طرف کر دیا گیا؟ مفعول کی طرف، تو یہ کیا ہے؟ مجازِ عقلی۔

بھئی دیکھیے کیسے اس کا اسناد ہے؟ دیکھیے عِيشَةٍ ہے موصوف، رَاضِيَةٍ صیغہ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، تو اسی کے اندر هِيَ ضمیر کیونکہ یہ مؤنث کا صیغہ ہے نا، اور وہ هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ عِيشَةٍ کو۔ گویا رَاضِيَةٍ کا اسناد ہے هِيَ ضمیر کی طرف اور اس هِيَ سے مراد کون ہے؟ عِيشَةٌ یہ زندگی ہے، اور راضی ہونے والی تو زندگی نہیں بلکہ راضی ہونے والا تو صاحبِ زندگی ہے۔ تو زندگی کیا ہے دراصل؟ مفعول ہے، تو اسمِ فاعل کا اسناد کس کی طرف کر دیا گیا؟ مفعول کی طرف حالانکہ اس کا اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے تھا؟ فاعل کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَمِنَ الْمَجَازِ الْعَقْلِيِّ إِسْنَادُ مَا بُنِيَ لِلْفَاعِلِ إِلَى الْمَفْعُولِ اور مجازِ عقلی میں سے ہے اسناد کرنا اس چیز کا جس کو فاعل کے لیے بنایا گیا تھا اس کا اسناد کر دینا إِلَى الْمَفْعُولِ مفعول کی طرف نَحْوُ عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ۔

وَعَكْسُهُ اور مجازِ عقلی میں سے ہی ہے اس کا عکس بھی، یعنی جس کو بنایا کس کے لیے گیا؟ مفعول کے لیے، اور اسناد کس کی طرف کر دیا گیا؟ فاعل کی طرف، نَحْوُ: سَيْلٌ مُفْعَمٌ۔ أَفْعَمَ يُفْعِمُ إِفْعَامًا کا معنی ہوتا ہے بھر دینا، مُفْعَم اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، سَيْلٌ مُفْعَمٌ ایسا سیلاب جو بھرا ہوا سیلاب ہوتا ہے یا وادی بھری ہوئی ہوتی ہے؟ وادی بھری ہوئی ہوتی ہے، سیلاب تو بھرنے والا ہے وہ تو فاعل ہے، تو یہاں مُفْعَم اسمِ مفعول کا صیغہ آیا اور اس کا اسناد کس کی طرف کر دیا گیا؟ فاعل کی طرف، تو یہ کیا ہے؟ مجازِ عقلی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی کس طرح ہے؟ سَيْلٌ موصوف، مُفْعَمٌ صیغہ اسمِ مفعول، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر وہ نائب الفاعل کس کو راجع؟ سَيْلٌ سیلاب کو، تو گویا هُوَ ضمیر سے جب سَيْلٌ مراد ہے تو گویا اس کا اسناد سَيْلٌ کی طرف ہی کر دیا گیا حالانکہ وہ تو فاعل ہے مفعول نہیں۔

■ قولہ: «وَالْإِسْنَادُ إِلَى الْمَصْدَرِ» کی تشریح

وَالْإِسْنَادُ إِلَى الْمَصْدَرِ اور مجازِ عقلی میں سے ہی ہے مصدر کی طرف بھی اسناد، نَحْوُ مثال کے طور پر: جَدَّ جِدُّهُ۔ جَدَّ کے معنی کوشش کرنا اور جِدٌّ اسی سے مصدر ہے کوشش کرنا۔ اب ترجمے پہ نظر رکھنا: جَدَّ جِدُّهُ کوشش کی اس کے کوشش کرنے نے۔ بھئی کوشش وہ کوشش کرتی ہے یا کوشش والا کوشش کرتا ہے؟ کوشش

والا کوشش کرتا ہے، تو یہاں اسناد اس کے بجائے مصدر ہی کی طرف کر دیا گیا، کوشش کی طرف ہی کوشش کرنے کا اسناد کر دیا گیا تو یہ کیا ہے؟ مجازِ عقلی ہے، نَحْوُ جَدَّ جِدُّهُ کوشش کی اس کی کوشش نے، محنت کی اس کی کوشش نے۔

وَإِلَى الزَّمَانِ اور کبھی اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ زمانے کی طرف ہوتا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: نَهَارُهُ صَائِمٌ، اس کا دن روزہ دار ہے۔ بھئی دن روزہ دار ہوتا ہے یا دن میں جو ہو وہ روزہ دار ہوتا ہے؟ دن میں جو ہو وہ روزہ دار ہوتا ہے، تو یہاں صَائِمٌ اس کا اسناد فاعل کے بجائے کس کی طرف کر دیا گیا؟ نَهَار یعنی زمانے کی طرف۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَإِلَى الْمَكَانِ اور مکان کی طرف یہ بھی اسی قبیل سے ہے، نَحْوُ: نَهْرٌ جَارٍ، نہر جاری ہے یعنی بہنے والی ہے، حالانکہ نہر نہیں بہنے والی نہر میں پانی بہنے والا ہے۔

وَإِلَى السَّبَبِ اور سبب کی طرف کبھی نسبت کر دی جاتی ہے، نَحْوُ: بَنَى الْأَمِيرُ الْمَدِينَةَ، امیر نے شہر تعمیر کیا۔ بَنَى يَبْنِي کے معنی تعمیر کرنا، بَنَى الْأَمِيرُ امیر نے کیا کیا؟ شہر تعمیر کیا۔ بھئی امیر شہر تعمیر کرتا ہے یا مزدور شہر تعمیر کرتے ہیں؟ مزدور۔ تو اسناد تعمیر کی امیر کی طرف کر دی، تو یہ مَا هُوَ لَهُ کی طرف یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ، اور کیوں کی امیر کی طرف؟ کیونکہ امیر سبب ہے، وہ حکم دینے والا ہے، وہ حکم دے گا تو مزدور تعمیر کریں گے تو وہ کیا ہے؟ سبب ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے مجازِ عقلی اس کو کہتے ہیں کہ متکلم کا ظاہرِ حال بتلا دے کہ وہ اسناد فعل یا معنی فعل کا مَا هُوَ لَهُ کی طرف نہیں کر رہا یعنی جس کے لیے اس کو بنایا گیا تھا اسی کی طرف یہ اسناد نہیں ہو رہا بلکہ کس کی طرف اسناد کیا جا رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف اس کا اسناد کیا جا رہا ہے۔ اور پھر اس میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اس میں کیا کیا جاتا ہے؟ کبھی فاعل کے بجائے اسناد کس کی طرف کر دیا جاتا ہے؟ مفعول کی طرف جیسے عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ، اور کبھی مفعول کی طرف اسناد ہونا چاہیے کس کی طرف کر دیا جاتا ہے؟ فاعل کی طرف جیسے سَيْلٌ مُفْعَمٌ، اور کبھی اسناد کس کی طرف کر دیا جاتا ہے؟ مصدر کی طرف۔

اور یاد رکھیے ہاں تعریف کے اندر، تعریف پہ آیئے ذرا مجازِ عقلی میں: فِي الظَّاهِرِ لِعَلَاقَةٍ کسی علاقے کی وجہ سے۔ بھئی ادھر توجہ کیجیے یہ قید تو رہ ہی گئی۔ فعل یا معنی فعل کا اسناد کرتا ہے متکلم اور اس کا ظاہرِ حال کیا بتلا رہا ہے کہ وہ مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے یا غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف کر رہا ہے لِعَلَاقَةٍ کسی علاقے کی وجہ سے۔ جس کی طرف کر رہا ہے اس کا بھی کچھ نہ کچھ تعلق ہو گا، بغیر تعلق کے نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے تھا؟ مَا هُوَ لَهُ، لیکن وہ اس کے بجائے کس کی طرف کر رہا ہے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف، اس فعل یا معنی فعل کا اس غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ سے بھی کوئی نہ کوئی تعلق ہو گا، بغیر تعلق کے نہیں۔ جیسے یہ ابھی مثالیں گزریں: عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ، رَاضِيَة کا اسناد فاعل کے بجائے کس کی طرف کر دیا؟ مفعول کی طرف، اور مفعول کے ساتھ بھی فعل کا تعلق ہوتا ہے یا نہیں؟ مفعول اس پر فعل واقع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ بھی تعلق اور علاقہ ہے۔ اسی طرح اگلی مثال: جَدَّ جِدُّهُ اس کے کوشش کرنے کو کوشش کی، تو جَدَّ فعل کا اسناد کر دیا مصدر کی طرف، اور فعل کا مصدر کے ساتھ علاقہ اور تعلق ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ کیونکہ ہر فعل کے مفہوم میں کیا ہوتا ہے؟ مصدر کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح روزہ دار ہونے کی نسبت دن کی طرف کر دی، کرنی کس کی طرف چاہیے تھی؟ روزہ دار شخص کی طرف، لیکن کیا کہہ دیا؟ نَهَارُهُ صَائِمٌ، تو صائم کی نسبت دن کی طرف کر دی گئی اور دن کیا ہے؟ روزے کے لیے زمانہ ہے، تو دیکھو تعلق ہے اس روزے کے ساتھ اس کا۔ اسی طرح نَهْرٌ جَارٍ نہر کیا ہے؟ جاری ہے بہہ رہی ہے۔ اب دیکھیے بہنے کا اسناد کس کی طرف ہونا چاہیے تھا؟ پانی کی طرف لیکن کس کی طرف کر دیا گیا؟ نہر کی طرف، تو دیکھو نہر کا اس بہنے اور پانی کے ساتھ تعلق ہے یا تعلق نہیں؟ یہ اس کے لیے جگہ ہے جس میں وہ بہتا ہے بھئی۔ اسی طرح کبھی نسبت کس کی طرف کر دی جاتی ہے؟ بَنَى الْأَمِيرُ الْمَدِينَةَ، کس کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے؟ سبب کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا علاقہ ضروری ہے، یعنی یوں کہہ لیں اس فعل یا معنی فعل کا تعلق ہوتا ہے کس سے؟ غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ سے جس کی طرف اسناد کر دیا گیا اس کا بھی کچھ نہ کچھ کیا ہوتا ہے؟ علاقہ ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ قولہ: «وَيُعْلَمُ مِمَّا سَبَقَ» کی تشریح

وَيُعْلَمُ مِمَّا سَبَقَ اور یہ بات معلوم ہو گئی اس سے جو ما قبل میں گزرا کہ أَنَّ الْمَجَازَ اللُّغَوِيَّ يَكُونُ فِي اللَّفْظِ کہ مجازِ لغوی کس میں ہو گا؟ لفظ میں ہو گا، لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا، وَالْمَجَازَ الْعَقْلِيَّ يَكُونُ فِي الْإِسْنَادِ اور مجازِ عقلی کس میں ہو گا؟ اسناد میں ہو گا کہ اسناد غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ کی طرف کرے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۴: بحثِ کنایہ: کنایہ کی تعریف، مکنی عنہ کے اعتبار سے تین اقسام (صفت، نسبت، موصوف) اور تلویح، رمز، ایماء و تعریض

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۱۵ ــــ بتاریخ: ۲۸ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْكِنَايَةُ: هِيَ لَفْظٌ أُرِيدَ بِهِ لَازِمُ مَعْنَاهُ مَعَ جَوَازِ إِرَادَةِ ذَلِكَ الْمَعْنَى نَحْوُ: طَوِيلُ النِّجَادِ أَيْ طَوِيلُ الْقَامَةِ. وَتَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ الْمَكْنِيِّ عَنْهُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: الْأَوَّلُ كِنَايَةٌ يَكُونُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيهَا صِفَةً كَقَوْلِ الْخَنْسَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا:

طَوِيلُ النِّجَادِ رَفِيعُ الْعِمَادِ ... كَثِيرُ الرَّمَادِ إِذَا مَا شَتَا.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

کنایہ بھئی، بھئی علم بیان میں آپ نے پڑھا تھا تشبیہ، مجاز اور کنایہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ تشبیہ کا بیان بھی مکمل ہوا اور اس کے بعد مجاز کا بیان بھی مکمل ہوا، اب آخری چیز یعنی کنایہ کے بارے میں آج ہم پڑھیں گے بھئی۔

کنایہ کی تعریف میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ کنایہ کسے کہتے ہیں؟ کہ کوئی لفظ ذکر کیا جائے اور اس کے معنی کے لازم کا ارادہ کیا جائے۔ اس کے معنی کے لازم کا ارادہ کیا جائے۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ زید لمبے قد والا ہے، اسی بات کو میں کنائے کے رنگ میں یوں کہوں گا کہ زید لمبی قمیص والا ہے۔ تو دیکھیے لمبی قمیص اس کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے، کیونکہ قمیص اسی شخص کی لمبی ہو گی جس کا قد لمبا ہو گا۔ لمبی قمیص کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے، تو یہ ہے کنایہ بھئی۔

تو کنائے کے اندر بھی معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ دیکھو قمیص بول کر قد کا ارادہ کیا حالانکہ قمیص کا لفظ قد کے لیے تو وضع نہیں ہے، تو یہ لفظ کس معنی میں استعمال ہوا؟ معنی غیر موضوع لہ میں۔ مجاز میں بھی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں یعنی غیر حقیقی معنی کے اندر لفظ استعمال ہوتا ہے، جبکہ کنائے میں بھی لفظ معنی غیر حقیقی میں استعمال ہوتا ہے۔

اور ان دونوں میں کیا فرق ہے یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مجاز کے اندر معنی حقیقی کا ارادہ درست نہیں ہوتا، جبکہ کنایہ کے اندر معنی حقیقی کا ارادہ بھی درست ہوتا ہے۔ مجاز کی تعریف میں آپ نے پڑھا تھا کہ لفظ کو استعمال کرنا معنی غیر موضوع لہ میں اور وہاں کوئی مانع ہو جو کس چیز سے روکے؟ معنی حقیقی کے ارادے سے۔ معنی حقیقی کے ارادے سے وہاں کوئی مانع ہونا چاہیے، یعنی وہاں پر معنی حقیقی کا ارادہ صحیح ہی نہ بنتا ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں: رَأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِي، میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اب یہاں اسد بول کر بہادر آدمی ہی مراد ہے، یہاں وہ جنگلی درندہ یعنی شیر کو مراد نہیں لے سکتے اس لیے کیونکہ شیر تیر نہیں چلا سکتا بھئی۔ تو يَرْمِي کا یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ یہاں حقیقی معنی مراد لینا صحیح نہیں۔

تو مجاز کے اندر حقیقی معنی کا ارادہ صحیح نہیں ہوتا، جبکہ کنایہ کے اندر حقیقی معنی کا ارادہ بھی صحیح ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ کو کیا بتلانا چاہتا تھا کہ زید لمبے قد والا ہے اور میں نے کیا کہا؟ زید لمبی قمیص والا ہے۔ تو جملہ تو میں نے یہ کہا کہ زید لمبی قمیص والا ہے لیکن ارادہ کس معنی کا؟ کہ زید لمبے قد والا ہے۔ لیکن اگر میں معنی حقیقی کا ارادہ کر لوں تو بھی

وہ درست ہے، میں قمیص سے قمیص ہی مراد لے لیتا ہوں: زید لمبی قمیص والا ہے، دیکھو یہ معنی بھی صحیح ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کنایہ اور مجاز میں کیا فرق ہوا کہ مجاز کے اندر معنی حقیقی کا ارادہ وہاں پر صحیح نہیں بنتا جبکہ کنائے کے اندر معنی حقیقی کا ارادہ بھی صحیح بنتا ہے۔

تو کنائے کے اندر بھی لفظ معنی غیر حقیقی میں استعمال ہوتا ہے، اور یہ جو معنی غیر حقیقی ہوتا ہے یہ معنی حقیقی کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ کس کے ساتھ لازم ہوتا ہے؟ معنی حقیقی کے ساتھ، جیسے لمبی قمیص کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: هِيَ لَفْظٌ أُرِيدَ بِهِ لَازِمُ مَعْنَاهُ یہ کنایہ جو ہے ایسا لفظ ہے کہ ارادہ کیا جائے اس کے ذریعے اس کے معنی کے لازم کا مَعَ جَوَازِ إِرَادَةِ ذَلِكَ الْمَعْنَى ساتھ اس معنی کے یعنی معنی حقیقی کے ارادے کے جائز ہونے کے، کہ معنی حقیقی کا ارادہ بھی جائز ہوتا ہے۔

■ قولہ: «طَوِيلُ النِّجَادِ۔ نِجَاد» کی تشریح

نَحْوُ مثال کے طور پر: طَوِيلُ النِّجَادِ۔ نِجَاد بھئی نون کے نیچے کسرہ پڑھیے گا بھئی، یہ فتحہ جو اوپر لگا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ طَوِيلُ النِّجَادِ أَيْ طَوِيلُ الْقَامَةِ۔ نِجَاد کہتے ہیں بھئی وہ چمڑے کی پیٹی جس کے ساتھ تلوار کو لٹکایا جاتا تھا، اس کو کیا کہتے ہیں عربی میں؟ نِجَاد کہتے ہیں بھئی۔ اس کو حمائل کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ حمائل کہتے ہیں۔ آپ اردو کی کتابوں میں پڑھتے بھی ہوں گے کہ فلاں نے تلوار حمائل کی اور پھر گھر سے نکلا۔ تو حمائل کرنے کا کیا معنی تھا؟ وہ چمڑے کی پیٹی کے ساتھ تلوار لٹکالی، یعنی تلوار اٹھائی اپنے ساتھ لٹکالی اور باہر نکلا بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کو حمائل کہتے ہیں بھئی۔

اور آپ مثلاً کسی کے لمبے قد کے بارے میں بتلانا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں: فُلَانٌ طَوِيلُ النِّجَادِ، فلاں لمبی حمائل والا ہے۔ اور حمائل بول کر مراد کیا ہے؟ قد مراد ہے۔ تو دیکھو لمبی حمائل کے ساتھ قد کا لمبا ہونا لازم ہے بھئی کہ حمائل اسی کی لمبی ہوگی جس کا قد لمبا ہوگا۔ تو حمائل سمجھ میں آیا بھئی کسے کہتے ہیں؟ وہ چمڑے کی پیٹی جس سے کیا کیا جاتا تھا؟ ہاں تلوار کو کندھے کے ساتھ لٹکاتے تھے، جیسے آج کل بڑی بندوق وغیرہ ہو اس کو پیٹی کے ساتھ کندھے سے لٹکایا جاتا ہے اسی طرح تلوار کو لٹکایا جاتا تھا۔ تو فُلَانٌ طَوِيلُ النِّجَادِ فلاں لمبی حمائل والا ہے، اور ارادہ کون سے معنی کا؟ اس کے ساتھ لازم، کیا لازم ہے اس کے ساتھ؟ قد کا لمبا ہونا۔ تو میں نے بھی یہی ارادہ کیا کہ فلاں لمبے قد والا ہے، اور اگر میں معنی حقیقی کا ارادہ کروں تو وہ بھی صحیح ہے کہ جب قد لمبا ہے تو لازمی بات ہے اس کی حمائل بھی کیا ہوگی؟ لمبی ہی ہوگی۔

نَحْوُ مثال کے طور پر: طَوِيلُ النِّجَادِ أَيْ طَوِيلُ الْقَامَةِ۔ اس کو طَوِيلُ النِّجَادِ پڑھنا بھی صحیح یا طَوِيلِ النِّجَادِ پڑھ لیں، نَحْوُ کے لیے مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ پر کیا آتا ہے؟ جر آتا ہے کسرہ آتا ہے: نَحْوُ طَوِيلِ النِّجَادِ أَيْ طَوِيلِ الْقَامَةِ۔ اور یہ رفع وغیرہ دوسرا اعراب، بھئی اس کو اعرابِ حکائی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ حکائی کہتے ہیں۔ مثلاً میں نے ایک جملہ ذکر کیا تھا آپ کے سامنے: فُلَانٌ طَوِيلُ النِّجَادِ فلاں لمبی حمائل والا ہے، اور یہاں پر اس جملے کے اندر طَوِيلُ النِّجَادِ یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے کیونکہ خبر واقع ہو رہا ہے۔ اسی طَوِيلُ النِّجَادِ کو میں اپنے کسی اور کلام میں جیسے اس کتاب کے اندر بطورِ مثال کے ذکر کر رہے ہیں، بطورِ مثال کے ذکر کرتے ہیں اور وہی اعراب پڑھ دیتے ہیں جو اس جملے کے اندر تھا جہاں سے حکایت کی جا رہی ہے جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے۔ مثلاً میں اب اس جملے کی بات کر رہا ہوں: فُلَانٌ طَوِيلُ النِّجَادِ، اور اس جملے میں تو طَوِيلُ النِّجَادِ کا لفظ کیا تھا؟ مرفوع تھا، تو میں اپنے کلام کے اندر بھی کیا کر لیتا ہوں؟ اس کو مرفوع ہی رکھتا ہوں، تو اس کو کہتے ہیں اعرابِ حکائی۔ یعنی محکی عنہ جس کے بارے میں بتلایا جا رہا ہے، جس کی حکایت کی جا رہی ہے اس میں یہ لفظ مرفوع تھا تو ہم نے بھی یہاں پر کس طرح اس کو ذکر کر دیا؟ مرفوع ہی ذکر کر دیا، تو اس کو کہتے ہیں اعرابِ حکائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ حکائی حکایت سے ہے بات بیان کرنا بھئی۔

وَتَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ الْمَكْنِيِّ عَنْهُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ اور کنایہ جو ہے یہ تقسیم ہوتا ہے مکنی عنہ کے اعتبار سے تین قسموں کی طرف۔ مَكْنِيٌّ عَنْهُ، مَكْنِيٌّ، مَرْمِيٌّ، مَهْدِيٌّ، تو یہ مَرْمِيٌّ کے وزن پر ہے اور اسم مفعول ہے۔ تو کنایہ جو ہے مکنی عنہ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے۔ مکنی عنہ وہ معنی جس سے کنایہ کیا گیا۔ وہ معنی جس سے کنایہ کیا گیا۔ میں نے ابھی آپ کے سامنے کہا تھا: فُلَانٌ طَوِيلُ النِّجَادِ۔ طَوِيلُ النِّجَادِ یہ لفظ بولا اور کس معنی سے کنایہ کیا، کس معنی کا ارادہ کیا؟ طَوِيلُ الْقَامَةِ لمبے قد والا ہے۔ تو وہ معنی جس سے کنایہ کیا جائے وہ ہے مکنی عنہ۔ وہ کیا ہے؟ مکنی عنہ۔ تو وہ معنی جس سے کنایہ کیا جاتا ہے اس کے اعتبار سے کنایہ تین قسموں کی طرف تقسیم ہوتا ہے۔

ہاں تو یہ یاد رکھیے وہ تین قسمیں یاد رکھیں بھئی: یا تو کنایہ کیا جائے گا صفت سے، یا کنایہ کیا جائے گا نسبت سے، یا کنایہ کیا جائے گا موصوف سے۔ کس سے؟ موصوف سے۔ تو مکنی عنہ یعنی وہ معنی جس سے کنایہ کیا جا رہا ہے اس کے اعتبار سے کنایہ تین قسم پر ہے: یا تو وہ مکنی عنہ کیا ہوگا؟ صفت ہوگی، یا وہ مکنی عنہ کیا ہوگا؟ نسبت ہوگی، یا وہ مکنی عنہ کیا ہوگا؟ موصوف ہوگا۔ آگے سب کی مثالیں بھی آ رہی ہیں بھئی۔

الْأَوَّلُ پہلی قسم: كِنَايَةٌ يَكُونُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيهَا صِفَةً۔ صِفَةً بھئی اس پر نصب لگائیں بھئی، یہ رفع لگا ہوا ہے یہ درست نہیں، یہ يَكُونُ کی خبر ہے اور كَانَ اپنی خبر کو کیا دیتا ہے؟ نصب دیتا ہے۔ تو پہلی قسم ایسا کنایہ يَكُونُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيهَا صِفَةً جس میں مکنی عنہ جو ہے وہ صفت ہو، كَقَوْلِ الْخَنْسَاءِ جیسے خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول بھئی۔

میں نے بتلایا تھا خنساء بھئی یہ مشہور شاعرہ ہیں اور ان کے بھائی جو صخر تھے ان کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور یہ اس کے غم میں اشعار کہا کرتی تھیں۔ اور بہت بڑی شاعرہ تھیں بھئی، حتیٰ کہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ جن وانس کی شاعرہ تھیں بھئی یعنی جنات اور انسانوں میں سب سے بڑی شاعرہ تھیں۔ اور ان کو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم ہوا تو یہ حاضر ہوئی تھیں اور ایمان لے آئیں بھئی۔ حضور علیہ السلام بھی ان کے اشعار کی فصاحت وبلاغت پر تعجب کا اظہار فرمایا کرتے تھے بھئی، اتنی فصاحت وبلاغت تھی ان کے اشعار میں بھئی۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ قادسیہ کی جنگ کے اندر ان کے چار بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں جب لڑائی کا آغاز ہونے لگا تو انہوں نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلوایا اور ان کے سامنے ان کو بڑی ترغیب دی کہ تم مسلمان ہو اور یہ یہ صفات ہیں تمہاری اور تم خوب دشمن کا اچھی طرح مقابلہ وغیرہ کرنا، خوب ترغیب دے کر ان کو بھیجا اور پھر ان کے چاروں بیٹے اس جنگ کے اندر شہید ہو گئے۔ اور ان کو آکر پھر بتلایا گیا کہ آپ کے چاروں بیٹے شہید ہو گئے ہیں تو اس پر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹوں کی شہادت کو قبول فرمالیا، اور کہنے لگیں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ہم کو پھر اکٹھا کر دیں گے۔

تو یہ خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

■ متن وشواہد: «طَوِيلُ النِّجَادِ رَفِيعُ الْعِمَادِ»

طَوِيلُ النِّجَادِ رَفِيعُ الْعِمَادِ ... كَثِيرُ الرَّمَادِ إِذَا مَا شَتَا

یہ اپنے بھائی صخر کے بارے میں کہہ رہی ہیں: طَوِيلُ النِّجَادِ أَيْ هُوَ طَوِيلُ النِّجَادِ وہ جو ہے لمبی حمائل والا ہے، رَفِيعُ الْعِمَادِ، عِمَاد کہتے ہیں ستون کو، اونچے ستون والا ہے، كَثِيرُ الرَّمَادِ، رَمَاد کہتے ہیں راکھ کو بھئی، وہ کثیر راکھ والا ہے إِذَا مَا شَتَا۔ شِتَاء کہتے ہیں سردیوں کو، سردی کے موسم کو، اور اسی سے شَتَا فعل ہے سردی ہو جانا، سردی کا موسم ہو جانا۔ كَثِيرُ الرَّمَادِ إِذَا مَا شَتَا کثیر راکھ والا ہے إِذَا مَا شَتَا جب سردی ہوتی ہے، جب سردی کا موسم آتا ہے۔

اب دیکھیے بھئی یہ کنایہ کر رہی ہیں، اپنے بھائی کی صفات بیان کر رہی ہیں: طَوِيلُ النِّجَادِ سے مراد یہ ہے کہ وہ لمبے قد والا ہے۔ طَوِيلُ النِّجَادِ کا کیا معنی ہے؟ لمبے قد والا ہے۔ رَفِيعُ الْعِمَادِ بھئی اونچے ستون والا ہے۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ سردار کا جو گھر ہے اور محل ہے وہ باقی گھروں کی بہ نسبت اونچا بنایا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کہیں پر لشکر وغیرہ جائے تو جو سردار ہوتا ہے اس کا خیمہ باقی خیموں کی بہ نسبت اونچا بنایا جاتا ہے۔ تو یہ گھر کا اونچا ہونا یا اسی طرح یہ جو خیمہ اونچا ہو گا یہ کس چیز کی وجہ سے اونچا ہو گا؟ ستون کی وجہ سے، لازمی بات ہے ستون کیا ہوں گے؟ لمبے اور اونچے ہوں گے۔ تو خیمہ تو اونچا ہو گا ہی کس سے؟ ستون اس کا لمبا ہو اور اونچا ہو۔ تو یہی بات بیان کرنا چاہتی ہیں: رَفِيعُ الْعِمَادِ اونچے ستون والا ہے یعنی سردار ہے۔ کیا ہے؟ سردار ہے۔

كَثِيرُ الرَّمَادِ کثیر راکھ والا ہے یعنی بڑا سخی ہے۔ کیونکہ راکھ زیادہ ہے معلوم ہوا لکڑیاں زیادہ جلتی ہیں، اور لکڑیاں وہاں زیادہ جلتی ہیں جہاں آگ زیادہ جلتی ہے، اور آگ وہاں زیادہ جلتی ہے جہاں کھانا زیادہ پکتا ہو، اور کھانا وہاں زیادہ بنتا ہے جہاں کھانے والے زیادہ ہوں، اور جہاں کھانے والے زیادہ ہوں معلوم ہوا وہ مہمان ہیں جو لوگ کھانے والے ہیں کیونکہ گھر کے افراد تو اتنا زیادہ نہیں کھائیں گے، تو معلوم ہوا اس کے پاس مہمان زیادہ آتے ہیں، اور جس کے پاس مہمان زیادہ آتے ہیں معلوم ہوا وہ سخی آدمی ہے کیونکہ بخیل آدمی کے پاس تو ایک دفعہ جانے کے بعد دوبارہ انسان جانے کا نام نہیں لے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو كَثِيرُ الرَّمَادِ کے ذریعے کس سے کنایہ کیا؟ سخاوت سے۔

تو طَوِيلُ النِّجَادِ سے کنایہ کیا لمبے قد سے، رَفِيعُ الْعِمَادِ سے کنایہ کیا سردار ہونے سے، كَثِيرُ الرَّمَادِ سے کنایہ کیا سخاوت سے کہ وہ بڑا سخی ہے۔ اب بتائیے بھئی کنایہ کس سے کیا جا رہا ہے؟ طَوِيلُ النِّجَادِ لمبے قد سے اور لمبا قد کیا ہے؟ صفت ہے۔ رَفِيعُ الْعِمَادِ سردار ہونا، سرداری بھی کیا ہے؟ ایک صفت ہے۔ كَثِيرُ الرَّمَادِ سخاوت سے کنایہ ہے اور سخاوت بھی کیا ہے؟ ایک صفت ہے۔ تو دیکھو ان مثالوں میں مکنی عنہ وہ معنی جس سے کنایہ کیا گیا وہ کیا ہیں؟ صفات ہیں۔

اور یہ کہنا كَثِيرُ الرَّمَادِ إِذَا مَا شَتَا اور کثیر راکھ والا ہے جب سردی کا موسم ہوتا ہے، بتلانا یہ چاہتی ہیں کہ بڑا ہی سخی ہے حتیٰ کہ سردی کا موسم جو بڑا سخت اور شدت والا موسم ہوتا ہے، اس سختی کے موسم میں اور تکلیف کے موسم میں وہ بڑی سخاوت کرنے والا ہے تو عام احوال میں کتنی سخاوت کرتا ہو گا تم خود اس سے اندازہ لگا لو بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

■ قولہ: «تُرِيدُ أَنَّهُ طَوِيلُ الْقَامَةِ سَيِّدٌ...» کی تشریح

تُرِيدُ أَنَّهُ طَوِيلُ الْقَامَةِ سَيِّدٌ كَرِيمٌ وہ ارادہ کرتی ہے کہ وہ طَوِيلُ الْقَامَةِ لمبے قد والا ہے، اس کا ارادہ کس سے کیا تھا؟ طَوِيلُ النِّجَادِ سے۔ سَيِّدٌ سردار ہے، اس کا ارادہ کس سے کیا تھا؟ رَفِيعُ الْعِمَادِ اونچے ستون والے سے۔ اور كَرِيمٌ سخی ہے، اس کا ارادہ کس سے کیا؟ كَثِيرُ الرَّمَادِ سے۔ تو دیکھو صفات سے کنایہ کیا بھئی۔

وَالثَّانِي اور دوسری قسم: كِنَايَةٌ يَكُونُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيهَا نِسْبَةً۔ یہ بھی نِسْبَةً بھئی تا پر نصب ہے بھئی کیونکہ یہ يَكُونُ کی خبر ہے۔ اور دوسری قسم وہ کنایہ ہے کہ جس کے اندر مکنی عنہ جو ہے نسبت ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ نسبت ہوتی ہے۔ بھئی اس میں صفت سے کنایہ نہیں کیا جائے گا، صفت خود ذکر ہو گی، بلکہ اس صفت کو موصوف کے لیے جو ثابت کیا جا رہا ہے یا موصوف سے جو اس کی نفی کی جا رہی ہے اس سے کنایہ کیا جائے گا۔ کس سے؟ اس سے کنایہ کیا جائے گا۔ دیکھو مثالوں سے وضاحت ہو گی، نَحْوُ مثال کے طور پر: الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ رِدَائِهِ۔ آپ ایک شخص کے بارے میں بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ بڑا عظیم شخص ہے بھئی، عظمت کی اس کی طرف نسبت کرنا چاہتے ہیں۔ کس کی؟ عظمت اور بزرگی کی اس کی طرف نسبت کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کہتے ہیں: الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ۔ مَجْد کہتے ہیں بزرگی کو اور عظمت کو، الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ بزرگی اور عظمت جو ہے بَيْنَ ثَوْبَيْهِ اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے۔ معلوم ہوا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بڑا عظیم ہے، بڑا بزرگ آدمی ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

کس طرح؟ بھئی دیکھیے جب آپ نے کہا کہ عظمت اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے، اور عظمت تو ایک صفت ہے یہ ہمیشہ اس کے لیے کوئی موصوف چاہیے، اس کا الگ اپنا کوئی وجود نہیں۔ اور یہ عظمت آپ نے بتا دیا کہاں پر ہے؟ اس کے دو کپڑوں میں ہے، اور اس کے دو کپڑوں میں تو اس کی ذات ہے اور کوئی آدمی تو نہیں۔ اور جب اس کی ذات اس کپڑوں میں ہے اور آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ عظمت بھی اس کے کپڑوں کے درمیان ہے، معلوم ہوا اس کی ذات ہی کیا ہے؟ اس وصف کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ جب عظمت آپ نے بتلا دیا اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے اور عظمت تو ایک صفت ہے یہ تو بغیر موصوف کے نہیں پائی جاتی اس کے لیے تو موصوف چاہیے، معلوم ہوا اس کا موصوف بھی ان دو کپڑوں کے درمیان ہو گا، اور ان دو کپڑوں کے درمیان تو اس کی اپنی ذات ہے کسی اور کی ذات نہیں، معلوم ہوا وہ کس کے ساتھ موصوف ہے؟ عظمت کے ساتھ موصوف ہے بھئی۔

تو یہاں صفت سے کنایہ نہیں کیا عظمت سے، عظمت کا لفظ تو خود ذکر ہے الْمَجْدُ۔ اور یہ نہیں کہا کہ هُوَ مَجِيدٌ وہ عظیم ہے، براہِ راست اس کی طرف نسبت نہیں کی بلکہ کنایہ کے انداز میں نسبت کی۔ کس طرح، کیا کہا؟ کہ عظمت اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے۔ اور کہنے کا ارادہ کیا ہے؟ اس کے لیے اس عظمت کو ثابت کرنا ہے، اس کی طرف نسبت کرنا ہے۔ تو کسی صفت کی کسی شخص کی طرف نسبت کی جائے، یعنی اس صفت کا اس شخص کے لیے اثبات کیا جائے، اس کو اس کے لیے ثابت کیا جائے یا اس سے نفی کی جائے، اور کس رنگ میں کی جائے؟ کنائے کے رنگ میں، یہ دوسری قسم ہے بھئی۔ تو یہاں بھی دیکھو بزرگی اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے یہ کہا، یہ نہیں کہا وہ بزرگ ہے وہ عظیم ہے، پھر تو براہِ راست نسبت ہو جاتی، لیکن یہاں پر کس انداز میں نسبت کی گئی؟ کنائے کے انداز میں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو صفت اس سے کنایہ نہیں کیونکہ صفت تو خود ذکر ہے، مَجْد خود ذکر ہے۔ پچھلے میں طَوِيلُ النِّجَادِ سے کیا مراد تھا؟ لمبے قد والا، اور لمبے قد کا کوئی ذکر تھا وہاں؟ وہ وہاں پر ذکر نہیں تھا۔ اور یہاں بزرگی کی بات ہو رہی ہے اور بزرگی کا خود کیا ہے جملے کے اندر؟ ذکر ہے۔ البتہ اس کی طرف نسبت کس انداز میں کی؟ براہِ راست نہیں کہا کہ بزرگی اس کے ساتھ قائم ہے، وہ بزرگ ہے، وہ عظیم ہے، بلکہ کس انداز میں کہا؟ کنائے کے انداز میں اس کی طرف بزرگی کی نسبت کی: الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ بزرگی اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے۔

اسی طرح وَالْكَرَمُ تَحْتَ رِدَائِهِ سخاوت اس کی چادر کے نیچے ہے۔ اب دیکھیے سخاوت کی نسبت اس کی طرف کی جا رہی ہے تو سخاوت کا لفظ تو خود آ گیا الْكَرَمُ، تو سخاوت سے کنایہ نہیں۔ ہاں اس کی طرف نسبت سے کنایہ ہے، یہ نہیں کہا کہ وہ سخی ہے بلکہ کیا کہا؟ سخاوت اس کی چادر کے نیچے ہے۔ یہاں بھی وہی تقریر ہو گی: سخاوت بھی ایک صفت ہے، صفت کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ موصوف چاہیے، اور سخاوت اس کی چادر کے نیچے ہے معلوم ہوا اس کا موصوف بھی کہاں پر ہے؟ اس چادر کے نیچے ہے، اور اس چادر کے نیچے تو وہ خود ہے معلوم ہوا وہ کس کے ساتھ موصوف ہے؟ سخاوت کے ساتھ موصوف ہے۔ تقریر سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہاں بھی سخاوت کی نسبت اس کی طرف کی اور صراحتاً کی یا کنائے کے رنگ میں کی؟ کنائے کے رنگ میں۔ صراحتاً تو یہ تھا کہ یوں کہتا وہ سخی ہے، براہِ راست نسبت کر دیتا۔

■ قولہ: «الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں نَحْوُ مثال کے طور پر: الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ رِدَائِهِ بزرگی جو ہے اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے اور سخاوت اس کی چادر کے نیچے ہے، تُرِيدُ نِسْبَةَ الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ إِلَيْهِ آپ کا ارادہ عظمت اور سخاوت کی اس کی طرف نسبت کرنا ہے۔

وَالثَّالِثُ تیسری قسم۔ پہلی قسم کیا تھی؟ جس میں کنایہ کس سے کیا گیا تھا؟ صفت سے۔ دوسری قسم میں کنایہ کس سے کیا گیا؟ نسبت سے۔ اب تیسری قسم جس میں کنایہ موصوف سے ہو گا: وَالثَّالِثُ كِنَايَةٌ يَكُونُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيهَا غَيْرَ صِفَةٍ وَلَا نِسْبَةٍ اور تیسری قسم وہ ایسا کنایہ ہے کہ جس میں مکنی عنہ جو ہے وہ نہ تو صفت ہو اور نہ نسبت ہو۔ غَيْرَ صِفَةٍ وَلَا نِسْبَةٍ صفت بھی نہ ہو اور نسبت بھی نہ ہو بھئی۔

بھئی عبارت پر نظر رکھنا: غَيْرَ صِفَةٍ وَلَا نِسْبَةٍ جس میں مکنی عنہ غَيْرَ صِفَةٍ صفت کے علاوہ ہو یعنی صفت نہ ہو وَلَا نِسْبَةٍ اور نہ نسبت ہو۔ بھئی یاد رکھیے غَيْرَ صِفَةٍ وَلَا نِسْبَةٍ اس میں یہ جو لَا آیا یہ زائد ہے، تحسینِ عبارت کے لیے اس کو بڑھایا جاتا ہے بھئی۔ کیا کیا جاتا ہے؟ تحسینِ عبارت کے لیے۔ اس لیے کیونکہ غَيْرَ مضاف ہے اور صِفَةٍ کیا ہے؟ مضاف الیہ، اور اسی صِفَةٍ پر عطف ہے نِسْبَةٍ کا بھی: غَيْرَ صِفَةٍ وَنِسْبَةٍ۔ ذرا لَا کو ختم کر کے دیکھیے گا ترجمہ: تیسری قسم وہ ایسا کنایہ ہے جس

میں مکنی عنہ غَيْرَ صِفَةٍ وَنِسْبَةٍ جس میں مکنی عنہ صفت اور نسبت کے علاوہ ہو۔ معنی صحیح بن رہا ہے یا نہیں بن رہا؟ جی تو یہ لَا زائد ہے، تحسینِ عبارت کے لیے اس کو بڑھایا جاتا ہے جیسے قرآن میں آتا ہے: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، وہاں پر بھی وَلَا الضَّالِّينَ یہ جو لَا آیا یہ کیا ہے؟ زائد ہے کس لیے؟ تحسین کے لیے، کلام کو خوبصورت بنانے کے لیے۔

تو یہاں پر بھئی یہ زائد کس طرح ہے؟ بھئی دیکھیے غَيْرَ کے ذریعے کیا کی جارہی ہے؟ نفی کی جارہی ہے۔ غَيْرَ صِفَةٍ کا کیا معنی، صفت ہو یا صفت کے علاوہ ہو یعنی صفت نہ ہو؟ صفت کے علاوہ ہو یعنی صفت نہ ہو، تو غَيْرَ آئے گا نفی کے لیے۔ اور لَا کو اگر زائد نہ مانا جائے تو نفی پر نفی داخل ہو جائے گی، اور نفی پر نفی داخل ہو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا فائدہ دیتی ہے، معلوم ہوا صفت نہ ہو لیکن نسبت ہو۔ حالانکہ یہ معنی تو یہاں پر مراد نہیں بلکہ صفت کی بھی نفی کی جارہی ہے اور نسبت کی بھی نفی کی جارہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی نفی پر نفی داخل ہو تو اثبات کا فائدہ دیتی ہے، میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ شاید مثال ذکر کی ہو۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: زید نہیں آئے گا۔ اثبات ہے یا نفی ہے؟ نفی ہے۔ اس پر ذرا ایک اور نفی داخل کریں: ایسا نہیں ہے کہ زید نہیں آئے۔ کیا معنی؟ معلوم ہوا زید آئے گا، دیکھو نفی پر نفی داخل ہوئی کس چیز کا فائدہ دیا؟ اثبات کا۔ تو یہاں پر بھی یہ لَا زائد ہے تحسینِ عبارت کے لیے۔

تو تیسری قسم ایسا کنایہ ہے يَكُونُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيهَا غَيْرَ صِفَةٍ وَلَا نِسْبَةٍ جس میں مکنی عنہ جو ہے نہ صفت ہو اور نہ نسبت ہو، كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن و شواہد: «الضَّارِبِينَ بِكُلِّ أَبْيَضَ مِخْذَمٍ»

الضَّارِبِينَ بِكُلِّ أَبْيَضَ مِخْذَمٍ ... وَالطَّاعِنِينَ مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ

الضَّارِبِينَ، ضَارِب ضرب سے مارنے والے، بِكُلِّ أَبْيَضَ، أَبْيَضِ نہیں بھئی یہ غیر منصرف ہے بھئی، أَبْيَضَ ضاد پر زبر لگائیں بھئی۔ أَبْيَضَ سفید، یہاں مراد ہے چمکدار بھئی۔ سفید سے کیا مراد ہے؟ چمکدار۔ اور مُخْذِم کا معنی ہے کاٹنے والی، مراد تلوار ہے، بِكُلِّ أَبْيَضَ مُخْذِمٍ ہر چمکدار کاٹنے والی تلوار کے ساتھ۔ تو مُخْذِم پڑھ لیں تو بھی صحیح، مِخْذَم پڑھ لیں تو بھی صحیح۔ عربی میں کہتے ہیں سَيْفٌ مُخْذِمٌ کاٹنے والی تلوار، سیفِ قاطع بھئی، یا اسی طرح سَيْفٌ مِخْذَمٌ کہتے ہیں کاٹنے والی تلوار بھئی، تو اسم فاعل پڑھ لیں یا اسم آلہ کا صیغہ پڑھ لیں بھئی۔

تو شاعر کہتا ہے: الضَّارِبِينَ بِكُلِّ أَبْيَضَ مِخْذَمٍ، یہ الضَّارِبِينَ یہ منصوب ہے بنابر مدح کے، تعریف کے أَيْ أَمْدَحُ الضَّارِبِينَ میں مدح کرتا ہوں، میں تعریف کرتا ہوں الضَّارِبِينَ وہ جو ضرب لگانے والے ہیں بِكُلِّ أَبْيَضَ مِخْذَمٍ ہر سفید قاطع تلوار کے ساتھ، کاٹنے والی تلوار کے ساتھ۔ میں تعریف کرتا ہوں ان کی جو ضرب لگانے والے ہیں سفید چمکدار تلواروں کے ساتھ۔ وَالطَّاعِنِينَ اس کا عطف بھی اسی پر ہے الضَّارِبِينَ پر، اور میں تعریف کرتا ہوں، طَعْن کا معنی ہوتا ہے طا، عین، نون، نیزہ مارنا، وَالطَّاعِنِينَ اور میں تعریف کرتا ہوں نیزہ مارنے والوں کی مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ۔ مَجَامِع جمع ہے مَجْمَع کی، مَجْمَع کہتے ہیں جمع ہونے کی جگہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے، اور أَضْغَان جمع ہے ضِغْنٌ کی، ضاد، غین، نون، اور ضِغْن کہتے ہیں کینہ بھئی، دل میں چھپی ہوئی سخت دشمنی جو ہے جو کینہ ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضِغْنٌ۔

بھئی دیکھیے مَجَامِعَ یہاں پر اس پر عین پر فتحہ لگائیں بھئی۔ بھئی یہ أَبْيَضَ پر بھی فتحہ لگائیں یہ غیر منصرف ہے ضاد پر بھی زبر لگائیں اور مَجَامِعَ یہ عین پر بھی زبر لگائیں، اور نیزہ مارنے والے ہیں کینوں کے جمع ہونے کی جگہ پر۔ اور میں تعریف کرتا ہوں الطَّاعِنِينَ مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ کینوں کے جمع ہونے کی جگہ پر نیزہ مارنے والوں کی، وہ جو نیزہ مارنے والے ہیں کس جگہ پر؟ کینوں کے جمع ہونے کی جگہ پر۔ اور کینہ تو کس میں ہوتا ہے؟ دل میں ہوتا ہے، تو یہ مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ بول کر کیا مراد ہے؟ دل مراد ہیں، تو مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ کے اندر کنایہ ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ بول کر کیا مراد؟ دل مراد ہے کیونکہ کینے کہاں پر جمع ہوتے ہیں، کہاں ہوتے ہیں؟ دل میں ہوتے ہیں۔ اور دل یہ صفت ہے یا نسبت ہے یا یہ موصوف ہے؟ یہ کیا ہے؟ موصوف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ نہ صفت ہے اور نہ نسبت ہے بھئی۔

اب دیکھیے شعر کا ترجمہ: الضَّارِبِينَ بِكُلِّ أَبْيَضَ مِخْذَمٍ ...وَالطَّاعِنِينَ مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ، میں تعریف کرتا ہوں ہر اس شخص کی جو ضرب لگانے والا ہے ہر سفید چمکدار کاٹنے والی تلوار کے ساتھ، وَالطَّاعِنِينَ مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ اور میں تعریف کرتا ہوں ان کی جو نیزہ مارنے والے ہیں کینوں کے جمع ہونے کی جگہ یعنی دلوں پر۔ فَإِنَّهُ كَنَى بِمَجَامِعِ الْأَضْغَانِ عَنِ الْقُلُوبِ پس شاعر جو ہے اس نے کنایہ کیا مَجَامِعِ الْأَضْغَانِ کے ذریعے عَنِ الْقُلُوبِ کس سے؟ دلوں سے۔

بھئی یہ تو تھی مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ تین قسم پر تھا کہ کبھی کنایہ کس سے کیا جائے گا؟ صفت سے، کبھی کس سے؟ نسبت سے، اور کبھی موصوف سے بھئی۔ اب بتلا رہے ہیں کہ کنایہ جو ہے، دیکھیے کنایہ کیا جاتا ہے ایک ہوتا ہے معنی حقیقی اور کنایہ میں معنی حقیقی کا ارادہ ہوتا ہے یا اس کے لازم کا؟ اس کے لازم کا۔ تو معنی حقیقی اور معنی مراد جو ہے جس کا ارادہ کیا، ان میں اگر واسطے زیادہ ہوں تو اس کو کہتے ہیں تَلْوِيحٌ بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ تَلْوِيحٌ۔ تو اس کو تلویح کہتے ہیں جب واسطے زیادہ ہوں۔ اور اگر واسطے کم

ہوں یا سرے سے ہوں ہی نہ، معنی حقیقی اور معنی مراد یعنی جس کا آپ ارادہ کر رہے ہیں، اگر معنی حقیقی اور معنی مراد میں واسطے زیادہ ہوں تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تَلْوِیحٌ کہتے ہیں، اور اگر واسطے کم ہوں یا سرے سے ہوں ہی نہ پھر اس کی دلالت اس معنی پر واضح ہو گی یا خفی ہو گی، اس میں کچھ خفا ہو گا کچھ پوشیدگی ہو گی۔ تو اگر واضح ہو تو اس کو کہتے ہیں اشارہ، اور اگر خفی ہو تو اس کو کہتے ہیں رَمْزٌ، را، میم اور زا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کتنی قسمیں ہو گئیں؟ تین قسمیں: ایک تلویح ہے جہاں پر معنی حقیقی اور معنی مراد میں واسطے زیادہ ہوں۔ اور اگر واسطے کم ہوں یا سرے سے ہوں ہی نہ پھر دیکھیں گے کہ معنی مراد پر اس کی دلالت واضح ہے یا اس میں کچھ خفا ہے۔ اگر معنی مراد پر دلالت واضح ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ اشارہ کہیں گے، اور اگر اس میں کچھ خفا ہے تو اس کو رمز کہیں گے بھئی۔

■ قولہ: «وَالْكِنَايَةُ إِنْ كَثُرَتْ فِيهَا الْوَسَائِطُ...» کی تشریح

یہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: وَالْكِنَايَةُ إِنْ كَثُرَتْ فِيهَا الْوَسَائِطُ سُمِّيَتْ تَلْوِيحًا اور کنایہ اگر اس میں کثیر ہوں واسطے تو اس کو تلویح کہتے ہیں، نَحْوُ مثال کے طور پر: هُوَ كَثِيرُ الرَّمَادِ وہ کثیر راکھ والا ہے، زیادہ راکھ والا ہے۔ زیادہ راکھ کا کیا معنی؟ أَيْ كَرِيمٌ وہ سخی ہے۔ اب بھئی زیادہ راکھ وہ جو لکڑیاں جلنے کے بعد جو بچ جاتا ہے راکھ، اس کے ساتھ سخاوت لازم ہے۔ تو كَثِيرُ الرَّمَادِ آپ نے ذکر کیا زیادہ راکھ اور یہ ہے معنی حقیقی، اور ارادہ کس معنی کا کیا؟ سخاوت کا اور یہ کیا ہے؟ معنی مراد۔ اب معنی حقیقی اور معنی مراد میں کئی واسطے ہیں۔ آپ نے لفظ کیا ذکر کیا؟ زیادہ راکھ والا ہے، اور ارادہ کس کا کیا؟ سخی ہے، تو معنی حقیقی ہوا زیادہ راکھ اور معنی مراد ہوا سخاوت کہ وہ سخی ہے، اور معنی حقیقی اور معنی مراد کے درمیان کئی واسطے ہیں۔ کس طرح؟ بھئی اس لیے کیونکہ ابھی میں نے جیسے بیان کیا زیادہ راکھ ہو گی معلوم ہوا زیادہ آگ جلتی ہے، یا یوں کہیں زیادہ راکھ کے ساتھ لازم ہے زیادہ آگ کا جلنا، زیادہ راکھ تبھی ہو گی جب کیا ہو گی؟ زیادہ آگ۔ تو زیادہ راکھ کے ساتھ لازم ہے زیادہ آگ کا جلنا، اور زیادہ آگ کے جلنے کے ساتھ لازم ہے زیادہ کھانے کا پکنا، اور زیادہ کھانے کے ساتھ لازم ہے کہ کھانے والے زیادہ ہیں، اور زیادہ کھانے والے اس کے ساتھ لازم ہے کہ معلوم ہوا مہمان زیادہ ہیں، اور زیادہ مہمان ہونے کے ساتھ لازم ہے کہ وہ شخص کیا ہے؟ سخی ہے۔ تو دیکھو کتنے ہی واسطے بیچ میں آگئے بھئی، تو اس کو کیا کہیں گے؟ تلویح کہیں گے بھئی۔

فَإِنَّ كَثْرَةَ الرَّمَادِ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الْإِحْرَاقِ اس لیے کیونکہ راکھ کا زیادہ ہونا یہ مستلزم ہے کثرتِ احراق کو، إِحْرَاق آگ جلانا، یعنی زیادہ آگ جلانے کو، یعنی اس کے ساتھ لازم ہے زیادہ آگ کا جلانا، وَكَثْرَةُ الْإِحْرَاقِ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الطَّبْخِ وَالْخَبْزِ اور زیادہ آگ جلانا یہ مستلزم ہے زیادہ پکانے اور زیادہ روٹیاں بنانے کو، وَكَثْرَتُهُمَا تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الْآكِلِينَ اور ان دونوں کی کثرت یعنی روٹی اور پکائی ہوئی چیز کی کثرت یہ مستلزم ہے كَثْرَةَ الْآكِلِينَ کہ کھانے والے زیادہ ہیں، وَهِيَ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الضِّيفَانِ۔ ضِيفَان پڑھنا ضَيْفَان نہیں بھئی، یہ جمع ہے، الف نون کی وجہ سے یہ نہ سمجھیں یہ تثنیہ ہے، اور ضاد کے نیچے کسرہ بھئی۔ وَهِيَ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الضِّيفَانِ اور یہ زیادہ کھانے والوں کا ہونا یہ مستلزم ہے کس چیز کو؟ زیادہ مہمان ہونے کو، وَكَثْرَةُ الضِّيفَانِ تَسْتَلْزِمُ الْكَرَمَ اور زیادہ مہمانوں کا ہونا یہ مستلزم ہے کس کو؟ سخاوت کو، یعنی اس کے ساتھ سخاوت لازم ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

وَإِنْ قَلَّتْ وَخَفِيَتْ اور اگر واسطے تھوڑے ہوں وَخَفِيَتْ اور خفی ہوں پوشیدہ ہوں وہ واسطے سُمِّيَتْ رَمْزًا تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ رمز کہتے ہیں۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: هُوَ سَمِينٌ رِخْوٌ وہ موٹا ہے، رِخْوٌ کا معنی ہے نرم ہونا ڈھیلا ہونا، هُوَ سَمِينٌ رِخْوٌ وہ موٹا ہے ڈھیلا ہے أَيْ غَبِيٌّ بَلِيدٌ، غَبِيّ کہتے ہیں کند ذہن کمزور ذہن والا، بَلِيد کا معنی ہے سست بھئی۔ تو آپ نے کہا وہ موٹا ہے ڈھیلا ہے یعنی وہ کند ذہن ہے کمزور ذہن والا ہے اور بَلِيدٌ اور سست ہے۔ تو ذکر کیا موٹا ہونے کو اور ڈھیلا ہونے کو، اور ارادہ کس کا کیا؟ کند ذہن ہونے، کمزور ذہن ہونے کو اور سست ہونے کو۔ تو دیکھیے یہ ہے کنایہ، اور درمیان میں صرف ایک ہی واسطہ ہے یہاں۔ کس طرح؟ کیونکہ جو موٹا ہو گا وہ عموماً اس کی ذہنی قوتیں جو ہیں وہ کمزور ہوں گی، اور جب ذہنی قوتیں کمزور ہوں گی تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ وہ کند ذہن ہو گا۔ تو موٹا ہونے کے ساتھ لازم ہے ذہنی قوتوں کا کمزور ہونا، جب موٹا ہے تو معلوم ہوا ذہنی قوتیں کیا ہوں گی؟ کمزور ہوں گی، اور ذہنی قوتیں کمزور ہونے کے ساتھ لازم ہے کند ذہن ہونا، ذہن کا کمزور ہونا۔

بھئی وہاں پر کئی واسطے تھے: دیکھو زیادہ راکھ کے ساتھ زیادہ آگ کا جلنا لازم تھا، زیادہ آگ جلنے کے ساتھ کیا لازم تھا؟ کھانا زیادہ پکتا ہے، کھانا زیادہ پکنے کے ساتھ کیا لازم تھا؟ کھانے والے زیادہ ہیں، کھانے والے زیادہ اس کے ساتھ کیا لازم تھا؟ مہمان زیادہ، اور مہمان زیادہ ہونے کے ساتھ کیا لازم تھا کہ وہ سخی ہے، تو دیکھو کئی واسطے بیچ میں آئے تھے۔ یہاں صرف ایک واسطہ ہے: لفظ کون سا ذکر کیا؟ سَمِينٌ، اور ارادہ کس کا کیا؟ کند ذہن ہونے کا۔ درمیان میں ایک ہی واسطہ ہے اور وہ کیا کہ ذہنی قوتیں کمزور ہیں، کیونکہ موٹا ہونے کے ساتھ لازم ہے ذہنی قوتوں کا کمزور ہونا، اور ذہنی قوتوں کا ڈھیلا اور کمزور ہونا اس کے ساتھ کیا لازم ہے؟ کند ذہن ہونا، تو ایک ہی واسطہ ہے۔ اسی طرح رِخْوٌ کہا، رِخْوٌ کا معنی ہے نرم ہونا ڈھیلا ہونا، اور ڈھیلا ہونے کے ساتھ لازم ہے جسمانی قوتوں کا کمزور ہونا، اور جسمانی قوتوں کے کمزور ہونے کے ساتھ لازم ہے سست ہونا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے هُوَ سَمِينٌ رِخْوٌ وہ موٹا ہے ڈھیلا ہے أَيْ غَبِيٌّ بَلِيدٌ یعنی کند ذہن ہے سست ہے۔

وَإِنْ قَلَّتْ فِيهَا الْوَسَائِطُ أَوْ لَمْ تَكُنْ یا واسطے اس کے اندر قلیل ہوں یا سرے سے واسطے ہوں ہی نہ وَوَضَحَتْ اور وہ واضح ہو سُمِّيَتْ إِيمَاءً وَإِشَارَةً تو اس کو إِيمَاءٌ ایماء بھی کہتے ہیں اور اشارہ بھی کہتے ہیں، ایماء اور اشارہ کا ایک معنی۔ تو جو کنایہ واضح ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اشارہ کہتے ہیں، ایماء کہتے ہیں۔ جیسے اشارہ واضح ہوتا ہے، بھئی میں نے آپ سے کہا: هَذَا الْكِتَابُ، دیکھیے میں کتاب کی طرف اشارہ کر رہا ہوں: هَذَا الْكِتَابُ، آپ سمجھ گئے یا نہیں کون سی کتاب مراد ہے؟ آپ فوراً سمجھ

گئے۔ تو اشارہ جیسے ظاہر ہوتا ہے اس سے بات فوراً سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ عموماً حسی ہوگا اور چیز سامنے موجود ہوگی فوراً انسان سمجھ جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، تو اسی طرح جو کنایہ بھی واضح ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اشارہ کہتے ہیں۔

تو وہ کنایہ جو خوب واضح ہے اس کی مثال:

■ متن وشواہد: «أَوَمَا رَأَيْتَ الْمَجْدَ أَلْقَى رَحْلَهُ»

أَوَمَا رَأَيْتَ الْمَجْدَ أَلْقَى رَحْلَهُ ... فِي آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّلِ

أَوَمَا رَأَيْتَ کیا تو نے نہیں دیکھا الْمَجْدَ کہ بزرگی جو ہے عظمت جو ہے أَلْقَى رَحْلَهُ، رَحْلٌ کے کئی معانی آتے ہیں: کجاوہ بھی ہے، اسی طرح رہائش گاہ بھی ہے، یہاں یہ خیمے کے معنی میں ہے۔ کس معنی میں ہے؟ خیمے کے کیونکہ خیمہ بھی انسان کی رہائش گاہ ہوتی ہے۔ أَوَمَا رَأَيْتَ کیا تو نے نہیں دیکھا الْمَجْدَ کہ عظمت جو ہے أَلْقَى رَحْلَهُ اس نے ڈال دیا اپنا خیمہ یعنی لگا دیا اپنا خیمہ فِي آلِ طَلْحَةَ طلحہ کی آل میں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بزرگی اور عظمت نے اپنا خیمہ کہاں پر لگا دیا ہے؟ آلِ طلحہ میں، طلحہ کی آل میں۔ آل کہتے ہیں اتباع کرنے والے، پیروی کرنے والے، اسی طرح جو متعلقین ہوتے ہیں جیسے آلِ فرعون، فرعون کے جو اتباع کرنے والے ہیں اس کے جو متعلقین ہیں، اسی طرح آل کا معنی خاندان والے بھی ہے تو یہاں خاندان کے معنی میں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عظمت نے اپنا خیمہ لگا دیا ہے طلحہ کے خاندان میں ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّلِ، تَحَوُّل کا معنی ہے منتقل ہونا، پھر وہ عظمت وہاں سے منتقل نہیں ہوئی۔

اب دیکھیے بھئی شاعر کہہ رہا ہے: أَوَمَا رَأَيْتَ الْمَجْدَ أَلْقَى رَحْلَهُ ... فِي آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّلِ، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عظمت نے اپنا خیمہ لگا دیا ہے طلحہ کے خاندان میں پھر وہاں سے وہ منتقل نہیں ہوئی۔ کیا معنی سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا ان کے خاندان والے کیسے ہیں؟ وہ عظیم لوگ ہیں یعنی عظمت ان کی صفت ہے، عظمت اور بزرگی ان کی صفت ہے، کیونکہ جب عظمت نے وہاں خیمہ لگا دیا اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر کسی دوسری طرف نہیں گئی معلوم ہوا انہی میں ہے، معلوم ہوا یہ کس قسم کے لوگ ہیں؟ عظمت کے ساتھ متصف ہیں۔ تو دیکھیے یہ کنایہ ہے اور واضح ہے۔ شاعر نے یہ نہیں کہا عظمت کے ساتھ وہ متصف ہیں بلکہ کنائے کے انداز میں کہا کہ عظمت نے ان کے خاندان میں کیا کیا ہے؟ خیمہ لگا دیا ہے اور پھر وہاں سے کسی دوسری طرف منتقل نہیں ہوئی۔

كِنَايَةً عَنْ كَوْنِهِمْ أَمْجَادًا۔ كِنَايَةً اس کو منصوب پڑھیے گا بھئی، یہ حال واقع ہو رہا ہے کہ اس حال میں کہ یہ جو شعر جو ہے اس میں جو شاعر نے ذکر کیا كِنَايَةً عَنْ كَوْنِهِمْ أَمْجَادًا یہ کنایہ ہے ان کے باعظمت ہونے سے۔ أَمْجَاد جمع ہے مَجِید کی باعظمت بھئی، تو یہ ان کے باعظمت ہونے سے کنایہ ہے۔

بھئی یہاں پر آیا کہ کنائے کے اندر اگر واسطے زیادہ ہوں تو اس کو تلویح کہتے ہیں بھئی اور اس کی انہوں نے مثال ذکر کر دی بھئی۔ بھئی واسطے ہونے کا یہ معنی ہے کہ ذہن براہِ راست اس لفظ سے معنی مراد کی طرف فوراً نہیں منتقل ہوتا بلکہ پہلے ایک چیز کی طرف منتقل ہوتا ہے، پھر اس کے ساتھ دوسری چیز لازم ہے اس کی طرف منتقل ہوتا ہے، پھر اس کے ساتھ تیسری چیز لازم ہے اس کی طرف منتقل ہوتا ہے، پھر اس کے ساتھ چوتھی چیز لازم ہے اس کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، اور پھر اس کے ساتھ وہ معنی مقصود لازم ہے تو اس آخری چیز کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ واسطے ہونے کا یہ معنی سمجھ میں آیا؟ جیسے یہاں پر كَثِيرُ الرَّمَادِ ذکر تھا اور اس سے ارادہ کس معنی کا کیا تھا؟ سخاوت کا، تو كَثِيرُ الرَّمَادِ سے ذہن فوراً سخاوت کی طرف نہیں منتقل ہوتا بلکہ كَثِيرُ الرَّمَادِ سے ذہن منتقل ہوا اس بات کی طرف کہ راکھ زیادہ ہے معلوم ہوا آگ زیادہ جلتی ہے، ذہن فوراً اس طرف چلا گیا معلوم ہوا آگ زیادہ جلتی ہے۔ پھر اس سے ذہن منتقل ہوا کہ معلوم ہوا کھانا زیادہ پکتا ہے، اور کھانا زیادہ پکتا ہے معلوم ہوا کھانے والے زیادہ ہیں اس طرف منتقل ہو گیا، پھر کھانے والے زیادہ ہیں تو اس طرف منتقل ہوا کہ معلوم ہوا مہمان زیادہ آتے ہیں، اور مہمان زیادہ آتے ہیں تو اس سے پھر منتقل ہوا کس کی طرف؟ سخاوت کی طرف۔ تو یہ معنی ہے واسطوں کے ہونے کا کہ ذہن براہِ راست اس معنی حقیقی سے معنی مراد کی طرف فوراً منتقل نہیں ہوتا بلکہ کئی واسطے بیچ میں آتے ہیں اور ان کے ذریعے منتقل ہوتا ہوا بالآخر اس معنی مراد تک پہنچتا ہے بھئی۔

جیسے یہاں پر بھئی سَمِينٌ رِخْوٌ آیا اور اس سے کس معنی کا ارادہ کیا؟ غَبِيٌّ بَلِيدٌ کے معنی کا ارادہ کیا، اور یہاں پر ایک واسطہ تھا کیونکہ سَمِينٌ سے ذہن منتقل ہوا کہ معلوم ہوا اس کی ذہنی قوتیں کمزور ہیں، اور جب ذہنی قوتیں کمزور ہیں معلوم ہوا وہ کند ذہن ہے، تو دیکھو معنی مراد تک ذہن پہنچا ایک واسطے کے ذریعے، پہلے ایک واسطے کی طرف گیا اور پھر اس سے منتقل ہوا معنی مراد کی طرف۔ اسی طرح رِخْوٌ وہ ڈھیلا ہے، ڈھیلا ہونے سے ذہن منتقل ہوا کہ معلوم ہوا اس کی جسمانی قوتیں کمزور ہیں، اور اس سے پھر منتقل ہوا کس کی طرف کہ وہ سست ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ واسطے ہوتے ہیں درمیان میں اور بعض اوقات یہ واسطے زیادہ ہوتے ہیں لیکن ان میں کسی قسم کا خفا نہیں ہوتا جیسے كَثِيرُ الرَّمَادِ جو تھا اس میں چار پانچ واسطے تھے اور پھر ذہن بالآخر معنی مراد تک پہنچتا تھا لیکن وہ معنی اتنے ظاہر ہیں کہ اس میں کسی قسم کا خفا نہیں ذہن فوراً منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات واسطے قلیل ہوتے ہیں لیکن خفی ہوتے ہیں ذہن فوراً ان کی طرف منتقل نہیں ہوتا، تو اگر فوراً منتقل نہ ہو خفا ہو ان واسطوں کے اندر تو اس کو آپ نے پڑھا رمز کہتے ہیں، اور اگر خفا نہ ہو تو اس کو اشارہ کہتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی واسطے کا کیا معنی؟

■ قولہ: «وَهُنَاكَ نَوْعٌ مِنَ الْكِنَايَةِ يَعْتَمِدُ...» کی تشریح

وَهُنَاكَ نَوْعٌ مِنَ الْكِنَايَةِ يَعْتَمِدُ فِي فَهْمِهِ عَلَى السِّيَاقِ يُسَمَّى تَعْرِيضًا۔ اب بھئی تعریض بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں کنایہ کی ایک اور قسم ہے اور اسے تعریض کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تعریض کہتے ہیں۔ آسان لفظوں میں یوں کہیے: کہنا ایک بات، سنانا دوسری بات، اسے کہتے ہیں تعریض۔ تعریض کسے کہتے ہیں؟ کہنا ایک بات، سنانا دوسری بات، یا یوں کہیے کہنا ایک کو، سنانا دوسرے کو بھئی، دونوں صورتیں اس میں آ گئیں۔

تو کہتے ہیں: وَهُنَاكَ نَوْعٌ مِنَ الْكِنَايَةِ يَعْتَمِدُ فِي فَهْمِهِ عَلَى السِّيَاقِ اور یہاں ایک اور قسم بھی ہے کنایہ کی یَعْتَمِدُ جو اعتماد کرتا ہے فِي فَهْمِهِ اس معنی کے سمجھنے میں عَلَى السِّيَاقِ کس پر؟ سیاقِ کلام یعنی محلِ استعمال پر جہاں جس موقع پر وہ کلام استعمال ہوا، تو وہ کلام کا چلاؤ بتلاتا ہے یعنی اس میں کوئی اور قرینہ وغیرہ نہیں، وہاں کلام کا چلاؤ بتلا دیتا ہے۔ تو یہاں ایک اور قسم ہے کنایہ کی جو اعتماد کرتا ہے اس معنی مراد کے سمجھنے میں عَلَى السِّيَاقِ کس پر اعتماد کرتا ہے وہ؟ سیاق پر یعنی کلام کے چلاؤ پر یعنی محلِ استعمال پر جہاں پر وہ استعمال ہوا، يُسَمَّى تَعْرِيضًا اس کو تعریض کہتے ہیں، وَهُوَ إِمَالَةُ الْكَلَامِ إِلَى عُرْضٍ اور وہ مائل کرنا ہے، إِمَالَة مائل کرنا، کلام کو إِلَى عُرْضٍ أَيْ نَاحِيَةٍ ایک کنارے کی طرف۔ عُرْض عین پر پیش ہے بھئی اور راسا کن اور ضاد ہے آخر میں، عُرْض کہتے ہیں کنارے کو، أَيْ نَاحِيَةٍ کے ساتھ دیکھیے اس کا معنی کر دیا: کلام کو ایک کنارے کی طرف مائل کرنا، ایک جانب کو کلام کو مائل کرنا۔ دیکھیے ایک بات آپ سیدھی کر رہے ہیں لیکن ارادہ اس کا نہیں بلکہ کلام کو دوسری طرف مائل کر رہے ہیں، کہہ ایک بات رہے ہیں اور مراد دوسری بات ہے، تو ایک طرف کو آپ نے کلام کو مائل کر دیا۔

كَقَوْلِكَ لِشَخْصٍ يَضُرُّ النَّاسَ جیسے کہ آپ کا کہنا ایک ایسے شخص کو يَضُرُّ النَّاسَ جو لوگوں کو تکلیف دیتا ہے، آپ اس کو کہتے ہیں: خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُهُمْ، لوگوں میں سے بہترین جو ہے مَنْ وہ شخص ہے يَنْفَعُهُمْ جو ان کو نفع دے۔ ایک آدمی ہے وہ لوگوں کو تکلیف دیتا رہتا ہے، آپ اس کے سامنے آ کر اس سے کہتے ہیں: خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُهُمْ لوگوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ اب آپ کہہ تو اس کو یہ رہے ہیں لیکن سنانا دوسری بات چاہتے ہیں۔ دو معنی ہو سکتے ہیں: یا تو آپ اس کو نصیحت کرنا چاہتے ہوں گے اس جملے کے ذریعے کہ یعنی تمہیں لوگوں کو تکلیف نہیں دینی چاہیے بلکہ ان کو فائدہ پہنچانا چاہیے۔ اب یہ آپ نے کوئی صراحتاً کہا؟ نہیں، صراحتاً تو آپ نے یہ کہا خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُهُمْ لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، لیکن سنانا کیا ہے اس کو مقصد؟ کہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو نیکی کرو ان کو نقصان اور تکلیف نہ پہنچاؤ۔ تو یا تو یہ نصیحت کے لیے کہہ سکتے ہیں، یا آپ اس کو بات سنانا چاہتے ہیں یا یوں کہیں آپ اس کو طعنہ دینا چاہتے ہیں۔ پہلی صورت نصیحت والی ہم نے بنائی، آپ اس کو کیا کرنا چاہتے ہیں؟ طعنہ دینا چاہتے ہیں، آپ نے کیا کہا؟ خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُهُمْ لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، تو گویا آپ اس کو یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارے اندر خیر والی کوئی بات نہیں، بہترین آدمی تو وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے اور تم تو کسی کو نفع پہنچاتے نہیں، تمہارے اندر یعنی خیر والی کوئی بات نہیں ہے، یہ سنانا چاہتے تھے آپ اس کو۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھئی؟

تو یہ دونوں کے لیے ہو سکتا ہے، نصیحت کے طور پر بھی بعض اوقات ایسا کلام کیا جا سکتا ہے اور بعض اوقات دوسرے کو طعنہ دینے کے لیے، لیکن اب صراحتاً تو طعنہ دیتے نہیں اس کا خوف بھی ہے، کس انداز میں کہتے ہیں؟ خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُهُمْ لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، اور تم تو نقصان دیتے ہو معلوم ہوا تمہارے اندر خیر والی کوئی بات نہیں ہے بھئی۔

بھئی یہاں ایک اور مختصر اور قیمتی بات یاد رکھیے بھئی۔ آپ کتابوں میں پڑھتے ہوں گے کہ الْمَجَازُ أَبْلَغُ مِنَ الْحَقِيقَةِ وَالتَّصْرِيحِ، مجاز حقیقت اور تصریح کے مقابلے میں ابلغ ہے، زیادہ مبالغہ ہے یعنی اس کے اندر یا یوں کہیں وہ افضل ہے۔ ایک بات صراحتاً کی جائے صاف لفظوں میں اور ایک بات مجاز کے انداز میں کی جائے تو زیادہ مبالغہ کس کے اندر، یا افضل صورت کون سی ہے؟ مجاز افضل ہے صریح کے بجائے۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی سنا ہو گا: الْكِنَايَةُ أَبْلَغُ مِنَ الصَّرِيحِ، کنایہ کیا ہے؟ زیادہ بلیغ ہے اس میں زیادہ مبالغہ ہے کس کے مقابلے میں؟ صریح کے یعنی صاف لفظوں میں کہنے کے بجائے بھئی۔

بھئی دیکھیے مجاز اور کنایہ یہ حقیقت اور تصریح سے افضل ہیں۔ ایک لفظ ہے اس کے آپ حقیقی معنی کے ساتھ یعنی صریح صاف لفظوں میں ایک بات کہتے ہیں، اور ایک بات آپ مجاز کے انداز میں کہتے ہیں یا کنایہ کے انداز میں کہتے ہیں، تو یہ مجاز اور کنایہ کے انداز میں بات کرنا یہ ابلغ ہے افضل ہے بھئی یعنی اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ یہ مجاز حقیقت کے مقابلے میں ابلغ کس طرح ہے، زیادہ مبالغہ کس طرح ہے اس میں؟ بھئی ابلغ کا معنی میں زیادہ مبالغے کے بھی کر رہا ہوں اور افضل کے بھی کر رہا ہوں۔ بعضوں نے لکھا ہے ابلغ یہ مبالغے سے ہے جس میں زیادہ مبالغہ ہو، بعضوں نے لکھا ابلغ بمعنی افضل کے ہے کہ کنایہ کیا ہے، صریح کے مقابلے میں افضل ہے، تو جو بھی معنی آپ کرنا چاہیں۔

اچھا بھئی پہلی بات کیا کہ مجاز حقیقت سے افضل ہے، مجاز کس طرح افضل ہے؟ بھئی دیکھیے آپ ایک بات صریح لفظوں میں کہتے ہیں: وہ بہادر آدمی ہے، صاف لفظوں میں آپ نے اس کی بہادری بیان کی۔ اور ایک ہے آپ مجاز کے انداز میں کہتے ہیں: هُوَ أَسَدٌ وہ شیر ہے۔ بھئی کس میں مبالغہ زیادہ؟ هُوَ أَسَدٌ کے اندر، اس لیے کیونکہ یہاں آپ نے اس پر اسد کا لفظ بول دیا اور بہادری میں سب سے زیادہ مشہور کون ہے؟ شیر ہی سب سے زیادہ مشہور ہے، تو جو سب سے زیادہ مشہور تھا اس کے ساتھ آپ نے اس کو ملا دیا، اسی کی جنس میں اس کو داخل کر دیا، تو اس کے اندر زیادہ بہادری بیان ہوئی یا آپ ویسے کہہ دیتے وہ بہادر آدمی ہے اس میں زیادہ بیان تھا بہادری کا؟ ظاہری بات

ہے کہ جب آپ نے اس کو کس کے ساتھ ملا دیا؟ شیر کے ساتھ ملا دیا اس میں مبالغہ زیادہ ہے بھئی، یعنی جو سب سے زیادہ جس میں بہادری ہوتی ہے اس کے ساتھ آپ نے اسے ملا دیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھئی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مجاز کے اندر صریح کلام کے مقابلے میں زیادہ مبالغہ ہے۔ ایک آپ نے صریح کلام کہا وہ بہادر ہے اور ایک آپ کہتے ہیں هُوَ أَسَدٌ وہ شیر ہے، کس میں زیادہ بہادری کا بیان؟ هُوَ أَسَدٌ وہ شیر ہے کیونکہ آپ نے اس کو جو بہادری میں سب سے مشہور ہے اس چیز کے ساتھ آپ نے ملا دیا تو اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔ اسی طرح الْكِنَايَةُ أَبْلَغُ مِنَ الصَّرِيحِ کنایہ صریح سے افضل ہے، کنایہ بھی افضل ہے، کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ کنایہ میں دعوے کے ساتھ دلیل ہوتی ہے۔ دعوے کے ساتھ کیا ہوتی ہے؟ دلیل بھی آجاتی ہے۔ اور ایک دعویٰ ہے بغیر دلیل کے، ایک دعویٰ ہے دلیل کے ساتھ، کس میں قوت زیادہ؟ جس میں دلیل ہے۔

■ قولہ: «زَيْدٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ» کی تشریح

مثلاً کثیر الرماد کی مثال بنائیں: زَيْدٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ زید زیادہ راکھ والا ہے، اور ایک یہی لفظ میں صریح کہتا ہوں: زید بڑا سخی ہے۔ جب میں نے صراحتاً کہا زید بڑا سخی ہے دعویٰ آگیا، کوئی دلیل ہے ساتھ؟ دلیل کوئی نہیں۔ لیکن کنایہ میں دلیل بھی ساتھ ہوتی ہے، میں نے کہا: هُوَ كَثِيرُ الرَّمَادِ وہ بڑا سخی ہے، کثیر الرماد ذکر کیا لیکن مراد کیا ہے؟ سخاوت ہے کہ وہ بڑا سخی ہے۔ تو دعویٰ آگیا اور ساتھ دلیل بھی آگئی: دلیل کیا ہے اس بات کی کہ وہ بڑا سخی ہے؟ کہ اس کے ہاں راکھ زیادہ ہوتی ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی۔ دلیل آگئی یا نہیں آگئی؟ تو کنایہ میں کیا ہوتا ہے؟ ساتھ دلیل آجاتی ہے۔ یا جیسے میں نے کہا تھا: زید لمبے قد والا ہے، ایک یہی بات میں صاف لفظوں میں ویسے ہی کہتا ہوں زید لمبے قد والا ہے، تو دعویٰ تو آگیا ساتھ دلیل کوئی نہیں۔ لیکن اسی کو میں کنائے کے رنگ میں کہتا ہوں: زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ زید لمبی حمائل والا ہے، مراد کیا ہے؟ لمبے قد والا۔ اب بھی میں نے یہی کہا زید لمبے قد والا ہے لیکن اب کنائے کے رنگ میں کہا اور کنائے میں ساتھ دلیل بھی ہوتی ہے دعوے کے ساتھ ساتھ دلیل۔ کہا کیا؟ زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ، مراد کیا ہے؟ لمبے قد والا، دعویٰ کیا ہوا کہ زید لمبے قد والا ہے، اور دلیل بھی ساتھ آگئی کیا؟ کہ اس کی حمائل لمبی ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا قد لمبا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کنایہ جو ہے وہ صریح سے اور حقیقت سے ابلغ ہوتا ہے کیونکہ اس میں دعویٰ مع الدلیل کے ہوتا ہے۔ اسی طرح مجاز بھی جو ہے وہ ابلغ ہے صریح اور حقیقت سے کیونکہ مجاز کے اندر تاکید ہے زیادہ مبالغہ ہے کہ آپ ایک چیز کو دوسری قوی چیز کے ساتھ ملا دیتے ہیں جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس چیز کے اندر بھی یہ وصف جو ہے بڑا ہی قوی پایا جا رہا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْفَنُّ الثَّالِثُ: عِلْمُ الْبَدِيعِ — اَلْمُحَسِّنَاتُ الْمَعْنَوِيَّةُ

علمِ بدیع کی تعریف اور محسناتِ معنویہ: توریہ، ابہام، طباق، مقابلہ، تدبیج، ادماج، مراعاۃ النظیر، استخدام، جمع، تفریق، تقسیم، طی و نشر، مبالغہ، تجرید اور حسنِ تعلیل (اسباق ۷۵ تا ۸۱)

سبق نمبر ۷۵: الفن الثالث (علم البدیع) ــــ المحسنات المعنویۃ: علمِ بدیع کی تعریف اور توریہ، ابہام، توجیہ، طباق اور مقابلہ کا بیان

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۱۸ ــــ بتاریخ: ۲۹ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

عِلْمُ الْبَدِيعِ: الْبَدِيعُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ وُجُوهُ تَحْسِينِ الْكَلَامِ الْمُطَابِقِ لِمُقْتَضَى الْحَالِ. وَهَذِهِ الْوُجُوهُ مَا يَرْجِعُ مِنْهَا إِلَى تَحْسِينِ الْمَعْنَى يُسَمَّى بِالْمُحَسِّنَاتِ الْمَعْنَوِيَّةِ، وَمَا يَرْجِعُ مِنْهَا إِلَى تَحْسِينِ اللَّفْظِ يُسَمَّى بِالْمُحَسِّنَاتِ اللَّفْظِيَّةِ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بلاغت کا آخری فن علمِ بدیع آج ہم شروع کر رہے ہیں۔ بھئی علمِ بدیع میں آپ کو مختلف قسم کی صنعتیں بتلائی جائیں گی جس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ مختلف قسم کی صنعتیں جن سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھیے اس کا درجہ علمِ معانی اور علمِ بیان کے بعد ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ علمِ معانی کے ذریعے یہ بتلایا جاتا ہے کہ کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیسے کیا جائے گا، اور علمِ بیان کے ذریعے یہ بتلایا جاتا ہے کہ تعقیدِ معنوی سے خود کو کیسے بچایا جائے گا بھئی۔ اور بلاغت کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ کلام کا تعقیدِ معنوی سے خالی ہونا بھی ضروری اور اس فصیح کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا بھی ضروری۔

تو کوئی کلام بلیغ تبھی کہلائے گا جب اس میں تعقیدِ معنوی بھی نہ ہو اور وہ مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو بھئی۔ تو ان پر بلاغت کا دارومدار ہے۔ اب کوئی کلام ایسا ہو جو مقتضائے حال کے بھی مطابق ہو اور تعقیدِ معنوی سے بھی خالی ہو، اس کو پھر مزید خوبصورت بنانے کے لیے مختلف قسم کی صنعتیں ہیں جس سے کلام کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے ان کو علمِ بدیع میں بیان کریں گے۔ تو اس کا درجہ جو ہے علمِ معانی اور علمِ بیان کے بعد ہے بھئی۔ تو پہلے کلام کے اندر اصلی اور ذاتی حسن ہونا چاہیے یعنی کلام بلیغ ہونا چاہیے، پھر اس کے بعد ان صنعتوں کے ذریعے اس کو مزید خوبصورت بنایا جاتا ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آئی بھئی کہ پہلے کلام کیا ہو؟ وہ بلیغ ہونا چاہیے اور کلامِ بلیغ کے لیے کیا شرط تھی؟ کہ اس میں تعقیدِ معنوی بھی نہ ہو یعنی کلام فصیح ہونا چاہیے اور نیز کلامِ فصیح کے ساتھ ساتھ اس کو مقتضائے حال کے بھی مطابق ہونا چاہیے۔ تعقیدِ معنوی نہیں ہوگی تو پھر کلام فصیح ہوگا، اور کلام فصیح بھی ہو اور پھر مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو، پھر اس کے بعد اس میں مزید حسن کس کے ذریعے پیدا کیا جائے گا؟ علمِ بدیع کی صنعتوں کے ذریعے۔ تو وہ کلام کا اصلی اور ذاتی حسن ہے، وہ اصلی اور ذاتی حسن ہو کلام کے اندر، پھر مزید خوبصورتی کس کے ذریعے پیدا کی جائے گی؟ علمِ بدیع کی صنعتوں کے ذریعے۔

تو ایسا نہیں کہ کلام جو ہے اس میں اصلی اور ذاتی حسن ہو ہی نہ، یعنی وہ مقتضائے حال کے مطابق ہی نہیں ہے یا اس میں تعقیدِ معنوی ہے اور آپ اس میں علمِ بدیع کی صنعتیں استعمال کرنا شروع کر دیں، پھر تو کلام کے اندر اصلی حسن ہے ہی نہیں اور آپ اس کو کیا کر رہے ہیں؟ مزین کر رہے ہیں اس کے گلے میں ہار وغیرہ پہنا رہے ہیں، علماء لکھتے ہیں یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح خنزیر کے گلے میں موتی پہنائے جائیں بھئی۔ آپ کے کلام میں حسن ہے نہیں، اولاً حسن کس میں ہونا چاہیے؟ کلام میں، اور کلام میں حسن کیسے آئے گا کہ وہ فصیح بھی ہو اور بلیغ بھی۔ فصیح کس طرح ہو گا کہ تعقیدِ معنوی اس کے اندر نہ ہو، اور بلیغ کس طرح ہو گا کہ وہ فصیح کلام پھر مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو۔ تو پہلے اس میں اولاً ذاتی حسن ہو کلام کے اندر یعنی وہ کلام فصیح و بلیغ ہو، اور پھر اس کے بعد اس میں مزید حسن کس کے ذریعے پیدا کیا جائے گا؟ علمِ بدیع کی صنعتوں کے ذریعے بھئی۔

تو بَدِیع کا معنی ہے انوکھا اور عجیب بھئی۔ تو ان صنعتوں سے بھی چونکہ کلام بڑا خوشگوار، انوکھا اور عجیب اور پر لطف بن جاتا ہے اس لیے ان کا نام کیا رکھا؟ علم بدیع رکھا بھئی۔

عِلْمُ الْبَدِيعِ: الْبَدِيعُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ وُجُوهُ تَحْسِينِ الْكَلَامِ بدیع جو ہے وہ ایسا علم ہے يُعْرَفُ بِهِ کہ اس کے ذریعے جانا جاتا ہے وُجُوهُ تَحْسِينِ الْكَلَامِ اس کلام کو حسین بنانے کی وجوہ، اس کلام کو حسین بنانے کے طریقے الْمُطَابِقِ لِمُقْتَضَى الْحَالِ جو مطابق ہو مقتضائے حال کے۔ جی تو تعریف سمجھ میں آئی بھئی؟ الْبَدِيعُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ وُجُوهُ تَحْسِينِ الْكَلَامِ الْمُطَابِقِ لِمُقْتَضَى الْحَالِ علم بدیع وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے جانا جاتا ہے اس کلام کو حسین بنانے کے طریقوں کو الْمُطَابِقِ لِمُقْتَضَى الْحَالِ جو مقتضائے حال کے مطابق ہو۔

■ قولہ: «وَهَذِهِ الْوُجُوهُ مَا يَرْجِعُ مِنْهَا إِلَى...» کی تشریح

وَهَذِهِ الْوُجُوهُ مَا يَرْجِعُ مِنْهَا إِلَى تَحْسِينِ الْمَعْنَى۔ یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ جو وجوہ ہیں، یہ جو طریقے ہیں جو کلام کو حسین بناتے ہیں، کلام میں حسن پیدا کرتے ہیں یہ دو قسم کے ہیں بھئی۔ یہ صنعتیں کتنی قسم کی ہیں؟ دو قسم کی: کچھ صنعتیں وہ ہیں جو معنی کے اندر حسن پیدا کرتی ہیں اور کچھ صنعتیں وہ ہیں جو الفاظ کے اندر حسن پیدا کرتی ہیں بھئی۔ کچھ صنعتیں کس میں حسن پیدا کرتی ہیں؟ معنی کے اندر، تو ان کو محسناتِ معنویہ کہیں گے۔ مُحَسِّنَةٌ حسین بنانے والی یعنی وہ صنعت جو کلام کو یا معنی کو حسین بنانے والی ہے۔ تو وہ صنعتیں جو معنی کے اندر حسن پیدا کرتی ہیں ان کو محسناتِ معنویہ کہیں گے، اور وہ صنعتیں جو لفظوں کے اندر حسن پیدا کرتی ہیں ان کو محسناتِ لفظیہ کہیں گے بھئی۔ تو دونوں کا الگ الگ یہ بیان کریں گے: محسناتِ معنویہ کو الگ بیان کریں گے اور محسناتِ لفظیہ کو الگ۔

تو محسناتِ معنویہ کن کو کہتے ہیں؟ جو معنی میں حسن پیدا کرتی ہیں۔ یاد رکھیے یہ محسناتِ معنویہ یہ صرف معنی میں حسن پیدا نہیں کرتیں بلکہ بعض اوقات لفظوں میں بھی حسن پیدا ہوتا ہے ان کی وجہ سے۔ اسی طرح محسناتِ لفظیہ جو ہیں وہ صرف لفظوں میں حسن پیدا نہیں کرتیں بلکہ بعض اوقات ان کی وجہ سے معنی میں بھی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن محسناتِ معنویہ جو ہیں وہ اصلاً جو ہیں وہ معنی میں حسن پیدا کرتی ہیں اور تبعاً لفظوں میں بھی حسن آ سکتا ہے۔ اور جبکہ محسناتِ لفظیہ وہ اصلاً لفظوں میں حسن پیدا کرتی ہیں لیکن اس کی وجہ سے معنی میں بھی حسن پیدا ہو سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو محسناتِ معنویہ اصل میں کس کے اندر حسن پیدا کریں گی؟ معنی میں، اور اگر لفظوں میں حسن آئے گا تو وہ تبعاً آئے گا اس کے تابع ہوتے ہوئے۔ اور محسناتِ لفظیہ اصل میں کس کے اندر حسن پیدا کرتی ہیں؟ لفظوں میں، اور اگر معنی میں حسن آئے گا تو وہ تبعاً ہو گا تابع ہو گا اس کے۔

تو کہتے ہیں: وَهَذِهِ الْوُجُوهُ یہ وجوہ جو ہیں مَا وہ ہیں يَرْجِعُ مِنْهَا کہ لوٹتی ہیں ان میں سے بعض جو ہیں إِلَى تَحْسِينِ الْمَعْنَى معنی کو حسین بنانے کی جانب يُسَمَّى بِالْمُحَسِّنَاتِ الْمَعْنَوِيَّةِ اور ان کو محسناتِ معنویہ کہتے ہیں، وَمَا يَرْجِعُ مِنْهَا اور یہ وہ وجوہ ہیں جو لوٹتی ہیں مِنْهَا ان میں سے بعض إِلَى تَحْسِينِ اللَّفْظِ لفظ کو حسین بنانے کی طرف يُسَمَّى بِالْمُحَسِّنَاتِ اللَّفْظِيَّةِ اور ان کو محسناتِ لفظیہ کہتے ہیں۔ تو یہ وجوہ ان میں سے بعض معنی میں حسن پیدا کرتی ہیں ان کو محسناتِ معنویہ کہتے ہیں اور بعض ان میں سے لفظوں میں حسن پیدا کرتی ہیں ان کو محسناتِ لفظیہ کہتے ہیں۔

مُحَسِّنَاتٌ مَعْنَوِيَّةٌ، اب پہلے محسناتِ معنویہ ذکر کر رہے ہیں اس کے بعد محسناتِ لفظیہ ذکر کریں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محسناتِ معنویہ کو کیوں مقدم کیا اور محسناتِ لفظیہ کو کیوں مؤخر کیا؟ تو وجہ ظاہر ہے بھئی کہ اصل جو ہے وہ معنی ہوتا ہے۔ اصل کیا ہوتا ہے؟ معنی۔ اور یہ جو الفاظ ہیں یہ اس کے سانچے ہیں جس میں رکھ کر آپ اس معنی کو پیش کرتے ہیں دوسرے کے سامنے۔ الفاظ کیا ہوتے ہیں؟ اس کے سانچے ہیں یا یوں کہیں اس کے برتن ہیں جس کے اندر اس معنی کو رکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے آپ کو پیاس لگی تو اصل مقصود کیا ہے؟ پانی ہے، پھر وہ پانی چاہے آپ کے سامنے شیشے کے گلاس میں پیش کیا جائے، چاہے سٹیل کے گلاس میں، چاہے پیتل وغیرہ کے گلاس میں، تو اصل کیا ہے؟ پانی ہے اور یہ گلاس کیا ہے؟ اس کا برتن ہے اس کا سانچہ وغیرہ ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہاں پر بھی اصل معنی ہوتا ہے جو دوسرے کو پہنچانا ہوتا ہے اور الفاظ اس کے سانچے ہوتے ہیں۔ تو لہٰذا اصل چونکہ معنی ہے اس لیے محسناتِ معنویہ کو مقدم کیا بھئی کیونکہ یہ معنی میں حسن پیدا کرتی ہیں اور معنی اصل ہے۔

مُحَسِّنَاتٌ مَعْنَوِيَّةٌ محسناتِ معنویہ، پہلی قسم ان صنعتوں میں سے وہ جو معنی میں حسن پیدا کرتی ہیں: التَّوْرِيَةُ وہ توریہ ہے۔ توریہ بھئی اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کو ذکر کیا جائے اور اس کے دو معنی آتے ہوں: ایک معنی قریب ہو اور ایک معنی بعید ہو۔ قریب والا معنی جس کی طرف فوراً ذہن چلا جاتا ہے، اور ایک معنی بعید ہوتا ہے جس کی طرف ذہن فوراً نہیں جاتا کچھ غور کرنا پڑتا ہے۔ بھئی ایک معنی قریب ہوتا ہے اور ایک معنی بعید۔ ایک معنی قریب اس لیے ہوتا ہے کیونکہ اس میں وہ لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے، بڑی کثرت سے عام استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس لفظ کو سنتے ہی ذہن فوراً اس قریب والے معنی کی طرف جاتا ہے۔ اور دوسرا معنی بعید ہوتا ہے کیونکہ اس میں وہ لفظ قلیل استعمال ہوتا ہے تو ذہن فوراً اس کی طرف نہیں جاتا۔ تو کلام میں ایسے لفظ کو لانا جس کا ایک معنی قریب ہو اور ایک معنی بعید ہو اور ارادہ بعید معنی کا کیا جائے۔ کس کا کیا جائے؟ بعید معنی کا کیا جائے کسی خفی قرینے کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ کسی خفی قرینے کی وجہ سے، قرینہ وہاں ہو گا لیکن خفی ہو گا بھئی، تو فوراً ذہن اس کی طرف نہیں جاتا۔

■ قولہ: «التَّوْرِيَةُ: أَنْ يُذْكَرَ لَفْظٌ لَهُ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: التَّوْرِيَةُ: أَنْ يُذْكَرَ لَفْظٌ لَهُ مَعْنَيَانِ، توریہ یہ ہے کہ ذکر کیا جائے ایسا لفظ لَهُ مَعْنَيَانِ جس کے دو معنی ہوں۔ لَفْظٌ آیا نکرہ اور آگے لَهُ مَعْنَيَانِ یہ پورا جملہ ہے: لَهُ ہے خبرِ مقدم اور مَعْنَيَانِ کیا ہے؟ مبتدا مؤخر، تو یہ مبتدا مؤخر اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا، اور نکرہ کے بعد جملہ آگیا اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہ لَفْظٌ ہوا موصوف اور لَهُ مَعْنَيَانِ اس کی صفت، اور موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا۔ تو توریہ یہ ہے أَنْ يُذْكَرَ لَفْظٌ لَهُ مَعْنَيَانِ کہ ذکر کیا جائے ایسے لفظ کو جس کے دو معنی ہوں: قَرِيبٌ ایک معنی قریب ہو يَتَبَادَرُ فَهْمُهُ مِنَ الْكَلَامِ کہ اس کا سمجھنا کلام سے جلدی ہوتا ہے یعنی ذہن اس کی طرف سبقت کرتا ہے، ذہن میں فوراً وہی معنی آتا ہے۔ اور میں نے وجہ ذکر کر دی وہ معنی قریب کیوں ہوتا ہے؟ کثرتِ استعمال کی وجہ سے کہ اس معنی میں وہ لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ وَبَعِيدٌ اور دوسرا معنی بعید ہوتا ہے هُوَ الْمُرَادُ بِالْإِفَادَةِ اور وہی مراد بالافادہ ہوتا ہے، اسی کا فائدہ پہنچانے کا ارادہ کیا جاتا ہے، إِفَادَةٌ فائدہ پہنچانا بھئی، یعنی اسی کا ارادہ ہوتا ہے لِقَرِينَةٍ خَفِيَّةٍ کسی خفی قرینے کی وجہ سے۔

قرینے کا ہونا ضروری ہے بھئی کیونکہ قرینہ اگر نہیں ہوگا تو سننے والا تو وہ قریب والا معنی ہی سمجھے گا بعید کی طرف اس کا ذہن جائے گا ہی نہیں، تو بعید کے لیے قرینے کا ہونا ضروری ہے۔ اور نیز وہ قرینہ خفیہ ہو بھئی، پوشیدہ ہونا چاہیے۔ اگر قرینہ ظاہر ہوا پھر تو وہ بعید بھی قریب بن جائے گا بھئی، جب قرینہ واضح اور ظاہر ہو پھر تو کسی قسم کا خفا ہی نہیں رہے گا ذہن فوراً اس کی طرف منتقل ہو جائے گا بھئی۔ تو قرینہ بھی ہونا چاہیے اور قرینہ بھی کس قسم کا ہو؟ خفی ہونا چاہیے بھئی۔ تو اس کو کہتے ہیں توریہ۔ توریہ اب کسے کہتے ہیں؟ ایک لفظ کو ذکر کیا جائے اس کا ایک معنی قریب ہو اور ایک معنی بعید ہو، اور سننے والے کا ذہن فوراً کس کی طرف جاتا ہے؟ معنی قریب کی طرف، اور ارادہ کس معنی کا کیا جاتا ہے؟ معنی بعید کا کسی خفی قرینے کی وجہ سے۔

نَحْوُ مثال کے طور پر: وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ، اور وہی ذات ہے یعنی اللہ ہی کی ذات ہے يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ جو تمہاری روحوں کو قبض کر لیتی ہے بِاللَّيْلِ رات کے وقت، وَيَعْلَمُ اور وہ جانتا ہے مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ جو تم گناہ کرتے ہو دن میں۔ وہ جانتا ہے جو تم گناہ کرتے ہو دن میں۔ تو جَرَحَ کا ایک معنی قریب ہے زخمی کرنا، اور جَرَحَ کا ایک معنی بعید ہے کمانا۔ وہ کیا ہے؟ کمانا، اور گناہ بھی چونکہ انسان کی کمائی میں سے ہے اس لیے اس کو جَرَحَ کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ اس کو انسان کماتا ہے یعنی گناہ کرتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ اور وہی ہے جو تمہیں موت دیتا ہے رات کے وقت، جو تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے رات کے وقت وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور وہ جانتا ہے جو تم گناہ کرتے ہو دن میں۔ أَرَادَ بِقَوْلِهِ جَرَحْتُمْ مَعْنَاهُ الْبَعِيدَ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے قول جَرَحْتُمْ کے ذریعے اس کے بعید معنی کا وَهُوَ ارْتِكَابُ الذُّنُوبِ اور وہ گناہ کرنا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ تو یہاں جَرَحَ کا معنی قریب میں نے بتلایا: زخمی کرنا، اور معنی بعید کیا ہے؟ گناہ کمانا، اور یہاں یہ کس معنی میں ہے؟ معنی بعید میں یعنی گناہ کمانے کے معنی میں ہے، اور وہ جانتا ہے مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ جو گناہ کرتے ہو تم دن میں۔ اور اس پر قرینہ جو ہے وہ آگے اس کے آیت جو آرہی ہے: ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، پھر وہ تم کو بتلائے گا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں بتلائیں گے قیامت کے دن جو تم عمل کیا کرتے تھے، معلوم ہوا پیچھے دن میں یہ جَرَحَ سے کیا مراد ہے؟ دن میں جو انسان گناہ کرتا ہے وہ مراد ہیں، اور پھر قیامت میں انسان کو ان پر مطلع کیا جائے گا اور بتلایا جائے گا کہ یہ تمہارے سب گناہ تمہارے نامۂ اعمال میں موجود ہیں لکھ لیے گئے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی، قرینہ سمجھ میں آیا؟

وَكَقَوْلِهِ اور جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «يَا سَيِّدًا حَازَ لُطْفًا»

يَا سَيِّدًا حَازَ لُطْفًا ... لَهُ الْبَرَايَا عَبِيدُ

أَنْتَ الْحُسَيْنُ وَلَكِنْ ... جَفَاكَ فِينَا يَزِيدُ

جیسے ایک شاعر کہتا ہے: يَا سَيِّدًا اے ایسے سردار، سَيِّدًا نکرہ آیا، حَازَ لُطْفًا، حَازَ فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ اور لَهُ الْبَرَايَا عَبِيدُ یہ بھی پورا جملہ ہے: الْبَرَايَا مبتدا اور عَبِيدُ اس کی خبر ہے بھئی، تو یہ بھی جملہ ہوا تو یہ اس کی صفتِ ثانی بنے گا، اسی سَيِّد کے لیے یہ صفتِ ثانی۔ تو يَا سَيِّدًا اے ایسے سردار حَازَ لُطْفًا جس نے جمع کر لیا ہے اللہ کی توفیق کو۔ حَازَ کے معنی جمع کرنا، حاصل کرنا۔ لُطْف کا ایک معنی ہے اللہ کی توفیق بھئی، اور اسی طرح لُطْف کا ایک معنی ہے شفقت اور مہربانی بھئی، تو جو معنی بھی آپ کر لیں جو مناسب آپ کو لگے: يَا سَيِّدًا اے ایسے سردار حَازَ لُطْفًا جس نے اللہ کی توفیق کو پا لیا ہے اس کو حاصل کر لیا ہے، یا دوسرا معنی کر لیں: يَا سَيِّدًا حَازَ لُطْفًا اے ایسے سردار جس نے شفقت اور مہربانی کو حاصل کر لیا ہے یعنی اس کے ساتھ متصف ہو گیا ہے۔

لَهُ الْبَرَايَا عَبِيدُ اور اے ایسے سردار کہ ساری مخلوق جو ہے اس کی غلام ہے۔ بَرَايَا جمع ہے بَرِيَّةٌ کی۔ میں نے پہلے بتلایا تھا کہ ایک ہے بَرِيَّةٌ، ایک ہے بَرِّيَّةٌ را

مشد دہے ایک میں۔ بَرِّيَّةٌ اگر رامشد دہو تو یہ جنگل کو کہتے ہیں۔ کس کو کہتے ہیں؟ جنگل کو کہتے ہیں۔ اور اگر را کی تخفیف ہو بَرِيَّةٌ تو یہ مخلوق کو کہتے ہیں اور اس کی جمع بَرَايَا آتی ہے بھئی۔ تو یہاں بَرَايَا کس کی جمع ہے؟ بَرِيَّةٌ جو بمعنی مخلوق کے ہے۔ لَهُ الْبَرَايَا اس کے لیے تمام مخلوق جو ہے عَبِيدُ، عَبِيد جمع ہے عَبْد کی غلام بھئی، اس کے لیے ساری مخلوق کیا ہے؟ غلام، یعنی ساری مخلوق اس کی غلام ہے۔ تو یہ اکثر بھول جاتا ہے کہ بَرِيَّةٌ اور بَرِّيَّةٌ کس کا معنی مخلوق ہے اور کس کا معنی جنگل ہے؟ تو یاد رکھنا بَرِّيَّةٌ جس میں رامشد دہے اس کا معنی ہے جنگل، اور یہ بَرٌّ سے ہے، بَرٌّ کس کو کہتے ہیں؟ خشکی کو کہتے ہیں بھئی، ایک ہے بحر اور ایک ہے بَرٌّ، اور یہ بَرٌّ خشکی سے ہے بَرِّيَّةٌ خشکی کی طرف منسوب بھئی، جنگل بھی کہاں پر ہوتا ہے؟ خشکی پر ہوتا ہے۔

يَا سَيِّدًا حَازَ لُطْفًا ...لَهُ الْبَرَايَا عَبِيدُ، اے ایسے سردار کہ جس نے حاصل کر لیا ہے اللہ کی توفیق کو لَهُ الْبَرَايَا عَبِيدُ اور ایسے سردار کہ ساری مخلوق جو ہے اس کی غلام ہے، أَنْتَ الْحُسَيْنُ آپ حسین ہیں یعنی ان کی طرح معزز ہیں، وَلَكِنْ جَفَاكَ فِينَا يَزِيدُ لیکن آپ کی بے رخی جو ہے، آپ کی بے تعلقی جو ہے فِينَا ہمارے درمیان يَزِيدُ بڑھ رہی ہے، یعنی ہم سے آپ کی بے رخی اور بے تعلقی بڑھ رہی ہے بھئی۔ تو جَفَاء کا معنی بے رخی، بے تعلقی، بے وفائی، اسی طرح اس کے معنی ظلم کے بھی آتے ہیں: جَفَاكَ فِينَا يَزِيدُ آپ کا ظلم ہمارے درمیان بڑھ رہا ہے یعنی آپ کی بے وفائی بڑھ رہی ہے ہمارے درمیان۔

تو يَزِيدُ اس لفظ میں ہے تو یہ بھئی، کیونکہ پیچھے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ان کا ذکر ہوا اور اس کے ساتھ آگے یزید کا ذکر آیا تو ذہن وہ جو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے ان کی طرف اولاً فوراً منتقل ہوتا ہے، لیکن یہ دراصل يَزِيدُ یہ فعل مضارع ہے بھئی زَادَ يَزِيدُ سے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جس کے کیا معنی ہیں؟ بڑھنے کے ہیں بھئی، تو اس میں توریہ ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ أَنْتَ الْحُسَيْنُ وَلَكِنْ جَفَاكَ فِينَا يَزِيدُ آپ حسین ہیں لیکن آپ کی بے رخی ہمارے درمیان يَزِيدُ بڑھتی جا رہی ہے۔ مَعْنَى يَزِيدُ الْقَرِيبُ أَنَّهُ عَلَمٌ یزید کا معنی قریب کیا ہے کہ یہ علم ہے نام ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کا، وَمَعْنَاهُ الْبَعِيدُ الْمَقْصُودُ أَنَّهُ فِعْلٌ مُضَارِعٌ مِنْ زَادَ اور اس کا بعید معنی جو کہ مقصود ہے وہ یہ کہ یہ فعل مضارع ہے کس سے؟ زَادَ سے بھئی۔

تو توریہ کسے کہتے ہیں؟ ایک لفظ کو ذکر کیا جائے اس کا ایک معنی قریب ہو اور ایک معنی بعید ہو، اور سننے والے کا ذہن فوراً کس کی طرف جاتا ہے؟ معنی قریب کی طرف، اور ارادہ کس معنی کا کیا جاتا ہے؟ معنی بعید کا چاہے وہ حقیقی معنی ہو چاہے مجازی ہو۔ اور یاد رکھیے اگر دونوں معنی برابر ہوں، ایک قریب اور بعید نہیں بلکہ دونوں کیا ہیں؟ برابر، دونوں کے اندر لفظ برابر استعمال ہوتا ہے تو پھر اس کو توریہ نہیں کہتے، اس کو اجمال کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اجمال کہتے ہیں اور پھر اس کے لیے بیان چاہیے ہوتا ہے، آپ نے پڑھا ہے مجمل کے لیے کیا چاہیے؟ بیان چاہیے بھئی۔

جیسے بھئی حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ انگریز کے خلاف پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی کمان کر رہے تھے تحریکِ آزادی کے اندر بھئی، اور انگریز ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے یہ ان سے چھپتے پھر رہے تھے۔ ایک مرتبہ انگریز کو پتہ لگا کہ مولانا فلاں مسجد میں ہیں، جاسوسوں نے خبر دی، وہ سارے ان کے فوجی وغیرہ آئے اس سارے علاقے کو گھیر لیا اور وہ سپاہی فوجی وغیرہ مسجد کے اندر بھی آئے بھئی۔ مولانا سادے آدمی تھے، دبلے پتلے کمزور جسم اور سادہ لباس ہے دیہاتیوں کی طرح کا سادہ لباس پہنا ہوا ہے دھوتی باندھی ہوئی ہے، مسجد میں ایک جگہ پر نماز پڑھ رہے تھے تو آپ اپنی جگہ سے ہٹ کر تھوڑا سا وہاں نماز پھر پڑھنا شروع کر دی۔ فوجی آئے آکر انہوں نے دیکھا کہ ایک دیہاتی سادہ سا آدمی ہے تو ان سے کہنے لگے: بھئی آپ نے یہاں مولوی قاسم کو تو نہیں دیکھا؟ مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے پوچھا انہوں نے کیونکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سادہ سا آدمی، یہ درویش صفت آدمی پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت کر رہا ہو بھئی۔ تو ان سے پوچھا کہ آپ نے مولوی قاسم کو تو یہاں نہیں دیکھا؟ مولانا جہاں کچھ دیر پہلے نماز پڑھ رہے تھے اس جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے: ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں پر نماز پڑھ رہے تھے بھئی۔ تو وہ سمجھے شاید کوئی اور تھے جو یہاں نماز پڑھ کر اب نکل گئے ہیں، تو وہ جلدی سے نکلے کہ بھئی ابھی نکلے ہیں یہاں سے ان کو تلاش کرو بھئی، اور جب وہ چلے گئے مولانا آرام سے وہاں سے نکل کر چلے گئے۔ تو دیکھو یہ ہے توریہ بھئی۔ انہوں نے اشارہ کیا یہاں پر ابھی نماز پڑھ رہے تھے، وہ سمجھے کسی اور کی طرف اشارہ ہے حالانکہ وہ اپنا ہی بتلا رہے تھے کہ یہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نوافل میں نماز میں مشغول تھا۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

شعر میں قرینہ محلِ کلام ہے، وہاں حسین کے ساتھ تھی کہ آپ ان کی طرح معزز ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں جیسے یزید نے ان کے ساتھ کیا تھا اس طرح آپ کے ساتھ تو کسی نے نہیں کیا، یہ قرینہ ہی بتلا رہا ہے کہ یزید سے یہاں کوئی یزید نہیں مراد بلکہ فعل مضارع ہے۔

■ قولہ: «إِيرَادُ الْكَلَامِ مُحْتَمِلًا لِوَجْهَيْنِ...» کی تشریح

آگے بھئی الْإِبْهَامُ، دوسری صنعت آگئی بھئی ابہام۔ ابہام کہتے ہیں: إِيرَادُ الْكَلَامِ مُحْتَمِلًا لِوَجْهَيْنِ مُتَضَادَّيْنِ کہ لانا ایسے کلام کو جو احتمال رکھتا ہو دو متضاد وجہوں کا۔ بھئی ایسا کلام لے کر آنا جس کے دو معنی نکلتے ہوں، دونوں متضاد معنی ہوں یعنی اس میں مدح کا پہلو نکلتا ہو تو مذمت کا بھی پہلو نکلتا ہو بھئی۔ تو ایسا ذو معنی کلام لانا جس کے دونوں طرح کے مفہوم نکلتے ہوں اس کو کہتے ہیں ابہام بھئی، مبہم رکھنا کلام کو کہ پتہ ہی نہیں چل رہا کہنے والے نے کس معنی کا ارادہ کیا ہے۔ تو کہتے ہیں: الْإِبْهَامُ إِيرَادُ الْكَلَامِ مُحْتَمِلًا لِوَجْهَيْنِ مُتَضَادَّيْنِ لانا ایسے کلام کو جو احتمال رکھتا ہو دو متضاد وجہوں کا، نَحْوُ مثال کے طور پر:

بَارَكَ اللَّهُ لِلْحَسَنِ ... وَلِبُورَانَ فِي الْخَتَنِ

يَا إِمَامَ الْهُدَى ظَفِرْتَ ... وَلَكِنْ بِبِنْتِ مَنْ

بھئی یہ خلیفہ مامون تھا اس نے شادی کی حسن ابن سہل کی بیٹی کے ساتھ، اور بیٹی کا نام تھا بوران بھئی، بوران یا بوران بھئی یہ اس کی بیٹی کا نام تھا۔ تو اب اس موقع پر یہ جو خلیفہ کا سسر تھا حسن اس نے باقی سب شعراء وغیرہ کو تو انعامات دیے، ایک شاعر رہ گیا بھئی اس کو انعام نہیں ملا۔ تو وہ بڑا ناراض ہوا کہ باقی سب کو انعام دیا ہے اور مجھے ہدایا وغیرہ نہیں دیے، تو اس نے پیغام بھجوایا کہ خلیفہ کے سسر سے یعنی حسن سے کہو کہ مجھے بھی انعام دے ورنہ میں اس کے بارے میں ایسا شعر کہوں گا کہ سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ اس کی تعریف کی ہے یا اس کی ہجو بیان کی ہے مذمت بیان کی ہے۔ حسن کو یہ بات پہنچ گئی بھئی تو اس نے شاعر کو بلوایا اور کہنے لگا اب تو تمہیں بالکل انعام نہیں دوں گا جب تک تم ایسا شعر کہو گے نہیں کہ پتہ ہی نہ چلے کہ کیا کہہ رہے ہو۔ تو پھر ان کے اصرار پر شاعر نے یہ اشعار کہے، کہتا ہے:

- متن وشواہد: «بَارَكَ اللَّهُ لِلْحَسَنِ»

بَارَكَ اللَّهُ لِلْحَسَنِ ... وَلِبُورَانَ فِي الْخَتَنِ

يَا إِمَامَ الْهُدَى ظَفِرْتَ ... وَلَكِنْ بِبِنْتِ مَنْ

بَارَكَ اللَّهُ لِلْحَسَنِ برکت دے اللہ حسن کو وَلِبُورَانَ اور اس کی بیٹی بوران کو فِي الْخَتَنِ، خَتَن کہتے ہیں سسرالی رشتہ دار بھئی، تو یہاں دامادی کا وہی رشتہ مراد ہے: برکت دے اللہ حسن کو اور اس کی بیٹی بوران کو فِي الْخَتَنِ دامادی کے رشتے میں۔ يَا إِمَامَ الْهُدَى اے ہدایت کے امام ظَفِرْتَ تو کامیاب ہو گیا وَلَكِنْ بِبِنْتِ مَنْ مگر کس کی بیٹی کے ساتھ؟ اب دوسرے شعر میں خلیفہ کو خطاب کر رہا ہے: يَا إِمَامَ الْهُدَى ظَفِرْتَ اے ہدایت کے امام تو کامیاب ہو گیا وَلَكِنْ بِبِنْتِ مَنْ لیکن کس کی بیٹی کے ساتھ؟

اب کیا معنی؟ کس کی بیٹی سے، کیا اب کہنا چاہتا ہے؟ کیا عظمت بیان کرنا چاہتا ہے کہ ایک عظیم شخص کی بیٹی کو لے کر تم کامیاب ہو گئے ہو، یا یہ کہنا چاہتا ہے کس کی بیٹی کے ساتھ، پتہ ہے آپ کو کتنا گھٹیا اور ادنیٰ آدمی ہے کس کی بیٹی کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا آپ کی شادی ہوئی ہے؟ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ پتہ ہی نہیں چل رہا کہ شاعر یہ کیا کہنا چاہتا ہے، تعریف کر رہا ہے یا مذمت بیان کر رہا ہے۔

بَارَكَ اللَّهُ لِلْحَسَنِ ...وَلِبُورَانَ فِي الْخَتَنِ / يَا إِمَامَ الْهُدَى ظَفِرْتَ ...وَلَكِنْ بِبِنْتِ مَنْ، برکت دے اللہ حسن کو اور اس کی بیٹی بوران کو فِي الْخَتَنِ رشتہ دامادی میں، يَا إِمَامَ الْهُدَى اے ہدایت کے امام ظَفِرْتَ آپ کامیاب ہو گئے وَلَكِنْ بِبِنْتِ مَنْ مگر کس کی بیٹی کے ساتھ؟ فَإِنَّ قَوْلَهُ بِبِنْتِ مَنْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَدْحًا لِعَظَمَةٍ وَأَنْ يَكُونَ ذَمًّا لِدَنَاءَةٍ پس شاعر کا قول بِبِنْتِ مَنْ کس کی بیٹی کے ساتھ یَحْتَمِلُ یہ احتمال رکھتا ہے أَنْ يَكُونَ مَدْحًا کہ یہ مدح ہو لِعَظَمَةٍ عظمت کی وجہ سے یعنی اس میں عظمت بیان ہو رہی ہے، وَأَنْ يَكُونَ ذَمًّا اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ مذمت ہو لِدَنَاءَةٍ گھٹیا ہونے کی وجہ سے، کہ گھٹیا ہونے کو بیان کر رہا ہے بھئی۔

یا جیسے ایک اور شاعر تھا بھئی اس نے کپڑا وغیرہ لیا اور ایک درزی کو سینے کے لیے دیا کہ اس کپڑے سے میرے لیے قباسی دو بھئی۔ یہ قبا قدیم لباس تھا کوٹ وغیرہ کی طرح کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا تھا جیسے کوٹ کو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ تو بس یوں سمجھے درزی کے پاس کپڑا لے گیا اور اسے جا کر کہنے لگا کہ اس کا کوٹ سی دو میرے لیے۔ تو درزی کہنے لگا میں ایسا کوٹ سیوں گا کہ دیکھنے والوں کو پتہ ہی نہیں چلے گا یہ کوٹ سیا ہے یا شیروانی سی لی ہے بھئی۔ تو شاعر نے کہا اگر تو نے ایسا کیا تو پھر میں تیرے بارے میں ایسا شعر کہوں گا کہ سننے والوں کو پتہ ہی نہیں چلے گا میں نے تیرے لیے دعا کی ہے یا بددعا کی ہے بھئی۔ تو درزی نے قباسی اور واقعی ایسی سی کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ کوٹ ہے یا شیروانی ہے۔ اب شاعر نے اس کے بارے میں شعر کہا، اور وہ درزی کانا تھا ایک آنکھ تھی اس کی بھئی، تو شاعر کہنے لگا:

- متن وشواہد: «خَاطَ لِي عَمْرٌو قَبَا»

خَاطَ لِي عَمْرٌو قَبَا ... لَيْتَ عَيْنَيْهِ سَوَا

خَاطَ لِي عَمْرٌو قَبَا عمرو نے میرے لیے قباسی ہے، لَيْتَ عَيْنَيْهِ سَوَا کاش کہ اس کی دونوں آنکھیں برابر ہو جائیں یعنی ایک جیسی ہو جائیں۔ اب پتہ نہیں اس کا کیا ارادہ ہے شاعر کا اس کہنے کے ذریعے: کیا یہ کہنا چاہتا ہے کہ جو خراب آنکھ ہے وہ ٹھیک آنکھ کے جیسی ہو جائے تو پھر تو یہ دعا بن جائے گی، یا یہ کہنا چاہتا ہے کہ دوسری آنکھ

بھی اسی کی طرح ہو جائے بھئی یعنی ایک سے تو نظر نہیں آتا دوسری بھی اسی کی طرح ہو جائے کہ اس سے بھی دکھائی نہ دے، تو پتہ نہیں اس نے دعا کا ارادہ کیا یا بد دعا کا بھئی:
خَاطَ لِي عَمْرٌو قَبَا ...لَيْتَ عَيْنَيْهِ سَوَا۔

التَّوْجِيهُ، تیسری صنعت آگئی توجیہ بھئی۔ توجیہ اس کو کہتے ہیں کہ اپنے کلام میں چند الفاظ لے کر آنا جو معنی کا فائدہ دے رہے ہوں لیکن وہی الفاظ لوگوں کے نام بھی ہیں۔ لوگوں کے نام بھی ہیں، تو ایسے با معنی الفاظ کو کلام میں لانا جو لوگوں یا اور چیزوں وغیرہ کے نام بھی ہوں بھئی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ توجیہ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: التَّوْجِيهُ: إِفَادَةُ مَعْنًى بِأَلْفَاظٍ مَوْضُوعَةٍ لَهُ وہ فائدہ دینا ہے کسی معنی کا بِأَلْفَاظٍ مَوْضُوعَةٍ لَهُ ایسے الفاظ کے ساتھ جو اسی کے لیے وضع ہوں، وہ فائدہ پہنچانا ہے کسی معنی کا ایسے الفاظ کے ساتھ جو اسی کے لیے وضع کیے گئے ہیں، وَلَكِنَّهَا أَسْمَاءٌ لِنَاسٍ أَوْ غَيْرِهِمْ لیکن وہی الفاظ کیا ہیں؟ لوگوں کے نام بھی ہیں أَوْ غَيْرِهِمْ یا لوگوں کے علاوہ یعنی اور چیزوں کے نام ہیں۔

كَقَوْلِ بَعْضِهِمْ يَصِفُ نَهْرًا جیسے کہ بعض کا قول جو ایک نہر کی تعریف کر رہے ہیں، نہر جس میں پانی بہتا ہے بھئی اس کی تعریف کرتے ہوئے کسی نے کہا:

■ متن وشواہد: «إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ وَلَّتْ عَلِيلَةً»

إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ وَلَّتْ عَلِيلَةً ... بِأَذْيَالِ كُثْبَانِ الثَّرَى تَتَعَثَّرُ

بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو وَالرَّبِيعُ وَكَمْ غَدًا ... بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى وَهُوَ لَا شَكَّ جَعْفَرُ

إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ، فَاخَرَ يُفَاخِرُ کے معنی ہیں فخر میں مقابلہ کرنا، کسی کا دوسرے کے ساتھ فخر کے اندر مقابلہ کرنا۔ رِيح کہتے ہیں تیز ہوا کو بھئی عربی زبان میں، خوشگوار ہوا کے لیے عربی زبان میں رِيَاح کا لفظ استعمال ہوتا ہے، رِيح کا لفظ تیز ہوا آندھی وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو شاعر کسی نہر کی تعریف کر رہا ہے، زمین کا کوئی خوبصورت سرسبز وشاداب حصہ تھا یا کوئی بڑا باغ وغیرہ تھا اس میں سے کوئی صاف وشفاف پانی کی بڑی نہر گزرتی تھی، تو اس نہر کی تعریف کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے: إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ جب فخر میں مقابلہ کرتی ہے اس سے تیز ہوا، وَلَّتْ، وَلَّى کے معنی ہوتے ہیں پشت پھیرنا، مڑ جانا، وَلَّتْ عَلِيلَةً، عَلِيلَة بیمار بھئی، تو وہ پشت پھیر لیتی ہے یعنی پشت پھیر کر بھاگتی ہے عَلِيلَةً اس حال میں کہ وہ بیمار ہوتی ہے۔

بِأَذْيَالِ كُثْبَانِ الثَّرَى تَتَعَثَّرُ۔ بھئی یہ تَتَعَثَّرُ جو آیا نا یہ ثا کے ساتھ ہے، سین نہیں ہے بھئی، یہ کتابت کی غلطی ہے یہاں ثا ہونی چاہیے بھئی، دیگر کتابوں میں اور نسخوں میں یہاں ثا موجود ہے بھئی۔ بِأَذْيَالِ، أَذْيَال جمع ہے ذَيْل کی، ذَيْل کہتے ہیں ہر چیز کا نچلا کنارہ، اسی طرح کپڑے کا جو دامن ہے قمیص کا جو نچلا کنارہ ہے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ذَيْل۔ كُثْبَان ثا کے ساتھ یہ جمع ہے كَثِيب کی، اور كَثِيب کہتے ہیں ٹیلے کو، مٹی اور ریت وغیرہ کا جو ٹیلہ ہوتا ہے اس کو كَثِيب کہتے ہیں اس کی جمع ہے یہ كُثْبَان بھئی۔ الثَّرَى، ثَرَى ثا کے ساتھ یہ بھئی گیلی زمین کو کہتے ہیں، گیلی مٹی کو کہتے ہیں۔ تَتَعَثَّرُ ثا کے ساتھ اس کا معنی ہے ٹھوکر کھانا بھئی، ٹھوکر لگنا بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا ایک ایک لفظ کا بھئی؟

تو دیکھیے بھئی: إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ وَلَّتْ عَلِيلَةً جب تیز آندھی اس نہر کے ساتھ فخر میں مقابلہ کرتی ہے وَلَّتْ عَلِيلَةً تو وہ تیز ہوا جو ہے واپس پلٹ جاتی ہے واپس بھاگتی ہے عَلِيلَةً اس حال میں کہ وہ بیمار ہوتی ہے، بِأَذْيَالِ كُثْبَانِ الثَّرَى تَتَعَثَّرُ۔ یہ تَتَعَثَّرُ سے متعلق ہے بِأَذْيَالِ بھئی، اور یہ بھی حال ہے: اور اس حال میں کہ وہ ہوا ٹھوکر کھاتی ہے بِأَذْيَالِ كُثْبَانِ الثَّرَى گیلی زمین کے ٹیلوں کے نچلے کناروں سے۔ گیلی زمین کے ٹیلوں کے نچلے کناروں سے ٹھوکر کھاتے ہوئے پلٹ جاتی ہے۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟

بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو اسی کے ذریعے، اسی نہر کے ذریعے یعنی اس کے پانی کے ذریعے الْفَضْلُ يَبْدُو، فَضْل کہتے ہیں زیادتی کو، اسی کے ذریعے زیادتی ظاہر ہوتی ہے، بَدَا يَبْدُو کا معنی ظاہر ہونا۔ اسی کے ذریعے زیادتی ظاہر ہوتی ہے، یعنی بھئی اسی کے ذریعے پودے وغیرہ بڑھتے ہیں بھئی، اس کا پانی ملتا ہے تو پودے بڑھتے ہیں ان میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ بڑھتے ہیں۔ تو کہتے ہیں بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو اسی کے ذریعے زیادتی جو ہے یعنی بڑھنا ظاہر ہوتا ہے، وَالرَّبِيعُ، رَبِيع موسم بہار کو کہتے ہیں، اسی طرح موسم بہار کی جو ہریالی ہے جو سبزہ ہے اس کو بھی رَبِيع کہتے ہیں اور وہ یہاں مراد ہے: بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو وَالرَّبِيعُ اسی کے ذریعے زیادتی ظاہر ہوتی ہے اور موسم بہار کی ہریالی۔ اسی نہر کے ذریعے موسم بہار کی ہریالی ظاہر ہوتی ہے یعنی یہ نہ ہو پانی نہ ہو تو وہ ہریالی بھی ظاہر نہ ہو۔

■ قولہ: «وَكَمْ غَدًا، غَد» کی تشریح

وَكَمْ غَدًا، غَد کہتے ہیں آنے والے دن کو، آنے والا جو کل ہے اس کو کیا کہتے ہیں عربی میں؟ غَد کہتے ہیں، اور اسی طرح یہ مستقبل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے: وَكَمْ غَدًا اور کتنے ہی آنے والے دن جو ہیں بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى، رَوْض کہتے ہیں سرسبز وشاداب زمین بھئی، جس میں باغات سبزہ وغیرہ ہو اس کو رَوْض کہتے

ہیں اسی کی جمع رِیَاض آتی ہے، تو سرسبز وشاداب زمین یا باغ وغیرہ جو ہو اس کو رَوْض کہتے ہیں۔ یَحْیَی، بھئی یَحْیَی کے آخر میں دو یا ہیں بھئی: ایک یا جس پر یہ ہم زبر پڑھ رہے ہیں اور ایک یا جو الف سے بدل گئی ہے۔ بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى اسی کے ذریعے باغ جو ہے یَحْیَی زندہ رہے گا۔ وَكَمْ غَدًا بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى اور کتنے ہی آنے والے دنوں تک یعنی آنے والے زمانے تک بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى اس سے یہ سرسبز وشاداب زمین جو ہے زندہ رہے گی، یعنی اس نہر کی وجہ سے کتنے ہی زمانے تک یہ سرسبز ٹکڑا سرسبز ہی رہے گا، زندہ رہے گا یعنی سرسبز رہے گا بھئی، یعنی جب تک یہ نہر ہے یہ حصہ سرسبز رہے گا۔ وَهُوَ لَا شَكَّ جَعْفَرُ اور یہ کوئی شک نہیں اس میں کہ جَعْفَرُ کہ یہ ایک نہر ہے، جَعْفَر ندی نالے اور نہر کو کہتے ہیں بھئی۔ یعنی یہ نہر ہے جس کی میں تعریف کر رہا ہوں جس کی میں بات کر رہا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک نہر ہے، یا جَعْفَرٌ کے اندر اگر تنوین تعظیم کے لیے بنالیں: اور کوئی شک نہیں کہ یہ ایک عظیم نہر ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟

اب دیکھیے شعر کے اندر شاعر نے فَضْل کا لفظ ذکر کیا، رَبِيع کا لفظ ذکر کیا، اور یَحْیَی کا لفظ ذکر کیا اور جَعْفَر کا لفظ ذکر کیا، اور یہ سارے لوگوں کے نام ہیں۔ اگرچہ یہاں نام کے طور پر تو نہیں استعمال لیکن ہیں کیا؟ لوگوں کے نام ہیں، تو اس کو کہتے ہیں توجیہ کہ معنی کا فائدہ دینا ایسے الفاظ کے ساتھ جو اسی معنی کے لیے وضع ہیں لیکن وہ لوگوں کے بھی نام ہیں، لوگوں یا اور چیزوں کے نام ہیں۔

دوبارہ ترجمہ ایک دفعہ دیکھ لیجیے: إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ وَلَّتْ عَلِيلَةً ...بِأَذْيَالِ كُثْبَانِ الثَّرَى تَتَعَثَّرُ، یہ عَلِيلَةً بھی حال اور تَتَعَثَّرُ بھی کیا ہے؟ حال، تو یوں ترجمہ کرلیں: إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ جب تیز آندھی اس نہر کے ساتھ فخر میں مقابلہ کرتی ہے وَلَّتْ عَلِيلَةً تو وہ بیمار ہو کر پلٹ جاتی ہے اس حال میں کہ وہ ٹھوکر کھاتی ہے گیلی زمین کے ٹیلوں کے نچلے کناروں کے ساتھ یعنی شکست کھا کر بھاگ جاتی ہے، بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو وَالرَّبِيعُ وَكَمْ غَدًا اور اسی کے ذریعے جو ہے زیادتی ظاہر ہوتی ہے اور بہار کی ہریالی، وَكَمْ غَدًا بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى اور کتنے ہی آنے والے دنوں میں اس کے ذریعے باغ زندہ رہے گا، وَهُوَ لَا شَكَّ جَعْفَرٌ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک عظیم نہر ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ فَالْفَضْلُ وَالرَّبِيعُ وَيَحْيَى وَجَعْفَرٌ أَسْمَاءُ نَاسٍ پس فضل، ربیع، یحییٰ اور جعفر یہ لوگوں کے نام ہیں۔

اچھا بھئی یہاں بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو وَالرَّبِيعُ، میں نے فَضْل کا یہاں کیا معنی کیا؟ زیادتی کے، اور رَبِيع کا کیا معنی کیا؟ بہار کی ہریالی بھئی۔ چاہیں آپ فَضْل کو فضیلت کے معنی میں لے لیں اور رَبِيع سے بہار ہی مراد لے لیں، تو پھر معنی کیا ہو جائے گا؟ بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو اسی کے ذریعے فضیلت ظاہر ہوتی ہے وَالرَّبِيعُ اور بہار بھی۔ اسی نہر کے ذریعے فضیلت ظاہر ہو رہی ہے اور بہار بھی یعنی اس مقام کی، جس مقام پر یہ نہر ہے اس نہر کی وجہ سے یہ اس سارے علاقے کی شادابی اور ہریالی ہے، تو اس علاقے کی بہار اور اس علاقے کی فضیلت دوسرے علاقوں پر یہ کس کی وجہ سے ہے؟ اسی نہر کی وجہ سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جو معنی آپ کو مناسب لگے آپ وہ معنی کر سکتے ہیں۔ وَكَمْ غَدًا بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى اور کتنے ہی آنے والے دنوں میں اس کی وجہ سے یہ شاداب خطۂ زمین یَحْیَی زندہ رہے گا، یعنی کتنے ہی زمانے تک اس کی وجہ سے یہ خطہ کیا رہے گا؟ سرسبز وشاداب رہے گا یعنی جب تک یہ نہر ہے یہ حصہ شاداب رہے گا۔

وَكَقَوْلِهِ اور جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ»

وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ ... تَرَاهُ إِذَا زُلْزِلَتْ لَمْ يَكُنْ

وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ، زُخْرُف کہتے ہیں زینت اور زیبائش۔ کس کو کہتے ہیں؟ زینت اور زیبائش بھئی۔ اور دیکھیے بَيْتٍ نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد لَهُ زُخْرُفٌ پورا جملہ آیا: لَهُ ہے خبر مقدم اور زُخْرُفٌ ہے مبتدا مؤخر، تو پورا جملہ اسمیہ کس کے بعد آیا؟ نکرہ کے بعد، اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور یہ کس کی صفت ہے؟ بَيْتٍ کی۔ تو موصوف سے پہلے ترجمے میں کیا لفظ لے کر آئیں گے؟ ایسا یا ایسی کا۔ دیکھیے بھئی: وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ اور ایسے گھر کا کیا حسن ہے جس کے لیے زینت ہو؟ شاعر کہنا یہ چاہ رہا ہے کہ وہ گھر جس کو خوب سجایا گیا ہو، خوب زینت کی چیزیں ہوں بڑا خوبصورت ہو اس گھر کی کیا خوبصورتی ہے، تَرَاهُ إِذَا زُلْزِلَتْ لَمْ يَكُنْ اے مخاطب تو اس کو دیکھے گا إِذَا زُلْزِلَتْ جب اس کو ہلایا جائے لَمْ يَكُنْ تو تو دیکھے گا کہ وہ نہیں رہا، وہ باقی نہیں بچا بھئی۔ جب اس کو ہلایا جائے تو وہ ختم ہو جائے گا فنا ہو جائے گا، جب اس کو ہلایا جائے یعنی جب اس میں زلزلہ آجائے بھئی۔ تو ایسے گھر کا کیا حسن ہو گا جس میں زیب وزینت کی چیزیں تو ہیں لیکن ہے فانی، فنا ہو جانے والا ہے ختم ہو جانے والا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟

وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ اور اس گھر کا کیا حسن ہے جس میں زینت ہے، تَرَاهُ إِذَا زُلْزِلَتْ لَمْ يَكُنْ تو اس کو دیکھے گا جب اس کو ہلایا جائے یعنی جب اس میں زلزلہ برپا ہو جائے لَمْ يَكُنْ کہ وہ نہیں رہا ختم ہو گیا۔ اب دیکھیے بھئی شاعر نے یہاں زُخْرُف کا لفظ ذکر کیا اور اسی طرح إِذَا زُلْزِلَتْ اور اسی طرح لَمْ يَكُنْ، اور یہ سارے قرآن کی سورتوں کے نام ہیں۔ اگرچہ اس معنی میں تو نہیں استعمال کیے نام کے طور پر، اس نے تو اور معنی کے اندر استعمال کیے لیکن ہیں کیا؟ یہ قرآن کی سورتوں کے نام ہیں، تو یہ توجیہ ہے بھئی۔ توجیہ بھی کس کو کہتے تھے؟ کسی معنی کا فائدہ دینا ایسے الفاظ کے ساتھ جو اسی معنی کے لیے وضع ہیں لیکن ساتھ ساتھ وہ لوگوں کے نام ہیں یا لوگوں کے علاوہ اور چیزوں کے نام ہیں جیسے یہاں یہ قرآن کی سورتوں کے نام ہیں۔

الطِّبَاقُ: هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ مَعْنَيَيْنِ مُتَقَابِلَيْنِ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ۔ طباق بھئی، اور اسی کو صنعتِ مطابقت بھی کہتے ہیں اور صنعتِ تضاد بھی، یہ آسان ہے بھئی۔ طباق اسے کہتے ہیں کہ دو ایسے معنی کو کلام میں جمع کر دینا جو ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔ جو ایک دوسرے کے مقابل ہوں ان کو کلام میں جمع کرنا، اس سے بھی کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: الطِّبَاقُ هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ مَعْنَيَيْنِ مُتَقَابِلَيْنِ وہ جمع کرنا ہے دو متقابل معانی کا، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ۔ اصحابِ کہف کے بارے میں اللہ فرمارہے ہیں: وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا کہ اگر آپ ان کو دیکھیں تو تَحْسَبُهُمْ گمان کریں گے ان کے بارے میں أَيْقَاظًا کہ وہ بیدار ہیں وہ جاگ رہے ہیں وَهُمْ رُقُودٌ اور حال یہ ہے کہ وہ سو رہے ہیں۔ اب أَيْقَاظ اور رُقُود کا ذکر آیا، جاگنے اور سونے کا ذکر آیا اور جاگنا اور سونا یہ کیا ہیں؟ ایک دوسرے کے مقابل ہیں بھئی۔

یہ دوسری مثال ذکر کر رہے ہیں بھئی طباق کی: وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ • يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے یعنی آخرت کے بارے میں نہیں جانتے، يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وہ جانتے ہیں دنیاوی زندگی میں سے ظاہر کو۔ اللہ فرمارہے ہیں اکثر لوگ جو ہیں آخرت کے بارے میں نہیں جانتے وہ دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں، یعنی صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا تو لذت کی جگہ ہے کھانے پینے عیش و عشرت کی جگہ ہے، وہ اس کے باطن کو نہیں جانتے کہ یہ دراصل امتحان کی جگہ ہے اور آخرت میں اس کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ تو یہ صرف عیش و مستی کی جگہ نہیں بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کو آخرت کی تیاری کی طرف ہر وقت متوجہ رہنا چاہیے بھئی۔ تو یہ لوگ صرف ظاہر کو ہی جانتے ہیں دنیاوی زندگی کے، اس کے باطن کو نہیں جانتے کہ یہ دار العمل ہے بھئی۔

اب بھئی یہاں پر دیکھیے دو متقابل معانی جمع کر دیے گئے: پہلے آیا لَا يَعْلَمُونَ نہیں جانتے، پھر آیا يَعْلَمُونَ وہ جانتے ہیں، تو لَا يَعْلَمُونَ اور يَعْلَمُونَ یہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ تو طباق بھئی میں نے بتایا اس کا نام صنعتِ مطابقت بھی ہے، اسی کا نام صنعتِ تضاد بھی ہے، اور اس کی دو مثالیں ذکر کر دیں، اشارہ کر دیا اس کی دو قسموں کی طرف۔ یہ طباق دراصل دو قسم پر ہے: ایک طباقِ ایجاب اور ایک طباقِ سلب۔ طباقِ ایجاب وہ ہے جس میں دو صفتیں ذکر ہوں اور دونوں مثبت ہوں یعنی منفی نہ ہوں: أَيْقَاظ، رُقُود، یعنی دو مختلف قسم کی صفتیں ذکر ہوں۔ اور ایک طباقِ سلب ہے، طباقِ سلب اس کو کہتے ہیں کہ ایک ہی مصدر کے ایک فعل کو ایک مرتبہ مثبت ذکر کیا جائے اور دوسری مرتبہ اس کو نفی کے ساتھ منفی ذکر کیا جائے بھئی، جیسے یہاں لَا يَعْلَمُونَ اور يَعْلَمُونَ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ایک ہی فعل کو منفی ذکر کیا گیا حرفِ نفی کے ساتھ اور دوسری مرتبہ مثبت ذکر کیا گیا بھئی، تو یہ طباقِ سلب ہے۔

■ قولہ: «وَمِنَ الطِّبَاقِ الْمُقَابَلَةُ» کی تشریح

وَمِنَ الطِّبَاقِ الْمُقَابَلَةُ اور طباق ہی کی قسموں میں سے مقابلہ بھی ہے وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى بِمَعْنَيَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ۔ بھئی دیکھیے طباق کس کو کہتے تھے؟ دو ایسے معنی کو کلام میں جمع کرنا جو ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔ آگے صنعتِ مقابلہ ہے، صنعتِ مقابلہ بھی اسی کی طرح ہے ہاں اس میں یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ معانی آپ پہلے لاتے ہیں اور پھر ترتیب سے ہر ایک کے مقابل کو ذکر کر دیتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ دو یا تین معانی کو پہلے آپ کلام میں لاتے ہیں اور پھر ترتیب کے ساتھ ہر ایک کے مقابل کو ذکر کرتے چلے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں: وَمِنَ الطِّبَاقِ الْمُقَابَلَةُ اور طباق میں سے ہی ایک قسم مقابلہ ہے وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى بِمَعْنَيَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ اور وہ یہ کہ لایا جائے دو معانی کو أَوْ أَكْثَرَ یا زیادہ کو ثُمَّ يُؤْتَى بِمَا يُقَابِلُ ذَلِكَ عَلَى التَّرْتِيبِ پھر لایا جائے اس معنی کو جو ان کے مقابل ہو عَلَى التَّرْتِيبِ ترتیب سے، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا پس چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا اور چاہیے کہ وہ زیادہ روئیں، پس انہیں تھوڑا ہنسنا چاہیے اور زیادہ رونا چاہیے۔ تو دیکھیے بھئی پہلے ضحک ہنسنے کا ذکر آیا اور قلیل قلت کا ذکر آیا، ہنسنے اور قلت کا ذکر، اور پھر علی الترتیب ان کے مقابل ذکر ہیں: ہنسنے کے مقابلے میں آگے پھر رونے کا ذکر ہے اور قلت کے مقابلے میں کثرت کا ذکر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

اور جیسے اردو میں اس کی مثال بھئی، جیسے ایک شاعر کہتا ہے: محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ معلوم ہوا کوئی محبت کا زخم کھایا ہوا شاعر ہے وہ کہہ رہا ہے:

محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے
اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رلاتی ہے

اک دم یعنی اک گھڑی تھوڑی دیر کے لیے، اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رلاتی ہے، تھوڑی دیر کے لیے ہنسا دیتی ہے محبت تو پھر بڑے لمبے عرصے تک رلاتی ہی رہتی ہے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۶: محسناتِ معنویہ: صنعتِ تدبیج، ادماج، استتباع اور مراعاۃ النظیر (تناسب) مع شواہد

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۲۱ــــ بتاریخ: ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمِنْهُ التَّدْبِيجُ وَهُوَ التَّقَابُلُ بَيْنَ أَلْفَاظِ الْأَلْوَانِ كَقَوْلِهِ:

تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا فَمَا أَتَى ... لَهَا اللَّيْلُ إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرُ۔

گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں علمِ بدیع ہم نے شروع کیا تھا اور علمِ بدیع کی چار صنعتیں ہم پڑھ چکے بھئی۔ ایک توریہ کہ ایک لفظ ہو اس کے دو معنی ہوں: ایک معنی قریب اور ایک معنی بعید، اور کہنے والا معنی بعید کا ارادہ کرتا ہے کسی خفی قرینے کی وجہ سے جبکہ ذہن اولاً کس کی طرف منتقل ہوتا ہے؟ معنی قریب کی طرف بھئی۔ اور دوسرا ابہام تھا یعنی ایسا کلام کرنا جس کے دو متضاد معانی نکلتے ہوں۔ اور تیسری صنعت توجیہ تھی کہ ایسے الفاظ استعمال کرنا کسی معنی کے لیے جو لوگوں کے یا کسی چیز کے نام بھی ہوں بھئی۔ اور اس کے بعد ایک صنعت طباق پڑھی، یا صنعتِ مطابقت بھی اسے کہتے ہیں، صنعتِ تضاد بھی کہتے ہیں کہ دو متقابل یعنی دو متضاد معانی کو اپنے کلام کے اندر جمع کرنا، یعنی ہنسنے کا ذکر ہے تو ساتھ رونے کا بھی ذکر ہو، صبح کا ذکر ہے تو شام کا بھی ذکر ہو، سردی کا ذکر ہے تو ساتھ گرمی کا ذکر ہو۔ تو دو متضاد معانی کو جمع کرنا یہ صنعتِ طباق ہے۔ اور میں نے بتایا تھا یہ دو قسم پر ہے: ایک طباقِ ایجاب ہے اور ایک طباقِ سلب۔ طباقِ سلب یہ ہے کہ ایک ہی مصدر کے دو فعل استعمال کیے جائیں، ایک مثبت ہو اور ایک منفی ہو، جیسے آیت میں آیا تھا: يَعْلَمُونَ اور لَا يَعْلَمُونَ بھئی، وہی فعل مثبت بھی استعمال ہے اور منفی بھی۔ جبکہ اس کے علاوہ ہو تو وہ طباقِ ایجاب ہے، اس میں دو صفتیں الگ الگ ذکر ہوں گی، ایک ہی صفت مثبت اور منفی ذکر نہیں ہو گی۔

اور اسی طباق کی ایک قسم مقابلہ بھی ہم نے پڑھی بھئی۔ مقابلہ کس کو کہتے تھے؟ کہ دو یا تین یا زیادہ معانی کو آپ ترتیب سے ذکر کرتے ہیں اور پھر اسی ترتیب کے مطابق ان کے مقابل اور متضاد بھی آپ ذکر کرتے چلے جاتے ہیں، جیسے: فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا۔ تو یہاں دیکھیے ہنسنے اور قلت کا ذکر ہوا پہلے اور پھر دونوں کی ضد ترتیب سے ذکر ہوئی: ہنسنے کے مقابلے میں رونا ذکر ہوا اور قلت کے مقابلے میں کثرت کا ذکر آیا بھئی۔

وَمِنْهُ التَّدْبِيجُ اور اسی طباق میں سے ایک قسم تدبیج بھی ہے، یہ بھی طباق کی ایک قسم ہے جیسے مقابلہ طباق کی قسم تھی بھئی۔ تدبیج کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ التَّقَابُلُ بَيْنَ أَلْفَاظِ الْأَلْوَانِ اور وہ تقابل ہے رنگوں کے الفاظ کے درمیان۔ وہ تقابل کرنا ہے کس میں؟ رنگوں کے الفاظ میں۔ بھئی آپ ایک کلام ذکر کرتے ہیں اور اس میں دو یا تین رنگوں کا ذکر کرتے ہیں: سبز کے ساتھ سرخ ذکر کر دیا یا نیلا ذکر کر دیا، یا سفید کے ساتھ سیاہ ذکر کر دیا وغیرہ بھئی۔ کیا کرتے ہیں آپ؟ دو تین مختلف رنگوں کو ذکر کر دیتے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ بھی ایک دوسرے کے مقابل: جو سرخ ہے وہ سبز نہیں، جو سبز ہے وہ سرخ نہیں بھئی، جو نیلا ہے وہ سبز نہیں اور جو سبز ہے وہ نیلا نہیں، تو ان میں بھی گویا کسی نہ کسی درجے میں تقابل آ گیا بھئی۔

صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور رنگوں سے رنگ نہیں مراد ہونے چاہئیں، سبز رنگ سے سبز رنگ مراد نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان رنگوں کے ذریعے کسی معنی سے کنایہ یا توریہ کیا جائے۔ کیا کیا جائے؟ کنایہ یا توریہ، ہاں یہ قید ضرور یاد رکھنا۔ رنگوں سے رنگ ہی ذکر ہوں تو اس کو آپ کہیں بھئی یہ تدبیج ہے، نہیں بھئی یہ تدبیج نہیں، بلکہ تدبیج کیا ہے؟ ذکرِ رنگوں کا ہو اور مراد رنگ نہیں بلکہ کوئی اور معنی مراد ہو اس سے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو تدبیج کا معنی ہے مزین کرنا۔ تدبیج کا کیا معنی؟ مزین کرنا، تو دیکھو رنگوں کے ذکر کے ساتھ آپ نے کلام کو مزین کر دیا۔

■ قولہ: «وَمِنْهُ التَّدْبِيجُ» کی تشریح

تو کہتے ہیں: وَمِنْهُ التَّدْبِيجُ اور طباق میں سے ایک قسم تدبیج ہے وَهُوَ التَّقَابُلُ بَيْنَ أَلْفَاظِ الْأَلْوَانِ اور وہ تقابل کرنا ہے رنگوں کے الفاظ میں، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا فَمَا أَتَى ... لَهَا اللَّيْلُ إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرُ

تَرَدَّى کے معنی ہیں چادر اوڑھنا۔ تَرَدَّى کے کیا معنی؟ چادر اوڑھنا۔ آگے آرہا ہے ثِيَابَ الْمَوْتِ موت کے کپڑے، تو یہاں اوڑھنے یا پہننے کے معنی میں کر لیں۔ تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ اس نے موت کے کپڑے اوڑھ لیے یعنی موت کے کپڑے پہن لیے۔ تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ میرا ممدوح جو ہے اس نے موت کے کپڑے پہن لیے حُمْرًا۔ حُمْر جمع ہے أَحْمَر کی، أَحْمَر کس کو کہتے ہیں؟ سرخ کو، تو یہ حال ہے ثِيَابَ الْمَوْتِ سے: اس حال میں کہ وہ کپڑے کیسے تھے؟ سرخ تھے۔ تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا اس نے پہن لیے موت کے کپڑے اس حال میں کہ وہ سرخ رنگ کے تھے، فَمَا أَتَى لَهَا اللَّيْلُ، لَهَا کی هَا ضمیر یہ ثِيَابَ الْمَوْتِ کو راجع ہے، پس نہیں آئی ان کپڑوں پر رات إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرُ مگر یہ کہ وہ کپڑے جو ہیں سندسِ خضر تھے۔ سُنْدُس کہتے ہیں باریک ریشمی کپڑا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ سُنْدُس کہتے ہیں باریک ریشمی کپڑا۔ اور خُضْر یہ أَخْضَر کی جمع ہے، جو چیز سبز رنگ کی ہو یا سبز رنگ ہو اس کو کیا کہتے ہیں عربی میں؟ أَخْضَر، تو اسی أَخْضَر کی جمع خُضْر۔ إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرُ مگر یہ کہ وہ سبز باریک ریشم کے تھے۔ ان کپڑوں پر رات نہیں آئی مگر یہ کہ وہ کس میں سے تھے؟ باریک سبز ریشم کے تھے یعنی اس میں بدل گئے تھے۔

معنی سمجھ میں آیا؟ دوبارہ معنی دیکھ لیجیے: تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا فَمَا أَتَى ... لَهَا اللَّيْلُ إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرُ، اس نے اوڑھ لیے موت کے کپڑے اس حال میں کہ وہ سرخ رنگ کے تھے، پس ان کپڑوں پر رات نہیں آئی مگر یہ کہ وہ باریک سبز ریشم کے تھے یعنی اس میں بدل گئے تھے۔ تو یہاں شاعر نے دو رنگوں کو ذکر کیا: ایک سرخ رنگ کو اور ایک سبز رنگ کو۔ اور میں نے بتلایا رنگوں سے رنگ نہیں مراد ہونے چاہئیں بلکہ ان کے ذریعے کنایہ ہو کسی معنی سے یا توریہ وغیرہ ہو، تو یہاں پر بھی کنایہ ہے۔

بھئی یہ ایک شخص تھا جس کے بارے میں شاعر نے یہ شعر کہا جو شہید ہو گیا، اس کو کسی نے قتل کر دیا تھا یا جنگ وغیرہ میں شہید ہوا ہو گا۔ تو جب شہید ہوا تو تلوار وغیرہ یا نیزے جس چیز سے بھی اس کو شہید کیا ہو گا تو اس سے کیا نکلا ہو گا؟ خون، اور خون کپڑوں پر لگ جائے تو وہ کپڑے کیسے ہو جاتے ہیں؟ سرخ رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ تو یہ جو حُمْر سرخ رنگ کا ذکر کیا یہ اس کے قتل اور اس کی شہادت سے کنایہ ہے۔ کس سے کنایہ ہے؟ شہادت اور قتل سے۔ اور پھر آگے کہا کہ اس کو ہم نے دفنا دیا اور ابھی رات نہیں آئی تھی کہ اس کے کپڑے سبز باریک ریشمی کپڑے میں تبدیل ہو گئے، یعنی کنایہ کیا جنت میں داخل ہونے سے کہ جیسے جنتی کو سبز ریشمی لباس پہنایا جاتا ہے اسی طرح اس کو بھی کون سا لباس پہنا دیا گیا؟ سبز ریشمی لباس پہنا دیا گیا یعنی اسے جنت میں داخل کر دیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو سرخ رنگ کے ذریعے کنایہ کیا کس سے؟ قتل سے، اور سبز رنگ کے ذریعے کنایہ کیا کس سے؟ جنت سے بھئی، جنت میں داخل کر دیے جانے سے۔

تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا فَمَا أَتَى ... لَهَا اللَّيْلُ إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرُ، پہن لیے اس نے موت کے سرخ رنگ کے کپڑے پس ان کپڑوں پر رات نہیں آئی تھی مگر یہ کہ وہ بدل دیے گئے سبز ریشم کے ساتھ، وہ باریک سبز ریشم کے ہو گئے۔ معنی سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟

■ قولہ: «الْإِدْمَاجُ. الْإِدْمَاجُ» کی تشریح

آگے دیکھیے بھئی: الْإِدْمَاجُ. الْإِدْمَاجُ ادماج یہ ہے: أَنْ يُضَمَّنَ كَلَامٌ سِيقَ لِمَعْنًى مَعْنًى آخَرَ۔ اچھا بھئی یہاں دو مَعْنًى کے لفظ آرہے ہیں، اور میری کتاب میں دوسرے مَعْنًى پر انہوں نے لام کو داخل کیا ہے: كَلَامٌ سِيقَ مَعْنًى لِمَعْنًى آخَرَ، اسی طرح ہے؟ ہاں یہ دوسرے مَعْنًى پر لام نہیں داخل کرنا بھئی، یہ کتابت کی غلطی ہے، پہلے والے مَعْنًى پر لام کو داخل کریں بھئی۔ تو عبارت یوں بن جائے گی: الْإِدْمَاجُ أَنْ يُضَمَّنَ كَلَامٌ سِيقَ لِمَعْنًى مَعْنًى آخَرَ، پہلا کیا لفظ آ گیا؟ لِمَعْنًى، آگے آئے گا پھر مَعْنًى آخَرَ بھئی وہ بغیر لام کے ہے بھئی۔

بھئی دیکھیے ادماج کو پہلے سمجھ لیں کہتے کسے ہیں؟ ادماج اس کو کہتے ہیں کہ آپ ایک مقصد کے لیے کلام کو چلائیں، آپ ایک بات کہنا چاہتے ہیں اس کے لیے کلام لائیں لیکن اس کے ضمن میں آپ ایک اور بات بھی ذکر کر دیں۔ کہنا ایک بات چاہتے ہیں اور ساتھ ساتھ کیا کر دیا؟ ضمن میں ایک اور بات بھی لے آئے، اس کو کہتے ہیں ادماج۔ تو ادماج کا معنی ہے لپیٹنا۔ دیکھو آپ ایک بات کہہ رہے تھے اسی کے اندر آپ نے دوسری بات بھی لپیٹ کر پیش کر دی۔

یہ معنی ہے: الْإِدْمَاجُ أَنْ يُضَمَّنَ كَلَامٌ سِيقَ لِمَعْنًى مَعْنًى آخَرَ نَحْوُ قَوْلِ أَبِي الطَّيِّبِ، ادماج یہ ہے کہ متضمن کیا جائے، متضمن کرنا یعنی اس کے بیچ میں لانا اس کے ضمن میں لانا، أَنْ يُضَمَّنَ كَلَامٌ سِيقَ لِمَعْنًى مَعْنًى آخَرَ وہ یہ کہ متضمن کیا جائے ایسے کلام کو سِيقَ لِمَعْنًى جس کو چلایا گیا ہو کسی معنی کے لیے،

اس کلام کو متضمن کیا جائے کس چیز کے ساتھ؟ مَعْنًى آخَرَ دوسرے معنی کے ساتھ۔ وہ کلام جس کو چلایا گیا ہے کسی ایک معنی کے لیے اس کو متضمن کیا جائے دوسرے معنی کا، نَحْوُ قَوْلِ أَبِي الطَّيِّبِ جیسے ابو طیب متنبی کا شعر ہے:

أُقَلِّبُ فِيهِ أَجْفَانِي كَأَنِّي ... أَعُدُّ بِهَا عَلَى الدَّهْرِ الذُّنُوبَا

قَلَّبَ يُقَلِّبُ کا معنی ہے پلٹنا، الٹنا پلٹنا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اسی سے قلب بھی ہے کہ اس کی حالت بھی الٹتی پلٹتی ہے کبھی ایک طرف مائل ہوتا ہے کبھی دوسری طرف۔ أَجْفَانِي، أَجْفَان جمع ہے جَفْنٌ کی، اور جَفْنٌ کہتے ہیں یہ پلکیں بھئی، آنکھوں کی پلکیں یہ جو اوپر نیچے جو آنکھوں کے بال اور جلد کا حصہ ہے اس کو کہتے ہیں بھئی أَجْفَان۔ أَعُدُّ شمار کرنا۔ دَهْر کہتے ہیں زمانے کو، اور ذُنُوب، ذَنْبٌ کی جمع ہے گناہ کو کہتے ہیں۔

شاعر بیان کر رہا ہے اس شعر کے اندر، کیا کہتا ہے؟ أُقَلِّبُ فِيهِ أَجْفَانِي میں پلٹتا تھا اس رات میں أَجْفَانِي اپنی پلکیں كَأَنِّي أَعُدُّ بِهَا گویا کہ میں شمار کر رہا ہوں ان کے ذریعے، ان اپنی پلکوں کے ذریعے میں شمار کر رہا ہوں عَلَى الدَّهْرِ زمانے پر الذُّنُوبَا گناہوں کو۔ کیا کر رہا ہوں؟ زمانے پر گناہوں کو شمار کر رہا ہوں۔

بھئی دیکھیے شاعر کسی رات کی لمبائی بیان کر رہا ہے کہ بڑی طویل رات تھی گزرنے میں ہی نہیں آ رہی تھی، اور نیند بھی نہیں آ رہی اور رات بھی نہیں گزر رہی، میں بار بار پلکیں جھپکاتا ہوں۔ کیا کرتا ہوں؟ بار بار پلکیں جھپکاتا ہوں اور وہ رات ہے کہ گزر ہی نہیں رہی، اور اتنی مرتبہ میں نے پلکوں کو جھپکایا کہ گویا میرا پلکیں جھپکانا اسی طرح تھا جیسے تسبیح کے دانے ہیں۔ جیسے تسبیح کے دانوں پر کسی چیز کو شمار کیا جاتا ہے تو میں نے بھی اتنی کثرت سے پلکوں کو جھپکایا لیکن وہ رات تھی کہ گزرنے میں آ ہی نہیں رہی تھی، تو گویا میں ان پلکوں کے جھپکانے کے ذریعے زمانے نے جو جو میرے ساتھ ظلم اور زیادتیاں کی تھیں اور نقصانات پہنچائے تھے ان چیزوں کو میں گویا شمار کر رہا تھا۔ بھئی دیکھیے نیند نہیں آ رہی وہ پلکیں جھپکا رہا ہے بار بار، تو کیا کہتا ہے یہ پلکیں جھپکانا گویا کس طرح تھا؟ تسبیح کے دانوں کی طرح تھا جس پر کیا کیا جائے؟ کسی چیز کو شمار کیا جائے۔ تو زمانے نے بھی مجھے بڑی تکالیف پہنچائی ہیں کبھی ایک تکلیف، کبھی دوسری تکلیف، کبھی تیسری تکلیف، تو اتنی مرتبہ میں نے پلکوں کو جھپکایا گویا کہ یہ پلکیں نہیں بلکہ تسبیح کے دانے ہیں جن پر میں کیا کر رہا ہوں؟ زمانے کے گناہوں کو ایک ایک کر کے شمار کرتا جا رہا ہوں بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟

تو دیکھیے یہاں مقصد کیا تھا، وہ کلام کس لیے لایا؟ رات کی لمبائی بیان کر رہا ہے، لیکن اسی کے ضمن میں اس نے زمانے کی بھی شکایت کر دی کہ اس نے بھی مجھے بڑی تکالیف دی ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ أُقَلِّبُ فِيهِ أَجْفَانِي میں پلٹتا تھا اس کے اندر اپنی پلکوں کو كَأَنِّي أَعُدُّ بِهَا گویا کہ میں ان پلکوں کے ذریعے شمار کر رہا ہوں عَلَى الدَّهْرِ الذُّنُوبَا زمانے پر گناہوں کو کہ اس نے مجھے کیا کیا نقصان دیے کیا کیا تکالیف پہنچائیں۔ معنی اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کہ نہیں آیا بھئی سمجھ میں؟ وہ ذکر کس کو کر رہا ہے؟ رات کے لمبا ہونے کو ذکر کر رہا ہے لیکن ضمناً اس نے کیا کر دیا ساتھ؟ زمانے کی شکایت بھی کر دی۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: فَإِنَّهُ ضَمَّنَ وَصْفَ اللَّيْلِ بِالطُّولِ الشِّكَايَةَ مِنَ الدَّهْرِ پس شاعر نے جو ہے متضمن کیا وَصْفَ اللَّيْلِ بِالطُّولِ رات کو لمبائی کے ساتھ موصوف کرنے کے معنی کو متضمن کیا کس چیز کے ساتھ؟ الشِّكَايَةَ مِنَ الدَّهْرِ زمانے سے شکایت کے ساتھ اس کو متضمن کیا یعنی اس کو اس کے ضمن میں لے آیا۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «وَمِنَ الْإِدْمَاجِ مَا يُسَمَّى...» کی تشریح

وَمِنَ الْإِدْمَاجِ مَا يُسَمَّى بِالِاسْتِتْبَاعِ اور ادماج کی ایک قسم وہ ہے جس کو استتباع کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ استتباع۔ وَهُوَ الْمَدْحُ بِشَيْءٍ عَلَى وَجْهٍ يَسْتَتْبِعُ الْمَدْحَ بِشَيْءٍ آخَرَ۔ بھئی یہ بھی وہی قسم: ادماج میں کیا تھا؟ ایک معنی کو بیان کرتے ہوئے اسی کے ضمن میں کیا کر دیا جائے؟ دوسرے معنی کو بھی بیان کر دیا جائے۔ استتباع بھی وہی چیز ہے بس استتباع میں مدح کی قید لے آؤ، کس کی قید؟ مدح تعریف کی قید لے آؤ۔ استتباع یہ ہے کہ آپ ایک چیز کی مدح کر رہے ہیں اسی کے ضمن میں دوسری مدح بھی لے آئیں، یا یوں کہیں کسی کی ایک صفت بیان کرتے کرتے اسی صفت کے ضمن میں دوسری صفت کو بھی آپ بیان کر دیں تو یہ کیا ہے؟ استتباع ہے۔ تو مقصد کیا تھا آپ کا؟ ایک صفت کو بیان کرنا، اسی کے ضمن میں آپ نے کیا کر دیا؟ دوسری صفت بھی بیان کر دی۔ تو دیکھو یہ وہی ادماج ہے البتہ خاص ہے: وہاں مدح کی قید نہیں تھی اور یہاں پر مدح کی قید ہے۔

تو کہتے ہیں: وَمِنَ الْإِدْمَاجِ مَا يُسَمَّى بِالِاسْتِتْبَاعِ اور ادماج میں سے وہ ہے جس کو استتباع کہتے ہیں وَهُوَ الْمَدْحُ بِشَيْءٍ عَلَى وَجْهٍ اور وہ کسی چیز کے ساتھ تعریف کرنا ہے عَلَى وَجْهٍ ایسے طریقے پر کہ يَسْتَتْبِعُ الْمَدْحَ بِشَيْءٍ آخَرَ کہ وہ پیچھے لائے الْمَدْحَ بِشَيْءٍ آخَرَ ایک دوسری چیز کے ساتھ تعریف کو، کہ وہ اپنے پیچھے ایک اور تعریف کو لے آئے یوں کہیں۔ ایسے طریقے پر تعریف کرنا کہ وہ تعریف اپنے پیچھے ایک اور تعریف کو لے آئے، كَقَوْلِ الْخُوَارِزْمِيِّ۔ یہ خُوَارِزْمِيِّ لفظ پڑھنا بھئی: خا پر پیش ہے، واؤ پر زبر ہے، اور را کے نیچے زیر پڑھنی ہے، اور زا ساکن ہے، خُوَارِزْم آخر میں میم ہے۔ خوارزم یہ ترکستان کا کوئی شہر یا کوئی علاقہ تھا خوارزم کہلاتا تھا، تو اسی کی نسبت سے یہ شاعر وہاں کا رہنے والا تھا تو اس کو کیا کہا؟ خُوَارِزْمِيٌّ۔ كَقَوْلِ الْخُوَارِزْمِيِّ جیسے کہ خوارزمی شاعر کہتا ہے:

سَمْحُ الْبَدِيهَةِ لَيْسَ يُمْسِكُ لَفْظَهُ ... فَكَأَنَّمَا أَلْفَاظُهُ مِنْ مَالِهِ

بھئی میری کتاب میں ہے سَمَحَ الْبَدَاهَةُ، سَمَحَ الْبَدَاهَةُ نہیں بھئی، سَمْحُ الْبَدِيهَةِ۔ بَدَاهَة لفظ نہیں ہے شعر کے اندر، بَدِيهَة ہے الف کی جگہ یا ہے: سَمْحُ الْبَدِيهَةِ۔ تو یہاں شعر میں اصل لفظ کیا ہے؟ بَدِيهَة، اور یہاں انہوں نے اس کو بَدَاهَة لکھا یہ کتابت کی غلطی ہے بھئی۔ ہاں البتہ معنی دونوں کا ایک ہی ہے، بداہت اور بدیہت کا ایک ہی معنی ہے۔ بداہت کس کو کہتے ہیں؟ فی البدیہہ کلام کرنا، برجستہ کلام کرنا، موقع پر ہی رواں کلام فوری کلام کرنا جواب دینا وغیرہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

سَمْحُ الْبَدِيهَةِ، سَمْحٌ کہتے ہیں سخاوت کو، بَدِيهَة برجستہ کلام کرنا موقع پر فی البدیہہ کلام کرنا۔ سَمْحُ الْبَدِيهَةِ فی البدیہہ کلام کی سخاوت لَيْسَ يُمْسِكُ لَفْظَهُ وہ نہیں روکتی لَفْظَهُ اس کے لفظ کو۔ یعنی شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ میرا جو ممدوح ہے جس کی میں بات کر رہا ہوں وہ بڑا فصیح اللسان آدمی ہے، باتوں کی بڑی سخاوت کرتا ہے یعنی اس کے کلام میں بڑی روانی ہے اور بڑی فصاحت ہے۔ تو دیکھو وہ بداہت کی سخاوت کرتا ہے، فی البدیہہ کلام کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ سَمْحُ الْبَدِيهَةِ فی البدیہہ کلام کی سخاوت، لیکن سخاوت کرنے سے کہ اتنی کثرت سے وہ رواں کلام لے آئے اس کا یہ معنی نہیں کہ پھر اس کا کلام رک جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے، بلکہ باتوں کی اتنی سخاوت کے باوجود یہ سخاوت اس کے لفظوں کو نہیں روکتی، اس کا کلام مسلسل جاری رہتا ہے اور کہیں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں آتی، یہ نہیں کہ اس کے پاس بات ہی ختم ہو جائے کرنے کے لیے کوئی بات نہ رہے یا الفاظ ختم ہو جائیں بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

سَمْحُ الْبَدِيهَةِ لَيْسَ يُمْسِكُ لَفْظَهُ برجستہ کلام کی سخاوت یہ اس کے لفظوں کو نہیں روکتی، فَكَأَنَّمَا أَلْفَاظُهُ مِنْ مَالِهِ تو گویا کہ اس کے الفاظ اس کے مال میں سے ہیں۔ تو گویا کہ اس کے الفاظ کس میں سے ہیں؟ اس کے مال میں سے ہیں، یعنی جیسے مال کے اندر وہ سخاوت سے خرچ کرتا ہے اور یہ سخاوت سے خرچ کرنا اس کے خرچ کرنے کو روکتا نہیں وہ خرچ کرتا ہی چلا جاتا ہے، تو اسی طرح اس کے الفاظ بھی ہیں۔ تو اب دیکھیے یہاں شاعر اپنے کلام کو لایا ہے اس کی کلام کی روانی اور فصاحت کی تعریف کرنا چاہتا ہے لیکن ایسے طریقے پر اس نے تعریف کی کہ ساتھ ساتھ اس کی سخاوت کو بھی بیان کر دیا۔ کیا کر دیا؟ سخاوت کو بھی بیان کر دیا۔ الفاظ کی تعریف کر رہا تھا شاعر کہتا ہے وہ فی البدیہہ کلام کی سخاوت کرتا ہے اور یہ سخاوت اس کے لفظوں کو نہیں روکتی، لفظوں میں کہیں رکاوٹ نہیں آتی، لفظ کہیں رکتے ہی نہیں، یوں معلوم ہوتا ہے یہ جو لفظ بھی ہیں یہ اس کے مال میں سے ہیں۔ گویا یہ کہہ گیا شاعر کہ جیسے اس کا مال خرچ کرنے میں رکتا ہی نہیں ہے خرچ کرتا ہی چلا جاتا ہے سخاوت کرتا ہی چلا جاتا ہے اسی طرح اس کے الفاظ بھی ہیں۔ تو اصل تو تعریف کس کی کر رہا تھا؟ فصاحت کی، لیکن اس کو تشبیہ دے دی کس کے ساتھ؟ مال کے ساتھ، تو اشارہ کر دیا کہ وہ مال بھی بڑی سخاوت کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ تو تعریف ایک چیز کی کر رہا تھا کلام کی فصاحت کی اور اس کے ضمن میں سخاوت کی بھی تعریف کر دی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتا ہے: سَمْحُ الْبَدِيهَةِ لَيْسَ يُمْسِكُ لَفْظَهُ ... فَكَأَنَّمَا أَلْفَاظُهُ مِنْ مَالِهِ، برجستہ کلام کی سخاوت یہ اس کے لفظوں کو نہیں روکتی تو گویا کہ اس کے الفاظ جو ہیں اس کے مال میں سے ہیں۔

■ قولہ: «مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ» کی تشریح

اگلی صنعت ہے مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ بھئی۔ مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ: هِيَ جَمْعُ أَمْرٍ وَمَا يُنَاسِبُهُ لَا بِالتَّضَادِّ۔ بھئی مراعاۃ النظیر اس کو کہتے ہیں پہلے اس کو سمجھ لیں: مراعاۃ النظیر اسے کہتے ہیں کہ اپنے کلام میں ایسے معانی جمع کرنا جن کی آپس میں مناسبت ہو۔ آپ دو چار چیزوں کو پانچ چیزوں کو ایسے ذکر کر دیتے ہیں وہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان سب کی آپس میں کیا ہے؟ مناسبت ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔

کہتے ہیں: مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ هِيَ جَمْعُ أَمْرٍ وَمَا يُنَاسِبُهُ یہ جمع کرنا ہے کسی امر کو کسی چیز کو وَمَا يُنَاسِبُهُ اور وہ جو اس کے مناسب ہے، کسی چیز کو ذکر کیا جائے ساتھ اس کے مناسب کو ذکر کر دیا جائے یعنی جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے، لَا بِالتَّضَادِّ لیکن وہ مناسبت تضاد والی نہیں ہونی چاہیے۔ بھئی ضدین جو دو چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہوں ان میں بھی مناسبت ہوتی ہے کیونکہ ایک ضد کا ذکر کرتے ہی دوسری کا ذہن میں خود بخود تصور آجاتا ہے: سردی کا ذکر کریں تو ساتھ ہی ذہن میں گرمی کا بھی تصور آجاتا ہے، صبح کا ذکر کریں تو شام کا تصور آجاتا ہے، ہنسنے کا ذکر کریں تو ساتھ ہی کس کا تصور آجاتا ہے؟ رونے کا۔ تو ضدین میں بھی مناسبت ہوتی ہے لیکن یہاں وہ ضدین والی مناسبت مراد نہیں کیونکہ اگر ضد کو ذکر کریں گے وہ تو صنعتِ طباق بن جائے گی بھئی۔ تو یہاں ضد والی مناسبت کے علاوہ اور کوئی بھی مناسبت ہو اس جیسی چیز اس کے ساتھ ذکر کر دینا، ایک معنی ذکر کیا اور اس کے ساتھ اس سے مناسبت رکھنے والی اور چیزوں کو ذکر کر دیا لیکن وہ مناسبت تضاد والی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ معنی ہے: هِيَ جَمْعُ أَمْرٍ وَمَا يُنَاسِبُهُ لَا بِالتَّضَادِّ یہ جمع کرنا ہے کسی امر کو اور وہ جو اس کے مناسب ہو لَا بِالتَّضَادِّ جو تضاد والی نہ ہو، كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

إِذَا صَدَقَ الْجَدُّ افْتَرَى الْعَمُّ لِلْفَتَى ... مَكَارِمَ لَا تَخْفَى وَإِنْ كَذَبَ الْخَالُ

إِذَا صَدَقَ الْجَدُّ، جَدّ کہتے ہیں قسمت کو۔ إِذَا صَدَقَ الْجَدُّ جب قسمت سچ بولتی ہے یعنی جب قسمت کامیاب ہوتی ہے۔ افْتَرَى الْعَمُّ، افْتَرَى کا معنی ہوتا ہے گھڑنا اور اسی طرح تہمت لگانا، اور عَمٌّ یہ عام سے ہے مراد عام لوگ ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ عام لوگ۔ تو افْتَرَى الْعَمُّ تو تہمت لگاتے ہیں عام لوگ۔ معنی سمجھ میں آرہا

ہے؟ جب قسمت کامیاب ہوتی ہے یعنی جب قسمت ٹھیک ہوتی ہے تو افْتَرَى الْعَمُّ عام لوگ کیا کرنے لگتے ہیں؟ تہمت لگانے لگتے ہیں۔ لِلْفَتَى مَكَارِمُ لَا تَخْفَى، فَتًى کہتے ہیں نوجوان کو، لِلْفَتَى اس نوجوان کے مَكَارِمُ، مَكَارِم جمع ہے مَكْرُمَة کی، مَكْرُمَة کہتے ہیں اعلیٰ وصف کو کارنامے کو، لِلْفَتَى مَكَارِمُ اس نوجوان کے ایسے اعلیٰ اوصاف ہیں لَا تَخْفَى جو پوشیدہ نہیں جو مخفی نہیں، وَإِنْ كَذَبَ الْخَالُ۔ خَال سے مراد ہے گمان، وَإِنْ كَذَبَ الْخَالُ اگرچہ گمان جھوٹ بولے یعنی اگرچہ گمان غلط ہو۔

شاعر کسی نوجوان کا ذکر کر رہا ہے اس کی تعریف کر رہا ہے کہ وہ بڑی صلاحیتوں والا نوجوان ہے، اور جب قسمت اس کی کامیاب ہوتی ہے یعنی جب وہ کسی چیز میں کامیاب ہوتا ہے تو افْتَرَى الْعَمُّ لوگ پھر تہمتیں لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا کرنے لگتے ہیں اس پر؟ تہمتیں لگانا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ ایسا نوجوان ہے جس کے اعلیٰ اوصاف کسی پر پوشیدہ نہیں، لَا تَخْفَى وہ کسی پر پوشیدہ نہیں، وَإِنْ كَذَبَ الْخَالُ اگرچہ گمان جھوٹ بولے اگرچہ غلط گمان ہو، یعنی اگرچہ لوگوں کا اس کے بارے میں غلط گمان ہو پھر بھی اس کے اوصاف ایسے ہیں، اس کی صفات ایسی ہیں جو کسی پر چھپی ہوئی نہیں ہیں چاہے غلط گمان ہی لوگ کیوں نہ اس کے بارے میں کرتے رہیں بھئی، پھر بھی اس کے اوصاف کسی پر چھپے ہوئے نہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟

إِذَا صَدَقَ الْجَدُّ افْتَرَى الْعَمُّ لِلْفَتَى ...مَكَارِمَ لَا تَخْفَى وَإِنْ كَذَبَ الْخَالُ، جب قسمت کامیاب ہوتی ہے افْتَرَى الْعَمُّ تو عام لوگ جو ہیں وہ تہمتیں لگانے لگتے ہیں، لِلْفَتَى مَكَارِمُ لَا تَخْفَى اس نوجوان کے ایسے اعلیٰ اوصاف ہیں لَا تَخْفَى جو کسی پر مخفی نہیں ہیں وَإِنْ كَذَبَ الْخَالُ اگرچہ گمان غلط ہو، یعنی لوگ اس کے بارے میں غلط گمان ہی کیوں نہ کریں پھر بھی بہر حال اس کے کارنامے کسی پر چھپے ہوئے نہیں ہیں۔

اب دیکھیے شاعر نے یہاں لفظ جمع کیے: الْجَدُّ، اور جَدّ استعمال کس معنی میں کیا؟ قسمت کے معنی میں، لیکن عربی میں جَدّ دادا اور نانا کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح الْعَمُّ، عَمّ کا لفظ لے کر آیا کس کے لیے؟ عام لوگوں کے لیے عوام کے معنی میں اس کو لیا اس نے، لیکن عَمّ عربی زبان میں چچا کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح خَال کا لفظ ذکر کیا، خَال اگرچہ یہاں گمان اور خیال کے معنی میں ہے لیکن خَال عربی زبان میں ماموں کو بھی کہتے ہیں۔ کس کو؟ ماموں کو بھی کہتے ہیں۔ تو یہ دیکھیے اس شاعر نے جَدّ، عَمّ اور خَال یہ رشتوں کو جمع کر دیا ایک شعر کے اندر اور ان کی مناسبت ہے ایک دوسرے کے ساتھ، تو یہ ہے مراعاۃ النظیر۔ کیا ہے؟ مراعاۃ النظیر۔ اب اگرچہ یہ لفظ اس معنی میں استعمال نہیں ہوئے لیکن بہر حال ان کی آپس میں مناسبت ہے یا مناسبت نہیں ہے؟ مناسبت ہے۔ تو معلوم ہوا لفظ کا اسی معنی میں استعمال ہونا ضروری نہیں چاہے اس معنی میں استعمال ہو یا استعمال نہ ہو لیکن ان کے کسی دوسرے معنی کے اعتبار سے ان میں آپس میں مناسبتیں کیوں نہ ہوں تو بھی یہ کس کے اندر داخل ہے؟ مراعاۃ النظیر میں۔

■ قولہ: «فَقَدْ جَمَعَ بَيْنَ الْجَدِّ وَالْعَمِّ...» کی تشریح

فَقَدْ جَمَعَ بَيْنَ الْجَدِّ وَالْعَمِّ وَالْخَالِ پس تحقیق جمع کیا شاعر نے جد، عم اور خال کو، وَالْمُرَادُ بِالْأَوَّلِ الْحَظُّ اور پہلے یعنی جد سے مراد جو ہے الْحَظُّ حصہ ہے یعنی قسمت ہے، وَبِالثَّانِي عَامَّةُ النَّاسِ اور دوسرے یعنی عم سے مراد عَامَّةُ النَّاسِ عام لوگ مراد ہیں، وَبِالثَّالِثِ الظَّنُّ اور تیسرا لفظ یعنی خال جو ہے اس سے مراد الظَّنُّ گمان ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو مراعاۃ النظیر کسے کہتے ہیں؟ کلام میں ایک چیز اور اس کے مناسبات کو جمع کرنا کہ ان میں تضاد والی مناسبت نہ ہو کوئی اور مناسبت ہو بھئی، اس کو مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔

اور اردو میں اس کی مثال بھئی، جیسے شاعر کہتا ہے بھئی:

چراغ و مسجد و محراب و منبر
ابو بکر و عمر عثمان و حیدر

رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تو دیکھیے بھئی چراغ، مسجد، محراب، منبر ان کی آپس میں مناسبت ہے، اسی طرح ابو بکر و عمر، عثمان و حیدر ان کی آپس میں کیا ہے؟ مناسبت ہے، تو یہ ہے مراعاۃ النظیر بھئی۔ یا جیسے اردو کا ایک اور شاعر کہتا ہے:

شمع نے سر پہ رکھی آگ قسم کھانے کو
بخدا میں نے جلایا نہیں پروانے کو

■ قولہ: «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ...» کی تشریح

تو شمع، آگ اور پروانے وغیرہ کا ذکر اور ان میں آپس میں مناسبت ظاہر ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۷: محسناتِ معنویہ: صنعتِ استخدام، استطراد اور افتنان کی تعریفات اور شعری شواہد

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۲۳ــــ بتاریخ: ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الِاسْتِخْدَامُ: هُوَ ذِكْرُ اللَّفْظِ بِمَعْنًى وَإِعَادَةُ ضَمِيرٍ عَلَيْهِ بِمَعْنًى آخَرَ أَوْ إِعَادَةُ ضَمِيرَيْنِ تُرِيدُ بِثَانِيهِمَا غَيْرَ مَا أَرَدْتَهُ بِأَوَّلِهِمَا، فَالْأَوَّلُ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، أَرَادَ بِالشَّهْرِ الْهِلَالَ وَبِضَمِيرِهِ الزَّمَانَ الْمَعْلُومَ۔

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بدیع چل رہا ہے، مختلف صنعتیں آپ پڑھ رہے ہیں جن سے کلام کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے۔ ایک صنعت آپ نے توریہ پڑھی کہ ایک لفظ کا ایک معنی قریب ہو اور ایک معنی بعید ہو، سننے والا معنی قریب کو سمجھتا ہے اور آپ کس کا ارادہ کرتے ہیں؟ معنی بعید کا ارادہ کرتے ہیں کسی خفی قرینے کی وجہ سے۔ اسی طرح ایک صنعت ابہام تھی کہ ذو معنی کلام کرنا جس کے دو متضاد معانی نکلتے ہوں۔ اسی طرح ایک صنعت توجیہ تھی، توجیہ اس کو کہتے تھے کہ کلام میں ایسے لفظ استعمال کرنا جو کسی کے نام وغیرہ ہوں۔ اسی طرح ایک صنعتِ طباق تھی کہ دو متضاد معانی کو کلام میں جمع کرنا۔ اسی طرح ایک صنعت مقابلہ ہے کہ دو یا تین معانی کو ذکر کرنا پھر ان کے علی الترتیب جو ہے ان کے متضاد یا ان کے مقابل کو لے کر آنا۔ تدبیج بھی ایک صنعت آپ نے پڑھی، تدبیج کہتے تھے کہ اپنے کلام کو رنگوں کے ساتھ مزین کرنا یعنی مقابل رنگوں کو ذکر کرنا لیکن ان رنگوں سے رنگ نہیں مراد ہونے چاہئیں بلکہ ان کے ذریعے کسی معنی سے کنایہ یا توریہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک صنعت ادماج آپ نے پڑھی، ادماج اس کو کہتے تھے کہ آپ کلام کو ایک معنی کے لیے چلائیں اور اس کے ضمن میں دوسرے معنی کو بھی بیان کرتے چلے جائیں۔ اسی طرح ایک صنعت استتباع پڑھی، استتباع کے اندر مدح کی قید زائد تھی کہ آپ مدح کرتے ہیں ایک وصف کی اور اس کے ضمن میں دوسرا وصف بھی مدح کے طور پر لے آتے ہیں۔ اور ایک صنعت مراعاۃ النظیر پڑھی، مراعاۃ النظیر اس کو کہتے ہیں کہ آپ کلام کے اندر دو یا دو سے زیادہ مناسب چیزوں کو جمع کرتے ہیں یعنی ایک چیز ذکر کی اور ساتھ اس کے کئی مناسبات بھی ذکر کر دیے، یہ ہے مراعاۃ النظیر۔

آج ہم صنعتِ استخدام پڑھیں گے۔ صنعتِ استخدام کو پہلے سمجھ لیں: بھئی صنعتِ استخدام اس کو کہتے ہیں کہ آپ اپنے کلام میں ایک لفظ لے کر آئے اور اس لفظ کے دو یا دو سے زیادہ معانی آتے ہیں، دو یا دو سے زیادہ معانی میں وہ عموماً استعمال ہوتا ہے چاہے وہ سارے معنی حقیقی ہوں چاہے وہ ایک حقیقی ہو اور باقی معنی مجازی ہوں۔ جیسے شیر کا لفظ ہے یہ جنگلی درندے کو بھی کہتے ہیں اور یہی لفظ بہادر آدمی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو مثلاً آپ کوئی ایک لفظ لے کر آئے جس کے دو یا تین معانی آتے ہیں، تو جب لفظ کو لے کر آئے تو اس لفظ سے ایک معنی کا ارادہ کیا، اور آگے اسی کی طرف ایک ضمیر آپ نے لوٹا دی، ضمیر کے ذریعے آپ نے دوسرے معنی کا ارادہ کیا۔ ضمیر لوٹ اسی کی طرف رہی ہے لیکن معنی کون سا ارادہ کر رہے ہیں آپ؟ دوسرے معنی کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے استخدام۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ ایک لفظ آپ ذکر کرتے ہیں آگے دو ضمیریں لے کر آتے ہیں: لفظ کے ذریعے ایک معنی کا ارادہ، پہلی ضمیر کے ذریعے دوسرے معنی کا ارادہ، اور تیسری ضمیر کے ذریعے تیسرے معنی کا آپ ارادہ کرتے ہیں، یہ ہے استخدام۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو استخدام میں ایک لفظ ذکر ہو گا اور آگے ایک ضمیر ذکر ہو گی: لفظ سے ایک معنی کا ارادہ اور ضمیر جو اسی کی طرف لوٹ رہی ہے اس کے ذریعے دوسرے معنی کا ارادہ۔ یا دوسری صورت ایک لفظ لائے ہیں اور آگے پھر دو ضمیریں لائے ہیں جو اسی کی طرف لوٹ رہی ہیں: لفظ کے ذریعے ایک معنی کا ارادہ، اور ایک ضمیر کے ذریعے دوسرے معنی کا ارادہ، اور تیسری ضمیر کے ذریعے تیسرے معنی کا ارادہ ہو بھئی، یہ ہے استخدام۔

دیکھیے خود ذکر کر رہے ہیں: اَلِاسْتِخْدَامُ هُوَ ذِكْرُ اللَّفْظِ بِمَعْنًى استخدام جو ہے وہ لفظ کو ذکر کرنا ہے بِمَعْنًى کسی ایک معنی میں وَإِعَادَةُ ضَمِيرٍ عَلَيْهِ بِمَعْنًى آخَرَ اور لوٹانا ضمیر کو اس کی طرف دوسرے معنی میں، أَوْ یا دوسری صورت یہ ہے استخدام کی: أَوْ إِعَادَةُ ضَمِيرَيْنِ تُرِيدُ بِثَانِيهِمَا غَيْرَ مَا أَرَدْتَهُ بِأَوَّلِهِمَا کہ آپ لوٹائیں دو ضمیروں کو اس حال میں کہ تُرِيدُ بِثَانِيهِمَا کہ آپ ارادہ کرتے ہیں ان دو ضمیروں میں سے دوسری ضمیر کے ذریعے غَيْرَ مَا أَرَدْتَهُ بِأَوَّلِهِمَا اس کے علاوہ کا جس کا آپ نے پہلے سے ارادہ کیا تھا۔ فَالْأَوَّلُ پہلے کی مثال نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ پہلی قسم کون سی؟ کہ لفظ کو ذکر کیا جائے ایک معنی میں اور ضمیر اس کی طرف لوٹائی جائے دوسرے معنی میں، اس میں ایک ضمیر آئے گی: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ پس جو کوئی تم میں سے دیکھے یعنی مشاہدہ کرے الشَّهْرَ رمضان کے چاند کا فَلْيَصُمْهُ تو اسے چاہیے کہ اس مہینے کے روزے رکھے۔ اب دیکھیے بھئی ایک لفظ آیا الشَّهْرَ، شہر کا معنی کیا؟ مہینہ، اور اسی طرح جیسے رمضان مہینہ ہے اسی طرح چاند کو بھی کیا کہتے ہیں؟ رمضان کا چاند۔ تو یہاں شہر بول کر ہلال مراد ہے۔ شہر بول کر ہلال مراد ہے۔ کیوں، بھئی کیا قرینہ ہے کس سے پتہ چلا اس سے ہلال مراد ہے؟ بھئی اس لیے کیونکہ پیچھے آیا فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ جو کوئی تم میں سے مشاہدہ کرے، اور مشاہدہ رمضان کے مہینے کا تو نہیں ہو سکتا کیونکہ رمضان کا مہینہ یہ تو ایک زمانے کا نام ہے اور زمانے کا کوئی ایسا وجود نہیں کہ جو آنکھوں سے دکھائی دے، لہٰذا معلوم ہوا اس سے کیا مراد ہے؟ رمضان کا چاند مراد ہے کہ اس کو جو دیکھ لے اس کا جو مشاہدہ کرلے فَلْيَصُمْهُ تو اس کو چاہیے کہ اب یہ فَلْيَصُمْهُ کی هُ ضمیر بھی راجع ہے الشَّهْرَ کو لیکن اس ضمیر کو جب شہر کی طرف راجع کیا تو اس سے کون سے معنی کا ارادہ کیا؟ روزے کس میں رکھے گا؟ رمضان کے مہینے میں، تو اب زمانے کے معنی میں ہوا یہ۔ کس معنی میں؟ زمانے کے معنی میں کیونکہ روزے کس میں رکھے جاتے ہیں؟ اس زمانے میں رکھے جائیں گے اس چاند پر جا کر نہیں رکھے جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو لہٰذا پہلے الشَّهْرَ کو ذکر کیا اس سے کیا مراد؟ وہ رمضان کا چاند یعنی ہلال مراد ہے شروع کا، اور فَلْيَصُمْهُ یہ هُ ضمیر بھی الشَّهْرَ کو راجع کی لیکن یہاں پر یہ کس معنی میں؟ زمانے کے معنی میں ہے، وہ مہینہ جو ہے وہ زمانہ ہے بھئی۔

اور نیز ہم نے کیا معنی کیا؟ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ جو کوئی تم میں سے اس چاند کا مشاہدہ کرے۔ اچھا اگر اس شَهِدَ کے معنی ہم پالینے کے کرلیں، کیا معنی کرلیں؟ پالینا، جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پالے، جس کو وہ رمضان کا مہینہ مل جائے تو اس کو اس میں روزے رکھنے چاہئیں۔ تو اگر یہ معنی بھی ہم کرلیں پھر بھی الشَّهْرَ سے ہلال ہی مراد لینا پڑے گا۔ کیا مراد لینا پڑے گا؟ ہلال۔ کیوں؟ کیونکہ اگر مہینہ ملنے پر یہ حکم موقوف ہو تو مہینہ مل گیا اس کو یہ کب کہیں گے؟ جب پورا مہینہ گزر جائے پھر کہا جائے گا اس کو پورا مہینہ مل گیا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ جب پورے مہینے کو پالے گا تو پھر ہی فَلْيَصُمْهُ امر متوجہ ہو جائے گا کہ اب اس کو کیا کرنے چاہئیں؟ روزے رکھنے چاہئیں، پھر تو اس کا مطلب ہوا رمضان کے گزرنے کے بعد روزے فرض ہوں گے اس سے پہلے فرض ہی نہیں کیونکہ جب تک پورا مہینہ نہیں گزرے گا اس نے پورے مہینے کو پایا نہیں۔ معلوم ہوا یہاں شہر کس معنی میں ہے؟ چاند کے معنی میں، جو اس رمضان کے چاند کو دیکھ لے اس کا مشاہدہ کرلے اس کو چاہیے کہ رمضان کے مہینے میں روزے رکھے۔ بھئی معنی اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

■ قولہ: «أَرَادَ بِالشَّهْرِ الْهِلَالَ» کی تشریح

أَرَادَ بِالشَّهْرِ الْهِلَالَ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا شہر کے لفظ کے ذریعے الْهِلَالَ چاند کا، وَبِضَمِيرِهِ الزَّمَانَ الْمَعْلُومَ اور اس کی ضمیر کے ذریعے اس معلوم زمانے کا یعنی رمضان کے مہینے کا۔

وَالثَّانِي اور دوسری قسم، دوسری قسم کیا تھی؟ کہ ایک لفظ ذکر ہو اور اس کے بعد کتنی ضمیریں آئیں؟ دو ضمیریں، لفظ کے ذریعے ایک معنی کا ارادہ، اور پہلی ضمیر کے ذریعے دوسرے معنی کا، اور دوسری ضمیر کے ذریعے ان دونوں کے علاوہ تیسرے معنی کا ارادہ ہو۔ اور دوسرے کی مثال كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

فَسَقَى الْغَضَا وَالسَّاكِنِيهِ وَإِنْ هُمُ ... شَبُّوهُ بَيْنَ جَوَانِحِي وَضُلُوعِي

فَسَقَى الْغَضَا، غَضَا یہ کوئی خاص قسم کے درخت ہیں بھئی، لغت میں اس کا معنی جھاؤ کے درخت لکھا ہے، جھاؤ بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ کوئی خاص درخت ہیں کہتے ہیں جس کی لکڑی بڑی سخت ہوتی ہے تو وہ درخت مراد ہیں۔ شاعر دعا دے رہا ہے: فَسَقَى، فَا عاطفہ ہے بھئی، سَقَى الْغَضَا یہ دعا ہے، اللہ سیر اب کرے غضا کو، پس سیر اب کرے وہ یعنی اللہ الْغَضَا کس کو؟ غضا درختوں کو۔ بھئی جیسے ماضی کا صیغہ آپ دعا میں استعمال کرتے ہیں رَحِمَهُ اللَّهُ، یہاں بھی اسی طرح سَقَى کا لفظ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا دعا کے لیے، اور نیز وہاں پر رَحِمَهُ اللَّهُ لفظِ اللہ صراحتاً آتا ہے یہاں پر ضمیر لوٹا دی اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف۔ فَسَقَى الْغَضَا اللہ کیا کرے؟ غضا درختوں کو سیر اب کرے یعنی ان پر بارش برسائے۔

وَالسَّاكِنِيهِ، سَاكِن رہائشی، سَاكِنِينَ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، سَاكِنِيهِ یہ هِ ضمیر بھی غَضَا ہی کو راجع ہے لیکن اب یہ درخت کے معنی میں نہیں بلکہ جگہ کے معنی میں ہے۔ کس معنی میں؟ جگہ کے معنی میں، کیونکہ غضا جہاں درخت ہوتے ہیں اس جگہ کو بھی مجازاً کہہ دیتے ہیں؟ اس جگہ کو ہی غضا کہہ دیتے ہیں۔ تو یہ غضا درختوں کا بھی نام، جس جگہ پر یہ درخت ہوں اس کو بھی مجازاً کہہ دیتے ہیں؟ غضا، اور اسی طرح اس کی لکڑی سے جو آگ جلائی جائے اس کو بھی مجازاً غضا کہہ دیتے ہیں۔ تو

کتنے معنی میں استعمال ہوا یہ لفظ؟ تین معنی میں: اولاً غَضَا کا کیا معنی؟ درخت، آگے السَّاكِنِيهِ ہِ ضمیر اس کی طرف لوٹائی اب یہ ہِ ضمیر عضا کی طرف راجع لیکن کس معنی میں؟ جگہ کے معنی میں کہ اس جگہ کے رہنے والے جو ہیں، اور آگے ایک اور ضمیر بھی لوٹے گی اور وہ کس معنی میں ہو گی؟ آگ کے معنی میں، وہ آگ جو عضا کی لکڑی سے جلائی جائے۔

فَسَقَى الْغَضَا وَالسَّاكِنِيهِ اللہ سیر اب کرے عضادرختوں کو وَالسَّاكِنِيهِ اور اس عضا جگہ پر رہنے والوں کو وَإِنْ هُمُ۔ وَإِنْ هُمُ یہ واؤ جو ہے اشباع کے لیے ہے، اشباع کا معنی لمبا کرنا حرکت کو لمبا کرنے کے لیے۔ یہ چونکہ شعر ہے اشعار کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں میں نے بتلایا تھا ایک حرف کی کمی بیشی سے بھی پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے، تو یہاں واؤ کو بڑھادیا اشباع کے لیے آواز کو لمبا کرنے کے لیے۔ تو هُمْ ضمیر ہے یہ مذکر جمع کی: وَإِنْ هُمُ اگرچہ انہوں نے شَبُّوهُ، شَبَّ يَشُبُّ کے معنی ہوتے ہیں آگ جلانا، اگرچہ انہوں نے عضا جلادی ہے، کیا معنی عضا جلادی ہے؟ آگ جلادی ہے، تو یہ شَبُّوهُ کی هُ ضمیر عضا کو راجع لیکن کس معنی میں؟ آگ کے معنی میں۔ اگرچہ ان لوگوں نے شَبُّوهُ آگ جلائی ہے بَيْنَ جَوَانِحِي وَضُلُوعِي۔ جَوَانِح جمع ہے جَانِحَةٌ کی اور ضُلُوع جمع ہے ضِلْعٌ کی، اور یاد رکھیے یہ دونوں پسلیوں کو کہتے ہیں: جَوَانِح کا معنی بھی پسلیاں، ضُلُوع کا معنی بھی پسلیاں۔ چنانچہ اسی لیے بعض علماء نے لکھا کہ یہ عطفِ تفسیری ہے۔ کیا ہے؟ عطفِ تفسیری کیونکہ جَوَانِح کا معنی بھی پسلیاں اور ضُلُوع کا معنی بھی پسلیاں، تو جَوَانِحِي یا متکلم کی ساتھ مل گئی میری پسلیاں وَضُلُوعِي اور میری پسلیاں، یہاں بھی یا ضمیر متکلم کی مل گئی۔ تو یہ عطفِ تفسیری ہے، عطفِ تفسیری کس کو کہتے تھے؟ جس میں معطوف یعنی وہ جو بعد میں آتا ہے وہ ما قبل یعنی معطوف علیہ کی تفسیر اور معنی بیان کرتا ہے۔ جَوَانِحِي آیا تھا آگے پھر وَضُلُوعِي لاکر اس کی تفسیر کر دی گئی کہ جَوَانِحِي سے کیا مراد ہیں؟ میری پسلیاں مراد ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ تفسیری۔

تو بعض علماء نے اس کو عطفِ تفسیری لکھا، جبکہ بعض علماء نے ان دونوں میں کچھ فرق کیا اور کہا کہ جَوَانِح جو ہیں وہ پسلیاں ہیں جو سینے کے نچلے حصے کی طرف ہیں جو پیٹ کی جانب ہیں جو چھوٹی پسلیاں ہیں، اور ضُلُوع جو اوپر سینے کی طرف ہیں۔ بعضوں نے اس کا عکس کیا: جَوَانِح وہ پسلیاں جو سینے کی طرف ہیں اور ضُلُوع وہ پسلیاں جو نیچے کی طرف ہیں جو چھوٹی ہیں۔ اور بعضوں نے کہا جَوَانِح وہ پسلیاں جو کمر پشت کی جانب ہیں جو حصہ ان کا اور ضُلُوع جو پسلیاں سینے کی طرف، تو اس طرح بعضوں نے کچھ فرق وغیرہ کیا اور بعضوں نے لکھا کہ یہ عطفِ تفسیری ہے۔

▪ قولہ: «وَإِنْ هُمُ شَبُّوهُ بَيْنَ جَوَانِحِي...» کی تشریح

معنی سمجھ میں آگیا؟ وَإِنْ هُمُ شَبُّوهُ بَيْنَ جَوَانِحِي وَضُلُوعِي اگرچہ ان لوگوں نے آگ جلائی ہے بَيْنَ جَوَانِحِي میری پسلیوں کے درمیان یعنی میرے سینے میں یعنی میرے دل میں۔ مراد کیا ہے؟ میرے دل میں، اگرچہ ان لوگوں نے آگ جلائی ہے میرے دل میں۔ شاعر عضا کے درختوں کو اس جگہ پر رہنے والوں کو دعا دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ ان لوگوں کو سیر اب کر اگرچہ ان لوگوں نے میرے دل میں آگ جلائی ہے، آگ سے مراد ہے عشق و محبت کی آگ بھئی۔ معلوم ہوا شاعر کی محبوبہ اس مقام پر رہتی تھی تو لہٰذا اب وہ کیا کہتا ہے؟ اگرچہ انہوں نے میرے دل میں محبت کی آگ جلائی ہے مجھے تکلیف اور غم میں مبتلا کر دیا ہے لیکن اے اللہ ان کے اس درختوں کو بھی اور اس جگہ پر رہنے والوں کو بھی سیر اب کر دے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

فَسَقَى الْغَضَا وَالسَّاكِنِيهِ وَإِنْ هُمُ ...شَبُّوهُ بَيْنَ جَوَانِحِي وَضُلُوعِي، پس اے اللہ سیر اب کر عضادرختوں کو وَالسَّاكِنِيهِ اور عضا مقام پر رہنے والوں کو وَإِنْ هُمُ شَبُّوهُ اگرچہ ان لوگوں نے آگ جلائی ہے بَيْنَ جَوَانِحِي وَضُلُوعِي میری پسلیوں کے درمیان یعنی میرے دل میں۔ اب خود معنی بیان کر رہے ہیں: الْغَضَا شَجَرٌ بِالْبَادِيَةِ، بَادِيَة کہتے ہیں جنگل کو، الْغَضَا شَجَرٌ بِالْبَادِيَةِ عضا ایک درخت ہے جنگل میں، وَضَمِيرُ سَاكِنِيهِ يَعُودُ إِلَيْهِ اور سَاكِنِيهِ کی ہِ ضمیر بھی اسی کی طرف لوٹ رہی ہے بِمَعْنَى مَكَانِهِ کس معنی میں؟ اس عضا کے جگہ کے معنی میں یعنی وہ جگہ مراد ہے، وَضَمِيرُ شَبُّوهُ يَعُودُ إِلَيْهِ بِمَعْنَى نَارِهِ اور شَبُّوهُ کی جو هُ ضمیر ہے یہ بھی يَعُودُ إِلَيْهِ اسی عضا کی طرف لوٹ رہی ہے بِمَعْنَى نَارِهِ بمعنی اس کی آگ کے۔

الِاسْتِطْرَادُ: هُوَ أَنْ يَخْرُجَ الْمُتَكَلِّمُ مِنَ الْغَرَضِ الَّذِي هُوَ فِيهِ إِلَى آخَرَ لِمُنَاسَبَةٍ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى تَتْمِيمِ الْأَوَّلِ۔ اگلی صنعت ہے استطراد، طا کے ساتھ: اسْتِطْرَاد۔ استطراد کا معنی ہے بات کو لمبا کرنا، ایک بات سے دوسری بات نکالنا اس کو کیا کہتے ہیں؟ استطراد کہتے ہیں۔ استطراد اس کو کہتے ہیں کہ متکلم کوئی ایک بات بیان کر رہا تھا، اس بات کو ذکر کرتے کرتے اسی کے مناسب کسی دوسری بات کی طرف چلا گیا اور پھر وہ ذکر کر کے واپس پھر اپنے مضمون کی طرف جو بات وہ کر رہا تھا اس کی طرف لوٹ آیا اس کو پورا کرنے کے لیے، اس کو کہتے ہیں استطراد۔ کیا کہتے ہیں؟ استطراد، دیکھو بات سے بات اس نے نکالی۔ تو ایک بات ذکر کر رہا تھا اس سے کس طرف چلا گیا؟ اسی کے مناسب کسی دوسری بات کی طرف اس کی مناسبت تھی، اور پھر اس سے واپس لوٹ آیا پہلی بات کی طرف اس کو مکمل کرنے کے لیے، یہ ہے استطراد۔

تو کہتے ہیں: الِاسْتِطْرَادُ هُوَ أَنْ يَخْرُجَ الْمُتَكَلِّمُ استطراد یہ ہے کہ نکلے الْمُتَكَلِّمُ بات کرنے والا مِنَ الْغَرَضِ الَّذِي هُوَ فِيهِ اس مقصد سے جس کے اندر وہ تھا إِلَى آخَرَ دوسرے مقصد کی طرف لِمُنَاسَبَةٍ کسی مناسبت کی وجہ سے، ان دونوں مقصدوں میں کوئی مناسبت ہو گی، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى تَتْمِيمِ الْأَوَّلِ پھر وہ متکلم لوٹتا ہے پہلے غرض کو مکمل کرنے کی طرف، تَتْمِيم کا معنی مکمل کرنا، پھر وہ لوٹتا ہے پہلی غرض کو یعنی پہلی بات کو مکمل کرنے کی طرف، كَقَوْلِ السَّمَوْأَلِ جیسے سموئل

شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «وَإِنَّا أُنَاسٌ لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً»

وَإِنَّا أُنَاسٌ لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً ... إِذَا مَا رَأَتْهُ عَامِرٌ وَسَلُولُ

يُقَرِّبُ حُبُّ الْمَوْتِ آجَالَنَا لَنَا ... وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُولُ

وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ أَنْفِهِ ... وَلَا طُلَّ مِنَّا حَيْثُ كَانَ قَتِيلُ

وَإِنَّا أُنَاسٌ لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً۔ بھئی یہ سین پر زبر لگی ہے، زبر نہیں بھئی پیش ہونی چاہیے: سُبَّةً۔ شاعر اپنے قبیلے کی بہادری، جرات اور شجاعت کو بیان کر رہا ہے اور کہتا ہے: وَإِنَّا أُنَاسٌ بے شک ہم ایسے لوگ ہیں لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً، سُبَّة کہتے ہیں عیب کو، عیب اور عار بھئی، ہم ایسے لوگ ہیں لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً کہ ہم قتل ہونے کو کوئی عار نہیں سمجھتے کہ اگر ہم قتل کر دیے جائیں۔ کہ بے شک ہم ایسے لوگ ہیں جو قتل کو عیب نہیں سمجھتے إِذَا مَا رَأَتْهُ عَامِرٌ وَسَلُولُ جبکہ اس کو سمجھتے ہیں قبیلہ عامر والے اور قبیلہ سلول والے۔ ہم مارے بھی جائیں قتل بھی ہو جائیں اس کو ہم کوئی عیب نہیں سمجھتے إِذَا مَا رَأَتْهُ عَامِرٌ وَسَلُولُ جبکہ اس کو سمجھتے ہیں قبیلہ عامر والے اور قبیلہ سلول والے یعنی وہ اس کو عیب سمجھتے ہیں۔

تو دیکھو شاعر بیان کر رہا ہے اپنے قبیلے کی بہادری شجاعت، فخر کی باتیں کر رہا ہے اور وہاں سے وہ نکل گیا قبیلہ عامر اور قبیلہ سلول کی مذمت بیان کرنے کی طرف بھئی۔ کس کی طرف؟ مذمت بیان کرنے کی طرف، اس لیے کیونکہ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ بھئی، چیزوں کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ ان کی ضد سے چلتا ہے: صبح کی تفصیل بیان کر دیں تو شام کا خود بخود پتہ چل جائے گا، سردی کی تفصیل بیان کر دی جائے تو گرمی کا خود بخود پتہ چل جائے گا۔ تو ضد کے ذریعے چیز کا پتہ چل جاتا ہے، تو لہٰذا تاکہ خوب ہماری شجاعت کھل کر سامنے آجائے اس لیے ان کی ساتھ مذمت کر رہا ہے ان کی بزدلی بیان کر رہا ہے۔

ہم لوگ جو ہیں قتل کو عیب نہیں سمجھتے جبکہ اس کو قبیلہ عامر اور سلول والے عیب سمجھتے ہیں۔ يُقَرِّبُ حُبُّ الْمَوْتِ، حُبُّ الْمَوْتِ یہ الْمَوْتِ مضاف الیہ ہے مجرور ہونا چاہیے یہ زبر غلط لگا ہوا ہے بھئی۔ يُقَرِّبُ حُبُّ الْمَوْتِ آجَالَنَا لَنَا، قریب کر دیتی ہے موت کی محبت آجَالَنَا۔ آجَال جمع ہے أَجَل کی، أَجَل بھی موت کو کہتے ہیں، اسی طرح کسی کا مقررہ وقت جو ہے جو مدتِ حیات ہے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ أَجَل کہتے ہیں۔ يُقَرِّبُ حُبُّ الْمَوْتِ آجَالَنَا لَنَا قریب کر دیتی ہے موت کی محبت کس کو قریب کر دیتی ہے؟ آجَالَنَا ہماری موت کو۔ موت بھی ہمارے ساتھ محبت کرتی ہے تو موت کی محبت ہمارے قریب کر دیتی ہے ہمارے وقتِ مقررہ کو۔ وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ اور ان سے نفرت کرتی ہے ان کو ناگوار سمجھتی ہے آجَالُهُمْ ان کی موت، ان کی جو اجل ہیں وہ ان کو ناپسند کرتی ہیں فَتَطُولُ تو ان کی اجل لمبی ہو جاتی ہے یعنی ان کی زندگی لمبی ہو جاتی ہے یعنی عرصۂ حیات لمبا ہو جاتا ہے۔

شاعر کہہ یہ رہا ہے کہ ہم بہادر لوگ ہیں قتل کر بھی دیے جائیں ہم اس کو کوئی عیب سمجھتے ہی نہیں، ہاں قبیلہ عامر اور سلول والے اس کو عیب سمجھتے ہیں کہ کیا ہو جائیں؟ قتل ہو جائیں۔ اور ہم سے موت بھی محبت کرتی ہے چنانچہ جب موت ہم سے محبت کرتی ہے تو ہم لوگوں کی اجل یعنی موت جلدی آجاتی ہے کیونکہ موت ہم سے کیا کرتی ہے؟ محبت کرتی ہے۔ اور ان لوگوں سے ان کی موت ان کو ناگوار سمجھتی ہے ان سے نفرت کرتی ہے، جب نفرت کرتی ہے تو ان سے دور رہتی ہے اور ان کی زندگی لمبی ہو جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُولُ» کی تشریح

وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُولُ، یہ آجَالُهُمْ اس کا فاعل ہے، اس سے کراہت کرتی ہے اسے ناگوار سمجھتی ہے کیا چیز؟ آجَالُهُمْ ان کی موت۔ یہ تَكْرَهُهُ یہ هُ ضمیر راجع ہے عامر و سلول کو۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے یہ تو مفرد کی ضمیر ہے یہاں هُمْ ضمیر ہونی چاہیے تھی، تو یہ مفرد کی کیوں لائے؟ تو بھئی یہاں ہم تاویل کر لیں گے کہ هُ ضمیر راجع ہے الْجَمْعُ کی تاویل میں۔ کس تاویل میں؟ الْجَمْعُ، وہ مجموعہ بن گیا: عامر اور سلول ایک دو فردوں کا نام ہے یا دو قبیلے ہیں بہت سے افراد ہیں؟ بہت سے افراد ہیں تو یہ جمع ہو گئے، اور جَمْعٌ کا لفظ کیا ہے؟ مفرد مذکر، تو اس کی طرف ضمیر بھی کون سی لوٹا دی؟ مفرد مذکر۔ یا تاویل کر لیتے ہیں: كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ، اور موت جو ہے وہ ناپسند کرتی ہے كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ان میں سے ہر ایک کو ناپسند کرتی ہے، تو دیکھو كُلَّ وَاحِدٍ کی تاویل میں ضمیر مفرد مذکر کی لوٹانا صحیح ہے۔

وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ أَنْفِهِ اور نہیں مرا مِنَّا ہم میں سے سَيِّدٌ کوئی سردار حَتْفَ أَنْفِهِ۔ حَتْفٌ کہتے ہیں موت کو، أَنْفٌ کہتے ہیں ناک کو۔ اور عرب جو ہیں جو شخص اپنی طبعی موت مرتا یعنی کسی نے قتل نہیں کیا اور اپنی طبعی موت مر گیا اس کے لیے عرب کہتے تھے: مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ۔ کیا کہتے؟ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ، لفظی

ترجمہ: وہ اپنی ناک کی موت مرا ہے، بامحاورہ: وہ اپنی طبعی موت مرا ہے یعنی کسی نے اس کو قتل وغیرہ نہیں کیا۔ بھئی یہ طبعی موت کے لیے وہ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ یہ کیوں کہتے تھے، وجہ کیا ہے؟ بھئی وجہ یہ کہ عربوں کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی کو اگر تلوار یا نیزے وغیرہ سے قتل کیا جائے تو اس کی روح اسی جگہ سے نکلتی ہے جہاں پر تلوار یا نیزے کا زخم لگا ہے، وہیں سے موت کے وقت اس کی روح نکلی۔ اور جو شخص اپنی طبعی موت مرتا ہے اس کی روح ناک سے نکلتی ہے۔ یہ کس کا عقیدہ تھا؟ عربوں کا۔ تو لہٰذا جو شخص طبعی موت مرا ہے ان کے خیال میں اس کی روح کہاں سے نکلی؟ ناک سے، تو اس کے لیے کیا کہتے؟ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ وہ اپنی ناک کی موت مرا یعنی اپنی طبعی موت مرا ہے۔

تو شاعر کہتا ہے: وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ أَنْفِهِ اور نہیں مرا ہم میں سے کوئی سردار اپنی طبعی موت، یعنی ہم ایسے بہادر لوگ ہیں ہمارا ہر وقت جنگوں اور لڑائیوں ہی میں وقت گزرتا ہے ہمیں جنگوں لڑائیوں اور موت کسی چیز سے خوف نہیں آتا، ہم میں سے کوئی سردار اپنی طبعی موت نہیں مرا ہر ایک کو کیا کیا گیا؟ قتل کیا دشمنوں نے بھئی۔ وَلَا طُلَّ مِنَّا حَيْثُ كَانَ قَتِيلُ، قَتِيل بمعنی مقتول کے ہے، طَلَّ کے معنی خون کا رائیگاں جانا۔ عربی میں کہتے ہیں: طَلَّ دَمُ الْقَتِيلِ اس مقتول کا خون رائیگاں گیا، بیکار گیا۔ کیا معنی بیکار گیا؟ معنی یہ کہ اس کی کوئی دیت وغیرہ نہیں لی گئی اس کا کوئی خون بہا نہیں لیا گیا، اس کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور خاندان والوں نے اس کا خون بہا اور فدیہ وغیرہ نہیں لیا تو اس کو کہتے ہیں اس کا خون رائیگاں گیا: طَلَّ دَمُ الْقَتِيلِ۔ تو شاعر کہتا ہے: وَلَا طُلَّ مِنَّا اور نہ ہم میں سے کسی کا خون رائیگاں گیا ہے حَيْثُ كَانَ قَتِيلُ جہاں کہیں بھی وہ مقتول ہوا۔ جہاں کہیں بھی کوئی ہم میں سے مقتول ہوا ہم میں سے کسی کا خون رائیگاں نہیں گیا، یعنی ہم میں سے جو بھی قتل ہوا ہم نے کیا کیا ہے اس کا؟ خون بہا لیا ہے، کہنا یہ چاہتا ہے یعنی ہم میں سے بھی کوئی طبعی موت نہیں مرتا ہر ایک کیا ہوتا ہے؟ مقتول ہوتا ہے اور ہر ایک کا کیا لیا جاتا ہے؟ خون بہا لیا جاتا ہے ہم اس کا خون بہا وصول کرتے ہیں جو اس کو قتل کرتا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے دوبارہ ترجمہ: وَإِنَّا أُنَاسٌ لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً ...إِذَا مَا رَأَتْهُ عَامِرٌ وَسَلُولُ، اور ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہم قتل ہونے کو عیب شمار نہیں کرتے إِذَا مَا رَأَتْهُ عَامِرٌ وَسَلُولُ جبکہ قبیلہ عامر اور قبیلہ سلول والے اس کو عیب سمجھتے ہیں، يُقَرِّبُ حُبُّ الْمَوْتِ آجَالَنَا لَنَا ...وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُولُ، قریب کر دیتی ہے موت کی محبت ہماری اجل کو ہمارے اور نفرت کرتی ہے ان سے فَتَطُولُ تو ان کی اجل جو ہیں وہ لمبی ہو جاتی ہیں، وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ أَنْفِهِ اور ہم میں سے کوئی سردار طبعی موت نہیں مرا وَلَا طُلَّ مِنَّا حَيْثُ كَانَ قَتِيلُ اور نہ ہم میں سے کسی کا خون رائیگاں گیا ہے حَيْثُ كَانَ قَتِيلُ جہاں کہیں وہ مقتول ہوا۔

فَسِيَاقُ الْقَصِيدَةِ لِلْفَخْرِ پس قصیدے کا چلاؤ کس لیے ہے؟ فخر کے لیے ہے، شاعر کیا کر رہا ہے؟ فخر کے طور پر یہ ذکر کر رہا ہے اپنے قبیلے کی بہادری بیان کر رہا ہے، وَاسْتَطْرَدَ مِنْهُ إِلَى هِجَاءِ عَامِرٍ وَسَلُولَ اور وہ نکلا اس میں سے کس کی طرف؟ قبیلہ عامر اور قبیلہ سلول کی ہجو اور مذمت بیان کرنے کی طرف، ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِ پھر فخر کی طرف لوٹ آیا، آخر میں پھر کیا کر رہا ہے؟ فخر کی بات کر رہا ہے۔ تو درمیان میں کس کی طرف نکلا؟ قبیلہ عامر اور سلول کی ہجو بیان کرنے کی طرف کیونکہ جب ان کی ہجو بیان کر دی جائے گی تو اس سے ان کی شجاعت اور زیادہ ظاہر ہو گی اس لیے کیونکہ الْأَشْيَاءُ تَتَبَيَّنُ بِأَضْدَادِهَا چیزیں اپنی اضداد کے ذریعے واضح ہوتی ہیں اور پہچانی جاتی ہیں۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

الِافْتِنَانُ، اگلی صنعت ہے افتنان بھئی۔ کہتے ہیں: هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ فَنَّيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ افتنان جو ہے وہ جمع کرنا ہے دو مختلف قسم کے فنوں کو۔ دو مختلف قسم کے فن جمع کرنا اپنے کلام کے اندر اس کو کیا کہتے ہیں؟ افتنان بھئی۔ كَالْغَزَلِ وَالْحَمَاسَةِ جیسے کہ غزل اور حماسہ ہے، ان کو جمع کر دینا۔ غزل کہتے ہیں عورتوں سے عشق و محبت کی باتیں کرنا، یعنی ایسے اشعار جس میں اپنی محبوبہ کا ذکر ہو عورتوں کے حسن و جمال وغیرہ کا ذکر ہو ان سے عشق کی باتیں مذکور ہوں اس کو کیا کہتے ہیں؟ غزل کہتے ہیں۔ اور حماسہ کہتے ہیں جو جوشیلا کلام ہو بھئی اور اسی طرح جنگ لڑائی وغیرہ جو ہے اس کے لیے بھی کیا لفظ استعمال ہوتا ہے؟ حماسہ۔ تو دیکھیے غزل میں عورتوں سے عشق و محبت کی باتیں ذکر ہوتی ہیں اور حماسہ جو ہے یہ کلام کی ایک قسم ہے جس کے اندر کون سی باتیں ہوں گی؟ جنگ اور لڑائی اور شجاعت اور بہادری وغیرہ کی باتیں ذکر ہوں گی۔ اب کوئی شخص کیا کرتا ہے؟ اپنے کلام کے اندر غزل اور حماسہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے تو دو فنوں کو اس نے جمع کر دیا، اور یہ بڑا مشکل کام ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ غزل کے اندر میٹھے نرم الفاظ استعمال کرنا پڑتے ہیں جبکہ جنگ والے اشعار کے اندر سخت اور تیز الفاظ تیز زبان استعمال کرنا پڑتی ہے، تو یہ بالکل دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، تو ان دونوں کو اپنے کلام میں اکٹھا کرنا یہ بڑی مہارت کا کام ہے کوئی آسان کام نہیں ہے بھئی۔

■ قولہ: «هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ فَنَّيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ» کی تشریح

تو کہتے ہیں: هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ فَنَّيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ وہ جمع کرنا ہے دو مختلف فنوں کو كَالْغَزَلِ وَالْحَمَاسَةِ جیسے کہ غزل اور حماسہ ہے، وَالْمَدْحِ وَالْهِجَاءِ اور تعریف اور ہجو یعنی مذمت ہے، ان دونوں کو جمع کر دینا ایک ہی کلام کے اندر کیونکہ تعریف کے اندر میٹھے لفظ لانا پڑیں گے اور ہجو اور مذمت کے اندر سخت اور ناگوار الفاظ لانا پڑیں گے، وَالتَّعْزِيَةِ وَالتَّهْنِئَةِ اور اسی طرح تعزیہ اور تہنیت کو جمع کر دینا۔ تعزیت کسی کے مرنے پر افسوس کرنا، اور تہنیت کہتے ہیں مبارکباد بھئی، اور ان دونوں کو جمع کر دینا کہ آپ اپنے کلام میں افسوس اور مبارکباد کو جمع کر دیں۔ افسوس کے موقع پر غم والے الفاظ لانا پڑتے ہیں اور مبارکباد کے موقع پر خوشی اور مسرت سے بھرے ہوئے الفاظ ذکر کرنا پڑتے ہیں، تو دونوں بالکل دو الگ چیزیں ہیں ان دونوں کو جمع کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تو ان دونوں کو کوئی جمع کر دے، اسی طرح مدح اور مذمت کو جمع کر دے یا غزل اور حماسہ وغیرہ کو جمع کر دے تو اس کو افتنان کہتے ہیں کہ اس شخص نے دو مختلف فنوں کو اپنے کلام میں جمع کر دیا۔

كَقَوْلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هَمَّامٍ السَّلُولِيِّ جیسے کہ عبد اللہ ابن ہمام سلولی کا قول ہے حِينَ دَخَلَ عَلَى يَزِيدَ جس وقت کہ وہ یزید پر داخل ہوا یعنی اس کے پاس آیا وَقَدْ مَاتَ أَبُوهُ مُعَاوِيَةُ اور تحقیق ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تھا وَخَلَفَهُ هُوَ فِي الْمُلْكِ اور انہوں نے جانشین بنایا تھا اس کو فِي الْمُلْكِ سلطنت میں حکومت میں، یا خَلَفَ پڑھ لیں: وَخَلَفَهُ هُوَ فِي الْمُلْكِ اور خلیفہ بنا تھا جانشین ہوا تھا یہ یزید فِي الْمُلْكِ کس کے اندر؟ سلطنت میں۔ ان سے کیا کہا عبد اللہ ابن ہمام سلولی نے، وہ آیا اور آکر کہنے لگا۔ اب دیکھیے بھئی ایک طرف دیکھیں تو غم کا مقام ہے ان کے والد کا انتقال ہوا ہے وہ اظہارِ غم بھی کرے گا تعزیت بھی کرے گا، اور ساتھ ساتھ یہ خلیفہ بنا ہے خوشی کا بھی مقام ہے تو اس پر مبارکباد اور خوشی کے الفاظ بھی کہے گا، اور یہ کیسے دونوں چیزیں وہ کہنے والا جمع کرتا ہے اپنے کلام میں، وہ شخص کہتا ہے:

آجَرَكَ اللَّهُ عَلَى الرَّزِيَّةِ، رَزِيَّة کہتے ہیں مصیبت کو، آجَرَكَ اللَّهُ عَلَى الرَّزِيَّةِ اللہ آپ کو بدلہ دے اس مصیبت پر، وَبَارَكَ لَكَ فِي الْعَطِيَّةِ اور اللہ آپ کو برکت دے اس عطیے اور اس انعام میں، وَأَعَانَكَ عَلَى الرَّعِيَّةِ اور اللہ آپ کی مدد فرمائے عَلَى الرَّعِيَّةِ رعایا اور عوام کے معاملے میں، فَقَدْ رُزِئْتَ عَظِيمًا وَأُعْطِيتَ جَسِيمًا۔ رَزَأَ کے معنی مصیبت میں ڈالنا، فَقَدْ رُزِئْتَ عَظِيمًا پس تحقیق آپ عظیم مصیبت میں ڈالے گئے ہیں وَأُعْطِيتَ جَسِيمًا اور آپ کو عطا کیا گیا ہے جَسِيمًا بڑی چیز، آپ کو بڑی چیز عطا کی گئی ہے، فَاشْكُرِ اللَّهَ عَلَى مَا أُعْطِيتَ پس آپ اللہ کا شکر ادا کیجیے اس چیز پر جو آپ کو عطا کی گئی وَاصْبِرْ عَلَى مَا رُزِئْتَ اور آپ صبر کیجیے اس پر جس مصیبت میں آپ ڈالے گئے ہیں، فَقَدْ فَقَدْتَ الْخَلِيفَةَ وَأُعْطِيتَ الْخِلَافَةَ۔ فَقَدَ کے معنی ہیں کھو دینا کسی چیز کا ہاتھ سے نکل جانا، فَقَدْ فَقَدْتَ الْخَلِيفَةَ پس تحقیق آپ نے خلیفہ کو کھو دیا ہے وَأُعْطِيتَ الْخِلَافَةَ اور آپ کو خلافت دے دی گئی ہے، فَفَارَقْتَ خَلِيلًا وَوُهِبْتَ جَلِيلًا پس آپ ایک گہرے دوست سے جدا ہو گئے ہیں وَوُهِبْتَ جَلِيلًا اور آپ کو ایک بڑی چیز ہبہ کر دی گئی ہے عطا کر دی گئی ہے، جَلِيل عظیم بھئی، خَلِيل گہرا دوست۔

معنی دیکھ رہے ہیں بھئی کس طرح وہ افسوس کے ساتھ ساتھ مبارکباد کے کلمات بھی ذکر کرتا چلا جا رہا ہے اور کیسا تسلسل اور روانی ہے کلام کے اندر کہ انسان حیران رہتا ہے بھئی۔ غم کے ساتھ ہی وہ مبارک کا لفظ بھی لے آتا ہے، پھر غم کا اظہار کرتا ہے پھر ساتھ ہی دوسرا بھی ذکر کرتا چلا جاتا ہے بھئی، کمال کیا ہے بھئی اس شخص نے اپنے کلام کے اندر۔ آگے دو شعر بھی اس نے کہے:

- **متن و شواہد: «اصْبِرْ يَزِيدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ»**

اصْبِرْ يَزِيدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ ... وَاشْكُرْ حِبَاءَ الَّذِي بِالْمُلْكِ أَصْفَاكَا

لَا رُزْءَ أَصْبَحَ فِي الْأَقْوَامِ نَعْلَمُهُ ... كَمَا رُزِئْتَ وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَا

اصْبِرْ يَزِيدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ، صبر کر اے یزید، یہ یَزِيدُ جو ہے مرفوع ہے منادیٰ ہے، اصْبِرْ يَزِيدُ صبر کر اے یزید فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ پس تحقیق تو جدا ہو گیا ہے ایک قابلِ اعتماد شخص سے۔ ذَا ثِقَةٍ، ثِقَةٌ کہتے ہیں اعتماد کو، بھئی ذُو مَالٍ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ مال والا واؤ کے ساتھ، اور حالتِ نصبی میں کیسے پڑھتے ہیں؟ ذَا مَالٍ، تو یہاں بھی اسی طرح یہ ذُو ہے حالتِ نصبی میں ہے: ذَا ثِقَةٍ۔ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ پس تحقیق آپ جدا ہوئے ہیں ایک قابلِ اعتماد شخص سے، وَاشْكُرْ حِبَاءَ الَّذِي بِالْمُلْكِ أَصْفَاكَا اور آپ شکر ادا کیجیے۔ دیکھو پچھلے مصرعے میں تھا آپ صبر کیجیے غم کی بات ہے، اگلے مصرعے میں ہے وَاشْكُرْ اور آپ کیا کیجیے؟ شکر ادا کیجیے حِبَاءَ الَّذِي۔ حِبَاء کہتے ہیں عطیے کو انعام کو، اور مُلْك بادشاہت، أَصْفَى چن لینا۔ وَاشْكُرْ حِبَاءَ الَّذِي اور آپ شکر ادا کیجیے اس ذات کے انعام کا جس نے کہ بِالْمُلْكِ أَصْفَاكَا بادشاہت کے لیے آپ کو چن لیا ہے، حکومت کے لیے آپ کو چن لیا ہے۔

لَا رُزْءَ، بھئی رِزْءَ نہیں رُزْءَ را پر پیش ہو، لَا رُزْءَ أَصْبَحَ فِي الْأَقْوَامِ نَعْلَمُهُ ... كَمَا رُزِئْتَ وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَا۔ رُزْءٌ وہی مصیبت بھئی، أَصْبَحَ کا ایک معنی آتا ہے ظاہر ہونے کے، عربی میں کہتے ہیں: أَصْبَحَ الْحَقُّ حق ظاہر ہو گیا، تو یہاں بھی یہ أَصْبَحَ ظاہر ہونے کے معنی میں ہے۔ شاعر کہتا ہے: لَا رُزْءَ أَصْبَحَ فِي الْأَقْوَامِ نَعْلَمُهُ کوئی مصیبت ظاہر نہیں ہوئی فِي الْأَقْوَامِ قوموں میں نَعْلَمُهُ جس کو ہم جانتے ہوں، یعنی کسی قوم میں ایسی مصیبت نہیں ظاہر ہوئی جس کو ہم جانتے ہوں کہ کبھی ایسی کسی پر مصیبت آئی ہو، ہم کسی ایسی قوم کو نہیں جانتے جن میں اس طرح کی مصیبت ظاہر ہوئی ہو، كَمَا رُزِئْتَ جیسے کہ آپ مصیبت میں ڈالے گئے ہیں، وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَا اور نہ کوئی ایسا بدلہ، عُقْبَى کا ایک معنی بدلے کے بھی آتے ہیں، وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَا اور نہ کوئی ایسا بدلہ جیسے کہ آپ کا بدلہ ہے۔ ہم ایسا بدلہ بھی نہیں جانتے لوگوں میں سے کہ کسی پر غم آیا ہو مصیبت آئی ہو اور اس غم اور مصیبت کا اسے اللہ اتنا بڑا بدل دے دیں اور اتنا بڑا بدلہ اس کو دے دیں جیسے آپ کو اللہ نے بدلہ دے دیا بھئی۔ یا عُقْبَى کے معنی انجام کر لیں اور نتیجہ کر لیں: وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَا اور نہ کوئی ایسا نتیجہ جیسا کہ آپ کا نتیجہ اور انجام ہے یعنی جس طرح آپ کو انعام دیا گیا، مصیبت آئی تو اس کے بدلے میں عظیم انعام بھی دے دیا گیا بھئی۔

دوبارہ ترجمہ اشعار کا دیکھ لیجیے: اصْبِرْ يَزِيدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ ... وَاشْكُرْ حِبَاءَ الَّذِي بِالْمُلْكِ أَصْفَاكَا، صبر کر اے یزید پس تحقیق تو جدا ہو گیا ہے قابلِ

اعتماد آدمی سے، وَاشْكُرْ حِبَاءَ الَّذِي بِالْمُلْكِ أَصْفَاكَا اور آپ شکر ادا کیجیے اس ذات کے انعام کا جس نے حکومت کے لیے آپ کو چن لیا ہے، لَا رُزْءَ أَصْبَحَ فِي الْأَقْوَامِ نَعْلَمُهُ کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو ظاہر ہوئی لوگوں میں جس کو ہم جانتے ہوں كَمَا رُزِئْتَ جیسے کہ آپ مصیبت میں ڈالے گئے ہیں وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَا اور نہ ایسا بدلہ ایسا انجام جیسے کہ آپ کو بدلہ دیا گیا، اس جیسا کوئی بدلہ بھی ہم نہیں جانتے بھئی۔

تو دیکھیے یہ تھا افتنان بھئی، کہنے والے نے کیا کیا؟ تعزیت یعنی افسوس اور تہنیت یعنی مبارکباد کو جمع کر دیا ایک ہی کلام کے اندر، اس کو کہتے ہیں افتنان۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۸: محسناتِ معنویہ: صنعتِ جمع، تفریق اور تقسیم کی تینوں صورتوں کا مفصل بیان

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۲۵ــــ بتاریخ: ۳ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْجَمْعُ: هُوَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ مُتَعَدِّدٍ فِي حُكْمٍ وَاحِدٍ، كَقَوْلِهِ:

إِنَّ الشَّبَابَ وَالْفَرَاغَ وَالْجِدَهْ ... مَفْسَدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيُّ مَفْسَدَهْ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بدیع میں مختلف قسم کے محسناتِ معنویہ ہم پڑھ رہے ہیں۔ آج ہم جمع، تفریق اور تقسیم اور اسی طرح لف و نشر یعنی طی و نشر کے بارے میں ان شاء اللہ پڑھیں گے بھئی۔

سب سے پہلے جمع کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ بھئی جمع آسان ہے۔ جمع یہ ہے کہ آپ دو یا تین چیزوں کو شمار کرتے ہیں اور ان پر ایک ہی حکم لگا دیتے ہیں۔ دو یا تین چیزوں پر کیا کرتے ہیں؟ ایک ہی حکم لگا دیتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں زید اور عمرو اور بکر تینوں محنتی ہیں۔ دیکھو میں نے تینوں پر کیا کیا؟ ایک ہی حکم لگا دیا کہ وہ سب کیا ہیں؟ محنتی۔ یہ ہے جمع بھئی، سب کو ایک حکم میں جمع کر دیا۔ تو جمع کے اندر بھی اسی طرح ہوتا ہے، مختلف چیزوں کو جمع کر دیا جاتا ہے ایک حکم میں، یعنی ایک ہی حکم سب پر لگا دیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ آسان ہے۔

الْجَمْعُ جمع جو ہے هُوَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ مُتَعَدِّدٍ فِي حُكْمٍ وَاحِدٍ وہ یہ ہے کہ جمع کیا جائے متعدد چیزوں کو ایک ہی حکم کے اندر، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

إِنَّ الشَّبَابَ وَالْفَرَاغَ وَالْجِدَهْ ... مَفْسَدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيُّ مَفْسَدَهْ

إِنَّ الشَّبَابَ، شَبَاب کہتے ہیں جوانی کو۔ وَالْفَرَاغَ، فَرَاغ فرصت بھئی کہ انسان کی کوئی مشغولیت وغیرہ نہ ہو۔ وَالْجِدَهْ، بھئی جَدَّةٌ تو نہیں آپ کی کتابوں میں؟ نہیں یہ کتابت کی غلطی ہے۔ تو یہ جَدَّةٌ لفظ نہیں ہے بھئی، یہ جِدَةٌ ہے: جیم کے نیچے کسرہ اور دال پر فتحہ ہے، شد نہیں ہے بھئی، جِدَةٌ اور تا ہے، لیکن تا پر نقطے نہ لگائیں کیونکہ یہاں وقف کرنا ہے۔ جِدَةٌ نہیں پڑھنا وَالْجِدَهْ بھئی، وقف کرنا ہے۔ اور جِدَةٌ یاد رکھیے یہ دولت کو کہتے ہیں۔ اور مادہ اس کا جِدَةٌ کا وَجَدَ ہے۔ جِدَةٌ بروزنِ عِدَةٌ بھئی، جیسے وَعَدَ سے مصدر کیا آتا ہے؟ عِدَةٌ، اسی طرح وَجَدَ سے ایک مصدر کیا آتا ہے؟ جِدَةٌ بھی۔

إِنَّ الشَّبَابَ وَالْفَرَاغَ وَالْجِدَهْ بے شک جوانی اور فرصت اور مالداری جو ہے مَفْسَدَةٌ۔ بھئی یہ مُفْسِدَةٌ لکھا ہوا ہے آپ کی کتابوں میں؟ مُفْسِدَةٌ نہیں بھئی، مَفْسَدَةٌ۔ مَفْسَدَةٌ یاد رکھیے یہ مصدر ہے، اور اسی طرح یہ سببِ فساد کو بھی کہتے ہیں۔ مَفْسَدَةٌ کسے کہتے ہیں؟ سببِ فساد، وہ چیز جو فساد کی طرف لے جانے والی ہو یعنی باعثِ فساد۔ تو شاعر کہتا ہے: مَفْسَدَةٌ کہ یہ تین چیزیں جو ہیں باعثِ فساد ہیں، یہ فساد کا سبب ہیں لِلْمَرْءِ آدمی کے لیے۔ یہ مرد کے لیے کیا ہیں؟ فساد کا سبب ہیں أَيُّ مَفْسَدَهْ۔ أَيُّ مَفْسَدَهْ، یہاں پھر وہی مَفْسَدَةٌ لفظ آیا بھئی، یہ مُفْسِدَةٌ نہیں ہے بھئی۔ اور نیز اس کے آخر میں بھی وہی گول تا ہے لیکن وقف کیا جائے گا تو وہ ہا بن جائے گی: أَيُّ مَفْسَدَهْ۔ اور یہ أَيُّ مَفْسَدَهْ یاد رکھیے یہ صفت ہے مَفْسَدَةٌ کی: مَفْسَدَةٌ أَيُّ مَفْسَدَهْ۔

بھئی عربی زبان میں اس طرح صفت لائی جاتی ہے کامل ہونے کو بیان کرنے کے لیے، کوئی چیز پوری ہو کامل ہو اس کو بیان کرنے کے لیے أَيُّ کے ساتھ اس کی صفت لاتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں میرے پاس ایک بڑا ہی کامل مرد آیا، تو میں کہوں گا: جَاءَنِي رَجُلٌ أَيُّ رَجُلٍ۔ تو دیکھو أَيُّ رَجُلٍ کے ساتھ میں رَجُلٌ کی صفت لے کر آیا أَيُّ کے ساتھ، کیا بتلانے کے لیے؟ کمال کو بتلانے کے لیے، کامل ہونے کو بتلانے کے لیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی ہے کہ مَفْسَدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيُّ مَفْسَدَةٍ کہ یہ سبب ہیں فساد کا آدمی کے لیے أَيُّ مَفْسَدَةٍ بڑے ہی کامل سبب، کامل فساد کا سبب ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

بھئی جوانی بھی ہو، فرصت ہو انسان کی کوئی مشغولیت بھی نہیں ہے، اور مالداری دولت بھی ہے، تو یہ شاعر کہتا ہے یہ تین چیزیں فساد کے بڑے ہی کامل اسباب میں سے ہیں یہ تین چیزیں بھئی۔ تو دیکھیے شاعر نے تین چیزوں کو جمع کر دیا: جوانی، فرصت اور مالداری، اور ان تینوں پر کیا حکم لگا دیا؟ کہ یہ تینوں کیا ہیں؟ فساد کا کامل سبب ہیں بھئی۔ إِنَّ الشَّبَابَ وَالْفَرَاغَ وَالْجِدَةْ ...مَفْسَدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيُّ مَفْسَدَةْ، بے شک جوانی اور فرصت اور مالداری آدمی کے لیے بڑے ہی کامل فساد کا سبب ہیں، کامل فساد کا باعث ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی کہ تین چیزوں پر کیا کیا گیا؟ ایک ہی حکم لگا دیا گیا کہ یہ فساد کا سبب ہیں۔

■ قولہ: «التَّفْرِيقُ: هُوَ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ...» کی تشریح

التَّفْرِيقُ: هُوَ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ شَيْئَيْنِ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ۔ بھئی تفریق جمع کا عکس ہے۔ جمع میں کیا کرتے تھے؟ دو یا دو سے زیادہ مختلف قسم کی چیزوں کو ایک ہی حکم میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ تفریق میں یہ ہو گا کہ ایک جیسی چیزوں کو الگ الگ کر دیا جائے گا، ان میں فرق بیان کر دیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ چیزیں ایک جیسی ہیں لیکن ان میں کیا کر دیا جائے گا؟ فرق بیان کر دیا جائے گا۔

التَّفْرِيقُ هُوَ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ شَيْئَيْنِ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ تفریق وہ جدائی کرنا ہے دو چیزوں کے درمیان مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ وہ دو چیزیں جو ایک ہی نوع سے ہوں، ایک ہی قسم کی ہوں۔ کم از کم دو ہوں گی بھئی، دو ہونا ضروری نہیں، دو ہوں یا تین ہوں جتنی بھی چیزیں ہیں لیکن ایک ہی قسم کی ہوں گی اور ان میں کیا کر دی جائے گی؟ جدائی بیان کر دی جائے گی اور فرق کر دیا جائے گا، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

مَا نَوَالُ الْغَمَامِ وَقْتَ رَبِيعٍ ... كَنَوَالِ الْأَمِيرِ يَوْمَ سَخَاءِ

فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ ... وَنَوَالُ الْغَمَامِ قَطْرَةُ مَاءِ

مَا نَوَالُ الْغَمَامِ وَقْتَ رَبِيعٍ، نَوَال کہتے ہیں عطا کو بھئی، عطا اور انعام بھئی۔ غَمَام کہتے ہیں بادل کو۔ وَقْتَ رَبِيعٍ، رَبِيع کہتے ہیں بہار کو۔ مَا نَوَالُ الْغَمَامِ وَقْتَ رَبِيعٍ كَنَوَالِ الْأَمِيرِ يَوْمَ سَخَاءٍ، نہیں ہے بادل کی عطا یا وَقْتَ رَبِيعٍ بہار کے وقت، بہار کے وقت جو بادل کی عطا یا ہیں وہ نہیں ہیں كَنَوَالِ الْأَمِيرِ امیر کی عطا یا کی طرح يَوْمَ سَخَاءٍ سخاوت والے دن۔ مَا نَوَالُ الْغَمَامِ وَقْتَ رَبِيعٍ كَنَوَالِ الْأَمِيرِ يَوْمَ سَخَاءٍ، بہار کے وقت میں بادل کی جو عطا یا ہیں وہ عطا یا امیر کے سخاوت والے دن جو اس کی عطا یا ہوتی ہیں ان کی طرح نہیں ہیں۔

فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ، فَنَوَالُ الْأَمِيرِ یہ فَا تعلیلیہ ہے۔ فَا کیا ہے؟ تعلیلیہ۔ آپ نے پڑھا ہے اصول الشاشی اور نور الانوار کے اندر کہ فَا تعلیل کے لیے آتی ہے اور اس کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ بعض اوقات علت بیان کی جاتی ہے، اور اس کا ترجمہ پھر کیونکہ کے ساتھ کریں گے یا اس وجہ سے۔ فَنَوَالُ الْأَمِيرِ پس اس وجہ سے کہ امیر کی جو عطا ہے بَدْرَةُ عَيْنٍ۔ بَدْرَةُ عَيْنٍ یاد رکھیے یہ دس ہزار درہم کو کہتے ہیں۔ بَدْرَةُ عَيْنٍ کسے کہتے ہیں؟ دس ہزار درہم کی جو تھیلی ہو اس کو بَدْرَةُ عَيْنٍ کہتے ہیں۔ اور بعضوں نے لکھا کہ بھیڑ کے بچے کی کھال جو ہے، بھیڑ کے بچے کی کھال کو دراہم سے بھر دیا جائے تو یہ ہے بَدْرَةُ عَيْنٍ، اور بات وہی ہے بھئی، اس کا اندازہ کتنا لگایا گیا ہے؟ دس ہزار دراہم اس میں آجاتے ہیں۔

■ قولہ: «فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ» کی تشریح

تو کہتے ہیں: فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ کیونکہ امیر کی جو عطا ہے وہ دس ہزار درہم کی تھیلی ہے، وَنَوَالُ الْغَمَامِ قَطْرَةُ مَاءٍ اور بادل کی عطا جو ہے قَطْرَةُ مَاءٍ پانی کا ایک قطرہ ہے۔ بادل تو صرف بارش برسائے گا لیکن امیر کیا کرتا ہے سخاوت والے دن؟ وہ دس ہزار درہم کی تھیلی دے دیتا ہے۔

تو دیکھیے تفریق یہاں پر سمجھ میں آئی بھئی؟ ایک ہے بادل کی عطا، ایک ہے امیر کی عطا۔ ہیں دونوں عطا، ایک ہی چیز ہیں، لیکن شاعر نے دونوں میں تفریق کر دی اور بتلا دیا ایک اعلیٰ ہے ایک ادنیٰ ہے۔ حالانکہ دونوں کیا تھیں؟ ایک ہی نوع کی چیزیں تھیں، تو دونوں میں تفریق کر دی کہ مختلف ہیں: ایک اعلیٰ ہے اور ایک ادنیٰ ہے۔ مَا نَوَالُ الْغَمَامِ وَقْتَ رَبِيعٍ كَنَوَالِ الْأَمِيرِ يَوْمَ سَخَاءٍ ...فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ وَنَوَالُ الْغَمَامِ قَطْرَةُ مَاءٍ، پس نہیں ہے بادل کی عطا بہار کے وقت میں

جیسے کہ امیر کی عطا ہوتی ہے سخاوت والے دن، فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ اس وجہ سے کہ امیر کی جو عطا ہے وہ دس ہزار درہم کی ایک تھیلی ہوتی ہے اور بادل کی عطا جو ہے وہ ایک قطرہ پانی ہی تو ہے۔

التَّقْسِيمُ: هُوَ إِمَّا اسْتِيفَاءُ أَقْسَامِ الشَّيْءِ۔ اب تیسری صنعت آگئی تقسیم بھئی۔ تقسیم متعدد صورتیں ہیں اس کی بھئی۔ تقسیم کی متعدد صورتیں ہیں، تین صورتیں یہ یہاں ذکر کریں گے تقسیم کی۔ ایک صورت یہ کہ ایک چیز کی جتنی ممکنہ صورتیں ہوں، ممکنہ قسمیں ہوں، سب کو شمار کرلینا یہ ہے تقسیم بھئی۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ ایک چیز کی جتنی بھی قسمیں ہیں ان سب کو کیا کرلینا؟ شمار کرلینا یہ ہے تقسیم بھئی، ساری قسموں کو شمار کرلیا جائے۔ دیکھیے پہلے یہی بیان کررہے ہیں، ترتیب سے پڑھتے چلے جاتے ہیں، باقی قسمیں آگے آرہی ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: التَّقْسِيمُ هُوَ إِمَّا اسْتِيفَاءُ أَقْسَامِ الشَّيْءِ۔ اسْتِيفَاء کا معنی ہے پورا کرنا بھئی۔ اسْتِيفَاء کا کیا معنی ہے؟ پورا کرنا۔ هُوَ إِمَّا اسْتِيفَاءُ أَقْسَامِ الشَّيْءِ وہ کسی چیز کی اقسام کو پورا کرنا ہے یعنی اس کی ساری قسموں کو شمار کرلینا۔ کسی چیز کی قسموں کو پورا کرنا یعنی اس کی ساری قسموں کو شمار کرنا، یعنی کوئی قسم رہے نہ، بس ساری قسموں کو آپ شمار کردیں ایک چیز کی تو یہ تقسیم ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: التَّقْسِيمُ هُوَ إِمَّا اسْتِيفَاءُ أَقْسَامِ الشَّيْءِ تقسیم وہ یا تو کسی چیز کی تمام اقسام کو پورا کرلینا ہے، نَحْوُ قَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ»

وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ ... وَلَكِنَّنِي عَنْ عِلْمِ مَا فِي غَدٍ عَمِي

شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ آج جو ہورہا ہے میں وہ بھی جانتا ہوں، جو ماضی میں گزشتہ کل میں ہوا تھا وہ بھی میں جانتا ہوں، لیکن آگے آئندہ آنے والے کل میں کیا ہوگا میں اس سے جاہل ہوں، مجھے اس کا علم نہیں ہے بھئی۔ اب دیکھیے بھئی زمانے کے اعتبار سے علم کی تین ہی صورتیں ہوسکتی تھیں، شاعر نے سب کو شمار کردیا۔ زمانے کے اعتبار سے علم کی کتنی صورتیں تھیں؟ تین ہی صورتیں کیونکہ زمانہ تین قسم کا ہے: یا حال ہے، یا ماضی ہے، یا مستقبل ہے۔ تو شاعر نے ماضی کا علم بھی ذکر کردیا، حال کا علم بھی ذکر کردیا، اور مستقبل کا علم بھی، تو ساری قسمیں شمار کردیں۔

وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ اور میں جانتا ہوں آج کا علم بھی وَالْأَمْسِ، أَمْسِ کہتے ہیں گزشتہ کل جو گزرا ہوا کل ہوتا ہے، وَالْأَمْسِ اور گزشتہ کل کا علم بھی قَبْلَهُ جو اس آج سے پہلے ہے۔ میں آج کا علم بھی جانتا ہوں وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ اور اس گزشتہ کل کا بھی قَبْلَهُ جو اس آج سے پہلے گزرا ہے، وَلَكِنَّنِي عَنْ عِلْمِ مَا فِي غَدٍ، غد کہتے ہیں آنے والا کل، لیکن میں آنے والے کل کے علم سے عَمِي اندھا ہوں، اس سے اندھا ہوں جاہل ہوں۔ یہ بھی أَعْمَى جیسے أَعْمَى آتا ہے اندھے کے لیے اسی طرح عَمِي یہ لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جو بصیرت سے خالی ہو یعنی جاہل ہو بھئی، اندھا اور جاہل ہو۔

معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تین قسمیں تھیں علم کی زمانے کے اعتبار سے: آج کا علم، ماضی کا علم، اور آنے والے دن کا علم، وہ سارے اس نے شمار کردیے یعنی مستقبل کا علم۔ وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ اور میں جانتا ہوں آج کا علم بھی اور اس گزشتہ کل کا علم بھی جو آج سے پہلے ہے، وَلَكِنَّنِي عَنْ عِلْمِ مَا فِي غَدٍ عَمِي لیکن میں آنے والے دن کے علم سے عَمِي جاہل ہوں بھئی۔

بھئی یہ پہلی صورت تھی۔ تقسیم کی پہلی صورت کیا تھی؟ کہ ایک چیز کی جتنی بھی قسمیں ہیں ان سب کو شمار کرلینا۔ یہ پہلی قسم تھی۔ دوسری قسم: وَإِمَّا ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ وَإِرْجَاعُ مَا لِكُلٍّ إِلَيْهِ عَلَى التَّعْيِينِ۔ بھئی دوسری قسم یہ ہے، ادھر دیکھیے بھئی، تقسیم کی دوسری صورت کہ آپ دو یا تین یا زیادہ چیزوں کو اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں اور پھر آگے ہر ایک سے متعلقہ کوئی بات یا کوئی حکم ذکر کرتے چلے جاتے ہیں اور تعیین بھی کررہے ہیں کہ یہ جو اگلی بات ہے اس کا تعلق پہلی سے ہے، اس دوسری کا دوسری سے ہے، تیسری کا تیسری سے ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں میرے پاس زید، عمرو، بکر آئے، تو زید جو ہے میں نے اس کا اکرام کیا، عمرو کی میں نے پٹائی کی، اور بکر سے میں نے کچھ نہیں کہا۔ دیکھو پہلے تین کا ذکر آیا، کون کون آئے تھے میرے پاس؟ زید، عمرو، بکر، تین کا ذکر آگیا۔ اب آگے ہر ایک سے متعلقہ بات تعیین کے ساتھ میں بتلا رہا ہوں کہ زید کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے اس کا اکرام کیا، عمرو کی میں نے کیا کی؟ پٹائی کی، اور بکر کو میں نے کچھ نہیں کہا۔ تو دیکھو تعیین کے ساتھ ہر ایک سے متعلقہ کوئی بات ذکر ہوتی چلی جارہی ہے، اور تعیین ضروری ہے بھئی یاد رکھنا۔ اگر تعیین نہ ہو اور سننے والے کے حوالے آپ کردیں کہ وہ خود ہی سمجھ جائے گا پہلی بات کا تعلق کس سے ہے، دوسری کا کس سے ہے، تیسری کا کس سے، اس کو لف ونشر کہتے ہیں، یہ بھی آگے قسم آرہی ہے۔

تقسیم کی دوسری صورت کیا ہے؟ کہ چند چیزیں ذکر کی جائیں اور پھر ہر ایک سے متعلقہ آگے کوئی حکم یا کوئی بات ذکر کی جائے اور ان میں بھی تعیین ہو، پتہ چل رہا ہو کہ پہلی بات کا تعلق پیچھے جو تین چار ذکر ہوئے تھے ان میں سے کس کے ساتھ ہے، دوسری بات کا تعلق پیچھے جو تین چار ذکر ہوئے تھے ان میں سے کس کے ساتھ ہے، اور

چوتھی بات اس کا تعلق کس کے ساتھ ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ تو اگر متکلم یہ تعیین کر دیتا ہے تو اس کو کہتے ہیں تقسیم کہ اس نے تعیین کر دی: پہلی بات کا تعلق مثلاً پہلی چیز سے، دوسری بات کا تعلق دوسری چیز سے، تیسری بات کا تعلق تیسری چیز سے۔ یہ اگر متکلم تعیین کر دے تو اس کو کہتے ہیں تقسیم۔ اور اگر متکلم تعیین نہیں کرتا بلکہ سننے والے کے حوالے کر دیتا ہے کہ یہ خود ہی سمجھ جائے گا پہلی بات کا تعلق پہلی سے ہے، دوسری کا دوسری سے ہے، تیسری کا تیسری سے، تو اس کو لف و نشر کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ لف و نشر۔ تو اگر تعیین ہو تو وہ کیا ہے؟ تقسیم، اگر تعیین نہ ہو تو وہ لف و نشر ہے بھئی۔

■ قولہ: «وَإِمَّا ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ» کی تشریح

یہ معنی ہے: وَإِمَّا ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ اور تقسیم وہ یا تو متعدد چیزوں کو ذکر کرنا ہے وَإِرْجَاعُ مَا لِكُلٍّ إِلَيْهِ عَلَى التَّعْيِينِ اور لوٹانا وہ جو ان میں سے ہر ایک کے لیے ہے عَلَى التَّعْيِينِ کس طریقے پر؟ تعیین کے طریقے پر۔ لوٹانا ہر ایک کو جو اس کے لیے ہے یعنی جو حکم ہے جو بات ہے اس کے لیے اس کو اس کی طرف لوٹانا عَلَى التَّعْيِينِ تعیین کے طریقے پر، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

وَلَا يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ ... إِلَّا الْأَذَلَّانِ عَيْرُ الْحَيِّ وَالْوَتَدُ

هَذَا عَلَى الْخَسْفِ مَرْبُوطٌ بِرُمَّتِهِ ... وَذَا يُشَجُّ فَلَا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ

شاعر کہتا ہے: وَلَا يُقِيمُ، أَقَامَ يُقِيمُ کا معنی ٹھہرے رہنا۔ عَلَى ضَيْمٍ، ضَيْم ضاد کے ساتھ کہتے ہیں ظلم کو بھئی۔ وَلَا يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ اور کوئی نہیں ٹھہرتا عَلَى ضَيْمٍ ایسے ظلم پر يُرَادُ بِهِ جس کے ساتھ اس کا ارادہ کیا جائے۔ جس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ ظلم کیا جاتا ہے اور باقاعدہ ارادہ کر کے اسی پر کیا کیا جاتا ہے؟ ظلم، تو کوئی بھی ایسے ظلم پر ٹھہرتا نہیں وہاں سے چلا جاتا ہے إِلَّا الْأَذَلَّانِ سوائے دو أَذَلَّانِ کے یعنی دو سب سے زیادہ حقیر اور بے وقعت چیزوں کے۔ الْأَذَلّ جو سب سے زیادہ حقیر ہو، سب سے زیادہ بے وقعت ہو یعنی جس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ إِلَّا الْأَذَلَّانِ مگر دو سب سے زیادہ حقیر اور بے وقعت چیزیں، وہ کیا ہیں؟ عَيْرُ الْحَيِّ۔ عَيْرٌ کہتے ہیں گدھے کو بھئی، حَيٌّ محلہ، عَيْرُ الْحَيِّ محلے کا جو گدھا ہے، مراد پالتو گدھا ہے کیونکہ گدھا آپ جانتے ہیں دو قسم کا ہے: ایک یہ پالتو اور ایک وحشی اور جنگلی گدھا۔ تو یہاں عَيْرُ الْحَيِّ محلے کے گدھے سے کیا مراد ہے؟ پالتو گدھا۔ وَالْوَتَدُ اور دوسری چیز جو ہے وَتَد ہے، وَتَد کہتے ہیں میخ کو بھئی، کیل جو آپ دیوار میں کوئی چیز وغیرہ لٹکانی ہو میخ لگاتے ہیں یہ وَتَد ہے بھئی۔

تو شاعر کہتا ہے: وَلَا يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ اور نہیں ٹھہرا رہتا کوئی ایک بھی عَلَى ضَيْمٍ ایسے ظلم پر يُرَادُ بِهِ جس کے ساتھ اس کا ارادہ کیا جائے إِلَّا الْأَذَلَّانِ مگر دو سب سے زیادہ حقیر چیزیں عَيْرُ الْحَيِّ وَالْوَتَدُ ایک پالتو گدھا ہے اور ایک کیل ہے یعنی میخ ہے، هَذَا عَلَى الْخَسْفِ مَرْبُوطٌ بِرُمَّتِهِ ...وَذَا يُشَجُّ فَلَا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ۔ هَذَا عَلَى الْخَسْفِ، خَسْف یہ کہتے ہیں ذلت کو بھئی۔ خَسْفٌ کا کیا معنی؟ ذلت۔ مَرْبُوطٌ بندھا ہوا، بِرُمَّتِهِ۔ رُمَّةٌ کہتے ہیں پرانی بوسیدہ رسی کا ٹکڑا۔ رسی کا بوسیدہ اور پرانا ٹکڑا ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ رُمَّةٌ۔ شاعر کہتا ہے: هَذَا عَلَى الْخَسْفِ مَرْبُوطٌ بِرُمَّتِهِ یہ جو گدھا ہے عَلَى الْخَسْفِ ذلت پر مَرْبُوطٌ بندھا ہوا ہوتا ہے بِرُمَّتِهِ اپنی پرانی رسی کے ٹکڑے کے ساتھ۔ یہ اپنی پرانی رسی کے ٹکڑے کے ساتھ باندھا گیا ہوتا ہے عَلَى الْخَسْفِ کس پر؟ ذلت پر بھئی، یعنی ذلت کے ساتھ اس کو رکھا جاتا ہے۔

وَذَا اور وہ جو کیل ہے يُشَجُّ۔ شَجَّ يَشُجُّ کے معنی ہوتے ہیں سر پر زخم لگانا، سر زخمی کرنا۔ وَذَا يُشَجُّ اور اس کے سر کو زخمی کیا جاتا ہے فَلَا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ۔ رَثَى يَرْثِي کے معنی افسوس والا کلام کہنا، تعزیتی کلام کہنا، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور اس کا صلہ لام آجائے رَثَى يَرْثِي کا جیسے یہاں آیا يَرْثِي لَهُ، لَهُ میں کیا آرہا ہے؟ لام، تو رَثَى يَرْثِي کے ساتھ جب لام آجائے تو اس کا معنی ہوتا ہے ترس کھانے کے اور رحم کھانے کے۔ وَذَا يُشَجُّ اور وہ جو کیل ہے اس کے سر کو زخمی کیا جاتا ہے، بھئی جب آپ کسی بھی چیز میں کیل لگاتے ہیں کیا کرتے ہیں؟ کیل کے سر پر ہتھوڑے برساتے ہیں ضربیں لگاتے ہیں۔ وَذَا يُشَجُّ اور اس کیل کے سر کو کوٹا جاتا ہے فَلَا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ تو کسی ایک کو بھی اس پر ترس نہیں آتا بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

■ قولہ: «وَلَا يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ» کی تشریح

تو شاعر کہتا ہے: وَلَا يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ ...إِلَّا الْأَذَلَّانِ عَيْرُ الْحَيِّ وَالْوَتَدُ، هَذَا عَلَى الْخَسْفِ مَرْبُوطٌ بِرُمَّتِهِ ...وَذَا يُشَجُّ فَلَا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ، اور کوئی ایک بھی باقی نہیں رہتا ایسے ظلم پر جس کے ساتھ اس کا ارادہ کیا جائے إِلَّا الْأَذَلَّانِ مگر دو سب سے زیادہ حقیر چیزیں عَيْرُ الْحَيِّ وَالْوَتَدُ ایک محلے کا گدھا یعنی پالتو گدھا ہے وَالْوَتَدُ اور ایک کیل ہے یعنی میخ ہے، هَذَا عَلَى الْخَسْفِ مَرْبُوطٌ بِرُمَّتِهِ یہ ذلت پر بندھا ہوا ہوتا ہے بِرُمَّتِهِ اپنی پرانی بوسیدہ رسی

کے ساتھ وَذَا يُشَجُّ اور وہ جو کیل ہے اس کے سر کو کوٹا جاتا ہے فَلَا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ تو کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔

اب دیکھیے بھئی دو چیزیں ذکر ہوئیں۔ تقسیم کی دوسری صورت ہم پڑھ رہے ہیں کہ متعدد چیزوں کو ذکر کیا جائے اور ہر ایک سے متعلقہ آگے حکم ذکر کیا جائے یا کوئی بات ذکر کی جائے اور اس میں بھی کہنے والا تعیین کر دے کہ اس پہلی بات کا تعلق پہلی چیز سے ہے دوسری کا تعلق دوسری چیز سے ہے۔ یہاں پر دو چیزیں شاعر نے ذکر کیں: ایک پالتو گدھا اور ایک کیل، میخ۔ اس کو ذکر کیا اور آگے دو حکم بیان کیے کہ یہ اپنی پرانی بوسیدہ رسی کے ساتھ ذلت کے ساتھ باندھا گیا ہوتا ہے اور دوسری کے سر کو کوٹا جاتا ہے، اور تعیین بھی کر دی کہ پہلی بات کا تعلق گدھے سے ہے، جو پرانی رسی کے ساتھ باندھا گیا ہوتا ہے اس کا تعلق کس سے ہے؟ گدھے سے، اور اس سر کو کوٹا جاتا ہے اس کا تعلق کس سے ہے؟ کیل کے ساتھ ہے، یہ کہنے والے نے تعیین کر دی۔ اگر یہ تعیین نہ ہوتی تو اس کو ہم کیا کہتے؟ لف و نشر، لیکن کہنے والے نے چونکہ تعیین کر دی اس لیے اب اس کو لف و نشر نہیں کہیں گے تقسیم کہیں گے۔ تو بس تقسیم اور لف و نشر میں تعیین اور عدمِ تعیین کا فرق ہے: تعیین ہو کہنے والے کی طرف سے تو یہ ہے تقسیم، اگر تعیین نہ ہو کہنے والے کی طرف سے بلکہ سننے والوں کے سپرد کر دیا جائے کہ وہ خود ہی سمجھ جائیں گے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ لف و نشر۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے یہاں تعیین کیسے ہے بھئی؟ شاعر نے کہاں کہا کہ یہ پہلی بات کا تعلق گدھے سے ہے اور دوسری بات کا تعلق میخ سے ہے، کہاں کہا؟ کہتے ہیں بھئی آپ دیکھ نہیں رہے؟ پہلے کے لیے شاعر نے کہا هَذَا اور دوسری کے لیے صرف کہا ذَا۔ یہ هَذَا اور ذَا کے ذریعے دراصل شاعر نے بتلا دیا کہ کس کا تعلق کس سے ہے۔ کس طرح؟ دیکھیے بھئی یہ ذَا ہے اسمِ اشارہ قریب کے لیے۔ آپ بھی کہتے ہیں هَذَا كِتَابٌ یہ کیا ہے؟ کتاب ہے۔ یہ هَذَا كِتَابٌ کے اندر یاد رکھیے یہ ذَا اسمِ اشارہ ہے اور یہ هَا تنبیہ کی ہے کسی کو متوجہ کرنے کے لیے هَا کہا جاتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ هَا تنبیہ کی ہے اور ذَا اسمِ اشارہ ہے۔

اب دیکھیے یہاں دو چیزیں ذکر تھیں، کون کون سی؟ عَيْرُ الْحَيِّ اور وَتَد، اور آگے هَذَا سے شروع ہو رہے ہیں ان کے بارے میں حکم بیان کر رہے ہیں۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ آگے حکم بیان ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے دو چیزیں ذکر ہیں: وَتَد اور عَيْرُ الْحَيِّ۔ دونوں قریب ہیں لیکن ایک زیادہ قریب ہے ایک کم قریب ہے۔ آگے هَذَا کے کون کم قریب ہے؟ عَيْرُ الْحَيِّ، اور زیادہ قریب کون ہے؟ وَتَد، وَتَد بالکل اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو دیکھیے یوں کہیے ایک ہے اقرب، ایک ہے قریب۔ وَتَد ہے اقرب زیادہ قریب، اور عَيْرُ الْحَيِّ کیا ہے؟ قریب ہے، قریب تو ہے لیکن زیادہ قریب نہیں۔ اب دونوں کے لیے شاعر نے ذَا اسمِ اشارہ استعمال کیا لیکن پہلے کے ساتھ تنبیہ کی هَا کو بھی بڑھا دیا اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ جو بات ہے یہ اقرب والے کے لیے نہیں ہے بلکہ قریب والے کے لیے ہے۔ کس کے لیے ہے؟ قریب کے لیے۔ کیسے؟ بھئی دیکھیے ناذَا کیا ہے؟ اسمِ اشارہ۔ تو دیکھیے پیچھے دو چیزیں ذکر ہیں: ایک ہے قریب ایک ہے زیادہ قریب۔ اگر ذَا کہہ دیا جائے تو ذَا سے پتہ چل گیا کہ چیز قریب ہے، لیکن شاعر نے اس کے ساتھ تنبیہ والی هَا بھی ملا دی، معلوم ہوا قریب تو ہے لیکن زیادہ قریب نہیں اسی لیے تنبیہ کی هَا کی بھی یہاں ضرورت پڑی، ورنہ تو ذَا کافی تھا لیکن شاعر نے کیا بڑھا دیا؟ هَا کو بھی ساتھ بڑھایا، معلوم ہوا زیادہ قریب نہیں ہے یہ چیز اسی لیے اس کے ساتھ هَا کی بھی ضرورت پڑ گئی۔ اور جب زیادہ قریب نہیں تو وہ کیا چیز ہے؟ عَيْرُ الْحَيِّ۔ اور دوسری میں هَا تنبیہ کی استعمال نہیں کی یعنی یہ چیز زیادہ قریب ہے اس میں تنبیہ کی هَا کی ضرورت نہیں ہے بھئی۔

تفصیل سمجھ میں آئی؟ یہ ہے بلاغت بھئی، شاعر نے یہ هَذَا اور ذَا لا کر کیسے گہری بات کی طرف اشارہ کر دیا بھئی۔ بات سب کو سمجھ بھی آئی کہ نہیں آئی؟ ایک چیز زیادہ قریب تھی ایک کم قریب، تو قریب کے لیے تو ذَا آتا ہے، شاعر نے تنبیہ کی هَا کو بھی بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ یہ جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں یہ زیادہ قریب نہیں ہے اسی لیے مجھے کس کے لانے کی ضرورت پڑی؟ تنبیہ والی هَا بھی لانا پڑی کیونکہ یہ چیز تھوڑی سی دور تھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: هَذَا عَلَى الْخَسْفِ مَرْبُوطٌ بِرُمَّتِهِ ...وَذَا يُشَجُّ فَلَا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ، هَذَا یہ جو ہے کس کی طرف اشارہ ہوا؟ گدھے کی طرف، یہ ذلت پر باندھا گیا ہوتا ہے بِرُمَّتِهِ اپنی پرانی رسی کے ٹکڑے کے ساتھ، وَذَا يُشَجُّ اور وہ جو ہے ذَا اس کے ذریعے کس کی طرف اشارہ؟ کیل کی طرف بھئی۔ یہ کس نے بتایا ہمیں؟ کہ اس کے ساتھ تنبیہ والی هَا نہیں ہے، معلوم ہوا یہ اقرب کے لیے ہے اور هَذَا کس کے لیے ہے؟ قریب کے لیے یعنی جو چیز تھوڑی سی دور ہے۔

دو صورتیں ہو گئیں تقسیم کی: پہلی تقسیم کی صورت یہ تھی کہ ایک چیز کی جتنی قسمیں ممکن ہیں ان سب کو شمار کر لینا، دوسری قسم تقسیم کی کیا؟ کہ متعدد چیزوں کو ذکر کرنا اور ان میں سے تعیین کرتے ہوئے ہر ایک سے متعلقہ بات بھی آگے ذکر کرتے چلے جانا۔ اب تیسری صورت آگئی تقسیم کی: وَإِمَّا ذِكْرُ أَحْوَالِ الشَّيْءِ مُضَافًا إِلَى كُلٍّ مِنْهَا مَا يَلِيقُ بِهِ۔ تیسری صورت تقسیم کی بھئی یہ ہے، ادھر دیکھیے: ایک چیز ہے آپ اس کے آگے مختلف احوال ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں زید بیمار بھی ہوتا ہے، تندرست بھی ہوتا ہے، خوش بھی ہوتا ہے اور کبھی غمگین بھی ہوتا ہے۔ دیکھو زید کی کتنی حالتیں میں نے ذکر کر دیں! ایک ہی چیز کی متعدد حالتیں ذکر کرنا اور پھر ہر حالت کے ساتھ جو مناسب کوئی حکم ہو یا کوئی بات ہو وہ بھی ذکر کرتے چلے جانا۔ مثلاً فرض کرو میں زید کی دو حالتیں بیان کرتا ہوں: زید کبھی خوش ہوتا ہے اور کبھی غمگین ہوتا ہے۔ دو حالتیں بیان کر دیں اور ہر حالت کے ساتھ متعلقہ کوئی بات بھی میں کر دوں، مثلاً میں یوں کہوں: زید خوش ہوتا ہے جس دن چھٹی ہوتی ہے، زید غمگین ہوتا ہے جس دن سبق ہوتا ہے۔ دیکھو ہر ایک کے ساتھ متعلقہ: خوش کب ہوتا ہے؟ جب چھٹی ہوتی ہے، دیکھو یہ چھٹی ہونے کا ذکر اس کے مناسب آگیا۔ اور غمگین کب ہوتا ہے؟ جس دن سبق ہوتا ہے، تو دیکھو یہ اس کے مناسب۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ تیسری صورت ہے کہ ایک چیز کے متعدد احوال ذکر کرنا اور ہر حال کے مناسب اس کے

ساتھ کوئی بات یا کوئی حکم وغیرہ ذکر کر دینا۔

■ قولہ: «وَإِمَّا ذِكْرُ أَحْوَالِ الشَّيْءِ» کی تشریح

کہتے ہیں: وَإِمَّا ذِكْرُ أَحْوَالِ الشَّيْءِ اور تقسیم یا تو وہ ذکر کرنا ہے ایک ہی چیز کے بہت سے احوال کو مُضَافًا إِلَى كُلٍّ مِنْهَا اس حال میں کہ نسبت کی جائے ان میں سے ہر حال کی طرف مَا يَلِيقُ بِهِ اس چیز کی جو اس کے مناسب ہو، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا وَمَشَايِخٍ ... كَأَنَّهُمُ مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا مُرْدُ

ثِقَالٌ إِذَا لَاقَوْا خِفَافٌ إِذَا دُعُوا ... كَثِيرٌ إِذَا شَدُّوا قَلِيلٌ إِذَا عُدُّوا

شاعر کہتا ہے: سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا عنقریب میں طلب کروں گا حَقِّي اپنے حق کو بِالْقَنَا۔ قَنَا جمع ہے قَنَاةٌ کی گول تا کے ساتھ، قَنَاةٌ کہتے ہیں نیزے کو۔ سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا عنقریب میں طلب کروں گا میں مطالبہ کروں گا اپنے حق کا بِالْقَنَا نیزوں کے ساتھ وَمَشَايِخٍ۔ مَشَايِخ یہ غیر منصرف ہے لیکن وزنِ شعری کی بنا پر یہاں اس پر کسرہ اور تنوین آئے گی بھئی۔ تو مَشَايِخ جمع ہے شَيْخٌ کی اور شَيْخٌ کہتے ہیں بوڑھے اور عمر رسیدہ انسان کو۔ اور شاعر کہتا ہے: سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا وَمَشَايِخٍ عنقریب میں طلب کروں گا اپنے حق کو بِالْقَنَا نیزوں کے ساتھ وَمَشَايِخٍ اور تجربہ کار لوگوں کے ساتھ۔ مَشَايِخ سے مراد بوڑھے نہیں ہیں بلکہ مراد تجربہ کار ہیں بھئی، لیکن ذکر کیا اس کو مَشَايِخ کے لفظ کے ساتھ کیونکہ بوڑھوں کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے۔ تو میں عنقریب طلب کروں گا اپنے حق کو نیزوں کے ساتھ وَمَشَايِخٍ اور تجربہ کار لوگوں کے ساتھ كَأَنَّهُمُ مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا مُرْدُ گویا کہ وہ جو لوگ ہیں وہ جو مشائخ ہیں مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا، الْتَثَمَ کے معنی ہوتے ہیں نقاب اوڑھنے کے، لِثَام نقاب کو کہتے ہیں۔

عرب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جنگ کرتے ہوئے عموماً چہرے پر نقاب اوڑھتے تھے یعنی وہی جو پگڑی باندھی ہوئی ہے اسی کا ایک بل چہرے پر بھی باندھ لیتے تھے تاکہ ایک تو گرد و غبار اور مٹی سے حفاظت ہو اور نیز تاکہ پہچانے نہ جائیں بھئی، تو یہ ان کا طریقہ تھا۔ تو شاعر بھی یہی کہتا ہے کہ وہ جو مشائخ ہیں وہ جو تجربہ کار لوگ ہیں انہوں نے بڑے لمبے عرصے سے اپنے چہروں پر نقاب باندھ رکھے ہیں، یعنی کہنا یہ چاہتا ہے وہ اتنے تجربہ کار لوگ ہیں ہر وقت جنگوں ہی میں مصروف رہتے ہیں۔ بھئی نقاب تو کب باندھتے ہیں عرب؟ جنگ کے اندر، اور انہوں نے بڑے لمبے عرصے سے نقاب باندھ رکھے ہیں، معلوم ہوا بڑے لمبے عرصے سے یہ مسلسل کس میں مصروف ہیں؟ جنگوں میں مصروف ہیں یعنی بڑے ہی تجربہ کار لوگ ہیں۔

كَأَنَّهُمُ مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا مُرْدُ، مُرْدٌ جمع ہے أَمْرَد کی۔ أَمْرَد وہ لڑکا جس کے ابھی داڑھی نہ آئی ہو، داڑھی آنے کے قریب ہو لیکن آئی نہ ہو اس کو أَمْرَد کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مُرْدٌ آتی ہے۔ تو كَأَنَّهُمُ مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا مُرْدُ شاعر کہتا یہ ہے کہ انہوں نے بڑے لمبے عرصے سے نقاب اوڑھ رکھے ہیں نقاب پہن رکھے ہیں تو وہ یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے امرد ہیں، یعنی ہیں تو وہ بڑے داڑھیاں بھی ہیں لیکن نقاب کے اندر انہوں نے اپنے چہروں کو چھپایا ہوا ہے داڑھیاں بھی اسی میں چھپی ہوئی ہیں تو یوں معلوم ہوتے ہیں وہ سارے گویا امرد ہیں جس کی ابھی داڑھی نہیں آئی بھئی۔ سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا وَمَشَايِخٍ ... كَأَنَّهُمُ مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا مُرْدُ، میں عنقریب طلب کروں گا اپنے حق کو نیزوں کے ساتھ اور ایسے تجربہ کار لوگوں کے ساتھ كَأَنَّهُمُ مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا گویا کہ وہ لمبے عرصے تک نقاب اوڑھنے کی وجہ سے مُرْدُ امرد ہیں۔

■ قولہ: «ثِقَالٌ إِذَا لَاقَوْا، ثِقَالٌ» کی تشریح

ثِقَالٌ إِذَا لَاقَوْا، ثِقَالٌ وزنی ہیں وہ لوگ وہ مشائخ۔ تو چاہے اس کو ثِقَالٌ پڑھیں اس صورت میں یہ خبر بنے گی، هُمْ ضمیر محذوف ہوگی مبتدا: وہ لوگ کیا ہیں؟ ثِقَالٌ بڑے وزنی ہیں۔ یا آپ چاہیں تو اس کو مَشَايِخٍ کی صفت بنا دیں: ثِقَالٍ، وہ مَشَايِخٍ مجرور تھا تو یہ بھی کیا ہوں گے؟ مجرور، اور اسی طرح آگے خِفَافٌ، كَثِيرٌ اور قَلِيلٌ میں بھی یہی دونوں اعراب جاری کر سکتے ہیں رفع بھی اور جر بھی۔ ثِقَالٌ وہ بڑے وزنی ہیں إِذَا لَاقَوْا جب وہ ملاقات کرتے ہیں۔ وہ مشائخ کیا ہیں؟ بڑے وزنی ہیں جب وہ ملاقات کرتے ہیں، یعنی جب دشمن سے ان کا سامنا ہوتا ہے تو بڑے بھاری پڑتے ہیں ان پر اور ان کو اپنے قدموں تلے کچل کر ہلاک کر دیتے ہیں ختم کر دیتے ہیں۔ لَاقَوْا بھئی، لَاقُوا نہیں، لَاقَوْا قاف پر فتحہ ڈالیں بھئی: لَاقَى، لَاقَيَا، لَاقَوْا۔ ثِقَالٌ وہ بڑے وزنی ہیں إِذَا لَاقَوْا جب وہ ملاقات کرتے ہیں۔

خِفَافٌ جمع ہے خَفِيف کی، ہلکے کو کہتے ہیں۔ خِفَافٌ وہ بڑے ہلکے ہیں إِذَا دُعُوا جب ان کو پکارا جاتا ہے۔ بھئی جس شخص کا وزن زیادہ ہو گا بدن وزنی ہو گا وہ ہر کام تیزی سے نہیں کر سکتا، لیکن جس شخص کا بدن ہلکا پھلکا ہو وہ ہر کام دوڑ دوڑ کر کرتا ہے تیزی سے کرتا ہے۔ تو شاعر یہی کہہ رہا ہے کہ وہ جب دشمن سے ملاقات کرتے ہیں

تب تو بڑے وزنی ہیں لیکن جب ان کو بلایا جائے کوئی جنگ ہو رہی ہے کوئی مصیبت آگئی ہے تو بڑے ہلکے پھلکے ہیں فوراً بھاگتے ہوئے دوڑتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟ خِفَافٌ بڑے ہی ہلکے ہیں إِذَا دُعُوا جب ان کو پکارا جاتا ہے۔

كَثِيرٌ إِذَا شَدُّوا بہت زیادہ ہیں وہ إِذَا شَدُّوا، شَدَّ يَشُدُّ کے معنی حملہ کرنا، جب وہ حملہ کرتے ہیں۔ حملہ کرتے ہیں تو بہت زیادہ دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک ایک پوری جماعت کے برابر ہے جرات اور بہادری کے اندر بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جیسے وہ جنگ کا ذکر آتا ہے کہ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمن کی طرف سے کوئی عظیم جنگ ہو رہی تھی، نام اس وقت میرے ذہن میں نہیں بڑی مشہور لڑائی ہے بھئی، تو اس لڑائی کے اندر دشمن کی طرف سے پہلے دن ساٹھ ہزار دشمن مقابلے کے لیے آیا صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ساٹھ ہزار اندازہ لگایئے کتنی بڑی فوج ہو گی، اسلحے کے ساتھ لیس ہیں سارے۔ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں، ساٹھ ہزار دشمن مقابلے پر آئے تھے، حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر میں چکر لگایا اور تیس آدمی مقابلے پر لے کر آگئے سامنے، یعنی ہر دو ہزار کے مقابلے میں ایک آدمی وہ لے کر آئے۔ تیس آدمی دیکھیے آپ کی جماعت میں لگ بھگ تیس کے قریب ہیں یہ تیس آدمی کتنے ہوتے ہیں، اور دوسری طرف ساٹھ ہزار لشکر ہو ذرا سوچیے تو سہی انسان کانپ اٹھتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے کتنی جرات تھی صحابہ کو اللہ نے کیسی ایمانی قوت نصیب فرمائی تھی بھئی!

تیس آدمی لے آئے تو سارے کہنے لگے کہ حضرت آپ یہ کیا کر رہے ہیں یہ تو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں تیس آدمی اور ادھر ساٹھ ہزار ہیں! بڑا ساتھیوں نے زور لگایا لیکن وہ کسی طرح ماننے کو تیار نہیں تھے، پھر بالآخر بڑی مشکل سے اس بات پر تیار ہوئے کہ چلو تیس نہیں ساٹھ کر لیتے ہیں۔ ساٹھ ہزار کے مقابلے میں پھر ساٹھ آدمی لے کر آئے مقابلے پر۔ اور یہ ساٹھ آدمی بھی عام آدمی نہیں تھے، یہ اتنے بڑے بڑے بہادر تھے کہ ان میں سے ایک ایک کے بارے میں، جب عرب میں کوئی بہت بہادر ہوتا تھا تو اس کے بارے میں مشہور ہوتا تھا اور کہتے تھے یہ اکیلا ایک آدمی ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ تو وہ جو ساٹھ لے کر آئے ان میں سے ہر ایک اتنا مشہور تھا بہادری اور شجاعت میں کہ عرب والے کہتے تھے کہ یہ ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ تو ساٹھ آدمیوں کو لے کر آئے اور کہا کہ یہ ساٹھ ہزار کے مقابلے میں میں ساٹھ ہزار ہی لے کر آیا ہوں، اور پھر ان کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔

کہتے ہیں صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی بھئی۔ آپ اندازہ لگایئے آپ کے ہاتھ میں تلوار ہو اور تلوار کا بھی اتنا وزن ہوتا ہے ایک دفعہ دو دفعہ گھمائیں تو آپ کے بازو میں درد شروع ہو جائے، اور اس تلوار کے ساتھ آپ سارا دن ایک طرف مار رہے ہیں تلوار دوسری طرف مار رہے ہیں، کتنی انہوں نے تیاری کی ہو گی، کتنی مشق کرتے ہوں گے جہاد کی صحابہ وغیرہ کتنی تیاری کرتے ہوں گے بھئی! تو وہ شام تک جنگ رہی بھئی، وہ ساٹھ جو صحابہ اور مجاہدین تھے دشمن پر ایک طرف کبھی حملہ آور ہوتے صفوں کی صفیں الٹا دیتے پھر کبھی دوسری طرف حملہ آور ہو جاتے، وہ ساٹھ ہزار لگے ہوئے ہیں کسی طرح ان ساٹھ آدمیوں کو قابو کر لیں لیکن شام ہو گئی وہ کسی طرح ان کے قابو میں نہیں آئے۔ اور شام کو جب جنگ ختم ہوئی رکی واپس آئے تو پتہ چلا مسلمانوں میں سے غالباً صرف ایک شہید ہوا ہے یا دو شہید ہوئے ہیں اور دشمن کے سینکڑوں آدمیوں کو انہوں نے قتل کر دیا تھا بھئی۔ یہ صحابہ تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور ان کی صحبت کے انوارات سمیٹنے والے لوگ تھے بھئی۔

تو یہ بھی شاعر کہہ رہا ہے، اب دیکھیے سبق پر: كَثِيرٌ إِذَا شَدُّوا بہت زیادہ ہوتے ہیں وہ إِذَا شَدُّوا جب وہ حملہ کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کیا ہے؟ ایک پوری جماعت کے برابر ہے۔ قَلِيلٌ إِذَا عُدُّوا بڑے ہی تھوڑے ہیں إِذَا عُدُّوا جب ان کو شمار کیا جاتا ہے۔ تو دیکھیے شاعر نے مشائخ کے کئی احوال ذکر کر دیے: ثِقَالٌ وزنی ہیں، خِفَافٌ ہلکے ہیں، كَثِيرٌ بہت زیادہ ہیں، قَلِيلٌ بہت تھوڑے ہیں، چار احوال، اور ہر حالت کے ساتھ جو اس کے مناسب ہے اس کو بھی ذکر کر دیا: ثِقَالٌ وزنی ہیں کب وزنی ہوتے ہیں؟ إِذَا لَاقَوْا جب دشمن سے ملاقات کرتے ہیں اور اس کا سامنا کرتے ہیں، خِفَافٌ ہلکے ہوتے ہیں کب ہلکے ہوتے ہیں؟ إِذَا دُعُوا جب ان کو پکارا جاتا ہے فوراً دوڑتے ہوئے چلے آتے ہیں، كَثِيرٌ بہت زیادہ ہیں کب زیادہ ہیں؟ إِذَا شَدُّوا جب وہ حملہ کرتے ہیں، قَلِيلٌ بہت تھوڑے ہیں کب؟ إِذَا عُدُّوا جب ان کو شمار کیا جاتا ہے۔

■ قولہ: «سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا وَمَشَايِخٍ» کی تشریح

اب دیکھیے ایک دفعہ ترجمہ دوبارہ دیکھ لیں شعر کا بھئی: سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا وَمَشَايِخٍ ...كَأَنَّهُمُ مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا مُرْدُ، ثِقَالٌ إِذَا لَاقَوْا خِفَافٌ إِذَا دُعُوا ...كَثِيرٌ إِذَا شَدُّوا قَلِيلٌ إِذَا عُدُّوا، عنقریب میں طلب کروں گا اپنے حق کو نیزوں کے ساتھ اور ایسے تجربہ کار مشائخ کے ساتھ كَأَنَّهُمُ گویا کہ وہ جو ہیں مِنْ طُولِ مَا الْتَثَمُوا لمبے عرصے تک نقاب اوڑھنے کی وجہ سے مُرْدُ امرد ہیں، ثِقَالٌ إِذَا لَاقَوْا بڑے وزنی ہیں جب وہ ملاقات کرتے ہیں یعنی دشمن سے، خِفَافٌ إِذَا دُعُوا ہلکے ہیں إِذَا دُعُوا جب ان کو پکارا جاتا ہے، كَثِيرٌ إِذَا شَدُّوا بہت زیادہ ہیں إِذَا شَدُّوا جب وہ حملہ کرتے ہیں، قَلِيلٌ تھوڑے سے ہیں إِذَا عُدُّوا جب ان کو شمار کیا جاتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو مشائخ کو ذکر کیا تجربہ کار لوگ مراد ہیں بھئی، بوڑھے لوگ مراد نہیں ہیں بھئی، چونکہ بوڑھوں کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے مشائخ کے لفظ کے ساتھ ان کو ذکر کیا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

جیسے بھئی کہتے ہیں ایک مرتبہ ایک گاؤں کے اندر ایک آدمی تھا اس کو درخت پر چڑھنا نہیں آتا تھا لیکن کسی طرح وہ کسی وجہ سے درخت پر چڑھا اور چڑھتے چڑھتے بہت اوپر چڑھ گیا۔ اب چڑھنا تو آتا نہیں تھا لیکن کسی طرح چڑھ گیا، اب جب اترنے کا وقت آیا تو اب پریشان ہے اتروں کیسے، سمجھ میں ہی نہیں آرہا۔ خیر بڑی کوشش کی جب کچھ

حل نہ ہوا چیخ و پکار کرنے لگا، سارے گاؤں والے اکٹھے ہو گئے کہ اوہو اب اس کو اتاریں کیسے، کسی کو سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے اتاریں اس کو۔ آخر بڑی دیر تک سوچتے رہے پھر کہنے لگے بھئی ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا وہ ہمارا جو سب سے بوڑھا آدمی ہے اس کو لے کر آتے ہیں وہ ضرور کوئی بہترین مشورہ دے گا بڑا تجربہ کار آدمی ہے۔ چنانچہ وہ بوڑھا اتنا بوڑھا تھا کوئی نوے سو سال کا بوڑھا چل پھر بھی نہیں سکتا تھا چارپائی پر لیٹا ہوا تھا تو اس کو چارپائی پر ہی لے آئے بھئی۔

اب وہ آیا آ کر اس کی چارپائی لا کر رکھی اس کو دکھایا وہ اوپر آدمی چڑھا ہوا ہے اس کو نیچے اتارنا ہے ہمیں کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی کیا کریں۔ تو اس نے اس آدمی کی طرف دیکھا اور پہلے وہ بوڑھا شخص ہنسنے لگا اور پھر رونے لگ پڑا۔ انہوں نے کہا یہ کیا بات ہے پہلے آپ ہنسے ہیں اور پھر روئے ہیں؟ کہتا ہے ہنسا اس لیے ہوں کہ تمہیں اتنا آسان سا کام ہے یہ بھی تم لوگوں سے نہیں ہوتا اس کو درخت سے اتارنے کا کام بھی نہیں کر سکتے تو مجھے ہنسی آ گئی تم لوگوں پر، اور رویا اس لیے ہوں کیونکہ مجھے یہ فکر ہوئی کہ عنقریب میرا تو انتقال ہو جائے گا پھر جب تم کسی مصیبت میں پڑو گے تو تمہیں کوئی مشورہ کون دے گا، کون تمہیں اس مصیبت سے نکالے گا۔ تو کہنے لگے اچھا کوئی حل بتایئے اس مسئلے کا۔ کہنے لگا یہ تو بڑا آسان کام ہے، رسہ لے کر آؤ بڑا سا رسہ بھئی۔ چنانچہ وہ رسہ لے آئے۔ کہنے لگا اس رسے کو پھینکو اس آدمی تک پہنچ جائے۔ انہوں نے رسے کو پھینکا وہ آدمی تک پہنچ گیا تو بوڑھا کہنے لگا اب اس سے کہو اس کو مضبوطی سے اپنی کمر کے ساتھ باندھ لے۔ اس نے مضبوطی سے اپنی کمر کے ساتھ رسہ باندھ لیا تو اب بوڑھے نے نیچے والوں کو کہا اب زور سے کھینچو اس کو۔ اب انہوں نے زور سے کھینچا تو وہ سیدھا اوپر سے نیچے آ کے گرا وہیں مر گیا۔ اب وہ آئے بوڑھے کے پاس کہ جی آپ نے کہا تھا کھینچو ہم نے تو کھینچا ہے وہ تو آدمی ہی مر گیا ہے۔ بوڑھا کہنے لگا بھئی اس کی تو موت کا وقت ہی آیا ہوا تھا ورنہ اس طرح میں نے کتنے ہی آدمیوں کو کنویں سے نکالا ہے صحیح سلامت نکل آتے ہیں، اس کی موت آئی ہوئی تھی اس لیے یہ مر گیا ورنہ یہ مرنے والی کوئی بات نہیں تھی یہاں پر۔

تو آج ہم نے کیا کیا پڑھا؟ جمع، تفریق اور تقسیم۔ جمع کس کو کہتے تھے؟ متعدد چیزوں کو ایک ہی حکم کے اندر جمع کر دینا۔ تفریق کسے کہتے تھے؟ ایک ہی قسم کی چیزوں کو ان میں تفریق کر دینا ان کو الگ الگ کر دینا ان میں فرق بیان کر دینا۔ اور تقسیم کی تین صورتیں ذکر ہوئیں: ایک تو یہ کہ ایک چیز کی کئی قسمیں ہیں ان سب کو شمار کر دینا کوئی قسم باقی بچے نہ، ساری قسموں کو شمار کر دینا ایک صورت یہ ہے تقسیم کی۔ دوسری صورت یہ ہے تقسیم کی کہ متعدد چیزوں کو ذکر کیا جاتا ہے اور پھر ہر ایک کے مناسب کوئی بات آگے ذکر کی جاتی ہے اور تعیین بھی کر دی جاتی ہے کہ پہلی بات کا تعلق پہلی سے ہے دوسری کا دوسری سے تیسری کا تیسری سے ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے تقسیم کی کہ ایک ہی چیز کے کئی احوال ذکر کیے جاتے ہیں اور ہر حال کے مناسب جو بات ہوتی ہے اس کی بھی اس کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ہر حال کے مناسب جو چیز ہے اس کی نسبت اس حال کی طرف کر دی جاتی ہے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۹: محسناتِ معنویہ: طی و نشر (لف و نشر)، ارسال المثل والکلام الجامع، مبالغہ (تبلیغ، اغراق، غلو) اور مغایرہ

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۲۷ــــ بتاریخ: ۱۸ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الطَّيُّ وَالنَّشْرُ: هُوَ ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ عَلَى التَّفْصِيلِ أَوِ الْإِجْمَالِ ثُمَّ ذِكْرُ مَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَدِّدِ مِنْ غَيْرِ تَعْيِينٍ اعْتِمَادًا عَلَى فَهْمِ السَّامِعِ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ، فَالسُّكُونُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّيْلِ وَالِابْتِغَاءُ رَاجِعٌ إِلَى النَّهَارِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بدیع کے اندر محسناتِ معنویہ کا ذکر چل رہا ہے بھئی۔ اب تک بارہ مختلف اقسام کی صنعتیں آپ پڑھ چکے ہیں جن کی وجہ سے معنی کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے۔ آج ہم طی و نشر کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ طَيٌّ کا معنی ہے لپیٹنا، نَشْرٌ کا معنی ہے کھولنا، طی و نشر بھئی۔ نیز اسی کو لف و نشر بھی کہتے ہیں بھئی، لف و نشر آپ عام پڑھتے رہتے ہوں گے۔ طَيّ اور لَفّ کا ایک معنی ہے، لَفّ کا معنی بھی لپیٹنا، اسی کو طَيٌّ وَنَشْرٌ بھی کہتے ہیں اور لف و نشر بھی کہتے ہیں بھئی۔

بھئی گزشتہ سبق میں آپ نے ایک صنعت پڑھی تھی تقسیم بھئی۔ اور تقسیم کی ایک صورت یہ تھی کہ متعدد چیزوں کو ذکر کیا جائے اور پھر ہر ایک سے متعلقہ کوئی بات ذکر کی جائے آگے اور اس میں بھی تعیین ہو کہ مثلاً پہلی بات کا تعلق پہلی چیز سے ہے، دوسری کا تعلق دوسری سے ہے، تیسری کا تعلق تیسری سے ہے، تعیین ہوتی ہے تو اس کو کہتے تھے تقسیم۔ اور بعینہ یہی صورت ہو لیکن اگر تعیین نہ ہو تو اسی کو کہیں گے لف و نشر بھئی۔ متعدد چیزیں ذکر ہوں اور پھر آگے ہر ایک سے متعلقہ کوئی حکم یا کوئی بات ذکر کی جائے اور تعیین نہ کی جائے کہ پہلی بات کا تعلق کس سے ہے، دوسری کا کس سے ہے، تیسری کا کس سے ہے، بلکہ تعیین سامع کے حوالے کر دی جائے کہ سننے والا خود ہی سمجھ جائے گا پہلی بات کا تعلق کس سے ہے، دوسری کا کس سے ہے اور تیسری کا کس سے ہے، تو اس کو کہتے ہیں لف و نشر بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ لف و نشر۔ تو تقسیم میں اور لف و نشر میں صرف کیا فرق آیا؟ ہاں تقسیم کے اندر تعیین ہو گی، لف و نشر کے اندر تعیین نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں: الطَّيُّ وَالنَّشْرُ هُوَ ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ عَلَى التَّفْصِيلِ أَوِ الْإِجْمَالِ طی و نشر جو ہے وہ ذکر کرنا ہے متعدد چیزوں کو عَلَى التَّفْصِيلِ تفصیل کے طریقے پر أَوِ الْإِجْمَالِ یا اجمال کے طریقے پر۔ بھئی طی و نشر، لف و نشر پہلے کیا کیا جاتا ہے اس میں؟ متعدد چیزوں کو ذکر کیا جائے گا اور پھر آگے ہر ایک سے متعلقہ حکم یا کوئی بات ذکر کی جائے گی۔ تو یہ جو متعدد چیزوں کو ذکر کیا جائے گا ان کو ذکر کرنے کی دو صورتیں ہیں: یا تو تفصیل کے طریقے پر متعدد چیزیں ذکر ہوں گی یا اجمالاً ذکر ہوں گی۔ اجمالاً یہ کہ ساروں کو اکٹھا ذکر کر دیں، مثلاً میں کہتا ہوں: جَاءَنِي ثَلَاثَةُ رِجَالٍ میرے پاس تین آدمی آئے، ایک صورت یہ ہے۔ ایک صورت یہ ہے میں یوں کہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ۔ تو اگر ہر ایک کا علیحدہ ذکر ہے تو اس کو کہیں گے تفصیل: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ، یہ ہے تفصیل کے طریقے پر میں نے متعدد چیزوں کو ذکر کیا، ہر ایک کا علیحدہ ذکر کر رہا ہوں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ سب کو اکٹھا ذکر کر دیتا ہوں: جَاءَنِي ثَلَاثَةُ رِجَالٍ، اب یہ ہے اجمالاً بھئی، اس میں یہ نہیں ذکر کون کون زید ہے عمرو بکر علیحدہ علیحدہ سب کے نام ذکر نہیں۔ تفصیل اور اجمال میں فرق سمجھ میں آیا؟ متعدد چیزوں کو ذکر کرنے کی دو صورتیں ہیں: یا ان کو کیسے ذکر کیا جائے گا؟ اجمالاً اکٹھا ہی، یا تفصیلاً یعنی ہر ایک کا نام وغیرہ یا ہر ایک کے لیے لفظ کو علیحدہ ذکر کیا جائے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: هُوَ ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ عَلَى التَّفْصِيلِ أَوِ الْإِجْمَالِ وہ متعدد چیزوں کو ذکر کرنا ہے تفصیل پر یا اجمال پر یعنی تفصیلی طور پر یا اجمالی طور پر، ثُمَّ ذِكْرُ مَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَدِّدِ مِنْ غَيْرِ تَعْيِينٍ پھر ذکر کرنا اس بات کو اس حکم کو جو ان میں سے ہر ایک کے لیے ہے مِنَ الْمُتَعَدِّدِ ان متعدد میں سے مِنْ غَيْرِ تَعْيِينٍ

بغیر کسی تعیین کے، اعْتِمَادًا عَلَى فَهْمِ السَّامِعِ اعتماد کرتے ہوئے کس پر؟ سامع کے فہم پر، وہ سمجھ جائے گا کہ پہلی بات کا تعلق کس سے ہے دوسری کا کس سے ہے اور تیسری کا کس سے ہے، كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللہ نے بنایا تمہارے لیے رات کو وَالنَّهَارَ اور دن کو لِتَسْكُنُوا فِيهِ تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ اور تاکہ تم تلاش کرو اس اللہ کے فضل میں سے یعنی روزی کو۔ اللہ نے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور تاکہ اس میں روزی تلاش کرو بھئی۔

اب دیکھیے یہاں پر متعدد چیزوں کا ذکر آیا بھئی، کون کون سی؟ لیل اور نہار۔ اور کس طریقے پر آیا، تفصیلاً آیا یا اجمالاً آیا؟ تفصیلاً آیا، لیل کا ذکر الگ نہار کا ذکر الگ، تو یہ تفصیلاً ہے۔ پھر آگے ہر ایک سے متعلقہ بات ہو رہی ہے: لِتَسْكُنُوا فِيهِ تاکہ تم اس میں کیا کرو؟ سکون حاصل کرو۔ یہ تعیین نہیں کی گئی سکون کس میں حاصل کرو، لیکن سننے والا خود سمجھ جاتا ہے کہ سکون کا تعلق کس سے ہے؟ رات سے ہے۔ اور تاکہ تم اس میں روزی تلاش کرو، سننے والا خود سمجھ جاتا ہے روزی تلاش کرنے کا تعلق کس سے ہے؟ دن کے ساتھ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں متعدد چیزیں ذکر ہیں اولاً، اور وہ تفصیلاً ہیں، اور پھر ہر ایک سے متعلقہ بات ذکر ہے اور سننے والے کے حوالے ہے وہ خود سمجھ جاتا ہے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ آپ ذکر کر رہے ہیں لف ونشر کو اور آپ نے بتلایا کہ لف ونشر اور تقسیم میں کیا فرق ہے؟ کہ تقسیم میں تعیین ہوتی ہے اور لف ونشر میں تعیین نہیں۔ تو اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں پر تو آیا لِتَسْكُنُوا فِيهِ، فِيهِ کی ہِ ضمیر تو قطعی طور پر لیل کو راجع ہے تو تعیین تو آگئی: تاکہ تم اس رات میں سکون حاصل کرو، تو تعیین آگئی یہاں پر، تو یہ تو لف ونشر کی قسم نہیں بنی بلکہ اس کو کس میں ہونا چاہیے؟ تقسیم کے اندر داخل ہونا چاہیے۔ تو جواب یہ کہ بھئی یہ فِيهِ کی ہِ ضمیر اس میں احتمال تھا لیل کو بھی راجع ہو سکتی تھی اور نہار کو بھی راجع ہو سکتی تھی، لیکن یہ لیل کو راجع کی کس سے پتہ چلا؟ یہ جو سکون اور روزی تلاش کرنا ان دونوں معنی کے اندر ہم نے غور کیا اس سے ہمیں پتہ چلا کہ یہ فِيهِ کی ضمیر کو کس کو لوٹانا پڑے گا؟ لیل کو، ورنہ فی ذاتہ اس ہِ ضمیر کے اندر احتمال تھا یہ نہار کو بھی راجع ہو سکتی ہے کیونکہ نہار بھی واحد مذکر اور لیل کو بھی راجع ہو سکتی ہے کیونکہ لیل کا لفظ بھی کیا ہے؟ واحد مذکر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اس میں دونوں احتمال تھے لہٰذا یہ تعیین نہیں، تعیین تو پھر سننے والا سمجھ گیا کہ معلوم ہوا اس کا تعلق لیل سے ہے اس کی طرف راجع کی بھئی۔

■ قولہ: «فَالسُّكُونُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّيْلِ» کی تشریح

دیکھیے آگے کہتے ہیں: فَالسُّكُونُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّيْلِ تو سکون جو ہے یہ لوٹ رہا ہے لیل کی طرف یعنی اس کا تعلق لیل سے ہے، وَالِابْتِغَاءُ رَاجِعٌ إِلَى النَّهَارِ اور ابتغاء یعنی تلاش کرنا روزی کا یہ لوٹ رہا ہے کس کی طرف؟ نہار کی طرف یعنی اس کا تعلق نہار سے ہے۔

وَكَقَوْلِ الشَّاعِرِ اور جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

ثَلَاثَةٌ تُشْرِقُ الدُّنْيَا بِبَهْجَتِهَا ... شَمْسُ الضُّحَى وَأَبُو إِسْحَاقَ وَالْقَمَرُ

ثَلَاثَةٌ تین چیزیں ہیں تُشْرِقُ الدُّنْيَا، أَشْرَقَ يُشْرِقُ کا معنی روشن ہونا، کہ روشن ہے دنیا بِبَهْجَتِهَا۔ بَهْجَةٌ کہتے ہیں خوبصورتی کو حسن کو بھئی، کہ دنیا روشن ہے بِبَهْجَتِهَا ان کی خوبصورتی سے: شَمْسُ الضُّحَى ایک تو چاشت کے وقت کا سورج ہے، چاشت کا وقت بھئی جب صبح سورج آسمان کے کنارے سے دو تین نیزے اونچا ہو جائے یعنی صبح کا وقت ہی کہیں بھئی، شَمْسُ الضُّحَى ایک تو صبح کے وقت کا سورج ہے، وَأَبُو إِسْحَاقَ اور ایک میرا ممدوح ہے جس کی میں تعریف کر رہا ہوں یعنی ابو اسحاق، وَالْقَمَرُ اور تیسری چیز چاند ہے۔

دیکھیے یہاں پر تین کو اکٹھا ثَلَاثَةٌ کہا گیا، اکٹھا ذکر کیا گیا بھئی اجمالاً ذکر کیا گیا، اور پھر آگے تفصیل بیان کر دی گئی کہ وہ تین چیزیں کیا ہیں: شَمْسُ الضُّحَى ہے، أَبُو إِسْحَاقَ ہے اور قَمَر ہے، تو یہ ان کی تفصیل آگئی۔ تو پہلے ان کو ثَلَاثَةٌ کہہ کر ان سب کو لپیٹ دیا گیا تھا ایک ہی لفظ میں تینوں کو ذکر کر دیا اور پھر آگے ہر ایک کا علیحدہ نام ذکر کر دیا، تو یہ کیا ہوا؟ لف ونشر، پہلے لپیٹ دیا اور پھر کھول دیا کہ یہ تین چیزیں ہیں بھئی جن سے دنیا روشن ہے اور چمک رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے بھئی معلوم ہوا لف دو قسم کا ہو سکتا ہے: لف کے اندر متعدد چیزوں کا ذکر تفصیلاً بھی ہو سکتا ہے اور اجمالاً بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی مثال جو آیت تھی اس کے اندر لف کے اندر تفصیل تھی، لیل اور نہار کا الگ الگ ذکر تھا۔ اور شعر کے اندر ثَلَاثَةٌ یہاں لف کے اندر کیا ہے؟ اجمال ہے۔ تو جہاں پر لف کے اندر تفصیل ہوتی ہے یاد رکھیے یعنی متعدد چیزیں علیحدہ علیحدہ ذکر ہیں، پھر آگے ہر ایک سے متعلقہ جو حکم یا جو بات ذکر ہوتی ہے اس میں اگر وہی ترتیب ہو جو کس کے اندر تھی؟ لف کے اندر تھی، یعنی لف میں مثلاً تین چیزیں ذکر ہیں: زید، عمرو اور بکر، اور آگے نشر کے اندر جو حکم ذکر ہو رہا ہے وہاں بھی ترتیب اسی طرح ہے: پہلے حکم کا تعلق کس سے ہے؟ زید سے، دوسرے کا تعلق عمرو سے، اور تیسرے کا تعلق بکر سے۔ یعنی جو ترتیب لف میں تھی چیزوں کی آگے نشر کے اندر ان کے احکام بھی اسی ترتیب سے آئیں تو اس کو کہتے ہیں لف ونشر مرتب۔ کیا کہتے ہیں؟ لف ونشر مرتب۔ اور اگر نشر کے اندر حکموں کی وہ ترتیب نہ رہے، ترتیب بدل جائے تو اس کو کہتے ہیں لف ونشر غیر مرتب۔ مثلاً تین چیزیں ذکر ہوئیں اور بعد میں تین جو احکام بیان ہو رہے ہیں پہلے حکم کا تعلق پہلی چیز سے نہیں ہے مثلاً کس سے ہے؟ دوسری سے ہے، دوسرے حکم کا تعلق پہلی چیز سے ہے، تیسرے کا تعلق تیسری چیز

سے ہے، تو دیکھو ترتیب وہ نہ رہی، لف میں اور ترتیب نشر میں اور ترتیب، تو اس کو کہتے ہیں لف ونشر غیر مرتب۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو نشر میں اگر وہی ترتیب ہو جو لف والی تو کیا کہیں گے؟ لف ونشر مرتب، اور اگر وہ ترتیب نہ ہو تو لف ونشر غیر مرتب۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ہو گا جب لف کے اندر تفصیل ہو گی تب ہی مرتب یا غیر مرتب اس کو کہہ سکتے ہیں، اگر لف کے اندر تفصیل نہیں بلکہ اجمال ہے ثَلَاثَةٌ پھر تو تینوں اکٹھے آگئے یہاں تو ترتیب یا عدمِ ترتیب کا سوال پیدا نہیں ہوتا بھئی۔

■ قولہ: «إِرْسَالُ الْمَثَلِ وَالْكَلَامِ الْجَامِعِ:...» کی تشریح

اگلی صنعت دیکھیے: إِرْسَالُ الْمَثَلِ وَالْكَلَامِ الْجَامِعِ: هُوَ أَنْ يُؤْتَى بِكَلَامٍ صَالِحٍ لِأَنْ يُتَمَثَّلَ بِهِ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ۔ إِرْسَالُ الْمَثَلِ وَالْكَلَامِ الْجَامِعِ، مَثَل بھئی ضرب المثل، کہاوت، یا اسی طرح کوئی بامعنی جملہ یا مشہور قول وغیرہ جس سے کوئی عبرت یا نصیحت حاصل کی جائے اور اس قسم کے مواقع پر اس کو استعمال کیا جائے اس کو ضرب المثل کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ضرب المثل کہتے ہیں۔ تو إِرْسَالُ الْمَثَلِ، إِرْسَالُ الْكَلَامِ کا معنی ہوتا ہے بات کرنا۔ إِرْسَالُ الْكَلَامِ کا کیا معنی؟ بات کرنا، تو إِرْسَالُ الْمَثَلِ کا کیا معنی ہوا؟ ضرب المثل بیان کرنا، ضرب المثل کے ساتھ بات کرنا۔ اسی طرح وَالْكَلَامِ الْجَامِعِ أَيْ إِرْسَالُ الْكَلَامِ الْجَامِعِ جامع کلام کے ساتھ بات کرنا جو جامع ہو بھئی۔

ارسال المثل اور کلام جامع یہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: هُوَ أَنْ يُؤْتَى بِكَلَامٍ صَالِحٍ لِأَنْ يُتَمَثَّلَ بِهِ وہ یہ کہ لایا جائے ایسا کلام صَالِحٍ جو صلاحیت رکھتا ہے لِأَنْ يُتَمَثَّلَ بِهِ کہ اس کے ذریعے مثال بیان کی جائے فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ أَيْ فِي مَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ بہت سی جگہوں میں۔ بھئی ضرب المثل بھی کس کو کہتے تھے؟ کوئی بامعنی جملہ یا مشہور قول جسے عبرت یا نصیحت کے موقع پر ذکر کیا جاتا ہے، تو جو اس کے مناسب موقع ہو گا اس موقع پر اس کلام کو ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آپ کوئی ایسا شعر کہتے ہیں یا ایسا مصرع کہتے ہیں جس میں کوئی ایسا بامعنی جملہ ہے جسے اس قسم کے مواقع پر اور جگہوں پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہو تو اس کو کہیں گے ارسال المثل یا ارسال الکلام الجامع کہیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

کہتے ہیں: هُوَ أَنْ يُؤْتَى بِكَلَامٍ صَالِحٍ لِأَنْ يُتَمَثَّلَ بِهِ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وہ یہ کہ لایا جائے ایسا کلام جو صلاحیت رکھتا ہو کہ اس کے ذریعے مثال بیان کی جائے فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ بہت سی جگہوں میں۔ وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا اب فرق بیان کر رہے ہیں دونوں میں کہ ارسال المثل اور ارسال الکلام الجامع میں کیا فرق ہے۔ کہتے ہیں: وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا اور فرق ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ أَنَّ الْأَوَّلَ يَكُونُ بَعْضَ بَيْتٍ کہ پہلا جو ہے وہ بعضِ بیت ہو گا یعنی شعر کا کچھ حصہ ہو گا۔ پورا شعر نہیں ہو گا، یعنی ارسال المثل میں کیا ہو گا؟ وہ جو بات ہو گی وہ پورے شعر میں نہیں بلکہ شعر کے کچھ حصے میں مثلاً ایک مصرعے میں ہو گی، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحَلِ

تَكَحُّل، تَكَحَّلَ يَتَكَحَّلُ تَكَحُّلًا کا معنی ہے آنکھوں میں سرمہ لگانا۔ اور كَحَل بابِ سَمِعَ سے ہے: كَحِلَ يَكْحَلُ كَحَلًا، کاف پر فتحہ ہے حاء پر بھی فتحہ ہے، تو اس کا معنی ہوتا ہے قدرتی طور پر آنکھوں کا سیاہ ہونا سرمگیں ہونا۔ بھئی بعض افراد کی پلکیں جو ہیں قدرتی طور پر بڑی گھنی اور سیاہ ہوتی ہیں تو کہتے ہیں گویا اس کی آنکھیں قدرتی طور پر ہی سرمگیں ہیں یعنی ان میں گویا سرمہ لگا ہوا ہے خوب سیاہ ہیں۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟

تو شاعر کہتا ہے: لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحَلِ کہ آنکھوں میں سرمہ لگانا یہ قدرتی طور پر آنکھوں کے سرمگیں ہونے کی طرح نہیں ہے۔ ایک ہے قدرتی طور پر آنکھیں سرمگیں ہوں اور ایک ہے کہ آدمی خود کیا کرے؟ سرمہ لگا کر آنکھوں کو سیاہ کرے، تو شاعر کیا کہتا ہے کہ مصنوعی طور پر سرمے کے ذریعے جو آنکھیں سیاہ کی جائیں وہ قدرتی سیاہ آنکھوں کی طرح نہیں ہیں۔ تو دیکھیے یہ ہے ارسال المثل، شعر کے ایک حصے کے اندر ایسا کلام ذکر کر دیا گیا جس کو اس قسم کی جگہوں پر استعمال کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اس کو استعمال کیا جاتا ہے جب بھی مصنوعی اور اصلی چیز میں فرق ذکر کرنا ہوتا ہے تو اس کو بطورِ مثال کے ذکر کیا جاتا ہے، یعنی جہاں بھی آپ یہ کہنا چاہیں کہ مصنوعی چیز اصلی چیز جیسی نہیں ہو سکتی، مصنوعی چیز قدرتی چیز جیسی نہیں ہو سکتی، اس موقع پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دیکھیے یہ پورا شعر نہیں ہے تو یہ ارسال المثل کے قبیل سے ہے۔

■ قولہ: «يَكُونُ بَيْتًا كَامِلًا» کی تشریح

وَالثَّانِي اور دوسری قسم یعنی ارسال الکلام الجامع يَكُونُ بَيْتًا كَامِلًا وہ کیا ہو گا؟ پورا شعر ہو گا، اس کو کلامِ جامع کہیں گے، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

إِذَا جَاءَ مُوسَى وَأَلْقَى الْعَصَا ... فَقَدْ بَطَلَ السِّحْرُ وَالسَّاحِرُ

إِذَا جَاءَ مُوسَى جب موسیٰ علیہ السلام آگئے وَأَلْقَى الْعَصَا اور انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی فَقَدْ بَطَلَ السِّحْرُ تو تحقیق جادو بھی باطل ہو گیا جادو بھی مٹ

گیاوَالسَّاحِرُ اور جادو گر بھی۔إِذَا جَاءَ مُوسَى وَأَلْقَى الْعَصَا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگئے اور انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو تحقیق جادو اور جادو گر باطل ہو گئے یعنی مٹ گئے ختم ہو گئے۔ اب دیکھیے یہ پورے شعر کے اندر ایک جامع کلام آیا تو یہ کلامِ جامع کہلائے گا، اور اس کو جہاں پر بھی حق باطل پر غالب آجائے اس موقع پر اس کو کہتے ہیں۔ جہاں پر بھی کیا ہو؟ باطل مٹ جائے اور حق غالب آجائے تو کہتے ہیں:إِذَا جَاءَ مُوسَى وَأَلْقَى الْعَصَا ...فَقَدْ بَطَلَ السِّحْرُ وَالسَّاحِرُ، جب موسیٰ علیہ السلام آگئے اور انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو جادو اور جادو گر سب کیا ہو گئے؟ مٹ گئے ختم ہو گئے، تو یہ ہے کلامِ جامع بھئی۔ فرق دونوں میں سمجھ میں آگیا کہ مثل کیا ہو گی وہ پورا شعر نہیں ہو گا اور کلامِ جامع میں پورا شعر ہو گا۔

الْمُبَالَغَةُ: هِيَ ادِّعَاءُ بُلُوغِ وَصْفٍ فِي الشِّدَّةِ أَوِ الضَّعْفِ حَدًّا يَبْعُدُ أَوْ يَسْتَحِيلُ۔ مبالغہ کرنا بھئی۔هِيَ ادِّعَاءُ بُلُوغِ وَصْفٍ، بُلُوغ کا معنی پہنچنا، ادِّعَاء کا معنی دعویٰ کرنا۔هِيَ ادِّعَاءُ بُلُوغِ وَصْفٍ یہ کسی وصف کے پہنچنے کا دعویٰ کرنافِي الشِّدَّةِ أَوِ الضَّعْفِ شدت کے اندر یعنی زیادہ ہونے میں سخت ہونے میں أَوِ الضَّعْفِ یا ضعیف ہونے میں۔ عبارت پر نظر ہے بھئی؟ کسی وصف کا شدت یا ضعف میں پہنچنے کا دعویٰ کرنا۔ بھئی کہاں تک پہنچنے کا دعویٰ کرنا؟ حَدًّا يَبْعُدُ أَوْ يَسْتَحِيلُ ایسی حد تک جو بعید ہو یا محال ہو یعنی ممکن ہی نہ ہو، اس کو کہتے ہیں مبالغہ۔ کیا کہتے ہیں؟ مبالغہ۔ دیکھیے مبالغہ اس کو کہتے ہیں کہ آپ کسی شخص کا کوئی وصف یا کسی چیز کا کوئی وصف ذکر کرتے ہیں اور اس وصف کو بیان کرتے ہیں کہ وہ وصف اس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ جو بڑا ہی بعید ہے، یعنی عقل سے بعید ہو یا یوں کہیں محال ہو۔ تو کسی وصف کا عقل سے بعید حد تک پہنچے ہوئے ہونے کا دعویٰ کرنا یا محال حد تک پہنچے ہوئے ہونے کا دعویٰ کرنا یہ کیا ہے؟ مبالغہ ہے بھئی۔

■ قولہ: «الْمُبَالَغَةُ هِيَ ادِّعَاءُ بُلُوغِ وَصْفٍ فِي...» کی تشریح

تو کہتے ہیں:الْمُبَالَغَةُ هِيَ ادِّعَاءُ بُلُوغِ وَصْفٍ فِي الشِّدَّةِ أَوِ الضَّعْفِ حَدًّا يَبْعُدُ أَوْ يَسْتَحِيلُ مبالغہ جو ہے یہ کسی وصف کا شدت یا ضعف میں ایسی حد تک پہنچنے کا دعویٰ کرنا يَبْعُدُ جو بعید ہو یعنی عقل سے بعید ہو کہ بڑا ہی مشکل ہو وہاں تک پہنچنا کسی چیز کا أَوْ يَسْتَحِيلُ یا کیا ہو؟ محال ہو یعنی ممکن ہی نہ ہو۔ وَتَنْقَسِمُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ اور یہ تقسیم ہوتا ہے تین قسموں کی طرف، اس کی تین قسمیں ہیں مبالغے کی بھئی: ایک دیکھیے آگے بتلائیں گے تبلیغ ہے، ایک اغراق ہے اور ایک غلو ہے بھئی۔ غُلُوٌّ، غین پر بھی پیش ہے، لام پر بھی پیش اور واؤ مشدد ہے:غُلُوٌّ۔

بھئی مبالغہ کسے کہتے تھے؟ کسی وصف کا شدت یا ضعف میں ایسی حد تک پہنچنا جو عقلاً بعید ہو یا محال ہو۔ پہلی قسم اس کی تَبْلِيغٌ ہے:إِنْ كَانَ ذَلِكَ مُمْكِنًا عَقْلًا وَعَادَةً اگر وہ عقلاً اور عادۃً ممکن ہو۔ ایسی حد تک پہنچنے کا دعویٰ کر دیا ہے لیکن اس حد تک اس وصف کا پہنچنا عقلاً بھی ممکن ہے عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے اور عادۃً بھی ممکن ہے یعنی عام طور پر عادت میں بھی ایسا ہوتا ہے،كَقَوْلِهِ فِي وَصْفِ فَرَسٍ جیسے کہ ایک شاعر کا قول گھوڑے کے وصف میں گھوڑے کی تعریف کے اندر بھئی، گھوڑے کی رفتار بیان کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے:

إِذَا مَا سَابَقَتْهَا الرِّيحُ فَرَّتْ ... وَأَلْقَتْ فِي يَدِ الرِّيحِ التُّرَابَا

إِذَا مَا سَابَقَتْهَا، سَابَقَ يُسَابِقُ کے معنی ہوتے ہیں مقابلہ کرنا۔إِذَا مَا سَابَقَتْهَا جب مقابلہ کرتی ہے اس گھوڑے کے ساتھ، هَا ضمیر راجع ہے فَرَس کو، فَرَس مؤنث سماعی ہے لہٰذا کون سی ضمیر لوٹائی؟ مؤنث کی۔ جب اس گھوڑے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے الرِّيحُ ہوا فَرَّتْ، یہ دیکھیے پھر مؤنث کا صیغہ آیا ضمیر کس کو راجع؟ فَرَس کو، فَرَّتْ تو وہ گھوڑا دوڑتا ہے وَأَلْقَتْ اور ڈال دیتا ہے فِي يَدِ الرِّيحِ ہوا کے ہاتھ میں التُّرَابَا مٹی۔ ہوا کے ہاتھ میں کیا ڈال دیتا ہے؟ مٹی۔ تو دیکھیے شاعر جو ہے گھوڑے کی رفتار کی تعریف کر رہا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے لفظ آیا رِيحٌ بھئی، یاد رکھیے رِيحٌ کا لفظ عربی زبان میں تیز ہوا آندھی وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو خوشگوار ہوا ہو اس کے لیے عموماً رِيَاحٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو شاعر کہتا ہے جب آندھی میرے گھوڑے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے رفتار کے اندر تو میرا گھوڑا دوڑتا ہے اور اس آندھی کے ہاتھ میں مٹی ڈالتا ہوا چلا جاتا ہے، یعنی اس سے بھی آگے نکل جاتا ہے اور پیچھے آندھی کے اندر اس گھوڑے کے دوڑنے کی وجہ سے جو مٹی اڑتی ہے وہ آندھی کے پاس ہی رہ جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟

اب دیکھیے اس شاعر نے گھوڑے کی رفتار کا ایسی حد تک پہنچنے کا اس نے دعویٰ کر دیا جو بہت نادر ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ہر گھوڑا تو اتنا رفتار والا نہیں لیکن بعض گھوڑے کیا ہوتے ہیں؟ بے انتہا تیز رفتار ہوتے ہیں، تو عام آندھی وغیرہ ہو وہ ہوا سے بھی آگے نکل جائیں گے۔ بھئی اگر آندھی کی رفتار تیز ہوئی پھر تو جو مٹی اڑے گی وہ گھوڑے سے آگے نکلتی چلی جائے گی، اور اگر آندھی متوسط درجے کی ہوئی تو گھوڑا یقیناً اس سے آگے رہے گا اور وہ مٹی جو اڑ رہی ہے وہ پیچھے ہی باقی رہے گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور یہ عقلاً بھی ممکن ہے اور عادۃً ایسا ہوتا بھی ہے اگرچہ بہت کم ہے بھئی۔ تو بہت تیز شدید آندھی اس کا تو واقعی مقابلہ گھوڑا نہیں کر سکتا، تو جو عام متوسط آندھی ہو تیز ہوا ہو یقیناً تیز رفتار گھوڑا اس سے زیادہ اس کی رفتار ہو گی بھئی۔ معنی شعر کا سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو دیکھیے گھوڑے کا وصف بیان کر رہا ہے تیز رفتاری کو اور اس تیز رفتاری کو اس حد تک پہنچنے کا دعویٰ کر دیا شاعر نے جو عقلاً بڑا بعید ہے بڑا مشکل ہے یعنی بہت کم ایسا ہوتا ہے، لیکن بہر حال عقلاً بھی ممکن ہے ایسا ہو سکتا ہے اور نیز عادۃً بھی ممکن ہے عام طور

پر ایسا ہوتا بھی ہے بھئی۔

اور دوسری قسم ہے: وَإِغْرَاقٌ إِنْ كَانَ مُمْكِنًا عَقْلًا لَا عَادَةً اگر ایسا عقلاً تو ممکن ہو لیکن عادۃً ممکن نہ ہو یعنی عادۃً نہ ہوتا ہو، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «نُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا»

نُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا ... وَنُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَيْثُ مَالَا

شاعر کہتا ہے: نُكْرِمُ جَارَنَا، أَكْرَمَ يُكْرِمُ اکرام کرنا یعنی احسان کرنا، ہم احسان کرتے ہیں جَارَنَا، جَار کہتے ہیں پڑوسی کو، اپنے پڑوسی کے ساتھ مَا دَامَ فِينَا جب تک وہ ہمارے درمیان رہتا ہے، وَنُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ اور ہم اس کے پیچھے کرامت کو یعنی احسان کو بھیجتے ہیں حَيْثُ مَالَا۔ حَيْثُ جگہ اور مکان کے معنی میں عام استعمال ہوتا رہتا ہے، یہاں پر بھی حَيْثُ مکان کے معنی میں ہے۔ حَيْثُ مَالَا جس طرف جس جگہ بھی وہ مائل ہو جائے یعنی جس جگہ بھی وہ چلا جائے۔ مَالَ يَمِيلُ کے معنی مائل ہونا ایک طرف کو جھکنا، یہاں مراد ہے چلے جانا: حَيْثُ مَالَا جس جگہ بھی وہ چلا جائے۔

شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ ہم ایسے سخی اور نیک لوگ ہیں ایسے بلند اخلاق والے لوگ ہیں کہ جب تک کوئی شخص ہمارے پڑوس میں رہتا ہے ہم اس کے ساتھ احسانات کرتے ہیں۔ اور یہ تو اور لوگ بھی کرتے ہیں پڑوسی ہو تو لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟ احسان کرتے ہیں، لیکن ہم تو اگر پڑوسی ہمارا اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں اور جا کر رہنے لگے تو بھی یہاں سے ہمارے احسانات اس کو پہنچتے رہتے ہیں یعنی عطایا اور انعامات وغیرہ ہماری طرف سے اس کو پہنچتے رہتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو شاعر کیا کہتا ہے: نُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا ہم اکرام کرتے ہیں ہم احسان کرتے ہیں اپنے پڑوسی کے ساتھ مَا دَامَ فِينَا جب تک وہ ہمارے درمیان رہتا ہے، وَنُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَيْثُ مَالَا اور ہم اس کے پیچھے احسان کو بھیجتے ہیں حَيْثُ مَالَا جہاں کہیں بھی وہ چلا جائے مائل ہو جائے بھئی۔

اب دیکھیے یہ عقلاً تو ممکن ہے: ایک پڑوسی ہے وہ آپ کے پاس سے جگہ چھوڑ کر کہیں اور دوسرے شہر میں جا کر رہنے لگا تو آدمی کیا کر سکتا ہے؟ یہاں سے احسانات کر سکتا ہے اس کے ساتھ اس کو چیزیں وغیرہ بھیج سکتا ہے۔ لیکن عادۃً ایسا ہوتا نہیں: جب تک کوئی شخص عموماً پڑوسی ہوتا ہے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں لیکن جب وہ اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا تو پھر اس کے پیچھے احسانات کوئی بھیجتا نہیں ہے بھئی۔ تو اس کو کہتے ہیں اغراق۔ دوبارہ دیکھیے: وَإِغْرَاقٌ اور مبالغے کی دوسری قسم اغراق ہے إِنْ كَانَ مُمْكِنًا عَقْلًا لَا عَادَةً اگر عقلاً ممکن ہو لا عَادَةً لیکن عادۃً ممکن نہ ہو، كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے: نُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا ...وَنُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَيْثُ مَالَا۔ مَالَا بھئی یہ مَالَا کے آخر میں جو الف ہے یہ الف اشباع کے لیے یعنی حرکت کو لمبا کرنے کے لیے ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ ورنہ یہ مفرد کا صیغہ ہے مَالَ يَمِيلُ سے ماضی کا صیغہ مَالَ۔ جیسے اوپر التُّرَابَا وہاں پر بھی آخر میں کیا آیا تھا؟ الف اشباع کے لیے آیا تھا حرکت کو لمبا کرنے کے لیے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا اشعار کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں ایک حرف کی کمی بیشی سے بھی شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے اور وہ شعر رہتا ہی نہیں، تو یہاں بھی اسی بنا پر الف کو آخر میں بڑھایا گیا بھئی آواز کو لمبا کرنے کے لیے اور شعر کا وزن برقرار رکھنے کے لیے۔

وَغُلُوٌّ اور تیسری قسم مبالغے کی غلو ہے إِنِ اسْتَحَالَ عَقْلًا وَعَادَةً اگر وہ محال ہو عقلاً بھی اور عادۃً بھی، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

■ متن وشواہد: «تَكَادُ قِسِيُّهُ مِنْ غَيْرِ رَامٍ»

تَكَادُ قِسِيُّهُ مِنْ غَيْرِ رَامٍ ... تُمَكِّنُ فِي قُلُوبِهِمُ النِّبَالَا

تَكَادُ قریب ہے قِسِيُّهُ، قِسِيٌّ جمع ہے قَوْسٌ کی اور قَوْسٌ کہتے ہیں کمان کو۔ تو شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے اور اس کی کمانوں کی تعریف کر رہا ہے، کہتا ہے: تَكَادُ قِسِيُّهُ قریب ہے کہ میرے اس ممدوح کی کمانیں جو ہیں مِنْ غَيْرِ رَامٍ بغیر کسی پھینکنے والے کے، رَامٍ پھینکنے والا تیر چلانے والا، قریب ہے کہ اس کی کمانیں جو ہیں بغیر کسی تیر چلانے والے کے تُمَكِّنُ فِي قُلُوبِهِمُ النِّبَالَا۔ مَكَّنَ يُمَكِّنُ کے معنی ہوتے ہیں جما دینا گاڑ دینا۔ تُمَكِّنُ گاڑ دیں فِي قُلُوبِهِمُ ان کے دلوں میں یعنی میرے ممدوح کے جو دشمن ہیں ان کے دلوں میں النِّبَالَا۔ نِبَال جمع ہے نَبْلٌ کی، نَبْلٌ کہتے ہیں تیر کو۔

تَكَادُ قِسِيُّهُ مِنْ غَيْرِ رَامٍ ...تُمَكِّنُ فِي قُلُوبِهِمُ النِّبَالَا، قریب ہے کہ اس کی کمانیں جو ہیں بغیر کسی تیر چلانے والے کے ہی گاڑ دیں اس کے دشمنوں کے دلوں میں تیروں کو۔ اس کی کمانیں کیا ہیں؟ اتنی اعلیٰ ہیں کہ قریب ہے بغیر کسی تیر چلانے والے کے ہی وہ کمانیں خود ہی کیا کر دیں؟ اس کے دشمنوں کے دلوں میں تیروں کو

گاڑدیں بھئی۔ اب دیکھیے یہ نہ عقلاً ممکن ہے نہ عادۃً ممکن ہے کہ کمان بغیر کسی چلانے والے کے تیروں کو کسی کے سینے میں یا دل میں گاڑ دے، ایسا عقلاً بھی ممکن نہیں اور عادۃً بھی نہیں ہو سکتا بھئی، تو اس کو غلو کہتے ہیں بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ اور یہ تینوں قسمیں مقبول ہیں مبالغے کی، یعنی بلاغت کے اندر ان کا اعتبار ہے کہ ایک صورت کیا ہے؟ تبلیغ ہے کہ کسی وصف کا اس حد تک پہنچنے کا دعویٰ کرنا جو عقلاً بھی ممکن ہو اور عادۃً بھی ممکن ہو اس کو کہتے ہیں تبلیغ۔ اور اگر عقلاً تو ممکن ہے لیکن عادۃً ممکن نہیں یعنی ہوتا نہیں تو اس کو اغراق کہتے ہیں۔ اور اگر نہ عقلاً ممکن ہے اور نہ عادۃً ممکن ہے تو اس کو غلو کہتے ہیں۔

اور یاد رکھنا دیکھیے قریب ہے کہ وہ کمانیں بغیر کسی تیر چلانے والے کے ہی اس کے دشمنوں کے دلوں میں کیا کر دیں؟ تیروں کو گاڑ دیں۔ یہ مبالغہ مقبول ہوا کیونکہ شاعر نے شروع میں لفظ بڑھا دیا تَکَادُ قریب ہے، یعنی حقیقت میں ایسا نہیں ہے لیکن قریب ہے۔ یہ تَکَادُ کا لفظ نہ ہوتا تو یہ غیر مقبول ہو جاتا، پھر بلاغت میں اس کی گنجائش نہ ہوتی کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے، لیکن شاعر نے کیا لفظ بڑھا دیا؟ تَکَادُ قریب ہے اس کے یعنی ہے تو ایسا نہیں لیکن اس کے قریب ہے، تو اب یہ مبالغہ مقبول بن گیا۔ تفصیل اگلی کتابوں میں آپ پڑھ لیں گے تو مبالغہ اگر غلو ہو یعنی کوئی ایسی بات کی جائے جو عقلاً بھی ممکن نہیں ہے اور عادۃً بھی ممکن نہیں ہے تو پھر اس قسم کا مبالغہ بلاغت میں غیر مقبول ہو گا، دو صورتوں میں صرف مقبول ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ بڑا ہی کوئی حسین خیال اس کے اندر پیش کیا گیا ہو پھر مقبول ہو گا، ایک انوکھی سی بات کی گئی ہو پھر کیا ہو جائے گا؟ مقبول ہو گا، یا اس پر ایسا لفظ بڑھا دیں جیسے یہاں تَکَادُ کا لفظ بڑھا دیا یا جیسے کَأَنَّ کا لفظ اگر اس پر بڑھا دیا جائے گویا کہ، تو اس قسم کا لفظ اگر بڑھا دیا جائے پھر یہ غلو جو ہے یہ قسم مبالغۂ مقبولہ میں داخل ہے ورنہ مبالغۂ مقبولہ میں داخل نہیں بھئی۔

اَلْمُغَایَرَۃُ، اگلی صنعت ہے مغایرت بھئی۔ بھئی یا کے نیچے کسرہ تو نہیں لگا ہوا آپ کی کتابوں میں؟ یہ کسرہ درست نہیں ہے بھئی، مُغَایَرَۃٌ مفاعلہ باب ہے بھئی۔ اگلی صنعت ہے مغایرت بھئی، یہ آسان ہے۔ مغایرت اس کو کہتے ہیں کہ کہنے والا پہلے ایک چیز کی تعریف کرتا ہے اور پھر آگے چل کر اس کی مذمت بیان کرتا ہے، تو دیکھو اس کے کلام میں مغایرت ہے: پہلے اسی چیز کی کیا کی؟ تعریف کی، پھر آگے چل کر کیا کر دی؟ مذمت کر دی اس کی برائی بیان کر دی۔ یا اس کا عکس کر لیں: پہلے ایک چیز کی مذمت اور برائی بیان کر دی اور پھر آگے چل کر کیا کر دی اس کی؟ تعریف کر دی بھئی۔ تو یہ بھی ایک صنعت ہے اس سے بھی کلام کے اندر اور معنی کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے، یہ کوئی آسان چیز نہیں ہے کہ ایک چیز کی پہلے کیا کی جائے؟ برائی کی جائے اور پھر آگے کیا کیا جائے؟ اس کی تعریف کر دی جائے اچھے اور دلکش انداز کے اندر بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «اَلْمُغَایَرَۃُ هِيَ مَدْحُ الشَّيْءِ بَعْدَ...» کی تشریح

تو کہتے ہیں: اَلْمُغَایَرَۃُ هِيَ مَدْحُ الشَّيْءِ بَعْدَ ذَمِّهِ یہ کسی چیز کی مدح کرنا ہے بَعْدَ ذَمِّهِ اس کی مذمت بیان کرنے کے بعد اس کی برائی بیان کرنے کے بعد أَوْ عَكْسُهُ یا اس کا عکس ہے۔ کیا معنی؟ پہلی صورت میں کیا تھا؟ مَدْحُ الشَّيْءِ بَعْدَ ذَمِّهِ مدح کی ہے مذمت کے بعد یعنی مذمت پہلے اور مدح بعد میں، دوسری صورت أَوْ عَكْسُهُ یا اس کا عکس ہو یعنی مدح پہلے ہو اور مذمت بعد میں ہو، كَقَوْلِهِ فِي مَدْحِ الدِّينَارِ جیسے کہ ابوزید سروجی مقامات میں کہتا ہے فِي مَدْحِ الدِّينَارِ دینار کی مدح کرتے ہوئے اشرفی کی تعریف کرتے ہوئے:

أَكْرِمْ بِهِ أَصْفَرَ رَاقَتْ صُفْرَتُهُ

أَكْرِمْ بِهِ، افعالِ تعجب آپ نے پڑھا ہے مَا أَحْسَنَهُ وَأَحْسِنْ بِهِ، یہ وہ أَحْسِنْ بِهِ ہے: أَكْرِمْ بِهِ، اور كَرُمَ سے ہے۔ كَرُمَ الشَّيْءُ کا معنی چیز کا عمدہ ہونا اعلیٰ ہونا، تو أَكْرِمْ بِهِ کب کہیں گے؟ تعجب کے موقع پر جب کوئی چیز بڑی ہی عمدہ ہو۔ أَكْرِمْ بِهِ کتنا عمدہ ہے أَصْفَرَ اس حال میں کہ زرد ہے، دینار کیا ہے؟ زرد، کتنا عمدہ ہے اس حال میں کہ زرد ہے رَاقَتْ صُفْرَتُهُ۔ رَاقَ يَرُوقُ کے معنی پسندیدہ ہونا پسند آنا، صُفْرَةٌ کہتے ہیں زردی کو۔ رَاقَتْ صُفْرَتُهُ پسندیدہ ہے اس کی زردی، اس کا زرد رنگ کیا ہے؟ پسندیدہ ہے۔ أَكْرِمْ بِهِ أَصْفَرَ رَاقَتْ صُفْرَتُهُ کتنا عمدہ ہے اس حال میں کہ زرد رنگ کا ہے کہ اس کی زردی جو ہے پسندیدہ ہے یعنی خوبصورت ہے اچھی لگتی ہے، بَعْدَ ذَمِّهِ یہ شاعر نے کہا بَعْدَ ذَمِّهِ اس کی مذمت بیان کرنے کے بعد یعنی اس سے ماقبل اس نے کیا کیا تھا؟ مذمت بیان کی تھی فِي قَوْلِهِ اپنے اس قول کے اندر:

تَبًّا لَهُ مِنْ خَادِعٍ مُمَازِقِ

تَبًّا لَهُ أَيْ أَلْزَمَهُ اللَّهُ تَبًّا، تَبٌّ کہتے ہیں ہلاکت اور بربادی کو۔ تَبًّا لَهُ یہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے کلام عرب میں کسی کے لیے بددعا کے طور پر: تَبًّا لَهُ اس کے لیے بربادی ہو اس کے لیے ہلاکت ہو، مِنْ خَادِعٍ۔ خَدَعَ بمعنی دھوکہ دینے کے، خَادِع دھوکہ دینے والا دھوکے باز۔ مُمَازِق کہتے ہیں دورخا، دو چہروں والا منافق یعنی

سامنے کچھ اور ہے پیچھے کچھ اور۔ تو کہتے ہیں: تَبًّا لَهُ مِنْ خَادِعٍ مُمَازِقٍ ہلاکت ہو اس دھوکے باز منافق کے لیے۔ تو شاعر نے پہلے اس دینار کی جو ہے مذمت بیان کی تھی اور پہلے کہا تھا: تَبًّا لَهُ مِنْ خَادِعٍ مُمَازِقٍ ہلاکت ہو اس دھوکے باز منافق کے لیے یعنی کون؟ دینار بھئی، اور پھر آگے چل کر اس نے کیا کہا: أَكْرِمْ بِهِ أَصْفَرَ رَاقَتْ صُفْرَتُهُ کتنا عمدہ ہے اس حال میں کہ زرد رنگ کا ہے اور اس کی زردی کیا ہے؟ پسندیدہ ہے اچھی لگتی ہے بھلی لگتی ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو آج ہم نے کیا کیا پڑھا؟ ایک تو لف اور نشر کے بارے میں پڑھا کہ متعدد چیزوں کو ذکر کیا جائے اجمالاً یا تفصیلاً اور پھر آگے ہر ایک سے متعلقہ بات ذکر کی جائے بھئی۔ اور پھر ارسال المثل اور کلام جامع ہم نے پڑھا، ارسال المثل کس کو کہتے تھے؟ ایسا بامعنی کلام کرنا جسے اس قسم کے مواقع پر استعمال کیا جا سکتا ہو، اور اگر وہ پورا شعر نہ ہو تو وہ ارسال المثل ہے اور اگر پورا شعر ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ ارسال الکلام الجامع۔ اور پھر مبالغہ پڑھا آپ نے کہ کسی وصف کا اس حد تک پہنچنے کا دعویٰ کرنا جو عقلاً بڑا بعید ہو یا عقلاً محال ہو، اور اس کی تین قسمیں ہیں جو تینوں مقبول ہیں بلاغت کے اندر: ایک تبلیغ ہے، ایک اغراق ہے اور ایک غلو۔ تبلیغ اس کو کہتے ہیں جو عقلاً بھی ممکن ہو اور عادۃً بھی ممکن ہو، اغراق اسے کہتے ہیں جو عقلاً تو ممکن ہے لیکن عادۃً ایسا ہوتا نہیں، اور غلو اس کو کہتے ہیں جو عقلاً بھی ممکن نہ ہو اور عادۃً بھی ممکن نہ ہو۔ اور میں نے بتلایا جو چیز عقلاً بھی ممکن نہ ہو اور عادۃً بھی ممکن نہ ہو وہ تب مقبول ہو گا جب اس کے اندر کوئی اچھا اور عمدہ خیال پیش کیا جائے یا اس پر تَكَادُ اور كَأَنَّ وغیرہ جیسے الفاظ کو بڑھا دیا جائے پھر مقبول ہو گا ورنہ وہ مقبول نہیں۔ اور پھر اس کے بعد ایک صنعت مغایرت پڑھی کہ ایک چیز کی مدح کے بعد اس کی مذمت کرنا یا مذمت کے بعد اس کی مدح کرنا یہ ہے مغایرت بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۰: محسناتِ معنویہ: تاکید المدح بمایشبہ الذم کی دو ضربیں اور تاکید الذم بمایشبہ المدح کی دو ضربیں

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۲۹ــــ بتاریخ: ۲۰ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ ضَرْبَانِ: أَحَدُهُمَا أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ ذَمٍّ مَنْفِيَّةٍ صِفَةُ مَدْحٍ عَلَى تَقْدِيرِ دُخُولِهَا فِيهَا، كَقَوْلِهِ:

وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ ... بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ۔ تَأْكِيدُ الْمَدْحِ مدح کی تاکید یعنی مدح میں تاکید پیدا کرنا، مدح کو پکا کرنا، مدح کو پختہ کرنا بِمَا ایسے لفظوں کے ساتھ يُشْبِهُ الذَّمَّ جو مذمت کے مشابہ ہوں۔ مدح میں کیا کرنا؟ تاکید پیدا کرنا ایسے لفظوں کے ساتھ جو مذمت کے مشابہ ہوں بھئی۔

بھئی تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ اس کو کہتے ہیں کہ کسی کی مدح کی جائے اور ایسے لفظوں کے ساتھ کی جائے کہ سننے والا اولاً ابتداءً یوں سمجھتا ہے شاید مذمت بیان کی جارہی ہے کسی کی برائی بیان کی جارہی ہے، لیکن جب وہ ذرا سا غور کرتا ہے تو اس کو پتہ چلتا ہے کہ بھئی یہاں مذمت نہیں کی جارہی بلکہ مدح کے اندر بے انتہا مبالغہ کیا گیا ہے بھئی۔ مدح کے اندر بے انتہا مبالغہ کیا گیا ہے، تو بظاہر کس چیز کا شبہ ہوتا ہے؟ مذمت کا، اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ بھئی۔

اور اس کی پھر دو قسمیں ہیں بھئی۔ ایک صورت یہ ہے کہ ممدوح سے یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے اس سے صفتِ ذم کی نفی کی جاتی ہے، یعنی بری صفت کی نفی جاتی ہے، اور بری صفت کی نفی کرنا یہ کیا ہے؟ تعریف ہے نا بھئی! جیسے آگے شعر میں آرہا ہے: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ ان میں کوئی عیب نہیں، تو یہ تعریف کی جارہی ہے یا برائی کی جارہی ہے؟ تعریف کی جارہی ہے۔ تو صفتِ ذم کی نفی کی جاتی ہے پھر آگے حرفِ استثناء کو ذکر کیا جاتا ہے اور حرفِ استثناء کے بعد پھر آگے مدح کی جاتی ہے تعریف والے ہی الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں بھئی۔ لیکن جب حرفِ استثناء لایا جاتا ہے تو بظاہر یوں شبہ ہوتا ہے گویا اب مذمت آنے والی ہے بھئی۔ کیا آنے والی ہے؟ مذمت آنے والی ہے۔ دیکھیے پہلے ذرا یہ شعر کر لیجیے پھر اس کے بعد آپ کو اس کی تعریف سمجھ میں آئے گی بھئی۔

کہتے ہیں: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے کہتا ہے: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے غَيْرَ أَنَّ سوائے اس کے کہ۔ بھئی لفظوں پہ ذرا غور کریں: ان میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اس کے۔ آگے بظاہر کیا لگتا ہے کیا آنے والی ہے؟ عیب، ان میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اس کے کہ آگے آدمی سمجھتا ہے شاید عیب آنے والا ہے لیکن آگے پھر کیا آجاتی ہے؟ مدح آجاتی ہے، تو دیکھو دو دفعہ مدح آگئی: ایک پہلے آئی تھی لَا عَيْبَ فِيهِمْ اور آگے پھر استثناء کے بعد بھی کیا آگئی؟ مدح آگئی۔ تو مدح کے بعد پھر مدح آگئی تو مدح میں تاکید پیدا ہوگئی۔ کیا ہوگئی؟ تاکید، جیسے آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زیدِ ثانی زیدِ اول کے لیے کیا ہے؟ تاکید ہے، تو یہاں بھی اسی طرح ایک مدح کے بعد حرفِ استثناء آتا ہے اور پھر دوبارہ مدح آتی ہے تو مدح کے بعد مدح آگئی تو کیا پیدا ہوگئی مدح میں؟ تاکید پیدا ہوگئی۔

تو شاعر کہتا ہے: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے غَيْرَ أَنَّ سوائے اس کے کہ سُيُوفَهُمْ کہ ان کی جو تلواریں ہیں بِهِنَّ فُلُولٌ۔ فُلُولٌ جمع ہے فَلٌّ کی اور فَلٌّ کہتے ہیں دندانے کو بھئی۔ تلوار کی دھار بھئی اس پر تلوار کے ساتھ تلوار ٹکرائے گی تو تلوار کی تیز دھار پر کیا پڑ جاتے ہیں؟ دندانے پڑ جاتے ہیں بھئی تو اس کو فَلٌّ کہتے ہیں۔ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ سوائے اس کے کہ ان کی جو تلواریں ہیں بِهِنَّ فُلُولٌ ان میں دندانے ہیں مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ۔ قِرَاع مصدر ہے قِتَال وزن

پر۔ آپ نے پڑھا ہے بابِ مفاعلہ کا ایک مصدر تو مفاعلہ ہے اور ایک فِعَال ہے، جیسے قَاتَلَ يُقَاتِلُ مُقَاتَلَةً وَقِتَالًا، اسی طرح یہاں بھی ہے: قَارَعَ يُقَارِعُ مُقَارَعَةً وَقِرَاعًا۔ تو قِرَاع کا معنی ہے تلواروں سے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرنا بھئی۔ الْكَتَائِب، كَتَائِب جمع ہے كَتِيبَةٌ کی اور كَتِيبَةٌ کہتے ہیں وہ جماعت جو لڑائی کے لیے تیار ہو یعنی لشکر اور فوج بھئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ كَتِيبَةٌ، اس کی جمع ہے كَتَائِب۔

تو شاعر کہتا ہے: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ اور کوئی عیب نہیں ہے ان میں غَيْرَ أَنَّ سوائے اس کے کہ سُيُوفَهُمْ بِهِنَّ فُلُولٌ کہ ان کی جو تلواریں ہیں ان میں دندانے ہیں مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ لشکروں سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے۔ لشکروں سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے ان کی تلواروں میں کیا پڑ گئے ہیں؟ دندانے پڑ گئے ہیں بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

■ قولہ: «تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ» کی تشریح

بھئی بات چل رہی ہے تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ اور یہ اس کی پہلی قسم ہے۔ دیکھیے اب اوپر عبارت کو دیکھیے: أَحَدُهُمَا ان دو میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ ذَمٍّ مَنْفِيَّةٍ کہ استثناء کیا جائے کس سے؟ ایسی صفتِ ذم سے جو منفی ہے جس کی کیا کی گئی ہے؟ نفی کی گئی، مذمت والی صفت کی نفی کی گئی ہے جیسے یہاں کیا آیا تھا: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ۔ عیب کیا ہے؟ مذمت والی صفت ہے نا، اور اس کا اثبات کیا جا رہا ہے یا اس کی نفی کی جا رہی ہے؟ نفی، تو یہ ایسی صفتِ ذم ہے جس کی نفی کی گئی ہے۔ اس کے بعد غَيْرَ آیا اور آپ نے پڑھا ہے کہ غَيْرَ کبھی استثناء کے لیے استعمال ہوتا ہے نحو میں آپ نے پڑھا ہو گا إِلَّا کے معنی میں، تو یہاں پر بھی غَيْرَ کس معنی میں ہے؟ إِلَّا کے معنی میں ہے استثناء کے لیے۔ تو معلوم ہوا آگے استثناء کیا جا رہا ہے۔ کس سے استثناء کیا جا رہا ہے؟ صفتِ ذم منفی سے، ایسی صفتِ ذم جس کی کیا کی گئی ہے؟ نفی۔ اور کس کا استثناء کیا جا رہا ہے آگے؟ أَنَّ سُيُوفَهُمْ بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ یہ بھی صفتِ مدح ہے۔ یہ بھی کیا ہے؟ صفتِ مدح ہے۔

توجہ ہے سبق پر بھئی؟ دوبارہ دیکھیں: تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ ضَرْبَانِ یہ دو قسم پر ہے، أَحَدُهُمَا ان دو میں سے ایک یہ ہے کہ أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ ذَمٍّ مَنْفِيَّةٍ کہ استثناء کیا جائے ایسی صفتِ ذم سے جو منفی ہے جس کی نفی کی گئی ہے، کس کا استثناء کیا جائے؟ صِفَةُ مَدْحٍ صفتِ مدح کا استثناء کیا جائے۔ اچھا بھئی پیچھے نفی کس کی کی گئی؟ صفتِ ذم کی، اور غَيْرَ کے بعد کیا ذکر ہے؟ صفتِ مدح ذکر ہے۔ تو یہ صفتِ مدح یہ کوئی عیب تھی؟ نہیں، تو یہ عیب میں داخل بھی نہیں تھی۔ استثناء تو اس کو کہتے ہیں نا ایک چیز جو پہلے داخل تھی اس کو حرفِ استثناء کے ذریعے اس سے نکال دیا جائے: جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا میرے پاس وہ لوگ آئے سوائے کس کے؟ زید کے، مثلاً زید ان میں پہلے داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے کیا کر دیا گیا اس کو؟ نکال دیا گیا۔ تو یہاں پر بھی ماقبل میں عیب کی نفی کی جا رہی ہے اور غَيْرَ کے بعد کیا ہے؟ صفتِ مدح ہے، اور یہ صفتِ مدح کا استثناء کیا گیا اس صفتِ ذم سے اس سے نکال دیا گیا حالانکہ یہ تو اس کے اندر داخل نہیں تھی۔ کہتے ہیں فرض کرتے ہوئے کہ یہ اس میں داخل تھی، یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ کیا تھی اس کے اندر؟ داخل تھی پھر اس کو کیا کر لیا گیا؟ نکال لیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے کہ استثناء کیا جائے صِفَةُ مَدْحٍ صفتِ مدح کا عَلَى تَقْدِيرِ دُخُولِهَا فِيهَا، تَقْدِير کا معنی فرض کرنا، اس کے داخل ہونے کو فرض کرتے ہوئے فِيهَا اس صفتِ ذم منفی کے اندر۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟

بھئی اب ذرا پھر شعر پر غور کیجیے۔ شاعر کہتا ہے: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ ان لوگوں میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں جو ہیں ان میں دندانے پڑ گئے ہیں مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ لشکروں سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے۔ تو اولاً جب یہ کلام سننے والا سنتا ہے تو سمجھتا ہے شاید مذمت بیان کی جا رہی ہے کہ ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواروں میں کیا ہیں؟ دندانے، معلوم ہوا صرف یہ ایک عیب ہے ان کے اندر اور کوئی عیب نہیں۔ لیکن پھر جب غور کرتا ہے کہ تلواروں میں دندانوں کا ہونا یہ تو عیب کی علامت نہیں ہے یہ تو بہادری کی علامت ہے بھئی! کیونکہ دندانے انہی لوگوں کی تلواروں میں پڑے ہوں گے جو بہادر ہوں گے اور جو جنگوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں، جو جنگوں میں حصہ ہی نہیں لیتا جو بہادر ہی نہیں ہے اس کی تلوار پر کبھی بھی دندانے نہیں پڑیں گے اس کی تلوار اسی طرح چمکتی ہوئی صحیح ہو گی بھئی۔ تو معلوم ہوا کس کی تلوار میں دندانے ہوتے ہیں؟ جو بہادر ہے اور جو جنگوں میں حصہ لیتا ہے۔ تو تلواروں میں دندانوں کا ہونا یہ کس چیز کی علامت ہوئی؟ بہادری کی علامت، اور بہادری اور شجاعت کیا یہ کوئی عیب ہے؟ نہیں، یہ تو عیب ہے ہی نہیں، تو یہ تو گویا ان کی شجاعت بیان کی جا رہی ہے۔ تو اول سنتے ہی کیا اندازہ ہوا تھا شاید کیا بیان کی جا رہی ہے؟ مذمت بیان کی جا رہی ہے کہ ان کی تلواروں میں دندانے پڑے ہوئے ہیں، لیکن پھر جب ذرا غور کیا تو پتہ چلا کہ نہیں یہ تو مذمت نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کی مدح کی جا رہی ہے ان کی تعریف بیان کی جا رہی ہے کہ وہ لوگ بڑے بہادر لوگ ہیں بھئی جنگوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں اور خطرات سے گھبرانے والے لوگ نہیں ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو دیکھیے وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ کس چیز کی نفی کی گئی؟ عیب کی نفی، صفتِ ذم کی نفی کی گئی اور آگے غَيْرَ لفظِ استثناء آیا اور اس کے بعد کون سی صفت آئی، کس کا استثناء کیا گیا؟ مدح ہے۔ تو صفتِ مدح کا استثناء کیا گیا کس سے؟ صفتِ ذم سے، اور یہ تو اس کے اندر داخل نہیں تھی، پھر کیا جواب دیتے ہیں؟ فرض کر لیا گیا تھا کہ یہ کیا تھی اس میں؟ داخل تھی، تو باقی عیوب کی تو نفی کر دی لیکن اس عیب کو گویا کیا کر دیا؟ ثابت کر دیا حالانکہ یہ عیب نہیں بلکہ یہ تو کیا ہے؟ مدح ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ ہے پہلی قسم بھئی۔

اب دوبارہ دیکھ لیجیے بھئی: تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ ضَرْبَانِ تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ جو ہے یعنی مدح میں تاکید پیدا کرنا ایسے لفظوں کے ساتھ

جو مذمت کے مشابہ ہوں ضَرْبَانِ یہ دو قسم پر ہے، أَحَدُهُمَا ان دو میں سے ایک قسم یہ ہے کہ أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ ذَمٍّ مَنْفِيَّةٍ کہ استثناء کیا جائے صفتِ ذم منفی سے، کس کا استثناء کیا جائے؟ صِفَةُ مَدْحٍ صفتِ مدح کا عَلَى تَقْدِيرِ دُخُولِهَا فِيهَا اس کے دخول کو اس میں فرض کرتے ہوئے، یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ بھی کس میں داخل تھی؟ صفتِ ذم منفی کے اندر داخل تھی، كَقَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے: وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ ...بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ، اور ان لوگوں میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان کی تلواروں میں دندانے ہیں مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ لشکروں سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے۔

پہلی قسم کا پتہ چل گیا بھئی؟ تو یہ ایک صورت تھی کہ اولاً کیا کیا گیا؟ صفتِ ذم کی نفی کی گئی، اور صفتِ ذم کی نفی بھی کیا ہے؟ دراصل مدح ہی ہے۔ تو حرفِ استثناء سے ماقبل بھی کیا آگئی؟ مدح، حرفِ استثناء کے بعد بھی کیا آگئی؟ مدح، تو مدح میں کیا پیدا ہو گئی؟ تاکید پیدا ہو گئی، اور لفظ کس قسم کے تھے کہ اولاً کس چیز کا شبہ ہوتا تھا؟ مذمت کا، اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں: تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ۔

تو یہاں پر یاد رکھیے مدح میں تاکید آئی دو وجہ سے، یہ یاد رکھنا: اولاً کہ مدح کے بعد پھر مدح آگئی، تعریف کے بعد پھر تعریف آگئی تو تاکید پیدا ہو گئی یا نہیں؟ کیونکہ مدح کتنی دفعہ آگئی؟ دو دفعہ آگئی، دو دفعہ اثباتِ مدح ہوا اس سے مدح میں تاکید آگئی۔ نیز یہاں دَعْوَى الشَّيْءِ بِبَيِّنَةٍ ہے بھئی۔ ایک ہے ایک چیز کا ویسے دعویٰ کرنا اور ایک ہے دعوے کے ساتھ دلیل بھی پیش کرنا، کون سی صورت قوی ہے بھئی؟ دعوے کے ساتھ دلیل بھی ہو، صرف دعوے سے تو آپ کی بات نہیں ثابت ہو گی ہاں دعوے کے ساتھ کیا آجائے؟ دلیل بھی آجائے تو پھر آپ کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ تو یہاں پر بھی تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ کے اندر دعوے کے ساتھ ساتھ دلیل بھی آ گئی۔ گویا شاعر نے یہ کہا: ان لوگوں میں کوئی عیب نہیں، ان میں عیب اسی صورت میں ہو سکتا ہے اگر تم تلواروں میں دندانے ہونے کو کیا شمار کرو؟ عیب شمار کرو۔ اور اس میں ہم نے غور کیا تو ہم نے دیکھا کہ تلواروں میں دندانوں کا ہونا یہ تو عیب نہیں بلکہ یہ تو کمالِ شجاعت کی علامت ہے، اور شجاعت کا عیب ہونا تو محال ہے، شجاعت اور بہادری تو عیب ہو ہی نہیں سکتی اس کا تو عیب ہونا محال ہے، معلوم ہوا ان لوگوں میں عیب کا ہونا بھی کیا ہے؟ محال ہے بھئی۔

■ قولہ: «دَعْوَى الشَّيْءِ بِبَيِّنَةٍ» کی تشریح

دلیل سمجھ میں آئی؟ کہ یہاں پر کیا ہوتا ہے؟ دَعْوَى الشَّيْءِ بِبَيِّنَةٍ ایک چیز کا دعویٰ ہے اور دعوے کے ساتھ ساتھ کیا آگئی؟ دلیل بھی آگئی۔ کس طرح دلیل آئی؟ شاعر نے کیا کہا: ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان میں یہ والا عیب ہے، بظاہر یہی لگا نا کہ سوائے اس کے کے بعد کیا ذکر کر رہا ہے؟ عیب ذکر کر رہا ہے، تو گویا ان میں عیب تب ہی ہو سکتا ہے اگر تم اس کو کیا شمار کرو؟ عیب شمار کرو۔ اب ہم نے اس میں غور کیا تو دیکھا کہ تلواروں میں دندانوں کا ہونا یہ تو عیب نہیں ہے بلکہ یہ تو کمالِ بہادری کی علامت ہے اور شجاعت کا عیب ہونا تو محال ہے۔ تو گویا شاعر نے یوں کہہ دیا: میرے ممدوح میں تب ہی کوئی عیب ہو سکتا ہے اگر یہ محال چیز پائی جائے، اور یہ محال چیز تو پائی ہی نہیں جاتی، معلوم ہوا میرے ممدوح کے اندر کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ مثلاً آپ یوں کہیں کہ ان لوگوں میں عیب تب ہی پایا جائے گا جب اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے، اور اونٹ تو سوئی کے ناکے میں سے نہیں گزر سکتا، معلوم ہوا ان لوگوں میں کوئی عیب بھی نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دعویٰ بھی ہوا اور ساتھ دلیل بھی اس نے ذکر کر دی کہ ان میں عیب تب ہی ہو گا جب یہ محال چیز پائی جائے، اور محال چیز تو پائی نہیں جا سکتی، ثابت ہو گیا ان میں کوئی عیب بھی نہیں ہو سکتا۔

تو یہ پہلی صورت تھی کہ اولاً صفتِ ذم کی نفی کی اور پھر حرفِ استثناء کے بعد صفتِ مدح کو ذکر کیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ بھی اس صفتِ ذم منفی کے اندر داخل تھی۔ آگے دیکھیے: وَثَانِيهِمَا اور دوسری قسم یہ ہے أَنْ يُثْبَتَ لِشَيْءٍ صِفَةُ مَدْحٍ کہ ثابت کیا جائے کسی چیز کے لیے صفتِ مدح کو۔ بھئی یہ بھی بعینہ وہی صورت ہے، یہاں بھی اسی طرح پہلے ایک مدح ہو گی پھر حرفِ استثناء آئے گا پھر اس کے بعد دوبارہ دوسری مدح۔ لیکن وہاں پر پہلی مدح کس شکل میں تھی؟ صفتِ ذم کی نفی کی گئی تھی، یہاں دوسری قسم میں صفتِ ذم کی نفی نہیں بلکہ صفتِ مدح ہی کو ثابت کیا جائے گا۔ بھئی دیکھیے نا کسی کی مدح کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یوں کہے زید بڑا کامل لڑکا ہے، بڑے کامل اوصاف والا ہے، میں نے کسی چیز کی نفی کی؟ نہیں، بلکہ صفت کا اثبات کر رہا ہوں براہِ راست۔ دوسری صورت مدح کی یہ ہے میں یوں کہتا ہوں زید میں کوئی عیب نہیں ہے، یہ بھی مدح ہے لیکن یہ کس طریقے پر ہے؟ کہ میں صفتِ ذم کی کیا کر رہا ہوں؟ نفی۔ تو مدح کی دو صورتیں ہو گئیں: ایک صورت یہ کہ صفتِ ذم کی نفی کی جائے، دوسری صورت صفتِ مدح ہی کا اثبات کیا جائے براہِ راست بھئی۔ تو وہاں تھا وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ ان میں کوئی عیب نہیں صفتِ ذم کی نفی کی گئی تھی، آگے اب صفتِ ذم کی بات نہیں آئے گی بلکہ براہِ راست کیا آجائے گی؟ صفتِ مدح ہی آئے گی بھئی۔

تو کہتے ہیں: أَنْ يُثْبَتَ لِشَيْءٍ صِفَةُ مَدْحٍ دوسری قسم یہ ہے کہ ثابت کیا جائے کسی چیز کے لیے صفتِ مدح کو وَيُؤْتَى بَعْدَهَا بِأَدَاةِ اسْتِثْنَاءٍ اور لایا جائے اس صفتِ مدح کے بعد ایسے اداۃِ استثناء کو تَلِيهَا صِفَةُ مَدْحٍ أُخْرَى کہ اس اداۃِ استثناء کے ساتھ کیا ملی ہوئی ہو؟ ایک دوسری صفتِ مدح اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ بھئی بعینہ وہی صورت: پہلے مدح کی جائے گی اور پھر اداۃِ استثناء یعنی استثناء والا کوئی لفظ آئے گا پھر اس کے بعد پھر کیا لائی جائے گی؟ صفتِ مدح لائی جائے گی تو مدح میں کیا پیدا ہو گئی؟ تاکید پیدا ہو گئی۔ یہ معنی ہے: أَنْ يُثْبَتَ لِشَيْءٍ صِفَةُ مَدْحٍ کہ ثابت کیا جائے کسی چیز کے لیے صفتِ مدح کو وَيُؤْتَى بَعْدَهَا بِأَدَاةِ اسْتِثْنَاءٍ تَلِيهَا صِفَةُ مَدْحٍ أُخْرَى اور لایا جائے اس کے بعد ایسے اداۃِ استثناء کو تَلِيهَا کہ ملی ہوئی ہو اس اداۃِ استثناء کے ساتھ صِفَةُ مَدْحٍ أُخْرَى ایک دوسری صفتِ مدح، كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

فَتًى كَمُلَتْ أَوْصَافُهُ غَيْرَ أَنَّهُ ... جَوَادٌ فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا

جَوَادٌ واؤ کی تخفیف کے ساتھ پڑھیں اس کو بھئی۔ فَتًى أَيْ هُوَ فَتًى، شاعر کہتا ہے هُوَ فَتًى وہ ایک ایسا نوجوان ہے كَمُلَتْ أَوْصَافُهُ جس کے اوصاف کامل ہیں۔ وہ ایسا جوان ہے جس کے اوصاف کامل ہیں، یہ آگئی مدح بھئی۔ اور مدح کس طریقے پر ہے، اثباتِ صفت کیا جارہا ہے یا عیب کی نفی کی جارہی ہے؟ اثباتِ صفت ہے تو یہ دوسرا طریقہ ہے۔ اس کے اوصاف کامل ہیں غَيْرَ أَنَّهُ سوائے اس کے کہ جَوَادٌ وہ سخی ہے، جَوَاد سخی کو کہتے ہیں، فَمَا يُبْقِي بھئی يَبْقَى نہیں يُبْقِي پڑھیں اس کو: فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا۔

بھئی أَبْقَى عَلَى الشَّيْءِ کا معنی ہوتا ہے کسی چیز پر ترس کھانا، کسی چیز پر رحم کھانا: أَبْقَى عَلَيْهِ اس نے اس پر ترس کھایا، تو أَبْقَى سے يُبْقِي پڑھیں۔ فَمَا، مَا حرفِ نفی ہے، فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ پس وہ ترس نہیں کھاتا مال پر بَاقِيَا، یہ حال ہے مال سے: اس حال میں کہ وہ باقی ہو بچا ہوا ہو۔ بھئی توجہ رکھنا اس ترجمے پر: فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا پس وہ ترس نہیں کھاتا مال پر اس حال میں کہ وہ بچا کھچا ہو۔ بھئی وہ یوں کرتا ہے مال کو تقسیم کر دیتا ہے، تھوڑا بہت مال بچ جاتا ہے، تو یہ جو بچا کھچا مال ہے یہ باقی ماندہ مال جو ہے وہ اس پر بھی ترس نہیں کھاتا اس کو بھی کیا کر دیتا ہے؟ لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ تو غَيْرَ أَنَّهُ جَوَادٌ سوائے اس کے کہ وہ سخی ہے فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا پس وہ ترس نہیں کھاتا مال پر اس حال میں کہ وہ باقی ماندہ ہو بچا کھچا ہو بھئی۔ ویسے مال پر تو وہ ترس نہیں کھاتا، جو تقسیم کے بعد جو بچ جاتا ہے تھوڑا سا زائد ہو جاتا ہے وہ جو بچا ہوا ہے باقی ہے اس پر بھی وہ ترس نہیں کھاتا اس کو بھی خرچ کر دیتا ہے یعنی بڑا ہی سخی آدمی ہے۔

■ قولہ: «فَتًى كَمُلَتْ أَوْصَافُهُ» کی تشریح

اب دیکھیے: فَتًى كَمُلَتْ أَوْصَافُهُ وہ ایسا نوجوان ہے کہ اس کے اوصاف کامل ہیں، کیا آگئی؟ مدح۔ آگے غَيْرَ حرفِ استثناء آیا اور اس کے بعد آیا أَنَّهُ جَوَادٌ فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا یہ بھی کیا آگئی؟ مدح آگئی۔ تو دیکھو اب مدح کے بعد مدح آگئی اور بظاہر یوں لگتا تھا کہ وہ ایسا نوجوان ہے جس کے اوصاف کامل ہیں سوائے اس کے، اب سوائے اس کے کہتے ہی ذہن فوراً کس طرف منتقل ہوتا ہے؟ کہ شاید کیا بیان کی جارہی ہے؟ مذمت بیان کرنے لگا ہے شاعر، لیکن آگے پھر اس نے کیا ذکر کر دی؟ مدح ذکر کر دی، تو یہ تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ ہوا۔

تو دونوں طریقوں میں فرق سمجھ میں آیا؟ پہلے میں پہلی مدح کس طرح کی جاتی ہے؟ صفتِ ذم کی نفی کی جاتی ہے اور پھر اس میں سے صفتِ مدح کا استثناء کیا جاتا ہے کیا فرض کرتے ہوئے؟ کہ یہ اس کے اندر داخل تھی۔ دوسری قسم کیا ہے؟ صفتِ مدح کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد کس کو لایا جاتا ہے؟ حرفِ استثناء کو اور اس حرفِ استثناء کے ساتھ کیا ملی ہوئی ہوتی ہے؟ ایک اور صفتِ مدح ملی ہوئی ہوتی ہے۔ دونوں طریقے سمجھ میں آگئے؟ تو یہاں بھی اسی طرح ہے: ایک مدح کے بعد دوسری مدح آئی تو مدح میں کیا پیدا ہو گئی؟ تاکید۔ نیز یہ بھی کیا ہوا؟ دَعْوَى الشَّيْءِ بِبَيِّنَةٍ ایک چیز کا دعویٰ اور ساتھ ساتھ کیا ذکر کر دی؟ دلیل بھی ذکر کر دی کہ وہ ایسا نوجوان ہے اس میں بڑے کامل اوصاف ہیں، اس سے صفتِ کمال اسی صورت میں نفی ہو سکتی ہے اگر تم اس کو صفتِ کمال شمار نہ کرو، لیکن ہم نے غور کیا وہ تو عین صفتِ کمال ہے کہ وہ بڑا ہی سخی آدمی ہے باقی بچے ہوئے مال پر بھی رحم نہیں کھاتا اس کو بھی خرچ کر دیتا ہے۔ تو گویا اس نے یہ کہا میرے ممدوح سے صفتِ کمال کی نفی تب ہی ہو سکتی ہے جب اس چیز کو کیا شمار کرو؟ عیب شمار کرو لیکن اس کا عیب ہونا تو محال ہے۔

آگے ہے بھئی: تَأْكِيدُ الذَّمِّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْحَ، مذمت میں تاکید پیدا کرنا ایسے لفظوں کے ساتھ جو مدح کے مشابہ ہوں ضَرْبَانِ أَيْضًا یہ بھی دو قسم پر ہے۔ الْأَوَّلُ پہلی قسم، بعینہ وہی تعریف: پہلے کیا تھی؟ مدح تھی اب کیا آئے گی؟ مذمت۔ پہلی قسم یہ ہے: أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ مَدْحٍ مَنْفِيَّةٍ کہ استثناء کیا جائے ایسی صفتِ مدح سے جو منفی ہو۔ بھئی جیسے مدح کے اندر دو صورتیں تھیں: ایک صورت یہ کہ صفتِ ذم کی نفی کی جائے اور دوسری صورت عین صفتِ مدح ہی کا اثبات، یہ تَأْكِيدُ الذَّمِّ میں بھی اسی طرح مذمت میں بھی اسی طرح ہے: مذمت کی ایک صورت یہ کہ صفتِ مدح کی کسی سے نفی کر دو جیسے کہو: لَا خَيْرَ فِيهِمْ ان لوگوں میں کوئی خیر نہیں، اب یہ مدح کی جارہی ہے یا مذمت کی جارہی ہے؟ مذمت، تو دیکھو لَا خَيْرَ صفتِ مدح کی نفی یہ بھی کیا ہوتی ہے؟ مذمت ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں پہلی قسم یہ ہے: أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ مَدْحٍ مَنْفِيَّةٍ کہ استثناء کیا جائے ایسی صفتِ مدح سے جو منفی ہے، کس کا استثناء کیا جائے؟ صِفَةُ ذَمٍّ صفتِ ذم کا عَلَى تَقْدِيرِ دُخُولِهَا فِيهَا اس کے داخل ہونے کو اس میں فرض کرتے ہوئے، یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ صفتِ ذم اس صفتِ مدح منفی کے اندر داخل تھی، نَحْوُ مثال کے طور پر: فُلَانٌ لَا خَيْرَ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَا يَسْرِقُ، فلاں جو آدمی ہے اس میں کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ وہ صدقہ کر دیتا ہے جو چراتا ہے۔ جو چوری کرتا ہے اس کو کیا کر دیتا ہے؟ صدقہ کرتا ہے۔ اب ابتداءً تو یوں لگتا ہے جب کہا اس میں کوئی خیر نہیں سوائے اس کے، تو ذہن فوراً اس طرف گیا کہ شاید اب آگے کوئی مدح کرنے لگا ہے، باقی خیروں کی تو نفی کر دی آگے کسی خیر کا کیا کرنے لگا ہے؟ اثبات۔ اور آگے اس نے کیا کہا: مگر یہ کہ وہ چوری کیے ہوئے مال کو صدقہ کر دیتا ہے۔ تو اولاً یوں لگا کہ یہ کوئی صفتِ خیر اس کے لیے ثابت کر رہا ہے لیکن پھر غور کیا تو پتہ چلا اوہو اچھا معلوم ہوا کہ چوری بھی کرتا ہے اور یہ جو کسی کو کچھ دیتا بھی ہے یہ بھی کون سا مال ہوتا ہے؟ وہ چوری کیا ہوا مال ہوتا ہے، تو پتہ چلا یہ بھی مذمت ہی ہے۔ تو لَا خَيْرَ فِيهِ یہ بھی مذمت اور إِلَّا کے بعد بھی کیا آگئی؟ مذمت آگئی، تو ذم کے اندر

تاکید پیدا ہو گئی۔

وَالثَّانِي اور دوسری قسم یہ ہے: أَنْ يُثْبَتَ لِشَيْءٍ صِفَةُ ذَمٍّ يُؤْتَى بَعْدَهَا بِأَدَاةِ اسْتِثْنَاءٍ تَلِيهَا صِفَةُ ذَمٍّ أُخْرَى۔ ترجمے پہ نظر رکھنا بھئی، دوسری قسم یہ ہے: أَنْ يُثْبَتَ لِشَيْءٍ صِفَةُ ذَمٍّ کہ ثابت کیا جائے کسی چیز کے لیے ایسی صفتِ ذم کو يُؤْتَى بَعْدَهَا بِأَدَاةِ اسْتِثْنَاءٍ کہ لایا جائے اس صفتِ ذم کے بعد ایسے اداۃِ استثناء کو تَلِيهَا صِفَةُ ذَمٍّ أُخْرَى کہ اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو ایک دوسری صفتِ ذم، كَقَوْلِهِ جیسے ایک شاعر کا قول ہے:

- متن وشواہد: «هُوَ الْكَلْبُ إِلَّا أَنَّ فِيهِ مَلَالَةً»

هُوَ الْكَلْبُ إِلَّا أَنَّ فِيهِ مَلَالَةً ... وَسُوءَ مُرَاعَاةٍ وَمَا ذَاكَ فِي الْكَلْبِ

شاعر کہتا ہے: هُوَ الْكَلْبُ وہ کتا ہی ہے إِلَّا أَنَّ فِيهِ مَلَالَةً مگر یہ کہ اس کے اندر بے چینی ہے۔ مَلَالَةٌ کسے کہتے ہیں؟ بے چینی۔ وَسُوءَ مُرَاعَاةٍ، مُرَاعَاة کہتے ہیں لحاظ رکھنا بھئی، سُوءَ مُرَاعَاةٍ بدلحاظی یعنی کسی کی رعایت نہ کرنا کسی کا لحاظ نہ رکھنا۔ تو شاعر کہتا ہے: هُوَ الْكَلْبُ وہ کتا ہی ہے إِلَّا أَنَّ فِيهِ مَلَالَةً وَسُوءَ مُرَاعَاةٍ مگر یہ کہ اس کے اندر بے چینی اور بدلحاظی بھی ہے، ہمیشہ بے چین رہتا ہے قرار نہیں آتا اس کو اور کسی کا لحاظ بھی نہیں رکھتا، وَمَا ذَاكَ فِي الْكَلْبِ اور یہ چیز کتے کے اندر نہیں ہے۔

تو دیکھیے یہاں پر بھی ماقبل میں بھی مذمت ہے هُوَ الْكَلْبُ اور آگے جو کہا اس میں بے چینی اور بدلحاظی بھی ہے حالانکہ یہ چیزیں تو کتے کے اندر بھی نہیں ہیں یعنی وہ کتے سے بھی بدتر ہے، تو یہ بھی مذمت آگئی بھئی۔ تو تَأْكِيدُ الذَّمِّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْحَ ہے: اولاً جب إِلَّا آیا تو لگا شاید اب آگے کوئی مدح والی صفت آجائے گی لیکن پھر کیا آگئی؟ مذمت والی صفت آگئی۔ دونوں طریقے آگئے بھئی تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ اور تَأْكِيدُ الذَّمِّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْحَ، دونوں میں دو دو صورتیں ہیں اور دونوں بالکل ایک جیسی ہیں البتہ ایک میں مدح ہے تو ایک میں مذمت ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۱: محسناتِ معنویہ کی تکمیل: تجرید، حسنِ تعلیل، ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ، اسلوبِ حکیم، مشاکلہ، مزاوجہ، عکس اور رجوع

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۳۰ــــ بتاریخ: ۲۱ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

التَّجْرِيدُ: هُوَ أَنْ يُنْتَزَعَ مِنْ أَمْرٍ ذِي صِفَةٍ أَمْرٌ آخَرُ مِثْلُهُ فِيهَا مُبَالَغَةً لِكَمَالِهَا فِيهِ. وَيَكُونُ بِمِنْ نَحْوُ: لِي مِنْ فُلَانٍ صَدِيقٌ حَمِيمٌ، أَوْ فِي كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾، أَوِ الْبَاءِ نَحْوُ: لَئِنْ سَأَلْتَ فُلَانًا لَتَسْأَلَنَّ بِهِ الْبَحْرَ، أَوْ بِمُخَاطَبَةِ الْإِنْسَانِ نَفْسَهُ.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بدیع کے اندر محسناتِ معنویہ کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ اور تَأْكِيدُ الذَّمِّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْحَ، یہ دو صنعتیں آپ نے گزشتہ سبق میں پڑھی تھیں بھئی۔ آج ہم تجرید کے بارے میں پڑھیں گے۔ محسناتِ معنویہ میں سے ایک صنعت کا نام تجرید بھی ہے، تجرید کس کو کہتے ہیں بھئی؟ پہلے ویسے سمجھ لیں تجرید کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

دیکھیے بھئی، ایک موصوف ہے، اس میں کوئی صفت پائی جارہی ہے، اور آپ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ موصوف اس صفت میں بڑا ہی کامل ہے، حد درجہ کامل ہے اور کمال کو پہنچ چکا ہے اس صفت کے اندر۔ تو اب اس کے کمال کو ظاہر کرنے کے لیے اور مبالغہ پیدا کرنے کے لیے آپ اس موصوف میں سے اسی جیسا ایک اور موصوف نکال لیتے ہیں جو اس صفت سے متصف ہو۔ بات، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ کہ ایک امر ہے جو کسی صفت والا ہے، یعنی ایک موصوف ہے جس میں کوئی صفت پائی جارہی ہے، اب آپ اس موصوف میں سے اسی جیسا ایک دوسرا موصوف نکال لیں، انتزاع کرلیں جو اسی صفت والا ہو۔ کیوں ایسا کرتے ہیں؟ مبالغہ کرنے کے لیے، یہ بتلانے کے لیے کہ یہ موصوف اس صفت میں اتنا کامل ہے اور اس کمال کو پہنچ چکا ہے کہ اس کے اندر سے اسی جیسا ایک اور موصوف بھی نکالا جاسکتا ہے اور بنایا جاسکتا ہے۔ اس کا نام تجرید ہے بھئی۔

جیسے دیکھیے عربی میں کہتے ہیں: لِي مِنْ فُلَانٍ صَدِيقٌ حَمِيمٌ۔ لِي میرے لیے ہے، مِنْ فُلَانٍ فلاں شخص میں سے، صَدِيقٌ حَمِيمٌ ایک گہرا دوست۔ حَمِيمٌ کہتے ہیں گہرے دوست کو، قریبی دوست کو۔ اب دیکھیے، کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ فلاں شخص میرا گہرا دوست ہے، فُلَانٌ صَدِيقٌ حَمِيمٌ لِي۔ سیدھا سادا کلام تو یہ تھا نا کہ فلاں شخص میرا گہرا دوست ہے، موصوف وہی فلاں شخص ہے اور صفت اس کی کیا ہے؟ گہرا دوست ہونا۔ لیکن آپ نے یوں نہیں کہا کہ فلاں میرا گہرا دوست ہے، بلکہ آپ نے کہا: لِي مِنْ فُلَانٍ صَدِيقٌ حَمِيمٌ، میرے لیے فلاں میں سے ایک گہرا دوست ہے۔ گویا فلاں میں سے آپ نے ایک گہرا دوست نکال لیا بھئی! حالانکہ وہ فلاں خود ہی گہرا دوست ہے، اس کے اندر کوئی دوسرا شخص تھوڑی بیٹھا ہوا ہے جو آپ کا گہرا دوست ہے، دوست تو وہی فلاں شخص خود ہے۔ لیکن آپ نے مِنْ فُلَانٍ کہہ کر یہ ظاہر کیا کہ وہ فلاں شخص گہری دوستی کی صفت میں اس کمال کو پہنچ چکا ہے اور اتنا کامل ہو چکا ہے کہ اس میں سے ایک اور گہرے دوست کو نکالنا بھی ممکن ہے، اگر اس میں سے ایک اور گہرا دوست نکال لیا جائے تو وہ نکل سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

جیسے دیکھیے اردو میں بھی آپ اس طرح بولتے ہیں یا نہیں بولتے؟ آپ کہتے ہیں: لشکر میں دس ہزار سپاہی ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ لشکر میں دس ہزار سپاہی ہیں۔ اب مجھے بتلایئے، لشکر کوئی الگ چیز ہے اور دس ہزار سپاہی کوئی الگ چیز ہیں کیا؟ بھئی انہی دس ہزار سپاہیوں کا نام ہی تو لشکر ہے! یا آپ کہتے ہیں: اس کتاب میں دس ابواب ہیں۔ بھئی

دس ابواب ہی کا نام تو کتاب ہے، اگر دس ابواب نکال دو تو پیچھے کتاب کوئی الگ چیز بچے گی کیا؟ نہیں بچے گی۔ لیکن آپ کہتے ہیں کتاب میں دس ابواب ہیں، لشکر میں دس ہزار سپاہی ہیں، تو گویا آپ نے لشکر کو الگ فرض کر لیا اور اس میں سے دس ہزار سپاہی الگ نکال لیے۔ بالکل اسی طرح یہاں پر بھی وہ فلاں شخص خود ہی صدیقِ حمیم ہے، گہرا دوست ہے، لیکن مبالغے کے طور پر یہ بتلانے کے لیے کہ اس صفتِ صداقت اور گہری دوستی میں وہ اس درجہ کمال کو پہنچ چکا ہے کہ اس میں سے ایک دوسرا صدیقِ حمیم بھی منتزع کیا جا سکتا ہے اور نکالا جا سکتا ہے، آپ نے کہہ دیا: لِي مِنْ فُلَانٍ صَدِيقٌ حَمِيمٌ، میرے لیے فلاں میں سے ایک گہرا دوست ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تعریف دیکھیے کتاب میں۔ کہتے ہیں: التَّجْرِيدُ، تجرید کسے کہتے ہیں؟ هُوَ أَنْ يُنْتَزَعَ مِنْ أَمْرٍ ذِي صِفَةٍ أَمْرٌ آخَرُ مِثْلُهُ فِيهَا مُبَالَغَةً لِكَمَالِهَا فِيهِ۔ اِنْتَزَعَ يَنْتَزِعُ انْتِزَاعًا کا معنی ہوتا ہے کھینچ لینا، نکال لینا۔ اور يُنْتَزَعَ مجہول کا صیغہ ہے، اور اس کا نائب فاعل آگے أَمْرٌ آخَرُ آرہا ہے۔ دیکھیے ترجمہ کیسے کریں گے: هُوَ، وہ تجرید یہ ہے، أَنْ يُنْتَزَعَ کہ نکالا جائے، مِنْ أَمْرٍ ذِي صِفَةٍ کسی صفت والے امر میں سے، یعنی کسی صفت والے موصوف میں سے، أَمْرٌ آخَرُ ایک دوسرا امر یعنی دوسرا موصوف، مِثْلُهُ جو اسی پہلے امر کے مثل ہو، فِيهَا اس صفت میں۔ فِيهَا کی ضمیر صِفَةٍ کی طرف لوٹ رہی ہے، کہ اس صفت کے اندر وہ دوسرا امر بھی پہلے امر کے مثل ہو۔

کیوں نکالا جائے بھئی؟ مُبَالَغَةً، مبالغہ کرنے کے لیے۔ یہ مُبَالَغَةً کیا بنے گا ترکیب میں؟ مفعول لہ بنے گا بھئی! جیسے آپ کہتے ہیں ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ تو مُبَالَغَةً، مبالغہ کرنے کے لیے۔ اور آگے لِكَمَالِهَا فِيهِ، اس صفت کے اس پہلے امر میں کامل ہونے کی وجہ سے۔ لِكَمَالِهَا کی ہاء ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟ صِفَةٍ کی طرف، اور فِيهِ کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟ أَمْرٍ ذِي صِفَةٍ کی طرف۔ یعنی اس موصوف میں اس صفت کے کامل ہونے کی وجہ سے مبالغہ کرنے کے لیے ایک صفت والے امر سے اسی جیسا دوسرا امر نکال لیا جائے، اس کو علمِ بدیع کی اصطلاح میں تجرید کہتے ہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

پھر یہ تجرید کئی طرح سے ہوتی ہے بھئی۔ کبھی حرفِ جر مِنْ کے ذریعے سے ہوتی ہے، کبھی حرفِ جر فِي کے ذریعے سے ہوتی ہے، کبھی حرفِ جر بَاء کے ذریعے سے ہوتی ہے، اور کبھی بغیر حرفِ جر کے بھی ہوتی ہے، مثلاً انسان اپنے ہی نفس سے ایک دوسرا نفس نکال کر اپنے سامنے بٹھالے اور اس سے خطاب شروع کر دے، یا بغیر خطاب کے ویسے ہی اپنے نفس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ لے آئے۔ یہ ساری صورتیں ابھی کتاب میں ترتیب وار آرہی ہیں، ایک ایک کر کے ان کو سمجھ لیں بھئی۔

■ قولہ: «وَيَكُونُ بِمِنْ» کی تشریح

پہلی صورت دیکھیے: وَيَكُونُ بِمِنْ، اور یہ تجرید ہوتی ہے مِنْ کے ساتھ، یعنی حرفِ جر مِنْ کے ذریعے سے۔ اس کو مِیم کے کسرہ کے ساتھ بِمِنْ پڑھنا ہے، بَمَنْ نہ پڑھ لینا بھئی، یہ حرفِ جر مِنْ ہے جس پر باء داخل ہوئی ہے کہ یہ تجرید مِنْ کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ نَحْوُ: لِي مِنْ فُلَانٍ صَدِيقٌ حَمِيمٌ، جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے: میرے لیے فلاں میں سے ایک گہرا دوست ہے۔ یہاں دیکھیے مِنْ فُلَانٍ میں حرفِ جر مِنْ کے ذریعے سے فلاں شخص میں سے جو خود صدیقِ حمیم ہے، ایک اور صدیقِ حمیم کا انتزاع کیا گیا ہے، نکالا گیا ہے مبالغہ کرنے کے لیے کہ وہ دوستی کی صفت میں کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ یہ پہلی صورت ہو گئی بھئی۔

دوسری صورت دیکھیے: أَوْ فِي، یا یہ تجرید ہوتی ہے حرفِ جر فِي کے ذریعے سے۔ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس قول میں ہے، کفار اور جہنمیوں کے بارے میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: ﴿لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾، ان کفار کے لیے اس جہنم میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ فِيهَا کی ضمیر جَهَنَّمَ کی طرف لوٹ رہی ہے جو پچھلی آیت میں مذکور ہے کہ ﴿هَذَا جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾، اللہ کے دشمنوں کا بدلہ آگ ہے، ان کے لیے اس آگ اور جہنم میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

اب ذرا غور کیجیے بھئی، جہنم کے اندر کوئی الگ سا گھر بنا ہوا ہے جو ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، یا جہنم خود ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے؟ بھئی جہنم ہی تو دار الخلد ہے! جہنم خود ہی کفار کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ تو کہنا تو یوں تھا کہ جہنم ان کے لیے دار الخلد ہے، ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، لیکن فرمایا: ﴿لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾، ان کے لیے اس جہنم کے اندر ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ گویا جہنم جو خود دار الخلد ہے، اس میں سے ایک اور دار الخلد کا انتزاع کیا اور اسے اس کے اندر مظروف قرار دے دیا حرفِ جر فِي کے ذریعے سے۔ کیوں بھئی؟ یہ بتلانے کے لیے کہ جہنم خلود اور ہمیشگی کے عذاب کی صفت میں اس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے کہ اس کے اندر سے ایک اور دار الخلد بھی نکالا جا سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں تجرید کس حرف کے ذریعے سے ہوئی ہے؟ فِي کے ذریعے سے ہوئی ہے۔

تیسری صورت دیکھیے: أَوِ الْبَاءِ، یا یہ تجرید ہوتی ہے حرفِ جر بَاء کے ذریعے سے۔ نَحْوُ: لَئِنْ سَأَلْتَ فُلَانًا لَتَسْأَلَنَّ بِهِ الْبَحْرَ، جیسے آپ کہیں: اگر آپ نے فلاں شخص سے سوال کیا، فلاں سے کچھ مانگا، لَتَسْأَلَنَّ بِهِ الْبَحْرَ تو البتہ آپ ضرور مانگیں گے اس کے ذریعے سے سمندر سے!

بھئی عربی زبان میں جب کسی کی سخاوت اور فیاضی بیان کرنی ہو تو اس کو کس سے تشبیہ دیتے ہیں؟ سمندر سے تشبیہ دیتے ہیں، کہتے ہیں فُلَانٌ كَالْبَحْرِ، یا استعارہ اور مبالغے کے طور پر خود اس کو بحر کہہ دیتے ہیں کہ فُلَانٌ بَحْرٌ، فلاں شخص تو سمندر ہے سخاوت میں۔ اب یہاں وہ ممدوح خود ہی سخاوت کے اعتبار سے بحر یعنی سمندر ہے، لیکن کہنے والے نے کہا: لَئِنْ سَأَلْتَ فُلَانًا، اگر تو نے فلاں سے مانگا، لَتَسْأَلَنَّ بِهِ الْبَحْرَ تو البتہ تو ضرور سوال کرے گا اور مانگے گا اس کے ساتھ یعنی اس کے ذریعے سے

سمندر سے! تو دیکھیے بِهِ میں حرفِ جر باء لا کر اس ممدوح میں سے جو خود سخاوت کا سمندر ہے، ایک اور سمندر کا انتزاع کر لیا اور نکال لیا۔ کیوں؟ اس کے کمالِ سخاوت میں مبالغہ کرنے کے لیے کہ وہ جود و سخا اور دریا دلی میں اس کمال کو پہنچ چکا ہے کہ اس کی ذات میں سے ایک پورا سمندر نکالا جا سکتا ہے، جب آپ اس سے مانگتے ہیں تو گویا اس کے ذریعے سے سمندر سے مانگ رہے ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں بِهِ میں حرفِ جر باء کے ذریعے سے تجرید ہوئی ہے۔

■ قولہ: «أَوْ بِمُخَاطَبَةِ الْإِنْسَانِ نَفْسَهُ» کی تشریح

چوتھی صورت دیکھیے: أَوْ بِمُخَاطَبَةِ الْإِنْسَانِ نَفْسَهُ، یا تجرید ہوتی ہے انسان کے اپنے نفس سے مخاطبہ کرنے کے ذریعے سے، کہ انسان اپنے ہی نفس کو مخاطب کرے۔ نَفْسَهُ یہ بِمُخَاطَبَةِ مصدر کا مفعول بہ ہے اس لیے منصوب ہے بھئی، کیونکہ مصدر اپنے فاعل اور مفعول میں فعل والا عمل کرتا ہے نا، یہاں مُخَاطَبَة مصدر مضاف ہوا اپنے فاعل الْإِنْسَانِ کی طرف، اور نَفْسَهُ اس کا مفعول بہ ہے کہ انسان کا اپنے نفس سے خطاب کرنا۔

بھئی خطاب تو دو الگ الگ شخصوں کے درمیان ہوتا ہے نا، ایک مخاطِب ہوتا ہے بولنے والا اور ایک مخاطَب ہوتا ہے جس سے بات کی جا رہی ہو۔ اب انسان ہے تو اکیلا ایک ہی شخص، لیکن وہ اپنے نفس میں سے اپنے ہی جیسا ایک دوسرا شخص نکالتا ہے، منتزع کرتا ہے اور گویا اسے اپنے سامنے بٹھا کر اس سے باتیں کرتا ہے اور اسے خطاب کرتا ہے! جیسے شاعر کا قول ہے، آگے شعر آرہا ہے: كَقَوْلِهِ:

لَا خَيْلَ عِنْدَكَ تُهْدِيهَا وَلَا مَالُ ... فَلْيُسْعِدِ النُّطْقُ إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الْحَالُ

پہلے شعر کے الفاظ اور لغات دیکھ لیں بھئی۔ خَيْلٌ کہتے ہیں گھوڑوں کی جماعت کو، یہ اسمِ جمع ہے جس کا اپنے لفظ سے کوئی واحد نہیں آتا، واحد اس کا فَرَسٌ آتا ہے دوسرے لفظ سے۔ لَا خَيْلَ عِنْدَكَ، تیرے پاس کوئی گھوڑے نہیں ہیں، تُهْدِيهَا جن کو تو بطورِ ہدیہ اور تحفہ پیش کرے۔ أَهْدَى يُهْدِي إِهْدَاءً بابِ افعال سے ہدیہ اور تحفہ بھیجنا۔ تُهْدِيهَا کی ہاء ضمیر خَيْل کی طرف راجع ہے کیونکہ خیل جمع کے معنی میں ہے اس لیے واحد مؤنث کی ضمیر لائے، اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر خَيْلَ نکرہ کی صفت ہے۔ وَلَا مَالُ، اور نہ ہی تیرے پاس کوئی مال ہے کہ وہی بطورِ تحفہ پیش کر دے۔ فَلْيُسْعِدِ النُّطْقُ، پس چاہیے کہ مدد کرے گفتار یعنی تیرا بولنا اور شعر و قصیدہ پڑھنا، إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الْحَالُ اگر تیری مالی حالت نے تیری مدد نہیں کی!

أَسْعَدَ يُسْعِدُ إِسْعَادًا بابِ افعال سے، اس کا معنی ہوتا ہے اعانت کرنا، مدد کرنا۔ فَلْيُسْعِدِ پر لامِ امر داخل ہے اس لیے جزم آیا تھا، آگے النُّطْقُ میں الف لام سے ملانے کے لیے کسرہ دے دیا فَلْيُسْعِدِ النُّطْقُ۔ اور النُّطْقُ کا معنی ہے بولنا، کلام کرنا، فصیح و بلیغ اشعار کہنا۔ اور الْحَالُ سے مراد مالی حالت اور وسعت ہے، اور حال کا لفظ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اس لیے إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الْحَالُ مؤنث کا صیغہ لائے بھئی۔

شعر کا قصہ اور مطلب کیا ہے بھئی؟ یہ شاعر کسی بادشاہ یا امیر کے دربار میں جا رہا ہے، اور دستور یہ ہوتا ہے کہ جب بڑے لوگوں یا بادشاہوں کے ہاں جاتے ہیں تو کوئی تحفہ اور ہدیہ لے کر جاتے ہیں، جیسے عمدہ گھوڑے تحفے میں دیے جاتے تھے یا مال و زر پیش کیا جاتا تھا۔ اب یہ شاعر غریب ہے، اس کے پاس نہ گھوڑے ہیں نہ مال و دولت ہے۔ تو یہ راستے میں چلتے ہوئے اپنے ہی نفس سے ایک دوسرا شخص نکال کر اسے مخاطب کر کے کہتا ہے: اے شخص! لَا خَيْلَ عِنْدَكَ تُهْدِيهَا وَلَا مَالُ، نہ تیرے پاس گھوڑے ہیں کہ تو انہیں بطورِ ہدیہ پیش کرے اور نہ تیرے پاس مال ہے، فَلْيُسْعِدِ النُّطْقُ إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الْحَالُ، پس اگر تیری مالی حالت نے تیرا ساتھ نہیں دیا اور تیری مدد نہیں کی، تو اب تیری زبان اور تیری گفتار کو تیری مدد کرنی چاہیے، یعنی تجھے ایسا فصیح و بلیغ قصیدہ اور ایسی عمدہ مدح پیش کرنی چاہیے جو گھوڑوں اور مال و زر کے تحفے کی کمی کو پورا کر دے!

اب دیکھیے یہاں مقامِ استشہاد کیا ہے بھئی؟ شاعر نے اپنے نفس سے غربت اور تنگدستی کی صفت میں اپنے ہی جیسا ایک دوسرا شخص منتزع کیا، الگ نکالا اور عِنْدَكَ، تُهْدِيهَا کہہ کر اس سے خطاب کیا۔ اس کو کہتے ہیں تجرید بِمُخَاطَبَةِ الْإِنْسَانِ نَفْسَهُ، انسان کا اپنے نفس سے خطاب کرنے کے ذریعے تجرید کرنا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

■ قولہ: «أَوْ بِغَيْرِ ذَلِكَ» کی تشریح

پانچویں صورت دیکھیے: أَوْ بِغَيْرِ ذَلِكَ، یا ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ کسی اور طریقے سے تجرید ہوتی ہے، یعنی نہ اس میں مِنْ، فِي، بَاء وغیرہ حروف آتے ہیں اور نہ اپنے نفس سے خطاب کیا جاتا ہے، بلکہ متکلم اپنی ذات میں سے ایک دوسرا موصوف نکال کر غائب کے صیغے سے اس کا تذکرہ کر دیتا ہے۔ كَقَوْلِهِ، جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

فَلَئِنْ بَقِيتُ لَأَرْحَلَنَّ لِغَزْوَةٍ ... تَحْوِي الْغَنَائِمَ أَوْ يَمُوتَ كَرِيمُ

لغات اور اعراب دیکھیے بھئی۔فَلَئِنْ بَقِيتُ، پس اگر میں زندہ رہا، باقی رہا۔لَأَرْحَلَنَّ، تو البتہ میں ضرور کوچ کروں گا، سفر کروں گا۔رَحَلَ يَرْحَلُ کا معنی ہوتا ہے کوچ کرنا، سفر پر روانہ ہونا۔لِغَزْوَةٍ، ایک ایسے غزوے اور جہاد کے لیے،تَحْوِي الْغَنَائِمَ جو سمیٹ لے گا اور جمع کر لے گا مالِ غنیمت کو۔حَوَى يَحْوِي حَوْيًا بابِ ضرب سے، اس کا معنی ہوتا ہے گھیر لینا، سمیٹ لینا، جمع کر لینا۔تَحْوِي الْغَنَائِمَ جملہ فعلیہ ہو کر غَزْوَةٍ نکرہ کی صفت ہے، اور غزوے کی طرف غنیمت سمیٹنے کی نسبت مجازِ عقلی ہے، مراد یہ ہے کہ اس غزوے میں شریک ہونے والے مجاہدین غنیمتیں سمیٹ لیں گے۔

آگے دیکھیے:أَوْ يَمُوتَ كَرِيمُ۔ یہاں يَمُوتَ پر نصب ہے بھئی، کیوں نصب ہے؟ آپ نے نحو میں پڑھا ہے کہ مضارع سے پہلے جب أَوْ بمعنی إِلَى أَنْ يا إِلَّا أَنْ آجائے تو اس کے بعد أَنْ مقدر ہوتا ہے اور فعل مضارع منصوب ہوتا ہے، جیسے:لَأَلْزَمَنَّكَ أَوْ تُعْطِيَنِي حَقِّي، أَيْ إِلَى أَنْ تُعْطِيَنِي، اور الکافیہ وغیرہ میں دوسری مثال پڑھی ہو گی:لَأَقْتُلَنَّ الْكَافِرَ أَوْ يُسْلِمَ، أَيْ إِلَّا أَنْ يُسْلِمَ، میں کافر کو ضرور قتل کروں گا مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے۔تو یہاں پر بھی أَوْ بمعنی إِلَّا أَنْ ہے:أَوْ يَمُوتَ كَرِيمُ، مگر یہ کہ ایک سخی اور کریم شخص مر جائے اور شہید ہو جائے!

مطلب کیا ہے شعر کا بھئی؟ یہ شاعر کسی جہاد اور غزوے میں شریک ہوا تھا، وہاں زخمی ہو کر واپس گھر آ گیا اور غنیمت ہاتھ نہ لگی۔تو اب وہ عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فَلَئِنْ بَقِيتُ اگر میں ان زخموں سے بچ گیا اور زندہ رہا،لَأَرْحَلَنَّ لِغَزْوَةٍ تَحْوِي الْغَنَائِمَ تو میں ضرور بالضرور ایک ایسے غزوے کے لیے نکلوں گا جو خوب مالِ غنیمت سمیٹے گا،أَوْ يَمُوتَ كَرِيمُ ورنہ ایک کریم اور سخی انسان مر جائے گا!

اب بتلایئے،أَوْ يَمُوتَ كَرِيمُ (ورنہ ایک کریم شخص مر جائے گا) سے کس کا مرنا مراد ہے؟ خود اسی شاعر کا اپنا مرنا مراد ہے! ظاہر و المتبادر تو یہ تھا کہ یوں کہتا:أَوْ أَمُوتَ، کہ یا تو میں غنیمت لے کر آؤں گا اور یا میں خود مر جاؤں گا اور شہید ہو جاؤں گا۔لیکن اس نے أَوْ أَمُوتَ نہیں کہا، بلکہ اپنی ذات میں سے صفتِ کرم اور سخاوت میں کامل ہونے کی وجہ سے ایک دوسرا کریم شخص منتزع کیا اور نکالا، اور کہا:أَوْ يَمُوتَ كَرِيمُ، ورنہ ایک کریم شخص مر جائے گا! اور یہاں اپنے نفس سے خطاب بھی نہیں کیا بلکہ غائب کے صیغے سے ذکر کیا، اور مِنْ، فِي، بَاء وغیرہ حروف بھی استعمال نہیں کیے، اس لیے مصنف نے اس کو أَوْ بِغَيْرِ ذَلِكَ کے تحت ذکر کیا ہے۔بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہ صنعتِ تجرید مکمل ہو گئی۔

■ قولہ:«حُسْنُ التَّعْلِيلِ» کی تشریح

اب اگلی صنعت دیکھیے بھئی:حُسْنُ التَّعْلِيلِ۔

حُسْنُ التَّعْلِيلِ: هُوَ أَنْ يُدَّعَى لِوَصْفٍ عِلَّةٌ غَيْرُ حَقِيقِيَّةٍ فِيهَا غَرَابَةٌ، كَقَوْلِهِ:

لَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ ... لَمَا رَأَيْتَ عَلَيْهَا عِقْدَ مُنْتَطِقِ

حُسْنُ التَّعْلِيلِ کسے کہتے ہیں بھئی؟ تعلیل کہتے ہیں کسی چیز کی علت بیان کرنے کو، سبب بیان کرنے کو۔اور حسنِ تعلیل کا مطلب ہے بڑے خوبصورت اور لطیف انداز میں علت بیان کرنا۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کا کوئی وصف ہے، اب اس وصف کی حقیقت میں تو کوئی اور علت ہے یا کوئی علت نہیں ہے، لیکن شاعر یا متکلم اپنے ممدوح کی مدح وغیرہ کے لیے اس وصف کی ایک ایسی غیر حقیقی اور خیالی علت کا دعویٰ کرتا ہے جس کے اندر غرابت ہو، انوکھا پن ہو اور لطافت ہو۔ایسی غیر حقیقی اور انوکھی علت بیان کرنے کو علمِ بدیع میں حُسْنُ التَّعْلِيلِ کہتے ہیں بھئی۔

تعریف کا ترجمہ اور ترکیب دیکھیے:هُوَ أَنْ يُدَّعَى لِوَصْفٍ عِلَّةٌ غَيْرُ حَقِيقِيَّةٍ فِيهَا غَرَابَةٌ۔يُدَّعَى مجہول کا صیغہ ہے اِدَّعَى يَدَّعِي ادِّعَاءً بابِ افتعال سے، دعویٰ کرنا۔اور اس کا نائب فاعل آگے عِلَّةٌ مرفوع آ رہا ہے۔اب عِلَّةٌ نکرہ موصوف ہے، اور اس کی دو صفتیں آ رہی ہیں بھئی:پہلی صفت ہے غَيْرُ حَقِيقِيَّةٍ، اور دوسری صفت ہے فِيهَا غَرَابَةٌ۔فِيهَا خبرِ مقدم اور غَرَابَةٌ مبتدائے مؤخر، جملہ اسمیہ ہو کر عِلَّةٌ نکرہ کی صفتِ ثانی ہے۔

بھئی میں نے آپ کو بارہا بتلایا ہے کہ جب عربی عبارت میں موصوف اور صفت آئیں تو اردو میں اس کا ترجمہ دو طریقوں سے کر سکتے ہیں:ایک طریقہ تو یہ ہے کہ صفت کو موصوف سے پہلے لے آئیں، جیسے رَجُلٌ شُجَاعٌ کا ترجمہ کریں:بہادر آدمی۔اور اگر صفت لمبی ہو یا جملہ ہو تو دوسرا طریقہ یہ ہے کہ موصوف سے پہلے «ایسا» کا لفظ بڑھائیں اور صفت سے پہلے «جو» یا «جس» کا لفظ لائیں، جیسے:ایسا آدمی جو بہادر ہے۔اب یہاں دونوں صفتوں کو ملا کر دیکھیے کتنا صاف ترجمہ ہو جائے گا:هُوَ، وہ حسنِ تعلیل یہ ہے،أَنْ يُدَّعَى لِوَصْفٍ کہ دعویٰ کیا جائے کسی وصف کے لیے،عِلَّةٌ غَيْرُ حَقِيقِيَّةٍ فِيهَا غَرَابَةٌ ایسی غیر حقیقی علت کا جس کے اندر غرابت اور انوکھا پن ہو! ترجمہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟

اب اس کی مثال دیکھیے جو شعر میں دی ہے:كَقَوْلِهِ، جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

■ متن وشواہد: «لَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ»

لَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ ... لَمَا رَأَيْتَ عَلَيْهَا عِقْدَ مُنْتَطَقِ

پہلے کتاب کی ایک تصحیح کرلیں بھئی! بعض نسخوں میں لَوْ لَمْ تَكِنَّ لکھا ہوا ہے کاف کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ، وہ غلط ہے بھئی، اس کو درست کرلیں، یہ لَوْ لَمْ تَكُنْ ہے، كَانَ يَكُونُ سے مضارع مجزوم ہے لَمْ کی وجہ سے، اور نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ اس تَكُنْ کا اسم ہے اور خِدْمَتَهُ اس کی خبر ہے منصوب۔

اب اس شعر کا مطلب سمجھنے کے لیے پہلے ایک فلکیاتی بات سمجھ لیں بھئی۔ علمِ ہیئت اور فلکیات والوں نے آسمان کے اندر جو ستاروں کے جھرمٹ ہیں ان کے اعتبار سے بارہ بروج یعنی بارہ فرضی حصے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ جب آپ رات کو آسمان پر ستاروں کو غور سے دیکھیں تو کہیں چند ستارے مل کر ایسی شکل بناتے ہیں جیسے ریچھ کی شکل ہو، اس کو دبِ اکبر اور دبِ اصغر کہتے ہیں؛ کہیں بچھو کی سی شکل بنتی ہے تو اسے عقرب کہتے ہیں؛ کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے تو اسے میزان کہتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کے بارہ بروج میں سے ایک برج کا نام الْجَوْزَاءُ ہے بھئی۔ اس برجِ جوزاء کے بالکل درمیان میں تین چمکدار ستارے ایک سیدھی قطار میں ایسے نظر آتے ہیں جیسے کسی انسان نے اپنی کمر پر پٹکا یا کمربند باندھا ہوا ہو اور اس پر موتیوں کا ہار جڑا ہوا ہو! چنانچہ عرب کے لوگ اور اہلِ ہیئت ان ستاروں کو نِطَاقُ الْجَوْزَاءِ یا مِنْطَقَةُ الْجَوْزَاءِ کہتے ہیں، یعنی جوزاء کا کمربند اور پٹکا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ خدام اور نوکر چاکر جب اپنے آقا اور مخدوم کی خدمت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ کمر کس لیتے ہیں، کمر پر کمربند اور پٹکا باندھ لیتے ہیں تاکہ کپڑے سمیٹے رہیں اور خدمت میں چستی رہے۔ اب جوزاء کے ستاروں کی یہ شکل تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ازل سے ایسی ہی بنی ہوئی ہے، اس کی حقیقی علت تو اللہ کی تکوین وقدرت ہے۔ لیکن شاعر اپنے ممدوح کی مدح میں کیا انوکھی اور غیر حقیقی علت تراشتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ جو آسمان پر برجِ جوزاء اپنی کمر پر ستاروں کا کمربند اور پٹکا باندھے ہوئے کھڑا نظر آتا ہے، یہ اس لیے کمربند باندھے ہوئے ہے کہ اس کی نیت میرے ممدوح کی خدمت کرنے کی ہے! اگر اس کی نیت میرے ممدوح کی خدمت کرنے کی نہ ہوتی تو آپ اس کے اوپر کمربند کا ہار بندھا ہوا نہ دیکھتے! واہ بھئی واہ، دیکھیے کیسا انوکھا تخیل اور کیسی لطیف تعلیل ہے!

الفاظ کی تحقیق دیکھ لیں بھئی۔ عِقْدٌ عین کے کسرہ کے ساتھ ہار کو کہتے ہیں، موتیوں کی لڑی۔ اور مُنْتَطَقٍ میم کے ضمہ اور طاء کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول یا مصدرِ میمی ہے اِنْتَطَقَ يَنْتَطِقُ اِنْتِطَاقًا بابِ افتعال سے، جس کا معنی ہے کمر پر نِطَاق یعنی کمربند اور پٹکا باندھنا۔ اور عِقْدَ مُنْتَطَقٍ میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے بھئی، یعنی عِقْدًا مُنْتَطَقًا، کمربند کے طور پر باندھا ہوا ہار، یا کمربند باندھنے کی جگہ کا ہار۔

ترجمہ دیکھیے شعر کا: لَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ، اگر جوزاء ستارے کی نیت میرے ممدوح کی خدمت کرنا نہ ہوتی، لَمَا رَأَيْتَ عَلَيْهَا عِقْدَ مُنْتَطَقٍ تو آپ ہرگز نہ دیکھتے اس جوزاء کے اوپر کمربند کا باندھا ہوا ہار!

مقامِ استشہاد واضح ہوگیا بھئی؟ جوزاء کے گرد ستاروں کے ہالے اور کمربند کے وصف کے لیے شاعر نے ایک غیر حقیقی اور انوکھی علت کا دعویٰ کیا کہ وہ ممدوح کی خدمت کے ارادے سے کمربستہ ہے، اسی کا نام حُسْنُ التَّعْلِيلِ ہے۔

■ قولہ: «اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى» کی تشریح

اب تیسری صنعت دیکھیے آج کے سبق کی بھئی: اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى۔

اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى: هُوَ أَنْ تَكُونَ الْأَلْفَاظُ مُوَافِقَةً لِلْمَعَانِي، فَتُخْتَارُ الْأَلْفَاظُ الْجَزْلَةُ وَالْعِبَارَاتُ الشَّدِيدَةُ لِلْفَخْرِ وَالْحَمَاسَةِ، وَتُخْتَارُ الْكَلِمَاتُ الرَّقِيقَةُ وَالْعِبَارَاتُ اللَّيِّنَةُ لِلْغَزَلِ وَنَحْوِهِ۔

اِئْتِلَاف کا معنی ہوتا ہے باہم الفت اور موافقت ہونا، میل کھانا۔ تو اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى کا مطلب ہوا: لفظ کا معنی کے ساتھ موافق اور ہم آہنگ ہونا۔ وہ کیا مطلب بھئی؟ دیکھیے، کلام کے اندر معانی مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کبھی آپ فخر، شجاعت، بہادری، جنگ اور رعب ودبدبے کے معانی بیان کررہے ہوتے ہیں، اور کبھی آپ عشق ومحبت، غزل، نرمی، عاجزی اور لطافت کے معانی بیان کررہے ہوتے ہیں۔ تو بلاغت اور محسناتِ معنویہ کا تقاضا یہ ہے کہ جیسا معنی ہو ویسے ہی الفاظ منتخب کیے جائیں! اگر فخر اور حماست یعنی بہادری اور جنگ کا مضمون ہے تو وہاں الفاظ بھی بھاری بھرکم، مضبوط، پرشکوہ اور کڑکتے ہوئے ہونے چاہئیں؛ اور اگر غزل، محبت اور نزاکت کا مضمون ہے تو وہاں الفاظ بھی نرم ونازک، شیریں اور لطیف ہونے چاہئیں۔ الفاظ کا معانی کے اس طرح موافق ہونا اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى کہلاتا ہے بھئی۔

عبارت اور حرکات دیکھ لیں: هُوَ أَنْ تَكُونَ الْأَلْفَاظُ مُوَافِقَةً لِلْمَعَانِي، وہ یہ ہے کہ الفاظ معانی کے موافق ہوں۔ فَتُخْتَارُ الْأَلْفَاظُ الْجَزْلَةُ، پس منتخب کیے جاتے ہیں، اختیار کیے جاتے ہیں، تُخْتَارُ مجہول کا صیغہ پڑھنا ہے بھئی اور الْأَلْفَاظُ اس کا نائب فاعل ہے، الْأَلْفَاظُ الْجَزْلَةُ جیم کے فتحہ اور زاء کے سکون کے ساتھ،

جَزْلٌ کہتے ہیں موٹے، مضبوط اور پر شکوہ لفظ کو۔ اور آگے وَالْعِبَارَاتُ الشَّدِيدَةُ گویا اسی کی تفسیر ہے عطفِ تفسیری کے طور پر، اور سخت و مضبوط عبارتیں منتخب کی جاتی ہیں، کس کے لیے؟ لِلْفَخْرِ وَالْحَمَاسَةِ، فخر اور بہادری و شجاعت کے مضامین کے لیے۔ حَمَاسَةٌ کہتے ہیں شجاعت اور جنگ کی دلیری کو، اسی سے حماسہ کی کتاب کا نام دیوان الحماسہ ہے جس کے پہلے باب کا نام باب الحماسہ ہے بھئی۔ وَتُخْتَارُ الْكَلِمَاتُ الرَّقِيقَةُ وَالْعِبَارَاتُ اللَّيِّنَةُ لِلْغَزَلِ وَنَحْوِهِ، اور منتخب کیے جاتے ہیں نازک کلمات اور نرم و ملائم عبارتیں غزل اور اس جیسے دیگر لطیف مضامین کے لیے۔

اب دونوں کی ایک ایک مثال دے رہے ہیں بھئی۔ پہلی مثال فخر اور حماسہ کے لیے پر شکوہ اور سخت الفاظ کی: كَقَوْلِهِ، جیسے شاعر بشار بن برد کا قول ہے:

- متن و شواہد: «إِذَا مَا غَضِبْنَا غَضْبَةً مُضَرِيَّةً»

إِذَا مَا غَضِبْنَا غَضْبَةً مُضَرِيَّةً ... هَتَكْنَا حِجَابَ الشَّمْسِ أَوْ قَطَرَتْ دَمَا

إِذَا مَا أَعَرْنَا سَيِّدًا مِنْ قَبِيلَةٍ ... ذُرَا مِنْبَرٍ صَلَّى عَلَيْنَا وَسَلَّمَا

ذرا الفاظ کی گھن گرج دیکھیے بھئی! غَضِبْنَا، غَضْبَةً مُضَرِيَّةً، هَتَكْنَا، قَطَرَتْ دَمَا! الفاظ ہی سے غصے اور جلال کی کیفیت ٹپک رہی ہے۔ لغات اور مطلب سمجھیے: إِذَا مَا غَضِبْنَا، مَا زائدہ ہے تاکید کے لیے، جب کبھی ہم غصے میں آتے ہیں، غَضْبَةً مُضَرِيَّةً قبیلہ مضر جیسا غصہ! مُضَر عرب کا مشہور اور بڑا بہادر و غیور قبیلہ تھا، شاعر خود بھی اسی قبیلے کی طرف نسبت کرتے ہوئے فخر کر رہا ہے کہ جب ہم مضری غصہ کرتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ هَتَكْنَا حِجَابَ الشَّمْسِ، ہم سورج کا پردہ چاک کر ڈالتے ہیں اور پھاڑ ڈالتے ہیں، أَوْ قَطَرَتْ دَمَا یہاں تک کہ وہ سورج خون ٹپکانے لگتا ہے!

هَتَكَ يَهْتِكُ هَتْكًا کا معنی ہوتا ہے پردہ پھاڑنا، چاک کرنا۔ اور أَوْ قَطَرَتْ دَمَا میں أَوْ بمعنی إِلَى أَنْ ہے کہ ہم سورج کا حجاب پھاڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ اس سے خون ٹپکنے لگتا ہے۔ مطلب کیا ہے بھئی؟ جب گھمسان کی جنگ ہوتی ہے اور ہمارے گھوڑے دوڑتے ہیں تو ان کے سموں سے اتنا غبار اڑتا ہے کہ سورج چھپ جاتا ہے، اور پھر جب ہماری تلواریں چمکتی ہیں اور دشمنوں کا خون فضا میں اچھلتا ہے تو اس غبار کے بیچ سرخ شفق اور تلواروں کی چمک سے ایسا لگتا ہے گویا ہم نے سورج کا پردہ چاک کر دیا ہے اور سورج سے خون ٹپک رہا ہے!

دوسرا شعر دیکھیے: إِذَا مَا أَعَرْنَا سَيِّدًا مِنْ قَبِيلَةٍ ذُرَا مِنْبَرٍ صَلَّى عَلَيْنَا وَسَلَّمَا۔ پہلے کتاب کی تصحیح کر لیں بھئی، بعض کتابوں میں دوسرے مصرعے کے شروع میں ذِي مِنْبَرٍ لکھا ہوا ہے، وہ غلط ہے، اصل لفظ ذُرَا مِنْبَرٍ ہے ذال کے ضمہ اور راء کے بعد الف مقصورہ کے ساتھ۔ ذُرَا جمع ہے ذُرْوَةٌ کی، اور ذُرْوَةٌ کہتے ہیں کسی چیز کی چوٹی اور بلندی کو۔ اور أَعَرْنَا ماضی متکلم مع الغیر کا صیغہ ہے أَعَارَ يُعِيرُ إِعَارَةً بابِ افعال سے، عاریت دینا، مانگے اور ادھار پر کوئی چیز استعمال کے لیے دینا، اور یہ دو مفعول چاہتا ہے: پہلا مفعول ہے سَيِّدًا اور دوسرا مفعول ہے ذُرَا مِنْبَرٍ۔

ترجمہ دیکھیے: إِذَا مَا أَعَرْنَا سَيِّدًا مِنْ قَبِيلَةٍ، جب کبھی ہم کسی قبیلے کے سردار کو عاریت پر دیتے ہیں، کیا دیتے ہیں؟ ذُرَا مِنْبَرٍ منبر کی چوٹی اور بلندی، یعنی ہم اپنی طاقت اور نصرت سے اسے حکومت، سرداری اور خطابت کا منبر عطا کرتے ہیں، صَلَّى عَلَيْنَا وَسَلَّمَا تو وہ منبر پر چڑھ کر ہمارے لیے دعائیں کرتا ہے اور ہم پر درود و سلام بھیجتا ہے، یعنی ہماری ثنا خوانی اور شکر گزاری کرتا ہے اور ہمارے احسان کا اقرار کرتا ہے! تو دیکھیے ان دونوں شعروں میں چونکہ فخر اور حماسہ کا مضمون تھا اس لیے شاعر نے الفاظ بھی کیسے جزل، مضبوط اور پر شکوہ استعمال کیے ہیں۔

اب دوسری مثال دیکھیے غزل اور لطافت کے مضمون کے لیے نرم و نازک الفاظ کی: وَكَقَوْلِهِ، اور جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

- متن و شواہد: «لَمْ يَطُلْ لَيْلِي وَلَكِنْ لَمْ أَنَمْ»

لَمْ يَطُلْ لَيْلِي وَلَكِنْ لَمْ أَنَمْ ... وَنَفَى عَنِّي الْكَرَى طَيْفٌ أَلَمْ

پہلے حرکات درست کر لیں بھئی! لَمْ يَطُلْ یاء کے فتحہ اور طاء کے ضمہ کے ساتھ ہے طَالَ يَطُولُ سے کہ رات لمبی نہ ہوئی۔ بعض طلبہ اس کو لَمْ يُطِلْ پڑھ دیتے ہیں بابِ افعال سے، وہ غلط ہے کیونکہ آگے لَيْلِي مرفوع اس کا فاعل آ رہا ہے، اگر يُطِلْ ہوتا تو لَيْلِي کو مفعول بننا پڑتا اور فاعل غائب رہتا۔ تو لَمْ يَطُلْ لَيْلِي، میری رات لمبی نہیں ہوئی، وَلَكِنْ لَمْ أَنَمْ، لیکن بات یہ ہے کہ میں سویا نہیں ہوں! بھئی جو آدمی رات بھر جاگتا رہے اور محبوب کی یاد میں کروٹیں بدلتا رہے تو اس کو رات بہت لمبی معلوم ہوتی ہے نا، تو شاعر کہتا ہے کہ حقیقت میں رات تو اتنے ہی گھنٹوں کی تھی جتنی روز ہوتی ہے، رات لمبی نہیں ہوئی لیکن چونکہ مجھے نیند نہیں آئی اس لیے رات طویل

محسوس ہوئی۔

کیوں نیند نہیں آئی بھئی؟ وَنَفَى عَنِّي الْكَرَى طَيْفٌ أَلَمْ، اور دور بھگا دیا مجھ سے اونگھ اور نیند کو، الْكَرَى کہتے ہیں اونگھ اور نیند کو، یہ نَفَى کا مفعول بہ ہے، اور طَيْفٌ اس کا فاعل ہے۔ طَيْفٌ کہتے ہیں خیال کو جو نیند یا بیداری میں محبوب کا تصور اور خیال آتا ہے۔ اور أَلَمْ اصل میں أَلَمَّ تھا، أَلَمَّ يُلِمُّ إِلْمَامًا بابِ افعال سے، جس کا معنی ہوتا ہے اچانک آنا، اترنا، لاحق ہونا۔ چونکہ پہلے مصرعے کے آخر میں لَمْ أَنَمْ میم ساکن پر قافیہ تھا، اس لیے دوسرے مصرعے کے آخر میں بھی قافیے اور وزن کی رعایت سے أَلَمَّ کی تشدید کو ہلکا کر کے أَلَمْ ساکن پڑھ دیا گیا، اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر طَيْفٌ نکرہ کی صفت ہے کہ مجھ سے نیند کو اڑا دیا اور دور کر دیا ایک ایسے خیال نے جو میرے دل پر آتارا اور لاحق ہو گیا!

اور ایک دوسری ترکیب بھی اس کی کر سکتے ہیں بھئی، کہ طَيْفُ أَلَمٍ مضاف اور مضاف الیہ پڑھ لیں، أَلَمٌ بمعنی درد اور تکلیف، اور وقف کی وجہ سے أَلَمْ ساکن ہو جائے گا، تو اس صورت میں معنی ہو گا: مجھ سے نیند کو دور بھگا دیا درد اور غم کے خیال نے! لیکن پہلی ترکیب زیادہ لطیف اور مشہور ہے کہ طَيْفٌ موصوف ہے اور أَلَمَّ فعل اس کی صفت ہے۔ اب دیکھیے اس شعر کے الفاظ کتنے نرم، نازک اور ہلکے پھلکے ہیں: لَمْ يَطُلْ لَيْلِي وَلَكِنْ لَمْ أَنَمْ وَنَفَى عَنِّي الْكَرَى طَيْفٌ أَلَمْ، زبان پر کتنی آسانی اور نرمی سے جاری ہو رہے ہیں کیونکہ مضمون غزل اور محبت کے درد کا ہے۔ تو الفاظ کا معانی کے اس طرح موافق اور ہم آہنگ ہونا اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى کہلاتا ہے۔ آج کے سبق پر محسناتِ معنویہ کا بیان پورا ہو گیا بھئی، ان شاء اللہ اگلے سبق سے محسناتِ لفظیہ شروع ہوں گے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْمُحَسِّنَاتُ اللَّفْظِيَّةُ وَخَاتِمَةُ عِلْمِ الْبَدِيعِ

محسناتِ لفظیہ (تشابہ الاطراف، جناس، تصدیر، سجع، مقلوب، عکس، تشریع، موازبہ، ائتلاف) اور خاتمۂ کتاب: سرقاتِ شعریہ، اقتباس، تضمین، عقد و حل، تلمیح، حسنِ ابتداء، حسنِ تخلص اور حسنِ انتہاء (اسباق ۸۲ تا ۸۸)

سبق نمبر ۸۲: المحسنات اللفظیۃ: محسناتِ لفظیہ و معنویہ کا فرق، تشابہ الاطراف اور جناسِ تام کی چار اقسام (متماثل، مستوفیٰ، متشابہ، مفروق)

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۳۳ــــ بتاریخ: ۲۴ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

مُحَسِّنَاتٌ لَفْظِيَّةٌ۔ تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ: هُوَ جَعْلُ آخِرِ جُمْلَةٍ صَدْرَ تَالِيَتِهَا أَوْ آخِرِ بَيْتٍ صَدْرَ مَا يَلِيهِ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فِيهَا مِصْبَاحٌ ● الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ● الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾، وَكَقَوْلِ الشَّاعِرِ:

إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضًا مَرِيضَةً ... تَتَبَّعَ أَقْصَى دَائِهَا فَشَفَاهَا

شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِي بِهَا ... غُلَامٌ إِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ سَقَاهَا

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بدیع کے دو حصے آپ نے شروع میں پڑھے تھے بھئی: ایک محسناتِ معنویہ اور دوسرا محسناتِ لفظیہ۔ آپ کو بتلایا تھا کہ محسناتِ معنویہ وہ صنعتیں ہیں جن میں حسن اور خوبصورتی اصلاً اور بالذات معنی کے اندر ہوتی ہے، اگرچہ تبعاً لفظ میں بھی آجائے؛ اور محسناتِ لفظیہ وہ صنعتیں ہیں جن میں حسن اور خوبصورتی اصلاً اور بالذات لفظ کے اندر ہوتی ہے، اگرچہ تبعاً معنی میں بھی آجائے۔ محسناتِ معنویہ کا بیان گزشتہ سبق پر مکمل ہوگیا، جس کے اندر چوبیس صنعتیں آپ نے تفصیل سے پڑھ لیں بھئی۔ آج سے محسناتِ لفظیہ کا بیان شروع ہورہا ہے کہ لفظ کے اندر کن کن طریقوں سے خوبصورتی اور آرائش پیدا کی جاتی ہے۔

بھئی محسناتِ معنویہ اور محسناتِ لفظیہ کی پہچان کا آسان معیار میں نے آپ کو شروع میں کیا بتلایا تھا؟ یاد ہے نا بھئی؟ کہ اگر آپ اصل لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ اس کا مترادف اور ہم معنی لفظ رکھ دیں، اور وہ حسن اور خوبصورتی پھر بھی باقی رہے، تو سمجھ لیجیے کہ وہ حسن معنی کے ساتھ متعلق تھا اس لیے وہ محسناتِ معنویہ میں سے ہے؛ اور اگر لفظ بدل کر اس کی جگہ ہم معنی لفظ رکھنے سے وہ صنعت اور خوبصورتی ہی ختم ہوجائے اور زائل ہوجائے، تو سمجھ لیجیے کہ وہ حسن لفظ کے ساتھ وابستہ تھا اس لیے وہ محسناتِ لفظیہ میں سے ہے!

اب محسناتِ لفظیہ میں سب سے پہلی صنعت جو مصنف ذکر فرمارہے ہیں اس کا نام ہے تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ۔ أَطْرَافٌ جمع ہے طَرَفٌ کی، اور طَرَف کہتے ہیں کنارے کو۔ تو تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ کا لغوی معنی ہوا: کناروں کا باہم مشابہ ہونا، ایک جیسا ہونا۔ اور اصطلاح میں اس کا کیا مطلب ہے بھئی؟ دیکھیے، ہر جملے یا ہر شعر کے دو کنارے ہوتے ہیں: ایک شروع کا کنارہ جسے صَدْر کہتے ہیں، اور ایک اخیر کا کنارہ جسے آخِر یا عَجُز کہتے ہیں۔ اب اگر نثر میں آپ ایک جملہ بولیں اور جس لفظ پر پہلا جملہ ختم ہورہا ہے، بالکل اسی لفظ سے اس کے بعد والا جملہ شروع کردیں؛ یا شعر میں جس لفظ پر پہلا شعر ختم ہورہا ہے، بالکل اسی لفظ سے اس کے بعد والا شعر شروع کردیں، تو دیکھا پہلے جملے کا آخری کنارہ اور دوسرے جملے کا ابتدائی کنارہ دونوں آپس میں ہم شکل اور مشابہ ہوگئے یا نہیں بھئی؟ اسی کو تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ کہتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تعریف دیکھیے کتاب میں: هُوَ جَعْلُ آخِرِ جُمْلَةٍ صَدْرَ تَالِيَتِهَا، وہ یہ ہے کہ بنایا جائے ایک جملے کے آخر کو اس کے بعد آنے والے جملے کا صدر یعنی ابتدائی حصہ۔ جَعْلٌ مصدر ہے جَعَلَ يَجْعَلُ سے جو دو مفعول چاہتا ہے، یہاں جَعْلُ مصدر مضاف ہوا اپنے پہلے مفعول آخِرِ جُمْلَةٍ کی طرف، اور صَدْرَ تَالِيَتِهَا اس کا

مفعولِ ثانی ہے اس لیے صَدْرَ منصوب ہے۔ اور تَالِيَةٌ اسم فاعل ہے تَلَا يَتْلُو سے، پیچھے آنے والی، اور ہاء ضمیر جُمْلَةٍ کی طرف راجع ہے، یعنی اس جملے کے پیچھے اور بعد میں آنے والے جملے کا اول اور صدر بنا دیا جائے۔ یہ تو نثر میں ہوا بھئی۔

أَوْ آخِرِ بَيْتٍ صَدْرَ مَا يَلِيهِ، یا بنایا جائے ایک شعر کے آخر کو اس شعر کا صدر یعنی ابتدائی حصہ جو اس کے بعد آرہا ہے۔ آخِرِ بَيْتٍ مجرور ہے کیونکہ اس کا عطف آخِرِ جُمْلَةٍ پر ہے، کہ جَعْلُ آخِرِ بَيْتٍ صَدْرَ مَا يَلِيهِ، ایک بیت کے آخری لفظ کو اس کے بعد آنے والے بیت کا پہلا لفظ بنا دیا جائے۔ اور صَدْرَ مَا يَلِيهِ منصوب ہے کیونکہ اس کا عطف صَدْرَ تَالِيَتِهَا پر ہے۔ مَا موصولہ کا مصداق بَيْت ہے کہ اس بیت کا صدر بنا دیا جائے جو بیت پہلی بیت کے بعد آرہی ہے۔ ترجمہ اور ترکیب سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب دونوں کی ایک ایک مثال دے رہے ہیں بھئی، پہلے نثر کی مثال قرآنِ کریم سے، اور پھر نظم اور شعر کی مثال۔ نثر کی مثال دیکھیے: كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فِيهَا مِصْبَاحٌ • الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ • الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾۔ سورۂ نور کی مشہور آیتِ مبارکہ ہے: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾، اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے یعنی منور کرنے والا ہے، مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایک طاقچے کی سی ہے (مِشْكَاةٌ کہتے ہیں دیوار کے اس طاقچے کو جو آر پار نہ ہو یعنی جس میں روشن دان کی طرح سوراخ نہ ہو بلکہ بند طاق ہو، کیونکہ اس میں روشنی خوب جمع ہوتی ہے)، فِيهَا مِصْبَاحٌ جس طاقچے میں ایک چراغ ہے، مِصْبَاحٌ کہتے ہیں بڑے چراغ کو۔

■ قولہ: «فِيهَا مِصْبَاحٌ» کی تشریح

اب دیکھیے بھئی: فِيهَا خبرِ مقدم ہے اور مِصْبَاحٌ مبتدائے مؤخر ہے، فِيهَا مِصْبَاحٌ ایک جملہ اسمیہ پورا ہو گیا اور کس لفظ پر ختم ہوا؟ مِصْبَاحٌ پر۔ اب اس سے اگلا جملہ کس لفظ سے شروع ہو رہا ہے؟ ﴿الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ﴾، وہ چراغ ایک فانوس اور شیشے کے اندر ہے! زُجَاجَةٍ کہتے ہیں کانچ اور شیشے کی قندیل کو۔ دیکھیے پہلا جملہ مِصْبَاحٌ پر ختم ہوا تھا اور دوسرا جملہ الْمِصْبَاحُ ہی سے شروع ہو گیا! پھر دوسرا جملہ کس لفظ پر ختم ہوا؟ زُجَاجَةٍ پر، اور تیسرا جملہ کس لفظ سے شروع ہو رہا ہے؟ ﴿الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾، وہ شیشہ اتنا صاف اور چمکدار ہے گویا کہ وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے! دُرٌّ موتی کو کہتے ہیں اور دُرِّيٌّ موتی کی طرف منسوب یعنی موتی کی طرح سفید اور چمکدار۔ تو دوسرے جملے کا آخر زُجَاجَةٍ ہے اور تیسرے جملے کا صدر اور اول الزُّجَاجَةُ ہے۔ دیکھیے کلام میں کس قدر حسن، تسلسل اور ربط پیدا ہو گیا، اسی کو نثر میں تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ کہتے ہیں بھئی۔

اور نظم یعنی شعر میں اس کی مثال دیکھیے: وَكَقَوْلِ الشَّاعِرِ، اور جیسے شاعر کا یہ قول ہے، یہ شاعرہ لیلیٰ اخیلیہ حجاج بن یوسف کی مدح کر رہی ہے:

إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضًا مَرِيضَةً ... تَتَبَّعَ أَقْصَى دَائِهَا فَشَفَاهَا

شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِي بِهَا ... غُلَامٌ إِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ سَقَاهَا

پہلے الفاظ اور معنی سمجھ لیں بھئی۔ إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضًا مَرِيضَةً، جب اترتا ہے حجاج بن یوسف کسی بیمار زمین میں۔ زمین کے بیمار ہونے سے کیا مراد ہے بھئی؟ زمین کو ظاہری بخار یا نزلہ زکام تو نہیں ہوتا نا! بیمار زمین سے مراد ہے ایسا ملک یا ایسا علاقہ جہاں بغاوت، فتنہ و فساد، خوارج کے خروج اور بدامنی کی بیماری پھیلی ہوئی ہو اور لوگ حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کر رہے ہوں، جیسے عراق اور کوفہ و بصرہ کا علاقہ اس دور میں فتنوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ تو جب حجاج ایسی فتنہ زدہ اور بیمار سرزمین میں اترتا ہے اور پہنچتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ تَتَبَّعَ أَقْصَى دَائِهَا فَشَفَاهَا، تو وہ پیچھا کرتا ہے، کھوج لگاتا ہے اور تلاش کرتا ہے اس زمین کی بیماری کی انتہائی جڑ کا! تَتَبَّعَ يَتَتَبَّعُ تَتَبُّعًا بابِ تفعل سے کسی چیز کے پیچھے لگ کر اس کی تہ تک پہنچنا؛ دَاءٌ کہتے ہیں بیماری اور مرض کو اور أَقْصَى دَائِهَا اس کی بیماری کی سب سے دور والی تہ اور جڑ؛ فَشَفَاهَا پس وہ اس زمین کو شفا دے دیتا ہے یعنی باغیوں اور فتنہ پروروں کا قلع قمع کر کے اس علاقے کو فتنہ و فساد کے مرض سے پاک اور تندرست کر دیتا ہے!

اب دیکھیے، پہلا شعر کس لفظ پر ختم ہوا بھئی؟ فَشَفَاهَا پر۔ اور دوسرا شعر دیکھیے کس لفظ سے شروع ہو رہا ہے: شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِي بِهَا، شفا دیتا ہے اس زمین کو اس لاعلاج بیماری سے جو اس زمین میں لگی ہوئی تھی! الدَّاءُ الْعُضَالُ عین کے ضمہ کے ساتھ کہتے ہیں ایسی خطرناک، سنگین اور پیچیدہ بیماری کو جس کے علاج سے اطباء اور حکیم عاجز آجائیں اور تھک جائیں، لاعلاج مرض۔ کون شفا دیتا ہے؟ آگے شَفَاهَا کا فاعل دوسرے مصرعے میں آرہا ہے: غُلَامٌ، ایک ایسا کڑیل نوجوان اور بہادر لڑکا (غُلَامٌ کا اطلاق عربی میں نوجوان اور جوانمرد پر بھی ہوتا ہے)، إِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ سَقَاهَا کہ جب وہ نیزے کو حرکت دیتا ہے اور ہلاتا ہے تو اس نیزے کو دشمنوں کے خون سے سیر اب کر دیتا ہے! هَزَّ يَهُزُّ هَزًّا کا معنی ہے ہلانا، حرکت دینا؛ اور الْقَنَاةُ کہتے ہیں نیزے کی لکڑی اور نیزے کو؛ اور سَقَاهَا یعنی اس نیزے کو باغیوں کے خون سے پلا دیتا ہے اور سیر اب کر دیتا ہے۔

مقامِ استشہاد دیکھیے بھئی: پہلے شعر کا آخری لفظ شَفَاهَا ہے، اور دوسرے شعر کا پہلا لفظ یعنی صدر بھی شَفَاهَا ہے۔ تو پہلے بیت کے آخر کو دوسرے بیت کا صدر بنا

دیا، اسی کا نام تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ ہے۔ بات واضح ہو گئی بھئی؟

اب محسناتِ لفظیہ کی دوسری اور بہت اہم صنعت آ رہی ہے جس کا نام ہے الْجِنَاسُ۔

■ متن وشواہد: «الْجِنَاسُ: هُوَ تَشَابُهُ اللَّفْظَيْنِ فِي...»

الْجِنَاسُ: هُوَ تَشَابُهُ اللَّفْظَيْنِ فِي النُّطْقِ لَا فِي الْمَعْنَى، وَيَكُونُ تَامًّا وَغَيْرَ تَامٍّ۔ فَالتَّامُّ: مَا اتَّفَقَتْ حُرُوفُهُ فِي الْهَيْئَةِ وَالنَّوْعِ وَالْعَدَدِ وَالتَّرْتِيبِ۔

جناس کسے کہتے ہیں بھئی؟ جناس کو تجنیس بھی کہتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام میں دو ایسے لفظ لائے جائیں جو بولنے اور تلفظ میں تو ایک دوسرے کے مشابہ اور ملتے جلتے ہوں، لیکن معنی دونوں کا الگ الگ ہو! کیا ہو بھئی؟ فِي النُّطْقِ، تلفظ اور بولنے میں دونوں لفظوں میں تشابہ ہو، لَا فِي الْمَعْنَى، معنی میں تشابہ نہ ہو بلکہ دونوں کے معانی مختلف ہوں۔

کیوں بھئی؟ لَا فِي الْمَعْنَى کی قید کیوں لگائی؟ اس لیے کہ اگر تلفظ بھی ایک ہو اور معنی بھی دونوں کا بالکل ایک ہی ہو، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، تو پھر اس کو جناس نہیں کہتے، اس کو تو تکرار یا تاکیدِ لفظی کہتے ہیں کہ ایک ہی لفظ کو اسی معنی میں دو مرتبہ دہرا دیا! جناس تب بنتی ہے جب لفظ بولنے میں یکساں یا مشابہ ہوں اور ہر ایک کا معنی دوسرے سے مختلف ہو۔ تبھی تو سننے والے کو لطف آتا ہے اور اس کی توجہ کھنچتی ہے کہ بظاہر ایک ہی لفظ دوبار آیا ہے، یہ کیسے ہو گیا، اور جب وہ غور کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ پہلے لفظ کا معنی اور ہے اور دوسرے لفظ کا معنی بالکل اور ہے!

پھر یہ جناس دو قسم پر ہے بھئی: وَيَكُونُ تَامًّا وَغَيْرَ تَامٍّ، ایک جناسِ تام ہوتی ہے اور دوسری جناسِ غیر تام ہوتی ہے۔ آج کے سبق میں ہم جناسِ تام اور اس کی چاروں قسموں کو تفصیل سے پڑھیں گے، اور جناسِ غیر تام کا بیان ان شاء اللہ اگلے سبق میں آئے گا۔

جناسِ تام کسے کہتے ہیں بھئی؟ فرماتے ہیں: فَالتَّامُّ مَا اتَّفَقَتْ حُرُوفُهُ فِي الْهَيْئَةِ وَالنَّوْعِ وَالْعَدَدِ وَالتَّرْتِيبِ۔ جناسِ تام وہ ہے جس کے دونوں لفظوں کے حروف چار چیزوں میں متفق اور یکساں ہوں! کتنی چیزوں میں بھئی؟ چار چیزوں میں: پہلی چیز الْهَيْئَة، دوسری چیز النَّوْع، تیسری چیز الْعَدَد، اور چوتھی چیز التَّرْتِيب۔ ان چاروں کو اچھی طرح سمجھ لیں بھئی، اگر ان چاروں میں سے ایک میں بھی فرق آ گیا تو وہ جناسِ تام نہیں رہے گی۔

پہلی چیز کیا ہے؟ الْهَيْئَة۔ ہیئت سے مراد ہے حروف کی حرکات و سکنات اور تشدید وغیرہ۔ یعنی پہلے لفظ کے پہلے حرف پر اگر فتحہ ہے تو دوسرے لفظ کے پہلے حرف پر بھی فتحہ ہو، اگر پہلے پر ضمہ ہے تو ادھر بھی ضمہ ہو، اگر دوسرے حرف پر سکون ہے تو ادھر بھی سکون ہو۔ البتہ یاد رکھیے کہ کلمے کے آخری حرف کا جو اعراب ہوتا ہے جو عوامل کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے کہ ایک لفظ فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور دوسرا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا مجرور ہے، اس آخری اعراب کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہوتا، اس کے علاوہ کلمے کے باقی تمام حروف کی حرکات و سکنات بالکل یکساں ہونی چاہئیں۔ اس الْهَيْئَة کی قید سے کون سی مثال نکل گئی بھئی؟ جیسے بُزْدٌ اور بَزْدٌ، یا شَعْرٌ اور شِعْرٌ۔ دیکھیے بُزْدٌ باء کے ضمہ کے ساتھ دھاری دار چادر کو کہتے ہیں اور بَزْدٌ باء کے فتحہ کے ساتھ سردی کو کہتے ہیں، دونوں میں حروف بھی وہی باء، راء، دال ہیں، تعداد بھی تین ہے، ترتیب بھی وہی ہے، لیکن ہیئت بدل گئی کہ ایک میں باء پر پیش ہے اور دوسرے میں باء پر زبر ہے، اس لیے بُزْدٌ اور بَزْدٌ جناسِ تام نہیں ہو گی بلکہ جناسِ غیر تام (محرف) ہو گی۔

دوسری چیز کیا ہے؟ النَّوْع۔ نوع سے مراد یہ ہے کہ حروفِ تہجی کی اٹھائیس انواع میں سے ہر حرف ایک مستقل نوع ہے، الف ایک نوع ہے، باء دوسری نوع ہے، تاء تیسری نوع ہے، ثاء چوتھی نوع ہے۔ تو جو جو حرف پہلے لفظ میں ہیں، یعینہ وہی حروف دوسرے لفظ میں بھی ہوں۔ اگر ایک حرف بھی بدل گیا، مثلاً فاء کی جگہ میم آ گیا جیسے سورۂ مؤمن میں ہے ﴿ذَلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ﴾ میں تَفْرَحُونَ اور تَمْرَحُونَ، یا باء کی جگہ دال آ گیا جیسے شَهِيدٌ اور شَدِيدٌ، تو نوع بدل گئی، اب وہ جناسِ تام نہیں رہے گی بلکہ جناسِ غیر تام ہو جائے گی۔

تیسری چیز کیا ہے؟ الْعَدَد۔ عدد سے مراد ہے حروف کی گنتی اور تعداد۔ اگر پہلے لفظ میں تین حروف ہیں تو دوسرے لفظ میں بھی تین ہی حروف ہوں، اگر پہلے میں چار ہیں تو دوسرے میں بھی چار ہوں۔ اگر ایک میں تین ہیں اور دوسرے میں چار ہیں جیسے سَاقٌ اور مَسَاقٌ، یا عَوَاصِ اور عَوَاصِمُ، تو عدد مختلف ہو گیا، وہ بھی جناسِ تام سے نکل گیا۔

اور چوتھی چیز کیا ہے؟ التَّرْتِيب۔ ترتیب سے مراد یہ ہے کہ جو حرف پہلے لفظ میں پہلے نمبر پر ہے وہ دوسرے لفظ میں بھی پہلے نمبر پر ہو، جو دوسرے نمبر پر ہے وہ ادھر بھی دوسرے نمبر پر ہو، اور جو تیسرے پر ہے وہ ادھر بھی تیسرے پر ہو۔ اگر حروف کی نوع بھی وہی ہو اور تعداد بھی وہی ہو لیکن حروف آگے پیچھے ہو جائیں، جیسے فَتْحٌ

(کامیابی) اور حَتْفٌ (موت)، یانِیلٌ اور لِینٌ، تو ترتیب بدل جانے کی وجہ سے وہ بھی جناسِ تام نہیں رہے گی بلکہ جناسِ قلب کہلائے گی۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ جب دونوں لفظوں کے حروف ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب ان چاروں باتوں میں سو فیصد متفق ہوں اور معنی دونوں کا الگ الگ ہو، تو اس کو جناسِ تام کہتے ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب اس جناسِ تام کی آگے چار قسمیں بنتی ہیں بھئی: متماثل، مستوفیٰ، متشابہ اور مفروق۔ دیکھیے ان چاروں کی وجہِ حصر اور تقسیم کا نقشہ اپنے ذہن میں بٹھالیں بھئی:

وہ دو متجانس لفظ جو کلام میں آئے ہیں، یا تو وہ دونوں کے دونوں مفرد ہوں گے، اور یا ان میں سے ایک مفرد اور دوسرا مرکب ہوگا۔

پہلی صورت کہ دونوں مفرد ہوں، اس کی آگے دو قسمیں ہیں:

اول: یا تو دونوں مفرد لفظ کلمے کی ایک ہی نوع سے ہوں گے، یعنی دونوں کے دونوں اسم ہوں گے، یا دونوں کے دونوں فعل ہوں گے، یا دونوں حرف ہوں گے؛ اس کا نام جناسِ تام مُتَمَاثِلٌ ہے!

دوم: اور یا وہ دونوں مفرد لفظ کلمے کی دو الگ الگ نوعوں سے ہوں گے، یعنی ایک اسم ہوگا اور دوسرا فعل ہوگا؛ اس کا نام جناسِ تام مُسْتَوْفًی ہے!

اور دوسری صورت کہ ان دو لفظوں میں سے ایک مفرد ہو اور دوسرا دو کلموں سے مرکب ہو، اس کی بھی آگے دو قسمیں ہیں:

سوم: یا تو وہ دونوں (مفرد اور مرکب) لکھنے میں یعنی رسم الخط میں متفق اور یکساں لکھے جاتے ہوں گے؛ اس کا نام جناسِ تام مُتَشَابِہٌ ہے!

چہارم: اور یا وہ دونوں لکھنے اور رسم الخط میں متفق نہ ہوں گے بلکہ الگ الگ طرح لکھے جاتے ہوں گے؛ اس کا نام جناسِ تام مَفْرُوقٌ ہے!

کتنی قسمیں ہو گئیں بھئی؟ چار قسمیں ہو گئیں! اب ان چاروں کو کتاب سے مع امثلہ پڑھ لیں۔

■ قولہ: «وَهُوَ مُتَمَاثِلٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ...» کی تشریح

پہلی قسم دیکھیے: وَهُوَ مُتَمَاثِلٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ، نَحْوُ:

لَمْ نَلْقَ غَيْرَكَ إِنْسَانًا يُلَاذُ بِهِ ... فَلَا بَرِحْتَ لِعَيْنِ الدَّهْرِ إِنْسَانَا

کہتے ہیں اور وہ جناسِ تام مُتَمَاثِلٌ کہلاتی ہے اگر وہ ایسے دو لفظوں کے درمیان ہو جو ایک ہی نوع سے ہوں، یعنی کلمے کی تین اقسام اسم، فعل اور حرف میں سے ایک ہی قسم سے تعلق رکھتے ہوں، مثلاً دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں۔ جیسے قرآنِ کریم میں بھی اس کی بڑی مشہور مثال سورۂ روم میں ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾، پہلا السَّاعَةُ بمعنی قیامت کا دن ہے اور دوسرا سَاعَةٍ بمعنی گھڑی اور تھوڑا سا وقت ہے، اور دونوں اسم ہیں!

اور مصنف نے شعر میں مثال دی ہے: لَمْ نَلْقَ غَيْرَكَ إِنْسَانًا يُلَاذُ بِهِ فَلَا بَرِحْتَ لِعَيْنِ الدَّهْرِ إِنْسَانَا۔

پہلے کتاب کی ایک تصحیح کر لیں بھئی! پہلے مصرعے کے آخر میں يُلَاذُ بِهِ ہے یاء کے ضمہ اور ذال کے ضمہ کے ساتھ، لَاذَ يَلُوذُ لَوْذًا وَلِيَاذًا بابِ نصر سے آتا ہے، جس کا معنی ہوتا ہے پناہ پکڑنا، کسی کی پناہ میں آنا۔ جب اس کو مجہول بنائیں گے تو يَلُوذُ سے کیا بنے گا؟ يُلَاذُ بِهِ، جس کی پناہ پکڑی جائے (لازم فعل جب مجہول بنتا ہے تو جار مجرور بِهِ اس کا نائب فاعل بنتا ہے)۔ بعض کتابوں میں غلط اعراب لگا ہوا ہے اسے درست کر لیں۔

اب ترجمہ دیکھیے شعر کا: لَمْ نَلْقَ غَيْرَكَ إِنْسَانًا يُلَاذُ بِهِ، ہم نے آپ کے سوا کوئی ایسا انسان نہیں پایا جس کی پناہ پکڑی جائے اور مصیبت میں جس کا سہارا لیا جائے! لَقِيَ يَلْقَى بابِ سمع سے پانا اور ملنا، لَمْ کی وجہ سے لَمْ نَلْقَ میں یاء گر گئی۔ اور یہ يُلَاذُ بِهِ جملہ فعلیہ ہو کر إِنْسَانًا نکرہ کی صفت ہے۔ فَلَا بَرِحْتَ لِعَيْنِ الدَّهْرِ إِنْسَانَا، پس آپ ہمیشہ ہمیشہ زمانے کی آنکھ کے لیے پتلی بنے رہیں! مَا بَرِحَ اور لَا بَرِحَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے جو استمرار اور ہمیشگی کے معنی دیتے ہیں، جب اس کے ذریعے دعا دینی ہو تو مَا کی جگہ لَا لے آتے ہیں جیسے لَا زِلْتَ اور لَا بَرِحْتَ، اور اس میں تاء ضمیرِ مخاطب اس کا اسم ہے اور إِنْسَانًا اس کی خبر ہے منصوب۔

■ قولہ: «لِعَيْنِ الدّ» کی تشریح

اب دیکھیے بھئی، اس شعر میں لفظ إِنْسَانًا دو مرتبہ آیا ہے: پہلے مصرعے میں إِنْسَانًا کا معنی ہے آدمی، بشر؛ اور دوسرے مصرعے میں لِعَيْنِ الدَّهْرِ إِنْسَانَا میں إِنْسَانَا کا معنی ہے آنکھ کی پتلی، جس کو عربی میں إِنْسَانُ الْعَيْنِ کہتے ہیں! آپ نے دیکھا ہوگا آنکھ کے بیچ میں جو کالا تارا ہوتا ہے جس کے اندر دیکھنے والے کو اپنا چھوٹا سا عکس نظر آتا ہے، اور ڈاکٹر لوگ جب کسی مریض کو دیکھتے ہیں کہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے تو ٹارچ مار کر اسی آنکھ کی پتلی کو چیک کرتے ہیں کہ سکڑ اور پھیل رہی ہے یا پتھرا گئی ہے، اس کو عربی میں إِنْسَانُ الْعَيْنِ کہتے ہیں، اور وہ انسان کو سب سے عزیز اور قیمتی چیز ہوتی ہے۔ تو پہلے إِنْسَانًا کا معنی ہے آدمی اور بشر، اور دوسرے إِنْسَانَا کا معنی ہے

آنکھ کی پتلی۔ دیکھیے دونوں کے حروف ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب میں بالکل متفق ہیں، اور دونوں کے دونوں اسم ہیں یعنی ایک ہی نوع سے ہیں، اس لیے یہ جناسِ تام مُتَمَاثِلٌ ہے بھئی۔

دوسری قسم دیکھیے: وَمُسْتَوْفًى إِنْ كَانَ مِنْ نَوْعَيْنِ، نَحْوُ:

فَدَارِهِمْ مَا دُمْتَ فِي دَارِهِمْ ... وَأَرْضِهِمْ مَا دُمْتَ فِي أَرْضِهِمْ

اور وہ جناسِ تام مُسْتَوْفًى کہلاتی ہے اگر وہ دو نوعوں سے ہو، یعنی دونوں متجانس لفظوں میں سے ایک اسم ہو اور دوسرا فعل ہو (یا ایک حرف اور دوسرا اسم یا فعل ہو)۔ جیسے شاعر کا یہ مشہور شعر ہے: فَدَارِهِمْ مَا دُمْتَ فِي دَارِهِمْ وَأَرْضِهِمْ مَا دُمْتَ فِي أَرْضِهِمْ۔

ذرا غور سے دیکھیے بھئی، اس ایک شعر میں جناسِ تام مستوفیٰ کی دو مثالیں جمع کر دی گئی ہیں! پہلے مصرعے میں دیکھیے: فَدَارِهِمْ مَا دُمْتَ فِي دَارِهِمْ۔ یہاں پہلا دَارِهِمْ اور دوسرا دَارِهِمْ تلفظ میں بالکل ایک جیسے ہیں، ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب سب یکساں ہے۔ لیکن پہلا دَارِهِمْ کیا ہے؟ یہ دَارَى يُدَارِي مُدَارَاةً بابِ مفاعلہ سے امر حاضر کا صیغہ ہے دَارِ، جس کے آخر میں حرفِ علت یاء جزم کی وجہ سے گر گیا ہے اور آگے هِمْ ضمیر مفعول بہ لگی ہوئی ہے! مدارات کا معنی ہوتا ہے لوگوں کے ساتھ نرمی، خوش اخلاقی اور حکمت سے پیش آنا، نباہ کرنا۔ تو فَدَارِهِمْ کا معنی ہے: پس تو ان لوگوں کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کر! اور آگے مَا دُمْتَ فِي دَارِهِمْ میں دوسرا دَارِهِمْ کیا ہے؟ اس میں دَارِ اسم ہے بمعنی گھر اور محلہ، جو فِي حرفِ جر کی وجہ سے مجرور ہے اور هِمْ ضمیر مضاف الیہ ہے، یعنی جب تک تو ان کے گھر اور ان کے محلے میں رہے، ان کے ساتھ نرمی اور مدارات سے پیش آ! تو دیکھیے پہلا دَارِهِمْ فعل مع المفعول ہے اور دوسرا دَارِهِمْ اسم مع المضاف الیہ ہے، ایک فعل اور ایک اسم۔

اسی طرح دوسرے مصرعے میں دیکھیے: وَأَرْضِهِمْ مَا دُمْتَ فِي أَرْضِهِمْ۔ یہاں پہلا أَرْضِهِمْ کیا ہے؟ یہ أَرْضَى يُرْضِي إِرْضَاءً بابِ افعال سے امر حاضر کا صیغہ ہے أَرْضِ، جس کے آخر سے یاء علامتِ جزم کے طور پر محذوف ہے، اس کا معنی ہے راضی رکھنا، خوش رکھنا، اور هِمْ ضمیر مفعول بہ ہے، یعنی اور تو ان لوگوں کو راضی اور خوش رکھ! اور آگے مَا دُمْتَ فِي أَرْضِهِمْ میں دوسرا أَرْضِهِمْ کیا ہے؟ اس میں أَرْضِ اسم ہے بمعنی زمین اور ملک، جو فِي کی وجہ سے مجرور ہے اور هِمْ ضمیر مضاف الیہ ہے، یعنی جب تک تو ان کی سرزمین اور ان کے علاقے میں رہے تب تک ان کو راضی اور خوش رکھ! یہاں بھی پہلا أَرْضِهِمْ فعل ہے اور دوسرا أَرْضِهِمْ اسم ہے، تو یہ جناسِ تام مُسْتَوْفًى کی بہترین مثال ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَمُتَشَابِهٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ...» کی تشریح

تیسری قسم دیکھیے: وَمُتَشَابِهٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ أَحَدُهُمَا مُرَكَّبٌ وَالْآخَرُ مُفْرَدٌ وَاتَّفَقَا فِي الْخَطِّ، نَحْوُ:

إِذَا مَلِكٌ لَمْ يَكُنْ ذَا هِبَةْ ... فَدَعْهُ فَدَوْلَتُهُ ذَاهِبَةْ

اور جناسِ تام کو مُتَشَابِهٌ کہتے ہیں اگر وہ ایسے دو لفظوں کے درمیان ہو جن میں سے ایک مرکب ہو یعنی دو کلموں سے مل کر بنا ہو اور دوسرا مفرد ہو یعنی ایک ہی کلمہ ہو، وَاتَّفَقَا فِي الْخَطِّ اور وہ دونوں لکھنے میں، رسم الخط میں متفق اور یکساں ہوں۔ جیسے یہ شعر ہے: إِذَا مَلِكٌ لَمْ يَكُنْ ذَا هِبَةْ فَدَعْهُ فَدَوْلَتُهُ ذَاهِبَةْ۔

ترجمہ اور ترکیب دیکھیے: إِذَا مَلِكٌ لَمْ يَكُنْ ذَا هِبَةْ، جب کوئی بادشاہ عطیہ اور بخشش دینے والا نہ ہو، سخی نہ ہو۔ یہاں مَلِكٌ محذوف لَمْ يَكُنْ کا اسم ہے جس کی تفسیر آگے لَمْ يَكُنْ کر رہا ہے، اور ذَا بمعنی صاحب اور والا، اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے جو لَمْ يَكُنْ کی خبر ہونے کی وجہ سے الف کے ساتھ منصوب ہے، اور هِبَةٍ مضاف الیہ ہے بمعنی عطیہ اور بخشش (وَهَبَ يَهَبُ هِبَةً سے)، وقف اور قافیے کی وجہ سے تاء کو ہاء ساکنہ پڑھ لیا ذَا هِبَةْ۔ فَدَعْهُ، تو ایسے بخیل بادشاہ کو چھوڑ دے (وَدَعَ يَدَعُ سے امر کا صیغہ ہے)، فَدَوْلَتُهُ ذَاهِبَةْ کیونکہ اس کی حکومت اور سلطنت جانے والی ہے اور ختم ہونے والی ہے! کیونکہ جو بادشاہ رعیت اور لشکر پر خرچ نہیں کرے گا اور بخل کرے گا تو اس سے لوگ متنفر ہو جائیں گے اور اس کی حکومت زیادہ دن قائم نہیں رہ سکتی۔

اب یہاں مقامِ استشہاد دیکھیے بھئی: پہلے مصرعے کے آخر میں ہے ذَا هِبَةْ، یہ دو کلموں سے مرکب ہے: ایک ذَا بمعنی صاحب اور دوسرا هِبَةْ بمعنی بخشش۔ اور دوسرے مصرعے کے آخر میں ہے ذَاهِبَةْ، یہ ذَهَبَ يَذْهَبُ سے صیغہ واحد مؤنث اسمِ فاعل ہے، پورا ایک ہی مفرد کلمہ ہے! اور دونوں کا تلفظ بالکل ایک ہے، اور خط یعنی لکھنے میں بھی دونوں میں ذال، الف، ہاء، باء اور گول تاء بالکل ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں کیونکہ الف اپنے مابعد سے مل کر نہیں لکھا جاتا اس لیے مفرد ذَاهِبَةْ میں بھی الف کے بعد ہاء الگ ہی لکھی جاتی ہے جیسے مرکب ذَا هِبَةْ میں الگ لکھی جاتی ہے! اس لیے اس کو جناسِ تام مُتَشَابِهٌ کہتے ہیں بھئی۔

■ قولہ: «وَمَفْرُوقٌ إِنْ لَمْ يَتَّفِقَا، نَحْوُ» کی تشریح

چوتھی قسم دیکھیے: وَمَفْرُوقٌ إِنْ لَمْ يَتَّفِقَا، نَحْوُ:

كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْجَامَ وَلَا جَامَ لَنَا ... مَا الَّذِي ضَرَّ مُدِيرَ الْجَامِ لَوْ جَامَلَنَا

اور اس کو جناسِ تام مَفْرُوقٌ کہتے ہیں إِنْ لَمْ يَتَّفِقَا أَيْ فِي الْخَطِّ، اگر ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہو لیکن دونوں رسم الخط یعنی لکھنے میں متفق نہ ہوں بلکہ الگ الگ طرح لکھے جاتے ہوں۔ جیسے شاعر کا یہ قول ہے: كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْجَامَ وَلَا جَامَ لَنَا مَا الَّذِي ضَرَّ مُدِيرَ الْجَامِ لَوْ جَامَلَنَا۔

پہلے ترجمہ سمجھ لیں بھئی۔ الْجَامُ کہتے ہیں پیالے کو، شربت یا شراب کا پیالہ۔ مجلس میں ساقی سب کو پیالہ گھما رہا تھا اور دے رہا تھا، اور اس شاعر کو نظر انداز کر دیا۔ تو یہ شکوہ کرتے ہوئے کہتا ہے: كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْجَامَ، تم سب نے تو پیالہ لے لیا ہے، وَلَا جَامَ لَنَا اور ہمارے لیے کوئی پیالہ نہیں ہے! مَا الَّذِي ضَرَّ مُدِيرَ الْجَامِ، کون سی چیز نقصان پہنچا دیتی پیالہ گھمانے والے ساقی کو، أَدَارَ يُدِيرُ إِدَارَةً گھمانا، اور مُدِيرُ الْجَامِ پیالہ گھمانے والا ساقی، اس کا کیا نقصان ہو جاتا لَوْ جَامَلَنَا اگر وہ ہمارے ساتھ بھی اچھا اور خوبصورت معاملہ کر لیتا اور ہمیں بھی پیالہ دے دیتا! جَامَلَ يُجَامِلُ مُجَامَلَةً بابِ مفاعلہ سے، اس کا معنی ہوتا ہے کسی کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا معاملہ کرنا۔

اب دیکھیے بھئی، پہلے مصرعے کے آخر میں ہے جَامَ لَنَا، یہاں جَامَ الگ کلمہ ہے جو لَا نفی جنس کا اسم مبنی بر فتح ہے، اور لَنَا جار مجرور الگ ہے جو اس کی خبر کے متعلق ہے، اور لکھنے میں بھی جَامَ کی میم الگ لکھی جاتی ہے اور لَنَا کا لام الگ لکھا جاتا ہے۔ اور دوسرے مصرعے کے آخر میں ہے جَامَلَنَا، یہ جَامَلَ فعل ماضی کے ساتھ نَا ضمیرِ مفعول متصل ہے، اور ضمیرِ متصل چونکہ مستقل الگ بولے جانے کے قابل نہیں ہوتی بلکہ ما قبل کلمے کے جزء کی طرح ہوتی ہے اس لیے جَامَلَنَا مفرد کے حکم میں ہے، اور لکھنے میں میم کو لام کے ساتھ ملا کر جَامَلَنَا ایک ساتھ لکھا جاتا ہے۔ تو تلفظ میں دونوں بالکل یکساں ہیں لیکن رسم الخط میں دونوں میں فرق ہے، اس لیے اس کو جناسِ تام مَفْرُوقٌ کہتے ہیں بھئی۔

کتاب کی چاروں قسمیں تو ہو گئیں، اب دو چار مثالیں عربی، فارسی اور اردو کی میں آپ کو مزید لکھوا دیتا ہوں تاکہ جناسِ تام کی مشق خوب پختہ ہو جائے بھئی۔

پہلے ایک بڑا لطیف عربی شعر لکھیے:

■ متن و شواہد: «طَرَقْتُ الْبَابَ حَتَّى كَلَّ مَتْنِي»

طَرَقْتُ الْبَابَ حَتَّى كَلَّ مَتْنِي ... وَلَمَّا كَلَّمَتْنِي كَلَّمَتْنِي

دیکھیے کتنا عجیب شعر ہے بھئی! طَرَقْتُ الْبَابَ، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، حَتَّى كَلَّ مَتْنِي، یہاں تک کہ میری کمر اور میرا بازو تھک گیا! كَلَّ يَكِلُّ كَلَالًا بابِ ضرب سے تھک جانا، اور مَتْنٌ کہتے ہیں پیٹھ اور کمر کو، یہاں كَلَّ فعل ماضی الگ کلمہ ہے اور مَتْنِي اس کا فاعل الگ کلمہ ہے، یعنی یہ مرکب ہے۔ آگے دوسرا مصرعہ دیکھیے: وَلَمَّا كَلَّمَتْنِي كَلَّمَتْنِي! یہاں پہلا كَلَّمَتْنِي بابِ تفعیل تَكْلِيمٌ سے ہے جس کا معنی ہے بات چیت کرنا، کلام کرنا؛ اور دوسرا كَلَّمَتْنِي بھی بابِ تفعیل تَكْلِيمٌ سے ہے لیکن اس کا مادہ كَلْمٌ ہے جس کا معنی ہوتا ہے زخمی کرنا، گھائل کرنا! کہ جب میں نے دروازہ کھٹکھٹایا یہاں تک کہ میری کمر تھک گئی، تو جب اس محبوبہ نے مجھ سے بات کی تو اپنی بات اور ادا سے مجھے زخمی اور گھائل کر دیا!

اب بتلائیے بھئی، دوسرے مصرعے میں جو دو مرتبہ كَلَّمَتْنِي كَلَّمَتْنِي آیا ہے، ان دونوں کا آپس میں کون سا جناس ہے؟ دونوں فعل ہیں اور دونوں کا رسم الخط بھی ایک ہے، تو ان دونوں کے درمیان جناسِ تام مُتَمَاثِلٌ ہے؛ اور پہلے مصرعے کے كَلَّ مَتْنِي (جو دو لفظوں سے مرکب ہے اور الگ الگ لکھا جاتا ہے) کا دوسرے مصرعے کے كَلَّمَتْنِي کے ساتھ مقابلہ کریں تو کون سا جناس ہے؟ جناسِ تام مَفْرُوقٌ ہے! ایک ہی شعر میں دونوں قسمیں جمع ہو گئیں بھئی۔

دوسرا عربی شعر لکھیے:

■ متن و شواہد: «إِنَّ فِي بُسْتَانِنَا نَارَنْجَنَا»

إِنَّ فِي بُسْتَانِنَا نَارَنْجَنَا ... مَنْ جَنَى نَارَنْجَنَا نَارًا جَنَى

نَارَنْجٌ کہتے ہیں نارنگی اور سنگترے کے پھل کو، اور نَارَنْجَنَا کا معنی ہے ہماری نارنگیاں۔ إِنَّ فِي بُسْتَانِنَا نَارَنْجَنَا، بے شک ہمارے باغ میں ہماری نارنگیاں ہیں؛ مَنْ جَنَى نَارَنْجَنَا، جو شخص ہماری نارنگیاں توڑے گا، جَنَى يَجْنِي جَنْيًا بابِ ضرب سے درخت سے پھل توڑنا اور چننا، نَارًا جَنَى تو گویا اس نے آگ توڑی اور اپنے لیے آگ سمیٹی! دیکھیے پہلا نَارَنْجَنَا مضاف اور مضاف الیہ ملا کر ایک ساتھ لکھا جاتا ہے، اور آخر میں نَارًا جَنَى میں نَارًا مفعول بہ مقدم ہے بمعنی آگ اور جَنَى فعلِ ماضی الگ لکھا جاتا ہے، تلفظ دونوں کا نَارَنْجَنَا اور نَارًا جَنَى بالکل ایک ہے لیکن رسم الخط مختلف ہے، تو یہ جناسِ تام مَفْرُوقٌ کی مثال ہے۔

فارسی کی بھی ایک مثال سن لیجیے بھئی:

رحمتِ حق بہانہ مے جوید... رحمتِ حق بہانے جوید

دیکھیے پہلے مصرعے میں ہے: رحمتِ حق بہانہ مے جوید، اللہ تعالیٰ کی رحمت بخشش کے لیے صرف بہانہ تلاش کرتی ہے؛ اور دوسرے مصرعے میں ہے: رحمتِ حق بہا نے جوید، اللہ کی رحمت کوئی قیمت طلب نہیں کرتی! پہلے میں « بہانہ » ایک لفظ ہے اور « مے جوید » فعلِ حال ہے، اور دوسرے میں « بہا » بمعنی قیمت الگ لفظ ہے اور نون نفی کا فعل کے ساتھ مل کر « نے جوید » بنا ہے، بولنے میں دونوں مصرعے بالکل ایک جیسے ہیں اور معنی الگ الگ ہے!

اور اردو کی بھی ایک بڑی مشہور اور لطیف مثال سن لیجیے بھئی۔ ہمارے ملک کے ایک مشہور سیاستدان تھے، ان کو یرقان کی بیماری ہو گئی۔ یرقان کو عام زبان میں پیلیا کہتے ہیں نا، جس میں آنکھیں اور جسم پیلا ہو جاتا ہے۔ وہ پیلیا کے علاج کے بہانے لندن اور انگلینڈ گئے، اور وہاں جا کر انہوں نے شراب پی لی! تو اس پر کسی ظریف شاعر نے شعر کہا:

آپ تو جھڑوانے گئے تھے پیلیا انگلینڈ میں... پھر دوا کے طور پر کیا پی لیا انگلینڈ میں

دیکھیے بھئی، پہلے مصرعے میں « پیلیا » ایک مفرد اسم ہے جو یرقان کی بیماری کا نام ہے کہ آپ تو انگلینڈ میں پیلیا کی بیماری ختم کرانے اور جھڑوانے گئے تھے؛ اور دوسرے مصرعے میں « پی لیا » دو لفظوں سے مرکب فعل ہے پینا سے کہ پھر وہاں جا کر آپ نے دوا کے طور پر یہ کیا پی لیا انگلینڈ میں! تو « پیلیا » اور « پی لیا » میں تلفظ کی ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب بالکل ایک ہے، اور ایک مفرد ہے دوسرا مرکب ہے اور لکھنے میں الگ الگ ہیں، تو یہ اردو میں جناسِ تام مَفْرُوقٌ کی بالکل واضح مثال ہے بھئی۔ امید ہے جناسِ تام اور اس کی چاروں قسمیں آپ کو خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی ہوں گی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۳: جناسِ غیر تام کی چھ اقسام (محرف، مطرف، مذیل، مضارع، لاحق، جناسِ قلب) اور صنعتِ تصدیر (رد العجز علی الصدر)

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۳۶ ــــ بتاریخ: ۲۵ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَغَيْرُ تَامٍّ: مَا اخْتَلَفَ فِي وَاحِدٍ مِنَ الْأَرْبَعَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ، وَهُوَ مُحَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَ لَفْظَاهُ فِي هَيْئَةِ الْحُرُوفِ فَقَطْ نَحْوُ قَوْلِهِ: جُبَّةُ الْبُرْدِ جُنَّةُ الْبَرْدِ، وَمُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِي عَدَدِ الْحُرُوفِ فَقَطْ وَكَانَتِ الزِّيَادَةُ أَوَّلًا، وَمُذَيَّلٌ إِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ آخِرًا۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

محسناتِ لفظیہ کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ کا بیان پڑھا، اور پھر دوسری صنعت الْجِنَاسُ کا بیان شروع ہوا تھا۔ آپ نے پڑھا کہ جناس کہتے ہیں دو لفظوں کا نطق اور تلفظ میں مشابہ ہونا اور معنی میں مختلف ہونا۔ پھر اس جناس کی دو قسمیں تھیں: ایک جناسِ تام اور دوسری جناسِ غیر تام۔ جناسِ تام وہ تھی جس میں دونوں لفظوں کے حروف چار چیزوں میں متفق ہوں: ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب؛ اور اس کی چار قسمیں متماثل، مستوفیٰ، متشابہ اور مفروق آپ نے گزشتہ سبق میں تفصیل کے ساتھ پڑھ لیں بھئی۔

آج کے سبق میں جناس کی دوسری قسم یعنی جناسِ غیر تام کا بیان آرہا ہے۔ جناسِ غیر تام کس کو کہتے ہیں بھئی؟ فرماتے ہیں: وَغَيْرُ تَامٍّ مَا اخْتَلَفَ فِي وَاحِدٍ مِنَ الْأَرْبَعَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ۔ اور جناسِ غیر تام وہ ہے جس کے دونوں لفظوں میں پچھلی چار چیزوں یعنی ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب میں سے کسی ایک چیز میں اختلاف ہو جائے! کتنی چیزوں میں اختلاف ہو بھئی؟ فِي وَاحِدٍ، صرف ایک چیز میں اختلاف ہو اور باقی تین چیزیں متفق رہیں! یاد رکھیے بھئی، اگر ان چاروں میں سے دو چیزوں یا تین چیزوں میں اختلاف ہو جائے تو پھر وہ جناسِ غیر تام بھی نہیں رہے گا، بلکہ سرے سے بابِ جناس ہی سے خارج ہو جائے گا! کیونکہ اگر دو تین چیزوں میں اختلاف ہو جائے تو پھر ان دو لفظوں میں تلفظ کی مشابہت اور جناس ہی باقی نہیں رہتی۔ جناسِ غیر تام تب بنتا ہے جب چار میں سے تین باتوں میں اتفاق ہو اور صرف ایک بات میں اختلاف ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب دیکھیے، وہ ایک چیز جس میں اختلاف ہو گا، وہ چار میں سے کون سی ہو سکتی ہے؟

یا تو صرف پہلی چیز یعنی ہیئتِ حروف میں اختلاف ہو گا اور نوع، عدد اور ترتیب متفق ہوں گے؛

یا صرف عددِ حروف میں اختلاف ہو گا اور ہیئت، نوع اور ترتیب متفق ہوں گے؛

یا صرف نوعِ حروف میں اختلاف ہو گا اور ہیئت، عدد اور ترتیب متفق ہوں گے؛

اور یا صرف ترتیبِ حروف میں اختلاف ہو گا اور ہیئت، نوع اور عدد متفق ہوں گے!

اسی لحاظ سے مصنف نے جناسِ غیر تام کی چھے قسمیں یہاں بیان فرمائی ہیں بھئی: پہلی قسم محرف، دوسری قسم مطرف، تیسری قسم مذیل، چوتھی قسم مضارع، پانچویں قسم لاحق اور چھٹی قسم جناسِ قلب۔ اب ایک ایک کو ترتیب کے ساتھ کتاب سے پڑھتے جایئے اور سمجھتے جایئے۔

■ قولہ: «وَهُوَ مُحَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَ لَفْظَاهُ فِي...» کی تشریح

پہلی قسم دیکھیے: وَهُوَ مُحَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَ لَفْظَاهُ فِي هَيْئَةِ الْحُرُوفِ فَقَطْ، نَحْوُ قَوْلِهِ: جُبَّةُ الْبُرْدِ جُنَّةُ الْبَرْدِ۔

کہتے ہیں وہ جناسِ غیر تام مُحَرَّفٌ کہلاتی ہے اگر اس کے دونوں لفظوں میں صرف حروف کی ہیئت میں اختلاف ہو، یعنی نوع، عدد اور ترتیب تینوں یکساں ہوں اور صرف حرکات وسکنات میں فرق ہو۔ مُحَرَّفٌ بابِ تفعیل تَحْرِيفٌ سے اسمِ مفعول ہے، تحریف کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو اس کی ہیئت سے پھیر دینا، چونکہ یہاں حرکت اور سکون کی ہیئت بدل گئی اس لیے اسے جناسِ محرف کہتے ہیں۔ جیسے یہ مشہور مقولہ ہے: جُبَّةُ الْبُرْدِ جُنَّةُ الْبَرْدِ۔

لغات اور معنی دیکھیے بھئی۔ جُبَّةٌ جیم کے ضمہ اور باء کی تشدید کے ساتھ کس کو کہتے ہیں؟ جبے اور چوغے کو، جو اوپر پہننے کا لمبا کوٹ یا چوغہ ہوتا ہے۔ اور الْبُرْدُ باء کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ کہتے ہیں دھاری دار اونی کپڑے کو، دھاری دار چادر کو۔ تو جُبَّةُ الْبُرْدِ کا معنی ہوا: دھاری دار اونی کپڑے کا جبہ اور چوغہ (اضافت بیانیہ ہے من البرد کے معنی میں)۔ اور آگے اس کی خبر کیا ہے؟ جُنَّةُ الْبَرْدِ۔ جُنَّةٌ جیم کے ضمہ اور نون کی تشدید کے ساتھ کہتے ہیں ڈھال کو، جس سے میدانِ جنگ میں تلوار یا تیر کے وار سے بچاؤ کیا جاتا ہے (جیسے حدیث شریف میں ہے الصَّوْمُ جُنَّةٌ، روزہ ڈھال ہے) اور ہر وہ چیز جو کسی تکلیف سے بچاؤ کا ذریعہ بنے۔ اور الْبَرْدُ باء کے فتحہ کے ساتھ کہتے ہیں سردی کو، جاڑے کو! تو جُبَّةُ الْبُرْدِ جُنَّةُ الْبَرْدِ کا ترجمہ ہوا: دھاری دار اونی کپڑے کا جبہ سردی کی ڈھال ہے، یعنی جاڑے اور سردی سے بچاؤ کا ہتھیار ہے!

اب یہاں مقامِ استشہاد دیکھیے بھئی: الْبُرْدِ اور الْبَرْدِ! دونوں میں حروف کی نوع ایک ہے یعنی الف، لام، باء، راء اور دال؛ عدد بھی ایک ہے؛ ترتیب بھی ایک ہے؛ صرف ہیئت یعنی حرکت میں اختلاف ہوا کہ الْبُرْدِ میں باء پر ضمہ ہے اور الْبَرْدِ میں باء پر فتحہ ہے، اس لیے ان دونوں میں جناسِ محرف ہے۔ اور جُبَّةُ اور جُنَّةُ کو بھی دیکھیے، ان دونوں میں بھی ہیئت، عدد اور ترتیب ایک ہے اور صرف ایک حرف باء اور نون کا اختلاف ہے تو ان دونوں میں آگے آنے والی قسم یعنی جناسِ مضارع یا لاحق بن جائے گی، گویا اس چھوٹے سے جملے کے دونوں اجزاء میں جناس جمع ہے، لیکن یہاں مصنف کا استشہاد الْبُرْدِ اور الْبَرْدِ سے ہے بھئی۔

اردو میں بھی جناسِ محرف کی ایک بڑی خوبصورت مثال ہے، لکھنا چاہیں تو لکھ لیں بھئی:

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے... وگرنہ یاد تھیں ہم کو شکایتیں کیا کیا

دیکھیے بھئی، پہلے «گلے» میں گاف پر زبر ہے، گلا یعنی گردن، کہ محبوب کے گلے سے لگتے ہی اور معانقہ کرتے ہی؛ اور دوسرے «گلے» میں گاف کے نیچے زیر ہے، گِلہ کی جمع گِلے یعنی شکوے اور شکایتیں، کہ جتنے گلے اور شکوے تھے وہ سب بھول گئے، وگرنہ اس سے پہلے تو ہمیں کیا کیا شکایتیں یاد تھیں! تو دیکھیے «گلے» اور «گِلے» میں گاف، لام اور یائے مجہول حروف کی نوع، عدد اور ترتیب بالکل ایک ہے، صرف گاف کے زبر اور زیر یعنی ہیئت کا فرق ہے، تو یہ جناسِ محرف کی مثال ہو گئی بھئی۔

اب دوسری اور تیسری قسم دیکھیے جب عددِ حروف میں اختلاف ہو:

■ متن وشواہد: «وَمُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِي عَدَدِ...»

وَمُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِي عَدَدِ الْحُرُوفِ فَقَطْ وَكَانَتِ الزِّيَادَةُ أَوَّلًا، وَمُذَيَّلٌ إِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ آخِرًا، نَحْوُ:

يَمُدُّونَ مِنْ أَيْدٍ عَوَاصٍ عَوَاصِمٍ ... تَصُولُ بِأَسْيَافٍ قَوَاضٍ قَوَاضِبِ

اگر دونوں متجانس لفظوں میں صرف حروف کے عدد اور گنتی میں اختلاف ہو، یعنی ایک لفظ میں مثلاً تین حرف ہوں اور دوسرے میں چار حرف ہوں، تو مصنف نے یہاں اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں بھئی (تیسری صورت بھی ہوتی ہے کہ زائد حرف درمیان میں ہو جیسے جَدِّي اور جَهْدِي، اس کو مکتنف کہتے ہیں لیکن مصنف نے اختصار کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہے):

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ زائد حرف شروع میں ہو، وَكَانَتِ الزِّيَادَةُ أَوَّلًا، تو اس کو جناسِ مُطَرَّفٌ کہتے ہیں کیونکہ طَرَف کنارے اور ابتدائی حصے کو کہتے ہیں، جیسے آپ نے پچھلے سبق میں قرآنِ کریم کی مثال سنی تھی: ﴿وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ • إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ﴾۔ دیکھیے سَاقُ اور مَسَاقُ میں سَاقُ کے تینوں حروف سین، الف اور قاف مَسَاقُ میں اسی ترتیب اور ہیئت سے موجود ہیں، صرف شروع میں میم زائد ہو گئی ہے، تو یہ جناسِ مطرف ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ زائد حرف آخر میں ہو، وَمُذَيَّلٌ إِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ آخِرًا، تو اس کو جناسِ مُذَيَّلٌ کہتے ہیں، تَذْيِيلٌ سے بنا ہے اور ذَيْلٌ کہتے ہیں دامن اور پچھلے کنارے کو، گویا لفظ کے آخر میں ایک حرف کی دم اور دامن بڑھا دیا گیا بھئی!

جناسِ مذیل کی مثال میں مصنف نے یہ شعر ذکر فرمایا ہے، اور اس ایک شعر میں جناسِ مذیل کی دو مثالیں جمع ہیں بھئی:

■ متن وشواہد: «يَمُدُّونَ مِنْ أَيْدٍ عَوَاصٍ عَوَاصِمِ»

يَمُدُّونَ مِنْ أَيْدٍ عَوَاصٍ عَوَاصِمِ ... تَصُولُ بِأَسْيَافٍ قَوَاضٍ قَوَاضِبِ

اس شعر کے الفاظ، قواعد اور معنی کو ذرا توجہ سے سمجھ لیں بھئی۔ سب سے پہلے لفظ يَمُدُّونَ ہے، مَدَّ يَمُدُّ مَدًّا بابِ نصر سے، اس کا معنی ہے پھیلانا، دراز کرنا، لمبا کرنا۔ یہاں آپ کو علمِ صرف کا ایک بڑا قیمتی ضابطہ بتلادوں بھئی: مضاعف ثلاثی مجرد کے افعال جب بابِ نصر يَنْصُرُ سے آتے ہیں تو عموماً متعدی ہوتے ہیں جیسے مَدَّ يَمُدُّ اس نے پھیلایا، رَدَّ يَرُدُّ اس نے لوٹایا، شَدَّ يَشُدُّ اس نے مضبوط باندھا، عَدَّ يَعُدُّ اس نے گنا؛ اور جب بابِ ضرب يَضْرِبُ سے آتے ہیں تو عموماً لازم ہوتے ہیں جیسے فَرَّ يَفِرُّ وہ بھاگا، قَلَّ يَقِلُّ وہ کم ہوا، ذَلَّ يَذِلُّ وہ ذلیل ہوا، تَمَّ يَتِمُّ وہ پورا ہوا! اب یہاں يَمُدُّونَ بابِ نصر سے متعدی ہے کہ وہ ممدوحین دراز کرتے ہیں اور آگے بڑھاتے ہیں، تو اس کا مفعول بہ کہاں ہے؟

آگے آرہا ہے مِنْ أَيْدٍ! یہاں مِنْ یا تو زائدہ ہے اور أَيْدٍ محلاً منصوب مفعول بہ ہے، اور یا مِنْ تبعیضیہ ہے اور مفعول بہ محذوف ہے کہ يَمُدُّونَ سَوَاعِدَهُمْ مِنْ أَيْدٍ، کیونکہ يَدٌ کا اطلاق پورے ہاتھ پر مونڈھے اور کندھے سے لے کر انگلیوں کے پوروں تک پر ہوتا ہے، اور جب تلوار چلانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا جاتا ہے تو ہاتھ کا بعض حصہ یعنی کلائی اور بازو آگے بڑھتا ہے، اس لیے مِنْ تبعیضیہ لائے۔ اور أَيْدٍ اصل میں أَيْدِيٌ تھا، يَدٌ کی جمع قلت أَيْدٍ آتی ہے بروزنِ أَفْعُلٍ جیسے دَلْوٌ سے أَدْلٍ، پھر یاء پر ضمہ ثقیل گرا اور تنوین اور یاء میں التقائے ساکنین ہوا تو یاء گر گئی اور أَيْدٍ رہ گیا۔ اور یاد رکھیے کہ يَدٌ عربی میں مؤنث سماعی ہے، کیونکہ انسانی جسم کے جتنے اعضاء دو دو ہیں جیسے عَيْنٌ، أُذُنٌ، يَدٌ، رِجْلٌ، قَدَمٌ، كَتِفٌ، وہ سب عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں، اور جو اکیلے ہیں جیسے رَأْسٌ، وَجْهٌ، أَنْفٌ، فَمٌ، صَدْرٌ، بَطْنٌ وہ مذکر استعمال ہوتے ہیں، اسی لیے أَيْدٍ کی صفتیں آگے عَوَاصٍ عَوَاصِمِ جمع مؤنث لائی گئی ہیں بھئی!

اب عَوَاصٍ اور عَوَاصِمِ کا معنی سمجھیے۔ عَوَاصٍ اصل میں عَوَاصِيُ تھا، یہ عَاصِيَةٌ کی جمع ہے، اور یہاں عَاصِيَةٌ معصیت اور نافرمانی سے نہیں ہے، بلکہ عَصَا يَعْصُو عَصْوًا بابِ نصر سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے عَصًا یعنی لاٹھی یا تلوار سے مارنا! حدیث شریف میں بھی آتا ہے نا کہ جو شخص جاہلیت کے جھنڈے تلے لڑے اور يَعْصِبُ بِعَصَبِيَّةٍ یعنی عصبیت کی خاطر تلوار چلائے۔ تو عَوَاصٍ کا معنی ہے: دشمنوں کو تلوار اور لاٹھی سے مارنے والے ہاتھ! اور آگے عَوَاصِمِ کس کی جمع ہے؟ یہ عَاصِمَةٌ کی جمع ہے، عَصَمَ يَعْصِمُ عَصْمًا بابِ ضرب سے، جس کا معنی ہے بچانا اور حفاظت کرنا، یعنی دوستوں اور پناہ مانگنے والوں کی حفاظت کرنے والے ہاتھ! دیکھیے کتنا لطیف معنی ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ دراز کرتے ہیں تو وہ ہاتھ دشمنوں کے حق میں عَوَاصٍ یعنی مارنے اور ہلاک کرنے والے ہیں، اور دوستوں کے حق میں عَوَاصِمِ یعنی بچانے اور حمایت کرنے والے ہیں!

اور دوسرا مصرعہ دیکھیے: تَصُولُ بِأَسْيَافٍ قَوَاضٍ قَوَاضِبِ۔ تَصُولُ مضارع واحد مؤنث غائب ہے جو أَيْدٍ کی صفتِ ثالثہ ہے، صَالَ يَصُولُ صَوْلًا وَصَوْلَةً بابِ نصر سے، جس کا معنی ہے حملہ کرنا، ٹوٹ پڑنا۔ آپ نے گلستانِ سعدی میں بھی وہ عربی شعر پڑھا ہوگا نا:

■ متن وشواہد: «إِذَا يَئِسَ الْإِنْسَانُ طَالَ لِسَانُهُ»

إِذَا يَئِسَ الْإِنْسَانُ طَالَ لِسَانُهُ ... كَسِنَّوْرٍ مَغْلُوبٍ يَصُولُ عَلَى الْكَلْبِ

کہ جب انسان ناامید ہو جاتا ہے تو اس کی زبان لمبی ہو جاتی ہے، جیسے مغلوب بلی جب گھیرے سے تنگ آجاتی ہے تو کتے پر حملہ کر دیتی ہے! تو تَصُولُ بِأَسْيَافٍ، وہ ہاتھ حملہ کرتے ہیں ایسی تلواروں کے ساتھ، قَوَاضٍ قَوَاضِبِ۔ قَوَاضٍ اصل میں قَوَاضِيُ تھا، قَاضِيَةٌ کی جمع ہے قَضَى يَقْضِي سے، یعنی دشمنوں کی موت کا فیصلہ چکا دینے والی اور کام تمام کر دینے والی تلواریں! اور قَوَاضِبِ جمع ہے قَاضِبَةٌ کی، قَضَبَ يَقْضِبُ قَضْبًا بابِ ضرب سے، جس کا معنی ہے کاٹ کر دو ٹکڑے کر دینا، یعنی لوہے اور زرہ کو کاٹ کر رکھ دینے والی تلواریں!

اب اس شعر میں مقامِ استشہاد دیکھیے بھئی: پہلے مصرعے میں عَوَاصٍ (جو اصل میں عَوَاصِي ہے) اور عَوَاصِمِ، دونوں میں عین، واؤ، الف اور صاد موجود ہیں، اور عَوَاصِمِ کے آخر میں میم زائد ہے؛ اور دوسرے مصرعے میں قَوَاضٍ اور قَوَاضِبِ، دونوں میں قاف، واؤ، الف اور ضاد موجود ہیں، اور قَوَاضِبِ کے آخر میں باء زائد ہے! تو چونکہ زیادتی لفظ کے آخر میں ہے اس لیے یہ دونوں جناسِ مُذَيَّلٌ کی مثالیں ہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب چوتھی اور پانچویں قسم دیکھیے جب دو لفظوں کے درمیان نوعِ حروف میں یعنی کسی ایک حرف میں اختلاف ہو:

■ متن وشواہد: «وَمُضَارِعٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِي حَرْفَيْنِ...»

وَمُضَارِعٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِي حَرْفَيْنِ غَيْرِ مُتَبَاعِدَيِ الْمَخْرَجِ نَحْوُ: ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ﴾، وَلَاحِقٌ إِنْ تَبَاعَدَا نَحْوُ: ﴿وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ ● وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾۔

بھئی جب دو متجانس لفظوں میں باقی سب حروف ایک ہوں اور صرف ایک ایک حرف دونوں میں مختلف ہو، تو اب دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ جو دو مختلف حرف ہیں، کیا وہ دونوں قریب المخرج ہیں یا بعید المخرج ہیں؟ مخرج کس کو کہتے ہیں بھئی؟ مخرج اسمِ ظرف ہے خَرَجَ يَخْرُجُ سے، حرف کے نکلنے کی جگہ! منہ اور حلق کے اندر جہاں سے حرف کی آواز نکلتی اور ادا ہوتی ہے اس جگہ کو مخرج کہتے ہیں، جیسے حلق سے چھ حروفِ حلقی نکلتے ہیں، ہونٹوں سے باء، فاء، میم، واؤ نکلتے ہیں، زبان سے دیگر حروف نکلتے ہیں۔

اب اگر وہ دونوں مختلف حروف غَيْرِ مُتَبَاعِدَيِ الْمَخْرَجِ ہوں، یعنی ان دونوں کے مخارج ایک دوسرے سے دور نہ ہوں بلکہ ایک ہی مخرج ہو یا قریب قریب کے مخارج ہوں، تو اس جناس کو جناسِ مُضَارِعٌ کہتے ہیں بھئی! مُضَارِعٌ کا لغوی معنی ہے مشابہ، کیونکہ مخرج قریب ہونے کی وجہ سے دونوں حرفوں کی آواز ایک دوسرے کے بہت مشابہ ہوتی ہے۔ جیسے سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کفارِ مکہ کے بارے میں: ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ﴾، اور وہ کفار لوگوں کو بھی اس قرآن اور پیغمبر کی اتباع سے روکتے ہیں، نَهَى يَنْهَى نَهْيًا روکنا اور منع کرنا، وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں، نَأَى يَنْأَى نَأْيًا کا معنی ہوتا ہے دور ہونا، کنارہ کش ہونا۔

اب دیکھیے بھئی، يَنْهَوْنَ اور يَنْأَوْنَ میں یاء، نون، واؤ اور نون سب مشترک ہیں، ہیئت، عدد اور ترتیب بھی بالکل ایک ہے، صرف تیسرے حرف کا فرق ہے کہ يَنْهَوْنَ میں ہاء ہے اور يَنْأَوْنَ میں ہمزہ ہے! اور تجوید اور قراءت میں آپ نے پڑھا ہے کہ ہمزہ اور ہاء دونوں کا مخرج کیا ہے؟ اقصائے حلق، یعنی حلق کا وہ حصہ جو سینے کی طرف سب سے نیچے والا ہے، دونوں ایک ہی مخرج سے ادا ہوتے ہیں! تو چونکہ ہمزہ اور ہاء قریب المخرج بلکہ متحد المخرج ہیں، اس لیے يَنْهَوْنَ اور يَنْأَوْنَ میں جناسِ مُضَارِعٌ ہے بھئی۔

اور پانچویں قسم: وَلَاحِقٌ إِنْ تَبَاعَدَا، اور اگر وہ دونوں مختلف حروف مخرج میں ایک دوسرے سے دور ہوں یعنی بعید المخرج ہوں، تو اس کو جناسِ لَاحِقٌ کہتے ہیں، یعنی وہ مضارع کے ساتھ ملحق ہے۔ جیسے سورۂ عادیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ● وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾، اور بے شک انسان اپنی اس ناشکری پر خود گواہ ہے، اور بے شک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے (خَيْر سے مراد یہاں مال ہے، جیسے سورۂ بقرہ میں ہے إِنْ تَرَكَ خَيْرًا أَيْ مَالًا)۔

یہاں دیکھیے بھئی: لَشَهِيدٌ اور لَشَدِيدٌ! دونوں میں لام، شین، یاء اور دال مشترک ہیں، صرف لَشَهِيدٌ میں شین کے بعد ہاء ہے اور لَشَدِيدٌ میں شین کے بعد دال ہے! اب ہاء کا مخرج تو اقصائے حلق ہے، اور دال کا مخرج کیا ہے؟ زبان کی نوک اور اوپر کے اگلے دو دانتوں یعنی ثنایا علیا کی جڑ! دیکھیے حلق کہاں ہے اور زبان کی نوک اور دانت کہاں ہیں، دونوں کے مخارج میں کتنا فاصلہ اور بعد ہے! اس لیے شَهِيدٌ اور شَدِيدٌ میں جناسِ لَاحِقٌ ہے بھئی۔

■ قولہ: «وَجِنَاسُ قَلْبٍ إِنِ اخْتَلَفَا فِي تَرْتِيبِ...» کی تشریح

اور چھٹی قسم جناسِ غیر تام کی دیکھیے: وَجِنَاسُ قَلْبٍ إِنِ اخْتَلَفَا فِي تَرْتِيبِ الْحُرُوفِ فَقَطْ، كَنِيلٍ وَلِينٍ، وَسَاقٍ وَقَاسٍ۔

اور اس کو جناسِ قَلْب کہتے ہیں اگر دونوں لفظوں میں صرف حروف کی ترتیب میں اختلاف ہو، یعنی ہیئت، نوع اور عدد تینوں متفق ہوں لیکن حروف آگے پیچھے الٹ پلٹ ہو گئے ہوں! جیسے نِيلٍ اور لِينٍ۔ نِيلٌ مصر کے مشہور دریا کا نام ہے یا نیل کا پودا، اور لِينٌ کا معنی ہے نرمی۔ دیکھیے دونوں میں نون، یاء اور لام ہیں لیکن ترتیب الٹ گئی کہ نِيل میں نون پہلے اور لام آخر میں ہے، اور لِين میں لام پہلے اور نون آخر میں ہے۔ اسی طرح سَاقٍ اور قَاسٍ: سَاقٌ پنڈلی کو کہتے ہیں اور قَاسٍ (جو اصل میں قَاسِيٌ ہے قَسَا يَقْسُو سے) سخت دل اور بے رحم کو کہتے ہیں، دونوں میں سین، الف اور قاف کی ترتیب الٹ گئی۔ اسی طرح ہم دعا مانگتے ہیں نا: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمَرْحُومِينَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْمَحْرُومِينَ، اے اللہ ہمیں مرحومین میں سے بنا اور محرومین میں سے نہ بنا، یہاں الْمَرْحُومِينَ اور الْمَحْرُومِينَ میں بھی راء اور حاء کی ترتیب آگے پیچھے ہوئی ہے تو یہ بھی جناسِ قلب کی مثال ہے بھئی۔ یہاں پر جناسِ غیر تام کا بیان پورا ہو گیا۔

اب محسناتِ لفظیہ کی تیسری صنعت آرہی ہے بھئی: التَّصْدِيرُ وَيُسَمَّى رَدَّ الْعَجُزِ عَلَى الصَّدْرِ۔

التَّصْدِيرُ وَيُسَمَّى رَدَّ الْعَجُزِ عَلَى الصَّدْرِ: هُوَ فِي النَّثْرِ أَنْ يُجْعَلَ أَحَدُ اللَّفْظَيْنِ الْمُكَرَّرَيْنِ أَوِ الْمُتَجَانِسَيْنِ أَوِ الْمُلْحَقَيْنِ بِهِمَا بِأَنْ جَمَعَهُمَا اشْتِقَاقٌ أَوْ شِبْهُهُ فِي أَوَّلِ الْفِقْرَةِ وَالثَّانِي فِي آخِرِهَا۔

تَصْدِيرٌ بابِ تفعیل کا مصدر ہے صَدْرٌ سے، اور اسی صنعت کا دوسرا نام رَدُّ الْعَجُزِ عَلَى الصَّدْرِ بھی ہے۔ الصَّدْرُ کہتے ہیں کسی چیز کے اگلے اور ابتدائی حصے کو، سینے کو؛ اور الْعَجُزُ عین کے فتحہ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ کہتے ہیں کسی چیز کے پچھلے اور آخری حصے کو۔ تو رَدُّ الْعَجُزِ عَلَى الصَّدْرِ کا لغوی معنی ہوا: کلام کے پچھلے حصے کو اگلے حصے پر لوٹانا۔

یہ صنعت نثر میں بھی ہوتی ہے اور نظم یعنی شعر میں بھی ہوتی ہے۔ پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ اس صنعت میں جو دو لفظ لائے جاتے ہیں جن میں سے ایک شروع میں اور دوسرا آخر میں ہوتا ہے، وہ دو لفظ کتنی قسم کے ہو سکتے ہیں؟ فرماتے ہیں وہ دو لفظ چار قسم کے ہو سکتے ہیں بھئی:

■ قولہ: «اللَّفْظَيْنِ الْمُكَرَّرَيْنِ» کی تشریح

پہلی قسم: اللَّفْظَيْنِ الْمُكَرَّرَيْنِ، کہ وہ دونوں لفظ مکرر ہوں یعنی لفظ بھی ایک ہی ہو اور معنی بھی دونوں کا ایک ہی ہو۔

دوسری قسم: أَوِ الْمُتَجَانِسَيْنِ، یا وہ دونوں لفظ متجانس ہوں یعنی ان کے درمیان جناس ہو کہ لفظ ایک جیسا ہو اور معنی دونوں کا الگ الگ ہو۔

تیسری قسم: أَوِ الْمُلْحَقَيْنِ بِهِمَا بِأَنْ جَمَعَهُمَا اشْتِقَاقٌ، یا وہ دونوں لفظ متجانسین کے ساتھ ملحق ہوں اس طور پر کہ ان دونوں کو ایک ہی اشتقاق اور ایک ہی مادے نے جمع کیا ہو، جیسے ضَرَبَ اور ضَارِبٌ، یا اسْتَغْفِرُوا اور غَفَّارًا۔

چوتھی قسم: أَوْ شِبْهُهُ أَيْ شِبْهُ الِاشْتِقَاقِ، یا ان دونوں لفظوں کو شبہِ اشتقاق نے جمع کیا ہو، یعنی حقیقت میں اور علمِ صرف کے قاعدے سے تو دونوں کا مادہ اور ماخذ الگ الگ ہو، لیکن بظاہر دیکھنے اور سننے میں ایسا لگتا ہو جیسے دونوں ایک ہی مادے سے مشتق ہیں!

سمجھ میں آ گئیں یہ چاروں قسمیں بھئی؟ اب نثر کے اندر تصدیر یا رَدُّ الْعَجُزِ عَلَى الصَّدْرِ یہ ہے کہ ان چار قسم کے لفظوں میں سے پہلا لفظ فقرے یعنی جملے کے اول میں رکھا جائے، فِي أَوَّلِ الْفِقْرَةِ، اور دوسرا لفظ اسی فقرے کے آخر میں رکھا جائے، وَالثَّانِي فِي آخِرِهَا! فِقْرَةٌ فاء کے کسرہ کے ساتھ (اور فتحہ بھی جائز ہے) نثر کے ایک جملے کو کہتے ہیں، اصل میں فَقْرَة ریڑھ کی ہڈی کے مہرے کو اور سونے چاندی کے اس زیور کو کہتے ہیں جو مہروں کی لڑی کی طرح بنایا جاتا ہے، پھر نثر کے خوبصورت جملے کو تشبیہاً فقرہ کہنے لگے۔

اب نثر کی ان چاروں صورتوں کی چار مثالیں مصنف نے ترتیب وار ذکر فرمائی ہیں، ایک ایک کر کے دیکھیے بھئی:

■ قولہ: «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَتَخْشَى النَّاسَ...» کی تشریح

پہلی مثال لفظین مکررین کی: كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾۔ سورۂ احزاب میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں (یعنی لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع کا اندیشہ کرتے ہیں کہ منافقین کہیں گے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا) حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں! دیکھیے اس فقرے کے شروع میں تَخْشَى آیا ہے اور بالکل آخر میں تَخْشَاهُ آیا ہے، اور دونوں میں خَشْيَة بمعنی ڈرنا ایک ہی لفظ اور ایک ہی معنی ہے، تو یہ مکررین کی مثال ہو گئی۔

دوسری مثال لفظین متجانسین کی: وَقَوْلِكَ: سَائِلُ اللَّئِيمِ يَرْجِعُ وَدَمْعُهُ سَائِلُ، الْأَوَّلُ مِنَ السُّؤَالِ وَالثَّانِي مِنَ السَّيَلَانِ۔ آپ کہیں: سَائِلُ اللَّئِيمِ، کمینے اور بخیل آدمی سے مانگنے والا سائل، يَرْجِعُ لوٹتا ہے اس حال میں کہ وَدَمْعُهُ سَائِلٌ اس کے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں! دیکھیے اس فقرے کے بالکل اول میں لفظ سَائِلُ آیا ہے جو سَأَلَ يَسْأَلُ سُؤَالًا سے اسم فاعل ہے بمعنی مانگنے والا؛ اور فقرے کے بالکل آخر میں لفظ سَائِلٌ آیا ہے جو سَالَ يَسِيلُ سَيَلَانًا سے اسم فاعل ہے بمعنی بہنے والا! دونوں میں جناسِ تام متماثل ہے اور ایک فقرے کے اول میں ہے دوسرا آخر میں ہے، تو یہ متجانسین سے تصدیر کی مثال ہو گئی بھئی۔

تیسری مثال ملحق بمتجانسین بجمع الاشتقاق کی: وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اپنے رب سے استغفار کرو، بخشش مانگو، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے! دیکھیے فقرے کے اول میں اسْتَغْفِرُوا ہے اور فقرے کے آخر میں غَفَّارًا ہے، اور دونوں کا مادہ غ ف ر یعنی مغفرت ایک ہی ہے، ایک فعلِ امر ہے اور دوسرا صیغہ مبالغہ ہے، تو ان دونوں کو اشتقاق نے جمع کیا ہے۔

چوتھی مثال ملحق بمتجانسین بشبہ الاشتقاق کی: وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ﴾۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے بدکاروں سے فرمایا: ﴿قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ﴾، لوط علیہ السلام نے کہا کہ بے شک میں تمہارے اس برے عمل سے سخت نفرت اور بیزاری رکھنے والوں میں سے ہوں! اب ذرا غور کیجیے بھئی، فقرے کے شروع میں لفظ قَالَ آیا ہے، اور آخر میں لفظ الْقَالِينَ آیا ہے۔ جو شخص علمِ صرف اور لغت سے واقف نہ ہو وہ بظاہر یہی سمجھے گا کہ قَالَ سے اسم فاعل قَائِلٌ اور جمع قَالِينَ بنی ہو گی اور دونوں کا مادہ ایک ہی ہے! حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے: قَالَ کا مادہ ق و ل (اجوف واوی)، قَالَ يَقُولُ قَوْلًا بمعنی کہنا) ہے، اور

الْقَالِينَ کا مادہ ق ل ي (ناقص یائی، قَلَى يَقْلِي قِلًى وَقَلَاءً بابِ ضرب سے، جس کا معنی ہوتا ہے سخت بغض رکھنا، دشمنی رکھنا اور نفرت کرنا، جیسے سورۂ والضحیٰ میں ہے ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ ہے! قَلَى سے اسم فاعل قَالٍ بنا جیسے رَمَى سے رَامٍ بنتا ہے، اور اس کی جمع مذکر سالم حالتِ جری میں الْقَالِينَ آئی جیسے الرَّامِينَ آتی ہے۔ تو دونوں کا مادہ الگ الگ ہے لیکن ظاہری مشابہت کی وجہ سے دونوں میں شبہِ اشتقاق ہے، اور ایک اول میں ہے دوسرا آخر میں ہے۔ یہ نثر کی چاروں مثالیں پوری ہو گئیں بھئی۔

اب نظم اور شعر کے اندر تصدیر کیسے ہوتی ہے؟ وہ دیکھیے:

- متن وشواہد: «وَفِي النَّظْمِ: أَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمَا فِي...»

وَفِي النَّظْمِ: أَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمَا فِي آخِرِ الْبَيْتِ وَالْآخَرُ فِي صَدْرِ الْمِصْرَاعِ الْأَوَّلِ أَوْ بَعْدَهُ، نَحْوُ:

سَرِيعٌ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ ... وَلَيْسَ إِلَى دَاعِي النَّدَى بِسَرِيعِ

وَنَحْوُ:

تَمَتَّعْ مِنْ شَمِيمِ عَرَارِ نَجْدٍ ... فَمَا بَعْدَ الْعَشِيَّةِ مِنْ عَرَارِ

فرماتے ہیں اور نظم یعنی شعر میں تصدیر یہ ہے کہ ان دو لفظوں (مکررین، متجانسین، مشتقین یا شبہ مشتقین) میں سے ایک لفظ تو ہمیشہ شعر کے بالکل آخر میں یعنی قافیے کی جگہ پر ہو گا، فِي آخِرِ الْبَيْتِ؛ اور دوسرا لفظ کہاں ہو گا؟ وَالْآخَرُ فِي صَدْرِ الْمِصْرَاعِ الْأَوَّلِ أَوْ بَعْدَهُ، اور دوسرا لفظ یا تو پہلے مصرعے کے صدر یعنی بالکل شروع میں ہو گا، اور یا اس کے بعد ہو گا یعنی پہلے مصرعے کے درمیان میں ہو گا، یا پہلے مصرعے کے آخر میں ہو گا، یا دوسرے مصرعے کے شروع میں ہو گا! دیکھیے چار جگہیں اس کی بن گئیں اور چار قسم کے الفاظ تھے (مکررین، متجانسین، اشتقاق، شبہ اشتقاق)، تو چار کو چار میں ضرب دیں تو نظم میں تصدیر کی کل سولہ صورتیں بن جاتی ہیں، لیکن مصنف نے یہاں دو مثالوں پر اکتفا کیا ہے بھئی۔

پہلی مثال دیکھیے جہاں پہلا لفظ پہلے مصرعے کے بالکل شروع میں ہے اور دوسرا شعر کے بالکل آخر میں ہے:

- متن وشواہد: «سَرِيعٌ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ»

سَرِيعٌ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ ... وَلَيْسَ إِلَى دَاعِي النَّدَى بِسَرِيعِ

شاعر کسی کمینے شخص کی مذمت کر رہا ہے کہ سَرِيعٌ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ، وہ اپنے چچازاد بھائی کی طرف اس کے منہ پر طمانچہ اور تھپڑ مارنے کے لیے تو بڑا تیز اور جلد باز ہے، لَطَمَ يَلْطِمُ لَطْمًا بابِ ضرب سے منہ پر تھپڑ اور طمانچہ مارنا، یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں پر ظلم کرنے اور لڑنے جھگڑنے میں تو فوراً دوڑ کر پہنچتا ہے؛ وَلَيْسَ إِلَى دَاعِي النَّدَى بِسَرِيعِ، لیکن سخاوت اور فیاضی کی طرف بلانے والے کی طرف جانے میں ہرگز تیز نہیں ہے، جب کوئی مہمان یا سائل سخاوت کے لیے پکارتا ہے تو اس کے پاؤں بھاری ہو جاتے ہیں! النَّدَى نون اور دال کے فتحہ کے ساتھ اصل میں شبنم اور تری کو کہتے ہیں، پھر سخاوت اور جود و کرم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ دیکھیے اس شعر کے بالکل شروع یعنی صدرِ مصراعِ اول میں سَرِيعٌ آیا ہے اور شعر کے بالکل آخر یعنی عجز میں بِسَرِيعِ آیا ہے!

اور دوسری مثال دیکھیے جہاں پہلا لفظ پہلے مصرعے کے شروع کے بعد یعنی درمیان میں ہے اور دوسرا شعر کے آخر میں ہے:

تَمَتَّعْ مِنْ شَمِيمِ عَرَارِ نَجْدٍ ... فَمَا بَعْدَ الْعَشِيَّةِ مِنْ عَرَارِ

لغات دیکھیے بھئی۔ تَمَتَّعْ نفع اور فائدہ اٹھالے، لطف اندوز ہو لے۔ مِنْ شَمِيمِ عَرَارِ نَجْدٍ، نجد کے علاقے کے عرار نامی پھول کی خوشبو سونگھنے سے! شَمِيمٌ فعیل کے وزن پر مصدر ہے شَمَّ يَشَمُّ شَمًّا وَشَمِيمًا سے، سونگھنا اور خوشبو۔ اور عَرَارٌ عین کے فتحہ کے ساتھ جنگلی نرگس کے زرد رنگ کے خوشبو دار پھول کو کہتے ہیں جو نجد کے صحرا میں اگتا ہے اور اس کی خوشبو بڑی بھینی اور دلکش ہوتی ہے۔ شاعر نجد کے علاقے سے کوچ کر کے جا رہا ہے اور آج کی شام وہاں اس کی آخری شام ہے، تو وہ

اپنے ساتھی سے یا اپنے نفس سے کہتا ہے کہ اے شخص! آج نجد کے عرار کے پھولوں کی خوشبو سے جی بھر کر فائدہ اٹھالے اور سونگھ لے، فَمَا بَعْدَ الْعَشِيَّةِ مِنْ عَرَارِ کیونکہ آج کی شام کے بعد تجھے عرار کے پھول نصیب ہونے والے نہیں ہیں! اَلْعَشِيَّةُ کہتے ہیں زوالِ آفتاب سے لے کر مغرب تک کے وقت کو، شام کے وقت کو۔

یہاں مقامِ استشہاد دیکھیے بھئی: لفظ عَرَارِ پہلی مرتبہ پہلے مصرعے کے درمیان میں آیا (یعنی صدرِ مصراعِ اول کے بعد)، اور دوسری مرتبہ شعر کے بالکل آخر میں مِنْ عَرَارِ آیا، اس لیے اس میں بھی صنعتِ تصدیر یعنی رَدُّ الْعَجُزِ عَلَى الصَّدْرِ پائی گئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۴: محسناتِ لفظیہ: صنعتِ سجع (مطرف، متوازی، مرصع)، مقلوب (مالا یستحیل بالانعکاس)، عکس، تشریع اور موازبہ

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۳۹ ــــ بتاریخ: ۲۶ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

السَّجْعُ: هُوَ تَوَافُقُ الْفَاصِلَتَيْنِ نَثْرًا فِي الْحَرْفِ الْأَخِيرِ، وَهُوَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ: مُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَتِ الْفَاصِلَتَانِ فِي الْوَزْنِ نَحْوُ: الْإِنْسَانُ بِآدَابِهِ لَا بِزِيِّهِ وَثِيَابِهِ، وَمُتَوَازٍ إِنِ اتَّفَقَتَا فِيهِ نَحْوُ: الْمَرْءُ بِعِلْمِهِ وَأَدَبِهِ لَا بِحَسَبِهِ وَنَسَبِهِ، وَمُرَصَّعٌ إِنِ اتَّفَقَتْ أَلْفَاظُ الْفِقْرَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرُهَا فِي الْوَزْنِ وَالتَّقْفِيَةِ نَحْوُ: يَطْبَعُ الْأَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهِ وَيَقْرَعُ الْأَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ وَعْظِهِ۔

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

محسناتِ لفظیہ کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ آج کے سبق میں محسناتِ لفظیہ کی چوتھی صنعت آرہی ہے جس کا نام ہے السَّجْعُ۔ سجع کا لفظ آپ اکثر سنتے رہتے ہیں کہ فلاں خطیب بڑا مسجع اور مقفی کلام کرتا ہے بھئی۔ سجع کا لغوی معنی تو ہوتا ہے کبوتر یا قمری کا ایک ہی لے اور آواز میں غٹر غوں کرنا اور بولنا، اور علمِ بدیع کی اصطلاح میں سجع کسے کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں: هُوَ تَوَافُقُ الْفَاصِلَتَيْنِ نَثْرًا فِي الْحَرْفِ الْأَخِيرِ۔ نثر کے اندر دو فاصلوں کا آخری حرف میں متفق اور موافق ہونا سجع کہلاتا ہے!

فاصلہ کس کو کہتے ہیں بھئی؟ دیکھیے، نثر کی عبارت میں جو چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے ہیں ان میں سے ہر جملے کو فِقْرَة کہتے ہیں یا قَرِينَة کہتے ہیں، اور اس فقرے کا جو سب سے آخری لفظ اور کلمہ ہوتا ہے جس پر وہ فقرہ ختم ہو رہا ہے، اس آخری کلمے کو فَاصِلَة کہتے ہیں، کیونکہ وہ پہلے جملے کو اگلے جملے سے فصل اور جدا کرتا ہے! جو حیثیت شعر اور نظم کے اندر قافیے کی ہوتی ہے، وہی حیثیت نثر کے اندر فاصلے کی ہوتی ہے بھئی۔ آپ جانتے ہیں کہ عربی قصائد میں شعر کے آخر میں جو حرف آتا ہے جسے حرفِ روی کہتے ہیں، اسی پر پورے قصیدے کی بنیاد ہوتی ہے، اگر آخر میں میم آرہا ہو تو اسے قصیدہ میمیہ کہتے ہیں، اگر دال آرہا ہو تو قصیدہ دالیہ کہتے ہیں، اگر لام آرہا ہو تو قصیدہ لامیہ کہتے ہیں، جیسے کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بَانَتْ سُعَادُ لامیہ ہے اور بوصیری رحمہ اللہ کا قصیدہ بردہ میمیہ ہے۔ اسی طرح نثر میں جب دو فقروں کے آخری کلمے یعنی دونوں فاصلے آخری حرف میں ایک دوسرے کے موافق اور یکساں ہوں، تو اس کو السَّجْعُ کہتے ہیں بھئی۔ اور سجع میں بنیادی شرط یہ ہے کہ دونوں فاصلوں پر وقف کر کے سکون پڑھا جاتا ہے تاکہ آخری حرف کی ہم آہنگی ظاہر ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب اس سجع کی تین قسمیں بنتی ہیں بھئی: وَهُوَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ: پہلی قسم مُطَرَّفٌ، دوسری قسم مُتَوَازٍ، اور تیسری قسم مُرَصَّعٌ۔ ان تینوں کا فرق بڑا آسان ہے، پہلے خلاصہ سمجھ لیں۔

دیکھیے، دو فقرے ہیں اور دونوں کے آخر میں جو دو فاصلے آئے ہیں ان کا آخری حرف تو ایک ہے ہی (ورنہ سجع ہی نہ بنتا)۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ دونوں فاصلے وزنِ صرفی یا عروضی میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں یا وزن میں بھی متفق ہیں؟

اگر دونوں فاصلے وزن میں مختلف ہیں اور صرف آخری حرف میں متفق ہیں، تو اس سجع کو مُطَرَّفٌ کہتے ہیں (کیونکہ اتفاق صرف طَرَف یعنی آخری کنارے میں ہوا)؛

اور اگر دونوں فاصلے وزن میں بھی متفق ہیں، تو پھر آگے دو صورتیں ہیں: اگر صرف آخری لفظ یعنی فاصلے ہی وزن اور قافیے میں متفق ہیں اور فقرے کے پچھلے الفاظ وزن اور قافیے میں متفق نہیں ہیں، تو اس سجع کو مُتَوَازٍ کہتے ہیں؛

اور اگر دونوں فقروں کے صرف آخری فاصلے ہی نہیں بلکہ دونوں فقروں کے سارے کے سارے الفاظ یا اکثر الفاظ آپس میں اپنے مقابل کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں، تو اس سجع کو مُرَصَّعٌ کہتے ہیں! تینوں قسموں کا فرق سمجھ میں آگیا بھئی؟ اب کتاب سے ان کی تعریفات اور مثالیں دیکھ لیں۔

■ قولہ: «مُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَتِ الْفَاصِلَتَانِ فِي...» کی تشریح

پہلی قسم دیکھیے: مُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَتِ الْفَاصِلَتَانِ فِي الْوَزْنِ، نَحْوُ: الْإِنْسَانُ بِآدَابِهِ لَا بِزِيِّهِ وَثِيَابِهِ۔

پہلی قسم سجعِ مطرف ہے، اگر دونوں فاصلے وزن میں مختلف ہوں۔ جیسے یہ مقولہ ہے: الْإِنْسَانُ بِآدَابِهِ لَا بِزِيِّهِ وَثِيَابِهِ۔ انسان کی قدر و قیمت اس کے آداب اور اخلاق کے ساتھ ہے، نہ کہ اس کی وضع قطع اور اس کے کپڑوں کے ساتھ! زِيٌّ زاء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ کہتے ہیں وضع قطع، ہیئت اور ظاہری لباس و پوشاک کو۔

اب یہاں دیکھیے بھئی، پہلا فقرہ ہے الْإِنْسَانُ بِآدَابِهِ، اس کا فاصلہ یعنی آخری کلمہ کیا ہے؟ آدَابِهِ۔ اور دوسرا فقرہ ہے لَا بِزِيِّهِ وَثِيَابِهِ، اس کا فاصلہ کیا ہے؟ ثِيَابِهِ۔ دونوں فاصلوں کا آخری حرف باء اور ضمیر ہاء بالکل ایک ہے، لیکن وزن دونوں کا مختلف ہے کیونکہ آدَابٌ (أَدَبٌ کی جمع) کا وزن أَفْعَالٌ ہے جس کے شروع میں ہمزہ مفتوحہ اور الف مدہ ہے، اور ثِيَابٌ (ثَوْبٌ کی جمع) کا وزن فِعَالٌ ہے جس کے شروع میں فاء کلمہ مکسور ہے! اسی طرح قرآنِ کریم میں سورۂ نوح میں ہے: ﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا•وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾، یہاں وَقَارًا فَعَالًا کے وزن پر ہے اور أَطْوَارًا أَفْعَالًا کے وزن پر ہے۔ تو آخری حرف میں توافق ہے لیکن وزن میں اختلاف ہے، اس لیے اس کو سجعِ مُطَرَّفٌ کہتے ہیں بھئی۔

دوسری قسم دیکھیے: وَمُتَوَازٍ إِنِ اتَّفَقَتَا فِيهِ، نَحْوُ: الْمَرْءُ بِعِلْمِهِ وَأَدَبِهِ لَا بِحَسَبِهِ وَنَسَبِهِ۔

یہاں پہلے اپنی کتابوں میں دو لفظوں کی تصحیح کر لیں بھئی! اکثر چھپے ہوئے نسخوں میں وَمُتَوَازِنٌ نون کے ساتھ لکھا ہوا ہے، وہ غلط ہے، اس نون کو کاٹ دیجیے! اصل لفظ مُتَوَازٍ ہے زاء کے نیچے دو زیر یعنی تنوین کے ساتھ! یہ تَوَازَى يَتَوَازَى تَوَازِيًا بابِ تفاعل سے اسمِ فاعل ہے، اصل میں مُتَوَازِيٌ تھا جیسے مُتَسَاوِيٌ اور قَاضِيٌ ہوتا ہے، پھر ناقص کے قاعدے کے مطابق یاء پر ضمہ ثقیل گرا اور یاء اور تنوین میں التقائے ساکنین ہونے کی وجہ سے یاء گر گئی تو مُتَوَازٍ رہ گیا، اور اگر اس پر الف لام داخل کریں تو الْمُتَوَازِي ہو جائے گا۔

اور دوسری تصحیح مثال کے اندر کر لیں بھئی: بعض کتابوں میں الْمَرْءُ بِعِلْمِهِ وَآدَابِهِ جمع کے صیغے کے ساتھ چھپا ہوا ہے، وہ بھی کتابت کی غلطی ہے، اس کو وَأَدَبِهِ مفرد کر لیں! کیونکہ اگر وَآدَابِهِ پڑھیں گے تو آگے وَنَسَبِهِ کے ہم وزن ہی نہیں رہے گا، حالانکہ مثال متوازی یعنی ہم وزن فاصلوں کی دے رہے ہیں!

■ قولہ: «وَمُتَوَازٍ إِنِ اتَّفَقَتَا فِيهِ» کی تشریح

ترجمہ دیکھیے: وَمُتَوَازٍ إِنِ اتَّفَقَتَا فِيهِ، اور سجع کو متوازی کہتے ہیں اگر دونوں فاصلے اس وزن میں بھی متفق ہوں (جبکہ فقرے کے باقی الفاظ وزن اور قافیے میں متفق نہ ہوں)۔ جیسے آپ کا یہ قول ہے: الْمَرْءُ بِعِلْمِهِ وَأَدَبِهِ لَا بِحَسَبِهِ وَنَسَبِهِ۔ آدمی کا شرف اور کمال اس کے علم اور اس کے ادب کے ساتھ ہے، نہ کہ اس کے حسب اور نسب کے ساتھ! حَسَبٌ کہتے ہیں خاندانی شرافت اور مال و جاہ کو، اور نَسَبٌ کہتے ہیں باپ دادا کے سلسلے کو۔

اب یہاں دیکھیے بھئی، پہلے فقرے کا فاصلہ ہے أَدَبِهِ اور دوسرے فقرے کا فاصلہ ہے نَسَبِهِ۔ دونوں کا آخری حرف باء اور ہاء ضمیر بھی ایک ہے، اور دونوں کا وزن فَعَلِهِ اور فَعَلِهِ بھی بالکل ایک ہے! جبکہ پچھلے الفاظ بِعِلْمِهِ اور بِحَسَبِهِ وزن میں مختلف ہیں کیونکہ عِلْمٌ میں عین مکسور اور لام ساکن ہے اور حَسَبٌ میں حاء اور سین دونوں مفتوح ہیں۔ اسی طرح سورۂ غاشیہ میں ہے: ﴿فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ•وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ﴾، یہاں مَرْفُوعَةٌ اور مَوْضُوعَةٌ دونوں فاصلے وزن اور قافیے میں متفق ہیں جبکہ سُرُرٌ اور أَكْوَابٌ وزن میں مختلف ہیں۔ تو جہاں صرف دونوں فاصلے وزن اور حرفِ اخیر میں متفق ہوں، اسے سجعِ مُتَوَازٍ کہتے ہیں بھئی۔

تیسری قسم دیکھیے: وَمُرَصَّعٌ إِنِ اتَّفَقَتْ أَلْفَاظُ الْفِقْرَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرُهَا فِي الْوَزْنِ وَالتَّقْفِيَةِ، نَحْوُ: يَطْبَعُ الْأَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهِ وَيَقْرَعُ الْأَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ وَعْظِهِ۔

تَرْصِيعٌ کا لغوی معنی ہوتا ہے ہار یا زیور میں ہیرے اور جواہرات کو بالکل آمنے سامنے برابر جڑنا۔ اور اصطلاح میں سجعِ مُرَصَّعٌ یہ ہے کہ دونوں فقروں کے تمام الفاظ یا اکثر الفاظ وزن اور تقفیہ یعنی قافیے اور آخری حرف میں ایک دوسرے کے موافق اور مقابل ہوں! جیسے مقاماتِ حریری کی یہ مشہور عبارت ہے جو ابو زید سروجی کی فصاحت اور خطابت کے بارے میں حریری نے لکھی ہے: يَطْبَعُ الْأَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهِ، وَيَقْرَعُ الْأَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ وَعْظِهِ۔

پہلے ترجمہ سمجھ لیں بھئی۔ طَبَعَ يَطْبَعُ طَبْعًا بابِ فتح سے، اس کا معنی ہے ڈھالنا، جیسے ٹکسال میں سونے چاندی کے سکے ڈھالے جاتے ہیں یا سانچے میں کوئی چیز ڈھالی جاتی ہے۔ يَطْبَعُ الْأَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهِ، وہ ابو زید سروجی اپنے لفظ کے جواہرات اور موتیوں کے ذریعے مسجع عبارتیں ڈھالتا ہے؛ وَيَقْرَعُ الْأَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ

وَعْظِهِ، اور وہ اپنی نصیحت کے ڈرانے اور جھنجھوڑنے والے کلمات کے ذریعے کانوں کو کھٹکھٹاتا ہے! قَرَعَ يَقْرَعُ قَرْعًا بابِ فتح سے کھٹکھٹانا اور چوٹ لگانا؛ اَلْأَسْمَاعُ جمع ہے سَمْعٌ کی بمعنی کان؛ اور زَوَاجِرُ جمع ہے زَاجِرَةٌ کی، زَجَرَ يَزْجُرُ سے بمعنی ڈانٹنے اور گناہوں سے روکنے والی نصیحتیں۔

اب ذرا دونوں فقروں کے ایک ایک لفظ کو آمنے سامنے رکھ کر دیکھیے بھئی:

پہلے فقرے کا پہلا لفظ ہے يَطْبَعُ، اور دوسرے فقرے کا پہلا لفظ ہے يَقْرَعُ، دونوں کا وزن يَفْعَلُ اور آخری حرف عین بالکل ایک ہے!

پہلے فقرے کا دوسرا لفظ ہے اَلْأَسْجَاعَ، اور دوسرے فقرے کا دوسرا لفظ ہے اَلْأَسْمَاعَ، دونوں کا وزن اَلْأَفْعَالَ اور آخری حرف عین بالکل ایک ہے!

پہلے فقرے کا تیسرا لفظ ہے بِجَوَاهِرِ، اور دوسرے فقرے کا تیسرا لفظ ہے بِزَوَاجِرِ، دونوں کا وزن بِفَوَاعِلِ اور آخری حرف راء بالکل ایک ہے!

پہلے فقرے کا چوتھا لفظ ہے لَفْظِهِ، اور دوسرے فقرے کا چوتھا لفظ ہے وَعْظِهِ، دونوں کا وزن فَعْلِهِ اور آخری حرف ظاء اور ہاء بالکل ایک ہے!

سبحان اللہ! دیکھیے دونوں فقروں کے چاروں الفاظ اپنے اپنے مقابل کے ساتھ وزن اور قافیے میں کس طرح جڑے ہوئے اور برابر ہیں، اسی کو سَجْعٌ مُرَصَّعٌ کہتے ہیں بھئی۔

■ قولہ: «مَا لَا يَسْتَحِيلُ بِالِانْعِكَاسِ وَيُسَمَّى...» کی تشریح

اب آج کے سبق کی دوسری صنعت (اور محسناتِ لفظیہ کی پانچویں صنعت) دیکھیے: مَا لَا يَسْتَحِيلُ بِالِانْعِكَاسِ وَيُسَمَّى الْقَلْبَ.

مَا لَا يَسْتَحِيلُ بِالِانْعِكَاسِ وَيُسَمَّى الْقَلْبَ: هُوَ كَوْنُ اللَّفْظِ يُقْرَأُ طَرْدًا وَعَكْسًا، نَحْوُ: كُنْ كَمَا أَمْكَنَكَ، وَ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾.

مَا لَا يَسْتَحِيلُ بِالِانْعِكَاسِ کا مطلب کیا ہے بھئی؟ اِسْتَحَالَ يَسْتَحِيلُ اسْتِحَالَةً کا معنی ہوتا ہے بدل جانا، متغیر ہو جانا (جیسے فقہ میں آپ پڑھتے ہیں نا کہ اگر نجس چیز کا استحالہ ہو جائے یعنی ماہیت بدل کر نمک یا راکھ بن جائے تو پاک ہو جاتی ہے)۔ تو مَا لَا يَسْتَحِيلُ بِالِانْعِكَاسِ کا معنی ہے: ایسا کلام جو الٹا پڑھنے سے بھی متغیر نہ ہو اور نہ بدلے! اور اسی صنعت کا دوسرا مختصر نام اَلْقَلْبُ بھی ہے۔

تعریف دیکھیے: هُوَ كَوْنُ اللَّفْظِ يُقْرَأُ طَرْدًا وَعَكْسًا۔ وہ یہ ہے کہ لفظ ایسا ہو کہ اسے طَرْدًا یعنی سیدھی طرف سے (اول سے آخر کی طرف) پڑھا جائے یا عَكْسًا یعنی الٹی طرف سے (آخر سے اول کی طرف) پڑھا جائے، دونوں طرف سے بالکل ایک ہی چیز پڑھی جائے!

بھئی عام طور پر اگر آپ کسی جملے کو الٹی طرف سے یعنی آخری حرف سے شروع کی طرف پڑھیں تو کیا ہو گا؟ کچھ کا کچھ بن جائے گا، بے معنی ہو جائے گا! لیکن صناعتِ قلب یہ ہے کہ پورا جملہ ایسا لایا جائے کہ اسے دائیں سے بائیں سیدھا پڑھیں تب بھی وہی جملہ ہو، اور بائیں سے دائیں آخری حرف سے پہلے حرف کی طرف الٹا پڑھیں تب بھی بعینہ وہی جملہ بنے!

مثالیں دیکھیے اور میرے ساتھ حروف گن کر مشق کیجیے بھئی۔ پہلی مثال ہے: كُنْ كَمَا أَمْكَنَكَ۔ ترجمہ ہے: تو ویسا ہو جا جیسا تیرے لیے ممکن ہو! اب اس کے حروف اول سے آخر تک گنیے: کاف، نون، کاف، میم، الف، ہمزہ (الف)، میم، کاف، نون، کاف! اب اس کو الٹی طرف سے یعنی آخری کاف سے شروع کی طرف پڑھیے: أَمْكَنَكَ کا آخری حرف ہے کاف، اس سے پہلے ہے نون، بن گیا كُنْ! اس سے پہلے ہے کاف، اس سے پہلے ہے میم، اس سے پہلے ہے الف، بن گیا كَمَا! اس سے پہلے ہے الف، پھر میم، پھر کاف، پھر نون، پھر شروع والا کاف، بن گیا أَمْكَنَكَ! دیکھیے الٹی طرف سے پڑھا تب بھی پورا وہی جملہ نکلا: كُنْ كَمَا أَمْكَنَكَ!

■ قولہ: «وَ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾.» کی تشریح

دوسری مثال قرآنِ کریم سے دیکھیے: وَ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾۔ سورۂ مدثر کی آیت ہے: اور اپنے رب ہی کی بڑائی اور تکبیر بیان کیجیے! واؤ کو چھوڑ کر رَبَّكَ فَكَبِّرْ کے حروف دیکھیے (تشدید کی رعایت کیے بغیر رسم الخط کے حروف کا اعتبار ہوتا ہے): راء، باء، کاف، فاء، کاف، باء، راء۔ اب آخر سے اول کی طرف پڑھیے: آخری حرف راء، اس سے پہلے باء، اس سے پہلے کاف، بن گیا رَبَّكَ! اس سے پہلے فاء، پھر کاف، پھر باء، پھر شروع والی راء، بن گیا فَكَبِّرْ! اسی طرح سورۂ انبیاء اور سورۂ یٰسین میں ہے: ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ﴾، اس کے حروف دیکھیے: کاف، لام، فاء، یاء، فاء، لام، کاف! الٹا پڑھیں گے تب بھی كُلٌّ فِي فَلَكٍ ہی بنے گا! اسی طرح ایک اور مثال ہے: كَلَامُكَ كَمَالُكَ، تیرا کلام تیرا کمال ہے، اس کو الٹا پڑھیں تب بھی كَلَامُكَ كَمَالُكَ ہی بنتا ہے۔ سمجھ میں آ گیا بھئی؟

اب تیسری صنعت دیکھیے آج کے سبق کی: اَلْعَكْسُ۔

الْعَكْسُ: هُوَ أَنْ يُقَدَّمَ جُزْءٌ فِي الْكَلَامِ عَلَى آخَرَ ثُمَّ يُعْكَسُ، نَحْوُ قَوْلِكَ: قَوْلُ الْإِمَامِ إِمَامُ الْقَوْلِ، وَحُرُّ الْكَلَامِ كَلَامُ الْحُرِّ۔

پچھلی صنعت کا نام الْقَلْبُ تھا جس میں ایک ایک حرف کو الٹی طرف سے پڑھا جاتا تھا۔ اور یہ صنعت الْعَكْسُ ہے، اس میں حروف کو الٹا نہیں کیا جاتا بلکہ کلام کے دو اجزاء یعنی دو کلموں کو آگے پیچھے کر کے الٹا دیا جاتا ہے! پہلے ایک جزء کو مقدم رکھا اور دوسرے کو مؤخر رکھا، پھر اگلے حصے میں عکس کر دیا یعنی جو مؤخر تھا اسے مقدم کر دیا اور جو مقدم تھا اسے مؤخر کر دیا! جیسے مضاف اور مضاف الیہ لائے، اور پھر مضاف الیہ کو مضاف بنا دیا اور مضاف کو مضاف الیہ بنا دیا، جیسے مشہور مقولہ ہے: كَلَامُ الْمُلُوكِ مُلُوكُ الْكَلَامِ، بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے! یا عَادَاتُ السَّادَاتِ سَادَاتُ الْعَادَاتِ، سرداروں اور بزرگوں کی عادتیں عادتوں کی سردار ہوتی ہیں!

کتاب کی دونوں مثالیں دیکھیے: نَحْوُ قَوْلِكَ: قَوْلُ الْإِمَامِ إِمَامُ الْقَوْلِ۔ امام اور پیشوا کی بات، باتوں کی امام اور سردار ہوتی ہے! دیکھیے پہلے جزء میں قَوْلُ مقدم ہے اور الْإِمَامِ مؤخر ہے، اور دوسرے جزء میں عکس کر دیا کہ إِمَامُ کو مقدم کر دیا اور الْقَوْلِ کو مؤخر کر دیا۔ دوسری مثال: وَحُرُّ الْكَلَامِ كَلَامُ الْحُرِّ۔ حُرُّ الْكَلَامِ کا معنی ہے کھری اور عمدہ بات، کہ کھرا کلام آزاد اور شریف انسان کا کلام ہوتا ہے! پہلے میں حُرّ مقدم اور الْكَلَام مؤخر ہے، اور دوسرے میں كَلَام مقدم اور الْحُرّ مؤخر ہے، اسی کو صنعتِ عکس کہتے ہیں بھئی۔

اب چوتھی صنعت دیکھیے آج کے سبق کی: التَّشْرِيعُ۔

- متن وشواہد: «التَّشْرِيعُ: هُوَ بِنَاءُ الْبَيْتِ عَلَى...»

التَّشْرِيعُ: هُوَ بِنَاءُ الْبَيْتِ عَلَى قَافِيَتَيْنِ بِحَيْثُ إِذَا سَقَطَ بَعْضُهُ كَانَ الْبَاقِي شِعْرًا مُفِيدًا، كَقَوْلِهِ:

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي عَمَّ الْوَرَى ... مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيرٌ يُنْظَرُ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرٌ فِي عَصْرِنَا ... مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ مُعْسِرُ

فَإِنَّهُ يَصِحُّ أَنْ تُحْذَفَ أَوَاخِرُ الشُّطُورِ الْأَرْبَعَةِ وَيَبْقَى:

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي ... مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيرُ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرٌ ... مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرُ

یہ بڑی عجیب اور فنکارانہ صنعت ہے بھئی! آپ کو معلوم ہے کہ عربی زبان میں اشعار کے اوزان اور بحور کا جو علم ہے جسے علم عروض کہتے ہیں، اس کے موجد امام خلیل بن احمد فراہیدی بصری رحمہ اللہ ہیں جو امام سیبویہ کے استاذ ہیں۔ ایک مرتبہ وہ بازار سے گزر رہے تھے جہاں لوہار اور ٹھٹھیرے ہتھوڑوں سے برتن کوٹ رہے تھے، ان کے ہتھوڑوں سے ٹن ٹن، ٹن ٹن کی جو متوازن آوازیں نکل رہی تھیں اس سے ان کے ذہن میں خیال آیا اور انہوں نے علم عروض کے پندرہ بحور وضع کر دیے! جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شعری ذوق اور موزونیتِ طبع عطا فرمائی ہوتی ہے ان کو وزن خود بخود محسوس ہو جاتا ہے، ہمارے والد ماجد حضرت شیخ رحمہ اللہ کو بھی عربی، فارسی اور اردو اشعار کے اوزان کا بڑا لطیف ذوق تھا۔

اب صنعتِ تشریع کیا ہے بھئی؟ تشریع یہ ہے کہ شاعر اپنے شعر کی بنیاد ایک قافیے پر نہیں بلکہ دو قافیوں اور دو وزنوں پر رکھے! کس طرح؟ بِحَيْثُ إِذَا سَقَطَ بَعْضُهُ كَانَ الْبَاقِي شِعْرًا مُفِيدًا، اس طور پر کہ اگر اس شعر کے ہر مصرعے کے آخر سے کچھ حصہ گرا دیا جائے اور حذف کر دیا جائے، تب بھی جو باقی حصہ بچے وہ بھی ایک مکمل، بامعنی اور باوزن شعر ہو جس کا اپنا قافیہ اور اپنا وزن بالکل درست ہو!

مثال دیکھیے کتاب میں۔ شاعر کسی سخی بادشاہ کی مدح میں دو شعر کہتا ہے:

- متن وشواہد: «يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي عَمَّ الْوَرَى»

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي عَمَّ الْوَرَى ... مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيرٌ يُنْظَرُ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرٌ فِي عَصْرِنَا ... مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ مُعْسِرُ

ترجمہ دیکھیے: يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي عَمَّ الْوَرَى، اے وہ بادشاہ جس کا احسان اور فیض تمام مخلوق کو عام اور شامل ہو گیا ہے، الْوَرَى مخلوق کو کہتے ہیں؛ مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيرٌ يُنْظَرُ، سخاوت کرنے والوں میں اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ہے جو دیکھی جا سکے! لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرٌ فِي عَصْرِنَا، اگر آپ جیسا ایک اور سخی ہمارے اس زمانے میں ہوتا، مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ مُعْسِرُ تو روئے زمین اور دنیا میں کوئی محتاج اور تنگدست فقیر باقی نہ رہتا! مُعْسِرٌ عُسْرٌ سے ہے بمعنی تنگدست۔

یہاں دیکھیے پہلے شعر کا قافیہ يُنْظَرُ ہے اور دوسرے شعر کا قافیہ مُعْسِرُ ہے۔ اب مصنف فرماتے ہیں: فَإِنَّهُ يَصِحُّ أَنْ تُحْذَفَ أَوَاخِرُ الشُّطُورِ الْأَرْبَعَةِ وَيَبْقَى. الشُّطُورُ جمع ہے شَطْرٌ کی، شطر کہتے ہیں کسی چیز کے آدھے حصے کو، اور شعر کا آدھا حصہ کیا ہوتا ہے؟ ایک مصرعہ! دو شعروں کے اندر کتنے مصرعے ہوئے؟ چار مصرعے ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ ان چاروں مصرعوں کے آخری کلمات کو اگر حذف کر دیا جائے، یعنی پہلے مصرعے کے آخر سے عَمَّ الْوَرَى کو ہٹا دیں، دوسرے مصرعے کے آخر سے يُنْظَرُ کو ہٹا دیں، تیسرے مصرعے کے آخر سے فِي عَصْرِنَا کو ہٹا دیں، اور چوتھے مصرعے کے آخر سے مُعْسِرُ کو ہٹا دیں، تو دیکھیے پیچھے کیا بچے گا:

- متن وشواہد: «يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي»

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي ... مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيرُ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرٌ ... مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرُ

دیکھیے بھئی! چاروں مصرعوں کے آخری الفاظ حذف کرنے کے بعد بھی جو کلام بچا وہ بحر کامل کے وزن اور نَظِيرُ اور فَقِيرُ کے قافیے پر دو مکمل، بامعنی اور مفید شعر بن گئے کہ اے وہ بادشاہ کہ سخاوت کرنے والوں میں جس کی کوئی نظیر نہیں ہے، اگر آپ جیسا ایک اور سخی ہوتا تو دنیا میں کوئی فقیر نہ رہتا! اسی صنعت کو التَّشْرِيعُ کہتے ہیں بھئی۔

اب آج کے سبق کی پانچویں اور آخری صنعت دیکھیے: الْمُوَارَبَةُ۔

- متن وشواہد: «الْمُوَارَبَةُ: هِيَ أَنْ يَجْعَلَ...»

الْمُوَارَبَةُ: هِيَ أَنْ يَجْعَلَ الْمُتَكَلِّمُ كَلَامَهُ بِحَيْثُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُغَيِّرَ مَعْنَاهُ بِتَحْرِيفٍ أَوْ تَصْحِيفٍ أَوْ غَيْرِهِمَا لِيَسْلَمَ مِنَ الْمُؤَاخَذَةِ، كَقَوْلِ أَبِي نُوَاسٍ:

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ ... كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصَةْ

فَلَمَّا أَنْكَرَ عَلَيْهِ الرَّشِيدُ ذَلِكَ قَالَ: لَمْ أَقُلْ إِلَّا:

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ ... كَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصَةْ

مُوَارَبَةٌ بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے وَرْبٌ سے، جس کا معنی ہوتا ہے چالاکی اور ہوشیاری سے کسی کو دھوکہ دینا اور بچ نکلنا۔ اور علمِ بدیع میں موارِبہ کسے کہتے ہیں بھئی؟ متکلم اپنے کلام کو اس ہوشیاری سے ایسے الفاظ میں کہے کہ اگر بادشاہ یا مخاطب اس پر ناراض ہو اور پکڑ کرنے لگے، تو متکلم فوراً اس میں تھوڑی سی تحریف کر کے یعنی زبر زیر بدل کر، یا تصحیف کر کے یعنی نقطہ یا قریب المخرج حرف بدل کر اس کا معنی ہی بدل دے تاکہ مواخذے اور سزا سے بچ جائے! لِيَسْلَمَ مِنَ الْمُؤَاخَذَةِ، تاکہ وہ پکڑ اور سزا سے محفوظ رہے۔

مثال دیکھیے جو ابونواس شاعر اور خلیفہ ہارون الرشید کے درمیان پیش آئی: كَقَوْلِ أَبِي نُوَاسٍ۔ خلیفہ ہارون الرشید کی ایک کنیز اور باندی تھی جس کا نام خَالِصَةُ تھا۔ وہ باندی رنگ کی کالی اور بدصورت تھی، لیکن ہارون الرشید اس پر بڑا مہربان تھا اور اسے قیمتی ہیرے جواہرات کے ہار اور زیورات پہنا رکھے تھے۔ ایک مرتبہ مشہور شاعر ابونواس نے ہارون الرشید کی مدح میں قصیدہ کہا لیکن ہارون الرشید نے اسے کوئی انعام واکرام نہیں دیا۔ تو ابونواس نے ناراض ہو کر محل کے دروازے پر یہ شعر لکھ دیا یا پڑھ دیا:

■ متن وشواہد: «لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ»

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ ... كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصَةْ

ضَاعَ يَضِيعُ ضَيَاعًا عین کے ساتھ، اس کا معنی ہوتا ہے ضائع ہونا، برباد اور بے قدر ہونا! ابونواس نے کہا: لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ، تحقیق میرا شعر آپ کے دروازے پر ضائع اور برباد ہو گیا (کہ اس کی کوئی قدر نہ کی گئی اور کوئی انعام نہ ملا)، كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصَةْ، بالکل اسی طرح جیسے خالصہ باندی کے گلے پر قیمتی ہار ضائع ہو گیا ہے (کہ ایسی کالی کلوٹی باندی کے گلے میں اتنا قیمتی ہار ڈالنا ہار کو ضائع کرنا ہے)!

اب جب یہ شعر ہارون الرشید تک پہنچا تو اسے بڑا غصہ آیا کہ ایک تو ہمارے دروازے پر شعر ضائع ہونے کا طعنہ دے رہا ہے اور دوسرے ہماری منظورِ نظر باندی خالصہ کی توہین کر رہا ہے! چنانچہ ہارون الرشید نے ابونواس کو دربار میں طلب کر کے ڈانٹا اور گرفت کی: فَلَمَّا أَنْكَرَ عَلَيْهِ الرَّشِيدُ ذَلِكَ، پس جب ہارون الرشید نے ابونواس پر اس شعر کی وجہ سے نکیر اور غصہ کیا، تو ابونواس بڑا حاضر جواب اور چالاک تھا، اس نے فوراً کہا: قَالَ لَمْ أَقُلْ إِلَّا، اے امیر المؤمنین! میں نے ضَاعَ عین کے ساتھ تو کہا ہی نہیں تھا، میں نے تو ہمزہ کے ساتھ یوں کہا تھا:

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ ... كَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصَةْ

واہ بھئی واہ! ضَاءَ يَضُوءُ ضَوْءًا ہمزہ کے ساتھ، اس کا معنی ہوتا ہے روشن ہونا، چمک اٹھنا، جگمگا اٹھنا! کہ اے بادشاہ سلامت! میں نے تو یہ کہا تھا کہ آپ کے دروازے پر آ کر میرا شعر چمک اٹھا ہے اور روشن ہو گیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے خالصہ کے گلے پر موتیوں کا ہار جگمگا اٹھا ہے اور چمک رہا ہے!

اور اگر دروازے پر لکھا ہوا تھا تو عین کا نچلا سرہ رگڑ کر مٹا دیا تو عین کی اوپری شکل ہمزہ جیسی اور الف مدہ سمیت ضَاءَ بن گئی! ہارون الرشید اور دربار میں بیٹھے ہوئے لوگ اس کی اس حاضر جوابی اور لطیف تبدیلی پر دنگ رہ گئے، اور کسی ظریف درباری نے کہا کہ یا أمیر المؤمنین! هَذَا شِعْرٌ قُلِعَتْ عَيْنَاهُ فَأَبْصَرَ، یہ ایسا عجیب شعر ہے جس کی دونوں آنکھیں نکال دی گئیں یعنی دونوں عین مٹا دیے گئے تو یہ اندھا ہونے کے بجائے بینا اور روشن ہو گیا! چنانچہ ہارون الرشید نے خوش ہو کر اسے مواخذے سے معاف بھی کر دیا اور خوب انعام واکرام بھی عطا کیا۔ اسی صنعت کو الْمُوَارَبَةُ کہتے ہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۵: ائتلاف اللفظ مع اللفظ اور خاتمۂ علم بدیع کا آغاز: سرقاتِ شعریہ کی پہلی قسم (نسخ و انتحال)

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۴۱ــــ بتاریخ: ۲۷ فروری ۲۰۱۳ء

متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ: هُوَ كَوْنُ أَلْفَاظِ الْعِبَارَةِ مِنْ وَادٍ وَاحِدٍ فِي الْغَرَابَةِ وَالتَّأَهُّلِ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ﴾، لَمَّا أُتِيَ بِالتَّاءِ الَّتِي هِيَ أَغْرَبُ حُرُوفِ الْقَسَمِ أُتِيَ بِتَفْتَأُ الَّتِي هِيَ أَغْرَبُ أَفْعَالِ الِاسْتِمْرَارِ۔

مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

محسناتِ لفظیہ کی آخری صنعت آج کے سبق کے شروع میں آرہی ہے بھئی، جس کا نام ہے اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ۔ اس کے بعد پھر علم بدیع کا اور پوری کتاب کا خاتمہ شروع ہو جائے گا۔

بھئی اس سے پہلے محسناتِ معنویہ کے آخر میں آپ نے پڑھا تھا اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى، یعنی لفظ کا معنی کے ساتھ موافق ہونا کہ اگر فخر اور شجاعت کا معنی ہو تو لفظ بھی مضبوط اور پر شکوہ ہو، اور اگر غزل کا معنی ہو تو لفظ بھی نازک اور نرم ہو۔ اور یہاں محسناتِ لفظیہ میں کیا آرہا ہے؟ اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ، یعنی ایک لفظ کا دوسرے لفظ کے ساتھ موافق اور ہم آہنگ ہونا! چونکہ یہاں ایک لفظ کی مناسبت دوسرے لفظ کے ساتھ دیکھی جارہی ہے، اس لیے مصنف نے اس کو محسناتِ لفظیہ میں شمار فرمایا ہے بھئی۔

وہ کس طرح بھئی؟ فرماتے ہیں: هُوَ كَوْنُ أَلْفَاظِ الْعِبَارَةِ مِنْ وَادٍ وَاحِدٍ فِي الْغَرَابَةِ وَالتَّأَهُّلِ۔ وہ یہ ہے کہ عبارت کے الفاظ غرابت اور تاہل میں ایک ہی وادی سے ہوں، یعنی ایک ہی قسم اور ایک ہی درجے کے ہوں!

غَرَابَةٌ کسے کہتے ہیں اور تَأَهُّلٌ کسے کہتے ہیں بھئی؟ غرابت کا معنی ہے لفظ کا غیر مانوس ہونا اور کم استعمال ہونا؛ اور تَأَهُّلٌ کا معنی ہے لفظ کا مانوس ہونا، عام فہم اور کثیر الاستعمال ہونا (أَهْلٌ سے بنا ہے کہ جس سے لوگ مانوس اور آشنا ہوں)۔ اب اگر متکلم اپنے جملے میں ایک لفظ غریب اور قلیل الاستعمال لایا ہے، تو اس کے ساتھ دوسرا لفظ بھی اسی جیسا غریب اور قلیل الاستعمال لے آئے؛ اور اگر پہلا لفظ مانوس اور کثیر الاستعمال لایا ہے، تو دوسرا لفظ بھی مانوس اور کثیر الاستعمال لے آئے! ایسا نہ کرے کہ آدھا جملہ تو بالکل عام بول چال کے مانوس الفاظ کا ہو اور اس کے ساتھ ایک لفظ ایسا غیر مانوس اور غریب جوڑ دے جو پیوند کی طرح الگ نظر آئے! بلکہ دونوں لفظوں کا غرابت میں یا تاہل اور مانوسیت میں ایک ہی وادی اور ایک ہی قبیل سے ہونا اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ کہلاتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب اس کی بڑی لطیف مثال قرآنِ کریم سے دے رہے ہیں، دیکھیے: كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ﴾۔

سورۂ یوسف کی آیتِ مبارکہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب برسوں حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں روتے رہے (اور یاد رکھیے کہ اولیائے کرام اور انبیائے کرام کا غم محض طبعی اور دنیاوی نہیں ہوتا، بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اصل فکر یہ رہتی تھی کہ یوسف بچپن میں مشرکین اور کفار کے ملک مصر میں پہنچ گیا ہے، پتہ نہیں کس حال میں ہوگا اور اس کے دین وایمان کا کیا حال ہوگا؛ اگر کسی کے بیٹے کے بارے میں یقین ہو جائے کہ وہ ایمان کی حالت میں فوت ہو گیا ہے تو صبر آجاتا ہے کہ چلو ایمان سلامت لے کر دنیا سے گیا، لیکن جب زندہ ہونے کا علم ہو اور کفر کے ماحول میں ہو تو ہر وقت دل دھڑکتا رہتا ہے)، تو ان کے بیٹوں نے کہا: ﴿تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ﴾۔

■ قولہ: «لَا تَفْتَأُ» کی تشریح

یہاں تَفْتَأُ اصل میں لَا تَفْتَأُ ہے بھئی! آپ نے نحو میں افعالِ ناقصہ کے بیان میں پڑھا ہے نا کہ چار افعال مَا زَالَ، مَا بَرِحَ، مَا فَتِئَ اور مَا انْفَكَّ استمرار اور ہمیشگی کے لیے آتے ہیں اور ان کے شروع میں ہمیشہ نفی ہوتی ہے، کیونکہ فَتِئَ کا معنی ترک کرنا اور چھوڑنا ہے اور جب نفی داخل ہو تو نہ چھوڑنا یعنی ہمیشہ کرتے رہنا معنی بنتا ہے۔ اور جب قسم کے جواب میں ان کا مضارع آتا ہے تو قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے حرفِ نفی لَا کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے، تو ﴿تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ﴾ کا مطلب ہے: تَاللَّهِ لَا تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ، اللہ کی قسم! آپ تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل کر بیمار ہو جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں!

اب اس آیتِ مبارکہ میں اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ کس طرح ہے؟ مصنف خود اس کی وضاحت فرما رہے ہیں، دیکھیے: لَمَّا أُتِيَ بِالتَّاءِ الَّتِي هِيَ أَغْرَبُ حُرُوفِ الْقَسَمِ، أُتِيَ بِتَفْتَأُ الَّتِي هِيَ أَغْرَبُ أَفْعَالِ الِاسْتِمْرَارِ۔

بھئی عربی زبان میں قسم کھانے کے لیے حروفِ قسم کتنے ہیں؟ تین حروف ہیں: باء، واؤ اور تاء (بِاللَّهِ، وَاللَّهِ، تَاللَّهِ)۔ ان تینوں میں سے سب سے زیادہ استعمال ہونے والا حرف واؤ اور باء ہے، اور سب سے کم استعمال ہونے والا یعنی أَغْرَبُ حُرُوفِ الْقَسَمِ کون سا حرف ہے؟ تاء ہے، جو صرف اسم جلالت اللَّهِ اور رَبّ اور رَحْمٰن کے ساتھ تعجب اور نادر مواقع میں استعمال ہوتی ہے۔

اور دوسری طرف استمرار اور ہمیشگی کے افعالِ ناقصہ چار ہیں: زَالَ، بَرِحَ، فَتِئَ، انْفَكَّ۔ ان چاروں میں سے زَالَ اور بَرِحَ تو بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں، اور سب سے کم استعمال ہونے والا یعنی أَغْرَبُ أَفْعَالِ الِاسْتِمْرَارِ کون سا فعل ہے؟ فَتِئَ يَفْتَأُ ہے!

چنانچہ قرآنِ کریم کے اعجاز اور فصاحت وبلاغت کو دیکھیے کہ جب شروع میں قسم کے لیے تَاللَّهِ میں تاء استعمال کی گئی جو حروفِ قسم میں سب سے غریب اور قلیل الاستعمال ہے، تو اس کے ساتھ لفظی مناسبت اور ہم آہنگی رکھنے کے لیے آگے لَا تَزَالُ نہیں فرمایا بلکہ تَفْتَأُ لایا گیا جو افعالِ استمرار میں سب سے غریب اور قلیل الاستعمال ہے، اور مزید یہ کہ اس میں سے حرفِ نفی لَا کو بھی حذف کر دیا جو مزید غرابت پر دلالت کرتا ہے! تو دونوں الفاظ تَاللَّهِ اور تَفْتَأُ غرابت کی ایک ہی وادی سے آئے، اسی کو اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ کہتے ہیں بھئی۔

یہاں پر علم بدیع کے دونوں حصے یعنی محسناتِ معنویہ اور محسناتِ لفظیہ مکمل ہو گئے بھئی۔ اب آگے علم بدیع کا اور پوری کتاب کا خَاتِمَةٌ شروع ہو رہا ہے:

■ متن وشواہد: «خَاتِمَةٌ: سَرِقَةُ الْكَلَامِ أَنْوَاعٌ»

خَاتِمَةٌ: سَرِقَةُ الْكَلَامِ أَنْوَاعٌ۔ مِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ النَّاثِرُ أَوِ الشَّاعِرُ مَعْنًى لِغَيْرِهِ بِدُونِ تَغْيِيرٍ لِنَظْمِهِ، كَمَا أَخَذَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزِّبِيرِ بَيْتَيْ مُعَنٍ وَادَّعَاهُمَا لِنَفْسِهِ، وَهُمَا:

إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ ... عَلَى طَرَفِ الْهِجْرَانِ إِنْ كَانَ يَعْقِلُ

وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مِنْ أَنْ تَضِيمَهُ ... إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَزْحَلُ

وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى نَسْخًا وَانْتِحَالًا۔

اس خاتمے کے اندر مصنف سرقاتِ شعریہ اور اس کے متعلقات یعنی اقتباس، تضمین، عقد وحل، تلمیح، حسنِ ابتداء، حسنِ تخلص، براعۃ الطلب اور حسنِ انتہاء کا بیان فرمائیں گے بھئی۔

سب سے پہلی بحث ہے سَرِقَةُ الْكَلَامِ کی۔ سَرِقَةٌ کس کو کہتے ہیں بھئی؟ چوری کو! ایک چوری تو مال واسباب کی ہوتی ہے، اور ایک چوری کلام اور اشعار کی ہوتی ہے جسے ادبی چوری یا سرقۂ شعریہ کہتے ہیں کہ کسی دوسرے شاعر یا ادیب کا شعر یا مضمون چرا کر اپنے نام سے پیش کر دیا جائے۔

■ قولہ: «سَرِقَةُ الْكَلَامِ أَنْوَاعٌ» کی تشریح

فرماتے ہیں سَرِقَةُ الْكَلَامِ أَنْوَاعٌ، کلام کی چوری کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم (جو سب سے کھلی اور قبیح چوری ہے): مِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ النَّاثِرُ أَوِ الشَّاعِرُ مَعْنًى لِغَيْرِهِ بِدُونِ تَغْيِيرٍ لِنَظْمِهِ. ان میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ نثر نگار یا شاعر کسی دوسرے کا معنی اور مضمون لے لے بِدُونِ تَغْيِيرٍ لِنَظْمِهِ، اس کے الفاظ اور نظم میں کوئی تبدیلی کیے بغیر! یعنی معنی بھی اسی کا لیا اور الفاظ بھی جوں کے توں اٹھا کر اپنے نام سے منسوب کر لیے!

جیسے کس نے کیا بھئی؟ كَمَا أَخَذَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزِّبِيرِ بَيْتَيْ مُعَنٍ وَادَّعَاهُمَا لِنَفْسِهِ.

یہاں پہلے دوناموں کے اعراب اور حرکات اچھی طرح درست کر لیں بھئی، ورنہ بڑا مغالطہ لگتا ہے!

پہلا نام ہے عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزِّبِيرِ، یہاں الزِّبِيرِ میں زاء پر فتحہ ہے اور باء کے نیچے کسرہ ہے الزِّبِيرِ! اس کو الزُّبَيْرِ ضمہ کے ساتھ ہرگز نہ پڑھنا بھئی! کیونکہ عبد اللہ بن زبیر (الزُّبَيْرِ ضمہ کے ساتھ) تو جلیل القدر صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں، ان کی شان اس سے بہت بلند وبالا ہے کہ وہ کسی کا شعر چوری کریں! بلکہ یہاں جس شاعر کا ذکر ہے اس کا نام عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزِّبِيرِ الأَسَدِيُّ ہے زاء کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ، یہ بنی اسد کا ایک شاعر تھا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ اور دمشق میں رہتا تھا۔

اور دوسرا نام ہے بَيْتَيْ مُعَنٍ، یا بعض نسخوں میں مَعْنٍ۔ یہ مَعْنُ بْنُ أَوْسٍ الْمُزَنِيُّ مشہور مخضرمی شاعر ہے (یہ وہ مَعْنُ بْنُ زَائِدَةَ مشہور سخی نہیں ہے، بلکہ معن بن اوس شاعر ہے)۔

اس کا بڑا دلچسپ واقعہ تاریخ اور ادب کی کتابوں میں لکھا ہے بھئی! ایک مرتبہ عبد اللہ بن زبیر اسدی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنی طرف منسوب کر کے اشعار سنانے لگا، اور ان میں یہ دو شعر بھی پڑھے کہ امیر المؤمنین یہ میرے شعر ہیں۔ ابھی وہ دربار میں بیٹھا ہی تھا کہ اتفاق سے اصل شاعر معن بن اوس مزنی جو نابینا ہو چکا تھا اپنے قائد کا ہاتھ پکڑے ہوئے دربار میں آ گیا! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معن بن اوس سے کہا کہ اے معن! تم اپنا فلاں قصیدہ سناؤ۔ معن بن اوس نے اپنا پورا لامیہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا، اور پڑھتے پڑھتے جب بیچ میں پہنچا تو بعینہ یہی دو شعر اس قصیدے کے اندر پڑھ دیے!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے زیرک اور فہیم تھے، فوراً عبد اللہ بن زبیر اسدی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عبد اللہ! ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ یہ دو شعر میرے ہیں، اور یہ تو معن بن اوس کے قصیدے کے اشعار نکلے! جب چوری پکڑی گئی تو عبد اللہ بن زبیر اسدی کھسیانا ہو کر عذر تراشنے لگا کہ اے امیر المؤمنین! معن بن اوس میرا رضاعی بھائی ہے (ہم دونوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے)، اور بھائی کا مال بھائی ہی کا ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے رضاعی بھائی کے دو شعر اپنے کھاتے میں ڈال لیے تھے!

اب ان دونوں شعروں کا ترجمہ اور مطلب دیکھیے بھئی:

■ متن وشواہد: «إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ»

إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ ... عَلَى طَرَفِ الْهِجْرَانِ إِنْ كَانَ يَعْقِلُ

وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مِنْ أَنْ تَضِيمَهُ ... إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَزْحَلُ

پہلا شعر دیکھیے: إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ، جب تو اپنے بھائی اور دوست کے ساتھ انصاف نہ کرے اور اس کا حق ادا نہ کرے (یہاں أَنْتَ محذوف لَمْ تُنْصِفْ کا فاعل ہے جیسا کہ إِذَا کے بعد اسم آنے کا قاعدہ آپ پڑھ چکے ہیں، اور أَنْصَفَ يُنْصِفُ إِنْصَافًا بابِ افعال سے انصاف کرنا)، وَجَدْتَهُ عَلَى طَرَفِ الْهِجْرَانِ تو تو اس کو پائے گا جدائی اور قطع تعلقی کے کنارے پر کھڑا ہوا، إِنْ كَانَ يَعْقِلُ اگر وہ عقل اور غیرت رکھتا ہے! یعنی جو عقل مند اور خوددار بھائی ہو گا، اگر تم اس کے ساتھ انصاف نہیں کرو گے تو وہ تم سے کنارہ کش ہونے اور تعلق توڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

دوسرا شعر دیکھیے: وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مِنْ أَنْ تَضِيمَهُ، اور وہ تلوار کی دھار پر سوار ہو جائے گا، یعنی جنگ اور موت کا خطرہ مول لے لے گا، مِنْ أَنْ تَضِيمَهُ اس بات کے بدلے میں کہ تو اس پر ظلم کرے اور اس کا حق دبا لے! ضَامَ يَضِيمُ ضَيْمًا بابِ ضرب سے، اس کا معنی ہوتا ہے ظلم کرنا اور کسی کا حق مارنا؛ اور مِنْ أَنْ تَضِيمَهُ میں مِنْ بدلیہ ہے جیسے آیتِ کریمہ ﴿أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ﴾ یعنی بَدَلَ الْآخِرَةِ میں ہے، کہ تیرا ظلم اور ذلت برداشت کرنے کے بدلے میں وہ تلوار کی دھار پر چڑھ جانا پسند کرے گا، کب؟ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَزْحَلُ، جب تلوار کی دھار سے ہٹنے اور بچنے کی کوئی جگہ نہ رہے! شَفْرَةُ السَّيْفِ تلوار کی دھار اور کنارے کو کہتے ہیں، اور مَزْحَلٌ میم اور حاء کے فتحہ کے ساتھ مصدر میمی یا اسم ظرف ہے زَحَلَ يَزْحَلُ سے، جس کا معنی ہے ہٹنا اور دور ہونا، کہ جب عزت بچانے کے لیے تلوار اٹھانے کے سوا کوئی چارہ اور گنجائش نہ رہے تو وہ ظلم سہنے کے بجائے تلوار کی دھار پر سوار ہو جائے گا!

■ قولہ: «وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى نَسْخًا وَانْتِحَالًا» کی تشریح

فرماتے ہیں: وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى نَسْخًا وَانْتِحَالًا۔ اور اس طرح دوسرے کے شعر کو لفظ و معنی سمیت جوں کا توں اٹھا لینے کو اصطلاح میں نَسْخٌ اور اِنْتِحَالٌ کہتے ہیں! نَسْخ کا معنی ہے نقل کر لینا، اور انتحال کا معنی ہے دوسرے کے کلام کو اپنی طرف منسوب کر کے جھوٹا دعویٰ کرنا۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ یہ خالص چوری اور انتہائی مذموم و قبیح حرکت ہے۔

اب اسی پہلی قسم کے قریب قریب دو صورتیں اور ہیں جو اسی کے حکم میں ہیں، ان کو دیکھیے:

وَمِنْ قَبِيلِهِ أَنْ تُبَدَّلَ الْأَلْفَاظُ بِمَا يُرَادِفُهَا، كَأَنْ يُقَالَ فِي قَوْلِ الْحُطَيْئَةِ:

دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُغْيَتِهَا ... وَاقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَاسِي

فَقَالَ الْآخَرُ:

ذَرِ الْمَآثِرَ لَا تَذْهَبْ لِمَطْلَبِهَا ... وَاجْلِسْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْآكِلُ اللَّابِسُ

فرماتے ہیں اور اسی نسخ وانتحال ہی کے قبیل سے یہ صورت بھی ہے کہ چور شاعر اصل شاعر کے الفاظ کو ہٹا کر ہر لفظ کی جگہ اس کا ہم معنی اور مترادف لفظ رکھ دے، جبکہ نظم، ترتیب اور معنی سارا کا سارا وہی رہے!

جیسے مشہور ہجو گو شاعر حطیئہ کا یہ بڑا مشہور ہجویہ شعر ہے جو اس نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں کہا تھا (جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مشورہ لے کر حطیئہ کو قید بھی کیا تھا):

■ متن وشواہد: «دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُغْيَتِهَا»

دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُغْيَتِهَا ... وَاقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَاسِي

ترجمہ: اے شخص! عالی حوصلگی اور بزرگی کے کاموں کو چھوڑ دے، ان کی طلب اور تلاش کے لیے سفر مت کر، اور گھر میں نکمے ہو کر بیٹھ رہ، کیونکہ تو تو بس کھانے پینے اور کپڑے پہننے والا آدمی ہے (تیرا کام بس روٹیاں توڑنا اور کپڑے پہننا ہے، معالی امور تیرے بس کا روگ نہیں ہیں)! الطَّاعِمُ کھانے والا، اور الْكَاسِي بمعنی الْمَكْسُوُّ پہننے والا جیسے ﴿عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾ ہوتا ہے۔

اب دوسرے شاعر نے آ کر کیا کیا؟ اس نے حطیئہ کے اس شعر کے ہر لفظ کے نیچے اس کا مترادف لفظ فٹ کر دیا اور کہا:

ذَرِ الْمَآثِرَ لَا تَذْهَبْ لِمَطْلَبِهَا ... وَاجْلِسْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْآكِلُ اللَّابِسُ

دیکھیے بھئی! حطیئہ نے کہا تھا دَعْ (چھوڑ دے)، اس نے اس کی جگہ مترادف لفظ رکھ دیا ذَرْ (چھوڑ دے)!

حطیئہ نے کہا تھا الْمَكَارِمَ، اس نے رکھ دیا الْمَآثِرَ!

■ قولہ: «لَا تَرْحَلْ» کی تشریح

حطیئہ نے کہا تھا لَا تَرْحَلْ، اس نے رکھ دیا لَا تَذْهَبْ!

حطیئہ نے کہا تھا لِبُغْيَتِهَا، اس نے رکھ دیا لِمَطْلَبِهَا!

حطیئہ نے کہا تھا وَاقْعُدْ، اس نے رکھ دیا وَاجْلِسْ!

حطیئہ نے کہا تھا فَإِنَّكَ أَنْتَ، وہ اس نے ویسا ہی رہنے دیا!

حطیئہ نے کہا تھا الطَّاعِمُ، اس نے رکھ دیا الْآكِلُ!

حطیئہ نے کہا تھا الْكَاسِي، اس نے رکھ دیا اللَّابِسُ!

بتلایئے بھئی، اس میں اس دوسرے شاعر کا اپنا کیا کمال ہوا؟ کچھ بھی نہیں! بس ڈکشنری سے مترادف الفاظ اٹھا کر فٹ کر دیے، اس لیے یہ بھی نسخ اور انتحال ہی کے قبیل سے ہے اور مذموم ہے۔

اور اسی سے ملتی جلتی ایک اور صورت دیکھیے جب مترادف کے بجائے متضاد الفاظ رکھ دیے جائیں:

- **متن وشواہد:** «وَقَرِيبٌ مِنْهُ أَنْ تُبَدَّلَ الْأَلْفَاظُ...»

وَقَرِيبٌ مِنْهُ أَنْ تُبَدَّلَ الْأَلْفَاظُ بِمَا يُضَادُّهَا فِي الْمَعْنَى مَعَ رِعَايَةِ النَّظْمِ وَالتَّرْتِيبِ، كَمَا لَوْ قِيلَ فِي قَوْلِ حَسَّانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ:

بِيضُ الْوُجُوهِ كَرِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ ... شُمُّ الْأُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الْأَوَّلِ

فَقَالَ الْآخَرُ:

سُودُ الْوُجُوهِ لَئِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ ... فُطْسُ الْأُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الْآخِرِ

فرماتے ہیں اور اسی کے قریب یہ صورت ہے کہ پہلے شاعر کے الفاظ کو ایسے الفاظ سے بدل دیا جائے جو معنی میں ان کی ضد ہوں، جبکہ نظم اور ترتیب جوں کی توں برقرار رکھی جائے!

جیسے شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممدوحین (آلِ جفنہ یا انصارِ کرام) کی مدح میں فرمایا:

- **متن وشواہد:** «بِيضُ الْوُجُوهِ كَرِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ»

بِيضُ الْوُجُوهِ كَرِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ ... شُمُّ الْأُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الْأَوَّلِ

لغات اور معنی دیکھیے بھئی۔ بِيضٌ جمع ہے أَبْيَضُ کی (أَصْلُهُ بُيْضٌ بوزنِ فُعْلٍ، پھر یاء کی مناسبت سے باء کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا)، بِيضُ الْوُجُوهِ کا معنی ہے روشن اور چمکتے ہوئے چہروں والے، باعزت اور سرخرو لوگ۔ كَرِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ، ان کے حسب اور ان کے خاندانی کارنامے بڑے شریف اور بلند ہیں۔ شُمُّ الْأُنُوفِ، شُمٌّ شین کے ضمہ کے ساتھ جمع ہے أَشَمُّ کی، اور شَمَمٌ کہتے ہیں ناک کی ہڈی کے بلند، سیدھے اور متوازن ہونے کو جو عربوں میں خوبصورتی، شرافت اور عزتِ نفس کی علامت سمجھی جاتی تھی، یعنی وہ اونچی ناک والے، غیرت مند اور باوقار لوگ ہیں۔ مِنَ الطِّرَازِ الْأَوَّلِ، الطِّرَازُ کہتے ہیں اعلیٰ نمونے اور درجے کو، کہ وہ اول درجے کے شریف اور معزز لوگ ہیں!

اب دوسرے شخص نے کسی کی مذمت اور ہجو کرنی تھی تو اس نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اسی شعر کے ڈھانچے کو لیا اور ہر لفظ کی جگہ اس کی ضد رکھ دی:

سُودُ الْوُجُوهِ لَئِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ ... فُطْسُ الْأُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الْآخِرِ

دیکھیے بھئی: بِيضُ الْوُجُوهِ کی جگہ کہہ دیا سُودُ الْوُجُوهِ (کالے منہ والے، رسوا لوگ، سُودٌ جمع ہے أَسْوَدُ کی)؛ كَرِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ کی جگہ کہہ دیا لَئِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ (ان کے حسب کمینے اور گھٹیا ہیں)؛ شُمُّ الْأُنُوفِ کی جگہ کہہ دیا فُطْسُ الْأُنُوفِ (فُطْسٌ فاء کے ضمہ کے ساتھ جمع ہے أَفْطَسُ کی، چپٹی اور بیٹھی ہوئی ناک والے یعنی ذلیل لوگ)؛ اور مِنَ الطِّرَازِ الْأَوَّلِ کی جگہ کہہ دیا مِنَ الطِّرَازِ الْآخِرِ (سب سے پچھلے اور گھٹیا درجے کے لوگ)! تو یہ بھی سرقہ کی اقسام میں سے ہے بھئی۔ سرقہ کی بقیہ اقسام ان شاء اللہ اگلے سبق میں پڑھیں گے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۶: خاتمۂ علمِ بدیع: سرقہ کی دیگر اقسام (اغارہ و مسخ، المام و سلخ)، صنعتِ اقتباس اور صنعتِ تضمین (ایداع)

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۴۴ــــ بتاریخ: ۲۸ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَيُغَيِّرَ اللَّفْظَ وَيَكُونَ الْكَلَامُ الثَّانِي دُونَ الْأَوَّلِ أَوْ مُسَاوِيًا لَهُ، كَمَا قَالَ أَبُو الطَّيِّبِ فِي قَوْلِ أَبِي تَمَّامٍ:

هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ ... إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلُ

فَقَالَ:

أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاؤُهُ فَسَخَا بِهِ ... وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلَا

فَالْمِصْرَاعُ الثَّانِي مَأْخُوذٌ مِنَ الْمِصْرَاعِ الثَّانِي لِأَبِي تَمَّامٍ، وَالْأَوَّلُ أَجْوَدُ سَبْكًا. وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى إِغَارَةً وَمَسْخًا.

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علمِ بدیع کے خاتمے میں سَرِقَةُ الْكَلَامِ یعنی کلام کی چوری اور سرقۂ شعریہ کی اقسام کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے سرقہ کی پہلی قسم پڑھی تھی جس کا نام نَسْخٌ اور اِنْتِحَالٌ تھا کہ کوئی شاعر یا نثر نگار دوسرے کے کلام کو لفظ اور معنی سمیت جوں کا توں اٹھالے، یا صرف مترادف الفاظ سے بدل دے، یا متضاد الفاظ سے بدل دے۔

آج کے سبق میں سرقہ کی دوسری قسم (بلکہ ترتیب کے لحاظ سے آگے آنے والی دو مزید قسمیں إِغَارَةٌ وَمَسْخٌ اور إِلْمَامٌ وَسَلْخٌ) کا بیان آرہا ہے بھئی۔ دیکھیے فرماتے ہیں: وَمِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَيُغَيِّرَ اللَّفْظَ وَيَكُونَ الْكَلَامُ الثَّانِي دُونَ الْأَوَّلِ أَوْ مُسَاوِيًا لَهُ۔

اور سرقۂ کلام کی اقسام میں سے ایک قسم یہ ہے کہ بعد والا شاعر پہلے شاعر سے معنی لے لے اور لفظ کو تبدیل کر دے (کچھ الفاظ باقی رہیں اور کچھ بدل دے یا ترکیب بدل دے)، اور اس دوسرے شاعر کا کلام پہلے شاعر کے کلام سے درجے میں کم تر ہو (دُونَ الْأَوَّلِ) یا اس کے برابر ہو (أَوْ مُسَاوِيًا لَهُ)!

یہاں ایک نکتے کی بات سمجھ لیں بھئی: مصنف نے قید لگائی کہ دوسرے شاعر کا کلام پہلے سے کم درجے کا ہو یا اس کے برابر ہو۔ کیوں؟ اس لیے کہ اگر دوسرے شاعر نے معنی تو پہلے سے لیا لیکن اپنے الفاظ اور حسنِ بیان سے اس شعر کو پہلے شاعر کے شعر سے بھی زیادہ فصیح، بلیغ اور اعلیٰ بنا دیا، تو علمائے بلاغت فرماتے ہیں کہ پھر وہ مذموم سرقہ نہیں رہتا بلکہ مقبول اور مستحسن ہو جاتا ہے! اس لیے سرقۂ مذمومہ میں صرف دو صورتیں داخل ہیں کہ ثانی کا کلام اول سے گھٹیا ہو یا زیادہ سے زیادہ اس کے برابر ہو۔

اب اس کی مثال دیکھیے: كَمَا قَالَ أَبُو الطَّيِّبِ فِي قَوْلِ أَبِي تَمَّامٍ۔ أَبُو الطَّيِّبِ مشہور شاعر متنبی کی کنیت ہے، اور أَبُو تَمَّامٍ حبیب بن اوس طائی مشہور شاعر ہے جس نے دیوان الحماسہ جمع کیا ہے اور وہ متنبی سے پہلے گزرا ہے۔ ابو تمام نے اپنے ممدوح کے مرثیے یا مدح میں یہ شعر کہا تھا:

■ متن وشواہد: «هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ»

هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ ... إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلُ

پہلے ابو تمام کے شعر کا ترجمہ اور معنی سمجھ لیں بھئی۔هَيْهَاتَ اسمِ فعل ہے بمعنی بَعُدَ، یعنی بہت بعید ہے، ناممکن ہے! لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ، زمانہ اس ممدوح جیسا انسان ہرگز نہیں لا سکتا! کیوں نہیں لا سکتا؟ إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلُ، بے شک زمانہ اس جیسے باکمال انسان کے لانے کے بارے میں یقیناً بڑا بخیل اور کنجوس ہے! (بھئی عام منافع اور معمولی چیزوں میں تو سخی اور فیاض وہ ہوتا ہے جو خوب لٹائے، لیکن جو نادر اور انمول ہستی ہو اس کے دینے میں زمانہ بخل کرتا ہے؛ اور یہاں زمانے کی طرف لانے اور بخل کی نسبت مجازِ عقلی ہے جیسا کہ آپ علمِ معانی میں پڑھ چکے ہیں، کوئی غیر اسلامی عقیدہ مراد نہیں ہے)۔

اب بعد میں جب ابو طیب متنبی آیا تو اس نے ابو تمام کے دوسرے مصرعے (إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلُ) سے معنی اور بعض الفاظ لے کر اپنے شعر میں یوں کہا: فَقَالَ:

أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاؤُهُ فَسَخَا بِهِ ... وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلَا

لغات اور معنی دیکھیے۔أَعْدَى يُعْدِي إِعْدَاءً بابِ افعال سے، عَدْوَى سے بنا ہے جس کا معنی ہوتا ہے ایک کی بیماری یا اثر کا دوسرے کو لگ جانا، متعدی ہو جانا (جیسے حدیث شریف میں ہے لَا عَدْوَى کہ اسلام میں کسی بیماری کا اپنی ذات سے خود بخود لگ جانا کوئی چیز نہیں ہے)۔ یہاں أَعْدَى کا فاعل سَخَاؤُهُ ہے اور الزَّمَانَ مفعول بہ ہے! متنبی کہتا ہے: أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاؤُهُ، میرے ممدوح کی سخاوت نے زمانے کو بھی اپنا اثر لگا دیا اور زمانے کو بھی سخی بنا دیا، فَسَخَا بِهِ پس زمانے نے سخاوت کرتے ہوئے اس ممدوح کو پیدا کر دیا اور ہمیں عطا کر دیا! وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلَا، حالانکہ زمانہ تو ایسے شخص کے دینے میں بڑا بخیل ہوا کرتا تھا!

اب مصنف دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فَالْمِصْرَاعُ الثَّانِي مَأْخُوذٌ مِنَ الْمِصْرَاعِ الثَّانِي لِأَبِي تَمَّامٍ، وَالْأَوَّلُ أَجْوَدُ سَبْكًا۔

■ قولہ: «وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلَا» کی تشریح

پس ابو طیب متنبی کا دوسرا مصرعہ (وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلَا) ابو تمام کے دوسرے مصرعے (إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلُ) سے ماخوذ ہے یعنی لیا گیا ہے، وَالْأَوَّلُ أَجْوَدُ سَبْكًا اور پہلے شاعر یعنی ابو تمام کا مصرعہ بندش اور بناوٹ کے اعتبار سے زیادہ عمدہ اور بہتر ہے!

سَبْكٌ کس کو کہتے ہیں بھئی؟ سَبَكَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ کا لغوی معنی ہوتا ہے سونے یا چاندی کو بھٹی میں پگھلا کر اس کا میل کچیل الگ کرنا اور اسے سانچے میں ڈھالنا، اور اصطلاح میں عبارت کی بندش، ڈھلائی اور بناوٹ کو سَبْك کہتے ہیں۔

بھئی ابو تمام کا مصرعہ متنبی کے مصرعے سے بندش میں کیوں بہتر ہے؟ ذرا وجہ سمجھ لیں! دیکھیے ابو تمام نے کہا: إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلُ، یہ جملہ اسمیہ ہے جس میں إِنَّ اور لامِ تاکید کے ساتھ زمانے کے بخل کو پختہ اور دائمی طور پر ثابت کیا گیا ہے اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جبکہ متنبی نے کہا: وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلَا! اس نے پہلے مصرعے میں کہا کہ زمانے نے سخاوت کر دی، اور دوسرے مصرعے میں ماضی کے بخل کو بتلانے کے لیے كَانَ کے بجائے فعلِ مضارع يَكُونُ استعمال کیا، جس میں تاویل کرنی پڑتی ہے کہ يَكُونُ بمعنی كَانَ ہے، اور قَدْ مضارع پر تقلیل کے لیے بھی آتا ہے جس سے بخل میں کمزوری کا وہم ہوتا ہے! اس لیے ابو تمام کا مصرعہ متنبی کے مصرعے سے زیادہ محکم اور أَجْوَدُ سَبْكًا ہے۔

فرماتے ہیں: وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى إِغَارَةً وَمَسْخًا۔ اور اس قسم کے سرقے کو اصطلاح میں إِغَارَةٌ (چھاپہ مارنا، لوٹ مار کرنا) اور مَسْخٌ (صورت بگاڑ دینا، کیونکہ پہلے کی اچھی صورت کو بگاڑ کر کم تر کر دیا) کہتے ہیں بھئی۔

اب سرقہ کی اگلی قسم دیکھیے جسے إِلْمَامٌ اور سَلْخٌ کہتے ہیں:

■ متن وشواہد: «وَمِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَحْدَهُ...»

وَمِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَحْدَهُ وَيَكُونَ الثَّانِي دُونَ الْأَوَّلِ أَوْ مُسَاوِيًا لَهُ، كَمَا قَالَ أَبُو تَمَّامٍ فِي قَوْلِ مَنْ رَثَى ابْنَهُ:

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا ... إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ

فَقَالَ:

وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا ... فَأَصْبَحَ يُدْعَى حَازِمًا حِينَ يَجْزَعُ

وَهَذَا يُسَمَّى إِلْمَامًا وَسَلْخًا۔

فرماتے ہیں اور سرقۂ کلام کی اقسام میں سے ایک قسم یہ ہے کہ دوسرا شاعر پہلے شاعر سے صرف معنی لے لے، أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَحْدَهُ، الفاظ بالکل اپنے لائے، لیکن یہاں بھی وہی قید ہے کہ دوسرے کا کلام پہلے سے کم درجے کا ہو یا اس کے برابر ہو۔

■ قولہ: «رَثَى يَرْثِي رِثَاءً وَمَرْثِيَةً» کی تشریح

جیسے ابو تمام نے ایک قدیم شاعر کے شعر کا معنی لیا جس نے اپنے بیٹے کے مرثیے میں کہا تھا (رَثَى يَرْثِي رِثَاءً وَمَرْثِيَةً بابِ ضرب سے، کسی مرنے والے کے اوصاف بیان کر کے اس پر غم کا اظہار کرنا اور مرثیہ کہنا):

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا ... إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ

باپ اپنے فوت شدہ بیٹے کو مخاطب کر کے کہتا ہے: اور صبر کی تمام مواقع اور تمام جگہوں میں تعریف کی جاتی ہے (کہ ہر مصیبت پر صبر کرنا قابلِ تعریف ہے)، إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ، سوائے تیری وفات اور تیری جدائی پر صبر کرنے کے، کہ تجھ پر صبر کرنے کی تعریف نہیں کی جاتی (کیونکہ تو اتنا پیارا اور باکمال تھا کہ تیری موت پر اگر کوئی صبر کر کے بیٹھ جائے اور نہ روئے تو لوگ اسے بے حس کہیں گے، اس کی تعریف نہیں کریں گے)!

اب ابو تمام نے اس شعر کا صرف معنی لیا، الفاظ بدل کر اپنے الفاظ میں یوں کہا:

■ متن وشواہد: «وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا»

وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا ... فَأَصْبَحَ يُدْعَى حَازِمًا حِينَ يَجْزَعُ

پہلے کتاب کی ایک تصحیح کر لیں بھئی! بعض نسخوں میں لَابِسُ الصَّبْرُ دونوں پر پیش چھپا ہوا ہے، وہ غلط ہے، لَابِسُ الصَّبْرِ مضاف اور مضاف الیہ ہے اس لیے الصَّبْرِ مجرور ہے۔ لَابِسُ الصَّبْرِ کا معنی ہے صبر کا لباس پہننے والا یعنی صبر کرنے والا؛ اور حَازِمًا کہتے ہیں پختہ عقل والے، مستقل مزاج اور دور اندیش آدمی کو (حَزْمٌ سے اسم فاعل ہے، اور يُدْعَى کا مفعولِ ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے)؛ اور يَجْزَعُ جَزَعَ يَجْزَعُ جَزَعًا بابِ فتح سے، جس کا معنی ہے بے صبری کرنا، رونا پیٹنا اور آہ وزاری کرنا۔

ترجمہ دیکھیے: وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا، اور تحقیق اس سے پہلے صبر کا لباس پہننے والے کو عاقل اور مستقل مزاج پکارا جاتا تھا، فَأَصْبَحَ يُدْعَى حَازِمًا حِينَ يَجْزَعُ، پس اب (اس ممدوح کی وفات کے بعد) آدمی کو اس وقت عاقل اور سمجھدار پکارا جاتا ہے جس وقت وہ جزع وفزع اور آہ وزاری کرتا ہے!

دیکھیے بھئی، معنی دونوں شعروں کا ایک ہی ہے کہ عام حالات میں صبر محمود ہے اور اس ممدوح کے مرنے پر بے صبری محمود ہے، لیکن پہلے شاعر کا شعر کتنا رواں، سادہ اور دل میں اتر جانے والا ہے اور ابو تمام کے شعر میں تکلف ہے یا اس کے مساوی ہے۔ فرماتے ہیں: وَهَذَا يُسَمَّى إِلْمَامًا وَسَلْخًا۔ اور اس قسم کو اصطلاح میں إِلْمَامٌ (قریب پہنچنا) اور سَلْخٌ (کھال اتارنا، گویا معنی کے جسم سے پہلے الفاظ کی کھال اتار کر نئے الفاظ کی کھال پہنا دی) کہتے ہیں بھئی۔ یہاں پر سرقۂ کلام کا بیان پورا ہو گیا۔

■ اب خاتمے کا دوسرا عنوان آرہا ہے بھئی

اب خاتمے کا دوسرا عنوان آرہا ہے بھئی: الِاقْتِبَاسُ۔

الِاقْتِبَاسُ: هُوَ أَنْ يُضَمَّنَ الْكَلَامُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ أَوِ الْحَدِيثِ لَا عَلَى أَنَّهُ مِنْهُ، كَقَوْلِهِ:

لَا تَكُنْ ظَالِمًا وَلَا تَرْضَ بِالظُّلْمِ ... وَأَنْكِرْ بِكُلِّ مَا يُسْتَطَاعُ

يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابُ مَا لِظَلُومٍ ... مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ

قَبَسٌ کہتے ہیں آگ کے شعلے اور انگارے کو، اور اِقْتِبَاسٌ کا لغوی معنی ہے کسی بڑی آگ سے روشنی یا شعلہ حاصل کرنا، پھر علم اور نور حاصل کرنے پر بولا جانے لگا۔ اور علم بدیع کی اصطلاح میں اقتباس کسے کہتے ہیں بھئی؟

■ قولہ: «هُوَ أَنْ يُضَمَّنَ الْكَلَامُ شَيْئًا مِنَ...» کی تشریح

فرماتے ہیں: هُوَ أَنْ يُضَمَّنَ الْكَلَامُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ أَوِ الْحَدِيثِ لَا عَلَى أَنَّهُ مِنْهُ۔ وہ یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام (نثر ہو یا نظم) میں قرآنِ کریم یا حدیثِ نبوی کا کوئی حصہ شامل کر دے، لَا عَلَى أَنَّهُ مِنْهُ، اس طور پر نہیں کہ وہ قرآن یا حدیث میں سے ہے، یعنی قال اللہ تعالیٰ یا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت اور حوالہ دیے بغیر اسے اپنے جملے یا شعر کا جزء بنا کر اس طرح جڑ دے کہ کلام کی زینت اور رونق بڑھ جائے!

یاد رکھیے بھئی، اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور آگے آیت پڑھے، یا کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آگے حدیث پڑھے، تو اس کو اصطلاحی اقتباس نہیں کہتے، وہ تو استشہاد اور حوالہ ہے۔ اصطلاحی اقتباس تب ہوتا ہے جب قَالَ اللّٰهُ یا قَالَ النَّبِيُّ کہے بغیر قرآن یا حدیث کے الفاظ کو اپنے کلام کے بیچ میں پرو دیا جائے۔ اور یہ سرقہ میں بالکل داخل نہیں ہے بلکہ کلام کی خوبصورتی شمار ہوتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث تو سب کو معلوم ہیں۔

پہلی مثال قرآنِ کریم سے اقتباس کی دیکھیے: كَقَوْلِهِ، جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

لَا تَكُنْ ظَالِمًا وَلَا تَرْضَ بِالظُّلْمِ ... وَأَنْكِرْ بِكُلِّ مَا يُسْتَطَاعُ

يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابُ مَا لِظَلُومٍ ... مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ

پہلے کتاب کی ایک تصحیح کر لیں بھئی! دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے کے شروع میں بعض نسخوں میں مَا مِنْ حَمِيمٍ چھپا ہوا ہے، وہاں مَا زائد اور غلط چھپ گیا ہے کیونکہ مَا تو پہلے مصرعے کے آخر میں مَا لِظَلُومٍ میں آ چکا ہے! تو دوسرے مصرعے کے شروع سے مَا کو کاٹ دیجیے، صحیح مصرعہ یوں ہے: مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ۔

■ قولہ: «لَا تَكُنْ ظَالِمًا» کی تشریح

ترجمہ دیکھیے: لَا تَكُنْ ظَالِمًا، تو خود ظالم مت بن، وَلَا تَرْضَ بِالظُّلْمِ اور نہ ظلم پر راضی ہو، وَأَنْكِرْ بِكُلِّ مَا يُسْتَطَاعُ اور جتنی طاقت ہو سکے ظلم کا انکار اور روک تھام کر! کیوں؟ يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابُ، کیونکہ جس دن حساب کا دن یعنی قیامت کا دن آئے گا، مَا لِظَلُومٍ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ، اس دن کسی ظالم کے لیے نہ کوئی گہرا دوست ہو گا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہو گا جس کی بات مانی جائے!

دیکھیے بھئی، سورۂ مؤمن (غافر) کی آیتِ مبارکہ ہے: ﴿مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾۔ شاعر نے اس آیتِ کریمہ کو اپنے دوسرے شعر کے اندر بغیر قال اللہ کہے کس خوبصورتی سے سمو دیا ہے، اسی کا نام اقتباس ہے بھئی۔

دوسری مثال حدیث شریف سے اقتباس کی دیکھیے: وَقَوْلِهِ:

لَا تُعَادِ النَّاسَ فِي أَوْطَانِهِمْ ... قَلَّمَا يُرْعَى غَرِيبُ الْوَطَنِ

وَإِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ ... خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنِ

ترجمہ دیکھیے: لَا تُعَادِ النَّاسَ فِي أَوْطَانِهِمْ، لوگوں کے اپنے وطنوں اور علاقوں میں جا کر ان سے دشمنی اور عداوت مت مول لے، عَادَى يُعَادِي مُعَادَاةً

بابِ مفاعلہ سے دشمنی کرنا؛ قَلَّمَا يُرْعَى غَرِيبُ الْوَطَنِ، کیونکہ وطن کے مسافر اور پردیسی آدمی کی بہت ہی کم رعایت اور لحاظ کیا جاتا ہے! وَإِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ، اور جب کبھی تو ان لوگوں کے درمیان خوشگوار زندگی گزارنا چاہے، خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ تو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کر!

■ قولہ: «خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ» کی تشریح

دیکھیے بھئی، دوسرے شعر کا دوسرا مصرعہ (خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیثِ مبارک کا ٹکڑا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: «اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»۔ شاعر نے حدیث کے اس جملے کو ہو بہو اپنے شعر کا چوتھا مصرعہ بنا دیا، یہ حدیث سے اقتباس کی مثال ہے۔

آگے مصنف ایک فائدہ بتلا رہے ہیں کہ اقتباس میں وزنِ شعر وغیرہ کے لیے تھوڑی بہت تبدیلی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے:

وَلَا بَأْسَ بِتَغْيِيرٍ يَسِيرٍ فِي اللَّفْظِ الْمُقْتَبَسِ لِلْوَزْنِ أَوْ غَيْرِهِ، نَحْوُ:

قَدْ كَانَ مَا خِفْتُ أَنْ يَكُونَا ... إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاجِعُونَا

وَفِي الْقُرْآنِ: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾.

یہاں خِفْتُ تاء کے ضمہ کے ساتھ متکلم کا صیغہ پڑھنا ہے بھئی، خِفْتَ فتحہ کے ساتھ نہیں ہے۔ شاعر کسی عزیز کی وفات یا کسی حادثے کے واقع ہونے پر کہتا ہے: قَدْ كَانَ مَا خِفْتُ أَنْ يَكُونَا، تحقیق ہو کر ہی رہا وہ کام جس کے ہونے سے میں ڈرتا تھا، إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاجِعُونَا، بے شک ہم اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں!

■ قولہ: «﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾» کی تشریح

قرآنِ کریم میں اصل آیت یوں ہے: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾۔ شاعر نے شعر کے وزن کے لیے إِنَّا لِلَّهِ کو چھوڑ دیا اور إِلَيْهِ ضمیر کی جگہ اسمِ ظاہر إِلَى اللَّهِ رکھ دیا اور آخر میں قافیے کے اشباع کے لیے الف بڑھا کر رَاجِعُونَا کر دیا۔ ایسی معمولی تبدیلی سے اقتباس میں کوئی فرق نہیں پڑتا بھئی۔

اب آج کے سبق کا تیسرا عنوان (جو خاتمے کی تیسری بحث ہے) دیکھیے: التَّضْمِينُ وَيُسَمَّى الْإِيدَاعَ۔

التَّضْمِينُ وَيُسَمَّى الْإِيدَاعَ: هُوَ أَنْ يُضَمَّنَ الشِّعْرُ شَيْئًا مِنْ شِعْرٍ آخَرَ مَعَ التَّنْبِيهِ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَشْتَهِرْ، كَقَوْلِهِ:

إِذَا ضَاقَ صَدْرِي وَخِفْتُ الْعِدَا ... تَمَثَّلْتُ بَيْتًا بِحَالِي يَلِيقُ

فَبِاللَّهِ أَبْلُغُ مَا أَرْتَجِي ... وَبِاللَّهِ أَدْفَعُ مَا لَا أُطِيقُ

قرآن یا حدیث کا کوئی ٹکڑا اپنے کلام میں لانا تو اِقْتِبَاس کہلاتا تھا؛ اور اگر کوئی شاعر اپنے شعر کے اندر کسی دوسرے شاعر کا شعر یا ایک مصرعہ شامل کرے، تو اس کو التَّضْمِينُ کہتے ہیں اور اسی کا دوسرا نام الْإِيدَاعُ (امانت رکھنا) بھی ہے بھئی!

■ قولہ: «وَيُسَمَّى الْإِيدَاعَ» کی تشریح

بھئی طالب علم نے ابھی پوچھا کہ وَيُسَمَّى الْإِيدَاعَ میں الْإِيدَاعَ پر زبر کیوں ہے؟ یاد رکھیے بھئی، سَمَّى يُسَمِّي تَسْمِيَةً دو مفعول چاہتا ہے: سَمَّيْتُهُ زَيْدًا۔ جب اس کو مجہول بناتے ہیں يُسَمَّى، تو پہلا مفعول هُوَ ضمیر جو التَّضْمِينُ کی طرف لوٹ رہی ہے وہ اس کا نائب فاعل ہو کر مرفوع ہو گیا، اور دوسرا مفعول الْإِيدَاعَ اپنی حالت پر منصوب رہا!

اب یہاں ایک ضروری شرط ہے بھئی جس کی وجہ سے تضمین سرقہ (چوری) سے الگ ہوتی ہے: مَعَ التَّنْبِيهِ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَشْتَهِرْ! اگر وہ دوسرے شاعر کا شعر یا مصرعہ اتنا مشہور و معروف ہے کہ ہر پڑھا لکھا آدمی سنتے ہی جانتا ہے کہ یہ فلاں مشہور شاعر کا شعر ہے (جیسے امرؤ القیس یا متنبی کے ضرب المثل اشعار)، پھر تو بتلانے اور تنبیہ

کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ چوری کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا؛ لیکن إِنْ لَمْ يَشْتَهِرْ، اگر وہ دوسرے شاعر کا شعر مشہور نہیں ہے تو پھر تضمین کرنے والے پر لازم ہے کہ اپنے کلام میں اس بات پر تنبیہ اور اشارہ کر دے کہ یہ شعر میرا اپنا نہیں ہے بلکہ دوسرے کا شعر میں بطورِ تمثیل اور تضمین لا رہا ہوں! اگر مشہور بھی نہ ہو اور تنبیہ بھی نہ کرے، تو پھر وہ تضمین نہیں رہے گی بلکہ سرقہ اور چوری کہلائے گی بھئی! بات سمجھ میں آگئی؟

پہلی مثال دیکھیے جہاں شعر مشہور نہ ہونے کی وجہ سے شاعر نے تنبیہ کر دی ہے: كَقَوْلِهِ:

إِذَا ضَاقَ صَدْرِي وَخِفْتُ الْعِدَا ... تَمَثَّلْتُ بَيْتًا بِحَالِي يَلِيقُ

فَبِاللَّهِ أَبْلُغُ مَا أَرْتَجِي ... وَبِاللَّهِ أَدْفَعُ مَا لَا أُطِيقُ

ترجمہ دیکھیے: إِذَا ضَاقَ صَدْرِي، جب میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میں گھبرا جاتا ہوں، وَخِفْتُ الْعِدَا اور دشمنوں سے ڈرنے لگتا ہوں (الْعِدَا عین کے کسرہ کے ساتھ عَدُوٌّ کی جمع ہے بمعنی دشمن)، تَمَثَّلْتُ بَيْتًا بِحَالِي يَلِيقُ تو میں بطورِ مثال پڑھتا ہوں ایک ایسا شعر جو میرے حال کے مناسب اور لائق ہوتا ہے! (دیکھیے تَمَثَّلْتُ بَيْتًا کہہ کر صاف تنبیہ کر دی کہ اگلا شعر میرا اپنا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے کا شعر بطورِ تمثیل پڑھ رہا ہوں)۔ وہ شعر کون سا ہے؟

- متن و شواہد: «فَبِاللَّهِ أَبْلُغُ مَا أَرْتَجِي»

فَبِاللَّهِ أَبْلُغُ مَا أَرْتَجِي ... وَبِاللَّهِ أَدْفَعُ مَا لَا أُطِيقُ

پس اللہ ہی کی مدد کے ذریعے میں اس مقصد کو پاتا ہوں جس کی میں امید رکھتا ہوں، اور اللہ ہی کی مدد کے ذریعے میں اس مصیبت کو ٹالتا اور دور کرتا ہوں جس کے برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے!

اور تضمین میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اگر اصل شعر مشہور ہو تو صراحت سے تنبیہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، اس کی بڑی عجیب مثال مصنف آگے دے رہے ہیں:

وَلَا بَأْسَ بِالتَّغْيِيرِ الْيَسِيرِ، كَقَوْلِهِ:

أَقُولُ لِمَعْشَرٍ غَلِطُوا وَغَضُّوا ... مِنَ الشَّيْخِ الرَّشِيدِ وَأَنْكَرُوهُ

هُوَ ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا ... مَتَى يَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوهُ

اس دوسرے شعر کی حقیقت اور لطافت سمجھنے کے لیے پہلے اصل مشہور شعر اور اس کا پس منظر سمجھ لیں بھئی (حاشیے میں اگر کوئی غلطی ہو تو اسے بھی درست کر لیں)۔

عرب کے ایک قدیم شاعر سحیم بن وثیل ریاحی کا ایک بڑا مشہور فخریہ شعر ہے، جسے بعد میں حجاج بن یوسف ثقفی نے جب کوفہ کا گورنر بن کر آیا اور منبر پر چڑھ کر اپنا مشہور خطبہ دیا تو سب سے پہلے یہی شعر پڑھ کر کوفہ والوں کو للکارا تھا:

- متن و شواہد: «أَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا»

أَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا ... مَتَى أَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي

اس اصل شعر کا معنی کیا تھا بھئی؟ أَنَا ابْنُ جَلَا، میں روشن اور کھلے معاملے والا بہادر ہوں (جَلَا کا معنی ہے واضح اور روشن ہونا، جیسے صبحِ روشن کو ابن جلا کہتے ہیں، کہ میں کوئی چھپا ہوا کمزور آدمی نہیں ہوں بلکہ میرا نام و نسب اور میری شجاعت روزِ روشن کی طرح واضح ہے)؛ وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا، اور میں دشوار گزار پہاڑی گھاٹیوں پر چڑھ جانے والا ہوں (الثَّنَايَا جمع ہے ثَنِيَّةٌ کی بمعنی پہاڑ کی اونچی گھاٹی، یعنی بڑی بڑی مہمات اور مشکلات کو سر کرنے والا ہوں)؛ مَتَى أَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي، جس وقت میں جنگ کا خود اور عمامہ سر پر رکھوں گا (أَوْ عَنِ الرَّأْسِ سر سے ڈھانپا ہوا کپڑا ہٹاؤں گا) تو تم مجھے اچھی طرح پہچان لو گے کہ میں کون ہوں!

یہ شعر عرب میں اتنا مشہور تھا کہ بچے بچے کی زبان پر تھا۔ اب بعد کے زمانے میں ایک بوڑھا یہودی تھا جو گنجا تھا (سر کے آگے کے سارے بال اڑے ہوئے تھے) اور اس کے آگے کے دانت بھی ٹوٹے ہوئے تھے یا بڑے بد نما تھے، اور وہ اپنے گنج کو چھپانے کے لیے سر پر بڑا سا عمامہ اور پگڑی باندھ کر شیخ بن کر بیٹھتا تھا! تو ایک شاعر نے اس گنجے بوڑھے کا مذاق اڑانے اور استہزاء و تہکم کرنے کے لیے سیم کے اس مشہور شعر میں تھوڑا سا تغیر کر کے (أَنَا کو هُوَ سے اور أَضَعِ کو يَضَعِ سے اور تَعْرِفُونِي کو تَعْرِفُوهُ سے بدل کر) اپنے دو شعروں میں تضمین کی اور کہا:

أَقُولُ لِمَعْشَرٍ غَلِطُوا وَغَضُّوا ... مِنَ الشَّيْخِ الرَّشِيدِ وَأَنْكَرُوهُ

هُوَ ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا ... مَتَى يَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوهُ

پہلے شعر کا ترجمہ دیکھیے: أَقُولُ لِمَعْشَرٍ غَلِطُوا، میں کہتا ہوں ایسے لوگوں کی جماعت سے جنہوں نے غلطی کھائی، وَغَضُّوا مِنَ الشَّيْخِ الرَّشِيدِ اور انہوں نے اس ہدایت یافتہ بزرگ کی شان گھٹائی اور تنقیص کی (غَضَّ مِنْ فُلَانٍ کا معنی ہوتا ہے کسی کی قدر گھٹانا، اور الشَّيْخِ الرَّشِيدِ بطورِ استہزاء اور مذاق کہا جا رہا ہے، مراد ہے گمراہ بوڑھا)، وَأَنْكَرُوهُ اور انہوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کیا! میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ ارے تم اسے پہچانتے کیوں نہیں ہو؟

- متن و شواہد: «هُوَ ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا»

هُوَ ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا ... مَتَى يَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوهُ

اب یہاں دیکھیے اس شاعر نے شرارت اور ظرافت سے ان الفاظ کے کیا معانی مراد لیے ہیں بھئی:

پہلے شعر میں ابْنُ جَلَا کا معنی تھا روشن معاملے والا بہادر؛ اور یہاں جَلَا يَجْلُو جَلًا (بمعنی سر کے اگلے حصے کے بال گر جانا اور گنجا ہونا) سے ابْنُ جَلَا کا معنی مراد لیا ہے: گنجا آدمی جس کی کھوپڑی کے بال صاف ہو چکے ہیں!

اور پہلے شعر میں طَلَّاعُ الثَّنَايَا میں الثَّنَايَا ثَنِيَّةٌ بمعنی پہاڑی گھاٹی کی جمع تھی؛ اور یہاں ثَنِيَّةٌ بمعنی سامنے کے دانت کی جمع مراد لی یا ذلت و رسوائی کی گھاٹیوں پر چڑھنے والا مراد لیا!

اور پہلے شعر میں مَتَى أَضَعِ الْعِمَامَةَ میں وَضَعَ عَلَى الرَّأْسِ تھا؛ اور یہاں مَتَى يَضَعِ الْعِمَامَةَ أَيْ عَنِ الرَّأْسِ مراد لیا کہ جس وقت یہ بوڑھا اپنے سر سے پگڑی اتار کر نیچے رکھے گا تو اس کا چمکتا ہوا گنج دیکھ کر تم فوراً اسے پہچان لو گے کہ یہ وہی گنجا ہے!

دیکھیے کس لطافت کے ساتھ مشہور شعر کی تضمین بھی کر دی اور معمولی تغیر کے ساتھ اس کا رخ مدح و فخر سے ہجو و ظرافت کی طرف پھیر دیا۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۷: خاتمۂ علم بدیع: صنعتِ عقد و حل، صنعتِ تلمیح، اور حسنِ ابتداء و براعۃ الاستہلال

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۴۷ــــ بتاریخ: ۲ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

الْعَقْدُ وَالْحَلُّ: الْأَوَّلُ نَظْمُ الْمَنْثُورِ، وَالثَّانِي نَثْرُ الْمَنْظُومِ۔ فَالْأَوَّلُ نَحْوُ:

وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوسِ فَإِنْ تَجِدْ ... ذَا عِفَّةٍ فَلِعِلَّةٍ لَا يَظْلِمُ

عُقِدَ فِيهِ قَوْلُ حَكِيمٍ: الظُّلْمُ مِنْ طِبَاعِ النَّفْسِ، وَإِنَّمَا يَصُدُّهَا عَنْهُ إِحْدَى عِلَّتَيْنِ: دِينِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْمَعَادِ، وَدُنْيَوِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْعِقَابِ الدُّنْيَوِيِّ۔ وَالثَّانِي نَحْوُ قَوْلِهِ: الْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَأْجُورَةٌ، وَمَكْرُمَةٌ مَأْثُورَةٌ، وَمَعَ هَذَا فَنَحْنُ الْمَرْضَى وَنَحْنُ الْعُوَّادُ، وَكُلُّ وِدَادٍ لَا يَدُومُ فَلَيْسَ بِوِدَادٍ۔ وَحُلَّ فِيهِ قَوْلُ الْقَائِلِ:

إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُودُكُمُ ... وَتُذْنِبُونَ فَنَأْتِيكُمْ وَنَعْتَذِرُ

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

علم بدیع کے خاتمے کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ اس خاتمے میں آپ نے اب تک تین عنوانات پڑھ لیے: پہلا عنوان سَرِقَةُ الْكَلَامِ تھا، دوسرا عنوان الِاقْتِبَاسُ تھا، اور تیسرا عنوان التَّضْمِينُ تھا۔ آج کے سبق میں چوتھا عنوان آرہا ہے جس کا نام ہے الْعَقْدُ وَالْحَلُّ۔

عَقْدٌ کا لغوی معنی ہوتا ہے گرہ لگانا، باندھنا؛ اور حَلٌّ کا لغوی معنی ہوتا ہے گرہ کھولنا! اور علم بدیع کی اصطلاح میں الْعَقْدُ اور الْحَلُّ کس کو کہتے ہیں بھئی؟ فرماتے ہیں: الْأَوَّلُ نَظْمُ الْمَنْثُورِ، وَالثَّانِي نَثْرُ الْمَنْظُومِ!

پہلی چیز یعنی عقد کا مطلب ہے منثور کلام کو منظوم کر دینا، یعنی کوئی نثر کی عبارت ہے خواہ قرآن و حدیث ہو یا کسی حکیم و دانا کا قول اور مقولہ ہو، شاعر اس نثری عبارت کو وزن اور قافیے کی لڑی میں باندھ کر شعر بنادے، اس کا نام الْعَقْدُ ہے!

اور دوسری چیز یعنی حل کا مطلب ہے منظوم کلام کو منثور کر دینا، یعنی کسی شاعر کا کوئی عمدہ شعر تھا، نثر نگار نے اس شعر کے وزن اور قافیے کی گرہ کو کھول کر اس کے مضمون اور الفاظ کو نثر کی عبارت بنادیا، اس کا نام الْحَلُّ ہے بھئی! دونوں کا فرق سمجھ میں آگیا؟ نثر کو نظم اور شعر بنادینا عقد ہے، اور نظم یعنی شعر کو کھول کر نثر بنادینا حل ہے۔

اب دونوں کی ایک ایک مثال مصنف دے رہے ہیں بھئی۔ پہلے الْعَقْدُ کی مثال دیکھیے: فَالْأَوَّلُ نَحْوُ، پس پہلی قسم یعنی عقد جیسے شاعر ابو طیب متنبی کا یہ شعر ہے:

■ متن و شواہد: «وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوسِ فَإِنْ تَجِدْ»

وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوسِ فَإِنْ تَجِدْ ... ذَا عِفَّةٍ فَلِعِلَّةٍ لَا يَظْلِمُ

لغات اور معنی دیکھیے بھئی۔ شِيَمٌ شین کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ جمع ہے شِيمَةٌ کی، جیسے سِدْرَةٌ کی جمع سِدَرٌ آتی ہے، اور شِيمَةٌ کہتے ہیں عادت، خصلت اور طبیعت کو۔ وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوسِ، اور ظلم اور زیادتی کرنا انسانی نفسوں کی فطری عادتوں اور خصلتوں میں سے ہے (کہ جب انسان کو طاقت اور قابو ملتا ہے تو اس کا نفس ظلم کی طرف مائل ہوتا ہے)؛ فَإِنْ تَجِدْ ذَا عِفَّةٍ، پس اگر تو کسی ایسے شخص کو دیکھے جو پاکدامن ہے اور ظلم کرنے سے بچ رہا ہے (عِفَّةٌ کہتے ہیں رک جانے، بچنے اور پارسائی اختیار کرنے کو)، فَلِعِلَّةٍ لَا يَظْلِمُ، تو سمجھ لے کہ وہ کسی خاص علت اور کسی وجہ سے ظلم نہیں کر رہا، ورنہ نفس تو ظلم چاہتا ہی تھا!

فرماتے ہیں: عُقِدَ فِيهِ قَوْلُ حَكِيمٍ، اس شعر کے اندر باندھا گیا ہے اور منظوم کیا گیا ہے ایک حکیم اور دانا کے اس نثری قول کو: الظُّلْمُ مِنْ طِبَاعِ النَّفْسِ، ظلم کرنا نفس کی طبائع اور فطرت میں سے ہے، وَإِنَّمَا يَصُدُّهَا عَنْهُ إِحْدَى عِلَّتَيْنِ، اور نفس کو ظلم کرنے سے صرف دو علتوں اور دو سببوں میں سے کوئی ایک سبب ہی روکتا ہے (صَدَّ يَصُدُّ روکنا، اور إِحْدَى عِلَّتَيْنِ يَصُدُّهَا کا فاعل ہے):

پہلا سبب کیا ہے؟ دِينِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْمَعَادِ، ایک سبب دینی ہے اور وہ آخرت اور قیامت میں اللہ کی پکڑ کا خوف ہے کہ نیک اور متقی انسان آخرت کے خوف سے ظلم نہیں کرتا؛

اور دوسرا سبب کیا ہے؟ وَدُنْيَوِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْعِقَابِ الدُّنْيَوِيِّ، اور دوسرا سبب دنیاوی ہے اور وہ دنیا کی سزا اور انتقام کا ڈر ہے کہ اگر میں نے اس پر ظلم کیا تو حکومت یا یہ شخص خود مجھ سے بدلہ لے گا!

دیکھیے حکیم کا یہ قول نثر میں تھا، متنبی نے اس پورے مضمون کو ایک شعر میں باندھ کر منظوم کر دیا، اسی کو الْعَقْدُ کہتے ہیں بھئی۔

اب دوسری قسم یعنی الْحَلُّ کی مثال دیکھیے جہاں شعر کو کھول کر نثر بنایا گیا ہے:

■ متن و شواہد: «وَالثَّانِي نَحْوُ قَوْلِهِ: الْعِيَادَةُ...»

وَالثَّانِي نَحْوُ قَوْلِهِ: الْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَأْجُورَةٌ، وَمَكْرُمَةٌ مَأْثُورَةٌ، وَمَعَ هَذَا فَنَحْنُ الْمَرْضَى وَنَحْنُ الْعُوَّادُ، وَكُلُّ وِدَادٍ لَا يَدُومُ فَلَيْسَ بِوِدَادٍ۔

پہلے اس نثری عبارت کے الفاظ اور ترجمہ سمجھ لیں بھئی۔ ایک دوست بیمار ہوا اور اس کے دوست نے اس کی عیادت اور مزاج پرسی نہیں کی، الٹا بیمار دوست ہی تندرست دوست سے ملنے آ گیا اور شکوے کے طور پر اس نے خط لکھا یا یہ کلمات کہے:

الْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَأْجُورَةٌ، بیمار کی عیادت اور تیمارداری کرنا ایک ایسا مسنون طریقہ ہے جس پر ثواب اور اجر ملتا ہے؛ وَمَكْرُمَةٌ مَأْثُورَةٌ، اور ایک ایسی شریفانہ خصلت ہے جو بزرگوں اور اگلے لوگوں سے منقول چلی آ رہی ہے (مَكْرُمَةٌ راء کے ضمہ کے ساتھ بزرگی اور شرافت کا کام، اور مَأْثُورَةٌ نقل کیا ہوا)؛ وَمَعَ هَذَا فَنَحْنُ الْمَرْضَى وَنَحْنُ الْعُوَّادُ، اور اس کے باوجود حال یہ ہے کہ ہم ہی مریض ہیں اور ہم ہی عیادت کے لیے آنے والے بھی ہیں! (الْمَرْضَى جمع ہے مَرِيضٌ کی، اور الْعُوَّادُ عین کے ضمہ اور واؤ کی تشدید کے ساتھ جمع ہے عَائِدٌ کی جیسے صَائِمٌ کی جمع صُوَّامٌ اور قَائِمٌ کی جمع قُوَّامٌ آتی ہے، عَادَ يَعُودُ عِيَادَةً مریض کی عیادت کرنا۔ یعنی قاعدہ تو یہ تھا کہ ہم بیمار تھے تو تم ہماری عیادت کو آتے، مگر الٹا ہم ہی مریض ہیں اور ہم ہی تم سے ملنے اور عیادت کرنے آ رہے ہیں)؛ وَكُلُّ وِدَادٍ لَا يَدُومُ فَلَيْسَ بِوِدَادٍ، اور ہر وہ محبت اور دوستی جو ہمیشہ قائم نہ رہے وہ حقیقی محبت ہی نہیں ہے! (وِدَادٌ واؤ کے کسرہ کے ساتھ محبت اور دوستی کو کہتے ہیں)۔

فرماتے ہیں: وَحُلَّ فِيهِ قَوْلُ الْقَائِلِ، اور اس نثری عبارت کے اندر کھولا گیا ہے یعنی حل کیا گیا ہے شاعر کے اس مشہور شعر کو:

■ متن و شواہد: «إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُودُكُمُ»

إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُودُكُمُ ... وَتُذْنِبُونَ فَنَأْتِيكُمْ وَنَعْتَذِرُ

شاعر اپنے بے پروا محبوب یا دوست سے شکوہ کرتے ہوئے کہتا ہے: تمہاری بے نیازی اور ہماری وفا کا حال یہ ہے کہ إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُودُكُمُ، جب ہم بیمار پڑتے ہیں تو تمہارے آنے کے بجائے ہم خود ہی تمہارے پاس تمہاری عیادت کرنے چلے آتے ہیں؛ وَتُذْنِبُونَ فَنَأْتِيكُمْ وَنَعْتَذِرُ، اور قصور اور خطا تم کرتے ہو، پھر ہم ہی تمہارے پاس آ کر معذرت اور معافی مانگتے ہیں! دیکھیے شاعر کے اس پہلے مصرعے کو نثر نگار نے کھول کر فَنَحْنُ الْمَرْضَى وَنَحْنُ الْعُوَّادُ کی نثری عبارت بنا دیا، اسی کو الْحَلُّ کہتے ہیں بھئی۔

اب خاتمے کا پانچواں عنوان دیکھیے بھئی: التَّلْمِيحُ۔

التَّلْمِيحُ: هُوَ أَنْ يُشِيرَ الْمُتَكَلِّمُ فِي كَلَامِهِ لِآيَةٍ أَوْ حَدِيثٍ أَوْ شِعْرٍ مَشْهُورٍ أَوْ مَثَلٍ سَائِرٍ أَوْ قِصَّةٍ، كَقَوْلِهِ:

لَعَمْرُو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارُ تَلْتَظِي ... أَرَقُّ وَأَحْفَى مِنْكَ فِي سَاعَةِ الْكَرْبِ

أَشَارَ إِلَى الْبَيْتِ الْمَشْهُورِ وَهُوَ:

الْمُسْتَجِيرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهِ ... كَالْمُسْتَجِيرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ

■ قولہ: «لَمَحَ يَلْمَحُ» کی تشریح

لَمَحَ يَلْمَحُ کا لغوی معنی ہوتا ہے کسی چیز کی طرف ہلکی سی اچٹتی ہوئی نظر ڈالنا۔ اور علمِ بدیع کی اصطلاح میں تلمیح کسے کہتے ہیں بھئی؟

فرماتے ہیں: هُوَ أَنْ يُشِيرَ الْمُتَكَلِّمُ فِي كَلَامِهِ لِآيَةٍ أَوْ حَدِيثٍ أَوْ شِعْرٍ مَشْهُورٍ أَوْ مَثَلٍ سَائِرٍ أَوْ قِصَّةٍ۔ تلمیح یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے اندر کسی قرآنی آیت کے الفاظ ذکر کیے بغیر اس کی طرف اشارہ کرے، یا کسی حدیث کی طرف اشارہ کرے، یا کسی مشہور شعر کی طرف، یا کسی مَثَلٍ سَائِرٍ یعنی چلتی ہوئی مشہور ضرب المثل اور کہاوت کی طرف (سَائِرٌ کا معنی ہے چلنے والی، جو لوگوں کی زبانوں پر جاری اور مشہور ہو چکی ہو)، یا کسی مشہور تاریخی قصے اور واقعے کی طرف اشارہ کرے!

دیکھیے اقتباس اور تضمین میں تو آیت، حدیث یا شعر کے الفاظ کو کلام میں لایا جاتا تھا؛ اور تلمیح میں اس کے الفاظ نہیں لائے جاتے بلکہ ایک دو ایسے لفظ بولے جاتے ہیں جن سے سننے والے کا ذہن فوراً اس مشہور قصے، آیت، حدیث، ضرب المثل یا شعر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے! اگر سننے والے کو وہ پس منظر اور قصہ معلوم نہ ہو تو وہ اس شعر کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکتا بھئی۔

اب جو مثال مصنف نے دی ہے، اس کا پورا تاریخی قصہ اور پس منظر پہلے سن لیجیے تاکہ دونوں اشعار کا مطلب آئینے کی طرح صاف ہو جائے بھئی!

یاد کیجیے، اس کتاب کے شروع میں علمِ معانی کے اندر صفحہ ۱۳۱ پر جب ہم امر کے معانی پڑھ رہے تھے تو وہاں التَّعْجِيزُ (عاجز کرنے) کی مثال میں آپ نے ایک شعر پڑھا تھا نا:

■ متن و شواہد: «يَا لَبَكْرٍ أَنْشِرُوا لِي كُلَيْبًا»

يَا لَبَكْرٍ أَنْشِرُوا لِي كُلَيْبًا ... يَا لَبَكْرٍ أَيْنَ أَيْنَ الْفِرَارُ

اس وقت بھی میں نے آپ کو یہ قصہ سنایا تھا۔ عرب کے مشہور قبیلے ربیعہ کی دو بڑی شاخیں تھیں جو آپس میں چچازاد بھائی تھے: ایک بَنُو بَكْرٍ اور دوسرے بَنُو تَغْلِبَ۔ بنو تغلب کا سردار كُلَيْبُ بْنُ رَبِيعَةَ تھا۔ کلیب بڑا طاقتور اور متکبر سردار بن گیا تھا، اس نے ایک پوری سرسبز چراگاہ کو اپنی محفوظ چراگاہ (حِمًى) قرار دے رکھا تھا اور اعلان کر رکھا تھا کہ جہاں تک میرے کتے کی بھونکنے کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کسی دوسرے شخص کا اونٹ یا جانور چرنے کے لیے داخل نہیں ہو سکتا!

اب بنو بکر میں جساس بن مرہ تھا جو کلیب کا سالہ بھی تھا (اس کی بہن جلیلہ کلیب کے نکاح میں تھی)، اور جساس کی خالہ ایک بڑھیا عورت تھی جس کا نام بَسُوس تھا۔ اس بسوس کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام سَرَاب تھا۔ ایک دن وہ اونٹنی رسی تڑا کر کلیب کی چراگاہ میں گھس گئی۔ وہاں زمین پر قُبَّرَة (چنڈول یا ٹیٹری) پرندے نے گھونسلا بنا کر انڈے دے رکھے تھے جنہیں کلیب نے امان دے رکھی تھی۔ اس اونٹنی کے پاؤں سے پرندے کے انڈے ٹوٹ گئے۔ کلیب نے جب دیکھا تو غصے میں آکر تیر مارا جس سے اس اونٹنی کا تھن چھد گیا اور دودھ کی جگہ خون بہنے لگا (یا اونٹنی کے بچے کو مار ڈالا)!

جب اونٹنی زخمی ہو کر بسوس بڑھیا کے پاس پہنچی تو اس بڑھیا نے واویلا مچایا اور اشعار پڑھ کر اپنے بھانجے جساس کو غیرت دلائی۔ چنانچہ ایک دن جب کلیب اکیلا چراگاہ کی طرف نکلا تو جساس بن مرہ اور اس کا چچازاد بھائی عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ بْنِ ذُهْلٍ الشَّيْبَانِيُّ پیچھے گئے۔ جساس نے پیچھے سے کلیب کی کمر اور پہلو میں نیزہ مارا جس سے کلیب زمین پر گر پڑا اور جساس گھبرا کر آگے نکل گیا۔

جب کلیب کا ساتھی عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ وہاں پہنچا تو کلیب زخم کی شدت سے تڑپ رہا تھا اور پیاس سے اس کی جان نکل رہی تھی۔ کلیب نے عمرو بن حارث سے کہا:

يَا عَمْرُو! أَغِثْنِي بِشَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ، اے عمرو! مجھے ایک گھونٹ پانی پلا کر میری جان بچا اور میری مدد کر! عمرو بن حارث نے بجائے اس کے کہ اس زخمی اور پیاسے کو پانی پلاتا اور پناہ دیتا، اپنی تلوار میان سے نکالی اور کلیب کے سر پر مار کر اس کا کام تمام کر دیا اور قتل کر ڈالا! (اور اسی قتل پر بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان چالیس سال تک خونریز جنگ چلتی رہی جسے تاریخِ عرب میں حَرْبُ الْبَسُوسِ کہتے ہیں)۔

اس واقعے پر عرب کے شاعر نے یہ شعر کہا جو پورے عرب میں بطورِ ضرب المثل مشہور ہو گیا:

■ متن وشواہد: «الْمُسْتَجِيرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهِ»

الْمُسْتَجِيرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهِ ... كَالْمُسْتَجِيرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ

ترجمہ دیکھیے: الْمُسْتَجِيرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهِ، اپنی مصیبت اور بے قراری کے وقت عمرو (بن حارث) سے پناہ اور فریاد مانگنے والا ایسا ہی ہے، كَالْمُسْتَجِيرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ، جیسے چلچلاتی دھوپ کی تپتی ہوئی زمین سے بچنے کے لیے دہکتی ہوئی آگ کی پناہ مانگنے والا!

اِسْتَجَارَ يَسْتَجِيرُ اسْتِجَارَةً پناہ مانگنا؛ كُرْبَةٌ اور كَرْبٌ سخت غم، بے چینی اور مصیبت؛ اور الرَّمْضَاءُ کہتے ہیں سخت گرمی کی دھوپ سے تپتی ہوئی زمین اور سنگریزوں کو جس پر پاؤں جلنے لگیں (اسی سے رَمَضَانُ کا نام رکھا گیا ہے)۔ یعنی جیسے کوئی نادان آدمی تپتی ہوئی زمین کی گرمی سے بچنے کے لیے جلتی ہوئی آگ کے الاؤ میں کود پڑے، بالکل ویسا ہی حال کلیب کا ہوا کہ جساس کے نیزے کی تکلیف سے بچنے کے لیے عمرو سے پانی اور پناہ مانگی تو عمرو نے الٹا اسے قتل کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا! (جیسے اردو میں کہتے ہیں نا: آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا، یا بارش سے بھاگا پرنالے کے نیچے آ کھڑا ہوا!)

یہ تو وہ مشہور ضرب المثل شعر تھا۔ اب بعد کے ایک شاعر نے اپنے کسی بے مروت دوست یا محبوب کی سنگدلی بیان کرتے ہوئے اس مشہور شعر اور قصے کی طرف تلمیح اور اشارہ کرتے ہوئے کہا:

■ متن وشواہد: «لَعَمْرٌو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارُ تَلْتَظِي»

لَعَمْرٌو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارُ تَلْتَظِي ... أَرَقُّ وَأَحْفَى مِنْكَ فِي سَاعَةِ الْكَرْبِ

واہ بھئی واہ! ذرا ترکیب اور معنی دیکھیے۔ لَعَمْرٌو میں لام ابتداء تاکید کے لیے ہے اور عَمْرٌو مبتدا ہے (اس کو لَعَمْرُكَ قسم والا نہ سمجھ لینا بھئی، یہ عَمْرٌو واؤ کے ساتھ وہی عمرو بن حارث قاتلِ کلیب کا نام ہے اور منون ہے!)۔ مَعَ الرَّمْضَاءِ، تپتی ہوئی زمین کے ساتھ۔ اور آگے وَالنَّارُ تَلْتَظِي کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں بھئی:

اگر وَالنَّارُ مرفوع پڑھیں تو واؤ حالیہ ہو گی، النَّارُ مبتدا اور تَلْتَظِي (اِلْتَظَى يَلْتَظِي الْتِظَاءً بابِ افتعال سے، لَظًى سے ہے بمعنی آگ کا شعلہ مارنا اور بھڑکنا) اس کی خبر، جملہ اسمیہ حالیہ بن جائے گا کہ اس حال میں کہ آگ بھڑک رہی ہے؛ یا عَمْرٌو پر عطف کر لیں اور تَلْتَظِي حال ہو؛

اور اگر وَالنَّارِ مجرور پڑھیں تو الرَّمْضَاءِ پر عطف ہو جائے گا کہ مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارِ، اور تَلْتَظِي حال بن جائے گا النَّارِ سے۔

اور عَمْرٌو مبتدا کی خبر دوسرے مصرعے میں آ رہی ہے: أَرَقُّ وَأَحْفَى مِنْكَ فِي سَاعَةِ الْكَرْبِ!

أَرَقُّ اسمِ تفضیل ہے رِقَّةٌ سے، بمعنی زیادہ نرم دل اور زیادہ رحم کرنے والا؛ اور أَحْفَى اسمِ تفضیل ہے حَفَاوَةٌ (حَفِيَ يَحْفَى بابِ سمع سے) جس کا معنی ہے کسی کی خوب خبر گیری کرنا اور مہربانی و شفقت کرنا۔

ترجمہ دیکھیے: خدا کی قسم! وہ ظالم عمرو بن حارث، تپتی ہوئی زمین اور بھڑکتی ہوئی آگ سمیت، مصیبت اور بے قراری کی گھڑی میں تجھ سے زیادہ نرم دل اور تجھ سے زیادہ مہربان ہیں! یعنی عمرو، رمضاء اور آگ تو اپنی بے رحمی اور جلانے میں ضرب المثل ہیں، لیکن مصیبت کے وقت تو نے میرے ساتھ جو بے رخی اور سنگدلی دکھائی ہے اس کے مقابلے میں تو عمرو، رمضاء اور آگ بھی تجھ سے زیادہ رحم دل اور مہربان نکلے!

■ قولہ: «عَمْرٌو، الرَّمْضَاءِ» کی تشریح

دیکھیے اس شعر میں عَمْرٌو، الرَّمْضَاءِ اور النَّارُ کے الفاظ لا کر شاعر نے اس مشہور شعر اور قصے کی طرف اشارہ کر دیا، اسی کا نام التَّلْمِيحُ ہے بھئی۔

اب آج کے سبق کا چھٹا عنوان دیکھیے بھئی: حُسْنُ الِابْتِدَاءِ۔

حُسْنُ الِابْتِدَاءِ: هُوَ أَنْ يَجْعَلَ الْمُتَكَلِّمُ مَبْدَأَ كَلَامِهِ عَذْبَ اللَّفْظِ حَسَنَ السَّبْكِ صَحِيحَ الْمَعْنَى، فَإِذَا اشْتَمَلَ عَلَى إِشَارَةٍ لَطِيفَةٍ إِلَى الْمَقْصُودِ سُمِّيَ بَرَاعَةَ الِاسْتِهْلَالِ۔

بھئی جب کوئی خطیب خطبہ دیتا ہے، یا مصنف کتاب لکھتا ہے، یا شاعر قصیدہ پڑھتا ہے، تو سب سے پہلے سامعین کے کانوں سے کون سی چیز ٹکراتی ہے؟ کلام کا آغاز اور ابتداء! اگر کلام کا آغاز ہی بھدا، بے جوڑ اور ثقیل ہو تو سننے والا شروع ہی میں بد دل ہو کر منہ پھیر لیتا ہے؛ اور اگر کلام کی ابتداء میٹھی، دلکش اور مضبوط ہو تو سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر پورا کلام سننے کے لیے متوجہ ہو جاتا ہے!

چنانچہ فرماتے ہیں کہ حُسْنُ الِابْتِدَاءِ کیا ہے؟ هُوَ أَنْ يَجْعَلَ الْمُتَكَلِّمُ مَبْدَأَ كَلَامِهِ، وہ یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے مبدأ یعنی آغاز اور ابتدائی حصے کو کیسا بنائے؟ تین صفتوں والا بنائے:

پہلی صفت: عَذْبَ اللَّفْظِ، اس کے الفاظ میٹھے اور شیریں ہوں (عَذْبٌ کہتے ہیں میٹھے اور خوشگوار پانی کو، یعنی الفاظ ثقیل اور کرخت نہ ہوں)؛

■ قولہ: «حَسَنَ السَّبْكِ» کی تشریح

دوسری صفت: حَسَنَ السَّبْكِ، اس کی بندش، ترکیب اور بناوٹ عمدہ اور پختہ ہو؛

تیسری صفت: صَحِيحَ الْمَعْنَى، اور اس کا معنی بالکل درست اور بے غبار ہو۔

یہ تین چیزیں پائی جائیں تو اسے حُسْنُ الِابْتِدَاءِ کہتے ہیں۔

اور اگر ان تین خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک چوتھی خوبی بھی اس میں جمع ہو جائے کہ فَإِذَا اشْتَمَلَ عَلَى إِشَارَةٍ لَطِيفَةٍ إِلَى الْمَقْصُودِ سُمِّيَ بَرَاعَةَ الِاسْتِهْلَالِ! اگر کلام کا وہ ابتدائی جملہ یا پہلا شعر ایسا ہو کہ اس کے اندر اس پورے کلام یا قصیدے یا کتاب کے اصل مقصود اور موضوع کی طرف ایک لطیف اشارہ بھی موجود ہو کہ پہلا جملہ یا پہلا شعر سنتے ہی سامع سمجھ جائے کہ آگے کس موضوع پر بات ہونے والی ہے (جیسے آپ درسِ نظامی کی کتابوں کے خطبوں میں پڑھتے ہیں کہ نحوی جب خطبہ پڑھتا ہے تو اس میں رفع، نصب، فاعل، مفعول کے الفاظ لاتا ہے، منطقی خطبے میں تصور اور تصدیق کے الفاظ لاتا ہے، فقیہ حلال و حرام کے الفاظ لاتا ہے)، تو اس کو بَرَاعَةُ الِاسْتِهْلَالِ کہتے ہیں بھئی!

بَرَاعَةٌ کا معنی ہے فائق ہونا، بازی لے جانا اور کمال؛ اور اِسْتِهْلَالٌ کا لغوی معنی ہے پہلی رات کا چاند یعنی ہلال دیکھنا یا بچے کا پیدائش کے وقت پہلی آواز نکالنا، پھر ہر چیز کے آغاز اور ابتداء کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

اب اس کی دو خوبصورت مثالیں مصنف دے رہے ہیں بھئی۔ پہلی مثال دیکھیے: كَقَوْلِهِ فِي تَهْنِئَةٍ بِزَوَالِ مَرَضٍ:

■ متن و شواہد: «الْمَجْدُ عُوفِيَ إِذْ عُوفِيتَ وَالْكَرَمُ»

الْمَجْدُ عُوفِيَ إِذْ عُوفِيتَ وَالْكَرَمُ ... وَزَالَ عَنْكَ إِلَى أَعْدَائِكَ السَّقَمُ

تَهْنِئَةٌ بابِ تفعیل کا مصدر ہے هَنَّأَ يُهَنِّئُ سے، جس کا معنی ہے مبارکباد دینا۔ ممدوح بیمار ہو گیا تھا، جب اللہ نے اسے بیماری سے شفا دی تو شاعر (ابو طیب متنبی) اس کو صحت یابی کی مبارکباد دینے کے لیے قصیدہ لے کر آیا، اور قصیدے کا سب سے پہلا شعر یعنی مطلع یہ پڑھا:

الْمَجْدُ عُوفِيَ إِذْ عُوفِيتَ وَالْكَرَمُ ... وَزَالَ عَنْكَ إِلَى أَعْدَائِكَ السَّقَمُ

ترکیب اور معنی دیکھیے بھئی۔ الْمَجْدُ مبتدا ہے بمعنی بزرگی اور شرف؛ عُوفِيَ مجہول کا صیغہ ہے عَافَى يُعَافِي مُعَافَاةً سے، جس کا معنی ہے عافیت اور صحت عطا کرنا، شفا ملنا۔ اور پہلے مصرعے کے آخر میں وَالْكَرَمُ مرفوع ہے جس کا عطف الْمَجْدُ پر ہے! إِذْ عُوفِيتَ، جس وقت آپ کو شفا اور عافیت ملی تو آپ کے شفا پانے سے دراصل بزرگی اور سخاوت کو شفا مل گئی (کیونکہ جب آپ بیمار تھے تو گویا بزرگی اور سخاوت بھی بیمار پڑی ہوئی تھیں، آپ کے تندرست ہونے سے مجد اور کرم بھی تندرست ہو گئے)؛ وَزَالَ عَنْكَ إِلَى أَعْدَائِكَ السَّقَمُ، اور بیماری (السَّقَمُ زَالَ کا فاعل ہے) آپ سے زائل اور دور ہو کر آپ کے دشمنوں کی طرف منتقل ہو گئی!

دیکھیے بھئی، الفاظ کتنے میٹھے ہیں، بندش کتنی عمدہ ہے، اور پہلے ہی شعر سے صاف اشارہ مل گیا کہ پورا قصیدہ ممدوح کی بیماری سے شفایابی کی مبارکباد کے بارے میں ہے!

دوسری مثال دیکھیے: وَكَقَوْلِ الْآخَرِ فِي تَهْنِئَةٍ بِبِنَاءِ قَصْرٍ:

- **متن و شواہد: «قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَسَلَامُ»**

قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَسَلَامُ ... خَلَعَتْ عَلَيْهِ جَمَالَهَا الْأَيَّامُ

کسی بادشاہ یا امیر نے ایک نیا عالی شان محل تعمیر کرایا، تو شاعر اس محل کی تعمیر پر مبارکباد دینے کے لیے آیا اور قصیدے کی ابتداء اس شعر سے کی (جبکہ عرب کے قدیم شعراء کا عام دستور یہ ہوتا تھا کہ کھنڈرات اور اجڑے ہوئے گھروں پر کھڑے ہو کر روتے تھے، لیکن اس شاعر نے نئے محل کی مبارکباد دینی تھی تو کتنا لطیف آغاز کیا):

قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَسَلَامُ، یہ ایک ایسا عالی شان محل ہے جس پر درود اور سلامتی ہو؛ خَلَعَتْ عَلَيْهِ جَمَالَهَا الْأَيَّامُ، زمانے نے اپنا سارا حسن و جمال اتار کر اس محل کے اوپر ڈال دیا ہے اور اسے پہنا دیا ہے!

خَلَعَ يَخْلَعُ خَلْعًا کا معنی ہوتا ہے اپنا کپڑا اتار کر کسی کو بطورِ انعام پہنانا (اسی سے خِلْعَت کا لفظ بنا ہے)، اور الْأَيَّامُ خَلَعَتْ کا فاعل ہے اور جَمَالَهَا مفعول بہ ہے کہ زمانے نے اپنی خوبصورتی کی خلعت اس محل کو پہنا دی ہے! دیکھیے پہلا ہی لفظ قَصْرٌ اور پورا شعر بتلا رہا ہے کہ یہ قصیدہ نئے محل کی مبارکباد کے موضوع پر ہے، تو یہ بَرَاعَةُ الِاسْتِهْلَالِ کی بہترین مثال ہے بھئی۔ باقی تین چھوٹے عنوانات ان شاء اللہ کل آخری سبق میں مکمل ہو جائیں گے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۸: ختمِ کتاب: حسنِ تخلص، براعۃ الطلب، حسنِ انتہاء و براعۃ المقطع اور تکمیلِ کتاب پر جامع مسنون دعا

دروس البلاغہ صفحہ: ۱۴۹ ــــ بتاریخ: ۴ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت)

حُسْنُ التَّخَلُّصِ: هُوَ الِانْتِقَالُ مِمَّا افْتُتِحَ بِهِ الْكَلَامُ إِلَى الْمَقْصُودِ مَعَ رِعَايَةِ الْمُنَاسَبَةِ بَيْنَهُمَا، كَقَوْلِهِ:

دَعَتِ النَّوَى بِفِرَاقِهِمْ فَتَشَتَّتُوا ... وَقَضَى الزَّمَانُ بَيْنَهُمْ فَتَبَدَّدُوا

دَهْرٌ ذَمِيمُ الْحَالَتَيْنِ فَمَا بِهِ ... شَيْءٌ سِوَى جُودِ ابْنِ أَرْتَقَ يُحْمَدُ

■ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت

آج الحمد للہ ہماری اس کتاب دروس البلاغہ کا آخری سبق ہے بھئی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے حُسْنُ الِابْتِدَاءِ اور بَرَاعَةُ الِاسْتِهْلَالِ کے بارے میں پڑھا تھا کہ متکلم یا شاعر جب اپنے کلام کا آغاز کرے تو اس کی ابتداء ایسی ہو کہ الفاظ میٹھے ہوں، بندش عمدہ ہو، معنی صحیح ہو اور مقصود کی طرف لطیف اشارہ ہو۔

اب آج کے سبق میں اس کے بعد آنے والے تین عنوانات ہیں بھئی: پہلا عنوان ہے حُسْنُ التَّخَلُّصِ، دوسرا عنوان ہے بَرَاعَةُ الطَّلَبِ، اور تیسرا اور پوری کتاب کا آخری عنوان ہے حُسْنُ الِانْتِهَاءِ اور بَرَاعَةُ الْمَقْطَعِ۔

حُسْنُ التَّخَلُّصِ کس کو کہتے ہیں بھئی؟ پہلے یہ بات سمجھ لیجیے کہ عرب کے شعراء اور خطباء کا قدیم زمانے سے یہ دستور اور طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب وہ کسی بادشاہ یا امیر کی مدح میں یا کسی اور اصل مقصد کے لیے قصیدہ کہتے ہیں تو پہلے ہی شعر سے براہِ راست مدح یا مانگنا شروع نہیں کر دیتے، بلکہ سامعین کی طبیعتوں کو متوجہ کرنے اور گرمانے کے لیے قصیدے کے شروع میں دس بارہ اشعار کسی ایسے دلچسپ مضمون کے کہتے ہیں جس کی طرف ہر انسان کی طبیعت خود بخود کھنچتی ہے، مثلاً عشق و محبت اور محبوب کی جدائی کا تذکرہ جسے تَشْبِیب یا نَسِیب کہتے ہیں، یا جوانی کے گزرنے اور بڑھاپے کے آنے کا تذکرہ، یا اپنی شجاعت و بہادری اور صحرا نوردی کا تذکرہ، یا زمانے کے انقلابات کی شکایت۔

پھر جب دس پندرہ اشعار کے بعد سامعین پوری طرح متوجہ ہو جاتے ہیں، تو اب شاعر اس ابتدائی مضمون سے نکل کر اپنے اصل مقصود یعنی ممدوح کی مدح کی طرف منتقل ہوتا ہے! اب اس ابتدائی مضمون سے اصل مقصود کی طرف منتقل ہوتے وقت اگر شاعر کوئی ایسا لطیف رابطہ اور مناسبت پیدا کرے کہ پتہ ہی نہ چلے اور بڑی خوبصورتی اور نرمی سے بات ابتدائی مضمون سے ممدوح کی مدح کی طرف مڑ جائے، تو اس خوبصورت منتقلی کو علمِ بدیع کی اصطلاح میں حُسْنُ التَّخَلُّصِ کہتے ہیں بھئی! (اردو اور فارسی میں تو تخلص شاعر کے اس مختصر نام کو کہتے ہیں جو وہ مقطع میں لاتا ہے، لیکن عربی علمِ بلاغت کی اصطلاح میں تخلص اور حسنِ تخلص اس لطیف انتقال کو کہتے ہیں)۔

تعریف دیکھیے کتاب میں: هُوَ الِانْتِقَالُ مِمَّا افْتُتِحَ بِهِ الْكَلَامُ إِلَى الْمَقْصُودِ مَعَ رِعَايَةِ الْمُنَاسَبَةِ بَيْنَهُمَا۔ حسنِ تخلص یہ ہے کہ کلام جس چیز کے ساتھ شروع کیا گیا تھا (مِمَّا افْتُتِحَ بِهِ الْكَلَامُ) اس سے اصل مقصود کی طرف منتقل ہونا، مَعَ رِعَايَةِ الْمُنَاسَبَةِ بَيْنَهُمَا ان دونوں (یعنی ابتدائی مضمون اور اصل مقصود) کے درمیان مناسبت کی رعایت رکھتے ہوئے۔

مثال دیکھیے: كَقَوْلِهِ، جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

■ متن و شواہد: «دَعَتِ النَّوَى بِفِرَاقِهِمْ فَتَشَتَّتُوا»

دَعَتِ النَّوَى بِفِرَاقِهِمْ فَتَشَتَّتُوا ... وَقَضَى الزَّمَانُ بَيْنَهُمْ فَتَبَدَّدُوا

دَهْرٌ ذَمِيمُ الْحَالَتَيْنِ فَمَا بِهِ ... شَيْءٌ سِوَى جُودِ ابْنِ أَرْتَقَ يُحْمَدُ

لغات اور معنی دیکھیے بھئی۔ النَّوَى نون اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ مؤنث ہے، اس کا معنی ہے دوری، جدائی اور سفر کی منزل۔ دَعَتِ النَّوَى بِفِرَاقِهِمْ، دوری اور سفر نے ان محبوبوں اور دوستوں کی جدائی کا بلاوا دیا، فَتَشَتَّتُوا پس وہ سب الگ الگ اور پراگندہ ہو گئے (تَشَتَّتَ يَتَشَتَّتُ بکھر جانا، متفرق ہو جانا)؛ وَقَضَى الزَّمَانُ بَيْنَهُمْ فَتَبَدَّدُوا، اور زمانے نے ان کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دیا پس وہ سب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے!

دیکھیے پہلے شعر میں شاعر کس چیز کا تذکرہ کر رہا ہے؟ دوستوں اور محبوبوں کی جدائی کا اور زمانے کے ستم کا۔ اب دوسرے شعر میں دیکھیے کس خوبصورتی سے زمانے کی مذمت سے اپنے ممدوح اِبْنُ أَرْتَقَ (جو سلاجقہ کے دور کا مشہور بادشاہ اور امیر تھا) کی سخاوت کی مدح کی طرف منتقل ہوتا ہے:

دَهْرٌ ذَمِيمُ الْحَالَتَيْنِ، یہ ایسا زمانہ ہے جس کی دونوں حالتیں (خواہ راحت و وصال کی حالت ہو یا مصیبت و فراق کی حالت ہو، یا اول و آخر دونوں حالتیں) قابلِ مذمت اور بری ہیں، فَمَا بِهِ شَيْءٌ سِوَى جُودِ ابْنِ أَرْتَقَ يُحْمَدُ، پس اس زمانے کے اندر ابنِ ارتق کی سخاوت اور فیاضی کے سوا کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کی تعریف کی جا سکے!

دیکھیے بھئی، پہلے شعر میں دوستوں کے بچھڑنے پر زمانے کا شکوہ کیا، اور دوسرے شعر میں کہا کہ زمانے میں تو ساری چیزیں ہی بری ہیں سوائے ابنِ ارتق کی سخاوت کے کہ صرف وہی قابلِ تعریف ہے، اور یہاں سے آگے ابنِ ارتق کی مدح شروع کر دی! اس لطیف انتقال کو حُسْنُ التَّخَلُّصِ کہتے ہیں بھئی۔

■ قولہ: «بَرَاعَةُ الطَّلَبِ» کی تشریح

اب آج کے سبق کا دوسرا عنوان دیکھیے: بَرَاعَةُ الطَّلَبِ۔

بَرَاعَةُ الطَّلَبِ: هُوَ أَنْ يُشِيرَ الطَّالِبُ إِلَى مَا فِي نَفْسِهِ دُونَ أَنْ يُصَرِّحَ فِي الطَّلَبِ، كَمَا فِي قَوْلِهِ:

وَفِي النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِيكَ فَطَانَةٌ ... سُكُوتِي كَلَامٌ عِنْدَهَا وَخِطَابُ

بَرَاعَةُ الطَّلَبِ کا مطلب ہے: مانگنے اور سوال کرنے میں عمدگی اور نفاست اختیار کرنا!

وہ کیا مطلب بھئی؟ دیکھیے، جب کوئی سائل یا شاعر کسی بادشاہ یا کریم النفس انسان کے پاس اپنی کسی ضرورت اور حاجت کے لیے جاتا ہے، تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ صاف صاف الفاظ میں صراحت کر کے کہہ دے کہ مجھے اتنے پیسے دے دیجیے یا میری فلاں ضرورت پوری کر دیجیے۔ اس طرح صراحت کے ساتھ مانگنے میں مانگنے والے کی عزتِ نفس بھی مجروح ہوتی ہے اور کلام میں بھی وہ لطافت نہیں رہتی۔ اور دوسرا مہذب اور بلیغ طریقہ یہ ہے کہ طالب اپنے دل کی حاجت کی طرف صرف ایک لطیف اشارہ کر دے، دُونَ أَنْ يُصَرِّحَ فِي الطَّلَبِ، مانگنے میں صراحت کیے بغیر! اسی لطیف اشارے کو بَرَاعَةُ الطَّلَبِ کہتے ہیں بھئی۔

مثال دیکھیے کتنا لاجواب شعر ہے: كَمَا فِي قَوْلِهِ:

وَفِي النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِيكَ فَطَانَةٌ ... سُكُوتِي كَلَامٌ عِنْدَهَا وَخِطَابُ

لغات اور معنی دیکھیے بھئی۔ وَفِي النَّفْسِ حَاجَاتٌ، اور میرے دل کے اندر بہت سی حاجتیں اور ضرورتیں چھپی ہوئی ہیں؛ وَفِيكَ فَطَانَةٌ، اور آپ کے اندر بڑی ذہانت، فراست اور سمجھداری ہے (فَطَانَةٌ فاء کے فتحہ کے ساتھ ذہانت اور دانائی کو کہتے ہیں)؛ سُكُوتِي كَلَامٌ عِنْدَهَا وَخِطَابٌ، میری خاموشی بھی آپ کی اس ذہانت اور فراست کے سامنے گویا پورا کلام اور پورا خطاب ہے!

عِنْدَهَا کی ضمیر فَطَانَةٌ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی أَيْ عِنْدَ تِلْكَ الْفَطَانَةِ، کہ آپ ماشاء اللہ اتنے ذہین، فہیم اور نباض ہیں کہ مجھے منہ کھول کر اپنی حاجتیں گنوانے اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، آپ کی فراست کے آگے تو میرا چپ کھڑا رہنا ہی بولنے اور عرض کرنے کے قائم مقام ہے، آپ میرے چہرے ہی سے میرے دل کی حاجت پڑھ لیں گے! دیکھیے بغیر صراحت کے کس نفاست سے اپنی حاجت کی طرف اشارہ کر دیا، اسی کا نام بَرَاعَةُ الطَّلَبِ ہے بھئی۔

اب اس کتاب کا سب سے آخری عنوان دیکھیے بھئی: حُسْنُ الِانْتِهَاءِ اور بَرَاعَةُ الْمَقْطَعِ۔

حُسْنُ الِانْتِهَاءِ: هُوَ أَنْ يُجْعَلَ آخِرُ الْكَلَامِ عَذْبَ اللَّفْظِ حَسَنَ السَّبْكِ صَحِيحَ الْمَعْنَى، فَإِنِ اشْتَمَلَ عَلَى مَا يُشْعِرُ بِالِانْتِهَاءِ سُمِّيَ بَرَاعَةَ الْمَقْطَعِ، كَقَوْلِهِ:

بَقِيتَ بَقَاءَ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِهِ ... وَهَذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلُ

علمائے بلاغت فرماتے ہیں کہ متکلم، خطیب اور شاعر کو اپنے کلام میں تین مقامات پر سب سے زیادہ توجہ اور محنت کرنی چاہیے: ایک کلام کے آغاز یعنی ابتداء پر، دوسرے ابتدائی مضمون سے اصل مقصود کی طرف منتقل ہونے یعنی تخلص پر، اور تیسرے کلام کے اختتام یعنی انتہاء پر! کیوں بھئی؟ اس لیے کہ کلام کا آخری جملہ یا آخری شعر وہ چیز ہے جو سامعین کے کانوں میں سب سے آخر میں پڑتی ہے اور اسی کی گونج اور تاثیر سامع کے دل و دماغ میں باقی رہ جاتی ہے! اگر بیچ میں تھوڑی بہت کمی رہ بھی گئی ہو لیکن خاتمہ اور انتہاء شاندار اور دلکش ہو تو پورا کلام کامیاب اور مؤثر بن جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ حُسْنُ الِانْتِهَاءِ کیا ہے؟ هُوَ أَنْ يُجْعَلَ آخِرُ الْكَلَامِ عَذْبَ اللَّفْظِ حَسَنَ السَّبْكِ صَحِيحَ الْمَعْنَى۔ وہ یہ ہے کہ کلام کے آخری حصے کو میٹھے الفاظ والا، عمدہ بندش اور بناوٹ والا، اور صحیح معنی والا بنایا جائے (وہی تین شرطیں جو حسنِ ابتداء میں تھیں)۔

اور اگر اس کے ساتھ چوتھی خوبی بھی آ جائے: فَإِنِ اشْتَمَلَ عَلَى مَا يُشْعِرُ بِالِانْتِهَاءِ سُمِّيَ بَرَاعَةَ الْمَقْطَعِ! اگر کلام کا وہ آخری جملہ یا آخری شعر کسی ایسی بات پر مشتمل ہو جو کلام کے ختم ہونے کی خبر اور اطلاع دے رہی ہو، تاکہ سننے والا اس شعر یا جملے کو سنتے ہی سمجھ جائے کہ اب خطبہ یا قصیدہ یا کتاب ختم ہو گئی ہے، تو اس کو بَرَاعَةُ الْمَقْطَعِ کہتے ہیں بھئی! مَقْطَعٌ اسمِ ظرف ہے قَطَعَ يَقْطَعُ سے، کلام کے منقطع اور ختم ہونے کی جگہ، جیسے آغاز کو مَطْلَع کہتے ہیں ویسے اختتام کو مَقْطَع کہتے ہیں۔

مثال دیکھیے: كَقَوْلِهِ، جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

بَقِيتَ بَقَاءَ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِهِ ... وَهَذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلُ

پہلے شعر کے الفاظ اور معنی سمجھ لیں بھئی۔ بَقِيتَ فعلِ ماضی دعائیہ ہے، کہ اللہ کرے تو باقی اور سلامت رہے؛ بَقَاءَ الدَّهْرِ، زمانے کے باقی رہنے کی طرح، یعنی جب تک زمانہ اور دنیا باقی ہے تو بھی سلامت اور باقی رہے! يَا كَهْفَ أَهْلِهِ، اے زمانے والوں کی پناہ گاہ! كَهْفٌ اصل میں تو پہاڑ کے اندر کھلے اور کشادہ غار کو کہتے ہیں (جیسے سورۂ کہف میں اصحابِ کہف کا غار ہے جہاں لوگ دھوپ، بارش اور دشمن سے پناہ لیتے تھے)، پھر استعارے کے طور پر ہر پناہ گاہ اور ملجا و ماویٰ کو کہف کہنے لگے، اور أَهْلِهِ کی ضمیر الدَّهْرِ کی طرف راجع ہے، کہ اے زمانے بھر کے لوگوں کی پناہ گاہ اور سہارا بننے والے ممدوح! جب تک زمانہ باقی ہے تو بھی سلامت اور باقی رہے!

وَهَذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلُ، اور میری یہ دعا (کہ تیری عمر دراز ہو اور تو باقی رہے) بظاہر تو تیرے ایک اکیلے شخص کے لیے ہے، لیکن حقیقت میں یہ دعا ساری مخلوق کو شامل ہے! الْبَرِيَّةُ کہتے ہیں تمام مخلوق کو (بَرَأَ اللَّهُ الْخَلْقَ سے ہے)۔ کیوں بھئی؟ ایک شخص کے لیے عمر درازی کی دعا ساری مخلوق کے لیے دعا کیسے بن گئی؟ اس لیے کہ تو ساری مخلوق کی پناہ گاہ ہے، غریبوں، محتاجوں اور مظلوموں کا سہارا ہے، اگر تو سلامت رہے گا تو تیرے فیض اور تیری سخاوت سے ساری مخلوق کو راحت اور نفع پہنچتا رہے گا، تو تیری بقا کی دعا دراصل پوری مخلوق کی بھلائی کی دعا ہے!

اور دیکھیے عام عادت یہ ہے کہ دعا کلام کے آخر میں کی جاتی ہے، تو جب شاعر نے قصیدے کے آخر میں یہ دعا دی اور کہا وَهَذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلُ، تو سننے والے کو خود بخود اشعار اور خبر ہو گئی کہ قصیدہ ختم ہو چکا ہے، اس لیے یہ بَرَاعَةُ الْمَقْطَعِ کی مثال ہے۔

اور یہاں ایک اور بڑا لطیف نکتہ بھی محسوس کیجیے بھئی! اس کتاب دروس البلاغہ کے مصنفین (علامہ حفنی ناصف، شیخ محمد دیاب، شیخ سلطان محمد اور شیخ مصطفی طموم رحمہم اللہ) نے اپنی اس کتاب کو بھی اسی شعر پر ختم کر کے خود اپنی کتاب میں بھی بَرَاعَةُ الْمَقْطَعِ کی صنعت برت کر دکھا دی! کہ کتاب کا آخری شعر بھی ایسا لائے جو کتاب کے ختم ہونے کی خبر دے رہا ہے، اور ساتھ ہی گویا اس شعر کے ذریعے اپنی اس مبارک کتاب «دروس البلاغہ» کو بھی دعا دے گئے کہ اے کتاب! تو بھی زمانے کے باقی رہنے تک باقی رہے اور طلبائے علم و علمائے دین کی پناہ گاہ بنی رہے!

اور واقعہ یہ ہے بھئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مصنفین کے اخلاص کی برکت سے اس کتاب کو وہ مقبولیت اور بقاعطا فرمائی ہے کہ یہ کتاب حجم کے اعتبار سے اگرچہ مختصر ہے، لیکن علمِ بلاغت کی بڑی بڑی امہات الکتب یعنی مفتاح العلوم سکاکی، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور مطول کا پورا خلاصہ اور نچوڑ انتہائی صاف، سلیس اور دلنشین انداز میں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس کے ذریعے طالبِ علم قرآنِ کریم کے اعجاز اور فصاحت وبلاغت کے رموز تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ چلیے بھئی بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

■ تکمیلِ کتاب پر سنت کے مطابق اختتامی دعائے خیر وبرکت

اچھا چلیے بھئی، الحمدللہ کتاب تو ہماری آج مکمل ہوگئی۔ آیئے بھئی اب آخر میں دعا کرلیں بھئی۔

دعا مانگنے کا سنت طریقہ اور ادب بھی یاد رکھیے بھئی کہ جب بھی دعا مانگیں تو سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا سے آغاز کریں، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں، پھر اپنی اور پوری امت کی حاجات اللہ جل شانہ کے حضور عاجزی اور الحاح کے ساتھ پیش کریں، اور آخر میں پھر درود شریف پڑھ کر آمین کہیں، کیونکہ درود شریف ایسی مقبول دعا ہے جو رد نہیں ہوتی، اور جب اول وآخر کی دعا مقبول ہو تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ دونوں درودوں کے درمیان والی دعا کو رد فرمائے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، نَبِيِّنَا وَحَبِيبِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

اے اللہ! اے ارحم الراحمین! اے اکرم الاکرمین! اے ذوالجلال والاکرام! اے آسمانوں اور زمینوں کے خالق ومالک! ہم تیرے عاجز، مسکین، محتاج اور گنہگار بندے تیرے دربارِ عالی میں اپنے گناہوں کا بوجھ لیے ہوئے اور تیری رحمت کی امید لگائے ہوئے ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہیں۔ اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے ہماری اس مختصر سی محنت کو اور اس کتاب دروس البلاغہ کے پڑھنے اور پڑھانے کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما۔

اے اللہ! اس کتاب کے پڑھنے اور پڑھانے کے دوران ہم سے جو کوتاہیاں، لغزشیں، تقصیرات اور خطائیں سرزد ہوئیں، اے اللہ! اپنی رحمتِ کاملہ سے ان سب کو معاف فرما اور درگزر فرما۔

اے اللہ! اس کتاب کے مصنفین، شارحین، طابعین، اور ہمارے تمام اساتذۂ کرام اور مشائخِ عظام، خصوصاً ہمارے والدِ ماجد حضرت شیخ رحمہ اللہ اور جن جن بزرگوں اور اساتذہ سے ہمیں علمِ دین کا ایک حرف بھی پہنچا ہے، اے اللہ! ان سب کی قبروں کو اپنے نور سے بھر دے، ان کی قبروں کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے، ان کے درجات کو علیین میں بلند سے بلند تر فرما، اور ہماری طرف سے ان سب کو بہترین جزائے خیر عطا فرما۔

اے اللہ! ہمیں علمِ نافع، عملِ صالح، رزقِ حلالِ وسیع، قلبِ سلیم اور اخلاص وتقویٰ کی دولت نصیب فرما۔ اے اللہ! ہم تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتے ہیں جو نفع نہ دے، اور ایسے دل سے پناہ مانگتے ہیں جو تجھ سے نہ ڈرے، اور ایسے نفس سے پناہ مانگتے ہیں جو سیر نہ ہو، اور ایسی دعا سے پناہ مانگتے ہیں جو قبول نہ ہو۔ اے اللہ! جو علم ہم نے حاصل کیا ہے اس پر ہمیں اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، اور اس علمِ بلاغت کو ہمارے لیے اپنے کلامِ پاک قرآنِ مجید کی حلاوت، فصاحت، بلاغت اور اعجاز کو سمجھنے کا ذریعہ بنا، اور اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کے اسرار ورموز اور معانی وحِکَم کو سمجھنے کا وسیلہ بنا۔

اے اللہ! ہمیں تکبر، عجب، خود پسندی، ریاکاری، نمود ونمائش، حسد، بغض، کینہ، غیبت اور تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک وصاف فرما، اور تواضع، عاجزی، انکساری، اخلاص، للّٰہیت، تقویٰ، طہارت اور تمام اخلاقِ حمیدہ سے ہمارے قلوب کو آراستہ اور منور فرما۔

اے اللہ! ان تمام طلبائے عزیز کو جو دور ونزدیک سے اپنا گھربار، اپنے والدین اور اپنی راحتیں چھوڑ کر تیرے دین کے علم کے حصول کے لیے اس چمنِ نبوت میں آئے ہیں، اے اللہ! ان کی اس قربانی اور محنت کو قبول فرما، ان کے سینوں کو علمِ نبوت کے لیے کھول دے، ان کے حافظے، فہم، ذکاوت اور استعداد میں برکت عطا فرما، ان کی تمام ظاہری اور باطنی مشکلات اور پریشانیوں کو دور فرما، اور انہیں اپنے دینِ متین کا سچا خادم، مخلص عالم، مقبول مدرس اور باعمل داعی بنا۔

اے اللہ! ان طلبہ کے والدین، سرپرستوں اور معاونین کو بھی دونوں جہاں کی برکتیں اور سعادتیں نصیب فرما، اور ان طلبہ کو ان کے والدین اور اساتذہ کے لیے صدقۂ جاریہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

اے اللہ! ہمارے اس جامعہ کو اور روئے زمین کے تمام دینی مدارس، مکاتب، جامعات اور مراکزِ اسلامیہ کو اپنی حفظ وامان میں رکھ، حاسدین کے حسد، دشمنوں کے مکر وفریب اور شریروں کے شر سے محفوظ ومامون فرما، ان کے معاونین اور محسنین کے اموال اور کاروبار میں برکت عطا فرما، اور ان دینی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرما۔

اے اللہ! ہمارے والدین، اہل و عیال، اولاد، بھائی بہنوں، اعزہ و اقارب، متعلقین، محبین اور جن جن حضرات نے دعاؤں کی درخواست کی ہے، ان سب کی جائز حاجات اور نیک مرادوں کو پورا فرما، بیماروں کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرما، قرض داروں کے قرضے اپنے غیبی خزانوں سے ادا ہونے کے اسباب پیدا فرما، بے اولادوں کو نیک اور صالح اولاد عطا فرما، اور تمام پریشان حالوں کی پریشانیوں کو دور فرما۔

اے اللہ! پوری امتِ مسلمہ کی مغفرت فرما، جہاں جہاں مسلمان مظلوم، مقہور اور پریشان ہیں ان کی غیب سے نصرت اور مدد فرما، حرمین شریفین اور بیت المقدس کی حفاظت فرما، ہمارے ملک و ملت کی حفاظت فرما اور امن و امان، عدل و انصاف اور خیر و برکت کا دور دورہ فرما۔

اے اللہ! جب تک ہمیں زندہ رکھ ایمان اور اسلام اور سنتِ نبویہ پر کامل استقامت اور عافیت کے ساتھ زندہ رکھ، اور جب دنیا سے اٹھانے کا وقت آئے تو کلمۂ طیبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ پڑھتے ہوئے ایمانِ کامل پر ہمارا خاتمہ بالخیر نصیب فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، آمِينَ۔

چلیے بھئی، مبارک ہو بھئی آپ سب حضرات کو بھی کتاب ختم ہونے پر۔

تفصیلی فہرستِ مضامین و عناوین

(مکمل کتاب کے فنون، ابواب، ۸۸ اسباق اور ذیلی سرخیاں مع صفحات)

۱ سبق نمبر ۱: افتتاحِ درس: مسنون دعائیں اور متنِ دروس البلاغہ کی ابتدائی تلاوت برائے برکت ۲

۱.۱ ابتدائی مسنون دعائیں اور خطبہ ۲

۱.۲ متنِ دروس البلاغہ کی ابتدائی تلاوت برائے برکت ۳

۲ سبق نمبر ۲: تعارفِ کتاب و مصنفین اور اعجازِ قرآن کے متعلق علمائے امت کے پانچ اقوال ۴

۲.۱ کتاب «دروس البلاغہ» اور اس کے مصنفین کا تعارف ۴

۲.۲ اعجازِ قرآن کے متعلق علمائے کرام کے اقوال کا بیان ۴

۲.۳ قولِ اول و ثانی: ذکرِ مغیبات اور اسلوبِ بیان کا اعجاز ۴

۲.۴ قولِ ثالث، رابع و خامس: تاثیر، عدمِ خَلَق اور عجائباتِ قرآن ۴

۳ سبق نمبر ۳: فصاحت و بلاغتِ قرآن کا اعجاز، عربوں کے سبعہ معلقات اور قرآنی بلاغت کی مثالیں ۶

۳.۱ قولِ سادس: فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اعجازِ قرآن ۶

۳.۲ عربوں کی فصاحت و بلاغت اور سبعہ معلقات کا تذکرہ ۶

۳.۳ قرآنی لطائف کے فہم میں علمِ بلاغت کی اہمیت اور تین علوم میں انحصار ۷

مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ (فصاحتِ کلمہ، فصاحتِ کلام، فصاحتِ متکلم، بلاغتِ کلام (مطابقتِ مقتضائے حال) اور بلاغتِ متکلم کا بیان (اسباق ۴ تا ۱۶)) ۹

۴ سبق نمبر ۴: مقدمۃ الکتاب: ترتیبِ کتاب کی وجہِ حصر اور علومِ بلاغت ثلاثہ (معانی، بیان، بدیع) کا تعارف ۱۰

۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۰

۴.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۱۰

۴.۳ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۱۱

۴.۴ قولہ: «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ...» کی تشریح ۱۳

۵ سبق نمبر ۵: فصاحت کا لغوی و اصطلاحی معنی اور کلمہ، کلام و متکلم کی فصاحت کی تقسیم ۱۴

۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۴

۵.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۱۴
۵.۳ قولہ: «اَلْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ» کی تشریح ۱۵
۵.۴ قولہ: «وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ...» کی تشریح ۱۵
۵.۵ قولہ: «وَتَقَعُ فِي الِاصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ...» کی تشریح ۱۶
۵.۶ قولہ: «فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ...» کی تشریح ۱۷
۵.۷ قولہ: «فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ» کی تشریح ۱۸
۵.۸ قولہ: «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ...» کی تشریح ۱۹

۶ سبق نمبر۶: فصاحتِ کلمہ کی شرائط: تنافرِ حروف اور مخالفتِ قیاس کی تعریف وامثلہ ۲۰
۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۰
۶.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۰
۶.۳ قولہ: «نَحْوُ الظَّشِّ لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ» کی تشریح ۲۱
۶.۴ قولہ: «وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ...» کی تشریح ۲۲
۶.۵ قولہ: «وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ...» کی تشریح ۲۳
۶.۶ قولہ: «فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ» کی تشریح ۲۳

۷ سبق نمبر۷: غرابتِ کلمہ کی اقسام، فصاحتِ کلام کی تعریف اور تنافرِ کلمات کی مثالیں ۲۵
۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۵
۷.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۵
۷.۳ قولہ: «مَا لَكُمْ» کی تشریح ۲۶
۷.۴ قولہ: «مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ» کی تشریح ۲۸
۷.۵ قولہ: «وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ» کی تشریح ۲۹
۷.۶ قولہ: «حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ» کی تشریح ۳۰

۸ سبق نمبر۸: تنافرِ کلمات کے شواہد، ضعفِ تالیف کی تعریف اور مرجعِ ضمیر کے مقدم ہونے کی اقسام ۳۱
۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۱
۸.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۱
۸.۳ قولہ: «حَرْبُ بْنُ أُمَيَّةَ» کی تشریح ۳۲
۸.۴ قولہ: «كَرِيمٌ مَتَى أَمْدَحْهُ أَمْدَحْهُ وَالْوَرَى...» کی تشریح ۳۳
۸.۵ قولہ: «وَضَعْفُ التَّأْلِيفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ...» کی تشریح ۳۳
۸.۶ قولہ: «لَفْظًا حَقِيقَةً۔ لَفْظًا حَقِيقَةً» کی تشریح ۳۴
۸.۷ قولہ: «وَلِأَبَوَيْهِ۔ أَبَوَيْهِ» کی تشریح ۳۵

۹ سبق نمبر۹: ضمیرِ شان وقصہ، اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً اور قصۂ سنمار وخورنق ۳۷
۹.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۷

۹.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۷
۹.۳ قولہ: «لَفْظًا حَقِيقَةً» کی تشریح ۳۸
۹.۴ قولہ: «إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۳۸
۹.۵ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۳۹
۹.۶ قولہ: «لَفْظًا حَقِيقَةً» کی تشریح ۴۰
۹.۷ قولہ: «جَزَاهُ جَزَاءَ سِنِمَّارٍ» کی تشریح ۴۲

۱۰ سبق نمبر ۱۰: تعقید کی تعریف، معنیٰ لغوی ومرادی کا فرق اور تعقیدِ لفظی کی تحقیق ومثال ۴۳
۱۰.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۳
۱۰.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۳
۱۰.۳ قولہ: «وَالتَّعْقِيدُ أَنْ يَكُونَ الْكَلَامُ خَفِيَّ...» کی تشریح ۴۵
۱۰.۴ قولہ: «وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا» کی تشریح ۴۶
۱۰.۵ قولہ: «جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ...» کی تشریح ۴۷

۱۱ سبق نمبر ۱۱: تعقیدِ معنوی کی تعریف اور مجاز وکنایہ کا بنیادی فرق وشرائط ۴۸
۱۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۸
۱۱.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۴۸
۱۱.۳ قولہ: «وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى بِسَبَبِ...» کی تشریح ۵۰
۱۱.۴ قولہ: «وَيُسَمَّى تَعْقِيدًا مَعْنَوِيًّا» کی تشریح ۵۲

۱۲ سبق نمبر ۱۲: تعقیدِ معنوی کے شواہد اور کنایہ میں وسائط کے خفا کی تفصیلی تحلیل ۵۳
۱۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۳
۱۲.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۳
۱۲.۳ قولہ: «وَقَوْلِهِ سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ...» کی تشریح ۵۴
۱۲.۴ قولہ: «سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ» کی تشریح ۵۵
۱۲.۵ قولہ: «حَيْثُ كَنَى بِالْجُمُودِ عَنِ السُّرُورِ» کی تشریح ۵۸

۱۳ سبق نمبر ۱۳: فصاحتِ متکلم کی تعریف (ملکہ اور کیفیت کا فرق) اور بلاغت کا لغوی واصطلاحی معنی ۵۹
۱۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۹
۱۳.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۹
۱۳.۳ قولہ: «وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ» کی تشریح ۶۰
۱۳.۴ قولہ: «وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ» کی تشریح ۶۱

۱۴ سبق نمبر ۱۴: بلاغتِ کلام کی تعریف: مطابقتِ مقتضائے حال، حال (مقام) اور مقتضیٰ (اعتبارِ مناسب) کی تحقیق ۶۳
۱۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۳

۱۴.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۶۳
۱۴.۳ قولہ: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» کی تشریح ۶۶
۱۴.۴ قولہ: «فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى...» کی تشریح ۶۶
۱۴.۵ قولہ: «قَامَ زَيْدٌ» کی تشریح ۶۷

۱۵ سبق نمبر ۱۵: نفسِ بلاغت اور کمالِ بلاغت کے مراتب اور بلاغتِ متکلم کی تعریف ۶۹
۱۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۹
۱۵.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۶۹
۱۵.۳ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح ۷۰
۱۵.۴ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۷۲

۱۶ سبق نمبر ۱۶: اعجازِ قرآن کے مراتب اور عیوبِ فصاحت وبلاغت کو پہچاننے کے چھ معیارات ۷۳
۱۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۳
۱۶.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۷۳
۱۶.۳ قولہ: «وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ...» کی تشریح ۷۴
۱۶.۴ قولہ: «وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ» کی تشریح ۷۵

اَلْفَنُّ الْأَوَّلُ: عِلْمُ الْمَعَانِي — اَلْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الْخَبَرِ وَالْإِنْشَاءِ (علمِ معانی کی تعریف وانحصار، مسند الیہ ومسند، جملہ فعلیہ واسمیہ، اضربِ خبر اور انشائے طلبی کی پانچ اقسام (اسباق ۱۷ تا ۳۴)) ۷۷

۱۷ سبق نمبر ۱۷: الفن الأول (علم المعاني): علمِ معانی کی تعریف، موضوع اور آٹھ ابواب وخاتمہ میں انحصار کی دلیل ۷۸
۱۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۸
۱۷.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۷۸
۱۷.۳ قولہ: «عِلْمُ الْمَعَانِي هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ...» کی تشریح ۷۹
۱۷.۴ قولہ: «فَإِنَّ مَا قَبْلَ أَمْ صُورَةٌ مِنَ الْكَلَامِ...» کی تشریح ۸۰
۱۷.۵ قولہ: «وَيَنْحَصِرُ الْكَلَامُ عَلَى هَذَا الْعِلْمِ...» کی تشریح ۸۲

۱۸ سبق نمبر ۱۸: الباب الأول في الخبر والإنشاء: کلام کا خبر وانشاء میں انحصار اور صدق وکذبِ خبر کی تحقیق ۸۳
۱۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۸۳
۱۸.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۸۳
۱۸.۳ قولہ: «لَا تَضْرِبْ زَيْدًا» کی تشریح ۸۴
۱۸.۴ قولہ: «كُلُّ كَلَامٍ فَهُوَ إِمَّا خَبَرٌ أَوْ...» کی تشریح ۸۵
۱۸.۵ قولہ: «وَالْخَبَرُ مَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ...» کی تشریح ۸۶
۱۸.۶ قولہ: «فَجُمْلَةُ عَلِيٌّ مُقِيمٌ» کی تشریح ۸۸

۱۹ سبق نمبر ۱۹: نسبتِ کلامیہ، ذہنیہ وخارجیہ کا فرق اور جملے کے دو ارکان: مسند الیہ اور مسند ۸۹
۱۹.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۸۹
۱۹.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۸۹
۱۹.۳ قولہ: «مَحْكُومٌ عَلَيْهِ» کی تشریح ۹۰
۱۹.۴ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح ۹۱
۱۹.۵ قولہ: «زَيْدٌ عَالِمٌ» کی تشریح ۹۱
۱۹.۶ قولہ: «فِي الدَّارِ رَجُلٌ» کی تشریح ۹۳

۲۰ سبق نمبر ۲۰: مسند الیہ اور مسند کے مواقع اور جملہ فعلیہ واسمیہ کی عملی نحوی ترکیب کے ضوابط ۹۴
۲۰.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۹۴
۲۰.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۹۴
۲۰.۳ قولہ: «ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ، ضَرَبَتَا،...» کی تشریح ۹۵
۲۰.۴ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح ۹۷
۲۰.۵ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۹۸
۲۰.۶ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ» کی تشریح ۹۹

۲۱ سبق نمبر ۲۱: مبتدائے مکتفی بمرفوعہ (صفت بعد از نفی واستفہام) کی شرائط، تراکیب اور متعلقاتِ فعل ۱۰۱
۲۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۰۱
۲۱.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۱۰۱
۲۱.۳ قولہ: «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ. ضَرَبَا» کی تشریح ۱۰۲
۲۱.۴ قولہ: «قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ» کی تشریح ۱۰۳
۲۱.۵ قولہ: «أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ» کی تشریح ۱۰۵
۲۱.۶ قولہ: «وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفِي بِمَرْفُوعِهِ» کی تشریح ۱۰۶

۲۲ سبق نمبر ۲۲: الکلام علی الخبر: جملہ فعلیہ کا افادۂ حدوث وتجدد اور استمرارِ تجددی کی تحقیق ۱۰۸
۲۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۰۸
۲۲.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۰۸
۲۲.۳ قولہ: «الْقَرِينَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُ» کی تشریح ۱۰۹
۲۲.۴ قولہ: «الْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جُمْلَةً...» کی تشریح ۱۱۰
۲۲.۵ قولہ: «صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کی تشریح ۱۱۲

۲۳ سبق نمبر ۲۳: استمرارِ تجددی کے شواہد اور جملہ اسمیہ کا افادۂ ثبوت واستمرارِ ثبوتی ۱۱۳
۲۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۱۳
۲۳.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۱۱۳

۲۳.۳ قولہ: «بَنُو تَمِيم» کی تشریح ۱۱۴
۲۳.۴ قولہ: «أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بَعَثُوا...» کی تشریح ۱۱۵
۲۳.۵ قولہ: «الْعِلْمُ نَافِعٌ» کی تشریح ۱۱۶

۲۴ سبق نمبر ۲۴: اغراضِ خبر: فائدۂ خبر اور لازمِ فائدۂ خبر اور ان کے علاوہ مجازی اغراض (استرحام، تحسر، فخر) ۱۱۸
۲۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۱۸
۲۴.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۱۸
۲۴.۳ قولہ: «فَائِدَةُ الْخَبَرِ» کی تشریح ۱۱۹
۲۴.۴ قولہ: «وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ أَنْ يُلْقَى...» کی تشریح ۱۲۱
۲۴.۵ قولہ: «وَإِظْهَارِ الضَّعْفِ فِي قَوْلِ زَكَرِيَّا...» کی تشریح ۱۲۲
۲۴.۶ قولہ: «وَإِظْهَارِ السُّرُورِ فِي قَوْلِكَ» کی تشریح ۱۲۳

۲۵ سبق نمبر ۲۵: اضربِ خبر (ابتدائی، طلبی، انکاری) اور ادواتِ تاکیدِ خبر کا مفصل بیان ۱۲۵
۲۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۲۵
۲۵.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۲۵
۲۵.۳ قولہ: «فَائِدَةُ الْخَبَرِ» کی تشریح ۱۲۶
۲۵.۴ قولہ: «فَإِنْ كَانَ الْمُخَاطَبُ خَالِيَ الذِّهْنِ مِنَ...» کی تشریح ۱۲۸
۲۵.۵ قولہ: «فَالْخَبَرُ بِالنِّسْبَةِ لِخُلُوِّهِ مِنَ...» کی تشریح ۱۲۹
۲۵.۶ قولہ: «وَلَامِ الِابْتِدَاءِ» کی تشریح ۱۳۰

۲۶ سبق نمبر ۲۶: الکلام علی الإنشاء: انشائے طلبی وغیر طلبی اور امر کے چار صیغے ومعانی مجاز (دعا، التماس) ۱۳۲
۲۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۳۲
۲۶.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۳۲
۲۶.۳ قولہ: «أَمَّا الْأَمْرُ فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ» کی تشریح ۱۳۳
۲۶.۴ قولہ: «سَعْياً فِي الْخَيْرِ» کی تشریح ۱۳۴
۲۶.۵ قولہ: «وَقَدْ تَخْرُجُ صِيَغُ الْأَمْرِ» کی تشریح ۱۳۵

۲۷ سبق نمبر ۲۷: صیغۂ امر کے مجازی معانی: تمنی، ارشاد، تہدید، تعجیز، اہانت، تسویہ اور قصۂ جنگِ بسوس ۱۳۷
۲۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۳۷
۲۷.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۱۳۷
۲۷.۳ قولہ: «وَالتَّمَنِّي نَحْوُ: أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ...» کی تشریح ۱۳۸
۲۷.۴ قولہ: «امْرُؤُ الْقَيْسِ» کی تشریح ۱۳۹
۲۷.۵ قولہ: «نَحْوُ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ» کی تشریح ۱۴۱
۲۷.۶ قولہ: «مُهَلْهِلُ بْنُ رَبِيعَةَ» کی تشریح ۱۴۲

۲۷.۷ قولہ: «نَحْوُ فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا» کی تشریح ۱۴۴

۲۸ سبق نمبر ۲۸: بحثِ نہی: نہی کی تعریف، صیغہ اور مجازی معانی، اور استفہام (طلبِ تصور و تصدیق اور ہمزہ کا استعمال) ۱۴۵
۲۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۴۵
۲۸.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۴۵
۲۸.۳ قولہ: «فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ» کی تشریح ۱۴۶
۲۸.۴ قولہ: «أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا...» کی تشریح ۱۴۷
۲۸.۵ قولہ: «فَالْهَمْزَةُ لِطَلَبِ التَّصَوُّرِ أَوِ...» کی تشریح ۱۴۸
۲۸.۶ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۱۴۹
۲۸.۷ قولہ: «وَالتَّصْدِيقُ هُوَ إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ» کی تشریح ۱۵۰

۲۹ سبق نمبر ۲۹: ہمزۂ استفہام کے احکام، تصور و تصدیق کی منطقی وبلاغی تحقیق اور «أَمْ» متصلہ ومنقطعہ کا فرق ۱۵۲
۲۹.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۵۲
۲۹.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۵۲
۲۹.۳ قولہ: «أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ» کی تشریح ۱۵۳
۲۹.۴ قولہ: «أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ» کی تشریح ۱۵۵
۲۹.۵ قولہ: «أَإِيَّايَ تَقْصِدُ أَمْ خَالِداً» کی تشریح ۱۵۶
۲۹.۶ قولہ: «فَإِنْ جَاءَتْ أَمْ بَعْدَهَا قُدِّرَتْ...» کی تشریح ۱۵۷

۳۰ سبق نمبر ۳۰: لفظِ «هَلْ» کا طلبِ تصدیق کے ساتھ اختصاص، اس کی شرائط اور لفظِ «مَا» استفہامیہ کے استعمالات ۱۵۹
۳۰.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۵۹
۳۰.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۵۹
۳۰.۳ قولہ: «وَهَلْ لِطَلَبِ التَّصْدِيقِ فَقَطْ» کی تشریح ۱۶۱
۳۰.۴ قولہ: «هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ» کی تشریح ۱۶۲
۳۰.۵ قولہ: «وَمَا يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الِاسْمِ» کی تشریح ۱۶۳

۳۱ سبق نمبر ۳۱: بقیہ ادواتِ استفہام: «مَنْ»، «مَتَى»، «أَيَّانَ»، «كَيْفَ»، «أَيْنَ»، «أَنَّى»، «كَمْ» اور «أَيّ» کی تفصیل ۱۶۶
۳۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۶۶
۳۱.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۶۶
۳۱.۳ قولہ: «مَنْ فَتَحَ مِصْرَ» کی تشریح ۱۶۷
۳۱.۴ قولہ: «أَنَّى تَكُونُ بِمَعْنَى كَيْفَ» کی تشریح ۱۶۸
۳۱.۵ قولہ: «صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کی تشریح ۱۶۹
۳۱.۶ قولہ: «وَيُسْأَلُ بِهَا عَنِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ...» کی تشریح ۱۷۰

۳۲ سبق نمبر ۳۲: کلماتِ استفہام کے مجازی معانی: تسویہ، نفی، انکار، امر، نہی، تشویق، تعظیم اور تحقیر ۱۷۱
۳۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۷۱
۳۲.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۷۱
۳۲.۳ قولہ: «هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ» کی تشریح ۱۷۲
۳۲.۴ قولہ: «هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَ» کی تشریح ۱۷۳
۳۲.۵ قولہ: «نَحْوُ مَا لِهٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ...» کی تشریح ۱۷۴

۳۳ سبق نمبر ۳۳: بحثِ تمنی: تمنی اور ترجی کے تین فروق، «لَيْتَ» اور تمنی کے مجازی ادوات («هَلْ»، «لَوْ»، «لَعَلَّ») ۱۷۶
۳۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۷۶
۳۳.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۷۶
۳۳.۳ قولہ: «لِكَوْنِهِ مُسْت» کی تشریح ۱۷۷
۳۳.۴ قولہ: «لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا» کی تشریح ۱۷۸
۳۳.۵ قولہ: «وَلِلتَّمَنِّي أَرْبَعُ أَدَوَاتٍ» کی تشریح ۱۷۹
۳۳.۶ قولہ: «فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّة» کی تشریح ۱۸۱
۳۳.۷ قولہ: «عَبْدُ اللهِ» کی تشریح ۱۸۲

۳۴ سبق نمبر ۳۴: بحثِ نداء: حروفِ نداء کے قریب وبعید میں استعمالات اور نداء کے مجازی معانی ۱۸۴
۳۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۸۴
۳۴.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۸۴
۳۴.۳ قولہ: «وَقَدْ يُنَزَّلُ الْبَعِيدُ مَنْزِلَةَ...» کی تشریح ۱۸۵
۳۴.۴ قولہ: «إِشَارَةً إِلَى أَنَّ الْمُنَادَى عَظِيمُ...» کی تشریح ۱۸۶
۳۴.۵ قولہ: «وَقَدْ تَخْرُجُ أَلْفَاظُ النِّدَاءِ عَنْ...» کی تشریح ۱۸۸
۳۴.۶ قولہ: «وَالتَّحَيُّرِ وَالتَّضَجُّرِ نَحْوُ أَيَا...» کی تشریح ۱۸۹
۳۴.۷ قولہ: «وَأَنْوَاعُ الْإِنْشَاءِ غَيْرِ الطَّلَبِيِّ...» کی تشریح ۱۹۱

اَلْبَابُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ وَالرَّابِعُ: اَلذِّكْرُ وَالْحَذْفُ، اَلتَّقْدِيمُ وَالتَّأْخِيرُ، وَالتَّعْرِيفُ وَالتَّنْكِيرُ
(مسند الیہ ومسند کے ذکر وحذف، تقدیم وتاخیر اور معرفہ کی چھ اقسام وتنکیر کے بلاغی نکات (اسباق ۳۵ تا ۴۸)) ۱۹۲

۳۵ سبق نمبر ۳۵: الباب الثاني في الذكر والحذف: ذکر وحذف کے دو بنیادی اصول اور دواعیِ ذکر (زیادتِ تقریر وایضاح) ۱۹۳
۳۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۹۳
۳۵.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۱۹۳
۳۵.۳ قولہ: «الْبَابُ الثَّانِي فِي الذِّكْرِ وَالْحَذْفِ» کی تشریح ۱۹۶
۳۵.۴ قولہ: «أُولٰئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ» کی تشریح ۱۹۷

۳۶ سبق نمبر ۳۶: دواعیِ ذکر (قلتِ ثقت بالقرینہ، تعریض بغباوتِ سامع، تعظیم، اہانت، تلذذ) اور دواعیِ حذف کا آغاز ۱۹۹
۳۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۹۹
۳۶.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۱۹۹
۳۶.۳ قولہ: «زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيقُ، تَقُولُ ذٰلِكَ» کی تشریح ۲۰۰
۳۶.۴ قولہ: «كَمَا إِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِشَاهِدٍ» کی تشریح ۲۰۱
۳۶.۵ قولہ: «وَمِنْ دَوَاعِي الْحَذْفِ» کی تشریح ۲۰۳

۳۷ سبق نمبر ۳۷: دواعیِ حذف: اخفاء، تاتیِ انکار، تنبیہ علی تعیین المحذوف، اختبارِ تنبہ اور ضیقِ مقام ۲۰۵
۳۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۰۵
۳۷.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۰۵
۳۷.۳ قولہ: «وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ أَوْ مِقْدَارِ...» کی تشریح ۲۰۶
۳۷.۴ قولہ: «أَنَا عَلِيلٌ» کی تشریح ۲۰۷
۳۷.۵ قولہ: «قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوا أَخْفَوْا حَدِيثَهُمْ» کی تشریح ۲۰۸

۳۸ سبق نمبر ۳۸: دواعیِ حذف کی تکمیل: تعمیم، رعایتِ ادب، محافظتِ وزن و سجع، اور حذفِ فعل و مفعول بہ کے مواقع ۲۱۰
۳۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۱۰
۳۸.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۱۰
۳۸.۳ قولہ: «وَالتَّعْمِيمُ بِاخْتِصَارٍ» کی تشریح ۲۱۱
۳۸.۴ قولہ: «فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّؤْدَدِ مِثْلًا» کی تشریح ۲۱۳
۳۸.۵ قولہ: «وَتَنْزِيلُ الْمُتَعَدِّي مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ» کی تشریح ۲۱۵
۳۸.۶ قولہ: «حُذِفَ الْفَاعِلُ» کی تشریح ۲۱۷

۳۹ سبق نمبر ۳۹: الباب الثالث في التقديم والتأخير: دواعیِ تقدیم (تشویق، تعجیلِ مسرت و مساءت، انکار و تعجب، سلوکِ سبیلِ ترقی) ۲۱۸
۳۹.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۱۸
۳۹.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۱۸
۳۹.۳ قولہ: «وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا فِي نَفْسِهِ أَوْلَى...» کی تشریح ۲۱۹
۳۹.۴ قولہ: «وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيهِ» کی تشریح ۲۲۰
۳۹.۵ قولہ: «السَّفَّاحُ فِي دَارِ صَدِيقِكَ. سَفَّاحٌ» کی تشریح ۲۲۲
۳۹.۶ قولہ: «وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ...» کی تشریح ۲۲۳
۳۹.۷ قولہ: «وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ...» کی تشریح ۲۲۴
۳۹.۸ قولہ: «وَسُلُوكُ سَبِيلِ التَّرَقِّي» کی تشریح ۲۲۵

۴۰ سبق نمبر ۴۰: دواعیِ تقدیم کی تکمیل: عمومِ سلب اور سلبِ عموم کا فرق، تقویۃ الحکم، تخصیص اور محافظتِ وزن و سجع ۲۲۷
۴۰.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۲۷

۴۰.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۲۷
۴۰.۳ قولہ: «كُلٌّ جَمِيعٌ» کی تشریح ۲۲۸
۴۰.۴ قولہ: «وَالنَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ...» کی تشریح ۲۲۹
۴۰.۵ قولہ: «عُمُومُ السَّلْبِ» کی تشریح ۲۳۰
۴۰.۶ قولہ: «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» کی تشریح ۲۳۲
۴۰.۷ قولہ: «وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ أَوْ سَجْعٍ» کی تشریح ۲۳۳

۴۱ سبق نمبر ۴۱: الباب الرابع في التعريف والتنكير: مقامِ تعریف وتنکیر اور معرفہ کی چھ اقسام میں ضمیر کے بلاغی نکات ۲۳۵
۴۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۳۵
۴۱.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۳۵
۴۱.۳ قولہ: «إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيمِ...» کی تشریح ۲۳۶
۴۱.۴ قولہ: «أَمَّا الضَّمِيرُ» کی تشریح ۲۳۷
۴۱.۵ قولہ: «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا» کی تشریح ۲۳۸
۴۱.۶ قولہ: «أَنْ يَكُونَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ» کی تشریح ۲۳۹
۴۱.۷ قولہ: «اَللَّئِيمُ مَنْ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ...» کی تشریح ۲۴۰

۴۲ سبق نمبر ۴۲: خطاب بغیر معین کا نکتہ اور مسند الیہ کو عَلَم کی صورت میں لانے کی اغراض (تبرک، تلذذ، تعظیم، اہانت، تفاؤل) ۲۴۲
۴۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۴۲
۴۲.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۴۲
۴۲.۳ قولہ: «وَأَمَّا الْعَلَمُ فَيُؤْتَى بِهِ لِإِحْضَارِ...» کی تشریح ۲۴۳
۴۲.۴ قولہ: «سَيْفُ الدَّوْلَةِ، سَيْفٌ» کی تشریح ۲۴۵
۴۲.۵ قولہ: «أَبُو لَهَبٍ» کی تشریح ۲۴۷
۴۲.۶ قولہ: «وَأَمَّا اسْمُ الْإِشَارَةِ» کی تشریح ۲۴۸

۴۳ سبق نمبر ۴۳: اسمِ اشارہ لانے کے بلاغی نکات: کمالِ تمیز، تعریض بغباوت، بیانِ حالِ قرب وبعد، تعظیم، تحقیر اور کمالِ عنایت ۲۵۰
۴۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۵۰
۴۳.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۵۰
۴۳.۳ قولہ: «فَيُؤْتَى بِهِ» کی تشریح ۲۵۱
۴۳.۴ قولہ: «وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقًا» کی تشریح ۲۵۲
۴۳.۵ متن وشواہد: «كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ» ۲۵۳
۴۳.۶ متن وشواہد: «هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ» ۲۵۴
۴۳.۷ متن وشواہد: «هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ» ۲۵۵
۴۳.۸ متن وشواہد: «هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ» ۲۵۶
۴۳.۹ قولہ: «وَالتَّعْظِيمِ نَحْوُ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ...» کی تشریح ۲۵۷

۴۳.۱۰ قولہ: «فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ۔ دَعَّ...» کی تشریح ۲۵۸

۴۴ سبق نمبر ۴۴: اسمِ موصول لانے کے بلاغی نکات: کراہتِ ذکرِ اسم، اخفاء، تنبیہ علی الخطا، تفخیم، تشویق اور ایماء الی وجہِ بناءِ خبر ۲۵۹
۴۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۵۹
۴۴.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۵۹
۴۴.۳ قولہ: «أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيقًا لِذَلِكَ» کی تشریح ۲۶۰
۴۴.۴ قولہ: «وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ» کی تشریح ۲۶۱
۴۴.۵ قولہ: «وَالتَّنْبِيهِ عَلَى الْخَطَإِ» کی تشریح ۲۶۲
۴۴.۶ متن وشواہد: «إِنَّ الَّذِينَ تُرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ» ۲۶۳
۴۴.۷ متن وشواہد: «إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا» ۲۶۴
۴۴.۸ متن وشواہد: «إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا» ۲۶۵
۴۴.۹ قولہ: «وَالتَّهْوِيلِ تَعْظِيمًا وَتَحْقِيرًا» کی تشریح ۲۶۶
۴۴.۱۰ قولہ: «مَنْ لَمْ يَدْرِ حَقِيقَةَ الْحَالِ قَالَ مَا...» کی تشریح ۲۶۷

۴۵ سبق نمبر ۴۵: معرف باللام (الف لام اسمی وحرفی کا فرق) اور الف لام جنسی، استغراقی اور عہدی کی اقسام ۲۶۹
۴۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۶۹
۴۵.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۶۹
۴۵.۳ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» کی تشریح ۲۷۰
۴۵.۴ قولہ: «الَّذِي يُضْرَبُ» کی تشریح ۲۷۱
۴۵.۵ قولہ: «الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، الرَّجُلُ...» کی تشریح ۲۷۲
۴۵.۶ قولہ: «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ» کی تشریح ۲۷۳
۴۵.۷ قولہ: «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ» کی تشریح ۲۷۴

۴۶ سبق نمبر ۴۶: الف لام عہدِ ذکری، عہدِ ذہنی وعہدِ حضوری کے شواہد اور نکرہ ومعرف باللام کے استغراق کے دو فروق ۲۷۷
۴۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۷۷
۴۶.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۷۷
۴۶.۳ قولہ: «وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ، مُحَلًّى» کی تشریح ۲۷۸
۴۶.۴ قولہ: «أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُودٍ مِنْ أَفْرَادِ...» کی تشریح ۲۷۹
۴۶.۵ قولہ: «وَعَهْدُهُ إِمَّا بِتَقَدُّمِ ذِكْرِهِ» کی تشریح ۲۸۰
۴۶.۶ قولہ: «وَقَدْ يُرَادُ بِأَلِ الْإِشَارَةُ إِلَى...» کی تشریح ۲۸۱
۴۶.۷ قولہ: «نَحْوُ وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ...» کی تشریح ۲۸۲
۴۶.۸ قولہ: «وَإِذَا وَقَعَ الْمُحَلَّى بِأَلْ خَبَرًا...» کی تشریح ۲۸۴

۴۷ سبق نمبر ۴۷: مضاف الی المعرفہ لانے کی اغراض: اختصار، تعذرِ تعداد، تعظیم، تحقیر اور سآمت سے بچاؤ ۲۸۵
۴۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۸۵
۴۷.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۸۵
۴۷.۳ قولہ: «وَأَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ» کی تشریح ۲۸۷
۴۷.۴ قولہ: «هَذَا حَاجِبِي۔ حَاجِبٌ» کی تشریح ۲۸۸
۴۷.۵ قولہ: «وَالِاخْتِصَارِ لِضِيقِ الْمَقَامِ» کی تشریح ۲۸۹
۴۷.۶ قولہ: «هَوَايَ، هَوَايَ» کی تشریح ۲۹۱

۴۸ سبق نمبر ۴۸: منادیٰ کے نکات اور تنکیر (نکرہ لانے) کے دواعی: افراد، نوعیت، تعظیم، تحقیر، تکثیر، تقلیل، اخفاء اور عموم ۲۹۳
۴۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۹۳
۴۸.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۲۹۳
۴۸.۳ قولہ: «مَحْكِيٌّ عَن» کی تشریح ۲۹۵
۴۸.۴ قولہ: «لِفُلَانٍ مَالٌ» کی تشریح ۲۹۶
۴۸.۵ قولہ: «وَالْعُمُومِ بَعْدَ النَّفْيِ نَحْوُ مَا...» کی تشریح ۲۹۸

اَلْبَابُ الْخَامِسُ وَالسَّادِسُ وَالسَّابِعُ وَالثَّامِنُ وَالْخَاتِمَةُ (اطلاق و تقیید، قصر، وصل و فصل، ایجاز و اطناب و مساواۃ، اور اخراجِ کلام علیٰ خلافِ مقتضائے ظاہر و التفات (اسباق ۴۹ تا ۶۵)) ۳۰۰

۴۹ سبق نمبر ۴۹: الباب الخامس في الإطلاق والتقييد: جملے میں اطلاق و تقیید کا مفہوم اور مفاعیلِ خمسہ، حال، تمیز و استثناء سے تقیید ۳۰۱
۴۹.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۰۱
۴۹.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۰۱
۴۹.۳ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح ۳۰۲
۴۹.۴ قولہ: «وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا...» کی تشریح ۳۰۳
۴۹.۵ قولہ: «وَالْإِطْلَاقُ يَكُونُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ...» کی تشریح ۳۰۴
۴۹.۶ قولہ: «جَاءَنِي الْقَوْمُ» کی تشریح ۳۰۵
۴۹.۷ قولہ: «جَاءَنِي زَيْدٌ» کی تشریح ۳۰۶
۴۹.۸ قولہ: «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کی تشریح ۳۰۷
۴۹.۹ قولہ: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» کی تشریح ۳۰۷
۴۹.۱۰ قولہ: «وَتَكُونُ الْقُيُودُ مَحَطَّ الْفَائِدَةِ» کی تشریح ۳۰۹

۵۰ سبق نمبر ۵۰: نواسخ («كَانَ»، «إِنَّ»، «لَعَلَّ»، «لَيْتَ» اور افعالِ قلوب) کے ساتھ تقیید کی بلاغی اغراض ۳۱۰
۵۰.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۱۰
۵۰.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۱۰

۵۰.۳ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۳۱۱
۵۰.۴ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۳۱۲
۵۰.۵ قولہ: «كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا» کی تشریح ۳۱۳
۵۰.۶ قولہ: «كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا» کی تشریح ۳۱۴
۵۰.۷ قولہ: «أَوْ بِحَالَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي دَامَ» کی تشریح ۳۱۵
۵۰.۸ قولہ: «فَإِذَا قُلْتَ» کی تشریح ۳۱۶

۵۱ سبق نمبر ۵۱: ادواتِ شرط کے ساتھ تقیید اور «إِنْ» (امورِ مشکوکہ) و «إِذَا» (امورِ یقینیہ) کے استعمال کے لطیف فروق ۳۱۸
۵۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۱۸
۵۱.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۱۸
۵۱.۳ قولہ: «إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ» کی تشریح ۳۱۹
۵۱.۴ قولہ: «وَاسْتِيفَاءُ ذَلِكَ وَتَحْقِيقُ الْفَرْقِ...» کی تشریح ۳۲۰
۵۱.۵ قولہ: «فَإِنْ وَإِذَا لِلشَّرْطِ فِي الِاسْتِقْبَالِ» کی تشریح ۳۲۱
۵۱.۶ قولہ: «وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔ وَلَوْ...» کی تشریح ۳۲۲
۵۱.۷ قولہ: «فَإِذَا قُلْتَ» کی تشریح ۳۲۳
۵۱.۸ قولہ: «فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ» کی تشریح ۳۲۳
۵۱.۹ قولہ: «فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا...» کی تشریح ۳۲۵

۵۲ سبق نمبر ۵۲: حرفِ شرط «لَوْ» کے احکام وشواہد اور نفی کے طریقے («لَا»، «مَا»، «لَنْ»، «لَمْ»، «لَمَّا») اور ان کا فرق ۳۲۷
۵۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۲۷
۵۲.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۲۷
۵۲.۳ قولہ: «وَلَوْ عَلِمَ، لَوْ» کی تشریح ۳۲۸
۵۲.۴ قولہ: «وَيَتَفَرَّعُ عَلَى هَذَا» کی تشریح ۳۲۹
۵۲.۵ قولہ: «عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ» کی تشریح ۳۲۹
۵۲.۶ قولہ: «لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ» کی تشریح ۳۳۰
۵۲.۷ قولہ: «لَمَّا يَجْتَمِعِ النَّقِيضَانِ» کی تشریح ۳۳۱
۵۲.۸ قولہ: «فَلَمَّا فِي النَّفْيِ تُقَابِلُ قَدْ فِي...» کی تشریح ۳۳۲

۵۳ سبق نمبر ۵۳: توابع کے ساتھ تقیید: نعت (تمیز، کشف، مدح، ذم، تاکید، ترحم) اور تاکیدِ لفظی ومعنوی کے مقاصد ۳۳۴
۵۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۳۴
۵۳.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۳۴
۵۳.۳ قولہ: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ» کی تشریح ۳۳۵
۵۳.۴ قولہ: «يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُقْصَدُ مِنْهَا» کی تشریح ۳۳۶
۵۳.۵ قولہ: «الْجِسْمُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ» کی تشریح ۳۳۸

۵۳.۶ قولہ: «نَحْوُ حَضَرَ خَالِدٌ الْهُمَامُ» کی تشریح ۳۳۹
۵۳.۷ قولہ: «حَمَّالَةَ الْحَطَبِ» کی تشریح ۳۴۰

۵۴ سبق نمبر ۵۴: عطفِ بیان، بدل (کل، بعض، اشتمال، غلط) اور عطفِ نسق کے ساتھ تقیید کی بلاغی اغراض ۳۴۲
۵۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۴۲
۵۴.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۴۲
۵۴.۳ قولہ: «رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» کی تشریح ۳۴۳
۵۴.۴ قولہ: «وَعَطْفُ النَّسَقِ يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي...» کی تشریح ۳۴۴
۵۴.۵ قولہ: «لِلْأَغْرَاضِ الَّتِي تُؤَدِّيهَا أَحْرُفُ...» کی تشریح ۳۴۵
۵۴.۶ قولہ: «سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ» کی تشریح ۳۴۶
۵۴.۷ قولہ: «سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ» کی تشریح ۳۴۷

۵۵ سبق نمبر ۵۵: الباب السادس في القصر: قصرِ حقیقی واضافی، قصرِ صفت وموصوف، اور قصرِ افراد، قلب وتعیین مع طرقِ اربعہ ۳۴۸
۵۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۴۸
۵۵.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۴۸
۵۵.۳ قولہ: «فَالْحَقِيقِيُّ مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ...» کی تشریح ۳۴۹
۵۵.۴ قولہ: «فَالْحَقِيقِيُّ مَا كَانَ الِاخْتِصَاصُ فِيهِ...» کی تشریح ۳۵۱
۵۵.۵ قولہ: «وَالْقَصْرُ الْإِضَافِيُّ يَنْقَسِمُ...» کی تشریح ۳۵۲
۵۵.۶ قولہ: «وَلِلْقَصْرِ طُرُقٌ مِنْهَا» کی تشریح ۳۵۳

۵۶ سبق نمبر ۵۶: الباب السابع في الوصل والفصل: وصل وفصل کی تعریف، واوِ عاطفہ کی خصوصیت اور مواضعِ وصل بالواوِ ۳۵۵
۵۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۵۵
۵۶.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۵۵
۵۶.۳ قولہ: «جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» کی تشریح ۳۵۶
۵۶.۴ قولہ: «جَاءَ هَؤُلَاءِ، جَاءَ» کی تشریح ۳۵۸
۵۶.۵ قولہ: «لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيهِ...» کی تشریح ۳۶۰
۵۶.۶ قولہ: «مَوَاضِعُ الْوَصْلِ بِالْوَاوِ» کی تشریح ۳۶۳
۵۶.۷ قولہ: «شَفَاهُ اللهُ، شَفَا» کی تشریح ۳۶۵

۵۷ سبق نمبر ۵۷: مواضعِ فصل (پانچ مقامات): کمالِ اتصال (بدل، عطفِ بیان، تاکید) اور کمالِ انقطاع کی تفصیل ۳۶۶
۵۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۶۶
۵۷.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۶۶
۵۷.۳ قولہ: «بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ اتِّحَادٌ تَامٌّ» کی تشریح ۳۶۸
۵۷.۴ قولہ: «أَوْ بِأَنْ تَكُونَ مُؤَكِّدَةً لَهَا» کی تشریح ۳۶۹

۵۷.۵ متن وشواہد: «وَقَالَ رَائِدُهُمْ أَرْسُوا نُزَاوِلُهَا» ۳۷۰
۵۷.۶ قولہ: «فَإِنَّهُ لَا مُنَاسَبَةَ فِي الْمَعْنَى بَيْنَ...» کی تشریح ۳۷۱

۵۸ سبق نمبر ۵۸: مواضعِ فصل کی تکمیل: شبہِ کمالِ اتصال (استئنافِ بیانی)، شبہِ کمالِ انقطاع اور توسط بین الکمالین مع الا یہام ۳۷۳
۵۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۷۳
۵۸.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۷۳
۵۸.۳ متن وشواہد: «زَعَمَ الْعَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ» ۳۷۴
۵۸.۴ قولہ: «وَلَكِنْ غَمْرَتِي لَا تَنْجَلِي» کی تشریح ۳۷۵
۵۸.۵ قولہ: «وَتَظُنُّ سَلْمَى أَنَّنِي أَبْغِي بِهَا بَدَلًا...» کی تشریح ۳۷۶
۵۸.۶ قولہ: «اللهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ» کی تشریح ۳۷۸

۵۹ سبق نمبر ۵۹: الباب الثامن في الإيجاز والإطناب والمساواة: کلامِ بلیغ کے تین طرق اور مساوات وایجاز کے شواہد ۳۸۰
۵۹.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۸۰
۵۹.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۳۸۰
۵۹.۳ قولہ: «وَالْإِيجَازُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى...» کی تشریح ۳۸۲
۵۹.۴ متن وشواہد: «قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ» ۳۸۳
۵۹.۵ قولہ: «فَإِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرَضِ سُمِّيَ إِخْلَالًا» کی تشریح ۳۸۴
۵۹.۶ قولہ: «مِنْ عَيْشِ مَنْ» کی تشریح ۳۸۴
۵۹.۷ قولہ: «فَإِذَا لَمْ تَكُنْ فِي» کی تشریح ۳۸۶

۶۰ سبق نمبر ۶۰: دواعیِ ایجاز واطناب اور اقسامِ ایجاز: ایجازِ قصر اور ایجازِ حذف (حذفِ حرف، اسم، فعل، شرط، جوابِ شرط وجملہ) ۳۸۹
۶۰.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۸۹
۶۰.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۸۹
۶۰.۳ قولہ: «وَيُسَمَّى إِيجَازَ قِصَرٍ» کی تشریح ۳۹۰
۶۰.۴ قولہ: «مِنْ تَرْكِهِ» کی تشریح ۳۹۲
۶۰.۵ متن وشواہد: «فَقُلْتُ يَمِينَ اللهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا» ۳۹۴
۶۰.۶ قولہ: «وَحَذْفُ الْجُمْلَةِ» کی تشریح ۳۹۵
۶۰.۷ قولہ: «فَأَرْسِلُونِ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ» کی تشریح ۳۹۷

۶۱ سبق نمبر ۶۱: اقسامِ اطناب: ذکرِ خاص بعد العام، ذکرِ عام بعد الخاص، ایضاح بعد الا بہام، توشیح اور تکریر لغرض ۳۹۸
۶۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۹۸
۶۱.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۹۸
۶۱.۳ قولہ: «أَقْسَامُ الْإِطْنَابِ» کی تشریح ۳۹۹
۶۱.۴ قولہ: «وَمِنْهَا ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ» کی تشریح ۴۰۰

۶۱.۵ متن وشواہد: «أُمْسِي وَأُصْبِحُ مِنْ تَذْكَارِكُمْ وَصِبًا» ۴۰۱
۶۱.۶ متن وشواہد: «وَإِنَّ امْرَأً دَامَتْ مَوَاثِيقُ عَهْدِهِ» ۴۰۲
۶۱.۷ قولہ: «وَكَزِيَادَةِ التَّرْغِيبِ فِي الْعَفْوِ فِي...» کی تشریح ۴۰۲
۶۱.۸ قولہ: «وَمِنْهَا الِاعْتِرَاضُ وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ...» کی تشریح ۴۰۳
۶۱.۹ متن وشواہد: «إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبُلِّغْتَهَا» ۴۰۴
۶۱.۱۰ قولہ: «وَنَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى» کی تشریح ۴۰۵

۶۲ سبق نمبر ۶۲: اقسامِ اطناب کی تکمیل: ایغال، تذییل (جاری مجریٰ المثل وغیر جاری)، تکمیل (احتراس)، تتمیم اور اعتراض ۴۰۶
۶۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۰۶
۶۲.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۰۶
۶۲.۳ متن وشواہد: «وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ» ۴۰۷
۶۲.۴ قولہ: «فِي رَأْسِهِ نَارٌ» کی تشریح ۴۰۸
۶۲.۵ قولہ: «وَهُوَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جَارِيًا مَجْرَى...» کی تشریح ۴۰۸
۶۲.۶ قولہ: «وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ» کی تشریح ۴۰۹
۶۲.۷ متن وشواہد: «فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا» ۴۱۰
۶۲.۸ قولہ: «وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ» کی تشریح ۴۱۱

۶۳ سبق نمبر ۶۳: الخاتمۃ في إخراج الكلام على خلاف مقتضى الظاهر: خلافِ مقتضائے ظاہر کا مفہوم اور ماضی ومضارع کا تبادلہ استعمال ۴۱۲
۶۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۱۲
۶۳.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۱۲
۶۳.۳ قولہ: «اَلْخَاتِمَةُ فِي إِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلَى...» کی تشریح ۴۱۳
۶۳.۴ قولہ: «تَنْزِيلُ الْعَالِمِ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ أَوْ...» کی تشریح ۴۱۵
۶۳.۵ قولہ: «وَكَقَوْلِكَ لِلسَّائِلِ الْمُسْتَبْعِدِ حُصُولَ...» کی تشریح ۴۱۶
۶۳.۶ قولہ: «صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کی تشریح ۴۱۷
۶۳.۷ قولہ: «وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ» کی تشریح ۴۱۸

۶۴ سبق نمبر ۶۴: خلافِ مقتضائے ظاہر کی صورتیں: خبر وانشاء کا تبادلہ، اور مضمر کی جگہ مظہر اور مظہر کی جگہ مضمر لانا ۴۱۹
۶۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۱۹
۶۴.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۴۱۹
۶۴.۳ قولہ: «لَوْ يُطِيعُكُمْ» کی تشریح ۴۲۰
۶۴.۴ قولہ: «أَيْ وَضْعُ الْإِنْشَاءِ مَوْضِعَ الْخَبَرِ» کی تشریح ۴۲۱
۶۴.۵ قولہ: «وَمِنْهَا الْإِضْمَارُ فِي مَقَامِ الْإِظْهَارِ...» کی تشریح ۴۲۳
۶۴.۶ قولہ: «وَتَمْكِينُ مَا بَعْدَ الضَّمِيرِ فِي نَفْسِ...» کی تشریح ۴۲۵

۶۴.۷ قولہ: «أَنَا آمُرُكَ» کی تشریح ۴۲۶

۶۵ سبق نمبر ۶۵: صنعتِ التفات (تکلم، خطاب اور غیبت کا تبادلہ)، تغلیب اور اسلوبِ حکیم کی دو اقسام ۴۲۷
۶۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۲۷
۶۵.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۲۷
۶۵.۳ قولہ: «إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ» کی تشریح ۴۲۸
۶۵.۴ قولہ: «أَيْ أَرْجِعُ» کی تشریح ۴۲۹
۶۵.۵ قولہ: «وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ وَهُوَ سَوْقُ...» کی تشریح ۴۳۰
۶۵.۶ متن وشواہد: «أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ مَا لَكَ مُورِقًا» ۴۳۱
۶۵.۷ قولہ: «وَمِنْهَا أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ» کی تشریح ۴۳۲
۶۵.۸ قولہ: «كَقَوْلِ الْقَبَعْثَرَى لِلْحَجَّاجِ» کی تشریح ۴۳۵
۶۵.۹ قولہ: «وَمِنْهَا التَّغْلِيبُ» کی تشریح ۴۳۶
۶۵.۱۰ قولہ: «وَالْمُخَاطَبِ عَلَى غَيْرِهِ» کی تشریح ۴۳۷

اَلْفَنُّ الثَّانِي: عِلْمُ الْبَيَانِ (اَلتَّشْبِيهُ، اَلْمَجَازُ، وَالْكِنَايَةُ) (تشبیہ کے ارکان، اقسام اور اغراض، مجازِ لغوی، استعارہ کی اقسام، مجازِ مرسل، مجازِ مرکب، مجازِ عقلی اور کنایہ (اسباق ۶۶ تا ۷۴)) ۴۳۹

۶۶ سبق نمبر ۶۶: الفن الثاني (علم البيان): علمِ بیان کی تعریف وموضوع اور تشبیہ کی تعریف وارکانِ اربعہ (طرفینِ حسی وعقلی) ۴۴۰
۶۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۴۰
۶۶.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۴۰
۶۶.۳ قولہ: «زَيْدٌ كَالْبَحْرِ. زَيْدٌ كَالْبَحْرِ» کی تشریح ۴۴۱
۶۶.۴ قولہ: «اَلتَّشْبِيهُ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِي...» کی تشریح ۴۴۲
۶۶.۵ قولہ: «فَالْعِلْمُ مُشَبَّهٌ» کی تشریح ۴۴۳
۶۶.۶ قولہ: «وَالطَّرَفَانِ إِمَّا حِسِّيَّانِ» کی تشریح ۴۴۵
۶۶.۷ قولہ: «وَأَدَاةُ التَّشْبِيهِ» کی تشریح ۴۴۶
۶۶.۸ قولہ: «وَقَدْ يُذْكَرُ فِعْلٌ يُنْبِئُ عَنِ...» کی تشریح ۴۴۷

۶۷ سبق نمبر ۶۷: المبحث الثاني في أقسام التشبيه: طرفین، وجہِ شبہ اور اداتِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی تمام اقسام ۴۴۹
۶۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۴۹
۶۷.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۴۴۹
۶۷.۳ متن وشواہد: «كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُوسِنَا...» ۴۵۰
۶۷.۴ قولہ: «مُثَارَ النَّقْعِ، نَقْعٌ» کی تشریح ۴۵۱
۶۷.۵ قولہ: «وَتَشْبِيهُ مُرَكَّبٍ بِمُفْرَدٍ» کی تشریح ۴۵۲

٦٧.٦ قولہ: «تَرَيَا نَهَارًا مُشمِسًا» کی تشریح ٤٥٣
٦٧.٧ متن وشواہد: «كَأَنَّ قُلُوبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَيَابِسًا...» ٤٥٤
٦٧.٨ قولہ: «وَالْمَفْرُوقُ أَنْ يُؤْتَى بِمُشَبَّهٍ...» کی تشریح ٤٥٥
٦٧.٩ قولہ: «وَإِنْ تَعَدَّدَ الْمُشَبَّهُ دُونَ الْمُشَبَّهِ...» کی تشریح ٤٥٥
٦٧.١٠ متن وشواہد: «كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَنْ لُؤْلُؤٍ مُنَضَّدٍ أَوْ...» ٤٥٦
٦٧.١١ قولہ: «كَتَشْبِيهِ الثُّرَيَّا بِعُنْقُودِ الْعِنَبِ...» کی تشریح ٤٥٧
٦٧.١٢ متن وشواہد: «وَثَغْرُهُ فِي صَفَاءٍ وَأَدْمُعِي كَاللَّآلِي» ٤٥٧
٦٧.١٣ قولہ: «وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ أَدَاتِهِ إِلَى...» کی تشریح ٤٥٨
٦٧.١٤ متن وشواہد: «وَالرِّيحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُونِ وَقَدْ جَرَى...» ٤٥٩

٦٨ سبق نمبر ٦٨: المبحث الثالث في أغراض التشبيہ: بیانِ امکانِ مشبہ، بیانِ حال، بیانِ مقدارِ حال اور تقریرِ حال کے شواہد ٤٦٠
٦٨.١ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ٤٦٠
٦٨.٢ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ٤٦٠
٦٨.٣ قولہ: «فَإِنْ تَفُقِ الْأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ،...» کی تشریح ٤٦١
٦٨.٤ قولہ: «وَإِمَّا بَيَانُ مِقْدَارِ حَالِهِ» کی تشریح ٤٦٢
٦٨.٥ قولہ: «وَإِمَّا تَقْرِيرُ حَالِهِ» کی تشریح ٤٦٤

٦٩ سبق نمبر ٦٩: اغراضِ تشبیہ کی تکمیل (تزیین، تقبیح، استطراف)، تشبیہِ مقلوب، اور بحثِ مجازِ لغوی واستعارہ کا آغاز ٤٦٥
٦٩.١ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ٤٦٥
٦٩.٢ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ٤٦٥
٦٩.٣ قولہ: «وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ. بَدَا...» کی تشریح ٤٦٦
٦٩.٤ قولہ: «جَاءَ أَسَدٌ» کی تشریح ٤٦٨
٦٩.٥ قولہ: «مَعَ قَرِينَةٍ مَانِعَةٍ مِنْ إِرَادَةِ...» کی تشریح ٤٦٩
٦٩.٦ قولہ: «وَالْمَجَازُ إِنْ كَانَتْ عَلَاقَتُهُ...» کی تشریح ٤٧٠
٦٩.٧ قولہ: «أَيْ مِنَ الضَّلَالِ إِلَى الْهُدَى» کی تشریح ٤٧١

٧٠ سبق نمبر ٧٠: اقسامِ استعارہ: استعارہ مصرحہ (تصریحیہ)، استعارہ مکنیہ (بالکنایہ) اور استعارہ تخییلیہ کی تحقیق ٤٧٤
٧٠.١ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ٤٧٤
٧٠.٢ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ٤٧٤
٧٠.٣ قولہ: «فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ...» کی تشریح ٤٧٥
٧٠.٤ قولہ: «وَإِلَى مَكْنِيَّةٍ» کی تشریح ٤٧٦
٧٠.٥ قولہ: «وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى أَصْلِيَّةٍ» کی تشریح ٤٧٧
٧٠.٦ قولہ: «فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيمِهِ» کی تشریح ٤٧٨

۷۱ سبق نمبر ۷۱: استعارہ اصلیہ اور استعارہ تبعیہ (فعل، مشتق اور حرف میں استعارہ) اور قرینۂ استعارہ کا بیان ۴۸۰
۷۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۸۰
۷۱.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۸۰
۷۱.۳ قولہ: «هَذَا مَقْتَلُ فُلَانٍ۔ مَقْتَل» کی تشریح ۴۸۱
۷۱.۴ قولہ: «أُولَئِكَ عَلَى هُدًى» کی تشریح ۴۸۲
۷۱.۵ قولہ: «زَيْدٌ عَلَى السَّطْ» کی تشریح ۴۸۴
۷۱.۶ قولہ: «أُولَئِكَ عَلَى هُدًى» کی تشریح ۴۸۶
۷۱.۷ متن و شواہد: «وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا» ۴۸۷
۷۱.۸ قولہ: «وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا» کی تشریح ۴۸۷

۷۲ سبق نمبر ۷۲: استعارہ مرشحہ، مجردہ و مطلقہ اور مجازِ مرسل کے نو علاقے (سببیت، مسببیت، کلیت، جزئیت، محلیت، حالیت وغیرہ) ۴۸۹
۷۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۸۹
۷۲.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۸۹
۷۲.۳ قولہ: «وَتَنْقَسِمُ الِاسْتِعَارَةُ إِلَى مُرَشَّحَةٍ...» کی تشریح ۴۹۱
۷۲.۴ قولہ: «الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى» کی تشریح ۴۹۲
۷۲.۵ قولہ: «نَحْوُ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ...» کی تشریح ۴۹۲
۷۲.۶ قولہ: «الْمَجَازُ الْمُرْسَلُ: هُوَ مَجَازٌ عَلَاقَتُهُ...» کی تشریح ۴۹۴
۷۲.۷ قولہ: «وَالْمُسَبَّبِيَّةِ فِي قَوْلِكَ» کی تشریح ۴۹۵
۷۲.۸ قولہ: «وَالْمَحَلِّيَّةِ فِي نَحْوِ، فِي» کی تشریح ۴۹۶

۷۳ سبق نمبر ۷۳: مجازِ مرکب (مجازِ مرسل مرکب اور استعارہ تمثیلیہ) اور مجازِ عقلی (اسناد الی السبب، الزمان، المکان، المصدر) ۴۹۷
۷۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۹۷
۷۳.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۴۹۷
۷۳.۳ قولہ: «كَالْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ إِذَا اسْتُعْمِلَتْ...» کی تشریح ۴۹۸
۷۳.۴ قولہ: «فَلَيْسَ الْغَرَضُ مِنْ هَذَا الْبَيْتِ...» کی تشریح ۴۹۹
۷۳.۵ قولہ: «كَمَا يُقَالُ لِلْمُتَرَدِّدِ فِي أَمْرٍ» کی تشریح ۵۰۰
۷۳.۶ قولہ: «غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ» کی تشریح ۵۰۱
۷۳.۷ قولہ: «هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ...» کی تشریح ۵۰۱
۷۳.۸ قولہ: «هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ...» کی تشریح ۵۰۲
۷۳.۹ متن و شواہد: «أَشَابَ الصَّغِيرَ وَأَفْنَى الْكَبِيرَ» ۵۰۳
۷۳.۱۰ قولہ: «وَالْإِسْنَادُ إِلَى الْمَصْدَرِ» کی تشریح ۵۰۴
۷۳.۱۱ قولہ: «وَيُعْلَمُ مِمَّا سَبَقَ» کی تشریح ۵۰۵

۷۴ سبق نمبر ۷۴: بحثِ کنایہ: کنایہ کی تعریف، مکنی عنہ کے اعتبار سے تین اقسام (صفت، نسبت، موصوف) اور تلویح، رمز، ایماء و تعریض ۵۰۶
۷۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۰۶
۷۴.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۰۶
۷۴.۳ قولہ: «طَوِيلُ النِّجَادِ نِجَاد» کی تشریح ۵۰۷
۷۴.۴ متن وشواہد: «طَوِيلُ النِّجَادِ رَفِيعُ الْعِمَادِ» ۵۰۸
۷۴.۵ قولہ: «تُرِيدُ أَنَّهُ طَوِيلُ الْقَامَةِ سَيِّدٌ...» کی تشریح ۵۰۸
۷۴.۶ قولہ: «الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ...» کی تشریح ۵۰۹
۷۴.۷ متن وشواہد: «الضَّارِبِينَ بِكُلِّ أَبْيَضَ مِخْذَمٍ» ۵۱۰
۷۴.۸ قولہ: «وَالْكِنَايَةُ إِنْ كَثُرَتْ فِيهَا الْوَسَائِطُ...» کی تشریح ۵۱۱
۷۴.۹ متن وشواہد: «أَوَمَا رَأَيْتَ الْمَجْدَ أَلْقَى رَحْلَهُ» ۵۱۲
۷۴.۱۰ قولہ: «وَهُنَاكَ نَوْعٌ مِنَ الْكِنَايَةِ يَعْتَمِدُ...» کی تشریح ۵۱۲
۷۴.۱۱ قولہ: «زَيْدٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ» کی تشریح ۵۱۴

اَلْفَنُّ الثَّالِثُ: عِلْمُ الْبَدِيعِ — اَلْمُحَسِّنَاتُ الْمَعْنَوِيَّةُ (علمِ بدیع کی تعریف اور محسناتِ معنویہ: توریہ، ابہام، طباق، مقابلہ، تدبیج، ادماج، مراعاۃ النظیر، استخدام، جمع، تفریق، تقسیم، طی ونشر، مبالغہ، تجرید اور حسنِ تعلیل (اسباق ۷۵ تا ۸۱)) ۵۱۵

۷۵ سبق نمبر ۷۵: الفن الثالث (علم البدیع) — المحسنات المعنویۃ: علمِ بدیع کی تعریف اور توریہ، ابہام، توجیہ، طباق اور مقابلہ کا بیان ۵۱۶
۷۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۱۶
۷۵.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۱۶
۷۵.۳ قولہ: «وَهَذِهِ الْوُجُوهُ مَا يَرْجِعُ مِنْهَا إِلَى...» کی تشریح ۵۱۷
۷۵.۴ قولہ: «التَّوْرِيَةُ: أَنْ يُذْكَرَ لَفْظٌ لَهُ...» کی تشریح ۵۱۷
۷۵.۵ متن وشواہد: «يَا سَيِّدًا حَازَ لُطْفًا» ۵۱۸
۷۵.۶ قولہ: «إِيرَادُ الْكَلَامِ مُحْتَمِلًا لِوَجْهَيْنِ...» کی تشریح ۵۱۹
۷۵.۷ متن وشواہد: «بَارَكَ اللَّهُ لِلْحَسَنِ» ۵۲۰
۷۵.۸ متن وشواہد: «خَاطَ لِي عَمْرٌو قَبَا» ۵۲۰
۷۵.۹ متن وشواہد: «إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيحُ وَلَّتْ عَلِيلَةً» ۵۲۱
۷۵.۱۰ قولہ: «وَكَمْ غَدًا، غَد» کی تشریح ۵۲۱
۷۵.۱۱ متن وشواہد: «وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ» ۵۲۲
۷۵.۱۲ قولہ: «وَمِنَ الطِّبَاقِ الْمُقَابَلَةُ» کی تشریح ۵۲۳

۷۶ سبق نمبر ۷۶: محسناتِ معنویہ: صنعتِ تدبیج، ادماج، استتباع اور مراعاۃ النظیر (تناسب) مع شواہد ۵۲۴
۷۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۲۴
۷۶.۲ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۵۲۴

۷۶.۳ قولہ: «وَمِنْهُ التَّدْبِيجُ» کی تشریح ۵۲۴
۷۶.۴ قولہ: «الْإِدْمَاجُ۔ الْإِدْمَاجُ» کی تشریح ۵۲۵
۷۶.۵ قولہ: «وَمِنَ الْإِدْمَاجِ مَا يُسَمَّى...» کی تشریح ۵۲۶
۷۶.۶ قولہ: «مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ» کی تشریح ۵۲۷
۷۶.۷ قولہ: «فَقَدْ جَمَعَ بَيْنَ الْجَدِّ وَالْعَمِّ...» کی تشریح ۵۲۸
۷۶.۸ قولہ: «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ...» کی تشریح ۵۲۸

۷۷ سبق نمبر ۷۷: محسناتِ معنویہ: صنعتِ استخدام، استطراد اور افتنان کی تعریفات اور شعری شواہد ۵۲۹
۷۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۲۹
۷۷.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۲۹
۷۷.۳ قولہ: «أَرَادَ بِالشَّهْرِ الْهِلَالَ» کی تشریح ۵۳۰
۷۷.۴ قولہ: «وَإِنْ هُمُ شَبُّوهُ بَيْنَ جَوَانِحِي...» کی تشریح ۵۳۱
۷۷.۵ متن وشواہد: «وَإِنَّا أُنَاسٌ لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً» ۵۳۲
۷۷.۶ قولہ: «وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُولُ» کی تشریح ۵۳۲
۷۷.۷ قولہ: «هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ فَنَّيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ» کی تشریح ۵۳۳
۷۷.۸ متن وشواہد: «اصْبِرْ يَزِيدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ» ۵۳۴

۷۸ سبق نمبر ۷۸: محسناتِ معنویہ: صنعتِ جمع، تفریق اور تقسیم کی تینوں صورتوں کا مفصل بیان ۵۳۶
۷۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۳۶
۷۸.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۳۶
۷۸.۳ قولہ: «التَّفْرِيقُ: هُوَ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ...» کی تشریح ۵۳۷
۷۸.۴ قولہ: «فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ» کی تشریح ۵۳۷
۷۸.۵ متن وشواہد: «وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ» ۵۳۸
۷۸.۶ قولہ: «وَإِمَّا ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ» کی تشریح ۵۳۹
۷۸.۷ قولہ: «وَلَا يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ» کی تشریح ۵۳۹
۷۸.۸ قولہ: «وَإِمَّا ذِكْرُ أَحْوَالِ الشَّيْءِ» کی تشریح ۵۴۱
۷۸.۹ قولہ: «ثِقَالٌ إِذَا لَاقَوْا، ثِقَالٌ» کی تشریح ۵۴۱
۷۸.۱۰ قولہ: «سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَا وَمَشَايِخٍ» کی تشریح ۵۴۲

۷۹ سبق نمبر ۷۹: محسناتِ معنویہ: طی ونشر (لف ونشر)، ارسال المثل والکلام الجامع، مبالغہ (تبلیغ، اغراق، غلو) اور مغایرہ ۵۴۴
۷۹.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۴۴
۷۹.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۴۴
۷۹.۳ قولہ: «فَالسُّكُونُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّيْلِ» کی تشریح ۵۴۵
۷۹.۴ قولہ: «إِرْسَالُ الْمَثَلِ وَالْكَلَامِ الْجَامِعِ:...» کی تشریح ۵۴۶

۷۹.۵ قولہ: «يَكُونُ بَيْنَنَا كَامِلًا» کی تشریح ۵۴۶
۷۹.۶ قولہ: «الْمُبَالَغَةُ هِيَ ادِّعَاءُ بُلُوغِ وَصْفٍ فِي...» کی تشریح ۵۴۷
۷۹.۷ متن وشواہد: «نُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا» ۵۴۸
۷۹.۸ متن وشواہد: «تَكَادُ قِسِيُّهُ مِنْ غَيْرِ رَامٍ» ۵۴۸
۷۹.۹ قولہ: «الْمُغَايَرَةُ هِيَ مَدْحُ الشَّيْءِ بَعْدَ...» کی تشریح ۵۴۹

۸۰ سبق نمبر ۸۰: محسناتِ معنویہ: تاکید المدح بمایشبہ الذم کی دو ضربیں اور تاکید الذم بمایشبہ المدح کی دو ضربیں ۵۵۱
۸۰.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۵۱
۸۰.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۵۱
۸۰.۳ قولہ: «تَأْكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ» کی تشریح ۵۵۲
۸۰.۴ قولہ: «دَعْوَى الشَّيْءِ بِبَيِّنَةٍ» کی تشریح ۵۵۳
۸۰.۵ قولہ: «فَتًى كَمُلَتْ أَوْصَافُهُ» کی تشریح ۵۵۴
۸۰.۶ متن وشواہد: «هُوَ الْكَلْبُ إِلَّا أَنَّ فِيهِ مَلَالَةً» ۵۵۵

۸۱ سبق نمبر ۸۱: محسناتِ معنویہ کی تکمیل: تجرید، حسنِ تعلیل، ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ، اسلوبِ حکیم، مشاکلہ، مزاوجہ، عکس اور رجوع ۵۵۶
۸۱.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۵۶
۸۱.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۵۶
۸۱.۳ قولہ: «وَيَكُونُ بِمِنْ» کی تشریح ۵۵۷
۸۱.۴ قولہ: «أَوْ بِمُخَاطَبَةِ الْإِنْسَانِ نَفْسَهُ» کی تشریح ۵۵۸
۸۱.۵ قولہ: «أَوْ بِغَيْرِ ذَلِكَ» کی تشریح ۵۵۸
۸۱.۶ قولہ: «حُسْنُ التَّعْلِيلِ» کی تشریح ۵۵۹
۸۱.۷ متن وشواہد: «لَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ» ۵۶۰
۸۱.۸ قولہ: «اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى» کی تشریح ۵۶۰
۸۱.۹ متن وشواہد: «إِذَا مَا غَضِبْنَا غَضْبَةً مُضَرِيَّةً» ۵۶۱
۸۱.۱۰ متن وشواہد: «لَمْ يَطُلْ لَيْلِي وَلَكِنْ لَمْ أَنَمْ» ۵۶۱

اَلْمُحَسِّنَاتُ اللَّفْظِيَّةُ وَخَاتِمَةُ عِلْمِ الْبَدِيعِ (محسناتِ لفظیہ (تشابہ الاطراف، جناس، تصدیر، سجع، مقلوب، عکس، تشریع، موازبہ، ائتلاف) اور خاتمۂ کتاب: سرقاتِ شعریہ، اقتباس، تضمین، عقد وحل، تلمیح، حسنِ ابتداء، حسنِ تخلص اور حسنِ انتہاء (اسباق ۸۲ تا ۸۸)) ۵۶۳

۸۲ سبق نمبر ۸۲: المحسنات اللفظیۃ: محسناتِ لفظیہ ومعنویہ کا فرق، تشابہ الاطراف اور جناسِ تام کی چار اقسام (متماثل، مستوفیٰ، متشابہ، مفروق) ۵۶۴
۸۲.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۶۴
۸۲.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۶۴
۸۲.۳ قولہ: «فِيهَا مِصْبَاحٌ» کی تشریح ۵۶۵

۸۲.۴ متن وشواہد: «الْجِنَاسُ: هُوَ تَشَابُهُ اللَّفْظَيْنِ فِي...» ۵۶۶
۸۲.۵ قولہ: «وَهُوَ مُتَمَاثِلٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ...» کی تشریح ۵۶۷
۸۲.۶ قولہ: «لِعَيْنِ الدّ» کی تشریح ۵۶۷
۸۲.۷ قولہ: «وَمُتَشَابِهٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ...» کی تشریح ۵۶۸
۸۲.۸ قولہ: «وَمَفْرُوقٌ إِنْ لَمْ يَتَّفِقَا، نَحْوُ» کی تشریح ۵۶۸
۸۲.۹ متن وشواہد: «طَرَقْتُ الْبَابَ حَتَّى كَلَّ مَتْنِي» ۵۶۹
۸۲.۱۰ متن وشواہد: «إِنَّ فِي بُسْتَانِنَا نَارَنْجَنَا» ۵۶۹

۸۳ سبق نمبر ۸۳: جناسِ غیر تام کی چھ اقسام (محرف، مطرف، مذیل، مضارع، لاحق، جناسِ قلب) اور صنعتِ تصدیر (رد العجز علی الصدر) ۵۷۱
۸۳.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۷۱
۸۳.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۷۱
۸۳.۳ قولہ: «وَهُوَ مُحَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَ لَفْظَاهُ فِي...» کی تشریح ۵۷۲
۸۳.۴ متن وشواہد: «وَمُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِي عَدَدِ...» ۵۷۲
۸۳.۵ متن وشواہد: «يَمُدُّونَ مِنْ أَيْدٍ عَوَاصٍ عَوَاصِمِ» ۵۷۳
۸۳.۶ متن وشواہد: «إِذَا يَئِسَ الْإِنْسَانُ طَالَ لِسَانُهُ» ۵۷۳
۸۳.۷ متن وشواہد: «وَمُضَارِعٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِي حَرْفَيْنِ...» ۵۷۳
۸۳.۸ قولہ: «وَجِنَاسُ قَلْبٍ إِنِ اخْتَلَفَا فِي تَرْتِيبِ...» کی تشریح ۵۷۴
۸۳.۹ قولہ: «اللَّفْظَيْنِ الْمُكَرَّرَيْنِ» کی تشریح ۵۷۵
۸۳.۱۰ قولہ: «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَتَخْشَى النَّاسَ...» کی تشریح ۵۷۵
۸۳.۱۱ متن وشواہد: «وَفِي النَّظْمِ: أَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمَا فِي...» ۵۷۶
۸۳.۱۲ متن وشواہد: «سَرِيعٌ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ» ۵۷۶

۸۴ سبق نمبر ۸۴: محسناتِ لفظیہ: صنعتِ سجع (مطرف، متوازی، مرصع)، مقلوب (مالا یستحیل بالانعکاس)، عکس، تشریع اور موازبہ ۵۷۸
۸۴.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۷۸
۸۴.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۷۸
۸۴.۳ قولہ: «مُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَتِ الْفَاصِلَتَانِ فِي...» کی تشریح ۵۷۹
۸۴.۴ قولہ: «وَمُتَوَازٍ إِنِ اتَّفَقَتَا فِيهِ» کی تشریح ۵۷۹
۸۴.۵ قولہ: «مَا لَا يَسْتَحِيلُ بِالِانْعِكَاسِ وَيُسَمَّى...» کی تشریح ۵۸۰
۸۴.۶ قولہ: «وَ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾» کی تشریح ۵۸۰
۸۴.۷ متن وشواہد: «التَّشْرِيعُ: هُوَ بِنَاءُ الْبَيْتِ عَلَى...» ۵۸۱
۸۴.۸ متن وشواہد: «يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي عَمَّ الْوَرَى» ۵۸۱
۸۴.۹ متن وشواہد: «يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي» ۵۸۲
۸۴.۱۰ متن وشواہد: «الْمُوَارَبَةُ: هِيَ أَنْ يَجْعَلَ...» ۵۸۲

۸۴.۱۱ متن وشواہد: «لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ» ۵۸۳

۸۵ سبق نمبر ۸۵: اختلاف اللفظ مع اللفظ اور خاتمۂ علم بدیع کا آغاز: سرقاتِ شعریہ کی پہلی قسم (نسخ وانتحال) ۵۸۴
۸۵.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۸۴
۸۵.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۸۴
۸۵.۳ قولہ: «لَا تَفْتَأُ» کی تشریح ۵۸۵
۸۵.۴ متن وشواہد: «خَاتِمَةٌ: سَرِقَةُ الْكَلَامِ أَنْوَاعٌ» ۵۸۵
۸۵.۵ قولہ: «سَرِقَةُ الْكَلَامِ أَنْوَاعٌ» کی تشریح ۵۸۵
۸۵.۶ متن وشواہد: «إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ» ۵۸۶
۸۵.۷ قولہ: «وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى نَسْخًا وَانْتِحَالًا» کی تشریح ۵۸۶
۸۵.۸ متن وشواہد: «دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُغْيَتِهَا» ۵۸۷
۸۵.۹ قولہ: «لَا تَرْحَلْ» کی تشریح ۵۸۷
۸۵.۱۰ متن وشواہد: «وَقَرِيبٌ مِنْهُ أَنْ تُبَدَّلَ الْأَلْفَاظُ...» ۵۸۸
۸۵.۱۱ متن وشواہد: «بِيضُ الْوُجُوهِ كَرِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ» ۵۸۸

۸۶ سبق نمبر ۸۶: خاتمۂ علم بدیع: سرقہ کی دیگر اقسام (اغارہ ومسخ، المام وسلخ)، صنعتِ اقتباس اور صنعتِ تضمین (ایداع) ۵۸۹
۸۶.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۸۹
۸۶.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۸۹
۸۶.۳ متن وشواہد: «هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ» ۵۹۰
۸۶.۴ قولہ: «وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلًا» کی تشریح ۵۹۰
۸۶.۵ متن وشواہد: «وَمِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَحْدَهُ...» ۵۹۰
۸۶.۶ قولہ: «رَثَى يَرْثِي رِثَاءً وَمَرْثِيَةً» کی تشریح ۵۹۱
۸۶.۷ متن وشواہد: «وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا» ۵۹۱
۸۶.۸ اب خاتمے کا دوسرا عنوان آرہا ہے بھئی ۵۹۱
۸۶.۹ قولہ: «هُوَ أَنْ يُضَمَّنَ الْكَلَامُ شَيْئًا مِنَ...» کی تشریح ۵۹۲
۸۶.۱۰ قولہ: «لَا تَكُنْ ظَالِمًا» کی تشریح ۵۹۲
۸۶.۱۱ قولہ: «خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ» کی تشریح ۵۹۳
۸۶.۱۲ قولہ: «{إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ}» کی تشریح ۵۹۳
۸۶.۱۳ قولہ: «وَيُسَمَّى الْإِيدَاعَ» کی تشریح ۵۹۳
۸۶.۱۴ متن وشواہد: «فَبِاللَّهِ أَبْلُغْ مَا أَرْتَجِي» ۵۹۴
۸۶.۱۵ متن وشواہد: «أَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا» ۵۹۴
۸۶.۱۶ متن وشواہد: «هُوَ ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا» ۵۹۵

۸۷ سبق نمبر ۸۷: خاتمۂ علم بدیع: صنعتِ عقد و حل، صنعتِ تلمیح، اور حسنِ ابتداء و براعۃ الاستہلال ۵۹۶
۸۷.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۹۶
۸۷.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۵۹۶
۸۷.۳ متن و شواہد: «وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوسِ فَإِنْ تَجِدْ» ۵۹۶
۸۷.۴ متن و شواہد: «وَالثَّانِي نَحْوُ قَوْلِهِ: الْعِيَادَةُ...» ۵۹۷
۸۷.۵ متن و شواہد: «إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُودُكُمُ» ۵۹۷
۸۷.۶ قولہ: «لَمَحَ يَلْمَحُ» کی تشریح ۵۹۸
۸۷.۷ متن و شواہد: «يَا لَبَكْرٍ أَنْشِرُوا لِي كُلَيْبًا» ۵۹۸
۸۷.۸ متن و شواہد: «الْمُسْتَجِيرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهِ» ۵۹۹
۸۷.۹ متن و شواہد: «لَعَمْرُو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارُ تَلْتَظِي» ۵۹۹
۸۷.۱۰ قولہ: «عَمْرٌو، الرَّمْضَاءِ» کی تشریح ۵۹۹
۸۷.۱۱ قولہ: «حَسَنَ السَّبْكِ» کی تشریح ۶۰۰
۸۷.۱۲ متن و شواہد: «الْمَجْدُ عُوفِيَ إِذْ عُوفِيتَ وَالْكَرَمُ» ۶۰۰
۸۷.۱۳ متن و شواہد: «قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَسَلَامُ» ۶۰۱

۸۸ سبق نمبر ۸۸: ختمِ کتاب: حسنِ تخلص، براعۃ الطلب، حسنِ انتہاء و براعۃ المقطع اور تکمیلِ کتاب پر جامع مسنون دعا ۶۰۲
۸۸.۱ متنِ دروس البلاغہ (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۰۲
۸۸.۲ مباحثِ سبق کی تمہید اور توضیحِ عبارت ۶۰۲
۸۸.۳ متن و شواہد: «دَعَتِ النَّوَى بِفِرَاقِهِمْ فَتَشَتَّتُوا» ۶۰۳
۸۸.۴ قولہ: «بَرَاعَةُ الطَّلَبِ» کی تشریح ۶۰۳
۸۸.۵ تکمیلِ کتاب پر سنت کے مطابق اختتامی دعائے خیر و برکت ۶۰۵

تفصیلی فہرستِ مضامین و عناوین ۶۰۷